المصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

سورۂ فاتحہ ——— سورۂ آل عمران

امام ابوالفدا، عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ — ۷۷٤ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق و نظرثانی:

شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام

دارالسلام

DARUSSALAM

المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

1

© مكتبة دارالسلام، ١٤٢٨ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
ابن كثير، اسماعيل بن عمر
تفسير ابن كثير - الجزء الاول. / اسماعيل بن عمر بن كثير - الرياض ١٤٢٨ هـ
ص: ٧٧٥ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ١-١-٩٩١٩-٩٩٦٠
(النص باللغة الاردية)
١- القرآن - التفسير بالمأثور أ. العنوان
ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٢٨/٢٣٧٥
رقم الإيداع: ١٤٢٨/٢٣٧٥
ردمك: ١-١-٩٩١٩-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.dar-us-salam.com

● طریق مکہ-العُلیا-الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز-الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
● مدینہ منورہ: 00966-04-8234446 فیکس: 04-8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328
● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624
لندن فون: 4885 539 208 0044 فیکس: 5394889 208
امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ مُون مارکیٹ اقبال ٹاؤن-لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

1

امام ابو الفدا عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ – ۷۷٤ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبد الجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق ونظر ثانی:

شعبہ تحقیق وتصنیف وترجمہ دار السلام

دار السلام
DARUSSALAM

بسم الله الرحمن الرحيم

ارشادِ باری تعالیٰ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

”بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔“ (بنیٓ اِسرآءیل: ۱۷/۹)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ

”یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب (پرعمل کرنے کی وجہ) سے قوموں کو سربلندی سے نوازتا اور اس سے (اعراض کرنے والی) دوسری قوموں کو پست کر دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 817)

تاجدارِ عالمِ بطحا کا جو فرمان تھا
کچھ نہ تھا اس کے سِوا سُنت تھی یا قرآن تھا
جب تلک یہ دِیں مُسلمانوں کا حرزِ جان تھا
اُن دِنوں اقبال اِن کے در پہ اِک دربان تھا

اجمالی فہرست

فہرست

سورۂ بقرہ

پارہ: 1

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو انسانوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ، شفاعت کا زینہ، شفا کا وسیلہ، علوم وفنون کا سرچشمہ اور حکمت ومعرفت کا منبع بنایا ہے۔ اس کی ضیاء پاشیاں زندہ دلوں کو روشنی اور مثبت ذہنوں کو جلا بخشتی ہیں۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے اسے ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ﴾ ''وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں۔'' ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''پرہیزگاروں کے لیے ہدایت۔'' ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے لیے رہنما۔'' ﴿الْفُرْقَانِ﴾ ''حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔'' ﴿الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ ''حکمتوں سے بھری کتاب۔'' ﴿هُدًى وَّ شِفَآءٌ﴾ ''(اہل ایمان کے لیے) ہدایت اور شفا۔'' ﴿الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ ''روشن کتاب'' ﴿لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ ''بڑی فضیلت اور حکمت والی کتاب۔'' ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ﴾ ''وہ بڑے رتبے والا قرآن جو کتابِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اور ﴿قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ ''عظیم الشان قرآن جو لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔'' قرار دیا ہے۔

نزولِ قرآن کے آغاز ہی سے اس کی تعلیم وتفہیم اور نشر واشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور روزِ محشر تک جاری وساری رہے گا۔ ہر ذی فہم اس کتاب کے متعلق کچھ کہہ کر، ہر صاحبِ قلم کچھ لکھ کر، ہر ذی شعور کچھ سمجھ کر، ہر صاحبِ علم کچھ سمجھا کر اور ہر طابع کچھ چھپوا کر اسے اپنے لیے باعثِ صد افتخار بناتا ہے۔ اسی سعادت کے حصول کے لیے محدثین کرام رحمہم اللہ نے کتب احادیث میں تفسیر قرآن، فضائل قرآن اور قراءت وغیرہ کے ابواب قائم کیے ہیں۔ جبکہ یہ کتب قرآن مجید کی زندہ تعبیر، یعنی رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ اور بعض محدثین ومفسرین رحمہم اللہ نے اس سلسلے میں انفرادی طور پر کتب ترتیب دیں جن کی وضاحت ''سخنہائے مترجم'' میں فاضل مترجم نے بطریق احسن کی ہے۔

علمائے امت نے مختلف ادوار میں قرآن کریم کے مضامین کی تفسیر کی اور اس میں بیان کردہ حِکَم واحکام، معانی وبیان، دلائل وبراہین، اصول ومبادیات، حادثات وواقعات، تجوید وقراءات، قراءتوں کا اختلاف، وجوہ اعراب، لہجوں کی اقسام، مضامینِ قرآن حتی کہ جغرافیائی اعتبار سے مقامات اور تاریخی اعتبار سے شخصیات کے متعلق گراں قدر تصنیفات رقم کیں۔ قرآن مجید کی تفسیروں میں سے اکثر کسی نہ کسی امتیازی خصوصیت کی حامل ہیں جو اہل علم کے نزدیک بہت وقیع اور مسلمہ ہیں لیکن بعض تفاسیر بقولِ اقبال ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

کی مصداق ہیں۔ اور کچھ تفاسیر محض عقلی وفلسفی موشگافیوں کے تناظر میں لکھی گئی ہیں۔ اس لیے تفسیر قرآن کا سب سے بہتر اسلوب وہی ہے جس میں خود قرآن، صاحب قرآن ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، ائمۂ عظام رحمہم اللہ اور سلف صالحین کی طرف سے رہنمائی حاصل ہو۔

مفسر قرآن، محدث جلیل اور مورخ عظیم حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی قابل اعتماد اسلوب کو اپنایا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مفسر رحمہ اللہ نے قرآنی آیات کو ایک دوسری کے استشہاد پر اس طرح پیش کیا ہے، گویا قرآنی آیتیں آپ کے سامنے موضوعاتی ترتیب کی لڑیوں میں پرودی گئی ہوں، آپ نے جسے زیادہ مناسب سمجھا اسے لکھ دیا اور باقی آیات کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے ہاں صاحبِ قرآن نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے استدلال کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی تفسیر میں بیان کردہ صرف مرفوع احادیث کی تعداد اعداد و شمار کے آئینے میں 7629 ہے۔ اور یہ تعداد صحیح بخاری کی کل احادیث سے زیادہ ہے جبکہ کتب ستہ کی باقی پانچ کتب میں سے ہر ایک کی احادیث کی تعداد صحیح بخاری کی احادیث سے کم ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں اقوالِ سلف کی تعداد بھی 5000 سے متجاوز ہے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں، تفسیر میں صرف ونحو کی بحثیں بھی ہیں، فقہ کے مسائل بھی، ائمہ کے اقوال بھی ہیں اور فقہاء کی آراء بھی، قراءتوں کا اختلاف بھی ہے اور حدیث کی تصحیح وتضعیف کا اہتمام بھی۔ ان سب خصوصیات کی بنا پر تفہیم قرآن کا یہ منفرد انداز اسے دوسری تمام تفاسیر سے ممتاز کر دیتا ہے کیونکہ جس ہستی پر قرآن کا نزول ہوتا رہا اس سے بہتر اس کے مفہوم کی ادائیگی اور کون کر سکتا ہے؟ اور جو متلاشیانِ حق براہِ راست اس چلتے پھرتے قرآن کی ورق گردانی کرتے رہے ان سے بہتر تفسیر وتوضیح کس سے ممکن ہے؟ تفسیر قرآن کا یہ وہ اسلوب ہے جس کے سامنے جاہلیت کی شاعری اور ادب ولغت لب بستہ ہو جاتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ دیگر کتب تفاسیر، جو احادیث وآثار ہی پر مبنی ہیں، ان کے مقابلے میں جس کثرت کے ساتھ تفسیر ابن کثیر میں قرآنی آیات سے استشہاد اور آیات ہی کے ذریعے سے دوسری آیات کی تفسیر وتوضیح کا کام لیا گیا ہے، ان میں وہ گوئے سبقت لے گئی ہے، نیز متقدمین میں تمام ائمہ تفسیر نے اپنی اپنی سند سے احادیث وآثار کو بیان کیا ہے۔ اس سے کتاب کی اہمیت تو دوچند ہو جاتی ہے لیکن ایسی بہت سی احادیث اور آثار رہ جاتے ہیں جنھیں مؤلف نے اپنے شیوخ سے اخذ نہ کیا ہو۔ مگر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کتب سماویہ، کتب تفسیر اور اس کے اصول، کتب احادیث، خواہ وہ مسانید ہوں یا سنن، جوامع ہوں یا معاجم، ان کا تعلق اصول حدیث سے ہو یا شروح حدیث سے، تاریخ سے ہو یا سِیَر سے، مغازی سے ہو یا تراجم سے، لغت سے ہو یا فضائل سے، تقریباً ہر قسم کی بنیادی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی مجموعی تعداد ڈاکٹر اسماعیل عبدالعال نے اپنی کتاب "ابن كثير و منهجه في التفسير" میں 217 بتائی ہے۔ اور یہ ایسی کتب ہیں جنھیں بنیادی مصادر ومراجع کی حیثیت حاصل ہے۔

تفسیر ابن کثیر کی انھی خصوصیات کے پیش نظر دار السلام نے افادۂ عام کے لیے عربی میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، بعد ازاں اس کی تہذیب "المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير" کے نام سے شائع کی جس کو دار السلام، الریاض کی علمی مجلس کے علمائے کرام قاری محمد اقبال عبدالعزیز حفظہ اللہ، حافظ عبدالمتین راشد حفظہ اللہ، شکیل احمد سلفی حفظہ اللہ نے مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کی نگرانی میں تہذیب کیا تھا۔ پھر اسی تہذیب کو انگریزی زبان میں پہلی دفعہ شائع کرنے کی سعادت بھی دار السلام کو حاصل ہوئی، اور اب الحمدللہ اسے اردو میں شائع کیا گیا ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس اردو ایڈیشن کی خصوصیات "اسلوبِ تحقیق وتخریج" میں درج ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا کام فاضل مترجم مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ نے بطریق احسن نبھایا ہے۔ قاری کے لیے پڑھتے ہوئے یہ فیصلہ مشکل ہوگا کہ یہ باقاعدہ کوئی کتاب ہے یا اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مزید براں اگر قاری عربی متن سامنے

رکھے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ یہ ترجمہ الفاظ کے کس قدر قریب تر ہے۔اس کی عبارات میں دریا کی سی روانی بھی ہے اور بلا کی سلاست بھی۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء! میں اس سلسلے میں فاضل مترجم کا انتہائی ممنون ہوں۔ علاوہ ازیں دارالسلام لاہور کے جنرل مینجر عزیزم حافظ عبدالعظیم اسد ﷾ بھی میرے شکریے کے بجا طور پر مستحق ہیں جن کی نگرانی میں یہ اہم ترین کام تکمیل کو پہنچا۔ اور میں شعبۂ تحقیق وتصنیف کے ذیلی شعبۂ ''تفسیر'' کے فضلاء قاری حافظ محمد اقبال صدیق مدنی، حافظ عبدالحمید، قاری حافظ عزیر احمد راشد، مولانا محمد عمران اقبال، حافظ عطاء الرحمٰن، مولانا مختار احمد ضیاء، مولانا تنویر احمد، حافظ محمد ندیم اور عزیزم حافظ محمد نعمان فاروقی کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے انتہائی لگن سے تفسیر ابن کثیر کی تحقیق، تخریج اور تصحیح ونظر ثانی کا کام انجام دیا۔ جزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء.

اسی طرح میں شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی ﷾ کا سپاس گزار ہوں جنھوں نے اس کا ''ابتدائیہ'' علمی انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ اور مولانا محمد عبدالجبار ﷾ نے امام ابن کثیر ؒ کے حالات زندگی قلمبند کیے اور محسن فارانی ﷾ نے تفسیر میں مقامات واعلام کے حوالے سے کمپیوٹر پر نقشے بنوا کر شامل کیے، میں ان دونوں حضرات، نیز کمپوزنگ سیکشن سے حفیظ الرؤف ہاشمی، آصف فراز انصاری، عتیق الرحمٰن، ابوذر اور زاہد محمود کا بھی نہایت ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ آمین یا رب العلمین.

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام، الریاض، لاہور

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

اسلوبِ تحقیق وتخریج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَل لَّہٗ عِوَجًا، أَمَّا بَعْدُ:

ہمارے ہاں تحقیق کا مفہوم صرف روایت کی صحت وسقم تک محدود ہے جبکہ کسی کتاب کی تحقیق سے مراد اس کے متن کی مراجعت (نظر ثانی) بھی ہوتی ہے جس میں کتاب اور اس کے مخطوطوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور مؤلف کا مافی الضمیر اور الفاظ کی ترکیب بھی ملحوظ خاطر ہوتی ہے۔ مزید براں اُس کتاب میں بیان کردہ احادیث وآثار، اسماء الرجال، واقعات اور ان سب کے مصادر ومراجع کے متعلق جانچ پڑتال بھی فن تحقیق کا ایک اہم باب ہے جس پر دستک دینے سے بیسیوں انکشافات اور سیکڑوں تسامحات کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب تفسیر ابن کثیر اردو ایڈیشن کی تحقیق وتخریج کے حوالے سے کام کا آغاز کیا گیا تو اس کے عربی نسخوں میں باہمی فرق کی بنا پر ہم نے یہ تجویز کیا کہ آج تک جن جن نسخوں پر تحقیقی کام ہوا ہے ان سے بھر پور استفادہ کیا جائے۔ ادارے نے ہماری ان تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے تفسیر سیکشن کا الگ سے اہتمام کیا جس میں کمپیوٹرائزڈ ریسرچ کے لیے مکتبہ تفسیر، مکتبہ حدیث، مکتبہ اصول فقہ، مکتبہ البانی اور دیگر بنیادی مراجع کی سی ڈیز مہیا فرمائیں جس سے حوالے کی تلاش اور اصل مراجع تک پہنچنے میں بے حد آسانی اور کام میں تیزی آ گئی۔ جزاهم الله أحسن الجزاء.

اس سلسلے میں تفسیر ابن کثیر کے متن کی مراجعت کے حوالے سے فضیلۃ الشیخ سامی بن محمد سلامہ ﷾، فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق مہدی ﷾ اور فضیلۃ الشیخ محمد حسین شمس الدین ﷾ کے محقق نسخے، نیز حال ہی میں شائع ہونے والا محقق نسخہ (مطبوعہ، دار عالم الکتب/ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ 1425ھ-2004م) جس میں پانچ محققین کی عرق ریزی شامل ہے، بھی ہمارے پیش نظر رہے۔ اس کے علاوہ فضیلۃ الشیخ مقبل بن ہادی ؒ فضیلۃ الشیخ ابو اسحاق حوینی اثری ﷾ کے نامکمل نسخوں سے بھی کچھ نہ کچھ مدد لی گئی۔

تفسیر ابن کثیر کی اس نہج پر تحقیق کے لیے ہمارے شوق کو معلم انسانیت ﷺ کے اس فرمان نے مہمیز لگائی: [نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیثًا، فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ] ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے ہم سے کسی حدیث کو سنا، پھر اسے جوں کا توں (آگے) پہنچا دیا۔'' (ابن حبان: 66) اور حفظِ حدیث اور حدیث کی نشر واشاعت کے شائقین کے لیے یہ گرانقدر اقدام ہے کہ متن حدیث کی مکمل تحقیق ہو اور ہو بھی محدثین کرام کی طرز پر کہ فلاں راوی سے یہ الفاظ موصول ہوئے اور فلاں راوی نے ان الفاظ سے حدیث رسول کو بیان کیا۔

ہمارے اس اقدام کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث کے سیاق وسباق کے مختلف ہونے یا سبب ورود کے بدل جانے سے حدیث کا مفہوم بدل جاتا ہے جیسا کہ دورانِ مطالعہ آپ کا گزران عقدہ کشائیوں سے ہوگا۔

اس طرزِ کار کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بسا اوقات تفسیر ابن کثیر میں کسی حدیث کا اختصار مفہوم میں باعثِ خلل محسوس ہوا اور بعض مقامات پر حدیث کو منسوب کرنے میں کچھ تسامحات معلوم ہوئے، غرضیکہ یہ ایک ایسا پنہاں پہلو تھا جس کی طرف توجہ کی اشد ضرورت تھی

مگراب تک چھپنے والے تفسیر ابن کثیر کے محقق نسخے بھی بجز معمولی سی تبدیلی کے اس سے خالی تھے۔

اس سلسلے میں علماء، کہنہ مشق محققین اور ماہرین کی مشاورت سے کام کے اسلوب کا مکمل جائزہ لیا گیا جس کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور دوران تحقیق پیش نظر رکھے گئے:

- امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے جس روایت کو باسند بیان کیا ہے اس میں اور مرجع میں ذکر کردہ الفاظِ حدیث میں اگر معمولی اختلاف ہے جس سے مفہوم میں فرق نہیں پڑتا، اسے بغیر نشاندہی کے مرجع کے مطابق کر دیا گیا ہے اور جہاں تفسیر اور مرجع میں کوئی تعارض، تناقض یا مفہوم کی تبدیلی واقع ہوئی ہے وہاں نشاندہی کر دی گئی ہے کہ تفسیر میں یہ الفاظ اس طرح تھے اور مرجع میں اس طرح ہیں۔
- اگر تفسیر میں بیان کردہ مکمل حدیث مرجع کے مطابق ہے تو بہت خوب، بصورت دیگر جو حصہ جس کتاب میں جس صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی مکمل وضاحت کی گئی ہے، خواہ اس طرح حدیث کے تین اجزا بن جائیں۔ اجزا کی علامت کے لیے یہ بریکٹ [] استعمال کی گئی ہے جبکہ کچھ مقامات پر کامے "،" اور واؤ "و" ہی کو علامت بنایا گیا ہے۔
- اور اگر ایک حصہ مختلف ہے یا کچھ الفاظ میں فرق ہے تو انھیں قوسین ( ) میں لکھ کر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ قوسین والے الفاظ فلاں کتاب کے ہیں۔
- اگر اختصار کے پیش نظر امام موصوف رحمہ اللہ نے کچھ حصہ حذف کیا ہے تو وہاں ''......'' کا نشان ہے اور جہاں اختصار، روایت میں خلل کا باعث ہے وہاں حاشیے میں ''ملحوظہ'' لکھا گیا ہے۔
- تخریج میں مطولاً اور مختصراً دونوں اسلوبوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔
- اگر حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کا سیاق مختلف ہے تو اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔
- جن روایات کے متعلق یہ مذکور نہیں تھا کہ یہ روایت کس صحابی سے مروی ہے، تو تخریج میں ان کے نام کی صراحت کر دی گئی ہے۔
- تخریج میں واللفظ لہ یعنی ''یہ الفاظ فلاں کتاب کے ہیں'' کا اہتمام بھی کیا گیا ہے لیکن اگر الفاظ تخریج میں درج پہلے حوالے کے مطابق ہیں تو وہاں واللفظ لہ نہیں لکھا گیا کیونکہ اس حوالے کا پہلے نمبر پر آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ الفاظ اس کتاب کے مطابق ہیں۔
- جن مقامات پر مفسر رحمہ اللہ نے احادیث بیان کرتے وقت، جوامع، مسانید اور کتب سنن وغیرہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں حتی المقدور تمام کتب کے حوالے درج کرنے کی سعی کی گئی ہے، اسی طرح اگر امام صاحب نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان احادیث کی بھی مکمل تخریج کر دی گئی ہے۔
- اسی طرح اگر حدیث بیان کرنے میں کسی غیر معروف کتاب کا حوالہ دیا گیا تھا تو اس حدیث کی تخریج میں کسی معروف کتاب کا حوالہ دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس ایڈیشن میں آیاتِ قرآنی، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ وائمہ حتی کہ فقہاء کی آراء اور اجتہادات کی تخریج بھی شامل ہے۔

تصحیح و تنقیح:

- المصباح المنیر فی تھذیب تفسیر ابن کثیر (عربی) جسے عالم اسلام کے مایۂ ناز اسکالر مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

کی علمی رہنمائی میں دارالسلام الریاض کے شعبۂ تحقیق نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا اور اسے علمی حلقوں میں بے حد پذیرائی نصیب ہوئی، اسی عربی نسخے کا اردو ایڈیشن تیار کرتے ہوئے مزید بعض ضعیف روایات کی تہذیب کا اہتمام کیا اور کچھ پر حکم ضعف لگا دیا گیا ہے۔ بعض روایات کے متعلق محققین کی آراء مختلف ہوتی ہیں، اس سلسلے میں ہم نے تساہل اور تشدد دونوں سے کنارہ کشی کی ہے۔ تخریج میں قارئین کو علامہ البانی رحمہ اللہ کے السلسلة الصحيحة، السلسلة الضعيفة اور إرواء الغليل وغیرہ کے حوالے بھی جا بجا ملیں گے۔ یہ حوالے بھی ہمارے اسی اسلوب کی تکمیل ہیں۔

- ''دیکھیے'' کا لفظ وہاں لکھا گیا ہے جہاں مزید کوئی فائدہ مقصود ہے۔
- بسا اوقات ہم نے شروحات کو مدنظر اور حدیث کے بہت سے طرق کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ (اَلْحَدِيثُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔) ممکن ہے قاری کے سامنے ایسی چیزیں بھی آئیں کہ اس نے ان کا مفہوم اس سے مختلف پڑھا، لکھا، سمجھا یا سنا ہو تو اس سلسلے میں ہمارا پیش کردہ مفہوم اس کے لیے باعث تشویش نہ بنے۔
- تخریج کے لیے ہم نے جن کتابوں کے مطبوعہ نسخوں سے مدد لی ہے ان کے نام پہلی جلد کے آخر میں درج کر دیے ہیں اور ہر طبع کے اس صفحہ نمبر کا اعتبار کیا ہے جو قدیم طبع کے مطابق ایک طرف درج ہوتا ہے۔
- وللہ الحمد...... اس تخریج میں بے شمار ملحوظات، ان گنت فوائد اور سیکڑوں تعلیقات شامل ہیں۔
- مفسر رحمہ اللہ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے یا آگے آئے گی تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ کس آیت کے ذیل میں کس عنوان کے تحت گزری ہے یا کہاں آئے گی۔
- اس تحقیقی نسخے میں اہم مقامات کے مستند اور رنگین توضیحی نقشے بھی دیے گئے ہیں جو رکن ادارہ محترم محسن فارانی حفظہ اللہ کی فنی کاوش کا مظہر ہیں۔
- تمام اسماء، مقامات اور انساب کا صحیح تلفظ بھی اس ایڈیشن کی خوبیوں کو دوچند کرتا ہے۔
- اسلوبِ تفسیر کو بہتر سے بہتر اور جدید بنانے کے لیے رنگوں (کلر سکیم) سے بھی مدد لی گئی ہے۔

ان تمام تحقیقی کاوشوں میں دارالسلام لاہور کے شعبۂ تصنیف وتالیف کے مدیر محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی لحہ بہ لحہ رہنمائی وسرپرستی اور دیگر رفقائے ادارہ کی علمی معاونت حاصل رہی ہے۔ جزاهم الله أحسن الجزاء في الدنيا والآخرة.

ہماری اس حقیر سی کاوش میں جو بھی خوبی ہے وہ اللہ احکم الحاکمین کی طرف سے ہے اور جو خامی ہے وہ ہماری کوتاہی ہے۔ علمائے کرام، محققین اور قارئین سے التماس ہے کہ اس تحقیقی کاوش میں کوئی فروگزاشت یا سہو دیکھیں تو ہماری رہنمائی فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس سعی کو عامة المسلمین کے لیے سود مند بنائے۔

آمین، یارب العٰلمین!

شعبۂ تفسیر
ذیلی شعبۂ تحقیق وتصنیف وترجمہ
دارالسلام۔ لاہور

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

سخنہائے مترجم

اَلحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الصَّادِقِ الأَمِينِ ، مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحبِهِ أَجمَعِينَ، وَمَن تَبِعَهُم بِإِحسَانٍ إِلٰى يَومِ الدِّينِ.

قرآن مجید اس اللہ رب ذوالجلال والاکرام، مالک الملک اور احکم الحاکمین کا کلام ہے کہ آسمان کے ستارے، سورج کی روشنی، چاند کی چمک، ستاروں کی جگمگاہٹ، زمین کی وسعت اور کائنات کا ذرہ ذرہ جس کی عظمت و رفعت اور کبریائی و جلالت کا گواہ ہے۔ اور کلام کا اندازہ متکلم کی عظمت و شان سے لگایا جاتا ہے، اس معیار اور پیمانے کے مطابق بھی یہ کلام پاک تمام مخلوقات کے کلام سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ خود اسے نازل کرنے والے نے فرمایا ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط﴾ (الحشر 21:59)

”اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا (اور) پھٹا جاتا ہے۔“

انسانی دل کی پہاڑوں کی قوت و طاقت کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور رحمت کے ساتھ اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کا اس اُفشُردہ نور کے نازل کرنے کے لیے انتخاب فرمایا اور انھیں اس کے تحمل کی استعداد اور صلاحیت عطا فرمادی، پھر کائنات کے اس امام اور سب سے بڑے قاری نے جب اسے پڑھا تو زمین و آسمان وجد میں آگئے، فرشتے دم بخود رہ گئے، جنوں کے لبوں پر سکوت کی مہریں لگ گئیں اور انسان جھک جھک پڑے ۔

دریا کا جوش رک گیا، طوفاں تھم گیا
جو تھا جہاں لرز کے اس جا پہ جم گیا

قرآن مجید کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے والے کو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [خَيرُكُم مَّن تَعَلَّمَ القُرآنَ وَعَلَّمَهُ] ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔“①

قرآن مجید کے پڑھنے اور نہ پڑھنے والے میں جو فرق ہے، نبی اکرم ﷺ نے اسے ان مثالوں سے واضح فرمایا ہے:

[اَلمُؤمِنُ الَّذِي يَقرَأُ القُرآنَ وَيَعمَلُ بِهٖ كَالأُترُجَّةِ، طَعمُهَا طَيِّبٌ وَّرِيحُهَا طَيِّبٌ، وَّالمُؤمِنُ الَّذِي لَايَقرَأُ القُرآنَ وَيَعمَلُ بِهٖ كَالتَّمرَةِ طَعمُهَا طَيِّبٌ وَّلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ المُنَافِقِ الَّذِي يَقرَأُ القُرآنَ

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب: خيركم من ......، حديث:5027.

كَالرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ، وَّطَعْمُهَا مُرٌّ، وَّمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيثٌ وَّرِيحُهَا مُرٌّ]

''وہ مومن جوقرآن پڑھتا اوراس کے مطابق عمل کرتا ہے، نارنگی یا سنگترے کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی عمدہ ہے اور وہ مومن جوقرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے مطابق عمل کرتا ہے، کھجور کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ اچھا ہے مگر اس میں خوشبو نہیں اور اس منافق کی مثال جوقرآن پڑھتا ہے، پھول کے مانند ہے کہ اس کی خوشبو عمدہ مگر ذائقہ کڑوا ہے اور اس منافق کی مثال جوقرآن نہیں پڑھتا تمے کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ کڑوا یا ناپسندیدہ ہے اور اس کی خوشبو بھی کڑوی ہے۔''[1]

قرآن مجید کی فضیلت کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں، اختصار کے پیش نظر ہم صرف ایک اور حدیث بیان کرنے پر اکتفا کریں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: [مَنْ نَّفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَّسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَّلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ] ''جو شخص کسی مومن کی دنیا کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور فرما دے گا اور جس نے کسی تنگدست کے ساتھ آسانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا وآخرت میں آسانیاں فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا ہے۔ اور جو شخص طلب علم کے راستے پر چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ کو آسان بنا دے گا۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور آپس میں اسے سیکھیں اور سکھائیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، انھیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے، انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔ اور (یاد رہے) جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کو اس کا نسب آگے نہ لے جا سکے گا۔''[2]

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے قرآن مجید کی صرف فضیلت ہی بیان نہیں فرمائی بلکہ اس کی تفسیر وتشریح کی اور اس کا مفہوم بھی سمجھایا کیونکہ یہ آپ کے فرائض میں سے تھا۔ قرآن مجید کے چار مقامات پر آپ کے فرائض منصبی کے ضمن میں تعلیم کتاب وحکمت کو بھی بیان کیا گیا ہے،[3] علاوہ ازیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۝﴾ (النحل 44:16) ''اور ہم نے آپ پر (یہ) کتاب نازل کی ہے تا کہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل کیے گئے ہیں، ان کی تشریح آپ ان کے سامنے بیان کریں اور تا کہ وہ غور کریں۔''

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب إثم من راءی بقراءة القرآن......، حدیث:5059. [2] صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن......، حدیث:2699. [3] البقرة 151,129:2 وآل عمران 164:3 والجمعة 2:62.

رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت درحقیقت قرآن مجید ہی کے اجمال کی تفصیل، اطلاق کی تقیید، عموم کی تخصیص اور احکام ومسائل کی تشریح ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ حدیث وسنت نبوی قرآن مجید کے متن کی تفسیر ہے کیونکہ آپ کا ہر ارشاد اور ہر عمل قرآن مجید کی تفسیر وتشریح ہی تھا، علاوہ ازیں اگر آپ کسی آیت کے بارے میں ضرورت محسوس فرماتے تو اس کا مفہوم واضح فرما دیتے یا کسی کو کسی آیت کریمہ کے سمجھنے میں کوئی اشکال پیش آتا تو وہ آپ کی طرف رجوع کر کے اپنی تشفی کر لیتا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفسیر کرنا سنت ہے، آپ سے ثابت ہے اور آپ نے اس کے بارے میں حکم بھی دیا ہے الغرض! تفسیر کا علم نہایت مقدس ومبارک بھی ہے اور انتہائی احتیاط کا متقاضی بھی، کیونکہ اس کا موضوع کتاب اللہ ہے اور اس سے مقصود ومطلوب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کا صحیح علم حاصل کر کے اس کی اطاعت بجالائے تاکہ دنیا وآخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز ہو سکے۔

مسلمانوں کی علمی ترقی کا پہلا کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر ہی کی صورت میں سامنے آیا اور انھوں نے اس کے الفاظ واحکام اور ان سے مسائل کے استنباط واستخراج میں اپنی عمروں کو کھپا دیا۔ انھوں نے تفسیر قرآن سے متعلق ہر شعبے میں ایسے وسیع اور قیمتی ذخائر چھوڑے ہیں کہ سابقہ ادیان و مذاہب کے لوگوں کے ہاں اپنی مذہبی کتب کے حوالے سے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور عہد صحابہ سے اب تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

صحابۂ کرام کی تفسیری خدمات: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے خصوصاً خلفائے راشدین کا تفسیر قرآن میں مقام بہت بلند تھا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی تفسیر سے خصوصی شغف تھا۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ان کی روایت کا ذکر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کتاب اللہ میں نازل ہونے والی ہر ہر سورت کے بارے میں، میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی؟ اور کتاب اللہ کی ہر ایک نازل شدہ آیت کے متعلق میں جانتا ہوں کہ یہ کن کن کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کو کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم ہے تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے میں قطعاً دریغ نہ کروں گا، خواہ کتنا طویل سفر کر کے جانا پڑے۔"[1]

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تفسیر کے باب میں ایک بہت اونچا نام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد تھے اور آپ کی دعا کی برکت سے ترجمان القرآن کے منصب پر فائز تھے، آپ نے ان کے لیے دعائیں فرمائیں: [اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ] "اے اللہ! انھیں کتاب کا علم عطا فرما۔"[2] [اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ] "اے اللہ! انھیں دین میں فقاہت نصیب فرما۔"[3] [اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ] "اے اللہ! انھیں حکمت ودانش سکھا۔"[4]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تفسیر میں آپ کے مقام ومرتبے کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ ابن عباس قرآن مجید کے بہترین مفسر ہیں۔[5]

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب القرّاء من أصحاب رسول الله ﷺ، حديث:5002 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن مسعود وأمه رضي الله عنهما، حديث:2463. ② صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ......، حديث:75. ③ صحيح البخاري، الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، حديث:143. وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل عبدالله بن عباس رضي الله عنهما، حديث:2477. ④ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر ابن عباس رضي الله عنهما، حديث:3756. ⑤ تفسير الطبري:61/1 والمصنف لابن أبي شيبة:386/6، حديث:32210.

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کی جو تفسیریں منقول ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتابی صورت میں بھی لکھی گئی تھیں، ان میں سے تفسیر ابن عباس اور تفسیر ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اب تک موجود ہیں، یہ زیادہ تر مفرد اور غریب الفاظ کی تشریح، آیات احکام سے متعلق احادیث یا بعض آیات کی فقہی نقطۂ نظر سے تفسیر وتشریح پر مشتمل ہیں۔

تابعین اور تفسیر: تابعین میں سے امام مجاہد بن جَبْر تفسیر میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدا سے آخر تک مکمل قرآن مجید تین بار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح پڑھا کہ ان سے ایک ایک آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے سوال کا جب جواب دیتے تو فرماتے کہ اسے لکھ لو۔ [1] ابن ابوملیکہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مجاہد کے پاس اس وقت وہ دستاویزات بھی دیکھیں جن پر وہ لکھا کرتے تھے۔ [2] مجاہد کے علاوہ سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، عطا بن ابو رباح، حسن بصری، مسروق بن اجدع، سعید بن مسیّب، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، ضحاک بن مُزاحم کے علاوہ اور بھی بہت سے تابعین نے تفسیری خدمات انجام دیں۔ تفسیر کے باب میں ان کا اسلوب بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ہی تھا، البتہ اپنے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں پیش آنے والے نئے مسائل کے حل کی خاطر انھوں نے خود اپنی علمی بصیرت سے کام لے کر بھی تفسیر وتشریح کی۔

تبع تابعین اور تفسیر: تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں کتب تفسیر کی باقاعدہ تالیف کا آغاز ہو گیا تھا اور اس دور کی کتب میں رسول اللہ ﷺ سے مروی تفاسیر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے اقوال کو جمع کیا گیا جیسا کہ ابوعمرو بن علاء، شعبہ بن حجاج، سفیان ثوری، امام مالک، یونس بن حبیب اور وکیع بن جراح رحمہم اللہ کی کتب تفسیر میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا تھا، گویا یہ تفسیر بالماثور اسلوب کی پہلی کوشش تھی۔

تیسری صدی: اسی طرح تیسری صدی ہجری میں ابوعبید قاسم بن سلاّم رحمہ اللہ (223ھ) نے لغوی اور عقلی زاویہ نظر سے، علی بن حسن بن فضال رحمہ اللہ (224ھ) نے شیعی نقطۂ نظر سے، ابوسہل بن عبداللہ تُستَرِی رحمہ اللہ (283ھ) نے متصوفانہ اسلوب سے کتب تفسیر لکھیں۔ علاوہ ازیں بقی بن مَخْلَد قرطبی رحمہ اللہ (276ھ) کا بھی اسی دور سے تعلق ہے اور امام ابن حزم نے ان کی تفسیر کو بے نظیر تفسیر قرار دیا ہے۔

چوتھی صدی: چوتھی صدی ہجری میں ابوعلی جبائی (303ھ) نے معتزلی نقطۂ نظر سے، ابوالحسن اشعری (324ھ) نے اشعری، ابومنصور (333ھ) نے ماتریدی زاویۂ نگاہ سے تفسیریں لکھیں جبکہ اس دور کی جس تفسیر کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا ہے، وہ امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) کی تفسیر جامع البیان ہے جو ''تفسیر طبری'' کے نام سے معروف ہے اور تفسیر بالماثور کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

پانچویں صدی: پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن فُورک رحمہ اللہ (406ھ) نے کلامی انداز سے معانی القرآن، ابوعبدالرحمٰن سُلمی (412ھ) نے صوفیانہ اسلوب سے حقائق التفسیر، ابواسحاق احمد بن محمد ثَعلَبِی رحمہ اللہ (427ھ) نے لغوی وفقہی طریقے سے الکشف

---

[1] المعجم الكبير للطبراني:77/11، حديث: 11097 والمصنف لابن أبي شيبة، فضائل القرآن، في درس القرآن وعرضه:153/6، حديث:30278. [2] تفسير الطبري:62/1.

والبیان فی تفسیر القرآن اور ابوجعفر طُوسی (460ھ) نے شیعی نقطۂ نظر سے البیان فی تفسیر القرآن کے نام سے کتب تفسیر لکھیں، ان میں سے مؤخر الذکر کتاب خاصی ضخیم ہے اور بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

چھٹی صدی: چھٹی صدی ہجری میں جو کتب تفسیر منظر عام پر آئیں، ان میں سے امام بَغَوی رحمہ اللہ (516ھ) کی معالم التنزیل بطور خاص قابل ذکر ہے جو تفسیر بالماثور کے اصول کے تحت لکھی گئی اور جس میں فقہی واحکامی چاشنی بھی موجود ہے۔ علامہ زَمَخشَری (528ھ) کی مشہور تفسیر الکشاف بھی اسی دور کی یادگار ہے جس میں لغت، بلاغت اور علم کلام کے مسائل پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی ہے جبکہ عقائد میں معتزلی رنگ غالب ہے۔ علامہ طَبرِسی (528ھ) نے بھی اسی دور میں شیعی نقطۂ نظر سے مجمع البیان اور جوامع الجامع کے نام سے تفسیر کی دو کتابیں لکھیں۔

ساتویں صدی: ساتویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتب تفسیر میں سے امام رازی رحمہ اللہ (606ھ) کی مفاتیح الغیب جو تفسیر کبیر کے نام سے معروف ہے، امام ابوعبداللہ القرطبی المالکی رحمہ اللہ (671ھ) کی الجامع لأحکام القرآن جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (682ھ) کی أنوار التنزیل وأسرار التأویل جس نے تفسیر بیضاوی کے نام سے شہرت پائی، بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

آٹھویں صدی: آٹھویں صدی ہجری کی کتب تفسیر میں اگرچہ حافظ عبداللہ بن احمد نَسَفی رحمہ اللہ (701ھ) کی مدارك التنزیل اور دیگر کئی مفسرین کی کتب خاص مشہور ہیں لیکن اس میدان میں جو شہسوار سب پر سبقت لے گیا وہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (774ھ) ہیں جن کی تفسیر القرآن العظیم کو، جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے متداول ہے، وہ شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوا جو کسی اور کتاب کے حصے میں نہ آسکا۔ سطور بالا اسی جلیل القدر مفسر کی عظیم تفسیر کے تعارف کی تمہید کے طور پر لکھی گئی ہیں۔

تفسیر القرآن العظیم معروف بہ تفسیر ابن کثیر: آپ کی کتب میں سے سب سے زیادہ مشہور اور متداول تفسیر القرآن العظیم ہے جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے۔ اس تفسیر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے، نیز احادیث نبویہ، آثار صحابہ و تابعین اور اقوال سلف کی روشنی میں تفسیر کو بیان کیا گیا ہے۔ امام ابن کثیر احادیث کو اسانید کے ساتھ ذکر کرتے، ان کی تخریج کرتے اور جرح و تعدیل کے اعتبار سے بھی ان پر بحث فرماتے ہیں، نیز آپ تفسیر، علوم القرآن، حدیث اور اس کے اصول و رجال اور تاریخ، فقہ اور کلام کی جن کتب مصادر و مآخذ سے استفادہ کرتے ہیں، ان کا باقاعدہ ذکر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں جس منہج اور اسلوب کو اختیار کیا اور اسے خود کتاب کے مقدمے میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ قارئین کرام آگے ملاحظہ فرمائیں گے، اسی نمایاں اسلوب کی وجہ سے اس کتاب کو وہ قبولیت و پذیرائی حاصل ہوئی جو کتب تفسیر میں کسی اور کتاب کے حصے میں نہ آسکی۔ جلیل القدر علماء، محدثین اور محققین نے اس کتاب کی بے حد تعریف فرمائی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے لیے یہ بات بے حد باعث فخر ہے کہ بقول علامہ بُستانی رحمہ اللہ آپ کے استاد گرامی منزلت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے۔[1] آپ کے دوسرے شیخ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کا ذکر ''مفسر نقاد'' کے نام سے کیا ہے۔[2] اور علامہ سیوطی نے آپ کی اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: اس اسلوب میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی۔[3]

① دائرۃ المعارف: 477/3. ② ذیل الحسینی: 58 (بحوالہ المعجم المختص للذہبی رحمہ اللہ). ③ ذیل السیوطی: 361.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسے احسنِ تفاسیر میں سے شمار کیا ہے۔[1] ابن فہد نے کتبِ تفسیر بالروایہ میں سے اسے سب سے مفید قرار دیا ہے۔[2]

شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ نے حواشی وتعلیقات کے لیے اس کتاب کے انتخاب کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ہم نے جس قدر کتبِ تفسیر دیکھی ہیں، امام المفسرین ابوجعفر طبری کی تفسیر کے بعد سب سے اچھی عمدہ اور بہتر تفسیر ہے بلکہ ان دونوں کے ساتھ کسی اور دوسری تفسیر کا مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہم نے کوئی دوسری تفسیر ایسی نہیں دیکھی جو ان جیسی ہو، انھوں نے حدیث کے طلبہ کے لیے بھی اس کتاب کو مُعَلِّم و مُرْشِدُ قرار دیا ہے کیونکہ اس کتاب کے مطالعے سے حدیث کے طلبہ کو بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسانید ومتون پر کس طرح نقد کیا جاتا ہے اور صحیح وغیر صحیح میں کس طرح تمیز کی جاتی ہے؟ گویا تعلیمی اعتبار سے بھی یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے جس کی افادیت بے حد زیادہ ہے۔[3] ڈاکٹر صلاح الدین المُنَجِّد نے بھی اسے احسن تفاسیر میں سے قرار دیا ہے۔[4] اور شیخ احمد شرباصی نے لکھا ہے کہ آپ کی یہ خوب صورت تفسیر آپ کے علم اور سنت کے بارے میں معلومات کی وسعت کی دلیل ہے۔[5]

جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ اس کتاب کو بہت زیادہ قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہوا، بہت سے اہلِ علم نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھنے کی سعادت حاصل کی جیسا کہ دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود اس کتاب کے بہت زیادہ مخطوطات سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض مؤلفین نے اس کا اختصار کیا، مثلاً: شمس الدین محمد بن علی البَعْلی المعروف بابن الیونانیہ (707-793ھ) نے چار جلدوں میں اس کا اختصار کیا جو اصل کتاب کے حجم سے نصف کے برابر ہے، پھر عفیف الدین ابن مسعود الکازرونی نے البدر المنیر کے نام سے اس کا اختصار کیا۔

اسی طرح شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ (1958ء) نے ازہر کے مخطوطے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے مصادر ومراجع کو سامنے رکھ کر عمدة التفسیر عن الحافظ ابن کثیر کے نام سے اس کی تلخیص کی۔ اس تلخیص کے بعد شیخ شاکر کا یہ بھی ارادہ تھا کہ اصل کتاب کو بھی محقق، مہذب، منقح اور مصحح کر کے بہترین علمی اسلوب میں زیورِ طبع سے آراستہ کریں مگر پیمانۂ عمر لبریز ہو جانے کے باعث وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے بلکہ عمدة التفسیر (تلخیص) کی بھی تکمیل نہ کر سکے۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد ابراہیم البنّا، محمد احمد عاشور اور عبدالعزیز غنیم کی تحقیق کے ساتھ اس کتاب کا ایک محقق ایڈیشن دار القھرمان للنشر و التوزیع استنبول سے 1984ء میں طبع ہوا۔ ان کے علاوہ اور بھی تلخیصات ہیں جو شائع شدہ ہیں۔

المصباح المنیر فی تہذیب تفسیر ابن کثیر: اب کتاب وسنت کی اشاعت کے عالمی ادارے دار السلام نے بھی اس عظیم کتاب کی طباعت واشاعت کا خصوصی اہتمام کیا ہے کہ پہلے تو تصحیح وتنقیح اور شیخ عبدالقادر الارناؤوط کے مقدمے کے ساتھ 1999ء میں اسے چار جلدوں میں طبع کیا، پھر اس کا ایک بہت خوبصورت ایڈیشن ایک جلد میں طبع کرایا، نیز اس کے انگریزی زبان میں ترجمے کو بھی شائع کیا لیکن اس کتاب کے حوالے سے دار السلام کا قابلِ فخر کارنامہ یہ ہے کہ اس نے علماء ومحققین کی ایک جماعت سے اس طرح تلخیص کروائی کہ اصل بات میں کوئی خلل نہ آئے اور اس تلخیص کے لیے دار السلام ہی کے مطبوعہ اس نسخے کو پیشِ نظر رکھا گیا جو

[1] البدر الطالع:153/1. [2] حاشیہ ذیل الحسینی:59,58. [3] عمدة التفسیر:6/1. [4] الإمام ابن کثیر رحمہ اللہ، ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان ندوی، ص:97. [5] حوالۂ مذکور.

دار إحیاء الکتب العربیة عیسی البابی الحَلَبِی کے مطبوعہ نسخے کے مطابق تصحیح کے بعد طبع کیا گیا تھا۔ اور جس کی طرف قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے، نیز دیگر پانچ مطبوعہ نسخوں کے ساتھ بھی تقابل کیا گیا تھا۔ بہر حال اس میں تلخیصِ مباحث کے ساتھ اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا کہ ضعیف روایات کو حذف کر دیا گیا اور صرف صحیح یا حسن روایات کے باقی رکھنے پر اکتفا کیا گیا اور ان کی تخریج کر دی گئی، نیز کتب رجال کی طرف مراجعت کر کے اسماء الرجال کی غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی، پھر اس سارے کام پر فضیلۃ الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری نے نظر ثانی فرمائی اور اسے المصباح المنیر فی تھذیب تفسیر ابن کثیر کے نام سے موسوم کر کے دارالسلام نے اپنی جلیل وجمیل روایت کے مطابق بہت حسین انداز میں زیورِ طبع سے آراستہ کرایا، اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا اور اس کے کئی ایڈیشن بہت قلیل عرصے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں یہ اسی کتاب المصباح المنیر فی تھذیب تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ ہے۔

راقم الحروف اور دارالسلام کے شعبۂ تحقیق وتصنیف وترجمہ سے وابستہ وہ تمام خدام ومتوسلین جنھوں نے اس کتاب کی تیاری اور طباعت میں کسی طرح بھی حصہ لیا، ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر کتاب اللہ کی یہ ادنیٰ سی خدمت ہے تاکہ بندگانِ الٰہی کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کتاب اللہ کے فہم کو زیادہ سے زیادہ آسان بنایا جا سکے اور ہم اسے سمجھ کر اور اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا وآخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ سکیں۔

ہماری تاریخ کا یہ بھی ایک بڑا المیہ ہے کہ بار بار ہم پر ایسے دور گزرے ہیں کہ پوری انسانیت کو جادۂ راستی وعدل دکھانے والے ہم حاملینِ قرآن اور مشعل بردارانِ حق خود طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹک جاتے رہے ہیں، دنیا بھر سے پسند کر کے سمیٹے ہوئے اندھیرے، نورِ ہدایت کو بیچ کر خریدے ہوئے اندھیرے اور خود ایجاد کردہ اندھیرے...... ایسے ہر دور میں ہمیں ٹامک ٹوئیاں مارتے دیکھ کر قرآن ہمیں پکارتا رہا: ﴿ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴾ (التکویر 26:81) ''پھر مجھے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو؟''

آج پھر ہم ایک ایسے ہی دور سے گزر رہے ہیں جو ﴿ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ﴾ (النور 40:24) ''اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ایک پر ایک چھایا ہوا۔'' کا منظر پیش کر رہا ہے اور جدید مادہ پرستانہ باطل فلسفوں کے اندھیرے میں اتفاقاً جدھر کہیں ذاتی مفادات کا کوئی ادنیٰ سا اُڑتا ہوا ذرّہ کسی جگنوں کی طرح چمک دکھاتا ہے، ہم اندھا دھند اُدھر لپک جاتے ہیں مگر اچانک وہ لمحہ بھر کی چمک غائب ہو جاتی ہے اور ہم پھر اندھیروں کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی اس غلط روش کا احساس کریں؟ ہم اپنے آپ کو از سرِ نو پہچان کر فخر ومسرت سے یہ شعور تازہ کریں کہ ہم مسلمان ہیں؟ ہم قرآن کے نور سے دنیا میں کرن کرن اجالا کر دینے کے لیے برپا کیے گئے ہیں؟ ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (المآئدۃ 15:5) ''تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب آ چکی ہے۔'' کا پیغام پہنچانے کے لیے مامور کیے گئے ہیں، ہم دوسروں کے پیچھے بھٹکنے کے لیے نہیں بلکہ دنیا کی قیادت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

اگر ہماری سوئی ہوئی غیرت جاگ اٹھے، ہماری حمیّت حرکت میں آ جائے اور قرآن سے ہمارا رشتۂ وفا استوار ہو جائے تو تہذیبوں کے تصادم کے اس دور میں قرآن ہماری تلوار بھی ہے اور ہماری ڈھال بھی، قرآن کے حقائق کو اسلحہ بنا کر اگر ہم عصرِ حاضر کے فرعونوں اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں تو ہماری تقدیر بدل سکتی ہے۔ اور ان سب باتوں سے پہلے یہ از بس

ضروری ہے کہ ہم قرآن مجید کو پڑھیں، اس کے معانی ومطالب کو سمجھیں اور اس کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق عمل کریں۔

فہم قرآن کو آسان بنانے کے لیے اس کتاب کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ دارالسلام کی طرف سے اس عظیم کتاب کو اُردو کے قالب میں منتقل کرنے کا کام جب راقم کے سپرد کیا گیا تو اپنی کم مائیگی کے باعث مجھے تردّد تھا کہ میں اس ''تفسیر عظیم'' کے ترجمے کی ذمہ داری کے اہم فرض سے عہدہ برآ ہو سکوں گا کہ نہیں؟ مگر یہ محض اللہ رب ذوالجلال والاکرام کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے اس بے حد عاجز و ناتواں بندے کو اس کی توفیق عطا فرمائی، اگر اس میں کچھ کامیابی ہے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے ہے اور اس توفیقِ ربانی پر میرے جسم کا ہر ہر بُنِ مو اپنے رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہے اور اگر اس میں کسی جگہ کوئی لغزش وخطا سرزد ہوئی ہو تو یہ میرے قصورِ فہم کا نتیجہ ہے اور میں اس کے لیے اپنے رب تعالیٰ سے عفو ودرگزر کا خواستگار ہوں۔

آخر میں ایک بار پھر میں اپنے رحمان ورحیم آقا ومولیٰ کا اس توفیق عطا فرمانے پر بے حد وحساب شکر ادا کرتا ہوں اور اسی کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ اس ادنیٰ سی کوشش کو محض اپنی رضا کی خاطر شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور مجھے، میرے والدین، اہل وعیال، اعزہ واقارب اور اساتذہ کو دنیا وآخرت کی حسنات وبرکات سے سرفراز فرمائے، اہلیہ اور عزیزم سفیان خالد کو بہترین جزا عطا فرمائے کہ انھوں نے اس کام کے دوران میں مجھے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی اور میرے راحت وآرام کا پورا پورا خیال رکھا۔

میں دارالسلام کے مدیر مولانا عبدالمالک مجاہد ﷾، دارالسلام پاکستان کے مدیر حافظ عبدالعظیم اسد ﷾ اور دارالسلام سے وابستہ جملہ حضرات کے لیے بھی دعا گو ہوں کہ انھوں نے جس طرح کتاب وسنت کے گلہائے رنگارنگ کا یہ چمن زار سجا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور انھیں فردوس بریں کے جنات نعیم سے شاد کام فرمائے۔

اے مالک الملک! اے ذوالجلال والاکرام! اپنے ان عاجز و ناتواں بندوں کی طرف سے اس ادنیٰ سی محنت کو محض اپنے فضل وکرم سے شرف قبولیت سے سرفراز فرما اور اپنے اس قرآن عظیم کو دنیا میں ہمارے لیے راہنما، قبر میں رفیق اور حشر میں ہمارے لیے دلیل وبرہان بنا اور ہم سب کو صاحب قرآن سید الاوّلین وسید الآخرین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔

آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِينَ.

محمد خالد سیف
اسلام آباد
21 شوال 1426ھ
24 نومبر 2005ء

ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ الَّذِى أَرْسَلَهُ اللّٰهُ مُبَيِّنًا لِّكِتَابِهِ الْحَكِيمِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ:

قرآن مجید کے مطالعے اور اس سے استفادے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ یہ کیا ہے؟ یعنی قرآن مجید کا تعارف بزبان قرآن حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے، یعنی یہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کس نے نازل فرمایا ہے؟ پھر یہ معلوم کیا جائے کہ یہ کیوں آیا ہے، یعنی اس کا مقصد نزول اور اس کی آمد کی غرض وغایت کیا ہے؟ تعارف ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ انسانوں تک براہِ راست اور بلاواسطہ پہنچا ہے یا کسی کے ذریعے سے پہنچا ہے؟ اگر بالواسطہ پہنچا ہے تو اس واسطے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جب تک ان باتوں اور قرآن کریم کا بنیادی تعارف حاصل نہیں ہوتا، اس سے صحیح استفادے اور اس کے اثرات، برکات اور ثمرات سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل جوہری خصوصیات ہی اس کا تعارف ہیں:

قرآن ایک یقینی، قطعی اور غیر مشتبہ کتاب ہے: قرآن کی سب سے اہم اور اساسی خصوصیت اور امتیاز اس کا یقینی اور غیر مشتبہ ہونا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ﴾ (البقرة 2:2) ''یہ کامل کتاب ہے اس میں کسی شک وشبہے کی (مطلق) گنجائش نہیں۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (یونس 10:37) ''یہ (قوانین واحکام) کی تفصیل وبیان ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں (کیونکہ یہ) جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾ (حٰمٓ السجدة 41:41، 42) ''یہ نہایت وقیع کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، حکیم، ستودہ صفات کی طرف سے اتاری گئی ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝﴾ (ھود 11:1) ''(یہ) ایک عظیم کتاب ہے جس کی آیات مضبوط کی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل حکیم باخبر ذات کی طرف سے کی گئی ہے۔''

قرآن محکم اور مفصل ہے: اس میں دین کے اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں اور وہ علم جو انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی وکامرانی کے لیے ضروری ہے وہ نہایت واضح اور مفصل طریقے سے صاف صاف بیان کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ﴾ (الأنعام 6:114) ''کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی (اور) حکم چاہوں، حالانکہ اس نے تمھاری طرف مفصل کتاب اتاری ہے؟'' ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ﴾ (الأعراف 7:52) ''ہم نے ان کے پاس ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم سے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ

الْحَكِيْمِ ○ ﴾ (لقمٰن 31:2) ''یہ ایک محکم کتاب کی آیات ہیں۔''

قرآن حق و باطل کی امتیازی کسوٹی ہے: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ○ ﴾ (الفرقان 25:1) ''بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر امتیاز کرنے والی کتاب اتاری ہے تاکہ وہ جہان والوں کو آگاہ کردے۔'' قرآن مجید میں ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، حق و باطل، جائز و ناجائز، صحیح و غلط، حلال و حرام، یقین و ظن، توحید اور شرک میں قیامت تک کے لیے ایسا فاصلہ اور امتیاز قائم کر دیا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کسی قسم کا کوئی ادنیٰ سا احتمال اور کمزور سے کمزور سا اشتباہ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ ''تاکہ جسے ہلاک و تباہ ہونا ہے، وہ اتمام حجت کے بعد تباہ و برباد ہو اور زندہ رہنے والا اتمامِ حُجت کے بعد زندہ رہے۔'' (الأنفال 8:42)

قرآن سابقہ کتابوں کا مصدق اور نگران ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ﴾ (المآئدة 5:48) ''اور ہم نے آپ کی طرف بامقصد کتاب اتاری ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کے مضامین کی نگران و نگہبان ہے۔''

قرآن نگران و نگہبان اس لیے ہے کہ (ا) دین کے اصول و کلیات تمام کتب سماوی اور آسمانی تعلیمات میں یکساں اور مشترک ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَ عِیْسٰۤی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ﴾ (الشورىٰ 42:13) ''تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کی تھی، یہ کہ تم دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔'' نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖؗ﴾ (الأنبیآء 21:92) ''بے شک تمھارا یہ طریقہ، ایک ہی طریقہ ہے۔'' یعنی تمھاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔

(ب) قرآن سے پہلی کتب اور صحیفے اپنے اپنے وقت کے لیے تھے اور اس کا ایک حصہ تھے، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران 3:23) ''کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں فرمایا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا تھا، انھیں اللہ کی (پوری) کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔'' چنانچہ یہ صحیفے ایک خاص وقت تک محفوظ رہے مگر بعد میں محفوظ نہ رہ سکے اور تحریف و تغیر کا شکار ہو گئے۔

(ج) قرآن دائمی صحیفہ اور آخری کتاب ہے، اس میں دین کے تمام اصول و ضوابط کامل شکل میں پوری طرح آ گئے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (المآئدة 5:3) ''آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دستورِ زندگی مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (شریعت) تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور ضابطۂ حیات پسند کر لیا۔''

اسی لیے اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود لی ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ ﴾ (الحجر 15:9) ''بے شک (یہ) ذکر (قرآن) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد، افکار و خیالات، متفرق اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار کے لوگ اپنا اپنا چہرہ

دیکھ سکتے ہیں اور اس کسوٹی اور میزان پر اپنی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ اس میں کہیں اشارتاً کہیں صراحتاً، کہیں پچھلے اشخاص اور گزشتہ قوموں کے حالات کے پیرائے میں اور کہیں براہ راست قرآن کے مخاطب افراد کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؀﴾ (الأنبيآء 21:10) ”بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارا ہی تذکرہ ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“

امام ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی (202-294ھ) نے اپنی کتاب ”قیام اللیل“ میں جلیل القدر تابعی اور حلم و بردباری میں ضرب المثل سردار احنف بن قیس کا ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ بیان کیا ہے جس سے اس آیت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور سلف کے زاویۂ نگاہ اور تدبرِ قرآن کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت احنف بن قیس ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ انھیں یہ آیت سُنائی دی: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؀﴾ (الأنبيآء 21:10) یہ آیت سن کر وہ چونک پڑے اور فرمایا: ذرا قرآن مجید لاؤ، میں اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں کہ میں کس درجے میں ہوں، کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور میری کن سے مماثلت یا مشابہت ہے؟ قرآن مجید میں کچھ لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے: ﴿يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ؀﴾ (الفرقان 25:64) ”وہ (لوگ جو) اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کر کے رات گزارتے ہیں۔“

پھر انھوں نے قرآن میں ان لوگوں کا تذکرہ پڑھا جو راتوں کو اپنے بستروں سے الگ ہو کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی سامنے آئے جو راتوں کو تھوڑا سا سوتے ہیں اور سحری تک اپنے اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے والوں اور کبیرہ گناہوں، فواحش و منکرات سے بچنے والوں کا تذکرہ پڑھ کر کہنے لگے: ”میرا تو ان لوگوں میں شمار نہیں ہے۔“ پھر ورق گردانی کی تو قرآن میں کلمے کا انکار اور تکبر کرنے والوں اور اللہ وحدہ لاشریک کے ذکر سے ناخوش اور بتوں کی یاد سے خوش ہونے والوں، بے نماز، کھانا نہ کھلانے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا ذکر پڑھ کر فرمانے لگے: ”اے اللہ! ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بری ہوں۔“

اب وہ اپنے تذکرے کی تلاش میں قرآن پڑھتے پڑھتے ان آیات پر رُک گئے: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀﴾ (التوبة 9:102) ”اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ملے جلے عمل کیے۔ کچھ اچھے اور کچھ برے، امید ہے اللہ ان پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا، بلاشبہ اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: ”ہاں، ہاں! بے شک یہی میرا تذکرہ ہے۔“①

قرآن مجید ایک معجز کتاب ہے: اس نے اپنے معجز ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ان لوگوں کو دعوت مقابلہ دی ہے جو اس کے کتابِ الٰہی ہونے کا انکار یا اس میں شک و شبہے کا اظہار کرتے ہیں: ﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ؀﴾ (بنی إسرآءیل 17:88) ”(اے نبی!) فرما دیجیے: اگر سارے آدمی اور جنات مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تب بھی اس طرح کا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔“

① تفصیل کے لیے دیکھیے مختصر قیام اللیل: 64-66.

پھر اس میں تخفیف کی اور فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾ (ھود 11: 14,13) ''کیا وہ کہتے ہیں: اس نے قرآن گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجیے! اگر تم سچے ہو تو دس سورتیں اس جیسی (گھڑی ہوئی) لے آؤ، اور اللہ کے سوا جن جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، پھر اگر یہ تمھاری بات نہ مانیں تو یقین کر لو کہ یہ صرف اللہ کا علم لے کر اترا ہے۔''

مزید تخفیف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾ (یونس 10: 38) ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں: اس نے اسے (یونہی) جھوٹ موٹ بنا لیا ہے؟ فرما دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو۔''

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء اور رسل گزرے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے معجزات سے نوازا تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی دلیل بن سکتے تھے، چونکہ ان کی نبوت و رسالت ایک محدود وقت اور ایک مخصوص قوم کے لیے ہوتی تھی، اس لیے ان کے معجزات ان کے ہاتھوں ظاہر ہوتے اور ان کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے تھے لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ عالمگیر اور دائمی ہے، یعنی جب تک یہ دنیا قائم ہے، آپ کی رسالت برقرار رہے گی، اس لیے آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ] ''ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کی بنا پر لوگ ایمان لا سکتے تھے اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ ایک ایسی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی ہے۔''①

اس لیے جب آپ سے معجزات کا مطالبہ کیا گیا تو یہ ارشاد باری تعالیٰ نازل ہوا: ﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (العنکبوت 29: 51) ''کیا (یہ بطور نشانی) ان کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر (کامل) کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور یاد دہانی (نصیحت) ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

اہل کتاب اور مشرکین کو قرآن کا مثل لانے کا چیلنج کیا گیا، پھر یہ چیلنج دس سورتوں تک محدود کر دیا، پھر صرف ایک ہی سورت کا مثیل لانے کا چیلنج دیا۔ حق یہ ہے کہ کوئی کلام یا کتاب، قرآن یا اس کی کسی سورت کی مثل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں اور اس کی تمام خصوصیات کی حامل نہ ہو۔ قرآن صرف اپنے الفاظ و تراکیب، فصاحت و بلاغت ہی کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے بلکہ وہ جس طرح اپنے الفاظ و تراکیب اور فصاحت و بلاغت میں لاثانی، بے مثل اور معجزہ ہے اسی طرح اپنے معانی و مضامین، اپنے بلند پایہ حقائق و معارف، اپنی غیبی معلومات، حقائق ابدی اور اپنی پیش کی ہوئی دینی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور مدنی و اجتماعی تعلیمات میں بھی سراسر معجزہ ہے۔ حتیٰ کہ اپنے اثرات و نتائج، انقلاب انگیزی اور پیش گوئیوں میں بھی لاجواب ہے۔ اگر صرف الفاظ اور تراکیب میں، جو اس کے اعجاز کا محض ایک پہلو ہے، اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا تو اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں کا مقابلہ بھلا کس کے بس کی بات ہے ؟!!

① صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی......، حدیث: 4981 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

اعجازِ قرآن کے چند گوشے: (1) قرآن مجید کا سب سے بڑا اور بنیادی اعجاز اس کا ایک مکمل دستور حیات اور نظام زندگی پیش کرنا ہے۔ قرآن حکیم نے ایمان، عقائد، افکار و نظریات، اقتصاد و معیشت، امارت و مشاورت، نظامت و عدالت، معاشرت و معاملات، علم و عمل، غرضیکہ دین و دنیا کے ہر گوشے کے بارے میں ایسا آخری ہدایت نامہ اور نظام عمل پیش کیا ہے کہ اس سے زیادہ محکم و مستحکم اُستوار، جامع، واضح اور نافع ہدایت نامہ دنیا میں آج تک پیش نہیں کیا جا سکا۔ اس سے پہلے کے ادیان اور الہامی کتب بھی چونکہ اپنے اپنے وقت کے ساتھ محدود و مخصوص تھیں، اس لیے وہ بھی اس کے مقابلے میں ناقص ہیں۔ اس نے انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی، جسمانی و روحانی، معاشی و معاشرتی، تہذیبی و تمدنی، عدالتی و تجارتی، سیاسی و عمرانی اور حکمرانی و فرمانروائی، غرض زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں ایسے احوال و کلیات پیش کیے ہیں کہ اب ان میں کسی قسم کی کمی بیشی، ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن کے جملہ محاسن اور کمالات کا استقصا اور استیعاب بھی حدِ امکان سے باہر ہے۔

قرآن کے حقائق و معارف: قرآن کا دوسرا عظیم اعجازی پہلو اس کے بے پایاں علوم و معارف اور حقائق و دقائق ہیں۔ انسان کا علم جس قدر ترقی کرتا جائے گا اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اٹھیں گے، قرآنی علوم و معارف اسی قدر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔ مشہور فرانسیسی محقق موریس بوکائے کی کتاب (The Bible, the Quran and Science) کے عنوان سے چھپی ہے۔ اس کا عربی ترجمہ "دراسة الكتب المقدسة في ضوء المعارف الحديثة" کے عنوان اور اردو ترجمہ ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ محقق موصوف نے اس کتاب کے باب اول میں لکھا ہے: ''ان سائنسی خیالات نے جو قرآن کے ساتھ زیادہ مماثلت رکھتے ہیں، مجھے ہکا بکا کر دیا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک ایسی تحریر میں جو تیرہ صدیوں سے بھی پہلے ظاہر ہوئی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں، میرے لیے یہ ممکن ہوگا کہ میں اس میں سے ایسے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا جو جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔''[1] اور کتاب کے آخر میں لکھا ہے: ''حضرت محمد ﷺ کے زمانے کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابل تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں، کسی بشر کا کلام ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحیٔ آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔''[2]

یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید میں ان حقائق و اشیاء کا تذکرہ ہوا ہے جن کا تعلق تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، فلکیات، اجرام سماوی، علم الحیاۃ، انسان کی تخلیق، اس کے جسم کی تکوین و ترکیب اور دوسرے ایسے علوم سے ہے جن کے بارے میں اس دورِ جدید میں حقائق و معارف کا نیا عالم منکشف ہوا ہے اور پرانے انسانی علوم کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں، وہ قرآن کا اصل موضوع و مقصد نہیں ہیں۔ قرآن کا موضوع انسان اور اصل مقصد انسان کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دینا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں جدید علمی حقائق تلاش کرنا اور ان کو جدید تحقیقات اور نت نئے انکشافات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنا ایک مختلف، نازک اور پرخطر کام ہے کیونکہ علم و تحقیق کے جو نتائج اس وقت ثابت شدہ حقائق نظر آتے ہیں، وہ آئندہ ادوار میں بدل سکتے ہیں یا ان کا ثبوت و قطعیت مشکوک و مجروح بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے قرآنی حقائق و معارف کو کسی قدیم یا جدید نظریے سے تطبیق دینے کی ضرورت نہیں۔ علم و تحقیق کی تاریخ میں اس کا تجربہ کئی بار ہو چکا ہے کہ ایک دور کے مسلّمات و حقائق دوسرے دور میں یکسر بدل گئے۔ کبھی زمین کو مرکز کائنات ٹھہرایا گیا اور

[1] بائبل، قرآن اور سائنس: 192. [2] بائبل، قرآن اور سائنس: 402.

کبھی آفتاب کو، زمین کبھی مُسطّح ثابت ہوئی اور کبھی گول، سیاروں پر آبادی کبھی ناممکن قرار دی گئی اور کبھی ممکن، کبھی زمین متحرک ٹھہری اور کبھی ساکن، البتہ یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ قرآن مجید میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے خلاف واقعہ ثابت کیا جا سکے۔ قرآنی حقائق ومعارف کی جدید سائنسی تحقیقات سے تطبیق جدید علم وتحقیق سے مرعوبیت کا نتیجہ بھی ہوسکتی ہے۔

اعجازِ قرآن کا تیسرا پہلو: اس کے بیان کردہ غیبی واقعات ہیں۔ قرآن مجید میں انبیائے سابقین اور گزشتہ امم کے بارے میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ بجائے خود قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کی اطلاعات کا سرچشمہ اور مأخذ، علمِ الٰہی کے فیض اور وحی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تمام واقعات وحیِ الٰہی کا کرشمہ ہیں۔ اعجاز کے اس پہلو کی طرف قرآن مجید بار بار توجہ دلاتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعات کی بعض جزئیات بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:44) ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے (کہ قرعہ ڈال کر فیصلہ کرلیں) کہ کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔''

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ ﴾ (ھود 11:49) ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس (وحی) سے پہلے نہ آپ یہ خبریں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔''

قرآن مجید نے کفار کے اس الزام کی کہ یہ واقعات آپ کی پرانی یا قلمی یادداشت ہیں، تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:5،6) ''اور وہ کہتے ہیں (یہ قرآن) اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوا رکھے ہیں جو صبح وشام اس کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ فرما دیجیے: اس (قرآن) کو اسی نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے۔''

سورۂ عنکبوت میں آپ کی ان چیزوں سے بے گانگی اور آپ کی ناخواندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپ اس ماحول سے قطعاً ناآشنا اور علم کے سامان ولوازم سے بالکل بیگانہ تھے، اس لیے شکوک وشبہات کا اظہار کرنے والوں کے لیے آپ کے علم کے ماخذ ومصدر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:48) ''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے (اگر ایسا ہوتا) تو یہ باطل پرست ضرور شبہ کرتے۔''

اس لیے یہ دعویٰ اور خیال کہ قرآن مجید کے واقعات تورات وانجیل سے ماخوذ ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے، یہ دعویٰ کرنے والے کتب قدیمہ اور قرآن مجید دونوں سے ناآشنا ہیں۔ قرآن مجید اور تورات وانجیل دنیا میں موجود ہیں، ان کا آپس میں تقابل آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے جس کے نتیجے میں حقیقت فوراً اُجاگر ہوسکتی ہے۔

موریس بوکائے نے بائبل اور قرآن کے بہت سے موضوعات کا تقابل کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے: ''قرآن اور بائبل میں بڑے اختلافات ہیں، یہ اختلافات اس دعوے کو غلط ثابت کر دیتے ہیں جس میں بغیر کسی شہادت یا ثبوت کے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن کا متن پیش کرنے کے لیے بائبل کی نقل کر ڈالی۔'' [1]

قرآن مجید کا چوتھا اعجازی پہلو: اس کی پیش گوئیاں ہیں کیونکہ معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرقِ عادت طریقے پر محض قدرتِ خداوندی سے کسی رسول کی تصدیق کے لیے ظاہر ہو اور انسانی عقل اس کی ظاہری توجیہ و تعلیل سے قاصر ہو۔ جن حالات میں یہ پیش گوئیاں کی گئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہوا ہے وہ ایک معجزہ ہے، ان میں اعجاز کے دو پہلو ہیں: (1) بظاہر ناموافق حالات میں ان بعید از عقل اور اہم واقعات کی خبر و اطلاع۔ (2) اس اطلاع کے عین مطابق ان کا ظہور اور وقوع۔ ان سب پیش گوئیوں میں سب سے زیادہ صاف اور محیر العقول پیش گوئی رومیوں کا غلبہ ہے جسے سورۂ روم کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح موحد اور مطیع مسلمانوں کی حکومت وخلافت کی پیش گوئی سورۂ نور، آیت: 55 ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں، دین کے غلبے کی پیش گوئی سورۂ توبہ، آیات: 33,32 سورۂ فتح، آیت: 28 سورۂ صف، آیات: 9,8 میں، فتح مکہ کی پیش گوئی سورۂ فتح، آیات: 1-3 اور سورۂ صف، آیت: 13 میں، صلح حدیبیہ اور غنائم کے حصول کی پیش گوئی، سورۂ فتح، آیات: 18-20، میں، قرآن مجید کے جمع و اشاعت اور تبیین کی پیش گوئی سورۂ قیامہ، آیات: 17-19 میں، رسول اکرم ﷺ کی وفات کے قرب اور اسلام کی اشاعت کی پیش گوئی سورۂ نصر میں کی گئی ہے۔ اسی طرح اور بھی پیش گوئیاں ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

قرآنی ہدایت کا انقلابی پہلو: رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید اور اس کی عملی تفسیر، یعنی خود اپنی سیرت مقدسہ اور کردار واخلاق [كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ] ''آپ کا اخلاق قرآن ہی ہے۔'' [2] کے ذریعے سے جو ذہنی، فکری، اعتقادی، روحانی، اخلاقی، نفسیاتی، معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی انقلاب برپا فرمایا، پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے، نہ آپ کے بعد، یہ قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ اس انقلاب کے زیرِ اثر جو افراد اور جماعتیں وجود میں آئیں ان میں سے ہر جلیل القدر صحابی خصوصاً عشرۂ مبشرہ، حضرت ابو ہریرہ، عبادلۂ اربعہ (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) وغیرھم میں سے ہر ایک انفرادی طور پر بجائے خود علوم دین کا مستقل سرچشمہ ہے۔ انسانی تاریخ میں کسی وقت کسی جگہ اور کسی گروہ میں اتنے قلیل عرصے میں اس قدر وسیع انقلاب کا مشاہدہ نہیں ہوسکا۔ اس میں اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر انقلاب ان تمام وسائل وذرائع کے بغیر رونما ہوا جن سے دنیا آشنا ہے۔ قرآن مجید نے اعجاز کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ان میں بے مثل قلبی مودت ومحبت اور وحدت ویگانگت کس طرح پیدا کی، اسی کے متعلق فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الأنفال 8: 63,62) ''وہی تو ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنوں کے ذریعے سے آپ کو قوت بہم پہنچائی اور مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دیا (ان میں الفت پیدا کر دی) اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے مابین الفت پیدا کر دی، بلاشبہ وہ غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔''

[1] بائبل، قرآن اور سائنس: 402. [2] مسند أحمد: 216/6 عن عائشة رضي الله عنها.

زمانۂ جاہلیت اور دورِ اسلام کا فرق نمایاں کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران 3:103) ''اور تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت (احسان) کو یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔''

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت: عرب قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے، یہ علم و فن سے کورے ان پڑھ لوگ تھے مگر فصاحت و بلاغت ان کا پیدائشی وصف اور کمال تھا جس میں وہ اپنے آپ کو ساری دنیا سے ممتاز سمجھتے تھے۔ بلکہ دوسروں کو اپنے مقابلے میں عجمی (گونگے) قرار دیتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کو مقابلے کا چیلنج دیا۔ اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ باصلاحیت عرب ہی تھے۔ عرب سرداروں نے قرآن اور صاحب قرآن کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وہ مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سمیت ہر متاع پر حملہ آور ہوئے لیکن یہ جرأت نہ کر سکے کہ قرآن کے مقابلے میں کوئی کلام پیش کریں۔ اس کے برعکس تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی خصوصی نجی مجالس و محافل میں اس کے بے مثل ہونے کا خود اعتراف کیا۔ ولید بن مغیرہ بنو مخزوم کا ایک فرد تھا، اس نے کہا: [وَاللّٰهِ! إِنَّ لِقَوْلِهِ حَلَاوَةً وَّإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً] ''اللہ کی قسم! اس کے قول میں بڑی شیرینی اور بڑی رونق و شادابی ہے۔'' ایام حج کے موقع پر اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا: ایام حج میں عرب کے مختلف وفود آئیں گے۔ اس لیے محمد کے بارے میں کوئی مناسب بات طے کر لو، پھر تم میں سے کوئی اس بات کی مخالفت نہ کرے۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کہیں، یہ کاہن ہے، یہ مجنون ہے، یہ شاعر ہے، یہ جادوگر ہے۔ ولید نے ہر بات کو رد کر دیا۔ جب کوئی بات قابل قبول نہ ٹھہری تو لوگوں نے ولید سے کہا: تم ہی کوئی بات بتا دو تو اس نے عاجز آ کر کہا: ''بس یہی کہو کہ وہ جادوگر ہے کیونکہ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی، غرضیکہ خاندان بھر میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔''[1]

اس قسم کے واقعات عتبہ بن ربیعہ، نضر بن حارث وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ مزید براں اس چیلنج میں اعجاز کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ پیش گوئی بھی موجود ہے کہ وہ قرآن کا یہ چیلنج قبول نہیں کر سکتے اور باہم مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ﴾ (البقرة 2:23،24) ''اور اگر تمھیں اس کلام کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس کی ہم پلہ ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا جتنے تمھارے حمایتی ہیں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور کر بھی نہ سکو گے تو تم آگ سے بچو۔''

اس چیلنج کے قبول کرنے کے محرکات اور دواعی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں لیکن آج تک کوئی شخص، کوئی گروہ اور کوئی قوم قرآن مجید کا مقابلہ نہیں کر سکی اور نہ آئندہ ہی کر سکے گی۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اعجاز الفاظ، تراکیب، اسلوب، نظم، قصص اور امثال ہر اعتبار سے درخشاں ہے۔[2]

① المستدرك للحاكم، التفسير، سورة المدثر: 2/507، حديث: 3872 اور تفصیل کے لیے دیکھیے السيرة النبوية لابن هشام: 1/270، 271.

② تفصیل کے لیے دیکھیے التحرير والتنوير المعروف بتفسير ابن عاشور، المقدمة العاشرة في إعجاز القرآن.

حفاظتِ قرآن: قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے اور کتابیں ہمیشہ تحریف وتغیر کا نشانہ اور تلف وتباہی کا ہدف بنتے رہے کیونکہ وہ ایک خاص اور محدود مدت کے لیے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ وبقا کی ذمہ داری خود نہیں اُٹھائی اور یہ تاریخی طور پر ثابت شدہ ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان لوگوں نے بھی کیا ہے جن کے پاس وہ صحیفے اور کتابیں آئی تھیں۔ عہد عتیق (تورات) کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا نشانہ بنتے رہے، یہودی مؤرخین کے اعتراف کے مطابق تخریب وتضیع کا یہ کام تین دفعہ ہوا:

(1) پہلی دفعہ جب بابل کے بادشاہ بُخْتُ نَصَّر نے ریاست یہودیہ پر 586 ق م میں حملہ کیا اور بیت المُقَدَّس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تورات کی تختیاں اور آل موسیٰ وآل ہارون کے تبرکات محفوظ کر رکھے تھے۔ بعد میں انھیں حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے حافظے کی مدد سے دوبارہ لکھوایا، پھر ان میں اضافے ہوتے رہے۔

(2) دوسری دفعہ انطاکیہ کے بادشاہ انطوکوس چہارم (Antiochus iv) نے بیت المقدس پر 168 ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدسہ کو جلا دیا۔

(3) تیسری دفعہ رومن سپہ سالار ٹائٹس (Titus) نے بیت المقدس پر 70 ق م میں حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمانی سمیت برباد کر ڈالا۔

عہد نامۂ جدید (انجیل) کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گزرا ہے۔ یہ انجیلیں مذہبی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر وتبدل اور اصلاح وترمیم کا نشانہ بنتی رہیں۔ یوں یہ آسمانی کتابیں وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر وسوانح اور واقعات وحکایات کا مجموعہ بن گئی ہیں۔[1]

لیکن عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل، کتاب مقدس) کی کتابوں کے برعکس قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے، اس کی حفاظت اور اسے ہر قسم کی تحریف وترمیم اور کمی وبیشی سے پاک رکھنے کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾ (الحجر 15:9) ''ہم ہی نے ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' نیز فرمایا: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط﴾ (حٰم السجدة 42:41) ''باطل (جھوٹ) کا اس میں دخل ہی نہیں، نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔''

ان آیات میں یہ پیش گوئی کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم، اپنی اصل شکل میں ہمیشہ محفوظ رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف وترمیم کرنے کی مذموم کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں آج تک ایک نقطے کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن میں قلم لگانے اور کسی بھی نوعیت کا ردوبدل کرنے کی جس نے بھی جسارت کی وہ بری طرح ناکام ہو گیا۔ آج بھی یہودی اور عیسائی اس ناپاک مقصد کے لیے سرگرداں ہیں لیکن سپر طاقت کی پشت پناہی کے باوجود منہ کی کھا رہے ہیں۔ ''حفاظت'' بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس میں قرآن مجید کے حفظ وبقا، نشر واشاعت، قراءت وتلاوت اور اس کے معانی ومطالب، سب کی حفاظت کی ابدی ضمانت مضمر ہے۔

قرآن کا سرچشمہ: قرآن مجید کی مذکورہ بالا خصوصیات اور امتیازات اس بنا پر ہیں کہ اس کا سرچشمہ اور ماخذ علم الٰہی ہے اور اس کے نزول کا واسطہ وذریعہ وحی ہے اور یہ وہ سرچشمہ ہے جو ہر قسم کے عیب ونقص، شک وشبہ، ریب وارتیاب، ظن وتخمین اور تعارض واختلاف سے یکسر پاک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے اور وہ خالق کائنات ہونے کے اعتبار سے انسان اور اس کی فطرت کا خالق ہے

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے ''مختصر اظہار الحق'' کا ترجمہ از شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری، پہلا باب اور ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے بائبل سے متعلقہ ابواب۔

اور انسان کی ہر قسم کی ضروریات اور اس کے مسائل ومشکلات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ ﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴾ (الملك 67:14) ''کیا جس نے پیدا کیا اسے معلوم نہیں؟ وہ تو از حد باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ 20:98) ''(اس نے) ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی ﴾ (طٰہٰ 20:52) ''میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ ﴾ (الحشر 59:22) ''وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔'' ﴿ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ﴾ (سبا 34:3) ''آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔'' قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے علم سے ماخوذ ہے، اس لیے وہ اس کی خصوصیات کا حامل اور اس کی صفات کا مظہر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (الأعراف 7:52) ''اور ہم نے ان کے سامنے ایسی کتاب پیش کی ہے جسے ہم نے اپنے علم وآگہی سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو ایمان والوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔''

انسانوں تک قرآن پہنچنے کا واسطہ: انسانوں تک قرآن مجید بلا واسطہ نہیں پہنچا کیونکہ ہر انسان اس کے تحمل اور قبول کی صلاحیت و استعداد سے بہرہ مند نہیں ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (الأنعام 6:124) ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کسے سونپے۔'' بسا اوقات یہ صورت پیش آتی ہے کہ کسی علم واطلاع کا اصل منبع اور سرچشمہ تو پورے طور پر صاف اور محفوظ ہوتا ہے لیکن دوسروں تک پہنچنے کا وسیلہ قابلِ وثوق اور لائق اعتماد نہیں ہوتا۔ اپنے اصل سرچشمے سے چیز صحیح اور محفوظ روانہ ہوتی ہے لیکن اپنے منتہیٰ تک پہنچتے پہنچتے اس میں تغیر وتبدل ہو جاتا ہے۔

لیکن رسول اکرم ﷺ تک قرآن مجید پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ وحی الٰہی ہے۔ فرمان باری ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ﴾ (النجم 53:4,5) ''وہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے، اسے ایک بڑی قوتوں والی شخصیت (جبریل) نے سکھایا ہے۔'' جو ﴿ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ﴾ (التکویر 81:20,21) ''وہ بڑی قوت والا اور صاحب عرش کے ہاں بڑا درجہ رکھنے والا ہے۔ وہاں اس کا کہا مانا جاتا ہے اور وہ قابل اعتماد ہے۔'' اور اس کی قراءت اور بیان کی ذمے داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴾ (القیمة 75:16,17) ''اس (وحی) کو لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اسے جلد از جلد لے سکیں بلکہ اسے (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور (آپ کو) پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔'' اس لیے انسانوں تک پہنچانے والا رسول بھی اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ ﴿ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ ﴾ (یونس 10:15) ''فرما دیجیے! میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں، میں تو بس جو چیز میری طرف وحی کی جاتی ہے اُسی کی پیروی کرتا ہوں۔''

نزولِ قرآن کے مقاصد: جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو آباد کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو بھیجا تو فرمایا: ﴿ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ۙ۬ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی ۝ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا ﴾ (طٰہٰ 20:123,124) ''تم دونوں (آدم وابلیس) اکٹھے یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، پس اگر تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ راہ راست سے پھرے گا نہ

ناکام ہوگا (نہ شقاوت وبدبختی کا شکار ہوگا) اور جو میرے ذکر (یاددہانی) سے اعراض کرے گا، اس کی گزر بسر تنگ ہوگی۔''

اس وعدۂ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کی ہدایت ورہنمائی کے لیے دین اسلام کو ضابطۂ حیات اور دستور زندگی بنا کر بھیجنے کا آغاز فرمایا۔ اور اس ضابطۂ حیات اور دستور زندگی کی تکمیل اپنے آخری صحیفۂ ہدایت کے ذریعے سے کردی جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسانوں تک پہنچا۔ جو انسانوں کے لیے برہان، نور، موعظت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے بشرطیکہ وہ اس صحیفۂ ہدایت کو اپنا دستور العمل بنالیں اور اپنی پوری زندگی کا ہر ہر گوشہ اس کے مطابق سنوار لیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:174,175) ''اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے آقا ومالک کی طرف سے ایک کھلی دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف واضح روشنی اتاری ہے۔ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (برہان ونور) کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ انھیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے گا اور اپنے فضل سے نوازے گا اور انھیں اپنی طرف پہنچنے کی سیدھی راہ پر چلائے گا۔'' نیز فرمایا: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:57) ''اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے آقا ومالک کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آ گئی ہے اور یہ (ان بیماریوں کے لیے) شفا ہے جو سینوں میں ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:44) ''فرما دیجیے! یہ (کتاب) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے جو ایمان والے ہیں۔''

انسان کی حقیقی زندگی اور شفا وتندرستی کا انحصار دل پر ہے کیونکہ ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (الحج 22:46) ''تو حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔''

اور یہ وحی الٰہی جو قرآن کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، آدمی کی روح اور زندگی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: [أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ] ''خبردار! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح اور صالح ہوتا ہے تو تمام بدن (کا فعل) صالح اور درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگاڑ اور فساد سے دوچار ہوتا ہے تو سارا بدن بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے، خبردار! یہ ٹکڑا دل ہے۔''[1] ...... کسی شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اِسے سنبھال لیا وہ سنبھل گیا

قرآن دل کی روح ہے اور اصلاحِ قلب کا مؤثر ترین عامل ہے۔ جب دل زندہ و بیدار ہو جاتا ہے تو انسانی زندگی کے تمام گوشے قرآنی ہدایت کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور انسان اللہ کے فضل ورحمت کا حقدار بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینه، حدیث:52 و صحیح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حدیث:1599.

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط﴾ (الشوریٰ 42:53,52) ''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (قانون وشریعت) کیا ہے اور ایمان (کی حقیقت وتفصیلات) کیا ہیں لیکن ہم نے اس (وحی وروح) کو نور بنا دیا، ہم اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپ سیدھی راہ دکھاتے ہیں، اللہ کی راہ جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔''

اور یہ قرآن ہی اس راہ کی دعوت دیتا ہے اور اسے بیان کرتا ہے جو تمام راہوں سے زیادہ سیدھی سچی اور سدھار کا باعث ہے۔ ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (بنی إسرآءیل 17:9) ''بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔''

قرآن کے ترجمے اور تفسیر کی ضرورت: چونکہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے قیامت تک آخری صحیفۂ ہدایت ہے جو ایسا دستور زندگی اور لائحہ عمل پیش کرتا ہے جسے اپنانے اور نظام حیات بنانے میں انسانوں کی دنیوی واخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اس کے بغیر دنیا امن وسکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی، نہ وہ حقیقی اور ابدی زندگی جو موت کے بعد حاصل ہو گی، خوش بختی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کا سمجھنا، ازبس ضروری ہے تاکہ ہم اس کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، قرآن کے علم وفہم کے بغیر اس پر عمل ممکن نہیں ہے اور عمل کے بغیر قرآن کے برکات وثمرات سے فیض یاب ہونے کی تمنا کرنا دیوانے کا خواب ہے۔

آج کل کا انسان قرآن مجید کے فہم وعلم اور اس پر عمل کرنے کا جس قدر محتاج ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں قرآن کریم کا فہم وعلم حاصل کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اسلاف صحابہ اور تابعین نے جس قدر عروج وترقی حاصل کی تھی اس کی تاریخ انسانیت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اسی لیے قرآن مجید بار بار غور وفکر اور تدبر وتعقل کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○﴾ (صٓ 38:29) ''یہ ایک عظیم بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر سوچ بچار کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔'' نیز فرمایا: ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○﴾ (محمد 47:24) ''کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟'' نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○﴾ (یوسف 12:2) ''بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں اتارا ہے تاکہ تم اسے سمجھو۔'' نیز فرمان ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○﴾ (النحل 16:44) ''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اتارا ہے تاکہ لوگوں کے لیے جو کچھ اتارا ہے آپ اسے ان کے سامنے کھول کر بیان کر دیں اور تاکہ وہ (خود بھی) اس پر غور وفکر کریں۔''

قرآن بلکہ کسی بھی کلام میں تدبر وتفکر اس کے معانی ومطالب سمجھے بغیر ممکن نہیں۔ اور قرآن مجید چونکہ ایک ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے اس لیے اس کا فہم اور تدبر وتفکر اس کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کا فریضۂ منصبی یہی تھا کہ وہ تلاوتِ آیات کے ساتھ ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور کتاب وحکمت کی روشنی میں عقائد، اعمال اور اخلاق کی تطہیر وتزکیہ فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق﴾ (الجمعة 62:2) ''(ملک، قدوس، عزیز اور حکیم ہی ہے) جس نے (اپنی ان صفات کے اظہار کے لیے) امیوں میں، انھی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔''

صحابۂ کرام اہل زبان تھے، ان کے سامنے قرآن اتر رہا تھا لیکن اس کے باوجود آپ انہیں پڑھ کر سناتے، اس کے معانی ومطالب اور حقائق ومعارف سکھاتے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ سمجھاتے تھے اور فرمانِ الٰہی: ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (النحل 16:44) کے امتثال میں اس کی علمی وعملی توضیح وتبیین فرماتے تھے۔ امام ابوعبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں: ہمیں قرآن کی تعلیم دینے والے صحابہ کرام حضرت عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بتایا کہ جب وہ دس آیات سیکھ لیتے تھے تو اس وقت تک ان سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات کے علم وعمل کو نہ سیکھ لیتے۔ انھوں نے کہا: اسی طرح ہم نے پڑھا اور علم وعمل سیکھا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو وہ ہماری نظروں میں جلیل القدر آدمی ٹھہرتا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صرف سورۂ بقرہ کے حفظ کرنے پر آٹھ برس صرف کر دیے تھے۔ ①

ظاہر ہے یہ آٹھ برس محض الفاظ یاد کرنے پر صرف نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ یہ قرآن کی حکمت اس کے حقائق ومعارف جاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے پر صرف ہوئے تھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر قرآن اتارا، آپ کی زبان پر اسے جاری کیا اور پڑھایا اسی طرح اس کے معانی ومطالب کی بھی تعلیم دی، ارشاد باری ہے: ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ ﴾ (القيمة 75:19) ''اس کا بیان اور توضیح بھی ہمارے ذمے ہے۔'' اسی لیے آپ پر حکمت بھی اتاری، تنہا قرآن نہیں اتارا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ ﴾ (النسآء 4:113) ''اور آپ پر اللہ نے کتاب وحکمت اتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔'' حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ اقوال وافعال اور تقاریر ہیں جن کے بغیر قرآن کو سمجھنا ناممکن ہے۔

اسی طرح صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن پڑھنا، اس کے معانی ومطالب سمجھنا اور اس پر عمل کرنا سیکھا اور ان تینوں چیزوں کی تعلیم اپنے تلامذہ تابعین عظام کو دی۔ علم وعمل اور تعلیم وتعلُّم کی یہ روایت تابعین سے تبع تابعین تک پہنچی، یوں یہ سلسلہ قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ آج تک قائم ہے۔ علاوہ ازیں زبانی تعلیم وتعلُّم کے علاوہ دوسری صدی ہجری سے قرآنِ کریم کی توضیح وتفسیر کے لیے تحریری کام کا بھی آغاز ہوا اور ان علماء نے جو علوم قرآن وحدیث کے جامع تھے، قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں ان میں سب سے زیادہ جامع تفسیر، تفسیر طبری ہے۔ انھی مفسرین میں سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ہیں جن کی تفسیر کو متعدد وجوہ سے عوام وخواص میں سب سے زیادہ پذیرائی ملی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر قرآن کے فرمودات، رسول اکرم ﷺ کی احادیث اور صحابہ وتابعین کے علم وعمل کی روشنی میں لکھی ہے، اسی بنا پر یہ ایک بلند پایہ تفسیر ہے جسے تفسیری کتابوں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ مکتبہ دارالسلام کے مدیر محترم مولانا عبدالمالک مجاہد، ان کے خصوصی معاون عزیزم حافظ عبدالعظیم صاحب اسد، عزیزم حافظ محمد نعمان فاروقی اور مکتبہ کے تمام رفقاء کو اجر جزیل اور ثواب عظیم سے نوازے جو اس تفسیر کے اختصار کو اردو میں پیش کرنے کا ذریعہ بنے ہیں اور برادرم محمد خالد سیف کے حُسنِ خیال کے پیرائے میں اِسے طباعتی سولہ سنگھار کے ساتھ نہایت خوبصورت انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حُسنِ عمل سے ان کی حسنات کا پلڑا بھاری رکھے اور انھیں دنیوی واخروی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

حافظ عبدالعزیز علوی

(شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد)

(ذوالحجہ 1426ھ۔ جنوری 2006ء)

① مجموعة الفتاوی لابن تيمية: 331/13.

مختصر حالاتِ زندگی

مُفسّرِ عظیم، مُحدّثِ کبیر، مُؤرّخ شہیر حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ

از: ابوعبداللہ محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

نام ونسب: آپ کا نام اسماعیل، کنیت ابوالفداء اور لقب عماد الدین ہے اور ابن کثیر کے عرف سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع البُصْروی الدِّمشقی۔ [1]

ولادت اور تعلیم وتربیت: آپ کی پیدائش 701ھ (1302ء) میں مِجدَل بستی میں ہوئی۔ یہ بستی ملک شام کے مشہور شہر بُصریٰ کے اطراف میں واقع ہے۔ آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد شیخ ابوحفص شہاب الدین عمر اس بستی کے خطیب تھے۔ ابھی آپ نے عمر کی صرف چار بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے تو آپ کے بھائی شیخ عبدالوہاب نے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا بیڑا اٹھایا جو خود بھی ایک جید عالم دین اور ممتاز فقیہ تھے، پھر جب آپ کی عمر پانچ برس ہوئی تو 706ھ میں بھائی کے ساتھ دمشق منتقل ہو گئے اور یہیں پلے بڑھے اور تعلیم و تربیت حاصل کی۔

اساتذہ ومشائخ: امام ابن کثیر نے بہت سے اساتذہ سے کسب فیض کیا لیکن شروع میں آپ نے ابتدائی فقہ کی تعلیم اپنے بڑے بھائی سے حاصل کی۔ اس بھائی کی بابت آپ فرماتے ہیں: ''ہمارا بڑا بھائی ہمارے ساتھ نہایت مہربانی، محبت اور شفقت والا برتاؤ کیا کرتا تھا۔'' بعدازاں انھوں نے مختلف علوم وفنون میں دسترس رکھنے والے متعدد مشاہیرِ وقت اساتذہ اور شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

- برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن فَزاری المتوفی 729ھ۔ یہ ابن الفرکاح کے نام سے مشہور ہیں۔
- شام کے جلیل القدر عالم اور مشہور مؤرخ بہاء الدین القاسم بن مظفر بن النجم محمود بن تاج الأُمناء ابن عساکر المتوفّٰی 723ھ۔
- دمشق میں عیسٰی بن المطعم سے سماع کیا۔
- محمد بن زرّاد سے حدیث کا سماع کیا۔
- عماد الدین محمد بن الشیرازی المتوفی 749ھ۔
- عفیف الدین بن یحییٰ الآمدی المتوفی 725ھ۔ یہ ظاہریوں کے شیخ گردانے جاتے ہیں۔

---

[1] ''البُصْرَوِی'' یا ''البُصْری'' اور ''الدِّمَشْقِی'' دو نسبتیں پیدائش اور تعلیم وتربیت کے اعتبار سے ہیں۔ چونکہ آپ کی پیدائش ''بُصری'' کے علاقے میں ہوئی اس لیے ''البصروی'' یا ''البصری'' کہلائے۔ اور کم سنی ہی میں برادر بزرگ کے ہمراہ دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وہیں تعلیم وتربیت حاصل کی، اس لیے تعلیم وتربیت کی نسبت کے اعتبار سے ''الدمشقی'' کہلائے۔ دیکھیے الباعث الحثیث، ص: 23.

❀ حافظ ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف القاضی الکَلْبِی الدِّمَشْقِی المِزّی المتوفی 742ھ۔
❀ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ الحَرّانی المتوفی 728ھ۔
❀ الشیخ الامام الحافظ المؤرخ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی 748ھ۔

ان اساطین علم کے علاوہ کئی جلیل القدر علماء نے امام ابن کثیر کو اپنی روایات بیان کرنے کی اجازت بھی دی تھی، مثلاً: ابوموسیٰ القَرَافی الحسینی، ابوالفتح الدَّبُوسی، علی بن عمر الوانی اور یوسف الخُتَنِی وغیرہ۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ جب کوئی طالب علم کسی فن میں دسترس اور کمال حاصل کر لیتا تو وہ اس فن کی کوئی مختصر سی کتاب حفظ کرتا، چنانچہ اس دستور کے مطابق آپ نے بھی شیخ ابواسحٰق شیرازی المتوفی 476ھ کی فقہ میں کتاب التنبیہ فی فروع الشافعیۃ زبانی یاد کر کے 18 سال کی عمر میں سنا دی۔ اسی طرح اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی المتوفی 646ھ کی مختصر کو حفظ کیا۔ کتب اصول آپ نے ''مختصر ابن حاجب'' کے شارح علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی المتوفی 749ھ سے پڑھیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ (ذیل تذکرۃ الحفاظ:5/238،239 میں) رقمطراز ہیں: ''آپ نے حجّار اور اس طبقے کے اہل علم سے سَماع (حدیث) کیا۔'' سابقہ سطور میں حجار کے ہم طبقہ علماء میں سے کئی مشاہیر کا ذکر ہو چکا ہے۔

مذکورہ تمام اہل علم وفضل میں سے سب سے زیادہ جس صاحب علم وکمال شیخ سے آپ نے خوشہ چینی کی وہ ہیں اسماء الرجال کی شہرۂ آفاق کتاب تہذیب الکمال کے جلیل القدر مصنف، محدّثِ شام حافظ جمال الدین مزی رحمہ اللہ۔

امام سیوطی رحمہ اللہ (ذیل تذکرۃ الحفاظ:5/239 میں) لکھتے ہیں: ''انھوں نے شیخ مزی (کے زیر تربیت رہ کر ان) سے علم حاصل کیا، عرصۂ دراز تک ان کے پاس رہے اور اپنے تمام ساتھیوں سے فائق ہو گئے۔''

مایہ ناز مصنف شیخ احمد محمد شاکر مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شیخ جمال الدین یوسف بن الزکی المزی رحمہ اللہ (742ھ) صاحب تہذیب الکمال سے طویل عرصے تک کسب فیض کیا، ان سے مستفید ہوئے، فاضل بنے اور انھی کی لختِ جگر آپ کے حِبالۂ عقد میں آئیں۔'' (الباعث الحثیث، ص:24) پھر ''تہذیب الکمال'' جیسی عظیم الشان مُطَوّل کتاب کا سماع بھی انھی سے کیا۔ عرصۂ دراز تک شیخ مزی کی خدمت اور صحبت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھائی اور کتاب وسنت کے اس چشمۂ صافی سے خوب خوب سیر ہوئے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ قربت اور مصاحبت کا نہایت خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی زندگی پر گہرے نقوش مرتب کیے۔ یہ خصوصی تعلق آپ کی علمی اور عملی زندگی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بھی ایسے مسائل میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے متاثر تھے جن میں امام صاحب جمہور اسلاف سے متفرد ہیں۔ اس بنا پر آپ آزمائش میں مبتلا کیے گئے اور ستائے گئے۔

مشاہیر اہلِ علم کا خراج تحسین: شیخ احمد محمد شاکر مصری رحمہ اللہ (الباعث الحثیث، ص:24 پر) یوں رقم طراز ہیں: ''انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بہت کچھ پڑھا، لمبا عرصہ ان کی شاگردی اور صحبت میں رہے، ان سے بہت محبت کی اور ان کے علوم وفنون سے بڑا فائدہ اٹھایا۔''

اسی طرح مشہور مؤرخ حافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ حافظ ذہبی المعجم المختص میں اپنے

عظیم شاگرد رشید امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے متعلق رقمطراز ہیں: ''وہ امام، مفتی، محدث، نہایت باکمال، گوناگوں اوصاف کے مالک، فقیہ اور مفسر قرآن تھے اور ان کی کتب بہت مفید ہیں۔'' (الدرر الكامنة: 374,373/1)

اقلیم حدیث کے تاجدار حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب (الدرر الكامنة: 374,373/1) میں ابن کثیر رحمہ اللہ کی بابت لکھتے ہیں: ''وہ رجال حدیث اور متونِ حدیث کے مطالعہ میں مشغول رہے...... اور ان کا استحضار بلا کا تھا، نہایت ہنس مکھ اور خوش طبع تھے۔ ان کی تصانیف ان کی زندگی ہی میں دور دراز تک پہنچ چکی تھیں اور لوگوں نے ان کی وفات کے بعد بھی ان کی کتب سے بہت فائدہ اٹھایا۔'' آخر میں فرماتے ہیں: ''ان کا شمار تو فقہاء محدثین میں ہوتا تھا۔''

المؤرخ الشہیر ابوالمحاسن جمال الدین یوسف بن سیف الدین المعروف بابن تغری بُرْدِی حنفی اپنی کتاب المنهل الصافي والمستوفي بعد الوافي میں تحریر کرتے ہیں: ''بحرِ بے کراں امام ابوالفداء عماد الدین نے علم اور مطالعۂ حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ یہ عادت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی۔ انھوں نے علم حاصل کیا، لکھا اور فقہ، تفسیر اور حدیث میں ممتاز مقام پر فائز ہوئے۔ انھوں نے بہت سے اساتذہ سے بہت سا علم جمع کیا، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں منہمک رہے۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور عربی زبان وغیرہ میں وسیع الاطلاع اور بڑی معلومات کے حامل تھے۔ تاحیات مسند فتوی اور مسند درس و تدریس پر متمکن رہے۔'' اور واقعتاً وہ اس کے اہل بھی تھے۔

استاد احمد شاکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''امام ابن کثیر رحمہ اللہ ضبط و تحریر میں مشہور ہوئے، تاریخ و حدیث اور تفسیری علم کی سربراہی ان پر ختم ہو گئی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے شعر و سخن کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس میدان کے لیے منتخب ہی نہیں کیا تھا۔ (الباعث الحثيث، ص:25)

تلامذہ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ساری زندگی درس و تدریس میں بسر فرمائی، اپنے دور کے بڑے بڑے علمی مراکز میں مسند تدریس پر فائز رہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تذکرہ نگاروں نے آپ کے شاگردوں میں سے، جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، صرف ایک دو کا نام ذکر کیا ہے، البتہ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان ندوی بہت تحقیق اور تلاش و جستجو کے بعد آپ کے درج ذیل چودہ شاگردوں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے ہیں:

(1) ابن الیونانیہ (707-793ھ) شمس الدین محمد بن علی بن احمد بن محمد الیونانی البَعْلی۔ ابن العماد نے لکھا ہے کہ انھوں نے تفسیر ابن کثیر کی تلخیص بھی کی تھی۔

(2) ابن سند (729-792ھ) شمس الدین ابوالعباس محمد بن موسیٰ بن محمد بن سند بن نعیم اللَّخْمِی

(3) یحییٰ الرَّجَبی (715-794ھ) محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن یوسف بن یعقوب بن احمد بن یحییٰ الرجبی

(4) محمد الزرکشی (745-794ھ) بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ

(5) ابن عنقہ البسکری (م804ھ) ابوجعفر محمد بن محمد

(6) سعد النواوی (729-805ھ) سعد الدین سعد بن یوسف

(7) ابن الحریری (738-813ھ) شہاب الدین احمد بن محمد

(8) علی الرَّدماوِی (741-813ھ) ابوزید وابوالحسن علی بن زید

(9) ابن الحسبانی (749-815ھ) شہاب الدین ابوالعباس احمد بن اسماعیل

(10) مسعود الاَنطاکی (م 815ھ) شرف الدین مسعود بن عمر بن محمود

(11) ابن حجّی السعدی (751-816ھ) شہاب الدین ابوالعباس احمد بن العلاء

(12) محمد الحبتی (745-825ھ) شمس الدین ابوالمعالی محمد بن احمد

(13) ابن الجزَرِی (751-833ھ) شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد

(14) عبدالعزیز بن عثمان بن یوسف بن المجد الشیرازی[1]

شاگردوں کا خراجِ تحسین: ابن حجّی اپنے استاد محترم رحمہ اللہ کو ان الفاظ کی ساتھ خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں: ''جن اساطین علم کو ہم نے پایا ہے ان میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ متون حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے، نیز علم جرح وتعدیل اور صحیح وضعیف احادیث کے بہت بڑے عارف و ماہر تھے۔ ان کے ہم درس، ہم عصر اور ان کے شیوخ بھی ان کی ان خوبیوں اور کمالات کا اعتراف کرتے تھے۔ میں ان کی خدمت میں بکثرت حاضر ہوا ہوں اور ان سے استفادہ ہی کیا ہے۔'' (شذرات الذھب: 232,231/6)

امام ابن کثیر، ابن رافع، مغلطائی اور حافظ حسینی، ان چار ہم عصر اہل علم کی بابت حافظ زین الدین عراقی سے کسی شخص نے پوچھا کہ ان معاصرین میں سے کون سب سے بڑا عالم ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ان چاروں میں سے متون اور تاریخ کے سب سے زیادہ حافظ و عالم امام ابن کثیر رحمہ اللہ ہیں۔ سب سے زیادہ ٹک کر علم حدیث حاصل کرنے والے اور مؤتلف ومختلف کے بڑے عالم ابن رافع ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معلومات کے حامل اور وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ تخریج کے علم سے واقف اور سب سے زیادہ ہم عصر شیوخ سے باخبر حافظ حسینی ہیں۔

مشہور مؤرخ، فقیہ، ادیب ابوالفلاح عبدالحیٔ بن العماد حنبلی المتوفی 1089ھ اپنی تالیف (شذرات الذھب فی أخبار من ذھب: 231/6) میں یوں رقم طراز ہیں: ''حافظ عماد الدین نے اٹھارہ برس کی عمر میں ''التنبیہ'' حفظ کر کے سنا دی۔ وہ کثیر الاستحضار، قلیل النسیان اور جید الفہم تھے۔''

درس وتدریس، افتاء اور ذکر الٰہی: امام موصوف نے علمی مشغولیت کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ خوب محنت کر کے علم حاصل کیا، بہت سی کتب تصنیف کیں، فقہ، تفسیر، علم حدیث، عربیت، رجال، علل اور نحو میں مہارت حاصل کی، بہت سی کتب جمع کیں، درس دیا، حدیث بیان کی، تاحیات مسند افتاء وتدریس پر جلوہ افروز رہے، ضبط وتحریر میں خاصی شہرت پائی۔ تاریخ، حدیث اور تفسیر کے علم میں اپنے دور میں سب سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ اپنے استاذ امام ذہبی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد مدرسہ امام صالح میں شیخ الحدیث کی مسند سنبھالی، امام جلیل ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔

تصنیفات: آپ نے مختلف علوم وفنون، خصوصاً تفسیر، حدیث اور تاریخ میں بہت سی کتب تصنیف فرمائیں جو بے حد مفید اور نافع

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں الامام ابن کثیر رحمہ اللہ، ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان الندوی، ص: 78-87 طبع دار ابن کثیر دمشق، بیروت۔

ہیں اور ان میں سے بعض مطوّل، بعض متوسط اور بعض مختصر حجم کی ہیں، ان میں سے بعض زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور بعض ابھی تک مخطوطات کی صورت میں دنیا کی مختلف لائبریریوں کی زینت ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات کی تعداد 34 ہے جن میں سے چند اہم کے نام حسب ذیل ہیں:

کتب مطبوعہ:

(1) تفسیر القرآن العظیم ...... یہی تفسیر ابن کثیر ہے۔ اس کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔

(2) الهدى والسنن في أحاديث المسانيد والسنن: ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہی کتاب جامع المسانید کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے اس کتاب میں ان دس کتب حدیث کی روایات کو جمع کر دیا ہے: کتب ستہ، یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداود، سنن نسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابوبکر البزار، مسند حافظ ابویعلی الموصلی اور المعجم الکبیر للطبرانی۔ مزید برآں ان مذکورہ دس کتب حدیث کی مجموعہ روایات کے علاوہ اور بھی احادیث ذکر کی ہیں۔ امام صاحب کا اپنا بیان ہے، فرماتے ہیں: ''میں اس کتاب (جامع المسانید والسنن) میں (مذکورہ) دس کتب کی روایات کے علاوہ بسا اوقات اور کتب کی روایات بھی ذکر کرتا ہوں۔'' (جامع المسانيد والسنن: 10/1) اس کتاب میں مختلف موضوعات از قسم احکام، تفسیر، تاریخ، رقائق، فضائل وغیرہ کی بابت ایک لاکھ سے زیادہ صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مکرر احادیث بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب کی بابت کہا گیا ہے: ''امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی تصانیف میں سے یہ مفید ترین تصنیف ہے۔'' اس کتاب کا قلمی نسخہ دار الکتب المصرية میں موجود ہے۔

(3) البداية والنهاية: فن تاریخ میں یہ کتاب بڑی معرکۃ الآراء تصنیف شمار ہوتی ہے۔ اور کچھ اس طرح سے مرتب کی گئی ہے کہ سال اور مہینے وغیرہ کی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے، یعنی پہلے ایک سال میں واقع ہونے والا واقعہ، پھر اس کے بعد والے سال کا، پھر اس کے بعد والے کا۔ اس کتاب میں امام صاحب نے قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور انبیاء و رسل علیہم السلام اور سابقہ اقوام و امم کے قصے اور واقعات ترتیب وار بیان کیے ہیں۔ ان قصص اور واقعات میں غرائب و مناکیر اور اسرائیلی روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کئی مقامات پر ان کا ضعف اور کمزوری بھی لکھتے ہیں۔ اور اس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کا بیان ہے حتیٰ کہ اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ بیان کی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے 767ھ یعنی اپنی وفات سے تقریباً چھ سات سال قبل تک کی تقریباً مکمل تاریخ بیان کر دی ہے۔ مؤرخ ابن تغری اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ (البداية والنهاية) بہت خوب کتاب ہے۔'' بدر الدین عینی نے اپنی تاریخ میں عموماً اسی پر انحصار کیا ہے۔ اس کتاب میں اگرچہ رطب و یابس، قصص اور واقعات درج کیے گئے ہیں لیکن سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم والا حصہ بہترین ہے۔ بہت سے اہل علم کا تذکرہ موجود نہیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود فن تاریخ میں دوسری کتابوں کی نسبت قدرے بہتر ہے۔

(4) الاجتهاد في طلب الجهاد: یہ کتاب امام صاحب نے امیر منجک بن عبداللہ سیف الدین یوسفی المتوفی 776ھ کی ترغیب اور خواہش پر لکھی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دار الکتب المصرية میں موجود ہے۔ یہ کتاب آٹھویں صدی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین واقع ہونے والے معرکوں اور حوادث کے بیان پر مشتمل ہے اور ایک معتبر تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی

ہے کیونکہ اس کتاب میں مصنف نے اس دور میں وقوع پذیر ہونے والے حوادثات کو امانت و دیانت اور سچائی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کتاب کے مقدمے میں مصنف رحمہ اللہ نے وہ آیات ذکر کی ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ پر ابھارتی ہیں، پھر احادیث نبویہ میں سے تیرہ حدیثیں بیان کی ہیں۔ اس کے بعد وہ حدیث بیان فرمائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان واقع ہونے والی کشمکش اور ٹکراؤ کا بیان فرمایا ہے، پھر فرنگیوں کے اسکندریہ کے قلعے پر حملہ آور ہونے اور مسلمانوں کی مزاحمت کا بیان ہے۔ بعد ازاں مسلمانوں کی جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں اس مسلسل جدوجہد، مخلصانہ کوشش اور لازوال خدمات کا ذکر ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زریں دور میں شام کے علاقوں میں سرانجام دیں۔ اور جو کچھ اس کے بعد ہوا، مثلاً: فرنگیوں کا بیت المقدس پر قابض ہونا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا ان کی اچھی طرح ''ٹھکائی'' کر کے بیت المقدس کو ان کے ناپاک اور غلیظ ہاتھوں سے چھڑانا وغیرہ۔

(5) اختصار علوم الحدیث: فن اصول حدیث پر لکھی گئی علامہ ابن صلاح کی کتاب علوم الحدیث جو ''مقدمہ ابن صلاح'' کے نام سے معروف ہے یہ کتاب اس کا اختصار ہے۔ مؤلف نے کئی مقامات پر اس میں مفید اضافے بھی کیے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کتاب کی بابت فرماتے ہیں: ''اس کتاب (اختصار علوم الحدیث) میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بہت سے فوائد ہیں۔'' مصر کے مشہور سلفی عالم اور ماضی قریب کے محدث شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ نے الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث کے نام سے اس کی بہترین اور عمدہ شرح لکھی ہے جس میں شیخ نے جابجا مفید اضافے بھی کیے ہیں۔

(6) شمائل الرسول ودلائل نبوته وفضائله وخصائصه: سیرت رسول امین ﷺ پر لکھنا ہر مسلمان مصنف کا خواب ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے اور یہ سعادت ہر ایک مؤلف کو حاصل بھی نہیں ہوتی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کو یہ سعادت بھی حق تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوئی کہ انھوں نے سیرت النبی ﷺ پر ایک بڑی مفصل اور طویل کتاب لکھی۔

(7) اختصار السیرة النبویة: یہ بھی سیرت ہی پر لکھی گئی ایک مختصر کتاب ہے۔ امام صاحب نے اس کا ذکر اپنی تفسیر میں سورۂ احزاب میں غزوۂ خندق کے بیان میں کیا ہے۔ یہ کتاب 1358ھ میں مصر سے الفصول فی اختصار سیرة الرسول کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ مدینہ طیبہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے۔ واللہ أعلم.

(8) رسالة فی فضائل القرآن: یہ رسالہ اپنے موضوع پر مختصر مگر جامع اور مفید ہے۔

(9) أحادیث التوحید والرد علی الشرك: اس کتاب کی بابت کہا گیا ہے کہ 1297ھ میں دہلی میں طبع ہوئی۔

کتب مخطوطہ:

(1) طبقات الشافعیة: اس کتاب میں فقہائے شافعیہ کا بہت خوبصورت تذکرہ ہے۔

(2) مناقب الشافعی: اس رسالے میں مصنف نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب (کشف الظنون:1840/2) میں اس کتاب کا نام الواضح النفیس فی مناقب الإمام ابن إدریس ذکر کیا ہے۔ خود امام

ابن کثیر نے اس کا ذکر اپنی کتاب البداية و النهاية میں امام شافعی رحمہ اللہ کے تذکرے میں کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے۔

کتب مفقودہ:

(1) الأحکام: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے احادیث احکام کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھنی شروع کی تھی لیکن اس کو مکمل نہ کر سکے، صرف کتاب الحج تک لکھ سکے۔

(2) مسند الشیخین: اس کتاب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے شیخین کریمین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امارت کی کیفیت اور ان کے فضائل وشمائل ذکر کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کو بھی یہ کتاب شامل ہے۔ اور تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

(3) السماع: امام ابن کثیر کی اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے (کشف الظنون:1002/2) میں کیا ہے۔

(4) شرح صحیح البخاری: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ قرآنِ مقدس کے بعد کرۂ ارض پر صحیح ترین کتاب صحیح البخاری کی شرح لکھنی شروع کی تھی مگر اس کو مکمل نہ کر سکے۔ پس تھوڑے سے حصے ہی کی شرح کر سکے تھے۔ دیکھیے (کشف الظنون:550/1)

(5) تخریج أحادیث أدلة التنبیه فی فروع الشافعیة.

(6) تخریج أحادیث مختصر ابن حاجب: مذکورہ دونوں کتابیں التنبیه اور مختصر ابن حاجب وہی کتابیں ہیں جن کو امام صاحب نے زمانۂ طالب علمی میں تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا اور التنبیه تو سنا بھی دی تھی۔

(7) الکواکب الدراری فی التاریخ: یہ کتاب، امام صاحب کی اپنی ہی کتاب البداية و النهاية ہی سے انتخاب ہے۔ (کشف الظنون:1521/2)

(8) کتاب المقدمات: مصنف رحمہ اللہ نے اس کا ذکر مختصر مقدمہ ابن صلاح (اختصار علوم الحدیث) میں کیا ہے۔

(9) مختصر کتاب، المدخل إلی کتاب السنن، للبیهقی: اس کا ذکر بھی امام صاحب نے اختصار علوم الحدیث ہی میں کیا ہے۔

(10) التکمیل فی معرفة الثقات و الضعفاء و المجاهیل: یہ فن رجال کی کتاب ہے۔ اس میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنے دو اساتذۂ کرام امام مزی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کی دو کتابیں تهذیب الکمال اور میزان الاعتدال جمع کر دی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی بہت سے مفید اضافے کیے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق خود مصنف کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ''یہ کتاب ایک ماہر فقیہ اور محدث کے لیے بہت ہی مفید ہے۔''

(11) مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حروف کے اعتبار سے ترتیب دیا تھا اور اس کے ساتھ مسند أبی یعلی اور المعجم للطبرانی سے زوائد بھی درج کیے تھے۔

ان مذکورہ تصنیفات کے علاوہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اور بھی کئی تصنیفات از قسم ذیول، شروح اور اختصار وغیرہ ہیں۔ کئی

کتب کا صرف نام ہی ملتا ہے۔

وفات: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ اور ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝﴾ کے قانون قدرت کے عین مطابق تصنیف وتالیف کے بادشاہ اور مسندِ افتاء وتدریس کے شہسوار حافظ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بقول صاحب المنهل الصافی بروز جمعرات، 26 شعبان، 774ھ کو دمشق میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ کم وبیش 74 برس قبل طلوع ہونے والا علم تفسیر وحدیث، تاریخ واصول حدیث، فن رجال وعلل اور نحو وغیرہ کا یہ مہتاب غروب ہوگیا اور دمشق میں اپنے محبوب اور جلیل القدر استاذ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن ہوا۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُمَا وَجَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُمَا.

مثلِ ایوانِ سَحر مَرقَد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شَبستاں ہو ترا
آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نَورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آپ کی وفات پر آپ کے کسی شاگرد نے بڑا ہی دردناک مرثیہ لکھا جس کے دو شعر یہ ہیں:

لِفَقْدِكَ طُلَّابُ الْعُلُومِ تَأَسَّفُوا
وَجَادُوا بِدَمْعٍ لَّا يَبِيدُ غَزِيرُ
وَلَوْ مَزَجُوا مَاءَ الْمَدَامِعِ بِالدِّمَا
لَكَانَ قَلِيلًا فِيكَ يَا ابْنَ كَثِيرُ

''آپ کی موت کی وجہ سے شائقین علم رنجیدہ اور مغموم ہیں۔ وہ اس قدر کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں جو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اے ابن کثیر! اگر وہ آنسوؤں کے ساتھ لہو بھی ملا دیتے تب بھی یہ (تمھاری یاد میں بہائے ہوئے آنسو) تھوڑے ہی تھے۔''[1]

اولاد: آپ نے پسماندگان میں دو نامور فرزند چھوڑے تھے۔ ایک زین الدین عبدالرحمٰن جنھوں نے 792ھ میں وفات پائی اور دوسرے بدرالدین ابوالبقاء۔ یہ بہت بڑے محدث تھے۔ انھوں نے 803ھ میں وفات پائی۔

[1] النجوم الزاهرة فی ملوك مصر والقاهرة، لابن تغری بردی: 124/11.

مقدمہ ابن کثیر رحمہ اللہ

شیخ، امام یکتائے روزگار، ماہر، حافظ، متقی و پرہیزگار عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن خطیب ابوحفص عمر بن کثیر شافعی، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان سے راضی ہو جائے، فرماتے ہیں:

تمام تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے حمد کے ساتھ اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ (الفاتحة 1:2-4) ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا، بدلے کے دن کا مالک ہے۔'' اور اس نے اپنی مخلوق کی تخلیق کا آغاز بھی حمد ہی سے کیا اور فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:1) ''ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر بھی کافر اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں۔''

اور اس کے اختتام (کے ذکر) کو بھی حمد ہی سے کیا، چنانچہ اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْمَلٰۗىِٕكَةَ حَاۗفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الزمر 39:75) ''اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔ اور ان میں حق (وانصاف) کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔'' اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:70) ''اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم (چلتا) ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

چنانچہ دنیا و آخرت میں اسی کی تعریف ہے، یعنی ان تمام مخلوقات میں، جن کو اس نے پیدا فرمایا ہے اور جن کو وہ پیدا فرمائے گا، صرف وہی قابل تعریف ہے جیسا کہ نمازی بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے: [اَللّٰهُمَّ ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ] ''اے اللہ! ہمارے پروردگار! تیرے ہی لیے تعریف ہے اتنی کہ جس سے آسمان بھر جائیں اور زمین بھر جائے اور اس کے بعد وہ چیز بھر جائے جس کو تو چاہے۔''①

اور سب طرح کی تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا جو ﴿ مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

① صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی ﷺ ودعائه باللیل، حدیث:771 مطوّلًا عن علی ؓ و سنن النسائی، التطبیق، باب ما یقول فی قیامه ذلك، حدیث:1067 عن ابن عباس ؓ واللفظ له.

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ﴾ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾ (النساء 165:4) ''خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہیں تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔'' اور تمام پیغمبروں کے بعد، سب سے آخر میں اس نے اپنے نبی اُمّی، عربی، مکی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جو سب سے زیادہ واضح راستے کی طرف رہنمائی کرنے والے تھے اور (اس طرح) انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ مکمل فرما دیا۔ آپ ﷺ کو بعثت سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ا۟لَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7: 158) ''(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (وہ) جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول اُمّی نبی پر، جو خود اللہ اور اس کے تمام کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ (الأنعام 19:6) ''تاکہ میں اس (قرآن) کے ذریعے سے تم کو اور جس جس تک وہ پہنچ سکے، آگاہ کردوں۔'' چنانچہ جس عربی وعجمی، سیاہ وسرخ اور انسان وجن تک یہ قرآن پہنچ جائے تو یہ اسے آگاہ کرنے والا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾ (هود 11: 17) ''اور جو کوئی اور گروہوں میں سے اس سے منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔'' پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واضح نص ہے کہ مذکورہ بالا لوگوں میں سے جو کوئی بھی قرآن کا انکار کرے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (القلم 68: 44) ''لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اسے جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے، ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: [وَبُعِثْتُ اِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ''اور مجھے سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''① امام مجاہد فرماتے ہیں کہ سرخ وسیاہ سے مراد انسان اور جن ہیں،② پس رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں اور جنوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان تک اس کتاب عزیز کو پہنچانے والے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا اور جس کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41: 42) ''اس (کتاب) پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے (اور یہ) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔''

قرآن میں غور کرنے کی تلقین: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تلقین فرمائی ہے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ (النساء 4: 82) ''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔'' اور فرمایا: ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (صٓ 38: 29) ''(یہ) کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔'' نیز فرمایا: ﴿ اَفَلَا

① صحيح مسلم، كتاب وباب المساجد و مواضع الصلاة، حديث: 521 عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه و مسند أحمد: 145/5 واللفظ له عن أبي ذر رضي الله عنه. ② المستدرك للحاكم، التفسير، سورة سبا: 424/2، حديث: 3587 و تفسير القرطبي: 217/16.

يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿ (محمد 47: 24) ''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟'' لہٰذا علماء پر واجب ہے کہ وہ کلام اللہ کے معانی کو واضح کریں، اس کی تفسیر بیان کریں اور اسے اس کے مراجع وما خذ سے حاصل کریں، نیز اسے سیکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿ (آل عمران 3:187) ''اور جب اللہ نے ان لوگوں سے، جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی، عہد لیا کہ (اس میں جو کچھ لکھا ہے) اسے ضرور صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا تو انھوں نے اس کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کی، لہٰذا یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں برا ہے۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿ (آل عمران 3: 77) ''جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسموں (کو بیچ ڈالتے ہیں اور ان) کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ قیامت کے روز ان سے اللہ نہ تو ان سے کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی اس وجہ سے مذمت فرمائی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے منہ پھیر لیا تھا جو ان کی طرف نازل کی گئی تھی، نیز انھوں نے دنیا اور اس کی دولت کے جمع کرنے ہی کو مقصود اصلی بنالیا تھا۔ علاوہ ازیں کتاب اللہ کی پیروی کے بجائے، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا، وہ دوسری ہی چیزوں میں مشغول ہو گئے تھے۔

لہٰذا اے مسلمانو! ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کاموں سے باز آ جائیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے اور اسے بجالائیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو سیکھیں جو اس نے ہماری طرف نازل فرمائی ہے اور اسے دوسروں کو بھی سکھائیں، اسے خود بھی سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿ (الحدید 57: 16,17) ''کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو حق تعالیٰ (کی طرف) سے نازل ہوا ہے، اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر زمان طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ تم جان رکھو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، ہم نے اپنی نشانیاں تم سے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو۔''

یہاں پہلی آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو دوسری آیت ﴿ اِعْلَمُوْٓا ...... ﴿ کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ جس طرح وہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ دلوں کو بھی گناہوں اور معصیتوں سے سخت ہو جانے کے بعد ایمان اور ہدایت کے ساتھ نرم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے اور دعا بھی کہ وہ ہمارے دلوں کو بھی ایمان اور ہدایت سے نرم فرما دے۔ اِنَّهٗ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ.

اصول تفسیر: اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفسیر کا سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی کے ساتھ کی جائے کیونکہ قرآن مجید میں ایک چیز کو اگر ایک جگہ اجمال سے بیان کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اسے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اگر کسی جگہ دشواری پیش آئے تو پھر قرآن کی سنت کے ساتھ تفسیر کریں کیونکہ سنت قرآن کی شرح اور وضاحت کرنے والی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:105) ''(اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور دغا بازوں کے حمایتی نہ بنیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:44) ''اور ہم نے آپ پر بھی یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل کیے گئے ہیں وہ ان پر واضح کر دیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: [أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ] ''سن رکھو! بے شک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔''① مثل سے مراد سنت ہے، سنت بھی آپ پر بذریعہ وحی اسی طرح نازل ہوتی تھی جس طرح قرآن نازل ہوتا تھا، ہاں! البتہ سنت کی اس طرح تلاوت نہیں کی جاتی جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ آپ قرآن کی تفسیر سب سے پہلے قرآن ہی سے طلب کریں، اگر قرآن سے نہ ملے تو پھر اسے سنت سے حاصل کریں اور اگر کسی مقام کی تفسیر قرآن اور سنت دونوں ہی سے نہ ملے تو پھر ہم اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت قرآن کی تفسیر کو سب سے زیادہ جانتے تھے، اس لیے کہ انھوں نے ان قرائن اور حالات کا مشاہدہ کیا جو انھی کے ساتھ مخصوص تھے اور وہ فہم و بصیرت، علم صحیح اور عمل صالح کی نعمتوں سے بہرہ ور تھے، خصوصاً وہ جن کا علماء اور کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتا ہے، مثلاً: ائمہ اربعہ یعنی حضرات خلفائے راشدین، و دیگر ائمہ مہتدین و مہدیین اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔

امام ابوجعفر ابن جریر نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کتاب اللہ میں نازل ہونے والی ہر آیت کے بارے میں، میں یہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی، اگر مجھے یہ علم ہو کہ کوئی شخص کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو میں اس کی خدمت میں ضرور حاضری دوں، خواہ (وہ اس قدر دور ہو کہ) سواریوں پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچنا پڑے۔②

انھی مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک امت کے بڑے عالم اور بحر علم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپ کی دعا کی برکت سے ترجمان القرآن تھے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لیے یہ دعا فرمائی تھی: [اَللّٰهُمَّ! فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ] ''اے اللہ! انھیں دین میں فقاہت عطا فرما اور قرآن مجید کی تفسیر (کا علم) سکھا۔''③

① مسند أحمد: 130/4 و سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: 4604 عن المقدام رضی اللہ عنہ. ② تفسير الطبري: 56/1 اور دیکھیے صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب رسول الله ﷺ، حديث: 5002 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ، حديث: 2462، 2463. ③ پہلا جز صحيح البخاري، الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، حديث: 143 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہما، حديث: 2477 کے مطابق ہے اور دوسرا جز صحيح البخاري، حديث: 75 میں اس طرح ہے: [اَللّٰهُمَّ! عَلِّمْهُ الْكِتَابَ] و مسند أحمد: 314/1، واللفظ له.

امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن عباس قرآن مجید کے بہت اچھے ترجمان ہیں۔ ① اس قول کی سند صحیح ہے۔ صحیح قول کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا 32ھ میں انتقال ہوا جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے بعد چھتیس سال تک زندہ رہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ابن مسعود کے بعد انھوں نے کیا کیا علوم نہ سیکھے ہوں گے؟ اعمش نے ابووائل سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر حج مقرر کیا، آپ نے حج کا خطبہ دیا اور اپنے خطبے میں سورۂ بقرہ - اور ایک روایت کے مطابق سورۂ نور - کی تلاوت کی اور اس کی اس قدر شاندار تفسیر بیان فرمائی کہ اگر اسے رومی، ترکی اور دیلمی لوگ سن لیتے تو مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔ ②

یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سُدّی کبیر کی اپنی تفسیر میں اکثر و بیشتر روایات انھی دونوں صحابیوں ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہیں۔ سُدّی بسا اوقات ان سے اہل کتاب کے وہ اقوال بھی نقل کر دیتے ہیں جنھیں بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: [بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَّحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ] ''مجھ سے آگے پہنچاؤ، خواہ (تمھیں) ایک آیت (ہی معلوم) ہو اور بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن جس نے جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔'' ③ اس حدیث کو امام بخاری نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو جنگ یرموک کے دن اہل کتاب کی کتابوں کے دو ڈھیر ملے تھے اور وہ ان سے بیان کرتے تھے کیونکہ مذکورہ بالا حدیث سے انھوں نے یہ سمجھا تھا کہ اہل کتاب سے روایت کرنے کی اجازت ہے۔

اسرائیلی روایات کا مقام: لیکن ان اسرائیلی روایات کو دلیل کے طور پر نہیں بلکہ صرف بطور استشہاد پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان کی تین اقسام ہیں: (1) جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ صحیح ہیں کیونکہ کتاب و سنت (یا ان کے اصول) ان کے صحیح ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ روایات صحیح ہیں۔ (2) جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ اسرائیلی روایات جھوٹی ہیں کیونکہ کتاب و سنت (اور ان کے اصول) سے ان کی مخالفت ثابت ہے اور (3) وہ روایات جن کے بارے میں کتاب و سنت (اور ان کے اصول) خاموش ہیں۔ یہ روایات نہ پہلی قسم میں سے ہیں اور نہ دوسری قسم میں سے، لہٰذا ہم نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب، ہاں! البتہ مذکورہ دلیل کے پیش نظر انھیں بیان کرنا جائز ہے لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر روایات ایسی ہیں جن میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہے، مثلاً: وہ روایات جن میں اصحاب کہف کے نام، ان کے کتے کا رنگ اور ان کی تعداد کو بیان کیا گیا ہے، عصائے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس درخت کا تھا، ان پرندوں کے ناموں کا ذکر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے زندہ کیا تھا، گائے کے اس بعض حصے کا تعین ہے جسے مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا گیا تھا، اس درخت کی نوعیت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ اور اس طرح کی دیگر باتیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان نہیں فرمایا کیونکہ ان کے بیان کرنے میں انسانوں کے لیے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ تھا۔

تابعین عظام رحمہم اللہ کی تفسیر کا مقام و مرتبہ: جب قرآن کی تفسیر قرآن سے، سنت سے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ ملے تو پھر بہت

① تفسیر الطبری: 61/1 و المستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، ذكر عبدالله بن عباس ﷺ: 537/3، حديث: 6291. ② تفسير الطبری: 57/1. ③ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، حديث: 3461.

سے ائمہ اقوال تابعین، مثلاً: مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ تفسیر بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ محمد بن اسحاق نے ابان بن صالح کے واسطے سے امام مجاہد سے یہ روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اول سے آخر تک مکمل قرآن مجید تین بار اس طرح پڑھا کہ میں ہر آیت (کے اختتام) پر انھیں روکتا تھا اور ان سے اس کی تفسیر کے بارے میں سوال کرتا تھا۔① ابن جریر نے ابن ابوملیکہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے مجاہد رحمہ اللہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کرتے ہوئے دیکھا، ان کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیری دستاویزات بھی تھیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان سے فرماتے کہ اسے لکھ لو، چنانچہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مکمل قرآن مجید کی تفسیر کے بارے میں سوالات کیے تھے۔② اسی وجہ سے سفیان ثوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تفسیر مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہو تو وہ تمھیں کافی ہے۔③

اسی طرح سعید بن جُبَیر، عِکرِمہ مولیٰ ابن عباس، عطاء بن ابورَباح، حسن بصری، مسروق بن اَجدَع، سعید بن مسیَّب، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، ضَحّاک بن مُزَاحم رحمہم اللہ اور دیگر کئی تابعین اور ان کے علاوہ اتباع تابعین اور ان کے بعد کے لوگ ہیں جن کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک آیت کے سلسلے میں ان کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں تو ان کی عبارت کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں، لاعلمی کی وجہ سے کچھ لوگ اسے اختلاف پر محمول کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک ہی مفہوم کے لیے مختلف اقوال بیان کر دیتے ہیں، حالانکہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ کچھ ائمہ ایک چیز کو اس کے لازم یا نظیر کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور کچھ بعینہ اسی چیز کو بیان کر دیتے ہیں، اکثر مقامات پر اس طرح کے مختلف اقوال کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں، عقل مند آدمی کو یہ نکتہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ وَاللّٰہُ الْھَادِي.

تفسیر بالرائے: محض رائے کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ أَوْ بِمَا لَا يَعْلَمُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ] ''جو شخص قرآن مجید کے بارے میں کوئی بات اپنی رائے سے یا بغیر علم کے بیان کرے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''④ اس حدیث کو امام ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔⑤ اور ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔⑥ اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

معلوم کی تفسیر اور نامعلوم کے بارے میں سکوت: یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے ایک جماعت نے علم کے بغیر تفسیر بیان کرنے میں حرج محسوس کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابومعمر کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي إِذَا قُلْتُ فِي الْقُرْآنِ بِمَا لَا أَعْلَمُ] ''جب میں قرآن مجید کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جسے میں جانتا نہیں تو مجھے کون سی زمین سمائے گی اور کون سا آسمان چھپائے گا؟''⑦

① تاریخ دمشق لابن عساکر: 47/60 و تفسیر الطبری: 62/1 و المعجم الکبیر للطبراني: 77/11. ② تفسیر الطبری: 62/1.
③ تفسیر الطبری: 62/1. ④ تفسیر الطبری: 54/1. ⑤ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ما جاء فی الّذی یفسر القرآن برأیه، حدیث: 2950 و السنن الکبری للنسائي، فضائل القرآن، باب من قال فی القرآن بغیر علم: 31/5، حدیث: 8085 و شرح السنّة: 257/1، حدیث: 117 و قال: هذا حدیث حسن. ⑥ الشیخ ابواسحاق حُوَینی حفظہ اللہ تفسیر ابن کثیر پر اپنی تحقیق میں فرماتے ہیں: لیکن یہ روایت ابوداود کے اس نسخے میں ہے جو علی بن حسن بن العبد انصاری رحمہ اللہ سے مروی ہے: 123/1، بحوالہ تخریج الإحیاء للعراقي: 37/1 والاتحاف للزبیدی: 526/4 اور دیکھیے تحفة الأشراف: 337,336/4. ⑦ تفسیر الطبری: 55/1.

ابن جریر ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی: ﴿ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴾ (عبس 31:80) تو فرمایا کہ ﴿ وَّ فَاكِهَةً ﴾ ''پھل/میوے'' کو تو ہم جانتے ہیں مگر یہ [أَبّ] کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ عمر! یہ تکلف ہے۔① عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ آپ دونوں، یعنی حضرت عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما نے چارے کی کیفیت کو معلوم کرنا چاہا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ اس سے مقصود زمین کی نباتات ہیں اور اس سے لاعلم ہونا ناممکن ہے (بلکہ) یہ آیت اسی طرح واضح اور ظاہر ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۙ ﴾ (عبس 80:27,28) ''پھر ہم نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاریاں۔''

ابن جریر نے ابن ابو مُلیکہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ اگر تم میں سے کسی سے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ اس کا ضرور جواب دیتا۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے انکار فرما دیا۔② اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ابن جریر ہی نے ابن ابو مُلیکہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ (السجدة 32:5) ''وہ ایک روز جس کی مقدار ہزار برس ہوگی'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ ﴿ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ ﴾ (المعارج 70:4) ''اس روز جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا'' سے کیا مراد ہے؟ اس نے کہا: میں نے تو آپ سے سوال کیا تھا تا کہ آپ مجھے بیان کریں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دو دنوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بارے میں وہی زیادہ جانتا ہے۔ (اس روایت سے معلوم ہوا کہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس بات کو ناپسند کیا کہ اللہ کی کتاب کے بارے میں کوئی ایسی بات کہیں جسے وہ جانتے نہیں ہیں۔③

لَیث نے یحییٰ بن سعید سے اور انھوں نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں صرف وہی تفسیر بیان کرتے تھے جس کا انھیں علم ہوتا تھا۔④ ایوب، ابن عون اور ہشام دَستُوائی نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ میں نے عَبِیدَہ سَلمانی سے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں جو یہ جانتے تھے کہ قرآن کس کے بارے میں نازل کیا گیا ہے، اللہ سے ڈرو اور راہ راست پر چلتے رہو۔⑤ شعبی نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ تفسیر بیان کرنے سے بچو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے۔⑥

یہ اور اس طرح کی دیگر صحیح روایات جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ سلف سے مروی ہیں، انھیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ علم کے بغیر تفسیر بیان کرنے میں حرج محسوس کرتے تھے لیکن جس شخص کو لغت اور شریعت کا علم ہو تو اس کے لیے تفسیر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا حضرات اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح سے تفسیری اقوال مروی بھی ہیں اور ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جس بات کا انھیں علم تھا، اسے انھوں نے بیان کر دیا اور جس کا علم نہیں تھا، اس کے بارے میں سکوت فرمایا۔ اور ہر شخص کے لیے واجب ہے کہ وہ یہی طرز عمل اختیار کرے کیونکہ جس طرح اس چیز کے بارے میں سکوت اختیار کرنا واجب ہے جس کا علم نہ ہو اسی طرح اسے بیان کرنا بھی واجب ہے جس کا اسے علم ہو کیونکہ ارشاد باری

① تفسير الطبرى:75/30 والمستدرك للحاكم،التفسير،باب تفسير سورة عبس:514/2، حديث:3897. ② تفسير الطبرى:59/1.
③ تفسير الطبرى:89/29. ④ تفسير الطبرى:59/1. ⑤ تفسير الطبرى:59/1. ⑥ مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية:374/13.

تعالیٰ ہے: ﴿ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ﴾ (آل عمران 3:187) ''کہ تم اسے لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتے رہو گے اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپاؤ گے۔'' اور کئی سندوں سے مروی حدیث میں ہے: [مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ] ''جس شخص سے علم کے بارے میں سوال کیا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' ①

تفسیر کے اعتبار سے آیات کی اقسام: ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تفسیر کی چار قسمیں ہیں: (1) جسے عرب، عربی کے اپنی زبان ہونے کی وجہ سے جانتے ہیں۔ (2) وہ جس کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو معذور نہیں سمجھا جا سکتا (جس کا علم ہر شخص کو ہو سکتا ہے۔) (3) جسے صرف علماء جانتے ہیں اور (4) وہ تفسیر جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ②

مکی اور مدنی سورتیں: ہمام نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی درج ذیل سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں: البقرة، آل عمران، النسآء، المآئدة، برآءة، الرعد، النحل، الحج، النور، الأحزاب، محمد، الفتح، الحجرات، الرحمن، الحديد، المجادلة، الحشر، الممتحنة، الصف، الجمعة، المنافقون، التغابن، الطلاق، التحريم کی ابتدائی دس آیات، الزلزال اور النصر اور ان کے علاوہ باقی تمام سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں تھیں۔ ③

قرآن کریم کی آیات کی تعداد: قرآن عظیم کی آیات کی تعداد چھ ہزار تو ہے ہی مگر اس پر مزید کتنی آیات ہیں؟ اس زائد تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک دو سو چار (204) آیات زیادہ ہیں، بعض کے نزدیک دو سو چودہ (214) آیات، بعض کے نزدیک دو سو انیس (219) آیات، بعض کے نزدیک دو سو پچیس (225) یا دو سو چھبیس (226) آیات اور بعض کے نزدیک دو سو چھتیس آیات زیادہ ہیں۔ ④ ان تمام اقوال کو ابو عمرو عثمان بن سعید دانی نے اپنی کتاب ''البیان'' میں ذکر کیا ہے۔ ⑤

کلمات وحروف کی تعداد: قرآن مجید کے کلمات کے بارے میں فضل بن شاذان نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ ان کی تعداد ستتر ہزار چار سو انتالیس (77439) ہے۔ ⑥ حروف کے بارے میں عبداللہ بن کثیر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ہمارے شمار کے مطابق ان کی تعداد تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی (3,21,180) ہے۔ ⑦ فضل، عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں ان کی تعداد تین لاکھ تیئس ہزار پندرہ (3,23,015) ہے۔ سلّام ابو محمد حمّانی بیان کرتے ہیں کہ حجاج نے قراء، حفاظ اور کاتبوں کو جمع کیا اور ان سے کہا: مجھے یہ بتاؤ کہ سارے قرآن مجید میں کل کتنے حروف ہیں؟ ہم نے جب ان کا شمار کیا تو ہم سب کا اس بات پر اتفاق تھا کہ ان کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس (3,40,740) ہے۔ ⑧

---

① سنن أبي داود، العلم، باب كراهية منع العلم، حديث:3658 و جامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في كتمان العلم، حديث:2649 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه، حديث:266 و اللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. ② تفسير الطبري:54/1. ③ الإتقان، النوع الأول:11/1-16. ④ دیکھیے تفسير القرطبي:65/1. ⑤ البيان في عدّ آي القرآن للداني، باب ذكر جملة آي القرآن: 79 اور یہ آخری قول ہی درست ہے۔ ⑥ تفسير القرطبي:65/1. ⑦ تفسير القرطبي:65/1. ⑧ البيان في عدّ آي القرآن للداني، باب ذكر جملة عدد كلم القرآن: 74 و تفسير القرطبي:64/1.

قرآن کریم کی دیگر تقسیمات: پھر حجاج نے کہا: یہ بتاؤ کہ قرآن مجید کا نصف کہاں ہوتا ہے؟ تو اسے بتایا گیا کہ سورۂ کہف کے کلمہ ﴿ وَلْيَتَلَطَّفْ ﴾ (الكهف 18:19) کے حرف ''فا'' پر نصف ہو جاتا ہے۔ ثلث اول سورۂ براءت کی آیت نمبر:100 پر ہے۔ ثلث دوم سورۂ شعراء کی آیت نمبر:100 یا 101 پر ہے اور ثلث سوم آخر تک ہے، اگر اسے سات حصوں میں تقسیم کیا جائے، تو پہلا حصہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ ﴾ (النسآء 4:55) کے حرف ''دال'' تک ہے، دوسرا حصہ سورۂ اعراف میں ﴿ حَبِطَتْ ﴾ (الأعراف 7:147) کے حرف ''تا'' تک ہے، تیسرا حصہ سورۂ رعد میں ﴿ اُكُلُهَا ﴾ (الرعد 13:35) کے دوسرے ''الف'' تک ہے، چوتھا حصہ سورۂ حج میں ﴿ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ﴾ (الحج 22:34) کے ''الف'' تک ہے۔ پانچواں حصہ سورۂ احزاب میں ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ﴾ (الأحزاب 33:36) کے حرف ''ہائے سکتہ'' تک ہے۔ چھٹا حصہ سورۂ فتح میں ﴿ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ﴾ (الفتح 48:6) کے حرف ''واؤ'' تک ہے اور ساتواں حصہ یہاں سے لے کر قرآن مجید کے آخر تک ہے۔

سلاّم ابو محمد حمّانی بیان کرتے ہیں کہ یہ اعداد و شمار ہم نے چار ماہ میں معلوم کیے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ حجاج ہر رات قرآن مجید کے ایک چوتھائی حصے کی تلاوت کیا کرتا تھا، چنانچہ پہلا ربع سورۂ انعام کے آخر تک، دوسرا رُبع سورۂ کہف کے ﴿ وَلْيَتَلَطَّفْ ﴾ تک، تیسرا رُبع سورۂ زمر کے آخر تک اور چوتھا رُبع قرآن مجید کے آخر تک تھا۔ شیخ ابو عمرو دانی نے اپنی کتاب ''البیان'' میں ان تمام اعداد و شمار کے بارے میں اختلاف بھی بیان کیا ہے۔[1] واللّٰہ أعلم.

قرآن کریم کے حصے اور اجزا: جہاں تک قرآن مجید کے حصوں اور اجزا (پاروں) کا تعلق ہے تو قرآن مجید کے تیس پارے ہیں جیسا کہ مدارس وغیرہ میں یہ رائج ہے۔ اور اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کے حصے مقرر کر کے تلاوت کرنے کے بارے میں مسند احمد، سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب میں اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کے کس طرح حصے مقرر کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے تین، پانچ، سات، نو، گیارہ یا تیرہ حصے اور مفصل سورتوں کو ایک حصہ بنا لیا کرتے تھے۔[2]

سورت کے معنی اور اشتقاق: سورت کے معنی اور اس کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اِبانۃ اور ارتفاع کے معنی میں ہے، یعنی منزل اور بلندی۔ نابغہ نے کہا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَعْطَاكَ سُورَةً
تَرَى كُلَّ مَلِكٍ دُونَهَا يَتَذَبْذَبُ

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سربلندی عطا فرمائی ہے کہ ہر بادشاہ اس مرتبے سے (بہت) نیچے حیران و پریشان ہے۔''

ایک سورت کی تلاوت کے بعد دوسری سورت کی تلاوت کرتے ہوئے قاری گویا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتا

[1] البيان في عدّ آيِ القرآن للداني، باب ذكر أجزاء القرآن:302,301. [2] مسند أحمد:9/4 و سنن أبي داود، الصلاة، باب تحزيب القرآن، حديث:1393 و سنن ابن ماجه، الصلوات، باب في كم يستحب يختم القرآن، حديث:1345 اور دیکھیے سورۂ قٓ کا آغاز۔

ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شرف و بلندی کی وجہ سے اسے سورت کہا جاتا ہے، گویا یہ سُورُ الْبُلْدان سے مشتق ہے جس کے معنی شہر پناہ کی دیوار کے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سورت کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہ قرآن مجید کا ایک قطعہ اور ایک حصہ ہوتا ہے اور یہ أَسْآرُ الْإِنَاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی برتن کی باقی ماندہ چیز کے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ اصل میں ہمزہ کے ساتھ ہے، یعنی سؤر یا سئر ہمزہ کو واؤ سے بدل کر سؤر بنا دیا گیا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اپنے مضمون میں تمام وکمال کی وجہ سے اسے سورت کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عرب کامل عمر کی اونٹنی کو سورۃ کہتے ہیں۔ میرے نزدیک اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اپنی آیات کے جمع واحاطے کی وجہ سے اسے سورت کے نام سے موسوم کیا گیا ہو جیسا کہ شہر پناہ کی فصیل کو سُورُ الْبَلَد کہتے ہیں کہ اس نے بازاروں اور گھروں کا احاطہ کیا ہوتا ہے۔ سورت کی جمع سُوَر (واؤ کے فتحہ کے ساتھ) نیز سُورَات اور سُوَرَات بھی ہے۔

آیت کے معنی: آیت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ سابقہ کلام اگلے کلام سے منقطع اور الگ ہے، یعنی ایک آیت دوسری آیات سے جدا اور منفرد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ ﴾ (البقرة 2:248) ''ان کی بادشاہت کی نشانی۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت کو آیت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بہت عجیب کلام ہے کہ بشر اس طرح کے کلام کے بولنے سے عاجز وقاصر ہے۔ سیبویہ نے کہا ہے کہ آیت، اصل میں أَيَيَةٌ ہے جیسے أَكَمَةٌ اور شَجَرَةٌ ہے۔ یاء کے ماقبل فتحہ ہونے کی وجہ سے اسے الف سے بدل دیا گیا اور پہلے الف کے بعد مد کا اضافہ بھی کر دیا گیا آيَةٌ ہو گیا۔ کسائی نے کہا: یہ اصل میں آيِيَةٌ بروزن آمِنَةٌ ہے، پھر اسے الف سے بدل کر حذف کر دیا گیا۔ اور فرّاء نے کہا: یہ اصل میں أَيَّةٌ (یا مشدد کے ساتھ) ہے، پہلی یا کو الف سے بدل دیا تو آيَةٌ ہو گیا۔ اس کی جمع آيٌ، آيَاتٌ اور آيَايٌ ہے۔

کلمہ کے معنی: کلمہ ایک لفظ کو کہتے ہیں، کبھی یہ دو حرفوں سے مرکب ہوتا ہے، مثلاً: ما اور لا، کبھی اس سے زیادہ سے بھی مرکب ہوتا ہے۔ ایک کلمہ زیادہ سے زیادہ دس حروف پر مشتمل ہوتا ہے، مثلا: ﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ﴾، ﴿ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا ﴾، ﴿ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ﴾ ایک کلمہ کبھی ایک مستقل آیت ہوتا ہے، مثلاً: ﴿ وَالْفَجْرِ ۝ ﴾، ﴿ وَالضُّحٰى ۝ ﴾، ﴿ وَالْعَصْرِ ۝ ﴾، اسی طرح کوفیوں کے قول کے مطابق ﴿ الٓمّٓ ۝ ﴾، ﴿ طٰهٰ ۝ ﴾، ﴿ يٰسٓ ۝ ﴾ اور ﴿ حٰمٓ ۝ ﴾ وغیرہ بھی مستقل آیت ہیں جبکہ ﴿ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ ﴾ کو وہ دو کلمے کہتے ہیں۔ کوفیوں کے علاوہ دیگر لوگ ان کو آیات شمار نہیں کرتے بلکہ انھیں سورتوں کے افتتاحیے قرار دیتے ہیں۔ ابوعمرو دانی کہتے ہیں کہ (ان فواتح السور، یعنی الٓمّٓ، طٰهٰ، يٰسٓ، وغیرہ کے علاوہ) میرے علم کے مطابق سورۂ رحمٰن کے کلمہ ﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ ﴾ کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے جو اکیلا ہی ایک آیت ہو۔ ①

عجمیت اور قرآن: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں عجمی ترکیب نہیں ہے، ہاں! البتہ اس میں عجمی نام، مثلاً: ابراہیم، نوح اور لوط ضرور موجود ہیں۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ان عجمی ناموں کے علاوہ قرآن مجید میں کچھ اور بھی عجمی لفظ ہے یا نہیں؟ بَاقِلَّانِی اور طبری کا قول ہے کہ قرآن مجید میں اس کے علاوہ اور کچھ عجمی نہیں ہے اور اگر قرآن مجید کے کچھ الفاظ و کلمات عجمیت کے مطابق ہیں تو یہ مختلف لغات کے ایک دوسرے کی موافقت کے قبیل سے ہیں۔

① البيان في عدّ آي القرآن للداني، باب ذكر البيان عن معنى السورة:126.

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

رُكُوْعُهَا: 1
اٰيَاتُهَا: 7

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں (جو) پالنے والا ہے سارے جہانوں کا۔نہایت مہربان،

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤

بڑا رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے روزِ جزا کا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ

مدد چاہتے ہیں ۔ دکھا ہمیں سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، جن پر تیرا

عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ع

غضب نہیں ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

تفسیر سُورۂ فاتِحہ

سورۂ فاتحہ کے مختلف نام اوران کے معنی: اس سورت کو فاتحہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے قرآن مجید کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔علاوہ ازیں نمازوں کے شروع میں قراءت کی ابتدا اس سے کی جاتی ہے۔ جمہور کے نزدیک اسے اُمُّ الکتاب کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے جسے امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ أُمُّ الْقُرْآنِ وَأُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي] ''سورۂ فاتحہ ام القرآن، ام الکتاب اور سبع مثانی (بار بار پڑھی جانے والی سات آیات) ہے۔''① اس کو قرآن عظیم بھی کہا جاتا ہے۔② اور اس کا نام اَلحَمد بھی ہے، اسے الصّلاۃ ''نماز'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي......] ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔اور میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کا اس نے سوال کیا، چنانچہ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف بیان کی ہے......۔''③

اس حدیث میں فاتحہ کو الصلاۃ ''نماز'' کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اسے نماز میں پڑھنا شرط ہے۔اسے رُقْيَة ''دم'' بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ جب ایک آدمی نے بچھو کے ڈسے ہوئے شخص کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: [وَ مَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ] ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ سورت ''دم'' ہے؟''④

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور ابو العالیہ کے بقول یہ سورت مکی ہے،⑤ کیونکہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ ﴾ (الحِجر 15:87) ''اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں (سورۂ فاتحہ) جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا فرما دیا ہے۔'' اور سورۂ حجر جس کی یہ آیت ہے، وہ سورت مکی ہے۔ واللہ أعلم .

① جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الحجر، حدیث:3124. ② دیکھیے: صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الکتاب، حدیث:5006. ③ صحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة......، حدیث:395. ④ ملخص از صحیح البخاری، الإجارة، باب مایعطی فی الرقیة......، حدیث:2276. اور العقرب ''بچھو'' کے ڈسنے کی صراحت جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی أخذ الأجر علی التعوید، حدیث:2063. اور سنن ابن ماجه، التجارات، باب أجر الراقی، حدیث:2156 میں ہے۔ ⑤ تفسیر القرطبی:1/115.

آیات کی تعداد: بلااختلاف سورۂ فاتحہ سات آیات پر مشتمل ہے اور بَسْمَلَة یعنی ﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱ ﴾ اس کی پہلی اور مستقل آیت ہے جیسا کہ جمہور قرائے کوفہ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اور خلف میں سے بہت سے علماء کا یہ قول ہے۔ اور یہی رائے معتبر ہے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ إن شاء الله.[1]

کلمات وحروف کی تعداد: مفسرین کے بقول سورۂ فاتحہ پچیس کلمات اور ایک سو تیرہ حروف پر مشتمل ہے۔

امّ الکتاب کی وجہ تسمیہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی ''کتاب التفسیر'' کے آغاز میں لکھا ہے کہ اس سورت کو اُمُّ الْكِتَاب کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں کتابت اس سے شروع کی جاتی ہے۔ اور نماز میں قراءت کا آغاز بھی اس سے کیا جاتا ہے۔[2] اس کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے تمام مضامین ومطالب کا خلاصہ اس سورت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کے تحت کئی ذیلی چیزیں اور توابع ہوں، ان تمام چیزوں کا احاطہ کرنے والے کو عرب اُمّ سے تعبیر کرتے ہیں، پس وہ جھلی جو دماغ کے اردگرد ہوتی ہے، اسے اُمُّ الرَّأْس کہتے ہیں۔ اسی طرح لشکر کا وہ جھنڈا جس کے نیچے سب لوگ جمع ہوتے ہیں، اسے بھی اُمّ کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو اُمُّ الْقُرٰی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اسے تمام شہروں کے مقابلے میں تقدم حاصل ہے اور دیگر تمام بستیوں کو اس نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ زمین کو اس مقام سے آگے پھیلایا گیا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بارے میں فرمایا: [هِيَ أُمُّ الْقُرْآنِ، وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَهِيَ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ] ''یہ ام القرآن، سبع مثانی (بار بار پڑھی جانے والی سات آیات) اور قرآن عظیم ہے۔''[4] ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: [هِيَ أُمُّ الْقُرْآنِ، وَهِيَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ، وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي] ''یہ ام القرآن، فاتحۃ الکتاب اور یہی سبع مثانی ہے۔''[5]

سورۂ فاتحہ کی فضیلت: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ابوسعید بن مُعلّٰی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا مگر میں نے جواب نہ دیا اور نماز پڑھنے میں مصروف رہا۔ نماز سے فراغت کے بعد جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: [مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَنِي؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، قَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ ﴾ (الأنفال8:24) ''تجھے میرے پاس آنے سے کس بات نے روکا؟ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بے شک میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا: کیا اللہ عزوجل نے نہیں فرمایا: ''مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جب بھی وہ (رسول اللہ ﷺ) تمھیں

---

[1] دیکھیے عنوان: ''بَسْمَلة فاتحہ کی پہلی آیت ہے۔'' [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب ماجاء في فاتحة الكتاب، قبل الحديث:4474. نیز دیکھیے فتح الباري مذکورہ مقام۔ [3] تفسير الطبري:74,73/1. [4] مسند أحمد:448/2. [5] تفسير الطبري:73/1.

بلائیں؟'' پھر آپ نے فرمایا: [لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ] ''یقیناً میں تم کو مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت سکھاؤں گا۔'' کہتے ہیں: پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، چنانچہ جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت سکھاؤں گا؟ فرمایا: [نَعَمْ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝2 ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ] ''ہاں، یہ سورت ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝2 ﴾ ہے، یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔''① اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

اس طرح کی احادیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات اور سورتیں بعض سے افضل ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے (اپنی صحیح کی کتاب) فضائل القرآن میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو ایک لڑکی آئی اور اس نے کہا کہ اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے۔ ہماری بستی کے لوگ غائب ہیں تو کیا تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے؟ ہم میں سے ایک آدمی اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کے بارے میں ہمیں گمان نہیں تھا کہ وہ دم جانتا ہے مگر اس نے دم کیا اور وہ سردار صحت یاب ہو گیا۔ اور اس نے حکم دیا کہ ہمیں تیس بکریاں دے دی جائیں۔ اس نے ہمیں دودھ بھی پلایا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نے پوچھا: کیا تم دم کرنا جانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، میں نے تو صرف اُمّ الکتاب پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ اب کوئی بات نہ کرو حتی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں یا اس کے بارے میں پوچھیں، پس جب ہم مدینہ واپس آئے اور اس واقعے کا ذکر ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: [وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ؟ اِقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ] ''کیا اسے معلوم تھا کہ یہ دم ہے؟ (بہرحال تم نے درست کیا) ان بکریوں کو تقسیم کر لو اور مجھے بھی حصہ دو۔''③

صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام بھی موجود تھے کہ آپ نے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی۔ جبریل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھلا ہے جو آج تک کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نکل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ آپ کو بشارت ہو کہ آپ کو دو ایسے نور دیے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ ان میں سے ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں۔ ان میں سے آپ جب بھی کوئی حرف پڑھیں گے تو اس کے مطابق

---

① مسند أحمد:211/4. ② صحيح البخاري، التفسير، باب ماجاء في فاتحة الكتاب، حديث:4474 وسنن أبي داود، الوتر، باب فاتحة الكتاب، حديث:1458 وسنن النسائي، الافتتاح، باب تأويل قول الله عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ ...... ﴾ (الحِجر15:87)، حديث:914 وسنن ابن ماجه ، الأدب، باب ثواب القرآن، حديث:3785 مختصرًا. ③ صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، حديث:5007 وصحيح مسلم، السلام، باب جواز أخذ الأجرة......، حديث:2201 اور جامع الترمذي، حديث:2063 میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی نے دم کیا تھا۔

آپ کو عطا کر دیا جائے گا۔[1] یہ الفاظ نسائی کی روایت کے ہیں، مسلم کی روایت بھی اس جیسی ہے۔

سورۂ فاتحہ اور نماز: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[مَنْ صَلّٰى صَلَاةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ـــ ثَلَاثًا ـــ غَيْرُ تَمَامٍ] ''جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا، یعنی وہ نا تمام ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں (تو بھی پڑھیں؟) تو آپ نے فرمایا: اپنے دل میں پڑھ لو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ قَالَ اللّٰهُ: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي، فَإِذَا قَالَ: ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ قَالَ: مَجَّدَنِي عَبْدِي۔ وَقَالَ مَرَّةً: فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي۔ فَإِذَا قَالَ: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾ قَالَ: هٰذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾ قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِي، وَ لِعَبْدِي مَا سَأَلَ]

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی ہے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ـــ اور ایک مرتبہ فرمایا: میرے بندے نے (اپنا معاملہ) میرے سپرد کر دیا ہے ـــ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ اور بندہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔''[2]

تقریباً انھی الفاظ سے اس کو امام نسائی نے بھی (بطریق اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ) روایت کیا ہے۔[3] امام مسلم اور نسائی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [فَنِصْفُهَا لِي وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِي ، وَ لِعَبْدِي مَا سَأَلَ] ''اس کا نصف حصہ میرے لیے

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة......، حديث:806 و سنن النسائي، الافتتاح، باب فضل فاتحة الكتاب، حديث:913. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة......، حديث:395 و سنن أبي داود، الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، حديث:821 .

[3] السنن الكبرى للنسائي ، فضائل القرآن ، فضل فاتحة الكتاب:12/5 ، حديث:8013.

اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔''[1]

نماز میں قراءت سے مراد سورۂ فاتحہ کی قراءت ہی ہے: ملاحظہ فرمائیں کہ اس حدیث میں لفظ الصَّلاۃ سے مراد قراءت ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾ (بنی إسرآءیل 110:17) ''اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ آہستہ بلکہ ان کے بیچ کا طریقہ اختیار کریں۔''

اس آیت میں بھی الصلاۃ سے مراد نماز میں قراءت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی صراحت موجود ہے۔[2] اسی طرح اِس حدیث میں بھی: [قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ ، فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ] کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، پھر اس تقسیم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے (اس حدیث میں نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لیے الصلاۃ ''نماز'' ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔) اور یہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کی عظمت کی دلیل ہے۔ اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا ایک بہت بڑا رکن ہے کہ ذکر نماز کا کیا گیا ہے اور اس سے اس کا ایک جز، یعنی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مراد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں لفظِ قُرآن ''پڑھنا'' استعمال کیا گیا ہے اور مراد اس سے نماز ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (بنی إسرآءیل 78:17) ''اور صبح نماز فجر بھی (قائم کیجیے) بیشک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔''

اس آیت میں ﴿قُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ سے مراد فجر کی نماز ہے جیسا کہ صحیحین میں اس کی صراحت موجود ہے: [تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ] ''اس (صبح کی نماز) میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔''[3]

تمام نمازوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، امام ہو یا مقتدی یا اکیلا نماز پڑھنے والا: اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ازبس ضروری ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے اور مذکورہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ] ''جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ناقص ہے۔''[4] اس حدیث میں جو لفظ [خِدَاجٌ] استعمال ہوا ہے، اس کے معنی ہیں ناقص جیسا کہ خود اسی حدیث میں [غَيْرُ تَمَامٍ] کے ساتھ اس کے معنی کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة ...... حدیث:(40,39)-395 و سنن النسائی، الافتتاح، باب ترك قراءة ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ فی فاتحة الكتاب ، حدیث: 910. [2] اقتباس از صحیح البخاری، التفسير، باب: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ (بنی إسرآءیل 110:17)، حدیث: 4722 و صحیح مسلم، الصلاة، باب التوسط فی القراءة ......، حدیث: 446 . [3] صحیح البخاری، التفسير، باب قوله: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (بنی إسرآئیل 78:17)، حدیث: 4717 و صحیح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد......، حدیث:(246)-649 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ، البتہ الفاظ جامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة بنی إسرآءیل، حدیث: 3135 میں ایک دوسرے طریق کے مطابق ہیں۔ اور صحیحین کے الفاظ اس طرح ہیں: [وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ] ''صبح کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔'' [4] دیکھیے عنوان: ''سورۂ فاتحہ اور نماز''

اسی طرح صحیحین میں عُبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ] ''جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔''① صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَّا يُقْرَأُ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ] ''وہ نماز کافی نہیں ہوتی جس میں امّ القرآن (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی جائے۔''②

اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں، (لہٰذا ہر نمازی کے لیے واجب ہے، خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا وہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو کہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے، اس کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں۔)

تعوّذ کی تفسیر اور احکام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (الأعراف 7:199,200) ''(اے پیغمبر!) عفو اختیار کیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے، اور اگر شیطان کا کوئی وسوسہ آپ کو ابھارے تو اللہ سے پناہ مانگیے، بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:96-98) ''بری بات کے جواب میں ایسی بات کہیے جو نہایت اچھی ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہمیں وہ خوب معلوم ہے۔ اور کہیے کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے پروردگار! میں (اس سے بھی) تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34-36) ''(برائی کا) ایسے طریق سے جواب دیجیے جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے) کہ جس کے ساتھ آپ کی دشمنی تھی وہ آپ کا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔ اور اگر شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ آپ کو ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بے شک وہ خوب سننے، جاننے والا ہے۔'' یہ تینوں آیات ایک ہی مضمون کی ہیں اور کوئی چوتھی آیت اس مفہوم کی نہیں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انسانوں میں سے جو دشمن ہو، اسے رام کرنے کے لیے حسنِ سلوک اور احسان کو اختیار کیا جائے۔ اس روش سے انسانوں کی اصل طبع سلیم دوستی اور صلح صفائی کی طرف لوٹ آئے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے

① صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم ...... ، حديث: 756 و صحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة...... ، حديث: 394. ② صحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب ذكر الدليل على أن الخداج الذي أعلم النبي في هذا الخبر......: 248/1، حديث: 490 و صحيح ابن حبان ، الصلاة، ذكر البيان بأن الخداج الذي قال رسول الله ﷺ في هذا الخبر......: 91/5، حديث: 1789.

حکم دیا ہے کہ شیطانی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے استعاذے کو اختیار کیا جائے کیونکہ اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں، اس لیے کہ وہ حسن سلوک اور کسی احسان کو قبول ہی نہیں کرتا۔ اس کی پوری پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کو تباہ و برباد کر دے، اس لیے کہ اس کے اور انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے مابین پہلے سے شدید عداوت چلی آ رہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ ﴾ (الأعراف 27:7) ''اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح تمھارے ماں باپ کو بہشت سے نکلوا دیا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ (فاطر 6:35) ''یقیناً شیطان تمھارا دشمن ہے، لہٰذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو، وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ (الكهف 50:18) ''کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ اور ظالموں کے لیے بہت ہی برا بدلہ ہے۔''

اس نے ہمارے والد آدم علیہ السلام سے قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے مگر اس نے جھوٹ بولا تو اس سے اندازہ لگائیے کہ اس کا ہمارے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اس نے خود ہی قسم کھا کر کہا تھا: ﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾ (صٓ 83,82:38) ''پس مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا، سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔'' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَي الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:98-100) ''پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بے شک جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا، بس اس کا زور تو انھی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور (ان پر) جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

استعاذہ تلاوت سے پہلے ضروری ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ ﴾ (النحل 16:98) ''پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ پناہ اس وقت مانگیں جب آپ قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں۔ اس کی مثال یہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ ﴾ الآية (المآئدة 6:5) ''جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور ہاتھ دھو لیا کرو۔''

احادیث رسول ﷺ سے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو قیام فرماتے تو نماز شروع کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے، پھر یہ پڑھتے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، (وَ) تَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ] ''میں پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللہ! تیری ہی حمد و ثنا کے ساتھ، تیرا نام بہت برکت والا ہے۔ اور تیری شان بہت بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی اور عبادت کے

لائق نہیں ہے۔'' پھر آپ تین بار [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] پڑھتے...... پھر یہ پڑھتے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو سننے والا (اور) جاننے والا ہے شیطان مردود سے، یعنی اس کے وسوسے سے اور اس کی پھونک اور اس کے جادو سے۔''①

اس حدیث کو اہل سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔② اور امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں یہ سب سے زیادہ مشہور حدیث ہے۔ اَلْهَمْزُ کے معنی جنون (دیوانگی)، اَلنَّفْخُ کے معنی کبر اور اَلنَّفْثُ کے معنی شعر کے کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ امام ابوداود اور ابن ماجہ نے نافع بن جُبَیر بن مطعم رحمہ اللہ سے اور انھوں نے اپنے والد (جبیر) سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو فرمایا:

[اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ــ ثَلَاثًا ــ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا ــ ثَلَاثًا ــ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ أَصِيلًا ــ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ــ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] یعنی تین بار [اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا] ''اللہ سب سے بڑا ہے بہت بڑا۔'' تین بار [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا] ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے بہت بہت تعریف۔'' تین بار [سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا] ''تسبیح کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی صبح و شام'' اور پھر یہ کہا: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے، یعنی اس کے جنون (دیوانگی) سے اس کے تکبر سے اور اس کے شعروں سے۔''

عمرو بن مُرّہ (جو اس حدیث کے راوی بھی ہیں) کہتے ہیں کہ هَمْزِهٖ سے مراد شیطان کی مرگی، اور نَفْثِهٖ سے مراد اس کا شعر نَفْخِهٖ سے مراد اس کا تکبر ہے۔③ ابن ماجہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے جنون (دیوانگی)، اس کے تکبر اور اس کے شعروں سے۔''④

غصے کے وقت تعوّذ: حافظ ابویعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باہم جھگڑ رہے تھے حتی کہ غصے کے باعث ان میں سے ایک کی ناک سرخ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنِّي لَأَعْلَمُ شَيْئًا لَّوْ قَالَهٗ لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ (لَوْ قَالَ) : أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ] ''یقیناً میں ایک ایسی چیز جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کا یہ غصہ ختم ہو جائے اور وہ یہ ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

① مسند أحمد:50/3. ② سنن أبي داود، الصلاة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللّٰهم......، حديث:775 و جامع الترمذي، الصلاة، باب مايقول عند افتتاح الصلاة، حديث:242 و سنن النسائي، الافتتاح، باب نوع آخر من الذكر......، حديث:900 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب افتتاح الصلاة، حديث: 804 مختصرًا. ③ سنن أبي داود، الصلاة، باب مايستفتح به من الدعاء، حديث:764 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات ، باب الاستعاذة في الصلاة، حديث:807 و اللفظ له. ④ سنن ابن ماجه، الصلاة، باب الاستعاذة في الصلاة، حديث:808.

الرَّجِيمِ. ''[1] امام نسائی نے کِتَابُ عَمَلِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا ہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ایسا کرتے ہوئے ان میں سے ایک تو اس قدر غصے میں تھا کہ غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَّوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ ، لَوْ قَالَ : أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ] ''بے شک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے اور وہ کلمہ یہ ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ. ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص سے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو سنا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں مجنون نہیں ہوں۔[3] اس حدیث کو امام مسلم، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

استعاذے کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کا یہاں ذکر موجب طوالت ہوگا۔ یہ احادیث اذکار اور فضائل اعمال کی کتاب کا موضوع ہیں۔ واللہ أعلم.

استعاذہ واجب ہے یا مستحب؟ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ استعاذہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے کہ اس کا تارک گناہ گار ہو۔ امام رازی نے عطاء بن ابورباح کا قول بیان کیا ہے کہ جو شخص بھی نماز کے اندر یا باہر قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہے، اس کے لیے استعاذہ واجب ہے۔[5] اور امام رازی نے عطاء بن ابی رباح کے اس قول کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ آیت کے لفظ ﴿فَاسْتَعِذْ﴾ (النحل 16:98) ''تو آپ پناہ مانگیں'' سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ صیغہ امر کا ہے۔ اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ ہمیشہ تعوذ پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ اس لیے بھی واجب ہے کہ اس سے شیطان کے شر کو دور کیا جاتا ہے (جو بذات خود واجب ہے،) اور جس شے کے بغیر واجب پورا نہ ہوتا ہو، وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ پھر استعاذہ حفاظت کا مؤثر ذریعہ ہے جس کے پڑھنے سے انسان شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ شیطان کے شر اور وسوسے سے بچنے کے لیے یہ کافی ہے کہ انسان: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ پڑھ لے۔

استعاذے کے اسرار و رموز: استعاذے کے اسرار و رموز میں سے نمایاں یہ ہے کہ اس کے ساتھ انسان اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے لیے اپنے منہ کو اس لغو اور بے ہودہ گفتگو سے پاک صاف کر لیتا ہے جو اس نے کی ہوتی ہے۔ استعاذے کے

---

[1] مسند أبي يعلى میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ علامہ مقدسی نے اسے الأحاديث المختارة: 326/2، حدیث: 1236 میں امام ابویعلی ہی کی سند سے بیان کیا ہے۔ [2] السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا غضب: 104/6، حديث: 10223 نحوه ومسند أحمد: 240/5 عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث: 6115. [4] صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب...... ، حديث: 2610 وسنن أبي داود، الأدب، باب مايقال عند الغضب، حديث: 4781 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا غضب: 104/6، حديث: 10224. [5] تفسير الرازي: 115/20.

ساتھ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت اور بندے کے عجز و کمزوری کا اعتراف بھی کہ انسان اپنے اس کھلم کھلا مگر پوشیدہ دشمن کے مقابلے سے عاجز و قاصر ہے۔ اسے دور ہٹانے اور اس کے شر سے بچانے پر صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور یہ دشمن بھی ایسا ہے جو کسی قسم کے حسن سلوک اور احسان کو قبول نہیں کرتا جبکہ کوئی انسان دشمن ہو تو اسے حسن سلوک اور احسان وغیرہ سے قابو کیا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی ان تین آیات سے معلوم ہوتا ہے جنھیں قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ [1]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴾ (بنی إسرآء یل 65:17) ''بے شک جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں، اور (اے پیغمبر!) آپ کا پروردگار کافی ہے کارساز۔''

انسانی دشمن سے جنگ کے لیے تو فرشتے بھی نازل ہوئے تھے۔ جس مسلمان کو کوئی ظاہری اور انسانی دشمن قتل کر دے تو وہ شہید ہے مگر جسے یہ باطنی دشمن قتل کر دے وہ طَرِید یعنی مردود ہے۔ جس پر ظاہری دشمن غالب آ جائے، اسے اجر و ثواب ملے گا مگر جس پر یہ باطنی دشمن غالب آ جائے وہ مبتلائے فتنہ یا گناہ گار ہو گا۔ شیطان انسان کو دیکھتا ہے مگر انسان شیطان کو نہیں دیکھ سکتا، اس لیے شیطان کے شر اور وسوسے سے بچنے کے لیے استعاذے کے ساتھ اسی ذات گرامی سے مدد طلب کی جاتی ہے جو شیطان کو تو دیکھتی ہے مگر شیطان اسے نہیں دیکھ سکتا۔

''استعاذہ'' یہ ہے کہ ہر شریر کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لی جائے اور اسی کی جناب سے وابستہ ہوا جائے۔ عربی زبان میں عِیَاذَة کا لفظ دفع شر کے لیے اور لِیَاذ کا لفظ حصول خیر کی طلب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

استعاذے کے معنی: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ] کے معنی یہ ہوئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (اس امر کی) شیطان مردود سے پناہ لیتا ہوں کہ وہ دین یا دنیا میں مجھے کوئی نقصان پہنچا سکے یا مجھے اس کام سے روک سکے جس کے کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے یا مجھے کسی ایسے کام پر ابھارے جس سے مجھے منع کیا گیا ہے کیونکہ شیطان سے انسان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ شیطانِ انس کا مقابلہ حسن سلوک اور احسان کے ساتھ کیا جائے۔ اس سے اس کی طبیعت کا شر دور ہو جائے گا مگر شیطانِ جنّ کے شر سے بچنے کے لیے اس نے استعاذے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا دشمن ہے جو نہ رشوت قبول کرتا ہے اور نہ کسی نیکی اور احسان سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ یہ طبعاً شریر ہے۔

قرآن مجید کی تین آیات میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور کوئی چوتھی آیت میرے علم میں نہیں ہے۔ سورۂ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴾ (الأعراف 199:7) ''آپ عفو اختیار کیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کر لیجیے۔'' اس آیت کا تعلق انسانوں میں سے دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرنے سے ہے۔ پھر (شیطان کے بارے میں) فرمایا: ﴿ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ

[1] دیکھیے عنوان: ''تعوّذ کی تفسیر اور احکام''

عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (الأعراف 200:7) ’’اور اگر شیطان کا کوئی وسوسہ آپ کو ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

سورۂ مومنون میں فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:96-98) ’’برائی کو اس طریقے سے دفع کیجیے جو احسن ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، ہمیں وہ خوب معلوم ہے۔ اور آپ کہیں: اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے پروردگار! میں (اس سے بھی) تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں۔‘‘ اور سورۂ حٰمٓ السجدة میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34-36) ’’اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتیں تو برائی کا ایسے طریق سے جواب دیجیے جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے) کہ یکایک وہ شخص کہ آپ اور اس کے درمیان دشمنی تھی وہ آپ کا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔ اور اگر آپ کو شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘

لفظ شیطان کی وجہ تسمیہ: شیطان کا لفظ عربی زبان میں شَطَنَ سے مشتق ہے جس کے معنی دور ہونے کے ہیں تو شیطان کو شیطان اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی طبع کے اعتبار سے انسانی طبائع سے اور اپنے فسق کی وجہ سے ہر خیر و بھلائی سے دور ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شَاطَ ’’بھڑکنا‘‘ سے مشتق ہے کیونکہ یہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار یہ دونوں اشتقاق صحیح ہیں مگر ان میں سے پہلا زیادہ صحیح ہے۔

سیبویہ نے کہا ہے کہ عرب کہتے ہیں: تَشَيْطَنَ فُلَانٌ اور یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شیطانوں کا سا کام کرے۔[1] اور اگر یہ شَاطَ سے مشتق ہوتا تو تَشَيْطَنَ کے بجائے تَشَيَّطَ کہتے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ شیطان شَطَنَ بمعنی بُعُدَ سے مشتق ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر سرکش جن، انسان اور حیوان کو عرب شیطان کہتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ ﴾ (الأنعام 6:112) ’’اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع شدہ باتیں ڈالتے رہتے تھے۔‘‘

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ

[1] تفسير الطبري: 90/1.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے ①

وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ] ''بے شک نماز گدھے، عورت اور سیاہ کتے (کے آگے سے گزرنے) سے ٹوٹ جاتی ہے۔'' (ابوذر رضی اللہ عنہ کے شاگرد عبداللہ بن صامت کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: اے ابوذر! سرخ یا زرد رنگ کے کتے کی نسبت یہ حکم سیاہ رنگ کے کتے کے لیے کیوں ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے بھتیجے! تو نے مجھ سے جو سوال کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے بھی یہ سوال رکھا تھا تو آپ نے فرمایا: [اَلْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ] ''سیاہ کتا شیطان ہے۔''①

ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس نے متکبرانہ چال چلنا شروع کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مارنا شروع کر دیا تو وہ اور بھی زیادہ متکبرانہ چال چلنے لگا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور فرمایا: تم نے مجھے شیطان پر سوار کروایا ہے، جب میں اس پر سوار تھا تو میں نے اپنے دل میں عجیب تبدیلی محسوس کی یہاں تک کہ میں اس سے اتر آیا۔② اس کی سند صحیح ہے۔

''رجیم'' کے معنی: رجیم، فعیل کے وزن پر مفعول (مرجوم) کے معنی میں ہے۔ اور مرجوم اس کو کہتے ہیں جو ہر قسم کی خیر سے دور ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ (الملك 67:5) ''اور یقیناً ہم نے آسمان دنیا کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطانوں کے مارنے کا آلہ بنایا۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨ الْكَوَاكِبِ ۙ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ (الصّٰفّٰت 37:6-10) ''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا۔ اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی کہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکیں۔ اور ہر طرف سے دھتکارنے کے لیے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ ہاں، جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لگتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۙ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الحِجر 15:16-18) ''اور یقیناً ہم ہی نے آسمان میں ستارے بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو سجایا اور ہر راندۂ درگاہ شیطان سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں، اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔''

اس مفہوم کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رجیم راجم (رجم کرنے والا یعنی اسم فاعل) کے معنی میں ہے کیونکہ وہ لوگوں کو وسوسے اور بے ہودہ خیالات کے ذریعے سے رجم، یعنی انھیں تباہ کرتا ہے۔ لیکن ان میں سے رجیم کا پہلا معنی زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح ہے۔

تفسیر آیت :1

① صحيح مسلم، الصلاة، باب قدر ما يستر المصلّي، حديث: 510. ② تفسير الطبري: 75/1.

بَسْمَلَة ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کتاب اللہ کا آغاز ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ ہی سے کیا تھا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورۂ نمل کی ایک آیت کا تو کچھ حصہ ہے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ہر سورت کے شروع میں علیحدہ طور پر ایک مستقل آیت ہے؟ یا یہ ہر اس سورت کی پہلی آیت ہے جس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا یہ ہر سورت کی (پہلی) آیت کا کچھ حصہ ہے؟

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ سورۂ براءت کے سوا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے، ان میں سے ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابوہریرہ، علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عطاء، طاؤس، سعید بن جُبَیر، مکحول اور زہری رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق، اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید قاسم بن سلام رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ جبکہ مالک، ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور ان دونوں کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ یہ نہ فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی اور سورت کی۔ داود رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ یہ ہر سورت کے آغاز میں ایک مستقل آیت ہے، سورت کی آیت نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ [1]

جہری نماز میں اس کی جہری و سرّی قراءت: جن لوگوں کی رائے میں یہ سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں ہے، ان کا قول یہ ہے کہ اسے نماز میں جہری طور پر نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح ان لوگوں کا بھی یہی قول ہے جن کے نزدیک یہ ہر سورت (کا حصہ نہیں بلکہ اس) کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ یہ سورتوں کی پہلی آیت ہے ان کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ فاتحہ اور دوسری سورت کے ساتھ اس کی قراءت جہری کی جائے۔ بہت سے صحابہ و تابعین اور سلف و خلف ائمۂ مسلمین کا یہی مذہب ہے۔ صحابہ میں سے ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم نے اس کی جہری قراءت کی ہے۔ ابن عبدالبر اور بیہقی نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کیا ہے کہ آپ جہری قراءت کیا کرتے تھے۔ [2] خطیب نے چاروں خلفائے راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہی بیان کیا ہے مگر یہ روایت غریب ہے۔ تابعین میں سے سعید بن جبیر، عکرمہ، ابوقلابہ، زہری، علی بن حسن، ان کے صاحبزادے محمد، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب قُرظی، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابووائل، ابن سیرین، محمد بن مُنکَدِر، علی بن عبداللہ بن عباس، ان کے بیٹے محمد، نافع مولیٰ ابن عمر، زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ازرق بن قیس، حبیب بن ابوثابت، ابوشعثاء، مکحول اور عبداللہ بن مَعقِل بن مُقرّن کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بیہقی نے اس فہرست میں عبداللہ بن صفوان اور محمد ابن حنفیہ اور ابن عبدالبر نے عمرو بن دینار کے نام بھی شمار کیے ہیں۔

اس کو جہر کرنے کی دلیل یہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے، لہٰذا جس طرح باقی سورۂ فاتحہ کی جہری قراءت کی جاتی ہے اس کی

---

[1] دیکھیے تفسیر الرازی:1/196-203. [2] السنن الکبریٰ للبیهقی، الصلاة، باب افتتاح القراءة ببسم الله الرحمن الرحيم:2/46 اور دیکھیے سنن الدارقطني:1/301-311 و الاستذكار، الصلاة، باب العمل فى القراءة:4/164، حديث: 4567-4598 و فتح المالك بتبويب التمهيد لابن عبدالبر ، الصلاة، باب القراءة خلف الإمام ......:2/111.

بھی جہری قراءت کی جائے گی، نیز سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو آپ نے بَسْمَلَة کی قراءت جہری کی۔ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ تم سب کی نسبت میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔[1] اس حدیث کو دارقطنی، خطیب، بیہقی اور کئی دیگر محدثین رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ کو کھینچ کر قراءت فرمایا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ① ﴾ کی اس طرح قراءت کر کے دکھائی کہ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ کو کھینچ کر، پھر ﴿ الرَّحْمٰنِ ﴾ کو کھینچ کر اور پھر ﴿ الرَّحِيْمِ ① ﴾ کو کھینچ کر پڑھا۔[3] مسند امام احمد، سنن ابوداود، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات کو الگ الگ کر کے قراءت فرمایا کرتے تھے۔ (اور وہ اس طرح کہ) ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ① اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④ ﴾. امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[4]

امام ابوعبداللہ شافعی نے اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اپنی مستدرک میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی تو (سورۂ فاتحہ کے شروع میں بَسْمَلَة پڑھی مگر اس کے بعد والی سورت کے شروع میں) بَسْمَلَة کو ترک کر دیا......، اس وقت موجود انصار و مہاجرین نے اس پر اعتراض کیا تو انھوں نے جب پھر نماز پڑھائی تو بَسْمَلَة کی بھی قراءت کی۔[5]

یہ احادیث و آثار جن کو ہم نے ذکر کیا ہے، اس قول (بَسْمَلَة کی جہری قراءت) کی تائید و حمایت کے دلائل ہیں جو کافی بھی ہیں اور قابل تسلیم بھی۔ اور جہاں تک اس کے مخالف دلائل، غریب روایات اور ان کی اسانید کی تعلیل، تضعیف اور تنقید کا تعلق ہے تو اس کا یہ مقام نہیں۔

---

① سنن النسائی، الصلاة، باب قراءة ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾، حدیث:906 وصحیح ابن خزیمة، الصلاة، باب ذکر الدلیل علی أن الجهر ببسم اللّٰه......:251/1، حدیث:499 وصحیح ابن حبان، الصلاة، باب ذکر مایستحب للمرء الجهر......:105,104/5، حدیث:1801 والمستدرك للحاکم، الصلاة، باب التأمین:232/1، حدیث:849 مطوّلًا. ② سنن الدارقطنی، الصلاة، باب وجوب قراءة ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾......:305,304/1، حدیث1155 والسنن الکبرٰی للبیهقی، الصلاة، باب افتتاح القراءة فی الصلاة......:46/2. ③ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب مدّالقراءة، حدیث:5046. ④ مسند أحمد:302/6 وسنن أبی داود، الحروف والقراءات، باب:1، حدیث:4001 وصحیح ابن خزیمة، الصلاة، باب ذکر الدلیل علی أن بسم اللّٰه ......:248/1، حدیث:493 والمستدرك للحاکم، التفسیر، باب قراءات النبی ﷺ مما لم یخرجاه......:231/1، حدیث:2910,2909 وسنن الدارقطنی، الصلاة، باب وجوب قراءة ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ......:306/1، حدیث:1162. ⑤ الأمّ للشافعی، الصلاة، باب القراءة بعد التعوّذ:308,307/1، حدیث:174 والمستدرك للحاکم، الصلاة، باب التأمین:233/1، حدیث:851. ملحوظہ: اس روایت کو امام ابن کثیر نے یہاں مختصرًا بیان کیا ہے جس سے کچھ خلل واقع ہو گیا ہے، لہٰذا مراجع کی روشنی میں قوسین کے اندر کچھ اضافہ کر دیا گیا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نماز میں بَسْمَلَة کی قراءت جہری نہ کی جائے۔ خلفائے اربعہ اور عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے بہت سے حضرات اور بہت سے بعد کے لوگوں سے بھی یہی ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ بَسْمَلَة کو سری یا جہری طور پر بالکل نہ پڑھا جائے۔ ① ان کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو اَللّٰهُ أَكْبَرُ سے اور قراءت کو ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ سے شروع فرماتے تھے۔ ②

نیز صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے، یہ تمام حضرات ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ سے قراءت شروع فرمایا کرتے تھے۔ ③ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ قراءت کے اول یا آخر میں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ④ سنن میں عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ ⑤ یہ ہیں اس مسئلے میں ائمۂ کرام کے دلائل۔ اور یہ ایک دوسرے کے قریب ہی ہیں کیونکہ ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ بہر صورت نماز درست ہوگی، خواہ بَسْمَلَة کو جہری پڑھا جائے یا سری۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

"بسم اللہ" کی فضیلت: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک صحابی سے روایت بیان کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گدھے پر آپ کے پیچھے سوار تھے، کہتے ہیں کہ گدھا ذرا پھسلا تو میں نے کہا کہ شیطان کا برا ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [لَا تَقُلْ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ، تَعَاظَمَ الشَّيْطَانُ فِي نَفْسِهِ وَقَالَ: صَرَعْتُهُ بِقُوَّتِي، فَإِذَا قُلْتَ: بِسْمِ اللّٰهِ، تَصَاغَرَتْ إِلَيْهِ نَفْسُهُ حَتّٰى يَكُونَ أَصْغَرَمِنْ ذُبَابٍ] "یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو کیونکہ اس سے

① فتح المالك بتبويب التمهيد، الصّلاة ، باب القراءة خلف الإمام ...... 113/2. ② اقتباس از صحيح مسلم، الصلاة باب مايجمع صفة الصلاة ومايفتتح به ......، حديث:498 وسنن أبي داود، الصلاة، باب من لم يرالجهر ببسم الله ...... ، حديث:783. ③ صحيح البخاري، الأذان، باب مايقول بعد التكبير، حديث:743 وصحيح مسلم، الصلاة، باب حجة من قال لايجهر بالبسملة، حديث:399 واللفظ له. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ مسند أحمد (179/3) ، سنن النسائي (الافتتاح ، باب ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم ، حديث:908) اور صحيح ابن خزيمة (250/1، حديث:497,496) کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کو جہری طور پر نہیں پڑھا کرتے تھے۔ صحيح ابن خزيمة (250/1، حديث:498) کی ایک اور روایت میں ہے کہ وہ بسم اللہ کو سری طور پر پڑھا کرتے تھے، لہٰذا صحیح مسلم کی روایت میں جو نفی ہے اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔ (بلوغ المرام ، الصلاة، باب صفة الصلاة ، قبل الحديث:278.) ④ صحيح مسلم ، الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة ، حديث:(52)-399. ⑤ جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في ترك الجهر ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ، حديث:244 وسنن النسائي، الافتتاح ، باب ترك الجهر ببسم الله ...... ، حديث:909 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات ، باب افتتاح القراءة، حديث:815.

شیطان پھول جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت کے ساتھ اسے گرایا ہے۔ اور اگر تم بِسْمِ اللّٰہِ کہو تو اس سے شیطان اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے یہاں تک کہ مکھی سے بھی چھوٹا اور حقیر۔'' ①

امام نسائی نے اپنی کتاب عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسامہ بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ اونٹ پر آپ کے پیچھے سوار تھا، ہمارا اونٹ ذرا پھسلا، تو میں نے کہا: شیطان کا برا ہو، تب آپ نے فرمایا: [لَا تَقُلْ: تَعِسَ الشَّیْطَانُ فَإِنَّہُ یَعْظُمُ حَتّٰی یَصِیرَ مِثْلَ الْبَیْتِ، وَیَقُولُ: بِقُوَّتِی، وَلٰکِنْ قُلْ: بِسْمِ اللّٰہِ، فَإِنَّہُ یَصْغُرُ حَتّٰی یَصِیرَ مِثْلَ الذُّبَابِ] ''یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو کیونکہ اس سے شیطان پھول کر مکان کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے میں نے اپنی قوت سے (یہ کیا ہے) لیکن تم بِسْمِ اللّٰہِ کہو کیونکہ اس سے شیطان چھوٹا ہو کر مکھی کی طرح ہو جاتا ہے۔'' ②

یہ بسم اللہ کی برکت کی وجہ سے ہے۔

ہر کام کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھنا مستحب ہے: ہر عمل اور قول کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی مستحب ہے۔ بیت الخلاء میں داخلے کے وقت بھی بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے۔ ③ وضو کے شروع میں بھی بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہ، سعید بن زید اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت ہے: [وَلَا وُضُوءَ لِمَنْ لَّمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ] ''اور جو شخص وضو (شروع) کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے تو اس کا وضو نہیں ہوتا۔'' ④ یہ حدیث حسن ہے۔ کھاتے وقت بھی بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن ابوسلمہ، جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھے اور آپ ﷺ کے گھر میں پرورش پا رہے تھے، سے فرمایا: [یَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰہَ، وَکُلْ بِیَمِینِکَ، وَکُلْ مِمَّا یَلِیکَ] ''اے لڑکے! بِسْمِ اللّٰہِ کہو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' ⑤

بعض علماء نے کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیوی سے مباشرت کے وقت بھی بِسْمِ

① مسند أحمد: 59/5. ② السنن الکبرٰی للنسائی، عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول إذا عثرت بہ دابتہ؟: 142/6، حدیث: 10389 وسنن أبی داود، الأدب، باب: 77، حدیث: 4982. ③ جامع الترمذی، الجمعۃ، باب ماذکر من التسمیۃ عند دخول الخلاء، حدیث: 606 وسنن ابن ماجہ، الطہارۃ وسننہا، باب مایقول الرجل إذا دخل الخلاء، حدیث: 297 عن علی رضی اللہ عنہ. ④ مسند أحمد: 418/2 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ و 41/3 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ. و 70/4 عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ. وسنن أبی داود، الطہارۃ، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، حدیث: 101 وجامع الترمذی، الطہارۃ، باب ماجاء فی التسمیۃ عند الوضوء، حدیث: 25 وسنن النسائی، الطہارۃ، باب التسمیۃ عند الوضوء، حدیث: 78 عن أنس رضی اللہ عنہ. وسنن ابن ماجہ، الطہارۃ وسننہا، باب ماجاء فی التسمیۃ فی الوضوء، حدیث: 397-400 عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ. ⑤ صحیح البخاری، الأطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام......، حدیث: 5376 وصحیح مسلم، الأشربۃ، باب آداب الطعام والشراب......، حدیث: 2022. تفسیر میں یہ الفاظ تھے: [قُلْ: بِسْمِ اللّٰہِ] لیکن یہ الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں نہیں ہیں جبکہ المعجم الکبیر للطبرانی: 28/9 میں [إِذَا أَکَلْتَ فَقُلْ: بِسْمِ اللّٰہِ] کے الفاظ ہیں۔

اللّٰہِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ، فَإِنَّهُ إِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا] ''جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کے وقت یہ دعا پڑھ لے: اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہم (دونوں) کو شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہمیں عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا، لہٰذا اگر اس ہم بستری سے حمل قرار پا جائے تو اس پیدا ہونے والے بچے کو شیطان کبھی بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''[1]

''بسم اللہ'' کی ''باء'' کا تعلق اسم سے ہے یا فعل سے؟ درج ذیل تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ کی ''باء'' کے بارے میں نحویوں کے جو یہ دو قول ہیں جن میں سے ایک کے مطابق اس کا تعلق اسم سے ہے اور دوسرے کے مطابق فعل سے، تو یہ دونوں قول قریب قریب ہیں۔ اور ان میں سے ہر قول کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔ جو لوگ اس کا تعلق اسم سے بتلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصل میں جملہ یہ تھا: بِسْمِ اللّٰہِ ابْتِدَائِي ''اللہ کے نام سے میری ابتدا ہے۔'' اور اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (ھود 41:11) ''اللہ کے نام سے ہے اس (سفینۂ نوح) کا چلنا اور ٹھہرنا بے شک میرا رب بہت بخشنے والا (اور) انتہائی مہربان ہے۔'' اور جو حضرات فعل کو، خواہ وہ امر ہو یا خبر اس کا مقدر بتاتے ہیں، مثلاً: اِبْدَأْ بِسْمِ اللّٰہِ ''اللہ کے نام سے شروع کرو۔'' یا اِبْتَدَأْتُ بِسْمِ اللّٰہِ ''میں نے اللہ کے نام سے شروع کیا۔'' ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ ﴾ (العلق 1:96) ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے۔''

بہر حال یہ دونوں قول ہی صحیح ہیں کیونکہ ہر فعل کا کوئی نہ کوئی مصدر بھی ضرور ہوتا ہے، لہٰذا آپ فعل کو بھی مقدر قرار دے سکتے ہیں اور اس کے مصدر کو بھی۔ مصدر اسی فعل کا ہوگا جس کا آپ نے پہلے نام لیا ہوگا، لہٰذا کھڑا ہونا ہو یا بیٹھنا، کھانا ہو یا پینا یا قراءت کرنا، وضو کرنا یا نماز پڑھنا ان سب کاموں کے شروع میں خیر و برکت حاصل کرنے کے لیے، ان کی تکمیل کی مدد چاہنے کے لیے اور ان کی قبولیت کے لیے، حکم شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

لفظ جلالت ''اللہ'' کے معنی: ''اللہ'' رب تبارک و تعالیٰ کا ذاتی عَلَم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہی ''اسمِ اعظم'' ہے۔ اس لیے کہ تمام اچھی صفات کے ساتھ اسی اسم پاک کو موصوف قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ (الحشر 59:22-24) ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق

---

[1] صحیح البخاری، الدعوات، باب مایقول إذا أتى أهله، حدیث:6388 و صحیح مسلم، النکاح، باب مایستحب أن يقوله عند الجماع، حدیث:1434.

نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، نہایت پاک (ہر عیب سے)، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا، اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب ہے، خوب حکمت والا ہے۔''

ان آیات میں باقی تمام اسماء کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے طور پر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الأعراف 180:7) ''اور اللہ کے لیے تو سب اچھے سے اچھے نام ہیں، تو اس کو اس کے ناموں سے پکارا کرو۔'' اور فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (بنی إسرآء یل 110:17) ''کہہ دیجیے کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام) جس نام سے پکارو، اس کے سب نام اچھے سے اچھے ہیں۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ اِسْمًا، مِّائَةً إِلَّا وَاحِدًا ، مَّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے، یعنی ایک کم سو نام ہیں جو انھیں یاد کرلے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[1] ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے۔[2] ان دونوں کتابوں کی روایتوں میں بیان کیے گئے اسمائے حسنیٰ میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ کی تفسیر: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ ''بڑا مہربان نہایت رحم والا۔'' یہ دونوں نام ''رحمت'' سے مشتق ہیں۔ اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کے کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔[3] قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں (کہ ابن حصار نے کہا ہے:) اس اسم کے مشتق ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَنَا اللّٰهُ وَأَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا (اسْمًا) مِّنِ اسْمِي، فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلْتُهُ ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ] ''اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمان ہوں۔ میں نے ''رحم'' کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اس (کے نام) کو مشتق کیا ہے۔ جس نے اسے ملایا، میں اسے ملاؤں گا اور جس نے اسے توڑا میں بھی اسے توڑ دوں گا۔''[4]

---

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب: إن للّٰہ مائۃ اسم إلا واحدۃ، حدیث:7392 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء......، باب فی أسماء اللّٰہ تعالٰی......، حدیث:(5,6)-2677. [2] جامع الترمذی، الدعوات، باب حدیث فی أسماء اللّٰہ الحسنٰی......، حدیث:3507 و سنن ابن ماجہ ، الدعاء، باب أسماء اللّٰہ عزوجل ، حدیث:3861 لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ [3] تفسیر الطبری:84/1. [4] جامع الترمذی، البر والصلۃ، باب ماجاء فی قطیعۃ الرحم، حدیث:1907 و صحیح ابن حبان، البر والإحسان، ذکر البیان بأن قولہ ﷺ:[الرحم شِجْنۃ من الرحمٰن......]:187,186/2، حدیث: 443.

یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ یہ اسم پاک مشتق ہے۔ کفار عرب کا اسم پاک الرَّحْمٰن سے انکار کرنا، اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی جہالت کی وجہ سے تھا۔ ①

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رحمٰن اور رحیم کا ایک ہی معنی ہے۔ جس طرح نَدْمَان اور ندیم کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ قول ابوعبید کا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فَعْلَان کا صیغہ فَعِیل کی طرح نہیں ہے کیونکہ فَعْلَان کے صیغے میں مبالغہ ضرور ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ غَضْبَانُ اس شخص کو کہتے ہیں جو شدید غصے میں ہو مگر فَعِیل کا صیغہ فاعل یا مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے (اور اس صورت میں اس میں مبالغہ نہیں ہوتا۔) ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ رحمٰن عام اسم ہے جو رحمت کی تمام قسموں کو شامل ہے۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور رَحِیم صرف مومنوں کی مناسبت سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ ﴾ (الأحزاب 43:33) ''اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔'' ②

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نام رحمت ورحم والے ہیں اور ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت اور رحم ہے۔ ③

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عَرْزَمی کہتے ہیں کہ الرحمٰن کے معنی ہیں: ''تمام مخلوق پر رحم فرمانے والا۔'' اور الرحیم کے معنی ہیں: ''مومنوں پر رحم فرمانے والا۔'' ④ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ ﴾ (الفرقان 59:25) ''پھر وہ عرش پر مستوی ہوا (وہی) رحمٰن ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 5:20) ''وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔''

ان آیات میں اِستواء ''مستوی ہونے'' کا ذکر اسم پاک الرحمٰن کے ساتھ فرمایا تاکہ یہ نام تمام مخلوق کو اپنی رحمت میں شامل کر سکے۔ اور مومنوں کے لیے فرمایا: ﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ ﴾ (الأحزاب 43:33) ''اور اللہ مومنوں پر بہت رحمت کرنے والا ہے۔'' یعنی مومنوں کے ذکر کے حوالے سے بطور خاص اسم پاک رحیم کو ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اَلرَّحْمٰن میں اَلرَّحِیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اس میں دونوں جہانوں اور تمام مخلوق کے لیے عموم ہے جبکہ الرحیم مومنوں کے ساتھ خاص ہے، لیکن ایک حدیث میں مذکور ایک دعا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: [رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا] ''اے دنیا و آخرت کے رحمٰن ورحیم!'' ⑤

اللہ تعالیٰ کا اسم پاک رحمٰن بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو اس نام کے ساتھ موسوم نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ ﴾ (بني إسرآءيل 110:17) ''کہہ دیجیے کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے سے اچھے نام اسی کے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف

① تفسير القرطبي:104/1. ② تفسير القرطبي:106/1. ③ تفسير القرطبي:106/1. ④ تفسير الطبرى:85/1.
⑤ اقتباس از المستدرك للحاكم ، الدعاء والتكبير:515/1 ، حديث:1898 عن عائشة رضی اللہ عنہا. والمعجم الكبير للطبراني: 155/20 عن معاذ رضی اللہ عنہ. مگر یہ روایات ضعیف ہیں۔ اور دیکھیے السلسلة الضعيفة: 5287 عن أنس رضی اللہ عنہ.

(45:43) ''اور (اے پیغمبر!) جو اپنے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں ان کے احوال دریافت کرلیں، کیا ہم نے رحمان کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟''

مُسَیلِمہ کذاب نے جب بہت بڑھ چڑھ کر دعویٰ کیا اور اپنا نام رحمان الیمامہ رکھ لیا[1] تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لباس کذب پہنا کر اس کے ساتھ اسے مشہور کر دیا کہ اسے ''مسیلمہ کذاب'' کہا جاتا ہے۔ اور ہر پکے گھر والے شہری اور کچے گھر والے دیہاتی اور گنوار کے ہاں جھوٹ بولنے میں ضرب المثل بن چکا ہے۔

اسی بنیاد پر یہاں سب سے پہلے اسم پاک اللہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس نام میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور (صفات میں) سب سے پہلے اس کی صفت الرحمٰن بیان کی گئی ہے۔ اور اس نام سے بھی اللہ کے سوا کسی اور کو موسوم کرنے سے منع کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ﴾ (بنی إسرآءیل: 110/17) ''کہہ دیجیے کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے بھی پکارو، تمام اچھے سے اچھے نام اسی کے ہیں۔'' مُسَیلِمہ نے اپنے آپ کو اس نام سے موسوم کیا تو یہ اس کی بدترین جرأت تھی، اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی اس بات کو کسی اور نے قبول نہیں کیا تھا۔

رحیم کی صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف قرار دیا ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○﴾ (التوبة 128:9) ''(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے۔ اور وہ تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔'' اسی طرح اس نے اپنے بعض دیگر اسماء کے ساتھ بھی دوسروں کو موصوف قرار دیا ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ○﴾ (الدھر 2:76) ''بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سننے دیکھنے والا بنایا۔'' اس آیت میں انسان کے لیے بھی سمیع وبصیر کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ اسمائے گرامی ایسے ہیں جن سے غیر اللہ کو بھی موسوم قرار دیا جا سکتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کے ساتھ غیر اللہ کو موسوم قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ اسی کی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہیں، مثلاً: اللہ، رحمٰن، خالق اور رازق وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے اسم پاک ''اللہ'' کا ذکر کیا، پھر اس کی صفت ''رحمٰن'' بیان فرمائی کیونکہ یہ ''رحیم'' کی نسبت زیادہ خاص اور زیادہ معروف ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس نام کو ذکر کیا جاتا ہے جو افضل اور اشرف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سب سے پہلے اس نام سے آغاز کیا جو سب سے زیادہ خاص تھا، پھر اسے ذکر کیا جو اس سے قدرے کم خاص تھا۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد:165/1 و الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة:156/1 و المراسیل لأبی داود:34.

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۲

سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ۝۲

حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت فرماتے ہوئے ہر ہر آیت پر وقف فرماتے تھے جیسے: ﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱ ﴾ (پڑھتے پھر ٹھہر جاتے۔) ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۲ ﴾ (پڑھتے پھر ٹھہر جاتے۔)[1] اسی وجہ سے قراء کی ایک جماعت نے ﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱ ﴾ اور ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۲ ﴾ کے درمیان وقف کر کے پڑھا ہے جبکہ ایک جماعت نے ﴿ الرَّحِیۡمِ ۝۱ ﴾ کی میم کو ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ﴾ کے لام کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے۔

تفسیر آیت: 2

''حمد'' کے معنی: ابو جعفر ابنِ جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ شکر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اس کے سوا جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے یا اس نے جو بھی مخلوق پیدا فرمائی ہے ان میں سے کوئی بھی اس کا مستحق نہیں ہے، اس لیے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان تمام بے حد وحساب نعمتوں سے سرفراز فرمایا جنھیں اس کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنی اطاعت کرنے کے لیے تمام اسباب عطا فرمائے، فرائض ادا کرنے کے لیے اپنے بندوں کو تمام جسمانی طاقتوں سے نوازا۔ اور پھر دنیا میں رزق کی فراوانی عطا فرمائی اور زندگی بسر کرنے کے لیے کسی حق کے بغیر انواع واقسام کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور اس نے ہمیں ان اسباب کے بارے میں بتا دیا اور انھیں اختیار کرنے کی دعوت بھی دی جو ابدی نعمتوں کے مقام جنت میں ابدی وسرمدی زندگی کا ذریعہ ہیں، پس اول وآخر اسی ذات پاک کی حمد ہے۔[2]

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ﴾ ثنا کا کلمہ ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔ اور اس کے ضمن میں اپنے بندوں کو بھی اس نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ بھی اس کی ثنا بیان کریں، گویا اس نے ہمیں حکم یہ دیا ہے کہ جب میری ثنا بیان کرنے لگو تو کہو: ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ﴾.[3] ابن جریر کہتے ہیں: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ﴾ کہنے سے اللہ تعالیٰ کے اچھے نام اور بلند صفات کے ساتھ اس کی ثنا ہے اور اَلشُّکۡرُ لِلّٰهِ کہنے سے اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کے ساتھ اس کی ثنا ہے۔[4]

حمد اور شکر میں فرق: تحقیقی بات یہ ہے کہ ان دونوں میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ اس حیثیت سے کہ یہ دونوں لفظ نعمت اور احسان کے بدلے یا صلے کے طور پر بولے جائیں تو ''حمد'' کا لفظ ''شکر'' کی نسبت عام ہے کیونکہ اس کا استعمال لازم اور متعدی دونوں قسم کی صفات کے لیے ہوتا ہے، مثلاً: آپ یہ کہہ سکتے ہیں: حَمِدۡتُهٗ لِفُرُوۡسِیَّتِهٖ ''میں نے اس کی شہسواری کی وجہ

---

① مسند أحمد: 302/6 و سنن أبي داود، الحروف والقراءات، باب: 1، حديث: 4001 و جامع الترمذي، القراءات، باب في فاتحة الكتاب، حديث: 2927. تفسیر میں یہاں [يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ حَرۡفًا حَرۡفًا] ہے مگر اس سیاق میں [آيَةً آيَةً] زیادہ موزوں ہے جیسا کہ مذکورہ حوالہ جات سے واضح ہے۔ اور [حرفا حرفا] کا سیاق قدرے مختلف ہے، دیکھیے سنن أبي داود: 1466 و جامع الترمذي: 2923. ② تفسير الطبري: 90/1. ③ تفسير الطبري: 92/1. ④ تفسير الطبري: 90/1.

سے اس کی تعریف کی۔'' اور حَمِدْتُهٗ لِكَرَمِهٖ ''میں نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کی تعریف کی۔'' لیکن اس حیثیت سے کہ یہ لفظ زبان ہی سے ادا ہوسکتا ہے، یہ لفظ خاص ہے۔ اور چونکہ ''شکر'' قول، فعل اور نیت تینوں سے ادا ہوسکتا ہے، لہٰذا یہ عام ہے۔ اور یہ صرف متعدی صفات کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ خاص ہے، چنانچہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ شَكَرْتُهٗ لِفُرُوسِيَّتِهٖ ''میں نے اس کی شہسواری کی وجہ سے اس کا شکر ادا کیا۔'' ہاں، البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شَكَرْتُهٗ عَلٰى كَرَمِهٖ وَإِحْسَانِهٖ إِلَيَّ ''میں نے اپنے ساتھ اس کے کرم واحسان پر اس کا شکر ادا کیا۔'' اس سلسلے میں بعض متأخرین کی تحریر کا یہی خلاصہ ہے۔ وَاللّٰهُ أعلَم.

ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری نے لکھا ہے کہ حمد کا لفظ ذم کے مقابل ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں: حَمِدْتُ الرَّجُلَ أَحْمَدُهٗ حَمْدًا وَّمَحْمَدَةً اس محاورے کے مطابق جو شخص قابل تعریف ہو اسے حمید اور محمود کہا جاتا ہے۔ اور تحمید میں حمد سے بھی زیادہ مبالغہ ہے۔ اور حمد کا لفظ شکر سے عام ہے۔ اور شکر کسی محسن کی احسان مندی اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو کہتے ہیں۔ اور عربی زبان میں اس کا استعمال شَكَرْتُهٗ اور شَكَرْتُ لَهٗ دونوں طرح ہوتا ہے لیکن لام کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ ①

مدح کا لفظ حمد کی نسبت عام ہے کیونکہ یہ زندہ اور مردہ بلکہ جمادات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کھانے پینے کی چیزوں اور مکان وغیرہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، نیز احسان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اسی طرح متعدی اور لازم دونوں طرح کی صفات کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ لفظ عموم کی شان لیے ہوئے ہے۔

''حمد'' کے بارے میں سلف کے اقوال: ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم [سُبْحَانَ اللّٰهِ] اور [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] کو تو جانتے ہیں لیکن ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔ ② ابو معمر کے علاوہ ایک دوسرے راوی نے حفص سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر دوستوں کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور [اَللّٰهُ أَكْبَرُ] کے کلمات کے مفہوم کو تو ہم جانتے ہیں مگر [سُبْحَانَ اللّٰهِ] کا کیا مطلب ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور وہ اس بات کو بھی پسند فرماتا ہے کہ اس کلمے کو کہا جائے۔ ③ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کلمۂ شکر ہے جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا ہے۔ ④

فضائلِ ''حمد'': امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسود بن سَرِیع کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اپنے وہ اشعار نہ سناؤں جن میں میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کی ہے؟ فرمایا: [أَمَا إِنَّ رَبَّكَ

---

① الصحاح: 407/2، 602. ② تفسير ابن أبي حاتم: 27/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 27/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 26/1.

عزَّوَ جَلَّ یُحِبُّ الْحَمْدَ] ''بے شک تمھارا رب حمد کو بہت پسند فرماتا ہے۔''① ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ] ''سب سے افضل ذکر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔''② امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ نِّعْمَةً فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، إِلَّا كَانَ الَّذِي أَعْطَاهُ أَفْضَلَ مِمَّا أَخَذَ] ''جس بندے کو اللہ تعالیٰ کسی نعمت سے سرفراز فرمائے اور وہ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو اس کا یہ حمد کہنا اس نعمت سے افضل ہے جو اس نے حاصل کی ہے۔''③ سنن ابن ماجہ ہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ قَالَ : يَا رَبِّ! لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ، فَعَضَّلَتْ بِالْمَلَكَيْنِ فَلَمْ يَدْرِيَا كَيْفَ يَكْتُبَانِهَا؟ فَصَعِدَا إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَا: يَا رَبَّنَا! إِنَّ عَبْدَكَ قَدْ قَالَ مَقَالَةً لَّا نَدْرِي كَيْفَ نَكْتُبُهَا؟ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا قَالَ عَبْدُهُ -: مَاذَا قَالَ عَبْدِي؟(قَالَا) : يَارَبِّ! إِنَّهُ قَالَ: يَارَبِّ! لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمَا : أُكْتُبَاهَا كَمَا قَالَ عَبْدِي حَتّٰى يَلْقَانِي فَأَجْزِيَهُ بِهَا]

''بندگان الٰہی میں سے ایک بندے نے یہ کہا: اے پروردگار! تیری اس طرح تعریف ہے جس طرح تیرے چہرۂ اقدس کے جلال اور تیری عظیم بادشاہت کے شایان شان ہے۔ اس سے دونوں فرشتے حیران و پریشان ہو گئے۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کا اجر و ثواب کیسے لکھیں؟ لہٰذا وہ آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں انھوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ ہم اس کا اجر و ثواب کیسے لکھیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے بندے نے کیا کہا تھا۔: میرے بندے نے کیا کہا ہے؟ انھوں نے عرض کی: اے پروردگار! تیرے بندے نے کہا ہے: [يَارَبِّ! لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ] تو اللہ عزوجل نے ان فرشتوں سے فرمایا کہ اس کلمہ کو اسی طرح لکھ لو جس طرح میرے بندے نے کہا ہے حتی کہ جب وہ میری ملاقات کے لیے آئے گا تو میں خود اسے اس کی جزا دوں گا۔''④

① مسند أحمد: 435/3 و السنن الكبرى للنسائي، النعوت ، باب الحب والكراهية: 416/4 ، حديث: 7745 . ② جامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، حديث: 3383 و السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم و الليلة، باب أفضل الذكر و أفضل الدعاء: 208/6 ، حديث: 10667 و سنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الحامدين، حديث: 3800 . ③ سنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الحامدين، حديث: 3805. ④ سنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الحامد ين ، حديث: 3801 اور المعجم الكبير للطبراني: 335,334/12 میں دوسری مرتبہ بھی [ولعظيم سلطانك] ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④

بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے③ بدلے کے دن کا مالک ہے④

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کا الف لام استغراق کے لیے ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں الف لام استغراق کے لیے ہے، یعنی حمد کی تمام انواع واقسام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:[اَللّٰھُمَّ ! لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ ، وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ ، وَ بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ ، إِلَيْكَ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهٗ]''اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، تمام بادشاہتیں تیرے ہی لیے ہیں، تمام بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور تمام امور تیری ہی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''①

﴿ رَبّ ﴾ کے معنی: رب مالک اور متصرف کو کہتے ہیں۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کے لیے تصرف کرنے والے پر بھی ہوتا ہے۔ ان سب معانی کے اعتبار سے اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال صحیح ہے۔ غیر اللہ کے لیے رب کا لفظ اضافت ہی کے ساتھ استعمال ہوسکتا ہے۔ مثلاً: رَبُّ الدَّار ''گھر کا مالک'' رَبُّ كَذَا ''فلاں چیز کا مالک'' بغیر اضافت کے رَبّ کا لفظ صرف اللہ عزوجل ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ لفظ رَبّ ہی اسم اعظم ہے۔

﴿ اَلْعٰلَمِيْنَ ② ﴾ کے معنی: عالمین، عالَم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود چیز کو عالَم کہتے ہیں۔ عالَم کا لفظ خود بھی اسم جمع ہے کیونکہ اس کے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔ آسمانوں اور برّ وبحر کی مخلوقات کی انواع واقسام مختلف عالَم ہیں، اسی طرح ایک زمانے اور ایک نسل کو بھی عالَم کہا جاتا ہے۔ فراء اور ابوعبید کا قول ہے کہ عالَم کا لفظ ذوی العقول، یعنی انسانوں، جنوں، فرشتوں اور شیطانوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، حیوانوں کے لیے عالَم کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔② زید بن اسلم اور ابومُحَیصِن سے روایت ہے کہ عالَم ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں روح موجود ہو۔③ قتادہ کہتے ہیں کہ مخلوقات میں سے ہر قسم ایک عالَم ہے۔④ زجّاج کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے، وہ سب عالَم ہے۔⑤

قرطبی کہتے ہیں کہ یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ سب عالموں کو شامل ہے۔⑥ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء26:23،24) ''فرعون نے کہا تمام جہانوں کا مالک کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب کا مالک ہے، بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو۔''

''عالَم'' کی وجہ تسمیہ: عالَم کا لفظ علامت سے مشتق ہے۔ اسے عالَم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ عالَم کے پیدا کرنے والے اور اس کے بنانے والے کے وجود اور اس کی وحدانیت کی دلیل اور علامت ہے۔⑦

تفسیر آیت :3

① مسند أحمد:396/5 مطوّلاً عن حذيفة ﷺ مگر یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے راوی مجہول ہیں۔ ② تفسير القرطبي:138/1. ③ تفسير القرطبي:138/1 نحوه. ④ تفسير الطبري:95/1. ⑤ تفسير القرطبي:139/1. ⑥ تفسير القرطبي:139/1. ⑦ تفسير القرطبي:139/1.

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ کے ضمن میں اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے،[1] لہٰذا اب اعادے کی ضرورت نہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ کے وصف کے بعد ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ کا وصف ترہیب کے بعد ترغیب کے باب میں سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ ﴾ (الحجر 15:49,50) ''(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ یقیناً میں بڑا بخشنے والا (اور) بڑا مہربان ہوں۔ اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا دردد دینے والا عذاب ہے۔''[2] اسی طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الأنعام 6:165) ''بے شک آپ کا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا مہربان بھی ہے۔'' اسم ﴿ رَبِّ ﴾ میں ترہیب اور ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ کے ناموں میں ترغیب کا پہلو ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ أَحَدٌ ، وَّ لَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنِطَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ أَحَدٌ] ''اگر مومن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بارے میں صحیح علم ہو تو کوئی بھی اس کی جنت کی خواہش نہ کرے۔ اور اگر کافر کو اس کی رحمت کے بارے میں علم ہو تو کوئی بھی اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔''[3]

تفسیر آیت :4

انصاف کے دن کی ملکیت کا مفہوم: قیامت کے دن کی ملکیت کی تخصیص کے یہ معنی نہیں کہ باقی دنوں کی ملکیت کی نفی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ رب العالمین ہے اور یہ دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن کی طرف اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ اس دن کوئی کسی چیز کی ملکیت کا دعوے دار نہ ہوگا بلکہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو بات کرنے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ﴾ (النبا 78:38) ''جس دن روح (الامین) اور (دیگر) فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:108) ''اور رحمٰن کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی تو تم آہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سنو گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝ ﴾ (ھود 11:105) ''جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہ سکے گا، پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا اور کوئی صاحب اختیار نہ ہوگا جس طرح دنیا میں یہ مجازاً بادشاہ تھے۔[4]

---

[1] دیکھیے عنوان: ''﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ کی تفسیر'' [2] تفسير القرطبي :139/1. [3] صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: 2755 و مسند أحمد: 397/2 لیکن [رحمته] مسند احمد میں ہے جبکہ صحیح مسلم میں اس کے بجائے [جنته] ہے۔ [4] تفسير الطبري :98/1.

﴿ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴾ کے معنی: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یوم الدین سے مراد مخلوق کے حساب کا دن، یعنی قیامت کا دن ہے جس دن وہ تمام اعمال کا بدلہ دے گا۔ اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ، الا یہ کہ کسی کو وہ معاف فرما دے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ و تابعین اور سلف سے بھی یہی معنی منقول ہیں اور جیسا کہ ظاہر ہے یہی معنی صحیح ہیں۔

مَلِک اور مَلِکُ الاملاک اللہ ہی ہے: حقیقت میں مالک اللہ عزوجل ہی ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ ﴾ (الحشر23:59) ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ (حقیقی) بادشاہ ہے، نہایت پاک ذات (ہر عیب سے)، سلامتی دینے والا۔''

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: [أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ ، لَا مَالِكَ إِلَّا اللّٰهُ] ''اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین نام یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو شہنشاہ کہلائے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بادشاہ (حقیقی) نہیں ہے۔''[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے صحیحین میں یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِى السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ : أَنَا الْمَلِكُ ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ ؟ (أَيْنَ الْجَبَّارُونَ ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟)] ''اللہ تعالیٰ زمین کو پکڑ لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا: ''میں ہوں بادشاہ کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ؟ کہاں ہیں سرکش؟ کہاں ہیں متکبر؟''[3]

اور قرآن عظیم میں بھی ہے: ﴿ لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ؕ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن16:40) ''آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔'' ہاں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو دنیا میں جو بادشاہ کہا جاتا ہے تو یہ مجازی طور پر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَـكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا ؕ ﴾ (البقرة2:247) ''بے شک اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ وَكَانَ وَرَآءَهُمۡ مَّلِكٌ ﴾ (الكهف18:79) ''اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَـكُمۡ مُّلُوۡكًا ۖ ﴾ (المآئدة5:20) ''(اس وقت کو یاد کرو) جب اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا۔'' صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں یہ جملہ بھی ہے: [مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ] ''(پہلی اسلامی بحری فوج اس طرح ہوگی) جس طرح بادشاہ تختوں پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔''[4]

﴿ الدِّيۡنِ ﴾ کی تفسیر: دین کے معنی جزا اور حساب کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوۡمَئِذٍ يُّوَفِّيۡهِمُ اللّٰهُ دِيۡنَهُمُ

---

[1] تفسیر الطبری:102/1 و تفسیر ابن أبی حاتم:29/1. [2] صحیح البخاری، الأدب، باب أبغض الأسماء إلى الله، حدیث:6206 و صحیح مسلم، الآداب، باب تحریم التسمی بملك الأملاك......، حدیث:(20,21)-2143 اور [لَا مَالِكَ إِلَّا اللّٰهُ] صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ [3] صحیح البخاری، الرقاق، باب: یقبض الله الأرض یوم القیٰمة، حدیث: 6519 و صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب صفة القیامة والجنة والنار، حدیث:2787، البتہ [أین الجبارون......] کے الفاظ صحیح مسلم:2788 میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ہیں۔ [4] اقتباس از صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء، حدیث:2788 و صحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الغزو فی البحر، حدیث:1912 مطوّلاً عن أنس رضی اللہ عنہ. اور یہ واقعہ اُمِ حرام بنت مِلحان رضی اللہ عنہا کا ہے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۵

(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ⑤

الْحَقَّ ﴾ (النور24:25) ''اس دن اللہ ان کو (ان کے اعمال کی) پوری پوری اور ٹھیک جزا دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ ءَ اِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت37:53) ''تو کیا واقعی ہمیں (دوبارہ اٹھا کر) بدلہ ملے گا؟'' یعنی کیا ہمیں جزا دی جائے گی؟ ہمارا حساب لیا جائے گا؟ حدیث میں ہے: [اَلْكَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ] ''عقل مند وہ ہے جو اپنا محاسبہ خود کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے۔''①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا محاسبہ کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے، اور اپنا وزن کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ تمھارا وزن کیا جائے۔ اور اس ذات گرامی کے سامنے اس بڑی پیشی کی تیاری کرتے رہا کرو۔ جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کر لیا روز قیامت اس پر حساب آسان ہو جائے گا۔ ﴿ یَوْمَىِٕذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِیَةٌ ۝ ﴾ (الحآقّة69:18) ''اس روز تمھاری پیشی ہوگی اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔''②

تفسیر آیت :5

عبادت کے لغوی و شرعی معنی: عبادت کے لغوی معنی عجز وانکسار کے ہیں۔ طَرِیقٌ مُّعَبَّدٌ اس راستے کو کہا جاتا ہے جو روندا ہوا ہو۔ اور بَعِیرٌ مُّعَبَّدٌ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کو اپنی ضروریات کے لیے بطور سواری خوب استعمال کیا جاتا ہے۔ اور شرع میں عبادت کمال درجے کی محبت، عجز وانکسار اور خوف سے عبارت ہے۔

مفعول کو مقدم قرار دینے اور غائب سے حاضر کی طرف التفات کے فوائد: مفعول، یعنی ﴿ اِیَّاكَ ﴾ کو یہاں جو فعل وفاعل سے مقدم اور مکرر ذکر کیا ہے تو یہ اہتمام اور حصر کے لیے ہے، یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی پر بھروسا کرتے ہیں۔ اور یہ اطاعت و بندگی کا کمال درجہ ہے۔ سارا دین انھی دو جملوں پر مبنی ہے جیسا کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کا راز ہے اور سورۂ فاتحہ کا راز اس کلمہ: ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۵ ﴾ میں مضمر ہے۔

اس آیت کے پہلے حصے میں شرک سے بے زاری کا اظہار ہے۔ اور دوسرے میں اپنی طاقت وقوت کا انکار بھی ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کا اعتراف بھی۔ اور یہ معنی ومفہوم قرآن مجید کی کئی ایک آیات میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (ھود11:123) ''چنانچہ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر

① جامع الترمذی، صفة القیامة، باب حدیث : [الکیّس من دان نفسه......]، حدیث:2459 و سنن ابن ماجه ،الزھد، باب ذکر الموت والاستعداد له، حدیث:4260 عن شدّاد بن أوس رضی اللہ عنہ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعیفة:5319. ② المصنف لابن أبی شیبة، الزھد، کلام عمر بن الخطاب:115/7، حدیث:34448 اور دیکھیے جامع الترمذی، صفة القیامة، باب حدیث: [الکیّس من دان نفسه......] ، حدیث:2459.

بھروسا رکھیں اور آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں جو کچھ تم کر رہے ہو۔'' ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ (الملک 29:67) ''کہہ دیجیے: وہ (اللہ جو) رحمٰن ہے، ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ (المزمّل 9:73) ''(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بنالیجیے۔'' اسی طرح اس آیت کریمہ: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر غائب کے صیغوں سے مخاطب کی طرف التفات کا سبب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے کرتے گویا اس کے قریب پہنچ گیا اور اس کے سامنے حاضر ہو گیا ہے۔ اب اس کے لیے غائب کے صیغے استعمال کرنے کے بجائے حاضر کے صیغے استعمال کرتے ہوئے کہہ رہا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ ''(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

فاتحہ میں حمد وثنا بیان کرنے کی طرف رہنمائی ہے، اس لیے ہر نماز میں اس کی قراءت واجب ہے: اس سورت کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات کریمہ کی صفات جمیلہ کے حوالے سے ثناء وتعریف ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ رہنمائی ہے کہ اس کے بندے بھی اس کی حمد وثنا کا اہتمام کریں، اسی لیے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی قدرت کے باوجود نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ] ''جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔''[1] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، (فَنِصْفُهَا لِي وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِي)، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ قَالَ اللّٰهُ: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي، فَإِذَا قَالَ: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ قَالَ: مَجَّدَنِي عَبْدِي، فَإِذَا قَالَ: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ قَالَ: هٰذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ]

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لیا ہے، اس کا نصف حصہ میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے۔ اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ (یہ تقسیم اس طرح ہے کہ) بندہ جب یہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے۔ وہ جب یہ

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم......، حديث:756 وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة......، حديث:394.

کہتا ہے: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی ہے۔ وہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے۔ وہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ اور وہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔''①

توحیدِ الوہیت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ سے عرض کی:) اے محمد (ﷺ)! آپ یوں کہیں: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ یعنی اے ہمارے رب! ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں، صرف تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید وابستہ رکھتے ہیں۔ تیرے سوا ہم نہ کسی کی توحید کے قائل ہیں، نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ کسی سے امید وابستہ رکھتے ہیں۔②

توحیدِ ربوبیت: ﴿ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہم تیری اطاعت و بندگی بجالانے پر اور اپنے تمام امور و معاملات کے سلسلے میں صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔③ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ تم سب صرف اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں صرف اسی سے مدد مانگو۔④ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کو ﴿ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤ ﴾ سے پہلے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اصل مقصود ہے اور اس سے استعانت اس کے لیے وسیلہ ہے اور اہتمام واحتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ اہم چیز کو پہلے ذکر کیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعلَم.

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کا اہم مقامات پر ''عبد'' کے نام سے ذکر کرنا: عبادت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کے اشرف و افضل واقعات کو بیان کرتے ہوئے آپ کو اسم ''عبد'' سے موسوم فرمایا، مثلاً: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ (الکهف 1:18) ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر (یہ) کتاب نازل فرمائی۔'' اور ﴿ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ ﴾ (الجنّ 19:72) ''اور جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) اس کو پکارنے کے لیے کھڑے ہوئے۔'' اسی طرح ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴾ (بنی إسرآء یل 1:17) ''پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں لے گیا۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید کے نازل کرنے، دعوت کے لیے آپ کے کھڑے ہونے اور آپ کے اسراء و معراج جیسے اہم واقعات کو بیان کرتے ہوئے آپ کو اسمِ عبد سے یاد فرمایا ہے۔

پریشانی کے وقت عبادت کا حکم: اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ رہنمائی بھی فرمائی کہ اے نبی! جس وقت آپ

① صحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة ، حديث:(38)-395 اور [فنصفهالي......]، حديث:(40)-395 میں ہے۔ وسنن أبي داود، الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، حديث:821 .
② تفسير الطبري 103/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم 29/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم 29/1.

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿6﴾

دکھا ہمیں سیدھا راستہ ﴿6﴾

کا دل مخالفین کی تکذیب کی وجہ سے تنگ ہو تو آپ عبادت میں مشغول ہو جایا کریں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۙ وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَـقِيۡنُ ﴾ (الحجر15:97-99) ''اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح کہتے اور (اس کی) خوبیاں بیان کرتے رہیں اور سجدہ گزاروں میں ہو جائیں اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آ جائے۔''

تفسیر آیت :6

دعا سے پہلے حمد وثنا کرنے کی حکمت: جب پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اس سے سوال بھی کیا جائے۔ اور یہ حدیث قدسی پہلے بیان کی جا چکی ہے [1] کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [فَنِصۡفُهَا لِي وَنِصۡفُهَا لِعَبۡدِي، وَلِعَبۡدِي مَا سَأَلَ] ''لہٰذا اس نماز (سورۂ فاتحہ) کا نصف حصہ میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مجھ سے مانگے۔''[2]

اس اسلوب میں بے حد لطافت اور خوبی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جائے، پھر اپنی اور اپنے مومن بھائیوں کی حاجت طلب کرتے ہوئے کہا جائے: ﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ﴿6﴾ ﴾ یہ وہ لطیف اسلوب ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پا لینے کے لیے تیر بہدف ہے، اسی اسلوب کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کیونکہ یہ انتہائی کامل اسلوب ہے۔

سوال کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو بیان کر دیتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا تھا: ﴿ رَبِّ اِنِّىۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَىَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ﴾ (القصص28:24) ''اے میرے پروردگار! بے شک میں اس کا محتاج ہوں تو مجھ پر جو بھی اپنی نعمت نازل فرمائے۔'' اور کبھی سائل اپنی حاجت وضرورت بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت بھی بیان کرتا ہے۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا: ﴿ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ‌ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۚ ﴾ (الأنبياء 87:21) ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے (اور) بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔'' اور کبھی سوال کرنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ سائل، مسئول کی صرف تعریف بیان کر دیتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

أَ أَذۡكُرُ حَاجَتِي أَمۡ قَدۡ كَفَانِي ... حَيَاؤُكَ إِنَّ شِيمَتَكَ الۡحَيَاءُ

إِذَا أَثۡنَى عَلَيۡكَ الۡمَرۡءُ يَوۡمًا ... كَفَاهُ مِنۡ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

---

[1] دیکھیے عنوان: ''سورۂ فاتحہ اور نماز'' [2] صحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراء ة الفاتحة في كل ركعة...... ، حدیث: (38,40)-395.

''کیا میں اپنی حاجت کو ذکر کروں یا میرے لیے تیری مہربانیوں بھری بخشش ہی کافی ہے؟ کیونکہ بخشش ہی تیری صفت ہے۔ جب بندہ کسی دن تیری تعریف کرے تو اس کو سوال کے درپے ہونے کے بجائے تیری تعریف بیان کر دینا ہی کافی ہے۔''

''ہدایت'' کے معنی: یہاں ہدایت کے معنی ارشاد و توفیق کے ہیں، لفظ ہدایت کبھی تو بنفسہ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو سیدھا رستہ القا کر دے، سیدھے رستے کی توفیق دے دے، ہمیں سیدھے رستے سے نواز دے یا سیدھا رستہ عطا فرما دے۔ اسی طرح آیت کریمہ: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد 10:90) کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کے لیے خیر اور شر کو بیان کر دیا ہے۔ اور کبھی ہدایت کو اِلٰی کے ساتھ متعدی کر کے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً: ﴿اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (النحل 121:16) ''اللہ تعالیٰ نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) چن لیا اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی۔'' ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ (الصّٰفّٰت 23:37) ''پھر انھیں دوزخ کی راہ دکھا دو۔'' ان آیات میں ہدایت کا لفظ ارشاد و دلالت اور رہنمائی کے معنی میں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الشورٰی 52:42). ''اور بلاشبہ آپ سیدھے راستے ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔'' اور کبھی ہدایت کا لفظ ''لام'' کے ساتھ متعدی ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اہل جنت کہیں گے: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ (الأعراف 43:7) یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائی اور ہمیں اس کا اہل بنا دیا۔

''صراط مستقیم'' کے معنی: امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امت کے تمام اہل تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صراط مستقیم اس صاف اور واضح راستے کو کہتے ہیں جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ تمام عربوں کی زبان میں بھی یہ اسی معنی میں مستعمل ہے، مثلاً: جریر بن عطیہ خطفی کا شعر ہے۔

أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى صِرَاطٍ   إِذَا اعْوَجَّ الْمَوَارِدُ مُسْتَقِيمِ

''جب راستے ٹیڑھے ہو جائیں تو امیر المؤمنین ہمیشہ سیدھے راستے ہی پر ہوتے ہیں۔''

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے اور بھی بے شمار شواہد ہیں، پھر عرب صِرَاط کے لفظ کو ہر اس قول و عمل اور وصف کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو سیدھا یا ٹیڑھا ہو۔ سیدھا ہو تو اسے مُسْتَقِيمٌ اور ٹیڑھا ہو تو اسے مُعْوَجٌّ کہتے ہیں۔[1]

آیت کریمہ میں صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نوّاس بن سَمعان کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ، وَّعَلٰى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ ، فِيهِمَا أَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ ، وَّعَلٰى

[1] تفسير الطبری: 110,109/1.

الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُّرْخَاةٌ ، وَّعَلٰى بَابِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَّقُولُ : أَيُّهَا النَّاسُ ! اُدْخُلُوا الصِّرَاطَ جَمِيعًا وَّلَا تَتَفَرَّجُوا ، وَدَاعٍ يَّدْعُو مِنْ جَوْفِ الصِّرَاطِ ، فَإِذَا أَرَادَ يَفْتَحُ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ قَالَ: وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ، وَالصِّرَاطُ : الْإِسْلَامُ ، وَالسُّورَانِ : حُدُودُ اللّٰهِ تَعَالٰى ، وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ : مَحَارِمُ اللّٰهِ تَعَالٰى ، وَذٰلِكَ الدَّاعِي عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ، وَالدَّاعِي فَوْقَ الصِّرَاطِ وَاعِظُ اللّٰهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ]

’’اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی اس طرح مثال بیان فرمائی ہے جیسے ایک راستہ ہو اور اس کے دونوں طرف دیواریں ہوں، ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے ہوں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہوں۔ راستے کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہو جو یہ اعلان کر رہا ہو کہ اے لوگو! تم سب سیدھے راستے پر چلو اور دائیں بائیں مت جھانکو۔ اور ایک پکارنے والا راستے کے درمیان میں ہو جب کوئی ان میں سے کسی دروازے کو کھولنا چاہے تو وہ کہہ دے: تجھ پر افسوس! اسے نہ کھولنا، اگر تو نے اسے کھول دیا تو اس میں داخل ہو جائے گا، چنانچہ اس مثال میں صراط (رستے) سے مراد اسلام ہے، دیواریں حدود الٰہی ہیں، کھلے ہوئے دروازوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ راستے کے دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور سر راہ پکارنے والا اللہ تعالیٰ کا وہ خوف ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔‘‘[1]

مومنوں کا ہدایت کی دعا کرنا: اگر سوال کیا جائے کہ مومن نماز میں بھی اور دیگر کئی اوقات میں بھی ہدایت کی دعا کیوں کرتا ہے جبکہ وہ تو ہدایت سے بہرہ ور ہے؟ کیا یہ تحصیلِ حاصل کے مترادف نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، یہ تحصیل حاصل نہیں ہے۔ اگر انسان کو دن رات ہدایت طلب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی نہ فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہی اس لیے ہے کہ انسان کو ہر لمحے اور ہر گھڑی اس کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت پر ثابت قدم رکھے، رسوخ عطا فرمائے، بصیرت سے نوازے، اضافہ فرمائے اور ہدایت کو جاری وساری رکھے کیونکہ کوئی انسان اپنے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے مگر جو اللہ چاہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب سے یہ دعا کرتا رہے کہ وہ اس کی مدد فرمائے، اسے ثابت قدم رکھے اور اسے توفیق عطا فرمائے۔ انتہائی خوش بخت ہے وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ دعا کی توفیق عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرنے کا ذمہ اٹھایا ہے، وہ جب بھی دعا کرے، خواہ دن کو دعا کرے یا رات کو خصوصاً جبکہ وہ مجبور و بے کس اور ناچار و بے قرار ہو۔

اور پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى رَسُولِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط﴾ (النسآء4:136) ’’اے مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتاب اس سے پہلے نازل فرمائی، اس پر بھی ایمان لاؤ۔‘‘ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل

[1] مسند أحمد:4/182،183 و جامع الترمذی، الأمثال، باب ماجاء فی مثل اللّٰہ عزوجلّ لعبادہ، حدیث:2859.

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ع 1/7

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ان کا نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ⑦

ایمان کو بھی ایمان لانے کا حکم دیا ہے تو یہ تحصیلِ حاصل نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد ان اعمال پر ثبات، استقلال اور دوام ہے جو اس کے لیے مدد و معاون ہوں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَم.

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا بھی کرتے رہا کریں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ ﴾ (آل عمران 8:3) ”اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا۔ اور ہمیں اپنے ہاں سے رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔“ لہٰذا ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ⑥ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ ہمیشہ ہمیں سیدھے راستے ہی پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور سیدھے راستے کے بجائے ہمیں کسی اور راستے کی طرف نہ لے جا۔

تفسیر آیت :7

قبل ازیں یہ مکمل حدیث بیان ہو چکی ہے [1] جس میں یہ ہے کہ جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ⑥ ﴾ سے آخر سورت تک تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [هٰذَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ] ”یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔“ ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ ﴾ کے الفاظ نحویوں کے نزدیک ﴿ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ⑥ ﴾ سے بدل ہیں یہ بھی درست ہے کہ انھیں عطف بیان قرار دے دیا جائے۔ واللّٰہ أعلم.

صراطِ مستقیم پر گامزن لوگ: جہاں تک انعام یافتگانِ بارگاہ الٰہی کا تعلق ہے تو ان سے مراد وہ سعادت مند ہیں جن کا سورۂ نساء کی ان آیات میں ذکر ہے: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ○ ﴾ (النسآء 70,69:4) ”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء (علیہم السلام) صدیقین، شہداء اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔“

﴿ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ اور ﴿ الضَّآلِّيْنَ ⑦ ﴾ سے کون مراد ہیں: فرمان الٰہی: ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت عطا فرما جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن کی صفات کا تذکرہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ اور یہی اہل ہدایت و استقامت ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت بجا لانے والے اور احکام الٰہی کے سامنے سر اطاعت جھکانے والے ہیں۔ اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ اور ہمیں ان لوگوں کے

---

① دیکھیے عنوان: ”سورۂ فاتحہ اور نماز“

راستے پر نہ چلا جن پر تیرا غضب ہوتا رہا کیونکہ ان کے ارادوں ہی میں خرابی پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے حق کو معلوم کرنے کے باوجود اسے اختیار نہ کر سکے۔ اور نہ ان لوگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما جو گمراہ ہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم ہی سے محروم ہیں، ضلالت و گمراہی میں بھٹک رہے ہیں اور حق کی راہ انھیں سجھائی نہیں دیتی۔

دو فاسد راستے: حرف نفی ''لا'' کے ساتھ کلام میں مزید تاکید پیدا کر دی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ دو فاسد راستے ہیں۔ ان دو راستوں سے مراد یہود و نصاریٰ کے راستے ہیں۔ اور ہر ایک کو چاہیے کہ وہ ان کی روش پر چلنے سے اجتناب کرے کیونکہ اہل ایمان کا راستہ حق کے علم اور اس پر عمل کرنے پر مشتمل ہے جبکہ یہود عمل سے اور نصاریٰ علم سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے اور نصاریٰ ضلالت و گمراہی سے دوچار ہوئے کیونکہ جو شخص علم کے باوجود عمل کو ترک کر دے وہ غضب الٰہی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ ہاں، البتہ اگر کسی کو علم ہی نہ ہو تو اس کی بات اور ہے۔ نصاریٰ ایک چیز کے متلاشی تو تھے لیکن انھیں اس کی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی کیونکہ انھوں نے اس کے لیے صحیح راستے کو اختیار نہیں کیا تھا۔ اور صحیح راستہ یہ ہے کہ حق کی پیروی کی جائے، اس لیے وہ گمراہ ہو گئے۔

یہود و نصاریٰ میں سے اگرچہ ہر ایک گمراہ بھی ہے اور غضب کا شکار بھی مگر یہود کی نمایاں بات یہ ہے کہ یہ مغضوب ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ (المآئدۃ5:60) ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر وہ غضب ناک ہوا۔'' اور نصاریٰ کی نمایاں بات ضلالت و گمراہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝﴾ (المآئدۃ5:77) ''جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور بھی اکثر کو گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔''

احادیث و آثار سے بھی یہی ثابت ہے اور یہ بالکل واضح اور بیّن ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں عَقرب میں مقیم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تو یہ سب لوگ ایک قطار میں آپ کے سامنے کھڑے کر دیے گئے تو میری پھوپھی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری خبر گیری کرنے والا دور جا چکا ہے، اولاد جدا ہو چکی ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں، میرا کوئی خدمت کرنے والا نہیں۔ آپ مجھ پر احسان کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا: [مَنْ وَّافِدُكِ ؟] ''تیری خبر گیری کرنے والا کون ہے؟'' اس نے جواب دیا: عدی بن حاتم، فرمایا: [اَلَّذِي فَرَّ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ؟] ''وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگتا پھرتا ہے؟'' اس خاتون کا بیان ہے کہ آپ نے مجھ پر احسان (فرماتے ہوئے آزاد) کر دیا۔

جب آپ لوٹ کر دوبارہ تشریف لائے تو آپ کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھے جو ان کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے فرمایا: ان سے سواری طلب کر لو، چنانچہ اس (میری پھوپھی) نے سواری طلب کر لی جو اسے دے دی گئی۔ (عدی بیان کرتے ہیں کہ پھوپھی میرے پاس آئی) تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت نے تو تمھارے

باپ کی سخاوت کو بھی مات دے دی ہے (ان کی خدمت میں رغبت رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے حاضر ہو) فلاں آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اسے اس قدر عطا فرمایا اور فلاں آیا تو آپ نے اسے اس قدر نوازا، بہرحال یہ سن کر میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس ایک عورت اور کچھ بچے ۔ یا ایک بچہ ۔ بھی تھے، حضرت عدی نے نبی ﷺ سے ان کی قرابت داری بھی بیان کی، آپ سے ملاقات کے بعد مجھے یہ یقین ہوگیا کہ آپ ﷺ قیصر وکسریٰ کی طرح بادشاہ نہیں ہیں (بلکہ آپ تو اللہ کے سچے نبی ہیں۔) آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

[يَا عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ !مَا أَفَرَّكَ أَنْ يُّقَالَ :لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَهَلْ مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ؟ مَا أَفَرَّكَ أَنْ يُّقَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ؟ فَهَلْ شَيْءٌ هُوَ أَكْبَرُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: فَأَسْلَمْتُ ، فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ اسْتَبْشَرَ وَقَالَ: إِنَّ الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ : الْيَهُودُ ، وَ إِنَّ الضَّآلِّينَ : النَّصَارٰى]

''اے عدی بن حاتم ! کیا لا الہ الا اللہ کے قول نے تمھیں راہ فرار اختیار کرنے پر آمادہ کیا؟ کیا اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہے؟ کیا اللہ اکبر کی صداؤں نے تم کو بھگایا ہے؟ کیا اللہ عزوجل سے زیادہ بڑا کوئی اور ہے؟ آپ ﷺ کے یہ ارشادات سن کر میں مشرف بہ اسلام ہوگیا تو میں نے دیکھا آپ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ چہرۂ انور گلنار ہوگیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ ﴿ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ﴾ یہود اور ﴿ الضَّآلِّينَ ⑦ ﴾ نصاریٰ ہیں۔''[1] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[2]

سیرت میں زید بن عمرو بن نُفَیل سے روایت ہے کہ جب وہ اور ان کے ساتھی دین حنیف کی تلاش میں شام کی طرف گئے تو یہودیوں نے ان سے کہا کہ آپ اس وقت تک ہمارے مذہب میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک غضبِ الٰہی میں سے اپنا حصہ نہ لیں تو میں نے کہا کہ نہیں، میں تو اللہ کے غضب سے بھاگتا ہوں۔ اسی طرح عیسائیوں نے ان سے کہا کہ آپ اس وقت تک ہمارے مذہب میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بھی اپنا حصہ نہ لیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں، مجھ میں اللہ کی ناراضی برداشت کرنے کی استطاعت نہیں ہے، چنانچہ یہ اپنی فطرت پر برقرار رہے، بتوں کی عبادت اور مشرکوں کے دین سے الگ تھلگ رہے اور یہود ونصاریٰ میں سے کسی کے بھی دین میں داخل نہ ہوئے۔ ہاں، البتہ ان کے باقی ساتھیوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا تھا کیونکہ انھوں نے اس وقت اسے یہودیت کی نسبت زیادہ بہتر خیال کیا تھا، انھی میں سے ایک وَرَقَہ بن نَوفل بھی تھے۔[3] جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہدایت سے سرفراز فرمایا جب اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ انھوں نے

[1] مسند أحمد: 378/4 . [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة فاتحة الكتاب، حدیث:2953 نحوه مطوّلًا. [3] ملخص از السيرة النبوية لابن هشام:1/223-226 اور دیکھیے صحیح البخاری ، منا قب الأنصار ، باب حديث زيد بن عمرو بن نفيل ، حديث:3827. ملحوظہ: صحیح بخاری میں صرف زید بن عمرو کے شام جانے کا ذکر ہے جبکہ المعجم الکبیر للطبرانی:1/151,152 میں ورقہ بن نوفل کے بھی ساتھ جانے کا ذکر ہے لیکن اس روایت میں سقم ہے۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں عیسائیوں کی بابت اللہ کی ناراضی کا ذکر ہے جبکہ صحیح بخاری سمیت تمام مراجع میں ان کے متعلق اللہ کی لعنت کا ذکر ہے۔ اور زید بن عمرو کی دین ابراہیم علیہ السلام پر کاربند رہنے کی صراحت بھی موجود ہے۔ و اللّٰه أعلم. مزید دیکھیے دلائل النبوة للبیہقی:2/123,124.

نے وحیٔ الٰہی کے جتنے حصے کو پایا، اس پر ایمان لے آئے تھے۔[1] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

سورۂ فاتحہ کے مشتملات: یہ سورۂ کریمہ جس کی سات آیات ہیں، اللہ تعالیٰ کے ایسے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ جو اس کی صفات عُلیا کو مستلزم ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں قیامت کے دن کا بھی ذکر ہے اور بندوں کی یہ رہنمائی بھی کی گئی ہے کہ وہ الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہا کریں اور اپنی کوتاہی اور کم مائیگی کا بھی اعتراف کرتے رہا کریں۔ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید الوہیت کو اختیار کریں۔ اس بات سے اس کی ذات گرامی کو پاک قرار دیں کہ اس کا کوئی شریک یا نظیر یا مماثل ہو۔

اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ اس کے بندے اس سے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت طلب کرتے رہا کریں۔ وہ صراط مستقیم، یعنی دین قویم ہی پر انھیں ثابت قدم رکھے تا کہ اس کی برکت سے روز قیامت اللہ تعالیٰ انھیں پل صراط سے گزرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے تا کہ وہ انبیاء علیہم السلام، صدّیقین، شہداء اور صالحین کے جوار میں ابدی و سرمدی نعمتوں سے بھری ہوئی جنت سے فیض یاب ہوں، لہٰذا یہ سورت اعمال صالحہ کی ترغیب پر بھی مشتمل ہے تا کہ قیامت کے دن اعمال صالحہ بجالانے والوں کا ساتھ نصیب ہو۔

اس سورۂ مبارکہ میں باطل راستوں کو ترک کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے تا کہ قیامت کے دن ان باطل راستوں پر چلنے والوں کے ساتھ ان کا حشر نہ ہو۔ اور ان سے مراد مغضوب علیہم اور ضالین (یہود و نصاریٰ) ہیں۔

ضلالت کے بجائے انعام کی اللہ کی طرف نسبت اور قدریہ فرقے پر رد: یہ اسلوبِ بیان کس قدر حسین ہے کہ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ﴾ میں تو انعام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے مگر ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ میں فاعل کو حذف کر دیا گیا ہے اگر چہ اس کا حقیقی فاعل بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (المجادلة 14:58) ”بھلا آپ نے ان لوگوں (منافقوں) کو نہیں دیکھا جو اس قوم (یہود) سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا؟“ اسی طرح ضلالت کی نسبت خود گمراہ ہونے والوں کی طرف کی گئی ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں گمراہی سے دوچار کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝﴾ (الكهف 17:18) ”جس کو اللہ ہدایت دے، وہ ہدایت یاب ہے اور جس کو گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ بتانے والا دوست نہیں پائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 186:7) ”جس شخص کو اللہ گمراہ کرے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکتے رہیں۔“

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی آیات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت عطا فرماتا

① غالباً یہ استدلال ان روایات کی بنا پر ہے: صحیح البخاري، بدء الوحي، كيف كان بدء الوحي......؟ حديث:2 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث:160.

اور گمراہی سے دوچار کرتا ہے۔فرقہ قدریہ اوراس کے نقش قدم پر چلنے والوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ بندے از خود ہدایت و ضلالت کو اختیار کرتے اور اسے سرانجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی بدعت کی تائید میں قرآن مجید کی متشابہ آیات سے استدلال کرتے ہیں اور ان آیات کو ترک کر دیتے ہیں جن میں صریحًا ان کی تردید ہے۔تمام گم گشتہ راہ اور سرکش لوگوں کا یہی حال ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے:[إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللّٰهُ، فَاحْذَرُوهُمْ] ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن مجید کے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، تم ان سے بچو۔''[1]

یعنی ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت میں ذکر فرمایا ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ (آل عمران 7:3) ''جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں جس سے ان کا مقصد فتنہ برپا کرنا اوراس کی تاویل تلاش کرنا ہوتا ہے۔''

لیکن بحمد اللہ کسی بدعتی کے لیے قرآن مجید میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ قرآن تو آیا ہی اس لیے ہے تاکہ حق کو باطل سے الگ کردے، ہدایت اور ضلالت میں فرق کردے۔اور اس میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تو دانا اور خوبیوں والے اللہ کا اتارا ہوا کلام ہے۔

مسئلۂ آمین: جو شخص سورۂ فاتحہ پڑھے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس کے بعد آمین کہے۔آمین، یٰسٓ کے وزن پر ہے۔ اسے مد کے بغیر أَمِین بھی پڑھا جاتا ہے۔اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! اس دعا کو قبول فرما۔آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جسے امام احمد، ابوداود اور ترمذی نے وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، میں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو کہا: آمین اور آمین کہتے ہوئے اپنی آواز کو دراز فرمایا۔[2] ابوداود کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ''آپ نے آمین کہتے ہوئے اپنی آواز کو بلند فرمایا۔'' امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم) سے بھی مروی ہے۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کی تلاوت کرتے تو کہتے: آمین حتی کہ آپ کے ساتھ ملنے والی پہلی صف والے اسے سن لیتے تھے۔اسے امام ابوداود اور ابن ماجہ نے

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ (آل عمران 7:3)، حديث:4547 و صحيح مسلم، العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن......، حديث:2665 واللفظ له. [2] مسند أحمد:316/4 و سنن أبي داود، الصلاة،باب التأمين وراء الإمام، حديث:932 اور یہاں [رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ] کے الفاظ ہیں۔ و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التأمين، حديث:248 واللفظ له. [3] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الجهر بالتأمين ، حديث: 854 عن علي رضی اللہ عنہ. و الدارقطني، الصلاة، باب التأمين في الصلاة......:334/1، حديث:1259 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. و حديث 1258 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. تفسیر ابن کثیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

روایت کیا ہے۔① ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ امام دار قطنی نے اس مفہوم کی حدیث بیان کی ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔② حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ فرمائیں۔③

ابونصر قُشیری نے حسن بصری اور جعفر صادق رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے آمین کو میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ ﴿ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ﴾ (المآئدة 2:5) میں میم مشدّد ہے۔④ ہمارے اصحاب اور دیگر کئی علماء نے کہا ہے کہ جو لوگ نماز سے باہر ہوں ان کے لیے بھی آمین کہنا مستحب ہے۔ اور نمازی کے لیے تو آمین کہنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ اسے ہر حال میں آمین کہنا چاہیے، خواہ وہ اکیلا ہو یا امام یا مقتدی کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا ، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ] ”جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔“⑤

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ: آمِينَ وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِينَ ، فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ] ”جب تم میں سے کوئی نماز میں آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں اور ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے سے آمین مل جائے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“⑥

فرشتوں کے ساتھ آمین کے مل جانے کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ دونوں کے آمین کہنے کا وقت ایک ہو، یا یہ کہ قبولیت کے اعتبار سے دونوں کی آمین مل جائے، یا یہ کہ صفت اخلاص کے اعتبار سے دونوں کی آمین ایک جیسی ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے: [إِذَا قَالَ - يَعْنِي الْإِمَامُ -: ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ⑦ ﴾ فَقُولُوا: آمِينَ ، يُجِبْكُمُ اللّٰهُ] ”جب امام ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ⑦ ﴾ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمھاری دعا کو قبول فرمالے گا۔“⑦ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آمین کے معنی یہ ہیں کہ ہماری امید کو ناکام نہ کرنا۔⑧ اور اکثر ائمہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! تو ہماری دعا قبول فرما۔

---

① سنن أبی داود، الصلاة، باب التأمین وراء الإمام، حدیث:934 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الجهر بآمین ، حدیث:853. ② سنن الدار قطنی، الصلاة، باب التأمین فی الصلاة......:334/1، حدیث:1259. ③ سنن أبی داود، الصلاة، باب التأمین وراء الإمام، حدیث:937. ④ تفسیر القرطبی:129,128/1 وبتشدید المیم خطأ ، لسان العرب:27/13. ⑤ صحیح البخاری، الأذان، باب جهر الإمام بالتأمین، حدیث:780 و صحیح مسلم، الصلاة، باب التسمیع والتحمید والتأمین، حدیث:410 . ⑥ صحیح مسلم ، الصلاة ، باب التسمیع والتحمید ......، حدیث : (74,75)-410 . ⑦ صحیح مسلم، الصلاة، باب التشهد فی الصلاة، حدیث:404 مطوّلاً. ⑧ دیکھیے تهذیب الأسماء واللغات:11/3.

تفسیر سورۂ بقرہ

سورۂ بقرہ کی فضیلت: مسند احمد، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَاتَجْعَلُوابُيُوتَكُمْ مَّقَابِرَ، وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِى يُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ] ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ کیونکہ جس گھر میں سورۂ بقرہ کو پڑھا جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔''① امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں وہ سورۂ بقرہ سنتا ہے۔ امام نسائی نے اسے عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں روایت کیا ہے۔② امام حاکم نے اسی مفہوم کی حدیث کو مستدرک میں بیان کیا اور صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔③ امام دارمی نے مسند (سنن) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ گھر جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے، شیطان گوز مارتا ہوا اس سے بھاگ جاتا ہے۔④ امام دارمی ہی نے بطریق شعبی روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے رات کو سورۂ بقرہ کی دس آیات پڑھیں، اس رات اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہوگا۔ ان دس آیات سے مراد چار ابتدائی آیات، آیت الکرسی، دو اس کے بعد والی آیتیں اور تین اس سورت کی آخری آیات ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس دن اس کے اور اس کے اہل و عیال کے قریب نہ شیطان آئے گا اور نہ کوئی اور ایسی چیز جو اسے ناپسند ہو۔ اور یہ آیات اگر کسی مجنون پر پڑھی جائیں تو اسے افاقہ ہو جاتا ہے۔⑤

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامًا ، وَّإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ ، مَنْ قَرَأَهَا فِي بَيْتِهٖ لَيْلَةً لَّمْ يَدْخُلْهُ شَيْطَانٌ ثَلَاثَ لَيَالٍ ، وَّمَنْ قَرَأَهَا فِي بَيْتِهٖ نَهَارًا لَّمْ يَدْخُلْهُ شَيْطَانٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ] ''ہر چیز کی ایک کوہان ہوتی ہے اور قرآن کی کوہان سورۂ بقرہ ہے۔ جو شخص ایک رات اسے اپنے گھر میں

① مسند أحمد:378/2 و صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب الصلاة النافلة ......، حديث:780 و جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة البقرة، حديث:2877 والسنن الكبرى للنسائي، فضائل القرآن، باب سورة البقرة:13/5، حديث:8015 تفسیر میں یہاں [مقابر] کے بجائے [قبورًا] تھا مگر اس کا سیاق مختلف ہے۔ دیکھیے سنن أبي داود:2042. ② السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ذكر ما يجير من الجن والشيطان......:240/6، حديث: 10799 مطوّلًا. ③ المستدرك للحاكم، التفسير:260/2، حديث:3029. ④ سنن الدارمي، فضائل القرآن، باب في فضل سورة البقرة:331/2، حديث:3375. ⑤ سنن الدارمي، فضائل القرآن، باب فضل أول سورة البقرة وآية الكرسي:332/2، حديث:3383,3382.

پڑھ لے تو تین راتیں شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا اور جو شخص ایک دن اسے اپنے گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا۔'' اسے ابوقاسم طبرانی نے اور ابوحاتم ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔①

امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا تو آپ نے اس لشکر میں شامل ہر ہر فرد سے کہا کہ وہ سنائے کہ اسے قرآن مجید کس قدر یاد ہے؟ آپ قرآن سنتے سنتے جب ایک نوجوان کے پاس آئے اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا:[مَا مَعَكَ يَا فُلَانُ؟ فَقَالَ: مَعِيَ كَذَا وَ كَذَا وَسُورَةُ الْبَقَرَةِ، فَقَالَ: أَمَعَكَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: اِذْهَبْ فَأَنْتَ أَمِيرُهُمْ] ''تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں اور سورۂ بقرہ بھی یاد ہے۔ فرمایا: کیا تجھے سورۂ بقرہ بھی یاد ہے؟ اس نے عرض کی: جی، فرمایا: تو جاؤ پھر تم اس لشکر کے امیر ہو۔'' قوم کے سرداروں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے سورۂ بقرہ کو اس لیے نہیں سیکھا کہ مجھے خدشہ تھا کہ میں اس کے ساتھ قیام نہیں کرسکوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَاقْرَأُوهُ، فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَهُ فَقَرَأَهُ وَقَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَّحْشُوٍّ مِّسْكًا يَّفُوحُ رِيحُهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ، وَّ مَثَلَ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَيَرْقُدُ وَهُوَ فِي جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوكِيَ عَلَى مِسْكٍ] ''قرآن سیکھو اور اسے پڑھو کیونکہ جو قرآن سیکھے، اسے پڑھے اور اس کے ساتھ قیام کرے تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کستوری سے بھری تھیلی ہو جو اپنی بوئے عطر بیز کی وجہ سے ہر جگہ مہک رہی ہو۔ اور جو قرآن کو سیکھے مگر سیکھ کر سو رہے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کستوری سے بھری ہوئی تھیلی ہو جس کے منہ کو بند کر دیا گیا ہو۔''② یہ ترمذی کی روایت کے الفاظ ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور انھوں نے اسے مرسل بھی روایت کیا ہے۔ واللہ أعلم.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت اُسَید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رات کو وہ سورۂ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ان کا گھوڑا پاس ہی بندھا ہوا تھا کہ اس نے بدکنا شروع کر دیا، وہ خاموش ہوگئے تو گھوڑا بھی پرسکون ہوگیا، انھوں نے پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑے نے پھر بدکنا شروع کر دیا۔ وہ خاموش ہوگئے تو گھوڑا پھر پرسکون ہوگیا۔ انھوں نے پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ انھوں نے تلاوت کو ختم کر دیا کیونکہ ان کا بیٹا یحییٰ قریب ہی سو رہا تھا اور انھیں خدشہ لاحق ہوا کہ گھوڑا اسے نقصان نہ پہنچا دے۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا:[اِقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ]

① المعجم الكبير للطبراني:163/6، حديث:5864 و صحيح ابن حبان، الرقائق، باب قراءة القرآن، ذكر تمثيل النبي ﷺ 59/3، حدیث:780، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہاں سرکش شیاطین مراد ہیں۔ اور دیکھیے السلسلة الصحيحة:588.
② جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة البقرة وآية الكرسي، حديث:2876 والسنن الكبرى للنسائي، السير، باب من أولى بالإمارة:227/5، 228، حديث:8749 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل من تعلّم القرآن و علّمه، حديث:217 مختصرًا. مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

’’اے ابن حضیر! آپ پڑھتے رہتے‘‘ عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اس بات سے ڈر گیا کہ گھوڑا یحییٰ کو نقصان نہ پہنچا دے جو قریب ہی لیٹا ہوا تھا۔ میں نے دھیان اوپر کیا اور بچے کے پاس آ گیا، پھر میں نے اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سائبان کی طرح ایک چیز ہے جس میں چراغوں کے مانند کوئی شے ہے، پھر میں باہر نکلا تو دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ فرمایا:[وَتَدْرِی مَا ذَاكَ؟ قَالَ : لَا ، قَالَ: تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا ، لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ] ’’آپ جانتے ہیں یہ کیا چیز تھی؟ عرض کی: جی نہیں، فرمایا: یہ تو فرشتے تھے جو آپ کی تلاوت سننے کے لیے آئے تھے اور اگر آپ پڑھتے رہتے تو لوگ صبح کے وقت انھیں اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھتے۔‘‘[1]

اس حدیث کو امام ابوعبید قاسم بن سلاّم نے بھی اپنی کتاب ’’فضائل القرآن‘‘ میں بیان کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

سورۂ بقرہ کی سورۂ آل عمران کے ساتھ فضیلت: امام احمد نے عبداللہ بن بُرَیدہ کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے آپ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[تَعَلَّمُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ ، وَّ تَرْكَهَا حَسْرَةٌ ، وَّلَا يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ ، قَالَ: ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: تَعَلَّمُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا الزَّهْرَاوَانِ، يُظِلَّانِ صَاحِبَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ ، أَوْغَيَايَتَانِ ، أَوْفِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، وَإِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقٰى صَاحِبَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَنْشَقُّ عَنْهُ قَبْرُهٗ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ، فَيَقُولُ لَهٗ : هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُولُ: مَا أَعْرِفُكَ، فَيَقُولُ : أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِي أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ وَ أَسْهَرْتُ لَيْلَكَ ، وَ إِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِّنْ وَّرَاءِ تِجَارَتِهٖ ، وَإِنَّكَ الْيَوْمَ مِنْ وَّرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ ، فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِينِهٖ وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهٖ ، وَ يُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ ، وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا يَقُوْمُ لَهُمَا أَهْلُ الدُّنْيَا ، فَيَقُولَانِ: بِمَا كُسِينَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ : بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ ، ثُمَّ يُقَالُ: اِقْرَأْ وَاصْعَدْ فِي دَرَجِ الْجَنَّةِ وَغُرَفِهَا، فَهُوَ فِي صُعُودٍ مَّا دَامَ يَقْرَأُ، هَذًّا كَانَ أَوْتَرْتِيلًا] ’’سورۂ بقرہ کو سیکھو، اسے لینا برکت اور اسے ترک کرنا حسرت ہے اور جادوگر قسم کے لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے، پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: سورۂ بقرہ اور آل عمران کو سیکھو، یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں۔ یہ دونوں اپنے پڑھنے والے پر قیامت کے دن سائبان یا بادل یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے جھنڈ کی طرح سایہ فگن ہوں گی۔ قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو قرآن اس سے ایک اجنبی شخص کی صورت میں ملے گا اور کہے گا: کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، میں آپ کو نہیں پہچانتا تو قرآن کہے گا: میں تیرا ساتھی وہ قرآن ہوں جس نے دن کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا اور رات کو بیدار رکھا۔ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا تھا لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں۔ اب اسے ملک دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور خلد بائیں ہاتھ میں، اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے والدین کو ایسے قیمتی حُلّے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا والے مل کر بھی ان کی قیمت ادا نہ کر سکیں۔ وہ از راہ تعجب پوچھیں گے کہ یہ عمدہ اور قیمتی حُلّے ہمیں

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب نزول السكينة والملا ئكة ......، حديث:5018 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب نزول السكينة لقراءة القرآن ، حديث:796.

کس وجہ سے پہنائے گئے ہیں؟ تو جواب دیا جائے گا کہ تمھارے بچے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے، پھر کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجے اور بالا خانے چڑھتا جا، چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور جنت کے درجے چڑھتا جائے گا، خواہ جلدی جلدی پڑھے یا ترتیل سے۔‘‘① امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کا کچھ حصہ بشیر بن مہاجر سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔② اس حدیث کے بعض حصوں کے شواہد بھی موجود ہیں، مثلاً: حدیث ابوامامہ باہلی جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، ابواُمامہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

[اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ شَافِعٌ لِّأَصْحَابِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، اِقْرَأُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ ، فَإِنَّهُمَا يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ أَهْلِهِمَا، ثُمَّ قَالَ: اِقْرَأُوا الْبَقَرَةَ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَّ تَرْكَهَا حَسْرَةٌ ، وَّ لَا يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ] ’’قرآن پڑھو کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارش کرے گا، دونورانی سورتوں بقرۂ و آل عمران کو پڑھتے رہا کرو، یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے دو سائبان یا دو بادل، یا پر کھولے ہوئے پرندوں کی دو ڈاروں کی طرح ہوں گی، اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن سفارش کریں گی۔ پھر فرمایا: بقرہ پڑھو اس کا لینا برکت اور اسے ترک کرنا حسرت ہے۔ جادوگر قسم کے لوگ اس (کے یاد کرنے یا پڑھنے) کی استطاعت نہیں رکھتے۔‘‘③ اسے امام مسلم نے بھی اپنی صحیح کی کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے۔④

اس کی شاہد وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نوّاس بن سَمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ ، تَقْدُمُهُمْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ وَ ضَرَبَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَمْثَالٍ مَّا نَسِيتُهُنَّ بَعْدُ ، قَالَ : كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ ، أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا] ’’قیامت کے دن قرآن اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا، سورۂ بقرہ اور آلِ عمران سب سے آگے آگے ہوں گی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے تین مثالیں بھی بیان فرمائیں جنھیں میں کبھی نہیں بھولا۔ آپ نے فرمایا: گویا یہ دونوں سورتیں دو بادل یا دو گھنے سائبان ہوں جن میں چمک دمک ہو یا پر کھولے ہوئے پرندوں کے دو جھرمٹ ہوں، اپنے پڑھنے والوں کی یہ سفارش کریں گی۔‘‘⑤ اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔⑥ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی کچھ تقدیم وتاخیر سے اسے روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب قرار دیا ہے۔⑦

سورۂ بقرہ مدنی ہے: سورۂ بقرہ بلا اختلاف ساری مدنی ہے۔ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے لیکن

---

① مسند أحمد:348/5 نیز دیکھیے سنن الدارمي:333/2، حدیث:3391. ② سنن ابن ماجه، الأدب، باب ثواب القرآن، حديث:3781. ③ مسند أحمد:249/5. ④ صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة، حديث:804. ⑤ مسند أحمد:183/4. ⑥ صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة ،حديث:805. ⑦ جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة آل عمران ، حديث:2883.

اس کی آیت: ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (البقرۃ2:281) ''اس دن سے ڈرو جب تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی نازل ہونے والی سب سے آخری آیت ہے۔ ممکن ہے یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہو لیکن بہرحال یہ سورۂ بقرہ ہی کی آیت ہے۔ اسی طرح ''آیات رِبا'' بھی نازل ہونے والی آخری آیات میں سے ہیں۔ خالد بن مَعدان سورۂ بقرہ کو فُسطَاط القرآن (قرآن کا خیمہ) کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ سورت ایک ہزار خبر، ایک ہزار امر اور ایک ہزار نہی پر مشتمل ہے۔ شمار کرنے والوں نے کہا ہے کہ اس کی آیات دو سو ستاسی، کلمات چھ ہزار دو سو اکیس اور حروف پچیس ہزار پانچ سو ہیں۔ واللہ أعلم.

ابن جریج نے عطاء سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی۔[1] عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔[2] اسی طرح اور بھی کئی ایک ائمہ، علماء اور مفسرین نے بیان کیا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے جَمرۂ کبریٰ کی بطن وادی سے رمی کی تو بیت اللہ ان کے بائیں ہاتھ اور منیٰ دائیں ہاتھ تھا۔ پھر فرمایا: یہ اس شخص کے رمی کرنے کی جگہ ہے جس پر سورۂ بقرہ کو نازل فرمایا گیا تھا۔[3]

ابن مردویہ نے عتبہ بن مرثد سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ سستی دیکھی تو فرمایا: [يَاأَصْحَابَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ !] ''اے اصحابِ سورۂ بقرہ!'' آپ نے شاید یہ غزوۂ حنین کے دن اس وقت فرمایا جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انھوں نے اعلان کیا: [يَا أَصْحَابَ الشَّجَرَةِ!] ''اے اصحابِ شجرہ!'' یعنی اے درخت کے نیچے بیعت رضوان کرنے والو! ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اعلان کیا: [يَا أَصْحَابَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ !] ''اے اصحابِ سورۂ بقرہ!'' ان الفاظ سے اس لیے مخاطب کیا تاکہ ان میں نشاط اور دلیری پیدا ہو۔ یہ اعلان سنتے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہر طرف سے پروانہ وار دوڑتے چلے آئے۔[4] اسی طرح ''یمامہ'' کے دن جب مُسَیلِمہ کذاب کے ساتھیوں سے جنگ ہوئی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم بنو حنیفہ کے لشکر کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ڈگمگا گئے تو مہاجرین و انصار بھی ایک دوسرے کو [يَا أَصْحَابَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ !] کہہ کر پکارنے لگے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔[5]

---

[1] الدر المنثور:46/1. [2] الدر المنثور:46/1. [3] صحیح البخاری، الحج، باب من رمی جمرة العقبة ......، حدیث:1749 و صحیح مسلم، الحج، باب رمی جمرة العقبة من بطن الوادی ......، حدیث:1296. [4] مسند أبی یعلی:289/6، حدیث:3606 عن أنس رضی اللہ عنہ نحوہ، نیز یہاں یہ صراحت بھی ہے کہ یہ حنین ہی کا دن تھا۔ والمعجم الکبیر للطبرانی:133/17، حدیث:328 عن عتبة بن فرقد رضی اللہ عنہ. [5] المصنف لعبدالرزاق، باب الشعار:232/5، حدیث:9465 عن عروة.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ①

تفسیر آیت: 1

حروف مقطعات کے متعلق بحث: حروف مقطعات جو بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کو ہے۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔[1] ایک قول ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آغاز ہیں کیونکہ ان سے اللہ تعالیٰ نے قرآن (کی سورتوں) کوشروع فرمایا ہے۔ امام مجاہد سے روایت ہے کہ تمام سورتوں کے شروع کے یہ حروف الٓمّٓ ①، قٓ، صٓ، حٰمٓ، طٰسٓمّٓ اور الٓرٰ وغیرہ حروف ہجاء ہیں۔ بعض عربی دانوں نے کہا ہے کہ یہ حروف تہجی میں سے چند حروف ہیں اور تمام حروف تہجی جو کہ اٹھائیس ہیں، میں سے ان کو ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میرا بیٹا ا ب ت ث لکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن اس طرح وہ تمام حروف میں سے ذکر صرف چند حروف کا کرتا ہے۔ اس قول کو ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[2]

ان حروف کے انتخاب کی حکمت: تکرار کو حذف کرنے کے بعد سورتوں کے آغاز میں مذکورہ حروف کی تعداد چودہ ہے اور یہ حروف ہیں: ا، ل، م، ص، ر، ک، ہ، ی، ع، ط، س، ح، ق، ن اور نَصَّ حَكِيمٌ قَاطِعٌ لَّهٗ سِرٌّ کا جملہ ان تمام حروف پر مشتمل ہے۔ اور یہ تمام حروفِ مقطعات حروف تہجی کی تعداد کا نصف ہیں۔ حروف تہجی میں سے جو اس طرح مذکور ہیں وہ ان حروف سے اشرف ہیں جو متروک ہیں۔ صنعت تصریف کے حوالے سے اس کا جائزہ لیا جائے تو زمخشری کے بقول یہ چودہ حروف تمام اجناسِ حروف پر مشتمل ہیں، یعنی ان میں مَهْمُوسَة اور مَجْهُورَة، رِخْوَة اور شَدِيدَة ، مُطْبَقَة اور مَفْتُوحَة، مُسْتَعْلِيَة اور مُنْخَفِضَة اور قَلْقَلَة تمام اقسام کے حروف آجاتے ہیں۔ علامہ زمخشری نے ان حروف کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس کی حکمت ہر چیز میں جلوہ گر ہے۔ حروف کی اکثر و بیشتر یہی اقسام ہیں اور قاعدہ ہے کہ کسی چیز کے اکثر حصے کو تمام ہی کے قائم مقام قرار دے دیا جاتا ہے۔[3]

حروف کی اس تفصیل کو ملاحظہ کرنے کی وجہ سے بعض مفسرین نے اس مقام پر یہ کہا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو عبث اور بے معنی نازل نہیں فرمایا، اس لیے جاہل لوگوں کی یہ بات بہت بڑی غلطی پر مبنی ہے کہ قرآن مجید میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے قطعاً کوئی معانی نہیں کیونکہ اب تو یہ بات طے ہے کہ ان حروف کے بھی حقیقت میں معانی ہیں۔ اگر ان معانی کے بارے میں نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت ہو تو ہم اسے اختیار کریں گے ورنہ توقف سے کام لیں گے اور کہیں گے: اٰمَنَّا

① تفسیر القرطبی:1/154. ② تفسیر الطبری:1/132. ③ الکشاف:1/30.

بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ ﴾ (آل عمران 7:3) ''ہم ان پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔'' اس سلسلے میں علماء کا کسی ایک معین بات پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے۔ جسے دلیل کے ساتھ بعض اقوال صحیح معلوم ہوں تو وہ انھیں قبول کرے ورنہ حق واضح ہونے تک توقف کرے۔

حروف مقطعات اعجازِ قرآن کی دلیل ہیں: ان حروف کے معانی سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ بعض سورتوں کے آغاز میں ان حروف کے ذکر کرنے میں حکمت کیا ہے؟ اس سلسلے میں ایک قول تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان حروف کو سورتوں کے آغاز میں اعجازِ قرآن کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ قرآن اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ کلام انھی حروف سے مرکب ہے جنھیں تم بھی اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے ہو، پھر سوچو کہ آخر ساری مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز وقاصر کیوں ہے؟ امام رازی نے اپنی تفسیر میں یہ قول مبرّد اور محققین کی ایک جماعت سے اور قرطبی نے فرّاء اور قُطرُب سے بیان کیا ہے۔① زمخشری نے بھی اسے کشاف میں بیان کرتے ہوئے اس کی خوب خوب تائید وحمایت کی ہے۔② شیخ امام علامہ ابوالعباس ابن تیمیہ اور استاد گرامی حافظ مجتہد ابوالحجاج مِزّی کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس کو حافظ مزی نے میرے لیے ابن تیمیہ سے بیان کیا ہے۔

علامہ زمخشری بیان کرتے ہیں کہ ان تمام حروف کو قرآن مجید کے شروع میں صرف ایک ہی جگہ ذکر نہیں کیا گیا بلکہ انھیں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ قرآن کے مقابلے کے چیلنج کو زیادہ مؤثر اور بلیغ انداز میں پیش کیا جا سکے۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں بیان کیے گئے بہت سے واقعات کو بھی بار بار بیان کیا گیا ہے۔ کئی مقامات پر چیلنج بھی نہایت واضح طور پر بار بار دیا گیا ہے۔ کبھی صرف ایک حرف کی صورت میں، مثلاً: ﴿ صٓ ﴾، ﴿ نٓ ﴾، ﴿ قٓ ﴾ کبھی دو حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ حٰمٓ ﴾، کبھی تین حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ الٓمٓ ۞ ﴾ کبھی چار حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ الٓمٓرٰ ﴾ اور ﴿ الٓمٓصٓ ﴾ اور کبھی پانچ حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴾ اور ﴿ حٰمٓ ۞ عٓسٓقٓ ﴾ کیونکہ عربوں کے کلام کا اسلوب و انداز بھی یہی ہے کہ وہ کبھی صرف ایک حرف کبھی دو کبھی تین، کبھی چار اور کبھی پانچ پر مشتمل ہوتا ہے۔ عربی زبان کا کوئی کلمہ (حروف اصلیہ کے اعتبار سے) پانچ حروف سے زیادہ پر مشتمل نہیں ہے۔③

یہی وجہ ہے کہ جن سورتوں کے آغاز میں یہ حروف آئے ہیں، ان میں قرآن ہی کی رفعت و برتری اور اعجاز و عظمت کا ذکر ہے جیسا کہ ان انتیس سورتوں کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے جن کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں، مثلاً: ﴿ الٓمٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ ﴾ (البقرة 2,1:2) ''الٓمٓ۔ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں۔'' ﴿ الٓمٓ ۞ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۞ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ (آل عمران 3-1:3) ''الٓمٓ۔ وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سب کا نگہبان ہے۔ اس نے (اے نبی!) آپ پر سچی کتاب

① تفسیر الرازی:9/2 و تفسیر القرطبی:156/1. ② الكشاف:27/1. ③ الكشاف:31,30/1.

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ②

یہ کتاب ہے جس (کے نازل ہونے) میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے متقین کے لیے۔

نازل کی جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' ﴿ الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ﴾ (الأعراف 7:1،2) ''الٓمّٓصٓ۔ (اے نبی!) یہ کتاب (جو) آپ پر نازل ہوئی ہے، اس سے آپ کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔'' ﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ﴾ (ابراهیم 14: 1) ''الٓرٰ۔ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے اس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں ان کے پروردگار کے حکم سے۔'' ﴿ الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:1،2) ''الٓمّٓ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔'' ﴿ حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ (حمٓ السجدة 41:1،2) ''حٰمٓ۔ یہ کتاب اللہ رحمان ورحیم کی طرف سے اتری ہے۔'' ﴿ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ (الشوریٰ 42:1-3) ''حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ اللہ غالب ودانا اسی طرح آپ کی طرف (مضامین اور براہین) بھیجتا ہے (جس طرح) آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے۔''

اسی طرح ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن پر خوب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول صحیح ہے کہ یہ کلام انھی حروف سے مرکب ہے جنھیں تم بھی اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے ہو تو پھر سوچو کہ آخر ساری مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز وقاصر کیوں ہے؟ واللہ أعلم.

تفسیر آیت: 2

قرآن میں کچھ شک نہیں: اس آیت میں ﴿ الْكِتٰبُ ﴾ سے مراد قرآن مجید ہے اور ﴿ رَيْبَ ﴾ کے معنی شک کے ہیں۔ سدی نے ابومالک اور ابوصالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسی طرح مُرّہ ہمدانی کے حوالے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ ﴾ کے معنی ہیں لَا شَكَّ فِيهِ ''اس میں کچھ شک نہیں۔''[1] ابودرداء، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد، سعید بن جبیر، ابومالک، نافع مولی ابن عمر، عطاء، ابوعالیہ، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان، سدی، قتادہ اور اسماعیل بن ابوخالد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تو اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہ کتاب قرآن مجید ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ سجدہ میں بھی فرمایا ہے: ﴿ الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:1،2) ''الٓمّٓ۔ اس میں

[1] تفسیر الطبری: 1/144.

کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔'' بعض علماء نے کہا ہے کہ اگرچہ یہ خبر ہے لیکن اس کے معنی نہی کے ہیں، یعنی اس کتاب میں شک نہ کرو۔

بعض قُرّاء نے ﴿ لَا رَيْبَ ﴾ پر وقف کیا اور پھر ﴿ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ سے قراءت کو شروع کیا ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ ﴾ پر وقف کیا جائے کیونکہ مذکورہ بالا آیت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اور اس طرح ﴿ هُدًى ﴾ قرآن کی صفت بن جاتی ہے اور اس میں ﴿ فِيْهِ ۚ هُدًى ﴾ کی نسبت زیادہ بلاغت ہے۔ عربی گرامر کے اعتبار سے ﴿ هُدًى ﴾ میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ صفت کی وجہ سے مرفوع یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

ہدایت کا متقین کے ساتھ اختصاص: ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہراپن) ہے اور یہ ان کے حق میں اندھاپن ہے۔ یہ لوگ (جو حق بات نہیں سنتے گویا) انھیں دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 82:17) ''اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے نفع صرف مومن ہی اٹھاتے ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید فی نفسہ ہدایت ہے مگر اس سے ہدایت صرف اَبرار ہی حاصل کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یونس 57:10) ''لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دل کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔''

ابن عباس، ابن مسعود اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نور ہے۔[1]

''متقین'' کے معنی: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ میں متقین سے مراد وہ مومن بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے بچتے اور اس کی اطاعت گزاری کرتے ہیں۔[2] آپ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس ہدایت کو جسے وہ پہچانتے ہیں، ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نبی جس دین کو لے کر آئے اس کی تصدیق کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔[3] قتادہ فرماتے ہیں کہ متقین سے

① تفسیر الطبری:145/1. ② تفسیر الطبری:148/1. ③ تفسیر الطبری:147/1.

مراد وہ لوگ ہیں جن کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ (البقرۃ3:2) ''جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں۔''①

ابن جریر نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ یہ آیت ان تمام باتوں پر مشتمل ہے اور ان کی یہ بات بالکل درست ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَّكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِّمَا بِهٖ بَأْسٌ] ''کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں سے نہیں ہوسکتا جب تک اس چیز کو بھی ترک نہ کرے جس میں کوئی حرج نہ ہوتا کہ اس سے بچ سکے جس میں کوئی حرج ہو۔''②

ہدایت کی دو قسمیں: کبھی تو ہدایت سے مراد دل میں پیوست ہونے والا ایمان ہوتا ہے۔ اور اس ایمان کو اپنے بندوں کے دلوں میں صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص56:28) ''(اے نبی!) بے شک آپ جس کو چاہیں، اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔'' ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ﴾ (البقرۃ272:2) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔'' ﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ﴾ (الأعراف 186:7) ''جس شخص کو اللہ گمراہ کرے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔'' ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾ (الكهف17:18) ''جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ بتانے والا دوست نہ پائیں گے۔'' اسی طرح اور بھی بہت سی آیات میں ہدایت کی اسی قسم کی طرف اشارہ ہے۔

ہدایت کی دوسری قسم سے مراد حق کا بیان کرنا، اس کی وضاحت کرنا اور اس کی نشان دہی کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الشورىٰ52:42) ''اور بے شک (اے نبی!) آپ سیدھا رستہ دکھاتے ہیں۔'' ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ (الرعد7:13) ''سو (اے نبی!) آپ تو صرف ڈرانے والے (ہدایت کرنے والے) ہیں اور ہر ایک قوم کے لیے ایک رہنما ہوا کرتا ہے۔'' ﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ (حٰمٓ السجدة17:41) ''اور جو ثمود تھے تو ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔'' ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ (البلد10:90) ''اور ہم نے اس کو (خیر وشر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیے۔'' یہ آخری آیت اس قول کی بنیاد پر مثال بنے گی جب ﴿ النَّجْدَيْنِ ﴾ سے مراد خیر وشر ہو اور یہی زیادہ راجح قول ہے۔ واللہ أعلم.

تقویٰ کے معنی: تقوے کے اصل معنی بری باتوں سے بچنے کے ہیں، دراصل یہ لفظ وَقْوٰی ہے جو وِقَايَةٌ سے مشتق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: کیا آپ کو کبھی کانٹوں والے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، تو پوچھا: آپ ایسے راستے پر چلتے ہوئے کیا

① تفسير الطبرى:147/1. ② جامع الترمذى، صفة القيامة، باب علامة التقوىٰ......، حديث:2451 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب الورع والتقوىٰ، حديث:4215 یہ روایت ضعیف ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں

کرتے ہیں؟ فرمایا: دامن کو سمیٹ لیتا ہوں اور کوشش کر کے احتیاط سے گزر جاتا ہوں۔ فرمایا: بس ایسے ہی گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ①

تفسیر آیت: 3

ایمان کے معنی: ابوجعفر رازی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں۔ ② اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ کے معنی ہیں یُصَدِّقُوْنَ کہ وہ تصدیق کرتے ہیں۔ ③ معمر نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے معنی عمل کے ہیں۔ ④ ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ ﴿ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ڈرتے ہیں۔ ⑤

ابن جریر فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ قول، عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے ایمان بالغیب کے ساتھ موصوف ہوں۔ خشیتِ الٰہی بھی ایمان کے معنی میں داخل ہے جبکہ ایمان عمل کے ساتھ قول کی تصدیق کا نام ہے۔ ایمان ایک جامع کلمہ ہے جو اللہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے اقرار اور اس اقرار کی فعل کے ساتھ تصدیق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ⑥

لغوی معنی کے اعتبار سے تو ایمان کا لفظ صرف تصدیق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے، مثلاً: ﴿ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ9:61) ''وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں (کی بات) کی تصدیق کرتا ہے۔'' برادران یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ﴾ (یوسف12:17) ''اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔'' اسی طرح جب ایمان کو اعمال کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے، پھر بھی یہی معنی ہوتے ہیں، مثلاً: ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (العصر103:3) ''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔'' اور اگر اس لفظ کو مطلقاً استعمال کیا جائے تو شرعی طور پر مطلوب ایمان اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار احادیث و آثار موجود ہیں۔ اس موضوع پر ہم نے شرح البخاری کے آغاز میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

کچھ مفسرین نے ایمان کی تفسیر خشیت سے بھی کی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ ﴾ (الملک67:12) ''بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ۝ ﴾ (قٓ50:33) ''جو اللہ سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔'' ﴿ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر35:28) ''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔''

① تفسیر القرطبی:161/1 اور دیکھیے الدر المنثور:57/1. ② تفسیر الطبری:149/1. ③ تفسیر الطبری:149/1. ④ تفسیر الطبری:149/1. ⑤ تفسیر الطبری:149/1. ⑥ تفسیر الطبری:149/1.

﴿ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ③ ﴾

اور وہ نماز کو (اس کے آداب کے ساتھ) قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

غیب سے مراد: یہاں غیب سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں سلف کے اقوال مختلف ہیں مگر یہ سب اقوال صحیح ہیں اور سبھی یہاں مراد ہیں۔ ابوجعفر رازی نے ابوالعالیہ کا قول ذکر کیا ہے: ﴿ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ﴾ ''غیب پر ایمان لاتے ہیں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت، جنت، جہنم اور دیدار الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں، نیز وہ حیات بعد الموت اور بعث پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان تمام باتوں کا تعلق غیب سے ہے۔ قتادہ بن دِعامہ کا بھی یہی قول ہے۔①

سعید بن منصور نے عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حضرات صحابۂ کرام اور ان کے ایمان کا ذکر شروع کر دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو دیکھنے والے کے لیے بے حد واضح تھا لیکن اس ذات گرامی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! ایمان بالغیب سے افضل کسی مومن کا ایمان نہیں ہوسکتا، پھر آپ نے ﴿ الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ② الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ﴾ ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ اس کو ابن ابوحاتم، ابن مردویہ نے اور حاکم نے بھی مستدرک میں ذکر کیا اور کہا ہے: یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انھوں نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔②

اسی حدیث کے ہم معنی وہ روایت ہے جسے امام احمد نے ابن مُحَیرِیز سے بیان کیا ہے کہ میں نے ابوجُمُعَہ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث بیان کریں جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔ انھوں نے کہا: ہاں، میں تمھیں ایک بہت اچھی حدیث سناتا ہوں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم سے کوئی بہتر بھی ہوسکتا ہے؟ ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا ہے؟ فرمایا: [نَعَمْ! قَوْمٌ يَّكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُونَ بِي، وَلَمْ يَرَوْنِي] ''ہاں! وہ لوگ جو تمھارے بعد ہوں گے اور میرے ساتھ ایمان رکھتے ہوں گے، حالانکہ انھوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔''③

بقیہ تفسیر آیت: 3

اقامتِ صلاۃ کے معنی: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز کو اس کے فرائض کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔④ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ اقامت صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ رکوع و سجود کو پورا پورا ادا کیا جائے، تلاوت کی جائے، خشوع و خضوع اور پوری پوری توجہ کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔⑤ قتادہ فرماتے ہیں کہ

① تفسیر الطبری:150/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم:36/1 و المستدرك للحاکم، التفسیر:260/2، حدیث:3033 واللفظ له وسنن سعید بن منصور:544/2، حدیث:180. ③ مسند أحمد:106/4و سنن الدارمی، الرقاق، باب فی فضل آخر هذه الأمة:244/2، حدیث:2744. ④ تفسیر الطبری:153/1. ⑤ تفسیر الطبری:153/1.

اقامت صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ نماز کے اوقات، وضو، رکوع اور سجود کی حفاظت کی جائے۔[1] مُقاتِل بن حَیّان کا قول ہے کہ اقامت صلاۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کے اوقات کی حفاظت کی جائے، مکمل طہارت کا اہتمام کیا جائے، رکوع وسجود پورے کیے جائیں، نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، تشہد میں نبی ﷺ پر درود پڑھا جائے تو یہ ہے اقامت صلاۃ۔[2]

خرچ کرنے سے مراد: علی بن ابوطلحہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرتے ہیں۔[3] سدی نے ابو مالک اور ابوصالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور مرہ کے واسطے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل وعیال پر خرچ کرنا ہے کیونکہ یہ آیت زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔[4]

جُوَیبِر نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ نفقات تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ تھے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مقدور واستطاعت کے بقدر خرچ کر کے تقرب الٰہی کے حصول کی کوشش کیا کرتے تھے حتی کہ فرض صدقات کے بارے میں حکم نازل ہوگیا اور یہ حکم سورۂ براءت کی ان سات آیات میں ہے جن میں صدقات کا ذکر ہے، ان آیات سے پہلا حکم منسوخ اور فرض صدقات کا حکم ثابت ہوتا ہے۔[5]

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر نماز اور مال خرچ کرنے کے مسئلے کو ملا کر بیان فرمایا ہے کیونکہ نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے اور یہ اللہ کی توحید، اس کی حمد وثنا، اس کی بارگاہ اقدس میں الحاح وزاری، اس سے دعا اور اس کی ذاتِ گرامی پر توکل پر مشتمل ہے جبکہ انفاق اس کی مخلوق سے احسان کرنا اور اسے نفع پہنچانا ہے۔ اس کے سب سے زیادہ مستحق قریبی رشتے دار، اہل وعیال اور انسان کے اپنے مملوک ہوتے ہیں، پھر اجنبی لوگ، لہٰذا تمام واجب نفقات اور فرض زکاۃ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾ میں داخل ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری ومسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ] ''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے: (1) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (2) نماز قائم کرنا۔ (3) زکاۃ ادا کرنا۔ (4) رمضان کے روزے رکھنا۔ (5) اور بیت اللہ کا حج کرنا۔''[6] اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

الصلاۃ کے معنی: عربی زبان میں صلاۃ کے اصل معنی دعا کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں یہ لفظ رکوع وسجود والی اس عبادت کے لیے استعمال ہونے لگا ہے جس کے مخصوص افعال ہیں اور جسے خاص اوقات میں معروف شروط اور مشہور صفات

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:37/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:37/1. [3] تفسیر الطبری:154/1. [4] تفسیر الطبری:154/1.
[5] تفسیر الطبری:154/1 اور ممکن ہے یہاں سورۂ براءت کی مختلف آیات مراد ہوں، مثلاً:103,99,91,60,34...... [6] صحیح البخاری، الإیمان، باب: دعاء کم إیمانکم ...... ، حدیث:8 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أرکان الإسلام ...... ، حدیث: 16.

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝4

اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④

وانواع کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، یعنی اب یہ لفظ نماز کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔

تفسیر آیت: 4

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت: ﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ ﴾ ''اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔'' کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اس کتاب کی جسے آپ اللہ کے پاس سے لائے ہیں، اوران کتابوں کی جسے آپ سے پہلے کے تمام رسول، اللہ کے پاس سے لائے تھے تصدیق کرتے ہیں اور وہ نہ اس میں فرق کرتے ہیں اور نہ جو وہ لے کر آئے ہیں اس میں سے کسی کا انکار کرتے ہیں۔[1] ﴿ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝4 ﴾ یعنی بعث، قیامت، جنت، جہنم، حساب اور میزان کا بھی یقین رکھتے ہیں۔[2] اور آخرت کو آخرت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے بعد آنے والی ہے۔

مومنین کے اوصاف: اس آیت میں بھی انھی لوگوں کا تذکرہ ہے جن کا اس سے پہلی آیت: ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝3 ﴾ میں تذکرہ تھا۔ مجاہد سے روایت ہے کہ سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیات میں مومنوں، پھر دو آیتوں میں کافروں اور پھر تیرہ آیتوں میں منافقوں کا ذکر ہے۔[3] یہ چاروں آیات ہر اس مومن کے بارے میں عام ہیں جس میں یہ اوصاف پائے جائیں، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، انسان ہو یا جن۔ اوران میں سے کوئی ایک صفت دوسری صفات کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ ان میں سے ہر صفت دوسری کو مستلزم اور اس سے مشروط ہے، مثلاً: ایمان بالغیب اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک اس کتاب پر بھی ایمان نہ ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، نیز ان تمام کتابوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جنھیں آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ آخرت کا بھی یقین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان تمام باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ (النسآء 4:136) ''مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں، سب پر ایمان لاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ﴾ (العنکبوت 29:46) ''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو، ہاں! جو ان میں سے بے انصافی کریں (ان کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو) اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اتری اور جو (کتابیں) تم پر اتریں ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمھارا معبود ایک ہی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا

[1] تفسیر الطبری: 155/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 38/1. [3] تفسیر الطبری: 152/1.

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں ⑤

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم ﴾ (النسآء 47:4) ''اے کتاب والو! ہماری نازل فرمائی ہوئی کتاب (قرآن) پر جو تمھاری کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے، ایمان لے آؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ ﴾ (المآئدة 68:5) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمھارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل کی گئی ہیں، ان کو قائم نہ رکھو گے۔''

ان تمام باتوں پر ایمان لانے والوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ﴾ (البقرة 285:2) ''رسول (ﷺ) اس (کتاب) پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ (النسآء 152:4) ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (سب کو مانا۔)'' علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کو اللہ، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور دیگر تمام امور پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

مومنین اہل کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر ان کا اپنی شریعت پر مفصل ایمان ہو، پھر مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اس کے ساتھ مفصل طور پر ایمان لے آئیں تو انھیں دوگنا اجر و ثواب ملتا ہے جبکہ دیگر لوگوں کا سابقہ شریعتوں پر ایمان مجمل ہوتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [إِذَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ]، [﴿ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ ﴾] (العنکبوت 46:29) ''جب اہل کتاب تم سے بیان کریں تو نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب ...... بلکہ یہ کہو کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے۔''[1]

لیکن بہت سے عربوں کا اس اسلام کے ساتھ ایمان جس کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی، اہل کتاب کے ایمان کی نسبت زیادہ مکمل، اکمل اور جامع ہو سکتا ہے۔ دوبارہ ایمان لانے کی حیثیت سے اگرچہ اہل کتاب کے لیے اجر و ثواب بھی دوگنا ہوتا ہے لیکن دوسروں کی تصدیق اس قدر ارفع و اعلیٰ ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے ان کا اجر و ثواب اہل کتاب کے اس دوگنے اجر و ثواب سے بھی بڑھ کر ہو۔ واللہ أعلم.

---

① صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبیﷺ:[لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ]، حدیث: 7362 و مسند أحمد: 136/4 و سنن أبی داود، العلم، باب روایة حدیث أهل الکتاب، حدیث: 3644. البتہ ابتدائی حصہ مسند أحمد میں ابونملہ انصاری رضی اللہ عنہ کی اور آخری حصہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥

بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑥

تفسیر آیت: 5

ہدایت وفلاح مومنوں ہی کا نصیب ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یعنی یہی لوگ جن کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے، نماز قائم کرتے اور اس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا ہے۔ اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کیا گیا ہے، نیز وہ دارِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اور یہ ایمان اس بات کو مستلزم ہے کہ اعمال صالحہ سرانجام دیے جائیں اور محرمات کو ترک کر دیا جائے، چنانچہ جو لوگ ان اوصاف سے متصف ہیں، وہ ﴿ عَلٰى هُدًى ﴾ ''ہدایت پر ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور، بیان اور بصیرت پر ہیں ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ ﴾ ''اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔'' یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ انھیں جس چیز کی طلب تھی اسے انھوں نے پا لیا جس کے شر سے یہ بھاگتے تھے اس سے انھوں نے نجات پالی۔ یہ کامیاب ہو گئے کہ انھوں نے ثواب اور جنت میں ابدی وسرمدی زندگی کو پا لیا۔ اور اس عذاب سے نجات پالی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے لیے تیار کیا ہے۔

تفسیر آیت: 6

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا۔'' یعنی جنھوں نے حق کو چھپایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں یہی لکھ رکھا تھا، آپ کا انھیں نصیحت کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، چنانچہ وہ کبھی بھی اس دین کو قبول نہیں کریں گے جسے آپ لائے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ ﴾ (یونس 10:96,97) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔''

اسی طرح معاندین اہل کتاب کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ ﴾ (البقرۃ 2:145) ''اور اگر آپ ان لوگوں کے پاس تمام نشانیاں بھی لے آئیں جنھیں کتاب دی گئی ہے، تو بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں گے۔'' یعنی جس کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے شقاوت لکھ رکھی ہے اسے سعادت نصیب ہو ہی نہیں سکتی، جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت عطا نہیں کر سکتا، لہٰذا آپ ان کی وجہ سے غم نہ کریں، ان تک پیغام الٰہی کو پہنچا دیں۔ جو آپ کی دعوت پر لبیک کہے اسے گویا حصہ وافر مل گیا اور جو قبول کرنے سے اعراض کرے تو آپ اس کے بارے میں غم نہ کریں کیونکہ ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ ﴾ (الرعد 13:40) ''آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ٘ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝7 ع 1/7

اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ⑦

ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' ﴿ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ ﴾ (ھود 11:12) ''(اے نبی!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

علی بن ابوطلحہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝6 ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ تمام لوگ ایمان و ہدایت کو قبول کر کے آپ کی پیروی اختیار کر لیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے سے آپ کو مطلع فرمایا ہے کہ دولت ایمان سے صرف وہی لوگ بہرہ ور ہوں گے، لوح محفوظ میں جن کے مقدر میں سعادت و کامرانی لکھ دی گئی ہے اور لوح محفوظ میں جن کے مقدر میں شقاوت و حرماں نصیبی لکھ دی گئی ہے وہ گمراہ ہوں گے۔ ①

تفسیر آیت: 7

ختم کے معنی: سدی ابو مالک سے بیان کرتے ہیں کہ ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ قتادہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے جب شیطان کی پیروی کی تو شیطان نے ان کو اپنے قابو میں کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس کی وجہ سے یہ لوگ ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ ② ابن جریج کے بقول مجاہد نے ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے معنی مہر لگانے کے ہیں، یعنی گناہ دلوں کا احاطہ کر کے اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور دل پر چڑھتے جاتے ہیں، اس کیفیت کا نام طَبْعٌ اور یہی خَتْمٌ یعنی مہر لگانا ہے۔ ③ ابن جریج کہتے ہیں کہ دل اور کان کے لیے محاورے میں ختم ''مہر'' کا لفظ آتا ہے۔ ④

اور مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ رَانَ ﴾ (المُطَفِّفِين 83:14) کا لفظ طبع سے کم ہے اور طبع إِقفال (دلوں پر تالے لگ جانے) سے کم ہے۔ اور إِقفال کی کیفیت سب سے زیادہ شدید ہے۔ ⑤

اعمش بیان کرتے ہیں کہ مجاہد نے اپنا ہاتھ ہمیں دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے، جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا کچھ حصہ سمٹ جاتا ہے اور اپنی چھنگلیا بند کر کے دکھائی اور فرمایا کہ اس طرح۔ اور جب آدمی اور گناہ کرتا ہے تو کچھ اور حصہ سمٹ جاتا ہے۔ انھوں نے ایک اور انگلی بند کر کے دکھائی حتی کہ اس طرح تمام انگلیاں بند کر کے دکھائیں اور پھر فرمایا کہ اس طرح جب سارا دل سمٹ جاتا ہے تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک اسی حالت کا نام الرَّيْن ہے۔ ⑥

قرطبی فرماتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ اس نے کافروں کے کفر

① تفسیر الطبری: 159/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 41/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 41/1. ④ تفسیر الطبری: 164/1. ⑤ تفسیر الطبری: 164/1 اور إقفال ماخوذ ہے سورۂ محمد، آیت: 24 سے۔ ⑥ تفسیر الطبری: 164/1.

کی سزا کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے: ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (النسآء 155:4) ''بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے۔'' پھر انھوں نے وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے دلوں کے الٹنے پلٹنے کا ذکر ہے:[1] [يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلٰى دِينِكَ] ''اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔''[2]

انھوں نے حدیث حذیفہ کو بھی ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی: [تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا ، فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ: عَلٰى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَّا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ، وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوزِ مُجَخِّيًا لَّا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا وَّ لَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا] ''دلوں پر فتنوں کو اس طرح وارد کیا جائے گا جس طرح چٹائی تنکے تنکے ہو۔ جو دل انھیں قبول کرے گا اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جائے گا اور جو دل انھیں قبول کرنے سے انکار کر دے گا، اس میں ایک سفید نقطہ پیدا ہو جائے گا حتی کہ دل دو طرح کے ہو جائیں گے، یا تو دل چٹان کی طرح سفید ہوگا کہ جب تک آسمان و زمین باقی رہیں گے کوئی فتنہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا یا دل سیاہ ہو کر الٹے کوزے کی طرح ہو جائے گا کہ وہ نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں سمجھے گا۔''[3]

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ایک اور صحیح حدیث بھی ہے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ (حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ) ، فَذٰلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾ (المطففين 14:83)] ''بے شک مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لے، گناہ کو چھوڑ دے اور بخشش مانگ لے تو دل روشن ہو جاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرے تو اس سے دل کی سیاہی میں اضافہ ہو جاتا ہے حتی کہ سیاہی دل پر چھا جاتی ہے اور یہی وہ حالتِ رَین ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾ (المطفّفين 14:83) ''ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے۔''[4] اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[5]

---

① تفسیر القرطبی: 187/1. ② جامع الترمذی، القدر، باب ماجاء أن القلوب بین إصبعي الرحمن، حدیث: 2140 عن أنس رضی اللہ عنہ وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حدیث: 199 وصحيح ابن حبان، الرقائق، الأدعية: 223,222/3 واللفظ له عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ. ③ صحیح مسلم، الإيمان، باب رفع الأمانة والإيمان، حدیث: 144. ④ تفسیر الطبری: 165/1. ⑤ جامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾، حدیث: 3334 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾: 509/6، حدیث: 11658 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الذنوب، حدیث: 4244 واللفظ له. البتہ قوسین والے الفاظ ترمذی کے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧ يُخٰدِعُوْنَ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ⑧ وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں جو

اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ ؕ

ایمان لائے مگر وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور وہ شعور نہیں رکھتے ⑨

﴿غِشَاوَةٌ﴾ کا اعراب اور معنی: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ﴾ پر وقف تام ہے۔ اور ﴿وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ جملہ تامہ ہے کیونکہ مہر تو دل اور کان پر ہوتی ہے اور پردہ آنکھ پر ہوتا ہے جیسا کہ سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول نقل کیا ہے کہ وہ (منافق) نہ عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ سنتے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ [1]

منافقین: اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی چار آیات میں مومنوں کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ دو میں کافروں کا ذکر کیا تو اب ان منافقوں کا حال بیان کرنا شروع کیا ہے جو ظاہر تو ایمان کو کرتے ہیں مگر باطن میں کفر چھپائے ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ چونکہ بہت سے لوگوں کے لیے مشتبہ ہوتا ہے، اس لیے ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ اور متعدد صفات کے ساتھ کیا جیسا کہ سورۂ براءت اور سورۂ منافقین بھی انھی کے بارے میں نازل کی گئیں اور سورۂ نور اور دیگر کئی سورتوں میں بھی ان کے حالات کا ذکر کیا تاکہ ان سے اور ان کے حالات سے اجتناب کیا جا سکے۔

تفسیر آیات: 9,8

نفاق کے معنی: نفاق کے معنی یہ ہیں کہ خیر کو ظاہر کیا جائے اور شر کو چھپایا جائے، اس کی کئی قسمیں ہیں: (1) اعتقادی: یہ نفاق منافق کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی بنا دیتا ہے۔ اور (2) عملی: یہ نفاق کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ان شاءاللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ [2] ابن جریج نے کہا ہے: منافق وہ ہوتا ہے جس کا قول فعل کے، باطن ظاہر کے، مدخل مخرج کے اور ظاہر غائب کے خلاف ہو۔ [3]

نفاق کا آغاز: منافقین کی صفات کا ذکر مدنی سورتوں میں آیا ہے کیونکہ مکہ میں نفاق نہیں تھا بلکہ مکہ میں تو صورت حال اس کے برعکس تھی کہ وہاں تو کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مجبوراً کفر کا اظہار کرتے تھے مگر درحقیقت وہ مومن تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو وہاں اوس اور خزرج کے انصار تھے۔ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین عرب کے طریقے کے مطابق بتوں کی عبادت کرتے تھے، یہاں اہل کتاب میں سے یہودی بھی تھے جو اپنے اسلاف کے طریقے پر قائم تھے۔ یہودیوں کے تین قبیلے تھے، ان میں سے بنوقَیْنُقَاع خزرج کے حلیف تھے اور بنونضیر اور بنوقریظہ اوس کے حلیف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کو قدوم مَیْمنت لزوم سے نوازا تو اوس اور خزرج قبائل کے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

---

① تفسیر الطبری: 168/1. ② دیکھیے البقرۃ 20/2 عنوان: ''مومنوں، کافروں اور منافقوں کی اقسام'' اور النسآء: 142/4 اور الماعون: 5,4/107 کے ذیل میں۔ ③ تفسیر الطبری: 170/1.

یہود میں سے اسلام قبول کرنے والے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے صرف چند لوگ ہی تھے اور ابھی تک نفاق کا مرض بھی پیدا نہیں ہوا تھا کیونکہ مسلمانوں کو ابھی تک ایسی عظمت وشوکت حاصل نہیں ہوئی تھی جس سے دشمن خوف محسوس کریں بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہود اور مدینہ منورہ کے گرد وپیش کے بہت سے قبائل عرب سے معاہدہ بھی کر رکھا تھا۔

جب غزوۂ بدر پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمے کو سر بلندی اور اسلام اور مسلمانوں کو عزت سے نوازا، اس وقت عبداللہ بن اُبَیّ ابن سَلول مدینہ کا سردار تھا اور خزرج سے اس کا تعلق تھا۔ وہ اوس وخزرج دونوں قبیلوں کا زمانۂ جاہلیت میں سربراہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں مدینہ منورہ کے لوگوں نے اسے اپنا بادشاہ بنانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن جب ان کے پاس مدینہ میں اسلام آ گیا تو ان کی قسمت کا ستارہ جگمگا اٹھا۔ یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر عبداللہ بن اُبی سے بے نیاز ہو گئے جس کی وجہ سے یہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے دل میں کینہ رکھتا تھا۔ جنگ بدر کے نتائج کو دیکھ کر پکار اٹھا کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب آ گیا ہے۔ اس نے بھی بظاہر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اس کے ساتھ کے جو لوگ اسی کے طریقے ومذہب پر تھے اور دیگر اہل کتاب نے بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ بس یہیں سے اہل مدینہ اور گرد وپیش کے اَعراب میں نفاق کا مرض پیدا ہوا۔

مہاجرین میں کوئی ایک بھی منافق نہ تھا کیونکہ ان میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جس نے بادلِ نخواستہ ہجرت کی ہو بلکہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور آخرت کی کامیابی وکامرانی کے لیے بطِیبِ خاطر (خوش دلی سے) اپنے مال ودولت، اہل وعیال اور وطن مالوف کو ترک کر کے ہجرت کی تھی۔

آیت کی تفسیر: محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ اوس وخزرج اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] ابوالعالیہ، حسن، قتادہ اور سدی سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ آیت اوس وخزرج کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی عادات وخصائل کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے تاکہ مومن ان کے ظاہری حالات سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں، ورنہ ان سے اجتناب نہ کرنے کی وجہ سے بہت بڑا فتنہ وفساد رونما ہو جائے گا کیونکہ سمجھا یہ جائے گا کہ وہ مومن ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ کافر ہیں اور یہ بہت بڑی خرابی کی بات ہے کہ فاسق و فاجر لوگوں کے بارے میں خیر وبھلائی کا گمان رکھا جائے۔ اسی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔'' کیونکہ یہ ان کا محض زبانی دعویٰ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ط ﴾ (المنفقون 63:1) ''(اے

---

[1] تفسیر الطبری:1/169. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:1/42.

نبی!) جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ (ازراہ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت آپ اس کے پیغمبر ہیں۔''

یہ لوگ صرف اس وقت یہ بات کہتے ہیں جب آپ کے پاس آتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے، اسی لیے تو یہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے لفظ إِنَّ ''یقیناً'' اور لام تاکید ''البتہ'' کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی انھوں نے کہا ہے: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔'' حالانکہ ان کا (ان دونوں پر) ایمان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اعتقاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت اور خبر کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (المنفقون 63:1) ''اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بے شک منافق (دل سے اعتقاد نہ رکھنے کے لحاظ سے) جھوٹے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ''حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔''

اللہ کو کون دھوکا دے سکتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''وہ اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں۔'' یعنی یہ جو اپنے ایمان کو ظاہر کرتے اور کفر کو چھپاتے اور ازراہ جہالت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں اور ایمان کا اس طرح اظہار ان کے لیے عند اللہ نفع بخش ہوگا اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ مکر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اسی طرح چل جائے گا جس طرح کہ بعض مومنوں کے ہاں چل جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (المُجَادَلة 58 : 18) ''جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا تو جس طرح وہ تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ بے شک وہ ایک شے (اچھی راہ) پر ہیں، خبردار! بے شک وہی جھوٹے ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ ان کی اس بات کا ان کے اعتقاد سے مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ ''مگر (حقیقت میں) وہ اپنے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور وہ (اس سے) بے خبر ہیں۔'' اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اپنی اس روش سے وہ صرف اپنے آپ ہی کو دھوکا اور چکما دے رہے ہیں اور اپنی طرف سے انھیں اس چیز کا شعور بھی نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (النسآء 4:142) ''بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔''

امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ نے ابن جریج سے ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بظاہر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے تاکہ اپنے خونوں، مالوں اور جانوں کو بچالیں۔[1]

سعید (ابن ابو عروبہ) قتادہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ برے اخلاق کا مالک ہوتا ہے، زبان سے تصدیق مگر دل سے انکار کرتا ہے، قول و عمل میں تضاد کا شکار ہوتا ہے۔ صبح اس کی ایک حالت ہوتی

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 42/1.

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩

ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس بنا پر کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ⑩

ہے اور شام کو دوسری، شام کو کچھ ہوتا ہے اور صبح کچھ، بہر حال وہ کشتی کی طرح ڈگمگاتا رہتا ہے کہ ہوا کے جھونکے کے ساتھ کبھی ادھر اور کبھی اُدھر۔[1]

تفسیر آیت: 10

مرض سے مراد: سدی نے ابومالک اور ابوصالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور مرہ ہمدانی کے حوالے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ ﴾ سے مراد ہے کہ ان کے دلوں میں شک ہے۔[2]

﴿ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض (شک) میں اور بھی اضافہ کر دیا۔'' مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس سے مراد دینی بیماری ہے، جسمانی بیماری مراد نہیں ہے، یہ منافقوں کا ذکر ہے۔[3] مزید فرمایا: اسلام کے بارے میں یہ جس مرض میں مبتلا تھے، وہ شک کا مرض تھا۔ اور فرمایا: ﴿ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ ﴾ کے معنی ہیں کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نجاست میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ انھوں نے موقع کی مناسبت سے ان آیات کو بھی پڑھا: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبة 9:124,125) ''سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان اس سورت نے زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے، ان کے حق میں اس سورت نے خبث پر خبث زیادہ کیا۔'' یعنی ان کی شرارتوں اور ضلالتوں میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن زید کا یہ قول بہت اچھا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے جنسِ عمل کے مطابق انھیں سزا دی۔ پہلے علمائے تفسیر سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اس کی نظیر حسبِ ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ○ ﴾ (محمد 47:17) ''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، اللہ نے انھیں ہدایت میں زیادہ کیا، اور انھیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔''

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کی تعداد: اس آیت کریمہ میں ﴿ يَكْذِبُوْنَ ⑩ ﴾ کو [يُكَذِّبُوْنَ] بھی پڑھا گیا ہے کیونکہ منافقین میں کذب کے ساتھ ساتھ تکذیب کا مرض بھی تھا، وہ جھوٹ بھی بولتے تھے اور غیب کی تکذیب بھی کرتے تھے، یہ دونوں بری باتیں ان میں جمع تھیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم متعین طور پر بعض منافقوں کو جانتے تھے، ان کی دلیل حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث ہے جس میں ان چودہ منافقوں کا شمار ہے[4] جنھوں نے غزوۂ تبوک میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھاٹی کے پاس شہید کر دینے کا اس طرح پروگرام بنایا تھا کہ جب

---

① تفسیر ابن أبی حاتم:1/43. ② تفسیر الطبری:1/177. ③ تفسیر الطبری:1/177. ④ جبکہ اسی روایت کے سیاق میں بارہ منافقوں کا شمار اور باقی لوگوں سے عذر قبول ہونے کا بھی ذکر ہے۔

آپ کی اونٹنی وہاں پہنچے تو اسے بھگا دیا جائے تاکہ آپ اس سے گر کر شہید ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مذموم ارادے سے آپ کو مطلع فرما دیا تھا۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ بات بتا دی تھی۔ ①

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو متعین طور پر منافقوں کا علم نہ تھا، ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے: ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ ﴾ (التوبة 101:9) ''اور تمھارے آس پاس جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں آپ انھیں نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔'' نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ﴾ (الأحزاب 61,60:33) ''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینے (کے شہر) میں جھوٹی افواہیں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار سے) باز نہ آئیں گے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ آپ کے پڑوس (مدینے) میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔ (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے ہیں جہاں بھی وہ پائے جائیں پکڑ لیے جائیں گے اور بری طرح مار ڈالے جائیں گے۔''

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے پیچھے نہیں لگایا تو آپ کو متعین طور پر ان کا علم نہیں تھا، آپ کے سامنے ان کی نشانیوں کو بیان کر دیا جاتا جن کی وجہ سے آپ ان میں سے بعض کو پہچان لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ ﴾ (محمد 30:47) ''اور اگر ہم چاہتے تو یقیناً وہ لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے اور آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور آپ انھیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لیں گے۔''

سب سے زیادہ مشہور منافق عبداللہ بن اُبی ابن سلول تھا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف شہادت بھی دی تھی۔ ② حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟ تو آپ نے فرمایا: [دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ] ''اسے چھوڑ دو، قتل نہ کرو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔'' ③ اس کے باوجود جب عبداللہ بن اُبی مر گیا تو نبی ﷺ نے اس کا جنازہ بھی پڑھا اور عام مسلمانوں کی طرح اس کے دفن کے موقع پر شرکت بھی فرمائی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: [إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ]

---

① صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين، حديث:(11)-2779 و مسند أحمد:453/5 و دلائل النبوة:257/5.
② ملخص از صحيح البخاري، التفسير ،باب قوله: ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ (المنفقون 1:63) ، حديث:4900 و صحيح مسلم، كتاب وباب صفات المنافقين......، حديث:2772. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ ﴾ (المنفقون:6/63)، حديث:4905 و صحيح مسلم، البر و الصلة، باب نصر الأخ ظالمًا أو مظلومًا، حديث: (63)-2584 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المنافقين، حديث:3315 .

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿11﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ﴿11﴾ سن لو! بے شک وہی

الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَ لٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿12﴾

فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے ﴿12﴾

''مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ میں اس کے لیے استغفار کروں یا نہ کروں) تو میں نے استغفار کرنے کے پہلو کو اختیار کر لیا ہے۔'' اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرُ لَهُ لَزِدْتُ عَلَيْهَا] ''اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر بار سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کرنے کے لیے تیار ہوں۔''[1]

تفسیر آیات: 12،11

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے لکھا ہے: ﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿11﴾﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔'' سے مراد منافق ہیں اور ﴿لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''تم زمین میں فساد نہ کرو۔'' یہاں فساد سے مراد کفر اور معصیتِ عمل ہے۔[2] ابو جعفر نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے، زمین میں فساد نہ ڈالو، سے مراد یہ ہے کہ زمین میں معصیت کا ارتکاب نہ کرو کیونکہ ان کا فساد معصیت پر مبنی تھا۔ جو شخص زمین میں اللہ تعالیٰ کی خود نافرمانی کرے یا کسی کو اس نافرمانی کا حکم دے تو وہ زمین میں فساد پھیلاتا ہے کیونکہ زمین وآسمان کی بہتری اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت بجالائی جائے۔ ربیع بن انس اور قتادہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

منافقوں کے فساد کی قسمیں: ابن جریر فرماتے ہیں کہ منافقین کے زمین میں فساد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہیں۔ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرتے ہیں، فرائض کو ضائع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس دین کے بارے میں شک کرتے ہیں جس کی تصدیق اور جس کی حقانیت کے ایقان کے بغیر وہ کوئی عمل قبول ہی نہیں فرماتا، اور پھر خود تو شک وریب میں مبتلا ہیں مگر مومنوں کی تکذیب کرتے ہیں اور اہل تکذیب کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ جب بھی انھیں موقع ملتا ہے اولیاء اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ ان لوگوں جیسا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والے ہوں۔

یہ ہے منافقوں کا زمین میں فساد برپا کرنا، حالانکہ بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ زمین میں اصلاح کرنے والے ہیں۔[4] ابن جریر نے جو یہ فرمایا ہے بہت خوب ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ ......﴾ (التوبة 9:80)، حديث: 4671. [2] تفسير الطبري: 182/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 44/1. [4] تفسير الطبري: 183/1.

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَآ آمَنَ النَّاسُ قَالُوٓا أَنُؤْمِنُ كَمَآ آمَنَ السُّفَهَآءُ ۗ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سن لو!

وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ⑬

بیشک وہی بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے ⑬

اسی طرح زمین میں فساد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مومن کافروں کو اپنا دوست بنالیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴾ (الأنفال 73:8)

''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو قطع کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴾ (النسآء 144:4) ''اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی حجت دے دو۔'' پھر فرمایا: ﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴾ (النسآء 145:4) ''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور (وہاں) آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''

منافق چونکہ بظاہر ایمان کا اظہار کرتا ہے، اس لیے اس کا معاملہ مومنوں سے چھپا رہتا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے فساد کا برپا کرنا بالکل واضح ہے کیونکہ وہ مومنوں کو اپنی اس بات کے ساتھ دھوکا دیتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کی دوستی کا دم بھرتا ہے۔ اگر یہ اپنی پہلی حالت ہی پر رہے تو اس کا شر کم ہو اور اگر یہ اپنا عمل خالص اللہ کے لیے کرے اور اس کے قول و عمل میں مطابقت ہو تو یہ کامیاب و کامران ہو جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ⑪ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔'' یعنی ہم تو مومنوں اور کافروں دونوں فریقوں کے ساتھ مدارات سے رہنا چاہتے ہیں اور ہم ان دونوں سے صلح صفائی رکھنا چاہتے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں یہی روایت کیا ہے کہ ہم تو مومنوں اور اہل کتاب، دونوں فریقوں میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔[1]

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ⑫ ﴾ ''سن لو! بلاشبہ وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔'' یعنی جس کو یہ اصلاح سمجھتے ہیں، یہ تو عین فساد ہے لیکن جہالت کی وجہ سے یہ

① تفسیر ابن أبی حاتم: 45/1.

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اور جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: یقیناً ہم

مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ

تمھارے ساتھ ہیں ان لوگوں سے تو ہم صرف مذاق کرتے ہیں⑭ اللہ ان سے مذاق کرتا ہے اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے، وہ (اس میں)

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

بھٹکتے پھرتے ہیں⑮

سمجھتے ہی نہیں کہ یہ فساد ہے۔

تفسیر آیت:13

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب منافقوں سے یہ کہا جاتا ہے: ﴿ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ﴾ ''جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں، تم بھی ایمان لاؤ۔'' یعنی جس طرح لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، بعث بعد الموت اور جنت وجہنم پر ایمان لائے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر چیزوں پر بھی ایمان لائے ہیں جس کی اس نے اپنے بارے میں مومنوں کو خبر دی ہے، لہٰذا تم بھی ان پر ایمان لاؤ اور احکام کی بجا آوری اور محرمات کے ترک کرنے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاؤ تو کہتے ہیں: ﴿ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ ﴾ ''بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟'' اللہ تعالیٰ منافقین پر لعنت فرمائے انھوں نے سفہاء ''بے وقوفوں'' سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لیا۔

ابو العالیہ نے اور سدی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس، ابن مسعود اور کئی ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کیا ہے۔[1] ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ منافقین کہتے تھے: کیا ہم اور وہ انھی کے ایک ہی طریقے پر ہو جائیں، حالانکہ وہ تو بے وقوف ہیں؟[2]

سُفَهَاءُ، سَفِيهٌ کی جمع ہے جس طرح حکماء، حکیم کی اور حلماء، حلیم کی جمع ہے۔ سفیہ اس جاہل کو کہتے ہیں جس کی رائے نفع ونقصان کے اعتبار سے ضعیف ہو اور وہ قلیل المعرفۃ ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ (النسآء 5:4) ''اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمھارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنائے ہیں۔'' میں عورتوں اور بچوں کو سُفَهَاء ''بے عقل'' قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اکثر علمائے تفسیر نے سفہاء کی تفسیر میں یہی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔[3]

اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ ﴾ ''سن لو! بے شک یہی بے وقوف ہیں۔'' اور سفاہت و بے عقلی کو انھی میں محصور قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ ﴾ ''لیکن یہ نہیں جانتے۔'' یعنی ان کی

[1] تفسیر الطبری:186/1. [2] تفسیر الطبری:186/1. [3] تفسیر الطبری:327/4.

جہالت کی انتہا یہ ہے کہ وہ جانتے بھی نہیں کہ کس قدر ضلالت اور جہالت میں مبتلا ہیں۔ یہ بات ان کے لیے انتہائی تباہ کن ہے،اس سے بڑھ کر اندھے پن اور ہدایت سے دوری کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

تفسیر آیات :15,14

منافقوں کا مکروفریب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ منافق مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، یعنی یہ لوگ مومنوں کو دھوکا دینے کے لیے ایمان اور دوستی کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کا ایمان و دوستی کا یہ اظہار نفاق، تصنّع اور تقیّہ پر مبنی ہوتا ہے، نیز اس لیے بھی کہ مومن حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں انھیں بھی شریک کر لیں، پھر جب یہ اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ شیطانوں سے یہاں بڑے بڑے علمائے یہود اور مشرکوں اور منافقوں کے سردار مراد ہیں۔

شیاطین جنّ وانس: ابن جریر فرماتے ہیں کہ تمام سرکش چیزوں کو شیطان کہا جاتا ہے۔ شیطان انسانوں میں سے بھی ہوسکتا ہے اور جنوں میں سے بھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ (الأنعام 112:6) ”اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع شدہ باتیں ڈالتے رہتے تھے۔“

استہزا کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ﴾ ”وہ کہتے: بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں۔“ کے بارے میں محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم بھی اسی دین پر ہیں جس پر تم ہو۔[1] ﴿ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ یعنی ہم تو ان مسلمانوں سے مذاق اور کھیل تماشا کرتے ہیں۔[2] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ہم تو اصحاب محمد ﷺ سے حقارت آمیز مذاق کرتے ہیں۔[3] ربیع بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب اور ان کی اس روش کے مقابلے میں فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ ”ان (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے، وہ (اس میں) بھٹکتے پھرتے ہیں۔“

ابن جریر فرماتے ہیں: (بعض مفسرین کا قول ہے کہ) حسبِ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ روز قیامت ان سے ہنسی مذاق کرے گا: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴾ (الحدید 13:57) ”اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے: ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو، پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے، اس طرف عذاب (واذیت۔)“ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:48/1. [2] تفسیر الطبری:190/1. [3] تفسیر الطبری:190/1. [4] تفسیر الطبری:191,190/1.

لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ﴾(آل عمران3:178) ''اور کافر لوگ یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ کر لیں۔''

ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے حوالے سے استہزا وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان سے منافقوں اور مشرکوں سے مذاق اور مکر وفریب کا ایسا ہی معاملہ مراد ہے۔[1]

منافقوں کے مکر کا وبال انھی پر ہے: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ استہزا کے مقابلے میں ان سے استہزا کرے گا اور ان کے مکر وفریب کی انھیں سزا دے گا۔ اپنے جس فعل کی وجہ سے یہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائے اس عذاب اور سزا کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو لفظی طور پر ان کے فعل سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن دونوں لفظوں کے معنی جدا جدا ہیں۔

اس کی مثال حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ ﴾ (الشوریٰ42:40) ''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کی) اصلاح کر لے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔'' اسی طرح اس کی ایک اور مثال حسبِ ذیل آیت ہے: ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ ﴾ (البقرة 2:194) ''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو۔'' ان دونوں آیات کے ابتدائی حصے میں مذکور (سيئة یعنی برائی یا اعتدیٰ یعنی زیادتی) تو ظلم ہے مگر دونوں کے دوسرے حصے میں اس برائی یا زیادتی کا بدلہ عین عدل ہے۔ دونوں آیتوں میں الفاظ اگرچہ ایک جیسے استعمال ہوئے ہیں مگر دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔

قرآن مجید میں اس طرح کے جس قدر بھی الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا یہی مفہوم ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ لہو ولعب کے اعتبار سے مکر وفریب اور مذاق جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے۔ ہاں، البتہ اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ الفاظ انتقام، مقابلہ، عدل اور جزا سزا کے طور پر استعمال کیے جائیں۔

مَدّ، طُغیان اور عَمَهٌ کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ ﴾ کے بارے میں سدی نے ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَيَمُدُّهُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مہلت دیتا ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سرکشی میں اور اضافہ فرما دیتا ہے۔[3] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:55,56) ''کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔''

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہم انھیں مہلت دے کر اور انھیں ان کی سرکشی وشرارت میں

① تفسير الطبري:191/1. ② تفسير الطبري:195/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:48/1.

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی خرید لی ہدایت کے بدلے تو ان کی تجارت نے انھیں کوئی نفع نہ دیا اور (اس میں) وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے ⑯

چھوڑ کر ان کے گناہوں میں اضافہ کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ (الأنعام6:110) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔''[1]

طُغیان کے معنی کسی چیز میں حد سے بڑھ جانے کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴾ (الحآقّة69:11) ''بے شک جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا۔''

ابن جریر فرماتے ہیں کہ العَمَه کے معنی گمراہی کے ہیں۔ عربی زبان میں عَمِهَ فُلَانٌ يَعْمَهُ عَمَهَانًا وَّعُمُوهًا کے الفاظ اس شخص کے لیے استعمال ہوئے ہیں جو گمراہ ہو جائے۔ اور ﴿ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ اپنی گمراہی اور کفر میں بہکے پھر رہے ہیں جس کی ناپاکی نے انھیں گھیر لیا ہے اور جس کی نجاست نے چاروں طرف سے ان کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب یہ حیران و پریشان اور گمراہ ہو کر بھٹک رہے ہیں کہ اس ضلالت و کفر سے نکلنے کا راستہ سجھائی نہیں دے رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں کو ہدایت سے اندھا کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ نہ تو رشد و بھلائی کو دیکھ ہی سکتے ہیں اور نہ اس کی طرف راہ پا سکتے ہیں۔[2]

تفسیر آیت:16

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے ضلالت کو اختیار کر لیا اور ہدایت کو ترک کر دیا۔[3] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اور پھر انھوں نے کفر کو اختیار کر لیا۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ہدایت کے بجائے ضلالت کو پسند کر لیا۔[5] قتادہ کی یہ بات معنی کے اعتبار سے اس آیت کے مشابہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ثمود کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ (حٰمٓ السجدة41:17) ''اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔''

مفسرین کے ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقوں نے ہدایت سے روگردانی کر کے ضلالت کو اختیار کر لیا۔ اور اس آیت: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔'' کے یہی معنی ہیں، گویا انھوں نے ہدایت کو ضلالت کی قیمت کے طور پر ادا کیا ہے۔ اور اس اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں جبکہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ جنھیں ایمان حاصل ہو گیا تھا مگر ایمان کے بعد وہ پھر کفر کی طرف لوٹ آئے جیسا کہ ان کے بارے میں اللہ

① تفسیر الطبری:1/195. ② تفسیر الطبری:1/196. ③ تفسیر الطبری:1/198. ④ تفسیر الطبری:1/198. ⑤ تفسیر الطبری:1/198.

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس (آگ) نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ ان کی روشنی لے گیا اور انھیں

فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ⑱

اندھیروں میں چھوڑ دیا، پس وہ دیکھ نہیں پاتے ⑰ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ (سیدھے راستے کی طرف) نہیں لوٹیں گے ⑱

تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ (المنفقون 3:63) ''یہ اس لیے کہ یہ (پہلے تو) ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔'' یا انھوں نے ہدایت کو اختیار ہی نہیں کیا اور اس پر ضلالت کو ترجیح دی۔ ان لوگوں کی بھی کئی انواع و اقسام ہیں۔ اسی لیے تو فرمایا: ﴿ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯ ﴾ یعنی اس بیع میں ان کا سودا نفع بخش ثابت نہ ہوا اور نہ یہ لوگ اپنے اس طرز عمل میں راہ راست ہی پر تھے۔

ابن جریر نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم! تم نے خود دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ ہدایت سے خارج ہو کر ضلالت کی طرف چلے گئے ہیں، جماعت کے بجائے افتراق و انتشار کو انھوں نے اختیار کیا، امن کے بجائے خوف سے دوچار ہوئے اور سنت کے بجائے انھوں نے بدعت کو اختیار کر لیا ہے۔[1] ابن ابو حاتم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات : 18,17

منافقوں کی مثال: منافقوں نے ہدایت کے بدلے میں جو ضلالت کو خریدا اور بصیرت کے بعد اندھے پن کو ترجیح دی تو ان کی اس حالت کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے دی ہے جس نے آگ کو جلایا ہو۔ اور آگ نے جب اپنے گردو پیش کو روشن کر دیا اور اس نے اس سے نفع حاصل کرنا اور آگ کی روشنی میں دائیں بائیں دیکھنا شروع کر دیا اور وہ اس سے بہت ہی مانوس ہو گیا ہو پھر آگ یک دم بجھ جائے اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے کہ اسے کچھ نظر نہ آئے اور نہ رستہ ہی سجھائی دے اور وہ ہو بھی بہرا کہ کچھ سن نہ سکے، گونگا کہ کچھ بول نہ سکے اور اندھا کہ روشنی ہو بھی تو دیکھ نہ سکے، لہٰذا وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ نہیں سکتا۔ یہ مثال بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر بھی اسے بیان فرمایا ہے۔ واللہ أعلم.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ﴾ ''اللہ ان کی روشنی لے گیا۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ چیز لے گیا جو ان کے لیے نفع بخش تھی، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو لے گیا اور اسے باقی چھوڑا جو ان کے لیے نقصان دہ تھی، یعنی آگ کا جلانا اور دھواں باقی رہنے دیا۔

﴿ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ ﴾ یعنی انھیں شک، کفر اور نفاق کے اندھیروں میں چھوڑ دیا، ﴿ لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰ ﴾ کہ راہ خیر کی طرف راہ ہی نہیں پاتے اور نہ اسے پہچانتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ ﴿ صُمٌّۢ ﴾ ''بہرے ہیں'' کہ سنتے نہیں، ﴿ بُكْمٌ ﴾ ''گونگے ہیں'' کہ بولتے نہیں اور ﴿ عُمْىٌ ﴾ ''اندھے ہیں'' کہ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں اور کسی چیز کو دیکھتے ہی نہیں جیسا

[1] تفسير الطبري:201/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:50/1.

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ

یا (ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (آتی) ہے، اس میں اندھیرے، گرج اور بجلی ہوتی ہے، وہ بجلی کے کڑکے سن کر موت کے ڈر سے

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ⑲ يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ ؕ كُلَّمَآ

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے ⑲ قریب ہے کہ بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں۔ جب بجلی ان پر چمکتی

اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُوۡا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ؕ

ہے تو وہ اس (کی روشنی) میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں چھین

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ⑳ ع 2 13 2

لے، یقیناً اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑳

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ۝﴾ (الحج 46:22) ''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔'' لٰہذا یہ اس ہدایت کی طرف کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے جس کو انھوں نے ضلالت کے بدلے بیچ دیا تھا۔

تفسیر آیات : 20,19

منافقوں کی ایک اور مثال: یہ ایک اور مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی ایک دوسری قسم کے لیے بیان فرمائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے کبھی تو حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی یہ شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شک، کفر اور تردد کی حالت میں ان کے دل بارش کی طرح ہیں۔ صَیِّبٌ کے معنی بارش کے ہیں۔ ابن مسعود، ابن عباس اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ ① اسی طرح ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جُبیر، عطاء، حسن بصری، قتادہ، عطیہ عوفی، عطاء خراسانی، سدّی اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے کہ صَیِّبٌ کے معنی بارش کے ہیں۔ ② ضحاک نے اس کے معنی بادل کے بیان کیے ہیں، ③ لیکن زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ اس کے معنی آسمان سے نازل ہونے والی بارش کے ہیں جو ﴿ظُلُمٰتٌ﴾ ''اندھیروں'' کی حالت میں نازل ہوتی ہے۔ ان اندھیروں سے مراد شک، کفر اور نفاق کے اندھیرے ہیں۔

اور ﴿وَّرَعۡدٌ﴾ سے مراد وہ (کڑک) ہے جو خوف کے باعث دلوں پر دہشت طاری کر دے۔ منافقوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ ان پر شدید خوف اور گھبراہٹ طاری رہتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَحۡسَبُوۡنَ كُلَّ صَيۡحَةٍ عَلَيۡهِمۡ ؕ﴾ (المنٰفقون 4:63) ''(بزدل ایسے کہ) ہر زور کی آواز کو سمجھیں (کہ) ان پر (بلا آئی) ہے۔''

اور فرمایا: ﴿وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ۝ لَوۡ يَجِدُوۡنَ مَلۡجَاً اَوۡ مَغٰرٰتٍ اَوۡ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوۡا اِلَيۡهِ وَهُمۡ يَجۡمَحُوۡنَ ۝﴾ (التوبۃ 57,56:9) ''اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، اصل یہ ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غار یا (زمین کے

① تفسیر الطبری: 215/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 54/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 54/1.

اندر) گھسنے کی جگہ مل جائے تو اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں۔'' اور ﴿ بَرْقٌ ﴾ سے مراد نور ایمان کی وہ روشنی ہے جو بعض اوقات ان منافقوں کے دلوں میں چمکتی ہے۔

اسی لیے تو فرمایا: ﴿ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِيٓ آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴾ ''وہ بجلی کے کڑکے سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔'' یعنی ان کی یہ احتیاط ان کے کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے کے تحت ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۝ وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ۝ ﴾ (البروج85:17-20) ''بھلا آپ کو لشکروں کا حال معلوم ہوا ہے (یعنی) فرعون اور ثمود کا لیکن کافر (جان بوجھ کر) تکذیب میں (گرفتار) ہیں اور اللہ (بھی) ان کو گرداگرد سے گھیرے ہوئے ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اچک لے۔'' کیونکہ وہ بہت شدید اور قوی ہے اور ان کی آنکھیں کمزور ہیں۔ اور ایمان پر انھیں ثابت قدمی بھی نصیب نہیں ہے۔

علی بن ابوطلحہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ﴾ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی مضبوط و مستحکم آیات منافقین کی تمام کمزوریوں کو کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں۔ [1] اور علی بن ابوطلحہ ہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اسلام کو جب عزت و سربلندی نصیب ہوتی ہے تو منافقوں کو بھی قدرے اطمینان ہونے لگتا ہے اور جب اسلام کو کسی افتاد کا سامنا کرنا پڑے تو یہ کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ پھر سے کفر کی طرف لوٹ جائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ ﴾ (الحج22:11) ''اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے (شک) پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر ان کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جاتے ہیں۔'' [2]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ یہ لوگ حق کو پہچانتے اور اس کا اقرار بھی کرتے ہیں تو ان کی یہ بات حالت استقامت میں ہوتی ہے لیکن اسلام کے بجائے جب پھر یہ کفر کی طرف واپس آتے ہیں تو حیران و پریشان کھڑے رہ جاتے ہیں۔ [3] ابوالعالیہ، حسن بصری، قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ [4] سدی نے اپنی سند کے ساتھ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور نمایاں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

جب ایمانداروں کو ان کے ایمان کے بقدر نور عطا کیا جائے گا تب بھی روز قیامت یہ لوگ اسی طرح ہوں گے، چنانچہ کچھ لوگوں کو تو اس قدر نور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی سے کئی میلوں تک کرن کرن اجالا ہو جائے گا، کچھ ایسے ہوں گے جن کی روشنی کبھی جل اٹھے گی اور کبھی گل ہو جائے گی، روشنی ہوگی تو چلنے لگیں گے، گل ہو جائے گی تو کھڑے رہ جائیں گے اور کچھ وہ

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:57/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:58/1. [3] تفسیر الطبری:222/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:59/1.

ہوں گے جو روشنی سے بالکل محروم ہوں گے۔ یہ خالص منافق ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ ﴾ (الحدید13:57) ’’اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ تم ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو۔‘‘

اور مومنوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ ﴾ (الحدید 57 : 12) ’’اس دن آپ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا (کہا جائے گا:) آج تمھیں ایسے باغوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (التحریم8:66) ’’اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نور (ایمان) ان کے آگے اور داہنی طرف (روشنی کرتا ہوا) دوڑتا ہوگا۔ اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے۔‘‘

ابن ابوحاتم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ (الحدید12:57) کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کے حساب سے پل صراط سے گزر جائیں گے، کچھ لوگوں کا نور پہاڑ کی طرح ہوگا اور کچھ کا کھجور کے درخت کے مانند، سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کی روشنی اس کے انگوٹھے میں ہوگی اور وہ بھی کبھی جلے گی اور کبھی بجھ جائے گی۔ ①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ روز قیامت اہل توحید میں سے ہر ایک کو نور عطا کیا جائے گا، منافق کا نور گل ہو جائے گا تو مومن بھی اس منظر کو دیکھ کر ڈر یں گے اور اپنے رب تعالیٰ سے دعا کریں گے: ﴿ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ (التحریم8:66) ’’اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر۔‘‘② ضحاک بن مزاحم سے روایت ہے کہ ہر اس شخص کو جس نے دنیا میں ایمان کا اظہار کیا ہوگا، روز قیامت نور دیا جائے گا مگر پل صراط عبور کرتے ہوئے منافقوں کا نور گل ہو جائے گا۔ مومن یہ منظر دیکھیں گے تو ڈر جائیں گے اور دعا کریں گے: ﴿ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ (التحریم8:66).

مومنوں، کافروں اور منافقوں کی اقسام: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے کئی تو خالص مومن ہیں، ان کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیات میں تذکرہ فرمایا ہے اور کچھ خالص کافر ہیں، ان کا اس کے بعد والی دو آیات میں ذکر ہے اور کچھ لوگ منافق ہیں۔ منافقوں کی دو قسمیں ہیں: (1) خالص منافق، ان کے لیے آگ والی

① تفسیر ابن أبي حاتم:3336/10. ② المستدرك للحاکم، التفسیر، سورة التحریم (66):496,495/2، حدیث: 3832.

مثال بیان کی گئی ہے۔(2) تشکیک میں مبتلا فاسق جن کے سامنے کبھی تو ایمان کی روشنی جگمگانے لگتی ہے اور کبھی بجھ جاتی ہے ان کے لیے بارش والی مثال بیان کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا نفاق پہلے درجے کے منافقوں سے کم تر ہوتا ہے۔

پھر ان کافروں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اپنی بابت بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں، حالانکہ وہ کوئی شے نہیں۔ حسبِ ذیل آیت کریمہ میں انھی جاہلِ مرکب قسم کے لوگوں کا ذکر ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا ﴾ (النور 39:24) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے چٹیل میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔''

پھر جہل بسیط میں مبتلا کافروں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴾ (النور 40:24) ''یا (ان کے اعمال کی مثال ایسے ہے) جیسے عمیق سمندر میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی آتی ہو (اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو اور) اس کے اوپر بادل ہوں (غرض) اوپر تلے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہوں۔ جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں مل سکتی۔''

یہاں کافروں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں: (1) کفر کے داعی اور (2) (ہر سرکش کے) مقلد۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کے آغاز میں بھی ان دونوں قسموں کے کافروں کا (علیحدہ علیحدہ آیت میں) ذکر کرتے ہوئے (کفار مقلدین کے متعلق) فرمایا ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴾ (الحج 3:22) ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ (کی شان) میں علم (و دانش) کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں۔'' اور (کفر کے داعیوں کے متعلق) فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴾ (الحج 8:22) ''اور لوگوں میں کوئی ایسے بھی ہیں جو اللہ (کی شان) میں بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے جھگڑتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۂ واقعہ کی ابتداء و انتہا میں اور سورۂ دہر میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: (1) سبقت کرنے والے، یعنی مقربینِ بارگاہ الٰہی اور (2) داہنے ہاتھ والے، یعنی ابرار۔

ان تمام آیات کریمہ سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوا کہ مومنوں کی دو قسمیں ہیں: (1) مقربین اور (2) ابرار۔ کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں: (1) کفر کے داعی اور (2) مقلد۔ اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں: (1) خالص منافق اور (2) وہ جس میں نفاق کی کوئی ایک بات ہو جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَّمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا : إِذَا ائْتُمِنَ خَانَ ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ''چار خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ ہوں وہ پکا اور خالص منافق ہے۔ اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے حتی کہ اسے ترک کر

دے: (1) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (2) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (3) وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور (4) جھگڑا کرے تو (حق وناحق کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے) فسق وفجور پر اتر آئے۔"[1]

اس حدیث سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ انسان میں ایک خصلت ایمان کی ہو اور اس میں دوسری خصلت نفاق کی بھی ہو، یہ نفاق یا تو عملی ہوگا جیسا کہ اس حدیث میں نفاق کی عملی صورت کا ذکر ہے یا یہ نفاق اعتقادی ہوگا جیسا کہ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

دلوں کی اقسام: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[اَلْقُلُوبُ أَرْبَعَةٌ : قَلْبٌ أَجْرَدُ فِيهِ مِثْلُ السِّرَاجِ يَزْهَرُ ، وَقَلْبٌ أَغْلَفُ مَرْبُوطٌ عَلٰى غِلَافِهِ ، وَقَلْبٌ مَّنْكُوسٌ ، وَّ قَلْبٌ مُّصْفَحٌ ، فَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَجْرَدُ فَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ ، سِرَاجُهٗ فِيهِ نُورُهٗ ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَغْلَفُ فَقَلْبُ الْكَافِرِ ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْمَنْكُوسُ فَقَلْبُ الْمُنَافِقِ ، عَرَفَ ثُمَّ أَنْكَرَ ، وَ أَمَّا الْقَلْبُ الْمُصْفَحُ فَقَلْبٌ فِيهِ إِيمَانٌ وَّ نِفَاقٌ، فَمَثَلُ الْإِيمَانِ فِيهِ كَمَثَلِ الْبَقْلَةِ يَمُدُّهَا الْمَاءُ الطَّيِّبُ وَمَثَلُ النِّفَاقِ فِيهِ كَمَثَلِ الْقُرْحَةِ يَمُدُّهَا الْقَيْحُ وَالدَّمُ ، فَأَيُّ الْمَادَّتَيْنِ غَلَبَتْ عَلَى الْأُخْرٰى غَلَبَتْ عَلَيْهِ]

"دل چار قسم کے ہوتے ہیں: (1) (بری خصلتوں سے) صاف دل جس میں چراغ کی طرح ایمان کا نور چمک رہا ہو۔ (2) وہ دل جس پر مضبوطی کے ساتھ غلاف بندھا ہو۔ (3) الٹا دل۔ اور (4) وہ دل جو دورُخا ہو۔ صاف وشفاف دل سے مراد مومن کا دل ہے، اس کا چراغ اس کا نور ہے۔ غلاف میں لپٹے ہوئے دل سے مراد کافر کا دل ہے۔ الٹے دل سے مراد منافق کا دل ہے جو جاننے بوجھنے کے باوجود انکار کرتا ہے۔ اور دورُخے دل سے مراد وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہو اور نفاق بھی۔ اس میں ایمان کی مثال اس سبزے کی سی ہے جو پاکیزہ پانی سے پروان چڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی سی ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو۔ اب ان میں سے جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔"[2] اس حدیث کی سند جید اور حسن ہے۔[3]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

① صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث:34 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث:58. عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت میں [أربع من كنّ فيه كان منافقا خالصا......] ہے۔ اور جس روایت میں تین علامات کا ذکر ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں درج تھا: [ثلاث من كنّ فيه......] وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین کے انھی مذکورہ ابواب میں اس طرح مروی ہے: [آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وَ إِذَا اؤْتُمِنَ خان] اور صحیحین کے علاوہ یہ روایت اس طرح مروی ہے: [ثلاث من كنّ فيه فهو منافق وإن صام......] دیکھیے مسند أحمد:536/2 و صحيح ابن حبان:257 و سنن النسائي:5026 موقوفًا. ② مسند أحمد:17/3 و المصنف لابن أبي شيبة:168/6، حديث:30395 عن حذيفة رضی اللہ عنہ موقوفًا و مسند الفردوس:235/3، حديث:4697 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ موقوفا. ③ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة:5158.

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿21﴾ الَّذِيْ

اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ﴿21﴾ وہ (رب) جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت (بنایا) اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس کے ذریعے سے (کئی قسم کے) پھلوں سے

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾

تمھارے لیے رزق نکالا، پس تم اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو﴿22﴾

﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کانوں (کی شنوائی) اور آنکھوں (کی بینائی دونوں) کو زائل کر دیتا، یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچاننے کے باوجود ترک کر دیا تھا۔ اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں جو ارادہ فرمائے، انھیں سزا دے یا معاف فرما دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔[1]

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی یہ صفت کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس لیے بیان فرمائی ہے کہ اس نے منافقوں کو اپنے عذاب اور اپنی گرفت سے ڈرایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور وہ ان کی شنوائی اور بینائی کو ختم کر دینے پر بھی قادر ہے۔[2]

ابن جریر اور ان کی اتباع میں بہت سے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ دونوں مثالیں منافقوں کی ایک ہی قسم کی ہیں۔ اور ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ﴾ میں اَوْ حرف واؤ (اور) کے معنی میں ہے[3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ (الدھر 24:76) ''اور ان لوگوں میں سے کسی بدعمل اور ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے۔'' میں بھی اَوْ بمعنی واؤ ہے یا اَوْ تخییر کے معنی میں ہے، یعنی اگر تم چاہو تو ان کے لیے یہ مثال بیان کر دو یا چاہو تو یہ مثال بیان کر دو، یہ قول قرطبی کا ہے۔[4] یا پھر یہاں اَوْ تساوی کے لیے ہے (دونوں پہلو برابر ہیں) جیسا کہ مقولہ ہے: جَالِسِ الْحَسَنَ أَوِ ابْنَ سِيرِينَ حسن بصری کے پاس بیٹھو یا ابن سیرین کے'' ایک ہی بات ہے۔ یہ قول زمخشری کی بیان کردہ توجیہ کے مطابق ہے۔[5] جیسے اس محاورے کا یہ مفہوم ہے کہ ان دونوں میں سے جس کے پاس بھی بیٹھو، دونوں ہی ایک دوسرے کے مساوی ہیں اسی طرح یہاں اَوْ کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے ان میں سے جو مثال بھی بیان کرو وہی ان کے حال کے عین مطابق ہے۔

تفسیر آیات: 22,21

توحید الوہیت: اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی الوہیت کی یکتائی کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے کہ وہی منعمِ حقیقی ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو عدم سے وجود بخشا اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی ان پر انتہا فرما دی، زمین کو ان کے لیے بچھونا بنا دیا اور اسے

① تفسیر ابن أبي حاتم:59/1. ② تفسیر الطبري:232/1. ③ تفسیر الطبري:216/1. ④ تفسیر القرطبي:215/1.
⑤ الکشاف:81/1.

بلند وبالا پہاڑوں کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنا دیا۔ ﴿ وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ ’’اور آسمان کو چھت (بنا دیا۔)‘‘ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○ ﴾ (الأنبياء21:32) ’’اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا، اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔‘‘

﴿ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ’’اور اس نے آسمان سے مینہ برسایا۔‘‘ یہاں آسمان سے مراد بادل ہے، یعنی جب بندوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ بارش نازل فرما دیتا ہے۔ اور بارش کے اس بابرکت پانی سے انواع واقسام کی فصلوں اور پھلوں کو پیدا فرماتا ہے جو انسانوں کے لیے بھی اور ان کے جانوروں کے لیے بھی کھانے کے کام آتے ہیں جیسا کہ روز مرّہ کا مشاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن مجید کے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ ان آیات میں سے اس آیت کے سب سے زیادہ مشابہ ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (المؤمن40:64) ’’اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمھاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی اچھی بنائیں اور تمھیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، پس اللہ پروردگارِ عالم بہت ہی بابرکت ہے۔‘‘

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی خالق، رازق اور دنیا اور اس کے رہنے والوں کی مالک ہے تو وہی اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اسی لیے تو فرمایا: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ’’پس کسی کو اللہ کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔‘‘

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ’’یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا فرمایا ہے۔‘‘[1] اسی طرح حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے: [أَ تَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ يَّعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا] ’’کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا: یہ کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔‘‘[2]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: [لَا تَقُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَّلٰكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ] ’’یہ نہ کہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یہ کہو: جو اللہ چاہے، پھر فلاں چاہے۔‘‘[3]

وجود باری تعالیٰ کے دلائل: بہت سے مفسرین مثلاً: رازی وغیرہ نے اس آیت سے وجود باری تعالیٰ پر استدلال کیا ہے۔ یہ

---

① صحيح البخاري، التفسير، بابٌ:(2)، حديث:4477 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب ……، حديث:86. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب في دعاء النبي ﷺ أمته إلى توحيد الله تبارك وتعالى، حديث: 7373 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، حديث:30. ③ سنن أبي داود، الأدب، باب، حديث:4980 و مسند أحمد:384/5 عن حذيفة بن اليمان ﷺ.

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ

اور اگر تم اس (قرآن) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو تم اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿23﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ

مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو ﴿23﴾ چنانچہ اگر تم (یہ کام) نہ کر سکو اور تم کر بھی نہیں سکو گے، تو اس آگ سے بچو جس

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿24﴾

کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور (وہ) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿24﴾

آیت واقعی بہترین انداز میں وجود باری تعالیٰ پر دلالت کناں ہے جو شخص بھی ان سِفلی اور عُلوِی موجودات، ان کی مختلف شکلوں، رنگوں اور طبیعتوں، ان کے فوائد اور منافع کی جگہ پر انھیں مضبوط و مستحکم انداز میں رکھنے پر غور کرے گا تو وہ یقیناً ان کے خالق کی قدرت، حکمت، علم و اتقان اور عظیم بادشاہت کو جان لے گا جیسا کہ ایک اعرابی سے جب یہ پوچھا گیا کہ رب تعالیٰ کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا تھا: سبحان اللہ! اگر مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور نقش پا کی شوخی بتائے کہ یہاں سے کسی کا گزر ہوا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان، راستوں والی زمین اور موجیں مارتے ہوئے سمندر لطیف و خبیر ذات باری تعالیٰ کے وجود کی دلیل نہیں ہیں؟[1]

جو شخص بھی ان آسمانوں کی رفعت اور وسعت اور ان میں چھوٹے بڑے روشن تاروں، ثوابت (وہ ستارے جو سات سیاروں کے علاوہ ہیں) اور سیاروں، زمین کو چاروں طرف سے محیط سمندروں اور زمین اور اس کے ساکنین کے قرار و سکون کے لیے پیدا کیے گئے مختلف شکلوں اور رنگوں کے ان پہاڑوں پر غور کرے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ ﴾ (فاطر 28,27:35) ''اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں، اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چار پایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں۔ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں۔'' اسی طرح ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں بہنے والے یہ منفعت بخش دریا اور زمین میں پیدا کیے جانے والے مختلف انواع و اقسام کے حیوانات اور نباتات جن کے ذائقے، خوشبوئیں، شکلیں اور رنگ مختلف ہیں، حالانکہ یہ سب ایک ہی قسم کی مٹی اور پانی سے پیدا ہوتے ہیں، جو بھی ان اشیاء پر غور کرے گا تو وہ باری تعالیٰ کے وجود، اس کی عظیم قدرت و حکمت اور اپنی مخلوق کے ساتھ اس کے لطف و رحمت اور احسان کو معلوم کر لے گا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ ﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ ﴾ (الشوریٰ 10:42) ''اسی پر میں بھروسا کرتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' اس مضمون و مفہوم کی قرآن مجید میں اور بھی بہت زیادہ آیات ہیں۔[2]

تفسیر آیات: 24,23

① تفسیر الرازی: 91/2. ② مثلاً: دیکھیے الرعد: 13/2-4 و إبراهيم: 14/32-34 و الحجر: 15/19-23 و النحل: 16/4-18.

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اثبات: یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، نبوت و رسالت کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ ﴾ ''اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی ﷺ) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اس طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔'' یعنی اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ یہ کتاب غیر اللہ کی طرف سے ہے تو تم بھی اس کے مقابلے میں اس طرح کی کوئی کتاب لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کی بھی چاہو اس سلسلے میں مدد لے لو لیکن تم کبھی بھی ایسا نہیں کر سکو گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿ شُهَدَآءَكُمْ ﴾ کے معنی أَعْوَانَكُمْ ''اپنے مددگار'' کے ہیں۔[1] سدی نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی شرکاء کے ہیں۔[2] یعنی کچھ دوسرے لوگوں کو بھی بلا لو جو اس سلسلے میں تمھاری مدد کریں، اپنے معبودانِ باطلہ کو ساتھ ملا لو کہ وہ تمھاری نصرت و اعانت کریں۔ مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے لوگوں کو بلا لو جو اس کی گواہی دیں۔[3] یعنی اپنے فصحاء و بلغاء کو بلا لو۔

چیلنج اور اعجاز: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر کافروں کو یہ چیلنج دیا ہے۔ سورۂ قصص میں فرمایا: ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (القصص 49:28) ''کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو تم اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں قرآن اور تورات) سے بڑھ کر ہدایت والی ہو تا کہ میں بھی اسی کی پیروی کروں۔'' سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 88:17) ''کہہ دیجیے: اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔'' سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (ہود 13:11) ''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو بھی (مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلا لو۔'' سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (یونس 38,37:10) ''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو۔ ہاں، (ہاں یہ اللہ کا کلام ہے) جو (کتابیں) اس سے پہلے (کی) ہیں، ان کی تصدیق کرتا ہے اور انھی کتابوں کی (اس میں) تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں (کہ) یہ رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا بھی لو۔'' یہ تمام آیات مکی ہیں۔

اسی طرح مدنی آیات میں بھی قرآن مجید نے یہ چیلنج دیا ہے۔ انھی مدنی آیات مبارکہ میں سے ایک یہ آیت کریمہ بھی ہے:

---

[1] تفسير الطبرى:241/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:64/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:64/1.

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ﴾ یعنی اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے، کچھ شک ہو تو قرآن مجید کی ان سورتوں جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔ مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے کہ ﴿ مِّثْلِهٖ ﴾ میں ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے نبی ﷺ کی ذات گرامی نہیں۔ [1] ابن جریر طبری، زمخشری اور رازی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ [2]

حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حسن بصری اور اکثر محققین سے بھی امام رازی نے یہی نقل کیا ہے۔ اور اسے کئی وجوہ سے ترجیح دی ہے جن میں سے سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان سب لوگوں کو انفرادی و اجتماعی طور پر چیلنج دیا، خواہ وہ ناخواندہ ہوں یا خواندہ اور چیلنج کی یہ صورت اس کی نسبت زیادہ کامل اور جامع ہے کہ یہ کہا جائے کہ محض ان ناخواندہ لوگوں کو چیلنج دیا گیا جو لکھنا نہیں جانتے تھے اور علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ [3] اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ﴾ (ھود 13:11) ''تم ایسی دس سورتیں بنا لاؤ۔'' اور یہ بھی فرمایا: ﴿ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾ (بنی إسرآءیل 88:17) ''(جن وانس مل کر بھی) ایسا قرآن نہ لا سکیں گے۔''

یہ چیلنج عام تھا اور سب کے لیے تھا، حالانکہ وہ تمام امتوں کی نسبت سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔ قرآن مجید نے مکی و مدنی سورتوں میں انھیں کئی بار یہ چیلنج کیا مگر وہ اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے، حالانکہ وہ قرآن کے شدید دشمن تھے اور دین اسلام سے انھیں شدید بغض تھا مگر قرآن کے اس چیلنج کو قبول کرنے سے وہ عاجز و قاصر تھے۔ اسی لیے تو فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴾ ''اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔'' حرف لَنْ مستقبل میں ہمیشہ ہمیشہ کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم کبھی بھی ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔ اور یہ ایک دوسرا معجزہ ہے اور قرآن نے بغیر کسی تردّد اور خوف کے ایک ایسی پکی سچی اور قطعی خبر دی کہ یہ لوگ کبھی بھی کسی وقت بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اور امر واقع یہی ہے کہ قرآن کے نزول کے زمانے سے لے کر آج تک کوئی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکا اور نہ قرآن کا مقابلہ کبھی ممکن ہو گا۔ اور یہ ممکن بھی ہو تو کیونکر کہ قرآن تو اس اللہ کا کلام ہے جو ہر چیز کا خالق ہے تو مخلوق کا کلام خالق کے کلام کے کس طرح مشابہ ہو سکتا ہے؟

اعجاز قرآن کے وجوہ و اسباب: جو شخص بھی قرآن مجید میں تدبر کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ظاہری و باطنی اور لفظی و معنوی اعتبار سے اپنے دامن میں اعجاز کے کئی پہلو لیے ہوئے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝ ﴾ (ھود 1:11) ''الٓر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔'' یعنی اس کے الفاظ محکم اور معانی مفصّل ہیں یا اس کے الفاظ مفصل اور معانی محکم ہیں جیسا کہ ائمۂ تفسیر کے ہاں اس میں اختلاف ہے۔ بہر آئینہ اس کا ہر لفظ اور ہر معنی فصیح ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے ہر خیر کا حکم دیا اور ہر شر سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾

---

① تفسیر الطبری: 240/1. ② تفسیر الطبری: 240/1 والکشاف: 99/1 وتفسیر الرازی: 118/2. ③ تفسیر الرازی: 118/2.

(الأنعام6:115) ”اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔“ یعنی ان باتوں میں بیان کی گئی خبریں سچی ہیں اور ان میں ارشاد فرمائے گئے احکام مبنی بر انصاف ہیں۔

بہرحال سارا قرآن حق، صدق، عدل اور ہدایت پر مبنی ہے، اس میں کوئی فضول بات ہے نہ کذب و افترا جیسا کہ اہل عرب اور دیگر کے اشعار میں جھوٹی اور فضول باتیں ہیں کہ ان کے بغیر ان کے شعر عمدہ ہو ہی نہیں سکتے جیسا کہ شعر کے بارے میں کہا گیا ہے: إِنَّ أَعْذَبَهُ أَكْذَبُهُ یعنی سب سے عمدہ شعر وہ ہوگا جو سب سے زیادہ جھوٹا ہوگا۔ آپ طویل سے طویل قصیدے کو دیکھ لیں کہ اس کے اکثر و بیشتر اشعار عورتوں، گھوڑوں اور شراب کی تعریف میں ہوں گے یا وہ کسی معین شخص یا گھوڑے یا ناقہ یا جنگ یا کسی واقعہ یا کسی خوف یا کسی درندے کی مدح میں یا متعین مشاہدات میں سے کسی چیز کے بارے میں ہوں گے کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں، سوائے اس کے کہ ان سے کسی معین مخفی یا دقیق چیز کے بارے میں متکلم کی قدرت کلام کا پتا چلتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک مخفی چیز کو واضح کر دیا ہے، پھر آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اس طرح کے قصیدوں میں ایک دو شعر ہی کام کے ہوتے ہیں اور باقی سب ایسی خرافات پر مبنی ہوتے ہیں جن میں کوئی معنویت نہیں ہوتی۔

اس کے مقابلے میں سارے کا سارا قرآن حد درجہ فصاحت و بلاغت کا حسین و جمیل مرقّع ہے۔ ہر اس شخص کے سامنے قرآن کا یہ پہلو بہت نمایاں اور واضح ہے جو کلامِ عرب کے تفصیل و اجمال کو جانتا اور اسلوبِ بیان کو پہچانتا ہے۔ اگر آپ قرآن کی خبروں پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ ان میں حد درجہ حلاوت ہے، خواہ ان کو اجمال کے ساتھ بیان کیا گیا ہو یا تفصیل کے ساتھ، خواہ انھیں بار بار بیان کیا گیا ہو یا ایک ہی بار لیکن جیسے جیسے ان میں تکرار ہو اسی قدر ان میں حلاوت اور رفعت بڑھتی جاتی ہے، بار بار پڑھنے کے باوجود قرآن کی تازگی اور شادابی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ علماء اس سے کبھی نہیں اکتاتے۔ اگر اس میں وعید و تہدید کا بیان ہو تو اس سے ٹھوس اور جامد پہاڑوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، بے چارے کمزور دل کس گنتی شمار میں؟ اگر قرآن کے وعدوں کو دیکھیں تو ان سے دل اور کان کھل جاتے ہیں، سلامتی کے گھر اور عرش الٰہی کے پڑوس میں رہنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (السجدة32:17) ”کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔“ اور فرمایا: ﴿وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ۚ﴾ (الزخرف43:71) ”اور اس میں جو جی چاہے اور جو آنکھوں کو اچھا لگے (موجود ہوگا) اور (اے اہل جنت!) تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔“ اور ترہیب کے طور پر فرمایا: ﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ (بنی إسرآء یل17:68) ”کیا تم اس (اللہ) سے بےخوف ہو کہ تمھیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے؟“ اور فرمایا: ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ۙ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝﴾ (الملك67:16،17) ”کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بےخوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے، کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے، سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟“

زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا: ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ﴾ (العنکبوت 29:40) ''تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔'' وعظ و نصیحت کے انداز میں فرمایا: ﴿اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ۝﴾ (الشعرآء 26:205-207) ''بھلا آپ دیکھیں تو! اگر ہم ان کو برسوں فائدے دیتے رہیں، پھر ان پر وہ (عذاب) آ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، تو جو فائدے یہ اٹھاتے رہے ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔''

آپ کو قرآن مجید میں فصاحت، بلاغت اور حلاوت کی اس طرح کی بہت سی انواع و اقسام نظر آئیں گی۔ اگر آیات کا تعلق احکام، اوامر اور نواہی سے ہو تو یہ ہر معروف، اچھی، نافع، طیّب اور محبوب چیز کے حکم اور ہر قبیح، رذیل اور گھٹیا چیز سے ممانعت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف میں سے کئی اور حضرات سے منقول ہے کہ آپ جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنیں: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرۃ 2:104) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو!'' تو کان لگا دیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی نیکی کا حکم دیا ہوگا یا کسی برائی سے منع فرمایا ہوگا۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ﴾ (الأعراف 7:157) ''وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے، اتارتے ہیں۔''

اگر آیات کا تعلق آخرت اور اس کی ہولناکیوں سے ہو، جنت و جہنم سے ہو اور ان نعمتوں اور لذتوں سے ہو جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے جنت میں تیار فرما رکھا ہے یا ان دردناک عذابوں سے ہو جنھیں جہنم میں اپنے دشمنوں کے لیے تیار کر رکھا ہے تو پھر یہ آیات بشارت سناتی، ڈراتی، نیک کاموں کے سرانجام دینے کی دعوت دیتی، برے کاموں سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتی، دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کی ترغیب دلاتی ہیں۔ مثالی اور بہترین رستے پر ثابت قدم رکھتی اور اللہ کی صراط مستقیم اور اس کی شرع متین کی ہدایت کرتی اور دلوں سے شیطان مردود کی ناپاکی کو دور کرتی ہیں۔

قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین معجزہ ہے: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَامِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جنھیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا ہے، وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ روز قیامت میرے متبعین کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''[2] یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

اور اس حدیث کے الفاظ: [وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا] ''اور میرا معجزہ وحی ہے جو میں دیا گیا ہوں۔'' کا مفہوم یہ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:196/1. [2] صحیح البخاري، فضائل القرآن، باب: کیف نزل الوحی وأوّل ما نزل؟ حدیث: 4981 وصحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبیّنا محمدﷺ...... ، حدیث:152، واللفظ له.

ہے کہ انبیائے کرام کی نسبت مجھے جس خاص معجزے سے سرفراز فرمایا گیا وہ یہ قرآن ہے جس کے مقابلے سے ساری انسانیت عاجز وقاصر ہے جبکہ بہت سے علماء کے نزدیک قرآن مجید کے علاوہ دیگر آسمانی کتابیں معجزہ نہ تھیں۔ واللہ أعلم.

اس معجزے کے علاوہ بھی نبی ﷺ کی نبوت وصداقت پر اور بھی بہت سے معجزات دلالت کناں ہیں جو احاطۂ شمار سے باہر ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

پتھروں سے کیا مراد ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور) وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' میں وَقُود واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد وہ ایندھن وغیرہ ہے جس سے آگ جلائی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿ۙ۱۵﴾﴾ (الجنّ 15:72) ''اور لیکن جو ظالم ہیں، وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ (الأنبیآء 21:98,99) ''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو گے (اور) تم (سب) اس میں داخل ہو کر رہو گے، اگر یہ لوگ (درحقیقت) معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے، سب اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔'' پتھروں سے یہاں گندھک کے بڑے بڑے سیاہ اور سخت بدبودار پتھر مراد ہیں، گرم ہونے کے بعد دیگر تمام پتھروں کی نسبت ان کی حرارت سب سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔[1] اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے محفوظ رکھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان پتھروں سے مراد بتوں اور مجسموں کے وہ پتھر ہیں جن کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ﴾ (الأنبیآء 21:98) ''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہو گے۔''

﴿اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ آگ ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد پتھر ہوں۔ اور ان دونوں باتوں میں (ضمیر کا مرجع النار ہو یا الحِجَارة) کوئی تضاد بھی نہیں کیونکہ (جہنم کی) آگ اور پتھر باہم لازم وملزوم ہیں۔ اس آگ کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جیسا کہ ابن اسحاق نے محمد (بن ابومحمد) سے اور انھوں نے عکرمہ سے یا جیسا کہ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسے ان تمام کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے جنھوں نے (اے کافرو!) تمھارے جیسے کفر کو اختیار کیا ہوگا۔[2]

جہنم اب بھی موجود ہے: بہت سے ائمۂ سنت نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ جہنم اب بھی موجود ہے کیونکہ ﴿اُعِدَّتْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جسے تیار کیا گیا ہے، بہت سی احادیث سے بھی یہ ثابت ہے، مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ

[1] تفسیر الطبری:244/1. [2] تفسیر الطبری:245/1.

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اوران لوگوں کوخوش خبری دے دیجیے جوایمان لائے اورانھوں نے اچھے عمل کیے، یقیناً ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب بھی

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ

انھیں اس میں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور ان کو اس سے ملتا جلتا (پھل بھی) دیا

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿25﴾

جائے گا اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے ﴿25﴾

[تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ] ’’جنت اور جہنم نے آپس میں جھگڑا کیا۔‘‘ [1] ایک اور حدیث میں ہے کہ [اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا، فَقَالَتْ : رَبِّ ! أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا ، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ : نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ] ’’جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی، چنانچہ عرض کی: اے میرے رب! میرے اپنے ہی بعض حصے نے بعض کو کھا لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک سردی کے موسم میں اور ایک گرمی کے موسم میں، دو سانس لینے کی اجازت عطا فرما دی۔‘‘ [2]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت زوردار آواز سنی تو دریافت فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَا هٰذَا؟] ’’کیا تم جانتے ہو یہ کس چیز کی آواز ہے؟‘‘ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هٰذَا حَجَرٌ رُّمِيَ بِهٖ فِي النَّارِ مُنْذُ سَبْعِينَ خَرِيفًا فَهُوَ يَهْوِي فِي النَّارِ الْآنَ، حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى قَعْرِهَا] ’’یہ اس پتھر کی آواز ہے جسے ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا تو وہ مسلسل گرتا رہا اب اس کے پیندے تک پہنچا ہے۔‘‘ [3] یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

اسی طرح حدیث نماز کسوف، [4] حدیث شب معراج [5] اور بہت سی دیگر متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہنم اب بھی موجود ہے۔

تفسیر آیت:25

نیک مومنین کی جزا: جب اللہ تعالیٰ نے اُس عذاب اور سزا کا ذکر کیا جو اس نے اپنے دشمنوں، یعنی بدنصیب کافروں کے لیے

[1] صحیح البخاری، التفسیر، (50) سورة ق ، حدیث:4850 وصحیح مسلم، الجنة ونعیمها ، باب النار یدخلها الجبارون ......، حدیث:2846 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [2] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حدیث:3260 وصحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الإبراد بالظهر......،حدیث:617 وجامع الترمذی، صفة جهنم، باب ماجاء أن للنار نفسين ......،حدیث:2592 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [3] صحیح مسلم ، الجنة ونعیمها ، باب جهنم ......،حدیث:2844 ملحوظہ: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لیکن تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، نیز دیکھیے السلسلة الصحیحة:2165. [4] صحیح البخاری، العمل فی الصلاة ، باب إذا انفلتت الدابة فی الصلاة، حدیث:1212وصحیح مسلم، الکسوف، باب صلاة الکسوف، حدیث:(3)-901. [5] اس موضوع کی احادیث کو مفسر رحمہ اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدا میں یکجا بیان کر دیا ہے۔

تیار کر رکھی ہے تو اب اس کے بعد اپنے ان دوستوں اور سعادت مند مومنوں کا تذکرہ شروع کر دیا ہے جنھوں نے اعمال صالحہ سے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کو جو مَثانِی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے تو اس کا یہی مفہوم ہے جیسا کہ اپنے مقام پر ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔[1]

قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جہاں ایمان کا ذکر ہو تو وہ اس کے بعد کفر کا بھی ذکر کرتا ہے اور اگر کفر کا ذکر ہو تو وہ اس کے بعد ایمان کا ذکر کرتا ہے۔ اسی طرح خوش نصیبوں کے بعد بدنصیبوں کا اور بدنصیبوں کے بعد خوش نصیبوں کا ذکر بھی کرتا ہے تاکہ ایک چیز کے ساتھ اس کے مقابل کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ اور اگر ایک چیز کا ذکر کر کے اس کے ساتھ اس کی نظیر کا ذکر کیا جائے تو اسے مشابہت یا تشابہ کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب اسے بیان کریں گے، چنانچہ کافروں کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد مومنوں کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کو خوش خبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جنت کے باغوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے نیچے یعنی ان کے درختوں اور بالا خانوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جنت میں نہریں بہ رہی ہیں مگر ان میں کھائیاں نہیں ہیں۔[2] اسی طرح حدیث میں نہر کوثر کے بارے میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ الْمُجَوَّفِ، قُلْتُ: مَاهٰذَا يَاجِبْرِيلُ؟ قَالَ : هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ ، فَإِذَا طِيبُهُ۔ أَوْ طِينُهُ ۔ مِسْكٌ أَذْفَرُ] ''اس کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں، میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی: یہی وہ کوثر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے۔ اور اس کی خوشبو یا اس کی مٹی خالص مشک ہے۔''[3] [وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ] ''اور جنت کی کنکریاں موتی اور ہیرے ہیں۔''[4] ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی جنت کی ان نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ''بے شک وہی خوب احسان کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ابن ابوحاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنْهَارُ الْجَنَّةِ تَفَجَّرُ مِنْ تَحْتِ تِلَالِ - أَوْ مِنْ تَحْتِ جِبَالِ - الْمِسْكِ] ''جنت کی نہریں کستوری کے ٹیلوں یا اس کے پہاڑوں کے نیچے سے نکلتی ہیں۔''[5] ابن ابوحاتم ہی نے مسروق سے بھی روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت کی نہریں کستوری کے

---

[1] دیکھیے الحِجر، آیت:87 کے ذیل میں۔ [2] المصنف لابن أبي شيبة ، الجنة ، باب ماذكر في الجنة ......، حديث: 33948 والترغيب والترهيب، فصل في أنهار الجنة ......، حديث:5482 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ موقوفا. [3] صحيح البخاري، الرقاق ، باب في الحوض، حديث:6581 عن أنس رضی اللہ عنہ اور [اللؤلؤ] حديث:4964 میں ہے۔ [4] جامع الترمذي، صفة الجنة ، باب ماجاء في صفة الجنة ونعيمها، حديث:2526. [5] تفسير ابن أبي حاتم:65/1 وصحيح ابن حبان ، أخباره عن مناقب الصحابة، ذكر الموضع الذي يخرج منه أنهار الجنة:423/16، حديث:7408.

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ

یقیناً اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ کوئی سی بھی مثال بیان کرے مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر (حقیر یا عظیم) ہو۔ پھر جو لوگ ایمان لائے وہ تو جانتے

الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا

وقف لازم

ہیں کہ بے شک یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ ایسی مثالیں پیش کرنے سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ اللہ اس

وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿26﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ

سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ ان سے نافرمانوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا ﴿26﴾ جو لوگ اللہ کا عہد پکا کر لینے کے بعد اسے

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿27﴾

توڑتے ہیں اور جن (رشتوں) کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انھیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں ﴿27﴾

پہاڑ سے نکلتی ہیں۔[1]

جنت کے پھلوں کی مشابہت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ”جب انھیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا۔“ ابن ابو حاتم نے یحییٰ بن ابو کثیر سے روایت کیا ہے کہ جنت کی گھاس زعفران ہے، اس کے ٹیلے کستوری کے ہیں، چھوٹے چھوٹے خوبصورت بچے، جنتیوں کے پاس پھل لے کر آئیں گے جنھیں وہ کھائیں گے، پھر اسی طرح کے اور پھل لے کر آئیں گے تو جنتی کہیں گے کہ یہ پھل تو تم ابھی ابھی لائے تھے؟ تو یہ لڑکے کہیں گے کہ نہیں انھیں بھی کھاؤ، رنگ ایک جیسا ہے مگر ذائقہ مختلف ہے، یہی معنی ہیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا﴾ کے۔[2] ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انھوں نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ جنت کے پھل اگرچہ ایک دوسرے سے مشابہ ہوں گے مگر ان کا ذائقہ مختلف ہوگا۔[3] عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جنت کے پھل بھی اگرچہ دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہوں گے مگر جنت کے پھل بہت عمدہ ہوں گے۔[4] سفیان ثوری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنت کی کوئی شے دنیا کی کسی شے سے مشابہ نہیں ہوگی۔ ہاں، البتہ صرف ناموں کی مشابہت ہوگی۔[5] ایک روایت میں ہے کہ دنیا میں جنت کی کوئی چیز نہیں سوائے ان کے ناموں کے۔[6]

اہل جنت کی بیویاں پاک ہوں گی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ﴾ کے بارے میں ابن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل جنت کی بیویاں گندگی اور ناپاکی سے پاک ہوں گی۔[7] مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ حیض، بول و براز، رینٹ، تھوک، منی اور نفاس وغیرہ سے پاک ہوں گی۔[8] قتادہ کا قول ہے کہ وہ بول و براز اور گناہ سے پاک ہوں گی۔[9]

① تفسير ابن أبي حاتم:66/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:67/1. ③ تفسير الطبري:250/1 وتفسير ابن أبي حاتم:67/1.
④ تفسير الطبري:251/1. ⑤ تفسير الطبري:251/1. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:66/1 وتفسير الطبري:251/1. ⑦ تفسير الطبري:253/1. ⑧ تفسير الطبري:254/1. ⑨ تفسير الطبري:254/1.

انھی سے ایک اور روایت میں ہے کہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہوں گی۔[1] عطاء، حسن، ضحاک، ابوصالح، عطیہ اور سدی سے بھی یہی منقول ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اس سے مراد سعادت و کامرانی کی تکمیل ہے، یعنی وہ ان ابدی و سرمدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ایسے پرامن مقام میں ہوں گے جہاں موت کا خوف ہوگا نہ زندگی کے ختم ہو جانے کا ڈر کیونکہ وہاں زندگی کبھی ختم نہ ہوگی بلکہ ابدی و سرمدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی اپنے انھی بندوں میں شامل فرما لے۔ إِنَّهٗ جَوَّادٌ كَرِيمٌ بَرٌّ رَّحِيمٌ.

تفسیر آیات:27,26

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی یہ دو مثالیں بیان فرمائیں جن کا ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ﴾ (البقرۃ2:18,17) اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (البقرۃ2:19) ان تین آیات میں ذکر ہے تو منافقوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ وہ اس طرح کی مثالیں بیان فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا۔'' سے ﴿ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (البقرۃ2:27,26) ''وہی ہیں خسارہ اٹھانے والے۔'' تک یہ دو آیتیں نازل فرمائیں۔[3]

سعید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرتے ہوئے عار نہیں کرتا کہ وہ کسی بھی چیز کا ذکر کرے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مکھی اور مکڑی کا ذکر کیا تو اہل ضلالت کہنے لگے کہ ان کے ذکر کرنے سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ﴾[4]

دنیا کی مثال: ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مچھر اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب بھوکا ہو جب وہ سیر ہو جائے تو مر جاتا ہے۔ ان لوگوں کا بھی یہی حال ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ جب یہ دنیا سے خوب سیر ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں پکڑ لیتا ہے، پھر انھوں نے اس کی تائید میں اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الأنعام6:44) ''پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو جوان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔''[5] تو اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے عار نہیں کرتا یا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ کسی چیز کی کوئی بھی مثال بیان فرمائے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔

﴿ فَمَا فَوْقَهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ جو اس سے بڑھ کر ہو کیونکہ مچھر سے بڑھ کر چھوٹی اور حقیر چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ (اس کی

---

[1] تفسير الطبرى:254/1. [2] تفسير ابن أبى حاتم:67/1. [3] تفسير الطبرى:255/1. [4] تفسير الطبرى:256/1.

[5] تفسير الطبرى:256/1.

تائیداس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو) امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّشَاكُ شَوْكَةً فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا كُتِبَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ ، وَّمُحِيَتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ] ''جس مسلمان کو بھی کوئی کانٹا چبھے یا اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف پہنچے تو اسے اس کے بدلے میں ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس (کانٹے) کے عوض ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مثال بیان کرنے کے لیے کسی بھی چیز کو حقیر نہیں سمجھتا، خواہ وہ مچھر جیسی حقیر اور چھوٹی سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے میں کوئی عار نہیں رکھتا اسی طرح اس کے ساتھ مثال بیان کرنے میں بھی وہ کوئی عار نہیں سمجھتا۔

اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائی ہے: ﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ ﴾ (الحج 73:22) ''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب مجتمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب (عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 41:29) ''جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں سے) دوستی کر رکھی ہے، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش! یہ (اس بات کو) جانتے۔''

اسی طرح مثالیں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:24-27) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟ (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ اور کلمۂ خبیثہ (کفر و شرک) کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے، اس کو ذرہ برابر قرار (وثبات) نہیں۔ اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا۔) اور اللہ بے انصافوں کو

[1] صحيح مسلم، البرّ والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض ......، حديث:2572 .

گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (النحل 75:16) ''اللہ مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے جو (بالکل) دوسرے کے اختیار میں ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور دوسرا وہ جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا، چنانچہ وہ اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟ تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ﴾ (النحل 76:16) ''اور اللہ (ایک اور) مثال بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک ان میں سے گونگا (اور دوسرے کی ملک) ہے (بے اختیار و ناتواں) کہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور اپنے مالک پر ایک بوجھ ہے، وہ جہاں کہیں اسے بھیجتا ہے کبھی خیر اور بھلائی نہیں لاتا۔ کیا ایسا (گونگا بہرا) اور وہ شخص جو (سنتا بولتا اور) لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے رستے پر چل رہا ہے، دونوں برابر ہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ (الروم 28:30) ''وہ تمھارے لیے تمھارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن (لونڈی غلاموں) کے تم مالک ہو وہ اس (مال) میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے، تمھارے شریک ہیں؟''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ ﴾ کے بارے میں مجاہد فرماتے ہیں کہ ان سے مراد چھوٹی بڑی مثالیں ہیں جن کے ساتھ مومن ایمان رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ ان کے پروردگار کی طرف سے سچ ہیں، اللہ تعالیٰ ان مثالوں کے ساتھ انھیں ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔[1]

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ ﴾ ''گمراہ کرتا ہے اس سے بہتوں کو۔'' کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ منافقوں کو گمراہ کرتا اور مومنوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اس سے منافقوں کی ضلالت و گمراہی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو مثال بیان فرمائی ہوتی ہے، اس سے انھیں حق اور یقین کا علم تو ہو جاتا ہے مگر وہ علم کے باوجود اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کو گمراہ کرنے کے۔

﴿ وَّيَهْدِيْ بِهٖ ﴾ اور اللہ اس کے ساتھ، یعنی اس مثال کے ساتھ ہدایت بخشتا ہے ﴿ كَثِيْرًا ؕ ﴾ بہت سے اہل ایمان و تصدیق کو کہ اس سے ان کے ایمان اور ہدایت میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو مثال بیان فرمائی ہوتی ہے، اس سے انھیں جس حق اور یقین کا علم ہوتا ہے، اس کی وہ تصدیق اور اقرار کرتے ہیں اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 68/1.

کے انھیں ہدایت بخشنے کے۔[1]

﴿ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾ ''اور گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو۔'' فاسقوں سے یہاں مراد منافق ہیں۔[2]
عربی میں فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ چھلکا ہٹا کر خوشہ باہر نکل آیا۔ چوہیا کو بھی فُوَیْسِقَةٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خرابی کرنے کے لیے اپنے بل سے باہر نکل آتی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَمسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي (الْحِلِّ وَ) الْحَرَمِ :اَلْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْحُدَيَّا، والْغُرَابُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ] ''پانچ جانور شریر اور موذی ہیں، انھیں (حرم سے باہر بھی اور) حرم میں بھی قتل کر دیا جائے: (1) چوہیا (2) بچھو (3) چیل (4) کوا (5) اور باؤلا کتا۔''[3]

فاسق کا لفظ کافر اور گناہ گار دونوں کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ شدید اور انتہائی قبیح ہوتا ہے۔ اس آیت میں فاسق سے مراد کافر ہی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں فاسقوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ ''جو اللہ کے قرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (رشتۂ قرابت) کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اس کو قطع کر ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' یہ کافروں کی صفات ہیں جبکہ مومنوں کی صفات ان کے برعکس ہوتی ہیں جیسا کہ سورۂ رعد میں ہے: ﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ ﴾ (الرعد13:19-21) ''بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو نہیں توڑتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔'' اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (الرعد13:25) ''اور جو لوگ اللہ سے عہد واثق کر کے اس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان کو قطع کر دیتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں ایسوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔''

وہ عہد جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاسق اسے توڑ دیتے ہیں، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کو تاکیدی حکم ہے، یعنی اطاعت کا حکم اور معصیت سے مکمل اجتناب جو اس نے اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کی زبانی فرمایا ہے

---

[1] تفسیر الطبری:1/261. [2] تفسیر الطبری:1/262. [3] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب ......، حدیث:3314 و صحیح مسلم، الحج، باب ماىندب للمحرم......، حدیث:1198. اور [الْحِلِّ] صحیح بخاری میں نہیں ہے۔

اورعہد کے توڑنے سے مراد اس کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے کافروں اور منافقوں کے بارے میں ہے۔ اور عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے لیا کہ وہ تورات کے مطابق عمل کریں گے اور جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوں تو وہ آپ کی اتباع کریں گے اور آپ اپنے رب کے پاس سے جس دین و شریعت کو لائیں اس کی تصدیق کریں گے۔ اور عہد کو توڑنے سے مراد ان کا آپ کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود آپ کا انکار کرنا اور لوگوں سے اسے چھپانا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ یہ لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے نہیں چھپائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ انھوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت سے تمام کافر، مشرک اور منافق مراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جو عہد لیا وہ توحید کے بارے میں ہے کہ اپنی ربوبیت کی نشانیاں اور دلائل اس نے اس کائنات میں پھیلا دیے ہیں، نیز امر و نہی کے بارے میں ان سے عہد لیا اور اپنے رسولوں کے ان معجزات کے ذریعے سے اس کے دلائل قائم فرمائے کہ جن کا جواب لانا کسی اور انسان کے بس میں نہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی دلیل بھی ہیں۔

اور عہد کو توڑنے سے مراد اس قرار کو ترک کرنا ہے جس کا صحیح ہونا دلائل سے واضح ہے، نیز اس سے مراد رسولوں اور کتابوں کی تکذیب ہے، حالانکہ انھیں علم تھا کہ انبیاء جس چیز کو لائے ہیں وہ حق ہے۔ مُقاتِل بن حَیّان سے بھی اسی طرح روایت ہے۔[1] اور یہ حسن ہے۔ زمخشری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔[2] ﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد صلہ رحمی اور قرابتوں کو ملانا ہے۔ قتادہ نے بھی اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔[3] اور حسب ذیل آیت کریمہ سے اس کی تائید ہوتی ہے: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ ﴾ (محمد 22:47) ”(اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو زمین میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔“ ابن جریر نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[4] اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت عموم پر مبنی ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ملانے اور سرانجام دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا انھوں نے اسے توڑ دیا اور ترک کر دیا۔[5]

خسران سے کیا مراد ہے؟ مُقاتل بن حَیّان نے ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا خسارہ ہے۔[6] یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (الرعد 25:13) ”ایسوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔“ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً: خسران وغیرہ تو اس سے مراد کفر ہے اور جسے اہل اسلام کی طرف منسوب کیا ہے تو اس سے مراد گناہ ہے۔[7]

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:72/1. [2] الکشاف:120/1. [3] تفسیر الطبری:266/1. [4] تفسیر الطبری:266/1. [5] تفسیر الطبری:266/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم:73/1. [7] تفسیر الطبری:267/1.

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿28﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے، پھر اس نے تمھیں زندہ کیا، پھر تمھیں موت دے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿28﴾

ابن جریر کہتے ہیں: ﴿الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾﴾ خاسر کی جمع ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے حصوں کو کم کر لیتے ہیں۔ جس طرح کہ کوئی شخص تجارت میں نقصان اٹھا کر اپنے اصل سرمایہ ہی کو کم کر لیتا ہے۔ اسی طرح کافر ومنافق کو اللہ تعالیٰ جب محروم کرتا ہے تو وہ بھی اس رحمت کو کم کر لیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں اپنے بندوں کے لیے تیار فرمایا ہے، حالانکہ انھیں اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی سخت ضرورت ہوگی اسی سے ہے: خَسِرَ الرَّجُلُ ''آدمی نے نقصان اٹھایا'' يَخْسَرُ خَسْرًا وَّخَسَارًا جیسا کہ جریر بن عطیہ نے کہا ہے:

إِنَّ سَلِيطًا فِي الْخَسَارِ إِنَّهُ أَوْلَادُ قَوْمٍ خُلِقُوا أَقِنَّهُ

''یقیناً (قبیلہ) بنو سلیط نقصان اور گھاٹے میں ہے کیونکہ وہ (اہل قبیلہ) ایسی قوم کے بیٹے ہیں جو نسل در نسل غلام ہی پیدا کیے گئے ہیں۔''①

تفسیر آیت:28

اللہ تعالیٰ اپنے وجود وقدرت کی دلیل دیتے ہوئے اور اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہ وہی اپنے بندوں کا خالق اور ان میں تصرف کرنے والا ہے، ارشاد فرماتا ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ یعنی تم اللہ کے وجود کا کس طرح انکار کر سکتے ہو یا تم اس کے ساتھ کسی اور کی کس طرح عبادت کر سکتے ہو؟ ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ﴾ ''حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تم کو زندگی بخشی۔'' یعنی اس ذات گرامی نے تمھیں عدم سے وجود بخشا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝﴾ (الطور 52:35,36) ''کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے آپ کو) پیدا کرنے والے ہیں یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔'' اور فرمایا: ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝﴾ (الدهر 76:1) ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ابن جریج نے عطاء سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم مردہ تھے اور اپنے آباء واجداد کی پشتوں میں تھے اور تم کچھ نہ تھے کہ اس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر تمھیں موت دے گا، پھر بعث کے وقت زندہ کرے گا، یہ آیت ایسے ہی ہے جس طرح یہ آیت کریمہ ہے: ﴿اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ (المؤمن 40:11) ''تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔''②

① تفسير الطبري: 267/1. ② تفسير ابن أبي حاتم: 73/1.

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ

وہی ہے (اللہ) جس نے تمھارے لیے پیدا کیا سب کا سب جو کچھ زمین میں ہے، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، پھر ٹھیک کر کے سات آسمان بنا

3 ع 9 3 وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؏ ﴿29﴾

دیے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿29﴾

تفسیر آیت: 29

دلائل قدرت کا بیان: اللہ تعالیٰ نے پہلے اس دلیل کو ذکر کیا کہ اس نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کا وہ اپنے نفسوں میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک اور دلیل کو ذکر فرمایا جس کا وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں مشاہدہ کر رہے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمھارے لیے پیدا کیں، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا۔'' ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ ﴾ کے معنی ہیں کہ پھر اس نے آسمان کی طرف قصد کیا۔ ﴿ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ ﴾ یعنی سات آسمان بنا دیے۔

﴿ السَّمَآءِ ﴾ کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، اسی لیے (جمع مؤنث کی ضمیر آئی ہے، چنانچہ) فرمایا: ﴿ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ ﴾ ''پھر ٹھیک کر کے سات آسمان بنا دیے۔'' ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿29﴾ ﴾ یعنی اس کا علم اپنی تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ ﴾ (الملك 14:67) ''بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟''

تخلیق کائنات کی ابتدا: اس آیت کریمہ کی تفصیل سورۂ حٰم سجدہ کی حسب ذیل آیات میں بیان کی گئی ہے: ﴿ قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ ﴾ (حٰم السجدة 41:9-12) ''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور شرکاء کو اس کے مقابل بناتے ہو؟ وہی تو سارے جہان کا مالک ہے۔ اور اسی نے اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس (زمین) میں برکت رکھی اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا (یہ کام) چار دن میں (ہوا اور تمام) طلب گاروں کے لیے یکساں (جواب) ہو گیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ خوشی سے، خواہ ناخوشی سے انھوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں، پھر دو دنوں میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس (کے کام) کا حکم بھیجا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کو پیدا فرمایا، پھر سات آسمانوں کو۔ اور کسی عمارت کو بنانے کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ پہلے اس کی بنیادیں استوار کی جاتی ہیں، پھر اس کا بالائی حصہ تعمیر کیا جاتا ہے۔ مفسرین نے بھی اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ ہم ان شاءاللہ اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔[1] اور جہاں تک حسب ذیل آیات کا تعلق ہے: ﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۝ وَ الْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:27-33) ”بھلا تمھارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ جسے اسی نے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر اسے برابر کر دیا۔ اور اسی نے رات تاریک بنائی اور (دن کو) دھوپ نکالی۔ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔ اسی نے اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارا اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔ یہ سب کچھ تمھارے اور تمھارے چارپایوں کے فائدے کے لیے (کیا۔)“ اس میں پہلے آسمان کی تخلیق کا ذکر ہے۔ تو اس آیت کے پیش نظر ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰۤى ﴾ میں ثُمَّ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہاں حرف عطف ثُمَّ خبر کے خبر پر عطف کے لیے ہے، فعل کے فعل پر عطف کے لیے نہیں ہے۔ (مگر جس موقف کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اختیار کیا ہے وہ بہتر ہے) جسے علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (کہ قرآن میں ایک جگہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق کا ذکر ہے اور دوسری جگہ زمین سے پہلے آسمان کی تخلیق کا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہموار کر کے بچھائے بغیر آسمان کی تخلیق سے قبل زمین کو پیدا فرمایا، پھر آسمان کی تخلیق کے بعد زمین کو ہموار کر کے بچھا دیا۔)[2]

زمین کی آسمانوں سے پہلے پیدائش: مجاہد نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا ہے۔ اس نے جب زمین کو پیدا فرمایا تو اس سے دھواں اٹھا، اسی لیے تو اس نے فرمایا: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِىَ دُخَانٌ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:11) ”پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔“ ﴿ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ ﴾ ”ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا۔“ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں اور سات زمینیں ایک دوسری کے نیچے ہیں۔[3] یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ حٰمٓ سجدہ کی ان آیات میں بیان فرمایا ہے جن کا قبل ازیں حوالہ دیا جا چکا ہے۔[4] قرآن مجید کے یہ دونوں مقامات اس بات کی دلیل ہیں کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

زمین کو آسمانوں کی تخلیق کے بعد پھیلایا گیا ہے: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا۔ ہاں، البتہ زمین کو پھیلایا آسمان کی تخلیق کے بعد ہے۔[5] سابقہ اور موجودہ دور کے بہت سے علمائے تفسیر نے بھی اس کا یہی جواب دیا ہے۔ ہم نے سورۂ نازعات کی تفسیر

---

[1] دیکھیے بعد والا عنوان: ”زمین کی آسمانوں سے پہلے پیدائش“ [2] تفسیر الطبری: 281/1. [3] تفسیر الطبری: 281,280/1.

[4] دیکھیے اس سے پہلا عنوان: ”تخلیق کائنات کی ابتدا“ [5] صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ حٰمٓ السجدۃ:(41) ، قبل الحدیث:4816.

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ

اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بیشک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا

فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ

جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: بے شک میں

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۝۳۰

میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ زمین کے پھیلانے کا ذکر ان آیات میں ہے: ﴿ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:30-32) ''اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔ اسی نے اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارا اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔''

زمین کے پھیلانے کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں جس قدر بھی صلاحیتیں ودیعت تھیں ان کو عملی شکل دے دی گئی، یعنی جب ارضی کے بعد سماوی مخلوقات کی صورت مکمل ہوگئی تو اس کے بعد زمین کو پھیلایا اور اس میں جو پانی رکھا گیا تھا، اسے نکالا اور اس سے مختلف انواع واقسام اور مختلف رنگوں اور شکلوں کی نباتات پیدا ہوئیں۔ اسی طرح جب یہ اجرام سماوی مدار حرکت میں آئے تو اس سے تمام ثوابت (وہ ستارے جو سات سیاروں کے علاوہ ہیں) اور سیارے گردش میں آ گئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی أَعْلَمُ .

تفسیر آیت: 30

فرشتوں کے سامنے آدم اور ان کی اولاد کی خلافت کا ذکر اور ان کا جواب: اللہ تعالیٰ بنی آدم پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انھیں پیدا کرنے سے بھی پہلے ان کا ملأ اعلیٰ میں ذکر فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ ﴾ یعنی اے نبی! اس وقت کو یاد کریں اور اپنی قوم کو یہ قصہ سنائیں جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ ﴾ ''بے شک میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔'' یعنی ایک ایسی قوم جو قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے کے بعد آئے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ ﴾ (الأنعام 6:165) ''اور وہی تو ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔'' ﴿ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ﴾ (النمل 27:62) ''اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے؟'' ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓىِٕكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:60) ''اور اگر ہم چاہتے تو تمھارے عوض فرشتے بنا دیتے جو (تمھاری جگہ) زمین میں رہتے۔'' ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ (مریم 19:59) ''پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے۔''

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس (نائب بنانے) سے متعین طور پر حضرت آدم علیہ السلام مراد نہ تھے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام مراد ہوتے تو پھر فرشتوں کی یہ بات مناسب نہ تھی کہ ﴿ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ ''کیا تو اس (زمین) میں ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے۔'' فرشتوں کا خیال تھا کہ جنس انسان میں بعض افراد

ایسے ہوں گے جو کُشت وخون کریں گے۔ اور ان کو یہ بات کسی خاص ذریعے سے معلوم ہوئی یا انسانی طبیعت کے پیش نظر معلوم ہوا کیونکہ انھیں بتایا گیا تھا کہ یہ گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار مٹی سے پیدا کیا جائے گا، یا پھر لفظ ﴿ خَلِيفَةً ﴾ کے مفہوم سے انھوں نے سمجھا کہ یہ خود ہی لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ کرے گا، مظالم کی روک تھام کرے گا اور حرام کاموں اور گناہ کی باتوں سے روکے گا۔

ان کی یہ بات اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہوئے یا بنی آدم سے حسد کی بنا پر نہ تھی جیسا کہ بعض مفسرین کو وہم ہوا ہے، حالانکہ وہ تو ایسی مخلوق ہیں کہ جس کے متعلق ان کو اجازت مرحمت نہ ہو تو سوال ہی نہیں کرتے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ وہ زمین میں فساد برپا کریں گے تو اسی بنا پر فرشتوں نے کہا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ [1] فرشتوں کا یہ سوال اس مخلوق کی تخلیق میں جو حکمت کارفرما تھی، اسے معلوم کرنے کے لیے تھا، یعنی فرشتوں نے عرض یہ کی کہ اے اللہ! اس مخلوق کے پیدا کرنے میں حکمت کیا ہے؟ حالانکہ اس میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو خرابیاں اور زمین میں کُشت وخون کریں گے۔ [2] اگر اسے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ تیری عبادت کرے تو ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں، یعنی ہم تیری نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ یہ تفسیر آگے بیان کی جائے گی۔ [3] اور تیری نافرمانی کی بھی کوئی چیز ہم سے صادر نہیں ہوتی تو پھر ہمیں پر اکتفا کیوں نہیں کیا جاتا؟

اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرشتوں سے فرمایا: ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''بے شک میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔'' یعنی میں جانتا ہوں کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے جو ان مفاسد کی نسبت زیادہ راجح ہے جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اور تم اس مصلحت کو نہیں جانتے کہ میں ان میں انبیاء پیدا کروں گا، میں ان میں اپنے رسولوں کو مبعوث کروں گا، ان میں صدیقین، شہداء، صالحین، عُبّاد، زُہّاد، اولیاء، ابرار، مقربین، علماء، عاملین، مجھ سے ڈرنے والے، مجھ سے محبت کرنے والے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع کرنے والے بھی ہوں گے۔

صحیح بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ فرشتے جب رب تعالیٰ کے پاس اس کے بندوں کے اعمال لے کر جاتے ہیں، [فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَقَالُوا: تَرَكْنَاهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ يُصَلُّونَ] ''تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم جب ان کے پاس سے آئے ہیں تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔'' یہ اس لیے کہ فرشتے ہمارے پاس نماز فجر وعصر میں آتے اور جاتے ہیں، کچھ فرشتے آتے ہیں اور دوسرے اعمال لے کر چلے جاتے ہیں [4]

[1] تفسير الطبري:295/1. [2] تفسير الطبري:289/1. [3] اس کی وضاحت مفصل تفسیر ابن کثیر میں اسی آیت کے ذیل میں ہے، نیز دیکھیے تفسير القرطبي:277/1 و تفسير عبدالرزاق:265/1، رقم:37 . [4] ملخص از صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم، حديث:3223 و صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حديث:632 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ] ”رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔“[1] فرشتوں کا یہ کہنا: ”ہم جب ان کے پاس سے آئے ہیں تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تھے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔“ یہ ﴿ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰ ﴾ کی تفسیر ہے۔

ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰ ﴾ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے تو ان کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے لیکن ان کے پیدا کرنے میں جو حکمت ہے اسے تم نہیں جانتے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فرشتوں نے جب یہ کہا: ﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰ ﴾ یعنی یہ کہ تم میں ابلیس بھی موجود ہے اور وہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں نے یہ جو کہا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ تو ضمناً اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ انسانوں کے بجائے انھیں زمین میں بسا دے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰ ﴾ کہ تمھارا آسمانوں میں موجود رہنا ہی تمھارے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر کئی جوابات امام رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں۔[2] واللہ أعلم.

خلیفہ کے تقرر کا وجوب اور بعض مسائل خلافت: قرطبی اور کئی دیگر مفسرین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا تقرر واجب ہے تاکہ اختلاف کی صورت میں وہ لوگوں کا فیصلہ کر سکے، ان کے تنازعات کا تصفیہ کرے، مظلوم کی ظالم سے داد رسی کرے، حدود کو قائم کرے، فواحش و منکرات کے ارتکاب سے منع کرے اور ان تمام اہم امور کو سرانجام دے جنھیں امام کے بغیر سرانجام دینا ممکن نہیں ہے۔ اور جس کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکتا ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

امامت یا تو بطور نص حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں قول ہے کہ ان کی امامت منصوص علیہ ہے[3] یا یہ اشارہ سے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اہل سنت کی ایک دوسری جماعت کا قول ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں نص تو نہیں، البتہ اشارے بہت سے موجود ہیں یا امامت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ پہلا خلیفہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا یا نیک لوگوں پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنا دی جائے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا یا اہل حل وعقد کا کسی ایک کی بیعت کرنے پر اتفاق ہو جائے یا ان میں سے کوئی کسی کی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اسے تسلیم کرنا واجب ہو جائے گا۔

یہ بھی واجب ہے کہ خلیفہ مرد، آزاد، بالغ، عاقل، مسلمان، عادل، مجتہد، بینا، سلیم الاعضاء، فنون جنگ سے باخبر، صاحب

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله: إن الله لا ینام ...... ، حدیث:179 عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ. ② تفسیر الرازی:174/1. ③ منهاج السنة النبوية لابن تيمية، الأحاديث الدالّة على ثبوت خلافة أبی بکر رضی اللہ عنہ:138/1.

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ

اوراس نے آدم کوسب کے سب نام سکھا دیے، پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ (31) انھوں نے کہا: تو

صٰدِقِیْنَ ﴿31﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿32﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ

پاک ہے، ہمیں علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھا دیا، بے شک تو ہی خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے (32) اللہ نے کہا: اے آدم! تو انھیں

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ

ان چیزوں کے نام بتا دے، چنانچہ جب اس نے انھیں ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿33﴾

اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو (33)

رائے اور صحیح قول کے مطابق قریشی ہو، البتہ یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہاشمی بھی ہو اور معصوم عن الخطاء بھی ہو جیسا کہ غالی رافضیوں کا قول ہے۔

اگر امام فسق کا ارتکاب کرے تو کیا اسے معزول کیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلے میں اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ اسے معزول نہیں کیا جائے گا کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: [إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا ، عِنْدَكُمْ مِّنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ] ''الا یہ کہ تم صریحاً کفر دیکھو اور تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بارے میں کوئی واضح دلیل موجود ہو۔''[1] کیا امام اپنے آپ کو خود معزول کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو معزول کر کے خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی۔[2] لیکن یہ عذر کی وجہ سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اس اقدام کی تعریف کی گئی۔

جہاں تک بیک وقت دو یا دو سے زیادہ اماموں کے تقرر کا مسئلہ ہے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ أَتَاكُمْ ، وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَّاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ (كَائِنًا مَّنْ كَانَ)] ''جب تمھارے پاس کوئی آئے جبکہ تمھارا ایک ہی آدمی پر اتفاق واتحاد ہو اور وہ تمھارا شیرازہ بکھیرنا چاہے یا وہ تفرقہ ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''[3] جمہور کا یہی قول ہے۔

امام الحرمین نے اپنے استاذ ابواسحاق سے روایت کیا ہے کہ وہ اس صورت میں دو یا دو سے زیادہ اماموں کے تقرر کو بھی جائز قرار دیتے تھے جبکہ مسلمانوں کی حکومت بہت بڑی ہو اور دونوں اماموں کے درمیان بہت سے وسیع علاقے حائل ہوں۔[4] خود امام الحرمین کو اس رائے کے بارے میں تردد تھا۔

---

[1] صحیح البخاری، الفتن، باب قول النبیﷺ:[سترون بعدی أمورًا......]، حدیث:7056 و صحیح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء......،حدیث:(42)-1709 بعد الحدیث:1840 عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ۔ [2] تاریخ الطبری، سنة إحدیٰ وأربعین:4/123-126 و فتح الباری:13/63 ، حدیث:7109 کے ذیل میں۔ [3] صحیح مسلم، الإمارة، باب حکم من فرّق أمر المسلمین......، حدیث:(60)-1852 البتہ قوسین کے الفاظ: سنن أبی داود، السنة، باب فی الخوارج ، حدیث:4762 و سنن النسائی، حدیث:4025 عن عرفجة الأشجعی رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [4] تفسیر القرطبی:1/273.

تفسیر آیات:31-33

آدم کی فرشتوں پر فضیلت: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آدم کے فرشتوں پر شرف کا ذکر فرمایا ہے کہ انھیں اس خصوصیت سے نوازا کہ تمام چیزوں کے نام سکھا دیے مگر فرشتوں کو نہ سکھائے۔ اس کا تعلق فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کے بعد سے ہے لیکن موقع و محل کی مناسبت کی وجہ سے اسے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں کو علم نہ تھا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے اور انھوں نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ تو اس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ فرشتوں کے سامنے آدم کے شرف کو بیان فرما دے کہ آدم کو علم کی وجہ سے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ سے مراد یہی نام ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں، مثلاً: انسان، حیوان، زمین، خشکی، تری، پہاڑ، گدھا اور اس طرح کے دوسرے نام۔ [1] امام ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ پیالے کا نام حتی کہ گوز کا نام بھی بتا دیا گیا تھا۔ [2] صحیح بات بھی یہی ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے نام اور ان کی صفات اور افعال سکھا دیے گئے تھے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے نام اور ان کے چھوٹے بڑے تمام افعال سکھا دیے گئے تھے۔ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَيَقُولُونَ:لَوِاسْتَشْفَعْنَا إِلٰى رَبِّنَا ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ : أَنْتَ أَبُوالنَّاسِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ ، وَ عَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ ، فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيحَنَا مِنْ مَّكَانِنَا هٰذَا ، فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَ يَذْكُرُ ذَنْبَهُ فَيَسْتَحْيِي، اِئْتُوا نُوحًا، فَإِنَّهُ أَوَّلُ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ:لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَ يَذْكُرُ سُؤَالَهُ رَبَّهُ مَالَيْسَ لَهُ بِهِ عِلْمٌ ، فَيَسْتَحْيِي، فَيَقُولُ: اِئْتُوا خَلِيلَ الرَّحْمٰنِ ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، اِئْتُوا مُوسٰى عَبْدًا كَلَّمَهُ اللّٰهُ وَأَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ قَتْلَ النَّفْسِ بِغَيْرِ نَفْسٍ، فَيَسْتَحْيِي مِنْ رَّبِّهِ ، فَيَقُولُ : اِئْتُوا عِيسٰى عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُولَهُ وَكَلِمَةَ اللّٰهِ وَرُوحَهُ ، فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، اِئْتُوا مُحَمَّدًا عَبْدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَأَخَّرَ .

فَيَأْتُونِي فَأَنْطَلِقُ حَتّٰى أَسْتَأْذِنَ عَلٰى رَبِّي فَيُؤْذَنُ ، فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ ثُمَّ يُقَالُ : اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَهُ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُهُ بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ، ثُمَّ أَعُودُ إِلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي ـ مِثْلَهُ۔ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا

[1] تفسير الطبري:309/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:80/1 وتفسير الطبري:309/1. [3] تفسير الطبري:310/1 .

فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَقُولُ: مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ] ''مومن قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا ہی اچھا ہو اگر ہم کسی سے اپنے رب کے پاس سفارش کروائیں، تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا، تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھائے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کیجیے تاکہ ہم اس جگہ سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ وہ اپنا گناہ یاد کر کے عار محسوس کریں گے اور فرمائیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ سب سے پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا۔ سب مومن آپ کے پاس آئیں گے تو آپ بھی فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ آپ کو یاد آئے گا کہ آپ نے اپنے رب سے ایک ایسا سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا، اس لیے آپ بھی عار محسوس کریں گے اور فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں، تم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ۔ وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں، تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایک ایسے بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے شرف سے نوازا اور انھیں تورات عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ وہ یاد کریں گے کہ ان سے ایک انسان کا ناحق قتل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے رب سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ کا کلمہ اور اس کی (طرف سے) روح ہیں۔ وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں، تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں۔

وہ میرے پاس آئیں گے تو میں ان کے ساتھ چلوں گا حتی کہ اپنے رب تعالیٰ سے اجازت طلب کروں گا تو وہ مجھے اجازت عطا فرما دے گا۔ جب میں اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کروں گا تو فوراً سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدے ہی میں رہنے دے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: سر اٹھائیے اور سوال کیجیے، آپ کے سوال کو پورا کیا جائے گا، آپ کہیے آپ کی بات کو سنا جائے گا، آپ سفارش کریں آپ کی سفارش کو قبول کیا جائے گا تو میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے (اسی وقت) سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انھیں جنت میں داخل کر کے پھر اپنے رب کے پاس آؤں گا اور اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدے میں گر پڑوں گا، پھر شفاعت کروں گا تو پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انھیں جنت میں داخل کر کے پھر اپنے رب کے پاس تیسری مرتبہ آؤں گا، پھر چوتھی مرتبہ بھی آؤں گا اور کہوں گا کہ اب تو جہنم میں صرف وہ رہ گیا ہے جسے قرآن نے روکا ہے اور جس کے لیے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا واجب ہو گیا ہے۔''[1]

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب:(2) سورة البقرة، حديث:4476.

اس حدیث کو مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ①

اس حدیث میں محل استشہاد یہ فرمان ہے: [فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ أَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَأَسْجَدَلَكَ مَلَائِكَتَهُ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ] ''وہ آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوقات کے نام سکھا دیے تھے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ ''پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔'' یعنی مُسَمَّیات کو جیسا کہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ پھر ان ناموں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا: ﴿فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ ''تو فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔''②

اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کہا گیا: اے فرشتو! یہ جو چیزیں میں نے تمھارے سامنے پیش کی ہیں، مجھے ان کے نام بتاؤ، تم جو یہ کہتے تھے: ﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ ''کیا تو اس میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کُشت وخون کرتا پھرے؟'' حالانکہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں، اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو کہ اگر میں نے تمھارے علاوہ کسی اور کو زمین میں خلیفہ بنا دیا تو وہ اور اس کی اولاد میری نافرمانی کرے گی، خرابیاں اور کُشت وخون کرے گی اور اگر میں نے تمھیں نائب بنا دیا تو تم میری اطاعت کرو گے، میرے حکم کی پیروی کرو گے اور میری تعظیم و تقدیس بجا لاؤ گے۔ اگر تم ان چیزوں کے نام نہیں جانتے ہو جنھیں میں نے تمھارے سامنے پیش کیا اور تم ان کا مشاہدہ کر رہے ہو تو تم ان امور کو تو بالکل نہیں جان سکتے جو آئندہ ہونے والے ہیں اور اس وقت موجود نہیں ہیں۔

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ ''انھوں نے کہا کہ تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک تو ہی دانا (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یہ فرشتوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ ہے کہ کوئی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر جو وہ چاہے اور انھیں صرف اسی قدر علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرما رکھا ہے۔ اسی لیے تو وہ کہہ اٹھے کہ ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ یعنی وہی علیم و حکیم ہر چیز کا جاننے والا اور اپنے خلق و امر میں دانا ہے۔ اور تو جسے چاہے علم عطا فرمائے اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے، تیرا یہ فیصلہ حکمت اور عدلِ تام پر مبنی ہے۔

آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب علم ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝﴾ ''(تب) اللہ نے (آدم کو) حکم دیا کہ آدم! تم

① صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة......، حديث:193، والسنن الكبرى للنسائي، باب قوله تبارك و تعالى: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾......: 284/6، حديث:10984 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الشفاعة، حديث: 4312. ② تفسير عبدالرزاق: 265/1، رقم:38.

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿34﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا﴿34﴾

ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ، جب انھوں نے ان کو ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا: کیوں! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔'' کے متعلق زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ تو حضرت آدم علیہ السلام نے انھیں بتا دیا کہ تم جبریل ہو، تم میکائیل ہو، تم اسرافیل ہو حتی کہ اس طرح تمام چیزوں کے ایک ایک کر کے نام بتا دیے حتی کہ کوّے تک کا نام بھی بتا دیا۔ ①

مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ نے کبوتر، کوّے اور ہر چیز کا نام بتا دیا۔ سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ②

جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ان تمام اشیاء کے نام بتا دیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿33﴾ ﴾ ''کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔'' یعنی کیا میں نے پہلے ہی تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ بے شک میں غیب جانتا ہوں (خواہ) وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 7:20) ''اور اگر آپ پکار کر بات کہیں تو بلاشبہ وہ چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔'' اور جیسا کہ اس نے ہمیں بتایا ہے کہ ہدہد نے سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ اَلَّا يَسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِىۡ يُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ۝ ﴾ (النمل 26,25:27) ''(اور نہیں سمجھتے) کہ وہ اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمھارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔''

﴿ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿33﴾ ﴾ کے بارے میں ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مخفی چیزوں کو بھی اسی طرح جانتا ہوں جس طرح ظاہر چیزوں کو جانتا ہوں، یعنی مجھے اس کبر وغرور کا بھی علم ہے جسے ابلیس نے اپنے دل میں چھپایا ہوا ہے۔ ③

ابو جعفر رازی نے ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ فرشتوں نے جس بات کو ظاہر کیا وہ تو یہ تھی: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے۔ اور جس بات کو انھوں نے اپنے دل میں چھپا لیا تھا وہ یہ تھی کہ ہمارا رب کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا جو علم اور عزت وتوقیر میں ہم سے بڑھ کر ہو لیکن اب انھیں معلوم ہو گیا کہ آدم علیہ السلام علم اور عزت وتکریم کے اعتبار سے ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ④

① تفسير ابن أبي حاتم:82/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:82/1 . ③ تفسير الطبرى:318/1. ④ تفسير الطبرى:319/1 .

تفسیر آیت :34

فرشتوں کے سجدے سے آدم کی عزت افزائی: یہ آدم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی عزت افزائی تھی۔ اولاد آدم کو یہ احسان جتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ بہت سی احادیث میں بھی اس کا ذکر ہے، مثلاً: حدیث شفاعت میں جسے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] اسی طرح ایک حدیث میں ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: [يَا رَبِّ! أَرِنَا آدَمَ الَّذِي أَخْرَجَنَا وَنَفْسَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، فَأَرَاهُ اللّٰهُ آدَمَ، فَقَالَ: أَنْتَ أَبُونَا آدَمُ؟ فَقَالَ لَهُ آدَمُ:نَعَمْ، قَالَ : أَنْتَ الَّذِي نَفَخَ اللّٰهُ فِيكَ مِنْ رُّوحِهِ وَعَلَّمَكَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ ؟] ''اے اللہ! مجھے وہ آدم دکھا جنھوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کا دیدار کروا دیا تو انھوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے باپ آدم ہیں؟ تو آدم علیہ السلام نے کہا: ہاں، موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: آپ ہیں جن میں اللہ نے اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور آپ کو تمام (چیزوں کے) نام سکھائے اور جنھیں اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا؟''[2]

ابلیس کو بھی حکم سجدہ تھا اگرچہ وہ فرشتوں میں سے نہ تھا: جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو یہ حکم ابلیس کے لیے بھی تھا اگرچہ وہ ان کے عنصر میں سے نہیں تھا لیکن فرشتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے اور ان جیسے افعال سرانجام دینے کی وجہ سے وہ بھی اس حکم کا مخاطب تھا اور اس کی مخالفت کی وجہ سے قابل مذمت قرار پایا۔ اس مسئلے کی تفصیل ہم۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ سورۂ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ كَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ ؕ ﴾ (الکھف 50:18) کی تفسیر کے موقع پر بیان کریں گے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ معصیت کے ارتکاب سے قبل ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا اور اس کا نام عزازیل تھا، یہ زمین کے باشندوں میں سے تھا۔ عبادت اور علم کے اعتبار سے یہ تمام فرشتوں سے بڑھ کر تھا۔ اسی وجہ سے یہ تکبر میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا تعلق فرشتوں کے ایک ایسے خاندان سے تھا جس کا نام جِنّ تھا، یعنی جنوں کی ایک قسم سے تھا۔[3]

اللہ کی اطاعت میں آدم کو سجدہ: قتادہ فرماتے ہیں کہ اطاعت اللہ کے لیے تھی اور سجدہ آدم علیہ السلام کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی کہ اپنے فرشتوں سے انھیں سجدہ کروایا۔[4]

کیا تعظیمی سجدہ جائز ہے؟ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ سجدۂ سلام و اکرام تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِيۡلُ رُءۡيَاىَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّىۡ حَقًّا ؕ ﴾ (یوسف 12: 100) ''اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے اور (اس وقت یوسف نے) کہا: ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا، میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا۔'' اور سابقہ امتوں

---

[1] دیکھیے البقرہ، آیت:31 کے ذیل میں عنوان: ''آدم کی فرشتوں پر فضیلت'' [2] سنن أبي داود ، السنة، باب في القدر، حدیث: 4702 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. [3] تفسیر الطبري: 321/1. [4] تفسیر الطبري: 327/2.

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور ہم نے کہا: اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے سیر ہو کر کھاؤ جہاں سے چاہو (لیکن) اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿35﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا

دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ﴿35﴾ پھر شیطان نے ان کو اس سے پھسلا دیا اور انھیں اس سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا: یہاں سے اترو،

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿36﴾

تم میں سے بعض لوگ بعض کے دشمن ہیں اور تمھارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور تمھیں ایک (خاص) وقت تک اس سے فائدہ اٹھانا ہے ﴿36﴾

میں اس طرح کا تعظیمی سجدہ جائز تھا مگر ہماری شریعت میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب شام گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے پیشواؤں اور علماء کو سجدہ کرتے ہیں تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ نے فرمایا: [لَا، لَوْ كُنْتُ آمِرًا بَشَرًا يَّسْجُدُ لِبَشَرٍ لَّأَ مَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا)] ”نہیں، اگر میں کسی بشر کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اپنے آپ پر اس کے حقوق کی برتری کی وجہ سے۔“① امام رازی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔②

ابلیس کا تکبر: قتادہ رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿34﴾﴾ ”چنانچہ سوائے ابلیس کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جو عزت عطا فرمائی تو اس کی وجہ سے اللہ کے دشمن ابلیس نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور کہا کہ میں ناری ہوں اور یہ خاکی ہے۔ گناہوں کا آغاز تکبر سے ہوا، اللہ کے دشمن نے تکبر کیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو کیوں سجدہ کرے۔③

صحیح حدیث میں ہے: [لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرِيَاءَ] ”جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔“④ یہ ابلیس کا تکبر، کفر اور عناد ہی تھا جس نے اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہِ قدس سے دور کر دیا۔

تفسیر آیات:36,35

آدم علیہ السلام کی ایک اور عزت افزائی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی، جب اس نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اور ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت کو مباح قرار

① مسند أحمد:228,227/5 و جامع الترمذي،الرضاع، باب ماجاء في حق الزوج على المرأة، حديث:1159عن أبي هريرة رضي الله عنه و سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث:1853عن عبدالله بن أبي أوفى رضي الله عنه و مجمع الزوائد، النكاح، باب حق الزوج على المرأة:310/4 ، حديث:7651 و المعجم الكبير للطبراني:208/5، حديث: 5116. قوسین کے الفاظ مسند أحمد:159,158/3اور كشف الأستار:176/2، حديث:1461 کے ہیں۔ ② تفسير الرازي: 213/2. ③ تفسير ابن أبي حاتم:84/1. ④ صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث:(148)-91 .

دے دیا کہ جہاں چاہیں جنت میں رہیں اور جنت کی وسیع و پاک نعمتوں میں سے جو چاہیں بے روک ٹوک کھائیں پئیں۔

حوا کی پیدائش آدم کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوئی تھی: اس آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حوا کی پیدائش آدم کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ابلیس کی سرزنش سے فارغ ہوا تو آدم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بھی سکھا دیے تھے، چنانچہ فرمایا: ﴿ يَادَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۝ ﴾ [1] (البقرۃ 2:33) ''اے آدم! تو انھیں ان چیزوں کے نام بتا دے، چنانچہ جب اس نے انھیں ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔''

اور اس کے بعد آدم علیہ السلام پر اونگھ طاری کر دی گئی جیسا کہ اہل تورات اور دیگر اہل کتاب کی طرف سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم سے ہم تک پہنچا ہے، پھر آپ کی بائیں طرف کی پسلیوں میں سے ایک پسلی کو لے کر اس کی جگہ گوشت پیدا کر دیا گیا کہ آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اور وہ نیند سے بیدار نہیں ہوئے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس پسلی سے آپ کی بیوی حوا کو پیدا فرما دیا تا کہ اس سے سکون و راحت حاصل کریں، جب آپ نیند سے بیدار ہوئے اور حوا کو اپنے پہلو میں دیکھا تو - ان کے بقول و اللہ اعلم - فرمایا: ''یہ میرا گوشت، میرا خون اور میری بیوی ہے۔'' تو ان سے آپ علیہ السلام کو راحت اور سکون حاصل ہوا اور جب اللہ تعالیٰ نے انھیں آپ کی بیوی بنا دیا اور آپ کے اپنے نفس ہی سے آپ کے لیے تسکین کا سامان پیدا فرما دیا تو آپ سے ہم کلام ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَادَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝۳۵ ﴾ ''اے آدم! تم اور تمھاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔'' [2]

آدم علیہ السلام کی آزمائش: اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا: ﴿ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ ''اور اس درخت کے پاس نہ جانا۔'' تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کی ایک آزمائش اور امتحان تھا۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کون سا درخت تھا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا کہ یہ انگور تھا، بعض نے گندم، بعض نے کھجور اور بعض نے انجیر کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا درخت تھا کہ جو اسے کھا لیتا اسے انسانی حاجت ہو جاتی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا درخت تھا جس کا پھل کھانے سے فرشتوں کو ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

امام ابو جعفر ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے منع فرما دیا جبکہ جنت کے باقی تمام درختوں کے پھل کھانے کی اجازت تھی مگر آدم وحوا

[1] تفسیر ابن کثیر کے متداول نسخوں میں ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۝۳۲ ﴾ ہے، اور یہ تصحیح سلیم بن محمد السلامہ کی تحقیق ہے۔ و اللہ أعلم.

[2] تفسیر الطبری: 329/1.

نے اس درخت کے پھل کو کھالیا جس سے منع کیا گیا تھا اور متعین طور پر ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ درخت کون سا تھا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے نہ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور نہ صحیح حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ ہاں، البتہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ گندم، بعض نے کہا ہے کہ یہ انگور اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انجیر کا درخت تھا، ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ہو، اگر اس کا علم ہو جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر اس کا علم نہ ہو سکے تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ ① امام رازی اور کئی دیگر مفسرین نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے اور یہی درست ہے۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَٰنُ عَنْهَا ﴾ ''پھر شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا۔'' کے بارے میں یہ بھی صحیح ہے کہ ﴿ عَنْهَا ﴾ کی ضمیر کا مرجع جنت ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے جیسا کہ عاصم بن بہدلہ، جو کہ ابن ابونُجُود کے نام سے معروف ہیں، نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ شیطان نے دونوں کو جنت سے دور کر دیا۔ ③ جو کہ [فَأَزَالَهُمَا] کی قراءت کے مطابق ہیں۔ ④ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس ضمیر کا مرجع دونوں مذکورہ چیزوں میں سے قریب ترین، یعنی درخت ہو تو معنی یہ ہوں گے جیسا کہ حسن اور قتادہ نے کہا ہے کہ شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا۔ ⑤ یعنی شیطان نے اس درخت کی وجہ سے دونوں کو پھسلا دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴾ (الذّٰریٰت 9:51) ''اس سے وہی پھرتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔'' ⑥ یعنی اس سے وہی گمراہ ہوتا ہے جو حق سے برگشتہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ﴾ ''اور جس (عیش ونشاط) میں وہ تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا۔'' یعنی جنتی لباس، کشادہ رہائش، عمدہ رزق اور سامان راحت سے انھیں محروم کروا دیا۔

﴿ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ ﴾ یعنی تمھارے لیے زمین میں قرار، رزق اور اجل کو ایک وقت تک ایک معین مقدار کے ساتھ مقرر کر دیا گیا ہے، پھر اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام طویل القامت تھے: ابن ابو حاتم نے اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ رَجُلًا طُوَالًا ، كَثِيرَ شَعْرِ الرَّأْسِ ، كَأَنَّهُ نَخْلَةٌ سَحُوقٌ، فَلَمَّا ذَاقَ الشَّجَرَةَ سَقَطَ عَنْهُ لِبَاسُهُ، فَأَوَّلُ مَا بَدَا مِنْهُ عَوْرَتُهُ ، فَلَمَّا نَظَرَ إِلٰى عَوْرَتِهِ جَعَلَ يَشْتَدُّ فِي الْجَنَّةِ ، فَأَخَذَتْ شَعْرَهُ شَجَرَةٌ فَنَازَعَهَا، فَنَادَاهُ الرَّحْمٰنُ : يَا آدَمُ! مِنِّي تَفِرُّ؟ فَلَمَّا سَمِعَ كَلَامَ الرَّحْمٰنِ قَالَ : يَا رَبِّ ! لَا ، وَلٰكِنِ اسْتِحْيَاءً] ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح پیدا فرمایا کہ آپ طویل القامت تھے، سر کے بال بہت گھنے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ

---

① تفسیر الطبری:333/1. ② تفسیر الرازی:5/3. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:87/1. ④ تفسیر الطبری:336/1. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:87/1. ⑥ اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ اس میں بھی ﴿ عَنْهُ ﴾ کی ضمیر کے دو مرجع ہو سکتے ہیں، ایک اعمال کی جزا اور دوسرا ﴿ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴾ (الذّٰریٰت 8:51) پہلی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اعمال کی جزا تو ضرور پیش آنی ہے مگر اس کو ماننے سے وہی شخص انکار کرتا ہے جو حق سے پھرا ہوا ہو۔ اور دوسری صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ ان مختلف اقوال سے وہی شخص گمراہ ہوتا ہے جو دراصل حق سے پھرا ہوا ہو۔ (مترجم)

کھجور کا ایک طویل درخت ہوں۔ جب آپ نے درخت کو چکھا تو آپ کا لباس اتر گیا اور سب سے پہلے شرم گاہ عریاں ہوئی، جب آپ نے اپنے مقامِ شرم کو دیکھا تو جنت میں دوڑنے لگے، ایک درخت نے آپ کے بالوں کو پکڑ لیا، آپ بالوں کو چھڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی، آدم! مجھ سے بھاگتے ہو؟ آپ نے جب اللہ تعالیٰ کی آواز کو سنا تو عرض کی: نہیں یا رب! میں تو شرمندگی اور حیا کی وجہ سے بھاگ رہا ہوں۔'' [1]

آدم جنت میں تھوڑی دیر رہے: امام حاکم رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک رہے۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ [2]

ابن ابوحاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ اور طائف کے درمیان دَحْنَا نامی ایک جگہ پر اتارا گیا تھا۔ [3] حسن بصری سے روایت ہے کہ آدم کو ہندوستان میں، حوا کو جُدّہ میں، ابلیس کو بصرہ سے چند میلوں کی مَسافت پر دَسْتُ مِیْسان [4] میں اور سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا تھا۔ [5]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ ، وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ ، وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا] ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا، اسی دن جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انھیں جنت سے نکالا گیا۔'' [6]

ایک شبہ اور اس کا جواب: اگر کہا جائے کہ وہ جنت جس سے آدم علیہ السلام کو نکالا گیا، آسمان میں ہے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ابلیس اس میں کس طرح داخل ہوا، حالانکہ اسے وہاں سے زبردستی نکال دیا گیا تھا اور جسے جنت سے زبردستی نکال دیا گیا ہو تو اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ پھر اس میں داخل ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعینہ یہی استدلال ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس جنت میں آدم تھے، وہ زمین میں تھی، آسمان میں نہیں تھی جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ کے آغاز میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ [7]

جمہور علماء نے اس کے کئی جواب دیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابلیس کے لیے اعزاز واکرام کے ساتھ جنت میں داخلہ منع تھا۔ چوری چھپے اور اہانت کے ساتھ داخلہ منع نہ تھا۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے جیسا کہ تورات میں بھی ہے کہ وہ

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:88,87/1 والمستدرك للحاکم ، تواریخ المتقدمین ، باب ذکر آدم:544,543/2 ، حدیث: 3998 مختصرًا . [2] المستدرك للحاکم، تواریخ المتقدمین، ذکر آدم:542/2 ،حدیث:3993. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:89/1. [4] ''دَسْتُ مِیْسان'' واسط، بصرہ اور اھواز کے گردونواح میں واقع ہے جبکہ اھواز کے زیادہ قریب ہے۔ معجم البلدان:455/2. اور عبدالعزیز بکری نے اپنی کتاب معجم ما استعجم میں مَیْسان کو میم کی فتحہ کے ساتھ لکھا اور ضبط کیا ہے۔ [5] تفسیر ابن أبی حاتم:89/1. [6] صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل یوم الجمعة، حدیث:854 و سنن النسائی، الجمعة ، باب ذکر فضل یوم الجمعة، حدیث:1374و1431. [7] البدایة والنهایة ، باب خلق آدم:62/1-75.

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿37﴾

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھ لیے تو (اللہ نے مہربانی کرتے ہوئے) اس پر توجہ دی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿37﴾

سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہو گیا تھا۔[1] بعض نے کہا ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر وسوسہ ڈالا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس نے زمین ہی سے ان کے دلوں میں جبکہ وہ آسمان میں تھے، وسوسہ ڈالا ہو۔ ان اقوال کو زمخشری اور دیگر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔[2]

قرطبی رحمہ اللہ نے یہاں بہت سی ایسی احادیث بیان کی ہیں جن کا تعلق سانپوں سے اور ان کے قتل کرنے کے بارے میں حکم سے ہے۔ ان کا ان احادیث کو یہاں ذکر کرنا بہت ہی مفید اور موقع و محل کے مناسب ہے۔[3]

تفسیر آیت: 37

آدم علیہ السلام کی توبہ اور دعا: ایک قول یہ ہے کہ ان کلمات سے مراد حسب ذیل دعا ہے: ﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 23:7) ''دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔'' یہ قول مجاہد، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب قُرظی، خالد بن مَعدان، عطاء خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ سے مروی ہے۔[4]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری: ﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾ کے بارے میں روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! کیا تو نے مجھے اپنے دست مبارک سے پیدا نہیں فرمایا؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: جب مجھے چھینک آئی تو کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے اور تیری رحمت تو تیرے غضب پر غالب ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: کیا تو نے لکھ نہیں رکھا تھا کہ میں یہ کام کروں گا؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: یا اللہ! اگر میں توبہ کر لوں تو کیا تو مجھے جنت میں لوٹا دے گا؟ فرمایا: ہاں۔[5] ابن عوفی، سعید بن جُبَیر اور سعید بن معبد رحمہم اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[6] حاکم نے اپنی مستدرک میں ابن جبیر کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے مگر بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[7]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿37﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ کی طرف توبہ کرے اور رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ (التوبة 104:9) ''کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے۔'' اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 110:4) ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق

① تفسير الطبري: 337/1. ② الكشاف: 128/1. ③ تفسير القرطبي: 314,313/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 91,90/1 وتفسير الطبري: 348,347/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 90/1. ⑥ تفسير الطبري: 347/1. ⑦ المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين، باب ذكر آدم عليه السلام: 545/2، حديث: 4002.

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

ہم نے کہا: تم یہاں سے اکٹھے اترو، پھر اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر کوئی خوف ہوگا

4 ع 10 4 يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾

نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿38﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿39﴾

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ

اے بنی اسرائیل! تم میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور تم میرا عہد پورا کرو، میں تمھارے عہد پورے کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿40﴾ اور

فَارْهَبُوْنِ ﴿40﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا

اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی جبکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمھارے پاس ہے اور تم اس کا سب سے پہلے انکار کرنے

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾

والے نہ بنو، اور تم میری آیتوں کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچو، اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿41﴾

میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔" مزید فرمایا: ﴿ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○﴾ (الفرقان 71:25) "اور جو توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے جیسے توبہ کرنے کا حکم ہے۔" علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور جو توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر لطف و کرم اور اپنے بندوں پر رحمت و شفقت کا اظہار ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ .

تفسیر آیات: 39,38

اس مقام پر اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام ان کی بیوی اور ابلیس کو کس چیز سے ڈرایا تھا جب انھیں جنت سے اتارا تھا۔ (یہ بظاہر خطاب تو انھی کو ہے مگر) اس سے مراد اولاد آدم و حوا علیہما السلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہدایت کے لیے کتابیں نازل فرمائے گا اور انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرمائے گا جیسا کہ ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد انبیاء و مرسلین اور بینات و بیان ہے۔[1] ﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ ﴾ "جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی۔" یعنی جو ان احکام کی طرف متوجہ ہوگا جن کو میں کتابوں میں نازل کروں گا اور جن کے ساتھ رسولوں کو مبعوث کروں گا ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ "انھیں نہ کچھ خوف ہوگا۔" یعنی آخرت کے بارے میں کوئی خوف نہ ہوگا ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾ ﴾ "اور نہ وہ غمناک ہوں گے" ان امور دنیا کے بارے میں جو انھیں حاصل نہ ہو سکے تھے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۥ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○﴾ (طٰہٰ 123:20) "فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ تمھارے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے، پھر اگر میری طرف سے تمھارے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 93/3.

پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں تکلیف اٹھائے گا۔[1] ﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 124:20) ''اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا، اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

جیسا کہ یہاں فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ یعنی جنھوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اس سے خلاصی حاصل کریں گے نہ کبھی اس سے چھٹکارا پائیں گے۔

تفسیر آیات:41,40

بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اسلام میں داخل ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور ان کے باپ اسرائیل، یعنی اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذکر سے ان کے شوق کو مہمیز لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے فرماں بردار اور برگزیدہ بندے کے بیٹو! تم بھی حق کی پیروی کرنے میں اپنے باپ کی طرح ہو جاؤ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہتے ہیں: اے سخی کے بیٹے! تم بھی اپنے باپ کی طرح سخاوت کا مظاہرہ کرو۔ اے بہادر کے بیٹے! تم بھی بہادروں کو دعوتِ مبارزت دو۔ اے عالم کے بیٹے! تم بھی علم حاصل کرو۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 3:17) ''اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے۔''

اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے: اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ابوداود طیالسی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی...... تو آپ نے فرمایا: [...... هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ إِسْرَائِيلَ يَعْقُوبَ (مَرِضَ مَرَضًا شَدِيدًا......؟)، قَالُوا : اَللّٰهُمَّ ! نَعَمْ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ عَلَيْهِمْ] ''کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل، یعنی یعقوب علیہ السلام (ایک مرتبہ شدید بیمار ہوئے ......؟)، (اس لمبی حدیث کے اثنا میں انھوں نے جواب دیا:) ہاں، ہمیں معلوم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو ان کے خلاف گواہ رہ۔''[2] امام طبری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسرائیل کے معنی ہیں عبداللہ۔[3]

یہودیوں پر اللہ کے انعامات: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے۔'' کے بارے میں مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر ایک نعمت تو یہ ہے جس کا یہاں ذکر فرمایا اور اس کے علاوہ ان پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے لیے پتھر سے پانی نکال دیا، آسمان سے من وسلوی نازل کیا اور آل فرعون کی غلامی سے

[1] تفسیر الطبری:279/16. [2] مسند أبي داود الطیالسي:451,450/4، حدیث:2854 و مسند أحمد:273/1. قوسین والا اضافہ مفہوم کی وضاحت کے لیے کیا گیا ہے نیز یہ مفصل حدیث سورۂ آل عمران آیت:93 کے ذیل میں دیکھیے۔ [3] تفسیر الطبری:355/1.

انھیں نجات بخشی۔[1] ابو العالیہ کہتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت یہ تھی کہ اس نے ان میں سے انبیاء اور رسول بنائے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔[2] جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان سے کہا تھا: ﴿ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (المآئدة 20:5) ''اے میری قوم! تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں، ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔'' یعنی ان کے زمانے میں کسی اور کو اس طرح عنایت نہیں کیا۔ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب میں نے تمھیں اور تمھارے آباء و اجداد کو فرعون اور اس کی قوم سے نجات دی تو تم پر میرا یہ ایک بہت بڑا احسان تھا۔[3]

یہودیوں کو ان کے عہد و پیمان کی یاد دہانی: ﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ ﴾ ''اور تم اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، میں اس قرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔'' یعنی تم اس عہد و پیمان کو پورا کرو جو میں نے تم سے لیا تھا کہ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آئیں تو تمھیں ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق و اتباع کرنی ہوگی۔ اور میں اپنے عہد کو پورا کروں گا کہ ان بوجھوں اور طوقوں کو اتار دوں گا جو تمھارے گناہوں کی وجہ سے تمھاری گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں۔[4]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عہد کا ذکر حسب ذیل آیت کریمہ میں ہے: ﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ ﴾ (المآئدة 12:5) ''اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کیے، پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تمھارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔''[5]

دیگر کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ عہد و پیمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے تورات میں لیا تھا کہ وہ عنقریب بنی اسماعیل میں ایک عظیم الشان نبی مبعوث فرمائے گا جس کی تمام اقوام عالم کو اطاعت کرنی چاہیے۔ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ان کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا، اسے جنت میں داخل کرے گا اور اسے دوگنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

امام رازی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی بہت سی بشارتیں بھی ذکر کی ہیں۔[6] ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی طرف عہد سے مراد دین اسلام ہے اور عہد کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس دین کی پیروی کریں۔[7] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے راضی

① تفسیر الطبری:356/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم:95/1 وتفسیر الطبری:356/1. ③ تفسیر الطبری:356/1. ④ تفسیر الطبری:357/1 . ⑤ تفسیر الرازی:34/3. ⑥ تفسیر الرازی:35/3. ⑦ تفسیر الطبری:357/1.

ہو جاؤں گا اور تمھیں جنت عطا کروں گا۔① سدی، ضحاک، ابو العالیہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔②

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴾ ''اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' یہ ابو العالیہ، سدی، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس کے بارے میں قول یہ ہے کہ مجھ سے ڈرو کہ میں تمھیں بھی اس قسم کے عذابوں میں مبتلا نہ کردوں جس طرح کے عذابوں میں قبل ازیں تمھارے آباء واجداد کو مبتلا کیا تھا اور مسخ وغیرہ کے ان عذابوں کو تم خوب جانتے ہو۔③ یہ گویا ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ترغیب وترہیب کے دونوں انداز میں انھیں دعوت دی ہے تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کرلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور قرآن سے نصیحت حاصل کریں، قرآن نے جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں جن کا حکم دیا ہے انھیں بجا لائیں۔ اور قرآن نے جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کریں، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے رستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ ''اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل کی جو تمھاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے، اس پر ایمان لاؤ۔'' اس سے مراد قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی اُمی رسولِ عربی، بشیر ونذیر اور سراج منیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق کتاب ہے اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں تورات وانجیل کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اہل کتاب! تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے میں نے نازل کیا ہے اور یہ کتاب تمھاری کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور تمھاری کتابوں تورات وانجیل میں بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں۔ مجاہد، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔④

﴿ وَ لَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اس سے منکر اول نہ بنو کیونکہ تمھارے پاس وہ علم ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔⑤

ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے والے پہلے لوگ نہ بنو، یعنی آپ کی بعثت کے بارے میں سننے کے بعد اہل کتاب میں سے تم منکر اول نہ بنو۔ حسن، سدی، اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔⑥ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے کہ ﴿ بِهٖ ﴾ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے کیونکہ اس سے پہلے اسی کا ذکر ہے۔⑦ یہ دونوں قول ہی صحیح ہیں کہ اس کا مرجع قرآن بھی ہوسکتا ہے اور صاحب قرآن بھی، کیونکہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں، اس لیے کہ جو قرآن کا منکر ہو وہ صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی منکر ہے اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو وہ قرآن کا بھی منکر ہے۔

﴿ اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ﴾ یعنی بنی اسرائیل میں سے منکر اول کیونکہ کفار قریش اور دیگر بہت سے عرب ان سے پہلے منکر ہو چکے تھے، اس لیے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تم پہلے منکر نہ بنو۔ یہودِ مدینہ بنی اسرائیل میں سے وہ پہلے لوگ تھے جنھیں قرآن نے مخاطب کیا، لہٰذا ان کے کفر کے معنی یہ تھے کہ وہ اہل کتاب میں سے پہلے کافر ہیں۔

① تفسير ابن أبي حاتم:1/96. ② تفسير ابن أبي حاتم:1/96. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1/96 وتفسير الطبري:1/358.
④ تفسير ابن أبي حاتم:1/96. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:1/97. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:1/97. ⑦ تفسير الطبري:1/360.

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿42﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو مت چھپاؤ ،حالانکہ تم جانتے ہو ﴿42﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو

وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿43﴾

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿43﴾

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ میری آیات کے ساتھ ایمان اور میرے رسول کی تصدیق کے عوض دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل نہ کرو کیونکہ یہ سب قلیل اور فانی چیزیں ہیں۔ ﴿ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾ ﴾ ابن ابوحاتم نے طلق بن حبیب سے روایت کیا ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم علی وجہ البصیرت اللہ کی رحمت کی امید سے اس کی اطاعت بجالاؤ اور اللہ کے ڈر کی وجہ سے اس کی نافرمانی ترک کردو۔[1] اور ﴿ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾ ﴾ ''اور مجھ ہی سے خوف رکھو'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں دیدہ ودانستہ حق چھپانے، حق کے خلاف ظاہر کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر سرزنش کررہا ہے۔

تفسیر آیات: 43,42

حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور چھپانے کی ممانعت: یہودی جان بوجھ کر حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتے تھے، حق کو چھپا لیتے تھے اور باطل کو ظاہر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں ان دونوں باتوں، یعنی حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور حق کو چھپانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ حق کو ظاہر کریں اور اسے کھلم کھلا بیان کریں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ﴾ کے معنی ہیں کہ حق کو باطل کے ساتھ اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہودیت ونصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ اور تم خوب جانتے ہو کہ اللہ کا دین تو اب اسلام ہی ہے اور یہودیت ونصرانیت اس کے مقابلے میں خانہ ساز ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔[3] حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے رسول اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے بارے میں تمھیں جو علم ہے، اسے نہ چھپاؤ کیونکہ تمھارے پاس جو کتابیں ہیں، ان میں تم اس رسول کے بارے میں لکھا ہوا موجود پاتے ہو۔[5]

یہ بھی جائز ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ تم جانتے ہو کہ تمھارے حق کو چھپانے کی وجہ سے لوگوں کے لیے کس قدر عظیم نقصان ہے کہ اس طرح وہ ہدایت سے محروم ہو کر گمراہ ہو جائیں گے، پھر اس گمراہی کے نتیجے میں جہنم رسید ہوں گے کیونکہ انھوں

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 98/1. [2] تفسیر الطبري: 363/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 98/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 98/1 .
[5] تفسیر ابن أبي حاتم: 98/1 .

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿44﴾

نے تو باطل کے اس راستے کو اختیار کیا ہوگا جس میں تم نے تھوڑی سی حق کی آمیزش بھی کر دی ہوگی تا کہ اس طرح تم اپنے باطل کو رواج دے سکو۔ بیان کا مطلب وضاحت کرنا ہے اور اس کے برعکس کِتمان (حق کو چھپانا اور) حق و باطل کو خلط ملط کرنا ہے۔

مُقاتِل بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے جو یہ فرمایا ہے: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ تو اس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ مل کر نماز ادا کریں۔[1] اور ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ میں انھیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ زکاۃ دیں اور اسے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیں۔[2] اور ﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ میں انھیں یہ حکم دیا ہے کہ امتِ محمدیہ کے لوگوں کے ساتھ مل کر وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا کریں، یعنی یہ بھی امت محمدیہ کے لوگوں کے ساتھ اور انھی میں سے ہو جائیں۔[3]

﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ کے یہ معنی بھی ہیں کہ اعمال صالحہ بجا لانے میں مومنوں کے ساتھ ہو جاؤ، ان اعمال میں سرفہرست نماز ہے۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز با جماعت ادا کرنا واجب ہے۔

تفسیر آیت: 44

نیکی کا حکم دینے اور خود عمل نہ کرنے پر سرزنش: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اہل کتاب! تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور یہ بڑی اچھی بات ہے مگر تمھیں یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے کہ تم اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، لوگوں کو جس نیکی کے کرنے کا کہتے ہو، اسے خود نہیں کرتے، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ احکام الٰہی میں کوتاہی کرنے والے کے بارے میں اس میں کیا لکھا ہے؟ ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ یعنی کیا تم سمجھتے نہیں کہ تم اپنے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ اس مدہوشی سے ہوش میں آؤ! اندھا پن چھوڑ و اور بینا بنو!

عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے قتادہ رحمہ اللہ سے فرمان باری تعالیٰ: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل لوگوں کو تو اللہ کی اطاعت، تقویٰ اور نیکی اختیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود اس کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلائی ہے۔[4] سدی کا بھی یہی قول ہے۔[5] اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج نے کہا ہے کہ اہل کتاب اور منافقین لوگوں کو تو نماز، روزے کا حکم دیتے تھے مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلائی ہے، لہٰذا جو شخص نیکی کا حکم دے، اسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے خود اس پر عمل کرے۔[6]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟'' یعنی اپنے آپ کو چھوڑ دیتے ہو۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1/99. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1/100. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1/100. [4] تفسیر عبد الرزاق:1/268. [5] تفسیر الطبری:1/368. [6] تفسیر الطبری:1/368.

تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ ''حالانکہ تم کتاب (تورات) پڑھتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں؟'' یعنی تمھارے پاس جو علم نبوت اور عہد و پیمان تورات کی صورت میں ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کو تو کفر سے روکتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ تورات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم میرے رسول کی تصدیق کرو گے مگر تم نے میرے اس عہد کو توڑا ہے اور میری کتاب میں جو لکھا ہوا ہے، اس کا انکار کر رہے ہو۔①

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان کی اس روش کی وجہ سے ان کی مذمت کی ہے اور اپنے بارے میں جس غلطی کا ارتکاب کر رہے تھے اس پر متنبہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے تھے مگر خود اسے نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کا حکم دینے پر ان کی مذمت نہیں کی کیونکہ نیکی کا حکم دینا تو بذات خود نیکی ہے اور عالم کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے لیے یہ بھی واجب اور اولیٰ ہے کہ وہ خود بھی نیکی کرے اور نیکی کرنے والوں سے خود پیچھے نہ رہے جیسا کہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○﴾ (ھود 11:88) ''اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمھیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمھارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

نیکی کا حکم دینا بھی واجب ہے اور اسے خود سر انجام دینا بھی واجب۔ علمائے سلف و خلف کے صحیح ترین قول کے مطابق ان میں سے ایک کو ترک کر دینے کی وجہ سے دوسرے کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابووائل سے روایت کیا ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا کہ تمھارا کیا خیال ہے کہ بات اسی صورت میں ہے جب میں تمھیں سنا کر کہوں؟ حالانکہ میں تو ان سے بات کرتا رہتا ہوں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ ایک کام کا آغاز مجھ سے ہو اور نہ میں کسی کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تو سب لوگوں سے بہتر ہے، خواہ وہ میرا امیر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیا ارشاد سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

[يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ بِهِ أَقْتَابُهُ ، فَيَدُورُ بِهَا فِي النَّارِ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ ، فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ: يَا فُلَانُ ! مَالَكَ مَاأَصَابَكَ ؟ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ ؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ]

''ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس سے اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی، وہ جہنم میں ان کے اردگرد چکر کھاتا رہے گا جس طرح گدھا چکی کے اردگرد چکر کھاتا ہے، جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع نہ کرتا تھا؟ وہ جواب دے گا: ہاں، میں تمھیں تو

① تفسیر الطبری:368/1 .

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿45﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

اور تم صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد طلب کرو، اور بے شک یہ بہت بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) ﴿45﴾ جو لوگ اس بات کا

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾ ع 5 7 5

یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ضرور ملنے والے ہیں اور یہ کہ بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿46﴾

نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود نیکی نہیں کرتا تھا اور تمھیں برائی سے روکتا تھا مگر خود برائی کا ارتکاب کرتا تھا۔"[1] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں تین آیات کی وجہ سے وعظ کرنے کو پسند نہیں کرتا، وہ تین آیات یہ ہیں: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ "(یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کا کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کیے دیتے ہو؟" ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ ﴾ (الصف 61:2,3) "مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟ اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔" اور تیسری آیت وہ جو اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ ﴾ (ھود 11:88) "اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمھیں منع کروں، خود اس کو کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمھارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے، میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"[3]

تفسیر آیات: 46,45

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ دنیا و آخرت کی جس خیر و بھلائی کی وہ امید رکھتے ہیں، اس کے حصول کے لیے وہ صبر اور نماز سے مدد لیا کریں جیسا کہ مُقاتِل بن حَیّان نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ طلبِ آخرت کے سلسلے میں فرائض پر صبر اور نماز کے ساتھ مدد لیا کرو۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں صبر سے مراد روزہ ہے۔ مجاہد نے بھی یہی فرمایا ہے۔[5] قرطبی اور کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ رمضان کو ماہ صبر بھی کہا جاتا ہے۔[6] جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے۔[7] ایک قول یہ بھی ہے کہ صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا ہے۔[8] اسی لیے اسے عبادات کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے اور عبادات میں سرفہرست نماز ہے۔

① مسند أحمد:205/5. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار و أنها مخلوقة، حديث:3267 و صحيح مسلم، الزهد، باب عقوبة من يأمر بالمعروف و لا يفعله......، حديث:2989. ③ تفسير القرطبي:367/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم:102/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:102/1. ⑥ تفسير القرطبي:372/1. ⑦ سنن النسائي، الصيام، ذكر الاختلاف على أبي عثمان......، حديث:2410. ⑧ دیکھیے جامع العلوم والحکم لابن رجب:333/1، حدیث:15 کے ذیل میں۔

ابن ابوحاتم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ مصیبت کے وقت صبر کیا جائے اور یہ بہت اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا صبر یہ ہے کہ ان امور کا ارتکاب نہ کیا جائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ حسن بصری سے بھی یہی قول مروی ہے۔ [1]

جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو دین پر ثبات و استقامت کے لیے نماز سب سے بڑی مددگار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ﴾ (العنکبوت 45:29) ''(اے نبی!) یہ کتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کی تلاوت کیجیے اور نماز قائم کیجیے، کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے حُذَیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مشکل کام کی وجہ سے غم میں مبتلا ہوتے تو نماز شروع فرما دیتے۔ [2] اسے امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ﴾ میں ضمیر کا مرجع صلاۃ ہے، یہی مجاہد سے مروی ہے۔ [4] اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ [5] اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کا مرجع وہ ہو جس پر یہ کلام دلالت کر رہا ہے، یعنی صبر اور نماز کے ساتھ مدد دینے کی وصیت جیسا کہ قصۂ قارون میں ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝﴾ (القصص 80:28) ''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! مومنوں اور نیکوکاروں کے لیے اللہ کا ثواب کہیں بہتر ہے (جو اس نے تیار کر رکھا ہے) اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔'' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝﴾ (حٰمٓ السجدۃ 35,34:41) ''اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں، آپ (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دیں جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے) کہ جس کی آپ سے دشمنی تھی، وہ آپ کا جگری دوست ہو گا۔ اور یہ بات انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر (برداشت) کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔'' یعنی یہ وصیت انھی کے لیے ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور یہ انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔

بہر حال ضمیر کا مرجع نماز ہو یا نماز و صبر کی وصیت تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ﴾ کے معنی ہوں گے کہ یہ بہت گراں اور ثقیل ہے۔ [6] ﴿اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝٤٥﴾ ''مگر ان لوگوں کے لیے (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔'' ابن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کی تصدیق کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ [7]

---

① تفسير ابن أبي حاتم:102/1. ② مسند أحمد:388/5. ③ سنن أبي داود، التطوع، باب وقت قيام النبي ﷺ من الليل، حديث:1319 و صحيح الجامع الصغير:858/2، حديث:4703 . ④ تفسير ابن أبي حاتم:103/1. ⑤ تفسير الطبري: 372/1. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:103/1. ⑦ تفسير الطبري:372/1 .

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿47﴾

اے بنی اسرائیل! تم میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور بے شک میں نے تمھیں فضیلت دی تھی جہانوں پر ﴿47﴾

اور فرمان الٰہی: ﴿ الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿46﴾ ﴾ ''جو یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' اس کا تعلق بھی پہلے کلام ہی سے ہے کہ نماز یا وصیت بہت گراں ہے۔ ﴿ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ ﴿45﴾ الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ ﴾ ''مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں، جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ضرور ملنے والے ہیں۔'' یعنی جو جانتے ہیں کہ انھیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور اپنے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ﴿ وَ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿46﴾ ﴾ ''اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔'' یعنی ان کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی کی طرف راجع ہیں کہ وہ اپنے عدل کے مطابق ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت اور جزا پر یقین کی وجہ سے ان کے لیے نیکیوں کو سرانجام دینا اور برائیوں سے اجتناب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ ﴾ کے بارے میں ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب یقین کو بھی ظن اور شک کو بھی ظن سے موسوم کرتے ہیں جس طرح وہ ظلمت وضیاء دونوں کے لیے سُدۡفَۃ اور فریاد کن اور فریادرس دونوں کے لیے صَارِخ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ ایک چیز کا ایک نام ہے اور اس کی ضد کا بھی وہی نام ہے۔[1] یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَ رَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ مُّوَاقِعُوۡہَا ﴾ (الکہف 53:18) ''اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں۔'' اس میں ظن بمعنی یقین ہے۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ (روز قیامت) ایک بندے سے فرمائے گا: [أَیْ فُلُ! أَلَمْ أُکْرِمْكَ (وَأُسَوِّدْكَ) وَ أُزَوِّجْكَ، وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَیْلَ وَ الْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ ؟ فَیَقُولُ : بَلٰی ، یَا رَبِّ! فَیَقُولُ: أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِیَّ؟ قَالَ: فَیَقُولُ :لَا ، فَیَقُولُ : فَإِنِّی أَنْسَاكَ کَمَا نَسِیتَنِی] ''اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت نہیں بخشی تھی؟ تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ کو تیرے لیے مسخر نہیں کر دیا تھا؟ اور کیا میں نے تجھے راحت و آرام کے لیے موقع عطا نہیں کیا تھا؟ بندہ عرض کرے گا: کیوں نہیں! اے میرے پروردگار! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یقین تھا کہ ایک دن تو میری ملاقات کے لیے آئے گا؟ بندہ عرض کرے گا: نہیں، تو اللہ فرمائے گا: (آج) میں تجھے بھلا رہا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔''[2]

اس کی مزید تفصیل ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمۡ ﴾ (التوبۃ 67:9) کی تفسیر کے موقع پر بیان کی جائے گی۔ إن شاء اللہ تعالیٰ۔

[1] تفسیر الطبری: 373/1. [2] صحیح مسلم، الزھد، باب [الدنیا سجن للمؤمن و جنّۃ للکافر]، حدیث: 2968.

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کو کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی

عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿48﴾

عوض لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی ﴿48﴾

تفسیر آیت:47

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو وہ نعمتیں یاد دلا رہا ہے جو اس نے ان کے آباء واجداد اور اسلاف پر کی تھیں کہ ان میں سے رسول بھیجے، ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور انھیں ان کے زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الدخان 32:44) ”اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو جہان والوں سے علم کی بنا پر منتخب کیا تھا۔“ اور فرمایا: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (المآئدۃ 20:5) ”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔“

ابو جعفر رازی نے ربیع بن انس کے حوالے سے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے: ﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿45﴾﴾ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انھیں اپنے زمانے کے لوگوں کے مقابلے میں بادشاہت، رسولوں اور کتابوں کی صورت میں دی گئی تھیں۔ یاد رہے ہر زمانے کا ایک اپنا عالَم ہوتا ہے۔[1] مجاہد، ربیع بن انس، قتادہ اور اسماعیل بن ابو خالد رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام بنی اسرائیل سے افضل ہے: بنی اسرائیل کو صرف اپنے زمانے کے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی جبکہ امت محمدیہ ان سے بھی افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ﴾ (آل عمران 110:3) ”(مومنو! جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں) تم (ان سب سے) بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔“

مسانید اور سنن میں معاویہ بن حَیدَہ قُشَیری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَنْتُمْ تُوفُونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ] ”تم سترویں امت ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان تمام امتوں کے مقابلے میں بہتر اور معزز ہو۔“[3] اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جنھیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

---

① تفسیر الطبری:378/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم:104/1. ③ مسند أحمد:3/5 اور [خيرها] اسی صفحے پر دوسری روایت میں ہے۔ و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة آل عمران، حديث:3001 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث:4288.

لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران3:110) کی تفسیر کے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

تفسیر آیت:48

یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پہلے اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور اب اس کے بعد روز قیامت کے سخت اور طویل عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا ﴾ ''اور اس دن سے ڈرو''، یعنی قیامت کے دن سے ﴿ لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا ﴾ ''اس دن کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ (فاطر35:18) ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔'' اور ارشاد ہے: ﴿ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَىٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۝ ﴾ (عبس 80:37) ''ان میں سے ہر شخص اس روز ایک ایسی فکر میں ہوگا جو اسے (دوسروں سے) بے نیاز کردے گی۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ﴾ (لقمٰن31:33) ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آسکے گا۔'' یہ بڑا پر خطر اور ہولناک مقام ہے کہ اس دن باپ بیٹے میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا۔

کافروں سے سفارش وفدیہ قبول ہوگا نہ ان کی مدد کی جائے گی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ کافروں کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔[1] جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ۝ ﴾ (المدثر74:48) ''تو (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔'' اور جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کہیں گے: ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۝ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ۝ ﴾ (الشعرآء26:100، 101) ''تو (آج) نہ کوئی ہمارے لیے سفارش کرنے والا ہے اور نہ کوئی گرم جوش دوست۔''

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ﴾ (آل عمران3:91) ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنا چاہیں اور بدلے میں زمین بھر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ﴾ (المآئدة5:36) ''بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا سب مال ومتاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہو تا کہ قیامت کے روز عذاب سے بچنے کے لیے فدیے میں دے دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ﴾ (الأنعام6:70) ''اور اگر وہ (نفس) ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) معاوضہ دینا چاہے تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ﴾ (الحدید57:15) ''تو آج تم (منافقین) سے کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ (وہ) کافروں

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 501/1.

سے (قبول ہی کیا جائے گا) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمھارے لائق ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان نہ لائیں، اللہ تعالیٰ نے جس دین کے ساتھ انھیں مبعوث فرمایا ہے اس کی پیروی نہ کریں اور اسی حالت میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں تو انھیں کسی قرابت دار کی قرابت اور کسی صاحبِ جاہ وحشمت کی سفارش فائدہ دے گی نہ ان سے کوئی فدیہ ہی قبول کیا جائے گا، خواہ وہ ساری زمین سونے کی بھر کر کیوں نہ دیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ﴾ (البقرة 2:254) ''اس دن کے آنے سے پہلے پہلے (خرچ کرلو) جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو سکے گا اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے گی۔'' اور فرمایا: ﴿ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴾ (إبراهيم 14:31) ''جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ان کا خیال نہ ہوگا کہ ان کی مدد کرے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے جیسا کہ قبل ازیں بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ کوئی صاحبِ قرابت یا کوئی صاحبِ جاہ وحشمت ان پر شفقت نہیں کرے گا اور نہ ان سے کوئی فدیہ ہی قبول کیا جائے گا۔ اور کوئی بھی اپنا یا بیگانہ ان کی مدد نہ کر سکے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴾ (الطارق 86:10) ''انسان کی کچھ پیش نہ چل سکے گی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کافر سے نہ کوئی فدیہ قبول کرے گا اور نہ اس کے حق میں کسی کی سفارش تسلیم کرے گا۔ اس کے عذاب سے نہ کوئی بچا سکے گا، نہ اس سے کوئی خلاصی دلا سکے گا اور نہ کوئی پناہ دے سکے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ﴾ (المؤمنون 23:88) ''اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ۝ ﴾ (الفجر 89:25,26) ''چنانچہ اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا عذاب دے گا اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:25,26) ''تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ آج تو وہ (سب) فرماں بردار ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ ﴾ (الأحقاف 46:28) ''تو جن کو ان لوگوں نے تقرب (الٰہی) کے لیے اللہ کے سوا معبود بنایا تھا، انھوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی؟ بلکہ وہ ان (کے سامنے) سے گم ہو گئے۔''

ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری: ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:25) کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم کو کیا ہوا کہ آج تمھاری مدد نہیں کی جا رہی، تمھارے لیے دوری ہو آج تمھیں کسی قسم کی مدد حاصل نہ ہوگی۔[1]

ابن جریر نے ﴿ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس دن کوئی مددگار ان کی مدد کرے گا نہ کوئی سفارش کرنے والا سفارش کرے گا اور نہ ان سے کوئی بدلہ یا فدیہ ہی قبول کیا جائے گا، دوستی دم توڑ جائے گی، رشوت اور سفارش ختم ہو جائے گی، نصرت وحمایت اور تعاون کا نام ونشان نہ ہوگا اور سارا معاملہ اس جبار اور عادل کے ہاتھ میں ہوگا جس کی بارگاہ میں سفارش کرنے والے اور مددگار کام نہ آئیں گے۔ وہ برائی کی سزا تو برائی کے برابر دے گا مگر نیکی کا بدلہ اس سے کئی گنا زیادہ

[1] تفسير الطبري: 384/1.

وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ

اور (یادکرو) جب ہم نے تمھیں آل فرعون سے نجات دی وہ تمھیں سخت عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ

نِسَآءَکُمۡ ؕ وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿49﴾ وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ

دیتے تھے، اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ﴿49﴾ اور جب ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمھیں نجات

وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿50﴾

دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا جبکہ تم دیکھ رہے تھے ﴿50﴾

عطا فرمائے گا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ۝ مَا لَكُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ ۝ بَلۡ هُمُ الۡيَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:24-26) ''اور ان کو ٹھہرائے رکھو بلا شبہ ان سے (کچھ) پوچھنا ہے، تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ آج تو وہ (سب) فرماں بردار ہیں۔''[1]

تفسیر آیات: 50,49

بنی اسرائیل کی نجات اور قوم فرعون کا غرق: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو ﴿ وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ﴾ ''اور (یادکرو) جب ہم نے تمھیں آل فرعون سے نجات دی وہ تمھیں سخت تکلیف دیتے تھے۔'' یعنی جب میں نے تم کو فرعونیوں سے خلاصی بخشی اور تمھیں موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت میں ان کے ہاتھوں سے نجات عطا فرمائی، حالانکہ وہ تمھیں بہت بڑا اور شدید دکھ دیتے تھے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فرعون ۔لَعَنَهُ اللّٰهُ۔ نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ ڈر گیا کہ بیت المُقدّس سے ایک آگ نکل کر مصر میں پہنچی اور قبطیوں کے گھروں میں تو داخل ہوگئی مگر بنی اسرائیل کے گھروں میں داخل نہ ہوئی۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ اس کی حکومت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ہاتھوں ہوگا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ قصہ گو لوگوں نے اسے بتایا کہ بنی اسرائیل اپنے ہاں ایک ایسے شخص کے پیدا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں جس کی وجہ سے انھیں حکومت اور عظمت وشوکت حاصل ہوگی۔ اس موقع پر فرعون ۔لَعَنَهُ اللّٰهُ۔ نے یہ حکم دیا کہ آج کے بعد بنی اسرائیل میں جو لڑکا بھی پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور بنی اسرائیل کو مشقت والے اور رذیل کاموں میں استعمال کیا جائے۔

یہاں عذاب کی تفسیر بیٹوں کے قتل سے کی گئی ہے اور سورۂ ابراہیم میں بیٹوں کے قتل کو عذاب پر عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَیُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ ﴾ (ابراهیم 14:6) ''وہ لوگ تمھیں برے عذاب دیتے تھے اور تمھارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور تمھاری بیٹیاں زندہ رہنے دیتے تھے۔'' اس کی مزید تفسیر سورۂ قصص کی ابتدا میں بھی بیان کی جائے گی۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، وَبِهِ الثِّقَةُ وَالْمَعُونَةُ وَالتَّأْيِيدُ.

﴿ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ ﴾ کے معنی ہیں یُولُونَکُمْ یعنی مبتلا رکھتے تھے تم کو۔ یہ قول ابوعبیدہ کا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: سَامَهٗ خُطَّةَ

[1] تفسیر الطبری: 384/1.

فرعون کی غرقابی اور کوہِ طور

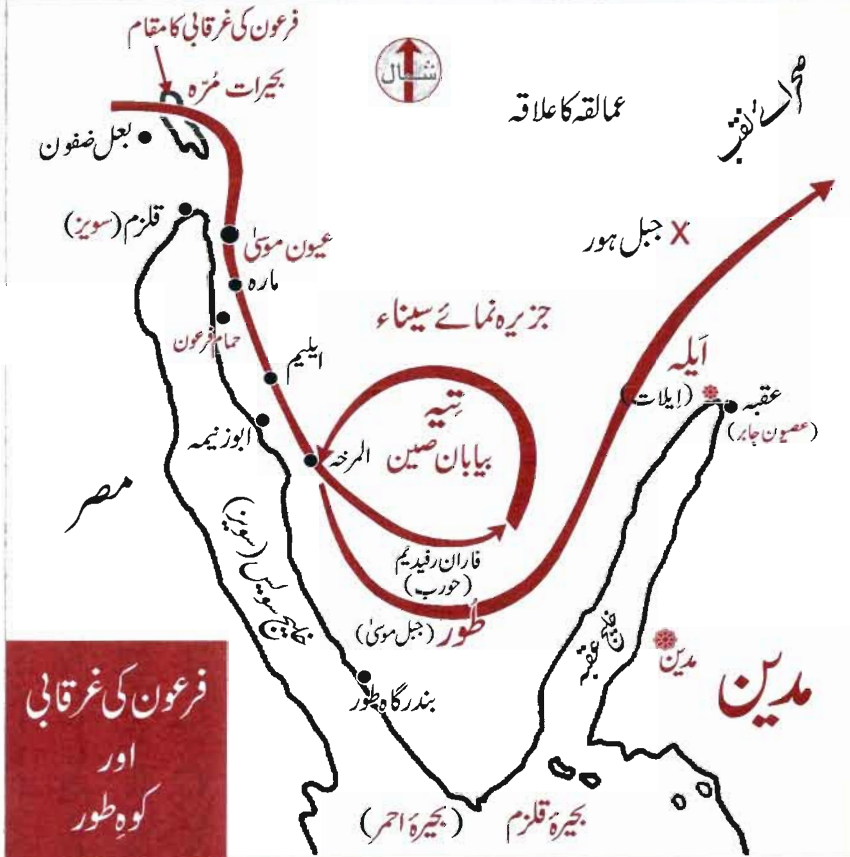

بُحیراتِ مُرّہ: یہ نمکین پانی کی کھاڑیاں (جھیلیں) ہیں جو آج کل بحیرۂ قلزم کی خلیج سویس سے فاصلے پر واقع ہیں مگر قدیم زمانے میں یہ بحیرۂ قلزم کا حصہ تھیں۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ بحیرات مُرّہ کو کسی مقام سے پار کیا اور یہیں فرعون غرق ہوا۔

حمام فرعون: روایت ہے کہ اس جگہ فرعون منفتاح کی لاش پانی میں تیرتی ملی تھی۔

کوہ طور (جبل موسیٰ): موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مارہ، ایلیم، المرخہ اور فاران رفیدیم کے راستے جبل موسیٰ تک پہنچے جس کا قدیم نام سیناء یا طور ہے۔ قرآن میں اسی کی وادی کو ''وادی مقدس طویٰ'' کہا گیا ہے۔

بندرگاہ طور: جزیرہ نمائے سیناء کے جنوب مغربی ساحل پر طور نامی بندرگاہ ہے۔

بیابان صین: بائبل کے مطابق بیابان صین سے من وسلویٰ کا نزول شروع ہوا۔ دشتِ صین یا ''سین'' سے مراد صحرائے سیناء ہے۔ اس بیابان کے سرے پر المرخہ واقع ہے۔

حورب: رفیدیم کے قریب حورب نامی چٹان پر موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

کوہ ہور: جبل ہور پر ہارون علیہ السلام نے وفات پائی۔

خَسُفٍ ''وہ اس کی ذلت وحقارت میں کوشاں رہتا ہے۔'' اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ وہ تمھیں ہمیشہ عذاب دیتے تھے جیسا کہ ہمیشہ چرنے والی بکری کو سَائِمَۃُ الْغَنَمِ کہتے ہیں۔ اسے قرطبی نے بیان کیا ہے۔[1]

یہاں ﴿ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ﴾ میں ﴿ يُذَبِّحُوْنَ ﴾ کا عطف ﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ ﴾ پر نہیں ڈالا گیا بلکہ ﴿ يُذَبِّحُوْنَ ﴾ فرعون کے بدترین عذاب کی تفسیر ہے کہ وہ کس قسم کا عذاب دیتا تھا کیونکہ اس کے سیاق میں آیت مبارکہ ﴿ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ میں نعمت مفرد ہے۔ اور سورۂ ابراہیم میں چونکہ ﴿ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ﴾ (إبراهيم 5:14) ''اور انھیں اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا۔'' میں انعامات واحسانات کا ذکر ہے اس وجہ سے وہاں ﴿ يُذَبِّحُوْنَ ﴾ کا عطف ﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ ﴾ پر ڈالا گیا ہے تاکہ متعدد انعامات واحسانات کا پتا چل جائے۔

مصر کے سب کافر بادشاہوں کو فرعون کہا جاتا تھا، خواہ ان کا تعلق عمالیق سے ہو یا دوسروں سے جیسا کہ روم وشام کے ہر کافر بادشاہ کو قیصر، فارس (ایران) کے ہر بادشاہ کو کسریٰ، یمن کے ہر کافر بادشاہ کو تُبَّع اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ کے بارے میں ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ جو ہم نے تمھارے آباء واجداد کو قوم فرعون کے عذاب سے نجات بخشی تو یہ بھی تم پر ایک عظیم الشان نعمت تھی، یعنی ﴿ بَلَآءٌ ﴾ سے مراد نعمت ہے۔[2] لفظ ﴿ بَلَآءٌ ﴾ کے اصل معنی آزمائش کے ہیں اور آزمائش کبھی سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی آسودگی کے ساتھ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ﴾ (الأنبيآء 35:21) ''اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (الأعراف 168:7) ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''
ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکلیف کی صورت میں جو آزمائش ہو اس کے لیے بَلَوْتُهٗ أَبْلُوهُ بَلَاءً اور آسائش کی صورت میں جو آزمائش ہو اس کے لیے أَبْلَيْتُهٗ أُبْلِيهِ إِبْلَاءً وَّ بَلَاءً کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی اور تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے اور فرعون بھی تمھارے تعاقب میں نکلا تو ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جیسا کہ اپنے اپنے مقامات پر اس کا ذکر آئے گا، اس کی سب سے زیادہ تفصیل۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ سورۂ شعراء میں آئے گی۔[4] ﴿ فَاَنْجَيْنٰكُمْ ﴾ کے معنی ہیں ہم نے تم کو ان سے خلاصی عطا کی۔ تمھارے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی اور تمھاری آنکھوں کے سامنے انھیں غرق کر دیا تاکہ اس سے تمھارے سینوں کو زیادہ تسکین حاصل ہو اور تمھارے دشمن کے لیے یہ صورت حال زیادہ توہین آمیز ہو۔

یوم عاشوراء کا روزہ: حدیث میں آیا ہے کہ یہ عاشوراء کا دن تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے

[1] تفسير القرطبي: 384/1. [2] تفسير الطبري: 391/1. [3] تفسير الطبري: 392/1. [4] دیکھیے الشعرآء، آیات: 52-68 .

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿51﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے وعدہ کیا چالیس راتوں کا، پھر موسیٰ کے (طور پر) جانے کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے ﴿51﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

پھر اس کے بعد ہم نے تمھیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو ﴿52﴾ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان (حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی)

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾

دی تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿53﴾

دریافت فرمایا: [مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَ ؟] ”تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟“ انھوں نے جواب دیا: یہ بڑی عظمت والا دن ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی، اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا، آپ نے فرمایا: [أَنَا أَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْكُمْ] ”میں تمھاری نسبت موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ حق دار ہوں۔“ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔[1] اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:51-53

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو معبود بنانا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو جب تم نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا تھا اور میں نے تمھیں معاف کر دیا جس وقت موسیٰ علیہ السلام اس میعاد مقررہ کے لیے گئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرما دی تھی۔ اور وہ میعاد مقررہ چالیس رات تھی جس کا ذکر سورۂ اعراف کی اس آیت میں ہے: ﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ﴾ (الأعراف 7:142) ”اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی (کہ وہ اتنی راتیں کوہِ طور پر گزارے) اور دس راتیں مزید ملا کر اسے پورا کر دیا۔“ کہا گیا ہے کہ اس سے ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس راتیں ذوالحجہ کی مراد ہیں۔[3] اور یہ فرعون سے انھیں خلاصی عطا فرمانے اور سمندر سے پار کرا دینے کے بعد کا واقعہ ہے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ ”اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی۔“ میں الکتاب سے مراد تورات ہے۔ ﴿ وَالْفُرْقَانَ ﴾ اور فرقان سے مراد وہ شے ہے جس سے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت میں فرق کیا جا سکے۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾ ﴾ ”تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔“ یہ بھی سمندر سے باہر نکلنے کے بعد کی بات ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے۔[4] نیز درج ذیل آیت کریمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:43) ”اور بے شک ہم نے

---

① مسند أحمد: 291/1. ② صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، حديث: 2004 و صحيح مسلم، الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، حديث: 1130 و السنن الكبرٰى للنسائي: 156/2، حديث: 2834 و سنن ابن ماجه، الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، حديث: 1734 و سنن أبي داود: 2444. ③ تفسير الطبري: 400/1. ④ دیکھیے الأعراف، آیات: 138-151.

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بے شک تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے بچھڑے کو (معبود) بنا کر، لہٰذا اب تم اپنے پیدا کرنے والے

بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

کے حضور توبہ کرو، اور تم اپنے آپ کو قتل کرو، یہ تمھارے لیے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہت بہتر ہے، پھر اللہ نے تم پر توجہ کی، بے شک وہی

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿54﴾

بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿54﴾

(فرعونیوں سمیت) پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

تفسیر آیت:54

اپنے آپ کو قتل کرنے کی صورت میں بنی اسرائیل کی توبہ: یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا کر جس نہایت سنگین جرم کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی توبہ کس طرح قبول فرمائی۔ حسن بصری ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ ان سے اس وقت فرمایا تھا جب ان کے دلوں میں احساس پیدا ہوا کہ بچھڑے کی عبادت کر کے وہ سنگین جرم کے مرتکب ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 149:7) ''اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم ضرور برباد ہو جائیں گے۔'' تو اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾ ''اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے۔''[1]

ابوالعالیہ، سعید بن جبیر اور ربیع بن انس رحمہم اللہ ﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: إِلٰى خَالِقِكُمْ کہ تم اپنے خالق کے آگے توبہ کرو۔[2] ﴿ اِلٰى بَارِئِكُمْ ﴾ کے الفاظ سے درحقیقت ان کے سنگین جرم سے متنبہ بھی کیا جا رہا ہے، یعنی اس ذات گرامی کے آگے توبہ کرو کہ تمھارا خالق تو وہ ہے مگر تم نے اس کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت شروع کر دی۔

امام نسائی، ابن جریر اور ابن ابو حاتم رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی توبہ کی صورت یہ تھی کہ ان میں سے ہر شخص اپنے سامنے آنے والے انسان کو تلوار سے قتل کر دے، خواہ وہ اس کا باپ ہو یا بیٹا اور اس بات کی پروانہ کرے کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے، اس طرح ان لوگوں نے بھی توبہ کر لی جو موسیٰ و ہارون سے تو مخفی رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو ان کے گناہوں کا علم تھا، انھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور وہ کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا اور

[1] تفسير ابن أبي حاتم:109/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:110/1.

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنۡتُمۡ

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو سامنے (علانیہ) نہ دیکھ لیں تو تمھیں بجلی نے پکڑ لیا اور تم

تَنۡظُرُوۡنَ ﴿55﴾ ثُمَّ بَعَثۡنٰکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿56﴾

دیکھ رہے تھے ﴿55﴾ پھر ہم نے تمھیں زندہ کیا تمھاری موت کے بعد تاکہ تم شکر کرو ﴿56﴾

اس طرح اللہ تعالیٰ نے قتل کرنے والوں کو بھی معاف فرما دیا اور قتل ہونے والوں کو بھی۔ [1]

ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں، موسیٰ علیہ السلام نے جب ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا تو وہ بیٹھ گئے اور جنھوں نے بچھڑے کو معبود نہیں بنایا تھا وہ ہاتھوں میں خنجر پکڑ کر کھڑے ہو گئے اس وقت زبردست اندھیرا چھا گیا اور انھوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا جب اندھیرا چھٹ گیا تو معلوم ہوا کہ ستر ہزار انسان قتل ہو گئے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قتل ہونے والوں کی بھی توبہ قبول فرمالی اور جو بچ گئے ان کی بھی توبہ قبول فرمالی۔ [2]

تفسیر آیات:56,55

بنی اسرائیل کے سرداروں کا اللہ کے دیدار کا مطالبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ان کو مار کر زندہ کرنا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے مجھ کو آمنے سامنے دیکھنے کا سوال کیا، حالانکہ اس کی تمھیں اور تم جیسے انسانوں کو استطاعت ہی نہیں کہ مجھے دیکھ سکیں۔ اور اس ناروا سوال کی پاداش میں جب تمھیں بجلی نے آ گھیرا تو موت آ جانے کے بعد میں نے تمھیں از سر نو زندہ کر دیا جیسا کہ ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ ﴿جَہۡرَۃً﴾ کے معنی عَلَانِیَۃً کے ہیں۔ [3] اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ جب تک ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔ [4]

عروہ بن رُوَیم ﴿وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿55﴾﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مر گئے اور کچھ ان مرنے والوں کو دیکھ رہے تھے، پھر مرنے والوں کو زندہ کر دیا گیا اور دیکھنے والوں پر موت طاری کر دی گئی۔ [5] ﴿فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ﴾ کی تفسیر کے بارے میں امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سب لوگ مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر رو رو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا شروع کر دی کہ اے اللہ! میں بنی اسرائیل کے پاس واپس جا کر کیا کہوں گا کہ ان میں سے اچھے اچھے لوگوں کو تو تو نے مار دیا ہے؟ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَوۡ شِئۡتَ اَہۡلَکۡتَہُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُہۡلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَہَآءُ مِنَّا ۚ﴾ (الأعراف 155:7) ''اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا، کیا تو اس فعل کی سزا میں، جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے، ہمیں ہلاک کر دے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ یہ ستر لوگ بھی ان میں سے ہیں جنھوں نے بچھڑے کی

---

[1] السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، طٰہٰ:405,404/6 وتفسیر الطبری:409/1 عن أبي العالیة معمولی فرق کے ساتھ و تفسیر ابن أبي حاتم:110/1. [2] تفسیر الطبری:408/1. [3] تفسیر الطبری:413/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم:111/1. [5] تفسیر ابن أبي حاتم:111/1.

عبادت کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا اور وہ ایک ایک کر کے زندہ ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح زندہ ہو رہے ہیں۔ یہی معنی ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۵۶ ﴾ ''پھر ہم نے تمھیں مارنے کے بعد زندہ کیا تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ'' کے ہیں۔ ①

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ان کی موت سزا کے طور پر تھی لیکن انھیں موت کے بعد پھر زندہ کیا گیا تا کہ اپنی اپنی عمروں کو پورا کر لیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ②

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے پاس سے ان تختیوں کو لے کر آئے جن میں تورات کو لکھا ہوا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی قوم کے لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ہے۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ اپنے آپ کو قتل کرو تو انھوں نے ایسا ہی کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ ان تختیوں میں اللہ کی کتاب لکھی ہوئی ہے اور اس کتاب میں تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی ہیں تو انھوں نے کہا کہ موسیٰ! تیری بات کا کون یقین کرے؟ اللہ کی قسم! ہم تو اس کو اس وقت تک اللہ کی کتاب تسلیم نہیں کریں گے جب تک ہم خود اللہ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں اور وہ خود یہ نہ فرمائے کہ یہ میری کتاب ہے تم اس کو لے لو۔ موسیٰ! بتائیں تو سہی کہ آخر اللہ تعالیٰ ہم سے اس طرح کیوں کلام نہیں کرتا جس طرح آپ سے کلام کرتا ہے؟ اس موقع پر عبدالرحمٰن نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ ''ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو سامنے (علانیہ طور پر) نہ دیکھ لیں۔'' تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عذاب آیا کہ توبہ قبول ہونے کے بعد ان کو بجلی نے آگھیرا جس کی وجہ سے وہ سب کے سب مر گئے۔

مرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ فرما دیا اور یہی معنی ہیں ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۵۶ ﴾ کے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ اللہ کی کتاب لے لو، کہنے لگے: نہیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا تھا؟ کہنے لگے ہم مر گئے تھے، پھر ہمیں زندہ کر دیا گیا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا اللہ کی کتاب کو لے لو۔ کہنے لگے: نہیں، ہم اس کو نہیں لیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج دیا جنھوں نے ان کے اوپر پہاڑ کو لا کھڑا کیا۔ ③

یہ سیاق کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انھیں دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد مکلّف قرار دیا گیا تھا۔ ماوردی نے اس سلسلے میں دو قول بیان کیے ہیں: (1) معاملے کے کھلم کھلا اور بالکل عیاں طور پر معائنے کے بعد ان سے احکام شریعت کی پابندی ساقط ہو گئی تھی کیونکہ تصدیق کے لیے وہ مجبور و مضطر ہو گئے تھے۔ (2) وہ بدستور مکلّف ہی تھے کیونکہ کوئی عاقل احکام شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے کیونکہ زبردست امور کا مشاہدہ اس بات سے مانع نہیں ہو سکتا کہ انھیں احکام شریعت کا پابند قرار دیا جائے کیونکہ بنی اسرائیل نے تو اور بھی بڑے بڑے خرق عادت امور کا

① تفسیر ابن أبي حاتم:113/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم:112/1. ③ تفسیر الطبری:417/1.

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا

اور ہم نے تم پر سایہ کیا بادلوں کا اور (کھانے کے لیے) تم پر من وسلویٰ اتارا (اور کہا کہ) ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیں اور انھوں

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿57﴾

نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے ﴿57﴾

مشاہدہ کیا تھا اور اس کے باوجود انھیں احکام شریعت کا پابند قرار دیا گیا تھا۔[1] اور یہ بالکل واضح ہے۔ و اللہ أعلم.

تفسیر آیت: 57

بادل کا سایہ اور من وسلویٰ کا نزول: یہ ذکر کرنے کے بعد کہ ان سے عذاب کو دور کر دیا تھا، اب اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے جن سے اس نے بنی اسرائیل کو نوازا، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾ ''اور ہم نے بادلوں کا تم پر سایہ کیے رکھا۔'' غَمَامٌ ، غَمَامَةٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ڈھانپنے کے ہوتے ہیں۔ بادل کو اس لیے غمامہ کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان کو چھپا لیتا اور ڈھانپ لیتا ہے۔ اس سے مراد وہ سفید بادل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر تیہ میں سایہ کر دیا تھا تاکہ سورج کی گرمی سے بچ سکیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تیہ میں بادلوں کا سایہ کر دیا۔ ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ربیع بن انس، ابومجلز، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾ کی تفسیر میں حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنگل میں بادل کا سایہ کر دیا تھا تاکہ دھوپ سے بچ سکیں۔[3] ابن جریج بعض دیگر مفسرین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ ایک بہت ہی ٹھنڈا اور پاکیزہ بادل تھا۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ ﴾ ''اور ہم نے تم پر من وسلویٰ اتارا'' کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے لیے مَنّ درختوں پر نازل ہوتا تھا، وہ صبح کے وقت جاتے اور جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔[5] قتادہ فرماتے ہیں کہ منّ ان کے گھروں ہی میں اس طرح نازل ہوتا تھا جس طرح برف باری ہوتی ہے۔ یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور طلوعِ فجر سے طلوع آفتاب تک نازل ہوتا تھا اور ان میں سے ہر شخص دن بھر کی اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا، اگر کوئی اس سے زیادہ لے لیتا تو یہ خراب ہو جاتا اور کھانے کے قابل نہ رہتا تھا۔ ہاں، البتہ چھٹے دن، یعنی جمعے کے دن وہ اس قدر لے سکتے تھے جو چھٹے اور ساتویں، یعنی جمعہ و ہفتے کے دونوں دنوں کے لیے کافی ہوتا کیونکہ ہفتے کا دن ان کی عید کا دن تھا اور اس دن سب کاموں کی چھٹی ہوتی تھی، یہ سارے انعامات جنگل ہی میں پیش آتے تھے۔[6]

مَنّ کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے اگر تنہا کھایا جاتا تو یہ کھانا بھی تھا اور میٹھا بھی اور اگر اس کو پانی میں حل کر لیا جاتا تو اس سے ایک عمدہ مشروب بن جاتا، کسی اور چیز میں شامل کر لیا جاتا تو کھانے کی ایک دوسری قسم بن جاتا تھا۔ لیکن آیت میں مَنّ سے مراد صرف یہی نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے: [اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ] ''کھمبی بھی

① تفسير القرطبي:405/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:113/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:113/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم:113/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:114/1. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:114/1 و تفسير عبدالرزاق:271/1.

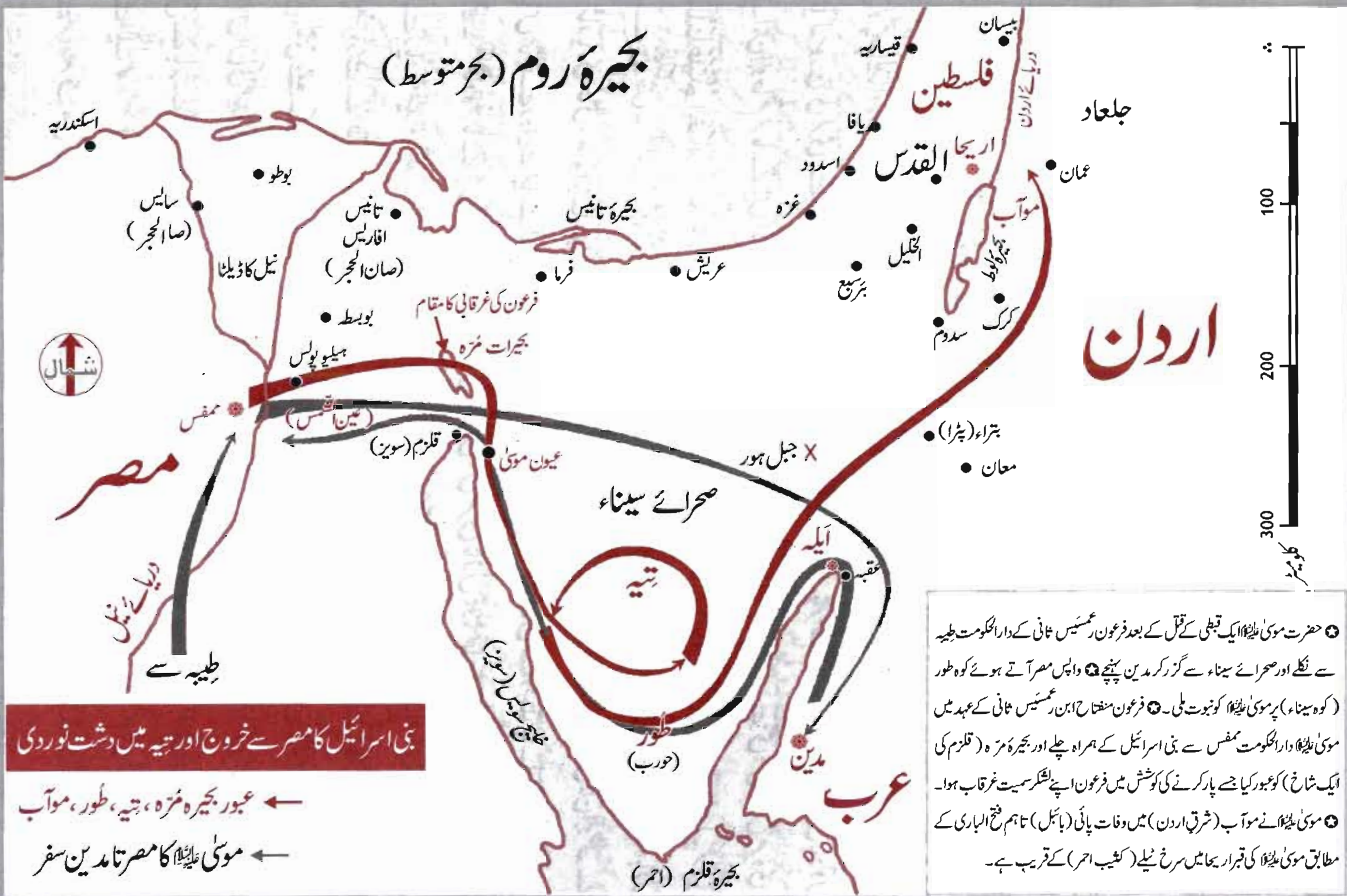
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
فلسطین
اردن
مصر
عرب
صحرائے سیناء
تیہ
جلعاد
اسکندریہ
بوطو
سائیس (صا الحجر)
نیل کا ڈیلٹا
تانیس
افاریس (صان الحجر)
بوبسط
ہیلیوپولس
ممفس
عین شمس
قلزم (سویز)
عیون موسیٰ
فرعون کی غرقابی کا مقام
بحیرات مُرّہ
فرما
بحیرۂ تانیس
عریش
غزہ
اسدود
یافا
قیساریہ
بیسان
القدس
اریحا
دریائے اردن
عمان
موآب
بحیرۂ مردار
کرک
سدوم
الخلیل
بئر سبع
بتراء (پٹرا)
معان
جبل ہور
ایلہ
عقبہ
مدین
طور (حورب)
خلیج سویس (سویز)
بحیرۂ قلزم (احمر)
دریائے نیل
طیبہ سے
شمال
کلومیٹر
300
200
100
0
بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور تیہ میں دشت نوردی
عبور بحیرہ مُرّہ، تیہ، طُور، موآب
موسیٰ علیہ السلام کا مصر تا مدین سفر
✪ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کے قتل کے بعد فرعون رعمسیس ثانی کے دارالحکومت طِیبہ سے نکلے اور صحرائے سیناء سے گزر کر مدین پہنچے ✪ واپس مصر آتے ہوئے کوہ طور (کوہ سیناء) پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی۔ ✪ فرعون منفتاح ابن رعمسیس ثانی کے عہد میں موسیٰ علیہ السلام دارالحکومت ممفس سے بنی اسرائیل کے ہمراہ چلے اور بحیرۂ مرّہ (قلزم کی ایک شاخ) کو عبور کیا جسے پار کرنے کی کوشش میں فرعون اپنے لشکر سمیت غرقاب ہوا۔
✪ موسیٰ علیہ السلام نے موآب (شرقِ اردن) میں وفات پائی (بائبل) تاہم فتح الباری کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی قبر اریحا میں سرخ ٹیلے (کثیب احمر) کے قریب ہے۔

مَنّ (کی قسم) سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔‘‘[1] اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] نیز اس حدیث کو امام ابوداود کے علاوہ دیگر کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ ، وَفِيهَا شِفَاءٌ مِّنَ السُّمِّ ، وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ ، وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ] ’’اور عجوہ (مدینہ منورہ کی ایک اعلیٰ ترین قسم کی کھجور) جنت سے ہے اور یہ زہر سے شفا ہے اور کھمبی بھی منّ سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔‘‘[4] اس حدیث کو (اس سند سے) صرف امام ترمذی ہی نے بیان کیا۔[5]

سلوٰی کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سلوٰی بٹیر کے مشابہ ایک پرندہ تھا جسے وہ کھاتے تھے۔[6] سدی نے بھی ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کیا ہے۔[7] مجاہد، شعبی، ضحاک، حسن، عکرمہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[8] عکرمہ فرماتے ہیں کہ سلوٰی ایک پرندہ تھا جس طرح جنت کے پرندے ہوں گے، یہ چڑیا کے برابر یا اس سے کچھ بڑا پرندہ تھا۔[9] قتادہ کا قول ہے کہ سلوٰی چنڈول (چڑیا) کی طرح کا ایک پرندہ تھا۔ جنوب کی طرف سے ہوا چلتی تو وہ ڈھیر لگا دیتی، آدمی اپنی دن بھر کی ضرورت کے مطابق ذبح کر لیتا تھا اور اگر وہ ضرورت سے زیادہ جمع کرتا تو خراب ہو جاتا اور کھانے کے قابل نہیں رہتا تھا۔ ہاں، البتہ چھٹے دن، یعنی جمعے کے دن وہ اس قدر ذبح کر سکتے تھے جو چھٹے اور ساتویں، یعنی جمعے و ہفتے کے دونوں دنوں کے لیے کافی ہوں کیونکہ ہفتے کا دن عبادت کا دن تھا۔ اور اس دن عبادت کے سوا دیگر تمام کاموں کی چھٹی ہوتی تھی۔[10]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ’’جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔‘‘ یہ حکم اباحت کے لیے ہے، یعنی ان چیزوں کا کھانا ان کے لیے مباح تھا، اس میں رہنمائی بھی تھی اور احسان بھی۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝57 ﴾ ’’اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے۔‘‘ یعنی ہم نے تو انھیں یہ حکم دیا تھا کہ یہ رزق جو ہم نے تمھیں عطا فرمایا ہے، اسے کھاؤ اور اپنے رب کا شکر بجا لاؤ جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ﴾ (سبا 15:34) ’’(ہم نے کہا:) تم اپنے رب کا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو۔‘‘ لیکن انھوں نے اپنے رب کے حکم کی مخالفت کی، کفر کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا، حالانکہ انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے روشن نشانیوں، معجزاتِ قاطعہ اور بہت سے خرقِ عادت امور کا مشاہدہ بھی کر لیا تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، الطب، باب: المنّ شفاء للعين، حديث: 5708 عن سعيد بن زيد رضی اللہ عنہ. [2] مسند أحمد: 187/1.
[3] صحيح مسلم، الأشربة ،باب فضل الكمأة ......، حديث: 2049 وجامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الكمأة والعجوة، حديث: 2067. [4] جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الكمأة والعجوة، حديث: 2066. [5] یہ حدیث کئی دوسری سندوں سے بھی مروی ہے، دیکھیے سنن ابن ماجه، الطب، باب الكمأة والعجوة، حديث: 3453 ومسند أحمد: 356,325,305,301/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [6] تفسير ابن أبي حاتم: 115/1. [7] تفسير الطبري: 422/1. [8] تفسير ابن أبي حاتم: 115/1. [9] تفسير ابن أبي حاتم: 116/1. [10] تفسير ابن أبي حاتم: 115/1.

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اور جب ہم نے کہا: تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے تم چاہو جی بھر کر کھاؤ اور تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور کہنا:

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ

اے اللہ! ہمیں بخش دے، تو ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے ﴿58﴾ تو جن لوگوں نے

ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ

ظلم کیا انھوں نے بات بدل دی، سوائے اس کے جو ان سے کہی گئی تھی، پھر ہم نے ان ظالم لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا، اس وجہ سے کہ

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾ ع 6/13/6

وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿59﴾

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت: اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے اصحاب کے مقابلے میں کس قدر فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طول طویل سفر بھی کیے اور بہت سے غزوات میں بھی شرکت فرمائی اور ہر ہر موقع پر صبر وثبات کا مظاہرہ کیا، کبھی بھی نہ کسی دوں ہمتی کا ثبوت دیا اور نہ کسی کٹ حجتی کا مظاہرہ کیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر سفر بھی طویل تھا، موسم بھی شدید ترین گرم اور بہت سی مشکلات کا بھی سامنا تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ طلب کیا نہ کوئی اور مطالبہ کیا، حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بہت آسان تھا۔ ہاں، البتہ جب بھوک کی وجہ سے مشکل میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے میں برکت کے لیے دعا کی درخواست کی اور کھانے پینے کا جو سامان ان کے پاس موجود تھا، اسے انھوں نے جمع کیا (تو وہ بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھا۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور آپ نے انھیں حکم دیا کہ اسے برتنوں میں ڈال لو تو اس سے وہ تمام برتن بھر گئے جو اس وقت ان کے پاس تھے۔ ①

اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے پانی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو ان کے سروں پر ایک بادل چھا گیا جس سے بارش برسنے لگی۔ بارش کے اس بابرکت پانی کو انھوں نے خود بھی پیا، اپنے اونٹوں کو بھی پلایا اور اس سے اپنے برتن بھی بھر لیے، پھر جب دیکھا تو یہ بارش صرف اسی جگہ ہوئی تھی جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر فروکش تھا۔ ② اس سے جہاں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت کا اظہار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اتباعِ نبوی کا کس قدر اکمل نمونہ تھے۔

① قوسین کے علاوہ دیکھیے صحیح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات......، حدیث:27 و مسند أحمد:421/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ ② دیکھیے صحیح ابن حبان، الطهارة، ذكر الخبر الدالّ على أن فرث ما يؤكل......:223/4، حدیث:1383 عن عمر رضی اللہ عنہ۔ و دلائل النبوة للبيهقي:231,230/5۔

تفسیر آیات:59,58

یہودیوں کی مذمت کہ فتح کے موقع پر انھوں نے شکر کے بجائے تلبیس کو اختیار کیا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے جہاد سے اعراض اور ارضِ مقدس میں داخل ہونے سے انکار پر ملامت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب یہ موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں بلادِ مصر سے آئے تو انھیں حکم دیا گیا کہ ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ اور وہاں جو کافر عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو انھوں نے جہاد سے انکار کرتے ہوئے انتہائی بزدلی اور دوں ہمتی کا مظاہرہ کیا، تب اللہ تعالیٰ نے انھیں جنگل میں پھینک دیا تاکہ حیران و سرگردان پھرتے رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا سورۂ مائدہ میں ذکر فرمایا ہے۔ ①

لہٰذا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ارض مقدس سے مراد بیت المَقدِس ہے جیسا کہ سدی، ربیع بن انس، قتادہ، ابومسلم اصفہانی اور دیگر کئی مفسرین نے بیان کیا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ ﴾ (المآئدۃ5:21) ''اے میری قوم! تم ارض مقدس میں جسے اللہ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے، داخل ہو جاؤ اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا۔'' کچھ دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے اریحاء مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبدالرحمٰن بن زید کے حوالے سے بھی یہی بیان کیا جاتا ہے۔ ③

یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ جنگل میں چالیس سال گزارنے کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ (اللہ کی راہ میں) نکلے تو اللہ تعالیٰ نے جمعے کی شام انھیں یہ علاقہ فتح کرنے کی توفیق عطا فرمادی، اس دن سورج کو بھی ان کے لیے تھوڑی دیر کے لیے روک دیا گیا تھا تاکہ ان کے لیے فتح کرنا ممکن ہو جائے۔ ④ اور جب انھوں نے شہر کو فتح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح و نصرت سے نوازا، ان کا شہر انھیں لوٹا دیا، انھیں جنگل اور اس میں سرگردان اور گم گشتہ راہ ہونے سے نجات عطا فرمائی، لہٰذا انھیں حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر شکر بجا لاتے ہوئے شہر کے دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔

عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾ میں سجدہ سے مراد رکوع ہے۔ ابن جریر طبری نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ ⑤ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ⑥ اور ابن ابوحاتم نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ رکوع یا سجدے کی حالت کے بجائے اپنے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ ⑦ حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ انھیں حکم یہ تھا کہ اپنے چہروں کے بل سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں مگر امام رازی نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہاں سجدے سے مراد خشوع و خضوع ہے اس لیے کہ اسے حقیقت پر محمول کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ کوئی شخص سجدہ کرتے ہوئے دروازے سے داخل نہیں ہوسکتا۔ ⑧

---

① دیکھیے المآئدۃ:5/21-26. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1/116. ③ تفسیر الطبری:1/426 اور دیکھیے المستدرك للحاکم، قسم الفیء:2/139,140، حدیث:2618. ④ ملخص از صحیح البخاری، فرض الخمس، باب قول النبیﷺ: [أحلت لکم ......]، حدیث:3124 وصحیح مسلم، الجھاد، باب تحلیل الغنائم ......، حدیث:1747 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ. لیکن یہاں ''جمعے کی شام'' کا ذکر نہیں۔ اور حضرت یوشع علیہ السلام کے نام کی صراحت مسند أحمد:2/325 میں ہے۔ ⑤ تفسیر الطبری:1/427. ⑥ المستدرك للحاکم:1/262، حدیث:3040. ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم:1/117. ⑧ تفسیر الرازی:3/89.

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دروازہ قبلہ رخ تھا۔[1] اس لیے حکم ہوا کہ جھکتے ہوئے داخل ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سدی، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے اِیلیاء، یعنی بیت المقدس کا باب الحِطّہ مراد ہے۔[2] امام رازی نے بعض ائمہ تفسیر سے بیان کیا ہے کہ دروازے سے مراد جہاتِ قریہ میں سے ایک جہت ہے۔[3] عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس حکم پر عمل کے بجائے وہ کروٹ کے بل داخل ہوئے۔[4] سدی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھیں حکم تو یہ تھا کہ وہ اپنے سروں کو جھکائے دروازے سے داخل ہوں مگر وہ اس کے برعکس سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے داخل ہوئے۔[5]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾ کے معنی یہ کیے ہیں کہ تم کہو: ہم اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔[6] حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ تو ہم سے ہماری خطاؤں کو مٹا دے۔[7] ﴿ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔'' یہ جوابِ امر ہے، یعنی جب تم یہ کام کرو گے جس کا ہم نے تمھیں حکم دیا ہے تو ہم تمھاری غلطیوں کو معاف کر دیں گے اور تمھاری نیکیوں کو اور زیادہ کر دیں گے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ انھیں حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کے اس موقع پر قول و فعل سے اس کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کریں، اپنے گناہوں کا اقرار کریں، گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات چونکہ بے حد پسند ہے اس لیے اس کا جلد مظاہرہ کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا جَاۗءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ڼ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾ (النصر 110:1-3) ''(اے نبی!) جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہوگئی) اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ﴾ ''چنانچہ جن لوگوں نے ظلم کیا انھوں نے بات بدل دی سوائے اس کے جو ان سے کہی گئی تھی۔'' کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ: ﴿ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾ فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ ، فَبَدَّلُوا وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ] ''بنی اسرائیل کو حکم تو یہ ہوا تھا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہوں لیکن وہ اپنے سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حِطَّةٌ کو بدل کر حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ کہنے لگے، یعنی ہم گندم کے دانے چاہتے ہیں۔''[8] امام نسائی نے بھی اس روایت کو موقوفاً بیان کیا ہے (لیکن وہاں حِطَّةٌ کی جگہ حِنْطَةٌ ہے۔) اور اس روایت کے کچھ حصے کو انھوں

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:117/1. [2] تفسیر الطبري:427/1. [3] تفسیر الرازي:88/3 تفسیر ابن کثیر میں قریہ کی جگہ قبلہ ہے اور یہ تصحیح امام رازی اور ابو المظفر السمعانی کی تفاسیر سے کی ہے۔ [4] تفسیر ابن أبي حاتم:118/1. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 118/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم:118/1. [7] تفسیر ابن أبي حاتم:119/1. [8] صحیح البخاري، التفسیر، (5) باب: ﴿ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ...... ﴾ (البقرة 58:2)، حدیث:4479.

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا: اپنی لاٹھی پتھر پر مار، چنانچہ اس (پتھر) سے بہ نکلے بارہ چشمے، ہر قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ

عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿60﴾

پہچان لیا۔ (ہم نے کہا:) کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور تم زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ﴿60﴾

نے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [بَدَّلُوا، فَقَالُوا حَبَّةٌ] ''انھوں نے حِطَّةٌ کو حَبَّةٌ سے بدل دیا تھا۔''[1] عبدالرزاق نے اسی طرح روایت کیا ہے اور ان کی اس سند سے امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے اسے روایت کیا ہے، نیز امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

مفسرین نے جو ذکر فرمایا اور سیاقِ کلام سے جو معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ قول وفعل سے خشوع وخضوع کا اظہار کریں اور دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہوں تو انھوں نے اس کی مخالفت کی اور وہ اپنے سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور اپنے سروں کو اوپر اٹھالیا۔ اور انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ دروازے سے داخل ہوتے وقت حِطَّةٌ کہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! تو ہمارے گناہوں اور غلطیوں کو معاف فرمادے مگر اس کے بجائے انھوں نے ازراہ مذاق حِنطَةٌ فِي شَعِيرَةٍ ''ہم گندم کے دانے طلب کرتے ہیں'' کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ حکم الٰہی کی مخالفت اور عناد کی حد تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فسق، یعنی حکم الٰہی کی اطاعت کے بجائے مخالفت کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾﴾ ''پھر ہم نے ان ظالم لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔'' ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی رِجْزٌ کا لفظ آیا ہے تو اس کے معنی عذاب کے ہیں۔[3] مجاہد، ابو مالک، سدی، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ رِجْزٌ کے معنی عذاب کے ہیں۔[4]

ابن ابوحاتم نے سعد بن مالک، اسامہ بن زید اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلطَّاعُونُ رِجْزٌ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهِ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ] ''طاعون کا مرض رِجز، یعنی عذاب ہے، تم سے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب کے طور پر نازل فرمایا تھا۔''[5]

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[6] اس حدیث کا اصل صحیحین میں بھی ہے کہ آپ ﷺ

[1] السنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب:7،6/286:6، حديث:10990،10989. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: (28)، حديث:3403، وكتاب التفسير، باب قوله: ﴿حِطَّةٌ﴾، حديث:4641 و صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3015 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2956 و مسند أحمد:318/2. [3] تفسير الطبري:436/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم:120/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم:120/1. [6] السنن الكبرىٰ للنسائي، الطب:362/4، حديث:7523.

نے فرمایا: [إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا......] ''جب تم کسی جگہ کے بارے میں یہ سنو کہ وہاں مرض طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں نہ جاؤ......۔''① ابن جریر نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ هٰذَا الْوَجَعَ أَوِ السُّقْمَ رِجْزٌ عُذِّبَ بِهِ بَعْضُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ] ''یہ درد اور بیماری رجز ہے، تم سے پہلے بعض قوموں پر اسے عذاب کی صورت میں مسلط کیا گیا تھا۔''② اس حدیث کا اصل بھی صحیحین میں موجود ہے۔③

تفسیر آیت: 60

بارہ چشمے پھوٹ نکلے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ میں نے تمھارے نبی موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو بھی اس وقت قبول فرما لیا تھا جب انھوں نے مجھ سے تمھارے لیے پانی مانگا تھا تو میں نے تمھارے لیے پانی کے حصول کو آسان بنا دیا، اس پتھر سے پانی نکال دیا جو تمھارے پاس تھا، اور اس پتھر سے پورے بارہ چشمے نکال دیے، یعنی ہر خاندان کے لیے الگ الگ ایک چشمہ۔ اور ہر خاندان نے اپنے اپنے چشمے کو پہچان لیا تھا، لہٰذا منّ وسلویٰ کھاؤ اور اس پانی کو نوش جان کرو جسے میں نے تمھارے لیے تمھاری کسی محنت ومشقت کے بغیر پیدا کر دیا تھا اور اس ذات گرامی کی عبادت کرو جس نے اسے تمھارے لیے مسخر کر دیا تھا۔

﴿ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴾ ''اور زمین پر فساد کرتے نہ پھرنا۔'' یعنی میری ان نعمتوں کے مقابلے میں نافرمانیاں نہ کرو ورنہ ان نعمتوں سے محروم کر دیے جاؤ گے۔ مفسرین نے اس واقعے کو کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک مربع شکل کا پتھر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس پر اپنے عصا کو مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، یعنی ہر طرف تین تین چشمے تھے اور ہر خاندان کو اس کے چشمے کے بارے میں بتا دیا گیا تھا کہ وہ اس سے پانی پییں، وہ نقل مکانی کر کے جس جگہ بھی جاتے، یہ پتھر ان کے ساتھ ہوتا تھا۔④

یہ واقعہ سورۂ اعراف میں بھی بیان کیا گیا ہے۔⑤ اور وہ چونکہ مکی سورت ہے، اس لیے وہاں غائب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے حالات سے مطلع کیا ہے اور یہ سورۂ بقرہ مدنی ہے، (اور مدینہ میں یہودی موجود تھے) اس لیے اس میں خطاب براہ راست بنی اسرائیل سے ہے۔ اسی بنا پر ان سے حاضر کے صیغوں میں خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں لفظ: ﴿ فَانْبَجَسَتْ ﴾ (الأعراف 160:7) استعمال ہوا ہے جس کے معنی چشمے کے اول اول جاری ہونے کے ہیں جبکہ یہاں ﴿ فَانْفَجَرَتْ ﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور انفجار چشمہ جاری ہونے کی آخری مکمل صورت کو کہتے ہیں، اس لیے اپنی اپنی جگہ پر ان لفظوں کا استعمال نہایت موزوں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

---

① صحيح البخاري، الطب، باب ما يذكر في الطاعون، حديث:5728 و صحيح مسلم، السلام، باب الطاعون و الطيرة ......، حديث:2218 . ② تفسير الطبري:435/1. ③ صحيح البخاري، الحِيَل، باب مايكره من الاحتيال في الفرار......، حديث:6974 و صحيح مسلم، السلام، باب الطاعون والطيرة......، حديث:(96)-2218 . ④ تفسير الطبري:438/1. ⑤ دیکھیے الأعراف، آیت:160.

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکال

بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ

دے جو زمین اُگاتی ہے، (یعنی) اس کی ترکاری، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا: کیا تم کمتر چیز لینا چاہتے ہو بدلے اس چیز کے جو بہتر ہے؟

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

اُترو کسی شہر میں، تو بے شک وہاں تمھارے لیے وہی کچھ ہے جس کا تم نے سوال کیا۔

تفسیر آیت: 61

من وسلویٰ کے بجائے ناقص کھانے کا مطالبہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ میں نے تم پر من وسلویٰ نازل فرمایا جو ایک پاکیزہ، مفید، خوش ذائقہ اور آسانی سے دستیاب ہونے والا کھانا تھا مگر تم نے اس کھانے سے منہ موڑا اور موسیٰ علیہ السلام سے تم نے اس کے بجائے ترکاریوں اور سبزیوں وغیرہ کے کھانوں کا مطالبہ کر دیا جو اس کی نسبت کمتر تھے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے سرکشی اختیار کی، من وسلویٰ پر صبر نہ کر سکے اور اپنی پہلی زندگی کو یاد کرنے لگے جب وہ مسور، پیاز، ترکاریاں اور گندم استعمال کیا کرتے تھے۔[1] انھوں نے کہا: ﴿ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ﴾ ''اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے، یعنی اس کی ترکاری، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز۔''

اس آیت میں ذکر ہے کہ انھوں نے ﴿ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ﴾ کہا ہے، حالانکہ وہ من اور سلویٰ کھاتے تھے لیکن ان دونوں کو انھوں نے ایک کھانا اس لیے قرار دیا کہ روزانہ انھیں یہی چیزیں ملتی تھیں اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی تھی گویا کہ وہ ایک ہی (نوع کا) کھانا تھا۔ بَقْلٌ ''ترکاری'' قِثَّاءٌ ''ککڑی'' عَدَسٌ ''مسور'' اور بَصَلٌ ''پیاز'' تو معروف چیزیں ہیں، البتہ فُوم کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿ وَفُوْمِهَا ﴾ کے بجائے ثُومِهَا یعنی ''ثا'' کے ساتھ ہے۔[2] ابن ابو حاتم نے حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿ وَفُوْمِهَا ﴾ کے معنی لہسن کے ہیں۔[3] قدیم لغت میں فَوِّمُوا لَنَا کے معنی اِخْتَبِزُوا کے ہیں، یعنی ہمارے لیے روٹی پکاؤ۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ قراءت صحیح ہو تو پھر یہ حروفِ مُبَدَّلَہ میں سے ہے، جیسے ضرب المثل ہے: وَقَعُوا فِي عَاثُورِ شَرٍّ ''وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر گئے۔'' سے ..... عَافُورِ شَرٍّ، اسی طرح أَثَاثِي ''گھر کا سامان'' سے أَثَافِي، اور مَغَافِير ''بدبودار گوند'' سے مَغَاثِير ہے۔ ثا، فا سے بدل جاتی ہے اور فا، ثا سے۔ واللّٰہ أعلم۔[4] دیگر کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ فُوم

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 123/1. [2] تفسیر الطبري: 445,444/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 123/1. [4] تفسیر الطبري: 445/1.

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

اوران پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور قتل

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿61﴾

کرتے تھے نبیوں کو ناحق، یہ اس سبب سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے ﴿61﴾

کے معنی گندم کے ہیں جس سے روٹی بنائی جاتی ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کھائے جانے والے تمام دانوں کو فوم کہا جاتا ہے۔[2]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ﴾ ''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں چاہتے ہو؟'' یہ ان کو ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش تھی کہ انھوں نے ان کم تر کھانوں کا مطالبہ کیا، حالانکہ انھیں بہت عمدہ اور خوش ذائقہ کھانا مل رہا تھا اور وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

فرمان الٰہی: ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا﴾ ''کسی شہر میں جا اترو'' کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان سے کہا گیا: تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ۔[3] ابن جریر نے ابوالعالیہ اور ربیع بن انس رحمہما اللہ کا قول ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ تم فرعون کے شہر مصر میں چلے جاؤ۔[4] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی صحابہ سے اس کی تفسیر منقول ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ جو تم نے مطالبہ کیا ہے، یہ کوئی مشکل نہیں ہے، تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ، یہ چیزیں تو ہر جگہ دستیاب ہیں، ان کے بارے میں خاص اہتمام سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ منّ وسلویٰ کے مقابلے میں یہ سادہ سی چیزیں تو ہر شہر میں کثرت سے دستیاب ہیں۔ اسی لیے انھوں نے فرمایا: ﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ﴾ ''کیا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے میں کم تر چیزیں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا۔'' بنی اسرائیل کا یہ سوال سرکشی، بغاوت (اور نعمت الٰہی کو ٹھکرانے) پر مبنی تھا اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی، اس لیے اس کا انھیں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ واللہ أعلم.

بقیہ تفسیر آیت :61

یہودیوں کا مقدر ذلت ومحتاجی ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ذلت ورسوائی اور محتاجی وبے نوائی کو یہودیوں سے چمٹا دیا گیا، یعنی اسے ان کے لیے شرعاً اور قدراً لازم قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ذلیل ہی رہیں گے جو بھی ان کو پائے گا ذلیل ورسوا ہی کرے گا اور وہ خود بھی ذلیل ورسوا ہی ہیں۔ حسن (بصری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل ورسوا کیا ہے، لہٰذا ان کے لیے کوئی عزت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسلمانوں کے پاؤں تلے ذلیل ورسوا کر دیا تھا، مسلمانوں نے ان سے جزیہ بھی وصول کیا۔[5]

[1] تفسیر الطبری:1/444 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: (2) ، قبل الحدیث: 4477 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1/124. [4] تفسیر الطبری:1/447 . [5] تفسیر ابن أبی حاتم:1/125.

ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور سدی ؒ کہتے ہیں: ﴿ الْمَسْكَنَةُ ﴾ کے معنی فاقے کے ہیں۔[1] عطیہ عوفی کہتے ہیں: اس کے معنی خراج کے ہیں۔[2] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ کے معنی ضحاک نے یہ بیان کیے ہیں کہ وہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے۔[3] ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے غضب کی طرف پلٹ آئے لوٹ آئے۔[4] اور بَاءَ کا فعل خیر یا شر کے ساتھ مل کر ہی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: بَاءَ فُلَانٌ بِذَنْبِهٖ ''فلاں نے گناہ اپنے سر لے لیا۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ ﴾ (المآئدة 5:29) ''بے شک میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے۔'' یعنی تو دونوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے لوٹے گا۔ سارا گناہ تیرے ہی ذمے ہوگا، میرے ذمے نہیں ہوگا۔ تو مذکورہ بالا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اللہ کے غضب کو اٹھائے ہوئے لوٹے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر غضب مسلط ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی ان کے لیے واجب ہو گئی تھی۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں ذلت و مسکنت کی جو سزا دی اور غضب کا مستحق قرار دیا تو اس کا سبب ان کا اتباع حق سے منہ موڑنا، اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا اور حاملین شریعت، یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی توہین کرنا تھا بلکہ ان کی توہین سے بھی آگے بڑھ کر ان کے مقدس خون سے ہاتھ رنگنے میں بھی دریغ نہ کرنا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کفر کیا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کیا۔

تکبر کی تعریف: ایک حدیث، جس کی صحت پر اتفاق ہے، میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ] ''تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ہٹ دھرمی سے نہ مانا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''[6] امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا، وَّإِمَامُ ضَلَالَةٍ، وَّمُمَثِّلٌ مِّنَ الْمُمَثِّلِينَ] ''روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جسے کسی نبی نے قتل کیا یا جس نے کسی نبی کو قتل کیا۔ دوسرا وہ جو ضلالت و گمراہی کا امام ہو۔ اور تیسرا تصویریں بنانے والا۔''[7]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝61 ﴾ ''یہ اس سبب سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے۔'' انھیں دی گئی مذکورہ بالا سزاؤں کا یہ ایک دوسرا سبب بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ وہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھتے جاتے تھے۔ عصیان کے معنی ممنوع کام کرنے کے ہیں اور اِعتِدَاء کے معنی اس کام

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 125/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 125/1. [3] تفسير الطبري: 450/1. [4] تفسير الطبري: 450/1. [5] تفسير الطبري: 450/1. [6] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث: 91 عن عبدالله بن مسعود ؓ مطوّلًا. [7] مسند أحمد: 407/1. حدیث میں [مُمَثِّل] کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مصور اور مجسمہ ساز کے ہیں اور آج کل جدید عربی زبان میں اس کے معنی فلم ایکٹر کے بھی ہیں۔ (مترجم)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور

صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾

نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ تو انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿62﴾

میں حد سے بڑھنے کے ہیں جس کی اجازت ہو یا جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیت: 62

ہر دور میں ایمان اور عملِ صالح ہی ذریعۂ نجات ہیں: جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی، ممنوع امور کا ارتکاب کیا، سرکشی کی روش اختیار کرتے ہوئے ایسے کام کیے جن کی اجازت نہ تھی۔ اپنے چال چلن کو بے حد خراب کر لیا، پھر ان جرائم کی پاداش میں انھیں سزا بھی دی گئی۔ ان لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح اور نیکی و اطاعت کی راہ کو اختیار کیا تو انھیں بہت اچھا صلہ ملے گا اور قیامت تک یہی اصول کارفرما رہے گا۔ اسی اصول کے مطابق جو شخص بھی رسول اکرم نبی اُمّی ﷺ کی پیروی کرے گا تو اسے ابدی سعادت و کامرانی نصیب ہوگی۔ مستقبل میں انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ماضی کے بارے میں انھیں کوئی ملال ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ﴾ (یونس 62:10) ''آگاہ رہو! بے شک جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔''

اسی طرح فرشتے مومنوں سے ان کی موت کے وقت کہتے ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝﴾ (حٰمٓ السجدۃ 30:41) ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی خوشی مناؤ جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔''

مومن کی تعریف: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾﴾ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین یا ستارہ پرست) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ تو انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 85:3) ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا، وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''[1]

[1] تفسیر الطبری: 461/1.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ہر شخص کا صرف وہی طریقہ اور عمل قابلِ قبول ہوگا جو شریعتِ محمدی کے مطابق ہوگا۔ ہاں، البتہ آپ کی تشریف آوری سے قبل اگر کسی نے اپنے زمانے کے نبی کی اطاعت اور پیروی کی اور وہ ہدایت اور سیدھے راستے پر تھا تو وہ آخرت میں بھی نجات پا جائے گا۔ پس یہاں یہود سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو اپنے زمانے میں تورات کے مطابق عمل کرتے تھے۔

یہود کی وجہ تسمیہ: یہود هَوَادَة سے مشتق ہے۔ اس کے معنی مَوَدَّة ''محبت'' کے ہیں یا یہ تَهَوُّد سے مشتق ہے جس کے معنی توبہ کرنے کے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ ﴾ (الأعراف 7:156) یعنی ہم نے آپ کے سامنے توبہ کی، گویا انھیں توبہ کرنے کی وجہ سے یا ایک دوسرے سے محبت کی وجہ سے یہود کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے ''یہودا'' کی طرف نسبت کی وجہ سے یہودی کہلاتے ہیں۔ ابوعمرو بن علاء بیان کرتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ لِأَنَّهُمْ يَتَهَوَّدُونَ ''کیونکہ یہ (تورات کی قراءت کے وقت) حرکت کرتے ہیں۔''[1] اسی لیے انھیں یہودی کہا جاتا ہے۔

نصاریٰ کی وجہ تسمیہ: جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو بنی اسرائیل کے لیے ان کی اتباع اور فرماں برداری واجب تھی۔ آپ کے اصحاب اور آپ کے دین کے ماننے والے نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔ انھیں انصار کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ مَنْ أَنصَارِيٓ إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ﴾ (الصف 61:14) ''اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (طرف دار اور آپ کے) مددگار ہیں۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قیام ایک ایسی جگہ تھا جس کا نام نَاصِرَہ تھا، لہٰذا ناصِرہ کی طرف نسبت کی وجہ سے یہ اس نام سے موسوم ہوئے۔ یہ قتادہ اور ابن جریج کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے۔[2] واللّٰہ أعلم.

نَصَارٰی نَصْرَان کی جمع ہے جس طرح نَشَاوٰی نَشْوَان کی اور سُکَارٰی سَکْرَان کی جمع ہے۔ اور عیسائی عورت کے لیے نَصْرَانَة کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین اور تمام انسانیت کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو عیسائیوں کے لیے بھی یہ واجب ہوگیا کہ وہ آپ کی تصدیق کریں۔ آپ کے حکم کی اطاعت بجا لائیں۔ آپ جس سے منع فرمائیں اس سے باز آ جائیں۔ آپ کی ذات گرامی پر ایمان لانے والے تو صحیح معنوں میں مومن ہیں۔ اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو کثرتِ ایمان، شدتِ ایقان اور سابقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور آنے والے امور غیب پر ایمان کی وجہ سے مومنین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

[1] تفسیر الرازی:3/105. [2] تفسیر الرازی:3/105.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا

اور جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا (اور کہا:) ہم نے تمھیں جو دیا ہے اسے قوت سے پکڑ لو، اور جو کچھ

فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اس (کتاب) میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ﴿63﴾ پھر اس کے بعد تم پھر گئے، تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾

تو تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے﴿64﴾

صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس بات میں اختلاف ہے کہ صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟ سفیان ثوری نے لیث بن ابو سُلیم کے حوالے سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ صابی ایک ایسی قوم تھی جو مجوسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے بین بین تھی اور اس کا کوئی خاص دین نہ تھا۔[1] عطاء اور سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] ایک قول یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کا ایک ایسا فرقہ تھا جو زبور پڑھتا تھا۔[3] ایک قول یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے۔[4] ایک قول کے مطابق یہ ستارہ پرست تھے۔[5]

زیادہ صحیح قول مجاہد، ان کے ہم نواؤں اور وہب بن مُنَبِّہ کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکوں میں سے کسی کے دین پر بھی نہ تھے۔ ان کا کوئی باضابطہ دین نہیں تھا بلکہ یہ لوگ اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص مشرف بہ اسلام ہو جاتا تا مشرک اسے طعنہ دیتے کہ یہ صابی ہو گیا ہے، یعنی یہ روئے زمین کے تمام دینوں کا منکر ہو گیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ صابئین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں کسی بھی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ و اللّٰہ أعلم.

تفسیر آیات:64,63

میثاقِ یہود: اللہ تبارک وتعالیٰ یہودیوں کو وہ عہد و میثاق یاد دلا رہا ہے جو ان سے لیا گیا تھا کہ تم اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ ایمان لاؤ گے اور اس کے رسولوں کی اتباع کرو گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ جب ان سے یہ عہد لیا جا رہا تھا تو اس وقت ان کے سروں پر پہاڑ کو بھی اٹھا کھڑا کیا تھا تاکہ اس عہد و پیمان کا یہ اقرار کریں اور اسے قوت و طاقت اور مضبوط عزم و ارادے کے ساتھ پکڑ لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○﴾ (الأعراف 171:7) ''اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً وہ ان پر گر رہا ہے تو (ہم نے کہا:) اس (تورات) کو جو ہم نے تمھیں دی ہے، زور سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم (برے کاموں سے) بچ جاؤ۔''

طور سے مراد پہاڑ ہے جیسا کہ سورۂ اعراف (آیت:171) میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، ضحاک، ربیع بن انس رحمہ اللہ اور دیگر کئی ائمہ سے یہی مروی ہے۔[6] اور ظاہری معنی یہی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

[1] تفسير الطبري:455/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:127/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:127/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم:128/1. [5] تفسير الرازي:105/3. [6] تفسير ابن أبي حاتم:129/1.

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿65﴾ فَجَعَلْنٰهَا

اور یقیناً تمھیں ان لوگوں کا علم ہے جنھوں نے تم میں سے ہفتے (کے دن) میں زیادتی کی، تو ہم نے ان سے کہا: تم ذلیل بندر بن جاؤ ﴿65﴾ پھر ہم نے اس

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿66﴾

(واقعے) کو ان کے لیے عبرت بنا دیا جو اس زمانے میں تھے اور جو اس کے بعد آنے والے تھے اور پرہیزگار لوگوں کے لیے اسے نصیحت (بنا دیا) ﴿66﴾

ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر نباتات ہوں اور جس پر نباتات نہ ہوں وہ طور نہیں۔[1] ﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ ''(اور کہا:) ہم نے تمھیں جو دیا ہے اسے قوت سے پکڑ لو'' کے بارے میں حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تورات ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں ﴿بِقُوَّةٍ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اس پر مضبوطی سے عمل کیا جائے۔[3] اور ابوالعالیہ اور ربیع نے ﴿وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ﴾ ''اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اسے یاد رکھو'' کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ تورات کو پڑھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ یعنی اس عظیم اور پختہ عہد سے تم پھر گئے، تم نے روگردانی کی اور اس عہد و میثاق کو توڑ ڈالا۔ ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی کہ اس نے تمھاری توبہ کو قبولیت سے نوازا اور انبیاء و مرسلین کو تمھاری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ﴿لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾﴾ تو اس عہد و میثاق کو توڑنے کی وجہ سے تم دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔

تفسیر آیات:66,65

ہفتے کے دن سے یہود کا تجاوز اور ان کی شکلیں مسخ ہونا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ﴾ ''اور یقیناً تمھیں علم ہے۔'' یعنی اے گروہِ یہود! تم خوب جانتے ہو کہ کس قدر خوفناک سزا ملی ان بستی والوں کو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی، اس عہد و پیمان کو توڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن کی تعظیم کے سلسلے میں ان سے لیا تھا اور یہ دن ان کے لیے شرعی حیثیت رکھتا تھا لیکن ہفتے کے دن میں مچھلیوں کے شکار کے لیے یہ حیلہ کرتے کہ کانٹے، ڈوریاں اور جال ہفتے کے دن سے پہلے ہی ڈال دیتے۔ جب حسب معمول مچھلیاں ہفتے کے دن بہت زیادہ آتیں تو وہ ان کے جالوں میں پھنس جاتیں اور ان سے باہر نہ نکل سکتی تھیں۔ ہفتے کا دن گزرنے کے بعد وہ رات کو ان مچھلیوں کا شکار کر لیتے تھے۔ جب انھوں نے یہ حیلہ سازی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔

ظاہری شکل کے اعتبار سے بندر انسانوں کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ انسان نہیں ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے اعمال اور ان کا حیلہ بظاہر حق کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا لیکن حقیقت میں یہ حق کے مخالف تھا، لہٰذا انھیں سزا بھی ان کے جنسِ عمل کے مطابق دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے

[1] تفسير ابن أبي حاتم:129/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:130/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:130/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم:130/1.

ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:163) ''اور (اے نبی!) ان (یہود مدینہ) سے اس گاؤں (اَیلہ) کا حال تو پوچھیں جو برلب سمندر واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن ان (کے شکار) کی مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالتے ہیں۔''

عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝ ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان سے کہا: تم ذلیل بندر بن جاؤ'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا۔ آپ کا یہ بھی خیال ہے کہ ان کے نوجوانوں کو بندروں اور بوڑھوں کو خنزیروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا تھا۔[1] شیبان نحوی نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں اور عورتوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا جو بندروں ہی کی طرح آوازیں نکالتے تھے اور بندروں ہی کی طرح ان کی دُمیں بھی تھیں۔[2]

موجودہ بندر اور خنزیر ان کی مسخ شدہ نسل میں سے نہیں: ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کر گئے اور اس کی وجہ سے انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تو وہ اس کے بعد ہلاک ہو گئے تھے جن لوگوں کو مسخ کر دیا گیا ہو ان کی نسل آگے نہیں چلتی۔[3] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا تھا اور اس کے بعد وہ زمین پر تین دن تک زندہ رہے۔ جسے بھی مسخ کیا گیا ہے وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہا، نہ وہ کھاتا پیتا تھا اور نہ اس کی نسل ہی آگے چلتی تھی۔ باقی رہے دنیا کے یہ بندر اور خنزیر اور دیگر تمام مخلوق تو اسے اللہ تعالیٰ نے انھی چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے جن کا اس نے اپنی کتاب مقدس میں ذکر فرمایا ہے۔[4]

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس کے ساتھ جو چاہے کرے اور جس کو جس صورت میں چاہے بدل دے۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی، یعنی اس کے باشندوں کو ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے عبرت بنا دیا کہ انھیں ایسی سزا دی جو دوسروں کے لیے بھی باعث عبرت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:25) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے سرکشوں کے لیے آخرت اور دنیا میں نشانِ عبرت بنا دیا۔ اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یعنی اسے (اس عہد کی) بستیوں کے لیے عبرت بنا دیا۔[6]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1/133. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1/133. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 1/132. [4] دیکھیے السجدۃ: 32:4 وحٰمٓ السجدۃ 41:9، 10 والحدید 57:4. [5] تفسیر الطبری: 1/470. [6] تفسیر ابن أبي حاتم: 1/134.

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو، انھوں نے کہا: کیا تو ہم سے ہنسی مذاق کرتا ہے؟ موسیٰ نے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾

کہا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں شامل ہو جاؤں ﴿67﴾

ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس بستی کو عبرت ناک سزا دینے کی وجہ سے اسے گردو پیش کی دیگر بستیوں کے لیے عبرت بنا دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○﴾ (الأحقاف 27:46) ”اور یقیناً ہم نے تمھارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور بار بار (اپنی) نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کریں۔“ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی زمانے کے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے نسل درنسل خبر کے ذریعے سے اسے نصیحت بنا دیا۔ (چونکہ اس کا تعلق بعد والوں سے ہے) اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿66﴾﴾ ”اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت (بنا دیا۔)“ یعنی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے ارتکاب کی وجہ سے ہم نے ان لوگوں کو جس سنگین سزا اور بدترین عذاب سے دوچار کیا، اس میں پرہیز گاروں کے لیے نصیحت کا یہ پہلو ہے کہ وہ اس طرح کی حیلہ سازیوں سے اجتناب کریں جن کا ان یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا تاکہ یہ بھی اس طرح کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں جس سے وہ دوچار ہوئے تھے۔ جیسا کہ امام ابو عبداللہ ابن بطّہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِأَدْنَى الْحِيَلِ] ”تم ان امور کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا کہ معمولی حیلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے لگ جاؤ۔“[1] اس حدیث کی سند جید ہے۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیت: 67

بنی اسرائیل کے مقتول اور گائے کا قصہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس خرق عادت احسان کو بھی یاد کرو جو گائے کی صورت میں میں نے تم پر کیا تاکہ معلوم ہو کہ قاتل کون ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقتول کو زندہ کیا کہ وہ بتائے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟

ابن ابوحاتم نے عَبِیدہ سَلمانی سے روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص بے اولاد مگر بہت مالدار تھا۔ اس کا ایک بھتیجا اس کا وارث تھا۔ اس نے اسے قتل کر دیا اور اس کی لاش کو رات کے وقت اپنے ہی ایک آدمی کے دروازے پر پھینک دیا، پھر دعویٰ کر دیا کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ سب مسلح ہو کر آپس میں برسرِ پیکار ہونے لگے کہ ان میں سے کچھ عقل مند لوگوں نے کہا کہ تم آپس میں کیوں لڑتے ہو؟ یہ اللہ کے رسول تم میں موجود ہیں، تم ان سے فیصلہ کرالو، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور انھوں نے اس واقعے کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾﴾ ”بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو،

[1] دیکھیے إرواء الغلیل: 375/5، حدیث: 1535.

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ط قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ

انھوں نے کہا: تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ (گائے) کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ کہتا ہے کہ بے شک

وَّلَا بِكْرٌ ط عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ط فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا، ان کے درمیان عمر کی ہو، چنانچہ تم وہ کرو جو تمھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿68﴾ انھوں نے کہا: تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر

مَا لَوْنُهَا ط قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ لا فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿69﴾ قَالُوا

کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ فرماتا ہے بے شک وہ گائے زرد رنگ کی ہو، اس کا رنگ خوب گہرا ہو، وہ دیکھنے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ لا اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ط وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

والوں کو خوش کر دے ﴿69﴾ انھوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر، وہ ہمارے لیے (مزید) بیان کرے کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟ بے شک

لَمُهْتَدُوْنَ ﴿70﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي

گائیں ہم پر مشتبہ ہو گئی ہیں اور یقیناً اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے ﴿70﴾ موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ فرماتا ہے کہ بے شک وہ گائے مشقت

الْحَرْثَ ج مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ط قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ط

کرنے والی نہ ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، وہ بے عیب ہو، اس میں کوئی داغ دھبا نہ ہو۔ انھوں نے کہا: اب تو حق لایا ہے، پھر

ع 8 10 8 فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾ ع

انھوں نے اسے ذبح کیا اور لگتے نہیں تھے کہ وہ یہ کام کریں گے ﴿71﴾

انھوں نے کہا: کیا آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نادانوں میں شامل ہو جاؤں۔'' اگر وہ پس و پیش کی خاطر سوالات نہ کرتے تو جو گائے بھی ذبح کر دیتے تو حکم کی اطاعت ہو جاتی لیکن انھوں نے تشدد سے کام لیا تو ان سے بھی تشدد کا معاملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ اس گائے تک پہنچ گئے جس کے ذبح کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا۔ انھوں نے اسے ایک ایسے شخص کے پاس پایا جس کے پاس صرف یہی ایک گائے تھی تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! وہ اس کی قیمت کے طور پر اس کی کھال بھر کر سونا لے گا اور اس میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کرے گا۔ تو انھوں نے اتنا سونا دے کر گائے کو خرید لیا اسے ذبح کیا اور اسے مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنے بھتیجے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے۔ اور یہ کہہ کر وہ پھر مر گیا۔ اس طرح قاتل کو اس کے مال میں سے کچھ بھی نہ دیا گیا اور بعد میں بھی ہمیشہ یہی اصول رہا کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا۔[1] ابن جریر نے بھی اسے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

① تفسیر ابن أبي حاتم:136/1 اور آخر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: [لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ] ''قاتل کے لیے (مقتول کی وراثت میں سے) کچھ بھی نہیں۔'' (سنن أبي داود، الديات، باب ديات الأعضاء، حديث:4564 عن عبدالله بن عمرو ﷺ وجامع الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في إبطال ميراث القاتل، حديث:2109 عن أبي هريرة ﷺ وسنن ابن ماجه: 2645). ② تفسير الطبري:479/1.

تفسیر آیات:68-71

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اپنے رسول سے بطریق تلبیس کثرت سے سوال کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے اپنے آپ پر تنگی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں مشکل میں ڈال دیا، اگر وہ کوئی سی بھی گائے ذبح کر دیتے تو درست تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عَبِیدہ اور کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے لیکن جیسے جیسے وہ سختی کرتے گئے ان پر اسی طرح سختی کی گئی۔ انھوں نے اس سلسلے میں پہلا سوال یہ کیا: ﴿ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ﴾ یعنی آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟ اس کی صفت کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: ﴿ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ نہ بہت ہی بڑی اور بوڑھی ہو اور نہ (اس قدر) چھوٹی عمر کی کہ سانڈھ اس کے قریب نہ گیا ہو جیسا کہ ابوالعالیہ، سدی، مجاہد، عکرمہ، عطیہ عوفی، عطاء خراسانی، وہب بن منبہ، ضحاک، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔[1]

ضحاک کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ﴾ وہ بڑی اور چھوٹی عمر کے بین بین ہو۔ اس عمر کے جانور اور گائیں طاقتور بھی ہوتی ہیں اور خوب صورت بھی۔[2] عوفی نے اپنی تفسیر میں ﴿ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اس قدر گہرے زرد رنگ کی ہو کہ زرد رنگ سفید معلوم ہوتا ہو۔[3]

سدی فرماتے ہیں: ﴿ تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہو۔ ابوالعالیہ، قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[4] وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جب آپ اس کی جلد کی طرف دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ سورج کی شعاع گویا اس کی جلد میں سے نکل رہی ہے۔[5] تورات میں ہے کہ وہ حمراء، یعنی سرخ رنگ کی تھی، شاید عربی بنانے میں یہ غلطی ہے یا جیسے کہ پہلے مفسرین نے کہا ہے کہ وہ اس قدر گہرے زرد رنگ کی تھی جو سرخی و سیاہی کی طرف مائل تھا۔ واللہ أعلم.

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ گائیں کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں، لہٰذا اس گائے کے اس طرح اوصاف بیان کیجیے کہ یہ دیگر سے ممتاز اور نمایاں ہو جائے۔ ﴿ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴾ اگر آپ نے اسے ہمارے سامنے بیان فرما دیا تو ہمیں۔ إن شاء اللہ۔ ٹھیک ٹھیک یہ گائے معلوم ہو جائے گی۔

﴿ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ ایسی گائے ہو جو نہ تو کھیتی باڑی کے لیے سدھائی گئی ہو اور نہ اس سے کھیتی کو پانی دینے کا کام لیا گیا ہو بلکہ وہ خوبصورت اور قابل ستائش ہو۔ قتادہ سے روایت ہے کہ ﴿ مُسَلَّمَةٌ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ ابوالعالیہ اور ربیع کا بھی یہی قول ہے۔[6] جبکہ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں داغ دھبا نہ ہو۔[7] عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ اس کے

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:1/137. ② تفسیر ابن أبي حاتم:1/138. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:1/140. ④ تفسیر ابن أبي حاتم:1/140. ⑤ تفسیر الطبری:1/492. ⑥ تفسیر الطبری:1/499. ⑦ تفسیر الطبری:1/499.

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾

اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم نے اس کے بارے میں جھگڑا کیا اور اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپاتے تھے ﴿72﴾

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾

چنانچہ ہم نے کہا: تم اس (گائے کے گوشت) کا ایک ٹکڑا اس مردے کو مارو، اللہ اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿73﴾

معنی یہ ہیں کہ اس کے پاؤں اور باقی سارا جسم بے داغ ہو۔[1] اور ﴿لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ﴾ کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ وہ کالی ہو نہ سفید۔[2] ﴿فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾﴾ ''پھر انھوں نے اسے ذبح کیا اور لگتے نہیں تھے کہ وہ یہ کام کریں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ وہ ایسا نہ کرتے، یعنی انھوں نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ وہ اسے ذبح نہ کریں۔[3] یعنی اس سوال و جواب کے بعد بھی انھوں نے اسے مشکل ہی سے ذبح کیا اور اس میں ان کی مذمت ہے کیونکہ ان کے یہ سوالات محض ان کی کجی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھے، گویا وہ اسے ذبح کرنے والے تھے ہی نہیں۔ عبیدہ، مجاہد، وہب بن منبہ، ابوالعالیہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا قول ہے کہ انھوں نے اس گائے کو بہت زیادہ مال دے کر خریدا۔[4] لیکن اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

تفسیر آیات:73,72

مقتول کو زندہ اور قاتل کا تعین کرنا: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ﴾ کے معنی ہیں کہ تم نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔[5] مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔[6] جبکہ عطاء خراسانی اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تم اس میں جھگڑنے لگے۔[7] ابن جریج فرماتے ہیں کہ ان کا جھگڑا یہ تھا کہ بعض نے کہا: تم نے اسے قتل کیا ہے، وہ کہنے لگے نہیں ہم نے نہیں بلکہ تم نے اسے قتل کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[8] ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾﴾ کے معنی مجاہد نے یہ بیان کیے ہیں کہ جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔[9]

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ﴾ ''ہم نے کہا کہ اس (گائے کے گوشت) کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔'' یعنی اس گائے کے اعضاء میں سے کوئی بھی عضو مقتول کو لگا دو، اس سے معجزے اور خرق عادت امر کا ظہور ہو جائے گا۔ حقیقت میں تو یہ ایک معین ٹکڑا ہی تھا، چنانچہ اس کی تعیین میں اگر دین یا دنیا کا کوئی فائدہ ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بیان فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مبہم ہی رکھا ہے۔ کسی بھی صحیح حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعیین ثابت نہیں ہے، لہٰذا ہم بھی اسے مبہم ہی

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 142/1. ② تفسیر الطبري: 499/1. ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 143/1. ④ تفسیر الطبري: 503/1. ⑤ صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ﴾، قبل الحدیث: 3407. ⑥ تفسیر الطبري: 506/1. ⑦ تفسیر ابن أبي حاتم: 144/1. ⑧ تفسیر الطبري: 506/1. ⑨ تفسیر ابن أبي حاتم: 144/1.

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے، چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور بے شک کچھ پتھر وہ ہیں کہ

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا

ان سے نہریں پھوٹتی ہیں، اور بے شک ان میں سے کچھ وہ ہیں کہ پھٹ پڑتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے، اور بے شک ان میں سے

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿74﴾

کچھ وہ ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو ﴿74﴾

رکھیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے مبہم رکھا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ﴾ ''اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔'' یعنی انھوں نے جب اسے اس کے ساتھ لگایا تو وہ زندہ ہو گیا اور انھوں نے اس کے زندہ ہونے کا جو مشاہدہ کیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت اور مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت کا جلوہ دکھایا۔ اور اسے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کی دلیل بنا دیا اور دوسری طرف اس سے ان کے باہمی جھگڑے اور ہٹ دھرمی کا فیصلہ بھی فرما دیا۔

سورۂ بقرہ میں پانچ مقامات پر مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مردوں کو زندہ کرنے کا پانچ مقامات پر ذکر فرمایا ہے: (1) بنی اسرائیل نے جب موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں موت کے بعد از سر نو زندہ کر دیا تھا۔[1] (2) دوسرا یہ گائے والا واقعہ ہے۔[2] (3) ان لوگوں کا واقعہ جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔[3] (4) اس شخص کا واقعہ جسے ایک بستی سے، جو چھتوں کے بل گری پڑی تھی، گزرنے کا اتفاق ہوا تھا۔[4] (5) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور چار پرندوں کا واقعہ۔[5]

اللہ تعالیٰ نے مردہ ہونے کے بعد زمین کے زندہ کر دینے کو بھی اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ گل سڑ جانے کے بعد جسموں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ اس کا شاہد ہے: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ○ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:33-35) ''اور ایک عظیم نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا، پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کر دیے تا کہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان (پھلوں) کو نہیں بنایا، کیا پھر یہ شکر نہیں کرتے؟''

تفسیر آیت: 74

[1] البقرة 2:55,56. [2] البقرة 2:72,73. [3] البقرة 2:243. [4] البقرة 2:259. [5] البقرة 2:260.

یہود کی سنگدلی: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرنے کے باوجود تمھارے دل سخت ہو گئے، گویا یہ ان پتھروں کی طرح ہیں جو کبھی نرم نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی سی حالت اختیار کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ ﴾ (الحدید 16:57) ”کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں، پھر ان پر زمانۂ طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔“

عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ جب مقتول کے ساتھ گائے کے ٹکڑے کو لگایا گیا تو وہ بیٹھ گیا اور اس طرح بالکل زندہ سلامت تھا جس طرح پہلے ہوتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے بھتیجوں ہی نے مجھے قتل کیا ہے، پھر اس کی روح کو قبض کر لیا گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس کی روح کو قبض کر لیا تو اس کے بھتیجوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم نے تو اسے قتل نہیں کیا، یعنی حق کو دیکھنے کے بعد انھوں نے اسے جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ پھر اس کے بعد تمھارے دل، یعنی بوڑھے کے بھتیجوں کے دل سخت ہو گئے۔ ﴿ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ ﴾ ”چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہو گئے یا ان سے بھی زیادہ سخت۔“[1]

یعنی طویل مدت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کے دل اس قدر سخت ہو گئے کہ آیات و معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود انھوں نے نصیحت و موعظت کو قبول نہ کیا۔ یہ دل سختی میں ان پتھروں کی طرح ہیں جن کی سختی کا کوئی علاج نہیں بلکہ یہ تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ پتھروں سے تو چشمے اور نہریں بہ پڑتی ہیں۔ بعض پتھروں سے پانی نکل آتا ہے گو وہ جاری نہ بھی ہو۔ اور بعض پتھر اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے گر کر نیچے آ جاتے ہیں۔ ان میں اپنے حسبِ حال ادراک ہے۔

محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ تمھیں جس حق کی دعوت دی جاتی ہے اگر پتھر اسے معلوم کر لیں تو وہ تمھارے دلوں کی نسبت بدرجہا نرم ثابت ہوں۔[2]

جمادات میں بھی حسبِ ضرورت ادراک کی قوت موجود ہے: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مجاز کے قبیل سے ہے۔ اس آیت میں پتھروں کی طرف ڈر کی نسبت اسی طرح ہے جس طرح حسبِ ذیل آیت: ﴿ یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ ﴾ (الکہف 77:18) ”(دیوار) جو گرا چاہتی تھی“ میں دیوار کی طرف ارادے کی نسبت کی گئی ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری:512/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:147/1.

امام رازی، قرطبی اور دیگر کئی ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان میں یہ صفت پیدا فرما دیتا ہے۔① جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا ﴾ (الأحزاب 72:33) ''بے شک ہم نے (بارِ) امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے۔'' ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط ﴾ (بنی إسرآءیل 44:17) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں۔'' ﴿ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○ ﴾ (الرحمٰن 6:55) ''اور بیلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔'' ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ ﴾ (النحل 48:16) ''کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے لوٹتے (ڈھلتے) رہتے ہیں؟'' نیز فرمایا: ﴿ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 11:41) ''تو ان دونوں (زمین وآسمان) نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط ﴾ (الحشر 21:59) ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا۔'' نیز فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ط قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (حٰمٓ السجدة 21:41) ''اور وہ اپنے چمڑوں (اعضاء) سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے: اس اللہ نے ہم کو بھی گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو قوت گویائی بخشی ہے۔''

صحیح حدیث میں ہے: [هٰذَا جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ] ''یہ (أحد) پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''② حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ کھجور کا وہ تنا جس کے سہارے رسول اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، منبر بننے کے بعد رونے لگ گیا تھا۔③ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ] ''یقیناً میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھے سلام کیا کرتا تھا، بلاشبہ میں اسے اب تک پہچانتا ہوں۔''④

اسی طرح حجر اسود کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ روز قیامت [يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ] ''جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اس کو بوسہ دیا، یہ اس کے حق میں گواہی دے گا۔''⑤ علاوہ ازیں اس مفہوم کی اور بھی بہت سی

---

① تفسير القرطبي:465/1 وتفسير الرازي:131,130/3. ② صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الخدمة في الغزو، حديث:2889 وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث:1365 عن أنس بن مالك ﷺ. ③ صحيح البخاري، الجمعة، باب الخطبة على المنبر، حديث: 918 عن جابر بن عبدالله ﷺ وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في بدء شأن المنبر، حديث:1414عن أبي بن كعب ﷺ. و مسند أحمد:267/1 عن ابن عباس وأنس بن مالك ﷺ. ④ صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ ......، حديث:2277 عن جابر بن سمرة ﷺ. ⑤ مسند أحمد:247/1 وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الحجر الأسود، حديث:961 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب استلام الحجر، حديث:2944 عن ابن عباس ﷺ.

نصوص کتاب وسنت میں موجود ہیں۔

علمائے لغت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ ''گویا وہ پتھر ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔'' میں ﴿ أَوْ ﴾ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس بات پر تو اجماع ہے کہ یہ محال ہے کہ یہاں ﴿ أَوْ ﴾ شک کے معنی میں ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿ أَوْ ﴾ یہاں واؤ ''اور'' کے معنی میں ہے، یعنی گویا وہ پتھر ہیں اور اس سے بھی زیادہ سخت جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴾ (الدھر 24:76) ''اور ان میں سے کسی ناشکرے اور گناہ گار کی اطاعت نہ کیجیے۔'' اور ﴿ عُذْرًا أَوْ نُذْرًا ۝ ﴾ (المرسلٰت 6:77) ''عذر (ختم کرنے) اور ڈر سنانے کو'' میں بھی ﴿ أَوْ ﴾ واؤ کے معنی میں ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے: ﴿ أَوْ ﴾ یہاں بَلْ ''بلکہ'' کے معنی میں ہے، یعنی گویا وہ پتھر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ (النسآء 77:4) ''اچانک ان میں ایک گروہ کافر لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف زدہ تھا۔'' اور ﴿ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 147:37) ''اور ہم نے اسے ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف بھیجا بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ تھے۔'' اور ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ ﴾ (النّجم 9:53) ''تو وہ دو کمانوں جتنا بلکہ اس سے بھی قریب تر ہو گیا'' میں ﴿ أَوْ ﴾ بَلْ ''بلکہ'' کے معنی میں ہے۔

کچھ اور لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں: گویا وہ پتھر ہیں یا تمھارے نزدیک ان سے بھی زیادہ سخت۔ اسے ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[1] بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارے دل ان دو مثالوں میں سے کسی ایک سے باہر نہیں ہیں، یعنی یا تو وہ پتھروں کی طرح سخت یا سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں۔[2]

امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس تفسیر کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ بعض دل پتھروں کی طرح ہیں اور بعض پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔[3] ابن جریر نے دیگر معانی بھی بیان کیے ہیں مگر اس آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔[4] اس کی مثال ایسے ہے، جیسے: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ﴾ (البقرۃ 17:2) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی'' کے ساتھ دوسری مثال: ﴿ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ ﴾ (البقرۃ 19:2) ''یا (ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے آتی ہے'' بیان کی گئی ہے۔ اور ﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ ﴾ (النور 39:24) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل میدان میں سراب (چمکتی ریت) جیسے ہیں'' کے بعد دوسری مثال: ﴿ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ﴾ (النور 40:24) ''یا (کافروں کے اعمال) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں'' بیان کی گئی ہے، یعنی ان میں سے کچھ لوگ اس طرح کے ہیں۔ اور کچھ اس طرح کے۔ واللہ أعلم.

[1] تفسیر الطبری: 1/513، 514. [2] تفسیر الطبری: 1/513. [3] تفسیر الطبری: 1/513. [4] تفسیر الطبری: 1/514.

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ

(مسلمانو!) کیا پھر تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمھاری بات مان لیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک فریق ایسا ہے کہ وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر وہ اسے سمجھ لینے کے بعد اس میں

مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿75﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ

تحریف کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿75﴾ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں: ہم بھی ایمان لائے ہیں، اور جب وہ ایک دوسرے کے

قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿76﴾ اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ

ساتھ تنہا ہوتے ہیں تو (آپس میں) کہتے ہیں: کیا تم مسلمانوں کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ تمھارے رب کے ہاں تمھارے خلاف ان باتوں کو

اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿77﴾

بطور حجت پیش کریں؟ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿76﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں؟ ﴿77﴾

تفسیر آیات: 75-77

عہد نبوی کے یہودیوں کے ایمان سے ناامیدی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مومنو! کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہود کا یہ گمراہ فرقہ تمھاری اطاعت وفرماں برداری کو اختیار کر لے گا؟ ان کے آباء واجداد نے بھی بڑی بڑی نشانیوں اور معجزات کا مشاہدہ کیا تھا لیکن پھر بھی ان کے دل سخت ہو گئے تھے۔ ﴿وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ﴾ ''اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلام (تورات) کو سنتے، پھر اس کو واضح طور پر سمجھ لینے کے باوجود اس کو بدل دیتے رہے ہیں۔'' یعنی حقیقی مراد کے علاوہ اور مطلب بتاتے رہے ہیں۔ ﴿وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿75﴾﴾ یعنی وہ جانتے بھی تھے کہ اس تحریف اور تاویل کو اختیار کر کے وہ سخت غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

قرآن مجید کا یہ مقام درج ذیل آیت سے کافی مشابہت رکھتا ہے: ﴿فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ ۙ﴾ (المآئدۃ 5:13) ''چنانچہ ان لوگوں کے اپنا عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا یہ لوگ کلماتِ (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل ڈالتے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿75﴾﴾ ''پھر وہ اس (اللہ کے کلام) کو واضح طور پر سمجھ لینے کے باوجود جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔'' کے بارے میں قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں جو اللہ کے کلام کو سننے اور سمجھنے اور یاد رکھنے کے باوجود اس کو بدل دیتے تھے۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ ان کے علماء تھے جو کتاب الٰہی میں تحریف کرتے اور اسے چھپاتے تھے۔[2] ابن وہب نے ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ یہ لوگ اس تورات میں تحریف کر دیتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نازل فرمایا تھا۔ اور وہ اس طرح کہ یہ لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال، حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دیتے تھے، اگر کوئی باطل شخص انھیں رشوت دے دیتا تو کتاب الٰہی نکال کر اسے حق ثابت کر دیتے اور اگر کوئی ان سے کسی ایسی چیز کے بارے میں پوچھتا جس سے حق یا رشوت یا کسی اور چیز کا تعلق نہ ہوتا تو اسے حق بات بتا دیتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:[3]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 149/1. [2] تفسیر الطبری: 519/1. [3] تفسیر الطبری: 520/1.

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ2:44) ''کیا (یہ عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کیے دیتے ہو، حالانکہ تم کتاب (اللہ) بھی پڑھتے ہو، کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟''

یہود رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے مگر ایمان نہیں لاتے تھے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ کے بارے میں محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں، یعنی اس بات پر کہ تمھارے صاحب محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں لیکن وہ خاص تمھارے لیے ہیں۔ ① اور جس وقت باہم ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے کہ عربوں کو اس کے بارے میں نہ بتاؤ کہ پہلے تم ہمیشہ ان عربوں پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدد مانگا کرتے تھے اور اب وہ انھی میں سے ہیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ ﴾ ''یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے، وہ تم ان کو اس لیے بتاتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمھارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں؟''

یعنی تم یہ اقرار کرتے ہو کہ یہ اللہ کے نبی ہیں اور تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم سے پیغمبر آخر الزماں کی اطاعت و پیروی کا عہد و میثاق لیا گیا ہے اور وہ بتاتے بھی ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کرتے تھے اور جن کے بارے میں ہم اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں، لہٰذا تم انکار کر دو اور آپ کے نبی ہونے کا اقرار نہ کرو۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے۔''

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ یہود جب مومنوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے کہ اصحاب محمد (ﷺ) کو یہ بات نہ بتاؤ جو اللہ نے تم پر ظاہر کر دی ہے اور جو تمھاری کتاب میں موجود ہے تاکہ تمھارے رب کے پاس تمھیں الزام دے کر تم پر غالب نہ آ جائیں۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے۔'' کے متعلق ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ انھوں نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر اور تکذیب کو چھپایا، حالانکہ یہ آپ کے بارے میں اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ③

① تفسير الطبری:523,522/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:151/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:151/1.

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿78﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

اور ان میں سے کچھ اَن پڑھ ہیں، وہ کتاب کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور بس وہ صرف گمان کرتے ہیں﴿78﴾ چنانچہ ان لوگوں

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں،

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾ النصف

چنانچہ ان کے ہاتھوں نے جو لکھا اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے، اور جو وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے﴿79﴾

حسن فرماتے ہیں کہ ان کے چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے الگ ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: خبردار! تم میں سے کوئی اصحاب محمد ﷺ کو وہ نہ بتائے جو اللہ نے تم پر ظاہر کر دیا اور تمھاری کتابوں میں لکھا ہوا ہے تاکہ اصحاب محمد ﷺ اسے تمھارے خلاف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔[1] اور ظاہر کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ ابو العالیہ، ربیع اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

تفسیر آیات : 79,78

"اُمِّیٌّ" کے معنی: ﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ ﴾ "اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں۔" مجاہد فرماتے ہیں: یعنی اہل کتاب میں سے۔[3] اور ﴿ اُمِّيُّوْنَ ﴾ اُمِّیٌّ کی جمع ہے۔ اور اُمِّیٌّ اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو۔ ابراہیم نخعی اور کئی ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔[4]

اور فرمان الٰہی: ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ "وہ کتاب نہیں جانتے" سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے، یعنی وہ نہیں جانتے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ ابو العالیہ، قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5] نبیٔ اکرم ﷺ کی صفت اُمِّی بھی اس لیے ہے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 48:29) "اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَّا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ ، الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا......] "ہم ناخواندہ لوگ ہیں نہ لکھنا جانیں اور نہ حساب، مہینا کبھی اتنا، اتنا اور اتنا ہوتا ہے (ایک دفعہ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے 29 دن اور دوسری دفعہ 30 دن شمار کروائے۔)"[6] یعنی ہم اپنی عبادات اور ان کے اوقات کے لیے حساب کتاب کے محتاج نہیں ہیں۔ اللہ

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:151/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:151/1. [3] تفسیر الطبری:527/1. [4] تفسیر الطبری: 528/1. [5] تفسیر ابن أبي حاتم:152/1. [6] صحیح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ: [لا نكتب ولا نحسب]، حديث:1913 و صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان ......، حديث: (15)-1080 واللفظ له عن ابن عمر رضي الله عنهما.

تبارک وتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ (الجمعة2:62) ''وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انھی میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا۔''

''أَمَانِيَّ'' کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اَمَانِيَّ ﴾ کے بارے میں امام ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی منہ کی جھوٹی باتوں کے ہیں۔[1] ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کی خواہشات اور تمنائیں ہیں جو وہ کرتے ہیں۔[2] مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اُمّی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اس کتاب کو نہیں سمجھتے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا بلکہ وہ جھوٹی اور باطل باتیں از خود گھڑتے رہتے ہیں۔[3] یہاں تمنی کے معنی از خود جھوٹ گھڑنا ہے۔[4] امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ﴿ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔[5] قتادہ، ابوالعالیہ اور ربیع رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے بارے میں ناحق بدگمانیاں کرتے ہیں۔[6]

تحریف کرنے والے یہود کے لیے تباہی و بربادی: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (دنیوی منفعت) حاصل کریں۔'' یہ یہود کی ایک دوسری قسم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی اور خود ساختہ باتیں منسوب کر کے ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت دیتے اور لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھاتے تھے۔ اَلْوَيْل کے معنی ہلاکت و بربادی کے ہیں۔ یہ عربی زبان کا ایک مشہور لفظ ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن عبداللہ نے مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازہ تازہ خبریں ہیں؟ تمھارے پاس یہ تر وتازہ کتاب موجود ہے جو خالص ہے اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں اہل کتاب کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف وتبدیلی کر دی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت، یعنی دنیوی منفعت حاصل کر لیں۔ تمھارے پاس جو علم ہے کیا یہ تمھیں ان سے پوچھنے سے روکتا نہیں؟ اللہ کی قسم! ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی شخص نے اس کے بارے میں تم سے پوچھا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔[7] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[8]

---

[1] تفسير الطبري:529/1. [2] تفسير الطبري:530/1. [3] تفسير الطبري:530/1. [4] تفسير الطبري:530/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم:152/1. [6] تفسير ابن أبي حاتم:152/1. [7] تفسير ابن أبي حاتم:154/1. [8] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: [لاتسئلوا أهل الكتاب عن شيء]، حديث:7363 عن ابن عباس رضي الله عنهما.

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ

اور انھوں نے کہا: آگ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟ پھر تو اللہ اپنے عہد کے

اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿80﴾

خلاف ہرگز نہیں کرے گا، کیا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ ﴿80﴾

حسن بن ابوالحسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام کی تمام دنیا ہی ثمن قلیل (تھوڑی قیمت) ہے۔ ①

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴾ ''چنانچہ ان کے ہاتھوں نے جو (بے اصل) لکھا اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے اور جو وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے (پھر) ان کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی اس پر بھی ہلاکت ہے جو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے جھوٹ، بہتان اور افترا پر مبنی باتیں لکھیں اور اس پر بھی ہلاکت ہے جو انھوں نے ان جھوٹی باتوں سے حرام کما کر کھایا جیسا کہ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ ﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ ﴾ یعنی انھوں نے اپنے ہاتھوں سے جو جھوٹ لکھا اس کی وجہ سے انھیں عذاب ہوگا۔ ﴿ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴾ اور جو یہ لوگوں کا مال کھاتے ہیں اس کی وجہ سے بھی یہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ ②

تفسیر آیت: 80

یہودیوں کی خوش فہمی ہے کہ وہ جہنم میں صرف چند روز رہیں گے: اللہ تعالیٰ یہود کے بارے میں یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ انھوں نے اپنے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں دوزخ کی آگ چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ چند روز کے بعد وہ اس سے نجات پا جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے اس کے بارے میں کوئی عہد و قرار لے رکھا ہے؟'' اگر ایسا ہے پھر تو وہ اپنے عہد و قرار کے خلاف نہیں کرے گا لیکن ایسا تو نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں أَمْ کا حرف استعمال کیا گیا ہے جو بَلْ کے معنی میں ہے، یعنی ایسا کوئی وعدہ تو نہیں ہے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف کذب و افتراء سے ایسی باتیں منسوب کر رہے ہو جو تم جانتے نہیں ہو۔

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ ہمیں آگ صرف چالیس راتوں تک چھوئے گی۔ ③ دیگر مفسّرین نے کہا ہے: یعنی ان کے بقول صرف اتنی مدت جس میں انھوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ ④

حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے زہر آلود گوشت کا تحفہ دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[اِجْمَعُوا لِي مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنْ يَّهُودَ (فَجُمِعُوا لَهُ ، فَقَالَ لَهُمْ: إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ)، قَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ أَبُوكُمْ؟ قَالُوا : فُلَانٌ، فَقَالَ : كَذَبْتُمْ ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ،

① تفسير ابن أبي حاتم :155/1. ② تفسير الطبري :537/1. ③ تفسير الطبري :538/1. ④ تفسير الطبري :538/1.

بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿81﴾

کیوں نہیں! جس نے کوئی برائی کمائی اور اسے اس کی برائی نے گھیر لیا، تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿81﴾

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿82﴾ ع 11/9

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿82﴾

قَالُوا:صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ ، فَقَالَ لَهُمْ : هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ ؟ فَقَالُوا : نَعَمْ، يَا أَبَا الْقَاسِمِ ! وَإِنْ كَذَبْنَاكَ عَرَفْتَ كَذِبَنَا كَمَا عَرَفْتَهُ فِي أَبِينَا ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ أَهْلُ النَّارِ ؟ فَقَالُوا: نَكُونُ فِيهَا يَسِيرًا ثُمَّ تَخْلُفُونَا فِيهَا ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿ اخْسَئُوْا فِيْهَا ﴾ (المؤمنون23:108) وَاللّٰهِ ! لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ : فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ ؟ قَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ! قَالَ : هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سُمًّا ؟ فَقَالُوا : نَعَمْ ، فَقَالَ : مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ ؟ فَقَالُوا : أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا نَّسْتَرِيحُ مِنْكَ ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَّمْ يَضُرَّكَ]

”یہاں جو یہودی موجود ہیں، انھیں میرے پاس جمع کرو، جب وہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: میں تم سے کچھ پوچھنے لگا ہوں کیا تم مجھے سچ سچ بتا دو گے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تو نبی ﷺ نے پوچھا: تمھارا باپ کون ہے؟ انھوں نے کہا: فلاں، آپ نے فرمایا: نہیں تم جھوٹ کہتے ہو، تمھارا باپ تو فلاں ہے، انھوں نے جواب دیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں، پھر آپ نے ان سے فرمایا: اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو کیا سچ سچ بتا دو گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، ابوالقاسم! ہم سچ بتائیں گے اور اگر ہم نے آپ سے جھوٹ بولا تو آپ اسی طرح ہمارے جھوٹ کو پہچان لیں گے جس طرح ہمارے باپ کے بارے میں آپ نے ہمارے جھوٹ کو پہچان لیا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ جہنمی کون لوگ ہیں؟ کہنے لگے کہ تھوڑی مدت کے لیے تو ہم جہنم میں رہیں گے، پھر ہمارے بعد تم آ جاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ”تم ذلیل و خوار ہو کر جہنم ہی میں رہو گے“، ہم کبھی بھی تمھارے جانشین نہیں بنیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پھر فرمایا کہ اگر میں تم سے کچھ پوچھوں تو کیا سچ سچ بتاؤ گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، ابوالقاسم (ﷺ)! آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کر لیں گے اور اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو پھر یہ زہر آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

امام احمد، بخاری اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ [1]

[1] صحیح البخاری، الجزية والموادعة، باب إذا غدر المشركون بالمسلمين......، حدیث:5777,3169 قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں جبکہ یہ الفاظ بخاری کی ان دو روایات سے ماخوذ ہیں۔ و مسند أحمد:451/2 و السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ اخْسَئُوْا فِيْهَا ﴾ (المؤمنون23:108):413/6 ، حدیث:11355.

تفسیر آیات:82,81

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: نہیں بات اس طرح نہیں جس طرح تم تمنا رکھتے اور خواہش کرتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ جو برا کام کرے اور اس کے گناہ ہر طرف سے اسے گھیر لیں اور وہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہو بلکہ اس کے تمام اعمال برائیوں ہی پر مشتمل ہوں تو ایسا شخص جہنم ہی میں رہے گا۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں اور شریعت کے مطابق نیک اعمال کریں تو وہ جنت کے عیش و آرام میں رہیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○ ﴾ (النسآء4:123,124) ”(نجات کا دارومدار) نہ تو تمھاری آرزوؤں اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (بلکہ) جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار۔ اور جو نیک کام کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو وائل، عطاء اور حسن فرماتے ہیں: ﴿ وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ ﴾ ”اور اس کے گناہوں نے اس کو گھیر لیا“ میں گناہ سے مراد شرک ہے۔[1] اعمش نے ابو رزین کے حوالے سے ربیع بن خُثَیم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو توبہ کیے بغیر گناہوں کے ساتھ مر جائے۔[2] سدی اور ابو رزین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابو العالیہ اور ایک روایت کے مطابق حسن اور مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے۔[3] ان تمام اقوال کا تقریباً ایک ہی مفہوم ہے۔ واللہ أعلم.

صغیرہ گناہ بھی ہلاکت کا باعث ہیں: یہاں اس حدیث کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّهُنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتّٰى يُهْلِكْنَهُ ، وَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ضَرَبَ لَهُنَّ مَثَلًا كَمَثَلِ قَوْمٍ نَّزَلُوا أَرْضَ فَلَاةٍ ، فَحَضَرَ صَنِيعُ الْقَوْمِ ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْطَلِقُ فَيَجِيءُ بِالْعُودِ ، وَالرَّجُلُ يَجِيءُ بِالْعُودِ ، حَتّٰى جَمَعُوا سَوَادًا ، فَأَجَّجُوا نَارًا وَّأَنْضَجُوا مَا قَذَفُوا فِيهَا] ”چھوٹے اور حقیر گناہوں سے بھی بچو کیونکہ یہ بھی جمع ہو کر آدمی کی ہلاکت و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر فرمایا کہ جیسے کچھ لوگ جنگل میں جمع ہوں اور جب کھانا پکانے کا وقت آ جائے تو ایک ایک آدمی ایک ایک لکڑی لے آئے حتی کہ اس سے لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے، وہ اسے آگ لگا دیں اور انھوں نے جو کچھ اس میں ڈالا ہے اسے پکا لیں۔“[4]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾ ﴾

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:158/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:158/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:159/1. [4] مسند أحمد: 403,402/1.

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کرنا

وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا

اور تم لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، اور نماز قائم کرنا، اور زکوۃ دینا، پھر تم اس (وعدے) سے پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے (اس کے پابند رہے) اور تم تو پھر

قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿83﴾

جانے والے ہی ہو﴿83﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو شخص اس دین پر ایمان لایا جس کا (اے یہودیو!) تم نے کفر کیا ہے اور اس نے اس کے مطابق عمل کیا جس کو تم نے چھوڑا ہے تو اس کے لیے جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے گویا یہ فرمایا ہے کہ خیر کا ثواب اور شر کا عذاب اچھے برے اعمال بجالانے والوں کو ہمیشہ ملتا رہے گا اور یہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ ①

تفسیر آیت:83

میثاقِ بنی اسرائیل: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو وہ احکام یاد دلا رہا ہے جن کا اس نے انھیں نہ صرف حکم دیا تھا بلکہ ان سے پختہ عہد بھی لیا تھا کہ وہ انھیں بجالائیں گے لیکن یہ ان سب باتوں سے پھر گئے تھے اور قصداً اور ارادۃً جانتے بوجھتے ہوئے انھوں نے ان سے اعراض کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ حکم دیا تھا کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اللہ تعالیٰ نے صرف انھیں ہی نہیں بلکہ اپنی تمام مخلوق کو یہی حکم دیا ہے اور اسی کی خاطر اس نے سب کو پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ۝ ﴾ (الأنبیآء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف بھی یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ ۚ ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (بتوں کی پرستش) سے اجتناب کرو۔'' سب سے اعلیٰ اور عظیم ترین حق اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اور وہ یہ کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔

اللہ کے اس حق کے بعد مخلوق کے حقوق کی باری آتی ہے اور مخلوق کے حقوق میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق اور والدین کے حق کو ملا کر بیان فرماتا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ۝ ﴾ (لقمٰن 14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' اور

① تفسیر ابن أبي حاتم: 159/1.

فرمایا: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنی إسرآء یل 23:17) ''اور تمھارے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾ (بنی إسرآء یل 26:17) ''اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔''

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: والدین سے حسن سلوک، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔''①

﴿ الْيَتٰمٰى ﴾ یتیم کی جمع ہے۔ اور اس سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کا کمانے والا باپ نہ ہو۔ اور ﴿ الْمَسٰكِيْنِ ﴾ مِسکین کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو۔ ان اصناف کے بارے میں سورۂ نساء کی اس آیت میں ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (النسآء 36:4) ''اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ یعنی لوگوں سے اچھی باتیں کرو اور ان سے نرمی سے پیش آؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اسی میں داخل ہے۔ ﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اچھی بات یہ بھی ہے کہ انسان نیکی کا حکم دے، برائی سے منع کرے، حلم و درگزر سے کام لے، لوگوں کو معاف کر دیا کرے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اور وہ حسن خلق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔②

امام احمد نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فَالْقَ أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ] ''کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو اور کرنے کو کوئی کام نہ ہو تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی ہی سے پیش آؤ۔''③

پہلے حکم دیا کہ بالفعل لوگوں سے احسان کرو اور اس کے بعد یہ حکم انتہائی مناسب ہے کہ لوگوں سے بات بھی اچھی کرو تا کہ فعلی اور قولی دونوں احسان یکجا ہو جائیں، پھر اللہ نے اپنی عبادت اور لوگوں سے ایک متعین احسان کا حکم دیا، یعنی نماز اور زکاۃ کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان تمام باتوں سے اعراض کیا اور دیدہ و دانستہ انھوں نے ان کو پس

① صحيح البخاري، مواقيت الصّلاة، باب فضل الصلاة لوقتها ، حديث:527، 2782 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث:85. ② تفسير ابن أبي حاتم :1/161، 162. ③ صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حديث:2626 ومسند أحمد:173/5 واللفظ له . وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في طلاقة الوجه......، حديث:1970.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ نکالو گے اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ

(اس بات کے) گواہ ہو ﴿84﴾ پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو، تم ان کے خلاف

دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ

گناہ اور زیادتی کے ساتھ دوسروں کی مدد کرتے ہو۔ اور اگر وہ تمھارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم انھیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، حالانکہ تم پر ان کا

عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ

نکال دینا ہی حرام کر دیا گیا تھا۔ کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا اس

ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا

کی سزا اس کے سوا کوئی نہیں کہ رسوائی ہو دنیاوی زندگی میں اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ اور تم جو عمل کرتے ہو

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿85﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ

اللہ اس سے غافل نہیں ہے ﴿85﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے زندگانی دنیا کو آخرت کے عوض خرید لیا ہے، لہٰذا نہ تو ان سے عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾ ع 10/4/10

مدد ہی کی جائے گی ﴿86﴾

پشت ڈال دیا۔ ان میں سے صرف چند لوگ ہی تھے جو ان پر کاربند رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس امت کو بھی اس قسم کی باتوں کا حکم دیتے ہوئے سورۂ نساء میں فرمایا ہے: ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴾ (النسآء 36:4) ''اور تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور رفقائے پہلو (پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمھارے لونڈی وغلام ہوں، سب کے ساتھ احسان کرو کہ بے شک اللہ (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) ہر تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔'' ہماری امت ان سب باتوں پر عمل پیرا ہے جن پر سابقہ امتوں میں سے کوئی امت بھی عمل نہ کر سکی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ .

تفسیر آیات: 84-86

معاہدے کی دفعات اور بنی اسرائیل کی عہد شکنی: اللہ تبارک وتعالیٰ عہد رسول ﷺ میں مدینہ کے یہودیوں اور اوس و خزرج کے ساتھ ان کے لڑائی جھگڑوں کی تردید فرما رہا ہے۔ اوس وخزرج کے لوگ جو مشرف بہ اسلام ہو کر انصار کہلائے، زمانۂ جاہلیت میں بت پرست تھے اور ان میں بہت سی جنگیں ہوئی تھیں۔

یہود مدینہ تین قبیلوں میں منقسم تھے جن میں سے بنو قَیْنُقَاع اور بَنُو نَضِیر خَزرَج کے حلیف تھے جبکہ بنو قُرَیظَه اُوس کے حلیف تھے، جب ان میں جنگ برپا ہو جاتی تو ہر فریق اپنے حلیفوں کا ساتھ دیتا اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتا۔ اس طرح دونوں طرف کے یہودی یہودیوں ہی کے ہاتھوں مارے جاتے تھے، حالانکہ یہ ان کے دین اور ان کی کتاب کی رو سے حرام تھا، پھر یہ ان کو ان کے گھروں سے بھی نکال دیتے اور گھروں کے مال اور ساز و سامان کو بھی لوٹ لیتے تھے، پھر جب جنگ کے بادل چھٹ جاتے تو وہ تورات کے حکم کے مطابق مغلوب فریق کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ ”(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم (اللہ کی) کتاب کے ایک حصے (بعض احکام) کو تو مانتے ہو اور ایک حصے (بعض) کا انکار کرتے ہو؟“ اسی لیے مزید فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ﴾ یعنی ہم نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کرو گے، نہ گھروں سے نکالو گے اور نہ ان پر چڑھائی کرو گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ﴾ (البقرۃ54:2) ”لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو، تمھارے خالق کے نزدیک تمھارے حق میں یہی بہتر ہے۔“

اس آیت میں بھی ﴿ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ﴾ کی طرح ﴿ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ فرمایا گیا ہے اس لیے کہ ایک ہی ملت کے ماننے والے ایک ہی جان کے مانند ہوتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى] ”مومنوں کی مثال آپس کی محبت، رحمت و شفقت اور صلہ رحمی کے اعتبار سے ایک ہی جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور بیداری کے باعث بے قرار ہو جاتا ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ پھر تم نے اس عہد و پیمان کی معرفت اور صحت کا اقرار بھی کر لیا اور تم اس بات کے گواہ بھی ہو۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ﴾ ”پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے اس فعل کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے تورات میں ان کے لیے آپس میں کُشت و خون کو حرام قرار دیا تھا اور اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانا فرض قرار دیا تھا۔[2]

یہودیوں کے دو گروہ تھے ایک گروہ میں بنو قَیْنُقَاع تھے جو خَزرَج کے حلیف تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ اوس و خزرج میں جب جنگ ہوتی تو بنو قینقاع خزرج کا ساتھ دیتے اور بنو نضیر و قریظہ خاندان اوس کا ساتھ دیتے تھے۔

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث:6011 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين ......، حديث:2586 واللفظ له عن النعمان بن بشير رضي الله عنه. [2] تفسير ابن أبي حاتم:167/1.

ان میں سے ہر گروہ اپنے حلیف کو اپنے ہی بھائیوں کے مقابلے میں لا کھڑا کرتا تھا جس کی وجہ سے یہ آپس ہی میں کُشت و خون شروع کر دیتے، حالانکہ ان کے پاس تورات موجود تھی جس میں لکھے ہوئے اپنے حقوق و فرائض کو یہ جانتے تھے۔ اوس و خزرج کے قبیلے مشرک اور بت پرست تھے۔ انھیں جنت و جہنم، بعث و قیامت، اللہ کی کتاب اور حلال و حرام کا کوئی علم نہ تھا جبکہ ان یہودیوں کو ان سب باتوں کا علم تھا۔ جب جنگ کے بادل چھٹ جاتے تو بزعم خود تورات کی تصدیق اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے اپنے قیدیوں کو فدیہ ادا کر کے رہا کرا لیتے تھے۔ بنو قینقاع اوس کے ہاتھوں سے اپنے قیدیوں کو رہا کروا لیتے اور بنو نضیر و قریظہ خزرج کے ہاتھوں سے اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے تھے اور مشرکوں کو اپنے اوپر چڑھا لانے کی وجہ سے انھوں نے نامعلوم اپنے کتنے ہی لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ ''کیا تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو؟'' یعنی تورات کے حکم کے مطابق فدیہ دے کر قیدیوں کو تو چھڑا لیتے ہو لیکن اس بات کو فراموش کر دیتے ہو کہ تورات میں یہ بھی تو لکھا ہوا ہے کہ کسی کو قتل نہ کیا جائے، یا اسے گھر سے نہ نکالا جائے اور محض دنیا کے حصول کی خاطر ان لوگوں کو غالب نہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے اور اس کے بجائے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اوس و خزرج کے ساتھ اس معاملے ہی کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اس آیت کریمہ اور اس کے اس سیاق سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس وجہ سے مذمت بیان کی ہے کہ تورات کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھنے کے باوجود یہ لوگ اس کے بعض احکام کو مانتے اور بعض سے انکار کر دیتے تھے، حالانکہ یہ جانتے اور اس بات کی گواہی بھی دیتے تھے کہ یہ صحیح کتاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تورات کے حوالے سے یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس پر انھیں امین قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ان کی تصدیق کی جا سکتی ہے کیونکہ انھوں نے ان تمام باتوں کو بھی چھپا لیا تھا جن کا تعلق نبیٔ اکرم ﷺ کی صفت، بعثت، ہجرت اور آپ کی حیات طیبہ کے ان واقعات سے تھا جن کے بارے میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام نے پیش گوئیاں فرمائی تھیں اور وہ تورات میں لکھی ہوئی تھیں مگر یہود نے۔ اللہ ان پر لعنت فرمائے۔ ان تمام باتوں کو چھپا لیا تھا۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا اس کی سزا اس کے سوا کوئی نہیں کہ رسوائی ہو دنیا کی زندگی میں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے ان کی سزا یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہوں گے۔ ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ﴾ ''اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔'' اور یہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب، جو ان کے پاس موجود ہے، کی مخالفت کی سزا ہوگی ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ ان کے اعمال سے غافل بھی نہیں ہے۔''

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ﴾ ''یہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی کو خرید لیا ہے۔'' ﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ﴾ ''لہٰذا (ایک لمحے کے لیے بھی) ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی۔'' ﴿ وَلَا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلے معجزات دیے اور اسے روح

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ

القدس (جبریل) کے ساتھ قوت دی، کیا پھر جب کبھی تمھارے پاس کوئی رسول وہ چیز لایا جسے تمھارے نفس نہ چاہتے تھے، تو تم نے تکبر کیا، پھر تم نے ایک

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾

فریق کو جھٹلایا اور دوسرے فریق کو تم قتل کر دیتے رہے؟ ﴿87﴾

﴿ هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾ ﴾ ''اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی۔'' یعنی نہ ان کا کوئی حامی و ناصر ہی ہوگا جو اس دائمی اور سرمدی عذاب سے انھیں نجات دلا سکے۔

تفسیر آیت: 87

یہود کا تکبر، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب وقتل: اس مقام پر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فرما رہا ہے کہ انھوں نے سرکشی، عناد، تکبر اور انبیاء کی مخالفت کی روش کو اختیار کیا اور یہ اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی مگر انھوں نے اس کتاب، یعنی تورات میں تحریف و تبدیلی کر دی۔ اس کے احکام کی مخالفت اور تاویل کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد اور بھی بہت سے رسولوں اور نبیوں کو بھیجا جو ان کی شریعت کے مطابق حکم دیتے تھے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ ﴾ (المآئدة 5: 44) ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور اللہ والے اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر وہ گواہ تھے۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ ﴾ ''اور ہم نے اس کے بعد اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے۔'' سدی، ابو مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿ قَفَّيْنَا ﴾ بمعنی أَتْبَعْنَا ہے کہ ہم نے ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجے۔ [1] اور بعض نے ﴿ قَفَّيْنَا ﴾ بمعنی أَرْدَفْنَا لیا ہے۔ تمام مفاہیم قریب ہی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ﴾ (المؤمنون 23:44) ''پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے'' حتی کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیج کر انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ ختم کر دیا جو تورات سے کچھ مختلف احکام لے کر تشریف لائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں کھلے نشانات، یعنی معجزات عطا فرمائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان معجزات سے مراد ان کا مردوں کو زندہ کرنا، مٹی سے پرندے کی شکل کا جانور بنانا، اس میں پھونک مارنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا پرندہ بن جانا، بیماروں کو شفایاب کرنا اور ان پوشیدہ چیزوں کی خبریں دینا جن کو وہ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 168/1.

گھروں میں ذخیرہ کرتے تھے۔[1] اور اللہ تعالیٰ کا روح القدس، یعنی جبرئیل سے ان کی مدد کرنا۔[2] یہ تمام معجزات اس بات کی دلیل تھے کہ وہ اللہ کے پاس سے جس شریعت کو لے کر آئے ہیں وہ سچی شریعت ہے مگر بنی اسرائیل نے ان کی شدید تکذیب کی اور تورات سے کچھ مختلف احکام لانے کی وجہ سے ان سے شدید عناد اور حسد کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ (آل عمران3:50) ''اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمھارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔''

بنی اسرائیل نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ حد درجہ برا سلوک کیا، بعض کی تکذیب کی اور بعض کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اس لیے کہ وہ ایسے احکام لے کر آئے تھے جو ان کی خواہشات اور آراء کے خلاف ہوتے تھے۔ اور وہ انھیں احکام تورات کی پابندی کا حکم دیتے جس کی مخالفت کو انھوں نے اختیار کر رکھا تھا لیکن یہ باتیں انھیں بہت گراں گزرتی تھیں، اس لیے یہ ان کی تکذیب کرتے بلکہ بسا اوقات ان کے مقدس خون سے ہولی کھیلنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿87﴾ ﴾ ''کیا پھر جب کوئی پیغمبر تمھارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمھارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے، پھر (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے؟''

روح القدس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں: اس بات کی دلیل کہ روح القدس سے مراد جبرئیل ہیں صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا۔[3] اور وہ رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کرتے تھے۔[4] آپ نے ان کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا: [اَللّٰهُمَّ ! أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ]، [مَا نَافَحَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ] ''اے اللہ! حسّان کی روح القدس کے ساتھ مدد فرما[5] جب تک وہ رسول اللہ کی مدافعت کرتا رہے۔''[6] اس حدیث کو بالفاظ دیگر ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[7]

روح القدس سے مراد جبرئیل ہی ہیں جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں صراحتاً مروی ہے۔[8] نیز ابن

---

① تفسير ابن أبي حاتم:168/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:168/1. ③ جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في إنشاد الشعر، حديث:2846 عن عائشة ﷺ. ④ صحيح البخاري، المناقب، باب من أحب أن لايسبّ نسبه، حديث: 3531. ⑤ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم ،حديث:3212 عن حسان بن ثابت ﷺ. وَفِي رِوَايَةٍ: [اُهْجُهُمْ وَ جِبْرِيلُ مَعَكَ] حديث:3213 عن البراء ﷺ. ⑥ سنن أبي داود، الأدب، باب ماجاء في الشعر، حديث:5015 عن عائشة ﷺ. ⑦ سنن أبي داود، الأدب، باب ماجاء في الشعر، حديث:5015 و جامع الترمذي، الأدب، ماجاء في إنشاد الشعر، حديث:2846 عن عائشة ﷺ. ⑧ تفسيرابن أبي حاتم:168/1.

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾

اور انھوں نے کہا: ہمارے دل غلافوں میں ہیں، (نہیں) بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کی ہے، لہٰذا کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں ﴿88﴾

عباس،[1] محمد بن کعب، اسماعیل بن ابوخالد، سدی، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] اس کی تائید میں یہ آیت بھی ہے: ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ ﴾ (الشعرآء26:193,194) ''اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (اس نے) آپ کے دل پر (القاء کیا ہے) تاکہ (لوگوں کو) ڈراتے رہیں۔''

صحیح ابن حبان میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا (وَأَجَلَهَا)، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ] ''روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک فوت نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے رزق اور عمر کو پورا نہ کر لے، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے رزق تلاش کرو۔''[3]

یہود کا قتلِ انبیاء علیہم السلام کی کوششوں کو جاری رکھنا: زمخشری نے ﴿ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾ ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا: وَفَرِيقًا قَتَلْتُمْ ''اور ایک گروہ کو تم نے قتل کیا۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ یہاں یہ بیان فرمانا چاہتا ہے کہ ماضی ہی میں نہیں بلکہ مستقبل میں بھی ان کی یہی روش ہے کیونکہ انھوں نے زہر اور جادو کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی بھی مذموم کوشش کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا تھا: [مَا زَالَتْ أُكْلَةُ خَيْبَرَ تُعَادُّنِي... فَهٰذَا أَوَانُ انْقِطَاعِ أَبْهَرِي] ''خیبر میں کھایا ہوا (زہر آلود) لقمہ وقتاً فوقتاً مجھے تکلیف دیتا رہا حتی کہ یہ میری شہ رگ کٹنے کا وقت (آ گیا) ہے۔''[4] یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے۔[5]

تفسیر آیت: 88

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ ﴾ کے معنی ہیں کہ انھوں نے کہا: ہمارے دل پردے میں ہیں۔[6] مجاہد فرماتے ہیں کہ ان پر پردہ پڑا ہوا ہے۔[7] عکرمہ کہتے ہیں کہ ان پر مہر لگی ہوئی ہے۔[8] ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھتے نہیں۔[9] مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے غُلُفٌ (لام کے ضمہ کے ساتھ)

[1] تفسیر القرطبی:24/2 و تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، تحت الآیة:87 من سورة البقرة، ص:13. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:168/1. [3] شرح السنة:304/14، حدیث:4112 اور [أجلها] المعجم الکبیر:166/8 میں ہے۔ اور صحیح ابن حبان:32/8 میں اس مفہوم کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [4] المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، ذکر مناقب بشر بن البراء:219/3، حدیث:4966 عن أم مبشر ﷺ والکامل لابن عدی، سعید بن محمد الوراق:460/4 واللفظ له عن أبی هريرة ﷺ. [5] صحیح البخاری، المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، حدیث:4428 عن عائشة ﷺ. وسنن أبی داود:4513,4512 ومسند أحمد:18/6 عن أم مبشر ﷺ. [6] تفسیر الطبری:572/1. [7] تفسیر الطبری:572/1. [8] تفسیر ابن أبی حاتم:171/1. [9] تفسیر الطبری:573/1.

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ گئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے، اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے

يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۡ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ

خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (حق) آ گیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر

عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿89﴾

اللہ کی لعنت ہے ﴿89﴾

پڑھا ہے اور یہ غلاف کی جمع ہے، یعنی انھوں نے کہا کہ ہمارے دل تو ہر قسم کے علم سے لبریز ہیں، لہٰذا ہمیں تیرے علم کی ضرورت نہیں۔ [1] یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء کا ہے۔ [2]

﴿ بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ ﴾ ''بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر خیر وبھلائی سے دور ہٹا کر محروم کر دیا ہے۔ ﴿ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿88﴾ ﴾ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے۔ [3] ﴿ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ ﴾ ایسے ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِيۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 5:41) ''اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں، اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿88﴾ ﴾ یعنی بات اس طرح نہیں جیسا کہ انھوں نے دعویٰ کیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دل ملعون ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر بھی لگا دی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ ﴾ (النساء 155:4) ''اور ان (کفار) کے یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔''

﴿ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿88﴾ ﴾ اور ﴿ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ ﴾ **کے معنی:** اس کے معنی میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے ایمان لانے والے کم ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا ایمان کم ہے۔ [4] یعنی موسیٰ علیہ السلام جس شریعت کو لے کر آئے اس کے مطابق آخرت اور ثواب وعذاب پر تو ان کا ایمان ہے لیکن ان کا یہ ایمان ان کے لیے مفید نہیں کیونکہ ان کے دل اس دین وشریعت کے بارے میں کفر سے بھرے ہوئے ہیں جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا کسی بھی چیز پر ایمان نہیں تھا۔ ﴿ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿88﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ سب کے سب دین کے ساتھ کفر کرتے ہیں جیسا کہ عرب کہتے ہیں: قَلَّمَا رَأَيْتُ مِثْلَ هٰذَا قَطُّ ''میں نے ایسا کبھی کم ہی دیکھا ہوگا۔'' لیکن اس

[1] تفسير القرطبي:25/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم:170/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:171/1. [4] تفسير الطبري: 575/1.

کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں نے ایسا کبھی بھی نہیں دیکھا۔

تفسیر آیت:89

یہود نبی ﷺ کی بعثت کے منتظر تھے لیکن جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ کا انکار کر دیا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب یہود کے پاس اللہ کے ہاں سے کتاب آ گئی، یعنی قرآن مجید جسے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور وہ کتاب ان کی کتاب، یعنی تورات کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس رسول ﷺ کے یہ کتاب لے کر تشریف لانے سے پہلے جب یہ اپنے مشرک دشمنوں سے جنگ کرتے تو اس رسول کی تشریف آوری سے کافروں پر فتح مانگا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اب اس آخری زمانے میں اللہ کے ایک نبی مبعوث ہوں گے تو ان کے ساتھ مل کر ہم تم سے لڑائی کر کے اس طرح تمھیں نیست و نابود کر دیں گے جس طرح عاد اور اِرم کی قوموں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل یہود آپ کے ساتھ اوس اور خزرج کے خلاف مدد طلب کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو عربوں میں سے مبعوث فرما دیا تو انھوں نے اپنی باتوں کے برعکس عناد اور کفر کی راہ اختیار کر لی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور خاندان بنوسَلِمہ کے بِشر بن بَراء بن مَعرُور نے ان سے کہا: اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو، تم تو محمد ﷺ کے ساتھ ہمارے خلاف مدد مانگا کرتے تھے جبکہ ہم مشرک تھے اور تمھی بتایا کرتے تھے کہ اس نبی کی بعثت ہونے ہی والی ہے۔ اور تم تو ان کی نشانیاں بھی بیان کیا کرتے تھے؟ اس کے جواب میں بنونضیر کے سلّام بن مِشکَم نے کہا: آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں۔ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تمھارے سامنے ذکر کیا کرتے تھے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ ﴾ ”اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ گئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے......“[1]

ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ یہود مشرکینِ عرب کے خلاف محمد ﷺ کی آمد کے ساتھ فتح طلب کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس نبی کو اب مبعوث فرما دے جس کے بارے میں ہم اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تاکہ وہ مشرکوں کو (ان کی حرکات کا) مزہ چکھائیں اور انھیں قتل کر دیں، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما دیا اور یہودیوں نے دیکھا کہ آپ کا تعلق ان سے نہیں ہے تو انھوں نے عربوں سے حسد کرتے ہوئے آپ کے ساتھ کفر کیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ ﴾ ”پھر جب ان کے پاس (وہ ہستی) آ پہنچی جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔“[2]

---

[1] تفسیر الطبری:1/578. [2] تفسیر الطبری:1/579.

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلے انھوں نے اپنے نفس بیچ دیے، یہ کہ وہ اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو اللہ نے نازل کی، صرف اس حسد کی بنا

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

پر کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل نازل کرے، پس وہ غضب در غضب کے ساتھ لوٹے اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿90﴾

والا عذاب ہے ﴿90﴾

تفسیر آیت:90

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ”وہ چیز بری ہے جس کے بدلے انھوں نے اپنے نفس بیچ دیے۔“ کے متعلق امام مجاہد فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ یہود نے حق کو باطل کے ساتھ بیچ دیا اور محمد ﷺ جس چیز کو لے کر آئے اسے بیان کرنے کے بجائے چھپایا۔[1] سدی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ بری چیز ہے جس کے ساتھ انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔[2] یعنی بری ہے وہ چیز جسے انھوں نے اپنی جانوں کے معاوضے کے طور پر لیا اور اس کے ساتھ راضی ہو گئے اور حضرت محمد ﷺ کی تصدیق اور نصرت وحمایت کے بجائے آپ کا انکار کیا۔ اور اس روش پر ان کو بغاوت، حسد اور اس بات کو ناپسند کرنے نے آمادہ کیا: ﴿ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ ﴾ ”کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل نازل فرما دے۔“ اور اس سے بڑھ کر حسد ہو بھی کیا سکتا ہے؟

﴿ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ ﴾ ”پس وہ غضب در غضب کے ساتھ لوٹے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔ پہلا غضب تو انھوں نے یہ کیا کہ تورات کو ضائع کر دیا، حالانکہ یہ ان کے پاس موجود تھی اور دوسرا غضب یہ ڈھایا کہ اس نبی کا بھی انکار کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔[3] ﴿ بَآءُوْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ غضب بالائے غضب کے مستوجب اور مستحق قرار پائے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے انھیں انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کی وجہ سے غضب کا مستوجب قرار دیا، پھر وہ حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کی وجہ سے غضب کے مستحق ٹھہرے۔[4] عکرمہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿90﴾ ﴾ ان کے کفر کا سبب بغاوت، حسد اور تکبر تھا اس لیے انھیں دنیا و آخرت میں ذلیل ورسوا کرنے والے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 40:60) ”بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر وسرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“ یعنی وہ ذلیل ورسوا اور حقیر ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

[1] تفسیر الطبری:583/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:172/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:173/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:173/1. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:173/1.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور وہ اس

وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے، کہہ دیجیے: پھر اس سے پہلے تم اللہ کے

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿91﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ

نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے اگر تم مومن تھے؟﴿91﴾ اور بے شک موسیٰ تمھارے پاس کھلے معجزات لے کر آئے، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پوجنا

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿92﴾

شروع کر دیا اور تم ہو ہی ظالم ﴿92﴾

امام احمد نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے باپ اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ النَّاسِ ، يَعْلُوهُمْ كُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الصِّغَارِ ، حَتّٰى يَدْخُلُوا سِجْنًا فِي جَهَنَّمَ يُقَالُ لَهُ : بُولَسُ ، فَتَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ ، يُسْقَوْنَ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ : عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ] ''تکبر کرنے والوں کو انسانی صورت میں چیونٹیاں بنا کر اٹھایا جائے گا کہ ان پر ہر طرح کی ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی حتی کہ انھیں جہنم کے ایک قید خانے میں داخل کیا جائے گا جس کا نام ''بُولَس'' ہوگا۔ آگوں کی آگ ان پر مسلط ہوگی اور انھیں جہنمیوں کا لہو اور پیپ پینے کو دیا جائے گا۔''①

تفسیر آیات:92,91

حق کے انکار کے باوجود یہود کا دعوائے ایمان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ﴾ جب یہود اور ان جیسے دیگر اہل کتاب سے کہا جاتا ہے کہ ﴿ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ اس پر ایمان لاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر اتارا ہے، اسے سچی کتاب تسلیم کرو اور اس کی پیروی کرو تو ﴿ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ﴾ کہتے ہیں کہ ہم پر جو کتابیں تورات و انجیل نازل کی گئی ہیں ہمارے لیے انھی پر ایمان لانا کافی ہے، لہٰذا ہم صرف انھی کا اقرار کریں گے۔ ﴿ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ ﴾ اور وہ اس کے بعد نازل ہونے والی کتاب کو نہیں مانتے، ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ ﴾ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے، سراسر ایک سچی کتاب ہے۔

﴿ مُصَدِّقًا ﴾ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی یہ اسے نہیں مانتے، حالانکہ یہ کتاب تورات اور انجیل کی تصدیق بھی کرتی ہے، لہٰذا ان پر حجت قائم ہوگئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ ﴾ (الأنعام 20:6) ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (ہمارے پیغمبر) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔''

① مسند أحمد: 179/2، نیز دیکھیے جامع الترمذی، صفة القيامة، باب ماجاء في شدة الوعيد للمتكبرين، حديث: 2492.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور ہم نے تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا (اور کہا:) ہم نے تم کو جو دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑو اور سنو۔ انھوں نے

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ

کہا: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی، اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا (ڈال) دی گئی۔ کہہ دیجیے: اگر تم مومن ہو تو وہ کام

بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿93﴾

برا ہے جسے کرنے کا تمھارا ایمان تمھیں حکم دیتا ہے ﴿93﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿91﴾ ﴾ یعنی اگر تم اپنی کتاب پر ایمان لانے کے دعوے میں سچے ہو تو بھلا یہ بتلاؤ کہ تم نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کو کیوں قتل کیا جو تمھارے پاس آئے اور انھوں نے اس تورات کی تصدیق کی جو تمھارے ہاتھوں میں ہے اور انھوں نے اس کے ساتھ عمل کرنے اور اس کے منسوخ نہ ہونے کی بھی تصدیق کی اور تم جانتے بھی تھے کہ وہ سچے ہیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے بغاوت و سرکشی اور تکبر کرتے ہوئے انھیں قتل کر دیا کیونکہ تم تو صرف اپنی آراء اور خواہشات ہی کی پیروی کرتے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ ﴾ (البقرة2:87) ''کیا پھر جب بھی کوئی پیغمبر تمھارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمھارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے، پھر انبیاء کے ایک گروہ کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے؟'' سدی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انھیں عار دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر تم صاحبِ ایمان ہوتے تو اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے کیوں قتل کیا کرتے تھے؟[1]

﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام تمھارے پاس اس بات کی واضح نشانیاں اور قطعی دلائل لے کر تشریف لائے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ ان آیات بینات سے مراد: طوفان، مکڑی، جوں، مینڈک، خون،[2] عصا اور ید بیضاء ہیں،[3] نیز ان میں سمندر کو پھاڑ دینا، بادل سے سایہ کرنا، من وسلویٰ کا نازل کرنا اور پتھر سے پانی کے چشمے جاری کر دینا بھی شامل ہیں۔ اور یہ سب واضح نشانیاں ہیں جن کا انھوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔

﴿ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ ﴾ پھر تم نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بچھڑے کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا تھا۔ ﴿ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی مناجات کے لیے تشریف لے جانے کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ ﴾ (الأعراف7:148) ''اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز (نکلتی) تھی۔'' ﴿ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿92﴾ ﴾ یعنی تم اپنے اس کرتوت میں کہ تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تم ظالم تھے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:175/1. [2] دیکھیے الأعراف، آیت:133. [3] دیکھیے طٰہٰ، آیات:17-23.

قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا

کہہ دیجیے: اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر، خاص تمھارے ہی لیے ہے اوروں کو چھوڑ کر، تو تم موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو (94) اور وہ اپنے ان

الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿94﴾ وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ

گناہوں کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں کما کر آگے بھیج چکے ہیں، اس (موت) کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے (95) اور

عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿95﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚ

یقیناً آپ ان (یہودیوں) کو سب لوگوں سے بڑھ کر جینے کے حریص پائیں گے، اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنھوں نے شرک کیا، ان میں سے

يَوَدُّ اَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ يُّعَمَّرَ ؕ

ہر ایک چاہتا ہے کاش! اسے ایک ہزار سال کی عمر مل جائے، حالانکہ اس قدر عمر کا ملنا بھی اسے عذاب سے بچانے والا نہیں اور جو عمل وہ کرتے

ع 11/10/11 وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿96﴾

ہیں اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے (96)

کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:149) ''اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں (شامل) ہو جائیں گے۔''

تفسیر آیت: 93

طور کو اٹھانے اور عہد لینے کے بعد یہود کی نافرمانی: اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں، عہد و میثاق کی خلاف ورزیاں اور سرکشیاں شمار کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اس نے ان پر کوہِ طور کو لا کھڑا کیا تھا جس کی وجہ سے وقتی طور پر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کر لیا، پھر اس کی مخالفت شروع کر دی اسی وجہ سے انھوں نے کہا تھا: ﴿ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا ﴾ اور اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔ [1]

﴿ وَاُشۡرِبُوۡا فِيۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ ؕ ﴾ ''اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا (ڈال) دی گئی۔'' عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بچھڑے کی محبت میں اس طرح گرفتار ہوئے کہ وہ ان کے دلوں میں رچ بس گیا۔ [2] ابوالعالیہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ [3] امام احمد نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ] ''کسی چیز کی (اندھی) محبت تمھیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔'' [4]

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿93﴾ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم مومن ہو تو وہ

---

[1] دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت:63 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر عبدالرزاق:280/1، رقم:89. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:176/1.

[4] مسند أحمد:194/5 و سنن أبی داود، الأدب، باب فی الھوی، حدیث:5130 یہ الفاظ مرفوعاً ثابت نہیں، البتہ یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحدیثیة (مسند أحمد):24/36، حدیث:21694. [نوٹ] کوہِ طور کا محل وقوع سورۂ بقرہ، آیت:57 کے تحت نقشے میں دیکھیے۔

کام برا ہے جسے کرنے کا تمھارا ایمان تمھیں حکم دیتا ہے۔'' یعنی زمانۂ قدیم و جدید میں جس چیز پر تم نے اعتماد کیا وہ بہت بری ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیا، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کی اور اب تم نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بھی کفر کیا، اور یہ تمھارا بہت بڑا گناہ ہے جو تمھارے لیے شدید ترین عذاب کا باعث بنے گا کہ تم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بھی کفر کیا، حالانکہ آپ تو ختم الرسل اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں جنھیں ساری کائناتِ انسانی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے تو ان قبیح ترین افعال کے ارتکاب کے باوجود تمھیں یہ بات کیونکر زیب دیتی ہے کہ ایمان کے بلند بانگ دعوے کرو، حالانکہ تم نے تو عہد و میثاق کی دھجیاں اڑا دیں، آیات الٰہی کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو چھوڑ کر تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا تھا!

تفسیر آیات:94-96

یہود کو دعوتِ مباہلہ: محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر اور لوگوں (مسلمانوں) کے لیے نہیں صرف تمھارے لیے مخصوص ہے تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو!'' یعنی یہ دعا کرو کہ یہودیوں اور مسلمانوں میں سے جو فریق جھوٹا ہو تو اس پر موت طاری ہو جائے لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسی دعا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ [1]

﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں، یہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انھیں آپ کے بارے میں علم ہے لیکن اس کے باوجود یہ آپ کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ جب یہود سے یہ کہا گیا کہ موت کی آرزو کرو، اگر اس دن یہ موت کی آرزو کر لیتے تو روئے زمین پر ایک یہودی بھی باقی نہ رہتا بلکہ سب کے سب مر جاتے۔ [2]

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ موت کا سوال کرو۔ [3] عبدالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہودی موت کی آرزو کر لیتے تو فی الواقع مر جاتے۔ [4] ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر وہ موت کی آرزو کرتے تو ان میں سے ہر ایک اپنے ہی تھوک سے گلا گھٹ کر مر جاتا۔ [5] یہ تمام اقوال ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سندوں سے مروی ہیں۔

ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ الْيَهُودَ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَمَاتُوا، وَلَرَأَوْا مَقَاعِدَهُمْ مِّنَ النَّارِ ، وَ لَوْخَرَجَ الَّذِينَ يُبَاهِلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَرَجَعُوا لَا يَجِدُونَ أَهْلًا وَّ لَا مَالًا] ''اگر یہود موت کی آرزو کرتے تو مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ سے مباہلے کے لیے نکل آتے تو پھر اپنے اہل و مال میں سے کسی کو کبھی بھی نہ دیکھ سکتے۔'' [6]

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:177/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:177/1. [3] تفسير الطبري:599/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم:177/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم:177/1. [6] تفسير الطبري:597/1.

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الجمعة 62:6-8) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے یہود! اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ نہیں، چنانچہ اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو کرو۔ اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ کہہ دیجیے کہ موت جس سے تم فرار ہوتے ہو وہ یقیناً تمھیں ملنے والی ہے، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں سب کچھ بتائے گا۔'' یہود...... اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے...... نے جب یہ گمان کیا کہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور کہا کہ جنت میں صرف یہود ونصاریٰ ہی داخل ہوں گے تو انھیں مباہلے کی دعوت دی گئی اور یہ کہ ان دونوں گروہوں، یعنی یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں میں سے جو فریق جھوٹا ہے، اس پر بددعا کی جائے لیکن انھوں نے جب اس سے انکار کر دیا تو ہر ایک نے یہ جان لیا کہ یہ ظالم ہیں، کیونکہ اگر انھیں اپنی صداقت کا یقین ہوتا تو وہ اس دعوتِ مباہلہ کو قبول کر لیتے لیکن جب انھوں نے اسے قبول نہ کیا تو ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ یہ سراسر جھوٹے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں کے وفدِ نجران پر بھی مناظرے میں حجت پوری کرنے کے بعد انھیں مباہلے کی دعوت دی تھی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:61) ''پھر جو لوگ عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں، آپ کو حقیقتِ حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ، پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعاء والتجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔''

جب انھوں نے یہ دیکھا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر تم نے اس نبی سے مباہلہ کیا تو تم میں سے کوئی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی زندہ باقی نہیں رہے گا۔ اسی وجہ سے وہ صلح کے لیے آمادہ ہو گئے اور ذلیل ورسوا ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا قبول کر لیا جسے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مقرر فرمایا تھا، اور آپ نے ان کے ساتھ ابوعُبیدہ بن جراح کو امین بنا کر بھیج دیا تھا۔[1] اسی کے قریب قریب یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ مشرکوں سے مخاطب ہو کر فرما دیں: ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ ﴾ (مریم 19:75) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے تو اللہ اس کو آہستہ آہستہ مہلت دیے جاتا ہے۔'' یعنی ہم میں یا تم میں سے جو بھی گمراہی میں پڑا ہوا

[1] السیرۃ النبویۃ لابن هشام: 573/2 نیز تفصیل وتخریج سورۂ آل عمران، آیت: 61 کی تفسیر میں دیکھیے۔

ہوتو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی میں اور بھی اضافہ فرما دے اور اسے مہلت دے دے جیسا کہ اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔[1]

اس آیت کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو، یعنی موت کی تمنا سے مراد مباہلہ نہیں ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر مباہلے سے کی ہے۔اور یہ تفسیر ہی زیادہ صحیح ہے۔

اس مباہلے کو ''تمنا'' یعنی آرزو کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ حق پر موجود ہر شخص کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس سے مناظرہ کرنے والے باطل پرست کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے، خصوصاً جب اس کے پاس حق کو بیان کرنے اور اسے ظاہر کرنے کی دلیل بھی ہو۔موت پر مباہلے کی دعوت اس لیے دی گئی کہ ان کے نزدیک زندگی بڑی عزیز اور عظیم تھی، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ موت کے بعد ان کا انجام بدترین ہوگا۔

طویل عمر کی حرص: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ ﴾ ''وہ اپنے اُن اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں کبھی اس (موت) کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے۔اور یقیناً آپ ان کو اور لوگوں سے زندگی پر سب سے زیادہ حریص دیکھیں گے۔'' یعنی یہ طویل عمر کے حریص ہیں کیونکہ یہ اپنے برے انجام اور اللہ تعالیٰ کے ہاں خائب و خاسر عاقبت کو خوب جانتے ہیں، اس لیے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ مگر کافر کے لیے جنت ہے۔اس لیے ان کی خواہش ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ آخرت سے پیچھے رہ جائیں۔اور جس چیز سے یہ ڈرتے ہیں وہ تو لامحالہ پیش آ کر رہے گی حتی کہ یہ دنیوی زندگی کے ان مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہی نہیں۔ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ ﴾ میں مشرکین سے مراد عجمی لوگ ہیں۔[2] اسی طرح حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔[3] مجاہد ﴿ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ ﴾ ''ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کاش! اسے ایک ہزار سال کی عمر مل جائے'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ گناہوں نے ان میں طویل عمر کی خواہش پیدا کر رکھی ہے۔[4]

محمد بن اسحاق نے ﴿ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ ﴾ ''اور اس قدر عمر کا ملنا بھی اسے عذاب سے بچانے والا نہیں۔'' کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ طویل عمر بھی انھیں عذاب الٰہی سے نجات نہیں دلا سکتی کیونکہ مشرک بعث بعد الموت کی امید نہیں رکھتا۔اسی لیے وہ طویل زندگی کو پسند کرتا ہے۔اور ہر یہودی کو بھی معلوم ہے کہ اسے آخرت میں کس قدر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اس سبب سے کہ اس نے اس علم کو ضائع کر دیا ہے جو اس کے پاس تھا۔[5] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہود تو ان لوگوں، یعنی مشرکوں سے بھی زندگی کے زیادہ

---

[1] دیکھیے مریم، آیت:75 کے ذیل میں۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم:178/1. [3] المستدرك للحاكم، التفسير، باب و من سورة البقرة:263/2، حدیث:3043. [4] تفسير ابن أبي حاتم:179/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم:179/1.

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو کوئی جبریل کا دشمن ہے، تو اُسی نے اِس قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کیا ہے، یہ اس (کتاب) کی تصدیق کرتا

يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿97﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی اور مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے ﴿97﴾ جو کوئی اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبریل اور

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿98﴾

میکائیل کا دشمن ہے تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے ﴿98﴾

حریص ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ کاش! اسے ہزار برس عمر مل جائے اور اگر اسے یہ عمر مل بھی جائے تو وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا جیسا کہ کافر ہونے کی وجہ سے ابلیس کی طویل عمر اس کے لیے قطعاً فائدہ مند نہیں ہے۔[1]

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾﴾ یعنی اللہ اس بات سے باخبر ہے کہ اس کے بندے کیا اچھے یا برے عمل کرتے ہیں اور وہ ہر ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات:98,97

یہود کی جبرائیل علیہ السلام سے عداوت: امام ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے یہود کو جواب دینے کے لیے نازل ہوئی ہے جن کا یہ خیال تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ان کا دشمن اور میکائیل علیہ السلام دوست ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ کا قول ہے: جَبْرَ، مِيكَ اور إِسْرَافِ[3] کے معنی عبد اور إِيل کے معنی اللہ کے ہیں، پھر انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بارے میں سنا تو اس وقت وہ اپنی زمین میں پھل چننے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ آپ جب تشریف لے آئے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں آپ سے تین سوال پوچھتا ہوں اور ان کے جواب نبی کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہیں: (1) قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ (2) اہل جنت کو سب سے پہلے کیا کھانا دیا جائے گا اور (3) وہ کون سی چیز ہے جو بچے کو کبھی باپ کے مشابہ بنا دیتی ہے اور کبھی ماں کے؟ آپ نے فرمایا:

[أَخْبَرَنِي بِهِنَّ جِبْرِيلُ آنِفًا، قَالَ: جِبْرِيلُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ : ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ، فَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ ، فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَّأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ ، فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ ، نَزَعَ الْوَلَدَ ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ]

”ان سوالوں کے جواب ابھی ابھی مجھے جبرائیل علیہ السلام نے بتائے ہیں، عبداللہ بن سلام نے کہا: جبرائیل نے؟ آپ نے

① تفسیر الطبری:605/1. ② تفسیر الطبری:606/1. ③ مگر صحیح بخاری میں ہمزہ کے بغیر ”سَرَافِ“ ہے اور مزید دیکھیے تفسیر الطبری:614,613/1.

فرمایا: ہاں، تو انھوں نے کہا کہ فرشتوں میں سے یہ یہود کا دشمن ہے تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ ﴾ ''جو کوئی جبریل کا دشمن ہے (تو دشمنی کی کوئی وجہ نہیں جبکہ) اسی نے تو اس قرآن کو آپ کے دل پر اتارا ہے۔'' (پھر آپ نے ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:) (1) قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو جمع کرکے مشرق سے مغرب کی طرف لے آئے گی۔ (2) اہل جنت جو سب سے پہلے کھانا کھائیں گے، وہ مچھلی کے جگر و کلیجی سے بنا ہوگا۔ (3) جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو بچے کی مشابہت باپ سے ہوتی ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچے کی مشابہت اپنی ماں سے ہوتی ہے۔'' یہ جواب سن کر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بے ساختہ پکار اٹھے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ. پھر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہود جھوٹی تہمت لگا کر ہکا بکا کر دینے والی ایک قوم ہے، میرے بارے میں پوچھنے سے پہلے ہی اگر انھیں میرے مسلمان ہونے کا علم ہوگیا تو یہ مجھ پر بھی جھوٹی تہمت لگانے لگ جائیں گے۔ یہود آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: [أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فِيكُمْ ؟] ''تم میں عبداللہ بن سلام کیسے ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سرداروں کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ ؟] ''اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو تمھارا کیا خیال ہے؟'' کہنے لگے: اللہ انھیں اس سے بچائے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو باہر آگئے اور کہنے لگے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، یہودی کہنے لگے کہ یہ تو ہم میں سے بہت برے ہیں اور بہت برے انسان کے بیٹے ہیں اور اس طرح ان کی برائیاں کرنے لگ گئے۔ عبداللہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اسی بات سے ڈرتا تھا۔

اس طریق سے اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[1] اور ایک اور طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ إِیل عبد سے عبارت ہے اور دوسرا کلمہ (جو اس سے قبل متصل ہوتا ہے وہ) اللہ کا نام ہے کیونکہ کلمۂ إِیل ان سب میں تبدیل نہیں ہوا۔ اس طرح یہ اسماء عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالملک، عبدالقدوس، عبدالسلام، عبدالکافی اور عبدالجلیل کی طرح ہیں جس طرح ان سب میں ''عبد'' موجود ہے اسی طرح تمام فرشتوں کے اسماء میں إِیل موجود ہے اور جس طرح ان میں مضاف الیہ کے اسماء مختلف ہیں، اسی طرح جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل میں مضاف ہونے والے کلمات مختلف ہیں اور عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں مضاف الیہ کو مضاف سے پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

ملائکہ میں تفریق کرنا اسی طرح کفر ہے جس طرح انبیاء میں تفریق کرنا: جہاں تک اس آیت کی تفسیر کا تعلق ہے تو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص جبریل سے دشمنی رکھے تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ وہ تو روح الامین ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذکر حکیم کو آپ کے قلب اطہر پر

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ ﴾ (البقرة2:97)، حدیث:4480. [2] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته، حدیث:3329,3911.

نازل کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے قاصدوں میں سے ایک قاصد ہیں اور جو اللہ کے کسی ایک قاصد سے دشمنی رکھے تو وہ اللہ کے تمام قاصدوں کا دشمن ہے جیسا کہ جو شخص اللہ کے پیغمبروں علیہم السلام میں سے کسی ایک کے ساتھ ایمان لائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ باقی تمام کے ساتھ بھی ایمان لائے اور ایک کے ساتھ کفر کرے تو تمام کے ساتھ کفر لازم آتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ﴾ (النسآء4:150) ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔''

یہ اور اس سے اگلی آیت سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بعض پیغمبروں کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے۔ اسی طرح جو شخص جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی رکھے تو وہ اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبرائیل علیہ السلام کسی بات کو لے کر از خود نازل نہیں ہوتے بلکہ وہ تو اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ﴾ (مریم 19:64) ''اور (فرشتوں نے پیغمبر علیہ السلام کو جواب دیا کہ) ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء26:192-194) ''اور یہ (قرآن اللہ) پروردگارِ عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (اس نے) آپ کے دل پر (القا کیا ہے) تاکہ آپ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہیں۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ جبرائیل سے دشمنی رکھنے والوں سے ناراض ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ''جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیے) اس نے تو یہ کتاب اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' پہلی کتابوں سے مراد سابقہ آسمانی کتابیں ہیں۔

﴿ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ یعنی مومنوں کے دلوں کے لیے ہدایت اور انھیں جنت کی بشارت سنانے والی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ﴾ (حٰمٓ السجدة41:44) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے وہ ہدایت اور شفا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (بنی إسراء یل 17:82) ''اور ہم قرآن نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب التواضع، حدیث:6502 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب من تُرجى له السلامة من الفتن، حدیث:3989 بالفاظ دیگر۔

﴿ لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص مجھ سے اور میرے فرشتوں سے اور میرے رسولوں سے دشمنی رکھے تو میں اس کا دشمن ہوں۔

اس آیت میں ﴿ رُسُلِهٖ ﴾ کا لفظ تمام رسولوں کے لیے ہے، خواہ ان کا تعلق فرشتوں سے ہو یا انسانوں سے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ﴾ (الحج22:75) ''اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔''

اس کے بعد جبرائیل و میکائیل کا ذکر عطف الخاص علی العام کے باب میں سے ہے، یعنی اگرچہ یہ دونوں فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کے عموم میں بھی داخل ہیں لیکن پھر ان کا بطور خاص ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہاں سیاق کلام سے جبرائیل کی نصرت و اعانت مقصود ہے۔ اور یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کے درمیان سفیر کے فرائض سرانجام دیتا رہا ہے اور اس کے ساتھ میکائیل کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہودیوں کا خیال تھا کہ جبرائیل ان کا دشمن اور میکائیل دوست ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو ان میں سے کسی ایک سے دشمنی رکھے تو وہ دوسرے کا، نیز اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے، پھر اس لیے بھی کہ میکائیل تو کبھی کبھی انبیاء کے پاس آئے جبکہ جبرائیل اکثر آتے رہتے ہیں کیونکہ ان کا فرض منصبی ہی انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لانا ہے جیسا کہ حضرت اسرافیل کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائے جانے کے لیے صور میں پھونکیں گے، چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو قیام فرماتے تو یہ دعا فرماتے: [اَللّٰهُمَّ ! رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ إِسْرَافِيلَ ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ] ''اے اللہ! اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والے! پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھنے والے! جن باتوں میں تیرے یہ بندے اختلاف کر رہے ہیں تو ہی ان کا فیصلہ فرمائے گا اور حق کے بارے میں جو اختلاف کیا جا رہا ہے، اس میں اپنے حکم سے تو ہی میری رہنمائی فرما، بے شک تو ہی جس کو چاہتا ہے، سیدھے رستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔''[1]

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے۔'' یہاں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر ہی کو استعمال کیا گیا ہے اور مذکورہ معنی کے اظہار ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کے بجائے کہ وہ کافروں کا دشمن ہے، یہ فرمایا کہ ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے تاکہ انھیں یہ بتا دیا جائے کہ جو شخص اللہ کے کسی بھی دوست سے دشمنی رکھے تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرے تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے اور جس شخص کا اللہ تعالیٰ دشمن ہو تو وہ دنیا و آخرت میں تباہ

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی ﷺ و دعائه باللیل، حدیث:770 عن عائشة رضی اللہ عنہا.

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿99﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ

اور یقیناً ہم نے نازل کیں آپ کی طرف واضح آیتیں اور نافرمانوں کے سوا کوئی ان کا انکار نہیں کرتا﴿99﴾ کیا (ایسا نہیں ہوتا رہا کہ) جب بھی انھوں نے

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿100﴾ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے پھینک دیا، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے﴿100﴾ اور جب بھی اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی

مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾

رسول آیا جو ان کے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتا تھا تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

گویا وہ جانتے ہی نہیں﴿101﴾ اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیطان، سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ

شیطانوں نے کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انھوں نے اس کی پیروی کی جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، وہ

مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ

دونوں (فرشتے) جادو سکھانے سے پہلے کہہ دیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر، چنانچہ لوگ ان دونوں سے وہ جادو سیکھتے جس کے

بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا ھُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا

ذریعے سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے، اور وہ اس جادو سے اللہ کے حکم کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اور لوگ ان سے

يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ

وہ علم سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتا تھا، ان کو نفع نہیں دیتا تھا، حالانکہ وہ بالیقین جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خریدا آخرت میں اس کے لیے

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ

کوئی حصہ نہیں، اور البتہ وہ بہت بری چیز تھی جس کے بدلے میں انھوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں کاش! وہ جانتے ہوتے﴿102﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اور

12 ع 7 12 عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾ ع

تقویٰ اختیار کرتے تو بے شک اللہ کے ہاں سے بہت اچھا ثواب ملتا، کاش! وہ جانتے ہوتے﴿103﴾

وبرباد ہو جاتا ہے جیسا کہ قبل ازیں یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [مَنْ عَادٰی لِی وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ] ’’جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے تو میرا اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔‘‘①

تفسیر آیات:99-103

نبوت محمدی کے دلائل: امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ کی طرف ایسی واضح آیات نازل کی ہیں جو آپ کی نبوت کی

① صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، حديث:6502 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

دلیل ہیں۔ ان آیات سے مراد کتاب اللہ کے وہ مُحتویات ہیں جن میں علوم یہود کے مخفی پہلوؤں، ان کے حالات اور پوشیدہ رازوں، بنی اسرائیل کے پہلے لوگوں کی خبروں اور ان کی آسمانی کتابوں کی ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے جنھیں ان کے احبار و علماء کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ نیز ان کے اگلے اور پچھلے لوگوں نے احکام تورات میں جو تحریف اور تبدیلی کی اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی اس کتاب مقدس میں طشت از بام کر دیا ہے جسے اس نے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

یہ تمام باتیں ایک ایسے منصف مزاج انسان کے لیے بلا شک وشبہ واضح اور روشن آیات ہیں جسے حسد وسرکشی نے تباہ و برباد نہ کر دیا ہو کیونکہ ہر صحیح الفطرت انسان مجبور ہے کہ وہ ان آیات بینات کی تصدیق کرے جنھیں حضرت محمد ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے، حالانکہ آپ نے کسی بشر سے کوئی علم نہیں سیکھا اور نہ ان آیات میں سے کسی کو کسی دوسرے انسان ہی سے لیا ہے۔ [1] جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف ان آیات بینات کو نازل فرمایا ہے۔ آپ انھیں یہ پڑھ کر سناتے اور صبح وشام بتاتے ہیں، حالانکہ آپ ان کے نزدیک اُمّی ہیں کہ آپ نے آج تک قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب کو نہیں پڑھا لیکن ان کی کتابوں میں جو کچھ موجود ہے آپ انھیں ان کے بارے میں صحیح صحیح بتا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں عبرت ونصیحت اور بیان وحجت ہے۔ اے کاش! کہ یہ لوگ اس حقیقت کو جان لیں۔ [2]

عہد شکنی یہود کی عادت ہے: جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ نے یہودیوں کو خصوصًا وہ عہد و میثاق یاد دلایا جو ان سے آپ کے بارے میں لیا گیا تھا تو مالک بن صَیف (قینقاعی) کہنے لگا: اللہ کی قسم! ہم سے تو محمد ﷺ کے بارے میں کوئی عہد و میثاق نہیں لیا گیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ ﴾ ''کیا (ایسا نہیں ہوتا رہا کہ) جب بھی انھوں نے کوئی عہد و میثاق کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اسے پھینک دیا؟'' [3]

امام حسن بصری رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۰ ﴾ ''بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں اکثر بے ایمان ہیں'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا عہد و پیمان نہیں جو یہود سے لیا گیا ہو اور اسے انھوں نے نہ توڑا ہو۔ ان کی عادت ہی یہی ہے کہ آج جو عہد کرتے ہیں کل اسے توڑ دیتے ہیں۔ [4]

یہودیوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر جادو کو لے لیا: ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ﴾ ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے پیغمبر (آخر الزماں) آئے جو ان کے پاس موجود (آسمانی) کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔'' سدی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت محمد ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے تورات سے آپ کا مقابلہ کرنا چاہا مگر جب انھوں نے دیکھا کہ تورات اور قرآن کے مضامین میں اتفاق ہے تو انھوں نے تورات کو بھی پس پشت ڈال دیا اور آصف (بن برخیا) کی کتاب اور ہاروت و ماروت کے جادو کو اختیار کر لیا جو کہ قرآن کے مخالف تھا۔ اسی

---

[1] تفسیر الطبری:1/618. [2] تفسیر الطبری:1/618. [3] تفسیر الطبری:1/620. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1/184.

لیے فرمایا: ﴿ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ''گویا وہ جانتے ہی نہیں۔''[1] قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ جانتے تو تھے لیکن جاننے کے باوجود انھوں نے اسے پھینک دیا، چھپایا اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔[2]

جادو سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے بھی تھا: ﴿ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ﴾ ''اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیطان سلیمان کی بادشاہت میں پڑھا کرتے تھے۔'' سدی بیان کرتے ہیں کہ مُلکِ سلیمان سے مراد عہد سلیمان (علیہ السلام) ہے۔

شیاطین آسمان پر چلے جاتے تھے اور وہاں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جایا کرتے تھے اور فرشتوں کی باتیں سن کر یہ معلوم کر لیتے کہ زمین میں کس کی موت واقع ہونے والی ہے یا غیب کی کون کون سی باتیں رونما ہونے والی ہیں۔ فرشتوں سے سنی ہوئی باتوں سے کاہنوں کو مطلع کر دیا کرتے تھے اور کاہن وہ باتیں لوگوں کو بتا دیتے تھے۔ اور لوگ دیکھتے کہ وہ باتیں اسی طرح پوری ہوئی ہیں جس طرح کاہنوں نے انھیں بتائی تھیں۔ کاہنوں نے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا تو پھر ان سے جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ شیطانوں سے سنی ہوئی ایک بات میں ستر ستر باتیں اپنی طرف سے ملانا شروع کر دیں۔ لوگوں نے ان باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھنا شروع کر دیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ جن علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کے پاس اپنے آدمی بھیج کر ان تمام کتابوں کو جمع کر لیا اور انھیں ایک صندوق میں ڈال دیا اور اس صندوق کو اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ جو شیطان بھی آپ کی کرسی کے قریب آتا وہ جل کر راکھ ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے اور وہ علماء بھی چل بسے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانتے تھے اور ان کے ناخلف پیدا ہو گئے تو شیطان انسانی صورت میں بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا میں تمھیں ایک ایسا خزانہ نہ بتاؤں جسے تم کبھی بھی ختم نہ کر سکو گے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ضرور بتائیے۔ شیطان نے کہا کہ کرسی کے نیچے جگہ کھودو۔ شیطان ان کے ساتھ گیا اور اس نے انھیں وہ جگہ دکھائی اور خود دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ قریب آئیے۔ اس نے کہا کہ نہیں، میں یہاں تمھارے پاس ہی موجود ہوں اگر تمھیں یہاں سے نہ ملے تو بے شک مجھے قتل کر دینا۔

انھوں نے جگہ کو کھودا تو واقعی ان کتابوں کو وہاں موجود پایا اور جب انھوں نے انھیں باہر نکالا تو شیطان نے کہا کہ سلیمان انسانوں، شیطانوں اور پرندوں پر اس جادو کی وجہ سے حکومت کرتے تھے۔ یہ کہہ کر شیطان چلا گیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ سلیمان جادوگر تھے، بنی اسرائیل نے ان کتابوں کو محفوظ کر لیا اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انھوں نے انھی کتابوں کی بنیاد پر آپ سے لڑائی جھگڑا شروع کر دیا، چنانچہ اسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا ﴾ ''سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔''[3]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:184/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:185/1. [3] تفسیر الطبری:624,623/1.

قصۂ ہاروت و ماروت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ ﴾ ''اور (انھوں نے اس کی پیروی کی) جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، وہ دونوں فرشتے جادو سکھانے سے پہلے کہہ دیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر، چنانچہ لوگ ان دونوں سے وہ جادو سیکھتے تھے جس کے ذریعے سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے۔'' کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ﴾ یہاں ''ما'' نافیہ ہے جیسا کہ علامہ قرطبی نے بھی لکھا ہے کہ یہ ''ما'' نافیہ ہے۔ اور اس کا عطف ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ پر ہے، یعنی سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی اور نہ دو فرشتوں پر کچھ نازل کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ یہودیوں کا یہ گمان تھا کہ اس جادو کو لے کر جبریل و میکائیل نازل ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان کی تکذیب کی ہے۔ اور ﴿ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ ﴾ اللہ کے اس فرمان: ﴿ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ ﴾ میں لفظ شیاطین سے بدل ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ (جمع سے تثنیہ کا بدل) صحیح ہے کیونکہ دو کے لیے بھی جمع کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے جیسا کہ ﴿ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ ﴾ (النساء 4:11) ''پھر اگر اس (میت) کے (ایک سے زیادہ) بھائی ہوں۔'' میں ہے (کہ بھائی دو بھی ہوں تو ماں کے لیے حجب نقصان بنیں گے، حالانکہ یہاں تثنیہ کے بجائے اِخْوَةٌ جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔) یا اس لیے کہ ان کے اور بھی بہت سے پیروکار تھے (لیکن ہاروت و ماروت کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ ان کے سرغنے تھے۔) یا پھر ان دونوں کی بڑھی ہوئی سرکشی کی وجہ سے ان کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ (بقول امام قرطبی رحمہ اللہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے) اور ان کے نزدیک اصل عبارت اس طرح ہے: يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ یعنی شیاطین میں سے ہاروت اور ماروت بابل میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا یہی مفہوم سب سے زیادہ بہتر اور صحیح ہے، لہٰذا اس کے سوا کسی اور مفہوم کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔ ①

ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ﴾ کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو نازل نہیں کیا۔ اور انھوں نے اپنی سند کے ساتھ ربیع بن انس سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر جادو نازل نہیں کیا تھا۔ ② ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان اقوال کے مطابق تفسیر یہ ہوگی کہ یہ اس جادو کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر کوئی جادو نازل کیا لیکن ان شیطانوں نے کفر کیا کہ بابل میں ہاروت و ماروت لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، گویا ﴿ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ ﴾ کے الفاظ مؤخر ہیں لیکن ان کے معنی مقدم ہیں۔ ③

امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وجہ تقدیم کیسے ہے؟ تو اسے جواب دیا جائے گا کہ یہ وجہ تقدیم اس طرح ہے

① تفسير القرطبي:2/50. ② تفسير الطبري:1/633. ③ تفسير الطبري:1/633.

کہ یوں کہا جائے: ﴿ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ﴾ یہ اس جادو کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ اور سلیمان نے کفر نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر جادو نازل کیا۔ ﴿ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾ لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ بابل میں ہاروت و ماروت لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، تو اس صورت میں ﴿ الْمَلَكَيْنِ ﴾ سے مراد جبریل و میکائیل علیہما السلام ہیں۔ کیونکہ جادوگر یہودی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داود علیہما السلام پر جبریل و میکائیل کی زبانی جادو نازل کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تکذیب کی اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو بتایا کہ جبریل و میکائیل کوئی جادو لے کر نازل نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بھی جادو سے بری قرار دیا اور فرمایا کہ جادو تو شیطانوں کا کام ہے۔ لوگوں نے اسے بابل میں سیکھا تھا۔ لوگوں کو جادو سکھانے والے دو آدمی تھے جن میں سے ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا نام ماروت تھا۔ اس تفسیر کے مطابق ہاروت و ماروت دو آدمیوں کے نام ہیں اور ان کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ یہ دو فرشتے تھے۔ یہ ابن جریر کی بیان کردہ تفسیر ہے لیکن یہ ایک تکلف ہے جو مخفی نہیں ہے۔[1]

بہت سے سلف کا یہ مذہب ہے کہ ہاروت و ماروت آسمان کے دو فرشتے تھے جنھیں زمین پر نازل کیا گیا، پھر ان کا یہ واقعہ پیش آ گیا تھا۔ اور اس واقعے اور فرشتوں کی عصمت کے بارے میں جو دلائل وارد ہیں ان میں تطبیق اس طرح ہو گی کہ ان دونوں کے بارے میں پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا، لہٰذا یہ ان دونوں کی تخصیص ہو گی۔ اس لیے اس میں کوئی تعارض نہیں جیسا کہ ابلیس کے بارے میں بھی پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ ابلیس کا فرشتوں میں سے ہونا اس آیت کریمہ: ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴾ (البقرۃ 2:34) ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے نہ مانا۔'' اور دیگر بہت سی آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ ہاروت و ماروت کا یہ معاملہ تو ابلیس کے معاملے کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔ قرطبی نے اسے (ہاروت و ماروت دو فرشتوں کا آسمان سے اترنا) حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم اور کعب احبار، سدی اور کلبی سے روایت کیا ہے۔[2] لیکن جہاں تک قصۂ زہرہ کا تعلق ہے وہ بلاشک موضوع اور من گھڑت ہے۔

بابل کا محل وقوع: ہیئت دانوں کا کہنا ہے کہ بابل، جو ملک عراق کا شہر ہے، بحر محیط غربی، یعنی بحر اوقیانوس سے ستر (70) درجے طول بلد پر واقع ہے اور جنوبی جانب سے یہ زمین کے وسط، یعنی خط استواء سے بتیس درجے عرض بلد پر واقع ہے۔ واللہ أعلم.

جادو سیکھنا کفر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ ﴾ ''اور

[1] تفسیر الطبری: 634,633/1 لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے بعد تفسیر ابن جریر سے دوسری تفسیر بھی نقل کی ہے جس میں مَا کو موصولہ قرار دیا گیا ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی کو راجح کہا ہے لیکن المصباح المنیر میں وہ نقل نہیں ہوئی۔ اور یہ وہی تفسیر ہے جو آگے متن میں آ رہی ہے۔ [2] تفسیر القرطبی: 52,51/2.

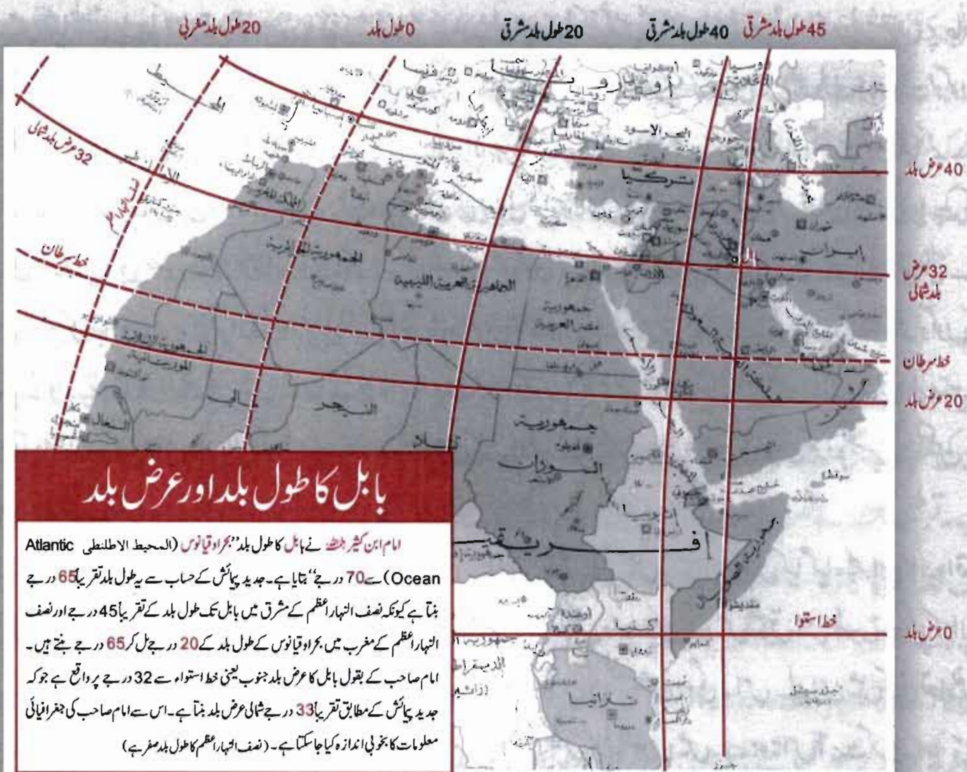

بابل کا طول بلد اور عرض بلد

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بابل کا طول بلد ''بحر اوقیانوس (المحيط الاطلنطى Atlantic Ocean) سے 70 درجے'' بتایا ہے۔ جدید پیمائش کے حساب سے یہ طول بلد تقریباً 65 درجے بنتا ہے کیونکہ نصف النہار اعظم کے مشرق میں بابل تک طول بلد کے تقریباً 45 درجے اور نصف النہار اعظم کے مغرب میں بحر اوقیانوس کے طول بلد کے 20 درجے مل کر 65 درجے بنتے ہیں۔ امام صاحب کے بقول بابل کا عرض بلد جنوب یعنی خط استواء سے 32 درجے پر واقع ہے جو کہ جدید پیمائش کے مطابق تقریباً 33 درجے شمالی عرض بلد بنتا ہے۔ اس سے امام صاحب کی جغرافیائی معلومات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (نصف النہار اعظم کا طول بلد صفر ہے)

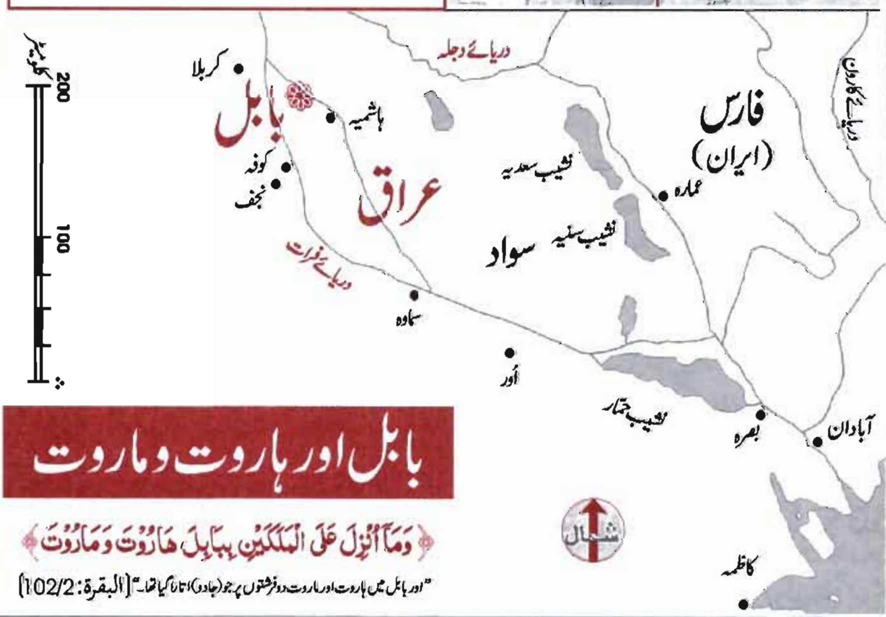

بابل اور ہاروت و ماروت

﴿وَمَآ أُنزِلَ عَلَى ٱلْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَـٰرُوتَ وَمَـٰرُوتَ﴾

''اور بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر جو (جادو) اتارا گیا تھا۔'' [البقرة: 102/2]

وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر۔'' ابوجعفر رازی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی ان دونوں سے جادو سیکھنے کے لیے آتا تو اسے سختی سے منع کردیتے اور کہتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، چنانچہ تم کفر میں نہ پڑو۔ اس لیے کہ وہ خیر وشر اور کفر وایمان کو جانتے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ جادو کفر ہے، لہٰذا جب وہ ان کی بات قبول کرنے سے انکار کردیتا تو اسے کہتے کہ فلاں جگہ جاؤ۔ وہ جب وہاں جاتا تو شیطان کو وہاں پاتا جو اسے جادو سکھا دیتا تھا۔ اور جب وہ جادو سیکھ لیتا تو اس سے نور نکل جاتا اور وہ اسے آسمان کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھتا تو وہ کہتا: ہائے حسرت! ہائے افسوس! اب میں کیا کروں گا؟[1]

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ دو فرشتوں کو جادو دے کر اتارا گیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو یہ آزمائش سکھا دیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کرنا چاہی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ اس وقت تک کسی کو یہ جادو نہ سکھائیں جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ذریعۂ آزمائش ہیں، چنانچہ تم کفر میں نہ پڑو۔[2] قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی انسان ان دونوں فرشتوں کے پاس جادو سیکھنے کے لیے آتا تو یہ اسے نصیحت کرتے ہوئے کہتے کہ تم کفر میں نہ پڑو ہم تو ذریعۂ آزمائش ہیں جب وہ انکار کردیتا اور جادو کے سیکھنے ہی پر اصرار کرتا تو اس سے کہتے کہ جاؤ اور اس راکھ پر پیشاب کردو۔ جب وہ اس پر پیشاب کردیتا تو اس کے جسم سے نور خارج ہو کر اوپر اٹھ جاتا حتی کہ وہ آسمان میں داخل ہو جاتا۔ اور یہ خارج ہونے والا نور ایمان ہوتا اور دھوئیں کے مانند ایک کالی سیاہ چیز آتی جو اس کے کانوں میں اور جسم کے ہر حصے میں داخل ہو جاتی اور یہ غضب الٰہی ہوتا۔ اور جب وہ ان دونوں فرشتوں کو اس کے بارے میں بتاتا تو وہ اسے جادو سکھا دیتے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ کا یہی مفہوم ہے۔[4]

حجاج نے ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جادو سیکھنے کی جرأت صرف کافر ہی کرسکتا ہے اور آیت میں فتنے کے معنی ابتلاء وآزمائش کے ہیں۔[5]

اس آیت سے جادو سیکھنے کے کفر ہونے پر بھی استدلال کیا گیا ہے، نیز اس حدیث کو بھی استشہاد میں پیش کیا گیا ہے جسے حافظ ابوبکر بزّار نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: [مَنْ أَتٰى كَاهِنًا أَوْ سَاحِرًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ] ''جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین وشریعت کے ساتھ کفر کیا جسے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔''[6] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے اور بھی

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:194/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:192/1. [3] تفسیر الطبری:646/1. [4] تفسیر الطبری: 646/1. [5] تفسیر الطبری:647/1. [6] تاریخ بغداد، ترجمة الحسین بن عبداللّٰه بن أبي علّانة المُقرِی:60/8، حدیث: 4134 اور اس میں [أوعرّافًا] بھی ہے۔ و کشف الأستار:443/2.

بہت سے شواہد ہیں۔[1]

جادو کے ذریعے سے میاں بیوی میں جدائی: ﴿ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ﴾ ''چنانچہ لوگ ان سے ایسا جادو سیکھتے جس سے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیں۔'' یعنی لوگ ہاروت و ماروت سے جادو کا علم سیکھتے اور اس جادو کے ذریعے سے وہ جو مذموم افعال کرتے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اس سے میاں اور بیوی میں جدائی ڈال دیتے تھے، حالانکہ وہ باہمی الفت و محبت کی زندگی بسر کر رہے ہوتے تھے۔ اور یہ شیطانوں ہی کا کام ہے جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَاءِ ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ فَأَدْنَاهُمْ مِّنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ : فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا ، فَيَقُولُ : مَا صَنَعْتَ شَيْئًا ، قَالَ: ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَأَتِهٖ ، قَالَ : فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ : نِعْمَ أَنْتَ] ''ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے لشکر روانہ کر دیتا ہے، شیطان کے دربار میں سب سے زیادہ تقرب اسے حاصل ہوتا ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فتنہ و فساد میں مبتلا کر دے، مثلاً: ان میں سے ایک آ کر یہ رپورٹ دیتا ہے کہ میں نے یہ یہ کیا ہے۔ ابلیس کہتا ہے: نہیں! تجھ سے کچھ نہیں بن پڑا۔ اسی طرح جب ایک اور شیطان آ کر اسے یہ رپورٹ دیتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے پڑ گیا اور اس وقت تک میں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہیں ڈال دی۔ ابلیس خوش ہو کر اسے اپنا مقرب بنا لیتا ہے اور اسے اپنے قریب کر لیتا ہے کہ ہاں، واقعی تو نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔'' حدیث کے راوی اَعمش کہتے ہیں: میرے خیال میں یہ فرمایا تھا: [فَيَلْتَزِمُهٗ] ''تو اسے گلے لگا لیتا ہے۔''[2]

جادو کے ذریعے سے میاں بیوی میں جدائی اور تفرقے کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک دوسرے کو بدصورت یا بد خلق معلوم ہونے لگتا ہے یا دل میں عداوت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے یا اس طرح کی اور کئی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو جدائی اور تفرقے کا سبب بن جاتی ہیں۔ اَلْمَرْءُ کے معنی مرد کے ہیں، اس کی تانیث اِمْرَأَةٌ ہے، ان دونوں سے تثنیہ کے صیغے تو عربی زبان میں استعمال ہوتے ہیں مگر جمع کے نہیں۔ و اللہ أعلم.

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہر چیز سے بڑھ کر ہے: ﴿ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے۔'' سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے مراد اللہ تعالیٰ کی قضا اور فیصلہ ہے۔[3] حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہاں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا اس پر ان کو مسلط کر دیتا اور جس کے بارے میں وہ نہ چاہتا ان کو مسلط نہ کرتا کیونکہ یہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے

[1] السنن الكبرى للبيهقي:136/8 ومسند أبي يعلى:280/9 ، حديث:5408 عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه. [2] صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان و بعثه سراياه ......، حديث:2813 ومسند أحمد:314/3. [3] تفسير ابن أبي حاتم:194/1.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم (نبی سے یہ) نہ کہو: رَاعِنَا بلکہ یہ کہو: اُنْظُرْنَا اور تم غور سے سنو اور کافروں کے لیے بہت دردناک عذاب ہے ﴿104﴾ اہل

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ

کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ نہیں چاہتے اور نہ مشرکین ہی چاہتے ہیں کہ تم پر تمھارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل کی جائے اور اللہ اس

رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿105﴾

کے لیے اپنی رحمت خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے ﴿105﴾

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ ﴾ ”اور لوگ ان سے کچھ ایسا علم (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتا تھا اور فائدہ کچھ نہ دیتا تھا۔“ یعنی دین کو نقصان پہنچاتا اور اس نقصان کے مقابلے میں فائدہ کچھ نہ پہنچاتا تھا۔ ﴿ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ ﴾ ”اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔“ یعنی ان یہودیوں کو یہ علم تھا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کے بجائے جادو کو اختیار کر لیا تھا کہ جو شخص یہ کام کرے گا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ خَلَاقٍ ؕ ﴾ کے معنی حصے کے ہیں۔[2]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾ ﴾ ”اور جس چیز کے عوض انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بری تھی، کاش! وہ (اس بات کو) جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو بے شک اللہ کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا، اے کاش! وہ اس سے واقف ہوتے۔“ یعنی ایمان اور رسول ﷺ کی پیروی کے بجائے انھوں نے جس جادو کو اختیار کیا ہے وہ بہت ہی بری چیز ہے۔ اے کاش! انھیں اس کا علم ہوتا جس کی انھیں نصیحت کی گئی ہے اور اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لاتے اور حرام امور سے اجتناب کرتے تو اس کا انھیں اس جادو کی نسبت جسے انھوں نے اپنے لیے پسند کیا، بہت اچھا صلہ ملتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 80:28) ”اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! مومنوں اور نیکوکاروں کے لیے اللہ کا ثواب (جو اس کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔“

تفسیر آیات: 105,104

الفاظ کے استعمال میں ادب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کافروں کے اقوال و افعال کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہود رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے آپ کی ذات گرامی کی توہین و تنقیص کے لیے توریہ کے طور پر

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 193/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 195/1.

بعض الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، چنانچہ جب وہ یہ کہنا چاہتے کہ ہماری بات سنیں تو اس مفہوم کے لیے اِسۡمَعۡ لَنَا کے بجائے رَاعِنَا کہتے (جس کا اصل مفہوم تو ہے ہماری طرف توجہ کیجیے، اور اس کا مادہ رَعٰی ہے) مگر وہ اس سے رُعُونَۃ مراد لیتے (جس کا مادہ رَعَن اوچھا پن، ناسمجھی ہے۔) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (النسآء4:46) ”اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور اپنی زبانوں کو بل دے کر سچے دین کے خلاف طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نہیں مانا اور کہتے ہیں: سنو! اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: رَاعِنَا اور بے شک اگر وہ کہتے: ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (کہتے) ہماری بات سنیے اور ہماری طرف نظر کیجیے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور نہایت مناسب ہوتا لیکن اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے، تو تھوڑا ہی ہے جو وہ ایمان لاتے ہیں۔“

کفار سے مشابہت: اسی طرح احادیث میں آیا ہے کہ جب یہ سلام کہتے تو اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ کے بجائے اَلسَّامُ عَلَیۡکُمۡ کہتے تھے اور سام کے معنی موت ہیں۔ اسی لیے ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم ان کے سلام کے جواب میں صرف وَ عَلَیۡکُمۡ کہیں۔ [1] اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ہماری بددعا ان کے حق میں قبول ہوتی ہے ان کی ہمارے حق میں قبول نہیں ہوتی۔ [2] الغرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو کافروں کے ساتھ قول و فعل میں مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ ، وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي، وَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ] ”مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے تاکہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے، ذلت و رسوائی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھی میں سے ہے۔“ [3]

امام ابوداود نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صرف یہ الفاظ روایت کیے ہیں: [مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ] [4] اس حدیث میں کفار کے ساتھ ان کے اقوال و افعال، لباس، تہواروں، عبادات اور ان امور میں مشابہت اختیار کرنے سے شدید ممانعت اور بہت سخت وعید آئی ہے جن کا ہمیں نہ حکم دیا گیا ہے اور نہ ہماری شریعت میں ان کا کوئی وجود ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ:

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام، حديث:6257 وسنن أبي داود، الأدب، باب في السلام على أهل الذمة، حديث:5206 واللفظ له عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما. [2] صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حديث:2166 عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما. [3] مسند أحمد:50/2 وشعب الإيمان، باب التوكل والتسليم:75/2، حديث:1199. [4] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث:4031.

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مثل لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿106﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

خوب قادر ہے؟﴿106﴾ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، اور تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿107﴾

اور نہ کوئی مددگار؟﴿107﴾

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ﴾ ”اے اہل ایمان! تم (گفتگو کے وقت اللہ کے پیغمبر سے) رَاعِنَا نہ کہو۔“ کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ أَرْعِنَا سَمْعَكَ ”ہماری طرف کان لگائیں۔“ رَاعِنَا، عَاطِنَا کی طرح ہے۔[1] ابن ابو حاتم نے کہا ہے کہ ابوالعالیہ، ابو مالک، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خلاف نہ کہا کرو۔[3] اور ایک روایت میں ہے کہ تم یہ نہ کہا کرو کہ آپ ہماری بات سنیں اور ہم آپ کی سنیں گے۔[4]

عطاء بیان کرتے ہیں کہ انصار اپنی لغت کے مطابق یہ لفظ استعمال کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے منع فرما دیا۔[5] سدی کا قول ہے کہ بنوقینقاع میں سے رِفاعہ بن زید نامی ایک یہودی تھا،[6] وہ نبی ﷺ کے پاس آ کر جب گفتگو کرتا تو کہتا: أَرْعِنِي سَمْعَكَ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ ”اپنا کان میری طرف لگائیے اور سنیے نہ سنوائے جائیں۔“ مسلمان سمجھتے تھے کہ شاید انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے کہ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ (مقولہ ہے) بمعنی غَيْرَ صَاغِرٍ (اس کا مفہوم ہے: ”آپ معزز ہیں گھٹیا نہیں ہیں۔“) جیسا کہ سورۂ نساء میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسے بیان فرمایا ہے۔[7] اس لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی سے بات کرتے ہوئے رَاعِنَا نہ کہا کریں۔[8] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اسی طرح کا مفہوم بیان کیا ہے۔[9]

کافروں اور اہل کتاب کی مسلمانوں سے شدید عداوت: ﴿ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ ﴾ ”اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ نہیں چاہتے اور نہ مشرکین ہی چاہتے ہیں کہ تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے کوئی خیر (وبرکت) نازل کی جائے۔“ اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اس بات سے مطلع فرما رہا ہے کہ کافروں کو، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے، ان سے شدید عداوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ ان کے درمیان ہر قسم کے تعلقاتِ محبت کو ختم

① تفسیر الطبری:658/1 وتفسیر ابن أبی حاتم:197,196/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم:196/1. ③ تفسیر الطبری: 656/1 وتفسیر ابن أبی حاتم:197/1. ④ تفسیر الطبری:657/1. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:197/1. ⑥ تفسیر الطبری:659/1. ⑦ النساء:46/4. ⑧ تفسیر الطبری:659/1. ⑨ تفسیر ابن أبی حاتم:965/3.

کر دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ یہ اس کا اپنے مومن بندوں پر بہت بڑا انعام و اکرام ہے کہ اس نے انھیں اس کامل و اکمل دین و شریعت سے نوازا ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چُن لیتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔''

تفسیر آیات: 107,106

نسخ اور اس کی تعریف: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ ہم جس آیت کو بدل دیتے ہیں۔[1] ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ہم جس آیت کو مٹا دیتے ہیں۔[2] اور ابن ابو نجیح نے مجاہد سے ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ ﴾ کے یہ معنی بیان کیے ہیں: ہم اس کے الفاظ کو تو باقی رکھتے لیکن حکم کو بدل دیتے ہیں۔ اس مفہوم کو انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے بیان کیا ہے۔ ابو العالیہ اور محمد بن کعب قرظی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] سدی کہتے ہیں کہ آیت کو نسخ کرنے کے معنی اسے قبض کرنے کے ہیں۔ ابن ابو حاتم بیان کرتے ہیں کہ سُدّی کے قول ''قبض کرنا'' سے مراد اسے اوپر اٹھا لینا ہے جیسا کہ [اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ] ''شادی شدہ مرد اور عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو لازماً رجم کر دو۔''(أ) اور [لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَّابْتَغٰى إِلَيْهِمَا ثَالِثًا] ''اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کی جستجو میں رہے گا۔''(ب) کو منسوخ کر کے اٹھا لیا گیا تھا۔[4]

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ ہم جس آیت کے حکم کو دوسرے کی طرف منتقل کر کے تغیر و تبدل کرتے ہیں۔ اور وہ تبدیلی یہ کہ ہم حلال کو حرام کر دیں یا حرام کو حلال، مباح کو ممنوع قرار دے دیں اور ممنوع کو مباح۔ اور یاد رہے کہ یہ نسخ امر، نہی، حرام، حلال، ممنوع اور مباح امور میں ہوتا ہے، قصص و واقعات میں کوئی ناسخ منسوخ نہیں ہوتا۔ نسخ کا لفظ دراصل نَسْخُ الْكِتَابِ سے مشتق ہے جس کے معنی ایک نسخے سے دوسرا نسخہ تیار کرنے کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کسی حکم کے نسخ کے معنی یہ ہیں کہ اسے کسی دوسرے حکم سے بدل دیا جائے اور ایک عبارت کو دوسری عبارت سے بدل دیا جائے، خواہ یہ نسخ حکم میں ہو یا الفاظ میں بہرحال یہ دونوں حالتیں منسوخ ہوں گی۔[5] ﴿ اَوْ نُنْسِهَا ﴾ کو نَنْسَأُهَا بھی پڑھا

---

① تفسیر الطبری:665/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم:199/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:199/1. (أ) السنن الکبرٰی للنسائی، الرجم ، باب نسخ الجَلد عن الثیب:271/4 ، حدیث:7148 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. وسنن ابن ماجه، الحدود، باب الرجم، حدیث:2553 واللفظ له عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و مسند أحمد:183/5. (ب) صحیح البخاری، الرقاق، باب مایتّقٰی من فتنة المال، حدیث:6436 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. ومسند أبی یعلی المَوصِلی:438/7 ، حدیث:4460، واللفظ له عن عائشة رضی اللہ عنہا. اور اس کی منسوخیت درج ذیل حوالہ جات سے ماخوذ ہے: صحیح البخاری، الرقاق، باب ما یتّقٰی من فتنة المال، حدیث:6440,6437 وصحیح مسلم، الزکاة، باب: لو أن لابن آدم......، حدیث:1049 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. و 1050 عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ. اور دیکھیے الموسوعة الحدیثیة (مسند أحمد):451/5-454. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:200/1. ⑤ تفسیر الطبری:665/1.

گیا ہے۔ جس نے اسے نَنُسَأُهَا (نون کے فتحہ اور سین کے بعد ہمزہ کے ساتھ) پڑھا ہے تو اس کے معنی مؤخر کرنے کے ہوں گے۔ ① علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم جس آیت کو بدل دیتے ہیں یا اسے چھوڑ دیتے ہیں اور بدلتے نہیں۔ ② مجاہد نے اصحابِ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ أَوْ نَنُسَأُهَا یا ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔ ③ عبید بن عمیر، مجاہد اور عطاء نے أَوْ نَنُسَأُهَا کے متعلق کہا ہے کہ ہم اسے مؤخر کر دیتے اور چھوڑ دیتے ہیں۔ ④ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیتے ہیں اور منسوخ نہیں کرتے۔ ⑤ سدی اور ربیع بن انس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ⑥ دوسری قراءت کے مطابق اسے ﴿ اَوْ نُنْسِهَا ﴾ پڑھا گیا ہے تو قتادہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا ﴾ کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کو بھلا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے۔ ⑦

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ ﴾ ''تو ہم اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت لے آتے ہیں۔'' جو مکلفین کی مصلحت کی نسبت سے حکم میں بہتر ہوتی ہے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم اس کے بجائے ایسی آیت لے آتے ہیں جو منفعت کے اعتبار سے تمھارے لیے بہتر ہوتی ہے اور جس میں نرمی کا پہلو بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ⑧ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کا نہیں کہتے یا اسے اپنے پاس روک لیتے ہیں تو اسے ہی یا اس جیسی کوئی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ ⑨ سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر لے آتے ہیں یا اسی طرح کی لے آتے ہیں جس کو ہم نے چھوڑ دیا ہو۔ ⑩ قتادہ کہتے ہیں کہ ایسی آیت لے آتے ہیں جس میں تخفیف اور رخصت ہو اور یہ اس آیت میں ہوتا ہے جس میں امر یا نہی ہو۔ ⑪

نسخ کے سلسلے میں یہودیوں کی تردید: ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷ ﴾ ''کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ آپ کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں؟''

اللہ تعالیٰ اس مقام پر اپنے بندوں کی یہ رہنمائی فرما رہا ہے کہ وہ جس طرح چاہے مخلوق میں تصرف کر سکتا ہے کیونکہ مخلوق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے، لہٰذا تصرف اور اختیار بھی اسی کا ہے۔ جس طرح اس نے چاہا ان کو پیدا کیا۔ اسی طرح جس کو وہ چاہے سعادت سے نوازے اور جسے چاہے شقاوت سے دوچار کر دے، جسے چاہے صحت عطا فرما دے اور جسے چاہے بیمار کر دے، جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ اسی طرح یہ بھی اسی کا اختیار ہے کہ اپنے بندوں کے

① تفسير القرطبي:67/2. ② تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:200/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 201/1 وتفسير الطبري:668/1. ⑤ تفسير الطبري:668/1. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ⑦ تفسير الطبري: 666/1 وتفسير عبدالرزاق:285/1. ⑧ تفسير الطبري:671/1. ⑨ تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ⑩ تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ⑪ تفسير ابن أبي حاتم:202/1.

لیے جو چاہے فیصلہ فرمائے۔ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جسے چاہے حرام قرار دے دے۔ جسے چاہے مباح کر دے اور جسے چاہے ممنوع قرار دے دے۔ وہ جو چاہے فیصلہ فرما دے، اسے اپنے فیصلے سے کوئی روک نہیں سکتا، وہ جو چاہے کرے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا جبکہ تمام مخلوق سے پوچھ گچھ ہوگی۔ وہ اپنے بندوں کی اس طرح بھی آزمائش کرتا ہے کہ نسخ کی صورت میں اس کے رسولوں کی کون طاعت بجالاتے ہیں؟ لہٰذا وہ ایک چیز کا حکم دے دیتا ہے۔ اور اس میں جو مصلحت ہوتی ہے اسے صرف وہی جانتا ہے۔ پھر جب وہ چاہتا ہے اپنے علم کے مطابق اس سے منع فرما دیتا ہے، لہٰذا مکمل طاعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا جائے۔ اس کے رسول جو خبریں دیں ان کی اتباع کی جائے جو حکم دیں اسے تسلیم کیا جائے اور جس بات سے وہ منع فرمائیں اس سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

اس مقام پر یہود۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ کے کفر کا برملا اظہار اور ان کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگوں نے ازراہِ کفر و جہالت عقلی طور پر اور بعض نے از روئے کذب و افتراء نقلی طور پر جو استحالۂ نسخ کا دعویٰ کیا تھا اس کا پرزور رد کیا گیا ہے۔

امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہت صرف میرے ہی لیے ہے، میرے سوا کسی اور کے لیے نہیں۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان کے بارے میں میں جو چاہوں فیصلہ کروں، ان کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو بھی جو چاہوں حکم دوں جس چیز سے چاہوں منع کر دوں اور اپنے احکام میں سے جو چاہوں منسوخ کر دوں، بدل دوں اور تبدیل کر دوں اور جسے چاہوں برقرار رکھوں مجھے کوئی پوچھ نہیں سکتا، پھر امام ابن جریر رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ جل شانہ نے اگرچہ اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرماتے ہوئے اپنی عظمت وجلالت کی خبر دی ہے لیکن اس سے ان یہود مردود کی تکذیب بھی مقصود ہے جنھوں نے احکام تورات میں نسخ کا انکار کر دیا تھا اور حضرت عیسیٰ و حضرت محمد علیہما السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے سے منکر ہو گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں نبیوں کے ذریعے سے تورات کے احکام میں تبدیلی فرما دی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ بتایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے۔ تمام مخلوق اسی کی مملکت میں رہتی ہے، لہٰذا تمام مخلوق پر اس کے امر و نہی کی اطاعت بجالانا فرض ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے حکم دے جس چیز سے چاہے منع فرما دے جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے برقرار رکھے۔ [1]

نسخ سابقہ کتابوں اور شریعتوں میں بھی تھا: یہود مسئلۂ نسخ کے بارے میں محض کفر و عناد کی وجہ سے بحث میں پڑے تھے ورنہ عقلی طور پر احکام الٰہی میں نسخ کے ممنوع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ جو چاہے حکم دیتا ہے، جس طرح وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر گزرتا ہے۔ پھر یہ نسخ تو اس کی سابقہ کتابوں اور شریعتوں میں بھی رہا ہے جس طرح اس نے آدم علیہ السلام کے لیے

[1] تفسیر الطبری: 675/1.

انھی کے بیٹوں اور بیٹیوں کی آپس میں شادی کو حلال قرار دیا تھا لیکن بعد میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ کشتی سے باہر آنے کے بعد نوح علیہ السلام کے لیے تمام حیوانات کو کھانا حلال قرار دے دیا گیا تھا لیکن بعد میں ان میں سے بعض کو حرام قرار دے دیا گیا۔ یعقوب علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے دو بہنوں سے نکاح کو حلال قرار دے دیا گیا تھا لیکن احکام تورات اور اس کے بعد کی شریعتوں میں اسے حرام کر دیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں مگر پھر ذبح کرنے سے قبل ہی اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ جمہور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان تمام لوگوں کو قتل کر دیں جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا لیکن پھر اس حکم کو ختم کر دیا گیا کہیں تمام بنی اسرائیل قتل ہو کر صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح نہ مٹ جائیں۔ اس طرح نسخ کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر خوفِ طوالت کے باعث اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کو بھی ان تمام باتوں کا اعتراف تو ہے مگر اعتراف کے باوجود یہ لوگ انکار کیے جاتے ہیں۔ بعض لوگ ان دلائل کے جواب میں جو لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں۔ تو اس سے ان کی معنوی دلالت میں کوئی فرق نہیں آتا جبکہ مقصود بھی وہی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت اور آپ کی اتباع کا حکم موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری واجب ہے اور آپ کی شریعت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول ہی نہیں۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی یہ کہے کہ سابقہ شریعتیں تو صرف آپ کی بعثت تک تھیں، لہٰذا اسے نسخ نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ (البقرة 2:187) ''پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو'' میں روزہ رات میں داخل نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شریعتیں مطلق تھیں مگر شریعت محمدیہ کے آنے سے منسوخ (مقید) ہو گئیں۔ بہر حال ان میں سے جو بھی صورت ہو یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ کی اتباع واطاعت واجب ہے کیونکہ آپ پر جو کتاب نازل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جوازِ نسخ اور یہود کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی جس طرح بلا شرکت غیرے حکومت و بادشاہت اسی کی ہے اسی طرح یہ بھی صرف اسی کا اختیار ہے کہ جو چاہے وہ حکم دے۔ ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ (الأعراف 7:54) ''آگاہ رہو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم (صادر کرنا) بھی اسی کے لیے (روا) ہے۔'' سورۂ آل عمران جس کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے خطاب فرمایا ہے۔ اس میں خود یہود میں نسخ کی موجودگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ﴾ (آل عمران 3:93) ''بنی اسرائیل کے لیے تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں بجز ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔'' جیسا کہ اس آیت کی تفسیر اپنے مقام پر آئے گی۔

احکامِ الٰہی میں جوازِ نسخ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور سب نے کہا ہے کہ نسخ کا وقوع ممکن ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ

(اے مسلمانو!) کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جس نے ایمان کے بدلے کفر اختیار

بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾

کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا ﴿108﴾

سے اپنے جس حکم کو چاہتا منسوخ فرما دیتا تھا۔

تفسیر آیت:108

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ اشیاء کے وقوع سے قبل ہی نبی ﷺ سے کثرت سے سوال کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ ۚ وَاِنۡ تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِیۡنَ یُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَکُمۡ ؕ﴾ (المائدۃ5:101) ''مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی۔''

یعنی اگر ان کے نزول کے بعد تم ان کی تفصیل کے بارے میں سوال کرو گے تو اسے تمھارے سامنے بیان کر دیا جائے گا۔ اسی طرح کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے بھی اس کے بارے میں سوال نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ تمھارے سوال کی وجہ سے اسے تمھارے لیے حرام قرار دے دیا جائے۔

اسی لیے صحیح حدیث میں آیا ہے: [إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَّنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَّمْ يُحَرَّمْ، فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ] ''مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس شخص کا ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام قرار دے دی گئی۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ سے جب ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے آدمی کو پاتا ہے اگر وہ بات کرے تو ایک بہت بڑے مسئلے کے بارے میں بات کرتا ہے اور اگر وہ خاموشی اختیار کرے تو وہ اسی طرح کے بڑے مسئلے پر خاموش رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے سوالات کو انتہائی ناپسند فرمایا، پھر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے لعان کا حکم نازل فرما دیا۔[2]

صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: [إِنَّهُ كَانَ يَنْهٰى عَنْ قِيلَ وَ قَالَ، وَ كَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ

[1] صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب مایکرہ من کثرۃ السؤال......، حدیث:7289 وصحیح مسلم، الفضائل، باب توقیرہ ﷺ وترک إکثار سؤاله ......، حدیث:2358 عن سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله عزوجل: ﴿وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ اَزۡوَاجَهُمۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ شُهَدَآءُ﴾ (النور24:6)، حدیث:4745 وصحیح مسلم، اللعان، حدیث:1492 عن سهل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ.

الْمَالِ] ''بے شک آپ ﷺ فضول گفتگو، کثرت سوال اور اضاعت مال سے منع فرمایا کرتے تھے۔''① صحیح مسلم میں ہے آپ نے فرمایا: [ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ] ''مجھے چھوڑ دو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف ہی نے تباہ و برباد کر دیا تھا، لہٰذا جب میں تمھیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجالاؤ اور جب کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے مکمل اجتناب کرو۔''

یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، تو ایک آدمی نے عرض کی تھی: اے اللہ کے رسول! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ اس نے تین بار یہ پوچھا اور آپ خاموش رہے، پھر فرمایا: [(لَا) لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ ، لَوَجَبَتْ ، وَلَوْ وَجَبَتْ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ ، ثُمَّ قَالَ : ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ......] ''(نہیں) اگر میں کہہ دیتا: ہاں، تو حج ہر سال واجب ہو جاتا (اور اگر واجب ہو جاتا) تو تمھیں ہر سال کرنے کی استطاعت نہ ہوتی، پھر آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں......۔''② آخر تک وہی مذکورہ حدیث۔

اسی لیے انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منع کر دیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کریں، اس لیے ہماری خواہش ہوتی تھی کہ کوئی دیہاتی آدمی آئے، وہ آپ سے پوچھے اور ہم سنیں۔③

آیت کریمہ میں ﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں ''بلکہ تم (یہ) چاہتے ہو۔'' یعنی أَمْ بمعنی بَلْ ہے، یا پھر اس کے معنی استفہام کے مطابق یہ ہیں: ''کیا تم یہ چاہتے ہو؟'' اور اس صورت میں یہ استفہام انکاری ہوگا اور اس کے مخاطب مومن و کافر سب لوگ ہیں کیونکہ آپ تمام لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ﴾ (النسآء 153:4) ''(اے نبی ﷺ)! اہل کتاب آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب آسمان سے اتار لائیں، چنانچہ یہ لوگ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بڑی درخواستیں کر چکے ہیں (اُن سے) کہتے تھے: ہمیں اللہ کو ظاہر (آنکھوں سے) دکھا دو، چنانچہ ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔'' محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رافع بن حُرَیملہ اور وہب بن زید نے کہا: اے محمد (ﷺ)! ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جو ہم پر آسمان سے نازل ہوا اور ہم اسے پڑھیں، پھر ہمارے لیے نہریں جاری فرما دیں تو ہم آپ کی پیروی اور تصدیق کریں گے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے

① صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال......، حديث:7292 و صحيح مسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل......، حديث:593، بعد حديث:1715. ② صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث:1337 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ لیکن [لَا] کے لیے دیکھیے جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث:3055 عن علي رضی اللہ عنہ۔ اور [وَلَوْ وَجَبَتْ] دیکھیے المستدرك للحاكم، التفسير، باب من سورة آل عمران: 293/2، حديث:3155 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام، حديث:12.

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ

اہل کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش! وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے،

أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا، پس معاف کر دو اور جانے دو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿109﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ

قادر ہے ﴿109﴾ اور تم نماز قائم کرو اور زکوۃ دو، اور تم اپنے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے، بے شک تم جو عمل کرتے ہو

عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿110﴾

اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے ﴿110﴾

یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿108﴾ ﴾ ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے اسی طرح سوال کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے بدلے کفر اختیار کر لیا، وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔''[1]

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ضد اور ہٹ دھرمی سے سوال کیے تھے جس طرح بنی اسرائیل نے از روئے تکذیب وعناد موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کیے تھے۔ اور فرمایا: ﴿ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ ﴾ یعنی جو شخص ایمان کے بدلے کفر کو خرید لے ﴿ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿108﴾ ﴾ تو وہ راہِ راست سے بھٹک کر جہالت اور ضلالت کے راستے پر چلا گیا۔ اور جن لوگوں نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تصدیق، اتباع اور اطاعت کے بجائے ان کی مخالفت، تکذیب اور محض تنگ کرنے کی غرض سے بلاضرورت سوالات پوچھنے کی روش کو اختیار کیا تھا ان کا یہی حال تھا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:28,29) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کے احسان (ایمان) کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا؟ (یعنی) جہنم میں جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' ابو العالیہ بیان کرتے ہیں: ﴿ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے خوش حالی کو چھوڑ کر تنگ دستی کو لے لیا تو وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔[2]

تفسیر آیات: 110,109

اہل کتاب کے رستے پر چلنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اہل کتاب میں سے کفار کے رستے پر چلنے سے منع فرما رہا ہے کہ یہ اپنے ظاہر و باطن میں ان کے لیے کس قدر شدید دشمنی اور کس قدر شدید حسد رکھتے ہیں، حالانکہ انھیں مسلمانوں اور ان کے نبی کی فضیلت کے بارے میں بھی خوب علم ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں

[1] تفسير الطبري: 676/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 204/1.

کو حکم دیا کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں حتی کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی فتح و نصرت سے سرفراز فرما دے، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور اس کی خوب ترغیب دی ہے۔

عبداللہ بن کعب بن مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور وہ نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا ﴾ ''اہل کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش! کہ وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے، اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا، پس معاف کر دو اور درگزر کرو۔''[1]

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک رسول اُمّی نے انھیں ان کی کتابوں، رسولوں اور آیات کے بارے میں نہ صرف سب کچھ صحیح صحیح بتایا بلکہ ان سب کی اسی طرح تصدیق بھی فرمائی جس طرح یہ خود تصدیق کرتے ہیں مگر اس کے باوجود انھوں نے کفر، حسد اور سرکشی کی وجہ سے اس پیغمبر آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے حق کو اس طرح روشن کر دیا تھا کہ کوئی بات بھی ان سے مخفی تو نہ تھی لیکن حسد کی وجہ سے انھوں نے انکار ہی کی روش کو اختیار کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلائی، سرزنش کی اور بہت شدید ملامت کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے مومن بندوں کو قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے کی وجہ سے عز و شرف، بے پایاں اجر و ثواب اور فتح و نصرت سے سرفراز فرمانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔[2]

ربیع بن انس بیان کرتے ہیں کہ ﴿ مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم ﴾ کے معنی ہیں مِنْ قِبَلِ أَنْفُسِهِمْ یعنی اپنی طرف سے۔[3] اور ابو العالیہ ﴿ مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں، یعنی یہ حق واضح ہونے کے باوجود کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں انھوں نے کفر کو اختیار کیا کیونکہ وہ آپ کے بارے میں تورات و انجیل میں لکھا ہوا بھی پاتے ہیں مگر انھوں نے محض اس وجہ سے حسد و سرکشی کو اختیار کرتے ہوئے کفر کیا کہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ایک دوسرے خاندان سے ہے۔ قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[4] اور ﴿ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ﴾ ''تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے۔'' یہ اسی طرح ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ﴾ (آل عمران 3:186) ''اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا ضرور بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔''

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:205,204/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:205/1 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:205/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:205/1 .

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ منسوخ ہے اور حسب ذیل آیات اس کی ناسخ ہیں: ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ (التوبة 5:9) ''مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (التوبة 29:9) ''جولوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔'' نے بھی مشرکوں سے معافی ودرگزر کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔[1] اسی طرح ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی کا بھی قول ہے[2] کہ یہ حکم آیت سیف[3] سے منسوخ ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ میں بھی اس طرف رہنمائی موجود ہے۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حسب امر الٰہی مشرکوں اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے اور ان کی طرف سے ایذا پر صبر کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کا حکم دے دیا تو جنگ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کفار کے بڑے بڑے سرغنوں کو خاک وخون میں تڑپا دیا۔[4] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور کتب ستہ میں یہ موجود نہیں ہے لیکن صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اس کا اصل ضرور موجود ہے۔[5]

اعمال صالحہ کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور تم اپنے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے۔'' میں اللہ تعالیٰ نے ایسے اعمال سرانجام دینے کی ترغیب دی ہے جو نفع بخش ہیں اور روز قیامت کام آنے والے ہیں۔ اور وہ ہیں نماز قائم کرنا، اور زکاۃ ادا کرنا وغیرہ اور انھی اعمال کے بجالانے میں دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی کا راز مضمر ہے جبکہ آخرت میں ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہوگا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل سے غافل نہیں ہے اور نہ اس کے پاس کوئی عمل ضائع ہوتا ہے۔ وہ ہر ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق اس کا بدلہ ضرور عطا فرمائے گا۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔[6]

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 206/1. ② تفسير ابن أبي حاتم: 206/1. ③ یعنی ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (التوبة 29:9). ④ تفسير ابن أبي حاتم: 206/1. ⑤ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ (آل عمران 186:3)، حديث: 4566 و صحيح مسلم، الجهاد، باب في دعاء النبي ﷺ وصبره على أذى المنافقين، حديث: 1798. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 207/1.

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا

اور انھوں نے کہا: جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہوگا۔ یہ ان کی (باطل) آرزوئیں ہیں، (اے نبی!) کہہ دیجیے: لاؤ تم اپنی دلیل، اگر تم

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿111﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪

سچے ہو ﴿111﴾ کیوں نہیں! بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا، اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے، تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے

13 ع 9 13 وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿112﴾ ع وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ

پاس ہے اور انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿112﴾ اور یہودیوں نے کہا: عیسائی کسی چیز پر نہیں اور عیسائیوں نے کہا: یہودی کسی چیز پر

النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

نہیں، حالانکہ وہ دونوں (اپنی اپنی) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ علم نہیں رکھتے، انھوں نے بھی ان کے قول سے ملتی جلتی بات کہی، پھر قیامت

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿113﴾

کے دن اللہ ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿113﴾

تفسیر آیات: 111-113

اہل کتاب کے باطل خیالات: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے بارے میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ وہ اپنے بارے میں کس قدر فریب خوردہ تھے کہ ان میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ صرف انھی کی ملت کے لوگ جنت میں جائیں گے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ کہا کرتے تھے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾ (المآئدة 5:18) ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: وہ تو انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا اور اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہ دیتا جیسے انھوں نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ یہ صرف چند روز کے لیے جہنم میں جائیں گے اور جلد ہی وہاں سے جنت میں منتقل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی جس طرح تردید فرمائی تھی اسی طرح ان کے اس دعوے کی، جو بلا دلیل و حجت ہے، تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ﴾ ''یہ ان لوگوں کے باطل خیالات ہیں۔''

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی خواہشیں ہیں جو انھوں نے ناحق اللہ تعالیٰ سے قائم کر رکھی تھیں۔ قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[1] پھر فرمایا: ﴿قُلْ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے:'' ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ ابو العالیہ، مجاہد، سدی اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ تم اپنی حجت پیش کرو۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ تم اپنی دلیل پیش کرو۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿111﴾﴾ یعنی اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔[3]

قبولیتِ عمل کی شرائط: پھر فرمایا: ﴿بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ''کیوں نہیں! بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے۔'' یعنی جس نے خالص اللہ وحدہ لاشریک کے لیے عمل کیا۔ یہ آیت اسی

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 207/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 207/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 207/1.

طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ﴾ (آل عمران 3:20) ”اے پیغمبر! پھر اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں تو کہہ دیجیے: میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرماں بردار ہو چکے ہیں۔“

ابوالعالیہ اور ربیع کہتے ہیں کہ جس نے اللہ کے لیے اخلاص سے کام لیا۔① سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کر دیا۔② ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کا متبع بھی ہو کیونکہ عمل کی قبولیت کے لیے دو شرطیں ہیں: (1) عمل خالص اللہ وحدہ کے لیے کیا گیا ہو اور (2) عمل درست اور شریعت کے مطابق ہو۔ عمل اگر خالص تو ہو مگر شریعت کے مطابق نہ ہو تو پھر بھی شرف قبولیت حاصل نہیں کرتا۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ] ”جو شخص ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“③

راہبوں اور ان جیسے دیگر لوگوں کے اعمال کے بارے میں اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وہ اخلاص کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں تو پھر بھی وہ قابل قبول نہیں۔ ان کے اعمال بھی صرف اسی وقت قبولیت کا درجہ حاصل کریں گے جب وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں گے جن کو ان کے لیے بلکہ تمام کائنات انسانی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ (الفرقان 25:23) ”اور جو انھوں نے (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو اڑتا پراگندہ گردوغبار بنا دیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا ﴾ (النور 24:39) ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے چٹیل میدان میں سراب، پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔“ اور فرمایا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۭ ﴾ (الغاشیة 88:2-5) ”اس روز کئی چہرے ذلیل ہوں گے، سخت محنت والے تھکے ماندے ہوں گے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے، ان کو گرم کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔“

اسی طرح اگر ظاہری صورت میں تو عمل شریعت کے مطابق ہو لیکن عمل کرنے والے نے اسے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے سرانجام نہ دیا ہو تو وہ عمل بھی مردود ہوگا اور یہی حال ریاکاری کرنے والوں اور منافقوں کا ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۡ ﴾ (النسآء 4:142) ”بے شک منافقین (اپنی ان چالوں سے اپنے) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انھیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے، اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کے دکھانے کے لیے، اور اللہ کی یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔“ اور فرمایا: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴾ (الماعون 107:4-7) ”تو ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو نماز

① تفسیر ابن أبي حاتم: 208/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 208/1. ③ صحیح مسلم، الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور، حدیث: (18)-1718 عن عائشة ﷺ.

کی طرف سے غافل رہتے ہیں جوریا کاری کرتے ہیں، اور برتنے کی معمولی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے۔''

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ ﴾ (الکھف 18:110) ''تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ''کیوں نہیں! بلکہ جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو۔'' اور اللہ کا فرمان: ﴿ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾ ''تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انھیں اجر وثواب بھی حاصل ہوگا اور وہ ہر قسم کے غم وفکر سے بھی محفوظ ہوں گے۔ نہ انھیں مستقبل کا کوئی خوف ہوگا اور نہ ماضی کی کسی چیز کے چھوٹنے پر کوئی ملال۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ ان پر آخرت میں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ موت کے وقت غم کریں گے۔ [1]

یہود ونصاریٰ کا تنازع کفر وعناد کی وجہ سے ہے: ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ ﴾ ''اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی رستے پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی رستے پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں کتاب (الٰہی) پڑھتے ہیں۔''

یہاں سے اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کے باہمی تضاد، بغض، عداوت اور عناد کو بیان فرما رہا ہے جیسا کہ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپس میں لڑائی جھگڑا شروع کر دیا۔ رافع بن حُرَیملہ کہنے لگا: تم راہ راست پر نہیں ہو، نیز اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کا اظہار بھی کیا۔ یہ سن کر نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص یہودیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: نہیں، تم راہِ راست پر نہیں ہو اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تھا۔ [2]

یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنی کتاب میں اس کی تصدیق کے بارے میں پڑھا ہے جس کے ساتھ کفر کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اور اس میں یہ ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان سے یہ عہد لیا تھا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریں گے۔ اسی طرح انجیل میں بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی تصدیق فرمائی تھی لیکن اب ان میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ ﴾ ''اسی طرح جو لوگ علم نہیں رکھتے انھوں نے بھی ان کے قول سے ملتی جلتی بات کہی۔'' یہود ونصاریٰ نے ایک دوسرے کے بارے میں جو باتیں کیں، ان سے اللہ تعالیٰ ان کی جہالت کو واضح

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 208/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 208/1.

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اس بات سے روکا کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور انھیں اجاڑنے کی کوشش کی!

لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿114﴾

ان (روکنے والوں) کے لائق تو یہ تھا کہ ان میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے ﴿114﴾

فرما رہا ہے اور یہ اشارہ درحقیقت انھی کی طرف ہے، اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ ﴿ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ سے کون لوگ مراد ہیں۔ ربیع بن انس اور قتادہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے بھی یہود کے قول کی طرح کہا۔ [1] ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ ان لوگوں سے کون مراد ہیں ''جو کچھ نہیں جانتے؟'' انھوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ اور تورات و انجیل سے پہلے کی امتوں کی طرف اشارہ ہے۔ [2] سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ عرب ہیں جنھوں نے یہ کہا تھا کہ محمد ﷺ رستے پر نہیں ہیں۔ [3] ابوجعفر ابن جریر نے اس موقف کو اختیار کیا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور ان سب ہی کو شامل ہے۔ اور یہاں کوئی ایسی قاطع دلیل بھی نہیں جس سے ان میں سے کسی ایک قول کو معین کیا جا سکے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے ان سب اقوال پر محمول کیا جائے۔ [4] واللہ أعلم.

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿113﴾ ﴾ ''تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کا ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب لوگوں کو جمع کر کے اپنے عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم و زیادتی نہیں فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ﴾ (الحج 17:22) ''جو لوگ مومن (مسلمان) ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابی (بے دین) اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک بے شک اللہ ان (سب) میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (سبا 26:34) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

تفسیر آیت: 114

جو مسجدوں سے منع کرے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے، وہ سب سے بڑا ظالم ہے: اللہ کی مسجدوں سے منع کرنے والوں اور ان کی ویرانی کی کوشش کرنے والوں سے مراد مشرکین قریش ہیں جیسا کہ ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد وہ مشرکین ہیں جنھوں نے حُدَیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا حتی کہ

[1] تفسیر الطبری:694/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:209/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:209/1. [4] تفسیر الطبری: 694/1.

آپ نے مقام ذی طُوٰی ہی میں اپنے ہدی کے جانور کو قربان کر دیا، ان سے صلح کر لی، پھر آپ نے ان سے فرمایا: [مَا كَانَ أَحَدٌ يُصَدُّ عَنْ هٰذَا الْبَيْتِ، وَ قَدْ كَانَ الرَّجُلُ ، يَلْقٰى قَاتِلَ أَبِيهِ وَأَخِيهِ فَلَا يَصُدُّهُ] ''اس گھر سے تو کوئی نہیں روکتا تھا حتی کہ آدمی اپنے باپ یا بھائی کے قاتل کو پاتا تو اسے بھی اس گھر سے منع نہیں کرتا تھا۔''

یہ سن کر کفار قریش کہنے لگے کہ ہمارے ہاں وہ شخص نہیں آ سکتا جس نے بدر کے دن ہمارے بزرگوں کو قتل کیا تھا اور وہ خود ابھی تک زندہ ہے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ﴾ ''اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔'' یہ اس لیے فرمایا کہ انھوں نے اللہ کے ذکر سے اسے آباد کرنے والوں اور حج اور عمرہ کے لیے آنے والوں کو روک دیا تھا۔[1] ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں کعبہ کے پاس نماز پڑھنے سے روک دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:[2] ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ﴾ ''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اس بات سے روکا کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے!''

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود و نصاریٰ کی مذمت کی، پھر ان مشرکین کی بھی مذمت کی جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور اپنے بتوں اور معبودان باطلہ کے ساتھ اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ (الأنفال 34:8) ''اور (اب) ان کے لیے کون سی وجہ ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔''

اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۝ ﴾ (التوبة 18,17:9) ''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں ان لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، چنانچہ یہی لوگ امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں گے۔''

اور فرمایا: ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

[1] تفسير الطبری: 697/1. [2] تفسير ابن أبی حاتم: 210/1.

﴿ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ ﴾ (الفتح 25:48) ''یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا اور قربانیوں کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا، اور اگر (مکہ میں کچھ) مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جن (کے ایمان) کو تم نہیں جانتے (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، پھر بے خبری میں ان (کے قتل) کی وجہ سے تمھیں تکلیف پہنچتی (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تا کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ (التوبۃ 18:9) ''اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔'' اگر ایسے لوگوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیا جائے تو مسجدوں کے لیے اس سے بڑھ کر اور خرابی کیا ہو سکتی ہے! یاد رہے مسجدوں کی آبادی سے مراد یہ نہیں کہ ان کی عمارت بنا دی جائے اور انھیں خوب مزین کر دیا جائے بلکہ ان کی آبادی حقیقت میں یہ ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اللہ کی شریعت کو ان میں قائم کیا جائے اور انھیں نجاست اور شرک کی غلاظت سے پاک رکھا جائے۔

غلبۂ اسلام کی بشارت: ﴿ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ ﴾ ''ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔'' اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن اس کا معنی امر کا ہے، یعنی جب تمھیں ان پر دسترس حاصل ہو جائے تو انھیں مصالحت و جزیہ کے بغیر ان میں داخل ہونے کی اجازت نہ دو۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو اس سے اگلے سال 9ھ میں منیٰ کے میدان میں یہ اعلان کرا دیا: [(أَلَا) لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَّلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ]، [وَّمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ فَهُوَ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''ہرگز ہرگز اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ اور جس کسی کی نبی ﷺ سے صلح کی کوئی مدت مقرر ہے تو اس مدت تک عہد کی پابندی کی جائے گی۔''[1]

آپ کا یہ اعلان درحقیقت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی تصدیق و عمل کے پیش نظر تھا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ ﴾ (التوبۃ 28:9) ''مومنو! مشرک تو پلید ہی ہیں، لہٰذا اس

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب ما يستر من العورة، حديث:369 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث:3091 واللفظ له. وسنن أبي داود، 1946. اور لفظ [أَلَا] سنن النسائي، 2960 میں ہے عن أبي بكر الصديق ؓ. لیکن دوسرا حصہ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث:3092 میں حضرت علی ؓ سے مروی ہے۔ یاد رہے کہ اس اعلان کے لیے نبی اکرم ﷺ نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور بعد میں حضرت علی ؓ کو بھیجا تھا۔ دیکھیے فتح الباري: 322/8، حديث: 4656 کے ذیل میں۔

برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔"

آیت کریمہ: ﴿ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ ﴾ سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ وہ انھیں مسجد حرام اور دیگر تمام مساجد پر غلبہ عطا فرمائے گا اور مشرکوں کو اس قدر ذلیل و رسوا کرے گا کہ ان میں سے کوئی مسجد حرام میں داخل ہی نہیں ہو سکے گا مگر ڈرتے ہوئے۔ وہ اس بات سے ڈرے گا کہ اگر پکڑا گیا اور مسلمان نہ ہوا تو اسے سزا ملے گی یا قتل کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا کر دکھایا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، اس نے مشرکوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع فرما دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَبْقَيَنَّ دِينَانِ بِأَرْضِ الْعَرَبِ] "جزیرۃ العرب میں دو دین نہ رہنے دیے جائیں۔"[1] یعنی یہاں اب صرف ایک ہی دین اسلام ہوگا، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: [لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ] "میں یہود و نصاریٰ کو ضرور سرزمینِ عرب سے جلاوطن کر دوں گا۔"[2] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اور یہ سب کچھ مسجد حرام کی تعظیم اور اس خطۂ زمین کی تطہیر کے پیش نظر تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات انسانی کے لیے اپنے رسول کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ. یہ ہے مشرکوں کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی، کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہی ملتی ہے جس طرح انھوں نے مومنوں کو مسجد حرام سے روکا تھا، اب انھیں اس سے روک دیا گیا، جس طرح انھوں نے مکہ سے جلاوطن کیا تھا اب انھیں یہاں (جزیرۂ عرب) سے جلاوطن کر دیا گیا۔

﴿ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ "اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔" کیونکہ انھوں نے بیت اللہ کی بے حرمتی کی تھی کہ اس میں بت رکھ دیے، بیت اللہ میں غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی، عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا اور اس طرح کی کئی مذموم حرکتیں کیں جو اللہ اور اس کے رسول کو سخت ناپسند تھیں۔

حدیث میں دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے پناہ مانگنے کا ذکر آیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بُسر بن اَرطاۃ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا، وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ] "اے اللہ! تو ہمارے ہر کام کا انجام ہمارے حق میں اچھا کر دے اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے۔"[3] یہ حدیث حسن ہے۔

---

[1] مسند أحمد: 275/6 عن عائشة رضي الله عنها. والموطأ للإمام مالك، الجامع، باب ماجاء في إجلاء اليهود من المدينة: 359/2، حديث: 1696 والمصنف لعبد الرزاق، أهل الكتاب، باب إجلاء اليهود من المدينة، حديث: 19368,9984.
[2] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إخراج اليهود من جزيرة العرب، حديث: 3168,3167 عن أبي هريرة و ابن عباس رضي الله عنهم. وصحيح مسلم، الجهاد، باب إخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب، حديث: 1767 والمصنف لعبد الرزاق، أهل الكتاب، باب إجلاء اليهود من المدينة، حديث: 9985 عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. [3] مسند أحمد: 181/4.

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾

اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا تم جس طرف بھی منہ کرو گے وہیں ہے اللہ کا چہرہ، بے شک اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿115﴾

تفسیر آیت: 115

نمازوں میں قبلہ رو ہونا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جنھیں مکہ سے نکال دیا گیا اور مسجد حرام سے دور کر دیا گیا تھا، کو تسلی دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جبکہ کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد بھی آپ سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المُقدّس ہی کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل فرما دیا۔[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے۔''

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلے کا حکم منسوخ ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ میں ہجرت فرمائی تو مدینہ کے باشندے یہودی تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا جب حکم دیا تو یہود اس سے بہت خوش تھے، آپ نے دس ماہ سے زیادہ عرصہ تک بیت المُقدّس کی طرف منہ کیا لیکن آپ قبلۂ ابراہیم کو پسند فرماتے تھے، اس کے لیے آپ دعا فرماتے اور آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم کب نازل ہو؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ ﴾ تا ﴿ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:144-150) آیات نازل فرمائی تھیں، اس سے یہود شک میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: ﴿ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ ﴾ (البقرۃ 2:142) کہ اس قبلے سے جس پر یہ لوگ پہلے تھے کیوں منہ پھیر بیٹھے ہیں؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''تو جدھر بھی تم رخ کرو گے ادھر اللہ ہی کا چہرہ ہے۔''[2] عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشرق یا مغرب جس طرف بھی تم منہ کرو، اللہ کا قبلہ اسی طرف ہے۔[3] مجاہد اس کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ تم جہاں کہیں بھی ہو، منہ کرنے کے لیے قبلہ کعبہ ہی ہے۔[4]

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کی فرضیت سے پہلے نازل فرمایا تھا۔[5] ابن جریر فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت سفر میں سواری پر نفل نماز، نیز شمشیرزنی یا شدت خوف کی حالت میں (فرض نماز)

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ .... ﴾ (البقرة 2:142)، حدیث:4486 عن البراء رضی اللہ عنہ.

② تفسیر الطبری:700/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:212/1. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:212/1. ⑤ تفسیر الطبری: 701/1.

مشرق ومغرب کی طرف منہ کر کے ادا کرنے کی اجازت کے متعلق نازل ہوئی ہے۔①

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیتے تھے جس طرف سواری کا رخ ہوتا تھا اور آپ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز ادا فرمایا کرتے تھے، اس طرح گویا آپ اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے کہ ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ﴾ ''تو جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے۔''② اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابو حاتم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔③ اور اس حدیث کا اصل صحیحین میں بروایت ابن عمر اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم موجود ہے لیکن (بخاری میں) آیت کا ذکر نہیں ہے۔④

صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ سے نماز خوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس کی کیفیت بیان کی، پھر فرمایا کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ شدید ہو تو پیادہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر یا سواریوں پر نماز پڑھ لو، خواہ رخ قبلے کی طرف ہو یا نہ ہو۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہی سے بیان فرمائی تھی۔⑤ اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ سخت تاریکی اور بادلوں کی وجہ سے جس کے لیے قبلے کا رخ مشتبہ ہو گیا ہو اور وہ قبلے کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔⑥

اہل مدینہ کا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے: حافظ ابوبکر ابن مردویہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِّأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَ أَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ] ''مشرق ومغرب کے مابین مدینہ، شام اور عراق والوں کا قبلہ ہے۔''⑦

اس حدیث کی اس آیت سے مناسبت واضح ہے، نیز ترمذی اور ابن ماجہ نے ایک حدیث ان الفاظ سے بیان کی ہے: [مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ] ''مشرق ومغرب کے مابین قبلہ ہے۔''⑧

---

① تفسیر الطبری:702/1. ② تفسیر الطبری:702/1. ③ صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ ......، حدیث:(33)-700 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ البقرۃ، حدیث:2958 وسنن النسائی، الصلاۃ، باب الحال التی یجوز فیھا استقبال غیر القبلۃ، حدیث:493 والمستدرک للحاکم، التفسیر، باب من سورۃ البقرۃ:266/2، حدیث:3053 وتفسیرابن أبی حاتم:212/1. ④ صحیح البخاری، التقصیر، باب من تطوّع فی السفر فی غیر دبر الصلوات وقبلھا، حدیث:1105,1104 وصحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ......، حدیث:(33)-700,(40)-701. ⑤ صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ (البقرۃ2:239)، حدیث:4535. ⑥ تفسیر الطبری:703,702/1. ⑦ حافظ ابن کثیر کی ذکر کردہ حدیث کا حصہ: [لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ] موسوعہ احادیث میں ہمیں نہیں ملا۔ ہاں، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الصلاۃ کے باب:29 پر ''باب قبلۃ أھل المدینۃ وأھل الشام والمشرق'' عنوان قائم کیا ہے، امام بیہقی نے اپنی کتاب ''خلافیات'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت [مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِّأَهْلِ الْعِرَاقِ] ذکر کی ہے اور الضعفاء للعُقَیلی:308/4 میں بھی مؤخر الذکر الفاظ ہیں۔ اور عقیلی نے یہ بھی کہا ہے کہ لا یتابع علیہ. واللّٰہ أعلم بالصواب. ⑧ جامع الترمذی، الصلاۃ، باب ماجاء أن مابین المشرق والمغرب قبلۃ، حدیث:344 وسنن ابن ماجہ، إقامۃ الصلوات، باب القبلۃ، حدیث:1011 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ.

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿116﴾

اور انھوں نے کہا: اللہ نے اولاد بنالی ہے۔ وہ اس سے پاک ہے، بلکہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کے فرمانبردار

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾

ہیں ﴿116﴾ (وہ) آسمانوں اور زمین کا انوکھا موجد ہے اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے متعلق یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ﴿117﴾

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جود و کرم اور انعام و اکرام کے اعتبار سے اپنی ساری مخلوق کے لیے کافی ہے اور ﴿ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اسے اپنی ساری مخلوق کے اعمال کا بھی علم ہے۔ مخلوق کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا، کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اپنی ساری مخلوق کے تمام اعمال سے خوب باخبر ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 117,116

اللہ کی اولاد ثابت کرنے والوں کی تردید: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں، یہودیوں، مشرکین عرب اور ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کے دعوے اور ان کی اس بات کی تکذیب کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہو، فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَهٗ ۭ ﴾ یعنی وہ اس سے بہت ہی پاک، مقدس، منزہ اور بلند و بالا ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو ﴿ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ﴾ یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح انھوں نے افترا پردازی کی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ اسی کی ملکیت ہیں، ان میں صرف اسی کا تصرف و اختیار کارفرما ہے کیونکہ وہی ان کا خالق، رازق، ان کا اندازہ مقرر کرنے والا، انھیں مسخر کرنے والا، انھیں چلانے والا اور جس طرح چاہے ان میں تصرف فرمانے والا ہے۔

ساری مخلوق اسی کی غلام اور اسی کی ملکیت ہے تو ان میں سے کوئی اس کی اولاد کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ اولاد تو دو متناسب چیزوں سے پیدا ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر ہے، نہ اس کی عظمت و کبریائی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی کوئی بیوی ہی ہے تو اس کا کوئی بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ﴾ (الأنعام 101:6) ''(وہی) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں؟ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب باخبر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ○ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ○ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ○ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○ ﴾ (مریم 19:88-95) ''اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو، قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں، اس (بات) پر

[1] تفسیر الطبری: 706/1.

کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا اور اللہ کو شایان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر (غلام بن کر) آئیں گے۔ اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔" اور یہ بھی فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞ ﴾ (الإخلاص 112:1-4) "(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ایسا عظیم الشان آقا ہے کہ اس کی کوئی نظیر اور کوئی مثال نہیں، اس کے سوا دیگر تمام اشیاء مخلوق ہیں اور وہی ان کی پرورش کرنے والا ہے تو ان میں سے کوئی چیز اس کی اولاد کس طرح ہو سکتی ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۂ بقرہ کی اس آیت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [قَالَ اللّٰهُ : كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَزَعَمَ أَنِّي لَا أَقْدِرُ أَنْ أُعِيدَهُ كَمَا كَانَ ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لِي وَلَدٌ ، فَسُبْحَانِي أَنْ أَتَّخِذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا] "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی ہے، حالانکہ اسے اس بات کا کوئی حق حاصل نہ تھا، ابن آدم نے مجھے گالی دی ہے، حالانکہ یہ بات اس کے شایان نہ تھی، اس کے تکذیب کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اسے دوبارہ اس طرح پیدا کرنے پر قادر نہیں جس طرح وہ پہلے تھا اور گالی دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں اس بات سے پاک ہوں کہ میری بیوی اور بچے ہوں۔"[1] یہ روایت صحیحین میں سے صرف صحیح بخاری میں ہے۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى إِنَّهُمْ يَجْعَلُونَ لَهُ نِدًّا وَّيَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا، وَّهُوَ مَعَ ذٰلِكَ يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ ......] "تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر زیادہ صبر کرنے والا اور کوئی نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے اور اس کی اولاد کے قائل ہیں اور وہ اس کے باوجود انھیں رزق دیتا اور عافیت سے نوازتا ہے......"[2]

ہر چیز اللہ کی فرمانبردار ہے: ﴿ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۞ ﴾ "سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔" ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ قٰنِتُوْنَ ۞ ﴾ کے معنی ہیں نماز پڑھنے والے۔[3] عکرمہ اور ابو مالک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی عبودیت کا اقرار کرنے والے ہیں۔[4] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ہر کوئی اس کے لیے اخلاص کا قائل ہے۔[5] ربیع بن

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ﴾ (البقرة 2:116) ، حديث: 4482. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب الصبر في الأذى، حديث: 6099 وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب في الكفار، حديث: (50)- 2804 واللفظ له عن أبي موسى (عبدالله بن قيس رضي الله عنه). [3] تفسير ابن أبي حاتم: 214/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 214/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 214/1.

انس کہتے ہیں کہ قیامت کے دن سب اس کے سامنے کھڑے ہونے والے ہیں۔[1] سدی کہتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن اطاعت بجالانے والے ہیں۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ اس قدر فرمانبردار ہیں کہ وہ جب یہ فرمادے کہ انسان بن جا تو انسان بن جاتا ہے اور اگر یہ فرمادے کہ گدھا بن جا تو گدھا بن جاتا ہے۔[3] مجاہد ہی سے ایک دوسرا قول یہ ہے کہ سب اس کے اطاعت گزار ہیں کافر کی اطاعت یہ ہے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا پسند نہیں کرتا مگر اس کا سایہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے۔[4]

مجاہد کے اس دوسرے قول کو ابن جریر نے بھی پسند کیا ہے کیونکہ یہ تمام اقوال کا جامع ہے اور وہ یہ کہ کائنات کی ایک ایک چیز شرعی یا قدری طور پر اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ﴾ (الرعد13:15) ''اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہیں اور ان کے سائے بھی صبح وشام (سجدے کرتے ہیں۔)''

بدیع کے معنی: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا فرمایا ہے، یہ مجاہد اور سدی کا بیان ہے۔[5] اور از روئے لغت بھی اس کے یہی معنی ہیں۔اسی وجہ سے کسی نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: [فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ] ''ہر نئی چیز بدعت ہے۔''[6]

بدعت کی دو قسمیں ہیں: (1) بدعت شرعیہ جیسا کہ یہ ارشاد نبوی ہے: [فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ][7] (2) بدعت لغویہ جیسا کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز تراویح باجماعت اور باقاعدہ ادا کرنے کی خواہش کی تو فرمایا: [نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ] ''یہ نئی چیز بہت خوب ہے۔''[8]

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معنیٰ کلام یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ساری کائنات اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے اور اس کی اطاعت گزار ہے، وہی کائنات کو ایجاد کرنے والا، پیدا کرنے والا اور اسے وجود بخشنے والا ہے، اس نے پہلے سے موجود کسی اصل اور مثال کے بغیر اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا ہے کہ مسیح علیہ السلام بھی اسی بات کی گواہی دیتے تھے جن کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے دیا ہے۔اور اس اللہ تعالیٰ ہی نے جس نے آسمانوں اور زمین کو کسی اصل اور کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔[9] ابن جریر کی یہ بات بہت خوب اور ان کی یہ تعبیر بالکل صحیح ہے۔

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:214/1. [2] تفسير الطبری:708/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:213/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم:213/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم:214/1. [6] سنن أبي داود، السنّة، باب في لزوم السنة، حديث:4607 عن العرباض بن سارية رضی اللہ عنہ. [7] سنن أبي داود، السنّة، باب في لزوم السنة، حديث:4607. [8] صحيح البخاري، صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، حديث:2010 اور یہاں:[نِعْمَ ......] ہے۔ و الموطأ للإمام مالك، الصلاة في رمضان، باب ماجاء في قيام رمضان:39/1، حديث:255 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. [9] تفسير الطبری:709/1.

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

اور ان لوگوں نے کہا جو علم نہیں رکھتے: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح، ان کے قول سے ملتی جلتی بات

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿118﴾

ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے تھے، ان کے دل یکساں ہوگئے، تحقیق ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دی ہیں ﴿118﴾

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾ ﴾ ''جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کمال اور اپنی بادشاہت کی عظمت کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے صرف ایک دفعہ یہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (یٰسٓ 82:36) ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ○ ﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں اس طرف بھی توجہ مبذول کروائی ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کلمۂ کُنْ سے پیدا فرمایا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، وہ اسی طرح پیدا ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (آل عمران 3:59) ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے کہ اس نے (پہلے) اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گیا۔''

تفسیر آیت: 118

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رافع بن حُرَیْمَلہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کہیے کہ وہ ہم سے کلام کرے حتیٰ کہ ہم اس کے کلام کو سن لیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ ﴾ ''اور جو لوگ (کچھ) نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟''[1] ابو العالیہ،[2] ربیع بن انس، قتادہ اور سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ کفار عرب نے کہا تھا۔[3] ﴿ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ ﴾ ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، وہ بھی انھی کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔'' اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔[4]

اس قول کی تائید کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں، درج ذیل آیات کریمہ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 215/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 215/1. [3] تفسیر الطبری: 715/1. [4] تفسیر الطبری: 717/1.

﴿ وَعَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا كَانُوا۟ يَمْكُرُونَ ۝ ﴾ (الأنعام 124:6) ''اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ ایسی ہی چیز خود ہمیں دی جائے، جیسی رسولوں کو دی گئی، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے، جو لوگ جرم کرتے ہیں ان کو اللہ کے ہاں جلد ہی ذلت ملے گی اور اس مکر وفریب کی وجہ سے عذابِ شدید ہوگا جو وہ کرتے تھے۔'' اسی طرح ﴿ وَقَالُوا۟ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ ٱلْأَرْضِ يَنۢبُوعًا ۝ ﴾ تا ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّى هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴾ (بنی إسرآءیل 17:90-93) ''اور کہنے لگے کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دیں ...... (اے نبی!) کہہ دیجیے: میرا پروردگار پاک ہے۔ میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔''

اور یہ فرمان بھی تائید کرتا ہے: ﴿ وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْنَا ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ ﴾ (الفرقان 21:25) ''اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟'' اور یہ قول بھی: ﴿ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ ٱمْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ ﴾ (المدثّر 52:74) ''بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلے صحیفے آئیں۔''

اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو مشرکین عرب کے کفر، سرکشی، عناد اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ محض کفر وعناد کی وجہ سے ایسے ایسے سوال کرتے تھے جن کی انھیں کوئی ضرورت نہ تھی جس طرح کہ یہود ونصارٰی اور دیگر کئی لوگوں نے بھی اپنے انبیائے کرام سے اسی طرح کے سوالات کیے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ ٱلْكِتَٰبِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَٰبًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا۟ مُوسَىٰٓ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوٓا۟ أَرِنَا ٱللَّهَ جَهْرَةً ﴾ (النسآء 153:4) ''(اے نبی!) اہل کتاب آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب آسمان سے اتار لائیں، چنانچہ یہ موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بڑی درخواستیں کر چکے ہیں (ان سے) کہتے تھے: ہمیں اللہ کو ظاہر (آنکھوں سے) دکھا دو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً ﴾ (البقرۃ 55:2) ''اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا: موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ تَشَٰبَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۘ ﴾ ''ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔'' یعنی مشرکین عرب کے اور ان سے پہلے کفر، عناد اور سرکشی کا مظاہرہ کرنے والوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذَٰلِكَ مَآ أَتَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا۟ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝ أَتَوَاصَوْا۟ بِهِۦ ۚ ﴾ (الذّٰریٰت 51:52,53) ''اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے، کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قَدْ بَيَّنَّا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝١١٨ ﴾ ''جو لوگ صاحب یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔'' یعنی ہم نے رسولوں کی صداقت کی ایسی ایسی نشانیاں بیان کر دی ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿119﴾

بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں ہوگا﴿119﴾

اور سوال کی اسے ضرورت نہیں ہے جس کا رسولوں پر یقین ہو، ان کی تصدیق کرتا ہو اور ان کی اتباع کرتا ہو اور اسے خوب سمجھ لیا ہو جسے رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے ہوں لیکن جن کے دل اور کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہو اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ ﴾ (یونس 10:96,97) ''جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔''

تفسیر آیت: 119

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿119﴾ ﴾ یعنی ہم آپ سے ان لوگوں کے انکار کے بارے میں پرسش نہیں کریں گے جنھوں نے آپ کا انکار کیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ ﴾ (الرعد 13:40) ''آپ کے ذمے تو صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' نیز اللہ کا فرمان ہے: ﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۙ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۙ ﴾ (الغاشية 88:21,22) ''چنانچہ آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ تو نصیحت کرنے والے ہی ہیں، آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔'' نیز فرمایا: ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ○ ﴾ (قٓ 50:45) ''یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں، پس جو ہماری وعید سے ڈرے اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ تورات میں: امام احمد رحمہ اللہ نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور عرض کی کہ مجھے یہ بتایئے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت بیان کی گئی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، تورات میں بھی آپ کے وہی اوصاف مذکور ہیں جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں کہ اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، آپ اُمّی لوگوں کی جائے پناہ ہیں، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکّل رکھا ہے، آپ بدخو ہیں نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے بلکہ عفو ودرگزر سے کام لینے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کو اپنے پاس نہیں بلائے گا جب تک کہ ٹیڑھی قوم کو آپ کی وجہ سے بالکل سیدھا اور درست نہیں فرما دے گا اور وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار نہ کرنے لگ جائیں، اس سے اللہ تعالیٰ ان کی اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردوں میں ملفوف دلوں کو کھول دے گا۔[1] اس روایت کو امام

[1] مسند أحمد: 174/2.

وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ ہُوَ الۡہُدٰی ؕ

اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں۔ کہہ دیجیے: بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی

وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَہۡوَآءَہُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا

ہدایت ہے اور آپ کے پاس جو علم آ گیا اس کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کو اللہ (کی پکڑ) سے (بچانے والا) نہ کوئی حمایتی ہو

نَصِیۡرٍ ﴿120﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ؕ وَمَنۡ

گا اور نہ کوئی مددگار ﴿120﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان لاتے

یَّکۡفُرۡ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿121﴾ ع 14/9/14

ہیں اور جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہی ہیں خسارہ پانے والے ﴿121﴾

بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب البیوع اور کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے،[1] البتہ صحیح مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے۔

تفسیر آیات:121,120

ابن جریر رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ ؕ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی بھی خوش نہیں ہو سکتے، لہٰذا ان کی رضامندی اور تائید حاصل کرنے کا خیال ترک کر دیں اور اللہ کی رضا کے طلب گار بن جائیں اور انھیں اُس حق کے قبول کرنے کی دعوت دیتے رہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے۔[2] اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿قُلۡ اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ ہُوَ الۡہُدٰی ؕ﴾ یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ فرما دیجیے: اللہ تعالیٰ کی ہدایت (دین اسلام) ہی درحقیقت ہدایت ہے اور یہی وہ سیدھا، صحیح، کامل اور جامع دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿قُلۡ اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ ہُوَ الۡہُدٰی ؕ﴾ یہ درحقیقت بحث و مباحثے کا ایک انداز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا ہے تاکہ اہل ضلالت کے مقابلے کے لیے اسے اختیار کریں۔[3]

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے: [لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ] ”میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتے ہوئے غالب رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے حتی کہ قیامت آ جائے۔“[4]

[1] صحیح البخاری، البیوع، باب کراهية السخب فی السوق، حدیث:2125 و فی التفسیر (48) سورة الفتح، باب:8، ﴿إِنَّآ أَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا﴾، حدیث:4838 عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما. [2] تفسیر الطبری: 721/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 217/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 217/1 مزید دیکھیے صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ: [لا تزال طائفة من أمتی ظاهرین علی الحق یقاتلون] و هم أهل العلم، حدیث: 7311 عن المغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ. و صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لا تزال طائفة......]، حدیث: 1920 عن ثوبان رضی اللہ عنہ.

یہ حدیث (بالفاظ دیگر) صحیح مسلم میں بھی بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما موجود ہے۔ [1]

﴿ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ ﴾ ''اور اگر آپ اپنے پاس علم (وحی الٰہی) کے آ جانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو آپ کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔'' اس میں امت کے لیے بہت ہی شدید وعید ہے کہ قرآن وسنت کے علم کے بعد اس نے ہرگز ہرگز یہود ونصاریٰ کے طریقوں کی پیروی نہیں کرنی، والعیاذ باللہ، خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن درحقیقت یہ حکم آپ کی ساری امت کے لیے ہے۔

تلاوتِ کتاب کا حق: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ ﴾ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو ایسا پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے۔'' عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ [2] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ [3] اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے [4] لیکن سعید نے قتادہ سے یہ روایت کیا ہے کہ ان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ [5] ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! حقِ تلاوت کے معنی یہ ہیں کہ کتاب الٰہی کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا جائے، اسی طرح پڑھا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے، کلمات میں کوئی تحریف نہ کی جائے اور نہ اپنی طرف سے اس کی کوئی تاویل کی جائے۔ [6]

سدی نے ابو مالک کے حوالے سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی بیان کیا ہے کہ اس کتاب کو ایسا پڑھنے والے جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، وہ لوگ ہیں جو اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں اور کتاب الٰہی میں اپنی طرف سے کوئی تحریف نہیں کرتے۔ [7] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب تلاوت کرتے ہوئے کسی آیتِ رحمت کے پاس سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی آیتِ عذاب کے پاس سے گزرتے ہیں تو عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے ہیں۔ [8] خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تلاوت کے بارے میں بھی یہ مروی ہے کہ جب آپ کا آیتِ رحمت کے پاس سے گزر ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب آیت عذاب کی تلاوت فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ [9]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ ﴾ یہ اس جملے: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ ﴾ کی خبر ہے، یعنی سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں میں سے جو بھی ان کتابوں پر ایمان لائے، جو ان انبیائے کرام پر نازل کی گئی تھیں

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ:[لا تزال طائفة......]، حدیث: 1924. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 218/1. [3] تفسیر الطبری: 723/1. لیکن اس میں نصاریٰ کا ذکر نہیں ہے۔ [4] تفسیر الطبری: 723/1. [5] تفسیر الطبری: 723/1. [6] تفسیر الطبری: 724/1. [7] تفسیر الطبری: 724/1. [8] تفسیر القرطبی: 95/2. [9] مسند أحمد: 382/5 وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب استحباب تطویل القراءة......، حدیث: 772 عن حذیفة رضی اللہ عنہ.

اور اس طرح عمل کرے جس طرح عمل کرنے کا حق ہے، تو اس کا گویا اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو میں نے اے محمد (ﷺ)! آپ پر نازل کی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (المآئدة 66:5) ''اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (المآئدة 68:5) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم تورات وانجیل اور اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے لگو۔''

یعنی جب تم ان کو اس طرح قائم رکھو گے جس طرح قائم رکھنے کا حق ہے، ان کے ساتھ اس طرح ایمان لاؤ گے جس طرح ایمان لانے کا حق ہے اور ان کی ان باتوں کی تصدیق کرو گے جن میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نعت وصفت کا تذکرہ اور آپ کی اتباع اور تائید وحمایت کرنے کا حکم ہے تو یہ بات تمھیں حق کی طرف لے جائے گی اور دنیا وآخرت میں خیر وبھلائی کا رستہ دکھائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ (الأعراف 157:7) ''(یعنی) وہ لوگ جو اس رسول کی، جو اُمّی نبی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝﴾ (بنی إسرآءیل 108,107:17) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے) بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب کا علم دیا گیا ہے، جب یہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو کر رہا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾ (القصص 52:28-54) ''جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی وہی اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (اور) بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں۔ ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ وہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے رہے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝﴾ (آل عمران 20:3) ''اور (اے نبی!) اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجیے: کیا تم بھی (اللہ کے فرماں بردار بنتے اور) اسلام

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿122﴾

اے بنی اسرائیل! تم میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور بیشک میں نے تمھیں سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی﴿122﴾ اور اس

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا اور نہ اس سے کوئی بدل قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی اور

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾

نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی﴿123﴾

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا تو اس نے انھیں پورا کر دیا۔ اللہ نے کہا: بے شک میں تجھے سب لوگوں کے لیے امام

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿124﴾

بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد میں سے بھی، اللہ نے کہا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا﴿124﴾

لاتے ہو؟ اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پا لیں اور اگر (آپ کا کہا) نہ مانیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

اسی لیے تو یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو اس کو نہیں مانتے، وہ خسارہ پانے والے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (ھود 11:17) ''اور جو کوئی اور فرقوں میں سے اس کا منکر ہوا تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔''

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ......] ، [ثُمَّ لَا يُؤْمِنُ بِي إِلَّا دَخَلَ النَّارَ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت میں سے کوئی ایک (حتی کہ) یہودی یا عیسائی بھی میرے بارے میں سنے...... پھر وہ میرے ساتھ ایمان نہ لائے تو وہ جہنم رسید ہوگا۔''[1]

تفسیر آیات: 123,122

اس طرح کی آیات اس سورت کے شروع میں بھی گزر چکی ہیں۔[2] اسے یہاں دوبارہ اس رسول نبی اُمّی ﷺ کی اتباع کی تاکید و ترغیب کے لیے لایا گیا ہے جن کی صفت، نعت، اسم پاک، شان اور جن کی امت کا تذکرہ یہ اپنی کتابوں میں بھی لکھا

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة......، حديث: 153 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. البتہ دوسرا حصہ یہاں اس طرح ہے: [......وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ]'' ...... اور اس پر ایمان نہیں لاتا جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے''۔ اور دوسرا حصہ السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة هود، باب: 184 قوله تعالى: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ ﴾: 363/6، حديث: 11241 عن أبي موسى رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 291/1، حديث: 157 و 245/7، حديث: 3093 ومسند أحمد: 396/4. [2] دیکھیے البقرة ، آیات: 48,47 .

ہوا پاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ ان باتوں کو اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعامات فرمائے ہیں، انھیں نہ چھپائیں بلکہ ان تمام دینی و دنیوی نعمتوں کو یاد رکھیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ اپنے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو ان میں مبعوث فرما دیا ہے۔ اور یہ حسد آپ کی مخالفت، تکذیب اور آپ کی تائید وحمایت سے انحراف پر آمادہ نہ کرے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

تفسیر آیت:124

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شرف کو بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا تھا تاکہ توحید میں آپ کی اقتدا کی جائے جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوامر ونواہی کو پورا فرما دیا تھا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ﴾ ''اور جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! ان مشرکوں اور اُن یہود ونصاریٰ کے سامنے جو اپنے آپ کو ملت ابراہیم کی طرف منسوب تو کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اس ملت سے نہیں ہیں بلکہ ملت ابراہیمی پر تو آپ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں، اس آزمائش کا ذکر کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا کیا اور انھیں بہت سے اوامر ونواہی کے بجالانے کا حکم دیا۔

﴿ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾ تو وہ ان میں پورے اترے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام احکام کے مطابق عمل کر دکھایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴾ (النجم 37:53) ''اور ابراہیم کے (صحیفوں میں) جنھوں نے (حق طاعت ورسالت) پورا کیا۔'' یعنی انھوں نے ان تمام احکام کے مطابق عمل پورا کر دکھایا جو ان کے لیے مشروع قرار دیے گئے تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:120-123) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے، پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کریں جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:161) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: مجھے میرے پروردگار نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے، (یعنی) صحیح اعلیٰ اقدار کے حامل دین کا، ایک رب کے پرستار ابراہیم کے طریق کا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:67,68)

''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ بے شک ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخرالزماں) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ بِكَلِمٰتٍ ﴾ سے مراد شرعی احکام، یعنی اوامر ونواہی ہیں۔ کلمات سے کبھی قدری کلمات مراد ہوتے ہیں جیسا کہ مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝ ﴾ (التحریم 12:66) ''اور وہ اپنے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرماں برداروں میں سے تھیں۔'' اور کبھی کلمات سے مراد شرعی کلمات ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ ﴾ (الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کے کلمات سچائی اور انصاف میں پورے ہیں۔''

کلماتِ شرعیہ یا تو کسی سچی خبر پر یا امر ونہی کی صورت میں کسی منصفانہ مطالبے پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ﴾ میں بھی کلمات سے مراد شرعی کلمات ہیں۔ اور ﴿ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ ﴾ ''میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔'' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اچھے اچھے کام سرانجام دیے، اللہ تعالیٰ نے جن احکام کا حکم دیا ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور جن باتوں سے منع فرمایا تو ان سے پورا پورا اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کے لیے پیشوا اور ایک قابل عمل نمونہ قرار دے دیا۔

ان کلمات سے کیا مراد ہے؟ ان کلمات کی تعیین میں اختلاف ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی آزمائش فرمائی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں کئی روایات مروی ہیں۔ عبدالرزاق نے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ان کلمات سے مراد مناسکِ حج ہیں۔[1] ابواسحاق نے بھی یہی روایت کیا ہے۔[2] جبکہ عبدالرزاق نے آپ سے ایک دوسری روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ ان سے مراد احکام طہارت ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق سر سے اور پانچ کا تعلق باقی سارے جسم سے ہے، سر سے متعلق احکام یہ ہیں: (1) مونچھوں کا کاٹنا (2) کلی کرنا (3) ناک صاف کرنا (4) مسواک کرنا اور (5) سر میں مانگ نکالنا۔ اور جن احکام کا تعلق باقی سارے جسم سے ہے وہ یہ ہیں: (1) ناخن تراشنا (2) زیر ناف بال صاف کرنا (3) ختنہ کرنا (4) بغلوں کے بال نوچنا اور (5) بول و براز کے بعد پانی سے استنجا کرنا۔[3] ابن ابو حاتم نے سعید بن مسیّب، مجاہد، شعبی، نخعی، ابوصالح اور ابوجلد سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

اس مفہوم کے قریب قریب ہی وہ روایت ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ] ''دس باتیں فطرت سے ہیں: (1) مونچھوں کو کاٹنا (2) داڑھی

---

① تفسیر الطبری:733/1. ② تفسیر الطبری:733/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:219/1 وتفسیر عبدالرزاق:289/1، رقم:116. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:219/1.

بڑھانا(3)مسواک کرنا(4)وضو کے دوران میں ناک میں پانی چڑھانا(5)ناخن تراشنا(6)ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پورے دھونا(7)بغلوں کے بال نوچنا(8)زیرناف بال صاف کرنا(9)جسم پر پانی بہانا۔'' راوی کا بیان ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا ہوں یہ شاید کلی کرنا تھی۔ وکیع کہتے ہیں کہ جسم پر پانی بہانے سے مراد استنجا کرنا ہے۔①

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَ نَتْفُ الْإِبِطِ وَ قَصُّ الشَّارِبِ]''امورِفطرت پانچ ہیں:(1) ختنہ کرنا(2)زیرناف بال صاف کرنا(3)ناخن تراشنا(4)بغل کے بال نوچنا اور(5)مونچھیں کاٹنا۔''② یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ کلمات جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی اور وہ ان میں پورے اترے، ان سے مراد ہے اللہ کی خاطر اپنی قوم سے جدائی اختیار کرنا جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جدائی اختیار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ نمرود سے اللہ کی خاطر جھگڑا کرنا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم دیا جس میں نمرود کی صریحًا مخالفت تھی، نمرودیوں نے آپ کو جب جلانے کے لیے آگ میں ڈالا تو بےخطر آتش نمرود میں کود جانا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وطن مالوف سے ہجرت کرنا، مہمانوں کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنا اور اس سلسلے میں جانی و مالی صبر وایثار کا مظاہرہ کرنا، پھر اس سلسلے میں شاید سب سے بڑی ابتلا اور سب سے بڑی آزمائش تو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو حکم دیا کہ اپنے لخت جگر کو قربان کر دو تو آپ اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر اپنے لخت جگر اور نور نظر کو قربان کرنے کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ جب آپ نے یہ سارے کام پورے کر دکھائے اور ان تمام آزمائشوں اور امتحانوں میں جان سپاری اور تسلیم ورضا کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (البقرة2:131) ''فرمانبردار بن جاؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔'' خواہ اس میں لوگوں کو چھوڑنا پڑے اور ان کی کیسی ہی مخالفت کیوں نہ مول لینا پڑے۔③

ظالموں سے اللہ کا عہد نہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عرض کی: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ﴾ ''(پروردگار!) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنا۔)'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''میرا عہد ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔'' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنا دیا تو انھوں نے عرض کی کہ ان کے بعد ان کی اولاد میں سے بھی امام بنیں تو اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ ان کی اولاد میں سے تو ظالم بھی ہوں گے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے اور نہ وہ امام بنیں گے اور نہ ان کی اقتدا ہی کی جائے گی۔ اس بات کی دلیل کہ ان کی یہ دعا قبول کر لی گئی تھی، سورۂ عنکبوت کی یہ آیت ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ ﴾ (العنكبوت29:27) ''اور ہم نے اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب مقرر کر دی۔''

① صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث:261. ② صحيح البخاري، اللباس، باب قص الشارب، حديث:5889 وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث:257. ③ تفسير ابن أبي حاتم:220/1.

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًاؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّىؕ

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے کی اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ

آپ کے بعد آنے والے ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد ہی میں سے مبعوث فرمایا اور آپ کے بعد نازل ہونے والی ہر کتاب کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد ہی میں نازل فرمایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ. اور ہاں، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی خبر دی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہوں گے جن سے امامت و پیشوائی کا یہ عہد و پیمان نہیں ہے، ظالم کو اللہ تعالیٰ آپ کی میراث عطا نہیں فرمائے گا، خواہ وہ آپ ہی کی اولاد میں سے کیوں نہ ہو۔ اسی طرح آپ کی اولاد میں سے محسن بھی ہوں گے جو آپ کی دعوت کے مشن کو سرانجام دیں گے اور انھیں وہ امامت و پیشوائی بھی حاصل ہوگی جس کے اپنی اولاد میں باقی رہنے کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ گو ظاہری طور پر ایک خبر پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ ظالم سے اللہ تعالیٰ کا یہ عہد و پیمان نہیں ہے کہ وہ اسے امامت عطا فرمائے گا لیکن اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو یہ بھی بتا دیا کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ ظالم لوگ بھی ہوں گے۔[1] ابن خُوَیزمَنْدَاد مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظالم شخص خلیفہ، حاکم، مفتی، شاہد اور راوی بننے کا اہل نہیں ہے۔[2]

تفسیر آیت:125

بیت اللہ کی فضیلت: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ ''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ بنا دیا۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اس گھر میں آئیں گے لیکن ان کا دل نہیں بھرے گا، چنانچہ وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو وہ دوبارہ سہ بارہ آئیں گے۔[3]

ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انھوں نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ اس گھر کو ہم نے دشمن سے امن پانے کی جگہ بنا دیا ہے کہ اس میں ہتھیار کو نیچے رکھ دیا جائے گا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگوں کو خانہ کعبہ کے گرد و پیش سے اچک لیا جاتا تھا مگر جو یہاں آ جاتے، وہ امن میں ہو جاتے اور انھیں کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔[4] مجاہد، عطاء، سدی، قتادہ اور ربیع بن انس سے مروی ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہو جاتا ہے۔[5]

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بیت اللہ کے شرف اور اس کے ان شرعی اور قدری اوصاف کا ذکر فرما رہا ہے جن سے اس نے بیت اللہ کو نوازا ہے کہ اسے ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ یعنی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنا دیا، اسے ایک ایسا مقام بنا دیا کہ روحیں اس کے لیے اس قدر مشتاق اور بے قرار ہیں کہ وہ اس سے کبھی سیر ہو ہی نہیں سکتیں، خواہ ہر سال یہاں حاضری دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے بارے میں اپنے خلیل کی اس دعا کو بھی، جو انھوں نے کی تھی، شرفِ قبولیت سے نواز دیا

[1] تفسیر الطبری:1/740. [2] تفسیر القرطبی:2/109. [3] تفسیر الطبری:1/742. [4] الدر المنثور:1/222 و تفسیر الطبری:1/743 و تفسیر ابن أبی حاتم:1/1/225. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:1/225.

تھا، یعنی ﴿ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ ﴾ تا ﴿ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴾ (إبراهيم 14:37-40) ''چنانچہ تو بعض لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔'' تا ''اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔''

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے خلیل کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور بیت اللہ کو اس قدر امن، چین اور سکون کا گہوارہ بنا دیا کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا جرم کر کے کیوں نہ آیا ہو، بیت اللہ کو یہ اعزاز اس کے معمارِ اول حضرت خلیل الرحمٰن کے شرف کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا ﴾ (الحج22:26) ''اور (یاد کریں) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور اسے حکم دیا) کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ (آل عمران 3:96,97) ''بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے، بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم کی نشاندہی کی اور اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ﴾ ''جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنا لو۔''

مقام ابراہیم: سفیان ثوری نے سعید بن جبیر سے ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ پتھر اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے رحمت بنا دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ کے وقت جب آپ کو پتھر پکڑا رہے تھے تو آپ اسی پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کو تعمیر فرما رہے تھے۔ اور اگر اس سے مراد وہ پتھر ہوتا جسے نہانے کے لیے آپ کے پاؤں کے نیچے رکھا گیا تھا جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں تو آپ کے دونوں پاؤں کے نشانات مختلف ہوتے۔[1] سدی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ مقام سے مراد وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل کی بیوی نے حضرت ابراہیم کے پاؤں کے نیچے آپ کے نہانے کے لیے رکھا تھا۔[2] قرطبی نے اس قول کو بیان کرنے کے بعد ضعیف قرار دیا ہے۔[3] امام رازی نے بھی اپنی تفسیر میں حسن بصری، قتادہ اور ربیع بن انس سے یہی بیان کیا ہے۔[4]

ابن ابو حاتم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ ہمارے باپ کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا ہم اسے نماز کی جگہ نہ بنا لیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی:[5] ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ﴾.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے باب قوله: ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ﴾ میں لکھا ہے کہ مَثَابَةً ، يَثُوبُونَ

---

(1) تفسير ابن أبي حاتم :226/1. (2) تفسير الطبري:747/1. (3) تفسير القرطبي :113/2. (4) تفسير الرازي:48/4.

(5) تفسير ابن أبي حاتم :226/1 .

کے معنی لوٹنے کے ہیں۔

پھر آپ نے اس باب میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی یا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت فرمائی: (1) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اے کاش! آپ مقام ابراہیم کو نماز کے لیے کھڑے ہونے کی جگہ بنالیں تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾. (2) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! نیک و بد ہر قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، اس لیے آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل فرما دیا۔ اور (3) جب مجھے یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ تم یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے سے باز آجاؤ گی یا پھر اللہ تعالیٰ تمھارے بدلے میں اپنے نبی کو تم سے بھی اچھی بیویاں عطا فرمائے گا حتی کہ جب امہات المؤمنین میں سے ایک سے میں نے یہ کہا تو انھوں نے جواب دیا: عمر! اپنی بیویوں کو وعظ کرنے کے لیے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کافی نہیں ہے کہ آپ نے انھیں وعظ شروع فرما دیا ہے؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا۝﴾ (التحریم66:5) ”اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمھارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے مسلمان، مومن، فرماں بردار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار، (پہلے) بیاہی اور کنواری عورتیں۔“ ①

ابن جریر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا، طواف کے ابتدائی تین چکروں میں دُلکی چال چلے اور چار چکروں میں معمول کی چال، پھر مقام ابراہیم کی طرف چلے گئے اور اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ پھر آپ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ② یہ اس طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ③

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے سات چکروں میں بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ④

یہ تمام روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ مقام سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کے وقت کھڑے ہوئے

① صحیح البخاری، التفسیر، باب:9 ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ 2:125)، حدیث:4483 عن أنس رضی اللہ عنہ. لیکن یہاں ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ کے نزول کا ذکر نہیں ہے جبکہ صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت میں نزول آیت کا ذکر ہے: الصلاۃ، باب ماجاء فی القبلۃ......، حدیث:402 و صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حدیث: 2399 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مختصرًا. ② تفسیر الطبری:747/1. ③ صحیح مسلم، الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 1218. ④ صحیح البخاری، الحج، باب من صلّی رکعتي الطواف خلف المقام، حدیث:1627.

تھے، جب دیوارِ کعبہ اونچی ہوگئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر کو لائے تھے تاکہ آپ اس پر کھڑے ہوکر تعمیر کے کام کو سرانجام دیں۔ حضرت اسماعیل پتھر پکڑاتے اور آپ اپنے دست مبارک سے مناسب جگہ پر رکھتے جاتے تاکہ دیواروں کو بلند کرسکیں جب ایک طرف کی دیوار مکمل ہو جاتی تو دوسری طرف کی دیوار شروع فرما دیتے اور اس طرح آپ پتھر پر کھڑے کعبہ کے گرد طواف بھی فرما رہے تھے۔ جب ایک دیوار سے فارغ ہو جاتے تو اس طرف کی دوسری دیوار کی طرف منتقل ہو جاتے تھے حتیٰ کہ کعبے کی دیواریں مکمل ہوگئیں جیسا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے تعمیر کعبہ کی تفصیل اس روایت کی روشنی میں آگے بیان کی جائے گی جو بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ [1]

اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشانات نمایاں تھے، یہ بات بہت مشہور تھی، زمانۂ جاہلیت میں عرب بھی اسے جانتے تھے، اسی لیے ابوطالب نے اپنے معروف قصیدۂ لامیہ میں کہا تھا:

وَمَوْطِئُ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةٌ عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

''اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان تازہ ہیں اور صاف نظر آ رہا ہے کہ آپ برہنہ پا تھے پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔''

مسلمانوں نے بھی اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات دیکھے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مقام کو دیکھا اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انگلیوں اور پاؤں کے تلووں کے نشانات تھے لیکن لوگوں کے ہاتھوں سے چھونے کی وجہ سے یہ نشانات مٹتے جا رہے ہیں۔ [2]

زمانۂ قدیم میں مقام ابراہیم دیوار کعبہ کے ساتھ متصل تھا لیکن اب اس کی مستقل جگہ کعبے کے دروازے کی طرف حجر اسود کے پاس، دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب ہے جو آج سب کو معلوم ہے۔ [3] حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اسے کعبے کی دیوار کے ساتھ رکھ دیا تھا یا عمارت ہی یہاں آ کر مکمل ہوئی، پھر اسے یہیں رکھ دیا گیا۔ اور شاید اسی وجہ سے۔ واللہ أعلم۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد یہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا کیونکہ مناسب یہی تھا کہ نماز مقام ابراہیم کے پاس اس جگہ ادا کی جائے جہاں آپ تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تھے۔

مقام ابراہیم کو دیوار کعبہ سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹایا تھا جو ان ائمۂ مہدیین اور خلفائے راشدین میں سے ایک ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور آپ ان دو شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: [اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَّ عُمَرَ] ''میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی اقتدا کرو۔'' [4]

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 127 کے ذیل میں عنوان: ''تعمیر کعبہ اور اس کی قبولیت کی دعا'' [2] تفسیر القرطبی: 113/2 اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ اس کو امام قشیری نے بیان کیا ہے۔ [3] اب اسی جگہ پر مقام ابراہیم کو شیشے سے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے ستون میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور مقام ابراہیم کو ہٹانے کے متعلق حوالے عنقریب آ رہے ہیں۔ [4] جامع الترمذی، المناقب، باب: [اقتدوا بالَّذَيْنِ من بعدی......]، حدیث: 3662 عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ.

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ

اور ہم نے حکم دیا ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ تم دونوں میرا گھر پاک کرو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں

السُّجُوْدِ ﴿125﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ

کے لیے ﴿125﴾ اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس (جگہ) کو امن والا شہر بنا اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر

الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ

ایمان لائے، انھیں پھلوں سے رزق دے۔ اللہ نے کہا: اور جس نے کفر کیا، تو میں اسے تھوڑا سا فائدہ دوں گا پھر میں اسے آگ کے عذاب کی طرف

اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿126﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

مجبور کر دوں گا اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے ﴿126﴾ اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (اور دعا کر رہے

الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿127﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی) قبول کر لے، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿127﴾ اے ہمارے رب! اور ہم دونوں کو

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ

اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو بھی اپنا فرمانبردار (بنا) اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھا اور ہم پر توجہ فرما،

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾

بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿128﴾

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہی مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تھا، اس لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

عبدالرزاق نے عطاء اور دیگر مفسرین سے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم کو سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی نے منتقل کیا تھا۔[1] عبدالرزاق نے مجاہد سے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے کہ مقام ابراہیم کو سب سے پہلے اپنی موجودہ جگہ پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منتقل کیا تھا۔[2] حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مقام ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت اللہ ہی کے ساتھ متصل تھا، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ پیچھے ہٹا دیا تھا۔[3] اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے اور مذکورہ روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

بقیہ، تفسیر آیت: 125 و 126-128

تطہیر بیت اللہ کا حکم: حسن بصری ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ﴾ ”اور ہم نے حکم دیا ابراہیم اور

[1] المصنف لعبد الرزاق، المناسك، باب المقام: 48/5، حديث: 8955. [2] المصنف لعبدالرزاق، المناسك، باب المقام: 47/5، حديث: 8953. [3] الدر المنثور: 225/1 وعلل الحديث لابن أبي حاتم: 298/1 وفتح الباري: 169/8، حدیث: 4483 کے ذیل میں۔

اسماعیل کو۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کو گندگی اور نجاست سے پاک رکھیں اور اس طرح کی کوئی چیز اسے لگنے نہ دیں۔① ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ اس آیت میں عہد سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: امر الٰہی۔② سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ ﴾ ''کہ تم دونوں میرا گھر پاک کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ میرے گھر کو بتوں سے پاک رکھو۔③ اور مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اسے بتوں، لغو کاموں، جھوٹی باتوں اور نجاستوں سے پاک رکھنا۔④

اور فرمان الٰہی: ﴿ لِلطَّآىِٕفِيْنَ ﴾ بیت اللہ کا طواف کرنا مشہور و معروف چیز ہے۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ طائفین سے مراد باہر سے آنے والے اور عاکفین سے مراد یہاں کے مقیم لوگ ہیں۔⑤ قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی عاکفین کی تفسیر میں یہی مروی ہے کہ اس سے مراد یہاں کے باشندے اور مقیم لوگ ہیں جیسا کہ سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے۔⑥ ﴿ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵ ﴾ ''اور رکوع و سجود کرنے والوں (کے لیے۔)'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا الرُّکَّعِ السُّجُود میں شامل ہے، عطاء اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔⑦

تطہیر مساجد کا حکم بھی اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۝ ﴾ (النور 24:36) ''(وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کیے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہیں۔''

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ حکم ہے کہ مسجدوں کو پاک رکھا جائے، معطر کیا جائے اور انھیں گندگی اور نجاست وغیرہ سے محفوظ رکھا جائے۔⑧ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ] ''مسجدیں اسی کام کے لیے ہیں جن کے لیے انھیں بنایا جاتا ہے۔''⑨ میں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ.

حُرمت مكة المكرمة: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ﴾ ''اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کو کھانے کے لیے میوے عطا فرما۔''

---

① تفسير ابن أبي حاتم:227/1 عن عباد بن منصور. ② تفسير الطبري:748/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:227/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم:227/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:228/1. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:228/1. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم:229/1. ⑧ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: [أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ] ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں، گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ انھیں صاف ستھرا رکھا جائے اور خوشبودار بنایا جائے۔'' (سنن أبي داود، الصلاة، باب اتخاذ المساجد......، حديث:455 وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما ذكر في تطييب المساجد، حديث:594). ⑨ صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن نشد الضالّة......، حديث:569 عن بُرَيْدَة رضي الله عنه.

امام ابوجعفر ابن جریر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ بَيْتَ اللّٰهِ وَ أَمَّنَهُ ، وَ إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لَا بَتَيْهَا ، لَا يُصَادُ صَيْدُهَا ، وَ لَا تُقْطَعُ عِضَاهُهَا]''حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کو حرم اور امن والا قرار دیا تھا اور میں مدینہ اور اس کے دونوں کناروں کے مابین کے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں، لہٰذا اس کے شکار کو نہ مارا جائے اور نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے۔''[1] اسے امام نسائی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] نیز امام مسلم نے بھی اسے بیان کیا ہے۔[3]

کچھ دوسری احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو آسمان و زمین کے پیدا فرمانے سے بھی پہلے حرم قرار دے دیا تھا جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا تھا:

[إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ، وَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَ إِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَ لَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا ، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا]

''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دے دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے قیامت کے دن تک یہ شہر حرمت والا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں جنگ و قتال حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی ایک دن کے کچھ حصے میں اسے حلال قرار دیا گیا اور اب اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے یہ روز قیامت تک حرمت والا ہے، لہٰذا اس کے کانٹے کو نہ کاٹا جائے، اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، اس کے لُقَطَہ (گری پڑی چیز) کو صرف وہی شخص اٹھائے جو لُقَطَہ کو روشناس کرائے، اسی طرح اس کی گھاس کو بھی نہ کاٹا جائے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اِذْخِر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دے دیجیے کیونکہ یہ گھروں میں اور لوہاروں کی بھٹیوں میں استعمال ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا:[إِلَّا الْإِذْخِرَ]''ہاں، اذخر نامی گھاس مستثنیٰ ہے۔''[4] یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں جبکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس سے ملتی جلتی حدیث مروی ہے۔[5] پھر صحیح بخاری میں حضرت صَفِیّہ بنت شَیْبَہ سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔[6]

ابوشریح عدَوی سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن سعید[7] سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا: اے

---

① تفسير الطبرى:754/1. ② السنن الكبرىٰ للنسائى، الحج، باب ثواب من صبر على جهد المدينة وشدتها: 487/2، حديث:4284، اور یہاں یُصَادُ کے بجائے یُصْطَادُ ہے۔ ③ صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة و دعاء النبى ﷺ بالبركة، حديث:1362 مختصرًا. ④ صحيح البخارى، الجزية والموادعة، باب إثم الغادر للبر والفاجر، حديث:3189 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها...... ، حديث:1353. ⑤ صحيح البخارى، الديات، باب من قتل له قتيل وهو بخير النظرين، حديث:6880 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها......، حديث:1355. ⑥ صحيح البخارى، الجنائز، باب الإذخر والحشيش فى القبر، حديث:1349. ⑦ یہ یزید کی طرف سے مدینہ کے والی تھے۔ اور یہ لشکر کشی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف تھی۔

امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بیان کروں جسے آپ نے فتح مکہ کے دن صبح کے وقت فرمایا تھا اور اسے خود میرے کانوں نے سنا، میرے دل نے یاد رکھا اور جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا میری آنکھوں نے آپ کا دیدار کیا تھا، آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:

[إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَ لَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا ، وَّلَا يَعْضُدَبِهَا شَجَرَةً ، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَّكُمْ ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ، وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ]

”مکہ کو لوگوں نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، کسی بھی ایسے شخص کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اور روز آخرت پر ایمان ہو یہ حلال نہیں کہ وہ یہاں خون بہائے یا یہاں کے کسی درخت کو کاٹے ، اگر کوئی شخص رسول اللہ کے جہاد و قتال سے استدلال کرے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت عطا فرمائی تھی جبکہ تمھیں اس کی اجازت نہیں بخشی اور میرے لیے بھی صرف آج کے دن کچھ وقت کے لیے یہاں جہاد حلال قرار دیا گیا ہے اور آج پھر حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔“

ابوشریح سے پوچھا گیا کہ عمرو بن سعید نے یہ فرمان نبوی سن کر تمھیں کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا: انھوں نے مجھے یہ جواب دیا: ابوشریح! ان باتوں کا مجھے آپ سے زیادہ علم ہے، میں جانتا ہوں کہ حرم کسی نافرمان کو، کسی قاتل کو اور کسی تخریب کار کو پناہ نہیں دیتا۔ [1] اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے مگر یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

ان احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اسی دن حرم قرار دے دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو وجود بخشا اور ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا، اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے بارے میں لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرم قرار دے رکھا ہے۔ اور شہر مکہ حضرت ابراہیم کی تعمیر سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حرم رہا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [إِنِّي عِنْدَاللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ علیہ السلام لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ......] ”میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی تک گوندھا ہوا تھا......“ [2]

لیکن اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ ”اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما“ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا، حالانکہ اس پیغمبر

---

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يعضد شجر الحرم، حديث:1832 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها......، حديث:1354. [2] ماخوذ از مسند أحمد:127/4 (الموسوعة الحديثية:379/28) عن عرباض بن سارية رضي الله عنه.

کی بعثت تو اللہ تعالیٰ کے سابقہ علم کے مطابق یہاں مقدر تھی۔

اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اپنے آغاز کے بارے میں کچھ فرمائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: [دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ ، وَبُشْرٰى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ، وَرَأَتْ أُمِّي أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَ تْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ] ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں اور میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے آغاز کے بارے میں تھا جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔[2] إن شاء اللّٰه.

مکہ کے امن اور رزق کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی دعا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے مکہ کے لیے یہ دعا بھی کی: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ ''اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا۔'' یعنی یہاں امن ہی امن ہو اور کوئی خوف نہ ہو جو یہاں کے رہنے والوں کے دامن گیر ہو، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے مکہ کو شرعًا اور قدرًا امن، چین اور سکون کا گہوارہ بنا دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ (آل عمران 97:3) ''جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا، اس نے امن پا لیا۔'' اسی طرح فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ (العنكبوت 67:29) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے اور لوگ ان کے گرد و نواح سے اچک لیے جاتے ہیں۔'' علاوہ ازیں اور بھی کئی آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے، نیز مکہ میں جنگ و قتال کی حرمت کے بارے میں احادیث بھی قبل ازیں بیان کی جا چکی ہیں۔[3]

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ] ''کسی کے لیے مکہ میں ہتھیار اٹھانا حلال نہیں ہے۔''[4]

اور اس سورت میں فرمایا ہے: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ یعنی اس جگہ کو پر امن شہر بنا دے اور یہ دعا بہت مناسب تھی کیونکہ یہ تعمیر کعبہ سے قبل تھی (اور اس وقت بالکل غیر آباد وادی تھی۔) اور سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ (إبراهيم 35:14) ''اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنا دے۔'' اور یہاں اس موقع پر یہی دعا مناسب تھی کیونکہ یہ دعا تعمیر کعبہ اور اہل و عیال کے رہائش پذیر ہونے حتی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے بھی بعد کی ہے جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ برس چھوٹے تھے، اسی لیے تو اس

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 175/8، حديث: 7729 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ. و مسند أحمد: 262/5 و سلسلة الأحاديث الصحيحة: 59/4، حديث: 1546,1545. [2] دیکھیے البقرة، آیت: 129 کے ذیل میں۔ [3] دیکھیے اسی آیت کے ذیل میں عنوان: ''حرمت مكة المكرّمة'' کا ابتدائی حصہ۔ [4] صحيح مسلم، الحج، باب النهي عن حمل السلاح بمكة من غير حاجة، حديث: 1356.

دعا کے آخر میں یہ بھی فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○ ﴾ (إبراهیم 14: 39) ''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق بخشے۔ بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾ ﴾ . ابن جریر نے اُبی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾ ﴾ ''جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر فائدہ دوں گا (مگر) پھر اس کو دوزخ کے (عذاب بھگتنے کے) لیے ناچار کردوں گا اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔'' یہ قولِ باری تعالیٰ ہے۔[1] مجاہد اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] ابن ابو حاتم نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دعا کو صرف مومنوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق تو میں کافروں کو بھی اسی طرح دوں گا جس طرح مومنوں کو دوں گا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں لوگوں کو پیدا تو کروں مگر انھیں رزق نہ دوں؟ میں کافروں کو بھی دنیا میں کسی قدر متمتع تو کروں گا مگر پھر انھیں عذاب بھگتنے کے لیے جہنم رسید کردوں گا جو بدترین ٹھکانا ہے۔[3] پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے درج ذیل آیت کریمہ پڑھی: ﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَهٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ ﴾ (بنی إسرآءیل 17: 20) ''ہم اِن کو اور اُن سب کو آپ کے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔'' اسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔[4] عکرمہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5]

یہ آیت اسی طرح ہے جیسے حسب ذیل آیات ہیں: ﴿ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ○ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ○ ﴾ (یونس 10: 69،70) ''بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے جو) فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔'' ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا یَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ ○ ﴾ (لقمٰن 31: 23،24) ''اور جو کفر کرے تو اس کا کفر آپ کو غم ناک نہ کردے، ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر جو کام وہ کیا کرتے تھے ہم ان کو جتا دیں گے، بے شک اللہ دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کرکے لے جائیں گے۔''

اسی طرح: ﴿ وَلَوْلَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا

---

[1] تفسیر الطبری:757/1 اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ قول دراصل اُن کے قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں: ﴿ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ ﴾ میں قائل ابراہیم علیہ السلام ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں اور ﴿ فَاُمَتِّعُهٗ ﴾ اور ﴿ اَضْطَرُّهٗۤ ﴾ کو متکلم کے بجائے امر (دعا) کا صیغہ بناتے ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:230/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:229/1. [4] الدر المنثور:233/1. [5] تفسیر الطبری:757/1 و تفسیر ابن أبی حاتم:231/1 .

يَظْهَرُوْنَ ﴿ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿ وَ زُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (الزُخرُف 43:33-35) ”اور اگر یہ (خیال) نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت (کافر) ہو جائیں گے تو جولوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنادیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے۔اور ان کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگاتے۔اور سونے کے بنادیتے،اور یہ سب دنیا کی زندگانی کا تھوڑا سا سامان ہے۔اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں پرہیز گاروں کے لیے ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں انسان کو تھوڑی مدت تک فائدہ پہنچانے کے بعد بالآخر اسے جہنم رسید کردوں گا جو بدترین ٹھکانا ہے،یعنی اللہ تعالیٰ انھیں تھوڑی مدت تک دنیا میں مہلت دینے کے بعد پھر اپنی سخت گرفت میں لے لیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ (الحج 22:48) ”اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں،پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

صحیحین میں حدیث ہے:[مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهٗ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ،إِنَّهُمْ يَجْعَلُونَ لَهٗ نِدًّا وَّ يَجْعَلُونَ لَهٗ وَلَدًا وَّهُوَ مَعَ ذٰلِكَ يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ”تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ سے بڑھ کر صبر کرنے والا اور کوئی نہیں ہے کہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے اور اس کا بیٹا بناتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انھیں رزق عطا کرتا اور عافیت سے نوازتا ہے۔“[1]

صحیح بخاری ہی میں ایک اور حدیث ہے:[إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴾] (هود 11:102) ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:”اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔بے شک اس کی پکڑ بڑی دکھ دینے والی (اور) سخت ہے۔“[2]

تعمیر کعبہ اور اس کی قبولیت کی دعا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ ﴾ ”اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما۔بے شک تو ہی خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا۔اور (پروردگار!) ہمیں ہمارے

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الصبر في الأذى، حديث:6099 و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب في الكفار، حديث:(50)-2804 واللفظ له عن أبي موسى رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ﴾ (هود 11:102) ، حديث:4686 و صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث:2583 عن أبي موسى رضي الله عنه.

طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔‘‘

اس آیت میں ﴿ الْقَوَاعِدَ ﴾ کا لفظ قَاعِدَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی ستون اور بنیاد کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اپنی قوم کے سامنے اس واقعے کو بیان کیجیے جب حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تعمیر کعبہ کے وقت اس کی بنیادوں کو استوار کر رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ دعا بھی فرما رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ .

قرطبی وغیرہ نے حضرت اُبیّ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کی اس طرح قراءت کیا کرتے تھے: [وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ وَيَقُولَانِ: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ][1] (وَيَقُولَانِ کے اضافے کے ساتھ۔) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد الفاظ یہ ہیں: ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾ ’’اے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا۔‘‘ وہ دونوں یہ عملِ صالح سرانجام دے رہے تھے مگر ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت سے نوازے۔

ابن ابوحاتم نے وُہَیب بن وَرْد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ﴾ ’’اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (اور دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے یہ قبول کر لے۔‘‘ اور رو پڑے اور کہنے لگے: اے خلیل الرحمٰن! آپ تو بیت الرحمٰن کی بنیادیں استوار فرما رہے ہیں پھر بھی ڈر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے عمل کو قبول نہیں فرمائے گا!![2]

یہ ایسے ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے خالص مومنوں کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا ﴾ (المؤمنون 23:60) ’’اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں۔‘‘ یعنی مومن جو بھی صدقات، خیرات اور قربانیاں کرتے ہیں اس کے باوجود بھی ﴿ وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴾ ’’ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں۔‘‘ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قبول ہی نہ ہوں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جو اپنی جگہ پر آگے آئے گا۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عورتوں نے کمر کے پٹکے کا سب سے پہلے استعمال اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے سیکھا تھا۔ اور انھوں نے اسے اس لیے استعمال کیا تھا تاکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے اپنے قدموں کے نشانات کو اوجھل رکھ سکیں۔[4] اور بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جبکہ وہ ابھی شیر خوار ہی تھے،

---

[1] تفسیر القرطبی:126/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:233/1. [3] دیکھیے المؤمنون، آیت:60 کے ذیل میں۔ [4] اس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے ہاں اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہ چیز حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے لیے (بوجہ سوکناپہ) باعث غم ہوئی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے وہاں سے چلے جانے کا پروگرام بنالیا اور کمر پر پٹکا باندھ لیا تاکہ وہ تیز رفتاری اختیار کر سکیں اور اپنا دامن لٹکا لیا تاکہ اس کے ذریعے سے قدموں کے نشان مٹتے جائیں اور حضرت سارہ کے لیے تعاقب کی گنجائش نہ رہے۔ دیکھیے فتح الباری:451/6، حدیث:3364 کے ذیل میں۔

اپنے ساتھ لے آئے اور انھیں بیت اللہ کے پاس دَوحہ کے قریب، زمزم کے اوپر مسجد کی بالائی جانب بٹھا دیا جبکہ مکہ میں ان دنوں کوئی نہ تھا، مکہ میں ان دنوں پانی بھی نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہاں بٹھا دیا اور ان کے پاس کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پلٹ کر جانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی آپ کے پیچھے ہو لیں اور کہنے لگیں: ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جس میں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی اور چیز؟ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئی بار یہ الفاظ کہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے، پھر انھوں نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تو انھوں نے کہا کہ پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، پھر وہ واپس آ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے حتی کہ آپ جب گھاٹی کے پاس پہنچ گئے جہاں سے وہ انھیں دیکھ نہیں سکتے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام قبلہ رو ہوئے اور انھوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں کیں: ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ○﴾ (إبراهيم 14:37) ”اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدانِ (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو ہر قسم کے پھلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے انھیں دودھ پلانا شروع کر دیا اور خود اس پانی کو پیتی تھیں حتی کہ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انھیں بھی پیاس لگ گئی اور ان کے بچے کو بھی، انھوں نے دیکھا کہ پیاس کی شدت سے بچہ مضطرب ہو رہا ہے تو ان سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور وہاں سے چل پڑیں حتی کہ قریبی پہاڑ صفا پر دوڑ کر چڑھ گئیں اور وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں تاکہ کسی کو دیکھ سکیں لیکن انھیں کوئی بھی نظر نہ آیا تو صفا سے نیچے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں اپنی چادر کے کونے کو اٹھایا اور مقدور بھر دوڑ کر وادی سے نکل گئیں، پھر مَروہ پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا، انھوں نے سات بار اسی طرح کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَلِذٰلِكَ سَعَى النَّاسُ بَیْنَهُمَا] ”اسی وجہ سے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔“[1]

اسی طرح دوڑتے دوڑتے جب وہ مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی اور اپنے آپ سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ، انھوں نے آواز پر کان لگائے تو پھر بھی آواز سنی اور کہا کہ تم نے آواز تو سنا دی اگر تمھارے پاس کچھ ہے تو مدد کرو تو انھوں نے دیکھا کہ زمزم کی جگہ پر ایک فرشتہ ہے جس نے اپنی ایڑی یا پر کو مارا تو پانی نکل آیا تو ام اسماعیل نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کے ارد گرد منڈیر سی بنانی شروع کر دی اور مشکیزے کو پانی سے بھرنا شروع کر دیا۔ مشکیزہ بھر جانے کے بعد بھی پانی بڑے جوش سے پھوٹ

[1] صحیح بخاری میں [فَذٰلِكَ سَعْیُ النَّاسِ بَیْنَهُمَا] ہے جبکہ مذکورہ بالا الفاظ مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق ہیں، دیکھیے المناسك، باب بنيان الكعبة:5/106، حديث:9107.

رہا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[يَرْحَمُ اللّٰهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ - أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ - لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَّعِينًا]

''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں یا آپ نے یہ فرمایا کہ اگر پانی سے مشکیزے کو نہ بھرتیں تو زمزم ایک رواں چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔'' آپ نے فرمایا کہ پھر انھوں نے خود بھی اس کو پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا اور فرشتے نے ان سے کہا کہ کسی قسم کے نقصان سے نہ ڈرو، یہاں تو اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس گھر والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور اس وقت بیت اللہ ٹیلے کی طرح زمین سے مرتفع تھا سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں طرف سے نکل جاتے تھے۔

انھی حالات میں کَدَاء کے راستے سے آتے ہوئے یہاں سے قبیلہ جُرہم کے ایک قافلے کا گزر ہوا جو مکہ کے زیریں علاقے میں فروکش ہو گیا۔ انھوں نے ایک پرندے کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ پرندہ تو پانی پر چکر لگا رہا ہے، حالانکہ ہم اس وادی سے خوب واقف ہیں کہ یہاں پانی نہیں ہے، انھوں نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں تو پانی موجود ہے، انھوں نے واپس جا کر جب قافلے والوں کو اس کی خبر دی تو وہ سب لوگ یہاں آ گئے، اس وقت ام اسماعیل پانی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے کہا: کیا آپ اجازت دیں گی کہ ہم بھی آپ کے پاس فروکش ہو جائیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! لیکن پانی پر تمھارا قبضہ نہیں ہو گا، انھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی یہ شرط منظور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَأَلْفَى ذٰلِكَ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُحِبُّ الْأُنْسَ] ''چنانچہ قبیلۂ جرہم نے ام اسماعیل کو الفت پسند پایا۔'' پھر یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے تو انھوں نے خاندان کے باقی افراد کو بھی یہاں بلا لیا حتی کہ یہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے۔ حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو آپ نے ان سے عربی زبان سیکھی، جوانی کے عالم میں آپ انھیں نہایت اچھے لگتے تھے حتی کہ انھوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے شادی بھی کر دی، پھر کچھ عرصے بعد حضرت اسماعیل کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے اہل و عیال کو دیکھنے آئے تو اس وقت حضرت اسماعیل گھر پر نہ تھے، ان کی بیوی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہمارے لیے شکار وغیرہ لانے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تمھاری گزر بسر کیسے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بہت برا حال ہے، ہم نہایت تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، الغرض کہ اس نے شکوہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تیرا شوہر گھر آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز کو بدل دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو انھوں نے گھر کے ماحول کو کچھ خوش گوار سا پایا اور فرمایا: کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا: جی ہاں! ایک بوڑھا آیا تھا جس کا اس طرح کا حلیہ تھا اور اس نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتا دیا، پھر اس نے یہ بھی پوچھا کہ ہماری گزر بسر کیسے ہے؟ تو میں نے اسے بتایا کہ ہم نہایت تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا انھوں نے کوئی پیغام بھی دیا؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو بدل دیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو میرے ابا جان تھے اور آپ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے علیحدگی اختیار کرلوں، لہٰذا جاؤ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسے طلاق دے دی، پھر اسی خاندان کی ایک دوسری خاتون سے شادی کر لی۔

کچھ عرصے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو پھر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی، اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے لیے شکار کرنے گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تمھارا کیا حال ہے؟ گزر بسر کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم خیر و عافیت سے ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ حضرت ابراہیم نے پوچھا: تم کیا کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا: گوشت، فرمایا: کیا پیتے ہو؟ اس نے جواب دیا: پانی، آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان کے لیے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

نبی ﷺ نے فرمایا: [وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ يَوْمَئِذٍ حَبٌّ، وَّلَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيهِ ، قَالَ فَهُمَا لَا يَخْلُو عَلَيْهِمَا أَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ إِلَّا لَمْ يُوَافِقَاهُ] ''ان دنوں ان کے پاس دانے نہیں تھے ورنہ آپ دانوں میں برکت کی دعا بھی فرماتے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے کہ یہاں صرف گوشت اور پانی پر گزارہ ہو جاتا ہے ورنہ مکہ کے علاوہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں جہاں صرف ان دونوں چیزوں پر گزارہ ہو سکے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمھارا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو باقی رہنے دو۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے بیوی سے پوچھا: کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! ایک نہایت خوبصورت شکل وصورت کے بزرگ تشریف لائے تھے اور انھوں نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے انھیں بتا دیا تھا، پھر انھوں نے مجھ سے گزر بسر کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہم خیریت سے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کوئی پیغام تو نہیں دے گئے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، وہ آپ کو سلام کہتے تھے اور پیغام یہ دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو باقی رکھنا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: یہ تو میرے ابا جان تھے اور دہلیز سے مراد تو ہے، آپ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے اپنے پاس ہی رکھوں۔

کچھ عرصہ گزرا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ملاقات کے لیے پھر تشریف لائے تو اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب، بڑے درخت کے نیچے اپنے تیر درست کر رہے تھے، انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں نے پیار محبت کا اس طرح مظاہرہ کیا جس طرح باپ اور بیٹا آپس میں کرتے ہیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے: اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کیجیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ بھی تعاون کریں گے؟ حضرت اسماعیل

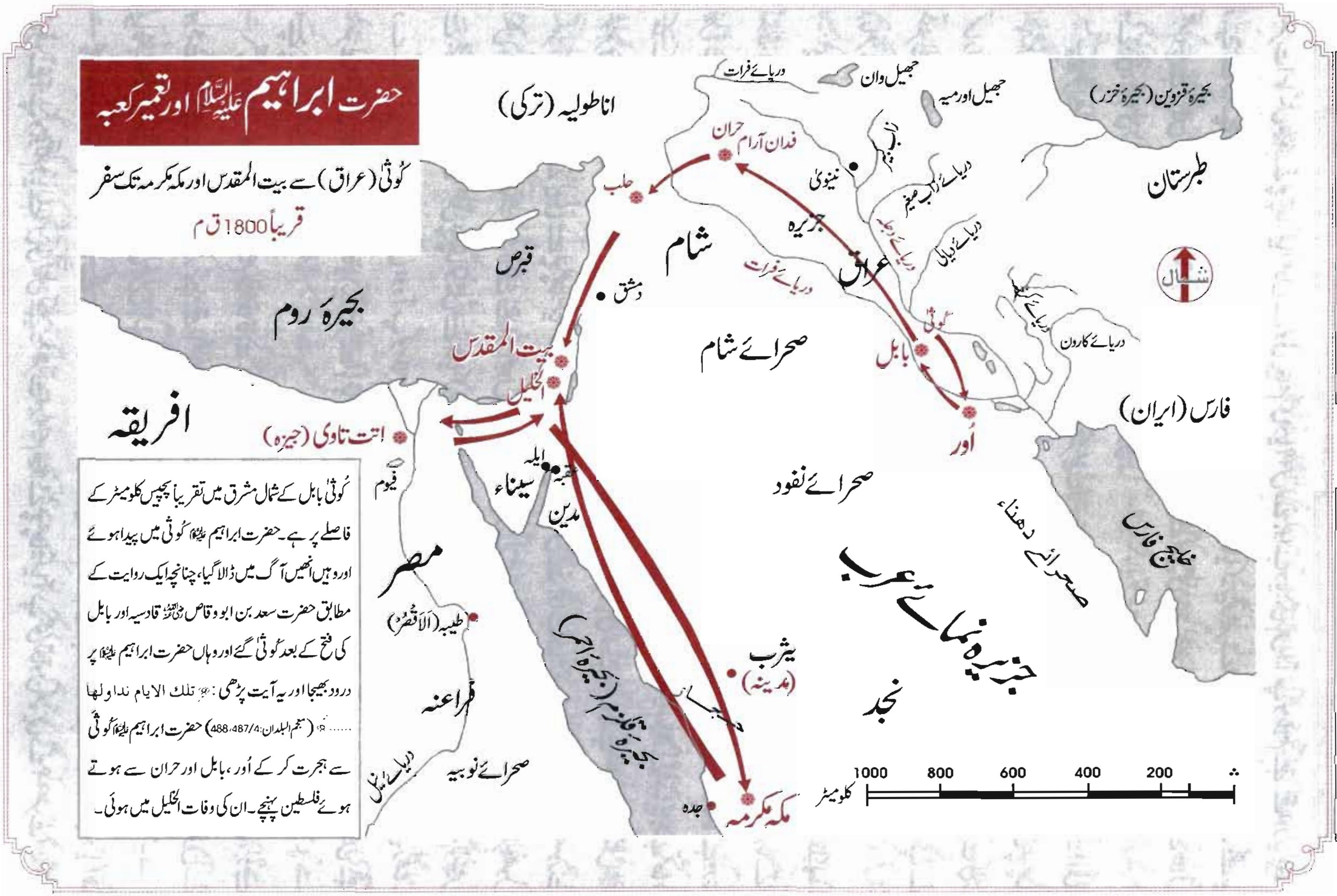
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر کعبہ
کُوثیٰ (عراق) سے بیت المقدس اور مکہ مکرمہ تک سفر
قریباً 1800 ق م
اناطولیہ (ترکی)
بحیرۂ قزوین (بحیرۂ خزر)
طبرستان
جھیل وان
جھیل اورمیہ
دریائے فرات
حران
فدان آرام
حلب
نینویٰ
جزیرہ
دریائے دجلہ
دریائے دیالی
دریائے کارون
عراق
کُوثیٰ
بابل
اُور
شام
دمشق
قبرص
بحیرۂ روم
بیت المقدس
الخلیل
صحرائے شام
فارس (ایران)
خلیج فارس
افریقہ
اتت تاوی (جیزہ)
فیوم
ایلہ
عقبہ
سیناء
مدین
صحرائے نفود
صحرائے دھناء
جزیرہ نمائے عرب
مصر
طیبہ (الاقصر)
فراعنہ
صحرائے نوبیہ
دریائے نیل
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
یثرب (مدینہ)
نجد
جدہ
مکہ مکرمہ
1000 800 600 400 200 0
کلومیٹر
کُوثیٰ بابل کے شمال مشرق میں تقریباً پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کُوثی میں پیدا ہوئے اور وہیں انھیں آگ میں ڈالا گیا، چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ قادسیہ اور بابل کی فتح کے بعد کُوثیٰ گئے اور وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور یہ آیت پڑھی: ﴿تلك الايام نداولها ......﴾ (معجم البلدان: 4/487، 488) حضرت ابراہیم علیہ السلام کُوثیٰ سے ہجرت کر کے اُور، بابل اور حران سے ہوتے ہوئے فلسطین پہنچے۔ ان کی وفات الخلیل میں ہوئی۔

علیہ السلام نے جواب دیا: میں بھی ضرور تعاون کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں ایک گھر بناؤں، چنانچہ دونوں نے مل کر اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیادوں کو استوار کر دیا حضرت اسماعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم گھر بناتے تھے حتی کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو حضرت اسماعیل نے یہ پتھر لا کر رکھ دیا اور حضرت ابراہیم اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے لگے حضرت اسماعیل بدستور پتھر پکڑاتے جاتے تھے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بیک زبان یہ بھی کہہ رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ ''اے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل بیت اللہ کو تعمیر کرتے وقت بھی اس کے ارد گرد گھوم رہے تھے اور زبان سے ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ [1]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے قریش کا کعبے کو دوبارہ تعمیر کرنا: کعبے کی اس تعمیر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے بھی پتھر اٹھائے، اس وقت آپ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی۔ محمد بن اسحاق بن یسار نے ''سیرت ابن ہشام'' میں بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کا پینتیسواں سال تھا تو قریش نے تعمیر کعبہ کا فیصلہ کیا، قریش بیت اللہ کی دیواروں پر چھت ڈالنا چاہتے تھے لیکن وہ پہلی عمارت کو منہدم کرنے سے بھی ڈرتے تھے اس سے پہلے عمارت کی شکل یہ تھی کہ انسانی قامت کے برابر دیواریں تھیں جن پر بڑے بڑے پتھر اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔

قریش چاہتے تھے کہ دیواروں کو اونچا بھی کر دیں، پھر ان کے اوپر چھت بھی ڈال دیں کیونکہ کچھ لوگوں نے کعبے کے خزانے کو چرا لیا تھا جو کہ جوف کعبہ کے کنویں میں تھا جس شخص سے یہ خزانہ برآمد ہوا اس کا نام دُوَیک تھا جو بنی مُلَیح بن عمرو کا مولیٰ تھا جو کہ خاندان خُزاعہ سے تھا، قریش نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹ دیا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے خود دُوَیک نے یہ خزانہ نہیں چرایا تھا بلکہ چوروں نے اسے دویک کے پاس رکھ دیا تھا۔ قریش نے کعبے کی تعمیر نو کا جو فیصلہ کیا، اسے چند اتفاقات سے مزید تقویت نصیب ہوئی، ایک تو یہ کہ انھی دنوں ایک رومی تاجر کا جہاز جو جُدّہ کے پاس سے گزر رہا تھا، سمندر میں زبردست طغیانی کے باعث خشکی پر چڑھ آیا اور ٹوٹ گیا، مکہ والوں کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو انھوں نے جہاز کی لکڑی خرید لی اور اسے چھت کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ مکہ میں رہنے والے ایک قِبطی نجار نے اس لکڑی کو چھت میں استعمال ہونے کے قابل بنا لیا۔

ایک نیک فال یہ پیش آئی کہ کعبے کے تمام چڑھاوے اور نذریں لوگ حفاظت کے لیے کعبے کے جس کنویں میں ڈال دیا کرتے تھے، اس میں ایک بہت بڑا سانپ تھا، لوگ اس سے بہت دہشت زدہ تھے جب بھی کوئی اس کے قریب جاتا تو وہ بلند ہو ہو جاتا، منہ کھول لیتا اور آوازیں نکالنے لگ جاتا۔ ایک دن وہ اژدہا کعبے کی دیوار پر دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾، حدیث:3364 والمصنف لعبدالرزاق، المناسك، باب بنیان الكعبة:105/5، حدیث:9107 ومسند أحمد :347/1 .

ایک پرندہ بھیجا جو اسے اٹھا کر لے گیا، یہ منظر دیکھ کر قریشی پکار اٹھے: ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے راضی ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے، ہمارے پاس ایک معمار دوست ہے، لکڑی بھی مہیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سانپ سے بھی بچا لیا ہے۔

بہرحال جب تمام رؤسائے قریش کعبے کے انہدام اور تعمیر نو پر متفق ہو گئے تو ابو وہب بن عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم نے کعبے کے ایک پتھر کو پکڑا تو وہ ہاتھ سے گر کر اپنی جگہ پر چلا گیا تو انھوں نے قریشیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے سردارانِ قریش! تعمیر کعبہ میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے، وہ کسب حلال سے ہو، زنا، سود اور ظلم کا ایک پیسہ بھی اس میں شامل نہ ہو۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اس کلام کو ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی طرف منسوب کیا ہے۔[1]

تعمیر کعبہ میں شرکت کی سعادت کے لیے تعمیری امور مختلف قبائل میں تقسیم کر دیے گئے، دروازے کے جانب کی تعمیر عبد مناف اور زُہرہ کے حصے میں آئی، حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنی مخزوم اور قریش کے بعض دیگر قبائل کے حصے میں آیا، بیت اللہ کی پشت بنی جمح اور سَہم کے حصے میں آئی اور ''حطیم'' بنی عبدالدار بن قُصَی، بنی اسد بن عبدالعزی بن قُصَی اور بنی عدی بن کعب بن لُوَیّ کے حصے میں آیا۔

قدیم عمارت کے انہدام کے وقت پھر سب لوگ ڈر گئے بالآخر ولید بن مغیرہ نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کُدال سے کعبے کی دیواروں کو گرانا شروع کر دیا، ولید کدال چلاتا جاتا تھا اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتا جاتا تھا: اے اللہ! ہمیں خوف زدہ نہ کر، ہم اچھا کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ولید نے حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف سے عمارت کو منہدم کرنا شروع کیا تو لوگوں نے ولید کا شریک کار بننے کے لیے ایک رات تک انتظار کرنا مناسب سمجھا اور فیصلہ یہ کیا کہ اگر ولید پر کوئی آفت نازل ہوئی تو ہم کچھ نہیں گرائیں گے بلکہ ولید کے گرائے ہوئے حصے کو بھی اسی طرح اصل کے مطابق بنا دیں گے۔ بصورت دیگر اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے راضی ہے۔ دوسری صبح ولید جب ہاتھ میں کُدال اٹھائے صحیح سلامت بیت اللہ شریف میں داخل ہوا تو دیگر سب لوگ بھی اس کار خیر میں شریک ہو گئے۔

اہل مکہ نے بنیادوں کی اتنی گہرائی تک کھدائی کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادیں نمودار ہو گئیں جو کہ سبز رنگ کے پتھروں پر مشتمل تھیں، اور وہ پتھر دندانوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں مجھ سے یہ بیان کرنے والوں میں سے کسی نے بتایا ہے کہ قریش میں سے ایک آدمی نے جب ان پتھروں میں ان کو جدا کرنے کے لیے پھاوڑا داخل کیا کہ وہ انھیں جدا کر دے تو اس قدر زوردار دھماکہ ہوا جس سے تمام مکہ لرز اٹھا۔ انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ سمجھ کر آگے کھدائی کا کام بند کر دیا اور انھی بنیادوں پر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔[2]

حجر اسود رکھنے کے بارے میں جھگڑا اور رسول اللہ ﷺ کا عادلانہ فیصلہ: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ تعمیر کعبہ کے

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، حدیث بنیان الکعبۃ وحکم رسول اللہ ﷺ:192/1. [2] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، بنیان الکعبۃ ، الولید بن المغیرۃ وھدم الکعبۃ......:195/1.

لیے ہر قبیلے نے الگ الگ پتھر جمع کیے حتی کہ جب کعبے کی دیواریں اٹھ گئیں اور حجر اسود کی تنصیب کا وقت آیا تو ہر قبیلہ یہ شرف حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ اسے اس کی جگہ پر نصب کرے، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں بے نیام ہو گئیں۔ بنوعبدالدار اور بنوعدی بن کعب بن لؤی نے عرب کے دستور کے مطابق خون سے بھرے ہوئے پیالے میں اپنی انگلیاں ڈبو لیں۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ہم کعبے کی دیوار میں حجر اسود نصب کر کے رہیں گے یا پھر لڑ کر جان دے دیں گے۔ چار پانچ روز اسی کشمکش میں گزر گئے۔

پھر مسجد حرام میں جمع ہو کر وہ مشورہ کرنے لگے تا کہ جھگڑے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ آخر کار بعض اہل روایت کے بقول ابوامیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے جو اس وقت قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا، یہ تجویز پیش کی کہ اے قریش! جو شخص سب سے پہلے مسجد الحرام کے دروازے (باب بنی شیبہ) سے داخل ہو، اسی کو حَکَم مان لیا جائے اور جو وہ فیصلہ کرے سب اسے تسلیم کر لیں۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مسجد میں سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ ہیں تو آپ کو دیکھتے ہی سب بیک زبان پکار اٹھے: یہ تو امین ہیں، یہ محمد ہیں، ہم آپ کو حَکَم بنانے پر راضی ہیں۔

جب آپ کو ساری صورت حال بتائی گئی تو آپ نے فرمایا: [هَلُمَّ إِلَيَّ ثَوْبًا] ''میرے پاس ایک چادر لاؤ۔'' چادر لائی گئی تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا: [لِتَأْخُذْ كُلُّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِّنَ الثَّوْبِ ، ثُمَّ ارْفَعُوهُ جَمِيعًا] ''تمام قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی چادر کے کونے کو تھام لے، پھر سب مل کر اسے اٹھائیں۔'' جب سب نے مل کر اٹھایا اور حجر اسود اپنے مقام پر پہنچ گیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو نصب فرما دیا، پھر اس کے اوپر دیوار بنائی گئی۔ یاد رہے وحی کے نزول سے قبل قریش رسول اللہ ﷺ کو امین کے نام سے پکارتے تھے۔

جب قریش تعمیر کعبہ سے فارغ ہو گئے اور انھوں نے اپنی مرضی کے مطابق اسے بنا دیا تو زبیر بن عبدالمطلب نے درج ذیل اشعار کہے جن میں انھوں نے اس سانپ کا بھی ذکر کیا ہے جس سے قریش ڈرتے تھے ؎

عَجِبْتُ لَمَّا تَصَوَّبَتِ الْعُقَابُ ۔۔۔ إِلَى الثُّعْبَانِ وَهِيَ لَهَا اضْطِرَابُ

''جب عقاب سانپ کی طرف اتر آیا تو مجھے اس سے تعجب ہوا کیونکہ عقاب تو سانپ سے ڈرتا ہے۔''

وَقَدْ كَانَتْ يَكُونُ لَهَا كَشِيشٌ ۔۔۔ وَّأَحْيَانًا يَّكُونُ لَهَا وِثَابُ

''اور اس سانپ کی کھال سے کبھی تو ایک خاص قسم کی آواز نکلا کرتی تھی اور کبھی وہ حملہ ہی کر دیا کرتا تھا۔''

إِذَا قُمْنَا إِلَى التَّأْسِيسِ شَدَّتْ ۔۔۔ تُهَيِّبُنَا الْبِنَاءَ وَقَدْ تُهَابُ

''جب کعبے کی تعمیر نو کے لیے ہم اٹھتے تو سانپ ہمیں ڈرانے کے لیے اس عمارت پر سے حملہ کرتا اور خود بھی ڈرتا تھا۔''

فَلَمَّا أَنْ خَشِينَا الزَّجْرَ جَاءَتْ ۔۔۔ عُقَابٌ تَتْلَئِبُّ لَهَا انْصِبَابُ

''جب ہم اس کی طرف سے تکلیف و نقصان سے ڈر گئے تو ایک عقاب آیا جو خاص اسی مقصد کے لیے نازل ہوا تھا۔''

فَضَمَّتْهَا إِلَيهَا ثُمَّ خَلَتْ لَنَا الْبُنْيَانُ لَيسَ لَهُ حِجَابُ

''اس (عقاب) نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا، پھر اس سے ہمارے لیے کعبے کی عمارت خالی ہوگئی اور اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔''

فَقُمْنَا حَاشِدِينَ إِلَى بِنَاءٍ لَّنَا مِنْهُ الْقَوَاعِدُ وَالتُّرَابُ

''ہم سب کے سب متفقہ طور پر جلد تعمیر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اس کی بنیادوں اور مٹی کا کام ہمارے ہی ذمے تھا۔''

غَدَاةَ نَرْفَعُ التَّأْسِيسَ مِنْهُ وَلَيْسَ عَلَى مُسَوِّينَا ثِيَابُ

''اس دن جبکہ ہم کعبے کی بنیاد اونچی کر رہے تھے اور ہم میں سے کام کرنے والوں کے جسم پر کپڑے بھی نہ تھے۔''

أَعَزَّ بِهِ الْمَلِيكُ بَنِي لُؤَيٍّ فَلَيْسَ لِأَصْلِهِ مِنْهُمْ ذَهَابُ

''اللہ تعالیٰ نے اس (مقدس کام) کی وجہ سے بنی لؤی کو اعزاز بخشا کہ یہ اعزاز کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔''

وَقَدْ حَشَدَتْ هُنَاكَ بَنُو عَدِيٍّ وَّمُرَّةُ قَدْ تَقَدَّمَهَا كِلَابُ

''اس جگہ بنی عدی بھی جمع تھے جو کام میں سرگرم عمل تھے اور بنی مرّہ بھی لیکن کلاب تو سب سے پیش پیش تھے۔''

فَبَوَّأَنَا الْمَلِيكُ بِذَاكَ عِزًّا وَّعِنْدَ اللّٰهِ يُلْتَمَسُ الثَّوَابُ

''اس مقدس کام کی وجہ سے اللہ بادشاہ نے ہمیں عزت سے سرفراز فرمایا اور اجر و ثواب بھی اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کیا جاتا ہے۔''[1]

ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما اور تعمیر کعبہ: ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ کعبہ نبی ﷺ کے عہد میں اٹھارہ ہاتھ تھا اور اسے کتّان کے کپڑے کا غلاف پہنایا جاتا تھا، پھر یمنی چادروں کا غلاف شروع کیا گیا، ریشمی غلاف سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے پہنایا تھا۔[2] کعبہ تعمیر قریش ہی کے مطابق تھا حتی کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی امارت کے شروع میں 60ھ کے بعد یزید بن معاویہ کی حکومت کے آخری دنوں میں کعبہ اس وقت جل گیا جب ابن زبیر کا محاصرہ کرلیا گیا تھا۔ جلنے کی وجہ سے ابن زبیر نے تعمیر کے لیے زمین میں نیچے تک کھدائی کی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے تعمیر کو اٹھایا۔ حِجر کو بھی عمارت میں شامل کرلیا اور زمین کے برابر مشرقی اور مغربی جانب دو دروازے بنا دیے جیسا کہ انھوں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیت اللہ کو اس طرح تعمیر کرنے کی خواہش تھی۔[3] ابن زبیر کے دور امارت میں کعبے کی عمارت اسی طرح رہی حتی کہ ابن زبیر کو حجاج نے شہید کردیا اور عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبے کی عمارت کو پھر اسی طرح بنا دیا جس طرح پہلے تھی۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، بنيان الكعبة......، إشارة أبي أمية......:198/1. [2] السيرة النبوية لابن هشام، بنيان الكعبة، ارتفاع الكعبة وأوّل من كساها الديباج:198/1. [3] حضرت عائشہ کی یہی روایت چند سطور بعد ملاحظہ فرمائیے۔

کوہ صفا سے کوہ مروہ تک سعی کی جگہ جو ملک سعود کی توسیع کے وقت مسجد حرام میں شامل کر دی گئی۔

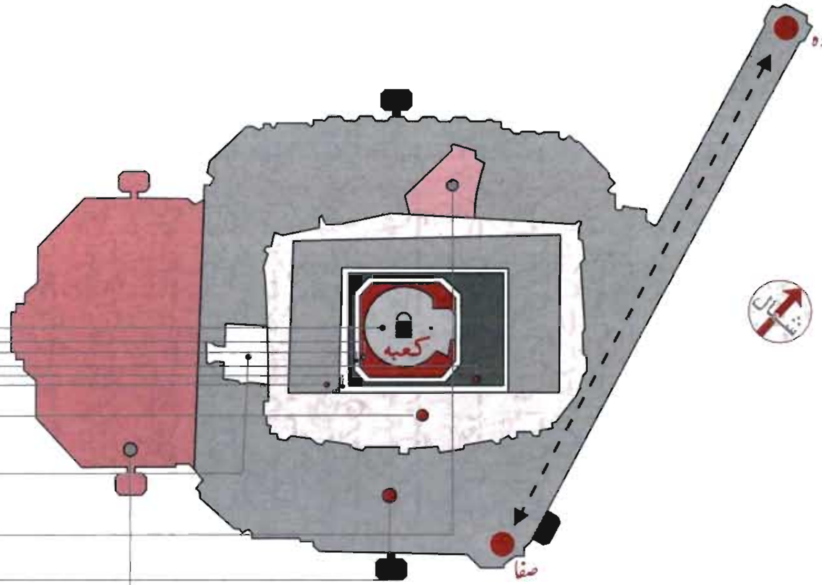

1. تعمیر قریشِ مکہ 604ء/605ء
2. توسیع عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ 17ھ/639ء
3. توسیع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ 26ھ/648ء
4. توسیع عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما 65ھ/685ء
5. ولید بن عبدالملک اُموی 91ھ/709ء
6. توسیع ابوجعفر منصور عباسی 137ھ/754ء
7. توسیع محمد مہدی عباسی 160ھ/777ء
8. توسیع معتضد باللہ عباسی 284ھ/897ء
9. توسیع مقتدر باللہ عباسی 306ھ/918ء
10. توسیع ملک سعود بن عبدالعزیز آل سعود 1375ھ/1955ء (گزشتہ تمام توسیعات سے 6 گنا زیادہ)
11. توسیع خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز 1409ھ/1988ء

الحمدللہ توسیع کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

مسجد حرام کی مرحلہ وار توسیع (تاریخ کے آئینے میں)

(سعودی عہد کی مجموعی توسیع سے گزشتہ تمام توسیعات کی نسبت رقبہ 9 گنا ہو گیا ہے جبکہ مقتدر باللہ کی توسیع کے بعد 1069 برس تک کوئی توسیع نہیں ہوئی تھی۔)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عطاء سے روایت کیا ہے کہ اہل شام کی لڑائی کی وجہ سے جب یزید بن معاویہ کے زمانے میں بیت اللہ جل گیا تو ابن زبیر نے موسم حج کے آنے تک عمارت کو اسی طرح رہنے دیا، آپ درحقیقت مسلمانوں کو اہل شام کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے، لوگ جب حج کے لیے آئے تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ کعبے کی ساری عمارت کو منہدم کر کے دوبارہ بنایا جائے یا صرف متأثرہ حصوں کی مرمت کروادی جائے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ صرف متأثرہ حصوں کی مرمت کروادیں اور بیت اللہ کو اسی حالت اور انھی پتھروں پر باقی رہنے دیں جن پر لوگوں نے اسلام کو قبول کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر کہا کہ اگر کسی کا گھر جل جائے تو وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک وہ اسے نیا نہ بنالے تو اللہ عزوجل کے گھر کو نیا کیوں نہ بنایا جائے؟ اس لیے میں پہلے تین بار استخارہ کروں گا، پھر کوئی پروگرام بناؤں گا۔

جب تین دن گزر گئے تو انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ ساری عمارت کو گرادیں لیکن لوگ اس بات سے ڈر محسوس کرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص سب سے پہلے عمارت پر چڑھے تو اس پر آسمان سے کوئی مصیبت نازل ہو جائے حتی کہ ایک آدمی عمارت پر چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر کو الگ کیا اور لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو وہ بھی اس کام میں شریک ہو گئے اور انھوں نے ساری عمارت کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ابن زبیر نے ستون بنا کر ان پر پردے ڈال دیے حتی کہ عمارت بلند ہو گئی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْلَا أَنَّ النَّاسَ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ ، وَلَيْسَ عِنْدِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يُقَوِّينِي عَلٰى بِنَائِهٖ لَكُنْتُ أُدْخَلْتُ فِيهِ مِنَ الْحِجْرِ خَمْسَةَ أَذْرُعٍ ، وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ ، وَبَابًا يَخْرُجُونَ مِنْهُ] ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگوں نے کفر کو نیا نیا خیرباد کہا ہے، اور میرے پاس تعمیر کعبہ کے لیے خرچ بھی نہیں، تو میں حجر (حطیم) سے پانچ ہاتھ جگہ بھی بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور ایک دروازہ لوگوں کے داخل ہونے اور ایک دروازہ باہر نکلنے کے لیے بنا دیتا۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میرے پاس تو خرچ بھی موجود ہے اور میں لوگوں سے بھی نہیں ڈرتا، لہٰذا انھوں نے حجر سے پانچ ہاتھ جگہ بھی اس میں شامل کر دی۔ پھر اس قدر کھدائی کی کہ آخری بنیاد بھی لوگوں کو نظر آنے لگی تو اس بنیاد پر عمارت استوار کی گئی۔ کعبے کی بلندی پہلے اٹھارہ ہاتھ تھی، جب انھوں نے عمارت میں اضافہ کیا تو اس بلندی کو کم سمجھا اور اس میں دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا اور دو دروازے بھی بنا دیے جن میں سے ایک اندر آنے اور دوسرا باہر جانے کے لیے تھا۔

جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے تو حجاج نے عبدالملک کو خط لکھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسی بنیاد پر عمارت کو قائم کیا تھا جس کو مکہ کے عادل لوگوں نے دیکھا تھا تو عبدالملک نے جواب میں لکھا کہ ابن زبیر کی اس برائی [1] میں ہم شریک نہیں ہو سکتے، لہٰذا اس نے کعبہ کے بلندی میں جو اضافہ کیا ہے، اسے تو باقی رہنے دو۔ ہاں، البتہ حجر کا جو حصہ اس نے شامل کیا ہے تو اسے ختم کر دو

[1] یعنی حجر کی جانب جو اضافہ کیا ہے۔

اور جو اس نے ایک نیا دروازہ کھولا ہے اسے بھی بند کر دو، لہٰذا حجاج نے اس کو گرا کر اسے از سر نو تعمیر کروایا۔ ① امام نسائی نے بھی اپنی سنن میں مذکورہ بالا حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت کیا ہے لیکن مذکورہ بالا قصہ بیان نہیں کیا۔ ②

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کو حدیث سے تائید حاصل تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی خواہش کا اظہار فرمایا تھا لیکن آپ نے اس خوف کے پیش نظر اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنایا کہ ان لوگوں کے دل اسے پسند نہیں کریں گے جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور کفر کو ابھی ابھی خیر باد کہہ کر آئے ہیں لیکن عبدالملک بن مروان کو اس حدیث کا علم نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب اسے تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ عمل تو اس حدیث کے مطابق ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے تو کہنے لگا کہ اے کاش! ہم اسے اسی طرح باقی رہنے دیتے جس طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے تعمیر کروایا تھا۔

جیسا کہ امام مسلم نے عبداللہ بن عبید سے روایت کیا ہے کہ حارث بن عبداللہ جب عبدالملک بن مروان کے پاس اس کے دور خلافت میں آیا تو عبدالملک نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ابن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی کسی حدیث کو نہیں سنا ہوگا؟ حارث نے کہا: کیوں نہیں! اس حدیث کو تو میں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے۔ عبدالملک نے پوچھا کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوا مِنْ بُنْيَانِ الْبَيْتِ ، وَلَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِهِمْ بِالشِّرْكِ أَعَدْتُّ مَا تَرَكُوا مِنْهُ ، فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكِ مِنْ بَعْدِي أَنْ يَّبْنُوهُ فَهَلُمِّي لِأُرِيَكِ مَا تَرَكُوا مِنْهُ] ''عائشہ! تمھاری قوم نے کعبے کی عمارت کو چھوٹا کر دیا تھا، اگر یہ لوگ نئے نئے شرک کو خیر باد کہہ کر نہ آئے ہوتے تو میری خواہش تھی کہ عمارت کے جس حصے کو انھوں نے ترک کیا تھا میں اسے بھی اصل عمارت میں شامل کر دیتا، لہٰذا تیری قوم اگر میرے بعد اسے اسی طرح تعمیر کرنا چاہے تو آ میں تجھ کو وہ حصہ دکھا دیتا ہوں جسے انھوں نے چھوڑ دیا تھا۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ جگہ دکھائی جو سات ہاتھ کے قریب تھی۔

اس حدیث کے ایک راوی ولید بن عطاء نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا تھا: [وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ مَوْضُوعَيْنِ فِي الْأَرْضِ شَرْقِيًّا وَّغَرْبِيًّا ، وَّهَلْ تَدْرِينَ لِمَ كَانَ قَوْمُكِ رَفَعُوا بَابَهَا؟ قَالَتْ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: تَعَزُّزًا أَنْ لَّا يَدْخُلَهَا إِلَّا مَنْ أَرَادُوا ، فَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا هُوَ أَرَادَ أَنْ يَّدْخُلَهَا يَدَعُونَهُ يَرْتَقِي، حَتّٰى إِذَا كَادَ أَنْ يَّدْخُلَ دَفَعُوهُ فَسَقَطَ] ''اور (میری خواہش ہے کہ) میں اس عمارت کے دو دروازے بنا دوں، ایک مشرقی جانب اور دوسرا مغربی جانب، پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تم کو یہ معلوم ہے کہ تمھاری قوم نے کعبے کے دروازے کو زمین سے اونچا کیوں رکھا؟ انھوں نے عرض کی: نہیں، مجھے نہیں معلوم تو آپ نے فرمایا کہ یہ اس بات پر فخر کی وجہ سے کہ کعبے میں صرف وہی داخل ہو سکتا ہے جسے وہ چاہیں جب کوئی شخص کعبے کے اندر جانے کا ارادہ کرتا تو اسے چھوڑ دیتے حتی کہ جب وہ

① صحیح مسلم، الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، حديث: (402) - 1333. اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے مکمل کعبہ کو گرا دیا تھا بلکہ اس نے شمالی دیوار کو گرایا تھا جو حجر (حطیم) کی جانب تھی۔ دیکھیے مِنَّة المنعم شرح مسلم للشيخ صفى الرحمن مبار كفورى حفظه الله: 331/2. ② سنن النسائي، مناسك الحج، باب الحجر، حديث:2913.

دروازے تک چڑھ جاتا تو اسے دھکا مار دیتے اور وہ گر جاتا۔'' عبدالملک نے حارث سے پوچھا: کیا آپ نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے تو حارث نے کہا: جی ہاں، میں نے خود آپ سے یہ سنا ہے تو کچھ دیر وہ سوچ کی حالت میں اپنی چھڑی سے زمین کو کریدتا رہا اور کہنے لگا: اے کاش! اس نے جو کیا تھا میں اسے اسی طرح برقرار رہنے دیتا۔①

قیامت کے قریب ایک حبشی کعبے کو گرا دے گا: صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ] ''دو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی کعبے کی عمارت کو گرا دے گا۔''② ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَأَنِّي بِهِ أَسْوَدَ أَفْحَجَ ، يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا] ''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک سیاہ فام متکبر شخص کعبے کی اینٹ سے اینٹ بجا رہا ہے۔''③

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ ، وَيَسْلُبُهَا حِلْيَتَهَا، وَيُجَرِّدُهَا مِنْ كِسْوَتِهَا، وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ أُصَيْلِعَ أُفَيْدِعَ ، يَضْرِبُ عَلَيْهَا بِمِسْحَاتِهِ وَمِعْوَلِهِ] ''ایک چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو گرا دے گا، اس کے زیور کو لوٹ لے گا اور غلاف کو اتار دے گا، میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ گویا ایک گنجا اور ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا شخص ہے جو اس پر اپنے پھاوڑے اور کدالیں چلا رہا ہے۔''④

معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادثہ یاجوج ماجوج کے نکل آنے کے بعد پیش آئے گا۔ واللہ أعلم۔ کیونکہ صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيُحَجَّنَّ الْبَيْتُ وَلَيُعْتَمَرَنَّ بَعْدَ خُرُوجِ يَأْجُوجَ وَ مَأْجُوجَ] ''یاجوج ماجوج کے نکل آنے کے بعد بھی بیت اللہ کا حج وعمرہ کیا جائے گا۔''⑤

دعائے خلیل علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ دعا بھی کی تھی: ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾ ﴾ ''اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا اور (پروردگار!) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔''

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ! ہمیں اپنے حکم کا فرماں بردار اور اپنا اطاعت گزار بنا دے کہ ہم اطاعت و عبادت میں تیرے سوا کسی کو بھی تیرا شریک نہ بنائیں۔⑥ عکرمہ فرماتے ہیں

① صحيح مسلم، الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، حديث:(403)-1333. ② صحيح البخاري، الحج، باب هدم الكعبة، حديث:1596 و صحيح مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل......، حديث: (57) - 2909. ③ صحيح البخاري، الحج، باب هدم الكعبة، حديث:1595. ④ مسند أحمد:220/2. ⑤ صحيح البخاري، الحج، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ﴾ ، حديث:1593. ⑥ تفسير الطبري:768/1.

کہ جب انھوں نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمھاری دعا کو قبول کرلیا۔ اسی طرح انھوں نے جب یہ دعا کی کہ ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا تو اس کے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمھاری اس دعا کو بھی قبول کرلیا۔[1] حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی یہ دعا اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی اور مومن بندوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ یہ دعا کرتے رہتے ہیں: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ ﴾ (الفرقان 74:25) ''اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔'' دعا کا یہ انداز بھی شرعًا پسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پوری پوری محبت کا یہ تقاضا ہے کہ آدمی اس بات کو پسند کرے کہ اس کی اولاد بھی صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ ﴾ ''کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔'' تو حضرت ابراہیم نے عرض کی: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ ﴾ ''میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا۔)'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة 124:2) ''میرا عہد ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔'' اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ﴿ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ ﴾ (إبراهيم 35:14) ''اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں، بچائے رکھ۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ] ''جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو تین کے سوا اس کے دیگر تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں (اور وہ تین اعمال یہ ہیں:) (1) صدقۂ جاریہ (2) علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے (3) اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔''[2]

مناسک کی تفسیر: سعید بن منصور نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: ﴿ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا ﴾ ''اور (اے پروردگار!) ہمیں طریق عبادت بتا۔'' تو جبرئیل آپ کا ہاتھ پکڑ کر بیت اللہ میں لے گئے اور کہنے لگے کہ اس کی بنیادوں کو اٹھاؤ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا اور عمارت کو مکمل طور پر بنا دیا، پھر جبرئیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑ کر آپ کو کوہِ صفا پر لے گئے اور کہا: یہ پہاڑ شعائر اللہ میں سے ہے، پھر آپ کو کوہ مروہ پر لے گئے اور کہا: یہ پہاڑ بھی شعائر اللہ میں سے ہے، پھر آپ کو منیٰ لے گئے، جب گھاٹی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ابلیس درخت کے پاس کھڑا ہے تو جبرئیل نے کہا: اللہ أکبر کہو اور اسے کنکری مارو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ أکبر کہا اور اسے کنکری ماری، ابلیس یہاں سے چلا گیا اور جمرہ وسطیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا، جب جبرئیل و ابراہیم کا یہاں سے گزر ہوا تو جبرئیل نے کہا: اللہ أکبر کہو اور اسے

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 234/1. [2] صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631.

کعبہ ۔ منیٰ ۔ مزدلفہ ۔ میدانِ عرفات

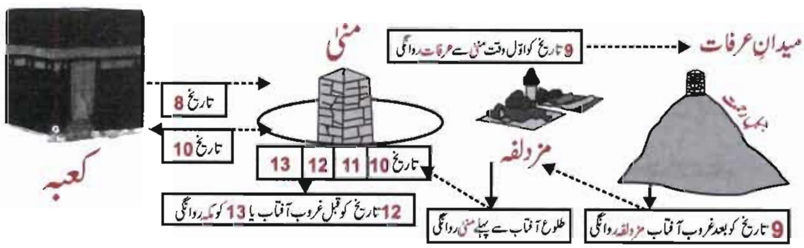

خانۂ کعبہ، مقامِ ابراہیم، ملتزم اور زمزم

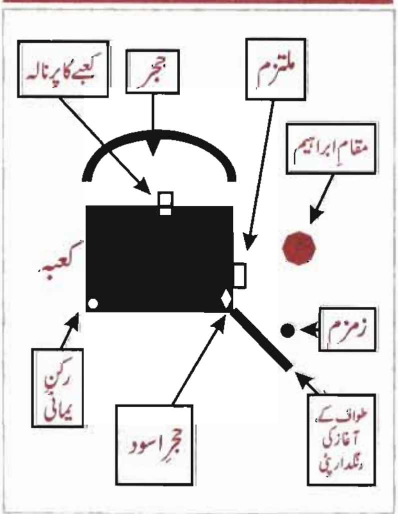

میقاتِ حج وعمرہ

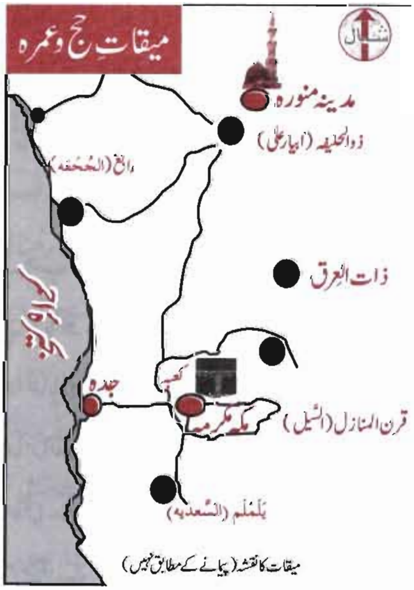

میقات کا نقشہ (پیمانے کے مطابق نہیں)

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ

اے ہمارے رب! اور ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج، وہ ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے، اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم

15 ع 8 15 وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿129﴾

دے، اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿129﴾

کنکری مارو، تو آپ نے اللہ أ کبر کہا اور کنکری ماری (پھر ابلیس جمرہ قصوٰی کے پاس چلا آیا تو جبرئیل نے کہا کہ اللہ أ کبر کہو اور اسے کنکری مارو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ أ کبر کہا اور کنکری ماری) تو ابلیس چلا گیا۔

درحقیقت یہ خبیث چاہتا تھا کہ حج میں اپنی طرف سے بھی کچھ اضافہ کر دے مگر اس کے لیے ایسا ممکن نہ ہوا، پھر جبرئیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑا اور آپ کو مشعرِ حرام لے آئے اور کہنے لگے: یہ ہے مشعرِ حرام، اس کے بعد آپ علیہ السلام کو عرفات میں لے آئے تو یہاں پہنچ کر جبرئیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین بار یہ کہا: کیا آپ نے ان تمام اشیاء کو پہچان لیا ہے جو میں نے آپ کو دکھائی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے انھیں پہچان لیا ہے۔[1] ابومجلز اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

تفسیر آیت: 129

دعائے خلیل، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہلِ حرم کے لیے جو آخری دعا فرمائی، وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں اولادِ ابراہیم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمائے، یہ دعائے مستجاب اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے مطابق تھی جس میں پہلے سے یہ تعین کیا جا چکا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب و عجم کے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا جائے گا جیسا کہ امام احمد نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ ، وَإِنَّ آدَمَ عليه السلام لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ ، وَبَشَارَةُ عِيسٰى بِي ، وَرُؤْيَا أُمِّيَ الَّتِي رَأَتْ وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ تَرَيْنَ] ”میں اللہ کا بندہ اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی مٹی میں گوندھا ہوا تھا، میں تمھیں ابتدائی بات بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے دیکھا تھا۔ اور انبیائے کرام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔“[3] مراد یہ ہے کہ جنھوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کے ذکر کی سعادت حاصل کی اور لوگوں میں چرچا کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، لوگوں میں ہمیشہ آپ کا ذکرِ خیر جاری و ساری رہا حتی کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے باقاعدہ آپ کے اسم گرامی کا تعارف

---

[1] سنن سعید بن منصور، تفسیر سورة البقرة، قوله تعالىٰ: ﴿رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ﴾ 2:615، حدیث:220 و تفسیر ابن أبي حاتم:1/235 واللفظ له. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:1/235. [3] مسند أحمد:4/127 اور کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث عنوان: ”حرمت مکة المکرمة“ سورۂ بقرہ، آیت: 125 کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

کراتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ﴾ (الصّف 6:61) ''اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا، ان کی بشارت سناتا ہوں۔'' اسی وجہ سے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: [دَعْوَةُ أَبِی إِبْرَاهِيمَ ، وَبُشْرٰی عِيسَی ابْنِ مَرْيَمَ] ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ ابن مریم کی بشارت ہوں۔''[1] اسی طرح آپ نے فرمایا: [وَرَأَتْ أُمِّی أَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ] ''میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ان سے روشنی نکلی ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔''[2]

اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی والدہ نے یہ خواب اس وقت دیکھا جب آپ ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے۔[3] انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو بھی یہ خواب سنایا جس کی وجہ سے آپ کا چرچا خوب عام ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ کے خواب میں مشاہدۂ نور سے شام کے محلات کے بطور خاص منور ہونے سے اس طرف اشارہ تھا کہ بلادِ شام میں آپ کے دین ونبوت کو استقرار نصیب رہے گا، یہی وجہ ہے کہ شام ہی آخری زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کا مرکز ہوگا، اسی علاقے میں، یعنی دمشق میں سفید مشرقی مینارے پر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے: [لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِی ظَاهِرِينَ عَلَی الْحَقِّ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ (وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ) حَتّٰی يَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ] ''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گی، اسے رسوا کرنے والے یا اس کی مخالفت کرنے والے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا اور وہ اسی طرح حق پر ہی ہوں گے۔''[4] اور صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں: [وَهُمْ بِالشَّامِ] ''وہ شام میں ہوں گے۔''[5]

کتاب وحکمت کی تفسیر: ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور وہ انھیں کتاب اور دانائی سکھایا کرے۔'' کتاب سے قرآن مجید اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ حسن، قتادہ، مُقاتِل بن حَیّان اور ابو مالک وغیرہ کا یہی قول ہے۔[6] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حکمت سے مراد فہم دین ہے۔[7] اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ ''اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی

---

[1] مسند أحمد: 262/5 و المعجم الكبير للطبراني: 175/8، حديث: 7729 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ. [2] مسند أحمد: 262/5 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ. [3] المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين، ذكر أخبار سيد المرسلين وخاتم النبيين: 600/2، حديث: 4174 وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 59/4، حديث: 1545. [4] صحيح البخاري، المناقب، باب: 28، حديث: 3641,71 عن معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ و صحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق......]، حديث: 1920 عن ثوبان رضی اللہ عنہ و اللفظ له لیکن [وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ] صحیح بخاری کے مطابق ہے۔ [5] صحيح البخاري، حوالۂ مذکورہ لیکن یہ الفاظ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہیں۔ [6] تفسير ابن أبي حاتم: 237,236/1. [7] تفسير الطبري: 775/1.

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى

اور کون بے رغبتی کرسکتا ہے ملت ابراہیم سے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو احمق بنالیا اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا

الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿130﴾ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ

اور یقیناً وہ آخرت میں ضرور نیکو کاروں میں سے ہوگا﴿130﴾ اور جب ابراہیم سے اس کے رب نے کہا: فرمانبردار ہو جا! تو اس نے کہا: میں

لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿131﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى

رب العالمین کا فرمانبردار ہو گیا﴿131﴾ ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی (کلمۂ حق) کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی: اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے

لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ؕ ﴿132﴾

تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، پس تمھیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو﴿132﴾

اطاعت وفرمانبرداری پر لگا دے۔[1] ﴿ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿129﴾ ﴾ ”بے شک تو غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔“ عزیز کے معنی ہیں وہ ذات گرامی جو سب پر غالب ہو۔ اور جسے کوئی عاجز نہ کر سکے اور وہ ہر چیز پر قادر ہو۔ اور حکیم وہ ہے جس کے تمام افعال اور اقوال حکمت پر مبنی ہوں اور وہ تمام اشیاء کو اپنے علم وحکمت اور عدل کے مطابق اپنی اپنی جگہ پر رکھے۔

تفسیر آیات: 130-132

ملتِ ابراہیم سے کوئی نادان ہی روگردانی کرسکتا ہے: کفار نے امام الحنفاء حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کے خلاف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ جو شرک شروع کیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابراہیم تو اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی خالص توحید کے علمبردار تھے، انھوں نے کبھی غیر اللہ کو نہیں پکارا، کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود سے بے زار تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے اپنی ساری قوم حتی کہ اپنے باپ کی مخالفت بھی مول لے لی تھی اور فرمایا تھا: ﴿ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:78,79) ”لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بے زار ہوں۔ میں نے سب سے یک سو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ فَاِنَّهٗ سَيَهۡدِيۡنِ ۝ ﴾ (الزخرف 43:26,27) ”اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو، میں ان سے بے زار ہوں۔ ہاں! جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ ۝ ﴾ (التوبة 9:114) ”اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو

[1] تفسیر الطبری:1/776.

معلوم ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے زار ہوگئے کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:120-122) ’’بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔‘‘

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰھٖمَ ﴾ ’’اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کرسکتا ہے؟‘‘ یعنی ابراہیم کے طریقے اور منہج سے کون روگردانی کرسکتا ہے؟ ﴿ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ ﴾ ’’سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔‘‘ یعنی سوائے اس کے جس نے خود اپنے آپ پر اپنی نادانی اور سوئے تدبیر سے ظلم کر رکھا ہو اور حق کو ترک کر کے ضلالت کو اختیار کرلیا ہو اور اس طرح اس نے اس شخصیت کے راستے کی مخالفت کی جسے اللہ تعالیٰ نے بچپن سے لے کر انھیں خلیل بنانے تک دنیا میں ہدایت اور رشد و بھلائی سے سرفراز فرمایا اور آخرت میں بھی صالح اور سعادت مند لوگوں میں ان کا شمار ہوگا، پس جو ان کے طریقے اور مسلک و ملت کو چھوڑ دے اور ضلالت و گمراہی کے طریقوں کو اختیار کرے تو اس سے بڑھ کر نادان اور کون ہوسکتا ہے؟ یا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:13) ’’شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔‘‘

ابو العالیہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے ایسا طریقہ ایجاد کرلیا تھا جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ نہیں تھا اور اس میں انھوں نے ملت ابراہیمی کی بھی مخالفت کی تھی۔ [1] اس قول کی تائید درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:67،68) ’’ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔ ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔‘‘

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ’’جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاص اور اطاعت و فرمانبرداری کے بجالانے کا حکم دیا تو آپ نے شرعاً اور قدرًا سر اطاعت خم کردیا۔

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 238/1.

فرمان الٰہی: ﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ ﴾ ”اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا۔)“ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اسی ملت، یعنی اللہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کی یا پھر ﴿ بِهَآ ﴾ میں ضمیر کا مرجع یہ فرمانِ الٰہی: ﴿ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ہے کیونکہ اس کلمہ سے حرص و محبت کی وجہ سے ساری زندگی انھوں نے خود بھی اس کی حفاظت کی اور بوقت وفات اپنے بعد آنے والی اولاد کو بھی اس کی وصیت فرمائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ﴾ (الزخرف 28:43) ”اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے۔“

بعض سلف نے ﴿ وَيَعْقُوْبُ ؕ ﴾ کو ﴿ بَنِيْهِ ﴾ پر عطف کی وجہ سے منصوب بھی پڑھا ہے۔[1] اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں اور اپنے پوتے یعقوب بن اسحاق کو وصیت فرمائی۔

اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کی زندگی ہی میں حضرت اسحاق کے ہاں ان کے بیٹے یعقوب کی ولادت ہوگئی تھی جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ میں حضرت سارہ کو ان دونوں کی بشارت دی گئی تھی: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ ﴾ (ھود 71:11) ”ہم نے اس (سارہ) کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔“

یہاں ﴿ وَيَعْقُوْبُ ؕ ﴾ کو حرف جار (با) کے حذف کرنے کی وجہ سے بھی منصوب پڑھا گیا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت سارہ کی زندگی میں یعقوب موجود نہ ہوتے تو پھر حضرت اسحاق کی اولاد کے ضمن میں ان کے ذکر کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت 27:29) ”اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی۔“ اور ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ ﴾ (الأنبیآء 72:21) ”اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور مزید برآں یعقوب عطا کیے۔“

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے علاوہ ازیں وہ بیت المقدِس کے بانی بھی ہیں جیسا کہ سابقہ کتابوں میں موجود ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: [اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْمَسْجِدُ الْأَقْصٰی، قُلْتُ: کَمْ کَانَ بَیْنَهُمَا؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً] ”مسجد حرام، میں نے عرض کی: اس کے بعد کون سی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کی: دونوں کے درمیان کی مدت کتنی ہے؟ فرمایا: چالیس سال۔“[2] حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت فرمائی تھی، اس کا ذکر بھی عنقریب آرہا ہے۔[3] اس ساری تفصیل سے

---

[1] اس کو منصوب پڑھنے والے: عمرو بن فائد الاسواری اور اسماعیل بن عبداللہ المکی ہیں۔ لیکن قُشَیری نے اسے بعید قرار دیا ہے۔ دیکھیے تفسیر القرطبی: 136/2 البقرۃ، آیت: 132 کے ذیل میں۔ [2] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب: 10، حدیث: 3366 و صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث: 520. [3] دیکھیے البقرۃ، آیت: 133 کے ذیل میں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی من جملہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو وصیت کی گئی تھی۔

توحید کی پابندی ساری زندگی واجب ہے: ﴿ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ''اے میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو تم ہرگز نہ مرنا مگر اسلام کی حالت پر۔'' یعنی حالتِ حیات میں اسلام پر رہو اور اسی کی پابندی کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اسی پر خاتمے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ عموماً آدمی کا خاتمہ انھی عقائد و اعمال پر ہوتا ہے جن کو اس نے اپنی زندگی میں اختیار کر رکھا ہوتا ہے، پھر قیامت کے دن انھی حالات کے مطابق زندہ کیا جائے گا جن پر موت آئی ہوگی۔ اور اللہ کریم کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ جو شخص خیر و بھلائی کا قصد کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے توفیق ارزاں فرما دیتا ہے اور جو نیت نیک رکھے اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔ یہ بات اس صحیح حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے: [إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهَا إِلَّا (بَاعٌ أَوْ) ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا] ''آدمی ہمیشہ اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کے بقدر فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ جہنمیوں کا سا کوئی عمل کر کے جہنم رسید ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک آدمی ہمیشہ اہل دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان دو بازوؤں کے پھیلاؤ یا صرف ایک ہاتھ کی مقدار فاصلہ رہ جاتا ہے اور تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ جنتیوں کا کوئی عمل کر کے جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔''[1] کیونکہ اسی طرح کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: [لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ] ''ایسے عمل کرتا ہے جو لوگوں کو بظاہر اہل جنت کے عمل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے یا وہ ایسے عمل کرتا ہے جو لوگوں کو بظاہر اہل جہنم کے عمل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے۔''[2]

مطلب یہ ہے کہ درحقیقت وہ اعمالِ صالحہ ہوتے ہی نہیں وگرنہ جو حقیقی طور پر اعمال صالحہ کرتا رہا ہو، اس کی موت غالباً انھی پر واقع ہوتی ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ ﴾ (الليل 92:5-10) ''تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا

---

[1] صحيح البخاري، القدر، باب:1، حديث:6594 اور قوسین والے الفاظ مسلم میں نہیں، البتہ صحیح بخاری میں اس طرح ہیں: [غَيْرَ ذِرَاعٍ أَوْ بَاعٍ] مزید برآں یہاں پہلے جنت کے حقدار کا ذکر ہے، پھر جہنم رسید ہونے والے کا۔ وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي......، حديث:2643 واللفظ له عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ جبکہ یہی حدیث دیگر کتب حدیث میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ مذکور ہے: سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث:4708 وجامع الترمذي:2137 وسنن ابن ماجه:76 والطيالسي:296 ومسند أحمد:382/1. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث:4207 عن سهل رضی اللہ عنہ اور اس حدیث کا سیاق حدیثِ مذکور سے مختلف ہے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ

کیا جب یعقوب کو موت آئی اس وقت تم موجود تھے؟ جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ

انھوں نے کہا: ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اُسی

وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿133﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ

کے فرمانبردار ہیں ﴿133﴾ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا، اور جو عمل وہ کرتے تھے تم سے

وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿134﴾

ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا ﴿134﴾

اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا، اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا، اسے سختی میں پہنچائیں گے۔‘‘

تفسیر آیات: 134,133

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بوقت وفات اپنے بیٹوں کو وصیت: عرب مشرکین جو حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھے اور کفارِ بنی اسرائیل (جو حضرت اسحاق کی اولاد تھے) کے خلاف دلیل پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انھوں نے تو اپنے بیٹوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا: ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ﴾ ’’میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا، یعنی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔‘‘ یہاں اسماعیل علیہ السلام کو تغلیباً باپ کہا گیا ہے حقیقت میں تو وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے تایا ہیں۔ نحاس لکھتے ہیں کہ عرب چچا یا تایا) کے لیے بھی أَبٌ (باپ) کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں، اسے امام قرطبی نے ذکر کیا ہے۔[1]

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں نے بھی استدلال کیا ہے جنھوں نے (وراثت میں) دادا کو بھی باپ شمار کیا ہے اور اس کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو وراثت سے محروم قرار دیا ہے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام بخاری نے اسے آپ سے بطریق ابن عباس[2] اور ابن زبیر بیان کیا ہے۔[3] اور لکھا ہے کہ اس مسئلے میں آپ سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔[4] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مذہب ہے، نیز امام حسن بصری، طاؤس اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔[5]

① تفسیر القرطبی:138/2. ② صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث الجدّ مع الأب والإخوة، حدیث:6738.
③ صحیح البخاری، فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ:[لو کنت متخذًا خلیلًا]، حدیث:3658. ④ صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث الجدّ مع الأب والإخوة، قبل الحدیث:6737. ⑤ تفسیر القرطبی:68/5، النساء، آیت:11 کے ذیل میں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ

اور انھوں نے کہا: تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی پیروی کرتے ہیں جو سب کو

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿135﴾

چھوڑ کر ایک اللہ کا ہو گیا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا﴿135﴾

جبکہ امام مالک، شافعی اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد کا بھی قول یہ ہے کہ دادا کے ساتھ ساتھ بہن بھائی بھی وراثت میں حصے دار ہوں گے، حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور سلف وخلف کی ایک جماعت سے یہ قول منقول ہے۔[1] اور فرمان الٰہی: ﴿ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ﴾ ''جو معبود یکتا ہے۔'' یعنی ہم الوہیت میں اسی کی توحید کے قائل ہوں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ﴿ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿133﴾ ﴾ ''اور ہم اسی کے اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں۔''
جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○﴾ (آل عمران 3:83) ''اور سب اہل آسمان وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' اور اسلام ہی تمام انبیائے کرام کا دین ہے، گو شریعتیں اور طریقے مختلف رہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○﴾ (الأنبیآء 21:25) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔''
اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات واحادیث ہیں، مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ''انبیاء علاتی بھائی ہیں اور ان کی مائیں مختلف ہیں (شریعتیں مختلف ہیں) اور ان کا دین ایک ہی ہے۔''[2] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ﴾ ''یہ جماعت گزر چکی ہے۔'' ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ﴾ ''ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا۔)'' یعنی اپنے اسلاف اور انبیاء وصالحین جیسے آباء واجداد کی طرف انتساب بھی تمھارے کچھ کام نہ آئے گا، تمھارے کام صرف تمھارے اپنے نیک اعمال آئیں گے کیونکہ تمھارے آباء و اجداد کے اعمال کا بدلہ انھی کو ملے گا اور تمھیں صرف تمھارے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ﴿ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿134﴾ ﴾ ''اور جو عمل وہ کرتے تھے، ان کی پرسش بھی تم سے نہیں ہوگی۔''
اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے: [وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ] ''اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا تو اس کا حسب ونسب اسے آگے نہیں لے جا سکے گا۔''[3]

---

[1] فتح الباري:12/19-22، قبل الحديث:6737 والمصنف لابن أبي شيبة:6/262. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ﴾، حديث:3443 وصحيح مسلم، الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، حديث:(145)-2365 ومسند أحمد:2/319 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [3] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث:2699 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر (ایمان لائے) جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اولاد کی طرف نازل کیا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿136﴾

درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿136﴾

تفسیر آیت:135

محمد بن اسحاق نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن صُورِیا اَعْوَر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہدایت تو صرف وہ ہے جس پر ہم ہیں، لہٰذا اے محمد (ﷺ)! آپ بھی ہماری پیروی کریں تاکہ ہدایت حاصل کر لیں، اسی طرح عیسائیوں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسے ہی کہا تھا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ گے۔''[1] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے۔'' یعنی ہمارا اس یہودیت اور نصرانیت کو اختیار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے جس کی تم دعوت دے رہے ہو۔ محمد بن کعب قُرَظی اور عیسیٰ بن جارِیہ کہتے ہیں کہ حنیف کے معنی صاحب استقامت کے ہیں۔[2] جبکہ ابوقِلابہ کا قول ہے کہ حنیف اسے کہتے ہیں جس کا اول سے لے کر آخر تک کے تمام رسولوں پر ایمان ہو۔[3]

تفسیر آیت:136

مسلمان کا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان اور انبیائے کرام علیہم السلام میں عدم تفریق: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ اس نے اپنے رسول محمد ﷺ کے واسطے سے ان کی طرف جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس پر مفصل ایمان لائیں اور سابقہ انبیائے کرام کی طرف اس نے جن کتابوں کو نازل فرمایا تھا، ان پر بھی مجمل ایمان لائیں، اس آیت میں کچھ انبیائے کرام کا تو اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ نام لے کر ذکر فرمایا ہے جبکہ باقی تمام کی طرف اجمالی طور پر اشارہ فرما دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ مومن ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہ کریں بلکہ تمام کے ساتھ ایمان لائیں اور ان لوگوں کی سی روش اختیار نہ کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ ﴾ (النسآء 4:150،151) ''اور وہ اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں۔ وہی لوگ حقیقی کافر ہیں۔''

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:241/1 وتفسیر الطبري:784/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:241/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:242/1.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَ ﴿قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾] ''مسلمانو! تم اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو اس نے ہماری طرف نازل فرمایا ہے، ایمان لاتے ہیں۔''①

امام مسلم، ابوداود اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز فجر کی دوسنتوں میں سے پہلی رکعت میں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ (آل عمران 52:3) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔②

ابوالعالیہ، ربیع اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ أسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں جن میں سے ہر بیٹے کی اولاد خوب پروان چڑھی اور اس کی تعداد بہت زیادہ تھی، یہی وجہ ہے کہ انھیں أسباط کے نام سے موسوم کیا گیا۔③ خلیل بن احمد اور دیگر کا قول ہے کہ أسباط کی بنی اسرائیل میں وہ حیثیت ہے جو قبائل کی بنی اسماعیل میں۔④ اس کے معنی یہ ہوئے کہ أسباط سے مراد بنی اسرائیل کی قومیں ہیں۔⑤

نیز اس وحی پر ایمان لانا مراد ہے جو ان میں سے موجود انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نازل فرمائی تھی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ (المآئدة 5:20) ''تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں، ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا﴾ (الأعراف 7:160) ''اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو الگ الگ کرکے بارہ قبیلے بنا دیا۔'' امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سِبط اس جماعت اور قبیلے کو کہتے ہیں جس کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہو۔⑥

قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں اور اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کریں۔⑦ سلیمان بن حبیب کا قول ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم تورات وانجیل کے ساتھ ایمان لائیں لیکن ان کے مطابق عمل نہ کریں۔⑧ ابن ابوحاتم نے مَعْقِل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تورات، زبور اور انجیل کے ساتھ ایمان تو لاؤ لیکن عمل کرنے کے لیے تمھیں قرآن ہی کافی ہے۔⑨

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ (البقرة 2:136)، حديث:4485. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر……، حديث:727 و سنن أبي داود، التطوع، باب في تخفيفهما، حديث:1259 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب:129 قوله تعالى: ﴿اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ 6:339، حديث:11158. لیکن السنن الكبرى میں آل عمران کی آیت کے بجائے سورۂ مائدہ کی آیت:111 ہے۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم:243/1. ④ تفسير القرطبي:141/2. ⑤ الكشاف:168/2، آیت:160. ⑥ تفسير القرطبي:141/2. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم:243/1. ⑧ تفسير ابن أبي حاتم:243/1. ⑨ تفسير ابن أبي حاتم:243/1.

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

پھر اگر وہ (اہل کتاب) اس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑیں تو پھر وہی ہیں مخالفت

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿137﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ

میں، سو ان کے مقابلے میں آپ کو اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿137﴾ (اے نبی! کہہ دیجیے:) اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور رنگ

صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿138﴾

کے لحاظ سے اللہ سے زیادہ اچھا کون ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿138﴾

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل

مُخْلِصُوْنَ ۙ ﴿139﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا

ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل اور ہم خالص اسی کے لیے عمل کرنے والے ہیں ﴿139﴾ کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ

(ان کی) اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے وہ گواہی چھپائی جو اللہ کی

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿140﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ

طرف سے اس کے پاس ہے؟ اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو ﴿140﴾ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور

ع 16 12 16 مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿141﴾ ع

تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا۔ اور تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے ﴿141﴾

تفسیر آیات: 138,137

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر کفار اہل کتاب وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح مومنو! تم ایمان لائے ہو اور وہ ان میں سے کسی میں فرق نہ کریں تو وہ بھی حق کو پا کر رہنمائی حاصل کر لیں گے۔ اور اگر وہ حق سے منہ پھیر کر اتمام حجت کے بعد بھی باطل کو اختیار کر لیں تو وہ تمھارے مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمھیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ ان کے مقابلے میں تمھیں فتح ونصرت سے سرفراز فرمائے گا ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿137﴾﴾ کہ وہ خوب سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

امام ابن ابو حاتم نے زیاد بن یونس کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ نافع بن ابو نعیم نے بیان کیا کہ جب ایک خلیفہ نے میرے پاس اصلاح کی غرض سے مصحف عثمان بن عفان بھیجا تو (زیاد کہتے ہیں کہ) میں نے ان (نافع بن ابو نُعیم) سے کہا: لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو مصحف شریف آپ کی گود میں تھا اور آپ کا خون اس آیت پر گرا تھا: ﴿فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿137﴾﴾ نافع نے جواب دیا: ہاں، یہ درست ہے میں نے خود اس آیت پر حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کو دیکھا تھا۔ ①

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ﴾ سے مراد اللہ کا دین ہے۔ مجاہد، ابوالعالیہ، عکرمہ، ابراہیم، حسن، قتادہ، ضحاک، عبداللہ بن کثیر، عطیہ عوفی، ربیع بن انس اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ② جبکہ ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ ﴾ (الروم 30:30) سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اختیار کیے رکھو۔

تفسیر آیات: 139-141

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ مشرکوں کے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے ان سے کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو، یعنی کیا تم ہم سے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے لیے اخلاص، اس کے احکام کی اتباع واطاعت اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ ﴿ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾ ''حالانکہ وہی ہمارا اور تمھارا پروردگار ہے۔'' ہم پر اور تم پر صرف اسی کا تصرف اور اختیار ہے اور صرف وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی وحدہ لاشریک کو خالص اور حقیقی معبود تسلیم کیا جائے۔

﴿ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ ''اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا)۔'' یعنی ہم تم سے اور معبودان باطلہ سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور تم ہم سے بری ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:41) ''اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا) تم میرے عملوں کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمھارے عملوں کا جواب دہ نہیں ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ ﴾ (آل عمران 3:20) ''(اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں تو آپ کہہ دیں کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرمانبردار ہو چکے۔'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ ﴾ (الأنعام 6:80) ''اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انھوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ ﴾ (البقرة 2:258) ''بھلا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا؟''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ ﴾ یعنی ہم تم سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور تم ہم سے بری ہو اور ہم تو خاص اسی کی عبادت کرنے والے اور اسی کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے اس دعوے کی بھی تردید فرمائی ہے کہ ابراہیم اور ان کے بعد ذکر کردہ انبیائے کرام علیہم السلام

① تفسير ابن أبي حاتم:244/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:243/2.

یہودی یا عیسائی تھے اور نہ ہی ان کی اولاد انھی کی ملت پر یہودی یا عیسائی تھی ، بنا بریں فرمایا: ﴿ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ﴾ ''کہہ دیجیے: بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

اور اسی وجہ سے تو اس نے یہ بتایا ہے کہ ابراہیم یہودی یا عیسائی نہ تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:67) ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔'' اور اس کے بعد والی آیت بھی دلالت کرتی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے، چھپائے؟'' کے بارے میں امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو پڑھتے تھے جو اللہ نے انھیں عطا فرمائی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ دین تو اسلام ہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودیت و نصرانیت سے بری تھی، انھوں نے اللہ کے لیے اس کی گواہی دی اور اس گواہی دینے کا اللہ کے لیے اقرار بھی کر لیا لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت جو موجود تھی، اسے انھوں نے چھپایا۔[1] اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں۔'' میں شدید وعید اور سرزنش ہے کہ اس بات کو نہ بھولو کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمھارے عمل کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ تمھیں تمھارے عمل کے مطابق ہی بدلہ بھی دے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ ﴾ ''یہ جماعت گزر چکی۔'' ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ ''اس کو وہ (ملے گا) جو اس نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا۔'' یعنی انھیں اپنے اعمال کا اور تمھیں اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ﴿ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو عمل وہ کرتے تھے، ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔'' یعنی ان کی اطاعت و پیروی کے بغیر محض ان کی طرف انتساب تمھارے کچھ کام نہ آسکے گا۔

لہٰذا محض نسبت کی وجہ سے فریب خوردہ نہ بنو بلکہ ان کی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرِ اطاعت خم کرنے والے اور ان تمام رسولوں کی اتباع کا دم بھرنے والے بن جاؤ جنھیں خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر مبعوث کیا گیا تھا کیونکہ جو اللہ کے کسی ایک نبی خصوصاً سید الانبیاء، خاتم المرسلین اور تمام انس و جنّ کی طرف رسولِ رب العالمین کے ساتھ کفر کرے تو اس نے گویا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا۔

صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ أَجْمَعِينَ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:246/1.

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ

جلد ہی بے وقوف لوگ (یہ) کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر یہ تھے؟ اے نبی! کہہ دیجیے: مشرق اور

الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿142﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے ﴿142﴾ اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل اُمت بنایا

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ

تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔ اور (اے نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ جاننے کے لیے مقرر کیا

عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً

تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے اور بے شک یہ (قبلے کی تبدیلی) بہت بھاری ہے (کافروں پر) مگر اُن لوگوں پر

اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿143﴾

(نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں پر بہت نرمی کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿143﴾

تفسیر آیات: 143,142

تحویل قبلہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ میں) سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی لیکن آپ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ آپ نے عصر کی نماز پڑھائی (اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے آپ نے جو سب سے پہلی نماز ادا فرمائی، وہ نماز عصر تھی) کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر یہ نماز ادا کی، پھر ان میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا وہ بھی نماز (عصر) ادا کر رہے تھے۔ اور وہ اس وقت حالت رکوع میں تھے، اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے تو ان لوگوں نے حالتِ نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا۔

بہت سے لوگ تھے جنھوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی مگر وہ تحویل قبلہ کے حکم سے قبل ہی شہید ہو گئے تو ہم نہیں جانتے تھے کہ ان کے بارے میں کیا کہیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿143﴾﴾ ''اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یونہی کھو دے اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحبِ رحمت ہے۔'' ان الفاظ سے اس روایت کو (شیخین میں سے) صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[1] امام مسلم نے اسے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔[2]

محمد بن اسحاق نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ...﴾ (البقرة 2:142)، حدیث: 4486. اور قوسین والے الفاظ دیکھیے حدیث: 40 و 399. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب تحويل القبلة……، حدیث: 526,525 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ و 527 عن أنس رضی اللہ عنہ.

تھے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں آسمان کی طرف کثرت سے نگاہ اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔ اسی کیفیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:144) ’’(اے نبی!) ہم آپ کا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف، جس کو آپ پسند کرتے ہیں، منہ کرنے کا حکم دیں گے تو آپ اپنا منہ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لیں۔‘‘

کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہم اس بات کو معلوم کرنا پسند کرتے ہیں کہ جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا؟ نیز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی ہماری نمازوں کا کیا بنے گا؟ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ ﴾ ’’اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یونہی کھو دے۔‘‘ کچھ احمق لوگوں، یعنی اہل کتاب نے جب یہ کہا: ﴿ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ ﴾ ’’مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آتے تھے اب اس سے کس چیز نے ان کے منہ پھیر دیے ہیں؟‘‘ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ ﴾ ’’(اے نبی!) کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں۔‘‘ کو نازل فرمایا۔[1]

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سے بھی زیادہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی تھی لیکن آپ قبلۂ ابراہیمی کو پسند فرماتے تھے۔ اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے اور آسمان کی طرف بھی دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما دیا: ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:144) ’’ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اسی (مسجد) کی طرف کر لیا کرو۔‘‘ اس سے یہودی شک میں مبتلا ہوئے اور کہنے لگے: ﴿ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ ﴾ ’’مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آتے تھے اب اس سے کس چیز نے ان کے منہ پھیر دیے ہیں؟‘‘ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ’’(اے نبی!) آپ کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔‘‘[2]

اس باب میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے

---

[1] الدر المنثور: 261/1 و تفسیر ابن أبی حاتم: 248/1، البتہ تفسیر میں یہاں ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ ﴾ کے بجائے آیتِ کریمہ: ﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ ...... ﴾ تھی تفسیر ابن ابوحاتم سے یہ تصحیح کی گئی ہے جیسا کہ ابن عباس اور قتادہ کے آثار بھی اس کی تائید کرتے ہیں، دیکھیے تفسیر الطبری: 8/2، 9. [2] تفسیر الطبری: 8/2.

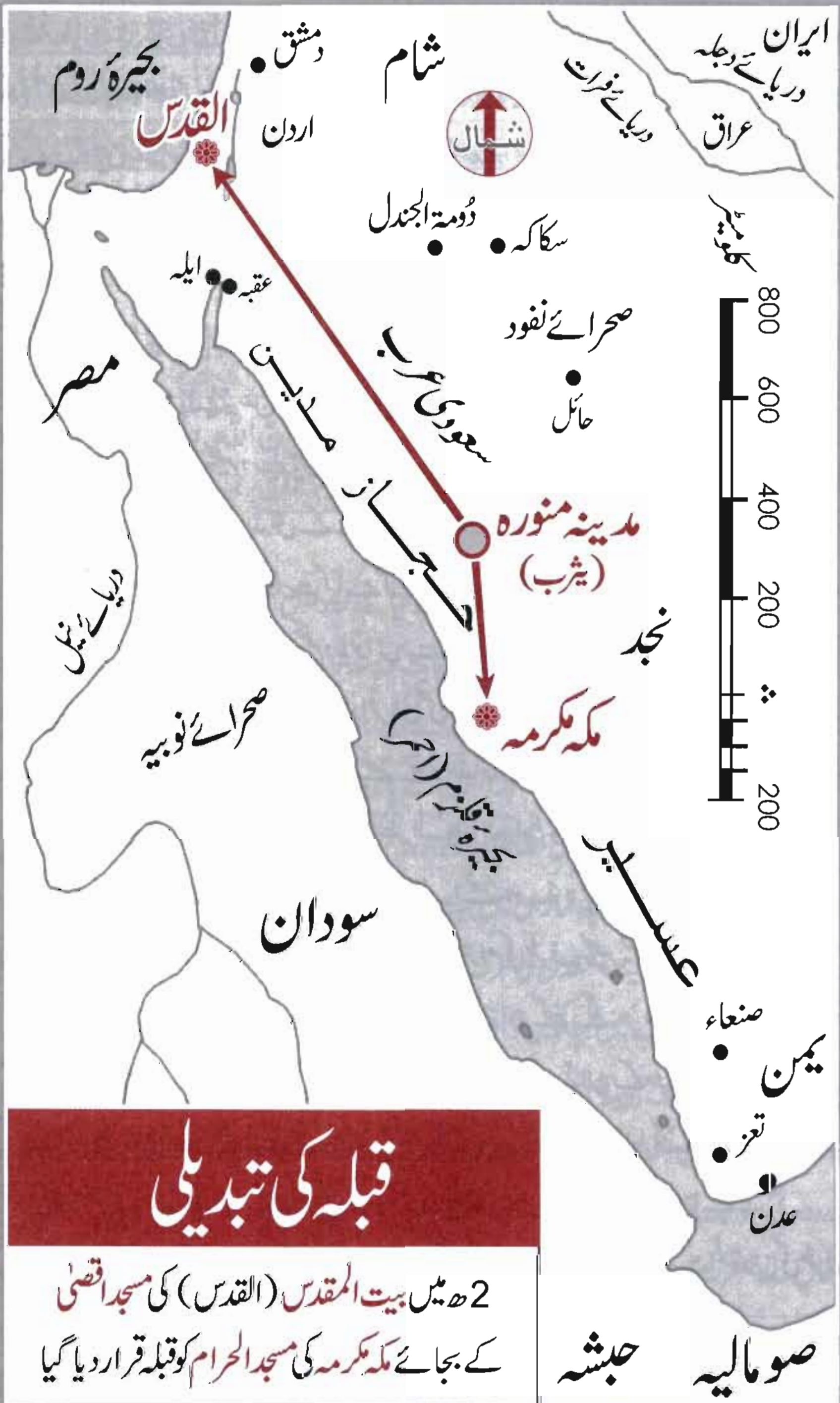

قبلہ کی تبدیلی

2ھ میں بیت المقدس (القدس) کی مسجد اقصیٰ کے بجائے مکہ مکرمہ کی مسجد الحرام کو قبلہ قرار دیا گیا

نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو مکہ میں آپ رکن یمانی اور حجر اسود کے مابین نماز ادا فرماتے۔① لہٰذا صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کی حالت میں کعبہ بھی آپ کے سامنے ہی ہوتا تھا مگر ہجرتِ مدینہ کے بعد اس طرح دونوں کی طرف بیک وقت منہ کرکے نماز ادا کرنا ممکن نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا یہی قول ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ انصار بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز عصر ادا کر رہے تھے کہ انھیں تحویل قبلہ کا حکم معلوم ہوا تو انھوں نے حالتِ نماز ہی میں کعبے کی طرف منہ کرلیا۔② (یہ بنوسَلِمَہ کے لوگ تھے جو مسجد قبلتین کے قریب رہائش پذیر تھے۔)③

صحیح بخاری و مسلم ہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ قُبا میں نماز صبح ادا کر رہے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے بتایا کہ آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن میں یہ حکم نازل کیا گیا ہے کہ آپ کعبے کو قبلہ بنالیں تو ان لوگوں نے نماز ہی کی حالت میں کعبے کی طرف اپنا رخ کرلیا تھا، پہلے ان کے منہ شام کی طرف تھے اور اب وہ گھوم کر کعبے کی طرف ہو گئے تھے۔④

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ناسخ کے مطابق حکم اسی وقت لازم ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے، خواہ اس کا نزول اور ابلاغ پہلے ہی سے کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو عصر، مغرب اور عشاء کی ان نمازوں کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا جو انھوں نے تحویل قبلہ کے حکم کے بعد بھی بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرکے ادا کی تھیں اور انھیں ابھی تک پہلے قبلے کے نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔ و اللّٰہ أعلم.

تحویل قبلہ کے بارے میں اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کچھ منافق، متشکک اور کافر یہودی ہدایت سے دور ہو کر دیوانگی اور تشکیک میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ﴾ یعنی آخر مسلمانوں کو کیا ہوا، انھیں اپنے پہلے قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا ہے؟ کبھی اس طرف منہ کرتے ہیں اور کبھی اس طرف۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ﴾ ''(اے نبی!) آپ کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔'' یعنی حکم، تصرف اور امر صرف اللہ ہی کا ہے، ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرة 2:115) ''تو جدھر تم رخ کرو، ادھر اللہ کا چہرہ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾

① لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دوران میں حطیم میں نماز پڑھنا ثابت ہے، دیکھیے صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب مالقی النبی ﷺ وأصحابه......، حدیث: 3856. ② ملخص از صحیح البخاری، الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حیث کان، حدیث: 399 و صحیح مسلم، المساجد، باب تحویل القبلة ......، حدیث: 525. ③ دیکھیے منة المنعم شرح صحیح مسلم: 337/1. ④ صحیح البخاری، الصلاة، باب ماجاء فی القبلة......، حدیث: 403 و صحیح مسلم، المساجد، باب تحویل القبلة......، حدیث: 526.

(البقرة 177:2) ”نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کران) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے۔“

یعنی تمام تر خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا جائے، وہ ہمیں جس طرف حکم دے، ہم اسی طرف اپنا منہ کر لیں۔ اطاعت اس کے حکم کو ماننے کا نام ہے، خواہ وہ ہمیں ہر روز مختلف جہتوں اور سمتوں کی طرف منہ کرنے کا حکم دے۔ ہم تو صرف اسی کے بندے، غلام اور خدام ہیں اور اسی کا تصرف واختیار ہم میں کارفرما ہے، وہ جس طرف حکم دے گا ہم اس طرف اپنا منہ کر لیں گے۔

اور یہ بھی اس کی اپنے عبد اور رسول حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت پر عظیم عنایت ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے قبلے کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اوران کے رخ کو اس کعبے کی طرف متوجہ کر دیا جسے اللہ وحدہ لاشریک ہی کے پاک نام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اور جو اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محترم گھر ہے کیونکہ اس گھر کے معمار حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ”(اے نبی!) کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔“

امام احمد رحمہ اللہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے متعلق فرمایا: [إِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُونَا عَلَى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُونَا عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا عَنْهَا ، وَعَلَى الْقِبْلَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا عَنْهَا ، وَعَلَى قَوْلِنَا خَلْفَ الْإِمَامِ: آمِينَ] ”ان کو ہمارے بارے میں کسی اور چیز کی وجہ سے اس قدر حسد نہیں ہے جس قدر جمعے کے دن کی وجہ سے حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور یہ اس سے محروم رہے۔ اور قبلے کی وجہ سے حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی بھی ہدایت فرمائی اور یہ لوگ اس سے بھی محروم رہے، نیز ہم جو امام کے پیچھے آمین کہتے ہیں، اس کی وجہ سے بھی یہ ہم سے حسد کرتے ہیں۔“[1]

امت محمدیہ کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ ﴾ ”اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔“ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ ہم نے تمھیں قبلۂ ابراہیم علیہ السلام کی طرف پھیر دیا ہے اور تمھارے لیے اس قبلے کو اس لیے منتخب کیا ہے تاکہ تمھیں بہترین امت بنا دیں۔ اور تم قیامت کے دن دیگر امتوں پر گواہ بن جاؤ کیونکہ دیگر تمام امتیں تمھارے شرف وفضل کی معترف ہیں۔

وَسَطَ کا لفظ یہاں بہترین اور اعلیٰ کے معنی میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: قُرَيْشٌ أَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَّدَارًا ”قریش نسب اور خاندان کے اعتبار سے تمام عربوں سے بہتر ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ بھی اپنی قوم میں نسب کے اعتبار سے وَسَط، یعنی

[1] مسند أحمد:135/6 مطولاً مزید دیکھیے جمعے کی بابت: صحیح البخاری:896 و صحیح مسلم:855 اور آمین کی بابت: سنن ابن ماجه:857،856.

سب سے اشرف وافضل تھے، اسی محاورے کے مطابق سب سے افضل نماز، یعنی نماز عصر کو صلاۃ وُسطٰی کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔[1]

جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت بنایا ہے تو اسے سب سے مکمل شریعت، سب سے بہتر طریقہ اور سب سے واضح اور روشن مذہب عطا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ﴾ (الحج 78:22) ''اس (اللہ) نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو، اسی نے پہلے (پہلی کتابوں میں) بھی تمھارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے) تاکہ پیغمبر تم پر شاہد ہوں اور تم لوگوں پر شاہد ہو۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُدْعٰى نُوحٌ عليه السلام يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْتَ ؟ فَيَقُولُ : نَعَمْ ، فَيُدْعٰى قَوْمُهُ فَيُقَالُ لَهُمْ : هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ : مَا أَتَانَا مِنْ نَّذِيرٍ أَوْ مَا أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ، فَيُقَالُ لِنُوحٍ: مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَّأُمَّتُهُ ، قَالَ : فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ قَالَ: الْوَسَطُ الْعَدْلُ، قَالَ: فَتُدْعَوْنَ فَتَشْهَدُونَ لَهُ بِالْبَلَاغِ، قَالَ: ثُمَّ أَشْهَدُ عَلَيْكُمْ]

''قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: کیا آپ نے (دین) پہنچا دیا تھا؟ وہ فرمائیں گے: ہاں، تو پھر آپ کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا تم کو نوح علیہ السلام نے (دین) پہنچا دیا تھا؟ تو وہ جواب دے گی کہ نہیں، ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ یا کہے گی کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ تو نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ آپ کا کون گواہ ہے؟ آپ جواب دیں گے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اس آیت: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ سے اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: وَسَط کے معنی عدل کے ہیں۔ فرمایا: پھر تمھیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ واقعی حضرت نوح علیہ السلام نے (اللہ کے دین) کو پہنچا دیا تھا اور فرمایا: پھر تمھارے بارے میں، میں گواہی دوں گا۔''[2] اس حدیث کو امام بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی مختلف الفاظ اور طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَجِيءُ النَّبِيُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَعَهُ الرَّجُلُ، وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَأَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ ، فَيُدْعٰى قَوْمُهُ ، فَيُقَالُ لَهُمْ : هَلْ بَلَّغَكُمْ هٰذَا ؟

---

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت:238 کے ذیل میں۔ [2] مسند أحمد: 32/3. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ﴾، حديث:3339 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2961 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾: 292/6، حديث: 11007 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث:4284 لیکن نسائی اور ابن ماجہ کے الفاظ بعد والی روایت کی طرح ہیں۔

فَيَقُولُونَ: لَا ، فَيُقَالُ لَهُ : هَلْ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ ، فَيُقَالُ لَهُ: مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَّأُمَّتُهُ ، فَيُدْعٰى مُحَمَّدٌ وَّأُمَّتُهُ ، فَيُقَالُ لَهُمْ: هَلْ بَلَّغَ هٰذَا قَوْمَهُ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيُقَالُ: وَمَا عِلْمُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: جَاءَ نَا نَبِيُّنَا ﷺ فَأَخْبَرَنَا: أَنَّ الرُّسُلَ قَدْ بَلَّغُوا ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ قَالَ: يَقُولُ: عَدْلًا ﴿ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾]

’’قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا، اور کسی کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ آدمی ہوں گے، پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا اس نبی نے تم تک (دین) پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے: نہیں، پھر اس نبی سے کہا جائے گا: کیا آپ نے اپنی قوم کو (دین) پہنچا دیا تھا؟ وہ فرمائیں گے: ہاں، ان سے پوچھا جائے گا کہ آپ کا گواہ کون ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ میرے گواہ محمد ﷺ اور ان کی امت ہیں، پھر حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: کیا انھوں نے اپنی قوم کو (دین) پہنچا دیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے: ہاں، پہنچا دیا تھا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس جب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ہمیں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے (اللہ کے دین کو) پہنچا دیا تھا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ ’’اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا۔‘‘ کے یہی معنی ہیں۔ اور وَسَطَ کے معنی عدل کے ہیں ﴿ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ ’’تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔‘‘[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابواسود سے روایت کیا ہے کہ میں جب مدینہ میں آیا تو وہاں ایک مرض پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے لوگ کثرت سے فوت ہو رہے تھے۔ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جنازہ گزرا اور اس میت کی تعریف کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واجب ہوگئی، پھر ایک دوسرا جنازہ گزرا تو میت کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا گیا تو پھر بھی آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی، پھر ایک تیسرا جنازہ گزرا تو میت کے بارے میں برے خیالات کا اظہار کیا گیا، آپ نے فرمایا واجب ہوگئی تو ابواسود نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے کہا کہ یہ بات میں نے اسی طرح کی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: [أَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَقُلْنَا: وَثَلَاثَةٌ؟ قَالَ: فَقَالَ: وَثَلَاثَةٌ، قَالَ: قُلْنَا: وَاثْنَانِ؟ قَالَ: وَاثْنَانِ] ’’جس مسلمان کے بارے میں چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ ہم نے عرض کی کہ اگر گواہ تین ہوں تو فرمایا: تین کی گواہی سے بھی، پھر ہم نے عرض کی کہ اگر گواہ دو ہوں تو آپ نے فرمایا کہ دو کی گواہی سے بھی اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔‘‘ پھر اس کے بعد ایک آدمی کی گواہی کے بارے میں ہم نے آپ ﷺ سے سوال نہیں کیا۔[2] اسی طرح امام

---

① مسند أحمد: 58/3 اور دیکھیے سابقہ حوالہ۔ ② مسند أحمد: 22,21/1.

بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[1]

تحویل قبلہ کی حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ ﴾ ''اور جس قبلے پر آپ (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور یہ بات (تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: اے نبی! میں نے ہی پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا اور پھر کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون آپ کی اتباع واطاعت کرتا ہے اور قبلہ رخ ہونے میں ساتھ دیتا ہے۔ ﴿ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ ﴾ ''کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے؟'' یعنی دین سے مرتد ہو جاتا ہے۔

﴿ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً ﴾ ''اور یہ بات (لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی۔'' یعنی بیت المقدس کے بجائے کعبے کی طرف منہ کرنے کی بات اگرچہ کچھ لوگوں کے لیے بہت گراں تھی مگر جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے اور اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ آپ دین کا جو حکم بھی لائے ہیں، وہ بلاشک وشبہ حق ہے، انھیں تحویل قبلہ کی یہ بات قطعاً گراں محسوس نہ ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا اور جو ارادہ فرماتا حکم دے دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جو چاہے حکم دے اور اپنے جس حکم کو چاہے منسوخ فرما دے۔ یہ تمام امور اسی کی حکمتِ تامہ اور حجتِ بالغہ پر مبنی ہوتے ہیں۔

اور اس کے برعکس جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، ہر نئے حکم کے نازل ہونے پر ان کے لیے مزید شک پیدا ہو جاتا جس طرح اہل ایمان کے دل ہر نئے حکم کے نازل ہونے سے ایمان وتصدیق سے لبریز ہو جاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبة 9:124,125) ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض (منافق استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کو تو اس (سورت) نے ایمان میں زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں مرض ہے اس (سورت) نے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا۔'' اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:82) ''اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب ثناء الناس على الميت، حديث:1368 و جامع الترمذي، الجنائز، باب في الثناء الحسن على الميت، حديث:1059 و سنن النسائي، الجنائز، باب الثناء، حديث:1936. آپ ﷺ کے دورِ مبارک میں اسی نوعیت کا واقعہ پیش آیا تھا، اُس سے اِس حدیث کا مفہوم اور محل استشہاد مزید واضح ہو جاتا ہے، دیکھیے صحيح البخاري حوالۂ مذکورہ، حديث:1367.

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق و اتباع پر ثابت قدم رہے اور بلا شک وشبہ اسی طرف اپنا منہ کر لیا جس طرف منہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، وہ سادات صحابہ میں شمار ہوئے۔ اور بعض اہل علم کے بقول مہاجرین و انصار میں سے اولین سبقت کرنے والے وہ ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ لوگ مسجد قُبا میں نماز صبح ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ نبی ﷺ پر (آج رات) قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ سنتے ہی وہ سب لوگ کعبہ رخ ہو گئے۔[1] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وقت وہ حالتِ رکوع میں تھے اور وہ اسی حالتِ رکوع ہی میں کعبے کی طرف مڑ گئے۔[3] امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (کہ وہ حالتِ رکوع میں تھے۔)[4] یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے کمال درجے پر فائز تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت بجالانے کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ رضی اللہ عنهم أجمعين.

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ "اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یوں ہی کھودے۔" کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نمازیں ادا کی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا ثواب ضائع نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری میں ابو اسحاق سبیعی کی براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کچھ لوگ فوت ہو گئے جنھوں نے بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی تو لوگوں نے کہا کہ ان کا اس سلسلے میں کیا حال ہوگا؟ تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ "اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یوں ہی کھودے۔"[5] اس حدیث کو امام ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔[6]

ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمھارے اس ایمان کو کھو دے جو قبلۂ اولیٰ کے بارے میں تھا اور اپنے نبی کی تصدیق و اتباع کرتے ہوئے تم نے دوسرا قبلہ اختیار کر لیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے کے اجر و ثواب سے نواز دے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿143﴾﴾ "بے شک اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحب رحمت ہے۔"[7]

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی قیدی عورت کو دیکھا جس کا بچہ اس سے جدا ہو گیا تھا، وہ قیدیوں میں

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ (البقرة 143:2)، حديث: 4488. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب تحويل القبلة......، حديث: 526. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2962. [4] صحيح مسلم، المساجد، باب تحويل القبلة......، حديث: 527. [5] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ ...﴾ (البقرة 142:2)، حديث: 4486. [6] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2964. [7] تفسير ابن أبي حاتم: 252/1.

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہوا پنے منہ اس کی طرف پھیر لو اور بے شک وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی وہ ضرور جانتے ہیں کہ

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾

بے شک یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ اس سے غافل نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں ﴿144﴾

سے جس بچے کو بھی دیکھتی اسی کو پکڑ کر اپنے گلے لگا لیتی، بچے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب اس نے تلاش کر لیا تو اسے گلے لگا لیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَ تُرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا، وَ هِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهٗ، فَقَالَ: لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا] ''تمھارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں، (اے اللہ کے رسول!) اور وہ اسے نہ پھینکنے پر قدرت بھی رکھتی ہو تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس قدر یہ عورت اپنے بچے کے لیے رحم دل ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔''[1]

تفسیر آیت:144

قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلے کا حکم منسوخ ہوا تھا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلے کا حکم منسوخ ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو مدینہ کے باشندوں کی اکثریت یہودیوں پر مشتمل تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہودی بہت خوش ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے تیرہ ماہ سے زیادہ عرصے تک اس طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی لیکن آپ قبلۂ ابراہیمی کو پسند کرتے، اس کے لیے دعا فرماتے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ﴾ ''(اے پیغمبر!) ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہوا پنے منہ اسی کی طرف کر لیا کرو۔'' اس سے یہود شک میں پڑ گئے اور کہنے لگے کہ مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آ رہے تھے اب اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے جواب میں آپ کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔[2]

اور فرمایا: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرة 2:115) ''تو جدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کا چہرہ ہے۔'' مزید فرمایا: ﴿وَمَا

① صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد......، حديث:5999 و صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله، حديث:2754. ② تفسير ابن أبي حاتم:248/1 و الدر المنثور:261/1.

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور (اے نبی!) اگر آپ ان لوگوں کے پاس ہر قسم کی نشانی لے آئیں جنھیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے، اور نہ آپ ان

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کے قبلے کی پیروی کرنے والا نہیں۔ اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی

وقف لازم مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ ﴿145﴾

پیروی کی، اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے تو یقیناً اس وقت آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے ﴿145﴾

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:143) ”اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔“

قبلہ عین کعبہ ہے یا جہت کعبہ؟ امام حاکم نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ میں شطر کے معنی طرف کے ہیں، پھر امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[1] ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، اور ربیع بن انس رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ ﴾ ”اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی (مسجد) کی طرف منہ کر لیا کرو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب، زمین کی تمام جہتوں سے کعبے ہی کی طرف منہ کیا جائے، اس سے اس کے سوائے اور کوئی صورت مستثنیٰ نہیں کہ حالت سفر میں سواری پر نفل نماز ادا کی جارہی ہو تو اس صورت میں ادھر منہ کیا جا سکتا ہے جدھر سواری کا رخ ہو لیکن دل کعبے ہی کی طرف ہونا چاہیے یا پھر دوران جنگ میں نماز خوف ادا کرتے ہوئے کسی طرف بھی منہ کیا جا سکتا ہے یا اگر کسی جگہ قبلے کی جہت کا علم ہی نہ ہو تو اپنے اجتہاد سے قبلے کا تعین کر لیا جائے، خواہ حقیقت میں یہ اجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

یہودیوں کو تحویل قبلہ کا مسئلہ معلوم تھا: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ ﴾ ”اور بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔“ یعنی یہ یہودی جنھوں نے بیت المقدس سے آپ کے منہ پھیر لینے کا انکار کیا، حقیقت میں یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے گا کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کے انبیاء کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی شان اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کامل اور عظیم ترین شریعت سے سرفراز فرمایا ہے، اس کا ذکر موجود ہے لیکن اہل کتاب حسد، کفر اور عناد کی وجہ سے ان باتوں کو چھپاتے تھے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

[1] المستدرک للحاکم، التفسیر، باب من سورۃ البقرۃ: 2/269، حدیث: 3064. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1/254.

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس (رسول) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بے شک ان میں سے ایک گروہ ضرور حق کو

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿146﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿147﴾ ع

چھپاتا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿146﴾ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے، لہٰذا (اس کے متعلق) تم ہرگز شک میں نہ پڑنا ﴿147﴾

يَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾ ''اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں، اللہ ان سے بے خبر نہیں۔''

تفسیر آیت: 145

یہودیوں کا عناد وانکار: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے کفر وعناد اور رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبے کو جاننے کے باوجود مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرما رہا ہے کہ آپ جس دین وشریعت کو لے کر آئے ہیں اگر اس کے صحیح ہونے کے تمام دلائل کا بھی ذکر فرما دیں تو پھر بھی یہ اپنی خواہشات کو ترک کر کے آپ کی اتباع نہیں کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10: 97،96) ''جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) صادر ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ ﴾ ''اور اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آئیں تو بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ ﴾ ''اور آپ بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جو حکم دیا ہے آپ کس قدر شدت کے ساتھ اس کی پیروی کرنے والے ہیں جس طرح یہودی اپنی آراء اور اپنی خواہشات کے پابند ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول بھی اللہ کے حکم اور اطاعت کے پابند اور اپنے رب کی خوشنودی کے طلب گار ہیں، لہٰذا آپ کبھی بھی یہودیوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتے۔ بیت المقدس کی طرف آپ نے منہ کیا تو اس لیے نہیں کہ یہ یہود کا قبلہ تھا بلکہ یہ اس لیے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ڈرایا ہے کہ کوئی شخص جانتے بوجھتے حق کی مخالفت کر کے اپنی خواہش کی پیروی کرے کیونکہ جو شخص جانتا ہوا اس پر تو نہ جاننے والے کی نسبت حجت زیادہ تمام ہوتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے درحقیقت آپ کی امت سے فرمایا گیا: ﴿ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿145﴾ ۘ ﴾ ''اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آ چکا ہے تو یقیناً اس وقت آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

تفسیر آیات: 147،146

یہودیوں کا نبی اکرم ﷺ کو پہچاننا اور حق کو چھپانا: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس کا رسول ﷺ جس دین حق کو لے کر آیا

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ

اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے، لہٰذا تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، اللہ تم

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿148﴾

سب کو لے آئے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿148﴾

ہے، اس کے صحیح ہونے کو یہودی اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے ان میں سے کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ کسی چیز کے صحیح ہونے کے بارے میں عرب یہی مثال دیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا جس کے ساتھ اس کا چھوٹا بچہ بھی تھا: [هٰذَا ابْنُكَ ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَشْهَدُ بِهِ، قَالَ: (أَمَا إِنَّهُ) لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ] ”کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں، میں اس کی گواہی دیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ یہ تمھارے اور تم اس کے گناہ کے ذمے دار نہیں ہو گے۔“ ①

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ حضرت محمد ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو؟ انھوں نے کہا: ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آسمان سے ایک امین (جبریل) زمین کے ایک امین (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر نازل ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی شان بتلائی جس کی وجہ سے میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، حالانکہ آپ کی والدہ کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ ②

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ثبوت اور پختہ یقین کے باوجود ﴿ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ﴾ ”ضرور وہ سچی بات کو چھپاتے ہیں۔“ یعنی ان کی کتابوں میں نبی ﷺ کی جو صفات لکھی ہوئی ہیں، انھیں یہ لوگوں سے چھپاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے اہل ایمان بندوں کو ثابت قدم رکھتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس دین و شریعت کو لائے ہیں، وہ بلا شک و شبہ حق اور سچ ہے، فرمایا: ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿147﴾ ﴾ ”(یہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔“

تفسیر آیت:148

ہر امت کا ایک قبلہ ہے: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ﴾ ”اور ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے۔“ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد تمام اہل ادیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا ایک قبلہ مقرر کر رکھا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قبلہ تو وہ ہے جس کی طرف مومن اپنا منہ کرتے ہیں۔ ③

اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ یہودی بھی ایک سمت کی طرف منہ کرتے ہیں اور نصاریٰ بھی مگر اے

① مسند أحمد: 163/4 اور [أَمَا إِنَّهُ]: 226/2 میں ہے۔ وسنن أبي داود، الديات، باب لا يؤخذ الرجل بجريرة أبيه أو أخيه، حدیث: 4495 اور یہ صحابی ابو رمثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد تھے۔ ② تفسیر القرطبي: 163/2. ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 256/1.

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

اور (اے نبی!) آپ جہاں سے بھی نکلیں، اپنا منہ مسجد حرام کی جانب پھیر لیں اور بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ اس سے غافل

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿149﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ

نہیں جو تم عمل کرتے ہو﴿149﴾ اور آپ جہاں سے بھی نکلیں، اپنا منہ مسجد حرام کی جانب پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے منہ اسی کی

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا

جانب پھیر لو تا کہ تمھارے خلاف لوگوں کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔ ہاں، ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا (وہ باتیں کرتے رہیں گے)، پس تم ان سے مت

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿150﴾

ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو تا کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ﴿150﴾

امت محمدیہ کے لوگو! حقیقی قبلہ تو یہ ہے جس کے اختیار کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تمھیں توفیق عطا فرمائی ہے۔ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ①

یہ آیت کریمہ اس فرمان باری تعالیٰ کے مشابہ ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ﴾ (المآئدۃ 48:5) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے اس میں وہ تمھاری آزمائش کرنی چاہتا ہے، سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿148﴾ ﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو جمع کر دے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی گو تمھارے جسم اور بدن منتشر اور الگ الگ ہوں گے، پھر بھی وہ ان سب کو زمین سے جمع کرنے پر قادر ہے۔

تفسیر آیات: 150,149

قبلے کی منسوخی کا ذکر تین بار کیوں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہاں یہ تیسری بار حکم دیا جا رہا ہے کہ تمام اطراف واکناف عالم سے مسجد حرام ہی کی طرف منہ کیا جائے، اس تکرار کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا سیاق وسباق سے تعلق ہے۔ اس سلسلے میں پہلے تو ﴿ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ﴾ (البقرۃ 144:2) ''(اے نبی!) ہم آپ کا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلے کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں منہ کرنے کا حکم دیں گے۔'' تا ﴿ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ○ ﴾ (البقرۃ 144:2) ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں۔'' نازل فرمایا۔ اور اس مقام پر یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

① تفسیر ابن أبی حاتم: 256/1.

نے اپنے نبی کی خواہش کو پورا کر دیا ہے اور اس قبلے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔

دوسری بار قبلے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴾ ''اور آپ جہاں سے بھی نکلیں (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں، بلاشبہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔''

یہاں یہ فرمایا کہ یہ پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ اس سے تحویل قبلہ کے حکم کا درجہ اور بھی بڑھ گیا، یعنی اسے صرف رسول اللہ ﷺ کی رضا اور خواہش کی تائید ہی میں قبلہ قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے اور اللہ تعالیٰ اسے پسند بھی فرماتا ہے۔

اور تیسری بار حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان مخالف یہودیوں کو لاجواب کر دیا ہے جو اس بات کو اپنے حق میں دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے قبلے کی طرف منہ کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا جائے گا، نیز اس سے مشرکین عرب کی حجت بھی کٹ گئی کہ آپ قبلۂ یہود کے بجائے قبلۂ ابراہیم کی طرف منہ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ یہ قبلہ اشرف ہے، مشرکین عرب خود بھی کعبے کی تعظیم کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے کعبے کی طرف منہ کرنے سے انھیں ایک گونہ خوشی بھی ہوئی۔

نسخ قبلہ کی حکمت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ ''(یہ تاکید) اس لیے (کی گئی ہے) کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔'' میں لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں جو یہ جانتے تھے کہ اس امت کی ایک نمایاں صفت کعبے کی طرف منہ کرنا بھی ہے۔ اور اس صفت کی عدم موجودگی کی وجہ سے تو وہ بسا اوقات مسلمانوں پر اعتراض بھی کیا کرتے تھے۔ اور دوسری حکمت نسخ قبلہ میں یہ ہے کہ بیت المقدس کی طرف مسلمانوں کے منہ کرنے کو یہودی اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش نہ کر سکیں۔

اور ﴿ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ﴾ ''ہاں! ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا'' سے مراد مشرکین قریش ہیں جو ظالمانہ طور پر یہ اعتراض کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ یہ شخص اپنے آپ کو دین ابراہیم پر بتلاتا ہے، لہٰذا اگر ان کا بیت المقدس کی طرف منہ کرنا دین ابراہیم کے مطابق تھا تو اب اس سے انھوں نے کیوں رجوع کر لیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے پہلے آپ کے لیے اس بات کو پسند فرمایا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کریں کیونکہ اس میں حکمت تھی اور آپ نے اپنے رب کے اس حکم کی اطاعت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبلۂ ابراہیم کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا اور اس سے مراد کعبہ ہے تو آپ اس حکم الٰہی کی اطاعت بھی بجالائے کیونکہ آپ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے۔ اور لحہ بھر کے لیے بھی حکم الٰہی سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے۔ اور امت بھی اس سلسلے میں آپ کی تابع ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ.

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

جیسے ہم نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک رسول بھیجے، وہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور تمھیں پاک کرتے ہیں اور تمھیں کتاب اور حکمت

18 ع 5 2 وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿151﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿152﴾

کی تعلیم دیتے اور تمھیں وہ (باتیں) سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے ﴿151﴾ چنانچہ تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو ﴿152﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ﴾ ''سوان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔'' یعنی ان ظالموں اور جابروں کے پیدا کردہ شکوک وشبہات سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھی سے ڈرو کیونکہ صرف اسی کی ذات گرامی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ ﴾ کا ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ پر عطف ہے، یعنی استقبال قبلہ کا یہ حکم اس لیے بھی ہے تاکہ میں تمھیں اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور تمھارے لیے یہ شریعت ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔ ﴿ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿150﴾ ﴾ ''اور تاکہ تم راہ راست پر چلو۔'' یعنی جس سے سابقہ امتیں بھٹک گئی تھیں، ہم نے تمھیں اس کی ہدایت عطا فرمائی اور جس قبلے کو سابقہ ملتیں اختیار نہ کر سکیں، وہ ہم نے تمھارے لیے مخصوص کر دیا، یہی وجہ ہے کہ یہ امت سب سے اشرف وافضل امت ہے۔

تفسیر آیات: 152,151

رسول اللہ ﷺ کی بعثت عظیم ترین نعمت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے اس عظیم الشان احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ان میں اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جو ان میں اللہ تعالیٰ کی روشن آیات کی تلاوت کرتے اور اخلاق کی خرابیوں، نفسوں کی نجاستوں اور جاہلیت کے کاموں سے پاک کرتے ہیں، ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے آتے ہیں۔ انھیں کتاب، یعنی قرآن اور حکمت، یعنی سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور انھیں وہ باتیں بتاتے ہیں جو وہ نہیں جانتے تھے۔ اسلام سے قبل یہ لوگ بدترین جہالت میں مبتلا تھے، چکنی چپڑی اور بے وقوفی کی باتیں کرتے تھے لیکن آپ کی نبوت ورسالت کی وجہ سے اولیاء کے حالات اور علماء کی صفات کے علمبردار بن گئے اور سب لوگوں سے علم میں گہرے، دلوں کے پاکباز، تکلف میں کم اور گفتار کے سچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ (آل عمران 164:3) ''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھی میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے ہیں۔'' اور جو اس نعمت کی قدر نہ کرے، اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴾ (إبراهيم 28:14) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا؟''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾ میں اس نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ اللہ

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث: 3977 مگر یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بجائے عمرو بن دینار کا ہے۔

تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس عظیم الشان نعمت کا اعتراف کریں اور اس کے صلے میں ذکر و شکر کو اختیار کریں، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴾ ”سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔“ مجاہد ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جیسے میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے تم بھی میرا ذکر کرتے رہو۔[1] امام حسن بصری فرمان باری تعالیٰ: ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تم اس کو یاد کرو جو میں نے تم پر فرض کیا ہے، میں اسے یاد کروں گا جو میں نے اپنے اوپر فرض قرار دے رکھا ہے۔[2] اور صحیح حدیث میں ہے: [يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى:......(مَنْ) ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَ (مَنْ) ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ] ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے اسے میں اپنے آپ میں یاد کرتا ہوں اور جو جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر (فرشتوں کی) جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔“[3]

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنْ ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِكَ ذَكَرْتُكَ فِي نَفْسِي ، إِنْ ذَكَرْتَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُكَ فِي مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ ـ أَوْ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ ـ وَ إِنْ دَنَوْتَ مِنِّي شِبْرًا دَنَوْتُ مِنْكَ ذِرَاعًا ، وَّ إِنْ دَنَوْتَ مِنِّي ذِرَاعًا دَنَوْتُ مِنْكَ بَاعًا ، وَّ إِنْ أَتَيْتَنِي تَمْشِي أَتَيْتُكَ أُهَرْوِلُ] ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم! اگر تو اپنے دل میں میرا ذکر کرے گا تو میں اپنے آپ میں تیرا ذکر کروں گا، اگر تو جماعت میں میرا ذکر کرے گا تو میں فرشتوں کی جماعت میں یا یہ فرمایا کہ اس سے بہتر جماعت میں تیرا ذکر کروں گا۔ اگر تو ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ تیرے قریب آؤں گا اور اگر تو ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دونوں بازوؤں کے پھیلاؤ کی مقدار تیرے قریب آؤں گا اور اگر تو چل کر میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر تیرے پاس آؤں گا۔“[4] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا ہے۔[5]

اور فرمایا: ﴿ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴾ ”اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر بجالانے کا حکم دیا ہے اور شکر ادا کرنے پر مزید خیر و برکت سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:7) ”اور جب تمھارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ

---

[1] تفسير الطبري: 50/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 261/1. [3] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (آل عمران 3:30)، حديث: 7405 و صحيح مسلم، الذكر والدعاء......، باب الحث على ذكر الله تعالى، حديث: 2675 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ مطولاً، البتہ یہاں [مَنْ......] کے بجائے [إِنْ] ہے جبکہ [مَنْ......] مسند أحمد: 405/2 میں ہے۔ [4] مسند أحمد: 138/3. [5] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (آل عمران 3:30)، حديث: 7405.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿153﴾ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿153﴾ اور جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں،

يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿154﴾

انھیں تم مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے ﴿154﴾

اگر شکر کرو گے تو میں تمھیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) بڑا سخت ہے۔''

امام احمد نے ابو رجاء عُطارِدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما ہمارے پاس تشریف لائے تو انھوں نے ریشم کا نہایت قیمتی حلہ زیب تن فرما رکھا تھا جو ہم نے اس سے پہلے یا بعد میں کبھی آپ کے پاس نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى خَلْقِهٖ] ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نعمت سے سرفراز فرمائے تو وہ اس بات کو بھی پسند فرماتا ہے کہ اس کی مخلوق پر اس کی نعمت کے اثر کو دیکھا جائے۔'' رَوح کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: [عَلٰى عَبْدِهٖ] یعنی اس کے بندے پر اس کی نعمت کے اثر کو دیکھا جائے۔ ①

تفسیر آیات: 154,153

صبر اور نماز کی فضیلت: اللہ تعالیٰ نے شکر کا حکم دینے کے بعد اب صبر کا بیان شروع فرما دیا ہے اور راہنمائی فرمائی ہے کہ صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کی جائے کیونکہ بندہ یا تو حالت نعمت میں ہوتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے یا پھر حالت ابتلاء و آزمائش میں ہوتا ہے اور صبر کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [عَجَبًا لِّلْمُؤْمِنِ لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهٗ شَيْئًا إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ]، [إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ] ''مومن کا معاملہ انتہائی تعجب خیز ہے، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق جو بھی فیصلہ فرمائیں وہ اس کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے۔ اگر اسے خوشی کی کوئی بات نصیب ہو تو یہ شکر بجا لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے اور اگر اسے رنج اور غم کی کوئی بات پہنچے تو یہ صبر کرتا ہے اور صبر کا مظاہرہ کرنا بھی اس کے حق میں بہتر ثابت ہوتا ہے۔'' ②

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مصائب برداشت کرنے کے سلسلے میں سب سے بہتر مدد جس چیز سے لی جا سکتی ہے، وہ صبر اور نماز ہے جیسا کہ قبل ازیں حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ ۙ﴾ (البقرۃ 45:2) ''اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں ہے) جو عجز کرنے والے ہیں۔'' کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور حدیث میں ہے: [كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ إِذَا حَزَبَهٗ أَمْرٌ صَلّٰى] ''رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کی وجہ سے غم میں مبتلا ہوتے تو نماز شروع فرما دیتے تھے۔'' ③

---

① مسند أحمد: 438/4. ② صحیح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: 2999 عن صهيب رضی اللہ عنہ. لیکن اس کا ابتدائی حصہ: مسند أحمد: 24/5 عن أنس رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ ③ مسند أحمد: 388/5 و سنن أبي داود، التطوع، باب وقت قيام النبي ﷺ......، حديث: 1319 عن حذيفة رضی اللہ عنہ.

صبر کی اقسام: صبر کی دو قسمیں ہیں: (1) حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک پر صبر کیا جائے۔ (2) طاعت و تقرب الٰہی کے کاموں کے سرانجام دینے میں صبر کا مظاہرہ کیا جائے۔ ان میں سے اس دوسری قسم کے صبر پر زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اصل مقصود یہی ہے جبکہ صبر کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ مصائب اور مشکلات پر صبر کیا جائے، یہ صبر بھی واجب ہے جس طرح گناہوں سے استغفار واجب ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کر کے اس چیز کو اختیار کیا جائے جو اسے پسند ہو، خواہ وہ نفوس اور ابدان پر گراں ہی کیوں نہ گزرے۔

اور دوسرا یہ کہ اللہ ہی کے لیے اس چیز سے صبر کیا جائے جو اسے ناپسند ہو، خواہ خواہشات نفس اس کا تقاضا ہی کیوں نہ کریں۔ جو شخص صبر کی ان صورتوں کو اختیار کرے گا، اس کا شمار ان صبر کرنے والوں میں ہوگا جنھیں اللہ تعالیٰ سلام کہے گا۔ [1] إن شاء الله.

شہداء کی برزخی زندگی: ﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہا ہے کہ شہداء اپنے برزخ میں زندہ ہیں اور انھیں رزق بھی دیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

[أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَّهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟ قَالُوا: أَيَّ شَيْءٍ نَّشْتَهِي؟ وَ نَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا، فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُّتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُّسْأَلُوا، قَالُوا: يَارَبِّ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى، فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَّيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا]

''شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں، اور جنت میں جہاں سے چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں، پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں کے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہیں، اور جب بھی ان کا پروردگار ان کی طرف دیکھتا ہے اور فرماتا ہے: کیا تم کچھ چاہتے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم کیا چاہیں؟ جبکہ ہم تو جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں، اللہ تعالیٰ شہداء سے تین دفعہ یہی پوچھتا ہے، پھر جب وہ (شہداء) تصور کرتے ہیں کہ سوال کیے بغیر انھیں نہیں چھوڑا جائے گا تو وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پالن ہار! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم ایک بار پھر تیرے رستے میں شہید کر دیے جائیں، پھر جب باری تعالیٰ دیکھتا ہے کہ شہداء کو اور کسی شے کی ضرورت نہیں تو انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔'' [2]

ایک حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے، انھوں نے امام مالک سے، انھوں نے امام زہری سے،

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 262,261/1. [2] صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان أن أرواح الشھداء فی الجنة...... ، حدیث: 1887.

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ

اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے ﴿155﴾

الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾ اُولٰٓئِكَ

وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿156﴾ یہی

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿157﴾

لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں ﴿157﴾

انھوں نے عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَّعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يُرْجِعَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِلٰى جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ] ''بلاشبہ مومن کی روح ایک ایسا پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے (پھل وغیرہ) کھاتا رہتا ہے حتی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں لوٹا دے گا۔''[1] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عام مومن بھی برزخ میں زندہ ہیں، گو عزت و شرف اور تکریم و تعظیم کے طور پر قرآن مجید میں شہداء کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر آیات: 155-157

مومن کی آزمائش اور صبر کی وجہ سے اجر: اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو امتحان اور آزمائش کی کٹھن منزلوں سے گزارتا رہتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴾ (محمد 47:31) ''اور ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے تاکہ تم میں جو لڑائی کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، ان کو معلوم کریں اور تمھارے حالات جانچ لیں۔'' اللہ تعالیٰ کبھی خوشی و مسرت کا سامان فراہم کر کے آزماتا ہے اور کبھی خوف اور بھوک کے رنج میں مبتلا کر کے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ ﴾ (النحل 16:112) ''اللہ نے (ان کے اعمال کے سبب) ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔'' بھوکے پر بھوک اور ڈرنے والے پر خوف کا اثر چونکہ بالکل نمایاں اور ظاہر ہوتا ہے، اس لیے اسے بھوک اور خوف کے لباس سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اور یہاں فرمایا: ﴿ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ﴾ یعنی کسی قدر خوف اور بھوک سے ﴿ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ ﴾ ''اور مالوں کے نقصان سے'' ﴿ وَالْاَنْفُسِ ﴾ ''اور جانوں کے نقصان سے'' کہ دوست، رشتے دار اور احباب جامِ موت نوش کر جائیں۔ ﴿ وَالثَّمَرٰتِ ؕ ﴾ ''اور پھلوں کے نقصان سے'' یعنی باغات اور کھیت حسب معمول ثمر بار نہ ہوں۔ اور اسی وجہ سے فرمایا ہے: ﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ ﴾ ''اور صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دیجیے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ صابر کون ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے؟ فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾ ﴾ ''ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ

[1] مسند أحمد: 455/3.

ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' یعنی انھیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنی اسی بات کے ساتھ تسلی حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ اللہ ہی کا مال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور وہ اس حقیقت سے بھی خوب آگاہ ہیں کہ ذرّہ برابر چیز بھی روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہ ہوگی۔

اور یہ بات ان کے اس اعتراف سے عیاں ہے کہ وہ اس کے بندے ہیں اور آخرت میں اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے انھیں جو عطا کیا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے ثنا اور رحمت ہے۔ اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ عذاب سے امن بھی۔[1] ﴿ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ ﴾ ''اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔''

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جانور کی پشت پر اس کے دونوں طرف کے یہ بوجھ بھی بہت اچھے ہیں اور دونوں کے درمیان جو مزید سامان رکھ دیا گیا ہے یہ بھی بہت اچھا ہے۔[2] یعنی صلوات اور رحمت کی مثال ایسے ہے، جیسے جانور کی پیٹھ پر دونوں طرف کے بوجھ اور ہدایت کی مثال اس زائد بوجھ کی ہے جسے دونوں طرف کے سامان کے درمیان جانور کی پیٹھ پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو نہ صرف اجر و ثواب دیا گیا بلکہ مزید سے بھی نوازا گیا۔

مصیبت کے وقت ﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ ﴾ پڑھنے کی فضیلت: مصیبتوں کے وقت ﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ ﴾ پڑھنے کے ثواب کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، مثلاً: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک دن (میرے شوہر) ابوسلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آئے تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی بات سنی ہے جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے: [لَا يُصِيبُ أَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ مُصِيبَةٌ فَيَسْتَرْجِعُ عِنْدَ مُصِيبَتِهِ، ثُمَّ يَقُولُ : اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا فُعِلَ ذٰلِكَ بِهِ] ''جب بھی کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اس مصیبت کے وقت ﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ ﴾ پڑھ لے اور یہ دعا کرے: ''اے اللہ! میری اس مصیبت میں مجھے اجر دے اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما۔'' تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے۔''

ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے آپ سے سن کر یہ دعا یاد کر لی۔ اور جب ابوسلمہ (عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی) فوت ہوئے تو میں نے ﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ ﴾ پڑھا اور اس دعا کو بھی، پھر دل میں خیال آیا کہ ابوسلمہ سے بہتر شوہر کس طرح مل سکتا ہے؟ جب میری عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اندر تشریف لانے کی اجازت طلب فرمائی، میں اس وقت ایک کھال رنگ رہی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے درخت سَلَمْ (کیکر) کے پتوں (کے رنگ) کو دھویا، آپ کو اجازت

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 266/1. [2] المستدرك للحاکم، التفسیر: 270/2، حدیث: 3068 و سنن سعید بن منصور: 634/2، رقم: 233.

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے، اور جو

بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿158﴾

شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر کرنے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿158﴾

دی، آپ کی خدمت میں ایک تکیہ پیش کیا جو کھال سے بنا اور کھجور کے درخت کے ریشوں سے بھرا ہوا تھا، آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے مجھ سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپ جب اپنی بات ارشاد فرما چکے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے تو یہ بہت سعادت کی بات ہے لیکن میں ایک تو بہت باغیرت (بیوہ) عورت ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے عذاب میں مبتلا کر دے اور دوسری بات یہ کہ میں ایک عمر رسیدہ اور بچوں والی عورت ہوں۔

رسول ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا مَا ذَكَرْتِ مِنَ الْغَيْرَةِ فَسَوْفَ يُذْهِبُهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْكِ ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتِ مِنَ السِّنِّ، فَقَدْ أَصَابَنِي مِثْلُ الَّذِي أَصَابَكِ ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتِ مِنَ الْعِيَالِ فَإِنَّمَا عِيَالُكِ عِيَالِي] ”لیکن تم نے جو (بیوگی کی) غیرت کی بات کی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا، جہاں تک عمر کا تعلق ہے تو میں بھی تمھاری طرح عمر رسیدہ ہوں، اور جہاں تک بچوں کا تعلق ہے تو تمھارے بچے میرے بچے ہیں۔“ کہتی ہیں: (یہ ارشاد سن کر) میں نے (اپنے آپ کو) آپ ﷺ کے حوالے کر دیا تو اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شادی فرمالی، پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعی ابوسلمہ سے بہتر شوہر نامدار حضور اقدس ﷺ عطا فرما دیے۔ [1] صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث مختصراً بیان ہوئی ہے۔ [2]

تفسیر آیت:158

طواف صفا و مروہ کو گناہ سمجھنے کی تردید: امام احمد رحمہ اللہ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی: ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ ﴾ ”بے شک (کوہ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے۔“ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کے طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بھانجے! تم نے بہت بری بات کہی ہے، اگر بات ایسے ہوتی جیسے تم نے کہی ہے تو پھر الفاظ یہ ہوتے: [فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا] ”تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف نہ کرے۔“ بات یہ ہے کہ یہ آیت ان انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسلام سے قبل منات بت کے پاس لبیک کہتے تھے جس کی وہ مُشَلَّل کے پاس عبادت کیا کرتے تھے اور جو منات کے پاس لبیک کہہ دیتا، وہ صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتا تھا تو اس کے بارے میں سوال کرتے ہوئے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم زمانۂ جاہلیت میں تو صفا و مروہ کے طواف میں حرج سمجھتے تھے تو اس

[1] مسند أحمد: 28,27/4. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عندالمصيبة، حديث:918.

موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ ﴾.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے صفا و مروہ کے طواف کو مسنون قرار دے دیا، لہٰذا کسی کے لیے ان کے طواف کو ترک کرنا جائز نہیں۔[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام زہری رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ حدیث میں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رحمہ اللہ سے بیان کی تو (ابوبکر بن عبدالرحمٰن) حیران ہو گئے اور انھوں نے فرمایا: اس علم کو (تو میں نے نہیں سنا تھا) ہاں، البتہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا دیگر بعض اہل علم سے یہ ضرور سنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ ان دو پتھروں کے درمیان طواف جاہلیت کے کاموں میں سے ہے جبکہ بعض انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے، صفا و مروہ کے طواف کا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ ﴾. ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شاید یہ آیت ان دونوں قسم کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔[3] اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے،[4] نیز آپ نے اس سے ملتی جلتی حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔[5]

شعبی کہتے ہیں: اِساف کا بت صفا پر اور نائلہ کا مروہ پر تھا، زمانۂ جاہلیت میں لوگ انھیں چھوتے اور چومتے تھے، لہٰذا اسلام کی آمد کے بعد انھوں نے صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا۔[6]

سعی کا حکم اور اس کی بنیاد: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوئے تو رکن کی طرف تشریف لائے، اسے چھوا، پھر باب صفا سے نکل گئے اور آپ اس آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: [أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ] ''میں بھی اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔''[7] نسائی کی روایت میں الفاظ یہ ہیں: [نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ] ''ہم بھی اسی سے شروع کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔''[8]

امام احمد رحمہ اللہ نے حَبِیبہ بنت ابوتَجْرَاہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا و مروہ کے مابین طواف کرتے ہوئے دیکھا، لوگ آگے تھے آپ پیچھے تھے آپ سعی فرما رہے تھے۔ اور قدرے تیز دوڑنے کی وجہ سے میں آپ کے دونوں

---

[1] مسند أحمد: 144/6. [2] صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الصفا والمروة……، حديث: 1643 وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السعي بين الصفا والمروة ركن…… ، حديث: (261)-1277. [3] صحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السعي بين الصفا والمروة ركن……، حديث: (261)-1277. [4] صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الصفا والمروة……، حديث: 1643. [5] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ (158/2)، حديث: 4496 وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السعي بين الصفا……، حديث: 1278. [6] تفسير القرطبي: 179/2. [7] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [8] سنن النسائي، مناسك الحج، باب ذكر الصفا والمروة، حديث: 2972.

گھٹنوں کو دیکھ رہی تھی اور آپ کا تہ بند دونوں گھٹنوں کے مابین گھوم رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے: [اِسْعَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ] ''سعی کرو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض قرار دے دیا ہے۔''[1]

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ صفا و مروہ کے مابین سعی حج کا رکن ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے رکن نہیں، اگر کوئی جان بوجھ کر یا بھول کر اسے ترک کر دے تو ایک جانور ذبح کرنے سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعی مستحب ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ رکن یا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صفا و مروہ کے مابین طواف شعائر اللہ میں سے ہے، یعنی یہ ان امور میں سے ہے جنھیں مناسک حج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے[2] کہ سعی دراصل اس واقعہ کی یادگار ہے جب حضرت ہاجرہ اپنے بچے کے لیے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے مابین از خود رفتہ ہو کر دوڑی تھیں جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں یہاں چھوڑ گئے تھے اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا تھا، یہاں کوئی اور انسان بھی موجود نہ تھا۔ اور جب انھیں بچے کی جان کے بارے میں خوف محسوس ہوا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور صفا و مروہ کے مابین اس مقدس اور مبارک وادی میں عجب بے بسی، بے کسی، بے قراری اور غم و اضطراب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پریشانی کو دور فرما دیا، بے قراری کو سکون بخش دیا، غم کو فرحت سے بدل دیا اور ان کے لیے زمزم کو پیدا فرما دیا جس کا پانی کھانے کا کام بھی دیتا ہے[3] اور بیماری سے شفا کا بھی۔[4]

صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے والے کو چاہیے کہ وہ بھی اللہ ہی کے سامنے اپنے فقر و ذلت اور حاجت کا اظہار کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دے، اس کے حال کی اصلاح کرے اور اس کے گناہ معاف کرے، سعی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ اقدس میں التجا کرنی چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ اسے نقائص و عیوب سے پاک فرما دے، صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے، تا دم واپسیں اسی پر ثابت قدم رکھے اور گناہوں اور معاصی کی موجودہ حالت کو بدل کر مغفرت، رشد و بھلائی اور استقامت کی حالتِ کمال پر اسی طرح پہنچا دے جس طرح اس نے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازا تھا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ ''اور جو کوئی خوش دلی سے نیک کام کرے۔'' اس نیک کام سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ صفا و مروہ کے مابین طواف کرتے ہوئے قدر واجب سے زائد، یعنی آٹھ یا نو چکر لگا لے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نفلی حج یا عمرہ میں بھی سعی کرے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کوئی تمام عبادات ہی

---

[1] مسند أحمد: 422,421/6. [2] دیکھیے البقرۃ، آیت: 128 کے ذیل میں۔ [3] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي ذر رضی اللہ عنہ، حدیث: 2473 مطوّلًا. اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: [إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ]. [4] المطالب العالية لابن حجر العسقلاني، الحج، باب فضل زمزم: 368/1، حدیث: 1242,1241 و کشف الأستار: 1172,1171 عن أبي ذر رضی اللہ عنہ و مجمع الزوائد: 286/3 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 1056.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ

بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ صریح دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿159﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ﴿159﴾ مگر وہ لوگ کہ جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر

وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿160﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

لی اور (حق کو) کھول کر بیان کیا تو وہی لوگ ہیں جنکی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہوں ﴿160﴾

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿161﴾ ۙ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے ﴿161﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿162﴾

وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی ﴿162﴾

میں خوشی خوشی کوئی کام کرے۔

یہ اقوال امام رازی نے بیان کیے ہیں اور ان میں سے تیسرے قول کو امام حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔[1] واللہ أعلم.

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿158﴾﴾ ”بے شک اللہ قدر شناس اور خوب جاننے والا ہے۔“ کہ وہ تھوڑے عمل کا بھی بے پایاں ثواب عطا فرماتا ہے اور جزا و ثواب کی مقدار کو بھی خوب جانتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کو کم ثواب عطا فرمائے بلکہ اس کی تو شان یہ ہے: ﴿لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ○﴾ (النسآء 4:40) ”اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔“

تفسیر آیات: 159-162

دینی احکام چھپانے والوں کے لیے دائمی لعنت: یہ وعید شدید اس شخص کے لیے ہے جو صحیح مقاصد کے لیے انبیائے کرام کے لائے ہوئے روشن دلائل اور دلوں کے لیے نفع بخش ہدایت کو چھپائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کے لیے ان کتابوں میں واضح فرما دیا ہے جنھیں اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا۔

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کو چھپایا تھا۔[2] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا کرنے والوں پر ہر چیز لعنت کرتی ہے جیسا کہ عالم کے لیے ہر چیز حتی کہ مچھلیاں پانی میں[3] اور

---

① تفسیر الرازی: 161/4۔ صفا اور مروہ کا نقشہ سورہ بقرہ، آیات 126-128 کے ذیل میں دیکھیے۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 285/1. ③ سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث:3641 وجامع الترمذی، العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه......، حديث:2682.

پرندے فضا میں مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔① لیکن ان علم چھپانے والوں کا طرز عمل چونکہ ان کے خلاف ہے، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ اور دیگر سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

ایک مسند حدیث میں، جس کے بعض طرق بعض کے لیے باعث تقویت ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ ، أُلْجِمَ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جس سے علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ اسے چھپائے تو اسے روز قیامت جہنم کی آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔''②

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیتیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿159﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿160﴾﴾ ''بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ کہ جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور (حق کو) کھول کر بیان کیا تو وہی لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہوں۔'' نہ ہوتیں تو میں کسی سے کچھ بھی بیان نہ کرتا۔③

مجاہد فرماتے ہیں کہ جب زمین میں قحط سالی کی حالت ہو تو جانور کہتے ہیں کہ یہ گناہ گار بنی آدم کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ نافرمان انسانوں پر لعنت فرمائے۔④ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿159﴾﴾ ''اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ فرشتے اور مومن ان پر لعنت کرتے ہیں۔⑤

حدیث میں آیا ہے: [إِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ] ''بلا شبہ عالم کے لیے آسمان و زمین میں ہر چیز اور مچھلیاں پانی کے اندر بخشش کی دعا کرتی ہیں۔''⑥ اور اس آیت کریمہ میں ہے کہ علم چھپانے والے پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں اور دیگر تمام لعنت کرنے والے بھی، خواہ وہ باز بان ہوں یا بے زبان، زبان قال سے یا زبان حال سے اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت کریں گے۔ واللہ أعلم.

---

① یہ بات اس حدیث کے عموم، یعنی: [يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ] ''جو کوئی آسمانوں میں ہے اس کے لیے بخشش کی دعا کرتا ہے۔'' سے تو نکل سکتی ہے کیونکہ پرندے بھی اس میں شامل ہیں، البتہ وہ حدیث جس میں: [وَالطَّيْرُ فِي جَوِّ السَّمَاءِ] ''پرندے فضا میں (مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔)'' کے الفاظ ہیں ضعیف ہے، دیکھیے الترغيب والترهيب، حديث:126 ومجمع الزوائد:124/1. ② مسند أحمد:305/2 وسنن أبي داود، العلم، باب كراهية منع العلم، حديث:3656 عن أبي هريرة رضي الله عنه وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه، حديث:264 عن أنس بن مالك رضي الله عنه وحديث:265 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ومسند أبي يعلى:2585 عن ابن عباس رضي الله عنهما. ③ صحيح البخاري، العلم، باب حفظ العلم، حديث:118 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة رضي الله عنه، حديث:2492 بعد الحديث:2493. ④ تفسير ابن أبي حاتم:269/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:269/1. ⑥ سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث:3641.

19 ع 11 3

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾ ع

اور تمھارا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿163﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے توبہ کرنے والوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا ﴾ یعنی جن لوگوں نے اپنی سابقہ زندگی کے گناہوں سے رجوع کر لیا، اپنے اعمال واحوال کی اصلاح کر لی اور جسے پہلے وہ چھپاتے تھے، اسے لوگوں کے سامنے واضح کر دیا، ﴿ فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿160﴾ ﴾ ''تو میں ان کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم والا ہوں۔''

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی کفر و بدعت کا داعی بھی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے لیکن جو کفر کی روش اختیار کریں اور تا دم واپسیں کفر ہی پر قائم رہیں ﴿ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿161﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ﴾ ''تو ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، وہ ہمیشہ اسی لعنت میں گرفتار رہیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن تک ان پر یہ لعنت برستی رہے گی، پھر جہنم کی آگ میں بھی ان کے ساتھ ہی جائے گی اور ﴿ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ﴾ ''ان سے نہ تو عذاب ہلکا ہی کیا جائے گا۔'' ﴿ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿162﴾ ﴾ ''اور نہ انھیں کچھ مہلت ملے گی۔'' یعنی لمحہ بھر کے لیے بھی ان سے لعنت کو ختم نہیں کیا جائے گا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تواتر وتسلسل کے ساتھ ان پر لعنت برستی رہے گی۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

کافروں پر لعنت کا جواز: کفار پر لعنت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد کے ائمہ قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت کیا کرتے تھے۔[1]

ہاں، البتہ کسی معین کافر کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس پر لعنت نہ کی جائے کیونکہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ کس حال پر فرمائے گا۔ ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ کسی معین کافر پر لعنت کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اس نشہ باز کے قصے میں مذکور ہے جسے نشہ کرنے کی وجہ سے (بار بار) حد لگائی گئی تھی اور ایک شخص نے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے کس قدر کثرت سے اسے پکڑ کر لایا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: [لَا تَلْعَنْهُ، فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ] ''اس پر لعنت نہ کرو کیونکہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔''[2] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہ ہو تو اس پر لعنت کی جا سکتی ہے۔ واللّٰه أعلم.

تفسیر آیت:163

[1] ماخوذ از صحیح ابن خزیمة، باب ذكر الدليل على أن النبي ﷺ إنّما أوتر......:155/2، حديث:1100 والموطأ للإمام مالك، الصلاة في رمضان، باب ماجاء في قيام رمضان:39/1، حديث:258. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب ما يكره من لعن شارب الخمر......، حديث:6780 عن عمر رضی اللہ عنہ. اس مسئلے کی تفصیل کے لیے صحيح البخاري، حديث: 4069، 6256 کی شروح دیکھیے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں ان چیزوں کو لیے چلتی

الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں اور اللہ کے نازل کردہ آسمانی پانی میں کہ پھر اس کے ذریعے سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی زندہ کیا اور ان ہر قسم کے جانوروں

مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ

میں جو اس نے زمین میں پھیلائے ہیں اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان پابند کر دیے گئے ہیں، (ان سب

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾

میں) ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں ﴿164﴾

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ وہ اپنی الوہیت میں اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں بلکہ وہ اللہ واحد، احد، یکتا اور بے نیاز ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان دو پاک ناموں رحمٰن اور رحیم کی تفسیر سورۂ فاتحہ کے شروع میں بیان کی جا چکی ہے۔

اور شہر بن حوشب کی حدیث میں ہے جسے انھوں نے اسماء بنت یزید بن سکن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِسْمُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ فِی هَاتَیْنِ الْآیَتَیْنِ] ''اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: (1) ﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿163﴾ ﴾ ''اور تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔'' اور (2) ﴿ الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ ﴾ (آل عمران 3:1,2) ''الم۔ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو سنبھالنے والا ہے۔''[1]

تفسیر آیت:164

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت میں اپنے یکتا ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو وجود بخشا ہے اور اسی نے تمام مخلوقات کو جو پیدا فرمایا ہے، یہ سب اس کی وحدانیت کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔

دلائل توحید: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔'' یعنی آسمانوں کی رفعت، لطافت، وسعت، نجوم وکواکب، ستاروں اور سیاروں اور فلک پر ان کی گردش میں اور زمین اور اس کی کثافت، پستی، اور اس کے پہاڑوں، سمندروں، جنگلوں، بیابانوں، آبادیوں اور ان منافع میں جو اس میں رکھ دیے گئے ہیں۔

﴿ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ ''اور رات دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں۔'' یعنی ان میں سے ایک آتا اور دوسرا چلا جاتا ہے کہ لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں رکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا

[1] سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، حدیث: 1496.

اَلَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:40) ”نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔“ کبھی دن لمبا ہو جاتا ہے اور کبھی رات، کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں آ جاتا اور کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جاتا ہے، پھر ایک دوسرے کو کاٹنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ﴾ (الحج 22:61) ”وہی (اللہ) رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔“ یعنی رات کے حصے کو دن میں اور دن کے کچھ حصے کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

﴿ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ ﴾ ”اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں لوگوں کے فائدے کے لیے رواں ہیں۔“ یعنی دریاؤں اور سمندروں کے مسخر کرنے میں جو کشتیوں اور جہازوں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچا دیتے ہیں، اور اس طرح ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کی معیشت و تجارت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

﴿ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ﴾ ”اور بارش میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اٰیَۃٌ لَّہُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَیۡتَۃُ ۚۖ اَحۡیَیۡنٰہَا وَ اَخۡرَجۡنَا مِنۡہَا حَبًّا فَمِنۡہُ یَاۡکُلُوۡنَ ○ وَ جَعَلۡنَا فِیۡہَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ وَّ فَجَّرۡنَا فِیۡہَا مِنَ الۡعُیُوۡنِ ○ۙ لِیَاۡکُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتۡہُ اَیۡدِیۡہِمۡ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ○ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:33-36) ”اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اسی میں سے اناج اگایا، پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور اسی میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس میں چشمے جاری کر دیے تاکہ وہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو نہیں بنائے، پھر کیا یہ شکر نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔“

﴿ وَ بَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ ﴾ ”اور زمین پر ہر قسم کے جانوروں میں جو اس نے پھیلائے ہیں۔“ جو کہ شکلوں، رنگوں، منفعتوں اور چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے مختلف ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا اور رزق عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے لیے ان میں سے کوئی ایک بھی مخفی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَ مُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ○ ﴾ (ھود 11:6) ”اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے، وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔“

﴿ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ ﴾ ”اور ہواؤں کے چلانے میں۔“ کہ ہوا کبھی رحمت لے کر آتی ہے اور کبھی عذاب اور کبھی بادلوں کے آگے آگے بشارت لے کر آتی ہے، کبھی بادلوں کو چلاتی ہے، کبھی جمع کر دیتی ہے، کبھی الگ الگ کر دیتی ہے، کبھی شمال [1]

[1] تفسیر ابن کثیر کے متداول نسخوں میں جنوب کا لفظ ہے جبکہ شمال ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا، دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، وہ ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت (کرنی چاہیے) اور ایمان والے

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں، اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر وہ (اس وقت کو دنیا ہی میں) دیکھ لیں جب وہ عذاب دیکھیں گے (تو یہ جان لیں کہ) بے شک

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ

ساری کی ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ شدید عذاب والا ہے ﴿165﴾ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بیزار ہو

اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ

جائیں گے جنھوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے تمام تعلقات کٹ جائیں گے ﴿166﴾ اور جن لوگوں نے پیروی کی تھی، وہ کہیں

اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

گے: کاش کہ ہمارے لیے ایک بار (دنیا میں) واپسی ہو تو ہم بھی ان لوگوں سے اسی طرح بیزار ہو جائیں جس طرح وہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح

اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾ ع

اللہ ان کے اعمال کو ناکام خواہش بنا کر ان کے سامنے دکھائے گا اور وہ آگ کے عذاب سے نکلنے والے نہیں ہوں گے ﴿167﴾

کی طرف سے آتی ہے جسے شامی کہا جاتا ہے، کبھی یمن کی طرف سے آتی ہے، کبھی بادِ صبا آتی ہے اور اس سے مراد وہ ہے جو مشرق کی طرف سے آتی اور کعبے کے رخ سے ٹکراتی ہے، کبھی بادِ پچھّم آتی ہے، یہ مغربی جانب، یعنی کعبے کی پشت کی طرف سے آنے والی ہوا ہوتی ہے۔ لوگوں نے ہواؤں، بارش اور ستاروں کے لغات و احکام سے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کا یہاں ذکر موجب طوالت ہوگا۔ و اللہ أعلم.

﴿ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور مشیت سے جن زمینوں اور علاقوں کی طرف چاہتا ہے، انھیں لے جاتا ہے۔

﴿ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾ ﴾ ”عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“ یعنی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی روشن دلیلیں ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ ﴾ (آل عمران 3:190,191) ”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان، زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“

تفسیر آیات: 165-167

مشرکوں کے دنیا و آخرت کے حالات اور قیامت کے دن پیشواؤں کا اپنے پیروؤں سے بیزار ہونا: اللہ تعالیٰ یہاں یہ ذکر فرما رہا ہے کہ مشرکوں کا دنیا میں کیا حال ہے اور آخرت میں ان کا کیا انجام ہوگا کہ دنیا میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی عبادت کی اور ان سے اس طرح محبت کی جس طرح اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے، حالانکہ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی مقابل ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر اور نہ کوئی شریک۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:[أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا فرمایا ہے۔''[1] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ ''لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔'' یعنی انھیں اللہ تعالیٰ سے جو محبت اور اس کی مکمل معرفت حاصل ہے اور ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت و توقیر اور توحید کا جو نقش بیٹھا ہوا ہے اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے بلکہ اسی وحدہ لا شریک ہی کی عبادت کرتے، اسی کی ذات گرامی پر توکل کرتے اور اپنے تمام امور میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شرک کرنے والوں اور خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر وہ (اس وقت کو دنیا ہی میں) دیکھ لیں جب وہ عذاب دیکھیں گے (تو یہ جان لیں کہ) بے شک سب کی سب طاقت اللہ ہی کے لیے ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے کاش! انھیں اب وہ حقیقت معلوم ہو جائے جس کا وہاں معائنہ کریں گے اور اپنے شرک و کفر کی وجہ سے انتہائی ہولناک اور خطرناک صورتحال کا سامنا کریں گے تو اس ضلالت و گمراہی سے باز آ جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے بتوں کا انکار کر دیں گے اور پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے، پس فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ﴾ ''جب پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔'' جن فرشتوں کے بارے میں وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ دنیا میں ان کی عبادت کرتے رہے ہیں، وہ فرشتے کہیں گے:[2] ﴿ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ○ ﴾ (القصص 63:28) ''ہم تیری طرف (متوجہ ہو کر) ان سے بیزار ہوتے ہیں کہ یہ ہمیں پوجتے ہی نہیں تھے۔'' اور وہ کہیں گے: ﴿ سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (سبا 41:34) ''تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ کہ یہ بلکہ یہ تو جنات کی پوجا کرتے تھے اور اکثر ان ہی کو مانتے تھے۔'' جنّ بھی ان سے اظہار براءت کرتے ہوئے ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ

---

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (البقرة 22:2)، حديث: 7520 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب......، حديث: 86. [2] اس آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتوں کی بات نہیں جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں صراحت بھی کی ہے۔ و الله أعلم.

اَعۡدَآءً وَّ كَانُوۡا بِعِبَادَتِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ۝ (الأحقاف 6,5:46) ”اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے۔“ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ۝ (مریم 82,81:19) ”اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے موجب عزت ہوں۔ ہرگز نہیں، وہ (معبودان باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔“

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ بِبَعۡضٍ وَّيَلۡعَنُ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ۫ وَّمَاۡوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝ (العنکبوت 25:29) ”تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو یہ محض دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کی وجہ سے ہے، پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوۡ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۖۚ يَرۡجِعُ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضِ اۨلۡقَوۡلَ ۚ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا لَوۡلَاۤ اَنۡتُمۡ لَكُنَّا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡۤا اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰكُمۡ عَنِ الۡهُدٰى بَعۡدَ اِذۡ جَآءَكُمۡ بَلۡ كُنۡتُمۡ مُّجۡرِمِيۡنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا بَلۡ مَكۡرُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجۡعَلَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ وَجَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِىۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝ (سبا 34:31-33) ”اور (اے نبی!) کاش (ان) ظالموں کو آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے تو جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے۔ بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمھارے پاس آ چکی تھی، روکا تھا (نہیں) بلکہ تم ہی گناہ گار تھے۔ اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے: (نہیں) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو دل میں پشیمان ہوں گے۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس جو وہ عمل کرتے تھے انھی کا ان کو بدلہ ملے گا۔“ اور فرمایا: وَ قَالَ الشَّيۡطٰنُ لَمَّا قُضِىَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَـقِّ وَوَعَدْتُّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُكُمۡ ؕ وَمَا كَانَ لِىَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِىۡ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِىۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِكُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِىَّ ؕ اِنِّىۡ كَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَكۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ (إبراهيم 22:14) ”اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں، میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمْ

اے لوگو! تم ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿168﴾

عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿168﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿169﴾

بس وہ تو تمھیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے ﴿169﴾

(جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمھاری فریادرسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریادرسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے، بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ ﴾ ''اور (دونوں) عذاب (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔'' یعنی جب وہ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو ان کے تمام حیلے بہانے اور عذاب سے نجات کے اسباب ختم ہو جائیں گے اور عذاب سے بچنے کی کوئی صورت اور کوئی تدبیر نہ پائیں گے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ان کی محبت ختم ہو جائے گی۔[1] ابن ابونجیح کی روایت کے مطابق مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ ﴾ ''(یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش! ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہو جائیں۔'' یعنی اگر ہمیں ایک بار پھر دنیا میں جانا نصیب ہو جائے تو ہم بھی ان سے اور ان کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے اور ان کی طرف قطعاً کوئی التفات نہ کریں گے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے، حالانکہ وہ یہ بات کرنے میں جھوٹے ہوں گے کیونکہ اگر انھیں دنیا میں لوٹنے کا موقع دیا جائے تو یہ جھوٹے پھر اپنی اسی سابقہ روش ہی کی طرف پلٹ آئیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہمیں بتلایا ہے اور اسی لیے تو فرمایا: ﴿ کَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ ﴾ ''اس طرح اللہ ان کو ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھائے گا۔'' یعنی ان کے اعمال ختم اور مضمحل ہو کر رہ جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ ﴾ (الفرقان 25:23) ''اور جو انھوں نے عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ ۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ ﴾ (إبراھیم 18:14) ''جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ آندھی کے دن اس پر زور کی ہوا چلے (اور) اسے اڑا لے جائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ ﴾ (النور 39:24) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے

[1] تفسیر الطبری: 98/2. [2] تفسیر الطبری: 98/2.

اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے۔'' اور اسی لیے تو فرمایا: ﴿ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴾ ''اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔''

تفسیر آیات: 169,168

حلال کھانے کا حکم اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور صرف اور صرف وہی تمام مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے تو اب اس نے اس بات کو بیان فرمانا شروع کیا ہے کہ اپنی تمام مخلوق کو رزق پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ اس نے بطور احسان اس کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اس بات کو جائز قرار دے دیا ہے کہ اس کے بندے اس کی طرف سے زمین کی حلال اور طیب قرار دی گئی چیزوں کو کھائیں، یعنی ایسی چیزیں جو بجائے خود پاک بھی ہیں اور جسموں اور عقلوں کے لیے نقصان دہ بھی نہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شیطان کے قدموں پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ شیطان کے قدموں سے مراد اس کے وہ طریقے اور راستے ہیں جن پر چلا کر اس نے اپنے ماننے والوں کو ضلالت وگمراہی میں مبتلا کر دیا کہ انھوں نے بَحِيرَة ، سَائِبة اور وَصِيلَة وغیرہ جانوروں کو حرام قرار دے لیا۔[1]

اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو شیطان نے خوب اچھی طرح ان میں مبتلا کر دیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں عیاض بن حمار سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا! إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي...... كُلُّ مَالٍ نَّحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ ـ وَّ فِيهِ ـ وَ إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ......] ''لوگو متنبہ ہو جاؤ! میرے پالنہار نے مجھے حکم دیا ہے کہ۔۔ ہر وہ مال جو میں نے اپنے بندوں کو عطا فرمایا وہ ان کے لیے حلال ہے۔ اس حدیث قدسی میں یہ بھی ہے کہ۔۔ میں نے اپنے بندوں کو اس طرح پیدا کیا تھا کہ وہ سب سے کٹ کر صرف اسی کی طرف متوجہ تھے مگر شیطان ان کے پاس آئے اور انھوں نے انھیں دین سے دور کر دیا اور ان چیزوں کو حرام قرار دلایا جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ ''وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔'' یہ شیطان سے نفرت دلانے اور اس سے بچانے کے لیے فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ﴾ (فاطر 6:35) ''شیطان تمھارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔'' اور ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ (الکھف 50:18) ''کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں۔ اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔''

امام قتادہ اور سدی ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی شیطان کے نقش

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں المآئدة ، آیت: 103 کی تفسیر۔ [2] صحيح مسلم، الجنة و نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة و أهل النار، حديث: 2865.

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس (قرآن) کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں: (نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم

ءَابَآءَنَآ ۗ أَوَلَوْ كَانَ ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿170﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ

نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا (وہ پیروی کریں گے) اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ انھوں نے راہ ہدایت ہی پائی ہو؟ ﴿170﴾ اور جن لوگوں نے

كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِى يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَنِدَآءً ۚ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ

کفر کیا، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس (جانور) کو پکارتا ہے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں سنتا۔ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں،

فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿171﴾

اس لیے وہ عقل نہیں رکھتے ﴿171﴾

قدم پر چلنے کا نام ہے۔[1] عبد بن حُمَید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ قسم اور نذر جس کا اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے تعلق ہو، وہ شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿169﴾﴾ ”وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں (کچھ بھی) علم نہیں۔“ یعنی تمھارا یہ دشمن شیطان تمھیں برے برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے جن میں سے بدترین کام بدکاری ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ برا کام یہ ہے کہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف کسی بات کو منسوب کیا جائے۔ یاد رہے! اس حکم میں ہر کافر اور بدعتی داخل ہے۔

تفسیر آیات: 171,170

مشرک تقلید کرتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان کافروں مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور اپنی ضلالت و جہالت کو ترک کر دو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے آباء واجداد کو اصنام و انداد کی عبادت پر پایا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿أَوَلَوْ كَانَ ءَابَآؤُهُمْ﴾ ”اگرچہ ان کے باپ دادا“ یعنی ان کے وہ آباء واجداد جن کی یہ اقتدا کرتے ہیں اور جن کے یہ نقش قدم پر چلتے ہیں ﴿لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿170﴾﴾ ”کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ انھوں نے راہِ ہدایت ہی پائی ہو۔“ یعنی فہم وہدایت سے محروم ہوں تو کیا پھر بھی وہ انھی کی تقلید کیے جائیں گے؟ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تھی تو انھوں نے جواب میں یہی کہا تھا کہ نہیں بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[3]

مشرک حیوان کی طرح ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک مثال بیان کی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 281/1. [2] الدر المنثور: 305/1. [3] تفسیر الطبري: 108,107/2.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿172﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں رزق کے طور پر دی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

ہو ﴿172﴾ اللہ نے تو تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز حرام کی ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے، پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾

سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿173﴾

بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ ﴾ (النحل 60:16) ''جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، انھی کے لیے بری مثال ہے۔'' چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ﴾ ''جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس (جانور) کو پکارتا ہے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں سنتا۔'' یعنی وہ حماقت، ضلالت اور جہالت کے اعتبار سے ان جانوروں کی طرح ہیں جو اس بات کو سمجھتے ہی نہیں جو ان سے کہی جاتی ہے، انھیں چرانے والا جب بھی کسی ایسی بات کی طرف پکارتا ہے جس میں ان کی بھلائی ہو تو وہ اسے قطعاً نہیں سمجھتے بلکہ اس کی صرف آواز کو سنتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، عطاء، حسن، قتادہ، عطاء خراسانی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ ﴾ ''(یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔'' یعنی حق سننے سے بہرے ہیں، حق بولنے سے گونگے ہیں اور حق کے طریقے اور راستے کو دیکھنے سے اندھے ہیں۔ ﴿ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿171﴾ ﴾ یعنی پس یہ نہ عقل رکھتے ہیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

تفسیر آیات: 173,172

پاک چیزیں کھانے کا حکم اور حرام کا بیان: اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ ان پاک چیزوں کو کھائیں جن کا اللہ تعالیٰ نے انھیں رزق عطا فرمایا اور اگر وہ اس کی بندگی کا دم بھرتے ہیں تو پھر اس کی ان نعمتوں پر اس کا شکر بھی بجالائیں۔ رزق حلال کھانا دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے جیسا کہ رزق حرام دعا اور عبادت کی قبولیت میں مانع ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَّا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَّ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ ، فَقَالَ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (المؤمنون 51:23) وَقَالَ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُهُ حَرَامٌ ، وَّمَلْبَسُهُ حَرَامٌ ، وَّغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ ؟]

[1] تفسير ابن أبي حاتم :282/1.

''لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک ہی کو قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا، رسولوں کو اس نے یہ حکم دیا تھا: ﴿ يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:51) ''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور بھلے کام کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں۔'' اور مومنوں سے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ''اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔'' پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، پریشان حال اور غبار آلود ہے، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے: یارب! یارب! مگر اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، مال حرام ہی کے ساتھ اس نے پرورش پائی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟''[1] اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رزق کا احسان فرمایا اور پاکیزہ چیزیں کھانے کے لیے ان کی رہنمائی کی تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر فرما دیا کہ اس نے ان کے لیے صرف مردار کو حرام قرار دیا ہے، اس سے مراد وہ جانور ہے جو ذبح کیے بغیر از خود مر جائے، خواہ وہ گلا گھوٹنے سے مرے یا چوٹ لگنے سے یا گر کر یا سینگ لگنے سے یا کسی درندے نے اس پر حملہ کیا ہو۔

ہاں، البتہ سمندر کا مرا ہوا جانور اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ ﴾ (المائدۃ 5:96) ''تمھارے لیے دریا (کی چیزوں) کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔'' عنقریب، ان شاء اللہ تعالیٰ، اس کی تفصیل آئے گی اور جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں عَنْبَر نامی بہت بڑی مچھلی کا مردہ ملنا، صحابہ کا اسے کھانا اور نبی ﷺ کا انکار نہ کرنا آیا ہے۔[3] مسند، موطأ اور سنن میں نبیٔ اکرم ﷺ کا دریا کے بارے میں یہ فرمان موجود ہے: [هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ] ''اس کا پانی پاک اور مردار حلال ہے۔''[4]

امام شافعی، احمد، ابن ماجہ اور دارقطنی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا روایت کیا ہے: [أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ] ''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال قرار دیے گئے ہیں: دو مردار: مچھلی اور ٹڈی، دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔''[5] ان مسائل کی تفصیل سورۂ مائدہ میں بیان کی جائے گی۔[6] إن شاء الله.

---

[1] مسند أحمد:328/2. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، حديث:1015 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2989 . [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة سيف البحر......، حديث:4361. [4] مسند أحمد:365/5 والموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الطهور للوضوء، حديث: 45 وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث:83 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحرأنه طهور، حديث:69 وسنن النسائي، المياه، باب الوضوء بماء البحر، حديث :333 وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 386. [5] كتاب الأم للشافعي، الصيد والذبائح، باب ذكاة الجراد والحيتان:177/3 و مسند أحمد:97/2 و سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الكبد والطحال، حديث:3314 وسنن الدارقطني، الأشربة وغيرها، باب الصيد والذبائح والأطعمة وغير ذلك، حديث:4687 واللفظ لابن ماجه. [6] دیکھیے المائدۃ، آیت :3 کے ذیل میں۔

مردار کا دودھ اور اسی طرح مردہ جانور کا انڈا جو ابھی تک اس کے پیٹ میں ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور کئی دیگر کے نزدیک نجس ہے کیونکہ یہ اسی کے جسم کا حصہ ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ ہے تو پاک لیکن نجس کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ناپاک ہے۔ اسی طرح مردار کی إِنْفَحَة[1] کے بارے میں بھی اختلاف ہے، ائمۂ کرام کے نزدیک مشہور بات یہ ہے کہ یہ ناپاک ہے، گو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مجوس کے پنیر کو کھانا ان کے خلاف بطور اعتراض پیش کیا جا سکتا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس جگہ اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں دودھ کی مقدار بہت ہی قلیل ہوتی ہے اور اگر بہت کثیر مائع چیز میں بہت قلیل مقدار میں نجاست گر جائے تو وہ قابل معافی ہے۔[2]

ابن ماجہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور جنگلی گدھے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [اَلْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ] ”حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اس نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس سے اس نے سکوت فرمایا ہے وہ قابل معافی ہے۔“[3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سؤر کے گوشت کو بھی حرام قرار دیا ہے، خواہ اسے ذبح کیا گیا ہو یا وہ اپنی موت آپ مرا ہو۔ سؤر کی چربی کا حکم بھی وہی ہے جو اس کے گوشت کا ہے اور یہ حکم یا تو تغلیباً ہے یا اس لیے کہ گوشت کا لفظ چربی کو بھی شامل ہے یا پھر یہ بطریق قیاس حرام ہے۔ اسی طرح اس نے ہر اس چیز کو بھی حرام قرار دیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، یعنی اسے اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں، شریکوں اور تیروں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان کے نام پر اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اثر کو بیان کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ بعض عجمی لوگ اپنی عیدوں میں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، پھر ان کے گوشت کا مسلمانوں کو تحفہ بھی دے دیتے ہیں؟ فرمایا: جو انھوں نے اپنے اس خاص دن کے لیے ذبح کیا ہو، اسے نہ کھاؤ اور ان کے درختوں (کے پھلوں) کو کھا لو۔[4]

مضطر اور ناچار کے لیے حرام کھانا جائز ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور احتیاج کے وقت جبکہ کھانے کی دوسری چیزیں موجود نہ ہوں، حرام کھانے کی بھی اجازت دے دی ہے اور فرمایا: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ ”ہاں، جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے۔“ یعنی مجبور و بے بس ہو جائے اور سرکشی و دشمنی کی وجہ سے حد سے تجاوز نہ کرنا چاہے: ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ”تو اس پر (اس کے کھانے کی وجہ سے) کچھ گناہ نہیں ہوگا۔“ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾﴾ ”بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔“

---

[1] بچھڑوں اور بکری کے بچوں کے معدے کا ایک مادہ جس کے ذریعے سے دودھ کا پنیر بنایا جاتا ہے۔ [2] تفسير القرطبي: 221/2.

[3] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب أكل الجبن والسمن، حديث: 3367. [4] تفسير القرطبي: 224/2 و المصنف لابن أبي شيبة: 125/5، رقم: 24361 .

مجاہد فرماتے ہیں کہ جو شخص ناچار ہو جائے اور وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے، حد سے تجاوز نہ کرے، رہزن نہ ہو، حکمرانوں کا مخالف نہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے نہ نکلا ہو تو اس کے لیے حرام کھانے کی رخصت ہے۔ اور جو شخص سرکشی، دشمنی اور اللہ کی نافرمانی کے لیے نکلا ہو تو اس کے لیے اضطراری حالت میں بھی حرام کھانے کی رخصت نہیں ہے۔[1] سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

سعید بن جبیر سے ایک دوسری روایت میں، نیز مُقاتِل بن حَیّان سے مروی ہے کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ ﴿ غَيْرَ بَاغٍ ﴾ یعنی مردار کا طلب گار نہ ہو ﴿ وَّلَا عَادٍ ﴾ اور مردار کھانے میں حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو۔[4] قتادہ بھی فرماتے ہیں کہ مردار کے کھانے میں سرکشی کرنے والا نہ ہو، یعنی حلال سے تجاوز کر کے حرام کو اختیار کرنے والا نہ ہو جبکہ وہ اس سے بچ سکتا ہو۔[5]

مسئلہ: ایک شخص جو بھوک کے مارے مجبور و بے بس ہو، اسے ایک طرف مردار جانور نظر آئے اور دوسری طرف کسی دوسرے شخص کا مال جسے حاصل کرنے کے لیے نہ قطع رحمی سے کام لینا پڑتا ہے اور نہ کسی قسم کی ایذا ہی سے تو اس کے لیے مردار کھانا حلال نہ ہوگا بلکہ وہ اس دوسرے شخص کے مال کو کھالے اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن ماجہ میں عباد بن شُرَحبِیل غُبَرِیّ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو میں مدینہ میں آیا اور ایک کھیت میں داخل ہو کر میں نے کچھ بالیاں توڑیں اور انھیں توڑ چھیل کر کھانے لگا اور تھوڑی سی بالیاں اپنی چادر میں ڈال کر لے چلا تو اتنے میں کھیت کا مالک بھی آ گیا تو اس نے مجھے مارا اور میرے کپڑے کو بھی چھین لیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا تو آپ نے اس شخص سے فرمایا: [مَا أَطْعَمْتَهُ إِذْ كَانَ جَائِعًا أَوْ سَاغِبًا وَّلَا عَلَّمْتَهُ إِذْ كَانَ جَاهِلًا] ''تم نے نہ تو اسے کچھ کھلایا جبکہ وہ بھوک میں مبتلا یا فاقہ کش تھا اور نہ اسے کچھ سمجھایا بجھایا جبکہ وہ نادان تھا۔'' پھر آپ نے اسے حکم دیا اور اس نے اس کی چادر کو لوٹا دیا اور آپ نے اسے یہ بھی حکم دیا کہ اس شخص کو کھانے کا ایک یا نصف وسق (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے۔) بھی دو۔[6]

اس حدیث کی سند صحیح، قوی اور جید ہے اور اس کے بہت سے شواہد بھی ہیں، مثلاً: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے درخت پر لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ، غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً ، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ] ''جو ضرورت مند وہاں کھالے اور اپنے ساتھ لے کر نہ جائے تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں۔''[7]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 283/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 284/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 284/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 284/1. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 285/1. [6] سنن ابن ماجه، التجارات، باب من مر على ماشية قوم أو حائط، هل يصيب منه؟ حديث: 2298. اور دیکھیے سنن أبي داود، حدیث: 2620 وسنن النسائي، حدیث: 5411.
[7] جامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في الرخصة في أكل الثمرة للمارّ بها، حديث: 1289.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ

بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی گئی کتاب میں سے کچھ (باتیں) چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑا سا مول لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے

فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿174﴾ اُولٰٓىِٕكَ

سوا کچھ نہیں بھرتے اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک ہی کرے گا اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے ﴿174﴾ وہی

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿175﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خریدا، چنانچہ وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں؟ ﴿175﴾ یہ اس لیے کہ

اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿176﴾ ع 21 9 5

بے شک اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا، وہ مخالفت میں بہت دور تک چلے گئے ہیں ﴿176﴾

مُقاتل بن حَیّان نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾ ﴾ ''اس پر کچھ گناہ نہیں، بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔'' کے بارے میں لکھا ہے کہ جو شخص اضطراری حالت میں کھا لے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔[1] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جو حرام کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔[2] مسروق سے روایت ہے کہ اگر کوئی مجبور و بے بس ہو کر بھی حرام کو نہ کھائے پیے اور مر جائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ مجبور و مضطر کے لیے مردار کھانا عزیمت ہے رخصت نہیں۔

تفسیر آیات: 174-176

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو چھپانے کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ ''بے شک جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں۔'' اس سے مراد وہ یہودی ہیں جنھوں نے اپنے پاس موجود ان کتابوں میں لکھی ہوئی حضرت محمد ﷺ کی شان کو چھپایا جو آپ کی نبوت و رسالت کی شاہد تھیں۔ انھوں نے ان باتوں کو اس لیے چھپایا تاکہ ان کی ریاست و قیادت کا خاتمہ نہ ہو اور ان تحائف اور نذرانوں کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے جو عرب ان کی تعظیم کی وجہ سے ان کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ یہ ملعون اس بات سے خائف تھے کہ اگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے ان اوصاف وصفات کو ظاہر کر دیا تو لوگ آپ کی اتباع شروع کر دیں گے اور انھیں چھوڑ دیں گے، چنانچہ انھوں نے معمولی اور حقیر دنیوی فوائد کی خاطر ان حقائق کو چھپایا اور ان فوائد کی خاطر اپنے نفسوں کو بیچ ڈالا اور ہدایت، اتباع حق، تصدیق رسول اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین و شریعت پر ایمان کے بجائے اس معمولی دنیوی منفعت کو قبول کر لیا جس کی وجہ سے یہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہو گئے تھے۔

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 285/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 285/1. [3] السنن الكبرى للبيهقي، الضحايا، باب مايحل من الميتة بالضرورة؟ 357/9، حديث: 20196.

دنیا میں تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جس منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا، واضح آیات اور قطعی دلائل سے نوازا، اس کی صداقت کو اپنے بندوں کے سامنے آشکارا کر دیا، لہٰذا ان لوگوں نے بھی آپ کی تصدیق کی جن کے بارے میں یہودیوں کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ وہ کہیں آپ کی اتباع نہ کرنے لگ جائیں مگر یہی لوگ یہودیوں کے خلاف جہاد میں آپ کے دست و بازو بنے اور یہودی غضب بالائے غضب کے مستحق قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی ایک مقامات پر ان کی مذمت فرمائی ہے جن میں سے ایک یہ آیت کریمہ بھی ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو، جو اس نے نازل فرمائی ہیں، چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں۔'' تھوڑی قیمت سے مراد دنیوی منفعت ہے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ ﴾ ''وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔'' یعنی کتمان حق کے مقابلے میں جو کچھ یہ کھاتے ہیں وہ درحقیقت جہنم کی آگ ہے جو قیامت کے دن ان کے پیٹوں میں بھڑک رہی ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:10) ''جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔'' اور ایک صحیح حدیث میں ہے: [اَلَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ] ''جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝174 ﴾ ''ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بہت سخت ناراض ہوگا کیونکہ انھوں نے علم کے باوجود حق کو چھپایا جس کی وجہ سے وہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نہ دیکھے گا اور نہ انھیں گناہوں سے پاک ہی کرے گا، نہ ان کی کوئی مدح وثنا کرے گا بلکہ انھیں انتہائی دکھ دینے والے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی کو خریدا۔'' ہدایت تو یہ تھی کہ ان کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف وصفات کا جو تذکرہ تھا، آپ کی بعثت اور آپ کے بارے میں بشارت کا جو ذکر تھا اسے عام کرتے اور آپ کی اتباع وتصدیق کا دم بھرتے مگر انھوں نے اس ہدایت کے بدلے اور عوض میں ضلالت وگمراہی کو حاصل کر لیا۔ اور وہ یہ کہ انھوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کے ساتھ کفر کیا اور اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی آپ کی صفات کو لوگوں سے چھپایا۔ ﴿ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ ﴾ یعنی انھوں نے مغفرت اور بخشش کے عوض میں عذاب کو حاصل کر لیا کیونکہ انھوں نے مذکورہ امور کو جب اختیار کیا تو وہ عذاب الٰہی کا سبب بن گئے۔

[1] صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، حديث: 5634 و صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة......، حديث: 2065.

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر ، آخرت کے دن پر ،

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

فرشتوں پر ، (آسمانی) کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے محبت کے باوجود اُسے رشتے داروں ، یتیموں ، مسکینوں

وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ

مسافروں،سوال کرنے والوں اور گردنیں چھڑانے کے لیے خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور (نیکی ان کی بھی ہے جو) جب عہد کر لیں تو

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ

اپنا عہد پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کریں،

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾

وہی لوگ سچے اور وہی پرہیزگار ہیں ﴿177﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿175﴾ ﴾ ”یہ آتش (جہنم) کو کس قدر برداشت کرنے والے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ بے حد سخت، بہت بڑے اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے، ان کو دیکھنے والا بڑے تعجب کا اظہار کرے گا کہ یہ کس قدر برداشت کرنے والے ہیں، حالانکہ یہ شدید ترین عذاب، ہولناک سزاؤں اور جہنم کی بیڑیوں میں جکڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ ﴾ ”یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی ہے۔“ یہ عذاب شدید کے مستحق اس لیے قرار پائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر اور آپ سے پہلے سابقہ انبیائے کرام پر اپنی کتابوں کو اس لیے نازل فرمایا تھا کہ ان سے حق حق اور باطل باطل ثابت ہو جائے مگر ان لوگوں نے آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑایا۔ ان کی کتاب نے انھیں حکم تو یہ دیا تھا کہ یہ علم کو ظاہر اور نشر کریں مگر انھوں نے اپنی ہی کتاب کی مخالفت اور تکذیب کی۔

اسی طرح خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ نے انھیں اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی، نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کا حکم دیا مگر انھوں نے آپ کی تکذیب و مخالفت کی، آپ کا انکار کیا اور آپ کی صفات کو چھپایا اور ان آیات کا مذاق اڑایا جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، اسی وجہ سے یہ عذاب اور سزا کے مستحق قرار پائے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿176﴾ ﴾ ”یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دور (ہو گئے) ہیں۔“

تفسیر آیت: 177

نیکیوں کا ایک جامع پیکج: یہ آیت کریمہ عظیم جملوں، ٹھوس قواعد اور مستقیم عقائد پر مشتمل ہے۔ جہاں تک اس کی تفسیر کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل مسلمانوں کو جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا، پھر اسے منسوخ کر کے بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا تو یہ بات اہل کتاب کی ایک جماعت اور بعض مسلمانوں پر بہت گراں گزری تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی تبدیلی میں جو حکمت تھی اسے بیان فرما دیا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کے سامنے جاں سپاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا ہے اور رخ اس طرف کرنا ہے جس طرف وہ حکم دے اور اتباع اس کی کرنی ہے جسے وہ شریعت قرار دے دے، بس یہی نیکی و تقویٰ اور ایمان کامل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم و شریعت کی اطاعت پیش نظر نہ ہو تو پھر مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ”نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی اور ہدی کے جانوروں کی بابت فرمایا ہے: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (الحج 22:37) ”اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس تک تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔“

ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾ ”نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو۔“ یہ کلام ایمان پر مبنی ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ امام حسن بصری اور ربیع بن انس رحمہما اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نیکی کی تمام انواع و اقسام کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اور انھوں نے بالکل بجا فرمایا ہے۔ جو شخص اس آیت کریمہ پر عمل کرے وہ گویا سارے اسلام میں داخل ہو گیا اور اس نے تمام نیکیوں کو اپنا لیا۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں کے وجود کی تصدیق کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے مابین سفیر ہیں۔

﴿وَالْكِتٰبِ﴾ ”اور کتاب پر ایمان لانا۔“ کتاب کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد وہ تمام آسمانی کتابیں ہیں جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ اور ان سب کے آخر میں وہ کتاب نازل ہوئی جو ان سب سے اشرف و افضل ہے اور وہ قرآن ہے جو سابقہ تمام آسمانی کتابوں کا نگہبان ہے، جس پر پہنچ کر ہر قسم کی خیر و بھلائی ختم ہو جاتی ہے، جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں اور کامرانیوں پر مشتمل ہے، جس نے سابقہ تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے اور جو اول نبی سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 287/1.

﴿ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ ''اور باوجود مال عزیز رکھنے کے دے۔'' یعنی محبت ورغبت کے باوجود مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل صدقے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ شَحِيحٌ ، تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى] ''(افضل صدقہ) یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں صدقہ کرے جبکہ تجھے کمی وفقر کا اندیشہ ہو اور مال کی زیادتی کی رغبت۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○ ﴾ (الدهر 9,8:76) ''اور باوجود یکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں، نہ تو تم سے عوض کے خواستگار ہیں، نہ شکر گزاری کے (طلب گار۔)'' اور فرمایا: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ ﴾ (آل عمران 92:3) ''(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ ﴾ (الحشر 9:59) ''اور وہ (ان کو) اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔'' یہ ایک دوسرا کردار ہے جو پہلے سے بھی بلند ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو ضرورت و حاجت کے باوجود دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں جبکہ پہلے ان لوگوں کے کردار کا ذکر تھا جو مال کی محبت کے باوجود دوسروں کو اپنا مال دیتے اور کھلاتے ہیں۔

اللہ کے ارشاد: ﴿ ذَوِي الْقُرْبٰى ﴾ سے مراد انسان کے اپنے رشتے دار ہیں اور یہ دوسروں کی نسبت صدقے کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے: [اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ وَّالصَّدَقَةُ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ] ''مسکینوں پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے مگر اپنے رشتے دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''[2] کیونکہ وہ آپ کی نیکی اور عطیے کے دوسرے تمام لوگوں کی نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں رشتے داروں کے ساتھ احسان کرنے کا کئی ایک مقامات پر حکم دیا ہے۔

﴿ وَالْيَتٰمٰى ﴾ سے مراد وہ بچے ہیں جن کا کمانے والا کوئی نہ ہو، ان کے باپ فوت ہو گئے ہوں اور وہ کمزور اور چھوٹے ہوں اور ابھی بلوغت اور کمانے کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔ محدث عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ] ''بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے۔''[3]

﴿ وَالْمَسٰكِيْنَ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اپنی خوراک، لباس اور رہائش کی ضرورتوں کے لیے کافی مال نہ ہو، لہٰذا ان کو بھی مال دیا جائے تاکہ یہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کر سکیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب فضل صدقة الشَّحيح الصحيح، حديث:1419 و صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن أفضل الصدقة......، حديث:1032. [2] مسند أحمد:4/ 214 عن سلمان بن عامر رضي الله عنه. [3] المصنف لعبدالرزاق، الطلاق ، باب الطلاق قبل النكاح، حديث:11450 نیز دیکھیے سنن أبي داود:2873 و السلسلة الصحيحة:3180.

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِهٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ، فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، قَالُوا: فَمَا الْمِسْكِينُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ] ''مسکین وہ نہیں ہے جو مانگتا پھرتا ہو اور ایک یا دو لقمے، ایک یا دو کھجوریں اسے لوٹا دیتی ہوں۔ صحابہ نے عرض کی: مسکین کون ہے؟ اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: مسکین تو وہ ہے جس کے پاس نہ تو اس قدر مال ہو جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور نہ اس کی احتیاج کی بابت علم ہو کہ اسے صدقہ دیا جا سکے۔''[1]

﴿ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾ سے مراد وہ مسافر ہے جس کا زاد راہ ختم ہو گیا ہو تو اسے اس قدر دیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے گھر پہنچ سکے۔ اسی طرح جو شخص نیکی کی خاطر کسی سفر کا ارادہ کرے تو اسے آمد و رفت کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مال دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مہمان کو بھی مال دیا جا سکتا ہے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن سبیل سے مراد مسلمانوں کا مہمان بھی ہے۔[2] مجاہد، سعید بن جبیر، ابوجعفر باقر، حسن بصری، قتادہ، ضحاک، زہری، ربیع بن انس اور مُقاتِل بن حیان رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[3]

﴿ وَالسَّآىِٕلِيْنَ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مانگتے ہیں اور انھیں زکاۃ و صدقات دیے جاتے ہیں۔ ﴿ وَفِي الرِّقَابِ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان غلاموں کو دیا جائے جنھوں نے اپنے مالکوں کو یہ لکھ کر دے دیا ہے کہ وہ اپنی آزادی کے لیے انھیں اس قدر مال دیں گے مگر وہ اس قدر مال انھیں دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ان اصناف میں سے اکثر کے بارے میں تفصیل کے ساتھ ذکر سورۂ براءت کی اس آیت کی تفسیر میں آئے گا جس میں مصارف زکاۃ کا بیان ہے۔[4] إن شاء اللّٰه تعالٰی.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے افعال نماز کو ان کے اوقات میں سرانجام دیا اور رکوع، سجود، طمانیت اور خشوع کے ساتھ اس طرح سرانجام دیا جس طرح شرعاً مطلوب اور پسندیدہ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾ سے مال کی زکاۃ مراد ہے جیسا کہ سعید بن جبیر اور مُقاتِل بن حیان رحمہما اللہ نے بھی کہا ہے۔[5]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾ ''اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں۔'' اسی طرح ہے جس طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴾ (الرعد 20:13) ''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور قرار کو نہیں توڑتے۔''

اس کے برعکس صفت کو نفاق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:[آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ (البقرة 2:273)، حديث:4539 وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين الذى……، حديث:1039 واللفظ له. [2] تفسير ابن أبي حاتم :289/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:290/1. [4] دیکھیے آیت:60 کے ذیل میں۔ [5] تفسير ابن أبي حاتم:290/1.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! قتل ہو جانے والوں (کے معاملے) میں تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے، غلام، غلام

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ

کے بدلے اور عورت، عورت کے بدلے، پھر جس (قاتل) کو اس کا بھائی (مقتول کا ولی) کچھ (قصاص) معاف کر دے تو معروف طریقے سے اتباع (دیت کا

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

مطالبہ) ہو اور اچھے طریقے سے (دیت کی) ادائیگی ہو۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جس شخص نے زیادتی کی اس

اَلِيْمٌ ﴿178﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾

کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿178﴾ اور اے عقل والو! تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینے ہی میں زندگی ہے تاکہ تم (قتل وغارت سے) بچو ﴿179﴾

(2) وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[1] ایک دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے: [إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، (وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ) وَ إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ''(1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے۔ (3) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ اور (4) جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالی دے۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ ﴾ ''اور سختی اور تکلیف میں اور معرکۂ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔'' بَأْسَاء سے مراد حالتِ فقر اور ضَرَّآء سے مراد مرض اور بیماری کی حالت ہے اور ﴿ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ ﴾ سے مراد معرکۂ کارزار اور دشمن سے مڈبھیڑ کی حالت ہے۔ یہ ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابوالعالیہ، مرہ ہمدانی، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، ضحاک رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[3]

﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ ﴾ کو مدح کی وجہ سے منصوب پڑھا گیا ہے۔ ان حالات میں شدت وصعوبت کی وجہ سے صبر کی ترغیب دی گئی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ، وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ. (وہی دستگیر ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔)

﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جو ان مذکورہ بالا صفات سے متصف ہیں یہ اپنے ایمان میں سچے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنے قلبی ایمان کو اپنے اقوال وافعال کے ساتھ سچ ثابت کر رکھا ہے، لہٰذا یہی لوگ سچے ہیں اور ﴿ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾ ﴾ ''اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔'' اس لیے کہ یہ محرمات سے بچے رہے اور طاعات کو سرانجام دیتے رہے۔

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث:33 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث:59 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري ، المظالم، باب: إذا خاصم فجر ،حديث :2459 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث:58 عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما لیکن قوسین والے الفاظ تفسیر میں نہیں ہیں۔

[3] تفسير ابن أبي حاتم:291/1، 292 و تفسير الطبري:138/2.

تفسیر آیات: 179,178

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مومنو! تمھارے لیے قصاص میں بھی عدل کو فرض قرار دیا گیا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو مارا جائے۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں نے حد سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا تھا۔ اس آیت کے نزول کا سبب بنوقریظہ اور بنونضیر ہیں۔ بنونضیر نے زمانۂ جاہلیت میں بنو قریظہ سے لڑائی کر کے انھیں مغلوب کر دیا تھا، لہٰذا جب بنونضیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور بطور فدیہ ادا کر دی جاتی تھی جو کہ بنوقریظہ کی دیت سے بہت کم تھی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قصاص میں بھی عدل کو اختیار کیا جائے اور فساد کرنے والوں، تحریف کرنے والوں اور از راہ کفر و بغاوت اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کے نقش قدم پر نہ چلا جائے، پس اسی وجہ سے فرمایا کہ تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اس آیت کا کچھ حصہ اس آیت نے منسوخ کیا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ جان کے بدلے میں جان کو مارا جائے۔ [1]

اسی طرح جمہور کا مذہب ہے کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ] ''کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جا سکتا۔'' [2] اور اس فرمان نبوی کے مقابلے میں کوئی دوسری حدیث یا تاویل صحیح نہیں ہے۔ ہاں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت (45) کے عموم کے پیش نظر کافر کے بدلے میں مسلمان کو بھی قتل کیا جائے گا۔ [3]

مسئلہ: ائمۂ اربعہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایک شخص کے بدلے میں اس پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا جو اس کے قتل میں شریک ہو جیسا کہ ایک لڑکے کو سات آدمیوں نے قتل کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں کو قتل کروا دیا تھا اور فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعاء بھی اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کروا دیتا۔ [4] آپ کے زمانے میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس مسئلے میں آپ کی مخالفت نہیں کی تھی تو گویا اس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک کے بدلے پوری جماعت کو قتل نہیں کیا جا سکتا، ایک جان کے بدلے صرف ایک ہی جان کو مارا جا سکتا ہے۔ ابن منذر نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاذ، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، عبدالملک بن مروان، زہری، ابن سیرین اور حبیب بن ابوثابت رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ [5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ﴾ ''اور اگر قاتل کو

---

[1] المائدة 5:45. [2] صحيح البخاري، العلم، باب كتابة العلم، حديث:111. [3] عمدة القاري:2/227، تحت الحديث:111 و المجموع للنووي، الجنايات، باب تحريم القتل:20/277. [4] صحيح البخاري، الديات، باب إذا أصاب قوم من رجل......، حديث:6896 و السنن الكبرى للبيهقي، الجنايات، باب النفر يقتلون الرجل:8/41 و اللفظ له. [5] دیکھیے المجموع للنووي، الجنايات، باب تحريم القتل:20/290,291.

اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارثِ مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرار داد کی) پیروی (مطالبۂ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔'' معاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ قتلِ عمد میں دیت کو قبول کر لیا جائے۔ ابو العالیہ، ابو الشعثاء، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، حسن، قتادہ اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ سے اسی طرح مروی ہے۔ [1] اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جسے اپنے بھائی کی طرف سے کوئی چیز چھوڑ دی جائے، یعنی خون کے استحقاق کے باوجود دیت قبول کر لی جائے تو یہ بھی معافی ہے۔ [2] پھر طالب کو چاہیے کہ وہ جب دیت کو قبول کر لے تو دستور کے مطابق پیروی کرے اور اسے قاتل کی طرف سے بھی کسی ضرر اور مدافعت کے بغیر ادا کر دیا جائے۔

﴿ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ﴾ ''یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے (تمھارے لیے) آسانی اور مہربانی ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قتل عمد میں جو دیت کو مشروع قرار دیا گیا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے کیونکہ سابقہ امتوں میں صرف یہ حکم تھا کہ یا تو قاتل کو بطور قصاص قتل کر دیا جائے یا اسے معاف کر دیا جائے جیسا کہ سعید بن منصور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے قصاص ہی کو فرض قرار دیا تھا، ان میں معافی کا حکم نہیں تھا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے فرمایا کہ تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص کا حکم دیا جاتا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد مارا جائے اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے، چنانچہ معافی یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت کو قبول کر لیا جائے۔ [3] ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ [4]

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرمایا ہے اور انھیں دیت بطور رزق عطا کی ہے جبکہ سابقہ امتوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی حلال نہ تھی، مثلاً: اہل تورات کے لیے حکم قصاص یا معافی کا تھا کہ وہ معاف کر دیں مگر اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تین آپشن رکھے ہیں: (1) قصاص (2) معافی اور (3) دیت۔ سعید بن جبیر، مُقاتِل بن حَیّان اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [5]

مقتول کے وارث کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (178) ''جو اس کے بعد زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص دیت قبول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کر دے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید دکھ دینے والے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [6]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 294/1 وتفسیر الطبری: 147,146/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 295/1. [3] سنن سعید بن منصور، تفسیر سورة البقرة: 652/2. [4] صحیح ابن حبان، الدیات، ذکر تفضل اللّٰه جل وعلا علی هذه الأمة ...... : 362/13، حدیث: 6010 اور دیکھیے صحیح البخاری، حدیث: 4498. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 296/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم: 297/1.

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے، اگر وہ مال چھوڑے جا رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لیے معروف طریقے سے

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿180﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

وصیت کرے، یہ متقیوں پر لازم ہے ﴿180﴾ پھر جو شخص اس (وصیت) کو سن لینے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ انھی لوگوں پر ہو گا جو اسے بدلیں گے،

يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿181﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ

بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿181﴾ پھر اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے حق تلفی یا کسی گناہ کا ڈر ہو اور وہ ان میں صلح کروا دے

22 ع 6 6 بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿182﴾ ع

تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿182﴾

قصاص کا فائدہ و حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ ''(حکم) قصاص میں (تمھاری) زندگانی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو قصاص کا حکم دیا ہے کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے تو اس میں ایک عظیم حکمت پنہاں ہے اور وہ ہے سیکڑوں کی بقا اور حفاظت۔ اور وہ اس طرح کہ جب قاتل کو یہ معلوم ہو کہ اگر اس نے قتل کیا تو اسے بھی اسی طرح قتل کر دیا جائے گا تو وہ اپنے اس کرتوت سے باز رہے گا تو اس طرح حکم قصاص میں انسانی جانوں کی زندگی کا راز مضمر ہے۔

سابقہ کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے: اَلْقَتْلُ أَنْفٰی لِلْقَتْلِ ''قتل، قتل کو روکنے کا ذریعہ ہے۔'' قرآن مجید میں یہ بات زیادہ فصاحت و بلاغت اور زیادہ خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ ''اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔'' ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کو زندگی قرار دیا ہے اور یہ اس لیے کہ کتنے ہی لوگ قتل کرنا چاہتے ہیں مگر وہ اس خوف کی وجہ سے قتل نہیں کرتے کہ انھیں بھی قتل کر دیا جائے گا۔

مجاہد، سعید بن جبیر، ابومالک، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] ﴿ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾ ﴾ ''اے اہل عقل! تاکہ تم (گناہ کے کاموں سے) بچو۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اصحاب عقل و فہم و دانش! یہ حکم تمھیں اس لیے دیا جا رہا ہے تاکہ تم گناہ کے کاموں سے اور ان امور سے بچو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حرام قرار دیا ہے۔ تقویٰ تمام نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے کا ایک جامع نام ہے۔

تفسیر آیات: 180-182

والدین اور رشتے داروں کے لیے وصیت کا حکم، پھر وارثوں کے لیے اس کی منسوخی: اس آیت کریمہ میں والدین اور رشتے داروں کے لیے وصیت کا حکم دیا گیا ہے۔ صحیح قول کے مطابق آیت میراث کے نزول سے قبل وصیت کرنا واجب تھا مگر جب آیت میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور میراث کے مقررہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار پائے جو حق داروں کا لازمی حق ہے جس کے لیے نہ وصیت کی ضرورت ہے اور نہ وصیت کرنے والے کے بار احسان ہونے کی، چنانچہ سنن

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 297/1.

اور دیگر کتب حدیث میں عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مذکور ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهٗ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ] ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے۔''①

امام احمد رحمہ اللہ نے محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھے سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے حتی کہ جب اس آیت کریمہ پر پہنچے: ﴿ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ تو فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے۔ اسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔② ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے اس آیت کریمہ نے منسوخ کر دیا ہے: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ ﴾ (النسآء 7:4) ''جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی، یہ حصے (اللہ کے) مقرر کیے ہوئے ہیں۔'' پھر ابن ابو حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عِکرِمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مُقاتل بن حیّان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور امام زہری رحمہم اللہ سے بھی اس طرح مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور آیتِ میراث اس کی ناسخ ہے۔③

وارث نہ بننے والے رشتے دار کے لیے وصیت: اب باقی رہ گئے وہ وارث جن کا میراث میں حصہ مقرر نہیں ہے تو مستحب یہ ہے کہ مال کے ثلث حصے میں سے ان کے لیے وصیت کر دی جائے تا کہ آیت وصیت پر بھی عمل ہو سکے، پھر صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَّهٗ شَيْءٌ يُّوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهٗ] ''کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو، پھر وہ وصیت لکھے بغیر دو راتیں بھی گزارے۔''④ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سننے کے بعد ایک رات بھی نہ گزری تھی کہ میں نے اپنی وصیت لکھ کر اپنے پاس رکھ لی۔⑤ بہت سی آیات واحادیث مبارکہ ہیں جن میں رشتے داروں کے ساتھ نیکی واحسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

---

① سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، حديث: 2870 وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث: 2120 عن أبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ و 2121 عن عمرو بن خارجة رضی اللہ عنہ وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب لا وصية لوارث، حديث: 2714 عن أنس رضی اللہ عنہ اور یہ خطبہ خطبۂ حجۃ الوداع تھا۔ ② سنن سعيد بن منصور: 663/2 والمستدرك للحاكم: 237/2، حديث: 3083. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 299/1 و تفسير الطبري: 161/2. ④ صحيح البخاري، كتاب وباب الوصايا، حديث: 2738 وصحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث: 1627. ⑤ صحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث: (4)-1627.

دستور کے مطابق وصیت: دستور کے مطابق وصیت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسراف اور بخل کے بغیر اس طرح وصیت کی جائے جس سے وارثوں کی حق تلفی نہ ہو جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس بہت مال ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنے مال کے دو تہائی حصے کے بارے میں وصیت کر سکتا ہوں؟ فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کی: نصف مال کے بارے میں؟ فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کی: ایک تہائی کے بارے میں؟ فرمایا: [اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُونَ النَّاسَ] ''ہاں، ایک تہائی کے بارے میں وصیت کر تو سکتے ہو لیکن ایک تہائی بھی بہت ہے۔ اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم انھیں فقیر بنا کر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔''[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ اگر لوگ تہائی کے بجائے چوتھائی حصے تک کی وصیت کریں تو یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: [اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِيرٌ] ''تم ایک تہائی کے بارے میں وصیت کر تو سکتے ہو لیکن ایک تہائی بھی بہت ہے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص وصیت کو بدل دے اور اس میں تحریف کر دے تو اس نے اس کے حکم کو بدل دیا اور اس میں کمی بیشی کر دی، اور وصیت کو چھپانا اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوگا۔ ﴿ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ ﴾ ''اس (کے بدلنے) کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک سے مروی ہے کہ میت کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو چکا اور گناہ ان لوگوں کو ہوگا جو وصیت کو بدل دیں۔[3] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میت نے کیا وصیت کی ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جن لوگوں کو وصیت کی گئی تھی انھوں نے اس میں کیا تبدیلی کر دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا ﴾ ''پھر اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی وارث کی) طرف داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ، مجاہد، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جَنَفًا کے معنی غلطی کے ہیں۔[4] اور یہ لفظ ہر قسم کی غلطی پر مشتمل ہے، مثلاً: یہ کہ کسی واسطے یا وسیلے سے کسی وارث کو اس طرح زیادہ دلوا دے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ وصیت کر دے کہ یہ فلاں شخص کو اتنے میں فروخت کر دی جائے یا بیٹی کو اس کے حصے سے زیادہ دینے کے لیے نواسے کو وصیت کر دے یا اس کے کچھ اور طریقے اختیار کرے۔ غلطی خواہ کسی نے قصد و ارادے کے بغیر طبعی محبت و شفقت سے کی ہو یا جان بوجھ کر اور گناہ سے تو وصی (جس کو وصیت کی گئی ہے) کو اس کے رد و

[1] صحيح البخاري، الوصايا، باب أن يترك ورثته أغنياء......، حديث:2742 و صحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث:1628. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، حديث: 2743 عن ابن عباس رضي الله عنهما.
[3] تفسير الطبري:167/2. [4] تفسير ابن أبي حاتم:302/1.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿183﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ﴿183﴾

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى

(روزے) گنتی کے چند دن ہیں، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں

الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ

(پھر نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور تمھارا روزہ رکھنا

تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿184﴾

تمھارے لیے کہیں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو﴿184﴾

بدل میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کرکے جاری کردے تاکہ وصیت کرنے والے کا مقصد پورا ہو جائے اور شرعی حکم بھی، اس قسم کی اصلاح اور تبدیلی میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم.

وصیت میں عدل کی فضیلت: امام عبدالرزاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً ، فَإِذَا أَوْصَى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِسُوءِ عَمَلِهِ ، فَيَدْخُلُ النَّارَ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهِ فَيُخْتَمُ لَهُ بِخَيْرِ عَمَلِهِ، فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ] ''آدمی ستر سال تک نیک لوگوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے لیکن جب وصیت کرتا ہے تو اس میں ظلم کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے برے عمل کی مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ایک شخص ستر سال تک برے لوگوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے لیکن وصیت میں عدل سے کام لیتا ہے تو اس کے لیے اس کے نیک عمل کی مہر لگا دی جاتی ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ بھی پڑھ لو: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ ﴾ (النسآء 4:13،14) ''یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے نکلے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''[1]

[1] سنن ابن ماجه، الوصايا، باب الحيف في الوصية، حديث:2704 و المصنف لعبدالرزاق، الوصايا، باب الحيف في الوصية والضرار……:9/88، حديث:16455. تفسیر ابن کثیر کے نسخوں میں ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ درج ہے جو سبقت قلم ہے اور یہ تصحیح سنن ابن ماجہ اور مصنف عبدالرزاق سے کی ہے۔ مزید دیکھیے سنن أبي داود، حديث: 2867 و جامع الترمذي، حديث:2117.

تفسیر آیات:184,183

روزے کا حکم: اللہ تعالیٰ اس امت کے مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے روزہ رکھنے کا حکم دے رہا ہے۔ روزہ یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جنسی تعلق سے رکا جائے۔ روزے میں نفوس کی پاکیزگی وطہارت کا سامان بھی ہے اور سفلی اختلاط اور رذیل اخلاق سے پاک وصاف کرنے کا اہتمام بھی، اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس نے جس طرح مومنوں پر روزے کو فرض قرار دیا ہے اسی طرح پہلے لوگوں پر بھی اسے فرض قرار دیا تھا، چنانچہ وہ لوگ ان کے لیے ایک نمونہ ہیں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ اسے پہلے لوگوں کی نسبت زیادہ کامل طریقے سے سرانجام دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ ﴾ (المآئدۃ 5: 48) ”ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے، چنانچہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔“ اور اسی وجہ سے یہاں فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ ”مومنو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بنو۔“ کیونکہ روزے میں بدن کے لیے تزکیہ بھی ہے اور شیطان کے راستوں کو تنگ کر دینے کا اہتمام بھی۔

اسی وجہ سے صحیحین کی حدیث سے یہ ثابت ہے: [يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ] ”اے گروہ نوجواناں! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھے تو وہ شادی کر لے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے، یہ اس کی شہوت کو منقطع کر دے گا۔“① پھر اللہ تعالیٰ نے روزوں کی مقدار بیان فرمائی ہے کہ وہ گنتی کے چند دن ہیں تاکہ طبائع پر گراں نہ گزریں اور وہ ان کے ادا کرنے سے عاجز وقاصر نہ ہوں۔

امام بخاری ومسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہ حدیث بیان کی ہے کہ عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا اور جب رمضان کے روزوں کو فرض قرار دیا گیا تو جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔② امام بخاری نے ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ ﴾ ”اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں

---

① صحیح البخاری، النکاح، باب قول النبیﷺ: [من استطاع منکم الباءۃ......]، حدیث: 5065 وصحیح مسلم، النکاح، باب استحباب النکاح......، حدیث: 1400. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ (البقرۃ 2: 183)، حدیث: 4502 وصحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1125. ③ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ (البقرۃ 2: 183)، حدیث: 4503,4501 وصحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1127,1126.

(لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابتدا میں حکم یہ تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے اور اس کے بدلے ہر دن مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو جو روزہ نہ رکھنا چاہتا وہ اس کے بدلے میں فدیہ ادا کر دیتا تھا حتی کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی جس نے اسے منسوخ کر دیا۔ ① حدیث عبیداللہ، از نافع، از ابن عمر رضی اللہ عنہما میں بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ ②

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ کے معنی ہیں کہ جو روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ ③ یعنی جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے افطار کر کے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اور ﴿ فَمَنْ تَطَوَّعَ ﴾ کے معنی ہیں کہ اگر وہ ایک اور مسکین کو بھی کھانا کھلا دے ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''تو یہ اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' یہ حکم اسی طرح تھا حتی کہ اس آیت کریمہ نے اسے منسوخ کردیا: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:185) ''تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔''

معمّر مرد و عورت کے لیے روزے کا فدیہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ ﴾ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، پھر انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ ان بہت بڑی عمر کے مرد و عورت کے بارے میں ہے جو روزے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، وہ ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ ④ اسی طرح دیگر کئی راویوں نے بھی سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نسخ صحیح اور مقیم کے حق میں ثابت ہے کہ اب اس کے لیے روزہ رکھنا ہی واجب ہے اور یہ وجوب ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:185) سے ثابت ہے۔ ہاں، البتہ بہت بوڑھے، شیخ فانی کے لیے جسے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو، یہ اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ اس کے لیے قضا بھی لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس کے لیے ایسی حالت ممکن ہی نہیں جس میں وہ روزے کی قضا دے سکے، لہٰذا اس کے لیے واجب ہے کہ ہر دن کے عوض فدیہ دے دے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے اس کی تفسیر بیان فرمائی اور قرآن مجید کے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ] یعنی جو روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ ⑤ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:185)، حدیث: 4507. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:185)، حدیث: 4506. ③ تفسیر الطبری: 187/2. ④ صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:184)، حدیث: 4505.
⑤ تفسیر الطبری: 187/2.

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

دلیلیں ہیں، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری

مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا

کرے۔ اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں

اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾

ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو ﴿185﴾

صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام بخاری نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے کہ شیخ کبیر کو جب روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ فدیہ دے دے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بڑھاپے میں ایک یا دو سال ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلایا اور روزہ نہ رکھا۔[1]

یہ روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً بیان کیا ہے، اسے حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں ایوب بن ابوتمیمہ سے با سند بھی روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس قدر کمزور ہو گئے کہ روزہ نہیں رکھ سکتے تھے تو انھوں نے گوشت روٹی کے بڑے بڑے پیالے تیار کروائے اور تیس مسکینوں کو بلا کر کھانا کھلایا۔[2]

اسی طرح حمل والی اور اپنے بچے کو دودھ پلانے والی خواتین کو بھی جب روزے کی وجہ سے اپنے یا اپنے بچے کے بارے میں خدشہ ہو تو وہ بھی روزے کا فدیہ دے دیں، ان کے لیے روزے کی قضا نہیں ہو گی۔

تفسیر آیت:185

رمضان کی فضیلت اور اس میں قرآن کا نزول: اللہ تعالیٰ ماہ صیام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے قرآن عظیم کے نزول کے لیے دیگر مہینوں میں سے اس کا انتخاب فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ دیگر انبیائے کرام پر بھی آسمانی کتابوں کو اسی مہینے میں نازل کیا گیا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے واثلہ بن اسقع سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُنْزِلَتْ صُحُفُ إِبْرَاهِيمَ عليه السلام فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ ، وَأُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ لِسِتٍّ مَّضَيْنَ مِنْ رَّمَضَانَ ، وَالْإِنْجِيلُ لِثَلَاثَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَّمَضَانَ وَأُنْزِلَ الْفُرْقَانُ لِأَرْبَعٍ وَّعِشْرِينَ خَلَتْ مِنْ رَّمَضَانَ] ”صحف ابراہیم رمضان کی پہلی رات، تورات رمضان کی چھٹی رات، انجیل رمضان کی تیرھویں رات اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کی چوبیسویں رات میں نازل فرمایا ہے۔“[3]

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ﴾ ...... (البقرة 2:184)، قبل الحديث: 4505.

② مسند أبي يعلى: 204/7، حديث: 4194. ③ مسند أحمد: 107/4. اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 1575.

قرآن مجید کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ ﴾ ”جو لوگوں کا راہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو (حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔“ یہ اس قرآن مجید کی تعریف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کے دلوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے جو اس پر ایمان لائیں، تصدیق کریں اور اس کی پیروی کریں، نیز اس میں فہم و تدبر کرنے والوں کے لیے بیّن، واضح اور روشن دلائل و براہین بھی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس میں ضلالت کے مقابلے میں جس ہدایت، سرکشی کے مقابلے میں جس رشد و بھلائی اور حق و باطل اور حلال و حرام میں جو تفریق کی گئی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کا وجوب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ ﴾ ”تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو تو اسے چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔“ اور اس جملے میں رمضان کے روزے کو ہر اس شخص کے لیے واجب و فرض قرار دیا جا رہا ہے جو اس مہینے میں موجود ہو، یعنی ماہ رمضان میں وہ اپنے شہر میں مقیم ہو اور جسمانی طور پر تندرست ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور روزے رکھے۔ اس آیت نے اس سابقہ اباحت کو منسوخ کر دیا کہ صحیح مقیم شخص روزہ نہ رکھنے کے عوض ہر دن ایک مسکین کو (دو وقت) کھانا کھلا دے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[1]

جب روزے کو حتمی فریضہ قرار دیا تو دوبارہ پھر اس بات کا ذکر فرمایا کہ مریض و مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور شرط یہ ہے کہ وہ بعد میں قضا دے لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ ﴾ ”اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) گنتی پوری کر لے۔“ یعنی جو شخص جسمانی طور پر بیمار ہو اور روزہ رکھنا اس کے لیے (بہت) گراں یا تکلیف دہ ہو یا وہ حالت سفر میں ہو تو جتنے دن وہ روزے نہ رکھ سکے، اتنے دن بعد میں روزے رکھ لے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ ﴾ ”اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے حق میں سختی نہیں چاہتا۔“ یعنی مقیم اور تندرست شخص کے لیے روزہ رکھنا اگرچہ ایک حتمی فریضہ ہے تاہم آسانی اور رحمت و شفقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے سفر اور مرض کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت عطا فرما دی ہے۔

سفر سے متعلق روزے کے کچھ مسائل: سنت سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ فتح مکہ کے موقع پر ماہ رمضان میں سفر پر نکلے تھے اور جب آپ مقام کَدِید پر پہنچے تو روزہ افطار فرمایا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ وہ روزہ افطار کر لیں۔[2] یہ حتمی طور پر فرض نہیں کہ سفر میں ضرور افطار کیا جائے بلکہ اختیار ہے کہ اگر کوئی چاہے تو روزہ رکھ لے اور اگر چاہے تو افطار کر لے کیونکہ راوی (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ جب ہم ماہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تو ہم میں سے کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوتا تھا اور کچھ نے نہیں۔ روزہ رکھنے والے نہ رکھنے والوں پر اور نہ رکھنے والے رکھنے والوں پر کوئی الزام نہیں

---

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 184 کے ذیل میں۔ [2] صحیح البخاری، الصوم، باب إذا صام أیامًا من رمضان ثم سافر، حدیث: 1944 و صحیح مسلم، الصیام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر......، حدیث: 1113 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

لگاتے تھے۔[1] اگر حالت سفر میں روزہ نہ رکھنا ہی واجب ہوتا تو روزہ رکھنے سے رسول اللہ ﷺ منع فرما دیتے۔

آپ ﷺ سے بھی حالت سفر میں روزہ رکھنا ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان میں سخت گرمی میں نکلے حتی کہ گرمی کی شدت کے باعث مجبور ہو کر ہم اپنے ہاتھ سر پر رکھ لیتے تھے اور ہم میں رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔[2]

رخصت پر عمل کرنا افضل ہے: رخصت پر عمل کے پیش نظر سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے اور اس وجہ سے بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ سے سفر میں روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:[هِيَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَمَنْ أَخَذَبِهَا فَحَسَنٌ وَّمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ] ''یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے جس نے اس کو لیا تو اچھا ہے اور جس کو روزہ رکھنا پسند ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''[3]

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:[عَلَيْكُمْ بِرُخْصَةِ اللّٰهِ الَّتِي رَخَّصَ لَكُمْ] ''تم اللہ تعالیٰ کی اس رخصت کو قبول کرو جو اس نے تمھیں عطا فرمائی ہے۔''[4]

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں روزے کثرت سے رکھتا ہوں تو کیا سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا:[إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ] ''اگر چاہو تو روزہ رکھ لو اور اگر چاہو تو نہ رکھو۔'' یہ حدیث صحیحین میں ہے۔[5]

اس مسئلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر روزہ گراں گزرے تو نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ حدیث جابر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس پر سایہ کیا جا رہا تھا، آپ نے فرمایا:[مَا هٰذَا ؟ فَقَالُوا: صَائِمٌ ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ] ''یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک روزے دار ہے تو آپ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔''[6]

کیا روزوں کی قضا میں تسلسل ضروری ہے؟ قضا کے لیے یہ واجب نہیں ہے کہ روزے مسلسل رکھے جائیں، کوئی چاہے تو مسلسل بھی رکھ سکتا ہے اور متفرق طور پر بھی، دلائل سے یہی ثابت ہے کیونکہ مسلسل رکھنا تو رمضان میں روزے رکھنے کی وجہ سے واجب ہے اور رمضان کے بعد واجب یہ ہے کہ جتنے دنوں کے وہ روزے نہیں رکھ سکا اتنے دنوں کے

---

① صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر......، حديث:1116. ② صحيح البخاري، الصوم، باب:35، حديث:1945و صحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث:1122. ③ صحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث:(107)1121عن حمزة بن عمرو الأسلمي رضي الله عنه. ④ صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر......،حديث:1115و سنن النسائي، الصيام، باب العلة التي من أجلها ......، حديث:2260 و اللفظ له عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه. ⑤ صحيح البخاري، الصوم، باب الصوم في السفر والإفطار، حديث:1943و صحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث: 1121. ⑥ صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ لمن ظلل عليه......،حديث:1946و صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر......، حديث:1115.

وہ روزے رکھ لے، خواہ مسلسل طور پر یا متفرق۔[1] اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾ ''تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کران کی) گنتی پوری کر لے۔''

آسانی نہ کہ سختی: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز﴾ ''اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے حق میں سختی نہیں چاہتا۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا] ''آسانی پیدا کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، تسکین دلاؤ اور متنفر نہ کرو۔''[2] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

صحیحین ہی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو فرمایا: [يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا ، بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا ، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا] ''تم دونوں آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا، باہمی اتفاق سے رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔''[4] کتب سنن اور مسانید میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ] ''مجھے آسان، سچے دین حنیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔''[5]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ ''اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے نہ کہ تنگی کا تاکہ تم گنتی کو پورا کرو۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرض، سفر اور اس طرح کے دیگر عذروں کی حالت میں تمھیں روزہ نہ رکھنے کی اس لیے رخصت دی ہے کہ وہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور نہ رکھے گئے روزوں کی قضا کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ تم اپنے مہینے کے روزوں کی تعداد کو پورا کرلو۔

عبادت کی تکمیل پر اللہ کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ ''اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کی بڑائی بیان کرو۔'' یعنی جب تم اپنی اس عبادت کو پورا کرلو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط﴾ (البقرة 2:200) ''پھر جب تم حج کے ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

اور فرمایا: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○﴾ (اَلْجُمُعَة 10:62) ''پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہو

---

[1] قضا کے روزوں کو مسلسل یا متفرق طور پر رکھنے کے لیے دیکھیے الموطأ للإمام مالك ، الصيام ، باب ما جاء في قضاء رمضان: 93/1، و سنن الدار قطني، الصيام، باب القبلة للصائم، حديث: 2292,2291 و المحلّٰی لابن حزم: 261/6، مسئلة: 768 و تفسير القرطبي: 281/2. [2] مسند أحمد: 131/3. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب قول النبي ﷺ: [يسروا ولا تعسروا]، حديث: 6125 و صحيح مسلم، الجهاد، باب في الأمر بالتيسير و ترك التنفير، حديث: 1734. [4] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع......، حديث: 3038 و صحيح مسلم، الجهاد، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير، حديث: 1733. [5] مسند أحمد: 266/5 و صحيح البخاري، الإيمان، باب الدين يُسرٌ ، قبل الحديث: 39 عن أبي أمامة رضي الله عنه.

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا

اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں،

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿186﴾

جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے، پس چاہیے کہ وہ بھی میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں ﴿186﴾

تا کہ تم نجات پاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ ﴾ (قٓ 40,39:50) ''اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور نماز کے بعد بھی اس (کے نام) کی تنزیہ کیا کرو۔'' اسی وجہ سے سنت سے یہ ثابت ہے کہ فرض نمازوں کے بعد تسبیح تحمید اور تکبیر (سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ) پڑھنا مستحب ہے۔ [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مکمل ہونے کا علم تکبیر (اللّٰه أكبر) سے ہوتا تھا۔ [2] اسی آیت کریمہ سے بہت سے علماء نے عید الفطر میں تکبیروں کے پڑھنے کا استدلال کیا ہے۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾ ﴾ یعنی جب تم اس کے فرائض کو ادا کر کے، اس کے محرمات کو ترک کر کے اور اس کی حدود کی حفاظت کر کے اس کی اطاعت بجا لاؤ گے تو اس کا شکر ادا کر سکو گے۔

تفسیر آیت:186

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے: امام احمد رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں تھے کہ ہم جب بھی کسی ٹیلے پر چڑھتے یا کسی وادی میں اترتے تو بلند آواز سے تکبیریں کہتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ مَّا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا ، إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِّنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ ، يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ! أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً مِّنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ''لوگو! اپنے آپ پر رحم کرو، تم کسی بہرے یا غائب کو تو نہیں پکارتے بلکہ تم تو اس ذات گرامی کو پکارتے ہو جو خوب سنتا اور خوب دیکھنے والا ہے جس ذات گرامی کو تم پکارتے ہو وہ تو تم سے تمھاری سواری کی گردن سے بھی قریب تر ہے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمھیں جنت کے خزانوں میں سے ایک کلمہ نہ سکھاؤں؟ اور وہ کلمہ ہے: [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ''تیری توفیق کے بغیر نہ کوئی گناہ سے بچ سکتا ہے اور نہ نیکی ہی کر سکتا ہے۔'' [3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ

[1] دیکھیے صحیح البخاری، الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:843 . [2] صحیح البخاری، الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:842 . [3] مسند أحمد :402/4 و صحیح البخاری، الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة، حدیث: 6384 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر......، حدیث:2704.

عَبۡدِی بِی وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا دَعَانِی] ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔''[1]

دعا قبول کی جاتی ہے، ضائع نہیں ہوتی: امام احمد رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَا مِنۡ مُّسۡلِمٍ یَّدۡعُو اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِدَعۡوَةٍ لَّیۡسَ فِیهَا إِثۡمٌ وَّلَا قَطِیعَةُ رَحِمٍ ، إِلَّا أَعۡطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحۡدٰی ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنۡ تُعَجَّلَ لَهٗ دَعۡوَتُهٗ ، وَإِمَّا أَنۡ یَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الۡآخِرَةِ ، وَإِمَّا أَنۡ یَّصۡرِفَ عَنۡهُ مِنَ السُّوءِ مِثۡلَهَا، قَالُوا: إِذًا نُّكۡثِرُ ؟ قَالَ : اللّٰهُ أَكۡثَرُ] ''جب بھی کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے ایسی دعا کرے جس میں کوئی گناہ کی بات یا قطع رحمی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرما دیتا ہے، یا تو اس کی دعا کو فوراً قبول فرما لیتا ہے یا اسے آخرت کے لیے ذخیرہ فرما دیتا ہے یا اس دعا کی برکت سے اسی طرح کی کسی مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: پھر تو ہم کثرت سے دعائیں کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رحمت بھی بہت زیادہ اور بے پایاں ہے۔''[2]

عبداللہ بن امام احمد نے جُبَیر بن نُفَیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان (جبیر بن نفیر) سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَا عَلٰی ظَهۡرِ الۡأَرۡضِ مِنۡ رَّجُلٍ مُّسۡلِمٍ یَّدۡعُو اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِدَعۡوَةٍ إِلَّا آتَاهُ اللّٰهُ إِیَّاهَا، أَوۡ كَفَّ عَنۡهُ مِنَ السُّوءِ مِثۡلَهَا مَا لَمۡ یَدۡعُ بِإِثۡمٍ أَوۡ قَطِیعَةِ رَحِمٍ] ''روئے زمین پر جو بھی مسلمان آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے یا اس کی دعا کی وجہ سے اسی طرح کی کسی مصیبت کو دور کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ کوئی ایسی دعا نہ کرے جس میں گناہ یا قطع رحمی کی کوئی بات ہو۔''[3]

امام مالک نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[یُسۡتَجَابُ لِأَحَدِكُمۡ مَّا لَمۡ یَعۡجَلۡ، یَقُولُ : دَعَوۡتُ فَلَمۡ یُسۡتَجَبۡ لِی] ''تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ عجلت سے کام نہ لے (عجلت یہ ہے کہ) وہ کہے کہ میں دعا کرتا ہوں مگر میری دعا تو قبول ہی نہیں ہوتی۔'' صحیحین میں بھی یہ حدیث بروایت امام مالک ہے اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔[4]

امام مسلم نے بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا یَزَالُ یُسۡتَجَابُ لِلۡعَبۡدِ مَا لَمۡ یَدۡعُ بِإِثۡمٍ أَوۡ قَطِیعَةِ رَحِمٍ مَّا لَمۡ یَسۡتَعۡجِلۡ، قِیلَ : یَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَا الۡإِسۡتِعۡجَالُ ؟ قَالَ: یَقُولُ : قَدۡ دَّعَوۡتُ وَ قَدۡ دَّعَوۡتُ، فَلَمۡ أَرَ یَسۡتَجِیبُ لِی ، فَیَسۡتَحۡسِرُ عِنۡدَ ذٰلِكَ وَیَدَعُ الدُّعَاءَ] ''بندے کی دعا ہمیشہ شرف قبولیت سے نوازی جاتی ہے بشرطیکہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور جلدی نہ کرے۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! جلدی کرنے سے کیا

---

① مسند أحمد:210/3. ② مسند أحمد:18/3. ③ مسند أحمد:329/5 وجامع الترمذی، الدعوات، باب فی انتظار الفرج وغیرذلك، حدیث:3573. ④ صحیح البخاری، الدعوات، باب یُستجاب للعبد مالم یعجل، حدیث: 6340 وصحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب بیان أنه یستجاب للداعی مالم یعجل...... ،حدیث:2735 والموطأ للإمام مالك ، القرآن، باب ماجاء فی الدعاء:73/1، حدیث:506.

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ

تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ نے

أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ

جان لیا کہ بے شک تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، چنانچہ اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمھیں معاف کر دیا، اس لیے اب تم ان سے ہم بستری کر سکتے

اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ

ہو اور اللہ نے تمھارے لیے جو لکھ رکھا ہے وہ تلاش کرو، اور کھاؤ اور پیو حتی کہ تمھارے لیے صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے واضح

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ

(روشن) ہو جائے، پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں سے ہم بستری نہ کرو

حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿187﴾

یہ اللہ کی حدیں ہیں، لہٰذا تم ان کے قریب مت جاؤ۔ اللہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں اسی طرح بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بنیں ﴿187﴾

مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ وہ کہے میں نے تو بہت دعا کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوگی، پھر وہ مایوس ہو کر دعا ترک ہی کر دے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْقُلُوبُ أَوْعِيَةٌ وَّ بَعْضُهَا أَوْعٰى مِنْ بَعْضٍ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَيُّهَا النَّاسُ! فَاسْأَلُوهُ وَأَنْتُمْ مُّوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيبُ لِعَبْدِهٖ دَعَاهُ عَنْ ظَهْرِ قَلْبٍ غَافِلٍ] ''دل برتنوں کی طرح ہیں اور بعض، بعض کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والے ہیں، اے لوگو! تم جب اللہ سے سوال کرو تو اس سے اس طرح سوال کرو کہ تمھارے دل قبولیت کے یقین سے سرشار ہوں کیونکہ جو شخص غافل دل کے ساتھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نہیں نوازتا۔''[2]

تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی: مسند امام احمد، سنن ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ : اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ ، وَالصَّائِمُ حِينَ يُفْطِرُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ ، يَرْفَعُهَا اللّٰهُ دُونَ الْغَمَامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَتُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَآءِ، وَ يَقُولُ: بِعِزَّتِي! لَأَنْصُرَنَّكِ وَ لَوْ بَعْدَ حِينٍ] ''تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی: (1) امام عادل (2) روزے دار کی، روزہ افطار کرنے کے وقت اور (3) مظلوم کی دعا۔ اسے اللہ تعالیٰ روز قیامت بادلوں سے بھی اوپر اٹھائے گا اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا، خواہ کچھ عرصہ بعد ہی سہی۔''[3]

---

[1] صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب بیان أنه یستجاب للداعی مالم یعجل......، حدیث:2735. [2] مسند أحمد: 177/2. [3] مسند أحمد:305/2 و جامع الترمذی، الدعوات، باب: [سبق المُفَرِّدون......] ، حدیث:3598 و سنن ابن ماجه، الصیام، باب فی الصائم لاترد دعوته، حدیث:1752 واللفظ له. البتہ لفظ [حین] جامع ترمذی کے مطابق ہے۔

تفسیر آیت:187

رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے رخصت اور اس حکم میں تبدیلی ہے جو ابتدائے اسلام میں تھا کہ افطار کے بعد عشاء تک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حلال تھا جب کوئی نماز عشاء ادا کر لیتا یا سو جاتا تو اگلی رات تک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے بہت زیادہ مشقت کا سامنا تھا۔ اس آیت کریمہ میں: رَفَث کے معنی مباشرت کرنے کے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، سالم بن عبداللہ، عمرو بن دینار، حسن، قتادہ، زہری، ضحاک، ابراہیم نخعی، سدی، عطاء خراسانی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، سدی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تمھارے لیے وجۂ تسکین ہیں اور تم ان کے لیے وجۂ تسکین ہو۔[2] ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمھارے لیے لحاف ہیں اور تم ان کے لیے لحاف ہو۔[3]

حاصل کلام یہ ہے کہ مرد و عورت میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط کرتا، چھوتا اور لپٹتا ہے، لہٰذا مناسب یہی تھا کہ ان کے لیے رمضان کی راتوں میں بھی صحبت کی اجازت ہوتی تاکہ انھیں کوئی دشواری اور حرج محسوس نہ ہو۔

اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب وہی ہے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث کی روشنی میں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[4] اور ابو اسحاق نے بھی براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں ہوتا اور وہ روزہ افطار کرنے سے قبل سو جاتا تو اگلی رات کی آمد تک کھا، پی نہیں سکتا تھا۔ قَیس بن صِرمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا ہوا تھا اور دن بھر اپنی زمین میں کام بھی کرتے رہے تھے۔ افطار کے وقت بیوی سے پوچھا کھانے کے لیے کچھ ہے؟ تو اس نے جواب دیا: نہیں، البتہ میں جاتی ہوں اور کہیں سے کچھ لاتی ہوں، اتنے میں ان کی آنکھ لگ گئی اور سو گئے۔ بیوی واپس آئی تو انھیں دیکھا کہ سو گئے ہیں، کہنے لگی: ہائے افسوس! تم تو سو گئے؟ اگلے دن جب دوپہر ہوئی تو یہ بے ہوش ہو گئے۔ اس واقعہ کا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ﴾ تا ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ آیت نازل فرما دی جس سے حضرات صحابۂ کرام کو بے حد خوشی ہوئی۔[5]

صحیح بخاری میں ابو اسحاق کے طریق سے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے براء رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب رمضان کے روزے کا حکم نازل ہوا تو لوگ سارا رمضان عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے جبکہ کچھ لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:315/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:316/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:316/1. [4] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مفصل تفسیر ابن کثیر میں سورۂ بقرہ کی آیت:184 کے ذیل میں مذکور ہے۔ اور یہ روایت سنن أبي داود ، الصلاة، باب كيف الأذان؟ حديث:507 و مسند أحمد:246/5، 247 وغیرہ میں ہے، نیز دیکھیے إرواء الغليل:17/4-24، حدیث:912. [5] تفسير الطبري:224/2 .

آیت کریمہ کو نازل فرما دیا: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ﴾ ''اللہ کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تم سے درگزر فرمایا۔''[1]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمان جب ماہ رمضان میں نماز عشاء ادا کر لیتے تو اگلی رات تک عورتیں اور کھانا حرام ہو جاتا تھا، پھر کچھ لوگ رمضان میں نماز عشاء کے بعد عورتوں کے قریب چلے گئے اور انھوں نے کھانا بھی کھا لیا، انھی میں سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے تو انھوں نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ ﴾ عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ''اور اللہ نے تمھارے لیے جو چیز لکھ رکھی ہے اس کو (اللہ سے) طلب کرو۔'' حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، انس رضی اللہ عنہم، قاضی شریح، مجاہد، عِکرِمہ، سعید بن جبیر، عطاء، ربیع بن انس، سدی، زید بن اسلم، حَکَم بن عُتَیبہ، مُقاتِل بن حَیّان، حسن بصری، ضحاک، قتادہ رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اولاد ہے۔[3] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس رخصت کو طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ رکھی ہے۔ اور سعید نے قتادہ سے یہ روایت کیا ہے: ﴿ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تمھارے لیے حلال قرار دے دیا ہے اسے طلب کرو۔[4]

سحری کا آخری وقت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ ''اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے، پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔'' اب اللہ تعالیٰ نے رات کو کھانے پینے کی بھی اجازت فرما دی جیسا کہ قبل ازیں یہ اجازت عطا فرمائی تھی کہ رات کو جس وقت چاہے روزے دار مباشرت کر سکتا ہے حتیٰ کہ ظلمت شب سے سپیدۂ سحر نمودار ہو جائے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سفید اور سیاہ دھاری سے تعبیر فرمایا ہے اور رفع اِلتباس کے لیے ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کے الفاظ بھی ذکر فرما دیے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے ابوعبداللہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلے ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ ﴾ کے الفاظ نازل ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے تو روزہ رکھنے والے کچھ لوگ اپنے دونوں پاؤں کے پاس سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لیتے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے جب تک ان میں فرق نمایاں طور پر نظر نہ آنے لگتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کے الفاظ نازل فرما دیے جس سے معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات اور دن ہے۔[5]

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآىِٕكُمْ ﴾ (البقرة 2:187)، حدیث:4508. [2] تفسیر الطبری:225,224/2. [3] تفسیر الطبری:231,230/2 و تفسیر ابن أبی حاتم:317/1. [4] تفسیر الطبری: 231/2. [5] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا ...... ﴾ (البقرة 2:187)، حدیث:4511.

امام بخاری رحمہ اللہ نے شعبی سے اور انھوں نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عدی رضی اللہ عنہ نے ایک سیاہ اور ایک سفید دھاگا لے لیا اور رات کو انھیں دیکھا تو دونوں میں فرق واضح نہ ہو سکا، صبح ہوئی تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے دھاگے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے تھے، آپ نے فرمایا: [إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا لَّعَرِيضٌ، أَنْ كَانَ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ تَحْتَ وِسَادَتِكَ] ''پھر تو تمھارا تکیہ بہت بڑا ہوا کہ سفید و سیاہ دھاری تمھارے تکیے کے نیچے تھی۔''[1]

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا: [إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا] ''پھر تو تمھاری گدی بہت لمبی چوڑی ہے۔'' بعض نے آپ کے ان الفاظ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ یہ کند ذہنی کی طرف اشارہ تھا جبکہ یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہی ہے جسے آپ نے فرمایا کہ تمھارا تکیہ بہت چوڑا ہے کیونکہ اگر تکیہ چوڑا ہوگا تو اس کی گردن بھی لمبی چوڑی ہوگی۔ واللہ أعلم.

اس کی تفسیر صحیح بخاری میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سیاہ و سفید دھاری سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے دو دھاگے مراد ہیں؟ فرمایا: [إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا إِنْ أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: لَا بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَ بَيَاضُ النَّهَارِ] ''تمھاری گدی بہت لمبی چوڑی ہے اگر تم نے ان دونوں دھاریوں کو دیکھ لیا ہے، پھر فرمایا: نہیں، ان سے مراد دو دھاگے نہیں بلکہ ان سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔''[2]

سحری کھانے کا استحباب اور اس کا وقت: اللہ تعالیٰ نے طلوع فجر تک کھانے کو جو جائز قرار دے دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سحری کھانا رخصت ہی نہیں بلکہ مستحب اور محبوب عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنت سے بھی سحری کھانے کی ترغیب ثابت ہے۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً] ''سحری کھاؤ، بے شک سحری کھانا باعث برکت ہے۔''[3]

صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَ صِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ] ''ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کا کھانا ہے۔''[4] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلسُّحُورُ أَكْلَةٌ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوهُ وَ لَوْ أَنْ يَّجْرَعَ أَحَدُكُم جَرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِينَ] ''سحری بابرکت کھانا ہے، اسے ترک نہ کرو، خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لو، بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔''[5]

سحری کھانے کی ترغیب میں بہت سی احادیث وارد ہیں حتی کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لو'' تاکہ سحری کھانے والوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔ طلوع فجر تک سحری کو مؤخر کرنا مستحب ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس بن

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا......﴾ (البقرة 2:187)، حديث:4509. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا......﴾ (البقرة2:187)، حديث:4510. ③ صحيح البخاري، الصوم، باب بركة السحور من غير إيجاب، حديث:1923 و صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه......، حديث:1095. ④ صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه......، حديث:1096. ⑤ مسند أحمد:44/3 .

مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید سے پوچھا کہ اذان اور سحری میں کتنا وقفہ تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ پچاس آیات پڑھنے کے بقدر۔ ①

سلف میں سے بہت سے لوگوں سے یہ ثابت ہے کہ فجر کے قریب انھوں نے سحری کھانے میں تسامُح سے کام لیا ہے۔ان میں سے حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابن مسعود، حذیفہ، ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے بھی بہت سے حضرات، مثلاً: محمد بن علی بن حسین، ابومجلز، ابراہیم نخعی، ابوالضحیٰ، ابووائل رحمہم اللہ اور دیگر اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عطاء، حسن، حَکم بن عُتَیبہ، مجاہد، عُروہ بن زبیر، ابوشعثاء اور جابر بن زید رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اَعمش اور مَعمَر بن راشد کا بھی یہی مذہب ہے۔ہم نے اپنی کتاب ''الصیام المفرد'' میں ان اسانید کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

صحیحین میں قاسم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ] ''یقیناً بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان کہتے ہیں، لہٰذا تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان (سننے) تک کھاتے پیتے رہو۔'' یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ ②

امام احمد رحمہ اللہ نے قَیس بن طَلْق سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيْسَ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلَ فِي الْأُفُقِ وَ لٰكِنَّهُ الْمُعْتَرِضُ الْأَحْمَرُ] ''فجر وہ نہیں جو افق پر مستطیل شکل میں پھیل جاتی ہے بلکہ وہ سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔'' ③ اسے امام ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور دونوں کے الفاظ یہ ہیں: [كُلُوا وَاشْرَبُوا ، وَ لَا يَهِيدَنَّكُمُ السَّاطِعُ الْمُصْعِدُ ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَعْتَرِضَ لَكُمُ الْأَحْمَرُ] ''کھاؤ پیو اور اوپر کو چڑھنے والی صبح کو دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو حتی کہ سرخ دھاری ظاہر ہو جائے۔'' ④

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سَمُرہ بن جُنْدُب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَّلَا هٰذَا الْبَيَاضُ ـ لِعَمُودِ الصُّبْحِ ـ حَتّٰى يَسْتَطِيرَ هٰكَذَا] ''بلال کی اذان اور یہ سفیدی۔صبح کی کرن۔تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے حتی کہ وہ اس طرح خوب ظاہر ہو جائے۔'' ⑤

حالت جنابت میں صبح ہو جائے تو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں: اللہ تعالیٰ کے اپنے روزے دار بندوں کے لیے طلوع

① صحيح البخاري، الصوم، باب قدر كم بين السحور و صلاة الفجر؟ حديث:1921 و صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه......، حديث:1097. ② صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان قبل الفجر، حديث: 623,622، صحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر......، حديث:1092. ③ مسند أحمد:23/4. ④ سنن أبي داود، الصيام، باب وقت السحور، حديث:2348 و جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في بيان الفجر، حديث:705. ⑤ صحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر......، حديث:(42)-1094.

فجر کو کھانے پینے اور مباشرت کے لیے حد جواز بنانے سے استدلال ہوتا ہے کہ جسے حالت جنابت میں صبح ہو جائے تو وہ غسل کر کے اپنے روزے کو پورا کر لے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ائمۂ اربعہ اور جمہور علمائے سلف وخلف کا بھی یہی مذہب ہے [1] اس لیے کہ امام بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ اور ام سَلَمہ (ہند بنت ابو امیہ) رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حالت جنابت میں-احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ مباشرت کی وجہ سے- صبح ہو جاتی تو آپ (سحری کھانے کے بعد) غسل فرما کر روزہ پورا کر لیتے تھے۔ [2] حدیث ام سَلَمہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر آپ اس روزے کو نہ چھوڑتے اور نہ اس کی قضا ہی دیتے تھے۔ [3]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! حالت جنابت میں نماز صبح کا وقت ہو جاتا ہے تو کیا میں روزہ رکھوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَأَنَا تُدْرِكُنِي الصَّلَاةُ وَأَنَا جُنُبٌ فَأَصُومُ] ''مجھے بھی حالت جنابت میں نماز صبح کا وقت ہو جاتا ہے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو ہماری طرح نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں تو آپ نے فرمایا: [وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَعْلَمَكُمْ بِمَا أَتَّقِي] اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں تم سب کی نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقوے کی باتوں کو جاننے والا ہوں۔'' [4]

رات کے شروع ہوتے ہی روزہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا فوراً افطار کر دینا چاہیے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ ''پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو'' کا تقاضا یہ ہے کہ غروب آفتاب کے وقت روزہ افطار کر دیا جائے، حکم شریعت یہی ہے جیسا کہ صحیحین میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا ، وَ أَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ] ''جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار روزہ افطار کر لے۔'' [5]

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ] ''لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔'' [6] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّ أَحَبَّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا] ''اللہ عزوجل فرماتا ہے: مجھے اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو سب سے جلد افطار

[1] المغني لابن قدامة:79,78/3. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب الصائم يصبح جنبًا، حديث:1925، 1931 و صحيح مسلم، الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر و هو جنب، حديث:1109. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب صحة صوم من ......، حديث:(77)-1109. [4] صحيح مسلم، الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر و هو جنب، حديث:(79)-1110. [5] صحيح البخاري، الصوم، باب : متى يحل فطر الصائم؟ حديث:1954 و صحيح مسلم، الصيام، باب بيان وقت انقضاء الصوم وخروج النهار، حديث:1100. [6] صحيح البخاري، الصوم، باب تعجيل الإفطار، حديث:1957 و صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور......، حديث:1098.

کرنے والا ہے۔''[1] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔[2]

صومِ وصال کی ممانعت: صحیح احادیث میں صوم وصال کی ممانعت آئی ہے۔ صوم وصال سے مراد یہ ہے کہ ایک دن کو دوسرے کے ساتھ اس طرح ملا دیا جائے کہ دونوں کے درمیان کچھ بھی نہ کھایا جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا تُوَاصِلُوا، قَالُوا:يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّكَ تُوَاصِلُ ؟ قَالَ: إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَ يَسْقِينِي] ''وصال نہ کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو صومِ وصال رکھتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمھاری طرح نہیں ہوں، میں تو اس طرح شب بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب وصال سے نہ رکے تو آپ نے دو دن اور دو راتوں کا وصال کیا، پھر چاند دیکھ لیا اور فرمایا:[لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ] ''اگر چاند لیٹ ہو جاتا تو میں وصال میں اور بھی اضافہ کر دیتا۔'' یہ آپ نے گویا سزا کے طور پر فرمایا۔[3] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی صحیحین میں روایت کیا ہے۔[4]

کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ جو صوم وصال رکھتے تو یہ آپ کے خصائص میں سے تھا، آپ کو اس کی طاقت بھی تھی۔ اور آپ کی اس سلسلے میں مدد بھی کی جاتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کے حق میں یہ کھانا پینا معنوی تھا حسی نہیں تھا اور اگر اسے حسی قرار دیا جائے تو پھر آپ کا صوم وصال نہ ہوا۔

اگر کوئی شخص غروب آفتاب کے بعد سے لے کر سحری تک کچھ نہ کھائے تو اسے اس کی اجازت ہے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا تُوَاصِلُوا، فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُّوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ، قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُّطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَّسْقِينِ] ''وصال نہ کرو اور اگر کوئی وصال کا ارادہ کرے تو وہ بس سحری تک وصال کرے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو وصال کرتے ہیں؟ فرمایا: میں تمھاری طرح نہیں ہوں، میں اس طرح شب بسر کرتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔'' اسے بھی امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا ہے۔[5]

احکام اعتکاف: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ﴾ ''اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے ہم بستری نہ کرو۔'' کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو رمضان وغیر رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عورتوں سے ہم بستری کو دن یا رات میں اس وقت تک حرام قرار دیا ہے جب تک وہ اپنے اعتکاف کو پورا نہ کر لے۔[6]

[1] مسند أحمد:2/238,237. [2] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في تعجيل الإفطار، حديث:700. [3] مسند أحمد:2/281. [4] صحيح البخاري، الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال، حديث:1965و صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث:1103. [5] صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال إلى السحر، حديث:1967 و صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث:1102-1105. [6] تفسير الطبري:2/246.

ضحاک فرماتے ہیں کہ پہلے یہ صورت تھی کہ آدمی جب اعتکاف میں ہوتا تو وہ مسجد سے باہر نکل کر ہم بستری کر آتا تھا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ ﴾ ''اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے ہم بستری نہ کرو۔'' یعنی جب تک تم حالت اعتکاف میں ہو تو عورتوں کے قریب نہ جاؤ، نہ مسجد میں نہ مسجد سے باہر۔[1] مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اسی طرح کہا ہے کہ لوگ اس طرح کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[2] ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، محمد بن کعب، مجاہد، عطاء، حسن، قتادہ، ضحاک، سدی، ربیع بن انس اور مُقاتِل رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ حالت اعتکاف میں کوئی شخص عورت کے قریب نہ جائے۔[3] ان حضرات سے اس مسئلے میں یہ جو قول بیان کیا ہے تو یہ امر علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ مُعتَکِف کے لیے، جب تک وہ مسجد میں حالت اعتکاف میں ہے، عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی معتکِف کھانے پینے یا قضائے حاجت وغیرہ کی کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے گھر جائے تو وہ بقدر ضرورت ہی گھر میں ٹھہر سکتا ہے۔ اور اس صورت میں اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی بیوی کو بوسہ دے یا اسے گلے لگائے یا اعتکاف کے سوا کوئی اور مشغولیت اختیار کرے یا مریض کی بیمار پرسی کے لیے جائے۔ ہاں، البتہ راہ چلتے ہوئے مریض سے اس کا حال پوچھ سکتا ہے۔ اعتکاف سے متعلق بہت سے مفصل احکام ہیں جن میں سے ایک اچھی خاصی تعداد کو ہم نے اپنی کتاب ''الصیام'' کے آخر میں بیان کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

قرآن عظیم کی اقتدا ہی کے پیش نظر فقہاء مصنفین اپنی کتابوں میں کتاب الصوم کے بعد کتاب الاعتکاف کو بیان کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید نے بھی روزے کے مسائل کے بعد اعتکاف کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام و مسائل کے بعد جو اعتکاف کا ذکر فرمایا ہے تو اس میں اس طرف بھی راہ نمائی ہے کہ اعتکاف روزے ہی کی حالت میں ہو سکتا ہے، نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ ماہ صیام کے آخر میں ہونا چاہیے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے حتی کہ اللہ عزوجل نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف فرمایا جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے بروایت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کیا ہے۔[4]

صحیحین میں ہے کہ حضرت صَفِیّہ بنت حُیَیّ رضی اللہ عنہا نبیٔ اکرم ﷺ کی زیارت کے لیے آیا کرتی تھیں جب آپ مسجد میں حالت اعتکاف میں ہوتے تھے (ایک بار آپ تشریف لائیں) کچھ دیر گفتگو کی اور پھر گھر جانے کے لیے کھڑی ہوئیں، یہ رات کا وقت تھا تو نبی ﷺ بھی کھڑے ہو گئے تا کہ ان کے ساتھ چل کر گھر تک پہنچا آئیں۔ ان کا گھر مدینہ کے ایک طرف دارِ اسامہ بن زید

[1] تفسیر الطبری:246/2. [2] تفسیر الطبری:247/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:319/1. [4] صحیح البخاری، الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الأواخر، حدیث:2026 و صحیح مسلم، الاعتکاف، باب اعتکاف العشر الأواخر من رمضان، حدیث:1172.

میں تھا۔ راستے میں دو انصاری ملے جب انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تو اپنی رفتار تیز کر دی، ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی ﷺ سے حیا کی وجہ سے وہ چھپ گئے [1] کیونکہ آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تھے......، آپ نے ان دونوں سے فرمایا: [عَلٰی رِسْلِكُمَا، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ] ''ذرا رک جاؤ، دیکھو! یہ صفیہ بنت حُیَیّ ہے۔'' یعنی تیز نہ چلو اور جان لو کہ اس وقت میرے ساتھ میری بیوی صفیہ بنت حُیَیّ ہے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ! آپ نے فرمایا: [إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَّقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا ۔ وَفِي رِوَايَةٍ ۔ شَرًّا] ''شیطان انسان میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون، لہٰذا مجھے یہ ڈر لاحق ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں کوئی بات ۔اور ایک روایت میں ہے کہ ۔یا کوئی برائی۔ نہ ڈال دے۔'' [2]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے رسول اللہ ﷺ نے ارادہ یہ فرمایا کہ اپنی امت کو اس بات کی تعلیم دیں کہ وہ تہمت سے بچیں۔ آپ نے ان دونوں سے یہ وضاحت اس لیے فرما دی تا کہ وہ کسی بری بات میں مبتلا نہ ہو جائیں، حالانکہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور اس بات سے بہت بلند کہ نبی ﷺ کے بارے میں کسی بدگمانی میں مبتلا ہوں۔ [3] واللّٰہ أعلم.

مباشرت جس سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد جماع بھی ہے اور اس کے اسباب بوسہ و معانقہ وغیرہ بھی۔ اور جہاں تک عورت سے کسی چیز کے لینے دینے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کو میرے قریب کر دیتے اور میں کنگھی کر دیتی، حالانکہ میں اپنے خاص ایام میں ہوتی تھی۔ (جب آپ اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو) آپ صرف انسانی ضرورت کی وجہ سے گھر میں تشریف لاتے تھے۔ [4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ بعض اوقات گھر میں کوئی مریض ہوتا تو میں صرف راہ چلتے ہوئے اس کا حال پوچھ لیتی تھی۔ [5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ﴾ ''یہ اللہ کی حدیں ہیں۔'' یعنی یہ جو ہم نے روزے کو فرض قرار دیا اور اس کے احکام کو بیان کیا، اس میں کچھ امور کو مباح اور کچھ کو حرام قرار دیا ہے، پھر روزے کے مقاصد اور اس میں رخصت و عزیمت کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر میں یہاں [تواریا] ہے لیکن بسیار تلاش کے باوجود یہ لفظ نہیں مل سکا، البتہ [قَنَّعَارُءُ و سَهُمَا] یعنی انھوں نے اپنے سروں کو چھپا لیا، کے الفاظ: صحیح ابن حبان، الصوم، باب الاعتکاف......، ذکر جواز زیارۃ المرأۃ......:428/8، حدیث:3671 میں ہیں۔ اور [اِسْتَحْيَا] ''ان دونوں نے شرم محسوس کی۔'' اور [اِسْتَحْيَيَا] کے الفاظ علی الترتیب صحیح ابن حبان: 348/10، حدیث:4496 و المعجم الکبیر:72/24، حدیث:190 میں ہیں۔ [2] صحیح البخاری، الاعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ......، حدیث:2038، 3281 و صحیح مسلم، السلام، باب بیان أنه یستحب لمن رؤی خالیا بامرأۃ......، حدیث: 2175. [3] تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر، ترجمۃ محمد بن إدریس الشافعی رحمہ اللہ:247/54 میں بالفاظ دیگر یہ مفہوم بیان ہوا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام حاکم کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے، دیکھیے فتح الباری:280/4، تحت الحدیث: 2035. [4] صحیح البخاری، الاعتکاف، باب: لا یدخل البیت إلا لحاجۃ، حدیث:2029 و صحیح مسلم، الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حدیث:297. [5] صحیح مسلم، الحیض، باب جواز غسل الحائض......، حدیث:(7)-297 و سنن ابن ماجه، الصیام، باب فی المعتکف......، حدیث:1776.

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ

اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے مالوں میں سے کچھ مال

23 ع 6 7 النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿188﴾

گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو﴿188﴾

مسائل کو جو بیان کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنھیں اس نے خود بیان فرمایا ہے تو تم ان کے قریب نہ جاؤ، یعنی ان سے تجاوز نہ کرو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ یہ چار حدیں ہیں، پھر وہ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ سے ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ﴾ تک پڑھتے اور فرماتے کہ حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر اساتذہ یہی فرماتے اور اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اور فرمایا: ﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ﴾ ''اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔'' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام و مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اسی طرح وہ دیگر تمام احکام و مسائل کو بھی اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کی زبانی تفصیل سے بیان فرمائے گا۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿187﴾﴾ ''تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔'' یعنی تاکہ وہ جان لیں کہ وہ کس طرح ہدایت پائیں گے اور کس طرح اطاعت بجالائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○﴾ (الحدید 9:57) ''وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح (مطالب) آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تم کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی میں لائے، بے شک اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) انتہائی مہربان ہے۔''

تفسیر آیت:188

رشوت گناہ اور حرام ہے: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس کے ذمے کسی شخص کا مال ہو اور کوئی گواہی موجود نہ ہو اور وہ انکار کرتے ہوئے جھگڑے کو حکام کے پاس لے جائے، حالانکہ وہ جانتا ہو کہ حق اس کے خلاف ہے اور وہ گناہ گار اور مال حرام کھانے والا ہے۔[1] مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، مُقاتِل بن حَیّان اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے کہ جب تمھیں یہ معلوم ہو کہ تم ظالم ہو تو پھر جھگڑا نہ کرو۔[2]

قاضی کے فیصلے سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہیں بنتا: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَّإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ، فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَّكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَدَقَ فَأَقْضِي لَهُ بِذٰلِكَ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ، فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا] ''بے شک میں ایک بشر ہوں، میرے پاس جھگڑا کرنے والے آتے ہیں اور ممکن ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنی بات کو زیادہ اچھے طریقے سے پیش کر سکتے ہوں تو میں خیال کروں کہ اس نے سچ کہا ہے جس کی وجہ سے میں

[1] تفسیر الطبری: 251/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 321/1 وتفسیر الطبری: 252,251/2.

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

(اے نبی!) آپ سے چاند (کے احوال) کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات مقررہ ہیں اور نیکی یہ نہیں کہ تم

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪

اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی پرہیزگاری اختیار کرے، اور تم اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿189﴾

آؤ، اور تم اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ﴿189﴾

اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو جس شخص کو میں کسی دوسرے مسلمان کا حق دے دوں تو وہ درحقیقت جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے تو وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔''[1]

اس آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حاکم کے فیصلے سے کسی چیز میں فی نفسہ کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، یعنی جو فی نفسہ حرام ہو وہ کسی حاکم کے فیصلے سے حلال نہیں بنتا اور جو فی نفسہ حلال ہو وہ کسی قاضی کے فیصلے سے حرام قرار نہیں پاتا کیونکہ حاکم یا قاضی تو ظاہری حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہے اگر اس کا فیصلہ حقیقت کے مطابق ہو تو بہت خوب ورنہ اسے اجر ضرور مل جائے گا اور حیلہ باز کے کندھوں پر اس کا گناہ ہوگا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿188﴾﴾ ''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (بطور رشوت) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔''

یعنی تم جانتے ہو کہ جس بات کا تم دعویٰ کرتے اور اپنے کلام میں رواج دیتے ہو وہ باطل ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اس بات کو خوب جان لو کہ قاضی کا فیصلہ تمھارے لیے حرام کو حلال اور باطل کو حق قرار نہیں دے سکتا کیونکہ قاضی تو اپنی رائے اور گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے جبکہ قاضی ایک انسان ہے جس کا فیصلہ غلط بھی ہوسکتا ہے اور صحیح بھی، لہٰذا خوب جان لو کہ جس کے حق میں باطل فیصلہ ہو جائے تو اس کا جھگڑا ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جمع کرے گا اور حق والے کے حق میں باطل والے کے خلاف اس سے بدرجہا بہتر فیصلہ فرمائے گا جو دنیا میں ہوا تھا۔[2]

تفسیر آیت:189

چاند کے بارے میں سوال: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کے بارے میں سوال کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ﴾ ''اے نبی! لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے؟) کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب إثم من خاصم في باطل و هو يعلمه، حديث:2458 وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لا يغير الباطن، حديث:1713. [2] تفسير الطبري:251/2.

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿190﴾ وَ

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿190﴾ اور

اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا

تم انھیں جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو اور تم انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے اور تم

تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ

ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے ﴿191﴾

الْكٰفِرِیْنَ ﴿191﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿192﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ

پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿192﴾ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین

الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿193﴾

صرف اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں ﴿193﴾

میعادیں) معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔" اس سے وہ قرض کی مدت، عورتوں کی عدت اور حج کے وقت کو معلوم کر سکتے ہیں۔[1]

عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْأَهِلَّةَ مَوَاقِيتَ لِلنَّاسِ، فَصُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوا لَهُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا] "اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے لیے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے، لہٰذا چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے رکھنا چھوڑ دو اور اگر آسمان ابر آلود ہو تو مہینے کے دنوں کی تعداد تیس پوری کر لو۔"[2] امام حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا، صحیح الاسناد قرار دیا اور لکھا ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[3]

نیکی کا دار و مدار تقوے پر ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ "اور نیکی اس بات میں نہیں کہ (احرام کی حالت میں) گھر میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکوکار وہ ہے جو پرہیزگار ہو اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔" کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگ جب زمانۂ جاہلیت میں حالت احرام میں ہوتے تو وہ گھر میں پچھواڑے کی طرف سے آیا کرتے تھے، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تھا۔[4] اسی طرح امام ابوداود طیالسی نے بھی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انصار کے ہاں یہ معمول تھا کہ جب وہ سفر سے واپس آتے تو گھر کے دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[5]

[1] تفسیر الطبری:254/2. [2] المصنف لعبدالرزاق، باب الصیام:156/4، حدیث:7306. [3] المستدرك للحاكم، الصوم:423/1، حدیث:1539. [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب:29 ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ ......﴾ (البقرة 189:2)، حدیث:4512. [5] مسند أبی داود الطیالسی:90/2، حدیث:752.

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کچھ لوگ سفر کا ارادہ کرتے اور اپنے ارادۂ سفر کے تحت گھر سے نکل جاتے اور گھر سے باہر نکل جانے کے بعد وہ سفر کا ارادہ ترک کر کے مقیم ہو جاتے تو پھر گھر میں اپنے دروازے سے داخل نہ ہوتے بلکہ پچھواڑے کی جانب سے دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہوا کرتے تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا ﴾ ''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ۔''[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔'' یعنی تم اللہ سے ڈرو اور وہ کام کرو جس کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے اور اس سے رک جاؤ جس سے اس نے منع فرمایا ہے۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ تا کہ کل تم اس وقت نجات پاؤ جب اپنے رب تعالیٰ کے دربار عالی میں کھڑے ہو گے اور وہ تمھیں تمھارے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔

تفسیر آیات: 190-193

جو لڑتے ہوں ان سے لڑنے اور جہاں بھی وہ پائے جائیں انھیں قتل کرنے کا حکم: امام ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ﴾ ''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ مدینہ میں قتال کے بارے میں نازل ہونے والی پہلی آیت ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ان لوگوں سے لڑنا شروع کر دیا جو آپ سے لڑتے تھے اور آپ ﷺ ان سے نہیں لڑتے تھے جو آپ سے نہیں لڑتے تھے حتی کہ سورۂ براءت نازل ہوگئی۔[2]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے حتی کہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے: ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ﴾ (التوبة 9:5) ''مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔'' لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ﴾ ''جو لوگ تم سے لڑتے ہیں۔'' میں ان کافروں کے خلاف برانگیختہ کیا گیا ہے جن کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا ہو، یعنی جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان کے خلاف اسی طرح لڑو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ﴾ (التوبة 9:36) ''اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو، جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔'' اسی لیے تو اس آیت میں اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ﴾ ''اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے (مکہ سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔'' یعنی تمھارا عزم وارادہ بھی ان سے لڑنے کا ہو جس طرح وہ تمھارے ساتھ لڑنے کے لیے کمربستہ رہتے ہیں اور جس طرح انھوں نے تمھیں تمھارے شہر سے نکال دیا ہے تم بھی بطور قصاص انھیں یہاں سے نکال دو۔

مُثلہ اور چوری و خیانت کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾ ''اور تم زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد تو کرو مگر کسی سے

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 324/1. [2] تفسیر الطبري: 258/2 و تفسیر البغوي: 236/1 و تفسیر الماوردي: 251/1.

زیادتی نہ کرو، زیادتی کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ ان امور کا ارتکاب کیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔[1] جیسے: مثلہ کیا جائے یا چوری وخیانت کی جائے، عورتوں، بچوں اوران بوڑھوں کو قتل کیا جائے جن کی کوئی رائے یا جنگ میں کوئی حصہ نہ ہو، تارک دنیا اور گوشہ نشینوں کو قتل کیا جائے، درختوں کو جلا دیا جائے اور بغیر کسی مصلحت کے جانوروں کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عمر بن عبدالعزیز، مُقاتِل بن حَیّان اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے۔[2]

یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [أُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ ، أُغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، (وَّلَا أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ)] ''اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے راستے میں جہاد کرو جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس سے لڑو، جہاد کرو لیکن خیانت نہ کرو، نہ عہد شکنی کرو، نہ مثلہ کرو اور نہ بچوں اور گرجوں والوں کو قتل کرو۔''[3]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غزوات میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرما دیا۔[4] اس مسئلے سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث اور آثار موجود ہیں۔

شرک قتل سے بھی بڑھ کر ہے: جہاد میں چونکہ انسانی جانوں کا خاتمہ اور مردوں کو قتل کرنا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرتے اور اس کی راہ سے روکتے ہیں تو یہ قتل سے بھی بڑھ کر شدید اور سنگین جرم ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ ''اور (کفر و شرک کا) فساد قتل وخون ریزی سے کہیں بڑھ کر ہے۔'' ابو مالک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کفر و شرک پر تم قائم ہو یہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔[5] ابوالعالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک اور ربیع بن انس رحمہم اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شرک قتل سے کہیں بڑھ کر ہے۔[6]

حرم میں قتال کی حرمت اور حملہ آور کو روکنے کا جواز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ''اور مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے پاس تم ان سے نہ لڑو۔'' جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

[إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَ لَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا ، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا۔ وَ فِي رِوَايَةٍ۔ فَإِنْ أَحَدٌ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:326/1. [2] تفسیر الطبری:259/2 وتفسیر ابن أبي حاتم:325/1. [3] صحیح مسلم، الجهاد، باب تأمیر الإمام......، حدیث:1731 لیکن قوسین والے الفاظ مسند أحمد:300/1 کے ہیں۔ [4] صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب قتل الصبیان فی الحرب، حدیث:3014 وصحیح مسلم، الجهاد، باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب، حدیث:1744. [5] تفسیر ابن أبي حاتم:326/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم:326/1.

تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰہِﷺ فَقُولُوا:إِنَّ اللّٰہَ أَذِنَ لِرَسُولِہٖ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ]
''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تو یہ اللہ تعالیٰ کے محترم قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک محترم ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں لڑائی کرنا حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک گھڑی میں لڑنا حلال قرار دیا گیا تھا، چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کے محترم قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک محترم ہے۔ اس کے کانٹوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی گری پڑی چیز کو اٹھایا جائے مگر جو اس کا اعلان کرے اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔''① اور ایک روایت میں ہے: ''اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے قتال کو بطور دلیل پیش کرے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اجازت عطا فرما دی تھی مگر تمھیں اس کی اجازت نہیں دی۔''②

رسول اللہ ﷺ کا اشارہ فتح مکہ کے دن اہل مکہ سے لڑنے کی طرف تھا، آپ نے مکہ کو زبردستی فتح کیا تھا اور مکہ کے چند باشندے بھی خَنْدَمَۃ کے پاس مارے گئے تھے، آپ نے یہ فرما کر مکہ کے لوگوں کو امن عطا فرما دیا تھا:[مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَّمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ دَارَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَّمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ] ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ جس نے اپنے دروازے کو بند کر لیا وہ بھی امن میں ہے اور جو مسجد (الحرام) میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔''③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''یہاں تک کہ وہ تم سے اس (مسجد محترم) کے پاس لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو، کافروں کی یہی سزا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو۔ ہاں، البتہ اگر وہ از خود لڑائی کا آغاز کریں تو تم ان سے لڑائی کر سکتے ہو اور حملہ آور کو مار بھگا سکتے ہو جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے قتال پر بیعت لی تھی جبکہ قریشیوں نے اور ان کے اس سال کے حلیف خاندان ثقیف وحبشہ کے لوگوں نے آپ کے خلاف یورش کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کے مابین قتال کو روک دیا اور فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (الفتح 24:48) ''اور وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ان (کافروں) پر فتح یاب کرنے کے بعد وادیٔ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ

① صحیح البخاری، جزاء الصید، باب لا ینفر صید الحرم، حدیث:1833 و صحیح مسلم، الحج، باب تحریم مکة و تحریم صیدها......، حدیث:1353 و اللفظ له. عن ابن عباسؓ. ② صحیح البخاری، جزاء الصید، باب لا یعضد شجر الحرم، حدیث:1832 و صحیح مسلم، الحج، باب تحریم مکة ......، حدیث:1354 عن أبی شُریحؓ. ③ صحیح مسلم، الجهاد، باب فتح مکة، حدیث:(86)-1780 و السنن الکبرٰی للبیهقی، السیر، باب فتح مکة حرسها اللہ تعالیٰ:119/9 و اللفظ له عن ابن عباسؓ. اور خندمة مکہ مکرمہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿الفتح 48:25﴾ ’’اور اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (تو ابھی تمھارے ہاتھ سے فتح ہو جاتی مگر تاخیر) اس لیے (ہوئی) کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ان کو ہم دکھ دینے والا عذاب دیتے۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٩٢﴾ ’’پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ حرم میں قتال کو ترک کر دیں اور اسلام کی طرف رجوع کر کے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ انھوں نے گو حرم میں مسلمانوں کو قتل کیا تھا لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا، خواہ اس کا گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

فتنے کے خاتمے تک لڑائی کا حکم: پھر اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک کفار سے قتال کا حکم دیا ہے جب تک کہ فتنہ نیست و نابود نہ ہو جائے اور فتنہ سے یہاں شرک مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، مُقاتل بن حَیّان، سدی اور زید بن اسلم رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔[1] ﴿وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ﴾ ’’اور (زمین میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کا دین تمام دینوں پر غالب آجائے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے یا حَمِیَّت کے لیے یا ریاکاری کے لیے لڑائی کرتا ہے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں کون لڑتا ہے؟ فرمایا: [مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ’’جو اس لیے لڑے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتا ہے۔‘‘[2]

صحیحین ہی کی ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا ہے: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، فَإِذَا قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ] ’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیں اور جب وہ اس کا اقرار کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے الا یہ کہ اس کلمے (یا اسلام) کی وجہ سے کوئی حق ہو (اور اسے پامال کر دیا جائے۔) اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔‘‘[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩٣﴾ ’’پھر اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے۔)‘‘ یعنی اگر وہ شرک سے اور مومنوں سے جنگ کرنے سے باز آجائیں تو تم بھی ان

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:327/1. [2] صحیح البخاري، التوحید، باب قوله تعالٰی: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا ......﴾، حدیث: 7458 وصحیح مسلم، الإمارة، باب من قاتل لتکون کلمة اللّٰه......، حدیث:1904 واللفظ له. [3] صحیح البخاري، الإیمان، باب: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ......﴾، حدیث:25 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. وصحیح مسلم، الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا......، حدیث:(35)21 واللفظ له عن جابر بن عبداللّٰه رضی اللہ عنہ.

سے رک جاؤ کیونکہ اس کے بعد ان سے جو لڑے گا وہ ظالم ہوگا اور ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ اور یہی معنی ہیں حضرت مجاہد کے قول کے کہ اسی سے قتال کیا جائے جو قتال کرے۔ ①

یا اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو وہ گویا ظلم، یعنی شرک سے باز آ گئے، لہٰذا اس کے بعد ان پر کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ اور زیادتی سے یہاں مراد انھیں سزا دینا اور ان سے جنگ کرنا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ﴾ (البقرۃ2:194) ''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ (الشوریٰ42:40) ''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ﴾ (النحل16:126) ''اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی ہو۔'' یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ظالم وہ ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دے۔ ②

امام بخاری رحمہ اللہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ کی تفسیر میں نافع کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتنۂ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے دنوں میں دو آدمی آپ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ لوگ کٹ مر رہے ہیں اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں تو آپ (ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف) خروج کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے خروج سے یہ بات روکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اپنے بھائی کے خون کو حرام قرار دیا ہے۔ ان دونوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ ''ان (کفار) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔'' تو آپ نے فرمایا ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر) جہاد کیا حتی کہ فتنہ نابود ہو گیا اور دین اللہ کے لیے ہو گیا اور تم اس لیے لڑنا چاہتے ہو تا کہ فتنہ برپا ہو جائے اور دین اللہ کے لیے نہ رہے۔

عثمان بن صالح نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! آپ کو اس بات پر کس نے آمادہ کیا ہے کہ ایک سال حج اور ایک سال عمرہ تو کریں لیکن جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کس قدر ترغیب دی ہے؟ فرمایا: بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے: (1) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ (2) نماز پنجگانہ ادا کرنا۔ (3) رمضان کے روزے رکھنا۔ (4) زکاۃ ادا کرنا اور (5) بیت اللہ کا حج کرنا۔ انھوں نے عرض کی: اے ابو عبدالرحمٰن! کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ (الحجرات49:9) ''اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔''

① تفسیر الطبری:267/2. ② تفسیر الطبری:267/2.

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ

(تم پر) ماہ حرام (کی پابندی اُن کی طرف سے) ماہ حرام (کی پابندی) کے بدلے میں ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں، پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿194﴾

اس کے برابر اس پر زیادتی کرو جو زیادتی اس نے تم پر کی، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ﴿194﴾

اور فرمایا: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ ''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے۔''

آپ نے جواب دیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اسی طرح کیا تھا، اس وقت اسلام کم تھا آدمی کو دین کے اعتبار سے فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا حتی کہ اسے شہید کر دیا جاتا یا طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا یہاں تک کہ اسلام زیادہ ہو گیا اور فتنہ وفساد باقی نہ رہا۔ اس نے پوچھا کہ علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے تو معاف فرما دیا ہے مگر تم اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے اور جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد بھی ہیں اور آپ کے داماد بھی اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ ان کا گھر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔[1]

تفسیر آیت:194

حرمت کے مہینوں میں لڑائی حرام ہے الا یہ کہ دشمن ان میں لڑائی شروع کر دے: عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز ضحاک، سدی، قتادہ، مِقسم، ربیع بن انس اور عطاء رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ تفسیر سے مروی ہے کہ جب 6ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے تشریف لے گئے اور مشرکوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا تو یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا جو حرمت کا مہینہ ہے اور انھوں نے تقاضا کیا کہ آپ اگلے سال تشریف لائیں تو آپ اور مسلمان اگلے سال تشریف لائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں سے بدلہ لے لیا تو اسی سلسلے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ ﴾ ''(تم پر) ماہ حرام (کی پابندی) ماہ حرام (کی پابندی) کے بدلے میں ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں۔''[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینے میں جہاد نہیں کیا کرتے تھے الا یہ کہ دشمن پہل کرتا تو پھر اس سے لڑتے تھے۔ جب حرمت کا مہینہ ہوتا تو آپ جنگ سے رک جاتے تھے حتی کہ وہ مہینہ گزر جاتا۔[3] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے حُدَیبِیہ میں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اور آپ کو یہ خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے جنھیں آپ نے مشرکین کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا، تو آپ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جن کی تعداد چودہ سو تھی، درخت کے نیچے مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کے لیے بیعت لی اور جب آپ کو یہ خبر پہنچی

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾......(البقرة2:193)، حديث:4513-4515.

[2] تفسير الطبري:2/268-270. [3] مسند أحمد:3/345.

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾

اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ ہلاکت (کے کام) میں نہ ڈالو اور تم نیکی کرو، یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۹۵﴾

کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا تو آپ لڑائی سے رک گئے اور صلح کی طرف مائل ہو گئے جیسا کہ یہ قصہ مشہور ہے۔ (1)

اسی طرح آپ جب حنین کے دن ہوازن (قبیلے) کی لڑائی سے فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور آپ نے محاصرہ فرما لیا۔ (2) آپ نے مَنْجَنِیق (3) کے ساتھ محاصرہ کیا ہوا تھا کہ ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہو گیا۔ اور چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ (4) پھر جب بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تو آپ نے فتح کے بغیر ہی یہ محاصرہ ختم کر دیا (5) اور آپ مکہ مکرمہ کی طرف واپس تشریف لے گئے اور مقام جِعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا جہاں آپ نے حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا تھا۔ آپ نے یہ عمرہ ذوالقعدہ 8ھ میں ادا فرمایا۔ (6) صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۪﴾ ''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل کرنے کا حکم ہے حتی کہ مشرکوں کے ساتھ بھی! جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ﴾ (النحل126:16) ''اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی ہو۔'' اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' میں یہ حکم ہے کہ اس کی اطاعت اور تقوے کو اختیار کیا جائے، نیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت میں اپنی نصرت اور تائید و حمایت سے سرفراز فرمائے گا۔

تفسیر آیت:195

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت: ﴿وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ﴾ ''اور تم اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' نفقے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (7) ابن ابوحاتم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد،

(1) السيرة النبوية لابن هشام، إشاعة مقتل عثمان:330,329/3 و صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان......، حديث:4157,3699. (2) صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حديث:4325 و صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة الطائف، حديث:1778 عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه. (3) المراسيل لأبي داود، باب في فضل الجهاد:335 و الطبقات الكبرى لابن سعد، غزوة رسول الله ﷺ الطائف:159/2. (4) [أربعين ليلة] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صرف صحيح مسلم، الزكاة، باب اعطاء المؤلفة......، حديث:(136)-1059 میں ہے۔ یاد رہے واقعۂ حنین کے دن سے آپ کی جعرانہ سے مدینہ واپسی کے دن تک چالیس دن بنتے ہیں۔ (5) صحيح البخاري، حديث:4325 و صحيح مسلم، حديث:1778. (6) صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث:4148. (7) صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا......﴾ (البقرة 195:2)، حديث:4516.

عکرمہ، سعید بن جبیر، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی اور مُقاتل بن حَیّان رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [1]

امام لیث بن سعد نے یزید بن ابوحبیب سے اور انھوں نے ابوعمران اسلم سے روایت کیا ہے کہ قسطنطنیہ میں مہاجرین میں سے کچھ لوگوں نے دشمن کی صف پر اس طرح حملہ کیا کہ صف کو چیر ڈالا۔ اس وقت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے، ایک شخص نے یہ دیکھ کر کہا کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے، یہ سن کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کے بارے میں ہم زیادہ بہتر جانتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی تھی، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی، ہم تمام موقعوں پر آپ کے ساتھ تھے اور ہم نے آپ کی مدد کی جب اسلام پھیل کر خوب ظاہر ہو گیا تو ہم گروہ انصار جمع ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت کی وجہ سے عزت عطا فرمائی ہے حتی کہ اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ہم نے اپنے اہل و عیال اور اولاد و اموال پر آپ کو ترجیح دی تھی اور اب جبکہ حالت جنگ ختم ہو گئی ہے تو ہم اپنے اہل و اولاد میں لوٹ جائیں گے اور ان میں اقامت پذیر ہوں گے تو اس وقت ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ''اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' گویا اہل و مال میں اقامت اختیار کرنا اور جہاد کو ترک کر دینا بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اسے امام ابوداود، ترمذی، نسائی نے (اپنی اپنی سنن میں) اور عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں، نیز ابن ابوحاتم، ابن جریر، ابن مردویہ نے اور حافظ ابویعلی نے اپنی مسند میں، ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ [2] امام ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے اور حاکم نے اسے شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔

ابوداود میں ابوعمران اسلم کی روایت میں ہے کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے، اہل مصر پر اس وقت عُقْبَہ بن عامر حاکم تھے اور اہل شام پر فَضالہ بن عُبید۔ رومیوں کی ایک عظیم صف نکلی تو ہم بھی ان کے بالمقابل صف آراء ہو گئے تو ایک مسلمان نے رومیوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ ان کی صفوں میں داخل ہو گیا، لوگ چیخ اٹھے اور کہنے لگے: سبحان اللہ! اس نے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو۔ یہ آیت ہم گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو سرفرازی عطا فرما دی اور اس کے مددگاروں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو ہم

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:331/1. [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في قوله عزوجل: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾، حديث:2512 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2972 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ ......﴾:299/6، حديث:11029 و تفسير ابن أبي حاتم:331,330/1 و تفسير الطبري:279/2 و صحيح ابن حبان، السير، باب فرض الجهاد:10,9/11، حديث:4711 و المستدرك للحاكم، الجهاد: 85,84/2، حديث:2434، مسند أبي يعلى میں یہ روایت بسیار تلاش کے باوجود نہیں مل سکی۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ

اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تمھیں (راستے میں) روک دیا جائے تو قربانی کے لیے جو میسر ہو (وہ قربان کر دو) اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ

حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ

قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے، پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں روزے رکھے یا

صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

صدقہ دے یا قربانی کرے، پھر جب تمھیں امن مل جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو تم میں سے جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا وہ

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ

(احرام کھول کر) جو میسر ہو قربانی کرے، پھر جو شخص (قربانی) نہ پائے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ،

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

یہ پورے دس (روزے) ہیں۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں اور تم اللہ سے ڈرو

24 ع 8 8 وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۧ ﴿196﴾

اور جان لو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿196﴾

آپس میں کہنے لگے کہ اب اگر ہم اپنے اموال پر توجہ دیں اور انھیں درست کر لیں تو کیا اچھا ہو، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ①

ابو بکر بن عیاش نے ابو اسحاق سَبِیعی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اگر میں اکیلا دشمن پر حملہ کروں اور وہ مجھے قتل کر دے تو کیا میں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا: ﴿ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ (النسآء 84:4) ”چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔“ اور یہ آیت ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ...... ﴾ نفقے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ② اسے ابن مردُویہ نے روایت کیا اور امام حاکم نے بھی مستدرک میں بیان کیا اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ ③

ثوری اور قیس بن ربیع نے بھی اسے ابو اسحاق سے اور انھوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ﴿ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ کے بعد کہا کہ ہلاکت یہ ہے کہ آدمی گناہ کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے اور توبہ نہ کرے۔ ④

عطاء نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: ﴿ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۖ ﴾ کے بارے

① مسند أبي داود الطيالسي، أحاديث أبي أيوب الانصاري ﷺ:490/1 حديث:600 کے الفاظ اس روایت کے قریب تر ہیں۔ و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة البقرة، حديث:2972. ② مسند أحمد:281/4. ③ المستدرك للحاكم:276/2 ، حديث:3089 لیکن یہ روایت اس سے کچھ مختلف ہے۔ ④ تفسير الطبري:277/2.

میں روایت کیا ہے کہ اس کا تعلق قتال سے نہیں بلکہ نفقات سے ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لو گے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو گے۔[1]

اس آیت شریفہ کا مضمون یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور تقرب و طاعت الٰہی کے دیگر تمام کاموں میں خصوصاً دشمنوں سے جہاد کے لیے مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو تقویت حاصل ہو، پھر بتایا گیا ہے کہ ایسا نہ کرنے میں تباہی و بربادی اور ہلاکت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے احسان، جو مقاماتِ اطاعت میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴾ ''اور احسان کرو، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

تفسیر آیت:196

حج و عمرہ کو پورا کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے پہلے احکام صیام کا ذکر فرمایا، پھر جہاد کا ذکر کیا اور اب احکام و مناسک حج کا ذکر کرتے ہوئے حج و عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ سیاق کلام سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکم یہ ہے کہ جب حج و عمرے کے افعال کو شروع کر دیا جائے تو انھیں بہر صورت مکمل کیا جائے۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ ﴾ یعنی اگر تمھیں بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا جائے اور حج و عمرے کے مکمل کرنے سے منع کر دیا جائے......، اسی وجہ سے علماء کا اتفاق ہے کہ حج و عمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا لازم ہے۔ مکحول فرماتے ہیں کہ ان کو پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو میقات سے شروع کیا جائے۔[2]

امام عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ ﴾ ''اور تم اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج و عمرے کو پورا کرو۔'' کے بارے میں فرمایا کہ انھیں پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ سرانجام دیا جائے اور عمرے کو حج کے مہینوں کے علاوہ دیگر مہینوں میں سرانجام دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ ﴾ (البقرة2:197) ''حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں۔''[3]

امام سدی فرمان باری: ﴿ وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حج و عمرے کو قائم کرو۔[4]

قتادہ نے زُرارہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حج عرفہ اور عمرہ طواف کا نام ہے۔[5] اعمش نے ابراہیم کے حوالے سے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ ہے: وَأَقِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إِلَى الْبَيْتِ ''حج و عمرے کو بیت اللہ تک قائم کرو۔''[6] اور عمرے میں بیت اللہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کا سعید بن جبیر سے ذکر کیا تو انھوں نے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا تھا۔[7] سفیان نے اعمش سے، انھوں نے ابراہیم سے اور انھوں نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ حج و عمرے کو بیت اللہ تک قائم

[1] تفسیر الطبری:2/274. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1/333. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1/334. [4] تفسیر الطبری: 2/286. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:1/334. [6] تفسیر الطبری:2/282. [7] تفسیر الطبری:2/282.

کرو۔① امام ثوری نے منصور از ابراہیم کے حوالے سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس طرح: وَأَقِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إِلَى الْبَيْتِ قراءت کی ہے۔②

مُحرِم کو جب راستے میں روک دیا جائے؟ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ''پھر اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (وہ قربان کردو۔)'' کے بارے میں ائمۂ تفسیر نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ آیت سن 6 ہجری میں، یعنی حدیبیہ کے سال اس وقت نازل ہوئی تھی جب مشرکین رسول اللہ ﷺ اور بیت اللہ کے مابین حائل ہوگئے تھے جیسا کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورۂ فتح بھی نازل فرمائی تھی اور اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کر دیں، جو کہ ستر اونٹ تھے، اپنے سروں کو منڈوا دیں اور احرام کھول دیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ حکم دیا کہ وہ سر منڈا دیں اور احرام کھول کر حلال ہو جائیں تو انھوں نے ایسا کرنے میں قدرے تاخیر کی تاکہ یہ حکم منسوخ ہو جائے مگر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک منڈوا دیا تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی اتباع میں ایسا ہی کیا۔ ہاں، البتہ کچھ لوگوں نے بال کٹوا دیے اور کچھ نے منڈوا دیے۔ اسی وجہ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!- فَقَالَ فِي الرَّابِعَةِ-: وَالْمُقَصِّرِينَ] ''اللہ تعالیٰ بال منڈوانے والوں پر رحم فرمائے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں، چنانچہ چوتھی بار آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بال کٹوانے والوں پر بھی رحم فرمائے۔''③

اس موقع پر اونٹ (اور گائے) کی قربانی میں سات سات آدمی شریک تھے۔④ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد چودہ سو تھی۔⑤ حرم سے باہر حدیبیہ کے مقام پر انھوں نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صحابۂ کرام کا قیام حرم کی سرحد پر تھا۔ واللّٰه أعلم.

حَصر (راستے کی رکاوٹ) عام ہے، خواہ یہ دشمن کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے یا راستے سے بھٹک جانے وغیرہ کی وجہ سے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرَجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى] ''جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو جائے تو اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔'' فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس کا ذکر کیا تو دونوں نے فرمایا کہ وہ سچ کہتے ہیں۔⑥ اس حدیث کو اصحاب کتب اربعہ نے بیان کیا ہے۔⑦

---

① تفسیر الطبری:282/2. ② تفسیر الطبری:282/2. ③ صحیح مسلم، الحج، باب تفضیل الحلق علی التقصیر......، حدیث:(318)1301 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. صلح حدیبیہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر الطبری:302/2-307 و الرحیق المختوم:337-348. ④ صحیح مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك فی الهدی......، حدیث:1318 و صحیح ابن حبان، الحج، باب ذکر إباحة اشتراك......:318/9، حدیث:4006 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ. ⑤ صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة الحدیبیة، حدیث:4150. ⑥ مسند أحمد:450/3. ⑦ جامع الترمذی، الحج، باب ماجاء فی الذی یهل بالحج......، حدیث:940 و سنن النسائی، مناسك الحج، باب فیمن أحصر بعدو، حدیث:2863.

امام ابوداود اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں نبیٔ اکرم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں: [مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ أَوْ مَرِضَ ......] ''جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے یا بیمار ہو جائے ......''① امام ابن ابوحاتم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن مسعود، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، علقمہ، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، مجاہد، نخعی، عطاء اور مُقاتل بن حَیّان رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اِحصار دشمن یا مرض یا پاؤں وغیرہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اِحصار ہر اس چیز کی وجہ سے ہو سکتا ہے جو انسان کے لیے تکلیف دہ ہو۔②

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضُباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن میں بیمار ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: [حُجِّي وَاشْتَرِطِي، أَنَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي] ''تم حج کرو اور یہ شرط لگا لو کہ (اے اللہ!) میں وہاں احرام کھول دوں گی جہاں تو مجھے روک لے گا۔''③ امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔④ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج میں اس طرح کی شرط لگا لینا بھی جائز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ''تو قربانی کے لیے جو میسر ہو'' کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد بکری ہے۔⑤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری (نر و مادہ) کی آٹھوں قسموں سے ادا کی جا سکتی ہے۔⑥ امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کر دے۔⑦ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر خوش حال ہو تو اونٹ کی قربانی کر دے ورنہ گائے کی اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بکری کی قربانی کر دے۔⑧ ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ قربانی ہے جو سستی اور مہنگی کے مابین ہو۔⑨

اِحصار کی صورت میں بکری کی قربانی کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واجب قرار دیا ہے کہ جیسی قربانی میسر ہو کر دی جائے اور قربانی پالتو جانوروں، یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہی سے کی جا سکتی ہے جیسا کہ امت کے بہت بڑے عالم، بحر العلوم، ترجمان القرآن اور رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے، نیز صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: [أَهْدَى النَّبِيُّ ﷺ مَرَّةً غَنَمًا] ''نبی ﷺ نے ایک بار بکری

① سنن أبي داود، المناسك، باب الإحصار، حديث:1863 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب المحصر، حديث: 3078. ② تفسير ابن أبي حاتم:335/1. (حصر یا اِحصار ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، (یعنی) راستے کی رکاوٹ) ③ صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث:5089 وصحيح مسلم، الحج، باب جواز اشتراط المحرم......، حديث:(105)-1207 واللفظ له. ④ صحيح مسلم، الحج، باب جواز اشتراط المحرم التحلل ......، حديث: 1208. ⑤ الموطأ للإمام مالك، الحج، باب ما استيسر من الهدى:149/1، حديث:893. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 336/1. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم:337/1. ⑧ تفسير الطبري:298/2. ⑨ تفسير ابن أبي حاتم:337/1.

کی قربانی دی تھی۔‘‘ ①

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ﴾ کا عطف ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ پر ہے، اس کا عطف ﴿ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ﴾ پر نہیں ہے جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ کا گمان ہے کیونکہ نبی ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ والے سال جب کفار قریش نے حرم میں داخل ہونے سے روک دیا تھا تو انھوں نے سر منڈا دیے اور اپنے قربانی کے جانوروں کو حرم سے باہر ہی ذبح کر دیا تھا۔

البتہ حالت امن میں اور حرم تک پہنچ جانے کی صورت میں سر منڈانا جائز نہیں ہے ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ﴾ ’’حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کے مقام تک پہنچ جائے۔‘‘ اور حج کرنے والا اگر قارن ہے تو حج و عمرے کے افعال سے فارغ ہو جائے اور اگر مفرد (حج ازاد کرنے والا) یا مُتَمَتِّع (حج تمتع کرنے والا) ہے تو ان میں سے ایک سے فارغ ہو جائے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں نے تو عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے مگر آپ نے نہیں کھولا؟ تو آپ نے فرمایا: [إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أَحِلُّ حَتّٰى أَنْحَرَ] ’’میں نے اپنے سر کے بالوں کو چپکا لیا اور اپنے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنا دیا ہے، لہٰذا میں اس وقت تک احرام کھول کر حلال نہیں ہو سکتا جب تک قربانی کے جانور کو ذبح نہ کر دوں۔‘‘ ②

جو شخص حالت احرام میں سر منڈا دے تو اس پر فدیہ واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ﴾ ’’پھر اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈوالے) تو اس کے بدلے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن اصبہانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن معقل سے سنا کہ میں کعب بن عُجْرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس مسجد (مسجد کوفہ) میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ان سے روزوں کی صورت میں فدیے کی ادائیگی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ مجھے جب نبی ﷺ کی خدمت میں لے جایا گیا تو میرے چہرے پر جوئیں چل رہی تھیں، آپ نے فرمایا: [مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِكَ هٰذَا، أَمَا تَجِدُ شَاةً ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِّصْفُ صَاعٍ مِّنْ طَعَامٍ ، وَّاحْلِقْ رَأْسَكَ] ’’میرا خیال نہیں تھا کہ تمھاری تکلیف یہاں تک پہنچ جائے گی، کیا تمھارے پاس ایک بکری موجود ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں، تو آپ نے فرمایا: تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو اور ہر مسکین کو نصف صاع کھانا دو اور اپنے سر کو منڈوا دو۔‘‘ تو یہ آیت خاص طور پر میرے بارے میں

---

① صحيح البخاري، الحج، باب تقليد الغنم، حديث:1701 و صحيح مسلم، الحج، باب استحباب بعث الهدى إلى الحرم......، حديث:1321. ② صحيح البخاري، الحج، باب التمتع والقران والإفراد بالحج......، حديث:1566 و صحيح مسلم، الحج، باب بيان أن القارن لا يتحلل إلاّ في وقت تحلل الحاج المفرد، حديث:1229.

نازل ہوئی تھی لیکن اس کا حکم تم سب کے لیے عام ہے۔ [1]

امام احمد رحمہ اللہ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور جوئیں میرے چہرے یا میری پلکوں پر چل رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: [أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ ، قَالَ: فَاحْلِقْهُ، وَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ ، أَوِ انْسُكْ نَسِيكَةً] ''کیا تمھارے سر کی جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ اپنے سر کو منڈوا دو اور تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا قربانی کر لو۔'' ایوب (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے ان میں سے پہلے کس کا ذکر فرمایا۔ [2]

قرآن مجید کے الفاظ میں چونکہ رخصت کو بیان کرنا مقصود تھا، اس لیے قرآن نے سب سے پہلے زیادہ آسان صورت کو بیان کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ افضل عمل کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، اس لیے آپ نے فرمایا کہ بکری قربان کر دو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا تین روزے رکھ لو [3] تو ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ بہت خوب ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

حج میں تمتع کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ ﴾

''پھر جب تمھیں امن مل جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو تم میں سے جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا وہ (احرام کھول کر) جو قربانی میسر ہو کرے۔'' یعنی جب مناسک حج ادا کرنا تمھارے لیے ممکن ہو جائے اور تم میں سے جو حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے۔ اور یہ حکم اس کے لیے ہے جس نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو اور اس کے لیے بھی جس نے پہلے صرف عمرے کا احرام باندھا ہو اور عمرے سے فراغت کے بعد حج کا احرام باندھ لیا ہو اور یہی خاص تمتع ہے جو فقہا کے کلام میں معروف ہے۔ اور عام تمتع دونوں قسموں کو شامل ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے حج قِران کیا تھا لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ہدی کے جانور ساتھ لائے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کی ہَدْی مقدور ہو وہ ذبح کر دے جو کم سے کم ایک بکری تو ہونی چاہیے۔ اسی طرح گائے بھی ذبح کر سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ذبح کیا تھا۔ امام اوزاعی نے یحییٰ بن ابوکثیر سے انھوں نے ابوسلمہ سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ذبح کیا اور انھوں نے حج تمتع کا احرام باندھا ہوا تھا۔ [4] اسے ابوبکر بن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا ...... ﴾ (البقرة2:196)، حديث:4517 و صحيح مسلم، حديث:(85)-1201. ② مسند أحمد:241/4 و صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث:4190.

③ کسی حدیث میں بعینہ یہ ترتیب ہمیں نہیں ملی۔ واللّٰہ أعلم. ④ سنن أبي داود، المناسك، باب في هدى البقر، حديث:1751.

یہ حدیث حج تمتع کی مشروعیت کی دلیل ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کتاب اللہ میں آیت تمتع نازل ہوئی تھی اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج تمتع کیا، قرآن نے اسے حرام یا ممنوع قرار نہیں دیا حتی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا اشارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ ①

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی صراحت بھی منقول ہے کہ آپ لوگوں کو حج تمتع سے منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتمام کا حکم دیا ہے، آپ کا اشارہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ ﴾ کی طرف تھا۔ درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے اس لیے منع نہیں فرماتے تھے کہ آپ اسے حرام سمجھتے تھے بلکہ آپ اس لیے منع فرماتے تھے تاکہ حج وعمرہ کرنے والوں کا بیت اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ قصد ہو جیسا کہ آپ سے اس کی صراحت موجود ہے۔

ہدی کا جانور میسر نہ ہو تو متمتع دس روزے رکھے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ﴾ ”پھر جس کو (قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ، یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔“ یعنی جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ تین روزے ایام حج میں رکھ لے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس کے پاس قربانی نہ ہو تو وہ ایام حج میں عرفے کے دن سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے اور اگر تیسرا دن عرفہ ہو تو اس کے روزے پورے ہو گئے اور سات روزے اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر رکھ لے۔ ②

اسی طرح ابو اسحاق نے وبرہ سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن یوم الترویہ سے پہلے روزہ رکھ لے، ایک یوم الترویہ کو روزہ رکھ لے اور ایک روزہ عرفے کے دن رکھ لے۔ ③ جعفر بن محمد نے اپنے والد گرامی محمد باقر رحمہ اللہ سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ④

اگر تینوں یا ان میں سے کچھ روزے عید سے پہلے نہ رکھ سکے تو ایام تشریق میں بھی یہ روزے رکھنا جائز ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول صحیح بخاری میں ہے کہ ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں، البتہ جس شخص کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ ان دنوں میں بھی روزے رکھ سکتا ہے۔ ⑤ سفیان نے جعفر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص ایام حج میں روزے نہ رکھ سکے تو وہ ایام تشریق میں رکھ لے۔ عُبَید بن عمیر لیثی، عِکرِمہ، امام حسن بصری، اور عروہ بن زبیر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ⑥ انھوں نے یہ بات: ﴿ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ ﴾ (البقرة 2:196)، حديث:4518 وصحيح مسلم، الحج، باب جواز التمتع، حديث:1226. ② تفسير الطبري:340/2. ③ تفسير الطبري:341/2. ④ تفسير الطبري: 338/2. ⑤ صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، حديث:1997، 1998. ⑥ تفسير الطبري:340/2 و تفسير ابن أبي حاتم:342/1.

﴿ فِی الْحَجِّ ﴾ کے عموم کے پیش نظر فرمائی ہے۔ اور امام مسلم نے نُبَیْشَة هُذَلِی رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[أَیَّامُ التَّشْرِیقِ أَیَّامُ أَكْلٍ وَّ شُرْبٍ وَّ ذِكْرِ اللّٰهِ] ''ایام تشریق کھانے، پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''① تو یہ حکم عام ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات خاص ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ﴾ ''اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آ ؤ'' کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ جب تم اپنی رہائش گاہوں میں واپس آ جاؤ۔ اور دوسرا یہ کہ جب تم اپنے وطنوں میں واپس آ ؤ تو روزے رکھ لو۔ امام عبدالرزاق نے سالم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ اس آیت کے بارے میں فرما رہے تھے کہ سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس آئے۔ سعید بن جبیر، ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، زہری اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔②

امام بخاری نے سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے کے ساتھ حج تک فائدہ اٹھایا تھا، آپ نے قربانی بھی دی اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں عمرے کا احرام باندھا، پھر آپ نے حج کا احرام باندھا اور لوگوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرے سے حج تک فائدہ اٹھایا، یعنی حج تمتع کیا، کچھ لوگ قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے اور کچھ لوگ قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ نبی ﷺ جب مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:[مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدٰى فَإِنَّهُ لَا یَحِلُّ مِنْ شَیْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى یَقْضِیَ حَجَّهُ وَمَنْ لَّمْ یَكُنْ مِّنْكُمْ أَهْدٰى فَلْیَطُفْ بِالْبَیْتِ وَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَیُقَصِّرْ وَلْیَحْلِلْ ثُمَّ لِیُهِلَّ بِالْحَجِّ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ هَدْیًا فَلْیَصُمْ ثَلَاثَةَ أَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهِ] ''تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو تو اس کے لیے اس وقت تک احرام کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزوں میں سے کوئی بھی حلال نہ ہوگی جب تک وہ اپنے حج کو پورا نہ کر لے۔ اور جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لایا ہو تو وہ بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کر لے، بال کٹوا دے اور حلال ہو جائے، پھر حج کا احرام باندھ لے اور جسے قربانی میسر نہ ہو تو وہ ایام حج میں تین روزے رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ جائے۔'' پھر اس کے بعد باقی ساری حدیث بھی بیان کی ہے۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بیان کی گئی ہے۔③

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ﴾ ''یہ پورے دس ہوئے'' میں ﴿ كَامِلَةٌ ﴾ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اسے بطور تاکید لایا گیا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں کہ ''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا''، ''میں نے اپنے کانوں سے سنا''، ''میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ ﴾ (الأنعام38:6) ''اور نہ کوئی پرندہ

① صحیح مسلم، الصیام، باب تحریم صوم أیام التشریق......، حدیث:1141. ② تفسیر ابن أبی حاتم:343/1. ③ صحیح البخاری، الحج، باب من ساق البُدن معه، حدیث:1691 و صحیح مسلم، الحج، باب وجوب الدم علی المتمتع ......، حدیث:1227.

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿197﴾

حج کے مہینے معلوم ومقرر ہیں، چنانچہ جس شخص نے ان (مہینوں) میں حج کو لازم کر لیا تو حج کے دوران میں وہ جنسی باتیں نہ کرے، اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور کسی سے جھگڑا نہ کرے اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے اور (حج کے لیے) زادراہ لے لو، بے شک بہترین زادراہ تقویٰ ہے اور اے عقل مندو! تم مجھ ہی سے ڈرو﴿197﴾

جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ﴾ (العنکبوت 48:29) ''اور نہ آپ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ﴾ (الأعراف 142:7) ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا (کہ وہ انھیں کوہ طور پر گزارے) اور ہم نے انھیں (مزید) دس راتوں کے ساتھ پورا کر دیا تو اس کے پروردگار کی (مقرر کی ہوئی) چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی۔'' اور ﴿كَامِلَةٌ ؕ﴾ کے دوسرے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ان روزوں کے اکمال اور اتمام کا حکم دیا گیا ہے۔

اہل مکہ کے لیے تمتع نہیں ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ﴾ ''یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔'' یعنی اہل حرم کے لیے تمتع نہیں ہے۔ امام عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ تمتع دیگر لوگوں کے لیے ہے اہل مکہ کے لیے نہیں ہے۔ امام عبدالرزاق نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی طاؤس ہی کے قول کی طرح ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' یعنی جس بات کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے وہ کرو اور جس سے منع فرمایا ہے اس سے رک جاؤ۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿196﴾﴾ ''اور جان رکھو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' یعنی جو اس کے حکم کی مخالفت کرے اور جس سے اس نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب کرے تو اسے وہ سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

تفسیر آیت:197

حج کے لیے احرام کب باندھا جائے؟ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ﴾ ''حج کے مہینے (معین ہیں جو معلوم ہیں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔[2] اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے، نیز حضرت عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ سال کے تمام مہینوں میں سے وقتِ حج کی معین ومعلوم مہینوں کے ساتھ تخصیص اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے حج کا احرام باندھنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ وقت سے پہلے نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔

[1] تفسیر الطبری:349/2. [2] تفسیر الطبری:352/2 وتفسیر ابن أبي حاتم:345/1.

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ [1] امام ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جائے، چنانچہ حج کی سنت یہ ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جائے۔[2] اس کی سند صحیح ہے اور کسی صحابی کا یہ کہنا کہ سنت اس طرح ہے، یہ اکثر محدثین کے نزدیک مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے خصوصاً ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے اس طرح فرمانا تو یقیناً مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

اس کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی موجود ہے، ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُّحْرِمَ بِالْحَجِّ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ] ''کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حج کے مہینوں کے سوا حج کا احرام باندھے۔''[3] اس کی سند میں بھی اگرچہ کوئی علت نہیں ہے، تاہم امام شافعی اور امام بیہقی نے مختلف سندوں کے ساتھ ابن جریج کے واسطے سے ابوزبیر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے سنا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھا جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: نہیں۔[4] یہ موقوف روایت مذکورہ بالا مرفوع روایت سے زیادہ صحیح اور ثابت ہے، پھر صحابی کے مذہب کی تقویت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہو گئی کہ سنت یہ ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جائے۔ واللّٰہ أعلم.

حج کے مہینے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ ان سے شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے مراد ہیں۔[5] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس معلق روایت کو صیغہ جزم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور حافظ ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ کی تفسیر میں یہ موصول روایت بھی بیان فرمائی ہے کہ ان سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔[6] اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔[7] میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث حضرت عمر، علی، ابن مسعود، عبداللہ بن زبیر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابراہیم نخعی، شعبی، حسن، ابن سیرین، مکحول، قتادہ، ضحاک بن مزاحم، ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔[8]

---

[1] كتاب الأم للشافعي، الحج، باب الوقت الذي يجوز فيه الحج والعمرة: 529/2، حديث: 914 وتفسير ابن أبي حاتم: 345/1. [2] صحيح ابن خزيمة، المناسك، باب النهي عن الإحرام بالحج في غير أشهر الحج......: 162/4، حديث: 2596 وصحيح البخاري، الحج، باب قول الله تعالى: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾......، معلّقا، قبل الحديث: 1560. [3] الدر المنثور: 394/1. [4] كتاب الأم للشافعي، الحج، باب الوقت الذي يجوز فيه الحج والعمرة: 529/2، حديث: 910 والسنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب لا يهل بالحج في غير أشهر الحج: 343/4. [5] صحيح البخاري، الحج، باب قوله تعالى: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾......، ذكره تعليقًا، قبل الحديث: 1560. [6] تفسير الطبري: 354/2. [7] المستدرك للحاكم، التفسير، ومن سورة البقرة: 276/2، حديث: 3092. [8] تفسير ابن أبي حاتم: 345/1.

حافظ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ دو مہینوں اور تیسرے مہینے کے کچھ حصے کو شامل کر کے تغلیباً ان کے لیے جمع کے لفظ کا اطلاق صحیح ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں زُرْتُهُ الْعَامَ، رَأَيْتُهُ الْيَوْمَ ''میں نے اس سال اس کی زیارت کی'' اور'' آج اس کو دیکھا ہے۔'' حالانکہ ایسا سال کے بعض حصے میں اور دن کے کچھ حصے میں واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ (البقرة2:203) ''پھر جس نے دو دنوں میں (منی سے مکے کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔'' حالانکہ اس نے ایک دن اور نصف دن میں جلدی کی ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ ﴾ ''چنانچہ جس شخص نے ان (مہینوں) میں حج کو لازم کر لیا'' یعنی احرام باندھ کر اپنے اوپر حج کو واجب کر لیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حج کے لیے احرام لازم ہے اور احرام باندھنے کے بعد حج کو جاری رکھنا چاہیے۔ حافظ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ائمۂ تفسیر کا اجماع ہے کہ ﴿ فَرَضَ ﴾ سے یہاں واجب و لازم مراد ہے۔[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو حج یا عمرے کا احرام باندھ لے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہاں ﴿ فَرَضَ ﴾ سے مراد احرام باندھنا ہے۔ ابراہیم، ضحاک اور دیگر کئی علماء کا بھی یہی قول ہے۔[2]

حج میں اپنی عورتوں سے اختلاط تک کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَلَا رَفَثَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے تو وہ عورتوں سے رفث، یعنی جماع سے اجتناب کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ (البقرة2:187) ''روزوں کی راتوں میں تمھارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے۔'' میں بھی ﴿ الرَّفَثُ ﴾ کا لفظ عورتوں کے ساتھ مباشرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حج میں جس طرح عورتوں سے مباشرت حرام ہے اسی طرح اس کے مبادیات، بوس و کنار اور عورتوں کی موجودگی میں اس موضوع پر گفتگو بھی حرام ہے۔ ابن جریر نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ الرفث سے مراد عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنا اور اس موضوع پر مردوں اور عورتوں کا گفتگو کرنا ہے۔[3] عطاء بن ابورباح کا قول ہے کہ الرفث سے مراد جماع بھی ہے اور فحش بات بھی۔[4] عمرو بن دینار کا قول بھی یہی ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں تعریض بھی مکروہ ہے۔[5] طاؤس فرماتے ہیں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ آپ عورت سے یہ کہیں کہ میں جب حلال ہو گیا تو پھر تجھ سے صحبت کروں گا۔[6] ابوالعالیہ کا بھی یہی قول ہے علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الرفث سے مراد عورتوں سے مباشرت، بوس و کنار، معانقہ اور فحش گفتگو ہے۔[7]

حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہ قول ہے کہ الرفث سے مراد عورتوں سے مباشرت ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، ابراہیم، ابوالعالیہ، عطاء، مکحول، عطاء خراسانی، عطاء بن یسار، عَطِیَّہ، ابراہیم نخعی، ربیع، زہری، سدی، مالک بن

① تفسیر الطبری:357/2. ② تفسیر الطبری:357/2. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:346/1. ④ تفسیر الطبری:360/2.
⑤ تفسیر الطبری:361/2. ⑥ تفسیر الطبری:361/2. ⑦ تفسیر الطبری:361/2.

انس، مُقاتِل بن حیان، عبدالکریم، حسن، قتادہ، ضحاک رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔①

حج میں برے کام کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا فُسُوْقَ ﴾ ''اور نہ کوئی برا کام کرے۔'' مقسم اور دیگر کئی راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد گناہ کے کام ہیں۔② عطاء، مجاہد، طاؤس، عِکرِمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب قرظی، حسن بصری، قتادہ، ابراہیم نخعی، زہری، مکحول، ربیع بن انس، عطاء بن یسار، عطاء خُراسانی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔③ ابن وہب نے یونس سے اور انھوں نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد حرم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کرنا ہے۔④

دیگر ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد گالی دینا ہے۔ ان کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے: [سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ] ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔''⑤ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ یہاں ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد بتوں کے نام پر ذبح کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ (الأنعام6:145) ''یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔''⑥ امام ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد ایک دوسرے کے برے نام رکھنا ہے۔⑦

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہاں ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد تمام گناہ ہیں انھی کا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ظلم سے منع فرمایا ہے، ظلم اگرچہ سارا سال ہی ممنوع ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی ممانعت کی زیادہ تاکید ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (التوبة9:36) ''ان میں سے چار مہینے حرمت (ادب) والے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا (راستہ) ہے تو ان (مہینوں) میں (قتالِ ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔'' اور حرم کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الحج22:25) ''اور جو اس میں شرارت سے کج روی (وکفر) کرنا چاہے، اس کو ہم درد دینے والے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔'' اور صحیح بخاری و مسلم میں ابو حازم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ ، فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ] ''جو شخص اللہ کے لیے حج کرے، پھر نہ عورتوں سے جنسی باتیں کرے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا (اس دن کی طرح ہو جاتا ہے) جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔''⑧

حج میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ ''اور نہ حج میں کسی سے جھگڑے'' میں

① تفسير ابن أبي حاتم: 346/1 و تفسير الطبري: 364/2. ② تفسير ابن أبي حاتم: 347/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 347/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 347/1. ⑤ صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن......، حديث: 48. ⑥ تفسير الطبري: 349/2. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم: 347/1. ⑧ صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، حديث: 1521 و صحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج و العمرة، حديث: 1350.

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (حج کے دوران میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿198﴾

اور تم اسے اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں ہدایت دی اور یقیناً اس سے پہلے تم گمراہوں میں سے تھے ﴿198﴾

﴿ جِدَالَ ﴾ سے مراد لڑائی جھگڑا ہے۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے ساتھی سے لڑائی جھگڑا کرو حتی کہ اسے ناراض کر دو۔[1] ابوالعالیہ، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، عِکرِمہ، جابر بن زید، عطاء خراسانی، مکحول، سدی، مُقاتل بن حَیّان، عمرو بن دینار، ضحاک، ربیع بن انس، ابراہیم نخعی، عطاء بن یسار، حسن، قتادہ اور امام زہری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

حج میں نیک کام کرنے اور زادِ راہ لینے کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔'' پہلے اللہ تعالیٰ نے برے قول و فعل سے منع فرمایا تو اب نیک کام کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ اسے تمھارے نیک کام کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن اس کی پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۬ ﴾ ''اور (حج کے لیے) زاد راہ (رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ بے شک بہترین زاد راہ پرہیز گاری ہے۔'' امام بخاری اور ابوداود رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل یمن حج کرتے تو زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم مُتَوَکِّل ''توکل کرنے والے'' ہیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۬ ﴾[3] امام ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب وہ احرام باندھتے اور ان کے پاس زاد راہ ہوتا تو اسے پھینک دیتے، پھر نیا زادِ راہ لے لیتے تو اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ وہ آٹا، ستو اور روٹی وغیرہ بطور زاد راہ ساتھ لے جائیں۔[4]

آخرت کا زادِ سفر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۬ ﴾ ''بے شک بہترین زاد راہ پرہیز گاری ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کے اس سفر میں زاد راہ ساتھ لینے کا حکم دیا تو ساتھ ہی سفر آخرت کے لیے زاد راہ کی تیاری کی طرف بھی رہنمائی فرما دی اور وہ یہ کہ آخرت کے لیے تقوے کو بطور زاد راہ کے تیار رکھو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ﴾ (الأعراف 26:7) ''اور (جو) پرہیز گاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔'' یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لباس حسی کا ذکر فرمایا ہے تو پھر ساتھ ہی لباس معنوی کی طرف بھی رہنمائی فرما دی ہے اور لباس معنوی سے مراد خشوع، اطاعت اور تقوی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذکر فرما دیا کہ یہ معنوی لباس زیادہ بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي

[1] تفسیر الطبری:370/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:348/1. [3] صحیح البخاري، الحج، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۬ ﴾، حدیث:1523 و سنن أبي داود، المناسك، باب التزود فی الحج، حدیث:1730.
[4] تفسیر الطبری:380/2.

﴿ الْاَلْبَابِ ﴾ ''اور اے اہل عقل! مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' اور اے اہل عقل و دانش! اس شخص کو میری گرفت، میری سزا اور میرے عذاب سے خوب ڈرنا چاہیے جو میری مخالفت کرتا اور میرے حکم کی اطاعت نہیں بجالاتا۔

تفسیر آیت:198

حج میں تجارت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عُکاظ، مَجَنَّۃ اور ذو المَجاز زمانۂ جاہلیت کے بازار تھے، لوگوں نے موسم حج میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط ﴾ ''اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔''[1] امام ابوداود وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگ موسم حج میں خرید و فروخت اور تجارت سے اجتناب کیا کرتے تھے کہ یہ ذکر الٰہی کے دن ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط ﴾[2]

حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، منصور بن معتمر، قتادہ، ابراہیم نخعی، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ نے بھی اس آیت کریمہ کی اسی طرح تفسیر بیان فرمائی ہے۔ امام ابن جریر نے ابواُمیمہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو حج کرتا ہے اور اس کے پاس سامان تجارت بھی ہے تو جواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کو پڑھ دیا۔[3] یہ روایت گو موقوف ہے مگر قوی اور جید ہے، نیز یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوامامہ تَیمی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم کرائے کا کام کرتے ہیں تو کیا ہمارا حج ہو جائے گا؟ فرمایا: کیا تم طواف نہیں کرتے، عرفے میں نہیں آتے، جمرات کو رمی نہیں کرتے اور اپنے سروں کو نہیں منڈواتے؟ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں! تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے آپ سے یہی سوال پوچھا تھا جو تم نے مجھ سے پوچھا ہے تو آپ نے اسے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر نازل ہو گئے: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط ﴾ تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: [أَنْتُم حُجَّاجٌ] ''تم حاجی ہو۔''[4]

امام ابن جریر نے ابوصالح مولیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! کیا آپ حضرات حج میں تجارت کر لیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کی معیشت کا انحصار حج کی تجارت ہی پر تو تھا۔[5]

وقوفِ عرفہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ﴾ ''پھر جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام، یعنی مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرو۔'' لفظ عرَفَات میں اگرچہ منع صرف کے اسباب میں

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ...... ﴾ (البقرة2:198)، حديث:4519. [2] تفسير الطبری: 388/2 و الدر المنثور:400/1 و سنن أبي داود، المناسك، باب التجارة في الحج، حديث:1731 نحوه. [3] تفسير الطبری:386/2. [4] مسند أحمد:155/2. [5] تفسير الطبری:389,388/2.

سے دوسبب علَم اور تانیث موجود ہیں لیکن پھر بھی اسے منصرف پڑھا گیا ہے کیونکہ اصل میں یہ ''مسلمات'' اور ''مومنات'' کی طرح جمع ہے اور ایک معین اور مخصوص جگہ کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، لہٰذا اصل کی رعایت کے پیش نظر اسے منصرف پڑھا گیا ہے۔ حافظ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ①

عرفہ حج میں وقوف کا مقام ہے اور وقوفِ عرفہ افعال حج میں سب سے اہم فعل ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے حضرت عبدالرحمن بن یَعْمَر دِیلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [اَلْحَجُّ عَرَفَاتٌ، اَلْحَجُّ عَرَفَاتٌ، اَلْحَجُّ عَرَفَاتٌ۔ ثَلَاثًا۔ وَأَيَّامُ مِنًى ثَلَاثٌ ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ﴾ وَمَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ قَبْلَ أَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ] ''حج (وقوف) عرفات ہی کا نام ہے، حج (وقوف) عرفات ہی کا نام ہے، حج (وقوف) عرفات ہی کا نام ہے اور ایام منٰی تین ہیں '' پھر جس نے دو دنوں میں (منٰی سے مکے کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔'' اور جو شخص طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ کو پالے تو اس نے حج کو پالیا۔'' ②

وقوف کا وقت یوم عرفہ کے زوال سے لے کر قربانی کے دن کی صبح صادق کے طلوع تک ہے کیونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نماز ظہر ادا کرنے کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک وقوف فرمایا تھا اور اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا: [لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ] ''مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو۔'' ③ اور فرمایا: [وَمَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ قَبْلَ أَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ] ''جس نے طلوع فجر سے پہلے پہلے وقوف عرفہ کو پالیا تو اس نے حج کو پالیا۔'' ④

عروہ بن مُضَرِّس بن اوس بن حارثہ بن لام طائی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مُزْدَلِفہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ نماز کے لیے نکل چکے تھے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ''طے'' کے دو پہاڑوں سے آیا ہوں، میں نے اپنی سواری کو تیز دوڑایا اور اپنے آپ کو خوب تھکایا ہے، اللہ کی قسم! میں نے کوئی ٹیلہ (یا پہاڑ) نہیں چھوڑا جس پر وقوف نہ کیا ہو تو کیا میرا حج ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ شَهِدَ صَلٰوتَنَا هٰذِهٖ ، وَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى يَدْفَعَ ، وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَقَدْ تَمَّ حَجُّهٗ وَقَضٰى تَفَثَهٗ] ''جو ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا حتی کہ وہ یہاں سے روانہ ہو گیا اور اس سے پہلے رات یا دن کو عرفہ میں وقوف کر لیا تو اس کا حج پورا ہو گا اور اس نے اپنے میل کچیل کو دور کر لیا۔''

---

① تفسير الطبرى:390/2. ② مسند أحمد:309/4 وسنن أبى داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث:1949 وجامع الترمذى، تفسير القرآن، باب و من سورة البقرة، حديث:2975 واللفظ له و سنن النسائى، مناسك الحج، باب فيمن لم يدرك صلاة الصبح مع الإمام بالمزدلفة ، حديث:3047 و سنن ابن ماجه، المناسك ، باب من أتى عرفة قبل الفجر ليلة جمع، حديث:3015. ③ صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمى جمرة العقبة يوم النحر راكبًا ......، حديث:1297. ④ جامع الترمذى، تفسير القرآن، باب و من سورة البقرة، حديث:2975.

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ ①

عرفہ کی وجہ تسمیہ: عرفات کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ قول بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا تو آپ نے ان کے ساتھ حج کیا حتی کہ جب آپ عرفے میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے کیونکہ ایک بار آپ اس سے پہلے بھی یہاں تشریف لا چکے تھے۔ اسی وجہ سے اسے عرفے کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ②

ابن مبارک نے عبدالملک بن ابوسلیمان سے اور انھوں نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ ''عرفہ'' کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج سکھا رہے تھے تو آپ فرما رہے تھے کہ میں نے جان لیا، میں نے جان لیا، تو اسی وجہ سے اسے عرفات کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء اور ابومجلز سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ④ واللہ أعلم.

عرفات کو مشعر حرام، مشعر اقصیٰ اور إلال (ہلال کے وزن پر) کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور میدان عرفات کے درمیان میں جو پہاڑ ہے، اس کا نام جبل رحمت ہے۔

عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کا وقت: امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل جاہلیت عرفہ میں وقوف کرتے حتی کہ سورج جب پہاڑوں کے سروں پر اس طرح ہوتا گویا وہ عمامہ ہے تو وہ عرفے سے واپس ہونا شروع کر دیتے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غروب آفتاب تک مؤخر فرما دیا۔ ⑤ اس حدیث کو ابن مردویہ نے بھی روایت کیا اور یہ اضافہ بھی کیا ہے: پھر آپ مزدلفہ میں وقوف فرماتے اور نماز فجر اندھیرے میں ادا فرماتے حتی کہ جب ہر چیز روشن ہو جاتی اور یہ صبح کا آخری وقت ہوتا تو آپ روانہ ہو جاتے۔ ⑥ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی اس طویل حدیث میں ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے عرفے میں وقوف فرمایا حتی کہ سورج غروب ہو گیا، اس کی زردی تھوڑی سی ختم ہو گئی حتی کہ سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی تو آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا اور آپ وہاں سے روانہ ہو گئے، آپ نے اپنی ناقہ ''قصوا'' کے سر کو لگام کے ساتھ باندھا ہوا تھا حتی کہ اس کا سر رکاب کو لگ رہا تھا اور آپ دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے: [أَيُّهَا النَّاسُ! السَّكِينَةَ السَّكِينَةَ] ''لوگو! آرام وسکون سے چلو، آرام وسکون سے چلو۔''

---

① سنن أبي داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث:1950 وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في من أدرك الإمام بجمع فقد أدرك الحج، حديث:891 واللفظ له. وسنن النسائي، مناسك الحج، باب فيمن لم يدرك صلاة الصبح مع الإمام بالمزدلفة، حديث:3045 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب من أتى عرفة قبل الفجر ليلة جمع، حديث:3016 ومسند أحمد:261/4. ② المصنف لعبدالرزاق، الحج، باب بنيان الكعبة:96/5، حديث:9099 وتفسير الطبري:392/2. ③ تفسير الطبري:392/2. ④ تفسير الطبري:392/2 وتفسير ابن أبي حاتم:352/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:352/1. ⑥ الدر المنثور:402/1.

آپ جب بھی کسی پہاڑ کے پاس تشریف لاتے تو اس کی لگام کو تھوڑا سا ڈھیلا چھوڑ دیتے تا کہ وہ پہاڑ پر چڑھ جائے حتی کہ آپ مزدلفہ میں تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے مغرب وعشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا فرمائیں اور دونوں نمازوں کے فرضوں کے درمیان اور کوئی نوافل وغیرہ ادا نہیں فرمائے۔ پھر آپ نے طلوع فجر تک آرام فرمایا جب صبح ہوگئی تو اذان واقامت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی، پھر اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر سوار ہوئے اور مشعر حرام تشریف لے آئے، قبلہ رخ ہوئے، اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ کی تکبیر وتہلیل وتوحید کے کلمات ادا فرمائے، آپ کھڑے رہے حتی کہ دن خوب روشن ہوگیا اور آپ طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہوگئے۔[1]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح چل رہے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ سُبک خرام تھے اور جب آپ کھلی جگہ پاتے تو اپنی سواری باد بہاری کی رفتار اور بھی تیز فرما دیتے۔[2]

مشعر حرام: امام عبدالرزاق نے سالم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سارا مزدلفہ مشعر حرام ہے۔[3] اور ہشیم نے حجاج اور نافع کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ﴾ ''چنانچہ تم مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پہاڑ اور اس کے ارد گرد کا سارا علاقہ مشعر حرام ہے۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سدی، ربیع بن انس، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا دونوں پہاڑوں کے درمیان مشعر حرام ہے۔[5]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ عَرَفَاتٍ مَّوْقِفٌ ، وَّارْفَعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ، وَكُلُّ مُزْدَلِفَةَ مَوْقِفٌ، وَّارْفَعُوا عَنْ مُّحَسِّرٍ، وَّكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ مَنْحَرٌ، وَّكُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ] ''سارا عرفات موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے مگر عرنہ میں وقوف نہ کرو (کیونکہ یہ عرفات میں شامل نہیں) اور سارا مزدلفہ موقف ہے مگر وادیٔ محسر میں وقوف نہ کرو (اس لیے کہ یہ مزدلفہ سے خارج ہے) مکہ کے تمام راستوں میں قربانی کی جا سکتی ہے اور تمام ایام تشریق (ماہ ذوالحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ) میں قربانی کے جانور ذبح کیے جا سکتے ہیں۔''[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ﴾ ''اور تم اسے اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں ہدایت دی

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث:1218. [2] صحيح البخاري، الحج، باب السير إذا دفع من عرفة، حديث:1666 وصحيح مسلم، الحج ، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة......، حديث:1286. [3] تفسير ابن أبي حاتم:353/2. [4] تفسير الطبري:393/2. [5] تفسير ابن أبي حاتم:353/2. [6] مسند أحمد:82/4 وصحيح ابن حبان، الحج، باب ذكر وقوف الحاج بعرفات والمزدلفة:166/9، حديث:3854. ان میں [فِجَاجِ مَكَّةَ] کے بجائے [فِجَاجِ مِنًى] ہے، مکہ سے منیٰ کے تمام راستوں یا منیٰ سے مکہ کے تمام راستوں پر قربانی ہو سکتی ہے۔ میقات حج وعمرہ کا نقشہ اور منیٰ، مزدلفہ وغیرہ کا چارٹ سورۂ بقرہ، آیات:126-128 کے تحت دیکھیے۔

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۹﴾

پھر جہاں سے سب لوگ لوٹیں وہیں سے تم بھی لوٹو اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ۝۱۹۹

ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے توجہ مبذول کرائی ہے کہ اس نے ہدایت و بیان کا انعام فرمایا اور سنت ابراہیمی کے مطابق مناسک حج کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝۱۹۸﴾ ''اور یقیناً اس سے پیشتر تم لوگ گمراہوں میں سے (ان طریقوں سے محض ناواقف) تھے۔'' ﴿مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ سے مراد اس ہدایت سے پہلے یا قرآن مجید سے پہلے یا رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہے اور یہ سارے مفہوم آپس میں لازم و ملزوم اور صحیح ہیں۔

تفسیر آیت:199

عرفہ میں وقوف اور وہاں سے واپسی کا حکم: ﴿ثُمَّ﴾ ''پھر'' یہ یہاں خبر کے خبر پر عطف اور اس کی ترتیب کے لیے ہے گویا اللہ تعالیٰ نے عرفات میں وقوف کرنے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مزدلفہ کی طرف واپس آئے تاکہ مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، نیز حکم دیا ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ مل کر عرفات میں وقوف ہونا چاہیے۔ سب لوگ وقوف کے لیے عرفات چلے جاتے تھے مگر قریش حرم سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے، وہ حرم کے ایک طرف حِلّ کے قریبی مقام پر وقوف کر لیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں، اس کے شہر میں رہتے اور اس کے گھر کے باسی ہیں، لہٰذا ہمیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قریش اور ان کے ہم مذہب مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو ''حُمس'' کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے جبکہ دیگر تمام عرب عرفات ہی میں وقوف کیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ بھی عرفات جائیں اور وہاں وقوف کریں، پھر وہاں سے واپس آئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ ''(پھر) جہاں سے اور لوگ واپس ہوں (وہیں سے تم بھی واپس ہو۔)'' کے یہی معنیٰ ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، قتادہ، سدی رحمہم اللہ اور دیگر کئی اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا اور فرمایا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے جبیر بن مُطعِم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرفے میں میرا اونٹ گم ہو گیا تو میں اس کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ نبی ﷺ (عرفہ میں) وقوف فرمائے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ ان کا تعلق تو حُمس سے ہے تو یہ یہاں کیوں تشریف فرما ہیں؟ اس روایت کو امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں لوٹنے سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف ''رمیِ جمار'' کے لیے لوٹنا ہے۔[4] واللّٰہ أعلم.

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (البقرة 2:199)، حديث:4520. ② تفسير الطبري:2/399-402. ③ مسند أحمد:4/80 و صحيح البخاري، الحج، باب الوقوف بعرفة، حديث:1664 و صحيح مسلم، الحج، باب في الوقوف......، حديث:1220. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (البقرة 2:199)، حديث:4521.

استغفار کا حکم اور استغفار کی بعض دعائیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ سے بخشش مانگو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) نہایت رحمت کرنے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اکثر و بیشتر عبادات کی تکمیل کے بعد اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار پڑھتے: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. ① صحیح بخاری و مسلم میں حدیث موجود ہے کہ آپ نے تینتیس تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ اور اَللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ ②

ابن مردویہ نے یہاں اس حدیث کو ذکر کیا ہے جسے امام بخاری نے شَدّاد بن اَوس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سید الاستغفار'' یہ ہے کہ بندہ اس طرح کہے:

[اَللّٰهُمَّ ! أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ ، وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْلِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، قَالَ: وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَّوْمِهٖ قَبْلَ أَنْ يُّمْسِيَ ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ ، وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُّصْبِحَ ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ]

''اے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں، میں تیرے وعدے اور عہد پر (قائم) ہوں جتنا مجھ سے ہوسکا، میں پناہ مانگتا ہوں ان (تمام کاموں) کے شر سے جو میں نے کیے اور میرے اوپر جو تیری نعمتیں ہیں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں، پس تو میرے گناہوں کو بخش دے اس لیے کہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔ آپ نے فرمایا: جو شخص اس (استغفار) کو یقین رکھتے ہوئے دن کو پڑھے اور اسی دن شام سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو آدمی اس (استغفار) کو یقین کے ساتھ رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' ③

صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسی دعا سکھا دیں جو میں نماز میں پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھ لیا کرو: [اَللّٰهُمَّ ! إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِي مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُالرَّحِيمُ] ''اے اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر بہت ظلم (گناہ) کیے ہیں اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا، پس تو اپنی خاص مغفرت کے ساتھ میرے تمام گناہ معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو ہی بہت بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' ④ استغفار

---

① صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ......، حدیث:591. ② صحیح البخاری، الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:843 و صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:595.
③ صحیح البخاری، الدعوات، باب أفضل الاستغفار، حدیث:6306. ④ صحیح البخاری، الأذان، باب الدعاء قبل السلام، حدیث:834 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب الدعوات......، حدیث:2705.

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ

پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر (اللہ کو یاد

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿200﴾

کرو)، چنانچہ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں (سب کچھ) دے دے، ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ

نہیں ﴿200﴾ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے

النَّارِ ﴿201﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿202﴾

النصف

عذاب سے بچا ﴿201﴾ انھی لوگوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿202﴾

کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں۔

تفسیر آیات:200-202

مناسک حج کو پورا کرنے کے بعد کثرت ذکر اور دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مناسک حج کو پورا کرنے اور ان سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کثرت سے اس کا ذکر کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ﴾ ''(اللہ کو اس طرح یاد کرو) جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے۔'' کے بارے میں سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل جاہلیت موسم حج میں کھڑے ہو جاتے اور ان میں سے ایک آدمی کہتا کہ میرا باپ تو لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا، لوگوں کے بوجھ اٹھا لیتا اور ان کی طرف سے دیت ادا کر دیا کرتا تھا۔

الغرض اس موقع پر اپنے آباء و اجداد کے کارناموں کے ذکر کے سوا ان کا اور کوئی کام نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمادی: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ﴾[1] ''چنانچہ تم (منیٰ میں) اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔'' الغرض اس سے مقصود ذکر الٰہی کی کثرت کی ترغیب دینا ہے۔ اسی وجہ سے ﴿اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ﴾ کو تمیز کی بنا پر منصوب پڑھا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ مِنْهُ ذِكْرًا.

﴿اَوْ﴾ یہاں خبر میں مماثلت کی تحقیق کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ﴾ (البقرۃ2:74) ''چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت۔'' اور فرمایا: ﴿يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ﴾ (النسآء4:77) ''(ان میں سے ایک گروہ کافر) لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ وہ اس سے بھی بڑھ کر خوف زدہ تھا۔'' اور فرمایا: ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۚ﴾ (الصّٰفّٰت37:147) ''اور ہم نے اسے ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ (لوگوں) کی طرف بھیجا۔'' اور فرمایا: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴾ (النجم

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:356,355/2.

9:53) ’’تو وہ دو کمان کے فاصلے پر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہو گیا۔‘‘ تو ان تمام آیات کریمہ میں حرف اَوْ قطعی طور پر شک کے لیے نہیں ہے بلکہ ان آیات میں جس جس چیز کے بارے میں خبر دی گئی ہے یہ اس کی تحقیق مزید کے لیے ہے کہ وہ اس طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ کثرت سے اس کا ذکر کرنے کے بعد اس سے دعا کی جائے کیونکہ اس طرح دعا کی قبولیت کی امید ہے، نیز اس مقام پر اس شخص کی مذمت بھی کی گئی ہے جو محض اپنی دنیا کی خاطر تو دعا کرتا ہے مگر آخرت سے غافل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ’’اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں دنیا ہی میں (سب کچھ) عنایت کر ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔‘‘ ﴿خَلَاقٍ﴾ کے معنی نصیب اور حصے کے ہیں۔ اس مذمت کے ضمن میں اس شخص کے ساتھ مشابہت سے نفرت دلانا بھی مقصود ہے جس کا یہ حال ہو۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کچھ اَعراب موقف (میدان عرفات یا حج کے مشاعر) میں آتے اور یہ کہا کرتے تھے کہ ’’اے اللہ! اس سال کو بارش، خوشحالی اور اچھی اولاد کے حصول کا سال بنا دے۔‘‘ آخرت کی بہتری سے متعلق وہ کوئی دعا نہیں کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾[1] ان کے بعد جب دوسرے مومن لوگ آئے تو انھوں نے یہ دعا کی: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ’’اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی نعمت و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت و بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔‘‘ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کاموں کا حصہ (نیک اجر تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا (اور جلد اجر دینے والا) ہے۔‘‘[2]

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف فرمائی ہے جو اس سے دنیا و آخرت کی بہتری و بھلائی کا سوال کرتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ اس دعا نے دنیا کی ہر خیر و بھلائی کو جمع کر دیا اور ہر خرابی و برائی کو دور کر دیا ہے کیونکہ ﴿فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ کے جامع الفاظ ہر دنیوی مطلوب و مقصود، مثلاً: صحت و عافیت، وسیع و کشادہ رہائش، خوب صورت بیوی، وسیع رزق، علم نافع، عمل صالح، عمدہ سواری اور اچھی تعریف وغیرہ پر مشتمل ہیں جیسے کہ اس کی تفسیر میں مفسرین کی مختلف عبارتیں ہیں[3] اور ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ یہ سب ﴿فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ میں شامل ہیں۔

جہاں تک آخرت کی بہتری و بھلائی کا تعلق ہے تو اس کی سب سے اعلیٰ صورت تو جنت میں داخل ہونا اور اس سے متعلق دیگر امور ہیں، مثلاً: میدان حشر میں بڑے بھاری خوف سے نجات، حساب میں آسانی اور اس طرح کے آخرت کے دیگر اچھے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:357/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:357/2. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:358/2.

اچھے امور۔اور جہاں تک جہنم سے نجات کا تعلق ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ دنیا میں اس کے اسباب مہیا کیے جائیں۔اور وہ اس طرح کہ نہ صرف محرمات اور گناہوں سے اجتناب کیا جائے بلکہ شبہات کو بھی ترک کر دیا جائے۔

قاسم بن عبدالرحمٰن ،جن کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، نے کہا ہے کہ جسے شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا تو اسے دنیا وآخرت کی بہتری وبھلائی مل گئی اور وہ جہنم کے عذاب سے بھی بچالیا جائے گا۔[1]

اس دعا کی جامعیت کی وجہ سے سنت میں اس کی ترغیب آئی ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:[اَللّٰهُمَّ ! رَبَّنَا ! اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ][2] ”اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی خیر وبھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر وبھلائی نصیب کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی عیادت فرمائی جو پرندے کے ننھے بچے کی طرح (ہڈیوں کا ڈھانچہ) ہوگیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:[هَلْ كُنْتَ تَدْعُو بِشَيْءٍ أَوْ تَسْأَلُهُ إِيَّاهُ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، كُنْتُ أَقُولُ : اَللّٰهُمَّ! مَا كُنْتَ مُعَاقِبِي بِهِ فِي الْاٰخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِي فِي الدُّنْيَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:سُبْحَانَ اللّٰهِ! لَا تُطِيقُهُ أَوْ لَا تَسْتَطِيعُهُ ، فَهَلَّا قُلْتَ: اَللّٰهُمَّ ! اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ] ”کیا تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا یا سوال کیا کرتے تھے؟اس نے جواب دیا:ہاں، میں یہ دعا کیا کرتا تھا:اے اللہ! تو نے مجھے جو آخرت میں سزا دینی ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:سبحان اللہ! تمھیں اس کی طاقت واستطاعت کہاں؟تم نے یہ دعا کیوں نہ کرلی:[اَللّٰهُمَّ! اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ] ”اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما،اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“اس نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرمادی۔[3] اس حدیث کو شیخین میں سے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[4]

امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آکر کہنے لگا کہ میں نے کچھ لوگوں کا کام اس اجرت پر کیا ہے کہ وہ مجھے سوار کر کے ساتھ لے جائیں گے، پھر اجرت میں سے کچھ کم کردیا تاکہ وہ مجھے حج کرنے دیں تو کیا میرا حج ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا:تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کاموں کا حصہ (نیک اجر تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا (اور جلد اجر دینے والا) ہے۔“امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:359/2. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب:﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ ...... ﴾ (البقرة1:201) ، حديث:4522. [3] مسند أحمد:107/3. [4] صحيح مسلم،الذكر والدعاء، باب كراهة الدعاء بتعجيل العقوبة في الدنيا، حديث:2688.

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ

اور گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو، پھر جس نے دو دنوں (منیٰ سے مکے کی طرف واپسی) میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی)

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿203﴾

تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ تقویٰ اختیار کرے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائے گا ﴿203﴾

حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔ [1]

تفسیر آیت:203

ایام تشریق میں ذکر اور کھانا پینا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ ﴾ سے مراد ایام تشریق ہیں اور ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ [2] عکرمہ فرماتے ہیں: ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر پڑھی جائے: اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ [3]

امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَوْمُ عَرَفَةَ وَ يَوْمُ النَّحرِ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَهُنَّ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ] ''یوم عرفہ، یوم قربانی اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید کے دن اور کھانے پینے کے دن ہیں۔'' [4] امام احمد رحمہ اللہ ہی نے نُبَیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔'' [5] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [6]

جبیر بن مُطعِم رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے: [عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ...... أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا ذَبْحٌ] ''سارا عرفہ موقف ہے...... اور تمام ایام تشریق میں قربانی کا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے۔'' [7] عبدالرحمٰن بن یعمر دِیلی سے مروی یہ حدیث بھی قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے: [8] [أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾] ''ایام منیٰ تین ہیں'' پھر جس نے دو دنوں میں (منیٰ سے مکے کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔'' [9]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ طُعْمٍ

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، من سورة البقرة:278,277/2، حديث:3099. [2] الدر المنثور:420/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:360/2 والدر المنثور:420/1. [4] مسند أحمد:152/4. [5] مسند أحمد:75/5. [6] صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق......، حديث:1141. [7] ابتدائی حصہ صحيح مسلم، الحج، باب ماجاء أن عرفة كلها موقف، حديث:(149)-1218 میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اور آخری حصہ السنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب النحر يوم النحر، وأيام منى:239/5 کے مطابق ہے۔ اور بالفاظ دیگر یہ روایت مسند أحمد:82/4 میں بھی ہے۔ اور قبل ازیں یہ حدیث آیت:198 کے تحت عنوان: ''مشعر حرام'' میں بیان ہوئی ہے۔ [8] دیکھیے آیت:198 کے تحت عنوان: ''وقوف عرفہ'' میں۔ [9] سنن أبي داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث:1949.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ

اور (اے نبی!) لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے کہ آپ کو اس کی بات دنیا کی زندگی میں بہت بھلی لگتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا

اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿204﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ

ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ﴿204﴾ اور جب وہ پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے کھیتوں اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ﴿205﴾

لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿205﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ

اور جب اس کہا جاتا ہے: تو اللہ سے ڈر، تو اسکا غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے، چنانچہ ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے ﴿206﴾

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿206﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿207﴾

پر بہت شفیق ہے ﴿207﴾

وَّ ذِكْرِ اللّٰهِ] ''ایام تشریق کھانے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''[1] امام ابن جریر ہی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ منٰی میں یہ اعلان کر دیں: [لَا تَصُومُوا هٰذِهِ الْأَيَّامَ ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَّ شُرْبٍ وَّ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''ان دنوں میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''[2]

ایام معدودات کا بیان: مِقْسَم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ ﴾ سے مراد ایام تشریق ہیں جو چار دن ہیں، ایک قربانی کا دن اور تین دن اس کے بعد۔[3] حضرت ابن عمر، ابن زبیر، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم اور عطاء، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ابراہیم نخعی، یحییٰ بن ابو کثیر، حسن، قتادہ، سدی، زہری، ربیع بن انس، ضحاک، مقاتل بن حیّان، عطاء خراسانی اور امام مالک بن انس رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے: ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ ﴾ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایام تشریق قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں۔ ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ ﴾ سے متعلق ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ذکر ہے جو قربانیوں پر، فرض نمازوں کے بعد اور دیگر تمام حالات میں کیا جاتا ہے۔

نیز ایام تشریق میں سے ہر دن رمیِ جمرات کے وقت تکبیر اور اللہ کا ذکر بھی اسی سے متعلق ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام ابوداود رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے: [إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ، وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ] ''بیت اللہ کا طواف، صفا ومروہ کی سعی اور رمیِ جمار اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی کے لیے مقرر کیے

[1] تفسير الطبري:415/2 اور لفظ اللہ مسند أحمد:229/1 میں ہے۔ [2] تفسير الطبري:415/2. [3] تفسير ابن أبي حاتم:361/2 و تفسير الطبري:413/2. [4] تفسير ابن أبي حاتم:361/2.

گئے ہیں۔‘‘[1]

جب اللہ تعالیٰ نے یہاں لوگوں کے آنے جانے کا ذکر کیا، یعنی پہلے لوگوں نے اطراف واکناف عالم سے آ کر یہاں مشاعر ومواقف میں پڑاؤ ڈالا اور اب موسم حج کے اختتام پر وہ اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں میں جا رہے ہیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ’’اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائے گا۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 79:23) ’’اور وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تم جمع ہو کر جاؤ گے۔‘‘

تفسیر آیات: 204-207

منافقوں کے حالات کا بیان: مفسر سدی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اَخنَس بن شُرَیق ثَقَفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ظاہر یہ کیا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے لیکن باطنی طور پر اس کی صورت حال اس کے خلاف تھی۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں گفتگو کی تھی اور ان پر عیب لگائے تھے، جو مقام ’’رَجیع‘‘ میں شہید ہو گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مدحت میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ ’’اور لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔‘‘[3] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیات عام ہیں اور تمام منافقوں اور تمام مومنوں کے لیے ہیں۔[4] یہ حضرت قتادہ، مجاہد، ربیع بن انس اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا قول ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے (محمد بن کعب) قُرَظی سے اور انھوں نے نَوف بِکالی سے روایت کیا ہے، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو سابقہ کتب پڑھا کرتے تھے، اس نے کہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں اس امت کے کچھ لوگوں کی صفات اس طرح پاتا ہوں کہ یہ لوگ حیلہ بازی کے ساتھ دین کے بدلے دنیا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی مگر دل ایلوے سے بھی زیادہ کڑوے ہوں گے، لوگوں کے سامنے تو بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے مگر ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا یہ لوگ میرے بارے میں جرأت کرتے اور مجھے دھوکا دیتے ہیں، مجھے اپنی ذات کی قسم! میں انھیں ایسے فتنے میں مبتلا کر دوں گا جو عقل مند اور دانشور لوگوں کو بھی حیران و پریشان کر دے گا۔ قُرَظی بیان کرتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید میں غور کر کے اس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کے حالات کا ذکر ہے، چنانچہ یہ آیت کریمہ ان کے مناسب حال ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ

① سنن أبي داود، المناسك، باب في الرمل، حديث:1888 و جامع الترمذي، باب ما جاء كيف ترمى الجمار؟ حديث: 902 عن عائشة ﷺ. ② تفسير الطبرى:425/2. ③ تفسير الطبرى:426/2. ④ تفسير الطبرى:425/2-428.

﴿ قَلْبِهٖ ﴾ ’’اور لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں آپ کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔‘‘① قرطبی کی یہ بات بہت اچھی اور بالکل صحیح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ﴾ ’’اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے تو اسلام کو ظاہر کرتا ہے مگر اللہ کے سامنے اس کفر ونفاق کو پیش کرتا ہے جو اس کے دل میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ ﴾ (النسآء4:108) ’’یہ لوگوں سے تو (اپنی حرکات) چھپا سکتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔‘‘ یہی معنی ہیں اس قول کے جسے ابن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔②

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب یہ لوگوں کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہے تو اس پر قسم کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ جو اس کے دل میں ہے وہ اس کی زبان کے مطابق ہے۔ یہ معنی بھی صحیح ہیں اور یہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے۔③ اسے امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے، نیز اسے امام مجاہد کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ واللّٰه أعلم.

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴾ ’’حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔‘‘ ﴿ اَلَدُّ ﴾ کے معنی لغت میں ٹیڑھے کے ہیں۔ ﴿ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ (مریم19:97) یعنی تاکہ آپ اس کے ذریعے سے ٹیڑھے لوگوں کو ڈرائیں۔ منافق کا بھی جھگڑتے ہوئے یہی حال ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، حق سے منہ موڑتا ہے اور اس کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ افترا پردازی اور گالی گلوچ سے کام لیتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ’’منافق کی نشانیاں تین ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور (3) جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔‘‘④

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ] ’’اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ آدمی وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔‘‘⑤

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ ’’اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔‘‘ یعنی اس کا قول بہت ٹیڑھا اور فعل بہت برا ہے، اس کی بات جھوٹی، اعتقاد فاسد اور افعال بہت برے ہیں۔

﴿ سَعٰى ﴾ کا لفظ یہاں قصد وارادے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں فرمایا

① تفسير الطبري:427/2. ② تفسير ابن أبي حاتم:364/2. ③ تفسير الطبري:428/2. ④ صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث:33 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. ⑤ صحيح البخاري، المظالم، باب قول الله تعالى: ﴿ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴾، حديث:2457.

ہے: ﴿ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰی ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰی ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:22-26) ''پھر وہ لوٹ گیا اور (فساد کا) ارادہ کرنے لگا۔ پھر (لوگوں کو) اکٹھا کر کے اعلان کیا تو کہا کہ تمھارا سب سے بڑا مالک میں ہوں تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا، بے شک جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اس کے لیے اس قصے میں عبرت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (الجمعة 62:9) ''مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (نماز) کا قصد کرو۔'' یعنی تمھارا قصد و ارادہ نماز جمعہ کی ادائیگی ہو ورنہ حسی طور پر نماز کے لیے دوڑ کر جانے کی تو سنت نبویہ میں ممانعت آئی ہے جیسا کہ فرمان نبوی ہے: [إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ] ''جب تم نماز کے لیے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ۔''[1]

منافق کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی کو تباہ و برباد کرے جو کہ فصلوں اور پھلوں کے بڑھنے کا مقام ہے اور نسلوں کو ہلاک کرے۔ نسل سے مراد حیوانات ہیں اور انھی دونوں پر لوگوں کی زندگی کا انحصار ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب زمین میں فتنہ و فساد برپا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ باران رحمت سے محروم کر دیتا ہے تو اس سے کھیتی اور نسل ہلاک ہو جاتی ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ ﴾ ''اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔'' یعنی اسے پسند نہیں فرماتا جس کا کام فتنہ انگیزی ہو اور جو ہمیشہ فتنہ انگیزی ہی میں لگا رہتا ہو۔

منافق کی علامت نصیحت کو رد کرنا ہے: ﴿ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ﴾ ''اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے خوف کر تو اس کا غرور اس کو گناہ پر ابھارتا ہے۔'' یعنی جب اس فاجر کو قول و فعل پر نصیحت کی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، اپنے اس قول و فعل سے رک جا اور حق کی طرف لوٹ آ تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور اسے حمیت و غضب گناہ میں پھنسا دیتا ہے۔

یہ آیت حسب ذیل آیت سے مشابہ ہے: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ ﴾ (الحج 22:72) ''اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو (ان کی شکل بگڑ جاتی ہے اور) آپ ان کے چہروں میں صاف طور پر ناخوشی (کے آثار) دیکھتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ جو لوگ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں ان پر حملہ کر دیں گے۔ کہہ دیجیے: کیا پھر میں تم کو اس سے بھی بری چیز بتاؤں؟ وہ (دوزخ کی) آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' اس لیے اس آیت کریمہ میں بھی فرمایا ہے: ﴿ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ﴾ ''چنانچہ ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ یقیناً بہت برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی سزا کے لیے یہ اسے کافی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار و سكينة……، حديث:602 و سنن النسائي، الإمامة، باب السعي إلى الصلاة، حديث:862 و اللفظ له.

مومن مخلص کی علامت اللہ کی رضا کو ترجیح دینا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔''

پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور ان کی مذموم صفات کا ذکر کیا تھا اور اب اس آیت میں مومنوں اور ان کی صفات حمیدہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت انس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، ابوعثمان نہدی، عکرمہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انھوں نے جب مکہ میں اسلام قبول کر لیا، پھر ہجرت مدینہ کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے ہجرت کرتے ہوئے اپنا مال ساتھ لے جانے سے منع کر دیا اور کہا کہ اگر مال یہاں چھوڑ کر ہجرت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ آپ نے ان سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے اپنا سارا مال انھیں دے دیا تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کی حَرَّہ کی طرف ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ صہیب! تم اس سودے میں کامیاب ہو۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اپنی تجارت میں خسارے سے بچائے، وہ کیا ہے (جس کی آپ مجھے مبارک باد دے رہے ہیں؟) تو انھوں نے بتایا کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا۔ اور یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ فرمایا تھا: [رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰى! رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰى! رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰى!] ''اے ابو یحییٰ! تمھاری یہ بیع نفع بخش ہے، اے ابو یحییٰ! تمھاری یہ بیع نفع بخش ہے، اے ابو یحییٰ! تمھاری یہ بیع نفع بخش ہے۔'' ①

اس آیت کریمہ کے معنی عام ہیں، اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والا ہر مجاہد اس میں داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:111) ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

ہشام بن عامر رضی اللہ عنہما نے جب صف کے درمیان حملہ کیا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے انھیں جواب دیتے ہوئے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی تھی: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے

① تفسیر الطبری:2/437 و تفسیر ابن أبی حاتم:2/368,369 و الدر المنثور:1/430,431.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور تم شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، بے شک شیطان تمھارا کھلا دشمن

مُّبِيْنٌ ﴿208﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿209﴾

ہے (208) پھر اگر تمھارے پاس واضح دلائل آ جانے کے بعد تم پھسل جاؤ تو جان لو کہ بے شک اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا (209)

لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں پر بہت مہربان ہے۔'' (1)

تفسیر آیات: 209,208

مکمل اسلام پر عمل کرنا واجب ہے: اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار اور اپنے رسول کی تصدیق کرنے والے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ وہ مکمل دین و شریعتِ اسلام کو اپنائیں، اسلام کے تمام احکام کے مطابق عمل کریں اور مقدور بھر کوشش کر کے تمام منہیات کو ترک کر دیں۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز حضرت مجاہد، طاؤس، ضحاک، عکرمہ، قتادہ، سدی اور ابن زید سے مروی ہے کہ ﴿ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ﴾ سے مراد اسلام میں داخل ہونا ہے۔ (2)

اور ﴿كَآفَّةً﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابو العالیہ، عکرمہ، ربیع بن انس، سدی، مُقاتل بن حیّان، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب داخل ہو جاؤ۔ (3) اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام اعمال صالحہ بجا لاؤ اور نیکی کی تمام صورتوں کو اپنا لو۔ (4) خصوصاً یہ حکم ان لوگوں کے لیے تھا جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے تھے جیسا کہ ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ﴿كَآفَّةً﴾ کو منصوب پڑھا ہے، یعنی مومنین اہل کتاب کو بھی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جانا چاہیے۔ انھیں بطور خاص اس لیے مخاطب کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ابھی تک تورات اور اپنی سابقہ شریعتوں کے بعض احکام پر عمل پیرا تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل فرمایا ہے: ﴿ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ ''اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔'' (5) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تمام احکام کے مطابق عمل کرو اور ان میں سے کسی بھی حکم کو نہ چھوڑو اور تورات کے بارے میں بس اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ ''اور شیطان کے پیچھے نہ چلو'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کو اختیار کرو اور اس سے اجتناب کرو جس بات کا تمھیں شیطان حکم دیتا ہے کیونکہ ﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ 169:2) ''وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ

(1) تفسیر الطبری: 438/2 و الدر المنثور: 431/1. یہ حملہ کابل (افغانستان) کے علاقے میں ہوا تھا۔ دیکھیے کتاب الزهد لابن المبارك، ص: 258,257 و الإصابة: 425/6. (2) تفسیر الطبری: 439/2 و تفسیر ابن أبي حاتم: 370/2. (3) تفسیر ابن أبي حاتم: 370/2. (4) تفسیر ابن أبي حاتم: 370/2 و تفسیر الطبری: 443/2. (5) تفسیر ابن أبي حاتم: 2/369-370 و تفسیر الطبری: 442/2.

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَقُضِىَ

کیا اب وہ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے چلا آئے اور فرشتے بھی اور (ان کے) معاملے کا فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟ آخر

25 ع 14 9

الۡاَمۡرُ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۝۲۱۰ ع

سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ۝۲۱۰

اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں (کچھ بھی) علم نہیں۔'' ﴿ اِنَّمَا يَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِيَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِؕ ﴾ (فاطر 6:35) ''وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝۲۰۸ ﴾ ''بے شک وہ تمھارا صریح دشمن ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ فَاِنۡ زَلَـلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ الۡبَيِّنٰتُ ﴾ ''پھر اگر تمھارے پاس واضح دلائل آ جانے کے بعد تم پھسل جاؤ'' یعنی دلائل و براہین کے واضح ہو جانے کے بعد حق سے منہ موڑ لو ﴿ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ﴾ ''تو جان رکھو کہ اللہ غالب ہے۔'' کہ وہ انتقام لینے میں اس قدر غالب ہے کہ کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا اور نہ کوئی اس سے بھاگ کر کہیں اور جا سکتا ہے۔ ﴿ حَكِيۡمٌ ۝۲۰۹ ﴾ یعنی وہ اپنے احکام میں، انھیں ختم کرنے اور محکم کرنے میں حکمت والا ہے۔ ابو العالیہ، قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ وہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے حکم میں حکمت والا ہے۔[1]

تفسیر آیت:210

ایمان لانے میں تاخیر نہ کرنے کی ترغیب: نبی ﷺ کے ساتھ کفر کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ ﴾ ''کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے چلا آئے اور فرشتے بھی (اتر آئیں۔)'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اگلے اور پچھلے لوگوں میں فیصلے کے لیے آئے اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق صلہ دے۔ اور اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۝۲۱۰ ﴾ ''اور (ان کے) معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِاۡىۡٓءَ يَوۡمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوۡمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰى لَـهُ الذِّكۡرٰىؕ ۝ ﴾ (الفجر 89:21-23) ''ہرگز نہیں! جب زمین (کی بلندی) خوب کوٹ کر پست کر دی جائے گی اور آپ کا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف در صف آ موجود ہوں گے اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر (اب) انتباہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں مل سکے گا؟'' اور فرمایا: ﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ رَبُّكَ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ‌ؕ ﴾ (الأنعام 6:158) ''یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود آپ کا پروردگار آئے یا آپ کے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں؟''

امام ابو جعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انھوں نے ابو العالیہ سے: ﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2/371.

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

پوچھیے بنی اسرائیل سے! ہم نے انھیں کتنی واضح نشانیاں دیں اور جو کوئی اللہ کی نعمت پا لینے کے بعد اسے بدل دیتا ہے تو بے شک

جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ

اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿211﴾ جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے دنیا کی زندگی سجا دی گئی ہے اور وہ ان لوگوں سے مذاق کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿212﴾ وقف لازم

اور جو لوگ متقی ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بلند مرتبہ ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے ﴿212﴾

﴿الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ فرشتے تو بادل کے سائبانوں میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا جلوہ افروز ہوگا۔[1]

بعض قراءتوں کے مطابق اس آیت کو اس طرح پڑھا گیا ہے: [هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَالْمَلَائِكَةُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ] یہ آیت اسی طرح ہے، جیسے حسب ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا ○﴾ (الفرقان 25:25) ''اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے لگا تار نازل کیے جائیں گے۔''[2]

تفسیر آیات: 212,211

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلنے اور مومنوں سے مذاق کرنے کی سزا: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کتنے ہی ایسے روشن دلائل و براہین کو دیکھا جو ان کی صداقت کی قطعی دلیل تھے، مثلاً: ید بیضا، عصا کا سانپ بن جانا، سمندر کا پھٹنا، پتھر سے پانی کے چشموں کا نکلنا، گرمی کی شدت میں ان کے سروں پر بادل کا سایہ افگن ہونا، ان پر من و سلویٰ کا نازل ہونا۔ اور اس طرح کی دیگر بہت سی نشانیاں ایک طرف اللہ تعالیٰ فاعل و مختار کے وجود کی روشن دلیل تھیں تو دوسری طرف اس پیغمبر کی صداقت و حقانیت کی دلیل جس کے ہاتھ پر یہ خرق عادت معجزات صادر ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل کی اکثریت نے ان سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا، یعنی ایمان سے اعراض کر کے کفر کو قبول کر لیا۔

﴿وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾﴾ ''اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے تو اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ○ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ○﴾ (ابراهیم 29,28:14) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں جا اتارا؟ (یعنی) دوزخ میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے دنیا کی زندگی کو کافروں کے لیے مزین کر دیا ہے اور وہ اس پر راضی اور مطمئن ہو گئے

[1] تفسیر الطبری:446,445/2. [2] تفسیر الطبری:446/2.

ہیں۔ اور انھوں نے مال و دولت کے انبار لگانا شروع کر دیے ہیں اور ان مصارف پر خرچ نہیں کرتے جن پر خرچ کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا تاکہ اللہ ان سے راضی ہو جاتا مگر یہ ان اہل ایمان سے، جو دنیا سے کنارہ کشی کیے ہوئے ہیں، مذاق کرتے ہیں کیونکہ انھیں دنیا کا جو مال حاصل ہو جائے وہ اسے اپنے رب کی طاعت میں خرچ کرتے اور اس کی خوشنودی کے طلب گار رہتے ہیں، لہٰذا روز قیامت یہ سعادتوں اور کامرانیوں سے فیض یاب ہوں گے، حشر نشر میں، چلنے پھرنے میں اور اپنے مقام اور ٹھکانے کے اعتبار سے کفار کی نسبت کہیں بلند ہوں گے کہ انھیں تو اعلیٰ علیین میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات پر فائز کیا جائے گا اور کفار جہنم کے انتہائی نچلے درجوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب الٰہی میں مبتلا رہیں گے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ ''اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں بے شمار اور بے حساب رزق سے نوازتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: [أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ! أُنْفِقْ عَلَيْكَ] ''اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''[1] اور نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [أَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا] ''اے بلال! خوب خوب خرچ کرو اور اس بات کا خوف نہ کھاؤ کہ عرش والا تمھیں محتاج کر دے گا۔''[2] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ (سبا 39:34) ''اور تم جو چیز بھی خرچ کرو گے وہ اس کا (تمھیں) عوض دے گا۔''

صحیح حدیث میں ہے: [مَا مِنْ يَوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَّيَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا] ''ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا عوض عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بخل کرنے والے کے مال کو تباہ و برباد کر دے۔''[3] ایک اور صحیح حدیث میں ہے: [يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي مَالِي، قَالَ: وَ هَلْ لَّكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مِنْ مَّالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ، وَفِي رِوَايَةٍ: وَّ مَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّ تَارِكُهٗ لِلنَّاسِ] ''ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ ہے جسے تو نے کھا لیا اور ہضم کر لیا یا پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اس کے سوا جو ہے تو وہ دنیا سے جانے والا ہے اور تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''[4]

مسند امام احمد میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهٗ، (وَمَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهٗ)، وَلَهَا يَجْمَعُ

---

[1] صحیح البخاری، النفقات، باب فضل النفقة على الأهل......، حديث:5352. [2] المعجم الكبير للطبراني:342/1، أبوهريرة عن بلال ﷺ، حديث:1025. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ...... ﴾، حديث:1442 وصحيح مسلم، الزكاة، باب في المنفق والممسك، حديث:1010 عن أبي هريرة ﷺ. [4] صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حديث:2959,2958 عن عبدالله بن شِخّير و أبي هريرة ﷺ.

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے (پھران میں اختلافات پیدا ہو گئے) تو اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ اس نے

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

برحق کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے اختلاف کیا اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے آپس کی

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا

ضد سے کیا جنھیں کتاب دی گئی تھی، حالانکہ ان کے پاس واضح دلیلیں آ گئی تھیں، پھر جو ایمان لے آئے انھیں اللہ نے اپنے حکم سے اس حق کا راستہ دکھا

فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿213﴾

دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے، سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے ﴿213﴾

مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ] ''دنیا تو اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو۔''[1]

تفسیر آیت:213

علم کے بعد اختلاف بغاوت وضلالت کی دلیل ہے: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں تھیں، ان میں سب لوگ شریعت حق کے مطابق عمل پیرا تھے لیکن پھر بعد میں یہ لوگ اختلاف میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبریاں سنانے اور اس کے عذاب سے ڈرانے کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

امام ابن جریر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق یہ آیت اس طرح ہے: [كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا] ''لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے پھر انھوں نے اختلاف کیا۔''[2] اسے امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔[3] امام ابوجعفر رازی نے ابوالعالیہ سے اور انھوں نے حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بھی اس آیت کی اسی طرح قراءت فرماتے تھے: [كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ] ''لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے، پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے۔''[4]

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے معمر کے حوالے سے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ کے معنی یہ ہیں کہ سب لوگ ہدایت پر تھے۔ ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ﴾ ''تو اللہ نے پیغمبر بھیجے۔'' سب سے پہلے جس پیغمبر کو مبعوث

---

[1] مسند أحمد:71/6 عن عائشة رضی اللہ عنہا۔ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة:1933 اور قوسین والے الفاظ نسخۂ میمنیہ میں نہیں ہیں۔ [2] تفسیر الطبری:455/2. [3] المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين......، باب ذكر نوح النبي ﷺ: 546/2 ، حدیث:4009. [4] تفسیر الطبری:456/2 .

فرمایا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔[1] امام عبدالرزاق ہی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ﴾ ''تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے، اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھادی۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [نَحْنُ الْآخِرُونَ الْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، نَحْنُ أَوَّلُ النَّاسِ دُخُولًا الْجَنَّةَ ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، وَ أُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ، فَهَدَانَا اللّٰهُ لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ، فَهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ ، فَغَدًا لِّلْيَهُودِ، وَ بَعْدَ غَدٍ لِّلنَّصَارٰى] ''ہم اگرچہ آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن ہم پہلے ہوں گے، جنت میں ہم دوسرے لوگوں سے پہلے داخل ہوں گے، گوانھیں کتاب ہم سے پہلے ملی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔ انھوں نے جس امر حق میں اختلاف کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہمیں اس کی راہ دکھادی ہے، (مثلاً:) اس دن میں انھوں نے اختلاف کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بارے میں ہدایت فرمادی ہے، چنانچہ لوگ اس دن (جمعے کے حوالے) سے ہم سے پیچھے ہیں، اس کے بعد کا دن (ہفتہ) یہودیوں کا دن ہے اور اس کے بعد والا دن (اتوار) عیسائیوں کا ہے۔''[2]

ابن وہب نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے والد زید بن اسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ لوگوں نے جمعے کے دن کے بارے میں اختلاف کیا تو یہودیوں نے ہفتے کے دن کو اختیار کر لیا اور عیسائیوں نے اتوار کے دن کو مگر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو جمعے کے دن کے اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرمادی۔ اسی طرح لوگوں نے قبلے کے بارے میں اختلاف کیا تو عیسائیوں نے مشرق کو اور یہودیوں نے بیت المَقدِس کو قبلہ بنالیا لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی بطور قبلہ کعبۃ اللہ کی طرف راہنمائی فرمادی۔

اسی طرح لوگوں نے نماز کے بارے میں اختلاف کیا تو ان میں سے کچھ لوگ اپنی نماز میں رکوع تو کرتے ہیں مگر سجدہ نہیں کرتے اور کچھ سجدہ کرتے ہیں مگر رکوع نہیں کرتے، کچھ لوگ نماز پڑھتے ہوئے باتیں بھی کرتے اور کچھ نماز پڑھتے ہوئے چلتے پھرتے بھی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو صحیح طریقے سے نماز ادا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے روزے کے بارے میں اختلاف کیا، کچھ لوگ دن کے صرف کچھ حصے کا روزہ رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کھانے پینے کی تمام نہیں بلکہ صرف کچھ چیزوں سے روزہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو صحیح صحیح روزہ رکھنے کی ہدایت فرمادی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہودیوں نے کہا کہ وہ یہودی تھے، عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ﴿حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ (آل عمران 3:67) ''سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہنے والے اور اسی کے فرماں بردار'' قرار دیا ہے۔

---

[1] تفسير عبدالرزاق: 330/1، رقم: 244. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب فرض الجمعة، حديث: 876 و صحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: 855 و تفسير ابن أبي حاتم: 377/2 واللفظ له.

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ

(پھر) کیا تمھارا خیال ہے کہ تم یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تمھیں ان لوگوں کے مانند (مشکلیں) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلے

الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ

گزرے، ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے، کہنے لگے: اللہ کی مدد کب (آئے گی؟)

اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿214﴾

آگاہ رہو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہی ہے ﴿214﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ صحیح موقف اختیار کرنے کی بھی امت محمدیہ ہی کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی اختلاف کیا، یہودیوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کی والدہ پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ اور عیسائیوں نے آپ ہی کو معبود اور اللہ کا بیٹا قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے روح اور اپنا کلمہ قرار دیا اور آپ کے بارے میں اس صحیح صحیح موقف اختیار کرنے کی بھی صرف امت محمدیہ ہی کو ہدایت عطا فرمائی۔[1]

﴿ بِاِذۡنِهٖ ؕ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی طرف سے علم عطا فرما کر اور اپنی طرف سے ہدایت سے نواز کر راہ دکھا دی۔ یہ امام ابن جریر کا قول ہے۔[2] ﴿ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿213﴾ ﴾ ''اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے۔'' یعنی اپنی مخلوق میں سے۔ اور اس سلسلے میں صرف اور صرف اسی کا حکم اور اسی کی دلیل کارگر ثابت ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ ! رَبَّ جِبۡرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسۡرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ، عَالِمَ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ أَنۡتَ تَحۡكُمُ بَيۡنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخۡتَلِفُونَ ، اِهۡدِنِي لِمَا اخۡتُلِفَ فِيهِ مِنَ الۡحَقِّ بِإِذۡنِكَ ، إِنَّكَ تَهۡدِي مَنۡ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيمٍ] ''اے اللہ! اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو ایجاد کرنے والے! پوشیدہ اور علانیہ کا علم رکھنے والے! جن باتوں میں (تیرے یہ بندے) اختلاف کر رہے ہیں تو ہی ان کا فیصلہ فرمائے گا، اور حق کے بارے میں جو اختلاف دنیا میں ہو رہا ہے اس میں اپنے فضل سے میری رہنمائی فرما، بے شک تو ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔''[3]

اور ایک دعائے ماثور میں یہ الفاظ آئے ہیں: [اَللّٰهُمَّ ! أَرِنَا الۡحَقَّ حَقًّا ، وَّارۡزُقۡنَا اتِّبَاعَهٗ ، وَأَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلًا، وَّارۡزُقۡنَا اجۡتِنَابَهٗ ، وَلَا تَجۡعَلۡهُ مُلۡتَبِسًا عَلَيۡنَا فَنَضِلَّ ، وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِينَ إِمَامًا] ''اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور باطل میں ہمارے لیے التباس پیدا نہ فرما کہیں ہم گمراہ نہ ہو جائیں اور ہمیں اپنے پرہیزگار بندوں کا امام بنا۔''[4]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 378/2. [2] تفسیر الطبري: 462/2. [3] صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب صلاة النبي ﷺ و دعائه بالليل، حديث: 770. [4] تخريج الإحياء: 1418/3.

تفسیر آیت:214

فتح ونصرت اور جنت امتحان وآزمائش کے بعد ہی ملتی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ ”کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ یوں ہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے؟“ اور تمھارا کوئی امتحان اور آزمائش نہ ہوگی جس طرح کہ تم سے پہلی امتوں کو امتحان وآزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ اور اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ ﴾ ”حالانکہ ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں، ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں۔“ مثلاً: بیماریاں، آلام ومصائب، دکھ اور پریشانیاں۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ابوالعالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، مرہ ہمدانی، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ الْبَاْسَآءُ ﴾ سے مراد فقر ہے۔[1] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ الضَّرَّآءُ ﴾ سے مراد بیماری ہے۔[2]

﴿ وَ زُلْزِلُوْا ﴾ ”اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیے گئے۔“ یعنی دشمنوں کی طرف سے آنے والی صعوبتوں میں بہت شدید ہلا دیے گئے اور بہت عظیم امتحانوں میں مبتلا کر دیے گئے جیسا کہ حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے، کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: [كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُلَهُ فِي الْأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ ، فَيُجَاءُ بِالْمِيشَارِ فَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَ يُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَادُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْعَصَبٍ وَّمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللّٰهِ ! لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرَحَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ ، أَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ] ”تم سے پہلے ایک آدمی کے لیے گڑھا کھودا جاتا، پھر اس کو اس میں کھڑا کر کے آرا اس کے سر پر رکھ کر دو حصوں میں چیر دیا جاتا لیکن یہ (اذیت) اسے اس کے دین سے نہ روکتی، اسی طرح کسی کی ہڈیوں یا پٹھوں سے گوشت لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ اتار دیا جاتا لیکن یہ (اذیت) بھی اسے دین سے نہ روک سکتی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا فرمائے گا حتی کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک آئے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا حتی کہ اپنی بکریوں کے بارے میں اسے بھیڑیے کا بھی ڈر نہ ہوگا لیکن تم لوگ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہو۔“[3]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ ﴾ (العنکبوت29:1-3) ”الٓمّٓ۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ اور البتہ تحقیق جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے)، چنانچہ اللہ ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو (اپنے

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:380/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم:380/2. [3] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3612.

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى

(اے نبی!) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: تم اپنے مال میں سے جو بھی خرچ کرو، اپنے والدین، رشتے داروں،

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿215﴾

یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو) اور تم جو بھلائی بھی کرو گے، تو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ﴿215﴾

ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ احزاب کے دن اس طرح کی زبردست آزمائش سے دوچار ہونا پڑا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾ (الأحزاب 33:10-12) ''جب دشمن تمھارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر (چڑھ) آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔''

اور جب ہرقل نے ابوسفیان سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا تم نے اس نبی سے جنگ بھی کی ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا: ہاں! پھر ہرقل نے پوچھا کہ تمھارے مابین جنگ کیسی رہی ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ جنگ ڈول کے مانند ہے جسے ہم پر انڈیل دیا جاتا ہے اور ہم اس پر انڈیل دیتے ہیں ہرقل نے کہا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی اسی طرح آزمائش ہوتی ہے اور بالآخر انجام کار فتح و نصرت انھی کی قدم بوسی کرتی ہے۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ کے معنی ہیں: تم سے پہلے لوگوں کے سے حالات جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝﴾ (الزخرف 43:8) ''تو جو ان میں سخت زور والے تھے ان کو ہم نے ہلاک کر دیا اور اگلے لوگوں کی مثال (حالت) گزر گئی ہے۔'' ﴿وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے، سب پکار اٹھے کہ کب اللہ کی مدد (آئے گی)؟'' یعنی وہ اپنے دشمنوں کے خلاف مدد مانگتے تھے اور اس تنگی اور سختی سے جلد نکلنے کے لیے دعائیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿214﴾﴾ ''دیکھو! اللہ کی مدد (عن) قریب (آیا چاہتی) ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ (الإنشراح 94:5,6) ''پھر بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ (اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔'' یعنی جس طرح کی مشکل اور سختی ہوتی ہے فتح و نصرت بھی اسی حساب سے نازل ہوتی ہے۔ اسی لیے تو اللہ

① ملخص از صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللّٰہﷺ؟......، حدیث:7 وحدیث: 2804.

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ

تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمھارے لیے ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ

26 ع 6 10 تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۠﴿216﴾

تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿216﴾

تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿214﴾ ﴾.

تفسیر آیت:215

کس پر خرچ کیا جائے؟ مُقاتل بن حَیّان نے کہا ہے کہ یہ آیت نفلی صدقے کے بارے میں ہے۔[1] اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کس طرح خرچ کریں؟ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے: ﴿ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ تم اپنے مال میں سے جو بھی خرچ کرنا چاہو تو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق، یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو (سب کو) دو۔'' یعنی ان تمام پر خرچ کرو جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [أُمَّكَ وَأَبَاكَ، أُخْتَكَ وَأَخَاكَ ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ] ''اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن، اپنے بھائی، پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتے داروں پر (خرچ کرو۔)''[2]

میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی تو فرمایا کہ یہ ہیں خرچ کرنے کے مقامات اور ان میں کسی طبلے، بانسری، لکڑی کی تصویروں اور دیواروں کے پردوں وغیرہ پر خرچ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔[3] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿215﴾ ﴾ ''اور جو بھلائی تم کرو گے، اللہ اس کو جانتا ہے۔'' یعنی تم سے جس نیک کام کا بھی صدور ہو گا اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اور اس کی وہ تمھیں پوری پوری جزا بھی دے گا کیونکہ وہ کسی پر بھی ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر آیت:216

جہاد کا وجوب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد کو واجب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اسلام کی سرحدوں سے دشمنوں کے شر کو روکیں۔ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے، خواہ وہ جہاد کرے یا بیٹھ رہے۔ بیٹھ رہنے والے پر واجب ہے کہ جب اس سے مدد طلب کی جائے تو وہ مدد کرے جب اس سے فریاد رسی کی جائے تو وہ فریاد رسی کرے جب اس سے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ جہاد کے لیے نکلے اور اگر اس کی جہاد کے لیے ضرورت نہ ہو تو پھر بے شک بیٹھ رہے۔ اسی لیے صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے: [مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:381/2. [2] صحيح ابن حبان، التاريخ، باب كتب النبي ﷺ:519/14، حديث:6562 مطوّلًا والمستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، باب ذكر صعصعة بن ناجية المجاشعي رضي الله عنه:611/3، حديث:6563. [3] تفسير ابن أبي حاتم:381/2.

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور

وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ

لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی

الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ

بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ اور وہ (کافر) تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمھیں تمھارے

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ حالت کفر ہی پر مر جائے تو انھی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت (دونوں) میں

وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿217﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ

برباد ہو گئے اور وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿217﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی

هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿218﴾

راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿218﴾

نِّفَاقٍ] ''جو شخص مر جائے اور وہ جہاد نہ کرے اور نہ اس کے دل میں جہاد کا خیال آئے تو وہ نفاق کی ایک حالت پر مرا۔''[1]

نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا: [لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَّ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا] ''فتح مکہ کے بعد اب ہجرت تو نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ کیا جائے تو جہاد کے لیے نکل پڑو۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ ﴾ ''اور وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا۔'' یعنی وہ تمھیں بہت شدید اور پر مشقت معلوم ہوگا اور اس میں واقعی سختی اور مشقت ہے کیونکہ اس میں سفر کی مشقت اور دشمنوں کے مقابلے کی مشقت کے بعد انسان قتل ہو جاتا ہے یا زخمی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ ﴾ ''مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو۔'' کیونکہ قتال کے بعد انسان کو نصرت، دشمن پر فتح اور دشمن کے شہروں، مالوں اور اولاد پر غلبہ و تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔

فرمایا: ﴿ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ ﴾ ''اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو۔'' یہ ایک عام حکم ہے جس کا تمام امور سے تعلق ہو سکتا ہے کہ انسان ایک چیز کو اپنے لیے پسند کرتا ہے مگر ممکن ہے کہ اس میں کوئی خیر و بھلائی اور مصلحت نہ ہو، مثلاً: دشمن سے جنگ نہ کرنے اور بیٹھ رہنے کو انسان پسند کرتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں دشمن علاقے کو

---

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب ذم من مات ولم یغز……، حدیث:1910. [2] صحیح البخاري، الجهاد والسیر، باب فضل الجهاد والسیر، حدیث:2783.

فتح کر کے حکمران بن سکتا ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' یعنی تمھاری نسبت تمھارے امور کے انجام کو وہ زیادہ بہتر جانتا ہے اور وہ تمھیں وہ باتیں بتاتا ہے جو دنیا و آخرت کے اعتبار سے تمھارے لیے بہتر ہیں، لہٰذا اس کے حکم پر لبیک کہو اور اسی کے فرمان کے سامنے سر اطاعت خم کر دو، اسی میں تمھاری بہتری و بھلائی ہے۔

تفسیر آیات: 218,217

سَرِیّہ نَخلہ اور حرمت والے مہینے میں قتال: امام ابن ابو حاتم نے حضرت جُندُب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ کو قائد مقرر کیا جب وہ روانہ ہونے لگے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی وجہ سے رونے لگ گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جگہ پر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا اور ایک دستاویز لکھ کر انھیں دی اور فرمایا: ''اس دستاویز کو فلاں مقام پر پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنا'' اور آپ نے یہ بھی فرمایا: [لَا تُكْرِهَنَّ أَحَدًا عَلَى السَّيْرِ مَعَكَ مِنْ أَصْحَابِكَ] ''اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کرنا۔'' جب انھوں نے دستاویز کو پڑھا تو ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (البقرة 2:156) پڑھنے لگ گئے اور کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان سر آنکھوں پر، پھر انھوں نے اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا تو ان میں سے دو آدمی واپس آ گئے اور باقی ان کے ساتھ ہی رہے۔ ابن الحَضرَمی سے ان کی ملاقات ہوئی تو اسے انھوں نے قتل کر دیا اور انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دن رجب کا ہے یا جُمادیٰ کا۔ مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم نے تو حرمت والے مہینے میں لڑائی کی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ ﴾ ''(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں؟ آپ کہہ دیں: ان میں لڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔''[1]

''سیرۂ نبویہ'' کے راوی عبدالملک بن ہشام نے زیاد بن عبداللہ بَکّائی سے اور انھوں نے محمد بن اسحاق بن یَسار مدنی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے کہ بدر اولیٰ سے واپسی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش بن رِئاب اسدی کو رجب میں آٹھ مہاجر صحابہ کے ساتھ بھیجا، ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا، آپ نے عبداللہ کو خط بھی لکھ کر دیا اور حکم دیا کہ دو دن تک چلتے رہنے سے پہلے اس خط کو نہ دیکھا جائے۔ دو دن کے بعد اسے دیکھے، پھر اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرے اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرے۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ان تمام ساتھیوں کا تعلق مہاجرین سے تھا۔ بنی عبد شمس بن عبد مَناف میں سے ابوحُذَیفہ بن عُتبہ بن رَبیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھے اور ان کے حلیفوں میں سے خود امیر قوم عبداللہ بن جحش تھے اور عُکّاشہ بن مِحصَن بھی ان کے حلیفوں میں سے تھے جو بنی اسد بن خُزَیمہ میں سے تھے اور بنی نوفل بن عبد مناف میں سے عُتبہ بن غَزوان بن جابر تھے جو

[1] تفسير ابن أبي حاتم:384/2.

انھی کے حلیف تھے۔ بنی زُہرہ بن کِلاب میں سے سعد بن ابو وقاص تھے۔ بنی عدی بن کعب میں سے عامر بن ربیعہ تھے جو عَنز بن وائل کی طرف سے ان کے حلیف تھے اور وَاقِد بن عبداللہ بن عبد مناف بن عَرِین بن ثعلبہ بن یَرْبُوع، بنی تمیم میں سے تھے اور ان کے حلیف تھے۔ اور خالد بن بُکَیر کا تعلق بنی سعد بن لیث سے تھا اور وہ بھی ان کے حلیف تھے، بنی حارث بن فِہر سے سُہَیل ابن بیضاء تھے۔

عبداللہ بن جحش نے دو دن تک چلنے کے بعد نامہ مبارک کو کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ جب میرے اس خط کو دیکھو تو بدستور آگے بڑھتے جاؤ حتی کہ مکہ و طائف کے درمیان مقام نخلہ پر پڑاؤ ڈال لو اور قریش کے حالات پر نظر رکھو اور ہمیں ان کے حالات کے بارے میں مطلع کرو۔ عبداللہ بن جحش نے جب نامہ مبارک کو پڑھا تو کہا: چشم ماروشن دل ماشاد! پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں نخلہ جاؤں، قریش پر نظر رکھوں اور ان کے حالات کو معلوم کروں لیکن آپ نے مجھے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور کروں جو شخص شہادت کا طلب گار ہو تو وہ میرے ساتھ چلے اور جو ناپسند کرے وہ لوٹ جائے لیکن میں تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں آگے جا رہا ہوں، چنانچہ وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کے تمام ساتھی بھی ان کے ہمراہ تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی واپس نہ گیا۔

یہ حجاز کی طرف چلے حتی کہ جب مَعْدِن (کان) میں پہنچے جو فُرُع سے آگے ہے جسے بُحران کہا جاتا تھا تو سعد بن ابو وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے چلے آ رہے تھے تو وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے مگر عبداللہ بن جحش اور ان کے باقی ساتھی آگے چلتے گئے حتی کہ وہ مقام نخلہ پہنچ گئے، ان کے پاس سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جو کشمش اور کھانے پینے کا دیگر سامان لیے جا رہا تھا۔ اس تجارتی قافلے میں عمرو بن حضرمی بھی تھا۔ حضرمی کا نام عبداللہ بن عباد تھا جو خاندان صَدَف میں سے تھا، نیز اس میں عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی اور ہشام بن مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان تھا۔ جب انھوں نے انھیں دیکھا تو ڈر گئے اور انھوں نے ان کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا تھا۔ عُکَّاشہ بن محصن نے انھیں جھانک کر دیکھا، انھوں نے اپنا سر منڈایا ہوا تھا۔ انھوں نے جب انھیں دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو عمرہ کرنے والے لوگ ہیں، لہٰذا ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بارے میں مشورہ کیا، یہ ماہ رجب کا آخری دن تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر تم نے انھیں آج رات چھوڑ دیا تو یہ حرم میں داخل ہو جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم ان سے لڑائی کرتے ہو تو یہ حرمت والا مہینہ ہے، لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تردد میں تھے اور ان پر حملہ کرنے سے ڈرتے تھے، پھر انھوں نے دل گردے کو مضبوط کیا اور اس بات کا فیصلہ کیا کہ ان میں سے جو قابو آ جائے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کے مال کو چھین لیا جائے، اس کے بعد واقد بن عبداللہ تمیمی نے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنایا اور اسے قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حَکَم بن کَیسان کو گرفتار کر لیا، نوفل بن عبداللہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے انھیں عاجز کر دیا۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی اس قافلے اور دونوں

قیدیوں کو لے کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے خاندان سے بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ ہم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، حالانکہ اس وقت مال غنیمت میں سے خُمس فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ بہر حال انھوں نے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے الگ کر دیا اور باقی اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: [مَا أَمَرْتُكُمْ بِقِتَالٍ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ] ''میں نے تمھیں حرمت والے مہینے میں لڑنے کا تو حکم نہیں دیا تھا۔'' قافلہ اور دونوں قیدی کھڑے تھے اور آپ نے ان میں سے کسی کو لینے سے انکار فرما دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا تو ان لوگوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور انھوں نے خیال کیا کہ وہ تباہ و برباد ہو گئے، مسلمانوں نے بھی انھیں برا بھلا کہا۔ ادھر قریش نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے تو حرمت والے مہینے کو بھی حلال قرار دے لیا ہے، اس میں خون بہایا ہے، اموال چھین لیے ہیں اور لوگوں کو قیدی بنا لیا ہے۔ ان کے جواب میں مکہ میں موجود مسلمان یہ کہتے کہ انھوں نے یہ سب کچھ رجب میں نہیں کیا بلکہ شعبان میں کیا ہے۔ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بدشگونی پکڑتے ہوئے کہا کہ عمرو بن حضرمی کو واقد بن عبداللہ نے قتل کیا ہے (اور ان کے ناموں سے اس طرح بدشگونی لی:) عَمْرٌو، عَمَرَتِ الْحَرْبُ ''عمرو، گویا میدان جنگ آباد ہو گیا'' وَالْحَضْرَمِيُّ، حَضَرَتِ الْحَرْبُ ''حضرمی، گویا (اب) جنگ پیش آ گئی۔'' اور وَاقِدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ، وَقَدَتِ الْحَرْبُ ''واقد بن عبداللہ، گویا لڑائی بھڑک اٹھی۔'' مگر یہ تمام چیزیں اللہ نے انھیں کے خلاف کر دیں، ان کے حق میں نہیں کیں۔

جب لوگوں نے اس کے بارے میں زیادہ ہی باتیں کرنا شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں اپنے رسول ﷺ پر یہ وحی نازل فرما دی: ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ ﴾ ''(اے نبی!) لوگ آپ سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ میں جانے) سے (بند کرنا) اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔'' یعنی اگر تم نے حرمت والے مہینے میں لڑائی کی ہے تو انھوں نے تمھیں اللہ کے رستے سے روکا اور اس کے ساتھ کفر بھی کیا ہے، نیز انھوں نے تو تمھیں مسجد حرام سے بھی روکا اور اس سے نکالا ہے، حالانکہ تم اہل مسجد حرام ہو اور یہ سب باتیں اس کے قتل سے بڑی ہیں جسے تم نے قتل کیا ہے۔

﴿ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ ﴾ ''اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔'' یعنی یہ لوگ تو مسلمانوں کو اس قدر

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ

(اے نبی!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ

بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: جو ضرورت سے زائد ہو۔ اللہ

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿219﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

تمھارے لیے اپنے احکام اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو ﴿219﴾ دنیا اور آخرت دونوں کی بابت۔ اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے

الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

ہیں، کہہ دیجیے: ان کی اصلاح کرنا ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہن سہن اکٹھا رکھو تو وہ تمھارے بھائی ہی ہیں اور اللہ جانتا ہے

الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿220﴾

کہ فساد کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں تکلیف میں ڈال دیتا، بے شک اللہ بہت زبردست ہے، خوب حکمت والا ﴿220﴾

فتنہ انگیزی میں مبتلا کر دیتے تھے کہ بعض ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جاتے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ﴾ ''اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمھارے دین سے پھیر دیں۔'' یعنی یہ لوگ تو بہت خبیث اور بہت بڑی بات پر قائم ہیں، اس سے توبہ بھی نہیں کرتے اور نہ اس بات کو ترک کرتے ہیں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب اس کے بارے میں قرآن مجید میں حکم نازل ہو گیا اور مسلمان جس مشکل میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس قافلے اور دونوں قیدیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تو قریش نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کی رہائی کے لیے آپ کی خدمت میں فدیہ بھیجا تو آپ نے فرمایا: [لَا نُفْدِيكُمُوهَا حَتّٰى يَقْدَمَ صَاحِبَانَا يَعْنِي سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ وَّعُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ ، فَإِنَّا نَخْشَاكُمْ عَلَيْهِمَا، فَإِنْ تَقْتُلُوهُمَا نَقْتُلْ صَاحِبَيْكُمْ] ''ہم اس وقت تک ان کو فدیہ لے کر رہا نہیں کریں گے جب تک ہمارے دونوں ساتھی، یعنی سعد بن ابو وقاص اور عتبہ بن غزوان ہمارے پاس نہیں آجاتے کیونکہ ہمیں یہ خدشہ ہے کہ تم انھیں نقصان پہنچاؤ گے لیکن یاد رکھو کہ اگر تم نے ہمارے ان دونوں ساتھیوں کو قتل کیا تو ہم تمھارے ان دونوں آدمیوں کو قتل کر دیں گے۔'' چنانچہ سعد اور عتبہ خیریت سے واپس آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لے کر قریش کے دونوں آدمیوں کو رہائی عطا فرما دی۔

ان میں سے حکم بن کیسان تو مُشرّف بہ اسلام بھی ہو گیا تھا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی اقامت اختیار کر لی تھی حتی کہ بئر معونہ کے دن جام شہادت نوش کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اور عثمان بن عبداللہ مکہ میں واپس چلا گیا تھا اور وہاں حالت کفر میں فوت ہوا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ نزول قرآن کے بعد جب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی یہ مشکل دور ہو گئی تو انھیں

اجر وثواب کی بھی امید ہوگئی اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ امید رکھیں کہ ہمارا یہ عمل جہاد ہے اور ہمیں مجاہدین کا اجر وثواب ملے گا؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے لیے وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے، وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت کے عظیم ترین امیدوار قرار دیا۔[1]

تفسیر آیات: 220,219

شراب کی حرمت کا حکم تدریجاً نازل ہوا: امام احمد رحمہ اللہ نے ابومیسرہ سے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جن دنوں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے والا تھا تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرما دے۔ جب سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ ﴾ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں نقصان بڑے ہیں۔'' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو انھوں نے کہا: اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرما دے تو پھر سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ (النسآء4:43) ''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس نہ جاؤ۔'' اس آیت کے نزول کے بعد جب نماز کھڑی ہونے لگتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کر دیتا کہ کوئی نشے والا نماز کے پاس نہ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے اس آیت کو پڑھا گیا تو انھوں نے پھر یہی کہا: اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرما دے تو پھر وہ آیت نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر جب اس آیت کو پڑھا گیا اور اس آیت کے آخر میں یہ الفاظ آئے: ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدة5:91) ''پھر کیا تم ان (برے کاموں) سے باز آتے ہو؟'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا ''ہم ان سے باز آ گئے، ہم ان سے باز آ گئے۔''[2] امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[4] امام احمد نے اس حدیث کو بطریق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی روایت کیا ہے۔[5] ہم سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، سريّة عبدالله بن جحش: 2/601-605 و السيرة النبوية لابن خلدون، سريّة عبدالله بن جحش: 1/115 116. [2] مسند أحمد: 1/53. [3] سنن أبي داود، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث: 3670 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث: 3049 و سنن النسائي، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث: 5542. [4] فتح الباري، تحت حديث: 4620 و تحفة الأحوذي، تحت حديث: 3050. [5] مسند أحمد: 2/351,352.

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المآئدة 90:5) کی تفسیر میں اسے بیان کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔'' یہاں خَمر سے مراد جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے جیسا کہ سورۂ مائدہ (آیت:90) میں اس کا بیان آئے گا۔ اور مَیسِر سے مراد جوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔'' یعنی ان کے نقصانات دین کے اعتبار سے ہیں جبکہ فوائد کا تعلق دنیا سے ہے کہ یہ بدن کو فائدہ پہنچاتی ہے، کھانے کو ہضم کرتی، جسم سے فضلات کو نکالتی، بعض ذہنوں کو جلا بخشتی اور لذت و سرور پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح خرید و فروخت کی صورت میں اس سے دنیوی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح جوئے سے حاصل ہونے والی رقم کو انسان اپنے نفس یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے لیکن یہ فوائد و منافع ان واضح اور نمایاں نقصانات کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہیں جو اس سے دین اور عقل کو پہنچتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ ''مگر ان دونوں کے نقصان ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہیں۔'' یہ آیت کریمہ شراب کو قطعی طور پر حرام کیے جانے سے قبل اس کی حرمت کی تمہید تھی۔ اس میں حرمت کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا بلکہ صرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اسی لیے جب اس آیت کریمہ کو پڑھا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرما دے۔'' حتی کہ پھر سورۂ مائدہ کی ان آیات کریمہ میں صراحت کے ساتھ شراب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدة 91,90:5) ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب ناپاک کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، چنانچہ تم ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم (ان کاموں سے) باز آتے ہو؟'' اس مسئلے کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ (آیت:91) میں ہوگی۔ وَبِهِ الثِّقَةُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام شعبی، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ بیان فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلی آیت تو یہی نازل ہوئی ہے: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ ﴾ پھر اس کے بعد سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی، پھر سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس نے شراب کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا۔[1]

[1] تفسير الطبرى:495-491/2.

ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کا حکم: ارشادی باری تعالیٰ: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ ﴾ ’’اور یہ (بھی) آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔‘‘ میں ﴿ الْعَفْوَ ؕ ﴾ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور اسے دونوں طرح پڑھنا ہی صحیح ہے۔

حَکَم نے مِقْسَم سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو تمھارے اہل و عیال کی ضرورت سے زیادہ ہو۔[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، حسن، قتادہ، قاسم، سالم، عطاء خُراسانی، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمہ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

امام ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے، فرمایا: [أَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ ، قَالَ : عِنْدِي اٰخَرُ ، قَالَ: أَنْفِقْهُ عَلٰى أَهْلِكَ ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ ، قَالَ : أَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ ، قَالَ: فَأَنْتَ أَبْصَرُ] ’’اپنے آپ پر اسے خرچ کرلو، اس نے عرض کی کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے، فرمایا: اسے اپنے اہل پر خرچ کرلو، اس نے عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے، فرمایا: اسے اپنی اولاد پر خرچ کرلو، اس نے عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے تو آپ نے فرمایا: اس کے بارے میں تم ہی زیادہ بہتر جانتے ہو۔‘‘[3] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی صحیح میں بیان فرمایا ہے۔[4]

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: [اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ فَلِأَهْلِكَ ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ أَهْلِكَ شَيْءٌ فَلِذِي قَرَابَتِكَ ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ ذِي قَرَابَتِكَ شَيْءٌ فَهٰكَذَا وَهٰكَذَا] ’’اپنے آپ سے آغاز کرو اور اپنے اوپر خرچ کرو، اگر کچھ بچ جائے تو اسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو اور اگر اہل وعیال پر خرچ کرنے کے بعد کچھ بچ رہے تو اسے اپنے رشتے داروں پر خرچ کردو اور اگر رشتے داروں پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ رہے تو اسے ادھر ادھر خرچ کردو۔‘‘[5]

حدیث میں یہ بھی آیا ہے: [يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَّكَ، وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ] ’’اے ابن آدم! اگر تم ضرورت سے زیادہ کو خرچ کردو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر اسے روک رکھو تو یہ تمھارے لیے بدتر ہے اور بقدر ضرورت رکھنے پر تمھیں ملامت نہیں کی جائے گی۔‘‘[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿219﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ ﴾ ’’اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (یعنی) دنیا اور آخرت کی باتوں میں (غور کرو۔)‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان احکام کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اسی طرح وہ اپنے احکام اور وعدہ وعید سے متعلق

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 393/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 393/2. [3] تفسیر الطبري: 497/2. [4] یہ حدیث صحیح مسلم میں ہمیں نہیں ملی، سنن أبي داود، الزکاۃ باب في صلۃ الرحم، حدیث: 1691 میں ہے۔ [5] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الابتداء في النفقۃ بالنفس ......، حدیث: 997. [6] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی ......، حدیث: 1036.

تمام آیات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم دنیا و آخرت کی ان تمام باتوں پر غور و فکر کرو۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: تاکہ تم یہ سوچو کہ دنیا زوال پذیر ہو جانے والی اور فانی ہے اور آخرت ابدی و سرمدی اور باقی رہنے والی ہے۔ ①

یتیموں کے اموال کی اصلاح: اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ ﴾ ''اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں، کہہ دیں کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا۔''

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ﴾ (الأنعام6:152و بنی إسرآء یل17:34) ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' اور یہ آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴾ (النسآء4:10) ''بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔'' نازل ہوئی تو جن لوگوں کے پاس یتیم تھے انھوں نے اپنا کھانا پینا ان کے کھانے پینے سے الگ کر لیا اور اگر یتیم کے کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی تو اسے اسی طرح سنبھال کر رکھ دیتے حتی کہ اسے خود یتیم ہی کھاتا یا پھر وہ چیز خراب ہو جاتی تو یہ صورت حال انھیں بہت گراں محسوس ہوئی اور اس کا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ ﴾ ''اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔'' تو اس کے بعد انھوں نے اپنا کھانا پینا اکٹھا کر لیا۔ ②

اسی طرح امام ابوداود اور نسائی نے اور حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ ③ امام مجاہد، عطاء، شعبی، ابن ابولیلیٰ، قتادہ اور ائمۂ سلف و خلف میں سے کئی ایک نے اس آیت کا شان نزول یہی بتایا ہے۔ ④ امام وکیع بن جراح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتی ہوں کہ میرے پاس یتیم کا مال الگ تھلگ پڑا رہے بلکہ میں اس بات کو پسند کرتی ہوں کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو اپنی چیزوں کے ساتھ ملا کر اکٹھا رکھوں۔ ⑤

پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ ان کی اصلاح ہو سکے تو یہ بہت اچھا ہے۔'' ﴿ وَاِنْ

① تفسیر الطبری:502/2. ② تفسیر الطبری:503/2. ③ سنن أبی داود، الوصایا، باب مخالطة الیتیم فی الطعام، حدیث:2871 وسنن النسائی، الوصایا، باب ماللوصی من مال الیتیم إذا قام علیه؟ حدیث:3699 والمستدرك للحاکم، الجهاد:103/2، حدیث:2499. ④ تفسیر الطبری:503/2-505. ⑤ تفسیر الطبری:507/2.

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا

اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی

تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

لگے اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلا

يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمھیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں

27 ع 5 11 لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿221﴾

بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿221﴾

﴿ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ ﴾ یعنی ان کے کھانے پینے کی چیزوں کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ملا لو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ ﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون؟'' یعنی اللہ جانتا ہے کہ خرابی کا قصد و ارادہ اور نیت کس کی ہے اور اصلاح کا ارادہ و نیت کس کی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿220﴾ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا بے شک اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' یعنی اگر اللہ چاہتا تو تم کو تنگی اور مشکل میں ڈال دیتا لیکن اس نے توسع اور تخفیف سے کام لیا ہے اور احسن انداز میں یتیموں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور خرچ اکٹھا رکھنے کو جائز قرار دے دیا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ﴾ (الأنعام6:152) ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' بلکہ اللہ تعالیٰ نے فقیر کے لیے تو دستور کے مطابق یتیم کے مال سے کھانا بھی جائز قرار دے دیا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس کے لیے ممکن ہو تو وہ اس کے عوض اسے مال دے دے اور اگر معاوضہ دینا اس کے لیے ممکن نہ ہو تو پھر مفت بھی کھا سکتا ہے جیسا کہ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۂ نساء (آیت:10 کے ذیل) میں آئے گا۔ إن شاء الله.

تفسیر آیت: 221

مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح حرام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے یہ حرام قرار دیا ہے کہ وہ بت پرست مشرک عورتوں سے نکاح کریں۔ اگرچہ اس آیت کریمہ میں حکم عام ہے اور یہ ہر مشرک عورت کے لیے ہے، خواہ وہ کتابی ہو یا بت پرست لیکن اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں اہل کتاب کی عورتوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے: ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ (المآئدة 5:5) ''اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جبکہ تم ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کہ کھلی

بدکاری کرنی۔‘‘

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ ’’اور (مومنو!) تم مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرو۔‘‘ سے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔[1]

امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، مکحول، حسن، ضحاک، زید بن اسلم، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔[2]

دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکوں سے یہاں مراد بتوں کے پجاری ہیں،[3] اہل کتاب یہاں مراد ہی نہیں ہیں اور اس قول کے معنی پہلے قول کے قریب ہی ہیں۔ واللہ أعلم.

امام ابوجعفر بن جریر رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے جواز پر اجماع ہے، لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے مکروہ سمجھا ہے تاکہ لوگوں کی مسلمان عورتوں سے دلچسپی ختم نہ ہو جائے، نیز کچھ دیگر مصلحتوں کی وجہ سے انھوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے۔[4] جیسا کہ ابوکریب نے شقیق سے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب ایک یہودی عورت سے شادی کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ اس عورت کو الگ کر دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے الگ تو کر دیا مگر انھوں نے آپ سے پوچھا: کیا آپ کے خیال میں یہ حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں میرے خیال میں یہ حرام تو نہیں لیکن مجھے خدشہ ہے کہیں تم ان کی بدکار عورتوں سے شادی نہ کرنے لگ جاؤ۔[5] اس واقعے کی سند صحیح ہے۔

امام ابن جریر نے زید بن وہب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان تو نصرانی عورت سے شادی کر سکتا ہے لیکن کوئی نصرانی مرد کسی مسلمان عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔[6] اس حدیث کی سند پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھا اور آیت: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ کی انھوں نے یہی تفسیر کی ہے۔[7] حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہو سکتا ہے کہ عیسائی عورت یہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے۔[8]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَ لِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا ، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ ، تَرِبَتْ يَدَاكَ] ’’عورت سے شادی کے وقت چار چیزوں کو دیکھا جاتا ہے: (1) اس کے مال کو (2) اس کے خاندان کو (3) اس کے حسن و جمال کو اور (4) اس کے دین کو، تم دین دار عورت سے شادی کرنے میں کامیابی حاصل کرو، تمھارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔‘‘[9] صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی

[1] تفسیر الطبری:511/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:397/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:397/2. [4] تفسیر الطبری:514/2.
[5] تفسیر الطبری:514/2. [6] تفسیر الطبری:514/2. [7] تفسیر ابن أبی حاتم:398/2. [8] صحیح البخاری، الطلاق، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾، حدیث:5285. [9] صحیح البخاری، النکاح، باب الأکفاء فی الدین، حدیث:5090 وصحیح مسلم، الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین، حدیث:1466.

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ

اور (اے نبی!) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ تو گندگی ہے۔ تم حیض (کی حالت) میں عورتوں سے الگ رہو اور ان

حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ

التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿222﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫

توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿222﴾ تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، پس تم جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آؤ

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿223﴾

اور تم اپنی ذات کے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک (ایک دن) تمھیں اس سے ملنا ہے اور مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے ﴿223﴾

اسی طرح مروی ہے۔[1] نیز صحیح مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلدُّنیا مَتَاعٌ، وَّخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنیا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ] ''دنیا ساز و سامان کا نام ہے اور دنیا کا بہترین ساز و سامان نیک عورت ہے۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ﴾ یعنی مشرک مردوں کے نکاح میں مومن عورتوں کو نہ دو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ﴾ (الممتحنة 10:60) ''نہ وہ (مسلمان عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ﴾ ''البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے، خواہ وہ تم کو کیسا ہی بھلا لگے۔'' یعنی مومن مرد اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو مشرک سے بہتر ہے، خواہ وہ کوئی سردار اور کتنا مال دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ﴾ ''یہ (مشرک لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔'' یعنی ان سے میل جول اور تعلقات دنیا کی محبت، حصول دنیا کی چاہت اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے پر برانگیختہ کرتے ہیں اور اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ﴾ ''اور اللہ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی شریعت اور اپنے احکام و نواہی کے ذریعے سے جنت و مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ ﴿ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿221﴾﴾ ''اور وہ اپنے حکم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

تفسیر آیات: 223,222

حالت حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی کا حکم: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب عورت کے ایام حیض شروع ہو جاتے تو یہودی نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ گھروں ہی میں رہتے سہتے تھے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] صحیح مسلم، الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین، حدیث:715، بعد الحدیث:1466. [2] صحیح مسلم، الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة، حدیث:1469.

نے اس کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ؕ ﴾ ''اور لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے: وہ تو نجاست ہے، چنانچہ تم ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔'' اس طرح یہ پوری آیت اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ] ''ایام حیض میں تم عورتوں سے مقاربت کے سوا اور سب کچھ کر سکتے ہو۔'' یہودیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص تو اب ہر کام میں ہماری مخالفت کا ارادہ کرنے لگا ہے۔ اُسَید بن حُضَیر اور عبَّاد بن بِشر رضی اللہ عنہما نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہودیوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں تو کیا ہم ان سے اس حالت میں بھی مقاربت نہ کرلیا کریں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا جس کی وجہ سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہیں، یہ دونوں چلے گئے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دودھ کا تحفہ پیش ہوا تو آپ نے انھیں واپس بلوایا اور دودھ پلایا جس سے ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہیں۔ [1] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی بیان فرمایا ہے۔ [2]

پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ایام حیض میں عورتوں کی شرم گاہوں سے دور رہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ] ''ایام حیض میں تم عورتوں سے مقاربت کے سوا اور سب کچھ کر سکتے ہو۔'' اسی لیے بہت سے بلکہ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ شرم گاہ کے علاوہ حائضہ عورت سے دیگر امور جائز ہیں۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے عِکرِمہ سے اور انھوں نے بعض ازواج مطہرات سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب حائضہ سے کچھ ارادہ فرماتے تو اس کے مقام خاص پر کپڑا ڈال دیتے تھے۔ [3]

امام ابوجعفر بن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت مَسروق سفر کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر سلام! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: ابوعائشہ! مرحبًا، مرحبًا! انھوں نے اندر آنے کی اجازت دے دی تو یہ اندر چلے گئے اور عرض کی: میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں لیکن میں سوال پوچھنے سے بہت شرم بھی محسوس کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: میں تمھاری ماں ہوں اور تم میرے بیٹے ہو۔ انھوں نے عرض کی: حالت حیض میں مرد کے لیے اپنی بیوی سے کیا کچھ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: مقام خاص کے سوا اور سب کچھ جائز ہے۔ [4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور عِکرِمہ کا بھی یہی قول ہے۔ [5]

اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا اور اس کے ساتھ مل کر کھانا پینا جائز ہے۔ اُم المؤمنین

---

[1] مسند أحمد:133,132/3. [2] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث:302.

[3] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الرجل يُصيب منها مادون الجماع، حديث:272. [4] تفسير الطبري:520/2.

[5] تفسير الطبري:521/2 وتفسير ابن أبي حاتم:401/2.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو دھو دیتی تھی، حالانکہ میں اپنے خاص ایام میں ہوتی تھی۔ اسی طرح آپ میری گود میں تکیہ لگا کر قرآن مجید کی تلاوت فرمالیا کرتے تھے اور میں اپنے ان خاص ایام میں ہوتی تھی۔ ①

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کوئی مشروب پیتی، اور میں خاص ایام میں ہوتی، پھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برتن دے دیتی تو آپ بھی وہیں سے نوش فرماتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا تھا، اور میں ہڈی سے گوشت کھاتی، اور میں خاص ایام میں ہوتی تھی، پھر میں یہ ہڈی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی تو آپ بھی وہیں سے گوشت کھاتے جہاں سے میں نے کھایا ہوتا تھا۔ ②

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ازواج مطہرات میں سے کسی سے خاص ایام میں جسم سے جسم لگانا چاہتے تو آپ حکم دیتے اور وہ تہ بند باندھ لیتی تھی۔ یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ ③ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ④ امام احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری بیوی جب اپنے خاص ایام میں ہو تو کیا کچھ حلال ہے؟ فرمایا: [لَكَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ] ''تیرے لیے ازار بند سے اوپر اوپر سب کچھ حلال ہے۔'' ⑤

پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ ''اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔'' یہ درحقیقت ﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾ ''چنانچہ تم ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو'' کی تفسیر ہے، یعنی جب تک حیض موجود ہو اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے مقاربت کو منع فرما دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حیض ختم ہو جائے تو پھر مقاربت حلال ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ'' اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ عورتوں سے مقاربت اس وقت کی جائے جب حیض ختم ہونے کے بعد وہ غسل کر لیں۔ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ حیض ختم ہونے کے بعد اس وقت تک عورت حلال نہیں ہے جب تک پانی سے غسل کر کے پاک نہ ہو جائے یا اگر پانی کے استعمال میں کوئی شرعی

---

① صحيح البخاري، الحيض، باب غسل الحائض رأس زوجها ...... ، حديث:297,295. ② صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث:300. ③ صحيح البخاري، الحيض، باب مباشرة الحائض، حديث:303 و صحيح مسلم، الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الإزار، حديث:294. ④ صحيح البخاري، الحيض، باب مباشرة الحائض، حديث:302 و صحيح مسلم، الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الإزار، حديث:293. ⑤ مسند أحمد:342/4 و سنن أبي داود، الطهارة، باب في المذي، حديث:212 واللفظ له و جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في مؤاكلة الجنب......، حديث:133 و سنن ابن ماجه، الطهارة، باب في مؤاكلة الحائض، حديث:651 لیکن مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی اسی سند سے یہ مروی ہے کہ میں (عبداللہ بن سعد) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حائضہ (عورت) کے ساتھ کھانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: [وَاكِلْهَا] ''اس (بیوی) کو اپنے ساتھ کھلایا پلایا کرو۔''

عذر مانع ہو تو پھر شریعت کے مقرر کردہ شرائط کے مطابق تیمّم نہ کر لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ کے معنی ہیں حتیٰ کہ وہ خون سے پاک ہو جائیں۔ اور ﴿ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ جب وہ پانی سے غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ امام مجاہد، عِکرِمہ، حسن، مُقاتِل بن حَیّان، لیث بن سعد رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔①

دُبُر میں وطی کی حرمت: ﴿ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''جس طریق سے اللہ نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، اور کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد عورت کی شرم گاہ ہے۔② اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورت کی دبر میں وطی کرنا حرام ہے جیسا کہ اس کا بیان۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ عنقریب آ رہا ہے۔ ابو رَزین، عِکرِمہ، ضحاک رحمہم اللہ اور کئی ایک اہل علم نے فرمایا ہے: ﴿ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''تو جس طریق سے اللہ نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے، ان کے پاس جاؤ۔'' سے مراد یہ ہے کہ جب وہ پاک ہوں اور حالت حیض میں نہ ہوں تو ان کے پاس جاؤ۔③ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝۲۲۲ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گناہ سے توبہ کرنے والے ہوں، خواہ گناہ کا بار بار ارتکاب ہوا ہو اور جو ان نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک صاف رہنے والے ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرمایا ہے کہ نہ تو حالت حیض ہی میں عورتوں سے مقاربت کرتے ہوں اور نہ غیر محل ہی کو استعمال کرتے ہوں۔

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ کا شان نزول: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ ''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿ حَرْثٌ ﴾ سے مراد بچے کی پیدائش کی جگہ ہے۔④ ﴿ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ ''تو تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔'' یعنی جس حالت میں چاہو مقاربت کرو، خواہ آگے سے یا پیچھے سے مگر سوراخ صرف ایک، یعنی سامنے والا ہی استعمال کرنا ہے جیسا کہ اس کے بارے میں کئی احادیث ثابت ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مُنکَدِر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ یہودی کہتے تھے: اگر عورت کے پیچھے کی طرف سے مقاربت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، تب اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ ''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔''⑤

امام ابن ابوحاتم نے محمد بن مُنکَدِر سے روایت کیا ہے کہ انھیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے یہ خبر دی کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا: جو پشت کی طرف سے عورت سے مقاربت کرے تو اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوگا، تب اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ

① تفسیر ابن أبي حاتم:402/2. ② تفسیر ابن أبي حاتم:402/2. ③ تفسیر الطبري:528/2 و تفسیر ابن أبي حاتم: 402/2. ④ تفسیر الطبري:532/2. ⑤ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾، حدیث:4528 و صحیح مسلم، النکاح، باب جواز جماعه امرأته في قبلها......، حدیث:1435 و سنن أبي داود، النکاح، باب في جامع النکاح، حدیث:2163.

آیت نازل فرمادی: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ ابن جُریج نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [مُقْبِلَةً وَّمُدْبِرَةً إِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْفَرْجِ] ''عورت خواہ سیدھے رخ ہو یا الٹے رخ لیکن مقاربت شرم گاہ ہی میں ہونی چاہیے۔''①

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ انصار لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے سوال کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: [اِئْتِهَا عَلٰى كُلِّ حَالٍ، إِذَا كَانَ فِي الْفَرْجِ] ''ہر طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جب فرج میں (مقاربت) ہو۔''②

امام احمد نے عبدالرحمٰن بن سَابِط سے روایت کیا ہے کہ میں حَفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے پاس گیا اور کہا کہ میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن حیا دامن گیر ہے، انھوں نے فرمایا: برادر زادے پوچھو اور شرماؤ نہیں، تو انھوں نے کہا کہ میں عورتوں کی دبر میں وطی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ سے حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ انصار عورتوں سے پشت کی طرف سے مقاربت نہیں کیا کرتے تھے اور یہودی کہتے تھے کہ اگر پشت کی طرف سے عورت سے مباشرت کی جائے تو اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ جب مہاجرین مدینے میں آئے اور انھوں نے انصاری عورتوں سے شادی کی تو انھوں نے پشت کی طرف سے مقاربت کی، چنانچہ ایک عورت نے اس سلسلے میں اپنے شوہر کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے جب تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ وہ حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اس نے اس بات کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ بیٹھ جائیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اسے رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھنے میں حیا دامن گیر ہوا جس کی وجہ سے وہ پوچھے بغیر ہی چلی گئی، پھر حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [اُدْعِي الْأَنْصَارِيَّةَ] ''اس انصاری خاتون کو بلاؤ۔'' اسے بلایا گیا تو آپ نے اسے یہ آیت کریمہ سنا دی: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ لیکن ضروری ہے کہ مقاربت ایک ہی رستے سے ہو۔③ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔④

امام نسائی نے کعب بن علقمہ سے اور انھوں نے ابونضر سے روایت کیا ہے، انھوں نے نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ کہا: آپ کے بارے میں یہ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فتویٰ دیا تھا کہ عورتوں کی دبروں میں بھی مقاربت کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میری طرف یہ جھوٹی بات منسوب کی جا رہی ہے لیکن میں یہ بیان کرتا ہوں کہ اصل صورت حال کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن سنایا جا رہا تھا، میں ان کے پاس موجود تھا حتی کہ جب یہ آیت آئی: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ تو انھوں نے فرمایا: نافع! اس آیت کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی نہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ ہم قریشی لوگ عورتوں سے پشت کی طرف سے

① تفسير ابن أبي حاتم: 405,404/2. ② مسند أحمد: 268/1. ③ مسند أحمد: 305/6. ④ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة البقرة، حديث: 2979.

مقاربت کر لیتے تھے، جب ہم مدینے میں آئے اور یہاں انصاری عورتوں سے نکاح کیے تو ہم نے اسی طرح حسب معمول ان سے مقاربت کرنا چاہی تو انھوں نے اسے بہت ناپسند اور ناگوار سمجھا کیونکہ انصاری عورتوں نے اس سلسلے میں یہودیوں کے معمول کو اختیار کر رکھا تھا اور ان سے پہلوؤں کے بل صحبت کی جاتی تھی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ﴾ .[1]

امام احمد نے خزیمہ بن ثابت خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَسْتَحْيِي اللّٰهُ مِنَ الْحَقِّ۔ ثَلَا ثًا۔ لَاتَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ] ''اللہ تعالیٰ حق بات بیان فرمانے میں عار نہیں کرتا، یہ بات آپ نے تین بار دہرائی، تم عورتوں کی دبروں میں مباشرت نہ کیا کرو۔''[2] اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ] ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا بھی نہیں جس نے کسی مرد یا عورت کی دبر میں جنسی خواہش کی تکمیل کی۔''[4] امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اسے امام ابن حبان نے بھی صحیح میں تقریباً اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[5] نیز اسے امام ابن حزم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔[6]

امام احمد رحمہ اللہ نے علی بن طَلْق سے روایت بیان کی ہے: [نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ] ''رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی دبروں میں مباشرت سے منع فرمایا ہے اور (فرمایا:) بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے عار نہیں کرتا۔''[7] امام ترمذی نے اسے بیان کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔[8]

امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے اپنی مسند (سنن) میں سَعِید بن یَسَار ابو حُبَاب سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ ان باندیوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جن سے تحمیض کی جائے؟ انھوں نے فرمایا کہ تحمِیض کیا ہے؟ میں نے کہا کہ دبر میں وطی کرنا، تو انھوں نے فرمایا: کیا کوئی مسلمان یہ کام کر سکتا ہے؟[9] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے اس کام کی حرمت کے بارے میں نص صریح ہے۔

---

① السنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب تأويل قول الله جل ثناؤه: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ...... ﴾:315/5، حديث: 8978. ② مسند أحمد:215/5. ③ السنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب ذكر الاختلاف على عبدالله بن علي بن السائب:319,318/5، حديث:8989-8995 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب النهي عن إتيان النساء في أدبارهن، حديث:1924. ④ جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن، حديث:1165 والسنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، ذكر حديث ابن عباس فيه......:320/5، حديث:9001. ⑤ صحيح ابن حبان، النكاح، باب ذكر الزجر عن إتيان المرء امرأة......:517/9، حديث:4204,4203 ⑥ المحلّى، الرضاع، باب العنين: 70/10، مسئلة:1905. ⑦ أطراف المسند لابن حجر:384/4 والسنن الكبرى للبيهقي، النكاح، باب إتيان النساء في أدبارهن:198/7 واللفظ له. ⑧ جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن، حديث: 1164. ⑨ سنن الدارمي، الطهارة، باب من أتى امرأته في دبرها:179/1، حديث:1143.

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ

اور تم اللہ کا نام اپنی قسموں کے لیے استعمال نہ کرو، یہ کہ تم نیکی (نہیں) کرو گے اور تقوی (نہیں) اپناؤ گے اور لوگوں کے درمیان صلح (نہیں) کراؤ گے اور اللہ

سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿224﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِىۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ

خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿224﴾ اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن وہ ان قسموں پر تمھیں ضرور پکڑے گا جن کا تمھارے دلوں نے

قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿225﴾

ارادہ کیا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حوصلے والا ہے﴿225﴾

ابوبکر بن زیاد نیشاپوری نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے اسماعیل بن حُصَین نے اور ان سے اسماعیل بن رَوح نے بیان کیا کہ میں نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ عورتوں سے دبر میں وطی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم عرب نہیں ہو؟ اور عربی زبان میں الحرث مزروعہ زمین نہیں ہوتی؟ کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد: ﴿نِسَآؤُكُمۡ حَرۡثٌ لَّكُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ اَنّٰى شِئۡتُمۡ﴾ نہیں سنا؟ یعنی کھڑی، بیٹھی اور پہلو کے بل کسی بھی حالت میں آپ اپنی بیویوں سے مباشرت کر سکتے ہیں لیکن شرم گاہ سے تجاوز نہ کریں، تو میں نے عرض کی: اے ابوعبداللہ! میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں؟ آپ نے تین دفعہ فرمایا کہ یہ لوگ میرے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔[1] آپ سے یہی ثابت ہے کہ آپ وطی فی الدُّبر کو حرام سمجھتے تھے۔

حضرت سعید بن مسیّب، ابوسلمہ، عِکرِمہ، طاؤس، عطاء، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، مجاہد بن جَبْر، حسن رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے ائمۂ سلف کا بھی یہی قول ہے اور انھوں نے اس فعل کو انتہائی بدترین قرار دیا ہے بلکہ بعض نے ایسا کرنے والے کو کافر بھی قرار دیا ہے۔ جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ﴾ ''اور تم اپنی ذات کے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو۔'' یعنی افعال طاعت بجالاؤ اور جن محرمات سے تمھیں منع کر دیا گیا ہے انھیں ترک کر دو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ مُّلٰقُوۡهُ ؕ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک (ایک دن) تمھیں اس کے روبرو حاضر ہونا ہے۔'' تو وہ تم سے تمھارے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ ﴿وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿223﴾﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ایمان والوں کو بشارت سنا دیں۔'' یعنی ان کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے، ان کو ترک کر دیتے ہیں۔ امام ابن جریر نے عطاء سے اور انھوں نے شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ﴾ سے مراد جماع کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے، یعنی وہ بسم اللہ کہے۔[2]

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْتِيَ أَهْلَهُ فَقَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ، فَإِنَّهُ إِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر:285/8 ، ترجمة:إسماعيل بن رَوح. [2] تفسير الطبرى:542/2.

فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا] ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کا ارادہ کرے اور یہ دعا پڑھ لے:[بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا] ''اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا۔'' چنانچہ اس صحبت کے نتیجے میں اگر ان کے ہاں اولاد پیدا ہو تو شیطان اسے کبھی بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''[1]

تفسیر آیات:225,224

اعمال صالحہ ترک کر دینے کی قسم کھانے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم اپنی قسموں کو نیکی اور صلہ رحمی کے کاموں کے ترک کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ﴾ (النور24:22) ''اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے؟''

قسم کا کفارہ ادا کر کے اس سے نکل جانے کے بجائے اگر انسان اپنی (ناجائز) قسم ہی پر برقرار رہے تو وہ گناہ گار ہوگا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:[نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:[وَاللّٰهِ ! لَأَنْ يَلِجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ ، آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ أَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِي افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِ] ''ہم گو آخر میں آنے والے ہیں لیکن روز قیامت سب سے سبقت کرنے والے ہوں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص قسم کے بارے میں اللہ کے فرض کیے ہوئے کفارے کو ادا کرنے کے بجائے اپنے گھر والوں کے بارے میں کھائی ہوئی قسم ہی پر ڈٹا رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ گار ٹھہرے گا۔''[2] اسے امام مسلم اور امام احمد رحمہما اللہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں روایت کیا ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ﴾ ''اور اللہ کا نام اپنی قسموں کے لیے استعمال نہ کرو۔'' یعنی میری قسم کو نیکی نہ کرنے کا عذر نہ بناؤ بلکہ قسم کا کفارہ دے دو اور نیکی کا کام کرو۔[4] امام مَسروق، شعبی، ابراہیم نخعی، مجاہد، طاؤس، سعید بن جبیر، عطاء، عکرمہ، مکحول، زہری، حسن، قتادہ، مُقاتل بن حیّان، ربیع بن انس، ضحاک، عطاء خُراسانی اور سُدّی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[5]

ان جمہور علمائے کرام کے اس قول کی تائید صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث کے آخری حصے سے بھی ہوتی ہے جو حضرت

① صحيح البخاري، التوحيد، باب السؤال بأسماء الله تعالى......، حديث:7396. ② صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾، حديث:6625,6624. ③ صحيح مسلم، الأيمان، باب النهي عن الإصرار على اليمين......، حديث:1655 و مسند أحمد:317/2 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ④ تفسير الطبري:545/2. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:407/2.

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِنِّي وَاللّٰهِ ! إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا ، إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا] ''میں اگر کسی بات پر قسم کھاؤں اور پھر یہ دیکھوں کہ کوئی دوسری بات اس سے زیادہ بہتر ہے تو میں ان شاء اللہ زیادہ بہتر بات کو اختیار کرلوں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔''[1] اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَّمِينِهٖ وَلْيَفْعَلِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ] ''جو شخص کسی کام کے بارے میں قسم کھالے، پھر دیکھے کہ دوسرا کام اس سے زیادہ بہتر ہے تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور زیادہ بہتر کام کو سرانجام دے۔''[2]

لغو قسم: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ﴾ ''اللہ تمھاری لغو قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔'' یعنی تمھاری لغو قسموں کا اللہ تعالیٰ نہ تو تم سے مؤاخذہ کرے گا اور نہ ان کی پابندی ہی کو لازم قرار دے گا۔ ''لغو قسم'' سے مراد وہ قسم ہے جو قسم اٹھانے والے کی زبان پر قصد وارادے کے بغیر محض عادت کے طور پر آجائے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهٖ : بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، فَلْيَقُلْ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] ''جو شخص قسم اٹھائے اور کہہ بیٹھے کہ لات وعزّیٰ کی قسم! تو اسے چاہیے کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے۔''[3]

آپ نے یہ بات ان لوگوں سے فرمائی تھی جو زمانۂ جاہلیت کو نئے نئے خیرباد کہہ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور قصد وارادے کے بغیر ان کی زبانوں پر لات وعزّیٰ کی قسم آجاتی تھی تو انھیں حکم دیا گیا کہ اس صورت میں وہ کلمۂ اخلاص پڑھ لیں تاکہ یہ لات وعزّیٰ کی قسم کا کفارہ ہوجائے۔ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ ''لیکن جو قسمیں تم قصد سے کھاؤ گے ان پر وہ تمھارا مؤاخذہ کرے گا۔'' اور دوسری آیت میں اس مفہوم کے لیے الفاظ یہ آئے ہیں: ﴿ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾ (المآئدۃ5:89) ''(لیکن وہ ان قسموں پر ضرور تمھارا مؤاخذہ کرے گا) جو تم نے مضبوط باندھ لیں۔''

امام ابوداود رحمہ اللہ نے باب لغو الیمین میں عطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[هُوَ كَلَامُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهٖ: كَلَّا وَاللّٰهِ ! وَ بَلٰى وَاللّٰهِ!] ''لغو قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں اس طرح کہتا رہتا ہے: ہرگز نہیں اللہ کی قسم! کیوں نہیں اللہ کی قسم!''[4] امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''لغو قسم'' وہ ہے جو آپ غصے کی حالت میں کھالیتے ہیں۔[5] انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ''لغو قسم'' یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام قرار دے لیں تو اس کا کوئی کفارہ آپ پر نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیر سے

---

[1] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب لحم الدّجاج، حدیث:5518 وصحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینًا فرأی غیرها خیرًا منها......، حدیث:1649. [2] صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینًا فرأی غیرها خیرًا منها......، حدیث:1650. [3] صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب لایحلف باللّات والعزّٰی ......، حدیث:6650 وصحیح مسلم، الأیمان، باب من حلف باللّات والعزّٰی......، حدیث:1647. [4] سنن أبی داود، الأیمان والنذور، باب لغو الیمین، حدیث:3254، بعدحدیث:3324. [5] تفسیرابن أبی حاتم :410/2.

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

جولوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں انھیں چاہیے کہ چار ماہ انتظار کریں، پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم

رَّحِيْمٌ ﴿226﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿227﴾

والا ہے ﴿226﴾ اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿227﴾

بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے باب الیمین فی قطیعۃ الرحم[2] میں حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ دو انصاری بھائیوں کی مشترکہ میراث تھی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے میراث کی تقسیم کے بارے میں کہا تو اس نے جواب دیا کہ اگر تم نے آئندہ میراث کی تقسیم کے بارے میں کہا تو میرا سارا مال کعبے کے دروازے کے لیے وقف ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک کعبہ تمھارے مال سے بے نیاز ہے، تم اپنی قسم کا کفارہ دو اور اپنے بھائی سے گفتگو کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [لَا یَمِینَ عَلَیْكَ وَلَا نَذْرَ فِی مَعْصِیَةِ الرَّبِّ ، وَ فِی قَطِیعَةِ الرَّحِمِ وَ فِیمَا لَا تَمْلِكُ] ''رب تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو نہ قسم کا اعتبار ہے اور نہ نذر کا، اسی طرح قطع رحمی میں یا جس چیز کے تم مالک ہی نہیں ہو اس میں بھی قسم اور نذر کا کوئی اعتبار نہیں۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ ''لیکن جو قسمیں تم دل کے ارادے سے کھاؤ گے ان پر وہ ضرور تمھارا مؤاخذہ کرے گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور کئی ایک ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھائے اور اسے معلوم ہو کہ وہ جھوٹا ہے۔ امام مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے ہے جیسے یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾ (المآئدۃ 5:89) ''لیکن وہ ان قسموں پر تمھارا مؤاخذہ کرے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں۔'' ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿225﴾ ﴾ ''اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا اور ان سے حلم و بردباری کا معاملہ فرمانے والا ہے۔

تفسیر آیات :227,226

ایلاء اور اس کا حکم: ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ جب کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ ایک مدت تک اپنی بیوی سے مجامعت نہیں کرے گا تو یہ مدت یا چار ماہ سے کم ہوگی یا زیادہ۔ اگر کم ہو تو اسے مدت پوری ہونے تک انتظار کرنا چاہیے اور مدت پوری ہونے کے بعد اپنی بیوی سے مجامعت کرنی چاہیے۔ عورت کو بھی اس دوران میں صبر سے کام لینا چاہیے اور اسے یہ مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے اس سے مجامعت کرے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی تھی، پھر آپ انتیسویں دن تشریف لے

① تفسیر ابن أبي حاتم: 409/2 . ② تفسیر ابن کثیر کے نسخوں میں باب الیمین فی الغضب ہے اور یہ باب ہمیں سنن وغیرہ میں نہیں ملا۔ ③ سنن أبي داود، الأیمان والنذور، باب الیمین فی قطیعۃ الرحم، حدیث: 3272 .

آ ئے تو آپ نے فرمایا:[اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ] ''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔''① صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔②

اور اگر مدت چار ماہ سے زیادہ ہو جائے تو بیوی کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ یا تو اس سے ہم بستری کرے یا پھر اسے طلاق دے دے۔ حاکم وقت بھی اسے اس بات پر مجبور کرے تاکہ عورت کو نقصان نہ ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ﴾ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے جماع نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ایلاء کا تعلق بیویوں سے ہے لونڈیوں سے نہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

﴿ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ﴾ یعنی قسم کے وقت سے لے کر چار ماہ تک شوہر انتظار کرے، پھر اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ یا تو رجوع کر لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاِنْ فَآءُوْ ﴾ اگر وہ اسی حالت کی طرف لوٹ آئیں جس پر وہ پہلے تھے۔ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، شعبی، سعید بن جبیر رحمہم اللہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے یہی فرمایا ہے جن میں امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔③ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔'' یعنی قسم کھا لینے کی وجہ سے ان کے حق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور رحم فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ﴾ ''اور اگر وہ طلاق ہی کا ارادہ کر لیں۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محض چار ماہ کی مدت گزرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے نافع سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، خواہ چار ماہ کی مدت گزر جائے حتی کہ اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ طلاق دے یا پھر رجوع کرے۔④ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔⑤

اور امام ابن جریر نے سُہَیل بن ابو صالح سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ میں نے بارہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے تو انھوں نے فرمایا کہ اس پر کچھ نہیں ہے حتی کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ رجوع کرے یا پھر طلاق دے دے۔⑥ امام دارقطنی نے بھی اس روایت کو بطریق سُہَیل بیان فرمایا ہے۔⑦ حضرت عمر فاروق، عثمان، علی، ابو الدرداء، ام المومنین حضرت عائشہ، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے اور سعید بن مسیّب، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، طاؤس، محمد بن کعب اور قاسم

① صحيح البخاري، المظالم، باب الغرفة والعُلِّيَّة المُشرِفَة......، حديث:2468 عن عمر رضي الله عنه. وصحيح مسلم، الصيام، باب الشهر يكون تسعا وعشرين، حديث:1083. ② صحيح البخاري، النكاح، باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها، حديث:5191 وصحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء واعتزال النساء......، حديث:1479. ③ تفسير الطبري:577/2. ④ الموطأ للإمام مالك، الطلاق، باب الإيلاء:202/2، حديث:1210. ⑤ صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الله تعالى: ﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ﴾، حديث:5291. ⑥ تفسير الطبري:591/2. ⑦ سنن الدارقطني، الطلاق:61/4، حديث:3995.

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں اگر

فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ

وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں (تو ایسا ہرگز نہ کریں) اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس (مدت)

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

میں لوٹا لیں، اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے (مردوں پر) ویسے ہی حقوق ہیں جیسے (مردوں کے لیے) عورتوں پر ہیں اور مردوں کے لیے ان پر

دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿228﴾ ع 28/7/12

فضیلت ہے اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿228﴾

رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

تفسیر آیت:228

مطلقہ عورت کی عدت کا بیان: یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مطلقہ عورتوں کو حکم دیا ہے جن کے ساتھ دخول ہو چکا ہو اور انھیں حیض آتا ہو کہ وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں، یعنی جب ان کے شوہر انھیں طلاق دے دیں تو طلاق کے بعد تین حیض تک انتظار کریں اور اس کے بعد اگر وہ چاہیں تو شادی کر لیں۔

قَرْءٌ کے معنی: امام سفیان ثوری نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میرے شوہر نے مجھے ایک یا دو طلاقوں کے ساتھ الگ کر دیا تھا، پھر وہ میرے پاس آیا جبکہ میں نے (غسل کے لیے) پانی رکھ دیا تھا، اپنے کپڑے اتار دیے تھے اور دروازہ بند کر لیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ جب تک عورت کے لیے نماز حلال نہیں ہوتی، میرے نزدیک یہ اس کی بیوی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔[1]

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، عثمان، علی، ابوالدرداء، عُبادہ بن صامت، انس بن مالک، ابن مسعود، معاذ، اُبَیّ بن کَعب، ابوموسیٰ اشعری، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور سعید بن مسیّب، عَلقَمہ، اَسود، ابراہیم، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عِکرِمہ، محمد بن سیرین، حَسن، قتادہ، شَعبی، رَبیع، مُقاتل بن حَیّان، سُدّی، مکحول، ضحاک اور عطاء خُراسانی رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ أَقْرَاء سے مراد حیض ہے۔[2] اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابوداود اور نسائی نے فاطمہ بنت ابوحُبَیش سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: [إِذَا أَتَى قَرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّي] ''جب تجھے حیض آئے تو تو نماز نہ پڑھ۔''[3] یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس سے صریحًا معلوم ہوتا ہے کہ قَرْءٌ سے مراد حیض ہے لیکن اس کے ایک راوی مُنذر

[1] تفسیر الطبری:597/2. [2] تفسیر الطبری:596،595/2 و تفسیر ابن أبی حاتم:415/2. [3] سنن أبی داود، الطهارة، باب فی المرأة تستحاض......، حدیث:280 و سنن النسائی، الحیض، باب ذکر الأقراء، حدیث:358.

کے بارے میں امام ابوحاتم نے فرمایا ہے کہ وہ مجہول ہے مشہور نہیں لیکن امام ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔

حیض وطہر کے بارے میں عورتوں کا کلام مقبول ہے: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ ﴾ ''ان کو جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں۔'' یعنی حمل یا حیض۔ یہ حضرت ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم، مجاہد، شعبی، حکم بن عُتَیبہ، ربیع بن انس، ضحاک رحمہم اللہ اور کئی اہل علم کا قول ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں۔'' یہ ان کے لیے دھمکی ہے کہ وہ خلاف حق کوئی بات نہ کریں۔ نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں رجوع انھی کی طرف کیا جائے گا کیونکہ اس امر کو صرف انھی کی طرف سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس مسئلے کو اکثر و بیشتر حالات میں کسی دلیل سے ثابت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، لہٰذا اس مسئلے کو انھی کے سپرد کر دیا گیا اور انھیں تاکید کر دی گئی ہے کہ وہ خلاف حق کوئی بات نہ کہیں تاکہ اپنی عدت کو جلد ختم نہ کر لیں یا کچھ مقاصد کی وجہ سے اسے طول نہ دے دیں، لہٰذا عورتوں کو حکم یہ دیا گیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کسی کمی بیشی کے بغیر صحیح بات بتائیں۔

شوہر رجوع کا زیادہ حقدار ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ﴾ ''اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہتے ہوں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔'' یعنی جب تک عورت اپنی عدت میں ہو اس کا وہ شوہر جس نے اسے طلاق دی ہو، اسے اپنی زوجیت میں لے لینے کا زیادہ حقدار ہے جبکہ اس کا ارادہ اصلاح اور خیر کا ہو۔ اس مسئلے کا تعلق ان عورتوں سے ہے جن سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اور جہاں تک مطلقات بائنہ کا تعلق ہے تو اس آیت کے نزول کے وقت کوئی مطلقہ بائنہ نہ تھی کیونکہ مطلقات بائنہ تو اس وقت وجود میں آئیں جب طلاق کو تین کے عدد میں محصور کر دیا گیا۔ اور اس آیت کے نزول کے وقت خاوند اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لینے کا زیادہ حقدار تھا، خواہ اس نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاق دے دی ہو، چنانچہ اس کے بعد والی آیت میں جب طلاق کو تین میں محصور کر دیا گیا تو مطلقہ عورتوں کی بائنہ اور غیر بائنہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگئی۔

حقوق زوجین: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔'' یعنی عورتوں کا بھی مردوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر حق ہے، لہٰذا ہر ایک کو دوسرے کا حق دستور کے مطابق ادا کرنا چاہیے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: [فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ ، وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ] ''عورتوں کے بارے میں تم

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:416,415/2.

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا

طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے، پھر یا تو (عورت کو) دستور کے مطابق روک لیا جائے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم انھیں

مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

جو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو الا یہ کہ دونوں کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے۔ پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ

نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کرلے۔) یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو تم ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿229﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ

لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں، وہی ظالم ہیں ﴿229﴾ پھر اگر وہ (خاوند) اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ (عورت) اس کے لیے

مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ

حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ

يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

نہیں کہ آپس میں رجوع کرلیں اگر وہ دونوں خیال کریں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، وہ انھیں ان لوگوں کے لیے بیان

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿230﴾

کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں ﴿230﴾

اللہ سے ڈرو، تم نے انھیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے، تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو انھیں ایسی سزا دو جس سے جسم پر نشان نہ پڑے اور انھیں دستور کے مطابق کھانا اور لباس دو۔''[1]

حَکیم بن مُعاویہ قُشَیری اپنے باپ (معاویہ بن حَیدہ قُشَیری) سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ] ''یہ کہ جب تم کھانا کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم لباس پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر نہ مارو، اسے گالی نہ دو اور اس سے قطع تعلق نہ کرو مگر گھر ہی میں۔''[2]

امام وَکیع نے بشیر بن سلمان[3] سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لیے اسی طرح زینت اختیار کروں جس طرح میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میری

---

① صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218. ② سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142. ③ تفسیر ابن کثیر کے نسخوں میں سُلیمان ہے جو کہ خطا ہے۔ دیکھیے تقريب التهذيب وتهذيب التهذيب.

بیوی میرے لیے زیب وزینت کو اختیار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔''[1]

مردوں کی عورتوں پر فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ ''اور مردوں کے لیے ان (عورتوں) پر فضیلت ہے۔'' یعنی خَلق و خُلق، مقام و مرتبہ، اطاعت، انفاق، مصلحتوں کے قیام اور دنیا و آخرت کے شرف کے اعتبار سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (النسآء4:34) ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔'' یعنی جو اس کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت کرے، اس سے انتقام لینے میں وہ غالب ہے اور اپنے حکم، اپنی شریعت اور اپنی تقدیر میں وہ صاحبِ حکمت ہے۔

تفسیر آیات: 230,229

طلاقیں تین ہی ہیں اور رجعی و بائن طلاق کا بیان: ابتدائے اسلام میں جو یہ حکم تھا کہ شوہر اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لینے کا زیادہ حقدار ہے، خواہ اس نے اسے ایک سو طلاق دے دی ہو بشرطیکہ بیوی عدت میں ہو، اس آیت کریمہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ اس میں عورتوں کا بہت نقصان تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اب طلاقوں کو صرف تین تک محدود کر دیا ہے اور پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کرنے کو جائز قرار دیا اور تیسری طلاق کے بعد اس کو بائنہ قرار دے دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ ''طلاق (صرف) دو بار ہے (جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے) تو (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

امام ابوداود نے اپنی سنن میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم فرمایا ہے کہ باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ''تین طلاقوں کے بعد مراجعت کے منسوخ ہونے کا بیان۔'' پھر انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ ﴾ (البقرة2:228) ''اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو وہ رجوع کا زیادہ حقدار تھا، خواہ اسے تین طلاقیں ہی کیوں نہ دے دیتا تھا تو اس آیت نے اسے منسوخ کر دیا اور فرمایا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ ''طلاق (صرف) دو بار

[1] تفسير ابن أبي حاتم:417/2 وتفسير الطبري:615/2.

ہے۔''[1] اس روایت کو امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

اور امام ابن ابو حاتم نے حضرت عروہ (بن زبیر) سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نہ تو کبھی تجھے طلاق دوں گا اور نہ کبھی اپنے گھر بساؤں گا۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ تجھے طلاق دے دوں گا اور جب عدت ختم ہونے کے قریب آجائے گی تو رجوع کرلوں گا، چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾[3] امام ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ ''پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔'' یعنی جب آپ اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دیں تو آپ کو اس کے بارے میں جب تک اس کی عدت باقی ہو یہ اختیار ہے کہ یا تو عورت کی اصلاح اور اس کے ساتھ احسان کرنے کی نیت سے اسے لوٹا لیں اور یا پھر اسے چھوڑ دیں حتی کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ مستقل طور پر علیحدہ ہو جائے تو اسے بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیں کہ نہ تو اس کی ذرہ بھر کوئی حق تلفی کریں اور نہ اسے قطعاً کوئی نقصان ہی پہنچائیں۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دے تو اسے تیسری کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کہ یا تو بیوی کو بطریق شائستہ اپنے نکاح میں رہنے دے اور اس سے حسن سلوک سے پیش آئے یا پھر بھلائی کے ساتھ اسے چھوڑ دے اور اس کی ذرہ بھر بھی حق تلفی نہ کرے۔[5]

مہر واپس لینے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾ ''اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔'' یعنی یہ تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم انھیں اس قدر تنگی اور مشکل میں مبتلا کردو کہ وہ تم سے جان چھڑانے کے لیے تمھارے دیے ہوئے مہر یا اس کے کچھ حصے کو بطور فدیہ دینے کے لیے مجبور ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ (النسآء 19:4) ''اور تم انھیں (اس نیت سے) نہ روک رکھو کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو اس کا کچھ حصہ واپس لے لو مگر اس صورت میں انھیں روکنا جائز ہے اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔'' ہاں، البتہ اگر عورت بطیب خاطر اپنے شوہر کو کچھ واپس کرنا چاہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ ﴾ (النسآء 4:4) ''پھر اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ مہر تمھیں چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھا سکتے ہو۔''

خلع میں مہر واپس لینے کی اجازت: جب میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو جائے اور عورت مرد کے حقوق کو ادا نہ کرے، اس سے نفرت کرے اور اس کے ساتھ مل جل کر نہ رہ سکے تو اس صورت میں عورت کو یہ اختیار ہے کہ مہر کو بطور فدیہ دے کر اس سے

---

① سنن أبي داود، الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث:2195. ② سنن النسائي، الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث:3584. ③ تفسير ابن أبي حاتم :418/2. ④ تفسير الطبري: 618/2. ⑤ تفسير الطبري:620/2.

رہائی حاصل کر لے۔ اس صورت میں نہ تو عورت کے لیے مہر واپس کرنے میں کوئی حرج ہے اور نہ مرد کے لیے اسے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ ﴾ ''اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو۔ ہاں، اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے، پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کر لے۔)''

عورت کا بلا وجہ خلع کا مطالبہ کرنا: اور اگر عورت کے لیے کوئی عذر نہ ہو اور وہ فدیہ دے کر اپنے شوہر سے بلا وجہ علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِّنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ ، فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ] ''جو عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''① امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔②

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ ثابت بن قیس بن شمّاس اور ان کی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبَی ابن سَلُول کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔③ امام مالک رحمہ اللہ نے ''موطأ'' میں حبیبہ بنت سہل انصاریہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ثابت بن قیس بن شماس کے عقد میں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے تو آپ نے اندھیرے میں انھیں دروازے کے پاس پایا تو فرمایا:

[مَنْ هٰذِهٖ ؟ قَالَتْ : أَنَا حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ يَّا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ : مَا شَأْنُكِ ؟ فَقَالَتْ: لَا أَنَا وَلَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، لِّزَوْجِهَا ، فَلَمَّا جَاءَ زَوْجُهَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، قَالَ لَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هٰذِهٖ حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ قَدْ ذَكَرَتْ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَذْكُرَ، فَقَالَتْ حَبِيبَةُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! كُلُّ مَا أَعْطَانِي عِنْدِي ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ: خُذْ مِنْهَا ، فَأَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ فِي بَيْتِ أَهْلِهَا]

''یہ کون ہے؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ انھوں نے اپنے شوہر کا نام لیتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اور ثابت بن قیس اکٹھے نہیں رہ سکتے جب ان کے شوہر ثابت بن قیس آئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حبیبہ بنت سہل ہیں، انھوں نے یہ بات کی ہے۔ حبیبہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! انھوں نے جو مجھے (مہر) دیا تھا وہ سب کچھ میرے پاس موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اپنا مال) ان سے لے لو، چنانچہ ثابت نے اپنا مال لے لیا اور یہ اپنے والدین کے گھر میں بیٹھ گئیں۔''④ اور اسی طرح امام احمد، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ نے

① تفسير الطبري:634/2 اور [مَا] سنن أبي داود، حدیث:2226 و سنن ابن ماجه، حدیث:2055 میں ہے۔ ② جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في المختلعات، حديث:1187. ③ تفسير الطبري:627/2. ④ الموطأ للإمام مالك، الطلاق، باب ماجاء في الخلع:204/2 ، حديث:1226.

اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن قیس بن شمّاس کی بیوی نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے اخلاق اور دین کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ ؟ قَالَتْ: نَعَمْ ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اِقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً] ''کیا تم ان کا باغ واپس کردوگی؟ اس نے عرض کی: جی ہاں! تو رسول اللہ ﷺ نے ثابت سے فرمایا کہ اپنے باغ کو لے لو اور اسے طلاق دے دو۔''[2] اور اسی طرح امام نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[3]

خُلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت: امام ترمذی نے رُبَيِّع بنت مُعَوِّذ بن عَفراء سے روایت کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں خلع حاصل کیا تھا تو نبی ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ یہ ایک حیض تک عدت گزارے۔[4]

حدودِ الٰہی سے تجاوز ظلم ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، چنانچہ تم ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے وہی گناہ گار ہوں گے۔'' یعنی یہ احکام شریعت جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے مقرر فرما دیا ہے یہ اس کی حدیں ہیں، چنانچہ تم ان سے تجاوز نہ کرو جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے: [إِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَفَرَضَ لَكُمْ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا ، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَتَرَكَ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْهُ لَكُمْ فَاقْبَلُوهَا وَلَا تَبْحَثُوا فِيهَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود کو مقرر فرمایا ہے، تم ان سے تجاوز نہ کرو، کچھ فرائض مقرر کیے ہیں، تم انھیں ضائع نہ کرو، کچھ باتوں کو حرام قرار دیا ہے، تم ان کی بے حرمتی نہ کرو اور کچھ باتوں سے تم پر رحمت کے پیش نظر نہ کہ نسیان کی وجہ سے، سکوت فرمایا ہے، تم ان کو قبول کرو، اور ان میں بحث مت کرو۔''[5]

ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا حرام ہے: اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ ایک ہی کلمے کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے۔ اس کی تائید محمود بن لبید کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب ایک ایسے شخص کے بارے میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں تو آپ غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: [أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟] ''کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کو

---

[1] مسند أحمد: 434,433/6، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في الخلع، حديث: 2227 و سنن النسائي، الطلاق، باب ماجاء في الخلع، حديث: 3492. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب الخلع و كيف الطلاق فيه......، حديث: 5273. [3] سنن النسائي، الطلاق، باب ماجاء في الخلع، حديث: 3493. [4] جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في الخلع، حديث: 1185. [5] المستدرك للحاكم، الأطعمة: 115/4، حديث: 7114 عن أبي ثعلبة رضي الله عنه. البتہ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے غاية المرام للألباني، ص: 21، حدیث: 4 اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 2256.

کھیل بنالیا گیا ہے، حالانکہ میں ابھی تک تمھارے درمیان موجود ہوں؟'' حتی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟[1]

تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ط﴾ ''پھر اگر شوہر (دوطلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہیں ہوگی۔'' یعنی جب شوہر دو طلاقوں کے بعد اپنی بیوی کو تیسری طلاق بھی دے دے تو وہ اس کے لیے حرام ہو جائے گی۔ ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ط﴾ یعنی جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور وہ دوسرا شخص صحیح نکاح کی صورت میں اس سے مقاربت نہ کر لے، وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی، اگر کوئی شخص اس سے نکاح کے بغیر ہم بستری کرے، خواہ ملک یمین ہی کی صورت میں ہو تو وہ پھر بھی اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جس سے کسی شخص نے شادی کی ہو، پھر اسے طلاق دے دی ہو، پھر اس سے کوئی دوسرا شخص شادی کر لے اور مقاربت سے پہلے ہی طلاق دے دے تو کیا وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی؟ فرمایا: [لَا، حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا] ''نہیں! حتی کہ وہ اس سے لطف اندوز ہو۔''[2] اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[3]

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رِفاعہ قُرظی کی بیوی آئی اور اس وقت میں اور میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ اس نے کہا: رفاعہ نے مجھے طلاقِ بتہ دے دی تھی اور عبدالرحمٰن بن زَبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کر لی اور اس کا (عضو تناسل) تو کپڑے کے ڈورے جیسا ہے، اس نے اپنی اوڑھنی کے ایک ڈورے کو پکڑ کر کہا کہ اس جیسا، اس وقت خالد بن سعید بن عاص دروازے کے پاس کھڑے تھے اور انھیں اندر آنے کی ابھی تک اجازت نہیں ملی تھی۔ انھوں نے کہا: ابوبکر! تم اس عورت کو منع کیوں نہیں کرتے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کس طرح کھلم کھلے انداز میں گفتگو کر رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صرف تبسم فرمایا۔ اور فرمایا: [كَأَنَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلٰى رِفَاعَةَ ؟ لَا، حَتّٰى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ ، وَ يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ] ''کیا تو دوبارہ رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے؟ (فرمایا:) نہیں، اس وقت تک واپس نہیں جا سکتی جب تک تو اس سے اور وہ تجھ سے لطف اندوز نہ ہو۔''[4] اور اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔[5] مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رفاعہ نے اسے تیسری اور آخری

---

[1] سنن النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة و ما فيه من التغليظ، حديث:3430. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب لاتحل المطلقة ثلاثا لمطلقها......، حديث:1433. [3] صحيح البخاري، الطلاق، باب من قال لامرأته: أنتِ عليّ حرام ، حديث:5265 عن عائشة رضي الله عنها. [4] مسند أحمد:34/6 . [5] صحيح البخاري، الأدب، باب التبسم والضحك، حديث:6084 وصحيح مسلم، النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلقها......، حديث:1433 وسنن النسائي، الطلاق، باب طلاق البتة، حديث:3438.

طلاق دے دی تھی۔[1]

اس حدیث میں لفظ [عُسَيْلَة] سے مراد ''جماع'' ہے کیونکہ امام احمد اور نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْعُسَيْلَةُ هِيَ الْجِمَاعُ] ''عسیلہ سے مراد جماع ہے۔''[2]

حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت: مقصود یہ ہے کہ اس دوسرے شوہر کی اس عورت میں رغبت ہو اور وہ اس کے ساتھ واقعی زندگی بسر کرنا چاہتا ہو جس طرح کہ نکاح سے اصل مقصود یہی ہوتا ہے اور اگر دوسرے شوہر کا مقصد صرف پہلے شوہر کے لیے بیوی کو حلال کرنا ہو تو اسے مُحَلِّلْ ''حلالہ کرنے والا'' کہا جاتا ہے اور احادیث مبارکہ میں اس کی بے حد مذمت آئی ہے اور اس پر لعنت کی گئی ہے۔ اور اگر وہ عقد کے وقت اپنے اس مقصود کی صراحت کر دے تو جمہور ائمہ کے نزدیک یہ نکاح ہی باطل ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: [لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْوَاشِمَةَ وَالْمُوتَشِمَةَ وَالْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُولَةَ وَالْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ وَآكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ] ''رسول اللہ ﷺ نے گودنے والی اور گدوانے والی اور بال ملانے والی اور بال ملوانے والی اور حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے اور سود کھانے والے اور سود کھلانے والے (ان سب) پر لعنت فرمائی ہے۔''[3] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اہل علم، مثلاً: حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کا عمل اسی کے مطابق ہے، فقہاء تابعین کا بھی یہی قول ہے۔[4] حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5]

امام حاکم نے مستدرک میں نافع سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں اور اس کے بھائی نے اس سے مشورہ کیے بغیر اس سے نکاح کر لیا تاکہ اپنے بھائی کے لیے اسے حلال کر دے تو کیا اس طرح وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی؟ انھوں نے فرمایا: نہیں! وہ حلال نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں عورت صرف نکاحِ رغبت ہی سے حلال ہوتی ہے، یہ صورت جو تم نے بیان کی ہے، اسے ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زنا شمار کیا کرتے تھے۔[6] امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، البتہ امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔

---

[1] صحیح مسلم، النکاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا......، حدیث: (113)-1433. [2] مسند أحمد: 62/6 یہ روایت معنًی صحیح ہے، إرواء الغلیل: 163/7 و سنن النسائی، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا......، حدیث: 3444 عن ابن عمر ﷺ بالفاظ دیگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نسائی میں نہیں ملی۔ [3] مسند أحمد: 448/1 و سنن النسائی، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا ......، حدیث: 3445. [4] جامع الترمذی، النکاح، باب ماجاء فی المحل والمحلل له، حدیث: 1120. [5] جامع الترمذی، النکاح باب ما جاء فی المحل والمحلل له، حدیث: 1119. [6] المستدرک للحاکم، الطلاق: 199/2، حدیث: 2806.

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

اور جب تم عورتوں کو (پہلی یا دوسری) طلاق دو پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو انھیں دستور کے مطابق روک لو یا انھیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور

وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ

انھیں ستانے کے لیے نہ روکو تا کہ تم زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا اور تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق نہ بناؤ، اور اللہ

اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ

کی طرف سے تم پر جو انعام ہوا اسے یاد کرو اور اس کتاب اور حکمت کو بھی یاد کرو جو اس نے تم پر نازل کی، وہ تمھیں اس کی نصیحت کرتا ہے اور تم اللہ سے

29 ع 3 13 بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿231﴾

ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿231﴾

یہ اسلوبِ بیان کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسے زنا شمار کیا کرتے تھے۔'' مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ اسی طرح امام ابوبکر بن ابوشیبہ، جوزجانی، حَرب کرمانی اور امام ابوبکر اَثرم رحمہم اللہ نے قبیصہ بن جابر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس کوئی حلالہ کرنے والا اور کروانے والا لایا گیا تو میں ان دونوں کو رجم کرا دوں گا۔ ①

مُطلَّقہ ثلاثہ پہلے شوہر کے لیے کب حلال ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا﴾ یعنی اگر دوسرا شوہر مقاربت کے بعد طلاق دے دے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ﴾ ''تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ نہیں کہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں۔'' ﴿اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔'' یعنی دستور کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ ان کا یہ نکاح دھوکا وفریب پر مبنی نہیں ہے۔ ② ﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ یعنی یہ شرائع واحکام اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ ﴿يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿230﴾﴾ ''وہ انھیں ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔''

تفسیر آیت:231

مُطلَّقہ کے ساتھ حسنِ سلوک: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو ایسی طلاق دے جس میں اسے رجوع کا حق حاصل ہو تو وہ اس سے جب اس کی عدت پوری ہو جائے اور صرف اس قدر باقی ہو کہ اس کے لیے رجوع کرنا ممکن ہو تو حسن سلوک کا معاملہ کرے اور اسے یا تو دستور کے مطابق اپنی عصمت نکاح میں روک لے اور رجوع پر گواہ مقرر کر لے اور دستور کے مطابق اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی نیت کرے یا پھر اسے چھوڑ دے حتی کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، پھر اسے اختلاف وانتشار، لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ کے بغیر احسن انداز میں اپنے گھر سے رخصت کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ﴾ ''اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے

① المصنف لابن أبي شيبة، النكاح، باب في الرجل يطلق امرأته فيتزوجها رجل ليحلّها له: 547/3، حديث: 17074.

② تفسير الطبري: 649/2.

دینا چاہیے کہ تم انھیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، مسروق، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع، مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تھا اور جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو وہ رجوع کر لیتا تاکہ اسے تکلیف دے اور وہ کسی اور کے پاس بھی نہ جا سکے، پھر اسے ایک اور طلاق دے دیتا اور عورت کی عدت شروع ہو جاتی، پھر جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اسے طلاق دے دیتا تاکہ اس کے ذریعے سے اس عورت کی ایذا رسانی کی مدت کو طول دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔[1] اور اس پر ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ یعنی جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے اپنا ہی نقصان کرے گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ ’’اور اللہ کی آیات کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ۔‘‘ امام ابن جریر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعریوں سے ناراض ہو گئے تو ابوموسیٰ آئے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اشعریوں سے ناراض ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [يَقُولُ أَحَدُكُم: قَدْ طَلَّقْتُ، قَدْ رَاجَعْتُ، لَيْسَ هٰذَا طَلَاقَ الْمُسْلِمِينَ، طَلِّقُوا الْمَرْأَةَ فِي قُبُلِ عِدَّتِهَا] ’’(ہاں! اس لیے کہ) تم میں سے ایک یہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دی، میں نے رجوع کر لیا، یہ مسلمانوں کا طلاق دینے کا طریقہ نہیں ہے، عورت کو اس کی عدت کے شروع (حیض کے بعد طہر) میں طلاق دو۔‘‘[2] مسروق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عورت کو صحیح طریقے سے طلاق نہیں دیتا بلکہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے اور رجوع کرنے سے نقصان پہنچانا چاہتا ہے تاکہ اس کی عدت طویل ہو جائے۔[3]

امام حسن بصری، قتادہ، عطاء خراسانی، ربیع اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو طلاق دے اور کہے کہ میں تو ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ اسی طرح وہ کسی غلام لونڈی کو آزاد کرے یا کسی عورت سے نکاح کرے اور کہے کہ میں تو ہنسی مذاق کر رہا تھا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ کی آیات (احکام) کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ۔‘‘[4] اس طرح اللہ تعالیٰ نے (ہنسی، مذاق اور کھیل میں) نکاح وطلاق وغیرہ کو لازم قرار دے دیا ہے (کہ یہ اس حالت میں بھی واقع ہو جائیں گے۔)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ’’اور اللہ کی طرف سے تم پر جو انعام ہوا اسے یاد کرو۔‘‘ کہ اس نے ہدایت اور روشن دلائل کے ساتھ اپنے رسول کو تمھاری طرف مبعوث فرمایا، ﴿وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ’’اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں (اسے بھی یاد کرو۔)‘‘ حکمت سے مراد سنت ہے۔ ﴿يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ ’’(جن سے) وہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے۔‘‘ یعنی تمھیں حکم دیتا، منع فرماتا اور محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے عذاب سے ڈراتا

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 425/2. [2] تفسير الطبري: 655/2. [3] الدر المنثور: 509/1 وتفسير الطبري: 651/2. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 425/2.

وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ یَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور

تَرَاضَوۡا بَیۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ

کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تمھارے لیے

الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰی لَكُمۡ وَ اَطۡهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿232﴾

بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿232﴾

ہے۔ ﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' یعنی ان کاموں میں جنھیں تم بجالاتے ہو اور جنھیں تم ترک کر دیتے ہو سب میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ﴿ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿231﴾ ﴾ ''اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' یعنی تمھارے ظاہری و باطنی امور و معاملات میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں ہے، پھر وہ تمھارے انھی اعمال کے مطابق ہی تمھیں بدلہ دے گا۔

تفسیر آیت:232

ولی عورت کو طلاق دینے والے شوہر سے نکاح کرنے سے منع نہ کرے: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دے، پھر اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ اس سے رجوع یا شادی کرنا چاہے اور اس کی بیوی بھی یہی چاہے مگر اس کے وارث اسے اس سے منع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ اس کے وارث اسے دوبارہ اپنے اسی شوہر سے شادی کرنے سے روکیں۔[1] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] مسروق، ابراہیم نخعی، زہری اور ضحاک رحمہم اللہ نے بھی اس آیت کے بارے میں یہی فرمایا ہے۔[3] اور اس آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

ولی کے بغیر نکاح نہیں: یہ آیت کریمہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی۔ ضروری ہے کہ اس کا نکاح اس کا ولی کرے جیسا کہ امام ترمذی اور امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔[4] اور جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا ، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا] ''کوئی عورت خود کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔''[5] اور ایک دوسری حدیث میں ہے: [لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَّشَاهِدَيْ عَدْلٍ] ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔''[6]

[1] تفسیر الطبری:659/2. [2] تفسیر الطبری:660/2. [3] تفسیر الطبری:660/2. [4] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة البقرة، حدیث:2981 و تفسیر الطبری:662/2 . [5] سنن ابن ماجه، النكاح، باب لانكاح إلّا بولي، حديث:1882 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [6] صحيح ابن حبان ، النكاح ، باب ذكر نفي إجازة ......:386/9 ، حديث:4075 و سنن الدارقطني ، النكاح :225/3، حديث:3492-3494 .

آیت کریمہ کا شان نزول: روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی اور جب ان کی عدت پوری ہوئی تو انھوں نے پھر سے نکاح کا پیغام بھیج دیا تو معقل نے انکار کر دیا، تب اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ﴾ ''چنانچہ تم ان کو ان کے (سابقہ) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو۔''[1] امام ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابوحاتم، ابن جریر، ابن مردویہ رحمہم اللہ نے متعدد طرق کے ساتھ حسن سے اور انھوں نے معقل بن یسار سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ان کی معقل بن یسار سے روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''اس نے اپنی بہن کی شادی رسول اللہ کے زمانے میں ایک مسلمان سے کر دی، ان کی بہن کچھ عرصہ اس کے عقد میں رہی، پھر اس نے اسے ایک طلاق دے دی اور رجوع نہ کیا حتی کہ عدت گزر گئی، پھر دونوں ہی رجوع کے خواہش مند ہوئے، چنانچہ اس نے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیج دیا تو معقل نے کہا: اے کمینے شخص! میں نے اس عورت کو تیرے نکاح میں دے کر تیری عزت افزائی کی مگر تو نے اسے طلاق دے دی، لہٰذا اب تو کبھی بھی رجوع نہ کر سکے گا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس شخص کو اس عورت کی اور اس عورت کو اپنے شوہر کی ضرورت ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝﴾ ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تمھارے لیے بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

حضرت معقل نے اس آیت کریمہ کو سنا تو کہا کہ میں اپنے رب کے فرمان کو سن کر اطاعت بجالاتا ہوں، پھر انھوں نے اپنی بہن کے سابقہ خاوند کو بلایا اور کہا کہ میں تمھیں بہن کا نکاح دیتا اور تمھاری عزت افزائی کرتا ہوں۔[3] ابن مردویہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انھوں نے کہا: ''میں اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔''[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ﴾ ''اس (حکم) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔'' یعنی یہ جو ہم نے تمھیں منع کیا ہے کہ اپنی عورتوں کو

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب من قال: لانكاح إلا بولي، حديث: 5130. [2] سنن أبي داود، النكاح، باب في العضل، حديث: 2087 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2981 و تفسير ابن أبي حاتم: 427,426/2 و تفسير الطبري: 657,656/2. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2981.
[4] السنن الكبرى للبيهقي، النكاح، باب لانكاح إلا بولي: 104/7.

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے (اس صورت میں) باپ کے

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ

ذمے ہے کہ ان (ماؤں) کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دے، کسی جان پر اس کی گنجائش سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ

بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَي الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ

سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے (تنگ کیا جائے) اور (اگر باپ مر جائے تو) اس کے وارث کا یہی ذمہ ہے، پھر اگر دونوں (ماں

تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ

باپ) آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم اس معاوضے کی ادائیگی کر دو جو تم نے دستور کے مطابق دینا طے کیا ہو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾

تمھارے ہر عمل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿233﴾

اپنے شوہروں سے دوبارہ شادی کرنے سے منع نہ کرو جبکہ وہ دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو وہ اس حکم کو مانتا، اس سے نصیحت حاصل کرتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ مِنْكُمْ﴾ ''(اے لوگو!) جو تم میں سے'' ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ﴾ ''اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی وعید، عذاب اور جزا سزا سے ڈرتا ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ﴾ ''یہ تمھارے لیے نہایت خوب اور بہت پاکیزگی کی بات ہے۔'' یعنی عورتوں کو ان کے شوہروں کی طرف واپس کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی اتباع اور اس سلسلے میں حمیت کو ترک کر دینا بہت خوب اور دلوں کے لیے بہت پاکیزگی کی بات ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے۔'' ان مصلحتوں کو جن پر اس کا امر و نہی مبنی ہوتا ہے۔ ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾﴾ ''اور تم نہیں جانتے۔'' اس بھلائی کو جو تمھارے ان کاموں میں ہوتی ہے جن کو تم کرتے ہو یا جنھیں تم ترک کر دیتے ہو۔

تفسیر آیت:233

وہی رضاعت معتبر ہے جو مدت رضاعت میں ہو: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پوری مدت تک، جو کہ دو سال ہے، دودھ پلائیں، اس کے بعد رضاعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ﴾ ''یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔'' یعنی اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو دو سال کے اندر اندر ہو اور اگر بچے نے دو سال سے زیادہ عمر میں دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

امام ترمذی نے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے: باب مَاجَاءَ مَا ذُكِرَ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَاتُحَرِّمُ إِلَّا فِي الصِّغَرِ دُونَ الْحَوْلَيْنِ ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو صغرسنی میں دوسال کے اندر اندر ہو۔'' پھر انھوں نے اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ] ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو پستان سے ہو اور انتڑیوں کو پھاڑ دے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پہلے ہو۔''

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرات صحابۂ کرام اور دیگر اہل علم میں سے اکثر کا عمل اسی کے مطابق ہے کہ صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دوسال کی عمر سے پہلے پہلے ہو اور جو رضاعت مکمل دوسال کی عمر کے بعد ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔[1] امام ترمذی اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد ہیں لیکن اس کے رجال صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں۔

حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں: [إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ] ان کے معنی یہ ہیں کہ وہی رضاعت معتبر ہے جو محل رضاعت، یعنی پستان سے ہو اور دوسال سے پہلے ہو جیسا کہ اس حدیث میں بھی آیا ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادۂ گرامی حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ] ''اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی ایک دایہ مقرر ہے۔''[2]

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ] ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دوسال کے اندر ہو۔''[3] اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے بھی موطا میں ثور بن زید کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت کیا ہے۔[4] اسے دراوردی نے بھی ثور از عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور ان الفاظ کو بھی بیان کیا ہے: [وَمَا كَانَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ] ''اور جو رضاعت دوسال کے بعد ہو وہ کچھ نہیں ہے۔''[5] یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔

رضاعت کبیر: صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے نزدیک رضاعت کبیر سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔[6] عطاء بن ابورباح اور لیث بن سعد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن آدمیوں کو اپنے گھر میں

[1] جامع الترمذی، الرضاع، باب ماجاء ما ذكر أن الرضاعة لاتحرم......، حديث: 1152. [2] مسند أحمد: 302/4 و صحيح البخاري، الجنائز، باب ما قيل في أولاد المسلمين، حديث: 1382. [3] سنن الدارقطني، الرضاع: 174/4، حديث: 4318. [4] الموطأ للإمام مالك، الرضاع، باب رضاعة الصغير: 221/2، حديث: 1315. [5] السنن الكبرى للبيهقي، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: 462/7. [6] صحيح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الكبير، حديث: 1453.

آنے جانے کی اجازت دیتی تھیں، ان کے بارے میں اپنے خاندان کی بعض عورتوں کو یہ حکم دے دیتی تھیں کہ وہ انھیں دودھ پلادیں۔اوراس سلسلے میں آپ کا استدلال حدیث سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما سے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہ کی بیوی کوحکم دے دیا تھا کہ وہ سالم کو دودھ پلادے، حالانکہ وہ بڑی عمر کا لڑکا تھا۔اوراسی رضاعت کی وجہ سے وہ ان کے پاس آتا جاتا تھا لیکن باقی تمام ازواج مطہرات اس کی قائل نہیں تھیں۔ان کی رائے میں یہ واقعہ خصائص میں سے تھا۔[1] جمہور کا بھی یہی قول ہے کہ رضاعت کبیر سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

رضاعت کی اجرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔'' یعنی بچے کے باپ کے ذمے یہ ہے کہ وہ ماؤں کو دستور کے مطابق نفقہ اور کپڑا وغیرہ دے۔دستور سے مراد یہ ہے کہ ان کے شہر میں ان جیسی عورتوں کے کھانے اور کپڑے کا جو معمول ہو اس کے مطابق اِسراف اور بخل کے بغیر انھیں بھی دیا جائے،یعنی ہر شخص مالی خوش حالی یا درمیانے درجے کی مالی حالت یا تنگی و ترشی کے اعتبار سے جیسی بھی اس کی حالت ہو اس کے مطابق وہ حسب دستور کھانا اور کپڑا دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ ﴾ (الطلاق 7:65) ''صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے، اس کے موافق خرچ کرے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔''

ضحاک فرماتے ہیں کہ جب کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس سے اس کا بچہ بھی ہو اور وہ اس کے بچے کو دودھ پلائے تو والد پر یہ واجب ہے کہ دستور کے مطابق اسے نفقہ اور کپڑا دے۔[2]

ابتداکرکے یا بدلے میں نقصان نہ پہنچایا جائے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ﴾ ''ماں اپنے بچے کے سبب (اس کے باپ کو) نقصان نہ پہنچائے۔'' یعنی ماں کو بھی یہ نہیں چاہیے کہ بچے کو اپنے سے دور کردے تاکہ اس کی تربیت کی ذمے داری کی وجہ سے اس کے باپ کو نقصان پہنچائے۔جب اس نے بچے کو جنم دیا ہے تو اسے چاہیے کہ اس وقت تک بچے کو اپنے سے دور نہ کرے جب تک اسے اس مدت تک دودھ نہ پلالے جس وقت تک وہ عموماً دودھ پیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، پھر اس کے بعد اگر چاہے تو بچے کو اپنے سے الگ کرسکتی ہے لیکن اگر اس کا مقصد باپ کو نقصان پہنچانا ہو تو پھر اس کے لیے بچے کو الگ کرنا حلال نہ ہوگا۔اسی طرح باپ کے لیے بھی یہ حلال نہیں ہے کہ نقصان پہنچانے کی غرض سے بچے کو اس کی ماں سے الگ کرے۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۝ ﴾ ''اور نہ باپ اپنے بچے کے سبب (اس کی ماں کو) نقصان پہنچائے۔'' یعنی

[1] سنن أبي داود، النكاح، باب من حرَّم به، حديث :2061. [2] تفسير الطبري: 672/2.

باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ محض نقصان پہنچانے کی خاطر بچے کو اس کی ماں سے چھین لے۔ یہ امام مجاہد، قتادہ، ضحاک، زہری، سدی، ثوری اور ابن زید رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ﴾ ''اور اسی طرح (نان ونفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے۔'' اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وارث کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ اپنے قریبی عزیز کو نقصان نہ پہنچائے۔ یہ امام مجاہد، شعبی اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وارث پر بھی بچے کے والد کی طرح یہ واجب ہے کہ وہ بچے کی ماں پر خرچ کرے، اس کے حقوق کو پورا کرے اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ امام ابن جریر نے اس مسئلے پر اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔[2]

کہا جاتا ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت بچے کے جسم یا عقل کو نقصان پہنچاتی ہے۔ امام سفیان ثوری نے اعمش سے انھوں نے ابراہیم سے اور انھوں نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایک عورت کو دیکھا جو دو سال کے بعد بھی دودھ پلا رہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اب اسے دودھ نہ پلاؤ۔[3]

دونوں کی رضامندی سے دودھ چھڑانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ﴾ ''پھر اگر دونوں (ماں باپ) آپس کی رضامندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔'' یعنی بچے کے والدین اگر اس بات پر متفق ہو جائیں کہ دو سال سے پہلے ہی بچے کا دودھ چھڑا دیا جائے اور بچے کی مصلحت بھی اسی میں ہو اور باہمی مشورے سے اس بات پر وہ اتفاق کر لیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں والدین میں سے صرف ایک ہی کی رائے کافی نہیں ہے اور نہ کسی ایک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے کے مشورے کے بغیر از خود زبردستی کوئی فیصلہ کرے۔ یہ امام ثوری وغیرہ کا قول ہے۔ اسی میں بچے کی احتیاط ہے اور یہ حکم بھی کہ اس کے بارے میں خوب غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا جائے۔

پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے رحمت بھی ہے کہ اس نے ماں باپ دونوں پر بچے کی تربیت کی پابندی عائد کی اور ایسے امور کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی جس میں ان دونوں کی اور بچے کی بہتری ہے جیسا کہ سورۂ طلاق میں فرمایا: ﴿ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝ ﴾ (الطلاق 6:65) ''پھر اگر وہ بچے کو تمھارے کہنے سے دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) آپس میں پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو اور اگر تم باہم ضد (اور نااتفاقی) کرو گے تو (بچے کو) اس کے (باپ کے) کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

[1] تفسیر الطبری: 676,675/2. [2] تفسیر الطبری: 686-673/2. [3] تفسیر الطبری: 668/2.

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں،

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں (انھیں اختیار ہے)

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿234﴾

اور اللہ تمھارے ہر عمل سے خوب خبردار ہے جو تم کرتے ہو ﴿234﴾

’’اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق، جو تم نے دینا کیا تھا، دے دو۔‘‘ یعنی جب والدہ اور والد اتفاق سے یہ طے کر لیں کہ والد بچے کو اس کی والدہ سے لے لے، خواہ اس میں والدہ کی طرف سے کوئی عذر ہو یا بچے کی وجہ سے کوئی عذر ہو تو والد کے خرچ کرنے کی وجہ سے عورت کو کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ والد کو عورت سے (بچہ) لے لینے کی وجہ سے گناہ ہوگا جبکہ وہ اس کی مکمل اجرت احسن انداز میں ادا کر دے اور اپنے بچے کے لیے کسی دوسری عورت کو دستور کے مطابق اجرت پر دودھ پلانے کے لیے رکھ لے جیسا کہ کئی ایک مفسرین نے کہا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ’’اور تم (اپنے تمام حالات میں) اللہ سے ڈرتے رہو۔‘‘ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾ ﴾ ’’اور تم جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔‘‘ یعنی تمھارے احوال و اقوال میں سے کوئی چیز بھی تو اس سے مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیت:234

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدت: اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو جن کے شوہر فوت ہو جائیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ چار ماہ اور دس دن تک عدت گزاریں۔ یہ حکم سب عورتوں کے لیے ہے، خواہ ان کے شوہروں کا ان سے ازدواجی تعلق قائم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور اس مسئلے پر تمام علماء و فقہاء کا اجماع ہے۔

جس عورت سے اس کے شوہر کا ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو اس کے لیے اس عدت کے سلسلے میں اسی آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے، نیز اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا مگر اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا اور اس نے اس کے لیے مہر کا بھی تعین نہیں کیا تھا، لوگوں نے اس مسئلے کے لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کئی بار رجوع کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس کا جواب اپنی رائے سے دیتا ہوں، اگر صحیح ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہوا تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہوں گے۔ اس عورت کو مہر کامل ملے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اسے مہر مثل ملے گا، نہ کم اور نہ زیادہ اور اسے عدت بھی گزارنا ہوگی اور اسے میراث سے حصہ بھی ملے گا۔

آپ کا یہ جواب سن کر حضرت مَعْقِل بن سِنان[1] اشجعی نے کہا: میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی بِرُوَع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بے حد خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ خاندان اشجع کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بِرُوَع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔[2]

اس سے صرف وہ مُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا (وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے) مستثنیٰ ہے جو حاملہ ہو کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے، خواہ وہ شوہر کی وفات کے ایک ہی لمحہ بعد بچے کو جنم دے دے۔ اس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق 65:4) ''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔'' کا عموم ہے۔ اور حدیث سُبَیْعہ اَسلمیہ سے بھی یہی ثابت ہے جو کہ صحیحین میں کئی سندوں سے بیان ہوئی ہے۔ ان کے شوہر سعد بن خولہ جب فوت ہوئے تو وہ حاملہ تھیں۔ ان کی وفات کے کچھ ہی دیر بعد انھوں نے بچے کو جنم دے دیا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ انھوں نے چند راتوں کے بعد ہی بچے کو جنم دے دیا۔ جب وہ نفاس سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے منگنی کے لیے آرائش وزیبائش کا اہتمام کیا تو ان کے پاس ابوسنابل بن بعکک آئے تو انھوں نے کہا: کیا بات ہے؟ تم نے آرائش وزیبائش اختیار کر رکھی ہے، شاید تمھارا نکاح کا ارادہ ہے؟ واللہ! تم چار ماہ دس دن سے پہلے نکاح نہیں کر سکتی، سبیعہ نے کہا کہ جب انھوں نے یہ بات کہی تو میں نے شام کے وقت کپڑے بدلے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے فتویٰ یہ دیا کہ بچے کو جنم دینے کے بعد تم حلال ہو گئی ہو اور آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو نکاح کر سکتی ہو۔[3]

اس عدت کی حکمت: سعید بن مسیّب، ابوالعالیہ اور دیگر کئی اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ وفات کی صورت میں چار ماہ اور دس دن کی عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر رحم میں حمل ہو تو وہ واضح ہو جائے۔[4] کیونکہ اگر رحم میں حمل ہو تو اس مدت تک انتظار کرنے کی صورت میں وہ یقیناً ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث ابن مسعود میں ہے جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے: [إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكًا...... ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ] ''تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ چالیس دن تک شکم مادر میں نطفہ ہوتا ہے، پھر وہ اسی طرح چالیس دن لوتھڑا ہوتا ہے اور اسی طرح چالیس دن تک بوٹی ہوتا ہے، پھر اللہ

---

[1] ابن کثیر کے نسخوں میں ''یسار'' ہے جو کہ خطا ہے۔ [2] مسند أحمد: 480/3 و سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا......، حديث: 2116 و جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض لها، حديث: 1145 و سنن النسائي، النكاح، باب إباحة التزويج بغير صداق، حديث: 3356 و سنن ابن ماجه، النكاح، باب الرجل يتزوج ولا يفرض......، حديث: 1891. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب10، حديث: 3991 و صحيح مسلم، الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفّٰى عنها وغيرها......، حديث: 1484. [4] ماخوذ از تفسير الطبري: 700,699/2.

تعالیٰ اس کی طرف فرشتے کو بھیجتا ہے...... پھر وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے۔''① ان تینوں مراحل کے چار ماہ بن گئے اور اس کے بعد احتیاط کی خاطر دس دن اور رکھے گئے ہیں کیونکہ بعض ماہ پورے تیس دن کے نہیں ہوتے اور اس لیے بھی کہ بچے میں حرکت اس میں روح پھونکے جانے کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

ام ولد② کی عدت: اسی وجہ سے بعض اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ لونڈی کی عدت بھی وہی ہے جو ایک آزاد عورت کی ہے اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ہم پر ہمارے نبی کی سنت کو خلط ملط نہ کرو، اُم ولد (لونڈی) کا آقا جب فوت ہو جائے تو اس کی عدت بھی چار ماہ دس دن ہے۔③ اس حدیث کو ابوداود اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔④

اس عدت میں سوگ واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ ''پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں (انھیں اختیار ہے) اور اللہ تمھارے سب کاموں سے خوب واقف ہے۔'' اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کے لیے عدت کی اس مدت میں سوگ منانا واجب ہے کیونکہ صحیحین میں کئی سندوں سے اُم المؤمنین ام حبیبہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا] ''کسی بھی ایسی عورت کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ کسی بھی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے۔ ہاں، البتہ وہ اپنے شوہر کی وفات کی صورت میں چار ماہ دس دن تک سوگ منائے گی۔''⑤

صحیحین ہی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا ہم اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا، مَرَّتَيْنِ أَوْثَلَاثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُولُ: لَا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هِيَ: أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَّقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلٰى رَأْسِ الْحَوْلِ] ''نہیں! آپ نے دو یا تین بار فرمایا: نہیں! پھر فرمایا کہ یہ مدت چار ماہ اور دس دن ہے

① صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة ، حديث:3208 وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي......، حديث:2643 وسنن أبي داود، السنة ، باب في القدر، حديث:4708 واللفظ له. ② وہ لونڈی جس کا اس کے آقا سے بچہ پیدا ہو چکا ہو۔ ③ مسند أحمد:203/4. ④ سنن أبي داود، الطلاق، باب في عدة أم الولد، حديث:2308 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب عدة أم الولد، حديث:2083. یہ روایت ضعیف ہے۔ ⑤ صحيح البخاري، الطلاق، باب تُحدُّ المتوفّٰى عنها أربعة أشهر وعشرًا، حديث: 5334 وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة ...... ، حديث:1486.

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ

اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں چھپائے

اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا

رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا خفیہ وعدہ نہ کرو، مگر یہی کہ دستور کے مطابق بات کہو اور عقد نکاح کا

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ

پختہ ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے، اور جان لو! بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، پس تم اس سے ڈرو اور جان لو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿235﴾ ع 30 4 14

کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت بردبار ہے ﴿235﴾

جبکہ تم میں سے کوئی ایک زمانۂ جاہلیت میں ایک سال تک انتظار کر کے مینگنی پھینکتی تھی (تب عدت سے فارغ ہوتی تھی۔)''[1]

زینب بنت ام سلمہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو وہ ایک کٹیا میں داخل ہو جاتی، بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ قطعًا استعمال نہ کرتی حتی کہ ایک سال کی مدت اسی حالت میں گزرتی، پھر کسی جانور، گدھے، بکری یا پرندے کو لایا جاتا وہ اسے چھوتی تھی، بہت کم ایسا ہوا ہوگا کہ کسی جانور کو اس نے چھوا ہو اور وہ مرا نہ ہو، پھر وہ نکلتی اسے مینگنی دی جاتی وہ اسے پھینکتی تھی، پھر خوشبو وغیرہ کی بابت جو چاہتی کرتی۔[2]

سوگ کے ایام میں عورت زیب و زینت سے بچے: غرض سوگ یہ ہے کہ عورت زینت، خوشبو کے استعمال اور ایسے زیورات اور کپڑوں کے استعمال کو ترک کر دے جن کو شوہر کے لیے پہنا جاتا ہو۔ عدت وفات میں یہ سوگ واجب ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سلسلے میں کوئی دوسرا قول نہیں ہے، نیز ان تمام بیویوں کے لیے جن کے شوہر فوت ہو جائیں یہ سوگ منانا واجب ہے، خواہ وہ بہت چھوٹی عمر کی ہوں یا حیض سے ناامید ہو گئی ہوں یا آزاد ہوں یا لونڈی ہوں یا مسلمان ہوں یا کافر ہوں کیونکہ آیت کریمہ کے عموم کا تقاضا یہی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ یعنی جب یہ اپنی عدت پوری کر چکیں۔ ضحاک اور ربیع بن انس نے ان الفاظ کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[3] ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ ''تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' امام زہری فرماتے ہیں: یعنی اس عورت کے وارثوں پر۔[4] ﴿فِيْمَا فَعَلْنَ﴾ ''اس چیز میں جو وہ (نکاح) کر لیں۔'' یعنی یہ عورتیں جن کی عدت پوری ہو چکی ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب عورت کو طلاق مل جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے اور اس

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفّى عنها أربعة أشهر وعشرًا، حديث: 5336 و صحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة......، حديث: 1488. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفى عنها ......، حديث: 5337 و صحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة ......، حديث: 1489. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 437/2. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 437/2.

کی عدت پوری ہو جائے، پھر اس کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ زیب و زینت کو اختیار کر کے اور آرائش و زیبائش کا اہتمام کر کے اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرے اور اس سلسلے میں دستور اور معروف کو پیش نظر رکھے۔① ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے: ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں۔'' اس سے مراد حلال وطیب نکاح ہے۔ امام حسن بصری، امام زہری اور امام سدی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔②

تفسیر آیت:235

عدت میں نکاح کی ممانعت مگر اس سلسلے میں اشارہ و کنایہ جائز ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' کہ جو عورتیں اپنے شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت میں ہوں اور تم انھیں کسی صراحت کے بغیر اشارے و کنایے میں نکاح کا پیغام بھیج دو۔ امام ثوری، شعبہ اور جریر وغیرہ نے منصور سے انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِۦ مِنْ خِطْبَةِ ٱلنِّسَآءِ ﴾ ''اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران انھیں اشارے کنایے میں نکاح کا پیغام دو۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ تعریض یہ ہے کہ ''آدمی یوں کہے: میرا شادی کرنے کا ارادہ ہے۔'' یا یہ کہے کہ میں اس عورت کو پسند کرتا ہوں جو ایسی ہو، یعنی دستور کے مطابق اشارے و کنایے سے کام لے۔③ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''میں بھی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی کوئی بیوی عطا فرمائے۔'' یا اس طرح کے کوئی اور الفاظ استعمال کرلے لیکن صراحت کے ساتھ منگنی کا پیغام نہ دے۔④

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِۦ مِنْ خِطْبَةِ ٱلنِّسَآءِ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ انسان کہے کہ میرا شادی کرنے کا پروگرام ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے کوئی نیک بیوی عطا فرمائے۔⑤ امام مجاہد، طاؤس، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، شعبی، حسن، قتادہ، زہری، یزید بن قُسیط، مُقاتِل بن حیّان، قاسم بن محمد رحمہم اللہ اور کئی ایک ائمۂ سلف و خلف نے تعریض کے بارے میں لکھا ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس سے عدت کے دوران میں صراحت کے ساتھ تو نہیں، البتہ اشارے کنایے کی زبان میں منگنی کے بارے میں بات کی جاسکتی ہے۔⑥

اسی طرح جس عورت کو طلاق بتہ ہوئی ہو تو اس کی عدت کے دوران میں اسے بھی کنایے سے نکاح کا پیغام دینا جائز ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے شوہر ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے انھیں آخری تیسری طلاق بھی دے دی تھی تو آپ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزاریں اور فرمایا: [فَإِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي] ''جب تمھاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے بتا دینا۔'' وہ کہتی ہیں جب میری عدت پوری ہوگئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے

---

① تفسير ابن أبي حاتم:437/2. ② تفسير ابن أبي حاتم:438/2. ③ تفسير الطبري:701/2. ④ تفسير الطبري:701/2. ⑤ صحيح البخاري، النكاح، باب قول الله عزوجل: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ...... ﴾، حديث:5124. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:439,438/2.

عرض کی: اسامہ بن زید...... نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو آپ نے فرمایا: اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔[1] اور جس عورت کو رجعی طلاق ہوئی ہو تو اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کی عدت کے دوران میں اس کے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لیے صراحت یا کنایے سے پیغام نکاح بھیجنا جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں مخفی رکھو'' کہ تم انھیں منگنی کا پیغام دو گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ (القصص 69:28) ''اور ان کے سینے جو کچھ مخفی کرتے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، تمھارا پروردگار اس کو جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ﴾ (الممتحنة 1:60) ''اور جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ ﴾ ''اللہ کو معلوم ہے کہ تم ان (عورتوں سے نکاح) کا ذکر ضرور کرو گے۔'' یعنی اپنے دلوں میں، لہٰذا اس سلسلے میں اس نے تم سے حرج کو دور کر دیا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ﴾ ''لیکن (ایام عدت میں) پوشیدہ طور پر ان سے قول وقرار نہ کرنا۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تم اس سے یہ نہ کہو کہ میں تمھارا عاشق ہوں، لہٰذا وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہیں کرو گی یا اس طرح کی کوئی اور بات نہ کہو۔[2] اسی طرح سعید بن جبیر، شعبی، عکرمہ، ابوالضحیٰ، ضحاک، زہری، امام مجاہد اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس عورت سے یہ پختہ عہد لے کہ وہ اس کے سوا کسی اور سے نکاح نہیں کرے گی۔[3]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ ''مگر یہی کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، سُدّی، ثوری اور ابن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہی ہے جو عدت کے دوران میں کنایے کے جواز کی پہلے اجازت دی جا چکی ہے، جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ مجھے تجھ سے رغبت ہے وغیرہ۔[4] محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے عَبِیدہ سے پوچھا: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ کے معنی کیا ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت کے ولی سے کہے کہ جلدی نہ کرنا، یعنی مجھے بتائے بغیر اس کی شادی نہ کرنا۔[5]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾ ''اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو۔'' یعنی عدت پوری ہونے تک نکاح نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، شعبی، قتادہ، ربیع بن انس، ابومالک، زید بن اسلم، مُقاتِل بن حَیّان، زہری، عطاء خراسانی، سدی، ثوری اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ عدت پوری ہونے تک نکاح نہ کرو۔[6]

---

[1] صحیح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث:1480 و مسند أحمد:412/6. [2] تفسیر الطبری: 709/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:439/2 و تفسیر الطبری:711,710/2. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:440/2 و تفسیر الطبری:714,713/2. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:441/2. [6] تفسیر ابن أبی حاتم:441/2.

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جبکہ تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو اور انھیں کچھ مال ومتاع دے دو،

وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

وسعت والے آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق، فائدہ پہنچانا ہے معروف طریقے سے، (یہ) نیکی کرنے

عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿236﴾

والوں پر لازم ہے ﴿236﴾

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا

اور اگر تم انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو جبکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس (مہر) کا نصف ادا کرنا ہوگا جو تم نے مقرر کیا ہو۔ ہاں! وہ

فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ

عورتیں چاہیں تو (مہر) معاف کر سکتی ہیں یا وہ شخص معاف کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے اور تم معاف کر دو تو یہ تقوے کے زیادہ قریب ہے

لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿237﴾

اور تم آپس میں بھلائی اور احسان کا برتاؤ کرنا مت بھولو، بے شک اللہ تمھارے ہر عمل پر نگاہ رکھتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿237﴾

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مدتِ عدت میں عقد نکاح صحیح نہیں ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ﴾ ''اور جان رکھو کہ جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے، لہٰذا تم اس سے ڈرتے رہو۔'' عورتوں کے امور ومعاملات سے متعلق جو کچھ دلوں میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے ڈرایا ہے اور رہنمائی فرمائی ہے کہ دلوں میں اچھی بات ہی کو لاؤ، بری بات کو نہ لاؤ، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے مایوس وناامید نہیں کیا، چنانچہ فرمایا ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿235﴾ ﴾ ''اور جان رکھو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) حلم والا ہے۔''

تفسیر آیت:236

صنفی تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ عورت کو عقد نکاح کے بعد اور صنفی تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس، ابراہیم، اور امام حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں (اس آیت تمسوھن میں) مَسّ سے مراد نکاح ہے۔[1] بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ اگر حق مہر مقرر کیے بغیر شادی ہو چکی ہے تو صنفی تعلق قائم کرنے اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دے دی جائے، گو اس سے عورت کا دل ٹوٹ جاتا ہے مگر طلاق جائز ہے۔

متعہ طلاق: اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے کچھ خرچ ضرور دیا جائے۔ یہ خرچ گویا اس چیز کے عوض ہے جو اسے شوہر سے اس کے حالات کے مطابق ملنا تھا اور اب طلاق کی وجہ سے یہ اس سے محروم ہوگئی ہے۔ اور یہ خرچ مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دے۔

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 442/2.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سہل بن سعد اور ابو اُسَید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمَیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا اور اسے جب آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا تو اس نے گویا اسے ناپسند کیا تو آپ نے ابواسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے رخصت کرنے کے لیے تیار کر دیا جائے اور اسے سفید کَتّان کے دو (سوتی) کپڑے پہنا دیے جائیں۔①

تفسیر آیت:237

مقاربت سے قبل طلاق ہو تو نصف مہر ہے: اس سے پہلی آیت کریمہ میں عورت کو خرچ دینے کا جو حکم دیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی تعیین کر دی گئی ہے اور وہ یہ کہ اگر شوہر مقاربت سے پہلے عورت کو طلاق دے دے تو طے شدہ مہر کا نصف دے گا۔ اگر اسے کچھ اور خرچ دینا بھی واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی بیان فرما دیتا، خصوصاً جبکہ اس آیت کو اس پہلی آیت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے جس میں اسے خرچ دینے کا ذکر ہے۔ واللّٰہ أعلم .

اس حالت میں نصف مہر دینے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور اس مسئلے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر اس نے مہر مقرر کر دیا ہو اور مقاربت سے قبل اسے طلاق دے دے تو اس کے لیے اس مہر کا نصف ہوگا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ ﴾ الا یہ کہ عورتیں اس نصف مہر کو بھی معاف کر دیں جو ان کے شوہروں پر واجب ہے تو پھر اس صورت میں ان کے لیے کچھ بھی واجب نہیں رہے گا۔ سدی نے ابو صالح سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: ''الا یہ کہ عورت معاف کر دے اور اپنے حق کو چھوڑ دے۔'' امام ابو محمد بن ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ شُرَیح، سعید بن مسیّب، عِکرِمہ، مجاہد، شعبی، حسن، نافع، قتادہ، جابر بن زید، عطاء خراسانی، ضحاک، زہری، مقاتل بن حیان، ابن سیرین، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔②

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ ﴾ ''یا مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دے (اور پورا مہر دے دے تو اس کو اختیار ہے۔)'' امام ابن ابو حاتم نے فرمایا ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَلِيُّ عُقْدَةِ النِّكَاحِ الزَّوْجُ] ''جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے، اس سے مراد شوہر ہے۔''③

ابن مردویہ نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی قول کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے اس سے مراد حقیقت میں شوہر ہی ہے کیونکہ اس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ اسے مضبوط رکھنا، توڑ دینا یا منہدم کر دینا اسی کے ہاتھ میں ہے، اس سے مراد عورت کا ولی نہیں ہے کیونکہ جس طرح ولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ جس عورت کا ولی بنا ہے اس کا مال کسی کو ہبہ کرے، اسی طرح اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے مہر کو معاف کر دے۔

① صحيح البخاري، الطلاق، باب من طلق......، حديث:5257. ② تفسير ابن أبي حاتم:444/2. ③ تفسير ابن أبي حاتم:445/2. یہ روایت ضعیف ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿238﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا

اور تم سب نمازوں اور خاص طور پر درمیان والی نماز کی حفاظت کرو اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو﴿238﴾ پھر اگر تم خوف کی

اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿239﴾

حالت میں ہو تو پیدل یا سوار ہی (نماز پڑھ لو)، پھر جب تم امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے﴿239﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ ﴾ ''اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔'' بعض نے کہا ہے کہ اس ارشاد کے مخاطب مرد اور عورتیں ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت: ﴿ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے زیادہ متقی وہ ہے جو معاف کر دے۔[2] امام شعبی وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام مجاہد، نخعی، ضحاک، مُقَاتِل بن حَیّان، ربیع بن انس اور ثوری فرماتے ہیں کہ یہاں فضیلت کی بات یہ ہے کہ عورت اپنے نصف مہر کو بھی معاف کر دے یا شوہر اسے نصف کے بجائے پورا مہر ہی دے دے۔[3]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ ﴾ ''اور تم آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔'' بھلائی سے یہاں احسان کرنا مراد ہے جیسا کہ سعید (بن مسیّب) نے فرمایا ہے۔[4] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿237﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' یعنی تمھارے امور و معاملات اور حالات میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں ہے اور وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات:239,238

اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ نمازوں کی ان کے اوقات میں محافظت کی جائے، اور ان کے حدود کی حفاظت کی جائے اور انھیں ان کے مقرر کردہ اوقات ہی میں ادا کیا جائے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [الصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا ، قَالَ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ، قَالَ : ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: والدین سے نیکی کرنا۔ آپ نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمایا تھا اور اگر میں کچھ مزید سوال کرتا تو آپ بھی یقیناً کچھ مزید ارشاد فرماتے۔[5]

---

[1] تفسیر الطبری:747/2. [2] تفسیر الطبری:747/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:446/2 و تفسیر الطبری:749,748/2.

[4] تفسیر الطبری:749/2. [5] صحیح البخاری، الأدب، باب البرّ والصّلة، حدیث:5970 لیکن یہاں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا سوال اس طرح مروی ہے کہ ''اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟'' اور تفسیر میں مذکور یہ الفاظ صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب فضل الجهاد والسیر، حدیث:2782 کے مطابق ہیں۔ و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللّٰه تعالٰی أفضل الأعمال، حدیث:85.

صلاۃ وسطیٰ: اللہ تعالیٰ نے نمازوں میں سے درمیان والی نماز، یعنی نماز عصر کے بارے میں خاص تاکید فرمائی ہے۔ امام ترمذی وبغوی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء صحابہ اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔[1] قاضی ماوردی فرماتے ہیں: کہ جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ حافظ ابوعمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ اکثر اہل حدیث کا یہی قول ہے۔[2] ابومحمد بن عطیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور کا یہی قول ہے۔ شرف الدین عبدالمؤمن بن خلف دِمیاطی نے اپنی کتاب كَشْفُ الْمُغَطّٰى فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى میں لکھا ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوایوب، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابوہریرہ، ابوسعید، حفصہ، ام حبیبہ، ام سَلَمہ، ابن عباس، اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا صحیح روایت کے مطابق یہی قول ہے۔ عبیدہ، ابراہیم نخعی، رزین، زِرّ بن حُبَیْش، سعید بن جبیر، ابن سیرین، حسن، قتادہ، ضحاک، کلبی، مقاتل اور عبید بن ابومریم رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

اس کی دلیل: امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا تھا: [شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ نَارًا] ''انھوں نے ہمیں نماز وسطیٰ، یعنی نماز عصر سے مشغول کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔'' پھر آپ نے اسے مغرب وعشاء کے مابین ادا فرمایا۔[4] اور اسی طرح امام مسلم اور نسائی نے اس حدیث کو شُتَیر بن شکل از علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔[5] اور شیخین، امام ابوداود، ترمذی، نسائی رحمہم اللہ اور کئی اصحاب مسانید وسنن وصحاح نے عَبِیدہ سلمانی عن علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔[6]

جنگ خندق کے دن مشرکوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز عصر ادا کرنے سے روکنے کے بارے میں یہ حدیث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے جس کا ذکر موجب طوالت ہوگا کیونکہ اس وقت مقصود تو ان سے ایک نص کو بیان کرنا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے، اسے امام مسلم نے حضرت ابن مسعود اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے۔[7]

---

① جامع الترمذی، الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة الوسطی......، حدیث: 182 عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ وتفسير البغوی:1/323,322. ② الاستذكار، باب الصلاة الوسطی:5/429. ③ تفسير الطبری:2/750-755. ④ مسند أحمد :1/113 مسند احمد اور صحیح مسلم میں [قُلُوبَهُم] کے بجائے [قُبُورَهُم] ہے، البتہ ابن کثیر کے الفاظ کی تائید صحيح ابن خزيمة :2/289، حدیث:1336 وتفسير الطبری:2/759 وغیرہ سے ہوتی ہے۔ ⑤ صحيح مسلم، المساجد، باب الدليل لمن قال:الصلاة الوسطى هى صلاة العصر، حديث:627 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله جل ثناؤه: ﴿حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ :6/304,303، حديث:11045. ⑥ صحيح البخاری، الدعوات، باب الدعاء على المشركين، حديث:6396 وصحيح مسلم، المساجد، باب الدليل لمن قال: الصلاة الوسطى هى صلاة العصر، حديث:627 وسنن أبی داود، الصلاة، باب وقت العصر، حديث:409 وجامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2984 وسنن النسائی، الصلاة ، باب المحافظة على صلاة العصر، حديث:474. ⑦ صحيح مسلم، المساجد، باب الدليل لمن قال : الصلاة الوسطى هى صلاة العصر، حديث:628-630.

امام احمد نے حضرت سمُرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلاَةُ الْوُسطى صَلاَةُ الْعَصرِ] ''نماز وُسطیٰ نمازِ عصر ہے۔''[1] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ کے بارے میں نام لے کر یہ فرمایا کہ اس سے مراد نمازِ عصر ہے۔[2] ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [هِيَ الْعَصْرُ] ''یہ نمازِ عصر ہے۔'' (اس حدیث کے ایک راوی) ابن جعفر بیان کرتے ہیں کہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ سے نماز وسطیٰ کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا۔[3] اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[4] امام ابوحاتم ابن حبان نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلاَةُ الْوُسطى صَلاَةُ الْعَصرِ] ''نماز وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔''[5] امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلاَةُ الْوُسطى صَلاَةُ الْعَصرِ] ''نماز وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔'' پھر انھوں نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[6] امام مسلم نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [شَغَلُونَا عَنِ الصَّلاَةِ الْوُسطى صَلاَةِ الْعَصرِ] ''انھوں نے ہمیں نماز وسطیٰ نمازِ عصر کے ادا کرنے سے مشغول کر دیا۔''[7]

یہ احادیث مبارکہ اس مسئلے میں نصوص ہیں جن میں بجز اس کے اور کوئی احتمال ہی نہیں کہ نماز وُسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے نمازِ عصر کی حفاظت کا بطورِ خاص حکم دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصرُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَا لَهُ] ''جس شخص کی نمازِ عصر فوت ہوگئی، گویا اس کا اہل و مال تباہ و برباد ہوگیا۔''[8]

حضرت بُرَیدہ بن حُصَیب سے صحیح حدیث میں ہے، وہ (بریدہ) نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: [(بَكِّرُوا بِالصَّلاَةِ فِي يَوْمِ الْغَيْمِ) فَإِنَّهُ مَنْ تَرَكَ صَلاَةَ الْعَصرِ، فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ] ''ابر آلود موسم میں عصر کی نماز جلد ادا کر لیا کرو کیونکہ جس شخص کی نمازِ عصر چھوٹ جائے اس کے اعمال رائیگاں ہو گئے۔''[9]

نماز میں گفتگو کرنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ ''اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہوا کرو۔'' یعنی اس کے آگے بڑے خشوع و خضوع اور عاجزی و انکسار کے ساتھ کھڑے ہوا کرو، یہ حکم اس

---

① مسند أحمد:22/5. ② مسند أحمد:8/5. ③ مسند أحمد:7/5. ④ جامع الترمذي، تفسیرالقرآن، باب و من سورة البقرة، حدیث:2983. ⑤ صحیح ابن حبان، الصلاة، باب فضل الصلوات الخمس :41/5، حدیث:1746. ⑥ جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة الوسطى أنها العصر......، حدیث:181. ⑦ صحیح مسلم، المساجد، باب الدليل لمن قال:الصلاة الوسطى هي العصر،حدیث:628 . ⑧ صحیح مسلم، المساجد، باب التغليظ في تفويت صلاة العصر، حدیث:626. ⑨ ابتدائی حصہ مسند أحمد:361/5 و سنن ابن ماجه، الصلاة، باب ميقات الصلاة في الغيم،حدیث:694. کے مطابق ہے اور یہ مرفوعًا صحیح ثابت نہیں بلکہ یہ موقوف ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے الموسوعة الحديثية(مسند أحمد):38/157-159 و إرواء الغليل:1/276,277،حدیث:255 اور دوسرا حصہ صحیح ابن حبان، الصلاة، باب الوعيدعلى ترك الصلاة:332/4، حدیث :1470 کے مطابق ہے۔

بات کو مستلزم ہے کہ نماز ادا کرتے ہوئے گفتگو کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز ادا فرماتے ہوئے جب نبی ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب نہ دیا تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا: [إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغُلًا] ''بے شک نماز دوسرے کاموں سے مشغول کر دیتی ہے۔''①

صحیح مسلم میں ہے کہ جب معاویہ بن حکم سُلَمی رضی اللہ عنہ نے نماز میں گفتگو کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ] ''اس نماز میں لوگوں سے گفتگو کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں تو تسبیح وتکبیر اور قراءت قرآن ہے۔''② امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے زمانے میں آدمی بوقت ضرورت اپنے ساتھی سے نماز میں گفتگو کر لیا کرتا تھا حتی کہ جب یہ آیت: ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ ''اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہوا کرو۔'' نازل ہوئی تو ہمیں خاموشی کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ اسے امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔③

نمازِ خوف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حالت میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن (واطمینان) ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اللہ نے تم کو وہ سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔'' جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نمازوں کی حفاظت اور ان کی حدود کو قائم رکھنے کا حکم دیا اور اس کی تاکید کرتے ہوئے نہایت سخت حکم دیا تو اب اس حالت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس میں آدمی بہت زیادہ مشغول ہو جاتا ہے اور وہ ہے حالتِ قتال اور جنگ۔ اور بتایا ہے کہ اس حالت میں تم نے نماز کو کس طرح ادا کرنا ہے، فرمایا: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ ﴾ یعنی جو بھی حالت ہو، خواہ تم پیادہ ہو یا سوار، قبلہ رخ ہو یا نہ ہو، ہر حالت میں نماز پڑھو۔

جیسا کہ امام مالک نے نافع سے روایت کیا ہے کہ اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ اس کے طریقے کو بیان کر دیتے، پھر فرماتے کہ اگر خوف بہت زیادہ ہو تو پھر پیادہ ہو یا سوار، قبلہ رخ ہو یا نہ ہو جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لو۔ نافع بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے نبی ﷺ کے حوالے سے بیان کیا کرتے

---

① صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب ما يُنهى من الكلام في الصلاة، حديث:1216,1199 وسنن أبي داود، الصلاة، باب رد السلام في الصلاة، حديث:923 واللفظ له . ② صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث:537 . ③ مسند أحمد:368/4 وصحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ (البقرة 238:2)، حديث:4531 وصحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة ......، حديث:539 وسنن أبي داود، الصلاة، باب النهي عن الكلام......، حديث:949 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2986 وسنن النسائي، السهو، باب الكلام في الصلاة، حديث:1220.

تھے۔① اسے امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔②

امام مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کی زبانی حضر میں نماز کی چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور حالت خوف میں ایک ہی رکعت فرض قرار دی ہے۔③ امام حسن بصری، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔④

امام بخاری نے صحیح کے بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُونِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ میں لکھا ہے کہ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اگر فتح قریب ہو اور نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو ہر ہر شخص الگ الگ اشارے سے نماز ادا کرلے اور اگر اشارے سے بھی نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دیں حتی کہ جنگ ختم ہو جائے یا وہ امن کی حالت میں ہو جائیں تو پھر دو رکعتیں پڑھ لیں اور اگر دو رکعتیں پڑھنا ممکن نہ ہو تو ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ ادا کر لیں اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر محض تکبیر کہنا کافی نہ ہوگا، لہٰذا نماز کو مؤخر کر لیں حتی کہ وہ امن کی حالت میں ہو جائیں۔ مکحول کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تُستَر کے قلعے کے محاصرے کے وقت موجود تھا، فجر کا وقت تھا، گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا حتی کہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا، لہٰذا اس نماز کو ہم نے سورج بلند ہونے کے بعد ادا کیا۔ ہم نے اس نماز کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح سے بھی نوازا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس نماز سے مجھے جس قدر خوشی تھی وہ دنیا و مافیہا سے حاصل نہیں ہوسکتی۔⑤ یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔

حالت امن میں پوری نماز پڑھنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ ''پھر جب تمھیں امن (واطمینان) ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو۔'' یعنی نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ہے۔ رکوع و سجود اور قیام و قعود کو مکمل کرو اور پورے خشوع و خضوع سے نماز ادا کرو۔ ﴿كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾﴾ ''جس طرح اللہ نے تم کو وہ سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔''

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا، ہدایت سے نوازا اور تمھیں وہ سکھایا جو دنیا و آخرت دونوں میں تمھارے لیے نفع بخش ہے تو تم بھی اس کے جواب میں اپنے رب تعالیٰ کا شکر کرو اور اس کے ذکر میں رطب اللسان رہو جیسا کہ اس نے نماز خوف کے بعد کے لیے حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ

---

① الموطأ للإمام مالك، صلاة الخوف، باب صلاة الخوف:178/1، حديث:451. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝﴾ (البقرة2:238)، حديث:4535 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث:839. ③ صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث:687 و سنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة......، حديث:1247 و سنن النسائي، تقصير الصلاة......، باب:1، حديث:1443 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب تقصير الصلاة في السفر، حديث:1068 و تفسير الطبري: 781/2. ④ تفسير الطبري:777/2. ⑤ صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب الصلاة عند مُناهضة الحُصون ولقاء العدو، قبل حديث:945.

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، ان پر اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کرنا (لازم) ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اور ان کو

الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ

ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر اس کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے معاملے میں

مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿240﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿241﴾

کریں اور اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا ﴿240﴾ اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے، (یہ) متقی

31 ع 7 15 كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿242﴾ ع

لوگوں پر لازم ہے ﴿241﴾ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿242﴾

الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿ (النسآء4:103) ''پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو) بے شک نماز مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔''

نماز خوف اور اس کے پڑھنے کے طریقے کے بارے میں وارد شدہ احادیث سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ (النسآء4:102) کی تفسیر میں بیان کی جائیں گی۔(إن شاء اللّٰہ)

تفسیر آیات: 240-242

یہ آیت کریمہ منسوخ ہے: اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس سے پہلی آیت ناسخ ہے جس میں یہ حکم ہے: ﴿ يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ (البقرۃ2:234) ''تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ ﴾ کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے؟ تو آپ نے اسے کیوں لکھا، اسے چھوڑ کیوں نہ دیا؟ تو انھوں نے فرمایا: برادر زادے! میں قرآن مجید کی کسی چیز کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کروں گا۔ ①

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جو اشکال پیش کیا وہ درحقیقت یہ ہے کہ اگر اس کا حکم چار مہینوں والی آیت سے منسوخ ہے اور اس کا حکم اب ختم ہو چکا ہے تو اس آیت کے الفاظ کو باقی رکھنے میں کیا حکمت ہے؟ کیونکہ ناسخ آیت کے بعد منسوخ آیت کے باقی رہنے سے تو یہ خیال آتا ہے کہ شاید اس (منسوخ آیت) کا حکم اب بھی باقی ہو؟ تو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ آیات اسی ترتیب سے ثابت شدہ ہیں، اس میں رائے وغیرہ کا دخل نہیں۔ میں نے اسی طرح منسوخ آیت کو ناسخ آیت کے بعد پایا ہے، لہٰذا میں اس (منسوخ آیت) کو اسی مقام پر برقرار رکھوں گا۔ (یہ نہیں کہ منسوخ آیت کو پہلے اور ناسخ کو بعد میں کر دوں جبکہ تقاضا تو یہی ہے۔)

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ ﴾ (البقرۃ2:234)، حدیث:4530.

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ ﴾ ''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں ان پر اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کرنا (لازم) ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اور ان کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو گھر ہی میں رہنے کی صورت میں اسے ایک سال تک کے لیے خرچہ اور رہائش دی جاتی تھی لیکن اس حکم کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا اور اس کے لیے شوہر کے ترکے سے چوتھایا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا۔ ①

علی بن ابوطلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ آدمی جب فوت ہو جاتا اور اس کی بیوی ہوتی تو وہ اس گھر میں ایک سال تک عدت گزارتی اور اس پر اس کے شوہر کے مال میں سے خرچ کیا جاتا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ (البقرۃ2:234) ''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔''

یہ اس عورت کی عدت ہے جس کا شوہر فوت ہو جائے الا یہ کہ وہ حاملہ ہو کیونکہ حاملہ کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کے بچے کو جنم دے دے۔ ان کے حصۂ میراث کو ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ﴾ (النسآء4:12) ''اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں سے تمھاری عورتوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے۔'' اس میں وصیت و نفقے کو ترک کر کے عورت کی میراث کو بیان کیا گیا ہے۔ ②

امام مجاہد، حسن، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، ربیع اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ اس آیت کو ﴿ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔ ③

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد سے ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ (البقرۃ2:234) ''اور جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ (جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی) یہ عدت تھی۔ اور عورت کے لیے یہ واجب تھا کہ اس عدت کو وہ شوہر کے اہل خانہ ہی میں گزارے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ ﴾ ''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو ان پر

① تفسیر ابن أبي حاتم:451/2. ② تفسیر الطبري:785/2. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:452/2. لیکن مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مجاہد اس کی منسوخیت کے قائل نہ تھے۔

بیویوں کے حق میں وصیت کرنا (لازم) ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اور ان کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے معاملے میں کریں۔" اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سات ماہ بیس دن بطور وصیت شامل کر کے ایک سال کی مدت پوری کر دی، لہٰذا اگر وہ چاہے تو وصیت کے ایام (7 ماہ 20 دن) میں خاوند کے گھر رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ "(وہ عورتیں) گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں! اگر وہ خود گھر سے چلی جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔" یعنی (چار ماہ دس دن کی) عدت اسی طرح اس پر واجب ہے جس طرح پہلے تھی۔ ابن ابونجیح کہتے ہیں کہ یہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اس آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا کہ عورت عدت اپنے شوہر کے اہل خانہ میں گزارے اور اب یہ حکم دے دیا کہ وہ جہاں چاہے عدت گزارے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ ﴾ "وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔" عطاء فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو وہ اپنے اہل خانہ میں عدت گزارے اور وصیت کے مطابق سکونت رکھے اور اگر چاہے تو چلی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ ﴾ "تو تم پر اس کے بارے میں کچھ گناہ نہیں جو وہ (دستور کے مطابق) اپنے معاملے میں کریں۔" عطاء فرماتے ہیں: اس کے بعد آیت میراث نازل ہوئی تو اس نے سکونت کو منسوخ کر دیا اور اختیار دے دیا کہ وہ جہاں چاہے عدت گزارے، اس کے لیے سکونت نہیں ہے۔ [1]

عطاء اور ان کے ہم نواؤں کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ آیت میراث نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے، اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ چار ماہ دس دن سے زیادہ کے بارے میں حکم منسوخ ہے تو اسے ہم تسلیم کرتے ہیں اور اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ چار ماہ دس دن کی رہائش بھی میت کے ترکے میں واجب نہیں ہے تو اس مسئلے میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ انھوں نے شوہر کے گھر میں وجوب سُکنیٰ کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی "موطا" میں زینب بنت کعب بن عُجرہ سے روایت کیا ہے کہ فُریعہ بنت مالک بن سِنان، جو ابوسعید خدری کی بہن ہے رضی اللہ عنہما، نے انھیں بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ اجازت طلب کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اپنے خاندان بنی خُدرہ میں چلی جائیں کیونکہ ان کا شوہر جب اپنے بھاگ جانے والے غلاموں کی تلاش میں نکلا اور اس نے انھیں قدوم کی جانب جا پکڑا تو انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ فُریعہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے خاندان بنی خُدرہ میں واپس چلے جانے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت کا نہ کوئی مکان اپنے پیچھے چھوڑا ہے اور نہ نفقے کے لیے کوئی سامان، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور جب میں واپس جانے لگی اور ابھی تک حجرے ہی میں تھی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا یا آپ نے کسی کو حکم دیا

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ﴾ (البقرة 2:234)، حديث:4531.

کہ وہ مجھے بلائے تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے اپنے شوہر کا سارا قصہ دوبارہ بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا: [اُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ] ''اپنے گھر ہی میں رہو حتی کہ حکم الٰہی پورا ہو جائے۔'' بیان کرتی ہیں کہ اس فرمان نبوی کے بعد میں نے چار ماہ دس دن اسی گھر میں گزارے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا۔ میں نے جب انھیں بتایا تو انھوں نے بھی اسی فرمان نبوی کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ فرمایا۔[1] اور اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

مطلقہ عورتوں کو کچھ نہ کچھ مال و متاع دینا واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق مال و متاع دینا چاہیے، پرہیز گاروں پر (یہ بھی) حق ہے۔'' کے بارے میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (البقرة2:236) ''ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو، نیکی کرنے والوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔'' تو ایک شخص نے کہا کہ میں اگر چاہوں تو نیکی کروں اور اگر چاہوں تو نہ کروں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق مال و متاع دینا چاہیے، پرہیز گاروں پر (یہ بھی) حق ہے۔''[3]

اس آیت کریمہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ ہر مطلقہ کو تھوڑا بہت مال و متاع دینا واجب ہے، خواہ اس سے بلا مہر نکاح کیا گیا ہو یا اس کے لیے مہر مقرر کر دیا گیا ہو یا اسے صنفی تعلق سے قبل ہی طلاق دے دی گئی ہو یا مقاربت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔ سعید بن جبیر اور دیگر کئی ائمۂ سلف کا یہی مذہب ہے۔[4] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[5]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (البقرة2:236) ''اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں! ان کو دستور کے مطابق کچھ مال و متاع ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک لوگوں پر یہ ایک

[1] الموطأ للإمام مالك، الطلاق، باب مقام المتوفى عنها زوجها في بيتها حتى تحل:216/2، حديث:1287. [2] سنن أبي داود، الطلاق، باب في المتوفى عنها تنتقل، حديث:2300 وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء أين تعتد المتوفى عنها زوجها؟ حديث:1204 وسنن النسائي، الطلاق، باب مقام المتوفى عنها زوجها في بيتها حتى تحل، حديث:3558 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب أين تعتد المتوفى عنها زوجها؟ حديث:2031. [3] تفسير الطبري: 791/2. [4] تفسير الطبري:791/2. [5] تفسير الطبري:791/2.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے اور وہ کئی ہزار تھے، پس اللہ نے ان سے کہا:

اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

تم مر جاؤ، پھر اس نے ان کو زندہ کر دیا، بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ

يَشْكُرُوْنَ ﴿243﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿244﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ

شکر نہیں کرتے ﴿243﴾ اور تم اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿244﴾ کون ہے جو اللہ کو

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿245﴾

قرض حسنہ دے؟ پھر اللہ وہ مال اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور فراخی کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿245﴾

طرح کا حق ہے۔'' (جوائمہ، ہر ایک طلاق یافتہ عورت کو کچھ نہ کچھ مال ومتاع دے کر رخصت کرنے کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ صرف اس عورت کو مال ومتاع دینا چاہیے جس سے صنفی تعلق بھی قائم نہ ہوا ہو اور نہ حق مہر ہی مقرر کیا ہو کیونکہ یہ قرآنی حکم) اس باب سے ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ''اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے۔'' یعنی حلال وحرام، فرائض وحدود اور اوامر ونواہی کے سلسلے میں اس نے اپنے تمام احکام کو نہایت واضح طور پر بیان فرما دیا ہے اور کسی ایسی بات کو مجمل نہیں چھوڑا جس کی تمھیں ضرورت ہو۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿242﴾﴾ تاکہ تم سمجھو اور غور وفکر سے کام لو۔

تفسیر آیات: 243-245

ان مرنے والوں کا قصہ: امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ داوَرْدان نامی بستی کے رہنے والے تھے۔[1] علی بن عاصم نے بھی کہا ہے کہ یہ داوَرْدان نامی ایک بستی کے رہنے والے تھے جو واسط کی طرف سے ایک فرسخ (تین میل) کی مسافت پر تھی۔[2]

امام وکیع بن جراح نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی اور یہ طاعون کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایک ایسی زمین میں چلے جاتے ہیں جہاں موت نہیں ہے لیکن جب ایک جگہ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿مُوْتُوْا ۣ﴾ ''مر جاؤ'' تو یہ سب مر گئے، پھر ان کے پاس سے اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کا گزر ہوا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا۔[3] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪﴾ ''(اے نبی!) بھلا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔'' میں اسی واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔

کئی ایک ائمۂ سلف نے ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شہر کے رہنے والے تھے ان کے علاقے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم :455/2. [2] تفسیر الطبري :794/2. [3] الدر المنثور :551/1 وتفسیر الطبري :793/2.

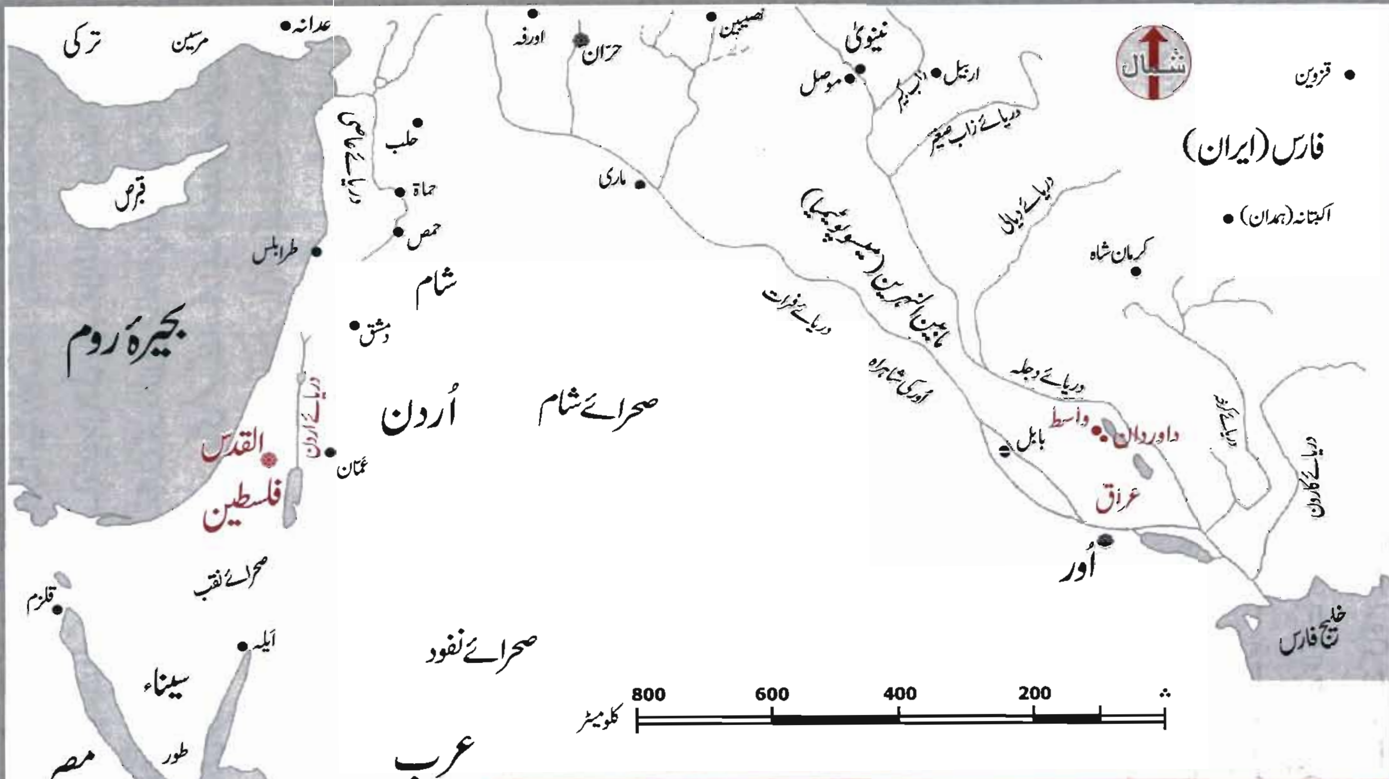

داوردان کے بنی اسرائیل اور لشکر طالوت (دریائے اردن پر)

میں آب وہوا خراب ہوگئی جس کی وجہ سے بہت شدید وبا پھیل گئی تو یہ موت کے ڈر سے بھاگ کر جنگل کی طرف چلے گئے اور ایک وسیع وعریض وادی میں جا کر پڑاؤ ڈال دیا جس سے وادی اپنے دونوں کناروں تک بھر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتوں کو بھیجا۔ ان میں سے ایک وادی کے زیریں طرف اور دوسرا بالائی جانب تھا اور ان دونوں نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ یہ سب کے سب چشم زَدَن میں مر گئے۔ ان کو گڑھوں میں ڈال دیا گیا اور اوپر دیواریں اور قبریں بنا دیں گئیں۔ بہرحال یہ سب فنا ہوگئے، گل سڑ گئے اور ان کی لاشوں کے ذرے بھی بکھر گئے اور پھر ایک عرصۂ دراز بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا جن کا نام حزقیل تھا، انھوں نے دعا کی اللہ تعالیٰ ان کے سامنے انھیں زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ یہ کہیں: اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم جمع ہو جاؤ۔ اس سے ہر ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں یکجا ہوگئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ یہ کہیں کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ گوشت، اعصاب اور کھال پہن لو، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ اب یہ کہو کہ اے روحو! اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ہر روح اس جسم میں واپس آ جائے جس جس کو اس نے پہلے آباد (زندہ) رکھا تھا اس سے وہ سب زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور دیکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں طویل مدت کے بعد زندہ کیا تو وہ سُبْحَانَكَ رَبَّنَا! وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ''اے ہمارے پروردگار! ہم تیری پاکیزگی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' کا ورد کرنے لگے۔[1]

ان لوگوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے میں جہاں عبرت ہے، وہاں یہ اس بات کی قطعی دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو ان کے جسموں سمیت دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔'' جو انھیں روشن آیات، قطعی دلائل اور ناقابل تردید شواہد و براہین دکھاتا رہتا ہے، ﴿وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾ ''لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں دین و دنیا کی جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے وہ ان کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اس قصے میں اس بات کی عبرت و دلیل بھی ہے کہ تقدیر سے کوئی احتیاط نہیں بچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی ملجا و ماویٰ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے ڈر کر اور طویل زندگی کی خواہش میں وہاں سے بھاگے تھے مگر ان کی یہ تدبیر ان کے کچھ کام نہ آئی اور وہ بہت جلد آن واحد میں موت سے ہمکنار ہو گئے۔

اسی قبیل سے وہ صحیح حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف تشریف لے جا رہے تھے حتی کہ جب آپ مقام ''سَرغ'' پہنچے تو لشکروں کے قائدین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے...... اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آ گئے جو اپنے کسی کام کے لیے گئے ہوئے تھے، انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس سلسلے میں علم ہے،

[1] تفسیر الطبری:795,794/2 و تفسیر ابن أبی حاتم:458,457/2.

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِذَا كَانَ بِأَرْضٍ وَّأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ] ''جب کسی زمین میں وبا پھیلی ہو اور تم وہاں موجود ہو تو اس سے فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو اور جب کسی زمین کے بارے میں تم یہ سنو کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان نبوی سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور واپس تشریف لے آئے۔[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2]

جہاد سے فرار موت کو قریب یا دور نہیں کر سکتا: ﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور تم (اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔'' یعنی جس طرح کوئی تدبیر تقدیر سے نہیں بچا سکتی اسی طرح جہاد سے فرار اور اجتناب موت کو قریب یا دور نہیں کر سکتا بلکہ انسان کی عمر اور اس کا رزق مقدر، مقرر اور طے شدہ ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:168) ''یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو (جنگ سے بچ کر) پیچھے بیٹھے رہے مگر (جنھوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دیں) اپنے (ان) بھائیوں کے بارے میں کہنے لگے: اگر ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دیں کہ اگر سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ ﴾ (النسآء 4:77,78) ''اور وہ کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے ہم پر جہاد (جلد) کیوں فرض کر دیا، تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیں کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیز گار کے لیے (نجات) آخرت ہے اور تم پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں بھی رہو موت تو تمھیں آ کر رہے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔''

امیر جیوش، مُقدَّم عساکر، اسلام کی سرحدوں کے محافظ اور دشمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی تیغ بے نیام ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ جب موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے تو آپ نے فرمایا: میں نے فلاں فلاں جنگوں میں شرکت کی، جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جس پر تیر، تلوار یا نیزے بھالے سے زخم نہ لگا ہو مگر اب میں اپنے بستر پر فوت ہو رہا ہوں جیسے جنگلی گدھا فوت ہوتا ہے۔ بزدلوں کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں۔ یعنی آپ کو اس بات کی تکلیف تھی کہ جنگ میں شہید نہ ہوئے اور اس بات کا آپ کو افسوس تھا کہ شہادت کی موت سے ہمکنار ہونے کے بجائے اپنے بستر پر فوت ہو رہے ہیں۔[3]

قرضِ حسن اور اس کا ثواب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا

---

[1] مسند أحمد: 194/1. [2] صحيح البخاري، الطب، باب مایذکر فی الطاعون، حدیث: 5729 وصحيح مسلم، السلام، باب الطاعون......، حدیث: 2219. [3] معمولی فرق کے ساتھ دیکھیے الاستیعاب: 409/1 وتاريخ دمشق لابن عساکر ترجمة خالد بن الولید رضی اللہ عنہ: 197/18، رقم: 1910.

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى‌ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا وقف لازم

(اے نبی!) کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت نہیں دیکھی؟ جب انھوں نے اپنے نبی سے کہا: آپ ہمارے لیے ایک

مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا

بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اس نے کہا: ممکن ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تو تم جہاد نہ کرو،

تُقَاتِلُوۡا‌ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا‌ؕ

انھوں نے کہا: آخر ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے،

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿246﴾

پھر جب ان پر لڑنا فرض کر دیا گیا تو ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿246﴾

كَثِيۡرَةً‌ؕ ﴾ ”کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے؟ پھر اللہ وہ مال اس کے لیے کئی گناہ بڑھا دے۔“ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو اپنی کتاب مقدس میں کئی مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ حدیث نزول (وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا کی طرف نزول کا ذکر ہے) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [مَنۡ يُّقۡرِضُ غَيۡرَ عَدِيمٍ وَّلَا ظَلُومٍ] ”کوئی ہے جو اسے قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظالم۔“ [1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً‌ؕ ﴾ ”وہ اس کے بدلے میں اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔“

جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ‌ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ ﴾ (البقرۃ 2:261) ”جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اجر) زیادہ کر دیتا ہے۔“ اس آیت کے بارے میں مزید بحث آئندہ ہوگی۔ [2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ ﴾ ”اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے۔“ یعنی خرچ کرو اور رزق کے کم ہونے کی پروا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کے رزق کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور جس کی روزی کو چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے۔ اور اس کے یہ تمام فیصلے اسی کی حکمت بالغہ کے تحت ہوتے ہیں۔ ﴿ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿245﴾ ﴾ ”اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“ یعنی قیامت کے دن۔

تفسیر آیت:246

یہود کا بادشاہ، جہاد کا مطالبہ اور ان میں سے بعض کی استقامت: مجاہد فرماتے ہیں کہ اس نبی سے مراد حضرت شمعون علیہ السلام ہیں۔ [3] وہب بن منبہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ مدت تک تو سیدھے رستے پر رہے،

---

① صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر......، حدیث: 758. ② دیکھیے البقرۃ، آیت: 261 کے ذیل میں۔ ③ تفسیر الطبری: 807/2.

پھر بدعات کو شروع کر دیا حتی کہ ان میں سے بعض نے تو بتوں کی پوجا بھی شروع کر دی، حالانکہ ان میں ہمیشہ انبیائے کرام موجود رہے جو انھیں نیکی کا حکم دیتے، برائی سے منع کرتے تھے اور تورات کے طریقے پر قائم رکھتے تھے مگر ان کی برائیوں اور بدعملیوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جنھوں نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔

اور ان کے بہت سے علاقوں کو بھی ان سے چھین لیا لیکن جو بھی ان سے لڑائی کرتا بالآخر یہ اس پر غالب آ جاتے تھے کیونکہ ان کے پاس تورات بھی موجود تھی اور وہ تابوت بھی جو زمانۂ قدیم سے ان کے پاس تھا اور زمانۂ سلف، یعنی موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خلف کے دور تک یہ میراث ان میں منتقل ہوتی چلی آئی تھی۔

پھر ان کے ضلالتوں اور گمراہیوں میں مبتلا رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ سزا دی کہ بعض بادشاہوں نے بعض جنگوں میں ان سے اس تابوت کو چھین لیا تھا حتی کہ ان کے ہاتھوں سے تورات کو بھی لے لیا گیا اور صرف چند لوگ باقی رہ گئے جو تورات کے حافظ تھے اور نبوت بھی ختم ہوگئی تھی۔ اور خاندان ''لاوی'' جس میں انبیاء آیا کرتے تھے، اس خاندان کی صرف ایک حاملہ عورت باقی رہ گئی تھی اور اس کا خاوند بھی قتل ہو گیا تھا۔

انھوں نے اس عورت کو ایک گھر میں بند کر دیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ایسے بچے کو جنم دے جو نبی ہو۔ یہ عورت بھی مسلسل دعا کرتی رہی کہ اللہ تعالیٰ اسے بچہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور اسے بچہ عطا فرما دیا۔ اس نے بچے کا نام شمویل رکھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو سن لیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بچے کا نام شمعون رکھا گیا۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں۔

یہ بچہ جوان ہوا، انھی میں پروان چڑھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھی طرح تربیت فرمائی اور جب یہ انبیاء کی عمر کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی نازل فرما دی اور حکم دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کی طرف دعوت دیں۔ انھوں نے جب بنی اسرائیل کو اس کی دعوت دی تو بنی اسرائیل نے ان سے یہ مطالبہ کر دیا کہ ان کے لیے ایک بادشاہ کو مقرر کر دیں تاکہ اس کے ساتھ مل کر یہ اپنے دشمنوں سے جہاد کریں۔ اس وقت ان کی حکومت بھی تباہ و برباد ہو چکی تھی۔

نبی نے ان سے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تمھارے لیے کسی کو بادشاہ مقرر فرما دے مگر تم اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے وعدے کو پورا نہ کرو۔ ﴿ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں جبکہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔'' یعنی ہمارے وطن پر قبضہ کر لیا گیا اور ہمارے بچوں کو غلام بنا لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝246 ﴾ ''لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔'' یعنی انھوں نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہ کیا اور ان میں سے اکثر نے جہاد سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ

اوران کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ہم پر اس کی بادشاہی کیسے ہوسکتی ہے جبکہ

عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ

ہم بادشاہی کے اس سے زیادہ حقدار ہیں؟ اوراسے مال کی وسعت نہیں ملی۔ اس نے کہا: بے شک اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے، اوراسے علم اور جسم

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿247﴾

(دونوں) میں زیادہ کشادگی دی ہے، اوراللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے اوراللہ بڑا وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿247﴾

انھیں خوب جانتا ہے۔ ①

تفسیر آیت:247

طالوت بادشاہ کا تقرر: انھوں نے جب اپنے نبی سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ انھی میں سے کسی کو ان کا بادشاہ مقرر کردیں تو انھوں نے طالوت کو بادشاہ مقرر کردیا۔ اس شخص کا تعلق ان کے ایک فوجی گھرانے سے تو تھا مگر شاہی خاندان سے نہیں تھا کیونکہ ان میں بادشاہ ''یہودا'' کے خاندان سے ہوتے تھے اور یہ اس خاندان میں سے نہیں تھے۔ اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا ﴾ یعنی اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہوسکتا ہے؟ ﴿ وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ ﴾ ''بادشاہی کے مستحق اس کی نسبت تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔'' یعنی اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر وہ فقیر بھی ہے، اس کے پاس بادشاہی کرنے کے لیے مال بھی نہیں ہے۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ وہ ''سقا'' یا ''رنگ ریز'' تھا۔ اپنے نبی پر یہ اعتراض ان کی ہٹ دھرمی کا مظہر تھا، حالانکہ انھیں چاہیے تھا کہ اچھی بات کہتے اور اپنے نبی کی اطاعت بجالاتے۔

نبی نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اللہ نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) منتخب فرمایا ہے۔'' یعنی تم میں سے اللہ تعالیٰ نے اسے منتخب فرمایا ہے اور تمھاری نسبت اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے اور پھر اسے میں نے اپنی طرف سے متعین نہیں کیا بلکہ تمھارے مطالبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے بادشاہ مقرر کردوں۔

﴿ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ ﴾ ''اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے۔)'' پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ تم سے زیادہ علم و عقل اور زیادہ خوب صورت شکل والا ہے جنگ کو تم سے زیادہ بہتر جانتا اور اس میں تمھاری نسبت قوت و صبر کا زیادہ مظاہرہ کرنے والا ہے۔ الغرض! علم اور قد و قامت میں تمھاری نسبت زیادہ مکمل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ ایسا ہونا چاہیے جو صاحب علم، صاحب حسن و جمال اور جسمانی طور پر بھی بہت طاقت و قوت کا مالک ہو۔ پھر فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ''اور اللہ (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔'' وہ حاکم ہے جو

① مذکورہ واقعے کی تفصیل ملاحظہ ہو تفسیر الطبری:810/2 و الدرالمنثور:557/1 .

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَبَقِيَّةٌ

اور ان کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے تسکین

مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ

اور وہ بقیہ چیزیں ہوں گی جنھیں آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے تھے، اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ بے شک اس میں تمھارے لیے ایک عظیم نشانی

32 ع 6 16

كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴿248﴾

ہے اگر تم مومن ہو﴿248﴾

چاہے کرے، وہ جو کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ انسانوں کو جواب دہی کرنا پڑے گی، لہٰذا اس نے اپنے علم و حکمت اور اپنی مخلوق پر رحمت و شفقت کے پیش نظر اسے بادشاہی عطا کی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿247﴾ ﴾ ''اور اللہ بڑا وسعت والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' وہ بے پایاں فضل و کرم والا ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت سے نوازے اور وہی جانتا ہے کہ کون بادشاہت کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔

تفسیر آیت:248

طالوت کی بادشاہت کی نشانی: ان کے نبی نے ان سے فرمایا کہ تم پر طالوت کی بادشاہت کی برکت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں وہ تابوت لوٹا دے گا جو تم سے چھین لیا گیا تھا۔ ﴿ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ﴾ ''اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی۔'' ''سکینت کے معنی ''وقار'' اور ''جلالت'' کے بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ امام عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ سکینت کے معنی وقار کے ہیں۔ ①

ربیع فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ''رحمت'' کے ہیں۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی معنی روایت کیے ہیں۔

﴿ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ ﴾ ''اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے تھے۔'' امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور تختیوں کے ٹکڑے ہیں۔ ② اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عصا اور دو جوتے ہیں۔ ③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ ﴾ ''جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔'' ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتے اس تابوت کو آسمان و زمین کے مابین اٹھائے ہوئے آئے حتیٰ کہ انھوں نے اسے طالوت کے سامنے رکھ دیا اور لوگ بھی اسے دیکھ رہے تھے۔ ④ سدی کہتے ہیں کہ تابوت طالوت کے گھر میں آ گیا جسے دیکھ کر بنی اسرائیل حضرت شمعون کی نبوت پر ایمان لے آئے اور انھوں نے طالوت کی بھی اطاعت شروع کر دی۔ ⑤

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ ﴾ ''بے شک اس میں تمھارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔'' یہ میری

① الدر المنثور:563/1 وتفسیر الطبری:829/2. ② تفسیر الطبری:830/2. ③ تفسیر الطبری:831/2. ④ تفسیر الطبری:832/2. ⑤ تفسیر الطبری:833/2.

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلا تو اس نے کہا: بے شک اللہ تمھیں ایک نہر کے ذریعے سے آزماتا ہے، پس جس نے اس سے (سیر ہو کر) پانی پیا وہ مجھ

فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا

سے نہیں اور جس نے اسکا پانی نہ چکھا تو یقیناً وہ میرا ہے، ہاں! کوئی اپنے ہاتھ سے ایک آدھ چلو بھر لے (تو حرج نہیں) پھر ان میں سے تھوڑے لوگوں کے

مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ

سوا سب نے اس (نہر) کا پانی پی لیا، پھر جب طالوت نے وہ نہر پار کر لی اور ان لوگوں نے (بھی) جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، تو انھوں نے (آپس

لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ

میں) کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں۔ وہ لوگ جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ بے شک وہ اللہ سے ملنے

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾

والے ہیں، انھوں نے کہا: کئی بار چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿249﴾

صداقت کی، نبوت کی اور طالوت کی اطاعت کا میں نے جو حکم دیا ہے اس کی ایک نشانی ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر آیت:249

لشکر طالوت کی آزمائش: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت کے بارے میں فرما رہا ہے کہ جب وہ لشکروں اور بنی اسرائیل میں سے اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ نکلا اور بقول سدی اس وقت لشکر طالوت کی تعداد اسی ہزار تھی،[1] واللہ أعلم. تو اس نے ان سے کہا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری آزمائش کرنے والا ہے ﴿بِنَهَرٍ ۚ﴾ ''ایک نہر (دریا) کے ساتھ۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اردن اور فلسطین کے درمیان ایک نہر (دریا) ہے[2] جو ''نہر شریعت'' کے نام سے مشہور ہے۔ ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ﴾ ''جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔'' اور وہ اس رستے میں میرے ساتھ نہ رہے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ﴾ ''اور جو نہ پیے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں! اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی پی لے (تو خیر ہے)'' ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس نے چلو بھر پانی پیا وہ سیر ہو گیا اور جس نے خوب پانی پیا وہ سیر نہیں ہوا تھا۔[3]

ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم بیان کیا کرتے تھے کہ ان حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

---

[1] تفسیر الطبری:835/2. [2] تفسیر الطبری:836/2. دریائے اردن کا نقشہ سورۂ بقرہ، آیت:243 کے ذیل میں دیکھیے۔ [3] تفسیر الطبری:838/2.

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے پر نکلے تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور اس کافر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿250﴾ پس مومنوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو شکست دی اور داود نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے داود کو بادشاہی اور

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

حکمت عطا کی اور جو چاہا اسے سکھایا اور اگر اللہ انسانوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً ساری زمین کا نظام بگڑ

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿251﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ

جاتا، لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ﴿251﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم حق کے ساتھ آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں اور بے شک آپ

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿252﴾

رسولوں میں سے ہیں ﴿252﴾

کی تعداد جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی، تین سو تیرہ سے زیادہ اور ان اصحاب طالوت کی تعداد کے برابر تھی جنھوں نے طالوت کے ساتھ دریا کو عبور کیا تھا اور ان کے ساتھ صرف مومنوں نے دریا کو عبور کیا تھا۔[1] امام بخاری نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ﴾ ''پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے دریا کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔'' دشمن کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے انھوں نے اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں کمتر جانا لیکن ان کے علماء نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور فتح و نصرت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، ساز و سامان یا تعداد کی کثرت سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے انھوں نے کہا: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾﴾ ''بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔''

تفسیر آیات:250-252

داود (علیہ السلام) کے ہاتھوں جالوت کا قتل: اور جب اہل ایمان جو کہ ''اصحاب طالوت'' تھے اور قلیل تعداد میں تھے اپنے دشمن ''اصحاب جالوت'' کے مقابلے میں آئے جو کہ تعداد میں بہت زیادہ تھے، ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ ''تو انھوں نے (اللہ سے) دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے۔'' یعنی اپنی طرف سے ہم پر صبر نازل فرما۔ ﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ ''اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ۔'' یعنی دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور فرار و عجز سے محفوظ فرما۔ ﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾﴾ ''اور لشکر کفار پر ہمیں فتح یاب کر۔''

[1] تفسیر الطبری: 839/2. [2] صحیح البخاری، المغازی، باب عدة أصحاب بدر، حدیث: 3957-3959.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''چنانچہ طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے ان کو ہزیمت دی۔'' یعنی ان پر غالب آ گئے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت سے انھیں مغلوب کر دیا، ﴿ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ﴾ ''اور داود نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔'' اسرائیلی روایات میں ہے کہ داود علیہ السلام نے اس گوپیے کے ساتھ جالوت کو قتل کیا جو ان کے ہاتھ میں تھا، انھوں نے اس سے پتھر پھینکا جو جالوت کو لگا اور وہ قتل ہو گیا۔ طالوت نے داود علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے جالوت کو قتل کر دیا تو وہ اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دے گا، نصف مال دے گا اور اپنی حکومت میں شریک کر لے گا، چنانچہ اس نے یہ وعدہ پورا کر دیا، پھر بالآخر حضرت داود علیہ السلام ہی بلا شرکت غیرے بادشاہ بن گئے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت کے عظیم منصب سے بھی سرفراز فرمایا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ ''اور اللہ نے ان کو بادشاہی بخشی۔'' یعنی جو طالوت کے پاس تھی، ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور دانائی۔'' یعنی شمویل کے بعد انھیں نبوت سے بھی سرفراز کیا، ﴿ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ علم سکھا دیا جو چاہا اور ان کے لیے جسے مخصوص فرما دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ﴾ ''اگر اللہ لوگوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو ساری زمین کا نظام تباہ ہو جاتا۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ ایک قوم کے ساتھ دوسروں کو نہ ہٹاتا، جیسے اس نے بنی اسرائیل سے ان کے دشمن کو طالوت کے جہاد اور داود علیہ السلام کی شجاعت سے دور ہٹایا، تو وہ تباہ و ہلاک ہو جاتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ (الحج 22:40) ''اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو بلاشبہ (راہبوں کے) صومعے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں، جن میں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے، گرائی جا چکی ہوتیں۔'' ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵۱ ﴾ ''لیکن اللہ اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے احسان و رحمت کے باعث بعض لوگوں کو بعض سے ہٹاتا رہتا ہے اور اس کے تمام افعال و اقوال میں مخلوق کے لیے حکم بھی ہے اور حکمت و حجت بھی۔

پھر فرمایا: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲ ﴾ ''یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اے نبی ﷺ!) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ آیات جو ہم نے ان لوگوں سے متعلق سنائی ہیں جن کا یہاں تذکرہ کیا ہے، یہ بالکل سچ ہیں، یعنی یہ امر واقع اور اس کے مطابق ہیں جو حق اس وقت اہل کتاب کے پاس ہے اور جسے علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں۔ ﴿ وَاِنَّكَ ﴾ اور بلاشبہ اے محمد (ﷺ)! آپ ﴿ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲ ﴾ ''البتہ پیغمبروں میں سے ہیں۔'' اور یہ لام اِنَّ کی مزید تاکید کے لیے اور قسم کے معنی میں ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ (وقف لازم)

یہ سب رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجے

دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں اور روح القدس (جبریل) کے ساتھ اس کی مدد کی اور اگر اللہ چاہتا تو ان (رسولوں) کے بعد

اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ

آنے والے لوگ باہم نہ لڑتے جبکہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکی تھیں لیکن انھوں نے (باہم) اختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ایمان

اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾ ع (33 5 1)

لائے اور کچھ وہ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿253﴾

تفسیر آیت:253

بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی بعض پر فضیلت: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (بنی إسرآءیل 55:17) ''اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی اور داود (علیہ السلام) کو زبور عنایت کی۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴾ ''یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا۔'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے شرف سے نوازا جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہے جو صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1]

﴿ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ ﴾ ''اور بعض کے مرتبے بلند کیے۔'' جیسا کہ حدیث اسراء سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجات و مراتب کے حوالے سے دیکھا تھا۔[2]

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت کریمہ اور صحیح بخاری و مسلم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں تطبیق کس طرح ہوگی جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے باہم گالی گلوچ کی۔ مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں میں سے منتخب کر لیا! اور یہودی نے قسم کھاتے ہوئے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو

---

① ابن حبان میں یہ مفصل روایت ہے جس میں آدم علیہ السلام کے بارے میں ہے: [كَلَّمَهُ قُبُلًا] ''اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے کلام فرمایا۔'' لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس میں ابراہیم بن ہشام بن یحییٰ بن یحییٰ الغسانی الدمشقی کذاب راوی ہے۔ ایک اور سند سے مسند احمد میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے، دیکھیے صحیح ابن حبان، البر والإحسان ، باب ما جاء فی الطاعات وثوابها: 77,76/2، حدیث:361 و مسند أحمد:178/5. ② صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء ، باب ذکر إدریس علیہ السلام ......، حدیث:3342 و صحیح مسلم ، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ......، حدیث:162- 164 و مسند أحمد:144,143/5 عن أنس وأُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہما.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی

شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾

دوستی یا سفارش ہی کام آئے گی اور کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں ﴿254﴾

تمام جہان والوں میں سے منتخب کرلیا تھا! تو مسلمان نے یہودی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ یہودی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس مسلمان کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُخَيِّرُونِي عَلٰى مُوسٰى ، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُّفِيقُ ، فَإِذَا مُوسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ مُوسٰى فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ] ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے، چنانچہ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہوں گے، نہیں معلوم کہ موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا ان میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کررکھا ہے۔“[1] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ] ”انبیائے کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔“[2]

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حالت میں فضیلت کی ممانعت ہے جس میں (اس موضوع پر) باہمی لڑائی جھگڑے کے مقدمے کا فیصلہ کرانے کے لیے آئیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ کسی کو کسی پر فضیلت عطا کرنا یہ تمھارا مقام نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور تمھارا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام وارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کردو اور اس پر ایمان لاؤ۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ ”اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں۔“ میں ﴿ الْبَيِّنٰتِ ﴾ سے مراد وہ قطعی دلائل وبراہین ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین سچا ہے جسے آپ بنی اسرائیل کے پاس لائے اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں۔ ﴿ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ ﴾ ”اور ہم نے روح القدس سے ان کو مدد دی۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے ان کی مدد فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ ﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ وقتال نہ کرتے۔“ لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے مطابق ہوا، اسی لیے تو فرمایا: ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾ ﴾ ”لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب نفخ الصور، حديث:6517 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسٰى ﷺ، حديث:(160)-2373. اور استثنا والی آیت یہ ہے: ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ .... ﴾ (الزمر 68:39). [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسٰى ﷺ، حديث:2373.

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، زندہ ہے، سب کو سنبھالے ہوئے ہے، اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں

فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ

ہے، سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ

پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کو اپنے احاطے میں نہیں لا سکتے، سوائے اس بات کے جو وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر

وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿255﴾

رکھا ہے، اور اسے ان دونوں کی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بلند تر، نہایت عظمت والا ہے ﴿255﴾

تفسیر آیت: 254

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس نے انھیں جو رزق عطا فرمایا ہے، اس میں سے اس کے راستے میں، یعنی نیکی کے راستے میں بھی خرچ کریں تاکہ اپنے آقا و مولیٰ کے پاس اس کا ثواب جمع کر سکیں، نیز تلقین فرمائی ہے کہ وہ دنیا کی اس زندگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں جلدی کریں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ﴾ اس دن، یعنی قیامت کے دن کے آنے سے پہلے ﴿لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ﴾ ''جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے گی۔'' یعنی وہ اپنے آپ کو بیچ کر (عذاب سے بچ نہیں سکے گا) اور نہ اس کی طرف سے مال کو بطور فدیہ قبول کیا جائے گا، خواہ وہ ساری زمین کے برابر سونا کیوں نہ پیش کرے۔ اور نہ کسی کی دوستی، محبت اور قرابت داری ہی کام آسکے گی جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ (المؤمنون 23:101) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' ﴿وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ﴾ یعنی اور نہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ہی کام آسکے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾﴾ ''اور کفر کرنے والے لوگ ہی ظالم ہیں۔'' یہاں مبتدا اپنی خبر ہی میں محصور ہے، یعنی اس سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو اس دن اللہ کے پاس کافر بن کر آئے۔ امام ابن ابوحاتم نے عطاء بن دینار سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾﴾ اور یہ نہیں فرمایا: [وَالظَّالِمُونَ هُمُ الْكٰفِرُونَ] ''ظلم کرنے والے ہی کافر ہیں۔''[1]

تفسیر آیت: 255

آیت الکرسی کی فضیلت: یہ آیت الکرسی ہے، عظیم الشان آیت ہے، رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ کتاب اللہ کی سب سے افضل آیت ہے۔ امام احمد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 485/2.

پوچھا:[أَيُّ آيَةٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ أَعْظَمُ ؟ قَالَ : اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ، فَرَدَّدَهَا مِرَارًا ، ثُمَّ قَالَ أُبَيٌّ: آيَةُ الْكُرْسِيِّ ، قَالَ: لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّ لَهَا لِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ تُقَدِّسُ الْمَلِكَ عِنْدَ سَاقِ الْعَرْشِ] ''کتاب اللہ کی سب سے عظیم الشان آیت کون سی ہے؟ تو انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے یہ سوال کئی بار دہرایا تو پھر اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آیت الکرسی قرآن مجید کی سب سے عظیم الشان آیت ہے تو آپ نے فرمایا: ابومنذر! تمھیں علم مبارک ہو، اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک اس آیت کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں اور یہ عرش الٰہی کے پائے کے پاس اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتی ہے۔''[1] اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن یہاں ''اس ذات کی قسم......'' سے لے کر آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔[2]

امام احمد نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کی الماری تھی (انھوں نے اس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں) مگر جنّ آتے اور وہ انھیں لے جاتے تھے۔ انھوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا:[فَإِذَا رَأَيْتَهَا فَقُلْ : بِاسْمِ اللّٰهِ ، أَجِيبِي رَسُولَ اللّٰهِ] ''جب انھیں دیکھو تو کہو: بسم اللہ! آؤ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس چلو۔'' چنانچہ جب جنّ آیا تو انھوں نے اس سے یہی کہا اور اسے پکڑ لیا تو اس نے کہا کہ وہ آئندہ نہیں آئے گا تو انھوں نے اسے چھوڑ دیا، پھر ابوایوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا:[مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ ؟] ''اپنے قیدی کے بارے میں سناؤ؟'' انھوں نے عرض کی: میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے جب مجھ سے یہ کہا کہ میں پھر نہیں آؤں گا تو میں نے اسے چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا:[إِنَّهَا عَائِدَةٌ] ''وہ پھر بھی آئے گا۔''

الغرض میں نے اسے اس طرح دو تین بار پکڑا مگر وہ ہر بار یہی کہتا کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ فرماتے:[مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ ؟] ''اپنے قیدی کا حال سناؤ؟'' ابوایوب کہتے: میں نے اسے پکڑ لیا تھا، پھر وہ جنّ کہتا کہ آئندہ میں نہیں آؤں گا تو آپ فرماتے: [إِنَّهَا عَائِدَةٌ] ''یہ آئندہ بھی آئے گا۔'' بہر حال میں نے اسے پھر پکڑا تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں تمھیں ایک ایسی چیز سکھاتا ہوں کہ جسے پڑھ لو گے تو کوئی چیز تمھارے قریب نہ آئے گی، وہ آیت الکرسی ہے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [صَدَقَتْ وَهِيَ كَذُوبٌ] ''اس نے بات سچی کی ہے گو وہ خود جھوٹا ہے۔''[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی جامع کے أبواب فضائل القرآن میں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔[4] اور اس حدیث میں ''جنّ'' کے لیے جو لفظ [غُول] استعمال ہوا ہے، اس کے معنی لغت عرب میں اس جنّ کے ہیں جو رات کو نمودار ہو۔

---

① مسند أحمد:142,141/5. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسي، حديث : 810. ③ مسند أحمد:423/5. اور کھجوروں کی موجودگی کا ذکر مسند احمد میں نہیں بلکہ جامع ترمذی میں ہے، حوالے کے لیے دیکھیے بعد والا حاشیہ۔ ④ جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب حديث أبي أيوب في الغُول......، حديث:2880.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی طرح کا قصہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جو صحیح بخاری کی کتاب فضائل القرآن، الوکالۃ اور باب صفۃ إبلیس میں مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکاۃ (صدقۂ فطر) کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا تو رات کو ایک آنے والا آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے کی چیزیں بھرنا شروع کر دیں تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں محتاج عیالدار اور سخت حاجت مند ہوں تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَبَاهُرَيْرَةَ ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ ؟ قَالَ : قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَّعِيَالًا ، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ ، قَالَ:أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ ، لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ :"إِنَّهُ سَيَعُودُ" فَرَصَدْتُهُ] ''ابو ہریرہ! اپنے رات کے قیدی کا حال سناؤ؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے کہا کہ وہ بہت سخت حاجت مند اور عیالدار ہے تو میں نے رحم کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر بھی آئے گا۔'' اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ واقعی دوبارہ آئے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا تھا کہ وہ دوبارہ آئے گا، اس لیے میں چوکنا رہا، چنانچہ وہ آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے کی چیزیں ڈالنا شروع کر دیں تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ کہنے لگا: مجھے چھوڑ دو میں بہت محتاج ہوں اور مجھ پر اہل و عیال کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، میں آئندہ نہیں آؤں گا۔

میں نے رحم کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ؟ قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَّعِيَالًا ، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ ، قَالَ : أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ] ''ابو ہریرہ! اپنے رات کے قیدی کا حال سناؤ؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے اپنی سخت حاجت اور اہل و عیال کی ذمہ داری کے بوجھ کا ذکر کیا تو میں نے ترس کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر آئے گا۔''

میں نے تیسری بار اس کی گھات لگائی تو وہ پھر آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے کی اشیا ڈالنا شروع کر دیں، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: اب میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ بس یہ تیسری اور آخری دفعہ ہے، تو روز کہتا ہے کہ اب نہیں آئے گا لیکن وعدہ کرنے کے باوجود پھر آ جاتا ہے۔ اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں تمھیں کچھ ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمھیں نفع دے گا۔ میں نے کہا: وہ کیا کلمات ہیں؟ کہنے لگا: جب بستر پر آؤ تو آیت الکرسی: ﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ﴾ سے لے کر آیت کے آخر تک پڑھ لیا کرو تو ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمھاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمھارے قریب نہ آ سکے گا۔

میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ ؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ !

زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ يَّنْفَعُنِيَ اللّٰهُ بِهَا، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ ، قَالَ : مَا هِيَ؟ قُلْتُ : قَالَ لِي: إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ ، فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا ، حَتّٰى تَخْتِمَ الْآيَةَ: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ وَقَالَ لِي: لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ ، وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ۔ وَكَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَمَا إِنَّهُ قَدْصَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُذْ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَّا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ قَالَ: لَا ، قَالَ: ذَاكَ شَيْطَانٌ] ’’اپنے رات کے قیدی کا حال سناؤ؟‘‘ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے گا تو (یہ سن کر) میں نے پھر اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ’’وہ کیا ہیں؟‘‘ میں نے عرض کی: اس نے مجھ سے کہا کہ جب بستر پر آؤ تو اول سے لے کر آخر تک مکمل آیت الکرسی پڑھ لیا کرو تو اس سے ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمھاری حفاظت کرے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمھارے قریب نہ آسکے گا۔ جبکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خیر و بھلائی کے سیکھنے کے حد درجہ شائق تھے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ’’اس نے تم سے بات سچی کی ہے، حالانکہ وہ خود جھوٹا ہے۔ ابو ہریرہ! تمھیں یہ معلوم ہے کہ تین راتیں کس سے باتیں کرتے رہے ہو؟‘‘ عرض کی: نہیں، تو آپ نے فرمایا: ’’یہ شیطان تھا۔‘‘ [1] اسے امام نسائی نے بھی کتاب عمل الیوم واللیلة میں روایت کیا ہے۔ [2]

آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے: امام احمد نے اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ ان دو آیتوں: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ اور ﴿ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ ﴾ (آل عمران 3:1،2) میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ [3] اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ [4] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ابن مردویہ نے ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: [اِسْمُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، فِي سُوَرٍ ثَلَاثٍ: الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ وَطٰهٰ] ’’اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے واسطے سے دعا کی جائے تو وہ شرف قبولیت سے نوازتا ہے، تین سورتوں: (یعنی) بقرہ، آل عمران اور طٰہٰ میں ہے۔‘‘ [5] ہشام، یعنی ابن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ آل عمران کی آیت: ﴿ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ ﴾ (آل عمران

---

① صحیح البخاري، الوكالة، باب إذا وكّل رجلا فترك الوكيلُ شيئًا......، حديث:2311 وبدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده ، حديث:3275 وفضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، حديث:5010. ② السنن الكبرٰى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ذكر مايكبّ العفريت ويطفئ شعلته:238/6،حديث:10795. ③ مسند أحمد:461/6. ④ سنن أبي داود ، الوتر، باب الدعاء، حديث:1496 وجامع الترمذي، الدعوات، باب في إيجاب الدعاء بتقديم الحمد والثناء والصلاة على النبي ﷺ ،حديث:3478 وسنن ابن ماجه، الدعاء ، باب اسم الله الأعظم، حديث:3855 لیکن یہاں ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ کے بجائے اس آیت ﴿ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴾ (البقرة2:163) کا ذکر ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے آگے آنے والی حدیث کو اس کا شاہد قرار دیا ہے، دیکھیے حاشیہ هداية الرواة (المحقق):2231. ⑤ سنن ابن ماجه ، الدعاء، باب اسم الله الأعظم، حديث:3856 والمعجم الكبير للطبراني:237/8، حديث:7925.

2،1:3) اور طٰہٰ کی آیت: ﴿ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ﴾ (طٰہٰ 111:20) ''اور سب چہرے حیی قیوم (اللہ) کے آگے جھک جائیں گے۔'' کی طرف اشارہ ہے۔ ①

یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے: (1) پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اللہ معبود (برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' اس جملے میں یہ بتایا گیا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوقات کا معبود برحق ہے کہ اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(2) — ﴿ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ ''زندہ ہے سب کو سنبھالنے والا ہے۔'' یعنی وہ خود زندہ ہے کہ اسے کبھی موت نہیں آئے گی اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، تمام موجودات اس کی محتاج ہیں اور وہ خود ان سب سے بے نیاز ہے جبکہ وہ اپنے وجود کو اس کے حکم کے بغیر قائم ہی نہیں رکھ سکتیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ﴾ (الروم 25:30) ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔''

(3) — اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ ''اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔'' یعنی وہ ہر قسم کے نقص اور غفلت سے پاک ہے اور اسے اپنی مخلوق کے بارے میں ذرہ برابر بھی ذہول نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہر جاندار کے کام کی نگرانی کر رہا ہے، ہر چیز سے آگاہ اور باخبر ہے، اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی چیز اس سے مخفی رہ سکتی ہے۔ اور اس کی مکمل قیومیت کی شان یہ ہے کہ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، پس ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ ﴾ یعنی اس پر غنودگی اور اونگھ غالب نہیں آتی، ﴿ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ ''اور نہ نیند ہی (غالب آتی ہے۔)'' جو کہ اونگھ سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر چار باتیں بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَنَامُ ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ ، حِجَابُهُ النُّورُ- وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ : اَلنَّارُ- لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهٰى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ] ''اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ اس کے یہ شایانِ شان ہے کہ وہ سوئے، وہ میزان کو جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے، رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے اس کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے، اس کا حجاب نور، اور ابوبکر کی روایت کے مطابق ''نار'' ہے، اگر وہ اپنے حجاب کو دور ہٹا دے تو اس کے چہرے کے انوار و تجلیات سے مخلوق میں سے ہر وہ چیز جل کر راکھ ہو جائے جس پر اس کی نظر پاک پڑے۔'' ② یعنی

① مستدرک حاکم میں اس حدیث کے راوی ابوعبدالرحمٰن قاسم سے یہ منقول ہے کہ میں نے تلاش کیا تو اسم اعظم کو انھی مقامات پر پایا، دیکھیے المستدرك للحاکم، الدعاء والتكبير: 506/1، حدیث:1866 اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس قسم کے الفاظ ابوحفص دمشقی سے بیان کیے ہیں، تحفة الأخيار: 47/8، مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة: 371/2، حدیث:746 والله أعلم. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب فی قوله ﷺ: [إن الله لاينام ......]، حديث:(193)- 179 اور [بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ] کا ذکر: (194)-179 میں ہے۔ بعض احادیث میں پہلے [عمل النهار] کے الفاظ بھی ہیں جیسا کہ تفسیر میں ہے، دیکھیے صحيح ابن حبان، الإيمان، باب ماجاء في الصفات: 499/1، حديث:266 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث:195.

ساری مخلوق جل جائے۔

(4)— اورارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ ساری مخلوق اسی کی غلام، اسی کی مملوک اور اسی کے غلبہ وتسلط میں ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ ﴾ (مریم 19:93-95) ''آسمانوں اور زمین کی مخلوق میں سے ہر ایک اللہ کے روبرو غلام بن کر آئے گا۔ اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

(5)— اور فرمان الٰہی: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ ''کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ ﴾ (النجم 53:26) ''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔'' ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾ (الأنبیآء 21:28) ''اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو۔''

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور کبریائی کی وجہ سے کوئی اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس کسی دوسرے کی سفارش نہیں کر سکتا جیسا کہ حدیث شفاعت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا]، [فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّدَعَنِي ، ثُمَّ يُقَالُ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ ! قُلْ تُسْمَعْ ، سَلْ تُعْطَهْ ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ...... ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ ، وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ] ''میں عرش کے نیچے آ کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا مجھے حالتِ سجدہ میں رکھے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ اے محمد (ﷺ)! اپنے سر کو اٹھاؤ اور کہو تمھاری بات سنی جائے گی، سوال کرو تمھیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو تمھاری سفارش قبول ہوگی...... پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں اس کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا۔''[1]

(6)— اورارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ ''جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے، اسے سب معلوم ہے۔'' یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ماضی، حال اور مستقبل کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ ﴾ (مریم 19:64) ''اور ہم (فرشتے) آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے، سب اسی کا ہے اور آپ کا

---

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:3) ، حدیث:4712 کے آخر اور صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنٰی أھل الجنۃ منزلۃ فیھا ، حدیث:194 عن أبي ھریرۃ ؓ کے مطابق اور دوسرا حصہ صحیح مسلم حوالۂ مذکورہ، حدیث:193 عن أنس ؓ کے مطابق ہے۔

پروردگار بھولنے والا نہیں۔''

(7)۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ ﴾ ''اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں، جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے۔)'' یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کسی چیز پر مطلع نہیں ہوسکتا مگر جو اللہ چاہے معلوم کروا دے اور جس پر چاہے وہ مطلع فرما دے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس جملے سے مراد یہ ہو کہ اس کی ذات وصفات کے علم میں سے کسی چیز پر یہ لوگ مطلع نہیں ہو سکتے مگر جس پر اللہ تعالیٰ چاہے مطلع فرما دے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًا ○ ﴾ (طٰہٰ20:110) ''اور وہ (اپنے) علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔''

(8)۔ اور ﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ ﴾ ''اُس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے۔'' وکیع نے اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کرسی اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں کی جگہ ہے اور عرش الٰہی کا کوئی شخص اندازہ نہیں لگا سکتا۔[1] امام حاکم نے بھی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح موقوفاً ہی روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔[2] امام ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو پھیلا کر آپس میں ملا دیا جائے تو کرسی کی وسعت کے مقابلے میں یہ ایسے ہوں گے جیسے بیابان میں کوئی انگوٹھی پڑی ہو۔[3]

(9)۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ ﴾ ''اور اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں۔'' یعنی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، ان سب کی حفاظت نہ اس کے لیے گراں ہے اور نہ اسے مشقت میں مبتلا کرتی ہے بلکہ اس کے لیے یہ بے حد سہل اور آسان ہے۔ وہ ہر ہر جاندار کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، تمام اشیاء کا نگہبان ہے، اس سے کوئی چیز بھی مخفی ہے نہ غائب، تمام اشیاء اس کے سامنے حقیر و ذلیل ہیں، اس کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹی اور اس کے سامنے محتاج و فقیر ہیں، وہ غنی و حمید ہے اور جو ارادہ فرماتا ہے اسے کر گزرتا ہے، وہ جو کرتا ہے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا جبکہ مخلوقات سے یقیناً باز پرس ہوگی، وہ ہر چیز پر غالب، ہر چیز کا محاسب، ہر چیز کا نگہبان اور عالی رتبہ و جلیل القدر ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

(10)۔ پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴾ ''وہ بڑا عالی رتبہ (اور) جلیل القدر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ ﴾ (الرعد13:9) ''سب سے بڑا (اور سب سے) بلند و بالا ہے۔'' ان (اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق) آیات کریمہ اور ان کے ہم معنی صحیح احادیث مبارکہ کے بارے میں سلف صالح کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی تکییف اور تشبیہ کے بغیر ان پر اسی طرح ایمان لایا جائے جیسے یہ کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔

---

[1] المعجم الكبير للطبراني:39/12، حديث:12404. [2] المستدرك للحاكم، التفسير، من سورة البقرة:282/2، حديث:3116. [3] تفسير ابن أبي حاتم:491/2. اور دیکھیے السلسلة الصحيحة:223/1، حديث:209 و كتاب العظمة لأبي الشيخ، حديث:259,252,220,206.

لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے، پھر جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿256﴾

تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿256﴾

تفسیر آیت:256

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ ”دین (اسلام کے بارے) میں زبردستی نہیں ہے۔“ یعنی دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرو کیونکہ یہ ایک روشن اور واضح دین ہے، اس کے دلائل و براہین بے حد جلی ہیں، یہ دین اس بات کا قطعاً محتاج نہیں ہے کہ کسی کو زبردستی اس میں داخل کیا جائے بلکہ جسے اللہ تعالیٰ اسلام کی ہدایت عطا فرمائے اور اس کے لیے اسے شرح صدر اور نور بصیرت سے نوازے تو اسے علی وجہ البصیرت دین میں داخل ہونا چاہیے، اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ اندھا کر دے اور اس کے کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دے تو دین میں زبردستی داخل ہونا اس کے کسی کام نہیں آ سکتا۔

اگرچہ اس آیت کا حکم عام ہے تاہم ائمۂ تفسیر نے اس کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ انصار کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ یہ نذر مان لیتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ بچ گیا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی، لہٰذا جب بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا تو ان میں کئی انصار کے بیٹے بھی تھے تو انھوں نے کہا کہ ہم تو اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے، یعنی انھیں زبردستی اسلام میں داخل کریں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾ ”دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے، ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔“[1] اس کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور وہ حدیث جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: [أَسْلِمْ، قَالَ: إِنِّي أَجِدُنِي كَارِهًا، قَالَ: وَإِنْ كُنْتَ كَارِهًا] ”مسلمان ہو جاؤ، اس نے عرض کی: میں اسے پسند نہیں کرتا تو آپ نے فرمایا: خواہ پسند نہ کرو۔“[3] یہ حدیث ثلاثی (امام احمد اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطوں والی) اور صحیح ہے لیکن یہ اس قبیل میں سے نہیں ہے کیونکہ اس شخص پر نبی ﷺ نے اسلام قبول کرنے کے لیے سختی نہیں کی تھی بلکہ اسے دعوت دی تھی تو اس نے بتایا کہ اس کا جی اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کو ناپسند کرتا ہے تو اس موقع پر آپ نے فرمایا: ”مسلمان ہو جاؤ، خواہ تم اسے پسند نہ کرو۔“ اللہ تعالیٰ تمھیں جلد ہی حسن نیت اور اخلاص عطا فرما دے گا۔

توحید ہی عُروۃ الوثقی ”مضبوط سہارا“ ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

---

[1] تفسير الطبري: 21/3. [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الأسير يكره على الإسلام، حديث: 2682 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾: 304/6، حديث: 11048. [3] مسند أحمد: 181/3.

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿256﴾ ”تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے (طاغوت کا انکار کر دے) اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے تمام شریکوں، بتوں اور ان تمام معبودان باطلہ کو ترک کر دے جن کی عبادت کی شیطان دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کرے، صرف اور صرف اسی کی عبادت کرے اور صدق دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ﴿ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ ”تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا۔“ یعنی وہ اپنے معاملے میں ثابت قدم ہے اور وہ صراط مستقیم پر گامزن ہے۔

ابو قاسم بَغَوِی نے حسان بن فائد عَبْسی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جِبت کے معنی جادو اور طَاغُوت کے معنی شیطان ہیں۔[1] طاغوت کے معنی آپ نے جو شیطان کے بیان کیے ہیں تو یہ بالکل صحیح ہیں کیونکہ طاغوت ہر اس شر پر مشتمل ہے جسے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں نے اختیار کر رکھا تھا، خواہ اس کا تعلق بتوں کی عبادت سے ہو یا ان سے فیصلے کرانے سے یا ان سے مدد مانگنے سے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ ﴾ ”تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔“ یعنی اس نے دین جیسے مضبوط و مستحکم سہارے کو پکڑ لیا ہے۔ اسے ایسے مضبوط کڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جو ٹوٹنے والا نہ ہو کیونکہ یہ سہارا فی نفسہ بہت مضبوط و مستحکم اور قوی ہے اور اس کا ربط بھی بہت قوی اور شدید ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ ﴾ مجاہد فرماتے ہیں: عروۂ وثقی، یعنی مضبوط کڑے سے مراد ایمان ہے۔[2] سدی نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے قَیس بن عُباد سے روایت کیا ہے کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص وہاں آیا جس کے چہرے سے خشوع کے اثرات نمایاں تھے، مسجد میں داخل ہونے کے بعد اس نے وہاں دو ہلکی پھلکی رکعتیں ادا کیں تو حاضرین نے کہا کہ یہ شخص تو جنتی ہے، جب وہ صاحب مسجد سے باہر نکلے تو میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا حتی کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو میں بھی انھی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر چلا گیا اور میں نے ان سے باتیں شروع کر دیں، لہٰذا جب وہ قدرے مانوس ہوئے تو میں نے عرض کی: آپ جب تھوڑی دیر پہلے مسجد میں تشریف لائے تھے تو لوگوں نے یہ یہ باتیں کی تھیں تو انھوں نے کہا: سبحان اللہ! کسی کو کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جسے وہ جانتا نہ ہو، میں عرض کرتا ہوں کہ انھوں نے کس بنا پر (مجھے جنتی) کہا ہے؟

بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خواب دیکھا اور اسے آپ کی خدمت میں بیان کیا، میں نے خواب یہ دیکھا تھا گویا میں ایک سرسبز و شاداب باغ میں ہوں ــ ابن عون بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اس باغ کی سرسبزی و شادابی اور اس کی وسعت کا بھی ذکر کیا تھا ــ اس کے درمیان لوہے کا ایک ایسا ستون تھا جس کی بنیادیں زمین میں مگر چوٹی آسمان میں تھی

---

① تفسیر الطبری:27/3 و تفسیر ابن أبی حاتم:975,974/3 و 495/2. ② تفسیر الطبری:29/3. ③ تفسیر الطبری:29/3.

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ ان کو اندھیروں سے نکال کے روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست

34 ع 4 2 يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿257﴾ ع

طاغوت ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿257﴾

اور اس کی چوٹی پر ایک حلقہ تھا، مجھ سے کہا گیا کہ اس ستون پر چڑھو، میں نے کہا کہ میں اس پر نہیں چڑھ سکتا تو میرے پاس ایک خدمت گزار لڑکا آیا اور اس نے پیچھے سے میرے کپڑے اٹھا لیے اور کہا کہ اب چڑھو تو میں چڑھ گیا حتی کہ میں نے اس کی چوٹی پر موجود حلقے کو پکڑ لیا تو وہ کہنے لگا کہ اسے مضبوطی سے تھامے رکھو، جب میں بیدار ہوا تو وہ حلقہ میرے ہاتھ میں تھا۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کو بیان کیا تو آپ نے فرمایا: [أَمَّا الرَّوْضَةُ فَرَوْضَةُ الْإِسْلَامِ، وَأَمَّا الْعَمُودُ فَعَمُودُ الْإِسْلَامِ ، وَأَمَّا الْعُرْوَةُ فَهِيَ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى، أَنْتَ عَلَى الْإِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوتَ] ''باغ سے مراد چمن زار اسلام ہے، ستون سے مراد ستونِ اسلام ہے، حلقے سے مراد عروۂ وثقی ہے اور تم تادم واپسیں اسلام ہی پر قائم رہو گے۔'' راوی کا بیان ہے کہ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔ ① اسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ایک اور سند سے بھی بیان فرمایا ہے۔ ③

تفسیر آیت: 257

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جو شخص اس کی رضا اور خوشنودی کی پیروی کرے تو وہ اسے سلامتی کے راستوں کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنے مومن بندوں کو کفر اور شک و ریب کے اندھیروں سے نکال کر واضح، جلی، روشن، آسان اور منور حق کے نور کی طرف لے آتا ہے، نیز فرمایا: کافروں کا دوست شیطان ہے، وہ ان جہالتوں اور ضلالتوں کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے جن میں وہ مبتلا ہیں اور انھیں طریقِ حق سے ہٹا کر کفر و افترا پردازی کے راستوں پر چلاتا ہے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿257﴾﴾ ''یہی لوگ اہل دوزخ ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور کے لفظ کو واحد مگر ظلمات کو جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس لیے کہ حق تو ایک ہی ہے مگر کفر کی بہت سی قسمیں ہیں جو کہ سب کی سب باطل ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○﴾ (الأنعام 153:6) ''اور یقیناً میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلو دیگر راستوں پر نہ چلو کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے، ان باتوں

① مسند أحمد: 452/5. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مناقب عبدالله بن سلام رضي الله عنه، حديث: 3813 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة ، باب من فضائل عبدالله بن سلام رضي الله عنه، حديث: 2484 . ③ صحيح البخاري، التعبير، باب الْخُضَرِ في المنام والروضة الخضراء، حديث: 7010 و باب التعليق بالعروة والحلقة، حديث: 7014 عن عبدالله ابن سلام رضي الله عنه.

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس لیے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے بادشاہی دے رکھی تھی؟ جب

الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ

ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس (نمرود) نے کہا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ تو

الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال کر دکھا، چنانچہ وہ ہکا بکا رہ گیا جس نے کفر کیا تھا۔ اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

الظّٰلِمِيْنَ ۚ (258)

جو ظالم ہیں (258)

کا اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔''

اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ ﴾ (الأنعام 6:1) ''اور اس نے اندھیرے اور روشنی بنائی۔'' اور فرمایا: ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ ﴾ (النحل 16:48) ''دائیں طرف سے اور بائیں اطراف سے۔'' ان آیات اور دیگر بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق واحد ہے مگر باطل بہت سی انواع و اقسام میں منقسم ہے۔

تفسیر آیت: 258

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نمرود کے ساتھ مناظرہ: یہ شخص جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا، یہ بابل کا بادشاہ نُمرود[1] بن کَنعان بن کُوش بن سام بن نوح تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا نام نُمرود بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح تھا، ان میں سے پہلا قول مجاہد وغیرہ کا ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو مشرق و مغرب سمیت پوری دنیا کے بادشاہ تھے، ان میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر، مومن حضرت سلیمان بن داود علیہما السلام اور ذوالقرنین ہیں اور کافر نمرود اور بُختُ نَصَّر ہیں۔ واللّٰہ أعلم.[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ ''بھلا آپ نے نہیں دیکھا؟'' کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! اپنے دل کے ساتھ ﴿ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ ﴾ ''اس شخص کو جو ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا؟'' یعنی اس نے رب تعالیٰ کے وجود کے بارے میں جھگڑا کیا کیونکہ وہ اپنے سوا کسی اور معبود کو تسلیم کرنے کا منکر تھا جیسا کہ فرعون نے بھی بعد میں اپنی قوم سے یہ کہا تھا: ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ ﴾ (القصص 28:38) ''میں اپنے سوا کسی کو تمھارا معبود نہیں جانتا۔'' اس سرکشی، غلیظ کفر اور شدید عناد پر اس کے جبر و استبداد اور طویل مدت کی بادشاہت نے اسے مجبور کیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ ''(اس نے یہ جھگڑا اس غرور کے سبب کیا) کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی۔''

[1] تفسیر کے بعض نسخوں اور دیگر کئی کتب میں نمروذ ہے، دونوں طرح درست ہے، دیکھیے تاج العروس: 287/5. [2] تفسیر الطبری: 36/3.

اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گویا اس رب کے وجود کے بارے میں دلیل طلب کی تھی جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلیل یہ پیش فرمائی: ﴿ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ﴾ ''میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔'' یعنی اس کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں جو ہمیں نظر آ رہی ہیں ایک وقت تھا کہ یہ معدوم تھیں مگر اس نے انھیں وجود بخشا ہے اور وجود بخشنے کے بعد ایک وقت آئے گا کہ وہ انھیں پھر معدوم کر دے گا۔ یہ اس فاعل ومختار ہستی کے وجود کی بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ یہ چیزیں از خود تو پیدا نہیں ہوتیں، لہٰذا ضروری ہے کہ کسی پیدا کرنے والے نے انھیں پیدا کیا ہو اور ان کا پیدا کرنے والا وہ رب تعالیٰ ہی ہے جس وحدہ لاشریک کی عبادت کی میں دعوت دیتا ہوں۔

اس جھگڑا کرنے والے نمرود نے یہ سن کر کہا: ﴿ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ﴾ ''میں بھی زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہوں۔'' امام قتادہ، محمد بن اسحاق، سدی اور کئی اہل علم نے لکھا ہے کہ اس کے پاس دو آدمی لائے گئے جو قتل کے مستحق تھے تو اس نے ان میں سے ایک کے بارے میں حکم دے دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے اور دوسرے کے بارے میں حکم دیا کہ اسے قتل نہ کیا جائے اور زندہ کرنے اور مارنے کے اس نے یہ معنی سمجھے۔[1]

حقیقت حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ ارادہ نہیں تھا کیونکہ یہ نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا جواب تھا اور نہ یہ اس کا مفہوم ہی تھا کیونکہ یہ بات وجود صانع سے تو مانع نہیں ہے۔ اس نے محض عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لیے اس مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ کیا اور تاثر یہ دیا کہ وہ بھی یہ کام کر سکتا ہے، یعنی وہ زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے جیسا کہ فرعون نے بھی اس کی اقتدا کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ﴾ (القصص 38:28) ''میں اپنے سوا کسی کو تمھارا معبود نہیں جانتا۔'' یہی وجہ ہے کہ جب اس نے فخر وغرور سے یہ دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ ''بے شک اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اسے مغرب سے نکال کر دکھا!''

یعنی اگر تو اپنے اس دعوے میں سچا ہے کہ تو بھی زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے تو وہ ذات گرامی جو موت وحیات کی مالک ہے، اسی کا اس کائنات میں تصرف ہے، وہی کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرتی اور تمام کواکب اور ان کی حرکات کو مسخر کرتی ہے، یہ سورج اس کے حکم سے ہر روز مشرق سے نکلتا ہے اگر تو اپنے دعوائے الوہیت اور موت وحیات کے مالک ہونے کے دعوے میں سچا ہے تو پھر سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا؟ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ سورج کو مغرب سے نکالنے سے عاجز وقاصر ہے اور اس موقع پر وہ کسی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتا تو وہ حیران رہ گیا اور اس قدر گنگ (گونگا) ہو گیا کہ اسے یارائے کلام تک نہ رہا کیونکہ ایک ایسی زبردست دلیل اس کے خلاف قائم ہو چکی تھی جس کا اس کے پاس قطعاً کوئی جواب نہ تھا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ناانصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' یعنی اللہ

[1] تفسیر الطبری: 36/3 وتفسیر القرطبی: 286,285/3 والدر المنثور: 586/1.

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ

یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی سے گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی؟ اس نے کہا: اللہ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا اس کی موت

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ

کے بعد؟ تو اللہ نے اسے ایک سو سال کے لیے موت دے دی، پھر اسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو کتنی دیر (یہاں) رہا ہے؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ

کا کچھ حصہ۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تو (موت کی حالت میں) سو سال رہا، البتہ تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف دیکھ وہ بالکل سڑا بسا نہیں،

لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ

نیز دیکھ اپنے گدھے (کے ڈھانچے) کو، اور (یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ) ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف

نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

دیکھ کہ ہم کیسے انھیں ابھار کر جوڑتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر جب اس کے سامنے (یہ سب) واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿259﴾

کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے﴿259﴾

تعالیٰ انھیں کوئی حجت و برہان نہیں سمجھاتا بلکہ ان کی ہر قسم کی دلیل ان کے رب کے ہاں ناکام و نامراد ہو کر رہ جاتی ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے شدید عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

قرآن مجید کے اس مقام کی یہ تفسیر اُس سے بدرجہا بہتر ہے جسے بہت سے ماہرین منطق نے بیان کیا ہے کہ پہلی بات سے دوسری بات کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منتقل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دلیل کو چھوڑ کر اس سے زیادہ واضح دلیل کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بات اس طرح نہیں ہے جس طرح انھوں نے کہا ہے (بلکہ آپ نے پہلی دلیل دوسری دلیل کے مقدمے کے طور پر بیان فرمائی تھی) تاکہ اپنی ان دونوں دلیلوں سے نمرود کے دعوے کو باطل ثابت کر سکیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

سُدّی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے زندہ سلامت نکل آنے کے بعد ہوا تھا، اسی دن آپ کی اس بادشاہ سے ملاقات ہوئی تھی اور اسی ملاقات میں یہ مناظرہ ہوا تھا۔[1]

تفسیر آیت: 259

حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ: اس آیت سے قبل فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ﴾ کا ذکر ہوا ہے اور وہ تقدیری طور پر هَلْ رَأَيْتَ مِثْلَ الَّذِي...... ''کیا آپ نے (کسی کو) اس شخص کی طرح نہیں دیکھا......'' کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے ﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ﴾ کا عطف اس پر ڈالا گیا ہے، یعنی بھلا تم نے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 499,498/2 و تفسیر الطبري: 38/3.

اس شخص کی طرح (کسی کو) نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا تھا یا اسی طرح اس شخص کی طرح (کسی کو) نہیں دیکھا جس کا ایک گاؤں سے، جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا، گزر ہوا۔ امام ابن ابو حاتم نے ناجیہ بن کعب سے اور انھوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس شخص سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔[1] امام ابن جریر نے ناجیہ کا اپنا قول بھی یہی بیان کیا ہے۔[2]

امام ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ، سدی اور سلیمان بن بریدہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] مجاہد بن جَبْر کا قول ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ہے۔[4] قریۃ کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المَقْدِس ہے۔ اور ان کا یہاں سے گزر اس وقت ہوا تھا جب بُخْتُ نَصَّر نے بیت المَقْدِس کو تباہ و برباد کر دیا اور اس کے باشندوں کو تہِ تیغ کر دیا تھا۔[5] ﴿ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾ ''اور وہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔'' یعنی اس وقت بستی میں کوئی نہ تھا اور یہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی اور اس کی دیواریں منہدم ہو کر صحنوں میں گر چکی تھیں تو یہ کھڑا ہو کر سوچ میں پڑ گیا کہ ایک وقت تھا کہ یہ بستی آباد و شاد اور ہنستی مسکراتی تھی مگر اب یہ اس کا کیا حال ہو گیا ہے! اس سوچ کے دوران میں اس کے دل میں خیال آیا: ﴿ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا؟'' کیونکہ اس نے یہ دیکھا تھا کہ یہ بستی بری طرح تباہ و برباد ہو چکی اور شدید طور پر خراب ہو چکی ہے، اس نے سوچا کہ اب اس کا پہلی حالت میں آنا بہت بعید ہے تو اس نے کہا کہ اللہ اس کے باشندوں کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ﴾ ''تو اللہ نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا)، پھر اس کو جلا اٹھایا۔''

اور یہ بستی ان کی موت کے ستر سال بعد ہی آباد ہو گئی تھی، بنی اسرائیل یہاں لوٹ آئے اور اس کی آبادی بہت گنجان ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جب مرنے کے بعد انھیں دوبارہ اٹھایا تو سب سے پہلے ان کی دونوں آنکھوں کو زندہ کیا تاکہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھیں کہ وہ ان کے جسم کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ جب یہ دوبارہ زندہ ہو کر جیتے جاگتے انسان بن کر کھڑے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی وساطت سے ان سے فرمایا: ﴿ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ ﴾ ''تم کتنی دیر (یہاں) رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔'' مفسرین نے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ جواب اس لیے دیا تھا کہ وہ دن کے ابتدائی حصے میں فوت ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دن کے آخری حصے میں دوبارہ زندہ کیا تھا، جب انھوں نے سورج کو باقی دیکھا تو گمان کیا کہ یہ شاید اسی دن کا سورج ہے،[6] اس لیے کہا: ﴿ اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ ﴾ ''یا دن کا کچھ حصہ'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ﴾ ''(نہیں!)

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [2] تفسیر الطبري: 40/3. [3] تفسیر الطبري: 41,40/3 وتفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [5] تفسیر الطبري: 43/3 وتفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [6] تفسیر الطبري: 51/3.

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ

اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے فرمایا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں

لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ

نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: پھر تو چار پرندے لے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر لے اور ان کا ایک ایک ٹکڑا

35 ع 3 3 مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿260﴾ ع

ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو بلا، وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿260﴾

بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق سڑی) بُسی نہیں۔'' جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس وقت ان کے پاس انگور، انجیر اور پھلوں کا جوس تھا اور یہ تمام چیزیں ان کے پاس اسی طرح صحیح حالت میں تھیں کہ نہ تو جوس خراب ہوا، نہ ہی انجیر کھٹی یا بدبودار ہوئی اور نہ ہی انگور خراب ہوئے۔

﴿ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ﴾ ''اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو'' کہ اللہ تعالیٰ تمھاری آنکھوں کے سامنے اسے کس طرح زندہ فرماتا ہے؟ ﴿ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں۔'' کہ تم آخرت میں دوبارہ زندہ کیے جانے کی ایک دلیل بن جاؤ۔ ﴿ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ یعنی ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیسے اٹھائیں گے، پھر یہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں گی؟

امام حاکم نے مستدرک میں خارجہ بن زید بن ثابت سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ کو ''زا'' کے ساتھ پڑھا تھا۔ امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دے کر کہا ہے کہ شیخین نے اس روایت کو بیان نہیں فرمایا۔ ① اسے [......نُنْشِرُهَا] ''را'' کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں: ''ہم ان کو (کیونکر) زندہ کرتے ہیں؟'' یہ حضرت مجاہد کا قول ہے۔ ② ﴿ ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ ﴾ ''پھر ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں؟'' سدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ان کے گدھے کی ہڈیاں ان کے دائیں بائیں بکھری ہوئی تھیں، انھوں نے دیکھا تو سفید سفید ہڈیاں چمک رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا جس نے جگہ جگہ بکھری ہوئی تمام ہڈیوں کو یکجا کر دیا اور ہر ہڈی کو اس کی جگہ پر جوڑ دیا حتی کہ ہڈیوں سے بنا ہوا ایک ڈھانچہ کھڑا ہو گیا جو گوشت سے خالی تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس ڈھانچے میں گوشت، اعصاب، رگیں اور کھال پیدا فرما دی، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے گدھے کے دونوں نتھنوں میں پھونک ماری تو گدھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحیح سالم بن کر ہینگنے لگا۔ ③

حضرت عزیر علیہ السلام یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے، اس لیے اسے دیکھتے ہی وہ بے ساختہ پکار اٹھے: ﴿ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿259﴾ ﴾ ''میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی میں اسے جانتا ہوں اور میں نے سر کی آنکھوں سے اس

① المستدرك للحاكم، التفسير: 234/2، حديث: 2918. ② تفسير الطبري: 62/3. ③ تفسير الطبري: 57/3 وتفسير ابن أبي حاتم: 506/2 نحوه.

کا مشاہدہ بھی کر لیا ہے، لہٰذا میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے اسے زیادہ جانتا ہوں۔ کچھ لوگوں نے ﴿ اَعْلَمُ ﴾ کو صیغۂ امر [اِعْلَمْ] بھی پڑھا ہے، یعنی اس بات کو خوب جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر آیت:260

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی قبولیت: ائمۂ تفسیر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کے کئی اسباب بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے جب نُمرود سے یہ کہا تھا: ﴿ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ ''میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔'' تو آپ نے چاہا کہ آپ کو اس سلسلے میں علم الیقین کے بجائے عین الیقین حاصل ہو اور آپ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں تو اس لیے بارگاہ ایزدی میں عرض کی: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ ﴾ ''اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کر لے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ ﴾ ''ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت شک کے زیادہ حق دار ہیں، جب انھوں نے کہا: ''اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تمھیں یقین نہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان حاصل کر لے۔''[1] تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یقین طلب کرنے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت خلیل کی درخواست کا جواب: اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس درخواست کے جواب میں فرمایا: ﴿ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ﴾ ''پھر تو چار پرندے لے۔'' مفسرین کا اس بات میں بہت اختلاف ہے کہ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ لیکن ان پرندوں کے تعین میں کوئی فائدہ نہیں اگر اس میں کوئی فائدہ ہوتا تو قرآن مجید اسے خود ہی بیان فرما دیتا۔ اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ﴾ یعنی انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر لو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابومالک، ابوالاسود الدِّیلی، وہب بن منبہ، حسن، سدی اور دیگر ائمۂ تفسیر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[2] انھوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے چار پرندے لیے، انھیں ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ان کے بالوں کو نوچ کر توڑ دیا، پھر ان سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا، پھر ان کو الگ الگ ٹکڑوں میں کر دیا اور ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا ڈال دیا۔[3] بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے چار پہاڑوں اور ایک دوسرے قول کے مطابق سات پہاڑوں پر ان ٹکڑوں کو بکھیرا تھا۔

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ ﴾ (البقرة 2:260)، حدیث: 4537. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 511/2 و تفسیر الطبری: 79,78/3. ابوالاسود، الدُّؤَلی کی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں۔ ③ تفسیر الطبری: 81,80/3.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کے سروں کو آپ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پرندوں کو آواز دیں تو آپ نے ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل کرتے ہوئے انھیں آواز دی تو آپ نے دیکھا کہ ہر پرندے کا پر اس کے پر کی طرف، خون، خون کی طرف اور گوشت، گوشت کی طرف اڑ رہا اور ایک دوسرے کے ساتھ جا کر مل رہا ہے حتی کہ ہر ایک پرندہ مکمل ہو کر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آیا تاکہ آپ اچھی طرح اس حقیقت کا مشاہدہ فرما لیں جس کے بارے میں آپ نے سوال کیا تھا۔

الغرض! اب ان میں سے ہر پرندہ آپ کی طرف بھاگا چلا آ رہا تھا تاکہ اپنے اس سر کو بھی حاصل کر لے جو آپ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ اگر آپ کسی پرندے کو اس کے اپنے سر کے علاوہ کوئی دوسرا سر دیتے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا تھا اور اگر اس کی طرف اس کے اپنے سر کو بڑھاتے تو وہ اس کے باقی تن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت وقوت سے جڑ جاتا۔[1]

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور جان لو کہ بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔'' یعنی خوب خوب جان لو کہ اللہ غالب ہے کہ کوئی چیز اس پر غالب نہیں آ سکتی اور نہ کوئی چیز اس کی دسترس سے باہر رہ سکتی ہے، وہ جو چاہے بلا روک ٹوک ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ذات گرامی عظیم اور ہر چیز کو مغلوب کر دینے والی ہے، نیز وہ اپنے اقوال وافعال اور شرع وقدر میں حکیم ہے۔

امام عبدالرزاق نے معمر اور ایوب کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ میرے نزدیک قرآن مجید میں اس سے بڑھ کر اور کوئی آیت زیادہ امید افزا نہیں ہے۔[2] امام ابن ابو حاتم نے محمد بن مُنکَدِر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی تو ابن عباس نے ابن عمرو سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک قرآن مجید کی کون سی آیت زیادہ امید افزا ہے؟ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میرے نزدیک یہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ (الزمر 53:39) ''آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' سب سے زیادہ امید افزا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں تو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى ﴾ کو زیادہ امید افزا قرار دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات: ﴿ بَلٰى ﴾ ''کیوں نہیں!'' سے راضی ہو گیا کیونکہ اس طرح کی باتیں تو دلوں میں آتی رہتی ہیں اور شیطان ان کے بارے میں وسوسہ پیدا کرتا رہتا ہے۔[3]

امام حاکم نے بھی اس حدیث کو مستدرک میں اسی طرح روایت کیا، اس کی سند کو صحیح قرار دیا اور لکھا ہے کہ شیخین نے اسے

[1] تفسير القرطبي:301,300/3 و تفسير الطبري:81,80/3 عن قتادة والربيع. [2] تفسير الطبري:69/3. [3] تفسير ابن أبي حاتم:509/2.

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی سی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر

سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿261﴾

بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہے (اجر) بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿261﴾

بیان نہیں کیا۔[1]

تفسیر آیت:261

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی جزا: اس مثال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں اس کی رضا کے حصول کے لیے خرچ کرے تو اسے دوگنا چوگنا اجر وثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا کیا جاتا ہے، پس ارشاد فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال۔“ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے مراد اللہ کی اطاعت ہے۔[2] مکحول فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گھوڑوں پر خرچ کرنا ہے جو اللہ کے راستے میں بندھے ہوئے ہوں۔[3]

محض سات سو کا عدد ذکر کر دینے کی نسبت یہ مثال دلوں کے لیے زیادہ مؤثر ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ سرانجام دینے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پروان چڑھاتا رہتا ہے جس طرح کہ اس شخص کی کھیتی پروان چڑھتی ہے جس نے زرخیز زمین میں بیج ڈالا ہو۔

سنت نبوی سے بھی یہ ثابت ہے کہ نیکی کو سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے مہار والی ایک اونٹنی اللہ کی راہ میں صدقہ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَتَأْتِيَنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِسَبْعِ مِائَةِ نَاقَةٍ مَّخْطُومَةٍ] ”یقیناً یہ قیامت کے دن مہار والی سات سو اونٹنیاں (اپنے ساتھ) لائے گی۔“[4] اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص مہار والی ایک اونٹنی لے کر آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ آپ نے فرمایا: [لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ] ”تجھے قیامت کے دن اس کے عوض میں سات سو اونٹنیاں ملیں گی (وہ سب مہار والی ہوں گی۔)“[5]

ایک دوسری حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ ، الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا ، إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَ اللّٰهُ : إِلَّا الصَّوْمَ

---

① المستدرك للحاكم، الإيمان: 60/1، حديث: 198 والتوبة والإنابة: 261,260/4، حديث: 7670 امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس میں انقطاع ہے۔ ② تفسير ابن أبي حاتم: 514/2. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 514/2. ④ مسند أحمد: 121/4.

⑤ صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الصدقة في سبيل الله تعالى وتضعيفها، حديث: 1892 و سنن النسائي، الجهاد، باب فضل الصدقة في سبيل الله عزوجل، حديث: 3189 .

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں، ان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿262﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿262﴾ اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اس صدقے سے بہتر ہے

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿263﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

جس کے بعد دکھ دیا جائے اور اللہ بے پروا، نہایت بردبار ہے ﴿263﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر

صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا

الْاٰخِرِ ۗ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُوْنَ

تو اس کی مثال چکنے پتھر کی سی ہے جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کی بارش ہو تو (ساری مٹی بہ جائے اور) صاف چٹان رہ جائے۔ وہ (ریاکار) جو نیکی کرتے

عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿264﴾

ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿264﴾

فَإِنَّهُ لِي ، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ ، يَدَعُ طَعَامَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ : فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ ، الصَّوْمُ جُنَّةٌ ، الصَّوْمُ جُنَّةٌ] ''ابن آدم کے ہر عمل کو اس طرح بڑھا دیا جاتا ہے کہ ایک نیکی کا سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ جس قدر اللہ چاہے ثواب ملتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مگر روزہ، وہ میرے ہی لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا، وہ محض میری وجہ سے اپنے کھانے اور خواہش نفس کو چھوڑتا ہے، روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کے وقت، روزے دار کے منہ کی بو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر پاکیزہ ہوگی۔ روزہ ڈھال ہے، روزہ ڈھال ہے۔''[1] اور اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2]

اور یہاں اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ﴾ ''اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ اسے اس کے اخلاص عمل کے حساب سے بڑھاتا رہتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿261﴾﴾ ''وہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔'' یعنی اس کا فضل و کرم اس کی مخلوق کی نسبت بہت ہی زیادہ ہے اور صرف وہی جانتا ہے کہ کون اس کے فضل و کرم کا مستحق ہے اور کون نہیں بے شک وہ اپنی حمد و ثنا کے ساتھ پاک ہے۔

تفسیر آیات: 264-262

صدقہ کرنے کے بعد احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے کی ممانعت: اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے

---

[1] مسند أحمد: 443/2. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1151.

جو اپنے اموال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرنے کے بعد اس شخص پر کوئی احسان نہیں جتلاتے جسے انھوں نے دیا ہو۔ الغرض! وہ کسی پر بھی قول یا فعل کے ساتھ احسان نہیں جتلاتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَّلَاۤ اَذًى ﴾ ''اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں۔'' یعنی جس کے ساتھ انھوں نے کوئی احسان کیا ہو تو اسے کوئی تکلیف یا ایذا نہیں دیتے کہ اس سے ان کا سابقہ احسان ضائع ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے بے پایاں اجر و ثواب کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کے لیے ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس (تیار) ہے۔'' یعنی ان کا ثواب اللہ ہی کے ذمے ہے کسی اور کے ذمے نہیں۔ ﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور نہ ان کو کچھ خوف ہوگا۔'' یعنی روز قیامت کی ہولناکیوں کا انھیں کچھ خوف نہ ہوگا۔ ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿262﴾ ﴾ ''اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' یعنی انھوں نے اپنے پیچھے جو اولاد چھوڑی اور جو دنیا اور اس کے اسباب و وسائل چھوڑے تو اس کا انھیں کوئی غم نہ ہوگا کیونکہ انھیں ان دنیوی چیزوں سے بدرجہا بہتر نعمتیں مل چکی ہوں گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ﴾ ''نرم بات کہہ دینی'' یعنی مسلمان سے کوئی اچھی بات کہہ دی جائے یا اسے دعا ہی دے دی جائے، ﴿ وَّمَغْفِرَةٌ ﴾ ''اور درگزر کرنا'' یعنی کسی قولی یا فعلی ظلم کو معاف کر دینا اور درگزر کرنا ﴿ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ﴾ ''اس خیرات سے بہتر ہے جس کے دینے کے بعد (لینے والے کو) ایذا دی جائے۔'' ﴿ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ ﴾ ''اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے پروا ہے۔'' ﴿ حَلِيْمٌ ﴿263﴾ ﴾ ''(اور) بردبار ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ حلم و بردباری سے کام لیتا، درگزر کرتا اور معاف فرماتا ہے۔ صدقہ کرکے احسان جتلانے کی ممانعت کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، مثلاً: صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ...... : اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ] ''تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا......: اپنے تہبند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور صدقہ دے کر احسان جتلانے والا اور اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔''[1]

اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴾ ''مومنو! اپنے صدقات (وخیرات) کو احسان جتانے اور ایذا دینے سے برباد نہ کر دینا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ احسان جتانے اور ایذا دینے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے اور اس غلطی کی وجہ سے انسان صدقہ وخیرات کے اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ ''اس شخص کی طرح جو لوگوں کے دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔'' یعنی اپنے صدقات کو احسان اور ایذا سے اس طرح ضائع نہ کرو جس طرح لوگوں کے دکھاوے سے صدقہ ضائع ہو جاتا

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار......، حديث: 106.

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ

اور ان لوگوں کی مثال ، جو اللہ کی رضا جوئی اور پوری دلجمعی سے اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس باغ کی سی ہے جو کسی اونچی سطح پر ہو،

بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اس پر زور کی بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے، پھر اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہو تو پھوار ہی (کافی ہے) اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اسے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿265﴾

خوب دیکھنے والا ہے ﴿265﴾

ہے کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے تو ظاہر یہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہا ہے لیکن اس کا اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں یا وہ اچھے کارناموں کے ذریعے سے شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگ اس کا شکریہ ادا کریں یا اسے کہا جائے کہ وہ بڑا سخی ہے، یعنی صدقہ وخیرات کرنے سے اس کے پیش نظر اس طرح کے دنیوی مقاصد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے معاملہ اس کی رضا کی طلب اور اس کے بے پایاں اجر و ثواب کا حصول اس کا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ﴾ ''اور وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے دکھاوے کے لیے خرچ کرنے والے، امام ضحاک کے بقول خرچ کر کے احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے والے، کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:[1] ﴿ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ ﴾ ''اس کی مثال اس چٹان کی سی ہے۔'' ﴿ صَفْوَانٍ ﴾ صَفْوَانَة کی جمع ہے، بعض ائمۂ لغت کے بقول صفوان کا لفظ بطور مفرد بھی استعمال ہوتا ہے، اس کے معنی نرم اور ملائم چٹان کے ہیں۔ ﴿ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ ﴾ ''جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برسے۔'' ﴿ وَابِلٌ ﴾ کے معنی موسلا دھار بارش کے ہیں۔

﴿ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ ﴾ ''وہ اسے صاف کر ڈالے۔'' یعنی یہ موسلا دھار بارش اس نرم و ملائم چٹان کو اس طرح صاف کر دے کہ اس پر قطعاً کوئی مٹی باقی نہ رہے بلکہ سب کی سب صاف ہو جائے۔ اسی طرح دکھاوا اور ریاکاری کرنے والوں کے کام اللہ تعالیٰ کے ہاں ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ گو، لوگوں کو ان کے اعمال مٹی کی طرح نظر آتے ہیں مگر بالآخر یہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿264﴾ ﴾ ''(اسی طرح یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

تفسیر آیت:265

یہ ان مومنوں کی مثال ہے جو اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں: ﴿ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''اور پوری دلجمعی سے'' یعنی انھیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔ اس کی نظیر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے جو متفق علیہ حدیث میں ہے: [مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا] ''جو شخص

[1] تفسیر الطبری: 93/3.

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس باغ میں

فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ

اس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپا آ جائے جبکہ اس کی اولاد کمزور ہو، پھر (اچانک) اس باغ پر ایسا بگولا آ پڑے جس میں آگ ہو

فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾ ع 36/6/4

اور وہ اسے جلا کر رکھ دے؟ اس طرح اللہ تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو ﴿266﴾

ایمان اور حصول ثواب کی امید سے رمضان کے روزے رکھے۔'' [1] یعنی اس کا ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان روزوں کے رکھنے کا حکم دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی سے ان کے ثواب کی بھی امید رکھے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ ﴾ ''ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔'' جنت کے معنی باغ کے ہیں اور ربوہ اس جگہ کو کہتے ہیں جو زمین سے اونچی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ضحاک نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اس میں نہریں بہتی ہوں۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَصَابَهَا وَابِلٌ ﴾ ''(جب) اس پر مینہ پڑے۔'' ﴿ وَابِلٌ ﴾ شدید بارش کو کہتے ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ﴾ یعنی دوسرے باغوں کی نسبت وہ دوگنا پھل دے۔ ﴿ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ ﴾ ''اگر مینہ نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے۔'' ضحاک کہتے ہیں کہ طَلّ کے معنی پھوار، یعنی ہلکی بارش کے ہیں۔ [3] یعنی اونچی جگہ کا یہ باغ کبھی بھی قحط زدہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر موسلا دھار بارش نہ بھی ہو تو اس کے لیے ہلکی بارش بھی کافی ہوتی ہے۔ اسی طرح مومنوں کا عمل بھی کبھی ضائع نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا، بڑھاتا اور پروان چڑھاتا ہے اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق ہی جزا ملتی ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿265﴾ ﴾ ''اور اللہ تمھارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' یعنی اس سے اپنے بندوں کا کوئی عمل بھی مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیت:266

نیکیوں کے برائیوں سے ضائع ہونے کی مثال: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تمھاری رائے میں یہ آیت: ﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ﴾ ''بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو؟'' کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، حديث: 38 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ [2] تفسير الطبري: 100/3 و تفسير البغوي: 363/1۔ تفسیر الطبری کے مطبوعہ نسخوں میں [لا تجرى] ہے، یعنی اس میں نہریں نہ بہتی ہوں۔ [3] تفسير الطبري: 101/3.

اس جواب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انھوں نے فرمایا کہ یہ کہو کہ ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے کہ امیر المؤمنین! اس کے بارے میں میرے دل میں ایک بات ہے، آپ نے فرمایا: برادرزادے! کہو اور اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں ایک عمل کی مثال بیان کی گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کس عمل کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک عمل کی مثال بیان کی گئی ہے، پھر حضرت عمر نے (خود ہی) فرمایا: یہ مثال اس دولت مند شخص کے عمل کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق عمل کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس شیطان کو بھیج دیتا ہے تو وہ گناہوں کے کام کرنے لگتا ہے حتی کہ اپنے سارے اعمال کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔ [1]

یہ حدیث اس آیت کی تفسیر اور اس میں جو مثال بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ ایک شخص پہلے اچھے عمل کرتا رہتا ہے، پھر اس کی سیرت و کردار میں تبدیلی آ جاتی ہے اور وہ نیکیوں کے بجائے برائیاں شروع کر دیتا ہے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ تو اپنے اس دوسرے برے عمل کی وجہ سے اپنی سابقہ نیکیوں کو بھی برباد کر بیٹھتا ہے مگر جب نازک اور کٹھن حالات میں اسے نیکیوں کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی، حالانکہ اس وقت اسے نیکیوں کی بہت شدید ضرورت تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ ﴾ ''اور اسے بڑھاپا آ پکڑے جبکہ اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں تو (ناگہاں) اس باغ پر ایسا بگولا آ پڑے۔'' إعصار شدید ترین ہوا کو کہتے ہیں۔ ﴿ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ ﴾ ''جس میں آگ ہو تو وہ اسے جلا کر رکھ دے؟'' یعنی اس کے پھلوں کو جلا دے اور درختوں کو تباہ و برباد کر دے تو اس کا کیا حال ہوگا؟

امام ابن ابو حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک بہت خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے اور اس کی بیان فرمودہ ساری مثالیں ہی بہت خوبصورت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ ''بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجود ہوں؟'' مگر وہ اسے اپنے بڑھاپے میں ضائع کرے ﴿ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ ﴾ ''اور اسے بڑھاپا آ پکڑے۔'' اور اس کی اس آخر عمر میں اس کی اولاد اور اس کے بچے کمزور ہوں تو ناگہاں اس باغ میں آگ کا بھرا ہوا بگولا چلے اور وہ اس باغ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے، اب اسے طاقت نہیں کہ پھر سے اس طرح کا باغ اگا سکے، اس کی اولاد کے پاس بھی مال و اسباب نہیں کہ وہ اس کی کوئی مدد کر سکے۔

روز قیامت کافر کو جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کیا جائے گا تو اس کا بھی یہی حال ہوگا، اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی کہ اس کی معذرت کو قبول کر لیا جائے جیسے کہ مثال میں بیان کیے گئے شخص کے پاس اب طاقت نہیں ہے کہ پہلا سا باغ بنا

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ﴾ (البقرۃ 2:266)، حدیث:4538.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین میں سے نکالی ہیں

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور مت ارادہ کرو (اللہ کی راہ میں) ردی اور خراب چیز خرچ کرنے کا جبکہ تم (خود) تو وہ (چیز) لینا بھی پسند نہیں کرتے الا یہ کہ اس کی بابت تم چشم پوشی کر جاؤ،

اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً

اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے پروا ہے، قابل تعریف ہے ﴿267﴾ شیطان تمھیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی

مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿268﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ

بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿268﴾ اللہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس شخص کو حکمت دی گئی تو اسے بہت

فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿269﴾

بھلائی عطا کی گئی اور (ان باتوں سے) عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿269﴾

سکے، وہ کوئی ایسی نیکی بھی نہیں پائے گا جسے اس نے آگے بھیجا ہو کہ اب وہ اس کے کام آ سکے جیسے کہ باغ والے کے اس کی اولاد کام نہیں آئی، یہ اس وقت اجر وثواب سے محروم ہوگا جب اسے اجر وثواب کی بے حد ضرورت ہوگی، جیسے یہ شخص باغ سے اس وقت محروم ہوا جب اسے اس کی اپنے بڑھاپے اور اولاد کی کمزوری کی حالت میں شدید ضرورت تھی۔[1]

اسی طرح امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّي وَانْقِطَاعِ عُمُرِي] ''اے اللہ! اپنا کشادہ اور وسیع رزق مجھے میرے بڑھاپے اور عمر کے آخری ایام میں عطا فرما۔''[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾﴾ ''اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (اور سمجھو۔)'' یعنی ان سے عبرت حاصل کرو، اَمثال اور ان کے معانی سمجھ کر انھیں حقیقی مراد پر محمول کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ ﴾ (العنکبوت 43:29) ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 267-269

اللہ تعالیٰ کے راستے میں عمدہ مال خرچ کرنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہاں خرچ کرنے سے مراد صدقہ کرنا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو جو رزق دیا اور جسے انھوں نے کمائی کے ذریعے سے حاصل کیا ہے یا ان فصلوں اور پھلوں کی

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 523/2. [2] المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير...... :542/1 عن عائشة رضی اللہ عنہا یہ حدیث ضعیف ہے، السلسلة الضعيفة: 1385.

صورت میں حاصل کیا ہے جنھیں زمین نے ان کے لیے اگایا ہے تاکہ ان میں سے عمدہ اور پاکیزہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ پاکیزہ، عمدہ اور بہترین مال کو اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے اپنے بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ گھٹیا، ناقص اور ردی مال اس کی راہ میں خرچ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ یعنی بری اور خراب چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرو۔ ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾ ''جبکہ تم (خود) تو وہ (چیز) لینا بھی پسند نہیں کرتے بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کرلو۔'' یعنی اگر وہ چیزیں تمھیں دی جائیں تو تم انھیں کبھی نہ لو الا یہ کہ ان سے چشم پوشی کرلو، اللہ تعالیٰ تو تمھاری نسبت ان سے زیادہ بے نیاز ہے، لہٰذا جسے تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، اسے اللہ تعالیٰ کے لیے کیوں پسند کرتے ہو۔ اس آیت کریمہ: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں: ''تم حلال مال سے اعراض کر کے حرام مال کا قصد نہ کرو، پھر اس میں سے خرچ کرو۔''

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جب کھجوریں چننے کے دن آتے تو وہ اپنے باغوں میں سے گدّر (نیم پختہ) کھجوروں کے خوشے نکالتے اور انھیں اس رسی کے ساتھ لٹکا دیتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی تھی، فقراء مہاجرین ان کھجوروں کو کھا لیتے تھے، کچھ لوگ گدّر کھجوروں کے ان خوشوں کے ساتھ ردی قسم کی کھجوروں کو بھی شامل کر دیتے اور سمجھتے کہ یہ جائز ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ وحی نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ یعنی بری اور خراب چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرو۔①

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اگر تمھارا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ اس سے، جتنا تمھارا حق بنتا ہے، کم لے کر آئے تو تم اسے کم سمجھتے ہوئے نہیں لو گے حتی کہ اسے ناقص قرار دو گے۔ اور ﴿اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ﴾ کے یہی معنی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے لیے اس چیز کو کیسے پسند کرتے ہو جسے تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے؟ میرا تم پر حق یہ ہے کہ اپنے پاکیزہ اور عمدہ ترین مال کو میرے لیے خرچ کرو۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔② نیز امام ابن جریر نے بھی اسے روایت کیا ہے اور انھوں نے یہاں اس ارشاد باری تعالیٰ کا بھی حوالہ دیا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ (آل عمران3:92) ''(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔''③

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾﴾ ''اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا (اور) قابل ستائش ہے۔'' یعنی اگرچہ اس نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ صدقات و خیرات کرو اور عمدہ مال سے کرو مگر وہ تمھارے اموال سے بے نیاز ہے، اس نے

① تفسیر الطبری: 114/3 و تفسیر ابن أبی حاتم: 528/2. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 529,528/2. ③ تفسیر الطبری: 117/3.

تو یہ حکم اس لیے دیا ہے تاکہ غنی وفقیر میں مساوات پیدا کر دی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ ﴾ (الحج22:37) ”اللہ تک ان (قربانی کے جانوروں) کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس تک تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ بے حد وحساب فضل وکرم کا مالک ہے، اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے، چنانچہ جو شخص اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرے اسے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بے حد وحساب عطا فرمانے والا ہے، وہ کریم وجواد ہے، وہ اپنے بندوں کے صدقات وخیرات کا بدلہ دے گا اور کئی گنا زیادہ بدلہ عطا فرمائے گا، کون ہے جو اسے قرض دے جو نہ تو محتاج ہے اور نہ ظالم؟[1] بلکہ وہ تو ہر اعتبار سے قابل ستائش ہے، یعنی وہ اپنے تمام افعال واقوال اور شرع وقدر کے اعتبار سے قابل ستائش ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔

خرچ کرنے کے بارے میں شیطانی وسوسے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ”(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا مانناوہ) تمھیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔“

امام ابن ابو حاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ، وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً ، فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيبٌ بِالْحَقِّ ، وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيقٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَّجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللّٰهِ ، فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ الْأُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ ﴾] ”بے شک شیطان کی بھی ابن آدم سے قربت ہے اور فرشتے کی بھی قربت ہے: شیطان کی قربت یہ ہے کہ وہ انسان کو شر کی طرف لوٹاتا اور اس سے حق کی تکذیب کرواتا ہے، اور فرشتے کی قربت یہ ہے کہ وہ اسے نیکی کی طرف لوٹاتا اور اس سے حق کی تصدیق کرواتا ہے جو شخص اُسے (فرشتے کی قربت) پائے تو وہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے، اور اگر کوئی دوسری صورت پائے تو وہ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ ﴾[2] امام ترمذی اور نسائی نے بھی اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اس حدیث کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[3]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ شیطان تمھیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے تاکہ تم

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء......، حديث: 758. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 530,529/2 وتفسير الطبري: 122/3. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2988 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ﴾ : 305/6، حديث: 11051.

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ

اور تم کسی قسم کا خرچ کرو یا کوئی بھی نذر مانو تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں (270) اگر تم ظاہر کر کے

اَنۡصَارٍ ﴿270﴾ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ

صدقات دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر تم اسے چھپا کر فقیروں کو دو تو وہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے، وہ (اللہ) تم سے تمھارے گناہ دور

لَّكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿271﴾

کر دے گا اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے (271)

اپنے ہاتھوں کو روک لو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو ﴿ وَيَاْمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ﴾ یعنی تنگ دستی کے خوف سے خرچ کرنے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ وہ تمھیں گناہوں، بے حیائیوں اور حرام کاموں کا حکم بھی دیتا ہے تاکہ تم اپنے خالق و مالک کے حکم کی مخالفت بھی کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ ﴾ یعنی شیطان نے تمھیں جو بے حیائی کا حکم دیا ہے تو اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿ وَفَضۡلًا ؕ ﴾ یعنی شیطان نے تمھیں جو تنگ دستی سے ڈرایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں تم سے اپنے فضل و کرم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿268﴾ ﴾ ''اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

حکمت کے معنی: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: ﴿ يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں حکمت سے مراد قرآن کریم اور اس کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مقدم و مؤخر، حلال و حرام اور امثال کی پہچان ہے۔[1]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَآخَرُ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا] ''صرف دو آدمیوں پر رشک کیا جا سکتا ہے: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نواز رکھا ہو، پھر اسے حق میں خوب خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی ہو اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانش اور علم سے نواز رکھا ہو اور وہ اسی کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور اسے لوگوں کو سکھاتا بھی ہو۔''[2] اور اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[3] ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿269﴾ ﴾ ''اور نصیحت تو وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔'' یعنی وعظ و نصیحت سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں جو اصحابِ عقل و دانش ہوں، اللہ تعالیٰ

---

[1] تفسير الطبري:124/3. [2] مسند أحمد:432/1. [3] صحيح البخاري، العلم، باب الاغتباط في العلم والحكمة، حديث:73 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ويُعلمه......، حديث:816 والسنن الكبرى للنسائي، العلم، باب الاغتباط في العلم:426/3، حديث:5840 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الحسد، حديث:4208.

کے فرمان اور اس کے کلام کے معنی کو جانتے ہوں۔

تفسیر آیات:271,270

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ وہ عمل کرنے والوں کے تمام اعمال خیرات، صدقات اور نذروں سے آگاہ ہے۔ اور اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی رضا کے حصول کے لیے اور اس کے وعدوں کی امید پر عمل کرنے والوں کو وہ پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔ اور جو اس کی اطاعت کے مطابق عمل نہ کریں بلکہ اس کے حکم کی مخالفت کریں، اس کی خبر کی تکذیب کریں اور اس کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کریں تو انھیں اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ یعنی قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا سے انھیں نجات دلا سکے۔

صدقے کو ظاہر اور پوشیدہ دینے کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ﴾ یعنی اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو وہ بھی خوب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ''اور اگر تم پوشیدہ کر کے اہل حاجت کو دو تو وہ بھی تمھارے لیے خوب تر ہے۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ صدقہ و خیرات پوشیدہ طور پر دینا ظاہر طور پر دینے سے افضل ہے کیونکہ یہ ریاکاری سے دور ہے۔ ہاں، البتہ ظاہری طور پر دینے میں اگر کوئی راجح مصلحت ہو، مثلاً: دوسرے لوگ بھی اس کی اقتدا کرنے لگیں تو اس اعتبار سے ظاہر طور پر دینا افضل ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ] ''ظاہری طور پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ظاہری طور پر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے اور پوشیدہ طور پر تلاوت کرنے والا، پوشیدہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔''[1] لیکن اس آیت کے پیش نظر اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پوشیدہ طور پر صدقہ دینا ہی افضل ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَّشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ] ''سات قسم کے انسان ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے[2] (یعنی عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جبکہ اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (1) عدل و انصاف کرنے والا حکمران۔ (2) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نشوونما پانے والا نوجوان۔ (3) وہ شخص کہ (جب مسجد سے باہر نکل جائے تو واپس آنے تک) اس کا دل مساجد ہی سے وابستہ ہو۔ (4) وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے، اسی پر آپس میں جمع ہوتے اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوں۔ (5) وہ شخص جسے کوئی صاحب منصب و جمال

---

[1] سنن أبي داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، حديث: 1333. [2] اکثر شارحین حدیث نے [ظِلّه] سے عرش کا سایہ مراد لیا ہے، دیکھیے التمهيد: 431/17 و فتح الباري، حديث: 660 کے ذیل میں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

(اے نبی!) لوگوں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو، وہ تمھارے اپنے

فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ

فائدے کے لیے ہے اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کے لیے کرتے ہو اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو گے اس کا تمھیں

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿272﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا

پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿272﴾ (صدقات تو) ان ضرورت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کے کاموں میں ایسے مشغول ہوں کہ (اپنے

فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ

روزگار کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہ کر سکتے ہوں، ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انھیں مالدار خیال کرے، تم انھیں ان کے چہروں

النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿273﴾ ع الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ ع 37/7/5

سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو، بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ﴿273﴾

اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں رات اور دن میں، چھپا کر اور ظاہر، ان کے رب کے ہاں ان کے لیے اجر ہے، نہ انھیں کوئی خوف ہو گا اور

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾

نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿274﴾

عورت (اپنے نفس کی طرف) دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ (رب العالمین) سے ڈرتا ہوں۔ ⑥ وہ شخص جو اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ علم نہ ہو کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے اور ⑦ وہ شخص جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔''[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ﴾ ''اور وہ (اللہ) تم سے تمھارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا۔'' یعنی صدقات و خیرات کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمھارے گناہوں کو معاف فرما دے گا خصوصاً جب صدقہ پوشیدہ طور پر دیا جائے تو اس سے درجات بلند ہوں گے اور گناہوں کو بھی دور کر دیا جائے گا۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾﴾ ''اور اللہ کو تمھارے سب کاموں کی خبر ہے۔'' یعنی اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں اور وہ تمھارے ان اعمال کے مطابق ہی تمھیں جزا دے گا۔

تفسیر آیات: 272-274

مشرکین کے لیے صدقہ: امام ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے مشرک رشتہ داروں کو تھوڑا سا عطیہ بھی دیں، چنانچہ اس سلسلے میں جب انھوں نے

① صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد......، حديث: 660 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031.

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے تھوڑا سا خرچ کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور (مومنو!) تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمھی کو ہے اور تم جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمھارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ ﴾ ''اور (مومنو!) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمھی کو ہے۔'' اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ''جو اچھا کام کرے، پس وہ اپنی جان کے لیے کرتا ہے۔'' اور اس طرح کی قرآن مجید میں بہت سی مثالیں ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''اور تم جو خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہو۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومن کا خرچ کرنا اپنے ہی فائدے کے لیے ہوتا ہے اور مومن جب بھی خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول ہی کے لیے خرچ کرتا ہے۔[2] عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ جب تم اللہ کی رضا کے لیے دو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لینے والے کا عمل کیسا ہے۔[3]

یہ ایک بہت اچھی بات ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر و ثواب ثابت ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے صدقہ کس پر کیا ہے؟ نیک پر یا بد پر؟ مستحق پر یا غیر مستحق پر، اُسے اپنے قصد و ارادے کے مطابق ثواب مل جائے گا جیسا کہ آیت کریمہ کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ ''اور تم جو مال خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمھارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[قَالَ رَجُلٌ: لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ عَلٰى سَارِقٍ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ، لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ زَانِيَةٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ ، لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ عَلٰى غَنِيٍّ. فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ، وَّعَلٰى زَانِيَةٍ وَّعَلٰى غَنِيٍّ. فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهٗ: أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ، فَلَعَلَّهٗ أَنْ يَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ،

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ﴾: 306,305/6، حديث: 11052 و تفسير ابن أبي حاتم: 537/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 539/2. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 539/2.

وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا، وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَعْتَبِرَ، فَيُنْفِقَ مِمَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ]

''ایک آدمی نے کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ صدقہ لے کر نکلا مگر اس نے اسے چور کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! چور کے ہاتھ میں صدقہ جانے پر تیرا شکر ہے۔ اس نے پھر کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ صدقہ لے کر نکلا اور اس نے اسے ایک زانیہ کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! زانیہ کے ہاتھ میں صدقہ جانے پر تیرا شکر ہے۔ اس نے پھر کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ صدقہ لے کر نکلا اور اس نے اسے ایک دولت مند کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات دولت مند کو بھی صدقہ دے دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! چور، زانیہ اور دولت مند کے ہاتھ میں صدقہ جانے پر بھی تیرا شکر ہے۔ تو اسے (خواب میں) کوئی شخص ملا تو اس سے کہا گیا: تو نے جو چور پر صدقہ کیا ہے ممکن ہے چور آیندہ چوری سے باز آ جائے۔ اور تو نے جو زانیہ پر (صدقہ کیا ہے) ممکن ہے کہ وہ زنا سے باز آ جائے۔ اور تو نے جو دولت مند پر (صدقہ کیا ہے) ممکن ہے کہ وہ عبرت حاصل کرے اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے لگ جائے۔''[1]

صدقے کا زیادہ مستحق کون ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''(اور تم جو خرچ کرو گے تو وہ) ان حاجت مندوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں۔'' یعنی وہ مہاجرین جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے لیے وقف کر دیا ہے، مدینہ میں سکونت اختیار کر لی ہے اور اپنے لیے کچھ کمانے کے ان کے پاس کوئی اسباب و وسائل نہیں ہیں ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور وہ زمین میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' یعنی طلب معاش کے لیے وہ سفر نہیں کر سکتے۔ ﴿ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ سے یہاں ''سفر'' مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ (النسآء 4:101) ''اور جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔'' اور فرمایا: ﴿ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (المزمل 73:20) ''اسے علم ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے اور بعض اللہ کے فضل (معاش) کی تلاش میں زمین میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ﴾ یعنی ان کے معاملے اور حال سے ناواقف شخص ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے اور ان کے لباس، حال اور گفتگو کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ غنی ہیں۔ یہی معنی ہیں اس متفق علیہ حدیث کے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ (وَالْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ)، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ]، [قَالُوا: فَمَا

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب إذا تصدق على غني وهو لا يعلم، حديث:1421 وصحيح مسلم، الزكاة، باب ثبوت أجر المتصدق......، حديث:1022.

الْمِسْكِينُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، وَلَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا] ”مسکین وہ نہیں ہے جو چکر لگاتا ہے اور اسے ایک یا دو لقمے اور ایک نوالہ یا دو نوالے اور ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں۔ صحابہ نے کہا: پھر مسکین کون ہے؟ اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: مسکین وہ ہے جس کے پاس اس قدر مال نہ ہو جو اس کی ضرورت پوری کر دے اور نہ اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہو کہ یہ فقیر ہے تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ لوگوں سے کچھ مانگے۔“① اسے امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔② اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ ﴾ ”تم انھیں ان کے چہروں سے پہچان لو گے (کہ حاجت مند ہیں۔)“ یعنی عقل مند انھیں ان کی صفات سے پہچان لیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ ﴾ (الفتح48:29) ”ان کی پہچان ان کی پیشانیوں (پر پڑے نشان) سے ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ ﴾ (محمد47:30) ”اور یقیناً آپ ان کو (ان کے) اندازِ گفتگو سے پہچان لیتے ہیں۔“

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ ﴾ ”وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔“ یعنی لوگوں سے لپٹ کر نہ سوال کرتے ہیں اور نہ لوگوں کو غیر ضروری سوال سے مشکل میں ڈالتے ہیں۔ جو شخص سوال کرے، حالانکہ اس کے پاس وہ چیز موجود ہو جو اسے سوال سے بے نیاز کر دینے والی ہو تو اس نے بھی گویا لپٹ کر سوال کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھے میری والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لیے بھیجا، میں آ کر آپ کے پاس بیٹھ گیا، آپ نے میری طرف رخ انور کیا اور فرمایا: [مَنِ اسْتَغْنٰى أَغْنَاهُ اللّٰهُ ، وَمَنِ اسْتَعَفَّ أَعَفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنِ اسْتَكْفٰى كَفَاهُ اللّٰهُ، وَمَنْ سَأَلَ وَلَهُ قِيمَةُ أُوقِيَّةٍ فَقَدْ أَلْحَفَ] ”جو شخص بے نیازی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتا ہے جو عفت اختیار کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ اسے پاکباز بنا دیتا ہے جو کفایت اختیار کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درہم) کی قیمت (کی کوئی چیز) موجود ہو تو اس نے بھی لپٹ کر سوال کیا۔“ ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ میری یاقوتہ اونٹنی تو ایک اوقیہ سے زیادہ قیمتی ہے، لہٰذا میں واپس آ گیا اور میں نے آپ سے سوال نہ کیا۔③ اور اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔④

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ ”اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ

① اس کا پہلا حصہ صحیح البخاری، الزکاۃ، باب قول اللہ عزوجل: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ حدیث:1479 کے اور آخری حصہ صحیح مسلم، الزکاۃ، باب المسکین الذی لا یجد غنی......، حدیث:1039 کے مطابق ہے جبکہ قوسین والا حصہ صحیح البخاری، حدیث:1476 میں ہے، البتہ کسی ایک حدیث میں یہ دونوں لفظ: [الأكلة ......و اللقمة] اکٹھے نہیں آئے۔ ② مسند أحمد:384/1 . ③ مسند أحمد:9/3. ④ سنن أبي داود، الزکاۃ، باب من يُعطٰى من الصدقة وحدِّ الغنٰى، حدیث:1628 مختصرًا و سنن النسائی، الزکاۃ، باب من الملحف؟ حدیث:2596.

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ

جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔ یہ (سزا) اس لیے (ملے گی) کہ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ

وہ کہتے تھے: تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے

جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

نصیحت آ جائے اور وہ (سود کھانے سے) باز رہے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ)

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿275﴾

کرے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿275﴾

وقف لازم

اس کو جانتا ہے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ سے وہ ہرگز مخفی نہیں رہے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی اس وقت پوری پوری اور مکمل جزا عطا فرمائے گا جبکہ بندے کو اس کی بہت شدید ضرورت بھی ہوگی۔

صدقہ کرنے والوں کی تعریف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾﴾ ’’جو لوگ اپنا مال رات، دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔‘‘ یعنی یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس کی راہ میں، اس کی رضا کے حصول کی خاطر رات اور دن کے تمام اوقات میں اور پوشیدہ و ظاہر تمام حالات میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں حتی کہ انسان اپنے اہل و عیال پر جو خرچ کرتا رہتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جبکہ وہ مریض تھے اور آپ نے ان کی فتح مکہ کے سال۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے سال۔ عیادت فرمائی: [وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ ...... إِلَّا ازْدَدْتَّ بِهِ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً] ’’تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو بھی خرچ کرو گے اس سے تمھیں اجر دیا جائے گا حتی کہ اس لقمے سے بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو...... اس سے تمھارے درجے اور رفعت میں اضافہ ہوگا۔‘‘ ①

امام احمد نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةً وَّهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً] ’’مسلمان جب اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔‘‘ ② اور اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

① صحیح البخاري، الوصایا، باب أن یترك ورثته أغنیاء......، حدیث: 2742 و صحیح مسلم، الوصیة، باب الوصیة بالثلث، حدیث: 1628 واللفظ له لیکن آخری جملے [إِلَّا ...... رِفْعَةً] کا سیاق مختلف ہے۔ ② مسند أحمد: 4/120-122.
③ صحیح البخاري، النفقات، باب فضل النفقة......، حدیث: 5351 و صحیح مسلم، الزکاة، باب فضل النفقة والصدقة......، حدیث: 1002.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے۔'' یعنی نیکی وطاعت کے کاموں میں انھوں نے جو کچھ بھی خرچ کیا، اس کا صلہ اللہ تعالیٰ انھیں قیامت کے دن عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[1]

تفسیر آیت:275

سود کھانے والوں کی مذمت: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیکوکار بندوں کا تذکرہ فرمایا جو اس کی راہ میں خرچ کرتے، زکاۃ ادا کرتے اور تمام احوال واوقات میں ضرورت مندوں اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور صدقہ وخیرات کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اب اس نے ان لوگوں کا ذکر شروع کر دیا ہے جو سود کھاتے اور لوگوں کے اموال کو باطل طریقوں سے اور مختلف حیلوں بہانوں سے کھاتے ہیں اور ان کے بارے میں بتایا ہے کہ جب قیامت کے دن یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو ان کی کیفیت یہ ہوگی: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس شخص کی طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔'' یعنی قیامت کے دن وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسا کہ آسیب زدہ حالتِ آسیب میں اٹھتا ہے کہ جن نے لپٹ کر اسے دیوانہ بنا رکھا ہوتا ہے، یعنی وہ بہت ہی بری حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ سود کھانے والے کو روز قیامت اس طرح اٹھایا جائے گا جیسے وہ مجنون ہو اور اس کا گلا گھٹ رہا ہو۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ عوف بن مالک، سعید بن جبیر، سدی، ربیع بن انس، اور مُقاتل بن حَیّان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت سَمُرہ بن جُندُب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب والی ایک طویل حدیث میں یہ بیان کیا ہے: [فَأَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ - حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ -: أَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ، وَإِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَّسْبَحُ، وَ إِذَا عَلٰى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ حِجَارَةً كَثِيرَةً، وَّإِذَا ذٰلِكَ السَّابِحُ سَبَحَ مَا سَبَحَ ثُمَّ يَأْتِي ذٰلِكَ الَّذِي قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ، فَيَفْغَرُلَهُ فَاهُ فَيُلْقِمُهُ حَجَرًا] ''پھر ہم (میں اور وہ دو آدمی جو خواب میں میرے ساتھ تھے) ایک نہر پر آئے، میرے خیال میں انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ نہر خون کی طرح سرخ تھی اور اس نہر میں ایک آدمی تیر رہا تھا اور اس نہر کے کنارے پر بھی ایک آدمی تھا جس نے اپنے پاس بہت سے پتھر جمع کر رکھے تھے، یہ تیرنے والا شخص جب تک چاہتا تیرتا اور جب اس شخص کے پاس آتا جس نے اپنے پاس پتھر جمع کر رکھے تھے، وہ اس کے منہ کو کھولتا اور اس میں ایک پتھر کو داخل کر دیتا۔'' پھر اس کی تعبیر میں بتایا کہ اس سے مراد سود کھانے والا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ ''یہ

---

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت:38 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2/544. [3] صحيح البخاري، التعبير، باب تعبير الرؤيا بعد صلاة الصبح، حديث:7047.

سزا اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ تجارت سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' یعنی انھوں نے اسے جائز اس لیے قرار دیا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام شریعت پر اعتراض تھا، انھوں نے سود کو بیع پر قیاس نہیں کیا کیونکہ مشرکین تو اس اصل بیع کی مشروعیت ہی کے معترف نہیں تھے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جائز قرار دیا ہے اور اگر ان کی یہ بات قیاس پر مبنی ہوتی تو پھر وہ اس طرح کہتے: إِنَّمَا الرِّبَا مِثْلُ الْبَيْعِ ''بلاشبہ سود تجارت ہی کی طرح ہے۔'' جبکہ انھوں نے تو یہ کہا تھا: ﴿اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ ''بلاشبہ تجارت سود ہی کی طرح ہے۔'' یعنی جب بیع سود ہی کی طرح ہے تو پھر اس کو حرام اور اس کو حلال کیوں قرار دیا گیا؟ ان کا یہ اعتراض شریعت پر تھا کہ جب یہ دونوں چیزیں ایک جیسی ہیں تو ان میں سے ایک کو حلال اور دوسری کو حرام کیوں قرار دیا گیا ہے؟

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ''حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' اس جملے کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان کی تردید کے سلسلے میں انھی کے کلام کا حصہ ہو، یعنی یہ ان کے اعتراض ہی کا جواب ہو کہ باوجود اس کے کہ انھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے حکم میں فرق کیا ہے (پھر بھی وہ نہیں مانتے۔) اور وہ ذات گرامی علیم وحکیم ہے، کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور جو وہ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ تمام بندگانِ الٰہی اس کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ وہی تمام امور ومعاملات کے حقائق اور مصلحتوں کو جانتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے لیے کون سی چیز نفع بخش ہے تو اسے وہ ان کے لیے جائز قرار دے دیتا ہے اور کون سی چیز ان کے لیے نقصان دہ ہے تو اس سے وہ انھیں منع فرما دیتا ہے۔ اس قدر کوئی ماں بھی اپنے بچے پر شفقت نہیں کر سکتی جس قدر وہ اپنے بندوں کو شفقت ورحمت سے سرفراز فرماتا ہے۔

اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا سو ہو چکا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔'' جس شخص تک یہ بات پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے سود سے منع فرمایا ہے اور وہ اس حکم شریعت کے معلوم ہونے کے بعد سود لینے سے رک گیا تو جو سود کا معاملہ اس حکم سے پہلے ہو چکا وہ اسی کا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ﴾ (المائدة 5:95) ''جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا۔'' جیسا کہ نبی ﷺ نے بھی فتح مکہ کے دن فرمایا تھا: [وَإِنَّ كُلَّ رِبًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ (تَحْتَ قَدَمَيَّ) ...... وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَا الْعَبَّاسِ] ''اور بے شک زمانۂ جاہلیت کا سود میرے دونوں پاؤں کے نیچے رکھا ہوا (ختم) ہے...... اور سب سے پہلے میں (اپنے چچا) عباس کے سود کو معاف کرتا ہوں۔''[1]

[1] قوسین سے پہلا حصہ جامع الترمذي، تفسیر القرآن، باب ومن سورة التوبة، حدیث:3087 اور بعد والا حصہ صحیح ابن حبان، الحج، باب ماجاء فی حج النبیﷺ:257/9، حدیث:3944 کے مطابق ہے جبکہ قوسین والے الفاظ اور بالفاظ دیگر یہ حدیث دیگر کتب احادیث میں بھی ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبیﷺ، حدیث:1218 وسنن أبی داود، البیوع، باب فی وضع الربا، حدیث:3334 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب حجة رسول اللهﷺ، حدیث:3074 و 3055 مطوّلًا۔ اور یہ حدیث جابر بن عبداللہ اور عمرو بن الأحوص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

آپ نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں وہ جو سود لے چکے ہیں، اسے بھی واپس کریں بلکہ جو پہلے ہو چکا، اسے آپ نے کالعدم فرما دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ﴾ ''تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اسی کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔'' سعید بن جبیر اور سدی فرماتے ہیں: ﴿ فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس نے جو سود کھایا (وہ معاف ہے)۔ ①

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ عَادَ ﴾ یعنی جو شخص پھر سودی معاملہ کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت کے حکم کے پہنچنے کے بعد ایسا کیا ہے، لہٰذا وہ مستوجب سزا ہے کیونکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔''

امام ابوداود نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ لَّمْ يَذَرِ الْمُخَابَرَةَ فَلْيُؤْذَنْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ] ''جو شخص بٹائی پر زمین دینے کو ترک نہ کرے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔'' ② امام حاکم نے اس حدیث کو اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔ ③

''بیع مخابرہ'' ④ زمین کی پیداوار کے کچھ حصے، مثلاً: ثلث یا ربع دینے کی شرط پر مزارعت۔ ''بیع مزابنہ'' کھجور کے درختوں پر لگی ہوئی تر و تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض خریدنا۔ ''بیع محاقلہ'' خوشوں میں موجود دانوں کو زمین پر ڈھیر خشک دانوں کے عوض خریدنا اور اس طرح کی دیگر بہت سی اشیاء کو اسی لیے حرام قرار دیا گیا ہے تا کہ سود کا خاتمہ کیا جا سکے کیونکہ خشک ہونے سے قبل دونوں چیزوں کے مساوی ہونے کو معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

سود کا مسئلہ بہت سے اہل علم کے لیے ایک مشکل مسئلہ ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: تین مسئلے ایسے ہیں کہ میری خواہش ہے کہ اے کاش! رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ایسا واضح حکم فرمایا ہوتا جس سے ہم مطمئن ہو جاتے: (1) دادا کا حصۂ میراث۔ (2) کلالہ کا حصۂ میراث اور (3) ربا سے متعلق بعض مسائل۔ ⑤ آپ کا اشارہ ان بعض

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 546/2. ② سنن أبي داود، البیوع، باب في المخابرة، حدیث: 3406 . ③ المستدرك للحاكم، التفسیر، من سورة البقرة: 286,285/2، حدیث: 3129. ④ ''مخابرہ'' کے بارے میں دونوں قسم کی روایات آتی ہیں، ممانعت کی بھی (جیسا کہ یہ حدیث ہے) اور جواز کی بھی حتی کہ اس صورت کا نام ہی مخابرہ اس لیے پڑا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے خیبر کی زمین کی بابت یہی معاملہ فرمایا تھا، اس لیے زمین کو ثلث یا رُبع حصے پر دینے کا نام ہی مخابرہ پڑ گیا۔ اس لیے اس کے جواز میں کیا شک ہو سکتا ہے! یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین اور مابعد امت میں یہ طریقہ جائز تسلیم ہوتا چلا آ رہا ہے، البتہ بعض روایات میں جو ممانعت وارد ہے تو اس سے مراد اس کی بعض وہ صورتیں ہیں جن میں ظلم کا شائبہ پایا جاتا ہے جیسے زمین کو بٹائی (کرائے) پر دیتے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ نہر کے دونوں طرف زمین کی پیداوار یا فلاں حصے کی پیداوار ہماری ہو گی۔ اس قسم کی شرط میں چونکہ ظلم و زیادتی کا امکان ہے، اس لیے یہ ممنوع ہو گی اور احادیث میں ممانعت سے مراد اسی قسم کی صورتیں ہوں گی۔ (مترجم) ⑤ صحیح البخاري، الأشربة، باب ما جاء في أن الخمر ما خامر العقل من الشراب، حدیث: 5588 و صحیح مسلم، التفسیر، باب في نزول تحریم الخمر، حدیث: 3032 .

مسائل کی طرف ہے جن میں ربا کا شائبہ ہے لیکن شریعت شاہد ہے کہ ہر وہ چیز جو حرام ہو تو جو چیز اس کا وسیلہ بنے وہ بھی حرام ہوگی کیونکہ جو چیز حرام کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے جیسا کہ ہر وہ چیز بھی واجب ہے جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو سکتی ہو۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَّإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ ، (وَّبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُورٌ) مُّشْتَبِهَاتٌ ...... فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهٖ وَعِرْضِهٖ، وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيهِ] ”بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان بہت سے امور متشابہ ہیں......تو جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا جس طرح کہ وہ چرواہا جو چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چراتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ چراگاہ ہی میں چرانے لگ جائے۔“①

سنن میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيبُكَ] ”جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اسے لے لو۔“② امام احمد نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت، آیتِ ربا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کی تفسیر (جو اس کی تمام جزئیات کو شامل ہو اور قیاس کی ضرورت بھی نہ رہنے دے) فرمانے سے قبل اللہ تعالیٰ کے حضور تشریف لے گئے، لہٰذا ہر ربا کو بھی چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو بھی جس کے ربا ہونے کا شک ہو۔③

امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا ، أَيْسَرُهَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهٗ] ”سود کے ستر درجے ہیں، ان میں سے سب سے کم درجے کا گناہ اس قدر ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے نکاح کرے۔“④ اسی طرح امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔⑤

اسی قبیل سے، یعنی وہ وسائل بھی حرام ہیں جو محرمات تک پہنچانے والے ہوں، وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب ربا سے متعلق سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف

---

① صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حديث:52 وصحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حديث:1599 واللفظ له اور قوسین کے الفاظ جامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في ترك الشبهات، حديث:1205 کے مطابق ہیں۔ ② جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث:[اعقلها وتوكل ......]، حديث:2518 و سنن النسائي، الأشربة، باب الحث على ترك الشبهات، حديث:5714. ③ مسند أحمد:36/1 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب التغليظ في الربا، حديث:2276. اور دیکھیے صحيح البخاري، التفسير، باب:﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (البقرة2:281)، حديث:4544 عن ابن عباس ﷺ. ④ سنن ابن ماجه، التجارات، باب التغليظ في الربا، حديث:2274. ⑤ المستدرك للحاكم، البيوع:37/2، حديث:2259 لیکن یہاں:[ثَلَاثَةٌ وَّ سَبْعُونَ بَابًا] کے الفاظ ہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿276﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا﴿276﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے رہے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾

وہ غمگین ہوں گے﴿277﴾

لائے اور آپ نے ان کی تلاوت فرمائی، پھر آپ نے شراب کی تجارت کو بھی حرام قرار دے دیا۔[1] اسے امام ترمذی کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[2] جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: [لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَّلُوهَا، فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا] ''اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے، ان کے لیے چربیوں کو حرام قرار دے دیا گیا تو انھوں نے انھیں پگھلایا اور انھیں بیچ کر ان کی قیمت کو کھانا شروع کر دیا تھا۔''[3]

اور فرمان الٰہی: ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ ......﴾ (البقرۃ 2:230) کی تفسیر میں حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حلالہ کرنے والے پر لعنت والی حدیث میں یہ فرمان گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَعَنَ اللّٰهُ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ] ''سود کھانے والے، کھلانے والے، دونوں گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔''[4] علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو سودی لین دین کے بارے میں گواہی دے یا سودی دستاویز کو لکھے اور اگر کسی معاملے کو بظاہر شرعی صورت میں پیش کیا جائے لیکن حقیقی طور پر وہ فاسد ہو تو اس کی ظاہری صورت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے گا کیونکہ اعمال کا دار و مدار اور انحصار نیتوں پر ہے۔

تفسیر آیات:277,276

سود بے برکت ہے: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ سود کو نابود، یعنی ختم کر دیتا ہے یا تو اسے اس کے مالک کے ہاتھ سے لے کر بالکل ختم کر دیتا ہے یا اسے اُس کے مال کی برکت سے محروم کر دیتا ہے اور وہ اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس کی وجہ سے اسے دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور قیامت کے دن بھی عذاب دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي

---

[1] مسند أحمد:45/6. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب تحريم تجارة الخمر في المسجد، حديث:459 و صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر، حديث:1580 و سنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر ...... ، حديث: 3490 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرة2:275): 306/6، حديث:11055 و سنن ابن ماجه، الأشربة، باب التجارة في الخمر، حديث:3382. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ماذكر عن بني إسرائيل، حديث:3460 و 2224 و صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ......، حديث:1583,1582 عن أبي هريرة و ابن عباس رضي الله عنهم. [4] صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا وموكله، حديث:1597 و مسند أحمد:402/1 لیکن آیت:230 کے تحت:[لعن رسول اللہ ﷺ] ہے۔

﴿الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ﴾ (المآئدة5:100) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو بھلی ہی لگے۔'' اور فرمایا: ﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ﴾ (الأنفال8:37) ''اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر وہ سب کو ایک ڈھیر بنا دے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الروم30:39) ''اور تم سود پر جو (قرض) دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی۔''

امام ابن جریر نے ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا﴾ ''اللہ سود کو نابود (بے برکت) کرتا ہے۔'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس حدیث کی طرح ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ ، فَإِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيرُ إِلٰى قُلٍّ] ''سود اگرچہ زیادہ ہی ہو، تاہم اس کا انجام بہرحال قلت ہی ہے۔''[1] اس حدیث کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ صدقات کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم اپنے گھوڑے کے بچے کی: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ ''اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔'' یعنی انھیں پروان چڑھاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انھیں پالتا پوستا ہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهٖ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ] ''جو شخص پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرے، اور اللہ تعالیٰ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرمالیتا ہے، پھر اسے صدقہ کرنے والے کے لیے اس طرح پالتا پوستا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے حتی کہ وہ صدقہ (بڑھ کر) پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔''[3]

ناشکرا گناہ گار اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾ ''اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے دوست نہیں رکھتا جو دل کے اعتبار سے ناشکرا اور قول و فعل کے اعتبار سے گناہ گار ہو۔ اس آیت کریمہ کا اختتام ان صفات (كفّار، أثيم) کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے کہ ان صفات کی آیت کے مضمون کے ساتھ بہت مناسبت ہے اور وہ یہ کہ سود خور اس پر خوش نہیں ہوتا جو رزق حلال اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرما رکھا ہے اور نہ اس جائز کمائی پر اکتفا کرتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما رکھی ہے بلکہ وہ باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کمائی کے مختلف ناپاک طریقے اختیار کرتا ہے تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا انکار

---

[1] تفسير الطبرى:3/144. [2] مسند أحمد:1/395 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب التغليظ فى الربا، حديث: 2279 والمستدرك للحاكم، البيوع:2/37، حديث:2262. [3] صحيح البخارى، الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب......، حديث:1410 و صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها، حديث:1014.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾ فَاِنْ لَّمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو﴿278﴾ پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے

تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے ﴿279﴾ اور اگر

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿279﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

(تمھارا مقروض) تنگدست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دو اور تمھارا صدقہ کرنا (قرض معاف کر دینا) تو تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿280﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

علم رکھتے ہو﴿280﴾ اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص نے جو کچھ کیا ہوگا اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿281﴾ ع 38 8 6

اور کسی پر ظلم نہ ہوگا﴿281﴾

ہے جو اس نے اسے عطا فرما رکھی ہے، پھر وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھانے کی وجہ سے ظالم اور گناہ گار بھی ہے۔

شکر کرنے والوں کی تعریف: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اس کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں، اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اقامت صلاۃ اور ادائے زکاۃ کے ذریعے سے اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بے حدوحساب اجروثواب تیار فرما رکھا ہے اور قیامت کے دن کی سختیوں سے بھی محفوظ ہوں گے، فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾ ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کرتے، نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہے ان کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔“

تفسیر آیات:278-281

تقویٰ کے اختیار کرنے اور سود سے اجتناب کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے تقویٰ کے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور ان باتوں سے منع کرتے ہوئے جو اس کی ناراضی کے قریب اور اس کی رضا سے دور کر دیں، فرما رہا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ”اے مومنو! اللہ سے ڈرو۔“ یعنی اللہ سے ڈرو اور اپنے افعال بجالاتے ہوئے اس کے حکم کو پیش نظر رکھو۔ ﴿ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا ﴾ ”اور جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔“ یعنی تمھارے اپنے اصلی اموال سے زیادہ جو لوگوں کے ذمے ہے اب اس ڈراوے کے بعد اسے چھوڑ دو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾ ﴾ ”اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“ یعنی اس پر جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

زید بن اسلم، ابن جُرَیج، مُقاتِل بن حَیّان اور سدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات خاندان ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر اور

خاندان مخزوم کے بنومغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، زمانۂ جاہلیت میں ان کا آپس میں سودی لین دین تھا، جب اسلام آیا اور یہ لوگ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے تو خاندان ثقیف کے لوگوں نے خاندان مخزوم کے لوگوں سے اپنے سود کا مطالبہ کیا تو بنومغیرہ نے کہا کہ ہم اسلام قبول کرنے کے بعد اب سود ادا نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں مکہ کے نائب عتّاب بن اُسَید نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لکھا تو یہ آیت نازل ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اسے لکھوا بھیجا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ ''اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، پھر اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' یہ آیت سن کر وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتے ہیں اور جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ انھوں نے سارے سود کو چھوڑ دیا۔[1] اس ڈراوے کے بعد بھی اگر کوئی شخص سودی لین دین کو جاری رکھے تو اس کے لیے یہ زبردست تہدید و وعید ہے۔

سود کھانا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ ہے: ابن جریج نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا یقین کر لو۔[2] آپ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ سود خور سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جنگ کے لیے تم مسلح ہو جاؤ، پھر آپ نے پڑھا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾.[3] اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو شخص سود پر قائم رہے اور اس سے باز نہ آئے تو مسلمانوں کے حکمران کا یہ فرض ہے کہ اس سے توبہ کرائے اگر وہ باز آ جائے تو بہت خوب ورنہ اس کی گردن اڑا دے۔[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ ﴾ ''اور اگر تم توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو۔'' کہ تم ان سے زیادہ لے لو ﴿ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ۞ ﴾ ''اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔'' کہ تمھیں اصلی رقم بھی نہ دی جائے، لہٰذا تم اپنی اصلی رقم کسی کمی بیشی کے بغیر لے سکتے ہو۔ امام ابن ابوحاتم نے سلیمان بن احوص کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: [أَلَا إِنَّ كُلَّ رِبًا كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ عَنْكُمْ كُلُّهُ، لَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ، وَأَوَّلُ رِبًا مَّوْضُوعٍ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، مَوْضُوعٌ كُلُّهُ] ''خبردار! آگاہ ہو جاؤ کہ زمانۂ جاہلیت کا سارا سود تمھیں معاف کر دیا گیا ہے، اب تمھیں کسی کمی بیشی کے بغیر صرف اپنی اصلی رقم ملے گی اور سب سے پہلے میں (اپنے چچا) عباس بن عبدالمطلب کے سارے سود کو (جو انھوں نے لوگوں سے لینا ہے) معاف کرتا ہوں۔''[5]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:549,548/2 و تفسیر الطبری:147,146/3 لیکن آخری جملے کا مفہوم تفسیر قرطبی میں بیان ہوا ہے، دیکھیے تفسیر القرطبی:363/3. [2] تفسیر الطبری:148/3. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:550/2. [4] تفسیر الطبری:148/3 و تفسیر ابن أبي حاتم:550/2. [5] تفسیر ابن أبي حاتم:551/2.

تنگ دست سے احسان: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور اگر (قرض لینے والا) تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زرِقرض کو) صدقہ کر دو تو وہ تمھارے لیے زیادہ اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ اگر کوئی قرض لینے والا تنگ دست ہے اور وہ قرض ادا نہیں کر سکتا تو تم صبر کرو اور اسے کشائش کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اس طرح نہ کہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے مقروض سے قرض کی مدت ختم ہونے پر یہ کہتے تھے کہ یا تو تم میرا قرض ادا کرو یا پھر تمھیں سود بھی دینا پڑے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ اگر تنگ دست کو قرض معاف کر دیا جائے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے اور اس کا تمھیں بے پایاں اجر و ثواب ملے گا، پس فرمایا: ﴿ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور اگر (زرِقرض کو) صدقہ کر دو (قرض معاف کر دو) تو تمھارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' یعنی اگر مقروض کو قرض بالکل معاف کر دو اور اپنے رأس المال کو بھی چھوڑ دو تو یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سلیمان بن بریدہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلُهُ صَدَقَةٌ ، قَالَ: ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلَيْهِ صَدَقَةٌ ، قُلْتُ: سَمِعْتُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! تَقُولُ: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلُهُ صَدَقَةٌ ثُمَّ سَمِعْتُكَ تَقُولُ: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلَيْهِ صَدَقَةٌ ؟ قَالَ : لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلُهُ صَدَقَةٌ قَبْلَ أَنْ يَّحِلَّ الدَّيْنُ ، فَإِذَا حَلَّ الدَّيْنُ فَأَنْظَرَهُ، فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلَيْهِ صَدَقَةٌ] ''جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر دن اس قرض کے برابر صدقے کا ثواب ملے گا، پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا: جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر دن اس قرض سے دوگنا صدقے کے برابر ثواب ملے گا، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے تو اسے ہر دن اس قرض کے برابر صدقے کا ثواب ملے گا لیکن پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا: جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے تو اسے ہر دن اس قرض سے دوگنا صدقے کے برابر ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: قرض چکانے کی مدت تک تو اسے قرض کے برابر صدقے کا ثواب ملے گا اور اگر قرض چکانے کی مدت کے آنے پر مہلت دے تو اسے قرض سے دوگنا صدقے کے برابر ثواب ملے گا۔''[1]

امام احمد نے محمد بن کعب قُرظی سے روایت کیا ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے قرض لینا تھا، یہ قرض کی واپسی کا تقاضا کرنے کے لیے جاتے تو وہ چھپ جاتا۔ ایک دن یہ گئے تو ایک بچہ باہر آیا، انھوں نے بچے سے اس کے بارے میں پوچھا تو بچے نے بتایا کہ وہ گھر میں موجود ہے اور خَزِیرہ[2] کھا رہا ہے تو انھوں نے اسے آواز دی اور کہا: اے فلاں! باہر آؤ، معلوم ہوا

[1] مسند أحمد: 360/5 و سنن ابن ماجه ، الصدقات ، باب إنظار المعسر ، حديث: 2418 و المستدرك للحاكم ، البيوع: 29/2 ، حدیث: 2225. [2] عربوں کے ہاں ایک کھانا جس میں گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے زیادہ پانی میں اُبال کر، پھر اس میں آٹا یا دلیا مکس کرتے ہیں۔

ہے کہ تم یہاں موجود ہو، وہ باہر آ گیا تو انھوں نے پوچھا کہ تم مجھ سے چھپتے کیوں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں بہت تنگ دست ہوں، میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا تم واقعی تنگ دست ہو؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، تو یہ سن کر ابوقتادہ رونے لگ گئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [مَنْ نَفَّسَ عَنْ غَرِيمِهِ ، أَوْ مَحَا عَنْهُ، كَانَ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جس شخص نے اپنے مقروض کو مہلت دی یا اسے قرض معاف کر دیا تو وہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوگا۔''[1] اور امام مسلم نے بھی اس (حدیث کے ہم معنی) حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2]

حافظ ابویعلیٰ مَوصِلی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:)

[أَنَّ رَجُلًا أَتَى بِهِ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ: مَاذَا عَمِلْتَ لِي فِي الدُّنْيَا؟ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ : مَا عَمِلْتُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ أَرْجُوكَ بِهَا، فَقَالَهَا لَهُ ثَلَاثًا وَّقَالَ فِي الثَّالِثَةِ: أَيْ رَبِّ ! كُنْتَ أَعْطَيْتَنِي فَضْلًا مِّنْ مَّالٍ فِي الدُّنْيَا فَكُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ، وَكَانَ مِنْ خُلُقِي أَتَجَاوَزُعَنْهُ وَكُنْتُ أُيَسِّرُ عَلَى الْمُوسِرِ وَأُنْظِرُ الْمُعْسِرَ ، فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: نَحْنُ أَوْلَى بِذٰلِكَ مِنْكَ، تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي، فَغُفِرَلَهُ]

''ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ لائے گا اور پوچھے گا: تو نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ تو آدمی کہے گا: میں ذرہ برابر نیکی کا کام نہ کر سکا جس کی آج تجھ سے امید کر سکوں، وہ تین بار یہ عرض کرے گا اور تیسری مرتبہ کہے گا: یا اللہ! تو نے دنیا میں مجھے بہت مال دے رکھا تھا اور میں لوگوں سے خرید و فروخت کرتا تھا اور میری عادت تھی کہ میں درگزر سے کام لیتا تھا، خوش حال سے بھی آسان معاملہ کرتا اور تنگ دست کو مہلت دے دیا کرتا تھا تو اللہ عزوجل فرمائے گا: میں اس بات کا تجھ سے زیادہ حق دار ہوں، (اے فرشتو!) میرے بندے سے تم بھی درگزر کرو تو اس کو معاف کر دیا جائے گا۔'' ابومسعود فرماتے ہیں: اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کے منہ سے سنا ہے۔[3] امام بخاری، مسلم اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اس حدیث کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے عقبہ بن عامر اور ابومسعود بدری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اسی طرح فرمایا۔[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نصیحت کی اور انھیں یاد دلایا ہے کہ یہ دنیا زوال پذیر ہے اور یہاں کے اموال اور دیگر سب نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں۔ آخرت آنے والی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی مخلوق کے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور اچھے اور برے اعمال کی جزا یا سزا دے گا، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾281 ''اور

---

[1] مسند أحمد:308/5. [2] صحيح مسلم،الزهد، باب حديث جابر الطويل ......، حديث:3006. [3] مسند أحمد: 118/4 والمعجم الكبير للطبراني:235/17، حديث:650,649. [4] صحيح البخاري، البيوع، باب من أنظر موسرًا ، حديث:2077 وصحيح مسلم، المساقاة، باب فضل إنظار المعسر......، حديث:(29)-1561,1560 وسنن ابن ماجه، الصدقات، باب إنظار المعسر، حديث:2420.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارے

كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ

درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کر دے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے اسے لکھنا چاہیے، اور وہ شخص لکھوائے

عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

جس کے ذمے قرض ہو اور اسے اپنے رب، اللہ سے ڈرنا چاہیے اور (لکھواتے وقت) وہ (مقروض) اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے لیکن اگر

سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا

وہ جس کے ذمے قرض ہے نادان یا کمزور ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا مختار انصاف کے ساتھ لکھوائے، اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو

شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

گواہ بنا لو، پھر اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں) جنھیں تم گواہوں کے طور پر پسند کرو، (یہ اس لیے) کہ ایک عورت

الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا

اگر بھول جائے تو ان میں سے دوسری اسے یاد دلا دے، اور گواہ جب بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے مقررہ

مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

مدت کے ساتھ لکھوانے میں سستی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کے لیے زیادہ درست طریقہ ہے اور

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ

(اس طرح) تمھارے شک میں پڑنے کا امکان بھی کم رہ جاتا ہے۔ ہاں، تم آپس میں نقد جو تجارتی لین دین کرو، اسے نہ لکھا جائے تو تم پر

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬

کوئی حرج نہیں اور جب تم آپس میں سودا کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے اور اگر تم (ایسا) کرو گے تو یقیناً یہ تمھاری

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿282﴾

طرف سے نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمھیں (یہ احکام) سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿282﴾

اس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔“ روایت کیا گیا ہے کہ قرآن عظیم کی یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: یہ قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔[1] امام ضحاک اور عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت:282

[1] السنن الکبری للنسائی، التفسیر: 307/6، حدیث: 11058,11057. [2] تفسیر الطبری: 157/3.

قرض کے معاملات کو لکھنے کا حکم: یہ آیت کریمہ قرآن عظیم کی سب سے طویل آیت ہے۔امام ابوجعفر بن جریر نے حضرت سعید بن میسّب سے روایت کیا ہے کہ انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ عرش سے قرآن مجید کا سب سے آخر میں نازل ہونے والا مقام آیت دَین ہے۔[1]

پس ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ ''مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ جب وہ آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کے معاملات کریں تو انھیں لکھ لیا کریں تاکہ اس سے قرض کی مقدار اور اس کے ادا کرنے کا وقت یاد رہ سکے اور گواہ کو گواہی دینے میں بھی زیادہ سہولت رہے، اس حکمت کی طرف آیت کریمہ کے آخر میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا ﴾ ''یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے، اس سے تم کو کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا۔''

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ پھلوں کی دو یا تین سال کے لیے ادھار بیع کیا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَفِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ، وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ ، إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ] ''جو شخص ادھار کی بیع کرے تو وہ معلوم ماپ، معلوم تول اور معلوم مدت کے لیے کرے۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاكْتُبُوْهُ ﴾ ''تو اس کو لکھ لیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ بات پختہ ہو اور یاد بھی رہ سکے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جو قرض دے وہ لکھ لے اور جو خریدے وہ گواہ بنا لے۔[3] ابوسعید، شعبی، ربیع بن انس، حسن، ابن جریج، اور ابن زید رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ واجب تھا مگر پھر اس (کے وجوب) کو ان الفاظ کے نازل ہونے کے بعد منسوخ کر دیا گیا: ﴿ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ ''اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے۔''[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ﴾ ''اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے۔'' یعنی عدل اور حق کے ساتھ لکھے اور لکھنے میں کسی پر ظلم نہ کرے اور کسی کمی بیشی کے بغیر صرف وہی لکھے جس پر فریقین کا اتفاق ہوا ہو۔ اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ﴾ ''لکھنے والا جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے، لکھنے سے انکار بھی نہ کرے، پس چاہیے کہ وہ لکھے۔'' یعنی جو شخص لکھنا جانتا ہے تو لوگ جب اس سے لکھنے کے لیے کہیں تو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے کیونکہ انکار کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تو جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے وہ سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا تو اسے بھی چاہیے کہ جو لکھنا نہیں جانتا اس پر صدقہ کرے اور اسے لکھ دے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [تُعِينُ

[1] تفسیر الطبری:3/157. [2] صحیح البخاری، السلم، باب السلم فی وزن معلوم، حدیث: 2240 و صحیح مسلم، المساقاۃ، باب السلم، حدیث: 1604. [3] تفسیر الطبری:3/160. [4] تفسیر الطبری:3/160.

صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ] ''(یہ بھی صدقہ ہے کہ)تم کسی کام کرنے والے کی مدد کر دو یا جو کام کرنا نہیں جانتا اسے کام کر دو۔''[1] ایک دوسری حدیث میں ہے: [مَنْ كَتَمَ عِلْمًا يَّعْلَمُهُ ، أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ] ''جو شخص کسی ایسے علم کو چھپائے جسے وہ جانتا ہو تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔''[2] مجاہد اور عطاء فرماتے ہیں کہ ''کاتب'' کے لیے واجب ہے کہ وہ لکھے۔[3] اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ ''اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے خوف کرے جو اس کا مالک ہے۔'' یعنی مقروض کاتب کو لکھوائے کہ اس کے ذمے کس قدر قرض ہے اور اس سلسلے میں اللہ سے ڈرے ﴿ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ ''اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔''

﴿ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا ﴾ ''اور اگر قرض لینے والا بے عقل ہو'' یعنی فضول خرچی وغیرہ کی وجہ سے مالی امور میں تصرف سے اسے روک دیا گیا ہو ﴿ اَوْ ضَعِيْفًا ﴾ ''یا ضعیف ہو'' یعنی چھوٹا بچہ یا مجنون ہو ﴿ اَوْلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ ﴾ ''یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو'' عاجزی و درماندگی کی وجہ سے یا صحیح اور غلط کو نہ جاننے کی وجہ سے ﴿ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ﴾ '' تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے۔''

کتابت کے ساتھ ساتھ شہادت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ ''اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے کتابت کے ساتھ ساتھ شہادت کا بھی حکم دیا ہے تاکہ معاملے میں مزید پختگی پیدا ہو جائے۔ ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ ﴾ ''پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں۔)'' یہ مالی معاملات میں شہادت کا نصاب ہے۔ عورت کی عقل کی کمی کی وجہ سے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

[يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ الْإِسْتِغْفَارَ ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ جَزْلَةٌ: وَّمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَّاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِينٍ أَغْلَبَ لِذِي لُبٍّ مِّنْكُنَّ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّينِ؟ قَالَ: أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ ، فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ ، فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ، وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيَ مَا تُصَلِّي وَتُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ، فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّينِ]

''اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کیا کرو اور کثرت سے استغفار بھی کیا کرو، میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں اکثریت تمھاری تھی۔ انتہائی سمجھ بوجھ رکھنے والی ایک عورت نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے، جہنم میں ہماری اکثریت کیوں تھی؟ فرمایا: اس لیے کہ تم بہت لعنت بھیجتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ تمھارے عقل و دین میں ناقص ہونے

[1] صحيح البخاري، العتق، باب أيُّ الرقاب أفضل؟ حديث:2518 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث:84 واللفظ له عن أبي ذر رضي الله عنه. [2] المعجم الكبير للطبراني:5/11 ، حديث: 10845 عن ابن عباس رضي الله عنهما. [3] تفسير الطبري:162/3 و تفسير ابن أبي حاتم:556/2.

کے باوجود کوئی عقل مند آدمی پر تم سے زیادہ غالب ہو۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں دین اور عقل کی کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: عقل کی کمی کی وجہ سے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر رکھی گئی ہے تو یہ ہے عقل کی کمی اور کچھ راتیں یہ نماز نہیں پڑھ سکتی اور نہ رمضان کے روزے رکھ سکتی ہے تو یہ دین کی کمی ہے۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ ''جن کو تم گواہ پسند کرو۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گواہوں کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ عادل ہوں۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا ﴾ ''یہ کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے۔'' یعنی دو عورتوں میں سے ایک جب شہادت کو بھول جائے ﴿ فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰى ﴾ ''تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔'' تو اس سے اسے بھی وہ یاد آ جائے گا جس کے بارے میں گواہی لی گئی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا ﴾ ''اور جب گواہ (گواہی کے لیے) طلب کیے جائیں تو انکار نہ کریں۔'' اس کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ گواہوں کو جب گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ اسے قبول کر لیں اور آ جائیں۔ امام قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[2] اور یہ اس طرح ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَاۡبَ كَاتِبٌ اَنۡ يَّكۡتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلۡيَكۡتُبۡ ﴾ ''اور لکھنے والا جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے، لکھنے سے انکار نہ کرے، اسے چاہیے کہ وہ لکھے۔''

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تحمل شہادت فرض کفایہ ہے۔ اور جمہور کے مذہب کے مطابق یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب گواہوں کو گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو اس وقت وہ انکار نہ کریں۔ اور لفظ ﴿ الشُّهَدَآءُ ﴾ کی حقیقت اس معنی پر دلالت کناں ہے کیونکہ شاہد حقیقت میں اسے کہتے ہیں جو گواہ بن چکا ہو، لہٰذا جب گواہی اس کے لیے معین کر دی جائے تو اسے گواہی دینے کے لیے ضرور آ جانا چاہیے جبکہ اس کے سوا کوئی اور گواہ موجود ہی نہ ہوں، اور اگر کوئی اور گواہ بھی موجود ہوں تو پھر ان کی حاضری فرض کفایہ ہوگی۔ واللہ أعلم.

مجاہد، ابومجلز اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ جب آپ کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو آپ کو اختیار ہے لیکن جب آپ گواہ بن جائیں اور آپ کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو پھر گواہی کے لیے ضرور آئیں۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ عام ہے اور یہ گواہ بننے اور گواہی دینے کی دونوں حالتوں کے لیے ہے۔[4]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَسۡـَٔمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ صَغِيۡرًا اَوۡ كَبِيۡرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ﴾ ''اور قرض تھوڑا ہو یا بہت مقرر مدت تک اس کے لکھنے میں کاہلی نہ کرنا۔'' اس مقام پر رہنمائی کی انتہا کر دی گئی ہے اور وہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ حق، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اسے ضرور لکھ لیا کرو، پس فرمایا: ﴿ وَلَا تَسۡـَٔمُوۡۤا ﴾ یعنی مقررہ مدت تک حق کے لکھنے میں تم اکتاؤ نہیں، خواہ قلت و کثرت کے اعتبار سے اس کی کوئی بھی حالت ہو۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَاَقۡوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدۡنٰۤى اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا ﴾

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان نقصان الإیمان بنقص الطاعات......، حدیث: 79. [2] تفسیر الطبری: 172/3.
[3] تفسیر الطبری: 173/3 و تفسیر ابن أبی حاتم: 563/2. [4] تفسیر الطبری: 173/3 و تفسیر ابن أبی حاتم: 563/2.

''یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے اور اس سے تم کو کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا۔'' یعنی یہ جو ہم نے تمھیں حکم دیا ہے کہ حق (قرض) لکھ لیا کرو جبکہ اس کا تعلق کسی میعاد معین سے ہو یہ اللہ کے ہاں نہایت قرینِ انصاف ہے، یعنی گواہی کے لیے نہایت درست طریقہ ہے، اس سے شاہد کے لیے ثابت قدمی حاصل ہوگی کہ جب وہ کچھ لکھے، پھر اپنی اس تحریر کو دیکھے تو اس سے گواہی بھی یاد آ جائے گی کیونکہ نہ لکھنے کی صورت میں بھول جانے کا احتمال ہے جیسے کہ اکثر و بیشتر ایسا ہو جاتا ہے۔

﴿ وَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا ﴾ ''اور اس سے تمھیں کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا۔'' یعنی لکھنے کی صورت میں تمھیں شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا اور اختلاف کے وقت تم اس دستاویز کی طرف رجوع کر لو گے جسے تم نے لکھا ہوگا تو اس سے تمھارے مابین کسی شک وشبہ کے بغیر فیصلہ ہو جائے گا۔ ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ﴾ ''ہاں، اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' یعنی جب سودا نقد اور دست بدست ہو تو پھر اس کی دستاویز نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں کسی خرابی کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

بیع کے لیے گواہی کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ﴾ ''اور جب خرید و فروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو۔'' یہ حکم منسوخ ہے اور اس کا ناسخ یہ ہے: ﴿ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ (البقرۃ 283:2) ''اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے۔'' یا یہ حکم استحباب پر محمول ہے وجوب پر نہیں۔ اور اس کی دلیل خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے عمارہ بن خزیمہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ ان کے چچا نے، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، ان سے بیان کیا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پیچھے لگا لیا تاکہ اس گھوڑے کی رقم ادا فرما دیں، چنانچہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی تشریف لے جا رہے تھے جبکہ اعرابی کی رفتار سست تھی راستے میں لوگوں کی اس اعرابی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس کے گھوڑے کی قیمت لگانا شروع کر دی کیونکہ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرید چکے ہیں حتی کہ بعض لوگوں نے اس سے بھی زیادہ قیمت لگا دی جس پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خریدا تھا۔

یہ سن کر اعرابی نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی اور (اپنا ارادہ بدلتے ہوئے) کہا کہ اگر گھوڑا خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو ورنہ میں یہ کسی اور کو بیچ دوں گا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی کی آواز کو سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: [أَوَلَيْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: لَا وَاللّٰهِ! مَا بِعْتُكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بَلٰى قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ] ''کیا یہ گھوڑا میں نے تم سے خرید نہیں لیا؟ اعرابی نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے تو یہ آپ کو نہیں بیچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! بلکہ میں نے تو اسے تم سے خرید لیا ہے۔''

لوگ نبیٔ اکرم ﷺ اور اعرابی کے پاس جمع ہو گئے۔ جب نبی ﷺ اور اعرابی کی اس مسئلے میں گفتگو ہو رہی تھی، اعرابی نے اپنی گفتگو کے دوران میں کہہ دیا کہ اچھا اگر یہ گھوڑا میں نے آپ کو بیچا ہے تو کوئی گواہ پیش کریں، چنانچہ جو بھی مسلمان آتا وہ اس اعرابی سے یہ کہتا کہ تم پر بہت افسوس ہے! کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو ہمیشہ سچی بات فرماتے ہیں حتی کہ جب حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ اور اس اعرابی کی گفتگو سنی اور اعرابی کی یہ بات بھی سنی کہ آپ کوئی گواہ پیش کریں کہ یہ گھوڑا میں نے آپ کو بیچا ہے تو حضرت خزیمہ کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو بیچا ہے۔

نبیٔ اکرم ﷺ خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے: [بِمَ تَشْهَدُ؟ فَقَالَ: بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ] ''تم یہ گواہی کس بنا پر دے رہے ہو؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس لیے کہ آپ تو ہمیشہ سچ ہی فرماتے ہیں۔ اس واقعے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا۔''[1] اور اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ ﴾ ''اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ کاتب اور گواہ نقصان نہ کریں کہ کاتب کو جو لکھوا دیا جائے اس کے خلاف لکھ دے اور گواہ جو سنے اس کے خلاف گواہی دے یا اسے بالکل چھپا لے۔ یہ امام حسن اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔[3] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ ﴾ ''اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یقیناً یہ تمھارے لیے گناہ کی بات ہے۔'' یعنی اگر تم نے اس کی مخالفت کی جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اور وہ کام کیا جس سے تمھیں منع کیا گیا ہے تو یہ تمھارے لیے گناہ کی بات ہے کہ تم اس سے بچ نہ سکو گے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' اس کی اطاعت بجالاؤ، اس کے حکم کی پیروی کرو اور جس سے اس نے منع فرما دیا ہے اس سے باز آجاؤ۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''اور (دیکھو کہ) وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے۔'' یہ ایسے ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾ (الأنفال 29:8) ''مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھارے لیے امر فارق (دلیل حق) پیدا کر دے گا (تم کو ممتاز کر دے گا۔)'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ﴾ (الحديد 28:57) ''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمھیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمھارے لیے روشنی کر دے گا جس میں تم چلو گے۔'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ تمام امور کے حقائق، مصالح اور اثرات و نتائج کو خوب جانتا ہے کہ اس سے کوئی چیز

---

[1] مسند أحمد: 216,215/5. [2] سنن أبي داود، القضاء، باب إذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد......، حديث: 3607 وسنن النسائي، البيوع، باب التسهيل في ترك الإشهاد على البيع، حديث: 4651. [3] تفسير الطبري: 183,182/3 وتفسير ابن أبي حاتم: 567/2.

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ

اور اگر تم سفر میں ہو اور تمھیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز گروی (رہن کے طور پر) قبضے میں دے دی جائے، اور اگر تم میں سے کوئی دوسرے پر اعتبار

الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ

کرے تو جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت واپس ادا کر دے اور اپنے رب، اللہ سے ڈرے اور تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص

اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾ ع 39 2 7

گواہی چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿283﴾

بھی مخفی نہیں بلکہ اس کا علم تمام کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

تفسیر آیت:283

رہن کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ ''اور اگر تم سفر میں ہو'' یعنی مسافر ہو اور میعاد متعین کے لیے قرض کا لین دین کرو ﴿وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا﴾ ''اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے۔'' یعنی جو تمھارے لیے لکھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یا کاتب تو موجود ہو مگر کاغذ یا دوات یا قلم نہ ہو تو کوئی چیز رہن باقبضہ رکھ کر قرض لے لو اور دستاویز کے بدلے صاحب حق کے ہاتھ میں یہ رہن باقبضہ ہونا چاہیے۔ اور فرمان الٰہی: ﴿فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن اسی صورت میں ہوگا جب وہ باقبضہ ہو۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ کی زرہ تیس وسق جو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، یہ جو آپ نے اپنے اہل خانہ کی خوراک کی ضرورت کی خاطر لیے تھے۔ اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے مدینہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی کے پاس اسے رہن رکھا ہوا تھا۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ﴾ ''اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (رہن کے بغیر قرض دے دے) تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے۔'' امام ابن ابو حاتم نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت نے ﴿فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ﴾ یعنی رہن باقبضہ کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ ② امام شعبی فرماتے ہیں کہ اگر تمھارے بعض، بعض کو امین سمجھیں تو پھر کوئی حرج نہیں کہ نہ لکھواؤ اور نہ گواہ بناؤ۔ ③

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ﴾ ''اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔'' یعنی جسے امین سمجھا گیا ہے اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے بروایت قتادہ، عن حسن، عن سمرہ بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَهٗ] ''ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے وہ اس کے ذمے واجب ہے حتی کہ

① صحيح البخاری، البيوع، باب شراء النبی ﷺ بالنسيئة، حديث:2069 و صحيح مسلم، المساقاة، باب الرهن و جوازه فی الحضر كالسفر، حديث:1603 لیکن صحیح مسلم میں یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ② تفسير ابن أبی حاتم:570/2. ③ تفسير ابن أبی حاتم:570/2.

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے (سب) اللہ ہی کا ہے اور تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، خواہ تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا،

اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿284﴾

پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿284﴾

اسے ادا کر دے۔"[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ﴾ یعنی شہادت کو چھپاؤ نہ خیانت کرو اور نہ ہی اسے پس پشت ڈالو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، نیز اس کا چھپانا بھی اسی طرح کبیرہ گناہ ہے۔[2] اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ﴾ "جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہوگا۔" سدی فرماتے ہیں: اس کا دل گناہ گار ہو جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝﴾ (المائدۃ5:106) "اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اگر ہم ایسا کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔" اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝﴾ (النسآء4:135) "اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو، خواہ (اس میں) تمھارا یا تمھارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم نے توڑ مروڑ کر بات کی یا (گواہی دینے سے) منہ موڑا تو (جان رکھو!) اللہ تمھارے سب کاموں سے خوب واقف ہے۔"

اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾﴾ "اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہوگا اور اللہ تمھارے سب کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔"

تفسیر آیت:284

کیا دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں کا بھی محاسبہ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے، ان سب کا وہ بادشاہ ہے، ان سب کی اسے اطلاع ہے، اس سے نہ ظاہر باتیں مخفی ہیں اور نہ پوشیدہ اور نہ کوئی چھوٹی بات مخفی ہے اور نہ بڑی، نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے افعال کا اور جسے انھوں نے اپنے سینوں میں چھپایا ہوگا ان سب کا محاسبہ کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (آل عمران3:29) "(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ

---

[1] مسند أحمد: 13/5 و سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3561 و جامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في أن العارية مؤداة، حديث: 1266 و السنن الكبرى للنسائي، العارية، المنيحة: 411/3، حديث: 5783 و سنن ابن ماجه، الصدقات، باب العارية، حديث: 2400. [2] تفسير الطبري: 191/3.

دیجیے: اگر تم وہ بات چھپاؤ جو تمھارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو سب کی خبر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴾ (طٰہٰ20:7) ''وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

درحقیقت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم (کی وسعت) کے ساتھ ساتھ مزید ایک اور بات کی طرف راہنمائی فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا محاسبہ بھی کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری اور وہ اس بات سے ڈر گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے بڑے تمام اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ اور یہ بات ان کے ایمان ویقین کی پختگی کی علامت تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بہت گراں گزری، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دو زانو بیٹھ کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمیں نماز، روزہ، جہاد اور صدقے جیسے اعمال کا حکم دیا گیا جن کی ہمیں طاقت تھی اور اب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور ہمیں اس کی طاقت نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَ تُرِيدُونَ أَنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ: ﴿ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾؟ (النسآء4:46) بَلْ قُولُوا: ﴿ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾] (البقرة2:285) ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس طرح کہو جس طرح تم سے پہلے دونوں کتابوں (تورات وانجیل) والوں نے کہا تھا: ''ہم نے سنا اور نافرمانی کی؟'' بلکہ یہ کہو: ﴿ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾ ''ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

جب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا اقرار کر لیا اور یہ الفاظ ان کی زبانوں پر رواں دواں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس موقع پر فوراً نازل فرما دیا: ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾ (البقرة2:285) ''رسول اس (کتاب) پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی ایک میں بھی کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا، اے پروردگار! ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو منسوخ کر کے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا

تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ (البقرۃ2:286) ''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا، برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہو گئی ہو تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔''①

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: [فَلَمَّا فَعَلُوا ذٰلِكَ نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ] ''جب انھوں نے ایسا کیا تو اللہ نے اسے منسوخ کر دیا اور یہ نازل فرمادیا: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ ''اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، اچھے کام کرے گا تو اس کا فائدہ اسے ہی حاصل ہوگا، برے کام کرے گا تو اس کا وبال اسے پہنچے گا۔ اور اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔'' تب اللہ نے فرمایا: ہاں! (میں نے قبول فرمالیا، پھر انھوں نے کہا:) ﴿ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔'' اللہ نے فرمایا: ہاں! (میں نے قبول فرمالیا، پھر انھوں نے دعا کی:) ﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ﴾ ''اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! ﴿ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ2:286) ''اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس تو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔'' اللہ نے فرمایا: ہاں! (میں نے قبول فرمالیا۔)''②

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تو میں نے عرض کی: اے ابو عباس!③ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، انھوں نے اس آیت کو پڑھا تو رو پڑے، انھوں نے پوچھا کون سی آیت؟ میں نے جواب دیا: ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ ﴾ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہت شدید غم میں مبتلا ہو گئے تھے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم تو تباہ و برباد ہو گئے، ہمارے قول و عمل کا تو مؤاخذہ ہوتا تھا مگر (اب دلوں کا مؤاخذہ بھی شروع ہو گیا ہے اور) دل تو ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کہہ دو: ﴿ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ﴾ (البقرۃ2:285) ''ہم نے (حکم) سنا اور اطاعت کی۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تو اسے اس آیت: ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ ﴾ تا ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ ﴾ (البقرۃ2:286,285) نے منسوخ کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دل میں آنے والے خیالات کو معاف فرما دیا اور اعمال کے مؤاخذے کو باقی رکھا۔④

① مسند أحمد:412/2. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس......، حديث: 125 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ③ یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے۔ ④ مسند أحمد:332/1.

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ

رسول (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ

فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿285﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا

اور وہ کہتے ہیں: ہم نے (حکم) سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ﴿285﴾ اللہ کسی کو

مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

اس کی برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، کسی شخص نے جو نیکی کمائی اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو اس نے برائی کی اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کر۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا

تھا۔ اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿286﴾ ع

40 ع 3 8

کارساز ہے، پس تو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿286﴾

اصحاب کتب ستہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ] ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں آنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے جب تک عمل نہ کریں یا کلام نہ کریں۔''①

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا سَيِّئَةً ، وَإِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا حَسَنَةً ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا عَشْرًا] ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا بندہ جب کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے اس کے ذمے نہ لکھو اور اگر وہ اس کے مطابق عمل کر لے تو ایک برائی لکھ لو اور جب وہ نیکی کا ارادہ کرے اور ابھی تک اسے نہ کرے تو پھر بھی ایک نیکی لکھ لو اور اگر اس نیکی کو کر لے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دو۔''②

① صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره ......، حديث:5269 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز اللّٰه تعالى عن حديث النفس ...... ، حديث:127 وسنن أبي داود، الطلاق ، باب في الوسوسة بالطلاق، حديث:2209 وجامع الترمذي، الطلاق، باب ماجاء فيمن يحدث نفسه ......، حديث:1183 وسنن النسائي، الطلاق، باب من طلق في نفسه، حديث:3463 وسنن ابن ماجه، الطلاق ، باب من طلّق في نفسه ولم يتكلم به، حديث: 2040. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول اللّٰه تعالى: ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ ﴾ (الفتح15:48)، حديث: 7501 وصحيح مسلم، الإيمان ، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت......، حديث:128 واللفظ له.

تفسیر آیات:286,285

ان دو آیتوں کی فضیلت کے بارے میں احادیث مبارکہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ] ''جو شخص رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لے تو وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔''① ائمۂ ستہ میں سے دیگر ائمہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔② صحیحین میں یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔③

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ کو سدرۃ المنتہٰی کے پاس لے جایا گیا جو کہ چھٹے آسمان میں ہے④ اور زمین سے اوپر جانے والی چیزیں یہیں پہنچتی ہیں، پھر ان کو قبضے میں لے لیا جاتا ہے اور اوپر سے جو کچھ زمین پر آتا ہے وہ بھی یہاں تک پہنچتا ہے، پھر اس کو وہاں سے لے لیا جاتا ہے، فرمایا: ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝﴾ (النجم16:53) ''جبکہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔'' فرمایا یہ سونے کے پتنگے تھے۔ فرمایا: اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا فرمائی گئیں: (1) پانچوں نمازیں عطا کی گئیں۔ (2) سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور (3) آپ کی امت میں سے جو شخص شرک نہ کرے، اس کے ہلاک کرنے والے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔⑤

سورۂ فاتحہ کے فضائل میں قبل ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے، رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ کے پاس تھے کہ آپ نے اپنے اوپر ایک آواز سنی تو جبریل نے اپنی نظر کو آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا کہ آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھولا گیا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا اور اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے، وہ فرشتہ بھی آج سے پہلے کبھی زمین کی طرف نہیں اترا تھا تو اس نے نبی ﷺ سے سلام کہا اور عرض کی: آپ کے لیے خوش خبری ہے کہ آپ کو دو ایسے نور عطا کیے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے: (1) فاتحۃ الکتاب اور (2) سورۂ بقرہ کی آخری آیات، آپ ان میں سے جو بھی حرف پڑھیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا۔ اسے امام مسلم اور نسائی نے روایت کیا

---

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، حديث:5009. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة......، حديث:808 و سنن أبي داود، تفريع أبواب قراءة القرآن، باب تحزيب القرآن، حديث:1397 و جامع الترمذي، فضائل القرآن ، باب ماجاء في آخر سورة البقرة، حديث:2881 و السنن الكبرى للنسائي، فضائل القرآن، الآيتان من آخر سورة البقرة:14/5، حديث:8018 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيما يرجى أن يكفي من قيام الليل، حديث:1369. ③ مسند أحمد:118/4. ④ جبکہ بعض صحیح روایات، جیسے: صحيح البخاري، حدیث:3207 وغیرہ میں سدرۃ المنتہٰی کے ساتویں آسمان میں ہونے کا ذکر ہے، محدثین رحمہم اللہ نے ان دونوں لفظوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ سدرۃ المنتہٰی کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور باقی حصہ ساتویں آسمان میں ہے۔ واللہ أعلم، دیکھیے: النووي شرح صحيح مسلم میں مذکورہ حدیث۔ ⑤ صحيح مسلم، الإيمان، باب في ذكر سدرة المنتهى، حديث:173.

ہے اور یہ الفاظ مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔[1]

ان دو آیتوں کی تفسیر: اللہ تعالیٰ نے سب کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی مومن اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ واحد، احد، یکتا اور بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ کوئی پروردگار ہے، وہ تمام انبیاء اور رسولوں کی بھی تصدیق کرتے ہیں اور ان تمام کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو آسمان سے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں پر نازل ہوئیں، وہ انبیائے کرام میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ بعض کے ساتھ تو ایمان رکھیں اور بعض کا کفر کریں بلکہ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبی اور رسول سچے، راست باز، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور نیکی کے راستوں کی طرف رہنمائی فرمانے والے ہیں۔ گو بعض، بعض کی شریعت کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے منسوخ کر سکتے ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ فرما دیا اور اب قیامت آپ ہی کی شریعت پر قائم و دائم ہوگی۔ اور آپ کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم و دائم رہے گا۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ﴾ ''اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔'' یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرے حکم کو سن لیا، اسے سمجھ لیا اور ہم اس کے مطابق عمل بھی بجالائیں گے۔ ﴿ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے بخشش، رحمت اور لطف و کرم کا سوال کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور یہ بھی اپنی مخلوق کے ساتھ اس کا لطف و کرم اور شفقت و احسان ہے۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (البقرۃ 2:284) سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جو خوف دامن گیر ہوا، اس آیت کریمہ نے اسے منسوخ کر کے ختم کر دیا ہے، یعنی اگرچہ وہ حساب کر سکتا اور سوال کر سکتا ہے لیکن وہ عذاب اسی پر دے گا جسے دور کرنا انسان کے لیے ممکن ہو اور دل میں آنے والے جن وسوسوں اور خیالات کو دور کرنا انسان کے لیے ممکن نہ ہو تو ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی انسان کا محاسبہ نہیں کرے گا بلکہ برے وسوسے اور خیال کو ناپسند کرنا بھی ایمان کی علامت ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ ''اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا، برے کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔'' لیکن یہ ان اچھے اور برے اعمال کے حساب سے ہے جو دائرۂ تکلیف کے اندر ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی کہ انھیں اس سے مانگنا کس طرح ہے، اس نے کمال لطف و مہربانی سے اپنے بندوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازنے کی ذمہ داری بھی لے لی ہے اور اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہوئے اور مانگنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا کہ کہو: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے

---

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحۃ وخواتیم سورۃ البقرۃ ......، حدیث:806 والسنن الکبرٰی للنسائی، فضائل القرآن، فضل فاتحۃ الکتاب:12/5، حدیث:8014.

بھول چوک ہوگئی ہوتو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔‘‘ اگر بھول کر ہم نے کوئی فرض ترک کر دیا ہو یا بھول کر کسی فعل حرام کا ارتکاب کر لیا ہو یا ازراہِ جہالت ہم کسی کام کو شریعت کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق سرانجام نہ دے سکے ہوں تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔ قبل ازیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا جا چکا ہے جس میں یہ ہے: [قَالَ اللّٰهُ: نَعَمْ] ’’(اس کے جواب میں) اللہ نے فرمایا: ہاں!‘‘① اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے: [قَالَ اللّٰهُ: قَدْ فَعَلْتُ] (اس کے جواب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اسی طرح کیا۔‘‘②

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ ﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔‘‘ یعنی ہمیں اعمال شاقہ کی تکلیف نہ دینا، خواہ ہمیں ان کی طاقت بھی ہو جیسا کہ تو نے سابقہ امتوں پر ان کے بوجھ ڈال دیے تھے اور انھی بوجھوں کے دور کرنے اور ان کے ہٹانے ہی کے لیے تو نے اپنے نبیٔ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد آسان اور سہل دین حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ : نَعَمْ] ’’(اس کے جواب میں بھی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!‘‘③ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ : قَدْ فَعَلْتُ] ’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اسی طرح کر دیا۔‘‘④

کئی سندوں سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ] ’’مجھے دینِ حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا جو انتہائی آسان ہے۔‘‘⑤

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ ﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اس کو ہمارے سر پر نہ رکھنا۔‘‘ یعنی ہمیں ایسی تکلیفوں، مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا نہ کرنا جن کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مکحول فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غربت (وطن سے دوری) اور شدت شہوت ہے۔⑥ اسے ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’ہاں!‘‘ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’میں نے اسی طرح کیا۔‘‘⑦

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاعْفُ عَنَّا ۥ ﴾ ’’اور (اے پروردگار!) ہمارے گناہوں سے درگزر کر۔‘‘ یعنی ہم سے جو گناہ، کوتاہی اور لغزش ہوئی جس کا تعلق ہمارے اور تیرے مابین ہے اور جسے تو خوب جانتا ہے، اس سے درگزر فرما۔ ﴿ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ ﴾

① صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس……، حديث:125 اور دیکھیے البقرة، آیت:284.
② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس……، حديث:126. ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس……، حديث:125. ④ صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى……، حديث:126. ⑤ مسند أحمد:266/5 عن أبي أمامة رضي الله عنه. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:581/2.
⑦ تفسير ابن أبي حاتم:580/2.

''اور ہمیں بخش دے۔'' یعنی ان گناہوں کو جن کا تعلق ہمارے اور تیرے بندوں کے حقوق سے ہے اور تو انھیں ہماری برائیوں اور ہمارے برے اعمال پر مطلع نہ کرنا۔ ﴿ وَارْحَمْنَا ﴾ اور مستقبل میں ہم پر رحم فرما۔ اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم کسی اور گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔

علماء نے کہا ہے کہ گناہ گار کو تین چیزوں کی ضرورت ہے: (1) اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین جو ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔ (2) بندوں سے اسے چھپائے اور ان میں اسے ذلیل و رسوا نہ کرے (3) اور آئندہ اسے بچائے، پھر اس طرح کے گناہ میں مبتلا نہ کرے۔ قبل ازیں اس حدیث کو بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا: ''ہاں!'' اور دوسری حدیث کے مطابق فرمایا: ''میں نے اسی طرح کیا۔''[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنْتَ مَوْلٰىنَا ﴾ ''تو ہی ہمارا مالک ہے۔'' تو ہی ہمارا والی اور ناصر ہے، ہم نے تجھی پر توکل کیا تو ہی ہمارا مددگار ہے اور تو ہی ہمارا سہارا ہے اور تیری حفاظت کے بغیر ہمیں گناہ سے بچنے کی قدرت نہیں اور تیری مدد اور توفیق کے بغیر ہمیں تیری اطاعت کی طاقت نہیں۔ ﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور ہم کو کافروں پر غالب کر۔'' ان پر جنھوں نے تیرے دین کا انکار کیا، تیرے سوا غیر کی عبادت کی، تیرے بندوں کو تیرا شریک بنایا، ان پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما اور ان کے مقابلے میں دنیا و آخرت میں ہماری عاقبت کو اچھا کر دے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہاں!'' اور اس حدیث میں ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''میں نے اسی طرح کیا۔''[2]

امام ابن جریر نے ابواسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب اس سورت (کے آخر): ﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ سے فارغ ہوئے تو کہا: آمین۔[3]

---

① دیکھیے البقرۃ ،آیت: 284 کے ذیل میں۔ ② صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالٰی عن حدیث النفس ......، حدیث: 126,125. ③ تفسیر الطبری: 218/3.

تفسیر
سُورۂ آلِ عِمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۭ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

الٓمّٓ ① وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو سنبھالنے والا ہے② اسی نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے

يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ

پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل کیا③ اس سے پہلے، لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اسی نے فرقان (قرآن)

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④

نازل کیا۔ بے شک وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لیے شدید عذاب ہے اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا④

یہ سورت مدنی ہے: اس لیے کہ اس کے آغاز سے لے کر تراسی (83) آیات وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ وفد 9 ہجری میں آیا تھا جیسا کہ ''آیت مباہلہ'' کی تفسیر کے موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔ إن شاء الله.[1] سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ کی فضیلت میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ ہم نے سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں ذکر کر دیا ہے۔

تفسیر آیات: 1-4

ہم نے قبل ازیں وہ حدیث بیان کی ہے جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان آیتوں میں ہے: (1) ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۥ ﴾ اور (2) ﴿ الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② ﴾ ہم نے یہ حدیث آیت الکرسی کی تفسیر کے موقع پر بیان کی ہے۔[2]

﴿ الٓمّٓ ① ﴾ کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث کی جا چکی ہے، لہٰذا اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② ﴾ کے بارے میں بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں بحث ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اس نے (اے نبی ﷺ!) آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس نے آپ پر قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا کہ جس میں کوئی شک و ریب نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ فرشتے بھی اس بات کے گواہ ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ''جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' یعنی یہ کتاب ان

---

[1] دیکھیے آل عمران، آیت: 61 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے البقرۃ، آیت: 255 کے ذیل میں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ⑤ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ

بے شک اللہ سے زمین اور آسمان میں کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ⑤ وہی ہے جو (تمھاری) ماؤں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔

كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب، خوب حکمت والا ہے ⑥

تمام کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے جنھیں آسمان سے اللہ کے بندوں، یعنی انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کیا گیا۔ ان کتابوں میں زمانۂ قدیم سے اس قرآن کے بارے میں جو خبریں اور بشارتیں دی گئی ہیں وہ سچی ہیں اور یہ قرآن سابقہ کتب کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال فرمانے اور قرآن عظیم کے نازل کرنے کا جو وعدہ فرمایا تھا، ان کتابوں میں اس کی خبر اور بشارت موجود ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ ﴾ ''اور اس نے تورات نازل کی'' موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر ﴿ وَالْاِنْجِيْلَ ③ ﴾ ''اور انجیل نازل کی'' عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اس سے پہلے'' یعنی اس قرآن سے پہلے۔ ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ ''لوگوں کی ہدایت کے لیے۔'' یعنی تورات و انجیل کے زمانے کے لوگوں کی ہدایت کے لیے (نازل فرمایا۔) ﴿ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ ﴾ ''اور اس نے فرقان (قرآن) نازل کیا۔'' جو ہدایت و ضلالت، حق و باطل اور گمراہی اور رشد و بھلائی کو الگ الگ کر دینے والا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے روشن اور واضح دلائل اور قطعی براہین کا ذکر فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید ان سب باتوں کو واضح، روشن اور صاف صاف بیان کرتا اور رہنمائی کا مکمل سامان فراہم کرتا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ یعنی بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور باطل طریقے سے انھیں رد کرتے ہیں۔ ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ ﴾ یعنی قیامت کے دن ان کو سخت عذاب ہوگا۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ﴾ ''اور اللہ زبردست ہے۔'' یعنی وہ بہت عالی جاہ اور عظیم الشان بادشاہ ہے۔ ﴿ ذُو انْتِقَامٍ ④ ﴾ اور ان لوگوں سے انتقام لینے والا ہے جو اس کی آیات کی تکذیب کرتے اور اس کے مرسلین کرام و انبیائے عظام علیہم السلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 6,5

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی باتوں کو جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ ﴾ ''وہی تو ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمھاری صورتیں بناتا ہے۔'' یعنی وہ جس طرح چاہتا ہے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں لڑکا اور لڑکی، حسین و قبیح اور بدبخت و سعادت مند پیدا فرماتا ہے۔ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥ ﴾ ''اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' یعنی اسی نے پیدا فرمایا ہے تو وہی مستحق الوہیت (عبادت) ہے۔ وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ایسی عزت کا مالک ہے کہ جس کا قصد نہیں کیا جا سکتا، اسی کی حکمت اور احکام ہیں۔

اس آیت کریمہ میں تعریض نہیں بلکہ تصریح ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں۔ انھیں بھی اللہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں کچھ آیات محکم (واضح) ہیں جو اس کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور کچھ دوسری متشابہات (غیر واضح) ہیں،

مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

پھر جن لوگوں کے دل میں ٹیڑھ ہے وہ ان میں سے انھی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ (غیر واضح) ہیں، ان کا مقصد محض فتنے اور تاویل کی

وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ

وقف لازم

تلاش ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کی تاویل نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں: ہمارا ان (متشابہات) پر ایمان ہے، یہ سب

اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا

ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں ⑦ (وہ دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد

بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ

ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور عطا کر ہمیں اپنے پاس سے رحمت، بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے ⑧ اے ہمارے رب! یقیناً تو لوگوں کو ایک دن

ع 1 9

جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨ ع

جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ⑨

تعالیٰ نے اسی طرح پیدا فرمایا ہے جس طرح دیگر تمام انسانوں کو کیونکہ ان کی صورت بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کے رحم میں بنائی اور انھیں بھی جس طرح چاہا پیدا فرمایا، لہٰذا وہ الٰہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جیسا کہ عیسائیوں کا گمان ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی شکم مادر میں پرورش پائی اور دیگر انسانوں کی طرح وہ بھی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ﴾ (الزمر 39:6) ”وہی تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک پیدائش (مرحلے) کے بعد، پھر دوسری پیدائش میں تین قسم کے اندھیروں (پردوں) میں پیدا کرتا ہے۔“

تفسیر آیات:7-9

آیات متشابہات ومحکمات کا بیان: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات محکمات ہیں، اور وہی اصل کتاب ہیں کیونکہ یہ دلالت کے اعتبار سے واضح اور روشن ہیں، ان میں کسی کے لیے کوئی التباس نہیں اور کچھ دوسری آیات ہیں جن کی دلالت میں بہت سے یا بعض لوگوں کے لیے اشتباہ ہے تو جو مشتبہ کو واضح کی طرف لوٹا دے اور متشابہ کے بجائے محکم کے مطابق عمل کرے تو وہ ہدایت پا جائے گا اور جس نے اس کے برعکس صورت حال اختیار کی اس کا معاملہ اس کے الٹ ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آیات محکمات کے بارے میں فرمایا: ﴿ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴾ ”وہی اصل کتاب ہیں۔“ یعنی یہ آیات اصل کتاب ہیں اور اشتباہ کی صورت میں انھی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ﴿ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ ﴾ ”اور بعض متشابہ ہیں“ جن میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ ان کی دلالت آیات محکمات کے مطابق ہو اور لفظ وترکیب کے اعتبار سے دیگر احتمالات بھی ہو سکتے ہیں، معنی

و مراد کے اعتبار سے نہیں۔

آیات محکمات ناسخ، حلال، حرام، احکام، حدود، فرائض اور جن امور پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، ان پر مشتمل ہوتی ہیں جبکہ متشابہات منسوخ، مقدم و مؤخر، امثال و اقسام اور ایسی باتوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن پر ایمان تو لایا جاتا ہے مگر ان پر عمل کا حکم نہیں ہوتا۔

محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ ﴿ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں رب کی حجت، بندوں کی عصمت، مدمقابل اور باطل کا رد ہوتا ہے۔ اور ان میں کوئی تصریف و تحریف نہیں ہو سکتی جبکہ متشابہات بھی مبنی برصدق ہوتی ہیں لیکن ان میں تصریف و تحریف اور تاویل ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے بندوں کی آزمائش کرتا ہے جیسا کہ حلال و حرام میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے کہ ان کو باطل کی طرف نہ پھیرا جائے اور حق سے انھیں الگ نہ کیا جائے۔ ①

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ ﴾ ''پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔'' یعنی گمراہی ہے اور وہ حق سے نکل کر باطل کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ ﴿ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ﴾ ''تو وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں۔'' یعنی وہ اس کی متشابہ آیات کو لے لیتے ہیں تاکہ ان کے لیے یہ ممکن ہو کہ اپنے فاسد مقاصد کے لیے ان میں تحریف کر سکیں کیونکہ ان کے الفاظ میں بظاہر ایسا احتمال ہوتا ہے جبکہ محکم آیات میں اس طرح کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہوتی بلکہ وہ تو ان کے خلاف محکم اور قطعی دلیل ہوتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ ﴾ ''(ان کا مقصد) فتنے کی تلاش ہوتا ہے۔'' یعنی اپنے پیروکاروں کو گمراہ کر سکیں اور ان سے یہ کہہ سکیں کہ اپنی بدعت کے سلسلے میں وہ بھی قرآن مجید ہی سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات خود ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف دلیل ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے عیسائی یہ استدلال کریں کہ خود قرآن نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ روح اللہ اور اللہ کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ڈالا ہے اور اس آیت سے استدلال نہ کریں: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ﴾ (الزخرف 59:43) ''وہ تو صرف ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا۔'' نیز اس آیت کو بھول جائیں: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (آل عمران 3:59) ''بے شک عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا، پھر فرمایا: (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔''

اسی طرح یہ ان دیگر محکم آیات سے بھی استدلال نہ کریں جن میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ایک عبد اور رسول ہیں۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ ﴾ ''اور اس کی تاویل تلاش کریں۔'' یعنی اپنے ارادے کے مطابق تحریف کریں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ

① تفسير ابن أبي حاتم: 594-592/2.

اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۷ ﴾ اور فرمایا: [فَإِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيهِ فَهُمُ الَّذِينَ عَنَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ، فَاحْذَرُوهُمْ] ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو اس میں جھگڑا کریں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، لہٰذا تم ان سے بچ جاؤ۔''[1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی آیت کی تفسیر کے موقع پر، امام مسلم نے اسے اپنی صحیح کی کتاب العلم میں اور امام ابوداود نے اپنی سنن کی کتاب السنة میں بیان کیا ہے اور ان تینوں ائمہ نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ تا ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۷ ﴾ تلاوت فرمائی، پھر آپ نے فرمایا: [فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ، فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوهُمْ] ''تم جب ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن مجید کی متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، لہٰذا تم ان سے بچ جاؤ۔'' یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔[2]

متشابہات کی مرادِ اصلی کو اللہ ہی جانتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ ﴾ ''حالانکہ مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' قراء کا اس مقام پر وقف کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہاں وقف اسم جلالہ پر ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ تفسیر چار طرح سے ہے: (1) جس کے سمجھنے میں کسی کو بھی معذور قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (2) جسے عرب اپنی لغات کے حوالے سے جانتے ہیں۔ (3) جسے علم میں دستگاہ کامل رکھنے والے جانتے ہیں اور (4) جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔[3] یہ قول، یعنی اس کی حقیقی مراد صرف اللہ ہی جانتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ، ابوالشعثاء اور ابونہیک وغیرہ سے بھی مروی ہے۔[4]

کچھ قراء ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ پر وقف کرتے ہیں۔ بہت سے مفسرین اور اہل اصول نے بھی انھی کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ جس بات کو سمجھا ہی نہ جا سکے اس سے خطاب بعید ہے۔ ابن ابونجیح نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں ان راسخین علم میں سے ہوں جو ان کی مرادِ اصلی کو جانتے ہیں۔[5] حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی: [اَللّٰهُمَّ! فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ] ''اے اللہ! انھیں دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما اور تفسیر کا علم عطا فرما۔''[6]

---

(1) مسند أحمد:48/6. (2) صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ (آل عمران3:7)، حديث: 4547 وصحيح مسلم، العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن......، حديث:2665 وسنن أبي داود، السنة، باب النهي عن الجدال واتباع المتشابه من القرآن، حديث:4598. (3) دیکھیے تفسير الطبري:54/1. (4) تفسير ابن أبي حاتم:599/2. (5) تفسير الطبري:249/3. (6) صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ: [اللّٰهم علّمه الكتاب]، حديث:75,143 اور یہاں [التأويل] کے بجائے [الكتاب] ہے۔ ومسند أحمد:266/1 واللفظ له عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

قرآن میں تأویل کا لفظ دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: (1) کسی چیز کی حقیقت اور انجام کے معنی میں، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ز ﴾ (یوسف100:12) ''اور (یوسف نے) کہا: ابا جان! یہ میرے اس خواب کی حقیقت ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ط يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ ...... ﴾ (الأعراف53:7) ''کیا یہ لوگ اس کے وقوع کے منتظر ہیں؟ جس دن وہ واقع ہو جائے گا......'' یعنی اس امر معاد کی حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی جس کی انھیں خبر دی گئی ہے اگر تأویل کے یہ معنی ہوں تو پھر وقف لفظ جلالہ پر ہوگا کیونکہ امور کے حقائق اور ان کی کنہ کو واضح طور پر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ مبتدا اور ﴿ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا ﴾ اس کی خبر ہے۔ اور (2) اگر تأویل سے دوسرے معنی مراد ہوں، یعنی کسی چیز کی تفسیر، بیان اور تعبیر جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ج ﴾ (یوسف36:12) ''ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجیے۔'' اور اگر اس کے یہ معنی مراد ہوں تو پھر ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ پر وقف ہوگا کیونکہ اس اعتبار سے وہ اسے جانتے اور سمجھتے ہیں جس کے ساتھ انھیں مخاطب کیا گیا ہے گو اشیاء کے حقائق اور علم کا انھوں نے احاطہ نہیں کیا تو اس اعتبار سے ﴿ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا ﴾، ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ ﴾ سے حال ہوگا۔

اور یہ بھی مناسب ہے کہ وہ معطوف ہو، معطوف علیہ نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ ﴾ تا ﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا ﴾ (الحشر59:8-10) میں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴾ (الفجر22:89) یعنی وَجَاءَتِ الْمَلَائِكَةُ صُفُوفًا صُفُوفًا ''اور فرشتے صف در صف آئیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان راسخین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا ﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ ایمان لائے۔'' یعنی متشابہ آیات کے ساتھ ﴿ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج ﴾ ''یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔'' یعنی تمام آیات، خواہ محکم ہوں یا متشابہ حق اور سچ ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسری کی تصدیق کرتی اور اس کے حق ہونے کی شہادت دیتی ہے کیونکہ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنے والی آیات میں نہ اختلاف ہو سکتا ہے اور نہ تضاد کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء82:4) ''کیا پھر یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو وہ یقیناً اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ ''اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔'' یعنی معانی کو صحیح طور پر وہی لوگ سمجھ سکتے اور ان میں غور و فکر کر سکتے ہیں جو سلیم عقل اور صحیح فکر کے مالک ہیں۔ ابن منذر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نافع بن یزید سے روایت کیا ہے کہ ''راسخ فی العلم'' وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے والے ہوں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے آپ کو کھپا دینے والے ہوں، اپنے سے بڑوں کے حفظِ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوں اور

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے (بچانے میں) ان کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے اور وہی لوگ آگ کا

وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

ایندھن ہیں ⑩ (ان کا انجام) آل فرعون اور ان لوگوں کا سا ہوگا جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے

بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪

باعث انھیں پکڑ لیا اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ⑪

چھوٹوں کو حقیر نہ سمجھتے ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب سے یہ دعا بھی کرتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ﴾ ''اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔'' یعنی دلوں کو جب تو نے ہدایت پر قائم کر دیا ہے تو اب انھیں اس سے دور نہ کرنا اور ہمیں ان لوگوں کی طرح نہ بنا دینا جن کے دلوں میں کجی ہے اور جو قرآن مجید کے متشابہات ہی کی اتباع کرتے رہتے ہیں بلکہ ہمیں اپنے صراط مستقیم اور مضبوط و مستحکم دین پر قائم اور ثابت قدم رکھنا۔ ﴿ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ ''اور ہمیں اپنے ہاں سے رحمت عطا فرما۔'' جس سے تو ہمارے دلوں کو ثابت رکھے، ہمارے انتشار کو اجتماعیت سے بدل دے اور ہمارے ایمان و یقین میں اضافہ فرمائے۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ ﴾ ''بے شک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔''

امام ابن ابو حاتم اور ابن جریر نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ] ''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ ﴾[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ ﴾ ''اے پروردگار! یقیناً لوگوں کو تو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔'' یعنی اپنی دعا میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو قیامت کے دن اپنی مخلوق کو جمع فرمائے گا، ان میں فیصلہ فرمائے گا اور ان کے ان امور میں بھی فیصلہ فرمائے گا جن میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور دنیا میں انھوں نے اچھے یا برے جو عمل کیے تو ان کے مطابق انھیں بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات: 11,10

قیامت کے دن مال اور بیٹے کام نہ آئیں گے: اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرما رہا ہے کہ وہ جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن 52:40) ''جس دن ظالموں کو ان کی

[1] تفسیر الطبری: 255/3 وتفسیر ابن أبی حاتم: 602,601/2 اور دیکھیے جامع الترمذی، القدر، باب ما جاء أن القلوب بین إصبعی الرحمن، حدیث: 2140 و مسند أحمد: 294/6.

معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔'' دنیا میں انھیں جو مال اور اولاد ملے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کام نہ آ سکیں گے اور نہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی دردناک سزا سے بچا سکیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (التوبة 9:55) ''چنانچہ ان کے مال اور اولاد آپ کو حیرت و تعجب میں نہ ڈال دیں، یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی ہی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ﴾ (آل عمران 3:196,197) ''(اے پیغمبر!) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکا نہ دے۔ (یہ دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

جیسا کہ یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا، اس کے رسولوں کی تکذیب کی، اس کی کتاب کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی طرف جو وحی کی اس سے انھوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ ﴿ لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ ﴾ ''(اس دن) نہ تو ان کا مال ہی اللہ (کے عذاب) سے ان کو بچا سکے گا اور نہ ان کی اولاد ہی (کچھ کام آئے گی) اور یہ لوگ آتش (جہنم) کا ایندھن ہوں گے۔'' یہ وہ ایندھن ہوں گے جس سے جہنم کی آگ کو جلایا اور بھڑکایا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ ﴾ (الأنبیآء 21:98) ''(کافرو!) بے شک اس روز تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو گے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ ''(ان کا حال بھی) فرعونیوں کا سا ہوگا۔'' امام ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا حال بھی فرعونیوں کے کرتوت کی طرح ہے۔[1] عکرمہ، مجاہد، ابو مالک، ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] بعض نے دأب کے معنی ''(فرعونیوں کے) طریقۂ کار'' بعض نے ''(آل فرعون کے) کام'' اور بعض نے ''مشابہ'' کے بیان کیے ہیں۔[3] اور یہ تمام الفاظ قریب قریب ہم معنی ہیں۔ دأب کے معنی کرتوت، حالت، شان، امر اور عادت کے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: لَا یَزَالُ هٰذَا دَأْبِی وَدَأْبُكَ ''میری اور آپ کی یہ عادت ہمیشہ رہے گی۔''

آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ کفار کے مال اور اولاد کام نہ آ سکیں گے بلکہ انھیں ہلاک کر کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جیسا کہ فرعونیوں اور ان سے پہلے ان لوگوں کا حال ہوا جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیات اور روشن دلائل لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتے رہے۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ ''اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔''

[1] تفسیر الطبری: 3/259. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2/603. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2/603 وتفسیر الطبری: 3/259.

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ

(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے کہہ دیجیے: عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور تم جہنم کی طرف اکٹھے کیے (ہانکے) جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا

كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ

ہے⑫ تحقیق تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک بڑی نشانی ہے جو (بدر میں) باہم ٹکرائے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ

يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کافر تھا۔ مسلمان ظاہری آنکھوں سے اُن کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے، بے شک اس میں

لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬

بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے⑬

یعنی اس کی پکڑ بہت سخت اور اس کا عذاب بہت دردناک ہے، کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی چیز اس سے مخفی رہ سکتی ہے، وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر گزرتا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کی مطیع فرمان ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

تفسیر آیات:13,12

یہود کو مغلوب ہونے کی ترہیب اور غزوۂ بدر سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کافروں سے کہہ دیں: ﴿سَتُغْلَبُوْنَ﴾ ”تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔“ یعنی دنیا میں ﴿وَتُحْشَرُوْنَ﴾ ”اور اکٹھے کیے جاؤ گے۔“ یعنی قیامت کے دن ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫﴾ ”جہنم کی طرف اور وہ بری جگہ ہے۔“

محمد بن اسحاق بن یسار نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ بدر کے حالات وواقعات سے فارغ ہونے کے بعد جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے بنوقینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا: اے یہودیو! مسلمان ہو جاؤ کہ کہیں تمھیں بھی قریشیوں کی سی سزا اور ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ انھوں نے جواب دیا: اے محمد (ﷺ)! تو ہمیں اپنے ساتھیوں کی طرح خیال کرتا ہے اور تجھے وہ معرکہ گھمنڈ میں نہ ڈال دے جس میں تو نے فنون جنگ سے نابلد چند لوگوں کو ہرا دیا تھا، یہ تو تجھے ان کے مقابلے میں ایک موقع مل گیا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو بتا دیں گے کہ ہم جنگجو ہیں۔ اور ہم جیسوں سے تو نے کبھی پنجہ آزمائی نہ کی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫﴾ تا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬﴾ آیات نازل فرما دیں۔[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ﴾ ”تحقیق تمھارے لیے (اللہ کی قدرت کی عظیم الشان) نشانی تھی۔“ یعنی یہودیو! تم نے جو کچھ کہا اس میں بھی اللہ کی قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا، اپنے رسول کی مدد کرنے والا، اپنے کلمے کو ظاہر کرنے والا اور اپنے امر کو سربلند کرنے والا ہے۔ ﴿فِيْ فِئَتَيْنِ﴾ ”دو گروہوں

① تفسیر الطبری:261/3 و السیرة النبویة لابن هشام، أمربني قینقاع:50/3.

میں۔'' ﴿ الْتَقَتَا ؕ ﴾ ''جو آپس میں ٹکرائے۔'' یعنی لڑائی کے لیے ﴿ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ ''ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا۔'' اور وہ مسلمانوں کا گروہ تھا۔ ﴿ وَ اُخْرٰی كَافِرَةٌ ﴾ ''اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔'' اس سے مراد مشرکین قریش ہیں جنھوں نے بدر میں مسلمانوں سے لڑائی کی تھی۔[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ ﴾ ''وہ ان کو اپنی (ظاہری) آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔'' یعنی مشرکین جنگ بدر کے دن مسلمانوں کو اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد کے دیکھنے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و نصرت کا سبب بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ ﴾ کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ مسلمان کافروں کو تعداد میں اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں کافروں پر فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مشرکوں کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہم سے دوگنا ہیں اور ہم نے پھر انھیں دیکھا تو یوں نظر آیا کہ تعداد میں ہمارے برابر ہیں، ان میں ایک آدمی بھی زیادہ نہیں ہے۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ ﴾ (الأنفال 44:8) ''اور اس وقت جب تم ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تو کافروں کو تمھاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا۔''[2]

ابواسحاق ابوعبیدہ سے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کافر ہماری نظروں میں بہت تھوڑے کر کے دکھائے گئے حتی کہ میں نے اپنے پاس کھڑے ایک شخص سے پوچھا کیا کافروں کی تعداد ستر (70) ہوگی؟ اس نے کہا کہ میرے خیال میں ایک سو ہوں گے۔ اور ہم نے جب ان کے ایک قیدی سے یہ پوچھا کہ تمھاری تعداد کتنی تھی؟ تو اس نے بتایا کہ ایک ہزار۔[3]

جب دونوں میں سے ہر ایک گروہ نے دوسرے کو دیکھا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ مشرک تعداد میں ان سے دوگنا ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں، اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اسی کی ذات گرامی سے مدد طلب کریں۔ اسی طرح مشرکوں نے بھی مسلمانوں کو اپنی تعداد سے دوگنا دیکھا تاکہ ان کے دلوں میں رعب و خوف اور جزع و فزع پیدا ہو جائے، پھر جب معرکہ آرائی شروع ہوئی اور دونوں گروہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک گروہ کو دوسرے کی نظر میں کم کر کے دکھایا تاکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جائے۔ ﴿ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ ﴾ (الأنفال 44:8) ''تاکہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اسے کر ڈالے۔'' یعنی حق و باطل میں فرق کر دے، کلمۂ ایمان کو کفر و طغیان پر غلبہ عطا فرمائے، مومنوں کو عزت و سربلندی سے نوازے اور کافروں کو ذلت و رسوائی سے دوچار کر دے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ ﴾ (آل عمران 123:3) ''اور تحقیق اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمھاری مدد کی تھی اور اس وقت تم بے سرو سامان تھے۔''

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 605/2. [2] تفسیر الطبری: 265/3. [3] تفسیر الطبری: 269/3.

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

لوگوں کے لیے خواہشات نفس کی محبت مزین (پرکشش) کر دی گئی ہے، یعنی عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ

ڈھیروں سے، نشان لگے (عمدہ) گھوڑوں سے، مویشیوں سے اور کھیتی سے، یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانا اللہ ہی کے

عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿14﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ

پاس ہے ﴿14﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں ان سے بہتر چیز بتاؤں؟ پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور انھیں اللہ کی رضا حاصل ہو گی اور اللہ اپنے بندوں پر

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿15﴾ ۚ

خوب نظر رکھنے والا ہے ﴿15﴾

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿13﴾﴾ ''اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے بے شک بصیرت والوں کے لیے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔'' یعنی اس واقعے میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جس میں بصیرت وفہم ہو جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور افعال تک رہنمائی حاصل کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی اس جاری وساری تقدیر کو معلوم کر سکے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی اس دنیا کی زندگی میں بھی مدد فرماتا ہے اور آخرت میں بھی انھیں اپنی مدد اور رحمت سے نوازے گا۔

تفسیر آیات:15,14

دنیا کی زندگی کا بیان: یہاں اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ذکر فرما رہا ہے جو لوگوں کے لیے دنیا کی اس زندگی میں مزین کر دی گئیں اور ان کا مختلف لذتوں اور نعمتوں سے تعلق ہے۔ ان میں سے سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کیا کیونکہ عورتوں کا فتنہ سب سے زیادہ شدید ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: [مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ] ''میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو۔''[1]

اور اگر عورتوں سے مقصود عفت و پاکدامنی اور کثرت اولاد کا حصول ہو تو یہ بات مطلوب و مرغوب اور پسندیدہ ہے جیسا کہ احادیث میں نکاح اور کثرت اولاد کی ترغیب دی گئی ہے، مثلاً: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: [فَإِنَّ خَيْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ كَانَ أَكْثَرَهَا نِسَاءً] ''اس امت کے بہترین لوگ وہ ہوں گے جن کی عورتیں زیادہ ہوں گی۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَّخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ]، [إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ ، وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ]

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب مايتقى من شؤم المرأة ......، حديث:5096 عن أسامة بن زيد رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب كثرة النساء، حديث:5069 موقوفًا. ومسند أحمد:231/1 واللفظ له.

فِي نَفْسِهَا وَمَا لِهِ] ”دنیا ساز وسامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان وہ نیک بیوی ہے، جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، اگر اسے حکم دے تو اس کی اطاعت بجالائے اور اگر وہ اس سے غائب ہو تو یہ اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔“① ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: [حُبِّبَ إِلَيَّ النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ] ”عورتوں اور خوشبو سے مجھے محبت ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبت عورتوں کے علاوہ گھوڑوں سے تھی۔③

بیٹوں سے محبت کبھی تو فخر اور زینت کے لیے ہوتی ہے اور اس کا یہی وہ پہلو ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور کبھی محبت اس لیے ہوتی ہے تاکہ نسل انسانی اور حضرت محمد ﷺ کی امت کے ان لوگوں میں اضافہ کیا جائے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں، چنانچہ یہ محبت قابل تعریف اور قابل ستائش ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ] ”زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ (قیامت کے دن) تمھاری کثرت کی وجہ سے میں امتوں پر فخر کروں گا۔“④

اسی طرح مال کی محبت کبھی فخر، غرور، کمزوروں پر تکبر اور فقیروں پر ظلم کے لیے ہوتی ہے تو یہ محبت مذموم ہے۔ اور کبھی یہ محبت اس لیے ہوتی ہے کہ مال کو تقرب الٰہی کے حصول، صلہ رحمی اور نیکی وتقویٰ کے دیگر کاموں میں خرچ کیا جائے۔ تو یہ محبت شرعاً قابل تعریف اور قابل ستائش ہے۔

قنطار ”خزانے کا ڈھیر“ کی مقدار کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو عربی میں قِنطَار کہا جاتا ہے جیسا کہ امام ضحاک وغیرہ نے فرمایا ہے۔⑤

گھوڑے سے محبت کی تین قسمیں ہیں: (1) گھوڑوں والے کبھی تو انھیں اللہ کی راہ کے لیے تیار رکھتے ہیں اور جب ضرورت پیش آئے تو گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرتے ہیں تو ان لوگوں کو گھوڑے پالنے کی وجہ سے اجر وثواب ملتا ہے۔ (2) کچھ لوگ اہل اسلام سے دشمنی اور ان پر فخر کرنے کے لیے گھوڑے پالتے ہیں، انھیں گھوڑے پالنے کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے اور (3) کچھ لوگ معاش کمانے اور گھوڑوں کی نسل کے بقا کے لیے انھیں پالتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ کے حق کو بھی فراموش نہیں کرتے تو یہ گھوڑے اپنے مالکان کے لیے ستر پوشی کا کام دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس سلسلے میں ایک حدیث کو بھی ارشاد

---

① ابتدائی حصہ صحيح مسلم، الرضاع، باب خيرمتاع الدنيا المرأة الصالحة، حديث:1469 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب أفضل النساء، حديث:1855 عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه اور آخری حصہ سنن أبي داود، الزكاة، باب في حقوق المال، حديث:1664 وسنن ابن ماجه، النكاح ، باب أفضل النساء، حديث:1857 عن ابن عباس و أبي أمامة رضي الله عنهم میں ہے۔ ② سنن النسائي، عشرة النساء، باب حب النساء، حديث:3392 ومسند أحمد:128/3 عن أنس رضي الله عنه. ③ سنن النسائي، عشرة النساء، باب حب النساء، حديث:3393 عن أنس رضي الله عنه. ④ سنن أبي داود، النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، حديث:2050 عن معقل بن يسار رضي الله عنه. ⑤ تفسير الطبري:274/3.

باری تعالیٰ: ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ﴾ (الأنفال 60:8) کی تفسیر میں ذکر کیا جائے گا۔
﴿ الْمُسَوَّمَةِ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد چرنے والے، موٹے تازے اور خوبصورت (گھوڑے) ہیں۔① مجاہد، عِکرمہ، سعید بن جبیر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزی، سُدّی، ربیع بن انس اور ابوسنان وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔② مکحول فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پانچ کلیان گھوڑے ہیں۔③ اس سلسلے میں اور اقوال بھی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيْسَ مِنْ فَرَسٍ عَرَبِيٍّ إِلَّا يُؤْذَنُ لَهُ مَعَ كُلِّ فَجْرٍ يَدْعُو بِدَعْوَتَيْنِ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ خَوَّلْتَنِي مَنْ خَوَّلْتَنِي مِنْ بَنِي آدَمَ ، فَاجْعَلْنِي مِنْ أَحَبِّ أَهْلِهِ وَمَالِهِ إِلَيْهِ ، أَوْ أَحَبَّ أَهْلِهِ وَمَالِهِ إِلَيْهِ] ”ہر عربی گھوڑے کو صبح کے وقت دو دعائیں کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے انسانوں میں سے جسے بھی میرا مالک بنایا ہے تو مجھے اس کے سب سے پسندیدہ اہل اور مال میں سے بنا دے یا یہ کہا کہ مجھے اس کا سب سے زیادہ پسندیدہ اہل و مال بنا دے۔“④

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْاَنْعَامِ ﴾ ”اور مویشی“ یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں وغیرہ ﴿ وَالْحَرْثِ ﴾ ”اور کھیتی“ یعنی زراعت و کاشت کاری کے لیے استعمال کی جانے والی زمین، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ”یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں۔“ یعنی یہ تو دنیا کی زندگی کی سج دھج اور اس کی فانی اور زوال پذیر ہو جانے والی زینت ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿14﴾ ﴾ ”اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔“ اچھا ٹھکانا بھی ہے اور اچھا اجر و ثواب بھی ہے۔

پرہیزگاروں کی جزا دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے: اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ﴾ ”(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے: کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو؟“ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں سے کہہ دیجیے بھلا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جو دنیا کی رعنائی و زیبائی اور یقینی طور پر زوال پذیر ہو جانے والی ان نعمتوں سے کہیں اچھی ہے جو لوگوں کو بڑی زینت اور باعث کشش معلوم ہوتی ہیں؟ پھر اس کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ”(سنو!) جو لوگ پرہیزگار ہیں ان کے لیے اللہ کے ہاں باغات (بہشت) ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔“ یعنی ان باغات بہشت کے اطراف و اکناف میں مختلف قسم کے مشروبات شہد، دودھ، شراب اور پانی وغیرہ کی نہریں رواں دواں ہیں اور یہ جنت کی ان نعمتوں میں سے ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آ سکتا۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ”ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ یعنی ابدالآباد تک اور ان سے نکل کر کہیں اور جانے کا ان کے دل میں کبھی خیال تک بھی نہ آئے گا۔ ﴿ وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ﴾ ”اور پاکیزہ عورتیں ہیں۔“ جو کہ میل کچیل، بول و براز اور حیض و نفاس جیسی ان تمام نجاستوں سے پاک ہیں جو دنیا کی

① تفسیر ابن أبي حاتم:610/2. ② تفسیر ابن أبي حاتم:610/2 و تفسیر الطبري:275/3. ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 611/2. ④ مسند أحمد:170/5 و سنن النسائي ، الخيل ، باب دعوة الخيل ، حدیث:3609.

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ اَلصّٰبِرِيْنَ

جو لوگ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے، پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا⑯ (یہ لوگ) صبر کرنے

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰

والے، سچ بولنے والے، حکم بجالانے والے، خرچ کرنے والے اور سحری کے اوقات میں بخشش طلب کرنے والے ہیں⑰

عورتوں کو پیش آتی ہیں۔

﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ انھیں اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمائے گا اور کبھی بھی ان سے ناراض نہ ہوگا۔ اسی لیے سورۂ براءت کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (التوبۃ 9:72) ''اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں جن ابدی وسرمدی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہوگا، ان میں سے سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضامندی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑮ ﴾ ''اور اللہ (اپنے نیک) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔'' اور ہر ایک کو اس نعمت سے سرفراز فرمائے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

تفسیر آیات: 17,16

پرہیزگاروں کی دعا اور ان کی صفات: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان پرہیزگار بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے جن سے اس نے بے پایاں اجر وثواب کا وعدہ فرما رکھا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ ''وہ جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! بے شک ہم ایمان لائے۔'' یعنی تیری ذات گرامی پر اور تیری کتاب اور تیرے رسول پر ﴿ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ﴾ ''لہٰذا تو ہمارے گناہ معاف فرما۔'' یعنی تیری ذات پاک کے ساتھ اور جن کے ساتھ تو نے حکم دیا ہے، ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا تو اپنے فضل وکرم اور رحمت کے ساتھ ہمارے گناہوں اور غلطیوں کو معاف فرما دے ﴿ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ ﴾ ''اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

اور فرمایا: ﴿ اَلصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو (مشکلات میں) صبر کرتے ہیں۔'' یعنی اطاعات کے بجالانے میں اور محرّمات کے ترک کرنے میں صبر کرتے ہیں۔ ﴿ وَالصّٰدِقِيْنَ ﴾ ''اور سچ بولتے ہیں۔'' یعنی اپنے ایمان کے بارے میں اور اعمال شاقہ کے بجالانے کے بارے میں انھوں نے جو کچھ کہا اس میں یہ بالکل سچے ہیں۔ ﴿ وَالْقٰنِتِيْنَ ﴾ ''اور حکم کی بجا آوری کرتے ہیں۔'' قنوت کے معنی اطاعت اور خضوع کے ہیں۔ ﴿ وَالْمُنْفِقِيْنَ ﴾ ''اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اپنے مالوں کو وہ اطاعت کی ان تمام صورتوں میں جن کا انھیں حکم دیا گیا ہے، صلہ رحمی اور قرابت داری میں، ضرورتوں کے پورا کرنے اور ضرورت مند کی ہمدردی وغم گساری میں خرچ کرتے ہیں۔

﴿ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰ ﴾ ''اور اوقاتِ سحر میں (گناہوں کی) معافی مانگا کرتے ہیں۔'' یہ آیت کریمہ اوقاتِ سحر میں توبہ واستغفار کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں سے یہ کہا تھا: ﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ﴾ (یوسف 12:98) ''میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا۔'' انھوں نے اپنی دعا

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ

اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، فرشتوں اور اہل علم نے بھی (گواہی دی ہے) درآں حالیکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے، اس کے سوا

اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

کوئی معبود نہیں، وہ غالب ہے، خوب حکمت والا ⑱ بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اور اہل کتاب نے (صحیح) علم آ جانے کے بعد

الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ

صرف اس لیے اختلاف کیا کہ وہ باہم ضد اور حسد رکھتے تھے اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ⑲

اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

(اے نبی!) پھر اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجیے: میں نے اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا ہے اور میری اتباع کرنے والوں نے بھی، اور ان اہل

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں: کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف

ع 2/11/10 عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑳

پیغام پہنچانا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے ⑳

کو وقتِ سحر تک مؤخر کر دیا تھا۔

صحیحین، مسانید اور سنن میں کئی سندوں سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَنزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ ، يَقُولُ: مَنْ يَّدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ ؟ مَنْ يَّسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟] ''اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر اس وقت نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے اور فرماتا ہے: کون دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اسے دوں؟ ہے کوئی اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کر دوں؟''[1]

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: [مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَ أَوْسَطِهِ وَآخِرِهِ ، فَانْتَهٰى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ] ''رسول اللہ ﷺ نے رات کے پہلے، درمیانی اور آخری ہر حصے میں وتر پڑھے ہیں، آپ نے وتروں کو سحر تک ادا فرمایا ہے۔''[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز ادا فرماتے تو کہتے: اے نافع! کیا ہم وقت

① صحيح البخاري، التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل،حديث:1145و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والإجابة فيه، حديث:758 وسنن أبي داود، السنة، باب في الرد على الجهمية، حديث:4733 و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في نزول الرب تبارك وتعالى......،حديث:446 عن أبي هريرة رضي الله عنه. وصحيح مسلم ،حديث:(172)-758 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. وسنن ابن ماجه ، إقامة الصلوات ، باب ماجاء في أي ساعات ......، حديث:1367عن رفاعة الجهني رضي الله عنه. ومسند أحمد:81/4عن جبير بن مطعم رضي الله عنه. و مسند أحمد:388/1 عن ابن مسعود رضي الله عنه. ② صحيح البخاري ، الوتر، باب ساعات الوتر ، حديث:996 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل ......، حديث:(137)-745 واللفظ له.

سحر میں داخل ہو گئے ہیں؟ وہ (نافع) کہتے: نہیں، ابن عمر دوبارہ نماز شروع کر دیتے جب میں کہتا: ہاں! سحر ہو گئی ہے تو وہ دعا اور استغفار میں مصروف ہو جاتے حتی کہ صبح ہو جاتی۔ ①

تفسیر آیات: 18-20

شہادتِ توحید: اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے اور اللہ ہی کافی شاہد ہے اور وہ شہادت دینے والوں میں سب سے سچا، سب سے عادل اور سب سے زیادہ سچی بات فرمانے والا ہے۔ ﴿ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''(اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے) کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' وہ تمام مخلوقات کے لیے الوہیت میں متفرد ہے۔ تمام اس کے بندے، مخلوق اور اس کے محتاج ہیں جبکہ وہ سب سے بے نیاز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ ﴾ (النسآء4:166) ''لیکن اللہ نے جو (کتاب) آپ پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور اصحابِ علم کی گواہی کو بھی اپنی گواہی کے ساتھ ہی ملایا اور فرمایا ہے: ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ ''اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ بھی (گواہی دیتے ہیں۔)''

اس مقام پر علماء کی یہ ایک عظیم خصوصیت ہے۔ اور ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ ''وہ (اللہ) انصاف کے ساتھ قائم ہے۔'' یعنی وہ تمام احوال میں اسی طرح ہے۔ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔'' یہ سابقہ بات کی تاکید ہے۔ ﴿ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ ''وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ اس قدر غالب ہے کہ عظمت و کبریائی میں اس کی جناب کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ اپنے تمام اقوال و افعال اور شرع و قدر میں حکمت والا ہے۔

دین اسلام ہی ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ ''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول نہیں فرمائے گا اور اسلام یہ ہے کہ ان تمام رسولوں کی اتباع کی جائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مبعوث فرمایا تھا حتی کہ ان کے سب سے آخر میں اس نے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور حضرت محمد ﷺ کے راستے کے سوا اپنے تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا، لہٰذا حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی آپ کے دین و شریعت کے سوا کسی اور دین و شریعت کے ساتھ اللہ کے پاس جائے گا تو وہ اس سے ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ (آل عمران3:85) ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ دین صرف اور صرف اسلام ہے۔ ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ ''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو پہلے کتاب دی گئی تھی تو انھوں نے رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کی حجت پوری ہونے کے بعد اختلاف کیا، پس فرمایا: ﴿ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ﴾

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:616/2.

''اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا۔'' یعنی بعض نے بعض سے ضد کی اور حسد، بغض اور دشمنی کی وجہ سے حق میں اختلاف کیا۔ بعض کو بعض کے بغض نے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس کے تمام اقوال و افعال میں اس کی مخالفت کرنے لگے، خواہ وہ حق ہی ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی آیتوں کو نہ مانے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو نازل فرمایا ہے اس کا انکار کرے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲ ﴾ ''تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں سزا دے گا اور اپنی تکذیب پر اس کا محاسبہ فرمائے گا اور اپنی کتاب کی مخالفت پر سزا دے گا۔

پھر اللہ نے فرمایا: ﴿ فَاِنْ حَآجُّوْكَ ﴾ ''(اے پیغمبر!) پھر اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید میں جھگڑا کریں ﴿ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط ﴾ ''تو کہنا کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرمانبردار ہو چکے۔'' میں تو اس اللہ وحدہ لاشریک ہی کی خالص عبادت کرتا ہوں جس کا کوئی ساجھی نہیں جس کا کوئی بیٹا اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ ﴿ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط ﴾ یعنی جنھوں نے میرے دین کو قبول کر لیا ہے وہ بھی وہی بات کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔ یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط ﴾ (یوسف 108:12) ''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے! میرا رستہ تو یہی ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ جنھوں نے میری اتباع کی، بصیرت پر ہیں۔''

اسلام سب لوگوں کا دین ہے اور نبی ﷺ کو سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اہل کتاب کی دونوں ملتوں یہود و نصاریٰ اور ان پڑھ مشرکوں کو اپنے طریقہ و دین اور شریعت میں داخل ہونے کی دعوت دیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ط فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ط ﴾ ''اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہیں کہ کیا تم (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو تحقیق ہدایت پا گئے اور اگر (آپ کا کہا) نہ مانیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کے ذمے ان کا حساب ہے۔ اور اسی کی طرف ان سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہدایت عطا فرماتا اور جس کو چاہتا گمراہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑳ ﴾ ''اور اللہ (اپنے) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔'' اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور ضلالت کا مستحق کون؟ اور اس کی شان یہ ہے: ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبیاء 23:21) ''وہ جو کام کرتا ہے اس کی بابت اس سے پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔'' اور یہ بھی اسی کی حکمت و رحمت کا تقاضا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات کریمہ اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے جیسا کہ آپ کے دین سے یہ بات بداہۃً معلوم ہے اور کتاب و سنت کے بے شمار دلائل سے یہ ثابت ہے، مثلاً:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم

بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿21﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

دیتے ہیں تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے ﴿21﴾ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے اور ان

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿22﴾

کا کوئی مددگار نہیں ﴿22﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الأعراف 158:7) ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ ﴾ (الفرقان 1:25) ''وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل فرمایا تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔''

صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث میں حد تواتر تک پہنچی ہوئی احادیث ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں اور مختلف انسانی گروہوں، یعنی عرب وعجم، اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں کو خطوط لکھ کر دعوت الی اللہ دی تاکہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجا لائیں۔[1] امام عبدالرزاق نے معمر سے انھوں نے ہمام سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّ لَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَ لَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس امت میں سے اگر کوئی بھی یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے اور اس دین پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ جہنمی ہوگا۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: [وَ بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ''مجھے ہر سرخ وسیاہ کی طرف بھیجا گیا ہے۔''[3] نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: [كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً ، وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ''ہر نبی کو خاص اسی کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔''[4]

تفسیر آیات: 22,21

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدءُ الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث:7 عن أبي سفيان رضي الله عنه. و صحيح مسلم، الجهاد، باب: كتب النبي ﷺ إلى هرقل ملك الشام......،حديث: 1774,1773 عن أنس رضي الله عنه. وصحيح البخاري، العلم، باب مايذكر في المناولة......،حديث: 65,64 عن أنس رضي الله عنه. والطبقات الكبرى لابن سعد: 258/1 ودلائل النبوة للبيهقي: 376/4 وتاريخ الطبري: 288/2. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ......، حديث: 153. [3] مسند أحمد: 145/5 عن أبي ذر رضي الله عنه. [4] صحيح البخاري، التيمُّم، باب: 1، حديث: 335 عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (کے علم) میں سے کچھ حصہ ملا، انھیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ

کرے، پھر ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے اور وہ (حق سے) پھرنے والے ہیں ﴿23﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے کہا: ہمیں آگ چند دنوں کے

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ

سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ اور ان کو ان کے دین کی بابت ان باتوں نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جو وہ خود گھڑتے ہیں ﴿24﴾ پھر کیا حال ہوگا جب ہم انھیں

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾

اس دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور (اس روز) ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿25﴾

کفر اور انبیاء و صالحین کو قتل کرنے کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل کتاب کی مذمت ہے کہ انھوں نے زمانۂ قدیم وجدید میں ان آیات الٰہی کی تکذیب کر کے جنھیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے ان تک پہنچایا تھا، گناہوں اور محرمات کا ارتکاب کیا اور یہ سب کچھ انھوں نے تکبر، عناد، حق سے دشمنی اور حق کی اتباع سے انکار کے پیش نظر کیا تھا، پھر انھوں نے بغیر کسی سبب اور گناہ کے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے مقدس خون سے ہولی کھیلنے سے بھی اس وقت دریغ نہ کیا جب انھوں نے اللہ کی شریعت کو ان تک پہنچایا تھا۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی جرم نہ تھا کہ وہ حق کے داعی تھے۔ ﴿ وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ﴾ ''اور جو انصاف کا حکم دیتے ہیں انھیں بھی مار ڈالتے ہیں۔'' یہ تکبر کی انتہا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ] ''تکبر حق کو ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''[1] یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تکبر کا اظہار کرتے ہوئے جب حق سے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو حقیر سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں دنیا میں ذلت و رسوائی سے اور آخرت میں رسوا کن عذاب سے دوچار کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿21﴾ ﴾ یعنی ان کو دکھ دینے والے اور ذلیل و رسوا کر دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں (ہوگا۔)''

تفسیر آیات:23-25

اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہ کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو بزعم خود اپنی دونوں کتابوں، یعنی تورات و انجیل کے مطابق عمل پیرا تھے کہ جب انھیں یہ دعوت دی جاتی کہ ان دونوں کتابوں کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع کرو تو یہ تورات و انجیل سے منہ پھیرتے ہوئے اعراض کرتے ہیں۔ اس میں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت و عناد کے حوالے سے ان کے ذکر کرنے میں ان

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم الکبر و بیانه، حدیث:91 عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ.

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ

آپ کہہ دیجیے: اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور تو ہی جسے

تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿26﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي

چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿26﴾ تو رات

النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز

کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو مردے سے زندے کو اور زندے سے مردے کو نکالتا ہے اور جسے تو چاہے

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾

بے حساب رزق دیتا ہے ﴿27﴾

کی حد درجے مذمت کی گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔'' یعنی حق کی مخالفت پر اس بات نے انھیں آمادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرتے ہوئے اپنے لیے یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ دنیا کے ایک ہزار سال کے عوض ایک دن کے حساب سے انھیں کل سات دن تک جہنم میں عذاب دیا جائے گا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾﴾ ''اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھ رہے ہیں اس نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی ان کے اس فاسد گمان نے انھیں اپنے اس باطل دین پر ثابت قدم رکھا جس کے ساتھ انھوں نے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے یہ کہا کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم کی آگ انھیں صرف چند دن تک چھوئے گی، حالانکہ انھوں نے اس افترا پردازی کو از خود ایجاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''تو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے (یعنی) اس روز جس (کے آنے) میں کچھ بھی شک نہیں۔'' یعنی ان کا کیا حال ہوگا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے، اس کے رسولوں کی تکذیب کی ہے، انبیاء وعلماء کو قتل کیا ہے جو کہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ان سب باتوں کے بارے میں پوچھے گا، ان کا محاسبہ کرے گا اور انھیں سزا دے گا۔ اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''تو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے (یعنی) اس روز جس (کے آنے) میں کچھ بھی شک نہیں۔'' یعنی اس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ شک نہیں۔ ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾﴾ ''اور ہر نفس اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

تفسیر آیات:27,26

[1] دیکھیے آیت:80 کے ذیل میں۔

شکر کی طرف رہنمائی: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلِ ﴾ (اے نبی ﷺ!) آپ اپنے رب کی تعظیم بجالاتے ہوئے، اس کا شکر ادا کرتے ہوئے، اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتے ہوئے اور اس کی ذات گرامی پر توکل کرتے ہوئے کہہ دیجیے: ﴿ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ ﴾ ''اے اللہ! (اے) بادشاہی کے مالک!'' یعنی ساری بادشاہت تیرے ہی لیے ہے۔ ﴿ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ﴾ ''تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔'' یعنی تو ہی دینے والا ہے اور تو ہی محروم کردینے والا ہے، تو ہی جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

اس آیت کریمہ میں اس طرف توجہ مبذول کروائی گئی اور رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ اور اس امت کو جس نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اس کا شکر بجالانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو بنی اسرائیل سے اپنے نبی عربی، قُرشی، مکی کی طرف منتقل کردیا ہے جو علی الاطلاق خاتم الانبیاء ہیں جو تمام انسانوں اور جنّوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام انبیاء کے محاسن کو جمع فرمادیا اور ایسے ایسے خصائص سے سرفراز فرمایا جو سابقہ انبیاء اور رسولوں میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیے گئے آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی شریعت کا علم عطا کیا گیا، ماضی اور مستقبل کی غیب کی باتوں سے مطلع کیا گیا، حقائقِ آخرت کو منکشف کیا گیا، زمین کے مشرق و مغرب اور اطراف و آفاق میں آپ کی امت کو پھیلا دیا گیا اور آپ کے دین و شریعت کو سابقہ تمام ادیان و شرائع پر غالب کردیا گیا۔ قیامت تک اور جب تک لیل و نہار کی یہ گردش جاری ہے آپ کی ذات گرامی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام ہو۔

اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ ﴾ ''کہہ دیجیے: اے اللہ! (اے) بادشاہی کے مالک!'' تو ہی اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے۔ تو جو ارادہ فرماتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔ کچھ لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: ﴿ وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ ﴾ (الزخرف 31:43) ''اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط ﴾ (الزخرف 32:43) ''کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟'' یعنی ہم جس طرح چاہیں اپنی مخلوق میں تصرف کریں، ہمیں کوئی روک ٹوک نہیں سکتا اور ہمارے فیصلے مکمل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، لہٰذا ہم جس کو چاہیں نبوت سے سرفراز فرمائیں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط ﴾ (الأنعام 124:6) ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔'' اور فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط ﴾ (بنی إسرآئیل 21:17) ''دیکھ لیں کہ ان میں ایک کو ایک پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ ﴾ ''تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔'' یعنی ان میں سے ایک کے طول کا کچھ حصہ لے کر دوسرے میں اضافہ فرمادیتا ہے جس سے دونوں

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

اہل ایمان، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ

نہیں الا یہ کہ تم ان (کافروں کے شر) سے بچنا چاہو اور اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تمھیں اللہ ہی کی طرف

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾

لوٹ کر جانا ہے ﴿28﴾

برابر ہو جاتے ہیں، پھر ایک میں سے کچھ حصہ لے کر دوسرے میں داخل کر دیتا ہے تو پھر یہ دونوں ایک دوسرے سے متفاوت ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر برابر ہو جاتے ہیں اور سال کے مختلف موسموں بہار، خزاں، گرمی اور سردی میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہتا ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ﴾ ''تو ہی بے جان سے جان دار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے۔'' یعنی تو ہی کھیتی سے دانہ اور دانے سے کھیتی پیدا کرتا ہے، کھجور سے گٹھلی اور گٹھلی سے کھجور پیدا کرتا ہے اور اسی طرح مومن سے کافر اور کافر سے مومن، انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈہ پیدا فرماتا ہے، اسی طرح دیگر اشیاء بھی۔ ﴿ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾ ﴾ ''اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔'' یعنی تو جس کو چاہتا ہے اس قدر مال عطا فرما دیتا ہے جسے کوئی گن نہیں سکتا اور تو جس کے رزق کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور یہ سارے فیصلے تیرے ارادے، عدل، حکمت اور تیری مشیت پر مبنی ہیں۔

تفسیر آیت:28

کافروں اور مشرکوں کی دوستی سے ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرما دیا ہے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھیں، انھیں دوست بنائیں اور مومنوں کو چھوڑ کر ان سے محبت کریں اور ایسا کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ﴾ ''اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔'' یعنی جو اس کا ارتکاب کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﴾ (الممتحنة1:60) ''مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔'' پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ﴾ (الممتحنة1:60) ''اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ (النسآء144:4) ''اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی حجت دے دو؟'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

آپ کہہ دیجیے: اگر تم وہ بات چھپاؤ جو تمھارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو، اللہ اسے جانتا ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿29﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿29﴾ جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اچھے عمل کو اور اپنے کیے ہوئے برے عمل کو اپنے سامنے

مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ

پائے گا، وہ خواہش کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائی کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ

3 ع 10 11 وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿30﴾

اپنے بندوں سے بڑی شفقت کرتا ہے ﴿30﴾

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ ﴾ (المآئدۃ 51:5) ''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انھی میں سے ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ مومن، مومن مہاجرین وانصار اور اعراب کے دوست ہیں، یہ فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴾ (الأنفال 73:8) ''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ ﴾ ''ہاں! اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں۔)'' کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی بعض علاقوں یا بعض اوقات میں ان کے شر سے ڈرے تو وہ باطن اور نیت میں نہیں بلکہ ظاہر میں ان کے شر سے بچاؤ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے: [إِنَّا لَنَكْشِرُ فِي وُجُوهِ أَقْوَامٍ وَّإِنَّ قُلُوبَنَا لَتَلْعَنُهُمْ] ''ہم بعض لوگوں کے سامنے مسکرا دیتے ہیں لیکن ہمارے دل انھیں لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حسن بصری کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ کفار کے شر سے بچاؤ کی یہ صورت قیامت تک باقی رہے گی۔[2] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ ﴾ ''اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی سزا سے ڈراتا ہے کہ اگر تم نے اس کے دشمنوں کو دوست بنا لیا اور اس کے دوستوں سے دشمنی شروع کر دی تو وہ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾ ﴾ یعنی اللہ ہی کی طرف (تم کو) لوٹ کر جانا ہے، چنانچہ وہ ہر ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب المداراة مع الناس، قبل الحديث: 6131 تعليقًا. [2] صحيح البخاري، الإكراه، قبل الحديث: 6940 تعليقًا.

تفسیر آیات:30,29

اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید کو جانتا ہے اور وہ بندے کے تمام اعمال قیامت کے دن حاضر کرے گا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آگاہ فرمارہا ہے کہ وہ چھپی اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ اس کا علم تمام حالات، زمانوں، دنوں اور تمام لحظات واوقات کو محیط ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جمع کرے گا۔ اس سے ذرّہ برابر بھی کوئی چیز غائب نہیں ہوسکتی۔ تمام اطراف واکنافِ زمین، دریاؤں اور پہاڑوں کا کوئی ذرہ یا ذرے سے بھی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اس کی قدرت ان سب چیزوں میں نافذ ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تنبیہ فرمائی ہے تاکہ اس کے خوف وخشیت کو اپنے دلوں میں پیدا کریں اور ان امور کا ارتکاب نہ کریں جن سے اس نے منع فرمایا اور جو اس کی ناراضی کا باعث ہیں۔ وہ اپنے بندوں کے تمام امور کو جانتا ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ انھیں جلد اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے اور اگر وہ مہلت دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے ڈھیل ہے، پھر وہ غالب اور قدرت والے کی طرح اپنی گرفت میں لے لے گا۔

اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ...... ﴾ ''جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی سامنے پائے گا......'' یعنی قیامت کے دن بندے کے سامنے اس کے تمام اچھے اور برے اعمال پیش کیے جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ (القیمۃ 13:75) ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔'' اس وقت وہ اپنے اچھے اعمال کو دیکھ کر خوشی ومسرت کا اظہار کرے گا اور برے اعمال کو دیکھے گا تو وہ انھیں بہت برا محسوس کرے گا اور اسے بہت دکھ ہوگا اور خواہش کرے گا کہ وہ ان سے بے زاری کا اظہار کردے اور اس کے اور اس کے برے اعمال کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوجائے جیسا کہ وہ اپنے اس شیطان سے بھی کہے گا جو دنیا میں اس کا ساتھی تھا اور جس نے اسے برے اعمال پر اکسایا تھا: ﴿ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴾ (الزخرف 38:43) ''اے کاش! مجھ میں اور تجھ میں مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا، تو بڑا برا ساتھی ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی مزید تاکید اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ ''اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امید دلاتے ہوئے فرمایا تاکہ وہ اس کی رحمت سے مایوس اور اس کے لطف وکرم سے ناامید نہ ہوجائیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی اس کی رحمت وشفقت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے۔[1] اور کئی دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ نہایت رحم فرمانے والا ہے اور وہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے صراط مستقیم پر چلیں، اس کے دین اسلام سے وابستہ رہیں اور اس کے رسول کریم کی اتباع کریں۔

[1] تفسیر الطبری:314/3 و الدر المنثور:30/2.

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم

رَّحِيْمٌ ﴿31﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾

کرنے والا ہے ﴿31﴾ آپ کہہ دیجیے: تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿32﴾

تفسیر آیات: 32,31

اللہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جائے: اس آیت کریمہ نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ تو کرے لیکن وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر نہ ہو وہ اپنے اس دعوائے حب الٰہی میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک وہ اپنے تمام اقوال و افعال اور احوال میں شریعت محمدی اور دین نبوی کی پیروی نہ کرے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ] ''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' یعنی تمھیں تمھاری طلب سے بھی بڑھ کر اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ تم اللہ سے محبت رکھو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت رکھے گا اور یہ مقام پہلے سے بڑھ کر ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ اور دیگر کئی علماء نے فرمایا ہے کہ کئی لوگوں نے یہ گمان کیا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے سے انھیں آزمائش میں ڈال دیا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿31﴾﴾ ''اور وہ تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی برکت سے تمھیں یہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہر خاص و عام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''آپ کہہ دیجیے: اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، پھر اگر وہ نہ مانیں'' یعنی اس کے حکم کی مخالفت کریں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾﴾ ''تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔''

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی مخالفت کفر ہے اور جو شخص آپ کے طریقے کی مخالفت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے دوست نہیں رکھتا، خواہ بزعم خود وہ حب الٰہی اور تقرب الٰہی کے کیسے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرے۔ وہ اپنے اس دعوے میں صرف اور صرف اس وقت سچا ہوگا جب وہ رسول نبی امی، خاتم الرسل اور تمام ثقلین، یعنی جنوں اور انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے۔ آپ کے زمانے میں اگر سابقہ

[1] صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام ......، حديث:(18)-1718 عن عائشة رضي الله عنها.

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿33﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا

بے شک اللہ نے آدم کو، نوح کو، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں میں سے (نبوت کے لیے) چن لیا ہے ﴿33﴾ یہ ایک دوسرے کی اولاد تھے

مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾

اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے ﴿34﴾

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ

جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے منت مانی ہے کہ جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے، وہ تیرے ہی لیے وقف ہے، چنانچہ تو

اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿35﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

(اسے) مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی ہے خوب سننے والا، جاننے والا ﴿35﴾ پھر جب اس نے بچی کو جنم دیا تو کہنے لگی: میرے رب! بے شک میں نے تو

بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَ اِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا

لڑکی کو جنم دیا ہے اور اللہ خوب جانتا تھا جو اس نے جنا تھا اور لڑکا (اس) لڑکی کی مثل نہیں اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور بے شک میں

مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿36﴾

اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ﴿36﴾

انبیاء و مرسلین حتی کہ اولوالعزم پیغمبر بھی ہوں تو ان سب کے لیے بھی آپ کی اتباع کے بغیر چارہ کار نہیں جیسا کہ اس کی تفصیل آیت کریمہ: ﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ﴾ (آل عمران 3:81) کی تفسیر میں بیان کی جائے گی۔ إن شاء الله تعالٰی.

تفسیر آیات: 34,33

اہلِ زمین میں سے منتخب لوگ: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے ان گھرانوں کو تمام روئے زمین کے لوگوں میں سے منتخب فرما لیا تھا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب فرمایا، انھیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انھیں اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا، انھیں تمام چیزوں کے نام سکھائے، انھیں اپنی جنت میں بسایا، پھر حکمت و مصلحت کے پیش نظر انھیں زمین میں اتار دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا، انھیں اہل زمین کی طرف پہلا رسول بنایا جب لوگوں نے بتوں کی پوجا شروع کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایسی ایسی باتوں کو شامل کر دیا تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی تھی۔ پھر جب انھوں نے اپنی قوم میں ایک طویل عرصہ گزارا، انھیں دن رات، خفیہ اور ظاہر ہر طرح دعوت الی اللہ دی مگر انھوں نے راہِ فرار ہی اختیار کی تو انھوں نے ان کے لیے بددعا کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو پانی میں غرق کر دیا اور ان میں سے صرف وہ بچا جس نے حضرت نوح علیہ السلام کے دین کو قبول کر کے آپ کی پیروی کی تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کا انتخاب فرمایا۔ سید البشر اور خاتم الانبیاء علی الاطلاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو منتخب فرمایا۔ اس عمران سے مراد مریم بنت عمران والدۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

والد ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ إن شاء اللّٰه تعالیٰ سورۂ انعام کی تفسیر میں اس کا ذکر آئے گا۔[1] وَبِهِ الثِّقَةُ.

تفسیر آیات:36,35

قصۂ ولادتِ مریم: عمران کی بیوی سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ہیں اور ان کا نام حَنَّہ بنت فاقوذ ہے۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی خاتون تھیں جنھیں حمل قرار نہیں پاتا تھا۔ انھوں نے ایک دن ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچے کو اپنے منہ سے کھلا رہا تھا تو انھیں بھی بچے کی خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں بھی ایک بچہ عطا فرمائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور ان کے شوہر نے مقاربت کی تو انھیں حمل قرار پا گیا، پھر جب حمل نمایاں ہو گیا تو انھوں نے نذر مانی کہ ان کا بچہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔[2]

چنانچہ انھوں نے کہا: ﴿رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿35﴾﴾ ''میرے پروردگار! جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے اس کو تیری نذر کرتی ہوں، (اسے دنیا کے کاموں سے) آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما۔ یقیناً تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔'' یعنی تو میری دعا کو سنتا اور میری نیت کو جانتا ہے جبکہ وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا یا لڑکی؟ اس لیے کہا: ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ﴾ ''پھر جب اس نے بچی کو جنم دیا تو کہنے لگی: میرے پروردگار! بے شک میں نے لڑکی کو جنم دیا ہے، حالانکہ اللہ کو خوب معلوم تھا جو اس نے جنم دیا تھا۔'' ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ﴾ ''اور (نذر کے لیے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا۔'' اور اسے عبادت اور مسجد اقصیٰ کی خدمت کی قوت و طاقت حاصل ہوتی۔ ﴿وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ''اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔''

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ولادت کے دن بھی نام رکھنا جائز ہے جیسا کہ کلام کے سیاق سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کیونکہ یہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت کی بات ہے اور اسے کئی بار بیان کیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہی ثابت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا: [وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ] ''آج رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ (ابراہیم علیہ السلام) کے نام پر اس کا نام ابراہیم رکھا ہے۔''[3] اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ نے جب بچے کو جنم دیا تو وہ اپنے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔[4]

---

[1] دیکھیے آیات:84,83 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 319/3. [3] صحیح البخاری، الجنائز، باب قول النبی ﷺ: [إِنَّا بِكَ لَمَحْزُونُونَ]، حدیث:1303 و صحیح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال ......، حدیث:2315 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ. [4] صحیح البخاری، العقیقة، باب تسمیة المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه و تحنیکه، حدیث:5470 و صحیح مسلم، الآداب، باب استحباب تحنیك المولود عند ولادته ......، حدیث:2144 عن أنس رضی اللہ عنہ.

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ

چنانچہ اس کے رب نے اس (لڑکی) کو اچھے طریقے سے قبول کر لیا اور اس کی بہت اچھی پرورش کی اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا۔ زکریا جب بھی

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ

محراب میں داخل ہوتے تو اس کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے، وہ کہتے: اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آئیں؟ وہ کہتی: یہ اللہ کی طرف

عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿37﴾

سے (آئی) ہیں، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ﴿37﴾

اسی طرح ثابت ہے کہ بہت سے دوسرے لوگوں کے نام بھی ان کی ولادت ہی کے دن رکھے گئے تھے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے قتادہ نے امام حسن بصری سے اور انھوں نے حضرت سمرہ بن جُندُب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ غُلَامٍ رَّهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهٖ ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَيُسَمّٰى فِيهِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ] ”ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کو منڈا دیا جائے۔“ اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے۔① امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض روایات میں [يُسَمّٰى] کے بجائے [وَيُدَمّٰى] ”اور اس کے سر پر خون ملا جائے۔“ اور یہ زیادتی ثابت اور محفوظ ہے۔② واللہ أعلم.

اللہ تعالیٰ نے والدۂ مریم کے بارے میں سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا تھا: ﴿وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿36﴾﴾ ”اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“ یعنی میں اسے شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں اور ان کی اولاد کو بھی، ان کی اولاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کی اس دعا کو بھی اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا تھا۔

جیسا کہ امام عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ مَّوْلُودٍ يُّولَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهٗ حِينَ يُولَدُ ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَّسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ ، إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا] ”ہر بچہ جب پیدا

① مسند أحمد:8,7/5 و سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، حديث:2838 و جامع الترمذي، الأضاحي، باب من العقيقة، حديث:1522 و سنن النسائي، العقيقة، باب متى يعق؟ حديث:4225 و سنن ابن ماجه، الذبائح، باب العقيقة، حديث:3165. ② سنن أبي داود ، الضحايا، باب في العقيقة، حديث:2837 و مسند أحمد:17/5. ملحوظہ: امام ابوداود نے [وَيُدَمّٰى] کو ہمام رحمہ اللہ کا وہم قرار دیا ہے لیکن محققین نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی حدیث میں ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ سے جب بھی خون کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ اس کی مکمل وضاحت فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہم نہیں ہے، البتہ درج ذیل حوالوں کی روشنی میں منسوخ ہے: سنن أبي داود، حديث:2843 و سنن ابن ماجه، حديث:3166 و صحيح ابن حبان: 124/12، حديث:5308 مزید دیکھیے فتح الباري:593/9، تحت الحديث:5472 والموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 274-272/33.

ہوتا ہے تو شیطان اسے چھوتا ہے اور شیطان کے اس چھونے کی وجہ ہی سے بچہ روتا ہے۔ ہاں! البتہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شیطان کے چھونے سے محفوظ رہے تھے۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ ﴾.[1]

تفسیر آیت:37

حضرت مریم علیہا السلام کی نشوونما اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت افزائی: ہمارا رب تعالیٰ ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر کی وجہ سے اسے پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا۔ ﴿ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ﴾ ''اور اس کی اچھی طرح پرورش کی۔'' یعنی انھیں خوبصورت شکل اور پر رونق صورت عطا فرمائی، اسباب قبولیت کو ان کے لیے آسان کر دیا اور انھیں اپنے نیک بندوں کی رفاقت عطا فرمائی جن سے انھوں نے نیکی، علم اور دین کو سیکھا۔ ﴿ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ﴾ ''اور زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔'' یعنی ان کا کفیل بنا دیا اور یہ بھی ان کی سعادت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنایا تا کہ ان سے علم نافع اور عمل صالح حاصل کر سکیں، پھر وہ ان کی خالہ کے شوہر بھی تھے جیسا کہ ابن اسحاق، ابن جریر اور دیگر کئی اہل علم نے ذکر کیا ہے۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ان کی بہن کے شوہر تھے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: [إِذَا يَحْيٰى وَعِيسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ] ''وہاں (دوسرے آسمان پر معراج کی رات) یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام تھے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔''[3] ابن اسحاق نے جو ذکر کیا ہے اس پر بھی توسّعاً اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس طرح گویا حضرت مریم اپنی خالہ کی حفاظت میں تھیں۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارہ بنت حمزہ کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ اپنی خالہ، جعفر بن ابو طالب کی بیوی، کی حفاظت میں رہے کیونکہ [اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ] ''خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے۔''[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقام عبادت میں ان کی سیادت و جلالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ﴾ ''زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس (مریم) کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔'' امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابوالشعثاء، ابراہیم نخعی، ضحاک، قتادہ، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور سدی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ وہ ان کے پاس سردیوں میں موسم گرما کا پھل اور گرمیوں میں موسم سرما کا پھل پاتے تھے۔[5] پھر جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا، ﴿ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ ''(تو) پوچھنے لگے کہ اے مریم! یہ کھانا تمھارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: وہ اللہ کے ہاں سے (آتا)

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾ (آل عمران 3:36)، حدیث: 4548 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسٰی علیہ السلام، حدیث: 2366. [2] تفسیر الطبری: 331/3. [3] صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب المعراج، حدیث: 3887 عن مالك بن صعصعة رضی اللہ عنہ. [4] صحیح البخاری، المغازی، باب عمرة القضاء، حدیث: 4251 عن البراء رضی اللہ عنہ. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 640/2.

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ

وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے (38) پھر

الدُّعَآءِ ﴿38﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

جب وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو فرشتوں نے اُسے آواز دی: بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، وہ اللہ کے ایک

مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿39﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرے گا اور سردار اور پارسا اور نبی ہو گا نیکوکار (39) زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیونکر

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا

ہو گا جبکہ میں خود بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرشتے نے کہا: اللہ اسی طرح جو چاہے کرتا ہے (40) زکریا نے کہا:

يَشَآءُ ﴿40﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا

میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے کہا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے اشارے کے سوا بات چیت

رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿41﴾ ع 4/11/12

نہ کر سکے گا اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کر اور صبح و شام اس کی تسبیح کر (41)

ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔''

تفسیر آیات:38-41

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور یحییٰ علیہ السلام کی بشارت: حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ مریم علیہا السلام کو سردیوں میں گرمیوں کا پھل اور گرمیوں میں سردیوں کا پھل عطا فرماتا ہے تو ان کے دل میں بچے کی خواہش پیدا ہوئی، حالانکہ وہ بے حد بوڑھے تھے، ان کی ہڈیاں کمزور اور سر کے بال بہت زیادہ سفید ہو چکے تھے اور بیوی بھی معمر اور بانجھ تھیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود انھوں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی اور اسے دبی آواز سے پکارا اور عرض کی: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿38﴾﴾ ''میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ﴾ ''پھر جب آپ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آپ کو آواز دی۔'' یعنی فرشتوں نے بالمشافہ آپ سے یہ گفتگو کی جسے آپ نے سنا جبکہ آپ اپنی عبادت کی محراب، محل خلوت اور مقام مناجات وصلاۃ میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتلایا ہے کہ فرشتوں نے آپ کو یہ بشارت دی: ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى﴾ ''اللہ تمھیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔'' یعنی آپ کی پشت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ امام قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ آپ کو یحییٰ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان کے ساتھ زندہ رکھا تھا۔[1]

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 641/2.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ’’جو اللہ کے کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرے گا۔‘‘ عوفی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام حسن بصری، قتادہ، عکرمہ، مجاہد، ابوالشعثاء، سدی، ربیع بن انس اور ضحاک وغیرہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ كَلِمَةُ اللّٰهِ سے مراد حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں۔[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَسَيِّدًا ﴾ ’’اور سردار ہوگا۔‘‘ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ سید کے معنی حلیم[2] کے ہیں۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ثوری اور ضحاک فرماتے ہیں کہ سید سے مراد حلیم اور متقی ہے۔[4] سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فقیہ و عالم ہے۔[5] عطیہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خُلق اور دین کے اعتبار سے سردار ہوں گے۔[6] عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھیں غصہ مغلوب نہیں کر سکے گا۔[7] ابن زید نے اس کے معنی شریف کے بیان کیے ہیں۔[8] اور مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت معزز ہوں گے۔[9]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَحَصُورًا ﴾ ’’اور وہ پارسا ہوگا۔‘‘ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ عورتوں کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ فواحش و منکرات سے پاک ہوں گے اور یہ اس بات سے مانع نہیں کہ وہ حلال طریقے سے عورتوں سے نکاح کریں، ان سے مقاربت کریں اور بچے پیدا کریں بلکہ حضرت زکریا علیہ السلام کی سابقہ دعا ہی سے ان کی نسل کی بقا کا مفہوم بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی دعا کے الفاظ یہ تھے: ﴿ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ ’’مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما!‘‘ یعنی ایسی اولاد جس سے ذریت اور نسل کی بقا کا سلسلہ آگے بھی جاری رہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ ’’اور (اللہ کا) پیغمبر (یعنی) نیکو کاروں میں ہوگا۔‘‘ حضرت یحییٰ کی ولادت کی بشارت کے بعد یہ دوسری ان کی نبوت کی بشارت ہے اور یہ پہلی سے بھی زیادہ بلند پایہ بشارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:7) ’’بلاشبہ ہم اس کو تمھارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔‘‘

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ بشارت مل گئی تو انھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ بڑھاپے میں ان کے ہاں کس طرح بچہ ہوگا؟ ﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ﴾ ’’زکریا علیہ السلام نے کہا: میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا جبکہ میں تو بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟‘‘ ﴿ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ ﴾ ’’(فرشتے نے) کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر عظیم ہے، اسے کوئی چیز مغلوب نہیں کر سکتی اور نہ کوئی امر اس پر غالب آ سکتا ہے۔

---

① تفسیر ابن أبی حاتم:642/2 وتفسیر الطبری:344,343/3. ② تفسیر کے بعض نسخوں میں [حکیم] ہے جبکہ عبدالرزاق مھدی اور سامی سلامہ کے نسخوں اور تفسیر ابن ابوحاتم و تفسیر الطبری میں [حلیم] ہے۔ ③ تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. ⑤ تفسیر الطبری:346/3. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. ⑧ تفسیر الطبری:346/3. ⑨ تفسیر الطبری:346/3.

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ

اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے تجھے منتخب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿42﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ذٰلِكَ مِنْ

کیا ہے ﴿42﴾ اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ﴿43﴾ (اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی

اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ

طرف وحی کرتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا سرپرست ہو اور نہ آپ

مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾

اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے ﴿44﴾

﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ ﴾ ”زکریا نے کہا: میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔“ یعنی ایسی نشانی جس سے مجھے یہ معلوم ہو کہ واقعی میرے گھر میں بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ ﴿ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ ﴾ ”اللہ نے فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن تک اشارے کے سوا بات نہ کر سکے گا۔“ یعنی آپ صحیح سلامت ہونے کے باوجود لوگوں سے بات نہ کر سکیں گے اور صرف اشارے کر سکیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ○ ﴾ ”(نشانی یہ ہے کہ تو) صحیح سلامت ہو کر تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکے گا۔“ (مریم 10:19)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں کثرت سے ذکر، شکر اور تسبیح کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿41﴾ ﴾ ”اور تو (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد کر اور صبح و شام اس کی تسبیح کر۔“ سورۂ مریم کے آغاز میں اس کی تفسیر شرح و بسط کے ساتھ بیان کی جائے گی۔ إن شاء اللّٰه.

تفسیر آیات: 42-44

حضرت مریم کی معاصر عورتوں پر فضیلت: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے وہ بات کی جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کثرت عبادت، زہد، شرف اور نجاستوں اور وسوسوں سے طہارت کے باعث انھیں منتخب فرما لیا ہے۔ اور انھیں دوبارہ اہل عالم کی عورتوں پر فضیلت بخشنے کے لیے منتخب فرمایا۔ ہشام بن عروہ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ] ”اُس امت کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران تھیں اور اس امت کی عورتوں میں سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔“①

امام ابن جریر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ ..... ﴾، حديث:3432 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة......، حديث:2430 واللفظ له.

كَثِيرٌ، وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ......] ''مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہی کامل ہوئی ہیں......''[1] اس حدیث کو امام ابوداود کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔[2] صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: [كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ] ''مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران کامل ہوئی ہیں اور عورتوں پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اس طرح ہے جس طرح ثرید کو باقی کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''[3]

میں نے اپنی کتاب البدایة و النھایة میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے اس حدیث کے تمام طرق اور الفاظ بیان کیے ہیں۔[4] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، خشوع و خضوع کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب خوب رکوع اور سجدے کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اب ایک ایسے امر کا اظہار چاہتا ہے جس کا اس نے پہلے سے فیصلہ فرما رکھا ہے جس میں ان کے لیے آزمائش بھی ہے اور یہ امر ان کے لیے دونوں جہانوں میں رفعت و شوکت کا باعث بھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت کا اظہار فرمائے گا اور بغیر باپ کے ان کے ہاں بچہ پیدا کرے گا، پس فرمایا: ﴿ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ ''اے مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا۔''

قنوت کے معنی خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ ﴾ (البقرة2:116) ''بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اس واقعے سے مطلع کرنے کے بعد اپنے پیغمبر سے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ ﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔'' یعنی آپ کو سناتے ہیں۔ ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''اور آپ ان کے پاس

---

[1] تفسير الطبرى:3/358. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة......، حديث:2431 وجامع الترمذى، الأطعمة، باب ماجاء فى فضل الثريد ، حديث:1834 والسنن الكبرٰى للنسائى، المناقب، باب مناقب مريم بنت عمران:5/93، حديث:8353 وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب فضل الثريد على الطعام، حديث:3280 عن أبى موسى الأشعرى رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخارى، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ...... ﴾ ، حديث:3411 عن أبى موسىٰ رضی اللہ عنہ. [4] البداية والنهاية، قصة عيسى ابن مريم عليه من الله أفضل الصلاة والسلام:2/56،57.

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖۗ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى

جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، وہ دنیا اور آخرت

ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿45﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ

میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہوگا ﴿45﴾ اور وہ لوگوں سے کلام کرے گا ماں کی گود میں اور بڑی عمر میں بھی اور نیکو کاروں میں

وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿46﴾ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ

سے ہوگا ﴿46﴾ مریم نے کہا: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ مجھے کسی شخص نے نہیں چھوا؟ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا

كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿47﴾

کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے ﴿47﴾

نہیں تھے جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا سرپرست کون بنے؟ اور نہ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ تو اس وقت ان کے پاس نہیں تھے کہ دیکھی ہوئی بات کے بارے میں انھیں خبر دے رہے ہوں بلکہ اس کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا ہے اور آپ اس کے بارے میں انھیں اس طرح بتا رہے تھے گویا آپ وہاں حاضر اور موجود تھے اور یہ آپ کا چشم دید واقعہ ہے کہ وہ مریم کے بارے میں قرعہ ڈال رہے تھے کہ کون ان کا کفیل بنے؟ کیونکہ وہ سب کفیل بن کر اجر و ثواب حاصل کرنا چاہتے تھے۔

امام ابن جریر نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ پھر حضرت مریم کی والدہ مریم کو لے کر نکلیں، وہ انھیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر اٹھائے ہوئے تھیں اور وہ انھیں بنی کاہن بن ہارون (یہ ہارون موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں) کے پاس لے گئیں۔ ان کی ان دنوں بیت المقدس میں وہی حیثیت تھی جو بیت اللہ کے دربانوں کی ہوتی ہے۔ وہ ان سے کہنے لگی کہ نذر کی اس بچی کو لے لو میں نے اسے آزاد کر دیا ہے۔ یہ میری بیٹی ہے۔ کنیسہ میں چونکہ نفاس والی عورت داخل نہیں ہو سکتی (اس لیے باہر ہی سے مجھ سے لے لو) میں اسے اب گھر لے کر نہیں جاؤں گی تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارے امام کی بیٹی ہے، عمران ان کے نماز کے امام تھے، اور وہ ہماری قربانیوں کے نگہبان ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بچی کو میرے سپرد کر دو کیونکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے دل نہیں چاہتے کیونکہ یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے تو اس موقع پر انھوں نے اپنے ان قلموں سے قرعہ اندازی کی جن سے وہ تورات لکھا کرتے تھے تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکل آیا اور وہ اس کے کفیل بن گئے۔ [1] عکرمہ، سدی، قتادہ، ربیع بن انس اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ [2] جبکہ بعض کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ان لوگوں نے ''نہر اردن'' میں جا کر قرعہ اندازی کی اور اس میں اپنے قلموں کو ڈالا اور کہا کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ میں ثابت رہے وہی اس کا کفیل ہوگا تو سب کے قلم پانی میں بہ گئے صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم ثابت رہا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پانی کے بہاؤ کو چیرتا ہوا اوپر

① تفسیر الطبری: 331,330/3. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 650,649/2.

اٹھ آیا، پھر حضرت زکریا علیہ السلام تو ان کے رہنما، سید، عالم، امام اور نبی بھی تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ النَّبِيِّينَ.

تفسیر آیات:45-47

مریم علیہا السلام کو پیدائشِ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت: فرشتوں نے حضرت مریم کو یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں ایک بڑی عظمت اور شان والا بچہ پیدا ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﴾ ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا: اے مریم! بے شک اللہ آپ کو اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے۔'' یعنی ایک ایسے بیٹے کی جو اللہ تعالیٰ کے کلمے کے ساتھ وجود میں آئے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو پیدا ہو جا تو وہ پیدا ہو جائے گا۔ اللہ کے فرمان: ﴿ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران 3:39) کی یہی تفسیر ہے جیسا کہ جمہور نے ذکر کیا ہے۔ ﴿ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ ''جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔''
یعنی دنیا میں اس نام سے مشہور ہوگا اور مومن اسی نام سے انھیں جانتے ہوں گے۔ آپ کا نام مسیح اس لیے تھا کہ آپ جب بیماریوں میں مبتلا لوگوں کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ میں عیسیٰ کی نسبت ماں کی طرف اس لیے کی گئی کہ آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔

﴿ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہوگا۔'' یعنی دنیا میں انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و وجاہت اور بلند مرتبہ حاصل ہوگا، اللہ تعالیٰ انھیں وحیٔ شریعت سے نوازے گا۔ ان پر کتاب نازل فرمائے گا اور دیگر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کے بارے میں شفاعت کی اللہ تعالیٰ اجازت عطا فرمائے گا اور ان کے اولوالعزم پیغمبر بھائیوں کی طرح ان کی شفاعت کو بھی قبول فرمائے گا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

ماں کی گود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ﴾ ''اور وہ ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا۔'' یعنی معجزہ اور نشانی کے طور پر اپنی چھوٹی ہی عمر میں لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دے گا اور بڑی عمر میں بھی، جب اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی نازل فرمائے گا۔
محمد بن اسحاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا تَكَلَّمَ مَوْلُودٌ فِي صِغَرِهِ إِلَّا عِيسٰى وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ] ''عیسیٰ اور صاحب جریج کے سوا اور کسی بچے نے چھوٹی عمر میں گفتگو نہیں کی۔''[1] اور امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثٌ : عِيسٰى، وَصَبِيٌّ كَانَ فِي زَمَنِ جُرَيْجٍ ، وَّصَبِيٌّ آخَرُ] ''صرف تین بچوں نے ماں کی گود میں گفتگو کی ہے: (1) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 652/2 لیکن بخاری و مسلم کی حدیث میں تین بچوں کے کلام کا تذکرہ ہے جو آرہی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿48﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬

اور اللہ اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا﴿48﴾ اور اسے بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کریگا (وہ کہے گا:) بے شک میں تمھارے

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ

پاس تمھارے رب کی نشانیاں لے کر آیا ہوں، بے شک میں تمھارے لیے گارے سے پرندے کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو اللہ

فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

کے حکم سے وہ واقعی پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور برص والے کو اچھا کرتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمھیں

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، بے شک اس میں تمھارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم مومن ہو﴿49﴾ اور میں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿49﴾ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

اس کی تصدیق کرتا ہوں جو تورات مجھ سے پہلے (نازل کی گئی) ہے اور تاکہ میں تمھارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿50﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ

تھیں اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں، چنانچہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿50﴾ بے شک اللہ میرا اور تمھارا رب ہے،

وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿51﴾

چنانچہ اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے﴿51﴾

(2) وہ بچہ جو جریج کے زمانے میں تھا اور (3) ایک اور بچہ۔''[1] ﴿ وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿46﴾ ﴾ ''اور نیکوکاروں میں ہوگا۔'' یعنی وہ اپنے قول وعمل میں نیک ہوگا اس کا علم صحیح اور عمل صالح ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے: حضرت مریم علیہا السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کو فرشتوں سے سنا تو اپنی مناجات میں کہا: ﴿ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ ﴾ ''میرے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے تو مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا؟'' یعنی میرے ہاں یہ بچہ کس طرح پیدا ہوگا؟ میرا تو کوئی شوہر ہی نہیں ہے، نہ میرا شادی کرنے کا ارادہ ہے اور اللہ کی پناہ کہ نہ میں بدکار ہوں تو فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ ﴾ ''اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا امر اسی طرح عظیم ہے کہ کوئی چیز اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور یہاں اپنے فرمان کے ساتھ یہ بھی صراحت فرمائی: ﴿ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ ﴾ ''اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔'' یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے قصے میں فرمایا بلکہ یہاں واضح طور پر

---

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالی: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ..... ﴾، حدیث:3436 وصحیح مسلم، البر والصلة، باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاة وغیرها، حدیث:2550 وتفسیر ابن أبی حاتم:652/2 واللفظ له.

فرمایا کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے تاکہ کسی باطل پرست کے دل میں کوئی شبہ بھی باقی نہ رہے اور مزید تاکید کے طور پر فرمایا: ﴿ اِذَا قَضٰٓی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۷﴾ ﴾ ''جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔'' یعنی وہ جب ارشاد فرماتا ہے تو کوئی چیز مؤخر نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے حکم کے فوراً بعد وہ ہو جاتی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ ﴿۵۰﴾ ﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے۔'' یعنی ہم ایک ہی بار حکم دیتے ہیں، دوبارہ نہیں تو وہ چیز فوراً آنکھ جھپکنے کی طرح ہو جاتی ہے۔

تفسیر آیات:48-51

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات و معجزات اور دعوت: فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بشارت سنائی، اللہ تعالیٰ اس کے ذکر کو مکمل کرتے ہوئے بیان فرمارہا ہے: ﴿ وَ یُعَلِّمُہُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ﴾ ''اور وہ اسے لکھنا (پڑھنا) اور دانائی سکھائے گا۔'' ظاہر ہے کہ کتاب سے یہاں مراد لکھنا ہے اور حکمت کے بارے میں قبل ازیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا جاچکا ہے۔[1] ﴿ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۴۸﴾ ﴾ ''اور تورات اور انجیل۔'' تورات سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اور انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر نازل فرمایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان دونوں کتابوں کے حافظ تھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ رَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ ﴾ ''اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو کر جائیں گے۔'' اور ان سے کہیں گے: ﴿ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ ﴾ ''میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ میں تمھارے لیے مٹی سے بشکل پرند بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (سچ مچ) پرندہ ہو جاتا ہے۔'' آپ اسی طرح کیا کرتے تھے کہ مٹی کے گارے سے پرندے کی شکل کی مورت بناتے، پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اس اللہ کے حکم سے آنکھوں کے سامنے اڑنے لگتا جس نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ اُبۡرِئُ الۡاَکۡمَہَ ﴾ ''اور اندھے کو تندرست کر دیتا ہوں۔'' اس سے مراد وہ ہے جو مادر زاد اندھا ہو اور یہ ایک زبردست معجزہ اور ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ ﴿ وَ الۡاَبۡرَصَ ﴾ ''اور ابرص کو بھی (تندرست کر دیتا ہوں۔)'' برص ایک مشہور بیماری ہے (جس سے جسم پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں اور اس میں مبتلا انسان کو اَبرَص کہتے ہیں۔) ﴿ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ ﴾ ''اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں۔''

بہت سے علمائے کرام نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات ان کے زمانے کے لوگوں کی مناسبت سے عطا فرمائے، مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادوگروں کی بہت تعظیم کی جاتی تھی تو

[1] دیکھیے آیت:129 کے ذیل میں۔

اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسا معجزہ عطا فرمایا جس سے آنکھیں چندھیا گئیں اور تمام جادوگر حیران و ششدر رہ گئے۔اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ یہ معجزہ اللہ صاحبِ عظمت و جبروت کی طرف سے ہے تو وہ مشرف بہ اسلام ہو کر نیکو کار بن گئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو وہ اطباء اور ماہرین علم طبعیات کا دور تھا تو اس مناسبت سے وہ ایسے ایسے معجزات لے کر آئے جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے جسے اس ذات گرامی کی تائید وحمایت حاصل ہو جو شریعت کو نازل فرمانے والا ہے۔غور فرمائیے! کہ کسی طبیب کو یہ قدرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ جمادات کو زندہ کر دے یا وہ مادر زاد نابینے اور برص میں مبتلا مریض کو تندرست کر دے یا قبر میں مدفون انسان کو زندہ کر کے اٹھا دے۔

اسی طرح جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے دور میں فصحاء، بلغاء اور بہت عظیم شعراء کا بڑا چرچا تھا تو اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کتاب عطا فرمائی کہ اگر کائنات کے تمام جن وانس مل کر بھی اس جیسی کتاب لانا چاہیں تو ہرگز نہ لا سکیں۔ پوری کتاب کا لانا تو کجا اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی کبھی نہ لا سکیں گے، خواہ ایک دوسرے کے مدد و معاون ہی کیوں نہ بن جائیں، اس لیے کہ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے اور مخلوق میں سے کسی کا کلام کبھی بھی اس کے مشابہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ ﴾ ''اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں۔'' یعنی میں تم کو یہ بتا دیتا ہوں کہ اس وقت تم میں سے کوئی کیا کھا کر آیا ہے اور اس نے اپنے گھر میں کل کے لیے کیا کچھ جمع کر رکھا ہے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک ان سب باتوں میں ﴿ لَاٰيَةً لَّكُمْ ﴾ ''البتہ تمھارے لیے نشانی ہے۔'' اس بات کی کہ جو کچھ میں تمھارے پاس لے کر آیا ہوں یہ سچ ہے۔ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ ''اگر تم صاحب ایمان ہو۔ اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی میں تصدیق بھی کرتا ہوں۔'' اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔

﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمھارے لیے حلال کر دوں۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے بعض احکام کو منسوخ کیا اور جس کے بارے میں وہ غلطی سے جھگڑتے رہتے تھے، اس کی صورتحال کو واضح کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ ﴾ (الزخرف 63:43) ''نیز اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، تم کو سمجھا دوں۔'' واللہ أعلم. پھر فرمایا: ﴿ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ ﴾ ''اور میں تو تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔'' جو اس بات کی حجت و دلیل ہے کہ میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل سچ ہے۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ ﴾ ''چنانچہ تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ کچھ شک نہیں

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ

پھر جب عیسیٰ نے ان میں کفر محسوس کیا تو ان سے کہا: اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار بنے گا؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے انصار ہیں، ہم اللہ پر ایمان

اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

لائے ہیں اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں ﴿52﴾ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی پیروی کی ہے،

5 ع 13 / 13 الثلثة
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿53﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿54﴾ ع

چنانچہ ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے ﴿53﴾ اور انھوں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿54﴾

کہ اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے تم اسی کی عبادت کرو۔‘‘ یعنی اس کی عبادت کرنے اور اس کے سامنے عجز و انکسار کرنے کے اعتبار سے میں اور تم سب برابر ہیں۔ ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿51﴾﴾ ’’یہی سیدھا رستہ ہے۔‘‘

تفسیر آیات: 52-54

حواریوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ ’’جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے نافرمانی دیکھی۔‘‘ اور یہ محسوس فرمایا کہ وہ کفر اور ضلالت ہی پر ڈٹے رہیں گے تو فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ ’’کوئی ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہو؟‘‘

مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کون ہے جو اللہ کی طرف میری پیروی کرے؟[1] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ کون ہے جو دعوت الی اللہ میں میرا مددگار بن جائے؟ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت سے قبل موسم حج میں یہ فرمایا کرتے تھے: [مَنْ يُّؤْوِينِي مَنْ يَّنْصُرُنِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي؟]، [فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي] ’’کون ہے جو مجھے ٹھکانا دے؟ کون ہے جو میری نصرت کرے تاکہ میں اپنے رب کی رسالت کو پہنچا دوں؟ کیونکہ قریش نے کلام باری تعالیٰ کی تبلیغ سے مجھے روک دیا ہے۔‘‘[2] حتی کہ آپ نے انصار کو پالیا جنھوں نے آپ کو ٹھکانا دیا، آپ کی نصرت و اعانت کی، پھر آپ نے جب ان کی طرف ہجرت فرمائی تو انھوں نے آپ کی غم خواری کی اور ہر سیاہ و سرخ کے مقابلے میں آپ کی مدد کی۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ أَرْضَاهُمْ.

اسی طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے پاس بھی بنی اسرائیل کی ایک جماعت آگئی جو آپ پر ایمان لائی اور جس نے آپ کی تائید و حمایت کرتے ہوئے اس نور کی پیروی شروع کر دی جسے آپ پر اتارا گیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿53﴾﴾ ’’حواری کہنے لگے: ہم اللہ کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ ہمارے پروردگار! جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے ہم اس

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 659/2. [2] اس کا ابتدائی حصہ مسند أحمد: 322/3 اور آخری حصہ سنن أبی داود، السنة، باب فی القرآن، حدیث: 4734 و جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب: [ألا رجل یحملنی......]، حدیث: 2925 کے مطابق ہے۔

پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے متبع ہو چکے، چنانچہ تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔''

حواریوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے مراد دھوبی ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حواری کے معنی مددگار کے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے دن جب لوگوں کو بلایا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی آواز پر فوراً لبیک کہا، آپ نے پھر بلایا تو پھر بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے فوراً لبیک کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، وَّحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ] ''ہر نبی کا ایک حواری (مددگار) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ ہیں۔''[1] اور امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ہمیں امت محمد ﷺ کے ساتھ لکھ رکھ۔[2] اس کی سند جید ہے۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ: پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مطلع فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں برا ارادہ کیا۔ انھوں نے اس وقت آپ کو قتل کر دینا یا پھانسی دے دینا چاہا جب وہ سب آپ کے خلاف جمع ہو گئے تھے اور انھوں نے اس دور کے بادشاہ کے پاس آپ کی چغلی کی تھی۔ اور وہ بادشاہ کافر تھا۔ انھوں نے اس سے کہا کہ یہاں ایک آدمی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا، انھیں بادشاہ کی اطاعت سے روکتا، رعایا کو خراب کرتا اور باپ بیٹے میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

الغرض انھوں نے اس طرح کے بہت سے جھوٹے الزامات آپ پر لگائے اور انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ حرامی ہے۔ اس طرح انھوں نے بادشاہ کو آپ کے خلاف بہت بھڑکایا تو اس نے آپ کی تلاش میں کچھ لوگوں کو بھیجا جو آپ کو پکڑ کر سزا دیں اور پھانسی پر لٹکا دیں۔ انھوں نے آپ کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور جب یہ گمان کیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے نجات دی اور اس مکان کے روشن دان سے نکال کر آپ کو آسمان پر اٹھا لیا اور مکان میں موجود ایک انسان کو آپ کا ہم شکل بنا دیا۔

جب وہ لوگ رات کی تاریکی میں مکان میں داخل ہوئے تو انھوں نے اسے عیسیٰ سمجھتے ہوئے اسے پکڑ لیا، اس کی توہین و تذلیل کی، پھر اسے پھانسی دے کر اس کے سر پر کانٹے رکھ دیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف یہ تدبیر کی کہ اپنے نبی کو بچا لیا، انھیں ان کے درمیان سے اوپر اٹھا لیا اور انھیں اپنی گمراہی میں پڑا بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ وہ ہمیشہ حق کے ساتھ بغض اور عناد رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دیا جو قیامت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ ''اور انھوں نے چال چلی اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کی) تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔''

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب هل يبعث الطّليعة وحده؟ حديث:2847 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير، حديث:2415 عن جابر بن عبدالله. [2] تفسير ابن أبي حاتم:660/2.

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ

جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے پورا لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور ان کافروں سے تجھے پاک کردوں گا، اور جن لوگوں نے تیری

اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ

پیروی کی، انھیں کافروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا، پھر تمھیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور میں تمھارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردوں

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿55﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫

گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿55﴾ پھر جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا

وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿56﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ

اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿56﴾ اور لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو اللہ انھیں ان کا پورا پورا اجر دے گا

وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿57﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿58﴾

اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿57﴾ (اے نبی!) یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں، آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے ﴿58﴾

تفسیر آیات:55-58

﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ﴾ میں وفات سے مراد نیند ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ (الأنعام6:60) ''اور وہی تو ہے (اللہ) جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمھاری روح قبض کر لیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ (الزمر39:42) ''اللہ ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے۔)''

اور رسول اللہ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ] ''سب طرح کی تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کر دیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''[1] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴾ (النسآء4:156-159) ''اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب (ہم نے ان پر لعنت کی۔) اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ انھوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں، سوائے گمان کی پیروی کے اور انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب ما يقول إذا نام، حديث:6312 و6314 عن حذيفة رضي الله عنه.

ہے۔اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگران کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔''

اس ارشاد باری تعالیٰ میں: ﴿ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یعنی کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔[1] تو اس وقت تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے کیونکہ آپ جزیہ ختم کر دیں گے اور صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت حسن بصری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے ﴿ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد وفاتِ نیند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیند میں آسمانوں پر اٹھایا تھا۔[2]

دینِ مسیح میں تحریف: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ یعنی تمھیں آسمان کی طرف اٹھا کر کافروں (کی صحبت) سے پاک کردوں گا۔ ﴿ وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اور جو لوگ تمھاری پیروی کریں گے، ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (و غالب) رکھوں گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا تو آپ کے بعد آپ کے اصحاب کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔

ان میں سے کچھ لوگوں کا تو آپ کے بارے میں اسی طرح ایمان تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا کہ آپ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی باندی کے بیٹے ہیں۔ اور کچھ لوگوں نے آپ کے بارے میں غلو کرتے ہوئے آپ کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ہی اللہ ہیں اور کچھ نے کہا کہ آپ تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اقوال قرآن مجید میں ذکر کر کے ان میں سے ہر ایک کی تردید فرمائی ہے۔ یہ قریباً تین سو سال تک انھی عقائد پر رہے۔

پھر یونان میں ''قسطنطین'' نامی ایک بادشاہ ظاہر ہوا جو دین نصرانیت میں داخل ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ درحقیقت ایک فلسفی تھا، عیسائیت کو قبول کرنا ایک حیلہ بہانہ تھا اور درحقیقت وہ عیسائیت کو خراب کرنا چاہتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس نے از راہ جہالت عیسائیت کو قبول کیا تھا۔ بہر حال اس نے دینِ مسیح میں تبدیلی و تحریف کی، کمی بیشی کی اور اس نے قوانین اور امانت کبریٰ کو وضع کیا جو حقیقت میں ایک نہایت حقیر خیانت تھی۔[3] اس نے اپنے زمانے میں خنزیر کے گوشت کو بھی حلال قرار دے دیا تھا، عیسائیوں نے اس کے لیے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اس کے لیے کنیسے بنائے اور ان کے خیال کے مطابق اس نے اپنے کسی گناہ کی وجہ سے ان کے روزوں میں دس دن کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح دینِ مسیح حقیقت میں دینِ قسطنطین بن کر رہ گیا۔

قسطنطین نے ان کے لیے بارہ ہزار سے زیادہ گرجے، کنیسے اور عبادت کدے تعمیر کروائے اور وہ شہر بھی آباد کیا جو اس کے نام سے منسوب ہے۔ عیسائیوں کے فرقہ مَلَکِیَہ نے اس کی پیروی کی اور ان تمام باتوں میں انھیں یہودیوں پر غلبہ حاصل تھا

[1] دیکھیے النسآء، آیت: 156-159 کے ذیل میں۔ [2] الدر المنثور: 64/2 و تفسیر الطبری: 394/3 عن الربیع رحمہ اللہ مثلہ۔ [3] تفصیل دیکھیے النسآء، آیت: 171 کے ذیل میں عنوان: ''عیسائیوں کے فرقے۔''

کیونکہ یہودیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تھی کیونکہ یہودیوں کی نسبت یہ حق کے زیادہ قریب تھے، گو یہ سب کافر ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ پر ایمان لانے والوں کا صحیح طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر بھی ایمان تھا۔ وہ روئے زمین پر تشریف لانے والے ہر نبی کے پیروکار تھے کیونکہ انھوں نے اس رسول نبی اُمی، خاتم الرسل اور سید ولد آدم ﷺ کی تصدیق کی تھی جنھوں نے تمام حق کی تصدیق کرنے کی انھیں دعوت دی تھی، لہٰذا وہ ہر نبی کے اس کی اس امت کی نسبت زیادہ قریب تھے جو اس کی ملت اور طریقے پر ہونے کی دعوے دار تھی، حالانکہ انھوں نے تو اس کے دین میں تبدیلی و تحریف کر دی تھی، پھر اگر انھوں نے تحریف نہ بھی کی ہو تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ قیامت تک جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا، یہ دین ہر دوسرے دین کے مقابلے میں منصور و غالب رہے گا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو زمین کے مشرق و مغرب میں فتح عطا فرمائی۔ انھوں نے تمام ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ تمام حکومتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ اور قیصر و کسریٰ کی عظمت و شوکت کو خاک میں ملا دیا۔ ان کے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے، پھر انھیں اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا گیا جیسا کہ ان کے نبی نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے اس کی خبر دی تھی: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ ﴾(النور 24:55) ”جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں ضرور خلافت دے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، ضرور جما دے گا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر انھیں امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔“

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح کے ساتھ بھی سچے ایمان لانے والے یہی لوگ تھے، انھوں نے عیسائیوں سے بلاد شام کو چھین لیا اور انھیں روم کی طرف جلاوطن کر دیا حتی کہ یہ لوگ اپنے شہر قسطنطنیہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اور اسلام اور مسلمان قیامت تک ان پر غالب رہیں گے اور پیغمبر صادق مصدوق ﷺ نے اپنی امت سے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ آخر زمانے میں شہر قسطنطنیہ کو فتح کریں گے، اس کے تمام اموال کو غنیمت کے طور پر حاصل کر لیں گے اور رومیوں سے ان کی ایسی زبردست جنگ ہو گی کہ اس طرح کی جنگ نہ لوگوں نے پہلے کبھی دیکھی ہو گی اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھیں گے۔ ①

---

① دیکھیے صحیح مسلم، الفتن، باب فی فتح قسطنطینیة......، حدیث:2897 وباب إقبال الروم فی کثرة القتل، حدیث: 2899 و سنن أبی داود، الملاحم، باب فی أمارات الملاحم، حدیث:4294 و صحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر ذَوَبان الدجّال......:224/15.

إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿59﴾ الْحَقُّ

بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا ﴿59﴾ (یہ)

مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿60﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿60﴾ پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ قف ثُمَّ

متعلق آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو اپنی اپنی عورتوں کو بلالیں اور خود بھی (حاضر ہوں)

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿61﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا

پھر گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو ﴿61﴾ بے شک یہی بیان سچا ہے ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور

مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿62﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

بے شک اللہ ہی غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿62﴾ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو

بِالْمُفْسِدِينَ ﴿63﴾ ع 6/9 14

خوب جانتا ہے ﴿63﴾

میں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے۔①

کفار کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب کی وعید: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿55﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿56﴾﴾ ''اور جو لوگ آپ کی پیروی کریں گے، ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا، پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں ان کا فیصلہ کر دوں گا لیکن جو کافر ہوئے ان کو دنیا اور آخرت (دونوں) میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے والے یہودیوں یا آپ کے بارے میں غلو کرنے والے اور آپ کی تعریف میں حد سے بڑھ جانے والے عیسائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کیا کہ انھیں دنیا میں یہ سزا دی کہ قتل ہوئے، قید ہوئے، ان کے اموال لوٹ لیے گئے اور ان کے ملکوں کو ان سے چھین لیا گیا اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت اور شدید ہوگا۔

﴿وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ﴾ (الرعد 34:13) ''اور ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔'' ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ﴾ ''اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو اللہ پورا پورا صلہ دے گا۔'' یعنی دنیا و آخرت میں کہ دنیا میں انھیں فتح و نصرت سے نوازے گا اور آخرت میں بلند و بالا باغ ہائے بہشت سے۔ ﴿وَاللَّهُ

① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ کتاب الفتن والملاحم کے نام سے مطبوع ہے۔ اور امام موصوف کے فتح القسطنطينية کے موضوع پر ایک کتابچے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

﴿ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ ہم آپ کو (اللہ کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! یہ جو ہم نے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ، ان کی ولادت کا واقعہ اور ان کے معاملے کی کیفیت کو بیان کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کی وحی ہے جسے اس نے بلاشک وشبہ لوح محفوظ سے نازل فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ مریم میں فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾ (مریم 19:34،35) ''یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اللہ کو سزاوار ہی نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

تفسیر آیات:59-63

حضرت آدم وعیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش میں مماثلت: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ کے نزدیک'' یعنی اللہ تعالیٰ کے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کرنے کی مثال: ﴿ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ ﴾ ''آدم کی سی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں (اپنی قدرت کے ساتھ) باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا فرمایا تھا بلکہ ﴿ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾ ''اللہ نے مٹی سے ان (کے قالب) کو بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔'' جس ذات گرامی نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ کے بغیر پیدا فرمایا، وہ عیسیٰ علیہ السلام کو بطریق اولیٰ پیدا کرنے پر قادر ہے اور اگر اس بنیاد پر عیسیٰ کے بارے میں بیٹا ہونے کا دعویٰ جائز ہے کہ وہ باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ بالاولیٰ جائز ہوگا لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا شدید باطل اور بالکل فاسد ہے۔

اللہ نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اپنی مخلوق کے سامنے اپنی قدرت کا اظہار فرمائے اور اس کے لیے اس نے حضرت آدم کو ماں اور باپ کے بغیر پیدا فرمایا، حضرت حوّاء کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم سے پیدا کیا جبکہ باقی ساری مخلوق کو نر اور مادہ سے پیدا فرمایا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں فرمایا: ﴿ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (مریم 19:21) ''تاکہ ہم ان کو لوگوں کے لیے (اپنی طرف سے) نشانی بنائیں۔'' اور یہاں بھی فرمایا: ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ﴾ ''(یہ بات) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بات حق ہے، اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور بات صحیح ہے اور حق کے بعد تو ضلالت ہی باقی رہ جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس شخص سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح صورتِ حال کے واضح ہونے کے بعد بھی حق کی مخالفت کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعوتِ مباہلہ: ﴿ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

﴿ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ﴾ ''پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے تو اس سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں گے اور تم خود بھی آؤ۔'' یعنی ہم ان سب کو مباہلے کی حالت میں حاضر کریں۔ ﴿ ثُمَّ نَبْتَهِلْ ﴾ ''پھر ہم دونوں فریق (اللہ سے) دعاء والتجا کریں۔'' ﴿ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿61﴾ ﴾ ''اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔'' یعنی ہم اور تم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اس مباہلے اور اس سورت کے اول سے لے کر یہاں تک کے نزول کا سبب وفد نجران تھا کہ یہ عیسائی جب مدینہ میں آئے تو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنا شروع کیا کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ''ابن اللہ'' اور ''الٰہ'' ہونے کے قائل تھے تو ان کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا ابتدائی حصہ نازل فرمایا جیسا کہ امام محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی ''سیرت'' کی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا جو کہ ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا اور ان میں ان کے چودہ سردار بھی تھے جن کے پاس اختیارات تھے۔ سرداروں کے نام یہ تھے: عاقب، اس کا نام عبدالمسیح تھا، سید، یعنی اَیہم، ابوحارثہ بن علقمہ جو کہ خاندان بکر بن وائل میں سے تھا، اویس بن حارث، زید، قیس، یزید، نبیہ، خویلد، عمرو، خالد، عبداللہ اور یُحَنَّس اور ان میں سے تین سردار زیادہ بڑے تھے جن کے پاس ان کے مکمل اختیارات تھے۔ ان میں سے ایک تو عاقب تھا جو کہ امیر قوم تھا، صاحب رائے تھا، اسی سے مشورہ لیا جاتا تھا، اس کی رائے کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے دوسرا رہنما سید تھا جو ان میں سے بڑا عالم تھا۔ اسی کے ہاتھ میں آمد و رفت کے اختیارات تھے اور تیسرا رہنما ابوحارثہ بن علقمہ تھا جو ان کا پوپ، عالم اور امام تھا اور ان کی تعلیم گاہ کا نگران تھا۔ اس کا تعلق عرب کے خاندان بنی بکر سے تھا لیکن یہ عیسائی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے رومیوں اور ان کے بادشاہوں نے اس کی بہت تعظیم کی، قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا، اس کے لیے کنیسے بنائے، مال و دولت سے نوازا اور ان کے دین میں اس کی پختگی کی وجہ سے انھوں نے اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ①

یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا اور آپ کے اوصاف کو پہچانتا تھا کیونکہ اس نے انھیں سابقہ کتابوں سے معلوم کیا تھا لیکن جہالت کی وجہ سے یہ نصرانیت ہی سے وابستہ رہا، پھر اس وجہ سے بھی کہ عیسائی اس کی بہت تعظیم کرتے تھے اور عیسائیوں کے ہاں اسے خوب جاہ و عزت حاصل تھی۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے بیان کیا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ میں آئے اور مسجد نبوی میں اس وقت داخل ہوئے جب آپ نے نماز عصر ادا فرمائی تھی۔ انھوں نے علماء کا لباس پہن رکھا تھا جو

① السيرة النبوية لابن هشام، أمر السيد والعاقب وذكر المباهلة: 576,575,573/2 ودلائل النبوة للبيهقي، وفد نجران ……: 383,382/5.

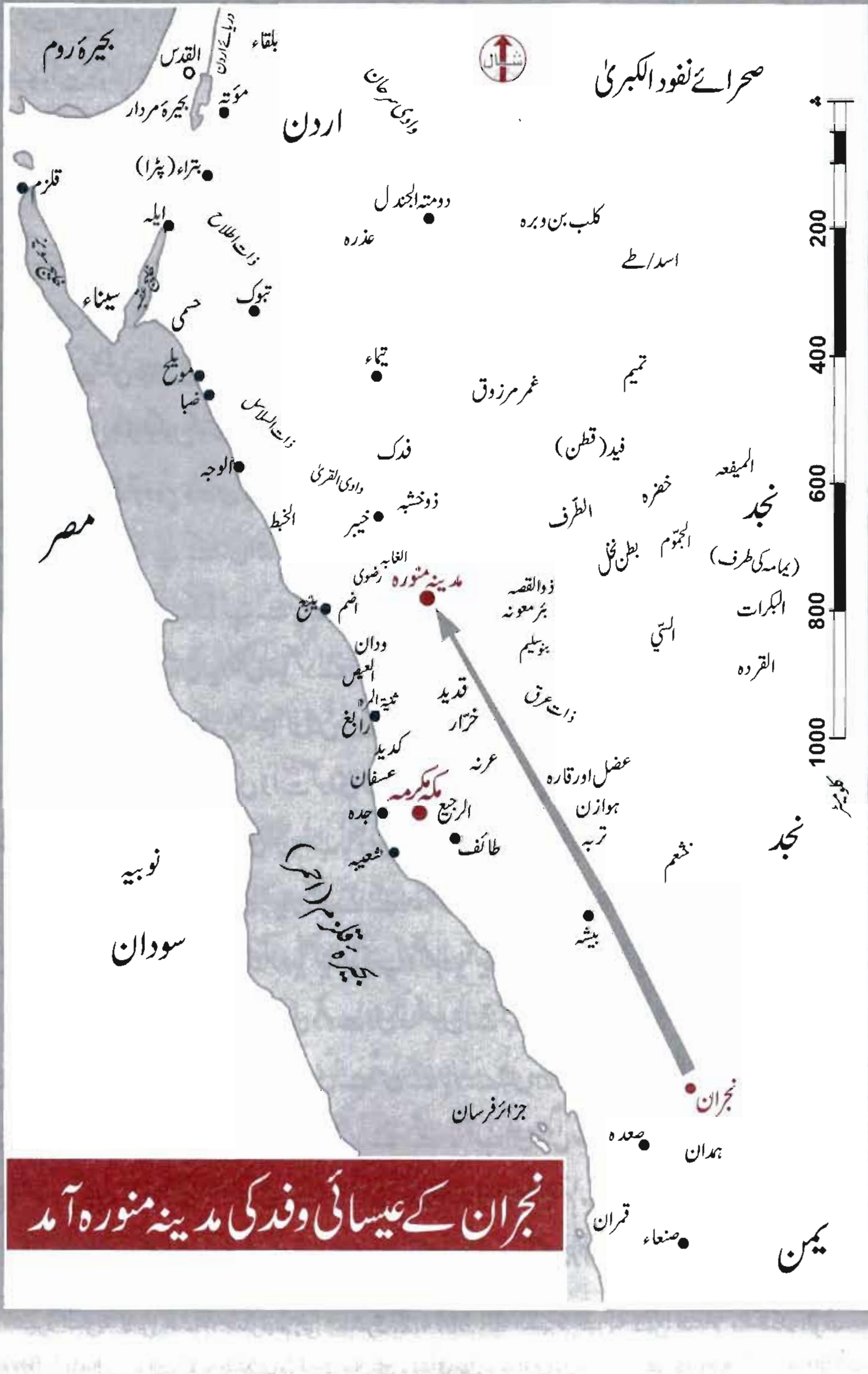

نجران کے عیسائی وفد کی مدینہ منورہ آمد

جبوں اور چادروں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ بنو حارث بن کعب کے لوگوں کی طرح خوب صورت تھے۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے ان لوگوں کے بعد اس طرح کا کوئی وفد نہیں دیکھا جب یہ آئے تو ان کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہی میں نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [دَعُوهُمْ] ''انھیں کچھ نہ کہو۔'' چنانچہ انھوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے ابوحارثہ بن علقمہ، عاقب عبدالمسیح اور سید ایہم نے گفتگو کی تھی اور یہ نصرانیت میں بادشاہ کے دین پر تھے اور باہمی اختلاف کے باوجود کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں، (یا وہ کہتے:) اللہ کے بیٹے ہیں (یا وہ کہتے:) تینوں میں سے تیسرے ہیں۔[2] اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی اس طرح کی باتوں سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ ہونے کے بارے میں دلیل یہ دیتے ہیں کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے، نابینا، ابرص اور دیگر بیماریوں میں مبتلا لوگوں کو تندرست کر دیتے تھے، غیب کی باتیں بتا دیتے تھے اور مٹی سے پرندے کی مورت بنا کر جب اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا تھا، حالانکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دے۔ آپ کے ابن اللہ ہونے کے بارے میں وہ دلیل یہ دیتے تھے کہ آپ کا کوئی باپ نہیں ہے، آپ نے ماں کی گود میں ایسی بات کی ہے کہ آپ سے پہلے کسی انسان نے اس طرح کی گفتگو نہیں کی تھی، اسی طرح وہ آپ کے تینوں میں سے ایک ہونے کے بارے میں یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ اللہ فرماتا ہے: ہم نے کہا، ہم نے حکم دیا، ہم نے پیدا کیا اور ہم نے فیصلہ کیا۔ اگر وہ واحد ہوتا تو اس طرح کہتا کہ میں نے کہا، میں نے حکم دیا، میں نے پیدا کیا اور میں نے فیصلہ کیا۔ لیکن ''الٰہ'' اللہ، عیسیٰ اور مریم ہیں۔[3] اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس بات سے بہت ہی بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے جو ظالم اور کافر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی ان سب باتوں کی تردید فرمائی ہے۔

پھر ابن اسحاق نے ان آیات کی تفسیر بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر آ گئی، آپ اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا اور آپ کو حکم دیا گیا کہ اگر وہ آپ کی بات کی مخالفت کریں تو آپ ان سے مباہلہ کر لیں، چنانچہ آپ نے انھیں مباہلے کی دعوت دی تو انھوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! ہمیں مہلت دو تاکہ ہم غور کر لیں، پھر ہم بتا دیں گے کہ آپ نے ہمیں جو دعوت دی ہے اس کے بارے میں ہمارا کیا ارادہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ آپ کے پاس سے چلے گئے اور عاقب کے ساتھ مل کر خلوت میں غور کرنے لگے، عاقب ان میں صاحب رائے تھا، چنانچہ انھوں نے کہا: اے عبدالمسیح! تمھاری کیا رائے ہے؟ عبدالمسیح نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! واللہ! تم یہ جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبیٔ مرسل ہیں، وہ تمھارے نبی کے بارے میں فیصلہ کن خبریں لائے ہیں اور تمھیں معلوم ہے کہ جو قوم کسی نبی سے مباہلہ کرے تو پھر ان کا نہ کوئی

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، صلوتهم إلى المشرق:574/2. [2] السيرة النبوية لابن هشام ، أسماء الوفد......: 575/2. [3] السيرة النبوية لابن هشام، أسماء الوفد ومعتقدهم ومناقشتهم الرسول ﷺ:575/2.

بڑا باقی بچتا ہے اور نہ چھوٹا۔ اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کیا تو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے جاؤ گے۔ اگر تم اپنے دین ہی سے محبت کرنا چاہتے ہو اور اپنے نبی کے بارے میں اپنی ہی بات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص سے الوداع ہو کر اپنے شہر کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس مشورے کے بعد وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ابوالقاسم! ہماری رائے یہ ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں۔ آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے لوٹ جائیں۔ ہاں، البتہ اپنے ساتھیوں میں سے اپنے پسند کے کسی ایک آدمی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ وہ مالی امور میں ہمارے چند باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دے کیونکہ آپ لوگ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ ①

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وفد نجران کے سردار عاقب اور سید (ایہم) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا ارادہ مباہلہ کرنے کا تھا تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ نہ کرو کیونکہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں اور ہم نے آپ سے مباہلہ کر لیا تو نہ ہم بچیں گے اور نہ ہماری آئندہ نسل بچے گی۔ دونوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے جو فرمایا ہے وہ ہم آپ کو دے دیں گے۔ آپ ہمارے ساتھ کسی امین آدمی کو بھیج دیں اور کسی اور کو نہیں بلکہ امین ہی کو بھیجیں، آپ نے فرمایا: [لَأَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ : قُمْ يَا أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ ! فَلَمَّا قَامَ ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هٰذَا أَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ] ”یقیناً میں تمھارے ساتھ ایک سچے اور پکے امانت دار شخص کو بھیجوں گا۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نظریں اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا کہ یہ سعادت کسے میسر آتی ہے تو آپ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ بن جراح! تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب وہ کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اس امت کے امین ہیں۔“ ②

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ ، وَّأَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ] ”ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔“ ③

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابوجہل قَبَّحَهُ اللّٰهُ نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں تو آپ کی گردن کو پامال کر دوں۔ آپ نے فرمایا: [لَوْ فَعَلَ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عِيَانًا وَّلَوْ أَنَّ الْيَهُودَ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَمَاتُوا، وَرَأَوْا مَقَاعِدَهُمْ مِّنَ النَّارِ، وَلَوْ خَرَجَ الَّذِينَ يُبَاهِلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، لَرَجَعُوا لَا يَجِدُونَ مَالًا وَّلَا أَهْلًا] ”اگر وہ ایسی حرکت کرتا تو آنکھوں کے سامنے فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو وہ مر جاتے اور جہنم میں اپنے ٹھکانے دیکھ لیتے اور اگر عیسائی رسول اللہ ﷺ سے مباہلے کے لیے نکلتے تو وہ اس طرح لوٹتے کہ نہ ان کا مال بچتا اور نہ اہل و عیال۔ ④ اس حدیث کو امام بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا

① السيرة النبوية لابن هشام، إباؤهم الملاعنة:2/583,584. ② صحيح البخاري، المغازي، باب قصة أهل نجران، حديث:4380. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب قصة أهل نجران، حديث:4382. ④ مسند أحمد:1/248.

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا

آپ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور

نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو

اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿64﴾

کہ بے شک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ﴿64﴾

ہے۔[1] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ ﴾ ''بے شک یہی بیان سچا ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہم نے یہ جو بیان کیا ہے یہ بالکل صحیح ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ ﴿ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿62﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ ''اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ غالب (اور) صاحب حکمت ہے، پھر اگر وہ منہ موڑیں'' ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''تو یقیناً اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی جو حق سے اعراض کر کے باطل کو اختیار کرے تو وہ مفسد ہے اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اور اس کی وہ اسے بدترین سزا دے گا اور وہ اس پر قادر ہے اور کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ وہ ذات پاک ہے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی ناراضی اور اس کی سزا سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیت:64

مسئلہ توحید سب کے ہاں معلوم ہے: یہ خطاب عام ہے جو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے لیے بھی ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے بھی کہ ﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ﴾ ''کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایک بات کی طرف آؤ'' کلمہ کا اطلاق جملۂ مفیدہ پر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں فرمایا ہے اور اس کلمہ کی تعریف میں کہا: ﴿ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے۔'' یہ بات عدل و انصاف پر مبنی ہے اور اس میں ہم اور تم برابر ہیں، پھر اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ﴿ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا ﴾ ''وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔'' نہ کسی بت کو، نہ صلیب کو، نہ صنم کو، نہ طاغوت کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور ہی چیز کو بلکہ ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔

تمام رسولوں کی بھی یہی دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِيَةِ ﴾ (العلق 96:15)، حدیث:4958 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة اقرأ باسم ربك، حدیث:3348 والسنن الكبرى للنسائی، التفسیر، سورة العلق:518/6 ، حدیث:11685 مختصرًا.

أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَاعْبُدُونِ ﴿ (الأنبياء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ﴾ ''اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔'' ابن جریج فرماتے ہیں: یعنی ہم میں سے کوئی کسی کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اطاعت نہ کرے۔ ﴿ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾ ''اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔'' یعنی اگر وہ لوگ اس عدل وانصاف اور اس دعوت کو نہ مانیں تو تم انھیں گواہ بنالو کہ تم اس اسلام پر عمل پیرا ہو جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے مقرر فرمایا ہے۔

وہ نامۂ مبارک جو نبیٔ کریم ﷺ نے ہرقل کی طرف ارسال فرمایا تھا، اس میں لکھا تھا:

﴿ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴾ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ!

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى.

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ، فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ ، وَ ﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾

''اللہ کے نام سے (شروع) جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، محمد رسول اللہ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام! سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

حمد وثنا کے بعد:

میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے، اسلام قبول کرلو اللہ تعالیٰ تمھیں دوگنا اجر وثواب عطا فرمائے گا اگر تم نے نہ مانا تو پھر کسانوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اور ''اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے، اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔''[1]

محمد بن اسحاق اور کئی دیگر ائمہ نے ذکر کیا ہے کہ سورۂ آل عمران کا ابتدائی حصہ، آغاز سے لے کر اسّی (80) سے زائد

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ .... ﴾ (آل عمران 3:64)، حديث:4553 و تفسير ابن أبي حاتم:669/2 عن أبي سفيان ﷺ.

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد ہی نازل

بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ

کی گئی ہیں، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿65﴾ آگاہ رہو! تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں کچھ علم

فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا

تھا تو اب تم اس چیز کی بابت کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے ﴿66﴾ ابراہیم

وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ

نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ صرف حق پرست، فرمانبردار تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿67﴾ بے شک ابراہیم سے

بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿68﴾

قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، پھر یہ نبی اور مومن لوگ۔ اور اللہ مومنوں کا دوست ہے ﴿68﴾

آیات تک، وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے۔[1] امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ پہلے لوگ تھے جنھوں نے جزیہ ادا کیا۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے، پھر سوال یہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل ہرقل کے نام مکتوب گرامی میں اس آیت کے لکھے جانے اور امام محمد بن اسحاق اور امام زہری نے جو ذکر کیا ہے اس میں تطبیق کس طرح ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ وفد نجران کی آمد حدیبیہ سے پہلے ہوئی ہو اور وفد نجران نے جو کچھ ادا کیا وہ مباہلے کے بجائے مصالحت کی وجہ سے ہو نہ کہ جزیے کے طور پر اور اس کے بعد آیت جزیہ اس کی تائید و حمایت اور موافقت میں نازل ہوئی ہو جیسا کہ خُمُس کی فرضیت اور پانچ میں سے باقی چار حصوں کا حکم حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے مطابق نازل ہوا تھا جو انھوں نے بدر سے پہلے ایک سَرِیّے میں اختیار کیا تھا، پھر مال غنیمت کی تقسیم کا حکم اسی کے مطابق نازل ہوا تھا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ جب اپنے نامۂ مبارک میں لکھوائے، اس وقت تک نازل ہی نہ ہوئے ہوں اور بعد میں آپ کی تائید و حمایت میں یہ الفاظ قرآن مجید میں نازل ہو گئے ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں پردہ، قیدیوں اور منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھنے سے متعلق آیات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئی تھیں۔

اسی طرح فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ ﴾ (البقرۃ 2:125) ''اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔'' اور فرمان باری: ﴿ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ ﴾ (التحریم 66:5) ''اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دے تو شاید اس کا رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے۔'' بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئے۔[2]

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، مانزل من آل عمران فیھم: 2/576. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ (التحریم 66:5)، حدیث: 4916.

تفسیر آیات:65-68

دین ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا جھگڑا: یہود و نصاریٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دین کے بارے میں جو جھگڑا کیا اور ان میں سے ہر ایک نے جو یہ دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں سے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی مقام پر ان کی تردید فرمائی ہے جیسا کہ امام محمد بن اسحاق بن یسار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔

یہودی علماء نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی ہی تھے۔ عیسائیوں نے کہا کہ نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو عیسائی ہی تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟'' یعنی اے یہودیو! تم یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم یہودی تھے؟ کیونکہ آپ کا زمانہ تو اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کرنے سے پہلے کا ہے۔ اور اے عیسائیو! تم یہ کیونکر دعویٰ کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے؟ جبکہ عیسائیت نے تو ان کے ایک طویل عرصے بعد جنم لیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ ﴾ ''تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ ﴾ ''دیکھو! ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمھیں کچھ علم بھی تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں؟'' یہ اس شخص کی تردید ہے جو علم کے بغیر جھگڑا کرے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں علم کے بغیر جھگڑا کیا تھا۔ اگر یہ اس علم کے مطابق جھگڑا کرتے جو ان کے پاس موجود تھا اور ان کے ان دینوں سے متعلق تھا جن کے مطابق عمل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک تھا تو یہ ان کے لیے زیادہ مناسب تھا لیکن انھوں نے تو اس کے بارے میں گفتگو کی جس کا انھیں علم ہی نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور حکم دیا کہ جس بات کا علم نہ ہو اسے اس عالم الغیب والشہادہ کی طرف لوٹا دیا جائے جو تمام امور کو ان کے حقائق کے مطابق جانتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' پھر فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ ﴾ ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی بلکہ سب (گمراہیوں) سے بے تعلق ہو کر (اللہ کے) فرمانبردار تھے۔'' یعنی شرک سے بے زار اور ایمان کے طلب گار تھے۔ ﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾ ﴾ ''اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' یہ آیت اسی طرح ہے جیسے سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے: ﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ ﴾ (البقرۃ 2:135) ''اور انھوں نے کہا: تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿68﴾ ﴾ ''بے شک ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ

[1] تفسیر الطبری: 414/3.

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

اہل کتاب میں سے ایک گروہ تمھیں گمراہ کرنا چاہتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے (69) اے اہل کتاب!

يَشْعُرُوْنَ (69) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (70) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو، حالانکہ تم خود (ان کی سچائی کے) گواہ ہو؟ (70) اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط

7 8 15 لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (71) ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ

کرتے ہو اور تم جانتے بوجھتے حق کو کیوں چھپاتے ہو؟ (71) اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے (اپنے لوگوں سے) کہا: مسلمانوں پر جو چیز نازل

اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ

کی گئی ہے اس پر تم صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو تاکہ وہ بھی (ایمان سے) پھر جائیں (72) اور تم اسی کا یقین کرو جو تمھارے دین کا

يَرْجِعُوْنَ (72) ۚ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ

پیروکار ہے، آپ کہہ دیجیے: حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ (اور کہتے ہیں: مت مانو) کہ کسی کو ویسی چیز مل سکتی ہے جو تمھیں ملی ہے یا

مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

(جس سے) وہ تمھارے رب کے ہاں تم پر حجت قائم کر سکیں۔ کہہ دیجیے: بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (73) ۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (74)

ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے (73) وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (74)

جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی پیروی کے سب سے زیادہ حق دار تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کے دین کی اتباع کی اور یہ نبی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار اور ان کے بعد آپ کی پیروی کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہیں۔ سعید بن منصور نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِّنَ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ وَلِيِّي مِنْهُمْ أَبِي وَخَلِيلُ رَبِّي] ''ہر نبی کے نبیوں میں سے قریبی دوست ہوتے ہیں اور ان میں سے میرے قریبی دوست میرے باپ اور میرے رب کے قریبی دوست ابراہیم علیہ السلام ہیں۔'' پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ... ﴾ (1) فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (68) ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان تمام مومنوں کا قریبی دوست ہے جو اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے ہیں۔

تفسیر آیات: 69-74

(1) جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حديث: 2995، [مِنْهُمْ] ديكھیے المستدرك للحاكم: 292/2، التفسير، باب من سورة آل عمران، حديث: 3151 وسنن سعيد بن منصور، تفسير سورة آل عمران، قوله تعالى: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ... ﴾: 1047/3، حديث: 501 وتفسير الطبري: 418/3.

یہودیوں کا مسلمانوں سے حسد اور مکروفریب: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہودی مومنوں سے حسد رکھتے ہیں اور ان کا مقصد مومنوں کو گمراہ کرنا ہے لیکن اس کا وبال انھی پر لوٹے گا اور انھیں اس بات کا شعور بھی نہیں کہ ان کے خلاف ایک خفیہ چال چلی جا رہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو، حالانکہ تم خود (ان کی سچائی کے) گواہ ہو؟'' یعنی تم جانتے ہو کہ یہ آیات سچی ہیں اور تم ان کی حقیقت کو بھی جانتے ہو۔ ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿71﴾ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے بھی ہو؟'' یعنی تمھاری کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی جو صفات لکھی ہوئی ہیں تم انھیں چھپاتے ہو، حالانکہ تم انھیں جانتے اور سچ مانتے ہو۔

اور اللہ کا فرمان: ﴿ وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ ﴾ ''اور اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ جو (کتاب) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو اور اس کے آخر میں انکار کر دیا کرو۔'' یہ یہودیوں کی ایک سازش تھی جس کے ساتھ انھوں نے کمزور لوگوں پر ان کے دین کے معاملے کو خلط ملط کر دینا چاہا تھا اور وہ یہ کہ انھوں نے باہمی مشورے سے یہ بات طے کی کہ دن کے شروع کے حصے میں ایمان کا اظہار کر دیا کرو اور صبح کی نماز بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ادا کر لیا کرو اور جب دن کا آخری حصہ آئے تو اپنے دین کی طرف پلٹ جایا کرو تاکہ جاہل لوگ یہ کہیں کہ مسلمانوں کے دین میں نقص وعیب کی وجہ سے یہ لوگ اپنے دین کی طرف پلٹ گئے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے کہا تھا: ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''تاکہ وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں۔'' ابن ابو نجیح نے مجاہد سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہودیوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی لیکن مکرو فریب کی وجہ سے دن کے آخری حصے میں پھر کافر ہو گئے تاکہ لوگوں کو یہ تاثر ملے کہ اسلام کو قبول کرنے کے بعد انھیں کوئی خامی نظر آئی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے اسلام کو ترک کر دیا ہے۔ ①

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ﴾ ''اور اپنے دین کے پیرو کے سوا کسی اور پر یقین نہ کرنا۔'' یعنی اپنے دین کے پیرو کے سوا اور کسی پر نہ مطمئن ہونا اور نہ اپنے راز کو اور جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے ظاہر کرنا سوائے اس کے جو تمھارے دین کی پیروی کرے اور جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے مسلمانوں پر بھی ظاہر نہ کرنا ورنہ وہ اسے تسلیم کر کے تمھارے خلاف بطور دلیل پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی مومنوں کے دلوں کو اس مکمل ایمان کی رہنمائی فرماتا ہے جسے اس نے اپنے عبد ورسول حضرت محمد ﷺ پر روشن آیات، قطعی دلائل اور واضح براہین کے ساتھ نازل فرمایا ہے، خواہ اے یہودیو! تم نبیِ

---

① تفسیر الطبری:424/3:3 .

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ

اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس خزانے کا ڈھیر امانت رکھیں تو وہ بھی آپ کو ادا کر دیں گے اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ

بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ

اگر آپ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھیں تو وہ آپ کو ادا نہیں کریں گے الا یہ کہ آپ ہمیشہ ان (کے سر) پر کھڑے رہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں:

عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ بَلٰى مَنْ

ہم پر اُمّیوں (عربوں) کی بابت کوئی گناہ نہیں اور وہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ﴿75﴾ کیوں نہیں! (بلکہ مؤاخذہ ہوگا، البتہ) جو شخص اپنا عہد پورا

اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾

کرے اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ﴿76﴾

امی حضرت محمد ﷺ کی اس صفت وشان کو چھپا بھی لو جو تمھاری ان کتابوں میں موجود ہے جو تمھارے سابقہ انبیاء سے منقول ہیں۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ ﴾ ”(وہ یہ بھی کہتے ہیں:) یہ بھی (نہ ماننا) کہ جو چیز تم کو ملی ہے ویسی کسی اور کو ملے گی یا وہ تمھارے اللہ کے روبرو تم پر حجت قائم کر سکیں گے۔“ یعنی وہ کہتے تھے کہ تمھارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں کے سامنے ظاہر نہ کرو ورنہ وہ تم سے سیکھ کر تمھارے برابر ہو جائیں گے بلکہ شدت ایمان کی وجہ سے تم سے بڑھ جائیں گے یا وہ تمھارے اللہ کے روبرو تم پر حجت قائم کر سکیں گے، یعنی جو کچھ تمھارے پاس موجود ہے اسے تمھارے ہی خلاف بطور دلیل پیش کریں گے، پھر تمھارے ہی خلاف حجت قائم ہو جائے گی اور یہ حجت دنیا وآخرت دونوں میں قائم ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ”(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ بزرگی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔“ یعنی تمام امور صرف اور صرف اس کے تصرف اور اختیار میں ہیں، وہ جس کو چاہے عطا فرمائے اور جس کو چاہے محروم کر دے جس پر چاہے ایمان، علم اور مکمل فہم کے ساتھ احسان فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے، اس کی بصیرت وبصارت کو اندھا کر دے، اس کے دل اور کان پر مہر لگا دے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے، ہر ہر چیز میں اس کی حجت تامہ اور حکمت بالغہ کارفرما ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿73﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾ ﴾ ”اور اللہ کشائش والا (اور) علم والا ہے، وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔“ یعنی اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے اس خاص فضل سے سرفراز فرمایا ہے کہ تمھارے نبی کو دیگر تمام انبیائے کرام کے مقابلے میں بے حد وحساب اور بے پایاں فضل وشرف سے نوازا اور سب سے زیادہ کامل اور اکمل دین وشریعت کی طرف تمھاری رہنمائی فرمائی ہے۔

تفسیر آیات: 76,75

یہودیوں کی امانت کا حال: اللہ تعالیٰ مطلع فرما رہا ہے کہ یہودیوں میں کچھ لوگ حد درجہ خائن بھی ہیں، اس لیے وہ مومنوں کو

تلقین فرما رہا ہے کہ ان سے فریب خوردہ نہ ہونا کیونکہ ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے ﴿مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ﴾ کہ اگر آپ اس کے پاس ڈھیر سارا مال بطور امانت رکھیں ﴿يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ﴾ ''تو وہ آپ کو (فوراً) واپس دے دے گا۔'' یعنی اگر مال اس سے کم ہو تو اسے بطریق اولیٰ واپس دے دے گا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآىِٕمًا﴾ ''اور کوئی ان میں سے اس طرح کا ہے کہ اگر آپ اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھیں تو جب تک اس (کے سر) پر ہر وقت کھڑے نہ رہیں آپ کو ادا نہیں کرے گا۔'' یعنی جب تک آپ بڑے شد و مد سے اور الحاح (منت وسماجت) و اصرار کے ساتھ مطالبہ نہ کریں وہ آپ کو ایک دینار بھی واپس نہیں دے گا اور اگر ایک دینار لوٹانے میں وہ پس وپیش کرتا ہے تو اس سے اندازہ لگائیے کہ اگر مال اس سے زیادہ ہو تو وہ کس طرح واپس کرے گا؟ دینار تو ایک معروف چیز ہے اور قنطار کے بارے میں اس سورت کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے۔[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: امیوں کے بارے میں ہم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔'' یعنی انکار حق پر اس بات نے انھیں آمادہ کیا کہ وہ کہتے ہیں: ہمارے دین میں ان پڑھ لوگوں کے اموال کھانے میں کوئی حرج نہیں، ان پڑھ لوگوں سے مراد عرب ہیں، ان لوگوں کے اموال کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝75﴾ ''یہ اللہ پر محض جھوٹ بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے بھی ہیں'' کہ یہ بات انھوں نے خود گھڑی ہے، اس گمراہی کو اختیار کر کے یہ بہتان طرازی کر رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ناحق مال کھانے کو حرام قرار دیا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ یہودی ایک، بہتان طراز قوم ہے۔

امام عبدالرزاق نے صَعْصَعَہ بن یزید[2] سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہمیں بسا اوقات میدان جنگ میں اہل ذمہ کے مال میں سے مرغی اور بکری وغیرہ مل جاتی ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کے بارے میں پھر تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ تو وہی بات ہوئی جو اہل کتاب نے کہی تھی: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ ''امیوں کے بارے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔'' وہ جب تمھیں جزیہ ادا کریں تو ان کا مال ان کی رضامندی کے بغیر تمھارے لیے حلال نہیں ہے۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى﴾ ''کیوں نہیں! بلکہ جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور (اللہ سے) ڈرے۔'' یعنی اے اہل کتاب! جو تم میں سے اپنے اقرار کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس عہد کو پورا کرے جو اللہ

---

[1] دیکھیے آل عمران، آیت:14 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر عبدالرزاق میں صعصعہ بن معاویہ ہے لیکن درست صعصعہ بن یزید ہی ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن یزید ہی روایت کرتے ہیں۔ دیکھیے التاریخ الکبیر، ق:2۔ج:2، جلد:320/4، رقم:2984. [3] تفسیر عبدالرزاق، ومن سورۃ آل عمران:398/1، رقم:418.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور قیامت

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿77﴾

کے روز اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿77﴾

تعالیٰ نے تم سے لیا تھا کہ جب محمد ﷺ مبعوث ہوں تو تم نے ان کے ساتھ ایمان لانا ہوگا جس طرح یہ عہد اللہ تعالیٰ نے سابقہ تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے بھی لیا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ جائے، اس کی اطاعت کرے اور اس کی اس شریعت کی پیروی کرے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خاتم الرسل اور سید البشر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾﴾ ''تو بے شک اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

تفسیر آیت: 77

عہد کی خلاف ورزی کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ محمد ﷺ کی اتباع کریں گے، لوگوں کے سامنے آپ کی صفت کو ذکر اور آپ کی شان کو بیان کریں گے مگر انھوں نے اس عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی۔ اس قیمت سے مراد اس فانی اور زوال پذیر دنیا کا ساز وسامان ہے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اور ان لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔'' ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور ان سے اللہ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا۔'' یعنی نہ تو ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ لطف ومہربانی سے کلام کرے گا۔ ﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪﴾ ''اور نہ ان کو پاک کرے گا۔'' یعنی گناہوں اور میل کچیل سے بلکہ حکم دے گا کہ انھیں جہنم رسید کر دو۔ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿77﴾﴾ ''اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

اس آیت کریمہ سے متعلق کئی احادیث بھی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں: (1) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَنْ هُمْ؟ خَسِرُوا وَخَابُوا ، قَالَ: فَأَعَادَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، قَالَ: الْمُسْبِلُ ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ أَوِالْفَاجِرِ، وَالْمَنَّانُ] ''تین شخص ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ وہ تو خائب وخاسر ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کو تین بار دہرایا، پھر فرمایا: 1۔ اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا۔ 2۔ اپنے سودے کو جھوٹی یا حقیقت کے برعکس قسم کے ساتھ بیچنے والا اور 3۔ احسان کر کے جتلانے والا۔''[1] اور اس حدیث کو امام مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے

[1] مسند أحمد: 148/5.

بھی روایت کیا ہے۔ ①

(2) امام احمد رحمہ اللہ نے عدی بن عُمیرہ کِندی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ کِندہ کے امرؤ القیس بن عابس نامی ایک شخص نے حضرَ موت کے ایک شخص سے زمین کے بارے میں اپنے جھگڑے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرموت کے اس شخص سے کہا: گواہی پیش کرو مگر اس کے پاس کوئی گواہی نہیں تھی، پھر آپ نے امرؤ القیس سے کہا: تم قسم کھاؤ، حضرَمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اسے قسم کے ساتھ موقع دے دیں گے تو رب کعبہ کی قسم! وہ میری زمین کو لے جائے گا، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِینٍ کَاذِبَةٍ لِّیَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ أَخِیهِ لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ ، قَالَ رَجَاءٌ: وَتَلَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾] ''جس شخص نے کسی کا مال ناحق لینے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوگا۔ اس حدیث کے ایک راوی رجاء بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت بھی فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں۔'' امرؤ القیس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جو اسے ترک کر دے اسے کیا ملے گا؟ فرمایا: جنت۔ تو اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ گواہ رہیں میں نے ساری زمین اس کے لیے چھوڑ دی ہے۔'' ②

اور اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

(3) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِینٍ هُوَ فِیهَا فَاجِرٌ لِّیَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ ، لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ] ''جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی تا کہ کسی مسلمان شخص کے مال کو ناحق حاصل کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوگا۔'' اشعث نے کہا: واللہ! یہ میرے بارے میں تھا، میری اور ایک یہودی کی مشترکہ زمین تھی تو اس نے میرے حصے کا انکار کر دیا۔ میں اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: [أَلَكَ بَیِّنَةٌ؟ قُلْتُ: لَا، فَقَالَ لِلْیَهُودِیِّ: اِحْلِفْ، فَقُلْتُ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِذَنْ یَّحْلِفُ فَیَذْهَبُ مَالِی، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ..... ﴾] ''کیا تمھارے پاس گواہی موجود ہے؟ میں نے کہا: نہیں تو آپ نے یہودی سے فرمایا: پھر تم قسم کھاؤ، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ تو قسم کھا کر میرا مال لے

① صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة ......، حدیث:106و سنن أبی داود، اللباس، باب ماجاء فی إسبال الإزار، حدیث:4087 وجامع الترمذی، البیوع، باب ماجاء فیمن حلف علی سلعة کاذبًا، حدیث:1211 وسنن النسائی، الزینة، باب إسبال الإزار:5335 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب ماجاء فی کراهیة الأیمان فی الشراء والبیع، حدیث:2208. ② مسند أحمد :192,191/4. ③ السنن الکبرٰی للنسائی، القضاء، ذکر الاختلاف علی عدی بن عدی فیمن حلف علی مال امرئ مسلم:486/3، حدیث:5996.

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَٰبِ

اور بے شک ان میں سے ایک گروہ کتاب پڑھتے ہوئے زبان کو مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب میں سے

وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿78﴾

نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ﴿78﴾

اڑے گا، تب اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمادیا: ”بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں۔“[1]

(4) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ مَّنَعَ ابْنَ السَّبِيلِ فَضْلَ مَاءٍ عِنْدَهُ، وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ- يَعْنِي كَاذِبًا- وَّ رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفٰى لَهُ، وَإِنْ لَّمْ يُعْطِهِ لَمْ يُوفِ لَهُ] ”تین شخص ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا: (1) جو شخص اپنے پاس موجود زائد پانی سے مسافر کو روکے (2) جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچے اور (3) جو شخص کسی امام کی بیعت کرے اگر وہ اسے (مال) دیتا رہے تو بیعت کو پورا کرے اور اگر نہ دے تو اسے پورا نہ کرے۔“[2] امام ابوداود اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[3] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

تفسیر آیت: 78

زبانوں کو مروڑ کر یہودیوں کی کلام الٰہی میں تحریف: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے بارے میں فرما رہا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کلام میں تحریف کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیتے ہیں اور اسے اصل مراد سے دور ہٹا دیتے ہیں تاکہ جاہلوں کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ کلام اسی طرح ہے۔ اور وہ اس تحریف شدہ کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے اور انھیں خود بھی معلوم ہے کہ یہ اس سارے معاملے میں کذب اور افترا پردازی سے کام لے رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿78﴾﴾ ”اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ (یہ بات) جانتے بھی ہیں۔“

امام مجاہد، شعبی، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ ﴿يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَٰبِ﴾ ”کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر

[1] صحيح البخاري، الشهادات، باب سؤال الحاكم المدّعي: هل لك بينة؟......، حديث:2667 و صحيح مسلم، الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار، حديث:138 و مسند أحمد:379/1 واللفظ له. [2] مسند أحمد:480/2. [3] سنن أبي داود، البيوع، باب في منع الماء، حديث:3474 و جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في نكث البيعة، حديث:1595.

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا

کسی شخص کو لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ

لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿79﴾

کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ (وہ کہے گا:) تم رب والے بن جاؤ کیونکہ تم اس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ

اسے پڑھتے ہو ﴿79﴾ اور وہ تمھیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا جبکہ

8 ع 9 16 مُّسْلِمُوْنَ ﴿80﴾ ع

تم مسلمان ہو چکے؟ ﴿80﴾

پڑھتے ہیں۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تورات میں تحریف کرتے ہیں۔ ①

اور اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ تحریف کرتے اور اس کو زائل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کے ایک لفظ کو بھی زائل کر سکے لیکن یہ لوگ تحریف کرتے اور اس کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ ②

وہب بن مُنَبِّہ فرماتے ہیں کہ تورات وانجیل کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح نازل فرمایا تھا، ان میں سے کسی ایک حرف کو بھی بدلا نہیں جا سکا لیکن یہ لوگ اپنی تحریف وتاویل کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور اپنی طرف سے کتابیں لکھ کر کہتے: ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''وہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔'' جہاں تک اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا تعلق ہے تو وہ محفوظ ہیں، انھیں نہیں بدلا جا سکتا۔ ③

اگر وہب کی مراد ان کتابوں سے ہے جو اس وقت اہل کتاب کے پاس موجود ہیں تو بلاشک وشبہ ان میں تبدیلی، تحریف اور کمی بیشی ہو چکی ہے اور جہاں تک ان کے عربی تراجم کا تعلق ہے، ان میں بھی بہت بڑی غلطیاں، بہت کمی بیشی اور بہت نمایاں اوہام ہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عربی میں ترجمہ کرنے والوں نے از خود اپنی طرف سے تفسیر ہی کو کتابوں میں داخل کر کے انھیں اصل باور کرانے کی کوشش کی ہے جبکہ ان سب ترجمہ کرنے والوں کا فہم ہی فاسد ہے اور اگر وہب کا مقصد ان کتابوں کی طرف اشارہ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو وہ واقعی محفوظ ہیں، ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 80,79

نبی اپنی یا غیر اللہ کی عبادت کی دعوت نہیں دیتا: کسی آدمی کو یہ شایان نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ میری بھی عبادت کرو اگر یہ بات کسی نبی ورسول کو زیب نہیں دیتی تو

① تفسیر ابن أبي حاتم :689/2. ② صحیح البخاري، التوحید، باب قول الله تعالٰی: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝﴾ البروج :22,21/85، قبل الحدیث :7553. ③ تفسیر ابن أبي حاتم :689/2.

کسی اور کو بطریق اولیٰ زیب نہیں دیتی۔ جاہل علماء ورہبان اور گمراہی کے علمبردار اس مذمت وتوبیخ میں داخل ہیں نہ کہ انبیائے کرام اور ان کی اتباع کرنے والے باعمل علماء کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہوتا ہے اس سے منع کرتے ہیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ان تک پہنچا دیا ہوتا ہے، وہ تو اس پیغام کے ادا کرنے میں جس کے وہ حاملین ہوتے ہیں اور امانت کے پہنچانے میں، اللہ اور اس کی مخلوق کے مابین سفیر ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مشن کو بہت احسن انداز میں مکمل کیا، مخلوق کی ہمدردی وخیر خواہی کی اور اس تک پیغام حق کو بلاکم وکاست پہنچا دیا۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ ﴾ ''اور البتہ تم ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔'' یعنی رسول کو تو لوگوں سے یہ کہنا سزاوار ہے کہ تم (علمائے) ربانی بن جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابورزین کے علاوہ بھی کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿ رَبّٰنِيّٖنَ ﴾ کے معنی حکماء، حلماء اور علماء ہیں۔ [1] امام ضحاک ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کا علم حاصل کرے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فقیہ بھی ہو۔ [2] ﴿ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ ﴾ یعنی اس لیے کہ تم اس کے الفاظ یاد رکھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ﴾ ''اور وہ تمھیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنا لو۔'' یعنی وہ اللہ کے سوا کسی بھی نبی رسول یا ملک مقرب کی عبادت کی دعوت نہیں دیتا۔ ﴿ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''بھلا جب تم مسلمان ہو چکے ہو تو کیا اسے زیبا ہے کہ تمھیں کافر ہونے کو کہے؟'' نبی ایسا کر ہی نہیں سکتا کیونکہ جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے وہ تو کفر کی دعوت دیتا ہے جبکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور ایمان یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبیآء 21:25) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 16:36) ''اور یقیناً ہم نے ہر جماعت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (بتوں کی پرستش) سے اجتناب کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:45) ''اور (اے نبی ﷺ!) جو اپنے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں ان کے احوال دریافت کریں کہ کیا ہم نے (اللہ) رحمان کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟'' اور فرشتوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 691/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 692/2.

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب)

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ

کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿81﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ

قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں ﴿81﴾ پھر اس کے بعد جو بھی منہ موڑے

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿82﴾

گا تو ایسے لوگ ہی نافرمان ہیں ﴿82﴾

دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿ (الأنبیآء 29:21) ''اور جو شخص کچھ اور کریں ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 82,81

انبیاء علیہم السلام سے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا عہد: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر بھی انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے ان سب سے یہ عہد لیا کہ اللہ تعالیٰ انھیں جس قدر بھی عظیم الشان کتاب وحکمت عطا فرمائے اور انھیں جس قدر بھی بلند و بالا مقام و مرتبے پر پہنچا دے، پھر ان کے پاس وہ رسول آجائے تو اس کے ساتھ ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی اور علم و نبوت اس بعد میں آنے والے پیغمبر کی اتباع و نصرت میں رکاوٹ نہ بنے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ ﴾ ''اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (مجھے ضامن بنایا؟)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ربیع، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں: ﴿ اِصْرِيْ ۭ ﴾ سے مراد ''میرا عہد'' ہے۔[1] محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: کیا تم نے میرے شدید تاکید والے اس عہد و قرار کو تسلیم کیا؟[2] ﴿ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿81﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''انھوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں، پھر جو اس کے بعد پھر جائیں۔'' یعنی اس عہد و قرار سے پھر جائیں ﴿ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ ''تو وہی بدکردار ہیں۔''

حضرت علی بن ابو طالب اور ان کے برادر عم زاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:695/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:695/2.

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ

کیا وہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ کا

يُرْجَعُونَ ﴿83﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

فرمانبردار ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے ﴿83﴾ آپ کہہ دیجیے: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا، اور جو ابراہیم،

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ

اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر (نازل کیا گیا) اور ان (کتابوں) پر بھی جو موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں،

بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿84﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ

ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ) کے فرمانبردار ہیں ﴿84﴾ اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس

مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿85﴾

سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا ﴿85﴾

انبیائے کرام مبعوث فرمائے ان میں سے ہر ہر نبی سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کر دیا گیا تو انھوں نے آپ کے ساتھ ضرور ایمان لانا ہوگا اور آپ کی ضرور مدد کرنی ہوگی۔[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ہر نبی کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد و پیمان لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئیں تو انھوں نے بھی آپ کے ساتھ ضرور ایمان لانا اور آپ کی ضرور مدد کرنی ہوگی۔ امام طاؤس، حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے۔[2] یہ بات حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی بات کے خلاف نہیں ہے۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر تا قیامت دائمی طور پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو، آپ ہی امام اعظم ہیں کہ آپ جس عہد و عصر میں بھی ہوں واجب الطاعت ہیں، آپ کی ذات گرامی تمام انبیائے کرام سے مقدم ہے، یہی وجہ ہے کہ جب شب معراج تمام انبیائے کرام بیت المَقدِس میں جمع ہوئے تو امامت انبیاء کا تاج آپ کے سر مبارک پر رکھا گیا تھا۔[3] اسی طرح میدان حشر میں بھی اس وقت صرف آپ ہی کو شفاعت کا اعزاز حاصل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین فیصلہ فرمانے کے لیے جلوہ افروز ہوگا۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ ہی کی ذات گرامی کے شایان شان ہے۔ اولوالعزم نبیوں اور رسولوں کو بھی یہ اعزاز حاصل نہ ہو سکے گا۔ سب شفاعت کرنے سے معذرت کر دیں گے حتی کہ لوگ آپ سے درخواست کریں گے تو یہ اعزاز آپ ہی کو نصیب ہوگا کہ آپ بندگان الٰہی کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔[4] صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

---

① تفسیر الطبری:451,450/3. ② تفسیر الطبری:451,450/3. ③ ماخوذ از صحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم ......، حدیث:172 و سنن النسائی ، الصلاۃ ، باب فرض الصلاۃ ......، حدیث:451 و مسند أحمد:257/1. ④ دیکھیے صحیح البخاری، حدیث:4712 و حدیث:7440,7439 . عن أبی ہریرۃ و أنس و ابن عباس رضی اللہ عنہم.

تفسیر آیات:83-85

اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اس کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہ ہوگا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے جو اس کے اس دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہوں جس کے ساتھ اس نے اپنی کتابوں کو نازل فرمایا اور اپنے رسولوں کو بھیجا اور وہ دین یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے کیونکہ اس کی ذات گرامی تو وہ ہے ﴿ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''سب اہل آسمان و زمین اسی کے فرمانبردار ہیں۔'' جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ ﴿ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ﴾ ''چاہتے ہوئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی'' اسی اللہ کا فرمانبردار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ﴾ (الرعد 13:15) ''اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ○ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ ﴾ (النحل 16:48-50) ''کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں (سے بائیں کو) اور بائیں اطراف (سے دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) اللہ کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ وہ اپنے اوپر اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔''

مومن تو اپنے قلب و قالب سے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے مگر کافر بزدستی اللہ کے حکم کا پابند ہے کہ وہ اس کی تسخیر، اس کے غلبے اور اس کی عظیم بادشاہت کے تابع ہے جس کی قطعاً خلاف ورزی اور حکم عدولی نہیں کی جا سکتی۔ امام وکیع نے اپنی تفسیر میں حضرت مجاہد سے ﴿ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط ﴾ (لقمٰن 31:25) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔''[1]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تھا۔[2] ﴿ وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾ ﴾ اور قیامت کے دن (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ﴾ ''آپ کہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی۔'' یعنی قرآن، ﴿ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ﴾ ''اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب پر نازل کیا گیا۔'' یعنی صحیفے اور وحی۔ ﴿ وَالْاَسْبَاطِ ﴾ ''اور ان کی اولاد پر۔'' اس سے مراد اسرائیل، یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام

---

[1] تفسیر الطبری:456/3. [2] تفسیر الطبری:456/3.

کی اولاد سے تشکیل پانے والے بنی اسرائیل کے بارہ خاندان ہیں، ﴿ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى ﴾ ''اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو ملا۔'' اس سے مراد تورات اور انجیل ہے، ﴿ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''اور دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے (ملا)۔'' یہ کلمہ عام ہے اور اس سے مراد تمام انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔'' بلکہ سب کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ ﴿ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿84﴾ ﴾ ''اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔''

اس امت کے مومن ہر اس نبی کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور ہر اس کتاب کو بھی مانتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، ان میں سے کسی چیز کا بھی کفر و انکار نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہر کتاب اور اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ ہر پیغمبر کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی جو شخص کسی ایسے رستے پر چلے جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمایا تو وہ اس سے ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ ﴿ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ] ''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[1]

امام احمد نے حضرت حسن بصری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب ہم مدینہ میں تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[تَجِيءُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَتَجِيءُ الصَّلَاةُ فَتَقُولُ : يَا رَبِّ! أَنَا الصَّلَاةُ ، فَيَقُولُ: إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ، فَتَجِيءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُولُ : يَا رَبِّ ! أَنَا الصَّدَقَةُ ، فَيَقُولُ: إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ، ثُمَّ يَجِيءُ الصِّيَامُ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ ! أَنَا الصِّيَامُ ، فَيَقُولُ: إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ، ثُمَّ تَجِيءُ الْأَعْمَالُ عَلٰى ذٰلِكَ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ، ثُمَّ يَجِيءُ الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ ! أَنْتَ السَّلَامُ وَأَنَا الْإِسْلَامُ ، فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِي ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي كِتَابِهِ: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾ ﴾]

''قیامت کے دن اعمال آئیں گے، نماز آئے گی اور کہے گی کہ میرے پروردگار! میں نماز ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو خیر پر ہے، صدقہ آئے گا اور کہے گا: میرے پروردگار! میں صدقہ ہوں، اللہ فرمائے گا: تو خیر پر ہے، پھر روزہ آئے گا اور کہے گا: میرے پروردگار! میں روزہ ہوں تو اللہ فرمائے گا: تو خیر پر ہے، پھر دیگر اعمال آئیں گے تو ہر ایک سے اللہ تعالیٰ یہی فرمائے گا کہ تو خیر پر ہے، پھر اسلام آئے گا اور کہے گا: میرے پروردگار! تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو

[1] صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ...... ، حديث:1718 عن عائشةؓ.

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ

اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے جبکہ وہ گواہی دے چکے کہ بے شک رسول برحق ہیں اور ان

الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ

کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا﴿86﴾ ان لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾

کی لعنت ہے﴿87﴾ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی ﴿88﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾

مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿89﴾

خیر پر ہے، آج میں تیری ہی بنیاد پر لوں گا اور تیری ہی بنیاد پر دوں گا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''[1] اس حدیث کو بیان کرنے میں امام احمد منفرد ہیں۔

تفسیر آیات:86-89

ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا اور اس نے پھر شرک شروع کر دیا، پھر وہ نادم و پشیمان ہوا تو اس نے اپنی قوم کو یہ پیغام بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾ ﴾ ''اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے جبکہ وہ پہلے اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ بے شک یہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی ہیں؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ (گرفتار) رہیں گے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' اس کے بعد اس کی قوم نے اس کی طرف یہ پیغام بھیج دیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔[2] اس حدیث کو امام نسائی، حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان

[1] مسند أحمد:362/2 ومسند أبي يعلى:6231. لیکن یہ حدیث بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔ [2] تفسير الطبري:460/3.

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا' پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ

الضَّآلُّوْنَ ﴿90﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ

گمراہ ہیں﴿90﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور حالت کفر میں مرے ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا

ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿91﴾ ع 9/11 17

اگرچہ وہ فدیے میں دینا چاہے۔ انھی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مدد گار نہ ہوگا﴿91﴾

نہیں فرمایا۔①

پس فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ ﴾ ''اللہ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور (پہلے) اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ پیغمبر برحق ہے اور ان کے پاس دلائل بھی آ گئے؟'' یعنی رسول اللہ ﷺ ان کے پاس جس دین کو لے کر آئے اس کی صداقت پر دلائل و براہین بھی قائم ہو چکے اور اسلام کی حقانیت پوری طرح واضح بھی ہو گئی لیکن پھر یہ شرک کی ظلمت کی طرف پلٹ گئے تو اس اندھے پن کو اختیار کرنے کے بعد یہ لوگ ہدایت کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ ﴾ ''اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

پھر فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ ﴾ ''ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔'' یعنی ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی لعنت کرتی ہے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ ''وہ ہمیشہ اس لعنت میں (گرفتار) رہیں گے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی۔'' یعنی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾ ﴾ ''ہاں، جنھوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر بے حد لطف و مہربانی اور رحمت و شفقت ہے کہ جو اس کے حضور توبہ کر لے تو وہ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

تفسیر آیات:91,90

موت کے وقت کافر کی توبہ اور قیامت کے دن فدیہ قبول نہیں ہوگا: اللہ تعالیٰ وعید اور خوف دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان کے بعد کفر کو اختیار کر لیں، پھر کفر میں اور بڑھ جائیں حتی کہ اپنی موت تک کافر ہی رہیں تو بوقت موت ان کی توبہ

① السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾: 311/6، حديث: 11065 والمستدرك للحاكم، الحدود: 366/4، حديث: 8092 وصحيح ابن حبان، الحدود، باب الردة: 329/10، حديث: 4477.

ہر گز قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ ﴾ (النسآء4:18) ''اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو وہ کہنے لگے: بے شک اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ ﴾ ''ان کی توبہ ہر گز قبول نہیں ہوگی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔'' یعنی سیدھے رستے سے ہٹ کر یہ گمراہی کے رستے پر بھٹک رہے ہیں۔

حافظ ابوبکر بزّار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے، پھر مرتد ہو گئے، پھر مسلمان ہو گئے، پھر مرتد ہو گئے تو انھوں نے اپنی قوم کی طرف پیغام بھیج کر اپنے بارے میں پوچھا، چنانچہ انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ ﴾ نازل ہو گئی۔[1] اس حدیث کی سند جید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ ﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنی چاہیں اور) بدلے میں زمین بھر کر سونا دیں تو ان سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی جو شخص حالت کفر میں مر جائے تو اس کی کوئی نیکی بھی قابل قبول نہ ہوگی، خواہ وہ کسی ایسے کام میں جسے وہ نیکی سمجھتا ہو، زمین بھر سونا خرچ کر دے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جُدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا، مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا تو کیا ان اچھے کاموں کا اسے کوئی فائدہ ہوگا؟ فرمایا: [لَا يَنْفَعُهُ ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْلِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ] ''نہیں! اسے کوئی اچھا کام فائدہ نہ دے گا، اس لیے کہ اس نے کبھی زندگی میں ایک بار بھی یہ نہیں کہا تھا: اے اللہ! قیامت کے دن میرے گناہ بخش دینا۔''[2]

اسی طرح اگر وہ زمین بھر سونا فدیے میں دے تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾ (البقرة2:123) ''نہ اس سے کوئی بدل قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی۔'' نیز فرمایا: ﴿ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ ﴾ (إبراهيم14:31) ''(اور اس دن کے آنے سے پیشتر) جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ (المآئدة5:36) ''بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے

---

[1] الدر المنثور: 88/2. اور مسند البزار میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على الكفر لاينفعه عمل، حديث:214 وصحيح ابن حبان، البروالإحسان، ذكر البيان بأن الأعمال التي يعملها من ليس بمسلم و إن كانت أعمالاً صالحة......:40,39/2، حديث:330 ومسند أحمد:120/6 یہاں یہ بھی ہے: [يَفُكُّ الْعَانِيَ] ''قیدیوں کو آزاد کرواتا۔''

پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا سب مال و متاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوتا کہ قیامت کے روز عذاب (سے رُستگاری حاصل کرنے) کا بدلہ دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔''

اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ فدیے میں دینا چاہے۔'' ﴿ وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ﴾ کا عطف پہلی بات پر ہے جس سے معلوم ہوا کہ فدیہ دینے کا عمل پہلے سے الگ ہے اور یہ تفسیر اس سے زیادہ بہتر ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہاں حرف واؤ زائد ہے۔ واللہ أعلم. بہر حال اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے عذاب الٰہی سے کوئی چیز بچا نہ سکے گی، خواہ وہ زمین بھر کر سونا ہی کیوں نہ خرچ کرے یا ساری زمین، اس کے پہاڑوں، اس کے ٹیلوں، اس کی مٹی، اس کی ریت، اس کے میدانوں، اس کی گھاٹیوں، اس کی خشک جگہوں اور اس کے دریاؤں اور سمندروں کے وزن کے برابر سونا فدیے میں دے کر خود کو نجات دلوانا چاہے تو یہ فدیہ قبول نہ ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

[يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ ! كَيْفَ وَجَدْتَّ مَنْزِلَكَ ؟ فَيَقُوْلُ : أَيْ رَبِّ! خَيْرَ مَنْزِلٍ ، فَيَقُوْلُ : سَلْ وَتَمَنَّ ، فَيَقُوْلُ: مَا أَسْأَلُ وَأَتَمَنّٰى إِلَّا أَنْ تَرُدَّنِي إِلَى الدُّنْيَا فَأُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ عَشْرَ مَرَّاتٍ ، لِّمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ ، وَيُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيَقُوْلُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ ! كَيْفَ وَجَدْتَّ مَنْزِلَكَ ؟ فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! شَرَّ مَنْزِلٍ ، فَيَقُوْلُ لَهُ: تَفْتَدِي مِنْهُ بِطِلَاعِ الْأَرْضِ ذَهَبًا ؟ فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! نَعَمْ، فَيَقُوْلُ : كَذَبْتَ ، قَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَأَيْسَرَ فَلَمْ تَفْعَلْ ، فَيُرَدُّ إِلَى النَّارِ]

''اہل جنت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: اے ابن آدم! تو نے اپنے گھر کو کیسا پایا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میرا گھر بہت اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کچھ مانگ اور کوئی تمنا کر، وہ عرض کرے گا: یا اللہ! میری کوئی خواہش اور تمنا نہیں ہے۔ ہاں، البتہ یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں بھیج دے تا کہ میں تیرے رستے میں دس بار شہید کیا جاؤں، وہ یہ تمنا شہادت کی فضیلت کو دیکھ کر کرے گا۔ اسی طرح اہل جہنم میں سے بھی ایک شخص کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: اے ابن آدم! تو نے اپنے گھر کو کیسا پایا؟ وہ عرض کرے گا: میرے پروردگار! یہ بدترین گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تو اس جگہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے زمین بھر سونا بطور فدیہ دینے کو تیار ہے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں، یا اللہ! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، میں نے تو تجھ سے بہت کم اور بہت آسان مطالبہ کیا تھا مگر تو نے اسے پورا نہ کیا، پھر اسے دوبارہ جہنم رسید کر دیا جائے گا۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ

[1] مسند أحمد:208,207/3 و سنن النسائي، الجهاد، باب مايتمنى أهل الجنة، حديث:3162 مختصرًا. اور ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث:3334 و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب طلب الكافر الفداء بملء الأرض ذهبًا، حديث:2805 اور اس کے تمام طرق۔

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾ ''انھی لوگوں کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔'' یعنی کوئی انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا اور نہ انھیں اس کی دردناک سزا سے کوئی پناہ دے سکے گا۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ

تم ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے جب تک ان چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جنھیں تم پسند کرتے ہو، اور تم جو بھی چیز خرچ کرو گے تو بے شک اللہ

اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿92﴾

اسے خوب جاننے والا ہے ﴿92﴾

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ

بنی اسرائیل کے لیے تمام کھانے سوائے ان چیزوں کے جنھیں تورات نازل ہونے سے پہلے یعقوب نے اپنے

تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿93﴾ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

اوپر حرام کرلیا تھا۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ تم تورات لے آؤ پھر اسے پڑھو اگر تم سچے ہو ﴿93﴾ اس کے بعد جس

الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿94﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ

نے اللہ پر جھوٹ باندھا، وہی لوگ ظالم ہیں ﴿94﴾ کہہ دیجیے: اللہ نے سچ کہا، پس تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو حق

حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿95﴾

پرست تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا ﴿95﴾

تفسیر آیت: 92

پسندیدہ مال کو خرچ کرنا نیکی ہے: امام وکیع نے اپنی تفسیر میں عمرو بن میمون کی روایت بیان کی ہے: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ﴾ ”کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔“ میں ﴿الۡبِرَّ﴾ سے مراد جنت ہے۔[1]

اور امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار انصاری تھے۔ اور انھیں اپنے مال میں سے بَیرُحاء (باغ) سب سے زیادہ پسند تھا جو کہ مسجد کی جانب تھا، رسول اللہ ﷺ بھی اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کے نفیس پانی کو نوش فرمایا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ ”(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے، کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔“ تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز بیرحاء نامی باغ ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے اجر و ثواب سے نوازے گا، لہٰذا آپ اس کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: [بَخٍ بَخٍ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ ، ذَاكَ مَالٌ رَّابِحٌ ، وَّقَدْ سَمِعْتُ ، وَأَنَا أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ] ”بہت خوب! بہت خوب! یہ منفعت بخش مال ہے، یہ منفعت بخش مال ہے، میں نے تمھاری بات سن لی ہے، میری رائے یہ

[1] تفسیر الطبری: 469/3.

ہے کہ تم یہ باغ اپنے قریبی رشتے داروں کو دے دو۔'' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اسی طرح کرتا ہوں، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ باغ اپنے قرابت داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔① اس حدیث کو امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں سے جو حصہ ملا ہے، اس سے بڑھ کر نفیس مال مجھے آج تک حاصل نہیں ہوا تو اس کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ چنانچہ آپ نے فرمایا: [حَبِّسِ الْأَصْلَ وَسَبِّلِ الثَّمَرَةَ] ''اصل اپنے پاس رکھو اور اس کے پھل کو اللہ کے رستے میں تقسیم کر دو۔''③

تفسیر آیات:93-95

یہود کے نبی ﷺ سے سوالات: امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کی کہ ہماری کچھ باتوں کا جواب دیجیے کیونکہ ان کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے، آپ نے فرمایا: [سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ ، وَلٰكِنِ اجْعَلُوا لِي ذِمَّةَ اللّٰهِ ، وَمَا أَخَذَ يَعْقُوبُ عليه السلام عَلٰى بَنِيهِ ، لَئِنْ أَنَا حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا فَعَرَفْتُمُوهُ لَتُتَابِعُنِّي عَلَى الْإِسْلَامِ، قَالُوا: فَذٰلِكَ لَكَ، قَالَ: فَسَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ] ''تم جو چاہو مجھ سے پوچھو لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس عہد و پیان کا ذمہ دے دو جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا کہ اگر میں تم سے کچھ بیان کروں اور تم اسے پہچان بھی لو تو پھر تمھیں اسلام قبول کرتے ہوئے میری اتباع کرنی ہوگی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم آپ سے یہ عہد کرتے ہیں، تب آپ نے فرمایا کہ اب تم جو چاہو سو پوچھو۔'' انھوں نے کہا کہ ہمیں چار باتوں کے بارے میں بتائیے: (1) ہمیں یہ بتائیں کہ وہ کھانے کی کون سی چیز تھی جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نزول سے قبل اپنے لیے حرام قرار دے رکھا تھا؟ (2) عورت کا پانی اور مرد کا پانی کیسا ہوتا ہے؟ (3) اس سے نر یا مادہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ (4) یہ بتائیں کہ نبی اُمی کے سونے کی کیا کیفیت ہے اور فرشتوں میں سے اس کا دوست کون ہے؟ نبی ﷺ نے ان سے یہ عہد لے لیا تھا کہ اگر آپ نے ان کے سوالات کے جوابات دے دیے تو پھر انھیں آپ کی اتباع کرنی ہوگی، آپ نے فرمایا: [أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوسٰى ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ إِسْرَائِيلَ يَعْقُوبَ عليه السلام مَرِضَ مَرَضًا شَدِيدًا ، فَطَالَ سُقْمُهُ ، فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقَمِهِ لَيُحَرِّمَنَّ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ وَأَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ ، وَكَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ لُحْمَانُ الْإِبِلِ وَأَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ أَلْبَانُهَا، قَالُوا: اَللّٰهُمَّ! نَعَمْ ، قَالَ : اَللّٰهُمَّ ! اشْهَدْ عَلَيْهِمْ .

① مسند أحمد: 141/3 اور بَخٍ کا مکرر آنا: 256/3 میں ہے۔ ② صحیح البخاري ، الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، حديث:1461 و صحيح مسلم ، الزكاة ، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين......،حديث:998. ③ سنن ابن ماجه، الصدقات، باب من تصدق بصدقة ثم ورثها، حديث:2397 و السنن الكبرٰى للبيهقي ، الوقف، باب وقف المشاع: 162/6،حديث:12126 و اللفظ له. بالفاظ دیگر یہ روایت کئی کتب احادیث میں ہے: صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الوقف ، حديث:2737 و صحيح مسلم ، الوصية ، باب الوقف ، حديث:1632 و سنن النسائي، الإحباس، باب حبس المشاع ، حديث:3633-3635 و مسند أحمد:156/2.

فَأَنۡشُدُكُمۡ بِاللّٰهِ الَّذِی لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الَّذِی أَنۡزَلَ التَّوۡرَاةَ عَلٰی مُوسٰی، هَلۡ تَعۡلَمُونَ أَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ أَبۡيَضُ غَلِيظٌ ، وَّمَاءَ الۡمَرۡأَةِ أَصۡفَرُ رَقِيقٌ ، فَأَيُّهُمَا عَلَا كَانَ لَهُ الۡوَلَدُ وَالشَّبَهُ بِإِذۡنِ اللّٰهِ ، إِنۡ عَلَا مَاءُ الرَّجُلِ عَلٰی مَاءِ الۡمَرۡأَةِ كَانَ ذَكَرًا بِإِذۡنِ اللّٰهِ، وَإِنۡ عَلَا مَاءُ الۡمَرۡأَةِ عَلٰی مَاءِ الرَّجُلِ كَانَ أُنۡثٰی بِإِذۡنِ اللّٰهِ ؟ قَالُوا : اَللّٰهُمَّ ! نَعَمۡ ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ !اشۡهَدۡ عَلَيۡهِمۡ .

فَأَنۡشُدُكُمۡ بِالَّذِی أَنۡزَلَ التَّوۡرَاةَ عَلٰی مُوسٰی ، هَلۡ تَعۡلَمُونَ أَنَّ هٰذَا النَّبِیَّ الۡأُمِّیَّ تَنَامُ عَيۡنَاهُ ، وَلَا يَنَامُ قَلۡبُهُ ؟ قَالُوا: اَللّٰهُمَّ ! نَعَمۡ ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ ! اشۡهَدۡ، قَالُوا: وَأَنۡتَ الۡآنَ فَحَدِّثۡنَا: مَنۡ وَّلِيُّكَ مِنَ الۡمَلَائِكَةِ ؟ فَعِنۡدَهَا نُجَامِعُكَ أَوۡ نُفَارِقُكَ ، قَالَ : فَإِنَّ وَلِيِّی جِبۡرِيلُ ، وَلَمۡ يَبۡعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ إِلَّا وَهُوَ وَلِيُّهُ]

''میں تمھیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا تھا! کیا تمھیں اس بات کا علم ہے کہ حضرت اسرائیل، یعنی یعقوب علیہ السلام بہت شدید بیمار ہو گئے تھے، ان کی بیماری بہت طول اختیار کر گئی تھی تو انھوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں شفا عطا فرما دی تو وہ اپنے سب سے پسندیدہ کھانے اور پینے کو ترک کر دیں گے، ان کا سب سے پسندیدہ کھانا اونٹ کا گوشت اور سب سے پسندیدہ مشروب اونٹنی کا دودھ تھا؟ یہ جواب سن کر یہودیوں نے تصدیق کی اور کہا: ہاں، یہ بات درست ہے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو ان کے خلاف گواہ ہو جا۔

پھر آپ نے فرمایا: میں تمھیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا تھا! کیا تم یہ جانتے ہو کہ مرد کا پانی سفید اور گاڑھا اور عورت کا پانی پیلا اور پتلا ہوتا ہے اور ان میں سے جو غالب آ جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچہ اور اس کی مشابہت اسی کے مطابق ہوتی ہے اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹی پیدا ہوتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ درست فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو ان کے خلاف گواہ ہو جا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا تھا! کیا تم یہ جانتے ہو کہ اس اُمّی نبی کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا؟ تو انھوں نے کہا: ہاں، آپ درست فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔ انھوں نے کہا: اچھا جناب! اب آپ یہ فرمائیں کہ فرشتوں میں سے آپ کا دوست کون ہے؟ اسی بات کے جواب کی وجہ سے ہم آپ سے مل جائیں گے یا الگ ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: میرے دوست جبریل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر جبریل ہی ان کے دوست تھے۔'' یہ جواب سن کر کہنے لگے کہ ہماری راہیں الگ الگ ہیں، اگر جبریل کے سوا کوئی اور فرشتہ آپ کا دوست ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ ﴾ (البقرۃ2:97) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے جو کوئی جبریل کا دشمن ہے۔'' تا ﴿ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴾ (البقرۃ2:101) ''اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے (پھینک دیا)

گویا وہ جانتے ہی نہیں۔'' اور اسی موقع پر وہ اس کے غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔ ①

اور فرمان الٰہی: ﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ﴾ ''تورات کے نازل ہونے سے پہلے۔'' یعنی یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو اپنے اوپر تورات کے نازل ہونے سے پہلے حرام قرار دیا تھا۔

اس سیاق کی مذکورہ بات: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ سے دو طرح سے مناسبت ہے: پہلی یہ کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنی پسندیدہ اشیاء کو حرام قرار دے کر انھیں اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کر دیا تھا اور ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا، لہٰذا اس بات کی آیت کریمہ: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ سے مناسبت واضح ہوگئی۔ ہمارے ہاں بھی یہ بات مشروع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وہ مال خرچ کیا جائے جسے بندہ بہت چاہتا اور اپنے لیے پسند کرتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ (البقرة2:177) ''اور مال باوجود عزیز رکھنے کے خرچ کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ... ﴾ (الدھر76:8) ''وہ کھانا کھلاتے ہیں اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے......''

اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ سابقہ سیاق میں عیسائیوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان کے باطل اعتقاد کی تردید اور ان کے غلط موقف کی وضاحت کی گئی تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کے بارے میں حق و یقین کو ظاہر کیا گیا تھا۔ اور اس بات کو بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کس طرح اپنی مشیت و قدرت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کی طرف اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ انھیں رب تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں تو اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تردید شروع فرمادی ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ جو نسخ کے وقوع اور جواز کے منکر تھے، وہ تو رونما ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی کتاب تورات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمین کے تمام جانوروں کو کھانا حلال قرار دے دیا تھا، پھر حضرت اسرائیل نے ان میں سے اونٹنی کے دودھ اور گوشت کو اپنے لیے حرام قرار دے لیا تھا۔ اور ان کے بیٹوں نے بھی ان کی پیروی کی اور تورات میں ان کو اور دیگر اشیاء کو بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کے اپنے بیٹوں کے ساتھ نکاح کر دیں لیکن بعد میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح بیوی کے ساتھ لونڈی سے نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام کی موجودگی میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح کیا تھا لیکن تورات میں اسے حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح پہلے دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اسی طرح کیا تھا مگر بعد میں تورات میں اسے حرام قرار دے دیا گیا تھا اور یہ ساری باتیں تورات میں واضح طور پر لکھی ہوئی ہیں اور یہ بعینہ نسخ کی صورتیں ہیں۔

① مسند أحمد: 278/1 والمعجم الکبیر للطبراني، ترجمة شَهر بن حَوْشَب عن ابن عباس رضي الله عنهما: 246/12، 247، حدیث: 13012.

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿96﴾ فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ

بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ تمام دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے ﴿96﴾ اس میں واضح

بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ

نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن والا ہو جاتا ہے، اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی

اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿97﴾

طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ ساری دنیا سے بے پروا ہے ﴿97﴾

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تورات میں لکھی ہوئی بعض حرام چیزوں کو حلال قرار دیا تو کیا وجہ ہے کہ انھوں نے ان کی اتباع نہیں کی؟ بلکہ انھوں نے آپ علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت کی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین قویم، صراطِ مستقیم اور ملتِ ابراہیم کے ساتھ مبعوث فرمایا تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کے ساتھ ایمان نہیں لاتے؟

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ ﴾ یعنی بنی اسرائیل کے لیے تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں علاوہ ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿93﴾ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ، پھر اسے پڑھو۔'' کیونکہ اس میں یہ بات موجود ہے جو ہم نے کہی ہے۔ ﴿ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿94﴾ ﴾ ''پھر اس کے بعد جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔'' جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کریں اور دعویٰ کریں کہ ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہفتے کا دن اور تورات کے مطابق عمل کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور نسخ کے وقوع اور ظہور کے بارے میں ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی دوسرا نبی نہیں بھیجا جو دلائل و براہین کے ساتھ اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہو ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿94﴾ ﴾ ''تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ﴾ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دیجیے: اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے جو اس نے خبر دی اور جو اس نے قرآن مجید میں احکام بیان فرمائے ہیں، ﴿ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿95﴾ ﴾ یعنی اس ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی شریعت قرار دے دیا ہے کیونکہ یہی دین بلا شک و شبہ حق ہے اور یہ وہ طریقہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی نبی اس سے زیادہ اکمل، واضح، روشن اور مکمل طریقہ لے کر نہیں آیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ اِنَّنِىۡ هَدٰٮنِىۡ رَبِّىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۚ دِيۡنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ○ ﴾ (الأنعام 161:6) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میرے رب نے مجھے یقیناً سیدھا رستہ دکھا دیا ہے (صحیح

دین) مذہب ابراہیم کا جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (النحل 123:16) ''(اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کریں جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

تفسیر آیات:97,96

کعبہ پہلا گھر ہے جو عبادت کے لیے مقرر کیا گیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ﴾ ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔'' سب لوگوں کے عبادت کرنے اور قربانی کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، نیز اس لیے کہ وہ اس گھر کا طواف کریں، اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور اس کے پاس اعتکاف کریں ﴿ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ ﴾ ''وہی ہے جو مکہ میں ہے۔'' یعنی کعبہ جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا جن کے بارے میں یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ان کے دین اور طریقے پر ہیں لیکن یہ دونوں ہی اس گھر کا حج نہیں کرتے جسے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کیا تھا اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ اس گھر کا حج کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ مُبٰرَكًا ﴾ ''بابرکت۔'' یعنی اسے بابرکت بنایا گیا ہے ﴿ وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور جہانوں کے لیے (موجب) ہدایت ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کی: [يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَيُّ مَسْجِدٍ وُّضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلُ ؟ قَالَ : الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ . قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : الْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى ، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا ؟ قَالَ : أَرْبَعُونَ سَنَةً ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : ثُمَّ حَيْثُمَا أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّ ، فَكُلُّهَا مَسْجِدٌ] ''اے اللہ کے رسول! زمین میں کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا: مسجد حرام، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا: پھر مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کی: دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟ فرمایا: چالیس سال، میں نے عرض کی: پھر کون سی؟ فرمایا: پھر جہاں وقت ہو جائے نماز ادا کر لو، ساری زمین مسجد ہے۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

بکّہ کی وجہ تسمیہ اور مکہ کے دیگر نام: بکّہ مشہور قول کے مطابق مکہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظالموں اور جابروں کی گردنوں کو جھکا دیتا ہے کہ وہ اس کے پاس آ کر عجز و نیاز اور خاکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگ یہاں بکثرت حاضر ہوتے ہیں۔ اہل علم نے مکہ کے بہت سے نام بیان کیے ہیں، مثلاً: (1) مکہ (2) بکہ (3) بیتِ عتیق (4) بیت حرام (5) بلدِ امین (6) مامون (7) امّ القریٰ (8) امّ رُحم (9) صلاح (10) عَرش بروزن بدر (11) قادس کیونکہ یہ گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ (12) مُقدّسہ (13) ناسّہ (14) باسّہ (15) حاطمہ (16) نَسّاسہ (17) رأس (18) کُوثی (19) بَلدہ (20) بَنِیّہ (21) کعبہ۔

[1] مسند أحمد: 156/5 مطوّلاً. جبکہ اس روایت کا کچھ حصہ: 150/5 کے مطابق ہے۔ [2] صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب:10، حديث:3366 و صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة ، حديث:520.

مقام ابراہیم: فرمان الٰہی ہے: ﴿ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ﴾ یعنی اس میں واضح نشانیاں ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے عظمت وشرف سے نوازا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ ﴾ ''(جن میں سے ایک) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔'' یعنی جب کعبے کی عمارت اونچی ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بنیادوں اور دیواروں کو استوار کرنے کے لیے اس کے اوپر کھڑے ہوتے تھے اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر پکڑاتے تھے۔ مقام ابراہیم پہلے بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسے مشرق کی جانب پیچھے ہٹا دیا[1] تاکہ طواف میں آسانی ہو جائے اور طواف کے بعد اس کے پاس نماز ادا کرتے ہوئے نمازیوں کو دشواری نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے پاس نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ ﴾ (البقرۃ 125:2) ''اور جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوتے تھے، اس کو نماز کی جگہ بنالو۔'' اس کے بارے میں احادیث ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں،[2] لہٰذا ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان روشن نشانیوں کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان میں سے مقام ابراہیم اور مَشْعَر بھی ہیں۔[3] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ مقام میں آپ کے قدموں کے نشان بھی ایک کھلی نشانی ہے۔[4] حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام حسن بصری، قتادہ، سُدّی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5] ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں کہا ہے:

وَمَوْطِئُ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةٌ عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

''اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان تازہ ہیں اور صاف نظر آ رہا ہے کہ آپ برہنہ پا ہیں، پاؤں میں جوتے نہیں ہیں۔''

حرم مقام امن ہے: ارشادی باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ ﴾ ''اور جو شخص اس گھر میں داخل ہوا اس نے امن پالیا۔'' یعنی حرم مکہ میں جب کوئی خوف زدہ داخل ہو جائے تو وہ ہر برائی سے امن میں ہو جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہی حال تھا جیسا کہ امام حسن بصری وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے کہ آدمی قتل کرتا تو وہ اپنی گردن پر اون کا ایک ٹکڑا رکھ لیتا اور حرم میں داخل ہو جاتا، اس حالت میں مقتول کا بیٹا یا باپ بھی ملتا تو اسے کچھ نہ کہتا حتی کہ وہ حرم سے باہر نکل جاتا۔[6] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ ؕ ﴾ (العنکبوت 67:29) ''کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے حرم (مکہ) کو مقام امن بنایا ہے جبکہ لوگ ان کے گرد ونواح سے اچک لیے جاتے ہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِ ۙ الَّذِيۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ۝ ﴾ (قریش 106:3،4) ''اس لیے ان (لوگوں) کو

① دیکھیے المصنف لعبد الرزاق: 48,47/5. ② دیکھیے البقرۃ، آیت: 125 کے ذیل میں۔ ③ تفسیر الطبری: 15/4. ④ تفسیر الطبری: 16/4. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 711/3. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم: 712/3.

چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔‘‘

حرمِ مکہ کی حرمت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ یہاں کے شکار کو شکار کرنا، ان (جانوروں) کو ان کے گھروں سے بھگانا بھی حرام ہے حتیٰ کہ یہاں کے درختوں بلکہ گھاس کو کاٹنا بھی حرام ہے جیسا کہ ان بہت سی احادیث وآثار سے ثابت ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہیں، مثلاً: صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جبکہ یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا:

[لَا هِجۡرَةَ، وَلٰكِنۡ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ ، وَّإِذَا اسۡتُنۡفِرۡتُمۡ فَانۡفِرُوا وَقَالَ يَوۡمَ الۡفَتۡحِ فَتۡحِ مَكَّةَ: إِنَّ هٰذَا الۡبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالۡأَرۡضَ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرۡمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمۡ يَحِلَّ الۡقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبۡلِي، وَلَمۡ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنۡ نَّهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرۡمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ، لَا يُعۡضَدُ شَوۡكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيۡدُهُ، وَلَا يَلۡتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنۡ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخۡتَلٰى خَلَاهَا، فَقَالَ الۡعَبَّاسُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِلَّا الۡإِذۡخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيۡنِهِمۡ وَلِبُيُوتِهِمۡ ، فَقَالَ: إِلَّا الۡإِذۡخِرَ]

’’اب ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے کے لیے کہا جائے تو نکل پڑا کرو۔ اور آپ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ وہ قیامت کے دن تک کے لیے حرام ہے۔ اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لیے قتال کرنا حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی دن کی ایک گھڑی میں قتال حلال قرار دیا گیا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ قیامت کے دن تک کے لیے حرام ہے، لہٰذا اس کے کانٹے کو نہ توڑا جائے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کے لقطے (گری پڑی چیز) کو اٹھایا جائے۔ ہاں، البتہ جو اس کا اعلان کرنا چاہے وہ اسے اٹھا سکتا ہے اور اس کی گھاس کو بھی نہ کاٹا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دے دیں کیونکہ یہ لوہاروں اور گھروں کے کام آتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اذخر کے سوا اور گھاس کو نہ کاٹا جائے۔‘‘ [1]

صحیح بخاری و مسلم میں ابوشُرَیح عَدَوِی سے روایت ہے اور یہ الفاظ بھی صحیح مسلم ہی کی (مذکورہ) روایت کے مطابق ہیں کہ انھوں نے عمرو بن سعید سے کہا جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر روانہ کر رہے تھے: اے امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی بیان کروں جو آپ نے فتح مکہ کے اگلے دن بیان فرمایا تھا جسے میرے کانوں نے سنا، دل نے یاد رکھا اور آنکھوں نے دیکھا ہے تو آپ نے حمد وثنا کے بعد خطاب شروع کیا اور فرمایا: [إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ ، وَلَمۡ يُحَرِّمۡهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامۡرِئٍ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡآخِرِ أَنۡ يَّسۡفِكَ بِهَا دَمًا ، وَّلَا يَعۡضِدَ بِهَا شَجَرَةً ، فَإِنۡ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسُولِهٖ ﷺ وَلَمۡ يَأۡذَنۡ لَّكُمۡ ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِّنۡ

[1] صحیح البخاری ، جزاء الصید ، باب لا یحل القتال بمکة ، حدیث:1834 و صحیح مسلم، الحج ، باب تحریم مکة و تحریم صید ها...... ، حدیث:1353.

نَّهَارٍ ، وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ] ''بے شک مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، اسے لوگوں نے حرمت والا قرار نہیں دیا، لہٰذا کسی ایسے شخص کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ یہاں خون بہائے اور نہ یہ حلال ہے کہ وہ یہاں کے درخت کو کاٹے اور اگر کوئی شخص رخصت کی دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے قتال کو پیش کرے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی مگر تمھیں اس کی اجازت نہیں دی اور میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے دن کی ایک گھڑی کے لیے اجازت دی تھی اور آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جیسا کہ کل تھی۔ جو شخص یہاں موجود ہے وہ اس تک یہ بات پہنچا دے جو موجود نہیں ہے۔''

ابوشریح سے پوچھا گیا کہ عمرو نے تم سے کیا کہا؟ انھوں نے جواب دیا: اس نے یہ کہا کہ اے ابوشریح! میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں مگر حرم کسی عاصی اور نافرمان کو، خون ریزی کر کے بھاگنے والے کو اور تخریب کاری کر کے بھاگنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ] ''تم میں سے کسی کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن عدی بن حمراء زہری سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ مکہ کے حَزْوَرَہ بازار میں تشریف فرما تھے: [وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ ، وَلَوْ لَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ] ''اللہ کی قسم! تو اللہ کی بہترین زمین ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ زمین ہے، اگر مجھے تجھ سے نکال نہ دیا جاتا تو میں یہاں سے نہ نکلتا۔''[3] یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے مطابق ہیں۔ اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

وجوبِ حج کا بیان: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس گھر کی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔'' یہ آیت وجوب حج کی دلیل ہے، متعدد احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ حج اسلام کے ارکان، ستونوں اور بنیادوں میں سے ایک ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، نص اور اجماع سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہر مُکَلَّف شخص پر حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد

---

[1] صحيح البخاری ، العلم، باب ليبلغ العلم الشاهد الغائب، حديث:104 و صحيح مسلم ، الحج ، باب تحريم مكة وتحريم صيدها...... ، حديث:1354. [2] صحيح مسلم ، الحج ، باب النهی عن حمل السلاح بمكة من غير حاجة، حديث:1356. [3] مسند أحمد:305/4. [4] جامع الترمذی ، المناقب ، باب فی فضل مكة ، حديث: 3925 والسنن الكبرى للنسائی، الحج ، باب فضل مكة:479/2 ، حديث:4252 اور کئی نسخوں میں حزورۃ کے بجائے جرول ہے۔ و سنن ابن ماجه ، المناسك ، باب فضل مكة ، حديث:3108.

فرمایا:[أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا، فَقَالَ رَجُلٌ : أَكُلَّ عَامٍ يَّا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ قُلْتُ : نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ، ثُمَّ قَالَ: ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ] ’’اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض قرار دیا ہے، لہٰذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال؟ تو آپ خاموش ہو گئے حتی کہ اس نے تین بار یہ عرض کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ واجب ہو جاتا اور تمھیں اس کی استطاعت نہ ہوتی، پھر آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دیا کرو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں، تم سے پہلے لوگوں کو کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کیا تھا اور جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالایا کرو اور جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کروں تو اسے ترک کر دیا کرو۔‘‘[1]

استطاعتِ حج کے معنی: استطاعت کی کئی قسمیں ہیں: ایک شخص کبھی تو بنفسہ صاحبِ استطاعت ہوتا ہے اور کبھی بغیرہ جیسا کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا:[مَنِ الْحَاجُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ :الشَّعِثُ التَّفِلُ، فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ : أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ :الْعَجُّ وَالثَّجُّ ، فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ : مَا السَّبِيلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ] ’’اے اللہ کے رسول! حاجی کون ہے؟ فرمایا: غبار آلود اور میل کچیل سے اٹا ہوا، ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا حج افضل ہے؟ فرمایا: جس میں بلند آواز سے تلبیہ پکارا جائے اور کثرت سے قربانی کا خون بہایا جائے۔ ایک اور شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! رستے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: زادِ راہ اور سواری۔‘‘[2]

امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمان الٰہی: ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ کے بارے میں پوچھا گیا اور عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! سبیل سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: [اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ] ’’زادِ راہ اور سواری۔‘‘ امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[3]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ] ’’جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے جلدی کرنی چاہیے۔‘‘[4]

---

[1] مسند أحمد:508/2. [2] جامع الترمذی، تفسير القرآن ، باب ومن سورة آل عمران ، حديث:2998. و سنن ابن ماجه، المناسك ، باب مايوجب الحج؟ حديث:2896. یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے، إرواء الغليل:4/160-167، حدیث: 988 . [3] المستدرك للحاكم ، المناسك ، أوّل كتاب المناسك:442/1، حديث:1614 دیکھیے سابقہ حاشیہ [4] مسند أحمد:225/1 و سنن أبي داود، المناسك ، باب:5 ، حديث: 1732 و سنن الدارمي:1784.

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿98﴾

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو﴿98﴾ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ

اس شخص کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آیا؟ تم چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھے راستے پر چلے، حالانکہ تم خود اس (کے سیدھی راہ پر ہونے) کے

شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿99﴾

گواہ ہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے﴿99﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے﴿100﴾ اور تم

كٰفِرِيۡنَ ﴿100﴾ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ

کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تمھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمھارے اندر اس کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ

10 ع 10 1 يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿101﴾ ع

لے تو اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت مل جاتی ہے﴿101﴾

حج کا منکر کافر ہے: ﴿وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿97﴾﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ ساری دنیا سے بے پروا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ جو شخص فریضۂ حج کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔[1] حافظ ابوبکر اسماعیلی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جس شخص کو حج کی طاقت ہو اور وہ حج نہ کرے تو برابر ہے، خواہ وہ یہودی ہو کر مر جائے یا عیسائی۔[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تفسیر آیات:98,99

کفر اور اللہ کے رستے سے روکنے کی وجہ سے اہل کتاب کی ملامت: یہ اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی ملامت کی ہے کیونکہ وہ حق سے عناد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رستے پر چلنے کا ارادہ کرنے والے اہل ایمان کو اس سے روکتے ہیں، حالانکہ انھیں اس بات کا خوب علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لے کر آئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے کیونکہ سابقہ انبیائے کرام و مرسلین عظام صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیۡھِمۡ أَجۡمَعِینَ کی طرف سے ان کے پاس علم ہے کہ ان تمام نبیوں اور رسولوں نے نبی اُمّی ہاشمی عربی مکی، سیدِ ولد آدم، خاتم الانبیاء اور رسول رب الارض و السماء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کیا اور آپ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش بھی کی تھی کہ اسے ان کے اس

[1] تفسير ابن أبي حاتم:715/3 و تفسير عبدالرزاق:405/1. [2] المصنف لابن أبي شيبة، الحج، باب في الرجل يموت ولم يحج وهو موسر:293/3، حديث:14452، 14453 و الدر المنثور:101/2 اور دیکھیے تلخيص الحبير، الحج: 222/2، حديث:957.

کرتوت کا خوب علم ہے کہ ان کے پاس انبیاء کی طرف سے جو علم ہے، یہ اس کی مخالفت کررہے ہیں اور جس رسول کی آمد کی ان کے نبیوں نے بشارت دی تھی، اپنے عناد کی وجہ سے ان کی تکذیب اور انکار کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے بلکہ وہ انھیں اس دن ان کے اعمال کا صلہ دے گا ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴾ (الشعرآء 88:26) ''جس دن مال اور بیٹے کچھ کام نہ آئیں گے۔''

تفسیر آیات:101,100

مسلمانوں کو اہل کتاب کی روش پر نہ چلنے کی تلقین: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تلقین فرما رہا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی بات نہ مانیں جو مومنوں سے ان نعمتوں کی وجہ سے حسد رکھتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے اور اپنے رسول کی ان میں بعثت سے انھیں سرفراز فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ..... ﴾ (البقرۃ 109:2) ''بہت سے اہل کتاب اپنے دل کے حسد سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں......'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ ''اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لو گے تو وہ تمھیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ ﴾ ''اور تم کیونکر کفر کرو گے جبکہ تم کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کے پیغمبر موجود ہیں؟'' یعنی تمھاری طرف سے کفر کا ارتکاب بہت بعید ہے اور اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بچائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اس کے رسول پر رات دن نازل کی جارہی ہیں اور وہ ان آیات کی تم پر تلاوت فرمارہے ہیں اور تم تک انھیں پہنچارہے ہیں، یہ آیت ایسے ہے جیسے کہ یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الحدید 8:57) ''اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے جبکہ پیغمبر تمھیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور یقیناً وہ تم سے (اس کا) پختہ عہد بھی لے چکا ہے اگر تم مومن ہو؟''

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام سے پوچھا: [أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَعْجَبُ إِلَيْكُمْ إِيمَانًا ؟ قَالُوا:الْمَلَائِكَةُ ، قَالَ : وَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُونَ وَ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؟ وَذَكَرُوا الْأَنْبِيَاءَ ، قَالَ:وَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ؟ قَالُوا: فَنَحْنُ . قَالَ : وَكَيْفَ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ قَالُوا : فَأَيُّ النَّاسِ أَعْجَبُ إِيمَانًا ؟ قَالَ : قَوْمٌ يَّجِيئُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُونَ صُحُفًا يُّؤْمِنُونَ بِمَا فِيهَا] ''ایمان کے اعتبار سے کون سے مومن تمھارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: فرشتے، آپ نے فرمایا کہ وہ ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ وہ تو اپنے رب تعالیٰ کے پاس ہیں؟ تو صحابہ نے عرض کی کہ پھر انبیاء ہیں، آپ نے فرمایا کہ حضرات انبیائے کرام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿102﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو ﴿102﴾

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو، اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ

تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس

مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿103﴾

میں گرنے سے بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ ﴿103﴾

کیوں نہ ایمان لائیں جبکہ ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کی کہ پھر ہم ہیں، فرمایا کہ تم ایمان کیوں نہ لاؤ جبکہ میں تمھارے مابین موجود ہوں؟ تو صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ کون لوگ ایمان کے اعتبار سے زیادہ پسندیدہ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو تمھارے بعد آئیں گے اور وہ صحائف کو پائیں گے تو ان کے مطابق ایمان لے آئیں گے۔'' [1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿101﴾ ﴾ ''اور جس نے اللہ (کی ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیا تو وہ سیدھے رستے لگ گیا۔'' یعنی اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑنا اور اس کی ذات گرامی پر بھروسا کرنا ہی ہدایت کا ذریعہ، ضلالت سے دور رہنے کا سامان، رشد و بھلائی کا وسیلہ، سیدھا رستہ اور مراد پا لینے کا طریقہ ہے۔

تفسیر آیات:103,102

اللہ سے ڈرنے کا حق کیا ہے؟ امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد رکھا جائے اور بھولا نہ جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور کفر نہ کیا جائے۔ [2] یہ روایت موقوف ہے اور اس کا موقوف ہونا ہی درست ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے جبکہ ابن مردویہ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے۔ واللّٰه أعلم. امام حاکم نے بھی اسے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے

---

[1] قریب قریب انھی الفاظ سے یہ روایت بزار کے حوالے سے مجمع الزوائد:52,51/10 عن أنس وعمر ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اور مسند أبي يعلى:147/1 ، حدیث:160 میں بیان ہوئی ہے لیکن اس میں ضعف ہے بلکہ بعض الفاظ منکر بھی ہیں۔ دیکھیے سلسلة الأحاديث الضعيفة:647 جبکہ اس باب میں صحیح روایات بھی موجود ہیں، مثلاً: مسند أحمد:106/4 میں روایت ہے: ابو جمعہ حبیب بن سِباع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح سویرے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے تو انھوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم سے بہتر بھی کوئی ہے؟ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ تو آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، قَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُونَ بِي وَلَمْ يَرَوْنِي] ''ہاں، وہ لوگ جو تمھارے بعد ہوں گے مجھ پر ایمان لائیں گے لیکن انھوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔'' مزید دیکھیے المعجم الكبير للطبراني:22/4. [2] تفسير ابن أبي حاتم:722/3.

روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ ①

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈر نہیں سکتا جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے جب تک وہ اپنی زبان کی حفاظت نہ کرے۔② اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ''اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اپنی صحت وسلامتی کے زمانے میں اسلام کی حفاظت کرو تا کہ تمھارا اسلام ہی پر خاتمہ ہو کیونکہ اللہ کریم نے اپنے فضل وکرم سے اپنی یہ عادت قرار دے لی ہے کہ جو شخص جیسی زندگی بسر کرتا ہے، اسی کے مطابق اسے موت آتی ہے۔③ اور جس شخص کی جس حالت میں موت آئے، اسی کے مطابق اسے قبر سے اٹھایا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اسلام کے خلاف زندگی بسر کریں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد کی روایت کو بیان کیا ہے کہ لوگ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس ایک چھڑی بھی تھی، آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا: [وَلَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّومِ قُطِرَتْ، لَأَمَرَّتْ عَلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ عَيْشَهُمْ ، فَكَيْفَ مَنْ لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا الزَّقُّومُ؟] ''اور اگر (جہنم کے) تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ گرا دیا جائے تو وہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی زندگی تلخ کر دے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کا کھانا ہی تھوہر ہوگا؟''④ اسی طرح اس حدیث کو امام ترمذی، نسائی، ابن ماجہ رحمہم اللہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔⑤

امام احمد رحمہ اللہ ہی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی وفات سے تین دن قبل یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''تم میں سے کوئی شخص فوت نہ ہو مگر وہ اللہ عزوجل کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔''⑥ اور صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

① المستدرك للحاكم، التفسير، من سورة آل عمران:294/2، حديث:3159 مختصرًا و الدرالمنثور:105/2. ② تفسير ابن أبي حاتم:722/3. ③ اس مسئلے کی مکمل تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت:132 کے تحت گزر چکی ہے جو روایات کی تطبیق کو بھی شامل ہے۔ ④ مسند أحمد:301,300/1. ⑤ جامع الترمذي، صفة جهنم، باب ماجاء في صفة شراب أهل النار، حديث: 2585 لیکن ترمذی میں [لأمرّت] کے بجائے [لأفسدت] ہے۔ وسنن ابن ماجه ، الزهد ، باب صفة النار، حديث:4325 وصحيح ابن حبان، إخباره عن مناقب الصحابة ، باب صفة النار وأهلها:511/16، حديث:7470 والسنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير ، (63) قوله تعالىٰ: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ (آل عمران 102:3): 313/6، حديث:11070 والمستدرك للحاكم ، التفسير ، من سورة آل عمران:294/2 ، حديث:3158 اور وہاں یہ الفاظ بھی ہیں:[في بحار الأرض] یعنی زمین کے سمندروں میں ایک قطرہ گرا دیا جائے۔ ⑥ مسند أحمد:293/3 لیکن یہاں [وهو يُحسن باللّٰه الظنَّ] ہے جبکہ مسلم کی روایت میں الفاظ اس کے مطابق ہیں: صحيح مسلم، الفتن، باب الأمر بحسن الظن باللّٰه تعالىٰ عندالموت، حديث:2877.

نے فرمایا:[یَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰی: أَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِي بِي]''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے بارے میں جیسا گمان رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہوں۔''①

اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھامنے اور جماعت کے ساتھ مل کر رہنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ ''اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔'' میں اللہ کی رسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عہد ہے جیسا کہ اس کے کچھ بعد ایک آیت میں ہے: ﴿ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران3:112) ''یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت (کو دیکھو گے کہ) ان سے چمٹ رہی ہے سوائے اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آجائیں۔'' یعنی عہد و ذمے میں آجائیں۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ ''اور متفرق نہ ہونا۔'' میں اللہ تعالیٰ نے اجتماعیت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی اختلاف و انتشار کی ممانعت اور اتفاق و اتحاد کا حکم موجود ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَرۡضٰى لَكُمۡ ثَلَاثًا، وَّيَسۡخَطُ لَكُمۡ ثَلَاثًا، فَيَرۡضٰى لَكُمۡ أَنۡ تَعۡبُدُوهُ وَلَا تُشۡرِكُوا بِهِ شَيۡئًا، وَّأَنۡ تَعۡتَصِمُوا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا، (وَأَنۡ تَنَاصَحُوا مَنۡ وَّلَّى اللّٰهُ أَمۡرَكُمۡ)، وَيَسۡخَطُ لَكُمۡ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثۡرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الۡمَالِ] ''اللہ تعالیٰ تین باتوں کو پسند فرماتا ہے اور تین باتوں کو تمھارے لیے ناپسند فرماتا ہے: وہ تمھارے لیے پسند یہ فرماتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، تم سب اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو اور تفرقہ بازی اختیار نہ کرو اور جن کو اللہ تعالیٰ تمھارا حکمران بنا دے، ان کی خیرخواہی کرو اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ناپسند فرماتا ہے: وہ بے مقصد ادھر ادھر کی باتیں، کثرتِ سوال اور مال ضائع کرنا ہے۔''②

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا﴾ ''اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔'' یہ آیتِ کریمہ اوس و خزرج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کے مابین بہت سی جنگیں، شدید عداوت، کینہ پروری اور نفرتیں تھیں جن کی وجہ سے ان میں طویل جنگیں اور لڑائی جھگڑے ہوئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اسلام کو بھیجا اور ان دونوں خاندانوں کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے تو وہ

① صحیح البخاري، التوحید، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ﴾ (آل عمران3:28)، حدیث:7405 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب الحث علی ذکر اللّٰه تعالٰی، حدیث:2675. ② صحیح مسلم، الأقضیة، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة...... ، حدیث:(11,10)-1715 لیکن قوسین والے الفاظ السنن الكبرٰی للبیهقي، قتال أهل البغي، باب النصیحة لله ولکتابه ورسوله......:163/8، حدیث:17123 میں ہیں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿104﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

والے ہیں﴿104﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آ جانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے

الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿105﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا

اختلاف کیا اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے﴿105﴾ جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن لوگوں کے چہرے سیاہ

الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ پس اب عذاب چکھو اس کفر کے بدلے جو تم کرتے رہے ہو﴿106﴾ اور جن لوگوں کے

تَكْفُرُوْنَ ﴿106﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿107﴾

چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے﴿107﴾ (اے نبی!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سناتے

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿108﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا﴿108﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، اور سب معاملے اللہ

11 ع 8 2 السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿109﴾ ع

ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں﴿109﴾

آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے ساتھ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار اور نیکی وتقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ ﴾ (الأنفال 8:62,63) ”وہی تو ہے جس نے آپ کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور اگر آپ دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے، تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے اور البتہ اللہ ہی نے ان میں الفت پیدا کی۔“

یہ لوگ اپنے کفر کے سبب جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم سے بچا لیا اور ایمان کی ہدایت سے نوازا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی حُنین کا مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی طرف اشارہ فرمایا، جب ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ پر اس وجہ سے اعتراض کیا تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے مطابق کچھ لوگوں کو زیادہ حصہ دے دیا تھا تو آپ نے انھیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: [يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي، وَكُنْتُمْ عَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ] ”اے گروہ انصار! کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے ہدایت سے

نوازا، تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے مگر میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں الفت ومحبت ڈال دی اور تم فقیر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے دولت مند بنا دیا؟ آپ جب بھی کچھ ارشاد فرماتے تو اس کے جواب میں وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت احسان ہے۔''[1]

تفسیر آیات:104-109

دعوت الی اللہ کو قائم کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ ﴾ ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے'' جو نیکی اور اس کی دعوت اور نہی عن المنکر کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہو، ﴿ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ ﴾ ''اور یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔'' ضحاک فرماتے ہیں کہ ان سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، رواۃ حدیث، یعنی مجاہدین و علماء مراد ہیں۔[2]

اس آیت کریمہ سے مقصود یہ ہے کہ اس امت میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو اس کام کے لیے سرگرم ہو، گو یہ بات امت کے ہر ہر فرد پر حسب مقدور واجب ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنۡ رَّأٰى مِنۡكُمۡ مُّنۡكَرًا فَلۡيُغَيِّرۡهُ بِيَدِهِ، فَإِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِهِ ، فَإِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِهِ، وَذٰلِكَ أَضۡعَفُ الۡإِيمَانِ] وَفِي رِوَايَةٍ : [وَلَيۡسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الۡإِيمَانِ حَبَّةُ خَرۡدَلٍ] ''تم میں سے کوئی شخص جب کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''[3] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: ''اس کے بعد رائی کے دانے کے بقدر بھی ایمان نہیں ہے۔''[4]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفۡسِي بِيَدِهِ ! لَتَأۡمُرُنَّ بِالۡمَعۡرُوفِ ، وَلَتَنۡهَوُنَّ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ، أَوۡ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عِقَابًا مِّنۡ عِنۡدِهِ ، ثُمَّ لَتَدۡعُنَّهُ فَلَا يَسۡتَجِيبُ لَكُمۡ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا پھر قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے، پھر تم اس سے دعا کرو گے بھی تو وہ تمھاری دعا کو قبول نہیں فرمائے گا۔''[5] اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔[6] اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی

---

[1] صحيح البخاري ، المغازي، باب غزوة الطائف في شوّال سنة ثمان، حديث:4330 وصحيح مسلم، الزكاة ، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام و تصبر من قوي إيمانه، حديث:1061 عن عبدالله بن زيد بن عاصم رضی اللہ عنہ.
[2] تفسير الطبري:53/4. [3] صحيح مسلم، الإيمان ، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث: 49 مذکورہ روایت ابن کثیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جبکہ صحیح مسلم وغیرہ میں اس کے راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔
[4] صحيح مسلم ، الإيمان ، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث:50 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ لیکن اس حدیث کا سیاق پہلی حدیث سے مختلف ہے۔ [5] مسند أحمد:389,388/5. [6] جامع الترمذي ، الفتن ، باب ماجاء في الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر ، حديث:2169 .

آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ ہیں جنھیں اپنے اپنے مقام پر بیان کیا جائے گا۔

تفرقہ بازی کی ممانعت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ﴾ ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقوں میں بٹ گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف و اختلاف کرنے لگے۔'' اللہ تعالیٰ اس امت کو منع فرما رہا ہے کہ وہ ان سابقہ امتوں کی طرح نہ ہوں جنھوں نے حجت قائم ہونے کے باوجود تفرقہ بازی اور اختلاف کو اختیار کیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیا تھا۔

امام احمد نے ابو عامر عبداللہ بن لُحیّ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج کیا، جب ہم مکہ میں آئے تو نماز ظہر کے بعد وہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابَيْنِ افْتَرَقُوا فِي دِينِهِمْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً ، وَّإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ مِلَّةً۔ يَّعْنِي الْأَهْوَاءَ۔ كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً، وَّهِيَ الْجَمَاعَةُ، وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ ، لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَّلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهٗ] ''یہود و نصاریٰ اپنے دین میں بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ امت تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ اور اس سے مراد جماعت ہے۔ میری امت میں کچھ ایسی قومیں پیدا ہوں گی جن پر خواہشات کا اس طرح غلبہ ہو گا جس طرح داء الکلب کے مریض پر اس مرض کا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ باقی نہیں رہتا مگر اس میں یہ مرض سرایت کر جاتا ہے۔'' اللہ کی قسم! اے گروہِ عرب! اگر تم اس دین کو قائم نہیں کرو گے جسے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تو دوسرے لوگ اسے بالاولیٰ قائم نہیں کریں گے۔[1] امام ابوداود نے اسے امام احمد بن حنبل اور محمد بن یحییٰ رحمہما اللہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

حشر کے دن الفت وتفرقہ کے ثمرات ونتائج: ﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ﴾ ''جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ۔'' یعنی قیامت کے دن اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و فُرقت کے چہرے سیاہ ہوں گے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[3] ﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾ ''تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے اللہ فرمائے گا:) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد منافق ہیں۔[4] ﴿ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ ﴾ ''سو (اب) اس کفر کے بدلے میں عذاب (کے مزے) چکھو۔'' یہ وصف عام ہے اور ہر کافر اس کا مصداق ہے۔

﴿ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ ﴾ ''اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔'' یعنی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور

---

[1] مسند أحمد:102/4 و المعجم الكبير للطبراني ، أبو عامر الهوزني عبدالله بن لحي......: 377/19 ، حديث:885.

[2] سنن أبي داود، السنة ، باب شرح السنة، حديث:4597 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:729/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:729/3.

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ

رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ ان میں بعض ایمان والے بھی ہیں مگر ان کے اکثر نافرمان ہیں ﴿۱۱۰﴾

يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ

وہ تمھیں تھوڑی سی ایذا کے سوا ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

گی ﴿۱۱۱﴾ وہ جہاں کہیں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ وہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں تھے، وہ اللہ کی طرف سے غضب کے حقدار

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

ٹھہرے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، اور اس وجہ

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

سے بھی کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ﴿۱۱۲﴾

وہاں سے جگہ تبدیل کرنا نہیں چاہیں گے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں ابوغالب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابواُمامہ نے دمشق کے مینارے پر کچھ نصب شدہ سر دیکھے تو کہا کہ یہ جہنم کے کتے ہیں، آسمان کی چھت کے تلے یہ بدترین مقتول ہیں اور وہ بہترین مقتول ہے جسے یہ قتل کر دیں، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ ﴾ الآية. میں نے ابواُمامہ سے کہا: کیا یہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر میں نے اس بات کو آپ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو تم سے یہ بیان ہی نہ کرتا، میں نے تو یہ ایک دو مرتبہ نہیں کئی بار آپ سے سنا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1] اسے امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ ﴾ ''(اے نبی!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کے روشن اور واضح دلائل و براہین ہیں۔ اے محمد (ﷺ)! جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں ﴿ بِالْحَقِّ ؕ ﴾ ''حق کے ساتھ'' جن سے ہم دنیا و آخرت کے امور کو واضح فرماتے ہیں۔ ﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ﴾ ''اور اللہ اہل عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اہل عالم کے لیے ظالم نہیں ہے بلکہ وہ حکیم و عادل ہے

(1) جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حديث:3000. (2) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب في ذكر الخوارج، حديث:176 بغیر واقعہ کے۔ ومسند أحمد:256/5 لیکن اس میں 105 اور 106 دو آیتوں کا ذکر ہے اور مسند أحمد:253/5 میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ وہ ازارِقہ (خارجی) تھے۔ اور انھیں نافع بن ازرق کی وجہ سے ازارقہ کہا جاتا ہے۔ اور المعجم الكبير میں بھی یہی روایت رؤوس الخوارج کے اضافے کے ساتھ ہے:267/8 أبو غالب صاحب المِحْجَن واسمه حَزَوَّر ، حديث:8034.

جو ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، اسے اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔'' یعنی سب اسی کی ملکیت اور اسی کے غلام ہیں ﴿ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ ''اور (سب) کاموں کا رجوع (اور انجام) اللہ ہی کی طرف ہے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں صرف اور صرف وہی متصرف اور حاکم ہے۔

تفسیر آیات:110-112

امتِ محمدیہ سب سے افضل اور بہتر امت ہے: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو دیگر تمام امتوں کی نسبت بہتر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ ''تم تمام امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ تم لوگوں میں سے لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہو کہ تم ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر لاؤ گے حتی کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عَطِیّہ عوفی، عکرمہ، عطاء اور ربیع بن انس رحمہم اللہ نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ تم لوگوں میں سے لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔[2] معنی یہ ہے کہ تم سب سے بہترین امت اور لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ ''تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حکیم بن معاویہ بن حَیدَہ کی روایت ہے جسے انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنْتُمْ تُوفُونَ سَبْعِينَ أُمَّةً ، أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى] ''تم سترویں امت ہو (تم سے پہلے 69 امتیں گزر چکی ہیں) اور تم ان سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز ہو۔''[3] یہ مشہور حدیث ہے، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، حضرت معاذ بن جبل اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] امت محمدیہ کو یہ فضیلت اور نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کا شرف اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی بدولت حاصل ہوا کیونکہ آپ اللہ کی ساری مخلوق میں سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام رسولوں سے زیادہ مکرم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی کامل اور عظیم شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ سے پہلے کسی نبی یا رسول کو اس طرح کی شریعت عطا نہیں کی گئی، آپ کی سیرت و سنت کے مطابق تھوڑا عمل بھی اس قدر شرف و فضل کا حامل ہوتا ہے کہ دوسروں کے طریقوں کے مطابق بڑے بڑے اعمال بھی اس طرح کی پذیرائی حاصل نہیں کر سکتے جیسا کہ امام احمد نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو

---

[1] صحیح البخاري، التفسير، باب: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران 3:110)، حدیث: 4557. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 732/3. [3] مسند أحمد: 447/4 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حدیث: 3001 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حدیث: 4288,4287 و المعجم الكبير للطبراني: 419/19، حدیث: 1012 مطولاً. [4] مسند أحمد: 61/3 مطولاً عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ.

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[أُعْطِيتُ مَا لَمْ يُعْطَ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَاهُوَ؟ قَالَ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، وَأُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ ، وَسُمِّيتُ أَحْمَدَ ، وَجُعِلَ التُّرَابُ لِي طَهُورًا ، وَّجُعِلَتْ أُمَّتِي خَيْرَ الْأُمَمِ] ''مجھے وہ کچھ عطا کیا گیا ہے جو دیگر انبیائے کرام میں سے کسی کو بھی نہیں دیا گیا، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کیا؟ فرمایا: رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئی ہیں، میرا نام احمد رکھا گیا ہے، میرے لیے زمین کو پاک بنا دیا گیا ہے اور میری امت کو سب سے بہتر امت قرار دیا گیا ہے۔''[1] اس حدیث کی سند حسن ہے۔[2]

اس سلسلے میں اور بھی کئی احادیث وارد ہیں جن میں سے بعض کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بروایت زہری، سعید بن میسّب سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا ہے کہ [يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا ، تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ] ''میری امت میں سے ایک جماعت، جو ستر ہزار افراد پر مشتمل ہوگی، جنت میں داخل ہوگی اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ سن کر عُکّاشہ بن مِحصن اسدی رضی اللہ عنہ اپنی چادر اٹھاتے ہوئے کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:[اَللّٰهُمَّ ! اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ] ''اے اللہ! انھیں ان میں سے بنا دے، پھر انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے تو آپ نے فرمایا: عکاشہ تم سے اس معاملے میں سبقت لے گیا ہے۔''[3]

اس امت کی فضیلت کے بارے میں کچھ دیگر احادیث: امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا:[أَرْجُو أَنْ يَّكُونَ مَنْ يَّتَّبِعُنِي مِنْ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ: فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: أَرْجُو أَنْ يَّكُونُوا ثُلُثَ النَّاسِ، قَالَ: فَكَبَّرْنَا ، ثُمَّ قَالَ: أَرْجُو أَنْ يَّكُونُوا الشَّطْرَ] ''مجھے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والے لوگ قیامت کے دن جنت میں جانے والے ایک چوتھائی ہوں گے تو ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ وہ جنت میں جانے والوں کا ایک تہائی ہوں گے تو ہم نے پھر اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ وہ نصف ہوں گے۔''[4] امام احمد نے اس کو ایک اور سند سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[5] یہ روایت صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

---

① مسند أحمد:98/1 و المصنف لابن أبي شيبة ، الفضائل ، باب ما أعطى الله تعالى محمدا ﷺ:308/6، حديث: 31638. ② الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):156/2، حدیث:763 کے ذیل میں۔ ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفا بغير حساب، حديث:6542 لیکن [بها] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة ...... ، حديث:216 میں ہے۔ ④ مسند أحمد:346/3. ⑤ مسند أحمد: 383/3 اور یہ حدیث پہلی کی تابع ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:[أَمَا تَرۡضَوۡنَ أَنۡ تَكُونُوا رُبُعَ أَهۡلِ الۡجَنَّةِ ؟ فَكَبَّرۡنَا، ثُمَّ قَالَ :أَمَا تَرۡضَوۡنَ أَنۡ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهۡلِ الۡجَنَّةِ ؟ قَالَ: فَكَبَّرۡنَا، ثُمَّ قَالَ : إِنِّي لَأَرۡجُو أَنۡ تَكُونُوا شَطۡرَ أَهۡلِ الۡجَنَّةِ؟] ''کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم اہل جنت میں سے ایک چوتھائی بن جاؤ؟ ہم نے یہ فرمان سن کر اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ اہل جنت میں سے ایک تہائی بن جاؤ؟ ہم نے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں سے نصف ہو گے۔''①

امام احمد نے حضرت بُرَیدہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[أَهۡلُ الۡجَنَّةِ عِشۡرُونَ وَمِائَةُ صَفٍّ ، هٰذِهِ الۡأُمَّةُ مِنۡ ذٰلِكَ ثَمَانُونَ صَفًّا] ''اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اَسّی (80) صفیں اس امت پر مشتمل ہوں گی۔''② امام احمد نے اس حدیث کو ایک دوسری سند سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔③ امام ترمذی نے بھی اسے بیان کیا اور حسن قرار دیا ہے۔④ امام ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔⑤

امام عبدالرزاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[نَحۡنُ الۡآخِرُونَ الۡأَوَّلُونَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ ، نَحۡنُ أَوَّلُ النَّاسِ دُخُولًا الۡجَنَّةَ ، بَيۡدَ أَنَّهُمۡ أُوتُوا الۡكِتَابَ مِنۡ قَبۡلِنَا وَأُوتِينَاهُ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ ، فَهَدَانَا اللّٰهُ لِمَا اخۡتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الۡحَقِّ ، فَهٰذَا الۡيَوۡمُ الَّذِي اخۡتَلَفُوا فِيهِ، النَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ ، غَدًا لِّلۡيَهُودِ، وَلِلنَّصَارٰى بَعۡدَ غَدٍ] ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن پہلے ہوں گے۔ ہم جنت میں سب لوگوں سے پہلے داخل ہوں گے باوجود اس بات کے کہ انھیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی تھی اور ہمیں ان کے بعد دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس حق کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا پس یہ دن جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں کہ یہودی ایک دن بعد ہیں اور عیسائی ہم سے دو دن بعد ہیں۔''⑥ امام بخاری و مسلم نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔⑦

امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری سند سے بھی بیان کیا ہے:[نَحۡنُ الۡآخِرُونَ الۡأَوَّلُونَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ ، وَنَحۡنُ أَوَّلُ مَنۡ يَّدۡخُلُ الۡجَنَّةَ......] ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن پہلے ہوں گے، ہم جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے......''⑧

---

① صحیح البخاری، الرقاق، باب الحشر، حدیث:6528 و صحیح مسلم ، الإیمان ، باب بیان کون هذه الأمة نصف أهل الجنة ، حدیث:(376)ـ221 واللفظ له . ② مسند أحمد:355/5. ③ مسند أحمد:347/5. ④ جامع الترمذی، صفة الجنة، باب ماجاء فی کم صف أهل الجنة ؟ حدیث:2546. ⑤ سنن ابن ماجه ، الزهد ، باب صفة أمة محمد ﷺ ، حدیث:4289 . ⑥ السنن الکبرٰی للنسائی ، الجمعة، باب إیجاب الجمعة:514/1 ، حدیث:1653. ⑦ صحیح البخاری، الجمعة ، باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل......؟ حدیث:896 و صحیح مسلم، الجمعة ، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حدیث:(21) - 855. ⑧ صحیح مسلم ، الجمعة ، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة ، حدیث:(20)-855.

یہ اور اس مفہوم کی دیگر تمام احادیث، اس ارشاد باری تعالیٰ کے معنی میں ہیں: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ ''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے، برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' اس امت میں سے جو لوگ ان صفات کے ساتھ اتصاف پذیر ہوں گے، وہ اس مدح وثنا کے مستحق ہوں گے جیسا کہ امام قتادہ نے کہا ہے کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک حج کے موقع پر لوگوں کی جلد بازی کو دیکھا تو انھوں نے اس آیتِ کریمہ: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اس بہترین امت میں سے بن جائے تو اسے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ شرط کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ ①

اور جو شخص ان اوصاف سے اتصاف پذیر نہ ہو تو وہ ان اہل کتاب سے مشابہت رکھتا ہو گا جن کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ 5:79) ''وہ برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔''

یہی وجہ ہے کہ ان صفات کی وجہ سے اس امت کی مدح کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ﴾ ''اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے'' اس دین وشریعت پر جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا: ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ ''تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔'' یعنی ان میں سے کم ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو تمھاری طرف اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اس پر ایمان لانے والے ہوں جبکہ ان میں سے اکثر لوگ ضلالت وکفر اور فسق ومعصیت کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کو اہل کتاب کے مقابلے میں فتح ونصرت کی بشارت: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خبر دیتے ہوئے اور انھیں بشارت سناتے ہوئے فرمایا ہے کہ کافر وملحد اہل کتاب کے مقابلے میں انھیں فتح ونصرت حاصل ہو گی۔ ارشاد فرمایا: ﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور یہ تمھیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کو مدد بھی (کہیں سے) نہیں ملے گی۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے خیبر کے دن انھیں ذلیل ورسوا کر کے ان کی ناک کو خاک آلود کر دیا (1) اور اسی طرح اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے تمام یہودیوں بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کو بھی ذلیل ورسوا کر دیا تھا۔ (2) اسی طرح شام کے عیسائیوں کی شان وشوکت کو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خاک میں ملا دیا تھا، (3) انھیں ملک شام سے ہمیشہ ہمیشہ کے

① تفسير الطبري: 60/4.

لیے محروم کر دیا تھا، اسلام کی ایک جماعت ہمیشہ شام میں رہے گی (4) حتی کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ اسی طرح اسلام ہی پر ہوں گے اور ان میں حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے اور صرف اور صرف اسلام ہی کو قبول فرمائیں گے۔ (5)[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ ''یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت (کو دیکھو گے کہ) ان سے چمٹ رہی ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کو ان پر مسلط کر دیا ہے، یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے امن و سکون میں نہیں ہوں گے۔ ﴿ اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی پناہ میں آ جائیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ذمے کو پورا کریں جو اس نے ان پر عائد کیا ہے اور انھیں جزیہ ادا کرنے اور احکام ملت کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ ''اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں۔'' یعنی لوگوں کی طرف سے انھیں پناہ حاصل ہو جائے جیسا کہ کسی صلح جو، معاہد اور قیدی وغیرہ کو کوئی مسلمان حتی کہ کوئی عورت بھی اگر پناہ دے دے اسی پر بس نہیں بلکہ ایک قول کے مطابق اگر کوئی مسلمان غلام بھی پناہ دے دے تو اسے امن حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿ اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا عہد ہے۔[2] مجاہد، عکرمہ، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[3] ﴿ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور یہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں۔'' کیونکہ یہ غضبِ الٰہی ہی کے مستحق ہیں۔ ﴿ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ﴾ ''اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے۔'' یعنی قدرًا اور شرعًا اسے انھوں نے اپنے لیے لازم کر لیا ہے۔ اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔'' اور اس بات کو انھوں نے تکبر، بغاوت و سرکشی اور حسد کی وجہ سے اختیار کیا تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی ذلت و رسوائی اور ناداری کو بھی ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلط کر دیا کہ دنیا کے بعد آخرت میں بھی ذلت و رسوائی ہی ان کا مقدر ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ ﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے

---

[1] یہ اقتباسات بخاری و مسلم کی ان احادیث سے ہیں، دیکھیے (1) صحیح البخاری ، المغازی ، باب غزوة خيبر ، حديث: 4196 عن سلمة بن الأكوع ﷺ. (2) صحيح البخاري، المغازي، باب حديث بني النضير......، حديث:4028 عن ابن عمرﷺ. (3) صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل من يصرع فى سبيل الله فمات فهو منهم ، حديث: 2799 عن أم حرامﷺ . وصحيح مسلم ، الفتن ، باب فى فتح قسطنطينية ......، حديث:2897 عن أبى هريرةﷺ . (4) صحيح البخاري، المناقب، باب:28 ، حديث:3641 عن معاوية بن أبى سفيانﷺ (5) صحيح البخاري، المظالم ، باب كسر الصليب و قتل الخنزير، حديث:2476 وصحيح مسلم، الفتن ، باب فى فتح قسطنطينية وخروج الدجال، ونزول عيسى ابن مريم، حديث:2897 عن أبى هريرةﷺ. [2] تفسیر الطبری :66/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم :735/3.

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ

وہ سب برابر نہیں ہیں' اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے ، وہ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں، اور وہ

يَسْجُدُوْنَ ﴿113﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

سجدہ کرتے ہیں﴿113﴾ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور سبقت کرتے ہیں

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿114﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ

بھلائی کے کاموں میں اور وہی نیکوکاروں میں سے ہیں ﴿114﴾ وہ جو بھی بھلائی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ

يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿115﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ

پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ﴿115﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے ذرا بھی

اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿116﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ

چھڑا نہ سکیں گے اور وہی دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿116﴾ (کافر) اس دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال

فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ

ایسی آندھی کی سی ہے جس میں سخت پالا ہو،وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا،تو وہ اسے تباہ کر ڈالے۔اور اللہ نے

فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿117﴾

ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿117﴾

بڑھے جاتے تھے۔" اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے قتل پر اس بات نے انھیں آمادہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کثرت کے ساتھ نافرمانی کرتے تھے، گناہوں کا بہت زیادہ ارتکاب کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے ہمیں محفوظ رکھے۔ وَاللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُسْتَعَانُ.

تفسیر آیات:113-117

اہل کتاب میں سے اسلام قبول کرنے والوں کی فضیلت: محمد بن اسحاق وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات یہود کے ان علماء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو ایمان لے آئے تھے، مثلاً: سیدنا عبداللہ بن سلام، اسد بن عُبید، ثعلبہ بن سَعْیَہ اور اُسَید بن سَعْیَہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔[1] یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جن کی قبل ازیں مذمت بیان کی گئی ہے، وہ اور ان میں سے مشرف بہ اسلام ہونے والے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں سے مومن بھی ہیں اور مجرم بھی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ ﴾ یعنی ان اہل کتاب میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہیں، اس کی شریعت کے مطیع ہیں اور اس کے نبی کے متبع ہیں تو یہ لوگ حق پر قائم اور مستقیم ہیں۔ ﴿ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿113﴾ ﴾ "وہ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔" یعنی رات کو قیام کرتے، کثرت سے

[1] تفسیر الطبری: 71/4.

نماز تہجد پڑھتے اور نمازوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ ﴿ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''(اور) اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔'' اور انھی لوگوں کا اسی سورۂ مبارکہ کے آخر میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْھِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَــمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ (آل عمران 3:199) ''اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں وہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت میں نہیں بیچتے وہی ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

اسی طرح یہاں بیان فرمایا: ﴿ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ ﴾ ''اور یہ جس طرح کی نیکی بھی کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی اس سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل مخفی نہیں ہے اور نہ کسی اچھے عمل کرنے والے کے عمل کا اجر ضائع ہو سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔـا ۭ ﴾ یعنی جب اللہ تعالیٰ انھیں سزا دینے کا ارادہ فرمائے گا تو ان کے مال اور اولاد اللہ کی سزا یا اس کے عذاب کو ان سے ہرگز دور نہیں کر سکیں گے۔ ﴿ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور وہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''

کفار جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال: پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے جو کفار دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں، یہ امام مجاہد، حسن اور سُدّی رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1]

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ ﴾ ''یہ جو مال دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو۔'' صِرٌّ کے معنی سخت سردی کے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا قول ہے۔[2] عطا نے اس کے معنی سردی اور کہر کے بیان کیے ہیں۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی آگ کے ہیں۔[4] یہ معنی بھی پہلے ہی کی طرف راجع ہے کیونکہ سخت سردی خصوصاً کہر اور ژالہ باری بھی فصلوں اور پھلوں کو اسی طرح جلا دیتی ہے جس طرح آگ سے کسی چیز کو جلا دیا جاتا ہے۔

---

① تفسیر ابن أبی حاتم: 741/3. یعنی اس سے مراد کفار کا خرچ کیا ہوا مال ہے۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 741/3. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 741/3. ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 741/3.

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، وہ چاہتے ہیں

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ

کہ تم مصیبت میں پڑو، ان کے دلوں کی دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ اپنے سینوں میں جو (بغض وعناد) چھپاتے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم

بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿118﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ

نے تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿118﴾ خبردار! تم لوگ ان سے محبت رکھتے ہو جبکہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے تم سب کتابوں

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ

پر ایمان رکھتے ہو (جبکہ وہ ایسا نہیں کرتے) وہ تمھارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں غصے

مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿119﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ

کے مارے۔ (ان سے) کہیے: تم اپنے غصے ہی میں مر جاؤ، بے شک اللہ دلوں کے راز خوب جانتا ہے ﴿119﴾ اگر تمھیں کوئی بھلائی پہنچے تو وہ انھیں بری لگتی ہے

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ

اور اگر تمھیں کوئی برائی پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو ان کا مکر تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بے شک

كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿120﴾ ع 12/11/3

اللہ نے ان کے اعمال کو گھیر رکھا ہے ﴿120﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ ﴾ "وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے، چلے پھر اسے تباہ کر دے۔" یعنی اسے جلا دے، اس سے مراد آگ کا وہ بگولا ہے کہ جب وہ کسی ایسی کھیتی کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے جس کے پکنے اور کٹنے کا وقت قریب آ گیا ہو تو اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے اور اس کی فصل اور پھل خراب ہو کر تہس نہس ہو جاتے ہیں، اور کھیتی کا مالک اپنے پھل اور فصل سے اس وقت محروم ہو جاتا ہے جب اسے اس کی بہت ضرورت تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کے ثواب کو اسی دنیا ہی میں ختم کر دیتا ہے جس طرح اس کھیتی کے پھل کو اس کے مالک کے گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیتا ہے اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے کسی اصل اور اساس کے بغیر ہی اپنے کاموں کی بنیاد رکھی ہے۔ ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿117﴾ ﴾ "اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔"

تفسیر آیات: 118-120

مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو راز دار بنانے کی ممانعت: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرما رہا ہے کہ وہ منافقوں کو راز دار بنائیں اور انھیں اپنے بھیدوں سے آگاہ کریں اور انھیں وہ باتیں بتائیں جو انھوں نے اپنے دشمنوں

سے چھپا رکھی ہوں کیونکہ منافقوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں، یعنی وہ مسلمانوں کی دشمنی میں ہر وقت اور ہر ممکن طریقے سے مستعد رہتے ہیں اور جس قدر بھی ممکن ہو مکر وفریب سے کام لیتے ہیں اور ایسے کاموں کو پسند کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے تکلیف اور مشقت کا باعث ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ﴾ ''کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا۔'' یعنی اپنے علاوہ دیگر اہل ادیان کے لوگوں کو راز دار نہ بناؤ۔ عربی زبان میں بِطَانَةٌ آدمی کے ان خاص اہل وعیال کو کہتے ہیں جو گھر کے داخلی امور سے مکمل طور پر آگاہ ہوتے ہیں۔[1]

امام بخاری، نسائی اور دیگر کئی محدثین نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِيٍّ وَّلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْخَيْرِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ ، وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ] ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اور جو بھی خلیفہ مقرر فرمایا تو اس کے دو قسم کے راز دار تھے۔ ایک قسم وہ جو خیر کا حکم اور ترغیب دیتے تھے اور دوسرے وہ جو برائی کا حکم اور ترغیب دیتے تھے اور معصوم تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ گناہ سے بچا لے۔''[2]

امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ نے ابودِہقانہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ یہاں اہل حِیرَہ کا ایک بڑا ماہر کاتب ہے، لہٰذا آپ اسے اپنے ہاں بطور کاتب مقرر فرما لیں تو آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ میں مومنوں کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا راز دار بنا لوں۔[3] آیت کے ساتھ ساتھ یہ اثر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ذِمّیوں کو اس کتابت کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں جسے وہ مسلمانوں کی دشمنی کے لیے استعمال کر سکیں اور مسلمانوں کے ان داخلی امور سے آگاہ ہو جائیں جن کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ جنگی دشمنوں کو ان سے مطلع کر دیں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ ﴾ ''یہ لوگ تمھاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے، چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمھیں تکلیف پہنچے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ ﴾ ''ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں، وہ کہیں زیادہ ہیں۔'' یعنی ان کے چہروں کے نقوش

[1] صحيح البخاري، الأحكام ، باب بطانة الإمام ...... ، قبل الحديث:7198 عن أبي عبيدة. [2] صحيح البخاري ، الأحكام ، باب بطانة الإمام وأهل مشورته ...... ، حديث:7198 لیکن اس حدیث کا بعض حصہ صحیح بخاری کی دوسری روایت کے مطابق ہے: صحيح البخاري ، القدر ، باب المعصوم من عصم الله، حديث:6611 وسنن النسائي ، البيعة ، باب بطانة الإمام ، حديث:4207 ومسند أحمد:237/2 ، حديث:7238 وجامع الترمذي ، الزهد ، باب ماجاء في معيشة أصحاب النبي ﷺ، حديث:2369 لیکن مسند احمد اور جامع الترمذی کے الفاظ مختلف ہیں اور اس کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ [3] تفسير ابن أبي حاتم:743/3 والمصنف لابن أبي شيبة ، الأدب ، باب في اتخاذ كاتب نصراني:261/5 ، حديث:25863 .

اور زبانوں کے الفاظ ہی سے دشمنی نمایاں ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے لیے اپنے سینوں میں جو بغض رکھتے ہیں وہ کسی بھی ذی شعور اور عقل مند شخص سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾ ﴾ ''یقیناً اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ ﴾ ''دیکھو! تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو، حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔'' مطلب یہ ہے کہ مومنو! جب منافق تمھارے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں تو تم ان سے دوستی رکھنے لگ جاتے ہو مگر وہ ظاہری یا باطنی طور پر تم سے قطعاً دوستی نہیں رکھتے ﴿ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ﴾ ''اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔'' تمھیں ان کتابوں کے بارے میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں ہے جبکہ وہ شک وشبہ اور حیرت میں مبتلا ہیں۔

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ تم اپنی کتاب پر بھی، ان کی کتاب پر بھی اور اس سے پہلے کی تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہو مگر وہ تمھاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں، لہٰذا ان کی نسبت تم اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ ان سے بغض رکھو۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ ﴾ ''اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔'' امام قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ الْاَنَامِلَ ﴾ سے مراد انگلیوں کے پورے ہیں۔ [2] منافقوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ مومنوں کے سامنے تو ایمان اور مودّت کا اظہار کرتے ہیں لیکن باطنی طور پر ان کی صورت حال اس کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ ﴾ ''اور وہ جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔'' اور ان کی یہ حالت غیض وغضب کی شدت کی وجہ سے ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١١٩﴾ ﴾ ''(ان سے) کہہ دیجیے کہ (بدبختو!) تم اپنے غصے ہی میں مر جاؤ، اللہ تمھارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔'' تم مسلمانوں سے جس قدر بھی حسد رکھو، ان سے جس قدر بھی بغض رکھو، اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں پر اپنی نعمتوں کو مکمل فرما کر رہے گا، اپنے دین کی تکمیل کر کے رہے گا، اپنے کلمے کو ہر صورت سر بلندی عطا فرمائے گا اور اپنے دین کو بہر آئینہ غالب کر کے رہے گا، لہٰذا تم اپنے غصے میں مر جاؤ۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١١٩﴾ ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمھارے دلوں میں کیا کچھ ہے اور تمھارے سینوں میں مسلمانوں کے خلاف کس قدر بغض، حسد اور کینہ ہے! اور وہ تمھیں دنیا میں بھی اس کی سزا یہ دے گا کہ تمھیں تمھاری امیدوں کے خلاف صورت حال دکھائے گا اور آخرت میں تمھیں جہنم میں عذابِ شدید کا مزہ چکھائے گا جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے

[1] تفسیر الطبری: 86/4. [2] تفسیر الطبری: 89/4.

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿121﴾

اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے روانہ ہوئے اور مومنوں کو جنگ (احد) کے لیے مورچوں پر بٹھارہے تھے اور اللہ خوب

اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿122﴾

سننے والا جاننے والا ہے ﴿121﴾ جب تمھارے دو گروہوں نے کم ہمتی دکھانے کا ارادہ کیا اور اللہ ان کا دوست تھا، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ﴿122﴾

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿123﴾

اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے۔ پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو ﴿123﴾

اور کبھی بھی اس سے باہر نہ آسکو گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ ﴾ ''اگر تمھیں آسودگی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر رنج پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔'' ان کی یہ حالت اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں سے انھیں شدید عداوت ہے کہ مسلمانوں کو جب خوش حالی، فتح ونصرت اور تائید وحمایت حاصل ہوتی ہے، ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کے انصار و مددگار بھی زیادہ ہو جاتے ہیں تو یہ بات منافقوں کو بہت بری لگتی ہے۔ اور اگر مسلمانوں کو قحط وخشک سالی کا سامنا کرنا پڑے یا اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے ان کے دشمنوں کو غلبہ حاصل ہو جائے جیسے کہ اُحد کے دن ہوا، تو اس سے منافق خوش ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔـا ۭ ﴾ ''اور اگر تم (تکلیفوں کو) برداشت اور پرہیز گاری کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گا۔'' اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ شریروں کے شر اور فاجروں فاسقوں کے مکروفریب سے محفوظ رہنے کے لیے صبر اور تقوے کو اختیار کرو۔ اور اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کرو جو تمھارے دشمنوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اور مومنوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنے کی قدرت نہیں اور نہ انھیں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق کے بغیر اس کی اطاعت کی طاقت حاصل ہے۔ اللہ ہی جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ ہرگز نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر و مشیت کے بغیر کوئی چیز قطعاً وجود میں نہیں آسکتی اور جو اس کی ذات گرامی پر توکل کرے وہ اس کے لیے کافی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد کو اور اس میں بندگانِ الٰہی کے لیے جو آزمائش تھی اور اس سے مومنوں اور منافقوں میں جو امتیاز ہوا اور مومنوں نے اس موقع پر جس طرح صبر کا مظاہرہ کیا، اسے بیان کرنا شروع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تفسیر آیات: 121-123

غزوۂ احد کا بیان: ان آیات میں مذکور اس واقعے سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک غزوۂ احد ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام حسن بصری، قتادہ، سدّی اور کئی ایک ائمہ کا یہی قول ہے۔[1] غزوۂ احد کا یہ واقعہ ہفتے کے دن 3 ہجری میں پیش آیا اور بقول

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 748/3.

عکرمہ یہ ہفتے کے دن نصف شوال کو پیش آیا تھا۔ ① و اللّٰہ أعلم.

اس کا سبب یہ تھا کہ جنگ بدر میں بہت سے مشرک سردار تو مارے گئے مگر وہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی سربراہی میں آ رہا تھا، بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور جب وہ مکہ میں پہنچا تو مقتول سرداروں کے بیٹوں اور زندہ بچ جانے والے سرداروں نے ابوسفیان سے کہا کہ ان اموال کو محمد ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے وقف کر دو، چنانچہ انھوں نے مزید اموال اور لشکروں کو جمع کیا اور تین ہزار افراد پر مشتمل اس لشکر نے مدینہ کی جانب احد پہاڑ کے قریب آ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور نماز جمعہ کے بعد بنو نجار کے ایک شخص مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان لوگوں کا شہر سے باہر نکل کر یا مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کریں۔ عبداللہ بن اُبی کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے۔ اگر وہ یہاں مقیم ہوئے تو بدترین قید سے دوچار ہوں گے، اگر وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو مردان کا دوبدو مقابلہ کریں گے اور عورتیں اور بچے اوپر سے ان پر پتھر برسائیں گے اور اگر وہ لوٹ گئے تو ناکام و نامراد ہو کر لوٹیں گے، اس کے برعکس دیگر صحابۂ کرام خصوصاً جو غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ اندر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے اور آپ نے زرہ کو پہنا اور باہر تشریف لے آئے، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ندامت محسوس کی اور سوچا شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو باہر نکلنے کے لیے مجبور کر دیا ہے، اس لیے انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ پسند فرمائیں تو شہر کے اندر ہی رہ کر ان کا مقابلہ کریں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَنۢبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهٗ أَنْ يَّضَعَهَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ (بَيْنَهٗ وَبَيْنَ أَعْدَائِهٖ)] ''کسی نبی کے یہ شایان شان نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اللہ تعالیٰ کے (اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان) فیصلہ فرمانے سے قبل ہی اسے اتار دے۔'' ②

رسول اللہ ﷺ اپنے ایک ہزار ساتھیوں کے ہمراہ چلے اور جب مقام شَوط پر پہنچے تو عبداللہ بن اُبی اس بات پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہ اس کی رائے کو نہیں مانا گیا، لشکر کے ایک تہائی حصے کو لے کر واپس مدینہ چلا گیا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ آج لڑائی ہو گی تو ہم ضرور تمھارا ساتھ دیتے لیکن ہمارا خیال ہے کہ آج تم نہیں لڑو گے۔

بہر آئینہ رسول اللہ ﷺ سوئے منزل کشاں کشاں تشریف لے جا رہے تھے حتی کہ آپ وادی کے ناکے میں احد کی گھاٹی کے پاس فروکش ہو گئے۔ آپ نے اپنی پشت مبارک اور لشکر کی پشت احد کی طرف کر لی اور فرمایا: [لَا يُقَاتِلَنَّ أَحَدٌ حَتّٰى نَأْمُرَهٗ بِالْقِتَالِ] ''اس وقت تک تم میں سے کوئی بھی لڑائی شروع نہ کرے جب تک ہم لڑائی کا حکم نہ دے دیں۔'' ③

① البداية والنهاية ، غزوة أحد فى شوال سنة ثلاث:10/4 والدرالمنثور:119/2 ودلائل النبوة للبيهقى، جماع أبواب غزوة أحد، باب ذكر التاريخ لوقعة أحد:201/3. ② الدر المنثور:121/2 والطبقات الكبرىٰ لابن سعد:38/2 واللفظ له. ③ السيرة النبوية لابن هشام، غزوة أحد، نزول الرسول بالشعب……:69/3.

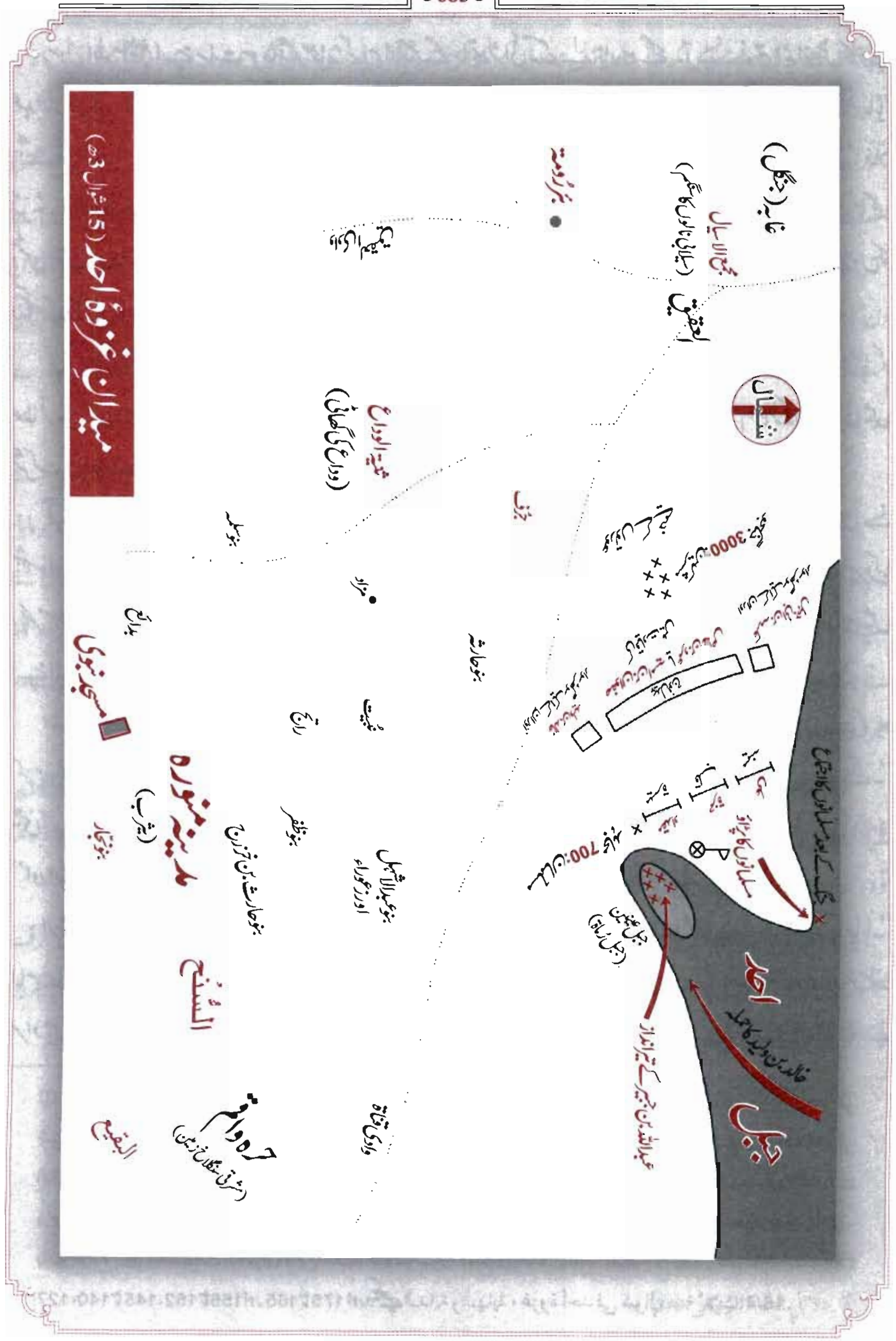
میدانِ غزوۂ احد (15 شوال 3ھ)
شمال
غابہ (جنگل)
مجمع الاسیال
(سیلابی نالوں کا سنگم)
العقیق
بئر رُومۃ
جبل احد
خالد بن ولید کا حملہ
جنگ کے بعد مسلمانوں کا اجتماع
مسلمانوں کا پڑاؤ
عبداللہ بن جبیر کے تیرانداز
جبل عینین
(جبل رُماۃ)
مسلمان: 700 مجاہد
مشرکین: 3000 مجاہد
عورتوں کے خیمے
جُرف
بنوحارثہ
ثنیۃ الوداع
(وداع کی گھاٹی)
مزاد
عُبیت
بنوعبدالاشہل
اورزعوراء
وادی قناۃ
راتج
بنوظفر
بنوحارث بن خزرج
بنوسلمہ
مدینہ منورہ
(یثرب)
السُنح
حرہ واقم
(مشرقی سنگلاخ زمین)
بدائع
مسجد نبوی
بنونجار
البقیع

رسول اللہ ﷺ اپنے سات سو جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ نے تیراندازوں کا امیر عبداللہ بن جُبَیر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جن کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا، اس میں تیراندازوں کی کل تعداد پچاس تھی، آپ نے فرمایا: [أَنْضِحِ الْخَيْلَ عَنَّا بِالنَّبْلِ لَايَأْتُونَا مِنْ خَلْفِنَا إِنْ كَانَتْ لَنَا أَوْ عَلَيْنَا] ، [إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ] ''تم دشمن کو تیروں کے ذریعے سے ہم سے دور رکھو، پشت کی طرف سے ہماری حفاظت کرتے رہو تا کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکے، خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست، تمھیں اسی جگہ رہنا ہے اور اسے ہرگز نہیں چھوڑنا، خواہ تم پرندوں کو دیکھو کہ وہ ہمیں اچک کر لے جا رہے ہیں تو تمھیں پھر بھی اسی جگہ پر کھڑے رہنا ہے اور یہاں سے نہیں ہلنا۔''[1]

نبیٔ اکرم ﷺ نے دو زرہیں زیب تن فرمائی ہوئی تھیں، پرچم آپ نے خاندان عبدالدار کے فرزند مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، اس دن آپ نے بعض نوخیز لیکن تنومند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تو اجازت دے دی تھی لیکن بعض کم سن لڑکوں کو لڑائی میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی، انھیں آپ نے اس سے دو سال بعد غزوہ خندق کے موقع پر اجازت عطا فرما دی تھی۔

قریش نے بھی اپنے لشکر کو جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا، ترتیب دیا، ان کے پاس دو سو گھوڑے بھی تھے، انھوں نے شہسواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو متعین کیا اور اپنا پرچم خاندان عبدالدار کے لوگوں کے سپرد کیا، پھر مسلمانوں اور کافروں کی ان جماعتوں کے مابین جو واقعات رونما ہوئے، ان کی تفصیل ان آیات کی تفسیر کے دوران میں اپنے اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔[2] إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کریں) جب آپ صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کے لیے مورچوں پر (موقع بموقع) متعین کرنے لگے۔'' یعنی آپ انھیں ان کے مورچوں پر متعین کرنے لگے اور میمنہ ومیسرہ پر انھیں مقرر کرنے لگے تھے۔ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے۔'' وہ تمھاری باتوں کو سنتا اور تمھارے ضمیر میں جو کچھ تھا، اسے خوب جانتا تھا۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا﴾ ''اس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان دو جماعتوں سے ہم، یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ مراد ہیں اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے، اس حدیث کی سند کے ایک راوی سفیان نے ایک بار یہ کہا: (جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے

---

[1] پہلا حصہ دلائل النبوۃ للبیہقی، باب کیف کان الخروج إلی أحد ......؟:227/3 والبدایۃ والنھایۃ ، غزوۃ أحد فی شوال سنۃ ثلاث:16/4 اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، الجھاد والسیر ، باب مایکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب وعقوبۃ ......، حدیث:3039 ومسند أحمد:93/4 کے مطابق ہے۔ [2] غزوۂ احد کی یہ تفصیل مندرجہ ذیل حوالوں سے ماخوذ ہے: دلائل النبوۃ للبیہقی، باب سیاق قصۃ خروج النبی ﷺ إلی أحد ......:206/3 وصحیح البخاری، المغازی ، باب غزوۃ أحد والطبقات الکبرٰی لابن سعد، غزوۃ رسول اللہ ﷺ أحدا:36/2. اور مزید دیکھیے آل عمران، آیات:121 تا 127، 140 تا 145، 152 تا 155 اور 165 تا 175 اور دیکھیے البدایۃ والنھایۃ ، غزوۃ أحد فی شوال سنۃ ثلاث:16/4.

یہ کہا) کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی کیونکہ اس میں یہ فرمان باری تعالیٰ بھی موجود ہے: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ط ﴾ ''اور اللہ ان کا مددگار تھا۔'' [1] امام مسلم نے بھی اسے بروایت سفیان بن عیینہ ہی بیان کیا ہے۔ [2]

تعداد اور سامان کی قلت کے باوجود بدر میں فتح ونصرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ﴾ ''اور اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمھاری مدد کی تھی۔'' غزوۂ بدر جمعے کے دن 17 رمضان 2 ہجری کو پیش آیا تھا۔ [3] یہی وہ یوم فرقان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت وسربلندی سے نوازا اور شرک اور مشرکوں کو تباہ وبرباد کر دیا تھا، حالانکہ اس دن مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ صرف تین سو تیرہ تھے [4] جن میں سے دو گھوڑوں پر اور ستر اونٹوں پر سوار تھے [5] اور باقی سب پیدل تھے، ان کے پاس حسب ضرورت سامان بھی نہیں تھا جبکہ اس دن دشمن کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار کے درمیان تھی۔ [6]

دشمن ہر طرح کے سامان حرب اور کیل کانٹے سے لیس تھا۔ بہترین گھوڑے اس کے پاس تھے اور ضرورت کی تمام اشیاء اسے میسر تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس سب کچھ کے باوجود اپنے رسول کو عزت وسربلندی سے نوازا، اپنی وحی وتنزیل کو غلبہ عطا فرمایا، اپنے نبی ﷺ اور ان کے جان نثار رفقاء کو سرخرو کر دیا اور شیطان اور اس کے چیلوں کو ذلیل وخوار کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان دار اور بندگی شعار بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج ﴾ ''اور اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمھاری مدد کی تھی جب تم کمزور تھے۔'' یعنی تمھاری تعداد بھی کم تھی تاکہ تم جان لو کہ فتح ونصرت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کا تعلق تعداد اور سامان کی کثرت سے نہیں ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ لا اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا ﴾ تا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التوبۃ 9:25-27) ''اور (جنگِ) حنین کے دن جبکہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر غرّہ تھا تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی...... اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

بدر، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے جو اپنے کنویں کے نام سے معروف ہے اور یہ کنواں بدر بن نارین کی طرف منسوب ہے کیونکہ اسی نے اسے کھودا تھا۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ ﴾ ''پس تم اللہ سے ڈرو (اور اس احسان کو یاد کرو) تاکہ تم شکر کرو۔'' اور اس کی اطاعت بجالاؤ۔

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ﴾ (آل عمران3:122)، حديث:4558. ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل سلمان وبلال وصهيب ﷺ، حديث:2505. ③ تفسير القرطبي: 190/4 والمصنف لابن أبي شيبه، غزوة بدر الكبرٰى ......:353/7، حديث:36642. ④ دلائل النبوة للبيهقي، ذكر عدد أصحاب رسول الله ﷺ الذين خرجوا......:40/3 وصحيح البخاري، المغازي، باب عدة أصحاب بدر، حديث: 3958,3957 عن البراء ﷺ. ⑤ دلائل النبوة للبيهقي:39/3 والسيرة النبوية لابن هشام، عدد إبل المسلمين:613/2. ⑥ دلائل النبوة للبيهقي:43/3.

غزوۂ بدر الکبریٰ

(میدان جنگ)

17 رمضان 2ھ، 13 مارچ 624ء

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ "بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے ان لوگوں کو جولڑتے ہیں اس کی راہ میں صف بستہ، گویا کہ وہ ایک عمارت ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔" (الصف:4/61)

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ "اور البتہ تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے پس ڈرو تم اللہ سے تاکہ تم شکر کرو۔" (آل عمران:123/3)

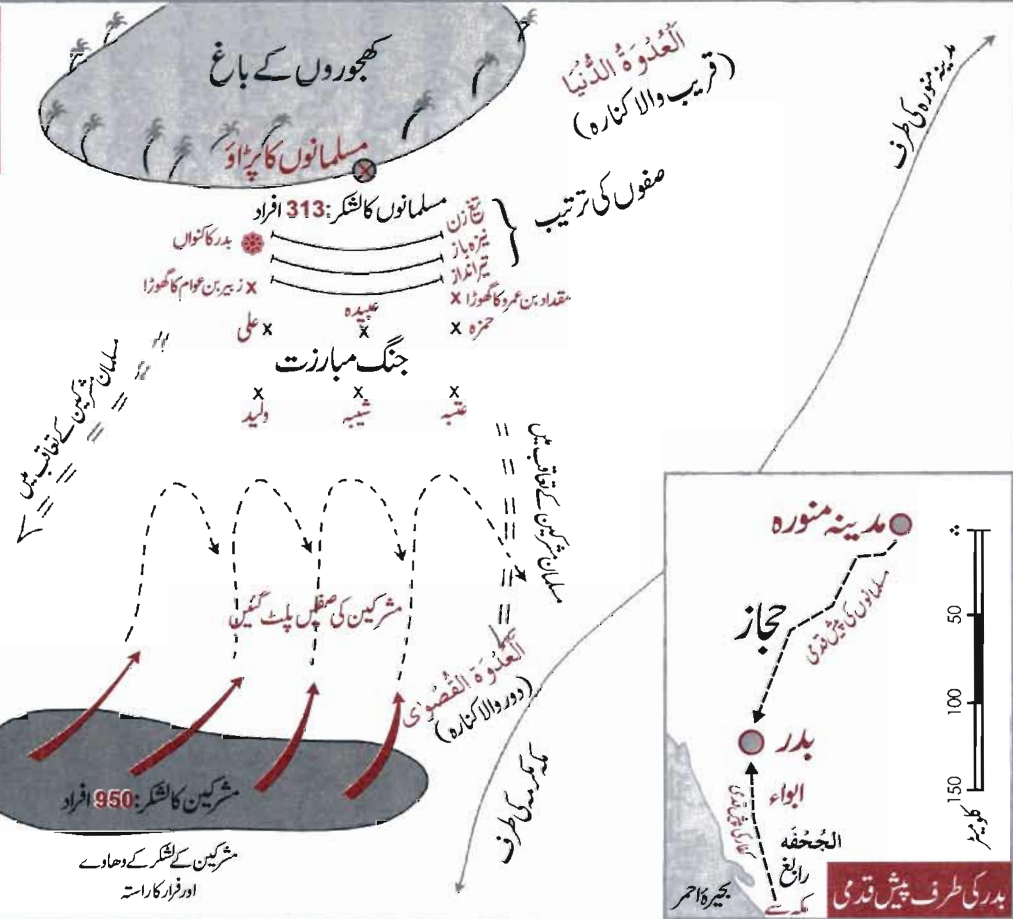

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ

(اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ اللہ آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد

مُنۡزَلِيۡنَ ﴿124﴾ بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ

کرے؟﴿124﴾ کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر فوراً چڑھ آئے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں

بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿125﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى لَكُمۡ

سے تمھاری مدد کرے گا جن کے (خاص) نشان لگے ہوں گے ﴿125﴾ اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوشخبری بنادیا تاکہ اس سے تمھارے

وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿126﴾

دلوں کو تسلی ہو۔ اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت حکمت والا ہے ﴿126﴾ اللہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ کافروں

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ﴿127﴾ لَيۡسَ لَكَ مِنَ

کے ایک گروہ کو ہلاک کردے یا انھیں ذلیل کردے، پھر وہ نامراد ہوکر لوٹ جائیں ﴿127﴾ (اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کچھ اختیار

الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿128﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

نہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، چاہے تو انھیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں ﴿128﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے،

وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿129﴾ 13 ع 9 4

اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿129﴾

تفسیر آیات: 124-129

فرشتوں کے ساتھ نصرت: مفسرین کا اس وعدے کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بدر کے دن سے متعلق ہے یا احد کے دن سے، اس سلسلے میں دو قول ہیں: (1) ان دونوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ ''جب آپ مومنوں سے یہ کہہ (کران کے دل بڑھا) رہے تھے۔'' کا تعلق ﴿ وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ ﴾ سے ہے، یہ قول امام حسن بصری، عامر شعبی، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمہ تفسیر سے مروی ہے۔[1] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] عباد بن منصور نے اس آیت: ﴿ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿124﴾ ﴾ سے متعلق امام حسن بصری کا قول بیان کیا ہے کہ اس کا تعلق یوم بدر سے ہے۔[3] اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے، پھر انھوں نے عامر شعبی رحمہ اللہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کو بدر کے دن جب یہ خبر ملی کہ کُرز بن جابر مشرکوں کی مدد کر رہا ہے تو ان پر یہ بات بہت گراں گزری تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿124﴾ ﴾ تا ﴿ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿125﴾ ﴾ ''کیا یہ کافی نہیں کہ تمھارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمھیں مدد دے؟...... جو (خاص) نشان والے ہوں گے۔'' جب کرز کو یہ خبر پہنچی کہ مشرکوں کو شکست

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 752/3 وتفسیر الطبری: 101/4. [2] تفسیر الطبری: 108/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 752/3.

ہوگئی ہے تو اس نے ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی پانچ ہزار فرشتوں کو نازل نہیں فرمایا۔[1]

ربیع بن انس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی، پھر فرشتوں کی تعداد تین ہزار ہوگئی اور اس کے بعد یہ تعداد پانچ ہزار ہوگئی تھی۔[2]

اگر یہ کہا جائے کہ اس قول کی بنیاد پر اس آیت اور قصۂ بدر سے متعلق اس آیت میں تطبیق کس طرح ہوگی کہ ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝ ﴾ (الأنفال 9:8) ''جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمھاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا: تسلی رکھو) کہ بے شک میں ایک ہزار فرشتوں سے، جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے، تمھاری مدد کروں گا۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک ہزار کی تعداد کا مذکور ہونا تین ہزار یا اس سے زیادہ تعداد کے منافی نہیں ہے کیونکہ ﴿ مُرْدِفِيْنَ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے، پہلے آنے والے فرشتوں کے بعد کئی ہزار فرشتے اور آ جائیں گے، یہ سیاق ایسے ہی ہے جیسے سورۂ آل عمران میں ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق یوم بدر سے ہے کیونکہ مشہور بات یہی ہے کہ فرشتوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ واللہ أعلم.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ﴾ ''ہاں، اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو۔'' یعنی دشمن سے مقابلے کے لیے صبر کرو گے، مجھ سے ڈرو گے اور میرے حکم کی اطاعت بجالاؤ گے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا ﴾ ''اور کافر تم پر جوش کے ساتھ دفعتاً حملہ کر دیں۔'' امام حسن بصری، قتادہ، ربیع اور سُدّی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تم پر اپنے اسی ارادے سے حملہ کر دیں۔[3] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اپنے اس سفر میں وہ تم پر حملہ کر دیں۔[4] اس کے یہ معنی بھی بیان کیے جاتے ہیں کہ وہ جوش وغضب میں آ کر حملہ کر دیں۔[5]

(2)___ دوسرا قول یہ ہے کہ اس وعدے کا تعلق ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ ﴾ (آل عمران 121:3) ''اور (اے نبی!) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے روانہ ہوئے اور مومنوں کو جنگ (اُحد) کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔'' سے ہے اور اس میں یوم احد کا ذکر ہے لیکن اس دن فرشتوں کے ذریعے سے امداد حاصل نہیں ہوئی تھی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ﴾ ''ہاں، اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو۔'' لیکن مسلمان صبر نہ کر سکے بلکہ بھاگ گئے جس کی وجہ سے ایک فرشتہ بھی ان کی مدد کے لیے نازل نہ ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿125﴾ ﴾ ''تو تمھارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے، جن پر نشان ہوں گے، تمھاری مدد کو بھیجے گا۔'' یعنی علامات کے ساتھ ان پر نشان لگے ہوں گے۔ ابواسحاق سبیعی نے

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 752/3. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 752/3. [3] تفسير الطبري: 106/4. اور اس معنی میں کُرز بن جابر کے اس لشکر کی طرف اشارہ ہے جو بدر کے دن مشرکین کی امداد کا ارادہ رکھتا تھا۔ [4] تفسير الطبري: 107/4. [5] تفسير الطبري: 107/4.

حارثہ بن مُضَرِّب سے اور انھوں نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی سفید اونی لباس تھا۔فرشتوں کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر بھی نشان تھے۔① مکحول کا قول یہ ہے کہ ان کے نشان یہ تھے کہ انھوں نے پگڑیاں باندھی ہوئی تھیں۔② اور ان کی پگڑیاں سیاہ رنگ کی تھیں اور غزوۂ حنین کے دن ان کی پگڑیوں کا رنگ سرخ تھا۔③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرشتوں نے عملی طور پر صرف غزوۂ بدر ہی میں حصہ لیا تھا۔④ ابن ابوحاتم نے یحییٰ بن عباد سے روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن زرد رنگ کا عمامہ پہنا اور اس سے ڈھاٹا باندھا ہوا تھا تو فرشتے جب نازل ہوئے تو ان سب کے عمامے بھی زرد رنگ کے تھے۔⑤

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ﴾ ''اور اس مدد کو تو اللہ نے تمھارے لیے (ذریعہ) بشارت بنایا تاکہ تمھارے دلوں کو اس سے تسلی ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو فرشتوں کو نازل فرمایا اور ان کے نازل ہونے کے بارے میں تمھیں بتا دیا تو یہ تمھارے لیے بشارت تھی ورنہ حقیقی طور پر مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔اگر وہ چاہے تو تمھارے جنگ کرنے کے بغیر ہی اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکتا ہے اور اسے تمھارے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جہاد کا حکم دینے کے بعد فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۚ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ○ ﴾ (محمد 47:4-6) ''یہ (حکم یاد رکھو!) اور اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا (بلکہ) ان کو سیدھے رستے پر چلائے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا۔ اور ان کو بہشت میں، جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے، داخل کرے گا۔''

اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿126﴾ ﴾ ''اور اس مدد کو تو اللہ نے تمھارے لیے (ذریعہ) بشارت بنایا تاکہ تمھارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' یعنی اسے اس قدر غلبہ حاصل ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کی تقدیر اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ ''تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے۔'' ﴿ اَوْ

① تفسير ابن أبي حاتم:754/3. ② تفسير ابن أبي حاتم:755/3. ③ مجمع الزوائد، التفسير، سورة آل عمران، قوله تعالى: ﴿ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ (آل عمران3:125):327/6، حديث:10901 عن ابن عباس ﷺ اور اس میں حنین کے بجائے احد کا ذکر ہے، البتہ السيرة النبوية لابن هشام، شهود الملائكة ببدر:633/2 میں حنین ہی کا ذکر ہے۔ ④ تفسير الطبري:102/4 والمصنف لابن أبي شيبة، المغازي، غزوة بدر الكبرى ......:353/7، حديث:36647 عن مجاهد. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:755/3 والمستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، ذكر مناقب حواري رسول اللهﷺ:361/3، حديث:5554.

﴿ يَكْبِتَهُمْ ﴾ ''یا انھیں ذلیل کر دے'' اور انھیں غصے سے مغلوب لوٹا دے کہ انھیں تمھارے مقابلے میں اپنے مقاصد حاصل نہیں ہو سکے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿127﴾ ﴾ ''تو (جیسے آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں'' کہ انھیں جو امید تھی اسے وہ حاصل نہیں کر سکے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے درمیان میں ایک ایسا جملہ بیان فرما دیا ہے جس سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ دنیا اور آخرت میں صرف اسی وحدہ لاشریک کا حکم چلتا ہے، فرمایا: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ ''(اے پیغمبر!) اس کام میں آپ کو کچھ اختیار نہیں۔'' بلکہ تمام تر تصرف اور اختیار میرا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ ﴾ (الرعد13:40) ''تو آپ کا کام (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط ﴾ (البقرة2:272) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ (القصص28:56) ''بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

امام محمد بن اسحاق نے فرمان باری تعالیٰ: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے پیغمبر! میرے بندوں کے بارے میں آپ کا کوئی حکم نہیں ہے سوائے ان کے جن کے بارے میں نے تمھیں حکم دیا ہو۔ [1]

پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کی باقی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ﴾ ''یا اللہ ان کے حال پر مہربانی کرے'' کہ انھیں کفر سے نکال کر ضلالت کے بعد ہدایت عطا فرما دے ﴿ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ ﴾ یا وہ ان کے کفر اور گناہوں کی وجہ سے دنیا و آخرت میں انھیں اپنے عذاب میں مبتلا کر دے ﴿ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿128﴾ ﴾ کیونکہ وہ ظالم ہیں اور اسی بات کے مستحق ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سالم کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سر اٹھاتے تو [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ] کے بعد بددعا کرتے: [اَللّٰهُمَّ ! الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا وَّفُلَانًا] ''اے اللہ! فلاں، فلاں اور فلاں شخص پر لعنت فرما۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ ''(اے پیغمبر!) اس کام میں آپ کو کچھ اختیار نہیں۔'' [2]

امام احمد نے بھی سالم کی اپنے باپ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [اَللّٰهُمَّ ! الْعَنْ فُلَانًا ، اَللّٰهُمَّ ! الْعَنِ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ ، اَللّٰهُمَّ ! الْعَنْ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو ، اَللّٰهُمَّ ! الْعَنْ صَفْوَانَ ابْنَ أُمَيَّةَ] ''اے اللہ! فلاں شخص پر لعنت فرما، اے اللہ! حارث بن ہشام پر لعنت فرما، اے اللہ! سہیل بن عمرو پر لعنت فرما۔ اے اللہ! صفوان بن اُمیہ پر لعنت فرما۔'' تو اسی موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿128﴾ ﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے حال پر مہربانی فرما دی تھی۔ [3]

---

[1] تفسیر الطبری:114/4. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾...... (آل عمران 128:3)، حدیث:4559. [3] مسند أحمد:93/2.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بھی بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لیے دعا یا بددعا کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت کرتے۔ راوی نے بسا اوقات یہ بھی کہا ہے کہ آپ [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، اَللّٰهُمَّ ! رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ] کے بعد فرماتے:[اَللّٰهُمَّ! أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ ، وَّ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ ، وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ، اَللّٰهُمَّ !اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ ، وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ]''اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابو ربیعہ اور کمزور مومنوں کو نجات عطا فرما، اے اللہ! خاندان مُضر کے لوگوں پر اپنی گرفت کو اور مضبوط کر دے۔ اور اے اللہ! انھیں اسی طرح قحط سالی میں مبتلا فرما دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں قحط پڑا تھا۔'' آپ ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے اور نماز فجر میں بعض اوقات عرب کے مختلف خاندانوں کے نام لے کر اس طرح بددعا بھی کرتے کہ [اَللّٰهُمَّ ! الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا]''اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت فرما۔'' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ الآية. ①

امام بخاری نے حُمید اور ثابت کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ احد کے دن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا تھا تو آپ نے فرمایا:[كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ؟]''وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا؟'' تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ ②

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ احد کے دن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہو گیا اور آپ کی پیشانی پر زخم آیا جس کی وجہ سے خون بہ کر چہرۂ اقدس پر آ گیا تو آپ نے فرمایا:[كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ فَعَلُوا هٰذَا بِنَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلٰى رَبِّهِمْ؟]''وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا جبکہ وہ انھیں اپنے رب عزوجل کی طرف دعوت دے رہے تھے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُونَ ﴿128﴾ ﴾ ③ اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ④

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۭ ﴾ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اسی اللہ کی ملکیت ہے اور آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے اسی کے غلام اور بندے ہیں۔ ﴿ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ ﴾ ''وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔'' اسی کا تصرف واختیار ہے، کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھ نہیں سکتا جبکہ ان سب سے باز پرس ہوگی۔ ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿129﴾ ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔''

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران3:128)، حديث:4560. ② صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ...... ﴾، قبل الحديث:4069 تعليقًا. وصحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، حديث:1791. ③ مسند أحمد:93/2. ④ صحيح مسلم، الجهاد ، باب غزوة أحد ، حديث: 1791.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ ﴿130﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمھیں نجات مل سکے﴿130﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۚ ﴿131﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۚ ﴿132﴾

کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے﴿131﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے﴿132﴾ اور اپنے رب کی بخشش

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ

اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے﴿133﴾ وہ لوگ جو

لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ ﴿133﴾ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ

خوشی اور سختی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کردینے والے ہیں۔ اور اللہ

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۚ ﴿134﴾ وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ

نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے﴿134﴾ اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے پھر اپنے

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ ۖ وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۖ وَلَمۡ يُصِرُّوۡا

گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے؟ اور وہ اپنے کیے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے﴿135﴾ وہی

عَلٰى مَا فَعَلُوۡا وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿135﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَجَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ

لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش اور جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان (باغوں) میں

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ؕ ﴿136﴾

ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے لیے (اللہ کے ہاں) اچھا اجر ہے﴿136﴾

تفسیر آیات:130-136

سود مطلقاً حرام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو سود کے لین دین اور اسے دگنا چوگنا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب قرض واپس کرنے کی مدت آجاتی تو وہ مقروض سے کہتے کہ یا تو وہ قرض ادا کرے یا وہ اضافہ کردے، اگر وہ قرض ادا کردیتا تو ٹھیک ورنہ وہ قرض ادا کرنے کی مدت میں اضافہ کردیتا تو دوسرا قرض کی مقدار میں اضافہ کردیتا اور اسی طرح ہر سال ہوتا جس کی وجہ سے بسا اوقات قرض کی معمولی رقم بڑھتے بڑھتے بہت زیادہ رقم کی صورت اختیار کرجاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سلسلے میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل کرلیں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں جہنم کی آگ سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿131﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿132﴾﴾ ''اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''

نیک کاموں اور حصولِ جنت کی ترغیب: پھر اللہ تعالیٰ نے نیک اور تقربِ الٰہی کے حصول کے کاموں کی ترغیب دیتے ہوئے

فرمایا: ﴿ وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ ﴾ ”اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ جس طرح دوزخ کو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔①

کہا گیا ہے کہ ﴿ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ ﴾ ”جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔“ سے جنت کے طول کی وسعت کی طرف اشارہ ہے جس طرح جنت کے بچھونوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ بَطَآئِنُہَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ ﴾ (الرحمٰن 55:54) ”ان کے استر دبیز ریشم کے ہیں۔“ تو ان کے اوپر کے غلافوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنت کا عرض بھی اس کے طول ہی کی طرح ہے کیونکہ یہ عرش الٰہی کے تلے ایک قبے کی صورت میں ہے اور گول چیز کا عرض، طول ہی کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے: [فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ] ”جب تم اللہ سے (جنت کا) سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس کا سوال کرو، یہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے، اس سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔“②

یہ آیت اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ حدید کی یہ آیت ہے: ﴿ سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا کَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ ﴾ (الحدید 57:21) ”(بندو!) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی (طرف)، جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے، لپکو۔“ امام بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ ﴾ ”اور جنت جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔“ تو سوال یہ ہے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [أَرَأَيْتَ اللَّيْلَ (الَّذِي قَدْ أَلْبَسَ) كُلَّ شَيْءٍ ، فَأَيْنَ النَّهَارُ ؟ قَالَ: حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ، قَالَ : فَكَذٰلِكَ النَّارُ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ] ”کیا تم نے دیکھا ہے کہ جب رات آتی ہے تو ہر چیز پر چھا جاتی ہے تو اس وقت دن کہاں ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا: جہاں اللہ چاہے، آپ نے فرمایا: اسی طرح جہنم کو بھی اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے۔“③

اس ارشاد نبوی کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (1) جب دن آتا ہے تو رات کے عدم مشاہدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت رات کسی جگہ بھی نہیں ہے، رات کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے، خواہ ہمیں اس کا علم نہ ہو، اس طرح جہنم بھی وہیں ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اسے رکھتا ہے۔ (2) دوسرے اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جب دن اس طرف سے روئے زمین کو ڈھانپ لیتا ہے تو رات اس کے دوسری طرف ہوتی ہے، اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور اس کا عرض

---

① دیکھیے البقرۃ، آیت:24. ② صحیح البخاری ، التوحید ، باب : ﴿ وَّ کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ ﴾ (ھود 11:7)، حدیث: 7423 . ③ کشف الأستار: 43/3، حدیث: 2196 ، البتہ قوسین کے الفاظ کے بجائے [مَالَّسَ] ہے۔ اور قوسین والے الفاظ المستدرک للحاکم: 36/1، حدیث: 103 کے مطابق ہیں۔ اور دیکھیے صحیح ابن حبان: 306/1 ، حدیث: 103.

حسب فرمان باری تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جبکہ جہنم اسفل سافلین میں ہے، لہٰذا جنت کے عرض کے آسمانوں اور زمین کے برابر ہونے اور جہنم کے موجود ہونے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾ ''جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی تنگی اور خوش حالی میں، خوشی و ناخوشی میں، صحت و بیماری میں اور ہر حال میں اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ (البقرۃ 2:274) ''جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔'' یعنی انھیں کوئی امر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کی مرضی کے کاموں میں مال خرچ کرنے، اپنے قریبی رشتے داروں اور اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کے ساتھ احسان کرنے اور نیکی کے دیگر کام بجالانے سے روکتا نہیں ہے۔

﴿ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ ﴾ ''اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔'' جب انھیں غصہ آئے تو اسے پی جاتے ہیں، یعنی اسے چھپا لیتے ہیں اور اس کا اظہار نہیں کرتے اور جو ان کے ساتھ برا سلوک کرے اسے معاف کر دیتے ہیں۔ امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيۡسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ ، وَلٰكِنَّ الشَّدِيدَ الَّذِى يَمۡلِكُ نَفۡسَهُ عِنۡدَ الۡغَضَبِ] ''بہادر وہ نہیں ہے جو پچھاڑ دے بلکہ بہادر تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''[1] اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے سہل بن معاذ بن انس کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنۡ كَظَمَ غَيۡظًا وَّهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنۡ يُّنۡفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلٰى رُؤُوسِ الۡخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ مِنۡ أَيِّ الۡحُورِ شَاءَ] ''جس شخص نے غصے کو پی لیا، حالانکہ وہ اس کے اظہار کرنے پر قادر تھا تو اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا اور اختیار دے دے گا کہ جس حور کو چاہو اپنے لیے منتخب کر لو۔''[3] اس روایت کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔[4]

ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا تَجَرَّعَ عَبۡدٌ جُرۡعَةً أَفۡضَلَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنۡ جُرۡعَةِ غَيۡظٍ يَّكۡظِمُهَا ابۡتِغَاءَ وَجۡهِ اللّٰهِ تَعَالٰى] ''بندے نے کبھی ایسا گھونٹ نہیں پیا جو اس غصے کے گھونٹ سے افضل ہو جسے بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے پیتا ہے۔''[5] اسے امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[6] اور فرمان الٰہی: ﴿ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ ﴾ ''اور غصے کو روکتے ہیں۔'' یعنی لوگوں میں اپنے غصے کے

[1] مسند أحمد:236/2. [2] صحيح البخاري، الأدب ، باب الحذر من الغضب ،حديث:6114 وصحيح مسلم ، البر والصلة ، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب......، حديث:2609. [3] مسند أحمد:440/3. [4] سنن أبي داود ، الأدب ، باب من كظم غيظًا، حديث:4777 وجامع الترمذي، البر والصلة ، باب في كظم الغيظ ، حديث: 2021 وسنن ابن ماجه ، الزهد ، باب الحلم، حديث:4186 . [5] مسند أحمد:128/2. [6] سنن ابن ماجه ، الزهد ، باب الحلم ، حديث:4189 .

مطابق عمل نہیں کرتے بلکہ ان سے اپنے شر کو روک لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

﴿ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ﴾ ''اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔'' یعنی شر کو روکنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں جو ان پر ظلم کریں اور کسی پر بھی وہ ناراضی کا اظہار نہیں کرتے۔ یہ اخلاق کی بلندی کی اکمل حالت ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ ''اور اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔'' یہ مقاماتِ احسان میں سے ہے۔

حدیث میں ہے: [ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ...... : مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ] ، [وَّمَا زَادَاللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا ، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ] ''تین باتوں (کی حقیقت) پر میں قسم کھاتا ہوں: (1) صدقہ کرنے سے بندے کا مال کم نہیں ہوتا۔ (2) معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ فرما دیتا ہے اور (3) جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور انکسار سے کام لے، اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی عطا فرماتا ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ﴾ ''اور وہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔'' یعنی جب ان سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو توبہ واستغفار کر لیتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَنَّ رَجُلًا أَذْنَبَ ذَنْبًا، فَقَالَ: رَبِّ! إِنِّي أَذْنَبْتُ ذَنْبًا أَوْ قَالَ: عَمِلْتُ عَمَلًا ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ : عَبْدِي عَمِلَ ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ أَوْ أَذْنَبَ ذَنْبًا آخَرَ، فَقَالَ:رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:عَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهِ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ أَوْ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا آخَرَ، فَقَالَ:رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، فَقَالَ : عَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ أَوْقَالَ: أَذْنَبَ ذَنْبًا آخَرَ، فَقَالَ : رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، قَالَ : عَبْدِي عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَعْمَلْ مَا شَآءَ]

''ایک بندے نے ایک گناہ کیا، پھر عرض کی: میرے رب! میں نے ایک گناہ کیا ہے یا گناہ کا کام کیا ہے تو اسے معاف فرما دے تو اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا ہے تو کیا اسے یہ علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پھر اس نے گناہ کا کام کیا یا ایک اور گناہ کیا اور عرض کی: میرے رب! میں نے ایک گناہ کیا ہے تو اسے معاف فرما دے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندے کو یہ علم ہے کہ

---

[1] ابتدائی حصہ جامع الترمذی ، الزهد، باب ماجاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر، حديث: 2325 و مسند أحمد: 231/4 عن أبي كبشة الأنماري رضي الله عنه اور دوسرا حصہ صحیح مسلم ، البر والصلة ، باب استحباب العفو والتواضع ،حديث: 2588 عن أبي هريرة رضي الله عنه کے مطابق ہے۔ نوٹ: ابوکبشہ کی روایت کا سیاق اس سے مختلف ہے۔

اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پھر اس نے گناہ کا کام کیا یا ایک اور گناہ کیا اور عرض کی: یارب! میں نے ایک گناہ کیا ہے تو میرا یہ گناہ معاف فرما دے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندے کو یہ معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف فرماتا اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو معاف فرما دیا، پھر اس نے گناہ کا کام کیا یا وہ کہتا ہے میں نے ایک اور گناہ کیا ہے اور عرض کی: یارب! میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف فرماتا اور اس کی بنیاد پر گرفت بھی کرتا ہے، میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، وہ جو چاہے عمل کرے۔''[1] امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کو تقریباً اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[2]

امام عبدالرزاق نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔'' تو ابلیس بہت رویا تھا۔[3] ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟'' یعنی اس کے سوا اور کوئی نہیں بخش سکتا۔ ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿135﴾﴾ یعنی وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف جلد ہی رجوع کر لیتے ہیں، معصیت پر اڑے نہیں رہتے اور نہ اس پر اصرار کرتے ہیں، خواہ ان سے بار بار گناہ ہو، پھر بھی اس سے توبہ کر لیتے ہیں۔ ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿135﴾﴾ ''اور وہ جانتے ہیں۔''

مجاہد اور عبداللہ بن عبید بن عمیر نے کہا ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔[4] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (التوبة9:104) ''کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے؟'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (النسآء4:110) ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔'' اسی کی نظیر اور بھی بہت سی آیاتِ کریمہ ہیں۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: [اِرْحَمُوا تُرْحَمُوا ، وَاغْفِرُوا يُغْفَرْ لَكُمْ ، وَيْلٌ لِّأَقْمَاعِ الْقَوْلِ ، وَيْلٌ لِّلْمُصِرِّينَ الَّذِينَ يُصِرُّونَ عَلٰى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ] ''تم رحم کرو تم پر بھی رحم کیا جائے گا، تم معاف کرو تمھیں بھی معاف کیا جائے گا، ان لوگوں کے لیے تباہی و بربادی ہے جو بات کو سنتے تو ہیں مگر اسے یاد نہیں رکھتے (توجہ نہیں دیتے) اور ان اصرار کرنے والوں کے لیے بھی ہلاکت ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے بھی

---

① مسند أحمد:296/2 . ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (الفتح 15:48)، حديث:7507 وصحيح مسلم، التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكررت الذنوب والتوبة، حديث: 2758 . ③ تفسير عبدالرزاق:414/1 . ④ تفسير ابن أبي حاتم:767/7 .

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں، چنانچہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (نبیوں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ ﴿137﴾ یہ (قرآن) لوگوں

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿137﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿138﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا

کے لیے وضاحت اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿138﴾ اور تم سستی نہ کرو، اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو ﴿139﴾

تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ

اگر تمھیں (احد میں) زخم لگے ہیں تو ایسے ہی زخم (بدر میں) کافروں کو بھی لگ چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادل بدل کرتے رہتے

قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ

ہیں۔ اور (تمھیں یہ زخم اس لیے لگے کہ) اللہ جاننا چاہتا تھا کہ کون ایمان والے ہیں؟ اور وہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا اور اللہ

مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿140﴾ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ

ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿140﴾ اور (ایک وجہ یہ تھی کہ) اللہ ایمان والوں کو پاک صاف کر دینا اور کافروں کو مٹا دینا چاہتا تھا ﴿141﴾ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو

الْكٰفِرِيْنَ ﴿141﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

کہ تم (سیدھے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون لوگ اس کی راہ میں جانیں لڑانے

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿142﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ

والے اور صبر کرنے والے ہیں ﴿142﴾ تحقیق تم جنگ سے پہلے ہی (شہادت کی) موت کی خواہش کرتے تھے، چنانچہ پس اب تم نے اسے اپنی

14 ع 14 5 رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿143﴾ ع

آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ہے ﴿143﴾

اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں۔''[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے اوصاف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''وہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے۔'' ﴿ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' جو انواع واقسام کے مشروبات کی ہوں گی ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ﴾ ''(وہ) ان میں ہمیشہ (بستے) رہیں گے۔'' ﴿ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿136﴾ ﴾ ''اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

تفسیر آیات: 143-137

یومِ اُحد کے مصائب کی حکمت: اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں سے جو احد کے دن مصائب میں مبتلا ہوئے اور جن میں سے ستر شہید بھی ہو گئے تھے، مخاطب ہوتے ہوئے فرما رہا ہے: ﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ ﴾ ''تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔'' یعنی سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کو بھی اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر

[1] مسند أحمد: 165/2 و شعب الإیمان للبیهقی، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة: 449/5، حدیث: 7236.

انجام کار اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا اور تباہی و بربادی کافروں ہی کا مقدر ٹھہری تھی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ ”تو تم زمین میں پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ﴾ ”یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بیان صریح ہے۔“ اس میں تمام امور و معاملات کا نہایت صریح اور واضح بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ سابقہ امتیں اپنے دشمنوں کے ساتھ کس طرح تھیں۔ ﴿ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ”اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔“ یعنی قرآن میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں بھی ہیں، تمھارے دلوں کے لیے ہدایت کا سامان بھی اور متقین کے لیے نصیحت بھی کہ یہ قرآن حرام کاموں اور گناہ کی باتوں سے منع کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَهِنُوْا ﴾ ”اور بے دل نہ ہونا۔“ یعنی جو کچھ ہوا اس کے سبب کمزور نہ پڑنا ﴿ وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ”اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔“ یعنی مومنو! انجام کار تمھارا ہی اچھا ہوگا اور بالآخر فتح ونصرت سے تمھی سرفراز کیے جاؤ گے۔ ﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾ یعنی اگر تمھیں زخم آئے ہیں اور تم میں سے کئی لوگ شہید ہوئے ہیں تو اس سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے تمھارے دشمن کو بھی اسی طرح زخم آئے تھے اور ان کے بہت سے آدمی بھی اسی طرح مارے گئے تھے۔ ﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ ”اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔“ یعنی ہم کبھی تمھارے دشمنوں کو بھی تم پر غالب کر دیتے ہیں کیونکہ اس میں ہماری طرف سے کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت ضرور ہوتی ہے جبکہ انجام کار فتح و نصرت مسلمانوں ہی کی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ”اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو ممتاز کر دے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کی آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے: تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ دشمن کے مقابلے میں صبر کون کرتا ہے!

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ﴾ ”اور تم میں سے شہداء بنائے“ جو اس کے رستے میں جہاد کریں اور اس کی رضا میں اپنے آپ کو کھپا دیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ”اور اللہ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو نکھار دے۔“ اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان والوں کو اگر ان کے گناہ ہوں تو ان کے گناہوں کو مٹا دے ورنہ انھیں پہنچنے والی تکلیفوں کے باعث ان کے درجات میں اضافہ فرما دے ﴿ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ”اور کافروں کو نابود کر دے۔“ کیونکہ جب وہ کامیاب ہوتے ہیں تو بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کرتے ہیں اور یہ ان کی تباہی و بربادی، ناکامی و نامرادی اور ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بلا آزمائش) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے

والوں کو تو (اچھی) طرح معلوم کیا ہی نہیں؟ اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔'' یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ قتال اور آلام و مصائب میں مبتلا ہوئے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا ﴾ (البقرة 214:2) ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں؟ ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ڈالے گئے۔'' اور فرمایا: ﴿ الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 2,1:29) ''الٓمّٓ۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟''

اور اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝١٤٢ ﴾ ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بلا آزمائش) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں؟ اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔'' یعنی تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ تمھاری آزمائش نہ کر لے اور یہ نہ معلوم کر لے کہ تم میں سے اس کے راستے میں جہاد کرنے والے اور دشمنوں کے مقابلے میں صبر کرنے والے کون ہیں؟ ﴿ وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ ۠ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ۝١٤٣ ﴾ ''اور تم موت (شہادت) کے آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے سو تم نے اس کو آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔'' یعنی مومنو! تم اس دن کے آنے سے پہلے دشمن سے ملاقات کی تمنا کیا کرتے اور ان پر دانت پیسا کرتے اور ان سے مقابلے کی خواہش کیا کرتے تھے تو یہ آج تمھاری تمنا پوری ہو گئی، لہٰذا آؤ اور جہاد کرو اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کرو۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ ، وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا ، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ] ''دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگتے رہا کرو۔ ہاں، البتہ جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر صبر کا مظاہرہ کرو اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ ﴾ ''سو تم نے اس کو (آنکھوں سے) دیکھ لیا۔'' یعنی تلواروں کی چمک، نیزوں کی دمک، بھالوں کے ٹکرانے اور مردوں کے جنگ کے لیے صف آراء ہونے کے وقت تم نے موت کا مشاہدہ کر لیا۔ اہل منطق و بلاغت اس کو تخییل کا نام دیتے ہیں۔ اور وہ ایک غیر محسوس چیز کا ایسا مشاہدہ ہے جیسے کہ محسوس چیز کا ہو جیسا کہ بکری، بکرے کی دوستی اور بھیڑیے کی دشمنی کو محسوس کرتی ہے۔ (اسی طرح موت بھی غیر حسی چیز ہے جسے حسی کی جگہ پر لا کر کہا گیا کہ تم نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔)

① صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب: [لاتمنوا لقاء العدوّ]، حدیث:3025 وصحیح مسلم، الجهاد، باب کراهة تمنی لقاء العدوّ ......، حدیث:1742عن عبدالله بن أبی أوفی ﷺ.

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ

اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم

عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـــًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ

اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا

الشّٰكِرِيۡنَ ﴿144﴾ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ

کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا﴿144﴾ اور کوئی جاندار اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، اس نے موت کا وقت لکھا ہوا ہے اور جو کوئی دنیا کا

يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى

بدلہ چاہتا ہو تو ہم اسے دنیا ہی میں کچھ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہتا ہو تو ہم اسے آخرت میں کچھ دے دیتے ہیں

الشّٰكِرِيۡنَ ﴿145﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ

اور ہم شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دیں گے﴿145﴾ اور کتنے ہی نبی گزرے جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا، انھیں اللہ

فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿146﴾ وَمَا كَانَ

کی راہ میں جو تکلیفیں پہنچیں انھوں نے ہمت نہ ہاری اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ وہ (کافروں سے) دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا

قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ

ہے﴿146﴾ اور ان کا کہنا یہی تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ معاف کر

اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿147﴾ فَاٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ

دے۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما﴿147﴾ چنانچہ اللہ نے انھیں دنیا میں ثواب دیا اور آخرت میں بہت اچھا

الۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿148﴾ ع 15 5 6

ثواب دیا۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے﴿148﴾

تفسیر آیات: 148-144

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ: جب احد کے دن کچھ مسلمان شکست کھا گئے اور کچھ شہید ہو گئے تو شیطان نے یہ اعلان کر دیا کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ ابن ابی قمیئہ مشرکوں کے پاس آ کر کہنے لگا: میں نے محمد (ﷺ) کو شہید کیا ہے تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات اتر گئی۔ اور انھیں یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اور انھوں نے خیال کیا کہ ایسا کچھ بعید بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کر دیا گیا تھا۔ اس افواہ کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت کمزوری و بزدلی اور جنگ سے دوں ہمتی پیدا ہو گئی تو اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ ﴾ ''اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔'' یعنی نبوت و رسالت اور جواز شہادت میں وہ

آپ کے لیے اسوہ ہیں۔

ابن ابو نَجِیح نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ ایک مہاجر کا ایک انصاری کے پاس سے گزر ہوا جبکہ وہ خاک وخون میں تڑپ رہا تھا تو اس نے کہا: اے فلاں! کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ تو شہید ہو گئے ہیں، اس حالت میں بھی انصاری نے یہ سن کر کہا کہ اگر حضرت محمد ﷺ جام شہادت نوش فرما گئے ہیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچا دیا ہے، لہٰذا جاؤ اور اپنے دین کو بچانے کے لیے جہاد کرو تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ ﴾ اسے حافظ ابوبکر بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں روایت کیا ہے۔ [1]

جو لوگ اس سلسلے میں کمزوری میں مبتلا ہوئے، ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ ﴾ ''بھلا اگر انھیں موت آ جائے یا قتل کر دیا جائے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (مرتد ہو جاؤ) گے؟'' ﴿ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۝۱۴۴ ﴾ ''اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب (بڑا) ثواب دے گا۔'' یعنی ان کو جو اس کی اطاعت بجا لائیں گے، اس کے دین کی خاطر جہاد کریں گے اور اس کے رسول کی اتباع کریں گے، خواہ آپ ﷺ حیات ہوں یا وفات پا جائیں۔

صحاح، مسانید، سنن اور دیگر کتب اسلام سے متعدد سندوں سے، جو کہ تواتر کی حد تک پہنچ کر قطعیت اور علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں، ثابت ہے اور میں نے شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مسندوں میں بھی اسے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی اس وقت تلاوت کی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تھا۔ [2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام سُنح میں اپنی رہائش سے گھوڑے پر تشریف لائے اور گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آ گئے، لوگوں سے کوئی بات نہ کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کا قصد کیا، اس وقت آپ کو دھاری دار حِبَری کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس سے کپڑے کو ہٹایا، آپ پر جھک گئے، بوسہ دیا اور رونے لگ گئے اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کی قسم! اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائے گا جو موت آپ کے لیے لکھ دی گئی تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی ہے۔ [3]

امام زہری نے بطریق ابو سَلَمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آئے تو حضرت

---

① دلائل النبوة ، أبواب غزوة أحد، باب تحريض النبي ﷺ أصحابه على القتال يوم أحد......:248/3. ② صحيح البخاري، الجنائز ، باب الدخول على الميت بعد الموت......، حديث:1242,1241 و سنن النسائي، الجنائز، باب تقبيل الميت، حديث:1841 و سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، حديث:1627 عن عائشة ﷺ و صحيح ابن حبان، التاريخ، باب وفاته ﷺ: 14/587-589، حديث:6620 و جامع المسانيد والسنن، مسند أبي بكر الصديق ﷺ:120/17 و السنن الكبرى للبيهقي:406/3 و مسند أحمد:117/6. ③ صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت......، حديث:1242,1241.

عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: عمر بیٹھ جاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کیا تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اما بعد! جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تو زندہ ہے جس کو فنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ ﴾ تا ﴿ وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ﴾.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یوں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت فرمائی، لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کو حاصل کیا اور جس جس نے بھی اس آیت کو سنا تو بے ساختہ اس کی تلاوت شروع کر دی۔ حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تلاوت سنی تو میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا، میرے پاؤں مجھے اٹھا نہیں رہے تھے حتی کہ میں گر گیا۔ [1]

فرمانِ الٰہی: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ ﴾ یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا حتی کہ اپنی اس مدت کو پورا کر لے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرما رکھا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ ﴾ ''(اس نے موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ ﴾ (فاطر 35:11) ''اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ (الأنعام 6:2)

''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں اور مقرر ہے۔''

اس آیت کریمہ میں بزدلوں کو حوصلہ اور جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے اور سمجھایا جا رہا ہے کہ میدانِ کارزار میں جا کر پیش قدمی کرنے یا نہ کرنے سے عمر میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی جیسا کہ امام ابن ابو حاتم نے حبیب بن صُہبان کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حُجر بن عَدِی نامی ایک مسلمان نے کہا تھا کہ دِجلہ عبور کر کے دشمن تک پہنچنے میں آخر تمھیں کون سی بات مانع ہے؟ پھر انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ ﴾ ''اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے (اس نے موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے۔'' کی تلاوت کی اور یہ کہہ کر انھوں نے دریائے دجلہ میں اپنا گھوڑا ڈال دیا جب انھوں نے اپنا گھوڑا ڈالا تو دیگر سب لوگوں نے بھی اپنے اپنے گھوڑے ڈال دیے، دشمن نے یہ منظر دیکھا تو کہا کہ یہ تو جن اور بھوت ہیں، پھر وہ بھاگ گیا۔ [2]

اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ ﴾ ''اور جو شخص دنیا میں (اعمال کا) بدلہ چاہے اس کو ہم یہیں بدلہ دے دیں گے اور جو آخرت میں طالبِ ثواب ہو اس کو وہاں اجر عطا کریں گے۔''

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته ......، حديث: 4454. ② تفسير ابن أبي حاتم: 779/3.

یعنی جس کا عمل صرف دنیا کے لیے ہوگا تو وہ اس قدر دنیا حاصل کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھ رکھی ہوگی۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور جو اپنے عمل سے آخرت کا طلب گار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ اور ساتھ ہی دنیا میں اس کے لیے جو لکھا ہوگا، وہ بھی اسے ضرور ملے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِيۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ۝﴾ (الشورٰی 42:20) ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اس کے لیے ہم اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو، اس کو ہم اس میں سے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰىهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ۝ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝﴾ (بنی إسرآئیل 17:18،19) ''جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ ملعون ہو کر اور (اللہ کی درگاہ سے) راندہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ۝١٤٥﴾ ''اور ہم شکر گزاروں کو عنقریب (بہت اچھا) صلہ دیں گے۔'' یعنی ان کے شکر اور عمل کے مطابق ہم انھیں اپنے فضل و رحمت سے دنیا و آخرت میں اچھا بدلہ عطا کریں گے۔

احد کے دن مسلمانوں کا جو جانی نقصان ہوا تھا، اس کی وجہ سے تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ﴿وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ﴾ ''اور بہت سے نبی ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر اکثر اہل اللہ (اللہ کے دشمنوں سے) لڑے ہیں۔'' (یہ معنی موجودہ قراءت کی رو سے ہیں) یعنی قتال و جہاد میں ان کو جو مصیبتیں اور آزمائشیں پہنچیں وہ ان کی وجہ سے ضعف و استکانت کا شکار نہیں ہوئے۔ اور ایک روایت میں ﴿قٰتَلَ ۙ﴾ کو [قُتِل] پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے: ''کتنے ہی نبی شہید ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب اور اہل اللہ میں سے بھی بہت سے لوگ شہید ہوئے تھے۔'' اس قول کو امام ابن جریر نے بھی اختیار کیا ہے۔[1]

اور دوسرا قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ کتنے ہی نبیوں کے سامنے ان کے اصحاب اور اہل اللہ میں سے بہت سے لوگ شہید کیے گئے تھے۔ ''سیرت'' میں امام ابن اسحاق کا رجحان اس دوسرے قول کی طرف ہے، یعنی کتنے ہی نبیوں نے اللہ کے رستے میں اللہ کے دشمنوں سے جہاد کیا اور ان کے ساتھ بہت سے اہل اللہ بھی جہاد میں شریک تھے لیکن وہ اپنے نبی کے بعد کمزور نہ ہوئے، نہ انھوں نے اپنے دشمن کے مقابلے میں کسی دوں ہمتی کا ثبوت دیا اور نہ اللہ کے رستے میں جہاد کرنے کی وجہ سے انھیں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے وہ بزدل ہی ہوئے اور یہی صبر ہے۔

① تفسیر الطبری: 155/4.

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''[1] گویا انھوں نے ﴿ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ﴾ کو حال بنایا ہے۔ اس قول کی سُہیلی نے بھی خوب تائید کی ہے۔ اور اسے ﴿ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ ﴾ سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اموی نے بھی اپنی مغازی میں محمد بن ابراہیم کی کتاب کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا قول بیان ہی نہیں کیا۔

امام سفیان ثوری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ﴿ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ﴾ سے مراد ہے کہ کئی ہزار لوگوں نے لڑائی کی۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، سُدّی، ربیع اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ رِبِّيُّوْنَ ﴾ کے معنی ہیں بہت سی جماعتیں۔[3] امام عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ﴿ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ﴾ کے معنی ہیں بہت سے علماء۔[4] نیز آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کے معنی ہیں ایسے علماء جو صبر کرنے والے اور ابرار و اتقیاء ہوں۔[5]

﴿ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ ''تو جو مصیبتیں ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں، ان کے سبب انھوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی دکھائی نہ (کافروں سے) دبے۔'' قتادہ اور ربیع بن انس نے بیان کیا ہے کہ ﴿ وَمَا ضَعُفُوْا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اپنے نبی کے شہید ہونے کی وجہ سے ہمت نہ ہاری۔ ﴿ وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ اور نہ اپنی بصیرت اور اپنے دین سے مرتد ہوئے بلکہ انھوں نے بھی اس طرح جہاد کیا جس طرح اللہ کے نبی نے جہاد کیا تھا حتی کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے۔[6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے جزع فزع کا اظہار نہیں کیا۔[7] سُدّی اور ابن زید فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دشمن کے سامنے عاجز و درماندہ نہیں ہوئے۔[8]

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ صبر کرنے والے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور (اس حالت میں) ان کے منہ سے کوئی بات نکلتی تو یہی کہ اے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں، جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت کر۔'' یعنی ان کی عادت یہی تھی۔

﴿ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا ﴾ ''تو اللہ نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا۔'' یعنی فتح و نصرت اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ ﴿ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ﴾ یعنی دنیا کے بدلے کے ساتھ آخرت میں بھی اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

[1] السيرة النبوية لابن هشام، باب ذكر ما أنزل الله في أحد من القرآن،ذكره شجاعة المجاهدين......:118/3. [2] تفسير الطبري:156/4. [3] تفسير ابن أبي حاتم:780/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:780/3 و تفسير عبدالرزاق:415/1، رقم:467. [5] تفسير ابن أبي حاتم:781/3. [6] تفسير الطبري:159/4. [7] تفسير ابن أبي حاتم:782/3. [8] تفسير ابن أبي حاتم:782/3 و تفسير الطبري:159/4.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں پلٹا کر مرتد بنا دیں گے، پھر تم خسارہ پانے والے ہو گے (149) بلکہ اللہ تمھارا مولا ہے

خٰسِرِيۡنَ (149) بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ۚ وَهُوَ خَيۡرُ النّٰصِرِيۡنَ (150) سَنُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا

اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے (150) جن لوگوں نے کفر کیا، ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو

الرُّعۡبَ بِمَاۤ اَشۡرَكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا‌ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ‌ؕ وَبِئۡسَ

شریک ٹھہرایا ہے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے (151) یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ

مَثۡوَى الظّٰلِمِيۡنَ (151) وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ‌ۚ حَتّٰۤى اِذَا

سچ کر دکھایا جب تم (احد میں) اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کم ہمتی اختیار کی اور اپنی ذمہ داری کے بارے میں

فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ وَعَصَيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰٮكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ‌ؕ مِنۡكُمۡ

جھگڑنے لگے اور جونہی اللہ نے تمھیں وہ چیز (مال غنیمت کی جھلک) دکھائی جس سے تم محبت کرتے تھے تو تم نے نافرمانی کی (اس لیے کہ) تم میں سے

مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ‌ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ‌ۚ

کچھ لوگ دنیا کو چاہتے تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے، پھر اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ بلا

وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (152) اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰٓى

شبہ (پھر بھی) اس نے تمھیں معاف کر دیا۔ اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے (152) جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتے

اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّا ۢ بِغَمٍّ لِّـكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى

تھے، اور رسول (ﷺ) تمھیں تمھارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے' پھر اللہ نے تمھیں غم پر غم دیے تاکہ تمھیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ سے

مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ (153)

جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر تمھیں غمگین نہیں ہونا چاہیے اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھتا ہے (153)

تفسیر آیات: 153-149

کفار کی اطاعت کی ممانعت اور احد میں فتح وشکست کے اسباب: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں اور منافقوں کی اطاعت سے منع فرما رہا ہے کیونکہ ان کی اطاعت دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی کا سبب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ (149)﴾ ''اگر تم کافروں کا کہا مان لو گے تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر (کر مرتد کر) دیں گے، پھر تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسی کی اطاعت کریں، اس سے دوستی رکھیں، اسی سے مدد طلب کریں اور اسی کی ذات گرامی پر توکل رکھیں۔ ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ۚ وَهُوَ خَيۡرُ النّٰصِرِيۡنَ (150)﴾ ''(یہ تمھارے مددگار نہیں ہیں) بلکہ اللہ تمھارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان کے دشمنوں کے دلوں میں ان کا خوف ڈال دے گا اور ان کے کفر و شرک کی وجہ سے انھیں ذلیل و رسوا کر دے گا۔ اور آخرت میں بھی ان کے لیے بدترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا: ﴿ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ ﴾ ”ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمھارا رعب بٹھا دیں گے کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جس کی اس نے کوئی بھی دلیل نازل نہیں کی اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، وہ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے۔“

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُورًا، وَّ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً ، وَّأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ] ”مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئی تھیں: (1) ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ (2) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے۔ (3) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دے دیا گیا ہے۔ (4) مجھ سے پہلے ہر نبی کو بطور خاص ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور (5) مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔“[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ ﴾ ”اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔“ دن کے پہلے حصے میں ﴿ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ ﴾ ”جب تم (اُحد میں) کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔“ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان پر غلبہ عطا فرما دیا تھا۔ ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ ﴾ ”حتی کہ جب تم نے ہمت ہار دی۔“ ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اَلْفَشَل کے معنی بزدلی کے ہوتے ہیں۔[2] ﴿ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ ﴾ ”اور حکم پیغمبر میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی۔“ جیسا کہ درّے پر مقرر کردہ تیر اندازوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ﴾ ”یہاں تک کہ تم جو چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا۔“ اور وہ یہ تھا کہ تمھیں ان کے مقابلے میں کامیابی حاصل ہو۔

﴿ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا ﴾ ”بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے۔“ یعنی وہ لوگ جو کفار کی شکست دیکھتے ہی مالِ غنیمت کی طرف راغب ہو گئے ﴿ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ ”اور بعض آخرت کے طالب تھے۔ اس وقت اللہ نے تم کو ان (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔“ یعنی پھر انھیں تم پر غلبہ عطا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش و امتحان کرے۔ ﴿ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے

[1] صحیح البخاری ، الصلاة ، باب قول النبیﷺ:[جعلت لی الأرض مسجدًا و طهورًا]، حدیث:438 و صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة ،حدیث:521. [2] تفسیر الطبری:172/4.

تمھاری اس غلطی کو معاف کر دیا کیونکہ دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اس کے پاس سامان حرب کی بھی فراوانی تھی جبکہ دشمن کے مقابلے میں تمھاری تعداد بھی کم تھی اور تمھارے پاس سامان جنگ کی بھی کمی تھی۔ واللہ أعلم.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس دن مشرکوں سے ہماری مڈ بھیڑ ہوئی تو نبی ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک گروہ کو (درے پر) مقرر فرما کر عبداللہ بن جُبَیر رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا اور فرمایا: [لَا تَبرَحُوا، إِنْ رَّأَيتُمُونَا ظَهَرنَا عَلَيهِم فَلَا تَبرَحُوا، وَإِنْ رَّأَيتُمُوهُم ظَهَرُوا عَلَينَا فَلَا تُعِينُونَا] ''تم اسی جگہ پر ڈٹے رہنا، اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں فتح ہوگئی ہے تو اس جگہ سے نہ ہلنا اور اگر یہ دیکھو کہ دشمن ہم پر غالب آ گیا ہے تو پھر بھی اپنی جگہ چھوڑ کر ہماری مدد نہ کرنا۔'' ہمارا مقابلہ ہوا تو دشمن بھاگ اٹھا حتی کہ ہم نے دیکھا کہ ان کی عورتیں بھی اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے پہاڑوں کی طرف بھاگ رہی تھیں جس کی وجہ سے ان کی پازیبیں نظر آ رہی تھیں، تو اس صورت حال کو دیکھ کر درے پر مقرر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: غنیمت! غنیمت! عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلنا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ اور جب انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فتح کو شکست سے بدل دیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: کیا ان میں محمد (ﷺ) موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا تُجِيبُوهُ] ''اسے کوئی جواب نہ دو۔'' پھر اس نے کہا: کیا ابن ابوقحافہ موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا تُجِيبُوهُ] ''اسے کوئی جواب نہ دو۔'' پھر اس نے کہا: کیا ابن خطّاب موجود ہیں؟ جب مسلمانوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو کہنے لگا کہ یہ سب لوگ قتل ہو گئے ہیں، اگر زندہ ہوتے تو میری بات کا ضرور جواب دیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور کہنے لگے: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو تیرے لیے باقی رکھا ہے تاکہ تجھے غم و حزن لاحق ہو، پھر ابوسفیان نے کہا کہ ہُبَل بلند ہو! نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [أَجِيبُوهُ، قَالُوا: مَا نَقُولُ؟ قَالَ: قُولُوا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ] ''اسے جواب دو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی اعلیٰ اور اجل ہے۔'' ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے پاس عُزّیٰ ہے اور تمھارے پاس کوئی عزیٰ نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: [أَجِيبُوهُ، قَالُوا: مَا نَقُولُ؟ قَالَ: قُولُوا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ] ''اسے جواب دو، صحابۂ کرام نے عرض کی کہ اسے کیا جواب دیں؟ فرمایا: یہ کہو کہ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمھارا کوئی مولیٰ نہیں۔''

ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن جنگ بدر کے دن کا جواب ہے۔ اور لڑائی کنویں کے ڈول کی طرح ہوتی ہے، تم دیکھو گے کہ تمھارے کچھ لوگوں کا مثلہ کر دیا گیا ہے مگر اس کا میں نے حکم نہیں دیا تھا اور نہ یہ بات مجھے بری لگتی ہے۔[1] اس سند سے اس حدیث کو شیخین میں سے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة أحد، حديث: 4043 و سنن أبي داود، الجهاد، باب في الكُمناء، حديث: 2662 و مسند أحمد: 293/4. غزوۂ احد کا نقشہ ملاحظہ کیجیے: سورہ آل عمران، آیات: 121-123 کے ذیل میں۔

امام محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے ہند کی خادماؤں اور سہیلیوں کو دیکھا کہ انھوں نے پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے تھے اور وہ تیز بھاگ رہی تھیں۔ اور کسی چیز کی طرف مڑ کر نہ دیکھتی تھیں۔ اور تیر انداز اس وقت مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے لشکر کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور دشمن کے لیے ہماری پشت خالی کر دی بالآخر ہم پر پچھلی جانب سے حملہ ہو ہی گیا۔ اور چلانے والا چلایا: خبردار! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو چکے ہیں، چنانچہ ہم پلٹے اور علم برداروں تک پہنچے تو دشمن ہم پر ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ پوری قوم میں سے کوئی بھی آپ کے قریب تک نہ ہوا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مشرکین کا جھنڈا گرا ہی پڑا تھا کہ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے تھام کر قریش کے حوالے کر دیا تو وہ سب اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ ''پھر اس وقت اللہ نے تم کو ان (کے مقابلے) سے پھیر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔'' ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع نے بیان کیا ہے، جو خاندان عدی بن نجار سے تھے، وہ کہتے ہیں کہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے حضرت عمر بن خطاب اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے جو مہاجرین وانصار کے کچھ لوگوں کے ساتھ تھے اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے، انھوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں الگ تھلگ بیٹھے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو حضرت انس بن نضر نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو تم ان کے بعد زندگی کو کیا کرو گے؟ اٹھو تم بھی اسی مقصد کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر دو جس کی خاطر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان نثار فرمائی ہے، پھر وہ (انس بن نضر رضی اللہ عنہ) دشمنوں کی صفوں میں جا گھسے اور بڑی بے جگری سے لڑے حتی کہ خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ ②

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا انھیں بڑا غم تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے غزوے ہی میں شریک نہ ہو سکا، اگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (کسی جنگ میں) شرکت کا موقع عطا کیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں شجاعت کے کس طرح جوہر دکھاتا ہوں؟ چنانچہ انھیں غزوۂ احد میں شرکت کا موقع مل گیا، پھر جب انھوں نے یہ دیکھا کہ کچھ مسلمانوں نے سراسیمگی کے باعث ہتھیار ڈال دیے ہیں تو کہنے لگے: یا اللہ! ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے، میں اس کی معذرت کرتا ہوں اور مشرکوں نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، پھر وہ اپنی تلوار پکڑ کر دشمنوں کی صفوں کی طرف بڑھے۔

اس اثنا میں ان کی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: سعد کہاں جا رہے ہو؟ اللہ کی قسم! مجھے تو احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ پھر آپ دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے (حتی کہ بے شمار کافروں کو واصل جہنم کرنے کے بعد) خود بھی جام شہادت نوش فرما گئے حتی کہ میت پاک پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ ان کی بہن نے انھیں تل کے نشان یا انگلیوں کے

① السيرة النبوية لابن هشام ، حديث الزبير عن سبب الهزيمة:82/3. ② السيرة النبوية لابن هشام ، شأن أنس بن النضر:88/3.

پوروں سے پہچانا تھا کیونکہ ان کے جسم مبارک پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور بھالوں کے اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ ① جبکہ امام مسلم نے بھی اس روایت کو بطریق ثابت از حضرت انس تقریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔ ②

احد کے دن بعض مسلمانوں کی شکست: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ ﴾ ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب تم بھاگے جارہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔'' یعنی جب تم اپنے دشمنوں سے بھاگتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ امام حسن بصری اور قتادہ نے اس آیت کو اس طرح پڑھا ہے: [إِذْ تَصْعَدُونَ] تا اور عین کے فتحہ کے ساتھ، یعنی جب تم پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ ③ ﴿ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ ﴾ یعنی دہشت، خوف اور رعب کی وجہ سے کسی کو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ ﴿ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ ﴾ ''اور رسول اللہ تم کو تمھارے پیچھے سے بلا رہے تھے۔'' یعنی تم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا، وہ تمھیں پکار رہے تھے کہ دشمن سے ڈر کر مت بھاگو، واپس آؤ اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔

سُدّی بیان کرتے ہیں کہ جب مشرکوں نے احد میں مسلمانوں پر سخت حملہ کر دیا تو وہ بھاگ گئے حتی کہ بعض مدینہ میں داخل ہو گئے اور کچھ لوگ بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلا رہے اور فرما رہے تھے: [إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ، إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ] ''اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پہاڑ پر چڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کے انھیں بلانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ ﴾ ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب تم بھاگے جارہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ تم کو تمھارے پیچھے سے بلا رہے تھے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ربیع اور ابن زید نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ④

انصار و مہاجرین کا رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنا: امام بخاری رحمہ اللہ نے قَیس بن ابو حازِم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو دیکھا کہ وہ شل ہو چکا تھا کیونکہ اپنے اس ہاتھ کے ساتھ انھوں نے احد کے دن نبی ﷺ کا دفاع کیا تھا۔ ⑤ صحیحین میں ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ ان ایام میں سے احد کے دن، جن میں رسول اللہ ﷺ نے جہاد کیا تھا، آپ کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ اور سعد (بن ابو وقاص) رضی اللہ عنہما کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا۔ ⑥

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن

---

① صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة أحد، حديث:4048. ② صحیح مسلم، الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، حديث:1903. ③ تفسير الطبري:177/4 و تفسير القرطبي:239/4 و تفسير ابن أبي حاتم:790/3. ④ تفسير الطبري:178/4. ⑤ صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿ اِذۡ هَمَّتۡ طَّآٮِٕفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ الآية (آل عمران 3:122)، حديث:4063. ⑥ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر طلحة بن عبيد الله رضي الله عنه، حديث:3722 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، حديث:2414.

اپنے ترکش سے میرے لیے تیر نکالے اور فرمایا: [اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي] ''تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ نثار!'' اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔[1] اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو آدمیوں کو دیکھا جنھوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ آپ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے سخت لڑائی کر رہے تھے، میں نے ان کو اس سے پہلے یا بعد میں کبھی نہیں دیکھا وہ ان سے مراد جبریل و میکائیل علیہما السلام لے رہے تھے۔[2]

ابوالاسود نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ خاندان جُمَح کے ایک شخص اُبَی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے گا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اس قسم کے بارے میں علم ہوا تو آپ نے فرمایا: [بَلْ أَنَا أَقْتُلُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ] ''اسے تو میں ان شاء اللہ قتل کروں گا۔'' جب احد کا دن تھا تو اُبَی لوہے میں ڈوبا ہوا آیا اور کہنے لگا: ''اگر میں بچ گیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہونے سے) نہ بچ سکیں گے۔'' اس نے قتل کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا تو خاندان عبدالدار کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا سامنا کیا اور اپنی جان کو قربان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا، مصعب بن عمیر شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زرہ اور خَود کے درمیان خالی جگہ میں ہنسلی کو دیکھا تو آپ نے اپنے نیزے کے ساتھ اسے زخمی کر دیا جس کی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے نیچے زمین پر گر گیا۔

ابی بن خلف کے زخم سے خون تک نہیں نکلا تھا لیکن اس کے باوجود جب اس کے ساتھی اسے اٹھانے کے لیے اس کے پاس آئے تو وہ بیل کی طرح آوازیں نکال رہا تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ تو معمولی سی خراش ہے، تم اس قدر جزع فزع کیوں کر رہے ہو؟ تو اس نے لوگوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا ذکر کیا: [أَنَا أَقْتُلُ أُبَيًّا] ''(نہیں اُبَی مجھے نہیں بلکہ) میں اُبَی کو قتل کروں گا۔''

پھر اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت مجھے جو تکلیف ہے، اگر یہ اہل ذوالمجاز کو ہو تو وہ سب کے سب اس تکلیف کی وجہ سے مر جائیں، چنانچہ اس کے فوراً بعد ہی وہ جہنم رسید ہو گیا۔ ﴿فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ۝﴾ (الملك 11:67) ''چنانچہ دوزخیوں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔''[3] موسیٰ بن عقبہ نے بھی اپنے مغازی میں زہری کے واسطے سے سعید بن میسّب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ....﴾ (آل عمران 3:122)، حديث: 4055.
② صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ....﴾ الآية (آل عمران 3:122)، حديث: 4054 وصحيح مسلم، الفضائل، باب إكرامه ﷺ بقتال الملائكة معه ﷺ، حديث: (47,46)-2306.
③ دلائل النبوة للبيهقي، أبواب غزوة أحد، باب شدة رسول الله ﷺ في البأس ......: 259,258/3 والبداية والنهاية، فيما لقي النبي ﷺ: 33,32/4 والمصنف لعبدالرزاق: 356/5، رقم: 9731.
④ دلائل النبوة للبيهقي، أبواب غزوة أحد، باب سياق قصة خروج النبي ﷺ إلى أحد ......: 212,211/3.

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے جب رسول اللہ ﷺ کے زخم کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر زخم آیا تھا، آپ کا (انیاب اور سامنے والے دو دانتوں کے درمیان اوپر والا) دانت مبارک شہید ہو گیا تھا اور خَود سر مبارک میں پیوست ہو گیا تھا، فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ خون دھو رہی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ دیکھا کہ پانی کے ساتھ خون کے بہنے میں تو اور بھی اضافہ ہو گیا ہے تو انھوں نے چٹائی کے ایک ٹکڑے کو لے کر جلایا اور جب وہ راکھ ہو گیا تو انھوں نے اسے زخم پر رکھ دیا تو اس سے خون بہنا رک گیا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ ﴾ یعنی اس نے تمھیں غم پر غم پہنچایا مطلب یہ ہے کہ ﴿ بِغَمٍّ ﴾ میں باء بمعنی علی ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں نَزَلْتُ بِبَنِی فُلَانٍ وَّنَزَلْتُ عَلٰی بَنِی فُلَانٍ ''میں فلاں اور فلاں کے بیٹوں کے پاس بطور مہمان ٹھہرا۔'' یہاں بھی باء بمعنی علی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اسی طرح ﴿ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمۡ فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ ﴾ (طٰہٰ 20:71) کے معنی یہ ہیں کہ میں تم کو کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دوں گا۔ (یہاں فِی، عَلٰی کے معنی میں ہے۔)[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلا غم تو شکست کے سبب (اس وقت تھا جب یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ حضرت محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں) اور دوسرا غم اس وقت تھا جب مشرکوں نے آلیا۔[3] اور نبی ﷺ نے یہ دعا بھی کی تھی: [لَیۡسَ لَهُمۡ اَنۡ یَّعۡلُوۡنَا] ''اے اللہ! انھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہم سے اونچے ہوں۔''[4] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلا غم شکست کے سبب تھا اور دوسرا اس افواہ کی وجہ سے کہ حضرت محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں اور یہ غم تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے شکست سے بھی زیادہ اندوہ ناک تھا۔[5] ان دونوں روایتوں کو ابن مردویہ نے بیان کیا ہے۔

امام مجاہد کا قول ہے کہ پہلا غم اس افواہ کی وجہ سے تھا کہ حضرت محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں اور دوسرا بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید اور بعض کے زخمی ہونے کی وجہ سے تھا۔[6] جبکہ قتادہ اور ربیع بن انس کا قول اس کے برعکس ہے، یعنی پہلا غم شہید اور زخمی ہونا ہے اور دوسرا غم رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ ہے۔[7] سُدّی کہتے ہیں کہ پہلا غم فتح و غنیمت سے محرومی کی وجہ سے تھا اور دوسرا دشمن کے غالب آجانے کی وجہ سے۔[8]

اور فرمان الٰہی: ﴿ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ ﴾ ''تاکہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، اس سے تم اندوہ ناک نہ ہو۔'' یعنی مال غنیمت اور دشمن پر فتح سے جو محرومی ہوئی یا زخمی و قتل ہونے کی صورت میں جو مصیبت تم پر واقع ہوئی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن عوف، حسن، قتادہ اور سُدّی کا قول

---

① صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب لبس البیضة، حدیث: 2911 اور اس حدیث کا بعض حصہ ''صحیح بخاری'' ہی میں ہے، دیکھیے المغازی، باب ما أصاب النبی ﷺ من الجراح یوم أحد، حدیث: 4075 و صحیح مسلم، الجهاد......، باب غزوة أحد، حدیث: 1790. ② تفسیر الطبری: 179/4. ③ تفسیر الطبری: 184/4. ④ تفسیر الطبری: 181/4 عن السُّدّی. ⑤ الدر المنثور: 154/2. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم: 791/3. ⑦ تفسیر الطبری: 180/4. ⑧ تفسیر ابن أبی حاتم: 791/3.

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ

پھر اس نے (غم کے بعد) تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہوگئی اور دوسرا گروہ جس کے نزدیک

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا

ساری اہمیت اپنی ذات ہی کی تھی، وہ اللہ کے بارے میں ناحق جاہلانہ طور پر گمان کرنے لگا۔ وہ کہتے تھے: کیا اس معاملے میں ہمارا

مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا

بھی کوئی اختیار ہے؟ کہہ دیجیے: سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو آپ (ﷺ) کے سامنے ظاہر

يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ

نہیں کرسکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ کہہ دیجیے: اگر تم اپنے گھروں

كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ

میں ہوتے تو بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے، اور یہ اس لیے ہوا کہ جو کچھ تمھارے

اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور تاکہ تمھارے دلوں میں سے وسوسے صاف کر دے اور اللہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے (154)

الصُّدُوْرِ (154) اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ

بے شک جب دو لشکر (احد میں) آپس میں ٹکرائے تھے تو تم میں سے جن لوگوں نے پسپائی اختیار کی یقیناً وہ اپنی بعض کوتاہیوں کے

16 ع 7 7 الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (155) ع

سبب شیطان کے بہکاوے میں آگئے تھے اور بلاشبہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت حوصلے والا ہے (155)

ہے۔[1] ﴿ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (153) ﴾ ''اور اللہ تمھارے اعمال سے خبردار ہے۔'' سُبْحَانَهٗ وَبِحَمْدِهٖ، لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ جَلَّ وَعَلَا.

تفسیر آیات:155,154

دورانِ جنگ مومنوں پر اونگھ کا طاری کرنا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے اس احسان کو جتلا رہا ہے جب اس نے ان پر سکینت اور اونگھ کو نازل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حزن وغم کی حالت میں جبکہ انھوں نے ہتھیار پہن رکھے تھے، ان پر اونگھ کو طاری کر دیا۔ اور اس حالت میں اونگھ کا طاری ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ امن وسکون میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کے ضمن میں فرمایا ہے: ﴿ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ﴾ (الأنفال 11:8) ''جب اس نے (تمھاری) تسکین کے لیے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر دی۔''

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:792/3.

جن پر احد کے دن اونگھ طاری ہوگئی تھی حتی کہ میرے ہاتھ سے کئی بار تلوار گری اور میں اسے اٹھالیتا، وہ پھر گر جاتی اور میں اسے پھر اٹھالیتا تھا۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح کی کتاب المغازی میں ''معلقًا'' اور کتاب التفسیر میں ''مسندًا'' روایت کیا ہے۔[2] امام ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے احد کے دن اپنے سر کو اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں سے ہر شخص اونگھ کی وجہ سے اپنی ڈھال کے نیچے کی طرف جھک رہا ہے۔ یہ الفاظ امام ترمذی کی روایت کے ہیں اور انھوں نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3] امام نسائی نے بھی حضرت انس کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابوطلحہ بیان کرتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر اونگھ طاری ہوئی تھی۔[4]

﴿وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ﴾ میں اس دوسری جماعت سے مراد منافقین ہیں جنھیں اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور یہ سب سے زیادہ بزدل، کم ہمت اور حق کی مخالفت کرنے والے تھے۔ ﴿يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ﴾ ''اللہ کے بارے میں ناحق (ایامِ) جاہلیت جیسے گمان کرتے تھے۔'' یعنی یہ جھوٹے لوگ تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے بارے میں بھی شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ﴾ ''پھر اللہ نے غم ورنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی کہ اونگھ تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہوگئی۔'' یعنی ان لوگوں پر جو اہل ایمان ویقین تھے، اہل ثبات اور صحیح توکل کرنے والے تھے اور جنھیں پورا پورا وثوق تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے رسول کی مدد فرمائے گا اور ان کی امید کو برلائے گا اور اسی لیے فرمایا: ﴿وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ﴾ ''اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے۔'' اور قلق واضطراب اور گھبراہٹ وخوف کی وجہ سے ان پر اونگھ طاری نہیں تھی ﴿يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ﴾ ''اللہ کے بارے میں ناحق (ایامِ) جاہلیت جیسے گمان کرتے تھے۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿بَلۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ يَّنۡقَلِبَ الرَّسُوۡلُ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلٰٓى اَهۡلِيۡهِمۡ اَبَدًا﴾ (الفتح12:48) ''بات یہ ہے کہ تم لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اور مومن اپنے اہل وعیال میں کبھی نہیں لوٹیں گے۔''

اسی طرح جب مشرک اس گھڑی غالب آ گئے تو انھوں نے بھی یہی سمجھ لیا تھا کہ بس یہی فیصلہ کن گھڑی ہے اور اب اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا، اہل ریب وشک کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ جب بھی کسی مشکل امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس قسم کے فاسد اوہام وظنون انھیں گھیر لیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَقُوۡلُوۡنَ﴾ اور وہ اس حال میں کہتے تھے: ﴿هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَيۡءٍ﴾ ''بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا ....﴾ (آل عمران 3:154)، حديث:4068. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿اَمَنَةً نُّعَاسًا﴾ (آل عمران 3:154)، حديث:4562.
[3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة آل عمران، حديث:3007 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الأنفال:349/6، حديث:11198 والمستدرك للحاكم، التفسير، باب سورة آل عمران:297/2، حديث:3164.
[4] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الأنفال:349/6، حديث:11199.

ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ بے شک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں یہ (وہ بات) دلوں میں مخفی رکھتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کو بھی بیان فرما دیا جسے انھوں نے اپنے دل میں مخفی رکھا تھا اور وہ یہ کہ ﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ ﴾ ''کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے۔'' وہ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے چھپا کر کہتے تھے۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے، جب خوف بہت شدید ہوا تو اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت شدید خوف کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اونگھ کو طاری فرما دیا، نیند کی وجہ سے ہم میں سے ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے پر لگ رہی تھی، میں مُعَتِّب بن قُشَیر کی بات کو اس وقت اس طرح سن رہا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہوں، وہ اس وقت کہہ رہا تھا کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے، میں نے اس کی اس بات کو یاد کر لیا تھا، معتب کی اسی بات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا ہے: ﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾[1] اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ﴾ ''کہہ دیجیے: اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا، وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔'' یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ اور لکھی ہوئی تقدیر ہے اور ایسا حتمی اور لازمی فیصلہ ہے کہ جس سے کوئی مفر نہیں اور جسے کسی بھی قیمت پر ٹالا نہیں جا سکتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ ''اور تا کہ (اس سے) اللہ تمھارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اس کو خالص اور صاف کر دے۔'' یعنی جو کچھ تم پر بیتا اس کے بارے میں تمھاری آزمائش کرے تاکہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور لوگوں کے سامنے مومن اور منافق کے اقوال و افعال کے فرق کو واضح کر دے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿154﴾ ﴾ یعنی ان کے دلوں میں جو باتیں مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان سے بھی خوب آگاہ ہے۔

احد کے دن بعض مومنوں کا بھاگ جانا اور اللہ تعالیٰ کا انھیں معاف فرما دینا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ﴾ ''بے شک جو لوگ تم میں سے جبکہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں، (جنگ سے) بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا۔'' یعنی ان کے بعض سابقہ گناہوں کے سبب جیسا کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ نیکی کا ثواب بعد میں نیکی کی صورت میں اور برائی کا بدلہ بعد میں برائی کی صورت میں ملتا ہے۔

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:3/795.

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَقَالُواْ لِإِخۡوَٰنِهِمۡ إِذَا ضَرَبُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہنے لگے جب وہ سفر کے

أَوۡ كَانُواْ غُزّٗى لَّوۡ كَانُواْ عِندَنَا مَا مَاتُواْ وَمَا قُتِلُواْ لِيَجۡعَلَ ٱللَّهُ ذَٰلِكَ حَسۡرَةٗ فِي

لیے یا جہاد کے لیے نکلے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، یہ اس لیے کہ اللہ ان کی ایسی باتوں کو ان کے دلوں کا

قُلُوبِهِمۡۗ وَٱللَّهُ يُحۡيِۦ وَيُمِيتُۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ ﴿156﴾ وَلَئِن قُتِلۡتُمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ

پچھتاوا بنا دے اور اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے﴿156﴾ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ تو

أَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٞ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٞ مِّمَّا يَجۡمَعُونَ ﴿157﴾ وَلَئِن مُّتُّمۡ أَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَإِلَى

اللہ کی بخشش اور رحمت ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں﴿157﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف

ٱللَّهِ تُحۡشَرُونَ ﴿158﴾

اکٹھے کیے جاؤ گے﴿158﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدۡ عَفَا ٱللَّهُ عَنۡهُمۡۗ ﴾ ''اور یقیناً اللہ نے ان (کے گناہ) کو معاف کر دیا'' جس کا انھوں نے فرار کی صورت میں ارتکاب کیا تھا، ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٞ ﴿155﴾ ﴾ ''بے شک اللہ بخشنے والا (اور) بردبار ہے۔'' وہ گناہ معاف فرما دیتا ہے، اپنی مخلوق سے حلم و بردباری سے پیش آتا ہے اور ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتا ہے۔

امام احمد نے شقیق سے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ولید بن عقبہ سے ملاقات ہوئی تو ولید نے ان سے کہا: کیا بات ہے کہ آپ نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جفا کی ہے؟ تو عبدالرحمٰن نے ان سے (بطور طعن) کہا کہ انھیں میری طرف سے یہ بات پہنچا دیں کہ میں عَیۡنَیۡن کے دن نہیں بھاگا تھا۔ عاصم (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ آپ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں احد کے دن فرار نہیں ہوا تھا اور نہ میں بدر کے دن پیچھے رہا تھا اور نہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے کو ترک کیا ہے۔

ولید گئے تو انھوں نے حضرت عثمان کو اس کی خبر دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھوں نے جو یہ کہا ہے کہ میں جنگ احد سے نہیں بھاگا تو سوال یہ ہے کہ وہ مجھے ایسے گناہ کی وجہ سے طعنہ کیوں دیتے ہیں جسے معاف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَوَلَّوۡاْ مِنكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡتَقَى ٱلۡجَمۡعَانِ إِنَّمَا ٱسۡتَزَلَّهُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُواْۖ وَلَقَدۡ عَفَا ٱللَّهُ عَنۡهُمۡۗ ﴾ ''جو لوگ تم میں سے (احد کے دن) جبکہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں، (جنگ سے) بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا مگر اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا۔'' ہاں، انھوں نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے جنگ بدر میں شرکت نہیں کی تھی تو وہ اس لیے کہ رُقَیّہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں بیمار تھیں اور میں ان کی تیمارداری میں مصروف تھا حتی کہ وہ وفات پا گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ

غنیمت سے حصہ دیا ہو تو وہ گویا جنگ میں شریک تھا۔ اور انھوں نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے کو چھوڑ دیا ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے کے مطابق نہ تو میں عمل کر سکتا ہوں اور نہ وہ خود عمل کر سکتے ہیں، جاؤ انھیں میری یہ باتیں پہنچا دو۔ ①

تفسیر آیات:156-158

موت اور تقدیری امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں کفار سے مشابہت کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کفار کے اس فاسد اعتقاد کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے جو ان کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے اپنے ان بھائیوں کے بارے میں کہی تھی جو سفروں اور جنگوں میں فوت ہو گئے تھے کہ اگر وہ ان سفروں اور جنگوں کو اختیار نہ کرتے تو اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ ﴾ ''مومنو! ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں'' ﴿ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ جب وہ تجارت وغیرہ کے لیے سفر کریں ﴿ اَوْ كَانُوْا غُزًّى ﴾ یا جہاد میں شرکت کریں: ﴿ لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا ﴾ ''اگر وہ ہمارے پاس رہتے۔'' یعنی شہر ہی میں ﴿ مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ﴾ ''تو نہ سفر میں مرتے اور نہ (جنگ میں) مارے جاتے۔'' ﴿ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ اعتقاد اس لیے پیدا کیا تا کہ اپنے بھائیوں کی موت اور ان کے قتل ہونے پر ان کی حسرت میں اور بھی اضافہ ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ﴾ ''اور زندگی اور موت تو اللہ ہی دیتا ہے۔'' یعنی اسی کے ہاتھ میں پیدا کرنا ہے، ہر امر کا انجام اسی کی طرف ہے، اس کی مشیت و تقدیر کے بغیر نہ کوئی زندہ رہ سکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے اور اس کی قضاء و قدر کے بغیر کسی کی عمر میں نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ کمی ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ ''اور اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' اس کا علم و بصارت اس کی ساری مخلوق میں نافذ ہے اور مخلوق کے امور میں سے کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ ''اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے جاؤ تو جو (مال و متاع) لوگ جمع کرتے ہیں، اس سے اللہ کی بخشش اور رحمت (کہیں) بہتر ہے۔'' اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رستے میں قتل ہو جانا یا اللہ کی راہ میں موت کا آ جانا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت، عفو اور اس کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور یہ دنیا میں باقی رہنے اور اس کے فانی ایندھن کے جمع کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جو مر جائے یا قتل ہو جائے، اسے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانا

① مسند أحمد:68/1. اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے سے مراد آپ کی سیرت، طرزِ زندگی اور اندازِ حکمرانی ہے، کوئی خاص طریقہ مراد نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ

حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں۔ پھر جب آپ

عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿159﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ

پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴿159﴾ اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب

وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کر سکے؟ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿160﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

کرنا چاہیے﴿160﴾ یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو جو اس نے خیانت کی ہو گی اس کے ساتھ قیامت

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿161﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ

کے دن حاضر ہو گا۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا﴿161﴾ بھلا جو شخص اللہ کی رضا کے

بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿162﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

پیچھے چل رہا ہو، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضی لے کر لوٹے اور جس کا ٹھکانا جہنم ہے؟ اور وہ بدترین لوٹنے کی جگہ ہے﴿162﴾

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿163﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

ان کے لیے اللہ کے پاس درجے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے﴿163﴾ بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ

میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿164﴾

بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے﴿164﴾

النصف

ہے اور وہ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق اچھا یا برا بدلہ دے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿158﴾﴾ ''اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ تو اللہ کے حضور میں ضرور اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

تفسیر آیات: 159-164

ہمارے نبی ﷺ سراپا رحمت و شفقت تھے: اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر آپ پر اور آپ کی امت پر اپنے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو آپ کی امت کے لیے اور ان لوگوں کے لیے بے حد نرم بنا دیا تھا جنھوں نے آپ کے حکم کی اتباع کی اور جس سے آپ نے منع فرمایا، اسے ترک کر دیا تھا۔ اور اس نے آپ ﷺ

کو ان کے لیے انتہائی شیریں کلام بنا دیا۔ ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ﴾ ''(اے نبی!) اللہ کی مہربانی سے آپ کی اُفتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ کے اور ان کے شاملِ حال نہ ہوتی تو کون سی چیز آپ کو نرم دل بناتی؟

یعنی ﴿ فَبِمَا ﴾ میں ''ما'' بمعنی أَيُّ شَيْءٍ ہے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں [فَبِرَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ] ''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آپ ان کے لیے نرم دل ہو گئے ہیں۔''① یعنی ما زائدہ برائے تاکید ہے اور عرب اسے معرفہ کے ساتھ ملا کر بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ ﴾ (النسآء 4:155) میں ہے۔ اور نکرہ کے ساتھ ملا کر بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ﴿ عَمَّا قَلِيْلٍ ﴾ (المؤمنون 23:40) میں ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ﴾ أَيْ بِرَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آپ ان کے لیے نرم دل ہو گئے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت محمد ﷺ کا وہ اخلاق ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے۔②

یہ آیت کریمہ اس آیت کے مشابہ ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:128) ''بلاشبہ تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں۔ اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ ''اور اگر آپ بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔'' فَظّ کے معنی سخت کے ہیں اور یہاں مراد سخت کلام ہے کیونکہ اس کے بعد ﴿ غَلِيْظَ الْقَلْبِ ﴾ یعنی سخت دل کے الفاظ ہیں، یعنی اگر آپ کا کلام ناشائستہ ہوتا اور آپ دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے اور آپ کو چھوڑ جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں آپ کے گرد جمع کر دیا۔ اور ان کی تالیفِ قلب کے لیے آپ کے دل کو نرم بنا دیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ انھوں نے سابقہ کتابوں میں آپ کے یہ اوصاف لکھے ہوئے دیکھے ہیں کہ آپ نہ تند خو ہیں اور نہ سخت دل، نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور نہ برائی کا برائی سے بدلہ دینے والے بلکہ آپ عفو و درگزر سے کام لینے والے ہیں۔③

شوریٰ کا حکم اور اس کے مطابق عمل: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾ ''چنانچہ آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے (اللہ سے) مغفرت مانگیں اور (اپنے) کاموں میں ان سے مشورہ لیا کریں۔'' یہی وجہ ہے کہ جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو رسول اللہ ﷺ تالیفِ قلب کے لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ بطیبِ خاطر امور سرانجام دے سکیں جیسا کہ آپ نے جب جنگِ بدر کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3/800. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 3/800. ③ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ﴾ (الفتح 48:8)، حدیث: 4838.

تو (ان میں سے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے) عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ سمندر میں کودنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم بے تکلف آپ کے ساتھ سمندر میں کود پڑیں گے، اگر آپ ہمیں بَرْک غِماد تک چلنے کے لیے کہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔ اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ (اگر لڑنا ہی ضرور ہے تو) تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ آپ تشریف لے چلیں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں، ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔[1]

اسی طرح آپ نے مشورہ فرمایا تھا کہ ہم کہاں پڑاؤ ڈالیں تو منذر بن عمرو جن کا لقب اَلْمُعْنِقُ لِیَمُوتَ یعنی شوق شہادت سے سرشار تھا، انھوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں دشمن کے سامنے نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔[2] اسی طرح آپ نے احد کے دن یہ مشورہ فرمایا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر تو جمہور کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، لہٰذا اسی رائے کے مطابق آپ نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔[3] اسی طرح آپ نے خندق کے دن مشورہ فرمایا تھا کہ کیا ان لشکروں کے ساتھ مدینہ کے اس سال کے پھلوں کے ایک تہائی پر صلح کر لی جائے تو حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا تو آپ نے اس مشورے کے مطابق اس تجویز کو ترک فرما دیا۔[4]

اسی طرح حدیبیہ کے دن آپ نے مشرکوں کی اولاد پر حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم تو صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اتفاق فرمایا۔[5] اسی طرح واقعۂ اِفک کے سلسلے میں آپ نے فرمایا تھا: [(أَشِيرُوا عَلَيَّ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ) فِي أُنَاسٍ أَبَنُوا أَهْلِي ، وَايْمُ اللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ قَطُّ، وَأَبَنُوهُمْ، بِمَنْ ؟ وَاللّٰهِ ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ (إِلَّا خَيْرًا)] ''مسلمانو! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنھوں نے میرے اہل پر افترا پردازی کی ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں کوئی بری بات نہیں جانتا، پھر انھوں نے الزام تراشی بھی کس پر کی ہے؟ اللہ کی قسم! میں تو اسے بہتر ہی جانتا ہوں۔''[6]

---

① ملخص از مسند أحمد: 219/3 و دلائل النبوة للبیهقي، أبواب غزوة بدر العظمٰی، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ علی المشرکین ......: 45/3. ② کتب احادیث، تاریخ اور سِیَر میں اس حوالے سے کہ منذر بن عمرو المعنق لیموت نے یہ مشورہ دیا ہو، اس کا تذکرہ ہمیں نہیں ملا، البتہ بعض کتب میں اس طرح کا واقعہ اِنھی کے ماموں یعنی حُباب بن منذر سے ملتا ہے، دیکھیے الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 567/3 و السیرة النبویة لابن هشام، مشورة الحباب علی رسول الله ﷺ: 620/2. ③ الدر المنثور: 121/2. ④ ملخص از السیرة النبویّة لابن هشام، همّ الرسول ﷺ بعقد صلح بینه و بین غطفان ثم عدل 234/3. ⑤ ملخص از: صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة الحدیبیة، حدیث: 4179,4178. ⑥ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ ﴾ (النور 24:19، 20)، حدیث: 4757 و صحیح مسلم، التوبة، باب في حدیث الإفك وقبول توبة القاذف، حدیث: (58)-2770 جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ المعجم الکبیر للطبراني: 106/23، قصة الإفك......، حدیث: 149 اور دوسری قوسین والے الفاظ صحیح البخاري، الشهادات، باب: إذا عدل رجل رجلا ......، حدیث: 2637 عن عائشة رضی اللہ عنہا میں ہیں۔

آپ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے (براءت سے قبل) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں بھی مشورہ کیا تھا۔① بہر حال آپ جنگوں وغیرہ کے موقع پر تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بطور خاص مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ] ''جس سے مشورہ طلب کیا جائے، اسے امین سمجھا جاتا ہے۔''② اور اسے امام ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔③

مشورے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''پھر جب آپ (کسی کام کا) عزمِ مصمّم کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں۔'' یعنی جب آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرلیں اور کسی کام کا عزم مصمم کرلیں تو پھر اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کریں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ ﴾ ''بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اگر اللہ تمھارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمھاری مدد کرے؟ اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''

یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسا کہ پہلے یہ ارشاد باری تعالیٰ گزر چکا ہے: ﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾ (آل عمران 126:3) ''اور مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی کی ذات گرامی پر توکل کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''

خیانت کرنا نبی کی شان نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور کئی ایک ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی نبی کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔④ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ ایک سرخ چادر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر کے دن گم ہوگئی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لیا ہو اور جب یہ بات انھوں نے کہی تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ (اللہ کے) پیغمبر خیانت کریں اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے

① صحيح البخاري، الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضًا، حديث:2661 مطوّلًا. ② سنن ابن ماجه، الأدب، باب المستشار مؤتمن، حديث:3754. ③ سنن أبي داود، الأدب، باب في المشورة، حديث:5128 وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن المستشار مؤتمن، حديث:2822. ④ تفسير ابن أبي حاتم:803/3.

روبرو) حاضر کرنی ہوگی۔‘‘[1] اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[2] اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے پیغمبر صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ کو ادائے امانت اور تقسیمِ غنیمت میں ہر قسم کی خیانت سے پاک قرار دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ ﴾ ’’اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے روبرو) حاضر کرنی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی۔‘‘ اس آیتِ کریمہ میں خیانت کرنے سے بہت شدید خوف دلایا گیا ہے اور اس سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ بہت سی احادیثِ مبارکہ میں بھی خیانت کی ممانعت آئی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَعْظَمُ الْغُلُولِ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ذِرَاعٌ مِّنَ الْأَرْضِ، تَجِدُونَ الرَّجُلَيْنِ جَارَيْنِ فِي الْأَرْضِ أَوْ فِي الدَّارِ، فَيَقْتَطِعُ أَحَدُهُمَا مِنْ حَظِّ صَاحِبِهِ ذِرَاعًا ، فَإِذَا اقْتَطَعَهُ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ’’اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑی خیانت ایک ہاتھ زمین ہوگی، تم دیکھتے ہو کہ دو آدمی زمین یا گھر کے اعتبار سے پڑوسی ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے حصے میں سے ایک ہاتھ زمین قطع کر لیتا ہے تو اس ایک ہاتھ زمین کے عوض اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔‘‘[3]

امام احمد نے حضرت ابوحُمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان أَزْد کے ایک شخص کو زکاۃ کا عامل بنا کر بھیجا، جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال تو تمھارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے فرمایا: [مَا بَالُ الْعَامِلِ نَبْعَثُهُ فَيَجِيءُ فَيَقُولُ: هٰذَا لَكُمْ ، وَ هٰذَا أُهْدِيَ لِي، أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى إِلَيْهِ أَمْ لَا ؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! لَا يَأْتِي أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنْهَا بِشَيْءٍ إِلَّا جَآءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ ، إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَّهُ رُغَاءٌ ، أَوْ بَقَرَةً لَّهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْنَا عُفْرَةَ يَدَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ ! هَلْ بَلَّغْتُ، ثَلَا ثًا] ’’اس عامل کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اسے بھیجتے ہیں اور جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تو تمھارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے! وہ اپنے باپ اور ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا، پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ اس ذاتِ اقدس کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان جس کے ہاتھ میں ہے! جو شخص بھی کسی چیز کی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر ہوگی، اگر اونٹ ہوگا تو وہ بلبلا رہا ہوگا، گائے ہوگی تو وہ ڈکرا رہی ہوگی

[1] تفسیر الطبری:206/4. [2] سنن أبی داود، الحروف والقراءات، باب:1، حدیث:3971 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، حدیث:3009. [3] مسند أحمد:140/4.

اور اگر بکری ہوگی تو وہ ممیار ہی ہوگی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھایا حتی کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا اور تین بار فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟“

ہشام بن عروہ نے یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ ابو حُمید نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا تھا، بے شک تم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ لو۔[1] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن (جامع) کی کتاب الأحکام میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا۔ اور جب میں روانہ ہو گیا تو آپ نے مجھے واپس بلایا، میں جب واپس آ گیا تو آپ نے فرمایا: [أَتَدرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيكَ؟ لَا تُصِيبَنَّ شَيئًا بِغَيرِ إِذْنِي ، فَإِنَّهُ غُلُولٌ ﴿ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ ، فَامْضِ لِعَمَلِكَ] ”کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمھیں واپس کیوں بلایا ہے؟ بات یہ ہے کہ میری اجازت کے بغیر کسی چیز کو اپنے پاس نہ رکھنا کیونکہ یہ خیانت ہے (اور خیانت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ﴿ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ”اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے روبرو) حاضر کرنی ہوگی۔“ میں نے اسی لیے بلایا تھا بس اب تم اپنے کام کے لیے روانہ ہو جاؤ۔“[3] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے اور آپ نے خیانت کا ذکر فرمایا اور اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا اور فرمایا:

[لَا أُلْفِيَنَّ يَجِيءُ أَحَدُكُم يَومَ القِيامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ بَعِيرٌ لَّهٗ رُغَاءٌ ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ يَجِيءُ أَحَدُكُم يَومَ القِيامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَّهَا ثُغَاءٌ، فَيَقُولُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُم يَجِيءُ يَومَ القِيامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَّهَا حَمْحَمَةٌ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِي ، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيئًا ، قَدْ أَبْلَغْتُكَ ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُم يَجِيءُ يَومَ القِيامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَّهَا صِيَاحٌ، فَيَقُولُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ يَجِيءُ أَحَدُكُم يَومَ القِيامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ يَجِيءُ أَحَدُكُم يَومَ القِيامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ : لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ]

---

① مسند أحمد:423/5. ② صحيح البخاري ، الهبة وفضلها...... ، باب من لم يقبل الهدية لعلة؟ حديث:2597 و صحيح مسلم ، الإمارة ، باب تحريم هدايا العمال ، حديث:1832. اوران دونوں میں [يديه] کے بجائے [إبطيه] ہے۔
③ جامع الترمذي ، الأحكام ، باب ماجاء في هدايا الأمراء ، حديث:1335.

’’میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر اونٹ ہو جو بلبلا رہا ہو اور وہ عرض کرے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر بکری ہو جو ممیا رہی ہو، اور وہ عرض کرے: اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو روزِ قیامت ایسے نہ پاؤں کہ وہ آئے اور اس کی گردن پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو اور وہ عرض کرے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر مقتول (یا مالِ غنیمت سے چوری کیا ہوا غلام ہو جو) چلّا رہا ہو، اور وہ کہے: اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں تو میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کپڑے حرکت کر رہے ہوں اور وہ عرض کرے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر سونا چاندی ہو اور وہ عرض کرے: اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔‘‘[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام احمد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ خیبر کے دن کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور انھوں نے کہا کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے حتی کہ ایک شخص کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ وہ بھی شہید ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : يَا ابْنَ الْخَطَّابِ ! اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ : إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ، قَالَ : فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ : أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ] ’’ہرگز نہیں! کیونکہ میں نے اسے اس چادر یا عبا کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے جس کی اس نے خیانت کی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا: (لوگو) خبردار! جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔‘‘[3] اسی طرح امام مسلم و ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[4] اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔

---

① مسند أحمد:426/2. ② صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب الغلول و قول الله عزوجل: ﴿ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾، حديث:3073 و صحيح مسلم، الإمارة، باب غلظ تحريم الغلول، حديث:1831. ③ مسند أحمد:30/1. ④ صحيح مسلم، الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول وأنّه لايدخل الجنة إلاالمؤمنون، حديث:114 وجامع الترمذى، السير، باب ماجاء فى الغلول، حديث:1574.

امین اور خائن برابر نہیں ہو سکتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿162﴾ ﴾ ''بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو، وہ اس شخص کی طرح (مرتکب خیانت) ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناخوشی میں گرفتار ہو؟ اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی جو شخص اللہ کی شریعت کی پابندی کر کے اس کی خوشنودی کا طلب گار ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے بے پایاں اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔ اور عذاب الٰہی سے اسے بچا لیا جائے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ٹھہرا اور اسے عذاب الٰہی میں مبتلا کر دیا گیا تو وہ اس سے بچ نہیں سکے گا۔ اور اس کا ٹھکانا قیامت کے دن جہنم ہو گا جو بدترین ٹھکانا ہے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ﴾ (الرعد19:13) ''بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے حق ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (القصص61:28) ''بھلا جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا اور اس نے اسے حاصل کر لیا تو کیا وہ اس شخص کا سا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کے فائدے سے بہرہ مند کیا؟''

پھر فرمایا: ﴿ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''ان لوگوں کے اللہ کے ہاں (مختلف اور متفاوت) درجے ہیں۔'' امام حسن بصری اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اہل خیر اور اہل شر کے درجات مختلف ہوں گے۔① ابو عبیدہ اور کسائی فرماتے ہیں (کہ اہل خیر کے جنت میں) منازل اور درجات متفاوت ہوں گے جبکہ اہل شر کے جہنم میں طبقات مختلف ہوں گے۔② جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ ﴾ (الأحقاف19:46) ''اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿163﴾ ﴾ ''اور اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔'' اور ان کا پورا پورا انھیں بدلہ دے گا، نہ تو کسی کی نیکی میں کمی کرے گا اور نہ کسی کی برائی میں اضافہ کرے گا بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت ایک عظیم نعمت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ یعنی اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، یعنی انھی کی جنس میں سے تاکہ وہ آپ ﷺ سے مخاطب ہو سکیں، آپ سے بوقت ضرورت سوال کر سکیں، آپ کی ہم نشینی اختیار کر سکیں اور آپ کی ذات گرامی سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا ﴾ (الروم21:30) ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ تم ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو۔'' أَيْ مِنْ جِنْسِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھاری عورتوں کو

---

① تفسير ابن أبي حاتم:807/3 و تفسير الطبري:216/4. ② تفسير القرطبي:263/4.

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ

بھلا تمھارا کیا حال ہے جب (احد میں) تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حالانکہ (بدر میں) تم نے اس سے دگنی مصیبت کافروں

عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿165﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ

کو پہنچائی تھی۔ کہہ دیجیے کہ یہ مصیبت تمھاری اپنی لائی ہوئی ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿165﴾ اور احد کے دن جب دونوں لشکر باہم ٹکرائے تو

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿166﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

تمھیں جو (نقصان) پہنچا وہ اللہ کے حکم سے تھا، اور اس لیے تھا کہ اللہ جان لے کہ مومن کون ہیں ﴿166﴾ اور یہ بھی جان لے کہ منافق کون ہیں اور ان

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ

منافقوں سے کہا گیا تھا: آؤ! اللہ کے راستے میں لڑو یا (شہر کا) دفاع کرو۔ انھوں نے کہا: اگر ہمیں جنگ ہونے کا یقینی علم ہوتا تو ہم ضرور تمھارے ساتھ

يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

چلتے۔ وہ اس روز ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اللہ وہ بات خوب جانتا

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿167﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ

ہے۔ جسے وہ چھپاتے ہیں ﴿167﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو پیچھے بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں سے (جو لڑائی میں مارے گئے) کہنے لگے: اگر وہ ہماری بات مانتے

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿168﴾

تو قتل نہ ہوتے۔ ان سے کہہ دیجیے: اگر تم اس بات میں سچے ہو تو اپنی موت آنے پر اسے ٹال کر دکھانا ﴿168﴾

تمھاری ہی جنس سے پیدا فرمایا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ﴾ (الکھف 110:18) ''کہہ دیجیے: میں تمھاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ (الفرقان 20:25) ''اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ ﴾ (یوسف 109:12) ''اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ﴾ (الأنعام 130:6) ''اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تمھی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے؟''

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے لیے انھی میں سے رسول بھیجا تاکہ یہ آپ سے مخاطب ہو سکیں اور آپ کے ارشادات کو سمجھنے کے لیے آپ کی طرف رجوع کر سکیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ ''جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔'' یعنی قرآن مجید کی آیتیں ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ ''اور ان کو پاک کرتے ہیں۔'' یعنی انھیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع فرماتے ہیں تاکہ ان کے نفس پاک ہو جائیں اور ان کے دل اس نجاست و خباثت

سے صاف ہو جائیں جس سے وہ حالت شرک و جہالت میں آلودہ تھے۔ ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور وہ ان کو (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔'' یعنی قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ یعنی اس رسول سے پہلے ﴿ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''تو یہ (لوگ) صریح گمراہی میں تھے۔'' یعنی ایسی سرکشی و جہالت میں جو ہر ایک کے لیے ظاہر و جلی اور بالکل واضح تھی۔

تفسیر آیات:165-168

احد کے دن کے مصائب کا سبب اور حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ ''(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب تم پر مصیبت واقع ہوئی۔'' یہ احد کے دن ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی طرف اشارہ ہے ﴿ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ﴾ ''حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمھارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے۔'' کہ تم نے بدر کے دن ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر کو قید کر لیا تھا۔ ﴿ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ﴾ ''تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آ پڑی؟'' ﴿ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے: یہ تمھاری ہی شامتِ اعمال ہے'' کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ...... پھر اگلے سال جب احد کا دن تھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی سزا ملی جو انھوں نے بدر کے دن فدیہ قبول کر لیا تھا، اس کے نتیجے میں ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹ گئے، آپ کا دانت مبارک شہید ہو گیا، خود سر مبارک میں دھنس گیا اور آپ کے چہرۂ انور پر خون بہنے لگا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''(بھلا) کیا (بات ہے کہ) جب (احد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی، حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمھارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آ پڑی؟ کہہ دیجیے: یہ تمھاری شامت اعمال ہے'' کہ تم نے (بدر کے موقع پر) فدیہ لے لیا تھا۔[1]

محمد بن اسحاق، ابن جریج، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یہ اس سبب سے کہ تم نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی جب آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا مگر تم نے نافرمانی کی اور اس جگہ کو چھوڑ دیا۔[2] یہ تیراندازوں کے درہ خالی چھوڑ دینے کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرماتا ہے، اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتا ہے اور کوئی اس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا۔

---

① مسند أحمد:30/1 و 32/1 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. اور مزید دیکھیے آل عمران، آیت:153 کے ذیل میں۔ ② تفسیر الطبری:220/4 و تفسیر ابن أبي حاتم:810/3.

پھر فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو اللہ کے حکم سے (واقع ہوئی۔)'' یعنی تم جو دشمن کے سامنے بھاگ اٹھے اور اس نے تم میں سے ایک جماعت کو شہید کر دیا اور کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور اس کی حکمت کے مطابق تھا۔ ﴿ وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ ''اور (اس سے یہ مقصود تھا) تاکہ اللہ مومنوں کو اچھی طرح معلوم کر لے'' کہ کون ہیں جو صبر کرتے، ثابت قدم رہتے اور متزلزل نہیں ہوتے ہیں؟ ﴿ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ۚۖ وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰكُمۡ ؕ ﴾ ''اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے اور (جب) ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کے رستے میں جنگ کرو یا (کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ رہتے۔'' اس سے عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے وہ ساتھی مراد ہیں جو راستے ہی سے واپس آ گئے تھے [1] تو کچھ مومنوں نے ان کا پیچھا کیا اور انھیں لوٹ آنے، جنگ کرنے اور مسلمانوں کی مدد کرنے کی ترغیب دی۔ [2]

اسی لیے فرمایا ﴿ اَوِ ادۡفَعُوۡا ﴾ ''یا (کافروں کے) حملوں کو روکو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوصالح، حسن اور سُدِّی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر ان کی تعداد میں اضافے کا سبب بنو۔ [3] حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ دعا کے ساتھ کافروں کے حملوں کو روکو۔

اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کے مقابلے کے لیے مورچوں پر جمے رہو۔ [4] تو انھوں نے اس کے جواب میں یہ عذر پیش کیا: ﴿ لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰكُمۡ ﴾ ''اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ رہتے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہمیں یہ خبر ہوتی کہ تم لڑائی کرو گے تو ہم آ جاتے لیکن تم لڑائی نہیں کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ﴾ ''یہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔'' اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کسی حال میں وہ کفر کے زیادہ قریب ہو سکتا ہے اور کسی حال میں وہ ایمان کے زیادہ قریب ہو سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ ﴾ ''وہ مونہوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔'' یعنی وہ ایک بات تو کہتے ہیں مگر اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے اور ان کی زبانی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ رہتے۔'' حالانکہ انھیں یہ یقین تھا کہ دور دراز کے علاقوں سے کافروں کا یہ جو لشکرِ جرار آیا ہے، یہ مسلمانوں سے زبردست معرکہ آرائی کرے گا کیونکہ یہ جنگ بدر میں اپنے قتل، زخمی اور قیدی ہونے والے آدمیوں کا بدلہ لینے کے لیے آیا ہے، لہٰذا انھیں یقین تھا کہ ان دونوں لشکروں کے مابین جنگ ضرور ہوگی، اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ﴾ ''اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں، اللہ اس سے

[1] السيرة النبوية لابن هشام، ذكر ما أنزل الله في أحد من القرآن، ذكره المصيبة التي أصابتهم:125/3. [2] تفسير الطبري:223/4، 224. [3] الدر المنثور:167/2 و تفسير الطبري:224/4. [4] تفسير الطبري:224/4.

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ۙ﴿169﴾

ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو، جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے ﴿169﴾

فَرِحِيۡنَ بِمَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۙ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ

جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان

خَلۡفِهِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿170﴾ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وقف لازم

سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿170﴾ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل

وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚۛ﴿171﴾ اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ ع 17 16 8

عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿171﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے

مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۚ﴿172﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ

کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا، ان میں سے جو لوگ نیکوکار اور پرہیزگار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿172﴾ انھی سے

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَـكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا

لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کردیا

اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿173﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ

اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے ﴿173﴾ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی نقصان

وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿174﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ص

نہ پہنچا، اور انھوں نے پیروی کی اللہ کی رضا کی، اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ﴿174﴾ یہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے،

فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿175﴾

پس تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو ﴿175﴾

خوب واقف ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ ﴾ ''یہ خود تو (جنگ سے بچ کر) بیٹھ ہی رہے تھے مگر (جنھوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کردیں) اپنے (ان) بھائیوں کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔'' یعنی اگر وہ ہمارے مشورے پر عمل کرتے، گھروں میں بیٹھے رہتے اور میدان جنگ میں نہ جاتے تو قتل ہونے سے بچ جاتے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿168﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دینا۔'' یعنی اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھے رہنے سے قتل یا موت سے بچ سکتا ہے تو پھر تمھیں مرنا نہیں چاہیے لیکن تمھیں موت تو ہر صورت میں آ کر رہے گی، خواہ تم مضبوط و مستحکم قلعوں میں کیوں نہ چھپ جاؤ اور اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے موت کو ٹال کر دکھاؤ!

امام مجاہد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔①

تفسیر آیات:169-175

شہداء کی فضیلت: اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ وہ دنیا میں قتل ہو گئے ہیں لیکن جنت میں ان کی روحیں زندہ ہیں اور انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تھا:

[أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ ، لَّهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ ، تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَ تْ ، ثُمَّ تَأْوِي إِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً ، فَقَالَ : هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا ؟ قَالُوا : أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي وَ نَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا ؟ فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُّتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُّسْأَلُوا ، قَالُوا : يَا رَبِّ ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى، فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَّيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ ، تُرِكُوا]

''ان (شہداء) کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں اور ان کے لیے عرش الٰہی کے ساتھ قندیلیں معلق ہوتی ہیں اور جنت سے جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں، پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی انھی قندیلوں کو اپنا ٹھکانا بنا لیتی ہیں۔ تب ان کا پروردگار ان کی طرف دیکھتا ہے اور فرماتا ہے: کیا تم کچھ چاہتے ہو؟ تو یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم اور کیا چاہیں کہ ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ یہ تین بار فرمائے گا۔ پھر جب وہ یہ دیکھیں گے کہ جب تک یہ کوئی سوال نہ کریں، انھیں چھوڑا نہیں جا رہا تو یہ عرض کرتے ہیں: یا رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ تیرے رستے میں ہم ایک بار پھر شہید ہو جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت و حاجت باقی نہیں رہی تو انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔''② اسی طرح کی احادیث حضرت انس رضی اللہ عنہ③ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں۔④

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ نَّفْسٍ تَمُوتُ ، لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ ، يَّسُرُّهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيدُ ، فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرٰى، لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ] ''شہید کے سوا اور کوئی ایسا نہیں کہ جو فوت ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بہتری و بھلائی ہو،

① تفسير الطبرى:226/4. ② صحيح مسلم، الإمارة، باب بيان أن أرواح الشهداء فى الجنة ......، حديث:1887.
③ صحيح مسلم ، الإمارة، باب فضل الشهادة فى سبيل الله تعالى، حديث:1877عن أنس رضی اللہ عنہ. ④ صحيح مسلم، الإمارة ، باب بيان ما أعده الله تعالى للمجاهد فى الجنة، حديث:1884 عن أبى سعيد رضی اللہ عنہ.

پھر بھی وہ دنیا لوٹنا پسند کرے لیکن شہید کو دنیا میں دوبارہ واپس جانا ضرور پسند ہوگا، شہادت کی فضیلت کی وجہ سے (وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ ایک بار پھر دنیا میں جائے اور) دوبارہ شہید ہو جائے۔''① اس روایت کو (شیخین میں سے صرف) امام مسلم ہی نے بیان کیا ہے۔②

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ ، جَعَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَرْوَاحَهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ ، تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِي إِلٰى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَشْرَبِهِمْ وَ مَأْكَلِهِمْ ، وَحُسْنَ مُنْقَلَبِهِمْ قَالُوا: يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُونَ بِمَا صَنَعَ اللّٰهُ لَنَا ، لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوا عَنِ الْحَرْبِ ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ عَلٰى رَسُولِهِ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ١٦٩﴾] ''جب تمھارے بھائی احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے قالبوں میں کر دیا جو جنت کی نہروں پر آتیں، جنت کے پھلوں کو کھاتیں اور عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں کے پاس ٹھہر جاتی ہیں۔ جب انھوں نے اپنے پاکیزہ کھانے اور پینے کو دیکھا اور اپنے حسن انجام کو ملاحظہ کیا تو کہنے لگے کہ اے کاش! ہمارے بھائیوں کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا اچھا سلوک فرمایا ہے تاکہ وہ جہاد سے غافل ہو کر جنگ سے منہ نہ موڑ لیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھارا یہ پیغام میں پہنچا دیتا ہوں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ١٦٩﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ سمجھنا بلکہ (مردہ نہیں ہیں) اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔''③ امام قتادہ، ربیع اور ضحاک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ آیات شہدائے احد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔④

امام ابوبکر بن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: [(يَا جَابِرُ!) مَالِي أَرَاكَ مُهْتَمًّا ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قُتِلَ أَبِي، وَتَرَكَ دَيْنًا وَّعِيَالًا ، فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، وَّإِنَّهُ كَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا، فَقَالَ:يَا عَبْدِي! سَلْنِي أُعْطِكَ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ أَنْ تَرُدَّنِي إِلَى الدُّنْيَا فَأُقْتَلَ فِيكَ ثَانِيًا، فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ سَبَقَ مِنِّي: أَ نَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ ، قَالَ : يَا رَبِّ ! فَأَبْلِغْ مَنْ وَّرَائِي، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ﴾] ''کیا بات ہے تم کچھ افسردہ نظر آتے ہو؟ تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد (غزوۂ احد

① مسند أحمد:126/3. ② صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله تعالى، حديث:1877.
③ مسند أحمد:266,265/1 اور بعض نسخوں میں [منقلبهم] کے بجائے [مقيلهم] ہے۔ ④ تفسير الطبري:229/4.

میں) شہید ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنے پیچھے قرض اور کثیر بچے چھوڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا: عبداللہ! میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کبھی کسی سے کلام فرمایا تو پس پردہ ہی فرمایا ہے مگر تمھارے باپ سے اللہ تعالیٰ نے روبرو کلام کیا اور فرمایا: اے میرے بندے! تم جو چاہو مانگو میں تمھیں دوں گا تو تمھارے باپ نے کہا: اے اللہ! میں یہ سوال کرتا ہوں کہ ایک بار پھر مجھے دنیا میں لوٹا دے تاکہ تیرے رستے میں دوبارہ شہید ہو جاؤں تو اللہ عزوجل نے فرمایا: میں پہلے سے یہ بات فرما چکا ہوں کہ یہاں آنے والوں کو دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جائے گا تو عبداللہ نے عرض کی: اللہ! میرے پیچھے رہ جانے والوں کو میرا پیغام پہنچا دے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ ﴾.①

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقِ نَهْرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ ، فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ ، يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا] ''شہداء جنت کے دروازے پر، نہر کے کنارے سبز رنگ کے قبے میں ہوں گے اور انھیں صبح وشام جنت سے رزق ملے گا۔'' اس حدیث کے بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔② اسے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی (کئی طرق سے) بیان کیا ہے۔③ اس حدیث کی سند جید ہے۔

معلوم ہوتا ہے گویا شہداء کی کئی قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں جن کی روحیں جنت میں آتی جاتی ہیں اور دوسرے وہ ہوں گے جو جنت کے دروازے پر اس نہر کے کنارے ہوں گے، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس نہر کے پاس آ کر ان کی سیر ختم ہو جاتی ہو، پھر وہ یہاں جمع ہو جاتے ہوں اور یہاں انھیں صبح وشام رزق دیا جاتا ہو۔ واللّٰه أعلم.

مسند امام احمد میں ایک ایسی حدیث بھی ہے جس میں ہر مومن کے لیے یہ بشارت ہے کہ اس کی روح جنت میں آئے جائے گی، جنت کے پھلوں کو کھائے گی، جنت کے جلووں کا نظارہ کرے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عزت وکرامت کے جو سامان تیار فرما رکھے ہوں گے، ان کا مشاہدہ کرے گی۔ اس حدیث کی سند صحیح عزیز اور عظیم ہے کیونکہ اس میں ائمۂ اربعہ میں سے تین موجود ہیں، چنانچہ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ سے اور انھوں نے اسے امام مالک بن انس اصبحی رحمہ اللہ سے، انھوں نے اسے امام زہری سے اور انھوں نے اسے عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے اور انھوں نے اسے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَّعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ إِلٰى جَسَدِهِ يَوْمَ يَبْعَثُهُ] ''یقیناً مومن کی روح ایک پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں سے (پھل) کھاتی رہتی ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے اس دن اس کے جسم میں لوٹا دے گا جب اسے اٹھائے گا۔''④

---

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران ، حديث:3010 ودلائل النبوة للبيهقي، أبواب غزوة أحد، باب ماجرى بعد انقضاء الحرب......:298/3 واللفظ له. جبکہ [ياجَابِرُ!] جامع الترمذي و مسند أحمد:361/3 ومسند أبي يعلى: 6/4، حدیث:2002 میں ہے۔ ② مسند أحمد:266/1. ③ تفسير الطبري:228/4. ④ مسند أحمد:455/3 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر القبر والبلى، حديث:4271.

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عام مومن کی روح جنت میں پرندے کی شکل میں ہوگی۔ جبکہ شہداء کی ارواح جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے سبز رنگ کے پرندوں کے قالبوں میں ہوں گی۔ ① اور عام مومنوں کی روحیں جو خود اڑتی ہوں گی ان کی نسبت یہ ستاروں کے مانند ہوں گی۔ ہم اللہ کریم ومنان سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے!

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس پر وہ خوش ہیں۔'' یعنی وہ شہداء جنھوں نے اللہ کے رستے میں جام شہادت نوش کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جن نعمتوں اور رحمتوں سے سرفراز فرما رکھا ہے، ان سے وہ خوش ہیں۔ اور اپنے ان بھائیوں کی وجہ سے بھی خوشیاں منا رہے ہیں جو ان کے بعد اللہ کے رستے میں شہید ہوں گے کیونکہ وہ بھی ان کے پاس آ جائیں گے، انھیں بھی اپنے سامنے کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے دنیوی مال واسباب پر کوئی غم کریں گے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت عطا فرمائے!

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اصحابِ بئر مَعُونہ، یعنی ان ستر انصار صحابہ کے بارے میں روایت ہے جنھیں ایک ہی دن میں شہید کر دیا گیا تھا۔ اور جنھوں نے ان کو شہید کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت میں ان کے لیے بددعا اور لعنت بھی فرمائی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن مجید میں یہ الفاظ بھی نازل ہوئے تھے جو بعد میں منسوخ ہو گئے تھے: [بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا أَنَّا لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا] ''ہماری طرف سے ہماری قوم تک یہ بات پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب سے اس طرح ملاقات کی ہے کہ وہ ہم سے خوش ہے اور اس نے ہمیں بھی خوش کر دیا ہے۔'' ②

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾ ﴾ ''اللہ کے انعامات اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں اور اس سے کہ یقیناً اللہ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔'' امام محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو پورا فرماتے ہوئے انھیں بے پایاں اجر وثواب سے نوازا تو وہ اس سے بے حد خوش و خرم ہو گئے۔ ③ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ شہداء وغیر شہداء تمام مومن اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں اور کم ہی ایسا ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فضل وثواب کا ذکر فرمایا ہو جس سے اس نے اپنے انبیائے کرام کو نوازا، پھر اس کے بعد اپنے اس فضل ورحمت کا ذکر نہ کیا ہو جس سے اس نے اپنے مومن بندوں کو سرفراز فرمایا ہے۔ ④

غزوۂ حمراء الأسد کا ذکر اور اس میں شریک ہونے والوں کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ ﴾ ''جنھوں نے باوجود زخم کھانے کے اللہ اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا۔'' یہ حمراء الأسد والے دن کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ مشرک مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے بعد جب (جنگ احد سے)

---

① دیکھیے: اسی عنوان کا ابتدائی حصہ۔ ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الرجيع، ورعل وذكوان ......، حديث: 4090 و صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب القنوت في جميع الصلوٰت ......، حديث: 677. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 815/3. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 815/3 و الدرالمنثور: 171/2.

اپنے علاقوں کی طرف واپس جا رہے تھے تو انھوں نے راستے میں اس بات پر ندامت اور افسوس کا اظہار کیا کہ وہ مدینہ کا قصد کر کے اس جنگ کو فیصلہ کن کیوں نہ قرار دے سکے؟

جب رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کا علم ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو ان کا تعاقب کرنے کے لیے حکم دیا تاکہ انھیں مرعوب کیا جا سکے اور یہ بتایا جا سکے کہ مسلمانوں میں ابھی قوت اور دم خم موجود ہے۔ اور اس موقع پر آپ نے صرف انھی مسلمانوں کو تعاقب کی اجازت دی جنھوں نے غزوۂ احد میں شرکت کی تھی۔ ہاں، البتہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی مثال اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے۔[1] مسلمانوں نے زخموں سے نڈھال اور چور ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے اس حکم پر لبیک کہا۔

امام ابن ابوحاتم نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب مشرک احد سے واپس جا رہے تھے تو کہنے لگے کہ تم نے نہ تو محمد (ﷺ) کو قتل کیا اور نہ مسلمانوں کی دوشیزگان کو اپنے پیچھے سواریوں پر بٹھا کر لائے ہو، تم نے بہت برا کیا، لہٰذا تم لوٹ جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے اس خبر کو سنا تو آپ نے مسلمانوں کو بلایا تو انھوں نے آپ کے حکم پر لبیک کہا حتی کہ وہ حمراء الأسد یا بئر ابی عِنَبہ تک کفار و مشرکین کے تعاقب میں آ گئے۔ شک سفیان کی طرف سے ہے کہ مسلمان کس مقام تک گئے تھے۔ یہ دیکھ کر مشرک کہنے لگے کہ اب تو پلٹ چلو آئندہ سال دوبارہ آئیں گے تو یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ بھی واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ بھی غزوہ شمار ہوتا ہے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕۛ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۲﴾﴾ ''جنھوں نے باوجود زخم کھانے کے اللہ اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا جو لوگ ان میں نیکوکار اور پرہیزگار ہیں، ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔''[2]

ابن اسحاق کہتے ہیں غزوۂ احد پندرہ شوال ہفتے کے دن پیش آیا۔ اگلے دن (16) شوال کو رسول اللہ ﷺ کے منادی نے دشمن کا تعاقب کرنے کی صدا بلند کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اس تعاقب میں ہمارے ساتھ صرف وہی شامل ہو گا جو کل غزوۂ احد میں ہمارے ساتھ تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما یہ سن کر بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! میرے والد (جو کل احد میں شہید ہو گئے ہیں) نے مجھے سات بہنوں پر کفیل چھوڑا ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اے لختِ جگر! ہمیں ان خواتین کو بغیر مرد کے نہیں چھوڑنا چاہیے، ویسے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا (تو یہ عذر سن کر) رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔[3]

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو بیان فرمایا ہے کہ میں نے عروہ سے کہا کہ اے بھانجے! تیرے باپ زبیر اور ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے: ﴿اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا

---

[1] اگلے پیرے میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 816/3 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب: 72 قوله تعالٰی: ﴿فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ﴾: 317/6، حدیث: 11083 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. [3] السیرة النبویة لابن هشام، غزوة أحد، خروج الرسول فی إثر العدو لیرهبه: 107/3.

غزوہ حمراء الاسد

(16شوال 3ھ)

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌۚ ﴾

یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا۔ ان میں سے جو لوگ نیکوکار اور متقی ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے (آل عمران:3/172)

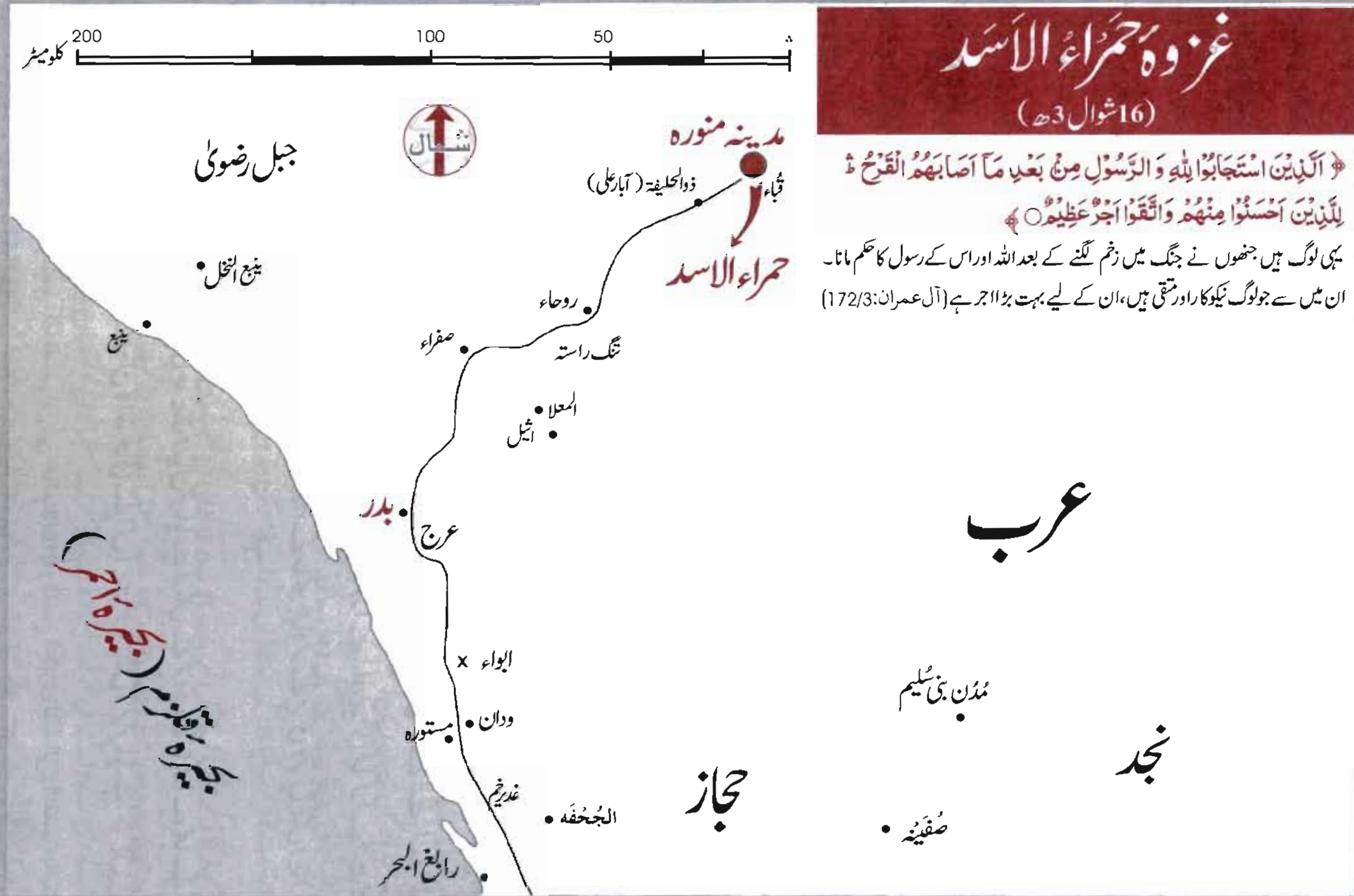

حمراء الاسد : یہ مدینہ سے 8 میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔

﴿ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ ﴾ ہوا یہ کہ نبیٔ اکرم ﷺ کو جب احد کے دن تکلیف پہنچی اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں دوبارہ واپس نہ آ جائیں تو آپ نے فرمایا: [مَنْ يَّذْهَبُ فِي إِثْرِهِمْ؟] ''کون ہے جو ان کے تعاقب میں جائے؟'' تو آپ کے اس ارشاد پر ستر صحابہ رضی اللہ عنہم نے لبیک کہا، ان میں سے حضرت ابوبکر اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسی سیاق میں بیان کیا ہے۔[1] امام مسلم نے اسے بغیر سیاق کے بیان کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ﴾ ''(جب) ان سے لوگوں نے آ کر بیان کیا کہ کفار نے تمھارے (مقابلے کے) لیے (لشکرِ جرار) جمع کیا ہے پس ان سے ڈرو تب ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔'' لوگوں نے تو انھیں دشمن کے لشکر جرار اور اس کی تعداد کی کثرت سے ڈرایا تھا مگر انھوں نے دشمن سے ڈرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کیا اور اس سے استعانت کی ﴿ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿173﴾ ﴾ ''اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿173﴾ ﴾ کا کلمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب انھیں آگ میں ڈالا گیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت کہا جب لوگوں نے کہا کہ کفار نے آپ کے مقابلے کے لیے لشکر جرار تیار کیا ہے تو ان سے ڈرو مگر اس سے آپ کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔ اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔[3]

امام ابوبکر بن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ سے احد کے دن کہا گیا کہ لوگوں نے تمھارے مقابلے کے لیے لشکر کثیر جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[4] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ﴾ ''پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش وخرم) واپس آئے، ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا۔'' یعنی جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے غم واندوہ کو دور فرما دیا، دشمنوں کے حملے سے انھیں محفوظ رکھا اور وہ اپنے علاقے کی طرف کامیاب واپس ہوئے اور ان کا دشمن اپنے پروگرام کے مطابق ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

﴿ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿174﴾ ﴾ ''اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔'' امام بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ یہاں نعمت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان سلامت رہے اور فضل یہ ہے کہ موسم حج میں ایک تجارتی قافلہ گزر رہا تھا جس کے سامان کو رسول اللہ ﷺ نے خرید لیا تھا اور آپ کو اس سے بہت نفع

① صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿ اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ ﴾، حديث:4077. ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير رضي الله عنهما، حديث:418. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا ...... ﴾ (آل عمران3:173)، حديث:4563. ④ الدر المنثور:180/2.

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ

اور (اے نبی!) جو لوگ کفر میں تیزی دکھاتے ہیں ان کی سرگرمیاں آپ کو غم ناک نہ کریں۔ بے شک وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے

اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿176﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ

کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے﴿176﴾ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا،

بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿177﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿177﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم انھیں جو

اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ڈھیل دیتے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو انھیں صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں اور ان کے لیے رسوا کرنے

مُّهِيْنٌ ﴿178﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

والا عذاب ہے﴿178﴾ اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے

مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ

اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ تم پر غیب ظاہر کرے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) چن لیتا ہے، پس تم ایمان

مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿179﴾ وَلَا

لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے﴿179﴾ اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ بَلْ هُوَ

فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ جس مال

شَرٌّ لَّهُمْ ۗ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق پہنائے جائیں گے۔ اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿180﴾ ع 18 9 9

اللہ اس سے خوب باخبر ہے﴿180﴾

حاصل ہوا جسے آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا تھا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ﴾ یعنی شیطان تمھیں اپنے دوستوں سے ڈراتا اور تمھارے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ وہ بہت سخت اور بہت شدید حملہ کرنے والے ہیں ﴿ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿175﴾ ﴾ ”تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔“ یعنی شیطان جب بھی تمھارے دل میں یہ خیال و وہم پیدا کرے تو تم مجھ ہی پر توکل کرو، میری ہی طرف رجوع کرو، میں تمھارے لیے کافی ہوں اور ان کے

[1] دلائل النبوة للبیهقی، باب خروج النبی ﷺ إلی حمراء الأسد: 318/3.

مقابلے میں میں تمھاری نصرت واعانت کروں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ تا ﴿ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ ﴾ (الزُّمر 39:36-38) ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟ اور یہ تم کو ان لوگوں سے جو اس کے سوا ہیں (غیر اللہ سے) ڈراتے ہیں...... کہہ دیجیے: مجھے اللہ ہی کافی ہے، بھروسا کرنے والے اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ (النسآء 4:76) ''سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ (المجادلة 58:19) ''یہ (جماعت) شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ﴾ (الحجّ 22:40) ''اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ (محمد 47:7) ''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھاری مدد کرے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن 40:51,52) ''ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔''

تفسیر آیات: 176-180

رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے: ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾ ''اور جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں وہ آپ کو غمگین نہ کریں۔'' اس لیے کہ آپ بڑے شدید خواہش مند تھے کہ لوگ ایمان لے آئیں اور کفار نے مخالفت، عناد اور دشمنی کی جو روش اختیار کر رکھی تھی اس سے آپ کو بہت غم ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اس سے غمگین نہ ہوں۔ ﴿ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''یہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے، اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کو کچھ حصہ نہ دے۔'' یعنی ان کے بارے میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ اپنی مشیت وقدرت سے یہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہ ہو۔ ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿176﴾ ﴾ ''اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ﴾ یعنی ایمان کے بدلے میں کفر کو لے لیا تو ﴿ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ ﴾ ''وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' ہاں، البتہ اپنے آپ کو ضرور نقصان پہنچاتے ہیں۔ ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿177﴾ ﴾ ''اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿178﴾ ﴾ ''اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو ان کو مہلت دیتے جاتے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کرلیں آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِۦ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ ۚ بَل لَّا يَشْعُرُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:55,56) ''کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَذَرْنِى وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾ (القلم 68:44) ''لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ وَأَوْلَٰدُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِى ٱلدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:85) ''اور (اے نبی!) ان کے مال اور اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ ان چیزوں سے اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا میں عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَّا كَانَ ٱللَّهُ لِيَذَرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ ٱلْخَبِيثَ مِنَ ٱلطَّيِّبِ ﴾ ''(لوگو!) جب تک اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے گا مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔'' اور اس کے لیے وہ کسی نہ کسی آزمائش میں ضرور مبتلا کرے گا جس میں وہ اپنے دوستوں کو سرخ رو کردے گا اور دشمنوں کو روسیاہ، اور جان لے گا کہ مومن صابر کون ہے اور منافق فاجر کون؟

اس سے بھی یوم احد ہی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا امتحان کیا تھا اور جس سے مومنوں کا ایمان، صبر وثبات، شجاعت وبَسالت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ظاہر ہوگئی تھی۔ اور منافقوں کی اس سے پردہ دری ہوگئی تھی اور ظاہر ہوگیا تھا کہ یہ لوگ جہاد کے مخالف اور اس سے منہ موڑنے والے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرنے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَّا كَانَ ٱللَّهُ لِيَذَرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ ٱلْخَبِيثَ مِنَ ٱلطَّيِّبِ ﴾ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو احد کے دن الگ الگ کردیا تھا۔[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد اور ہجرت کے ساتھ ان کو الگ الگ کردیا تھا۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى ٱلْغَيْبِ ﴾ ''اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے بھی مطلع نہیں کرے گا۔'' تم اللہ کی مخلوق میں اللہ کے غیب کو نہیں جانتے حتی کہ اس نے تمھارے لیے مومن اور منافق کو ایک دوسرے سے ان اسباب کی وجہ سے الگ الگ کردیا جو اس سلسلے میں صورت حال کو واضح کرنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَٰكِنَّ

[1] تفسیر الطبری: 249/4. [2] تفسیر الطبری: 249/4.

﴿ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اورالبتہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ ﴾ (الجن 72:26,27) ''(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں، جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس (کو غیب کی باتیں بتا دیتا ہے اور اس) کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''تو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس نے تمھارے لیے جو احکام شریعت مقرر کیے ہیں، ان کی اتباع کرو۔ ﴿ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری کرو گے تو تم کو اجر عظیم ملے گا۔''

بخل کی مذمت اور اس پر وعید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ ﴾ ''اور جو لوگ مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لیے برا ہے۔'' یعنی بخیل یہ نہ سمجھے کہ اس کا مال جمع کرنا اس کے لیے نفع بخش ثابت ہوگا بلکہ یہ تو اس کے دین کو نقصان پہنچانے والا ہے بلکہ بسا اوقات دنیا کے اعتبار سے بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر بتایا کہ قیامت کے دن اس کے مال کا انجام یہ ہوگا: ﴿ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ ﴾ ''وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق (بنا کر) ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ ، لَهُ زَبِيبَتَانِ ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ۔ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ۔ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ ، أَنَا كَنْزُكَ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ ﴾] ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکاۃ ادا نہ کرے تو اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور اس کا قیامت کے دن اسے طوق پہنا دیا جائے گا، وہ اسے اس کے منہ کے دونوں کناروں سے پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ ﴾۔''[1] اسے اس طریق سے صرف امام بخاری ہی نے بیان کیا ہے۔ امام مسلم نے اسے اس طریق سے بیان نہیں کیا۔ ہاں، البتہ امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اسی مفہوم کی حدیث کو بیان کیا ہے۔[2]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَمْنَعُ عَبْدٌ زَكَاةَ مَالِهِ إِلَّا

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ...... ﴾ (آل عمران 3:180)، حدیث: 4565. ② صحيح ابن حبان، الزكاة، ذكر البيان بأن من خلف كنزا ......: 50/8 ، حديث: 3258 نحوه. اور دیکھیے صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة ، حديث: 987 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ و 988 عن جابر رضی اللہ عنہ.

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ۘ سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا وقف لازم

اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے

وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿181﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ

رہے (وہ بھی ان کے اعمال نامے میں درج ہے) اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب جلانے والے عذاب کو چکھو ﴿181﴾ یہ تمھارے ہاتھوں کی

اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿182﴾ ۚ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ

کمائی کا بدلہ ہے اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ﴿182﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا: بے شک اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی

اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰى يَاۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ

رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے جسے آگ کھا جائے۔ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے تمھارے پاس کئی رسول کھلی

قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿183﴾ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ

نشانیاں اور وہ (معجزہ) بھی لے کر آئے جس کا تم کہہ رہے ہو، پھر تم نے انھیں قتل کیوں کر ڈالا اگر تم سچے ہو؟ ﴿183﴾ (اے نبی!) پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں

فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿184﴾

تو آپ سے پہلے کئی رسول جھٹلائے گئے تھے جو کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ﴿184﴾

جُعِلَ لَهُ شُجَاعٌ أَقْرَعُ يَتْبَعُهُ، يَفِرُّ مِنْهُ وَ هُوَ يَتْبَعُهُ، فَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ] ''جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا تو اس کے مال کو گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی اور وہ اس کا پیچھا کرے گا، یہ اس سے بھاگے گا مگر وہ اس کا پیچھا کرے گا اور کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں۔'' پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی مصداق قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھا: ﴿سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ﴾ ''وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس کا طوق (بنا کر) ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔''[1] اس حدیث کو امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے۔'' لہٰذا ﴿وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ ؕ﴾ (الحدید 7:57) ''اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔'' کیونکہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں، لہٰذا اپنے اموال کو آگے بھیجو تا کہ وہ تمھیں قیامت کے دن فائدہ دیں۔ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿180﴾﴾ ''اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔'' یعنی اسے تمھاری نیتوں اور تمھارے ضمیروں کا بھی علم ہے۔

---

① مسند أحمد:377/1. ② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ آل عمران، حدیث:3012 و السنن الکبری للنسائی، التفسیر، باب:13 قوله تعالى: ﴿سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ﴾: 317/6، حدیث:11084 و سنن ابن ماجه، الزكاة، باب ماجاء فی منع الزكاة، حدیث:1784 البتہ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

تفسیر آیات:181-184

مشرکوں کے لیے اللہ کی وعید: سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ﴾ (البقرة245:2) ''کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے؟'' تو یہودیوں نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! کیا تمھارا رب فقیر ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ ''اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں''۔ اسے ابن مردویہ اور ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[1]

﴿ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ﴾ ''یہ جو کچھ کہتے ہیں ہم اس کو لکھ لیں گے۔'' یہ زبردست وعید ہے، اسی لیے اس کے ساتھ یہ بات بھی ذکر فرمائی: ﴿ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ ''اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں، اس کو بھی (قلمبند کر رکھیں گے۔)'' کہ اللہ کے بارے میں انھوں نے یہ کہا اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے یہ معاملہ کیا، اللہ تعالیٰ ان کی ان بداعمالیوں کی انھیں بدترین سزا دے گا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿181﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿182﴾ ﴾ ''اور (قیامت کے روز) کہیں گے کہ عذاب (آتش) سوزاں (کے مزے) چکھتے رہو، یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تمھارے ہاتھ آگے بھیجتے رہے ہیں اور اللہ تو بندوں پر مطلق ظلم نہیں کرتا۔'' یہ ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ، زجر و توبیخ اور تحقیر و توہین کے طور پر کیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ﴾ ''جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جس کو آگ (آ کر) کھا جائے تب تک ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔'' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جنھوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں میں انھیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ کسی بھی رسول کے ساتھ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک ان کے معجزات میں ایک یہ بھی نہ ہو کہ اگر ان کی امت میں سے کوئی صدقہ کرے اور وہ اس سے قبول کیا جائے تو اس کی قبولیت کی علامت یہ ہوگی کہ آسمان سے نازل ہو کر آگ اسے کھا جائے گی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا قول ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے: مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمھارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔'' یعنی دلائل و براہین لے کر آئے ﴿ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ ﴾ ''اور وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہو۔'' یعنی وہ آگ جو قبول ہونے والی قربانیوں کو کھا لے ﴿ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ ﴾ ''پھر تم نے ان کو قتل

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 828/3. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 831/3 و تفسیر الطبري: 262/4.

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ

ہر کوئی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے، بے شک قیامت کے دن تمھیں پورے پورے اجر دیے جائیں گے۔ پھر جسے آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں

النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿185﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ

داخل کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی دھوکے ہی کا سامان تو ہے ﴿185﴾ البتہ تمھیں تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں کے بارے میں

اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ

ضرور آزمایا جائے گا اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے

اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿186﴾

اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے ﴿186﴾

کیوں کیا؟'' تم نے تکذیب ومخالفت وعناد کے ساتھ ان کا مقابلہ کیوں کیا اور انھیں قتل کیوں کیا؟ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿183﴾﴾ ''اگر تم سچے ہو'' اپنے اس دعوے میں کہ تم حق کی اتباع کرتے اور رسولوں کی اطاعت کرتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿184﴾﴾ ''(اے نبی!) پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آ چکے ہیں اور لوگوں نے ان کو بھی سچا نہیں سمجھا۔'' یعنی یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ دل آزردہ نہ ہوں، آپ سے پہلے کے انبیاء آپ کے لیے اسوہ ہیں۔ ان کی تکذیب کی گئی تھی، حالانکہ وہ دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ لے کر آئے تھے۔ ﴿وَالزُّبُرِ﴾ اس سے مراد آسمان سے نازل ہونے والی کتابیں اور رسولوں پر نازل ہونے والے صحیفے ہیں۔ ﴿وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿184﴾﴾ اور بیّن، واضح اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔

تفسیر آیات:186,185

ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے: اللہ تعالیٰ اس مقام پر ایک ایسی خبر دے رہا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے ہے اور وہ یہ کہ ہر ہر جاندار نے ایک نہ ایک دن موت کے ذائقے کو چکھنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۚ﴾ (الرحمٰن 27,26:55) ''جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور آپ کے پروردگار کا جلال وعظمت والا چہرہ باقی رہے گا۔''

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں آئے گی جبکہ تمام جن وانس ایک نہ ایک دن مر جائیں گے، اسی طرح تمام فرشتے حتی کہ حاملین عرش الٰہی بھی ایک دن موت کے جام کو پی لیں گے۔ بقا اور دوام صرف اللہ واحد وقہار ہی کی ذات گرامی کو حاصل ہے۔ وہ سب سے آخر ہو گا جیسا کہ سب سے اول بھی وہی تھا۔ اس آیت کریمہ میں تمام لوگوں کے لیے تسلی ہے کہ اس روئے زمین پر ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہے گا بلکہ ان میں

سے ہر ایک نے ایک نہ ایک دن موت کے جام کو پینا اور قبر کے دروازے سے داخل ہونا ہے۔ جب مدت تمام ہو جائے گی اور وہ نطفہ ختم ہو جائے گا کہ صُلبِ آدم سے جس کے وجود کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا اور مخلوق ختم ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ قیامت برپا کر دے گا اور تمام مخلوق کو اس کے جلیل وحقیر، کثیر وقلیل اور کبیر وصغیر اعمال کا بدلہ دے گا اور کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ''اور بلاشبہ تم کو قیامت کے دن تمھارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

کامیابی کس کے لیے ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ ﴾ یعنی جو آگ سے بچالیا گیا اور اس سے نجات پا گیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ مکمل طور پر کامیاب ہو گیا۔ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَوۡضِعُ سَوۡطٍ فِي الۡجَنَّةِ خَيۡرٌ مِّنَ الدُّنۡيَا وَمَا فِيهَا اِقۡرَءُوا إِنۡ شِئۡتُمۡ] ''جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اگر تم چاہو تو اس آیت کریمہ کو پڑھ لو: ﴿ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ ﴾۔''[1] یہ حدیث صحیحین میں بھی اس سند کے علاوہ اور ان زائد الفاظ کے بغیر کہ ''اگر تم چاہو تو پڑھو: ﴿ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ ﴾''۔ موجود ہے۔[2] جبکہ ان الفاظ کے ساتھ امام ابو حاتم ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ۝۱۸۵ ﴾ ''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔'' یہ دنیا کی تصغیر وتحقیر ہے کہ یہ گھٹیا اور فانی ہے اور قلیل اور زوال پذیر ہو جانے والی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۝ۖ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ۝ ﴾ (الأعلی 17,16:87) ''مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتُهَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ؕ ﴾ (القصص 60:28) ''اور جو چیز تم کو دی گئی ہے، وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

اور حدیث میں ہے: [وَاللّٰهِ مَا الدُّنۡيَا فِي الۡآخِرَةِ إِلَّا (كَمَا يَغۡمِسُ) أَحَدُكُمۡ إِصۡبَعَهُ...... فِي الۡيَمِّ ، فَلۡيَنۡظُرۡ بِمَ تَرۡجِعُ؟] ''دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے تو وہ دیکھے کہ اس کی انگلی کے ساتھ

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:833/3. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق ، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة، حديث: 3250 لیکن صحیح مسلم میں اس حدیث کا ایک حصہ ہے، دیکھیے الإمارة، باب فضل الغدوة......، حديث:1881 عن سهل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ. [3] صحيح ابن حبان ، باب وصف الجنة وأهلها ، ذكر الأخبار بأن القليل من الجنة لأهلها ......: 434,433/16 ، حديث:7417 و المستدرك للحاكم، التفسير ،باب سورة آل عمران:299/2 ، حديث:3170 .

سمندر کے پانی میں کس قدر کمی آئی ہے!''[1] امام قتادہ، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ ''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سامان ہے جسے چھوڑ دیا جائے گا، اس ذات گرامی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! قریب ہے کہ یہ دنیا، دنیا والوں سے روٹھ جائے، لہٰذا جس قدر ممکن ہو دنیا کے اس سامان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کردو۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.[2]

مومن مبتلائے آزمائش کیا جاتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ ''(اے اہل ایمان!) تمھارے مال و جان میں تمھاری آزمائش کی جائے گی۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ﴾ (البقرة2:155) ''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمھاری آزمائش کریں گے۔'' یعنی مومن کی اپنے مال، جان، اولاد یا اہل میں ضرور آزمائش ہوگی۔ پھر مومن کی اس کے دین کے بقدر آزمائش کی جاتی ہے، اگر دین میں پختگی ہو تو اس کی آزمائش میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ ''اور تم اہل کتاب سے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں، بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا تھا جب مومن مدینہ میں آئے اور ابھی تک واقعۂ بدر پیش نہیں آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرکوں اور اہل کتاب کی طرف سے پہنچنے والی ایذا کے بارے میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ صبر کا مظاہرہ کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کو ختم کر دے، پس فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ ''اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کی سواری کو اختیار فرمایا جس پر اس وقت شہر فدک کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر تھی، اور آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار فرمایا اور آپ کا مقصد بنو حارث بن خزرج میں جا کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنا تھا جبکہ یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ کا گزر ایک ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جس میں عبداللہ بن اُبی ابنِ سلول بھی بیٹھا ہوا تھا اور اس نے ابھی اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا، اس مجلس میں مسلمان، مشرک، بت پرست اور یہودی ہر قسم کے لوگ موجود تھے، اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، مجلس کو جب جانور کے (چلنے کی وجہ سے) غبار نے ڈھانپ لیا تو عبداللہ بن اُبیّ نے اپنی ناک کو اپنی

---

① صحیح مسلم، الجنة و نعیمها، باب فناء الدنیا وبیان الحشر......، حدیث:2858 لیکن قوسین والے الفاظ مسند البزار، مسند المستورد بن شداد......:387/8، حدیث:3460 کے مطابق ہیں جبکہ صحیح مسلم میں ان کے بجائے [مِثْلُ مَا يَجْعَلُ......] ہے۔ و جامع الترمذی، الزهد، باب منه حدیث:[مالدنیا فی الآخرة......]، حدیث:2323 و مسند أحمد:228/4 عن المستورد ابن شداد رضی اللہ عنہ. ② تفسیر ابن أبی حاتم:833/3 .

چادر سے چھپالیا اور کہا کہ ہماری مجلسوں کو غبار آلود نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے سلام کہا، کچھ دیر کے لیے آپ رک گئے، پھر سواری سے نیچے اتر آئے اور حاضرین مجلس کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی اور قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا، عبداللہ بن اُبیّ کہنے لگا: اے شخص! تم جو (ہماری مجالس میں آ کر ہمیں) یہ بات کہتے ہو اگر یہ حق ہے تو اس سے یہ اچھا ہے کہ تم ہماری مجلسوں میں ہمیں ایذا نہ دیا کرو، اپنے گھر واپس چلے جاؤ جو تمھارے پاس آئے تو اسے یہ پڑھ کر سناؤ۔

یہ سن کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ہماری مجلسوں میں یہ پیغام لے کر ضرور تشریف لائیں، ہم آپ کی تشریف آوری کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں گالی گلوچ شروع ہوگئی حتی کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جاتے، رسول اللہ ﷺ انھیں ٹھنڈا کرتے رہے حتی کہ وہ سب خاموش ہو گئے، پھر نبی ﷺ اپنے جانور پر سوار ہو گئے حتی کہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: [أَيَا سَعْدُ! أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ؟] ”سعد! کیا تم نے سنا نہیں کہ ابو حُباب نے کیا کہا ہے؟“ آپ کا اشارہ عبداللہ بن اُبیّ کی طرف تھا، اس نے یہ یہ بات کہی تھی تو سعد نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اسے معاف کر دیں اور درگزر فرمائیں۔ اس ذات گرامی کی قسم جس نے آپ پر کتاب کو نازل فرمایا ہے! اللہ تعالیٰ اس حق کو لے آیا ہے جسے اس نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔

اس شہر والوں نے یہ پروگرام بنا لیا تھا کہ اسے تاج پہنائیں اور اس کے گرد جمع ہو کر اسے اپنا سربراہ بنا لیں جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اس حق کو بھیج کر انکار فرمایا جو آپ کو عطا کیا ہے تو یہ غصے سے تلملا اٹھا اور آپ نے جو مشاہدہ فرمایا ہے، یہ اسی غصے ہی کا اظہار ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مشرکوں اور اہل کتاب کو معاف فرما دیا کرتے تھے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذا پر صبر کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ﴾ ”اور اپنے سے پہلے اہل کتاب اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ﴾ (البقرة 109/2) ”بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لے آنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں، حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے۔“

نبیٔ اکرم ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق معاف فرما دیا کرتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں جہاد کا حکم نازل فرما دیا جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر لڑی اور اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے سرداران قریش کو میدان بدر میں واصل جہنم

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی تھی کہ تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرو گے اور اسے ہرگز نہیں چھپاؤ گے، پھر انھوں

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿187﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا، پھر کس قدر بری ہے وہ قیمت جو وہ وصول کر رہے ہیں! ﴿187﴾ یہ لوگ جو اپنے کرتوت پر

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ

خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انھوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے اور ان کے لیے

19 ع 9 10 وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿188﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿189﴾ ع

دردناک عذاب ہے ﴿188﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿189﴾

کر دیا تو عبداللہ بن اُبَیّ ابن سلول اور اس کے مشرک اور بت پرست ساتھیوں نے کہا کہ یہ امر تو اب غالب آ گیا ہے، لہٰذا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر دیا۔ (1)

پس ہر وہ شخص جو حق کو لے کر آیا یا جس نے نیکی کا حکم دیا یا برائی سے منع کیا تو اسے ضرور ایذا دی گئی، راہ حق کے ہر مسافر کے لیے اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں کہ وہ اللہ کے لیے صبر کرے، اللہ ہی سے مدد طلب کرے اور ہر حال میں اللہ عزوجل کی ذات گرامی ہی کی طرف رجوع کرے۔

تفسیر آیات: 187-189

عہد شکنی اور کتمانِ حق کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اہل کتاب کے لیے زجر و توبیخ اور سرزنش ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی یہ عہد لیا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے، لوگوں میں آپ کا چرچا کریں گے تاکہ وہ آپ کے دین کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو مبعوث فرمادے تو وہ آپ کی اتباع کریں مگر انھوں نے اسے چھپایا۔ اور ان سے دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس کے بجائے انھوں نے دنیا کے حقیر و ذلیل مال کو ترجیح دی، بہت ہی برا مال ہے جو انھوں نے حاصل کیا اور بہت ہی بری تجارت ہے جو انھوں نے کی۔

اس سے علماء کو بھی ڈرایا گیا ہے کہ وہ ان کے نقش قدم پر نہ چلیں کہ کہیں یہ بھی اس سے دوچار نہ ہوں جس سے اہل کتاب ہوئے تھے، لہٰذا علماء کو چاہیے کہ وہ عمل صالح کی رہنمائی کرنے والے اپنے علم نافع کو پھیلائیں اور اسے قطعاً نہ چھپائیں کیونکہ مختلف سندوں سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهٗ ، اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ] ''جس سے علم کے بارے میں پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو اسے قیامت کے دن جہنم کی آگ کی لگام

(1) صحيح البخاري ، التفسير، باب: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ ......﴾ (آل عمران 3:186)، حدیث: 4566 و صحيح مسلم، الجهاد......، باب في دعاء النبي ﷺ وصبره على أذى المنافقين، حديث: 1798 و مسند أحمد: 203/5.

پہنائی جائے گی۔''①

دھوکا دینے اور بے جا تعریف پسند کرنے کی وجہ سے ان کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ﴾ ''جو لوگ اپنے (ناپسند) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں، ان کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔'' یعنی اس سے مراد ریاکاری کرنے والے اور جو انھیں نہیں دیا گیا اُس پر اترانے والے ہیں جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَنِ ادَّعٰی دَعْوٰی كَاذِبَةً لِّيَتَكَثَّرَ بِهَا ، لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا قِلَّةً] ''جس شخص نے جھوٹا دعویٰ کیا تاکہ اس کے ساتھ اپنے مال کو زیادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو اور بھی کم کر دے گا۔''② اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ] ''جو شخص تکلف کے ساتھ ایسی چیز کا اظہار کرے جو اسے دی ہی نہیں گئی تو وہ اس طرح ہے، جیسے کوئی دو جھوٹے کپڑے پہننے والا ہو۔''③

امام احمد رحمہ اللہ نے روایت بیان کی ہے کہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے یہ کہو کہ اگر ہر شخص کو اس وجہ سے عذاب دیا جائے کہ وہ اپنے کام پر خوش ہوتا ہے اور جو اس نے نہیں کیا اور وہ چاہتا ہے کہ اس پر اس کی تعریف کی جائے، پھر تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت سے تمھارا کیا تعلق یہ تو اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ ﴾ تا ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تھا تو انھوں نے اسے آپ سے چھپایا اور اس کے بجائے کچھ اور بتا دیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ نے جو سوال کیا تھا اس کا انھوں نے جواب دے دیا ہے، آپ کے پاس سے چلے گئے اور چاہتے تھے کہ اس کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے اور حقیقت میں اس بات کی وجہ سے بہت خوش تھے کہ آپ نے ان سے جو پوچھا تھا، اسے آپ سے چھپانے میں یہ کامیاب ہو گئے ہیں۔④ امام بخاری نے بھی اسے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے، امام مسلم نے بھی

---

① جامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في كتمان العلم ، حديث:2649 عن أبي هريرة ﷺ وسنن ابن ماجه، المقدمة ، باب من سئل عن علم فكتمه ؟ حديث:264 واللفظ له عن أنس بن مالك ﷺ. و266 عن أبي هريرة ﷺ. والمعجم الكبير للطبراني:334/8، حديث:8251 عن طلق بن علي ﷺ. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه......، حديث:110، البتہ صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، حديث:6047 عن ثابت بن الضحاك ﷺ. میں اصلاً یہ حدیث تو موجود ہے لیکن یہ الفاظ نہیں ہیں۔ ③ صحيح البخاري، النكاح ، باب المتشبع بما لم ينل......، حديث:5219 عن أسماء بنت أبي بكر ﷺ. وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب النهي عن التزوير ......، حديث:2129 عن عائشة ﷺ و1230عن أسماء بنت أبي بكر ﷺ. ④ مسند أحمد:298/1.

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿190﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿190﴾ جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ

پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿191﴾

پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا ﴿191﴾ ہمارے رب! بے شک جسے تو آگ میں داخل کرے یقیناً اسے تو تو نے رسوا

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿192﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا

کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ﴿192﴾ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کی طرف بلاتا ہے، یہ کہ اپنے

سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

رب پر ایمان لاؤ، پھر ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! پھر ہمارے گناہ بخش دے، اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں

ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿193﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى

نیک لوگوں کے ساتھ فوت کر ﴿193﴾ ہمارے رب! اور ہمیں وہ چیز دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے ہم سے وعدہ کیا تھا اور

رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿194﴾

ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ﴿194﴾

اسے روایت کیا ہے، نیز امام ترمذی ونسائی نے بھی اسے اسی طرح اپنی اپنی کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کچھ منافقوں کی یہ عادت تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ پیچھے بیٹھے رہ جاتے اور آپ کے پیچھے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوتے اور جب رسول اللہ ﷺ جہاد سے واپس تشریف لے آتے تو یہ معذرت کرتے، جھوٹی قسمیں کھاتے اور اس بات کو پسند کرتے کہ ایسے کاموں کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے جو انھوں نے کیے ہی نہیں تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ ”جو لوگ اپنے (ناپسندیدہ) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں، ان کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔“[2]

امام مسلم نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ (آل عمران3:188)، حدیث:4568 وصحیح مسلم، کتاب وباب صفات المنافقین وأحکامهم، حدیث:2778 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة آل عمران، حدیث:3014 والسنن الکبری للنسائی، التفسیر، قوله تعالی: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾: 318/6، حدیث:11086. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ (آل عمران3:188)، حدیث: 4567. ③ صحیح مسلم، کتاب و باب صفات المنافقین وأحکامهم، حدیث: 2777.

ارشاد ہے: ﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ﴾ ''تو آپ ان کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے رستگار ہو جائیں گے۔'' اسے مخاطب مفرد کے صیغے کی وجہ سے ''تا'' کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ان کو خبر دار کرنے کی خاطر صیغہ غائب، یعنی ''یا'' کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔[1] یعنی وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے بلکہ عذاب میں تو ہر صورت مبتلا ہو کر رہیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ ﴾ ''اور انھیں درد دینے والا عذاب ہوگا۔''

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز پر قادر ہے اور اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، لہٰذا اس سے ڈرو اور اس کی مخالفت نہ کرو، اس کے غضب اور سزا سے ڈرو کہ وہ ذات گرامی اس قدر عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم نہیں اور وہ اس قدر قادر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی قدرت والا نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 190-194

عقل والوں کے لیے دلائلِ توحید اور ان کی صفات، اقوال اور دعائیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔'' یعنی آسمانوں کی بلندی اور وسعت میں اور زمین کی پستی و کثافت میں اور ان دونوں میں جو عظیم الشان نشانیاں نظر آ رہی ہیں، مثلاً: کواکب، سیارات، ثوابت (وہ ستارے جو سات سیاروں کے علاوہ ہیں)، سمندر، پہاڑ، ریگستان، درخت، نباتات، فصلیں، پھل، حیوانات، معدنیات اور مختلف رنگوں، خوشبوؤں، ذائقوں اور خواص میں ﴿ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ ''اور رات اور دن کے آنے جانے میں۔'' یعنی ان دونوں کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے اور جانے میں اور ایک دوسرے کے طول وقصر کے کاٹنے میں کہ کبھی رات لمبی ہو جاتی ہے اور دن چھوٹا اور کبھی دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور رات لمبی، پھر دونوں برابر ہو جاتے ہیں اور پہلے جو چھوٹا تھا وہ بڑا ہونے لگتا ہے اور جو بڑا تھا وہ چھوٹا ہونے لگتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ غالب وحکمت والے کے مقرر کردہ اندازے کے مطابق ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ ﴾ ''عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' جن کی عقلیں تام اور پختہ ہیں جن کے ساتھ وہ اشیاء کا ان کے حقائق کے ساتھ ادراک کر لیتے ہیں اور وہ ان گونگوں اور بہروں کی طرح نہیں ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ○ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ○ ﴾ (یوسف 12:105، 106) ''اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ﴾ ''جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔'' جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حُصَین

---

[1] تفسیر القرطبی: 307/4.

رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلِّ قَائِمًا ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰی جَنْبٍ] ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لو۔''[1] یعنی وہ اللہ کے ذکر کو موقوف نہیں کرتے بلکہ تمام حالات میں اپنے دلوں، ضمیروں اور زبانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

﴿ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔'' یعنی آسمانوں اور زمین کی ان حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے خالق کی عظمت وقدرت، علم وحکمت اور اختیار ورحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو اس کی ان مخلوقات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے جو اس کی ذات وصفات، شرع وقدر اور آیات پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَأَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ○ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ○ ﴾ (یوسف 106,105:12) ''اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔''

اور اپنے مومن بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔'' اور کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔'' یعنی اس مخلوق کو تو نے عبث پیدا نہیں فرمایا بلکہ اسے تو نے حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے تاکہ تو برے عمل کرنے والوں کو ان کے مطابق بدلہ دے اور اچھے عمل کرنے والوں کو نیک جزا سے سرفراز فرمائے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کو یہ سب کچھ عبث اور بے فائدہ پیدا کرنے سے پاک قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ﴿ سُبْحٰنَكَ ﴾ ''تو پاک ہے۔'' یعنی اس بات سے کہ کسی بھی چیز کو بے فائدہ پیدا کرے۔ ﴿ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ ﴾ ''پس تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔'' یعنی اے وہ جس نے اپنی مخلوق کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا فرمایا، اے وہ جو ہر قسم کے نقص، عیب اور عبث سے پاک ہے تو اپنی طاقت وقوت کے ساتھ ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا اور ہمیں ایسے اعمال بجالانے کی توفیق عطا فرما جن سے تو راضی ہو جائے۔ اور ہمیں ایسے عمل صالح کی توفیق عطا فرما جس سے تو ہمیں اپنی نعمتوں بھری جنت میں لے جائے اور اپنے دردناک عذاب سے بچا لے۔

پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ﴾ یعنی اسے ذلیل ورسوا کیا اور اس کی ذلت و رسوائی کو تمام اہل حشر کے سامنے ظاہر کر دیا۔ ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ ﴾ ''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' یعنی قیامت کے دن انھیں تجھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور ان کے بارے میں جو ارادہ فرمائے گا، اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ ﴿ رَبَّنَآ

[1] صحيح البخاري، التقصير، باب: إذا لم يطق قاعدًا صلى على جنب، حديث: 1117 .

﴿ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لیے پکار رہا تھا۔'' یعنی ہم نے ایک داعی کی آواز کو سنا جو ایمان کی طرف دعوت دے رہے تھے، اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور وہ فرما رہے تھے ﴿ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ﴾ ''کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔'' اور ہم نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کی اتباع و فرمانبرداری اختیار کر لی۔

﴿ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما۔'' یعنی ہمارے ایمان لانے اور تیرے نبی کی اتباع کی وجہ سے ﴿ فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا ﴾ ''ہمارے گناہ معاف فرما۔'' یعنی ان کی پردہ پوشی فرما ﴿ وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا ﴾ ''اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر'' جو ہمارے اور تیرے درمیان ہیں اور تیرے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ ﴿ وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ﴾ ''اور ہم کو نیک بندوں کے ساتھ فوت کر'' اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وعدے کیے ہیں، وہ ہمیں عطا فرما۔'' اس کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ وعدے جو اپنے رسولوں پر ایمان لانے کی وجہ سے تو نے ہم سے کیے ہیں اور دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ وعدے جو تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمائے ہیں اور یہ معنی زیادہ ظاہر اور نمایاں ہیں۔ ﴿ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا'' ساری مخلوقات کے سامنے ﴿ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ تو خلافِ وعدہ نہیں کرتا۔'' وہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا جس کے بارے میں تیرے رسولوں نے بتایا ہے اور وہ قیامت کے دن تیرے سامنے پیش ہونا ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو سورۂ آل عمران کی ان آخری دس آیات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات بسر کی تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ کچھ دیر باتیں فرمائیں، پھر آپ استراحت فرمانے لگے۔ جب رات کا آخری ثلث ہوا تو آپ اٹھ بیٹھے، آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ اِنَّ فِيۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ﴾ پھر آپ کھڑے ہوئے، وضو فرمایا، مسواک فرمائی اور گیارہ رکعات پڑھیں، پھر حضرت بلال نے اذان دی تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر کاشانۂ نبوت سے تشریف لے آئے اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔[1]

ابن مردویہ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ میں، ابن عمر اور عبید بن عمیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے،

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اِنَّ فِيۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ﴾ (آل عمران 3:190)، حدیث: 4569 اور صحیح بخاری ہی کی حدیث: 4570 میں ہے کہ آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس (10) آیات کی تلاوت فرمائی...... و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763-(191).

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ

پھران کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ تم میں سے میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک

بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ

دوسرے کے ہم جنس ہو، پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور انھیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انھوں نے

وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

جہاد کیا اور وہ قتل ہوئے تو میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور یقیناً انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہوگا، اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ﴿۱۹۵﴾

ہمارے اور آپ کے مابین پردہ تھا، آپ نے فرمایا: عبید تم ہم سے ملنے کے لیے کیوں نہیں آتے؟ انھوں نے کہا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

زُرۡ غِبًّا تَزۡدَدۡ حُبًّا

''وقفے کے بعد ملاقات کرو، اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ یہ فرمائیں کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ تعجب انگیز بات کون سی دیکھی ہے؟ تو آپ رونے لگ گئیں اور فرمانے لگیں کہ آپ کی تو ہر بات ہی تعجب انگیز تھی۔ آپ رات کو میرے پاس تشریف لائے حتی کہ آپ کا جسد اطہر میرے جسم سے چھونے لگا، پھر آپ نے فرمایا: [ذَرِینِي أَتَعَبَّدُ لِرَبِّي عَزَّ وَجَلَّ] ''مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اپنے رب عزوجل کی عبادت کروں۔'' میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں آپ کے قرب کو پسند کرتی ہوں اور اس بات کو بھی پسند کرتی ہوں کہ آپ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کریں۔ آپ مشکیزے کی طرف کھڑے ہوگئے، وضو فرمایا اور بہت زیادہ پانی استعمال نہ کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کردی اور رونے لگے حتی کہ آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہوگئی، پھر سجدہ کیا اور سجدے میں اس قدر روئے کہ زمین تر ہوگئی، پھر پہلو کے بل لیٹ گئے اور رونے لگے حتی کہ بلال رضی اللہ عنہ نے آکر صبح کی اذان شروع کردی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کیوں روتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [وَیۡحَكَ یَا بِلَالُ! وَمَا یَمۡنَعُنِي أَنۡ أَبۡکِيَ وَقَدۡ أُنۡزِلَ عَلَيَّ فِي هٰذِهِ اللَّیۡلَةِ: ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ ثُمَّ قَالَ: وَیۡلٌ لِّمَنۡ قَرَأَهَا وَلَمۡ یَتَفَکَّرۡ فِیهَا] ''بلال تم پر افسوس! میں کیوں نہ روؤں جبکہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل کی گئی ہے، پھر آپ نے فرمایا: افسوس ہے اس پر جو یہ آیت پڑھے، پھر اس میں غور نہ کرے۔''[1]

[1] الفاظ اور مفہوم میں اختلاف کے ساتھ یہ قصہ، دیکھیے صحیح ابن حبان، الرقائق، ذکر البیان بأن المرء علیه إذا......:386/2، حدیث:620 اور ملاحظہ کیجیے السلسلة الصحیحة :68.

تفسیر آیت:195

اہلِ دانش کی دعا کو قبول فرمانا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ ﴾ ''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کرلی۔''

سعید بن منصور نے آلِ ام سلمہ میں سے ایک شخص سلمہ بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ام سلمہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے ضمن میں عورتوں کا کوئی ذکر نہیں فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّيۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ .... ﴾ الآیة ''تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا......'' انصار کہتے ہیں کہ یہ پہلی عورت تھی جو ہمارے پاس آئی۔[1] امام حاکم نے اسے اپنی مستدرک میں روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہے لیکن امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَنِّيۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ ﴾ یہ قبولیت دعا کی تفسیر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ہاں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے۔ ﴿ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ ﴾ ''تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔'' یعنی مجھ سے ثواب حاصل کرنے میں تم سب برابر ہو ﴿ فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا ﴾ ''تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے۔'' یعنی انھوں نے دار شرک کو ترک کر دیا اور دار ایمان میں آ گئے اور دوستوں، بھائیوں، ساتھیوں اور پڑوسیوں کو چھوڑ آئے ﴿ وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ ﴾ ''اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔'' یعنی مشرکوں نے انھیں ایذائیں اور تکلیفیں پہنچا کر اس قدر تنگ کیا کہ وہ ان کے ہاں سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاُوۡذُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِيۡ ﴾ ''اور میری راہ میں ستائے گئے۔''

اور لوگوں کے نزدیک ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات گرامی پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِيَّاكُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡ ؕ ﴾ (الممتحنة 60:1) ''(اس وجہ سے کہ) تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لاتے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلا وطن کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ ﴾ (البروج 85:8) ''اور ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔'' اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا ﴾ ''اور لڑے اور قتل کیے گئے ہیں۔'' وہ شخص بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرے اور اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی جائیں، پھر اسے بھی خاک و خون میں تڑپا دیا جائے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ فرمائیں کہ اگر میں صبر کرتے ہوئے، حصول ثواب

---

[1] سنن سعید بن منصور، تفسیر سورة آل عمران 3:1136، حدیث:552 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة النسآء، حدیث:3023. [2] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة آل عمران 2:300، حدیث:3174.

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿196﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے﴿196﴾ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے،

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿197﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ برا ٹھکانا ہے ﴿197﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں،

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿198﴾

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے﴿198﴾

کی نیت سے، پیش قدمی کرتے ہوئے اور پشت نہ پھیرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما دے گا؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، فَلَمَّا أَدْبَرَ الرَّجُلُ نَادَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوْ أَمَرَ بِهِ فَنُودِيَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ قُلْتَ ؟ فَأَعَادَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : نَعَمْ ، إِلَّا الدَّيْنَ ، كَذٰلِكَ قَالَ لِي جِبْرِيلُ] ''ہاں، پھر جب وہ واپس ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے بلایا یا پھر آپ کے حکم سے اسے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا بات کہی ہے؟ اس نے اپنی بات کو دوہرایا تو آپ نے فرمایا: ہاں، اللہ تعالیٰ قرض کے سوا تمھارے باقی سب گناہوں کو معاف فرما دے گا، یہ جبریل نے مجھ سے (ابھی ابھی) کہا ہے۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''میں ان کے گناہ دور کر دوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی ان میں دودھ، شہد، شراب اور صاف وشفاف پانی کے انواع واقسام کے مشروبات کی نہریں بہ رہی ہیں اور دیگر ایسی ایسی نعمتیں ہیں جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں جن کا کوئی تصور نہیں آ سکتا۔[2] ﴿ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''(یہ) اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت اور نسبت اپنی طرف اس لیے کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ ثواب بہت بڑا ہوگا کیونکہ اللہ عظیم وکریم ہے، وہ بے پایاں اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿195﴾﴾ ''اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔'' یعنی جو شخص نیک عمل کرے، اس کے لیے اللہ کے ہاں بہت اچھا بدلہ ہے۔

تفسیر آیات:196-198

دنیا داروں سے فریب خوردہ ہونے سے بچنا اور نیک لوگوں کے اجر کا بیان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور خوشیوں اور مسرتوں سے سرشار ان کافروں کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کی یہ سب نعمتیں اور دولتیں عنقریب زوال پذیر ہو

① الموطأ للإمام مالك، الجهاد، باب الشهداء في سبيل الله، حديث:1025 وصحيح ابن حبان، السير، باب فضل الشهادة، ذكر البيان بأن الجنة إنما تجب للشهيد......: 511/10، حديث:4654 وصحيح مسلم، الإمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين، حديث:1885 عن أبي قتادة رضی اللہ عنہ. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة......، حديث:3244 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

جائیں گی اور یہ اپنے برے اعمال کے باعث گروی ہوں گے۔ ہم نے انھیں استدراج کے طور پر مہلت دے رکھی ہے۔ باقی رہا ان کا دنیوی ساز و سامان تو وہ ﴿ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ ''(دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

یہ آیت اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴾ (المؤمن 40:4) ''اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں تو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ (یونس 10:69، 70) ''بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لیے) جو فائدے ہیں، دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم ان کو عذابِ شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ (لقمٰن 31:24) ''ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴾ (الطارق 86:17) ''تو آپ کافروں کو مہلت دیں بس چند روز ہی مہلت دیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴾ (القصص 28:61) ''بھلا جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا اور اس نے اسے حاصل کر لیا تو کیا وہ اس شخص کا سا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کے فائدے سے بہرہ مند کیا؟ پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو (عذاب میں) حاضر کیے جائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کفار کے حال اور آخرت میں ان کے جہنم رسید ہونے والے انجام کو ذکر کیا تو پھر اس کے بعد فرمایا: ﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ''لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کے ہاں سے (ان کی) مہمانی ہے۔'' ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ نیکو کاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔''

امام ابن جریر نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہر مومن کے لیے موت بہتر ہے اور ہر کافر کے لیے بھی موت بہتر ہے جو شخص (اس بات میں) میری تصدیق نہ کرے (تو وہ سن لے) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ نیکو کاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (آل عمران 3:178) ''اور کافر لوگ یہ نہ خیال کریں کہ ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں! بلکہ) ہم ان کو اس

وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ

اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اس پر

خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ

ایمان لاتے ہیں، وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت کے بدلے نہیں بیچتے، وہی ہیں جن کا اجر ان کے رب کے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿199﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا

پاس ہے، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿199﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور حق کی خدمت میں سرگرم رہو،

اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿200﴾ ع 20 11 11

اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿200﴾

لیے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ کر لیں اور ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔''[1] (کافر مر جانے کے بعد مزید گناہ نہیں کر سکتا اس لحاظ سے موت اس کے حق میں بھی بہتر ہے۔)

تفسیر آیات:200,199

بعض اہل کتاب کا حال اور ان کا اجر و ثواب: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور جو اس نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، اس پر بھی صحیح صحیح ایمان رکھتے ہیں، اور سابقہ آسمانی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع، اطاعت و بندگی اور عاجزی و انکسار کا اظہار کرتے ہیں اور ﴿لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ﴾ ''وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے۔'' یعنی ان کے پاس حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں اور آپ کے اوصافِ حمیدہ، آپ کی بعثت اور آپ کی امت کی صفات کا ذکر ہے، اسے چھپاتے نہیں۔

یہ اہل کتاب کے بہترین اور منتخب لوگ ہیں، خواہ یہ یہودی ہوں یا عیسائی، اللہ تعالیٰ نے سورۂ قصص میں ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ○ وَاِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ○ اُولٰٓئِكَ يُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا﴾ (القصص 28:52-54) ''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے کے فرماں بردار ہیں، ان لوگوں کو دوگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ وہ صبر کرتے رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ﴾ (البقرۃ 2:121) ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے، وہ اس کو

[1] تفسیر الطبری: 288/4.

(ایسا) پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤی اُمَّةٌ یَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ وَبِهٖ یَعۡدِلُوۡنَ ﴾ (الأعراف 159:7) ''اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا رستہ بتاتے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ یَّتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَهُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ﴾ (آل عمران 113:3) ''یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّیَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿ وَیَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَیَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ﴾ (بنی إسرآءیل 17:107-109) ''کہہ دیجیے: تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے) جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو اور زیادہ کرتا ہے۔''

یہ صفات یہودیوں کے بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمائے یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے ان صفات کے حامل چند لوگ ہی تھے اور ان کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی۔ ہاں، البتہ عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ تھے جنھوں نے حق کو قبول کر کے راہ ہدایت کو اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الۡیَهُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ﴾ تا ﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ ﴾ (المآئدة 5:82-85) ''(اے پیغمبر!) آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں...... تو اللہ نے ان کو اس کہنے کے عوض (بہشت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔''

اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے۔'' حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے بادشاہِ حبشہ نجاشی کے پاس سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی تو اس وقت ان کے پاس عیسائی علماء اور پادری بھی موجود تھے تو سورۂ مریم سن کر نجاشی اور علماء و مشائخ اس قدر روئے کہ اس کی داڑھی اور پادریوں کے مصاحف آنسوؤں سے تر ہو گئے۔[1] اور صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نجاشی کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو ان کی وفات کی خبر دی اور فرمایا: [إِنَّ أَخًا لَّكُمْ قَدْ مَاتَ فَقُومُوا، فَصَلُّوا

[1] السيرة النبوية لابن هشام، إحضار النجاشي للمهاجرين، وسؤاله لهم عن دينهم: 336/1.

عَلَيْهِ] ''(حبشہ میں) تمھارے ایک بھائی (اَصْحَمہ) کا انتقال ہو گیا ہے، لہٰذا اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو۔''① چنانچہ آپ جنازہ گاہ کی طرف تشریف لے گئے، صفیں درست فرمائیں اور آپ نے نجاشی کی (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھائی۔②

ابن ابو نَجیح نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ سے مراد اہل کتاب کے مسلمان ہیں۔③ عباد بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام حسن بصری سے آیت: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ ''اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت محمد ﷺ سے پہلے کے وہ اہل کتاب ہیں جنھوں نے آپ کی اتباع کی۔④ اور (یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے) اسلام کو پہچان لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دوگنا اجر و ثواب عطا فرمایا ایک ثواب حضرت محمد ﷺ سے پہلے (کی شریعت پر) ایمان لانے کی وجہ سے۔ اور دوسرا حضرت محمد ﷺ کی اتباع کرنے کی وجہ سے۔ ان دونوں روایتوں کو امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ] ...... فَذَكَرَ مِنْهُمْ ......: [وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِي] ''تین قسم کے آدمیوں کو دوگنا اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے (آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے) جو اہل کتاب میں سے ہو اور اپنے نبی کے ساتھ ایمان لائے، پھر میرے ساتھ بھی ایمان لائے۔''⑤

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کے پاس جو علم ہے، اسے وہ چھپاتے نہیں جیسا کہ ان میں سے ایک مردود گروہ نے کیا تھا بلکہ علم کو وہ بغیر کسی طمع کے پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۹۹ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۹۹ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ جلد شمار کرنے والا ہے۔ اس قول کو امام ابن ابو حاتم اور دیگر ائمہ تفسیر نے روایت کیا ہے۔⑥

صبر و استقامت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ ﴾ ''اے اہل

① صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب موت النجاشي، حديث:3877 عن جابر بن عبدالله الأنصاري ﷺ. وصحيح مسلم، الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، حديث:953 واللفظ له عن عمران بن حصين ﷺ. ② صحيح البخاري، الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، حديث:1245عن أبي هريرة ﷺ. ③ تفسير الطبري: 290/4 وتفسير ابن أبي حاتم:846/3. ④ تفسير ابن أبي حاتم:846/3. ⑤ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل من أسلم من أهل الكتابين، حديث:3011 وكتاب النكاح، باب اتخاذ السراريّ......، حديث:5083 وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ، حديث:154. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:847/3.

ایمان! (کفار کے مقابلے میں) صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور (مورچوں پر) جمے رہو۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اس دین پر ثابت قدم رہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور وہ دین اسلام ہے، اسے خوشی غمی اور تنگ دستی وخوش حالی میں بھی نہ چھوڑیں حتی کہ حالت اسلام ہی میں فوت ہوں۔ ① اور ان دشمنوں کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کریں جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں۔ ② علمائے سلف میں سے کئی ایک نے اسی طرح فرمایا ہے۔

مُرَابَطَه کے معنی عبادت کی جگہ پر ہمیشہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اس کے معنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سہل بن حُنَیف اور محمد بن کعب قرظی وغیرہ کا قول ہے۔ ③ امام ابن ابوحاتم نے یہاں اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے جسے امام مسلم اور نسائی نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَا أُخۡبِرُكُمۡ بِمَا يَمۡحُو اللّٰهُ بِهِ الۡخَطَايَا ، وَيَرۡفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ ؟ إِسۡبَاغُ الۡوُضُوءِ عَلَى الۡمَكَارِهِ ، وَكَثۡرَةُ الۡخُطَا إِلَى الۡمَسَاجِدِ ، وَانۡتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعۡدَ الصَّلَاةِ ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ] ''کیا میں تمھیں وہ عمل نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ تمھاری خطاؤں کو معاف فرمادے اور تمھارے درجات بلند کردے؟ فرمایا: وہ ہے ناپسندیدہ اوقات میں اچھی طرح وضو کرنا، مسجدوں کی طرف زیادہ آنا جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور فرمایا: یہی رباط ہے، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔'' ④

ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں مُرَابَطَه سے مراد دشمن کے مقابلے میں مورچوں میں جمے رہنا اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے ⑤ تاکہ دشمن انھیں عبور کرکے مسلمانوں کے علاقوں میں داخل نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں اس کی ترغیب اور اس پر بہت زیادہ ثواب ملنے کا بھی ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رِبَاطُ يَوۡمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيۡرٌ مِّنَ الدُّنۡيَا وَ مَا عَلَيۡهَا] ''اللہ کے رستے میں ایک دن پہرہ دینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' ⑥

امام مسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رِبَاطُ يَوۡمٍ وَّلَيۡلَةٍ خَيۡرٌ مِّنۡ صِيَامِ شَهۡرٍ وَّ قِيَامِهِ ، وَ إِنۡ مَّاتَ، جَرٰى عَلَيۡهِ عَمَلُهُ الَّذِى كَانَ يَعۡمَلُهٗ ، وَأُجۡرِىَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ ، وَأَمِنَ الۡفَتَّانَ] ''ایک دن رات پہرہ دینا ایک مہینے کے صیام وقیام سے بہتر ہے اور اگر اس حالت میں فوت ہوگیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ عمل کیا کرتا تھا اور اس کے مطابق اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور وہ آزمائش میں ڈالنے والے (فرشتوں)

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:847/3. ② تفسیر الطبری:292/4. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:850/3. ④ تفسیر ابن أبي حاتم:849/3 و صحیح مسلم، الطھارۃ، باب فضل إسباغ الوضوء......، حدیث:251 و سنن النسائي، الطھارۃ، باب الفضل فی ذٰلك، حدیث:143 واللفظ لہ. ⑤ تفسیر الطبری:292/4 و تفسیر ابن أبي حاتم:850/3. ⑥ صحیح البخاري، الجھاد والسیر، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ وقول اللہ عزوجل: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصۡبِرُواْ .... ﴾ (آل عمران 200:3)، حدیث:2892.

سے بھی محفوظ رہے گا۔''①

امام احمد نے حضرت فَضالہ بن عُبید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، فَإِنَّهٗ يَنْمُو عَمَلُهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَ يُأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ] ''ہر میت کے عمل کو ختم کر دیا جاتا ہے سوائے اس کے جو اللہ کے رستے میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہوا تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے۔''② امام ابوداود اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔③ نیز امام ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔④

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ : عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ، وَ عَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی: (1) وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے رو پڑی اور (2) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں رات کو پہرہ دیتے ہوئے بیدار رہی۔''⑤

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيصَةِ ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ ، وَ إِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَ إِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ، طُوبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، أَشْعَثَ رَأْسُهٗ ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ ، وَ إِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ ، وَ إِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ]

''دینار و درہم کا بندہ، چادر کا بندہ تباہ و برباد ہو گیا کہ اگر اسے دیا جائے تو وہ خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے، ایسا شخص تباہ و برباد ہو جائے، پھر تباہ و برباد ہو جائے، اگر اسے کانٹا چبھے تو وہ نہ نکالا جائے۔ اور اس شخص کے لیے خوش خبری ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام کو اللہ کے رستے میں پکڑے ہوئے ہو، اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے اور پاؤں غبار آلود

① صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرباط في سبيل الله عزوجل، حديث:1913. ② مسند أحمد:20/6 اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جن اعمال کے اجر و ثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، ان میں سے صرف اللہ کی راہ میں پہرہ دینا ایسا عمل ہے جس کا اجر و ثواب برابر تا قیامت لکھا جاتا رہے گا اور یہ صرف اسی کا خاصہ ہے، غرضیکہ یہ صدقہ جاریہ تو نہیں لیکن صدقہ جاریہ ہی کے ضمن میں شمار ہوتا ہے کیونکہ سرحد پر پہرہ دینے کے اثرات و ثمرات تا دیر باقی رہتے ہیں۔ ملخص از الديباج، منة المنعم، عون المعبود، حاشية السندي.
③ سنن أبي داود، الجهاد، باب في فضل الرباط، حديث:2500 و جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل من مات مرابطًا، حديث:1621. ④ صحيح ابن حبان، باب فضل الجهاد ذكر انقطاع الأعمال......:484/10، حديث:4624. ⑤ جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الحرس في سبيل الله، حديث:1639.

ہوں، اگر اسے پہرے داروں میں رکھا جائے تو وہ پہرے داروں میں رہے اور اگر اسے لشکر کے پچھلے حصے میں رکھا جائے تو وہ پچھلے لوگوں میں رہ جائے اور اگر وہ اجازت طلب کرے تو اسے اجازت نہ دی جائے اور اگر وہ سفارش کرے تو اس کی سفارش کو قبول نہ کیا جائے۔''[1]

امام ابن جریر نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جس میں انھوں نے رومیوں کے خوفناک لشکر جرار کی اطلاع دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ مومن پر جو بھی سختی نازل ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد آسانی پیدا فرما دیتا ہے اور مشکل کبھی دو آسانیوں پر غالب نہیں آتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ ''اے ایمان والو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور حق کی خدمت میں سرگرم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[2]

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک کے حالات میں بروایت محمد بن ابراہیم بن ابوسکینہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے طَرَسُوس میں مجھے یہ اشعار لکھوائے جبکہ میں انھیں جہاد کے لیے روانہ ہونے کے لیے الوداع کہہ رہا تھا، آپ نے یہ اشعار لکھوائے اور میرے ہاتھ انھیں حضرت فُضَیل بن عیاض کی خدمت میں ارسال کرا دیا۔ یہ 170ھ یا 177ھ کا واقعہ ہے، اشعار یہ ہیں:

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ أَبْصَرْتَنَا لَعَلِمْتَ أَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ

''اے کبھی مکہ اور کبھی مدینہ میں عبادت کرنے والے اگر تو ہمارا حال دیکھے تو تجھے یقین آ جائے کہ تو نے عبادت کو اک کھیل بنا رکھا ہے۔''

مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهُ بِدُمُوعِهِ فَنُحُورُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ

''وہ جس نے اپنے رخسار (اللہ کی یاد میں) اپنے آنسوؤں سے تر کر لیے ہیں، میدان جنگ میں آ کر ہمیں دیکھے کہ ہماری گردنیں (اس کی محبت میں) خون سے رنگین ہو رہی ہیں۔''

أَوْ كَانَ يُتْعِبُ خَيْلَهُ فِي بَاطِلٍ فَخُيُولُنَا يَوْمَ الصَّبِيحَةِ تَتْعَبُ

''یا وہ جو اپنے گھوڑے کو باطل کاموں میں تھکا دیتا ہے، اگر ہمیں آ کر دیکھے تو ہمارے گھوڑے تو میدان جنگ میں تھکتے ہیں۔''

رِيحُ الْعَبِيرِ لَكُمْ وَ نَحْنُ عَبِيرُنَا رَهَجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْأَطْيَبُ

''عطر کی مہک تمھارے لیے ہے، ہمارا عطر تو میدان جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھا ہوا پاکیزہ گرد و غبار ہے۔''

وَلَقَدْ أَتَانَا مِنْ مَّقَالِ نَبِيِّنَا قَوْلٌ صَحِيحٌ صَادِقٌ لَّا يُكْذَبُ

[1] صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله، حديث:2887. [2] تفسير الطبری:293/4 والمستدرك للحاكم، التفسير، سورة آل عمران:301,300، حديث:3176.

''ہمارے پاس ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا یہ صحیح اور سچا فرمان پہنچا ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

لَا يَسْتَوِي وَ غُبَارَ خَيْلِ اللّٰهِ فِي أَنْفِ امْرِئٍ وَّ دُخَانَ نَارٍ تَلْهَبُ

''اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے گھوڑوں کے ٹاپوں سے اٹھنے والا غبار اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا دھواں کسی شخص کی ناک میں جمع نہیں ہو سکتے۔''

هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا لَيْسَ الشَّهِيْدُ بِمَيِّتٍ لَّا يُكَذَّبُ

''یہ اللہ کی کتاب ہمارے پاس شہادت دے رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں ہے اور اس بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

محمد بن ابراہیم بن ابوسکینہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ خط حضرت فُضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو مسجد حرام میں پہنچایا جب انھوں نے اس خط کو پڑھا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمانے لگے: ابوعبدالرحمٰن (حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ) نے سچ کہا اور مجھے نصیحت کی ہے، پھر انھوں نے کہا: آپ کاتبین حدیث میں سے ہیں؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، تو انھوں نے کہا: اچھا یہ حدیث لکھو اور یہ معاوضہ ہے ابوعبدالرحمٰن کے اس خط کا جو آپ ہمارے پاس لے کر آئے ہیں۔

پھر حضرت فضیل بن عیاض نے مجھے یہ حدیث لکھوائی کہ ہم سے منصور بن معتمر نے یہ حدیث بیان کی انھوں نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسا عمل سکھا دیجیے جس سے میں اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے اجر و ثواب کو پالوں؟ آپ نے فرمایا: [هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُصَلِّيَ فَلَا تَفْتُرَ ، وَتَصُومَ فَلَا تُفْطِرَ؟ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَنَا أَضْعَفُ مِنْ أَنْ أَسْتَطِيعَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ طُوِّقْتَ ذٰلِكَ مَا بَلَغْتَ فَضْلَ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، أَ مَا عَلِمْتَ أَنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِينَ لَيَسْتَنُّ فِي طِوَلِهِ ، فَتُكْتَبُ بِذٰلِكَ الْحَسَنَاتُ] ''تجھے اس بات کی طاقت ہے کہ تو ساری رات نماز پڑھتا رہے اور کبھی نہ اکتائے اور ساری زندگی روزے رکھتا رہے اور کبھی ناغہ نہ کرے؟ اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں بہت زیادہ کمزور ہوں، مجھے اس کی استطاعت نہیں ہے، پھر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھیں اس بات کی طاقت بھی ہو تو پھر بھی تم مجاہدین فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب کو نہیں پا سکتے، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجاہدین کا گھوڑا اپنی چراگاہ میں رسّی بندھے ہوئے بشاشت سے اچھلتا کودتا ہے تو اس کے عوض بھی نیکیاں لکھی جاتی ہیں؟''①

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' یعنی اپنے تمام امور و احوال میں اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ نبیٔ

① تاریخ دمشق لابن عساکر، عبداللّٰه بن المبارك بن واضح: 307/34 اور صحیحین میں یہی حدیث بالفاظ دیگر بغیر واقعے کے کچھ مرفوعًا اور کچھ موقوفًا مروی ہے، دیکھیے صحیح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الجهاد والسير، حديث: 2785 و صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة، حديث: 1878 و مسند أحمد: 344/2.

اکرم ﷺ نے حضرت معاذ سے اس وقت فرمایا تھا جب آپ نے انھیں یمن میں بھیجا تھا: [اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ ، وَ أَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ] "اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو اور گناہ کے بعد نیکی کرتے رہو، نیکی اسے مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسنِ خلق کے ساتھ پیش آؤ۔"① ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ﴾ "تا کہ تم مراد حاصل کرو۔" یعنی تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔ امام ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھ سے ڈرتے رہو تا کہ کل جب میری ملاقات کے لیے آؤ تو کامیاب ہو جاؤ۔②

سورۂ آل عمران کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری موت کتاب وسنت پر آئے۔ آمین!

① جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی معاشرة الناس، حدیث: 1987 و مسند أحمد: 236/5. ② تفسیر الطبری: 295/4.

تحقیق و تخریج کے

مصادر و مراجع

اسم الكتاب	اسم المصنف	دار النشر	مدينة النشر	سنة النشر
الإتقان	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن السيوطى (849-911ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	
الأحاديث المختارة	لأبى عبدالله محمد بن عبدالواحد أحمد بن الحنبلى المقدسى (567-643ھ)	مكتبة النهضة الحديثة	مكة المكرمة	1410ھ
أحكام القرآن	للإمام أبى بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربى (468-543ھ)	دار الكتب العربى	//	1421ھ 2000م
الأدب المفرد	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى (194-256ھ)	المكتبة الإسلامية	الأُردن	1423ھ 2003م
إرشاد السارى	للإمام شهاب الدين أبى العباس أحمد بن محمد الشافعى القسطلانى (المتوفى 923ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1416ھ 1996م
إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت	1405ھ 1985م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبى الحسن على بن محمد الجَزَرى (المتوفى 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن على بن حجر العَسْقَلانى (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	//	1415ھ 1995م
إكمال المُعلم بفوائد صحيح مسلم	للإمام الحافظ أبى الفضل عياض بن موسى بن عياض اليَحْصِبى (المتوفى 544ھ)	دار الوفاء	//	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبى عبدالله محمد بن إدريس الشافعى القرشى (المتوفى 204ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1420ھ 2000م

بائبل، قرآن اور سائنس (اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاہور پاکستان	1999ء
البحر الزخار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبی بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق العَتَکی البزّار (المتوفی 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومکتبة العلوم والحکم	بیروت	1409ھ 1988ء
البداية والنهاية	لأبی الفداء الحافظ ابن کثیر الدّمشقی (المتوفی 774ھ)	دار الریان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988ء
البیان فی عدّ آی القرآن	لأبی عمرو عثمان بن سعید الأموی الدانی (371-444ھ)	مرکز المخطوطات	الکویت	1414ھ 1994ء
تاج العروس	للإمام محب الدین أبی فیض السید محمد مرتضی الحسینی الزبیدی (المتوفی 1205ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994ء
تاریخ بغداد	للحافظ أبی بکر أحمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ)	دار الفکر	//	1418ھ 1998ء
تاریخ دمشق	للإمام الحافظ أبی القاسم علی بن الحسن الدمشقی الشافعی المعروف بابن عساکر (499-571ھ)	دار إحیاء التراث العربی	//	1421ھ 2001ء
تاریخ الطبری	لأبی جعفر محمد بن جریر الطبری (المتوفی 310ھ)	//	//	
التاریخ الکبیر	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن إسماعیل بن إبراهیم الجُعفِی (194-256ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1414ھ 1993ء
تحفة الأحوذی	للإمام الحافظ أبی العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ)	دار الفکر	//	1415ھ 1995ء
تحفة الأخیار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار بلنسیة	الریاض السعودیة	1420ھ 1999ء
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدین أبی الحجاج یوسف المِزّی (654-742ھ)	دار الغرب الإسلامی	بیروت	1999ء

تذكرة الحفاظ	للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (المتوفى 748ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الترغيب والترهيب	للإمام الحافظ زكى الدين عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى (المتوفى 656ھ)	دار الحديث	القاهرة	1407ھ 1987م
تفسير البغوى	للإمام أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى الشافعي(المتوفى 516ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسير البيضاوى	للإمام ناصر الدين أبى الخير عبدالله بن عمر ابن محمد الشيرازى الشافعي البيضاوى (المتوفى 691ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1418ھ 1998م
تفسير ابن أبى حاتم	للإمامالحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدريس الرازى ابن أبى حاتم (المتوفى 327ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة الرياض	1417ھ 1997م
تفسير الرازى	للإمام فخر الدين الرازى (المتوفى 606ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1415ھ 1995م
تفسير السمعانى	للإمام أبى المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التميمى المَرْوَزِى الشافعي (426-489ھ)	دار الوطن	الرياض	1418ھ 1997م
تفسير الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطَّبَرى (المتوفى 310ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى 211ھ)	دارالكتب العلمية	//	1419ھ 1999م
تفسير القرطبى	لأبى عبدالله محمد بن أحمد الأنصارى القُرطبى	دارالكتب العلمية	//	1413ھ 1993م
تفسير الماوردى	لأبى الحسن على بن محمد بن حبيب الماوردى البصرى (364-450ھ)	دار الكتب العلمية	//	1412ھ 1992م
التلخيص الحبير	للإمام الحافظ أبى الفضل أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار المعرفة	//	1406ھ 1986م

تمام المنّة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	دار الراية	الرياض السعودية	1417ھ
التمهيد	للإمام الحافظ أبی عمر يوسف بن عبدالله ابن محمد بن عبدالبر النمری الأندلسی (368-463ھ)	مكتبة السوادی	جدة	1387ھ 1967م
تنوير المقباس	للإمام السيد حبر الأمة عبدالله بن عباس الهاشمی القرشی (المتوفی 68ھ)	مطبعة أمير	قم إيران	
جامع الترمذی	للإمام الحافظ أبی عيسى محمد بن عيسى ابن سورة الترمذی (200-279ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
جامع المسانيد والسنن	للإمام عماد الدين أبی الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشی الدمشقی الشافعی (700-774ھ)	دار الفكر	بيروت	
حلية الأولياء	للإمام الحافظ أبی نُعَيم أحمد بن عبدالله الأصفهانی الشافعی (المتوفی 430ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
الدر المنثور فی التفسير المأثور	للإمام جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبی بكر السيوطی (المتوفی 911ھ)	دارالكتب العلمية	//	1421ھ 2000م
دلائل النبوة	لأبی بكر أحمد بن الحسين بن علی البيهقی (384-458ھ)	دار الكتب العلمية	//	1405ھ 1985م
الدِّيباج	للحافظ جلال الدين عبدالرحمٰن السيوطی (المتوفی 911ھ)	شركة دار الأرقم بن أبی الأرقم	//	
الرحيق المختوم (اردو)	للشيخ صفی الرحمن مباركفوری	المكتبة السلفية	لاهور باكستان	1416ھ 1995م
روح المعانی	للعلامة أبی الفضل شهاب الدين السيد محمود الألوسی البغدادی (المتوفی127ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1417ھ 1997م
زاد المسير	للإمام أبی الفَرَج جمال الدين عبدالرحمن ابن علی بن محمد الجوزی (المتوفی597ھ)	دار الكتب العلمية	//	1414ھ 1994م

زاد المعاد	للإمام شمس الدين أبی عبداللّٰه محمد بن أبی بکر الزرعی الدمشقی المشھور بابن قیم الجوزیۃ (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	//	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الصحيحة	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ)	مكتبة المعارف	الرياض السعودية	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الضعيفة	// // //	//	//	1420ھ 2000م
سنن الدارقطني	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰه بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بھرام التمیمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الكتب العلمية	//	1417ھ 1996م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السِجستانی (المتوفی 275ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
سنن سعید بن منصور	للحافظ سعید بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصميعی	//	1420ھ 2000م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیھقی (384-458ھ)	إدارة تأليفات أشرفية	ملتان پاکستان	1414ھ 1993م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه محمد بن یزید الربعی ابن ماجه القَزْوِینی (209-273ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی (215-303ھ)	دار السلام	//	1420ھ 1999م

السيرة النبوية	لولی الدين أبی زيد عبدالرحمٰن بن محمد ابن عبدالرحيم الحضرمی الأشبيلی المالکی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مکتبة المعارف	//	1418ھ 1998م
السيرة النبوية	لأبی محمد عبدالملك بن هشام بن أيوب الحِمْيَرِی (المتوفی 218ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
شرح السنة	للإمام الحافظ مُحيی السنة أبی محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوی (436-516ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت	1403ھ 1983م
شرح معانی الآثار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت	1407ھ 1987م
شرح النووی	مُحيی الدين أبوزكريا يحيی بن شرف بن مری الحزامی الحواربی الشافعی (المتوفی 676ھ)	مؤسسة قرطبة	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
شعب الإيمان	للإمام أبی بكر أحمد بن الحسين البيهقی (384-458ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
صحيح البخاری	للإمام أبی عبدالله محمد بن إسماعيل البخاری الجعفی (194-256ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419ھ 1999م
صحيح الترغيب والترهيب	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مكتبة المعارف	الرياض	1421ھ 2000م
صحيح الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المكتب الإسلامی	بيروت لبنان	1408ھ 1988م
صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان الفارسی	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	//	1414ھ 1993م
صحيح ابن خزيمة	للإمام أبی بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة السلمی النيسابوری (المتوفی 311ھ)	المكتب الإسلامی	//	1412ھ 1992م

صحيح سنن أبی داود	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مؤسسة غراس	الكويت	1423ھ 2002م
صحيح مسلم	للإمام أبی الحسين مسلم بن الحجاج القشيری النيسابوری (204-261ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
ضعيف الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المكتب الإسلامی	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
ضعيف سنن ابن ماجه	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	//	//	1415ھ 1994م
الطبقات الكبریٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منيع (المتوفی 230ھ)	دار صادر	بيروت	1418ھ 1998م
عمدة القاری	للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبی محمد محمود بن أحمد العينی (المتوفی 855ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
عون المعبود	للعلامة أبی الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادی	دار الكتب العلمية	//	1410ھ 1990م
فتح الباری	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار نشر الكتب الإسلامية	لاهور پاكستان	1401ھ 1981م
فتح البيان	لأبی الطيب صديق بن حسن بن علی لحسينی القَنُّوجی البخاری (المتوفی 1307ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
كتاب الزهد	للإمام الشيخ عبداللّٰه بن المبارك المروزی (المتوفی 181ھ)	//	//	1419ھ 1998م
كتاب العرش	لأبی عبداللّٰه محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	مكتبة أضواء السلف ومكتبة الإمام البخاری	الرياض السعودية مصر	1420ھ 1999م
كتاب العظمة	لأبی محمد عبداللّٰه بن محمد بن جعفر بن حيّان المعروف بأبی الشيخ (274-369ھ)	دار العاصمة	الرياض السعودية	1419ھ 1998م

الكشاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخشری (المتوفی 528ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
كشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدين علی بن أبی بكر الهيثمی (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1399ھ 1979م
كشف الظنون	للمؤرخ الكامل مصطفی بن عبدالله المشهور بحاجی خليفة (1017-1067ھ)	دار إحياء التراث العربی	//	
اللآلئ المصنوعة فی الأحاديث الموضوعة	للإمام جلال الدين أبی الفضل عبدالرحمٰن ابن الكمال السيوطی (849-911ھ)	دار الكتب العلمية	//	1417ھ 1996م
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين علی بن أبی بكر الهيثمی (المتوفی 807ھ)	دار الفكر	//	1414ھ 1994م
مجموعة الفتاوی	لشيخ الإسلام تقی الدين أحمد ابن تيمية الحَرَّانی (المتوفی 728ھ)	مكتبة العبيكان	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدين أبی الفضل أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	مؤسسة الكتب الثقافية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م
مختصر سنن أبی داود	عبدالعظيم بن عبدالقوی بن عبدالله بن سلامة بن سعد زكی الدين أبومحمد المنذری الشامی المصری (المتوفی 656ھ)	مكتبة السنة المحمدية مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1423ھ 2002م
مختصر قيام الليل	للشيخ أبی عبدالله محمد بن نصر المروزی (المتوفی 294ھ)	مكتبة المنار	الأُردُن	1413ھ 1993م
المراسيل	للإمام الحافظ أبی داود سليمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
المستدرك	للإمام أبی عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابوری (المتوفی 405ھ)	مكتبة نزار مصطفی الباز	مكة المكرمة السعودية	1420ھ 2000م
مسند أحمد (طبع ميمنية)	للإمام الحافظ أبی عبدالله أحمد بن محمد ابن حنبل الشيبانی البغدادی (164-241ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق	1403ھ 1983م

مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشَّيْبانی البغدادی (164-241ھ)	بيت الأفكار الدولية	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
مسند أبی داود الطَّيالِسی	لسليمان بن داود بن الجارود (المتوفی 204ھ)	هجر	أمباية	1419ھ 1999م
المسند الضعيف	للإمام أبی جعفر محمد بن عمرو بن وهبی بن حماد العقيلی (المتوفی 322ھ)	مكتبة نزار مصطفی الباز	مكة المكرمة السعودية	1422ھ 2001م
مسند أبی عوانة	للإمام أبی عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائينی (المتوفی 316ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
مسند أبی يعلی المَوصلی	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن المثنی التمِيمی (210-307ھ)	دار الثقافة العربية	بيروت دمشق	1412ھ 1992م
المصنف	للإمام الحافظ أبی بكر عبدالله بن محمد بن أبی شيبة (المتوفی 235ھ)	دار الكتب العلمية	//	1416ھ 1995م
المصنف	للحافظ الكبير أبی بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی 211ھ)	المكتب الإسلامی	//	1403ھ 1983م
المطالب العالية	للحافظ ابن حجر أحمد بن علی العسقلانی (773-852ھ)	دار المعرفة	//	1414ھ 1993م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدين أبی عبدالله ياقوت بن عبدالله الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	//	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز البغوی (المتوفی 773ھ)	مكتبة دار البيان	دولة الكويت	1421ھ 2000م
المعجم الكبير	للحافظ أبی القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مطبعة الزهراء الحديثية	موصل	1420ھ 2000م
معجم ما استعجم	لعبدالله بن عبدالعزيز البكری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الكتب	بيروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدين أبی محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م

منهاج السنة النبوية	لأبى العباس تقى الدين أحمد بن عبدالحليم ابن تيمية الحرانى الدمشقى (المتوفى 728ھ)	دار المعرفة	//	1406ھ 1986م
الموسوعة الحديثية (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبداللّٰه ابن عبدالمحسن التركى	مؤسسة الرسالة	//	1420ھ 1999م
النجوم الزاهرة فى ملوك مصر والقاهرة	لجمال الدين أبى المحاسن يوسف بن تغرى بُردى (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار ابن القيم ودار ابن عفان	القاهرة	1422ھ 2001م

المصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

سورۂ فاتحہ —— سورۂ آل عمران

امام ابو الفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱-۷۷۴ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق و نظر ثانی:

شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دار السلام

دار السلام
DARUSSALAM

المِصباح المُنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثارِ سلف کی روشنی میں

2

© مكتبة دارالسلام، ١٤٢٨ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
ابن كثير، اسماعيل بن عمر
تفسير ابن كثير - الجزء الثاني. / اسماعيل بن عمر بن كثير - الرياض ١٤٢٨ هـ
ص: ٨٤٥ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٤-٦-٩٩٢٧-٩٩٦٠
(النص باللغة الاردية)
١- القرآن - التفسير بالمأثور أ. العنوان
ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٢٨/٢٦٥٣
رقم الإيداع: ١٤٢٨/٢٦٥٣
ردمك: ٤-٦-٩٩٢٧-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.dar-us-salam.com

● طریق مکہ۔العلیا۔الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
● مدینہ منورہ: 00966-04-8234446 فیکس: 04-8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328
● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624
امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
لندن فون: 4885 539 208 0044 فیکس: 208 5394889
❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ مُون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

المصباح المنير

تهذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

2

سورۂ نساء ــــ سورۂ انفال

امام ابوالفدا عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ ــ ۷۷۴ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق و نظرثانی:

شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام

دارالسلام
DARUSSALAM

بسم الله الرحمن الرحيم

ارشادِ باری تعالیٰ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

''کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں؟''

(سورۂ محمد:24)

فرمانِ نبوی

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

(صحیح بخاری:5027)

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

اجمالی فہرست

فہرست

تفسیر سورۂ نساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ

عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو، اور رشتے توڑنے سے ڈرو،

اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے①

اس سورت کے مدنی ہونے اور اس کی فضیلت کا بیان: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نساء مدینہ میں نازل ہوئی۔[1] اسی طرح (کا قول) ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نساء میں پانچ آیات ایسی ہیں کہ اگر مجھے پوری دنیا اور اس کا سارا ساز و سامان بھی مل جائے تو اتنی خوشی حاصل نہ ہوگی جتنی ان آیات سے خوشی حاصل ہوئی ہے اور وہ پانچ آیات یہ ہیں: 1- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ ﴾ (الآية:40.) 2- ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ ﴾ (الآية:31.) 3- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (الآية:48.) 4- ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ﴾ (الآية: 64.) اور 5- ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (الآية:110.) اس کے بعد امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اگرچہ عبدالرحمٰن کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے، تاہم اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟[2]

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: سورۂ نساء کے بارے میں مجھ سے جو چاہو پوچھو! میں نے قرآن کو چھوٹی عمر ہی میں پڑھ لیا تھا۔ پھر امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے

① الدر المنثور:205/2. ② المستدرك للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة النسآء:305/2، حديث:3194 . اور دیکھیے تهذيب التهذيب:195/6.

لیکن شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔ ①

تفسیر آیت:1

تقویٰ کا حکم اور پیدائش وصلہ رحمی کی یاددہانی: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اور تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسی وحدہٗ لا شریک کی عبادت کریں، نیز یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے جس کے ساتھ اس نے ان سب کو ایک ہی شخص، یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔ ﴿ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا ﴾ ''اور اس سے اس کا جوڑا بنایا۔'' یعنی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور انھیں ان کے پیچھے کی جانب سے ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور بیدار ہونے پر جب انھیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہو گئے۔ ②

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: [فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ ، وَّإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ]، [وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ] ''عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ اور اگر اس سے فائدہ اٹھاؤ تو اسی طرح فائدہ اٹھاؤ گے کہ اس میں ٹیڑھا پن ہو گا۔'' ③

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ ﴾ ''اور ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلائے۔'' یعنی آدم و حوا سے بہت سے مرد و عورت پیدا فرمائے اور انھیں مختلف اصناف وصفات اور مختلف رنگ اور بولیاں عطا فرما کر اطراف واکنافِ عالم میں پھیلا دیا اور آخرت و محشر میں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ ﴾ ''اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور تم اس کی اطاعت بجالاؤ۔ ابراہیم، مجاہد اور حسن فرماتے ہیں کہ ﴿ الَّذِيۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ ﴾ یعنی یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں تم سے اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کے نام پر یہ سوال کرتا ہوں۔ ④ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ تم اللہ سے ڈرو جس کے نام کے ساتھ تم عقد و عہد کرتے ہو۔ ⑤ اور قطع رحمی سے ڈرو اور صلہ رحمی کو اختیار کرو، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، حسن، ضحاک، ربیع اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا ہے۔ ⑥

بعض ائمہ نے ﴿ الۡاَرۡحَامَ ؕ ﴾ کو ﴿ بِهٖ ﴾ کی ضمیر پر عطف کی وجہ سے مکسور بھی پڑھا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جس اللہ اور رشتہ داریوں کے نام پر تم سوال کرتے ہو جیسا کہ امام مجاہد وغیرہ نے کہا ہے۔ ⑦ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ

① المستدرك للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة النسآء: 301/2، حديث: 3178. ② تفسير الطبرى: 297/4.
③ صحيح البخارى، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3331 اور اس کا بعض حصہ صحيح البخارى، النكاح، باب المُداراة مع النساء، حديث: 5184 عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ④ تفسير الطبرى: 299/4. ⑤ تفسير الطبرى: 299/4. ⑥ تفسير الطبرى: 300/4. ⑦ تفسير الطبرى: 299/4.

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال کو برے مال سے نہ بدلو۔ اور تم ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ

اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ

ہے②اور اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے بجائے ان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں، دو دو، تین تین

لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ

اور چار چار سے نکاح کر لو، پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو) یہ زیادہ

اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ

بہتر ہے کہ اس طرح تم ناانصافی کرنے سے بچے رہو گے③اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو، پھر اگر وہ دل کی خوشی سے تمھیں کچھ مہر چھوڑ دیں

شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ④

تو تم اسے شوق سے کھا سکتے ہو④

رَقِيْبًا ① ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے تمام اعمال واحوال کی نگہبانی فرما رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ﴾ (البروج 9:85) ''اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔''

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ] ''اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے (اگر یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا تو پھر یہ یقین رکھو کہ) وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔''[①] یہ رہنمائی بھی ہے اور حکم بھی کہ اس ذات گرامی کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے جو اپنے بندوں کی مکمل نگہبانی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ایک باپ اور ماں سے پیدا فرمایا ہے تو یہ اس لیے تاکہ یہ ایک دوسرے پر شفقت کریں اور کمزوروں سے حسن سلوک کریں۔

صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب خاندان مُضَر کے لوگ حاضر ہوئے (تو وہ افلاس وفقر کی وجہ سے) چیتھڑے پہنے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ آیت کریمہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ مکمل پڑھی، پھر یہ آیت کریمہ بھی پڑھی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ﴾ (الحشر 18:59) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور (ہر) شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے۔'' پھر آپ نے صدقے کی ترغیب دی: [تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِيْنَارِهِ، مِنْ دِرْهَمِهِ (مِنْ ثَوْبِهِ) مِنْ صَاعِ بُرِّهِ ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ] ''تو آدمی اپنے درہم و دینار، کپڑے، گندم

① صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ......، حديث: 50 عن أبي هريرة رضي الله عنه. وصحيح مسلم، الإيمان ، باب بيان الإيمان والإسلام...... ، حديث: 8 عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. اس حدیث کا ابتدائی لفظ [أُعْبُدْ] مسند أحمد: 132/2 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

اور کھجور کے صاع (بھر بھر کے) اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے لگے۔'' [1] پھر انھوں نے پوری حدیث ذکر کی۔ اس حدیث کو امام احمد اور دیگر کئی اہل سنن نے بھی بیان کیا ہے۔ [2] اور اہل سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خطبۂ حاجت کے سلسلے میں بھی روایات بیان کی ہیں۔ [3] ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے تین آیات کی تلاوت فرمائی تھی جن میں سے ایک یہ بھی ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ..... ﴾ الآية.

تفسیر آیات: 2-4

یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یتیم جب بالغ ہو جائیں تو ان کا سارا اور پورا پورا مال انھیں دے دیا جائے، نیز اللہ تعالیٰ نے ان کے مال کو کھانے اور اپنے مال کے ساتھ ملانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ﴾ ''اور ناپاک کو پاک کے عوض نہ بدلو۔'' حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور امام زہری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کمزور اور مریل جانور دے کر ان کے صحت منداور موٹے جانور کو نہ لے لو۔ [4] ابراہیم نخعی اور ضحاک فرماتے ہیں کہ کھوٹے سکے دے کر کھرے نہ لے لو۔ [5] سدی فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اس طرح کیا کرتے تھے کہ یتیم کے مال میں سے موٹی تازی اور صحت مند بکری کو تو خود رکھ لیتے اور اس کے بجائے یتیم کو دبلی پتلی بکری دے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بکری کے بدلے میں بکری ہے، اسی طرح عمدہ درہم کو تو خود رکھ لیتے اور یتیم کو کھوٹا درہم دے دیتے اور کہتے کہ یہ درہم کے بدلے میں درہم ہے۔ [6]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ ﴾ ''اور تم ان کا مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھاؤ۔'' مجاہد، سعید بن جبیر، مقاتل بن حیان، سدی اور سفیان بن حسین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا مال اپنے مال میں نہ ملاؤ تاکہ سارے مال ہی کو کھا جاؤ۔ [7] اور ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں بہت بڑا گناہ۔ اسی طرح امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، ابن سیرین، قتادہ، مقاتل بن حیان، ضحاک، ابو مالک، زید بن اسلم اور ابوسنان رحمہم اللہ سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرح مروی ہے۔ [8] گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارا یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا کر کھا جانا عظیم گناہ اور بہت بڑی خطا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرو۔

کم مہر کے عوض یتیم لڑکی سے نکاح کی مخالفت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

① ملخص از صحیح مسلم، الزكاة، باب الحثّ على الصدقة ......، حديث: 1017. ② مسند أحمد: 359,358 و سنن النسائي، الزكاة، باب التحريض على الصدقة، حديث: 2555 و جامع الترمذي، العلم، باب فيمن دعا إلى هدى...... حديث: 2675 مختصرًا. ③ سنن أبي داود، النكاح، باب في خطبة النكاح، حديث: 2118 و جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، حديث: 1105 و سنن ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح، حديث: 1892. ④ تفسير الطبري: 304/4. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 856/3. ⑥ تفسير الطبري: 304/4. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم: 756/3. ⑧ تفسير ابن أبي حاتم: 756/3.

مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ ''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (ان کے سوا) جو عورتیں تم کو پسند ہوں، ان سے نکاح کر لو۔'' یعنی جب تم میں سے کسی کی پرورش میں یتیم لڑکی ہو اور اسے یہ خوف ہو کہ وہ اسے مہر مثل نہیں دے گا تو اسے چاہیے کہ اس کے بجائے کسی اور عورت سے نکاح کر لے کیونکہ عورتیں بے شمار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملے کو تنگ نہیں کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص کے پاس یتیم لڑکی تھی، اس نے اس سے نکاح کر لیا، اس لڑکی کا ایک کھجور کا درخت تھا، اور اسی درخت کی وجہ سے وہ اس کو اپنے پاس روکے ہوئے تھا جبکہ اس (لڑکی) کو اس کی طرف سے کچھ نہیں ملتا تھا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى ﴾ (ہشام بن یوسف جو اس حدیث کے رواۃ میں سے ہیں، کہتے ہیں:) [1] میرا خیال ہے کہ راوی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ لڑکی اس کھجور میں اور اس کے مال میں اس کی شریک تھی۔ [2]

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ بھانجے! اس سے مراد وہ لڑکی ہے جو اپنے وارث کی گود (پرورش) میں ہوتی تھی اور اس کے مال میں شریک ہوتی تھی اور اسے اس کا مال اور حسن و جمال پسند ہوتا تھا، لہٰذا اس کا ولی یہ چاہتا تھا کہ حق مہر میں انصاف کیے بغیر اس سے نکاح کر لے تو انھیں منع کر دیا گیا کہ وہ یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کریں الا یہ کہ ان سے انصاف کریں اور اعلیٰ دستور کے مطابق انھیں مہر دیں یا پھر ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کر لیں جو ان کو پسند ہوں۔

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ اس آیت کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَيَسۡتَفۡتُوۡنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ ﴾ (النسآء 4:127) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ دوسری آیت [3] میں جو یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡكِحُوۡهُنَّ ﴾ (النسآء 4:127) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یتیم لڑکی جب مال اور حسن و جمال کے اعتبار سے کم ہو تو پھر تم اس میں رغبت نہیں رکھتے، لہٰذا ان یتیم لڑکیوں سے جن کا مال اور جمال انھیں پسند ہو ان سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا الا یہ کہ ان سے انصاف کریں کیونکہ جب وہ مال و جمال کے اعتبار سے کم ہوتی تھیں تو پھر انھیں ان سے نکاح کرنے میں کوئی رغبت نہیں ہوتی تھی۔ [4]

چار عورتوں سے شادی کی اجازت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَثۡنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ ﴾ ''دو دو یا تین تین یا چار چار۔''

[1] دیکھیے فتح الباری، حدیث:4573 کے ذیل میں۔ [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى ﴾ (النسآء 4:3)، حدیث:4573. [3] یہ دوسری آیت نہیں بلکہ اسی آیت کا حصہ ہے۔ اور یہاں کچھ الفاظ ساقط ہو گئے ہیں جس کی وضاحت صحیح مسلم میں ہے، دیکھیے صحیح مسلم، التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقۃ، حدیث:3018، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری، حدیث:4574 کے ذیل میں۔ [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى ﴾ (النسآء 4:3)، حدیث:4574.

یعنی ان یتیم لڑکیوں کے سوا جن عورتوں سے چاہو شادی کرلو اگر تم میں سے کوئی چاہے تو وہ دو دو عورتوں سے اور اگر چاہے تو تین تین سے یا اگر چاہے تو چار چار عورتوں سے نکاح کرلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ (فاطر 1:35) ''(اللہ تعالیٰ) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔'' یعنی ان میں سے بعض کے دو دو اور بعض کے تین تین اور بعض کے چار چار پر ہیں، اس سے فرشتوں کے زیادہ پروں کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی دلیل موجود ہے۔[1] جبکہ مردوں کے لیے چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور خود یہ آیت بھی زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کرنے کی دلیل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء نے فرمایا ہے۔[2] کیونکہ یہ مقام ایسا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسان کا اظہار اور عورتوں سے نکاح کے جواز کو بیان فرما رہا ہے، لہٰذا اگر بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً اس مقام پر بیان فرما دیتا۔

امام احمد نے سالم کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ غَیلان بن سَلَمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں تو نبیٔ اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: [اِخۡتَرۡ مِنۡهُنَّ أَرۡبَعًا] ''ان میں سے چار کا انتخاب کرلو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں انھوں نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور مال اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تمھاری موت کی خبر سن لی ہے اور اس نے تمھارے دل میں ڈال دیا ہے کہ اب تم تھوڑا عرصہ ہی دنیا میں رہو گے۔ اللہ کی قسم! تم یا تو اپنی بیویوں سے رجوع کرلو گے اور اپنے مال کو واپس لے لو گے یا پھر انھیں تمھارا وارث قرار دے دوں گا اور حکم دے دوں گا کہ تمھاری قبر کو بھی اسی طرح رجم کیا جائے جس طرح ابو رِغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا۔[3] اس روایت کو امام شافعی، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی اور دیگر کئی محدثین نے بھی اس طرح روایت کیا ہے مگر یہاں تک کہ [اِخۡتَرۡ مِنۡهُنَّ أَرۡبَعًا] ''ان میں سے چار کا انتخاب کرلو۔''[4] اس حدیث مبارکہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کی اجازت ہوتی تو نبی ﷺ اسے ضرور اجازت دے دیتے کیونکہ وہ مسلمان بھی ہو چکی

---

[1] دیکھیے صحیح البخاری، بدء الخلق، باب إذا قال أحدکم: آمین......، حدیث: 3232 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 859/3 . [3] مسند أحمد: 14/2 اور ابو رِغال کا واقعہ دیکھیے سنن أبي داود: 3088 اور السلسلة الضعيفة: 283/10، حدیث: 4736 . [4] کتاب الأم، النکاح، باب الرجل یسلم وعنده أ کثر من أربع نسوة: 170/6، حدیث: 1572 وجامع الترمذي، النکاح، باب ماجاء في الرجل یسلم وعنده عشر نسوة، حدیث: 1128 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر واقعے کے ساتھ۔ وسنن ابن ماجه، النکاح، باب الرجل یسلم وعنده أکثر من أربع نسوة، حدیث: 1953 وسنن الدار قطني، النکاح، باب المهر: 188/3، حدیث: 3641 و3652 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر واقعے کے ساتھ والسنن الکبرٰی للبیهقي، النکاح، باب من یسلم وعنده أ کثر من أربع نسوة: 181/7 اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصے کے ساتھ ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے دیکھیے صحیح ابن حبان، النکاح، باب نکاح الکفار: 463/9، حدیث: 4156 ومسند أبي یعلٰی، مسند عبد اللہ بن عمر: 325/9، حدیث: 5437 .

تھیں، پس جب آپ نے چار کو رکھ کر باقی کو علیحدہ کرنے کا حکم دے دیا تو یہ دلیل ہے کہ چار سے زیادہ (بیویاں بیک وقت) جائز نہیں ہیں جبکہ چار سے زیادہ کا یہ سلسلہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا تو جو نئے سرے سے چار سے زیادہ رکھنا چاہے اس کے لیے یہ کام بطریق اولیٰ حرام ہوا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

عدل نہ کرنے کی صورت میں ایک عورت پر اکتفا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ﴾ ''پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو۔)'' یعنی اگر تعددِ ازواج کی صورت میں تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں انصاف نہیں کر سکو گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ ﴾ (النسآء4:129) ''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے۔''

جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ انصاف نہیں کر سکے گا تو اسے ایک عورت پر یا پھر لونڈیوں اور باندیوں پر اکتفا کرنا چاہیے کیونکہ ان کی باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں ہے۔ ہاں، البتہ مستحب ضرور ہے، یعنی کوئی اگر یہ کرے گا تو اچھا ہے اور نہ کر سکے تو کوئی حرج نہیں۔ ﴿ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ۝ ﴾ ''اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔'' یعنی ظلم نہیں کر سکو گے، چنانچہ کہا جاتا ہے: عَالَ فِي الْحُكْمِ ''اس نے فیصلے میں ظلم کیا۔'' یعنی جب کوئی ظلم و جور اور ناانصافی کرے۔

امام ابن ابوحاتم، ابن مردویہ نے اور امام ابوحاتم ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [﴿ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ۝ ﴾ قَالَ: لَا تَجُورُوا] ''فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح تم ظلم نہیں کرو گے۔''[1] امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا: یہ حدیث (مرفوعاً) درست نہیں ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موقوف روایت ہے۔ امام ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، امام مجاہد، عکرمہ، حسن، ابومالک، ابورزین، نخعی، شعبی، ضحاک، عطاء خراسانی، قتادہ، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے مروی ہے: أَنْ لَّا تَمِيلُوا ''کہ تم ایک طرف مائل نہ ہو سکو گے۔''[2]

مہر دینا واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ﴾ ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ النحلة کے معنی مہر کے ہیں۔[3] اور محمد بن اسحاق نے امام زہری سے انھوں نے عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ﴿ نِحۡلَةً ﴾ کے معنی فریضے کے ہیں[4]، مقاتل، قتادہ، اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔[5] ابن جریج نے یہ بھی کہا ہے کہ ﴿ نِحۡلَةً ﴾ اس فریضے کو کہتے ہیں جس کا نام لے کر تعین کیا گیا ہو۔[6] اور ابن زید کہتے ہیں کہ ﴿ نِحۡلَةً ﴾ عربی زبان میں واجب کو کہتے ہیں، یعنی عورت

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:860/3 و صحيح ابن حبان، النكاح، ذكر الخبر المدحض قول من زعم......:338/9، حديث: 4029 . [2] تفسير ابن أبي حاتم:860/3 . [3] تفسير الطبري:321/4 . [4] تفسير ابن أبي حاتم:861/3 . [5] تفسير الطبري:321/4 . [6] تفسير الطبري:321/4 .

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا

اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمھارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنائے ہیں، البتہ ان میں سے انھیں کھانے اور پہننے کے لیے دو۔

لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا

اور ان سے اچھی بات کہو⑤ اور تم یتیموں کی جانچ پرکھ کرو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم انھیں سمجھ دار پاؤ تو ان کے مال ان کے

فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا

سپرد کردو، اور تم ان کے مال حد سے بڑھ کر اور جلدی کرتے ہوئے (اس خیال سے) نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہوجائیں گے (اور اپنا حق مانگیں گے) اور جو

فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

(سرپرست) مالدار ہو وہ (یتیم کا مال کھانے سے) بچے، اور جو غریب ہو وہ جائز طریقے سے (اس کا مال) کھا سکتا ہے۔ پھر جب تم ان کے مال ان کے سپرد

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥

کرو تو ان پر کسی کو گواہ ٹھہرا لو، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے⑥

کے لیے کسی چیز کو واجب کیے بغیر اس سے نکاح نہ کرو کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کے بعد کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ مہر واجب کیے بغیر کسی عورت سے نکاح کرلے اور مہر ناحق اور جھوٹ پر بھی مبنی نہیں ہونا چاہیے۔[1]

بہر حال ان سب حضرات کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد پر یہ واجب ہے کہ وہ یقینی طور پر اپنی بیوی کو مہر ادا کرے اور نہایت خوش دلی سے ادا کرے جس طرح تحفہ اور عطیہ خوش دلی سے دیا جاتا ہے، اسی طرح بیوی کو مہر بھی بطیبِ خاطر ادا کرے اور اگر مہر کے تعین کے بعد کوئی عورت اپنا سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی خوشی سے معاف کردے تو اسے حلال وطیّب سمجھ کر کھالے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا ④ ﴾ ''پھر اگر وہ دل کی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھالو۔''

تفسیر آیات:6,5

بے عقلوں کے لیے اپنے مال میں تصرف پر پابندی: اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ بے عقلوں کو اپنے مال میں تصرف کرنے دیا جائے کیونکہ مال لوگوں کے لیے سبب معیشت ہے۔ بے عقلوں پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس پابندی کی کئی قسمیں ہیں کبھی تو یہ صغرسنی کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ صغیر السن کی بات کا اعتبار نہیں اور کبھی یہ پابندی جنون کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی یہ عقل یا دین کی کمی کی وجہ سے سوءِ تصرف کے باعث ہوتی اور کبھی افلاس کے سبب۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب آدمی کے قرض اس قدر زیادہ ہو جائیں کہ اس کے سارے مال سے بھی اس کے قرض ادا نہ ہوتے ہوں، لہٰذا جب قرض دار، حاکم سے مطالبہ کریں تو وہ مقروض پر یہ پابندی عائد کرسکتا ہے کہ وہ اپنے مال میں کوئی تصرف نہ کرے۔

[1] تفسیر الطبری:321/4.

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ﴾ ''اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو۔'' کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد تمھارے بیٹے اور عورتیں ہیں۔ ① حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حکم بن عُتَیبہ، حسن اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ ② اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ﴿ السُّفَهَآءَ ﴾ سے مراد یتیم بچے ہیں۔ ③ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے مراد صرف عورتیں ہی ہیں۔ ④

ان پر حسبِ دستور خرچ کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ ﴾ ''اور اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول باتیں کہتے رہو۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ نہ کرو کہ اپنے مال و جائیداد کو جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے سبب معیشت بنایا ہے، اپنے بیوی بچوں کو دے دو اور ضرورت کے وقت تم ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھو بلکہ اپنے مال کو اپنے پاس رکھو اور اس کی افزائش کرتے رہو، پھر خود اپنے ہاتھ سے اپنے بیوی بچوں پر ان کے لباس، طعام اور دیگر ضروریات کے لیے خرچ کرو۔ ⑤ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ ﴾ یعنی نیکی و صلہ رحمی کے سلسلے میں ان سے معقول باتیں کہتے رہو۔ ⑥ اس آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اہل خانہ اور ان لوگوں پر جن پر بالفعل تصرف کی پابندی ہے، ان سے حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے، لباس اور طعام وغیرہ کے لیے ان پر خرچ کیا جائے، نیز ان سے شائستہ گفتگو کی جائے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے۔

یتیموں کا امتحان اور بلوغت کے وقت مال ان کے سپرد کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى ﴾ ''اور تم یتیموں کو (سدھارتے اور) آزماتے رہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا امتحان کرلو۔ ⑦ ﴿ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ ﴾ ''یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ نکاح سے یہاں بلوغت مراد ہے۔ ⑧

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ لڑکے میں بلوغت کی نشانی احتلام ہے، یعنی وہ ایسا خواب دیکھنے لگے جس سے اس ٹپکنے والے پانی کا انزال ہو جائے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ⑨ سنن ابوداود میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ یاد رکھا ہے: [لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ ، وَّلَا صُمَاتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ] ''احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور دن سے لے کر رات تک خاموشی نہیں۔'' ⑩ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ]، [عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ

① تفسیر ابن أبی حاتم:863/3 . ② تفسیر ابن أبی حاتم:863/3 . ③ تفسیر الطبری:327/4. ④ تفسیر الطبری: 329/4 وتفسیر ابن أبی حاتم:863/3 . ⑤ تفسیر الطبری:332/4. ⑥ تفسیر الطبری:334/4. ⑦ تفسیر الطبری: 334/4 وتفسیر ابن أبی حاتم:865/3 . ⑧ تفسیر الطبری:335/4 . ⑨ تفسیر الرازی:188/9. ⑩ سنن أبی داود، الوصایا، باب ماجاء متی ینقطع الیتم؟ حدیث:2873 .

حَتّٰی يُفِيقَ] ''تین شخص مرفوع القلم ہیں: (1) بچہ حتی کہ بالغ ہو جائے۔ (2) سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور (3) مجنون حتی کہ تندرست ہو جائے۔''①

یا پھر بلوغت کی علامت یہ ہے کہ بچے کی عمر پوری پندرہ سال ہو جائے، یہ استدلال اس حدیث سے کیا گیا ہے جو صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنگ احد کے دن نبی اکرم ﷺ نے مجھے جنگ کرنے کے لیے خوب جانچا پرکھا (مگر) میری عمر اس وقت چودہ سال تھی تو آپ نے مجھے اجازت نہ دی۔ اور جب خندق کے دن میرا جائزہ لیا تو اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے مجھے اجازت عطا فرما دی۔ نافع نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو جب یہ حدیث پہنچائی تو انھوں نے کہا کہ بچے اور بڑے میں یہی فرق ہے۔②

اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب شرم گاہ کے اردگرد کھردرے بال اگ آئیں تو کیا یہ بلوغت کی علامت ہے یا نہیں؟ صحیح بات یہی ہے کہ یہ بھی بلوغت کی علامت ہے اور سنت سے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے عطیہ قُرظی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریظہ کے دن ہمیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو جس کے (زیرِ ناف) بال اُگے تھے، اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے بال نہیں اُگے تھے، اسے قتل نہیں کیا گیا تھا، میں ان میں سے تھا جن کے بال ابھی نہیں اُگے تھے، لہٰذا مجھے چھوڑ دیا گیا۔③ اہل سنن اربعہ نے بھی اس حدیث کو تقریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔④ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوٓا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ ﴾ ''پھر اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔'' سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ﴿ رُشْدًا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اگر تم یہ دیکھو کہ وہ دین کے اعتبار سے پختہ ہیں اور اپنے مال کی حفاظت کر سکتے ہیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔⑤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری رحمہ اللہ اور دیگر کئی ائمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔⑥ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے کہ جب بچہ اپنے دین و مال کی حفاظت کے قابل ہو جائے تو اس سے پابندی ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کے ولی کے پاس اس کا جو مال ہو، وہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔

فقراء کے لیے مالِ یتیم کو کھانے کا جواز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوهَآ إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا ۚ ﴾ ''اور

① پہلا حصہ المستدرك للحاكم، البيوع: 59/2 ، حديث: 2350 اور اس کا دوسرا حصہ صحیح ابن حبان ، الإيمان، باب التكليف: 355/1، حديث: 142 میں ہے۔ بالفاظ دیگر یہ روایت سنن اربعہ میں بھی ہے: سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يُسرق أو يصيب حدًا، حديث: 4398 و4403 وجامع الترمذي: 1423 وسنن النسائي، حديث: 3462 وسنن ابن ماجه: 2041 . ② صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، حديث: 2664 وصحيح مسلم، الإمارة، باب بيان سنّ البلوغ، حديث: 1868. ③ مسند أحمد: 310/4 . ④ سنن أبي داود ، الحدود ، باب في الغلام يصيب الحدّ، حديث: 4405,4404 وجامع الترمذي، السير، باب ماجاء في النزول على الحكم، حديث: 1584 وسنن النسائي، الطلاق، باب متى يقع طلاق الصبي؟ حديث: 3460,3459 وسنن ابن ماجه ، الحدود، باب من لم يجب عليه الحد؟ حديث: 2541 . ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 866/3 . ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 865/3 .

اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے) اس کو فضول خرچی اور جلدی جلدی میں نہ اڑا دینا۔" اللہ تعالیٰ نے کسی ناگزیر حاجت وضرورت کے بغیر یتیموں کے مال کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔﴿ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا ﴾ یعنی ان کے بڑے ہونے سے پہلے جلدی سے اسے نہ کھا جاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ ﴾ یعنی جو شخص یتیم کے مال سے بے نیاز ہو تو اسے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور اسے بالکل نہیں کھانا چاہیے۔﴿ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾ "اور جو محتاج ہو وہ مناسب طور پر (بقدر خدمت) کچھ لے لے۔" امام ابن ابوحاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت یتیم کے والی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز کرنا چاہیے اور جو حاجت مند ہو وہ مناسب طور پر بقدر خدمت کچھ لے لے۔[1] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے عمرو بن شعیب کی اپنے باپ سے اور شعیب کی اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میرے پاس مال نہیں ہے۔ ہاں، البتہ میرے پاس ایک یتیم (کا مال) ہے؟ آپ نے فرمایا: [كُلْ مِنْ مَّالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَّلَا مُبَذِّرٍ وَّلَا مُتَأَثِّلٍ مَّالًا، وَّمِنْ غَيْرِ أَنْ تَقِيَ مَالَكَ ۔أَوْقَالَ: تَفْدِيَ مَالَكَ۔ بِمَالِهٖ] "تم اپنے (زیر پرورش) یتیم کے مال میں سے کھا سکتے ہو بشرطیکہ اسراف و تبذیر نہ ہو اور نہ تم مال کو جمع کرو اور نہ اس کے مال کے بجائے اپنے مال کو بچالو، حسین (ایک راوی) کو شک ہے کہ یا آپ نے یہ فرمایا کہ اپنا مال (بچا کر) رکھتے ہوئے اس کا مال، خرچ مت کر دو۔"[3]

ارشاد ربانی ہے: ﴿ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ﴾ یعنی جب وہ بلوغت اور عقل کی پختگی کو پہنچ جائیں تو ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو ﴿ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ "تو ان پر گواہ بنا لیا کرو۔" یہ اللہ تعالیٰ نے والیوں کو حکم دیا ہے کہ یتیم جب بالغ ہو جائیں اور یہ ان کا مال ان کے حوالے کریں تو اس پر گواہ بنالیں تاکہ کوئی انکار نہ کر سکے کہ اس نے مال اپنے قبضے میں لیا ہی نہیں۔﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥ ﴾ "اور اللہ ہی (گواہ اور) حساب لینے والا کافی ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا اور گواہ کافی ہے، اور اللہ تعالیٰ والیوں کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوتا ہے، جب وہ یتیموں کے مال کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت بھی جب وہ انھیں ان کا مال حوالے کر رہے ہوتے ہیں اور اسے اس بات کا پورا پورا علم ہوتا ہے کہ یہ انھیں ان کا مال کامل اور مکمل ادا کر رہے ہیں یا اس میں کمی کر دی گئی ہے یا اس میں کھوٹے سکے داخل کر دیے ہیں، نیز حساب درست ہے یا اس میں کمی بیشی کر دی گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان تمام حالات وواقعات کو خوب جانتا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [يَا أَبَا ذَرٍّ ! إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا، وَّ إِنِّي أُحِبُّ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 869/3 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ ......﴾ (النسآء 6:4) ، حدیث: 4575 . [3] مسند أحمد: 216,215/2 .

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا

رشتے دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے ⑦ اور جب تقسیم کے وقت حاضر ہوں

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ وَلْيَخْشَ

(دور کے) رشتے دار، یتیم اور مسکین تو انھیں بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے اچھی بات کہو ⑧ اور لوگوں کو اس بات سے ڈرنا

الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا

چاہیے کہ اگر وہ مرتے وقت اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑ جائیں تو انھیں ان کے بارے میں کتنی فکر ہوگی، چنانچہ انھیں اللہ سے ڈرنا

قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

چاہیے اور سیدھی بات کہنی چاہیے ⑨ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں

بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩ ع 1/10/12

اور وہ جلد دہکتی آگ میں داخل ہوں گے ⑩

لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي، لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ، وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ] ''اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو، میں تمھارے لیے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر ہرگز امیر نہ بننا اور نہ یتیم کے مال کا والی بننا۔''[1]

تفسیر آیات:7-10

وراثت تقسیم کرنے کا حکم: سعید بن جبیر اور قتادہ فرماتے ہیں کہ مشرک مالِ وراثت بالغ مردوں کو دے دیتے تھے اور عورتوں اور (کم سن) بچوں کو اس میں سے کچھ نہیں دیتے تھے تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ..... ﴾ الآیة'' جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے ......''[2] اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس میں سب برابر ہیں۔ یعنی اصل وراثت میں سب برابر ہیں گو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے جو حصہ مقرر کیا ہے، اس کے اعتبار سے ان میں فرق ہے اور اللہ تعالیٰ نے میت کی قرابت، زوجیت یا ولایت کے اعتبار سے حصہ مقرر فرمایا ہے، ولایت بھی نسب کی قرابت کی طرح قرابت ہی ہے۔

ابن مردُویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اُمّ کُجّہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری دو بیٹیاں ہیں، ان کا باپ فوت ہو گیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع

---

① صحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، حديث:1826 عن أبي ذر رضی اللہ عنہ۔ ② تفسير ابن أبي حاتم:872/3

جبکہ قتادہ کے اثر میں صرف عورتوں کو محروم رکھنے کا ذکر ہے۔ اور آیت کے بعد دوسرے جز، یعنی ﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ ...... ﴾ کا ذکر ہے۔

پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ......﴾ الآیۃ. [1] اس حدیث کو آیت میراث کی تفسیر کے وقت ایک دوسری سند کے ساتھ بھی بیان کیا جائے گا۔ [2] وَاللّٰهُ أعلم.

﴿وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ .....﴾ الآیۃ. ''اور جب میراث کی تقسیم کے وقت آ جائیں......'' بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب میراث کی تقسیم کے وقت ایسے رشتے دار آ جائیں جو وارث نہیں ہیں ﴿وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ﴾ ''اور یتیم اور محتاج'' تو ترکے میں سے کچھ انھیں بھی دے دیا جائے۔ [3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ [4] امام ابن جریر نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، لہٰذا اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ [5] امام ثوری نے ابن ابو نجیح سے اور انھوں نے امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اہل میراث پر واجب ہے کہ وہ ان لوگوں کو بطیب خاطر دیں۔ [6]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، ابوالعالیہ، شعبی اور امام حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ یہ محکم ہے منسوخ نہیں۔ ابن سیرین، سعید بن جبیر، مکحول، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابورباح، زہری اور یحییٰ بن یعمر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ یہ واجب ہے۔ [7] اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا تعلق میت کی وصیت کے ساتھ ہے۔ [8] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ [9]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں تقسیم سے مراد تقسیم میراث ہے، دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی یہی کہا ہے۔ [10] اس قول کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ جب یہ فقیر رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے، یتیم اور مسکین وراثت کی تقسیم کے وقت حاضر ہوں اور وہ مختلف وارثوں کو دیکھیں کہ وہ اپنے اپنے حصوں کو لے رہے ہیں تو ان کا دل بھی چاہے گا کہ وہ بھی اس میں سے کچھ لے لیں اور اگر انھیں کچھ بھی نہ دیا جائے تو وہ بہت مایوس ہوں گے تو اللہ رؤف رحیم نے حکم دے دیا ہے کہ انھیں بھی کچھ نہ کچھ ضرور دیا جائے۔ یہ ان سے نیکی ہوگی، ان پر صدقہ ہوگا، ان سے احسان ہوگا اور یہ ان کے شکستہ دلوں کے لیے باعث تسکین بھی ہوگا۔

وصیت میں عدل: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ الآیۃ ''اور ایسے لوگوں کو ڈرنا

---

① أسد الغابة:372/7، تحت رقم:7576 عن ابن عباس ﷺ. اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں آیت میراث، یعنی ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ......﴾ کا ذکر ہے اور ویسے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مطوّل ہے، دیکھیے آیت نمبر:11 کے حواشی۔ ② سورة النساء آیت:11 کے ذیل میں۔ ③ المستدرك للحاكم، التفسير:303,302/2، حديث:3183 عن ابن عباس ﷺ . ④ صحيح البخاری، التفسير، باب: ﴿وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى ...﴾ (النسآء 4:8)، حديث: 4576 . ⑤ تفسير الطبری:351/4 . ⑥ تفسير الطبری:350/4 . ⑦ تفسير الطبری:355/4 وأيضًا:350/4 والمصنف لابن أبی شيبة، الفرائض، فی قوله تعالٰی: ﴿وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى ...﴾:226/6 وتفسيرابن أبی حاتم:873/3.
⑧ تفسير الطبری:352/4 . ⑨ تفسير ابن أبی حاتم:875/3 . ⑩ تفسير الطبری:354/4 .

چاہیے جو (ایسی حالت میں ہوں کہ) اپنے بعد (ننھے ننھے بچے) چھوڑ جائیں ......۔‘‘ علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے موت آ گئی ہو اور اسے کوئی شخص سنے کہ وہ ایسی وصیت کر رہا ہے جو اس کے وارثوں کے لیے نقصان دہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس وصیت سننے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اسے سمجھا بجھا کر راہِ راست کی طرف موڑ دے اور وہ اس کے وارثوں کو بھی اسی طرح دیکھے، جیسے وہ اپنے وارثوں کو دیکھنا اور انھیں ضائع ہونے سے بچانا پسند کرتا ہے۔ مجاہد اور کئی ایک دیگر ائمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[1]

صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کی میں کافی تکلیف میں ہوں اور بہت مال دار ہوں جبکہ میری ایک ہی بیٹی ہے۔[2] تو کیا میں اپنے مال کا دو تہائی حصہ صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: [لَا، قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهٖ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَالثُّلُثُ ؟ قَالَ: الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُونَ النَّاسَ] ’’نہیں، انھوں نے عرض کی: کیا میں اس کا نصف صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے عرض کی: ایک تہائی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ایک تہائی صدقہ کر سکتے ہو اور ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے کیونکہ تم اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑ جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم انھیں فقیر چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔‘‘[3]

یتیم کا مال کھانے والے کے لیے وعید: اس آیت کریمہ ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا﴾ تا ﴿فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یتیموں کے مال کے نگران بننے میں اللہ سے ڈریں اور ان کا مال ان کے بڑے ہونے سے پہلے پہلے فضول خرچی میں اور جلدی جلدی ختم نہ کریں۔ اسے امام ابن جریر نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[4] یہ قول بھی درست معلوم ہوتا ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد ظلم سے یتیموں کے مال کھانے پر بہت وعید بیان کی گئی ہے۔ یعنی جس طرح تو یہ پسند کرتا ہے کہ تیرے بعد تیری اولاد سے اچھا معاملہ کیا جائے، اسی طرح تو بھی جب لوگوں کی اولاد کا والی بنے تو ان سے اچھا معاملہ کر، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص ظلم سے یتیموں کے مال کو کھاتا ہے تو درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩﴾ ’’جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔‘‘ یعنی جب وہ یتیموں کے مال بلاسبب کھائیں گے تو وہ اپنے پیٹوں میں ایسی آگ بھریں گے جو قیامت کے دن بھڑکتی ہوگی۔

---

① تفسیر الطبری:4/358-360. ② یہ انھوں نے اس وقت کہا تھا جب ان کی ایک ہی بیٹی تھی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے انھیں شفا دی اور ان کے چار بیٹے اور بارہ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ازمنة المنعم شرح صحیح مسلم:3/88 . ③ صحیح البخاری، المغازی، باب حجة الوداع، حدیث: 4409 وصحیح مسلم، الوصیة، باب الوصیة بالثلث، حدیث: 1628. ④ تفسیر الطبری:4/361 .

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ

اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے

اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ

ترکے میں دو تہائی حصہ ہے، اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے، اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے

وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ

ترکے میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔

اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنۡ كَانَ لَهٗٓ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡ

پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے

بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا فَرِيۡضَةً مِّنَ

بعد ہوگی تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے۔ (یہ تقسیم) اللہ کی طرف سے مقرر

اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿11﴾

ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿11﴾

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِجۡتَنِبُوا السَّبۡعَ الۡمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرۡكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحۡرُ، وَقَتۡلُ النَّفۡسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالۡحَقِّ، وَأَكۡلُ الرِّبَا، وَأَكۡلُ مَالِ الۡيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوۡمَ الزَّحۡفِ، وَقَذۡفُ الۡمُحۡصَنَاتِ الۡمُؤۡمِنَاتِ الۡغَافِلَاتِ] ''سات تباہ کن چیزوں سے اجتناب کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: (1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (2) جادو (3) اس نفس کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو (4) سود کھانا (5) یتیم کے مال کو کھانا (6) جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور (7) پاکدامن، بھولی بھالی مومن عورتوں پر بہتان لگانا۔''[1]

تفسیر آیت: 11 [2]

تقسیم وراثت کا حکم اور علم وراثت کے سیکھنے کی ترغیب: یہ آیت کریمہ، اس کے بعد والی آیت اور اس سورت کی آخری آیت علم فرائض کی آیات ہیں۔ علم فرائض (میراث) انھی تین آیات سے مستنبط ہے، اس موضوع سے متعلق احادیث گویا ان تین آیات کی تفسیر ہیں، لہٰذا ہم یہاں انھی احادیث کو ذکر کریں گے جو ان آیات کی تفسیر سے گہرا تعلق رکھتی ہیں، علم فرائض کے سیکھنے کی ترغیب بھی بہت آئی ہے اور اس آیت میں جو فرائض بیان کیے گئے ہیں، وہ بہت اہم ہیں۔

① صحيح البخاري، الحدود، باب في المحصنٰت وقول الله عزوجل: ﴿وَالَّذِينَ يَرۡمُونَ الۡمُحۡصَنٰتِ......﴾ الآية (النور 24:4)، حديث: 6857 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ② اہم نوٹ: احکامِ وراثت سے متعلق مزید تفصیلات اور تحقیقی نقشہ کے لیے آخر میں ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں۔

آیت کے نزول کا سبب: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیدل چلتے ہوئے بنوسَلِمہ میں آ کر میری عیادت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت تشریف لائے میں بے ہوش تھا، آپ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور مجھ پر پانی کے چھینٹے مارے جس سے میں ہوش میں آ گیا تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے مال کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ﴾ ''اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔''[1] اسی طرح اس روایت کو امام مسلم، نسائی اور محدثین کی ایک جماعت نے بھی ذکر کیا ہے۔[2]

سبب نزول کے بارے میں ایک دوسری حدیث: امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی، اپنی دو بیٹیاں جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی سے تھیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو لڑکیاں ہیں، ان کا باپ آپ کی معیت میں احد میں شہید ہو گیا ہے۔ اور ان کے چچا نے ان کے مال کو لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ اور جب ان کے پاس مال نہیں ہوگا تو ان سے نکاح کون کرے گا؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: [يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذٰلِكَ، قَالَ: فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى عَمِّهِمَا فَقَالَ: أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأُمَّهُمَا الثُّمُنَ ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ] ''اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمائے گا تو راوی کا بیان ہے کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیتِ میراث کو نازل فرما دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لڑکیوں کے چچا کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچ جائے وہ تمھارے لیے ہے۔''[3] اس کے علاوہ اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا۔[4]

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی (اس حدیث سے) پہلی حدیث کے مطابق اس سورت کی آخری آیت نازل ہوئی تھی جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا[5] کیونکہ اس وقت ان کی بہنیں تھیں، بیٹیاں نہیں تھیں اور وہ کلالہ تھے لیکن

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ (النسآء 4:11)، حديث: 4577 . ② صحيح مسلم، الفرائض، باب ميراث الكلالة، حديث:(5)-1616 والسنن الكبرىٰ للنسائي، الطب، باب عيادة المغمى عليه: 355/4، حديث:7498 وسنن أبي داود، الفرائض، باب في الكلالة، حديث:2886 وجامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة النسآء، حديث:3015 وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب الكلالة، حديث:2728 ومسند أبي يعلى:2018 لیکن بعض طرق میں ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ کے نزول کا ذکر ہے اور بعض میں ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (النسآء 4:176) کا۔ ③ مسند أحمد:352/3 . ④ سنن أبي داود، الفرائض، باب ماجاء في ميراث الصلب، حديث: 2891 وجامع الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في ميراث البنات، حديث:2092 وسنن ابن ماجه، الفرائض ، باب فرائض الصلب، حديث:2720 . ⑤ دیکھیے النسآء، آیت:176 کے ذیل میں۔

اس حدیث کو ہم نے یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کی اتباع میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے بھی اس حدیث کو اسی مقام پر ذکر کیا ہے لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری حدیث اس آیت کریمہ: ﴿يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ ......﴾ کے نزول سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ واللّٰه أعلم.

ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ۚ﴾ ”اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں ان کے بارے میں عدل کا حکم دیتا ہے جب کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ سارا مالِ وراثت لڑکوں کو دے دیتے تھے اور لڑکیوں کو کچھ نہیں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اصل میراث میں ان سے یکساں سلوک کیا جائے، اور دونوں صنفوں میں اس اعتبار سے فرق رکھا کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر قرار دیا، اس لیے کہ نفقہ وخرچ مرد کے ذمے ہوتا ہے اور تجارت وکمائی اور تمام امور مشقت سے عہدہ برآ ہونا بھی اس کی ذمہ داری ہے، لہٰذا یہ بالکل مناسب ہے کہ اسے عورت سے دوگنا حصہ دیا جائے۔

اس آیت کریمہ سے بعض اہل دانش نے یہ استنباط کیا ہے کہ والد اپنی اولاد پر بھی اتنا رحم دل نہیں ہوتا جتنا رحم دل اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر ہے، اسی لیے اس نے والدین کو اپنی اولاد کے بارے میں وراثت کا یہ حکم نامہ جاری فرمایا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ والدین کی نسبت ان کے لیے زیادہ رحمت وشفقت فرمانے والا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے جب ایک قیدی عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی ہے تو اچانک اس نے جب اسے قیدیوں میں تلاش کر لیا تو اسے پکڑ لیا، اپنے سینے سے لگا لیا اور دودھ پلانا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: [أَ تُرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا، وَ هِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهٗ ؟ فَقَالَ: لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا] ”تمھاری کیا رائے ہے، کیا یہ عورت اپنے اس بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کی: نہیں، جبکہ یہ اس کو نہ پھینکنے کی طاقت بھی رکھتی ہو تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس قدر یہ عورت اپنے بچے کے لیے رحم دل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی کہیں بڑھ کر رحمت وشفقت فرمانے والا ہے۔“[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اسی مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس قول کو بیان کیا ہے کہ مال اولاد کے لیے تھا اور وصیت والدین کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جس کو چاہا منسوخ کر دیا، اور لڑکے کے حصے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر قرار دے دیا، اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا اور تیسرا حصہ مقرر کیا، بیوی کے لیے آٹھواں اور چوتھا حصہ اور شوہر کے لیے نصف اور چوتھا حصہ۔[2]

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث:5999 وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث:2754 عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ﴾ (النسآء4:12)، حديث:4578 .

جب صرف بیٹیاں ہی وارث ہوں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ﴾ ''پھر اگر اولادِ میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دوتہائی ہے۔'' بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿ فَوْقَ ﴾ کا لفظ یہاں زائد ہے اور اصل یہ ہے کہ اگر لڑکیاں دو ہوں جیسا کہ ﴿ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ ﴾ (الأنفال 12:8) میں فوق زائد ہے لیکن یہ بات نہ یہاں درست ہے اور نہ وہاں کیونکہ یہ محال ہے کہ قرآن میں کوئی ایک ایسا حرف بھی ہو جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

اور اگر ان کی بات درست ہوتی تو پھر یہاں ﴿ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ﴾ کے بجائے [فَلَهُمَا ثُلُثَا مَا تَرَكَ] کے الفاظ ہونے چاہئیں تھے۔ دو بیٹیوں کے لیے دو ثلث کا حکم ایک دوسری آیت سے مستنبط کیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ دو بہنوں کا حصہ دو ثلث ہے۔[1] لہٰذا اگر دو بہنیں دو ثلث کی وارث ہیں تو دو بیٹیاں دو ثلث کی بطریق اولیٰ وارث ہوں گی جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیوں کے لیے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ ان کے لیے دو ثلث ہے۔[2] لہٰذا یہ حکم کتاب وسنت سے ثابت ہوگیا، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ﴾ ''اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ نصف ہے۔'' اور اگر دو بیٹیوں کے لیے بھی نصف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی بیان فرما دیتے اور جب یہ حکم صرف ایک لڑکی کے لیے بیان فرمایا ہے، تاہم معلوم ہوا کہ دو بیٹیاں بھی تین کے حکم میں ہیں۔ واللہ أعلم.

والدین کا حصہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ﴾ ''اور میت کے ماں باپ کا، یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ ہے۔'' والدین کے وراثت میں کئی حالات ہوتے ہیں:

(1) اولاد کے ساتھ والدین بھی شریک ہوں تو اس صورت میں والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اور اگر میت کی صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا نصف حصہ ہوگا، اور والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا اور عصبہ ہونے کی وجہ سے دوسرا چھٹا حصہ بھی باپ کے لیے ہوگا، اس حالت میں وہ گویا اصحاب الفروض میں سے بھی ہوگا اور عصبہ بھی۔

(2) صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس حالت میں ماں کا حصہ ایک ثلث ہوگا اور باقی سارا عصبہ ہونے کی وجہ سے باپ کا ہوگا، اس حالت میں اسے ماں سے گویا دو گنا حصہ ملا، یعنی دو ثلث اور اس حالت میں اگر میت کا شوہر یا بیوی بھی ہو تو شوہر کا نصف اور بیوی کا چوتھا حصہ ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں شوہر اور بیوی کے حصے کے بعد باقی میں سے ثلث ماں کا ہوگا کیونکہ شوہر اور بیوی کے حصے کے بعد ان کی نسبت سے ساری میراث گویا یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ماں کا حصہ باپ کے حصے سے نصف رکھا ہے، لہٰذا باقی ماندہ مال کا ایک ثلث ماں اور دو ثلث باپ کا ہوگا۔

(3) جب والدین بھائیوں کے ساتھ شریک میراث ہوں بھائی، خواہ ماں باپ کی طرف سے ہوں یا صرف باپ کی طرف

---

[1] یہ حکم آیت: ﴿ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ ﴾ (النسآء4:176) میں ہے۔ [2] دیکھیے النسآء، آیت: 11 کی تفسیر۔

سے یا صرف ماں کی طرف سے تو انھیں باپ کی موجودگی میں کچھ نہیں ملے گا، البتہ وہ ماں کے لیے ضرور رکاوٹ بنیں گے اور ان کی موجودگی میں ماں کو ثلث کے بجائے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ماں اور باپ کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو تو ماں کے بعد جو باقی بچے گا وہ باپ کا ہوگا۔ اور اس مذکورہ بالا صورت میں دو بھائیوں کا حکم بھی جمہور کے نزدیک وہی ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے ﴿ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ ﴾ ''پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔'' کے بارے میں قتادہ کا قول بیان کیا ہے کہ انھوں نے ماں کے حصے میں کمی تو کی لیکن وہ وارث نہیں ہوں گے۔ اور ایک بھائی ثلث میں ماں کے لیے حاجب نہیں بنتا اور تعداد اس سے اوپر ہو تو حجبِ نقصان، یعنی ماں کے حصے میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔ اہل علم کی رائے یہ ہے کہ بھائی ماں کے لیے ثلث سے اس لیے حاجب بنتے ہیں کہ بچوں کے نکاح اور دیگر اخراجات وضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ داری باپ کی ہے،[1] ماں کی نہیں اور یہ ایک اچھی رائے ہے۔

میراث سے قرض اور وصیت مقدم ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ ﴾ ''(اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی۔)''

علمائے سلف وخلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرض کو ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ کے بغور جائزے سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر قرض تمام ترکے سے زیادہ ہو تو نہ وصیت پر عمل ہو سکے گا اور نہ وراثت تقسیم ہوگی۔ فرمانِ الٰہی: ﴿ اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَـكُمۡ نَفۡعًا ؕ ﴾ ''تم کو معلوم نہیں کہ تمھارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔'' یعنی ہم نے باپ دادوں اور بیٹوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں اور اصل میراث میں ہم نے سب کو مساوی رکھا ہے، برخلاف اس کے جو زمانۂ جاہلیت میں یا ابتدائے اسلام میں تھا کہ مال تو اولاد کے لیے ہوتا اور والدین کے لیے وصیت ہوتی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[2]

اب اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر کے ان میں سے ہر ایک کا باقاعدہ حصہ مقرر کر دیا ہے کیونکہ انسان کو کبھی دینی یا اخروی یا دونوں ہی فائدے باپ سے تو حاصل ہوتے ہیں مگر بیٹے سے نہیں اور کبھی یہ فوائد بیٹے سے تو حاصل ہوتے ہیں مگر باپ سے نہیں اسی لیے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ تمھارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔ یعنی ان میں سے جیسے ایک سے فائدے کی امید اور توقع ہے، ایسے ہی دوسرے سے بھی ہے۔ اسی لیے ہم نے ان میں سے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اور اصل میراث میں ان دونوں قسموں کو برابر کا شریک رکھا ہے۔ وَاللّٰہ أعلم.

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم :883/3. [2] دیکھیے النسآء، آیت: 11 کے ذیل میں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

اور تمھاری بیویوں کے ترکے میں تمھارا آدھا حصہ ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں تمھارا چوتھا حصہ ہے۔

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا

(یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر

تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ

اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) تمھاری وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر وہ

بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ

آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو، اس کا بیٹا ہو نہ باپ ، یا ایسی ہی عورت ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں

اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ

میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔

فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

(یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی) جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ⑫

اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے ⑫

﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''(یہ حصے) اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔'' یعنی یہ جو ہم نے میراث کی تفصیل ذکر کی ہے اور بعض وارثوں کو بعض سے زیادہ حصہ دے دیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کا حکم دیا ہے اور فیصلہ فرمایا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (النسآء 26:4) یعنی اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے اور ہر ایک کو وہ دیتا ہے جس کا وہ حسب حال مستحق ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪﴾ ''بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

تفسیر آیت:12

شوہر اور بیوی کی میراث: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مردو! جو مال تمھاری عورتیں چھوڑ مریں، اگر ان کے اولاد نہ ہو تو اس میں سے نصف حصہ تمھارا اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمھارا حصہ چوتھائی ہے لیکن یہ تقسیم وصیت کی تعمیل کے بعد جو انھوں نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد جو ان کے ذمے ہو، کی جائے گی۔ اور یہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ قرض کا ادا کرنا وصیت سے مقدم ہوگا، پھر وصیت کی تعمیل کی جائے گی۔ اس کے بعد وراثت کی تقسیم ہوگی۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ پوتوں اور پڑپوتوں کا حکم بھی اس سلسلے میں وہی ہے جو صلبی اولاد کا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ﴾

''اور جو مال تم مرد چھوڑ مرو تو تمھاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ ہے اگر تمھاری اولاد نہ ہو، پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصہ ہے۔'' اس چوتھے اور آٹھویں حصے میں تمام بیویاں شریک ہوں گی، خواہ وہ ایک ہو یا دو یا تین یا چار۔ ﴿مِّنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ﴾ . اس کے بارے میں بحث (آیت:11 کے تحت) ہو چکی ہے۔

کلالہ کی تعریف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِن كَانَ رَجُلٞ يُورَثُ كَلَٰلَةً﴾ ''اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کا باپ ہو نہ بیٹا۔'' کلالہ کا لفظ اِکْلِیل سے مشتق ہے اور یہ اس تاج کو کہتے ہیں جو سر کو تمام اطراف سے گھیرے ہوئے ہو اور یہاں وہ شخص مراد ہے جس کا اصول و فروع میں سے کوئی وارث نہ ہو لیکن دیگر ورثاء اسے دوسری جوانب سے گھیر لیں، یعنی اس کے وارث اس کے بھائی بہن ہوں جیسا کہ شعبی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ آپ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں، میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں، اگر میرا جواب صحیح ہوا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر یہ غلط ہوا تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔ کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو فرمایا مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیا آتی ہے۔[1] اس روایت کو امام ابن جریر اور دیگر کئی ائمہ نے بیان فرمایا ہے۔

امام ابن ابو حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں وہ سب سے آخری انسان تھا جس نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تھی، میں نے اس ملاقات میں آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے، میں نے عرض کی: آپ نے کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔[2] حضرت علی بن ابو طالب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[3] اور کئی ایک صحیح سندوں سے حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] امام شعبی، نخعی، حسن بصری، قتادہ، جابر بن زید اور حکم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] اہل مدینہ اور اہل کوفہ و بصرہ کا بھی یہی قول ہے، نیز فقہائے سبعہ، ائمہ اربعہ اور جمہور بلکہ تمام سلف و خلف کا بھی یہی قول ہے۔ اور کئی ایک اہل علم نے فرمایا ہے کہ اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔[6]

ماں جائے بھائیوں کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوۡ أُخۡتٞ﴾ ''اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو۔'' یعنی ماں کی طرف سے جیسا کہ بعض سلف کی قراءت میں ہے جن میں سے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔[7] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے جیسا کہ امام قتادہ نے آپ کی روایت کو بیان کیا ہے۔[8] ﴿فَلِكُلِّ

---

① تفسیر الطبری:376/4 . ② تفسیر ابن أبی حاتم:887/3 والمستدرك للحاكم، التفسیر، سورة النسآء:303/2, 304. ③ الدر المنثور:443/3 . ④ تفسیر الطبری:377/4 . ⑤ تفسیر الطبری:377/4-379 . ⑥ تفسیر الطبری: 377/4. ⑦ تفسیر القرطبی:78/5 حضرت سعد بن ابو وقاص کی قراءت یہ ہے: [وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِّنْ أُمِّهِ]. ⑧ تفسیر الطبری:381/4 اور یہ قول قتادہ ہی کا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑬ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ⑬ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے نکلے گا تو اللہ اسے

ع 2/4 13 حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑭ ع

آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ⑭

﴿وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ﴾ ''تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، پھر اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔''

ماں کی طرف سے بھائیوں کا حکم کئی اعتبار سے دیگر وارثوں سے مختلف ہے، مثلاً: (1) یہ اُس کی موجودگی میں بھی وارث ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ میت کی طرف منسوب ہیں اور وہ ماں ہے (2) میراث میں ان بھائیوں اور بہنوں کا حصہ ایک جیسا ہے۔ (3) یہ صرف اسی صورت میں وارث ہوتے ہیں جب میت کلالہ ہو، باپ، دادا، بیٹا اور پوتا کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ (4) خواہ ان بھائیوں اور بہنوں کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، انھیں وراثت میں ایک تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ملتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ﴾ ''(یہ حصے بھی) بعد ادائے وصیت و قرض بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو (تقسیم کیے جائیں گے۔)'' تاکہ وصیت عدل پر مبنی ہو، نقصان اور ظلم پر مبنی نہ ہو کہ اس میں بعض وارثوں کو محروم کر دیا گیا ہو یا ان کے حصوں میں کمی بیشی کر دی گئی ہو، اگر کوئی شخص ایسا کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تقسیم کی مخالفت کرتا ہے۔

یاد رہے صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ] ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔''①

تفسیر آیات: 14,13

وراثت میں حدود سے تجاوز پر وعید: یعنی یہ وہ حصے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے لیے، ان کی میت سے قرابت، ان کی ضرورت اور میت کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی ضرورت کے پورا نہ ہونے کے سبب مقرر فرما دیے ہیں تو یہ احکام اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس

① سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، حديث: 2870 عن أبي أمامة رضي الله عنه. وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث: 2121 وسنن النسائي، الوصايا، باب إبطال الوصية للوارث، حديث: 3673 عن عمرو بن خارجة رضي الله عنه. وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب لا وصية لوارث، حديث: 2713 عن أبي أمامة رضي الله عنه.

کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا۔'' یعنی ان حدود میں اور کسی بھی حیلے اور وسیلے سے کسی بھی وارث کے حصے میں کمی بیشی نہیں کرے گا بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے فریضے اور اس کی مقرر کردہ تقسیم کے مطابق چھوڑ دے گا ﴿ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾ ''اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا، اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔'' کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا، اس کے حکم کی مخالفت کی اور ایسا اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہ ہو، لہٰذا اس کی سزا یہ ہوگی کہ اسے دردناک اور ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً ، فَإِذَا أَوْصٰى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِشَرِّ عَمَلِهِ ، فَيَدْخُلُ النَّارَ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً ، فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهِ فَيُخْتَمُ لَهُ بِخَيْرِ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ] ''ایک شخص ستر سال تک نیک لوگوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن آخر میں جب وصیت کرتا ہے تو وصیت میں ظلم سے کام لیتا ہے، چنانچہ اس کے اس برے عمل پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص ستر سال تک برے لوگوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن آخر میں اپنی وصیت میں عدل سے کام لیتا ہے تو اس کے اس نیک عمل پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور یہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو فرمان باری تعالیٰ ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ ﴾ تا ﴿ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾ پڑھ لو۔[1]

امام ابوداود نے اپنی سنن کے بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْإِضْرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ (وصیت میں نقصان پہنچانے کی کراہت) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ أَوِ الْمَرْأَةَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّينَ سَنَةً، ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ، فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ، فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ] ''ایک مرد یا عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتے رہتے ہیں اور جب انھیں موت آتی ہے تو وصیت میں یہ کمی بیشی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتا ہے۔''

راوی کا بیان ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ ﴾ حتی کہ آپ ﴿ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ تک پہنچ گئے۔[2]

---

[1] مسند أحمد:278/2 . [2] سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في كراهية الإضرار في الوصية، حديث:2867 .

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ

اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں، تو تم ان پر اپنے میں سے چار مرد گواہ ٹھہرا لو، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں

شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮

کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انھیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے ⑮ اور تم میں سے جو دو بے حیائی

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

کا کام کریں، تو ان کو ایذا دو ، پھر اگر وہ توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا،

كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

بڑا مہربان ہے ⑯

اسی طرح امام ترمذی وابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔① امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے جبکہ امام احمد کا سیاق زیادہ کامل اور اکمل ہے۔

تفسیر آیات: 16,15

بدکار عورت کو گھر میں قید کرنے کا حکم، پھر اس حکم کی منسوخی: ابتدائے اسلام میں حکم یہ تھا کہ جب کوئی عورت بدکاری کرے اور عادلانہ گواہی سے اس کی بدکاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر میں قید کر دیا جائے اور موت تک گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮﴾ ''(مسلمانو!) اور تمھاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں، ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو، اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور سبیل (پیدا) کرے۔'' اللہ تعالیٰ نے جو سبیل پیدا کی وہ ہے جس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ نور کے نازل ہونے تک یہی حکم تھا، پھر اسے اللہ تعالیٰ نے کوڑوں یا رجم کے حکم سے منسوخ کر دیا۔②

حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، عطاء خراسانی، ابوصالح، قتادہ، زید بن اسلم اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔③ اور یہ بات متفق علیہ ہے۔④

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو وہ

① جامع الترمذی، الوصایا، باب ماجاء فی الضرار فی الوصیة، حدیث: 2117 وسنن ابن ماجه، الوصایا، باب الحیف فی الوصیة، حدیث: 2704 . ② تفسیر الطبری: 388/4 . ③ تفسیر الطبری: 388/4 وتفسیر ابن أبی حاتم: 894/3 . ④ تفسیر الرازی: 232/9 .

آپ پر اثر انداز ہوتی، آپ اس سے تکلیف محسوس فرماتے اور آپ کے چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دن آپ پر وحی نازل فرمائی اور جب وحی کے نزول کے وقت کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپ نے فرمایا: [خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، اَلثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ، وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ، اَلثَّيِّبُ جَلْدُ مِائَةٍ وَّرَجْمٌ بِالْحِجَارَةِ ، وَالْبِكْرُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ نَفْيُ سَنَةٍ] ''مجھ سے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سبیل پیدا فرمادی ہے، اگر شادی شدہ مرد، شادی شدہ عورت کے ساتھ اور کنوارا کنواری کے ساتھ بدکاری کرے تو شادی شدہ (مرد وعورت) کے لیے سو کوڑے اور پتھروں کے ساتھ رجم کرنا ہے اور کنوارے کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی ہے۔''①

امام مسلم اور اصحاب سنن نے کئی سندوں سے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ، اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ(تَغْرِيبُ عَامٍ) ، وَّالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّالرَّجْمُ] ''مجھ سے احکام سیکھ لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سبیل پیدا فرمادی ہے، کنوارا کنواری کے ساتھ بدکاری کرے تو ان (میں سے ہر ایک) کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ بدکاری کرے تو ان (میں سے ہر ایک) کے لیے سو کوڑے اور رجم ہے۔''② امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ﴾ ''اور جو دو تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ انھیں گالی دے کر، عار دلا کر اور جوتوں سے مار کر ایذا دو۔③ یہ حکم اسی طرح تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوڑوں یا رجم کے حکم سے منسوخ کر دیا۔④ اور عکرمہ، عطاء، حسن اور عبداللہ بن کثیر نے کہا ہے کہ یہ آیت مرد اور عورت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب وہ زنا کریں۔⑤ اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان دو مردوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنس پرستی کا ارتکاب کریں۔⑥ واللہ أعلم.

اہل سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ وَّجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ ، فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهٖ] ''جنھیں قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول کو قتل کر دو۔''⑦

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا ﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکوکار ہو جائیں'' یعنی اس برے عمل کو ترک

① مسند أحمد:318/5 . ② صحيح مسلم، الحدود، باب حد الزنى، حديث:1690 ومسند أبي عوانة، الحدود، بيان الخبر الموجب على الزاني الثيب ......، حديث: 6251 وسنن أبي داود، الحدود، باب في الرجم، حديث: 4415 وجامع الترمذي ، الحدود، باب ما جاء في الرجم على الثيب، حديث: 1434 والسنن الكبرى للنسائي، الرجم، عقوبة الزاني الثيب......:270/4 ، حديث:7143 وسنن ابن ماجه، الحدود ، باب حد الزنا، حديث:2550. ③ تفسير الطبري:393/4 وتفسير ابن أبي حاتم:896/3 . ④ تفسير ابن أبي حاتم:895/3 . ⑤ تفسير الطبري: 391/4 . ⑥ تفسير الطبري:391/3 . ⑦ سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، حديث:4462 وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، حديث:1456 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، حديث:2561 و مسند أحمد:300/1 .

اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ

اللہ تو صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے برا کام کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی توبہ

فَاُولٰٓئِكَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿17﴾ وَلَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ

قبول کر لیتا ہے، اور اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿17﴾ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں،

لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَلَا

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے، تو وہ کہتا ہے: بے شک اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے

الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿18﴾

جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں، ان لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿18﴾

کر کے اعمال صالحہ کو اختیار کر لیں ﴿فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمَا﴾ ''تو ان کا پیچھا چھوڑ دو'' اور بری بات کر کے انھیں تکلیف نہ دو کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿16﴾﴾ ''بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے: [إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ (فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا) فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا] ''جب تم میں سے کسی کی باندی بدکاری کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو وہ اسے حد لگا دے، پھر اسے عار نہ دلائے۔''[1] یعنی حد لگانے کے بعد، جو اس کے گناہ کا کفارہ ہے، اس کے اس فعل کی وجہ سے اسے عار نہ دلائے۔

تفسیر آیات: 18,17

جان کنی سے پہلے پہلے توبہ کی قبولیت: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے جو نادانی سے برا عمل کر بیٹھتا ہے، پھر توبہ کر لیتا ہے لیکن ملک الموت کے مشاہدے سے پہلے پہلے۔ حضرت مجاہد اور دیگر کئی ائمہ نے کہا ہے کہ جو شخص بھی غلطی سے یا جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے، وہ جاہل ہے حتی کہ وہ اس گناہ سے رک جائے۔[2] قتادہ نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ انسان جو بھی گناہ کرتا ہے وہ جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔[3] امام عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ہمیں معمر نے قتادہ سے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابۂ کرام کی یہ متفقہ رائے تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی، خواہ وہ قصد و ارادہ سے کی جائے یا کسی اور طرح سے وہ جہالت ہے۔[4] ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن کثیر نے حضرت مجاہد کے حوالے سے یہ خبر دی ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی معصیت کا کوئی کام کرتا ہے تو وہ یہ کام کرتے ہوئے جاہل ہوتا ہے۔[5] ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ

① صحيح البخاري، البيوع، باب بيع المدبّر، حديث: 2234 وصحيح مسلم، الحدود، باب رجم اليهود......، حديث: 1703 عن أبي هريرة ﷺ. ② تفسير الطبري: 395/4 وتفسير ابن أبي حاتم: 897/3. ③ تفسير الطبري: 395/4. ④ تفسير الطبري: 395/4. ⑤ تفسير الطبري: 396/4.

انسان کی جہالت ونادانی کی بات ہے کہ وہ برا عمل کرتا ہے۔①

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ ﴾ ''پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔'' سے مراد یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب سے لے کر ملک الموت کے نظر آنے سے پہلے پہلے جب بھی توبہ کر لی جائے تو وہ ﴿ قَرِيبٍ ﴾ ''جلد'' ہی ہے۔② ضحاک فرماتے ہیں کہ جو موت سے پہلے پہلے ہو وہ قریب ہی ہے۔③

امام حسن رحمہ اللہ بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نزع کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لے۔④

عکرمہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری زندگی قریب ہے۔⑤

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ] ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کو اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک موت کے وقت روح حلق میں نہ پہنچ جائے۔''⑥ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔⑦ امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ وہم ہے کیونکہ اصل راوی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔⑧

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑰ ﴾ ''پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی کرتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔'' لیکن انسان جب زندگی سے مایوس ہو جائے، ملک الموت کا مشاہدہ کر لے، روح حلق میں پہنچ جائے، سینہ تنگ ہو جائے، اور سانس لڑکھڑانے لگے، پھر اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ اب توبہ کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـٰٔنَ ﴾ ''اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ موجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔'' یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُونَ ۝ ﴾ (المؤمن 85,84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ہم ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جنھیں ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو انھیں ان کے ایمان لانے نے کوئی نفع نہ دیا، یہی اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزرا، اور اس عذاب کے وقت کافروں نے

① تفسیر الطبری:396/4. ② تفسیر الطبری:398/4 . ③ تفسیر ابن أبی حاتم:898/3 . ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 899/3 . ⑤ تفسیر الطبری:399/4 . ⑥ مسند أحمد:132/2 . ⑦ جامع الترمذی ، الدعوات، باب:[إن اللّٰه يقبل توبة العبد مالم يغرغر]، حديث:3537 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، حديث:4253 . ⑧ اس وہم کی صراحت امام ذہبی نے السیر:160/5 میں اور امام مِزّی نے تحفة الأشراف:55,54/5 میں کی ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ، اور تم انھیں (اس مقصد سے) نہ روک رکھو

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ

کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو، اس کا کچھ حصہ واپس لے لو، مگر اس صورت میں (انھیں روکنا جائز ہے) کہ اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا

اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔ پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت

كَثِيْرًا ⑲ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

بھلائی ڈال دے⑲ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو، اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ

سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟⑳ اور تم مہر میں سے کیسے واپس لو گے

اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ㉑ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ

حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا ہے؟㉑ اور جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے

اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ㉒ ع 3 8 14

نکاح کیا ہو، ان سے تم نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے گزر گیا سو گزر گیا بے شک یہ بے حیائی کا کام، ناراضی کی بات اور برا طریقہ ہے㉒

خسارہ اٹھایا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فیصلہ فرما رکھا ہے کہ وہ اس وقت اہل زمین کی توبہ کو قبول نہیں فرمائے گا جب وہ سورج کو مغرب سے طلوع ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ ﴾ (الأنعام158:6) ''جس روز تمھارے پروردگار کی نشانیاں آ جائیں گی، چنانچہ جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہیں ہوگا۔)''

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ ﴾ ''اور نہ ان کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو کفر کی حالت میں مریں۔'' یعنی کافر جب کفر و شرک کی حالت میں مرے تو اس کی ندامت اور توبہ اسے کچھ فائدہ نہ دے گی اور نہ اس سے زمین بھر فدیہ ہی قبول کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ اور ربیع فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ①

امام احمد نے اسامہ بن سلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

① تفسیر ابن أبي حاتم:901/3 .

[إِنَّ اللّٰهَ يَقۡبَلُ تَوۡبَةَ عَبۡدِهٖ أَوۡ يَغۡفِرُ لِعَبۡدِهٖ مَا لَمۡ يَقَعِ الۡحِجَابُ، قِيلَ: وَمَا وُقُوعُ الۡحِجَابِ ؟ قَالَ: تَخۡرُجُ النَّفۡسُ وَهِيَ مُشۡرِكَةٌ] ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ اپنے بندے کو معاف فرما دیتا ہے جب تک حجاب واقع نہ ہو، عرض کی گئی کہ وقوعِ حجاب سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ جب جان نکلے تو وہ مشرک ہو۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أُولَٰٓئِكَ أَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾ ''ایسے لوگوں کے لیے ہم نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی جو شدید طور پر اذیت ناک ہوگا اور ہمیشہ کے لیے بھی ہوگا۔

تفسیر آیات:19-22

عورتوں کے زبردستی وارث بننے کے معنی: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے وارث اس کی بیوی کے زیادہ حق دار ہوتے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو خود اس سے شادی کر لیتا اور اگر وہ چاہتے کسی اور سے اس کی شادی کر دیتے اور اگر وہ چاہتے تو کسی سے بھی اس کی شادی نہ کرتے۔ بہرحال وہ اس عورت کے اہل خانہ سے اپنے آپ کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے، چنانچہ اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمۡ أَن تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ﴾ ''مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔''[2]

عورتوں کو نقصان پہنچانے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعۡضُلُوهُنَّ لِتَذۡهَبُوا بِبَعۡضِ مَآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ ﴾ ''اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انھیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔'' یعنی زندگی بسر کرنے میں انھیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤ تاکہ تم نے انھیں جو مہر دیا اسے یا اس کے کچھ حصے کو چھوڑ دیں یا اپنے حقوق میں سے کسی حق سے دستبردار ہو جائیں یا تمھاری زبردستی کی وجہ سے وہ اس طرح کی کسی اور چیز کو تمھارے لیے چھوڑ دیں۔ ﴿ إِلَّآ أَن يَأۡتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ ''ہاں، اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے ایک روایت کے مطابق، سعید بن مسیّب، شعبی، حسن بصری، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ رحمہ اللہ (سے ایک روایت کے مطابق) عطاء خراسانی، ضحاک رحمہ اللہ (سے ایک روایت کے مطابق) ابوقلابہ، ابوصالح، سدی، زید بن اسلم اور سعید بن ابو ہلال فرماتے ہیں کہ کھلے طور پر بدکاری سے مراد زنا ہے۔[3] یعنی اگر وہ زنا کی مرتکب ہو تو تم اس سے وہ مہر واپس لے سکتے ہو جو تم نے اسے دیا ہو، تم اس پر سختی کر سکتے ہو حتی کہ وہ اسے تمھارے لیے چھوڑ دے، اس صورت میں تم اس سے علیحدگی بھی اختیار کر سکتے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ أَن تَأۡخُذُوا مِمَّآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ شَيۡـًٔا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ ﴾ (البقرة 2:229)

''اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں، اگر زن وشو کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم

[1] مسند أحمد:174/5 و كشف الأستار:78/4، حديث:3241 . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَحِلُّ لَكُمۡ أَن تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ﴾ (النسآء 4:19)، حديث:4579 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:904/3 و تفسير الطبري: 411/4 .

نہیں رکھ سکیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ کھلم کھلا بدکاری سے مراد عورت کی طرف سے زیادتی اور نافرمانی ہے۔①

امام ابن جریر نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ یہ الفاظ عام ہیں اور زنا، نافرمانی، زیادتی اور بدزبانی وغیرہ سب کو شامل ہیں، یعنی یہ سب کام ایسے ہیں جن کی وجہ سے عورت کو تنگ کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ اپنے سارے یا بعض حق سے دستبردار ہو جائے، اس صورت میں شوہر اس سے علیحدگی بھی اختیار کرسکتا ہے۔② امام ابن جریر کا یہ موقف بہت اچھا ہے۔ واللہ أعلم.

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔'' یعنی ان سے شائستہ انداز میں بات کرو، اچھے اچھے کام کرو اور مقدور بھر کوشش کر کے اپنی شکل وصورت کو بھی اچھا بناؤ جیسا کہ تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تمھاری بیوی تم سے احسن انداز میں اور اچھی شکل وصورت میں پیش آئے، تم بھی اس کے سامنے اسی طرح کا مظاہرہ کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (البقرة 228:2) ''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔)''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي] ''تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تمھاری نسبت بہت اچھا ہوں۔''③

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک یہ بھی تھی کہ آپ اہل خانہ کے ساتھ خوب صورت انداز میں زندگی بسر فرماتے، ہمیشہ تبسم فرماتے رہتے، اہل خانہ سے خوش طبعی سے پیش آتے، ان سے لطف وکرم کا معاملہ فرماتے، نان ونفقہ میں وسعت رکھتے، ازواج مطہرات کو ہنساتے حتی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لیے ان سے دوڑ بھی لگا لیتے۔ ام المؤمنین بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دوڑ کا مقابلہ فرمایا تو میں آپ سے سبقت لے گئی، یہ اس وقت کی بات ہے جب میرا جسم ابھی بھاری نہیں ہوا تھا، جسم بھاری ہونے کے بعد ایک بار پھر مقابلہ ہوا، چنانچہ آپ نے سبقت فرمالی ساتھ ہی فرمایا: [هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ] ''یہ تمھاری اس سبقت کا جواب ہے۔''④

تمام ازواج مطہرات ہر رات اس ام المؤمنین کے گھر میں جمع ہو جاتیں جس کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے شب بسر فرمانا ہوتی تھی۔ آپ بسا اوقات رات کا کھانا ان کے ساتھ مل کر تناول فرماتے، پھر ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حجرے میں چلی جاتی۔ آپ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہی بستر میں آرام فرما لیا کرتے تھے۔⑤ آرام فرماتے وقت مبارک شانوں سے چادر اتار دیتے اور تہ بندہی کے ساتھ سو جاتے، نماز عشاء سے فراغت کے بعد کاشانۂ نبوت میں تشریف

① تفسير الطبري:411/4 و تفسير ابن أبي حاتم:904/3. ② تفسير الطبري:412/4. ③ جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبيﷺ، حديث:3895 عن عائشةؓ. اور دیکھیے السلسلة الصحيحة، حديث:285. ④ اس کا پہلا حصہ، یعنی ''......سبقت لے گئی'' سنن ابن ماجه، النكاح، باب حسن معاشرة النساء، حديث:1979 اور آخری حصہ سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق على الرّجل، حديث:2578 کے مطابق ہے۔ ⑤ دیکھیے صحيح البخاري، الحيض، باب النوم مع الحائض ......، حديث:322 و مسند أحمد:332/6.

لے آتے اور محو استراحت ہونے سے پہلے گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر گفتگو بھی فرماتے تاکہ انس و محبت کا اظہار ہو سکے۔ ①
جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب 33:21) ”تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ⑲﴾ ”پھر اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔“ یعنی ہوسکتا ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود تمھارا انھیں اپنے پاس رکھنا اور صبر کا مظاہرہ کرنا دنیا و آخرت میں خیر کثیر کا سبب بن جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ شوہر بیوی سے شفقت کا سلوک کرے اور اللہ تعالیٰ اسے اس کے بطن سے بیٹا عطا فرمادے اور یہ بیٹا خیر کثیر کا ذریعہ ثابت ہو۔

صحیح حدیث میں ہے: [لَا يَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً ، إِنْ (سَخِطَ) مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ] ”کوئی مومن اپنی مومنہ بیوی سے بغض نہ رکھے، ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی ایک بات ناراضی کا سبب ہو تو دوسری بات خوشی کا سبب بن جائے۔“ ②

مہر واپس لینے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ⑳﴾ ”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ بھلا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟“ یعنی جب تم میں سے کوئی یہ چاہے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور اس کی جگہ کسی اور بیوی کو لے آئے تو اس نے اپنی اس پہلی بیوی کو جو مہر دیا تھا اسے واپس نہ لے، خواہ اس نے بہت سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو۔ لفظ قِنطَار کے بارے میں ہم قبل ازیں سورۂ آل عمران میں مفصل بحث کر آئے ہیں ③ کہ یہ کس مقدار کا حامل ہے! لہٰذا اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ بطورِ مہر بہت سا مال دینا بھی جائز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کثرتِ مہر سے منع کر دیا تھا لیکن پھر اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو العَجفاء سُلَمِی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو! عورتوں کے بہت زیادہ مہر نہ باندھو، لوگو! عورتوں کے بہت زیادہ مہر نہ باندھو، اگر یہ بات دنیا میں باعث عزت یا اللہ تعالیٰ کے ہاں تقوے کا سبب ہوتی تو اس کے زیادہ حق دار نبی اکرم ﷺ تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کا مہر بارہ اوقیے چاندی (480 درہم ④ یعنی 146.88 گرام تقریباً) سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا اور نہ آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سے کسی کا بھی حق مہر بارہ اوقیے چاندی سے زیادہ مقرر کیا

① دیکھیے صحیح البخاری، حدیث: 4569 . ② صحیح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حدیث: 1467 ومسند أحمد: 329/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. لیکن ان دونوں میں: [سَخِطَ] کے بجائے [كَرِهَ] ہے۔ ③ دیکھیے آل عمران، آیت: 14 کے ذیل میں۔ ④ امام ترمذی نے اس کو حدیث: 1114 کے بعد ذکر کیا ہے۔

گیا تھا۔ بسا اوقات ایک شخص اپنی بیوی کے مہر کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اس سے عداوت بھی ہو جاتی ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے تو تیری ایک ایک سہولت کی خاطر بہت مشقت اٹھائی۔① اسے امام احمد اور اہل سنن نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔② اور امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔

حافظ ابو یعلیٰ نے مسروق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور آپ نے فرمایا: لوگو! تم عورتوں کو مہر بہت زیادہ دینے لگے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مہر چار سو درہم یا اس سے بھی کم دیے تھے اور اگر زیادہ مہر دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں تقوے یا عزت کی بات ہوتی تو پھر تم رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے سبقت نہیں لے جا سکتے، لہٰذا میں اب کوئی ایسا شخص نہ دیکھوں جو اپنی بیوی کو چار سو درہم سے زیادہ مہر دے۔ آپ نے یہ فرمایا اور منبر سے اتر آئے تو اس پر ایک قریشی عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ نے لوگوں کو منع فرما دیا ہے کہ وہ عورتوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو اس عورت نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے کہ ﴿ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا ﴾ ''اور تم نے ان میں سے کسی ایک کو بہت سا مال دیا ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سن کر کہا کہ اے اللہ! میں معافی چاہتا ہوں، عمر سے تو سب لوگ زیادہ فقیہ ہیں۔ پھر آپ دوبارہ منبر پر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے تم کو منع کر دیا تھا کہ عورتوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ دو لیکن میں اب یہ کہتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص اپنے مال میں سے جس قدر چاہے مہر دے سکتا ہے۔③

حافظ ابو یعلیٰ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جو شخص خوش دلی سے زیادہ مہر دینا چاہے تو وہ دے سکتا ہے۔ اس روایت کی سند جید اور قوی ہے۔

﴿ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ یعنی تم عورت سے مہر کس طرح لے سکتے ہو، حالانکہ تم اس سے اور وہ تم سے صحبت کر چکی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہاں اس (اِفضاء) سے مراد جماع ہی ہے۔④

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جب دو لعان کرنے والے اپنے لعان سے فارغ ہوئے تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ]، [قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَالِي ؟۔

① مسند أحمد:41,40/1 . ② مسند أحمد:48/1 مطوّلاً. و94,93/6 وسنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، حديث:2106 مختصرًا. وجامع الترمذي، النكاح، باب منه، حديث:1114م وسنن النسائي، النكاح، باب القسط في الأصدقة، حديث:3351 وسنن ابن ماجه ، النكاح، باب صداق النساء ، حديث:1887. ③ الدر المنثور: 237/2 ومسند البزار، ومما روى مسروق بن الأجدع عن عمر:451/1، حديث:321 مختصرًا جدًا. وسنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في الصداق:166/1 ومجمع الزوائد ، النكاح، باب الصداق:284,283/4، حديث:598 . ④ تفسير ابن أبي حاتم:908/1 وتفسير الطبري:416/4.

يَعْنِي مَا أَصْدَقَهَا۔ قَالَ : لَا مَالَ لَكَ، إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا ، وَ إِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا] ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے کے لیے تیار ہے؟ آپ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا مال؟ یعنی وہ مال جو اس نے بطور مہر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: تمھارے لیے کوئی مال نہیں۔ اگر تم اس کی بابت سچ کہہ رہے ہو تو مال اس کا معاوضہ ہے جو تم نے اس کی شرم گاہ کو حلال کیا اور اگر تم نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو پھر وہ مال عورت کی نسبت تم سے بہت زیادہ دور ہے۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ ''اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟'' ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿21﴾ ﴾ ''اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اس سے مراد عقد نکاح ہے۔[2] صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: [فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ] ''عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے۔''[3]

باپ کی منکوحہ عورتیں بیٹوں کے لیے حرام ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہو، ان سے نکاح نہ کرنا۔'' اللہ تعالیٰ نے باپ کی عزت، تعظیم اور احترام کی وجہ سے یہ حرام قرار دیا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرے حتی کہ اگر باپ نے محض عقد ہی کیا ہو اور اس سے مباشرت نہ کی ہو پھر بھی اس عورت سے بیٹے کے لیے نکاح کرنا حرام ہے اور اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل جاہلیت بھی باپ کی منکوحہ اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنے کے سوا ان دیگر تمام رشتوں کو حرام سمجھتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ ''اور تمھارا دو بہنوں کو اکٹھا کرنا (بھی حرام ہے۔)''[4] عطاء اور قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[5]

---

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاری، الطلاق، باب قول الإمام للمتلاعنين: إن أحدكما ......؟ حدیث:5312 اور آخری حصہ صحیح مسلم، اللعان، حدیث:(5)-1493 کے مطابق ہے، البتہ صحیح بخاری کے لفظ بھی قریب تر ہیں۔ [2] ملخص از تفسير الطبری:417/4 و تفسير ابن أبي حاتم:909,908/3. [3] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حدیث:1218 مطوّلاً۔ ابن کثیر میں [فاتقوا الله في النساء] کی جگہ [واستوصوا بالنساء خيرًا] ہے لیکن یہ لفظ ترمذی اور ابن ماجہ کے ہیں، دیکھیے جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حدیث:1163 و سنن ابن ماجه:1851. [4] تفسير الطبری:420/4. [5] تفسير الطبری:420/4.

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اس امت میں حرام ہے اور یہ بے حد قابل نفرت بات ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ ”بے شک یہ نہایت بے حیائی اور (اللہ کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور (وطریقہ) تھا۔“ اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الأنعام 151:6) ”اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔“ اور فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (بنی إسرآءیل 32:17) ”اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔“

لیکن یہاں ایک لفظ ﴿وَّمَقْتًا﴾ کا اضافہ ہے جس کے معنی بغض کے ہیں، یعنی یہ بات فی نفسہ بہت بری اور گراں ہے، پھر اس کے نتیجے میں بیٹا اپنے باپ سے اس کی منکوحہ سے نکاح کرنے کے بعد بغض بھی رکھنے لگتا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر اسی طرح ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کے پہلے شوہر سے بغض رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امہات المؤمنین کو امت کے لیے حرام قرار دے دیا گیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہونے کی وجہ سے وہ امت کی مائیں ہیں۔اور نبی اکرم ﷺ امت کے باپ کی طرح ہیں بلکہ اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کا حق باپ کے حق سے بھی زیادہ عظیم اور فائق ہے بلکہ آپ کی محبت تمام نفوس انسانی کی محبت سے مقدم ہے اور اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

عطاء بن ابورباح نے ﴿وَّمَقْتًا﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ کی ناخوشی کی بات ہے۔[1] ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ ”اور بری راہ ہے۔“ اور یہ وہ بدترین رستہ ہے جس پر لوگ چلتے ہیں جو شخص حرمت کے اس حکم کے بعد بھی اس بری روش کو اختیار کرے تو وہ دین سے مرتد ہو جائے گا، واجب القتل ہوگا اور اس کا مال، مال غنیمت کے طور پر بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا جیسا کہ امام احمد اور اہل سنن نے کئی سندوں کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے جسے انھوں نے اپنے ماموں ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے اور دوسری روایت کے مطابق ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ایک تیسری روایت کے مطابق اپنے چچا[2] حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک ایسے شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا کہ اسے قتل کر دو اور اس کے مال کو چھین لو۔[3]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 910/3. [2] دراصل یہ روایت حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور انھی کی کنیت ابوبردہ ہے لیکن بعض رواۃ نے انھی کو خال سے اور بعض نے عم سے تعبیر کیا ہے، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے ماموں ہی ہیں اور ابوبردہ کا مشہور نام ہانی بن نیار ہے۔ دیکھیے التاریخ الکبیر للبخاري: (ق:2/ج:1) 259/2. [3] مسند أحمد: 290/4 وسنن أبي داود، الحدود، باب في الرجل یزني بحریمه، حدیث: 4457,4456 وجامع الترمذي، الأحکام، باب فیمن تزوج امرأة أبیه، حدیث: 1362 وسنن النسائي، النکاح، باب نکاح ما نکح الآباء، حدیث: 3334,3333 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من تزوج امرأة أبیه من بعده، حدیث: 2607.

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ

تم پر حرام کی گئی ہیں، تمھاری مائیں، اور تمھاری بیٹیاں، اور تمھاری بہنیں،اور تمھاری پھوپھیاں،اور تمھاری خالائیں، اور تمھاری بھتیجیاں،

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ

اور تمھاری بھانجیاں،اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو،اور تمھاری دودھ شریک بہنیں، اور تمھاری بیویوں کی مائیں،

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو، پھر اگر تم

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ

نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمھارے صُلبی بیٹوں کی بیویاں، اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا (بھی حرام ہے) مگر جو پہلے

تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿23﴾ لا

گزر گیا سو گزر گیا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿23﴾

تفسیر آیت:23

ابدی اور غیر ابدی محرمات کا بیان: اس آیت کریمہ میں ان خواتین کا ذکر ہے جن سے نسب یا رضاعت یا سسرالی رشتے کے اعتبار سے نکاح کرنا حرام ہے جیسا کہ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سات قسم کی خواتین تم پر نسب کے اعتبار سے اور سات قسم کی سسرالی رشتے کے اعتبار سے حرام قرار دے دی گئی ہیں، پھر انھوں نے اس مذکورہ بالا آیت کو پڑھا۔[1]

امام طبری نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ سات قسم کی خواتین نسب سے اور سات سسرال سے حرام ہیں، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ ﴾ ''تم پر تمھاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کردی گئی ہیں۔''[2] ان تمام خواتین کا تعلق نسب سے ہے۔

اور فرمایا: ﴿ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ﴾ ''اور وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں۔'' یعنی جس طرح تمھاری وہ ماں حرام ہے جس نے تمھیں جنم دیا ہو۔ اسی طرح تمھاری وہ ماں بھی حرام ہے جس نے تمھیں دودھ پلایا ہو، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ] ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش سے حرام ہوتے ہیں۔''[3]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:911/3. [2] تفسیر الطبری:423/4 و صحیح البخاری، النکاح، باب ما یحلّ من النساء وما یحرم...... ، حدیث:5105 (معلقًا). [3] صحیح البخاری، النکاح، باب: ﴿ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ ﴾ (النسآء 23:4)، حدیث:5099 و صحیح مسلم، الرضاع، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة، حدیث:1444 و اللفظ له.

امام مسلم کے ہاں یہ الفاظ بھی ہیں: [يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ] ”رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جونسب سے ہوتا ہے۔“①

رضاعت کی مقدار اور مدت: پانچ رضعات سے کم دودھ پیا ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں پہلے دس متعین رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا جو حرام قرار دیتے تھے، پھر ان میں سے پانچ رضعات کو منسوخ کر دیا گیا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو انھیں قرآن مجید میں پڑھا جاتا تھا۔② اور حدیث سہلہ بنت سہیل میں ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ کو پانچ رضعات دودھ پلا دیں۔③

پھر یاد رہے کہ اس رضاعت کا اعتبار ہے جو دو سال کی عمر سے پہلے صغرسنی میں ہو جیسا کہ ہم اس مسئلے کو سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرة 2:233) کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔

بیویوں کی ماؤں اور بیٹیوں کی حرمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ﴾ ”اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں، اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔“ جہاں تک بیوی کی ماں کا تعلق ہے تو وہ محض اس کی بیٹی سے عقد کرنے ہی سے حرام ہو جاتی ہے، خواہ اس نے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ہاں، البتہ ربیبہ، یعنی بیوی کی بیٹی تو وہ اس کی ماں کے ساتھ محض عقد کی وجہ سے حرام نہ ہوگی۔ حرام اس صورت میں ہوگی جب اس نے اس کی ماں کے ساتھ مباشرت کی ہو، اگر مباشرت سے قبل اس کی ماں کو طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ ”اور ان کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں، اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔“ یہ حکم صرف ربائب کے لیے ہے۔

ربیبہ، آدمی کے زیر پرورش ہو یا نہ، ہر دو صورت میں حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ”اور ان کی لڑکیاں جنھیں تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں۔)“ کے بارے میں جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ ربیبہ، خواہ آدمی کے زیر پرورش ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں حرام ہے، یہ اسلوبِ کلام (اس فرمان کے ساتھ ﴿فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ کی قید) اکثر و بیشتر

① صحیح مسلم، الرضاع، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل، حدیث:(9)-1444. ② صحیح مسلم، الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، حدیث:1452. ③ ملخص از سنن أبی داود، النکاح، باب من حرّم به، حدیث:2061.

صورتوں کے لحاظ سے ہے (کیونکہ ربیبہ زیادہ تر آدمی کے زیر پرورش ہی ہوتی ہے)، لہٰذا اس قید کا کوئی مفہوم نہیں ہے کہ اگر پرورش میں نہ ہو تو پھر کوئی دوسرا حکم ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (النور 24:33) ''اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔'' اس میں بھی شرط کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ میری بہن، ابوسفیان کی بیٹی سے۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ ہیں کہ عَزَّہ بنت ابوسفیان سے نکاح کر لیں، آپ نے فرمایا: [أَوَ تُحِبِّينَ ذٰلِكِ؟ فَقُلْتُ: نَعَم، لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ، وَّ أَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ ذٰلِكَ لَا يَحِلُّ لِي، قُلْتُ: فَإِنَّا نُحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ؟ قُلْتُ: نَعَم، قَالَ: لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حَجْرِي مَا حَلَّتْ لِي، إِنَّهَا لَابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ، فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ] ''کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو؟ انھوں نے عرض کی: جی ہاں، مگر میں (پہلے بھی) اکیلی نہیں بلکہ آپ کی اور ازواج بھی تو ہیں، دراصل میں اس بات کو پسند کرتی ہوں کہ خیر و بھلائی میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو، آپ نے فرمایا: مگر یہ میرے لیے حلال نہیں ہے، انھوں نے کہا کہ یہ میں نے اس لیے کہا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی (دُرّہ) سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: ام سلمہ کی بیٹی (دُرّہ) سے؟ عرض کی: جی ہاں، فرمایا کہ اگر وہ میرے زیر پرورش ربیبہ نہ ہوتی تو پھر بھی میرے لیے حلال نہ تھی کیونکہ یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھے اور ابوسلمہ کو ثُوَیبَہ نے دودھ پلایا تھا، لہٰذا اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو میرے نکاح کے لیے پیش نہ کیا کرو۔''[1]

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: [لَولَمْ أَنْكِحْ أُمَّ سَلَمَةَ مَا حَلَّتْ لِي] ''اگر میں نے ام سلمہ سے شادی نہ کی ہوتی تو یہ پھر بھی میرے لیے حلال نہ تھی۔''[2] تو یہاں اس حدیث میں آپ نے حرمت کا مناط اور علت ام سلمہ سے محض شادی کو قرار دیا اور اسی وجہ سے حرمت کا حکم لگایا۔ اس سے پتا چلا کہ یہ ﴿فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''زیر پرورش'' کی قید محض اتفاقی ہے۔

''دخول'' کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ ''جن عورتوں سے تم دخول کر چکے ہو۔'' یعنی ہم بستری کر چکے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔[3] ابن جریج نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کو اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ اس کے ستر کو کھولے اسے چھوئے اسے پرکھے اور اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ جائے۔ میں نے عرض کی: اگر وہ یہ کام اس کے والدین کے گھر کرے؟ تو فرمایا کہ اس سے کوئی فرق

[1] صحیح البخاری، النکاح، باب: ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾، حدیث: 5101 وصحیح مسلم، الرضاع، باب تحریم الربیبة وأخت المرأة، حدیث: (16)-1449. [2] صحیح البخاری، النکاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته علی أهل الخیر، حدیث: 5123. [3] تفسیر الطبری: 426/4 والدر المنثور: 243/2.

نہیں پڑتا، دونوں صورتیں برابر ہیں، اس سے اس کی بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی۔①

بیٹے کی بیوی حرام ہے، متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کی نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَحَلَآىِٕلُ اَبۡنَآىِٕكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ﴾ ''اور تمھارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی۔'' یعنی تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں جو تمھاری اپنی پشتوں سے ہیں، اس سے وہ منہ بولے بیٹے خارج ہو گئے جن کو لوگ جاہلیت میں متبنّٰی بنا لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا لِكَىۡ لَا يَكُوۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِىۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآىِٕهِمۡ ﴾ (الأحزاب 37:33) ''پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں کچھ تنگی نہ رہے۔''

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے ﴿ وَحَلَآىِٕلُ اَبۡنَآىِٕكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ ﴾ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم سے یہ بیان کیا جاتا تھا۔ واللہ أعلم۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے جب زید کی بیوی سے نکاح کر لیا تو اس بارے میں مکہ کے مشرکوں نے باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرما دی: ﴿ وَحَلَآىِٕلُ اَبۡنَآىِٕكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ ﴾ اور یہ بھی آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ﴾ (الأحزاب 4:33) ''اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے بیٹے بنایا۔'' نیز یہ آیت کریمہ بھی نازل فرمائی: ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ ﴾ (الأحزاب 40:33) ''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔''② امام ابن ابوحاتم نے حسن اور محمد سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات: ﴿ وَحَلَآىِٕلُ اَبۡنَآىِٕكُمۡ ﴾ اور ﴿ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمۡ ﴾ مبہم ہیں، پھر فرمایا: طاؤس، محمد بن سیرین، ابراہیم، زہری اور مکحول رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔③

میں کہتا ہوں کہ مبہم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ عام ہیں اور مدخول بہا و غیر مدخول بہا سب کو شامل ہیں کہ محض عقد ہی سے بیٹوں کی بیویاں اور بیویوں کی مائیں حرام ہو جاتی ہیں اور اس مسئلے پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اگر یہ کہا جائے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت کی کیا دلیل ہے جیسا کہ جمہور نے اسے بھی حرام قرار دیا ہے اور کچھ لوگوں نے تو کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے، حالانکہ وہ صلبی بیٹا نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ] ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔''④

دو بہنوں کا ایک ہی شخص کے نکاح میں اکٹھا کرنا بھی حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا

---

① تفسير الطبري:426/4. ② تفسير الطبري:427/4. ③ تفسير ابن أبي حاتم:913/3. ④ صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاع المستفيض، حديث:2645 وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، حديث: (13)-1447 وسنن النسائي، النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، حديث: 3304 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حديث:1937 عن عائشة ﵂ و اللفظ لهما.

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا

اور (حرام ہیں) شادی شدہ عورتیں (بھی) مگر جن کے مالک ہوں تمھارے دائیں ہاتھ (یہ) لکھ دیا ہے اللہ نے تم پر اور حلال کر دی گئی ہیں تمھارے لیے جو

وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

علاوہ ہیں ان کے بشرطیکہ تم تلاش کرو اپنے مالوں کے بدلے نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ پھر جو فائدہ اٹھایا تم نے اس کے

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ

بدلے ان سے تو تم دو انھیں ان کے مہر مقرر شدہ اور نہیں کوئی گناہ تم پر اس (کمی بیشی) میں کہ تم باہم راضی ہو جاؤ اس کے ساتھ مقرر کر لینے کے بعد، بلاشبہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿24﴾

اللہ ہے خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ﴿24﴾

مَا قَدْ سَلَفَ ﴿ ''اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا۔)'' یعنی اس بات کو بھی تمھارے لیے حرام قرار دے دیا گیا ہے کہ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھو۔ اسی طرح ملک یمین (لونڈیوں) کے طور پر بھی دو بہنوں کو اکٹھا رکھنا حرام ہے۔ ہاں، البتہ زمانۂ جاہلیت میں اس سلسلے میں جو کچھ ہو چکا اسے ہم نے معاف کر دیا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مستقبل میں اب دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا نہ رکھا جائے اور ماضی میں جو کچھ ہو چکا اسے بلا استثنا معاف کر دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ﴾ (الدخان 44:56) ''وہاں وہ موت (کا مزہ) نہیں چکھیں گے، سوائے (ان کی) پہلی موت کے۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت میں کبھی بھی ان کو موت نہیں آئے گی۔

تمام صحابہ و تابعین اور قدیم و جدید تمام ائمۂ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ نکاح میں دو بہنوں کو اکٹھا رکھنا حرام ہے جو شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دے دیا جائے گا کہ ان میں سے ایک کو اپنے پاس رکھ لے اور دوسری کو یقینی طور پر طلاق دے دے۔

امام احمد نے ضحاک بن فیروز کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ میں جب مسلمان ہوا تو میری دو بیویاں تھیں اور وہ آپس میں بہنیں تھیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا: [طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ] ''ان میں سے کسی ایک کو جس کو تم چاہو طلاق دے دو۔''①

تفسیر آیت:24

شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں الآیہ کہ......: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ ''اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمھارے قبضے میں آ جائیں۔'' یعنی اجنبی عورتوں میں سے شوہر والی، شادی شدہ عورتیں تو تم پر حرام ہیں مگر وہ جو اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر تمھاری ملکیت میں آ گئی ہوں تو

① مسند أحمد:232/4 و جامع الترمذي، النكاح ، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده أختان، حديث:1129.

استبرائے رحم کے بعد تمھارے لیے ان سے مباشرت کرنا حلال ہے۔ یہ آیت کریمہ اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اوطاس کی اسیر عورتیں ہمارے حصے میں آئیں، ان کے شوہر بھی تھے، اس لیے ہم نے ان سے مباشرت کو مکروہ سمجھا، لٰہذا اس کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو یہ آیت کریمہ: ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ نازل ہوگئی۔ اس کے بعد ہم نے ان سے جنسی تعلق کو حلال قرار دے لیا۔[1] اسی طرح امام ترمذی، نسائی، ابن جریر اور امام مسلم رحمہم اللہ نے بھی (مختلف سندوں سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے) اس روایت کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[2]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو حرمت کے بارے میں یہ حکم لکھ دیا ہے، لٰہذا اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے اس حکم کی اطاعت بجالاؤ، اس کے حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس نے تمھارے لیے جو شریعت مقرر کی ہے، اس کی پابندی کرو۔

مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر سے نکاح حلال ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ یعنی مذکورہ محرمات کے سوا دیگر عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں جیسا کہ امام عطاء وغیرہ نے کہا ہے۔[3] ﴿ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ ''اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو (بشرطیکہ نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو، نہ کہ شہوت رانی۔'' یعنی مال خرچ کر کے چار عورتوں تک سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور شرعی طریقے سے حاصل کردہ لونڈیاں جس قدر چاہو اپنے استعمال میں لا سکتے ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ ''(شرط یہ ہے کہ اس سے مقصود) عفت قائم رکھنا ہو، نہ کہ شہوت رانی۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ﴾ ''تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو، ان کا مہر جو مقرر کیا ہوا دا کر دو۔'' یعنی جس طرح تم ان سے فائدہ حاصل کرتے ہو، اسی طرح ان کے مقرر کردہ مہر بھی ادا کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ (النسآء 21:4) ''اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟'' اور فرمایا: ﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ (النسآء 4:4) ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾ (البقرة 229:2) ''اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔''

---

① مسند أحمد: 72/3. ② جامع الترمذی، النكاح، باب ماجاء فی الرجل یسبی الأمة ولها زوج هل یحل له وطؤها؟ حدیث: 1132 والسنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، قوله تعالی: ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾: 321/6، حدیث: 11096 وتفسیر الطبری: 4/5 وصحیح مسلم، الرضاع، باب جواز وطئ المسبية بعد الاستبراء......، حدیث: 1456.
③ تفسیر الطبری: 15/5 وتفسیر ابن أبی حاتم: 917/3 .

وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ

اور تم میں سے جو شخص آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ تمھاری ملکیت مومن لونڈیوں میں سے کسی لونڈی سے نکاح

مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ ؕ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ

کرلے، اور اللہ تمھارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو (تم میں برتری کا معیار صرف ایمان ہے) پس تم ان کے مالکوں

بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا

کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور انھیں دستور کے مطابق ان کے مہر دو، جبکہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ

مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى

چوری چھپے آشنا بنانے والی ہوں، پھر جب وہ نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد وہ بدکاری کریں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے۔

الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ

یہ (اجازت) تم میں سے اس کے لیے ہے جسے گناہ کی راہ پر چلنے کا اندیشہ ہو۔ اور یہ کہ تم صبر کرو، تمھارے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا،

ع 4/3/1 وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿25﴾ ع

بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿25﴾

متعہ اور اس کی حرمت: حضرت ابن عباس، اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر اور سُدّی رحمہ اللہ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے: [فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاٰتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً......] ''جن عورتوں سے تم ایک مدت مقررہ تک فائدہ حاصل کرو تو ان کا مہر جو مقرر کیا ہوا ادا کردو۔''[1] امام مجاہد بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت نکاح متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] لیکن اس مسئلے میں سب سے زیادہ قابل اعتماد روایت وہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا تھا۔[3]

اور صحیح مسلم میں ربیع بن سَبْرَہ بن مَعبد جُھَنِی کی اپنے باپ سے روایت ہے کہ وہ (غزوۂ فتح مکہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا اٰتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا] ''لوگو! میں نے تمھیں عورتوں سے متعے کی اجازت دے دی تھی مگر اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت کے دن تک کے لیے حرام قرار دے دیا ہے، اب جن کے پاس متعے والی عورتیں موجود ہوں تو وہ انھیں چھوڑ دیں اور جو مال تم نے انھیں دیا ہے، وہ ان سے

[1] تفسير الطبري:19,18/5. [2] تفسير الطبري:18/5. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب نهي النبي ﷺ عن نكاح المتعة أخيرًا، حديث:5115 وصحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح ثم نسخ ثم......، حديث: 1407-(31).

واپس نہ لو۔“[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ﴾ ”اور (حق مہر) مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔“ اس کا مفہوم وہی ہے جو اس آیت کریمہ کا ہے کہ ﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ (النسآء4:4) ”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔“ یعنی جب تم نے مہر مقرر کرلیا ہو تو عورت اس مہر کو یا اس میں سے کچھ حصے کو معاف کردے تو اس میں تم پر یا اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔

امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرمی کا خیال ہے کہ کچھ لوگ مہر کی ایک مقدار تو معین کرلیتے تھے اور ممکن تھا کہ ان میں سے کوئی تنگ دستی میں مبتلا ہو جائے تو اس صورت حال کے بارے میں فرمایا: لوگو! اگر مہر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے اس میں کمی بیشی کرلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔[2] یعنی اگر عورت اپنی خوشی سے کچھ مہر معاف کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿24﴾ ﴾ ”بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔“ محرمات کے بارے میں ان احکام کو بیان کرنے کے بعد یہاں ان دو صفات باری تعالیٰ کا ذکر نہایت مناسب ہے۔

تفسیر آیت:25

آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں لونڈیوں سے نکاح کا جواز: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے جس شخص کو اس بات کی استطاعت اور قدرت نہ ہو کہ ﴿ اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ”وہ مومن آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔“ یہاں ﴿ مُحْصَنٰتِ ﴾ سے مراد آزاد، عفت مآب اور مومن عورتیں ہیں۔ ﴿ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ یعنی وہ مومن لونڈیوں ہی سے جو تمھارے (مومنوں کے) قبضے میں آ گئی ہوں نکاح کرلے۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ﴾ ”اور اللہ تمھارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، تم آپس میں (ایک دوسرے کے) ہم جنس ہو۔“ یعنی وہ تو تمام امور کے حقائق اور اسرار کو جانتا ہے جبکہ لوگو! تم صرف ظاہری امور ہی کو جانتے ہو۔

پھر فرمایا: ﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ ﴾ ”تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کرلو۔“ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مالک اپنی لونڈی کا ولی ہے، لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر اس کی لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے۔ اسی طرح وہ اپنے غلام کا بھی ولی ہے، لہٰذا اس کے غلام کو چاہیے کہ وہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرے جیسا کہ حدیث میں ہے: [أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَهُوَ عَاهِرٌ] ”جو غلام اپنے مالکان کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، وہ بدکار ہے۔“[3] اگر لونڈی کی مالک کوئی عورت ہو تو اس کا نکاح اس شخص کی اجازت سے کیا جائے جس کی اجازت سے اس عورت کا نکاح کیا جا سکتا ہو کیونکہ حدیث میں آیا ہے: [لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ (نَفْسَهَا) فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح......، حديث:(21)-1406. [2] تفسير الطبري:20/5.

[3] سنن أبي داود، النكاح، باب في نكاح العبد بغير إذن مواليه، حديث:2078 وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في نكاح العبد بغير إذن سيده، حديث:1111 عن جابر بن عبدالله ﷺ.

الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا]''عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے، وہ عورت بدکار ہے جو اپنا نکاح خود کرے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کر دو۔'' دستور کے مطابق اور بطیبِ خاطر ان کے مہر بھی ادا کرو اور ان کو لونڈیاں اور باندیاں سمجھ کر ان کی توہین کرتے ہوئے ان کے مہر کم نہ کرو۔ ﴿ مُحْصَنٰتٍ ﴾ ''(بشرطیکہ) عفیفہ ہوں۔'' یعنی پاک دامن ہوں اور زنا کا ارتکاب نہ کرتی ہوں، چنانچہ فرمایا: ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾ یعنی ایسی کھلم کھلا بدکار نہ ہوں کہ اپنے ساتھ زنا کرنے والے کسی بھی شخص کو انکار نہ کریں۔ ﴿ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ ''اور نہ در پردہ دوستی کرنا چاہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسافحات سے مراد وہ زانی عورتیں ہیں جو کھلم کھلا بدکاری کا ارتکاب کریں۔[2] اور ﴿ مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ سے مراد وہ ہیں جنھوں نے در پردہ دوست بنا رکھے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مجاہد، شعبی، ضحاک، عطاء خراسانی، یحییٰ بن ابو کثیر، مُقاتِل بن حَیّان اور سُدّی رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ ﴿ اَخْدَانٍ ﴾ سے مراد اَخِلّاء یعنی خفیہ دوست ہیں۔[3]

زنا کے ارتکاب پر لونڈی کی سزا نصف ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ ''پھر اگر نکاح میں آ کر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے، اس کی آدھی سزا ان کو دی جائے۔'' یہاں اِحْصَان سے مراد نکاح ہے کیونکہ سیاق آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں (بیبیوں) سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں ہی سے جو تمھارے قبضے میں آ گئی ہوں (نکاح کر لے۔)'' واللہ أعلم.

آیت کریمہ کا سارا سیاق ہی مومن لونڈیوں کے بارے میں ہے، لہٰذا اس سے یہ بات متعین ہو گئی کہ ﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب وہ نکاح کر لیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کی اتباع کرنے والوں نے کہا ہے۔[4] ﴿ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ ''(تو) جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے، اس کی آدھی (ان کو دی جائے۔)'' اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہ سزا ہے جس کا نصف ہو سکے اور وہ کوڑوں کی سزا ہے نہ کہ رجم کی۔ واللہ أعلَم.

﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ﴾ یعنی مذکورہ شرائط کے ساتھ باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس شخص کو ہے جسے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اس کا گزارا جماع کے بغیر بہت مشکل ہو تو وہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور

① سنن ابن ماجه، النكاح، باب لا نكاح إلّا بولي، حديث:1882 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. دیکھیے إرواء الغليل:1841. ملحوظہ: فإن الزانية ... آخر تک مدرج ہے۔ ② تفسير الطبري:28/5. ③ تفسير ابن أبي حاتم:922/3. ④ تفسير ابن أبي حاتم:923/3.

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (یہ معاملات) کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی راہ پر چلائے اور تم پر توجہ دے، اور اللہ خوب

حَكِيْمٌ ﴿26﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

جاننے والا حکمت والا ہے ﴿26﴾ اور اللہ تم پر توجہ دینا چاہتا ہے، اور وہ لوگ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (حق سے) بہت دور

عَظِيْمًا ﴿27﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾

ہو جاؤ ﴿27﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے ﴿28﴾

اگر وہ لونڈی سے نکاح نہ کرے اور زنا سے باز رہنے کے لیے مجاہدۂ نفس کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے کیونکہ اگر وہ اس سے شادی کر لے گا تو اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد اسی کے مالک کی غلام ہو گی۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿25﴾ ﴾ ''اور یہ کہ تم صبر کرو، یہ تمھارے لیے بہت اچھا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

تفسیر آیات: 26-28

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ مومنو! تمھارے سامنے وہ یہ بیان فرما دے کہ اس نے تمھارے لیے کیا حلال کیا ہے اور حرام کسے قرار دیا ہے؟ اور یہ سب کچھ اس نے اس سورت میں اور دیگر سورتوں میں بیان فرما دیا ہے۔ ﴿ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''اور تم کو تم سے پہلے لوگوں کے طریقے بتائے۔'' یعنی اپنی شریعت کی اتباع میں جسے وہ پسند فرماتا ہے، ان کے قابلِ ستائش طریقے بیان کرے۔ ﴿ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور تم پر توجہ دے۔'' اور تمھارے گناہوں اور حرام امور کے ارتکاب کو معاف فرما دے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿26﴾ ﴾ ''اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' وہ اپنی شریعت اور تقدیر میں اور اپنے افعال و اقوال میں علیم و حکیم ہے۔

﴿ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿27﴾ ﴾ ''اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے رستے سے بھٹک کر دور جا پڑو۔'' یعنی شیطان کے پیروکار یہودی، عیسائی اور بدکار لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ حق سے ہٹ کر باطل کو اختیار کر لو اور بھٹک کر بہت دور جا پڑو۔ ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے۔'' یعنی اپنے احکام شریعت میں، اپنے اوامر و نواہی میں اور ان امور میں جو اس نے تمھارے لیے مقدر کر دیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مقررہ شرائط کے ساتھ لونڈیوں سے نکاح کو بھی جائز قرار دے دیا ہے جیسا کہ مجاہد اور دیگر نے فرمایا ہے۔[1]

﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾ ﴾ ''اور انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے۔'' انسان چونکہ جسم و جان اور عزم و ہمت کے اعتبار سے کمزور ہے، اس لیے مناسب تھا کہ اس کے لیے احکام میں بھی تخفیف ہوتی۔ امام ابن ابوحاتم نے طاؤس سے روایت

① تفسیر الطبری: 42/5.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو، اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو،

مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿29﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا

بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے ﴿29﴾ اور جو شخص سرکشی اور ظلم سے ایسے (نافرمانی کے) کام کرے گا' تو اسے ہم جلد آگ میں ڈالیں گے اور یہ

وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿30﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا

اللہ کے لیے بہت آسان ہے ﴿30﴾ اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمھیں روکا جاتا ہے، تو ہم تمھاری (چھوٹی چھوٹی) برائیاں تم سے دور کر دیں

تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿31﴾

گے اور تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے ﴿31﴾

کیا ہے کہ ﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ انسان عورتوں کے بارے میں کمزور پیدا ہوا ہے۔[1] امام وکیع فرماتے ہیں کہ عورتوں کے سامنے مردوں کی مت ماری جاتی ہے۔[2]

تفسیر آیات: 31-29

حرام کمائی کی ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے کھائیں، یعنی وہ کمائی کے ایسے طریقے اختیار کریں جو غیر شرعی ہیں، مثلاً: سود، جوا اور مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کے مال کھانے کی وہ تمام صورتیں جو سود اور جوئے ہی کی طرح ہیں جیسا کہ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص اگر کسی دوسرے شخص سے کپڑا خریدتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ اگر یہ کپڑا تمھیں پسند آ گیا تو اسے اپنے پاس رکھ لینا اور اگر پسند نہ آیا تو اسے واپس کر دینا لیکن اس کے ساتھ تمھیں ایک درہم بھی واپس کرنا ہوگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ ''اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔''[3]

اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ کو نازل فرمایا تو مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے کھانے سے منع فرمایا ہے اور کھانا سب سے افضل مال ہے، لہٰذا ہم میں سے کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے پاس کھانا کھائے تو لوگ اس کام سے رک گئے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ ﴾ الآية (النور 24:61)[4] اس آیت میں یہ بیان ہے کہ اپنے یا اپنے قریبی اعزہ اور دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت ہے۔ امام قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[5]

① تفسیر ابن أبی حاتم:926/3 . ② تفسیر ابن أبی حاتم:926/3 . ③ تفسیر الطبری:43/5 . ④ تفسیر ابن أبی حاتم:927/3 . ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:927/3 .

﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ ”ہاں، اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے۔)“ ﴿ تِجَارَةً ﴾ کو (تَكُوْنَ کے تامّہ ہونے کی بنا پر) مرفوع اور (ناقصہ ہونے کی بنا پر بطور خبر) منصوب پڑھا گیا ہے۔ اور یہ استثنا منقطع ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مال کمانے کے لیے حرام اسباب و وسائل اختیار نہ کرو۔ ہاں، البتہ بائع اور مشتری آپس کی رضامندی سے تجارت کے ایسے طریقے اختیار کر سکتے ہیں جو شرعاً جائز ہیں۔

اور ان شرعی طریقوں کو وہ کمائی کے ذریعے کے طور پر اختیار کر سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (بنی إسرآءیل 33:17) ”اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے۔)“ اور فرمایا: ﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ﴾ (الدخان 56:44) ”وہاں وہ موت (کا مزہ) نہیں چکھیں گے سوائے پہلی موت کے۔“ مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ یا تو خرید و فروخت ہو یا کوئی کسی کو عَطِیّہ دے دے۔ اس قول کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

تجارت میں خیارِ مجلس: خیارِ مجلس آپس کی رضامندی کی تکمیل ہی کے لیے ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتفرَّقَا] ”دونوں خرید و فروخت کرنے والوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ الگ الگ نہ ہو جائیں۔“[2] صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتفرَّقَا] ”جب دو شخص آپس میں خرید و فروخت کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو (اس سودے کے بارے میں) اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ الگ الگ نہ ہو جائیں۔“[3]

انسان کو قتل کرنے کی ممانعت اور اس پر وعید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ”اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔“ یعنی ان امور کا ارتکاب کر کے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو اختیار کر کے اور آپس میں لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا کر۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝29 ﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔“

امام احمد نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب نبی ٔاکرم ﷺ نے مجھے ذاتِ سلاسل کے سال (آٹھ ہجری کو)[4] بھیجا تو مجھے ایک ایسی رات میں احتلام ہو گیا جو بہت شدید سرد تھی اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، لہٰذا میں نے تیمّم کر کے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ اور جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [يَا عَمْرُو! صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ

[1] تفسیر الطبری:45/5 . [2] صحیح البخاری، البیوع، باب البیعان بالخیار مالم یتفرّقا، حدیث:2110 وصحیح مسلم ، البیوع، باب الصدق فی البیع والبیان، حدیث:1532 عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ. [3] صحیح البخاری، البیوع، باب: إذا خیرأحدھما صاحبه بعد البیع فقد وجب البیع، حدیث:2112 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ . [4] دیکھیے الطبقات الکبرٰی لابن سعد:131/2.

جُنُبٌ؟]''عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو حالت جنابت ہی میں نماز پڑھا دی؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے شدید ترین سرد رات میں احتلام ہوا اور خدشہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا تو اس موقع پر مجھے یہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ ''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔'' تو میں نے تیمم کر کے نماز پڑھا دی، یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور آپ نے کچھ نہ فرمایا۔[1] ابن مردویہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ بِيَدِهِ، يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَّمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسُمٍّ فَسُمُّهُ بِيَدِهِ، يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَّمَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ يُرَدّٰى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا] ''جو شخص چھری کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کر لے تو چھری اس کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ اس کے ساتھ اپنے پیٹ کو پھاڑے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو زہر سے قتل کیا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ تھوڑا تھوڑا کر کے پیئے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہے گا۔ اور جس نے پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو قتل کر لیا تو وہ جہنم کی آگ میں گرتا رہے گا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔''[2] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔[3]

ابوقلابہ نے حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جس نے کسی چیز کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کیا تو اسے اسی کے ساتھ قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔''[4] اس حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔[5]

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا﴾ ''اور جو تعدّی اور ظلم سے ایسا کرے گا۔'' یعنی جو شخص اس کا ارتکاب کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی جسارت کرے گا۔ ﴿فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا﴾ ''تو ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے۔'' یہ بہت سخت وعید اور شدید سرزنش ہے، ہر اس عقل مند کو اس سے ڈرنا چاہیے جو دلِ آگاہ رکھتا اور دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہو۔

بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو چھوٹے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ یعنی اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے، جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے، اجتناب

---

[1] مسند أحمد:204,203/4 وسنن أبي داود، الطهارة، باب: إذا خاف الجنب البرد أيتيمّم؟ حديث:334. [2] مسند أحمد:254/2 . [3] صحيح البخاري، الطب، باب شرب السّمّ والدواء به......، حديث:5778 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه......، حديث:109. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه، حديث:110 . [5] صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى من السباب واللّعن، حديث: 6047 وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ماجاء في الحلف بالبراء ة وبملة غير الإسلام، حديث:3257 .

رکھو گے تو ہم تمھارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تمھیں جنت میں داخل کر دیں گے۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴾ ''اور ہم تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے'' اس آیت کریمہ سے متعلق بہت سی احادیث بھی وارد ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [أَتَدْرِي مَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ؟ قُلْتُ: هُوَ الْيَوْمُ الَّذِي جَمَعَ اللّٰهُ فِيهِ أَبَاكُمْ، قَالَ: لٰكِنِّي أَدْرِي مَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ، لَا يَتَطَهَّرُ الرَّجُلُ فَيُحْسِنُ طُهُورَهُ، ثُمَّ يَأْتِي الْجُمُعَةَ فَيُنْصِتُ حَتّٰى يَقْضِيَ الْإِمَامُ صَلَاتَهُ إِلَّا كَانَ كَفَّارَةً لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ، مَا اجْتُنِبَتِ الْمَقْتَلَةُ] ''تمھیں معلوم ہے کہ جمعے کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد گرامی (حضرت آدم علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تھا، آپ نے فرمایا: لیکن یہ مجھے معلوم ہے کہ جمعے کا دن کیا ہے، یہ وہ دن ہے کہ جو شخص بھی اس میں اچھے طریقے سے طہارت حاصل کرے، پھر جمعے کے لیے آئے اور خاموش رہے حتی کہ امام نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ آنے والے جمعے تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے بشرطیکہ ان گناہوں سے اجتناب کیا جائے جو تباہ و برباد کر دینے والے ہیں۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو (ایک دوسری سند سے) تقریباً اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[2]

سات ہلاک کر دینے والے گناہ: صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ] ''ان سات قسم کے گناہوں سے بچو جو ہلاک کر دینے والے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون سے ہیں؟ فرمایا: (1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) جادو کرنا۔ (3) اُس جان (والے) کو ناحق قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ (4) سود کھانا۔ (5) یتیم کے مال کو کھانا۔ (6) میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اور (7) پاکباز مومن، بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔''[3]

ایک اور حدیث جس میں جھوٹی گواہی کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے: امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا یا آپ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: [اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَالَ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ؟ قَالَ : قَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ شَهَادَةُ الزُّورِ] ''(1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) کسی انسان کو ناحق قتل

---

[1] مسند أحمد: 439/5. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب لا يفرق بين اثنين يوم الجمعة، حديث: 910. [3] صحيح البخاري، الحدود، باب رمي المحصنات وقول الله عزوجل: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ ﴾ (النور 24:4)، حديث: 6857 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89.

کرنا۔(3) والدین کی نافرمانی کرنا اور (4) آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں یہ نہ بتاؤں کہ تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: وہ جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی ہے۔'' شعبہ فرماتے ہیں کہ میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ آپ نے یہاں جھوٹی گواہی کا ذکر فرمایا تھا۔[1] شعبہ کی اسی سند سے شیخین رحمہما اللہ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام بخاری و مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرہ کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: [أَلَا أُنَبِّئُكُم بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ـ ثَلَاثًا ـ قُلْنَا: بَلٰى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا، فَجَلَسَ فَقَالَ: أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ...... فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ] ''کیا میں تمھیں یہ نہ بتاؤں کہ تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے محو استراحت تھے کہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! یاد رکھو کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے...... آپ نے یہ بات اس قدر کثرت کے ساتھ بار بار فرمائی کہ ہم کہنے لگے: کاش! اب آپ سکوت فرمالیں (تاکہ آپ کو زحمت نہ ہو۔)''[3]

ایک اور حدیث جس میں بچے کے قتل کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے عظیم گناہ کون سا ہے؟[4] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ، ثُمَّ قَرَأَ[5]: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ إِلٰى قَوْلِهٖ ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ الآية (الفرقان 25:68-70) ''تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: پھر یہ کہ اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔'' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ تا ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ ''اور وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی

---

[1] مسند أحمد:131/3. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث:5977 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، بعد الحديث: 88 . [3] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: 5976 وأيضًا، الشّهادات، باب ماقيل في شهادة الزور، حديث: 2654 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 87 . [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ (البقرة 22:2)، حديث: 4477 . [5] ثُمَّ قَرَأَ کے الفاظ صحیحین میں نہیں ہیں جبکہ بخاری میں اس طرح: [وَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَصْدِيقًا لِّقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ] ''یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تصدیق کے لیے نازل ہوئی۔'' ہے، ہاں! [ثُمَّ قَرَأَ] مسند أحمد:434/1 اور تفسير الطبري:62/5 میں ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ

اور تم اس مقام و مرتبے کی خواہش نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾

اور عورتوں نے جو کمایا' اس میں ان کا حصہ ہے اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿32﴾

دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ نے منع کر دیا ہو، بغیر حق کے قتل نہیں کرتے اور نہ زنا ہی کے مرتکب ہوتے ہیں......مگر جو توبہ کر لے......۔''[1]

ایک اور حدیث جس میں جھوٹی قسم کا بھی کبائر میں شمار ہے: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْكَبَائِرُ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ أَوْ قَتْلُ النَّفْسِ۔ شُعْبَةُ الشَّاكُّ۔ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ] ''کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا آپ نے قتل جان کا ذکر فرمایا۔ شعبہ کو شک ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانا۔''[2] اس روایت کو امام بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

والدین کو گالی دینا بھی کبائر میں سے ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ ؟ قَالَ : يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَ يَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ] ''بے شک کبیرہ گناہوں میں سے بہت بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آدمی اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیج سکتا ہے؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، یہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''[4] اسی طرح امام مسلم نے بھی اس حدیث کو بالفاظ دیگر روایت کیا ہے۔[5] امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[6]

اور صحیح (بخاری و مسلم میں) حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَّ قِتَالُهٗ كُفْرٌ] ''مسلمان

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الفرقان 68:25) ، حديث: 4761 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب......، حديث: 86. [2] مسند أحمد: 201/2 . [3] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ (النحل 94:16) ، حديث: 6675. صحیح بخاری اور سنن نسائی میں شعبة الشاك کے الفاظ نہیں ہیں۔ وجامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، حديث: 3021 و سنن النسائی، تحريم الدم، باب ذكر الكبائر، حديث: 4016 . [4] صحيح البخاري، الأدب، باب لا يسبّ الرجل والديه، حديث: 5973 ومسند أحمد: 216/2 . [5] صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 90 . [6] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في عقوق الوالدين، حديث: 1902 وسنن أبي داود، الأدب، باب في برّ الوالدين، حديث: 5141 .

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

ماں باپ اور قریبی رشتے دار جو مال چھوڑ جائیں اس میں ہم نے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں اور جن سے تمھارا عہد و پیمان بندھ چکا ہو، تو

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿33﴾

انھیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿33﴾

کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔''[1]

تفسیر آیت: 32

حرص و ہوس اور حسد کی ممانعت: امام احمد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کر سکتیں اور میراث میں بھی ہمارا حصہ نصف ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس کی ہوس مت کرو۔''[2] اور اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ ''مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے۔'' ہر ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی اگر اچھا عمل کیا تو اچھی جزا ملے گی اور اگر برا عمل کیا تو سزا ملے گی، یہ امام ابن جریر کا قول ہے۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وراثت ہے، یعنی ہر شخص اپنے حساب سے وراثت میں سے حصہ پاتا ہے۔ اسے والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[5]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس چیز کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو ان (کی سوچ اور فکر) کو درست کر دے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور اللہ سے اس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو۔'' اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس کی ہوس مت کرو کیونکہ یہ ایک حتمی امر ہے اور ہوس کسی کام نہیں آ سکتی۔ ہاں، البتہ مجھ سے میرے فضل و کرم کا سوال کرتے رہو تو میں تمھیں ضرور نوازوں گا کیونکہ میں فضل و کرم کرنے والا اور عطا فرمانے والا ہوں۔ پھر فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾﴾ کچھ شک نہیں اللہ جانتا ہے کہ دنیا کا مستحق کون ہے تو وہ اسے عطا فرما دیتا ہے، وہی جانتا ہے کہ فقر کا مستحق کون ہے تو اسے وہ فقیر رکھتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ آخرت کا مستحق کون ہے تو اسے

---

① صحیح البخاری، الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لا یشعر، حدیث: 48 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان قول النبی ﷺ: [سباب المسلم فسوق]، حدیث: 64 عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ ② مسند أحمد: 322/6، البتہ اس کی سند میں انقطاع ہے، دیکھیے الموسوعة الحدیثیة (مسند أحمد): 320/44، حدیث: 26736. ③ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة النسآء، حدیث: 3022 امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل ہے۔ ④ تفسیر الطبری: 70/5. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 936/3 بالفاظ دیگر۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ

مرد عورتوں پر اس وجہ سے حاکم ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ

اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ

کرتے ہیں، چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار اور خاوند کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے (مال وآبرو کی) نگہبانی کرتی ہیں اور تمھیں جن عورتوں کی سرکشی

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا

کا خوف ہو تو انھیں تم نصیحت کرو اور ان کو خواب گاہوں میں الگ کر دو، اور انھیں ہلکی سزا دو، پھر اگر وہ تمھاری فرمانبرداری کریں تو انھیں ستانے کی راہ

تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾

نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ بہت بلند اور نہایت بڑا ہے ﴿34﴾

وہ آخرت کے اعمال کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ذلت و رسوائی کا مستحق کون ہے تو اسے نیکی و بھلائی کے کاموں سے محروم کر دیتا ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

تفسیر آیت: 33

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو صالح، قتادہ، زید بن اسلم، سُدّی، ضحاک، اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ہر ایک کے وارث مقرر کر دیے ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ ہم نے ہر ایک کے عصبہ مقرر کر رکھے ہیں۔[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب چچازاد بھائی کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔[3] ﴿ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ ''جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں۔'' یعنی والدین اور رشتہ داروں کے ترکۂ میراث کے لیے ہم نے حق دار مقرر کر دیے ہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ﴾ ''اور جن لوگوں سے تمھارا عہد و پیمان بندھ چکا ہو تو ان کو بھی ان کا حصہ دو۔'' یعنی جن سے تم نے آپس میں پختہ قسمیں کھائی ہیں تو انھیں بھی میراث میں سے حصہ دو کیونکہ تم نے آپس میں یہ جو عہد و پیمان کیے ہیں، اللہ بھی ان کا گواہ ہے۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا، پھر اسے منسوخ کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ پہلے جو عہد و پیمان کر چکے ہیں، اسے پورا کریں اور اس آیت کے نزول کے بعد اور کوئی اس طرح کا معاہدہ آئندہ نہ کریں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ مَوَالِيَ ﴾ کے معنی وارث کے ہیں۔ اور ﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ یہ اس وقت کی بات ہے جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصاری کے اپنے رشتے داروں کے بجائے اس کا وارث مہاجر بنتا تھا اور یہ اس رشتۂ اخوت کے باعث تھا جو رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین استوار فرما

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ ﴾ (النسآء4:33)، حديث:4580 وتفسير ابن أبي حاتم:937/3 وتفسير الطبري:72/5. [2] تفسير الطبري:72/5. [3] تفسير الطبري:71/5.

دیا تھا لیکن جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ﴾ تو اس سے یہ بات منسوخ ہوگئی، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ﴾ ''اور جن لوگوں سے تمھارا عہد و پیمان بندھ چکا ہو تو ان کو بھی ان کا حصہ دو۔'' سے مراد یہ ہے کہ نصرت و اعانت اور نصیحت کی صورت میں انھیں ان کا حصہ دو کیونکہ میراث سے ان کا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ ہاں، البتہ اس کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے۔①

تفسیر آیت: 34

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ ''مرد عورتوں پر نگران و حاکم ہیں۔'' یعنی مرد عورت کا سربراہ ہے، سردار ہے، بزرگ ہے، اس کا حاکم ہے اور راہ راست سے بھٹکنے کی صورت میں اسے ادب سکھانے والا ہے۔ ﴿ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ ''اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔'' یعنی مردوں کو عورتوں سے افضل بنایا ہے۔

بہر حال مرد عورت سے بہتر ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں ہی کو سرفراز فرمایا تھا۔② اسی طرح اسلامی حکومت کی سربراہی بھی مرد ہی کے لیے مخصوص ہے کیونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً] ''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جنھوں نے اپنا حاکم عورت کو بنا لیا۔''③ اسی طرح منصبِ قضا پر بھی مرد ہی فائز ہوسکتا ہے۔ ﴿ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ ''اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی حق مہر، نفقات اور ان اخراجات میں جن کو کتاب و سنت میں مردوں پر عورتوں کے لیے واجب قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال مرد فی نفسہ عورت سے افضل ہے اور اسے اس پر فضل و شرف حاصل ہے، لہٰذا یہی مناسب تھا کہ مرد عورت پر حاکم ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرۃ 228:2) ''اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔''

نیک عورت کی علامت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ ﴾ ''پھر (جو) نیک بیویاں ہیں'' ﴿ قٰنِتٰتٌ ﴾ ''وہ فرماں بردار ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہیں۔④ ﴿ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ ﴾ ''ان کے پیٹھ پیچھے خبرداری کرتی ہیں۔'' سُدّی وغیرہ نے کہا ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی آبرو اور اس کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔⑤ ﴿ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ کی حفاظت میں۔'' یعنی محفوظ وہ ہے جس کی اللہ حفاظت فرمائے۔⑥ امام ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَأَةٌ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْكَ، وَإِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْكَ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِي نَفْسِهَا وَمَالِكَ، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ...... ﴾ الآية] ''عورتوں میں سب سے بہترین وہ بیوی ہے کہ

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ ﴾ (النسآء 33:4)، حدیث:4580. ② ماخوذ از سورۃ یوسف 109:12. ③ صحیح البخاری، الفتن، باب:18، حدیث:7099 عن أبی بکرۃ رضی اللہ عنہ. ④ تفسیر الطبری:85,84/5. ⑤ تفسیر الطبری:85/5. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم:941/3 و تفسیر الطبری:86/5.

جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمھیں خوش کر دے، اسے حکم دو تو اطاعت بجالائے اور تمھاری عدم موجودگی میں اپنے نفس اور تمھارے مال کی حفاظت کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ الآية.''①

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا ، وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا ، قِيلَ لَهَا : اُدْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ] ''جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنے نفس کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔''②

سرکشی وبدخوئی اور اس کا علاج: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ ﴾ ''اور جن عورتوں کی نسبت تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو۔'' یعنی جن عورتوں کے بارے میں تمھیں یہ خدشہ ہو کہ وہ اپنے شوہروں سے سرکشی کریں گی۔ نُشُوز کے معنی اونچا ہونے کے ہیں نَاشِز اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر سے اونچا اور بلند ہونا چاہتی ہو، اس کے حکم کو نہ مانے، اس سے اعراض کرے، اس سے بغض رکھے تو جب اس طرح کی سرکشی وبدخوئی کی علامات ظاہر ہوں تو شوہر کو چاہیے کہ وہ اسے سمجھائے اور اس کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے حق اور اس کی اطاعت کو اس پر واجب قرار دیا ہے اور اس کی نافرمانی کو حرام۔ اس لیے کہ شوہر کو اس پر فضل وشرف حاصل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ ، لَّأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا، (مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا)] ''اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ شوہر کا بیوی پر بہت بڑا حق ہے۔''③

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ (عَلَيْهِ)، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ] ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''④ صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں: [إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ] ''جب عورت اپنے شوہر کے بستر کو چھوڑتے

① تفسير الطبري:86/5 و سنن النسائي، النكاح، باب أيّ النساء خير؟حديث:3233 والمستدرك للحاكم، النكاح: 161/2، حديث:2682 اور دیکھیے السلسلة الصحيحة، حديث:1838. ② مسند أحمد:191/1. ③ جامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء في حق الزوج على المرأة، حديث:1159 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 159/3 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ و سنن أبي داود ، النكاح، باب في حق الزوج على المرأة، حديث:2140 عن قيس بن سعد رضی اللہ عنہ. ④ صحيح البخاري، النكاح ، باب: إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حديث:5193، البتہ [عليه] مسند أحمد:480/2 میں ہے اور صحیح بخاری میں اس کی جگہ: [أَنْ تَجِيءَ] ہے۔

ہوئے رات بسر کرے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔‘‘[1] (عورتوں کی طرف سے ان باتوں کا امکان ہے) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ ﴾ ’’اور جن عورتوں کی نسبت تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ، (اور اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کو خواب گاہوں میں الگ کر دو۔‘‘

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اَلْھِجْرَان کے معنی یہ ہیں کہ شوہر اس سے مباشرت نہ کرے، اس کے بستر پر نہ لیٹے بلکہ اس سے پیٹھ پھیر لے۔[2] کئی ایک ائمہ تفسیر نے بھی یہی کہا ہے۔[3] اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے جن میں سُدّی، ضحاک اور عکرمہ ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ گفتگو بھی نہ کرے۔[4] سنن اور مسند میں معاویہ بن حَیدَہ قُشَیری سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی ایک پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟ فرمایا: [أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ ...... ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ ، وَلَا تُقَبِّحْ ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ] ’’یہ کہ جب کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، پہنو یا حاصل کرو تو اسے بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو، گالی نہ دو اور ترک نہ کرو مگر گھر ہی میں۔‘‘[5]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ ’’اور ان کو زدوکوب کرو۔‘‘ یعنی اگر وعظ ونصیحت اور بستر الگ کرنے سے بھی وہ اپنے طرزِ عمل سے باز نہ آئیں تو انھیں اتنی جسمانی سزا دے سکتے ہو جس سے ان کے جسم پر نشان نہ پڑے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: [فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا (فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ)، وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ] ’’عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ وہ تمھارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں (تمھاری حکومت میں ہیں۔) تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو انھیں زدوکوب تو کرو مگر بہت سخت نہیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دو۔‘‘[6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ کے معنی ہیں ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ کہ ایسی مار جو بہت شدید نہ ہو۔[7] اور امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایسی مار جس سے (جسم پر) نشان نہ پڑے۔[8]

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، بات تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث:1436 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [2] تفسير ابن أبي حاتم:942/3. [3] تفسير الطبرى:91,90/5 . [4] تفسير الطبرى:91,90/5. [5] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث:2142 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة......، حديث:1850 والسنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب تحريم ضرب الوجه في الأدب: 373/5 ، حديث:9171 ومسند أحمد: 3/5.
[6] ماخوذ از صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي صلی اللہ علیہ وسلم ، حديث:1218 ، البتہ قوسین والے مسند أحمد:73/5 کے مطابق ہیں۔ [7] تفسير الطبرى:97,96/5 . [8] تفسير الطبرى:98/5 .

17545

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح کرنا

يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿35﴾

چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بہت علم والا، خوب خبر دار ہے ﴿35﴾

جب عورت اطاعت کرے تو پھر کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ﴾ ''پھر اگر وہ تمھاری فرمانبردار ہو جائیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔'' یعنی جب عورت اپنے شوہر کی ان تمام امور میں اطاعت کرے جن میں شوہر چاہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں مباح قرار دیا ہو تو پھر اس کے بعد اس کے لیے کوئی بہانہ نہیں ہے۔ اور اسے مارنے یا اس سے بے اعتنائی کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾ ﴾ ''بے شک اللہ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔'' یہ مردوں کے لیے وعید ہے کہ اگر وہ کسی سبب اور وجہ کے بغیر عورتوں پر زیادتی کریں تو اللہ تعالیٰ جو سب سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، وہ ان کا کارساز ہے اور وہ اس سے انتقام لے گا جو عورتوں پر ظلم و زیادتی کرے گا۔

تفسیر آیت: 35

میاں بیوی میں نزاع کی صورت میں دو منصفوں کا تقرر: پہلے اس حالت کا ذکر کیا گیا تھا جب سرکشی و بدخوئی عورت کی طرف سے ہو اور اب اس دوسری حالت کا ذکر کیا جا رہا ہے جب میاں بیوی دونوں میں کشیدگی ہو تو اس کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ ''اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔''

فقہاء فرماتے ہیں کہ جب میاں بیوی میں اَن بن ہو جائے تو حاکم انھیں کسی ایسے قابل اعتماد شخص کے پاس رکھے جو ان کا جائزہ لیتا رہے اور ان میں سے جو ظالم ہو تو وہ اسے ظلم سے باز رکھے۔ اور اگر دونوں میں کشیدگی اور لڑائی جھگڑا طول اختیار کر جائے تو حاکم ایک قابل اعتماد شخص عورت کے خاندان میں سے اور ایک مرد کے خاندان میں سے بھیجے تاکہ وہ دونوں اکٹھے ہو کر ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیں اور ان کے مل جل کر رہنے یا الگ الگ ہو جانے کے بارے میں وہ فیصلہ کریں جو ان کی نگاہ میں مصلحت کے مطابق ہو لیکن شارع کی منشا یہی ہے کہ دونوں میں صلح کرا دی جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ ﴾ ''اگر وہ دونوں صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ ان (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا۔''

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ ایک نیک شخص مرد کے خاندان میں سے اور اسی طرح ایک نیک مرد عورت کے خاندان سے مقرر کر دیں۔ وہ دونوں جائزہ لیں کہ ان میں سے برا

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں،

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ

رشتے دار پڑوسی ، اجنبی پڑوسی، ساتھ رہنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنی ملکیت کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿36﴾

بے شک اللہ ہر اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا﴿36﴾

کون ہے۔ اگر مرد برا ہو تو عورت کو اس سے روک لیں اور اسے نفقہ ادا کرنے پر مجبور کریں۔ اگر عورت بری ہو تو اسے شوہر کے پاس ہی رہنے دیں اور نفقہ سے روک دیں۔ علیحدگی یا صلح میں سے جس بات پر بھی ان کی رائے متفق ہو تو دونوں طرح جائز ہے۔ اگر دونوں منصفوں کی رائے یہ ہو کہ انھیں مل جل کر رہنا چاہیے، اور اس فیصلے پر میاں بیوی میں سے ایک راضی ہو جائے اور دوسرا راضی نہ ہو، اور اگر ان میں سے ایک فوت ہو جائے تو جو فیصلے پر راضی تھا وہ اس کا وارث ہوگا جس نے اس فیصلے کو پسند نہیں کیا تھا لیکن اس فیصلے کو ناپسند کرنے والا، پسند کرنے والے کا وارث نہیں ہوگا۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

شیخ ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں منصفوں میں جب اختلاف ہو تو پھر ان میں سے کسی کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔ اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ صلح کی صورت میں ان کا فیصلہ نافذ ہوگا، خواہ میاں بیوی نے انھیں مقرر نہ بھی کیا ہو۔ اور اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر انھوں نے جدائی کا فیصلہ کیا ہو تو کیا پھر بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں انھوں نے جمہور کا قول یہی بیان کیا ہے کہ تفریق کی صورت میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا۔[2]

تفسیر آیت:36

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے کیونکہ وہی خالق ہے، رازق ہے، منعم ہے اور تمام اوقات و حالات میں اپنی مخلوق پر فضل و کرم فرمانے والا ہے، لہٰذا وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے بندے صرف اسی کی وحدانیت کا اقرار کریں اور مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: [أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (أَ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَاهُمْ فَعَلُوا ذٰلِكَ؟قَالَ: قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ) قَالَ: أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ] ”کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے

① تفسیر ابن أبی حاتم: 945/3 وتفسیر الطبری: 104/5 . ② الاستذکار لابن عبدالبرّ: 111/18 .

ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنائیں۔ (پھر آپ نے فرمایا:) کیا تم جانتے ہو کہ جب وہ بندے ایسا کریں تو پھر بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔''①

پھر اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کی وصیت فرمائی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمھارے والدین کو سبب بنایا کہ انھوں نے تمھیں عدم سے نکال کر وجود بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر جہاں اپنی عبادت کا حکم فرمایا ہے، وہاں اس کے ساتھ ہی والدین سے حسن سلوک کا بھی حکم دیا ہے، مثلاً: فرمایا: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ (لقمان 14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنی إسرائیل 23:17) ''اور آپ کے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی (کرتے رہو۔)''

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرابت دار مردوں اور عورتوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے: [اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَّعَلٰى ذِي الرَّحِمِ صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ] ''مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے جبکہ رشتے دار پر صدقہ، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''② پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یتیموں سے بھی احسان کیا جائے کیونکہ وہ ان کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے ہوتے ہیں جو ان کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ان پر خرچ کرتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان سے احسان اور شفقت کا سلوک کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ مسکینوں کے ساتھ بھی بھلائی کی جائے۔

مسکین ان ضرورت مندوں اور محتاجوں کو کہتے ہیں جن کے پاس اپنی ضرورت کے مطابق ساز وسامان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان کی اس انداز سے مدد کی جائے کہ ان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ فقیر و مسکین کے بارے میں بحث سورۂ براءت میں ہوگی۔③

پڑوسی کے حقوق: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ ''اور رشتے دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں (کے ساتھ احسان کرو۔)'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى ﴾ سے مراد

---

① صحیح البخاری، التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ أمته إلی توحید اللّٰہ تبارك وتعالٰی، حدیث:7373 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة......، حدیث: 30. اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 234/5 کے مطابق ہیں۔ ② جامع الترمذی، الزکاة، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة، حدیث: 658 وسنن النسائی، الزکاة، باب الصدقة علی الأقارب، حدیث: 2583 وسنن ابن ماجه، الزکاة، باب فضل الصدقة، حدیث: 1844 عن سلمان بن عامر ﷺ. والمعجم الکبیر للطبرانی: 101/5، حدیث: 4723 واللفظ له.
③ دیکھیے التوبة، آیت: 60 کے ذیل میں۔

وہ ہمسایہ ہے جو آپ کا رشتہ دار بھی ہو۔[1] اور ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ سے مراد وہ ہمسایہ ہے جو آپ کا رشتہ دار نہ ہو۔[2] عکرمہ، مجاہد، میمون بن مہران، ضحاک، زید بن اسلم، مُقاتل بن حیّان اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] اور امام مجاہد سے ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ اس سے مراد رفیق سفر ہے۔[4] پڑوسی کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

پہلی حدیث: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَازَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ] ''جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو بھی وارث قرار دے دیں گے۔''[5] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[6]

دوسری حدیث: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) [مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ] ''جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو بھی وارث قرار دے دیں گے۔''[7] امام ابوداود اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[8] اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔

تیسری حدیث: امام احمد ہی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ] ''دوستوں میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے دوست کے لیے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔''[9] امام ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[10] اور حسن غریب قرار دیا ہے۔

چوتھی حدیث: امام احمد ہی نے حضرت مقداد بن اسود کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: [مَا تَقُولُونَ فِي الزِّنَا؟ قَالُوا: حَرَّمَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، فَهُوَ حَرَامٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: لَأَنْ يَّزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرَةِ نِسْوَةٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّزْنِيَ بِامْرَأَةِ جَارِهِ، قَالَ: فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي السَّرِقَةِ؟ قَالُوا: حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، فَهِيَ حَرَامٌ، قَالَ: لَأَنْ يَّسْرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشْرَةِ أَبْيَاتٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّسْرِقَ مِنْ جَارِهِ] ''زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے، اس لیے یہ روز قیامت تک حرام ہے، حضرت مقداد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اگر

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:948/3 . [2] تفسير ابن أبي حاتم:948/3 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:949/3 . [4] تفسير ابن أبي حاتم:949/3 . [5] مسند أحمد:85/2 . [6] صحيح البخاري، الأدب، باب الوصاءة بالجار، حديث:6015 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث:2625 . [7] مسند أحمد:160/2. [8] سنن أبي داود، الأدب، باب في حق الجوار، حديث:5152 وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حق الجوار، حديث:1943 اور اس میں یہ الفاظ ایک واقعے کے سیاق میں ہیں۔ [9] مسند أحمد:168,167/2. [10] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حق الجوار، حديث:1944.

کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے، اس سے کہیں زیادہ بڑا گناہ یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ چوری کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا یہ حرام ہے آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دس گھروں سے بھی چوری کرے تو اس سے کہیں زیادہ بڑا گناہ یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کی چوری کرے۔‘‘①

اور صحیحین میں بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا یہ شاہد موجود ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا:[أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ] ’’یہ کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: اپنے بچے کو اس خدشے سے قتل کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔‘‘②

پانچویں حدیث: امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اگر میرے دو پڑوسی ہوں تو میں ان میں سے کس کو تحفہ دوں؟ فرمایا:[أَقْرَبُهُمَا مِنْكِ بَابًا] ’’جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔‘‘③ اسے امام بخاری نے بھی بیان کیا ہے۔④

اور ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ کے متعلق بحث سورۂ براءت میں کی جائے گی۔⑤ وَبِاللّٰهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

غلاموں سے احسان کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ’’اور جو لوگ تمھارے قبضے میں ہوں (ان کے ساتھ بھی احسان کرو۔)‘‘ کیونکہ غلام بھی بہت ضعیف اور لوگوں کے ہاتھوں میں قیدی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الوفات میں اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:[اَلصَّلَاةَ اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ] ’’نماز! نماز! اور اپنے غلاموں سے (اچھا سلوک کرنا۔)‘‘ حتی کہ آپ نے یہ الفاظ بار بار اپنے دل ہی میں دہرائے۔ (لیکن شدتِ تکلیف کی بنا پر) آپ کی زبان ادائیگی سے قاصر رہی۔⑥

امام احمد نے مِقْدَام بن مَعدِ یکرِب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَّمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَّمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَّمَا أَطْعَمْتَ

① مسند أحمد: 8/6 والمعجم الكبير للطبراني: 257,256/20، حديث: 605. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الفرقان 68:25)، حديث: 4761 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب ......، حديث: 86. ③ مسند أحمد: 175/6. ④ صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب بمن يبدأ بالهدية ؟ حديث: 2595. ⑤ دیکھیے آیت: 60 کے ذیل میں۔ ⑥ مسند أحمد: 290/6 عن أم سلمة ﷺ وسنن أبي داود، الأدب، باب في حق المملوك، حديث: 5156 وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب وهل أوصى رسول الله ﷺ؟ حديث: 2698 عن علي ﷺ. دیکھیے إرواء الغليل، حديث: 2178.

خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ] ''جوتم خود کھاؤ صدقہ ہے جو اپنے بچے کو کھلاؤ صدقہ ہے جو اپنی بیوی کو کھلاؤ صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلاؤ تو وہ بھی تمھارے لیے صدقہ ہے۔''[1] اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے خازن سے کہا: کیا غلاموں کو کھانا دے دیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا: جاؤ اور انھیں کھانا دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يَّحْبِسَ عَمَّنْ يَّمْلِكُ قُوتَهُ] ''آدمی کے لیے بس یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے غلام کے کھانے کو روک لے۔''[3] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ] ''کھانا اور کپڑے وغیرہ (مالک پر) غلاموں کا حق ہے۔ اور ان سے طاقت سے زیادہ کام بھی نہیں لینا چاہیے۔''[4] اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے: [إِذَا أَتٰى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَّمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ، فَإِنَّهُ وَلِيَ حَرَّهُ وَعِلَاجَهُ] ''جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا لے کر آئے اور اگر وہ اسے اپنے ساتھ نہ بٹھا سکے تو اسے کم از کم ایک یا دو لقمے ضرور کھلا دے کیونکہ اس نے کھانا تیار کرتے وقت گرمی بھی برداشت کی ہے اور اسے تیار بھی کیا ہے۔''[5]

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴾ ''بلاشبہ اللہ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' جو اپنے بارے میں بڑائی اور برتری کے احساس میں مبتلا ہو اور لوگوں کو حقیر سمجھنے والا اور ان پر تکبر، فخر اور غرور کرنے والا ہو اور اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھنے والا ہو، ایسا شخص خود کو اگرچہ بہت بڑا سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر اور لوگوں کی نگاہوں میں انتہائی قابل نفرت ہوتا ہے۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ مُخْتَالًا ﴾ کے معنی متکبر کے ہیں اور ﴿ فَخُورًا ﴾ اس کو کہتے ہیں جو اپنے مال کو گن گن کر تو رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا۔[6] یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے جن نعمتوں سے نوازا ہوتا ہے، ان کی وجہ سے وہ لوگوں پر فخر تو ضرور کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر کم ہی بجا لاتا ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن واقد ابو رجاء ہَرَوِی کا قول بیان کیا ہے کہ جو شخص بد خلق ہوگا، وہ متکبر اور فخر و غرور کرنے والا ضرور ہوگا، پھر انھوں نے یہ پڑھا: ﴿ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴾ ''اور جو تمھاری ملکیت ہوں (کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو) بے شک اللہ ہر

[1] مسند أحمد: 131/4. [2] السنن الكبرٰى للنسائي، عشرة النساء، باب: 81 الفضل في ذٰلك: 376/5، حديث: 9185. [3] صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك......، حديث: 996. [4] صحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل وإلباسه مما يلبس......، حديث: 1662. [5] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل مع الخادم، حديث: 5460 وصحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل......، حديث: 1663. [6] تفسير الطبري: 119/5.

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے

فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ

اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے﴿37﴾ اور ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو لوگوں کے دکھاوے

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جس شخص کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت برا ساتھی

فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿38﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ

ہے﴿38﴾ اور ان لوگوں کا کیا جاتا، اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آتے، اور اللہ نے انھیں جو مال دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے؟

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿39﴾

اور اللہ انھیں خوب جاننے والا ہے﴿39﴾

اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔‘‘ اور جو شخص نافرمان ہوگا وہ سرکش و بدبخت ضرور ہوگا، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ (مریم 32:19) ’’اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔‘‘①

بَلُهُجَیم کے ایک شخص جابر بن سُلَیم سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیے، تو آپ نے (چند اہم امور کا تذکرہ فرمایا) اور ساتھ ہی فرمایا: [وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّ إِسْبَالَ الْإِزَارِ مِنَ الْمَخِيلَةِ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ] ’’تہبند کو نیچے نہ لٹکاؤ کیونکہ تہبند کا (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانا تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔‘‘②

تفسیر آیات: 37-39

بخل کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اپنے مال کے بارے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریبی پڑوسیوں، اجنبی ہمسایوں، رفقائے پہلو، مسافروں اور غلاموں پر احسان کرتے ہوئے خرچ نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو خود ادا نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی بخل سے کام لینے کا حکم دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ؟] ’’بخل سے بڑھ کر بڑی بیماری اور کون سی ہو سکتی ہے؟‘‘③

① تفسیر الطبری: 119/5. ② مسند أحمد: 64/5 و السنن الکبرٰی للنسائی، الزینة، باب: 102 الاختلاف ......: 486/5، حدیث: 9691-9699. ③ مجمع الزوائد، المناقب، باب ماجاء فی بشر بن البراء ......: 315/9، حدیث: 15748 و المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، ذکر مناقب بشر بن البراء بن معرور ﷺ: 219/3، حدیث: 4964 عن أبی هریرة ﷺ. و صحیح البخاری، المغازی، باب قصة عمّان و البحرین، حدیث: 4383 عن أبی بکر ﷺ موقوفًا.

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: [وَإِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ]، [أَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا] ''حرص وبخل سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا، حرص وبخل نے انھیں قطع رحمی پر آمادہ کیا تو انھوں نے قطع رحمی شروع کر دی اور اس نے انھیں گناہوں پر ابھارا تو انھوں نے گناہوں کا ارتکاب شروع کر دیا۔''①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور جو (مال) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، اسے چھپا چھپا کے رکھتے ہیں۔'' بخیل اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا گویا منکر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اس کے کھانے پینے، لباس اور دیگر اخراجات سے اظہار نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ ﴾ (العدیٰت 100:6،7) ''بے شک انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس (اور ناشکرا) ہے اور وہ اس پر گواہ بھی ہے، (اپنی عادات وخصائل پر۔)'' ﴿ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ ﴾ (العدیٰت 100:8) ''اور بے شک وہ تو مال سے سخت محبت کرنے والا ہے۔'' اور یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔'' اسی لیے انھیں وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿37﴾ ﴾ ''اور ہم نے ناشکروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

کفر کے معنی چھپانے اور ڈھانپ دینے کے ہوتے ہیں تو بخیل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو چھپاتا، اس پر پردہ ڈالتا اور اس کا انکار کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ کفر، یعنی ناشکری کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَنْعَمَ عَلٰى عَبْدٍ نِّعْمَةً أَحَبَّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَيْهِ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت سے نوازے تو وہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس (بندے) پر اپنی نعمت کے اثر کو دیکھے۔''②

بعض ائمہ سلف نے اس آیت کو یہود کے اس بخل پر بھی محمول کیا ہے کہ انھوں نے اس علم کا اظہار نہ کیا جو حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں ان کے پاس تھا بلکہ انھوں نے اسے لوگوں سے چھپایا۔③ بلاشبہ اس آیت کریمہ میں اس بات کا بھی احتمال ہے اور سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت مال کے بارے میں بخل سے متعلق ہے لیکن علم کے بارے میں بخل بھی اس میں بالاولیٰ داخل ہے اگرچہ سیاق کلام قریبی رشتے داروں اور کمزوروں پر خرچ کرنے سے متعلق ہے۔ اسی طرح اس کے بعد والی آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے: ﴿ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ ''اور وہ

① اس حدیث کا ابتدائی حصہ مسند أحمد:195/2 اور دوسرا حصہ سنن أبي داود، الزكاة، باب في الشح، حديث:1698 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ ② سنن أبي داود، اللباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب، حديث:4063 ومسند أحمد:473/3 عن مالك بن نضلة رضی اللہ عنہ. والمعجم الكبير للطبراني:135/18 واللفظ له عن عمران بن الحصين رضی اللہ عنہ. ③ تفسير الطبري:120/5.

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

بے شک اللہ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، اور اگر (کسی کی) کوئی نیکی ہو تو وہ اسے دگنی کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتا

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿40﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

ہے﴿40﴾ پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ (ﷺ) کو اس امت پر گواہ بنائیں گے؟﴿41﴾ اس دن وہ

شَهِيْدًا ﴿41﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط

لوگ، جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، خواہش کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ برابر کر دیا جاتا، اور وہ اللہ سے

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ع ﴿42﴾ 6 ع 9 3

کوئی بات چھپا نہ سکیں گے﴿42﴾

لوگ خرچ بھی کریں تو (اللہ کے لیے نہیں بلکہ) لوگوں کے دکھانے کو۔“

پہلے قابل مذمت کنجوس اور بخیل لوگوں کا ذکر کیا اور اب ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ریا کار ہیں اور جو شہرت و ریا کاری کے لیے اور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ جود و سخا کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے، خرچ کرنے سے ان کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے جن تین شخصوں کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا وہ عالم، غازی اور سخی ہوں گے جنھوں نے محض ریا کاری کے لیے اپنے اعمال سرانجام دیے ہوں گے، چنانچہ ارشاد ہے کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال ومتاع سے نوازا تھا وہ کہے گا: [مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْءٍ تُحِبُّ أَنْ يُّنْفَقَ فِيهِ إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهِ لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ، إِنَّمَا أَرَدْتَّ أَنْ يُّقَالَ: فُلَانٌ جَوَادٌ، فَقَدْ قِيلَ] ”میں نے ہر اس جگہ اپنا مال خرچ کیا، جہاں خرچ کرنا تجھے پسند تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے کیونکہ تیرا ارادہ تو یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں سخی ہے اور وہ کہہ دیا گیا تھا۔“[1] یعنی تو نے اپنا بدلہ دنیا ہی میں پا لیا تھا اور اپنے اس فعل سے تیرا جو مقصود تھا، وہ تو نے دنیا ہی میں حاصل کر لیا تھا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ﴾ ”اور ایمان نہ اللہ پر لاتے ہیں اور نہ روز آخرت پر۔“ یعنی اس قبیح حرکت پر اور اللہ کی اطاعت سے اعراض پر انھیں شیطان نے آمادہ کیا ہے، وہ ان کا دوست ہے اور اسی نے ان برے اعمال کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا ہے۔ اور یاد رکھو! ﴿ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿38﴾ ﴾ ”اور جس شخص کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ط ﴾

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار، حديث:1905 وجامع الترمذي:2382 مطوّلًا. وسنن النسائي:3139 ومسند أحمد:322,321/2 والسنن الكبرى للبيهقي، السير، باب بيان النية الّتي يقاتل عليها ......:168/9 واللفظ له عن أبي هريرة ﷺ.

''اور اگر یہ لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا، اس میں سے خرچ کرتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا؟'' یعنی ان کا کیا بگڑتا تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ ایمان لے آتے، اچھے رستے پر چلتے، ریا سے اجتناب کرتے اور اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کو اختیار کرتے اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی امید رکھتے جو آخرت میں اس نے اچھے عمل کرنے والوں کے ساتھ فرما رکھا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو ان کاموں میں خرچ کرتے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں؟

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿39﴾ ﴾ ''اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔'' وہ ان کی نیک اور بدنیتوں کو جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ان میں سے توفیق کا مستحق کون ہے؟ پھر وہ اسے توفیق عطا فرماتا اور رشد و بھلائی سے نوازتا ہے۔ اور اسے ایسے عمل صالح کی توفیق عطا فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون بدنصیب اس بات کا مستحق ہے جسے اس کی بارگاہ اقدس سے دھتکار دیا جائے؟ چنانچہ جسے اس کی بارگاہ قدس سے دور ہٹا دیا گیا، وہ دنیا و آخرت دونوں میں ناکام و نامراد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اپنے فضل و کرم سے اس سے محفوظ رکھے۔

تفسیر آیات: 40-42

اللہ تعالیٰ ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے کسی بندے پر ذرّہ بھر اور رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا بلکہ ہر ہر شخص کے ساتھ انصاف کرے گا۔ اور اگر عمل نیک ہوا تو اس کا دوگنا چوگنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ...... ﴾ الآية (الأنبيآء 21:47) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے......۔''

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا تھا: ﴿ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ﴾ (لقمٰن 31:16) ''اے میرے بیٹے! بلاشبہ اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں اللہ اس کو قیامت کے دن لے آئے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۞ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۞ ﴾ (الزلزال 99:6-8) ''اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہو گی، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل جنت کی) شفاعت سے متعلق طویل حدیث میں فرمایا: [فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (ارْجِعُوا) فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ]، [حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيمَانٍ، فَأَخْرِجُوهُ (مِنَ النَّارِ)] ''پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان پاؤ

اسے جہنم سے نکال لاؤ۔''[1] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [(أَدْنٰی أَدْنٰی أَدْنٰی) مِثْقَالِ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ، فَأَخْرِجُوهُ (مِنَ النَّارِ) فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا] ''(جس کے دل میں) ایمان کے کم سے کم تر ذرے کو بھی (پاؤ) تو اسے بھی جہنم سے نکال لاؤ تو وہ بہت سی مخلوق کو نکال لائیں گے۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابوسعید فرماتے کہ اگر تم میری اس حدیث کے بارے میں تصدیق نہ کرو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾.[2]

کیا مشرکوں سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی؟ حضرت سعید بن جبیر سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا﴾ ''اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کر دے گا۔'' کے بارے میں روایت ہے کہ قیامت کے دن مؤمن کی نیکی کو دگنا چوگنا کر دیا جائے گا لیکن مشرک کے عذاب میں تخفیف تو کر دی جائے گی مگر اسے جہنم سے کبھی نکالا نہیں جائے گا۔[3]

اس کی تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا چچا ابوطالب آپ کا دفاع اور آپ کی اعانت ونصرت کرتا تھا تو کیا آپ نے اسے کوئی نفع پہنچایا؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ، وَّلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ] ''ہاں، وہ اتھلی آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔''[4]

ہوسکتا ہے کہ دیگر کفار کے بجائے یہ رعایت خاص طور پر ابوطالب ہی سے ہو اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداود طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَظْلِمُ الْمُؤْمِنَ حَسَنَةً يُّثَابُ عَلَيْهَا الرِّزْقَ فِي الدُّنْيَا، وَيُجْزٰى بِهَا فِي الْآخِرَةِ، وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِهَا فِي الدُّنْيَا، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ لَمْ تَكُنْ لَّهُ حَسَنَةٌ] ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومن کی کسی بھی نیکی کو رائیگاں نہیں جانے دے گا، دنیا میں اس کی وجہ سے رزق عطا فرمائے گا اور آخرت میں ثواب سے نوازے گا اور کافر کی نیکی کی وجہ سے اسے دنیا ہی میں کھلا دے گا اور قیامت کے دن اس کے لیے کوئی نیکی نہیں ہوگی۔''[5]

---

[1] اس کا ابتدائی حصہ صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾، حدیث: 7439 اور آخری حصہ بھی صحیح البخاری، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حدیث: 6560 وصحیح مسلم، الإیمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحّدین من النار، حدیث: 184 کے مطابق ہے۔ اور صحیح مسلم، حدیث: 183 میں [اِرجعوا] جبکہ صحیح بخاری، حدیث: 7439 میں [اِذھبوا] اور [مِنَ النَّارِ] مسند أبي یعلی: 423/2، حدیث: 1219 میں ہے۔ [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث: 183، البتہ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے میں بھی یہ مفہوم اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے آیت کریمہ کی تلاوت کرنے کا ذکر موجود ہے اور [أدنی ......] کے الفاظ صحیح البخاری، التوحید، باب کلام الرب یوم القیمة مع الأنبیاء وغیرھم، حدیث: 7510 وصحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أھل الجنة منزلة فیھا، حدیث: (326)-193 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذکر میں ہیں۔ [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 955/3. [4] صحیح البخاری، الأدب، باب کنیة المشرک، حدیث: 6208 وصحیح مسلم، الإیمان، باب شفاعة النبي ﷺ لأبي طالب ......، حدیث: 209 . [5] مسند أبي داود الطیالسي: 503/3، حدیث: 2123 وصحیح مسلم، صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناته في الدنیا والآخرة......، حدیث: 2808 ومسند أحمد: 123/3.

اجر عظیم کے معنی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور ضحاک نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ ''اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد جنت ہے۔[1] ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی رضا اور جنت عطا فرمائے۔ امام ابن ابو حاتم نے ابوعثمان نہدی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے زیادہ اور کوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں بیٹھتا تھا، وہ حج کے لیے مجھ سے پہلے آئے اور میں ان کے بعد آیا۔ اہل بصرہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث بیان کی کہ آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ اللّٰهَ يُضَاعِفُ الْحَسَنَةَ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس لاکھ گنا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔'' میں نے کہا کہ لوگو! تم پر افسوس ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مجھ سے زیادہ بیٹھنے والا اور کوئی شخص نہ تھا لیکن میں نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی، میں نے ارادہ کیا کہ ان سے ملاقات کر کے اس حدیث کے بارے میں دریافت کروں لیکن وہ حج کے لیے روانہ ہو گئے تو میں بھی حج کے لیے روانہ ہو گیا تاکہ ان سے مل کر اس حدیث کے بارے میں استفسار کروں، چنانچہ ان سے ملاقات ہو گئی تو میں نے کہا: ابو ہریرہ! وہ کیا حدیث ہے جسے میں نے بصرہ میں اپنے بھائیوں سے سنا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سی؟ تو میں نے کہا کہ ان کا خیال ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْحَسَنَةَ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس لاکھ گنا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے ابوعثمان! اس سے تعجب کیسا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔'' اور اس نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:38) ''چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت حقیر ہے۔'' اللہ کی قسم میں نے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ يُضَاعِفُ الْحَسَنَةَ أَلْفَيْ أَلْفِ حَسَنَةٍ] ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا بیس لاکھ گنا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔''[2]

روز قیامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں شہادت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ ﴾ '' بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو اس امت پر گواہ بنائیں گے؟'' اللہ تعالیٰ روز قیامت کی سختیوں اور ہولناکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہر امت میں سے ہم گواہی دینے والوں کو، یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو طلب کریں گے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ (الزمر 39:69) ''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 955/3 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 461/2 اور دیکھیے مسند أحمد: 522,521/2 و تفسیر الطبری: 128/5 البتہ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة: 3975 .

جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (النحل16:89) ''اور (اے نبی! یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں ان پر انھی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِقْرَأْ عَلَيَّ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! آقْرَأُ عَلَيْكَ،وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ ؟ قَالَ: نَعَمْ (فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي) فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى أَتَيْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿41﴾ ﴾ قَالَ: حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ] ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں پڑھ کر سناؤں! حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے بھی قرآن سنوں تو میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی اور جب اس آیت تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: اب بس کرو، میں نے دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ﴾ ''اس روز کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔'' یعنی وہ جب میدان حشر کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے اور ذلت و رسوائی اور زجر و توبیخ سے دوچار ہوں گے تو خواہش کریں گے کہ اے کاش! زمین پھٹ جائے اور انھیں نگل لے یہ اسی طرح ہے جس طرح یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ...... ﴾ الآية (النبأ40:78) ''جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا......'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ﴾ یعنی پھر وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا بھی نہیں سکیں گے بلکہ انھوں نے جو کچھ کیا ہوگا سب کا اعتراف کر لیں گے۔

امام عبدالرزاق نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ مجھے قرآن مجید کی کئی باتوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ کیا قرآن میں شک ہے؟ اس نے عرض کی: جی نہیں! شک نہیں بلکہ اختلاف، آپ نے فرمایا: ہاں، بتاؤ کیا اختلاف ہے؟ اس نے عرض کی کہ قرآن مجید میں ایک جگہ تو یہ ہے کہ ﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام6:23) ''تو ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) بجز اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ کہیں اللہ کی قسم! اے ہمارے پروردگار! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔'' اور دوسری جگہ یہ ہے کہ ﴿ وَلَا يَكْتُمُوْنَ ﴾ حالانکہ انھوں نے چھپا تو لیا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان میں سے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین روز قیامت جب یہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ صرف اہل اسلام ہی کے گناہوں کو

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقارئ: حسبك، حدیث:5050 اور قوسین کے الفاظ بھی صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ ﴾ (النساء4:41)، حدیث:4582 کے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اس وقت نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کچھ تم کہتے ہو، اور نہ ناپاکی کی حالت میں

اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ

(نماز کے قریب جاؤ) یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ ہاں، اگر راہ چلتے گزرو تو اور بات ہے۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے

مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

(فارغ ہو کر) آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور اسے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مل لو، بے شک

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿43﴾

اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ہے ﴿43﴾

معاف فرما رہا ہے اور کسی گناہ کا معاف کر دینا بھی اس کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں لیکن وہ شرک کو ہرگز معاف نہیں فرما رہا تو مشرکین اپنے شرک ہی کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾ (الأنعام 23:6) اس امید سے کہ انھیں بھی معاف کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کے بارے میں بتائیں گے، پھر یہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہوں گے تو اس وقت: ﴿ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ﴾ ''کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔''[1]

تفسیر آیت: 43

نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرما دیا ہے کہ وہ نشے کی حالت میں نماز ادا کریں کیونکہ اس حالت میں نمازی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اسی طرح حالت جنابت میں مسجدوں میں جانے سے بھی منع کر دیا ہے الا یہ کہ کوئی مسجد میں ٹھہرنے والا تو نہ ہو لیکن ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے باہر نکل جانے والا ہو۔

نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے کی یہ ممانعت، شراب کی حرمت کے حکم سے پہلے تھی جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو ہم آیت کریمہ: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ ﴾ (البقرة 219:2) کی تفسیر میں تفصیل سے قبل ازیں بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ کی تلاوت سنائی تو انھوں نے دعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی حکم نازل فرما دے تو یہی آیت ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ﴾ نازل ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی آپ پر تلاوت فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر دست بدعا ہوئے: اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی حکم

[1] تفسیر عبدالرزاق: 457/1 مطولاً. یہی روایت بالفاظ دیگر امام بخاری نے بھی بیان کی ہے، دیکھیے صحیح البخاري، التفسیر، سورۃ حٰمٓ السجدۃ، قبل الحدیث: 4816 معلقًا. وتفسیر الطبري: 132/5.

نازل فرما دے، اس وقت مسلمان نماز کے اوقات میں شراب نہیں پیا کرتے تھے اور اس کے بعد جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ ﴾ (المآئدة5:90,91) ''اے ایمان والو! شراب اور جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم (ان کاموں سے) باز آتے ہو؟'' تو یہ آیات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم باز آئے، ہم باز آئے۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾ ''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔'' اور اس کے نزول کے بعد جب نماز کھڑی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی یہ اعلان کر دیتا کہ نشے والا نماز کے قریب نہ جائے۔ یہ الفاظ ابوداود کی روایت کے ہیں۔ [2]

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں امام ابن ابو حاتم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں۔ ایک انصاری نے دعوت طعام کا اہتمام کیا اور اس میں (مہاجرین وانصار میں سے) کچھ لوگوں کو مدعو کیا، ہم نے کھانا کھایا اور اس کے بعد شراب پی حتی کہ جب نشے میں ہو گئے تو ہم نے فخر وغرور کا اظہار کرنا شروع کر دیا تو ایک شخص نے اونٹ کے دونوں جبڑوں کو پکڑا اور اسے مار کر سعد کی ناک توڑ دی، چنانچہ سعد ٹوٹی ہوئی ناک والے تھے، یہ واقعہ شراب کی حرمت سے پہلے کا ہے تو اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ...... ﴾ الآية. [3] مسلم میں بھی یہ پوری حدیث موجود ہے۔ [4] اور امام ابن ماجہ کے سوا دیگر اہل سنن نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ [5]

ایک دوسرا سبب نزول: امام ابن ابو حاتم نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن

---

[1] ملخص از مسند أحمد: 53/1 مطوّلًا. [2] سنن أبي داود، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث:3670 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3049 عن عمر رضی اللہ عنہ. [3] تفسير ابن أبي حاتم:958/3 .
[4] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ، حديث:1748 بعد الحديث:2412 لیکن اس میں لحيي بعير...... کے بجائے أحد لحيي الرأس ...... ہے۔ [5] سنن أبي داود، الجهاد، باب في النفل، حديث:2740 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة العنكبوت، حديث:3189 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الأنفال:349:6، حديث:11196 ومسند أحمد:186,185/1. لیکن مذکورہ حوالہ جات میں ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ﴾ کے بجائے ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ ﴾ (المآئدة5:90) کے نزول کا ذکر ہے۔ جبکہ مسند أبي داود الطيالسي:170,169/1، حديث:205 میں ان دونوں آیتوں کا ذکر ہے۔

عوف نے دعوت طعام کا اہتمام کیا، ہمیں مدعو کیا، کھانا کھلایا، شراب پلائی اور جب شراب نے اپنا اثر دکھایا تو نماز کا وقت بھی ہو گیا تو انھوں نے ایک شخص کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کر دیا تو اس نے سورۂ کافرون اس طرح پڑھی: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ [أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ، وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ] تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی تھی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾[1] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔[2]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾ ''جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو، سمجھنے (نہ) لگو۔'' یہ نشے والے انسان کی سب سے بہتر تعریف اور وضاحت ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جس نے شراب پی ہوگی، اس کی قراءت خلط ملط ہو جائے گی۔ اور وہ قراءت میں تدبر اور نماز میں خشوع خضوع نہیں کر سکے گا۔

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَنَمْ حَتّٰى يَعْلَمَ مَا يَقُولُ] ''جب کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اسے چاہیے کہ نماز چھوڑ کر سو جائے اور نماز اس وقت پڑھے، جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔''[3] یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ ہاں، البتہ صحیح بخاری میں ہے،[4] نیز اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[5] اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں: [لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبَّ نَفْسَهُ] ''ہوسکتا ہے کہ حالتِ نیند میں نماز ادا کرتے ہوئے وہ مغفرت کی دعا کرنے کے بجائے، اپنے آپ کو گالیاں دینے لگے۔''[6]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾ ''اور جنابت کی حالت میں (نماز کے پاس) نہ جاؤ، جب تک کہ غسل (نہ) کر لو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت ہے وہ فرماتے ہیں: گزر تو جاؤ مگر اس حالت میں مسجد میں نہ بیٹھو۔[7] پھر امام ابن ابو حاتم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، ابوالضحیٰ، عطاء، مجاہد، مسروق، ابراہیم نخعی، زید بن اسلم، ابو مالک، عمرو بن دینار، حکم بن عُتَیبہ، عکرمہ، حسن بصری، یحییٰ بن سعید انصاری، ابن شہاب اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔[8]

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یزید بن ابو حبیب کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ کچھ انصاریوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے، بسا اوقات وہ حالتِ جنابت میں ہوتے اور ان کے پاس گھروں میں پانی نہ ہوتا۔ جب پانی کے

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:958/3. [2] جامع الترمذی، التفسیر، باب ومن سورة النساء، حدیث:3026 اور اس میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے آگے کر دیا۔ اور یہاں [لا أعبد] ہے۔ [3] مسند أحمد:142/3. [4] صحیح البخاری، الوضوء، باب الوضوء من النوم ومن لم یرمن النعسة......، حدیث:212 عن عائشة ﷺ. و213. [5] سنن النسائی، الغسل، باب الأمر بالوضوء من النوم، حدیث:444 . [6] صحیح البخاری، الوضوء، باب الوضوء من النوم ......، حدیث:212 ومسند أحمد: 56/6 عن عائشة ﷺ . [7] تفسیر ابن أبی حاتم:960/3 وتفسیر الطبری:138/5. [8] تفسیر ابن أبی حاتم:60/3 .

لیے گھروں سے باہر نکلتے تو مسجد سے گزرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہ ہوتا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت دے دی۔①

یزید بن ابو حبیب رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: [سُدُّوا عَنِّی کُلَّ خَوْخَةٍ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِي بَكْرٍ] ''ابو بکر کے دریچے کے سوا مسجد میں کھلنے والے ہر دریچے کو بند کر دو۔''② یہ ارشاد آپ نے اپنی حیات طیبہ کے بالکل آخری ایام میں فرمایا تھا۔③ کیونکہ وحی کی روشنی میں آپ کو معلوم تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ بنیں گے اور مسلمانوں کے بہت سے اہم امور کی وجہ سے انھیں مسجد میں بار بار آنے کی ضرورت ہوگی، اس لیے آپ نے مسجد میں کھلنے والے دیگر تمام گھروں کے دروازوں کو تو بند کروا دیا مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کو بند نہ کروایا۔

اور جن لوگوں نے [إِلَّا بَابَ عَلِيٍّ] ''علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کو بند نہ کرو'' کے الفاظ روایت کیے ہیں جیسا کہ بعض کتب سنن میں ہے④ تو یہ غلط ہے اور صحیح الفاظ وہی ہیں جو صحیح (بخاری) کی روایت کے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کو بند نہ کرو۔⑤

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَقُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ، فَقَالَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ] ''مجھے مسجد سے چٹائی پکڑا دو تو میں نے عرض کی کہ میں حالتِ حیض میں ہوں تو آپ نے فرمایا کہ حیض تمھارے ہاتھوں میں تو نہیں ہے۔''⑥

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔⑦ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حائضہ عورت مسجد سے گزر سکتی ہے اور نفاس والی عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تیمّم کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰٓى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا ﴾ ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو۔'' جس مرض کی وجہ سے تیمّم جائز ہے، اس سے مراد وہ مرض ہے جس میں پانی کے استعمال کی وجہ سے کسی عضو کے ناکارہ ہونے یا اس کے بدنما ہونے یا بیماری کے طول پکڑ جانے کا اندیشہ ہو، بعض علماء نے محض کسی بھی بیماری کی وجہ سے تیمّم جائز قرار دیا ہے۔ اور انھوں نے اس آیتِ کریمہ

---

① تفسیر الطبری:139/5. ② صحیح البخاری، الصلاة، باب الخوخة والممر فی المسجد، حدیث:467 ومسند أحمد:270/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما . ③ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے میں [خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ......] ہے۔ ④ مسند أحمد:369/4 والمستدرك للحاكم:125/3 عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ. ⑤ دیکھیے المسند الضعیف للعقیلی: 170، رقم: 291 والموضوعات لابن الجوزی، باب فی فضائل علی رضی اللہ عنہ:272/1 اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنة: 9/3 میں کہا ہے کہ یہ قول شیعہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں کہے گئے قول کے مقابلے میں گھڑا ہے۔ ⑥ صحیح مسلم، الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حدیث:298. ⑦ صحیح مسلم، الحیض، باب جواز غسل ...... ، حدیث:299 مگر یہاں: [الْخُمْرَة] کے بجائے [الثوب] ہے۔

کے عموم سے استدلال کیا ہے۔[1] اور یہاں سفر سے مراد معروف سفر ہے اور اس میں مسافت کے زیادہ یا کم ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ ﴾ ''یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو'' الغائط نرم زمین کو کہتے ہیں اور یہ رفع حاجت سے کنایہ ہے جو کہ حدث اصغر ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ ''یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو۔'' اسے [لَمَسْتُمُ] اور [لَامَسْتُمُ] دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یہ ہم بستری سے کنایہ ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ﴾ (البقرة2:237) ''اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ﴾ (الأحزاب33:49) ''مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔'' کیونکہ ان آیات میں بھی مَسّ سے مراد جماع ہے، امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو بیان کیا ہے کہ ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ سے مراد جماع ہے۔[2] حضرت علی، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، طاؤس، حسن، عبید بن عمیر، سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ اور مُقاتل بن حَیّان رحمہم اللہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔[3]

اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ ''پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔'' صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص الگ تھلگ ہے اور اس نے لوگوں کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھی، آپ نے فرمایا: [يَا فُلَانُ !مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ (أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ ؟) وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ، قَالَ:عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ] ''اے فلاں! تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں حالت جنابت میں ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تم مٹی استعمال کر لو، تمھارے لیے یہ کافی ہے۔''[4]

تیمّم کے لغوی معنی: تیمّم کے معنی قصد کرنے کے ہیں، عرب کہتے ہیں تَيَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِهِ ''اللہ اپنی حفاظت میں تمھارا قصد فرمائے۔'' اور صَعِيدٌ کے معنی صرف مٹی کے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۟ۙ ﴾ (الكهف 18:40) ''پھر وہ چٹیل پھسلنا میدان ہو جائے۔''

[1] تفسير القرطبي:216/5 . [2] تفسير ابن أبي حاتم:961/3 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:961/3. [4] صحيح البخاري، التيمّم، باب: 9، حديث: 348 و صحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة......، حديث: 682. مفسر رحمہ اللہ نے اس حدیث میں [أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ] کے جو الفاظ ذکر کیے ہیں تو ان کا سیاق یہ نہیں ہے۔ دیکھیے مسند أحمد:34/4 و سنن النسائي، الإمامة، باب إعادة الصلاة مع الجماعة......، حديث:858 عن مِحْجَن رضی اللہ عنہ.

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ : جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا، إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ] ''ہمیں تین باتوں کی وجہ سے لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے: (1) ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنادی گئی ہیں۔ (2) ہمارے لیے ساری زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے۔ اور (3) جب ہمیں پانی نہ ملے تو اس کی مٹی کو بھی ہمارے لیے (پانی کے قائم مقام) پاکی کے حصول کا ذریعہ بنادیا گیا ہے۔''[1] یہاں صرف مٹی کے ذریعے طہوریت کا بطور احسان خصوصی ذکر فرمایا، اگر کوئی اور چیز اس کے قائم مقام ہوسکتی تو اس کا بھی یہاں یقیناً ذکر کیا جاتا۔

﴿ طَيِّبًا ﴾ کے لفظ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ یہاں حلال کے معنی میں ہے۔[2] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''طَیِّب'' وہ ہے جو ناپاک نہ ہو جیسا کہ امام احمد اور دیگر اہل سنن نے ابن ماجہ کے سوا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ] ''یقیناً پاک مٹی مسلمان کے لیے طہارت کا ذریعہ ہے، خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب پانی پالے تو اسے اپنے جسم پر استعمال کرے، یہ اس کے لیے بہتر ہے۔''[3] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ ﴾ ''پھر منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمّم) کرلو۔'' تیمّم طہارت میں وضو کا بدل ہے، یہ تمام اعضاء کا بدل نہیں ہے، اس لیے اس بات پر اجماع ہے کہ صرف چہرے اور ہاتھوں کا تیمّم ہی کافی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر ایک بار ہاتھ پھیرنا ہی کافی ہے۔ امام احمد نے عبدالرحمٰن بن اَبزٰی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں حالت جنابت میں ہوں لیکن پانی موجود نہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تم نماز نہ پڑھو تو حضرت عمار نے عرض کی: امیر المؤمنین! یاد نہیں کہ جب میں اور آپ ایک سَرِیّے میں تھے، ہمیں حالت جنابت لاحق ہوگئی اور ہمارے پاس پانی نہیں تھا تو آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں زمین میں اچھی طرح لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی اور جب ہم واپس آئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ، وَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهٖ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَخَ فِيهَا وَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ] ''بس تمھیں یہی کافی تھا، آپ نے اپنے دست مبارک کو زمین پر مارا، پھر اس میں پھونک ماری اور اس کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کو مل لیا۔''[4]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 522 . [2] تفسير الطبرى:153/5 . [3] جامع الترمذى، الطهارة، باب ما جاء فى التيمم للجنب إذا لم يجد الماء، حديث: 124 وسنن أبى داود، الطهارة، باب الجنب يتيمّم، حديث:333,332 وسنن النسائى، الطهارة، باب الصلوات بتيمّم……، حديث: 323 ومسند أحمد: 155/5 بعض روایات میں طَهُورٌ کی جگہ وَضُوء اور حِجَج کی جگہ سِنِین ہے۔ [4] صحيح البخارى، التيمّم، باب المتيمّم هل ينفخ فيهما؟ حديث: 338 ومسند أحمد: 265/4 واللفظ له صحیح بخاری میں [بيده إلى الأرض] کے بجائے [بكفيه الأرض] ''اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا۔'' ہے۔

تیمّم کی رخصت ہماری ہی امت کا خاصہ ہے، سابقہ امتوں میں سے کسی کو تیمّم کی اجازت نہ تھی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ] اور ایک روایت میں الفاظ یہ بھی ہیں: [(فَعِنْدَهُ مَسْجِدُهُ وَعِنْدَهُ طَهُورُهُ) وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً]

''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئی تھیں: (1) ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ (2) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ قرار دے دیا گیا ہے، لہٰذا میری امت کے آدمی کے لیے جہاں نماز کا وقت ہو جائے، وہ اسی جگہ نماز ادا کر لے، اس کے پاس مسجد بھی ہے اور طہارت کا سامان بھی (3) میرے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دے دیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی انھیں حلال قرار نہیں دیا گیا تھا۔ (4) مجھے شفاعت عطا کر دی گئی ہے اور (5) ہر نبی کو اپنی قوم ہی کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[1]

قبل ازیں صحیح مسلم میں مروی یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے:[2] [فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ، جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ] ''ہمیں لوگوں پر تین چیزوں میں فضیلت دے دی گئی ہے: (1) ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنا دیا گیا ہے۔ (2) ہمارے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ (3) اور جب ہمیں پانی نہ ملے تو اس کی مٹی کو ہمارے لیے طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔''[3] اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾ ''پھر منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمّم) کر لو، بے شک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔'' یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور بخشش ہی کی ایک صورت ہے کہ اس نے تمھیں تیمّم کا حکم دے دیا اور پانی نہ ملنے کے وقت اس کے ساتھ نماز کو جائز قرار دے دیا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور رخصت ہے۔

اس آیت کریمہ میں تعلیم یہ دی گئی ہے کہ نماز کو ناقص طریقے سے ادا کرنے سے بچایا جائے، یعنی اگر کوئی نشے کی حالت میں ہو تو وہ اس وقت تک نماز ادا نہ کرے جب تک وہ ہوش میں آ کر یہ سمجھنے نہ لگے کہ وہ اپنے منہ سے کیا الفاظ ادا کر رہا ہے۔ اور اگر کوئی حالتِ جنابت میں ہو تو وہ اس وقت تک نماز ادا نہ کرے، جب تک غسل نہ کر لے اور کوئی بے وضو ہو تو (وضو کر کے پڑھے)

---

[1] صحیح البخاری، التیمّم، باب:1، حدیث: 335 وصحیح مسلم، کتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث: 521. اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 248/5 عن أبی أمامة الباهلی رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [2] دیکھیے اسی عنوان: ''تیمّم کے لغوی معنیٰ'' کا ابتدائی حصہ۔ [3] صحیح مسلم، کتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث: 522.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا؟ وہ گمراہی خریدتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھی راہ سے بہک

السَّبِيْلَ ﴿44﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿45﴾ مِنَ

جاؤ﴿44﴾ اور اللہ تمھارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ دوست اور مددگار کے طور پر کافی ہے﴿45﴾ یہودیوں میں سے کچھ لوگ الفاظ کو ان کے موقع محل

الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ

سے پھیر دیتے ہیں اور پھر اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر سچے دین کے خلاف طعنہ زنی کرتے ہوئے (نبی ﷺ سے) کہتے ہیں: ''ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی

غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا

کی'' اور کہتے ہیں: سنو! اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: [رَاعِنَا] یعنی ''اے ہمارے

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ

چرواہے!'' اور بے شک اگر وہ کہتے: ''ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور ہماری بات سنیے اور ہماری طرف نظر کیجیے تو ان کے لیے بہتر اور نہایت

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿46﴾

مناسب ہوتا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی، چنانچہ وہ سوائے چند لوگوں کے ایمان نہیں لاتے﴿46﴾

سوائے اس کے کہ کوئی مریض ہو یا اس کے پاس پانی موجود نہ ہو۔ ہاں، البتہ بیماری یا پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت وشفقت فرماتے ہوئے اور دین میں کشادگی پیدا کرتے ہوئے تیمّم کی رخصت عطا فرما دی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تیمّم کے حکم کا سببِ نزول: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر کے لیے نکلے حتی کہ جب مقام بَیداء یا ذات الجیش میں تھے کہ میرا ہار ٹوٹ (کر گر) گیا، رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش کے لیے رک گئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ رک گئے مگر نہ اس جگہ پر ہی پانی موجود تھا اور نہ لوگوں کے پاس پانی تھا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے: آپ دیکھتے نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو یہاں روک لیا ہے کہ نہ تو ان کے پاس پانی ہے اور نہ اس جگہ پر ہی پانی موجود ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (میرے پاس) آئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر مبارک رکھے ہوئے سو رہے تھے تو فرمانے لگے: تم نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو روک رکھا ہے جبکہ یہاں پانی نہیں ہے اور نہ ان کے پاس ہی پانی ہے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور خوب برا بھلا کہا اور میرے پہلو میں ہاتھ سے مارنے لگے لیکن میں نے اس وجہ سے کوئی حرکت نہ کی کہ رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر مبارک رکھے محو استراحت تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی جب صبح اٹھے تو پانی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم کو نازل فرما دیا تو سب لوگوں نے تیمّم کیا (اور نماز ادا کر لی۔)

اُسَید بن حُضَیر نے اس موقع پر کہا: اے آلِ ابوبکر! یہ تمھاری صرف پہلی برکت ہی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی

ہیں کہ جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہار ہمیں اس کے نیچے سے مل گیا۔ ①

تفسیر آیات:44-46

ضلالت، تحریف اور دیگر برے اعمال کی وجہ سے یہود کی مذمت: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے بارے میں بتا رہا ہے۔ ان پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل لعنتیں برسیں۔ کہ یہ ہدایت کے بجائے گمراہی کو خرید تے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر جو نازل فرمایا ہے، اس سے یہ اعراض کرتے ہیں اور سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف سے ان کے پاس حضرت محمد ﷺ کے اوصاف کے بارے میں جو علم ہے، اسے چھپا رہے ہیں تاکہ دنیا کے سامان میں سے تھوڑا سا حاصل کر سکیں۔ ﴿ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴾ ''اور چاہتے ہیں کہ تم بھی رستے سے بھٹک جاؤ۔'' یعنی یہ چاہتے ہیں کہ مومنو! اے کاش! تم بھی اس کے ساتھ کفر کرو جسے تم پر نازل کیا گیا ہے اور تم بھی اس ہدایت اور علم نافع کو ترک کر دو جس سے تم کو نوازا گیا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىِٕكُمْ ﴾ ''اور اللہ تمھارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔'' وہ انھیں خوب جانتا ہے اور تمھیں ان سے بچنے کی تلقین فرماتا ہے۔ ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴾ ''اور اللہ ہی حمایتی اور کافی ہے مددگار۔'' وہ مدد و معاون ہے، اس کے لیے جو اس کی طرف رجوع کرے اور وہ کافی مددگار ہے اس کے لیے جو اس سے مدد طلب کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ ''وہ جو یہودی ہیں'' یہاں ﴿ مِنَ ﴾ بیانِ جنس کے لیے ہے۔ ② جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴾ (الحج22:30) ''تو تم بتوں کی پلیدی سے بچو۔'' اور فرمایا: ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ ''کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔'' یعنی کلام الٰہی کی غلط تاویل کرتے ہیں اور قصد و ارادہ کے ساتھ افترا پردازی کرتے ہوئے ایسی تفسیر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف ہوتی ہے۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا۔'' یعنی کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! جو تم نے کہا ہے، ہم نے اسے سن تو لیا ہے مگر تمھاری اطاعت نہیں کریں گے، امام مجاہد اور ابن زید نے اس کی اسی طرح تفسیر بیان کی ہے۔ ③ اور یہاں مراد بھی یہی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کفر اور عناد میں کہاں تک پہنچ گئے تھے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے باوجود اس سے منہ پھیرتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے اور کتنی سنگین اس کی سزا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ ﴾ ''اور (کہتے ہیں:) سنو! اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔'' یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ سنو لیکن اے کاش کہ وہ نہ سنوائے جاؤ۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ④ یہ ان کی طرف سے استہزا اور ہٹ دھرمی کا اظہار تھا۔ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ.

① صحيح البخاري، التيمّم، باب: 1، حديث: 334 وصحيح مسلم، الحيض، باب التيمم، حديث: 367. ② یعنی ﴿ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ (الآية:44) میں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ یہاں کون سے اہل کتاب مراد ہیں تو اس آیت میں ﴿ مِّنَ ﴾ بیانیہ لاکر اس کی وضاحت کر دی گئی کہ وہ یہودی ہیں۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم: 965/3. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 965/3.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا، وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، (تم ایمان لاؤ) اس

نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ

سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر اسی طرح لعنت بھیجیں جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت بھیجی تھی، اور (یاد

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿47﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

رکھو!) اللہ کا حکم اٹل ہے ﴿47﴾ بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے

لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿48﴾

اللہ کے ساتھ شرک کیا، تو اس نے جھوٹ گھڑا (اور) بڑے گناہ کا کام کیا ﴿48﴾

﴿ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ ﴾ ''اور اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (گفتگو کے وقت) راعنا (کہتے ہیں۔)'' یعنی بظاہر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں: اپنی بات کہتے ہوئے ہماری بھی رعایت (لحاظ) رکھیں لیکن حقیقت میں وہ نبی اکرم ﷺ کی توہین کی خاطر (رعایت کے بجائے) رُعُونَة بمعنی بے وقوفی اور سستی مراد لیتے تھے جیسا کہ قبل ازیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ﴾ (البقرة 2:104) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے بارے میں فرمایا ہے جو بظاہر الفاظ کچھ استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا ارادہ کچھ اور ہوتا ہے۔ ﴿ لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ ﴾ ''اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے۔'' یعنی گفتگو کے وقت نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿46﴾ ﴾ ''اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور سنیے اور ہماری طرف نظر کیجیے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے تو یہ کچھ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔'' ان کے دل خیر سے محروم اور اس سے دور ہٹے ہوئے ہیں، لہٰذا ان میں ایمان میں سے کوئی ایسی چیز داخل نہیں ہو سکتی جو ان کے لیے نفع بخش ہو۔ قبل ازیں ﴿ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:88) کی تفسیر میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ یہ ایسا ایمان نہیں لائیں گے جو ان کے لیے نافع ہو۔

تفسیر آیات: 48,47

سرزنش کے ساتھ ساتھ ایمان کی دعوت: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کتاب عظیم کے ساتھ ایمان لائیں جسے اس نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، پھر جس میں ان کے حالات و واقعات کی تصدیق بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ ﴾ ''قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے

کہ طَمس کے معنی اندھا کرنے کے ہیں۔ ①

﴿ فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ ﴾ ''پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں۔'' یعنی ان کے چہروں کو ان کی گدیوں کی طرف کر دیں اور وہ الٹے پاؤں چلنے لگیں اور ان میں سے ہر ایک کی گدی پر دو آنکھیں لگا دیں۔ امام قتادہ اور عطیہ عوفی کا بھی اسی طرح قول ہے۔ ② یہ بدترین سزا ہوگی اور درحقیقت یہ مثال ہے اس بات کی کہ انھوں نے حق کو ترک کر کے باطل کو اختیار کر لیا ہے اور روز روشن کی طرح منور صراط مستقیم کو چھوڑ کر ضلالت اور گمراہی کی پگڈنڈیوں کو اختیار کر لیا ہے جن پر اپنی پیٹھوں کے بل الٹے چل رہے ہیں، یہ ایسے ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے بارے میں بھی اسی طرح فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا...... ﴾ الآیة (یٰسٓ 9,8:36) ''ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں، لہٰذا وہ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی ہے......'' یہ درحقیقت ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ضلالت کو اختیار کرنے اور ہدایت سے رک جانے کے بارے میں بیان فرمائی ہے۔ ③

اس آیت کو سن کر کعب احبار کا اسلام قبول کرنا: ذکر کیا گیا ہے کہ کعب احبار نے جب اس آیت کریمہ کو سنا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ امام ابن جریر نے عیسیٰ بن مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے ابراہیم کے پاس کعب کے اسلام لانے کا ذکر کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ کعب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا، ان کا ارادہ بیت المقدس جانے کا تھا مگر راستے میں جب مدینہ منورہ سے گزرے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور آپ نے فرمایا: کعب! مسلمان ہو جاؤ، تو انھوں نے کہا کیا تم نے اپنی کتاب میں یہ نہیں پڑھا؟ ﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ (الجمعة 5:62) ''جن لوگوں پر تورات (کے علم وفضل) کا بار ڈالا گیا تھا، پھر انھوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بڑی بڑی کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔'' اور مجھے بھی تورات کا حامل قرار دیا گیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا، پھر کعب چلے گئے حتی کہ حِمص پہنچ گئے تو وہاں سے انھوں نے سنا کہ ایک شخص بہت دردانگیز لہجے میں پڑھ رہا تھا: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ ﴾ ''اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا، وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، (تم ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں۔''

کعب نے اس آیت کریمہ کو سنا تو پکار اٹھے کہ اے میرے رب! میں ایمان لے آیا، اے اللہ! میں اسلام قبول کرتا ہوں تاکہ ایسا نہ ہو کہ میں اس آیت کا مصداق بن جاؤں، وہاں سے یہ اپنے اہل خانہ کے پاس یمن آ گئے اور ان سب کو مدینہ لے

① تفسیر ابن أبي حاتم:968/3 . ② تفسیر ابن أبي حاتم:969/3 . ③ دیکھیے تفسیر القرطبي:8/15 اور قائلین میں یحیی بن سلام، ابوعبیدہ اور فرّاء رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آئے اور ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔[1]

﴿ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ﴾ ”یا ان پر اسی طرح لعنت کریں جس طرح ہفتے والوں پر کی تھی۔“ یعنی جنھوں نے مچھلیوں کے شکار کے سلسلے میں حیلہ بازی اختیار کر کے ہفتے کے دن سرکشی کی تھی اور اس سرکشی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حیلہ بازی کی سزا کے طور پر انھیں بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا جیسا کہ اس قصے کی تفصیل آگے سورۂ اعراف میں آئے گی۔[2] ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾ ”اور اللہ نے جو حکم فرمایا، سو (سمجھ لو کہ) ہو چکا۔“ یعنی جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرما دے تو کوئی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ اسے وقوع پذیر ہونے سے روک سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ کے بغیر شرک کو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔“ یعنی جو بندہ اس سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس کے ساتھ شرک کرتا ہوگا تو وہ اسے ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ ﴿ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ ”اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔“ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ : يَا عَبْدِي مَا عَبَدْتَنِي وَرَجَوْتَنِي، فَإِنِّي غَافِرٌ لَّكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيكَ، يَا عَبْدِي إِنْ لَّقِيتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً مَّا لَمْ تُشْرِكْ بِي، لَقِيتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً] ”بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! تو جب تک میری بندگی کرتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا تو میں بھی تجھے معاف کرتا رہوں گا، خواہ تیرے جو بھی گناہ ہوں، اے میرے بندے! اگر تو زمین بھر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور ان میں شرک نہ ہو تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا۔“[3] اسے اس سند کے ساتھ بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔

امام احمد ہی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: [مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ : وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ : عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ] ”جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اور اسی پر مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! خواہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، میں نے عرض کی: خواہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو، آپ نے یہ تین بار ارشاد فرمایا، پھر چوتھی بار یہ بھی فرمایا کہ ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہونے کے باوجود وہ جنت میں جائے گا۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے نکلے تو وہ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جا رہے تھے: خواہ ابوذر کی ناک ہی کیوں نہ خاک آلود ہو۔ بعد میں بھی ابوذر رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو یہ ضرور کہتے: خواہ ابوذر کی

[1] الدر المنثور:301/2 . [2] دیکھیے آیات:163- 166. [3] مسند أحمد:154/5 مطوّلاً. اور [ومن لقيني...... مغفرة] صحيح مسلم، حديث:2687 میں بھی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿49﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی خود بیان کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے، اور لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے

7 8 4 اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿50﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا﴿49﴾ دیکھیے! وہ کس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں؟ اور ان کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کھلا گناہ کافی ہے﴿50﴾ کیا آپ نے

نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ

ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں

اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿51﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ

کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں؟﴿51﴾ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کے لیے آپ قطعاً

تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿52﴾

کوئی مددگار نہیں پائیں گے﴿52﴾

ناک ہی کیوں نہ خاک آلود ہو۔[1] امام بخاری و مسلم نے اسے بروایت حسین بیان کیا ہے۔[2]

امام بزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لیے استغفار نہیں کیا کرتے تھے حتی کہ ہم نے اپنے نبی ﷺ سے یہ آیت کریمہ سنی: [﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ وَقَالَ: أَخَّرْتُ شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''بے شک اللہ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔ نیز آپ نے فرمایا: میں نے اپنی شفاعت کو مؤخر کر دیا ہے کہ وہ قیامت کے دن (میری امت میں سے) کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لیے ہوگی۔''[3] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿48﴾ ﴾ ''اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا، تو اس نے بڑا بہتان باندھا۔'' ایسے ہی ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمٰن 13:31) ''یقیناً شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔'' صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ (اللہ کے نزدیک) سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تم کو پیدا فرمایا ہے۔'' اور انھوں نے مکمل حدیث ذکر کی ہے۔[4]

[1] مسند أحمد:166/5. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب الثياب البيض، حديث:5827، امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جس نے مرتے وقت یا اس سے پہلے توبہ کر لی، اپنے گناہوں پر پشیمان ہوا اور لا اله الا الله کہہ دیا تو اس کو بخش دیا جائے گا۔ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على من مات لا يشرك بالله شيئًا دخل الجنة......، حديث: (154)-94. [3] كشف الأستار، التوبة، باب الاستغفار لأهل الكبائر:84/4، حديث:3254 وظلال الجنة في تخريج السنة، باب في ذكر شفاعة النبي لأهل الكبائر، حديث:830. [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ (البقرة2:22)، حديث:7520 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب ......، حديث:86.

تفسیر آیات:49-52

اپنی پاکیزگی کے اظہار پر یہود کی مذمت: امام حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ ﴾ "کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی خود بیان کرتے ہیں؟" یہود ونصاریٰ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب انھوں نے یہ کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔[1]

ابن زید کا بھی قول ہے کہ یہ آیت کریمہ یہود ونصاریٰ کی اس بات: ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المآئدة 18:5) "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔" اور ﴿ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (البقرة 111:2) "یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جائے گا۔" کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔[2] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ "بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے۔" یعنی اس سلسلے میں مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے، اس لیے کہ تمام امور کے حقائق اور اسرار کو صرف وہی جانتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿49﴾ ﴾ "اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔" اگر کسی کا دھاگے برابر بھی اجر وثواب بنتا ہوا تو وہ اسے ترک نہیں کرے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، عکرمہ، عطاء، حسن، قتادہ اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ فتیل اس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے۔[3]

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ ﴾ "دیکھیے! یہ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں؟" کہ اپنے آپ کو پاک اور صاف قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور پیارے ہونے کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور دوزخ کی آگ ہمیں چندروز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ انھوں نے اپنے آباء واجداد کے اعمال صالحہ پر ناز کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ آباء واجداد کے اعمال ان کے بچوں کے کام نہیں آئیں گے، چنانچہ فرمایا: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ (البقرة 134:2) "یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا۔)" اور فرمایا: ﴿ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿50﴾ ﴾ "اور یہی صریح گناہ کافی ہے۔" یعنی ان کا یہ طرز عمل محض کذب اور افترا پردازی پر مبنی ہے، پھر فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ﴾ "بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں؟"

جِبت کے بارے میں محمد بن اسحاق نے حسان بن فائد کے حوالے سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ اس سے مراد جادو اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔[4] علامہ ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری نے اپنی کتاب "الصّحاح" میں لکھا ہے کہ "جبت" ایک ایسا لفظ ہے جو بت، کاہن اور جادوگر وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[5] امام ابن ابوحاتم

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 972/3 و تفسیر عبدالرزاق: 462/1. [2] تفسیر الطبری: 127/5. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 973/3. [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ﴾ (النسآء 43:4)، قبل الحدیث: 4583 معلقًا. و تفسیر ابن أبی حاتم: 974/3 و سنن سعید بن منصور: 1283/4. [5] الصحاح: 219/1.

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿53﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ

کیا (وہ سمجھتے ہیں کہ) انھیں بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہے؟ پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے ﴿53﴾ کیا وہ اس پر لوگوں سے

عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم

حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے؟ چنانچہ ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور بہت بڑی بادشاہی دی ﴿54﴾ تو

مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿54﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿55﴾

ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لانے سے باز رہے، اور ان کے لیے دہکتا جہنم ہی کافی ہے ﴿55﴾

نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے طواغیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتے ہیں۔[1] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ طاغوت انسانی صورت میں شیطان ہوتا ہے جو کہ ان کا حکمران ہوتا ہے اور اس سے یہ اپنے فیصلے کراتے ہیں۔[2] امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کی جائے طاغوت ہے۔[3]

کافروں کو مسلمانوں پر فضیلت حاصل نہیں ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿51﴾﴾ ''اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے رستے پر ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جہالت، قلت دین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کفر کی وجہ سے کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

امام ابن ابوحاتم نے عکرمہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حُیَی بن اخطب اور کعب بن اشرف اہل مکہ کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے کہ تم تو اہل کتاب اور اہل علم ہو تم ہمیں ہمارے بارے میں اور محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ تو انھوں نے پوچھا کہ تم کیا ہو اور محمد کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو وہ لوگ ہیں جو صلہ رحمی کرتے ہیں، اونٹ ذبح کرتے ہیں، لوگوں کو پانی اور دودھ پلاتے ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اور محمد (ﷺ) نے رشتے داریوں کو توڑ دیا ہے اور حاجیوں کی چوری کرنے والے خاندان غِفار کے لوگوں نے اس کی پیروی شروع کر دی ہے تو ہم بہتر ہیں یا وہ؟ انھوں نے جواب دیا کہ تمھی بہتر اور سیدھے راستے پر ہو تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے بھی یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے۔

مشرکین سے مدد لینے کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہودیوں پر لعنت فرمائی ہے اور یہ خبر بھی دی ہے کہ دنیا و آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا کیونکہ مدد لینے کے لیے یہ مشرکوں کے پاس چلے گئے تھے اور مشرکوں سے انھوں نے یہ بات اس لیے کی تاکہ انھیں اپنی نصرت و حمایت پر آمادہ کر سکیں، چنانچہ مشرکوں نے ان کی بات کو تسلیم کیا اور احزاب کے دن ان کی مدد کے لیے بھی آئے حتی کہ ان کے مقابلے کے لیے نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ کے

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:976/3. [2] تفسير ابن أبي حاتم:976/3 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:976/3 . [4] تفسير ابن أبي حاتم:976/3 والدر المنثور:306/2 .

گرد خندق کھودی تھی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچالیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴾ (الأحزاب 25:33) ''اور جو کافر تھے ان کو اللہ نے پھیر دیا وہ اپنے غصے میں (بھرے ہوئے تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور اللہ طاقتور (اور) زبردست ہے۔''

تفسیر آیات: 53-55

یہودیوں کا بخل اور حسد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ ﴾ ''کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے؟'' یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بخل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴾ یعنی اگر بادشاہی میں ان کا کچھ حصہ ہوتا یا انھیں کچھ بھی تصرف و اختیار حاصل ہوتا تو یہ لوگوں میں سے کسی کو خصوصاً حضرت محمد ﷺ کو کچھ بھی نہ دیتے حتی کہ کھجور کی گٹھلی میں جو نقطہ ہوتا ہے، اس کے بقدر بھی کسی کو کچھ نہ دیتے۔ نَقِیر کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر ائمہ تفسیر کا یہی قول ہے۔ [1]

یہ آیت اس آیتِ کریمہ کی طرح ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ ﴾ (بنی إسرائيل 100:17) ''کہہ دیجیے! کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمھارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (ان کو) بند کر رکھتے۔'' یعنی اس خوف سے کہ وہ کہیں ختم نہ ہو جائیں، حالانکہ ان کے ختم ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن بخل کی وجہ سے تم ایسا کرتے ہو، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴾ (بنی إسرائيل 100:17) ''اور انسان دل کا بہت تنگ ہے۔'' یعنی بخیل ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''کیا اللہ نے لوگوں کو جو اپنے فضل سے دے رکھا ہے، اس کا حسد کرتے ہیں؟'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جس عظیم نبوت سے سرفراز فرمایا، یہ اس کی وجہ سے آپ سے حسد کرتے ہیں اور اس حسد کی وجہ سے کہ آپ کا تعلق عربوں سے ہے بنی اسرائیل سے نہیں، یہ آپ کی نبوت کی تصدیق بھی نہیں کرتے۔ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں لوگوں سے مراد ہمیں لوگ ہیں، دوسرے کوئی اور نہیں۔ [2]

﴿ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴾ ''تو یقیناً ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عنایت فرمائی تھی اور سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔'' یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو جو کہ ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں نبوت عطا فرمائی، ان پر کتابیں نازل کیں اور انھوں نے سنت، یعنی حکمت کے ساتھ ان میں فیصلے کیے، پھر ان میں سے ہم نے بادشاہ بھی بنائے اور اس کے باوجود ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ ﴾ ''پھر لوگوں میں سے کسی نے اس (عطاء وانعام) کو

[1] تفسیر الطبری:191/5 وتفسیر ابن أبی حاتم:977/3۔ [2] المعجم الکبیر للطبرانی:146/11، حدیث:11312۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم جلد انھیں آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں

غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿56﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

چڑھا دیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھیں، بلاشبہ اللہ بہت زبردست، بڑی حکمت والا ہے﴿56﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے انھیں، ہم

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور ہم انھیں

مُّطَهَّرَةٌ ز وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿57﴾

گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے﴿57﴾

مانا۔'' ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ ﴾ ''اور کوئی اس سے رکا (اور دور ہٹا) رہا۔'' یعنی اس نے کفر اور اعراض کیا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کی، حالانکہ وہ انھی میں سے اور انھی کی جنس بنی اسرائیل میں سے تھے اس کے باوجود بھی انھوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا تو اے محمد (ﷺ)! یہ آپ سے کیوں نہ اختلاف کریں اور آپ کے ساتھ کیوں نہ کفر کریں کیونکہ آپ تو بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں؟

امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے کوئی تو اس پر ایمان لایا جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور کوئی اس سے رکا اور ہٹا رہا۔[1] چنانچہ کفار بنی اسرائیل آپ کی سخت تکذیب کرتے اور آپ جس ہدایت اور واضح حق کو لے کر آئے تھے، اس سے بہت دور ہو جاتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾ ﴾ ''اور ان کے لیے دہکتا جہنم کافی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ کفر وعناد اور مخالفت کی سزا کے طور پر جہنم کی آگ کافی ہے۔

تفسیر آیات:57,56

اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ کفر کرنے والوں کی سزا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرے گا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرے گا، اللہ تعالیٰ آتش دوزخ میں اسے جو سزا دے گا، اس کا ذکر کرتے ہوئے اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا'' تو ہم انھیں ایسی آگ میں داخل کریں گے جو ان کے تمام جسموں اور تمام اجزاء کو چاروں طرف سے گھیر لے گی، پھر اس سزا اور عذاب کے ہمیشہ ہمیشہ جاری رہنے کی بابت خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ ﴾ ''جب ان کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں۔'' امام اعمش نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو انھیں کاغذ کی طرح سفید کھالیں دے دی جائیں

[1] تفسیر الطبری:196/5.

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو،

بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿58﴾

بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿58﴾

گی۔[1] امام ابن ابو حاتم نے حضرت حسن بصری کا قول بیان کیا ہے کہ ایک دن میں ان کی کھالیں ستر ہزار مرتبہ گل اور جل جائیں گی۔ اور حسین نے بیان کیا ہے کہ فضیل نے ہشام سے اور انھوں نے امام حسن بصری سے جو روایت بیان کی ہے اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی اور جہنم کی آگ ان کے گوشت کو کھا لے گی تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر اپنی اسی پہلی حالت پر لوٹ آ ؤ تو وہ لوٹ آئیں گے۔[2]

نیک لوگوں کا حُسنِ انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ﴾ ”اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“ یہ اللہ تعالیٰ نے سعادت منداور خوش بخت لوگوں کے انجام کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ سدا بہار بہشتوں میں ہوں گے جن کے تمام اطراف واکناف میں نہریں رواں دواں ہوں گی، وہ جہاں چاہیں گے رہیں گے اور جو ارادہ کریں گے، وہ ان کو میسر آ جائے گا اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ ان سے کہیں جائیں گے اور نہ کہیں اور جانے کا ارادہ ہی کریں گے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ ﴾ ”وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہیں۔“ جو حیض، نفاس، بول و براز، گھٹیا اخلاق اور بری باتوں سے پاک ہوں گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ وہ نجاستوں اور بول و براز سے پاک ہوں گی۔[3] عطاء، حسن، ضحاک، نخعی، ابوصالح، عطیہ عوفی اور سُدّی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ بول، حیض، بلغم، تھوک، منی اور بچہ پیدا کرنے سے پاک ہوں گی۔[5] ﴿ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿57﴾ ﴾ ”اور ان کو ہم گھنے سائے میں داخل کریں گے۔“ ایسے سائے میں جو بہت گہرا، گھنا، پاکیزہ اور فرحت بخش ہوگا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا يَقْطَعُهَا، شَجَرَةُ الْخُلْدِ] ”یقیناً جنت میں ایک درخت ایسا ہوگا کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا تو پھر بھی وہ اس سائے کو طے نہ کر پائے گا، اس درخت کا نام شَجَرَةُ الْخُلْد ہوگا۔“[6]

---

[1] تفسیر الطبری:197/5 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:983/3 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:984/3. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 984/3 . [5] تفسیر ابن أبی حاتم:984/3 . [6] تفسیر الطبری:200/5 و مسند أحمد:462/2 اور [شجرۃ الخلد] کے علاوہ روایت صحیح ہے، دیکھیے صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة، حدیث:3251 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ و صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها، باب إن فی الجنة شجرة......، حدیث:2826 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ .

تفسیر آیت:58

امانت ادا کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔ حسن کی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ] ''جو شخص تمھارے پاس امانت رکھے تو اس کی امانت کو ادا کر دو اور جو تم سے خیانت کرے تو تم اس سے خیانت نہ کرو۔''

اسے امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے۔① یہ حکم عام ہے اور ان تمام امانتوں کے لیے ہے جنھیں ادا کرنا انسان پر واجب ہے، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ، مثلاً: نماز، زکاۃ، روزہ، کفارہ، نذر اور ان امور سے ہو جن کے بارے میں انسان کو امین بنایا گیا ہے لیکن بندے ان کی طرف توجہ نہیں دیتے یا ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو، مثلاً: وہ امانتیں جو انسان ایک دوسرے کے پاس رکھ دیتے ہیں اور ان کے بارے میں کوئی گواہ بھی نہیں ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انھیں ادا کر دیا جائے اور جو شخص دنیا میں ادا نہیں کرے گا تو اس سے اسے آخرت میں لے لیا جائے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقُ إِلٰى أَهْلِهَا حَتّٰى يُقْتَصَّ لِلشَّاةِ الْجَمَّاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ] ''حق والوں کے حقوق ضرور ادا کیے جائیں گے حتی کہ بے سینگ بکری کا سینگوں والی بکری سے حق لیا جائے گا۔''②

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان سے کعبہ کی چابیاں لیں اور کعبہ میں داخل ہوئے تھے اور آپ جب باہر تشریف لائے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔'' پھر آپ نے عثمان کو بلایا اور چابی ان کے سپرد کر دی۔ راوی (ابن جریج) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کعبہ سے باہر تشریف لائے تو آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے، چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں میں نے آپ کو اس سے پہلے کبھی اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنا تھا۔③

مشہور بات یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ یہ اس موقع پر نازل ہوئی ہو یا نہ، بہرحال اس کا حکم عام ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا ہے کہ یہ ہر نیک و بد کے لیے ہے، یعنی یہ حکم ہر ایک کے

---

① حسن کی حضرت سمرہ سے مروی یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ ہاں، البتہ مسند احمد میں عن رجل اور دیگر نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے: مسند أحمد:3/414 وسنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يأخذ حقه ......، حديث:3534,3535 وجامع الترمذي، البيوع، باب أدّ الأمانة إلى من ائتمنك، حديث:1264 . ② صحيح مسلم، البر والصّلة، باب تحريم الظلم ، حديث:2582 وصحيح ابن حبان، ذكر الإخبار عن وصف أداء الحقوق إلى أهلها......:16/363 ، حديث:7363 واللفظ له وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب، حديث:2420 ومسند أحمد:2/235 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ . ③ تفسير الطبري:5/201 .

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تم باہم

تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾ ع 8/9/5

اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے﴿59﴾

لیے ہے کہ وہ امانت والے کی امانت کو ادا کرے۔[1]

فیصلوں میں عدل کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ﴾ ''اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے حکم یہ دیا ہے کہ لوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے، اسی وجہ سے محمد بن کعب، زید بن اسلم اور شہر بن حوشب نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ امراء، یعنی حکام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِي مَالَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ وَكَلَهُ إِلٰى نَفْسِهِ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ قاضی اور حاکم کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے اور جب وہ ظلم کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے آپ کے سپرد کر دیتا ہے۔''[3] ایک اور روایت میں ہے: [عَدْلُ يَوْمٍ وَّاحِدٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً] ''ایک دن کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''[4] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ﴾ ''بلاشبہ اللہ تمھیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں امانتوں کے ادا کرنے، لوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنے اور اپنی کامل، عظیم اور جامع شریعت پر مبنی احکام کے بجا لانے کا جو حکم دیا ہے تو یہ بہت خوب نصیحت ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿58﴾﴾ ''بے شک اللہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے اقوال کو سنتا اور افعال کو دیکھتا ہے۔

تفسیر آیت: 59

امیر کی اطاعت کا حکم: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آیت کریمہ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔'' کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب

① تفسير ابن أبي حاتم:985/3 . ② تفسير ابن أبي حاتم:986/3 . ③ سنن ابن ماجه، الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، حديث:2312 عن عبدالله بن أبي أوفى رضي الله عنه. ④ تاريخ دمشق لابن عساكر، ترجمة عبدالله بن محمد بن إبراهيم بن إدريس:110/34 و كشف الخفاء:1721 عن أبي هريرة رضي الله عنه والمعجم الكبير للطبراني:337/11، حديث:11932 والترغيب والترهيب، ترغيب من وَلِيَ شيئا من المسلمين......:167/3 ، حديث:6 عن ابن عباس رضي الله عنه. البتہ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة:989 .

رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک سَریّے پر بھیجا تھا۔①اسی طرح امام ابن ماجہ کے سوا دیگر محدثین نے بھی اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔② امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا اور ایک انصاری شخص③ کو اس کا قائد بنایا، جب یہ لوگ روانہ ہوگئے تو وہ کسی وجہ سے ان سے ناراض ہوگیا اور کہنے لگا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! تو اس نے کہا: اچھا پھر تم میرے لیے ایندھن جمع کرو، ایندھن جمع ہوگیا تو اس نے اسے آگ لگا دی اور کہا کہ میرا تمھیں حکم یہ ہے کہ اس میں داخل ہو جاؤ تو لوگوں نے آگ میں چھلانگیں لگانے کا ارادہ کرلیا مگر ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ تم آگ سے بھاگ کر تو رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوئے ہو، لہٰذا جلد بازی سے کام نہ لو، رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر کے اس کے بارے میں پوچھ لو اگر آپ آگ میں داخل ہونے کا حکم دے دیں تو پھر بے شک داخل ہو جانا۔ یہ سب لوگ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو آپ نے ان سے فرمایا: [لَوْ دَخَلْتُمُوهَا مَا خَرَجْتُمْ مِّنْهَا أَبَدًا، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ] ''اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی بھی نہ نکلتے، یاد رکھو! اطاعت صرف نیکی میں ہے۔''④ اس روایت کو امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔⑤

امام ابوداود نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ] ''ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر کام میں، خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند سمع و طاعت بجالائے، بشرطیکہ اسے کسی معصیت کے کام کا حکم نہ دیا گیا ہو اور اگر اسے معصیت کے کام کا حکم دیا گیا ہو تو پھر سمع و طاعت نہیں ہے۔''⑥ اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔⑦

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی کہ ہم خوشی و ناخوشی، تنگی و آسانی اور

① صحيح البخارى، التفسير، باب: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (النسآء 59:4)، حديث: 4584 . ② صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية، حديث:1834 وسنن أبى داود، الجهاد، باب فى الطاعة، حديث:2624 وجامع الترمذى، الجهاد، باب ماجاء فى الرجل يبعث سرية وحده، حديث:1672 وسنن النسائى، البيعة، باب قوله تعالى: ﴿وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾، حديث:4199 ومسند أحمد:337/1 . ③ یہ شخص عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو باب سريّة عبدالله بن حذافة...... کے تحت ذکر کیا ہے۔ دیکھیے حديث: 4340 .
④ مسند أحمد: 82/1 . ⑤ صحيح البخارى، الأحكام، باب السّمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، حديث: 7145 یہاں یہ بھی ہے کہ وہ ابھی اسی بحث میں تھے کہ آگ بجھ گئی اور اس کا غصہ بھی اتر گیا۔ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية ...... ، حديث:1840. ⑥ سنن أبى داود، الجهاد، باب فى الطاعة، حديث: 2626 .
⑦ صحيح البخارى، الأحكام، باب السّمع والطاعة للإمام......، حديث: 7144 وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية ......، حديث:1839 .

اپنے پر ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی سمع وطاعت بجالائیں گے اور کسی حق والے سے حکومت کے لینے کے بارے میں جھگڑا نہیں کریں گے، آپ نے فرمایا تھا:[إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ]''سوائے اس کے کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس کوئی دلیل موجود ہو۔''① اس حدیث کو شیخین نے بیان کیا ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ]''سنو اور اطاعت بجالاؤ، خواہ تمھارا امیر اس طرح کا کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو جس کا سر منقے جیسا ہو۔'' اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔②

ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَّقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، اِسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا]''اگر تم پر امیر کوئی ایسا غلام ہی کیوں نہ ہو جو کتاب اللہ کے ساتھ تمھاری قیادت کرتا ہو تو تم اس کی بات بھی سنو اور اطاعت بجالاؤ۔''③ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:[عَبْدًا حَبَشِيًّا مُّجَدَّعًا]''خواہ وہ اعضاء کٹا ہوا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔''④

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے جو متفق علیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصٰى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي]''جس نے میری اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو تحقیق اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو گویا اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی تو گویا اس نے میری نافرمانی کی۔''⑤

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ ﴾ یعنی اللہ کی کتاب کی اتباع کرو۔ ﴿ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو لازم پکڑلو ﴿ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ اور اپنے حکمرانوں کے ان احکام کی بھی اطاعت بجالاؤ جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو اور اس کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو پھر مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں صحیح حدیث بیان کی جا چکی ہے:[إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ]''بلاشبہ اطاعت صرف

① صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ:[سترون أمورًا تنكرونها]، حديث:7056,7055 وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث:(42)-1709، قبل الحديث:(43)-1841. ② صحيح البخاري، الأحكام، باب السّمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، حديث:7142. ③ صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث:1838. ④ صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء ......، حديث:1838 عن أم حصين ﷺ. ⑤ صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله تعالى: ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ (النسآء 4:59)، حديث:7137 وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: (33)-1835.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ بے شک وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور اس

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ

پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ شیطانی چیلوں سے کرائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ ایسے شیطانوں

وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿60﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ

کا انکار کریں؟ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے دور پھینک دے﴿60﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے

اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿61﴾ فَكَيْفَ اِذَآ

نازل کیا، اور آؤ رسول کی طرف، تو آپ منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ (کی طرف آنے) سے کتراتے ہیں﴿61﴾ پھر ان کا کیا حال ہوتا ہے،

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ

جب ان کے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ پھر وہ قسمیں کھاتے ہوئے آپ کے پاس آکر کہتے ہیں: اللہ کی قسم!

اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿62﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ

ہم نے تو بھلائی اور صلح صفائی کا ارادہ کیا تھا﴿62﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا ہے، لہٰذا (اے نبی!) آپ ان (کی باتوں) پر

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿63﴾

دھیان نہ دیں اور انھیں نصیحت کرتے رہیں اور ان سے ان کے دلوں پر اثر کرنے والی بات کہیں﴿63﴾

نیکی میں ہے۔''[1]

اختلاف کے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ ''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف لوٹا دو۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرو۔[2] بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ دین کے اصول وفروع میں سے جس چیز کے بارے میں بھی لوگوں میں اختلاف ہو تو اس اختلاف کے ختم کرنے کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (الشورٰی 10:42) ''اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہوگا۔)'' پس کتاب وسنت جو فیصلہ کریں اور جس فیصلے کے صحیح ہونے کی گواہی دیں تو وہی حق ہے اور حق کے بعد تو پھر گمراہی ہی باقی رہ جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ ''اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

[1] صحیح البخاری، الأحکام، باب السمع والطاعۃ للإمام......، حدیث: 7145 وصحیح مسلم، الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء، حدیث:1840. [2] تفسیر الطبری:209/5.

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو اختلاف کے وقت کتاب وسنت سے فیصلہ نہ کرائے اوران کی طرف رجوع نہ کرے تو اس کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں ہے۔ ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ ''یہ بہت اچھی بات ہے۔'' یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے فیصلہ کرانا اور اختلاف کے خاتمے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا بہت اچھی بات ہے۔ ﴿وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾﴾ یعنی اس کا مآل بھی اور انجام بھی اچھا ہے جیسا کہ سُدّی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بیان کیا ہے۔[1] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کی جزا بہت اچھی ہے۔[2] بہرحال یہ دونوں معنی قریب قریب ہی ہیں۔

تفسیر آیات:60-63

جو کتاب وسنت سے روگردانی کرے وہ مسلمان نہیں ہے: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تردید فرمائی ہے جو دعویٰ تو یہ کرے کہ اس کا اس دین وشریعت پر ایمان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ اور سابقہ انبیائے کرام پر نازل فرمایا ہے لیکن اس دعوے کے باوجود وہ تنازعات کے فیصلوں کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بجائے کسی اور طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ایک انصاری اور ایک یہودی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کا آپس میں تنازعہ تھا۔ یہودی نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ محمد ﷺ سے کرا لیتے ہیں مگر انصاری نے کہا کہ نہیں ہم اپنا فیصلہ کعب بن اشرف سے کراتے ہیں۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقوں کی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جنھوں نے اظہار تو اسلام کا کیا تھا مگر وہ اپنے فیصلے حکام جاہلیت سے کراتے تھے۔[4] علاوہ ازیں اور بھی کئی اقوال بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ آیت کریمہ عام ہے اور اس میں ہر اس شخص کی مذمت ہے جو کتاب وسنت سے روگردانی کرے اور ان کے بجائے باطل سے اپنے فیصلے کرائے اور یہاں طاغوت سے مراد باطل ہی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ چاہتے یہ ہیں کہ (اپنا مقدمہ) ایک سرکش کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں۔''

اور آگے چل کر فرمایا: ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿61﴾﴾ ''وہ آپ سے کتراتے ہیں (اور رکے جاتے ہیں۔)'' یعنی متکبر لوگوں کی طرح آپ سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ (لقمٰن 31:21) ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔'' اس کے برخلاف مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ (النور 24:51) ''بس مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں: ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا۔''

[1] تفسیر الطبری:5/210 . [2] تفسیر الطبری:5/210 . [3] تفسیر الطبری:5/213 . [4] تفسیر الطبری:5/211 .

منافقوں کی مذمت: پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''تو کیسی (ندامت کی) بات ہے کہ جب ان کے اعمال (کی شامت) سے ان پر کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے؟'' یعنی جب ان کے گناہوں کے سبب لاحق ہونے والے آلام ومصائب کے موقع پر تقدیر انھیں تمھارے پاس کھینچ لاتی ہے اور اس سلسلے میں وہ تمھارے محتاج ہو جاتے ہیں ﴿ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿62﴾﴾ ''پھر وہ آپ کے پاس بھاگے آتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ! ہمارا مقصود تو بھلائی اور موافقت تھا۔''

یعنی آپ کے پاس آکر معذرت کرتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر ہم اوروں کے پاس جو گئے اور ان سے جو فیصلے کرائے تو اس سے ہمارا مقصود بھلائی اور موافقت تھا، یہ نہیں کہ ہم ان کے فیصلے کو صحیح سمجھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک دوسری جگہ بھی فرمایا ہے: ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۞ ......﴾ (المآئدة 5:52) ''تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ ان (یہودیوں) میں دوڑ دوڑ کے (ملے جاتے ہیں)، کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے، پھر قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) تو یہ اپنے دل کی باتوں پر، جنھیں چھپایا کرتے تھے، پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔''

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ ابوبَرزہ اسلمی ایک کاہن تھا جو یہودیوں کے باہمی تنازعات میں فیصلے کیا کرتا تھا تو کچھ مسلمان بھی اس سے فیصلہ کرانے کے لیے اس کے پاس چلے گئے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿62﴾﴾[1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ق﴾ ''ان لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے، اللہ اس کو (خوب) جانتا ہے۔'' لوگوں کی یہ قسم منافقین کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے کیونکہ اس سے کوئی چیز بھی تو مخفی نہیں ہے۔ پھر وہ ان کو اسی کے مطابق بدلہ دے گا، لہٰذا اے محمد (ﷺ)! ان کے بارے میں اسی بات کو کافی جانیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے۔

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ''تو ان (کی باتوں) کا کچھ خیال نہ کریں۔'' یعنی ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، اس کی وجہ سے انھیں برا بھلا نہ کہیں ﴿وَعِظْهُمْ﴾ ''اور انھیں نصیحت کریں۔'' ان کے دلوں میں جو نفاق اور شر پوشیدہ ہے، اس سے انھیں باز رہنے کی تلقین کریں۔ ﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿63﴾﴾ ''اور ان سے (ایسی باتیں) کہیں جو ان کے دلوں میں اثر کر جائیں۔'' یعنی ان سے مؤثر پیرائے میں گفتگو کریں اور ایسے انداز سے نصیحت کریں جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔

[1] المعجم الكبير للطبراني: 373/11، حديث: 12045.

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر بے شک وہ لوگ، جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا،

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾

آپ کے پاس آتے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتا تو وہ یقیناً اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

کرنے والا پاتے ﴿64﴾ چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿65﴾

لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں ﴿65﴾

تفسیر آیات: 65,64

اطاعتِ رسول حتمی طور پر واجب ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ ﴾ ''اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اس کا حکم مانا جائے۔'' یعنی میں نے رسول کی اطاعت کو ان لوگوں کے لیے فرض قرار دیا ہے جن کی طرف اس رسول کو بھیجا گیا ہو۔ اللہ کے فرمان: ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اللہ کے حکم کے مطابق۔'' کے امام مجاہد یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میرے حکم کے بغیر کوئی اطاعت نہیں کر سکتا۔[1] یعنی انبیائے کرام کی اطاعت وہی کر سکتا ہے جس کو میں نے توفیق بخشی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ ﴾ (آل عمران 152:3) ''اور اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا جب تم (اُحد میں) کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔'' یعنی اس کے حکم سے، اس کی تقدیر اور مشیت سے اور اس وجہ سے کہ اس نے تمھیں ان پر مسلط کر دیا تھا تم انھیں قتل کر رہے تھے۔

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ﴾ ''اور یہ لوگ، جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے، اگر آپ کے پاس آتے۔'' اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور گناہ گاروں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ جب ان سے کوئی غلطی یا نافرمانی ہو جائے تو انھیں چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے پاس اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور آپ سے بھی درخواست کریں کہ آپ ان کی معافی کے لیے دعا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما لے گا، ان پر رحم فرمائے گا اور انھیں معاف فرما دے گا۔ اسی لیے تو اس نے فرمایا: ﴿ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾ ﴾ ''تو اللہ کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔''

وہ مومن نہیں جو اپنے تنازعات میں نبیٔ اکرم ﷺ کو منصف نہ مانے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''چنانچہ آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک اور مقدس ذات گرامی کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ

[1] تفسیر الطبری: 216/5 .

اس وقت تک کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کو منصف تسلیم نہ کرے، پھر آپ جو فیصلہ فرما دیں وہی حق ہے اور باطنی وظاہری طور پر اسے تسلیم کرنا واجب ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ ''پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں اور اس کو (خوشی سے) مان لیں۔'' یعنی جب آپ کو منصف تسلیم کر لیں تو پھر باطنی طور پر بھی آپ کی اطاعت کریں اور آپ کے فیصلے کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ ظاہری و باطنی طور پر اسے قبول کر لیں اور کسی چون و چرا اور حیل و حجت کے بغیر اسے کلی طور پر تسلیم کر لیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عروہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص سے حَرَّہ کی ندی کے پانی کے بارے میں جھگڑا ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ﷺ ، ثُمَّ قَالَ : اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ] ''زبیر! تم (اپنی کھیتی کو) پانی دے لیا کرو، پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف روانہ کر دیا کرو۔ انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ فیصلہ اس لیے فرمایا ہے کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: زبیر! اپنی کھیتی کو پانی دو، پھر پانی کو روک لو حتی کہ مُنڈیروں (پشتے) تک آ جائے، پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو۔''

اس طرح انصاری کے نبی ﷺ کو ناراض کرنے کے بعد آپ نے اپنے صریح حکم کے مطابق حضرت زبیر کو اختیار دیا کہ وہ اپنا حق پورا پورا وصول کر لیں، حالانکہ اس سے پہلے آپ نے ایک صورت پیش فرمائی تھی جس میں دونوں کے لیے سہولت تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ...... ﴾ الآية. اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔ [1]

ایک دوسرا سبب نزول: حافظ ابواسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن دُحَیم نے اپنی تفسیر میں حضرت ضَمُرَہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ دو آدمیوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنا جھگڑا پیش کیا تو آپ نے حق والے کے حق میں فیصلہ فرما دیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا کہ میں اس فیصلے کو قبول نہیں کرتا۔ اس کے ساتھی نے کہا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرائیں۔

وہ دونوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ سے بھی فیصلہ کرایا ہے اور آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم دونوں اس فیصلے کو قبول کرو جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مگر جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ سے

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ...... ﴾ (النسآء4:65)، حدیث:4585 و صحیح مسلم، الفضائل، باب وجوب اتباعه ﷺ، حدیث:2357 عن عبدالله بن الزبير رضي الله عنه.

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ

اور اگر بے شک ہم ان پر فرض کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا تم اپنے گھروں سے نکلو تو ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی بھی یہ کام نہ کرتا۔ اور

مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿66﴾ وَّاِذًا

اگر بے شک وہ مان لیتے جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا باعث ہوتا﴿66﴾ اور تب

لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿67﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿68﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

ہم ضرور انھیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے ﴿67﴾ اور ہم ضرور انھیں سیدھے راستے پر چلاتے ﴿68﴾ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی

وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

اطاعت کرے، تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ،

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿69﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿70﴾ ع 9/11/6

اور یہ لوگ اچھے رفیق ہوں گے﴿69﴾ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے، اور اللہ کافی ہے جاننے والا﴿70﴾

فیصلہ کرائیں گے۔

وہ دونوں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا فیصلہ کرایا ہے اور آپ نے میرے حق میں اس کا فیصلہ فرمایا ہے لیکن اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کیا یہ بات اسی طرح ہے؟ تو اس نے بھی اس کی تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں چلے گئے اور واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں تلوار (سونتی ہوئی) تھی اور آتے ہی اس شخص کا سر قلم کر دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ...... ﴾ الآية.[1]

تفسیر آیات: 66-70

اکثر لوگ حکم کی مخالفت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر انھیں ان گناہوں کے کرنے کا حکم دیا جاتا جن کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں تو پھر وہ انھیں کبھی نہ کرتے کیونکہ ان کی گھٹیا طبیعتیں حکم کی مخالفت کی خوگر ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ جو ہوا یا نہ ہوا یا جو ہوگا، ان سب کا اسے علم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ ﴾ ''اور اگر ہم انھیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھر چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے ہی ایسا

[1] الدر المنثور: 322/2 وتفسير ابن أبي حاتم: 994/3 . یہ واقعہ کئی سندوں سے مروی ہے مگر تمام ضعیف ہیں۔ ایک سند میں ابن لہیعہ ہے جبکہ وہ مرسل بھی ہے دوسری سند مرسل ہے کہ ضمرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں ملے اور تیسری سند جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اس میں کلبی متروک ہے اور باذام ابوصالح کا ابن عباس سے سماع بھی ثابت نہیں ہے۔

کرتے اور اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جوان کو کی جاتی ہے۔'' یعنی جو انھیں حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتے اور جس سے منع کیا جاتا ہے اسے ترک کر دیتے ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ تو یہ ان کے حق میں امر کی مخالفت کرنے اور نہی کا ارتکاب کرنے سے بہتر ہوتا ﴿ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴾ ''اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔'' سُدّی فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ تصدیق کا موجب ہوتا۔[1] ﴿ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ اور ہم انھیں اپنی طرف سے اجرِ عظیم، یعنی جنت عطا فرماتے۔ ﴿ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ ''اور انھیں دنیا وآخرت میں سیدھا رستہ بھی دکھاتے۔''

اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے انعام یافتگانِ بارگاہِ الٰہی کے ساتھ ہوں گے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ''وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔'' یعنی جس نے وہ عمل کیا جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہو اور اسے ترک کر دیا جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عزت کے گھر میں بسائے گا اور انبیائے کرام علیہم السلام کا ساتھ عطا فرمائے گا اور ان کے بعد کے رتبے والوں، یعنی صدیقین، پھر شہداء، پھر عام مومنوں، یعنی صالحین کا بھی ساتھ عطا فرمائے گا۔ اور صالحین وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ظاہر وباطن درست ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ''اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَا مِنْ نَّبِيٍّ يَّمْرَضُ إِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ] ''جب بھی کوئی نبی بیمار ہوتا ہے تو اسے دنیا وآخرت میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔'' مرض الوفات میں جب آپ کی طبیعت بے حد ناساز تھی، میں نے آپ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا کہ ﴿ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ ﴾ تو مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کو بھی اس وقت دنیا یا آخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دے دیا گیا ہے۔[2] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر تین بار فرمایا: [اَللّٰهُمَّ ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى] ''اے اللہ! میں (اعلیٰ علیین) میں انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں (رہنا پسند کرتا ہوں۔)''[3] پھر آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ تو اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔

اس آیت کریمہ کا سببِ نزول: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص

[1] تفسير الطبري:223/5 . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ ﴾ (النسآء 69:4)، حديث:4586 وصحيح مسلم، فضائل الصّحابة، باب في فضائل عائشة أمّ المؤمنين ﷺ، حديث:(86)-2444 . [3] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4438 عن عائشة ﷺ.

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس وقت وہ غم زدہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا: [يَا فُلَانُ! مَالِي أَرَاكَ مَحْزُونًا؟] ''کیا بات ہے تم غم زدہ نظر آتے ہو؟'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک چیز کے بارے میں سوچتا ہوں، آپ نے فرمایا: [مَا هُوَ] ''وہ کیا؟'' اس نے عرض کی: ہم صبح وشام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ کے چہرۂ اقدس کا دیدار کرتے اور آپ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے ہیں لیکن کل (روز قیامت) آپ تو انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے اور ہم آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا تو آپ کے پاس جبریل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر حاضر ہوگئے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ''نبی اکرم ﷺ نے اسے بلا بھیجا اور اسے یہ بشارت سنا دی...... ۔[1] یہ اثر مسروق، عکرمہ، عامر شعبی اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی مرسلاً مروی ہے۔[2] نیز ربیع بن انس سے بھی اور اس کی سند سب سے بہتر ہے۔[3]

ایک دوسری سند سے اس طرح کا واقعہ مرفوعاً بھی مروی ہے جسے امام ابوبکر بن مَرْدُویَہ نے بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، اپنے اہل سے بھی اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو صبر نہیں کر سکتا حتی کہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں لیکن جب اپنی اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہے کہ آپ تو جنت میں تشریف لے جائیں گے اور وہاں حضرات انبیائے کرام کی رفاقت میں ہوں گے، میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو اندیشہ ہے کہ شاید آپ کا دیدار میسر نہ آ سکے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور اسے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ جبریل علیہ السلام آپ پر یہ آیت کریمہ لے کر نازل ہو گئے۔

حافظ ابوعبداللہ مقدسی نے بھی اپنی کتاب صِفَةُ الْجَنَّةِ میں یہ روایت اسی طرح بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ والله أعلم.[4]

صحیح مسلم میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس رات بسر کرتا تھا اور آپ کے لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرتا، ایک دن آپ نے فرمایا: [سَلْ، فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ: أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ، قَالَ: فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ] ''کچھ مانگو، میں نے عرض کی: (اے اللہ کے رسول!) میری درخواست یہ ہے کہ مجھے جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو، آپ نے فرمایا: کوئی اور سوال؟ تو میں نے

[1] تفسير الطبري:225/5. [2] تفسير الطبري:225/5 وتفسير ابن أبي حاتم:997/3. [3] تفسير الطبري:226/5.

[4] مجمع الزوائد، التفسير، النسآء: 7/7، حديث:10937 وحلية الأولياء، ترجمة إبراهيم بن يزيد النخعي:267/4، حديث:5516 والمعجم الأوسط للطبراني:296/1، حديث:480.

عرض کی کہ وہ بھی یہی ہے، تو آپ نے فرمایا: پھر کثرتِ سجود کے ساتھ اپنے بارے میں میری مدد کرو۔''[1]

امام احمد نے عمرو بن مُرّہ جُہَنی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، نماز پنجگانہ ادا کرتا ہوں، اپنے مال کی زکاۃ بھی دیتا ہوں، اور ماہ رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ مَّاتَ عَلٰى هٰذَا كَانَ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا - وَنَصَبَ إِصْبَعَيْهِ - مَا لَمْ يَعُقَّ وَالِدَيْهِ] ''جسے اس حالت میں موت آئے تو قیامت کے دن اسے انبیاء، صدیقین اور شہداء کی اس طرح رفاقت حاصل ہوگی اور اس موقع پر آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو اٹھا کر اشارہ فرمایا، بشرطیکہ وہ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرے۔''[2] امام احمد اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

اس سب سے بڑھ کر عظیم بشارت وہ ہے جو کتب صحاح، مسانید اور دیگر کتب میں متواتر سندوں کے ساتھ حضرات صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے[3] کہ رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کچھ لوگوں سے محبت تو کرتا ہے لیکن ابھی تک وہ (ان جیسے اعمال کر کے) [4] ان سے ملا نہیں ہوتا، تو آپ نے فرمایا: [اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ] ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے۔''[5] حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں کسی اور چیز سے اس قدر خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی خوشی اس حدیث کے سننے سے ہوئی۔[6]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ مجھے تو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بھی محبت ہے، لہٰذا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کے ساتھ ہی اٹھائے گا، گو میں ان جیسے عمل نہیں کر سکا۔[7] چنانچہ

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه، حديث: 489 . [2] دیکھیے جامع المسانيد والسنن: 77/10 ومجمع الزوائد، البر والصلة، باب ماجاء في العقوق: 147/8، حديث: 13429. مسند احمد کے مطبوعہ نسخوں میں یہ روایت نہیں ملی۔ [3] ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، حضرت صفوان بن عسال، حضرت ابوذر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ [4] یہ مفہوم دوسری روایات میں ہے، دیکھیے مسند أحمد: 159/3. [5] صحيح البخاري، الأدب، باب علامة الحب في الله لقوله تعالى: ﴿ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي ﴾ (آل عمران 3:31) ، حديث: 6170 عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ وحديث: 6169. وصحيح مسلم، البر والصّلة، باب المرء مع من أحبّ، حديث: 2640 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ وسنن أبي داود، الأدب، باب الرجل يحب الرجل على خير يراه، حديث: 5126 عن أبي ذر رضی اللہ عنہ و5127 عن أنس رضی اللہ عنہ وجامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء أن المرء مع من أحبّ، حديث: 2387 عن صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ ومسند أحمد: 392/4 عن أبي موسى رضی اللہ عنہ ومسند أبي يعلى: 270/5 ، حديث: 2888 عن أنس رضی اللہ عنہ. [6] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حديث: 3688 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب المرء مع من أحب، حديث: (163)-2639. لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کے یہ اور ان سے متصل الفاظ کا سیاق ایک دوسری روایت: [أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ...... عَنِ السَّاعَةِ......] ہے نہ کہ [اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ] دیکھیے گذشتہ حاشیہ۔ [7] دیکھیے بخاری اور مسلم بحوالۂ مذکورہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، پھر تم الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے ہو کر نکلو﴿71﴾ اور بے شک تم میں

لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿72﴾

سے کوئی ایسا بھی ہے جو نکلنے میں ضرور دیر کرتا ہے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ کہتا ہے: اللہ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں ان

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

کے ساتھ موجود نہیں تھا﴿72﴾ اور اگر تمھیں اللہ کا فضل ملے، تو وہ گویا جیسے تمھارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہ ہو، ضرور کہے گا: کاش میں ان

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿73﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

کے ساتھ ہوتا، پھر میں بڑی کامیابی حاصل کرتا﴿73﴾ پھر جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچ چکے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اللہ کے

بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿74﴾

راستے میں لڑیں، اور جو شخص اللہ کے راستے میں لڑے، پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم جلد اسے بہت بڑا اجر دیں گے﴿74﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں محض اپنے فضل ورحمت سے اس بات کا مستحق بنایا، وہ اپنے اعمال سے اس کے مستحق قرار نہیں پا سکتے تھے ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿70﴾ ﴾ ''اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔'' یعنی صرف وہی جانتا ہے کہ ہدایت اور توفیق کا مستحق کون ہے۔

تفسیر آیات: 71-74

دشمن کے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے دشمن کے مقابلے کی تیاری رکھیں۔ اور یہ حکم اس بات کو مستلزم ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے اسلحہ بھی تیار رکھا جائے اور ہر طرح کا ساز وسامان بھی اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو تیار بھی کیا جائے۔

﴿ ثُبَاتٍ ﴾ یعنی ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت، ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ اور ایک سَرِیّہ کے بعد دوسرا سَرِیّہ جہاد کے لیے نکلے۔ ﴿ ثُبَاتٍ ﴾ ثُبَةٌ کی جمع ہے۔ ثُبَةٌ کی جمع ثُبِينَ بھی آتی ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ ﴿ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو ﴿ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾ ﴾ ''یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔'' مجاہد، عکرمہ، سُدّی، قتادہ، ضحاک، عطاء خُراسانی، مُقاتل بن حیّان اور خُصَیف جزری رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

جہاد سے پیچھے رہنا منافقوں کی علامت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ ﴾ ''اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ دیر لگاتا ہے۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] مُقاتل بن حیّان کہتے ہیں کہ ﴿ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہاد سے پیچھے رہتا ہے۔[3] اور یہ بھی احتمال ہے کہ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:998/3 . [2] تفسير الطبري:228/5 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:999/3 .

اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ خود بھی جہاد سے پیچھے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی پیچھے رکھتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن اُبی ابن سلول کیا کرتا تھا۔ ابن جریج اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ جب منافق جہاد سے پیچھے رہ جاتا ہے تو ﴿ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ ''پھر اگر تم پر کوئی مصیبت پڑ جائے۔'' یعنی تم شہید ہو جاؤ اور اللہ کی طرف سے کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے تمھارا دشمن تم پر غالب آ جائے تو منافق کہتا ہے: ﴿ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں ان میں موجود نہ تھا۔'' یعنی جہاد میں شرکت نہ کرنے کو وہ اللہ کی مہربانیوں میں سے شمار کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ وہ کس قدر اجر وثواب سے محروم ہو گیا ہے جو میدان جہاد میں صبر کرنے یا شہید ہو جانے کی صورت میں اسے ملنا تھا۔

﴿ وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو۔'' اور تمھیں فتح ونصرت اور غنیمت سے سرفراز فرمائے ﴿ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ ﴾ ''تو وہ اس طرح سے کہتا ہے کہ گویا تم میں اور اس میں دوستی تھی ہی نہیں'' یعنی تمھارے دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ تھا، افسوس کرتا اور کہتا ہے: ﴿ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ ''کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مقصد عظیم حاصل ہوتا۔'' اور مجھے بھی مال غنیمت میں سے حصہ مل جاتا اور اس کا سب سے بڑا مقصود ومطلوب یہی ہوتا ہے کہ دنیا کے مال کو کسی نہ کسی طرح سے حاصل کر لے۔

جہاد کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ﴾ یعنی راہِ جہاد میں نکلنے والے مومن ان لوگوں سے لڑیں جو دنیا کے تھوڑے سے مال کے بدلے اپنے دین کو بیچ دیتے ہیں۔[2] اور اس کا سبب ان کا کفر اور عدم ایمان ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے، پھر خواہ وہ قتل ہو جائے یا مغلوب ہو جائے یا دشمن اس کے مال کو چھین لے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے لیے بے حد وحساب اجر وثواب ہے جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حدیث ہے: [تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ] ، [إِنْ تَوَفَّاهُ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ]، [أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ] ''اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کا ضامن ہے کہ اگر اسے فوت کر دے تو اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اس کے حاصل کردہ اجر وثواب اور غنیمت کے ساتھ اسے اس کے اس گھر کی طرف لوٹائے گا جس سے وہ نکل کر میدان جنگ میں گیا تھا۔''[1]

① تفسير الطبري:228/5 . ② یعنی ﴿ فَلْيُقَاتِلْ ﴾ کا فاعل اَلْمُؤْمِنُ النَّافِرُ محذوف ہے اور ﴿ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ ﴾ مفعول بنے گا۔
③ صحيح البخاري، فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ: [أحلّت لكم الغنائم]، حديث: 3123 وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، حديث: (104)-1876 عن أبي هريرة ؓ ۔البتہ اس حدیث کا پہلا حصہ مسند أبي عوانة: 457/4 ، حديث: 7324 اور دوسرا حصہ سنن سعيد بن منصور: 121/2 ، حديث: 2311 اور آخری حصہ صحیحین کے مذکورہ بالا حوالے کے مطابق ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے، جو

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال کہ اس کے باشندے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے

وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿75﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

کوئی حمایتی بھیج، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بھیج ﴿75﴾ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ

جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت (شیطان) کی راہ میں لڑتے ہیں، چنانچہ تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو، بے شک شیطان کی

كَانَ ضَعِيْفًا ﴿76﴾ ع 10 6 7

چال بڑی کمزور ہے ﴿76﴾

تفسیر آیات: 76,75

کمزور مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اس کی راہ میں جہاد کریں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو مکہ سے نکالنے میں مدد دیں جو وہاں رہنے کی وجہ سے اکتا گئے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ ''جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو اس شہر سے نکال (کر کہیں اور لے جا۔)'' یعنی مکہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ﴾ (محمد13:47) ''اور بہت سی بستیاں آپ کی اس بستی سے جس (کے باشندوں) نے آپ کو (وہاں سے) نکال دیا زور وقوت میں کہیں بڑھ کر تھیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿75﴾ ﴾ یعنی جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں اور میری والدہ بھی انھیں بے بس لوگوں میں سے تھے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ ﴾ یعنی مومن تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے لیے لڑتے ہیں اور کافر شیطان کی اطاعت کے لیے لڑتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے دشمنوں سے جہاد پر برانگیختہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿76﴾ ﴾ ''سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرومت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔''

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (النسآء4:75)، حديث:4587.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم (لڑائی سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو؟

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ

پھر جب ان پر جنگ فرض کی گئی ان میں سے ایک گروہ کافر لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے یا وہ

خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

اس سے بھی بڑھ کر خوفزدہ تھا۔ اور وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جنگ فرض کیوں کی؟ تو نے ہمیں کچھ مدت تک

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿77﴾ اَيْنَ

مہلت کیوں نہ دی؟ کہہ دیجیے: دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس شخص کے لیے جس نے پرہیز گاری اختیار کی اور تم پر

مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا﴿77﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، موت تمھیں پا لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو، اور اگر انھیں کوئی

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ

بھلائی ملے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔ کہہ دیجیے: یہ سب کچھ

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿78﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

اللہ کی طرف سے ہے، چنانچہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو بات سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے!﴿78﴾ (اے انسان!) تجھے جو بھی بھلائی ملے، وہ اللہ

فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ

کی طرف سے ہے، اور تجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿79﴾

اور اللہ بطور گواہ کافی ہے﴿79﴾

تفسیر آیات: 77-79

فرضیت جہاد کو پسند نہ کرنے والوں کو ملامت: مکہ میں ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو نماز اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم تھا، گو ان کے ابھی تک نصاب مقرر نہ تھے لیکن انھیں حکم تھا کہ فقیر مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کریں، مشرکوں سے عفوو درگزر سے کام لیں اور کچھ وقت تک صبر کا مظاہرہ کریں لیکن مسلمان کڑھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ انھیں جنگ کی اجازت ملے تا کہ دشمنوں سے بدلہ لے سکیں لیکن اس وقت بہت سے اسباب کی وجہ سے صورتحال جنگ کے لیے مناسب نہ تھی جن میں سے ایک سبب یہ تھا کہ ابھی تک مسلمانوں کی تعداد ان کے دشمن کی کثیر تعداد کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ مسلمان ابھی تک اپنے ہی شہر بلد حرام میں تھے جو روئے زمین کا سب سے اشرف مقام ہے، لہٰذا مسلمانوں کی طرف سے اس مقدس شہر میں جنگ کی ابتدا مناسب نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ میں اس وقت دیا گیا

جب مدینہ ان کا گھر بن گیا، انھیں جائے قرار نصیب ہوگئی اور مددگار میسر آ گئے لیکن اس کے باوجود جب مسلمانوں کو اس بات کا حکم مل گیا، جسے وہ پسند کرتے تھے، تو بعض لوگ اس سے گھبرانے اور دشمن کا مقابلہ کرنے سے شدید خوف کھانے لگے ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ﴾ ''اور کہنے لگے: اے اللہ! تو نے ہم پر جہاد (جلد) کیوں فرض کر دیا، تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی؟'' یعنی اس کی فرضیت کو کچھ عرصے کے لیے مؤخر کیوں نہ کر دیا کیونکہ جنگ میں تو خون ریزی ہوتی ہے، اس میں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔

یہ آیت اسی طرح ہے جس طرح یہ آیت ہے: ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ...﴾ (محمد 20:47) ''اور مومن لوگ کہتے ہیں کہ (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی؟ لیکن جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہوا اور اس میں جہاد کا بیان ہو تو......''

امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے کچھ دوست مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! جب ہم مشرک تھے تو عزت کے ساتھ رہ رہے تھے اور جب ایمان لے آئے ہیں تو ہم ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [إِنِّي أُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوا الْقَوْمَ] ''مجھے عفو و درگزر کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ان لوگوں سے تم جنگ نہ کرو۔'' پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مدینہ میں پہنچا کر جہاد کا حکم دیا تب کچھ لوگ جہاد سے رک گئے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ﴾[1] اسے امام حاکم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ﴾ ''کہہ دیجیے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کے لیے (نجاتِ) آخرت ہے۔'' یعنی پرہیزگار کے لیے آخرت اس کی دنیا سے بہتر ہے۔ ﴿وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝77﴾ ''اور تم پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی تمھارے اعمال کی دھاگے برابر بھی جزا کم نہیں کی جائے گی بلکہ تمھیں ان کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اس آیت میں دنیا سے بے رغبتی دلائی گئی ہے، آخرت کی ترغیب دی گئی ہے اور جہاد کے شوق کو ابھارا گیا ہے۔

موت سے مفر نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ﴾ ''(اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں رہو موت تو تمھیں آ کر رہے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔'' یعنی ایک دن تم یقینی طور پر موت سے دوچار ہو گے کہ موت سے تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ۚ﴾

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1005/3. [2] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، النسآء، باب قوله تعالى: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ ......﴾:325/6، حديث:11112 والمستدرك للحاكم، التفسير:307/2، حديث:3200.

(الرحمٰن26:55) ”جو (مخلوق) زمین پر ہے، سب کو فنا ہونا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ (آل عمران 185:3) ”ہر متنفس کو موت (کا مزا) چکھنا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ (الأنبیآء 34:21) ”اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا۔“

مقصود یہ ہے کہ موت بہر حال ہر ایک کو آ کر رہنی ہے، کوئی چیز موت سے بچا نہیں سکتی، لہٰذا جہاد کرو یا نہ کرو موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اپنے وقت مقررہ پر بہر صورت آ کر رہے گی اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جب اپنے بستر پر موت آئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے فلاں فلاں جنگوں میں شرکت کی، میرے جسم کے ایک ایک عضو پر نیزے یا تیر کا زخم ہے مگر میں اب اپنے بستر پر جان، جانِ آفرین کے سپرد کر رہا ہوں، بزدلوں کی آنکھوں کو سکون نصیب نہ ہو![1] ﴿ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾ ”خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔“ یعنی کیسے ہی مضبوط و مستحکم اور بلند و بالا قلعوں میں رہو کوئی تدبیر اور کوئی قلعہ موت سے نہیں بچا سکتا۔

منافقوں کی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدشگونی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ﴾ ”اور ان لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔“ یعنی خوش حالی اور پھلوں، فصلوں اور اولاد وغیرہ کی صورت میں رزق۔ اور یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ اور سُدّی کے اقوال کا ہے۔[2] ﴿ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ﴾ ”تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچتی ہے۔“ قحط، خشک سالی اور پھلوں اور فصلوں کی کمی کی صورت میں یا اولاد اور مویشیوں کی موت کی صورت میں جیسا کہ ابو العالیہ اور سُدّی کا قول ہے۔[3] ﴿ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ ”تو (اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے) کہتے ہیں کہ یہ (گزند) آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچی) ہے۔“

یعنی یہ آپ کی طرف سے ہے اور یہ ہمیں اس لیے پہنچتی ہے کہ ہم نے آپ کی اتباع اور آپ کے دین کی اقتدا کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ﴾ (الأعراف 131:7) ”تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔“ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ﴾ (الحج 11:22) ”اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے پر (رہ کر) کرتے ہیں۔“

ان منافقوں نے بھی اسی طرح کہا جو بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے تھے لیکن حقیقت میں وہ اسلام کو ناپسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھیں کوئی گزند پہنچتی تو کہتے کہ یہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے پہنچی ہے۔ اس لیے اس کے جواب میں

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمة خالد بن الولید رضی اللہ عنہ:197/18 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1008/3. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1008/3.

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿80﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی، تو اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا﴿80﴾ اور منافق کہتے ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

کہ (ہمارا کام تو) فرمانبرداری ہے پھر جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو رات کو ان کا ایک گروہ اس بات کے خلاف جوڑ توڑ کرتا ہے جو آپ

تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿81﴾

کہتے ہیں۔ اور اللہ لکھ لیتا ہے جو وہ رات کو سازش کرتے ہیں، چنانچہ آپ انھیں جانے دیں اور اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ کارساز کے طور پر کافی ہے﴿81﴾

اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ”کہہ دیجیے کہ (رنج وراحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔“ یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے نتیجے میں ہے جو کہ ہر نیک و بد اور مومن و کافر میں کارفرما ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے جواب کے طور پر بظاہر اپنے رسول ﷺ سے خطاب فرمایا لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب تمام بنی نوعِ انسان ہیں: ﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ ﴾ ”(اے آدم زاد!) تجھ کو جو فائدہ پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔“ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی طرف سے لطف و رحمت ہے ﴿ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ ﴾ ”اور جو نقصان پہنچے تو وہ تیری ہی (شامتِ اعمال کی) وجہ سے ہے۔“ یعنی وہ تیری ہی وجہ سے ہے اور اس کا سبب تیرا اپنا عمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (الشوریٰ 30:42) ”اور جو مصیبت تم پر آئی ہے سو تمھارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔“

امام سُدِّی، امام حسن بصری، ابن جریج اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ﴿ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ تیرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ امام قتادہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے ابن آدم! وہ تیرے گناہ کی سزا کے طور پر ہے۔[1]

﴿ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ ﴾ ”اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے“ تاکہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی شریعت پہنچا دیں اور انھیں یہ بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو پسند کرتا اور کس کو ناپسند فرماتا ہے!

﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿79﴾ ﴾ ”اور اس بات کا اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے“ کہ اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، وہ آپ کے اور لوگوں کے مابین بھی گواہ ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آپ تو ان تک دین کو پہنچا رہے ہیں مگر وہ کفر و عناد کی وجہ سے حق کو رد کرتے ہوئے آپ کو صاف جواب دے رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 81,80

رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرما رہا ہے کہ جس نے آپ کی اطاعت کی تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی

[1] تفسیر الطبری: 241/5.

نافرمانی کی، اس لیے کہ آپ خواہش نفس سے بات نہیں کرتے بلکہ آپ جو بھی فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ أَطَاعَ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي] ''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے گویا میری نافرمانی کی۔''[1] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔[2] ﴿ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ ''اور جو نافرمانی کریں تو (اے پیغمبر!) آپ کو ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

یعنی اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے کیونکہ آپ کی ذمہ داری تو دین کو پہنچا دینا ہے جو آپ کی اتباع کرے تو وہ سعادت مند اور کامیاب ہے اور آپ کو بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا اور جو آپ کی نافرمانی کرے تو وہ ناکام و نامراد ہے اور آپ سے اس کے بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهُ)] ''جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو اس نے اپنی درستی کا سامان مہیا کر لیا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔''[3]

منافقوں کی بیوقوفی کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ﴾ ''اور یہ لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ (آپ کی) فرمانبرداری (منظور) ہے۔'' اللہ تعالیٰ یہ منافقین کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ بظاہر موافقت اور اطاعت کا اقرار کرتے ہیں ﴿ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ ﴾ ''پھر جب وہ آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں'' اور آپ کے پاس سے جا کر کہیں اور چھپ جاتے ہیں ﴿ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ﴾ ''تو ان میں سے بعض لوگ رات کو آپ کی باتوں کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔'' آپ کے سامنے انھوں نے جو اظہار کیا ہوتا ہے، رات کو چھپ چھپ کر اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔

﴿ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ انھیں جانتا ہے اور ان کی ان تمام باتوں کو اس کے وہ نگران فرشتے لکھ لیتے ہیں جو تمام بندوں کے ساتھ مقرر کیے گئے ہیں اور وہ بندوں کے افعال کو جانتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1011/3. [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله تعالى: ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾، حديث: 7137 لیکن اس میں [الأمير] کے بجائے [أميري] ہے۔ و صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، حديث:1835. [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 870 عن عدي بن حاتم رضی اللہ عنہ. البتہ قوسین والے الفاظ ضعیف سند کے ساتھ، سنن أبي داود، الصلاة باب الرجل يخطب على قوس، حديث:1097 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ اور اس کی جگہ صحیح مسلم کے الفاظ: [فَقَدْ غَوٰى] ''تو یقیناً وہ شر میں منہمک ہوگیا'' ہیں۔ مزید دیکھیے تمام المنة: 336,335.

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿82﴾

کیا پھر وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے ؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے﴿82﴾ اور جب

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى

ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کے حوالے کر

اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

دیتے، تو ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے ، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم ضرور

وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿83﴾

شیطان کے پیچھے لگ جاتے﴿83﴾

سرزنش کی ہے کہ وہ ان کی آپس میں چھپ چھپ کر کی ہوئی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے اور راتوں کو چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کے جو منصوبے بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے بھی آگاہ ہے، اس لیے وہ ان کو اس کی ضرور سزا دے گا گو انھوں نے بظاہر اطاعت اور موافقت کا اقرار ہی کیوں نہ کیا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ (النور 47:24) ”اور (بعض لوگ) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے۔“

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ یعنی ان سے درگزر کریں، ان پر شفقت کریں، ان کا مؤاخذہ نہ کریں، لوگوں کے سامنے ان کے راز فاش نہ کریں اور ان سے ڈریں بھی نہیں۔ ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿81﴾ ﴾ ”اور اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔“ وہ اس کے لیے کافی، حامی و ناصر اور مددگار ہے جو اس پر بھروسا کرے اور اس کی طرف رجوع کرے۔

تفسیر آیات: 83,82

قرآن مجید حق ہے: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں تدبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور اس سے اور اس کے محکم معانی اور بلیغ الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس کتاب میں کوئی اختلاف واضطراب اور اس میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ حکیم وحمید ذات گرامی کی طرف سے نازل ہوا ہے، یعنی قرآن حق ہے اور ذات حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ (محمد 24:47) ”بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟“

پھر فرمایا: ﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ ﴾ ”اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا۔“ یعنی اگر یہ من گھڑت اور اپنی طرف سے بنایا ہوتا جیسا کہ جاہل مشرک و منافق اپنے دل میں یہ خیال کرتے ہیں ﴿ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿82﴾ ﴾ یعنی اس میں بہت سا اضطراب اور تضاد پاتے، حالانکہ یہ اس سے پاک ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل ہوا ہے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ﴿ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾ (آل عمران 7:3) ''ہم ان (آیات) پر ایمان لائے ہیں، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔'' یعنی محکم اور متشابہ تمام آیات حق ہیں، انھوں نے متشابہات کو بھی محکمات کی طرف لوٹا دیا جس کی وجہ سے وہ راہِ ہدایت پا گئے اور جن کے دلوں میں کجی ہے انھوں نے محکم کو متشابہ کی طرف لوٹایا جس کی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے راسخین علم (علم میں دستگاہ کامل رکھنے والوں) کی تعریف فرمائی اور کج روی اختیار کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عمرو بن شعیب، عن ابیہ، عن جدہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں اور میرا بھائی ایک مجلس میں بیٹھے اور وہ مجلس اتنی گراں مایہ تھی کہ سرخ اونٹوں کی دولت بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے، میں اور میرا بھائی جس وقت آئے تو اس وقت کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جمع تھے، ہم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کے درمیان گھس کر بیٹھیں، لہٰذا ہم ان سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے، انھوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں گفتگو شروع کی حتی کہ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے تو ناراضی کے باعث چہرۂ اقدس گلنار ہو گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاموش کراتے ہوئے فرمایا: [مَهْلًا يَّا قَوْمِ! بِهٰذَا أُهْلِكَتِ الْأُمَمُ مِنْ قَبْلِكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، وَضَرْبِهِمُ الْكُتُبَ بَعْضَهَا بِبَعْضٍ، إِنَّ الْقُرْآنَ لَمْ يَنْزِلْ يُكَذِّبُ بَعْضُهُ بَعْضًا، بَلْ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا، فَمَا عَرَفْتُمْ مِّنْهُ فَاعْمَلُوا بِهِ، وَمَا جَهِلْتُمْ مِّنْهُ فَرُدُّوهُ إِلٰى عَالِمِهِ] ''لوگو! ٹھہر جاؤ، سابقہ امتیں اس وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں کہ انھوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا اور اپنی کتابوں کے بعض حصوں کو بعض کا متعارض سمجھا۔ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اس کے بعض حصے بعض کی تکذیب کریں بلکہ قرآن کے بعض حصے تو بعض کی تصدیق کرتے ہیں تمھیں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو، اس کے مطابق عمل کرو اور جو معلوم نہ کر سکو، اسے جاننے والے کی طرف لوٹا دو۔''[1]

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی کی ایک روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں نے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کیا حتی کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، تب آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا هَلَكَتِ الْأُمَمُ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ] ''تم سے پہلی امتیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں۔''[2] اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

تحقیق کے بغیر خبر پھیلانے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ﴾ ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں۔'' یہ ان لوگوں کی تردید ہے جو تحقیق کے بغیر

(1) مسند أحمد: 181/2. (2) مسند أحمد: 192/2. (3) صحيح مسلم، العلم، باب النهى عن اتباع متشابه القرآن والتحذير......، حديث: 2666 والسنن الكبرى للنسائى، فضائل القرآن، باب: 62 ذكر الاختلاف: 33/5، حديث: 8095.

خبروں کو پھیلا دینے اور مشہور کر دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات وہ خبریں صحیح نہیں ہوتیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ] ''آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کر دے۔''①

امام ابوداود نے بھی اپنی سنن کی کتاب الأدب میں اسے بیان کیا ہے۔② صحیحین میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر کی باتوں سے منع فرمایا۔③ قیل وقال کرنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو تحقیق و تصدیق اور غور و فکر کے بغیر لوگوں سے سنی ہوئی باتوں کو اکثر بیان کرتا رہتا ہے۔ صحیح حدیث میں یہ بھی ہے: [مَنْ حَدَّثَ بِحَدِيثٍ وَّ هُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ] ''جو شخص کوئی ایسی بات بیان کرتا ہے جسے وہ جھوٹی سمجھتا ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔''④

یہاں ہم اس حدیث کا حوالہ بھی دیں گے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی اور متفق علیہ ہے کہ جب انھیں یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو وہ اپنے گھر سے مسجد میں آ گئے اور دیکھا کہ مسجد میں بھی لوگ یہی بات کر رہے ہیں ان سے برداشت نہ ہو سکا حتی کہ انھوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فرمان سن کر میں نے کہا: اللہ اکبر، پھر انھوں نے باقی ساری حدیث بیان کی۔⑤

صحیح مسلم میں ہے کہ میں نے عرض کی: کیا آپ نے انھیں طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تب میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهٗ مِنْهُمْ ۗ﴾ ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اس کو پیغمبر اور اپنے میں سے کسی ذمے دار حاکم کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس امر کی تحقیق کر لی تھی۔⑥

① صحيح مسلم، المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، حديث: 5 . ② سنن أبي داود، الأدب، باب التشديد في الكذب، حديث: 4992 لیکن اس میں [كَذِبًا] کے بجائے [إِثْمًا] ہے۔ ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب مايكره من قيل وقال، حديث: 6473 وصحيح مسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل......، حديث: 1715.
④ صحيح مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكذّابين وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب من حدّث عن رسول الله ﷺ......، حديث: 39 ومسند أحمد: 252/4 و255 واللفظ له عن المغيرة رضي الله عنه. و20/5 عن سمرة رضي الله عنه. ⑤ ملخص از صحيح البخاري، النكاح، باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها ، حديث: 5191 . ⑥ ملخص از صحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء واعتزال النسآء......، حديث: 1479.

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ

چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ کو اپنی ذات کے سوا کسی کا ذمے دار نہیں بنایا گیا۔ اور آپ مومنوں کو (لڑائی پر) آمادہ کریں۔

بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿84﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ

امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کو لڑائی سے روک دے جنھوں نے کفر کیا، اور اللہ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بہت سخت ہے ﴿84﴾

لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ

جو کوئی اچھی سفارش کرے گا، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا، اور جو کوئی بری سفارش کرے گا، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا، اور اللہ ہر

شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿85﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ

چیز پر نگہبان ہے ﴿85﴾ اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا وہی الفاظ لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا خوب حساب لینے

شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿86﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ

والا ہے ﴿86﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اور بات کہنے

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿87﴾ ع 11/11 8

میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے؟ ﴿87﴾

﴿يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ اس کا استخراج کرتے ہیں، یعنی اسے اس کی کانوں میں سے نکالتے ہیں۔ عربی میں کہا جاتا ہے کہ اِسْتَنْبَطَ الرَّجُلُ الْعُيُونَ "آدمی نے کنواں کھودا۔" اور یہ محاورہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے کہ جب کوئی کنواں کھودے اور اسے زمین کی گہرائیوں میں سے نکالے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿83﴾﴾ "تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔" کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومنوں کے سوا باقی سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔[1]

تفسیر آیات:84-87

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ خود جہاد کریں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ آپ خود بنفس نفیس جہاد کریں اور اگر کوئی اس سے اعراض کرتا ہے تو اس کی آپ پر ذمے داری نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ﴾ "آپ اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمے دار نہیں ہیں۔" امام ابن ابوحاتم نے ابواسحاق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ایک آدمی اگر دشمن کے سو آدمیوں کا مقابلہ کرتا ہے تو کیا وہ اس آیت کا مصداق ہے: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ﴾ (البقرۃ 195:2) "اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔" تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ "تو (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ اپنی ذات کے سوا کسی

[1] تفسیر الطبری: 251/5.

کے ذمے دار نہیں ہیں اور مومنوں کو بھی ترغیب دیجیے۔‘‘①

امام احمد نے سلیمان بن داود سے، انھوں نے ابوبکر بن عیاش سے اور انھوں نے ابواسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو شخص مشرکوں پر حملہ کرتا ہے تو کیا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث کیا اور آپ سے فرمایا: ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ﴾ اور آپ جس آیت کا حوالہ دے رہے ہیں تو اس کا تعلق اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور نہ کرنے سے ہے۔②

مومنوں کو جہاد کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ ’’اور مومنوں کو بھی ترغیب دیجیے۔‘‘ یعنی انھیں جہاد کی ترغیب بھی دیں اور ان کا حوصلہ بھی بڑھائیں جیسا کہ آپ نے جنگ بدر کے دن ان کی صفیں درست کرتے ہوئے ان سے فرمایا تھا: [قُومُوا إِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ] ’’ایسی جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔‘‘③

جہاد کی ترغیب کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ ہیں، مثلاً: امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، (وَآتَى الزَّكَاةَ) وَصَامَ رَمَضَانَ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلَا (نُبَشِّرُ) النَّاسَ بِذٰلِكَ؟ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ، كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَابَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ]

’’جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور زکاۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اس زمین میں بیٹھ رہے جس میں وہ پیدا ہوا تھا۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے، جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔‘‘④

① تفسير ابن أبي حاتم:1017/3 . ② مسند أحمد:281/4. ③ صحيح مسلم، الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، حديث:1901 عن أنس رضی اللہ عنہ. ④ صحيح البخاري، التوحيد، باب: ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (هود 11:7)، حديث: 7423، البتہ [وآتى الزكاة] سنن النسائي، حديث:3134 اور [نبشر] صحيح البخاري، حديث:2790 میں ہے۔

حضرت عبادہ، حضرت معاذ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم سے بھی تقریباً اسی طرح مروی ہے۔[1] اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَبَا سَعِيدٍ! مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَّبِيًّا، وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ، فَقَالَ: أَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! فَفَعَلَ، ثُمَّ قَالَ: وَأُخْرٰى يُرْفَعُ بِهَا الْعَبْدُ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، قَالَ: وَمَا هِيَ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''اے ابوسعید! جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو جائے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس بات سے تعجب کیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس بات کو دوبارہ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے یہی بات دوبارہ فرمائی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اور چیز ہے جس کی بنا پر بندۂ مومن کو جنت میں سو درجوں تک رفعتوں سے ہمکنار کیا جاتا ہے جن میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہوتا ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابوسعید نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی کو بند کر دے۔'' یعنی جب آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں گے، تب دشمنوں کے مقابلے کے لیے اور اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے ان کی ہمت، جرأت اور صبر و استقلال میں اضافہ ہو جائے گا۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴾ (84) ''اور اللہ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بہت سخت ہے۔'' وہ دنیا و آخرت میں انھیں سزا دینے پر قادر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۠ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ﴾ (محمد 4:47) ''یہ (حکم یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کر لے۔''

اچھی اور بری سفارش: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ﴾ ''جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا۔'' یعنی کسی ایسے معاملے کے لیے کوشش کرے جس کے نتیجے میں خیر و بھلائی مرتب ہو تو اسے بھی اس کے ثواب میں سے حصہ ملے گا۔ ﴿ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ﴾ ''اور جو بری بات کی سفارش کرے، اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا۔'' یعنی اسے اس گناہ میں سے حصہ

[1] جامع الترمذی، صفة الجنة، باب ماجاء فی صفة درجات الجنة، حدیث:2530 عن معاذ بن جبل و2531 ومسند أحمد:321/5 عن عبادة و241,240/5 عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ان سے مروی روایت میں [حَجَّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ] ہے اور [ولا أدری أذکر الزکاة أم لا] کے الفاظ بھی ہیں۔ وسنن النسائی، الجهاد، باب درجة المجاهد فی سبيل الله عزوجل، حدیث: 3134 عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ. وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة، حدیث: 4331 عن معاذ رضی اللہ عنہ.
[2] صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان ما أعدّه الله تعالٰی للمجاهد فی الجنة......، حدیث:1884 وسنن النسائی، الجهاد، باب درجة المجاهد فی سبيل الله عزّوجل، حدیث:3133.

ملے گا جو اس کی کوشش ونیت کی وجہ سے مرتب ہوا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [اِشْفَعُوا تُؤْجَرُوا، وَ يَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ مَا شَاءَ] ''سفارش کرو تمھیں اجر وثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے فیصلہ کرا دیتا ہے۔''[1]

مجاہد بن جبر فرماتے ہیں کہ یہ آیت لوگوں کی آپس میں ایک دوسرے کے لیے سفارشوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2]

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، عطیہ، قتادہ اور مَطَر وَرّاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مُقِيتٌ کے معنی نگہبان کے ہیں۔[3] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی گواہ کے ہیں۔[4] اور انھی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی محاسب کے ہیں۔[5]

سلام کا بہتر انداز میں جواب دینے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾ ''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا وہی الفاظ لوٹا دو۔'' یعنی جب کوئی مسلمان تمھیں سلام کہے تو اسے اس سے بہتر کلمے سے جواب دو یا انھی الفاظ میں جواب دے دو جن میں اس نے سلام کیا ہو، یاد رہے! بہتر الفاظ میں جواب دینا مستحب ہے، جبکہ انھی الفاظ میں جواب دینا فرض ہے۔

امام احمد نے ابو رجاء عُطارِدی اور انھوں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا) اور اس نے کہا: [اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَرَدَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: عَشْرٌ، ثُمَّ جَآءَ آخَرُ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: عِشْرُونَ، ثُمَّ جَآءَ آخَرُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: ثَلَاثُونَ] ''السلام علیکم! آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے دس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا، اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔''[6] امام ابوداود نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[7] نیز اس حدیث کو امام ترمذی، نسائی اور بزار نے بھی بیان کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[8] اور کہا ہے کہ اس باب میں ابوسعید، حضرت علی، اور سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها، حديث:1432 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب الشفاعة فيما ليس بحرام، حديث:2627 عن أبي موسى رضي الله عنه. [2] تفسير الطبري:254/5. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1019/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:1020/3. [5] تفسير ابن أبي حاتم:1020/3. [6] مسند أحمد: 439/4. [7] سنن أبي داود، الأدب، باب كيف السلام؟ حديث:5195. [8] جامع الترمذي، الاستئذان......، باب ماذكر في فضل السلام، حديث:2689 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب ثواب السلام:91/6، حديث:10169 ومسند البزار:62/9، حديث:3588.

مروی ہیں۔ ①

اگر مسلمان شریعت میں مقرر کردہ آخری حد کے مطابق سلام کہے تو اسے اسی طرح سلام کا جواب دیا جائے گا جیسا اس نے کہا ہوگا۔ یاد رہے! ذمیوں کے ساتھ سلام کی پہل نہ کی جائے اور نہ ان کے سلام کے جواب میں اضافہ کیا جائے بلکہ انھیں اس طرح جواب دیا جائے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُودُ فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمْ : السَّامُ عَلَيْكَ، فَقُلْ : وَعَلَيْكَ] ''جب یہودیوں میں سے کوئی تمھیں سلام کہتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ تجھی پر موت وارد ہو، چنانچہ تم جواب میں یہ کہہ دو کہ تجھی پر (موت وارد ہو۔)'' ②

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَبْدَؤُا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلٰى أَضْيَقِهِ] ''یہودیوں اور عیسائیوں کو پہلے سلام نہ کہو اور جب رستے میں ان میں سے کسی کو ملو تو تنگ رستے کی طرف اس کو مجبور کر دو۔'' ③

امام ابوداود نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا، أَفَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى أَمْرٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمھیں ایک ایسا کام نہ بتاؤں کہ جب اسے کرنے لگو تو آپس میں محبت بھی کرنے لگ جاؤ گے؟ (اور وہ عمل یہ ہے کہ) آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کہا کرو۔'' ④

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ تمام مخلوقات کے لیے صرف وہ واحد و یکتا ہی معبود ہے۔ اور یہ ارشاد باری تعالیٰ قسم پر مشتمل ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ''وہ قیامت کے دن تم سب کو ضرور جمع کرے گا اس میں کوئی شک نہیں۔'' اور ﴿ لَيَجْمَعَنَّكُمْ ﴾ کا یہ لام جواب قسم ہے۔ اور ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ خبر اور ''قسم'' ہے کہ وہ پہلے اور پچھلے تمام لوگوں کو عنقریب ایک میدان میں جمع کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿87﴾ ﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟'' اپنی بات، اپنی خبر اور اپنے وعدو وعید

① مسند البزار: 53/3، حديث: 808 عن علي رضی اللہ عنہ ضعیف سند سے۔ وشعب الإيمان للبيهقي، باب في مقاربة أهل الدين......، فصل في كيفية السلام ......:454/6، حديث:8875 عن سهل بن حُنَيف رضی اللہ عنہ . ② صحيح البخاري، الاستئذان، باب كيف الردّ على أهل الذمة؟ حديث: 6257 وصحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حديث:2164 . ③ صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام ...... ، حديث:2167. ④ سنن أبي داود، الأدب، باب إفشاء السّلام، حديث:5193 .

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا

پھر تمھیں کیا ہوا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان کے اعمال کی وجہ سے انھیں الٹا کر دیا ہے۔ کیا تم

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿88﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو ہدایت دو جنھیں اللہ نے گمراہ کیا ہو؟ اور جسے اللہ گمراہ کرے، پھر اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے ﴿88﴾ وہ چاہتے

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح کہ انھوں نے کفر کیا، پھر تم ان کے برابر ہو جاؤ، چنانچہ تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿89﴾

ہجرت کریں، پھر اگر وہ (دین سے) منہ موڑیں تو انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ ﴿89﴾ مگر وہ لوگ (اس حکم سے

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

مستثنیٰ ہیں) جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے یا (وہ منافق بھی مستثنیٰ ہیں) جو تمھارے پاس اس حالت میں آئیں کہ وہ لڑائی

اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

سے بیزار ہوں نہ تم سے لڑنا چاہتے ہوں اور نہ اپنی قوم سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے یقیناً لڑتے، لہٰذا اگر وہ تم سے کنارہ

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ

کشی اختیار کر لیں اور تمھارے ساتھ لڑنے سے باز رہیں، اور تمھاری طرف صلح اور امن کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمھارے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی کہ

سَبِيْلًا ﴿90﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا

تم ان سے لڑائی کرو ﴿90﴾ تمھیں ایک اور قسم کے منافق ملیں گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی مگر جب کبھی وہ فتنے کا

اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ

موقع پاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگ اگر تم سے مقابلہ کرنے سے باز نہ آئیں اور تمھیں صلح اور امن کی پیشکش نہ کریں اور لڑائی سے

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿91﴾ ع 12 4 9

اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم انھیں جہاں کہیں پاؤ، پکڑ کر قتل کر دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر (ہاتھ اٹھانے کے لیے) ہم نے تمھیں کھلی اجازت دے دی ہے ﴿91﴾

میں اس سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہو سکتا۔ فَلَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَلَا رَبَّ سِوَاهُ.

تفسیر آیات: 88-91

اُحد سے واپس آ جانے والے منافقوں کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف: منافقوں کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے مومنوں نے جو دو قول اختیار کر لیے تھے اللہ تعالیٰ نے اس روش کی تردید فرمائی۔ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں اختلاف ہے، امام احمد نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ احد کے لیے نکلے تھے، اس وقت آپ کے ساتھ نکلنے والوں میں سے کچھ لوگ واپس آ گئے تھے، تو ان کے بارے میں

صحابۂ کرام دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں انھیں قتل کر دینا چاہیے جبکہ دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ نہیں انھیں قتل نہیں کرنا چاہیے، لہٰذا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ ''تو کیا سبب ہے کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو رہے ہو؟'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهَا طَيْبَةُ وَإِنَّهَا تَنْفِي الْخَبَثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ] ''یہ شہر طیبہ ہے، یہ میل کچیل کو اسی طرح دور کر دیتا ہے جس طرح آگ چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔''① اسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے۔②

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مکہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ مشرکوں کو غالب کرنا چاہتے تھے، وہ اپنی کسی ضرورت سے مکہ سے نکلے تو اس وقت کہنے لگے کہ اگر اصحاب محمد ﷺ سے ہماری ملاقات ہو گئی تو کوئی حرج نہیں ہے۔مومنوں کو جب ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک جماعت یہ کہنے لگی کہ ان نامرادوں کے پیچھے جاؤ اور انھیں قتل کر دو، یہ تمھارے دشمن کو تم پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔مومنوں کی ایک دوسری جماعت نے کہا کہ سبحان اللہ! کیا تم ایسے لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو جو تمھاری ہی طرح مسلمان ہیں؟ محض اس وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہو کہ انھوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھروں کو نہیں چھوڑا اور اس وجہ سے تم ان کے خونوں اور مالوں کو حلال سمجھنے لگے ہو؟

اس طرح مسلمان دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے مابین موجود تھے اور آپ ﷺ نے (ابھی تک) ان میں سے کسی کو کسی بات سے روکا بھی نہ تھا، تب اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ ''تو کیا سبب ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟''③ اسے امام ابن ابو حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔④

﴿وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا﴾ ''حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب اوندھا کر دیا ہے۔'' یعنی انھیں غلطی میں مبتلا کر دیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿اَرْكَسَهُمْ﴾ کے معنی أَوْقَعَهُمْ کہ انھیں مبتلا کر دیا ہے، الجھا دیا ہے۔⑤ ﴿بِمَا كَسَبُوْا﴾ ''ان کے اعمال کی وجہ سے۔'' یعنی اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت کی

① مسند أحمد:184/5 تفسیر ابن کثیر میں:[كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ] کے الفاظ ہیں جبکہ ان کا سیاق یہ نہیں بلکہ وہ ہجرت مدینہ کے ضمن میں منقول ہیں۔ واللہ أعلم. دیکھیے صحیح البخاری، فضائل المدینة، باب فضل المدینة، حدیث:1871 وصحیح مسلم، الحج، باب المدینة، تنفی خبثها، حدیث:1382 عن أبی هریرة ﷺ. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ (النسآء 4:88)، حدیث: 4589 وصحیح مسلم، کتاب وباب صفات المنافقین......، حدیث:2776 مختصرًا . اور اس حدیث کا یہ حصہ:[إنها طيبة......] صحیح مسلم، الحج، باب المدینة تنفی خبثها......، حدیث:1384 میں ہے، نیز جامع الترمذی کے الفاظ یہ ہیں:[إنها طيبة] وقال [إنها تنفی الخبث كما تنفی النار خبث الحدید]، التفسیر، باب ومن سورة النسآء، حدیث:3028 . ③ تفسیر الطبری:263/5. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:1023/3. ⑤ تفسیر الطبری:266/5 .

اور باطل کی اتباع کی۔ ﴿ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿88﴾ ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو ہدایت دو جنھیں اللہ نے گمراہ کر دیا ہو؟ اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے، پھر آپ اس کے لیے کبھی بھی رستہ نہیں پائیں گے۔'' مطلب یہ ہے کہ اسے ہدایت کا رستہ نہیں مل سکتا اور وہ کبھی بھی ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ﴾ ''وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔'' یعنی وہ تمھارے لیے بھی گمراہی کو پسند کرتے ہیں تاکہ تم اور وہ سب بھی گمراہی میں برابر ہو جاؤ اور یہ اس لیے کہ وہ تم سے شدید عداوت اور بغض رکھتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''پس جب تک وہ اللہ کی راہ میں وطن نہ چھوڑ جائیں، لہٰذا تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا۔'' ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ کے معنی عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بیان کیے ہیں کہ اگر وہ ہجرت کو ترک کر دیں۔ اور امام سُدّی نے یہ بیان کیے ہیں کہ اگر وہ کفر کا اظہار کریں۔[1]

لڑائی سے مستثنیٰ کیے جانے والے: پھر اللہ تعالیٰ نے لڑائی سے مستثنیٰ کیے جانے والوں کا ذکر فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴾ ''مگر جو لوگ ایسے لوگوں سے جا ملے ہوں جن کا تم سے (صلح کا) عہد ہو۔'' یعنی جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جن کا تم سے صلح یا ذمہ کا عہد ہو تو ان سے معاملہ بھی انھی کی طرح کرو۔ یہ سُدّی، ابن زید اور ابن جریر کا قول ہے۔[2]

صحیح بخاری میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ جس نے چاہا وہ قریش کے ساتھ صلح وعہد میں داخل ہو گیا اور جس نے چاہا وہ محمد ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صلح اور عہد میں داخل ہو گیا۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا تھا: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ (التوبۃ 5:9) ''پھر جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔''[4]

﴿ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ ﴾ ''یا (ایسے لوگ ہوں کہ) لڑائی سے دلبرداشتہ ہو کر تمھارے پاس چلے آئیں۔'' یہ کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے خلاف جنگ کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میدان جنگ میں آتے ہیں تو ان کے دل تنگ ہوتے ہیں، وہ تم سے لڑنے کو ناپسند کرتے ہیں اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ تمھارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑیں، یعنی وہ نہ تمھارے ساتھ ہیں اور نہ تمھارے مخالف ہیں۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر غالب کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے۔'' لیکن اپنے لطف وکرم سے اس نے انھیں تم سے دور رکھا ﴿ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ ﴾

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1026/3. [2] تفسیر الطبري: 268/5. [3] ماخوذ از صحیح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة ......، حدیث: 2731 ومسند أحمد: 325/4 واللفظ له عن المِسْوَر بن مَخْرَمَة ﷺ. ومروان بن الحکم مرسلًا. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 1027/3.

''پھر اگر وہ تم سے (جنگ کرنے سے) کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں اور تمھاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں۔''یعنی پھر صلح کر لینی چاہیں ﴿ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝﴾ ''تو اللہ نے تمھارے لیے کوئی راہ نہیں رکھی کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔''یعنی جب تک ان کا حال اس طرح ہے تو تمھیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں ہے، یہ بنی ہاشم کے ان لوگوں کی طرح ہیں جو بدر کے دن مشرکوں کے ساتھ نکلے تھے اور وہ جنگ میں شریک تو ہوئے لیکن وہ اسے ناپسند کرتے تھے، مثلاً: حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ، اسی لیے اس دن نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قتل سے منع فرمایا تھا اور قید کرنے کا حکم دیا تھا۔[1]

﴿ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ﴾ ''عنقریب کچھ اور لوگ ایسے بھی پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔'' یہ لوگ ظاہری صورت میں تو ان لوگوں ہی کی طرح ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا لیکن یہ نیت کے اعتبار سے ان سے مختلف ہیں کیونکہ یہ منافق ہیں، نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تو اسلام کا اظہار کرتے تاکہ اپنے خونوں، مالوں اور اولادوں کو بچا سکیں مگر خفیہ طور پر یہ کفار سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر وہی عبادت کرتے ہیں جو وہ عبادت کرتے ہیں تاکہ ان کے پاس مامون ہو جائیں اور خفیہ طور پر بھی یہ انھی کے ساتھ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ﴾ (البقرة 14:2) ''اور وہ جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔'' اور یہاں یہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ﴾ ''(لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کو بلائے جائیں تو اس میں اوندھے منہ گر پڑیں۔'' یعنی منہمک ہو جائیں۔ سُدّی کہتے ہیں کہ یہاں فتنے سے مراد شرک ہے۔[2]

ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مکہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ جب نبی اکرم ﷺ کے پاس آتے تو ریاکاری کی وجہ سے آپ کو سلام کہتے اور جب قریش کے پاس واپس جاتے تو اپنے بتوں کے سامنے اوندھے منہ گر جاتے اور اس طرز عمل سے وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے آپ کو دونوں کے ہاں محفوظ کر لیں تو اس وجہ سے ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا، بشرطیکہ وہ کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور صلح نہ کر لیں۔[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ﴾ ''پھر اگر تم سے (لڑنے سے) کنارہ کشی نہ کریں اور نہ تمھاری طرف (پیغام) صلح بھیجیں۔''یعنی صلح کا معاہدہ نہ کر لیں ﴿ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ ﴾ ''اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں۔'' یعنی جنگ سے ﴿ فَخُذُوْهُمْ ﴾ ''تو ان کو پکڑ لو۔'' یعنی قیدی بنالو۔ ﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ﴾ ''اور جہاں ان کو پاؤ قتل کر دو۔'' ﴿ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝﴾ ''اور ان لوگوں کے مقابلے میں ہم نے تمھارے لیے حجت صریح مقرر کر دی ہے۔''یعنی روشن اور واضح دلیل۔

---

[1] المستدرك للحاكم:223/3 ، حديث:4988 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. والطبقات الكبرىٰ لابن سعد:11,10/4 اور دیکھیے صحیح البخاري، العتق، باب إذا أسر أخو الرجل......، حديث:2537 عن أنس رضی اللہ عنہ. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1029/3.

[3] تفسير الطبري:273/5 .

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ

اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے (ہو جائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا لازم ہے۔ ہاں، اگر وہ لوگ معاف کر دیں (تو اور بات ہے)۔ پھر اگر وہ مقتول

عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ

درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہو گا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دو

يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿92﴾ وَمَنْ

ماہ لگا تار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿92﴾ اور جو شخص کسی

يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ

مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بہت

وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾

بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿93﴾

تفسیر آیات: 93,92

مومن کے قتل خطا کے بارے میں حکم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کو کسی طرح بھی قتل کرے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ يَّشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، (وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ)] ''کسی ایسے مسلمان آدمی کا جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، تین میں سے کسی ایک صورت کے سوا خون حلال نہیں ہے: (1) جان کے بدلے جان (2) شادی شدہ بدکار اور (3) اپنے دین اسلام سے ارتداد کر کے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔''[1]

پھر جب ان تین میں سے کوئی ایک صورت وقوع پذیر ہو تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ یہ امام یا اس کے نائب کا اختیار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ﴿اِلَّا خَطَـًٔا﴾ ''مگر غلطی سے۔'' یہ استثنا منقطع ہے۔[2]

① صحیح البخاری، الدیات، باب قول اللہ تعالی: ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾، حدیث:6878 وصحیح مسلم، القسامۃ والمحاربین، باب ما یباح بہ دم المسلم، حدیث:1676 آخری جملہ صحیح مسلم کے مطابق ہے۔ ② اور اس صورت میں اِلَّا بمعنی لٰكِنَّ ہوگا اور مفہوم یہ ہوگا کہ کسی مومن کو کسی بھی صورت لائق نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے لیکن اگر اس کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس (قاتل) پر یہ حد ہے۔ تفسیر القرطبی :312/5 .

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔امام مجاہد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عَیَّاش بن ابوربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ابوجہل کا اپنی ماں اسماء بنت سلمہ بن مُخَرِّبَہ کی طرف سے بھائی تھا۔اس نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا تھا جو ابوجہل کے ساتھ مل کر انھیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تکلیفیں دیا کرتا تھا اور وہ حارث بن یزید عامری تھا، عیاش نے اس کے لیے اپنے دل میں برے ارادے کو چھپائے رکھا مگر وہ مسلمان ہوگیا اور اس نے ہجرت بھی کرلی لیکن عیاش کو یہ معلوم نہ ہوسکا۔اور اس نے فتح مکہ کے دن جب اسے دیکھا تو سمجھا کہ شاید وہ ابھی تک اپنے دین پر ہے،اس لیے اس نے حملہ کرکے اسے قتل کردیا،تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمادیا۔①

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا تھا جس نے اس وقت کلمہ پڑھ لیا تھا جب انھوں نے اس پر تلوار کو اٹھایا،انھوں نے اس واقعے کا ذکر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا تو کہا کہ اس نے محض اپنی جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:[أَ لَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ؟] ''کیا تم نے اس کے دل کو چیر (کر دیکھ) لیا تھا؟''② لیکن (صحیح بخاری و مسلم کی) حدیث میں یہ قصہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ کسی اور صحابی سے منسوب ہے۔③

اور فرمانِ الٰہی ہے:﴿ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ ﴾ ''اور جو غلطی سے بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کردے اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔'' قتلِ خطا میں یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔ایک تو اس عظیم گناہ کا کفارہ ہے،خواہ بغیر ارادے کے غلطی ہی سے سرزد ہوا ہو اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک مومن (غلام) کی گردن کو آزاد کیا جائے،کافر کی گردن کو آزاد کرکے بھی عہدہ برآ نہ ہوسکے گا۔

امام احمد نے ایک انصاری صحابی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ وہ ایک سیاہ رنگ کی لونڈی کو لے کر آیا اور عرض کرنے لگا:اے اللہ کے رسول!مجھ پر ایک مومن گردن کی آزادی واجب ہے،اگر آپ اس لونڈی کو مومن سمجھتے ہیں تو میں اسے آزاد کردیتا ہوں،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:[أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟ قَالَتْ : نَعَمْ، قَالَ: أَتَشْهَدِينَ أَ نِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟ قَالَتْ : نَعَمْ، قَالَ: أَتُؤْمِنِينَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ : أَعْتِقْهَا] ''کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟اس نے کہا:ہاں،آپ نے فرمایا:کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے عرض کی:جی ہاں،تو آپ نے فرمایا:کیا تو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھتی ہے؟اس نے عرض کی:جی ہاں، آپ نے فرمایا:اسے آزاد کردو۔''④ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اگر صحابی کا نام مذکور نہیں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

① ملخص از تفسیر الطبری:276/5 وتفسیر ابن أبی حاتم:1031/3. ② ملخص از تفسیر الطبری:278/5 لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ③ یعنی حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔دیکھیے صحیح البخاری، المغازی، باب بعث النبی ﷺ أسامة بن زید......، حدیث:4269 وصحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم قتل الکافر......، حدیث: 96 . ④ مسند أحمد:452,451/3 اور اس باب میں معاویہ بن حکم سے بھی روایت ہے، صحیح مسلم، المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، حدیث:537.

﴿وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ﴾ ''اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔'' یہ دوسرا واجب ہے جو قاتل کو مقتول کے وارثوں کو ان کے عزیز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور واجب ہے کہ قتل خطا کی دیت میں پانچ قسم کے اونٹ ادا کیے جائیں۔① جیسا کہ امام احمد اور اہل سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل خطا کی دیت میں فیصلہ فرمایا کہ بیس بنت مخاض (ایسی اونٹنیاں جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو گئی ہوں) بیس ابن مَخَاض (ایسے اونٹ جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو گئے ہوں) بیس بنتِ لبون (ایسی اونٹنیاں جو عمر کے تیسرے سال میں داخل ہو گئی ہوں) بیس، جَذَعَہ (ایسے اونٹ جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو گئے ہوں) اور بیس حِقّہ (ایسے اونٹ جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو گئے ہوں) ادا کیے جائیں یہ سنن نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں۔②

یہ دیت قاتل کے اپنے مال میں سے نہیں بلکہ اس کے عاقلہ (قاتل کے اولاد کے علاوہ پدری رشتے دار جن پر دیت واجب ہوتی ہے) پر واجب ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خاندان ہُذَیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں تو ایک نے دوسری کو پتھر مار کر اسے اور اس کے پیٹ کے بچے کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ جھگڑا پیش ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ جنین کی دیت غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہے اور عورت کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔③

اس کا تقاضا ہے کہ عَمدِ خطا کا حکم وجوب دیت میں محض قتل ہی کی طرح ہے لیکن اس میں دیت عمد کی طرح تین قسم کے اونٹوں کی صورت میں واجب ہے کیونکہ اس میں عمد کا شبہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو جَذِیمہ کی طرف بھیجا، انھوں نے انھیں اسلام کی دعوت دی مگر وہ اچھی طرح سے أَسْلَمْنَا نہ کہہ سکے اور انھوں نے صَبَأْنَا صَبَأْنَا ''ہم بے دین ہو گئے ہم بے دین ہو گئے'' کہنا شروع کر دیا، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کرنا شروع کر دیا اور...... جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی، تب آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ] ''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے، میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔''④ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انھوں نے ان کے مقتولوں کی دیت اور تلف شدہ اموال حتی کہ ان کے کتوں کے پانی پینے کے

---

① مسند أحمد:384/1 عن ابن مسعود رضي الله عنه. ② مسند أحمد:450/1 و سنن النسائي، القسامة، باب ذكر أسنان دية الخطأ، حديث:4806 و سنن أبي داود، الديات، باب الدية كم هي؟ حديث:4545 و جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الدية كم هي......؟ حديث:1386 و سنن ابن ماجه، الديات، باب دية الخطأ، حديث:2631 مذکورہ روایت ضعیف ہے، البتہ شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ دیکھیے مسند أحمد: 78/21 و سنن أبي داود، حديث:4541-4554 و سنن النسائي، حديث:4805 . ③ صحيح البخاري، الديات، باب جنين المرأة، وأن العقل على الوالد وعصبة الوالد لا على الولد، حديث:6909 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب دية الجنين ووجوب الدية في قتل الخطاء ...... ، حديث:(35)-1681 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ④ صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الوليد إلى بني جذيمة، حديث:4339 .

برتنوں تک کا معاوضہ ادا کر دیا۔ [1]

اس حدیث سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ امام یا اس کے نائب کی غلطی کی دیت یا کفارہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔

﴿ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا ﴾ ''ہاں، اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے۔)'' یعنی اس میں دیت واجب ہے جو مقتول کے وارثوں کو ادا کی جائے گی۔ ہاں، اگر وہ معاف کر دیں تو پھر دیت واجب نہیں ہے۔ ﴿ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ ''پھر اگر مقتول تمھارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔'' یعنی اگر مقتول مومن ہو مگر اس کے وارث حربی کافر ہوں تو ان کے لیے دیت نہیں ہے لیکن قاتل کو ایک مسلمان غلام ضرور آزاد کرنا ہوگا نہ کہ کوئی غیر مسلم۔ ﴿ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ﴾ ''اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن کا تم سے (صلح کا) عہد ہو۔'' یعنی اگر مقتول کے وارث ذمی ہوں یا ان سے صلح کا معاہدہ کیا گیا ہو تو پھر انھیں ان کے مقتول کی دیت ادا کی جائے۔

اور مقتول اگر مومن ہو تو کامل دیت بھی ادا کی جائے گی اور قاتل پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا بھی واجب ہوگا۔ ﴿ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ﴾ ''پھر جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔'' جن میں ایک دن کے روزے کا ناغہ بھی نہ کرے بلکہ مسلسل دو ماہ روزے رکھے، اگر اس نے کسی مرض یا (عورت ہے تو) حیض و نفاس وغیرہ کے کسی شرعی عذر کے بغیر ایک دن بھی ناغہ کر لیا تو اسے از سر نو روزے رکھنا ہوں گے۔ ﴿ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾ ''یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑا حکمت والا ہے۔'' یعنی جس قاتل نے قتلِ خطا کا ارتکاب کیا ہو اور وہ آزاد کرنے کے لیے غلام نہ پائے تو اس کی توبہ کی صورت یہ ہے کہ وہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھے۔ ﴿ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾ کی تفسیر قبل ازیں کئی بار بیان کی جا چکی ہے۔ [2]

قتلِ عمد پر وعید: قتلِ خطا کے حکم کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کا حکم بیان کیا، چنانچہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ﴾ ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا۔'' یہ شدید سرزنش اور زبردست وعید ہے، اس شخص کے لیے جو اس کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے جسے کتاب اللہ کی کئی آیات میں شرک کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (الفرقان 68:25) ''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس نفس کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے۔'' اور فرمایا:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ

[1] ملخص از السيرة النبوية لابن هشام، غضب الرسول مما فعل خالد وإرساله عليا: 74,73/4 و دلائل النبوة للبيهقي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الوليد إلى بني جذيمة: 114/5. [2] دیکھیے النسآء، آیات: 11 اور 24 کے ذیل میں۔

اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الأنعام151:6) ''کہہ دیجیے (لوگو!) آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) احسان کرتے رہنا۔ اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا (کیونکہ) تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمھیں ارشاد فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

قتل کی حرمت کے بارے میں آیات کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ احادیث ہیں، مثلاً: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ] ''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خونوں ہی کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔''[1] ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام ابوداود نے بروایت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَّا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا، فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ] ''مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تیز رفتار، عمل میں ہوشیار اور نیکوکار رہتا ہے، بشرطیکہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے اور جب وہ کسی حرام خون کا ارتکاب کر لیتا ہے تو وہ تھک ہار کر (ان صفات سے) منقطع ہو جاتا ہے۔''[2] ایک اور حدیث میں ہے: [لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ] ''پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے قتل کی نسبت کم تر ہے۔''[3]

کیا عمداً قتل کرنے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ مومن کو قصداً مار ڈالنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن جبیر کا قول بیان کیا ہے کہ اس مسئلے میں جب اہل کوفہ میں اختلاف ہوا تو میں سفر کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ﴾ ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے۔'' سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور اسے کسی شے نے منسوخ نہیں کیا۔[4]

جمہور سلف و خلفِ امت کا قول یہ ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے، اگر وہ توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر

[1] صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ﴾، حديث:6864 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب المجازاة بالدماء في الآخرة......، حديث:1678. [2] سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المؤمن، حديث:4270. [3] جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في تشديد قتل المؤمن، حديث:1395 وسنن النسائي، تحريم الدم، باب تعظيم الدم، حديث:3992 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ﴾ (النسآء4:93)، حديث:4590. مزید دیکھیے حديث:3855 وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3023.

لے، خشوع وخضوع کا اظہار کرے اور نیک عمل بجالانا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور مقتول کو اپنے فضل وکرم سے نواز کر خوش کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ تا ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ (الفرقان 25:68-70) ''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے......مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔'' اس خبر کو منسوخ قرار دینا اور اسے صرف مشرکوں پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور آیت: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا﴾ کو صرف مومنوں پر محمول کرنا خلافِ ظاہر اور محتاجِ دلیل ہے۔ واللّٰہ أعلم.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر 39:53) ''(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیجیے: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔'' یہ آیت کریمہ کفر، شرک، شک، نفاق، قتل اور فسق وغیرہ سب گناہوں کے لیے عام ہے جو شخص بھی ان گناہوں سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النسآء 4:48) ''اللہ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جس کے لیے اور جس گناہ کو چاہے معاف کر دے۔'' اور یہ آیت بھی شرک کے سوا دیگر تمام گناہوں کو شامل ہے اور اس کا اس سورۂ کریمہ میں اس آیت کے بعد اور اس سے پہلے [1] ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ گناہوں کی مغفرت کی امید کو تقویت پہنچائی جاسکے۔

صحیح بخاری ومسلم میں اس اسرائیلی کا واقعہ بھی موجود ہے جس نے ایک سو انسان کو قتل کیا تھا اور جب اس نے ایک عالم سے پوچھا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس نے کہا: کیوں نہیں! آپ کے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ پھر اس نے ایک بستی کی طرف بھی رہنمائی کی کہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس نے اس بستی کی طرف ہجرت کی تو اسے رستے ہی میں موت آگئی تو اس کی روح کو رحمت کے فرشتے نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ [2] ہم نے اس واقعے کو کئی بار ذکر کیا ہے۔ [3] اگر بنی اسرائیل کے اس شخص کی جرمِ قتل سے توبہ قبول ہو سکتی ہے تو اس امت کے گناہ گاروں کی توبہ تو بالاولیٰ قبول ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وہ تمام بوجھ اور بیڑیاں اتار پھینکی ہیں جو ان پر ڈال دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو آسان دین حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

آیتِ کریمہ: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ائمہ سلف میں سے ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ سزا دینا چاہے تو یہ اس قاتل کی سزا ہے۔ [4] اسی طرح ہر گناہ کے بارے میں جو وعید بیان کی گئی ہے، اس کا یہی مفہوم ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے کچھ ایسے اعمال صالحہ بھی کیے ہوں جو اس تک اس سزا کو نہ

① یعنی آیت: 48 اور 116۔ ② ملخص از صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب: 54، حدیث: 3470 و صحیح مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل وإن كثر قتله، حدیث: 2766 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ مفصلاً۔ ③ دیکھیے النسآء 4:100 اور الزمر 39:53 کے ذیل میں۔ ④ تفسیر ابن أبي حاتم: 3/1038. دیکھیے الدر المنثور: 2/352.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو تحقیق کرلیا کرو، اور جو شخص تمھیں سلام کرے تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن

السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ

نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس (تمھارے لیے) بہت سے مال غنیمت ہیں۔ تم اس سے پہلے خود بھی اس حالت

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾

میں مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا معاملے کی تحقیق کرلیا کرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿94﴾

پہنچنے دیں وعید کے سلسلے میں یہ ایک انتہائی مستحسن قول ہے۔ واللہ أعلم بالصّواب. اور اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ قاتل جہنم میں داخل ہوگا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے ہم نوا لوگوں نے یہ فرمایا ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں یا جمہور کے بقول اس کا کوئی عمل صالح نہ ہو جو اسے جہنم سے بچا سکے تو پھر بھی وہ ابدی جہنمی نہیں ہوگا۔ خلود سے مراد یہ ہوگا کہ وہ طویل عرصے تک جہنم میں رہے گا کیونکہ متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْإِيمَانِ] ''جہنم میں سے ہر اس شخص کو باہر نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوا۔''[1]

تفسیر آیت:94

سلام کہنا اسلام کی علامت ہے: امام احمد نے عکرمہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کو بیان کیا ہے کہ بنو سُلَیم کا ایک شخص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے کہا کہ اس نے ہم سے بچنے کے لیے سلام کہا ہے، لہٰذا انھوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[2] امام ترمذی نے اسے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور اس باب میں حضرت اسامہ بن زید سے بھی حدیث مروی ہے۔[3] امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے (اس سند سے) بیان نہیں کیا۔[4]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا کہ مسلمانوں نے اسے جالیا، تو اس نے کہا: السلام علیکم مگر انھوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو پکڑ لیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ﴾ ''اور جو شخص تم کو سلام

① صحیح البخاري، الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان......، حدیث: 22 عن أبي سعید رضی اللہ عنہ. و44 عن أنس رضی اللہ عنہ. وصحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة، حدیث:(326)-193 عن أنس رضی اللہ عنہ. وجامع الترمذي، صفة جهنم، باب منه قصة آخر أهل النار، حدیث:2598 واللفظ له عن أبي سعید الخدري رضی اللہ عنہ . ② مسند أحمد: 229/1 . ③ جامع الترمذي، التفسیر، باب ومن سورة النساء، حدیث:3030 اور وفي الباب سے غالباً صحیحین کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے، دیکھیے صحیح البخاري:4269 وصحیح مسلم: 96 . ④ المستدرك للحاكم، التفسیر:235/2، حدیث:2920.

کرے، اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت: ﴿عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ ’’دنیا کی زندگی کے فائدے‘‘ سے مراد یہی مالِ غنیمت ہے۔ (اور ﴿السَّلٰمَ﴾ میں کئی اور قراءتیں بھی ہیں، مثلاً: السَّلَم اور السِّلْم.) جبکہ انھوں نے السَّلٰم ہی پڑھا ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے قَعقاع کی اپنے باپ عبداللہ بن ابو حَدرَد رضی اللہ عنہما سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں إضَم[2] کی طرف بھیجا، چنانچہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوا جس میں ابوقتادہ حارث بن رِبْعِیّ اور مُحَلِّم بن جَثَّامہ بن قیس رضی اللہ عنہم بھی تھے، ہم چلے جارہے تھے اور جب وادی إضَم میں پہنچے تو عامر بن اَضبط اشجعی اپنے اونٹ پر سوار ہمارے قریب ہوئے تو ان کے پاس تھوڑا سا سامان اور دودھ کا مشکیزہ بھی تھا، جب وہ ہمارے پاس سے گزرے تو انھوں نے ہمیں سلام کہا جس کی وجہ سے ہم نے تو انھیں کچھ نہ کہا مگر مُحَلِّم بن جَثَّامہ نے حملہ کر کے انھیں قتل کر دیا، اس لیے کہ دونوں میں پہلے سے کوئی ناراضی تھی، مُحَلِّم نے اس کے اونٹ اور سامان کو بھی لے لیا، جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ کو یہ واقعہ بتایا، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ کو نازل فرما دیا۔[3] اس روایت کو بیان کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ متفرد ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقداد سے فرمایا تھا: [إِذَا كَانَ رَجُلٌ مِّمَّنْ[4] يُّخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ، فَكَذٰلِكَ كُنْتَ أَنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ مِنْ قَبْلُ] ’’یہ شخص اپنی قوم کفار میں رہتے ہوئے اپنے ایمان کو مخفی رکھے ہوئے تھا مگر جب اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو تو نے اسے قتل کر دیا، حالانکہ تو بھی اس سے پہلے مکہ میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔‘‘[5] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلق اور مختصر بیان کیا ہے جبکہ یہ روایت مطوّل اور موصول بھی مروی ہے۔

چنانچہ حافظ ابوبکر بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سَرِیَّہ روانہ فرمایا جس میں مقداد بن اسود بھی تھے، جب وہ لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ الگ الگ ہو چکے ہیں مگر ایک شخص جس کے پاس بہت سا مال ہے، وہ ابھی تک وہیں ہے، اس نے انھیں دیکھ کر کہہ دیا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مگر مقداد نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا: کیا تم نے ایسے آدمی کو بھی قتل کر دیا جو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ﴾ (النسآء 4:94)، حدیث: 4591 و صحیح مسلم، التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقة، حدیث: 3025. [2] یہ مدینہ منورہ کی شمالی جانب أرض جهينه کی ایک جگہ کا نام ہے جو جبلِ احد کے پیچھے واقع ہے۔ [3] مسند أحمد: 11/6 والسیرة النبویة لابن هشام، غزوة ابن أبی حدرد بطن إضم ......: 275/4 و دلائل النبوة للبیهقی، باب السریة الّتی قتل فیها محلّم بن جَثّامه: 305/4 و الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 282/4. [4] تفسیر ابن کثیر میں مؤمن ہے جو کشف الأستار، حدیث: 2202 کے ضمن میں ہے۔ [5] صحیح البخاری، الدیات، باب قول الله تعالٰی: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾ (النسآء 4:93)، حدیث: 6866.

گواہی دے رہا تھا؟ اللہ کی قسم! میں اس بات کا نبی اکرم ﷺ سے ضرور ذکر کروں گا، جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ایک آدمی نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر مقداد نے اسے بھی قتل کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[اُدْعُ لِيَ الْمِقْدَادَ، يَا مِقْدَادُ ! أَقَتَلْتَ رَجُلًا يَقُولُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَكَيْفَ لَكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ غَدًا؟ قَالَ : فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ﴾] ’’مقداد کو میرے پاس بلاؤ، مقداد آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مقداد! تم نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جو لا الٰہ الا اللہ کہتا تھا تمھارا کیا حال ہوگا جب وہ کل لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ آئے گا؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ’’مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام کرے، اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو اور اس سے تمھاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بہت سی غنیمتیں ہیں، تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو (آئندہ) تحقیق کر لیا کرو۔‘‘

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مقداد سے فرمایا:[كَانَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ يُّخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ، فَكَذٰلِكَ كُنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ مِنْ قَبْلُ] ’’یہ مومن شخص اپنی کافر قوم میں رہتے ہوئے اپنے ایمان کو مخفی رکھے ہوئے تھا مگر جب اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو تو نے اسے قتل کر دیا، حالانکہ تو بھی اس سے پہلے مکہ میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔‘‘[1]

﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ ﴾ ’’سو اللہ کے نزدیک تو بہت سی غنیمتیں ہیں۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جو بھلائیاں ہیں وہ دنیا کی زندگی کے اس فائدے سے کہیں بہتر ہیں جس کی وجہ سے تم نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے تمھیں سلام کہا تھا اور تمھارے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا مگر تم اس سے غافل ہو گئے۔ اور تم نے اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے آپ کو تم سے بچانے کے لیے تقیہ کے طور پر اسلام کا اظہار کر رہا ہے تاکہ تم دنیا کی زندگی کے فائدے کو حاصل کر سکو مگر اللہ کے پاس جو رزق حلال ہے وہ اس شخص کے مال سے تمھارے لیے کہیں بہتر ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ’’تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔‘‘ الغرض! اس سے پہلے تم بھی اس شخص کی طرح تھے جو اپنے ایمان کو اپنی قوم سے چھپائے ہوئے تھا جیسا کہ ابھی ابھی مرفوع حدیث کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

[1] كشف الأستار، التفسير، سورة النسآء، حديث:2202 ومختصر زوائد مسند البزار، التفسير:78/2، حديث:1458 اور دیکھیے تغليق التعليق:242/5 .

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کسی عذر کے بغیر (پیچھے) بیٹھ رہنے والے مومن اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا

دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا

وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے مجاہدین کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر دیا ہے ﴿95﴾ ان کے لیے اللہ کی طرف سے درجے ہیں اور

عَظِيْمًا ﴿95﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿96﴾ ع 13 5 10

بخشش اور رحمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿96﴾

فِي الْاَرْضِ (الأنفال 26:8) ”اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے۔“

امام عبدالرزاق نے بھی ﴿ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ کے بارے میں سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے تم بھی اپنے ایمان کو اسی طرح چھپا کر رکھتے تھے جس طرح بکریوں کے اس چرواہے نے اپنے ایمان کو اپنی قوم سے چھپایا تھا۔[1] اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَتَبَيَّنُوْا ﴾ ”تو تحقیق کر لیا کرو۔“ یہ پہلے بیان کی گئی بات کی تاکید ہے۔ اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾ ﴾ ”بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ کو سب کی خبر ہے۔“ کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ سرزنش اور وعید ہے۔[2]

تفسیر آیات: 96,95

جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت لکھوائی تو حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے اپنے نابینا ہونے کی شکایت کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ﴾ ”کوئی عذر نہ رکھنے والے۔“ کے الفاظ نازل فرما دیے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا تو میں آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت نے انھیں یہ خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے لکھوایا: [لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ] ”مسلمانوں میں سے بیٹھ رہنے والے، اللہ کے رستے میں لڑنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔“ اور آپ جس وقت لکھوا رہے تھے عین اسی وقت ابن ام

[1] تفسیر عبدالرزاق: 472/1 ، رقم: 626 اور اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جو مذکورہ آیت کی تفسیر کی ابتدا میں بیان ہوا ہے۔
[2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1042/3. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (النسآء 95:4)، حدیث: 4593 وصحیح مسلم، الإمارة، باب سقوط فرض الجهاد عن المعذورین، حدیث: 1898.

مکتوم آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اگر مجھے جہاد کرنے کی استطاعت ہوتی تو میں بھی ضرور جہاد کرتا۔ انھوں نے یہ اس لیے عرض کی کہ وہ نابینا تھے، چنانچہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع فرما دیا، اس وقت آپ کی ران مبارک میری ران پر تھی، مجھے اس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ میں ڈرنے لگا کہیں میری ران ہی نہ ٹوٹ جائے، جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی (تو معلوم ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ الفاظ بھی نازل فرما دیے ہیں: ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ ''کوئی عذر نہ رکھنے والے۔''[1] اس روایت کو (اسی سند سے) صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، امام مسلم نے نہیں۔[2]

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں شرکت نہ کرنے والے اور شرکت کرنے والے برابر نہیں ہیں کیونکہ جب جنگ بدر پیش آئی تو عبداللہ بن جحش[3] اور ابن ام مکتوم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم دونوں تو نابینا ہیں، کیا ہمارے لیے رخصت ہے؟ تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ ''جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے (اور لڑنے سے جی چراتے) ہیں کوئی عذر نہیں رکھتے، وہ اور جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔'' اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے لیکن ان بیٹھ رہنے والوں سے مراد وہ ہیں جو کوئی عذر نہیں رکھتے۔ ﴿وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ﴾ ''اجر عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت بخشی ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے درجات ہیں۔'' جو انھیں بغیر عذر کے جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے والے مومنوں پر حاصل ہیں۔ یہ ترمذی کی روایت کے الفاظ ہیں۔[4] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

پہلے یہ حکم مطلق تھا کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ لیکن جب ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ کے الفاظ بذریعہ وحی نازل ہو گئے تو اس سے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا جو نابینا پن، لنگڑا پن یا مرض وغیرہ کے ایسے عذر رکھتے ہوں جن کی وجہ سے ان کے لیے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَّا سِرْتُمْ مَّسِيرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ؟ قَالَ: وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ] ''مدینہ میں رہنے کے باوجود کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم نے جس قدر بھی سفر کیا اور جتنی وادیوں کو بھی طے کیا وہ تمھارے ساتھ تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ تو

---

① صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾، حدیث: 2832.
② صحیح مسلم، الإمارة، باب سقوط فرض الجهاد ......، حدیث: 1898 عن البراء رضی اللہ عنہ. ③ یہ وہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نہیں جو اسلام میں سب سے پہلے امیر بنائے گئے اور بدر و اُحد میں شریک ہوئے بلکہ یہ ایک دوسرے عبداللہ بن جحش ہیں۔ واللہ أعلم، دیکھیے الإصابة: 33/4، رقم: 4602. البتہ امام نسائی نے السنن الکبریٰ: 327،326/6 میں عبدالرحمٰن بن جحش ذکر کیا ہے۔ ④ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة النسآء، حدیث: 3032.

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

جن لوگوں کی اس حالت میں فرشتے جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں،

مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ

تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ

فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿97﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ

تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ؟ چنانچہ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے ،اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ﴿97﴾ مگر وہ مرد ، عورتیں

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿98﴾ فَاُولٰٓىِٕكَ

اور بچے جو واقعی بے بس ہوں اور وہ اس جگہ سے نکلنے کا کوئی وسیلہ اور کوئی راستہ نہیں پاتے ﴿98﴾ اس لیے ان لوگوں کے بارے میں امید

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿99﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ

ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا ، نہایت بخشنے والا ہے ﴿99﴾ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے

اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا

وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اپنے گھر سے نکلے ، پھر اسے راستے میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا ۔ اور اللہ نہایت بخشنے والا ،

14 ع 4 11 غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿100﴾ ع

بہت رحم کرنے والا ہے ﴿100﴾

مدینہ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) اگرچہ وہ مدینہ میں ہیں لیکن انھیں عذر نے جہاد میں شرکت سے روکا ہے۔''①

اور فرمانِ الٰہی: ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ ''اور اللہ کا نیک وعدہ سب کے لیے ہے۔'' یعنی جنت اور بے پایاں اجر و ثواب کا وعدہ۔ اور یہ آیت کریمہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جہاد فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿95﴾﴾ ''اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں اجرِ عظیم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے۔'' پھر فرمایا کہ یہ فضیلت جنت کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ بالا خانوں، گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں کی صورت میں ہوگی، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿96﴾﴾ ''(ان کے لیے) اللہ کی طرف سے درجے ہیں اور بخشش اور رحمت ہے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔''

① صحیح البخاری، المغازی، باب: 82 ، حدیث: 4423 و صحیح مسلم، الإمارة، باب ثواب من حبسه عن الغزو مرض أو......، حدیث: 1911 عن جابر ﷺ اور یہاں: [العذر] کے بجائے [مرض] ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَا بَيْنَ كُلِّ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ] ''یقیناً جنت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار فرما رکھا ہے جبکہ ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے مابین ہے۔''①

تفسیر آیات:97-100

ہجرت کی استطاعت رکھنے والوں کے لیے مشرکوں میں رہنے کی ممانعت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو اسود محمد بن عبدالرحمٰن کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہلِ مدینہ کی طرف سے ایک لشکر (اہلِ شام سے جنگ کرنے کے لیے) بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس میں میرا نام بھی لکھا گیا تو میں نے عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات کر کے انھیں یہ بات بتائی تو انھوں نے مجھے اس سے سختی سے منع کر دیا۔ اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان فرمایا کہ کچھ مسلمان مشرکوں کے ساتھ تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے بجائے کافروں کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے ہوئے تھے۔ اور اس طرح میدانِ جنگ میں وہ تیر یا تلوار لگنے سے قتل بھی ہو جاتے تو ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ الآیۃ ''بلاشبہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں......''② آخر آیت تک۔

امام ضحاک کا قول ہے کہ یہ آیت کچھ ایسے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی اور جنگ بدر کے دن وہ مشرکوں کے ساتھ نکلے اور ان میں سے کچھ لوگ مارے بھی گئے تو یہ آیت کریمہ ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔③ گو، یہ آیت عام ہے اور ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے اور اقامتِ دین کے لیے کوشش نہ کرے تو وہ اپنی جان پر خود ظلم کرتا ہے۔

اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ وہ ایک حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں کی اس حالت میں فرشتے جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ

---

① یہ الفاظ صحیح البخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہیں، دیکھیے الجهاد والسير، باب درجات المجاهدين في سبيل الله، حديث:2790. اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی روایت منقول ہے، دیکھیے الإمارة، باب بيان ما أعده الله تعالى للمجاهد......، حديث:1884. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ (النسآء4:97)، حديث:4596 . یہ مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے۔ عکرمہ کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کی تعداد میں اضافہ کرنے والے مؤمنوں کی مذمت فرما رہا ہے باوجود اس کے کہ وہ دلی طور پر ان سے موافقت کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح تم بھی اس لشکر میں اضافے کا باعث نہ بنو کیونکہ یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے (اس لیے کہ مدّ مقابل بھی مسلمان ہی ہیں) اور تم بھی اس لشکر کی موافقت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ دیکھیے فتح الباري مذکورہ حدیث کے تحت:263/8. ③ تفسير الطبري:319/4 .

کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں۔'' یعنی جنھوں نے ترک ہجرت کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوتا ہے تو جان قبض کرنے کے وقت فرشتے ﴿ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ﴾ ''ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟'' یعنی تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے، تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ ﴿ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں عاجز و ناتواں تھے۔'' گویا ہم شہر سے نکل کر کسی دوسری جگہ جانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ ﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً ﴾ الآیة ''فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین فراخ نہیں تھی؟''

امام ابوداود نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ] ''جو شخص کسی مشرک کے ساتھ مل کر رہے اور اسی کے ساتھ سکونت اختیار کرے تو وہ بھی اس جیسا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ ﴾ ''ہاں، جو بے بس ہیں۔'' سے لے کر آیت کے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ترکِ ہجرت میں معذور قرار دیا ہے کیونکہ یہ لوگ مشرکوں کے ہاتھوں سے نجات حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور اگر استطاعت رکھتے بھی ہوں تو انھیں رستے کا علم نہیں ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴾ ''وہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ رستہ جانتے ہیں۔'' امام مجاہد، عکرمہ، اور سدی فرماتے ہیں کہ یہاں ﴿ سَبِيْلًا ﴾ سے مراد مدینہ کا رستہ ہے۔[2] ﴿ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ﴾ ''تو قریب ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کر دے۔'' یعنی ان کے ہجرت نہ کرنے سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لفظ ﴿ عَسٰى ﴾ کا استعمال وجوب اور یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾ ''اور اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا فرماتے ہوئے جب [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ] کہا تو پھر سجدہ کرنے سے پہلے یہ دعا کی: [اَللّٰهُمَّ! نَجِّ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اَللّٰهُمَّ! نَجِّ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ! نَجِّ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اَللّٰهُمَّ ! نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ! اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ ! اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ] ''اے اللہ! عیاش بن ابوربیعہ کو (ظلم سے) نجات عطا فرما، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما، اے اللہ! بے بس مومنوں کو نجات عطا فرما اور قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت کر دے اور انھیں قحط سالی میں مبتلا کر دے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط پڑا تھا۔''[3]

---

① سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإقامة بأرض الشرك، حديث: 2787 اور دیکھیے سنن أبي داود: 2645 وجامع الترمذي: 1604. ② تفسير الطبري: 322,321/5 وتفسير ابن أبي حاتم: 1048/3. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ﴾ (النسآء 4:99)، حديث: 4598. بعض طرق میں نَجِّ کے بجائے أَنْجِ ہے۔ اور دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 804.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں اور میری والدہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ﴿ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ ﴾ فرما کر معذور قرار دیا ہے۔①

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط ﴾ ”اور جو شخص اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ جائے، وہ زمین میں بہت سی جگہ اور کشائش پائے گا۔“ اس آیت میں ہجرت کے شوق کو ابھارا گیا ہے۔ اور مشرکوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ مومن جہاں بھی جائے گا، وہ مشرکوں سے بے نیاز ہو جائے گا۔ اور ایسی جگہ پائے گا جہاں وہ ان سے محفوظ رہ سکے۔ مُرَاغَم مصدر ہے، عرب کہتے ہیں رَاغَمَ فُلَانٌ قَوْمَهٗ مُرَاغَمًا وَّمُرَاغَمَةً ”فلاں اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گیا۔“② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اَلْمُرَاغَم زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔③ امام ضحاک، ربیع بن انس اور ثوری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔④ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی اس چیز سے نجات کے ہیں جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔⑤ اور ﴿ سَعَةً ﴾ کے معنی رزق کے ہیں جیسا کہ قتادہ اور کئی ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے بجائے ہدایت سے اور فقر کے بجائے غنا سے نواز دے گا۔⑥

﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾

”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت سے اپنے گھر سے نکلے پھر رستے ہی میں اسے موت آ جائے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے واجب ہو گیا۔“ یعنی اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہجرت کرنے والے ہی کا اجر و ثواب ملے گا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر کتبِ صحاح، مسانید اور سنن میں بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى]، [فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ فَهِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَّتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ] ”یقیناً تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔“⑦

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (النسآء4:75)، حدیث:4588 . ② تفسیر الطبری:322/5 ولسان العرب، مادۃ: رغم . ③ تفسیر ابن أبی حاتم:1049/3. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:1049/3. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:1049/3. ⑥ تفسیر الطبری:328/5 . ⑦ صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ؟ ابتدائی حصہ، حدیث: 1 اور آخری حصہ، حدیث:2529 کے مطابق ہے۔ وصحیح مسلم، الإمارۃ، باب قولہ ﷺ:[إنما الأعمال بالنیۃ......]، حدیث:1907 وسنن أبی داود، الطلاق، باب فی ما عنی بہ الطلاق والنیات، حدیث:2201 وجامع الترمذی، فضائل الجهاد، باب ماجاء فیمن یقاتل ریاء وللدنیا، حدیث:1647 وسنن النسائی، الأیمان والنذور، باب النیۃ فی الیمین، حدیث:3825 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب النیۃ، حدیث:4227 ومسند أحمد:25/1 ومسند البزار:380/1 ، حدیث:257 .

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرلو، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر (حملہ کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے،

اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

بے شک کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں﴿۱۰۱﴾

یہ حکم عام ہے جو ہجرت اور دیگر تمام اعمال کے لیے بھی ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے جس میں اس شخص کا ذکر ہے جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا، پھر ایک عابد سے پوچھا کیا اس کی توبہ ہوسکتی ہے؟ اس (عابد) نے جواب دیا: نہیں۔ تو اس نے اس کو بھی قتل کرکے اس تعداد کو سوتک پہنچا کر ایک عالم سے پوچھا: کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا: کیوں نہیں! تمھارے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہوسکتا ہے؟ پھر اس عالم نے یہ بھی رہنمائی کی کہ اپنے اس شہر سے ہجرت کرکے فلاں شہر میں چلے جاؤ اور وہاں اللہ کی عبادت کرو اور وہ جب اپنے شہر سے ہجرت کرکے اس دوسرے شہر کی طرف جارہا تھا تو اسے رستے ہی میں موت آگئی۔

اور اب رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے جھگڑنا شروع کیا، رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص توبہ کرکے آیا ہے، عذاب کے فرشتوں نے جواب دیا کہ اس نے اس کے بعد بھی کوئی کام کیا ہی نہیں تو انھیں حکم دیا گیا کہ دونوں طرف کی زمین کی پیائش کرلو جس طرف کی زمین کے یہ زیادہ قریب ہو تو اسی میں سے اسے شمار کرلیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو جو منزل مراد تھی حکم دیا کہ تو قریب ہو جا اور جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی اسے حکم دیا کہ تو اس سے دور ہو جا، فرشتوں نے پیائش کی تو اسے اس زمین کے ایک بالشت زیادہ قریب پایا جس کی طرف ہجرت کرکے یہ جارہا تھا تو رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب اسے موت آئی تو یہ اپنے سینے کو اس زمین کی طرف گھسیٹ رہا تھا جہاں ہجرت کرکے جارہا تھا۔[1]

تفسیر آیت:101

نمازِ قصر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ ﴾ ''اور جب تم زمین میں سفر کرو۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی ۙ وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ...... ﴾ الآیة (المزمل 73:20) ''اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض اللہ کے فضل (معاش) کی تلاش میں زمین میں سفر کرتے ہیں......'' ﴿ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ ''تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کرو۔'' یعنی نماز کی کمیت میں کمی کرلو اور چار رکعتوں والی نماز کی دو رکعتیں پڑھ لو۔ ﴿ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''اگر تمھیں خوف ہو کہ کافر (حملہ کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے۔''

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب: 54 ، حدیث:3470 مختصرًا. و صحیح مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل وإن كثر قتله، حدیث:2766 واللفظ له عن أبي سعید الخدري رضي الله عنه.

اس آیت کے نزول کے وقت جو اکثر و بیشتر صورتحال تھی ، یہ (خوف کی شرط) اسی کے مطابق ہے کیونکہ اسلام کے آغاز میں ہجرت کے بعد مسلمانوں کو اپنے اکثر سفروں میں خطرات درپیش رہتے تھے بلکہ ان کے سفر ہوتے ہی عام جنگوں یا خصوصی مہموں کے لیے تھے۔ اور تمام قبائلِ عرب نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کر رکھی تھی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ منطوق جب اکثر و بیشتر صورتحال یا کسی خاص واقعے پر مبنی ہو تو اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا۔[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ﴾ (النور 33:24) ''اور تمھاری لونڈیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرنے کی خاطر انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرو۔'' (اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاک دامن نہ رہنا چاہیں تو پھر تم انھیں بدکاری پر مجبور کر سکتے ہو) اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ﴾ (النسآء 23:4) ''اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو وہ بھی تم پر حرام ہیں۔'' (اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان عورتوں کی جو لڑکیاں تمھاری پرورش میں نہ ہوں، وہ حرام نہیں ہیں۔)

امام احمد نے یعلی بن امیہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی: ارشاد باری تعالیٰ ہے : ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کر دو اگر تمھیں خوف ہو کہ کافر (حملہ کر کے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے۔'' لیکن اب تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امن عطا فرما دیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تم تعجب کر رہے ہو تو میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تھا: [صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ] ''اب یہ تخفیف صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کر دیا ہے، لہٰذا اس کے صدقے کو قبول کرو۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔[3] امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ روایت اسی سند سے محفوظ ہے۔ اس کے رجال معروف ہیں۔

امام ابوبکر بن ابوشیبہ نے ابوحنظلہ حذاء کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز سفر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: (کہ نماز سفر کی دو رکعتیں ہیں، میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دیں گے اور اب ہم تو حالت امن میں ہیں۔ انھوں نے فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ سفر میں دو رکعتیں پڑھی جائیں۔[4]

---

[1] لہٰذا آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ اگر سفر میں کافروں کی طرف سے ایذا کا خوف نہ ہو تو پھر نماز قصر نہ کی جائے۔ [2] مسند أحمد: 25/1 . [3] صحيح مسلم، كتاب و باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث:686 وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة المسافر، حديث:1199 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النسآء، حديث:3034 وسنن النسائي، تقصير الصلاة في السفر، باب، حديث:1434 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب تقصير الصلاة في السفر، حديث: 1065. [4] المصنف لابن أبي شيبة، من كان يقصر الصلاة:205/2، حديث:8158 لیکن قوسین والے الفاظ کے علاوہ۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا

اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں ، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے

اَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا

ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو ، پھر جب وہ سجدہ کرلے تو پیچھے چلا جائے اوردوسرا گروہ جس نے ابھی

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ

نماز نہیں پڑھی تو وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور وہ ساتھ لے اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار (لگائے رکھے)۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے

عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ

ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہوجاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں ۔اور اگر تمھیں بارش سے تکلیف ہویا

كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ

تم بیمار ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے ہتھیار(ایک طرف) رکھ دو، اور اپنا بچاؤ ساتھ لو ۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿102﴾

رسوا کردینے والا عذاب تیار کررکھا ہے﴿102﴾

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تو آپ نماز کی دو دو رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے حتی کہ ہم مدینہ میں واپس آ گئے۔ میں نے عرض کی: آپ لوگوں نے مکہ میں کتنا قیام کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے دس دن قیام کیا تھا۔① اسی طرح اس حدیث کو دیگر محدثین نے بھی بیان کیا ہے۔②

امام احمد نے حارثہ بن وہب خزاعی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز ظہر اور عصر کی دو رکعتیں ادا کی تھیں، حالانکہ یہاں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور وہ بے حد امن میں تھے۔③

امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے۔④ بخاری کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی پرامن حالت میں بھی منیٰ میں ہمیں دو رکعتیں پڑھائی تھیں۔⑤

① صحيح البخاري، التقصير، باب ماجاء في التقصير......، حديث:1081. ② صحيح مسلم، كتاب وباب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 693 وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب متى يتم المسافر؟ حديث: 1233 وجامع الترمذي، السفر، باب ماجاء في كم تقصر الصلاة؟ حديث: 548 وسنن النسائي، تقصير الصلاة في السفر، باب، حديث:1439 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب كم يقصر الصلاة المسافر ...... ؟ حديث:1077. ③ مسند أحمد:306/4 . ④ صحيح البخاري، الحج، باب الصلاة بمنى، حديث:1656 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب قصر الصلاة بمنى، حديث: 696 وسنن أبي داود، المناسك، باب القصر لأهل مكة، حديث: 1965 وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في تقصير الصلاة بمنى، حديث: 882 وسنن النسائي، تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى، حديث:1446. ⑤ صحيح البخاري، التقصير، باب الصلاة بمنى، حديث:1083.

تفسیر آیت:102

نمازِ خوف اور اس کی اقسام: نمازِ خوف کی بہت سی اقسام ہیں کیونکہ دشمن کبھی تو قبلہ کے سامنے ہوتا ہے اور کبھی وہ کسی اور طرف ہوتا ہے، پھر نماز کبھی چار رکعتوں والی ہوتی ہے اور کبھی تین والی، مثلاً: نماز مغرب اور کبھی دو رکعتوں والی، مثلاً: نماز صبح اور نماز سفر، پھر کبھی مسلمان اسے با جماعت ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی جنگ اس قدر گھمسان کی ہوتی ہے کہ وہ با جماعت ادا کر ہی نہیں سکتے الگ الگ پڑھتے ہیں کبھی قبلہ رخ ہو کر اور کبھی غیر قبلہ رخ۔ کبھی سوار ہو کر اور کبھی سواری سے نیچے اتر کر۔ حتی کہ اس حالت میں وہ چلتے ہوئے اور دشمن پر پے در پے وار کرتے ہوئے بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حالت میں وہ صرف ایک رکعت پڑھیں گے کیونکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کی زبانی حضر میں نماز کی چار رکعات، سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض قرار دی ہے۔[1] امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام منذری نے حواشی میں لکھا ہے کہ عطاء، جابر، حسن، مجاہد، حکم، قتادہ اور حماد کا بھی یہی قول ہے۔ طاؤس اور ضحاک کا بھی یہی مذہب ہے۔[2] ابو عاصم عبادی نے بیان کیا ہے کہ امام محمد بن نصر مَرْوَزِی کی رائے میں حالتِ خوف میں نماز صبح کی ایک رکعت ہے، امام ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے۔[3] امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ شمشیر زنی کے وقت ایک رکعت ہی کافی ہوگی اور اسے اشارے کے ساتھ ادا کر لو اور اگر ایک رکعت پڑھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر صرف ایک سجدہ کر لو کیونکہ نماز ذکر الٰہی کا نام ہے۔

ہم نماز خوف کی کیفیت سے قبل اس آیت کریمہ کا سبب نزول بیان کریں گے۔ امام احمد نے ابو عیّاش زُرَقی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم عُسفان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ مشرک ہمارے سامنے آ گئے، ان کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور وہ ہمارے اور قبلہ کے مابین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی تو مشرکوں نے کہا کہ مسلمان ایک ایسی حالت میں تھے کہ ہمیں ان پر اچانک حملہ کر دینا چاہیے تھا، پھر کہنے لگے کہ ابھی ان کی ایک ایسی نماز کا وقت آنے لگا ہے جو انھیں اپنے بیٹوں اور اپنی جانوں سے بھی عزیز ہے تو ظہر و عصر کے درمیان جبریل ان آیات کو لے کر نازل ہو گئے: ﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ...... ﴾.

جب نمازِ عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا اور انھوں نے اپنے ہتھیار پکڑ لیے اور ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنا لیں، پھر آپ نے جب رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی سر

---

[1] صحيح مسلم، كتاب و باب صلاة المسافرين و قصرها، حديث:687 و سنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة......، حديث:1247 و سنن النسائي، صلاة الخوف، حديث:1533 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب تقصير الصلاة في السفر، حديث:1068 لیکن ابن ماجہ میں: [وفي الخوف ركعة] نہیں ہے۔ [2] مختصر سنن أبي داود للحافظ المنذري، صلاة الخوف، باب من قال: يصلي بكل طائفة ركعة......، تحت الحديث: 1202 . [3] المُحَلّٰى:5/33-35 .

اٹھایا، پھر جب نبیٔ اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ والی صف نے سجدہ کیا اور دوسری صف کے لوگ کھڑے ہو کر ان کا پہرہ دیتے رہے۔ انھوں نے جب سجدہ کر لیا تو وہ کھڑے ہو گئے اور دوسرے بیٹھ گئے اور انھوں نے اپنی جگہ پر سجدہ کیا، پھر یہ ان کی جگہ پر اور وہ ان کی جگہ پر آ گئے، پھر آپ نے رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو سب نے سر اٹھایا، پھر نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ والی صف نے سجدہ کیا اور دوسرے لوگوں نے کھڑے ہو کر پہرہ دیا جب یہ بیٹھ گئے تو دوسرے بھی بیٹھ گئے۔ اور انھوں نے سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دو مرتبہ نماز پڑھائی ایک مرتبہ عُسفان میں اور دوسری مرتبہ بنوسُلَیم کے علاقے میں۔[1] اسی طرح اس کی روایت کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[2] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور صلاۃِ خوف کی بابت دیگر کئی احادیث بھی موجود ہیں، مثلاً: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، آپ نے تکبیر کہی تو ان سب نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی، آپ نے رکوع کیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا تو انھوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو جن لوگوں نے سجدہ کر لیا تھا وہ اٹھ گئے اور انھوں نے اپنے بھائیوں کا پہرہ دینا شروع کر دیا اور دوسرے لوگ آ گئے اور انھوں نے آپ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا اور اس طرح سب لوگوں نے ایک دوسرے کا پہرہ دیتے ہوئے نماز ادا کر لی۔[3]

امام احمد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں نماز خوف اس طرح پڑھائی کہ ایک صف آپ کے آگے کھڑی ہو گئی اور دوسری آپ کے پیچھے تو جو صف آپ کے پیچھے تھی اسے آپ نے پوری ایک رکعت پڑھائی، پھر یہ صف آگے بڑھ گئی اور اپنے ساتھیوں کی جگہ پر جا کھڑی ہوئی اور وہ لوگ ان کی جگہ پر آ کر کھڑے ہو گئے، انھیں بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک مکمل رکعت پڑھائی اور سلام پھیر دیا، اس طرح نبیٔ اکرم ﷺ کی تو دو رکعتیں تھیں مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ہی رکعت پڑھی۔[4] اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[5] اور صحیح مسلم میں ایک دوسری سند سے بالفاظ دیگر منقول ہے۔[6] علاوہ ازیں محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کو اپنی کتب صحاح، سنن اور مسانید میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کیا ہے۔[7]

[1] مسند أحمد: 59/4 . [2] سنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة الخوف، حديث:1236 لیکن یہاں:[فنزلت آية القصر] ہے۔ وسنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1551 اور دیکھیے صحيح مسلم:(308)-840 . [3] صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب يحرس بعضهم بعضًا في صلاة الخوف، حديث: 944 . [4] مسند أحمد: 298/3. [5] سنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1546. [6] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 840 . [7] صحيح ابن خزيمة:294/2 ، حديث:1347 والسنن الكبرٰى للبيهقي:263/3 ومسند أبي داود الطيالسي:336/3 ، حديث:1898.

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے رہو، پھر جب تمھیں اطمینان ہو جائے تو (پوری)

الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿103﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ

نماز پڑھو، بے شک مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے ﴿103﴾ اور تم دشمن قوم کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو

اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ

بے شک وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم تکلیف اٹھاتے ہو۔ اور تم اللہ سے جس چیز کی امید رکھتے ہو، وہ اس کی امید نہیں رکھتے۔ اور اللہ خوب

15 ع 4 12 وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿104﴾ ع

جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿104﴾

امام ابن ابو حاتم نے سالم کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ نمازِ خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دو میں سے ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسری جماعت اس وقت دشمن کے بالمقابل تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس جماعت کو بھی ایک رکعت پڑھائی جو دشمن کے بالمقابل تھی، پھر آپ نے سلام پھیر دیا اور دونوں جماعتوں نے کھڑے ہو کر اپنے طور پر ایک ایک رکعت پڑھ لی۔① اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے بطریقِ معمر اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔② علاوہ ازیں یہ حدیث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بہت سی سندوں کے ساتھ مروی ہے۔③ حافظ ابوبکر بن مَرْدُویہ نے اس کی سندوں اور الفاظ کو بہت احسن انداز میں یکجا بیان کر دیا ہے، نیز امام ابن جریر نے بھی اسی طرح اس کے تمام طرق والفاظ ایک ہی جگہ بیان کر دیے ہیں۔④

آیت کریمہ کے بظاہر الفاظ کے مطابق نمازِ خوف میں ہتھیار اٹھانے کا حکم علماء کی ایک جماعت کے نزدیک وجوب پر محمول ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ﴾ ''اگر تم بارش کے سبب تکلیف میں ہو یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو، مگر ہوشیار ضرور رہنا۔'' یعنی ہر وقت اس طرح چوکنے رہنا کہ جب بھی تمھیں ہتھیار پہننے کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف پہن سکو۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿102﴾ ﴾ ''بلاشبہ اللہ نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

① تفسير ابن أبي حاتم:1054/4. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث:4133 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث:839 وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة ثم يسلّم...... حديث:1243 وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في صلاة الخوف، حديث:564.
③ ان صحابۂ کرام میں حضرت جابر، حذیفہ، زید بن ثابت، ابن عباس، ابو ہریرہ، ابن مسعود، سہل بن ابوحثمہ اور ابوعیاش زُرَقی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ④ تفسير الطبري:341,340/5.

تفسیر آیات:104,103

نمازِخوف کے بعد کثرت سے ذکرِ الٰہی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نمازِ خوف کے بعد کثرت سے اس کا ذکر کیا جائے گو ذکرِ الٰہی دیگر تمام نمازوں کے بعد بھی مشروع اور مرغوب ہے لیکن نمازِ خوف کے بعد اس کی زیادہ تاکید ہے کیونکہ اس نماز کے ارکان میں تخفیف کردی گئی ہے۔ اور اس میں آنے جانے کی بھی رخصت ہے، علاوہ ازیں اور بھی کئی سہولتیں ہیں جو دیگر نمازوں میں نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''تو ان (مہینوں) میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔'' (التوبۃ 36:9)

اگرچہ دوسرے مہینوں میں بھی ظلم کرنا منع ہے لیکن حرمت والے مہینوں کی سخت حرمت وعظمت کی وجہ سے اس کی ممانعت کی زیادہ تاکید ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ ''پھر جب تم نماز تمام کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرو۔'' یعنی ہر ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو۔ ﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو۔)'' یعنی جب امن حاصل ہو جائے، خوف جاتا رہے اور طمانیت حاصل ہو جائے تو پوری نماز پڑھو اور اسے اس طرح پڑھو جس طرح تمھیں اس کی حدود، خشوع، رکوع، سجود اور دیگر تمام ارکان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ''بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ کے معنی ہیں مفروضًا، یعنی اسے اپنے اوقات میں ادا کرنا فرض ہے۔[1] مجاہد، سالم بن عبداللہ، علی بن حسین، محمد بن علی، حسن، مُقاتل، سُدِّی اور عطیہ عوفی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ نماز کا وقت بھی حج کے وقت کی طرح مقرر ہے۔[3]

زخمی ہونے کے باوجود دشمن کے تعاقب کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ ''اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔'' یعنی دشمن کی تلاش میں کسی کمزوری کا ثبوت نہ دو بلکہ ان کا تعاقب کرو، ان سے خوب لڑو، اور گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو۔ ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ﴾ ''اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جیسے تم بے آرام ہوتے ہو۔'' یعنی اگر تم زخمی اور قتل ہوتے ہو وہ بھی تو اسی طرح زخمی اور قتل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ﴾ (آل عمران 140:3) ''اگر تمھیں زخمِ (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ﴾ ''اور تم اللہ سے (ایسی ایسی) امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے۔'' مطلب یہ ہے کہ جو تمھیں اور انھیں زخم اور دکھ پہنچتے ہیں، اس اعتبار سے تو تم سب برابر ہو مگر تم اللہ تعالیٰ سے ثواب

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1057/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1057/4. [3] تفسیر الطبری:355/5 .

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ

(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ﴿105﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿106﴾ وَلَا تُجَادِلْ

کے درمیان فیصلہ کریں، اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں﴿105﴾ اور اللہ سے بخشش مانگیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے

عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿107﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ

والا ہے﴿106﴾ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت

مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ

کرنے والا، گناہ گار ہو﴿107﴾ وہ لوگوں سے (تو اپنی حرکتیں) چھپا سکتے ہیں، مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے اور وہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿108﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

رات کو چھپ کر ایسا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں، اور وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ اسے گھیرے ہوئے ہے﴿108﴾ ہاں، تم لوگوں نے یہاں دنیا کی

الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾

زندگی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا، پھر قیامت کے دن اللہ کے ہاں ان کی طرف سے کون جھگڑے گا؟ یا (وہاں) کون ان کا وکیل ہوگا؟﴿109﴾

اور نصرت وحمایت کی امید رکھتے ہو جیسا کہ اس نے تم سے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور اس کا وعدہ برحق اور اس کی خبر سچی ہے لیکن تمھارے دشمنوں کو اس طرح کی کسی چیز کی امید نہیں ہے، لہٰذا تم ہی ان کی نسبت جہاد کرنے کے زیادہ حق دار ہو اور تمھیں ہی اللہ تعالیٰ کے کلمے کی اقامت اور سربلندی کی زیادہ شدید رغبت ہونی چاہیے۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿104﴾ ﴾ ''اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ زیادہ علم وحکمت والا ہے اپنے ان تکوینی اور شرعی احکام کے بارے میں جن کا وہ فیصلہ فرما دیتا اور جنھیں نافذ کر دیتا ہے، اس کی ذاتِ گرامی ہر حال میں قابلِ ستائش ہے۔

تفسیر آیات:105-109

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ ''(اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی سچی کتاب ہے جو حالات وواقعات کے بیان کرنے میں بھی سچی ہے اور لوگوں سے مطالبات کرنے میں بھی سچی ہے۔ ﴿ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''تاکہ آپ کو اللہ نے جو ہدایت دی ہے (اس کے مطابق) لوگوں (کے مقدمات) کا فیصلہ کریں۔''

صحیح بخاری ومسلم میں زینب بنت امِ سلمہ کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز کو سنا تو آپ کا شانۂ نبوت سے نکل کر ان کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: [إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَّإِنَّمَا أَقْضِي عَلٰى نَحْوٍ مِّمَّا أَسْمَعُ، وَلَعَلَّ (أَحَدَكُمْ) أَنْ يَّكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ،

فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ، فَلْيَحْمِلْهَا أَوْ لِيَذَرْهَا] ''میں بھی ایک بشر ہوں اور جس طرح سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت زیادہ اچھے طریقے سے پیش کرے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو جسے میں فیصلہ کر کے کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا ہے، خواہ وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔''①

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ دو انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ آپ سے اپنی اس میراث کے بارے میں فیصلہ کرانا چاہتے تھے جس (کی حد بندی) کے نشانات مٹ چکے تھے لیکن دونوں کے پاس کوئی گواہی نہ تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَّلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَلْحَنُ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَإِنِّي أَقْضِي بَيْنَكُمْ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ يَأْتِي بِهَا إِسْطَامًا فِي عُنُقِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَبَكَى الرَّجُلَانِ، وَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا : حَقِّي لِأَخِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَا إِذْ قُلْتُمَا فَاذْهَبَا فَاقْتَسِمَا، ثُمَّ تَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا، ثُمَّ لِيُحْلِلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْكُمَا صَاحِبَهُ]

''بلاشبہ تم اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو اور میں تو صرف ایک بشر ہوں، ہوسکتا ہے تم میں سے بعض لوگ بعض لوگوں کی نسبت اپنی بات (دلیل) زیادہ چرب زبانی سے پیش کر سکیں۔ لیکن میں تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جو میں سنتا ہوں، لہٰذا اگر میں نے فیصلہ کرتے ہوئے کسی کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دے دیا تو وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ تو میں اسے جہنم کی آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں جسے وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر بھڑکا تا ہوا لے کر آئے گا۔

یہ ارشاد نبوی سن کر وہ دونوں انصاری رونے لگے اور دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میرا حق بھی میرے بھائی ہی کے لیے ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! جب تم نے یہ بات کہی ہے تو جاؤ اور اسے آپس میں تقسیم کر لو، صرف اپنے اپنے حق کی جستجو کرو اور قرعہ ڈال لو، پھر تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی (کے حقوق) سے بری الذمہ ہو جائے۔''②

اس حدیث کو امام ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔③ اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: [إِنِّي إِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ بِرَأْيِي فِيمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهِ] ''جن احکام کے متعلق مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں ہوئی، ان میں تو میں یقیناً اپنی رائے ہی سے فیصلہ کرتا ہوں۔''④

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ...... ﴾ الآية ''یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ

① اسی ترتیب سے حدیث کے یہ الفاظ کسی ایک حدیث میں بیان نہیں ہوئے، بخاری ومسلم میں حضرت اُم سلمہ کی روایت کے مختلف طرق سے یہ الفاظ ماخوذ ہیں، دیکھیے صحیح البخاري، المظالم، باب إثم من خاصم في باطل......، حدیث:2458 وصحیح مسلم، الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لايغير الباطن، حدیث:1713 بس یہاں [أحدكم] کے بجائے [بَعْضَكُمْ] ہے۔ اوروہ المعجم الكبير للطبراني:343/23 میں ہے۔ ② مسند أحمد:320/6. ③ سنن أبي داود، القضاء، باب في قضاء القاضي إذا أخطأ، حدیث:3584 . ④ سنن أبي داود، القضاء، باب في قضاء القاضي إذا أخطأ، حدیث:3585 .

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿110﴾ وَمَنْ

اور جو شخص برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا پائے گا﴿110﴾ اور جو شخص

يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿111﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ

کوئی گناہ کرتا ہے تو بے شک اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی، اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے﴿111﴾ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ

خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿112﴾ ع 16 8 13 وَلَوْلَا فَضْلُ

کرتا ہے، پھر کسی بے گناہ پر اس کا الزام لگا دیتا ہے تو (ایسا کر کے) وہ ایک بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے﴿112﴾ اور اگر آپ پر اللہ کا

اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو لوگوں کے ایک گروہ نے یقیناً ارادہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کو بہکا دے، اور وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو نہیں بہکاتے،

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

اور وہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اللہ نے آپ پر یہ کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔

تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾ الثلثة

اور آپ پر اللہ کا فضل بہت زیادہ ہے﴿113﴾

سے نہیں چھپتے ......" یہ منافقوں کی تردید ہے کہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے لوگوں سے تو چھپتے ہیں تاکہ وہ انھیں برا بھلا نہ کہیں مگر وہ اپنے ان برے اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے آجاتے ہیں جبکہ وہ تو ان کی مخفی باتوں سے بھی آگاہ ہے اور وہ ان کے دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿108﴾﴾ "حالانکہ جب وہ رات کو ایسے مشورے کرتے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا تو وہ ان کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور اللہ ان کے (تمام) کاموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔" یہ منافقوں کے لیے زبردست سرزنش اور وعید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ "ہاں! تم لوگ دنیا کی زندگی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے بحث کر لیتے ہو۔" فرض کرو کہ یہ لوگ اگر اس کی وجہ سے دنیا میں کامیاب بھی ہو جائیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں یا جسے ان حکام کے سامنے ظاہر کیا جاتا ہے جو ظاہری حالات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور وہ اسی بات کے مکلّف ہیں تو کل روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا کریں گے جو ظاہر اور خفیہ تمام حالات کو جانتا ہے؟ اس دن ان کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لیے کون ان کی وکالت کرے گا؟ یعنی اس دن کوئی ان کا وکیل بننے کے لیے تیار نہ ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾﴾ "یا کون ان کا وکیل بنے گا؟"

تفسیر آیات: 110-113

توبہ واستغفار کی ترغیب: اللہ تعالیٰ اپنے جود و کرم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ جو شخص توبہ کرے، خواہ اس نے کوئی بھی گناہ کیا ہو تو وہ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ

اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔'' علی بن ابوطلحہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں بھی فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے عفو، حلم وکرم، وسعتِ رحمت اور مغفرت کے بارے میں بتایا ہے کہ جو شخص کوئی بھی چھوٹا یا بڑا گناہ کر بیٹھے ﴿ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔'' خواہ اس کے گناہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے کیوں نہ ہوں۔[1]

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان کو سنتا تو اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا مجھے اس سے نفع پہنچا دیتا۔ مجھ سے یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ اور ابوبکر نے سچ بیان کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّذْنِبُ ذَنْبًا، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِذٰلِكَ الذَّنْبِ، إِلَّا غَفَرَ لَهُ] ''جو مسلمان کوئی بھی گناہ کر بیٹھے، پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔''

پھر آپ نے یہ دو آیتیں پڑھیں: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔'' اور ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ...... ﴾ الآية. (آل عمران 3:135) ''اور وہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں......۔''[2]

﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ﴾ ''اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ (الأنعام 6:164) ''اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یعنی کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کا خود حساب دینا ہوگا، کوئی کسی کے اعمال کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ ''اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' اور یہ اس کے علم وحکمت اور عدل ورحمت ہی کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کے گناہ کا وبال اسی پر ہو اور اس کے سوا کسی اور پر نہ ہو۔ ﴿ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ ''اور آپ کو وہ باتیں سکھائی ہیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔'' یعنی ان کے نازل ہونے سے پہلے جانتے نہیں تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ ﴾ (الشورٰی 42:52) ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (وحی) بھیجی ہے، آپ کتاب کو نہ جانتے تھے۔'' یہ آخر سورت تک۔ اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ (القصص 28:86) ''اور آپ کو امید نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر آپ کے پروردگار کی مہربانی سے (نازل ہوئی۔)'' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے:

[1] تفسير الطبرى:371/5 . [2] مسند أحمد:9,8/1 .

لَاخَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ

ان کی اکثر خفیہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر جو شخص صدقے یا نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح کا حکم دے (تو یہ اچھی بات ہے) اور جو کوئی اللہ کی

النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿114﴾

رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے، تو ہم اسے جلد بہت بڑا اجر عطا کریں گے﴿114﴾ اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے اور اس کے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

بعد وہ رسول کی مخالفت کرے، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے، تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا

17 ع 3 14 نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿115﴾ ع

چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے﴿115﴾

﴿ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾ ﴾ ''اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

تفسیر آیات: 115,114

حسنِ گفتار: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَاخَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ ﴾ ''ان لوگوں کی بہت سی سرگوشیاں اچھی نہیں۔'' یعنی لوگوں کا بہت سا کلام اچھا نہیں ہوتا ﴿ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ ''ہاں، (اس شخص کی بات اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔''

امام احمد نے اُمِّ کلثوم بنت عُقبہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا] ''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں میں صلح کرا دے اور اچھی خبر منسوب کرے یا اچھی بات کہے۔'' (نیز انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے نہیں سنا کہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، آپ نے ان میں سے تین کے سوا کسی اور بات کی رخصت دی ہو (اور وہ تین باتیں یہ ہیں:) (1) جنگ اور (2) لوگوں میں صلح کے بارے میں بات۔ (3) مرد کی اپنی بیوی سے بات اور بیوی کی اپنے شوہر سے بات۔) امام احمد بیان کرتے ہیں کہ یہ ام کلثوم بنت عقبہ ان مہاجر خواتین میں سے تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔[1] امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[2]

---

① مسند أحمد: 403/6 اور قوسین والی عبارت حقیقت میں ابن شہاب زہری کی ہے۔ دیکھیے صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الكذب ......، حديث: 2605 و فتح الباری، حديث: 2692 کے ذیل میں اور الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 245/45 . ② صحیح البخاری، الصلح، باب ليس الكاذب الّذی يصلح بين الناس، حديث: 2692 اور اس میں امام زہری کا قول نہیں ہے۔ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الكذب وبيان ما يباح منه، حديث: 2605 وسنن أبي داود، الأدب، باب في إصلاح ذات البين، حديث: 4921,4920 وجامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی إصلاح ذات البين، حديث: 1938 مختصرًا. والسنن الكبرىٰ للنسائي، عشرة النساء، باب الرخصة فی أن يحدث الرجل أهله بما لم يكن......: 351/5، حديث: 9123 .

امام احمد ہی نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَا أُخْبِرُکُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلَاةِ وَالصِّیَامِ،وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلٰی، یَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ : إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ هِیَ الْحَالِقَةُ] ''کیا میں تمھیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں جو درجے کے اعتبار سے نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہو؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: وہ عمل لوگوں میں صلح کرا دینا ہے۔ اور فرمایا: لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کر دینا تو ایک ایسا عمل ہے جو تباہ و برباد کر دینے والا ہے۔''①

اس حدیث کو امام ابوداود اور ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔② اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو ایسے کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے گا۔'' یعنی اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی امید سے کرے گا ﴿ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۱۴﴾ ﴾ ''تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔''

پیغمبر کی مخالفت کرنے والے کی سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی ﴾ ''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے۔'' یعنی جو شخص اس شریعت کے راستے کے علاوہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں، کسی اور رستے پر چلے تو وہ ایک طرف ہے اور شریعت دوسری طرف ہے، پھر اگر وہ قصد و ارادے سے ایسا کر رہا ہو کہ حق اس کے سامنے ظاہر، واضح اور روشن ہو گیا ہو ﴿ وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے۔'' اگرچہ یہ پہلی صفت کے ساتھ لازم و ملزوم ہی ہے لیکن مخالفت کبھی تو شارع کی نص کی ہوتی ہے اور کبھی اس بات کی جس پر یقینی طور پر امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماع ہو۔ اس لیے کہ امت کی فضیلت اور اس کے نبی کی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ کسی غلط بات پر اس کا اجماع ہو جیسا کہ بہت سی احادیثِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے۔③

اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا کسی اور راہ کو اختیار کرے تو اسے اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾ ﴾ ''تو جدھر وہ پھرتا ہے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔'' یعنی جو شخص ایسے رستے پر چلتا ہے تو

① مسند أحمد:445,444/6 . ② سنن أبي داود، الأدب، باب في إصلاح ذات البین، حدیث:4919 وجامع الترمذي، صفة القیامة، باب في فضل صلاح ذات البین، حدیث:2509 بعض الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے۔ ③ دیکھیے سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، حدیث:4253 وجامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، حدیث:2167 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب السواد الأعظم، حدیث:3950 وكتاب السنة لابن أبي عاصم، باب ما ذكر عن النبي ﷺ من أمره بلزوم الجماعة......:80-85 والسلسلة الصحیحة:1331 وتلخیص الحبیر:141/3 تحت الحدیث:1474.

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ

بے شک اللہ یہ گناہ ہرگز نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے سوا جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿116﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا

کرتا ہے، تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ہے ﴿116﴾ وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں، اور دراصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں ﴿117﴾

شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿117﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿118﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وقف لازم

اللہ نے اس پر لعنت کی ہے، اور اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ضرور لے کر رہوں گا ﴿118﴾ اور میں انھیں گمراہ کروں گا، اور

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ

انھیں امیدیں دلاؤں گا، اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان چیریں گے، اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں ردو بدل

اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿119﴾ يَعِدُهُمْ

کریں گے۔ اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لے تو وہ یقیناً کھلے نقصان میں جا پڑا ﴿119﴾ شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے

وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿120﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ

اور انھیں امیدیں دلاتا ہے مگر شیطان کے سارے وعدے فریب کے سوا کچھ نہیں ﴿120﴾ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ اس سے چھٹکارے

عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿121﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کی کوئی صورت نہ پائیں گے ﴿121﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم جلد انھیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾

نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ سے بڑھ کر کون قول و قرار میں سچا ہے؟ ﴿122﴾

ہم اسے اس پر چلنے دیتے ہیں اور اسے مہلت دیتے ہوئے ایسے رستے کو اس کے لیے اچھا اور مزین کر کے پیش کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴾ (القلم 44:68) ”لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔“

اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ ﴾ (الصف 5:61) ”پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے“ اور فرمایا: ﴿ وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ (الأنعام 110:6) ”اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔“ اور آخرت میں ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم بنایا ہے کیونکہ جو شخص راہ ہدایت کو چھوڑ دے تو قیامت کے دن اس کے لیے جہنم کے رستے کے سوا اور کوئی رستہ نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ...... ﴾ الآية. (الصّٰفّٰت 22:37) ”جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو اور ان کے ہم جنسوں کو جمع کرلو......“ اور فرمایا: ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴾ (الكهف 53:18) ”اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو

یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے۔“

تفسیر آیات:116-122

شرک معاف نہیں ہوگا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ ”اللہ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جسے چاہے گا بخش دے گا۔“ اس آیت کے بارے میں تفصیل پہلے ہو چکی ہے، نیز اس آیت کریمہ سے متعلق آثار بھی ہم (اسی آیت کے ذیل میں) اسی سورت کے آغاز میں بیان کر آئے ہیں۔[1] ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴾ ”اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دور جا پڑا۔“ یعنی وہ طریقِ حق کے سوا اور رستے پر چلا، راہِ ہدایت سے دور ہو گیا، اس نے اپنے آپ کو دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد بنالیا جس کی وجہ سے وہ دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے محروم ہو گیا۔

﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ﴾ ”یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو عورتوں ہی کی۔“ جُوَیبِر نے ضحاک سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مشرکین کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اور ہم ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، انھوں نے فرشتوں کو رب بنالیا اور لڑکیوں جیسی ان کی تصویریں بنالی تھیں، پھر انھیں زیور پہناتے اور کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ان بیٹیوں، یعنی فرشتوں کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔[2]

یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴾ (النجم 19:53) ”بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟“ یہ چند آیات۔ اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ﴾ (الزخرف 19:43) ”اور انھوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں مؤنث قرار دے لیا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ﴾ (الصّٰفّٰت 158:37) ”اور ان لوگوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی۔“ یہ دو آیات۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴾ ”اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو۔“ کیونکہ شیطان ہی نے انھیں اس کا حکم دیا اور مزین اور خوبصورت کر کے پیش کیا، لہٰذا درحقیقت یہ ابلیس ہی کی پوجا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ...... ﴾ الآیة (یٰسٓ 60:36) ”اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا......“ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان مشرکوں کے بارے میں کہیں گے جو دنیا میں ان کی عبادت کے دعوے دار تھے: ﴿ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (سبا 41:34) ”بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے (اور) ان میں سے اکثر اُنھی کو مانتے تھے۔“

[1] دیکھیے النسآء، آیت: 48. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1068,1067/4.

اورفرمانِ الٰہی: ﴿ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ ’’جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔‘‘یعنی اسے دھتکار دیا، اپنی رحمت سے دور کر دیا اور بارگاہ سے نکال دیا تھا۔ تو اس نے کہا: ﴿ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ ’’میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔‘‘ یعنی ایک متعین، طے شدہ، اور معلوم حصہ۔ مُقاتِل بن حَیّان فرماتے ہیں کہ ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے لوگ جہنم رسید ہوں گے اور صرف ایک شخص جنت میں جائے گا۔[1] ﴿ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ ﴾ ’’اور ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔‘‘ یعنی حق قبول کرنے کے بجائے انھیں گمراہ کر دوں گا، ﴿ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ﴾ ’’اور امیدیں دلاتا رہوں گا۔‘‘ یعنی ترکِ توبہ کو ان کے لیے مزین کر دوں گا، انھیں امیدیں دلاؤں گا جس کی وجہ سے وہ توبہ کرنے میں بہت دیر کر دیں گے، پھر ان کے نفسوں کے بارے میں انھیں فریب اور دھوکے میں مبتلا کر دوں گا، ﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ ﴾ ’’میں انھیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان چیریں گے۔‘‘

قتادہ، سُدّی اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جانوروں کے کانوں کو چیر کر انھیں ان کے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ ہونے کی علامت قرار دے دیں گے۔[2] ﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ ’’اور (یہ بھی) کہتا رہوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں۔‘‘ امام حسن بن ابوالحسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اَلْوَشْم، یعنی گودنا ہے۔[3] اور صحیح مسلم میں یہ حدیث بھی ہے کہ (جانور کے) چہرے پر داغ لگانا منع ہے۔[4] ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔[5]

صحیح حدیث میں بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت ہے کہ گودنے والی (جسم پر سوئی وغیرہ سے سرمایا نیل بھرنے والی) اور گودوانے والی، چہرے کے بال صاف کرنے اور کروانے والی، حسن کے لیے دانتوں میں فاصلہ کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے فرمایا کہ میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1069/4. [2] تفسیر الطبری:381/5 و تفسیر ابن أبی حاتم:1069/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1070/4. [4] صحیح مسلم، اللباس والزینة، باب النھی عن ضرب الحیوان فی وجھه ووسمه فیه، حدیث: 2116 عن جابر رضی اللہ عنہ. نوٹ: تفسیر ابن کثیر کے مطبوعہ نسخوں میں الوشم فی الوجه ہے جبکہ دلائل کی رُو سے یہ واضح ہے کہ وشم، یعنی گودنا انسانی جسم کے کسی حصے پر بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ اس کے مشابہ ایک لفظ الوسم ہے جو جانوروں کے داغنے کے بارے میں مستعمل ہے جیسا کہ الوَسْمُ ھُوَ أَثَرُ کَیَّةٍ، مثلاً: [یَسِمُ إِبِلَ الصَّدَقَةِ] ’’رسول اللہ ﷺ زکاۃ کے اونٹوں پر علامتِ امتیاز لگاتے۔‘‘ (صحیح البخاری: 1502 عن أنس رضی اللہ عنہ.) اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گزرا جس کے چہرے پر داغ لگایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: [لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِی وَسَمَهُ] ’’اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اس (گدھے کے چہرے) پر داغ لگایا ہے۔‘‘ (صحیح مسلم: 117 عن جابر رضی اللہ عنہ.) اور اسی سے مِیْسَم، یعنی داغ لگانے کا آلہ ہے۔ اور یہ جانور کے چہرے کے علاوہ باقی جسم پر جائز ہے۔ اسی لیے قوسین میں ’’جانور‘‘ کا اضافہ کیا گیا ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو پھر یہاں فی الوجه کے لفظ زائد ہیں۔ اور صحیح مسلم کی آگے آنے والی حدیث اس کی واضح دلیل ہے۔ واللہ أعلم. [5] صحیح مسلم، اللباس والزینة، باب النھی عن ضرب الحیوان......، حدیث: 2117 عن جابر رضی اللہ عنہ.

فرمائی ہو اور اس کا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی ذکر ہو، آپ کا اشارہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف تھا: ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (الحشر 59:7) ''اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں تو (اس سے) باز رہو۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿119﴾ ﴾ ''اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا، وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔'' غرض یہ کہ وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہو گیا اور یہ ایک ایسا خسارہ ہے جو کسی صورت میں بھی پورا نہ ہو سکے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿120﴾ ﴾ ''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے، وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔'' یہ ایک امر واقع ہے جس کے بارے میں بتایا جا رہا ہے اور وہ یہ کہ شیطان اپنے دوستوں سے وعدہ کرتا ہے کہ صرف وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے، حالانکہ وہ صریحاً جھوٹ بولتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان جو کچھ وعدے انھیں دیتا ہے، وہ دھوکا ہی دھوکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حوالے سے ابلیس کے بارے میں بتایا ہے: ﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ تا ﴿ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ﴾ (إبراهيم 14:22) ''اور جب (حساب کتاب کے) اُمور کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا: (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا یقیناً سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا، تو میں نے اس کی خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں، میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے، بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔'' ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ ''ایسے لوگوں کا۔'' یعنی شیطان کے وعدوں اور امیدوں کو اچھا سمجھنے والوں کا ﴿ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ مطلب یہ کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانا اور ان کا انجام جہنم ہو گا ﴿ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿121﴾ ﴾ ''اور وہ اس سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔'' یعنی جہنم سے نجات، خلاصی اور جان بخشی کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

نیک مومنوں کی جزا: پھر اللہ تعالیٰ نے سعادت مند اور متقی و پرہیز گار لوگوں کے آخرت میں حسنِ انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔'' یعنی جن اچھے کاموں کے کرنے اور برے کاموں کے ترک کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا، ان کے دلوں نے اس کی تصدیق کی اور اعضاء نے اس کے

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب المتفلّجات للحسن، حديث:4886و5931 وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة ......، حديث:2125 مفصّلًا .

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ

(انجام کا دارومدار) نہ تمھاری خواہشات پر ہے نہ اہل کتاب کی خواہشات پر، بلکہ جو کوئی برا عمل کرے گا، اس کا اسے بدلہ دیا جائے گا، اور وہ اللہ کے سوا

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿123﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا﴿123﴾ اور جو کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿124﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ

ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿124﴾ اور دین میں اس شخص سے زیادہ اچھا کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی

لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿125﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ہو، اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے، جو صرف حق پرست تھا؟ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنایا تھا﴿125﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾ ع 18 11 15

ہی کا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے﴿126﴾

مطابق عمل کیا ﴿ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''ان کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔'' ان میں وہ جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں گے بلا تکلف آ جائیں گے ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ ''ابد الآباد ان میں رہیں گے۔'' نہ انھیں وہاں کبھی زوال ہوگا اور نہ وہ وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہونا چاہیں گے۔

﴿ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ﴾ یعنی یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم ہے کہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گا۔ اسی لیے مفعول مطلق ﴿ حَقًّا ﴾ لا کر اس وعدے کی صداقت کی تاکید کی ہے کیونکہ مفعول مطلق یقینی طور پر خبر کے وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾ ﴾ ''اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟'' مطلب یہ ہے کہ قول اور خبر کے اعتبار سے اس سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں ہو سکتا، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے: [إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، (وَخَيْرَ) الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَّكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ] ''بے شک سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جن کو دین میں نیا نیا ایجاد کر لیا گیا ہو اور دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔''①

① سنن النسائي، صلاة العيدين، باب كيف الخطبة؟ حديث:1579 اور یہاں [خير] کے بجائے [أحسن] ہے۔ وصحيح ابن خزيمة، باب صفة خطبة النبي ﷺ......:143/3 مزید دیکھیے صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث:867 ومسند أحمد:310/3، 311 عن جابر بن عبدالله ﷺ.

تفسیر آیات:123-126

نجات آرزوؤں پر نہیں بلکہ عملِ صالح پر موقوف ہے: امام قتادہ کہتے ہیں: ہم سے یہ بیان کیا گیا کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا۔ اہلِ کتاب نے کہا کہ ہمارا نبی تمھارے نبی سے پہلے گزرا ہے، ہماری کتاب تمھاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی ہے، لہٰذا تمھاری نسبت ہم اللہ کے زیادہ قریب ہیں، اس کے جواب میں مسلمانوں نے کہا کہ تمھاری نسبت ہم اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ہمارے نبی ﷺ تو خاتم النبیین ہیں۔ اور ہماری کتاب سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی ناسخ ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ تا ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ''(نجات) نہ تو تمھاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا......اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے حکم کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ مسلمانوں کی حجت کو ان اہل کتاب کے خلاف ظاہر اور غالب کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا تھا۔[1] سُدّی، مسروق، ضحاک، ابوصالح اور دیگر کئی مفسرین سے تقریباً اسی طرح منقول ہے۔[2]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بھی اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ مختلف ادیان سے وابستہ لوگوں نے آپس میں جھگڑا کیا، اہلِ تورات نے کہا کہ ہماری کتاب تمام کتابوں سے بہتر ہے، ہمارے نبی تمام نبیوں سے بہتر ہیں، اہل انجیل نے بھی اسی طرح کہا۔ اور اہلِ اسلام نے کہا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین، دین ہی نہیں ہے، ہماری کتاب نے سابقہ تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے، ہمارے نبی ﷺ تو خاتم النبیین ہیں اور ہمیں اور تمھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمھاری کتاب پر ایمان ضرور لائیں لیکن عمل اپنی ہی کتاب کے مطابق کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان مختلف اہل ادیان میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ ''(نجات) نہ تو تمھاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا۔''[3]

اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ دین ظاہری نمود و نمائش کا نام ہے نہ خواہشوں اور آرزوؤں کا بلکہ دین تو اس ایمان کا نام ہے جو دلوں میں راسخ ہو جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں جو شخص کسی چیز کا دعویٰ کرے تو اسے محض اپنے دعوے سے سب کچھ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کی بات حق ہے تو محض اس کے دعوے سے اس کی بات کو حق اور سچ نہیں مان لیا جائے گا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس کوئی دلیل ہو۔ اس لیے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمھیں اور انھیں محض اپنی آرزوؤں کی وجہ سے نجات نہیں مل سکے گی بلکہ نجات کا انحصار تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس شریعت کی اتباع پر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی زبانی حکم دیا، اسی لیے اس کے بعد

[1] تفسیر الطبری:390/5 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1073/4. [3] تفسیر الطبری:391/5 .

فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ ''اور جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی کا بدلہ دیا جائے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال 99:7,8) ''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو یہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری (جیسا کہ) امام ابن ابوحاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم ہے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ سخت آیت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: [مَا هِيَ يَا عَائِشَةُ؟] ''عائشہ! وہ کون سی آیت ہے؟'' میں نے عرض کی: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ تب آپ نے فرمایا: [هُوَ مَا يُصِيبُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ حَتَّى النَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا] ''اس بدلے سے مراد وہ تکلیف ہے جو مردِ مومن کو پہنچتی ہے حتی کہ اسے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے (وہ اس کے برے عمل کا بدلہ بن جاتی ہے۔)''[1] اسی طرح اس حدیث کو امام ابن جریر اور امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

سعید بن منصور نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ تو یہ مسلمانوں پر بہت گراں گزری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: [قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، فَإِنَّ كُلَّ مَا يُصَابُ بِهِ الْمُسْلِمُ كَفَّارَةٌ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، وَالنَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا] ''اعتدال پسندی سے کام لو اور درست راہ اختیار کرو، مسلمان کو جو تکلیف بھی پہنچتی ہے، وہ اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے حتی کہ اسے جو کانٹا بھی چبھے اور جو مصیبت بھی پہنچے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔''[3] اسی طرح (کچھ کمی بیشی سے) اس کو امام احمد، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝﴾ ''اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہاں، اگر وہ اپنی موت سے قبل توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا، اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[5] ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ ... نَقِيْرًا ۝﴾ ''اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو۔'' جب اللہ تعالیٰ نے برے اعمال کے بدلے کا ذکر کیا کہ وہ برے اعمال کرنے والے بندے کو ضرور پکڑے گا یا دنیا میں اور یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ اس کے برے اعمال کی اسے دنیا ہی میں سزا مل جائے اور یا پھر آخرت میں پکڑے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ. ہم دعا

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1072/4. [2] تفسير الطبري:399/5 وسنن أبي داود، الجنائز، باب عيادة النساء، حديث: 3093 مفصلاً. [3] سنن سعيد بن منصور:1378/4، حديث: 694. [4] صحيح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض......، حديث:2574 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، حديث: 3038 والسنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب:102 قوله تعالىٰ: ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ﴾:328/6، حديث:11122 ومسند أحمد:248/2. [5] تفسير الطبري:396/5 وتفسير ابن أبي حاتم:1072/4.

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا وآخرت میں عافیت، درگزر اور معافی عطا فرمائے۔

چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان اور فضل ورحمت کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں نیک اعمال کو شرفِ قبولیت سے نوازے گا بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہوں۔ پھر انھیں جنت میں داخل فرمائے گا اور ان کی نیکیوں میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کرے گا۔ یہاں اس سلسلے میں ﴿ نَقِيْرًا ﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور نَقِیر اس چھوٹے سے گڑھے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے اور فَتِیلٌ کے متعلق بات پہلے گذر چکی ہے۔① یعنی وہ دھاگہ جو گٹھلی کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اسی طرح قِطْمِیرٌ اس لفافے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔ فتیل، نقیر اور قطمیر، تینوں الفاظ کا تعلق کھجور سے ہے اور یہ تینوں الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔②

قبولیتِ عمل کی شرائط: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ﴾ ''اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا؟'' جس نے اپنے رب تعالیٰ کے لیے عمل کو خالص کیا اور ایمان کے ساتھ حصولِ ثواب کی نیت سے عمل کیا ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ''اور وہ نیکوکار بھی ہے۔'' یعنی اپنا عمل اس طریق کار کے مطابق سرانجام دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جس ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔

اور یہ دو ایسی شرطیں ہیں کہ ان کے بغیر کسی عمل کرنے والے کا عمل صحیح ہو ہی نہیں سکتا، یعنی عمل کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالص بھی ہو اور درست بھی۔ خالص سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ ہی کے لیے ہو اور درست سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو، عمل کا ظاہر اتباع اور باطن اخلاص کے ساتھ صحیح قرار پائے گا۔ عمل میں اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو وہ فاسد ہوگا۔ جس کے عمل میں اخلاص کی شرط نہ ہو تو وہ منافق ہوگا۔ منافق وہ ہوتے ہیں جو لوگوں کے دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں۔ اور جس شخص کا عمل رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے مطابق نہیں ہوگا تو وہ گمراہ اور جاہل ہوگا۔ اور جس عمل میں یہ دونوں شرطیں موجود ہوں تو وہ مومنوں کا عمل ہے۔ جن کے اچھے اعمال کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا اور برے اعمال کو معاف فرما دیتا ہے۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾ ''اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔'' ان سے مراد حضرت محمد ﷺ اور روز قیامت تک آپ کی پیروی کرنے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ ...... ﴾ الآية (آل عمران 68:3) ''ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزمان)......'' اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ (النحل 123:16) ''پھر ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی

① دیکھیے النساء، آیت: 49 کی تفسیر میں۔ ② دیکھیے ﴿ فَتِيْلًا ○ ﴾ (النسآء 49:4) اور ﴿ قِطْمِيْرٍ ؕ ﴾ (فاطر 13:35).

کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

حنیف اسے کہتے ہیں جو اپنے قصد وارادے کے ساتھ شرک سے الگ ہو جائے، یعنی شرک کو علی وجہ البصیرت ترک کر دے، حق کو کلیتًا قبول کر لے کوئی روکنے والا اسے راہِ حق سے روک نہ سکے اور کوئی بھی اس کے قدموں کو حق سے ڈگمگا نہ سکے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ ''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کی ترغیب دی ہے کیونکہ وہ ایک ایسے پیشوا ہیں کہ جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ تقرب الٰہی کے اس سب سے بلند مقام تک پہنچ گئے تھے، جہاں تک رسائی ممکن ہے، یعنی وہ درجۂ خُلّت کے اس مقام پر پہنچ گئے تھے جو محبت کے مقامات میں سے بلند ترین مقام ہے اور انھیں یہ مقام اپنے رب کی کثرت کے ساتھ اطاعت کی وجہ سے حاصل ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ ﴾ (النجم 38:53) ''اور ابراہیم جنھوں نے (حق طاعت ورسالت) پورا کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾ ...... الآية (البقرة 124:2) ''اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے......''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (النحل 120:16) ''بیشک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو بن میمون کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن تشریف لائے تو انھوں نے صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے جب یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ تو ایک آدمی بول اٹھا کہ پھر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھوں کے لیے یہ بات باعث ٹھنڈک تھی۔[1] انھیں خلیل اللہ کے لقب سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کے رب تعالیٰ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔ اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا وہ مظاہرہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: [(أَيُّهَا النَّاسُ!) لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَّاتَّخَذْتُ ابْنَ أَبِي قُحَافَةَ خَلِيلًا، وَّلٰكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ] ''لوگو! اگر میں نے اہلِ زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابن ابوقحافہ کو اپنا خلیل بنا لیتا لیکن تمھارے صاحب تو اللہ کے خلیل ہیں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسى ومعاذ إلى اليمن، حديث: 4348 . [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب الخوخة......، حديث: 466 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث:2382 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. وحديث:2383 واللفظ له عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه. [أيهاالنَّاس] اور خطبے وغیرہ کا ذکر اسی حدیث کے دوسرے طرق میں ہے، مثلاً: صحیح مسلم: 2382 والطبقات الكبرى لابن سعد: 227/2 ومسند أحمد: 18/3.

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى

اور (اے نبی!) لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ خود ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور کتاب کی وہ آیتیں

النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

بھی، جو یتیم لڑکیوں کے بارے میں تمھیں (پڑھ کر) سنائی جاتی ہیں جنھیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور تم چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو، اور (وہ) کمزور

الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾

بچوں کے بارے میں (تمھیں حکم دے رہا ہے) اور یہ کہ تم یتیموں سے انصاف کرو۔ اور تم جو بھی نیکی کرو، تو بے شک اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے ﴿127﴾

جُنْدُب بن عبداللہ بَجَلی، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا اسی طرح خلیل بنالیا ہے جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔'' سب اسی کی ملکیت، اسی کے بندے اور اسی کی مخلوق ہیں، سب میں اسی کا تصرف واختیار کارفرما ہے، اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کرسکتا، اس کی عظمت، قدرت، عدل، حکمت، لطف اور رحمت کی وجہ سے جو وہ کرتا ہے، کوئی اس سے باز پرس نہیں کرسکتا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾﴾ ''اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اس کا علم ساری مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اپنے بندوں کی کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں، آسمان وزمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بھی کوئی چھوٹی یا بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، ہر وہ ذرہ جو لوگوں کو نظر آتا ہو یا نہ آتا ہو اس سے مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیت:127

یتیم لڑکی کے بارے میں حکم: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس آیت کریمہ: ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ﴾ إِلٰى قَوْلِهٖ ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ کے بارے میں روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کے پاس یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہی اس کا والی وارث ہوتا تھا۔ وہ لڑکی اسے اپنے تمام مال حتی کہ کھجور کے درخت میں شریک کر لیتی تھی۔ اور اس کی اس سے نکاح کرنے میں بھی رغبت ہوتی تھی اور اس بات کو وہ ناپسند کرتا تھا کہ اسے کسی اور کے نکاح میں دے تا کہ وہ شراکت کی وجہ سے اس کے مال میں حصے دار بن جائے، لہٰذا وہ اسے نکاح کرنے سے روکے رکھتا تھا۔ تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[2] اور اسی طرح اس

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب النهى عن بناء المسجد على القبور……، حديث: 532 والمستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين، ذكر إبراهيم النبي ﷺ……:550/2، حديث:4018 عن جندب رضي الله عنه وسنن ابن ماجه، المقدمة، فضل العباس بن عبدالمطلب، حديث:141 عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه. ودلائل النّبوة للبيهقى، باب ماجاء فى تحدّث رسول الله ﷺ ……:484/5 عن ابن مسعود رضي الله عنه. [2] صحيح البخارى، التفسير، باب قوله: ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ﴾ (النسآء4:127)، حديث:4600.

کوامام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔①

امام ابن ابو حاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ...... ﴾ الآیۃ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے اور کتاب کی وہ آیتیں بھی جو تمھیں (پڑھ کر) سنائی جاتی ہیں۔'' اور اس پہلے حکم سے مراد یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ (النسآء 4:3) ''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (ان کے سوا) جو عورتیں تم کو پسند ہوں، ان سے نکاح کر لو۔''②

اسی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے: ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ ''اور خواہش رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کر لو۔'' یعنی یتیم لڑکی جو تمھارے زیر پرورش ہو اگر وہ کم مال اور معمولی حسن و جمال والی ہو تو پھر تم اس سے نکاح نہیں کرنا چاہتے، لہٰذا انھیں منع کر دیا گیا کہ اگر وہ محض مال اور جمال کی وجہ سے نکاح کرنا چاہتے ہوں تو پھر نکاح نہ کریں الا یہ کہ عدل و انصاف سے کام لیں۔③ اس حدیث کا اصل صحیحین میں بھی ہے۔④

مقصود یہ ہے کہ کسی آدمی کے زیر پرورش اگر کوئی ایسی یتیم لڑکی ہو جس سے نکاح کرنا اس کے لیے حلال ہو اور اس کی یہ خواہش بھی ہو کہ وہ اس سے نکاح کر لے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اسی طرح کا مہر دے جس طرح کا مہر اس جیسی عورتوں کو دیا جاتا ہو اور اگر وہ مہرِ مثل نہ دینا چاہے تو پھر اس کے سوا کسی اور عورت سے نکاح کر لے عورتوں کی کونسی کمی ہے۔⑤ یہ مفہوم اس آیت کریمہ کا ہے جو اس سورۂ مبارکہ کے شروع میں ہے۔ اور (جو آیت یہاں بیان ہوئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ) اگر آدمی کی اس سے نکاح کرنے کی خواہش نہ ہو اور وہ اس کی نظر میں یا حقیقت میں بدصورت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس بات سے منع کر دیا ہے کہ وہ اسے روک رکھے اور شادی نہ کرے کہ کہیں اس کا شوہر اس کے حصے کے مال کا شریک نہ بن جائے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کسی آدمی کے پاس کوئی یتیم لڑکی ہوتی تو وہ اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا جس کے معنی یہ تھے کہ اب اس سے کوئی نکاح نہیں کر سکے گا۔ اگر وہ خوبصورت ہوتی اور اس کی خواہش ہوتی تو اس سے خود نکاح کر لیتا اور اس کے مال کو کھا لیتا اور اگر بدصورت ہوتی تو نہ خود نکاح

① صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:(9)-3018 . ② تفسير ابن أبي حاتم:1076/4.
③ تفسير ابن أبي حاتم:1077/4. ④ صحيح البخاري، الشركة، باب شركة اليتيم وأهل الميراث، حديث:2494 وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3018 . ④ صحيح البخاري، الشركة، باب شركة اليتيم......، حديث: 2494 وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة ، حديث: 3018 . ⑤ تفسير الطبري:410/5 .

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ظلم وزیادتی یا نظر انداز کیے جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا

کرلیں، اور صلح ہی اچھی ہے، اور انسانی نفس میں بخیلی رکھی گئی ہے، اور اگر تم احسان کرو اور پرہیزگار بنو تو بے شک تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اس کی

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿128﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ

خوب خبر رکھتا ہے﴿128﴾ اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، پھر تم کسی ایک کی

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا

طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو، اور اگر تم اصلاح کا رویہ اختیار کرو اور پرہیزگار بنو تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ

کرنے والا ہے﴿129﴾ اور اگر وہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو (دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾

اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب حکمت والا ہے﴿130﴾

کرتا اور نہ اسے کسی اور کے نکاح میں دیتا حتی کہ وہ اسی طرح مر جاتی اور جب مر جاتی تو یہ اس کے مال کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیتے ہوئے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔[1]

﴿ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ﴾ ''اور بے چارے بے کس بچوں کے بارے میں (حکم دے رہا ہے۔)'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ چھوٹے بچوں اور لڑکیوں کو وراثت میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے تھے۔ اور یہ چیز اس فرمانِ الٰہی سے واضح ہے: ﴿ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ ﴾ ''جن کو تم ان کا حق تو دیتے نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا اور ہر حصے دار کا حصہ واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ (النسآء 4:11) ''ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔'' خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔[2] سعید بن جبیر وغیرہ کا قول بھی تقریباً اسی طرح ہے۔[3]

سعید بن جبیر نے فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ﴾ ''اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ جیسے یتیم لڑکی کے صاحبِ مال و جمال ہونے کی صورت میں تم اس کو ترجیح دیتے ہوئے اس سے خود نکاح کر لیتے ہو تو ایسے ہی اگر وہ صاحب مال و جمال نہ ہو تو پھر بھی اس سے نکاح کر لو اور اس صورت میں بھی تم اسی کو ترجیح دو۔[4] ﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾ ﴾ ''اور جو بھلائی تم کرو گے تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔'' یہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کرنے اور اپنی اطاعت بجالانے کا شوق دلایا ہے، اللہ تعالیٰ تمھارے

① تفسیر الطبری:410/5 . ② تفسیر الطبری:411/5 . ③ تفسیر ابن أبی حاتم:1076/4. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:1078/4.

تمام اعمال کو جانتا ہے اور وہ ان کا پورا پورا صلہ عطا فرمائے گا۔

تفسیر آیات:128-130

خاوند کی زیادتی کے بارے میں احکام: اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات کے بارے میں آگاہ فرماتے اور شرعی احکام بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ کبھی خاوند بیوی سے نفرت کرتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ اتفاق سے رہتا ہے اور کبھی اس سے جدائی اختیار کر لیتا ہے تو ان میں سے جب پہلی حالت ہو اور بیوی کو خدشہ ہو کہ اس کا خاوند اس سے نفرت یا بے رغبتی کرے گا تو اسے یہ اختیار ہے کہ شوہر کو اس سے باز رکھنے کے لیے وہ اپنے کچھ نفقہ یا لباس یا شب باشی وغیرہ کے کسی حق سے دستبردار ہو کر صلح کر لے۔ اور شوہر کو اختیار ہے کہ اگر اس کی بیوی اس طرح کی کوئی پیش کش کرے تو وہ اسے قبول کر لے۔ عورت کے لیے اس طرح کی کوئی پیش کش کرنے اور شوہر کے لیے اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ﴾ ''تو میاں بیوی پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں (کسی قرارداد پر) صلح کر لیں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ ''اور صلح خوب (چیز) ہے۔'' یعنی صلح کر لینا جدائی اختیار کر لینے سے بہتر ہے۔ ﴿ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ﴾ یہاں ﴿ الشُّحَّ ﴾ بمعنی شاحّة لیا گیا ہے، یعنی اختلاف کی صورت میں جدائی کے اختیار کر لینے سے صلح کر لینا بہتر ہے۔

امام ابوداود طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت سَوْدہ رضی اللہ عنہا کو اندیشہ لاحق ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں طلاق دے دیں گے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیں مگر مجھے طلاق نہ دیں تو آپ نے اسی طرح کیا، چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ ...... ﴾ الآية ''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں......'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ دونوں جس چیز پر بھی صلح کر لیں وہ جائز ہے۔[1] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب سودہ بنت زَمعہ رضی اللہ عنہا عمر رسیدہ ہوگئیں تو انھوں نے اپنا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دن بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارتے تھے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ ﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا ﴾ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد کے پاس سن رسیدہ عورت ہوتی ہے جس سے وہ زیادہ محبت و معاشرت

---

[1] **مسند أبي داود الطيالسي**، في ترجمة عكرمة مولى ابن عباس: 403/4 ، حديث: 2805. [2] **جامع الترمذي**، تفسير القرآن، باب ومن سورة النسآء، حديث: 3040 . [3] **صحيح البخاري**، النكاح، باب المرأة تهب يومها من زوجها ...... ، حديث: 5212 لیکن یہاں عمر رسیدہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ و**صحيح مسلم**، الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها، حديث: 1463.

نہیں کرتا بلکہ اسے الگ کر دینا چاہتا ہے تو وہ یہ کہتی ہے کہ میں اپنے (نان ونفقہ اور تقسیم وغیرہ کے) معاملے میں تجھے مکمل اختیار دیتی ہوں، یعنی تو مجھے کسی بھی صورت طلاق نہ دے، چنانچہ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ①

﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ کے معنی: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شوہر اگر بیوی کو یہ اختیار دے دے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے پاس رہے اور اگر چاہے تو علیحدگی اختیار کر لے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ شوہر اسی پر اصرار کرے کہ وہ دوسری بیوی کو ترجیح دیتے ہوئے اسے طلاق دے دے گا۔ ② لیکن آیت سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں کا اس بات پر صلح کر لینا کہ بیوی اپنے بعض حقوق ترک کر دے گی اور شوہر اس کی اس پیشکش کو قبول کر لے گا یہ کلیتًا جدائی اختیار کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ معاملہ طے کر لیا تھا کہ وہ اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کر دیں گی اور آپ انھیں طلاق نہیں دیں گے اور وہ بدستور ازواجِ مطہرات میں شمار رہیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہی صورت افضل تھی تاکہ امت بھی اس صلح کی مشروعیت اور جواز کے سلسلے میں آپ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اس کے بندے جدائی اور علیحدگی اختیار کرنے کے بجائے الفت ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ ''اور صلح خوب (چیز) ہے۔'' جبکہ طلاق اللہ سبحانہٗ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ③ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿128﴾ ﴾ ''اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کرو گے تو اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' یعنی اگر تم بیوی کو ناپسند کرنے کے باوجود اپنے پاس ہی رکھو اور صبر کرو اور اسے وہ تمام حقوق عطا کر دو جو اس طرح کی عورتوں کے ہوں تو تمھاری اس نیکی کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور وہ تمھیں اس کی پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ﴾ ''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے۔'' یعنی لوگو! تم تمام وجوہ سے عورتوں میں برابری نہیں کر سکتے۔ اگر تم ایک رات ایک کے پاس اور دوسری رات دوسری کے پاس گزارنے کی باری کی تقسیم کر بھی دو تو تم محبت، شہوت اور مباشرت کے اعتبار سے فرق کو دور نہیں کر سکتے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عَبِیدہ سَلمانی، مجاہد، حسن بصری اور ضحاک بن مُزاحم رحمہم اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ ④

امام احمد اور اہل سنن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں باریوں کی تقسیم کے اعتبار سے پورا پورا عدل وانصاف فرمایا کرتے تھے، پھر دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ ،

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا ﴾ (النسآء4:128)، حدیث:4601. ہاں، عمر رسیدہ ہونے کا ذکر حدیث:2694 میں ہے۔ ② الدر المنثور:411/2. ③ دیکھیے سنن أبی داود، الطلاق، باب فی کراهیة الطلاق، حدیث: 2178 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب حدثنا سوید بن سعید، حدیث: 2018 والمستدرك للحاکم، الطلاق:196/2، حدیث:2794 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. یہ روایت ضعیف ہے، إرواء الغلیل:7/106-108، حدیث:2040.
④ تفسیر الطبری:423/5 وتفسیر ابن أبی حاتم:1083/4.

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور ہم نے تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی، ان کو اور تمھیں بھی یہی حکم دیا کہ

اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا

اللہ سے ڈرتے رہو، پھر اگر تم کفر کرو گے تو بے شک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ بہت بے پروا،

حَمِيْدًا ﴿131﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿132﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

قابل تعریف ہے ﴿131﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ بطور کارساز کافی ہے ﴿132﴾ اے لوگو! اگر اللہ چاہے

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿133﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ

تو تمھیں ہٹا کر تمھاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس بات کی پوری قدرت رکھتا ہے ﴿133﴾ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو

19 ع 8 16 الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿134﴾ ع

تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿134﴾

فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ] ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے اور اس پر مجھے ملامت نہ کرنا جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یعنی دل کے معاملے میں مجھے ملامت نہ کرنا۔ یہ الفاظ ابوداود کی روایت کے مطابق ہیں۔ ① اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ﴾ ''تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی طرف جھک جاؤ۔'' یعنی اگر ایک کی طرف میلان زیادہ ہو تو یہ نہ کرو کہ کلیتًا ہی اس کی طرف مائل ہو جاؤ، ﴿فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ''پھر دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، ضحاک، ربیع بن انس، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسری کو اس طرح چھوڑ دو گویا وہ نہ شوہر والی ہو اور نہ مطلقہ۔ ②

امام ابوداود طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ كَانَ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلٰى إِحْدَاهُمَا ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَحَدُ شِقَّيْهِ سَاقِطٌ] ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ساقط (فالج زدہ) ہوگا۔'' ③ ﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾﴾ ''اور اگر آپس میں موافقت کر لو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اگر اپنے امور کی اصلاح کر لو اور اپنے مقدور کے مطابق عدل وانصاف سے باری مقرر کرو اور تمام حالات میں اللہ

① **مسند أحمد**:144/6 و**سنن أبي داود**، النكاح، باب في القسم بين النساء ، حديث: 2134 و**جامع الترمذي**، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر، حديث:1140 و**سنن النسائي**، عشرة النساء، باب ميل الرجل إلى بعض نسائه دون بعض ، حديث:3395 و**سنن ابن ماجه**، النكاح، باب القسمة بين النساء، حديث:1971 . ② **تفسير ابن أبي حاتم**:1084/4. ③ **مسند أبي داود الطيالسي**، ترجمة بشير بن نَهِيك:201/4، حديث:2576 .

تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ بعض عورتوں کی طرف تمھارے زیادہ میلان کو معاف فرما دے گا۔

﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾ ﴾ ''اور اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہو سکے اور) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) حکمت والا ہے۔'' یہ تیسری حالت، یعنی جدائی اور علیحدگی اختیار کرنے کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تب اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اور دونوں کو ایک دوسرے سے بہتر جیون ساتھی عطا فرما دے گا۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ بہت فضل فرمانے والا ہے اور عظیم احسان فرمانے والا ہے اور وہ اپنے تمام افعال، اپنے تمام فیصلوں اور اپنی شریعت کے تمام حکموں میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات:131-134

اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، ان سب کا وہی حاکم ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ ﴾ ''اور یقیناً جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو بھی اور تم کو بھی ہم نے تاکیدی حکم کیا ہے۔'' یعنی تم کو بھی وہی حکم دیا ہے جو انھیں حکم دیا کہ اللہ عزوجل سے ڈرو اور صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔

پھر فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور اگر کفر کرو گے تو (سمجھ رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:8) ''اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کرو تو بے شک اللہ بھی بے نیاز (اور) قابل تعریف ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ ﴾ (التغابن 64:6) ''تو انھوں نے انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تعالیٰ تو ہے ہی بہت بے نیاز، سب خوبیوں والا۔'' یعنی اپنے بندوں سے بے نیاز ہے اور اپنے تمام فیصلوں اور احکام میں قابلِ ستائش ہے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿132﴾ ﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' یعنی ہر جاندار جو کچھ کر رہا ہے، وہ اسے دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان اور نگران ہے۔ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿133﴾ ﴾ ''لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمھاری جگہ) اور لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔'' مفہوم یہ ہے کہ جب تم اس کی نافرمانی کرتے ہو تو اس بات کو مت بھولو کہ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور تمھاری جگہ اور لوگوں کو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف یا

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ

تمھارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو، معاملے کا فریق امیر ہو یا غریب، دونوں صورتوں میں تمھاری نسبت اللہ زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ پس

اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ

تم نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اور اگر تم نے توڑ مروڑ کر بات کی یا (گواہی دینے سے) منہ موڑا تو بے شک تم جو بھی

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿135﴾

عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿135﴾

یہاں بسا دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴾ (محمد 38:47) ''اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ ''جو شخص دنیا کی جزا کا طالب ہو تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کے لیے اجر (موجود) ہے۔'' یعنی جس شخص کا مطلوب و مقصود صرف دنیا ہی ہے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے، لہٰذا جب تم اس سے دونوں کا ثواب طلب کرو گے تو وہ تمھیں دونوں کا اجر و ثواب عطا فرما کر بے نیاز کر دے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ...... ﴾ الآية (البقرة 2:200-202) ''پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر، ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور بعضے ایسے ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت سے نواز اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کاموں کا حصہ (بہترین اجر) ہے......''

اور فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ﴾ (الشوریٰ 42:20) ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اس کے لیے ہم اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ ...... ﴾ الآية (بنی إسرآئيل 17:18-21) ''جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا)

مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ ذلیل اور رحمت سے محروم ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے، ہم ان کو بھی اور ان کو بھی تمھارے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمھارے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔ دیکھو! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ﭓﭔ ﴾ ''اور اللہ سنتا، دیکھتا ہے۔''

تفسیر آیت:135

عدل قائم کرنے اور اللہ کی رضا کے لیے گواہی دینے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل وانصاف پر قائم رہیں اور اسے چھوڑ کر دائیں بائیں نہ جھکیں، کسی ملامت گر کی ملامت یا کسی دوسرے انسان کی کوشش انھیں راہِ عدل سے نہ ہٹائے۔ مومنوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار اور حامی و ناصر بن جائیں۔ ﴿ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾ ''اللہ کے لیے (سچی) گواہی دینے والے۔'' اور یہ فرمان اس طرح ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ (الطلاق 2:65) یعنی گواہی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے دینی چاہیے اور جب گواہی سے مطلوب ومقصود یہی ہوگا تو پھر وہ یقینی طور پر صحیح، مبنی بر عدل وانصاف اور تحریف، تبدیلی اور کتمان سے پاک ہوگی، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾ یعنی گواہی سچی دو، خواہ اس میں تمھارا اپنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

اور اسی طرح جب تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو سچی بات کہو، خواہ اس میں بھی تمھارا نقصان ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا، وہ اسے ہر مشکل سے نکال کر اس کے لیے آسانی پیدا فرمادے گا۔ ﴿ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ یا اگر گواہی تمھارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو تو اس میں ان سے رعایت نہ کرو بلکہ سچی گواہی دو، خواہ اس کی وجہ سے انھیں نقصان ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حق ہر ایک پر حاکم اور ہر ایک سے مقدم ہے۔ ﴿ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ﴾ ''اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے۔'' یعنی نہ تو کسی کی دولت کی وجہ سے اس سے رعایت کرو اور نہ کسی کے فقر کی وجہ سے (اس معاملے میں) اس پر شفقت کرو کہ ان دونوں کا اللہ والی ہے۔ اور تمھاری نسبت وہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ اور وہ زیادہ جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس چیز میں ہے۔

﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ﴾ ''تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا'' مطلب یہ کہ خواہش نفس، عصبیت اور لوگوں کا تم سے بغض تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اپنے امور و معاملات میں عدل کو چھوڑ دو بلکہ ہر حال میں عدل کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (المآئدۃ 8:5) ''اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔''

اسی قبیل سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جو انھوں نے اس وقت کہا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ، اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور اس کتاب پر بھی جو اس

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

نے اس سے پہلے نازل کی۔ اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿136﴾

تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔﴿136﴾

اہل خیبر کے پھلوں اور فصلوں کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا تھا اور اہل خیبر نے انھیں رشوت دینا چاہی تا کہ ان کے ساتھ نرمی برتیں تو انھوں نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! میں اس گرامی قدر شخصیت کی طرف سے تمھارے پاس آیا ہوں جو ساری مخلوق سے مجھے زیادہ محبوب ہیں اور تم مجھے بندروں اور خنزیروں سے بھی بہت زیادہ ناپسند ہو، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے محبت اور تم سے نفرت اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی کہ میں تمھارے بارے میں عدل سے کام نہ لوں۔ انھوں نے جواب دیا: ہاں، عدل ہی کی وجہ سے آسمانوں اور زمین کا نظام قائم ہے۔[1] یہ حدیث ان شاء اللہ سورۂ مائدہ کی تفسیر میں باسند بیان کی جائے گی۔[2]

﴿ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا ﴾ ''اگر تم (شہادت میں) کج بیانی کرو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی ائمہ سلف نے فرمایا ہے کہ ﴿ تَلْوٗٓا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم شہادت میں تحریف اور تبدیلی کرو گے۔[3] اور اللَّیُّ کے معنی تحریف کرنے اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ ﴾ (آل عمران3:78) اور ﴿ اَوْ تُعْرِضُوْا ﴾ اعراض سے ہے جس کے معنی شہادت کے چھپانے اور ترک کرنے کے ہیں۔[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ﴾ (البقرة2:283) ''اور جو اس کو چھپائے گا تو وہ دل کا گناہ گار ہو گا۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [أَلَا أُخبِرُكُم بِخَيرِ الشُّهَدَاءِ؟ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبلَ أَنْ يُّسأَلَهَا] ''کیا میں تمھیں بہترین گواہ کے متعلق نہ بتاؤں؟ وہ، وہ ہے جو پوچھنے سے پہلے ہی گواہی دے دے۔''[5]

---

① مسند أحمد:367/3 وصحيح ابن حبان، المزارعة، باب ذكر خبر ثالث......:608,607/11 والسنن الكبرٰى للبيهقي، السير، باب من رأى قسمة:137/9 والمصنف لعبد الرزاق:7201-7209 نحوه. اور مختصراً یہ روایت سنن أبي داود، البيوع، باب في الخرص، حديث:3415,3414 وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب خرص النخل والعنب، حديث: 1820 میں ہے۔ ② سورۂ مائدہ کی تفسیر میں بالخصوص اور باقی تفسیر میں بالعموم یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ ③ تفسير الطبري:436/5 . ④ تفسير الطبري:436/5 . ⑤ صحيح مسلم، الأقضية، باب بيان خيرالشهود، حديث:1779 وسنن أبي داود، القضاء، باب في الشهادات، حديث:3596 عن زيد بن خالد ﷺ.

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، پھر ایمان لے آئے، پھر کفر کیا پھر کفر میں کہیں بڑھ گئے، اللہ انھیں ہرگز نہیں

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿137﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿138﴾ الَّذِينَ

بخشے گا اور نہ انھیں ہدایت کا راستہ دکھائے گا﴿137﴾ (اے نبی!) منافقوں کو خبردار کر دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿138﴾ جو مومنوں

يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ

کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کافروں کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں؟ پھر بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے

الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿139﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا

ہے﴿139﴾ اور اس نے اس کتاب میں تمھارے لیے نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہو یا ان کا مذاق اڑایا جا رہا

وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ

ہو تو تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تم بھی اس وقت یقیناً انھی جیسے ہو گے،

اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿140﴾

بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے﴿140﴾

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿135﴾﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تمھارے سب کاموں سے خوب واقف ہے۔'' اور ان کا وہ پورا پورا بدلہ بھی دے گا۔

تفسیر آیت:136

مومنوں کو ایمان لانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایمان لائیں، یعنی ایمان کے تمام احکام، شاخوں، ارکان اور ستونوں میں داخل ہو جائیں، یہ تحصیلِ حاصل نہیں ہے بلکہ یہ کامل کی تکمیل، پختگی اور اس پر ہمیشہ قائم دائم رہنے کے باب میں سے ہے جیسا کہ مومن اپنی ہر نماز میں کہتا ہے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (الفاتحة 5:1) ''ہم کو سیدھے رستے چلا۔'' یعنی ہمیں اس میں بصیرت عطا فرما ہدایت میں اضافہ فرما اور اس پر ثابت قدم رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ﴾ (الحديد 28:57) ''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔''

اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ﴾ ''اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے۔'' یعنی قرآن مجید ﴿وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ﴾ ''اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں (سب پر ایمان لاؤ۔)'' یہاں کتاب کا لفظ جنس کے لیے ہے جو سابقہ تمام کتابوں پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے لیے یہاں ﴿نَزَّلَ﴾ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ حسبِ حالات و واقعات تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے جیسے بندوں کو اپنے دنیا و آخرت کے معاملات میں ضرورت تھی جبکہ سابقہ تمام آسمانی کتابیں (اپنے اپنے دور میں) یک بار نازل ہوئی تھیں، اس لیے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿136﴾ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔'' یعنی طریقِ ہدایت سے بھٹک گیا اور راہِ اعتدال سے بہت دور ہو گیا۔

تفسیر آیات:137-140

منافقوں کے حالات اور ان کا انجام: اللہ تعالیٰ اس شخص کے بارے میں فرما رہا ہے جس نے ایمان کو قبول کر لیا اور اسے چھوڑ دیا، پھر اسے قبول کر لیا، پھر اسے چھوڑ کر ضلالت کو قبول کر لیا اور ضلالت و گمراہی میں بڑھتا چلا گیا حتی کہ مر گیا تو مرنے کے بعد ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں، اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا۔ جس صورتِ حال میں وہ مبتلا ہو گا، اس سے نکلنے کی اس کے لیے کوئی صورت پیدا نہیں فرمائے گا، ہدایت کا کوئی رستہ اسے عطا نہیں کرے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿137﴾ ﴾ ''ان کو اللہ نہ تو بخشے گا اور نہ سیدھا رستہ دکھائے گا۔''

امام ابن ابو حاتم نے ﴿ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ﴾ ''پھر کفر میں بڑھتے گئے۔'' کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر ہی پر قائم رہے حتی کہ مر گئے۔ امام مجاہد نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿138﴾ ﴾ ''(اے پیغمبر!) منافقوں (دورخے لوگوں) کو بشارت سنا دیں کہ ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔''

منافقین وہ ہیں جن کی یہ خصلت ہو کہ وہ ایمان لانے کے بعد پھر کفر کو اختیار کر لیں تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک نشانی یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں، یعنی حقیقت میں یہ کافروں ہی کے ساتھ ہیں، انھی کے ساتھ یہ دوستی اور محبت کے تعلقات قائم رکھتے ہیں۔ اور جب علیحدگی میں ان سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، مسلمانوں سے تو ہم مذاق کرتے ہیں جب ان سے ہم آہنگی کا اظہار کرتے ہیں۔

منافقوں نے کافروں سے جو دوستی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ ﴾ ''کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عزت تو سب اللہ وحدہ لاشریک کی ہے اور اس کی جسے وہ عزت عطا فرما دے جیسا کہ اس نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ﴾ (فاطر 10:35) ''جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت سب اللہ ہی کی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (المنافقون 8:63) ''عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1091/4.

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ

وہ لوگ تمھارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمھیں اللہ کی طرف سے فتح حاصل ہو تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ

کو کچھ غلبہ ملے تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور (کیا) ہم نے تمھیں مومنوں سے نہیں بچایا؟ پھر قیامت کے دن اللہ ان کے

20 ع 7 17 الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ع

درمیان فیصلہ کر دے گا، اور اللہ کافروں کو مومنوں کے خلاف ہرگز کوئی راستہ نہیں دے گا﴿141﴾

اور البتہ منافق نہیں جانتے۔''

مقصود یہ ہے کہ جو شخص عزت کا طلب گار ہو تو اسے چاہیے کہ اسے اللہ ہی کی جناب سے طلب کرے۔ اس کی عبودیت کو اختیار کرے اور اپنے آپ کو اس کے مومن بندوں میں سے بنا لے جن سے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں فتح و نصرت کے وعدے فرمائے ہیں۔ فرمانِ الٰہی: ﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۡ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ﴾ ''اور بے شک اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو، ورنہ تم بھی انھیں جیسے ہو جاؤ گے۔'' یعنی ممانعت کا حکم پہنچنے کے بعد جب تم اس کا ارتکاب کرو گے اور کافروں کے ساتھ اس جگہ بیٹھنے پر راضی ہو جاؤ گے جس میں اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو، ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہو اور ان کی عظمتِ شان میں کمی کی جا رہی ہو اور تم انھیں ایسا کرنے دو تو پھر تم بھی ان کے اس گناہ میں برابر کے شریک ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ ''یقیناً تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔'' یعنی گناہ کے اعتبار سے تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔ ①

اس آیت کی ابتدا میں جس حکم (کے اتارے جانے) کی طرف اشارہ فرمایا ہے تو اس سے مراد سورۂ انعام، جو مکی سورت ہے، کی یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ (الأنعام 68:6) ''اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ۔'' مُقاتل بن حَیّان بیان کرتے ہیں کہ سورۂ انعام کی اس آیت نے ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ ''ورنہ تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔'' کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 69:6) ''اور پرہیز گاروں پر ان لوگوں کے حساب کی کچھ بھی جواب دہی نہیں لیکن نصیحت کرنا (فرض ہے) تاکہ وہ بھی پرہیز گار ہوں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿140﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ منافقوں

① تفسير ابن أبي حاتم:1092/4 .

اور کافروں سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔'' یعنی منافق جیسے یہاں کافروں کے ساتھ کفر میں شریک رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں جہنم کی آگ میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اکٹھا رکھے گا۔ جہنم کی سزاؤں، زنجیروں، بیڑیوں اور شیریں، ٹھنڈے پانی کے بجائے گرم پانی اور دوزخیوں کے جسموں سے نکلنے والی پیپ کے پینے اور دیگر سزاؤں میں یہ شریک ہوں گے۔

تفسیر آیت:141

منافق، مسلمانوں پر مصائب وآلام کے انتظار میں رہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں ہمیں یہ خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمان برے حالات سے دوچار ہوں۔ ان کی حکومت زوال پذیر ہو جائے اور کافروں کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ ﴿ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''پھر اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے۔'' یعنی فتح و نصرت، تائید وحمایت اور غنیمت حاصل ہو۔ ﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ ''تو کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟'' یہ کہہ کر وہ مومنوں سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ﴾ ''اور اگر کافروں کو غلبہ حاصل ہو۔'' یعنی ﴿ نَصِيْبٌ ﴾ بمعنی فتح اور غلبہ کے ہے۔ جیسا کہ احد کے دن ہوا کیونکہ رسولوں کی بھی آزمائش ہوتی ہے اور بالآخر انجام کار فتح ونصرت انھی کی ہوتی ہے۔

﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''تو (ان سے) کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے اور تم کو مسلمانوں (کے ہاتھ) سے بچایا نہیں؟'' مطلب یہ کہ خفیہ طور پر ہم نے تمھاری مدد کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور رسوا کرنے میں ہم نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی حتی کہ تم ان پر غالب آ گئے۔ سدی بیان کرتے ہیں: ﴿ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم تم پر غالب تھے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ (المجادلة 58:19) ''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا۔'' یہ بھی منافقوں کی طرف سے کافروں کے ساتھ اظہار محبت تھا۔ یہ کافروں کے ساتھ اپنے تعلقات قائم رکھنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ بھی تا کہ مسلمانوں کے ہاں بھی انھیں پذیرائی حاصل ہو اور کافروں کے مکر وفریب سے بھی محفوظ رہیں اور یہ ان کے ضعفِ ایمان اور قلتِ ایقان کا نتیجہ تھا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''تو اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔'' یعنی منافقو! اللہ تعالیٰ تمھارے ردی باطن کو جانتا ہے لیکن دنیا کی زندگی میں بظاہر تم پر جو احکامِ شرعیہ نافذ ہوتے ہیں تو اس سے فریب نہ کھاؤ۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت ہے۔ یاد رکھو! تمھارے یہ ظاہری حالات قیامت کے دن تمھارے لیے کچھ فائدہ مند نہ ہوں گے کیونکہ اس دن تو بھید ظاہر کیے جائیں گے اور سینوں کے راز افشا کر دیے جائیں گے۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ ﴾ ''اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔''

امام عبدالرزاق نے یُسَیع کِندی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس

---

① تفسیر الطبری:446/5 . ② سورۂ مجادلہ کی مذکورہ آیت کے سیاق وسباق سے یہ چیز واضح ہوتی ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا

بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو دل

كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿142﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ

سے نہ چاہتے ہوئے، لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، اور وہ اللہ کو بس تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں ﴿142﴾ وہ کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿143﴾

ہیں، نہ (پورے) اس طرف نہ (پورے) اس طرف، اور (اے نبی!) جسے اللہ گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پائیں گے ﴿143﴾

نے اس آیت کا مطلب پوچھا اور کہنے لگا کہ کافر ان کو شہید بھی کر دیتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، اور فرمایا: ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ﴾ ''تو اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اور اللہ کافروں کو مومنوں پر (روز قیامت) ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔''[1] ابن جریج نے عطاء خراسانی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ اس کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔[2] اسی طرح سُدّی نے ابو مالک اشجعی کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔[3] سدّی کا قول ہے کہ یہاں ﴿ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ﴾ کے معنی حجت ہیں۔[4]

جبکہ آیت کریمہ میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر اس طرح غالب اور مسلط نہیں کرے گا کہ وہ انھیں صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دیں، گو بعض اوقات کافروں کو کچھ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی ضرور حاصل ہو جاتی ہے لیکن دنیا و آخرت میں انجام کار فتح و نصرت مسلمانوں ہی کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (المؤمن 40:51) ''یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں۔''

بہرحال منافقوں نے امیدیں لگا رکھی تھیں، مسلمانوں کی حکومت کے زوال پذیر ہونے کے منتظر تھے اور کافروں سے دوستی اور محبت کے تعلقات استوار کر رکھے تھے تاکہ مسلمانوں پر غلبے کے وقت کفار ان منافقوں کو گزند نہ پہنچائیں۔ ان تمام باتوں کی اس آیت کریمہ میں تردید ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۗ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۗ ﴾ (المآئدة 5:52) ''تو (اے نبی!) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کر (ملے جاتے ہیں) کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے سو قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے

① تفسیر عبدالرزاق:480/1، رقم:647. ② تفسیر الطبری:448/5 . ③ تفسیر الطبری:448/5 . ④ تفسیر الطبری: 448/5 .

ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر، جو چھپایا کرتے تھے، پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔''

تفسیر آیات: 143,142

منافقوں کا اللہ کو دھوکا دینا، نماز میں سستی کرنا اور تذبذب کا شکار رہنا: سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (البقرة 9:2) ''یہ (اپنے پندار میں) اللہ کو اور مومنوں کو دھوکا دیتے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ ''بے شک منافق (اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انھی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔'' اور اس میں قطعًا کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو دھوکا نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ تو دلوں کی دھڑکنوں بلکہ پوشیدہ رازوں اور بھیدوں کو بھی جانتا ہے لیکن منافقین اپنی جہالت اور قلتِ علم و عقل کی وجہ سے یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا چکما جیسے لوگوں میں چل گیا اور ان کے ظاہری حالات کے باعث ان پر احکام شریعت جاری ہو گئے، اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان سے یہی سلوک ہو گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو بھی چکما دینے میں کامیاب ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ یہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس قسمیں کھائیں گے کہ دنیا میں یہ استقامت اور راستی پر تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ اس طرح کی باتیں اور قسمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے نفع بخش ثابت ہوں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ ﴾ (المجادلة 18:58) ''جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا تو جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ ''اور وہ انھی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔'' یعنی وہ انھیں ان کی سرکشی و گمراہی کے باوجود مہلت دیتا ہے اور انھیں اس طرح ذلیل و رسوا کرتا ہے کہ دنیا میں یہ حق کو پا ہی نہیں سکیں گے اور قیامت کے دن بھی ان سے اسی طرح کا معاملہ کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الحديد 57:13-15) ''اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر (شفقت) کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے روشنی حاصل کر لیں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ سو (وہاں) نور تلاش کرو، پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے اس طرف عذاب (و اذیت) تو (منافق لوگ مومنوں سے) کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمھارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے:

کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا کر رکھا اور (ہمارے حق میں حوادث کے) منتظر رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (لاطائل) آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اور اللہ کے بارے میں تم کو (شیطان) دغا باز دھوکہ دیتا رہا، لہٰذا آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ (وہ) کافروں ہی سے (قبول کیا جائے گا) تمھارا (سب کا) ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمھارے زیادہ لائق ہے اور وہ لوٹ جانے کی بہت بری جگہ ہے۔''

اور حدیث میں آیا ہے: [مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ رَّآءٰى رَاءَى اللّٰهُ بِهٖ] ''جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے کوئی بات کرے تو اللہ (روز قیامت) لوگوں کو سنا دے گا (کہ اس نے یہ کام شہرت و ناموری کے لیے کیا تھا) اور جو ریا کاری کے لیے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ (روزِ قیامت) اس کی ریا کاری کو واضح (کر کے اسے ذلیل ورسوا) کر دے گا۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى ﴾ ''اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔'' سب سے اشرف، افضل اور بہترین عمل، یعنی نماز کے بارے میں ان کا حال یہ ہے کہ جب اسے ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بے حدسست اور کاہل ہو کر کیونکہ ان کی نماز ادا کرنے کی نیت ہی نہیں ہوتی اور نہ اس پر ایمان ہوتا ہے، لہٰذا اسے یہ نہ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں اور نہ اس کے معانی کو سمجھتے ہیں۔

یہ ان کی ظاہری حالت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی باطنی فاسد حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يُرَآءُونَ النَّاسَ ﴾ ''(صرف) لوگوں کے دکھانے کو۔'' یعنی ان میں نہ اخلاص ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ہی سے معاملہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ محض تَقِیَّہ اور تکلف کے طور پر نماز ادا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو دکھا سکیں کہ یہ بڑے نمازی ہیں، اس وجہ سے یہ ان نمازوں میں شرکت نہیں کرتے جن میں (اندھیرے وغیرہ کی وجہ سے) اکثر و بیشتر صورتوں میں لوگ دیکھ نہیں سکتے، مثلاً: عشا اور صبح کی نمازیں جو اندھیرے میں ادا کی جاتی ہیں۔

صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا وَّلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِيَ بِرِجَالٍ مَّعَهُمْ حُزَمٌ مِّنْ حَطَبٍ إِلٰى قَوْمٍ لَّا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ] ''منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشا اور صبح کی نماز ہے۔ اور اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ ان میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو یہ ان میں ضرور شریک ہوں، خواہ گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے آئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ نماز کا حکم دوں اور اقامت کہی جائے اور کسی دوسرے آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں اپنے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کو لے کر جاؤں جن کے پاس ایندھن کے گٹھے ہوں، چنانچہ جو لوگ نماز کے لیے نہ آئے ہوں تو ان کے گھروں کو آگ

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب الرياء والسُّمعة، حدیث: 6499 عن جندب ﷺ. وصحیح مسلم، الزهد، باب تحريم الرياء، حدیث: 2986 و اللفظ له عن ابن عباس ﷺ. البتہ بعض نسخوں میں [راءى] کے بجائے [رايا] ہے۔

سے جلا دوں۔''①

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ ! لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ، لَشَهِدَ الْعِشَاءَ]، [لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ لَأَقَمْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَأَمَرْتُ فِتْيَانِي يُحَرِّقُونَ مَا فِي الْبُيُوتِ بِالنَّارِ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے ایک موٹی ہڈی یا دو عمدہ کھر ملیں گے تو وہ نماز ادا کرنے کے لیے ضرور آئے۔ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نمازِ عشا پڑھاتا اور نوجوانوں کو حکم دیتا کہ وہ ان کے گھروں کو آگ سے جلا دیں۔''②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾﴾ ''اور وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔'' یعنی یہ اپنی نمازوں میں نہ خشوع و خضوع سے کام لیتے ہیں اور نہ جانتے ہیں کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں بلکہ یہ نہایت غفلت اور بے پروائی سے کام لیتے ہیں اور نماز سے مقصود جو خیر و بھلائی ہے اس سے اعراض کیے رہتے ہیں۔

امام مالک نے علاء بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ] ، [يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ ، قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا ، لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا] ''یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے، بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتی کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان میں ہو جاتا ہے تو یہ کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور ان میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔''③ اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔④ اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ ؕ﴾ ''بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف۔'' یعنی منافقین ایمان اور کفر کے مابین حیران ہیں۔ ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے نہ مومنوں کے ساتھ ہیں اور نہ کافروں کے ساتھ بلکہ ظاہری طور پر مومنوں کے ساتھ ہیں اور باطنی طور پر کافروں کے ساتھ۔ کچھ شک میں اس طرح مبتلا ہیں کہ کبھی مومنوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی کافروں کی طرف جیسا کہ فرمایا: ﴿كُلَّمَآ

---

① صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، حديث: 657 وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة......، حديث:(252)-651 واللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. ② پہلا حصہ صحيح البخاري، الأذان ، باب وجوب صلاة الجماعة، حديث: 644 وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة ......، حديث: 651. اور دوسرا حصہ مسند أحمد: 367/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ③ پہلا حصہ الموطأ للإمام مالك، القرآن، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح: 75/1، حديث: 523 وسنن أبي داود، الصلاة ، باب وقت العصر، حديث: 413 اور دوسرا حصہ صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب التبكير......، حديث: 622 کے مطابق ہے۔ ④ صحيح مسلم، حوالہ مذکورہ و جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في تعجيل العصر، حديث: 160 وسنن النسائي، المواقيت، باب التشديد في تأخير العصر، حديث: 512.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی حجت

اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿144﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ

دے دو؟ ﴿144﴾ بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اور وہاں آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے ﴿145﴾

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿145﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا

سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، اور تھام لیا اللہ (کے دین) کو اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص کر لیا تو ایسے لوگ

دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿146﴾

مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ مومنوں کو جلد بہت بڑا اجر عطا کرے گا ﴿146﴾ اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمھیں عذاب دے کر

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿147﴾

کیا کرے گا؟ اور اللہ بڑا قدر دان، خوب جاننے والا ہے ﴿147﴾

اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ (البقرة 20:2) ”جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔“

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ نہ اصحاب محمد ﷺ کی طرف ہوتے ہیں اور نہ ان یہودیوں کی طرف۔[1] امام ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ ، تَعِيرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَّإِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً لَّا تَدْرِي أَيَّهُمَا تَتْبَعُ؟] ”منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان متردد ہوتی ہے کبھی اس ریوڑ کی طرف آتی ہے اور کبھی اس کی طرف اور نہیں جانتی کہ ان دونوں میں سے کس کے پیچھے لگے؟“[2] اس روایت کو شیخین رحمہما اللہ میں سے صرف امام مسلم ہی نے بیان کیا ہے۔[3]

اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿143﴾﴾ ”اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے تو تم اس کے لیے کبھی بھی رستہ نہیں پاؤ گے۔“ یعنی جسے اللہ راہ ہدایت سے دور ہٹا دے تم اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝﴾ (الكهف 17:18) ”پھر آپ اس کے لیے کوئی دوست رہنما نہ پائیں گے۔“ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ﴾ (الأعراف 186:7) ”جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔“ اور منافقین جن کو اللہ نے راہ نجات سے دور ہٹا دیا تھا، ان کے لیے کوئی ہادی اور اس صورت حال سے جس میں

[1] تفسير الطبري:452/5 . [2] تفسير الطبري:451/5 . [3] صحيح مسلم، كتاب وباب صفات المنافقين......، حديث:2784، البتہ [لا تدري أيهما تتبع] یہاں نہیں، اس کے لیے دیکھیے مسند أحمد:102/2 وسنن النسائي، الإيمان، باب مثل المنافق، حديث:5040 .

یہ مبتلا ہیں کوئی نجات دینے والا نہیں ہے کیونکہ ان کے لیے یہ صورت حال اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور اللہ کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو وہ کرتا ہے، اس کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ تمام انسانوں سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

تفسیر آیات:144-147

کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست بنائیں، ان کی صحبت و رفاقت اختیار کریں، ان کی ہمدردی و خیر خواہی کریں۔ ان سے محبت کے تعلقات استوار کریں اور مومنوں کے خفیہ حالات ان سے بیان کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ﴾ (آل عمران 3:28) ”مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ ہاں، اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے۔“ یعنی وہ تمھیں اپنے غضب اور اپنی سزا سے ڈراتا ہے، لہٰذا اس نے جس بات سے منع کیا ہے اس کا ارتکاب نہ کرو، اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾﴾ ”کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو؟“ یعنی تمھیں سزا دینے میں اس کی حجت تم پر پوری ہو جائے۔

امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ سُلطان کا لفظ حجت کے معنی میں آیا ہے۔[1] اس روایت کی سند صحیح ہے۔ امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب قُرظی، ضحاک، سُدّی اور نضر بن عربی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ ”کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔“ قیامت کے دن انھیں ان کے شدید کفر کی سزا یہ دی جائے گی کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ علی بن ابوطلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں سب سے نیچے ہوں گے۔[3] اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ جہنم کے بھی اس طرح مختلف دَرَکات (پستی کی منزلیں) ہیں جس طرح جنت کے مختلف درجات ہیں۔[4] امام ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ منافقین کو دوزخ میں تابوتوں میں بند کر کے تالے لگا دیے جائیں گے۔[5]

---

① تفسیر ابن أبی حاتم:1097/4. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1097/4. ③ تفسیر الطبری:454/5 وتفسیر ابن أبی حاتم:1098/4. ④ تفسیر القرطبی:425/5. ⑤ تفسیر الطبری:454/5.

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿148﴾

اللہ اونچی آواز میں برائی کی بات کرنے کو پسند نہیں کرتا، مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو (اسے اجازت ہے) اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿148﴾ اگر تم

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾

کھلے طور پر کوئی نیکی کرو یا چھپا کر کرو، یا برائی سے درگزر کر دو، تو اللہ بھی بہت معاف کرنے والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿149﴾

امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منافقین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ انھیں تابوتوں میں بند کر کے جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈال دیا جائے گا۔[1] ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿145﴾ ﴾ ''اور آپ ان کا کسی کو مددگار نہ پائیں گے۔'' جو انھیں اس حالت سے نجات دے سکے اور دردناک عذاب سے باہر نکال سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان میں سے جو شخص دنیا میں توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور ندامت کو قبول فرما لے گا بشرطیکہ یہ خالص توبہ کرے، نیک عمل کرے اور تمام امور میں اپنے رب کی اطاعت کرے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ ﴾ ''ہاں، جنھوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑا اور خاص اللہ کے حکم بردار ہو گئے۔'' یعنی انھوں نے ریا کاری کے بجائے اخلاص کو اختیار کیا تو انھیں عملِ صالح نفع دے گا، خواہ وہ کم ہی ہو۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی قیامت کے دن یہ مومنوں کے زمرے میں شمار ہوں گے۔ ﴿ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿146﴾ ﴾ ''اور اللہ عنقریب مومنوں کو اجرِ عظیم دے گا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے سوا سب سے بے نیاز ہے اور بندوں کو ان کے گناہوں پر عذاب دے سکتا ہے، لہٰذا اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ﴾ ''اگر تم (اللہ کے) شکر گزار رہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟'' یعنی اگر تم اپنے عمل درست کر لو اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لے آؤ تو ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿147﴾ ﴾ ''اور اللہ تو قدر شناس (اور) جاننے والا ہے۔'' یعنی جو اللہ کا شکر ادا کرے تو وہ اسے اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے اور جو دل سے اس کی ذاتِ گرامی پر ایمان لائے تو وہ اسے جانتا اور اس کی پوری پوری جزا عطا فرماتا ہے۔

تفسیر آیات: 149,148

مظلوم کے لیے ظالم کو علانیہ برا کہنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ درگزر کرنے کی ترغیب: ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾ ''اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ برا کہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ کوئی کسی کے لیے بددعا کرے الا یہ کہ وہ مظلوم ہو تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ ظالم کے لیے بددعا کر سکتا ہے، اس لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ﴾ ''مگر وہ جو مظلوم ہو۔'' اور اگر وہ صبر کر لے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔[2] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے بددعا نہ کرے

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1098/4 و تفسير الطبري:454/5. [2] تفسير الطبري:3/6.

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور وہ کہتے

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيدُونَ أَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿150﴾ أُولٰٓئِكَ

ہیں: ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ اختیار کریں﴿150﴾ وہی لوگ حقیقی کافر

هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿151﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے﴿151﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور انھوں نے ان

21 ع 11 1 وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿152﴾

میں سے کسی ایک کے درمیان بھی تفریق نہیں کی، وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ جلد ان کا اجر دے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے﴿152﴾

بلکہ یہ دعا کرے کہ اے اللہ! میری اس کے خلاف مدد فرما اور مجھے اس سے میرا حق دلا دے۔[1] اور آپ ہی سے ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اسے اجازت دی گئی ہے کہ وہ ظالم کے لیے بددعا کر سکتا ہے لیکن اس پر زیادتی نہ کرے۔[2]

عبدالکریم بن مالک جزری نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص تمھیں گالی دے تو تم اسے گالی دے سکتے ہو لیکن اگر وہ تم پر کوئی بہتان باندھے تو تم اس پر بہتان نہ باندھو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَأُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ﴾ (الشوریٰ 41:42) ’’اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔‘‘[3]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ] ’’دونوں گالیاں دینے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا گناہ ان دونوں میں سے ابتدا کرنے والے پر ہے بشرطیکہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔‘‘[4]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوٓءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿149﴾﴾ ’’اگر تم لوگ بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر، یا برائی سے درگزر کرو گے تو اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) صاحب قدرت ہے۔‘‘ یعنی لوگو! اگر تم بھلائی کھلم کھلا کرو یا چھپا کر یا اسے معاف کر دو جو تم سے برائی کرے تو یہ بات تمھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گی۔ اور اس کے ہاں تمھیں اس کا بہت ثواب ملے گا کہ اس کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو معاف فرما دیتا ہے، حالانکہ وہ انھیں سزا دینے پر بھی قادر ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿149﴾﴾ ’’تو اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) صاحبِ قدرت ہے۔‘‘ اسی لیے ایک موقوف روایت میں ہے کہ حاملینِ عرش میں سے بعض فرشتے یہ کہتے ہیں: [سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ] ’’تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ کہ علم کے باوجود حلم سے کام لیتا

[1] تفسير الطبري: 3/6 . [2] تفسير ابن أبي حاتم:1101/4. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1101/4. [4] سنن أبي داود، الأدب، باب المستبّان، حديث:4894 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن السباب، حديث:2587.

ہے۔'' اور بعض یہ کہتے ہیں:[سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ] ''تیری ذات پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ کہ تو قدرت کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔''①

اور صحیح حدیث میں ہے:[مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنْ صَدَقَةٍ] ، [وَّمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا] ، [وَّمَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ] ''صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرما دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی عطا فرما دیتا ہے۔''②

تفسیر آیات:150-152

بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا خالص کفر ہے: اللہ تعالیٰ نے ان یہود و نصاریٰ کی سرزنش کی ہے جو اس کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انھوں نے ایمان لانے میں اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کر دیا ہے۔ پھر بعض انبیاء پر ان کا ایمان ہے اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ محض اپنی خواہش و عادت اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہوتی ہے۔ ان کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض خواہش و عصبیت سے کام لیتے ہیں۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ ان کا دیگر انبیاء پر تو ایمان تھا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں تھا۔ اسی طرح عیسائیوں کا دیگر انبیاء پر تو ایمان تھا مگر خاتم النبیین اور اشرف المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرتے تھے۔ سامرہ③ حضرت موسیٰ بن عمران کے خلیفہ حضرت یُوشَع کے بعد اور کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتے۔ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ مجوسیوں کا زِرَادِشت نامی ایک نبی پر ایمان تھا، پھر انھوں نے اس کی شریعت کے ساتھ بھی کفر شروع کر دیا تو شریعت کو ان کے درمیان میں سے اٹھا لیا گیا۔ واللّٰه أعلم.

بہر حال مقصود یہ ہے کہ جو کسی بھی نبی کے ساتھ کفر کرے تو گویا اس نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا کیونکہ ہر اس نبی پر ایمان لانا واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا، لہٰذا جو شخص حسد یا عصبیت یا خواہش کی وجہ سے

---

① شعب الإيمان للبيهقي، الباب الثامن، فصل في معنى قول اللّٰه عزوجل: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ، حديث:364 و كتاب العظمة للأصفهاني:954/3، حديث: 481 و كتاب العرش للحافظ الذهبي، الفصل الرابع، الكلام على حملة العرش ......، المبحث الأوّل، ص:300,299 و تفسير عبدالرزاق: 342 ، رقم: 3314 و تفسير الطبري:10/19. ② پہلا جملہ المعجم الأوسط، من اسمه أحمد:619,618، حديث:2270 عن أم سلمة رضی اللہ عنہا۔ یہ روایت ضعیف اور سیاق مختلف ہے، البتہ یہ معناً صحیح ہے۔ و مسند البزار:243/3، حديث: 1032، دوسرا جملہ صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 2588 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. اور تیسرا جملہ حلية الأولياء، إبراهيم بن أدهم: 48/8، حديث:11339 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ اور دیکھیے السلسلة الصحيحة:2328 . اور صحیح مسلم وغیرہ میں بحوالۂ مذکورہ حدیث کا متن اس طرح ہے: [مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَّمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا ، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ] عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. ③ یہودی قبیلے سامرہ کا مذہب یہودی مذہب سے مختلف تھا یہ شریعت موسوی کی بڑی پابندی کرتے تھے اور یہودیوں پر مقدس صحائف میں تحریف کا الزام لگاتے تھے اور ان کی بولی آرامی تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

کسی بھی نبی کی نبوت کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جن انبیاء پر اس کا ایمان ہے وہ بھی شرعی ایمان نہیں ہے بلکہ وہ کسی غرض، خواہش اور عصبیت پر مبنی ہے۔ اسی لیے یہ فرما کر ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں'' انھیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرنے والے نامزد کر دیا گیا ہے۔

﴿ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔'' یعنی ایمان لانے میں ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿150﴾ ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ﴾ ''وہ بلا اشتباہ کافر ہیں۔'' یعنی ان کا کفر یقینی ہے کیونکہ جن انبیاء کے ساتھ یہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں وہ شرعی ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر اللہ کے رسول ہونے کی وجہ سے ایمان ہوتا تو وہ ان جیسے دیگر انبیاء پر اور ان انبیاء پر بھی ایمان لے آتے جن کی نبوت دلیل کے اعتبار سے زیادہ واضح اور برہان کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ اور ان کی نبوت کے بارے میں بھی یہ حقیقت پسندانہ رویہ رکھتے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿151﴾ ﴾ ''اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی جس طرح انھوں نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیا جن کے ساتھ یہ ایمان نہیں لائے تھے اسی طرح انھیں بھی ذلت اور رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔ یہ اس لیے کہ یا تو انھوں نے اس دین و ہدایت کو کوئی اہمیت ہی نہ دی جسے یہ رسول اللہ کے پاس سے لے کر آئے بلکہ اس سے انھوں نے مکمل طور پر اعراض کیا اور دنیا کے اس ساز و سامان کے جمع کرنے میں لگے رہے جس کی انھیں قطعاً کوئی ضرورت ہی نہیں تھی یا انھیں یہ عذاب اس لیے ہوگا کہ انھوں نے ان کی نبوت کا علم ہونے کے باوجود کفر کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے علمائے یہود نے کیا کہ انھوں نے اس عظیم نبوت کے عطا کیے جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کیا،[1] آپ کی مخالفت اور تکذیب کی، آپ سے دشمنی کی اور جنگیں لڑیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیوی ذلت مسلّط کر دی جیسا کہ اس کے بعد اخروی ذلت سے بھی دوچار ہوں گے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (البقرۃ 2:61) ''اور ان پر ذلت اور مسکنت ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔'' اور یہ ذلت و رسوائی دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں ان پر مسلط کی گئی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (سب کو مانا۔)'' سے مراد امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لوگ ہیں کہ وہ

---

[1] جیسا کہ النسآء کی آیت :54 میں ہے: ﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اور اسی طرح البقرۃ کی آیت :109 سے بھی واضح ہوتا ہے: ﴿ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ

(اے نبی!) اہل کتاب آپ سے تقاضا کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں، چنانچہ ان لوگوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑا تقاضا

ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

کیا تھا، انھوں نے کہا تھا: (اے موسیٰ!) ہمیں اللہ بالکل آنکھوں کے سامنے دکھا، پھر ان کے ظلم کی وجہ سے کڑا کے کی بجلی ان پر آپڑی، پھر ان کے پاس کھلی

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿153﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ

نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا، پھر اس پر بھی ہم نے انھیں معاف کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا کیا﴿153﴾ اور ہم نے ان

الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ

سے اقرار لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ بلند کیا، اور ہم نے ان سے کہا: (شہر کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ، اور ہم نے ان سے کہا:

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿154﴾

ہفتے کے دن میں زیادتی نہ کرو، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا﴿154﴾

ہر اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور ہر اس نبی پر ایمان رکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ...... ﴾ الآية (البقرة 285:2) ”رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم رسولوں میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے......۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے بے حد وحساب جزا، بے پایاں اجر وثواب اور بہت خوبصورت عطیات تیار فرما رکھے ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿اُولٰٓىِٕكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ﴾ ”ایسے لوگوں کو وہ عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا“ اس ایمان کی وجہ سے جو یہ اللہ اور اس کے رسولوں پر رکھتے تھے۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿152﴾﴾ ”اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔“ اگر ان میں سے کچھ لوگوں سے گناہ سرزد ہوئے بھی تو وہ انھیں معاف فرما دے گا۔

تفسیر آیات: 154,153

یہودیوں کا عناد: محمد بن کعب قُرظی، سُدّی اور قتادہ نے کہا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ ان پر آسمان سے اسی طرح کتاب نازل کر دیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر لکھی ہوئی تورات نازل ہوئی تھی، تو یہ مذکورہ آیات نازل ہو گئیں۔[1] ابن جریج کہتے ہیں کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں، فلاں اور فلاں شخص کے لیے صحیفے اتار دیں جن میں آپ کی نبوت کی تصدیق ہو۔[2] ان کا یہ مطالبہ ضد، ہٹ دھرمی اور کفر والحاد کی وجہ سے تھا۔ جس طرح کہ ان سے پہلے کفارِ قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ سے وہ مطالبات کیے تھے جو سورۂ سبحٰن

[1] ملخص از تفسیر الطبری: 11,10/6۔ [2] ملخص از تفسیر الطبری: 11/6۔

(بنی اسرائیل) میں اس طرح مذکور ہیں: ﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ ...... ﴾ الآيات (بنی إسرائيل 17:90-93) ''اور کہنے لگے کہ ہم تو آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ (عجیب وغریب باتیں نہ دکھائیں یا) ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دیں......۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ﴾ ''تو یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بڑی درخواستیں کر چکے ہیں (ان سے) کہتے تھے: ہمیں اللہ کو ظاہر (آنکھوں سے) دکھا دو، سوان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔'' یعنی ان کی سرکشی، بغاوت، ضد اور عناد کی وجہ سے اور سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:55,56) ''اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے آپ پر ایمان نہیں لائیں گے تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے، پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔'' اس کے بعد فرمایا: ﴿ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ ''پھر ان کے پاس کھلی نشانیاں آ جانے کے باوجود وہ بچھڑے کو (معبود) بنا بیٹھے۔'' یعنی اگرچہ بلادِ مصر میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں وہ کھلی نشانیاں اور زبردست دلائل دیکھ چکے تھے اور یہ مشاہدہ کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن فرعون کو اپنے تمام لشکروں کے ساتھ سمندر میں غرق کر دیا تھا اور انھیں سمندر سے صحیح سلامت پار کر دیا تھا مگر سمندر پار کرنے کے بعد ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان کا جب ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت کرتے تھے تو یہ کہنے لگے: ﴿ اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾ (الأعراف 7:138) ''جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا (مقرر کر) دو۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ [1] میں ان کا بچھڑے کو معبود بنانے کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لیے تشریف لے جانے کے بعد لوٹے تو انھوں نے بچھڑے کو معبود بنانے کا یہ بھیانک جرم دیکھا جس سے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے یہ صورت قرار دی کہ جس نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ اس کو قتل کر دے جس نے بچھڑے کی پوجا کی ہے۔ اس طرح انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝153 ﴾ ''تو اس سے بھی ہم نے درگزر کی اور موسیٰ کو صریح غلبہ دیا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ ﴾ ''اور ان سے عہد لینے کے لیے ہم نے ان پر (کوہِ) طور اٹھا کھڑا کیا۔'' اور یہ اس وقت کی بات ہے جب انھوں نے تورات کے احکام کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا تھا

[1] دیکھیے الأعراف، آیات: 148-155 وطٰہٰ، آیات: 85-97.

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا

پھر (ہم نے ان پر لعنت کی) اس لیے کہ انھوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے اور انھوں نے یہ کہا کہ ہمارے دل

غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿155﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ

پردوں میں ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے ہی ﴿155﴾ اور (ہم نے ان پر لعنت کی) ان

عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿156﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

کے کفر کی وجہ سے اور مریم پر بہت بڑا بہتان لگانے کی وجہ سے ﴿156﴾ اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا،

اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا وہ

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿157﴾ بَلْ

ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل

رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿158﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ

نہیں کیا ﴿157﴾ بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھا لیا، اور اللہ بڑا زبردست، بہت حکمت والا ہے ﴿158﴾ اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ پر ان

قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿159﴾

کی موت سے پہلے ایمان نہ لے آئے، اور قیامت کے دن وہ ان سب پر گواہ ہوں گے ﴿159﴾

اور موسیٰ علیہ السلام جس دین و شریعت کو لائے تھے، اس کی حکم عدولی ان سے ظاہر ہو رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ کو بلند کر دیا اور ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مانو تو انھوں نے ماننا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے مگر حالتِ سجدہ میں بھی اپنے سروں کے اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ ان پر گر نہ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ...... ﴾ الآية (الأعراف 171:7) ''اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ ایک سائبان تھا اور انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً وہ ان پر گرنے ہی والا ہے تو (ہم نے کہا:) جو ہم نے تمھیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو۔'' ﴿ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾ ''اور انھیں حکم دیا کہ (شہر کے) دروازے میں (داخل ہونا تو) سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔'' انھیں جس قول و فعل کا حکم دیا گیا تھا، اس کی انھوں نے مخالفت کی۔ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ بیت المُقدّس کے دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ (البقرة 58:2) کہتے ہوئے داخل ہوں، یعنی اے اللہ! جہاد ترک کرنے اور اس سے اعراض کی صورت میں جو گناہ ہم سے سرزد ہوا اسے معاف فرما دے، تو نے ہمیں وادئ تِیہ میں چالیس سال تک ذلیل کیا، چنانچہ یہ اپنی سرینوں کے بل حِنْطَةٌ فِي شَعَرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ [1]

[1] دیکھیے البقرة، آیات:58,59.

﴿ وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ ﴾ ''اور یہ بھی حکم دیا کہ ہفتے کے دن (مچھلیاں پکڑنے) میں تجاوز (حکم کے خلاف) نہ کرنا۔'' یعنی ہم نے انھیں صریح حکم کیا کہ ہفتے کے دن کی حفاظت کرنا اور اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا ہے، اس کی حرمت پامال نہ کرنا، جب تک اس کا حکم برقرار رہے۔ ﴿ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ ''اور (غرض) ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔'' غلیظ کے معنی پختہ اور مضبوط کے ہیں مگر انھوں نے اس پختہ عہد کی مخالفت کی، نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا اس کے ارتکاب کے لیے حیلہ سازی سے کام لیا جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت مبارکہ: ﴿ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ﴾ (الأعراف 163:7) کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

تفسیر آیات:155-159

یہودیوں کے جرائم: یہ ان گناہوں کا ذکر ہے جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا اور انھی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کو واجب قرار دے کر انھیں ہدایت سے محروم کر دیا۔ انھوں نے اس عہد و پیمان کو توڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ آیات سے مراد دلائل و براہین اور وہ معجزات ہیں جن کا انھوں نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں مشاہدہ کیا تھا۔ ﴿ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ ''اور ان کے انبیاء کو ناحق مار ڈالنے کی وجہ سے۔''

ان کے جرائم کی کثرت اور انبیاء کے بارے میں جرأت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک بہت بڑی جماعت کو شہید کر دیا تھا۔ ﴿ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ﴾ ''اور ان کے یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، سُدّی، قتادہ رحمہم اللہ اور کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿ غُلْفٌ ﴾ کے معنی پردے کے ہیں۔[1] یہ ایسے ہی ہے جیسے مشرکوں نے یہ کہا تھا: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 5:41) ''اور انھوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ﴾ ''بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی۔'' گویا انھوں نے عذر یہ پیش کیا کہ ان کے دل اسے یاد نہیں رکھ سکتے جو وہ کہتا ہے کیونکہ وہ پردے میں ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔[2] ﴿ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ''تو (یہ) کم ہی ایمان لاتے ہیں۔'' یعنی ان کے دل کفر، سرکشی اور قلتِ ایمان کے عادی ہو چکے ہیں۔

حضرت مریم پر بہتان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴾ ''اور ان کے کفر کے سبب اور مریم (علیہا السلام) پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت مریم پر بدکاری کا الزام لگایا تھا۔[3] سُدّی، جُوَیبر، محمد بن

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1108/4. [2] دیکھیے البقرۃ، آیت: 7. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1109/4.

اسحاق اور دیگر کئی اہل علم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔① اس آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت مریم اور ان کے بیٹے پر بڑے بڑے بہتان باندھے۔ حضرت مریم پر یہ بہتان باندھا کہ انھوں نے زنا کیا اور اسی زنا کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، بعض یہودیوں نے تو حد کر دی اور کہا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے زنا بھی حیض کی حالت میں کیا۔ اللہ تعالیٰ ان یہود مردود پر قیامت تک مسلسل لعنت برسائے۔

﴿ وَّ قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﴾ ''اور ان کے یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر تھے قتل کر دیا۔'' یعنی یہ شخص جو اپنے لیے اس مَنصِب رسالت کا مدعی تھا، ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''رسول اللہ'' حقارت اور مذاق کے طور پر کہتے تھے جیسا کہ مشرکوں نے کہا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ۝ﯙ ﴾ (الحجر 6:15) ''اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا! یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے۔'' یہودیوں کو اللہ تعالیٰ اپنی لعنت، ناراضی اور غضب وعتاب میں مبتلا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلائل اور ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو انھوں نے نبوت اور آپ کے زبردست معجزات کی وجہ سے آپ سے حسد کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ معجزات عطا فرمائے کہ آپ مادر زاد اندھے اور برص وجذام کے مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے، مٹی سے پرندے کی شکل بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا اور اسے اڑتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا تھا۔② علاوہ ازیں اور بھی کئی معجزات تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا اور جن کا آپ کے ہاتھوں ظہور ہوا تھا لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہودیوں نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی اور ہر ممکن طریقے سے آپ کو ایذا پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ مل کر کسی ایک شہر میں سکونت اختیار نہیں کر سکتے تھے بلکہ آپ اپنی والدہ کے ہمراہ اکثر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے مگر یہودی اس کے باوجود خاموش نہ رہے اور انھوں نے اس وقت کے دِمَشق کے بادشاہ کے پاس آپ کی شکایت کی جو کہ مشرک اور ستارہ پرست تھا اور اس کی قوم کے لوگوں کو یونان کہا جاتا تھا۔

یہودیوں نے اس بادشاہ کے پاس آپ علیہ السلام کی شکایت کرتے ہوئے کہا: بیت المَقدِس میں ایک ایسا شخص ہے جو لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر کے گمراہ کر رہا ہے اور بادشاہ کی رعایا کو خراب کر رہا ہے۔ بادشاہ یہ بات سن کر سخت ناراض ہوا اور اس نے بیت المقدس میں اپنے نائب کو لکھا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے پھانسی پر چڑھا دے اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دے اور لوگوں کو اس کی ایذا رسانی سے محفوظ کر دے۔ جب بیت المقدس کے نگران کو بادشاہ کا یہ خط ملا تو اس نے حکم کی اس طرح تعمیل کی کہ وہ یہودیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ اس گھر میں گیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ سکونت پذیر تھے۔ آپ کے ان اصحاب کی تعداد بارہ یا تیرہ یا سترہ بیان کی جاتی ہے۔

① تفسیر ابن أبي حاتم:1109/4. ② عیسیٰ ابن مریم کے معجزات کی تفصیل دیکھیے آل عمران 49:3 و المآئدة 110:5.

یہ جمعے کا دن، عصر کے بعد کا وقت تھا اور آنے والی رات ہفتے کی رات تھی۔ یہودیوں نے اس گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آپ نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ لوگ یقیناً اب اس گھر کے اندر داخل ہو جائیں گے یا مجھے باہر نکلنا پڑے گا تو آپ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا کہ تم میں سے کوئی ہے جس کی مجھ سے مشابہت پیدا کر دی جائے تو وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا؟ اس کے لیے ایک نوجوان اٹھا مگر آپ نے محسوس فرمایا کہ وہ کم عمر ہے۔ اس لیے آپ نے یہ بات دو تین بار دہرائی مگر ہر دفعہ وہی نوجوان اٹھا تو آپ نے فرمایا: ہاں! تم ہی اس لائق ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت ڈال دی جس کی وجہ سے وہ بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا، پھر اس مکان کی چھت میں ایک روشن دان کھول دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ طاری کر کے آپ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ (آل عمران 55:3) ”جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے پورا لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو آپ کے ساتھی اس مکان سے باہر نکل گئے۔ یہودیوں نے جب اس نوجوان کو دیکھا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا گیا تھا تو انھوں نے سمجھا کہ یہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں، چنانچہ انھوں نے رات کے وقت انھیں پکڑ کر پھانسی چڑھا دیا اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ یہودیوں نے اظہار کیا کہ انھوں نے آپ کے پھانسی دیے جانے کے بارے میں کوشش کی ہے اور اس پر انھوں نے بڑا فخر بھی کیا۔

جہالت اور عقل کی کمی کی وجہ سے بعض عیسائیوں نے بھی یہودیوں کی اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا تھا، البتہ ان لوگوں نے اسے صحیح تسلیم نہیں کیا تھا جو اس وقت اس گھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے کیونکہ انھوں نے تو آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ باقی عیسائیوں کا وہی خیال تھا جو یہودیوں کا خیال تھا کہ جن کو پھانسی دی گئی ہے، وہ حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام ہی ہیں حتی کہ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کی پھانسی پر لٹکتی ہوئی لاش کے نیچے بیٹھ کر حضرت مریم علیہا السلام روئی بھی تھیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس مصلوب شخص نے اس وقت حضرت مریم علیہا السلام سے بات بھی کی تھی۔[1] واللّٰه أعلم. یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کا امتحان تھا اور اس میں بڑی حکمت بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو بالکل واضح، روشن اور اس قرآن عظیم میں ظاہر کر دیا ہے جسے اس نے اپنے اس رسول کریم پر نازل فرمایا ہے جنھیں اس نے روشن معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ مؤید فرمایا ہے۔ اللہ رب العالمین جو اصدق القائلین ہے، تمام مخفی باتوں اور دلوں کی دھڑکنوں سے آگاہ ہے، آسمانوں اور زمین کی تمام مخفی چیزوں کو جانتا ہے اور ان سب باتوں کو جانتا ہے جو ہوئی ہیں یا ہوں گی یا نہیں ہوئیں اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ ہوتیں تو کس طرح ہوتیں؟ بہر حال اس ذات گرامی نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ ”اور انھوں نے نہ انھیں (عیسیٰ کو) قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔“ یعنی انھوں نے ان کی سی صورت دیکھ کر اسے عیسیٰ ہی سمجھ لیا۔

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے الدرالمنثور و تفسیر الطبری، اسی آیت کے ذیل میں۔ اور البداية والنهاية ، رفع عيسى عليه السلام: 84/2 .

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ﴾ ''اور یقیناً جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروئ ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں۔'' ان سے مراد یہودیوں میں سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کے قتل کا دعوٰی کیا تھا اور عیسائیوں میں سے وہ جاہل لوگ مراد ہیں جنھوں نے یہودیوں کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کر لیا تھا۔ یہ سب لوگ شک، حیرت، گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۱۵۷ ﴾ ''اور انھوں نے عیسٰی کو یقیناً قتل نہیں کیا۔'' یعنی جسے انھوں نے قتل کیا اس کے بارے میں انھیں یقین نہیں تھا کہ وہ عیسٰی ہیں بلکہ یہ شک اور وہم میں مبتلا تھے۔

﴿ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ۱۵۸ ﴾ ''بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ اس قدر عالی جناب ہے کہ اس کی جناب کا برے ارادے سے قصد نہیں کیا جا سکتا اور جو اس کے دروازے پر آ کر پناہ لے لے اس کا کچھ بگاڑا نہیں جا سکتا۔ اور وہ جن امور کو پیدا فرماتا ہے، ان میں وہ حکمت والا ہے اور اس کی حکمت عظیم الشان، اس کی دلیل قاطع، اس کی سلطنت زبردست اور اس کا امر قدیم ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے آپ ان کے پاس گھر کے چشمے سے (غسل کر کے) آئے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ مجھ پر ایک بار ایمان لائے ہیں تو بارہ بار کفر بھی کریں گے، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی صورت میری صورت جیسی ہو جائے اور میری جگہ قتل کیا جائے، پھر وہ جنت میں میرے ساتھ میرے درجے میں ہو؟ ایک نوجوان کھڑا ہوا جو ان سب میں سے کم عمر تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ، آپ نے اس بات کو دوہرایا تو بھی وہی نوجوان کھڑا ہوا، آپ نے پھر اس سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ آپ نے اپنی اس بات کو ایک بار پھر دوہرایا[1] تو وہی نوجوان کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اس کام کے لیے میں تیار ہوں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تم ہی یہ کام کر سکتے ہو، چنانچہ اس کی صورت حضرت عیسٰی علیہ السلام کی سی بنا دی گئی اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو گھر کے روشن دان سے آسمان پر اٹھا لیا گیا، یہودی آپ کی تلاش میں نکلے تو انھوں نے اس نوجوان کو پکڑ کر قتل کر دیا، پھر سولی پر چڑھا دیا، چنانچہ ان میں سے واقعی بعض لوگ جو آپ پر ایمان لائے تھے تو انھوں نے بارہ بار آپ کے ساتھ کفر کیا اور وہ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

ان میں سے ایک فرقے نے کہا کہ اللہ ہم میں اس وقت تک رہا جب تک اس نے چاہا، پھر وہ آسمان پر چڑھ گیا، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ دوسرے فرقے نے کہا کہ اللہ کے بیٹے نے جب تک چاہا ہم میں قیام کیا، پھر اللہ نے اسے اپنے پاس اٹھا

[1] تفسیر ابن ابوحاتم میں تیسری بار دوہرانے کا ذکر نہیں ہے جبکہ تیسری مرتبہ کا ذکر الدرالمنثور: 423/2 اور السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورۃ الصف: 489/6، حدیث: 11591 میں ہے۔

لیا، یہ فرقہ نَسطُوریہ کہلاتا ہے اور تیسرے فرقے نے کہا کہ جب تک اللہ نے چاہا اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہم میں رہا، پھر اسے اللہ نے اپنے پاس اٹھا لیا، یہ لوگ مسلمان کہلائے۔ مذکورہ دونوں کافر فرقے اس تیسرے مسلمان فرقے پر غالب آ گئے اور اسے قتل کر دیا۔ اسلام مٹتا جا رہا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما دیا۔ ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام نسائی نے بھی اس کو بروایت ابوکُریب (محمد بن العلاء) بواسطہ ابومعاویہ اسی طرح روایت کیا ہے۔ ②

ائمہ سلف میں سے بھی کئی ایک نے اسی طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کون ہے جس کی صورت میری صورت جیسی بنا دی جائے، پھر اسے میری جگہ قتل کیا جائے اور اس کے صلہ میں وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا؟ ③

ہر اہل کتاب آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾﴾ ''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔'' امام ابن جریر نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے گا۔ ④ عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔ ⑤

ابو مالک نے ﴿اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت اہل کتاب ایمان لے آئیں گے حتی کہ ہر اہل کتاب آپ کی موت سے پہلے آپ پر لازمی طور پر ایمان لے آئے گا۔ ⑥

قیامت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کے اللہ کی طرف دعوت دینے کے بارے میں احادیث مبارکہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، جسے شرفِ قبولیت حاصل ہے، کی کتاب ذکر الأنبياء کے باب نزول عيسى ابن مريم علیہما السلام میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ ! لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَّنزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا ، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ ، وَيَقْتُلَ الْخِنزِيرَ ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ ، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ أَحَدٌ، حَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنيَا وَمَا فِيهَا] ''اس ذاتِ گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریب ہے کہ تم میں عیسیٰ ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیے کو ختم کر دیں گے اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا حتی کہ

① تفسير ابن أبي حاتم:1110/4. ② السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الصف:489/6. ③ تفسير الطبري: 19/6 وتفسير ابن أبي حاتم:1110/4. ④ تفسير الطبري:25/6. ⑤ تفسير الطبري:26/6. ⑥ تفسير الطبري: 25/6.

ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴾ ''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔''① اسی طرح اس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔② اور فرمانِ الٰہی: ﴿ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَيُهِلَّنَّ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ بِالْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوْ لَيُثَنِّيَنَّهُمَا جَمِيعًا] ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام فَجُّ الرَّوْحَاء نامی جگہ سے حج یا عمرے یا دونوں کا اکٹھا ہی تلبیہ پکاریں گے۔''③ اسی طرح اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔④

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيُمْحِي الصَّلِيبَ وَتُجْمَعُ لَهُ الصَّلَاةُ وَيُعْطَى الْمَالُ حَتّٰى لَا يُقْبَلَ وَيَضَعُ الْخَرَاجَ وَيَنْزِلُ الرَّوْحَاءَ فَيَحُجُّ مِنْهَا أَوْ يَعْتَمِرُ أَوْ يَجْمَعُهُمَا] ''عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے تو وہ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹا دیں گے، آپ کے لیے نماز کو جمع کیا جائے گا، اور (لوگوں کو) مال سے اس قدر نوازا جائے گا کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا، آپ خراج کو ختم کر دیں گے، مقام رَوْحاء میں نازل ہوں گے اور وہاں سے حج یا عمرے یا دونوں ہی کا احرام باندھیں گے۔'' اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ حنظلہ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ہر اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ بھی نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث کا حصہ ہے یا یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔⑤ اسی طرح امام ابن ابو حاتم نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔⑥

ایک اور روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ؟] ''تمھارا کیا حال ہوگا جب تم میں مسیح ابن مریم نازل ہوں گے اور تمھارا امام تمھی میں سے ہوگا؟''⑦ اسی طرح اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔⑧ اور امام مسلم رحمہ اللہ

---

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى ابن مريم، حديث:3448. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب نزول عيسى ابن مريم حاكمًا بشريعة نبينا محمد ﷺ......، حديث:155. ③ مسند أحمد:513/2. ④ صحيح مسلم، الحج، باب إهلال النبي ﷺ، حديث:1252 اور یہاں حاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا ہے۔ فَجِّ الروحاء کے متعلق مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ مقام دراصل روحاء ہے اور فج کشادہ راہ کو کہا جاتا ہے اور یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ کی جانب 73 کلو میٹر پر واقع ہے۔ اور اس سے اگلی روایت سے بھی پتا چلتا ہے کہ اس جگہ کا نام روحاء ہے۔ ⑤ مسند أحمد:290/2. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:1113/4. ⑦ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى ابن مريم عليه السلام، حديث:3449. ⑧ مسند أحمد:272/2.

نے بھی بیان کیا ہے۔①

ایک اور روایت: امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ وَّأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ، لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَّإِنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ: رَجُلٌ مَّرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ ، عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَصَّرَانِ، كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَّمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ ، فَيَدُقُّ الصَّلِيبَ ، وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ ، وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ ، وَيَدْعُو النَّاسَ إِلَى الْإِسْلَامِ ، فَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ، وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ، وَتَقَعُ الْأَمَنَةُ عَلَى الْأَرْضِ حَتّٰى تَرْتَعَ الْأُسُودُ مَعَ الْإِبِلِ، وَالنِّمَارُ مَعَ الْبَقَرِ ، وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ، وَيَلْعَبَ الصِّبْيَانُ بِالْحَيَّاتِ لَا تَضُرُّهُمْ ، فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفّٰى ، وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ]

''تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں مگر ان کا دین ایک ہے۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کا اور لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ قریبی ہوں کیونکہ میرے اور ان کے مابین اور کوئی نبی نہیں ہے۔ اور وہ نازل ہونے والے ہیں۔ جب انھیں دیکھو گے تو تم انھیں اس طرح پہچان لو کہ وہ ایک ایسے شخص ہوں گے جن کا قد درمیانہ، رنگ سرخ سفیدی مائل ہوگا، انھوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہن رکھے ہوں گے۔ ان کا سر یوں محسوس ہوگا جیسے اس سے پانی کے قطرے گر رہے ہوں، حالانکہ وہ گیلا نہیں ہوگا، وہ صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا دیگر تمام ملتوں کو ہلاک کر دے گا، اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں مسیح دجال کو بھی ہلاک کر دے گا ، پھر زمین اس قدر پرامن ہو جائے گی کہ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ مل کر چریں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور سانپ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال رہیں گے، پھر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔''② اسی طرح اس کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔③

ایک اور حدیث: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْزِلَ الرُّومُ بِالْأَعْمَاقِ أَوْ بِدَابِقَ ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِّنَ الْمَدِينَةِ مِنْ خِيَارِ أَهْلِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ ، فَإِذَا تَصَافُّوا ، قَالَتِ الرُّومُ : خَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِينَ سَبَوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ ، فَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ : لَا وَاللّٰهِ !لَا نُخَلِّي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا ، فَيُقَاتِلُونَهُمْ ، فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَّا يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ أَبَدًا ، وَّيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ ، وَيَفْتَحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُونَ أَبَدًا ، فَيَفْتَتِحُونَ قُسْطَنْطِينِيَّةَ ، فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُونَ

① صحیح مسلم ، الإیمان، باب نزول عیسی ابن مریم حاکمًا بشریعة نبینا محمد ﷺ......، حدیث:(244)-155. ② مسند أحمد:406/2. ③ سنن أبي داود ، الملاحم، باب خروج الدجال ، حدیث:4324 لیکن اس میں حدیث کا ابتدائی حصہ اور امن وامان کا بول بالا ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ و صحیح ابن حبان:234,233/15 ، حدیث:6821 .

الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوا سُيُوفَهُمْ بِالزَّيْتُونِ، إِذْ صَاحَ فِيهِمُ الشَّيْطَانُ: إِنَّ الْمَسِيحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِي أَهْلِيكُمْ، فَيَخْرُجُونَ، وَذٰلِكَ بَاطِلٌ، فَإِذَا جَاءُوا الشَّامَ خَرَجَ، فَبَيْنَا هُمْ يُعِدُّونَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّونَ الصُّفُوفَ ، إِذْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ، فَأَمَّهُمْ ، فَإِذَا رَآهُ عَدُوُّ اللّٰهِ ، ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ ، فَلَوْ تَرَكَهُ لَانْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ ، وَلٰكِنْ يَقْتُلُهُ اللّٰهُ بِيَدِهِ ، فَيُرِيهِمْ دَمَهُ فِي حَرْبَتِهِ]

’’اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک رومی مقام اَعماق یا دابق[1] میں حملہ آور نہ ہوں گے،ان کے مقابلے کے لیے مدینہ سے ایک ایسا لشکر آئے گا جو اس وقت روئے زمین کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب وہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں گے تو رومی کہیں گے کہ ہمیں چھوڑ دو تا کہ ہم ان لوگوں سے جنگ کریں جنھوں نے ہمارے آدمیوں کو قیدی بنالیا ہے تو مسلمان جواب دیں گے: نہیں، اللہ کی قسم! ہم تمھیں اپنے بھائیوں سے جنگ نہیں کرنے دیں گے مگر وہ ان سے لڑائی کریں گے تو ان میں سے ایک تہائی پسپائی اختیار کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا۔ اور ایک تہائی شہید ہوجائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل شہداء ہوں گے اور ایک تہائی فتح یاب ہوجائیں گے اور وہ کبھی بھی فتنے میں مبتلا نہ ہوں گے اور وہ قسطنطنیہ کو فتح کرلیں گے۔

وہ اپنی غنیمتوں کو تقسیم کر رہے ہوں گے اور انھوں نے زیتون کے ساتھ اپنی تلواروں کو لٹکا رکھا ہوگا جبکہ شیطان ان میں چیخ کر کہے گا کہ مسیح (دجال) تمھارے پیچھے تمھارے اہل وعیال میں موجود ہے تو سب لوگ واپس جا کر دیکھیں گے مگر یہ بات جھوٹی ہوگی لیکن جب وہ شام آئیں گے تو مسیح (دجال) کا خروج ہو چکا ہوگا، مسلمان لڑائی کے لیے صفوں کو درست کر رہے ہوں گے، تب نماز کھڑی ہوگی تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ ان کے امام کو امامت کا کہیں گے جب اللہ کا دشمن (مسیح دجال) آپ کو دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو وہ پگھل پگھل کر ہی ہلاک ہوجائے مگر اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ کے نیزے پر اس کا خون دکھائے گا۔‘‘[2]

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَتُقَاتِلَنَّ الْيَهُودُ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ، حَتّٰى يَقُولَ الْحَجَرُ : يَا مُسْلِمُ ! هٰذَا يَهُودِيٌّ، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ] ’’یہودی تم سے ضرور جنگ کریں گے، چنانچہ تم انھیں یقیناً قتل کردو گے حتی کہ پتھر بھی کہے گا: اے مسلم! یہ یہودی ہے، آ وَاور اسے قتل کردو۔‘‘[3] صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ،

① یہ دونوں شام کے علاقے ہیں جو ترکی اور شام کی سرحد پر حلب سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ ② صحیح مسلم، الفتن، باب فی فتح قسطنطینیة وخروج الدجال......، حدیث:2897. اور دیکھیے مسند أحمد:420/3. ③ صحیح البخاری، المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، حدیث:3593 وصحیح مسلم ، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل......، حدیث:2921 [illegible].

دابق: قصبہ دابق، حلب کے قریب عزاز (موجودہ اعزاز) کی عملداری میں واقع ہے۔ اعماق: یہ حلب اور انطاکیہ کے درمیان ایک علاقے کا نام ہے، اور یہیں جھیل العمق واقع ہے۔

فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ أَوِالشَّجَرِ ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِالشَّجَرُ : يَا مُسْلِمُ! يَا عَبْدَ اللّٰهِ ! هٰذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ ، إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ] ''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کرلیں گے، مسلمان یہودیوں کو قتل کردیں گے حتی کہ یہودی پتھروں یا درختوں کے پیچھے چھپتے پھریں گے اور حجر یا شجر پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے آؤ اور اسے قتل کردو سوائے غرقد کے درخت کے وہ ایسا نہیں کہے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔''①

اس حدیث سے مشابہت کے پیش نظر ہم یہاں حضرت نوّاس بن سَمْعان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر کرتے ہیں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح دجال کا ذکر فرمایا، اور اس کی چھوٹی بڑی تمام باتوں کو بیان فرمایا حتی کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے۔ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس خوف کو ہمارے چہروں سے معلوم کرلیا اور فرمایا:

[مَا شَأْنُكُمْ ؟ قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ غَدَاةً فَخَفَّضْتَ فِيهِ وَرَفَّعْتَ ، حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ ، فَقَالَ : غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِي عَلَيْكُمْ ، إِنْ يَّخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ فَأَنَا حَجِيجُهٗ دُونَكُمْ ، وَإِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهٖ ، وَاللّٰهُ خَلِيفَتِي عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ.

إِنَّهٗ شَابٌّ قَطَطٌ ، عَيْنُهٗ طَافِئَةٌ كَأَنِّي أُشَبِّهُهٗ بِعَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قَطَنٍ ، فَمَنْ أَدْرَكَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُورَةِ الْكَهْفِ ، إِنَّهٗ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ ، فَعَاثَ يَمِينًا وَّعَاثَ شِمَالًا ، يَّاعِبَادَ اللّٰهِ! فَاثْبُتُوا ، قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا لَبْثُهٗ فِي الْأَرْضِ ؟ قَالَ : أَرْبَعُونَ يَوْمًا ، يَّوْمٌ كَسَنَةٍ ، وَّيَوْمٌ كَشَهْرٍ ، وَّيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ ، وَّسَائِرُ أَيَّامِهٖ كَأَيَّامِكُمْ ، قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَةٍ أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ؟ قَالَ : لَا ، اُقْدُرُوا لَهٗ قَدْرَهٗ، قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا إِسْرَاعُهٗ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ : كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ، فَيَأْتِي عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوهُمْ فَيُؤْمِنُونَ بِهٖ، وَيَسْتَجِيبُونَ لَهٗ ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ، وَالْأَرْضَ فَتُنْبِتُ ، فَتَرُوحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ أَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرًى وَّأَسْبَغَهٗ ضُرُوعًا وَّأَمَدَّهٗ خَوَاصِرَ، ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ فَيَرُدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ ، فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُونَ مُمْحِلِينَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ مِّنْ أَمْوَالِهِمْ ، وَيَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كُنُوزَكِ، فَتَتْبَعُهٗ كُنُوزُهَا كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ، ثُمَّ يَدْعُو رَجُلًا مُّمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِالسَّيْفِ، فَيَقْطَعُهٗ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ ، ثُمَّ يَدْعُوهُ ، فَيُقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهٗ وَيَضْحَكُ .

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ عليه السلام فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ ، إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهٗ قَطَرَ ، وَإِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ،

---

① صحيح البخاری، الجهاد والسير، باب قتال اليهود، حديث:2926. لیکن یہاں غرقد کا ذکر نہیں ہے۔ وصحيح مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل ...... ، حديث:2922 و [illegible].

فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَّجِدُ رِيحَ نَفَسِهِ إِلَّا مَاتَ ، وَنَفَسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ ، فَيَطْلُبُهُ حَتّٰى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلَهُ، ثُمَّ يَأْتِيَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عليه السلام قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُّجُوهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ.

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ أَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى عِيسٰى عليه السلام : إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّي، لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ ، فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ ، وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُونَ ، فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا ، وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ : لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهِ مَرَّةً مَاءٌ ، وَّيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ ، حَتّٰى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِّنْ مِّائَةِ دِينَارٍ لِّأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ ، فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ، ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَّا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ .

ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ :أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ وَرُدِّي بَرَكَتَكِ ، فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ ، وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا ، وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتّٰى إِنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ (وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ) وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ.

فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيحًا طَيِّبَةً ، فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ ، فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّكُلِّ مُسْلِمٍ ، وَّيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ ، فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ]

”کیابات ہے؟ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے صبح دجال کی بابت وضاحت فرمائی اور اس کی چھوٹی بڑی تمام باتوں کو بیان فرمایا حتی کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے، آپ نے فرمایا: دجال کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے تمھارے بارے میں زیادہ خوف ہے۔ اگر دجال نے میری موجودگی میں خروج کیا تو تمھاری طرف سے میں اس پر حجت قائم کرتے ہوئے غالب آ جاؤں گا اور اگر میری عدم موجودگی میں اس نے خروج کیا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرے اور ہر مسلمان کے لیے اللہ میرا خلیفہ ہوگا۔

بے شک دجال ایک گھنگریالے بالوں والا نوجوان ہوگا۔ اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی ہوگی، گویا میں اسے عبدالعزّی بن قطن کے ساتھ مشابہت دینا چاہوں گا۔ تم میں سے جو شخص اسے پالے تو وہ اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ کر دم کرے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان ایک راستے پر نکلے گا اور دائیں بائیں فساد برپا کردے گا لیکن تمھیں اے بندگانِ الٰہی!

ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہوگا، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کتنا عرصہ ٹھہرے گا؟ فرمایا: چالیس دن جن میں سے ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک جمعے (7 دن) کے برابر اور باقی تمام دن تمھارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ دن جو سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت نماز کے اوقات کا اندازہ لگا لینا۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کس قدر تیزی کے ساتھ گھومے گا؟ فرمایا: اس بارش کے مانند جسے پیچھے سے تیز ہوا دھکیل رہی ہو۔ وہ کچھ لوگوں کے پاس جا کر انھیں دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسانے لگ جائے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ سبزہ اگانے لگ جائے گی، لوگوں کے چوپائے جب شام کو ان کے پاس آئیں گے تو ان کی کوہانیں پہلے کی نسبت زیادہ لمبی ہوں گی اور ان کے تھن دودھ سے بہت زیادہ بھرے ہوں گے اور ان کے پہلو باہر نکلے ہوں گے، پھر دجال کچھ اور لوگوں کے پاس جا کر انھیں بھی دعوت دے گا تو وہ اس کی دعوت کو ٹھکرا دیں گے، لہٰذا جب وہ وہاں سے واپس چلا جائے گا تو وہ خشک سالی کا شکار ہو جائیں گے حتی کہ ان کے ہاتھ میں کوئی مال و دولت باقی نہ بچے گا۔ وہ بے آباد زمین کے پاس سے گزرے گا تو اسے کہے گا کہ تو اپنے خزانے باہر نکال دے تو اس کے خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جائیں گے، پھر وہ ایک بھرپور جوانی کے مالک کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر دو لخت کر دے گا۔ اس کے جسم کے دونوں ٹکڑوں کے مابین فاصلہ تیر سے نشانہ تک جتنا ہوگا، پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ اس کی طرف ہنستا مسکراتا ہوا آئے گا۔

انھی حالات میں اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو مبعوث فرما دے گا وہ دِمَشق کی مشرقی جانب سفید مینار کے پاس اتریں گے۔ انھوں نے ہلکے زرد رنگ کی دو چادریں زیبِ تن کر رکھی ہوں گی اور دو فرشتوں کے پروں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے، جب وہ سر کو جھکائیں گے تب اس سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر کو اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں کی طرح بوندیں گریں گی۔ جو کافر بھی آپ کی سانس کی ہوا کو پائے گا، وہ مر جائے گا اور ان کی سانس کی ہوا، ان کی حدِ نظر تک جائے گی۔ آپ دجال کو تلاش کریں گے حتی کہ اسے لُدّ شہر [1] کے دروازے کے پاس پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے شر سے محفوظ رکھا ہوگا۔ آپ ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور انھیں جنت میں ان کے درجات کے بارے میں بتائیں گے۔

اسی حالت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائے گا کہ میں نے اب اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جن سے لڑنے کی کسی کو تاب نہیں ہے، لہٰذا میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر محفوظ کر لو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو نکالے گا اور وہ گویا اونچی جگہوں سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، ان کا پہلا دستہ بُحَیرۂ طَبَرِیہ [2] کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس

[1] یہ لُد فلسطین کا ایک شہر ہے جو آج کل اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب کا ہوائی اڈا ہی نہیں بلکہ اس کی فضائی چھاؤنی بھی ہے۔ [2] یہ شمالی فلسطین (اسرائیل) میں دریائے اردن کے مغرب میں واقع ہے اسے بُحَیرۂ گلیلی بھی کہا جاتا ہے۔

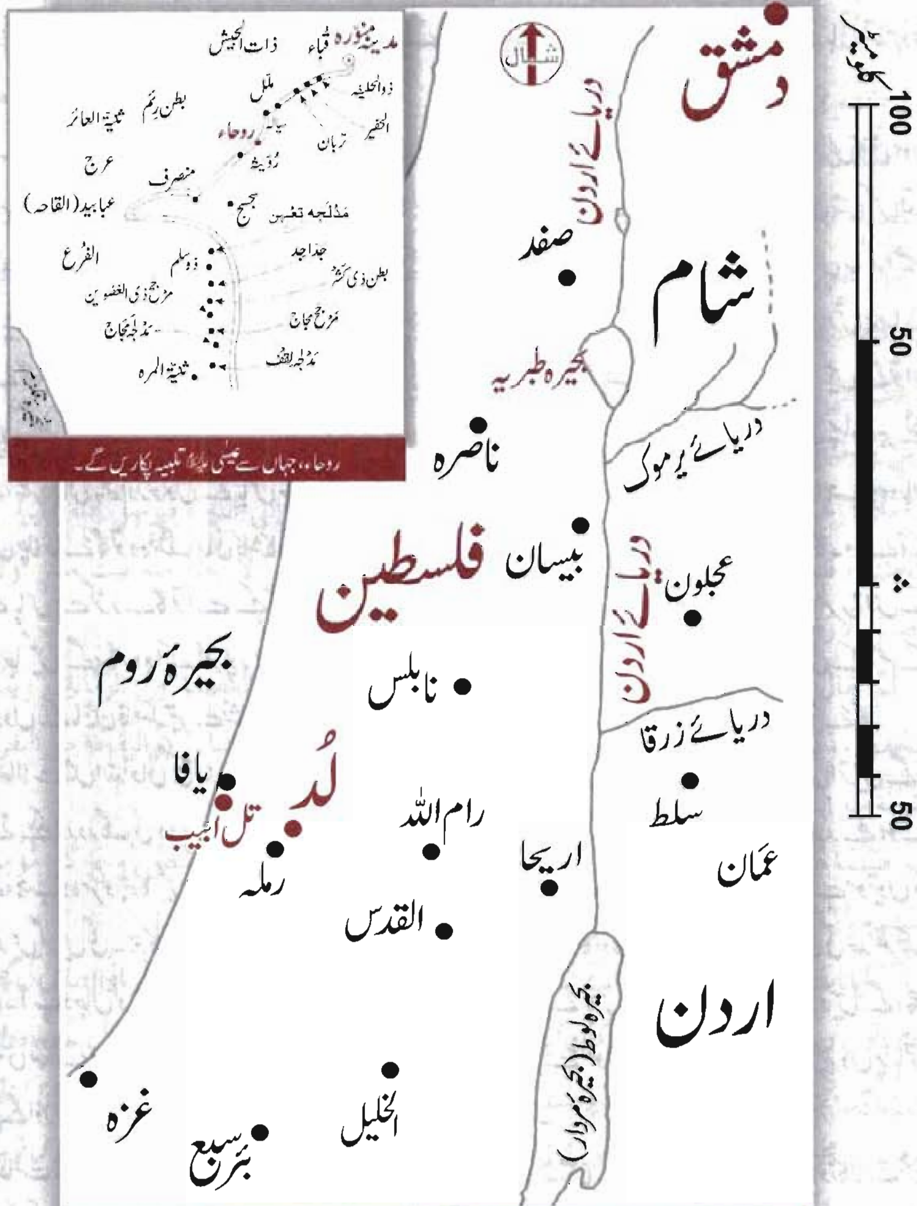

یاجوج وماجوج (بحیرہ طبریہ)، دجال (لُدّ)، نزول عیسیٰ علیہ السلام دمشق

میں موجود سارا پانی پی لے گا اور جب ان کا آخری دستہ گزرے گا تو وہ کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوتا تھا۔ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء محصور ہو جائیں گے حتی کہ (تنگیٔ معیشت کے سبب) بیل کا سر ان کے نزدیک تمھارے آج کے سو دینار سے بہتر ہوگا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا داخل فرما دے گا اور وہ سب کے سب اس طرح مر جائیں گے جیسے کوئی ایک شخص مرتا ہے، پھر اس کے بعد اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے رفقاء پہاڑ سے اتر کر میدانی علاقے میں آ جائیں گے اور وہ زمین میں ایک بالشت کے برابر جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے کیونکہ ساری زمین ان کی چربی اور بدبو سے بھری ہوئی ہوگی، پھر اللہ کے نبی عیسیٰ اور آپ کے رفقاء اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیج دے گا جو خراسانی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے تو وہ انھیں اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ ایسی موسلا دھار بارش برسائے گا جو ہر ہر گھر پر برسے گی، خواہ وہ اینٹوں کا بنا ہو یا خیمے کی صورت میں ہو، اس سے اللہ تعالیٰ زمین کو دھو کر آئینے کے مانند شفاف بنا دے گا۔

پھر زمین سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے پھل اگائے اور اپنی برکت کو واپس لے آئے تو اس برکت کی وجہ سے اتنے بڑے بڑے انار پیدا ہوں گے کہ پوری ایک جماعت کے لیے ایک انار کافی ہوگا اور وہ اس کے چھلکے کے سائے میں آرام کر سکیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ دودھ میں بھی اتنی برکت پیدا فرما دے گا کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگا۔ گائے کا دودھ ایک قبیلے کے لیے اور ایک بکری کا دودھ ایک کنبے کے لیے کافی ہوگا۔

اس حالت میں اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا، جو ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور ہر ہر مومن اور مسلم کی روح کو قبض کر لے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو زمین میں گدھوں کی طرح کھلم کھلا جنسی عمل کریں گے اور انھی بدترین قسم کے لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔''[1] اس روایت کو امام احمد اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اس حدیث کو ہم امام احمد ہی کی سند سے سورۂ انبیاء کی آیت: ﴿حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ﴾ (الأنبیآء 21:96) کی تفسیر میں بھی بیان کریں گے۔

ہمارے اس زمانے، یعنی 741ھ میں جامع مسجد اموی کا تراشیدہ پتھروں سے ایک سفید مینار تعمیر کیا گیا ہے اور یہ اس قدیم مینار کے عوض تعمیر کیا گیا ہے جو ملعون عیسائیوں کی طرف منسوب آگ سے منہدم ہو گیا تھا،[3] اور اس منار کی (دوبارہ) تعمیر کا اکثر خرچ انھی کے مالوں سے تھا۔ اور ظنِ غالب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مینار پر اتریں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے (کہ وہ مینار دمشق کی مشرقی جانب ہوگا۔)

---

[1] صحیح مسلم، الفتن، باب ذکر الدجّال، حدیث: 2937. [2] مسند أحمد: 181/4 وسنن أبی داود، الملاحم، باب خروج الدجال، حدیث: 4321 مختصرًا جدًا. وجامع الترمذی، الفتن، باب ماجاء فی فتنة الدجال، حدیث: 2240 والسنن الکبرٰی للنسائی، عمل الیوم واللیلة، باب ما یجیر من الدجال: 235/6، حدیث: 10783 مختصرًا. وسنن ابن ماجه، الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عیسٰی ابن مریم وخروج یأجوج ومأجوج، حدیث: 4075. [3] تفصیل کے لیے دیکھیے البدایة والنهایة، ثم دخلت سنة أربعین وسبع مائة: 197/14، 198.

ایک اور حدیث: اس حدیث کو بھی امام مسلم نے اپنی صحیح میں یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود ثقفی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا، جب ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یہ کیا حدیث ہے جو تم بیان کرتے ہو کہ قیامت فلاں فلاں وقت قائم ہوگی؟ انھوں نے سُبْحَانَ اللّٰهِ یا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ یا اس طرح کا کوئی کلمہ کہا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ کسی سے کچھ بھی بیان نہیں کروں گا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تھوڑے عرصے بعد تم ایک بہت بڑا سانحہ دیکھو گے اور وہ یہ کہ بیت اللہ جل جائے گا اور یہ یہ واقعات پیش آئیں گے، پھر انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

[يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ،لَا أَدْرِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ شَهْرًا أَوْ أَرْبَعِينَ عَامًا ، فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُودٍ ، فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ ، ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِينَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيحًا بَارِدَةً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ ، فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ ، حَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهُ.

قَالَ : سَمِعْتُهَا مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِي خِفَّةِ الطَّيْرِ وَأَحْلَامِ السِّبَاعِ ، لَا يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا، وَّلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا ، فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُولُ : أَلَا تَسْتَجِيبُونَ ؟ فَيَقُولُونَ : فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَيَأْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ ، وَهُمْ فِي ذٰلِكَ دَارٌّ رِّزْقُهُمْ ، حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغٰى لِيتًا وَّرَفَعَ لِيتًا ، قَالَ: وَأَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهُ رَجُلٌ يَّلُوطُ حَوْضَ إِبِلِهِ، قَالَ: فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ ـ أَوْ قَالَ : يُنْزِلُ اللّٰهُ ـ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ أَوِ الظِّلُّ ـ نُعْمَانُ الشَّاكُّ ـ فَتَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ، ثُمَّ يُنْفَخُ ﴿فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُونَ﴾ (الزمر 68:39) ثُمَّ يُقَالُ: يَاأَيُّهَاالنَّاسُ! هَلُمُّوا إِلٰى رَبِّكُمْ ﴿فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُونَ﴾ (الصّٰفّٰت 24:37) قَالَ : ثُمَّ يُقَالُ: أَخْرِجُوا بَعْثَ النَّارِ ، فَيُقَالُ : مِنْ كَمْ ؟ فَيُقَالُ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ ، قَالَ: فَذٰلِكَ يَوْمَ ﴿يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا﴾ (المزّمّل 17:73) وَذٰلِكَ ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ (القلم 42:68)]

''میری امت میں سے دجال نکلے گا جو چالیس۔ معلوم نہیں آپ نے دن یا مہینے یا سال فرمایا۔[1] تک رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث فرمادے گا، ان کی شکل وصورت گویا عروہ بن مسعود جیسی ہوگی۔ حضرت عیسیٰ دجال کو تلاش کرکے ہلاک کردیں گے، پھر لوگ سات سال اس طرح پُرامن گزاریں گے کہ کوئی سے دو انسانوں میں بھی دشمنی نہ ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس سے روئے زمین کا ہر وہ شخص فوت ہو جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خیر یا

[1] حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وضاحت گزری ہے کہ اس سے مراد چالیس دن ہیں جو ہمارے موجودہ دنوں کے مطابق تقریباً 424 دن بنتے ہیں۔

ایمان ہوگا حتی کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کے اندر بھی گھسا ہوا ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچ کر اس کی روح کو قبض کر لے گی۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ شرّ وفساد میں پرندوں کی طرح آگے بڑھنے والے اور ظلم وزیادتی میں درندوں جیسے بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں سمجھیں گے۔ شیطان ان کے پاس انسانی شکل وصورت میں آئے گا اور کہے گا کہ تم میری بات کیوں نہیں مانتے ہو؟ وہ پوچھیں گے کیا حکم ہے؟ تو شیطان انھیں بتوں کی عبادت کا حکم دے گا۔ اس کے باوجود ان کے پاس رزق کی فراوانی ہوگی اور ان کی زندگی بھی مزے کی ہوگی، پھر صور میں پھونکا جائے گا اور جو شخص بھی اس کی آواز کو سنے گا، وہ گردن کا ایک پہلو جھکا دے گا اور دوسرا اٹھا لے گا۔[1] سب سے پہلے اس آواز کو سننے والا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹوں کے حوض کو مٹی کا لیپ کر رہا ہوگا وہ یہ آواز سن کر بے ہوش ہو جائے گا اور دیگر لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا- یا فرمایا: نازل فرمائے گا- جو شبنم یا سائے جیسی ہوگی۔ نعمان راوی کو شک ہے کہ یہاں آپ نے الطَّلّ یعنی شبنم کا لفظ استعمال فرمایا یا الظِّلّ یعنی سائے کا۔[2] اس سے لوگوں کے جسم اگ آئیں گے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ کہا جائے گا کہ اے لوگو! تم سب اپنے رب کی طرف چلو: اور انھیں ٹھہراؤ (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں، پھر کہا جائے گا کہ آگ کا حصہ نکالو تو پوچھا جائے گا کہ کتنا حصہ؟ تو جواب دیا جائے گا کہ ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہوگا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ نیز یہ وہ دن ہوگا جس دن پنڈلی کھولی جائے گی۔''[3]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ: عبدالرحمٰن بن آدم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ [فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ: رَجُلٌ مَّرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَصَّرَانِ، كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَّمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ] ''جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لو کہ وہ ایک درمیانے قد کے شخص ہیں جن کا رنگ سرخ سفیدی مائل ہے، انھوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے زیب تن فرما رکھے ہوں گے، ان کے سر کو خواہ پانی نہ بھی لگا ہو مگر وہ یوں معلوم ہوگا گویا اس سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں۔''[4]

اور حضرت نوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی قبل ازیں بیان ہو چکا ہے: [فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ، إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهُ قَطَرَ، وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ، فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَّجِدُ رِيحَ نَفَسِهِ إِلَّا مَاتَ، وَنَفَسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ] ''آپ دمشق

---

[1] دہشت اور ہولناکی کی وجہ سے بے ہوش ہو جائے گا جیسا کہ السنن الكبرٰى للنسائي میں [أصغى ليتا ورفع ليتًا] کی جگہ [فَلَا يَبْقٰى أَحَدٌ إِلَّا صُعِقَ] کے الفاظ ہیں۔ دیکھیے :501/6، حدیث:11629. [2] الطَّلّ ہی راجح ہے، شرح النووي: حدیث: 2940 کے ضمن میں۔ [3] صحيح مسلم، الفتن، باب في خروج الدجال ومكثه في الأرض، ونزول عيسٰى وقتله إياه ......، حدیث:2940 و مسند أحمد:166/2. [4] مسند أحمد:406/2 و سنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، حدیث:4324.

کی مشرقی جانب سفید مینار کے پاس ہلکے زرد رنگ کی دو چادریں پہنے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔ جب آپ سر جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں جیسی بوندیں گریں گی۔ آپ کی سانس کی ہوا محسوس کرنے کے بعد ہر کافر فوراً مر جائے گا اور آپ کی سانس کی ہوا آپ کی حد نظر تک جائے گی۔‘‘ ①

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسٰى ، قَالَ:فَنَعَتَهُ۔ فَإِذَا رَجُلٌ ۔حَسِبْتُهُ قَالَ۔: مُضْطَرِبٌ ، رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ، قَالَ: وَلَقِيتُ عِيسٰى ۔ فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ، يَعْنِي الْحَمَّامَ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ] ’’شب معراج موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حلیہ اس طرح بیان کیا: عبدالرزاق بن ہمّام جو راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ معمر نے یہ کہا تھا: دراز قد درمیانے جسم اور معمولی خم دار بالوں والے گویا وہ شَنُوءَة (یمن کے ایک قبیلے) کے باشندوں میں سے ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی تو ان کا حلیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا: کہ ان کا قد درمیانہ اور رنگ سرخ ہے اور دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا ابھی ابھی حمام سے باہر نکلے ہوں۔ اور آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی میں نے دیکھا اور میں آپ کی ساری اولاد میں سے آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔‘‘ ②

امام بخاری رحمہ اللہ نے مجاہد کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَأَيْتُ عِيسٰى وَمُوسٰى وَإِبْرَاهِيمَ ، فَأَمَّا عِيسٰى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ، وَأَمَّا مُوسٰى فَآدَمُ جَسِيمٌ سَبْطٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ الزُّطِّ] ’’میں نے حضرت عیسیٰ ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں اور چوڑے سینے والے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ، دراز قد والے اور سیدھے بالوں والے تھے، ③ گویا آپ زطّ ④ قبیلے کے لوگوں میں سے ہوں۔‘‘ ⑤

① صحيح مسلم ، الفتن، باب ذكر الدجال، حديث:2937 . ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول اللّٰه تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ...... ﴾ (مريم19:16)، حديث:3437 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول اللّٰه ﷺ إلى السموٰت وفرض الصلوٰت، حديث:168 . ③ جسیم کا معنی طویل القامت اس لیے کیا گیا ہے کہ گذشتہ حدیث میں مُضْطَرِبٌ اور ایک روایت میں ضَرْبٌ ہے جس کا اطلاق دبلے پتلے شخص پر ہوتا ہے، لہٰذا یہاں جسیم سے مراد دراز قد ہے۔ اور اس حدیث میں سبط ’’سیدھے بالوں والے‘‘ کا ذکر ہے جبکہ اس سے پہلے حوالے میں رجل الرأس کے الفاظ ہیں۔ جو بال بالکل معمولی خم دار ہوں ان پر سیدھے بالوں کا اطلاق ممکن ہے۔ (فتح الباری) ④ الزط یہ قبیلہ یا تو ہند کے قبائل میں سے ہے جیسا کہ صاحب عون الباری نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دراصل ’’جٹ‘‘ کا معرّب ہے جنھیں ’’جاٹ‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں دراز قد، جسامت اور طاقت میں مشہور ہیں یا پھر یہ سوڈانیوں کا قبیلہ ہے۔ دیکھیے فتح الباری وإرشاد الساری وغیرہ۔ ⑤ صحيح البخاري ، أحاديث الأنبياء، باب قول اللّٰه تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا ﴾ (مريم19:16) حديث:3438 . یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بجائے مجاهد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ صحیح ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن لوگوں میں مسیح دجال کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا إِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى ، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ] ''بے شک اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں ہے جبکہ مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور اس کی آنکھ منقّی کی طرح ابھری ہوئی ہوگی۔'' صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے:①

[أَرَانِي اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا تَرٰى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ ، تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ، رَجِلُ الشَّعْرِ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَّاضِعًا يَّدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ ، وَهُوَ بَيْنَهُمَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالُوا : هٰذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، وَرَأَيْتُ وَرَاءَهُ رَجُلًا جَعْدًا قَطَطًا ، أَعْوَرَ عَيْنِ الْيُمْنٰى ، كَأَشْبَهِ مَنْ رَّأَيْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ ، وَّاضِعًا يَّدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ، يَطُوفُ بِالْبَيْتِ ، فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ]

''(اللہ تعالیٰ) نے مجھے رات خواب میں کعبے کے پاس دکھایا کہ ایک شخص نہایت خوبصورت گندمی رنگ کا ہے جس کے بال دونوں کندھوں کے درمیان تک ہیں اور بالوں میں کنگھی کی ہوئی ہے سر سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ دو آدمیوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام ہیں، پھر میں نے آپ کے پیچھے ایک اور شخص کو دیکھا کہ جس کے بال گھنگریالے اور چھوٹے چھوٹے ہیں، جو دائیں آنکھ سے کانا اور میرے مشاہدے میں ابن قطن سے بے حد مشابہ ہے اور وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح دجال ہے۔''②

پھر امام بخاری نے سالم کی اپنے باپ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ اللہ کی قسم! نبی اکرم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ کے ہیں③ بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے: [بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ ، يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ ، يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً ـ أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً ـ فَقُلْتُ:

① ''صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے....'' یہ الفاظ تفسیر کے بعض نسخوں میں نہیں ہیں اور یہی مناسب ہے کیونکہ یہ سابق حدیث میں اسی سند سے بیان ہوئے ہیں اور دوسرا یہ کہ حدیث کا یہ حصہ صحیح بخاری میں بھی ہے جبکہ مذکورہ الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ اس میں نہیں ہے۔ ② **صحیح البخاري**، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ...... ﴾، حديث:3439 و **صحيح مسلم**، الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجّال، حديث:(274)-169. البتہ ابتدائی حصہ صحیح بخاری اور دوسرا حصہ صحیح مسلم کے مطابق ہے۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ظن غالب تھا کہ أحمر مسیح ابن مریم علیہ السلام کی صفت نہیں بتائی گئی بلکہ یہ صفت تو مسیح دجال کی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو گندمی رنگ کے ہیں جیسا کہ آرہا ہے، اس لیے انھوں نے قسم کھائی تھی، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے شروحات صحیح بخاری۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

پھر جو لوگ یہودی ہوئے ان کے ظلم کی وجہ سے اور ان کے اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کر دیں جو

كَثِيْرًا ﴿160﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا

پہلے ان کے لیے حلال تھیں ﴿160﴾ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق

لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿161﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ

کھاتے تھے۔ اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿161﴾ لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ اور مومن ہیں وہ ایمان

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر

22 ع 10 2 وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿162﴾ ع

ایمان رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنھیں ہم جلد بہت بڑا اجر دیں گے ﴿162﴾

مَنْ هٰذَا ؟ قَالُوا: ابْنُ مَرْيَمَ ، فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ ، فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ، جَسِيمٌ ، جَعْدُ الرَّأْسِ ، أَعْوَرُ عَيْنِهِ الْيُمْنٰى ، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا : هٰذَا الدَّجَّالُ، وَأَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ] ”میں خواب میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ گندمی رنگ اور سیدھے بالوں والا ایک شخص دو آدمیوں کے درمیان چل رہا ہے اور اس کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں تو میں نے کہا: یہ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ ابن مریم ہیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے ایک اور شخص بھی نظر آیا جس کا رنگ سرخ، جسم موٹا، سر کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھنگریالے ہیں وہ دائیں آنکھ سے کانا ہے۔ اس کی آنکھ گویا منقّٰی کی طرح اپنے مقام سے ابھری ہوئی ہے، میں نے کہا: یہ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ دجال ہے۔ اس کے ساتھ لوگوں میں سے سب سے زیادہ مشابہت ابن قطن کی ہے۔“① امام زہری فرماتے ہیں کہ ابن قطن خاندان خُزاعہ میں سے ایک شخص تھا جو زمانۂ جاہلیت میں مرگیا تھا۔ یہ تمام الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿159﴾﴾ ”اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔“ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ آپ بنی اسرائیل کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور آپ نے خود بھی اللہ عزوجل کی بندگی کا اثبات کیا تھا۔② اور یہ فرمان اللہ کے اس فرمان کی طرح ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آخری آیات میں فرمایا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ﴾ تا ﴿الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○﴾ (المآئدة 5:116-118).

تفسیر آیات: 160-162

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ....﴾، حديث:3441 . ② تفسير الطبري:31/6 .

ظلم کی وجہ سے یہود کے لیے پاکیزہ چیزوں کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہودیوں کے ظلم اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اس نے ان کے لیے بہت سی ایسی پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام قرار دے دیا تھا جسے ان کے لیے پہلے حلال قرار دیا تھا۔ یہ حرمت قدری بھی ہوسکتی ہے، یعنی اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی کتاب کی تاویل کی اور احکام الٰہی کو بدل کر بہت سی حلال چیزوں کو اپنے اوپر تشدد، سختی اور تنگی کے باعث حرام قرار دے لیا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس حرمت سے مراد شرعی حرمت ہو اور اس کے معنی یہ ہوں کہ بہت سی چیزیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں، اللہ تعالیٰ نے تورات میں انھیں ان کے لیے حرام قرار دے دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ﴾ (آل عمران 93:3) ''بنی اسرائیل کے لیے تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں، سوائے ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے[1] کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں علاوہ اونٹ کے گوشت اور دودھ وغیرہ کے جسے حضرت یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تورات میں بھی ان کے لیے بہت سی اشیاء کو حرام قرار دے دیا جیسا کہ اس نے سورۂ انعام میں فرمایا ہے: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:146) ''اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو، یہ سزا ہم نے ان کی سرکشی کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔''

یعنی ان چیزوں کو ہم نے ان کے لیے اس لیے حرام قرار دیا تھا کہ وہ اپنی بغاوت، سرکشی، اپنے رسولوں کی مخالفت اور ان سے اختلاف کے باعث اسی بات کے مستحق تھے۔ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ ﴾ ''تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں، جو ان کے لیے حلال تھیں، حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔'' انھوں نے خود بھی حق کی پیروی نہ کی اور دوسرے لوگوں کو بھی اتباعِ حق سے روکا اور قدیم و جدید ہر دور میں ان کی یہی خصلت رہی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اللہ کے نبیوں کے دشمن تھے، بہت سے انبیائے کرام کو انھوں نے شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی انھوں نے تکذیب کی۔

[1] دیکھیے آل عمران، آیت: 93.

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق،

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ

یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داود کو زبور عطا کی ﴿163﴾ اور ہم نے کئی رسول بھیجے،

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿163﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

اس سے پہلے ہم ان کا حال آپ کے سامنے بیان کر چکے ہیں۔ اور کئی رسول ایسے ہیں کہ ان کا حال ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیا۔

عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿164﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى

اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام کیا ﴿164﴾ اور خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے، تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے

اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿165﴾

اللہ کو الزام دینے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ اور اللہ بڑا زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿165﴾

فرمانِ الٰہی: ﴿ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ ﴾ ''اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے جانے کے سود لیتے تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے تو انھیں سود سے منع فرمایا تھا مگر انھوں نے مختلف مکروفریب اور طرح طرح کی حیلہ سازیوں کے ذریعے سے سود لینا اور لوگوں کے مال کو باطل طریقے سے کھانا شروع کر دیا تھا۔ اور فرمایا: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿161﴾ ﴾ ''اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے درد دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ ﴾ ''البتہ جو لوگ ان میں سے علم میں پکے ہیں۔'' یعنی جو دین میں ثابت قدم ہیں، حقیقت میں انھیں ہی علم نافع میں پختگی کا ملکہ حاصل ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔ [1]

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ یہ ﴿ الرّٰسِخُوْنَ ﴾ پر عطف ہے اور یہ جملہ: ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ ''وہ اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں'' اس کی خبر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سَعْیَہ، اُسَید بن سَعْیَہ اور اسد بن عبید رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور انھوں نے اس دین وشریعت کی تصدیق کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔ [2] ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' یہاں زکاۃ سے مراد مال کی زکاۃ بھی ہو سکتی ہے اور جان کی بھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کی زکاۃ مراد ہو۔ واللہ أعلم.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''اور اللہ اور روزِ آخرت کو مانتے ہیں۔'' یعنی اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا اور اچھے یا برے اعمال کی

[1] دیکھیے آل عمران، آیت: 7 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1116/4 والدر المنثور: 434/2 .

جزا اور سزا سے ہمکنار ہونا ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ سے مذکورہ بالا کی خبر شروع ہوتی ہے [1] اور ﴿ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ ''ان کو ہم عنقریب اجر عظیم دیں گے۔'' اجر عظیم سے یہاں جنت مراد ہے۔

تفسیر آیات:163-165

نبی اکرم ﷺ کی طرف سابقہ انبیاء کی طرح وحی بھیجی گئی: محمد بن اسحاق نے محمد بن ابو محمد کے حوالے سے عِکرمہ یا سعید بن جُبَیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سُکَین اور عدی بن زید نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! ہمیں تو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کسی اور انسان پر وحی نازل فرمائی ہو؟ تو ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ تا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ ''(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی......اور اللہ بڑا زبردست اور خوب حکمت والا ہے۔'' [2] اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اپنے عبد اور رسول محمد ﷺ کی طرف بھی اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اس نے آپ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی نازل فرمائی تھی۔ ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ ﴾ ''اور داود (علیہ السلام) کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔'' زبور اس کتاب کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت داود علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔

قرآن مجید میں پچیس رسولوں کا ذکر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ ''اور بہت سے پیغمبر ہیں کہ جن کے حالات ہم آپ سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات آپ سے بیان نہیں کیے۔'' یعنی اس آیت سے پہلے مکی اور غیر مکی سورتوں میں جن انبیائے کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (1) آدم (2) ادریس (3) نوح (4) ہود (5) صالح (6) ابراہیم (7) لوط (8) اسماعیل (9) اسحاق (10) یعقوب (11) یوسف (12) ایوب (13) شعیب (14) موسیٰ (15) ہارون (16) یونس (17) داود (18) سلیمان (19) الیاس (20) یسع (21) زکریا (22) یحییٰ (23) عیسیٰ (24) بہت سے مفسرین کے نزدیک ذوالکفل بھی نبی ہیں اور (25) ان سب کے سردار حضرت محمد ﷺ۔ ان کے علاوہ بہت سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے شرف سے نوازا ہے، اسی وجہ سے آپ کو کلیم بھی کہا جاتا ہے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے عبدالجبار بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص ابوبکر بن عیاش کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں نے ایک شخص کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے: [وَكَلَّمَ اللّٰهَ مُوسٰى تَكْلِيمًا] ''اور اللہ تعالیٰ سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کلام کیا۔'' تو ابوبکر بن عیاش نے فرمایا کہ اس طرح تو کوئی

---

[1] یعنی ﴿ الرّٰسِخُوْنَ ﴾ مبتدا اور ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر مبتدا اور ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ اس کی خبر بن جائے گی۔ [2] السيرة النبوية لابن هشام:562/2 و تفسير الطبری:38/6.

کافر ہی پڑھ سکتا ہے۔ میں نے اعمش سے، انھوں نے یحییٰ بن وثاب سے، انھوں نے عبدالرحمٰن سلمی سے، انھوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اسی طرح پڑھا ہے: ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾[1] ابوبکر بن عیاش نے اس طرح پڑھنے والے پر شدید ناراضی کا اظہار اس لیے کیا کہ اس نے قرآن کے لفظ اور معنی میں تحریف کر دی تھی اور وہ شخص ان معتزلہ میں سے تھا جو اس بات کے منکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا ہو یا وہ اپنی مخلوق میں سے کسی سے کلام کرتا ہو۔

ایک معتزلی کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے جب ایک استاذ کے پاس اس طرح پڑھا: [وَ كَلَّمَ اللّٰهَ مُوْسٰى تَكْلِيمًا] تو اس نے کہا: اے بری ماں کے بیٹے! اس ارشاد باری تعالیٰ کی کیا تاویل ہوگی جس میں آیا ہے: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾ (الأعراف 143:7) ''اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔'' کیونکہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونے کے بارے میں اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی تحریف اور تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

انبیاء کی بعثت سے مقصود حجت قائم کرنا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ ''(سب) پیغمبروں کو خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا۔)'' یعنی ان کو خوش خبری سناتے تھے جو اللہ کی اطاعت کرتے اور نیکیوں کے ساتھ اس کی خوشنودی کے طالب ہوتے تھے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزاؤں سے ڈراتے تھے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ ''تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر حجت اور الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے خوش خبری سنانے اور ڈرانے کے لیے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور وہ سب کچھ واضح فرما دیا جسے وہ پسند فرماتا اور ناپسند فرماتا ہے تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے کہ اسے تو خبر ہی نہ ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴾ (طٰہٰ 134:20) ''اور اگر ہم بلاشبہ ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پیشتر کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام (واحکام) کی پیروی کرتے۔''

اسی طرح یہ بھی فرمایا: ﴿ وَلَوْلَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (القصص 47:28) ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں

[1] المعجم الأوسط للطبراني :276/9 ، حدیث:8603 و مجمع الزوائد:13,12/7، حدیث:10959.

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

لیکن اللہ نے آپ پر جو نازل کیا ہے، وہ اس کی بابت گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں

شَهِيْدًا ؕ﴿166﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿167﴾ اِنَّ

اور اللہ بطور گواہ کافی ہے﴿166﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، یقیناً وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں﴿167﴾ بے شک جن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿168﴾ اِلَّا طَرِيْقَ

لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ کے شایان نہیں کہ وہ انھیں بخش دے اور نہ یہ شایان ہے کہ وہ انھیں سیدھی راہ دکھائے﴿168﴾ مگر وہ انھیں جہنم کا

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿169﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ

راستہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے﴿169﴾ اے لوگو! یقیناً یہ رسول تمھارے رب کی طرف سے حق

الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

لے کر تمھارے پاس آیا ہے، لہٰذا تم ایمان لاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہوگا، اور اگر تم کفر کرو گے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کے لیے ہے،

وَ الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿170﴾

اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿170﴾

نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیات کی تابع داری کرتے اور ایمان والوں میں ہو جاتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے۔)''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ، وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ، وَلَا شَيْءَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ، وَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ] [وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ] ، [مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ اللّٰهُ الْمُرْسَلِينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ] ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور کوئی نہیں اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور خفیہ برائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند کرنے والا اور کوئی نہیں اسی وجہ سے اس نے اپنی ذات گرامی کی خود مدح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی پر حجت قائم کرنا اور عذر کا کوئی موقع باقی نہ رکھنا کسی کو پسند نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس نے نبیوں کو خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا۔''[1] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَأَرْسَلَ الرُّسُلَ] ''اسی وجہ سے اس نے اپنی کتابوں کو نازل فرمایا اور اپنے رسولوں کو بھیجا۔''[2]

تفسیر آیات:166-170

① اس حدیث کا پہلا جز صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالى: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الأنعام6:151) ، حديث:4634 وصحيح مسلم، التوبة، باب غيرة الله تعالى وتحريم الفواحش، حديث:(34)-2760 کے مطابق ہے۔ اور دوسرے حصے کا سیاق مختلف ہے اور وہ صحیح البخاری: 7416 میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اور تیسرا جز اسی دوسرے سیاق سے صحیح مسلم:1499 کے مطابق ہے۔ ② صحيح مسلم ، التوبة، باب غيرة الله تعالى وتحريم الفواحش ، حديث: (35)-2760 .

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ تا ﴿ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء4:163-165) میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اثبات اور ان مشرکین واہل کتاب کی تردید ہے جنھوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا تھا، چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ ''لیکن اللہ نے جو (کتاب) آپ پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے وہ اپنے علم سے نازل کی ہے۔'' یعنی اگرچہ آپ کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے اس بات کے منکر ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اس کے وہ رسول ہیں جن پر اس نے اپنی کتاب کو نازل فرمایا ہے۔ کتاب سے مراد وہ قرآن مجید ہے کہ ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 42:41)

''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ ''اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔'' یعنی اپنے اس علم کے مطابق جس کے بارے میں اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا، یعنی روشن دلائل، ہدایت اور فرقان اور وہ امور جنھیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا یا ناپسند فرماتا ہے۔ اور جس میں ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات مقدسہ بھی شامل ہیں جنھیں کوئی نبیٔ مرسل اور ملکِ مقرب اس وقت تک معلوم نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کو علم سے نہ نواز دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (البقرۃ 2:255) ''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے، ہاں! جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:110) ''اور وہ (اپنے) علم سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔'' ارشاد ہے: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ ﴾ ''اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں۔'' یعنی اس کے سچ ہونے کی جو آپ کے پاس آیا، جو آپ کی طرف وحی کیا گیا اور جسے آپ پر اتارا گیا، حالانکہ اس کی گواہی تو خود اللہ تعالیٰ بھی دے چکا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝١٦٦ ﴾ ''اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔''

ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝١٦٧ ﴾ ''جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے رستے سے روکا، یقیناً وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑے۔'' انھوں نے خود بھی کفر کیا، حق کو اختیار نہ کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی حق کی اتباع اور اقتدا سے روکا تو وہ حق سے خارج ہو گئے، بھٹک گئے اور بے حد دور جا پڑے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے بارے میں اپنا حکم صادر فرمایا ہے، جو اس کی آیات، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ کفر اور اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، اسی طرح اللہ کے رستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور محرمات کی بے حرمتی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں بخشے گا نہیں۔ ﴿ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝١٦٨ ﴾ ''اور نہ انھیں (نیکی اور بھلائی کا) رستہ ہی دکھائے گا۔'' ﴿ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ ﴾ ''ہاں، جہنم کا رستہ (دکھائے گا۔)'' یہ استثنا منقطع ہے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ ''جس میں وہ ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔''

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو۔ بے شک مسیح عیسیٰ ابن مریم تو اللہ کا

مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

رسول اور اس کا کلمہ ہی ہے جسے اس نے مریم کی طرف ڈالا، اور وہ اس کی طرف سے ایک روح ہے، چنانچہ تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ وقف لازم

کہو کہ معبود تین ہیں۔ اس سے باز آجاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، بے شک اللہ ہی واحد معبود ہے، وہ اس (امر) سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو،

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع 23 / 9 / 3

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور اللہ بطور کارساز کافی ہے ﴿۱۷۱﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ ﴾ ''لوگو! اللہ کے پیغمبر تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں تو (ان پر) ایمان لاؤ (تاکہ) تمھارے حق میں بہتر ہو۔'' یعنی تمھارے پاس حضرت محمد ﷺ تمھارے پروردگار کی طرف سے ہدایت، دین حق اور بیانِ شافی لے کر آئے ہیں تو جس چیز کو وہ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لاؤ، آپ ﷺ کی پیروی کرو، یہی بات تمھارے حق میں بہتر ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اور اگر کفر کرو گے تو (جان رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔'' وہ تم سے اور تمھارے ایمان سے بے نیاز ہے اور تمھارے کفر سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:8) ''اور موسیٰ علیہ السلام نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو بے شک اللہ بھی بے نیاز (اور) قابلِ تعریف ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا ﴾ ''اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا ہے۔'' یعنی وہ جانتا ہے کہ مستحقِ ہدایت کون ہے تو وہ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور گمراہی کا مستحق کون ہے تو وہ اسے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ﴿ حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ ﴾ یعنی وہ اپنے تمام اقوال و افعال اور شرع و قدر میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت: 171

دین میں غلو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ آرائی کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو غلو اور مبالغہ آرائی سے منع فرمایا ہے۔ عیسائیوں میں یہ مرض بہت زیادہ ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے بہت تجاوز کر گئے ہیں اور انھوں نے آپ کے بارے میں اس سے بہت اونچے درجے کا تصور کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے آپ کو دائرۂ نبوت سے نکال کر دائرۂ الوہیت تک پہنچا دیا اور آپ کی بھی اسی طرح عبادت شروع کر دی جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں بلکہ انھوں نے تو آپ کے ان پیروکاروں کے بارے میں بھی بہت غلو سے کام لیا ہے جن کے

بارے میں آپ علیہ السلام کی رائے یہ تھی کہ وہ آپ کے دین پر ہیں۔ عیسائیوں کے بارے میں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ معصوم تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان کی ہر بات میں اتباع کی، خواہ وہ حق ہو یا باطل، گمراہی ہو یا ہدایت، صحیح ہو یا غلط۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبة9:31) ''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔''

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا : عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ] ''تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا تھا، میں تو صرف بندہ ہوں، اس لیے تم مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''① امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اور آپ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: [فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا : عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ] ''میں تو صرف اسی کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''②

امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اے ہمارے سردار! ہمارے سردار کے صاحبزادے! اے ہم میں سے بہترین انسان اور ہم میں سے بہترین انسان کے صاحبزادے! (تو یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! عَلَيْكُمْ بِتَقْوَاكُمْ ،③ لَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، وَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِيَ الَّتِي أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ] ''اے لوگو! (اپنی گفتگو میں بھی) تقویٰ اختیار کرو، کہیں شیطان تمھارے دل و دماغ پر چھا نہ جائے، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے بلند مرتبے پر پہنچاؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔''④ اس حدیث کو بعینہ اس سند سے صرف امام احمد نے بیان کیا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ ''اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔'' یعنی اس پر افترا پردازی نہ کرو، کسی کو اس کی بیوی اور بیٹا قرار نہ دو، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے بہت بلند و بالا، منزہ اور مقدس ہے، وہ اپنی سیادت، کبریائی اور عظمت میں وحدہ لاشریک ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب، اس لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ ''مسیح (یعنی) مریم کے

① مسند أحمد:24/1 . ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا ﴾ (مريم19:16)، حديث: 3445 . ③ مفسر رحمہ اللہ نے جو سند بیان کی ہے اس سند میں [بقولكم] کے بجائے [بتقواكم] ہے جبکہ دوسرے طریق سے [قُولُوا بِقَوْلِكُمْ] ''اپنے وہی الفاظ کہا کرو'' کے الفاظ بھی ہیں۔ دیکھیے مسند أحمد:241/3.
④ مسند أحمد:153/3 و صحيح ابن حبان:133/14، حديث:6240 لیکن یہاں آخری فقرہ نہیں ہے۔ والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة:70/6 ، حديث:10078,10077.

بیٹے عیسیٰ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القا فرمایا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔‘‘ یعنی وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اس کا وہ کلمۂ بشارت ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کلمے کے ذریعے سے پیدا فرمایا جس کے ساتھ اس نے جبریل علیہ السلام کو مریم کی طرف بھیجا۔ اور جبریل نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسی کے اذن سے ان میں روح پھونک دی تھی اور اس طرح عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہو گئے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تھی اور یہ پھونک ان کے اندام نہانی میں اس طرح داخل ہو گئی جس طرح ماں باپ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال ساری مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اس طرح پیدائش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، آپ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ سے اور اس روح سے پیدا ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو دے کر بھیجا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ (المآئدة 75:5) ’’مسیح ابن مریم تو صرف پیغمبر تھے، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ (اللہ کی) سچی فرمانبردار تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾ (آل عمران 59:3) ’’عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے مٹی سے ان کا قالب بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 91:21) ’’اور ان (مریم) کو (بھی یاد کرو) جنھوں نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا تو ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی اور ان کو اور ان کے بیٹے کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ﴾ (التحريم 12:66) ’’اور عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام کی (مثال) جنھوں نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ﴾ (الزخرف 59:43) ’’وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا۔‘‘

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے روایت کیا ہے: ﴿ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ سے مراد کلمہ کُنْ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آپ پیدا ہو گئے۔[1] امام ابن ابو حاتم نے احمد بن سنان واسطی سے روایت کیا ہے کہ میں نے شاذ بن یحییٰ سے سنا کہ کلمہ ہی عیسیٰ علیہ السلام نہیں بن گئے تھے بلکہ کلمے کے ذریعے سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، وَأَنَّ عِيسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ، وَالْجَنَّةَ حَقٌّ ، وَّالنَّارَ حَقٌّ ، أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ] ’’جو شخص

[1] تفسير عبدالرزاق:485/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1123/4.

اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے، رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں اور جنت حق ہے اور جہنم بھی حق ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دے گا، خواہ وہ کیسا ہی عمل کرتا ہو۔''[1] اور جُنادہ نے عُبادہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: [مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ أَيِّهَا شَاءَ] ''اللہ تعالیٰ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس میں سے چاہے اس کو داخل فرما دے گا۔''[2] اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

آیت اور حدیث میں ﴿ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ کے الفاظ اسی طرح ہیں جس طرح یہ آیت ہے: ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ (الجاثية 13:45) ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمھارے کام میں لگا دیا۔'' یعنی یہ سب کچھ اسی کا پیدا کیا ہوا اور اسی کی طرف سے ہے، یہاں [مِنْ] بعض کا مفہوم ادا کرنے کے لیے نہیں ہے (کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جز ہوں) جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں - ان پر مسلسل لعنت ہو - بلکہ یہ تو ابتدائے غایت کے لیے ہے جیسا کہ مذکورہ دوسری آیت، یعنی ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا...... ﴾ میں ہے۔

اور روح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریف و تکریم کے طور پر ہے۔ جس طرح ﴿ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ ﴾ (ھود 64:11) ''یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔'' اور ﴿ وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ ﴾ (الحج 26:22) ''اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھا کرو۔'' ان دونوں آیتوں میں ناقہ اور بیت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی ہے: [فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّي فِي دَارِهِ] ''میں اپنے رب سے اس کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہوں گا۔''[4] یہ تمام استعمالات ایک ہی انداز اور اسلوب کے مطابق ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔'' یعنی اس بات پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ بالکل اکیلا، یکتا اور لاثانی ہے، اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیوی اور خوب خوب جان لو اور مان لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ﴾ ''اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین ہیں۔'' یعنی عیسیٰ اور ان کی والدہ کو اللہ کے شریک نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسے سورۂ مائدہ کی یہ آیت ہے: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ (المآئدة 73:5) ''تحقیق وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى: ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ﴾ (النسآء4:171)، حديث: 3435 . [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث:3435 . [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، حديث: 28 لیکن یہاں حضرت عیسیٰ کے متعلق [ورسوله] کے بجائے [وابنُ أَمَتِه] ہے۔ [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ﴾ (القيمة 23،22:75)، حديث:7440 ومسند أحمد:244/3 عن أنس رضي الله عنه. یہ طویل حدیث شفاعت کا حصہ ہے۔

تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' اور جیسا کہ اسی سورۂ مائدہ ہی کے آخر میں فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (المآئدة 116:5) ''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لو؟'' اور سورۂ مائدہ میں یہ بھی فرمایا: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ (المآئدة 72:5) ''وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں۔''

ان ملعون عیسائیوں کے پاس جہالت کی وجہ سے نہ تو کوئی ضابطہ ہے اور نہ ان کے کفر کی کوئی حد ہے، ان کے اقوال اور ان کی ضلالت مختلف ہے، ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے بہت سے گروہ ہیں جن کی مختلف آراء ہیں اور متضاد اقوال ہیں۔ بعض متکلمین نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر کسی جگہ دس عیسائی بیٹھے ہوں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے گیارہ اقوال ہوں گے۔

عیسائیوں کے فرقے: ان کے مشہور عالم سعید بن بطریق، جو چوتھی صدی ہجری میں اسکندریہ میں ان کا ایک بڑا عالم تھا، نے ذکر کیا ہے کہ سرکردہ عیسائی پادریوں کی ایک بہت بڑی کونسل امانتِ کبیرہ [1] کے سلسلے میں منعقد ہوئی۔ حالانکہ یہ ایک نہایت گھٹیا خیانت تھی۔ اور یہ مشہور شہر قسطنطنیہ کے بانی قسطنطین کے دور (325ء) کی بات ہے۔ اس کونسل میں عیسائی پادریوں نے

[1] 325ء میں قسطنطنیہ کے قریب (موجودہ ترکی میں) نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر تاریخ عیسائیت کی ''پہلی عالمی کونسل'' (First Ecumenical Council) منعقد ہوئی۔ اس میں کم و بیش دو ہزار تین سو چالیس (2340) سرکردہ پادریوں (Bishops) نے شرکت کی اور ایک ''شاہی مذہب'' اختیار کیا گیا۔ اس کونسل میں انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے اور رسول علیہ السلام کے متعلق جن اعتقادات پر اتفاق کیا، خواہ وہ عیسائیت کے مطابق تھے یا نہیں، ان اعتقادات کو ''امانتِ کبیرہ'' یا ''امانت'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی ''عقیدہ نیقیہ'' (Nicene Creed) یا (Nicene Constantinopolitan creed) کہلاتا ہے۔ پروفیسر ساجد میر حفظہ اللہ نے ''انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا'' (1962)657/6 کے حوالے سے اپنی کتاب ''عیسائیت'' میں اسے نقل فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''عقائد میں خصوصی اہمیت اس عقیدے کی ہے جسے نیقیہ کی پہلی کلیسائی کونسل منعقدہ 325ء نے آریوی نظریات کے دفاع میں وضع کیا اور یہ اس طرح ہے:

''ہم ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں جو مقتدر باپ اور تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء کا خالق ہے، نیز ہم خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو خدا کا بیٹا تھا۔ صرف وہی تھا جو باپ سے پیدا ہوا (باپ ہی کے جوہر سے بنا) خدا میں سے خدا، نور میں سے نور (اصل خدا ہی میں سے اصل خدا، خدا نے بنایا نہیں بلکہ خدا سے پیدا ہوا اور اسی جوہر سے جو خدا کا ہے۔) جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے اسی کے ذریعے سے بنا۔ وہ ہم بنی آدم کی خاطر اور ہماری نجات کے لیے نیچے (زمین پر) آیا اور گوشت پوست کا انسان بنا، تکلیف اٹھائی، تیسرے دن جی اٹھا، اور آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ زندوں اور مردوں میں عدالت قائم کرنے آئے گا اور ہم روح القدس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو خداوند ہے اور زندگی بخشنے والا ہے۔ اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش و تعظیم ہوتی ہے۔'' (''عیسائیت'': 16,15 اور دیکھیے 77-116) اس ''امانت'' کو علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے باب: الخبر عن عيسى ابن مريم: 173,172/2 میں بھی بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ مشہور عیسائی مؤرخ ابن العمید نے بھی (المجموع المبارك) میں ذکر کیا ہے۔ اور ملاحظہ کیجیے: الملل والنحل للشهرستاني: 168/1 اور مفسر رحمہ اللہ کی البداية والنهاية ، بيان بناء بيت لحم والقمامة: 94/2 وباب ليس للجنب لمس التوراة: 137-139. اور اسی طرح مفسر رحمہ اللہ نے ان فرقوں کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت: 55، سورۂ مائدہ، آیت: 14، سورۂ مریم، آیت: 37 اور سورۂ روم، آیت: 1 کے تحت بھی کیا ہے۔

بدترین اختلاف کا ثبوت دیا، اس کونسل میں دو ہزار سے زیادہ پادری جمع تھے جو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ان میں پچاس ایک بات کہہ رہے تھے، بیس دوسری بات، سوتیسری بات اور ستر چوتھی بات۔ قسطنطین نے جب یہ دیکھا کہ ان میں سے تین سو اٹھارہ سے بھی زیادہ ایک بات پر متفق ہیں تو بادشاہ نے اس بات کو قبول کر کے اس کی تائید وحمایت شروع کر دی۔ یہ خود بھی ایک بڑا فلسفی تھا۔ اس نے اس گروہ کے اقوال کے علاوہ دیگر تمام اقوال کو مسترد کر دیا، ان تین سو اٹھارہ کو منظم کر کے ایک گروپ بنا دیا گیا، ان کے لیے گرجے تعمیر کیے گئے، اور انھوں نے کتابیں اور قوانین وضع کیے اور اس میں انھوں نے اس ''امانت'' کا ذکر کیا جسے وہ چھوٹے بچوں کو تلقین کرتے ہیں تا کہ اسے وہ اپنے پختہ عقیدے کے طور پر اختیار کر لیں اس گروہ کے پیروکار مَلَکِیَّہ Melchite یا Melkite (یا ملکانیہ، شاہی مذہب والے کہلاتے ہیں اور یہی آرتھوڈکس Orthodox، بنیاد پرست اور دقیانوسی عیسائی) ہیں۔ [1]

پھر انھوں نے ایک دوسری کونسل منعقد کی تو اس میں فرقہ یعقوبیہ (Jacobites) [2] نے جنم لیا، پھر تیسری کونسل منعقد ہوئی اور اس میں فرقہ نَسْطُورِیَّہ (Nestorians) پیدا ہوا۔ [3] ان میں سے ہر فرقہ مسیح میں اقانیم ثلاثہ کو ثابت تو کرتا ہے لیکن اس کی کیفیت کے بارے میں مختلف ہے۔ اسی طرح ان کے بقول لاہوت وناسوت میں بھی ان کا اختلاف ہے کہ کیا یہ دونوں متحد ہو گئے یا نہیں یا دونوں باہم مل گئے ہیں یا اس میں حلول کر گئے ہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں ان تین فرقوں کے تین مختلف اقوال ہیں جن کی وجہ سے ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کو کافر سمجھتا ہے جبکہ ہم ان تینوں ہی کو کافر قرار دیتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے فرمایا ہے: ﴿ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ﴾ ''(اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' یہاں ﴿ خَيْرًا ﴾ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی یَكُنْ خَيْرًا. ﴿ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ ﴾ '' اللہ ہی معبود واحد ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' یعنی سب کچھ اسی کی ملکیت اور اسی کی مخلوق ہے، آسمان وزمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کے غلام اور اسی کی تدبیر وتصرف کے ماتحت ہیں۔ وہ ہر چیز کا کارساز ہے تو مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی یا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ اسی نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (الأنعام 101:6) ''(وہی) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی

---

[1] اس فرقے کو 451ء میں خِلقدونی (خلقیدونی) کونسل نے بحال رکھا اور زیادہ تر عیسائی اسی پر ہیں اور یہ فرقہ زیادہ تر روم میں ہے۔

[2] ابن العمید عیسائی مؤرخ نے لکھا ہے کہ دِیسقُورُس جو اسکندریہ کا بڑا عیسائی راہنما تھا، اس کا نام بچپن میں یعقوب تھا اور یہی یعقوب الِاسکاف البرادعی تھا۔ اس وجہ سے اس کے مذہب کے پیروکاروں کو یعقوبیہ کہا جاتا ہے۔ بحوالہ تاریخ ابن خلدون: 175/2.

[3] یہ کونسل پہلی کونسل سے کم وبیش 290 سال بعد ہوئی۔ عیسائیوں کا یہ فرقہ مشرق (موجودہ شرق اوسط) میں ہے۔ یہ قسطنطنیہ کے عیسائی راہنما نسطوریوں کے پیروکار تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی عیسائی کونسلیں منعقد ہوئیں جن میں بہت سے فرقے رونما ہوئے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ

مسیح (عیسیٰ ابن مریم) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں کو عار ہے ، اور جو کوئی اللہ کی عبادت کو عار

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿172﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

خیال کرے اور تکبر کرے ، تو اللہ جلد ان سب کو اپنی طرف جمع کرے گا ﴿172﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا

تو اللہ انھیں ان کے پورے اجر دے گا اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ عطا کرے گا ، اور جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کو عار خیال

وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۬ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿173﴾

کیا اور تکبر کیا تو وہ انھیں بہت دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہیں پائیں گے ﴿173﴾

بیوی ہی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ (مریم19:88-95) ''اور کہتے ہیں رحمٰن اولاد رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو، قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد تجویز کی اور رحمٰن کو شایاں نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے، تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب رحمٰن کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

تفسیر آیات:173,172

انبیاء اور فرشتے اللہ کے بندے ہونے کو موجب عار نہیں سمجھتے: امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ﴾ کے معنی ہیں وہ تکبر نہیں کرتے۔[1] اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کے معنی ہیں کہ وہ اسے موجب عار نہیں سمجھتے۔[2] ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ﴾ ''مسیح (عیسیٰ ابن مریم) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں کو عار ہے۔'' کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿172﴾﴾ ''اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔'' یعنی ان سب کو قیامت کے دن اپنے پاس جمع کرے گا اور ان کے بارے میں مبنی بر عدل و انصاف فیصلہ فرمائے گا۔

اسی لیے فرمایا: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ یعنی ان

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1124/4. [2] تفسیر الطبری:50/6 و تفسیر ابن أبی حاتم:1124/4.

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾

اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس ایک دلیل آ گئی ہے ، اور ہم نے تمھاری طرف ایک واضح نور نازل کیا ہے﴿174﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ

پھر جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اس (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ضرور انھیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا ، اور انھیں

اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾

اپنی طرف (پہنچنے کے لیے) سیدھا راستہ دکھائے گا﴿175﴾

کے اعمال صالحہ کے مطابق انھیں نہ صرف پورا پورا اجر وثواب دے گا بلکہ اپنے فضل وکرم اور رحمت واحسان سے انھیں ان کے اعمال سے زیادہ بدلہ عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا ﴾ ''اور جنھوں نے (بندہ ہونے کو) عار سمجھا اور انکار کیا۔'' اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طاعت وبندگی سے دور رہے ﴿ فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ ﴾ ''تو ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ ''جو لوگ میری عبادت سے از راہ تکبر خود سری کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' (المؤمن 60:40) مطلب یہ کہ دنیا میں یہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طاعت وبندگی سے خود سری اور تکبر وغرور کا اظہار کرتے تھے، اب اسی طرح حقیر وذلیل اور رسوا ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔

تفسیر آیات :175,174

قرآن مجید کے اوصاف: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں مطلع فرما رہا ہے کہ ان کے پاس اس کی طرف سے ایک برہان عظیم آ چکی ہے، برہان عظیم اس حجت اور قطعی دلیل کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی عذر باقی نہ رہے اور ہر قسم کے شک وشبہے کا ازالہ ہو جائے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ ﴾ ''اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کو) تمھاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔'' نور مبین کے معنی ایسی روشنی کے ہیں جو حق کو واضح کرتی ہو۔ ابن جریج اور دیگر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔①

﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ ﴾ ''چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہے۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کو اختیار کیا اور اپنے تمام امور ومعاملات میں اس کی ذات گرامی پر توکل کیا۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور انھوں نے قرآن کو مضبوطی سے تھام لیا۔②

﴿ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ﴾ ''تو عنقریب ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔'' یعنی ان پر رحمت فرماتے ہوئے انھیں جنت میں داخل کرے گا اور اپنے فضل واحسان سے نوازتے ہوئے انھیں کئی گنا زیادہ اجر وثواب

① تفسیر الطبری:53/6 . ② تفسیر الطبری:53/6 .

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ

(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ "کلالہ" کے بارے میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ

بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے۔ اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو، تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا، پھر اگر بہنیں دو (یا دو

فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے۔ اور اگر کئی بھائی بہن، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں

ع 24 5 4 يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

کے حصے کے برابر ہوگا، اللہ تمھارے لیے وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿۱۷۶﴾

اور درجات کی بلندی عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ ﴾ "اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا رستہ دکھائے گا۔" صراط مستقیم سے مراد ایسا واضح، صاف اور سیدھا رستہ ہے جس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ پن نہ ہو۔ دنیا و آخرت میں مومنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں اپنے اعتقاد اور اعمال کے اعتبار سے سلامتی و استقامت کی راہ پر ہوتے ہیں اور آخرت میں اس صراط مستقیم پر ہوں گے جو انھیں کشاں کشاں باغہائے بہشت کی طرف لے جائے گا۔

تفسیر آیت:176

کلالہ کے بارے میں حکم، اور یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۂ براءت اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ ﴾ ہے۔[1]

امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں اس وقت بیمار اور بے ہوش تھا، آپ نے وضو فرمایا، پھر مجھ پر پانی کے چھینٹے مارے یا آپ نے فرمایا کہ اس پر پانی کے چھینٹے مارو تو اس سے میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے عرض کی کہ میرا وارث کلالہ ہے تو میراث کی تقسیم کیسے ہوگی؟ چنانچہ اس موقع پر آیتِ فرض (میراث) نازل ہوگئی۔[2] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[3] اسی طرح اسے محدثین کی ایک جماعت نے بھی روایت کیا ہے۔[4] اور بعض روایات میں الفاظ یہ ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت میراث نازل فرمائی:

[1] **صحیح البخاری**، التفسیر، باب: ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ ﴾...... (النسآء4:176)، حدیث:4605 و**صحیح مسلم**، الفرائض، باب آخر آیة أنزلت آیة الکلالة، حدیث:1618. [2] **مسند أحمد**:298/3. [3] **صحیح البخاری**، المرض، باب وضوء العائد للمریض، حدیث:5676 و194 و**صحیح مسلم**، الفرائض، باب میراث الکللة، حدیث:(7)-1616. [4] **سنن أبی داود**، الفرائض، باب فی الکلالة، حدیث:2886 و**جامع الترمذی**، الفرائض، باب میراث الأخوات، حدیث:2097 والسنن الکبرٰی للنسائی، الطب، باب وضوء العائد للمریض:359/4، حدیث: 7512 وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب الکللة، حدیث:2728.

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ط ﴾ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے حکم (الٰہی) پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔''①

گویا معنی یہ ہوئے کہ لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں حکم الٰہی دریافت کرتے ہیں۔ ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے: اللہ تمھیں (کلالہ کے بارے میں) یہ حکم دیتا ہے۔'' تو اس جواب میں کلالہ کے ذکر سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ استفتا (سوال) کلالہ کے بارے میں ہے جو سوال میں مذکور نہیں ہے۔

کلالہ اور اس کے اشتقاق کے بارے میں قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے② کہ یہ لفظ إِكْلِيل سے مشتق ہے اور اکلیل اس تاج کو کہتے ہیں جو تمام اطراف سے سر کو ڈھانپے ہوتا ہے۔ اسی لیے اکثر علماء نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو فوت ہو اور اس کا نہ کوئی بیٹا ہو اور نہ باپ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جو لاولد ہو جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بھی ہے: ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ ''اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو۔''

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر کلالہ کی میراث کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں: میری آرزو تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فراق سے پہلے تین چیزوں کی وضاحت فرما دیں: (1) دادا کی میراث (2) کلالہ کے بارے میں حکم اور (3) ربا کے مسائل میں سے کچھ مسائل۔③

امام احمد نے مَعدان بن ابوطلحہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کسی چیز کے بارے میں اس قدر کثرت سے سوال نہیں کیا جس طرح کثرت سے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تھا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک میرے سینے پر ماری اور فرمایا: [يَكْفِيكَ آيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ] ''تمھارے لیے موسم گرما میں نازل ہونے والی یہ آیت کافی ہے جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔''④ امام احمد نے اسے اسی طرح اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔⑤

اور امام مسلم نے اسے اس سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔⑥

آیت کریمہ کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ ﴾ ''اگر کوئی (ایسا) مرد مر جائے۔'' ﴿ هَلَكَ ﴾ کے معنی مر

① صحيح مسلم، الفرائض، باب ميراث الكللة، حديث:1616 اور گزشتہ حوالہ۔ اور بعض طرق میں اس موقع پر ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (النسآء 11:4) کے نزول کا ذکر بھی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری:307/8، حدیث:4577 کے ذیل میں۔ ② دیکھیے النساء آیت: 12 کے ذیل میں۔ ③ صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء في أن الخمر ما خامر العقل، حديث: 5588 وصحيح مسلم، التفسير، باب في نزول تحريم الخمر، حديث:3032 . ④ مسند أحمد:26/1 مَعدان ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ [الَّتِي نَزَلَتْ فِي الصَّيْفِ ......] ہیں۔ مسند أحمد:48/1 . ⑤ لیکن کئی دوسرے طرق سے مسند احمد میں مفصلاً بھی ذکر ہوئی ہے، دیکھیے مسند أحمد:48,27,15/1 . ⑥ صحيح مسلم، المساجد، باب نهي من أكل ثومًا أو بصلًا......، حديث: 567 و1617.

جانے کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ (القصص 88:28) یعنی اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہوجانے والی ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ ﴾ (الرحمٰن 27,26:55) ''جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور آپ کے پروردگار ذوالجلال والاکرام کا چہرہ ہی باقی رہے گا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ ''جس کی اولاد نہ ہو۔'' یعنی نہ اولاد ہو اور نہ ماں باپ اور یہ مفہوم اس جملے سے معلوم ہوتا ہے: ﴿ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ﴾ ''اور اس کی بہن ہو تو اس کو بھائی کے ترکے سے آدھا حصہ ملے گا۔'' اور اگر مرنے والے کا باپ زندہ ہوتا تو اس صورت میں اس کی بہن کو وراثت میں سے کچھ بھی نہ ملتا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ باپ موجود ہو تو بہن محروم رہتی ہے تو اس نص قرآن سے معلوم ہوا کہ کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جو مر جائے اور اس کی نہ اولاد ہو اور نہ ماں باپ۔ اس کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ باپ موجود ہو تو بہن کو نصف تو کیا میراث میں سے بالکل کوئی حصہ نہیں ملتا۔

امام ابن جریر اور دیگر کئی ائمہ نے حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اگر کسی میت نے اپنے وارثوں میں ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی تو اس صورت میں بہن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ﴾ ''اگر کوئی (ایسا) مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کی بہن ہو تو اس کو بھائی کے ترکے میں سے آدھا ملے گا۔''[1] ان کا کہنا یہ ہے کہ اور اگر وہ اپنے پیچھے بیٹی چھوڑے تو یہ اس کی اولاد ہے اور بہن کو عدمِ اولاد کی صورت میں ملتا ہے جیسا کہ فرمان ہے: ﴿ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ تو اس صورت میں بہن کو کچھ نہیں ملے گا لیکن جمہور نے اس میں حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی رائے کے خلاف یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس صورت میں بیٹی کو اصحاب الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے نصف حصہ ملے گا اور بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے نصف حصہ ملے گا اور اس کی دلیل اس آیت کے سوا اور ہے (جو عنقریب آرہی ہے۔)

اس آیت میں تو اس کے حصے کو فرض ہونے کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔ اور عصبہ ہونے کے اعتبار سے میراث میں سے اس کے حصے کا ذکر اس روایت میں ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بطریق سلیمان از ابراہیم از اسود بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ہمارے ایک مسئلے میں اسی طرح فیصلہ کیا تھا کہ بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے بھی نصف حصہ ہے، پھر سلیمان نے یہ بھی کہا کہ انھوں نے ہمارے ایک مسئلے میں اس طرح فیصلہ کیا تھا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ فیصلہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں کیا تھا۔[2]

صحیح بخاری ہی میں ہُزَیل بن شُرَحبِیل سے بھی روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک بیٹی، ایک پوتی اور

---

[1] تفسير الطبرى:60/6 و المصنف لابن أبى شيبة، الفرائض، باب فى رجل مات و ترك ابنته وأخته:244/6، حديث: 31059 والسنن الكبرىٰ للبيهقى، الفرائض، باب الأخوات مع البنات عصبة:233/6 . [2] صحيح البخارى، الفرائض، باب ميراث الأخوات مع البنات عصبة، حديث:6741 .

ایک بہن کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ بیٹی اور بہن کو نصف نصف حصہ ملے گا اور ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ جاؤ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ لو وہ بھی میری تائید کریں گے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھا گیا اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات کا بھی ذکر کر دیا گیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں یہ جواب دوں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا، لہٰذا میں تو اس بارے میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تھا اور وہ یہ کہ بیٹی کے لیے نصف حصہ ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ، تاکہ دو ثلث کا تکملہ ہو جائے اور جو باقی بچے گا وہ بہن کے لیے ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے واپس جا کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ جواب بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ جب تک یہ عالم تم میں موجود ہیں مجھ سے نہ پوچھا کرو۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ﴾ ''اور اگر بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا۔'' یعنی اگر بہن کلالہ فوت ہو جائے جبکہ اس کی اولاد ہو نہ ماں باپ تو اس کے تمام مال کا وارث اس کا بھائی ہوگا اور اگر اس کا باپ زندہ ہو تو بھائی کو اس کی وراثت میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اور اگر اس کے ساتھ اصحاب الفروض میں سے کوئی ہو تو اسے اس کا حصہ دیا جائے گا، مثلاً: شوہر یا ماں کی طرف سے بھائی اور باقی حقیقی بھائی کو ملے گا کیونکہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا ، فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ] ''اصحاب الفروض کو ان کے حصے دو اور ان مقررہ حصوں کے بعد جو کچھ باقی بچے، وہ قریب ترین مرد رشتہ دار کے لیے ہے۔''[2] ﴿ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ﴾ ''اور اگر (مرنے والے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کے لیے بھائی کے ترکے میں سے دو تہائی ہے۔'' اگر کلالہ کی صورت میں مرنے والے کسی شخص کی دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ دو ثلث ہے۔

اسی طرح بہنیں اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حکم بھی یہی ہوگا۔ اسی سے علماء کی ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم مستنبط کیا ہے جیسا کہ بیٹیوں کے متعلق حکم ﴿ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ﴾ (النسآء 11:4) ''پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انھیں متروکہ مال کا دو تہائی ملے گا'' سے بہنوں کے بارے میں حکم کا بھی استنباط کیا گیا ہے۔ ﴿ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ''اور اگر بھائی بہن، یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔'' یہ عصبات، یعنی بیٹوں، پوتوں اور بھائیوں کے بارے میں حکم ہے جبکہ مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو اس صورت میں مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔

﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان فرائض اور حدود کا تعین اور احکام کی وضاحت فرماتا ہے۔ اللہ کا فرمان: ﴿ اَنْ

[1] صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث ابنة ابن مع ابنة، حديث:6736. [2] صحيح البخاري، الفرائض، باب ابني عمّ أحدهما أخ للأم......، حديث:6746 وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها، حديث:1615.

تَضِلُّوْا ﴾ بمعنی لِئَلَّا تَضِلُّوا ہے۔مطلب یہ کہ حق واضح ہونے کے بعد اس سے دور نہ ہٹ جاؤ۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''یعنی وہ تمام امور کے انجام اوران کی مصلحتوں کواوران میں بندوں کے لیے بہتری کے پہلوؤں کو جانتا ہے۔اوراس بات کوبھی خوب جانتا ہے کہ رشتہ داروں میں سے مرنے والے کے ترکے کا کون کس قدر مستحق ہے!

امام ابن جریر نے طارق بن شہاب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شانے کی ہڈی کو پکڑا،حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور فرمایا کہ کلالہ کے بارے میں،میں ایک ایسا فیصلہ کروں گا جس کے متعلق خواتین اپنے گھروں میں بھی باتیں کریں گی۔اس وقت اچانک گھر سے ایک سانپ نکل آیا اور تمام لوگ منتشر ہوگئے،آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا تو یہ کام مکمل فرمادیتا۔ ① اس روایت کی سند صحیح ہے۔

ابوعبداللہ امام حاکم نیشاپوری نے بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین سوال پوچھ لیتا تو یہ مجھے سرخ اونٹوں (کی دولت) سے بھی زیادہ محبوب ہوتے:(1) آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ (2) جو لوگ یہ کہیں کہ ہم مال میں زکاۃ کی فرضیت کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن زکاۃ آپ کو نہیں دیں گے تو کیا ان سے جنگ کرنا حلال ہے؟ اور (3) کلالہ کے بارے میں سوال کرتا۔امام حاکم نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ ②

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ مجھے اس مسئلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے حیا دامن گیر ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جس کا نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔ ③ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے تو جمہور صحابۂ کرام وتابعین عظام اور قدیم وجدید ہر دور کے ائمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے۔قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''(یہ احکام) اللہ تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے واضح طور پر بیان فرمادیا ہے۔واللہ أعلم.

---

① تفسیر الطبری 58/6 والسنن الکبرٰی للبیهقی، الفرائض، باب التشدید فی الکلام فی مسئلة الجد مع الإخوة ......: 245/6 . ② المستدرك للحاکم، التفسیر، باب تفسیر سورة النسآء:303/2، حدیث:3186 . ③ تفسیر الطبری: 376/4 . نوٹ: احکامِ وراثت کے لیے آخر میں ضمیمہ ملاحظہ کیجیے۔

تفسیر سُورۂ مَائِدَہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ۬ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کیا کرو، تمھارے لیے چوپائے مویشی حلال کیے گئے ہیں، سوائے ان کے جن کے نام تمھیں پڑھ کر سنا دیے

مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ① یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا

جائیں گے، جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے① اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی نشانیوں

شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَ لَا الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡہَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ

کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینوں کی، نہ حرم میں قربان ہونے والے اور نہ پٹے پہنائے جانوروں کی، اور نہ بیت الحرام کا قصد کرنے والوں

یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ

کی وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں صرف اس لیے ان سے

وقف لازم اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا

زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے کہ انھوں نے تمھیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ

الربع عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ②

اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے②

فضیلت اور زمانۂ نزول: امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورتیں مائدہ اور فتح ہیں۔① امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا اور کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ سب سے آخر میں سورت ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴾ نازل ہوئی تھی۔② امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں ترمذی کی روایت کی طرح (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے) بیان کیا، اسے صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا اور لکھا ہے کہ شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔③ امام حاکم نے جُبَیر بن نُفَیر کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: میں نے حج

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3063. امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہاں سورۂ فتح سے مراد ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴾ ہے۔ (الإتقان:37/1.) ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3063. ③ المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المآئدة 311:2، حديث:3211.

کیا اور اس عرصے میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا: جبیر! تم سورۂ مائدہ پڑھتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے فرمایا: یہ نازل ہونے والی آخری سورت ہے، اس میں جن باتوں کو حلال پاؤ انھیں حلال قرار دے لو اور جنھیں حرام پاؤ، انھیں حرام سمجھو۔ اس کے بارے میں بھی امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ ①

امام احمد نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی معاویہ بن صالح سے روایت کو بیان کیا ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ میں نے ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ ② اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

تفسیر آیات: 2,1

امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا مجھے کوئی وصیت کیجیے تو انھوں نے فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنو: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ ''اے ایمان والو!'' تو خوب غور سے سنو کیونکہ یہ کوئی خیر کی بات ہوتی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہوتا ہے یا یہ کوئی شر کی بات ہوتی ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہوتا ہے۔ ④ خیثمہ سے روایت ہے کہ ہر وہ چیز جسے قرآن مجید میں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ ''اے ایمان والو!'' کے خطاب سے بیان کیا گیا ہے، اسے تورات میں یَا أَيُّهَا الْمَسَاكِينُ! ''اے مسکینو!'' کے خطاب سے بیان کیا گیا ہے۔ ⑤

فرمان باری تعالیٰ: ﴿ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ ''معاہدے پورے کیا کرو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی دیگر ائمہ تفسیر نے بیان فرمایا ہے کہ عقود سے مراد عہود (معاہدے) ہیں۔ ⑥ امام ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عقود سے مراد (معاہدے) ہیں۔ اور اس سے مراد وہ اقرار ہیں جو لوگ قسمیں اٹھا کر کیا کرتے ہیں۔ ⑦ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ معاہدوں کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور حرام قرار دیا ہے اور جو فرائض وحدود قرآن میں مقرر کیے ہیں، ان کی پابندی کرو اور انھیں نہ توڑو، انھیں توڑنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بہت سخت حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ ﴾ (الرعد 25:13) ''اور جو لوگ اللہ سے عہد واثق کر کے اس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان کو قطع کر دیتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) گھر بھی بہت برا ہے۔'' ⑧

---

① المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المآئدة 311:2، حديث: 3210. ② مسند أحمد: 188/6. ③ السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة المآئدة: 333/6: 11138. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 196/1. ⑤ المصنف لابن أبي شيبة، الزهد، باب خيثمة بن عبدالرحمن، رقم: 35014. ⑥ تفسير الطبري: 63/6. ⑦ تفسير الطبري: 63/6. ⑧ تفسير الطبري: 65/6.

امام ضحاک بھی فرماتے ہیں کہ معاہدوں کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال وحرام قرار دیا ہے، نبی اور کتاب کے ساتھ ایمان لانے والوں سے جو عہد و پیمان لیا ہے اور اپنے بندوں پر حلال اور حرام میں سے جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے ان سب کے بارے میں حکم ہے کہ ان کی پابندی کی جائے۔

حلال وحرام جانور: ارشاد الٰہی: ﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ﴾ ''تمھارے لیے چوپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیے گئے ہیں۔'' ان سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں جیسا کہ امام حسن، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے۔[1] ابن جریر فرماتے ہیں کہ عرب بہیمۃ الانعام انھی جانوروں کو کہتے ہیں۔[2] حضرت ابن عمر، ابن عباس اور کئی ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اگر کسی مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں مردہ جنین ہو تو وہ بھی حلال ہے۔[3]

جنین کے بارے میں سنن ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی، گائے یا بکری ذبح کرتے ہیں تو ان کے پیٹ سے بچے بھی نکل آتے ہیں تو کیا ہم ان کو پھینک دیں یا کھا لیا کریں؟ فرمایا: [كُلُوهُ إِنْ شِئْتُمْ فَإِنَّ ذَكَاتَهٗ ذَكَاةُ أُمِّهٖ] ''اگر تم چاہو تو کھا سکتے ہو ان کی ماں کا ذبح کرنا ہی کافی ہے۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن (صحیح) قرار دیا ہے۔[4] امام ابوداود نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهٖ] ''پیٹ کے بچے کو ذبح کرنے کے لیے اس کی ماں کو ذبح کرنا ہی کافی ہے۔''[5] اسے صرف امام ابوداود نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''سوائے ان کے جو تمھیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ہے مردار، خون، سؤر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔[6] امام قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مردار اور ہر وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔[7] حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آیت کریمہ: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ ...... ﴾ الآية (المآئدة 3:5) ''تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مر جانے والا، چوٹ لگ کر مر جانے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا، اور وہ جانور بھی جسے درندے کھا جائیں......'' میں

[1] تفسیر الطبری:67/6 و تفسیر الخازن:4/2 و تفسیر القرطبی:34/6 . [2] تفسیر الطبری:68/6 . [3] تفسیر الطبری: 68/6 . [4] سنن أبی داود، الضحایا، باب ماجاء فی ذکاة الجنین، حدیث:2827 و جامع الترمذی، الصید، باب ماجاء فی ذکاة الجنین، حدیث:1476 و سنن ابن ماجه، الذبائح، باب ذکاة الجنین ذکاة أمه، حدیث:3199 . [5] سنن أبی داود، الضحایا، باب ماجاء فی ذکاة الجنین، حدیث:2828. [6] تفسیر الطبری:69/6 . [7] تفسیر الطبری: 69/6 .

مذکور چیزیں ہیں (جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔)

اس آیت میں مذکور چوپائے جانور اگرچہ فی نفسہ حلال ہیں لیکن وہ عوارض کی وجہ سے حرام ہو گئے ہیں، اس لیے فرمایا: ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ ''مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔'' یعنی ان (مذکور) جانوروں میں سے، ﴿ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ ''اور جو تھان پر ذبح کیا جائے۔'' حرام ہے اور وہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہو سکتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''تمھارے لیے چوپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تمھیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔'' یعنی سوائے ان بعض جانوروں کے جو بعض حالات میں حرام قرار دے دیے جاتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ ﴾ ''جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو۔'' بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں چوپائے جانوروں سے مراد عام پالتو جانور اونٹ، گائے، بکریاں اور عام وحشی جانور، مثلاً: ہرن اور نیل گائے وغیرہ ہیں۔ پالتو جانوروں میں سے حرام کو ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى ﴾ ''مگر جو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔'' کہہ کر مستثنیٰ قرار دے دیا اور وحشی جانوروں میں سے حلال کو حالتِ احرام میں حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ ﴾ ''جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے تمھارے لیے چوپائے جانوروں کو تمام حالات میں حلال قرار دے دیا ہے مگر ایک صورت اس شخص کے لیے مستثنیٰ ہے جو حالتِ احرام میں ہونے کی وجہ سے شکار کو حرام سمجھنے کا پابند ہو۔ یہ (حکم) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (النحل 115:16) ''ہاں، اگر کوئی ناچار ہو جائے بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی مجبور و مضطر کے لیے ہم نے مردار کھانے کو بھی جائز قرار دے دیا ہے بشرطیکہ اس کا مقصد گناہ کا ارتکاب کرنا اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو، اس طرح گو ہم نے یہاں چوپائے جانوروں کو تمام حالات میں حلال قرار دیا ہے لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حرام قرار دو کیونکہ یہ اس اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کے تمام اوامر و نواہی سے متعلق فیصلے اور احکام مبنی بر حکمت ہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ ﴾ ''بے شک اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے۔''

بیت اللہ اور حرمت والے مہینے کے احترام کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ﴾ ''مومنو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد مناسک حج ہیں۔[1] امام مجاہد کا قول ہے کہ صفا، مروہ، ہدی اور اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعائر اللہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو اس صورت میں آیت کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، تم انھیں حلال نہ سمجھو، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾

[1] تفسیر الطبری:73/6. [2] تفسیر الطبری:73/6.

’’اور نہ (بے حرمتی کرو) حرمت والے مہینے کی۔‘‘ یعنی اس کی حرمت کی پاسداری کرو اور اس کی عظمت کا اعتراف کرو، اس مہینے میں جنگ کی پہل نہ کرو اور حرام چیزوں کے ارتکاب سے اجتناب کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ﴾ (البقرۃ2:217) ’’(اے محمد!) لوگ آپ سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے: ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا ﴾ (التوبۃ9:36) ’’اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں۔‘‘

صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: [إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ : ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ] ’’زمانہ اب اپنی اسی حالت میں لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال کے مہینے بارہ ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔‘‘ [1]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ان مہینوں کی حرمت قیامت تک باقی رہے گی۔

بیت اللہ کی طرف قربانی کے جانوروں کو لے جانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ ﴾ ’’اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں۔‘‘ یعنی بیت الحرام کی طرف قربانی کے جانور بھیجنا ترک نہ کرو کیونکہ اس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اور ان کی گردنوں میں پٹے ڈالنا بھی ترک نہ کرو تاکہ یہ دوسرے جانوروں سے ممتاز ہو جائیں اور معلوم ہو جائے کہ یہ کعبے کی ہدی کے جانور ہیں اور ان کے بارے میں برا ارادہ کرنے والا اپنے ارادے سے باز رہے اور انھیں دیکھنے والا بھی اسی طرح کے جانور بھیجنے کی خواہش کرے۔ اور جو شخص نیکی و ہدایت کی دعوت دیتا ہے، اسے بھی عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے جب حج ادا فرمایا تو آپ نے ذوالحلیفہ، یعنی وادی عقیق میں شب بسر فرمائی تھی، صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ، جو تعداد میں نو تھیں، مباشرت بھی فرمائی تھی، پھر آپ نے غسل فرمایا، خوشبو استعمال کی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، اس کے بعد قربانی کے جانوروں کو إشعار کیا، یعنی نشان لگائے اور پٹے پہنائے اور حج اور عمرے کا احرام

---

[1] **صحيح البخاري**، التفسير، باب قوله: ﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ...... ﴾ الآية (التوبة 9:36)، حديث: 4662 و **صحيح مسلم**، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء، حديث: 1679 . [2] یہ اصول رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: [مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا] **سنن أبي داود**، السنة، باب من دعا إلى السنة، حديث: 4609 و **جامع الترمذي**، العلم، باب فيمن دعا إلى هدى، حديث: 2674 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ اور یہ مکمل روایت عنقریب آ رہی ہے۔

باندھا،① آپ ﷺ کے ہدی کے جانور جو بہت سے اونٹ تھے جن کی تعداد ساٹھ سے بھی زیادہ تھی اور وہ بہت ہی خوبصورت شکلوں اور رنگوں کے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ ۥ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ ﴾ (الحج22:33) ''یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے تو بلا شبہ یہ (فعل) دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے۔''

مُقاتل بن حیان کہتے ہیں: فرمان الٰہی: ﴿ وَلَا الْقَلَآئِدَ ﴾ ''اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ان جانوروں کو بھی حلال نہ سمجھو۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت یہ تھی کہ حرمت والے مہینوں کے علاوہ دیگر مہینوں میں جب وہ اپنے علاقوں سے باہر نکلتے تو وہ اپنے گلوں میں بال اور اون کے پٹے ڈال لیتے تھے، مشرکینِ حرم، حرم کے درختوں کی داڑھیوں کے پٹے ڈال لیتے تھے اور اس سے وہ امن میں رہتے تھے۔ اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے، پھر انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ اس سورت میں سے دو آیتیں منسوخ ہیں: ایک یہ آیت قلائد اور دوسری آیت: ﴿ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ ﴾ (المآئدة 5:42) ''پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں۔''②

بیت اللہ جانے والوں کی بے حرمتی کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو عزت کے گھر (بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں۔'' یعنی بیت اللہ کا قصد کر کے جانے والوں سے لڑنے کو بھی حلال نہ سمجھو کیونکہ جو اس گھر میں داخل ہوتا ہے، وہ امن میں ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے حصول کی خاطر بیت اللہ کی طرف جا رہا ہو تو اسے بھی نہ روکو اور نہ اسے کوئی تکلیف یا ایذاء پہنچاؤ۔ مجاہد، عطاء، ابوالعالیہ، مُطَرِّف بن عبداللہ، عبداللہ بن عبید بن عمیر، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان، قتادہ اور کئی ایک دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس آیت: ﴿ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ میں اللہ کے فضل سے مراد تجارت ہے۔③ جیسا کہ قبل ازیں: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ ﴾ (البقرة2:198) ''اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔'' کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

① ماخوذ از صحیح البخاری، الحج، باب خروج النبی ﷺ علی طریق الشجرة، حدیث:1533 وباب من أشعر وقلد بذی الحلیفة ثم أحرم، حدیث:1695،1694 والغسل، باب إذا جامع ثم عاد ......، حدیث: 267 وصحیح مسلم، الحج، باب الصلاة فی مسجد ذی الحلیفة، حدیث:1188 وباب الطیب للمحرم عند الإحرام، حدیث:1192. ② الدر المنثور:503/2 والمستدرك للحاكم، التفسیر، تفسیر سورة المآئدة2:312، حدیث:3217 اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی کی مثل امام مجاہد سے بیان کیا ہے۔ تفسیر الطبری:333/6. ③ تفسیر الطبری:84,83/6، وتفسیر القرطبی:44/6 والدر المنثور:451/2.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ رِضْوَانًا ط ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وہ اپنے حج سے اللہ کی رضا کے طلب گار ہیں۔① عکرمہ، سدی اور ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حُطَم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا تھا۔ اور آئندہ سال جب اس نے بیت اللہ کے لیے عمرے کا قصد کیا تو بعض صحابہ نے پروگرام بنایا کہ اسے راستے میں روکیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمادیا: ﴿ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ط ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں۔''②

احرام اتارنے کے بعد شکار کا جواز: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ط ﴾ ''اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو۔'' یعنی جب تم احرام سے فارغ ہو کر حلال ہو جاؤ تو ہم نے تمھارے لیے جس شکار کو حرام قرار دیا تھا، اب اسے حلال قرار دے دیا ہے۔ یہ (شکار کرنے کی) ممانعت کے بعد (اس کے کرنے کا) حکم ہے اور اصول کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ حکم کو ممانعت سے پہلے کی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، پس اگر ممانعت سے پہلے واجب ہو تو اسے واجب کی طرف، مستحب ہو تو مستحب کی طرف اور اگر مباح (جائز) ہو تو مباح کی طرف لوٹایا جائے گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ممانعت کے بعد حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے تو بہت سی آیات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔③ اور جو یہ کہتے ہیں کہ ممانعت کے بعد حکم اباحت پر دلالت کرتا ہے تو بہت سی آیات سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔④ تمام دلائل سے جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے، وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ واللہ أعلم.

عدل و انصاف ہر حال میں واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا م ﴾ ''اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انھوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا، ہرگز تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو۔'' اس کے معنی ظاہر ہیں کہ ان لوگوں سے بغض اور دشمنی جنھوں نے حدیبیہ کے سال تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا، تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، ان سے ازراہِ ظلم و عداوت انتقام لینے لگو بلکہ ہر ایک کے ساتھ جیسا کہ حکم الٰہی ہے، عدل و انصاف کا معاملہ کرو جس طرح یہ آیت ہے، اسی طرح آگے بھی ایک آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز ﴾ (المآئدة 8:5) ''اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی بات پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔'' یعنی کسی قوم سے بغض تمھیں ترکِ عدل پر آمادہ نہ کرے کیونکہ ہر ایک کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ کسی سے بھی کسی حال میں بھی معاملہ کرتے ہوئے عدل کے دامن کو ہاتھ

① تفسیر الطبری: 84/6 . ② تفسیر الطبری: 78/6 و الدر المنثور: 451/2 . ③ جیسا کہ فرمان باری ہے: ﴿ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ ﴾ (الجمعة 10:62) ''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔'' ④ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ ﴾ (التوبة 9:5) ''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کر دو۔''

سے نہ چھوڑے۔

امام ابن ابو حاتم نے زید بن اسلم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے جب مشرکوں نے انھیں بیت اللہ جانے سے روک دیا تھا اور یہ بات ان پر بہت گراں گزری تھی۔ اور اسی دوران میں جب مشرق کے کچھ مشرک وہاں سے گزر رہے تھے اور ان کا عمرہ کرنے کا ارادہ تھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم بھی ان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں گے جیسا کہ ان کے ساتھیوں نے ہماری راہ روکی تھی تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔①
اور ﴿شَنَاٰنُ﴾ کے معنی بغض کے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے۔②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠﴾ ''اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ فعل خیرات اور ترک منکرات، یعنی نیکی وتقوے کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کریں مگر باطل، گناہ اور حرام کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کریں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ إثم یہ ہے کہ جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے ترک کر دیا جائے اور عدوان یہ ہے کہ ان حدود سے تجاوز کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے دین، تمھاری جانوں یا دوسرے انسانوں کے بارے میں مقرر کی ہیں۔③

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! ، هٰذَا أَنْصُرُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ ظَالِمًا ؟ قَالَ: تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهُ] ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! وہ جب مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن اگر وہ ظالم ہو تو پھر اس کی مدد کس طرح کروں؟ فرمایا: اسے ظلم کرنے سے روکو یا باز رکھو تو یقیناً یہ اس کی مدد ہے۔''④ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے بطریق ہُشیم اسی طرح بیان فرمایا ہے۔⑤

امام احمد نے ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [اَلْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ] ''وہ مومن جو لوگوں سے مل جل کر رہتا اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، اسے اس سے زیادہ اجر وثواب ملے گا جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی تکلیفوں پر صبر نہیں کرتا۔''⑥

اور صحیح حدیث میں ہے: [مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ

① الدر المنثور:450/2 . ② تفسير الطبري:87/6 والدر المنثور:451/2 . ③ تفسير الطبري:89/6 . ④ مسند أحمد: 99/3. ⑤ صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه: أنه أخوه ...... ، حديث:6952 عن أنس ﷺ. ⑥ مسند أحمد:365/5 وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب في فضل المخالطة......، حديث:2507 وسنن ابن ماجه ، الفتن، باب الصبر على البلاء، حديث:4032 عن ابن عمر ﷺ.

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ

تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مرجانے والا،

وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ

چوٹ لگ کر مرنے والا، اوپر سے گر کر مر جانے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا اور وہ جانور بھی جسے درندے کھا جائیں، سوائے اس کے جسے تم ذبح

عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

کرلو، اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تم فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج وہ لوگ ناامید ہوگئے

دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

جنھوں نے تمھارے دین کا انکار کیا، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھی سے ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ

کردی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا، پس جو شخص بھوک سے بے بس ہو جائے جبکہ وہ گناہ پر مائل ہونے والا نہ ہو، تو یقیناً اللہ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے③

أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَّمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا] ''جو شخص ہدایت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے اجر وثواب کے مطابق اجر وثواب ملے گا جو اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اور اس سے عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی وضلالت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کے مطابق عمل کریں گے اور اس سے عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔''①

تفسیر آیت:3

جن حیوانات کو کھانا حرام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مطلع فرمایا ہے کہ ان کے لیے مردار حرام ہے۔ اس سے مراد ہر وہ جانور ہے جو ذبح کیے اور شکار کیے بغیر از خود مر جائے۔ مردار کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ خون نہ بہنے کی وجہ سے دین اور بدن کے لیے بے حد نقصان دہ ہوتا ہے، ہاں! البتہ مچھلی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ہر حال میں حلال ہے، خواہ اسے ذبح کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں، امام ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اپنی اپنی سنن میں اور امام ابن خزیمہ و ابن حبان رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ] ''اس کا پانی پاک اور مردار حلال

① صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ......، حديث:2674 وسنن أبي داود، السنة، باب من دعا إلى السنة ، حديث:4609 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

ہے۔‘‘[1] اسی طرح مکڑی بھی حلال ہے جیسا کہ عنقریب حدیث آ رہی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالدَّمُ ﴾ ’’اور خون‘‘ اس سے ذبح کے وقت گردن سے بہنے والا خون مراد ہے، اسی وجہ سے ایک دوسرے مقام پر ﴿ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا ﴾ (الأنعام 145:6) ’’یا بہتا خون‘‘ فرمایا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کلیجی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے کھا سکتے ہو، لوگوں نے کہا کہ وہ تو خون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو خون حرام ہے، اس سے مراد بہتا ہوا خون ہے۔[2] امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُحِلَّ لَنَا مَیْتَتَانِ وَدَمَانِ، فَأَمَّا الْمَیْتَتَانِ: فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ: فَالْکَبِدُ وَالطِّحَالُ] ’’ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال قرار دیے گئے ہیں، دو مردار سے مراد: مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون سے مراد جگر اور کلیجی ہیں۔‘‘[3] امام احمد بن حنبل، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی رحمہم اللہ نے بھی اسے عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔[4]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ﴾ ’’اور سؤر کا گوشت (بھی حرام ہے۔)‘‘ سؤر، خواہ پالتو ہو یا جنگلی جس طرح اس کا گوشت حرام ہے، اسی طرح اس کے جسم کے باقی تمام اعضاء اور چربی وغیرہ بھی حرام ہے۔ ظاہریہ نے یہاں جس جمود اور استدلال میں تکلف سے کام لیا ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ ﴾ (الأنعام 145:6) میں فَإِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع خنزیر ہے لحم خنزیر نہیں ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ خنزیر کے جسم کے تمام اجزاء ہی حرام ہیں لیکن از روئے لغت یہ استدلال بہت بعید از قیاس ہے، اس لیے کہ اس صورت میں ضمیر کا مرجع مضاف ہوتا ہے مضاف الیہ نہیں۔ (اس لیے کہنا یوں چاہیے کہ) یقیناً لحم (گوشت) ہی عام ہے اور اس

---

[1] الموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الطهور للوضوء، حديث: 45 وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 83 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر أنه طهور، حديث: 69 وسنن النسائي، المياه، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 333 وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 386 وصحيح ابن خزيمة، الوضوء، باب الرخصة في الغسل والوضوء من ماء البحر......: 59/1، حديث: 111 وصحيح ابن حبان، الطهارة، باب المياه: 49/4، حديث: 1243. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1406/5. [3] كتاب الأمّ للشافعي، الصّيد والذبائح، باب ذكاة الجراد والحيتان: 177/3. [4] مسند أحمد: 97/2 وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الكبد والطحال، حديث: 3314 واللفظ له، البتہ [أُحِلَّ] کے بجائے حوالوں میں [أُحِلَّتْ] ہے۔ اور [أُحِلَّ] کے لیے دیکھیے: سنن الدارقطني، الأشربة وغيرها، باب الصّيد والذبائح والأطعمة وغير ذلك: 271,270/4، حديث: 4687 والسنن الكبرى للبيهقي، الطهارة، باب الحوت يموت في الماء والجراد: 254/1 . یہ روایت مرفوعاً ضعیف ہے، البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہونے کی حیثیت سے صحیح ہے اور اس لحاظ سے یہ درحقیقت مرفوع ہی ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا: ’’ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے‘‘ یہ مرفوع کے حکم ہی میں ہوتا ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 16/10 .

سے مراد اس کے جسم کے تمام اجزاء ہیں جیسا کہ عربی زبان کے اس لفظ اور عرف عام سے یہ مفہوم بالکل واضح طور پر سمجھ میں آ رہا ہے۔

صحیح مسلم میں بُریدہ بن حُصَیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ لَّعِبَ بِالنَّرْدَشِيرِ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَّدَمِهٖ] ''جو شخص نردشیر (شطرنج کی طرح کا ایک کھیل،بعض نے اسے چوسر بھی لکھا ہے۔) کھیلے تو اس نے گویا اپنا ہاتھ سوَر کے گوشت اور خون میں ڈالا۔''[1] اس حدیث سے اندازہ فرمائیں کہ اگر محض اس کے گوشت کو ہاتھ لگانے سے اس قدر نفرت دلائی گئی ہے تو اسے کھانے اور بطور غذا استعمال کرنے کی ممانعت کس قدر شدید ہوگی۔ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ لحم (گوشت) کا لفظ اس کی چربی اور دیگر تمام اعضاء پر بھی مشتمل ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِنَّ اللّٰهَ (وَرَسُولَهٗ)حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ، فَقِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ ، فَإِنَّهَا يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ ، وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ : لَا ، هُوَ حَرَامٌ] ''اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے اس سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے، چمڑوں کو تیل لگایا جاتا ہے اور لوگ اسے چراغوں میں جلاتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، یہ حرام ہے۔''[2] صحیح بخاری میں حدیثِ ابوسفیان میں ہے کہ انھوں نے ہرقل شاہ روم سے یہ کہا تھا کہ ''وہ (نبی) ہمیں مردار اور خون سے منع کرتے ہیں۔''[3]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ''اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔'' یعنی جو چیز ذبح کی جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے تو وہ بھی حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واجب قرار دیا ہے کہ اس کی پیدا کردہ چیزوں کو اس کے عظیم نام سے ذبح کیا جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس سے اعراض کرتے ہوئے جانور ذبح کرتے وقت کسی صنم، طاغوت، بت یا دیگر تمام مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کا نام لے گا تو ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ جانور حرام ہو جائے گا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ ''اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جو گلا گھٹ کر مر جائے، خواہ قصد و ارادے سے یا اتفاق سے، مثلاً: یہ کہ وہ اپنی اس رسی وغیرہ سے الجھ جائے جس سے اسے باندھا گیا ہو اور اس طرح وہ مر جائے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ ﴿وَالْمَوْقُوْذَةُ﴾ ''اور جو چوٹ لگ کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جسے کسی بھاری اور

[1] صحيح مسلم ، الشعر، باب تحريم اللعب بالنردشير، حديث:2260 . [2] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث: 2236 وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، حديث: 1581 عن جابر بن عبد الله ﷺ. [3] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب: كيف كان بدء الوحي، حديث: 7 یہاں بھی اور اسی طرح صحیح بخاری کے کئی مقامات پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تو موجود ہے لیکن یہ الفاظ نہیں ہیں، البتہ مذکورہ الفاظ اسی سیاق سے مسند أبي عوانة، الجهاد، بيان كتاب النبي ﷺ إلى هرقل:273/4 میں ہیں۔

غیر دھار والی چیز سے مارا جائے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک دیگر ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جسے کسی لکڑی سے مارا جائے اور اس سے اسے اس قدر چوٹ لگ جائے کہ وہ مر جائے۔① قتادہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ جانوروں کو لاٹھیوں سے مارتے تھے اور جب وہ مر جاتے تو پھر انھیں کھا لیتے تھے۔②

صحیح (بخاری) میں عدی بن ابو حاتم سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں شکار پر ایک ایسی لاٹھی پھینکتا ہوں جس کے آگے چھری لگی ہوتی ہے اور وہ شکار کو لگ جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: [إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ ، وَإِنْ أَصَابَهُ بَعَرْضِهِ (فَإِنَّهُ وَقِيذٌ) فَلَا تَأْكُلْهُ] ''اگر تم چھری لگی لاٹھی پھینکو اور وہ جانور کو پھاڑ دے تو اسے کھا لو اور اگر وہ اسے عرض کے بل لگے تو وہ وقیذ (موقوذ) یعنی چوٹ لگ کر مرا ہے، لہٰذا اسے نہ کھاؤ۔''③ اس حدیث میں آپ نے فرق بیان فرما دیا ہے کہ اگر جانور کو تیر یا چھوٹا نیزہ وغیرہ دھار کی طرف سے لگے تو اسے آپ نے حلال قرار دیا ہے اور اگر وہ عرض کے بل لگے اور اس سے چوٹ لگ کر جانور مر جائے تو اسے آپ نے حلال قرار نہیں دیا۔ فقہاء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے۔

﴿ وَالْمُتَرَدِّيَةُ ﴾ ''اور جو گر کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جو پہاڑ وغیرہ کی چوٹی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر جائے تو وہ بھی حلال نہیں ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے۔④ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو کنویں میں گر کر مر جائے۔⑤ سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر یا کنویں میں گر کر مر جائے۔⑥

﴿ وَالنَّطِيحَةُ ﴾ ''اور جو سینگ لگ کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے تو وہ بھی حرام ہے، خواہ وہ سینگ سے زخمی ہوا ہو اور اس سے خون بھی نکلا ہو، خواہ خون ذبح کرنے کی جگہ سے نکلا ہو تو پھر بھی وہ حرام ہے۔ نطیحۃ کا لفظ فَعِيلَةٌ کے وزن پر مَفْعُولَةٌ کے معنی میں ہے، یعنی مَنْطُوحَةٌ اور اس کے معنی ہیں جسے سینگ مار دیا گیا ہو۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ ﴾ ''اور وہ جانور بھی (حرام ہے) جس کو درندے پھاڑ کھائیں۔'' یعنی جس پر شیر، ببر شیر، چیتا، بھیڑیا یا کتا وغیرہ حملہ کر کے اس کے کچھ حصے کو کھا لے اور وہ اس کی وجہ سے مر جائے تو وہ بھی حرام ہے، خواہ اس کا خون بہا ہو اور بہا بھی ذبح کرنے کی جگہ سے ہو تو ایسا جانور بھی بالاجماع حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس بکری، گائے

① تفسير الطبرى:93/6 . ② تفسير الطبرى:93/4 . ③ صحيح البخارى،الذبائح والصيد، باب صيد المعراض، حديث:5476 وصحيح مسلم، الصيد والذبائح......، باب الصيد بالكلاب المعلّمة والرمى، حديث:1929 و صحيح مسلم... ،البتہ [فإنه وقيذٌ] کے الفاظ صحیح مسلم، حدیث:(3)-1929 میں ہیں۔ ④ تفسير الطبرى:93/6 . ⑤ تفسير الطبرى: 93/6 . ⑥ تفسير الطبرى:94/6 .

اور اونٹ وغیرہ کو کھالیا کرتے تھے جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہوتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ایسے جانور کو کھانا حرام قرار دے دیا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ ''مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کرلو۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جو مر رہا ہو مگر ابھی تک اس میں زندگی موجود ہو اور اسے ذبح کرنا ممکن ہو۔ اور اس استثنا کا تعلق مذکورہ جانوروں میں سے ان سے ہے جن کو مستثنیٰ کرنا ممکن ہو۔ اور وہ گلا گھٹ کر، چوٹ لگ کر، گر کر، سینگ لگ کر زخمی ہونے والے اور درندوں کے پھاڑ کھائے ہوئے جانور ہی ہو سکتے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری: ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان جانوروں میں سے جن میں ابھی روح موجود ہو اور تم ان کو ذبح کرلو تو انھیں کھا لو وہ حلال ہیں۔ ① سعید بن جبیر، حسن بصری اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ ②

امام ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اگر تم چوٹ لگنے، گرنے والے اور سینگ لگنے والے جانور کو اس طرح پالو کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلا رہا ہو تو اسے کھالیا کرو۔ ③ اسی طرح طاؤس، حسن، قتادہ، عبید بن عمیر، ضحاک اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر سے مروی ہے کہ ذبح کیے جانے والے جانور میں جب ایسی حرکت موجود ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ ابھی اس میں زندگی موجود ہے تو وہ ذبح کرنے کے بعد حلال ہے۔ ④

صحیحین میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کل دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوگی ⑤ اور ہمارے پاس چھری موجود نہیں ہے تو کیا ہم سرکنڈے سے ذبح کرلیں؟ آپ نے فرمایا: [مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ ، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ، أَمَّا السِّنُّ: فَعَظْمٌ وَّأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ] ''جو چیز بھی خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالو لیکن اسے دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو اور ابھی میں اس کی وجہ بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔'' ⑥

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ ''اور وہ جانور بھی (حرام ہے) جو تھان پر ذبح کیا جائے۔'' مجاہد اور ابن جریج کہتے ہیں کہ نصب سے مراد وہ پتھر ہیں جو کعبے کے اِرد گرد رکھے ہوئے تھے۔ ⑦ ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ تین سو ساٹھ بت تھے اور زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ اور ان کے خون بیت اللہ کے اگلے حصے پر مل دیتے تھے اور گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر کے بتوں کے آگے رکھ دیتے تھے۔ ⑧ کئی ایک اہل علم نے اسی طرح ذکر کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرما دیا اور ایسے ذبیحوں کے کھانے کو حرام قرار دیا، خواہ بتوں کے لیے ذبح کرتے ہوئے ان پر اللہ

---

① تفسیر الطبری:96/6. ② تفسیر الطبری:96/6 . ③ تفسیر الطبری:97/6 . ④ تفسیر الطبری:97/6 . ⑤ یہ غزوۂ حنین کی طرف اشارہ ہے اور دشمن سے مراد ثقیف اور ہوازن وغیرہ ہیں۔ ⑥ صحیح البخاری، الشركة، باب قسمة الغنم، حدیث:2488. ''......دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوگی'' یہ الفاظ، حدیث: 5509 کے مطابق ہیں۔ وصحیح مسلم، الأضاحی، باب جواز الذبح بكل ماأنهرالدم ......، حدیث:1968. ⑦ تفسیر الطبری:100/6. ⑧ تفسیر الطبری:100/6.

کا نام ہی کیوں نہ لیا گیا ہو، کیونکہ بتوں کے نام پر ذبح کرنا شرک ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور اسے اسی پر محمول کرنا درست ہے، کیونکہ اس سے پہلے یہ مذکور ہے کہ جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، وہ حرام ہے۔

پانسوں سے قسمت معلوم کرنا حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ ''اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو۔'' یعنی مومنو! تمھارے لیے پانسوں سے قسمت معلوم کرنا بھی ہم نے حرام قرار دیا ہے۔ أَزْلَام جمع ہے، اس کا واحد زُلَمٌ ہے، اسے زَلَمٌ بھی پڑھا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ پانسوں سے قسمت آزمائی کیا کرتے تھے اور وہ اس طرح کہ ان کے پاس تین تیر ہوتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا: اِفْعَلْ ''کرو'' دوسرے پر لکھا ہوتا تھا: لَا تَفْعَلْ ''نہ کرو۔'' اور تیسرا خالی ہوتا تھا اور اس پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک تیر پر یہ لکھا ہوتا تھا: أَمَرَنِي رَبِّي ''میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔'' دوسرے پر لکھا ہوتا تھا: نَهَانِي رَبِّي ''میرے رب نے مجھے منع فرمایا ہے۔'' اور تیسرا خالی ہوتا اور اس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا۔ اور جب وہ انھیں فضا میں اچھالتے اور وہ تیر اوپر آجاتا جس پر کام کرنے کا لکھا ہوتا تو وہ اس کام کو کر لیتے، یا نہ کرنے والا اوپر آجاتا تو وہ اسے نہ کرتے اور اگر خالی تیر اوپر آجاتا تو وہ اس عمل کو دوبارہ کرتے۔

استقسام، قسمت کے تیروں (اَزلام) کے ذریعے سے قسمت معلوم کرنا سے ماخوذ ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ ان تیروں سے اپنے امور و معاملات کے انجام معلوم کیا کرتے تھے۔ ①

محمد بن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے سب سے بڑے بت کا نام ہُبَل تھا، جو کعبے کے اندر ایک کنویں پر نصب کیا گیا تھا جس میں تحائف اور کعبے کے اموال ڈالے جاتے تھے، یہاں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ان پر ان کے مشکل کاموں کے فیصلے لکھے ہوتے تھے، قسمت آزمائی کے وقت ان میں سے جو تیر نکل آتا اس کے مطابق عمل کرتے اور اس سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ ②

صحیح بخاری میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب (فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ) تشریف لائے تو آپ نے کعبے میں داخل ہونے سے انکار کر دیا، اس میں جھوٹے معبود تھے، آپ نے انھیں نکالنے کا حکم دیا، انھوں نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بت نکالے ان دونوں کے ہاتھوں میں تیر تھے تو (یہ دیکھ کر) آپ نے فرمایا: [قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ، (أَمَ وَاللّٰهِ!) لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَقْسِمَا بِهَا (قَطُّ)] ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کرے، اللہ کی قسم! کیا انھیں معلوم نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تیروں کے ساتھ کبھی قسمت آزمائی نہیں کی تھی۔'' ③

امام مجاہد فرماتے ہیں: أَزْلَامُ سے مراد عربوں کے تیر اور ایرانیوں اور رومیوں کے شطرنج کے مہرے ہیں جن کے ساتھ وہ جوا

① تفسیر الطبری:104/6. ② تفسیر الطبری:103/6. ③ صحیح البخاری، الحج، باب من كبّر في نواحي الكعبة، حدیث:1601 عن ابن عباس ﷺ. اور تفسیر ابن کثیر میں [قَطُّ] کی جگہ [أَبَدًا] ہے۔

کھیلا کرتے تھے۔① لیکن ان کی یہ بات کہ وہ جوئے کے لیے بنائے گئے تھے، محل نظر ہے۔ ہاں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انھیں کبھی خیر کی طلب کے لیے اور کبھی جوئے کے لیے استعمال کر لیتے ہوں گے۔ و اللّٰہ أعلم. کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں اَزلام اور میسر (جوا) کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے:② ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ ﴾ (المآئدة 91,90:5) ”اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان میں سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تا کہ تم نجات پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈال دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم (ان شیطانی کاموں سے) باز آتے ہو؟“ اور اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ ﴾ ”اور یہ بھی کہ فال نکالنے کے تیروں سے تم قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔“ یعنی یہ سب کام گناہ، سرکشی، ضلالت، جہالت اور شرک ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ انھیں اپنے امور و معاملات میں جب کوئی تردد ہو تو وہ استخارہ کر لیا کریں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جس کام کے کرنے کا وہ ارادہ رکھتے ہوں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ (خیر طلب) کر لیا کریں۔

امام احمد، بخاری اور اہل سنن رحمہم اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ امور و معاملات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ اسی طرح سکھایا کرتے تھے جیسا کہ آپ ہمیں قرآن مجید کی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے، آپ فرماتے:

[إِذَا هَمَّ أَحَدُكُم بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ، ثُمَّ لِيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اَللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ ـ يُسَمِّيهِ بِاسْمِهِ ـ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْقَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ۔ فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ ، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ ، اَللّٰهُمَّ! وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهُ شَرًّا لِّي فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي ـ أَوْقَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ۔ فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ]

”اگر تم میں سے کسی کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ فرضی نماز کے علاوہ دو رکعتیں ادا کرے اور کہے: اے

① تفسیر الطبری: 102/6. ② یہ قَرَن کے معنی ہیں لیکن تفسیر کے اکثر نسخوں میں فَرَّقَ ہے اور یہاں یہی زیادہ موزوں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ازلام اور جوئے میں فرق کیا ہے اور قَرَنَ کے لفظ سے بھی یہی مقصود ہے، اس لیے ازلام سے صرف جوا مراد لینا محل نظر ہے۔

اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے سے تجھ سے خیر و بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس لیے کہ تو تو ہر کام کی قدرت رکھتا ہے اور میں کسی بھی کام کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور تو تو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ بھی نہیں جانتا اور تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تجھے معلوم ہے کہ یہ کام۔ اور یہاں اس کام کا نام لے جس کے لیے استخارہ کیا جا رہا ہے۔ میرے حق میں میرے دین کے اعتبار سے۔ دنیا کے اعتبار سے، معاش کے اعتبار سے اور انجام کے اعتبار سے یا آپ نے یہ فرمایا: میری دنیوی زندگی کے اعتبار سے اور اخروی زندگی کے اعتبار سے۔ میرے حق میں بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما دے اور اسے میرے لیے آسان فرما دے، پھر اس میں میرے لیے برکت بھی عطا فرما دے۔ اے اللہ! اگر تجھے یہ معلوم ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین، میری دنیا، میری معاش اور میری آخرت کے اعتبار سے۔ یا آپ نے یہ فرمایا: میری دنیوی زندگی کے اعتبار سے اور اخروی زندگی کے اعتبار سے۔ میرے حق میں برا ہے تو مجھے اس کام سے اور اس کام کو مجھ سے دور کر دے اور جس کام میں بھی میرے لیے خیر و بھلائی مقدر ہو، وہ مجھے عطا فرما دے، پھر مجھے اس سے راضی بھی کر دے۔''[1] یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے ہیں اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

کفار اور شیطان کی مسلمانوں کے دین سے ناامیدی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ ﴾ ''آج کافر تمھارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب کفار مایوس ہو گئے ہیں کہ مسلمان اب کبھی بھی ان کے دین کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔[2] عطاء بن ابو رباح، سدی اور مقاتل بن حیان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

اسی مفہوم کے مطابق یہ صحیح حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: [إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ، وَلٰكِنْ (بِالتَّحْرِيشِ) بَيْنَهُمْ] ''شیطان اب اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ نمازی جزیرۃ العرب میں اس کی عبادت کریں۔ ہاں، البتہ وہ ان کے باہمی تعلقات خراب کرنے سے مایوس نہیں ہے۔''[4] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس جملے کے معنی یہ ہوں کہ کفار مسلمانوں کی مشابہت اختیار کرنے سے ناامید ہو گئے ہیں کیونکہ مسلمان

---

[1] صحیح البخاری، التهجد، باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، حدیث:1162 ومسند أحمد:344/3 و [illegible]، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ وجامع الترمذی، الوتر، باب ماجاء فی صلاة الاستخارة، حدیث:480 وسنن النسائی، النکاح، باب کیف الاستخارة، حدیث:3255 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فی صلاة الاستخارة، حدیث:1383. اور [دُنْيَايَ] مسند أحمد:423/5 میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ [2] تفسیر الطبری:105/6 والدرالمنثور:455/2. [3] تفسیر الطبری:105/6. [4] صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان......، حدیث:2812 عن جابر رضی اللہ عنہ. وجامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی التباغض، حدیث:1937 ومسند أحمد:313/3. لیکن [بالتحریش] مسند أبی یعلی الموصلی:194/4 میں ہے۔

ایسی صفات سے اتصاف پذیر ہوگئے ہیں جو شرک اور مشرکوں کے خلاف ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ صبر کریں، کفار کی مخالفت میں ثابت قدم رہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، پس فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾ ''تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو۔'' یعنی اگر وہ تمھاری مخالفت کرتے ہیں تو ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو، میں تمھیں ان کے مقابلے میں فتح ونصرت سے سرفراز کروں گا، تمھارے سینوں کو ٹھنڈا کروں گا اور تمھیں دنیا و آخرت میں ان پر سربلندی عطا کروں گا۔

اسلام ہی کامل دین ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا ہے۔'' اس امت پر اللہ تعالیٰ کی یہ سب سے بڑی اور عظیم الشان نعمت ہے کہ اس نے ان کے لیے ان کے دین کو کامل اور مکمل کر دیا ہے، اب انھیں اسلام کے سوا نہ کسی اور دین کی ضرورت ہے اور نہ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے سوا کسی اور نبی کی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر قیامت تک کے جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا اب حلال وہ ہے جسے آپ حلال قرار دیں، حرام وہ ہے جسے آپ حرام کہیں، دین وہ ہے جو آپ پیش فرمائیں اور آپ جو بھی فرمائیں وہ حق اور سچ ہے، اس میں کذب وشک کا ادنیٰ سا بھی شائبہ تصور نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ (الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ باتیں خبر کے اعتبار سے سچ اور امر و نہی کے اعتبار سے عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ان کے دین کو کامل کر دیا اور ان پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا تو پھر ارشاد فرمایا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔'' لہٰذا تم بھی اسی دین پر خوش ہو جاؤ کیونکہ یہ وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے، اسی دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیائے کرام میں سے افضل رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان پر تمام کتابوں میں سے اشرف کتاب کو نازل فرمایا۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے ہارون بن عَنترہ کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ حج اکبر کے دن نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَا يُبْكِيكَ ؟ قَالَ: أَبْكَانِي أَنَّا كُنَّا فِي زِيَادَةٍ مِّنْ دِينِنَا ، فَأَمَّا إِذَا كَمَلَ فَإِنَّهُ لَمْ يَكْمُلْ شَيْءٌ إِلَّا نَقَصَ ، فَقَالَ : صَدَقْتَ] ''روتے کیوں ہو؟ انھوں نے عرض کی: مجھے یہ بات رلا رہی ہے کہ پہلے ہمارے دین میں اضافہ ہو رہا تھا اور جب کوئی چیز مکمل ہو جائے تو پھر اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو۔''[1] اس کی تائید اس صحیح وثابت حدیث سے بھی ہوتی ہے:

[1] تفسیر الطبری: 107,106/6 والمصنف لابن أبی شیبة، الزھد، باب ما ذکر عن نبینا ﷺ فی الزھد، رقم: 34397 یہ روایت مرسل ہے۔

[إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا ، وَّسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ ، (فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ)] ''اسلام کا آغاز اجنبیت میں ہوا اور حالتِ اجنبیت ہی کی طرف یہ عنقریب لوٹ آئے گا، جیسے اس کا آغاز ہوا تو ان اجنبیوں کے لیے خوش خبری ہے۔''①

امام احمد رحمہ اللہ نے طارق بن شہاب کی روایت بیان کی ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: امیر المؤمنین! آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر ہم یہودیوں کی کتاب میں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ آپ نے فرمایا: کون سی آیت؟ اس نے جواب دیا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس دن کو جانتا ہوں جس میں یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور میں اس وقت کو بھی جانتا ہوں جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، وقت عرفے کی شام کا تھا اور دن جمعۃ المبارک کا (ہماری تو اس دن دو عیدیں تھیں۔)② اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بن صباح از جعفر بن عون کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔③ نیز اسے امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔④

صحیح بخاری میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طارق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: واللہ! آپ ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر ہمارے ہاں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اسے عید بنا لیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ یہ آیتِ کریمہ کب اور کہاں نازل ہوئی تھی اور جب یہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ عرفے کا دن تھا اور اللہ کی قسم! ہم بھی اس وقت عرفے ہی میں تھے، سفیان کہتے ہیں کہ مجھے اس میں شک ہے کہ وہ جمعے کا دن تھا یا نہیں، اور اس آیت سے مراد ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾.⑤

سفیان رحمہ اللہ کا اگر روایت میں شک ہے تو یہ ان کے تقوے کی وجہ سے ہے کہ انھیں اس بات میں شک ہے کہ ان کے شیخ نے انھیں اس کے بارے میں خبر دی ہے یا نہیں اور اگر انھیں اس کے بارے میں شک ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفہ جمعے کے دن تھا یا نہیں تو میرا خیال ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ایسی بات نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے۔ اور اصحابِ مغازی و سیر اور فقہاء میں سے بھی کسی کا اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہو بھی کیسے کہ یہ بات تو ایسی احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ و الله أعلم. حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث کئی

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنّ الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا ......، حديث: 146 [فطوبى للغرباء] کے الفاظ صحیح مسلم کی حدیث:145 کے ہیں۔ وجامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا، حديث:2629 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب بدأ الإسلام غريبا، حديث:3986 . ② مسند أحمد:28/1 . ③ صحيح البخاري، الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، حديث: 45 عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. ④ صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3017 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3043 وسنن النسائي، مناسك الحج، باب ما ذكر في يوم عرفة، حديث:3005 عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. ⑤ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ (المآئدة 3:5) ، حديث:4606 .

سندوں سے مروی ہے۔

اضطراری حالت میں مردار کھانے کا جواز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③﴾ ''پس جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (جبکہ وہ) گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اگر کسی کو ان حرام اشیاء میں سے کسی چیز کے کھانے کی ضرورت پیش آ جائے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور وہ ان کو کھانے کے لیے مجبور و مضطر ہو جائے تو وہ کھا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مجبور و مضطر بندے کی حاجت و ضرورت کو جانتا ہے، لہٰذا وہ اس سے درگزر فرماتا ہے۔

مسند (احمد) اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتُهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کر لیا جائے جیسا کہ وہ اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ اس کی معصیت کا ارتکاب کیا جائے۔'' یہ الفاظ ابن حبان کی روایت کے ہیں۔[1] مردار کھانے کے جواز کی یہ شرط نہیں ہے کہ تین دن گزر جائیں اور اسے کھانے کی کوئی چیز نہ ملے جیسا کہ اکثر عوام اور دیگر میں یہ بات مشہور ہے بلکہ جب بھی کوئی مجبور و مضطر ہو جائے تو اس کے لیے اسے کھانا جائز ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو واقد لیثی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ایک ایسے علاقے میں ہیں، جہاں ہم بھوک سے ناچار ہو جاتے ہیں تو ہمارے لیے مردار کھانا کب حلال ہوتا ہے؟ فرمایا: [إِذَا لَمْ تَصْطَبِحُوا ، وَلَمْ تَغْتَبِقُوا ، وَلَمْ تَحْتَفِئُوا بَقْلًا فَشَأْنُكُمْ بِهَا] ''جب تمھیں صبح کا کھانا نہ ملے اور جب شام کا کھانا نہ ملے اور تمھیں کوئی سبزی ترکاری وغیرہ بھی نہ ملے تو اسے کھا لو۔''[2] اس سند سے اسے صرف امام احمد ہی نے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔

اس حدیث کے الفاظ [إِذَا لَمْ تَصْطَبِحُوا] کے معنی ہیں کہ جب تک تمھیں صبح کا کھانا نہ ملے، [وَ لَمْ تَغْتَبِقُوا] کے معنی ہیں کہ جب تک تمھیں شام کا کھانا نہ ملے [أَوْ تَحْتَفِئُوا بَقْلًا] یعنی یا تمھیں سبزی ترکاری وغیرہ نہ ملے۔ اور [فَشَأْنُكُمْ بِهَا] کے معنی ہیں کہ تم اسے کھا لو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ﴾ ''(بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرنے والا نہ ہو تو اس کے لیے اللہ نے اسے جائز قرار دے دیا ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی دوسرے انسان سے سکوت فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ (البقرۃ 173:2) ''ہاں جو شخص ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر

---

① صحيح ابن حبان، الصلاة، فصل فى صلاة السفر، ذكر استحباب قبول رخصة الله إذ الله جل وعلا يحب قبولها: 451/6، حديث:2731 ومسند أحمد:108/2 والمعجم الكبير للطبراني:85,84/10، حديث:10030. ② مسند أحمد:218/5 وسنن الدارمي، الأضاحي، باب فى أكل الميتة للمضطرّ :75/2، حديث:1996 .

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

(اے نبی!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے (کھانے کی) کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجیے: تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ٝ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ

ہیں۔ اور ان شکاری جانوروں کا (کیا ہوا شکار حلال ہے) جنھیں تم سدھا لیتے ہو، اللہ نے تمھیں جو سکھایا ہے اس کے مطابق تم انھیں سکھاتے ہو، پس وہ جس

اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

شکار کو تمھارے لیے پکڑ رکھیں، اس پر اللہ کا نام پڑھو اور اس میں سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے④

کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔“

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ معصیت کے سفر میں سفر کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیتوں اور نافرمانیوں کے ساتھ اس سے رخصتوں کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ و اللّٰه أعلم.

تفسیر آیت:4

حلال کا بیان: سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان ناپاک چیزوں کا ذکر کیا تھا جو کھانے والے کے جسم یا دین یا دونوں ہی کے لیے نقصان دہ ہیں اور ان کے کھانے کی صرف حالتِ اضطرار ہی میں اجازت دی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ ﴾ (الأنعام 119:6) ”جو چیزیں اس نے تمھارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں، وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں، (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے (کھانے کے) لیے ناچار ہو جاؤ۔“ اور اب اس آیت کے بعد فرمایا ہے: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ ﴾ ”وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی ہیں (ان سے) کہہ دیجیے کہ سب پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔“ جیسا کہ سورۂ اعراف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔[1]

مقاتل فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے، وہ حلال رزق ہے۔[2] امام زہری سے پیشاب کے بطور دوا استعمال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ پاک چیزوں میں سے نہیں ہے، لہٰذا اسے بطور دوا بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔

سدھائے ہوئے شکاری جانوروں سے شکار کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ ”اور ان شکاری جانوروں کا (کیا ہوا شکار) بھی حلال ہے جن کو تم نے سدھا رکھا ہو۔“ یعنی تمھارے لیے وہ ذبیحے حلال ہیں جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، کھانے کی پاک چیزیں حلال ہیں اور وہ شکار حلال ہے جسے تم شکاری جانوروں، مثلاً: کتوں، چیتوں اور بازوں وغیرہ کے ذریعے سے شکار کرو جیسا کہ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ کا مذہب ہے۔ علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

[1] دیکھیے آیت: 157 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1985/6.

روایت کیا ہے کہ شکاری جانوروں سے مراد سدھائے ہوئے کتے، باز اور ہر وہ پرندہ ہے جو شکار کرنا جانتا ہے۔ اور جوارح سے مراد شکاری کتے، چیتے اور شکرے وغیرہ ہیں۔① اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے اس کے بعد انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خیثمہ، طاؤس، مجاہد، مکحول اور یحییٰ بن ابوکثیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اسی طرح امام ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ پرندوں میں سے باز وغیرہ جو شکار کریں تو اس شکار کو تم پالو تو وہ تمھارا ہے اور اگر اس نے خود کھالیا ہو تو پھر تم اسے نہ کھاؤ۔② جمہور کا قول یہ ہے کہ پرندوں کے ساتھ شکار بھی کتوں ہی کے ساتھ شکار کی طرح ہے کیونکہ وہ بھی کتوں کی طرح اپنے پنجوں ہی سے شکار کرتے ہیں اور اس اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ امام ابن جریر نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: [مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ] ''وہ جو تمھارے لیے روک لے تو تم اسے کھالو۔''③

ان حیوانات کو جن کے ساتھ شکار کیا جاتا ہے ''جوارح'' کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ جوارح، جرح سے ہے جس کے معنی کمانے کے ہیں، عرب کہتے ہیں: فُلَانٌ جَرَحَ أَهْلَهُ خَيْرًا ''فلاں شخص نے اپنے اہل وعیال کے لیے نیک نامی کمائی ہے۔'' اسی طرح وہ کہتے ہیں: فُلَانٌ لَا جَارِحَ لَهُ ''فلاں شخص کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ﴾ (الأنعام 60:6) ''اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ خبر رکھتا ہے۔'' یعنی تم اچھا یا برا جو عمل کماؤ، وہ اسے جانتا ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿ مُكَلِّبِينَ ﴾ کے بارے میں احتمال ہے کہ یہ ﴿ عَلَّمْتُمْ ﴾ کی ضمیر سے حال ہو، مطلب یہ کہ یہ فاعل سے حال ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ مفعول، یعنی: ﴿ الْجَوَارِحِ ﴾ سے حال ہو، یعنی وہ شکار بھی حلال ہے جو تمھارے سکھائے ہوئے ان جانوروں نے کیا ہو جو شکار کرنے کے لیے سدھائے گئے ہوں اور وہ انھیں اپنے پنجوں یا ناخنوں کے ساتھ شکار کریں۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شکاری جانور اپنے پنجے یا ناخن کے بجائے ٹکر مار کر شکار کو قتل کرے تو وہ حلال نہیں ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ﴾ ''اور جس (طریق) سے اللہ نے تمھیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو۔'' اور وہ اس طرح کہ جب اسے شکار کے لیے چھوڑا جائے تو وہ چل پڑے اور جب اسے روکا جائے تو فوراً رک جائے اور جب وہ شکار کو پکڑ لے تو اسے اپنے مالک کے لیے پکڑے رکھے حتی کہ وہ اس کے پاس آجائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ ''تو جو شکار وہ تمھارے

① تفسير ابن عباس: 171/1، رقم: 291 وتفسير الطبري: 121/6 والسنن الكبرى للبيهقي، الصيد والذبائح: 235/9 والدر المنثور: 460/2. ② تفسير الطبري: 122/6. ③ تفسير الطبري: 122/6 وجامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء في صيد البزاة، حديث: 1467 وسنن أبي داود، الضحايا، باب في الصيد، حديث: 2851.

لیے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو (اور شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو۔'' جب شکاری جانور سدھایا ہوا ہو، وہ شکار کو اپنے مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو تو یہ شکار حلال ہے، خواہ وہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دے اور اس مسئلہ پر اجماع ہے۔

اس آیت کریمہ کی طرح سنت سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتا ہوں اور میرے لیے شکار پکڑتے ہیں اور میں اللہ کا نام لے لیا کرتا ہوں؟ فرمایا:

[إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ، (فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ) ، قُلْتُ : وَإِنْ قَتَلْنَ ؟ قَالَ : وَإِنْ قَتَلْنَ ، مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ لَّيْسَ مَعَهَا، (فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰى غَيْرِهِ) قُلْتُ لَهُ : فَإِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ، فَأُصِيبُ؟ فَقَالَ : إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ ، وَإِنْ أَصَابَهُ بِعَرْضِهِ ، فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلَا تَأْكُلْ]

''جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اللہ کا نام بھی لے لو تو جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑے، اسے کھا لو میں نے کہا کہ اگر وہ اسے قتل کر دیں؟ فرمایا: خواہ وہ اسے قتل کر دیں۔ بشرطیکہ قتل میں کوئی ایسا کتا شریک نہ ہو جو ان میں سے نہ ہو کیونکہ تم نے تو اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہوتا ہے اور کسی دوسرے پر اللہ کا نام نہیں لیا ہوتا، میں نے عرض کی کہ میں شکار پر چھری لگی ہوئی لاٹھی پھینکتا ہوں جو اسے لگ جاتی ہے؟ فرمایا: اگر تم ایسی لاٹھی پھینکو اور وہ اسے پھاڑ دے تو اسے کھا لو اور اگر وہ لاٹھی عرض کی طرف سے لگے تو وہ چوٹ لگا ہوا جانور ہے، اسے مت کھاؤ۔''[1]

اور صحیح بخاری و مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: [إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ ، فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ ، وَ إِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قَتَلَ وَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ (فَإِنَّ أَخْذَ الْكَلْبِ ذَكَاتُهُ)] ''جب تم اپنے کتے کو بھیجو تو اس پر اللہ کا نام لو اور اگر وہ تمھارے لیے پکڑے اور تم اسے زندہ پا لو تو اسے ذبح کر لو اور اگر تم اسے پاؤ کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے لیکن اسے خود نہیں کھایا تو پھر تم اسے کھا لو کیونکہ کتے کا اسے پکڑنا ہی اسے ذبح کرنا ہے۔''[2] اور

---

[1] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب صید القوس، حدیث:5477 وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان، حدیث:(1)-1929 واللفظ لہ، البتہ قوسین والے الفاظ علی الترتیب درج ذیل حوالوں کے مطابق ہیں: جامع الترمذی، الصید، باب ماجاء فی الکلب یأکل من الصید، حدیث:1470 وسنن النسائی، الصید والذبائح، باب النھی عن أکل مالم یذکر اسم اللّٰہ علیہ ، حدیث:4269 وصحیح البخاری، الذبائح والصید، باب: إذا وجد مع الصید کلبا آخر، حدیث:5486 . [2] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب التسمیہ علی الصید، حدیث:5475 وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان، حدیث:(6)-1929 واللفظ لہ، البتہ قوسین والے الفاظ المعجم الکبیر للطبرانی:71/17 کے مطابق ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهٖ] ”اگر اس نے شکار کو خود کھا لیا ہو تو پھر تم اسے نہ کھاؤ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ شکار خود اس نے اپنے لیے کیا ہوگا۔“①

شکاری جانور کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ ”تو جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو۔“ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: [إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ ، فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ] ”جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لو تو جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑے اسے کھا لو۔“②

صحیحین میں ابوثعلبہ سے مروی حدیث میں بھی ہے: [إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ]، [وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ] ”جب تم اپنے کتے کو چھوڑو تو اس پر اللہ کا نام لے لو، اور جب تم اپنے تیر کو پھینکو تو اس پر اللہ کا نام لے لو۔“③

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب تم اپنے شکاری جانور کو بھیجو تو اللہ کا نام لے لو اور اگر بھول جاؤ تو کوئی حرج نہیں۔④ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اسے کھانے کے وقت اللہ کا نام لیا جائے جیسا کہ صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پرورش کردہ عمر بن ابوسلمہ سے فرمایا تھا: [سَمِّ اللّٰهَ ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ] ”اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے

① صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب الصید إذا غابه عنه یومین أوثلاثة، حدیث:5484 وصحیح مسلم، الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی، حدیث:(2)-1929. ② صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب إذا أکل الکلب ......، حدیث:5483 وصحیح مسلم، الصید والذبائح ......، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی، حدیث:1929 وجامع الترمذی، الصید ماجاء فی الکلب یأکل من الصید، حدیث:1470. ③ صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب الصید إذا غاب عنه یومین أو ثلاثة، حدیث:5484 **اس حدیث کا ابتدائی حصہ** صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلّمة والرمی، حدیث:(6) 1929 **اور آخری حصہ** (7)-1929 **کے مطابق ہے لیکن یہ الفاظ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت کے ہیں، البتہ ابوثعلبہ کی روایت جو تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے اس کے قریب ترین الفاظ جامع ترمذی میں اس طرح ہیں:** [إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ ...... وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ] جامع الترمذی، الأطعمة، باب ماجاء فی الأکل فی آنیة الکفار، حدیث:1797 **اور ابوثعلبہ کی روایت صحیحین میں بالفاظ دیگر مروی ہے دیکھیے:** صحیح البخاری، الذبائح والصیّد، باب ماجاء فی التصید، حدیث:5488 وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلّمة والرمی، حدیث:1930 مطوّلا. ④ تفسیر الطبری: 135/6 والدر المنثور:460/2.

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ

آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے، اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور تمھارے لیے

لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ

پاک دامن مسلمان عورتیں، اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے، اور جو ایمان سے انکار کرے گا تو اس کا عمل یقیناً برباد ہو گیا

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿5﴾ ع 1/5/5

اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ⑤

آگے سے کھاؤ۔''[1] اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے پاس کچھ ایسے لوگ جنھوں نے کفر کو نیا نیا چھوڑا ہوتا ہے، گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ انھوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہوتا ہے یا نہیں؟ فرمایا: [سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (أَنْتُم) وَ كُلُوا] ''تم خود اس پر اللہ کا نام لے لو اور کھالو۔''[2]

تفسیر آیت: 5

اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کرتے ہوئے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کے لیے ناپاک چیزوں کو حرام اور پاک اشیاء کو حلال قرار دیا ہے، فرمایا ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ ﴾ ''آج تمھارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبیحوں کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ ﴾ ''اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمھارے لیے حلال ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوامامہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں کھانے سے مراد اہل کتاب کے ذبیحے ہیں۔[3] اور اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحے مسلمانوں کے لیے حلال ہیں کیونکہ وہ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے، اس لیے وہ بھی اپنے ذبیحوں پر اللہ ہی کا نام لیتے ہیں، گو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کے عقیدے میں ایسی باتیں بھی ہیں جن سے اس کی ذات منزہ، ارفع و اعلیٰ اور پاک ہے۔

① صحیح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، حديث:5376 و صحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامها، حديث:2022. ② صحيح البخاري، البيوع، باب من لم يرالوساوس......، حديث:2057 اور [أَنْتُم] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، حديث:5507 کے مطابق ہے۔ ③ تفسير الطبري:6/136،137 .

صحیح حدیث میں عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ خیبر کے دن چربی سے بھرا ہوا ایک تھیلا پھینکا گیا جسے میں نے سنبھال لیا اور کہا کہ آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا۔ اور جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری اس بات پر مسکرا رہے تھے۔ ①

اس حدیث سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے بوقت ضرورت کھانے پینے کی چیزوں کو لے لینا جائز ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اصحاب مالک نے یہود کے ذبیحے میں سے چربی وغیرہ کے کھانے کو، جو ان کے عقیدے کے مطابق حرام ہے، ممنوع قرار دیا ہے اور جمہور نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ بہتر دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ اہل خیبر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روسٹ کی ہوئی بکری کا تحفہ دیا اور اس کی دستی کو زہر آلود کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند تھا، اس لیے جیسے ہی آپ نے اسے کھانے کے لیے منہ لگایا تو وہ دستی بول اٹھی کہ وہ زہر آلود ہے، البتہ اس سے آپ کے سامنے کے دو دانت مبارک اور رگ ابہر متاثر ہو گئے تھے، آپ کے ساتھ بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بھی اسے کھا لیا تھا اور اسی وجہ سے وہ فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نامی اس یہودی عورت کو قتل کرا دیا تھا جس نے گوشت میں زہر ملایا تھا۔ ②

اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ آپ نے اور آپ کے ساتھ اس وقت موجود صحابہ نے اسے کھانے کا ارادہ تو کر لیا تھا مگر یہودیوں سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ انھوں نے اس میں سے اس چربی وغیرہ کو دور کر دیا ہے یا نہیں جس کا کھانا ان کے عقیدے کے مطابق حرام ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ ''اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔'' یعنی تمھارے لیے یہ حلال ہے کہ تم اپنے ذبیحے اہل کتاب کو کھلاؤ، یہ ان کے ہاں حکم کے بارے میں خبر نہیں ہے، ہاں! البتہ اس کے بارے میں یہ خبر ہو سکتی ہے جو انھیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر اس کھانے کو کھا لیں جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، خواہ وہ کھانا ان کی اپنی ملت کے لوگوں کا ہو یا کسی دوسری ملت کے لوگوں کا لیکن پہلے معنی زیادہ واضح ہیں، یعنی مسلمانو! تمھارے لیے یہ حلال ہے کہ تم اپنے ذبیحے انھیں کھلاؤ جس طرح ان کے ذبیحے تم خود کھا لیتے ہو، اور یہ بدلے و مقابلے کے قبیل سے ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لباس مبارک عبداللہ بن اُبَیّ ابن سلول کے لیے اس وقت دیا تھا جب وہ فوت ہوا تا کہ اس میں اسے کفن دیا جا سکے کیونکہ اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں تشریف آوری کے وقت انھیں اپنا لباس دیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے میں اسے

① صحیح البخاری، فرض الخمس، باب ما یصیب من الطعام فی أرض الحرب، حدیث:3153 وصحیح مسلم، الجهاد، باب جواز الأکل من طعام الغنیمة فی دارالحرب، حدیث:1772 بالفاظ دیگر، البتہ سنن أبی داود:2702 وسنن النسائی:4440 کے الفاظ قریب تر ہیں۔ ② ملخص از صحیح البخاری، المغازی، باب الشاة التی سُمَّت للنبی ﷺ بخیبر، حدیث:4249 وصحیح مسلم، السلام، باب السم، حدیث:2190 وسنن أبی داود، الدیات، باب فیمن سقی رجلا سما أو أطعمه فمات، أیُقاد منه، حدیث:4510-4512 .

اپنا لباس دیا①اور وہ حدیث جس میں یہ حکم ہے: [لَا تَصْحَبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَّلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ] ''مومن ہی کو اپنا ساتھی بناؤ اور تمھارا کھانا متقی و پرہیزگار ہی کھائے۔''② تو اسے فضیلت اور استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ و اللّٰہ أعلم.

اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح جائز ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''اور پاک دامن مومن عورتیں۔'' یعنی تمھارے لیے پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آیت کریمہ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاک دامن سے مراد یہ ہے کہ وہ بدکاری سے پاک ہوں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ (النسآء 25:4) ''عفیفہ ہوں نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے تھی کہ عیسائی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، آپ فرماتے تھے کہ اس سے بڑھ کر اور زیادہ شرک کیا ہو سکتا ہے کہ عیسائی عورت یہ کہتی ہے کہ اس کا رب عیسیٰ ہے۔③ اور اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ ﴾ (البقرۃ 221:2) ''اور (مومنو!) تم مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرو۔''

امام ابن ابوحاتم نے ابو مالک غفاری کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ ﴾ نازل ہوئی تو لوگ ان سے نکاح کرنے سے رک گئے حتی کہ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی۔'' تو لوگوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا شروع کر دیا۔④

صحابۂ کرام میں سے بہت سے لوگوں نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا⑤ اور اس میں اس آیت کریمہ میں دی گئی اجازت کے پیش نظر کوئی حرج محسوس نہیں کیا تھا۔ اور اس آیت سے انھوں نے سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ کی تخصیص کر دی تھی بشرطیکہ یہ کہا جائے کہ اہل کتاب کی عورتیں بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں، ورنہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اہل کتاب اور مشرکین کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿ لَمْ يَكُنِ

① **صحيح البخاري**، الجنائز باب هل يُخرج الميت من القبر واللحد لعلة؟ حديث:1350. ② **سنن أبي داود**، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، حديث:4832 و**جامع الترمذي**، الزهد، باب ما جاء في صحبة المؤمن، حديث:2395 و**مسند أحمد**:38/3 و اللفظ له. ③ **ماخوذ از صحيح البخاري**، الطلاق ، باب قول الله تعالى: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ...... ﴾ (البقرة2:221)، حديث:5285 . ④ **تفسير ابن أبي حاتم**:397/2 و**المعجم الكبير** للطبراني:105/12، حديث:12607. ⑤ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں عثمان بن عفان، حذیفہ بن یمان اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں اور ان میں سے بعض نے یہودی عورتوں سے بھی نکاح کیا تھا، دیکھیے **السنن الكبرٰى** للبيهقي، النكاح، باب ماجاء في تحريم حرائر أهل الشرك:172/7 و**المصنف** لعبد الرزاق، أهل الكتاب، باب نكاح نساء أهل الكتاب:78/6 و**المصنف** لا بن أبي شيبة، النكاح، باب من كان يكره النكاح في أهل الكتاب:462/3 و باب من رخص......:463/3 .

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو۔) اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم

اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا

میں سے کوئی قضائے حاجت سے (فارغ ہوکر) آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

کر لو، پس اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لو، اللہ نہیں چاہتا کہ تمھیں تنگی میں ڈالے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کر دے،

حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥

اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو ⑥

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ (البينة 98:1) ''اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رُکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے۔'' اور جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ (آل عمران 3:20) ''اور (اے نبی!) اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ تو اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو یقیناً ہدایت پا لیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ ''جب تم انھیں ان کا مہر دے دو۔'' یعنی جس طرح وہ پاک دامن اور عفت مآب ہیں تو تم بھی خوش دلی سے ان کا مہر انھیں ادا کرو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور اسی طرح عامر شعبی، ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہم اللہ کا اس کے بارے میں فتویٰ ہے کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ (عورت) دخول سے پہلے زنا کر لے تو ان دونوں میں تفریق کرا دی جائے گی اور عورت مرد کو اس کا دیا ہوا مہر واپس کر دے گی۔ اس فتوے کو ان سے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ ﴾ ''اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔'' جیسے عورتوں کے بارے میں پاک دامنی اور عفت مآبی کی شرط تھی، ایسے ہی مرد کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ وہ پاک دامن اور عفت مآب ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ وہ ایسے بدکار نہ ہوں کہ معصیت سے باز ہی نہ آئیں اور اپنے نفسوں پر قابو ہی نہ پا سکیں۔ ﴿ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ ﴾ یعنی اور نہ وہ (مخفی طور پر)

① تفسیر الطبری:6/144.

انھیں اپنی محبوبائیں بنائیں کہ بدکاری صرف انھی سے کریں① جیسا کہ سورۂ نساء میں بھی اسی طرح بیان کیا جا چکا ہے۔②

تفسیر آیت:6

وضو کا حکم: اس آیت کریمہ میں قصدِ نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو شخص بے وضو ہو تو اس کے لیے وضو کرنا واجب ہے اور جو باوضو ہو اس کے لیے دوبارہ وضو کر لینا مستحب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب تھا لیکن بعد ازاں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔③

امام احمد رحمہ اللہ نے سلیمان بن بُریدہ کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ ہر نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے لیکن فتح مکہ کے دن آپ نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا اور ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: [إِنِّي عَمْدًا فَعَلْتُهُ يَاعُمَرُ!] ''عمر! میں نے یہ دانستہ کیا ہے۔''④ اس طرح اس حدیث کو امام مسلم اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔⑤ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے فضل بن مبشر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ ایک ہی وضو سے کئی نمازیں ادا فرما لیا کرتے تھے لیکن جب پیشاب کرتے یا بے وضو ہو جاتے تو وضو کر لیتے اور وضو سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ موزوں پر مسح کر لیا کرتے تھے، میں نے عرض کی: ابوعبداللہ! یہ کام آپ اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔⑥

---

① دراصل جاہلیت میں بدکاری کی دو صورتیں تھیں، ایک تو وہ مرد یا عورتیں تھیں جو اجرت پر سرعام اس کے مرتکب ہوتے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ کئی مردوں یا عورتوں نے اپنے اپنے پوشیدہ دوست اور محبوب بنا رکھے ہوتے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گل چھرّے اڑاتے۔ ان کے ہاں سرعام بدکاری کرنا تو جرم اور باعث ملامت تھا لیکن چھپی دوستی اور آشنائی جو کسی ایک کے ساتھ خاص ہو، اسے وہ روا سمجھتے تھے یہاں سورۂ مائدہ میں ایسے مردوں کو چھپی آشنائی سے روکا گیا ہے اور سورۂ نساء میں ایسی عورتوں کو منع کیا گیا ہے جو کسی مرد کو مختص کر کے آشنا بنا لیں، پھر اسے روا بھی سمجھیں، دیکھیے تفسیر الطبری: 5/28-30 . ② دیکھیے آیت: 25 کے ذیل میں عنوان: ''آزاد عورتوں سے نکاح......'' البتہ مصباح المنیر میں امام ضحاک رحمہ اللہ کا وہ قول سورۂ نساء میں بیان نہیں ہوا کہ ﴿وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ (النسآء 4:25) سے مراد ایسی عورتیں ہیں جو صرف ایک ہی کو اپنا چھپا آشنا بنا لیں اور اسی کی ہو جائیں، دیکھیے تفسیر الطبری: 5/29. ③ دیکھیے مسند أحمد: 5/225. ④ مسند أحمد: 5/358، البتہ مسند میں [فعلته] کے بجائے [فعلت] ہے۔ اور وہ کتب سنن میں موجود ہے۔

⑤ **صحيح مسلم**، الطهارة، باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: 277 و**سنن أبي داود**، الطهارة، باب الرجل يصلى الصلوات بوضوء واحد، حديث: 172 و**جامع الترمذي**، الطهارة، باب ماجاء أنه يصلى الصلوات بوضوء واحد، حديث: 61 و**سنن النسائي**، الطهارة، باب الوضوء لكل صلاة، حديث: 133 و**سنن ابن ماجه**، الطهارة وسننها، باب الوضوء لكل صلاة والصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: 510 و**تفسير الطبري**: 6/153. ⑥ **تفسير الطبري**: 6/151 اور دیکھیے سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء لكل صلاة والصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: 511 .

امام احمد نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے عبیداللہ سے کہا: کیا تم نے دیکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما باوضو ہوں یا بے وضو وہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے ہیں تو انھوں نے یہ طریقہ کس سے لیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اسماء بنت زید بن خطاب نے ان سے بیان کیا کہ ان سے عبداللہ بن حنظلہ بن ابو عامر ابن غسیل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا تھا، خواہ آپ باوضو ہوں یا بے وضو۔ جب آپ کو اس میں دشواری محسوس ہوئی تو آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دے دیا گیا اور وضو کے بارے میں یہ حکم دے دیا گیا کہ اس وقت وضو کریں جب بے وضو ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ انھیں اس بات کی طاقت ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کر سکتے ہیں حتی کہ وہ ساری زندگی وفات تک اسی طرح کرتے رہے۔[1] اسی طرح اسے امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔[2] نماز کے لیے ہمیشہ تازہ اور مکمل وضو کرنے کا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

امام ابوداود نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو صحابہ نے عرض کی کہ ہم آپ کے پاس وضو کے لیے پانی لائیں؟ تو آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ] ''مجھے صرف نماز پڑھنے کے لیے وضو کا حکم دیا گیا ہے۔''[3] اسی طرح اس حدیث کو امام ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے۔[4] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن (صحیح) قرار دیا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ باہر تشریف لے گئے، پھر آپ جب قضائے حاجت سے واپس تشریف لائے تو کھانا پیش کیا گیا اور عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ وضو نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: [لِمَ، أُصَلِّي فَأَتَوَضَّأُ؟] ''کیوں، کیا میں نے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟''[5]

وضو کی نیت اور تسمیہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ﴾ ''تو اپنے چہرے دھولو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ﴾ ''جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ دھولیا کرو۔'' سے استدلال کیا گیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے گویا اصل کلام اس طرح ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو نماز کے لیے منہ دھولیا کرو جیسا کہ عرب کہتے ہیں: إِذَا رَأَيْتَ الْأَمِيرَ فَقُمْ ''جب تم امیر کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔'' یعنی امیر کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ صحیحین میں حدیث ہے: [إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى] ''بس تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے

[1] مسند أحمد:225/5 . [2] سنن أبي داود، الطهارة، باب السواك، حديث: 48 . [3] سنن أبي داود، الأطعمة، باب في غسل اليدين عند الطعام، حديث:3760 . [4] جامع الترمذي، الأطعمة، باب في ترك الوضوء قبل الطعام، حديث:1847 و سنن النسائي، الطهارة، باب الوضوء لكل صلاة، حديث:132. [5] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز أكل المحدث الطعام وأنه لا كراهة في ذلك......، حديث: (119)-374 و مسند أحمد:359/1 .

لیے وہی کچھ ہے جو وہ نیت کرے۔‘‘[1]

اور یہ بھی مستحب ہے کہ چہرہ دھونے سے پہلے وضو شروع کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھی جائے کیونکہ بہت سی جید سندوں کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَا وُضُوءَ لِمَنُ لَّمُ یَذُکُرِ اسُمَ اللّٰہِ عَلَیُہِ] ’’جو وضو (شروع) کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے، اس کا وضو ہی نہیں ہوتا۔‘‘[2] اور یہ مستحب ہے کہ برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھو لے اور سو کر اٹھنے کے بعد تو اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا اسُتَیُقَظَ أَحَدُکُمُ مِّنُ نَّوُمِہٖ فَلَا یُدُخِلُ یَدَہٗ فِی الُإِنَاءِ قَبُلَ أَنُ یَّغُسِلَھَا ثَلَاثًا، فَإِنَّ أَحَدَکُمُ لَا یَدُرِی أَیُنَ بَاتَتُ یَدُہٗ] ’’جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو تین بار دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔‘‘[3]

فقہاء کے نزدیک چہرے کی حد طول کی طرف سے سر کے بالوں کے اگنے کی جگہ سے لے کر رخساروں اور ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرض کی طرف سے ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک ہے۔ یاد رہے! اس میں اعتبار عام صورت حال کا ہے اگر کسی کی پیشانی سے بال گر گئے ہوں یا اس قدر بڑھ گئے ہوں کہ انھوں نے پیشانی کو بھی ڈھانپ رکھا ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

داڑھی کا خلال: امام احمد رحمہ اللہ نے ابووائل (شقیق بن سلمہ) کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا...... اس حدیث میں انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے چہرہ دھوتے وقت تین بار داڑھی کا خلال بھی کیا، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا جس طرح یہ کام کرتے ہوئے تم نے مجھے دیکھا ہے۔[4] اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[5] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اور امام بخاری

[1] **صحیح البخاری**، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ......، حدیث: 1 و**صحیح مسلم**، الإمارۃ، باب قولہ ﷺ: إنما الأعمال بالنیۃ......، حدیث: 1907. [2] **سنن أبی داود**، الطھارۃ، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، حدیث: 101 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ. و**جامع الترمذی**، الطھارۃ، باب ما جاء فی التسمیۃ عند الوضوء، حدیث: 25 عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ. و**سنن النسائی**، الطھارۃ، باب التسمیۃ عندالوضوء، حدیث: 78 عن أنس رضی اللہ عنہ. و**سنن ابن ماجہ**، الطھارۃ وسننھا، باب ماجاء فی التسمیۃ فی الوضوء، حدیث: 397 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ. وحدیث: 400 عن سھل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ. [3] **صحیح البخاری**، الوضوء، باب الاستجمار وترًا، حدیث: 162 و**صحیح مسلم**، الطھارۃ، باب کراھۃ غمس المتوضیٔ ......، حدیث: 278. لیکن [فَلَا یُدُخِلُ] سنن أبی داود، الطھارۃ، باب فی الرجل یدخل یدہ فی الإناء قبل أن یغسلھا، حدیث: 105 میں ہے۔ [4] **مسند أحمد**: 57/1. لیکن تخلیل لحیۃ (داڑھی کا خلال) کا ذکر یہاں نہیں جبکہ یہ **صحیح ابن حبان**، الطھارۃ، باب سنن الوضوء: 363/3، حدیث: 1081 و**سنن الدارقطنی**، الطھارۃ، باب ماروی فی الحث......: 85/1، حدیث: 283 میں ہے، اور دیکھیے **مسند أحمد**: 234/6 عن عائشۃ رضی اللہ عنہا. [5] **جامع الترمذی**، الطھارۃ، باب ماجاء فی تخلیل اللحیۃ، حدیث: 31 و**سنن ابن ماجہ**، الطھارۃ وسننھا، باب ماجاء فی تخلیل اللحیۃ، حدیث: 430.

نے حسن قرار دیا ہے۔ ①

وضو کی کیفیت: امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے وضو (شروع) کیا تو اپنے چہرے کو دھویا، پھر پانی کا ایک چلو لیا اور اس سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چلو لے کر اس طرح کیا، یعنی اس کے ساتھ دوسرے ہاتھ کو ملا لیا اور اس سے چہرے کو دھویا، پھر پانی کا چلو لے کر اس سے اپنے دائیں ہاتھ کو دھویا، پھر پانی کا چلو لے کر اس سے اپنے بائیں ہاتھ کو دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر پانی کا چلو لے کر اپنے دائیں پاؤں پر اس قدر چھینٹے مارے حتی کہ اسے دھو دیا، پھر پانی کا چلو لے کر اپنے بائیں پاؤں کو دھویا اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ ② اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ﴾ ''اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا کرو۔'' یعنی کہنیوں سمیت جیسا کہ حسب ذیل آیت میں بھی إلی حرف جار مع کے معنی میں ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:2) ''اور نہ تم ان کا مال اپنے مال کے ساتھ (ملا کر) کھاؤ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔'' وضو کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے وقت بازوؤں کے کچھ حصے کو بھی دھو لے کیونکہ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، (فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُّطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)] ''میری امت (کے لوگوں) کو روز قیامت جب بلایا جائے گا تو وضو کے اثرات کی وجہ سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے (تو جسے اپنی چمک دمک کو لمبا کرنے کی استطاعت ہو تو وہ ایسا ضرور کرے)۔'' ④

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے محبوب دوست صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوءُ] ''جہاں تک وضو کا پانی پہنچا ہوگا وہاں تک مومن (چمک دمک کے) زیور سے آراستہ ہوگا۔'' ⑤

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ ﴾ ''اور سر کا مسح کر لیا کرو۔'' یہاں باء الصاق (ملانے) جوڑنے کے لیے ہے۔ صحیحین میں امام مالک کے طریق سے عمرو بن یحییٰ مازنی کی اپنے باپ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن زید بن عاصم سے کہا، جو عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں اور جن کا شمار حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، کیا آپ مجھے یہ دکھا سکتے ہیں کہ

① السنن الکبرٰی للبیھقی، الطھارۃ، باب تخلیل اللحیۃ: 54/1 اور بعض محققین نے اس کو العلل الکبیر للترمذی: 115/1 کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ ② مسند أحمد: 268/1. ③ صحیح البخاری، الوضوء، باب إسباغ الوضوء، حدیث: 140. ④ صحیح البخاری، الوضوء، باب فضل الوضوء……، حدیث: 136 و صحیح مسلم، الطھارۃ، باب استحباب إطالۃ الغرّۃ والتحجیل فی الوضوء، حدیث: (35)-246. ⑤ صحیح مسلم، الطھارۃ، باب تبلغ الحلیۃ حیث یبلغ الوضوء، حدیث: 250.

رسول اللہ ﷺ وضو کس طرح فرمایا کرتے تھے؟ عبداللہ بن زید نے کہا: ہاں، پھر انھوں نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالا، دونوں ہاتھوں کو دو بار دھویا، پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرے کو تین بار دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو بار دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا، دونوں ہاتھوں کو آگے بھی لے آئے اور پیچھے بھی لے گئے لیکن مسح کا آغاز سر کے ابتدائی حصے سے کیا تھا اور انھیں گدی تک لے گئے تھے، پھر واپس وہاں تک لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا، پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے وضو کی صفت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عبد خیر نے جو حدیث بیان کی ہے، وہ بھی اسی طرح ہے۔[2] نیز امام ابوداود نے حضرت معاویہ اور مِقدام بن مَعدیکرِب سے بھی رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں جو احادیث بیان کی ہیں، ان میں بھی اسی طرح ہے۔[3] الغرض یہ تمام احادیث اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ سارے سر کا مسح کرنا واجب ہے۔

امام عبدالرزاق نے حُمران بن ابان کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا اور انھیں دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرے کو تین بار دھویا، پھر دائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر بائیں کو اسی طرح، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر دائیں پاؤں کو اسی طرح دھویا، پھر بائیں پاؤں کو تین بار دھویا۔ اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح وضو فرمایا تھا جس طرح میں نے یہ وضو کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوئِی ھٰذَا ، ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ فِیهِمَا نَفْسَهٗ ، غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ] ''جو شخص اس طرح وضو کرے جس طرح میں نے یہ وضو کیا ہے، پھر دو رکعتیں پڑھ لے اور ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کرے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[4] اسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی صحیحین میں بیان فرمایا ہے۔[5]

سنن ابوداود میں وضو کی کیفیت کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سر کا مسح ایک بار ہی کیا۔[6]

پاؤں کا بغیر موزوں یا جرابوں کے مسح نہیں بلکہ انھیں دھونا واجب ہے: ارشاد الٰہی: ﴿ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾

[1] صحیح البخاری، الوضوء ، باب مسح الرأس کله، حدیث: 185 و صحیح مسلم، الطهارة، باب آخر فی صفة (الوضوء)، حدیث: 235 . [2] سنن أبی داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبیﷺ، حدیث: 111 و جامع الترمذی، الطهارة، باب ما جاء فی وضوء النبیﷺ کیف کان؟ حدیث: 49 . [3] سنن أبی داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبی ﷺ، حدیث: 121-124. [4] المصنف لعبدالرزاق، الطهارة، باب ما یُکفِّر الوضوء والصلاة: 45,44/1، حدیث: 139. [5] صحیح البخاری، الوضوء، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، حدیث: 159 و صحیح مسلم، الطهارة ، باب صفة الوضوء و کماله، حدیث: 226. [6] سنن أبی داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبی ﷺ، حدیث: 108.

میں ﴿ وَ اَرْجُلَكُمْ ﴾ کو ﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ ﴾ پر عطف کی وجہ سے منصوب پڑھا گیا ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے اسے ﴿ وَ اَرْجُلَكُمْ ﴾ (نصب کے ساتھ) پڑھا اور فرمایا ہے کہ پاؤں کا تعلق دھونے سے ہے۔① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عروہ، عطاء، عکرمہ، حسن، مجاہد، ابراہیم، ضحاک، سدی، مقاتل بن حیان، زہری اور ابراہیم تیمی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔② پاؤں کے دھونے کے واجب ہونے کے بارے میں یہ قراءت ظاہر ہے جیسا کہ سلف نے کہا ہے۔

مجاورت اور کلام کی مناسبت کی وجہ سے اسے مجرور بھی پڑھا گیا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ ''سانڈے کا خراب سوراخ۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ﴾ (الدھر 21:76) ''ان (کے بدنوں) پر دیبا کے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے۔'' عربی زبان میں یہ ایک جانا بوجھا اور مشہور ومعروف اسلوب ہے۔

پاؤں دھونے کے بارے میں احادیث مبارکہ: امیر المؤمنین حضرت عثمان، امیر المؤمنین حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاویہ، عبداللہ بن زید بن عاصم اور مقداد بن مَعد یکرِب رضی اللہ عنہم سے مروی یہ حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو فرماتے ہوئے اپنے پاؤں کو اختلاف روایات کے مطابق ایک بار یا دو بار یا تین بار دھویا تھا۔③

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سفر میں، جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، آپ ہم سے پیچھے تھے۔ آپ جب ہمارے پاس تشریف لائے تو نماز عصر کا وقت ہوگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے اور ہم نے اپنے پاؤں پر مسح کرنا شروع کر دیا تھا تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا: [(أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ) وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ] ''(وضو کو اچھی طرح پورا کرو) ہلاکت ہے ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے۔'' یہ آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا۔④ صحیحین میں یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔⑤

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ (فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ:) وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ] ''(اے ابوعبدالرحمٰن!) وضو اچھی طرح مکمل کرو بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''ہلاکت ہے ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے۔''⑥

---

① تفسیر الطبری:173/6. ② تفسیر الطبری:173,172/6. ③ دیکھیے عنوان ''وضو کی کیفیت'' ④ صحیح البخاری، الوضوء، باب غسل الرجلین [ولا یمسح علی القدمین]، حدیث:163 وصحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل الرجلین بکمالهما، حدیث:(27)-241. ملحوظہ: اس حدیث کے ابتدائی الفاظ [أسبغو الوضوء] صحیح مسلم میں شروع کے بجائے حدیث کے آخر میں ہیں اور صحیح بخاری کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ ⑤ صحیح البخاری، الوضوء، باب غسل الأعقاب، حدیث:165 وصحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل الرجلین بکمالهما، حدیث:(30)-242 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ مختصراً. ⑥ صحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل الرجلین بکمالهما، حدیث:240 جبکہ صحیح مسلم میں [أسبغوا] کے بجائے [أَسْبِغْ] ہے۔

عبداللہ بن حارث بن جزء سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ [وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ وَبُطُونِ الْأَقْدَامِ مِنَ النَّارِ] ''ایڑیوں اور پاؤں کے تلووں کو ہلاکت ہے جہنم کی آگ سے۔'' اسے امام بیہقی و حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔[1]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر ناخن کے بقدر جگہ چھوڑ دی جسے پانی نہیں پہنچا تھا، نبی اکرم ﷺ نے اسے دیکھ لیا تو فرمایا: [اِرْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ] ''واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔''[2] حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا، اس نے وضو کیا اور پاؤں پر ناخن جتنی جگہ چھوڑ دی (جسے اس نے نہ دھویا) تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: [اِرْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ] ''لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔''[3]

امام احمد نے بعض اصحاب نبی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا دراں حالیکہ اس کے پاؤں کی پشت پر درہم کے بقدر جگہ خشک تھی جسے پانی نہیں لگا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا۔[4] امام ابوداود نے اسے بروایت بقیہ بن ولید بیان کیا ہے اور اس میں یہ زائد الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے فرمایا: نماز بھی دوبارہ پڑھو۔[5] اس حدیث کی سند جید، قوی اور صحیح ہے۔ واللہ أعلم.

انگلیوں میں خلال کرنے کا حکم: حُمران کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں مروی حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی انگلیوں میں خلال کیا۔[6] اہل سنن نے لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے عرض کی: اے

---

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي، الطهارة، باب الدليل على أن فرض الرجلين الغسل ......، حديث: 70/1 والمستدرك للحاكم: 162/1، حديث: 580 . [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب استيعاب جميع أجزاء محل الطهارة، حديث: 243. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي، الطهارة، باب الدليل على أن فرض الرجلين الغسل......: 70/1 . اور دیکھیے سنن أبي داود، الطهارة، باب تفريق الوضوء، حديث: 173 . [4] مسند أحمد: 424/3 تفسیر میں اس روایت کی سند میں بعض اصحاب النبی ﷺ کے بجائے بعض ازواج النبی ﷺ تھا لیکن اول الذکر ہی درست ہے کیونکہ مسند احمد کے علاوہ سنن ابوداود اور سنن بیہقی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، دیکھیے بعد والا حاشیہ۔ [5] سنن أبي داود، الطهارة، باب تفريق الوضوء، حديث: 175 والسنن الكبرٰى للبيهقي، الطهارة، باب تفريق الوضوء: 83/1 اور دیکھیے إرواء الغليل: 127,126/1. [6] المصنف لعبدالرزاق، الطهارة، باب كم الوضوء من غسلة: 41/1، حديث: 125 ومجمع الزوائد، الطهارة، باب التخليل: 539/1، حديث: 1202 وصحيح ابن خزيمة، الوضوء، باب تخليل اللحية في الوضوء عند غسل الوجه: 79,78/1، حديث: 152,151 والمسند الجامع: 432/12، حديث: 9661 مذکورہ اور دیگر حوالوں میں انگلیوں میں خلال کے متعلق یہ روایت حمران کے بجائے شقیق بن سلمہ سے ہے، اور جو روایات حمران کی عثمان رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہیں ان میں انگلیوں کے خلال کا ذکر نہیں۔ واللہ أعلم. دیکھیے صحیح البخاري، حديث: 159 وصحيح مسلم، حديث: 226 اور بعض روایات میں ذکر ہے کہ ''پاؤں کی انگلیوں میں خلال کیا۔'' بہرحال حضرت ابن عباس سے مسند أحمد: 287/1 میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: [خَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ] ''اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔''

اللہ کے رسول! مجھے وضو کے بارے میں بتائیں؟ آپ نے فرمایا: [أَسْبِغِ الْوُضُوءَ ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ، وَ بَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا] ''خوب اچھی طرح پورا وضو کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں خوب اچھی طرح پانی چڑھایا کرو، الا یہ کہ تم نے روزہ رکھا ہو۔''①

موزوں پر مسح سنت سے ثابت ہے: امام احمد بن حنبل نے حضرت اَوس بن ابواوس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے وضو فرمایا اور نعلین پر مسح فرمایا، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔② امام ابوداود نے بھی اسے اوس بن ابواوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے پاس تشریف لائے، پھر آپ نے پیشاب کیا اور وضو کیا اور نعلین اور دونوں پاؤں پر مسح کیا۔③

امام احمد نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوا تھا اور میں نے مسلمان ہونے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے دیکھا۔④ صحیحین میں ہمام سے مروی ہے کہ جریر نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا، کہا گیا کہ آپ اس طرح کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔ اعمش نے کہا کہ ابراہیم نے بیان کیا کہ انھیں یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔⑤ یہ الفاظ مسلم کی روایت کے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی و فعلی تواتر کے ساتھ موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔

پانی کی عدم موجودگی یا مرض میں تیمّم کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ﴾

① سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث: 142 و جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم، حديث: 788/1 و سنن النسائي، الطهارة، باب المبالغة في الاستنشاق، حديث: 87 و باب الأمر بتخليل الأصابع، حديث: 114 و سنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب تخليل الأصابع، حديث: 448. ② مسند أحمد: 8/4. ③ سنن أبي داود، الطهارة، باب، قبل باب كيف المسح، حديث: 160 سنن ابوداود کے اس مذکورہ حوالے میں [كِظَامَةَ قَوْمٍ] ''قوم کے وضو کرنے کی جگہ'' کے الفاظ ہیں لیکن تفسیر ابن کثیر میں [سُبَاطَةَ قَوْمٍ] ''قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر'' کے الفاظ ہیں جو سنن أبي داود، الطهارة، باب البول قائما، حديث: 23 عن حذيفة رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ ④ مسند أحمد: 363/4 و سنن أبي داود، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: 154. ⑤ صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الخفاف، حديث: 387 و صحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: 272. اس کا پس منظر یہ ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح کرنے کا عمل سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے کا ہے۔ اور سورۂ مائدہ میں پاؤں کے دھونے کا حکم ہے، لہٰذا موزوں پر مسح کرنے کا حکم منسوخ ہے۔ اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جن میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب شامل ہیں، کا یہ موقف تھا کہ یہ حکم منسوخ نہیں (بلکہ پاؤں کے دھونے کا حکم اس صورت میں ہے جب موزے نہ ہوں) بہر حال جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث فیصلہ کن ثابت ہوئی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے اس کے بعد آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو اچھی لگتی تھی۔

’’اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمھیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (تیمّم) کر لو۔‘‘

تیمّم کے سلسلے میں قبل ازیں سورۂ نساء کی آیت کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے تاکہ کلام موجبِ طوالت نہ ہو، وہاں ہم نے آیتِ تیمّم کا سبب نزول بھی بیان کر دیا تھا لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک حدیث بھی بیان فرمائی ہے جس میں خصوصی طور پر سورۂ مائدہ کی اس آیت کا ذکر ہے۔[2]

اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرا ہار ’’بیداء‘‘ میں اس وقت گر گیا جب ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کو بٹھا دیا اور آپ سواری سے نیچے تشریف لے آئے، میری گود میں سر مبارک رکھا اور استراحت فرمانے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے مجھے زور سے کچوکا مارا اور فرمایا کہ تم نے ہار کی وجہ سے یہاں لوگوں کو روک رکھا ہے؟ نبیٔ کریم کے آرام کے خیال سے میں بے حس وحرکت بیٹھی رہی، حالانکہ مجھے تکلیف ہوئی تھی، پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے اور صبح (کی نماز) کا وقت ہوا تو پانی تلاش کیا گیا لیکن میسر نہ آسکا تو یہ آیت کریمہ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ...... ﴾ الآیۃ نازل ہوگئی، اس آیت کے نزول کے بعد اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے آل ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت پیدا فرما دی ہے، تم تو لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔[3]

ارشاد الٰہی: ﴿ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ﴾ ’’اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔‘‘ اسی لیے اس نے تمھارے لیے سہولت وآسانی پیدا فرما دی ہے اور کسی مشکل میں مبتلا نہیں کیا بلکہ مرض اور پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں اس نے توسع اور رحمت کے پیش نظر تیمّم کی اجازت دے دی ہے اور بعض وجوہ واسباب کے سوا جن کا قبل ازیں بیان ہو چکا ہے، تیمّم کو پانی کے استعمال کے قائم مقام قرار دے دیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ’’الاحکام الکبیر‘‘ میں ان تمام مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ ’’بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔‘‘ یعنی تم اپنے رب کی ان نعمتوں پر اس کا شکر بجالاؤ جنھیں اس نے وسعت دے کر شفقت، رحمت، سہولت اور فیاضی کی صورت میں، تمھارے لیے مشروع قرار دیا ہے۔

وضو کے بعد دعا: سنت سے یہ ثابت ہے کہ وضو کرنے والا وضو کے بعد یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اس آیت کریمہ پر عمل کرنے والوں میں داخل کر کے پاک صاف ہونے والوں میں سے بنا دے جیسا کہ امام احمد، امام مسلم اور اہل سنن نے

---

① دیکھیے آیت: 43 کے ذیل میں عنوان: ’’تیمّم کا بیان‘‘ ② صحیح بخاری میں اس حدیث کے تمام طرق میں آیت تیمّم کے نزول کا ذکر ہے، اس حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ اس موقع پر جو آیت نازل ہوئی وہ سورۂ مائدہ کی تھی سورۂ نساء کی نہیں۔ ③ صحیح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ (المآئدة 5:6)، حديث:4608 وصحيح مسلم ، الحيض ، باب التيمم، حديث:367 .

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ہم خود ہی (باری باری اپنے) اونٹوں کی نگہداشت کرتے تھے جب میری باری آئی تو میں نے شام کے وقت اونٹوں کو واپس (باڑے میں) چھوڑا (خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا) تو اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے، اس وقت میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

[مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ، مُقْبِلٌ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ، إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ] ''جو بھی مسلمان وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے، اور کھڑے ہو کر دل اور چہرے سے خوب متوجہ ہو کر دو رکعت نماز ادا کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا: یہ کس قدر عمدہ بات ہے، میرے سامنے سے ایک شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے جو بات بیان فرمائی تھی، وہ تو اس سے بھی زیادہ عمدہ تھی، میں نے دیکھا تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ ابھی آئے ہیں۔ (اس سے پہلے) آپ نے یہ بیان فرمایا ہے: [مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ يَّتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ - أَوْ فَيُسْبِغُ - الْوُضُوءَ ، ثُمَّ يَقُولُ:] تم میں سے جو شخص خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر وضو کرنے کے بعد یہ کہے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' [إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ ، يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ] ''تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان میں سے جس دروازے سے بھی وہ چاہے، داخل ہو جائے۔''[1] یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

وضو کی فضیلت: امام مالک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ - أَوِ الْمُؤْمِنُ - فَغَسَلَ وَجْهَهُ ، خَرَجَ مِنْ وَّجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَّظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَّدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَّشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنَ الذُّنُوبِ]

''جب کوئی مرد مسلم - یا مرد مومن - وضو کرتے ہوئے اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے کی ہر وہ غلطی جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے پانی کے ساتھ - یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ - ڈھل جاتی ہے۔ جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہر وہ غلطی جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے چھوا ہوتا ہے پانی کے ساتھ - یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ -

① **صحيح مسلم**، الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، حديث: 234 **ومسند أحمد**: 153/4 **وسنن أبي داود**، الطهارة، باب مايقول الرجل إذا توضأ، حديث: 169 **وسنن النسائي**، الطهارة، باب القول بعد الفراغ من الوضوء، حديث: 148 مختصراً. **وسنن ابن ماجه**، الطهارة و سننها، باب مايقال بعد الوضوء، حديث: 470 **وصحيح ابن خزيمة**، الوضوء ، باب فضل التهليل والشهادة للنبي ﷺ بالرسالة والعبودية ......: 111,110/1، حديث: 222 **والسنن الكبرى** للبيهقي، الطهارة، باب مايقول بعد الفراغ من الوضوء: 78/1 .

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا

اور تم پر اللہ کی جو نعمت ہوئی اسے یاد رکھو، اور وہ عہد بھی یاد رکھو جو اس نے تم سے معاہدہ کیا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ

سے ڈرو، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے⑦ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی

بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ

دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقوی کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے⑧ اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا

لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے⑨ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخی ہیں⑩ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ نے تم

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

پر جو نعمت نازل کی وہ یاد کرو، جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تمھاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے انھیں تم پر ہاتھ ڈالنے سے روک دیا،

2 ع 6 6 اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ع

اور اللہ سے ڈرو، اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں⑪

ڈھل جاتی ہے۔ اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ غلطی جس کی طرف اس کے پاؤں چلے ہوں، پانی کے ساتھ۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ ڈھل جاتی ہے حتی کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔''[1] اس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ۔ أَوْتَمْلَأُ۔ مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، الصَّلَاةُ نُورٌ، وَّالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَّالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَايِعٌ نَّفْسَهُ، فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا] ''طہارت نصف ایمان ہے، الحمد للہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے سے آسمان وزمین کے درمیان کا یہ سارا خلا بھر جاتا ہے۔ نماز نور ہے، صدقہ (ایمان کی) دلیل ہے، صبر روشنی ہے، قرآن آپ کے حق میں یا آپ کے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کو بیچ دیتا ہے، پھر اسے آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر دیتا ہے۔''[3]

① الموطأ للإمام مالك، الطهارة، جامع الوضوء: 18/1، حديث: 60. ② صحيح مسلم، الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، حديث: 244. ③ صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث: 223. تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں [وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ] کے الفاظ ہیں۔

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَدَقَةً مِّنْ غُلُولٍ وَّلَا صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ] ''اللہ تعالیٰ خیانت کے مال سے صدقہ اور بغیر وضو کے نماز قبول نہیں کرتا۔''[1]

تفسیر آیات: 7-11

رسالت و اسلام کی نعمت کی یاد دہانی: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یہ یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انھیں ان نعمتوں سے نوازا ہے کہ انھیں یہ عظیم الشان دین عطا فرمایا، رسول کریم ﷺ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا اور جو ان سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ آپ کی بیعت کریں گے، اتباع و اطاعت بجا لائیں گے، تائید و حمایت کریں گے، دست و بازو بن جائیں گے اور آپ کے دین سے نہ صرف خود وابستہ ہو جائیں گے بلکہ اسے آگے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچائیں گے، ان تمام نعمتوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ''اور اللہ نے جو تم پر احسان کیے ہیں ان کو یاد رکھو اور اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کیا۔'' یہی وہ بیعت ہوتی تھی جو مسلمان دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بیعت کر رکھی تھی کہ ہم اپنی خوشی اور ناخوشی، تنگی اور آسانی میں بھی اور خود پر دوسروں کو ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی بات سنیں گے اور اطاعت بجا لائیں گے اور صاحب امر لوگوں سے ہم کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○﴾ (الحدید 8:57) ''اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے جبکہ رسول تمھیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور اگر تم مومن ہو تو وہ تم سے (اس کا) پختہ عہد بھی لے چکا ہے۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ یہودیوں کو اس عہد و پیمان کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے جو ان سے حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت کو تسلیم کرنے کے بارے میں لیا گیا تھا۔ اس قول کو علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[3]

پھر فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' یہ ترغیب و تاکید ہے کہ ہر حال میں اللہ کے ڈر اور خوف کو پیش نظر رکھا جائے، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ وہ ذات گرامی تو ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦﴾ یعنی سینوں کے بھیدوں اور دلوں کی دھڑکنوں تک سے آگاہ ہے۔

---

① صحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حديث: 224 و سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حديث: 59 . ② صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ سترون بعدي أمورا تنكرونها، حديث: 7056 و صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في......، حديث: 1709 (بعد الحديث: 1840) عن عبادة بن الصامت ﷺ. ③ تفسير الطبري: 192/6 و الدر المنثور: 469/2 .

عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے بنو۔'' یعنی لوگوں کے لیے یا ریا کاری کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے حق کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور ﴿ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ ''انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔'' یعنی عدل وانصاف کے لیے گواہی دو، ظلم و استبداد کے حق میں گواہی نہ دو۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے بعض مال کا عطیہ دیا اور میری والدہ عَمرہ بن رَواحہ نے کہا کہ میں تو اس وقت تک خوش نہ ہوں گی جب تک آپ رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ نہ بنا لیں، میرے والد آپ ﷺ کی خدمت میں اس مقصد کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: [أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ ؟ قَالَ: لَا]، [قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ] ''کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔'' نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے واپس آ کر اپنا صدقہ واپس لے لیا۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾ ''اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔'' یعنی کسی قوم سے بغض تمھیں ترک عدل پر مجبور نہ کرے بلکہ ہر ایک سے عدل کا معاملہ کرو، خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ''انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔'' یعنی ترک عدل کی نسبت تمھارا عدل کرنا پرہیز گاری ہے۔ اور فعل اس مصدر عَدْلٌ پر دلالت کر رہا ہے جس کی طرف هُوَ ضمیر راجع ہے اور قرآن مجید اور عربی زبان میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ﴾ (النور 28:24) ''اور اگر (یہ) کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو، یہ تمھارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔''

اور فرمان الٰہی: ﴿ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ''یہی پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔'' یہاں اسم تفضیل کا صیغہ أقرب ایسی جگہ استعمال ہوا ہے کہ دوسری جانب اس سے متعلق کوئی چیز نہیں ہے جیسا کہ حسب ذیل آیت کریمہ میں ہے: ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴾ (الفرقان 24:25) ''اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی خوب ہوگا۔'' اسی طرح بعض صحابیات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ ''(رسول اللہ ﷺ سخت مزاج نہیں) تم رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں درشت مزاج اور سخت دل ہو۔''[2]

---

[1] اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحیح البخاری، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، حديث:2586 اور دوسرا حصہ صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الإشهاد في الهبة، حديث: 2587 کے مطابق ہے۔ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث:(13,14)-1623. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب......، حديث:3683 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حديث:2396 عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ.

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے۔'' اور تم جو اعمال کرو گے، ان کی وہ تمھیں جزا دے گا، اچھے اعمال بجالاؤ گے تو اچھا بدلہ دے گا اور اگر برے اعمال کرو گے تو سزا دے گا، اسی لیے اس کے بعد کی آیت میں فرمایا: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور اجر عظیم، یعنی جنت سے سرفراز فرمائے گا، جو اپنے بندوں پر اس کی بیش بہا رحمت ہے، جسے بندے اپنے اعمال سے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت ہی سے حاصل کرتے ہیں، گو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سبب بندوں کے اعمال ہی بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو اپنی رحمت، فضل، عفو اور رضوان کے حصول کے لیے اسباب بنا دیا ہے، بہر حال سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور اسی کا ہے۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ ''اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔'' یہ اس کا عدل، اس کی حکمت اور اس کا وہ حکم ہے جس میں ظلم کا ادنیٰ شائبہ تک نہیں بلکہ وہ تو حاکمِ عادل، حکیم اور قدیر ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس نے کافروں کے ہاتھوں کو مسلمانوں سے روک دیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ روک دیے۔'' امام عبدالرزاق نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ (آرام فرمانے کے لیے) اتر پڑے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم درختوں کے سائے کی تلاش میں متفرق ہو گئے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنے ہتھیار کو ایک درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے پاس آیا، اس نے اسے پکڑ کر سونت لیا اور نبیٔ اکرم ﷺ سے کہنے لگا: ''آج تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟''

آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ، قَالَ الْأَعْرَابِيُّ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا : مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: اَللّٰهُ] ''اللہ عزوجل (بچائے گا) اس اعرابی نے یہ بات دو یا تین بار کہی کہ آج تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اور نبیٔ اکرم ﷺ ہر بار جواب میں یہی فرماتے رہے کہ مجھے اللہ بچائے گا۔'' تو اعرابی نے تلوار کو پھینک دیا، نبیٔ اکرم ﷺ نے صحابہ کو بلایا اور انھیں اس اعرابی کی یہ بات بتائی جو اس وقت آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے اسے اس کی اس بدتمیزی کی کوئی سزا نہ دی۔

معمر کہتے ہیں کہ امام قتادہ اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا کرتے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ عربوں نے رسول اللہ ﷺ کو اچانک شہید کر دینے کا ارادہ کیا تھا اور اسی مقصد سے انھوں نے اس بدو کو بھیجا تھا، چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں یہی

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے تھے، اور اللہ نے کہا: بے شک میں تمھارے

اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو گے، اور زکاۃ ادا کرو گے، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کو اچھا قرض

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

دو گے، تو میں ضرور تم سے تمھاری برائیاں دور کردوں گا، اور ضرور تمھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پھر اس

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا

کے بعد جس نے کفر کیا تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا⑫ چنانچہ ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی، اور ہم نے ان کے

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

دلوں کو سخت کردیا۔ وہ کلمات کو ان کے موقع محل سے بدل ڈالتے ہیں، اور جس چیز کی انھیں تاکید کی گئی تھی اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ

اور آپ کو ان میں سے چند افراد کے سوا دوسروں کی خیانت کی اکثر اطلاع ملتی رہتی ہے، چنانچہ آپ انھیں معاف کردیں اور ان سے درگزر

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا

کریں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے⑬ اور جن لوگوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا تھا، پھر

نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ

جس چیز کی انھیں تاکید کی گئی تھی، اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا، چنانچہ ہم نے روز قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا،

اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭

اور وہ جو کچھ کرتے رہتے ہیں اللہ جلد انھیں اس سے آگاہ کرے گا⑭

واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔① اس بدو کا نام غورث بن حارث تھا اور اس کا یہ قصہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔②

محمد بن اسحاق بن یسار، مجاہد، عکرمہ اور کئی ایک دیگر ائمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ بنونضیر کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب انھوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر پتھر گرا کر آپ کو شہید کردیں۔ جب آپ ان کے پاس بنی عامر کے لوگوں کی دیت میں تعاون حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے مگر ان بدبختوں نے اس ناپاک منصوبے کو عمرو بن جحاش بن کعب کے سپرد کردیا تھا اور انھوں نے اسے یہ کہہ دیا تھا کہ جب نبی اکرم ﷺ دیوار کے سائے میں بیٹھیں اور یہ آپ کے اردگرد جمع ہو جائیں تو وہ آپ کے اوپر پتھر گرا دے مگر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس سازش

① تفسیر عبدالرزاق:10/2، رقم:684. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث:4136,4135 وصحيح مسلم، الفضائل، باب توكله على الله تعالى وعصمة الله تعالى له من الناس، حديث:843 نحوه.

سے آپ کو مطلع فرمادیا اور آپ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مدینہ تشریف لے آئے، اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا۔[1]

اور ارشاد الٰہی: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪﴾ ''اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔'' کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ارادوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور وہ اسے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے، پھر اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دے دیا گیا کہ آپ یہودیوں کا محاصرہ کرلیں۔ آپ نے ان کا محاصرہ کیا انھیں ان کے قلعوں سے باہر نکالا اور مدینہ منورہ سے انھیں جلاوطن کر دیا تھا۔

تفسیر آیات:12-14

اہل کتاب سے عہد اور عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس عہد و پیمان کو پورا کریں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان سے لیا ہے، اور حق کو قائم کریں اور انصاف کی گواہی دیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں یاد دلایا ہے کہ حق اور ہدایت کی توفیق عطا فرما کر، انھیں کیسی کیسی عظیم الشان ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کرنا شروع فرمایا ہے کہ عہد و پیمان تو اس نے مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ سے بھی لیا تھا مگر جب انھوں نے اس عہد و پیمان کی تمام دھجیوں کو اڑا دیا تو سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انھیں لعنت میں مبتلا کر دیا، اپنی جناب سے انھیں دھتکار دیا اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے تاکہ وہ ہدایت اور دین حق تک پہنچ ہی نہ سکیں اور وہ ہے علم نافع اور عمل صالح۔

چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ﴾ ''اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے قرار لیا تھا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیے تھے۔'' یعنی ان کے قبیلوں کے سردار مقرر کر دیے تاکہ وہ ان کی بیعت کر کے اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کی باتوں کو سن کر اطاعت بجا لانے کا عہد کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن اسحاق اور کئی ایک ائمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جابر و سرکش لوگوں سے جہاد کے لیے متوجہ تھے تو آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ ہر خاندان سے ایک ایک سردار مقرر کر دیں۔[2]

عَقَبہ کی رات انصار کے نقیب: اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عقبہ کی رات جب انصار سے بیعت لی تو ان کے بھی بارہ نقیب تھے جن میں سے تین خاندان اَوس میں سے تھے: (1) اُسَید بن حُضَیر (2) سعد بن خَیثمہ اور (3) رفاعہ بن عبد المُنذِر۔ (رفاعہ کے بجائے ابوالھیثم بن التَّیهان رضی اللہ عنہم کا نام بھی لیا جاتا ہے۔) اور نو خاندان خزرج میں سے تھے: (1) ابوامامہ اسعد بن زُرارہ (2) سعد بن ربیع (3) عبداللہ بن رَواحہ (4) رافع بن مالک بن عجلان (5) براء بن مَعرور (6) عبادہ بن صامت (7) سعد بن عبادہ (8) عبداللہ بن عمرو بن حرام اور (9) منذِر بن عمرو بن خُنَیس رضی اللہ عنہم۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں بھی ان کا ذکر

[1] تفسیر الطبری: 6/197,198. [2] تفسیر الطبری: 6/204,205 امام ابن جریر نے ان نقیبوں کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔

کیا ہے اوران اشعار کوابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ ① مقصود یہ ہے کہ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس رات نبیٔ اکرم ﷺ کے حکم سے اپنی قوم کے نقیب تھے اورانھوں نے ہی سمع وطاعت بجالانے کے لیے اپنی قوم کی طرف سے حضورا کرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ ②

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ﴾ ''اور اللہ نے فرمایا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں۔'' میں تمھاری حفاظت کروں گا اوراپنی تائید وحمایت سے نوازوں گا۔ ﴿ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ﴾ ''اگر تم نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہوگے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے۔'' یعنی تمھارے سامنے وحی الٰہی کی جو باتیں پیش کریں گے،تم ان کی تصدیق کرو گے۔ ﴿ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ﴾ ''اورتم ان کی مدد کرو گے۔'' یعنی حق کی حمایت میں ان کی نصرت واعانت کرو گے۔ ﴿ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ ''اورتم اللہ کو قرض حسنہ دو گے۔'' یعنی اس کی راہ میں اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنے مال کوخرچ کرو گے۔ ﴿ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ ''تو میں ضرورتم سے تمھارے گناہ دور کردوں گا۔'' یعنی تمھارے گناہ مٹادوں گا اوران کی پردہ پوشی کروں گا اورتم سے کوئی مؤاخذہ نہیں کروں گا۔ ﴿ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اورضرورتم کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' الغرض تم سے تمام تکلیف دہ چیزوں کودور کردوں گا اور تمھیں تمھارا مقصود عطا کردوں گا۔

عہد شکنی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ ﴾ ''پھر جس نے اس کے بعدتم میں سے کفر کیا، وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔'' یعنی جس نے یہ پختہ عہد و پیمان کرنے کے بعدا سے توڑ دیا،اس کی مخالفت کی،اس کا انکار کردیا اوراس کے ساتھ اس شخص کی طرح معاملہ کیا جواسے جانتا ہی نہ ہوتو اس نے واضح راستے کوچھوڑ کر غلطی کی اوروہ راہ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کی دلدل میں جا پھنسا۔

پھر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس عہد شکنی کی انھیں کیا سزا ملی، اللہ نے فرمایا: ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ﴾ ''تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پرلعنت کی۔'' یعنی انھیں حق سے دوراور ہدایت سے محروم کردیا۔ ﴿ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ﴾ ''اوران کے دلوں کوسخت کردیا۔'' کہ دلوں کی قساوت اور سنگینی کی وجہ سے کسی بھی نصیحت کو حاصل ہی نہیں کرتے۔ ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ ''یہ لوگ کلماتِ (کتاب) کواپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں ان کا رویہ خراب اوران کا تصرف بدترین ہے کہ یہ ان کی غلط تاویل کرتے ہیں، یہ انھیں غلط معنی پہناتے ہیں اوراللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اس نے بیان فرمائی ہی نہیں ہیں۔عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

﴿ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾ ''اورجن باتوں کی ان کونصیحت کی گئی تھی، ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے۔'' اور

① السيرة النبوية لابن هشام، أسماء النقباء الاثنى عشر وتمام خبر العقبة:2/443-445. ② دیکھیے دلائل النبوة للبيهقي: 2/453,452 وصحيح ابن حبان، التاريخ، باب بدء الخلق ، ذكر وصف بيعة الأنصار......: 14/172-174 ومسند أحمد:3/323,322 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ.

اس سے اعراض کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل ترک کر دیا۔ ﴿ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''ہمیشہ آپ ان میں سے (کسی ایک نہ ایک کی) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہیں۔'' یعنی یہ آپ اور آپ کے صحابہ سے جو مکاری اور غداری کرتے رہتے ہیں آپ اس سے مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ امام مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی، یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔①

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ﴾ ''تو ان کی خطائیں معاف کیجیے اور (ان سے) درگزر کیجیے۔'' کہ یہی حقیقی فتح ونصرت ہے جیسا کہ بعض سلف نے فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور کوئی معاملہ نہیں ہو سکتا کہ جو شخص آپ کے بارے میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کرے مگر آپ اس کے بارے میں اللہ کے حکم کی اطاعت بجالائیں، اس سے ان کی تالیف قلبی ہوگی اور شاید اس طرح وہ حق اور ہدایت کو قبول کر لیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ ﴾ ''بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' یہاں احسان سے مراد اس شخص سے درگزر کرنا ہے جو آپ سے برا سلوک کرے۔

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت: ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ﴾ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ (التوبہ 29:9) ''جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) ان سے جنگ کرو۔''②

عیسائیوں کی عہد فراموشی اور اس کا نتیجہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا۔'' یعنی جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ نصاریٰ اور حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام کے پیروکار ہیں، حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے، ہم نے ان سے بھی یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی نصرت وحمایت کریں گے، آپ کے نقش قدم پر چلیں گے اور ہر اس نبی کے ساتھ ایمان لائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہوگا مگر ان کا طرز عمل بھی یہود سے مختلف نہ تھا، انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اس عہد و پیمان کی دھجیاں اڑا دیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''پھر انھوں نے بھی اس نعمت کا جو ان کو دی گئی تھی، ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینہ ڈال دیا'' وہ باہمی طور پر عداوت و بغض میں مبتلا ہو گئے اور قیامت تک اسی طرح ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے۔

اسی طرح عیسائیوں کے مختلف جنسوں کے مختلف گروہوں کا یہی حال ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں بدترین قسم کی دشمنی و بغض میں مبتلا ہیں، ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کو ناپاک قرار دیتا اور اپنے گرجے میں آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ فرقہ مَلکیہ یعقوبیہ کو کافر قرار دیتا ہے، نسطوریہ اور

① تفسير الطبري :213/6 . ② تفسير الطبري:215/6 وتفسير عبدالرزاق:11/2 ، رقم :687 .

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے، اور

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ

بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے⑮ جس کے ذریعے سے اللہ

اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ

اس شخص کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯

اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے⑯

آریوسیہ فرقے بھی ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگاتے رہتے ہیں۔ بہر حال ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کو دنیا میں کافر قرار دیتا ہے اور آخرت میں بھی اہل کفر ہی سے شمار کرتا ہے۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ ﴾ ''اور جو کچھ وہ کرتے رہے، اللہ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔'' یہ عیسائیوں کو زبردست سرزنش کی جارہی ہے کہ انھوں نے بدترین قسم کے جرم کا ارتکاب کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمے جھوٹی باتیں لگائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جن سے وہ بہت پاک، بے حد بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ انھوں نے اللہ کی بیوی اور بیٹا بنا دیا، حالانکہ وہ ذات باری تعالیٰ واحد، احد، یکتا اور بے نیاز ہے، وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ باپ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

تفسیر آیات: 16,15

رسول ﷺ اور قرآن کے ساتھ حق کا بیان: اللہ تعالیٰ اپنی ذات بابرکات کے بارے میں یہاں یہ فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام کائنات ارضی کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے، خواہ وہ عرب ہوں یا عجم، امی ہوں یا کتابی۔ اور روشن دلائل اور حق و باطل کے درمیان کھلم کھلے فرق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ ﴾ ''اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزمان) آ گئے ہیں کہ جو کچھ تم کتاب (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے، وہ اس میں سے بہت کچھ تمھیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور تمھارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں۔'' اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں جو تبدیلی، تحریف اور تاویل کی آپ اسے اور ان کی افتراء پردازیوں کو کھول کھول کر بیان فرما دیتے ہیں اور ان کی تبدیل کی ہوئی بہت سی باتوں سے سکوت بھی فرماتے ہیں کیونکہ ان کے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جو شخص رجم کا انکار کرے تو اس نے

[1] عیسائیوں کے فرقوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ النسآء، آیت: 171 کے ذیل میں عنوان: ''عیسائیوں کے فرقے''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: پس کون ہے جو اللہ کے آگے کچھ اختیار رکھتا

اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

ہو اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرلے؟ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے ⑰ اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا: ہم اللہ کے

وَقَالَتِ الْيَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ

بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ (نہیں) بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

انسان ہو، وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جو کچھ ان دونوں کے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱

درمیان ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ⑱

درحقیقت قرآن کا اس انداز سے انکار کیا کہ اسے اس کا شعور بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جو فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ ''اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارے رسول (آخر الزمان) آگئے ہیں کہ جو کچھ تم کتاب (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے، وہ اس میں سے بہت کچھ تمھیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں۔'' اہل کتاب نے جن باتوں کو چھپایا تھا، ان میں سے رجم بھی ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس قرآن عظیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جسے اس نے نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا: ﴿ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾ ''بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آ چکی ہے جس کے ذریعے سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو سلامتی کے رستے دکھاتا ہے۔'' یعنی نجات، سلامتی اور استقامت کے رستے۔ ﴿ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ ﴾ ''اور انھیں اپنے حکم سے اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔'' یعنی انھیں مصیبتوں سے نجات عطا فرماتا ہے، سب سے زیادہ سیدھے رستے کو واضح فرماتا ہے، ناپسندیدہ چیزوں کو ان سے دور فرماتا اور پسندیدہ چیزوں کے حصول کی توفیق عطا فرماتا ہے، گمراہی کو ان سے دور کرتا اور سب سے صحیح حالت کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

---

[1] المستدرك للحاكم، الحدود:4/359، حديث:8069.

تفسیر آیات: 18,17

عیسائیوں کا شرک و کفر: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ عیسائیوں نے مسیح ابن مریم - جو بندگان الٰہی میں سے ایک بندے اور مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں - کے بارے میں یہ دعویٰ کر کے کہ وہ اللہ ہیں، بدترین قسم کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان کی اس بات سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ تمام اشیاء پر اسے قدرت حاصل ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تصرف و اختیار میں ہے۔ فرمایا: ﴿ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط ﴾ ”(ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کسی کی پیش چل سکتی ہے؟“ اگر وہ ایسا کرنے کا ارادہ فرما لے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ کس کی یہ مجال ہے کہ وہ اسے اس سے روک سکے؟

پھر فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط ﴾ ”اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔“ تمام موجودات کا وہی مالک و خالق ہے اور وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جسے وہ چاہے۔ وہ اپنی قدرت، حکمت، عدل اور عظمت کے ساتھ جو کام بھی کرنا چاہے، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں، اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے درحقیقت ملعون نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

اہل کتاب کے اس دعوے کی تردید کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے کذب و افتراء کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط ﴾ ”اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔“ یعنی ہم اس کے انبیاء کی طرف منسوب ہیں اور وہ (انبیاء) اس (اللہ) کے بیٹے ہیں، لہٰذا اللہ کی ان پر خاص عنایت ہے اور وہ ان سے بہت محبت کرتا ہے۔ یہ اپنی کتاب کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اسرائیل سے یہ کہا تھا: [أَنْتَ ابْنِي بِكْرِي] ”تو میرا پہلوٹھی کا بیٹا ہے۔“ انھوں نے اس کی غلط تاویل کی بلکہ تحریف کی یہی وجہ ہے کہ انھی میں سے بہت سے مسلمان ہونے والے عقل مند لوگوں نے ان کی اس بات کی تردید کی اور کہا کہ ان کے ہاں اس طرح کے الفاظ اعزاز و اکرام کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ عیسائیوں نے اپنی کتاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: [إِنِّي ذَاهِبٌ إِلٰى أَبِي وَأَبِيكُمْ، يَعْنِي رَبِّي وَرَبِّكُمْ] ”بے شک میں اپنے اور تمھارے باپ، یعنی اپنے اور تمھارے رب کے پاس جا رہا ہوں۔“ اور معلوم ہے کہ وہی نسبت جو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے ان کی تمام امت کی طرف ہے، یعنی [أَبِي وَأَبِيكُمْ] لیکن انھوں نے اپنے بارے میں کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ ہے۔

اُن کا اِن الفاظ کے استعمال کرنے سے مقصود یہ تھا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں اعزاز اور پذیرائی حاصل ہے، اسی وجہ سے انھوں نے جب یہ کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تو اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا

اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، جو رسولوں کے وقفے کے بعد تمھارے لیے باتیں کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس تو

جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ ع 3/8 7

کوئی خوشخبری دینے والا اور کوئی ڈرانے والا نھیں آیا۔ پس یقیناً تمھارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑲

ہے: ﴿ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ پھر وہ تمھاری بداعمالیوں کے سبب تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے؟'' یعنی اپنے دعوے کے مطابق اگر تم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہو تو پھر تمھارے کفر، کذب اور افتراء کی وجہ سے اس نے تمھارے لیے آتش جہنم کیوں تیار کر رکھی ہے؟

ارشاد الٰہی: ﴿ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ ﴾ ''بلکہ تم اس کی مخلوقات میں سے انسان ہو۔'' اور دیگر انسانوں کی زندگی تمھارے لیے نمونہ ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے تمام بندوں پر حاکم ہے۔ ﴿ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ''وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔'' وہ جو ارادہ فرماتا ہے، اسے کر گزرتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ز ﴾ ''اور آسمان وزمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے۔'' سب کچھ اس کی ملکیت اور اسی کے تصرف واختیار میں ہے۔ ﴿ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ ﴾ ''اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی اسی کے پاس سب کا ٹھکانا ہے اور وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرمائے گا لیکن وہ ذات گرامی سراپا عدل ہے اور وہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر آیت:19

اللہ تعالیٰ اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے مخاطب ہو کر فرما رہا ہے کہ اس نے ان کی طرف اپنے رسول خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے جن کے بعد اور کوئی نبی ورسول نہیں ہے بلکہ آپ ہی تمام انبیائے کرام کے بعد تشریف لانے والے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ ''رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد'' یعنی آپ ﷺ کے اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے درمیان کافی طویل مدت ہے۔ اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ مدت کتنی تھی؟ ابوعثمان نہدی اور امام قتادہ کا ایک روایت کے مطابق قول یہ ہے کہ یہ مدت چھ سو سال تھی۔ ① امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ ② حضرت قتادہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ مدت پانچ سو ساٹھ سال تھی۔ ③ معمر نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت پانچ سو چالیس سال تھی۔ ④

اور مشہور قول پہلا ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ مدت چھ سو سال تھی۔ اور بعض اہل علم نے اس مدت کو چھ سو بیس سال قرار دیا

① تفسير البغوي: 33/2 وتفسير القرطبي: 121/6. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إسلام سلمان الفارسي رضي الله عنه، حديث: 3948. ③ تفسير البغوي: 33/2 وتفسير عبدالرزاق: 12/2، رقم: 691. ④ تفسير البغوي: 33/2 وتفسير عبدالرزاق: 12/2، رقم: 691.

ہے۔[1] تو ان دونوں (چھ سو اور چھ سو بیس سال کے اقوال) میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے قائل کی مراد چھ سو شمسی سال ہیں اور دوسرے کی مراد قمری سال ہیں۔ اور ہر سو شمسی اور قمری سالوں میں قریباً تین سال کا فرق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصے میں یہ بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝﴾ (الکھف 25:18) ''اور وہ غار میں تین سو سال اور نو سال زیادہ رہے۔'' یعنی قمری حساب سے وہ تین سو نو سال غار میں رہے (یہ اس لیے فرمایا) تاکہ اہل کتاب کو شمسی حساب سے ان کی تین سو سال کی جس مدت کا علم تھا۔ اسے (قمری لحاظ سے) پورا کر دیا جائے۔

''فترت'' سے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام جو انبیائے بنی اسرائیل میں سے آخری نبی ہیں، اور حضرت محمد ﷺ، جو علی الاطلاق بنی آدم کی طرف مبعوث ہونے والے نبیوں میں سے آخری نبی ہیں، کے درمیان کی مدت مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِابْنِ مَرْيَمَ ...... لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ] میں دوسروں کی نسبت ''ابن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں...... میرے اور ان کے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہے۔''[2]

اس حدیث سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ایک اور نبی بھی آئے ہیں جن کا نام خالد بن سنان ہے[3] جیسا کہ قُضاعی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

بہر حال مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا جب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا، ہدایت کے رستے مٹ چکے تھے، ادیان کو بدل دیا گیا تھا اور اللہ وحدہ لاشریک کے بجائے دنیا میں بتوں، آگ اور صلیب کی پوجا شروع ہو چکی تھی تو ان حالات میں آپ کی بعثت انسانیت کے لیے ایک بہت بڑی نعمت تھی۔ اور اس نعمت کی ضرورت بھی نہایت شدت سے محسوس ہو رہی تھی کیونکہ تمام روئے زمین فتنہ وفساد سے بھر گئی تھی۔ اور یہود ونصاریٰ وصابئین کے صرف ان چند علماء کے سوا جو سابقہ انبیاء کے دین سے وابستہ تھے، باقی تمام لوگ بدترین قسم کی سرکشی وجہالت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

جیسے امام احمد رحمہ اللہ نے عِیاض بن حمار مُجاشعی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک دن نبیٔ اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

[إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَّا جَهِلْتُمْ مِّمَّا عَلَّمَنِي فِي يَوْمِي هٰذَا، كُلُّ مَالٍ نَّحَلْتُهُ عِبَادِي حَلَالٌ،

---

[1] تفسیر القرطبی:121/6 امام ابن جریر نے بھی ان اقوال کو ذکر کیا ہے۔ دیکھیے تفسیر الطبری:228/4. [2] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ﴾ (مریم 16:19)، حدیث:3442 وصحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسٰی علیہ السلام، حدیث:2365. [3] المعجم الکبیر للطبرانی:442,441/11، حدیث:12250 والمصنف لابن أبی شیبۃ، الفضائل، باب ماجاء فی بنی عبس:416/6، حدیث:32483. حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خالد بن سنان کی بیٹی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اپنا کپڑا اس کے لیے بچھا دیا اور فرمایا: [بِنْتُ نَبِيٍّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ] ''یہ ایسے نبی کی بیٹی ہے جسے اس کی قوم نے کھو دیا تھا۔'' لیکن یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

وَّإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَأَضَلَّتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُّشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا، ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَظَرَ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَجَمِيَّهُمْ وَعَرَبِيَّهُمْ، إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ، وَقَالَ : إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ ، وَ أَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَّا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ ، تَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَّيَقْظَانًا ، ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أُحَرِّقَ قُرَيْشًا، فَقُلْتُ : يَا رَبِّ! إِذَنْ يَّثْلَغُوا رَأْسِي ، فَيَدَعُوهُ خُبْزَةً ، فَقَالَ : اِسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اسْتَخْرَجُوكَ ، فَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ ، وَأَنْفِقْ عَلَيْهِمْ فَسَنُنْفِقَ عَلَيْكَ وَابْعَثْ جُنْدًا نَّبْعَثْ خَمْسَةً مِّثْلَهُ، وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ .

وَأَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُوسُلْطَان مُقْسِطٌ، مُتَصَدِّقٌ مُّوَفَّقٌ، وَّرَجُلٌ رَّحِيمٌ رَّقِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ ، وَّرَجُلٌ فَقِيرٌ عَفِيفٌ مُّتَصَدِّقٌ وَّأَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ : اَلضَّعِيفُ الَّذِي لَا زَبْرَ لَهُ ، الَّذِينَ هُمْ فِيكُمْ تَبَعًا۔ أَوْ تُبَعَاءَ ، شَكَّ يَحْيٰ۔ لَا يَبْتَغُونَ أَهْلًا وَّلَا مَالًا، وَّالْخَائِنُ الَّذِي لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ طَمَعٌ وَّإِنْ دَقَّ إِلَّاخَانَهُ، وَرَجُلٌ لَّا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِي إِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ ۔ وَذَكَرَ الْبُخْلَ أَوِ الْكَذِبَ ۔ وَالشِّنْظِيرَ۔ الْفَاحِشَ]

''بے شک میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تم جن باتوں سے بے علم ہو اور اس نے وہ مجھے آج سکھا دی ہیں، میں تمھیں بھی ان کی تعلیم دوں، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) میں نے اپنے بندوں کو جو مال عطا فرمایا ہے، وہ سب حلال ہے۔ میں نے اپنے سب بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے مگر شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جن چیزوں کو میں نے ان کے لیے حلال قرار دیا تھا، انھوں نے حرام کر دیا۔ شیطانوں ہی نے انھیں یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ شرک کریں جبکہ میں نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف دیکھا اور اہل کتاب کے چند لوگوں کے سوا تمام عرب وعجم سے ناراضی کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ میں نے آپ کو مبعوث کیا ہے تا کہ آپ کو آزماؤں اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے آپ نیند و بیداری ہر حالت میں پڑھیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں، میں نے عرض کی: اے میرے رب! وہ تو میرے سر کو کچل دیں گے اور اسے روٹی کی طرح بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کو نکال دیں جیسا کہ انھوں نے آپ کو نکالا، آپ ان کے خلاف جہاد کریں ہم آپ کا ساتھ دیں گے، آپ ان کے خلاف خرچ کریں، ہم آپ پر خرچ کریں گے، آپ ایک لشکر بھیجیں ہم اس سے پانچ گنا بھیجیں گے اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں، ان کے ساتھ مل کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کریں۔

اہل جنت تین قسم کے لوگ ہیں: (1) عدل واصلاح والا اور صدقہ کرنے والا بادشاہ (2) رحم دل اور ہر رشتے دار اور مسلمان کے ساتھ رقیق القلب انسان اور (3) معاف کرنے والا، فقیر، صدقہ کرنے والا انسان۔ اور اہل جہنم پانچ قسم کے لوگ ہیں:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر کی، جب اس نے تم میں سے نبی بنائے اور تمھیں بادشاہ بنایا،

مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

اور تمھیں وہ کچھ دیا جو ساری دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا⑳ اے میری قوم! مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے نام لکھ دی ہے اور تم اپنی

الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا

پشت کے بل منہ نہ موڑو، پھر تم خسارہ اٹھانے والے ہو جاؤ گے㉑ انھوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! بے شک اس زمین میں ایک بڑی زور آور قوم

قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا

ہے۔ اور ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں، پھر اگر وہ اس میں سے نکل گئے تو بے شک ہم داخل

دٰخِلُوْنَ ㉒ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ

ہو جائیں گے㉒ جو لوگ اللہ سے ڈرتے تھے، ان میں سے دو آدمی جن پر اللہ کا فضل تھا، وہ بولے: تم ان کے مقابلے کے لیے دروازے میں داخل ہو

فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ㉓ قَالُوْا

جاؤ، پھر جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو بے شک تم غالب آ جاؤ گے اور اگر تم مومن ہو تو تمھیں اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے㉓ وہ کہنے لگے: اے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا

موسیٰ! ہم ہرگز اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، چنانچہ تو اور تیرا رب جائے، پھر تم دونوں ان سے لڑو، ہم تو یہیں

قٰعِدُوْنَ ㉔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ

بیٹھے ہیں㉔ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک مجھے اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں، چنانچہ تو ہمیں اس نافرمان قوم سے الگ

الْفٰسِقِيْنَ ㉕ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

کر دے㉕ اللہ نے فرمایا: بے شک وہ (مقدس زمین) ان لوگوں پر چالیس برس تک حرام کر دی گئی ہے، وہ زمین میں چالیس برس تک ادھر ادھر بھٹکتے

4 ع 7 8 فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ㉖ ع

پھریں گے، چنانچہ آپ اس نافرمان قوم کا غم نہ کھائیں㉖

(1) وہ کمزور جس میں (ایسی) عقل نہیں (جو اس کو گناہوں سے بچائے) جو تمھارے پیچھے چلنے والے ہیں جن کا اپنا کوئی اہل اور مال نہیں (جس میں ٹھہر کر وہ زندگی کے حقوق و فرائض جان کر جہنم سے بچ سکیں۔ ان کو کمزور عدم بصیرت کی وجہ سے کہا گیا۔) (2) وہ خائن جو ہر چھوٹی بڑی چیز کی خیانت کرتا ہے۔ (3) وہ شخص جو ہر صبح شام اپنے اہل و مال کی طرف سے آپ کو دھوکا دینا چاہتا ہے، پھر (4) آپ نے بخل یا کذب کا ذکر کیا اور (5) فحاشی کا ارتکاب کرنے والے کا بھی ذکر کیا۔''①

① صحیح مسلم، الجنة ونعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث:2865 ومسند أحمد:162/4.

اس حدیث کے یہاں ذکر کرنے سے مقصود ان الفاظ کی طرف توجہ مبذول کروانا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَجَمِيَّهُمْ وَعَرَبِيَّهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف دیکھا اوراہل کتاب کے چند لوگوں کے سوا تمام عرب وعجم سے ناراضی کا اظہار کیا۔''

روئے زمین کے تمام لوگ دین کی بابت التباس کا شکار ہو گئے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اس طرح مخلوق کی ہدایت کا سامان فراہم کیا، آپ کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں اور اُجالوں میں پہنچا دیا اور انھیں انتہائی منور اور روشن شریعت عطا کر دی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ﴾ ''تاکہ تم (یہ نہ) کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے یا ڈرسنانے والا نہیں آیا۔'' یعنی دین میں تغیر وتبدل کر دینے والو! تاکہ کل تم یہ دلیل نہ پیش کر سکو کہ ہمارے پاس تو کوئی ایسا رسول آیا ہی نہیں جو خیر کی خوش خبری سناتا اور شر سے ڈراتا تو اب دیکھو کہ تمھارے پاس بشیر ونذیر پیغمبر حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس بات پر قادر ہوں کہ جو میری نافرمانی کرے میں اسے سزا دوں اور جو میری اطاعت بجا لائے، اسے اجر وثواب سے نوازوں۔[1]

تفسیر آیات: 20-26

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلانا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسول اور کلیم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا ذکر فرما رہا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں یاد دلائیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں سرفراز فرمایا تھا اور کہا کہ اگر تم استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر رہے تو اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں سے نواز دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ ﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسان کیے ہیں، ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے۔'' یعنی جب کوئی نبی فوت ہو جاتا ہے تو تم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسرا نبی بھیج دیتا ہے اور تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح ان میں بے شمار انبیاء آئے جنھوں نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اس کے عذاب سے ڈرایا حتی کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کو وحی وتنزیل سے سرفراز فرمایا۔ آپ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے اشرف وافضل ہیں۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ﴾ ''اور تمھیں بادشاہ بنایا۔'' امام عبدالرزاق نے اس جملے کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ تم نے خدمت کے لیے خادم، عورت اور گھر کو استعمال کیا۔[2] امام حاکم نے بھی مستدرک

[1] تفسیر الطبری: 229/6 . [2] تفسیر عبدالرزاق: 14/2 ، رقم: 700 و تفسیر الطبری: 231/6 .

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول روایت کیا ہے کہ اس سے مراد عورت اور خادم کو خدمت کے لیے استعمال کرنا ہے۔ ﴿ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ یعنی تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اس وقت کے اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔① امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے سب سے پہلے خادموں کو اپنی خدمت کے لیے استعمال کیا تھا۔②

حدیث میں آیا ہے: [مَنْ أَصْبَحَ مِنكُمْ مُّعَافًى فِي جَسَدِهِ ، آمِنًا فِي سِرْبِهِ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا (بِحَذَافِيرِهَا)] ''تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اہل و مال کے اعتبار سے مطمئن ہو، جسمانی طور پر وہ صحت مند ہو اور اس دن کی خوراک اس کے پاس موجود ہو تو اسے گویا دنیا اپنی تمام تر نعمتوں کے ساتھ مل گئی ہے۔''③

بنی اسرائیل کی فضیلت صرف ان کے اپنے زمانے کے لوگوں پر تھی: اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔'' یعنی تمھارے زمانے کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیا کہ یہ لوگ اپنے زمانے میں یونانیوں، قبطیوں اور دیگر تمام اقوام عالم سے اشرف و افضل تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الجاثية16:45) ''اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت بخشی اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں اور ہم نے انھیں اہل عالم پر فضیلت دی۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان سے کہا: ﴿ يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف7:138-140) ''اے موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دے، موسیٰ نے کہا کہ بے شک تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، بے شک یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں وہ باطل ہے۔ اور (یہ بھی) کہا کہ بھلا میں (اللہ کے سوا) تمھارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں، حالانکہ اس نے تم کو تمام اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے؟''

بہر حال مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل اپنے زمانے کے لوگوں سے افضل تھے جبکہ ہماری یہ امت ان سے اشرف، اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل، شریعت کے اعتبار سے اکمل، رستے کے اعتبار سے اقوم، نبی کے اعتبار سے اکرم، حکومت کے اعتبار سے اعظم،

① المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المآئدة:312/2 ، حديث:3214. ② تفسير الطبري:231/6 . ③ جامع الترمذي، الزهد، باب في الوصف من حيزت له الدنيا، حديث:2346 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب القناعة، حديث:4141 عن عبيد الله بن مِحصَن ﷺ. واللفظ له وصحيح ابن حبان، الرقائق، باب الفقر والزهد والقناعة ، ذكر الإخبار عمن طيَّب الله جل وعلا عيشه في هذه الدنيا:446/2 ، حديث: 671 عن أبي الدرداء ﷺ. والسلسلة الصحيحة:408/5 ، حديث:2318. حدیث میں لفظ [بحذا فيرها] کا ذکر علامہ البانی رحمہ اللہ نے سلسلۂ صحیحہ میں کیا ہے۔

رزق کے اعتبار سے زیادہ، اموال واولاد کے اعتبار سے اکثر مملکت کے اعتبار سے اوسع اور عزت واقبال کے اعتبار سے ادوم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ (البقرۃ2:143) ’’اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔‘‘

ہم نے سورۂ آل عمران کی آیت: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران 3:110) کی تفسیر میں اس امت کی فضیلت، شرف اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی پذیرائی سے متعلق بہت سی متواتر احادیث بیان کی ہیں۔[1]

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دینا اور قوم کی سرکشی: پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ ترغیب دی کہ وہ جہاد کریں اور بیت المقدس[2] میں داخل ہوں جو ان کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں ان کے ہاتھ میں تھا (اس سے پہلے کہ) جب انھوں نے اور ان کے اہل وعیال نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں وہاں سے مصر ہجرت کر لی تھی، پھر وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلنے تک وہاں مصر ہی میں رہے تھے۔ اور اب جب واپس آئے تو دیکھا کہ اب بیت المقدس پر سرکش عمالقہ کا قبضہ وتسلط ہے تو اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس میں داخل ہو کر اپنے ان دشمنوں سے جہاد کریں اور ساتھ ہی ساتھ فتح ونصرت کی خوشخبری بھی سنائی مگر انھوں نے جہاد سے منہ موڑ لیا اور اپنے پیغمبر کی مخالفت اور نافرمانی کی تو سزا کے طور پر انھیں ریگستان تیہ میں بھیج دیا گیا جہاں وہ چالیس سال تک بھٹکتے پھرے اور ان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ منزل مقصود تک کس طرح پہنچیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی انھیں دنیا میں سزا ملی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ ﴾ ’’اے میری قوم! تم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔‘‘ المقدسہ سے یہاں مراد پاک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ’’جسے اللہ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے۔‘‘ یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمھارے باپ اسرائیل کی زبانی تم سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ یہ تم میں سے ان لوگوں کی وراثت ہوگی جو مومن ہوں گے۔ ﴿ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ ﴾ ’’اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا۔‘‘ یعنی جہاد سے منہ نہ موڑنا ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝21 قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝22 ﴾ ’’ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! بے شک وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں یقیناً ہم وہاں نہیں جا سکتے ہاں، اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے۔‘‘ یعنی انھوں نے عذر یہ پیش کیا کہ موسیٰ! جس شہر میں داخل ہو کر جہاد کرنے کا تم نے ہمیں حکم دیا ہے، وہاں بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں جو جسمانی طور پر بڑے تنومند اور طاقت ور ہیں اور ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں ہے، لہٰذا جب تک وہ اس شہر میں موجود

[1] دیکھیے آیت: 110 کے ذیل میں عنوان: ’’امت محمدیہ ﷺ سب سے افضل اور بہتر امت ہے‘‘ [2] حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھیے

»بیت المقدّس اور ہیکل سلیمانی: شہر بیت المَقدِس یا بیت المُقدّس کو عرب آج کل اَلقُدس کہتے ہیں جبکہ یہود ونصاریٰ اسے اُورشلیم یا یروشلم (Jerusalem) کا نام دیتے ہیں۔ شروع میں بیت المقدس سے مراد ''ہیکل'' یا معبد تھا اور یہ عبرانی ''بیت ہَمِقدَش'' کا عربی مترادف ہے مگر بعد میں اس کا اطلاق پورے شہر پر ہونے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں ایک پہاڑی پر قیام کیا تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق یہاں بیت المقدس (مسجد) کی بنیاد ڈالی جس کی وجہ سے شہر بیت المقدس آباد ہوا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ دشت تیہ سے فلسطین جاتے ہوئے موآب (اردن) پہنچے تو وہاں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد بنی اسرائیل نے یوشع بن نون کی قیادت میں دریائے اردن پار کر کے اریحا، بیت المقدس اور پورا کنعان (فلسطین) فتح کرلیا۔ پھر جالوت کے قتل کے بعد داود علیہ السلام نے فلسطین دوبارہ فتح کیا اور ان کے نقشے کے مطابق سلیمان علیہ السلام (متوفی 961ق م) نے بیت المقدس میں مسجد تعمیر کرائی، اس لیے یہودی اسے ہیکل سلیمانی کہنے لگے۔ 586ق م میں بخت نصر نے ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو مسمار کردیا اور ایک لاکھ یہودیوں کو غلام بنالے گیا۔ 539ق م میں شاہ فارس کوروش کبیر (سائرس اعظم) نے بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی دلائی اور بیت المقدس پھر آباد ہوگیا۔ یہودی حکمران ہیرود اعظم نے 18ق م میں ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کیا مگر 70ء میں ایک بار پھر رومی جرنیل ٹائٹس نے یروشلم شہر اور ہیکل سلیمانی تباہ و برباد کردیے۔ 135ء میں شاہ ہیڈرین نے شہر دوبارہ تعمیر کر کے اسے ایلیا کیپٹلونیم کا نام دیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومی حکمران قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کرلی تو بیت المقدس میں کنیسۃ القیامہ (قمامہ) اور کنیسہ صِہیَون تعمیر کیے گئے۔

مسجد اقصیٰ اور قُبَّۃ الصَّخْرَۃ: 16ھ/637ء میں بیت المقدس کے مسیحی بطریق صفرینوس نے شہر کی چابیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں تو آپ نے مسلمانوں کے ہمراہ اس جگہ کی صفائی کر کے نماز ادا کی جہاں ایک چٹان (صخرہ) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ اسی احاطے کو قرآن میں ''مسجد اقصیٰ'' کہا گیا کیونکہ وہ مکہ سے بہت بعید (اقصیٰ) تھی، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں باقاعدہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جو مسجد اقصیٰ کہلاتی ہے۔ خلیفہ عبدالملک (65 تا 85ھ) نے قبۃ الصخرہ تعمیر کرایا اور مسجد اقصیٰ ولید بن عبدالملک کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ پورے احاطے کا رقبہ 36 ایکڑ ہے۔ مسجد اقصیٰ احاطے کے جنوبی حصے میں ہے۔ مسجد کی مغربی دیوار کو مسلمان حَائِطُ البراق کہتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ''بُراق'' کو جبریل نے اس دیوار سے باندھا تھا مگر یہودی اسے حَائِطُ المَبکیٰ یا دیوارِ گریہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ دیوار ہیکل کا باقی ماندہ حصہ ہے۔

ہلال و صلیب کی کشمکش اور اسرائیل: 492ھ/1099ء میں یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے مسجد اقصیٰ میں بہت ردوبدل کیا اور اس کا نام پھر ہیکل سلیمانی (Templum Solomonis) رکھا، نیز مسجد کے اندر گرجا بنالیا۔ 583ھ/1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کر کے مسجد اقصیٰ کو مسیحی نشانات سے پاک کیا اور محراب اور مسجد کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ سلطان نے قبۃ الصخرہ سے صلیب اتار کر وہاں ہلال نصب کیا، صخرہ کے گرد کی دیوار مع قربان گاہ ہٹادی، نیز گنبد پر دوبارہ سنہری رنگ پھروایا۔ پہلی جنگ عظیم چھڑی تو دسمبر 1917ء میں برطانوی فوج فلسطین اور بیت المقدس پر آن قابض ہوئی۔ برطانویوں نے سازش کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی کھلی چھوٹ دی، چنانچہ 1948 میں یہاں اسرائیل وجود میں لایا گیا اور آخر کار جون 1967ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیلی بیت المقدس سمیت بقیہ فلسطینی علاقوں پر بھی قابض ہوگئے۔

(محسن فارانی، بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 1/16۔ اٹلس سیرت نبوی (دارالسلام)۔ نشاناتِ ارضِ قرآن)

ہیں، ہمارے لیے وہاں جانا ممکن نہیں ہے، ہاں! البتہ اگر وہ وہاں سے از خود چلے جائیں تو پھر ہم اس شہر میں داخل ہو جائیں گے ورنہ ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

یوشع اور کالب کا جہاد کے بارے میں خطاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا﴾ ''جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے، ان میں سے دو شخص جن پر اللہ کی عنایت تھی، کہنے لگے۔'' یعنی جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے اعراض کیا تو دو آدمیوں نے، جن کو اللہ نے عظیم نعمت سے نوازا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے تھے، انھیں جہاد کی ترغیب دی۔ بعض ائمہ نے قرآن مجید کے ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا ہے: [قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يُخَافُونَ] ''جن لوگوں سے ڈرا جاتا تھا، ان میں سے دو شخص کہنے لگے۔''[1] یعنی لوگوں میں ان کا رعب و دبدبہ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دو شخص یُوشع بن نون اور کالب بن یُوفنّا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، عطیہ، سدی، ربیع بن انس اور کئی ائمہ سلف و خلف رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔[2]

بہر حال ان دونوں نے ان سے کہا: ﴿ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿23﴾﴾ ''تم ان لوگوں کے مقابلے کے لیے دروازے میں داخل ہو جاؤ، جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو یقیناً فتح تمھاری ہے اور اللہ ہی پر بھروسا رکھو بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو۔'' یعنی اگر تم نے اللہ پر بھروسا رکھا، اس کے حکم کی اطاعت کی اور اپنے رسول کی بات مانی تو اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے دشمن کے مقابلے میں کامیاب کرے گا اور تمھیں اپنی تائید و حمایت سے سرفراز فرمائے گا اور تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے مگر اس وعظ و نصیحت کا بھی ان پر قطعاً کوئی اثر نہ ہوا۔

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿24﴾﴾ ''وہ بولے کہ موسیٰ! بے شک جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر ضرور ہی لڑنا ہے) تو تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو! بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' اس طرح بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کیا، اپنے رسول کی مخالفت کی اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں بزدلی و دوں ہمتی کا ثبوت دیا۔

غزوۂ بدر کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا انتہائی شاندار جواب: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کتنا خوبصورت جواب دیا تھا جب آپ نے اس لشکر سے لڑائی کے لیے مشورہ کیا تھا جو ابوسفیان کے قافلے کی حفاظت کے لیے آیا تھا۔ یہ قافلہ تو بچ نکلا مگر لشکر مدینہ کے قریب آ گیا تھا اور اس کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار کے درمیان تھی اور یہ ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات کی اور بہت احسن انداز میں

---

[1] تفسیر الطبری:241/6. [2] تفسیر الطبری:241,240/6. ''کالب'' کو بعض نے کلاب اور کالوب بھی ذکر کیا ہے۔

بات کی، پھر مہاجرین میں سے کچھ اور صحابۂ کرام نے بھی بات کی مگر رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے: [أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ!] ''مسلمانو! مجھے مشورہ دو۔'' دراصل آپ اس مسئلے میں انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس دن ان کی حیثیت جمہور کی تھی۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! گویا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے، اس ذاتِ اقدس کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ اس سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگیں لگا دیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا، اور ہم اس بات سے قطعاً منہ نہیں موڑیں گے کہ آپ کل دشمن سے مقابلہ کریں۔ ہم جنگ میں بڑا صبر کرنے والے ہیں، دشمن کے مقابلے میں بڑے سچے اور دلیر ثابت ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے کوئی ایسا کارنامہ دکھائے جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے چلیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد کی یہ بات سن کر بے حد خوش ہوئے۔ [1]

ابوبکر بن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بدر کے لیے روانہ ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ فرمایا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا، آپ نے پھر مشورہ طلب فرمایا تو انصاری کہنے لگے کہ اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن تمھاری طرف ہے۔ انصار کہنے لگے کہ اگر حضور اقدس ﷺ کا روئے سخن ہماری طرف ہے تو ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾﴾ ''تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' اے اللہ کے رسول! اس ذات اقدس کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ برک غماد تک جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ اسے امام احمد، نسائی، اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے (بخاری شریف کی کتاب) مغازی اور تفسیر میں کئی سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے۔ اور کتاب التفسیر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت مِقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾﴾ ''تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' ہم تو عرض کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ اقدس فرطِ مسرت سے

---

[1] البداية والنهاية، غزوة بدر العظمى يوم الفرقان يوم التقى الجمعان:262/3 امام صاحب نے بدایہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ اس واقعے کو بیان کیا ہے۔ اور بالفاظ دیگر یہ واقعہ صحیح مسلم وغیرہ میں بھی ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الجهاد، باب غزوة بدر، حديث:1779 ومسند أحمد:220,219/3 وصحيح ابن حبان:25,24/11، حديث:4722. [2] مسند أحمد:188/3 والسنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، قوله تعالىٰ: ﴿قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا......﴾ الآية:334/6، حديث: 11141 وصحيح ابن حبان:24,23/11، حديث:4721.

جگمگا اٹھا۔ ①

موسیٰ علیہ السلام کی یہودیوں کو بد دعا: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۵ ﴾ ''موسیٰ نے (اللہ سے) التجا کی کہ پروردگار! بے شک میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔'' یعنی بنی اسرائیل نے جب جہاد کرنے سے انکار کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام ان سے بہت ناراض ہوئے اور ان کے لیے بد دعا کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے: ﴿ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ ﴾ ''پروردگار! بے شک میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔'' ان میں سے کوئی میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور میری دعوت پر لبیک کہے۔

﴿ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۵ ﴾ ''چنانچہ تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔'' عطیہ عوفی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ ② علی بن ابوطلحہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ③ امام ضحاک رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور حق کو باطل سے ممتاز کر دے۔ ④ اور ان کے علاوہ دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے اور ان (بنی اسرائیل) کے درمیان جدائی ڈال دے۔ ⑤

بیت المقدس میں چالیس سال تک یہودیوں کا داخلہ حرام قرار دے دیا گیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''پھر بے شک وہ (مقدس زمین) ان پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دی گئی (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور تیہ کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت اپنی قوم کے لیے بد دعا کی جب انھوں نے جہاد سے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے چالیس سال تک ارض مقدس میں داخل ہونے کو حرام قرار دے دیا۔ یہ سارا عرصہ انھوں نے جنگل میں حیران و سرگرداں پھرتے ہوئے گزارا کہ انھیں باہر نکلنے کا رستہ ہی نہیں ملتا تھا۔

تاہم اس میدان تیہ میں بھی بہت سے عجیب و غریب امور اور خرق عادت واقعات پیش آئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر بادلوں کا سایہ فرمایا، ان کے لیے من و سلوٰی نازل کیا، ایک ہی پتھر سے پانی کے بارہ (12) چشمے جاری فرما دیے، علاوہ ازیں اس طرح کے دیگر بہت سے معجزات بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید و حمایت میں انھی کے ہاتھوں ظاہر فرمائے، اسی جنگل (تیہ) ہی میں تورات نازل ہوئی، بنی اسرائیل کو احکام دیے گئے تھے اور اسی جنگل میں وہ قبۂ عہد جسے قبۂ

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ ...... ﴾ (المائدة5:24)، حديث:4609 .
② تفسير الطبري:246/6 و الدر المنثور:481/2 . ③ تفسير الطبري:246/6 . ④ تفسير الطبري:247/6 . ⑤ تفسير الطبري:246/6 و تفسير الرازي:200/11 .

زمان بھی کہا جاتا ہے،[1] بنایا گیا تھا۔

فتح بیت المقدس: ارشاد الٰہی: ﴿اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ﴾، ﴿یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ کی وجہ سے منصوب ہے، بہرحال چالیس سال کی یہ مدت جب ختم ہوگئی تو یوشع بن نون علیہ السلام انھیں یا ان میں سے باقی ماندہ لوگوں اور دوسری نسل کے تمام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے، بیت المقدس کا قصد کیا اور اس کا جا کر محاصرہ کر لیا اور جمعے کے دن عصر کے بعد اسے فتح کر لیا۔ جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور حضرت یوشع کو خطرہ لاحق ہوا کہ ہفتے کا دن شروع ہو جائے گا تو انھوں نے کہا کہ اے سورج! تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اسی کے حکم کا پابند ہوں، اے اللہ! سورج کی رفتار کو روک دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی رفتار کو روک دیا تھا حتی کہ حضرت یوشع نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل سے کہیں کہ وہ جب شہر کے دروازے سے داخل ہوں تو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور زبان سے [حِطَّةٌ] کا لفظ کہتے جائیں، یعنی اے اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے مگر ان لوگوں نے اس حکم کو بھی بدل دیا اور اس کی مخالفت اس طرح کی کہ حالت سجدہ کے بجائے اُلٹے پاؤں سرینوں کے بل داخل ہوئے اور [حِطَّةٌ] کے بجائے [حَبَّةٌ فِی شَعْرَةٍ] کہنے لگے، یعنی ہم دانے مانگتے ہیں۔ یہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[2]

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ وہ چالیس برس تک اس جنگل میں حیران وسرگرداں پھرتے رہے حتی کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا بھی اس جنگل ہی میں انتقال ہو گیا تھا بلکہ ہر اس شخص کا انتقال ہو گیا تھا جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی اور جب چالیس سال کا یہ عرصہ گزر گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی قیادت حضرت یوشع بن نون نے کی اور وہ انھیں لے کر بیت المقدس گئے اور انھی نے اسے فتح کیا تھا۔[3] انھی سے کہا گیا تھا کہ آج جمعے کا دن ہے، انھوں نے بیت المقدس کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا، لہٰذا انھیں خطرہ لاحق ہوا کہ اگر سورج غروب ہونے سے قبل فتح نہ ہوئی تو ہفتے کا دن شروع ہو جائے گا تو انھوں نے سورج سے مخاطب ہو کر کہا: میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں اور تو بھی اللہ کے حکم کا

---

① اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ ایک قُبّہ (گنبد) تعمیر کریں جس میں درخت شمشاد کی لکڑیاں، مویشیوں کی کھالیں اور بکریوں کے بال استعمال کیے جائیں اور اسے سونے چاندی کے تانے بانے سے تیار کردہ حریر کے کپڑے سے آراستہ کیا جائے۔ اس گنبد میں، جو اندر سے بڑا وسیع و عریض تھا، دس چوکور ستون تھے جن کی لمبائی اٹھائیس فٹ اور چاروں طرف سے ان کی چوڑائی چار فٹ رکھی گئی تھی۔ اس گنبد کی چھت بھی مرصع تھی اور اس میں سونے چاندی سے نقش بنائے گئے تھے۔ اور اس کے ہر پہلو میں دو دو دروازے تھے جن کی سردلیں اور چوکھٹیں سونے چاندی سے تیار کر کے انھیں نقش ونگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے سب سے بڑے مرکزی دروازے کو بھی اسی طرح سونے چاندی سے تیار کر کے نقش ونگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اور جب یوشع بن نون علیہ السلام نے بیت المقدس کا اقتدار سنبھالا تو انھوں نے اس قبّے کو صخرۂ بیت المقدس پر نصب کروایا۔ ماخوذ از البدایة والنهایة:286/1-288 . ② دیکھیے آیات: 59,58 کے ذیل میں۔ ③ تفسیر الطبری:249/6 و تاریخ الطبری:306/1 .

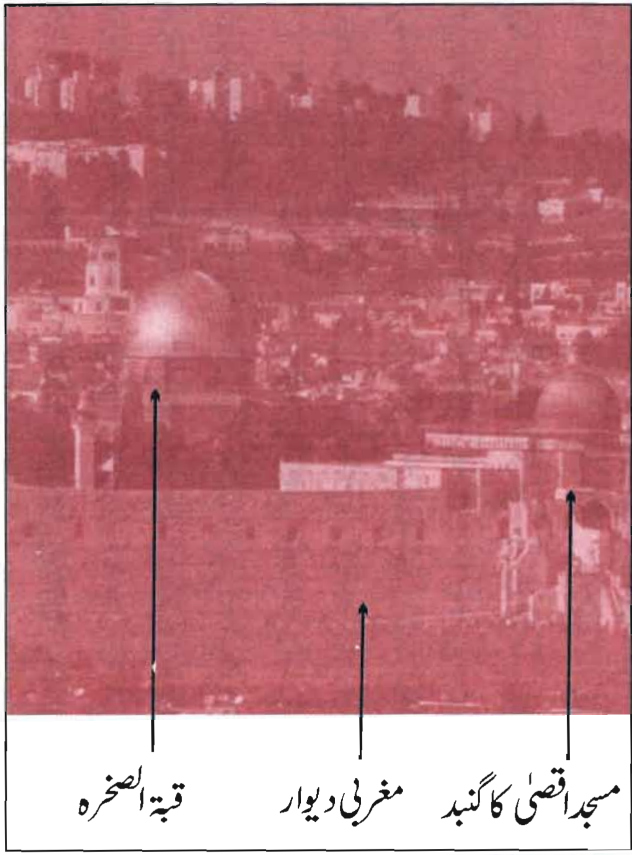

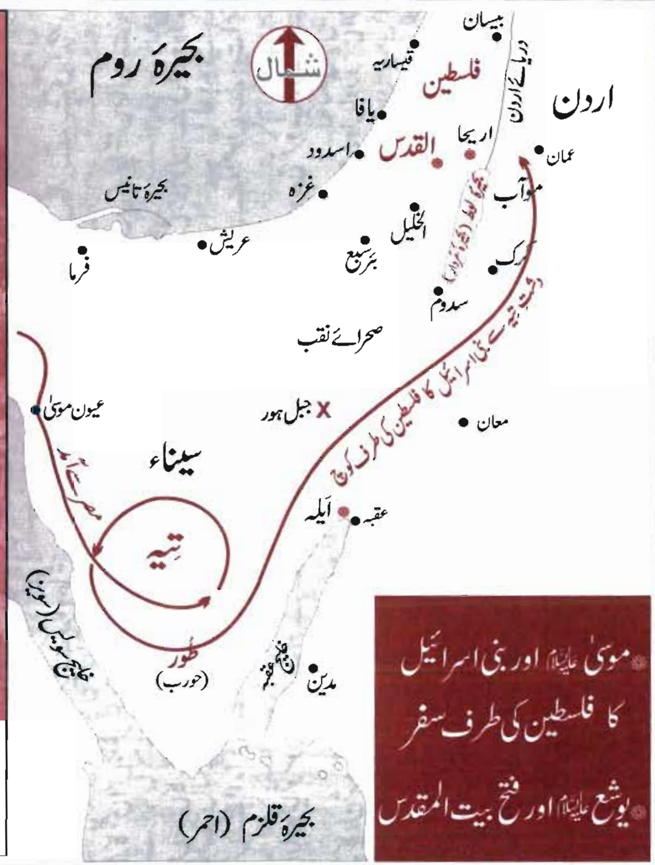

موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل
کا فلسطین کی طرف سفر
یوشع علیہ السلام اور فتح بیت المقدس

پابند ہے،اس سے سورج کی رفتار تھم گئی حتی کہ انھوں نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔

اور جب فتح کیا تو انھیں وہاں سے اس قدر زبردست مال و دولت ملا کہ انھوں نے اس سے پہلے اس طرح کا مال کبھی نہیں دیکھا تھا مگر جب انھوں نے اس مال کو جمع کر کے رکھ دیا تاکہ اسے آگ کھا لے تو اسے کھانے کے لیے آگ نہ آئی، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ لوگو! تم نے خیانت کی ہے،اس کا سراغ لگانے کے لیے انھوں نے مختلف خاندانوں کے سرداروں کو جو تعداد میں بارہ تھے، بلایا اور کہا کہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو تو ان میں سے ایک شخص کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا تو آپ نے اس سے کہا کہ تم نے خیانت کی ہے، لہٰذا اس مال کو لے آؤ جو تم نے چھپایا ہے تو وہ سونے کا بنا ہوا گائے کا ایک ایسا سر لے کر آیا جس میں یاقوت کی دو آنکھیں اور موتیوں کے دانت تھے اسے بھی جب مال غنیمت کے ساتھ رکھا گیا تو آگ آئی اور مال غنیمت کو کھا گئی۔[1] واقعے کے اس سیاق کا شاہد صحیح بخاری میں بھی ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام کو تسلی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶﴾ ”تو تم ان نافرمان لوگوں (کے حال) پر افسوس نہ کرو۔“ میں درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تسلی ہے کہ میں نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کر دیا ہے تم اس پر حزن و ملال کا اظہار نہ کرو کیونکہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسی سزا کے مستحق ہیں، اس قصے کو بیان کرتے ہوئے یہودیوں کو بھی سرزنش کی جا رہی ہے اور ان کی ذلتوں، رسوائیوں، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانیوں اور ان کے حکم جہاد سے انکار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں بزدلی و دوں ہمتی کا ثبوت دیا، حالانکہ ان میں اللہ کے رسول اور کلیم اور اس زمانے کے تمام لوگوں سے برگزیدہ شخصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے جو فرما رہے تھے کہ تم جہاد کرو، اللہ تعالیٰ تمھیں دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت سے نوازے گا۔

اور وہ اس سے پہلے اپنے سر کی آنکھوں سے خود یہ مشاہدہ بھی کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بہت بڑے دشمن فرعون کو اس کے تمام لشکر سمیت دریا میں غرق کر دیا تھا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس واقعے کو ابھی کوئی بہت عرصہ بھی نہیں گزرا تھا مگر اب وہ اس شہر کے لوگوں سے جہاد کرنے سے انکار کر رہے تھے، حالانکہ یہ تعداد اور اسباب و وسائل کے اعتبار سے اہلِ مصر کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہ تھے مگر اب ان کی یہ کرتوتیں ہر خاص و عام کے سامنے واضح ہو گئی ہیں اور ایسی ذلت و رسوائی ان کے چہروں پر مل گئی ہے کہ جسے کوئی پردہ بلکہ رات کا اندھیرا بھی نہیں چھپا سکتا مگر اس کے باوجود یہ اپنی جہالت میں حیران اور سرکشی میں سرگرداں پھرتے ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ بلکہ اس کے دشمن ہونے کے باوجود دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا ہی میں یہ عبرت ناک سزا دی کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو خنزیروں اور بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا اور ان پر

① الدر المنثور:481/2 . ② صحيح البخاري، فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ: [أحلت لكم الغنائم]، حديث: 3124 وصحيح مسلم، الجهاد، باب تحليل الغنائم لهٰذه الأمة خاصة، حديث:1747.

النصف

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

اور (اے نبی!) آپ انھیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک سنائیں، جب ان دونوں نے قربانی کی تھی، پھر ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی

وقف لازم

مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ

اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ دوسرا بولا: میں تجھے قتل کر دوں گا۔ پہلے نے جواب دیا: اللہ صرف پرہیز گاروں سے (قربانی) قبول کرتا ہے ﴿27﴾ اگر تو نے

اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

اپنا ہاتھ میری طرف (اس ارادے سے) بڑھایا کہ مجھے قتل کر دے تو بھی میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کر دوں۔ بے شک میں اللہ

الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے ﴿28﴾ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے۔ اور ظالموں کا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿30﴾ فَبَعَثَ

یہی بدلہ ہے ﴿29﴾ پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کو قتل کرنے پر اکسایا، چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا ﴿30﴾ پھر

اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ

اللہ نے (وہاں) ایک کوا بھیجا، وہ (اپنے پنجوں سے) زمین کریدنے لگا، تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے دفن کرے، وہ کہنے لگا: افسوس! میں

اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿31﴾ ۛ

اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش دفنا دیتا، چنانچہ وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا ﴿31﴾

ایسی لعنت برسائی جو جہنم رسید ہونے تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی بلکہ انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہی میں رکھے گی۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي جَمِيعِ الْوُجُودِ.

تفسیر آیات: 27-31

قصۂ ہابیل وقابیل: اللہ تعالیٰ نے سرکشی، حسد اور ظلم کے خوفناک انجام کو بیان کرنے کے لیے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے دو حقیقی بیٹوں قابیل اور ہابیل کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے پر کس طرح زیادتی کی حتی کہ اسے قتل کر دیا اور یہ محض سرکشی اور اس نعمت پر حسد کی وجہ سے تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا تھا کہ اس کی اس قربانی کو اس نے شرف قبولیت عطا فرما دیا تھا جو اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کی تھی اور اس طرح مقتول گناہوں کی معافی اور جنت میں داخلے کی وجہ سے کامیاب ہو گیا، اور قاتل دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ﴾ ''اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا دیں۔'' یعنی ان یہودی حاسدوں، سرکشوں، بندروں اور خنزیروں کے بھائیوں اور ان جیسے دیگر تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ سنا دیں، کئی ایک ائمۂ سلف وخلف کے بقول، جن کے نام ہابیل اور قابیل تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ بِالْحَقِّ م ﴾ کہ یہ واقعہ بالکل سچا اور یہ قصہ اس قدر واضح ہے کہ اس میں کوئی شک اور کذب، کوئی وہم اور تبدیلی اور کوئی کمی بیشی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ج ﴾ (آل عمران 3:62) ''بے شک یہی بیان سچا ہے'' اور فرمایا: ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط ﴾ (الکھف 18:13) ''ہم ان کے حالات آپ سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ ﴾ (مریم 19:34) ''یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں کا قصہ یہ ہے جیسا کہ کئی ایک ائمۂ سلف وخلف نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں انھیں اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ ضرورت کے پیش نظر وہ اپنی بیٹیوں کا اپنے ہی بیٹوں سے نکاح کر دیں لیکن انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ کے ہاں ہر دفعہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ولادت ہوتی تھی تو وہ ایک بار کی بیٹی کی دوسری بار کے بیٹے سے شادی کر دیتے تھے، ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بدصورت تھی جبکہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہت خوب صورت تھی، لہٰذا اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ خود اس سے نکاح کرے لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے انکار فرما دیا مگر یہ کہ دونوں قربانی کریں اور جس کی قربانی قبول ہو جائے، وہ اس لڑکی سے نکاح کر لے، اس طرح ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی مگر قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی تو پھر وہ واقعہ پیش آیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس وقت اس بات سے منع کر دیا گیا تھا کہ لڑکی کی اس کے جڑواں بھائی سے شادی کی جائے بلکہ اس کی شادی دیگر بھائیوں میں سے کسی کے ساتھ کی جاتی تھی اور ہر دفعہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اسی طرح معاملہ رہا ایک مرتبہ ایک لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدصورت اور دوسرے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی خوبصورت تھی تو بدصورت لڑکی کے بھائی نے کہا کہ تو اپنی بہن میرے نکاح میں دے دے اور میں اپنی بہن تیرے نکاح میں دے دیتا ہوں مگر اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ نہیں، اپنی بہن سے شادی کرنے کا میں خود زیادہ حق دار ہوں اور اس کے لیے دونوں نے قربانی بھی کی اور اس طرح بکری والے کی قربانی تو قبول ہوگئی مگر کھیتی والے کی قربانی قبول نہ ہوئی تو اس نے اپنے ہی بھائی کو قتل کر دیا۔ اس روایت کی سند جید ہے۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ ﴾ ''اللہ صرف پرہیز گاروں ہی کی (نیاز) قبول فرماتا ہے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اپنے فعل میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قربانی قبول فرما لیتا ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ ''اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک نماز قبول فرمائی ہے تو یہ بات مجھے دنیا اور دنیا کی ساری دولتوں سے زیادہ عزیز ہوگی۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ

[1] ہابیل اور قابیل کے واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیں تفسیر الطبری: 6/254-257 و تفسیر القرطبی: 6/133,134 و تفسیر الرازی: 11/203,204 و تفسیر البغوی: 2/38,39 .

الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ ﴾ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں ہی سے قبول فرماتا ہے۔ ①

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ ﴾ ''اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، بے شک مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔'' جب کسی جرم یا گناہ کے بغیر بھائی نے اسے قتل کی دھمکی دی تو اس کے اس نیک بھائی نے اسے یہ جواب دیا تھا۔ تقوے کی وجہ سے اللہ نے جس کی قربانی کو قبول فرما لیا تھا کہ میں تمھاری اس بری حرکت کا جواب اسی طرح کی بری حرکت سے نہیں دوں گا کیونکہ اس طرح تو ہم دونوں گناہ کے اعتبار سے برابر ہو جائیں گے اور ہم میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں کہ اس طرح کا کوئی کام کروں جس طرح کا کام تم کرنا چاہتے ہو، اس لیے میں تو صبر کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھوں گا۔ عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ اللہ کی قسم! یہ شخص دونوں میں سے زیادہ بہادر اور طاقت ور تھا مگر تقوے کی وجہ سے اس نے کوئی زیادتی نہ کی۔ ②

اسی وجہ سے صحیحین میں حدیث ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِذَا (تَوَاجَهَ) الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ۔ فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ!:هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ : إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ] ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کا کیا قصور ہے؟ (کہ وہ بھی جہنم میں جائے گا۔) فرمایا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر حریص تھا۔'' ③

امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنے کے موقع پر کہا تھا: میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي] ''بلاشک وشبہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا کہ جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔'' عرض کی: رسول اللہ! اگر وہ میرے گھر میں داخل ہو کر میری طرف اپنا ہاتھ دراز کرے تا کہ مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا: [كُنْ كَابْنِ آدَمَ] ''اس صورت میں ابن آدم (ہابیل) کی طرح ہو جاؤ (جس نے قتل ہونا گوارا کر لیا تھا۔)'' ④ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ ⑤

① الدرالمنثور:484/2 . ② تفسير الطبري:254/6-261. ③ صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿ وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ...... ﴾ ، الآية (الحجرات9:49) ، حديث: 31 عن الأحنف بن قيس رضي الله عنه. وصحيح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، حديث:2888 . ④ مسند أحمد:185/1. ⑤ جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء إنه تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، حديث:2194 وسنن أبي داود، الفتن والملاحم باب النهي عن السعي في الفتنة ، حديث:4257 .

اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ، خباب بن اَرَتّ، ابوبکرہ، ابن مسعود، ابوواقد، ابوموسیٰ اور خَرَشہ بن الحُرّ الفزاری رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ ①

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ''میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔'' حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تو میرے قتل کے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے ان گناہوں میں بھی جو تو نے اس سے پہلے کیے ہیں جیسا کہ امام ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ ②

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ ''پھر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی، چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔'' یعنی اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا اور اکسایا اور اس وعظ و نصیحت اور زجر و توبیخ کے باوجود اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب اس نے قتل کا ارادہ کیا تو اپنے بھائی کی گردن کو مروڑنا شروع کر دیا (مگر اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح قتل کرے) تو ابلیس ایک جانور کو لے کر آیا اور اس نے اس کے سر کو ایک پتھر پر رکھ دیا اور ایک دوسرے پتھر سے مار مار کر اس کے سر کو کچل کر اسے قتل کر دیا، آدم علیہ السلام کا بیٹا یہ منظر دیکھ رہا تھا تو اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ اسی طرح کیا۔ ③ اسے امام ابن ابوحاتم نے بھی روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن وہب نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ اس نے اپنے بھائی کو سر سے پکڑا تا کہ اسے قتل کر دے تو وہ اس کے سامنے لیٹ گیا تو اس نے اس کے سر اور ہڈیوں پر مارنا شروع کر دیا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اسے قتل کس طرح کرے، ابلیس آیا اور اس نے پوچھا کیا تو اسے قتل کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، تو ابلیس نے کہا کہ یہ پتھر لو اور اس کے سر پر دے مارو، اس نے ایسے ہی کیا کہ پتھر اس کے سر پر دے مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا، پھر ابلیس جلدی سے حضرت حواء کے پاس آیا اور کہنے لگا: حواء! قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا ہے، حضرت حواء نے فرمایا: تجھ پر افسوس!

① صحیح البخاری، الفتن، باب تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم، حدیث:7071 وصحیح مسلم، الفتن، باب نزول الفتن کمواقع القطر، حدیث: 2886 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ. وسنن الدار قطنی: 3224 عن خباب بن أرتّ رضی اللہ عنہ. وسنن أبی داود، الفتن والملاحم، باب النهی عن السعی فی الفتنة، حدیث:4256 عن أبی بکرة رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 449,448/1 عن أبی مسعود رضی اللہ عنہ. والمعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة بسر بن سعید عن أبی واقد:249/3 ، حدیث: 3307 عن أبی واقد رضی اللہ عنہ. وصحیح ابن حبان، الرهن، باب ذکر البیان بأن علی المرءِ عندالفتن أن یکون مقتولا لا قاتلا: 297/13 ، حدیث:5962 عن أبی موسیٰ رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 106/4 عن خَرَشَةَ بن الحرالفزاری رضی اللہ عنہ. ② تفسیر الطبری :262/6 . ③ تفسیر الطبری:266/6 والدر المنثور: 488/2 .

قتل کیا ہوتا ہے؟ ابلیس نے کہا کہ وہ اب نہ کھائے گا، نہ پیے گا اور نہ حرکت ہی کر سکے گا، حضرت حواء نے فرمایا کہ یہ تو موت ہے، ابلیس نے کہا کہ ہاں، میرا مقصد یہی ہے کہ قابیل نے ہابیل کو مار دیا ہے تو اس سے حضرت حواء نے رونا شروع کر دیا، حضرت آدم علیہ السلام آئے تو حضرت حواء رو رہی تھیں، انھوں نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضرت حوا نے کوئی جواب نہ دیا، حضرت آدم علیہ السلام نے دوبارہ اور پوچھا مگر انھوں نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تو اور تیری بیٹیاں روتی رہیں گی، میں اور میرے بیٹے اس رونے سے بری ہیں۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ ''تو وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔'' یعنی دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے، اور اس سے بڑھ کر اور کوئی خسارہ ہو بھی کیا سکتا ہے؟ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا، إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا ، لِأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ] ''جب بھی کسی انسان کو ظلم سے قتل کیا جائے گا تو آدم کے اس پہلے بیٹے کے ذمے بھی اس کے خون کا حصہ ہو گا کیونکہ وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے قتل کو ایجاد کیا۔''[1] اسے امام ابوداود کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[2]

امام ابن جریر نے عبداللہ بن عمرو کی روایت کو بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: تمام انسانوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت آدم کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا، اس وقت سے لے کر قیامت تک زمین پر جس قدر بھی خون بہایا جائے گا، اسے اس کا گناہ ملے گا کیونکہ یہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے قتل کو ایجاد کیا تھا۔[3]

اور فرمان الٰہی: ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ وہ کہنے لگا: افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔''

سدی نے حضرات صحابۂ کرام تک اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب یہ لڑکا فوت ہو گیا تو اس کے بھائی نے اسے جنگل ہی میں چھوڑ دیا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کس طرح دفن کرے تو اللہ تعالیٰ نے دو کوّوں کو بھیجا جو بھائی تھے، انھوں نے بھی آپس میں لڑائی کی اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، پھر اس کے لیے گڑھا کھودا اور اس میں ڈال کر اس پر مٹی ڈال دی تو یہ منظر

---

[1] مسند أحمد:383/1 . [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث:3335 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب بيان إثم من سن القتل، حديث:1677 وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء أن الدال على الخير كفاعله، حديث:2673 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالىٰ: ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا ...... ﴾ :334/6، حديث:11142 وسنن ابن ماجه، الديات، باب التغليظ في قتل مسلم ظلما، حديث: 2616 . [3] تفسير الطبري:264/6 .

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو،

فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ

تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔ اور ہمارے

وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿32﴾

رسول واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے، پھر بے شک اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں حد سے نکل جانے والے ہیں ﴿32﴾

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کیا

اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ

جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت

فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿33﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ

ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿33﴾ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں، پس تم جان لو کہ

5 ع 8 9 فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿34﴾ ع

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿34﴾

دیکھ کر کہنے لگا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ ﴾ ''افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔''[1] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ زندہ کوّا مردہ کوّے کے پاس آیا تو اس نے مردہ کوّے کو دفن کر دیا تو ابن آدم، جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا، کہنے لگا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ ﴾ ''افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے عاجز رہا۔''[2]

اور ارشاد الٰہی: ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''چنانچہ وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خسارہ اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے نادم و پشیمان بھی کر دیا۔

سرکشی و قطع رحمی کی جلد سزا: حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لِصَاحِبِهِ ، فِي الْآخِرَةِ، مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ] ''سرکشی و قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ آخرت میں سزا کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی جلد سزا دیتا ہو۔''[3] اسی قانون

[1] تفسير الطبرى: 268/6 . [2] تفسير الطبرى: 268/6 . [3] سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، حديث: 4902 وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب في عظم الوعيد على البغي وقطيعة الرحم، حديث: 2511 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب البغي، حديث: 4211 ومسند أحمد: 36/5 .

قدرت کے مطابق قابیل کو بھی اپنے اس گناہ کی یہ دونوں سزائیں ملی ہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

تفسیر آیات: 32-34

انسان کا احترام واجب ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے اپنے ہی بھائی کو ظلم اور دشمنی سے قتل کر دیا، لہٰذا اسی وجہ سے ﴿ **كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ﴾ ''ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا۔'' یعنی انھیں معلوم کرا دیا کہ ان کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ ﴿ **اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ** ﴾ ''کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔'' یعنی جو شخص کسی کو قصاص یا زمین میں خرابی کی سزا وغیرہ کے کسی سبب کے بغیر قتل کرے اور بغیر کسی سبب اور جرم کے، اس کے قتل کو حلال سمجھے تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا کیونکہ اس کے نزدیک انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿ **وَمَنْ اَحْيَاهَا** ﴾ ''اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا۔'' اور اس نے عقیدہ یہ رکھا کہ اسے قتل کرنا حرام ہے تو اس اعتبار سے وہ گویا تمام انسانوں کی سلامتی اور زندگی کا موجب ہوا، اسی لیے فرمایا: ﴿ **فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ** ﴾ ''تو وہ گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔''

اعمش وغیرہ نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس دن حاضر ہوا جب آپ کو اپنے گھر میں محصور کر دیا گیا تھا تو میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! میں آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ تمام لوگوں کو، پھر ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دیں؟ میں نے عرض کی: جی نہیں! فرمایا: اگر آپ نے ایک آدمی کو بھی قتل کیا تو گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، لہٰذا آپ چلے جائیں، میں آپ کو اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر وثواب دے گا اور آپ کو کوئی گناہ نہیں ہوگا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کی یہ بات سن کر واپس آ گیا اور میں نے کسی سے کوئی لڑائی نہیں کی۔[1]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ بات ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ **مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ** ﴾ کے مطابق تھی۔ زندگی کے موجب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایسے انسان کو قتل نہ کرے جسے اللہ تعالیٰ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہو، اسی لیے اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگانی بخشی، یعنی جو اس کے قتل کو حرام سمجھے مگر یہ کہ اسے قتل کرنا حق ہو تو اس سے تمام انسان محفوظ رہے۔[2] امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ **وَمَنْ اَحْيَاهَا** ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قتل سے رک گیا۔[3]

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 70/3 والدر المنثور: 490/2. [2] تفسیر الطبری: 275/6. [3] تفسیر الطبری: 275/6.

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جس نے کسی ایک ایسے انسان کو قتل کیا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔[1] سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ جس نے کسی ایک مسلمان کے خون کو حلال سمجھا اس نے گویا تمام انسانوں کے خون کو حلال سمجھا اور جس نے کسی ایک مسلمان کے خون کو حرام سمجھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کے خون کو حرام سمجھا۔ ابن جریج نے اعرج سے اور انھوں نے امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم رسید کرے گا، اسے غضب اور لعنت میں مبتلا کرے گا، اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کرے گا۔ فرماتے ہیں: اگر وہ سب لوگوں کو بھی قتل کرے تو اس سے زیادہ اسے عذاب نہ ہو، ابن جریج ہی نے امام مجاہد سے یہ بھی روایت کیا ہے: ﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ ﴾ کہ جو شخص کسی ایک انسان کو بھی قتل نہ کرے تو اس کی وجہ سے سب لوگوں کی زندگی محفوظ ہو گئی۔[2]

حد اعتدال سے نکل جانے والوں کے لیے سرزنش: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''اور یقیناً ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں۔'' یعنی بینات سے روشن اور واضح دلائل و براہین مراد ہیں۔ ﴿ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ''پھر بے شک اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔'' یعنی حرام امور کا علم ہونے کے باوجود ان کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے یہ ان کی سرزنش کی جا رہی ہے۔

مدینہ کے گرد و پیش کے یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع وغیرہ کا یہی حال تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں اوس و خزرج کے خاندانوں کے ساتھ ان کی لڑائیاں جاری رہتی تھیں اور جب حالت جنگ ختم ہو جاتی تو اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرتے تھے اور جسے چاہتے قتل کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کرتوتوں کی مذمت کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (البقرة 2:84,85) ''اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں کشت و خون نہ کرنا اور اپنے لوگوں کو ان کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اقرار کر لیا اور تم (اس بات کے) گواہ ہو، پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کر کے انھیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور اگر وہ تمھارے پاس قید ہو کر آئیں تو فدیہ دے کر ان کو چھڑا بھی لیتے ہو، حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم پر حرام تھا (یہ) کیا (بات ہے کہ) تم (اللہ کی) کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے

[1] تفسیر الطبری:276,275/6 . [2] تفسیر الطبری:275/6 .

ہواور بعض سے انکار کیے دیتے ہوتو جوتم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہواور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے غافل نہیں۔''

لڑائی کرنے والے اور اشرار کی سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ...... ﴾ الآیة ''جولوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں......۔''

محاربہ کے معنی جنگ اور مخالفت کے ہیں، اس لفظ کا اطلاق کفر، راہ زنی، مسافروں کو ڈرانے دھمکانے، زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے اور دیگر مختلف قسم کی شرارتوں پر ہوتا ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ اور امام حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ تا ﴿ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿34﴾ ﴾ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان میں سے جو شخص تمھارے قابو میں آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا لیکن یاد رہے! یہ آیت کسی ایسے مسلمان کو حد سے نہیں بچاتی جو قتل کر دے یا ملک میں فساد برپا کرے یا اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کر کے اور مسلمانوں کے قابو میں آنے سے پہلے کفار سے جا ملے تو اس پر ہر صورت میں حد قائم کی جائے گی، مسلمانوں سے بھاگ کر کفار کے ہاں پناہ لینا اسے حد سے بچا نہیں سکے گا۔[1]

امام ابوداود اور نسائی نے بطریق عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت: ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ﴾ مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے[2] اور مومنوں[3] میں سے جو شخص قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لے تو یہ بات اسے حد سے بچا نہ سکے گی۔[4]

صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے اور مشرک وغیر مشرک ان سب لوگوں کے لیے ہے جو ان جرائم کا ارتکاب کریں جیسا کہ امام بخاری ومسلم نے ابوقلابہ (عبداللہ بن زید جَرمی بصری) کے طریق سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان

[1] تفسیر الطبری:280/6 . [2] یعنی کوئی کافر یا مشرک اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے، فساد برپا کرے اور راہ زنی وغیرہ کرے، پھر گرفتار ہونے سے قبل توبہ کر لے تو اس پر کوئی حد نہیں لگے گی کیونکہ ارشاد باری ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو پہلے اس سے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں۔'' [3] ابوداود کی اس روایت کو بظاہر دیکھنے سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ [فَمَنْ تَابَ مِنْهُمْ] ''جوان میں سے توبہ کر لے۔'' سے مراد مشرک ہی ہیں لیکن یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے خلاف ہے، جیسا کہ سنن نسائی میں اسی روایت سے واضح ہے، اسی لیے ترجمے میں ''مومنوں'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور نسائی میں اس روایت کا وہی مفہوم ہے جو امام حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے اوپر بیان ہوا ہے۔ [4] سنن أبي داود، الحدود، باب ماجاء في المحاربة، حديث:4372 و سنن النسائي، تحريم الدم ، باب ذكر اختلاف طلحة بن مصرف ومعاوية بن صالح على يحيى بن سعيد في هذا الحديث، حديث:4051 .

کیا ہے کہ خاندان عُکل کے آٹھ اشخاص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے اسلام قبول کرنے کی بیعت کر لی، مدینہ کی آب وہوا انھیں موافق نہ آئی تو وہ بیمار ہو گئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: [أَلَا تَخْرُجُونَ مَعَ رَاعِينَا فِي إِبِلِهِ ، فَتُصِيبُونَ مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا؟] ''تم لوگ ہمارے چرواہے کے ساتھ اونٹوں کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے تاکہ ان کے پیشاب اور دودھ استعمال کرو؟'' انھوں نے کہا: ہاں، یہ ٹھیک ہے تو وہ مدینہ سے باہر چلے گئے، انھوں نے اونٹوں کے پیشاب اور دودھ کو پیا تو وہ تندرست ہو گئے اور انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ بھگا کر لے گئے رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں صحابۂ کرام کو بھیجا جو انھیں پکڑ کر مدینہ میں واپس لے آئے تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری جائیں اور انھیں دھوپ میں پھینک دیا جائے حتی کہ یہ سب مر گئے۔ یہ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔[1] اور بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ان لوگوں کا تعلق خاندان عکل یا عُرَینہ سے تھا۔[2] ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انھیں دھوپ میں ڈال دیا گیا اور یہ پانی مانگتے تھے تو انھیں پانی بھی نہیں دیا گیا۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ ''یہ کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔'' کے بارے میں ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان جماعت پر ہتھیار اٹھائے اور رستے کو خطرناک بنا دے، پھر مسلمانوں کو اس پر فتح حاصل ہو جائے اور وہ اسے گرفتار کر لیں تو اس کے بارے میں امام المسلمین کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اسے قتل کر دے یا سولی چڑھا دے یا اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے۔[4] سعید بن مسیّب، مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے اور ان کے اقوال کو امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔[5]

ان اقوال کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں حرف أَوْ (یا) استعمال کیا گیا ہے جو اختیار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کے اس استعمال کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: حالت احرام میں شکار کے بدلے کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب إذا حرّق المشرك المسلم هل يُحرق؟ حديث:3018 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين ، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث:(10)-1671 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، حديث: 233 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث:(11)-1671. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب أبوال الإبل والداب والغنم ومرابضها، حديث:233 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث:(11)-1671. [4] تفسير الطبري:291/6 . [5] تفسير الطبري:292,291/6 .

عَدۡلٍ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾(المآئدة 5:95) ''پھر بدلہ (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبے پہنچائی جائے یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے۔'' کفارۂ فدیہ کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ﴾(البقرة 2:196) ''پھر اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈا لے تو) اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' اور اسی طرح قسم کے کفارے کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَهۡلِيۡكُمۡ اَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ اَوۡ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ ﴾(المآئدة 5:89) ''تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔''

ان تمام آیات کریمہ میں حرف أو اختیار کے لیے استعمال ہوا ہے تو اسی طرح اس آیت میں بھی یہ اختیار ہی کے لیے ہے، یعنی حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جو مناسب سمجھے سزا دے دے۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ﴾ ''یا ملک سے نکال دیے جائیں۔'' کے معنی بعض اہل علم نے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ ایسے مجرم کو جب پکڑ کر قابو کر لیا جائے تو امام کو اختیار ہے کہ اس پر حد قائم کرے یا اسے دارالاسلام سے جلاوطن کر دے۔ اسے امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انس بن مالک، سعید بن جبیر، ضحاک، ربیع بن انس، زہری، لیث بن سعد اور امام مالک بن انس سے روایت کیا ہے۔[1] جبکہ دیگر ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ اسے ایک شہر سے نکال کر دوسرے شہر میں بھیج دے بادشاہ یا اس کا کوئی نائب اسے اپنے سارے معاملات میں سے نکال دے۔ سعید بن جبیر، ابوالشعثاء، حسن، زہری، ضحاک اور مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اسے شہر بدر کیا جائے لیکن سرزمین اسلام سے اسے باہر نہ بھیجا جائے۔[2] کچھ اور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں جلاوطنی سے مراد قید کرنا ہے۔[3]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝33 ﴾ ''یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔'' یعنی یہ انھیں قتل کرنا، تختۂ دار پر لٹکانا، ہاتھ پاؤں کا مخالف سمت سے کاٹنا اور جلاوطن کرنا اس دنیا میں لوگوں کے سامنے انھیں ذلت ورسوائی سے دوچار کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان مجرموں کے لیے قیامت کے دن جو عذاب عظیم تیار فرما رکھا ہے وہ اس کے علاوہ ہے، اس سے ان لوگوں کے قول کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جہاں تک اہل اسلام کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بیعت لی جس طرح خواتین سے بیعت لی تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، چوری نہ کریں، بدکاری نہ کریں، اپنے بچوں

[1] تفسیر الطبری: 6/294-296 وتفسیر الماوردی: 2/34 . [2] تفسیر الطبری: 6/296 والدر المنثور: 2/494 وتفسیر الماوردی: 2/34 . [3] تفسیر الطبری: 6/298 وتفسیر الرازی: 11/217 .

کو قتل نہ کریں اور ایک دوسرے پر[1] بہتان نہ لگائیں جو اس وعدے کو نبھائے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

اگر کسی نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگی اور جس کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو وہ اسے معاف فرما دے۔[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَذْنَبَ فِي الدُّنْيَا ذَنْبًا فَعُوقِبَ بِهِ ، فَاللّٰهُ أَعْدَلُ مِنْ أَنْ يُّثَنِّيَ عُقُوبَتَهُ عَلٰى عَبْدِهِ ، وَ مَنْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فِي الدُّنْيَا فَسَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ ، فَاللّٰهُ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يَّعُودَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ] ''جو شخص دنیا میں کوئی گناہ کرے اور اسے اس کی سزا مل جائے تو اللہ تعالیٰ بہت بڑا عادل ہے، وہ اپنے بندے کو اس کی دوبارہ سزا نہیں دے گا اور جو شخص دنیا میں کوئی گناہ کرے اور اللہ اس کی پردہ پوشی فرما لے اور اسے معاف فرما دے تو وہ ذات گرامی بہت معزز ہے کہ جسے اس نے معاف فرما دیا ہو اس کی اسے سزا دے۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔[3] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب (صحیح) قرار دیا ہے۔ حافظ دارقطنی سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے اور اس روایت کا مرفوع ہونا صحیح ہے۔[4]

امام ابن جریر نے ﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا﴾ ''یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آخرت سے پہلے ہی دنیا میں ان کے لیے شر، عار، سزا، ذلت اور رسوائی ہے۔ ﴿وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝33﴾ ''اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔'' اگر وہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کریں اور اس طرح مر جائیں تو دنیا کی اس سزا اور ذلت ورسوائی کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا کہ انھیں عذاب جہنم میں مبتلا کر دیا جائے گا۔[5]

محاربین گرفتاری سے قبل توبہ کر لیں تو حدود ساقط ہو جائیں گی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝34﴾ ''مگر جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمھارے قابو آ جائیں توبہ کر لی تو جان رکھو کہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا تعلق مشرکین سے

---

[1] اس حدیث میں یہاں الفاظ یہ ہیں: [وَلَا يَعْضَهُ بَعْضُنَا بَعْضًا] اور اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر بہتان نہ لگائیں یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یعضه کے معنی کے بارے میں تین اقوال ہیں (1) جادو کرنا (2) بہتان باندھنا اور (3) غیبت کرنا۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں اقوال قریب المعنی ہیں اور ان سب میں جھوٹ کا عنصر قدرے مشترک ہے۔ (مترجم) [2] صحیح مسلم، الحدود، باب الحدود کفارات لأهلها، حدیث:(43)-1709. [3] مسند أحمد:159/1 و سنن ابن ماجه ، الحدود، باب الحدود الكفارة ، حديث: 2604 و جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء لا يزني الزاني وهو مؤمن، حديث:2626 . [4] سنن الدارقطني، الحدود والديات:215/3. دیکھیے مسند البزار:126/2 ، حدیث:482 کے ذیل میں۔ [5] تفسير الطبري:299/6 .

ہے تو ان کے بقول اس کا مفہوم ظاہر ہے اور جہاں تک مسلمان محاربین کا تعلق ہے تو وہ بھی اگر گرفتار ہونے سے قبل توبہ کر لیں تو ان سے بھی قتل، پھانسی اور ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

آیت کریمہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی قابو میں آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو اس سے سزا ساقط ہو جائے گی، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے جیسا کہ امام ابن ابوحاتم نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حارثہ بن بدر تمیمی اہل بصرہ میں سے تھا، اس نے فتنہ و فساد اور جنگ برپا کی لیکن پھر اس نے قریش کے کئی لوگوں سے اس سلسلے میں معذرت کی جن میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بات کی تو آپ نے اس کی معذرت کو قبول نہ کیا تو یہ شخص سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آ گیا جس نے اسے اپنے گھر میں چھپا دیا، پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا: یا امیر المؤمنین! جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فتنہ و فساد برپا کرے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے، اس نے یہ کہہ کر ان آیات کو پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ یہاں تک پہنچ گیا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ ''تو یہ ارشاد باری تعالیٰ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے لیے امان لکھ دی۔ سعید بن قیس کہتے ہیں کہ اس شخص کا نام حارثہ بن بدر تھا۔ امام ابن جریر نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [1]

امام ابن جریر نے عامر شعبی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ خاندانِ مراد کا ایک شخص حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت آیا جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفے کے گورنر تھے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرض نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ وہ کہنے لگا: ابوموسیٰ! میں فلاں بن فلاں مرادی ہوں اور میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور زمین میں فتنہ و فساد برپا کیا ہے اور میں تمھارے قابو میں آنے سے پہلے ہی توبہ کر رہا ہوں، یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا: اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، زمین میں فساد برپا کیا اور ہمارے قابو میں آنے سے پہلے ہی اس نے توبہ کر لی ہے، لہٰذا جو شخص بھی اس سے ملے تو اس سے اچھا سلوک کرے، (اگر سچا ہوا تو اچھے رستے پر چلتا رہے گا اور اگر جھوٹا ہوا تو خود ہی اپنے گناہوں کی لپیٹ میں آ جائے گا) تو یہ شخص کچھ عرصے تک تو پر سکون رہا مگر اس نے پھر بغاوت شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے گناہوں کی سزا یہ دی کہ یہ قتل ہو گیا۔ [2]

اس کے بعد امام ابن جریر نے موسیٰ بن اسحاق مدنی کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ علی اسدی نے بھی لڑائی کی، راستہ پرخطر بنا دیا، خون ریزی کی اور مال لوٹ لیا، حکمرانوں اور عوام نے اسے قابو کرنے کی کوشش کی مگر وہ قابو میں نہ آیا حتی کہ وہ از خود تائب ہو کر آ گیا اور اس نے توبہ اس وقت کی جب ایک شخص کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا: ﴿ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (الزمر 53:39) ''اے

[1] تفسیر الطبری:302,301/6 ۔ [2] تفسیر الطبری:303/6 ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، اور اس کا قرب تلاش کرو، اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ ﴿35﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا

تُفْلِحُوْنَ ﴿35﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا

اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے اور اس کے برابر اور بھی ہو تا کہ وہ قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے فدیے میں دے

بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿36﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا

دیں تو بھی وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے ﴿36﴾ وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے مگر وہ اس میں سے نہیں نکل

مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿37﴾

سکیں گے، اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے ﴿37﴾

میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بے شک اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) یقیناً وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔'' تو کہا کہ اللہ کے بندے! اس آیت کو ذرا دوبارہ پڑھنا، اس نے اسے دوبارہ پڑھا تو اس نے فوراً اپنی تلوار کو میان میں ڈال لیا اور توبہ کرتے ہوئے صبح کے وقت مدینہ میں پہنچ گیا، غسل کیا، مسجد نبوی میں حاضر ہو گیا، صبح کی نماز ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے جھرمٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا، دن روشن ہوا تو لوگوں نے اسے پہچان لیا اور اس کے سامنے کھڑے ہو گئے تو یہ کہنے لگا کہ تم مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ میں تو تمھارے قابو میں آنے سے قبل ازخود توبہ کر کے آ گیا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، یہ سچ کہہ رہا ہے، پھر اسے ہاتھ سے پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے گئے جو ان دنوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے اور فرمایا: دیکھو! یہ علی (اسدی) توبہ کر کے آ گیا ہے، تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے، اسے قتل نہیں کر سکتے، چنانچہ مروان نے بھی اسے چھوڑ دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس علی (اسدی) نے توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں سمندر میں جہاد بھی کیا جب رومیوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور اس کی کشتی رومیوں کی کشتی کے قریب ہوئی تو اس نے ان کی کشتی میں چھلانگ لگا دی تو وہ سب ڈر کے مارے بھاگ کر کشتی کے ایک دوسرے کنارے کی طرف چلے گئے جس کی وجہ سے توازن برقرار نہ رہا، کشتی الٹ گئی اور یہ بھی اور اس کشتی میں سوار تمام رومی بھی سمندر میں ڈوب گئے۔ ①

تفسیر آیات: 35-37

تقویٰ، وسیلہ اور جہاد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کے تقوے کو اختیار کریں، تقوے کو جب طاعتِ الٰہی کے ساتھ ملا لیا جائے تو پھر اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان تمام امور کو ترک کر دیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا اور جنھیں اس نے حرام قرار دیا ہے اور اس کے بعد فرمایا: ﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ ''اور اس کا قرب تلاش کرتے

① تفسير الطبري: 304/6.

رہو۔‘‘امام سفیان ثوری ؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے، انھوں نے طلحہ سے، انھوں نے عطاء سے روایت بیان کی ہے کہ وسیلے کے معنی قربت کے ہیں۔① مجاہد، ابووائل، حسن، قتادہ، عبداللہ بن کثیر، سدی، ابن زید اور کئی ایک دیگر ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔②

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اطاعت بجالا کر اور اس کی خوشنودی کے عمل سرانجام دے کر اس کا قرب حاصل کرو۔③ ابن زید نے اس کی تائید میں اس آیت کریمہ کو بھی پڑھا: ﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:57) ’’یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں، وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں۔‘‘④

وسیلہ اس سبب کو کہتے ہیں جس سے مقصود تک پہنچا جا سکے، وسیلہ جنت کے سب سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجے کا نام بھی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا درجہ اور آپ کا جنت میں گھر ہوگا اور جنت کا یہ مقام اللہ تعالیٰ کے عرش کے سب سے قریب ہوگا۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ! رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَّهُ (إِلَّا) حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ’’جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: اے اللہ! جو تو اس پوری دعوتِ (توحید) اور قائم ہونے والی نماز کا مالک ہے، حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس قابل تعریف مقام (شفاعت) تک پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے، اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔‘‘⑤

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ [إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ: ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا (اللّٰهَ) لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ] ’’جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے: پھر مجھ پر درود بھیجو جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا، پھر میرے لیے وسیلے کی دعا کرو، وسیلہ جنت کا وہ عظیم الشان مقام ہے جو بندگانِ الٰہی میں سے صرف ایک ہی کو نصیب ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا، لہٰذا جس نے میرے لیے وسیلے کی دعا کی تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔‘‘⑥

① تفسیر الطبری:308/6 . ② تفسیر الطبری:309,308/6 . ③ تفسیر الطبری:309/6 . ④ تفسیر الطبری: 309/6. ⑤ صحیح البخاری، الأذان، باب الدعاء عندالنداء، حدیث:614 لفظ (إلا) سنن النسائی ، الأذان ، باب الدعاء عند الأذان ، حدیث:681 میں ہے۔ ⑥ صحیح مسلم، الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه......، حدیث:384 .

اورارشادالٰہی ﴿ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ”اوراس کے رستے میں جہاد کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔“ محرمات کے ترک کرنے اور طاعات کے بجالانے کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کافروں، مشرکوں، سیدھے رستے کو چھوڑ دینے والوں اور دین حق کو ترک کر دینے والے دشمنوں کے خلاف جہاد بھی کریں اور اس کی رغبت دیتے ہوئے اس نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن کی فلاح اور وہ عظیم سعادت تیار فرما رکھی ہے جو ان ابدی وسرمدی نعمتوں کی صورت میں ہے جو کبھی ختم نہ ہوں گی، کبھی زوال پذیر نہ ہوں گی، انھیں رہنے سہنے کے لیے ایسے بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ بالا خانے عطا کیے جائیں گے جو امن وسکون کا مرکز ہوں گے جن کا منظر انتہائی حسین ہوگا جن میں سکونت انتہائی خوش گوار ہوگی اور جن کے رہنے والے سدا شاداں وفرحاں ہوں گے جو کبھی افسردہ و غمگین نہیں ہوں گے، ہمیشہ ہمیش زندہ رہیں گے اور کبھی جام موت نہ پئیں گے نہ ان کا لباس ہی کبھی بوسیدہ ہوگا اور نہ ان کا شباب ہی کبھی ختم ہوگا۔

قیامت کے دن کفار سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا: اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سزا اور اس عذاب کا ذکر فرمایا ہے جو قیامت کے دن اس نے اپنے کافر دشمنوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ ”بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اوراس) کا سب مال ومتاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوتا کہ قیامت کے روز عذاب (سے رستگاری حاصل کرنے) کا بدلہ دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔“

اگر ان میں سے کوئی شخص زمین بھر کر اور اس کے ساتھ اسی قدر اور سونا بھی لے کر آئے تا کہ اس دن کے عذاب کا فدیہ ادا کر سکے جس نے اس کا احاطہ کر رکھا ہوگا اور یقینی طور پر اس تک پہنچنے ہی والا ہوگا تو اس سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ عذاب الٰہی سے وہ ہرگز ہرگز کسی بھی قیمت پر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے گا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ ”ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔“ ﴿ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ؗ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴾ ”(ہر چند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔“ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ ﴾ (الحج22:22) ”جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (وتکلیف کی وجہ) سے دوزخ سے نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔“

جہنم کے عذاب کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے وہ ہمیشہ یہ چاہیں گے کہ اس سے نکل جائیں مگر انھیں اس سے نکل جانے کا کوئی رستہ نہ ملے گا، جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے جب بھی انھیں اٹھا کر جہنم کی بالائی سطح پر لے آئیں گے تو جہنم کے فرشتے لوہے کے ہتھوڑوں سے مار مار کر پھر جہنم کے نچلے طبقے میں گرا دیں گے۔ ﴿ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴾ ”اور ان کے لیے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اور تم چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا،

حَكِيْمٌ ﴿38﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿38﴾ پھر جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کر لے تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، بے

رَّحِيْمٌ ﴿39﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

شک اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿39﴾ کیا تمھیں علم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿40﴾

ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے ﴿40﴾

ہمیشہ کا عذاب ہے۔'' جو دائمی اور ابدی ہے اور جس سے وہ نہ نکل سکیں گے اور نہ کسی طرح نجات حاصل کر سکیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ لَهُ: يَاابْنَ آدَمَ! كَيْفَ وَجَدْتَّ مَضْجَعَكَ؟ فَيَقُولُ: شَرَّ مَضْجَعٍ، فَيُقَالُ: هَلْ تَفْتَدِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ ذَهَبًا؟ قَالَ: نَعَمْ، يَارَبِّ! فَيَقُولُ اللّٰهُ: كَذَبْتَ قَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَلَمْ تَفْعَلْ، فَيُؤْمَرُ بِهٖ إِلَى النَّارِ] ''جہنمیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا، اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے بستر کو کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا: بدترین بستر، اس سے کہا جائے گا: کیا تو ساری زمین کے برابر سونا بطور فدیہ دینے کے لیے تیار ہے؟ وہ جواب دے گا: ہاں، یارب! میں تیار ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے کیونکہ میں نے تجھ سے اس کی نسبت بہت کم اور آسان سوال کیا تھا مگر تو نے اسے پورا نہ کیا، لہٰذا حکم ہوگا اسے جہنم رسید کر دو۔'' اس حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے (بالفاظ دیگر) بیان کیا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 38-40

چور کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، زمانۂ جاہلیت میں بھی چوری کی سزا قطع ید ہی تھی، اسلام نے بھی اسی سزا کو برقرار رکھا۔ ہاں، البتہ اس کے لیے کچھ شرائط کا اضافہ کر دیا گیا جیسا کہ ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے، جیسے: شریعت مطہرہ میں قسامہ، دیت اور قرض وغیرہ سے متعلق زمانۂ جاہلیت کے معمولات کو برقرار رکھا گیا اور ان میں بھی جو کمی تھی اسے دور کر کے انسانی مصلحتوں کے مطابق کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا گیا۔

چور کا ہاتھ کب کاٹا جائے؟ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ، وَ يَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ] ''اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے خود چراتا ہے تو اس کا

---

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب طلب الكافر الفداء بملء الأرض ذهبا، حديث: 2805 و2807 وسنن النسائي، الجهاد، باب ما يتمنى أهل الجنة، حديث: 3162 مختصرًا.

ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔“[1]

امام بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا] ”چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار اور اس سے زیادہ میں کاٹ دیا جائے۔“[2] صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا] ”چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار اور اس سے زیادہ (مالیت کا سامان چوری کرنے ہی) پر کاٹا جائے۔“[3] یہ حدیث اس مسئلے میں فیصلہ کن نص ہے کہ اعتبار ربع دینار کا ہے اور وہ حدیث جس میں ڈھال کی قیمت، یعنی تین درہم کو سرقہ کا نصاب قرار دیا گیا ہے وہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس دور میں ایک دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا تو تین درہم اس کا چوتھائی حصہ ہی بنے گا، لہٰذا اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو گئی۔

اس مسئلے میں حضرت عمر بن خطاب، عثمان بن عفان اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز، لیث بن سعد، اوزاعی، امام شافعی اور آپ کے اصحاب، ایک روایت کے مطابق امام اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور امام داود بن علی ظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ایک روایت کے مطابق امام اسحاق بن راہویہ کا مذہب یہ ہے کہ نصاب سرقہ کے سلسلہ میں ربع دینار اور تین درہم دونوں باتیں شریعت سے ثابت ہیں، لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بقدر یا اس کے مساوی قیمت کی کوئی چیز چرا لے تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔[4]

امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ابو یوسف، محمد، زفر اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سرقہ کا نصاب بغیر ملاوٹ کے دس خالص درہم ہیں لیکن احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت پہلا قول ہی ہے کہ نصابِ سرقہ ربع دینار اور اس سے اوپر ہے اور مناسب بھی یہی ہے کہ ربع دینار کی مقدار ہی کو نصاب قرار دیا جائے تاکہ لوگ دوسروں کے مال چرانے میں جلدی نہ کریں، اہل عقل کے ہاں اس میں یہی حکمت و مصلحت کارفرما ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ”یہ ان کے فعلوں کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست (اور) صاحبِ حکمت ہے۔“ یعنی یہ چور مرد و عورت کی اس بری کرتوت کی سزا ہے کہ انھوں نے اپنے جن ہاتھوں کے ساتھ لوگوں کے مال پر دست درازی کی تھی انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عبرت کے طور پر کاٹ دیا جائے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ﴾ ”اور اللہ زبردست ہے۔“ یعنی اپنے انتقام لینے میں اور ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ ”صاحبِ حکمت ہے۔“ اپنے امر و نہی اور شرع و قدر میں۔

[1] صحیح البخاری، الحدود، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ...... ﴾، حدیث:6799 وصحیح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حدیث:1687. [2] صحیح البخاری، الحدود، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ...... ﴾، حدیث:6790,6789 وصحیح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حدیث:1684. [3] صحیح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حدیث:(2)-1684. [4] فتح الباری:106,105/12.

چور کی توبہ مقبول ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ ''اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو بے شک اللہ اس کو معاف کر دے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' جو شخص چوری کے بعد توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چوری کی تو جن لوگوں کی اس نے چوری کی تھی وہ اسے دربارِ رسالت میں لے آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اس عورت نے ہماری چوری کی ہے، عورت کی قوم نے کہا کہ ہم اس کا فدیہ ادا کر دیتے ہیں، یعنی اس کے اہل والوں نے مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِقْطَعُوا یَدَھَا] ''اس کا ہاتھ کاٹ دو۔'' اس کی قوم نے کہا کہ ہم اس کا پانچ سو دینار فدیہ ادا کرنے کو تیار ہیں مگر آپ نے پھر بھی یہی فرمایا: [اِقْطَعُوا یَدَھَا] ''اس کا ہاتھ کاٹ دو۔'' چنانچہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ عورت نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ [قَالَ: نَعَمْ، أَنْتِ الْیَوْمَ مِنْ خَطِیئَتِكِ كَیَوْمَ وَلَدَتْكِ أُمُّكِ] ''آپ نے فرمایا: ہاں، اب تم اپنے گناہ سے اس طرح پاک ہو گئی ہو جس طرح اس دن پاک تھی جب تمھاری ماں نے تمھیں جنم دیا تھا۔'' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ ''اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو بے شک اللہ اس کو معاف کر دے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''[1]

یہ عورت جس نے چوری کی تھی، خاندانِ مخزوم کی عورت تھی اور اس کا واقعہ صحیحین میں بھی بروایت امام زہری عن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کو اس عورت کے بارے میں فکر دامن گیر ہوئی، جس نے نبی اکرم ﷺ کے عہد میں غزوۂ فتح کے زمانے میں چوری کر لی تھی، آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کون ہو جو اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کرے؟ کہنے لگے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کو بہت پیارے ہیں، ان کے سوا اور کون جرأت کر سکتا ہے۔ اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اسامہ بن زید نے اس کی سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا: [أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ ؟] ''اللہ عزوجل کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' اسامہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ سے معافی طلب فرمائیں۔

شام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: [أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِینَ مَنْ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِیهِمُ الشَّرِیفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِیهِمُ الضَّعِیفُ أَقَامُوا عَلَیْهِ الْحَدَّ، وَ إِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِیَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ، لَقَطَعْتُ یَدَهَا] ''اما بعد! تم

[1] مسند أحمد:177/2.

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

اے رسول! آپ ان لوگوں کا غم نہ کھائیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنے منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے،

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ

حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لاتے، اور کچھ ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے، وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور دوسری قوم کی جاسوسی کرنے

لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

والے ہیں جو (ابھی اطاعت کے لیے) آپ کے پاس نہیں آئی۔ وہ کلمات کا موقع محل ثابت ہونے کے بعد اسے بدل دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر تمھیں

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

یہ حکم دیا جائے تو قبول کرلو اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو ان سے الگ تھلگ ہوجاؤ۔ اور جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو آپ اللہ کی طرف سے اس

شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ

کے بارے میں قطعاً کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے، ان کے لیے دنیا

وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿41﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ

میں رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے﴿41﴾ وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور جی بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ پھر اگر

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ

وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کردیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تو بھی

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿42﴾ وَكَيْفَ

وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ ان کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ

والوں کو پسند کرتا ہے﴿42﴾ اور وہ کیسے آپ سے فیصلے کرواتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات (موجود) ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر وہ اس (حکم) سے منہ

ع 6 9 10 وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۠﴿43﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ

موڑتے ہیں۔ اور وہ ایمان لانے والے نہیں﴿43﴾ بے شک ہم نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ انبیاء جو اللہ کی اطاعت کرنے

الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

والے تھے، اس کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے اور اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے تھے، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے نگران بنائے گئے

وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

تھے اور وہ اس پر گواہ تھے، چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میری آیتیں تھوڑی قیمت پر نہ بیچو۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾

کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں﴿44﴾

سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کیا تھا کہ ان میں سے اگر کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر (میری بیٹی) فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔'' پھر آپ نے حکم جاری فرمایا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ بعد میں اس عورت نے اچھی طرح توبہ کر لی تھی، شادی بھی کی اور بعد میں جب کبھی ہمارے پاس آتی تو میں اس کی ضرورت وحاجت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیتی تھی۔ ①

صحیح مسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ عورت دوسروں سے مستعار لے کر انکار کر دیا کرتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا تھا۔ ②

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے بعد فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ ''کیا تم کو معلوم نہیں کہ بے شک آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے۔'' وہ تمام کائنات کا مالک اور حاکم ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور وہ جو ارادہ فرماتا ہے، اسے کر گزرتا ہے: ﴿ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰ ﴾ ''جس کو چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تفسیر آیات :41-44

یہودیوں اور منافقوں کی حرکتوں پر غم نہ کرنے کی تلقین: یہ آیات کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو کفر میں بہت جلدی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں اور اپنے افکار و آراء اور نظریات کو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے مقدم قرار دیتے ہیں: ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ ﴾ ''(کچھ تو) ان میں سے (ہیں) جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں۔'' یعنی اپنی زبانوں سے تو انھوں نے ایمان کا اظہار کیا مگر ان کے دل ایمان سے خالی ہیں اور یہی لوگ منافق ہیں۔

﴿ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ ﴾ ''اور (کچھ) ان میں سے جو یہودی ہیں۔'' جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور یہ سب ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ﴾ ''غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔'' جھوٹی باتوں کو سننے اور انھیں آگے پھیلانے میں سرگرم رہتے ہیں۔ ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ ﴾ ''ایسے لوگوں (کے بہکانے) کے لیے جاسوس بنتے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے۔'' یعنی یہ ایسے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو ابھی تک آپ کی مجلس میں آئے ہی نہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ باتوں کی جاسوسی کر کے انھیں آپ کے ان دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آتے۔

① صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب: (54) بعد باب حدیث الغار، حدیث:3475 وأیضاً، المغازی، باب: (54) بعد باب مقام النبیﷺ بمكة زمن الفتح، حدیث:4304 وصحیح مسلم ، الحدود ، باب قطع السارق الشریف وغیره ......، حدیث:(9)-1688 ، اللفظ له. ② صحیح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیره......، حدیث:(10)-1688.

یہودیوں کی تحریف اور رجم سے انحراف: ﴿ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ﴾ ''(صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں۔'' یعنی ان کی غلط تاویل کرتے ہیں اور سمجھنے بوجھنے اور جاننے کے باوجود انھیں بدل دیتے ہیں۔ ﴿ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ﴾ ''(لوگوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو اسے قبول کر لینا اور اگر نہ ملے تو (اس سے) احتراز کرنا۔'' بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور کہنے لگے کہ آؤ اس کا فیصلہ ہم محمد ﷺ سے کروا لیتے ہیں اگر وہ دیت ادا کرنے کا فیصلہ کریں تو قبول کر لو اور اگر قصاص کا فیصلہ کریں تو پھر ان کی بات نہ سنو۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ ان دو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے زنا کیا تھا اور انھوں نے اپنی کتاب کے اس حکم کو بدل دیا تھا کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص زنا کرے تو اسے رجم کر دیا جائے، انھوں نے اس حکم میں یہ تبدیلی کر دی تھی کہ رجم کے بجائے سو کوڑے مارے جائیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا بٹھا کر ذلیل و رسوا کیا جائے۔

ہجرت کے بعد ان میں زنا کا جب یہ واقعہ پیش آیا تو کہنے لگے کہ آؤ ہم ان سے فیصلہ کرا لیتے ہیں اگر کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لو اور اسے اپنے اور اللہ کے مابین حجت قرار دے لو کیونکہ یہ اللہ کے ایک نبی کا فیصلہ ہے اور اگر وہ رجم کا فیصلہ کریں تو پھر بات کو تسلیم نہ کرو۔ اس واقعے کا ذکر کئی احادیث میں بھی آیا ہے۔

امام مالک نے نافع سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد و عورت نے زنا کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ؟] ''رجم کے بارے میں تم تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا یہ کہ ہم انھیں ذلیل و رسوا کر کے کوڑے مار دیں، یہ سن کر عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تورات میں حکم رجم موجود ہے، تورات لاؤ، وہ تورات لائے، انھوں نے اسے کھولا اور ان میں سے ایک شخص نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا، عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ ہاتھ اٹھاؤ، اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے آیتِ رجم تھی۔ یہودی کہنے لگے: ہاں، اے محمد! یہ صحیح کہہ رہے ہیں، تورات میں آیت رجم موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور ان دونوں بدکاری کرنے والوں کو رجم کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ رجم کے وقت مرد عورت کی طرف جھک رہا اور اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔ [1]

اور بخاری ہی کی ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے یہودیوں سے فرمایا: [مَا تَصْنَعُونَ بِهِمَا؟] ''تم ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ہم ان کے چہروں کو کالا کر کے انھیں ذلیل و رسوا کر دیتے

[1] صحیح البخاری، الحدود، باب أحکام أهل الذمة وإحصانهم إذا زنوا......، حدیث: 6841 وصحیح مسلم، الحدود، باب رجم الیهود، أهل الذمة، فی الزنٰی، حدیث: 1699 والموطأ للإمام مالك، الحدود، باب ماجاء فی الرجم: 331/2، حدیث: 1576.

ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ﴿ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾(آل عمران3:93) ''اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو (دلیل پیش کرو۔)'' چنانچہ وہ تورات لے آئے اور انھوں نے اپنے ایک شخص اعور سے کہا کہ اسے پڑھو، اس نے پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ پڑھتے پڑھتے جب وہ آیت رجم پر پہنچا تو اس نے اس آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، (ابن سلام) نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم چمک رہی تھی، اس نے کہا: اے محمد! اس میں آیت رجم ہے لیکن ہم اس آیت کو چھپائے ہوئے ہیں۔ آپ نے حکم دیا اور ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ ①

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ایسے یہودی مرد و عورت کو لایا گیا جنھوں نے زنا کیا تھا تو رسول اللہ یہودیوں کے پاس آئے اور فرمایا: [مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ عَلٰى مَنْ زَنٰى ؟] ''زنا کرنے والے کے بارے میں تم تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا یہ کہ ہم ان کے چہروں کو کالا کر دیں، انھیں گدھے پر سوار کر کے الٹے منہ بٹھا دیں اور گلیوں بازاروں میں گھما کر انھیں ذلیل و رسوا کریں۔ آپ نے فرمایا: ﴿ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾(آل عمران 3:93) ''اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو (دلیل پیش کرو۔)'' وہ تورات کو لے آئے اور انھوں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ اسے پڑھنے والا جوان جب آیت رجم پر پہنچا تو اس نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن سلام نے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، عرض کی: اے اللہ کے رسول! اسے حکم دیں کہ یہ اپنا ہاتھ اٹھائے، اس نے ہاتھ اٹھایا تو ہاتھ کے نیچے آیتِ رجم تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اس بدکار جوڑے کو رجم کر دیا گیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بھی انھیں رجم کرنے والوں میں شامل تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ مرد اس عورت کو پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ②

امام ابوداود نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو مدینہ کی وادی قُف میں آنے کی دعوت دی تو آپ ان کے بیت المدراس (وہ گھر جس میں وہ پڑھتے پڑھاتے تھے) میں تشریف لے گئے، انھوں نے عرض کی: اے ابوالقاسم! ہم میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا ہے، لہٰذا آپ فیصلہ فرمائیں، (راوی کا بیان ہے کہ) انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک تکیہ بھی رکھا تھا جس پر آپ جلوہ افروز تھے، آپ نے فرمایا: [اِئْتُونِي بِالتَّوْرَاةِ فَأُتِيَ بِهَا، فَنَزَعَ الْوِسَادَةَ مِنْ تَحْتِهِ وَوَضَعَ التَّوْرَاةَ عَلَيْهَا، وَقَالَ: آمَنْتُ بِكِ وَبِمَنْ أَنْزَلَكِ، ثُمَّ قَالَ: ائْتُونِي بِأَعْلَمِكُمْ، فَأُتِيَ بِفَتًى شَابٍّ] ''میرے پاس تورات لاؤ، تورات کو لایا گیا تو آپ نے تکیہ نکال کر اس کے اوپر تورات کو رکھ دیا، آپ نے تورات سے مخاطب ہو کر کہا: میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور

① صحيح البخاري، التوحيد، باب ما يجوز من تفسير التوراة......، حديث:7543. ② صحيح مسلم، الحدود، باب رجم اليهود، أهل الذمة في الزنى، حديث:1699.

اس ذات گرامی پر بھی جس نے تجھے نازل فرمایا ہے، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنے میں سے سب سے بڑے عالم کو لاؤ، چنانچہ ایک نوجوان (عبداللہ بن صُوریا) کو بلایا گیا۔''[1] اور باقی قصہ اسی طرح روایت کیا گیا ہے جیسا کہ قبل ازیں امام مالک کی نافع سے روایت کے حوالے سے اوپر بیان کیا گیا ہے۔

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم تورات کے مطابق فیصلہ فرمایا اور یہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ جس چیز کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے آپ نے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی کیونکہ یہودیوں کو تو خود یہ حکم تھا کہ وہ ہر حال میں شریعت محمدیہ کی اتباع کریں۔ آپ نے تورات کے مطابق یہ فیصلہ اس لیے فرمایا تھا کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور خاص وحی کے ذریعے سے مطلع فرما دیا تھا، اس وجہ سے آپ نے ان سے یہ بھی پوچھ لیا تھا کہ اس کے بارے میں تورات میں کیا حکم ہے؟ تاکہ آپ ان سے اس بات کا اقرار کرالیں جوان کے پاس موجود ہے جسے وہ مسلسل چھپا رہے ہے، انکار کررہے اور طویل زمانوں سے اس کے مطابق عمل نہیں کررہے تھے۔ جب انھوں نے اس کا اعتراف کر لیا، حالانکہ انھیں معلوم تھا کہ ان کا عمل اس کے خلاف ہے اور اپنی جس کتاب کے صحیح ہونے کا یہ عقیدہ رکھتے ہیں اپنی کج روی، عناد اور تکذیب کے باعث اس کی مخالفت بھی کررہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع بھی انھوں نے اس خواہش کی وجہ سے کیا تھا کہ آپ ان کی آراء کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس لیے نہیں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ آپ صحیح فیصلہ فرمائیں گے۔ اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا﴾ ''اگر تمھیں یہ (حکم) دیا جائے'' کہ انھیں کوڑے مارو اور ان کے منہ کالے کردو ﴿فَخُذُوهُ﴾ ''تو اسے قبول کرلو۔'' ﴿وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا﴾ ''اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو احتراز کرنا'' یعنی اس کو قبول کرنے اور اس کی اتباع کرنے سے۔

﴿وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿41﴾ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ﴾ ''اور اگر کسی کو اللہ گمراہ کرنا چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے (یہ) جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں۔'' جھوٹی باتوں سے یہاں مراد باطل باتیں ہیں۔ ﴿أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ﴾ ''جی بھر کے حرام (مال) کھانے والے ہیں۔'' سحت کے معنی مال حرام کے ہیں اور اس سے مراد رشوت ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی ایک صحابہ سے مروی ہے۔[2] یعنی جس کا یہ حال ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا دل کیسے پاک کرے اور اس کی دعا کس طرح قبول کرے!

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿فَإِن جَاءُوكَ﴾ ''تو اگر یہ آپ کے پاس آئیں'' کسی مقدمے کا فیصلہ کرانے کے لیے ﴿فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا﴾ ''تو آپ

[1] سنن أبي داود، الحدود، باب في رجم اليهوديين، حديث:4449. [2] تفسير الطبري:326/6.

(کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے اعراض کر لیں گے تو وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔'' آپ ان کا فیصلہ نہ کریں تو آپ کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آپ سے فیصلہ کرانے میں ان کا مقصود اتباعِ حق نہیں ہے بلکہ یہ تو اس سے بھی اپنی خواہشات کی پیروی چاہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، زید بن اسلم، عطاء خراسانی اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور ناسخ یہ آیت ہے: ﴿ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴾ (المآئدة 49:5) ''اور جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں۔''[1] اور فرمایا: ﴿ وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ ﴾ ''اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کا فیصلہ کریں۔'' یعنی حق اور عدل کے ساتھ، گو یہ خود ظالم اور راہ عدل سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿42﴾ ﴾ ''بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

یہودیوں کے غلط مقاصد کی مذمت اور تورات کی تعریف: پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی فاسد آراء اور غلط مقاصد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اپنی اس کتاب کو جو ان کے پاس موجود ہے جس کے صحیح ہونے کا یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں اور جس کے مطابق ہمیشہ عمل کرنے کا انھیں حکم بھی دیا گیا تھا اسے ترک کر کے ایک دوسری چیز کی طرف رجوع کر رہے ہیں، حالانکہ اس کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ باطل ہے اور اس کی پابندی ان کے لیے لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَكَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ وَعِنۡدَهُمُ التَّوۡرٰىةُ فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿43﴾ ﴾ ''اور یہ آپ سے کیسے فیصلے کراتے ہیں جبکہ خود ان کے پاس تورات (موجود) ہے۔ جس میں اللہ کا حکم (لکھا ہوا) ہے؟ (یہ اسے جانتے ہیں) پھر اس کے بعد اس (حکم) سے منہ موڑتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا جسے اس نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا: ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا ﴾ ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔'' وہ اس کے حکم سے نہ اعراض کرتے تھے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی یا تحریف ہی کرتے تھے۔ ﴿ وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ ﴾ ''اور اللہ والے اور علماء بھی۔'' اور ان میں سے علماء اور خصوصاً علمائے ربانی بھی اسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ ﴿ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ ''اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے۔'' کتاب اللہ کو ان کے پاس امانت رکھا گیا تھا اور انھیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اس کے احکام کو ظاہر کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

﴿ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ ﴾ ''اور اس پر گواہ تھے (حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) چنانچہ تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔'' ان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں صرف مجھی سے ڈرو۔ ﴿ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِيۡ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1136,1135/4 وتفسير الطبري:334,333/6.

ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾ ''اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچو اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔'' اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں جن کا بیان آگے آرہا ہے۔

ان آیات کریمہ کا ایک اور سبب نزول: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾﴾ ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔'' ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝﴾ (المآئدۃ 5:45) ''تو یہی لوگ ظالم ہیں۔'' ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾ (المآئدۃ 5:47) ''تو یہی لوگ بدکار ہیں۔'' یہودیوں کی دو جماعتوں کے بارے میں نازل فرمائی ہیں ان میں سے ایک جماعت دوسری پر زمانہ جاہلیت میں غالب آگئی تھی حتی کہ ان کا اس بات پر معاہدہ ہوگیا کہ اگر غالب جماعت نے مغلوب کے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کا فدیہ پچاس وسق ہوگا لیکن مغلوب جماعت کے کسی فرد نے اگر غالب کے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کا فدیہ سو وسق ہوگا، یہ اپنے اس معاہدے پر قائم تھے کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ میں جلوہ افروز ہوگئے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ دونوں جماعتیں ہی مغلوب اور ذلیل ہوگئیں، حالانکہ ابھی تک رسول اللہ ﷺ ان پر غالب بھی نہیں آئے تھے اور اس (قانون) پر ان کی موافقت بھی نہیں کی تھی، دراں حالیکہ آپ مدت صلح میں تھے۔

اسی اثنا میں مغلوب پارٹی نے غالب پارٹی کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو اس نے پیغام بھیجا کہ اس کے فدیے کے طور پر سو وسق ارسال کرو، مغلوب پارٹی نے جواب دیا کہ بھلا ان دو قبیلوں میں کبھی ایسا ہوسکتا ہے جن کا دین ایک ہو، نسب ایک ہو اور شہر بھی ایک ہو کہ ان میں سے ایک کی دیت تو پوری ہو اور دوسرے کی دیت نصف ہو۔ ہم نے تو تم سے یہ معاہدہ تمھارے ڈر اور ظلم کی وجہ سے کیا تھا اور اب جبکہ محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں ہم تمھیں یہ نہیں دیں گے، قریب تھا کہ اس کی وجہ سے پھر ان میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے مگر وہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ اپنا یہ فیصلہ کرالیں۔

غالب پارٹی نے اس موقع پر یہ کہا بھی کہ اللہ کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا کہ جتنا تم کمزور پارٹی کو دو محمد ﷺ اس سے دوگنا لے کر تم کو دیں اور یہ لوگ صحیح کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے محض ہمارے ظلم اور ڈر کی وجہ سے ہم سے یہ معاہدہ کیا تھا، لہٰذا کسی کو خفیہ طور پر محمد ﷺ کے پاس بھیجو جو تمھیں یہ بتا سکے کہ اس مسئلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اگر نبی کریم ﷺ تمھاری مرضی کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کو منصف تسلیم کرلو اور اگر آپ یہ فیصلہ نہ کریں تو پھر ان کو منصف تسلیم نہ کرو، انھوں نے کچھ منافقوں کو خفیہ طور پر آپ کے پاس بھیجا تا کہ وہ یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کی رائے سے مطلع کر سکیں جب یہ منافق دربار رسالت میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے اپنے رسول ﷺ کو ان کے تمام مقاصد اور ارادوں سے مطلع فرما دیا اور اس موقع پر ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ تا ﴿الْفَاسِقُونَ ۝﴾ (المآئدۃ 5:41-47) ''اے پیغمبر ﷺ جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان کی وجہ سے غمناک نہ ہونا...... ایسے لوگ نافرمان ہیں۔'' آیات نازل فرما دیں اور ان آیات

میں انھی کی طرف اشارہ ہے۔① تقریبًا اسی طرح اس روایت کو امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔②

حافظ ابوجعفر بن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیات: ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ تا ﴿الْمُقْسِطِيْنَ﴾ بنونضیر اور بنو قریظہ کی دیت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ بنونضیر کے مقتولوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کی پوری دیت ادا کی جاتی تھی جبکہ بنو قریظہ کے مقتولوں کی نصف دیت تھی انھوں نے اس سلسلے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ان آیات کو نازل فرما دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس مسئلے میں حق اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور سب کی دیت برابر قرار دے دی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا واقعہ ان آیات کے نزول کا سبب قرار پایا تھا۔③ اس روایت کو امام احمد، ابوداود، اور نسائی نے بھی بروایت ابن اسحاق اسی طرح بیان کیا ہے۔④

عوفی اور علی بن ابوطلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات ان دو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنھوں نے زنا کیا تھا جیسا کہ سابقہ احادیث کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں سبب جمع ہو گئے ہوں اور ان دونوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہوں۔ وَاللّٰہُ أَعْلَم.

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ (المآئدۃ 45:5) ’’اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔‘‘ اس سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ ان آیات کا سبب نزول مسئلہ قصاص ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ’’اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔‘‘ کے بارے میں براء بن عازب، حذیفہ بن یمان، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابومجلز، ابورجاء عطاردی، عکرمہ، عبیداللہ بن عبداللہ اور امام حسن بصری رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔⑤ امام حسن بصری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کے مطابق عمل ہمارے لیے بھی واجب ہے۔⑥ عبدالرزاق نے سفیان ثوری سے، انھوں نے منصور سے اور انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور اس امت سے بھی اللہ تعالیٰ ان کے مطابق عمل کرنے ہی سے راضی ہوگا۔⑦

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ

---

① مسند أحمد:246/1. ② سنن أبي داود، القضاء، باب في القاضي يخطيء، حديث:3576 مختصرًا. ③ تفسير الطبري:330/6 . ④ سنن أبي داود، القضاء، باب الحكم بين أهل الذمة، حديث:3591 و سنن النسائي، القسامة، باب ذكر الاختلاف على عكرمة في ذلك، حديث:4737 و مسند أحمد:363/1 . ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:1143/4 و تفسير الطبري:344,343/6 و تفسير الماوردي:43/2 . ⑥ تفسير الطبري:349/6 . ⑦ تفسير الطبري:349/6.

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ

اور ہم نے تورات میں ان کے لیے لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے

بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ

بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کا قصاص ہے، پھر جو شخص اسے معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے

لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾

نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں ﴿45﴾

الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کا انکار کرے تو اسی نے کفر کیا اور جو ان کا اقرار تو کرے مگر ان کے مطابق فیصلے نہ کرے تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔ ①

امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ہمیں مَعْمَر نے طاؤس سے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق حکم نہ دینا کفر ہے۔ ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ یہ کفر تو ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے انکار جیسا کفر نہیں ہے۔ ② امام ثوری نے ابن جریج سے اور انھوں نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ یہ حقیقی کفر سے کم درجے کا کفر، حقیقی ظلم سے کم درجے کا ظلم اور حقیقی فسق سے کم درجے کا فسق ہے۔ ③ وکیع نے سعید مکی سے اور انھوں نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں کفر سے مراد وہ کفر نہیں ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دے دیتا ہے۔ ④

تفسیر آیت: 45

یہ بھی یہودیوں کو توبیخ و سرزنش کی جا رہی ہے کہ تورات میں ان کے لیے حکم یہ تھا کہ جان کے بدلے جان ہے مگر وہ جان بوجھ کر اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حکم کی مخالفت کرتے تھے اور بنونضیر کے مقتول کا تو بنو قریظہ سے قصاص لے لیتے تھے لیکن بنو قریظہ کے مقتول کا بنونضیر سے قصاص نہیں لیتے تھے بلکہ دیت لے لیتے تھے، اس طرح شادی شدہ زانی کی سزائے رجم کے بارے میں بھی انھوں نے تورات کے حکم کی مخالفت شروع کر دی تھی اور اس کے بجائے کوڑے مارنے اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ (المآئدۃ 5:44) ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔'' کیونکہ انھوں نے جان بوجھ کر اپنے قصد و ارادے سے سرکشی کی روش اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تھا، اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔'' کیونکہ انھوں نے اس معاملے میں مظلوم کو ظالم سے انصاف نہ دلایا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ عدل و انصاف اور مساوات کا حکم

① تفسیر الطبری:349/6 و تفسیر الماوردی:43/2 . ② تفسیر عبدالرزاق:19/2، رقم:713 و تفسیر الطبری:348/6 .
③ تفسیر عبدالرزاق:20/2 ، رقم:717 . ④ تفسیر الطبری:348/6 .

دیا تھا مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی، ظلم کی روش کو اختیار کیا اور ایک دوسرے پر زیادتی شروع کر دی۔

مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کرنا: امام ابونصر بن صباغ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کے پیش نظر تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی ہے جسے امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے نام خط میں لکھا تھا: [وَأَنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ] ''اور بے شک مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔''① اور ایک دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں: [اَلْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ] ''تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔''② جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن صباغ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے جو فرمایا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس کی پھوپھی رُبَیِّع نے ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا انھوں نے لڑکی کے خاندان سے معافی کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے اس کا انکار کر دیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: [اَلْقِصَاصَ] ''اس کا قصاص دینا ہوگا'' اس کے بھائی انس بن نضر نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اس کے دانت کو توڑ دیا جائے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ] ''انس! اللہ کی کتاب میں قصاص ہی کا حکم ہے۔'' اس نے عرض کی: نہیں، اے اللہ کے رسول! اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس کے بعد اس عورت کے خاندان کے لوگ راضی ہو گئے اور انھوں نے معاف کر دیا اور قصاص کا مطالبہ ترک کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ أَبَرَّهُ] ''کچھ بندگانِ الٰہی ایسے بھی ہیں کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کو قسم دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرماتا ہے۔''③ امام بخاری اور مسلم نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔④

زخموں کا قصاص: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط﴾ ''اور سب زخموں کا (اسی طرح) بدلہ ہے۔'' علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جان کو جان کے بدلے قتل کیا جائے، آنکھ کے بدلے آنکھ کو پھوڑا جائے، ناک کے بدلے ناک کو کاٹا جائے، دانت کے بدلے دانت کو توڑا جائے، اور اسی طرح سب زخموں کا زخموں ہی کی صورت میں قصاص لیا جائے۔ اس حکم میں تمام آزاد مسلمان مرد اور عورتیں برابر ہیں جبکہ جرم کا ارتکاب عَمْداً کیا گیا ہو، خواہ

① سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول واختلاف الناقلين له، حديث:4857 والمستدرك للحاكم، الزكاة:397/1، حديث:1447 وصحيح ابن حبان:510/14، حديث:6559. ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في السرية ترد على أهل العسكر، حديث:2751 وسنن ابن ماجه، الديات، باب: [المسلمون تتكافأ دماؤهم]، حديث:2683 ومسند أحمد:180/2. ③ مسند أحمد:128/3. ④ صحيح البخاري، الصلح، باب الصلح في الدية، حديث: 2703 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب إثبات القصاص في الأسنان وما في معناها، حديث:1675.

اس سے جان کا نقصان ہوا ہو یا جان سے کم تر، اس طرح غلاموں اور لونڈیوں نے اگر آپس میں اس جرم کا ارتکاب کیا ہو تو وہ بھی حکم میں سب برابر ہیں۔ اسے امام ابن جریر اور ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[1]

ایک اہم قاعدہ: جب تک زخم مندمل نہ ہو جائے قصاص لینا جائز نہیں کیونکہ اگر زخم کے مندمل ہونے سے پہلے قصاص لیا گیا اور بعد میں زخم میں اضافہ ہو گیا تو مجرم کے لیے مزید کوئی اور سزا نہیں ہوگی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے پر سینگ مار (کر زخم کر) دیا تو وہ نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے قصاص دلا دیجیے، آپ نے فرمایا: [حَتّٰی تَبْرَأَ] (جلدی نہ کرو) ''حتی کہ تمھارا زخم مندمل ہو جائے۔''

وہ دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے قصاص دلا دیجیے تو آپ نے اسے قصاص دلوا دیا۔ (کچھ عرصے کے بعد وہ پھر حاضر ہوا) اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں لنگڑا ہو گیا ہوں (مجھے اس لنگڑے پن کا قصاص دلایئے۔) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَدْ نَهَيْتُكَ فَعَصَيْتَنِي فَأَبْعَدَكَ اللّٰهُ وَبَطَلَ عَرَجُكَ ثُمَّ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُقْتَصَّ مِنْ جُرْحٍ حَتّٰى يَبْرَأَ صَاحِبُهُ] ''تحقیق میں نے تمھیں منع کیا تھا مگر تم نے میری نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں (رحمت سے) دور کر دیا (اب) تمھارا لنگڑا پن رائیگاں ہے (اب تمھیں اس کا قصاص نہیں ملے گا۔) پھر رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا اور فرمایا: اس وقت تک زخم کا قصاص نہ لیا جائے جب تک زخمی شخص تندرست نہ ہو جائے۔''[2] اس روایت کو صرف امام احمد ہی نے بیان کیا ہے۔

مسئلہ: جس شخص پر زیادتی کی گئی ہو وہ اگر مجرم سے قصاص لے اور قصاص لینے کی وجہ سے مجرم کی موت واقع ہو جائے تو قصاص لینے والے کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جمہور صحابہ و تابعین اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے۔

معاف کر دینا گناہوں کا کفارہ ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ ''پھر جو شخص بدلہ معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص معاف کر دے اور مجرم پر صدقہ کر دے تو وہ مطلوب کے لیے کفارہ اور طالب کے لیے باعث اجر و ثواب ہوگا۔[3] سفیان ثوری نے بھی عطاء بن سائب، سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص معاف کر دے تو وہ زخمی کرنے والے کے لیے کفارہ اور زخمی ہونے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[4]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ معاف کر دینا مجروح کے لیے کفارہ ہوگا۔ امام حسن بصری، ایک روایت کے مطابق ابراہیم نخعی اور ابواسحاق ہمدانی کا بھی یہی قول ہے۔[5] امام احمد نے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو

---

① تفسیر الطبری:352/6 وتفسیر ابن أبی حاتم:1145/4. ② مسند أحمد:217/2 والسنن الکبرٰی للبیھقی، الجنایات، باب ما جاء فی الاستثناء بالقصاص:68/8 واللفظ له اور دیکھیے إرواء الغلیل:299,298/7. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 1145/4. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:1146/4. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:1146/4.

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠

اور ہم نے ان (رسولوں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔اور ہم نے انھیں انجیل

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى

دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی،اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور پرہیزگاروں کے لیے (سراسر) ہدایت اور نصیحت

وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝46 وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

تھی ۝46 اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا اس کے مطابق فیصلے کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝47

کریں تو وہی نافرمان ہیں ۝47

بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا:[مَا مِنْ رَّجُلٍ يُّجْرَحُ فِي جَسَدِهِ جِرَاحَةً فَيَتَصَدَّقُ بِهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَ مَا تَصَدَّقَ بِهِ] ''جس شخص کے جسم پر کوئی زخم لگا دیا جائے، پھر وہ اسے معاف کر دے تو جس قدر اس نے معاف کیا ہوگا، اسی قدر اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔''[1] اسے امام نسائی اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝45 ﴾ ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔'' طاؤس اور عطاء کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان آیات میں کفر سے مراد کم تر درجے کا کفر، ظلم سے مراد کم تر درجے کا ظلم اور فسق سے مراد کم تر درجے کا فسق ہے۔[2]

تفسیر آیات: 47,46

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اور انجیل کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ ''اور ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔'' یعنی انبیائے بنی اسرائیل کے بعد ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ ''جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے۔'' اس کے ساتھ ایمان رکھتے اور اس کے احکام کے مطابق فیصلے فرماتے تھے۔ ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ ''اور ہم نے ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔'' یعنی وہ حق اور ایسے نور کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس سے شبہات کے ازالے اور مشکلات کے حل کے لیے روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ ﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ ''اور تورات کی جو اس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے۔'' یعنی اس کی اتباع کرتی ہے اور ان چند قلیل مسائل کے سوا نہیں کرتی جن کو بنی اسرائیل کے لیے بیان کر دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا تھا: ﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

[1] مسند أحمد:316/5 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ﴾:335/6، حديث:11146 وتفسير الطبري:353/6. [2] دیکھیے سورة المآئدة، آیت: 44 کے ذیل میں۔

﴿ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (آل عمران 50:3) ''اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) تا کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں ان کو تمھارے لیے حلال کر دوں۔'' اس لیے علماء کے دو اقوال میں سے مشہور قول یہ ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا تھا۔ ①

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔'' یعنی انجیل کو ہم نے ذریعہ ہدایت بنا دیا تھا جس سے ہدایت حاصل کی جاتی تھی اور اسے نصیحت بنا دیا جو حرام اور گناہ کے کاموں سے روکتی تھی۔ ﴿ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''پرہیز گاروں کے لیے۔'' یعنی ان کے لیے جو اللہ کا خوف رکھتے اور اس کے وعید و عتاب سے ڈرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ﴾ ''اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں، اس کے مطابق فیصلے کریں۔'' [وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ] کو میم پر نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی یہاں لام لامِ کَیْ ہے، یعنی ہم نے انھیں اس لیے انجیل دی تھی تا کہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو اس کے مطابق حکم دیں۔ اسے لام پر جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی لام امر کی صورت میں اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے: چاہیے کہ وہ اس کے تمام احکام کے مطابق ایمان لائیں، اس میں جو حکم دیا گیا ہے اسے قائم کریں اور اس میں حضرت محمد ﷺ کی آمد کی جو بشارت دی گئی ہے اور آپ کی اتباع اور تصدیق کا جو حکم دیا گیا ہے، آپ کی تشریف آوری پر اس پر عمل کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (المآئدة 68:5) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمھارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں، ان کو قائم نہ رکھو گے تو اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے۔''

اور اللہ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الأعراف 157:7) ''وہ لوگ جو اس رسول نبی امی محمد ﷺ کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور وہ طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں، چنانچہ جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انھیں مدد دی اور جو نور (ہدایت) ان پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَنْ لَّمْ

① تفسیر روح المعانی: 274/3.

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا

اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے،

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

چنانچہ آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلے کریں اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اسے نظر انداز کر کے ان کی خواہشات کی

الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

پیروی نہ کریں۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ بنایا اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ضرور ایک امت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ

وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

تمھیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے، چنانچہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم سب نے اللہ ہی کی

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿48﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا

طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں (اصل حقیقت) بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ﴿48﴾ اور (اے نبی!) آپ ان لوگوں کے درمیان اس

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ

کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے (آپ پر) نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں وہ آپ کو کسی ایسے حکم

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا

سے ادھر ادھر نہ کر دیں جو اللہ نے آپ پر اتارا ہے، پھر اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو جان لیں کہ اللہ کا فقط یہی ارادہ ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ

مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿49﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

سے انھیں سزا دے، اور بے شک ان لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں ﴿49﴾ کیا پھر وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور جو قوم اللہ پر یقین رکھتی ہے، اس

7 ع 7 11 لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿50﴾ ع

کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ ﴿50﴾

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾ ”اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی لوگ نافرمان ہیں۔“ وہ اپنے رب کی اطاعت سے خارج، باطل کی طرف مائل اور حق کے تارک ہیں۔ یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ کلام کے سیاق سے بھی ظاہر ہے۔

تفسیر آیات: 48-50

قرآن مجید کی مدح وستائش اور اس کے مطابق فیصلے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے پہلے تورات کا ذکر فرمایا جسے اس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر نازل فرمایا تھا اس کی مدح وستائش کی اور اس کے زمانے کے لوگوں کو اس کی اتباع کا حکم دیا، پھر انجیل کا ذکر کیا، اس کی مدح وستائش کی اور اہل انجیل کو اسے قائم کرنے اور اس کی اتباع کرنے کا حکم دیا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[1]

[1] ملاحظہ ہو سابقہ آیت کی تفسیر۔

اور اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کا ذکر شروع فرما دیا ہے جسے اس نے اپنے عبد اور رسول کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے۔'' یعنی یہ سچی کتاب ہے اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ ''جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' یعنی ان پہلی کتابوں کی جن میں اس کا ذکر اور اس کی تعریف بھی ہے اور یہ بھی کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائے گا تو جب وہ قرآن ان کی کتابوں کے بیان کے مطابق نازل ہوا تو اس نے اہل کتاب کے عقل مند و دانا لوگوں کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا۔ جنھوں نے حکم الٰہی کو تسلیم کر لیا، اللہ کی شریعت کی اتباع کی اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:107,108) ''کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے) بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے سابقہ رسولوں کی زبانی ہم سے حضرت محمد ﷺ کی آمد کے بارے میں جو وعدہ فرمایا ہے، وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

﴿ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ ''اور ان (سب) پر نگہبان ہے۔'' امام سفیان ثوری نے ابو اسحاق سے، انھوں نے تمیمی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ مُهَيْمِنًا ﴾ کے معنی امین کے ہیں۔① علی بن ابو طلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ مُهَيْمِنًا ﴾ کے معنی امین کے ہیں کیونکہ قرآن سابقہ تمام کتابوں کا امین ہے۔② حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، محمد بن کعب، عطیہ، حسن، قتادہ، عطاء خراسانی اور ابن زید سے بھی اسی طرح مروی ہے۔③

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سابقہ تمام کتابوں کا امین ہے، (ان میں سے جو قرآن کے مطابق ہو وہ حق اور جو مخالف ہو وہ باطل ہے۔)④ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ مُهَيْمِنًا ﴾ کے معنی گواہ کے ہیں۔⑤ مجاہد، قتادہ اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔⑥ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ مُهَيْمِنًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن سابقہ تمام کتابوں پر حاکم ہے۔⑦ ان تمام اقوال کے معنی قریباً قریباً ایک ہی ہیں، ﴿ وَ مُهَيْمِنًا ﴾ کا لفظ ان تمام معانی

① تفسیر ابن أبی حاتم:4/1150 و تفسیر الطبری:6/361. ② تفسیر الطبری:6/362 و تفسیر ابن أبی حاتم:4/1150.
③ تفسیر ابن أبی حاتم:4/1150. ④ تفسیر الطبری:6/361 . ⑤ تفسیر الطبری:6/361 و تفسیر البغوی:2/57 .
⑥ تفسیر الطبری:6/361 و تفسیر روح المعانی:4/222 و تفسیر الماوردی:2/45 . ⑦ تفسیر الطبری:6/362.

پر مشتمل ہے۔ ①

لٰہذا قرآن مجید اپنے سے پہلی ہر آسمانی کتاب کا امین بھی ہے، شاہد بھی اور حاکم بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عظیم کو جسے اس نے انسانیت کی ہدایت کے لیے آخری کتاب کے طور پر نازل فرمایا ہے، تمام کتابوں سے زیادہ جامع، سب سے عظیم اور سب سے اکمل بنا کر اس میں سابقہ تمام کتابوں کے محاسن کو نہ صرف جمع فرما دیا بلکہ اسے ایسے ایسے کمالات عطا فرمائے ہیں جو سابقہ کتابوں میں سے کسی اور کو نصیب نہ ہو سکے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام کتابوں پر شاہد، امین اور حاکم بنا دیا ہے اور قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اٹھایا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ ’’بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔‘‘ (الحجر 15:9)

ارشاد الٰہی: ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ ’’تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق ان کے فیصلے کریں۔‘‘ یعنی اے محمد ﷺ! عرب و عجم اور امی و کتابی تمام لوگوں میں اس کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عظیم میں آپ کی طرف نازل فرمایا ہے اور سابقہ انبیائے کرام کی تعلیمات میں جسے اس نے برقرار رکھا اور آپ کی شریعت میں منسوخ قرار نہیں دیا ہے۔ امام ابن جریر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔② امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ان میں فیصلے فرمائیں اور اگر چاہیں تو ان سے اعراض فرما لیں اور انھیں اپنے احکام کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیں لیکن پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا تھا: ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ ’’اور جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان میں فیصلے کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔‘‘③ یعنی اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ان کا بھی ہماری اس کتاب ہی کے مطابق فیصلہ فرمایا کریں۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ ’’اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔‘‘ یعنی ان کی ان آراء کی جنھیں انھوں نے اختیار کر لیا اور جن کے سبب اسے ترک کر دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، اسی لیے فرمایا:

① قرآن مجید نے یہاں ایک بہت جامع لفظ مُهَيْمِنٌ استعمال کیا ہے، اس کی وضاحت کے لیے اردو میں کوئی ایک لفظ کافی نہیں، اس کے معنی میں شہادت یا شاہد کا مفہوم بھی شامل ہے، قضیے اور مسئلے کی روح کو سمجھنا اور اس کے بارے میں صحیح فتوی دینا بھی اس میں شمار ہوتا ہے، اس کے معنی خلق اللہ کے امور و مسائل کی نگہبانی و حفاظت کے فرائض انجام دینا بھی ہیں، اکثر و بیشتر امین کے معنوں میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ استاذ گرامی مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مدلولات پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم سابقہ تعلیمات کے بارے میں جب مُهَيْمِنٌ کا موقف اختیار کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قرآن حکیم نے ایک شاہد و امین انسان کی طرح نہ صرف سابقہ تعلیمات کی روح کو محفوظ رکھا ہے بلکہ مُهَيْمِنٌ کی حیثیت سے اس بات کی نگرانی بھی کی ہے کہ کہاں کہاں اس روح کو بدلا گیا ہے؟ کہاں کہاں فکر و عقیدہ اور مسائل میں تحریف و تغیر سے کام لیا گیا ہے؟ اور کن کن مقامات میں حقائق دینی کے فہم و عمل میں گزشتہ قوموں میں لغزش و خطا کا صدور ہوا ہے؟ (مطالعۂ قرآن، ص:26) (مترجم) ② تفسیر الطبری:364/6. ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 1151/4.

﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط ﴾ ''اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔'' یعنی اس حق کو چھوڑ کر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، ان جاہل اور بد بخت لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ فرمان الٰہی: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط ﴾ ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔'' امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط ﴾ کے معنی رستے کے ہیں۔ ① اور ایک روایت کے مطابق رستے اور طریقے کے ہیں۔ ②

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔'' یہ تمام امتوں سے خطاب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی اس عظیم قدرت کی خبر بھی دی گئی ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک دین اور ایک شریعت پر جمع فرما دیتا اور اس میں سے کسی چیز کو بھی منسوخ قرار نہ دیتا لیکن اس نے ہر رسول کے لیے ایک الگ شریعت مقرر فرمائی اور بعد میں آنے والے رسول کے ساتھ اسے یا اس کے بعض حصوں کو منسوخ کر دیا حتی کہ اپنے عبد اور رسول حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنھیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا اور خاتم الانبیاء بنایا، سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے۔'' یعنی اس نے شریعتیں مختلف اس لیے بنائی ہیں تاکہ اپنے بندوں کی آزمائش کرے، اطاعت کی صورت میں انھیں ثواب اور نافرمانی کی صورت میں سزا دے۔ عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں: ﴿ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ سے مراد کتاب ہے۔ ③

پھر اللہ تعالیٰ نے نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط ﴾ ''چنانچہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔'' نیک کاموں سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کی اس شریعت کی اتباع جو سابقہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہے اور اس کی کتاب قرآن مجید کی تصدیق ہے جسے اس نے اپنی آخری کتاب کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ ''تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' لوگو! تم سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''پھر وہ تمھیں (اصل حقیقت) بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔'' یعنی حق کے بارے میں تم نے جو اختلاف کیا وہ تم سب کو بتا دے گا، راست باز لوگوں کو ان کی صداقت کی وجہ سے جزا دے گا اور کفر کرنے والوں، انکار کرنے والوں، حق کی تکذیب کرنے والوں اور کسی دلیل و برہان کے بغیر حق سے روگردانی کرنے والوں کو سزا دے گا کیونکہ انھوں نے قطعی براہین، مضبوط اور ٹھوس دلائل کے باوجود حق کی

① تفسير الطبري:364/6. ② امام بخاری نے اسے باب کے عنوان میں بیان کیا ہے، دیکھیے صحيح البخاري، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: [بني الإسلام على خمس......] و تفسير ابن أبي حاتم:1152/4. ③ تفسير الطبري:369/6.

مخالفت کی تھی۔ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ سے مراد امت محمدیہ ہے۔لیکن پہلے معنی زیادہ نمایاں ہیں۔ [1]

اورارشادالٰہی: ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ ''اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان میں فیصلے کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔'' پہلے جو حکم دیا گیا ہے، یہ اسی کی تاکید اور اس کی مخالفت کی ممانعت ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ ''اوران سے ہوشیار رہیں کہیں وہ آپ کو کسی ایسے حکم سے ادھر ادھر نہ کر دیں جو اللہ نے آپ پر اتارا ہے۔'' اپنے دشمن، یہودیوں سے بچیں کہ کہیں حق کے بارے میں آپ کو بہکا نہ دیں، یہ اگر اپنے بعض مسائل آپ کے پاس لے کر آتے ہیں تو اس کی وجہ سے آپ ان سے فریب نہ کھائیں کیونکہ یہ تو سراسر کاذب، کافر اور خائن ہیں۔

﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ ''پھر اگر وہ روگردانی کریں۔'' اس فیصلے سے جو حق کے مطابق آپ ان میں کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی یہ مخالفت کریں۔ ﴿ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ط ﴾ ''تو جان لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے۔'' یعنی ان کے بارے میں یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت سے یہ ہونے والا ہے کہ وہ انھیں ہدایت سے دور کر دے اور یہ ان کے سابقہ گناہوں کا نتیجہ ہے کہ انھیں ہدایت سے محروم کر کے گمراہی میں مبتلا کر دیا جائے۔

﴿ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ ''اور بے شک ان لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں۔'' اکثر لوگ اپنے رب کی اطاعت سے خارج، حق کے مخالف اور اس کے منکر ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں، اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط ﴾ (الأنعام 116:6) ''اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر آپ ان کا کہا مان لیں گے تو وہ آپ کو اللہ کا رستہ بھلا دیں گے۔''

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ کعب بن اسد، ابن صوریا، عبداللہ بن نورن اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ ہم محمد ﷺ کے پاس چلیں اور انھیں ان کے دین سے بہکا دیں، یہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے محمد (ﷺ!) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء، اشراف اور سادات ہیں اگر ہم آپ کی پیروی کر لیں تو تمام یہودی ہماری بات تسلیم کر لیں گے اور وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے، ہمارا اپنی قوم سے ایک جھگڑا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے اس کا فیصلہ کرائیں، لہٰذا آپ ہمارے حق میں فیصلہ فرمائیں تو اس کی وجہ سے ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کر دیں گے مگر آپ نے ان یہودیوں کی اس بات کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا، اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ ﴾ تا ﴿ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ نازل فرما دیا تھا۔ اسے امام ابن جریر

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1153/4.

اور ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰ ﴾ ''کیا پھر وہ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو اس کے اس حکم سے اعراض کریں جو محکم، ہر خیر پر مشتمل اور ہر شر سے منع کرنے والا ہے اور اس کے بجائے ان افکار وآراء اور اصطلاحات کو اختیار کرے جنھیں کچھ انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی کسی دلیل کے بغیر وضع کیا ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ان ضلالتوں اور جہالتوں کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے جنھیں انھوں نے اپنی آراء سے اور اپنی خواہشات کے مطابق گھڑ رکھا تھا۔

اسی طرح تاتاری اپنے امور مملکت وسیاست کو ان احکام کے مطابق چلاتے تھے جنھیں انھوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے حاصل کیا تھا جس نے ان کے لیے احکام پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا تھا جو یہودیت، عیسائیت، اسلام اور دیگر مختلف شریعتوں کا مرکب تھا، اس میں بہت سے احکام ایسے بھی تھے جو محض اس کی اپنی رائے اور خواہش کے مطابق تھے اور ان کا کسی بھی شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس کے بیٹے اس کتاب کو شریعت کا درجہ دیتے اور اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی مقدم قرار دیتے تھے لیکن جو شخص ایسا کرے وہ کافر اور واجب القتل ہے حتی کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو تسلیم کرے۔

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ ﴾ ''کیا پھر وہ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟'' یعنی زمانۂ جاہلیت کے حکم کی خواہش رکھتے، اسے چاہتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کرتے ہیں۔ ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰ ﴾ ''اور جو قوم اللہ پر یقین رکھتی ہے، ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟'' اس شخص کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑھ کر اور کوئی حکم زیادہ عادلانہ نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کو سمجھتا، اس پر یقین وایمان رکھتا اور یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے، جتنا والدہ اپنے بچے سے محبت وشفقت کا سلوک کرتی ہے، وہ اپنی مخلوق کے ساتھ اس سے بھی زیادہ رحمت کا معاملہ فرماتا ہے، وہ ہر چیز کو جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا اور ہر چیز میں عدل فرمانے والا ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ، مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ، وَطَالِبُ دَمِ امْرِيءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِّيُهْرِيقَ دَمَهُ] ''اللہ عزوجل کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا خواہش مند ہو، نیز وہ جو کسی انسان کا ناحق خون بہائے۔''② امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو ابوالیمان سے اسی طرح اور قدرے زائد الفاظ کے ساتھ

① تفسیر ابن أبي حاتم:1154/4 و تفسیر الطبري:371,370/6. ② المعجم الکبیر للطبراني:308/10، حدیث: 10749.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا﴿51﴾ (اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى

(منافقت کا) روگ ہے کہ وہ دوڑ کر ان (یہودیوں) میں جاتے ہیں اور (ان سے) کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت (نہ) پہنچے، پھر قریب ہے

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ

کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے، تو یہ لوگ (اپنی منافقت پر) پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے

نٰدِمِيْنَ ﴿52﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

ہوئے ہیں﴿52﴾ اور (اس وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑی شدومد سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿53﴾

شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل برباد ہوگئے چنانچہ وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگئے﴿53﴾

روایت فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 51-53

یہود و نصاریٰ اور دیگر دشمنانِ اسلام سے دوستی کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بنائیں کیونکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں تباہ و برباد کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ان سے دوستی کا دم بھرنے والے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ ''اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا تو بے شک وہ بھی انھی میں سے ہوگا۔''

امام ابن ابوحاتم نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو حکم دیا کہ انھوں نے جو لیا اور دیا ہے اس کا حساب پیش کریں، انھوں نے ایک عیسائی کو کاتب رکھا ہوا تھا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حساب پیش کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: کیا یہ محافظ ہے؟ کیا یہ مسجد میں آکر ہمیں وہ خط پڑھ کر سنا سکتا ہے جو ملک شام سے آیا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا یہ حالتِ جنابت میں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ اس لیے کہ یہ عیسائی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے ڈانٹا، میری ران پر مارا اور فرمایا اسے نکال دو، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

[1] صحيح البخاري، الديات، باب من طلب دم امرىءٍ بغير حق، حديث: 6882 .

الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔''[1] پھر انھوں نے عبداللہ بن عتبہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو اس بات سے بچنا چاہیے کہ وہ غیر شعوری طور پر یہودی یا عیسائی نہ ہو جائے، ہمارے خیال میں ان کا اشارہ اسی آیت کریمہ کی طرف تھا۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ ''(اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے۔'' یعنی جن کے دلوں میں شک و ریب اور نفاق کا مرض ہے، وہ ظاہری اور باطنی ان سے دوستی کا دم بھرتے اور ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں۔ ﴿ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر (زمانے کی) گردش نہ آجائے۔'' یعنی وہ ان سے دوستی اور محبت کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں کافروں کو مسلمانوں پر فتح و نصرت حاصل نہ ہو جائے تو اس صورت میں یہود و نصاریٰ کی دوستی اور ان پر احسانات ان کے کام آئیں گے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ ﴾ ''پھر قریب ہے کہ اللہ فتح دے۔'' سدی فرماتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔[3] ﴿ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ ﴾ ''یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے۔)'' سدی فرماتے ہیں کہ اس سے یہود و نصاریٰ پر عائد کیے جانے والے جزیے کی طرف اشارہ ہے۔[4] ﴿ فَيُصْبِحُوْا ﴾ ''تو وہ ہو جائیں گے'' یہ منافق جنھوں نے یہود و نصاریٰ سے دوستی کی تھی ﴿ عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''اپنے دل کی ان باتوں پر جو وہ چھپایا کرتے تھے'' یعنی اپنی دوستی پر ﴿ نٰدِمِيْنَ ۝۵۲ ﴾ ''پشیمان۔'' یعنی ان کی یہ دوستی ان کے کچھ کام نہ آئے گی اور جس بات سے یہ ڈرتے ہیں، اس سے انھیں قطعاً نہ بچا سکے گی بلکہ اس میں خرابی کا پہلو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے یہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے پہلے اگر ان کا حال مخفی تھا تو اب اللہ تعالیٰ اسے دنیا ہی میں اپنے مومن بندوں کے سامنے واضح فرما دے گا اور انھیں اس سے تعجب ہوگا کہ یہ کیسے لوگ تھے کہ اپنے مومن ہونے کا اظہار کرتے اور قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم مومن ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کے کذب و افتراء کو بالکل واضح فرما دے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۵۳ ﴾ ''اور (اس وقت) جو لوگ ایمان لائے (تعجب سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہی ہیں جو شد و مد سے اللہ کی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ بے شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل اکارت گئے اور وہ خسارے میں پڑ گئے۔''

سببِ نزول: محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہودیوں کا پہلا قبیلہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدے کو توڑا، وہ بنو قینقاع تھا۔ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرما لیا اور وہ مجبور ہو گئے کہ آپ جو چاہیں ان کے بارے میں فیصلہ فرمائیں تو عبداللہ بن اُبیّ ابن سَلُول نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے محمد! میرے ان

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1156/4 و الدر المنثور:516/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1156/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 1158/4 و تفسیر الطبری:378/6. [4] تفسیر الطبری:379/6 و تفسیر ابن أبی حاتم:1159/4.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے، تو پھر اللہ جلد ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس

وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

سے محبت کرتے ہوں گے، وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا، خوب جاننے

عَلِيْمٌ ﴿54﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

والا ہے﴿54﴾ تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ

والے ہیں﴿55﴾ اور جو کوئی اللہ سے اور اس کے رسول سے دوستی رکھتا ہے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں، تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور)

اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾ ع 8/6 12

یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے﴿56﴾

دوستوں سے اچھا سلوک کریں۔ یادرہے! یہ قبیلۂ خزرج کے حلیف تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو اس نے پھر یہ کہا کہ اے محمد! میرے ان دوستوں سے اچھا سلوک کریں، آپ نے پھر بھی اعراض فرمایا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی زِرہ کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا تو آپ نے فرمایا: [أَرْسِلْنِي] ''مجھے چھوڑ دو'' اور آپ نے اس قدر شدید ناراضی کا اظہار فرمایا حتی کہ آپ کے چہرۂ اقدس پر سلوٹیں نمودار ہوگئیں، آپ نے پھر فرمایا: [وَيْحَكَ أَرْسِلْنِي] ''تیرا بیڑا غرق ہو! مجھے چھوڑ دے۔'' اس نے کہا کہ نہیں، اللہ کی قسم! میں نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے ان دوستوں سے اچھا سلوک نہیں کریں گے جن میں سے چار سو ننگے سر اور تین سو زِرہیں پہنے ہوئے ہیں اور جنھوں نے ہر سرخ و سیاہ سے میری حفاظت کی ہے تو کیا آپ ایک ہی دن ان سب کو تہ تیغ کر دیں گے؟ مجھے ان کی پھر بھی ضرورت ہے کیونکہ میں زمانے کی گردشوں سے ڈرتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [هُمْ لَكَ] ''(جا میں نے) تیرے لیے انھیں معاف کر دیا ہے۔''

محمد بن اسحاق راوی ہیں کہ مجھ سے ابواسحاق بن یسار نے اور ان سے عُبادہ بن ولید بن عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب بنوقینقاع نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو عبداللہ بن اُبیّ نے ان کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر انھیں بچانا شروع کر دیا۔ عبادہ بن صامت بھی، جن کا تعلق بنوعوف بن خزرج سے تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس سلسلے میں حاضر ہوئے تھے کیونکہ وہ بھی عبداللہ بن اُبیّ کی طرح ان کے حلیف تھے مگر انھوں نے ان کے حلیف بننے کو ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول کے دامن سے وابستگی کو اختیار کر لیا تھا اور بارگاہ رسالت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کے پاس ان کا حلیف بننے سے اظہار برأت کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کا

اقرار کرتا ہوں اور کافروں کی دوستی سے انکار کرتا ہوں۔ سورۂ مائدہ کی ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ ﴾ تا ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ﴾ (المآئدة 5:51-56) آیات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اُبی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 54-56

دین سے پھر جانے کی صورت میں سرزنش: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ اسے یہ عظیم الشان قدرت حاصل ہے کہ جو لوگ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی اقامت سے اعراض کریں گے تو ان کے بجائے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرما دے گا جو ان سے بہتر، ان سے زیادہ مضبوط اور ان کی نسبت زیادہ راہ راست پر ہوں گے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○ ﴾ (محمد 38:47) ”اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ○ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ ﴾ (إبراهيم 14:19,20) ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تم کو نیست و نابود کردے اور (تمھاری جگہ) نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں۔“ یعنی ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی دشوار اور مشکل نہیں ہے۔

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ﴾ ”اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا۔“ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف لوٹ جائے گا، یہ خطاب عام ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ ﴿ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ ﴾ ”تو پھر اللہ جلد ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔“

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز ﴾ ”جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں، کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔“ یہ کامل مومنوں کی صفات ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کے لیے نرم اور اپنے دشمنوں کے لیے انتہائی سخت ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح 48:29) ”محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ضَحُوک وقَتَّال ہیں۔[2] یعنی اپنے دوستوں کے سامنے بے حد تبسم فرمانے والے اور دشمنوں سے سخت جنگ کرنے والے۔

فرمان الٰہی: ﴿ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ﴾ ”اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، أمر بني قينقاع:3/51-53 وتفسير ابن أبي حاتم:4/1155 ودلائل النبوة للبيهقي، باب غزوة بني قينقاع:3/174,175. [2] تفسير السمعاني:5/396.

کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔'' یعنی اطاعتِ الٰہی، اقامتِ حدود، دشمنوں سے جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے انھیں کوئی چیز روک سکتی ہے نہ کسی ملامت گر کی ملامت کے ڈر سے وہ اسے ترک کر سکتے ہیں۔

امام احمد نے حضرت ابوذر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میرے دوست نبی اکرم ﷺ نے مجھے سات باتوں کا حکم دیا: (1) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مسکینوں سے محبت کروں اور ان کے قریب رہوں۔ (2) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے سے کم تر کی طرف دیکھوں اور اپنے سے بالاتر کی طرف نہ دیکھوں۔ (3) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں رشتے داروں سے صلہ رحمی کروں، خواہ وہ مجھ سے قطع رحمی کریں۔ (4) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی سوال نہ کروں۔ (5) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں حق بات کہوں، خواہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ (6) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈروں اور (7) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں کثرت سے [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] پڑھتا رہوں کیونکہ ان کلمات کو عرش الٰہی کے خزانے سے نازل کیا گیا ہے۔①

صحیح حدیث میں ہے: [لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوا: وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ ؟ قَالَ: (يَتَعَرَّضُ) مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ] ''مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ انھوں نے کہا: اپنے آپ کو ذلیل کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ایسی مصیبتیں اٹھالے جن کے اٹھانے کی اسے طاقت نہ ہو۔''②

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔'' ان صفات سے متصف ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) جاننے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ بے حد وحساب اور بے پایاں فضل وکرم والا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون اس کے فضل کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ﴾ ''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں۔'' اور یہ یہودی تمھارے دوست نہیں ہیں بلکہ تمھارا دوستانہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، اس کے محبوب پیغمبر ﷺ اور مومنوں ہی سے ہونا چاہیے۔ اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ ''جو نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' ان صفات کے حامل مومن نماز قائم کرتے ہیں جو ارکان اسلام میں سے سب سے بڑا رکن ہے کیونکہ یہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں جو مخلوق کا حق اور محتاجوں اور مسکینوں کی مدد ہے۔ سو فرمان الٰہی: ﴿ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴾ ''اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔''

---

① مسند أحمد:159/5 والمعجم الأوسط للطبراني:297/6، حديث:5635 . ② جامع الترمذي، الفتن، باب لايتعرض من البلاء لما لا يطيق، حديث:2254 ومسند أحمد:405/5 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب قوله تعالى: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ...... ﴾ الآية (المآئدة5:105)، حديث:4016 وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 613 تفسیر ابن کثیر میں [يتعرض] کی جگہ [يَتَحَمَّلُ] ہے لیکن یہ ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا ہے، ان لوگوں میں سے جنھیں تم سے پہلے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ

کتاب دی گئی تھی اور جو کافر ہیں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو ﴿57﴾ اور جب تم انھیں نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے

اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿58﴾

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بلا شبہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے ﴿58﴾

بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ یہ جملہ ﴿ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ نحوی لحاظ سے حال بن رہا ہے، یعنی وہ حالت رکوع میں زکاۃ ادا کرتے ہیں۔ اگر اس کا یہ مفہوم ہوتا تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حالت رکوع میں زکاۃ ادا کرنا افضل ہے کیونکہ اس کی یہاں تعریف کی گئی ہے لیکن علماء اور ائمۂ فتویٰ میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کہا، لہٰذا اس جملے: ﴿ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان فرض نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجدوں میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے صدقات و خیرات کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرتے ہیں۔

ان آیات کی شانِ نزول: قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ تمام آیات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب انھوں نے یہودیوں کے حلف سے براءت کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی پر رضامندی کا اظہار کیا تھا، اسی لیے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) یقیناً اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ (المجادلة 22,21:58) ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور (اور) بڑا زبردست ہے جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھیں گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیضِ غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے خوش۔ یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) جان لو! کہ اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔''

ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کی دوستی سے راضی ہو جائے تو وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہے، اسی لیے تو اس نے اس آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) یقیناً اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔''

تفسیر آیات: 58,57

کافروں کی دوستی سے ممانعت: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن یہود و نصاریٰ اور ان مشرکین کی دوستی سے نفرت دلائی ہے جو دنیا کے سب سے افضل عمل، یعنی اسلامی شریعت مطہرہ محکمہ پر جو دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی پر مشتمل ہے، عمل کا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنی فاسد رائے اور جامد فکر کے مطابق اسے ہنسی اور کھیل قرار دیتے ہیں۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ ﴾ ''جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (ان کو) اور کافروں کو۔'' یہاں حرف جار مِنْ بیان جنس کے لیے ہے جیسا کہ ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴾ (الحج 30:22) ''لہٰذا تم بتوں کی پلیدی سے بچو۔'' میں بھی حرف جار مِنْ بیان جنس کے لیے ہے۔ وَالْكُفَّارِ کو بعض نے عطف کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے اور دوسروں نے اسے ﴿ لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ کا معمول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔ گویا اصل عبارت اس طرح تھی کہ وَلَا الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ یعنی نہ اہل کتاب کو دوست بناؤ اور نہ کفار کو، کفار سے یہاں مشرکین مراد ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بھی ایسے ہے جیسا کہ امام ابن جریر نے روایت کیا ہے: [لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا]. ①

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔'' اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کو جو تمھارے اور تمھارے دین کے دشمن ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ اگر تم اللہ کی اس شریعت پر ایمان رکھتے ہو جسے انھوں نے ہنسی مذاق قرار دے رکھا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (آل عمران 28:3) ''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں، ہاں! اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف (تم کو) لوٹنا ہے۔''

کفار کا نماز اور اذان کا مذاق اڑانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ﴾

① تفسیر الطبری:392/6.

قُلْ يَآهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے صرف اس وجہ سے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو (چیز) ہماری طرف نازل کی گئی اور (ہم سے)

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿59﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ

پہلے نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور بے شک تم میں سے اکثر نافرمان ہیں﴿59﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں (اس شخص کے بارے میں)

مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ

نہ بتادوں جو جزا کے اعتبار سے، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بدتر ہے؟ یہ وہ شخص ہے کہ اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس پر اپنا غضب نازل کیا، اور ان میں

وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿60﴾

سے بعض کو بندر اور سؤر بنا دیا، اور اس شخص نے شیطان کی بندگی کی، وہی لوگ بدتر درجے میں ہیں اور سیدھی راہ سے وہ سب سے زیادہ گمراہ ہیں﴿60﴾

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ

اور جب وہ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ کفر کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ نکل

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿61﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

گئے اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں﴿61﴾ اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ، زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿62﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ

کرتے ہیں، بہت برا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں﴿62﴾ رب والے اور ان کے علماء انھیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بہت برا

الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿63﴾

ہے جو کچھ وہ (اپنے لیے) تیار کر رہے ہیں﴿63﴾

”اور جب تم لوگ نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔“ یعنی جب تم نماز کے لیے جو عقل و علم والوں کے لیے سب سے افضل عمل ہے، اذان دیتے ہو تو یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور یہ اس لیے کہ یہ سمجھ نہیں رکھتے، اللہ کی عبادت اور اس کی شریعت کے معانی کو نہیں سمجھتے اور یہ اس شیطان کے پیروکار ہیں، [إِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ أَدْبَرَ (وَلَهُ حُصَاصٌ) أَيْ ضُرَاطٌ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّأْذِينُ أَقْبَلَ، (فَإِذَا) ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ (قَلْبِهِ) فَيَقُولُ : اُذْكُرْ كَذَا ، اُذْكُرْ كَذَا ، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَّذْكُرُ (قَبْلُ) حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلّٰى، (فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ) (قَبْلَ السَّلَامِ)] ”جب اذان سنتا ہے تو (شیطان) بھاگ اٹھتا ہے حتی کہ اس کی ہوا خارج ہونے لگتی ہے تاکہ اذان کو سن نہ سکے لیکن جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو وہ پھر آ جاتا ہے اور جب نماز کے لیے اقامت ہونے لگتی ہے تو پھر بھاگ اٹھتا ہے اور جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے اور نماز پڑھنے والے آدمی کے دل میں وسوسے پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات یاد کرو، وہ بات یاد کرو، ایسی ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جو پہلے بھولی بسری ہوتی ہیں۔ (اور آدمی ان باتوں میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ)

اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں ، چنانچہ جب کسی کو اس طرح کی صورت حال پیش آئے تو وہ سلام سے پہلے دو سجدے کر لے۔''[1]

امام زہری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اذان کا بھی ذکر فرمایا ہے، پھر انھوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی۔[2] اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

تفسیر آیات: 63-59

اہل کتاب کا ایمان کی وجہ سے مومنوں کو برا سمجھنا: اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اہل کتاب کے ان لوگوں سے کہہ دیجیے جنھوں نے آپ کے دین کو ہنسی مذاق بنایا ہے: ﴿هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ﴾ ''کیا تم ہم سے صرف اس وجہ سے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو (چیز) ہماری طرف نازل کی گئی اور جو (کتابیں) پہلے نازل کی گئی ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں؟'' اس کے سوا تمھیں ہم پر کوئی اور اعتراض ہے یا اس کے سوا ہمارا کوئی اور قصور؟ حالانکہ یہ کوئی عیب یا قابل مذمت بات نہیں ہے، گویا یہاں یہ استثناء منقطع ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے: ﴿وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ﴾ (البروج 8:85) ''اور ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ﴾ (التوبۃ 74:9) ''اور انھوں نے اس بات کا غصہ نکالا کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے (اپنی مہربانی سے) ان کو دولت مند کر دیا تھا۔'' متفق علیہ حدیث میں ہے کہ [مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فَقِيرًا فَأَغْنَاهُ اللّٰهُ] ''ابن جمیل تو اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو (اب) اللہ نے اسے دولت مند بنا دیا ہے۔''[3]

اور فرمان الٰہی: ﴿وَ اَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿59﴾﴾ ''اور بے شک تم میں اکثر بدکردار ہیں۔'' یہ ﴿اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ﴾ پر عطف ہے، یعنی ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ تم میں سے اکثر لوگ بدکردار ہیں، یعنی سیدھے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اہل کتاب روز قیامت بدترین عذاب کے مستحق ہوں گے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل التأذين، حديث: 608 والسهو، باب السهو في الفرض والتطوع، حديث: 1232 وصحيح مسلم، الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، حديث: (19)-389 کتب احادیث میں إذا سمع الأذان کے الفاظ اس مقام پر بایں الفاظ منقول ہیں: [إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ] یا [إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ] اور قوسین والے الفاظ علی الترتیب درج ذیل حوالوں میں دیکھیے صحيح مسلم، حديث: (17)-389 وسنن النسائي، السهو، باب التحري، حديث: 1254 وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: (82)-389 بعد الحديث: 569 وصحيح مسلم، حديث: (88)-571. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1164/4. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 60:9)، حديث: 1468 وصحيح مسلم، الزكاة، باب في تقديم الزكاة ومنعها، حديث: 983 .

﴿ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں تمھیں (ان لوگوں کے بارے میں) نہ بتاؤں کہ جو اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے ہیں؟'' یعنی تم تو ہمارے بارے میں بدگمانی کرتے ہو لیکن کیا میں تمھیں بتاؤں کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بدترین سزا کسے ملے گی؟ یقیناً وہ تمھی ہو کہ جن کی صفات اللہ نے یوں بیان فرمائی ہیں: ﴿ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ ''جن پر اللہ نے لعنت کی۔'' یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ﴿ وَغَضِبَ عَلَيْهِ ﴾ ''اور جس پر وہ غضب ناک ہوا۔'' ایسا غضب ناک کہ اس کے بعد پھر وہ کبھی بھی ان سے راضی نہیں ہوگا۔ ﴿ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ ﴾ ''اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سؤر بنا دیا۔'' جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔① نیز سورۂ اعراف میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔②

امام سفیان ثوری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بندروں اور سؤروں کے بارے میں پوچھا گیا: کیا یہ وہی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُهْلِكْ قَوْمًا أَوْ يَمْسَخْ قَوْمًا،فَيَجْعَلَ لَهُمْ نَسْلًا وَّلَا عَقِبًا] ، [وَّإِنَّ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو بھی ہلاک کیا یا مسخ کیا تو ان کی نسل پھیلی اور نہ کوئی (ان کا) جانشین بنا اور بے شک بندر اور سؤر تو ان مسخ ہونے والے لوگوں سے پہلے بھی تھے۔''③

ارشاد الٰہی: ﴿ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ﴾ اور یعنی ان میں سے شیطان کے خدام اور غلام بنا دیے۔ معنی یہ ہیں کہ اے اہل کتاب! تم ہمارے دین پر تو طعن کرتے ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور ماسوا کے بجائے محض اسی کے لیے عبادات کا نام ہے تو تمھیں یہ باتیں کیسے زیب دیتی ہیں، حالانکہ تم میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا ﴾ ''ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی تم تو ہمارے بارے میں کہتے ہو مگر درحقیقت یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا بہت برا ہوگا۔ ﴿ وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ﴾ ''اور وہ سیدھے رستے سے سب سے گمراہ ہیں۔'' یہاں اسم تفضیل کے صیغے کا استعمال اس قبیل سے ہے جہاں دوسری طرف مشارکت نہیں ہوتی جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے: ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ ﴾ (الفرقان 24:25) ''اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام قیلولہ بھی خوب ہوگا۔''

ایمان ظاہر کرنا اور کفر چھپانا منافقوں کی عادت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ﴾ ''اور جب یہ لوگ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے،

① دیکھیے البقرۃ، آیت: 65 کے ذیل میں۔ ② دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر، آیت: 164 کے ذیل میں۔ ③ صحیح مسلم، القدر، باب بیان أن الآجال والأرزاق وغیرها......، حدیث:(33)-2663 وتحفۃ الأخیار(مشکل الآثار)، التفسیر، باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللّٰہ فی القردۃ والخنازیر......:336/8، حدیث:6004 و مسند أحمد:413/1 . اس حدیث کا پہلا حصہ تحفۃ الأخیار کے مطابق اور دوسرا حصہ صحیح مسلم کے مطابق ہے۔

حالانکہ وہ کفر لے کر داخل ہوئے تھے اور وہ اسی کے ساتھ نکل گئے۔'' یہ منافقوں کی نشانی ہے کہ مومنوں کو دھوکا دینے کے لیے ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن دلوں میں کفر چھپائے ہوتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ ﴾ ''حالانکہ یہ کفر لے کر (آپ کے پاس) داخل ہوئے تھے۔'' اور جب آپ کے پاس سے واپس جاتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے دلوں میں کفر چھپا ہوتا ہے، آپ سے انھوں نے جو علم سنا ہوتا ہے، اس سے یہ قطعاً کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور نہ ہی وعظ ونصیحت کا ان پر کوئی اثر ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ﴾ ''اور وہ اسی کو لے کر نکل گئے تھے۔'' اور یہ بطور خاص انھی کی نشانی ہے۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں، اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور ان کے دلوں کی کیفیتوں کو خوب جانتا ہے، خواہ لوگوں کے سامنے یہ حقیقت کے خلاف ہی اظہار کیوں نہ کریں مگر اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہ ان کے بارے میں خود ان سے بھی زیادہ بہتر جانتا ہے اور وہ انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط ﴾ ''اور آپ دیکھیں گے کہ ان میں اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں۔'' گناہوں کا ارتکاب کرنے، حرام کاموں کے اختیار کرنے، لوگوں پر زیادتی کرنے اور لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھانے میں یہ بہت جلدی کرتے ہیں۔ ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''بے شک بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' ان کا عمل بہت برا عمل اور ان کی زیادتی بدترین زیادتی ہے۔

علماء ومشائخ کو سرزنش: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾ ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انھیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ بلاشبہ وہ بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' یعنی مشائخ اور علماء کو چاہیے تھا کہ وہ انھیں ان کاموں سے روکتے۔ ربانیوں سے ان کے صاحب اقتدار علماء اور احبار سے صرف علماء مراد ہیں۔ ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''بلاشبہ وہ بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھیں ان کاموں سے منع نہ کرنے کی وجہ سے ان کے مشائخ اور علماء بھی برا کرتے تھے۔[1] امام ابن جریر نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی اور ایسی آیت نہیں جس میں اس سے بڑھ کر سرزنش کی گئی ہو۔[2]

امام ابن ابوحاتم نے یحییٰ بن یعمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لیے تباہ وبرباد ہوئے کہ انھوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور ان کے مشائخ وعلماء نے انھیں منع نہ کیا اور جب وہ گناہوں میں بری طرح مبتلا ہو گئے تو سزاؤں نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، لہٰذا تم نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے منع کیا کرو، قبل اس کے کہ تم پر بھی کوئی ایسا عذاب نازل ہو جیسا کہ ان پر نازل ہوا تھا، یاد رکھو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

[1] تفسیر الطبری:403/6. [2] تفسیر الطبری:403/6.

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ وقف لازم

اور یہودیوں نے کہا: ''اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔'' بندھ گئے انھی کے ہاتھ، اور لعنت پڑی ان پر ان کے اس قول (ان کی اس بکواس) کی وجہ سے، بلکہ اللہ کے

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ

تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، ان میں

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ

سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں ضرور اضافے کا باعث بنے گا۔ اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی

اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿64﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ

وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿64﴾ اور اگر اہل کتاب

الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿65﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

ایمان لے آئیں اور پرہیزگاری اختیار کرلیں تو یقیناً ہم ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں گے اور انھیں نعمت والے باغوں میں ضرور داخل کریں گے﴿65﴾

اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

اور اگر یقیناً وہ تورات اور انجیل اور اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے

اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿66﴾ ع 9 10 13

پاؤں کے نیچے سے (وافر رزق) کھاتے، ان میں سے ایک گروہ درمیانی راہ چلنے والا ہے۔ اور ان میں سے زیادہ تر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ برا ہے﴿66﴾

سے نہ تو کسی کے رزق میں کمی آسکتی ہے اور نہ اس سے کسی کی موت قریب ہوسکتی ہے۔[1]

امام احمد نے جریر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ قَوْمٍ يَّكُونُ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ مَّنْ يَّعْمَلُ بِالْمَعَاصِي هُمْ أَعَزُّ مِنْهُ وَأَمْنَعُ ، لَمْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ بِعِقَابٍ] ''جس قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور وہ اس سے زیادہ معزز اور زیادہ طاقت ور ہونے کے باوجود اسے گناہوں سے منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔''[2] اس روایت کو اس طرح صرف امام احمد ہی نے روایت کیا ہے۔

امام ابوداود نے بھی حضرت جریر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ [مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّكُونُ فِي قَوْمٍ يُّعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي ، يَقْدِرُونَ عَلٰى أَنْ يُّغَيِّرُوا عَلَيْهِ ، فَلَا يُغَيِّرُوا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّمُوتُوا] ''جب کوئی شخص کسی قوم میں معاصی کا ارتکاب کرے اور وہ اسے منع کرنے کی قدرت تو رکھتے ہوں مگر منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ انھیں ان کے مرنے سے پہلے ضرور اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔''[3]

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1166/4، 1167. [2] مسند أحمد: 363/4. [3] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4339 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث: 4009.

تفسیر آیات:64-66

یہودیوں کا قول کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے: اللہ تعالیٰ یہودیوں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک مسلسل لعنت ہو۔ کے بارے میں فرما رہا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کی ہے جس سے اس کی ذات پاک بہت بلند و بالا ہے اور وہ یہ کہ وہ بخیل ہے جیسا کہ ان ملعونوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ فقیر ہے مگر ہم دولت مند ہیں، اللہ تعالیٰ کو بخیل قرار دیتے ہوئے انھوں نے کہا: ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ ''کہ اللہ کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے۔''

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ سے ان کی یہ مراد نہیں تھی کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے بلکہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ بخیل ہے اور اس کے پاس جو کچھ ہے اس کو اس نے روک رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان کی اس بات سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی اور ضحاک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] اور جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی مفہوم ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝﴾ (بنی إسرآئیل 17:29) ''اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ ہی بالکل کھول دو (کہ سبھی کچھ دے دو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بخل اور تبذیر سے منع کیا ہے، تبذیر یہ ہے کہ غیر محل میں زیادہ خرچ کیا جائے۔ ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ کہنے سے یہودیوں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت۔ کی یہی مراد تھی کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ آیت فِنحاص یہودی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ. اسی ملعون نے یہ کہا تھا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾ (آل عمران 3:181) اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند۔'' اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے مارا بھی تھا۔[3] اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے ان کے کذب و افتراء کے جواب میں فرمایا: ﴿غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا﴾ ''انھیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت کی گئی۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بخل، حسد، بزدلی اور ذلت میں بے حد بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۝﴾ (النسآء 4:53، 54) ''کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے؟ تب تو لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی نہ دیں گے یا جو اللہ نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس کا حسد کرتے ہیں؟ تو تحقیق ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عنایت فرمائی تھی اور انھیں سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[1] تفسیر الطبری:405/6 وتفسیر ابن أبی حاتم:1167/4. [2] تفسیر الطبری:405/6. [3] تفسیر الطبری:258/4 وتفسیر ابن أبی حاتم:829/3.

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ...... الآية (البقرة2:61) ''ان پر ذلت مسلط کردی گئی۔''

اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ ﴾ ''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح (اور جتنا) چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔'' یعنی وہ بے پایاں فضل وکرم کا مالک اور بے حد وحساب عطا فرمانے والا ہے، ہر چیز کے اس کے پاس بے پناہ خزانے ہیں، اس کی مخلوق کو جو بھی نعمت حاصل ہے، وہ اسی وحدہ لاشریک ہی کے پاس سے ہے، اس نے ہماری ضرورت کی ہر اس چیز کو پیدا فرمایا ہے جس کی ہمیں رات دن، حضر وسفر اور تمام حالات میں ضرورت تھی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ ﴾ (إبراهيم14:34) ''اور جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس نے ہر وہ چیز تم کو عنایت کی اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننے لگو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے۔ کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف (اور) ناشکرا ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے عبدالرزاق از مَعْمَر از ہَمّام بن مُنَبِّہ کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ يَمِينَ اللّٰهِ مَلْأَى، لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَمِينِهِ قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْأُخْرَى الْقَبْضُ يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ (وَقَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنْفِقْ ، أُنْفِقْ عَلَيْكَ)] ''بے شک اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کر سکتا، کیا تم نے دیکھا کہ اس نے جب سے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے، اس کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کر سکا جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے۔ اور فرمایا اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں قبضہ ہے جس کے ساتھ وہ بلند اور پست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''① اسے امام بخاری اور مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔②

قرآن مجید کے نزول سے یہود کی سرکشی وکفر میں اضافہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ ﴾ ''اور (اے نبی!) جو (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، وہ ان میں سے اکثر کی سرکشی اور تکذیب کو زیادہ کرے گا۔'' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ نے آپ کو جو نعمت عطا فرمائی ہے، یہ آپ کے دشمن یہودیوں وغیرہ کے حق میں سزا ہے، اس سے جس طرح مومنوں کی تصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اس طرح آپ اور آپ کی امت سے حسد کرنے والوں کی سرکشی وکفر میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ طغیان کے معنی اشیاء میں حد سے

① مسند أحمد:2/313، البتہ قوسین والے الفاظ صحیحین میں اسی حدیث کی ابتدا میں وارد ہیں۔ ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (هود11:7)، حديث:4684 وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على النفقة ......، حديث:993 .

بڑھ جانا اور کفر کے معنی تکذیب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:44) ''کہہ دیجیے کہ جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا پن ہے یہ لوگ (جو حق بات نہیں سنتے گویا) دور جگہ سے پکارے جا رہے ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:82) ''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ''اور ہم نے ان کے باہم عداوت اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے۔'' یعنی ان کے دل کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے بعض فرقوں کی بعض کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک کے لیے عداوت رہے گی کیونکہ یہ حق پر کبھی بھی اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے، پھر انھوں نے آپ کی مخالفت و تکذیب بھی کی ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ ﴾ ''یہ جب لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔'' یعنی آپ کے خلاف انھوں نے جب بھی اسباب مہیا کیے اور آپ کے خلاف انھوں نے جب بھی لڑائی کی تو اللہ نے اسے باطل کر دیا اور ان کے مکر و فریب کو رد کر دیا اور ان کے بدترین مکر و فریب نے خود انھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ﴿ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝64 ﴾ ''اور یہ ملک میں فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' یعنی ان کی عادت یہ ہے کہ یہ ہمیشہ زمین میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اہل کتاب اپنی کتاب کے مطابق عمل کر کے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ﴾ ''اور یقیناً اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے۔'' یعنی اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاتے اور گناہوں اور حرام کاموں کے ارتکاب سے پرہیز کرتے ﴿ لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝65 ﴾ ''تو ہم ان سے ان کے گناہ محو کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔'' ان سے ناپسندیدہ امور کو زائل کر دیتے اور انھیں مقصود تک پہنچا دیتے۔ ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اور کتابوں سے مراد قرآن مجید ہے۔[1]

﴿ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ ﴾ ''تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:4/1170 .

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دیجیے۔اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کی پیغمبری

وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿67﴾

کا حق ادا نہ کیا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا، اور بلاشبہ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا﴿67﴾

نیچے سے کھاتے۔'' اگر یہ ان کتابوں کے مطابق کسی تحریف وتغیر اور تبدیلی کے بغیر صحیح صحیح عمل کرتے جو انبیاء کی طرف سے ان کے ہاتھوں میں موجود ہیں تو یہ بات یقینی طور پر انھیں اتباع حق اور اس شریعت کے تقاضے کے مطابق عمل کی طرف لے جاتی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے کیونکہ ان کی کتابیں آپ کی تصدیق اور آپ کی اتباع کے حکم سے بھری ہوئی ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ ﴾ ''اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔'' یعنی اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھانے سے، آسمان سے برسنے والے اور زمین سے اگنے والے رزق کی فراوانی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الأعراف 96:7) ''اور اگر بے شک ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیز گار رہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿66﴾ ﴾ ''ان میں کچھ لوگ میانہ رو ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال برے ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 159:7) ''اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا رستہ بتاتے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔'' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ ﴾ (الحدید 27:57) ''پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے میانہ روی کو ان لوگوں کے مقامات میں سے سب سے اعلیٰ درجہ قرار دیا ہے جبکہ اس امت کے مقامات میں سے یہ درمیانہ درجہ ہے کیونکہ اس سے اوپر کا درجہ سابقین کا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ○ ﴾ (فاطر 33,32:35) ''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں، یہی بڑا فضل ہے (ان لوگوں کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس

(جنت) میں ان کی پوشاک ریشمی ہوگی۔''

تفسیر آیت:67

تبلیغ کا حکم اور معصیت پر وعید: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کو یہاں ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ﴾ کے نام سے مخاطب فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ وہ سب کچھ لوگوں کو پہنچا دیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ آپ نے بھی اس ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے وحی الٰہی میں سے کچھ چھپایا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ...... ﴾ الآیة ''اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دیں......'' امام بخاری نے اس روایت کو یہاں مختصر اور صحیح کے دیگر کئی مقامات پر تفصیل سے بھی بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے بھی اسے صحیح کی کتاب الإیمان میں اور امام ترمذی اور نسائی نے اپنی اپنی ''سنن'' کی کتاب التفسیر میں بیان فرمایا ہے۔[1]

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ اگر حضرت محمد ﷺ نے کسی آیت کو چھپایا ہوتا تو وہ اس آیت کریمہ کو ضرور چھپا لیتے: ﴿ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ ﴾ (الأحزاب 37:33) ''اور آپ اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہری کا بھی یہ قول بیان کیا ہے کہ اللہ کے ذمے پیغام بھیجنا، رسول کے ذمے اسے لوگوں تک پہنچا دینا اور ہمارے ذمے اسے تسلیم کرنا ہے۔[3] آپ کی امت نے بھی اس وقت اس بات کی گواہی دی تھی کہ آپ نے اللہ کے پیغام کو امت تک پہنچا دیا اور امانت کو ادا فرما دیا ہے۔ جب آپ نے حجۃ الوداع کے دن خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے، اپنی زندگی کے سب سے بڑے اجتماع میں ان سے یہ پوچھا تھا۔ اس اجتماع میں چالیس ہزار کے قریب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جمع تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنے خطبے میں ارشاد

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ ﴾ (المآئدة 67:5)، حدیث: 4612 وصحیح مسلم، الإیمان ، باب معنی قول اللّٰہ عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ...... ﴾ (النجم 13:53)، حدیث: 177 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حدیث: 3068 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، قوله تعالیٰ: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ ﴾: 336,335/6 حدیث: 11147. [2] صحیح البخاری، التوحید، باب ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ ﴾ (هود 7:11) ...... ، حدیث: 7420 عن أنس رضی اللہ عنہ. وصحیح مسلم، الإیمان، باب معنیٰ قول اللّٰہ عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ ﴾ (النجم 13:53)، حدیث: (288)-177. [3] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ ﴾، تعلیقا قبل حدیث: 7530 .

فرمایا:[أَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّی، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ ، فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَ يَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ] ''تم سے میرے بارے میں بھی پوچھا جائے گا تو کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم سب یہ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے پیغام رسالت کو پہنچا دیا، ادا فرمادیا اور امت کی ہمدردی وخیر خواہی فرمائی تو آپ اپنی انگلی مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے اور اس کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے: [اَللّٰهُمَّ! هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ! هَلْ بَلَّغْتُ؟] ''اے اللہ! کیا میں نے (تیرے پیغام کو) پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ! کیا میں نے (تیرے پیغام کو) پہنچا دیا ہے؟''①

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ ﴾ ''اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس (اللہ) کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔'' یعنی اگر آپ اسے لوگوں تک نہ پہنچائیں گے جس کے ساتھ ہم نے آپ کو بھیجا ہے تو پھر معلوم ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت کو بھی چھپایا تو آپ نے گویا اللہ کے پیغام کو نہ پہنچایا۔②

فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ ''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے رکھے گا۔'' یعنی تم میرے پیغام کو پہنچا دو، میں تمھارا حافظ وناصر ہوں، دشمنوں کے مقابلے میں تمھیں فتح ونصرت سے سرفراز کروں گا تم کسی قسم کا خوف وحزن دل میں نہ لاؤ، آپ کے دشمنوں میں سے کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا، اس آیت کے نزول سے قبل نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظ ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

جیسا کہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار رہے اور میں بھی آپ کے پاس ہی لیٹی ہوئی تھی، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا:[لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِّنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِيَ اللَّيْلَةَ] ''اے کاش! کوئی نیک صحابی آج رات میری حفاظت کرے۔'' ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ میں نے ہتھیار کی آواز سنی تو آپ نے فرمایا:[مَنْ هٰذَا؟] ''کون ہے؟'' آنے والے نے عرض کی: میں سعد بن مالک③ ہوں، فرمایا:[مَاجَاءَ بِكَ؟] ''کیسے آنا ہوا؟'' اس نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میں آیا ہوں کہ (آج رات) آپ کا پہرہ دوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے سو گئے حتی کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔④ اسے بخاری ومسلم نے بھی بیان کیا ہے۔⑤ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ مدینہ میں آمد کے بعد ایک

① صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث:1218 اس حدیث کا آخری حصہ صحیح البخاری، الحج، باب الخطبة أيام منى، حدیث:1739 مطوّلاً کے مطابق ہے۔ ② تفسیر الطبری:414/6 . ③ صحیح بخاری ومسلم میں ابو وقاص ہے جو مالک ہی کی کنیت ہے۔ ④ مسند أحمد:141/6. ⑤ صحیح البخاری، الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللّٰہ، حدیث:2885 وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ، حدیث:2410.

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم تورات وانجیل اور اپنی طرف اپنے رب کی طرف سے نازل

مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ

کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے لگو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، ان میں سے

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ

اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافے کا باعث بنے گا، اور آپ کافروں کی قوم کا غم نہ کھائیں ﴿68﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

یہودی ہوئے اور صابی (بے دین) اور نصاریٰ، ان میں سے جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿69﴾

ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿69﴾

رات بیدار رہے۔[1] یعنی ہجرت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بعد سن 3 ہجری کا واقعہ ہے۔

امام ابن ابو حاتم نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہرے کا انتظام کیا جاتا تھا حتیٰ کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ ﴾ ''اور اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے بچائے رکھے گا۔'' تو آپ نے قبے سے سر مبارک نکالا اور فرمایا: [يَاأَيُّها النَّاسُ! اِنْصَرِفُوا، فَقَدْ عَصَمَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ] ''لوگو! تم چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ مجھے بچائے گا۔''[2] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔[3] امام ابن جریر اور امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری ومسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[4]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿67﴾ ﴾ ''بے شک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' یعنی آپ پیغام الٰہی کو بس پہنچا دیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے کہ جسے چاہے ہدایت فرمائے اور جسے چاہے گمراہ رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ﴾ (البقرۃ 272:2) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں اور لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ ﴾ (الرعد 40:13) ''تو آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کو) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔''

تفسیر آیات: 69,68

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، حديث: (40)-2410. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1174,1173/4. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث: 3046. [4] تفسير الطبري: 415/6 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المائدة: 313/2، حديث: 3221.

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی طرف کئی رسول بھیجے۔ جب ان کے پاس کوئی رسول ایسی چیز لے کر آیا جسے ان کے

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

نفس پسند نہیں کرتے تھے تو بعض نبیوں کو انھوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل ہی کر دیتے تھے ﴿70﴾ اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ (ان کی) کوئی آزمائش نہ

فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

ہوگی، چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ ان پر مہربان ہوا، مگر ان میں سے زیادہ تر لوگ پھر اندھے اور بہرے ہوگئے، اور اللہ خوب دیکھنے

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿71﴾

والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿71﴾

قرآن کے ساتھ ایمان کے بغیر نجات نہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ اعلان فرما دیں: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ﴾ ''اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے۔'' یعنی تم کچھ بھی دین پر نہیں ہو سکتے جب تک تم تورات و انجیل کو قائم نہ رکھو، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام پر نازل ہونے والی تمام کتابوں کے ساتھ ایمان نہ لاؤ اور ان کے مطابق عمل نہ کرو اور انھی کتابوں میں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی اتباع کرو، ان پر ایمان لاؤ اور ان کی شریعت کی اقتدا کرو۔

اور فرمان الٰہی: ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ﴾ ''اور (یہ قرآن) جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر ضرور زیادہ کرے گا۔'' اس جملے کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[1]

﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾﴾ یعنی آپ ان کافروں پر افسوس نہ کریں اور ان کی وجہ سے غم نہ کھائیں، پھر فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ پر ایمان لائے۔'' اور وہ مسلمان ہیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ''اور جو لوگ یہودی ہوئے'' حاملین تورات ﴿وَالصّٰبِـُٔوْنَ﴾ ''اور بے دین'' فاصلہ طویل ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ عطف یہاں بہت موزوں ہے۔ امام مجاہد کے بقول صابی، عیسائیوں اور مجوسیوں کے درمیان ایک ایسا گروہ تھا جس کا کوئی دین نہ تھا۔[2] اور ﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ تو مشہور ہی ہیں کہ ان سے مراد حاملین انجیل ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ ہر وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے اور ایسا اس وقت تک ہو نہیں سکتا جب تک تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو جو شخص بھی ان اوصاف سے متصف ہوگا، اسے نہ مستقبل میں کوئی خوف ہوگا اور نہ اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی دنیا کا کوئی

① دیکھیے المآئدۃ، آیت: 64 عنوان: ''قرآن مجید سے یہودیوں کی سرکشی و کفر میں اضافہ'' کے ذیل میں۔ ② تفسیر ابن أبي حاتم: 1175/4.

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی

اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے، بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اور اس

وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿72﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں﴿72﴾ یقیناً کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ وقف لازم

اور کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ

ضرور درد ناک عذاب ملے گا ﴿73﴾ پھر کیا وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿74﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

رحم کرنے والا ہے ﴿74﴾ مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول ہی۔ بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی ماں

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ

صدیقہ (نہایت راستباز) تھی، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھیں ہم ان کے لیے کیسی کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھیں

اُنْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿75﴾

وہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں! ﴿75﴾

غم۔ سورۂ بقرہ کی اس طرح کی ایک آیت میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے،[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 71,70

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سنیں گے اور اس کی اطاعت بجالائیں گے مگر انھوں نے اس عہد و پیمان کو توڑ کر اپنی آراء اور خواہشات کی پیروی کی اور انھیں اللہ کی شریعتوں سے مقدم قرار دیا، شریعتوں کی جو بات ان کی خواہشات کے مطابق تھی اسے لے لیا اور جو مطابق نہ تھی اسے بلا دریغ رد کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ﴾ ''جب بھی کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان کی) کوئی آزمائش نہیں ہوگی تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔'' یعنی انھوں نے یہ خیال کیا کہ ان کے کرتوتوں

[1] دیکھیے آیت: 62 کے ذیل میں۔

کی وجہ سے ان پر کوئی آفت نہیں آئے گی، چنانچہ آفت آن پڑی اور ان کا حال یہ ہوا کہ وہ حق سے اندھے بہرے ہو گئے کہ یہ حق کو سن ہی نہیں سکتے اور نہ اس کی طرف راہ پا سکتے ہیں مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ ﴿ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ دیکھ رہا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے حالات سے مطلع ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور گمراہی کا مستحق کون؟

تفسیر آیات:72-75

عیسائیوں کا کفر اور حضرت مسیح کی دعوتِ توحید: اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے ان فرقوں مَلَکِیّہ، یعقوبیہ اور نَسطوریہ کو کافر قرار دیا ہے جنھوں نے یہ کہا تھا کہ مسیح اللہ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان کی اس بات سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو خود بھی ان سے فرمایا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پنگوڑے میں انھوں نے سب سے پہلے جو بات کی تھی وہ یہی تھی: ﴿ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ ﴾ (مریم 30:19) ''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔'' آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں اللہ یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ فرمایا: ﴿ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ ﴾ (مریم 30:19) ''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔'' اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ ﴾ (مریم 36:19) ''اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔'' اسی طرح انھوں نے حالتِ کہولت و نبوت میں بھی انھیں اپنے اور ان کے رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا تھا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ ''اور مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا پروردگار ہے اور تمھارا بھی پالن ہار۔ (اور جان رکھو کہ) بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا۔'' یعنی اس کے ساتھ غیر کی عبادت کرے گا۔ ﴿ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ ﴾ ''تو یقیناً اللہ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' یعنی اللہ نے ان کے لیے جہنم کو واجب اور جنت کو حرام قرار دے دیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ (النسآء 116:4) ''بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 50:7) ''اور دوزخی بہشتیوں سے پکار کر کہیں گے کہ (کسی قدر) ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ نے تمھیں عنایت فرمایا ہے ان میں سے (کچھ ہمیں بھی دو) وہ جواب دیں گے کہ بے شک اللہ نے بہشت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ لوگوں میں جا کر یہ اعلان کر دے:[أَنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُّسْلِمَةٌ] ''جنت میں صرف مسلمان انسان ہی داخل ہو سکے گا۔''① اور ایک روایت میں [مُؤْمِنَةٌ] کا لفظ ہے۔''②
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا تھا: ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿72﴾ ﴾ ''بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو یقیناً اللہ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا اور نہ اس کے عذاب سے اسے کوئی بچا سکے گا۔

ارشاد الٰہی: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ ﴾ ''البتہ تحقیق وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔'' یہ آیت بطور خاص عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام مجاہد اور کئی ایک ائمہ نے فرمایا ہے۔③ امام سُدّی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ انھوں نے حضرت مسیح اور ان کی والدہ کو بھی الٰہ بنا دیا، یہ آیت ایسے ہے جیسے اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ ﴾ (المآئدۃ 5:116)
''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو دو معبود بنا لو وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے۔''④ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ ﴾ ''حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'' کیونکہ متعدد معبود نہیں ہیں بلکہ وہ وحدہ لاشریک ہی تمام کائنات اور ساری موجودات کا معبود ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ''اور اگر یہ لوگ ایسے اقوال (و عقائد) سے باز نہیں آئیں گے۔'' اور اس کذب و افتراء کو ترک نہیں کریں گے۔ ﴿ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ ﴾ ''تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں ضرور دردناک عذاب ہوگا۔'' آخرت میں انھیں طوق اور زنجیریں پہنا کر جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿74﴾ ﴾ ''تو یہ کیوں اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق کے ساتھ جود و کرم اور لطف و رحمت کی انتہا ہے کہ اس عظیم گناہ اور کذب و افتراء کے باوجود وہ توبہ و استغفار

① صحيح البخاري، الرقاق، باب الحشر، حديث:6528 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون هذه الأمة نصف أهل النار، حديث:(377)-221 عن ابن مسعود ﷺ مطوّلا . ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة ، حديث:3092 وسنن النسائي، مناسك الحج، باب قوله عزوجل: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (الأعراف7:31)، حديث:2961 عن علي ﷺ. البتہ اس لفظ کا سیاق مختلف ہے۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم:1178/4 والدرالمنثور:532/2 .
④ تفسير ابن أبي حاتم:1179/4 وتفسير الطبري:423/6 .

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمھارے لیے نقصان اور نفع کا کوئی اختیار نہیں رکھتی؟ اور اللہ ہی تو خوب سننے والا،

الْعَلِيْمُ ﴿76﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ

خوب جاننے والا ہے ﴿76﴾ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے

10 ع 11 14 قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿77﴾ ع

گمراہ ہو چکے ہیں، اور انھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بہک گئے ﴿77﴾

کی دعوت دے رہا ہے۔ اور جو شخص صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔

مسیح اللہ کے بندے اور ان کی ماں راست باز ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ ”مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے تحقیق ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔“ یعنی وہ بھی سابقہ تمام انبیائے کرام کی طرح بندگانِ الٰہی میں سے ایک بندے اور اس کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (الزخرف 59:43) ”وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ہم نے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا۔“ ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ﴾ ”اور ان کی والدہ صدیقہ (سچی فرمانبردار) تھی۔“ یعنی اللہ کے ساتھ ایمان لانے والی اور اس کی تصدیق کرنے والی تھیں اور یہ ان کے مقامات میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت نہیں ملی تھی۔

ارشاد الٰہی: ﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ﴾ ”دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔“ یعنی وہ دونوں کھانا بھی کھاتے تھے اور اس کے فضلے کو خارج بھی کرتے تھے، اس لیے کہ وہ دونوں بھی دیگر تمام انسانوں کی طرح انسان ہی تھے، معبود نہیں تھے جیسا کہ عیسائیوں کے کئی جاہل فرقوں نے انھیں معبود بنا لیا تھا۔ ان پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت برسے۔ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ﴾ ”دیکھیں! ہم ان لوگوں کے لیے (اپنی) آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں!“ انھیں بے حد واضح اور ظاہر کر دیتے ہیں، ﴿ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿75﴾﴾ ”پھر دیکھیں کہ یہ کدھر پھرے جا رہے ہیں؟“ اس بیان اور وضاحت وصراحت کے بعد یہ کدھر جا رہے ہیں؟ کس قول کو یہ تھامے ہوئے ہیں؟ یہ کس گمراہ مذہب کو اختیار کیے ہوئے ہیں؟

تفسیر آیات: 77,76

شرک اور دین میں غلو کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جو اس کے سوا بتوں، شرکاء اور پروہتوں کی عبادت کرتے ہیں اور واضح فرمایا ہے کہ یہ الٰہیت کے قطعاً مستحق نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے“ یعنی اے محمد (ﷺ)! بنی آدم کے ان تمام فرقوں سے یہ کہہ دیجیے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس میں عیسائی اور غیر عیسائی تمام مشرک شامل ہیں: ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ ”کیا تم

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝78 كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

سے گزر جاتے تھے ⑱ وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کیونکہ انھوں نے وہ خود کیا ہوتا تھا، بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے ⑲ آپ ان

يَفْعَلُوْنَ ۝79 تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنھوں نے کفر کیا۔ بہت برا ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے آگے بھیجا کہ اللہ

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝80 وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ

ان سے ناراض ہو گیا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں ⑳ اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ اللہ پر اور اس کے نبی پر اور اس پر ایمان لاتے جو اس کی طرف

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝81

نازل کیا گیا، تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ㉑

اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو جس کو تمھارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں؟'' یعنی اسے تم سے نقصان کے دور کرنے اور تمھیں نفع پہنچانے کی کوئی قدرت نہیں ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝76 ﴾ ''اور اللہ ہی (سب کچھ) سنتا، جانتا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا اور ہر چیز کو جانتا ہے، لہٰذا تم اس سے اعراض کر کے ایسے بے جان جسموں اور مورتیوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، نہ جانتی ہیں اور نہ اپنے یا کسی اور کے نفع و نقصان ہی کا کچھ بھی اختیار رکھتی ہیں؟

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔'' یعنی اتباع حق کرو اور حد سے نہ بڑھو جس شخصیت کی تعظیم کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں بے حد مبالغہ آرائی سے کام نہ لو کہ اسے دائرۂ نبوت سے نکال کر مقام الٰہیت تک پہنچا دو جیسا کہ مسیح کے بارے میں تم نے کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے ایک نبی تھے مگر تم نے انھیں معبود بنا دیا اور یہ اس لیے کہ تم اپنے مشائخ کی اقتدا کر رہے ہو، ان مشائخ ضلالت کی اقتدا جو تمھارے اسلاف تھے اور زمانۂ قدیم میں گمراہ ہو چکے تھے: ﴿ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝77 ﴾ ''جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔'' یعنی طریق استقامت و اعتدال کو ترک کر کے انھوں نے گمراہی اور ضلالت کے رستے کو اختیار کر لیا تھا۔

تفسیر آیات: 78-81

کفار بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ فرمایا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے کافروں پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور اللہ کی مخلوق سے زیادتیوں کے باعث عرصۂ طویل سے حضرت داود اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبانی لعنت

فرمائی ہے۔عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں پر تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید سب آسمانی کتابوں میں لعنت کی گئی ہے۔[1] پھر اپنے زمانے میں ان کے جو حالات تھے، انھیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط ﴾ ''برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔'' یعنی یہ ایک دوسرے کو گناہوں اور حرام کاموں کے ارتکاب سے منع نہیں کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا تاکہ ان جیسے کام کرنے والے دوسرے لوگوں کو ان سے باز رکھا جا سکے۔ ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ ﴾ ''بلاشبہ وہ برا تھا جو وہ کرتے تھے۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں احادیث: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں، اس مقام کی مناسبت سے ہم ان میں سے چند ایک کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ امام احمد نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْ عِنْدِهِ ، ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعا کرو تو وہ تمھاری دعا کو بھی قبول نہیں فرمائے گا۔''[2] امام ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[3]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ] ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اگر استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''[4]

امام ابوداود نے عُرس بن عَمیرہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيئَةُ فِي الْأَرْضِ كَانَ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا۔ وَقَالَ مَرَّةً: أَنْكَرَهَا۔ كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا، وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا] ''جب زمین میں کسی برائی کا ارتکاب کیا جائے اور جو وہاں موجود ہو وہ اسے ناپسند کرے۔ اور ایک بار آپ نے فرمایا: وہ اس کی تردید کرے۔ تو وہ ایسے ہے جیسے اس برائی کے وقت وہ موجود ہی نہیں تھا اور جو شخص وہاں موجود تو نہ ہو مگر وہ اس برائی کو پسند کرے تو وہ ایسے ہے جیسے خود وہاں موجود ہو۔''[5] اس روایت کو صرف امام ابوداود ہی نے بیان کیا ہے۔

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1182/4. [2] مسند أحمد:389,388/5 . [3] جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:2169. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ......، حديث:49 . [5] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث:4345 .

اور امام ابوداود ہی نے اصحاب رسول میں سے ایک صحابی ① کی روایت کو بیان کیا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [لَنْ يَّهْلِكَ النَّاسُ حَتّٰى يَعْذِرُوا ـ أَوْ يُعْذِرُوا ـ مِنْ أَنْفُسِهِمْ] ''لوگ اس وقت تک ہلاک نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے گناہوں اور عیوب کی کثرت کے باعث اپنے آپ کو سزا کا مستحق نہ قرار دے لیں گے۔'' ② امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا: [أَلَا! لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَّقُولَ الْحَقَّ إِذَا عَلِمَهُ] ''خبردار! کسی شخص کو جب علم ہو جائے تو پھر لوگوں کی ہیبت اسے حق بات کہنے سے باز نہ رکھے۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابوسعید رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اللہ کی قسم! ہم نے کئی چیزیں دیکھیں مگر ہم لوگوں سے ڈر گئے اور بیان نہ کر سکے۔ ③

حدیث ابوسعید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ (حَقٍّ) عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ] ''افضل جہاد ظالم بادشاہ کے پاس کلمۂ حق کہنا ہے۔'' اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ حسن غریب قرار دیا ہے۔ ④

امام احمد نے حضرت حذیفہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَا يَنْبَغِي لِمُسْلِمٍ أَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهُ، قِيلَ: وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ؟ قَالَ: يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ] ''کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ عرض کی گئی کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: یہ کہ وہ اپنے آپ کو کسی ایسی مصیبت کے لیے پیش کرے جس کی اسے طاقت نہ ہو۔'' ⑤ اور اسی طرح امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔ ⑥

منافقین کی مذمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''آپ ان میں سے اکثر کو دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔'' ان آیات سے مراد امام مجاہد فرماتے ہیں کہ منافقین ہیں۔ ⑦ ﴿ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ ''جو کچھ ان کے نفسوں نے اپنے واسطے آگے بھیجا ہے، برا ہے۔'' اس سے مراد کفار کی دوستی اختیار کرنا اور مومنوں کی دوستی ترک کرنا ہے کیونکہ اسی بات نے تو ان کے دلوں میں نفاق پیدا کیا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی

---

① امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو بطریق عبدالملک بن میسرہ الزراد، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ تفسير الطبرى:158/8. (مترجم) ② سنن أبى داود، الملاحم، باب خبر ابن الصائد، حديث:4347. ③ سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، حديث:4007. ④ سنن أبى داود، الملاحم، باب الأمر والنهى، حديث:4344 و جامع الترمذى، الفتن، باب ماجاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، حديث: 2174 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، حديث:4011، نیز مذکورہ حوالہ جات میں [حَقٍّ] کے بجائے [عَدْلٍ] ہے اور [حَقٍّ] مسند أحمد: 19/3 میں ہے۔ ⑤ مسند أحمد:405/5. ⑥ جامع الترمذى، الفتن، باب: [لا يتعرض من البلاء لما لا يطيق]، حديث:2254 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب قوله تعالىٰ: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (المآئدة5:105)، حديث:4016. ⑦ تفسير ابن أبى حاتم:1183/4.

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

(اے نبی!) یقیناً آپ لوگوں میں اہل ایمان سے عداوت رکھنے میں سخت ترین یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے، اور اہل ایمان سے دوستی رکھنے میں

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

ضرور قریب ترین ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ان میں کچھ عالم ہیں، کچھ دنیا سے الگ

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾

تھلگ رہنے والے ہیں اور یہ کہ وہ غرور نہیں کرتے ﴿82﴾

قیامت تک کے لیے ان سے ناراض ہے، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ ''کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی جو مذمت فرمائی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ان سے ناراض ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿80﴾ ﴾ ''اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اور اگر وہ اللہ پر، پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی، اس پر یقین رکھتے تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے۔'' اگر اللہ، رسول اور قرآن پر ان کا سچا ایمان ہوتا تو یہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرتے کہ باطنی طور پر ان کی کافروں سے دوستی ہوتی اور مومنوں، اللہ کے نبی اور اللہ کی کتاب سے دشمنی ہوتی۔ ﴿ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿81﴾ ﴾ ''اور لیکن ان میں اکثر نافرمان ہیں۔'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے باہر اور اس کی وحی وتنزیل کی آیات کے مخالف ہیں۔

تفسیر آیت: 82

شان نزول: سعید بن جبیر اور سُدّی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیات اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ کے کلام کو سنے اور آپ کی صفات کو دیکھے جب اس وفد میں شامل لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ نے انھیں قرآن سنایا تو وہ مسلمان ہو گئے، قرآن سن کر رونے لگے اور ان پر رقت طاری ہو گئی، پھر انھوں نے واپس جا کر نجاشی کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔[1] عطاء بن ابو رباح کا قول ہے کہ ان سے مراد حبشہ کے وہ لوگ ہیں جو اس وقت مسلمان ہو گئے تھے، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے ان کے پاس حبشہ میں گئے تھے۔[2]

امام قتادہ کہتے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کے دین پر تھے اور جب انھوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کو سنا تو وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور انھوں نے اسلام قبول کرنے میں ذرہ برابر پس وپیش سے کام نہ لیا۔[3]

امام ابن جریر نے ان آیات کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ ان سب لوگوں کے بارے میں ہیں جن کے یہ اوصاف ہوں، خواہ ان کا تعلق حبشہ سے ہو یا کسی اور علاقے سے۔[4]

---

① تفسیر الطبری: 3/7 و تفسیر ابن أبی حاتم:1184/4 . ② تفسیر الطبری: 5/7 . ③ تفسیر الطبری: 5/7 و تفسیر ابن أبی حاتم:1184/4 . ④ تفسیر الطبری: 5/7 .

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ﴾ ”(اے پیغمبر!) یقیناً آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔“ اس لیے کہ یہودیوں کا کفر، ہٹ دھرمی، انکار حق، دشمنی، لوگوں کو حقیر سمجھنے اور اہل علم کی شان میں گستاخی کے سبب ہے، اسی وجہ سے انھوں نے بہت سے انبیائے کرام کے مقدس خون کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو رنگا حتی کہ ان بدبختوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا بھی کئی بار ارادہ کیا، آپ کو زہر دیا، انھوں نے آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے مشرکوں کو اکسا کر کئی بار آپ کے خلاف میدان جنگ گرم کیا۔ قیامت کے دن تک ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل لعنتیں برسیں۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ﴾ ”اور یقیناً دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔“ جنھوں نے یہ گمان کیا کہ وہ نصاریٰ، حضرت مسیح کے پیروکار اور انجیل کے منہاج پر قائم ہیں، ان میں مجموعی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ محبت ہے کیونکہ دین مسیح پر ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں رقت اور شفقت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا﴾ (الحدید 27:57) ”اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی، ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور مہربانی ڈال دی اور رہبانیت تو انھوں نے از خود ہی ایجاد کر لی تھی۔“ ان کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی تمھارے دائیں رخسار پر پتھر مارے تو تم اپنا بایاں رخسار بھی اس کے آگے کر دو، ان کی ملت میں قتال مشروع نہیں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾﴾ ”یہ اس لیے کہ بے شک ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔“ یعنی ان میں قسیسین موجود ہیں، ان سے مراد ان کے خطباء اور علماء ہیں۔

قسیسین کا واحد قِسِّیس اور قَسّ ہے، اس کی جمع قُسُوس بھی آتی ہے اور رُھبان راھب کی جمع ہے، اس کے معنی عابد ہیں، یہ لفظ رَھبَۃٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی خوف کے ہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے راکِب کی جمع رُکبان اور فارِس کی جمع فُرسان آتی ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حامِیَہ بن رِئاب سے روایت کیا ہے کہ میں نے سلمان سے سنا کہ جب ان سے اس آیت: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ راہب لوگ ہیں جو صومعوں (خانقاہوں) اور ویرانوں میں ہوتے اور ان میں عبادت کرتے رہتے ہیں۔ سلمان کہتے ہیں کہ میں نے اس آیت کو نبی اکرم ﷺ کے پاس پڑھا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ﴾ تو آپ نے مجھے یہ آیت اس طرح پڑھائی: [ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ صِدِّيقِينَ وَرُهْبَانًا][1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾﴾ میں ضمناً ان کا یہ وصف

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1183/4.

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا

اور جب وہ رسول پر نازل کیا گیا کلام سنتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حق کو پہچان

مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، لہٰذا تو ہمارے نام (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ﴿83﴾ اور ہمارے پاس کیا

وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿84﴾ فَاَثَابَهُمُ

عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور جو حق ہم تک پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں؟ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے گروہ میں داخل کرے

اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ

گا ﴿84﴾ چنانچہ انھوں نے جو کہا اس کے عوض اللہ انھیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ نیکی کرنے والوں

11 ع 9 1 الْمُحْسِنِيْنَ ﴿85﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿86﴾

کی جزا ہے ﴿85﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی دوزخی ہیں ﴿86﴾

بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان میں علم، عبادت اور تواضع بھی ہے، پھر ان کا یہ وصف بھی بیان کیا گیا ہے کہ حق وانصاف کو ماننے اور تسلیم کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیات: 83-86

ارشاد باری ہے: ﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ﴾ ''اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں، اس لیے کہ انھوں نے حق بات پہچان لی۔'' کیونکہ ان کے پاس حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں بشارت موجود تھی۔ ﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾﴾ ''وہ (اللہ کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، لہٰذا تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔'' یعنی ان میں جو اس کے صحیح ہونے کی شہادت دیں اور اس کے ساتھ ایمان لائیں۔

اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کی اس قسم کا حسب ذیل آیت میں بھی ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ﴾ (آل عمران 3:199) ''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تمھاری طرف نازل کی گئی اور اس پر جو ان کی طرف نازل کی گئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں۔'' اور انھی کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○﴾ تا ﴿ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○﴾ (القصص 28:52-55) ''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور تم حد سے نہ گزرو، بے شک

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿87﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿87﴾ اور اللہ نے تمھیں جو حلال پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو جس

اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾

پر تم ایمان رکھتے ہو﴿88﴾

برحق ہے، بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔...... ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا ﴾ ''تو اللہ نے ان کو اس کہنے کے عوض جزا دی۔'' یعنی ان کے ایمان و تصدیق اور اعتراف حق کے عوض ﴿ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ﴾ ''(بہشت کے) باغ (عطا فرمائے) جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔'' یعنی ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور کبھی بھی ان سے نقل مکانی نہ کریں گے۔ ﴿ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''اور نیکوکاروں کا یہی صلہ ہے۔'' یعنی وہ حق کی اتباع کرتے اور اس کے سامنے سراطاعت خم کر دیتے ہیں، خواہ وہ جہاں بھی ہو اور جس کے پاس بھی ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے بدبختوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔'' ان کا انکار کیا اور مخالفت کی تو ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿86﴾ ﴾ ''وہی اہل دوزخ ہیں۔'' اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

تفسیر آیات: 88,87

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے یہ کہا تھا کہ ہم اپنے آلاتِ تناسل کو کاٹ دیتے ہیں، شہواتِ دنیا کو ترک کر دیتے ہیں اور راہبوں کی طرح دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی یہ بات پہنچی تو آپ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور اس بات کے بارے میں دریافت فرمایا تو انھوں نے اقرار کیا کہ ہاں، ہم نے یہ بات کہی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: [لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَنْكِحُ النِّسَاءَ، فَمَنْ أَخَذَ بِسُنَّتِي فَهُوَ مِنِّي، وَمَنْ لَّمْ يَأْخُذْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي] ''لیکن میرا طرز عمل تو یہ ہے کہ میں (نفل) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو شخص میری سنت کے مطابق عمل کرے، وہ مجھ سے ہے اور جو میری سنت کے مطابق عمل نہ کرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''① اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے، نیز ابن مردویہ نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔②

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے کچھ لوگوں نے ازواج

① تفسیر ابن أبي حاتم:1187/4 وتفسير الطبري:15/7. ② تفسير الطبري:15/7 والدرالمنثور:544/2.

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ

اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، چنانچہ اس کا کفارہ دس مسکینوں

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ

کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرانا ہے، پھر جو اس کی

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ

طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿89﴾

اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو﴿89﴾

مطہرات سے نبی اکرم ﷺ کے سری عمل کے بارے میں سوال کیا (جواب سننے کے بعد) بعض نے کہا کہ میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا، بعض نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور بعض نے کہا کہ میں بستر پر نہیں سوؤں گا، نبی اکرم ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا: [مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا: كَذَا وَكَذَا؟ لٰكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، (وَاٰكُلُ اللَّحْمَ) وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي] ''کچھ لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ یہ باتیں کرتے ہیں؟ جبکہ میں رات کو قیام بھی کرتا اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، (گوشت بھی کھاتا ہوں) اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو شخص میری سنت سے اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔''①

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ﴾ ''اور حد سے نہ بڑھو۔'' مباح چیزوں کو اپنے نفسوں پر حرام قرار دے کر اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا نہ کرو اور نہ حلال کو حرام قرار دو اور نہ حلال کھانے میں حد سے بڑھو بلکہ اسے بھی بقدر حاجت و ضرورت استعمال کرو جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ﴾ (الأعراف 31:7) ''اور کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔'' اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝﴾ (الفرقان 67:25) ''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی (بخیلی) کرتے ہیں اور ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی شریعت نے راہِ اعتدال کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ انسان نہ غلو سے کام لے اور نہ بالکل کنارہ کش ہو جائے، یعنی افراط و تفریط نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿87﴾﴾ ''جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ

① صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث:5063 وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجد مؤنة ......، حديث:1401 واللفظ له. اور قوسین والے الفاظ کی وضاحت یہ ہے کہ ان تین صحابہ میں سے ایک صحابی نے یہ الفاظ کہے تھے: [وَلَا اٰكُلُ اللَّحْمَ] اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں بھی یہ الفاظ آ گئے ہیں: [وآكل اللحم] لیکن کتب احادیث و سیر میں رسول اللہ ﷺ سے یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے۔ واللہ أعلم.

بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔‘‘ پھر اس کے بعد اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ ’’اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ۔‘‘ یعنی اگر حلال اور طیب ہے تو (اسے) کھاؤ۔ ﴿ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ’’اور اللہ سے ڈرتے رہو۔‘‘ اپنے تمام امور میں اللہ سے ڈرتے رہو، اس کی اطاعت وخوشنودی کی پیروی کرو اور اس کی مخالفت ونافرمانی کی روش کو ترک کردو ﴿ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ ’’جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔‘‘

تفسیر آیت:89

بے ارادہ قسم: بے ارادہ قسم کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو سورۂ بقرہ میں ہو چکی ہے۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ بے ارادہ قسم سے مراد یہ ہے کہ انسان کا قسم کھانے کا قصد وارادہ تو نہیں ہوتا لیکن وہ بات بات پر بلا سوچے سمجھے اللہ کی قسمیں کھانے لگتا ہے۔

قسم کا کفارہ: ﴿ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ﴾ ’’تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔‘‘ یعنی دس محتاج فقیروں اور ان لوگوں کو جن کے پاس اپنی ضرورت کے مطابق مال نہ ہو۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ ﴾ درمیانے درجے کا جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے برابر جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو۔[2] عطاء خُراسانی فرماتے ہیں کہ اس سے بہتر جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔[3]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ كِسْوَتُهُمْ ﴾ ’’یا ان کو کپڑے پہنانا۔‘‘ ان میں سے ہر ایک کو اس طرح کا لباس دیا جائے جس میں نماز پڑھنا صحیح ہو، لہٰذا مرد اور عورت کو اس کے مناسب حال لباس دیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر مسکین کو جبہ یا شَملہ دیا جائے۔[4] مجاہد فرماتے ہیں کہ کم از کم ایک کپڑا دیا جائے اور زیادہ آپ جس قدر چاہیں دے سکتے ہیں۔[5] حسن، ابوجعفر باقر، عطاء، طاؤس، ابراہیم نَخعی، حماد بن ابوسلیمان اور ابو مالک فرماتے ہیں کہ ہر محتاج کو ایک ایک کپڑا دے دیا جائے۔[6]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ﴾ ’’یا ایک غلام آزاد کرنا‘‘ اور ضروری ہے کہ غلام مومن ہو جیسا کہ معاویہ بن حَکَم سُلَمی کی اس حدیث میں ہے جو موطأ امام مالک، مسند شافعی اور صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے ذکر کیا کہ ان کے ذمے ایک غلام کو آزاد کرنا تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لونڈی لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: [أَيْنَ اللّٰهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ] ’’اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آسمان میں، آپ نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا: اسے

---

(1) دیکھیے آیت:225 کے ذیل میں۔ (2) تفسير ابن أبي حاتم:1192/4. (3) تفسير ابن أبي حاتم:1192/4. (4) تفسير الطبري:33/7. (5) تفسير الطبري:32/7. (6) تفسير الطبري:33,32/7.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں،

الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿90﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ

پس تم ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ﴿90﴾ بے شک شیطان چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے سے دشمنی اور بغض

وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

ڈال دے، اور تمھیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے، پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟ ﴿91﴾ اور تم اللہ کی اطاعت کرو، اور

مُّنْتَهُوْنَ ﴿91﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

رسول کی اطاعت کرو، اور احتیاط کرو، پس اگر تم حق سے پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف کھول کر پہنچا دینا لازم ہے﴿92﴾ جو لوگ

عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿92﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا

ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے، انھوں نے جو کچھ (پہلے) کھایا، اس پر انھیں کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیز گاری اختیار کریں اور

طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ

ایمان پر قائم رہیں اور نیک عمل کریں، پھر وہ پرہیز گار ہی رہیں اور ایمان پر جمے رہیں، پھر وہ پرہیز گاری ہی اپنائیں اور نیکی کریں،

12 ع 7 2 وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿93﴾ ع

اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴿93﴾

آزاد کردو، یہ مومنہ ہے۔''①

کفارۂ قسم کی یہ تین صورتیں ہیں، قسم توڑنے والا ان میں سے جو صورت بھی اختیار کر لے وہ جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ شریعت نے ان تین صورتوں میں سے جو سب سے زیادہ آسان تھی، اس کا پہلے ذکر کیا کہ کھانا کھلانا کپڑے دینے سے زیادہ آسان ہے اور کپڑے دینا غلام آزاد کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اگر کسی کو ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک کی بھی استطاعت نہ ہو تو وہ تین روزے رکھ لے، اس سے اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ﴾ ''تو جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔'' حضرت اُبی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان کے اصحاب نے اسے اس طرح پڑھا ہے: [فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ] ''تو تین دن کے متواتر روزے رکھے۔''② یہ قراءت چونکہ تواتر سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کی کم سے کم حیثیت

① صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته، حديث: 537 والموطأ للإمام مالك، العتق والولاء، باب ما يجوز من العتق في الرقاب الواجبة، حديث: 1534 والرسالة للشافعي، باب ما نزل عاماً دلت السنة خاصة على أنه يراد به الخاص، رقم: 242، نیز امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے معاویہ کے بجائے عمر بن الحکم کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ معاویہ ہی درست ہے، امام مالک نے جو عمر بن حکم لکھا ہے وہ ان کا وہم ہے۔ (تقریب التهذيب: 53/2) ② تفسير الطبري: 41,40/7.

یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے یا یہ صحابۂ کرام کی تفسیر ہے، بہر حال یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ ﴾ "یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو۔)" یعنی یہ قسم کا شرعی کفارہ ہے۔ ﴿ وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ؕ ﴾ "اور (تم کو چاہیے کہ) اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔" ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قسم توڑ دینے کی صورت میں ان کا کفارہ ضرور ادا کرو۔[1] ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑧⑨ ﴾ "اسی طرح اللہ تمھارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔"

تفسیر آیات: 90-93

شراب اور جوئے کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی جوا ہے۔ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[2] نیز انھوں نے عطاء، مجاہد اور طاؤس ان تینوں سے یا بقول سفیان ان میں سے دو سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز جو قمار ہے، وہ جوا بھی ہے حتی کہ بچوں کا اخروٹ کے ساتھ کھیلنا بھی جوا ہے۔[3] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میسر ہی قمار (جوا) ہے۔[4] ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میسر ہی قمار (جوا) ہے۔[5] لوگ زمانۂ جاہلیت میں اسلام کی آمد تک جوا کھیلتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس برے کام سے منع فرما دیا۔[6]

انصاب و ازلام کی تفسیر: انصاب کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، حسن اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد وہ پتھر (بت) ہیں جن کے پاس وہ اپنی قربانیوں کو ذبح کرتے تھے اور ازلام کے بارے میں انھوں نے فرمایا ہے کہ ان سے مراد وہ تیر ہیں جن سے یہ قسمت آزمائی کیا کرتے تھے۔ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[7]

ارشاد الٰہی: ﴿ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ "(یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔" علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اعمالِ شیطان اللہ کو ناراض کرنے والے ہیں۔[8] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ گناہ کے کام ہیں۔[9] زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کے اعمال میں سے بدترین ہیں۔[10] ﴿ فَاجْتَنِبُوْهُ ﴾ "تو ان سے بچتے رہنا" ضمیر کا مرجع رجس ہے، یعنی اسے ترک کر دو ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑨⓪ ﴾ "تاکہ تم نجات پاؤ۔" یہ ان کاموں کے ترک کر دینے کے لیے ترغیب ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ⑨① ﴾ "بے شک شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے

① تفسیر الطبری: 42/7 . ② تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4 . ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4 . ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4 . ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4 . ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4 . ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم: 1198/4 . ⑧ تفسیر ابن أبی حاتم: 1198/4 . ⑨ الدر المنثور: 566/2 . ⑩ تفسیر ابن أبی حاتم: 1199/4 .

کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں سے) باز آتے ہو؟'' یہ تہدید وترہیب ہے۔

شراب کی حرمت کے بارے میں احادیث: امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ شراب کو تین مرحلوں میں حرام قرار دیا گیا ہے: رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے، انھوں نے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ...... ﴾ الآية (البقرة2:219) ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ بھی ہے......'' یہ آیت سن کر لوگوں نے کہا کہ شراب کو ہم پر حرام قرار نہیں دیا گیا کیونکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔

لہٰذا اس آیت کے نزول کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے حتی کہ ایک دن ایک مہاجر صحابی نے اپنے ساتھیوں کی نماز مغرب میں امامت کراتے ہوئے قراءت کو خلط ملط کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ سخت حکم نازل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النسآء4:43) ''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔'' لوگ اس آیت کے نزول کے بعد بھی شراب پیتے رہے اور یہ احتیاط کرتے تھے کہ نماز اس وقت پڑھتے جب وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوتے تھے، پھر اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت حکم پر مبنی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ ''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں تو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔''

اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! بس اب ہم اس سے باز آ گئے، البتہ لوگوں نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور کچھ اپنے بستروں پر فوت ہوئے لیکن وہ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے جبکہ اللہ نے انھیں ناپاک اور اعمال شیطان میں سے قرار دیا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ...... ﴾ الآية ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے......'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَوْ حُرِّمَ عَلَيْهِمْ لَتَرَكُوهَا كَمَا تَرَكْتُمْ] ''اگر ان کی زندگی میں یہ شراب حرام ہوئی ہوتی تو وہ بھی اس کو اسی طرح ترک کر دیتے جیسا کہ تم نے اسے ترک کر دیا ہے۔''[1] اس حدیث کو صرف امام احمد ہی نے روایت کیا ہے۔

[1] مسند أحمد:2/352,351 مطوّلًا.

امام احمد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب حرمتِ شراب کا حکم نازل ہوا تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان نازل فرما دے تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت: ﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ...... ﴾ الآیة (البقرة 219:2) نازل ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کو یہ آیت پڑھ کر سنا دی گئی تو انھوں نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان نازل فرما دے تو سورۂ نساء کی آیت: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ...... ﴾ الآیة (النسآء 43:4) نازل ہوگئی تو اس آیت کے نزول کے بعد مؤذن جب حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ کہتا تو وہ ساتھ یہ اعلان بھی کر دیتا کہ کوئی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی تھی اور اسے سن کر بھی انھوں نے یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان نازل فرما دے تو اس کے بعد سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوگئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی جب انھوں نے اس آیت کریمہ کے یہ الفاظ سنے: ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ ﴾ ''پھر کیا تم (ان شیطانی کاموں سے) باز آتے ہو؟'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بس ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔[1] اس حدیث کو امام علی بن مدینی اور امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ لوگو! جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت یہ پانچ چیزوں: (1) انگور (2) کھجور (3) گندم (4) جو اور (5) شہد سے تیار کی جاتی تھی لیکن یاد رکھو کہ [اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ] ''شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔''[3] امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت مدینہ میں پانچ قسم کی شراب استعمال ہوتی تھی مگر ان میں انگور کی شراب نہ تھی۔[4]

ایک اور حدیث: امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ابوعبیدہ بن جراح، اُبَی بن کعب، سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم اور ان کے کچھ دیگر دوستوں کو شراب پلا رہا تھا اور وہ شراب کے نشے میں چور ہونے کے قریب تھے کہ وہاں ایک مسلمان آیا اور اس نے کہا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ شراب کو تو حرام قرار دے دیا گیا ہے؟ انھوں نے یہ بھی نہ کہا کہ ہم معلوم کر لیں (کہ آیا ایسا ہی ہے بلکہ فوراً) انھوں نے کہا کہ انس! تمھارے برتن میں جو شراب ہے اسے فوراً گرا دو، اللہ کی قسم! انھوں نے پھر اسے دوبارہ نہیں پیا۔ یہ پکی اور کچی کھجوروں کی شراب تھی اور ان دنوں یہی شراب استعمال ہوتی تھی۔[5]

---

[1] مسند أحمد:53/1 وسنن أبي داود، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث:3670 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3049 وسنن النسائي، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث:5542 . [2] تحفة الأحوذي:353/8. [3] صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء في أن الخمر ما خامر العقل من الشراب، حديث: 5588 وصحيح مسلم، التفسير، باب في نزول تحريم الخمر، حديث:3032. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ ...... ﴾ (المآئدة5:90) ، حديث:4616 . [5] مسند أحمد:181/3.

صحیح بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا، میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ساقی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا اور ان دنوں کچی پکی کھجوروں کی شراب استعمال ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک شخص اعلان کر رہا تھا کہ شراب کو حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ ابوطلحہ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور اس شراب کو گرا دو، میں نے اسے گرا دیا مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ فلاں فلاں اشخاص جو فوت ہو گئے ہیں ان کے پیٹوں میں شراب تھی تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا......﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر کچھ گناہ نہیں جو وہ (پہلے) کھا چکے......۔''[1]

امام ابن جریر نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ میں ابوطلحہ، ابوعبیدہ بن جراح، ابودُجانہ، معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو جامِ شراب پلا رہا تھا حتی کہ کچی پکی کھجوروں کی اس ملی جلی شراب کی وجہ سے ان کے سر جھومنے لگے تو میں نے سنا کہ ایک شخص یہ اعلان کر رہا تھا: خبردار! شراب حرام قرار دے دی گئی ہے تو اس محفل میں کسی کے اندر آنے یا باہر جانے سے پہلے پہلے ہم نے شراب گرا دی، مٹکے توڑ دیے، بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل کر لیا، ام سلیم سے لے کر ہم نے خوشبو بھی استعمال کی، پھر ہم سب مسجد میں چلے گئے تو وہاں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿90﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿91﴾﴾ ''ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں تو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟''

ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو شراب پیتا تھا اور وہ فوت ہو گیا ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، کچھ گناہ نہیں جو وہ (پہلے) کھا چکے۔'' قتادہ سے ایک شخص نے پوچھا: آپ نے خود یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، ایک شخص نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھا تھا کہ آپ نے خود یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں یا یہ کہا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو جھوٹ نہیں بولتا تھا، ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے بلکہ ہم یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ جھوٹ کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لُعِنَتِ الْخَمْرُ

[1] صحیح البخاری، المظالم، باب صب الخمر فی الطریق، حدیث: 2464 وصحیح مسلم، الأشربة، باب تحریم الخمر......، حدیث:1980. [2] تفسیر الطبری: 50/7 .

عَلٰی عَشَرَةِ وُجُوهٍ : لُعِنَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا ، وَشَارِبُهَا ، وَسَاقِيهَا ، وَبَائِعُهَا ، وَمُبْتَاعُهَا ، وَعَاصِرُهَا ، وَمُعْتَصِرُهَا، وَحَامِلُهَا ، وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ ، وَآكِلُ ثَمَنِهَا] ''شراب پر دس وجوہ سے لعنت ہے: شراب خود بعینہ ملعون ہے، اس کا پینے والا، پلانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، نچوڑنے والا اور جس کے لیے نچوڑی جائے، اٹھانے والا، جس کی طرف اسے اٹھا کر لے جایا جائے اور اس کی قیمت کھانے والا یہ سب ملعون ہیں۔''[1]

امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مِرْبَد کی طرف نکلے تو میں بھی آپ کے ساتھ تھا اور میں آپ کی دائیں طرف تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تو میں ہٹ کر بائیں طرف ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تو میں نے انھیں جگہ دے دی اور وہ آپ کے بائیں طرف ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے مربد تشریف لے آئے، وہاں شراب کا ایک مشکیزہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھری لانے کا کہا، میں نے چھری کو اسی دن دیکھا تھا، آپ کے حکم سے شراب کے اس مشکیزے کو پھاڑ دیا گیا، پھر آپ نے فرمایا: [لُعِنَتِ الْخَمْرُ وَشَارِبُهَا، وَسَاقِيهَا، وَبَائِعُهَا، وَمُبْتَاعُهَا ، وَحَامِلُهَا، وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ ، وَعَاصِرُهَا وَمُعْتَصِرُهَا، وَآكِلُ ثَمَنِهَا] ''شراب، اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، اٹھانے والے، جس کی طرف اٹھا کر لے جایا جائے، اسے کشید کرنے والے اور جس کے لیے اسے کشید کیا جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی گئی ہے۔''[2]

ایک اور حدیث: حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں، پھر انھوں نے حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ایک انصاری نے ہمیں کھانے کی دعوت پر بلایا، ہم نے کھانا کھایا، اور یہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے، ہم شراب پی کر جب نشے کی حالت میں تھے تو ہم نے فخر کا اظہار کرنا شروع کر دیا، انصار نے کہا ہم افضل ہیں، قریش نے کہا ہم افضل ہیں۔ ایک انصاری نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پکڑ کر حضرت سعد کی ناک پر دے ماری اور ان کی ناک توڑ دی جس کی وجہ سے حضرت سعد کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی تو اس واقعے کے بعد ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ﴾ تا ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ ﴾ آیات نازل ہوئیں۔[3]

ایک اور حدیث: امام ابن ابوحاتم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے ایک اثر کو بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ ﴾ تورات میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کو نازل فرمایا ہے تا کہ اس کے ساتھ باطل کو ختم کر دے اور اس کے ساتھ کھیل کود، آلات موسیقی بانسری، بَرْبَط، دف، طَنبورے، غلط اشعار اور شراب کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال

---

[1] مسند أحمد:25/2 وسنن أبی داود، الأشربة، باب العصير للخمر، حديث:3674 وسنن ابن ماجه، الأشربة، باب لعنت الخمر علی عشرة أوجه، حديث:3380 . [2] مسند أحمد:71/2. [3] السنن الكبرٰی للبيهقی، الأشربة والحد فيها، باب ماجاء فی تحريم الخمر:285/8 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ، حديث:1748 بعد رقم :2412 امام مسلم نے طویل حدیث ذکر کی ہے۔

کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ میرے حرام قرار دینے کے بعد اگر کوئی شراب پیے گا تو میں اسے قیامت کے روز ضرور پیاسا رکھوں گا اور میرے حرام قرار دینے کے بعد جس نے اسے ترک کر دیا، اسے میں ضرور یہ جنت الفردوس سے پلاؤں گا۔[1] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ایک اور حدیث: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں امام مالک نے حضرت نافع سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا ، ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا ، حُرِمَهَا فِي الْآخِرَةِ] ''جو شخص دنیا میں شراب پیے، پھر اس سے توبہ نہ کرے تو وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔''[2] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ ، وَّكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ، وَّمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ (فِي الدُّنْيَا) فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا، لَمْ يَتُبْ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ] ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے جو شخص (دنیا میں) ہمیشہ شراب پیتے ہوئے مر گیا اور اس نے اس سے توبہ نہ کی تو وہ اسے آخرت میں نہیں پیے گا۔''[4]

عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ شراب سے اجتناب کرو کیونکہ یہ ام الخبائث ہے، تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص بہت عابد تھا اور وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا، ایک بدکردار عورت اس پر فریفتہ ہوگئی، اس نے اپنی باندی کو اس کے پاس بھیجا اور کہا کہ ایک گواہی کے بارے میں ہمیں آپ کی ضرورت ہے، یہ اس کے ساتھ چلا گیا جب بھی یہ ایک دروازے سے داخل ہوتا تو وہ اسے بند کر دیتی حتی کہ یہ ایک خوبصورت عورت کے پاس پہنچ گیا جس کے پاس ایک لڑکا اور شراب کی ایک بڑی سی بوتل تھی، عورت کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں نے تجھے کسی گواہی وغیرہ کے لیے نہیں بلایا بلکہ میں نے تجھے اس لیے بلایا ہے کہ تم میرے ساتھ ملاپ کر و یا پھر اس بچے کو قتل کر دو یا اس شراب کو پی لو۔ اس نے اسے ایک جام پلایا تو یہ کہنے لگا ایک جام اور پلاؤ، یہ اسے جام پر جام پلاتی رہی حتی کہ اس نے اس کے ساتھ نہ صرف بدکاری کر لی بلکہ اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا۔ شراب سے بچو! کیونکہ ایمان اور شراب یکجا نہیں ہو سکتے، ان میں سے ایک دوسرے کو نکال باہر کرتا ہے۔[5] اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے ابوبکر بن ابوالدنیا نے بھی اپنی کتاب ذم المسکر میں مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ واللہ أعلم.

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1196/4. [2] كتاب المسند للشافعي، ومن كتاب الأشربة، (موسوعة الإمام الشافعي):536/10، حديث:1352. [3] صحيح البخاري، الأشربة، باب قول الله تعالى: ﴿ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ...... ﴾، حديث: 5575 وصحيح مسلم، الأشربة، باب عقوبة من شرب الخمر إذا لم يتب منها......، حديث:(77)-2003. [4] صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر......، حديث:2003. [5] السنن الكبرى للبيهقي، الأشربة والحد فيها، باب ماجاء في تحريم الخمر:288,287/8 وسنن النسائي، الأشربة، ذكر الآثام المتولدة عن شرب الخمر من ترك ...... ،حديث:5669 .

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ ضرور تمھیں اس چیز کے شکار کے ذریعے سے آزمائے گا جس تک تمھارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں، تا کہ اللہ جان

مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿94﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے گزر گیا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿94﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو، اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہوا سے اس کے برابر ایک

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ

جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے، یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا اس کا کفارہ چند

صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ

مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، تا کہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کیا، اور جو کوئی

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾

دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے ﴿95﴾

امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ جب حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تو کچھ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے وہ ساتھی جو فوت ہو گئے ہیں اور وہ شراب پیا کرتے تھے تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... ﴾ الآیۃ نازل فرمادی۔ اسی طرح جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کچھ لوگوں نے عرض کی تھی اے اللہ کے رسول! ہمارے وہ بھائی جو فوت ہو گئے اور وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ (البقرۃ 2:143) نازل فرمادی تھی۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ﴾ الآیۃ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [أَنْتَ مِنْهُمْ] ''تم بھی انھی میں سے ہو۔''[2] اسی طرح اسی سند سے امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔

تفسیر آیات: 95,94

حرم اور حالت احرام میں شکار کی حرمت: والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

[1] مسند أحمد:1/295. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن مسعود وأمه رضي الله عنهما، حديث: 2459 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3053 والسنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا ﴾ :6/337، حديث:11153.

﴿ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ ﴾ ''اللہ ضرور تمھیں اس چیز کے شکار کے ذریعے سے آزمائے گا جس تک تمھارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد کمزور اور چھوٹا شکار ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حالت احرام میں آزماتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اسے ہاتھ سے پکڑ لیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب جانے سے منع فرمادیا۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ ﴾ سے مراد شکار کے چھوٹے جانور اور ان کے بچے ہیں اور ﴿ رِمَاحُكُمْ ﴾ سے مراد شکار کے بڑے جانور ہیں۔[2]

مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ جنگلی جانور، پرندے اور شکاری جانور ان کے پڑاؤ کے پاس اس طرح کثرت سے آرہے تھے کہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حالت احرام میں ان جانوروں کے شکار سے منع فرمادیا: ﴿ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ ''تاکہ اللہ معلوم کرے کہ اس سے بن دیکھے کون ڈرتا ہے۔''[3] یعنی اللہ تعالیٰ شکار سے انھیں آزمانا چاہتا ہے جو ان کے پڑاؤ کے پاس آرہا ہے اور جسے ظاہری و باطنی طور پر ہاتھوں اور نیزوں سے بڑی آسانی کے ساتھ پکڑا جاسکتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کون کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ﴾ (الملك 12:67) ''بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔''
اور یہاں جو یہ فرمایا ہے کہ ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''تو جو اس کے بعد زیادتی کرے''

سُدّی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اس بات کے معلوم کرادینے کے بعد اور اس سے ڈرادینے کے بعد زیادتی کرے تو ﴿ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''تو اس کے لیے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔''[4] کیونکہ اس نے اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کی مخالفت کی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ ''مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا'' اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں، البتہ چند چیزوں کو حالت احرام میں مارنا مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَمسٌ فَوَاسِقُ يُقتَلنَ فِي (الْحِلِّ وَ) الْحَرَمِ : اَلْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ] ''پانچ موذی جانور ایسے ہیں جنھیں حرم میں قتل کیا جاسکتا ہے: (1) کوا (2) چیل (3) بچھو (4) چوہیا اور (5) باؤلا کتا۔''[5] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَمسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِي قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ: اَلْغُرَابُ،

---

[1] تفسير الطبرى: 53/7 وتفسير ابن أبى حاتم: 1203/4. [2] تفسير الطبرى: 52/7 . [3] تفسير ابن أبى حاتم: 1204/4.
[4] تفسير ابن أبى حاتم: 1204/4. [5] صحيح البخارى، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب فى شراب أحدكم فليغمسه ......، حديث: 3314 وصحيح مسلم، الحج، باب ما يندب للمحرم وغيره......، حديث: (68)-1198، البتہ [الحل] بخاری میں نہیں ہے جبکہ ان پانچ چیزوں کی ترتیب صحیح مسلم، حدیث: (76)-1199 کے مطابق ہے۔

وَالْحِدَأَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ] ''پانچ قسم کے جانور ایسے ہیں کہ انھیں قتل کرنے کی وجہ سے محرم کو کوئی گناہ نہیں ہوتا: (1) کوا (2) چیل (3) بچھو (4) چوہیا (5) باؤلا کتا۔''[1] ایوب نے نافع سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] ایوب کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے سانپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سانپ کے بارے میں تو کوئی شک اور اس کے قتل کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔[3] باؤلے کتے کے ساتھ بھیڑیے، درندے، چیتے اور شیر وغیرہ کو بھی ملا دیا گیا ہے کیونکہ یہ جانور تو باؤلے کتے سے بھی زیادہ خطرناک ہیں اور اس لیے بھی کہ ان تمام جانوروں پر کتے کے لفظ کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ محرم کون سے جانوروں کو قتل کرسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَلْحَيَّةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفُوَيْسِقَةُ، وَيَرْمِي الْغُرَابَ وَلَا يَقْتُلُهُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالسَّبُعُ الْعَادِي] ''(1) سانپ (2) بچھو (3) چوہیا (4) کوے کو کنکر مار کر اڑا دے مگر اسے قتل نہ کرے۔ (5) باؤلا کتا۔ (6) چیل اور (7) چیرنے پھاڑنے والا درندہ۔''[4] اس کو امام ابوداود، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

حرم یا حالتِ احرام میں شکار کا بدلہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾ ''اور جو تم میں سے جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں سے فدیہ دینا ہوگا۔'' مجاہد بن جبر فرماتے ہیں کہ یہاں جان بوجھ کر مارنے سے مراد یہ ہے کہ جو شکار کا قصد کر رہا ہو اور اپنے احرام کو بھول گیا ہو۔[5] اور جسے یاد ہو کہ وہ حالت احرام میں ہے، پھر جان بوجھ کر وہ شکار کو قتل کرے تو اس کا معاملہ اس سے کہیں بڑا ہے کہ اس کا کفارہ ادا کیا جاسکے کیونکہ اس طرح تو اس کا احرام ہی باطل ہو جاتا ہے لیکن یہ ایک غریب قول ہے اور جمہور کا قول یہ ہے کہ وجوب بدلہ کے سلسلے میں قصد و ارادے سے اور بھول کر شکار کرنے والے دونوں برابر ہیں۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ قصد و ارادے سے شکار کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید میں ذکر ہے اور بھول کر شکار کرنے والے کے بارے میں حکم سنت میں مذکور ہے۔[6] اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر شکار کرے اس پر بدلہ واجب ہے اور وہ گناہ گار ہے۔

---

① صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه......، حديث:3315 وصحيح مسلم، الحج، باب مايندب للمحرم وغيره......، حديث:(76)-1199 واللفظ له. ② سنن النسائي، مناسك الحج، باب قتل الحدأة، حديث:2836 . ③ مسند أبي يعلىٰ:184/10، حديث:5810 . ④ سنن أبي داود، المناسك، باب ما يقتل المحرم من الدواب، حديث:1848 وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء ما يقتل المحرم من الدواب، حديث:838 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب مايقتل المحرم، حديث:3089 . ⑤ تفسير الطبري:54/7، 55. ⑥ تفسير الطبري:57/7 .

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ ﴾ ''تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو کوئی دوبارہ (ایسا کام) کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔'' سنت سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے غلطی سے شکار کرنے والے کے لیے بھی بدلے کو واجب قرار دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید سے قصد وارادے سے شکار کرنے والے کے لیے بدلے کا وجوب ثابت ہے۔ پھر بات یہ بھی ہے کہ شکار کرنے میں جانور کی جان کا اتلاف ہے اور جان تو دونوں صورتوں میں تلف ہو جاتی ہے، خواہ کوئی قصد وارادے سے شکار کرے یا بھول کر۔ ہاں، البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ اگر کوئی قصد وارادے سے شکار کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہے لیکن بھول کر شکار کرنے والا گناہ گار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾ ''تو (یا اس کا) بدلہ (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جو اس نے مارا۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ اسی طرح کا جانور بطور بدلہ دینا واجب ہے جس طرح کا جانور محرم نے قتل کیا ہو، بشرطیکہ پالتو جانوروں میں اس کی مثال موجود ہو جیسا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مثل کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا، مثلاً: انھوں نے فیصلہ کیا کہ شتر مرغ کا بدلہ اونٹ، نیل گائے کا بدلہ گائے اور ہرن کا بدلہ بکری ہے اور اگر شکار کیے جانے والے جانور کی پالتو جانوروں میں سے کوئی مثال نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کی قیمت مکہ میں تقسیم کر دی جائے۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف کرنے والے کریں گے۔'' یعنی مثل کے بدلے اور غیر مثل کی قیمت کا دو عادل مسلمان فیصلہ کریں۔ امام ابن جریر نے ابو جریر بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے حالت احرام میں ہرن کا شکار کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جاؤ دو مسلمان بھائیوں کو لے آؤ جو تمھارا فیصلہ کریں تو میں عبدالرحمٰن اور سعد کو لے آیا تو انھوں نے فیصلہ فرمایا کہ میں بدلے میں سرخ سفید رنگ کا ایک بکرا دے دوں۔[2]

امام ابن جریر نے طارق کی روایت بیان کی ہے کہ اربد (بن عبداللہ بجلی) نے حالت احرام میں ایک ہرن کو شکار کیا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ فیصلے میں شریک ہو جاؤ تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ بدلے میں ایک بکری دے دی جائے کیونکہ دونوں میں قدرے مشترک پانی پینا اور درخت کے پتے کھانا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف کرنے والے کریں گے۔''[3]

① الدرالمنثور:579/2 والسنن الكبرىٰ للبيهقي، الحج، باب أين هدى الصيد وغيره:187/5. ② تفسير الطبري: 66/7 والسنن الكبرىٰ للبيهقي، الحج، باب جزاء الصيد بمثله من النعم......:182,181/5. من حديث أبي حَرِيز
③ تفسير الطبري:65/7 والسنن الكبرىٰ للبيهقي، الحج، باب جزاء الصيد بمثله من النعم......:182/5.

ارشادالٰہی ہے: ﴿ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ﴾ ”قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبے پہنچائی جائے۔“ کعبے پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اسے حرم میں پہنچا کر وہاں ذبح کیا جائے اور اس کے گوشت کو حرم کے مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس مسئلے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ فرمان الٰہی: ﴿ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾ ”یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے۔“ یعنی جب محرم اپنے قتل کیے ہوئے شکار کے مانند کوئی جانور نہ پائے یا خود شکار ایسا ہوا ہی نہیں کہ جس کے مثل کوئی پالتو جانور ہو۔

علی بن ابوطلحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ﴿ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾ کہ جب کوئی محرم شکار کر لے تو اس کا فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ اگر اس نے ہرن وغیرہ کا شکار کیا ہو تو اسے مکہ مکرمہ میں ایک بکری ذبح کرنی ہوگی اور اگر اس کے پاس بکری نہ ہو تو وہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اگر اسے اس کی استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھ لے اور اگر اس نے بارہ سنگا وغیرہ شکار کیا ہو تو اسکے بدلے میں وہ گائے ذبح کرے، اس کی استطاعت نہ ہو تو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیس روزے رکھے اور اگر وہ شتر مرغ یا نیل گائے وغیرہ شکار کرے تو اس کے بدلے میں اونٹ ذبح کرے، استطاعت نہ ہو تو تیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر تیس روزے رکھے۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے اور (امام ابن جریر نے) یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر مسکین کو ایک ایک مد کھانا دے جس سے وہ سیر ہو جائیں۔[1]

ارشادالٰہی: ﴿ لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ﴾ ”تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے۔“ یعنی اس پر یہ کفارہ ہم نے اس لیے واجب کیا ہے تاکہ اپنے اس فعل کی سزا کا مزہ چکھے جس میں اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کا ارتکاب کیا ہے۔ ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ﴾ ”(اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا۔“ یعنی زمانۂ جاہلیت میں جو ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے معاف کر دیا جو اسلام قبول کرنے کے بعد اچھے عمل کرے، اللہ تعالیٰ کی شریعت کی اتباع کرے اور کسی معصیت کا ارتکاب نہ کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ﴾ ”اور جو کوئی پھر (ایسا کام) کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔“ یعنی جو اسلام میں اس کے حرام ہونے کے بعد اور اس تک حکم شرعی پہنچنے کے بعد اس کا ارتکاب کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا: ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو زمانۂ جاہلیت میں ہو چکا اللہ نے اسے معاف فرما دیا ہے، میں نے کہا اور ﴿ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ جو مسلمان ہونے کے بعد ایسا کام کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا، میں نے کہا کہ پھر ایسا کام کرنے کی صورت میں آپ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1208/4 و تفسير الطبري:69,68/7.

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ

تمھارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، یہ تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے۔ اور جب تک تم احرام کی حالت میں

مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿96﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ

ہو، تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔ اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿96﴾ اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے

الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

قیام کا ذریعہ بنایا ہے، اور حرمت والے مہینے اور (حرم والی) قربانی اور پٹوں والے جانوروں کو بھی (حرمت دی ہے)، یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿97﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿97﴾ جان لو! بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے، اور

شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿98﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿98﴾ رسول کے ذمے (اللہ کا پیغام) پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں، اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿99﴾

جو تم چھپاتے ہو ﴿99﴾

کے علم کے مطابق کوئی حد بھی ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: کیا امام کو چاہیے کہ اسے سزا دے؟ انھوں نے کہا نہیں، اس کا تعلق اللہ اور اس کے بندے سے ہے لیکن اسے اس کا فدیہ دینا چاہیے۔[1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کفارے کی صورت میں اس سے انتقام لے گا، یہ سعید بن جبیر، عطاء اور جمہور سلف وخلف کا قول ہے۔[2] کہ محرم جب شکار کو قتل کر دے تو اس پر بدلہ واجب ہے اور پہلی، دوسری اور تیسری بار بلکہ بار بار ایسا کرنے میں کوئی فرق نہیں، نیز اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ اس نے بھول کر ایسا کیا ہے یا جان بوجھ کر۔

امام ابن جریر فرمان الٰہی: ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾ ﴾ ''اور اللہ غالب (اور) انتقام لینے والا ہے۔'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست بادشاہت کا مالک ہے، کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر کسی سے وہ انتقام لینا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، کسی کو وہ سزا دینا چاہے تو کوئی اسے اس کی سزا سے بچا نہیں سکتا کیونکہ مخلوق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا، اسی کو عزت اور سر بلندی حاصل ہے۔ ﴿ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾ ﴾ یعنی جو اس کی معصیت اور نافرمانی کرے تو وہ اسے سزا دینے والا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 96-99

محرم کے لیے دریا کا شکار حلال ہے: سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ ﴾ ''تمھارے لیے سمندر (کی چیزوں) کا شکار حلال کر دیا گیا ہے۔'' یعنی جو تر و تازہ شکار کیا جائے۔[4] ﴿ وَطَعَامُهٗ ﴾

[1] تفسير الطبري:78/7. [2] تفسير الطبري:80,79/7. [3] تفسير الطبري:84/7. [4] تفسير الطبري:85/7 وتفسير ابن أبي حاتم:1210/4.

’’اور اس کا کھانا‘‘ اور جو اس سے خشک نمکین بطور توشہ کے رکھ لیا جائے وہ حلال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مشہور روایت میں ہے کہ شکار سے مراد وہ ہے جس کا شکار کر لیا جائے اور طعام سے مراد وہ ہے جسے وہ مردہ شکل میں پھینک دے۔ حضرت ابوبکر صدیق، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے، نیز عکرمہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ①

ارشاد الٰہی: ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ ’’تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے۔‘‘ لوگو! یہ تمھارے نفع اور خوراک کے لیے ہے۔ ﴿وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ سَیَّار کی جمع ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو دریا کے قریب رہتے ہیں یا دریا میں سفر کر رہے ہیں۔ ② دیگر ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ تازہ شکار تو ان لوگوں کے لیے ہے جو دریا و سمندر کے پاس رہنے والوں میں سے اسے شکار کریں اور اس کا کھانا، یعنی جو جانور اس میں مر جائے یا اس سے شکار کر لیا جائے، اسے نمک لگا لیا جائے اور ٹکڑے بنا لیے جائیں تو وہ مسافروں اور دریا و سمندر سے دور لوگوں کے لیے زادراہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سُدّی وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ③

امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی جانب ایک لشکر روانہ فرمایا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح امیر لشکر تھے اور میں بھی اس لشکر میں شامل تھا، اس کی تعداد تین سو تھی، ہم ابھی رستے ہی میں تھے کہ زادِراہ ختم ہو گیا تو ابوعبیدہ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ لے آئے، اس طرح جو کچھ تھا وہ سب جمع کر لیا گیا اور اس میں سے وہ ہمیں روزانہ تھوڑی تھوڑی خوراک دیتے رہے حتی کہ یہ سب کچھ ختم ہو گیا اور ہمیں روزانہ صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی، میں نے کہا کہ ایک کھجور کیا کرتی ہو گی؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں تو ہمیں اس کھجور کا احساس ہوا۔

انھوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جب ہم سمندر پر پہنچے تو وہاں پہاڑ کی طرح ایک مچھلی تھی، اس لشکر نے اٹھارہ دن تک اسے کھایا، ابوعبیدہ نے حکم دیا تو اس کی پسلیوں میں سے دو کو کھڑا کر دیا گیا، پھر انھوں نے حکم دیا تو سواری پر بیٹھا ہوا سوار ان کے نیچے سے گزرا تو یہ اس کے سر کے اوپر تھیں اور اسے چھو نہیں رہی تھیں۔ ④

امام مالک نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں اگر اس سے وضو کر لیں تو پیاسے رہ جائیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی کے ساتھ وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ

① تفسير الطبرى: 7/84-87 وتفسير ابن أبى حاتم: 4/1210 والسنن الكبرىٰ للبيهقى، الصيد والذبائح، باب ما لفظ البحر وطفا من ميتة: 9/255 . ② تفسير الطبرى: 7/92. ③ تفسير الطبرى: 7/93. ④ الموطأ للإمام مالك، صفة النبى، باب ماجاء فى الطعام والشراب، حديث: 1776 وصحيح البخارى، الشركة، باب الشركة فى الطعام والنهد والعُروض......، حديث: 2483 وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة ميتات البحر، حديث: 1935.

مَيْتَتُهٗ] ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''① اس حدیث کو امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے جبکہ امام بخاری، ترمذی، ابن حبان اور دیگر کئی ائمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے اس حدیث کو نبیٔ اکرم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔②

محرم کے لیے خشکی کا شکار حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ ''اور خشکی کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے۔'' یعنی حالتِ احرام میں تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے، یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حالت میں شکار کرنا حرام ہے، لہٰذا جب کوئی محرم قصد وارادے سے شکار کرے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اسے تاوان ادا کرنا ہوگا یا غلطی سے شکار کرلے تو بھی اسے تاوان ادا کرنا ہوگا۔ بہرحال شکار جس طرح بھی کیا ہو، اس کا کھانا اس کے لیے حرام ہے کیونکہ یہ مردار کی طرح ہے، اس شکار کا محرم یا غیر محرم دیگر سب لوگوں کے لیے بھی کھانا حرام ہے۔

اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا ہو اور وہ محرم کو بطور ہدیہ دے دے تو اس صورت میں اگر غیر محرم نے محرم کو ہدیہ دینے کی نیت سے شکار کیا ہو تو پھر اس کے لیے جائز نہیں ہوگا کیونکہ صَعب بن جَثّامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں مقام ابواء یا وَدّان میں ایک نیل گائے پیش کی تو آپ نے اس کے ہدیے کو لوٹا دیا اور جب اس کے چہرے کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ] ''بے شک ہم نے ہدیہ اس لیے واپس کیا ہے کہ بلاشبہ ہم محرم ہیں۔'' یہ حدیث صحیحین میں ہے۔③ اور یہ بہت سے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

اس سے استدلال یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے یہ سمجھا تھا کہ اس نے یہ شکار شاید آپ ہی کے لیے کیا ہے، اس لیے آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور اگر اس نے شکار محرم کی نیت سے نہ کیا ہو تو پھر اسے کھانا جائز ہے کیونکہ حدیث ابوقتادہ میں ہے کہ وہ حلال تھے اور محرم نہیں تھے کہ انھوں نے ایک نیل گائے کا شکار کیا، ان کے ساتھی محرم تھے تو انھوں نے اس شکار کے کھانے میں توقف کیا اور اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: [هَلْ كَانَ مِنْكُمْ أَحَدٌ أَشَارَ إِلَيْهَا أَوْ أَعَانَ فِي قَتْلِهَا ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَكُلُوا وَأَكَلَ مِنْهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ] ''کیا تم میں سے کسی نے اس شکار کی طرف اشارہ کیا یا اسے قتل کرنے میں مدد دی؟ صحابۂ کرام نے جواب دیا: جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: اسے کھا سکتے ہو اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا۔'' یہ قصہ بھی صحیحین میں بہت سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔④

---

① الموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الطهور للوضوء، حديث: 7 . ② كتاب الأم للشافعي، الطهارة: 6/1، حديث: 1 ومسند أحمد: 237/2 وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 83 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر أنه طهور، حديث: 69 وسنن النسائي، المياه، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 333 وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 386 . ③ صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب إذا أهدى للمحرم حماراً وحشياحيا لم يقبل، حديث: 1825 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البرى ......، حديث: 1193 . ④ صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يشير المحرم إلى الصيد لكي يصطاده الحلال، حديث: 1824 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البرى ......، حديث: 1196.

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ [1] ''اور اللہ سے جس کے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے ڈرتے رہو۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگو! اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت بجالاؤ، فرائض کو ادا کرو اور جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے، ان سے باز آ جاؤ۔ ان آیات میں جنھیں اس نے تمھارے نبی پر نازل فرمایا ہے، اس نے تمھیں شراب، جوئے، بتوں، پانسوں اور حالتِ احرام میں جنگل کے شکار سے منع فرمایا ہے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ تمھیں تمھاری نافرمانی کی سزا دے گا اور اطاعت کی جزا دے گا۔ ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ ''اللہ نے عزت کے گھر کعبے کو لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے عزت والے گھر، یعنی کعبے کو ان لوگوں کے لیے ستون اور نظام بنا دیا ہے جن کے پاس کوئی ایسا سردار نہ ہو جو قوی کو کمزور پر، بدکار کو نیکوکار پر اور ظالم کو مظلوم پر زیادتی کرنے سے روک سکے۔

﴿ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآىِٕدَ ﴾ ''اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔'' ان چیزوں کو بھی اس نے اسی طرح نظام بنا دیا ہے جیسا کہ کعبے کو اس نے نظام بنایا ہے، ان سب کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے رک جاتے ہیں جبکہ ان کے پاس کوئی اور روکنے والا نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو دین کے نشانات اور بندوں کے امور کے مصالح بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ، حرمت والے مہینے، قربانی اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں، ان عربوں کے لیے جو ان کی تکریم و تعظیم کرتے تھے، اس سربراہ کے قائم مقام بنا دیا ہے جو اپنے پیروکاروں کے امور کی نگہداشت کرتا ہو۔

کعبے سے مراد سارا حرم ہے، اسے حرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں شکار کرنا، کانٹوں کو توڑنا اور درختوں کو کاٹنا حرام ہے، اسی طرح کعبے، عزت والے مہینے، قربانی اور گلے میں پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے عربوں کے لیے نظامِ حکومت کی طرح بنا دیا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے امور و معاملات کی درستی کا انحصار انھی پر تھا اور اسلام میں اللہ تعالیٰ نے انھیں حج و مناسک کے نشان اور نماز کا قبلہ بنا دیا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ ''یہ اس لیے

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں 96 تا 99 چار آیات ذکر فرمائیں اور ان میں سے پہلی آیت کے اس حصے تک کی تفسیر بیان فرمائی اور اس کے بعد اس آیت کے آخری حصے اور دیگر تین آیات کی یہاں تفسیر بیان نہیں فرمائی اور تمام مخطوط اور مطبوع نسخے ان آیات کی تفسیر سے خالی ہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سے سہو ہو گیا اور یہ تفسیر رہ گئی، یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ سہو نسخے لکھنے والوں کی طرف سے ہو کیونکہ اختلافِ مصادر کے باوجود تمام نسخوں ہی میں اس مقام کی تفسیر موجود نہیں ہے، لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ اس نقص کو دور کر دوں، اس لیے میں نے اس مقام کو امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر سے اختصار اور تصرف کے ساتھ اور انھی کی تفسیر پر اکتفا کرتے ہوئے پُر کر دیا ہے اور مقدور بھر کوشش کی ہے کہ امام ابن جریر کی عبارت عالیہ ہی کو یہاں درج کیا جائے (تکمیل از قلم شیخ احمد شاکر) اصل نسخے میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس مقام سے تین آیات 97 تا 99 کی تفسیر ساقط ہو گئی ہے۔ نسخہ مکیہ میں یہاں بیاض چھوڑ دی گئی ہے اور اس میں یہ تکمیل نہیں ہے۔ (ناشر)

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: پاک اور ناپاک برابر نہیں ہوسکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو حیرانی میں ڈال دے، پس اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرو تاکہ تم

13 ع 7 3 لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿100﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

فلاح پاؤ﴿100﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایسی باتوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں، اور اگر تم ان کے

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿101﴾

متعلق سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے (تمھاری) اس حرکت کو معاف کر دیا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا،

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿102﴾

بہت حوصلے والا ہے﴿101﴾ ان کے بارے میں تم سے پہلے بھی ایک قوم نے سوال کیا تھا، پھر ان (باتوں) کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے﴿102﴾

تاکہ تم جان لو جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے بے شک اللہ سب کو جانتا ہے اور بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو! میں نے ان چیزوں کو تمھارے لیے قیام اس لیے بنایا ہے تاکہ تم یہ جان لو کہ جس اللہ نے تمھاری دنیوی مصلحتوں کے لیے ان چیزوں کو قوام بنایا ہے اور وہ تمھارے نفع و نقصان سے بھی خوب آگاہ ہے، اسی طرح وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون سی چیزیں تمھاری دنیا کے لیے بہتر ہیں؟ اور کون سی تمھاری آخرت کے لیے بہتر ہیں؟ اور تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، تمھارے امور و معاملات میں سے کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں، اس نے ایک ایک چیز کو گن رکھا ہے تاکہ نیکوکار کو اس کی نیکی کی جزا اور بدکار کو اس کی برائی کی سزا دے۔ ﴿اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿98﴾﴾ ''جان رکھو! بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان بھی ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس بات کو خوب جان لو کہ تمھارا رب جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جس سے تمھارے ظاہری و باطنی اعمال کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں، وہ اپنی نافرمانی کرنے والوں کو سخت عذاب دیتا ہے اور اطاعت کرنے والوں اور اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور وہ بے حد مہربان ہے کہ توبہ کرنے والوں اور اس کی طرف رجوع کرنے والوں کو ان کے سابقہ گناہوں کی وجہ سے سزا نہیں دیتا۔ ﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿99﴾﴾ ''پیغمبر کے ذمے تو صرف (اللہ کے پیغام کا) پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ مخفی کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے سرزنش اور وعید ہے کہ ہمارے اس رسول کے ذمے، جسے ہم نے تمھاری طرف بھیجا ہے، یہ ہے کہ وہ تم تک ہمارے پیغام کو پہنچا دے، پھر اطاعت پر ثواب اور معصیت پر عذاب دینا ہمارا کام ہے۔ اور ہم سے نہ وہ شخص مخفی ہے جو اطاعت کرے اور ہمارے پیغام کو قبول کر لے اور نہ وہ جو نافرمانی کرے اور پیغام قبول کرنے سے انکار کر دے کیونکہ ہم تم میں سے ہر ہر شخص کے عمل کو جانتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس نے اپنے اعضاء کے ساتھ کیا عمل سرانجام دیا اور زبان کے ساتھ کیا لفظ بولا ہے، نیز تم اپنے دلوں میں ایمان اور کفر یا یقین اور شک و نفاق کو جو چھپائے ہوئے ہو ہم اس سے بھی خوب آگاہ ہیں تو جس ذات گرامی کی یہ شان ہو اس سے نہ تو دلوں کی دھڑکنیں

مخفی رہ سکتی ہیں اور نہ ظاہری اعمال، وہ آسمان وزمین کے ذرے ذرے سے آگاہ ہے، اسی کے ہاتھ میں ثواب وعذاب ہے، وہ اس لائق ہے کہ اسی سے ڈرا جائے، اس کی اطاعت بجالائی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

تفسیر آیات:100-102

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرمارہا ہے ﴿قُلْ﴾ "کہہ دیجیے" اے محمد ﷺ! ﴿لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ﴾ "کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ تمھیں خوش ہی لگے" یعنی اے انسان! ﴿كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ﴾ "ناپاک چیزوں کی کثرت۔" یعنی قلیل مگر حلال اور نافع اس کثیر سے بہتر ہے جو حرام اور نقصان دہ ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [مَا قَلَّ وَ كَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى] "جو کم ہو اور کفایت کرے، وہ اس زیادہ سے بہتر ہے جو غافل کر دے۔"① ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ "تو عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔" یعنی اے صحیح اور مستقیم عقل والو! اللہ سے ڈرو، حرام سے اجتناب کرو اور اسے چھوڑ دو اور حلال پر قناعت کرو اور اسے کافی جانو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰﴾ "تاکہ تم فلاح پاؤ۔" دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

بے فائدہ سوال کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ "مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔" یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ادب سکھایا ہے اور انھیں ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمادیا ہے جن کے بارے میں سوال کرنے اور کرید کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سوال کے جواب میں اگر ان باتوں کو ظاہر کر دیا جائے تو انھیں بری لگیں اور ان کا سننا ان کے لیے گراں ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے اس طرح کا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا، آپ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا: [لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ، لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا] "اگر تم اسے جان لو جسے میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔" حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا اور زاروقطار رونے لگے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ میرے والد کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: "فلاں" تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾② اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری جگہ پر بھی ذکر کیا ہے اور امام مسلم، احمد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔③

① مسند أحمد:197/5 عن أبي الدرداء رضي الله عنه. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدة5:101)، حديث:4621. ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ:[لو تعلمون ما أعلم......]، حديث:6486 وصحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ، و ترك إكثار سؤاله عما لاضرورة إليه ......، حديث:2359 ومسند أحمد:180/3 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث:3056 والسنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ﴾:338/6، حديث:11154.

امام ابن جریر نے قتادہ سے اسی آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی کثرت سے سوال پوچھے تو ایک دن آپ تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہوگئے اور فرمایا:[لَا تَسْأَلُونِيَ الْيَوْمَ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُهُ لَكُمْ] ''آج تم مجھ سے جو بھی سوال پوچھو گے تو میں تمھیں اس کا جواب دوں گا۔'' یہ سن کر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے کہ شاید کوئی معاملہ پیش نہ آنے والا ہو، میں نے دائیں بائیں دیکھا تو محسوس ہوا کہ ہر شخص اپنے کپڑے میں سر چھپائے رو رہا ہے،[فَأَنْشَأَ رَجُلٌ كَانَ يُلَاحِي فَيُدْعٰى إِلٰى غَيْرِأَبِيهِ، فَقَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ، مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ] ''ایک شخص نے عرض کی، جسے اس کے غیر باپ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تمھارا باپ حذافہ ہے۔'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی: ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہیں اور برے فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَمْ أَرَ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَالْيَوْمِ قَطُّ، صُوِّرَتْ لِيَ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتّٰى رَأَيْتُهُمَا دُونَ الْحَائِطِ] ''جیسا منظر آج دیکھا ہے کبھی اس طرح کا اچھا یا برا منظر نہیں دیکھا، مجھے جنت اور جہنم کا منظر دکھا دیا گیا حتی کہ میں نے انھیں دیوار سے بھی آگے دیکھا ہے۔'' اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سعید کی سند سے بیان کیا ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ازراہ مذاق سوال پوچھا کرتے تھے کوئی کہتا کہ میرا باپ کون ہے؟ کسی کی اونٹنی گم ہو جاتی تو وہ پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ...... ﴾ الآیۃ یہاں تک کہ آیت کو مکمل کر دیا۔ اس روایت کو صرف امام بخاری ہی نے روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ (آل عمران3:97) ''اور اللہ نے لوگوں پر حج فرض کیا ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی طاقت رکھیں۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ خاموش رہے، انھوں نے پھر پوچھا: کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ پھر خاموش رہے، انھوں نے پھر پوچھا: کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ نے فرمایا:[(لَا)، وَلَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، (وَلَوْ وَجَبَتْ) لَمَا اسْتَطَعْتُمْ] ''نہیں، ہر سال فرض نہیں ہے اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا جبکہ تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔'' تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا

① تفسیر الطبری:109/7 وصحیح البخاری، الفتن، باب التعوذ من الفتن، حدیث:7089 وصحیح مسلم، الفضائل، باب توقیره ﷺ وترك إكثارسؤاله عما لا يقع......، حدیث:(137)-2359 . ② صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ (المآئدة5:101)، حدیث:4622 .

...... ﴾الآیة[1] اسی طرح اس کو امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] آیت سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان اشیاء کے بارے میں سوال کی ممانعت ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو جائیں تو بری لگیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان سے اعراض کرتے ہوئے انھیں ترک کر دیا جائے۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ﴾ ''اور اگر تم ان کے بارے میں پوچھو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی۔'' یعنی اگر تم ان چیزوں کے بارے میں اس وقت پوچھو جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل کی جا رہی ہو تو تمھارے لیے انھیں بیان بھی کر دیا جائے گا۔ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ (التغابن 7:64) ''اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ﴾ اللہ نے (تمھاری) اس حرکت کو معاف فرما دیا ہے۔'' یعنی اب سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا، بردبار ہے۔'' مراد یہ ہے کہ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو، ممکن ہے کہ تمھارے سوال کی وجہ سے کوئی ایسا حکم نازل ہو جائے جس میں تمھارے لیے سختی اور تنگی ہو۔

حدیث میں آیا ہے: [(إِنَّ) أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَّنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَّمْ يُحَرَّمْ ، فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْئَلَتِهِ] ''بے شک مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام قرار دے دی گئی۔''[3] صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ] ''مجھے اس وقت تک چھوڑے رکھو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سے سوال پوچھنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔''[4]

صحیح حدیث میں یہ بھی ہے: [إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا ، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ (رَحْمَةً) بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَسْأَلُوا عَنْهَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں، پس انھیں ضائع نہ کرو، کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو، کچھ چیزوں سے منع فرما دیا ہے

---

[1] مسند أحمد:113/1. [2] صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث:1337 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. جبکہ [لَا] کے لیے دیکھیے جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3055 عن علي رضی اللہ عنہ. وسنن ابن ماجه، المناسك، باب فرض الحج، حديث:2884 اور [وَلَو وَجَبَتْ] دیکھیے المستدرك للحاكم، التفسير، باب من سورة آل عمران:293/2 ، حديث:3155 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايُكره من كثرة السؤال......، حديث:7289 وصحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك إكثارسؤاله عما لا ضرورة إليه ......، حديث:2358 . [4] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث:7288 وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث:1337 واللفظ له.

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ

اللہ نے نہیں بنایا کسی کو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام اور لیکن یہ کافر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ، اور ان میں سے اکثر

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿103﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

عقل نہیں رکھتے ﴿103﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور (آؤ) رسول کی طرف تو وہ

وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کہتے ہیں : ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ وہ ہدایت

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿104﴾

یافتہ ہی ہوں (تو بھی وہ کی انھی پیروی کریں گے)؟ ﴿104﴾

ان کی بے حرمتی نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے تم پر رحمت کے پیش نظر نہ کہ بھولنے کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے، ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿102﴾ ﴾ '' جبکہ اس طرح کی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھی تھیں۔ (مگر جب بتائی گئیں تو) پھر ان کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے۔'' یعنی یہ سوال جن سے تمھیں منع کر دیا گیا ہے، تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھے تھے اور جب انھیں ان کا جواب دیا گیا تو وہ ایمان نہ لائے بلکہ کافر ہو گئے، انھیں ان کے سوالوں کا جواب تو دیا گیا مگر وہ اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکے کیونکہ انھوں نے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے یہ سوال نہیں پوچھے تھے بلکہ مذاق، ضد اور ہٹ دھرمی کے طور پر پوچھے تھے۔

تفسیر آیات:104,103

بَحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی تفسیر: امام بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن مُسَیَّب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بَحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کے دودھ کو بتوں کے لیے وقف کر دیا جاتا تھا اور کوئی آدمی اس کے دودھ کو نہیں دوہتا تھا اور سائبہ اس جانور کو کہتے تھے جسے وہ اپنے معبودوں کے لیے وقف کر دیتے تھے اور ان پر کوئی بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔ فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ] ''میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیوں کو جہنم میں گھسیٹ رہا تھا، یہ پہلا شخص تھا جس نے جانوروں کو سائبہ بنانے کی رسم کی داغ بیل ڈالی تھی۔'' اور وصیلہ اس جوان اونٹنی کو کہتے ہیں جو پہلی اور دوسری بار مادہ کو جنم دیتی اور اگر اس نے پہلی اور دوسری بار مادہ ہی کو جنم دیا ہوتا اور درمیان میں کوئی نر نہ ہوتا تو اسے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے

[1] السنن الكبرى للبيهقي، الضحايا، باب مالم يذكر تحريمه ولا كان في معنى ماذكر تحريمه مما يؤكل أو يشرب: 12/10 و سنن الدار قطني:4/199 ، حديث:4768 اور بیہقی میں [رحمة] کے بجائے [رخصة] ہے اور اس حدیث کو علامہ البانی نے ضعیف کہا ہے، دیکھیے غاية المرام ، رقم: 4 مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة:5/325، حديث:2256.

تھے۔اور حام اس سانڈ اونٹ کو کہتے تھے جو ایک مخصوص تعداد میں اونٹنیوں کو حاملہ کر دیتا تو اسے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور اس پر کوئی بوجھ نہیں لادتے تھے اور اسے حامی کے نام سے موسوم کر دیتے تھے۔ ①

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ وَعَبَدَ الْأَصْنَامَ أَبُو خُزَاعَةَ عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ ، وَّإِنِّي رَأَيْتُهُ يَجُرُّ أَمْعَاءَهُ فِي النَّارِ] ”بے شک جس نے سب سے پہلے جانوروں کو سائبہ بنانے کی رسم ڈالی اور سب سے پہلے بتوں کی عبادت کی وہ ابوخزاعہ عمرو بن عامر تھا اور میں نے اسے دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا تھا۔“ ② اس روایت کو صرف امام احمد ہی نے بیان کیا ہے۔

اس عمرو سے مراد ابن لُحَی بن قَمَعہ ہے، یہ بنوخزاعہ کا ایک سردار تھا اور بنوخزاعہ، بنوجُرہُم کے بعد بیت اللہ کے متولی بنے تھے، یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دین کو بدلا تھا اور سرزمین حجاز میں بت داخل کیے تھے، اس نے لوگوں کو بتوں کی عبادت کے ذریعے سے تقرب حاصل کرنے کی دعوت دی اور جانوروں وغیرہ کے بارے میں ان جاہلانہ رسموں کو رواج دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ﴾ (الأنعام136:6) ”اور انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا کیا۔“ اس مضمون کی آخر آیات تک ذکر فرمایا ہے۔

بحیرہ کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ اونٹنی تھی جو پانچ بچوں کو جنم دے دیتی تھی اگر پانچواں بچہ نر ہوتا تو اسے ذبح کر کے صرف مرد کھاتے، عورتوں کو اسے کھانے کی اجازت نہ تھی اور اگر پانچواں بچہ مادہ ہوتا تو اس کے کان کاٹ دیتے اور کہتے کہ یہ بحیرہ ہے۔ ③ سُدِّی وغیرہ نے بھی قریباً اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ④

سائبہ کے بارے میں امام مجاہد فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹوں میں سے بحیرہ تھا، اسی طرح ایسی بکری کو سائبہ کہتے تھے، اس فرق کے ساتھ کہ بکری نے چھ بچوں کو جنم دیا ہو اور اس کے بعد اگر ساتویں بچے کو وہ نر یا مادہ یا دو نر بچے جنم دیتی تو اسے ذبح کر دیتے اور اسے بھی صرف مرد کھا سکتے تھے عورتیں نہیں۔ ⑤ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ سائبہ سے مراد وہ اونٹنی تھی جس نے مسلسل دس مادہ بچوں کو جنم دیا ہوتا تھا اور ان میں کوئی نر نہ ہوتا تھا تو اسے چھوڑ دیا جاتا، اس پر سواری نہ کی جاتی، اس کی اون نہ کاٹی جاتی اور اس کے دودھ کو نہ دوہا جاتا۔ ہاں، البتہ صرف مہمان کے لیے اس کے دودھ کو دوہا جاتا تھا۔ ⑥

ابورَوق کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر جاتا اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی تو وہ اپنے مال میں سے اونٹنی یا کسی اور چیز کو بتوں کے نام پر وقف کر دیتا تھا اور اگر وہ کسی بچے کو جنم دیتی تو اسے بھی بتوں ہی کے نام پر

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ ...... ﴾ (المآئدة103:5)، حديث:4623 و صحيح مسلم الجنة و نعيمها، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث:(51)-2856 مختصراً . ② مسند أحمد: 446/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1220/4. ④ تفسير ابن أبي حاتم:1220/4 و تفسير الطبري:122/7. ⑤ تفسير الطبري:122,121/7 و تفسير ابن أبي حاتم:1222/4. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:1222/4.

وقف کر دیا جاتا تھا۔① سُدّی نے بھی کہا ہے کہ ان میں سے جب کسی شخص کی ضرورت پوری ہو جاتی یا اسے مرض سے شفا حاصل ہوتی یا اس کا مال زیادہ ہو جاتا تو وہ اپنے مال میں سے کچھ بتوں کے نام پر وقف کر دیتا تھا اور اگر کوئی اس سے تعرض کرتا تو اسے دنیا میں سزا دی جاتی تھی۔②

وصیلہ کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ بکری تھی جس کے بطن سے سات بچے پیدا ہو چکے ہوتے تھے، ساتویں بچے کو دیکھتے کہ اگر وہ نر ہوتا تو اسے مرد کھاتے، عورتیں شریک نہیں ہوتی تھیں اگر وہ مادہ ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے اگر بیک وقت نر اور مادہ دو بچے پیدا ہوتے تو انھیں بھی زندہ رہنے دیتے اور کہتے کہ اس کی بہن نے اسے اپنے ساتھ ملا کر اس کے کھانے کو ہمارے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔③ امام عبدالرزاق نے مَعْمَر از زہری کی سند سے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ وصیلہ سے مراد وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ بچے کو جنم دیتی اور اس کے بعد دوبارہ پھر مادہ بچے ہی کو جنم دیتی تو وہ اسے وصیلہ کے نام سے موسوم کرتے اور کہتے کہ اس اونٹنی نے یکے بعد دیگرے دو مادہ بچوں کو جنم دیا ہے، درمیان میں کوئی نر بچہ نہیں ہے، ایسی اونٹنی کے کان کاٹ کر اسے وہ بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔④ امام مالک بن انس نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ وصیلہ اس بکری کو کہتے تھے جس نے پانچ بار دو دو بچوں کو جنم دیا ہوتا تھا اسے وہ وصیلہ کا نام دے کر چھوڑ دیتے تھے اور اس کے بعد جس بچے کو وہ جنم دیتی تو اسے صرف مرد کھاتے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں اور اگر وہ مردہ بچے کو جنم دیتی تو اسے مرد عورتیں سب مل کر کھاتے تھے۔⑤

حامی (حام) کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کسی آدمی کا سانڈ دس اونٹنیوں کو بار آور کر دیتا تو کہا جاتا ہے کہ یہ حام ہے اسے چھوڑ دو۔⑥ ابورَوق اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔⑦ جبکہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جب کسی اونٹ کے بچے کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ اب اس نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا ہے، لہٰذا وہ نہ اس پر کوئی چیز لادتے، نہ اس کی اون کاٹتے، نہ اسے کسی چراگاہ میں چرنے سے منع کرتے اور نہ کسی حوض سے پانی پینے ہی سے منع کرتے، خواہ وہ حوض کسی کا بھی ہوتا۔⑧ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حام وہ اونٹ تھا جسے اونٹنیوں میں چھوڑ دیا جاتا اور جب اونٹنیوں کو بار آور کرنے کی تعداد مکمل ہو جاتی تو وہ اس پر مور کے پر لگا دیتے اور اسے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔⑨ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیث بھی وارد ہے جسے امام ابن ابوحاتم نے بطریق ابواسحاق سبیعی از ابوالاَحوص جُشَمی، ان کے والد مالک بن نَضلہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بوسیدہ کپڑوں میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

---

① تفسیر ابن أبی حاتم:1222/4. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1222/4. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 1222/4، 1223 وتفسیر الطبری:122/7. ④ تفسیر عبدالرزاق:30/2، رقم:748. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:1223/4. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم:1224/4. ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم:1224/4. ⑧ تفسیر ابن أبی حاتم:1223/4. ⑨ تفسیر ابن أبی حاتم: 1224/4.

[هَلْ لَّكَ مِنْ مَّالٍ؟ قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ: مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ: فَقُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ: مِنَ الْإِبِلِ، وَالْغَنَمِ ، والْخَيْلِ ، وَالرَّقِيقِ، قَالَ: فَإِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ عَلَيْكَ، ثُمَّ قَالَ: تُنْتَجُ إِبِلُكَ وَافِيَةً آذَانُهَا؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ ، وَهَلْ تُنْتَجُ الْإِبِلُ إِلَّا كَذٰلِكَ قَالَ: فَلَعَلَّكَ تَأْخُذُ مُوسٰى فَتَقْطَعُ آذَانَ طَائِفَةٍ مِّنْهَا، وَتَقُولُ: هٰذِهِ [بُحُرٌ] وَتَشُقُّ آذَانَ طَائِفَةٍ مِّنْهَا وَتَقُولُ: هٰذِهِ حُرُمٌ، فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، إِنَّ كُلَّ مَا آتَاكَ اللّٰهُ لَكَ حِلٌّ]

’’کیا تمھارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کی: اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام ہر قسم کا مال ہے۔ فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تم کو مال عطا فرمائے تو وہ تم پر نظر آنا چاہیے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تمھارے اونٹ پورے کانوں کے ساتھ بچوں کو جنم دیتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، اور اونٹ اسی طرح تو بچوں کو جنم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: شاید کہ تم استرے سے بعض اونٹوں کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بُحُر ہے اور بعض کے کان کاٹ کر کہتے ہو کہ یہ حُرُم ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمھیں عطا فرمایا ہے وہ تمھارے لیے حلال ہے۔‘‘ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾ ’’اللہ نے نہ تو کسی کو بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔‘‘ بحیرہ سے مراد وہ جانور ہیں جن کے وہ کان کاٹ دیتے تھے اور بیوی، بیٹیاں اور گھر کا کوئی بھی دوسرا فرد ان کے بالوں، اون اور دودھ وغیرہ کو استعمال نہیں کرتا تھا اور اگر وہ جانور مر جاتا تو پھر سب لوگ اسے کھا لیتے تھے۔①

سائبہ سے مراد وہ جانور ہے جسے وہ اپنے معبودوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔ وصیلہ سے مراد وہ بکری ہے جو چھ بار بچوں کو جنم دے دیتی تھی اور جب وہ ساتویں بار بچے کو جنم دیتی تو اس کے کان کاٹ دیتے اور سینگ توڑ دیتے اور کہتے کہ یہ وصیلہ ہے، اسے وہ ذبح نہیں کرتے تھے اور اسے کسی بھی حوض پر وارد ہونے کی وجہ سے نہ مارتے تھے اور نہ منع کرتے تھے۔ حدیث میں درج اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی جاتی ہے۔ ایک دوسری سند ابواسحاق از ابوالاحوص عوف بن مالک عن ابیہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔② نیز اس حدیث کو امام احمد نے سفیان بن عیینہ سے، انھوں نے ابوالزعراء عمرو بن عمرو سے، انھوں نے اپنے چچا ابوالاحوص عوف بن مالک بن نضلہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں یہ تفسیر نہیں ہے۔ واللہ أعلم.③

ارشاد الٰہی: ﴿وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾﴾ ’’لیکن کافر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع قرار نہیں دیا تھا اور نہ یہ اس کے قرب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ انھیں مشرکوں نے از خود گھڑ کر شریعت اور قربت قرار دے لیا تھا جبکہ انھیں ان سے قربت تو

① تفسیر ابن أبی حاتم:1220/4 و سنن أبی داود، اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، حدیث:4063 مختصراً .
② تفسیر ابن أبی حاتم:1221/4 . ③ مسند أحمد:137,136/4.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کی فکر لازم ہے، جو شخص گمراہ ہو، وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جبکہ تم خود ہدایت پر رہو۔ تم سب کا اللہ ہی کی

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾

طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو﴿105﴾

حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ ان کے لیے وبال بن گئی تھیں: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ ﴾ ''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے، اس کی اور رسول اللہ کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہمیں کافی ہے۔'' جب انھیں یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین وشریعت کو اور جن امور کو اس نے واجب قرار دیا ہے انھیں اختیار کرو اور جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے، انھیں ترک کر دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی طریقے اور مسلک کافی ہیں جن پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں (تو بھی وہ ان کی پیروی کریں گے؟)'' یعنی حق کو نہ سمجھتے ہوں اور نہ جانتے پہچانتے ہوں تو اس حالت میں یہ ان کی کیونکر اتباع کرتے ہیں، ان کی اتباع تو صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ان سے زیادہ جاہل اور ان سے بڑھ کر گمراہ ہو۔

تفسیر آیت:105

اصلاح نفس کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کی اصلاح کریں اور مقدور بھر کوشش کر کے نیک کام کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی اصلاح کر لے تو اسے کسی خراب شخص کی خرابی، خواہ وہ قریب ہو یا بعید کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے قیس کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ ﴾ ''اے ایمان والو! اپنی جانوں کی حفاظت کرو! جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمھارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔'' اور تم اس سے غلط استدلال کرتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ وَلَا يُغَيِّرُوهُ، أَوْشَكَ اللّٰهُ أَنْ يَّعُمَّهُمْ بِعِقَابِهِ] ''بے شک لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اسے نہ مٹائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔'' راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان فرماتے ہوئے بھی سنا کہ لوگو! جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ ایمان کے منافی ہے۔[1]

[1] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث:4338 وجامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في نزول العذاب إذا لم يغير المنكر، حديث:2168 ومسند أحمد:5/1 واللفظ له.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمھارے درمیان گواہی ہونی چاہیے اور وصیت کے وقت اپنے (مسلمانوں) میں سے دو

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ

انصاف والے گواہ ہوں یا اگر تم زمین میں سفر پر نکلے ہو اور (راستے میں) موت کی مصیبت پیش آ جائے تو غیر قوم کے دو گواہ بھی کافی ہوں گے، پھر اگر

مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا

تمھیں کوئی شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو، تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی قیمت نہیں لے رہے اور

وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿106﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا

کوئی ہمارا رشتے دار بھی ہو (تو ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے، اگر ہم ایسا کریں تو ہم گناہ گاروں میں شمار ہوں گے ﴿106﴾ پھر

اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ

اگر پتا چل جائے کہ بے شک ان دونوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے پھر ان دونوں کی جگہ دو قریبی رشتے دار (بطور) گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں، جو

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿107﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى

(میت کے ترکے کے) حقدار ہیں، تو وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان (پہلے) دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے، اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، اگر

اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے ﴿107﴾ یہ (اسلوب) قریب تر ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے، یا (کم از کم اس بات ہی کا) خوف کریں گے کہ کہیں ان

ع 14 8 4 وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿108﴾ ع

(ورثاء) کی قسموں کے بعد ان کی قسمیں رد نہ کر دی جائیں، اور تم اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اللہ نافرمانی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿108﴾

تفسیر آیات:106-108

وصیت پر دو عادل آدمیوں کی شہادت: یہ آیت کریمہ ایک زبردست حکم پر مشتمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ﴾ ''مومنو! جب تم میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو شہادت (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم (مسلمانوں میں) سے دو عادل (صاحب اعتبار) گواہ ہوں۔'' اثنان کے معنی ہیں دو آدمیوں کی گواہی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ دو آدمی گواہی دیں۔ اور ارشاد الٰہی: ﴿ ذَوَا عَدْلٍ ﴾ یعنی ان دو آدمیوں کا وصف ہے کہ وہ عادل ہوں اور ﴿ مِّنْكُمْ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ تم مسلمانوں میں سے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ ﴾ ''یا دو دوسرے تمھارے غیر میں سے (گواہ) ہوں۔'' امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلموں، یعنی اہل کتاب میں سے دو آدمیوں کو گواہ مقرر کر لو۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ ﴾ ''اگر تم زمین میں سفر پر ہو اور (اس وقت) تم

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1229/4 و تفسير الطبري:141,140/7.

پر موت کی مصیبت واقع ہو۔'' یعنی مومنوں کی عدم موجودگی کی صورت میں ذمیوں کی شہادت کے جواز کی یہ دو شرطیں ہیں کہ سفر کی حالت ہو اور وصیت کا موقع ہو جیسا کہ قاضی شریح نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام ابن جریر نے قاضی شریح کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سفر کے سوا یہود و نصاریٰ کی شہادت جائز نہیں اور سفر میں بھی صرف وصیت کے لیے جائز ہے۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ ﴾ ''تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو۔'' یہاں نماز سے مراد نماز عصر ہے۔ سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، قتادہ، عکرمہ اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ سے اسی طرح مروی ہے۔[2] امام زہری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمانوں کی نماز ہے۔[3] یعنی ان دو گواہوں کو نماز کے بعد جس میں نماز پڑھنے والوں کی موجودگی میں کھڑا کیا جائے۔ ﴿ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ ﴾ ''پھر دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں۔''

﴿ اِنِ ارْتَبْتُمْ ﴾ ''اگر تم کو (ان گواہوں کی نسبت) کچھ شک ہو۔'' یعنی اگر تمھیں ان کی بابت یہ شک ہو کہ انھوں نے کچھ خیانت کی ہے تو وہ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ﴿ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا ﴾ ''ہم شہادت کا کچھ عوض نہیں لیں گے۔'' یعنی ہم فانی اور زوال پذیر ہونے والی اس دنیا کے اس قلیل مال کو ہم معاوضے کے طور پر نہیں لیں گے ﴿ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ ''گو ہمارا رشتے دار ہی ہو۔'' یعنی جس کے بارے میں ہم شہادت دے رہے ہیں اگرچہ وہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ ﴾ ''اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے۔'' شہادت کے شرف اور اہمیت و عظمت کی وجہ سے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ ﴿ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴾ ''اگر ہم ایسا کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔'' یعنی اگر ہم نے شہادت کی تحریف کی یا تغیر و تبدل کیا یا اسے بالکل چھپا دیا تو ہم ایسا کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا ﴾ ''پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔'' یعنی اگر وصیت کے بارے میں شہادت کے دینے والے ان دو گواہوں کی بابت تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے اور اس مال میں سے انھوں نے کچھ چھپا لیا ہے جس کے بارے میں انھیں وصیت کی گئی تھی۔ ﴿ فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ﴾ ''پھر ان دونوں کی جگہ دو دوسرے قریبی رشتہ دار گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جو (میت کے ترکے کے) حقدار ہیں۔'' جب صحیح خبر کے ساتھ ان کی خیانت ثابت ہو جائے تو ترکے کے مستحق وارثوں میں سے دو شخص کھڑے ہوں جو اس مال کے سب سے زیادہ وارث ہوں۔ ﴿ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ﴾ ''پھر وہ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہماری شہادت ان (پہلے) دونوں کی شہادت سے سچی ہے۔'' یعنی ہمارا یہ کہنا کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے، ان کی مذکورہ شہادت کی نسبت زیادہ سچی، زیادہ صحیح اور زیادہ ثابت شدہ بات ہے۔ ﴿ وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ﴾ ''اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔'' جو ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ انھوں نے خیانت کی

[1] تفسیر الطبری:141/7. [2] تفسیر الطبری:150,149/7 و تفسیر البغوی:98/2 و تفسیر الماوردی:76/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1232,1231/4.

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

اس دن (کو یاد کرو) جب اللہ رسولوں کو جمع کرے گا، پھر (ان سے) کہے گا کہ تمھیں کیا جواب دیا گیا تھا تو وہ کہیں گے:

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿109﴾

ہمیں کوئی علم نہیں، بے شک تو ہی غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے ﴿109﴾

ہے ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿107﴾ ﴾ ''اگر ایسا کیا ہو تو ہم بے انصاف ہیں۔'' یعنی اگر ہم نے ان پر جھوٹ بولا۔ اس حالت میں یہ قسم وارثوں کو کھانا ہوگی، پھر ان کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ جب قاتل کی جانب سے شر ظاہر ہو تو پھر مقتول کے وارثوں سے قسم لی جاتی ہے اور وہ قاتل کے بارے میں قسمیں کھاتے ہیں جس سے قاتل کو ان کے سپرد کر دیا جاتا ہے جیسا کہ احکام قسامہ کے باب میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ ﴾ ''اس طریق سے بہت قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح شہادت دیں۔'' یعنی اس پسندیدہ طریق سے یہ جو شرعی حکم دیا گیا ہے کہ دو ذمی گواہ قسم اٹھائیں اور ان کے بارے میں شک وشبہ کا پیدا ہو جانا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ صحیح طریقے سے شہادت دیں گے۔ فرمان الٰہی: ﴿ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ ﴾ ''یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری) قسمیں ان (ورثاء) کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔'' یعنی شہادت کو صحیح صحیح ادا کرنے کا باعث اللہ کے نام کی قسم کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کے عزت وجلال کی پاسداری اور اس بات کا خوف ہونا چاہیے کہ اگر ان کی قسم رد کرتے ہوئے یہ حق اس کے وارثوں کو دے دیا جائے گا تو اس سے لوگوں میں ان کی رسوائی ہوگی کیونکہ وارث قسم کھا کر اپنے دعوٰی وراثت کے مستحق ہو جائیں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ ﴾ ''یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری) قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' یعنی اپنے تمام امور و معاملات میں ﴿ وَاسْمَعُوْا ؕ ﴾ ''اور (اس کے حکموں کو گوش ہوش سے) سنو'' اور اطاعت بجا لاؤ۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿108﴾ ﴾ ''اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' یعنی جو اس کی اطاعت اور اس کی شریعت کی فرمانبرداری سے خارج ہو جائیں۔

تفسیر آیت:109

انبیاء سے ان کی امتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا: یہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ قیامت کے دن انبیاء سے مخاطب ہو کر یہ پوچھے گا کہ ان کی ان امتوں نے، جن کی طرف انھیں مبعوث کیا گیا تھا، انھیں کیا جواب دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ﴾ (الأعراف 6:7) ''تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان سے بھی ضرور پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الحجر 93,92:15) ''آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان تمام سے ضرور پرسش کریں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔'' اور رسول جواب دیں گے: ﴿ لَا عِلْمَ لَنَا ؕ ﴾ ''ہمیں کچھ معلوم نہیں۔'' امام مجاہد، حسن

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ

جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تو خود پر اور اپنی ماں پر میری نعمت یاد کر، جب میں نے تجھے روح القدس (جبریل) کے ساتھ قوت دی، تو

الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

(ماں کی) گود میں اور پختہ عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا، اور جب میں نے تجھے کتاب وحکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی، اور جب تو میرے حکم

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا

سے گارے سے پرندے کی سی مورت بناتا تھا، پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، اور تو پیدائشی اندھے کو اور

بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ

پھلبہری والے کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا، اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے (زندہ) نکالتا تھا۔ اور جب میں نے تجھے بنی اسرائیل سے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

بچایا جب تو ان کے پاس واضح نشانیوں کے ساتھ آیا تھا۔ تب ان لوگوں میں سے جنھوں نے کفر کیا، انھوں نے کہا تھا: یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ

مُّبِيْنٌ ﴿110﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ

نہیں ﴿110﴾ اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تب انھوں نے کہا: ہم ایمان لائے ہیں، اور تو گواہ رہ کہ

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿111﴾

بے شک ہم فرماں بردار ہیں ﴿111﴾

بصری اور سُدّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے یہ جواب دیں گے۔ [1] عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ ''جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب ملا تھا۔'' تو گھبراہٹ کی وجہ سے انبیاء یہ جواب دیں گے کہ ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ ''ہمیں کچھ معلوم نہیں۔'' [2] اسے ابن جریر اور ابن ابوحاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ [3] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ ہمیں تو صرف وہی علم ہے جسے آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ [4]

یہ رب تعالیٰ جل جلالہ کے ساتھ گفتگو میں ادب کا ایک انداز ہے، یعنی ہمارے علم کو تیرے اس علم کے مقابلے میں جو ہر چیز کو محیط ہے، کوئی نسبت ہی نہیں، ہمیں اگرچہ جواب دیا گیا اور ہم جواب دینے والوں کو بھی پہچانتے ہیں لیکن ہمیں ان کے صرف ظاہر ہی کا علم ہے، ان کے باطن کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں اور تو ہر چیز کو جاننے والا ہے، ہر چیز کی تجھے اطلاع ہے، تیرے علم کے مقابلے میں ہمارا علم تو ایسے ہے جیسے کوئی علم ہی نہ ہو۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿109﴾﴾ ''بے شک تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔''

[1] تفسير الماوردي: 78/2 و تفسير الطبري: 169/7. [2] تفسير عبدالرزاق: 38/2، رقم: 765. [3] تفسير الطبري: 169/7 و تفسير ابن أبي حاتم: 1236/4. [4] تفسير الطبري: 170/7.

تفسیر آیات:110-111

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعمتوں کی یاد دہانی: اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے جن کا اس نے اپنے عبد و رسول حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر احسان فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر بڑے بڑے معجزات اور خوارق عادات کو جاری فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ ﴾ ''خود پر میری نعمت کو یاد کر۔'' تمھیں بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا اور تمھارے وجود کو میں نے اشیاء پر اپنی کمال قدرت کی ایک قطعی دلیل اور نشانی بنا دیا۔ ﴿ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ ﴾ ''اور تمھاری والدہ پر (کیے۔)'' میں نے تمھیں اس وقت ان کی براءت اور پاک دامنی کی دلیل اور برہان بنا دیا جب ظالموں اور جاہلوں نے ان پر بدکرداری کی تہمت لگائی تھی۔ ﴿ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ ﴾ ''جب میں نے روح القدس (جبرئیل) سے تمھاری مدد کی۔''

روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے تمھیں بچپن میں اور بڑی عمر میں بھی نبی اور داعی الی اللہ بنایا، پنگوڑے میں تمھیں قوت گویائی عطا فرمائی اور تم نے اپنی والدہ کے ہر عیب سے پاک ہونے کی شہادت دی، میری عبودیت کا اعتراف کیا اور لوگوں کو بتایا کہ میں نے تجھے ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور تو نے لوگوں کو میری عبادت کی دعوت دی، اسی لیے فرمایا: ﴿ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ﴾ ''تم ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر ہو کر لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔'' یعنی بچپن میں اور ادھیڑ عمر ہو کر لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔

یہاں ﴿ تُكَلِّمُ ﴾ کا لفظ [تَدْعُو] دعوت دینے کے معنی کو بھی متضمن ہے کیونکہ ادھیڑ عمر میں کلام کرنا تو کوئی تعجب انگیز امر نہ تھا۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی سکھائی۔'' یعنی خط اور فہم سکھایا۔ ﴿ وَالتَّوْرَاةَ ﴾ ''اور تورات (سکھائی۔)'' اس سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران پر نازل فرمایا تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي ﴾ ''اور جب تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی سی مورت بنا تا تھا۔'' تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی شکل وصورت بناتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اپنے بنائے ہوئے پرندے کی اس شکل وصورت میں جب تم پھونک مار دیتے تو وہ واقعی جان دار پرندہ بن جاتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اس میں جان پیدا کر دینے کی وجہ سے وہ اڑنے لگ جاتا تھا۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ﴾ ''اور مادر زاد اندھے اور پھلبہری والے کو میرے حکم سے تندرست کر دیتے تھے۔'' کی تفسیر پہلے سورۂ آل عمران میں بیان کی جا چکی ہے،[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ﴾ ''اور جس وقت تو مردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتا تھا۔'' یعنی جب تم مردوں کو بلاتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی قدرت، ارادے اور مشیت سے کھڑے ہو جاتے تھے۔

---

[1] دیکھیے آیت:49 کے ذیل میں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ

(اور) جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب یہ طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل کرے؟ انھوں نے جواب

السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا

دیا: تم اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو﴿112﴾ وہ بولے: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو تسلی ہو جائے، اور ہم یہ جان لیں کہ تو نے

وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿113﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ

ہم سے سچ کہا ہے۔ اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں﴿113﴾ عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دستر خوان

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ

نازل فرما کہ وہ ہمارے پہلوں اور ہمارے بعد والوں کے لیے عید (خوشی کا موقع) بن جائے، اور وہ تیری طرف سے خاص نشانی ہو، اور تو ہمیں رزق

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿114﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ

دے، اور تو بہترین رزق دینے والا ہے﴿114﴾ اللہ نے فرمایا: بے شک میں وہ دستر خوان تم پر نازل کروں گا، پھر اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر کرے گا تو

15 ع 7 5 فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿115﴾ ع

میں یقیناً اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب دنیا بھر میں کسی اور کو نہیں دوں گا﴿115﴾

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿110﴾ ﴾ ''اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا جب تم ان کے پاس کھلے نشان لے کر آئے تو جو اُن میں سے کافر تھے، کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔'' یعنی میری اس نعمت کو بھی یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے اس وقت روک دیا تھا جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کے ٹھوس اور قطعی دلائل و براہین لے کر آئے تھے مگر انھوں نے تمھاری تکذیب کی، تم پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا، تمھیں قتل کرنے اور پھانسی دینے کی سازش کی مگر میں نے تمھیں انکی اس سازش سے بچالیا، میں نے تمھیں اپنے پاس اٹھالیا، ان کے میل کچیل سے تمھیں پاک کر دیا اور ان کے شر سے میں نے تمھاری حفاظت کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان احسانات کا تذکرہ قیامت کے دن فرمائیں گے لیکن اسے ماضی کے صیغوں سے اس لیے بیان فرمایا کہ یہ بات لامحالہ وقوع پذیر ہونے والی ہے اور یہ بات ان اسرارِ غیب میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مطلع فرما دیا ہے۔

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ ﴾ ''اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔'' یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان ہے کہ اللہ نے حواریوں کو ان کے اصحاب و انصار بنا دیا۔ کہا گیا ہے کہ یہاں وحی کا لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ ﴾ (القصص 7:68) ''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاؤ۔'' اس آیت کریمہ میں بھی وحی کا لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کے بارے میں ائمہ تفسیر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ﴾ (النحل 69,68:16) ''اور آپ کی پروردگار نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر (چھتے) بنا اور ان (چھپروں) میں جن پر لوگ بیلیں چڑھاتے ہیں۔ اور ہر قسم کے پھلوں سے کھا اور اپنے پروردگار کے نرم و ہموار رستوں پر چلی جا۔'' اس آیت کریمہ میں بھی وحی کا لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حواریوں کو الہام کیا۔[1] اور سُدِّی کہتے ہیں کہ ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی[2] جس کی وجہ سے وہ یہ پکار اٹھے: ﴿ اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝111 ﴾ ''ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ بے شک ہم فرمانبردار ہیں۔''

تفسیر آیات: 112-115

خوان نازل ہونے کا بیان: یہ خوان نازل ہونے کا قصہ ہے اور اسی قصے کی طرف نسبت کی وجہ سے اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ مائدہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے عبد و رسول حضرت عیسیٰ پر ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے آسمان سے خوان نازل فرما کر اسے بھی حضرت عیسیٰ کی نبوت کی ایک ٹھوس اور قطعی حجت و دلیل بنا دیا۔ ﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ ﴾ ''وہ قصہ بھی یاد کرو جب حواریوں نے کہا۔'' حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں: ﴿ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمھارا پروردگار طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟'' مائدہ اس خوان کو کہتے ہیں جس پر طعام ہو۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اپنے فقر و حاجت کی وجہ سے انھوں نے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ ان پر کھانے کا ایک ایسا خوان نازل فرما دے جسے وہ کھا کر عبادت کرنے کے لیے طاقت و قوت حاصل کر سکیں۔

﴿ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝112 ﴾ ''انھوں (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو۔'' مسیح علیہ السلام نے انھیں یہ جواب دیا کہ اللہ سے ڈرو اور یہ سوال نہ کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ تمھارے لیے آزمائش بن جائے، لہٰذا اگر صاحب ایمان ہو تو طلب رزق کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل رکھو۔ ﴿ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا ﴾ ''وہ بولے: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں۔'' کیونکہ ہمیں کھانے کی ضرورت ہے۔ ﴿ وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا ﴾ ''اور ہمارے دل تسلی پائیں۔'' جب ہم آسمان سے اپنے لیے رزق نازل ہوتا ہوا دیکھیں گے تو اس سے ہمارے دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا۔ ﴿ وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا ﴾ ''اور ہم جان لیں گے کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے۔'' اس سے آپ کے ساتھ ہمارے علم ایمان اور آپ کی رسالت کے علم میں اضافہ ہو جائے گا۔ ﴿ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝113 ﴾ ''اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' یعنی ہم گواہی دیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی اور آپ کی نبوت و

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1242/4 و تفسیر الطبری: 173/7۔ [2] تفسیر الطبری: 173/7 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1242/4۔

رسالت کی دلیل وحجت ہے۔

﴿قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا﴾ ''(تب) عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما تا کہ وہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید (خوشی کا موقع) قرار پائے۔'' سدی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس خوان کے نزول کے دن کو ہم عید کا دن قرار دے لیں گے اور ہم بھی اس دن کی تعظیم کریں گے اور ہمارے بعد آنے والے بھی۔[1] سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ہم اس دن نماز پڑھیں گے۔[2] ﴿وَاٰيَةً مِّنْكَ﴾ ''اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو۔'' اس بات کی نشانی کہ تجھے تمام چیزوں پر قدرت حاصل ہے اور تو میری دعا کو بھی شرفِ قبولیت سے نوازنے پر قادر ہے اور اس سے یہ لوگ اس دین کے سلسلے میں جسے میں تیری طرف سے ان تک پہنچا رہا ہوں، میری تصدیق بھی کریں گے۔ ﴿وَارْزُقْنَا﴾ ''اور ہمیں رزق دے۔'' کسی محنت ومشقت کے بغیر اپنے پاس سے مزے دار رزق عطا فرما۔

﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ﴾ ''اور تو بہترین رزق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یقیناً میں تم پر خوان نازل فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا'' عیسیٰ تمھاری امت میں سے جو اس کی تکذیب کرتے ہوئے عناد کا اظہار کرے گا تو ﴿فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ''پھر بے شک میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا۔'' یعنی تمھارے زمانے کے اہل عالم میں سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝﴾ (المؤمن 46:40) ''اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النسآء 145:4) ''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔'' ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ روز قیامت سب سے سخت عذاب میں تین قسم کے لوگ مبتلا ہوں گے: (1) منافقین (2) اصحابِ مائدہ میں سے کفر کرنے والے اور (3) فرعون کے ساتھی۔[3]

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حواریوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آسمان سے ہم پر خوان نازل فرمادے تو فرشتے اس خوان کو اٹھا کر نازل ہوئے اس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں، فرشتوں نے اس کھانے کو لا کر ان کے سامنے رکھ دیا تو ان سب لوگوں نے اسے کھایا۔[4]

ابن جریر نے اسحاق بن عبداللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ خوان حضرت عیسیٰ ابن مریم پر نازل ہوا تھا، اس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں اور حکم تھا کہ جس طرح چاہو اسے کھاؤ، یہ کبھی ختم نہ ہوگا مگر ان میں سے بعض لوگوں نے اس خوف سے اس میں سے کھانا چوری کر لیا کہ شاید کل یہ نازل نہ ہو تو اس کے بعد اس خوان کو اٹھا لیا گیا۔[5]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1249/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1249/4. [3] تفسیر الطبری:182/7. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1246/4. [5] تفسیر الطبری:179/7.

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ

اور جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟ تو وہ کہیں گے: تو پاک ہے، میرے

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ

لیے (جائز) نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہو تو یقیناً تو اسے جانتا ہے۔ تو اسے بھی جانتا ہے جو کچھ میرے دل

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿116﴾ مَا قُلْتُ

میں ہے، اور میں اسے نہیں جانتا، جو کچھ تیرے نفس میں ہے۔ بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا ہے ﴿116﴾ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا

لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ

سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے، اور میں ان پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر

فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿117﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

جب تو نے مجھے اٹھا لیا، تو تو ہی ان پر نگران تھا، اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿117﴾ اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انھیں

فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿118﴾

بخش دے تو بے شک تو ہی غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے ﴿118﴾

یہ اور دیگر روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے بنی اسرائیل پر آسمان سے خوان نازل فرمایا تھا جیسا کہ قرآن عظیم کے ان الفاظ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ﴿ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ﴾ ''اللہ نے فرمایا: بے شک میں تم پر خوان نازل فرماؤں گا۔''

ایک عجیب وغریب تاریخی واقعہ: مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ بن نُصَیر کو جو بلاد مغرب فتح کرنے کی مہموں میں بنو امیہ کے نائب تھے، ایک خوان ملا تھا جو موتیوں اور انواع واقسام کے جواہرات سے مرصّع تھا، انھوں نے اسے جامع دمشق کے بانی امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک کی خدمت میں بھیج دیا یہ ابھی رستے ہی میں تھا کہ ولید کا انتقال ہو گیا، لہٰذا اسے ان کے بعد بننے والے خلیفہ ان کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ لوگوں نے جب اسے دیکھا تو اس میں لگے ہوئے نفیس یواقیت اور بے حد قیمتی جواہرات کی وجہ سے بہت تعجب کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خوان حضرت داود بن سلیمان علیہما السلام کی ملکیت تھا۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیات: 116-118

حضرت مسیح علیہ السلام کا شرک سے اظہارِ براءت اور توحید کا اقرار: اللہ تعالیٰ روز قیامت حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے ان لوگوں کی موجودگی میں جنھوں نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو معبود بنا لیا تھا، مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو دو معبود بنا لو؟'' یہ درحقیقت ساری مخلوق کے سامنے عیسائیوں کو سرزنش ہوگی اور انھیں ڈانٹ ڈپٹ

پلائی جائے گی۔ امام قتادہ اور دیگر کئی مفسرین نے اسی طرح فرمایا ہے اور امام قتادہ نے یہ استدلال ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ﴾ (المآئدۃ 119:5) ''آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔'' کے الفاظ سے کیا ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ﴾ ''تو پاک ہے میرے لیے (جائز) نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔'' اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توفیق عطا فرمائے گا کہ وہ بڑے ادب سے اس سوال کا صحیح صحیح جواب دیں گے جیسا کہ امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَلَقَّاهُ اللّٰهُ] ''اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سوال کا یہ جواب بھی سکھا دے گا کہ ﴿ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ﴾ ...... الآیۃ.[2] امام ثوری نے مَعْمَر سے، انھوں نے ابن طاؤس سے اور انھوں نے اپنے والد طاؤس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ﴾ ''اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو یقیناً معلوم ہوگا۔'' اے اللہ! اگر یہ بات میں نے کہی ہے تو تجھے معلوم ہے کیونکہ تجھ سے تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں لیکن میں نے یہ بات نہیں کہی، نہ یہ میرے دل میں تھی اور نہ ہی ایسی کوئی بات کہنے کا میرا ارادہ تھا۔ اسی لیے کہیں گے: ﴿ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ ﴾ ''(کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے، میں اسے نہیں جانتا، بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا ہے، میں نے ان سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے۔'' یعنی جس بات کے پہنچا دینے کا تو نے مجھے حکم دیا ہے: ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ﴾ ''وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہے۔'' صرف یہ ہے وہ بات جو میں نے ان سے کہی تھی۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ﴾ ''اور میں ان پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا۔'' یعنی جب میں ان میں موجود تھا تو ان کے اعمال کی مجھے خبر تھی۔ ﴿ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ﴾ ''پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا، تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

امام ابوداود طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مَّحْشُورُونَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ﴾ ...... الآية (الأنبياء 104:21) وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ عليه السلام، أَلَا! وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ: أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

[1] تفسير الطبري:184/7. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1253/4. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1253/4 وتفسير الطبري:187/7.

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ فرمائے گا: یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿119﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿119﴾ آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اس کی بادشاہی

وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿120﴾ ع 16 5 6

اللہ ہی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿120﴾

الْحَكِيْمُ ﴿118﴾ ﴾ فَيُقَالُ لِي: إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُّنْذُ فَارَقْتَهُمْ] ''اے لوگو! بے شک تم سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اکٹھے کیے جاؤ گے'' جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔'' اور بے شک روز قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، خبردار! آگاہ رہو کہ میری امت کے کچھ آدمیوں کو لایا جائے گا تو انھیں بائیں طرف کر دیا جائے گا، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتوں کو ایجاد کر لیا تھا تو میں بھی اسی طرح کہوں گا کہ جس طرح عبد صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) جواب دیں گے: ''اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے فوت کر لیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے۔) بے شک تو غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب سے تم نے ان کو چھوڑا ہے، یہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے ہی پلٹتے رہے۔''[1] امام بخاری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو بیان فرمایا ہے۔[2]

ارشادِ الٰہی: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿118﴾ ﴾ ''اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' یعنی اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اس معاملے کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت ہی کے سپرد کر دیا کیونکہ وہ جو چاہتا ہے اسے ہر صورت کر گزرنے والا ہے، وہ جو کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا جبکہ ساری مخلوق سے باز پرس ہو سکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان عیسائیوں سے اظہار براءت کر دیں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں، اللہ تعالیٰ کا شریک، بیوی اور بیٹا بنا دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان باتوں سے بہت بلند و بالا اور بے حد ارفع و اعلیٰ ہے، یہ آیت کریمہ عظمت شان اور ایک عجیب خبر پر مشتمل ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور

[1] صحیح مسلم، الجنة ونعيمها، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة، حديث:(58)-2860 مسند أبي داود الطيالسي:363/4، حديث:2760 وللفظ له. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ...... ﴾ (المآئدة 117:5)، حديث:4625.

اکرم ﷺ ایک مرتبہ ساری رات صبح تک اسی ایک آیت کریمہ کو بار بار پڑھتے رہے تھے۔ ①

تفسیر آیات:120,119

روزِ قیامت سچ ہی فائدہ دے گا: اللہ تعالیٰ اپنے عبد و رسول حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو اس وقت جواب دیتے ہوئے فرمائے گا جب وہ ملحد، اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے والے عیسائیوں سے اظہار براءت کر دیں گے اور ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے اور مشیت کے سپرد کر دیں گے، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ﴾ ''آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آج صرف موحدین کو ان کی توحید ہی فائدہ دے گی۔ ② ﴿ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ ''ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ ابدالآباد ان میں بستے رہیں گے۔'' وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ جلوہ افروز رہیں گے اور یہاں سے کبھی بھی نقل مکانی کر کے کسی اور جگہ نہیں جائیں گے۔ ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (التوبة 72:9) ''اور اللہ کی رضا مندی تو سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے۔'' اس آیت کریمہ سے متعلق حدیث آگے بیان کی جائے گی۔ ③

ارشاد الٰہی: ﴿ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑪⑨ ﴾ ''یہ بڑی کامیابی ہے۔'' یعنی یہ سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 61:37) ''ایسی ہی (نعمتوں) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ ﴾ (المطففين 26:83) ''اور اسی میں چاہیے کہ رغبت کریں رغبت کرنے والے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑫⓪ ﴾ ''آسمان اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ تمام اشیاء کا خالق، مالک، متصرف اور قادر ہے، سب کچھ اسی کی ملکیت اور اسی کے قبضہ و قدرت اور مشیت کے تحت ہے، اس کا نہ کوئی نظیر، نہ وزیر، نہ عدیل، نہ باپ، نہ بیٹا اور نہ بیوی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہے نہ پروردگار۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے حیی بن عبداللہ سے سنا، وہ ابوعبدالرحمٰن حُبُلی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ مائدہ (اور فتح) ہے۔ ④

① سنن النسائی، الافتتاح، باب تردید الآیة، حدیث:1011 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء فی القراءة ......، حدیث:1350. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1256/4. ③ دیکھیے التوبة، آیت: 72 کے ذیل میں۔ ④ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة المآئدة، حدیث:3063 .

تفسیر سورۂ انعام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ١ؕ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اپنے رب کے ساتھ

بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا١ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ

(اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں① وہی اللہ ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اس نے (تمھارے لیے) ایک وقت مقرر کیا اور اس کے ہاں (قیامت

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ١ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ

کا) ایک مقرر وقت بھی ہے، پھر بھی تم شک کرتے ہو② اور وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تمھاری چھپی اور ظاہر (سب) باتیں جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کماتے (یا کرتے) ہو③

فضیلت اور زمانۂ نزول: عوفی، عکرمہ اور عطاء رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ انعام مکہ میں نازل ہوئی ہے۔① امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مکمل سورۂ انعام مکہ میں ایک ہی رات میں اس شان سے نازل ہوئی کہ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے جو اللہ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔② سدی نے مُرّہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ انعام جب نازل ہوئی تو اسے الوداع کرنے کے لیے ستر ہزار فرشتے بھی نازل ہوئے تھے۔③

تفسیر آیات :1-3

قدرت جلیلہ اور سلطنت عظیمہ پر اللہ کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ گرامی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس لیے قابل تعریف ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، زمین کو اپنے بندوں کے لیے جائے قرار بنا دیا، اس نے اپنے بندوں کی رات دن کی منفعت کے لیے اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا۔

① الدر المنثور: 3/3. ② المعجم الكبير للطبراني: 215/12 ، حديث: 12930 ، البتہ یہ روایت ضعیف ہے۔ ③ الدر المنثور: 3/3 .

یہاں ظلمات کا لفظ جمع ہے مگر نور کا لفظ واحد اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ اندھیروں کی نسبت اشرف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ ﴾ (النحل16:48) میں شمائل کے مقابلے میں یمین کا لفظ واحد استعمال ہوا ہے۔اسی طرح اس سورۂ مبارکہ کے آخری حصے میں فرمایا: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ (الأنعام6:153) ''اور یقیناً میرا سیدھا رستہ یہی ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اللہ کے رستے سے الگ کر دیں گے۔'' یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دوسرے رستوں کے مقابلے میں اپنے رستے کے اشرف وافضل ہونے کی وجہ سے واحد کا صیغہ ''سبیل'' استعمال فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① ﴾ ''پھر بھی کافر اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی اس سب کچھ کے باوجود بعض بندے اللہ کے ساتھ کفر کرتے، دوسروں کو اس کے شریک اور برابر ٹھہراتے اور اس کی بیوی اور بیٹا بناتے ہیں، حالانکہ اللہ عزوجل کی ذات گرامی ان تمام باتوں سے پاک ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔'' یعنی انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو اس نے مٹی سے پیدا فرمایا، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ ''پھر اس نے (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور اس کے ہاں (قیامت کا) بھی ایک مقرر وقت ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلی مدت مقررہ، یعنی ﴿ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ ﴾ سے موت اور دوسری مدت مقررہ، یعنی ﴿ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ سے آخرت مراد ہے۔[1] امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، ضحاک، زید بن اسلم، عطیہ، سُدّی اور مُقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ﴿ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ ﴾ یعنی پہلی مدت مقررہ سے (قیامت تک) دنیا کی مدت[3] اور ﴿ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ دوسری مدت مقررہ سے موت تک انسان کی عمر مراد ہے۔ یہ مفہوم گویا اس ارشاد باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ (الأنعام6:60) ''اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمھاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، اس کی خبر رکھتا ہے، پھر (دوسرے) دن تمھیں اٹھاتا ہے تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو[4]، پھر اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے۔''

اور فرمان الٰہی: ﴿ عِنْدَهٗ ﴾ ''اس کے ہاں'' کے معنی یہ ہیں کہ اس مدت کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔ ﴾ (الأعراف7:187) ''یقیناً اس کا علم تو میرے پروردگار

① تفسير الطبري:196/7 والدر المنثور:7/3. ② تفسير الطبري:195/7، 196 وتفسير ابن أبي حاتم:1261/4. ③ تفسير الطبري:195/7. ④ یہاں ﴿ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ ''مقررہ مدت'' سے مراد دنیا کی زندگی ہے اور اسی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ

اور ان (لوگوں) کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آئی جس سے انھوں نے منہ نہ موڑ لیا ہو④ ان کے پاس جب حق

لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا

آ گیا تو اسے بھی انھوں نے جھٹلا دیا، چنانچہ جلد ہی انھیں اس چیز کا پتہ چل جائے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے⑤ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ

ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں جنھیں ہم نے زمین میں ایسی طاقت دی تھی جو تمھیں نہیں دی اور ہم نے ان پر

مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ

موسلا دھار بارش نازل کی اور نہریں بنائیں جو ان کے نیچے بہتی تھیں، پھر ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں ہلاک کر دیا، اور ان کے بعد

بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥

دوسری قومیں پیدا کیں⑥

ہی کو ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کر دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ؕ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ؕ ﴾ (النّٰزعٰت 79:42-44) ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ تو آپ اس کے ذکر سے کس (فکر) میں ہیں؟ اس کا منتہا (واقع ہونے کا وقت) آپ کے پروردگار ہی کو معلوم ہے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② ﴾ ''پھر بھی تم (اے کافرو! اللہ کے بارے میں) شک کرتے ہو۔'' سدی وغیرہ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ تم قیامت کے بارے میں شک کرتے ہو۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے جو تمھاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور تم جو کماتے (یا کرتے) ہو، سب سے واقف ہے۔'' وہ جسے آسمانوں اور زمین میں پکارا جاتا ہے، اللہ (معبود) ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اس کی عبادت کرتی، اسے واحد مانتی اور اس کی الوہیت کا اقرار کرتی ہیں، اسے اللہ کے نام سے یاد کرتی ہیں اور شوق اور ڈر سے اسے پکارتی ہیں سوائے ان کے جو جنوں اور انسانوں میں سے کافر ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ ﴾ (الزخرف 43:84) ''اور وہی (ایک) آسمان میں معبود ہے اور (وہی) زمین میں معبود ہے۔'' یعنی آسمان والوں کا بھی وہ اللہ ہے اور زمین والوں کا بھی وہی اللہ ہے اور وہی تمھاری ظاہر اور پوشیدہ تمام باتوں کو جانتا ہے۔ ﴿ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ ﴾ ''اور تم جو کماتے (یا کرتے) ہو وہ سب سے واقف ہے۔'' یعنی وہ تمھارے اچھے اور برے اعمال سے بھی آگاہ ہے۔

تفسیر آیات: 6-4

① تفسیر ابن أبی حاتم: 1262/4 والدر المنثور: 7/3 .

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

اور (اے نبی!) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب آپ پر نازل کرتے، پھر وہ اپنے ہاتھوں سے اسے چھوتے تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ضرور کہتے کہ یہ تو کھلا

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ

جادو ہے⑦ اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا، پھر ان کو ذرا

ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨

مہلت نہ دی جاتی⑧ اور اگر ہم اس (نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شبہے میں ڈالتے جس

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ ع 1/10/7

میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں⑨ اور (اے نبی!) یقیناً آپ سے پہلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا تھا، پھر ان میں سے جن لوگوں نے مذاق کیا تھا، انھیں

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے⑩ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم زمین میں گھومو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟⑪

عناد کی وجہ سے مشرکوں کی سرزنش: اللہ تعالیٰ نے تکذیب اور عناد سے کام لینے والے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے انبیائے کرام کی صداقت کی دلیل، معجزے اور حجت کی کیسی ہی نشانی کیوں نہ آجائے، یہ اس سے اعراض ہی کریں گے، اس کی طرف نہیں دیکھیں گے اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ ﴾ ”پس تحقیق جب ان کے پاس حق آیا تو اسے بھی انھوں نے جھٹلا دیا، چنانچہ ان کو ان چیزوں کا جن سے یہ استہزا کرتے ہیں، عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔“ حق کی تکذیب کرنے کی وجہ سے یہ مشرکوں کی سرزنش اور ان کے لیے شدید وعید ہے کہ جس چیز کی یہ تکذیب کر رہے ہیں، وہ ان کے پاس ضرور آ کر رہے گی، انھیں اس کا انجام ضرور معلوم ہو جائے گا اور ان پر اس کا وبال ضرور آ کر رہے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں وعظ و نصیحت کی اور اس بات سے ڈرایا ہے کہ یہ بھی اس عذاب اور دنیوی سزا میں مبتلا نہ ہو جائیں جس سے ان جیسے وہ لوگ گزشتہ صدیوں میں دوچار ہوئے تھے جو اپنی طاقت و قوت، جمعیت، مال و دولت، اولاد اور زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھانے اور اسے آباد کرنے کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ ﴾ ”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیے تھے کہ تمھارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے۔“ یعنی جس طرح انھیں مال و اولاد، طویل عمروں، عظمتوں، خوش حالیوں اور عظیم لشکروں سے نوازا تھا تمھیں نہیں نوازا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ﴾ ”اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا۔“ یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے ﴿ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ ﴾ ”اور نہریں بنا دیں جو ان کے (مکانوں کے) نیچے بہ رہی تھیں۔“ یعنی انھیں مہلت دینے کے لیے آسمان سے بارشیں بھی کثرت سے برسا دیں اور زمین پر ان کے لیے نہریں اور چشمے بھی جاری کر دیے، ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ ”پھر

ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔'' یعنی ان گناہوں اور برائیوں کے سبب جن کا انھوں نے ارتکاب کیا تھا۔
﴿ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم نے ان کے بعد اور اُمتیں پیدا کر دیں۔'' یعنی پہلے لوگ گزشتہ کل کی طرح چلے گئے اور ہم نے انھیں قصے کہانیاں ہی بنا دیا، ﴿ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم نے ان کے بعد اور اُمتیں پیدا کر دیں۔'' یعنی ان کے بعد ایک دوسری نسل کو زمین پر بسا دیا تا کہ اس کی آزمائش کریں اور ان لوگوں نے بھی جب اپنے سے پہلے لوگوں ہی کی طرح برے عمل کیے تو انھیں بھی ان کی طرح ہلاک کر دیا گیا، لہٰذا لوگو! تم اس بات سے ڈرو کہ کہیں تمھارا انجام بھی انھی جیسا نہ ہو کیونکہ تم اللہ کی نگاہ میں ان سے عزیز تر نہیں ہو جبکہ یہ رسول جس کی تم تکذیب کر رہے ہو، یہ یقیناً اللہ کی نگاہ میں ان کے رسولوں سے زیادہ مکرم ہیں، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کی فیض رسانی نہ ہوتو تم تو ان کی نسبت عذاب اور جلد سزا کے زیادہ مستحق ہو!

تفسیر آیات:7-11

رسول کی بشریت کے انکار کی وجہ سے ان کی مذمت: اللہ تعالیٰ مشرکوں کے عناد، حق کی مخالفت اور ان کے لڑائی جھگڑے کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ ﴾ ''اور (اے نبی!) اگر ہم آپ پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے۔'' یعنی اس کا معائنہ کر لیتے، اپنے سر کی آنکھوں سے اُسے نازل ہوتے ہوئے دیکھ لیتے اور اپنے ہاتھوں سے اُسے چھو بھی لیتے ﴿ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ ''تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف اور) صریح جادو ہے۔'' یہ ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے محسوسات کے بارے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:14,15) ''اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں، پھر وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو بھی یہی کہیں گے کہ بے شک ہماری آنکھیں مخمور ہوگئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ ﴾ (الطور 52:44) ''اور اگر یہ آسمان سے (عذاب کا) گرتا ہوا کوئی ٹکڑا دیکھیں گے تو کہیں گے: (یہ) تہ بہ تہ بادل ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ط ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' تا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا، پھر انھیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔'' یعنی اگر اس حالت میں ان کے پاس فرشتے نازل ہوتے تو وہ ان کے پاس عذاب لے کر آتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:8) ''(کہہ دیجیے:) ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے مگر حق (عذاب) کے ساتھ اور اس وقت اُن (کفار) کو مہلت نہیں دی جاتی۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ

الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴾ (الفرقان22:25) ”جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ ﴾ ”اور اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شُبہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں ہم پھر انھیں ڈال دیتے۔“ یعنی اگر ہم انسانوں کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو اسے انسانی شکل وصورت ہی میں بھیجتے تاکہ انسانوں کے لیے اس سے مخاطب ہونا اور دین سیکھنا ممکن ہوتا اور اگر ہم ایسا کرتے تو یہ پھر بھی اپنے انھی شبہات میں مبتلا رہتے جن میں اب یہ بشر کی رسالت و نبوت قبول کرنے کے سلسلے میں شبہات میں مبتلا ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 95:17) ”کہہ دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (بستے) تو ہم ان کے پاس فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر یہ بھی رحمت ہے کہ وہ ہر قسم کی مخلوق کے پاس انھی میں سے رسول بھیجتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے ہم کلام ہو سکیں اور سوال و جواب کی صورت میں ان کے لیے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ (آل عمران3:164) ”بلاشک وشبہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں اُنھی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور انھیں پاک کرتا ہے۔“

ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر انسانوں کے پاس کوئی فرشتہ پیغمبر بن کر آتا تو وہ بھی یقیناً انسانی صورت ہی میں آتا کیونکہ انسان فرشتوں کو ان کی اصل نورانی شکل میں نہیں دیکھ سکتے۔[1] ﴿ وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ ﴾ ”اور جو شبہ وہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں ہم پھر انھیں ڈال دیتے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس اختلاط میں یہ اب مبتلا ہیں اسی میں ہم انھیں مبتلا کر دیتے۔[2] اور والبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جس شبہے میں یہ اب مبتلا ہیں اسی شبہے میں ہم انھیں تب بھی مبتلا کر دیتے۔[3]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ ”اور بے شک آپ سے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا تو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے، ان کو تمسخر (کی سزا) نے آگھیرا۔“ قوم کے تکذیب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی ہے اور مومنوں سے فتح ونصرت اور دنیا و آخرت میں اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ﴾

[1] تفسیر الطبری:202/7 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1267/4. [3] تفسیر الطبری:203/7 وتفسیر ابن أبی حاتم: 1267/4.

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ

ان سے پوچھیے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کے لیے ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس نے (مخلوق پر) مہربانی کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ

ہے۔ وہ قیامت کے دن تمھیں ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے، تو وہ ایمان نہیں لاتے ⑫ رات

وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ

(کے اندھیرے) اور دن (کے اجالے) میں جو کچھ ٹھہرا ہوا ہے، وہ اللہ ہی کا ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور خوب جانتا ہے ⑬ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں اس اللہ

يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

کے سوا اور معبود بنالوں؟ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا، کہہ دیجیے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے

الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ

کہ میں وہ پہلا شخص ہو جاؤں جو اسلام لایا اور آپ ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیں ⑭ کہہ دیجیے: بے شک اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں ایک

يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯

بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ⑮ اس دن جس شخص سے عذاب ہٹا لیا گیا تو یقیناً اس پر اللہ نے رحم کر دیا اور یہی ہے واضح کامیابی ⑯

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: (اے منکرین رسالت!) ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟'' یعنی اپنے دلوں میں سوچو اور غور کرو کہ گزشتہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، دنیا میں انھیں کس قدر عبرت ناک عذاب اور سزا دی گئی؟ اور آخرت کا دردناک عذاب اس کے علاوہ ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنے پیغمبروں اور اپنے اہل ایمان بندوں کو دنیا و آخرت کی کامرانیوں اور سعادتوں سے نوازا!

تفسیر آیات:12-16

اللہ ہی خالق و رازق اور منعم ہے، چنانچہ اس کی اطاعت واجب ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کا مالک ہے، اس نے اپنی ذاتِ گرامی پر رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، كَتَبَ (فِي كِتَابِهِ)، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي] ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے اپنے پاس کتاب (لوحِ محفوظ) میں، جو عرش کے اوپر ہے، یہ تحریر لکھی: بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں

---

① صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾...... الآية (آل عمران 3:28)، حديث: 7404 وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى، وأنها تغلب غضبه، حديث: 2751 ۔ تفسیر ابن کثیر میں [في كِتَابِهِ] کی جگہ [كِتَابًا] ہے جو کہ مسند أحمد: 259/2 میں ہے۔

ضرور جمع کرے گا۔'' ﴿ لَيَجْمَعَنَّكُمْ ﴾ کا لام قسمیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ گرامی کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک مقررہ دن میں ضرور جمع کرے گا ﴿ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ ﴾ (الواقعة 50:56) ''ایک معلوم دن کے مقررہ وقت تک'' اور اس دن سے مراد روزِ قیامت ہے، جس کے بارے میں اس کے مومن بندوں کو قطعاً کوئی شک نہیں ہے، ہاں! البتہ انکار اور تکذیب کرنے والوں کو رب تعالیٰ کے فیصلوں کے بارے میں ضرور شک ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی جنھوں نے قیامت کے دن کے نقصان میں اپنے آپ کو مبتلا کر رکھا ہے ﴿ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ ﴾ ''تو وہ ایمان نہیں لاتے۔'' یعنی قیامت کے دن کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ اس دن کی سختی سے ڈرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ ﴾ ''اور جو کچھ رات (کے اندھیرے) اور دن (کے اجالے) میں ٹھہرا ہوا ہے، (سب) اسی کا ہے۔'' یعنی آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز اسی کی غلام اور اسی کی مخلوق ہے اور سب کے سب اسی کے تسلط، تصرف اور تدبیر کے تحت ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ ﴾ ''اور وہ سب کچھ سنتا، خوب جانتا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے تمام اقوال کو سنتا ہے اور ان کی تمام حرکات و سکنات ان کے دلوں کی دھڑکنوں اور سینوں کی خفیہ باتوں تک کو بھی جانتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ سے جنھیں اس نے توحید عظیم اور شرع مستقیم کے ساتھ مبعوث فرمایا اور لوگوں کو اللہ کے سیدھے رستے کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا، مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 64:39) ''کہہ دیجیے: اے نادانو! کیا تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگوں۔'' معنی یہ ہیں کہ میں اس اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں بناتا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انھیں کسی سابقہ مثال کے بغیر وجود بخشا اور پیدا فرمایا ہے۔

﴿ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ ﴾ ''اور وہی (سب کو) کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا۔'' یعنی وہ اپنی ساری مخلوق کو تو رزق عطا فرماتا ہے مگر وہ خود اپنے بندوں کا قطعاً محتاج نہیں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ ﴾ (الذّٰریٰت 51:56-58) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں، بے شک اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔'' بعض نے ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا ہے: [وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يَطْعَمُ] یعنی وہ کھانا کھلاتا تو ہے مگر خود نہیں کھاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اہل قُبا میں سے ایک انصاری نے نبیٔ اکرم ﷺ کو کھانے کی دعوت

دی تو ہم بھی آپ کے ساتھ گئے، جب نبی اکرم ﷺ نے کھانا تناول فرمالیا اور ہاتھ دھو لیے تو یہ دعا فرمائی:

[اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ، وَمَنَّ عَلَیْنَا فَھَدَانَا، وَأَطْعَمَنَا وَسَقَانَا، وَکُلَّ بَلَاءٍ حَسَنٍ أَبْلَانَا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ (رَّبِّی) وَلَا مُکَافًی وَّلَا مَکْفُورٍ ، وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَطْعَمَنَا مِنَ الطَّعَامِ، وَسَقَانَا مِنَ الشَّرَابِ ، وَکَسَانَا مِنَ الْعُرْیِ ، وَھَدَانَا مِنَ الضَّلَالَۃِ ، وَبَصَّرَنَا مِنَ الْعَمٰی ، وَفَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیلًا ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ]

’’سب تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جو اپنے بندوں کو تو کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا، اس نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں ہدایت سے نوازا اور کھلایا پلایا اور ہر اچھی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس کو کبھی خیر باد نہیں کہا جا سکتا، نہ اس کا بدلہ دیا جا سکتا ہے، نہ ناشکری کی جا سکتی ہے اور نہ بے نیازی اختیار کی جا سکتی ہے۔ سب تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور زیب تن کرنے کے لیے لباس عطا فرمایا، اور ہمیں (گمراہی سے محفوظ فرما کر) ہدایت سے نوازا، اور ہمیں (کفر کے) اندھے پن سے (محفوظ فرما کر ایمان کی) بینائی سے نوازا اور اپنی بہت سی مخلوق کے مقابلے میں ہمیں شرف و فضل سے سرفراز فرمایا، ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کی ذات گرامی کے لیے ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔‘‘①

﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ﴾ ’’(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ بے شک مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں۔‘‘ یعنی اس امت میں سے پہلے اسلام لانے والا میں خود ہوں۔ ﴿ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ⑭ ﴾ ’’اور (یہ کہ اے پیغمبر!) آپ ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیں۔‘‘ ﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ⑮ ﴾ ’’(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ بے شک اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔‘‘ بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

﴿ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْہُ ﴾ یعنی جس شخص سے عذاب ٹال دیا گیا ﴿ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَہٗ ؕ ﴾ ’’اس روز تو یقیناً اس پر مہربانی فرمائی۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے۔ ﴿ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ⑯ ﴾ ’’اور یہ کھلی کامیابی ہے۔‘‘ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ؕ ﴾ (آل عمران 3:158) ’’پھر جو شخص آتش (جہنم) سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا، تو وہ مراد کو پہنچ گیا۔‘‘ مراد کو پہنچنے کا مطلب نفع کا حاصل ہونا اور نقصان سے بچنا ہے۔

① السنن الکبری للنسائی، عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول إذا غسل یدیہ؟: 82/6 ، حدیث: 10133 والمستدرک للحاکم ، الدعاء والتکبیر والتھلیل والتسبیح والذکر: 546/1 ، حدیث: 2003 جبکہ لفظ [رَبِّی] شعب الإیمان للبیھقی: 91/4 ، حدیث: 4377 میں ہے، نیز امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تمام صیغوں کے ساتھ جمع کی ضمیر ذکر کی ہے، جیسے: [أَطْعَمَنَا مِنَ الطَّعَامِ......] جس کو امام سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور: 12/3 میں بیان کیا ہے لیکن کتب احادیث میں جمع کی ضمیر یعنی ’’نا‘‘ نہیں بلکہ اس طرح ہے: [أَطْعَمَ مِنَ الطَّعَامِ......] واللہ أعلم.

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائے، تو وہ ہر چیز پر خوب

قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ

قادر ہے ⑰ اور وہ اپنے بندوں پر زور آور و غالب ہے، اور وہ خوب حکمت والا، نہایت باخبر ہے ⑱ (اے نبی! ان سے) کہیے: گواہی کے طور پر کون سی چیز سب

قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ

سے بڑھ کر ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے، اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تا کہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس کو یہ

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ

پہنچے (سب) کو ڈراؤں۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں؟ کہہ دیجیے: میں یہ گواہی نہیں دیتا۔ (اور یہ بھی) کہہ دیجیے: کہ صرف وہی

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ

ایک معبود ہے، اور بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک ٹھہراتے ہو ⑲ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، تو وہ ایمان نہیں لاتے ⑳ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے

بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑

یا اس کی آیات کو جھٹلائے؟ بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے ㉑

تفسیر آیات: 17-21

اللہ ہی نفع و نقصان کا مالک اور غالب ہے: اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ وہ نفع و نقصان کا مالک ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے فیصلے کو بدل سکتا ہے، ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰﴾ ''اور اگر اللہ آپ کو سختی پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر نعمت عطا کرے تو (کوئی اس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ (فاطر 35:2) ''اللہ جو اپنی رحمت (کا دروازہ) کھول دے تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کردے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں۔''

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ] ''اے اللہ! جو تو عطا فرمائے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو عطا نہ فرمائے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور کسی دولت مند کو اس کی دولت تجھ سے بچا نہیں سکتی۔''[1] اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، حديث: 844 و صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة و بيان صفته، حديث: 593 عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه.

عِبَادِهٖ ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔'' اس کے سامنے سب گردنیں جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر و سرکش اس کے سامنے سرنگوں ہیں، سب کے چہرے اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ساری مخلوق اس کی تابع فرمان ہے اور اس کی عظمتِ جلال، اس کی کبریائی، اس کی رفعت و سربلندی اور اشیاء پر قدرت کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے، اس کے سامنے ضعیف و ناتواں اور اس کے تسلط و حکم کے تحت ہے، ﴿ وَهُوَ الْحَكِيْمُ ﴾ ''اور وہ دانا ہے'' اپنے تمام افعال میں ﴿ الْخَبِيْرُ ﴾ ''(اور) خبردار ہے'' تمام اشیاء کے مقامات کے بارے میں۔ وہ صرف اسی کو دیتا ہے جو اس کا مستحق ہو۔

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ﴾ ''ان سے پوچھیے کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے؟'' یعنی اشیاء میں سے کس چیز کی شہادت اللہ کی شہادت سے بڑی ہے؟ ﴿ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے۔'' وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو میں اللہ کی طرف سے لے کر تمھارے پاس آیا ہوں اور جو تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔ ﴿ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ ''اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے ڈراؤں (آگاہ کردوں۔)'' قرآن ہر اس شخص کو آگاہ کرنے والا ہے جس تک وہ پہنچ جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (هود11:17) ''اور جو کوئی (اور) فرقوں میں سے اس کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔''

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے تو اس پر فرض ہے کہ وہ بھی اسی طرح دین کی دعوت دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے دین کی دعوت دی تھی اور ہر اس چیز سے لوگوں کو ڈرائے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا تھا۔[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ ﴾ ''(اے مشرکو!) کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو'' ﴿ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ﴾ ''کہ بے شک اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں، (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ﴾ (الأنعام 6:150) ''پھر اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں۔'' ﴿ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو، بے شک میں اُن سے بیزار ہوں۔''

اہل کتاب نبی اکرم ﷺ کو پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ ان کے پاس جس چیز کو لے کر آئے ہیں، یہ اسے اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کیونکہ ان کے پاس سابقہ انبیاء و مرسلین کی طرف سے خبریں موجود ہیں کیونکہ سابقہ تمام کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے حضرت محمد ﷺ، آپ کے اوصافِ جمیلہ، صفاتِ حمیدہ، آپ کے وطن مالوف، آپ کی جائے ہجرت اور آپ کی امت کے اوصاف کے بارے میں اپنی اپنی امتوں کو بتایا تھا، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''جنھوں

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1272/4.

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿22﴾

اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جو لوگ (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے تھے، ان سے ہم کہیں گے: تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جنھیں تم (اللہ کے

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿23﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا

ساتھ شریک) خیال کرتے تھے؟ ﴿22﴾ پھر اس (جواب طلبی) پر ان کی معذرت یہی ہوگی کہ وہ کہیں گے: اللہ، ہمارے رب کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے ﴿23﴾ دیکھیں وہ

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ

اپنے آپ پر کیسا جھوٹ گھڑیں گے، اور جنھیں وہ جھوٹے معبود بنا لیتے تھے، سب (وہاں) گم ہو جائیں گے ﴿24﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

طرف کان لگاتے ہیں جبکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (بہرہ پن) ہے، اور اگر وہ

اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ساری نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں (اور) آپ سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿25﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ

لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿25﴾ اور وہ دوسروں کو اس (ہدایت) سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں، اور وہ

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾

اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں، اور وہ شعور نہیں رکھتے ﴿26﴾

نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی وہ مکمل طور پر خائب و خاسر ہیں۔ ﴿ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿20﴾ ﴾ ''چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے'' اس جلی اور ظاہر امر کے ساتھ جس کی تمام انبیائے کرام نے بشارت دی اور جس کا قدیم و جدید ہر دور میں چرچا رہا۔

پھر فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ ﴾ ''اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا؟'' یعنی اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنایا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول نہ بنایا ہو، پھر اس شخص سے بھی زیادہ ظالم اور کوئی نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی آیات و براہین اور اس کے بیان کردہ دلائل کو جھٹلائے۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔'' یعنی نہ افتراء کرنے والا نجات پا سکتا ہے اور نہ تکذیب کرنے والا۔

تفسیر آیات: 22-26

مشرکوں سے شرک کے بارے میں باز پرس ہوگی: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ﴾ ''اور جس دن ہم ان سب لوگوں کو جمع کریں گے۔'' یعنی قیامت کے دن، پھر اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بتوں اور معبودان باطلہ کے بارے میں، جن کی وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے، یہ پوچھے گا: ﴿ اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿22﴾ ﴾

''(آج) وہ تمھارے شریک کہاں ہیں جن کا تمھیں دعویٰ تھا؟'' جیسا کہ سورۂ قصص میں فرمایا ہے: ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝﴾ (القصص 62:28) ''اور جس روز (اللہ) ان کو پکارے گا اور کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تمھیں دعویٰ تھا؟''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ ﴾ ''پھر اُن سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا۔'' یعنی ان کے پاس اس وقت اس کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور عطاء خُراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت اس سے بڑھ کر ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی۔[1] ﴿ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝﴾ ''سوائے اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ وہ کہیں گے: اللہ، ہمارے رب کی قسم! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔'' اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝﴾ ''دیکھیں! انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا؟ اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (المؤمن 74,73:40) ''پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم (اللہ کے) شریک بناتے تھے (یعنی) اللہ کے سوا، کہیں گے: وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے، اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔''

بدبخت انسان قرآن سے استفادہ نہیں کرسکتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ﴾ ''اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی (باتوں کی) طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر تو پردے ڈال دیے ہیں کہ ان کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔'' یعنی آپ سے تلاوتِ قرآن سننے کے لیے آتے تو ہیں لیکن یہ سننا ان کے کسی کام نہیں آ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ﴾ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ قرآن کو یہ سمجھ ہی نہ سکیں ﴿ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ اور ان کے کانوں میں اللہ تعالیٰ نے ثقل پیدا کر دیا ہے تاکہ قرآن کو یہ اس طرح نہ سن سکیں جس سے ان کو فائدہ حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ﴾ (البقرة 171:2) ''اور جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ﴾ ''اور اگر یہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔'' یعنی یہ لوگ، خواہ کس قدر آیات بینات اور دلائل و براہین کا مشاہدہ کر لیں، یہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ یہ فہم اور انصاف سے محروم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ﴾ (الأنفال

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1273/4.

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

اور اگر آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب وہ آتش پر کھڑے کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: کاش! ایک بار ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿27﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط

آیات کو ہرگز نہ جھٹلائیں گے، اور ہم مومنوں میں سے ہوں گے ﴿27﴾ (نہیں)! بلکہ ان کے وہ کرتوت ظاہر ہو چکے ہوں گے جنھیں وہ پہلے چھپاتے تھے۔ اور اگر انھیں

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿28﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا

واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے تو بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے انھیں روکا گیا تھا، اور بے شک وہ جھوٹے ہیں ﴿28﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری دنیا ہی

الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿29﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ط قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا

کی زندگی ہے، اور ہمیں (دوبارہ) نہیں اٹھایا جائے گا ﴿29﴾ اور اگر آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو وہ فرمائے گا: کیا

3 ع 10 9 بِالْحَقِّ ط قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ط قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿30﴾ ع

یہ حق نہیں ہے؟ تو وہ کہیں گے: کیوں نہیں! (یہ حق ہے) ہمارے رب کی قسم! تو اللہ فرمائے گا: پھر تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿30﴾

23:8) ''اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو ان کو ضرور سناتا۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ ﴾ ''یہاں تک کہ جب یہ آپ کے پاس آپ سے بحث کرنے کے لیے آتے ہیں۔'' اور حق کے بارے میں باطل کے ساتھ بحث اور مناظرہ کرتے ہیں تو ﴿ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''جو کافر ہیں کہتے ہیں: یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔'' یعنی آپ جس کتاب کو لے کر آئے ہیں یہ پہلے لوگوں کی کتابوں سے ماخوذ اور منقول ہے، ﴿ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ج ﴾ ''اور وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔'' یہ لوگ اوروں کو بھی حق کی اتباع، رسول کی تصدیق اور قرآن کو تسلیم کرنے سے روکتے ہیں، یعنی ﴿ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ج ﴾ خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور اس طرح یہ ان دونوں قبیح فعلوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ نہ تو خود قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس سے مستفید ہونے دیتے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے ہیں۔[1] محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفارِ قریش نہ تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور نہ لوگوں کو آنے دیتے تھے بلکہ انھیں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے منع کرتے تھے۔[2] امام قتادہ، مجاہد، ضحاک اور دیگر کئی ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ﴿ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾ ﴾ ''اور وہ (ان باتوں سے) اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے۔'' یعنی اپنے اس طرزِ عمل سے یہ اپنے آپ ہی کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور اس کا وبال انھی پر لوٹ کر رہے گا اور یہ اس قدر غافل ہیں کہ انھیں اس بات کا شعور تک نہیں۔

تفسیر آیات: 27-30

[1] تفسير الطبرى:227/7. [2] تفسير الطبرى:227/7 . [3] تفسير ابن أبى حاتم:1277/4 و تفسير الطبرى:227/7 .

عذاب کی جھلک دیکھنے پر خواہشات کام نہ آئیں گی: یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس وقت کی حالت کا ذکر فرمایا ہے جب انھیں روزِ قیامت جہنم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، وہ اس کی زنجیروں اور بیڑیوں کو دیکھیں گے اور جب جہنم کی دہشت ناکیوں اور ہولناکیوں کا اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے تو بے ساختہ پکار اٹھیں گے: ﴿ يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تاکہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔'' وہ خواہش کریں گے کہ انھیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ عمل صالح کر سکیں، اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن بن جائیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''(نہیں!) بلکہ یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) اُن پر ظاہر ہو گیا ہے۔'' یعنی اپنے نفسوں میں یہ جس کفر، تکذیب اور عناد کو چھپایا کرتے تھے اور دنیا یا آخرت میں جس کا یہ انکار کیا کرتے تھے، آج وہ سب کچھ ان کے سامنے ظاہر ہو گیا ہے جیسا کہ اِن آیات سے تھوڑا سا پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:23،24) ''پھر ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) سوائے اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہمارے پروردگار! ہم شریک نہیں بناتے تھے، دیکھیں! انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا؟ اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہا۔''

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ ان کے سامنے وہ ظاہر ہو جائے جسے وہ جانتے تھے کہ انبیاء دنیا میں ان کے پاس جو کچھ لے کر آئے ہیں، وہ سچ ہے گو یہ اپنے پیروکاروں کے سامنے اس کے خلاف اظہار کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا: ﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:102) ''تو یقیناً یہ جانتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان چیزوں کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو۔'' اور اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ (النمل 27:14) ''اور انھوں نے بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کیا جبکہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔''

﴿ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾ میں ﴿ بَلْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا کی طرف واپس لوٹ جانے کی خواہش کا اظہار اس لیے نہیں کریں گے کہ ان کے دلوں میں واقعی ایمان کی رغبت و محبت پیدا ہو جائے گی بلکہ ان کی یہ خواہش اس عذاب کے خوف کی وجہ سے ہوگی جسے وہ اپنے کفر کی سزا کے طور پر اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے، لہٰذا وہ دنیا کی طرف لوٹ جانے کی خواہش کا اظہار اس لیے کریں گے تاکہ وہ اس جہنم کے عذاب سے بچ جائیں جس کا وہ مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ ''اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہی پھر کرنے لگیں گے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔'' یعنی ایمان میں رغبت اور محبت کے لیے (دنیا میں) لوٹائے جانے کی خواہش میں (وہ جھوٹے ہیں۔) پھر ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا ﴾

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا

بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا حتی کہ جب ان کے پاس قیامت اچانک آجائے گی تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس!

فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ

ہم سے اس معاملے میں کیسی کوتاہی ہوئی! اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خبردار! بہت برا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھائیں گے ﴿31﴾ اور دنیا کی

الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿32﴾

زندگی بس کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے یقیناً بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿32﴾

''اور اگر انھیں واپس بھیج دیا جائے۔'' دنیا کے گھر کی طرف، ﴿ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ﴾ ''تو بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے انھیں روکا گیا تھا۔'' یعنی کفر اور مخالفت (کریں گے۔) ﴿ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔'' یعنی اپنی اس بات میں کہ ﴿ يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''اے کاش! ہم پھر دنیا میں لوٹا دیے جائیں تا کہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔'' اور اس بات میں بھی یہ جھوٹے ہیں کہ ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم پھر اٹھائے نہیں جائیں گے۔'' یعنی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد آخرت کی کوئی زندگی نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ ﴾ ''اور اگر آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو وہ فرمائے گا: کیا یہ برحق نہیں ہے؟'' یعنی کیا نہیں ہے یہ دوبارہ زندہ ہونا برحق اور نہیں ہے باطل؟ جیسا کہ تم گمان کرتے تھے؟ ﴿ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿30﴾ ﴾ ''تو وہ کہیں گے: کیوں نہیں! اپنے پروردگار کی قسم! (بالکل برحق ہے) تو اللہ فرمائے گا: اب کفر کے بدلے (جو دنیا میں کرتے تھے) عذاب (کے مزے) چکھو۔'' یعنی دنیا میں تم جس عذاب کی تکذیب کرتے تھے، آج اسی کے مزے چکھو، ﴿ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ ﴾ (الطور 15:52) ''کیا پھر یہ جادو ہے یا تم دیکھتے ہی نہیں؟''

تفسیر آیات: 32,31

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے روبرو کھڑے ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ خسارہ اٹھائیں گے۔ جب ان کے پاس اچانک قیامت آجائے گی تو وہ گھاٹے میں ہوں گے اور اپنے کیے ہوئے برے اعمال پر ندامت کا اظہار کریں گے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آموجود ہوگی تو وہ بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی۔'' ﴿ فِيْهَا ۙ ﴾ کی ضمیر کا مرجع دنیا کی زندگی، اعمال اور قیامت تینوں میں سے ہر ایک ہوسکتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے، آگاہ رہو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت برا ہے۔''

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

(اے نبی!) تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، پس بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم تو اللہ کی

يَجْحَدُوْنَ ﴿33﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ

آیتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿33﴾ اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے، تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف دیے جانے پر صبر

نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿34﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ

کیا، حتی کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آ چکی ہیں ﴿34﴾ اور اگر ان

عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

لوگوں (کافروں) کا حق سے منہ موڑنا آپ کو ناگوار ہے تو اگر آپ میں یہ طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لیں،

بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿35﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ النّصف

پھر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں (تو ایسا کر گزریں) اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر جمع کر دیتا، چنانچہ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں ﴿35﴾ حق

الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿36﴾

کو قبول تو صرف وہ کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور جو مردے ہیں، اللہ انھیں اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿36﴾

اَسباط نے سدی سے روایت کیا ہے کہ جب بھی کوئی ظالم شخص اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک ایسا شخص آتا ہے جس کا چہرہ بہت برا، رنگ سیاہ، بدبودار اور لباس بہت میلا کچیلا ہوتا ہے اور جب وہ اس کے پاس قبر میں آتا ہے تو اسے دیکھتے ہی چلا اٹھتا ہے کہ تم کس قدر بدصورت ہو؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ تمھارا عمل بھی اسی طرح بدترین تھا، وہ پوچھتا ہے کہ تم سے بدبو کس قدر آرہی ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ تمھارا عمل بھی اسی طرح بدبودار تھا، وہ پوچھتا ہے کہ تمھارا لباس کس قدر میلا کچیلا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ تمھارا عمل بھی اسی طرح میلا کچیلا تھا۔ وہ پوچھتا ہے کہ آخر بتاؤ تو سہی کہ تم ہو کون؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں تمھارا عمل ہی ہوں، پھر وہ اس کے ساتھ قبر ہی میں رہتا ہے۔ اور جب روز قیامت اسے اٹھایا جائے گا تو وہ اس سے کہے گا کہ دنیا میں میں تجھے لذتوں اور خواہشوں کے ساتھ اٹھائے پھرتا تھا، اس لیے آج تو مجھے اٹھا، یہ کہہ کر وہ اس کی پشت پر سوار ہو جائے گا اور اسے دھکیل کر جہنم رسید کر دے گا۔ اس آیت کریمہ: ﴿ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے، آگاہ رہو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت برا ہے'' کے یہی معنی ہیں۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ ﴾ ''اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشہ ہے۔'' یعنی دنیا کی اکثریت ایسی ہی ہے ﴿ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ''اور آخرت کا گھر یقیناً بہت اچھا ہے ان کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں، کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟''

[1] تفسیر الطبری: 237,236/7.

تفسیر آیات :33-36

نبیٔ اکرم ﷺ کے لیے تسلی: قوم کی طرف سے تکذیب اور مخالفت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ ﴾ ''تحقیق ہمیں معلوم ہے کہ بے شک ان (کافروں) کی باتیں آپ کو رنج پہنچاتی ہیں۔'' یعنی یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ انھوں نے آپ کی تکذیب کی ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو غم اور ان پر افسوس ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ ﴾ (فاطر 8:35) ''تو ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کا دم نہ نکل جائے۔'' دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 3:26) ''(اے پیغمبر!) شاید آپ اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ ﴾ (الکھف 6:18) ''(اے پیغمبر!) پھر اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے غم سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝33 ﴾ ''پس بے شک وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔'' حقیقت میں یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے ﴿ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝33 ﴾ ''بلکہ (دراصل) یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔'' یعنی یہ تو حق ہی سے دشمنی رکھتے اور اس کی اپنے دلوں سے مخالفت کرتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے امام زہری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابوجہل، ابوسفیان صَخر بن حرب اور اخنس بن شُرَیق رات کو چھپ کر صبح تک نبیٔ اکرم ﷺ کی تلاوت سنا کرتے تھے اور انھیں ایک دوسرے کے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ بھی نبی ﷺ کی تلاوت کو سنتا ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ رات بھر صبح تک یہ آپ کی تلاوت کو سنتے رہے اور جب یہ صبح کے وقت اپنے گھروں کو واپس جارہے تھے تو اتفاق سے تینوں ایک جگہ اکٹھے ہو گئے، ہر ایک نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ اور جب انھوں نے ایک دوسرے کو بتایا تو کہنے لگے کہ ہمیں آپس میں یہ معاہدہ کر لینا چاہیے کہ ہم آئندہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اگر قریش کے نوجوانوں کو ہمارے بارے میں یہ معلوم ہو گیا کہ ہم رات کو چوری چھپے قرآن سنتے ہیں تو وہ گمراہ ہو جائیں گے۔

دوسری رات ہوئی تو ان تینوں میں سے ہر ایک شخص پھر رسول اکرم ﷺ کا قرآن سننے کے لیے آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں یہ خیال کیا کہ وہ نہیں آئیں گے کیونکہ ہمارا آپس میں معاہدہ ہو چکا ہے۔ صبح کے وقت گھروں کو جاتے ہوئے پھر راستے میں جب ایک جگہ جمع ہو گئے تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور انھوں نے پھر یہ معاہدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے مگر تیسری رات ہوئی تو پھر ایسا ہی ہوا اور انھوں نے تیسری بار آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ یہ پختہ عہد کرنے کے بعد انھوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

دن نکل آیا تو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی کو پکڑا اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے گھر چلا گیا اور ان سے کہنے لگا: ابوحنظلہ! یہ

بتاؤ کہ محمد ﷺ سے جو کچھ تم نے سنا ہے، اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ابوثعلبہ! واللہ! میں نے کچھ چیزیں ایسی سنی ہیں جنھیں میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان سے کیا مراد ہے اور کچھ چیزیں میں نے ایسی سنی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ ان سے کیا مراد ہے؟ اخنس نے جواب دیا کہ حلفیہ طور پر تم نے یہ جو بیان کیا ہے، اس کے بارے میں میرا بھی یہی خیال ہے۔

پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے فارغ ہو کر اخنس ابوجہل کے گھر چلا گیا اور اس سے جا کر کہنے لگا: ابوالحکم! محمد ﷺ سے جو کچھ تم نے سنا ہے، اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ ابوجہل نے جواب دیا: تو نے کیا سنا ہے؟ بات یہ ہے کہ سرداری اور چودھراہٹ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے سلسلے میں ہمارا اور بنوعبد مناف کا ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا، وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تو ہم بھی کھلا دیتے، وہ لوگوں کو سواریاں دیتے تو ہم بھی انھیں سواریاں دے دیتے، وہ لوگوں کو مال و دولت سے نوازتے تو ہم بھی دریغ نہ کرتے حتی کہ دوڑ کا مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں کی طرح ہمارا ابھی آپس میں سخت مقابلہ جاری تھا کہ انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں جن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو بھلا ان کی اس بات کا ہم کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ لہٰذا اللہ کی قسم! ہم اس نبی پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کی تصدیق کریں گے۔ اخنس ابوجہل کی یہ بات سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے گھر کی راہ لی۔ [1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا﴾ ''اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے تو وہ تکذیب اور ایذاء پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی۔'' قوم کی طرف سے تکذیب پر اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اپنے نبی کو تسلی دی ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ بھی اسی طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بھی اسی طرح مدد کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ سابقہ انبیائے کرام سے وعدہ فرمایا تھا حتی کہ حضرات انبیائے کرام ہی مآل کے اعتبار سے فتح ونصرت سے سرفراز ہوئے، حالانکہ ان کی قوموں نے بھی ان کی تکذیب کی اور انھیں بے حد تکلیفیں پہنچائی تھیں، پھر دنیا میں بھی فتح ونصرت سے سرفراز ہوئے اور آخرت میں بھی کامیاب وکامران۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں۔'' یعنی ان باتوں کو جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے دنیا وآخرت کی فتح و نصرت لکھ دی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور یقیناً ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے ان بندوں کے لیے صادر ہو چکا جو رسول ہیں کہ یقیناً وہی (مظفر و) منصور ہیں اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے بے شک اللہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام، قصة استماع قريش إلى قراءة النبي ﷺ: 316,315/1 .

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور انھوں نے کہا: اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (بڑی) نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ کہہ دیجیے: بے شک اللہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ کوئی

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿37﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا

(بڑی) نشانی نازل فرمائے لیکن لوگوں میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ﴿37﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو

فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ

تمھاری طرح (الگ) امت نہ ہو، ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو)، پھر وہ سب اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ﴿38﴾ اور جن

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾

لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لے آتا ہے ﴿39﴾

زور آور (اور) زبردست ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿34﴾ ﴾ ''اور یقیناً آپ کے پاس پیغمبروں کی خبریں پہنچ چکی ہیں (تو آپ بھی صبر سے کام لیں۔)'' یعنی آپ کے پاس پیغمبروں کی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ قوم کی تکذیب کے مقابلے میں انھیں کس طرح فتح ونصرت سے نوازا گیا؟ آپ کے لیے ان کی زندگی اسوہ ونمونہ ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ﴾ ''اور اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے۔'' ﴿ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ ﴾ ''تو اگر آپ میں یہ طاقت ہو کہ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالیں یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کریں۔)'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ النفق کے معنی سرنگ کے ہیں جس میں آپ داخل ہوں، ﴿ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ ﴾ ''پھر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے آئیں'' یا آپ اپنے لیے آسمان میں سیڑھی لگالیں اور آپ اس پر چڑھ کر کوئی نشانی لے آئیں جو اس سے بہتر ہو جو ہم نے آپ کو دی ہے تو ایسا کر گزریے۔ امام قتادہ اور سُدّی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ①

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿35﴾ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، چنانچہ آپ ہرگز نادانوں میں نہ ہو جائیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ ﴾ (یونس 99:10) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شدید خواہش تھی کہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور ہدایت کو قبول کر کے آپ کی اتباع شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا کہ ایمان صرف وہی لوگ لائیں گے جن کی قسمت میں لوح محفوظ میں یہ سعادت مقدر کر دی گئی ہے۔ ②

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ ﴾ ''بے شک (حق کو) قبول صرف وہی کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔'' یعنی

① تفسير الطبري:242/7 . ② تفسير ابن أبي حاتم:1285,1284/4.

اے محمد (ﷺ)! آپ کی دعوت کو وہی لوگ قبول کریں گے جو آپ کی بات کو سنیں اور سمجھیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:70) ''تا کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر (اللہ کے عذاب کی) بات ثابت ہو جائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ ''اور مُردوں کو تو اللہ (قیامت ہی کو) اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔'' مردوں سے یہاں کفار مراد ہیں کیونکہ ان کے دل مردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ انھیں تشبیہ دی ہے جو جسموں کے اعتبار سے مردہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حقارت اور ان کی تنقیص کے لیے یہ فرمایا ہے۔

تفسیر آیات: 37-39

مشرکین کا نشانی نازل ہونے کا مطالبہ: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ پر ان کے مطالبے کے مطابق کوئی خرقِ عادت نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ جیسا کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:90) ''ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ (عجیب وغریب باتیں نہ دکھائیں یا تو) ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے درمیان آپ نہریں جاری کر دیں یا، جیسے آپ دعویٰ کرتے ہیں، ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بے شک اللہ (ہر طرح کی) نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نشانی اتارنے پر قادر تو ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ اسے مؤخر کیے ہوئے ہے کیونکہ اگر وہ ان کے مطالبے پر نشانی نازل فرما دے اور یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں تو اللہ تعالیٰ انھیں جلد دنیا ہی میں سزا دے گا جس طرح اس نے سابقہ قوموں کو دنیا ہی میں سزا دی تھی جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:59) ''اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے صرف اس چیز نے روکا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو ایک اونٹنی (نبوتِ صالح کی) کھلی نشانی دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشانیاں صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:4) ''اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں، پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔''

﴿ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ سے کیا مراد ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ ''اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے، ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔'' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی ایسی جماعتیں ہیں جو اپنے اپنے نام سے پہچانی جاتی

ہیں۔[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ پرندے ایک امت ہیں، انسان ایک امت ہیں اور جن ایک امت ہیں۔[2] سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ یعنی تمھاری جیسی مخلوق ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی۔'' سب کا علم اللہ کے پاس ہے، وہ ان میں سے کسی کے رزق اور تدبیر کو نہیں بھولتا، خواہ اس کا تعلق بَرّی مخلوق سے ہو یا بحری سے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (ھود 6:11) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے، وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔'' ایسی کتاب میں جس میں ان کے نام، ان کی گنتی، ان کی رہائش اور ان کی تمام تر حرکات وسکنات کو لکھا ہوا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (العنکبوت 60:29) ''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾ ''پھر وہ سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کیے جائیں گے۔''

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے جمع کرنے سے مراد ان کی موت ہے۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمع کرنے سے مراد قیامت کے دن اٹھانا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ ﴾ (التکویر 5:81) ''اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔'' امام عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس فرمان باری: ﴿ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾ ''مگر جو تمھاری طرح (الگ) امت ہو، ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو) پھر وہ سب اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔'' کے متعلق بیان کیا ہے کہ ساری مخلوق کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا، جانوروں، حیوانوں، پرندوں اور دیگر تمام مخلوقات کو جمع کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا عالم یہ ہوگا کہ سینگوں والی بکری سے بے سینگوں کی بکری کو بھی انصاف دلایا جائے گا، پھر ان سے کہا جائے گا کہ اب مٹی ہو جاؤ تو انھیں مٹی ہوتے ہوئے دیکھ کر کافر بھی خواہش کرے گا: ﴿ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ ﴾ (النبا 40:78) ''اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔''[5] حدیث صور میں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔[6]

کفار اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں۔'' یعنی جہالت، قلتِ علم اور عدم فہم کی وجہ

---

[1] تفسیر الطبری: 247/7 ۔ [2] تفسیر الطبری: 247/7 ۔ [3] تفسیر الطبری: 247/7 ۔ [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1286/4 ۔ [5] تفسیر الطبری: 248/7 والمستدرك للحاكم، التفسیر، تفسیر سورة الأنعام: 316/2، حدیث: 3231 وتفسیر عبدالرزاق: 46/2، رقم: 786 ۔ [6] الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث الصور، ص: 104-114 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ ۔ اور دیکھیے مسند أحمد: 72/1 عن عثمان رضی اللہ عنہ ۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو بتاؤ کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟ ⑩ بلکہ تم صرف اسی کو

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿40﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ

پکارو گے، پھر اگر وہ چاہے گا تو وہ تکلیف دور کر دے گا جس کے لیے تم اسے پکارو گے، اور تم انھیں بھول جاؤ گے جنھیں تم شریک ٹھہراتے تھے ﴿41﴾ اور تحقیق

ع 4/11 20

مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿41﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان (امتوں) کو سختی اور تکلیف کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں ﴿42﴾ پھر جب ان پر ہمارا

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿42﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

عذاب آیا تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور جو عمل وہ کرتے تھے (ان کو) شیطان نے ان کے لیے مزین (خوبصورت) بنا دیا ﴿43﴾

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى

پھر جب انھوں نے وہ نصیحت بھلا دی جو انھیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے حتی کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو انھیں دی

اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

گئی تھیں، تو ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا، پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے ﴿44﴾ پھر اس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جنھوں نے ظلم کیا تھا، اور تمام تعریف

ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿45﴾

اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ﴿45﴾

سے ان کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بہرہ اور گونگا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اندھیروں اور تاریکیوں میں مبتلا ہو اور کچھ دیکھ بھی نہ سکتا ہو تو اس طرح کا شخص کس طرح ہدایت یاب ہو سکتا ہے یا جن گمراہیوں میں مبتلا ہے تو ان سے وہ کس طرح نکل سکتا ہے؟ جیسے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:17، 18) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (شبِ تاریک میں) آگ جلائی جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں تو اللہ ان لوگوں کی روشنی لے گیا اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ (یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) وہ تو نہیں لوٹیں گے۔'' اور جیسے فرمایا: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ﴾ (النور 24:40) ''یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی آتی ہو (اور) اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو اور) اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے، قریب ہے کہ اسے بھی نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے تو اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی۔)'' اسی لیے یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾ ﴾ ''جس کو اللہ چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے

رستے پر چلا دے۔'' وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کر سکتا ہے۔

تفسیر آیات:40-45

مشرکین پر اقامتِ حجت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جو چاہے اسے کر گزرتا ہے، وہ جو چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے حکم کو مخلوق پر نافذ ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا، وہی وحدہ لاشریک ہے کہ جب اس سے کچھ مانگا جائے تو وہ جسے چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: (اے کافرو!) بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آ موجود ہو۔'' یعنی ان میں سے کوئی ایک چیز عذاب یا قیامت آ جائے ﴿ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ ''تو کیا تم (ایسی حالت میں) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ۔)'' یعنی اس وقت تو تم اس کے سوا کسی اور کو نہیں پکارو گے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اس کے سوا اسے زائل کرنے پر کوئی اور قادر نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ یعنی اگر تم اس کے ساتھ دوسروں کو معبود بنانے میں سچے ہو تو بتاؤ، پھر فرمایا: ﴿ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ ''(نہیں!) بلکہ (مصیبت کے وقت تم) اسی کو پکارتے ہو تو جس دکھ کے لیے اسے پکارتے ہو وہ اگر چاہتا تو اس کو دور کر دیتا ہے اور جن کو تم شریک بناتے ہو (اس وقت) انھیں بھول جاتے ہو۔'' یعنی بوقتِ ضرورت تم اس کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتے ہو اور اس وقت تمھارے بت اور جھوٹے معبود ختم ہو جاتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ﴾ الآية (بنی إسرآئیل 67:17) ''اور جب تم کو سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس پروردگار کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ (اللہ) تمھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ ﴾ ''اور تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے، پھر (ان کی نافرمانیوں کے سبب) ہم نے انھیں سختی کے ساتھ پکڑا'' یعنی فقر اور تنگی معیشت وغیرہ کے ساتھ ﴿ وَالضَّرَّآءِ ﴾ ''اور تکلیف (کے ساتھ۔)'' یعنی بیماریوں اور دکھوں دردوں کی صورت میں پکڑتے رہے۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ ﴾ ''شاید کہ وہ عاجزی کریں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اس کے حضور الحاح وزاری کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا ﴾ ''پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی؟'' یعنی جب ہم نے ان کی آزمائش کی تو انھوں نے کیوں نہ عجز وانکسار کا اظہار کرتے ہوئے ہماری طرف رجوع کیا؟ ﴿ وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''اور لیکن ان کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے۔'' یعنی ان میں نرمی اور رقت پیدا نہ ہوئی۔ ﴿ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو کام وہ کرتے تھے شیطان نے (انھیں) ان کے لیے آراستہ کر دیا تھا۔'' اور انھیں شرک، اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور گناہ بھی بھلے معلوم ہوتے تھے، ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾ ''پھر جب انھوں نے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

(اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے: اگر اللہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں چھین لے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے تو بتاؤ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں

يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿46﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

یہ (چیزیں) لادے؟ دیکھیے کس طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ منہ موڑتے ہیں ﴿46﴾ کہیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک

عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿47﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

یا کھلم کھلا آجائے تو بتاؤ کیا ظالموں کے سوا کوئی اور لوگ بھی ہلاک کیے جائیں گے؟ ﴿47﴾ اور ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جسے خوشخبری دینے والا

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿48﴾

اور ڈرانے والا نہ بنایا ہو، پھر جو شخص ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿48﴾

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿49﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انھیں اس (نافرمانی کی) وجہ سے عذاب پہنچے گا جو نافرمانی وہ کرتے تھے ﴿49﴾

اس نصیحت کو جوان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا۔'' اس سے اعراض کیا، اسے بھول گئے اور انھوں نے اسے پس پشت ڈال دیا، ﴿ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ ﴾ ''تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔'' یعنی ان کے لیے ہر قسم کے پسندیدہ رزق کے دروازے کھول دیے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے مہلت اور ان کے خلاف ایک تدبیر تھی، اللہ کی تدبیر سے اللہ ہی کی پناہ! اسی لیے فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا ﴾ یعنی یہاں تک کہ جب مال، اولاد اور رزق کی فراوانی کی وجہ سے خوب اترانے لگے ﴿ اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''(تو) ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔'' یعنی ہم نے ان کو غفلت میں پکڑا اور وہ ہر قسم کی خیر و بھلائی سے مایوس ہو گئے۔ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ [مُبْلِس] کے معنی مایوس کے ہیں۔[1]

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کشادہ رزق عطا فرمائے اور وہ اسے اللہ کی تدبیر نہ سمجھے تو وہ بے عقل ہے اور جس شخص کو اللہ رزق کی تنگی میں مبتلا کر دے اور وہ اسے آزمائش نہ سمجھے تو وہ بھی بے عقل ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''پھر جب انھوں نے وہ نصیحت بھلا دی جو انھیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے حتی کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو انھیں دی گئی تھیں تو ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا، پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔''

پھر امام حسن بصری نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! یہ بھی لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے کہ پہلے ان کی ضرورتوں اور حاجتوں کے مطابق انھیں دے دیا جائے، پھر انھیں اچانک گرفت میں لے لیا جائے۔ اسے ابن ابوحاتم نے بیان کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 46-49

[1] تفسیر ابن أبی حاتم :1292/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم :1291/4 والدر المنثور :23,22/3 .

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ ان تکذیب اور مخالفت کرنے والوں سے کہہ دیں: ﴿ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ ﴾ ''بھلا دیکھو تو! اگر اللہ تمھارے کان اور آنکھیں چھین لے؟'' یعنی جس طرح اس نے تمھیں یہ صلاحیتیں بخشی ہیں اسی طرح اگر وہ انھیں سلب کر لے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (الملك 23:67) ''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کم ہی شکرادا کرتے ہو۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ کان اور آنکھیں چھیننے سے مراد یہ ہو کہ وہ ان کے ساتھ شرعی فائدہ اٹھانے سے محروم کر دے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ﴾ ''اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ ﴾ (یونس 31:10) ''یا (تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ ﴾ (الأنفال 25:8) ''اور جان رکھو! بے شک اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ ﴾ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے جسے یہ قدرت حاصل ہو کہ وہ ان نعمتوں کو تمھیں لوٹا دے؟ جب اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو چھین لے تو اس کے سوا کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ تمھیں دوبارہ یہ عطا فرما سکے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''دیکھیے! ہم کس طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔'' یعنی کھول کھول کر بیان کرتے اور واضح کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے سوا جن معبودوں کی یہ پوجا کرتے ہیں، وہ سراسر باطل اور ضلالت ہے۔ ﴿ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ﴾ ''پھر بھی یہ لوگ روگردانی کیے جاتے ہیں۔'' یعنی اس بیان کے باوجود یہ لوگ حق سے روگردانی کر رہے ہیں اور لوگوں کو بھی حق کی اتباع سے روک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بھلا بتاؤ تو! اگر تم پر اللہ کا عذاب بے خبری میں آئے۔'' یعنی اچانک آ جائے اور تمھیں شعور ہی نہ ہو، ﴿ اَوْ جَهْرَةً ﴾ یا کھلم کھلا اور واضح طور پر کھلی آنکھوں کے سامنے آ جائے تو ﴿ هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا؟'' عذاب آئے گا تو ان لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہوں گے اور صرف وہی لوگ نجات پائیں گے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہوں گے، ایسے لوگوں کو کوئی خوف ہوگا نہ غم جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 82:6) ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا، ان کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ ﴾ ''اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو صرف خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے لیے۔'' وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو نعمتوں کی خوشخبری سناتے تھے اور کفر کرنے والوں

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو

ع 5 9 11 اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿50﴾ وَاَنْذِرْ

اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہہ دیجیے: کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟ (50) اور (اے نبی!) آپ اس

بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ

(قرآن) کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرائیں جنھیں ڈر رہتا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس اکٹھے کیے جائیں گے، وہاں اس کے سوا ان کا کوئی دوست اور سفارشی

لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿51﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

نہ ہوگا، شاید کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں (51) اور ان لوگوں کو اپنے سے مت دور کریں جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں، وہ اپنے رب کا چہرہ (رضامندی)

وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

چاہتے ہیں، ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ آپ پر نہیں اور آپ کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ ان پر نہیں، پھر (اگر) آپ ان کو اپنے سے دور کریں

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿52﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ

گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے (52) اور ہم نے اسی طرح لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے، تاکہ وہ (انھیں دیکھ کر)

عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿53﴾ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا

کہیں: کیا ہم میں سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (ہاں) کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا؟ (53) اور جب وہ لوگ آپ

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ

کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو، تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ بے شک تم

ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿54﴾

میں سے جو شخص جہالت سے برا عمل کرے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو یقیناً وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (54)

کو اللہ تعالیٰ کے عذابوں اور اس کی خوف ناک سزاؤں سے ڈراتے تھے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ ﴾ ''پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے۔'' جس شخص کا دل انبیائے کرام کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان لے آئے اور وہ ان کی اتباع کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لے ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ ''تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا'' مستقبل کی زندگی میں ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ''اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' ان چیزوں پر جنھیں وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے ہوں گے کیونکہ انھوں نے جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑا ہوگا اس کا نگہبان اور محافظ اللہ ہوگا، پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿49﴾ ﴾ ''اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کی نافرمانیوں کے سبب انھیں عذاب پہنچے گا۔'' انبیائے کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے دین و شریعت کے ساتھ کفر کرنے، اللہ تعالیٰ کے احکام و طاعت سے خارج ہو جانے اور ممنوع اور حرام کاموں کے ارتکاب اور محرمات کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے انھیں عذاب ہوگا۔

تفسیر آیات:50-54

رسول اللہ ﷺ نہ اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اور نہ غیب جانتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔'' میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک نہیں اور نہ میں ان میں تصرف کا کوئی اختیار ہی رکھتا ہوں۔ ﴿ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ﴾ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور مجھے صرف اسی قدر علم حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا ہے۔ ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ ﴾ ''اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں۔'' یعنی میں فرشتہ ہونے کا بھی دعوے دار نہیں ہوں کیونکہ میں تو ایک انسان ہوں، ہاں! البتہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شرف وانعام سے سرفراز فرمایا ہے کہ اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۭ ﴾ ''میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔'' یعنی اس سے ایک بالشت برابر بھی کمی بیشی نہیں کرتا۔ ﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۭ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بھلا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟'' یعنی جو شخص حق کی اتباع کرے اور ہدایت یافتہ ہو تو وہ اور حق سے دور ہو کر گمراہ ہو جانے والا برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ﴿ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿50﴾ ﴾ ''کیا پھر تم غور (کیوں) نہیں کرتے؟'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ۭ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ ﴾ (الرعد 19:13) ''بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہی حق ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟ بس نصیحت وہ حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔''

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ﴾ ''اور (اے نبی!) آپ اس (قرآن) کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرائیں جو لوگ خوف رکھتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر کیے جائیں گے (اور جانتے ہیں کہ) اس کے سوا نہ تو ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! اس قرآن کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کریں ﴿ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ ﴾ (المؤمنون 57:23) ''جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں۔'' اور ان لوگوں کو ﴿ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۭ ﴾ (الرعد 21:13) ''جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔''

﴿ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا ﴾ ''جو لوگ خوف رکھتے ہیں کہ (اپنے پروردگار کے) روبرو حاضر کیے جائیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ لَیْسَ لَهُمْ ﴾ ''ان کے لیے نہ ہوگا'' اس دن ﴿ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ﴾ ''اس کے سوا کوئی دوست اور نہ سفارش کرنے والا۔'' یعنی ان کا اس دن نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا جو سفارش کر کے انھیں اس کے عذاب سے بچالے اگر وہ اس کا ارادہ کرے۔ ﴿ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿51﴾ ﴾ ''شاید کہ وہ پرہیزگار بنیں۔'' انھیں اس دن سے ڈرائیں جس میں اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی حاکم نہ ہوگا۔ اور ﴿ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿51﴾ ﴾ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس دنیا

میں یہ ایسا عمل کرنا شروع کر دیں جس کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے عذاب سے نجات عطا فرما دے اور بے پایاں اجر و ثواب سے نواز دے۔

رسول اللہ ﷺ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکریم کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ ''اور ان لوگوں کو اپنے سے مت دور کریں جو صبح و شام اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں (اور) اس کا چہرہ (رضا مندی) چاہتے ہیں۔'' ان اوصاف سے اتصاف پذیر لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کریں بلکہ انھیں اپنے دوست اور ہم نشین بنالیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ (الکہف 28:18) ''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کا چہرہ (رضا مندی) چاہتے ہیں، آپ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں کہ آپ آرائش زندگانی دنیا کے خواست گار ہو جائیں۔ اور آپ اس کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ ''وہ اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں۔'' اس کی عبادت بھی کرتے ہیں اور اس سے دعا بھی کرتے ہیں ﴿ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ ﴾ ''صبح و شام۔'' سعید بن مسیّب، مجاہد، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ فرض نماز ادا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (المؤمن 60:40) ''اور تمھارے پروردگار نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمھاری (دعا) قبول کروں گا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ ''وہ اس کا چہرہ (رضا مندی) چاہتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنے اس عمل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور عبادت و طاعتِ الٰہی کو بے حد اخلاص کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ''ان کے حساب (اعمال) کی جواب دہی آپ پر کچھ نہیں اور آپ کے حساب کی جواب دہی ان پر کچھ نہیں۔'' جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کے جواب میں کہا تھا جنھوں نے یہ کہا تھا: ﴿ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:111-113) ''کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں، حالانکہ آپ کے پیرو تو رذیل لوگ ہیں؟ نوح نے کہا کہ مجھے اس کا کیا علم جو وہ عمل کرتے رہے ہیں، ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے، کاش! تم سمجھو۔'' یعنی ان کا حساب اللہ عزوجل کے ذمے ہے، میرے ذمے قطعاً نہیں ہے اور نہ میرا حساب قطعی طور پر ان کے ذمے ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝52 ﴾ ''اگر آپ اُن کو اپنے سے دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔'' یعنی اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کی یہی حالت ہوگی۔

ارشادالٰہی ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض کے ساتھ آزمائش کی، انھیں ابتلا میں ڈالا اوران کا امتحان لیا ہے۔ ﴿ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ط ﴾ ''تاکہ وہ کہیں: کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟'' دراصل بعثت کے آغاز میں جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی ان میں غالب اکثریت کمزور مردوں، عورتوں، لونڈیوں اور غلاموں کی تھی، دولت مندوں میں سے بہت کم لوگ تھے، جیسے قوم نوح نے بھی حضرت نوح علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ج ﴾ (ھود11:27) ''اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمھارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں، سرسری رائے والے'' شاہِ روم ہرقل نے ابوسفیان سے جب کچھ سوالات پوچھے تو ان میں سے ایک سوال نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بھی تھا کہ دولت مند لوگ آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ کمزور لوگ آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ ہرقل نے یہ جواب سن کر کہا تھا کہ رسولوں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔ [1]

غرض یہ کہ مشرکینِ قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے والے کمزور لوگوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جن پر بس چلتا انھیں بے پناہ تکلیفیں بھی دیتے تھے اور کہتے تھے: ﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ط ﴾ ''کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟'' یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خیر کی ہدایت کرتا اگر یہ چیز خیر و بھلائی میں سے ہوتی تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ ہمیں اس سے محروم کر دیتا جیسے ان کا کہنا ہے: ﴿ لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾ (الأحقاف46:11) ''اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت نہ لے جاتے۔''

جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ ﴾ (مریم19:73) ''اور جب ان لوگوں پر ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ فریقین میں سے مقام و مرتبہ کس کا بہتر اور مجلس کس کی اچھی ہے۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝ ﴾ (مریم19:74) ''اور ہم نے اِن سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں، وہ لوگ ساز و سامان اور نمود و نمائش میں (اِن سے) کہیں اچھے تھے!'' اور جب انھوں نے یہ کہا: ﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ط ﴾ ''کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿53﴾ ﴾ یعنی کیا وہ شکر کرنے والوں کے اقوال، افعال اور دلوں کے حالات سے واقف نہیں کہ انھیں سلامتی کے رستوں کی توفیق و ہدایت نہ دے اور اپنے حکم سے انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف نہ لے آئے اور انھیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق سے نہ نوازے؟ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط ﴾

[1] ملخص از صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ......؟ حدیث:7 وصحیح مسلم، الجهاد، باب کتب النبی ﷺ إلی هرقل ......، حدیث: 1773 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ.

ع 6 5 12 وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿55﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ

اور ہم اسی طرح آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ بالکل واضح ہو جائے ﴿55﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے منع کیا گیا ہے کہ

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ

میں ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، کہہ دیجیے: میں تمھاری خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا، اس صورت میں، میں گمراہ ہو جاؤں گا،

الْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

اور میں ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا ﴿56﴾ کہہ دیجیے: بے شک میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں، اور تم نے اس دلیل کو جھٹلایا

بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا

ہے، میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو، فیصلے کا (سارا) اختیار اللہ ہی کو ہے، وہ حق بات بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿58﴾ وَعِنْدَهٗ

والا ہے ﴿57﴾ کہہ دیجیے: بے شک اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمھارے درمیان معاملہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا، اور

مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ

اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿58﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے، اور

وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا

کوئی پتا ایسا نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو، اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ (ایسا) نہیں (چھوٹتا جسے وہ جانتا نہ ہو) اور کوئی تر چیز اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں

فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿59﴾

جو واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) نہ ہو ﴿59﴾

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 69:29) ''اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے اور بے شک اللہ تو نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔''

اور حدیث صحیح میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَ أَمْوَالِكُمْ،① وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ] ''بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تو تمھارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔''②

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ تم پر سلام ہو۔'' انھیں سلام کہہ کر ان کی عزت افزائی کریں اور انھیں اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے پایاں رحمت کی خوشخبری سنائیں۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾

① تفسیر ابن کثیر میں أموالکم کے بجائے أَلْوَانِكُم ہے لیکن یہ ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملا۔ ② صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، حديث:(34)-2564 عن أبي هريرة ﷺ.

یعنی تمھارے رب نے اپنے بندوں پر فضل وکرم اور احسان فرمانے کے لیے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے۔ ﴿ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ﴾ ''کہ بے شک جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے۔'' یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ بلاشبہ نادان اور جاہل ہی ہے، ﴿ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ ﴾ ''پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے۔'' یعنی گناہوں سے رجوع کر لے، آئندہ ان کا ارتکاب نہ کرنے کا عزم صمیم کر لے اور مستقبل میں نیک عمل کرے، ﴿ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۴ ﴾ ''تو یقیناً وہ بخشنے والا، مہربان ہے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي] ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ایک کتاب (لوح محفوظ) میں، جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے، یہ لکھا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''[1]

تفسیر آیات:55-59

رسول کی دعوت دلیل پر مبنی ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے رشد وہدایت کے رستے اور جدال وعناد کی مذمت کے دلائل وبراہین بیان کیے ہیں، ﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''اور اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔'' جن کی مخاطب لوگوں کو ضرورت ہے تاکہ وہ ان کے مطابق عمل کریں۔ ﴿ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۵۵ ﴾ ''اور اس لیے کہ گناہ گاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے۔'' یعنی مجرموں اور رسولوں کے مخالفوں کا رستہ ظاہر ہو جائے۔ اسے [لِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ][2] بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! - یا اے مخاطب! - تاکہ تم مجرموں کے رستے کو پہچان لو۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بے شک میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کے بارے میں، میں بصیرت پر ہوں جسے اس نے میری طرف وحی کیا ہے۔ ﴿ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ﴾ ''اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔'' یعنی اس حق کو جھٹلاتے ہو جو میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ ﴿ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ﴾ ''جس چیز کو تم جلدی طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔'' یعنی عذاب میرے پاس نہیں ہے۔ ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ ''فیصلہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔'' یعنی عذاب کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو تمھارے مطالبے پر فوراً بھیج دے اور اگر وہ چاہے تو اپنی کسی عظیم حکمت ومصلحت کے پیش نظر اسے مؤخر کر کے تمھیں مہلت

---

[1] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ (الروم 30:27)، حدیث:3194 وصحیح مسلم، التوبۃ، باب سعۃ رحمۃ اللّٰہ تعالٰی وأنہا تغلب غضبہ، حدیث:2751 ومسند أحمد:313/2. [2] تفسیر کے بعض نسخوں میں [لِيَسْتَبِينَ......] ہے اگرچہ یہ قراءت بھی ہے لیکن اس مذکورہ قراءت کے بعد امام رحمہ اللہ کی وضاحت، یعنی ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یا اے مخاطب!'' دلالت کناں ہے کہ اس سے مراد مخاطب کا صیغہ ہے اور [سَبِيلَ] مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

دے دے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿٥٧﴾ ﴾ ''وہ سچی بات بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' یعنی وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا اور اپنے بندوں کے درمیان بہترین قاضی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ جس چیز کو تم جلدی طلب کر رہے ہو بے شک اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔'' یعنی اگر یہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمھیں اس عذاب میں مبتلا کر دیتا جس کے تم مستحق ہو۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

اگر کہا جائے کہ اس آیت کریمہ اور اس حدیث میں تطبیق کیسے ہوگی جو صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ پر یوم اُحد سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آیا ہے، فرمایا:

[لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ ، وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ ابْنِ عَبْدِ كُلَالٍ، فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُّ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلٰى وَجْهِي، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي ، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرَائِيلُ عليه السلام، فَنَادَانِي، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ ، لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ ، قَالَ: فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، (وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ) ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ، لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ ، فَمَا شِئْتَ؟ (إِنْ شِئْتَ) أَطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ أَصْلَابِهِمْ ، مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا]

''ہاں! میں نے تمھاری قوم کی طرف سے سب سے زیادہ سخت دن جو دیکھا ہے، وہ عقبہ کا وہ دن تھا جب میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن عبد کُلال کے سامنے پیش کیا مگر اس نے میرے ارادے کو پورا نہ کیا تو میں بہت افسردہ خاطر ہو کر اس کے پاس سے چل دیا اور قرنُ الثَّعَالِب [1] میں جا کر مجھے ہوش آیا۔ میں نے اپنے سر کو اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، میں نے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ آپ کی قوم نے آپ سے جو کہا اور آپ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ ان کے بارے میں اسے جو چاہیں حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے اس فرشتے نے مجھے بلایا، سلام کیا اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی قوم نے

[1] قرن الثعالب اہل نجد کا میقات ہے، اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے اور یہ مکہ مکرمہ سے ایک دن رات کی مسافت پر ہے۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں دس دن قیام فرمایا تھا۔ (مترجم) فتح الباری:364/6 والطبقات الکبرٰی لابن سعد، ذکر سبب خروج رسول اللّٰہﷺ إلی الطائف:212/1 .

آپ سے جو کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا ہے، آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ ان کے بارے میں آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اگر آپ چاہیں تو میں ان پر مکہ کے ان دونوں پہاڑوں (ابوقُبیس اور اس کے سامنے کے پہاڑ قُعیقِعان) کو ان پر گرا دیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''بلکہ میں تو یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اللہ اکیلے کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔''① یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ان پر عذاب نازل کر کے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے مگر آپ نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ انھیں مہلت دے دی جائے شاید اللہ تعالیٰ ان سے ایسی نسلیں پیدا کر دے جو اس کی ذات کے ساتھ شرک نہ کریں سوال یہ ہے کہ اس حدیث اور اس آیتِ کریمہ: ﴿قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ۝۵۸﴾ ''کہہ دیجیے کہ جس چیز کے لیے تم جلدی کر رہے ہو بے شک اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' میں کس طرح تطبیق ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس وقت عذاب کا واقع کر دینا آپ کے اختیار میں ہوتا جب یہ کفار آپ سے عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے تو آپ ان پر عذاب واقع کر دیتے جبکہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ کفار نے اس وقت آپ سے عذاب واقع کر دینے کا مطالبہ کیا تھا بلکہ آپ کو تو پہاڑوں پر متعین فرشتے نے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ چاہیں تو وہ ان پر اخشبین کو گرا دے۔ اس سے مراد مکہ کے وہ دو پہاڑ (ابوقبیس اور قُعیقِعان) ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے طور پر اہل مکہ کو جنوب سے شمال کی جانب گھیرے ہوئے ہے،② اسی لیے آپ نے ان پر شفقت فرماتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ انھیں مہلت دے دی جائے۔

اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۠﴾] (لقمٰن 34:31) ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں: ''بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ (حاملاؤں کے) پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے۔''③ اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ﴾

① صحیح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم: آمین......، حدیث:3231 و صحیح مسلم، الجهاد......، باب مالقی النبی ﷺ من أذی المشركین والمنافقین، حدیث:1795، البتہ قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔ ② آپ ﷺ سے یہ ناروا سلوک تو اہل طائف نے کیا مگر فرشتے نے اہل مکہ کو پیس دینے کی پیش کش اس لیے کی کہ ان کے اس سلوک کا بنیادی سبب اہل مکہ ہی بنے تھے، نیز ان پر حجت بھی قائم ہو چکی تھی۔ ③ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ (الأنعام 59:6)، حدیث:4627.

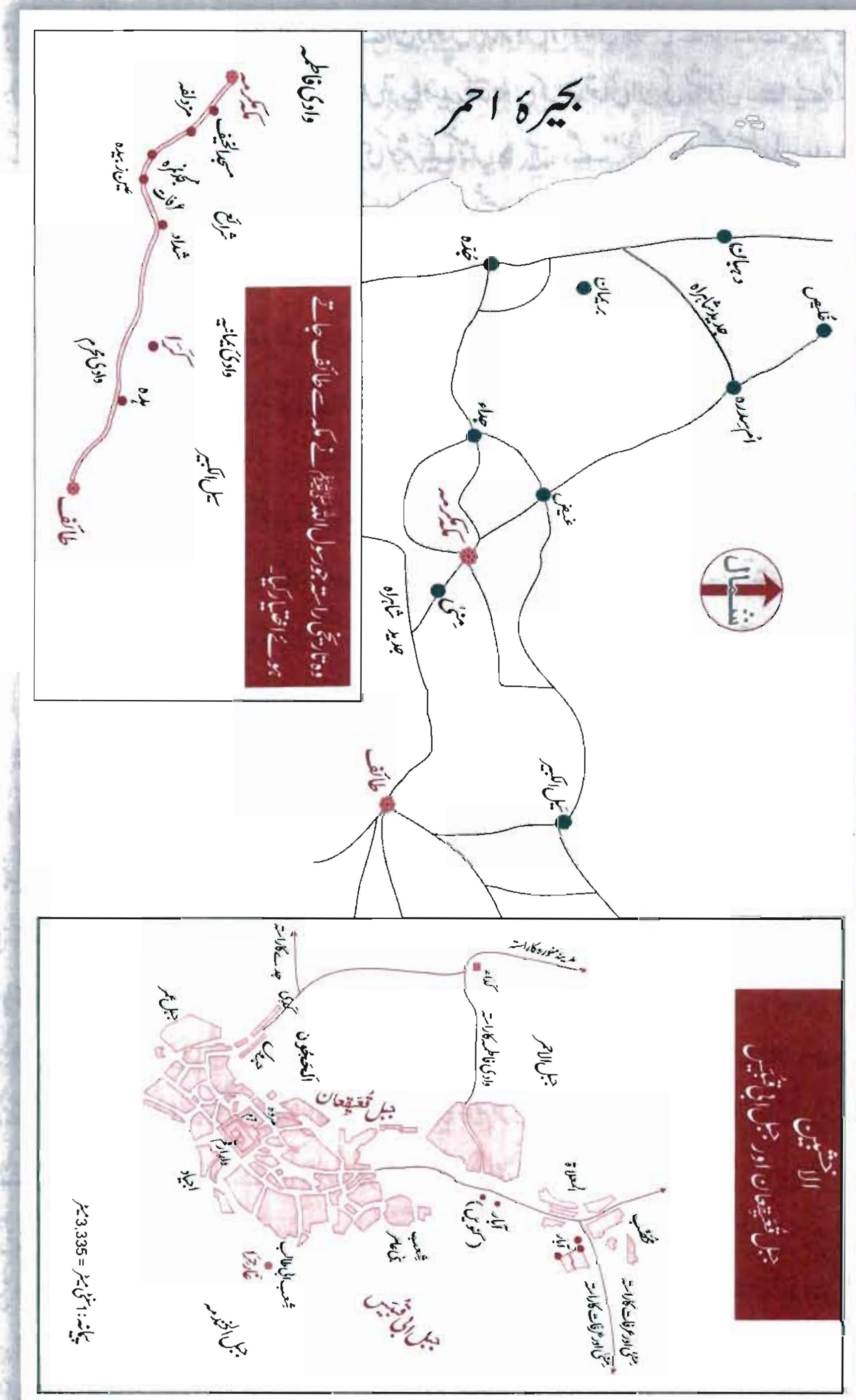
بحیرۂ احمر
شمال
خُلیص
دہبان
اُم سدرہ
جدید شاہراہ
بریمان
غیض
جُدّہ
جداء
مکہ مکرمہ
مِنیٰ
جدید شاہراہ
سَیل الکبیر
طائف
وہ تاریخی راستہ جو رسول اللہ نے مکہ سے طائف جاتے ہوئے اختیار کیا۔
وادی فاطمہ
مکہ مکرمہ
مسجد الخیف
مزدلفہ
شرائع
عین زبیدہ
شداد
وادی یمانیہ
کَرَا
سَیل الکبیر
ہدہ
وادی محرم
طائف
الاخشبین
جبل قُعیقعان اور جبل ابی قُبیس
مُحصّب
مِنیٰ اور عرفات کا راستہ
المعلاۃ
آبار
جبل الاحمر
وادی فاطمہ کا راستہ
آبار (کنویں)
جبل قُعیقعان
شعب بنی عامر
جبل ابی قُبیس
الحجون
جدے کا راستہ
شعب ابی طالب
غارِ حرا
دارارقم
اجیاد
جبل عمر
جبل الخندمہ
پیمانہ: 1 سنٹی میٹر = 3,335 میٹر

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى

اور وہی ہے (اللہ) جو رات کو تمھیں فوت کرتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، پھر (دوسرے) دن میں تمھیں اٹھاتا ہے تاکہ (زندگی

7 ع 5 13 اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴿60﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

کی) مقررہ مدت پوری کی جائے، پھر اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا جو تم کرتے رہے ہو﴿60﴾ اور وہی اپنے بندوں پر

فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا

غالب ہے، اور تم پر محافظ (فرشتے) بھیجتا ہے حتی کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اسے فوت کرتے ہیں، اور وہ اس میں کوتاہی

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝﴿61﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ

نہیں کرتے﴿61﴾ پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جو ان کا سچا مالک ہے۔ خبردار! فیصلے کا (سارا) اختیار اسی کو ہے، اور وہ بہت جلد

اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝﴿62﴾

حساب لینے والا ہے﴿62﴾

”اور اسے خشکی اور سمندروں کی سب چیزوں کا علم ہے۔“ اس کا بے پایاں علم بر و بحر کی تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے کہ اس سے ان کی کوئی چیز بھی تو مخفی نہیں ہے، آسمان و زمین کا کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا ﴾ ”اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔“ وہ ذات گرامی جو جمادات تک کی حرکات سے آگاہ ہے، حیوانات خصوصاً ان میں سے جو مکلّف ہیں، یعنی جن و انس کی بابت اس کے علم کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ اس نے بجا فرمایا ہے: ﴿ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝﴿19﴾ ﴾ (المؤمن 19:40) ”وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینے چھپاتے ہیں ان کو بھی۔“

تفسیر آیات: 60-62

بندے موت سے پہلے اور بعد میں بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ رات کو اپنے بندوں کی ان کے سونے کی حالت میں، روح قبض کر لیتا ہے، نیند گویا موت اصغر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ﴾ (آل عمران 55:3) یعنی جب اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ! بے شک میں تمھیں سلا دوں گا اور تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ اور اسی طرح فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ﴾ (الزمر 42:39) ”اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی ہوتی اسے اس کی نیند میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر اس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہوان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقررہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں وفات کبریٰ و صغریٰ دونوں کا ذکر ہے، اسی طرح اس مقام پر بھی وفات صغریٰ پھر کبریٰ دونوں ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ﴾ ”اور وہی تو ہے جو رات کو

(سونے کی حالت میں) تمھاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، اس کو جانتا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے دن بھر کے اعمال کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس جملہ معترضہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اپنی تمام مخلوق کے لیل ونہار اور ان کی حرکت و سکون کی ہر ہر حالت میں ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ (الرعد13:10) ''(اللہ کے نزدیک) مساوی ہے کہ کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے۔''

اور فرمایا: ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (القصص28:73) ''اور اس نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل تلاش کرو۔'' یعنی رات کے وقت آرام اور دن کے وقت کام کر کے اس کے فضل کو تلاش کرو اور جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ (النبا78:10،11) ''اور ہم نے رات کو پردہ بنایا اور دن کو ہم نے معاش (کا وقت) بنایا۔'' اسی لیے اس نے یہاں فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ ''اور وہی تو ہے جو رات کو تمھاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو تم دن میں کرتے ہو اسے وہ جانتا ہے۔'' یعنی تمھارے اعمال کو۔ ﴿ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ ''پھر وہ تمھیں اس میں اٹھا دیتا ہے۔'' یعنی (دوسرے) دن میں۔ یہ قول مجاہد، قتادہ اور سُدّی کا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ ''تاکہ (زندگی کی) مدت معیّنہ پوری کر دی جائے۔'' اس سے مراد ہر ہر شخص کی زندگی کی معین مدت ہے، ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ ''پھر تمھارا اسی کی طرف لوٹنا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن، ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''پھر وہ تم کو تمھارے عمل جو تم کرتے رہے ہو بتائے گا۔'' یعنی تمھیں تمھارے اعمال کی جزا دے گا، اگر عمل اچھے ہوئے تو اچھی جزا اور اگر عمل برے ہوئے تو ان کی سزا دے گا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔'' اس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے اور ہر چیز اس کے جلال، عظمت اور کبریائی کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے، ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ ''اور تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے۔'' یعنی فرشتے انسان کے جسم کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الرعد13:11) ''اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، جو اس کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی محافظ فرشتے ہیں جو اس کے عمل کو محفوظ اور اس کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ (الانفطار82:10) ''اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (قٓ50:17،18) ''جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لینے (لکھنے) والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں (لکھ) لیتے ہیں، کوئی بات بھی وہ (منہ سے) نہیں نکالتا مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔''

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:4/1306.

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ ''حتی کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کو فوت کرتے ہیں۔'' وہ فرشتے جو اس سلسلے میں مقرر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ائمہ نے فرمایا ہے کہ بہت سے فرشتے ملک الموت کے معاون ہیں۔[1] وہ جسم سے روح کو نکالتے ہیں اور جب وہ حلق تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝61﴾ ''اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔'' یعنی متوفّٰی کی روح کی حفاظت میں وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جہاں اللہ عزوجل چاہتا ہے، اسے پہنچا دیتے ہیں اگر نیکوکاروں میں سے ہو تو اس کی روح کو علیین میں اور اگر بدکاروں میں سے ہو تو اس کی روح کو سجین میں پہنچا دیتے ہیں۔ وَالعِیاذُ باللّٰہ.

ارشاد الٰہی: ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ ''پھر وہ اپنے مالک برحق اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹائے جاتے ہیں۔'' یعنی فرشتے لوٹائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں وہ حدیث بیان کرتے ہیں جسے امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس حدیث کا تعلق فرشتوں کے روح کو ایک آسمان سے دوسرے آسمان حتی کہ اس آسمان تک لے جانے سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ الْمَيِّتَ تَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ قَالُوا: أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ ، وَاخْرُجِي حَمِيدَةً ، وَّأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ ، وَّرَبٍّ غيرِ غضبَانَ ، قَالَ:فَلَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ، ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ ، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ، فَيُقَالُ : مَنْ هٰذَا ؟ فَيُقَالُ : فُلَانٌ ، فَيُقَالُ : مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ، اُدْخُلِي حَمِيدَةً ، وَّأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ ، فَلَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي فِيهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ .

فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السَّوْءُ ، قَالُوا: أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيثِ ، أُخْرُجِي مِنْهُ ذَمِيمَةً وَّ أَبْشِرِي بِحَمِيمٍ وَّغَسَّاقٍ ، وَّآخَرَ مِنْ شَكْلِهٖ أَزْوَاجٍ ، فَمَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ، ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ ، فَيُسْتَفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ: مَنْ هٰذَا؟ فَيُقَالُ: فُلَانٌ، فَيُقَالُ: لَا مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِيثَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيثِ ، اِرْجِعِي ذَمِيمَةً ، فَإِنَّهُ لَا يُفْتَحُ لَكِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ ، فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ تَصِيرُ إِلَى الْقَبْرِ ، فَيُجْلَسُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ ......]

''بے شک میت کے پاس فرشتے آجاتے ہیں اگر آدمی نیک ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اے پاک جان! تو نکل آ تو پاک جسم میں تھی، نکل آ تو قابل ستائش ہے، تجھے آرام، خوشبودار پھولوں اور ناراض نہ ہونے والے رب کی خوشخبری ہو، اس سے بار بار یہ کہا جاتا ہے حتی کہ روح نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس کے لیے دروازہ کھولنے کا کہا جاتا ہے، پوچھا جاتا ہے: کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں ہے۔ وہ کہتے ہیں: پاک نفس کو خوش آمدید ہو، اچھے جسم میں تھی، داخل ہو جا اس حال

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:4/1307.

میں کہ تو قابل ستائش ہے، تجھے آرام، خوشبودار پھولوں اور ناراض نہ ہونے والے رب کی خوش خبری ہو۔ ہمیشہ اسے یہ کہا جاتا ہے حتی کہ اسے اس آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔

اور اگر آدمی برا ہو تو اس سے کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! نکل آ، تو خبیث جسم میں تھی، نکل آ تو قابل مذمت ہے، تجھے گرم پانی، پیپ اور اس طرح کے اور بہت سے عذابوں کی خوشخبری ہو۔ اس سے بار بار یہ کہا جاتا ہے حتی کہ وہ باہر نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے، اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھولنے کا کہا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ جواب دیا جاتا ہے: فلاں، تو کہا جاتا ہے کہ اس خبیث جان کو جو خبیث جسم میں تھی خوش آمدید نہ ہو؟ تو واپس لوٹ جا کہ تو قابل مذمت ہے، تیرے لیے آسمان کے دروازوں کو نہیں کھولا جائے گا۔ اسے آسمان سے واپس لوٹا دیا جاتا ہے، پھر اسے قبر میں لے جایا جاتا ہے، پھر نیک آدمی کو بٹھایا جاتا ہے''......اور اس کو اسی طرح کہا جاتا ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں ہوا ہے۔ [1]

[1] مسند أحمد: 140/6 اس روایت کے آخری الفاظ: ''اور اس کو اسی طرح کہا جاتا ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں ہوا ہے۔'' سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت ہے جس کو امام احمد نے مسند أحمد: 139/6، 140 میں بیان کیا ہے: [فِيمَ كُنْتَ؟ فَيَقُولُ: فِي الْإِسْلَامِ؟ فَيُقَالُ: مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ﷺ، جَاءَ نَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَصَدَّقْنَاهُ، فَيُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَاوَقَاكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، وَيُقَالُ: عَلَى الْيَقِينِ كُنْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السَّوْءُ، أُجْلِسَ فِي قَبْرِهِ فَزِعًا مَّشْعُوفًا، فَيُقَالُ لَهُ: فِيمَ كُنْتَ؟ فَيَقُولُ: لَاأَدْرِي، فَيُقَالُ: مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا، فَقُلْتُ كَمَا قَالُوا، فَتُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَاصَرَفَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْكَ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَّيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، كُنْتَ عَلَى الشَّكِّ وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُعَذَّبُ]

''تو کس دین پر تھا؟ وہ کہتا ہے: دین اسلام پر، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: محمد اللہ کے رسول ہیں ہمارے پاس وہ اللہ کی طرف سے دلیلیں اور کھلی نشانیاں لے کر آئے، چنانچہ ہم نے ان کی تصدیق کی، پھر اس کے لیے آگ کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس (دوزخ) کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کھا رہی ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے: دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس سے بچایا ہے، پھر اس کے لیے جنت کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے، پس وہ اس کی رونق اور نعمتیں دیکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: یہی تیرا ٹھکانا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے: تو (دنیا میں) یقین پر تھا اور اسی پر فوت ہوا اور اللہ چاہے تو یقین ہی پر اُٹھے گا۔

اور جب برے آدمی کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے وہ پریشان اور گھبرایا ہوا ہوتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے: تو کس دین پر تھا؟ تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے: تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا وہ کہتا ہے: میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو تھا میں نے بھی ویسے ہی کہہ دیا جیسے لوگوں نے کہا تو اس کے لیے جنت کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس کی رونق و تروتازگی دیکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: اس کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس سے محروم کر دیا ہے، پھر اس کے لیے آگ کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کھا رہی ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے تو شک پر تھا، اسی پر تجھے موت آئی اور اگر اللہ نے چاہا تو اسی پر تجھے اُٹھایا جائے گا، پھر اس کو عذاب دیا جائے گا۔''

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْکُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تمھیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ تم اسے عاجزی کرتے ہوئے اور رازداری سے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿63﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ

اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿63﴾ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں اس (مصیبت) سے اور ہر غم

تُشْرِكُوْنَ ﴿64﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو! ﴿64﴾ کہہ دیجیے: وہی اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تمھارے اوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ

سے تم پر عذاب بھیجے، یا تمھیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک (گروہ) کو دوسرے کی طاقت (کا مزہ) چکھائے۔ دیکھیے! ہم کس طرح آیتوں کو پھیر پھیر کر

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾

بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سمجھیں؟ ﴿65﴾

یہاں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا﴾ سے مراد تمام مخلوق ہو اور ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ سے مراد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلایا جانا ہو، پھر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○﴾ (الواقعۃ 56:49,50) ”کہہ دیجیے کہ بے شک پہلے اور پچھلے (سب) ایک روز مقرر وقت پر جمع کیے جائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ﴾ تا ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○﴾ (الکہف 18:47-49) ”اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے اور وہ سب تمھارے پروردگار کے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے) جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا یقیناً (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آئے ہو لیکن تم نے تو یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمھارے لیے (قیامت کا) کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی تو تم گناہ گاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے اور جو عمل کیے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔“ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿62﴾﴾ ”جو ان کا مالک برحق ہے، خبردار! فیصلہ اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔“

تفسیر آیات: 63-65

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی پکڑ اور قہر کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ برو بحر کی تاریکیوں میں مجبور و مضطر، جنگلوں اور صحراؤں میں حیران و سرگرداں اور دریاؤں اور سمندروں کی موجوں میں اور طوفانوں کی لپیٹوں میں آئے ہوئے لوگوں کو اس وقت نجات عطا فرما دیتا ہے جب وہ اسی وحدہ لاشریک سے دعا کرتے ہیں

جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (بنی إسرآئیل 17:67) ''اور جب تم کو سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (یونس 10:22) ''وہی تو ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ (موافق) ہوا (کے جھونکوں) کے ساتھ سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں ان (کشتیوں) پر زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے ان پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو لہروں میں) گھیر لیے گئے تو اس وقت خالص اللہ ہی کی عبادت کرتے ہوئے اس سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ!) اگر تو ہم کو اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار رہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ۭ﴾ (النمل 27:63) ''بھلا کون تم کو خشکی اور تری (سمندر) کے اندھیروں میں رستہ دکھاتا ہے؟ اور (کون) ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے؟ (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) اللہ (کی شان) اس سے (کہیں) بلند ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ﴾ ''کہہ دیجیے: بھلا تم کو جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے (جبکہ) تم اسے عاجزی کرتے ہوئے اور راز داری سے پکارتے ہو۔'' یعنی جہری اور سری طور پر پکارتے ہو اور کہتے ہو ﴿لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا﴾ ''اگر اللہ ہم کو نجات بخشے'' اس تنگی سے ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ ''تو ہم ضرور اس کے بہت شکر گزار رہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تم کو اس (تنگی) سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے، پھر بھی تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو!'' یعنی خوش حالی میں تم اس کے ساتھ دیگر معبودوں کو بھی پکارنے لگ جاتے ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تمھارے اوپر کی طرف سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔'' جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ پھر تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو تو اس کے فوراً بعد ہی یہ فرما دیا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر عذاب بھیجے۔'' یعنی تمھیں نجات دینے کے بعد عذاب میں گرفتار کرنے پر بھی قادر ہے جیسا کہ اس نے سورۂ سبحان (بنی اسرائیل) میں فرمایا ہے: ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا

نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا۝ (بنی إسرآئیل 17:66-69) ''تمھارا پروردگار وہ ہے جو تمھارے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کے فضل سے (روزی) تلاش کرو، بے شک وہ تم پر مہربان ہے، اور جب تم کو دریا (یا سمندر) میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تم کو ڈوبنے سے بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا، کیا پس تم (اس سے) بے خوف ہو کہ اللہ تمھیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے؟ یا تم پر سنگریزوں سے بھری ہوئی آندھی چلا دے، پھر تم اپنا کوئی کارساز نہ پاؤ؟ یا (اس سے) بے خوف ہو کہ تم کو دوسری دفعہ اس (سمندر) میں لے جائے، پھر تم پر تیز ہوا چلائے اور تمھارے کفر کے سبب تمھیں ڈبو دے، پھر تم اس غرق کے سبب اپنے لیے کوئی پیچھا کرنے والا نہ پاؤ؟''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ...... ﴾ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ ﴿ يَلْبِسَكُمْ ﴾ کا لفظ التباس سے ہے اور یہ [يَخْلِطَكُمْ] کے معنی میں ہے، یعنی تمھیں فرقوں اور گروہوں میں الجھا دے یا خلط ملط کر دے جس طرح ﴿ يَلْبِسُوْٓا ﴾ (الأنعام 6:82) [يَخْلِطُوا] ''(اور نہ) ملائیں۔'' کے معنی میں ہے۔ اور ﴿ شِيَعًا ﴾ کے معنی مختلف فرقے اور جماعتیں ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: [﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَعُوذُ بِوَجْهِكَ. ﴿ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ﴾ قَالَ: أَعُوذُ بِوَجْهِكَ. ﴿ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ ﴾ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هٰذِهِ أَهْوَنُ۔ أَوْهٰذَا أَيْسَرُ]

''کہہ دیجیے کہ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے عذاب بھیجے'' تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! میں تیرے چہرۂ اقدس کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ ''یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے (عذاب بھیجے)'' تو اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! میں تیرے چہرۂ اقدس کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ ''یا تمھیں فرقے فرقے کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی (کا مزا) چکھا دے۔'' اس کے بعد آپ نے فرمایا: یہ (پہلی دو صورتوں کے مقابلے میں) ہلکا یا کم تر عذاب ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''کتاب التوحید'' میں بھی بیان فرمایا ہے۔[2] امام نسائی نے بھی اسے اپنی سنن کی ''کتاب التفسیر'' میں روایت کیا ہے۔[3]

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ (الأنعام 6:65)، حدیث: 4628 . ② صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ عزوجل: ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ ﴾ (القصص 28:88)، حدیث:7406. ③ السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قولہ تعالٰی: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ...... ﴾: 6/340، حدیث: 11164,11165.

ایک اور حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ہمارا گزر مسجد بنی معاویہ کے پاس سے ہوا تو آپ مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، ہم نے بھی آپ کے ساتھ مل کر نماز ادا فرمائی، پھر آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے طویل دعا کی، پھر فرمایا: [سَأَلْتُ رَبِّي ثَلَاثًا: سَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالْغَرَقِ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالسَّنَةِ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ فَمَنَعَنِيهَا] ''میں نے اپنے رب تعالیٰ سے تین دعائیں کی ہیں: (1) میں نے اللہ سے دعا کی کہ میری ساری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول کر لیا۔ (2) میں نے دعا کی کہ میری ساری امت کو قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔ (3) اور میں نے دعا کی کہ میری امت کو آپس میں اختلاف وانتشار میں مبتلا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا۔'' اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے (امام بخاری نے نہیں) اور اسے ''کتاب الفتن'' میں ذکر کیا ہے۔[1]

تیسری حدیث: امام احمد نے خبّاب بن اَرَتّ رضی اللہ عنہ، مولیٰ بنی زہرہ، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی ہے، سے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسی رات میں حاضر رہنے کا شرف حاصل ہوا جو ساری رات آپ نے نماز پڑھتے ہوئے گزاری تھی حتی کہ صبح ہو گئی تو آپ نماز سے فارغ ہوئے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج تو ساری رات آپ نے اس طرح نماز میں گزاری ہے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ آپ نے اس طرح نماز ادا فرمائی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَجَلْ! إِنَّهَا صَلَاةُ رَغَبٍ وَّرَهَبٍ ، سَأَلْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى [فِيهَا] ثَلَاثَ خِصَالٍ ، فَأَعْطَانِيَ اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً ، سَأَلْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْ لَّا يُهْلِكَنَا بِمَا أَهْلَكَ بِهِ الْأُمَمَ قَبْلَنَا فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَّا يُظْهِرَ عَلَيْنَا عَدُوًّا غَيْرَنَا فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْ لَا يَلْبِسَنَا شِيَعًا، فَمَنَعَنِيهَا]

''ہاں! یہ شوق اور ڈر پر مبنی نماز تھی، میں نے اس میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے تین دعائیں کیں تو اس نے میری دو دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور ایک کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا: (1) میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ہمیں اس طرح ہلاک نہ کرے جس طرح اس نے ہم سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول فرما لیا۔ (2) میں نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی کہ وہ ہمارے غیر میں سے ہمارے کسی دشمن کو ہم پر غالب نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔ (3) اور میں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ہمیں مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے سے بچائے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا۔''[2] اس حدیث کو امام نسائی نے اور امام ابن حبان نے اپنی

---

[1] صحیح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعضٍ، حديث:2890 ومسند أحمد:175/1 واللفظ له .

[2] مسند أحمد:109,108/5.

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝66ۭ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ

اور اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے جھٹلایا، حالانکہ وہ حق ہے، کہہ دیجیے: میں تم پر نگران نہیں ہوں⑯ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے، اور جلد ہی تم جان

تَعْلَمُوْنَ ۝67 وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

لوگے⑰ اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں پر نکتہ چینی کر رہے ہوتے ہیں، تو آپ ان کے پاس سے ہٹ جائیں، یہاں تک کہ وہ اس کے

غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝68 وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ

علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان آپ کو یہ بات بھلا دے تو یاد آنے پر (ان) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھیں⑱ ان کے حساب میں سے

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝69

کسی چیز کی ذمے داری ان لوگوں پر نہیں جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں، اور لیکن نصیحت کرنا (ان کا فرض) ہے، تاکہ وہ بھی پرہیز گاری اختیار کریں⑲

صحیح میں جبکہ امام ترمذی نے ''کتاب الفتن'' میں ذکر کیا اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا ﴾ ''یا تمھیں فرقے فرقے کر دے۔'' یعنی تمھیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے۔ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں خواہشات میں مبتلا کر دے۔② مجاہد اور دیگر کئی ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔③ کئی طُرق سے مروی حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [وَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ (فِرْقَةً)، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً] ''اور (میری) یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک فرقے کے سوا دیگر سب جہنم رسید ہوں گے۔''④

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ ﴾ ''اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی (کا مزا) چکھا دے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بعض کو بعض پر عذاب اور قتل کے ساتھ مسلط کر دے۔⑤ ارشاد الٰہی: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''دیکھیے! ہم (اپنی) آیتوں کو کس طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں؟'' یعنی ہم انھیں بیان کرتے، واضح کرتے اور کھول کھول کر ذکر کر دیتے ہیں۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝65 ﴾ یعنی وہ سمجھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے بیان کردہ دلائل و براہین پر غور کریں۔

تفسیر آیات: 66-69

① جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في سؤال النبيﷺ ثلاثاً في أمته، حديث:2175 وسنن النسائي، قيام الليل، باب إحياء الليل، حديث:1639 وصحيح ابن حبان، باب فضل الأمة، ذكر سؤال المصطفى ربه جل وعلا أن لا يهلك أمته بما أهلك به الأمم قبله:180,179/9، حديث:7192 . ② تفسير الطبري:288/7 . ③ تفسير الطبري:288/7 .
④ سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث:4596 وجامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في افتراق هذه الأمة، حديث:2640 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب افتراق الأمم، حديث:3992 والمستدرك للحاكم، العلم، فصل في توقير العالم:128/1، حديث:443 و اللفظ له، البتہ [فِرقة] کا لفظ مذکورہ بالاحوالہ جات میں ہے۔ ⑤ تفسير الطبري: 289/7 .

دعوت، اکراہ کے بغیر رہنمائی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ كَذَّبَ بِهٖ ﴾ ''اور اس کو جھٹلایا ہے۔'' یعنی اس قرآن، ہدایت اور بیان کو جو آپ ان کے پاس لے کر آئے ہیں ﴿ قَوْمُكَ ﴾ ''آپ کی قوم نے۔'' یعنی قریش نے ﴿ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ ﴾ ''حالانکہ وہ (سراسر) حق ہے۔'' کہ اس کے بعد اور کوئی حق نہیں۔ ﴿ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ۝۶۶ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میں تم پر نگران نہیں ہوں۔'' نہ میں تمھارا محافظ ہوں اور نہ تم پر تعینات کیا گیا ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ ﴾ (الکھف 29:18) ''اور آپ کہہ دیجیے کہ (لوگو! یہ قرآن) تمھارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔'' یعنی میرا کام تو تمھیں (دین) پہنچا دینا ہے اور تمھارا کام یہ ہے کہ سمع و اطاعت بجالاؤ۔ جس نے میری اتباع کی تو وہ دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کرلے گا اور جس نے میری مخالفت کی وہ دنیا و آخرت میں بدبخت رہے گا۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ ﴾ ''ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ ہر خبر کی ایک حقیقت ہے، یعنی ہر خبر وقوع پذیر ہونے والی ہے، خواہ کچھ عرصے بعد ہی کیوں نہ واقع ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝ ﴾ (صٓ 88:38) ''اور تم اس (کی سچائی) کی خبر ایک وقت کے بعد ضرور جان لوگے۔'' اور فرمایا: ﴿ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ ﴾ (الرعد 38:13) ''ہر وعدے کے لیے لکھا ہوا وقت ہے۔'' یہ سرزنش اور بہت شدید وعید ہے، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷ ﴾ ''اور تم عنقریب جان لوگے۔''

آیات کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا ﴾ ''اور جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں کے بارے میں بے ہودہ گوئی کر رہے ہیں۔'' یعنی ان کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ ﴾ ''تو آپ ان سے الگ ہو جائیں یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں۔'' یعنی آیاتِ الٰہی کی تکذیب کے بجائے کسی دوسرے موضوع پر بات شروع کر دیں، ﴿ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ ﴾ ''اور اگر (یہ بات) شیطان تم کو بھلا دے۔'' اس سے مراد امت کا ہر ہر فرد ہے کہ وہ ان تکذیب کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کرتے اور انھیں غلط معانی پہناتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص بھول کر ان کے ساتھ بیٹھ جائے، ﴿ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ ﴾ تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ حدیث میں آیا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي: الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ، وَ مَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ] ''بے شک میری امت سے خطا و نسیان اور جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔''[1]

اسی آیت کریمہ کی طرف درج ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ

[1] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث: 2043. تفسیر ابن کثیر میں [إن الله تجاوز عن أمتي] کی جگہ [رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي] کے الفاظ ہیں جو ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملے، البتہ شارحین حدیث اور فقہائے امت نے اپنی کتب میں ان الفاظ کو بیان کیا ہے۔ اور السنن الكبرٰى للبيهقي: 357/7 میں [وَضَعَ اللّٰهُ ......] کے الفاظ ہیں، بہرحال تینوں کا معنی ایک ہی ہے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ

اور (اے نبی!) ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے اور دنیا کی زندگی نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور آپ اس (قرآن) کے

نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا

ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے، تاکہ کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال سے ہلاک نہ کیا جائے۔ اللہ کے سوا کوئی اس کا دوست اور سفارشی نہ ہوگا۔ اور اگر وہ

يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

بدلے میں ہر طرح کا فدیہ دے تو وہ بھی اس سے نہیں لیا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جو کچھ انھوں نے کمایا، اس کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا گیا۔ اور جو وہ کفر

8 ع 10 14 اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾

کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے انھیں دوزخ میں تیز گرم پانی پینے کو ملے گا، اور دردناک عذاب ہوگا ﴿70﴾

اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النسآء 4:140) ''اور یقیناً اللہ نے تم (مومنوں) پر (اپنی) کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتوں میں مشغول (نہ) ہو جائیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔'' یعنی جب تم ان کے پاس بیٹھ جاؤ گے اور انھیں یہ باتیں کرنے دو گے تو اس معاملے میں تم اور وہ برابر ہو جائیں گے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ''اور پرہیزگاروں پر ان لوگوں کے حساب سے کچھ بھی (جواب دہی) نہیں۔'' جب پرہیزگار ان سے کنارہ کشی کر لیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں تو وہ ان سے بری ہو گئے اور ان کے گناہ سے بچ گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿69﴾ ﴾ ''اور لیکن نصیحت کرنا (ان کا فرض) ہے تاکہ وہ بھی پرہیزگار رہوں۔'' ہم نے تمھیں ان سے کنارہ کشی کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ انھیں بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کس کام میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اس سے بچ جائیں اور دوبارہ اسے اختیار نہ کریں۔

تفسیر آیت:70

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ ''اور (اے نبی!) ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی انھیں چھوڑ دیں، ان سے کنارہ کشی کریں اور انھیں تھوڑی سی مہلت دے دیں، یہ لوگ عنقریب عذاب عظیم میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَذَكِّرْ بِهٖٓ ﴾ ''اور اس کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے۔'' یعنی اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو نصیحت کریں، انھیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے دردناک عذاب سے ڈرائیں جس میں یہ روزِ قیامت مبتلا ہوں گے۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ یہاں ﴿ اَنْ تُبْسَلَ ﴾ لِئَلَّا تُبْسَلَ کے معنی میں ہے، یعنی (قیامت کے دن) کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن اور

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا ہم اللہ کے سوا ان کو پکاریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور جب اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ

اس کے بعد ہم الٹے پاؤں پھر جائیں، اس شخص کی طرح جسے شیطانوں نے زمین میں بہکا دیا ہو، وہ زمین میں حیران پھرتا ہو، اس کے کچھ ساتھی ہوں جو اسے

اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ط قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾

سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آجا؟ کہہ دیجیے: بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب جہانوں کے

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ط وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿72﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

رب کے فرمانبردار ہو جائیں ﴿71﴾ اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس (اللہ) سے ڈرو، اور وہی ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿72﴾ اور وہی ہے جس نے

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۵ قَوْلُهُ الْحَقُّ ط وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا، اسی کا قول حق ہے، اور جس دن صور پھونکا جائے گا اس

فِى الصُّوْرِ ط عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿73﴾

دن اسی کی حکومت ہوگی، وہ چھپی اور ظاہر (سب) باتوں کو جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا، خبر رکھنے والا ہے ﴿73﴾

سُدّی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ تُبْسَلَ ﴾ کے معنی ہیں کہ سپرد کیا جائے۔ [1] والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اسے رسوا کیا جائے۔ [2] قتادہ فرماتے ہیں کہ اسے قید کیا جائے۔ [3] مُرّہ اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مؤاخذہ کیا جائے۔ [4] کلبی کہتے ہیں کہ اسے سزا دی جائے۔ [5] ان تمام اقوال کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سپرد کرنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے اور قید سے مراد خیر و بھلائی سے روکنا ہے اور رَگرو ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مطلوب و مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۙ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴾ (المدثر 39,38:74) ''ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے میں رَگرو ہے مگر دائیں طرف والے (نیک لوگ۔)''

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ط ﴾ ''(اس روز) اللہ کے سوا نہ تو کوئی اس کا دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر وہ ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) معاوضہ دینا چاہے تو وہ اس سے نہیں لی جائے گی۔'' یعنی خواہ وہ دنیا کی ہر چیز کو خرچ کر دے، پھر بھی وہ اس سے قبول نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا ﴾ (آل عمران 91:3) ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنی چاہیں اور) بدلے میں زمین بھر سونا دیں

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1318/4 و تفسير الطبرى:302/7 . [2] تفسير الطبرى:302/7 . [3] تفسير الطبرى:302/7 .
[4] تفسير الطبرى:302/7 . [5] تفسير الطبرى:302/7 .

تو ان میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘ اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں جو کچھ انھوں نے کمایا، اس کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا گیا۔ اور جو وہ کفر کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے انھیں (دوزخ میں) تیز گرم پانی پینے کو ملے گا، اور دردناک عذاب ہوگا۔‘‘

تفسیر آیات: 71-73

ایمان و عمل صالح کے بعد کفر کی طرف لوٹنے والے کی مثال: سُدّی نے بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارے رستے کی پیروی کرو اور محمد ﷺ کے دین کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا ﴾ ’’(اے نبی!) کہہ دیجیے کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے نہ برا؟ اور کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟‘‘ یعنی کفر کی طرف ﴿ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ ’’جبکہ ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا۔‘‘ اس صورت میں تمھاری مثال اس شخص کی سی ہوگی جسے شیطانوں نے زمین میں بہکا دیا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا تو تمھاری مثال اس شخص کی سی ہوگی جو کچھ لوگوں کے ساتھ نکلا مگر رستہ بھول گیا اور شیطانوں نے اسے حیران و سرگرداں کر دیا اور زمین میں بہکا دیا جبکہ اس کے ساتھی بدستور اپنے رستے پر چلتے رہے اور انھوں نے اسے بھٹکتے دیکھ کر اسے بھی بلانا شروع کر دیا اور کہا کہ ہمارے پاس آ جاؤ ہم سیدھے رستے پر چل رہے ہیں مگر اس نے ان کے پاس جانے سے انکار کر دیا تو یہ ہے مثال اس شخص کی جو حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کے بعد شیطانوں کی روش اختیار کرے جبکہ محمد ﷺ انھیں سیدھے رستے کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اور سیدھے رستے سے مراد اسلام ہے۔ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ ①

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ ﴾ ’’جیسے کسی کو جنات نے زمین (جنگل) میں بہکا دیا ہو۔‘‘ شیاطین سے یہاں مراد چڑیلیں اور بھوت ہیں جو مسافر کو اس کے اور اس کے باپ دادا کے نام سے آواز دیتے ہیں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ راہ راست پر ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ یہ جنات اسے تباہی کے گھڑے میں گرا دیتے یا اسے کھا جاتے ہیں یا اسے اٹھا کر کسی بے آب و گیاہ جگہ میں پھینک دیتے ہیں، جہاں یہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ تو یہ ہے مثال اس شخص کی جو ان معبودان باطلہ کی آواز پر لبیک کہتا ہے جن کی اللہ کے سوا پوجا کی جاتی ہے۔ ② اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ (البقرۃ2:120) ’’کہہ دیجیے کہ بے شک وہی ہدایت ہے جو اللہ کی ہے۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ﴾ (الزمر39:37) ’’اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ﴾ (النحل16:37) ’’(اے نبی!) اگرچہ آپ ان (کفار) کی ہدایت کے

① تفسیر الطبری:307/7. ② تفسیر الطبری:308/7.

لیے (شدید) حرص کریں تو یقیناً جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ رب العلمین کے فرمانبردار ہوں۔'' اور صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، ﴿ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ﴾ ''اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھتے رہو اور اسی سے ڈرتے رہو۔'' یعنی ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کریں اور تمام حالات میں اسی سے ڈرتے رہیں۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق (تدبیر) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' یعنی حق وعدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہی ان کا خالق و مالک ہے اور ان کا اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا تدبیر کرنے والا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ''اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا۔'' یعنی قیامت کے دن جب اللہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ اس کے حکم سے چشم زدن میں یا اس سے بھی پہلے ہو جائے گا۔ ﴿ يَوْمَ ﴾ کا لفظ یا تو اس لیے منصوب ہے کہ اس کا عطف ﴿ وَاتَّقُوْهُ ﴾ پر ہے اور مفہوم یہ ہوگا کہ اس دن سے ڈر جاؤ جس کے بارے میں وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا، یا اس کا عطف ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ پر ہوگا، یعنی و خلق یوم ...... اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اس دن کو بھی پیدا فرمایا ہے جس کے بارے میں وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتدا اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور یہی بات مناسب ہے۔ یا پھر ﴿ يَوْمَ ﴾ کا لفظ اس لیے منصوب ہے کہ یہاں فعل مقدر ہے اور عبارت دراصل اس طرح تھی کہ وَاذْكُرْ يَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ''اور اس دن کو یاد کیجیے جب وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔'' ﴿ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ ﴾ ''اس کا ارشاد برحق ہے اور اسی کی بادشاہی ہوگی۔'' یہ دونوں جملے محلاً مجرور ہیں اس بنا پر کہ یہ دونوں ﴿ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کی صفتیں ہیں۔

صور میں پھونکنے کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ﴾ ''جس دن صور میں پھونکا جائے گا'' اس بات کا احتمال ہے کہ یہ ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ سے بدل ہو، یعنی جس دن وہ کہے گا ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ﴿ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ﴾ کے لیے ظرف ہو، یعنی اسی کی بادشاہت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ (المؤمن 16:40) ''آج کس کی بادشاہت ہے؟ (پھر خود ہی فرمائے گا) اللہ کی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴾ (الفرقان 26:25) ''اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا۔''

صور سے مراد وہ سینگ ہے جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِنَّ إِسْرَافِيلَ قَدِ الْتَقَمَ الصُّورَ، وَحَنٰى جَبْهَتَهُ يَنْتَظِرُ مَتٰى يُؤْمَرُ فَيَنْفُخُ] ''بے شک حضرت اسرافیل علیہ السلام نے صور کو منہ میں لے لیا ہے اور

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود ٹھہراتے ہو؟ بے شک میں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھلی گمراہی میں پڑے دیکھتا

مُّبِيْنٍ ﴿74﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

ہوں﴿74﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ﴿75﴾ چنانچہ جب

الْمُوْقِنِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ

اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ ابراہیم نے کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں سے محبت

اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿76﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ

نہیں کرتا﴿76﴾ پھر جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے

يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿77﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا﴿77﴾ چنانچہ جب اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا

هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿78﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں﴿78﴾ بے شک میں نے اپنا چہرہ

لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿79﴾

اس ذات کی طرف مرکوز کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں﴿79﴾

اپنی پیشانی کو جھکا لیا ہے اور وہ اس انتظار میں ہیں کہ انھیں حکم ہو اور وہ اس میں پھونک مار دیں۔‘‘[1]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ’’صور‘‘ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: [قَرْنٌ يُّنْفَخُ فِيهِ] ’’اس سے مراد وہ سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔‘‘[2]

تفسیر آیات: 74-79

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو وعظ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے بتوں کی عبادت کرنے سے منع کیا، اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ ’’اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ

[1] یہ الفاظ تفسیر طبری میں بلا سند بیان ہوئے ہیں، دیکھیے: تفسیر الطبری: 314/7 اور جو الفاظ کتب احادیث میں باسند بیان ہوئے ہیں وہ اس سے قدرے مختلف، قریب قریب اس طرح بیان ہوئے ہیں: [كَيْفَ أَنْعَمُ وَقَدِ الْتَقَمَ صَاحِبُ الْقَرْنِ الْقَرْنَ وَحَنٰى جَبْهَتَهُ وَأَصْغٰى سَمْعَهُ يَنْتَظِرُ أَنْ يُّؤْمَرَ أَنْ يَّنْفُخَ فَيَنْفُخَ] ’’میں کیونکر خوش رہ سکتا ہوں......؟‘‘ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پریشانی کے عالم میں دریافت کیا کہ ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [قُولُوا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ تَوَكَّلْنَا عَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا] دیکھیے جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الزمر، حديث: 3243 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 326/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. [2] مسند أحمد: 162/2 وجامع الترمذی، صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الصور، حديث: 2430.

کو چھوڑ کر تم نے بتوں کو معبود بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ ﴿ اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ ﴾ ’’بے شک میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمھاری قوم۔‘‘ یعنی جو لوگ تمھارے مسلک پر چل رہے ہیں ﴿ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿74﴾ ﴾ ’’صریح گمراہی میں ہو۔‘‘ یعنی تم حیران و سرگرداں ہو اور جس رستے پر چل رہے ہو اس سے تم ہدایت نہیں پا سکتے بلکہ اس سے تمھاری حیرت اور جہالت میں اضافہ ہی ہو گا کیونکہ ہر صاحب عقل سلیم کے سامنے تمھاری جہالت و ضلالت بے حد واضح ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جو وعظ و نصیحت فرمائی اور توحید کی دعوت دی اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ○ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا ○ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ○ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ○ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ○ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ○ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ○ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ٘ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○ ﴾ (مریم 19:41-48) ’’اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے۔ بے شک وہ نہایت سچا پیغمبر تھا جب اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! تم ان کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمھارے کچھ کام آ سکتے ہیں؟ اے میرے باپ! مجھے ایسا علم ملا ہے جو تجھے نہیں ملا تو میری اتباع کر میں تجھے سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا! تو شیطان کی پوجا نہ کر۔ بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ ابا! مجھے ڈر لگتا ہے کہ تجھے اللہ کا عذاب آ پکڑے پھر تو شیطان کا ساتھی ہو جائے، اس نے کہا کہ ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ (ابراہیم نے) کہا تجھ پر سلامتی ہو عنقریب میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں تم لوگوں سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو، ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی زندگی میں اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتے رہے مگر جب وہ حالت شرک ہی میں مرا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ترک کر دیا اور اس سے براءت کا اظہار کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ○ ﴾ (التوبۃ 9:114) ’’اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔‘‘

صحیح بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر سے ملاقات ہو گی تو

وہ کہے گا کہ بیٹا! آج میں آپ کی بات ماننے سے انکار نہیں کروں گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھے ذلیل ورسوا نہیں کرے گا اور آج اس سے بڑھ کر اور ذلت ورسوائی کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ تیری رحمت سے دور ہے؟ (تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے کافروں کے لیے جنت کو حرام کر دیا ہے۔) پھر کہا جائے گا کہ ابراہیم! دیکھو تمھارے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ ایک بجو نجاست میں لتھڑا ہوا ہے، اسے پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ [1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے دلائل توحید کے جلوے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ ''اور ہم اس طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے۔'' یعنی ہم نے ان کی نظر میں یہ واضح کر دیا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ عزوجل کی وحدانیت کی کس طرح دلیل ہے، ملک وخلق میں وہ کس طرح وحدہ لاشریک ہے کہ اس کے سوا نہ کوئی اور معبود ہے اور نہ پروردگار جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:101) ''(اے نبی! ان کفار سے) کہہ دیجیے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے، اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتے جو ایمان نہیں لاتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ ﴾ (سبا 34:9) ''کیا انھوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے، یعنی آسمان اور زمین؟ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔ بلا شبہ اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ایک نشانی ہے۔''

ارشاد باری ہے: ﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ ﴾ ''چنانچہ جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارے پر نظر پڑی، کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے تو پسند نہیں۔'' قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی ذاتِ گرامی دائم ہے اور اسے کبھی زوال نہیں۔ [2] ﴿ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ ﴾ ''پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں، پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے: میرا پروردگار یہ ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔'' یعنی ستارے اور چاند سے اس کا حجم بڑا

[1] ملخص از صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ﴾ (النسآء 4:125)، حدیث: 3350 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ۔ [2] تفسیر الطبری: 7/323.

اور روشنی زیادہ ہے۔ ﴿ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ﴾ ''پھر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے: لوگو! بے شک جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، یقیناً میں نے سب سے یکسو ہوکر اپنے آپ کو (اسی ذات کی طرف) متوجہ کیا۔'' یعنی میں اپنے دین کو شرک سے خالص کر کے صرف اور صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں ﴿ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ یعنی جس نے آسمانوں اور زمین کو کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا فرمایا اور وجود بخشا ہے۔ ﴿ حَنِيْفًا ﴾ اس حال میں کہ میں شرک کو ترک کر کے توحید کو اختیار کیے ہوئے ہوں۔ ﴿ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ ''اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

یہ مقام مناظرہ ہے: حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقام پر اپنی قوم سے مناظرہ کر رہے تھے اور اس بات کو واضح فرما رہے تھے کہ وہ لوگ مجسموں اور بتوں کی جو پوجا پاٹ کر رہے ہیں تو یہ سراسر باطل ہے۔ پہلے آپ نے اپنے باپ سے گفتگو کرتے ہوئے واضح فرمایا تھا کہ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جو ان ارضی بتوں کی عبادت کر رہے ہیں جنھیں انھوں نے آسمانی فرشتوں کی صورت میں بنایا ہوا ہے تاکہ یہ خالق عظیم کے پاس ان کی سفارش کریں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم بہت حقیر ہیں، ہم اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے، اس لیے انھوں نے فرشتوں کا وسیلہ اختیار کر لیا تھا تاکہ رزق، فتح و نصرت اور ضرورت کی دیگر چیزوں کے بارے میں یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کریں۔ اس مقام پر آپ نے ان کی مجسموں کی عبادت کرنے کی وجہ سے غلطی اور گمراہی کو بیان فرمایا ہے۔

مجسموں سے مراد ساتوں کواکب سیارے، یعنی (1) قمر (2) عُطارِد (3) زُہرَہ (4) شمس (5) مِرِّیخ (6) مُشتَرِی (7) زُحَل ہیں۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ روشن اور اشرف سیارہ سورج، پھر چاند، پھر زہرہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے زہرہ کے بارے میں واضح فرمایا کہ یہ الٰہ ہونے کے قابل نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک معین رفتار کے ساتھ ایک مخصوص وقت کے لیے مسخر و مقدر ہے جس سے یہ ذرہ برابر دائیں بائیں نہیں ہو سکتا اور نہ اسے اپنے آپ پر تصرف کا کوئی اختیار ہی ہے بلکہ یہ تو ان اجرامِ فلکی میں سے ایک ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر منور پیدا فرمایا ہے۔ یہ ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے حتی کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اسی طرح اگلی رات پھر یہ طلوع ہو کر وقتِ مقررہ پر غروب ہو جاتا ہے تو جو اس طرح ہو، یعنی اس کے طلوع و غروب کے پیچھے کسی دوسری ہستی کا دستِ قدرت کارفرما ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔

پھر ابراہیم علیہ السلام چاند کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بارے میں بھی اسی طرح واضح فرمایا جس طرح ستارے کے بارے میں فرمایا تھا، پھر اسی طرح آپ نے سورج کی طرف توجہ فرمائی اور جب آپ نے ان تینوں اجرامِ فلکی کے الٰہ ہونے کی نفی فرما دی جو دیگر ان تمام اجرام کی نسبت زیادہ منور ہیں جن کا انسان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتے ہیں اور جب قطعی دلیل سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ الٰہ نہیں ہو سکتے تو ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ ''کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا)

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ

اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا تو اس (ابراہیم) نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت دی ہے، اور میں ان سے

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿80﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ

نہیں ڈرتا جنھیں تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ ہاں، اگر میرا رب کچھ چاہے (تو وہ ضرور ہو سکتا ہے)، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، کیا پھر تم نصیحت حاصل

مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

نہیں کرتے؟ ﴿80﴾ اور میں ان سے کیوں ڈروں جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم ان کو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو جن کی اس نے

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿81﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ پس دونوں فریقوں میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو ﴿81﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ

کو ظلم (شرک) کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ﴿82﴾ اور یہ ہے ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی

عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾

قوم کے مقابلے میں دی تھی۔ ہم جسے چاہیں اس کے درجے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿83﴾

شریک بناتے ہو یقیناً میں ان سے بیزار ہوں۔‘‘ یعنی میں ان کی عبادت کرنے اور ان کی دوستی اختیار کرنے سے بیزار ہوں اگر یہ الٰہ ہیں تو یہ سب مل کر میرے خلاف جو چاہیں پروگرام بنالیں اور مجھے ذرہ برابر مہلت نہ دیں۔

﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿79﴾﴾ ’’بے شک میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘ یعنی میں تو اس ذاتِ گرامی کی عبادت کرتا ہوں جو ان تمام اشیاء کا خالق، موجد، انھیں مسخر کرنے والا اور ان کی تدبیر فرمانے والا ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے جو ہر چیز کا رب، مالک اور معبود ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ (الأعراف 54:7) ’’کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ (ان دونوں میں سے ایک، دوسرے کو) جلدی سے آلیتا ہے۔ اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بہت برکت والا ہے۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○﴾ (الأنبياء 52,51:21) ’’اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت

دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی پرستش) پر تم معتکف (وقائم) ہو۔'' اسی بات کی تائید حسب ذیل آیاتِ کریمہ سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے شرک میں مبتلا اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے یہ مناظرانہ اسلوب اختیار فرمایا تھا۔

تفسیر آیات: 80-83

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب آپ کی قوم نے اس توحید کے بارے میں آپ سے جھگڑا کیا جسے آپ نے اختیار فرمایا تھا اور انھوں نے آپ سے مناظرہ کیا تو آپ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ﴾ ''کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو، حالانکہ اس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے؟'' یعنی کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو، حالانکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس نے مجھے حق کی بصیرت اور ہدایت عطا فرما دی ہے اور مجھے اس بارے میں پوری طرح شرح صدر حاصل ہے تو میں تمھارے فاسد اقوال اور باطل شبہات کی طرف کس طرح توجہ دوں؟ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ﴾ ''اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا، ہاں! اگر میرا پروردگار کچھ چاہے (تو وہ ضرور کر سکتا ہے۔)'' تمھارے اقوال کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ کسی چیز پر اثر انداز نہیں ہو سکتے، لہٰذا میں نہ ان سے ڈرتا ہوں اور نہ ان کی کوئی پروا کرتا ہوں اگر ان میں ہمت ہے تو میرا بال بیکا کر دکھائیں اور مجھے ذرہ برابر مہلت نہ دیں بلکہ جس قدر ممکن ہو مجھے جلد سے جلد نقصان پہنچا لیں۔

اللہ کا یہ فرمان: ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ﴾ ''ہاں، اگر میرا پروردگار کچھ چاہے۔'' استثنا منقطع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔ ﴿ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ ''میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اس کے علم نے کائنات کی تمام اشیاء کا اس طرح احاطہ کیا ہوا ہے کہ کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ ﴿ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝80 ﴾ ''کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' میں نے تمھارے سامنے جو بیان کیا ہے، کیا اس کی روشنی میں تم یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ معبود باطل ہیں تاکہ ان کی پوجا پاٹ سے تم باز آجاؤ۔ یہ دلیل اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد سے کہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قصہ قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (هود 11:53-56) ''وہ بولے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو بے شک میں ان سے بیزار ہوں

(جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ بلا شبہ میں اللہ پر، جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں۔ (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو اس کی پیشانی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ ﴾ ''بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں؟'' یعنی میں ان بتوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں، اللہ کے سوا جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ ﴿ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ﴾ ''جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم ان کو اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جن کی اس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ سلطان کے معنی حجت اور دلیل کے ہیں۔[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (الشوریٰ 21:42) ''کیا ان کے (اللہ کے سوا) ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾ (النجم 23:53) ''وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''چنانچہ دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا زیادہ مستحق ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ؟)'' یعنی کون سا فریق راہ راست پر ہے، وہ فریق جو اس ہستی کی عبادت کرتا ہے جس کے ہاتھ میں نفع ونقصان ہے یا وہ جو کسی دلیل کے بغیر اس کی پوجا کرتا ہے جس کے اختیار میں قطعاً کوئی نفع ونقصان نہیں ہے۔ بتاؤ ان میں سے کون سا فریق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ روزِ قیامت اللہ کے عذاب سے نجات پاسکے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جنھوں نے اللہ وحدہ لاشریک کے لیے عبادت کو خالص کیا اور اس کے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہ کیا تو قیامت کے دن بھی یہی لوگ امن میں ہوں گے اور دنیا وآخرت میں بھی یہی ہدایت یافتہ ہیں

شرک ہی ظلم عظیم ہے: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے عرض کی کہ ہم میں سے کس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا۔ تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمٰن 13:31) ''یقیناً شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔''[2] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1332/4. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (الأنعام 82:6)، حديث:4629.

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ

اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے، ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی تھی، اور اس کی اولاد میں سے داود، سلیمان،

وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿84﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى

ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (بھی ہدایت دی) اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں ﴿84﴾ اور (ہم نے) زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی

وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿85﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

ہدایت دی)، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے ﴿85﴾ اور (ہم نے) اسمٰعیل، الیسع، یونس اور لوط کو (بھی ہدایت دی)، اور ان سب کو ہم نے جہانوں پر فضیلت دی ﴿86﴾

الْعٰلَمِيْنَ ﴿86﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اور کچھ کو ان کے باپ دادا، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے اور ہم نے انھیں چن لیا اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی ﴿87﴾ یہ اللہ کی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿87﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا

ہدایت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے برباد ہو جاتے ﴿88﴾

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿88﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا

یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت دی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس (ہدایت کو ماننے) سے انکار کرتے ہیں تو بے شک ہم نے اس کے لیے ایسی قوم تیار

بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ

کی ہے کہ وہ ان کا انکار کرنے والی نہیں ﴿89﴾ یہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، لہٰذا (اے نبی!) آپ بھی ان کے طریقے کی پیروی کریں۔ کہہ دیجیے: میں

عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿90﴾ 10 ع 8 16

اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ تو تمام دنیا والوں کے لیے نصیحت ہے ﴿90﴾

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بہت گراں گزری اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کس نے اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ لَيْسَ الَّذِي تَعْنُونَ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ] ''اس سے یہ مراد نہیں، کیا تم نے وہ بات نہیں سنی جو اللہ کے نیک بندے (لقمان) نے کہی تھی: ﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:13)
''اے میرے (پیارے) بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔''[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ ﴾ ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔'' یعنی ہم نے ان کی حجت کو غالب کر دیا۔ امام مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس حجت سے مراد آپ کا یہ فرمانا ہے: ﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ ...... ﴾ الآیة[2] اللہ تعالیٰ نے قوم کے مقابلے میں آپ ہی کو سچا قرار دیا اور امن و ہدایت سے

[1] مسند أحمد: 378/1. [2] تفسير الطبري: 338/7.

سرفراز فرمایا، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

پھر اس سب کچھ کے بعد فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾ ﴾ ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے۔'' یعنی وہ اپنے اقوال وافعال میں حکمت والا ہے اور اس بات سے خوب واقف ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور دلائل و براہین قائم ہونے کے باوجود کون مستحق ضلالت ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَاۗءَتْھُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 97,96:10) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے۔''

تفسیر آیات: 84-90

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اسحاق و یعقوب عطا فرمائے: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اس وقت اسحاق عطا فرمایا جب آپ اور آپ کی بیوی سارہ اولاد سے مایوس ہو گئے تھے، آپ کے پاس اس وقت فرشتے آئے جب وہ قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور انھوں نے آپ دونوں میاں بیوی کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی تو حضرت سارہ نے اس سے تعجب کیا اور ﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ ﴾ (ھود 73,72:11) ''اس نے کہا: اے ہے! میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انھوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، بلاشبہ وہی سزاوار تعریف اور بزرگوار ہے۔'' فرشتوں نے آپ دونوں میاں بیوی کو حضرت اسحاق کی ولادت کے ساتھ ساتھ یہ خوش خبری بھی سنائی کہ وہ نبی بھی ہوں گے اور ان کی نسل کا سلسلہ بھی آئندہ جاری رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 112:38) ''اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے۔)'' یہ ایک مکمل ترین بشارت اور عظیم ترین نعمت تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ ﴾ (ھود 71:11) ''تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔'' یعنی تمھاری زندگی ہی میں تمھارے بیٹے اسحاق کے گھر میں بیٹا پیدا ہوگا جس سے تمھاری آنکھوں

کو اسی طرح ٹھنڈک نصیب ہوگی جس طرح اپنے بیٹے کی ولادت سے ٹھنڈک نصیب ہوئی تھی۔ انسان کو اپنے پوتے کی ولادت سے بے حد خوشی ہوتی ہے کیونکہ اس سے اس کی نسل کا سلسلہ آگے جاری ہو جاتا ہے۔ بڑھاپے میں ملنے والی اولاد کمزور ہوتی ہے، اس لیے شبہ تھا کہ شاید اس سے آگے نسل جاری نہ رہ سکے، اس لیے بشارت سنائی گئی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے گھر بھی بیٹا پیدا ہوگا اور نام اس کا یعقوب ہوگا۔ یعقوب عقب سے مشتق ہے، اس لیے اس نام میں بھی نسل کے آئندہ جاری رہنے کا اشارہ موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کی خاطر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی، انھیں چھوڑ دیا، ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان کے علاقے کو بھی چھوڑ دیا تاکہ اللہ کی زمین میں کسی دوسری جگہ جا کر اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کر سکیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوم اور برادری کے عوض نیک اولاد عطا فرما دی جس نے آپ کے دین کو اختیار کر لیا تاکہ اس نیک اولاد سے آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝﴾ (مریم 49:19) ''تو جب ابراہیم ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے اور سب کو پیغمبر بنایا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ﴾ ''اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی۔'' اور فرمایا: ﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس سے پہلے ہم نے نوح کو بھی ہدایت بخشی تھی جس طرح ہم نے ابراہیم کو ہدایت بخشی اور نیک اولاد عطا کی ہے۔

حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی خصوصیت: حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام دونوں کو عظیم خصوصیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو تو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو غرق کر دیا سوائے ان لوگوں کے جو آپ پر ایمان لائے تھے اور یہ وہی لوگ تھے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کو باقی رکھا، اب سب لوگ آپ ہی کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے بعد تشریف لانے والے تمام انبیائے کرام آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنکبوت 27:29) ''اور ہم نے اس (ابراہیم) کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (الحدید 26:57) ''اور یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (وقتاً فوقتاً جاری) رکھا۔'' اور فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۤ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝﴾ (مریم 58:19) ''یہ وہ (پیغمبر) ہیں جن پر ہم نے فضل کیا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے

رہتے تھے۔'' اوراس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ﴾ ''اوراس کی اولاد میں سے۔'' یعنی ہم نے اس کی اولاد میں ہدایت دی ﴿ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾ ''داود اور سلیمان علیہما السلام (کو بھی۔)'' (ہ) ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف عائد ہے کیونکہ وہ مذکورہ بالا حضرات میں سے اس ضمیر کے زیادہ قریب ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں اور امام ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے [1] ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کلام کو انھی کے لیے بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ یہاں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ آپ کی اولاد میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ تو آپ کے بھائی ماران بن آزر کے بیٹے ہیں۔ ہاں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تغلیباً انھیں بھی اولاد میں داخل کر لیا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 133:2) ''بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔'' میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں تغلیباً داخل کیا گیا ہے، حالانکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے تایا ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ: ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر 31,30:15) ''پھر فرشتے تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا۔'' میں فرشتوں کو سجدہ کرنے کا جو حکم تھا تو ابلیس کو اس میں تغلیباً داخل کیا گیا ہے اور اس حکم کی مخالفت کرنے پر اس کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ ان کی مشابہت اختیار کیے ہوئے تھا، لہٰذا تغلیباً اس کے ساتھ انھی جیسا معاملہ کیا گیا اور اسے انھی کے ساتھ شامل کیا گیا ورنہ وہ جن تھا اور اسے آگ سے پیدا کیا گیا جبکہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔

دوسرے قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو داخل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بھی آدمی ہی کی اولاد ہوتی ہے کیونکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں اور ان کا کوئی باپ نہیں۔ امام ابن ابوحاتم نے ابوحرب بن ابوالاسود سے روایت کیا ہے کہ حجاج نے یحییٰ بن یعمر کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا اولادِ نبی میں سے ہونا کتاب اللہ میں موجود ہے، حالانکہ میں نے تو کتاب اللہ کو اول سے آخر تک پڑھا ہے اور اس میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: کیا تم نے سورۂ انعام میں یہ نہیں پڑھا: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾ تا ﴿ وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى ﴾ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! پڑھا ہے، تو انھوں نے کہا: کیا عیسیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں، حالانکہ ان کا تو کوئی باپ ہی نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! آپ سچ کہتے ہیں۔ [2]

[1] تفسیر الطبری: 339/7. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1335/4.

لہٰذا جب کوئی شخص اپنی اولاد کے لیے وصیت کرے یا وقف کرے یا ہبہ کرے تو بیٹیوں کی اولاد بھی اس میں داخل ہوگی، ہاں! البتہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹوں کو دے یا ان کے لیے وقف کرے تو اس صورت میں یہ بیٹوں اور پوتوں ہی کے لیے خاص ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ ﴾ ''اور بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔'' اس میں ان کے اصول وفروع اور ان کے طبقہ کے لوگوں کا ذکر ہے اور ہدایت سے نوازنے اور برگزیدہ کرنے کا تعلق ان سب سے ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿87﴾ ﴾ ''اور ہم نے ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔''

شرک سے اعمال رائیگاں ہوجاتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ ''یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے۔'' یعنی انھیں اللہ کی توفیق اور اس کے ہدایت عطا فرمانے ہی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ ﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ ''اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہوجاتے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ شرک کا معاملہ کس قدر شدید اور غلیظ ہے اور اس کا ارتکاب کرنا کس قدر عظیم گناہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ...... ﴾ الآیة (الزمر 65:39) ''اور بلاشبہ (اے نبی!) آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمھارے عمل برباد ہو جائیں گے......'' یہ شرط ہے اور شرط جواز وقوع کا تقاضا نہیں کرتی۔ (اس کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ یہ کام ہو کر رہے گا۔) جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○ ﴾ (الزخرف 81:43) ''کہہ دیجیے کہ اگر رحمٰن کے اولاد ہوتی تو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ ﴾ (الأنبيآء 17:21) ''اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں، یعنی زن وفرزند) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ ﴾ (الزمر 4:39) ''اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا۔ وہ پاک ہے وہی تو اللہ یکتا (اور) غالب ہے۔'' ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ ﴾ ''یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت عطا فرمائی تھی۔'' یعنی ہم نے ان پر یہ انعامات فرمائے اور یہ ہماری طرف سے بندوں پر رحمت اور مخلوق کے ساتھ لطف وکرم تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا ﴾ ''اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں۔'' یعنی اگر یہ نبوت کا انکار کریں اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ضمیر کا مرجع یہ تینوں اشیاء، یعنی کتاب، حکم شریعت اور نبوت ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ''یہ (کفار)'' اور ان سے مراد اہل مکہ ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیّب، ضحاک، قتادہ، سدی اور کئی ایک ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1]

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1338/4.

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍؕ قُلْ مَنْ

اورانھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے، جس وقت انھوں نے کہا: اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، کہہ دیجیے: پھر وہ کتاب

اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا

کس نے نازل کی تھی جسے موسیٰ لائے تھے، جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی، جسے تم متفرق اوراق میں نقل کرتے ہو۔ اس میں سے کچھ تم ظاہر کرتے

وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًاۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ

ہو اور بہت کچھ چھپالیتے ہو۔ اور (اس کتاب کے ذریعے سے) تمھیں وہ علم دیا گیا تھا جو نہ تمھیں حاصل تھا اور نہ تمھارے باپ دادا کو۔ کہہ دیجیے: وہ اللہ نے (نازل کی

فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿91﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ

تھی)، پھر انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیے، وہ اپنی نکتہ چینیوں میں کھیلتے رہیں ﴿91﴾ اور یہ کتاب (قرآن مجید)، ہم نے اسے نازل کیا ہے، یہ برکت والی، تصدیق

اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَاؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے آئی تھی تاکہ آپ ام القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان

یُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾

رکھتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں ﴿92﴾

﴿ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ ﴿89﴾ ﴾ ''تو بے شک ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لیے) ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں ہیں۔'' اگر ان نعمتوں کا یہ لوگ، یعنی کفار قریش اور دیگر تمام روئے زمین کے عرب وعجم اور امی وکتابی کفار انکار کریں تو ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں ہیں، یعنی مہاجرین وانصار اور قیامت تک کے لیے ان کے پیروکار، ﴿ لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ ﴿89﴾ ﴾ یعنی وہ ان میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے، ان میں سے ایک حرف کو بھی رد نہیں کرتے بلکہ محکم ومتشابہ سب کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم اور لطف واحسان سے ہمیں بھی اپنے ان بندوں میں سے بنا دے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد ورسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں۔'' یعنی مذکورہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے وہ آباء واجداد، اولاد اور بھائی جن کی ان کی طرف نسبت کی گئی ہے ﴿ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ ﴾ ''جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی۔'' یعنی یہی لوگ ہیں جو اہل ہدایت ہیں ان کے سوا اور لوگ اہل ہدایت نہیں ہیں ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْؕ ﴾ یعنی انھی کی اقتدا اور اتباع کریں۔ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور آپ امت کے لیے جو شریعت بیان کرتے اور اسے حکم دیتے ہیں تو آپ کی امت آپ کی تابع فرمان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا سورۂ صٓ میں سجدہ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، پھر انھوں نے ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَؕ ﴾ تا ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْؕ ﴾ آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا وہ بھی انھی میں سے ہیں۔ مجاہد سے ایک دوسری روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تمھارے

نبی ﷺ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ان کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔① ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس (قرآن) کا صلہ نہیں مانگتا۔'' یعنی تم تک قرآن پہنچانے کی میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا اور نہ تم سے میرا کسی بھی قسم کا کوئی مطالبہ ہی ہے۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''یہ تو جہاں کے لوگوں کے لیے محض نصیحت ہے۔'' تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور اندھے پن کے بجائے ہدایت، سرکشی کے بجائے رشد و بھلائی اور کفر کے بجائے ایمان کی دولت کو حاصل کر لیں۔

تفسیر آیات: 92,91

رسول کی بشریت اور ان پر کتاب کا نزول: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے اس کی اس طرح تعظیم نہیں کی جس طرح تعظیم کرنے کا حق تھا کہ انھوں نے اس کے ان رسولوں کی بھی تکذیب کی جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور عبداللہ بن کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔② یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔③ ﴿ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ (یونس 2:10) ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کی طرف وحی بھیجی کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ ﴾ (بنی إسرآئیل 95,94:17) ''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے: کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (بستے) تو ہم ان کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسے جاننی چاہیے تھی نہ جانی جب انھوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہہ دیجیے کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اسے کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی؟'' یعنی اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے کہہ دیجیے: جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کے نازل ہونے کے منکر ہیں، ان کے سلب عام④ کے جواب میں قضیہ جزئیہ موجبہ کے اثبات کے ساتھ جواب دے دیں کہ ﴿ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى ﴾ ''کہہ

① صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ (الأنعام 90:6)، حدیث: 4632. ② تفسیر الطبري: 349/7. ③ تفسیر الطبري: 348/7. ④ سلب عام کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا کلیتاً انکار کر دینا اور اس کو قطعاً تسلیم نہ کرنا، علم منطق کی رو سے ''سالبہ کلیہ کی نقیض، یعنی اس کا جواب موجبہ جزئیہ (بعض اشیاء کے اثبات) سے آتا ہے، اس جگہ اسی منطقی اصطلاح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دیکھیے: جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، اسے کس نے نازل کیا تھا؟'' تم بھی جانتے ہو اور ہر ایک شخص یہ جانتا ہے کہ تورات کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور وہ ﴿نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی۔'' تاکہ اس سے مشکلات کے ازالے کے لیے روشنی اور شبہات کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ ''جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے، ان (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔'' یعنی ساری کتاب کو تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق کی شکل میں کر رکھا ہے اور اصل کتاب میں سے، جو تمھارے ہاتھوں میں ہے، ان اوراق پر لکھتے رہتے ہو اور اس کتاب میں اپنی مرضی سے تحریف، تبدیلی اور تاویل کرتے رہتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہوتا، اسی لیے فرمایا: ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ ''تم نے اسے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے اور ان (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ﴾ ''اور (اس کتاب کے ذریعے سے) تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا۔'' یعنی یہ قرآن کس نے اتارا ہے جس میں سابقہ لوگوں کے حالات ہیں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے آباء و اجداد۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ ''کہہ دیجیے: (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا تھا۔)'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کہہ دیجیے: اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝91﴾ ''پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ اپنی بے ہودہ بکواس میں کھیلتے ہیں۔'' یعنی انھیں چھوڑ دیں کہ یہ اپنی جہالت و ضلالت میں کھیلتے رہیں حتی کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے موت آ جائے تو پھر انھیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام ان کا اچھا ہو گا یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ ''اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، بابرکت ہے جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لیے (نازل کی گئی ہے) کہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیں۔'' یعنی قبائلِ عرب کو بھی اور عرب و عجم کے تمام انسانوں کو بھی جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الأعراف 158:7) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الأنعام 19:6) ''تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے سب کو ڈراؤں (آگاہ کر دوں۔)'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (ھود 17:11) ''اور فرقوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝1﴾ (الفرقان

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1344/4.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہیں کی گئی، اور جس نے کہا کہ میں

سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا

بھی ایسی چیز نازل کرسکتا ہوں جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔ کاش! آپ ظالموں کو اس حال میں دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں، اور فرشتے

اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ

(یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں بدلے میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ پر ناحق باتیں

الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿93﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

گھڑتے تھے اور اس کی آیتیں سن کر تکبر کرتے تھے ﴿93﴾ اور یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جس طرح کہ ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، اور ہم نے

وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ

تمھیں جو کچھ عطا کیا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور اب ہمیں تمھارے ساتھ تمھارے وہ سفارشی نظر نہیں آتے جن کے بارے میں تم دعوٰی کرتے تھے کہ

شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿94﴾ ع 11/4/17

بے شک وہ (تمھاری بندگی میں) اللہ کے شریک ہیں۔ ان سے تمھارا تعلق یقیناً ٹوٹ گیا ہے اور وہ تم سے کھو گئے ہیں جنھیں تم (اپنے معبود) خیال کرتے تھے ﴿94﴾

(1:25) ''وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ڈرائے۔'' اور فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ؏ (آل عمران 20:3) ''اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک وہ ہدایت پا گئے اور اگر (آپ کا کہا) نہ مانیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي] ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں۔'' ان میں سے ایک چیز آپ نے یہ بھی بیان فرمائی: [وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ''پہلے ہر نبی کو بطور خاص اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا مگر مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[1] اسی لیے فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ''اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس مبارک کتاب، یعنی قرآن مجید پر بھی ایمان رکھتا ہے جسے اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾ ''اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی جن

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي ﷺ: [جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُهُورًا]، حديث: 438 وصحيح مسلم، المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث: 521 عن جابر بن عبدالله الأنصاري ﷺ.

نمازوں کو ان پر فرض قرار دیا گیا ہے، انھیں وہ ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

تفسیر آیات:94,93

جھوٹے مدعیٔ نبوت سے بڑا ظالم کوئی نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔'' یعنی اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرے اور اس کے شریک بنادے یا اس کا بیٹا بنادے یا یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے، حالانکہ اللہ نے اسے رسول بنا کر نہ بھیجا ہو۔ اور فرمایا: ﴿اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ ''یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے، حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو۔'' عکرمہ وقتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] ﴿وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی (کتاب) اللہ نے نازل کی ہے، اس طرح کی میں بھی نازل کرسکتا ہوں۔'' یعنی جو یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی ہے، وہ بھی اس کے جواب میں اسی طرح کی وحی نازل کرسکتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ......﴾ (الأنفال 31:8) ''اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یقیناً ہم نے سن لیں اگر ہم چاہیں تو اسی طرح (کا کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں......''

موت کے وقت اور قیامت کے دن ان ظالموں کا حال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ﴾ ''اور کاش! آپ ان ظالم (مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں۔'' غمرات کے معنی سختیوں، سکرات اور مشکلات کے ہیں۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ﴾ ''اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں'' ان کی طرف انھیں مارنے اور عذاب دینے کے لیے جیسا کہ فرمان باری ہے: ﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ﴾ (المآئدۃ 28:5) ''اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ بڑھائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ﴾ (الممتحنة 2:60) ''اور ایذاء کے لیے تم پر اپنے ہاتھ (بھی) دراز کریں اور اپنی زبانیں (بھی۔)'' ضحاک اور ابوصالح رحمہ اللہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ وہ ان کی طرف عذاب کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ (الأنفال 50:8) ''اور کاش! آپ اس وقت (کی کیفیت) دیکھیں جبکہ فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے چہروں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ﴾ ''اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لیے) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں'' یعنی انھیں مارنے کے لیے تاکہ ان کی جانیں ان کے جسموں سے باہر نکل آئیں۔ اسی وجہ سے فرشتے ان سے کہتے ہیں: ﴿اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''(کہ) تم نکالو اپنی جانیں۔'' کافر کی موت کا وقت جب آتا ہے تو فرشتے اسے عذاب، سزا، طوقوں،

[1] تفسیر الطبری:356/7۔ [2] تفسیر الطبری:358/7 و تفسیر ابن أبی حاتم:1348/4۔

بیڑیوں، جہنم، اس کے گرم اور کھولتے ہوئے پانیوں اور سزاؤں کی جب بشارت سناتے ہیں اور اللہ کے غضب سے ڈراتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں دوڑنے لگتی اور باہر نکلنے سے انکار کر دیتی ہے تو فرشتے مار مار کر کافروں کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالتے اور کہتے ہیں: ﴿ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ ''نکالو تم اپنی جانیں آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں گھڑتے تھے۔'' لہٰذا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی سزا کے طور پر آج تمھیں حد درجے ذلیل وخوار کر دیا جائے گا کیونکہ تم تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کی پیروی سے انکار کرتے تھے۔

بہت سی متواتر احادیث میں مومن اور کافر کی موت کے وقت کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ہم ان احادیثِ مبارکہ کو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ (إبراهيم 27:14) ''اللہ ایمان والوں کو قول ثابت (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔'' کی تفسیر کے موقع پر بیان کریں گے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور یقیناً جیسے ہم نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسے ہی آج تم اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے ہو۔'' یہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ ﴾ (الكهف 48:18) ''اور سب آپ کے پروردگار کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے:) جس طرح ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا یقیناً (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آئے ہو۔'' جیسا کہ ہم نے تمھیں ابتدا میں پیدا کیا تھا۔ اسی طرح ہم نے تمھیں دوبارہ اٹھا کھڑا کیا ہے، حالانکہ تم اس کا انکار کرتے ہوئے اسے بہت بعید جانتے تھے مگر دیکھ لو یہ قیامت کا دن آ گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ ﴾ ''اور جو (مال ومتاع) ہم نے تمھیں عطا فرمایا تھا وہ سب تم اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے ہو۔'' یعنی جن نعمتوں اور مالوں کو تم نے دنیا میں حاصل کیا تھا انھیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي مَالِي، قَالَ: وَهَلْ لَّكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَّالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ]، [وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّتَارِكُهُ لِلنَّاسِ] ''ابن آدم کہتا ہے: میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال صرف وہ ہے جسے تو نے کھایا اور ہضم کر لیا یا پہنا اور اسے بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے اسے آگے پہنچا دیا۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے تو وہ جانے والا ہے اور تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''[1]

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ وہ بکری کے بچے کی طرح کمزور اور لاغر سا ہو گا اللہ عز وجل فرمائے گا تو نے جو مال جمع کیا تھا وہ کہاں ہے؟ بندہ جواب دے گا کہ اے رب! میں نے اسے جمع تو کیا مگر جتنا جمع کیا اس سے بھی زیادہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ ابن آدم! ذرا یہ تو بتا کہ تو نے اپنے لیے

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حديث:2959,2958 عن عبدالله بن الشِّخِّير رضي الله عنه.

آگے کیا بھیجا تھا؟ لیکن وہ کوئی ایسی چیز نہیں دیکھے گا جسے اس نے آگے بھیجا ہو، پھر امام حسن بصری نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ﴾[1] اسے امام ابن ابو حاتم نے بیان کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ﴾ ''اور اب ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے، جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں۔'' یہ ان کے لیے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش ہے کہ انھوں نے دنیا میں انداد واصنام واوثان کو اللہ کے شریک بنایا اور خیال کیا کہ یہ انھیں دنیا میں نفع پہنچاتے ہیں اور اگر واقعی آخرت کا بھی کوئی دن ہوا تو اس میں بھی یہ انھیں نفع پہنچائیں گے مگر جب قیامت کا دن برپا ہوگا تو ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے، ان کی ضلالت و گمراہی واضح ہو جائے گی اور وہ سب گم ہو جائیں گے، افتراء پردازی سے کام لیتے ہوئے جن کو یہ اللہ تعالیٰ کے شریک قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:62 و74) ''میرے وہ شریک جن کا تمھیں دعویٰ تھا کہاں ہیں؟'' ﴿ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:92,93) ''اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوا۔ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا خود بدلہ لے سکتے ہیں؟'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ﴾ ''اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں۔'' کہ تم ان کی عبادت کرتے تھے اور انھیں عبادت کا مستحق قرار دینے کی وجہ سے تم اس بات کے حقدار ہو کہ وہ تمھاری سفارش کریں مگر وہ آج ہیں کہاں؟

پھر اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ﴾ ''یقیناً (آج) تمھارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے۔'' ﴿ بَيْنَكُمْ ﴾ کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمھاری جماعت منتشر ہو گئی ہے اور اسے نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمھارے تعلقات اور اسباب و وسائل منقطع ہو گئے ہیں۔ ﴿ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے، سب جاتے رہے۔'' بتوں اور اللہ کے شریکوں سے تم نے جو امیدیں لگا رکھی تھیں، وہ سب ختم ہو گئیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝ ﴾ (البقرة 2:166,167) ''اس دن (کفر کے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 4/1349 اور اسے امام ترمذی نے صفة القیامة، باب منه [سؤال الرب عبده عما......]، حدیث: 2427 میں بھی مرفوعاً ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

إِنَّ اللهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللهُ فَاَنّٰى

بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہ ہے اللہ، چنانچہ تم کہاں بہکائے جاتے

تُؤْفَكُوْنَ ﴿95﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

ہو!﴿95﴾ وہ صبح کی سپیدی نکالتا ہے، اور اس نے رات کو سکون کا باعث بنایا، اور سورج اور چاند کو وقت کے حساب کا ذریعہ (بنایا)، یہ سب بہت زبردست،

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿96﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا

خوب علم رکھنے والے کا اندازہ ہے﴿96﴾ اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے سے خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہ پاؤ،

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿97﴾

تحقیق ہم نے اپنی آیتیں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو علم رکھتے ہیں﴿97﴾

پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذابِ (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ کاش! ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں، اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہوں۔ اس طرح اللہ ان کے اعمال ان کو حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون 23:101) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ اس دن ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝﴾ (العنکبوت 29:25) ''بس تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے تو یہ محض دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ (القصص 28:64) ''اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 6:22-24) ''اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے، پھر مشرکوں سے پوچھیں گے کہ (آج) وہ تمھارے شریک کہاں ہیں جن کا تمھیں دعویٰ تھا؟ تو ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) سوائے اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ کہیں گے: اللہ، ہمارے رب کی قسم! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔ دیکھیں! انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہا۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت زیادہ آیات ہیں۔

تفسیر آیات:95-97

بعض نشانیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر ان سے درخت اگاتا ہے، یعنی وہ دانے اور گٹھلی کو مٹی کی تاریکی میں پھاڑ دیتا ہے، پھر اس سے مختلف انواع واقسام کے پودے اور کھیتیاں پیدا ہوتے ہیں جن سے مختلف دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کے رنگ، شکلیں اور ذائقے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لیے ﴿ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ﴾ ''دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا۔'' کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ ﴿ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ﴾ ''وہی جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے۔'' وہ دانے اور گٹھلی سے، جو مردہ جمادات کی طرح ہے، زندہ نباتات کو نکالتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ○ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ○ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (یٰس 36:33-36) ''اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا، پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کر دیے تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور (وہ پھل) ان کے ہاتھوں نے تو نہیں بنائے، پھر کیا وہ شکر نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔'' ارشاد الٰہی: ﴿ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ﴾ کا ﴿ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ ﴾ پر عطف ہے، پھر اس کی تفسیر بیان کی اور اس پر عطف ڈالتے ہوئے کہا: ﴿ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ﴾ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکالنے کا مفہوم مختلف عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے جو سب قریب المعنی ہیں۔ کسی نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انڈے سے مرغی نکالتا اور مرغی سے انڈے پیدا کرتا ہے، کسی نے یہ کہا کہ وہ برے آدمی سے نیک اولاد اور نیک آدمی سے بری اولاد پیدا کر دیتا ہے، علاوہ ازیں اور بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں جو اس آیت کے ہو سکتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''یہی تو اللہ ہے۔'' یہ کام کرنے والا وہ اللہ ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿95﴾ ﴾ ''پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟'' یعنی تم حق سے کیسے منہ موڑتے اور اس سے روگردانی کر کے باطل کو اختیار کرتے ہو اور اس کے ساتھ غیروں کی پوجا کرتے ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ﴾ ''وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو (موجب) آرام بنایا۔'' یعنی وہ روشنی اور اندھیرے کا خالق ہے جیسا کہ اِس سورت کے شروع میں فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ڛ ﴾ (الأنعام 6:1) ''اور اس نے اندھیروں اور روشنی کو بنایا۔'' یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ رات کے اندھیرے کو پھاڑ کر سپیدۂ سحر کو نمودار فرما دیتا ہے، اس سے وجودِ کائنات منور اور افق پر کرن کرن اجالا ہو جاتا ہے، اندھیرا اچھٹ جاتا ہے،

رات ظلمتوں اور تاریکیوں سمیت چلی جاتی ہے اور دن اپنی روشنی اور چمک دمک کے ساتھ آ جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ﴾ (الأعراف 54:7) ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ (رات) اس (دن) کو جلدی جلدی طلب کرتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اسے متضاد اور مختلف اشیاء کے پیدا کرنے کی قدرت حاصل ہے جو اس کے کمال عظمت اور عظیم سلطنت کی دلیل ہے۔ اس نے جب یہ ذکر فرمایا کہ وہ صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے تو اس کے مقابلے میں یہ بیان فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا ﴾ ''اور اسی نے رات کو (موجب) آرام بنایا۔'' یعنی جو ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے جس سے ہر سو اندھیرا چھا جاتا ہے تا کہ رات کو تمام اشیاء آرام اور سکون حاصل کر سکیں جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَالضُّحٰی ۙ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ ﴾ (الضحی 2,1:93) ''آفتاب کی روشنی کی قسم! اور رات (کی تاریکی) کی جب وہ چھا جائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ ﴾ (اللّیل 2,1:92) ''رات کی قسم! جب (دن کو) چھپا لے اور دن کی قسم! جب چمک اٹھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۙ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا ۙ ﴾ (الشمس 4,3:91) ''اور دن کی قسم! جب اسے چمکا دے اور رات کی قسم! جب اسے چھپا لے۔'' ﴿ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ﴾ ''اور سورج اور چاند کو (ذریعہ) شمار بنایا ہے۔''

یعنی وہ دونوں ایک طے شدہ اور مقررہ حساب کے مطابق چلتے ہیں اور اس میں کوئی تغیر وتبدل رونما نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی موسم سرما اور گرما میں منزلیں مقرر ہیں جن کے مطابق یہ چلتے ہیں اور اسی پر رات دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا جانا اور رات دن کا چھوٹا بڑا ہونا موقوف ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ ﴾ (یونس 5:10) ''وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴾ (یٰسٓ 40:36) ''نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ ﴾ (الأعراف 54:7) ''اور اسی نے سورج، چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا) سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۹۶ ﴾ ''یہ اللہ کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے۔'' یعنی یہ سب اس غالب ہستی کے مقرر کیے ہوئے اندازے کے مطابق چل رہے ہیں جسے نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ جس کی کوئی مخالفت کر سکتا ہے اور جو ہر چیز کو جاننے والا ہے اور آسمان وزمین کا کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اکثر وبیشتر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے رات اور دن، سورج اور چاند کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد کلام کے اختتام پر اپنے عزیز وعلیم ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ انعام کی اس آیت میں ہے اور جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں بھی ہے: ﴿ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ ﴾ (یٰسٓ 38,37:36) ''اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اور وہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، پس ہر ایک کے لیے قرار پکڑنے کی ایک جگہ ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ، تحقیق ہم نے اپنی آیتیں ان

يَّفْقَهُوْنَ ﴿98﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں ﴿98﴾ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پس ہم نے اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات پیدا

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

کیں، پھر ہم نے ہری بھری کھیتیاں اگائیں جن سے ہم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے شگوفے سے پھل کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ

سے جھکے جاتے ہیں، اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، (مگر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔) یہ درخت جب پھل

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿99﴾

دینے لگتے ہیں تو ان کے پھل دینے اور ان کے پکنے کی حالت کو دیکھ کر غور کرو، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿99﴾

اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔'' اسی طرح سورۂ حم السجدہ کے آغاز میں بھی آسمانوں، زمین اور ان میں موجود اشیاء کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾ (حمٓ السجدۃ 12:41) ''اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے رستے معلوم کرو۔'' بعض سلف نے کہا ہے کہ جو شخص ستاروں کے بارے میں ان تین چیزوں کے سوا کوئی اور اعتقاد رکھے تو وہ اللہ سبحانہ کی طرف ایک غلط اور جھوٹی بات منسوب کرتا ہے۔ (1) اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمان کے لیے باعثِ زینت بنایا ہے۔ (2) ان کو شیطان کے مارنے کا آلہ بنایا اور (3) بر و بحر کے اندھیروں میں رستے معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿97﴾﴾ ''تحقیق عقل والوں کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔'' یعنی ان کے لیے جو عقل سے کام لیتے، حق کو پہچانتے اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 99,98

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا ہے۔'' یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جیسا کہ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ (النسآء 1:4) ''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورتیں (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ﴾ ''پھر (تمھارے لیے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔'' حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابوعبدالرحمٰن سلمی، قیس بن ابوحازم، مجاہد، عطاء، ابراہیم نخعی، ضحاک، قتادہ، سدی، عطاء خراسانی اور دیگر کئی ائمہ تفسیر رحمہم اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمُسْتَقَرٌّ ﴾ سے مراد ماؤں کے رحم ہیں اور ان تمام یا ان میں سے اکثر نے فرمایا ہے: ﴿ مُسْتَوْدَعٌ ﴾ سے مراد باپوں کی پشتیں ہیں۔[1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس کے برعکس بھی کہا ہے۔[2] نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے یہ بھی کہا ہے کہ مستقر سے مراد دنیا میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور مستودع سے مراد مرنے کی جگہ ہے۔[3]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۝ ﴾ ''تحقیق سمجھنے والوں کے لیے ہم نے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔'' یعنی ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے کلام اور اس کے معنی کو سمجھتے اور یاد رکھتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ''اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے۔'' یعنی ایک اندازے کے مطابق، پھر بارش کا یہ بابرکت پانی بندوں کے لیے رزق اور تمام مخلوق کے لیے زندگی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے بارش بھی اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق پر بہت بڑی رحمت ہے۔ ﴿ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ ''پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی نباتات اگاتے ہیں۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ﴾ (الأنبیآء 30:21) ''اور تمام جان دار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔'' ﴿ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا ﴾ ''پھر ہم نے اس سے ہری بھری کھیتیاں اگائیں۔'' یعنی سبز کھیتی اور درخت اگاتے ہیں، پھر ان میں دانے اور پھل پیدا کر دیتے ہیں۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ﴾ ''ہم ان (کونپلوں میں) سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔'' جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں جس طرح گندم کے خوشے وغیرہ۔ ﴿ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ ﴾ ''اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے۔'' ﴿ قِنْوَانٌ ﴾ قِنْوٌ کی جمع ہے، اس سے مراد تر و تازہ کھجوروں کے گچھے ہیں۔ ﴿ دَانِیَةٌ ﴾ جو پکڑنے والے کے قریب ہوتے ہیں جیسا کہ علی بن ابوطلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ ﴾ سے مراد کھجوروں کے وہ چھوٹے چھوٹے درخت ہیں جن کے گچھے زمین کے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔[4]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ ﴾ ''اور انگوروں کے باغ'' یعنی ہم اس سے انگوروں کے باغ نکالتے ہیں۔ اہل حجاز کے نزدیک یہ دونوں بہت اشرف وافضل قسم کے پھل ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ دنیا کے بہترین پھل ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے احسانات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ (النحل 67:16) ''اور کھجور اور انگور کے میووں سے نشہ (آور شراب) بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو۔)''

---

[1] تفسیر الطبری:7/375-379 وتفسیر ابن أبی حاتم:4/1355. [2] تفسیر البغوی:2/146 وتفسیر ابن أبی حاتم: 4/1356. [3] تفسیر الطبری:7/373 وتفسیر ابن أبی حاتم:4/1357. [4] تفسیر الطبری:7/382 وتفسیر ابن أبی حاتم:4/1359.

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

اور (اس پر بھی) لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا، حالانکہ اسی نے تو انھیں پیدا کیا ہے، اور انھوں نے بغیر کسی علم کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیے،

12 ع 6 18

عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿100﴾ ع

وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿100﴾

یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ﴾ (یٰس 34:36) ''اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے۔'' اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ﴾ ''اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں۔'' امام قتادہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ پتوں اور شکلوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر پھلوں کی شکل، ذائقے اور فوائد کے اعتبار سے یہ پھل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔[1] اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ﴾ ''یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔'' حضرت براء بن عازب، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ضحاک، عطاء خراسانی، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے: ﴿ يَنْعِهٖ ﴾ سے مراد پھلوں کا پکنا ہے[2] یعنی ان کے خالق کی اس قدرت پر غور کرو کہ اس نے کس طرح انھیں عدم سے وجود بخشا، پہلے لکڑی تھی، پھر اس سے اس نے کھجور، انگور اور انواع واقسام کے پھل پیدا فرما دیے جو رنگ، شکل، ذائقے اور خوشبو میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ ﴾ (الرعد 4:13) ''اور زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں، ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت جو جڑ سے ملے ہوئے اور جدا جدا (باوجودیکہ) پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے اور ہم بعض میووں کو بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ ''یقیناً اس میں'' اے لوگو! ﴿ لَاٰيٰتٍ ﴾ ''(اللہ کی قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں'' جو ان اشیاء کے خالق کی قدرت، حکمت اور رحمت کے کمال پر دلالت کرتی ہیں، ﴿ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿99﴾ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے اور اس کے رسولوں کی اتباع کرتے ہیں۔

تفسیر آیت:100

مشرکین کی مذمت: یہ ان مشرکین کی تردید ہے جنھوں نے اللہ کے ساتھ غیر کی بھی پوجا کی اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو اس کا شریک بنا دیا، مثلاً: انھوں نے جنوں کی پوجا کر کے انھیں عبادت میں اللہ کا شریک بنا دیا جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک وکفر سے پاک ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ تو بتوں کی پوجا کرتے تھے تو جنوں کو اللہ کے شریک بنانے کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھیں جنوں ہی نے بتوں کی عبادت کا حکم دیا تھا تو ان کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہوئے انھوں نے بتوں کی عبادت کی

[1] تفسیر الطبری:383/7 وتفسیر ابن أبی حاتم:1359/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1360/4.

تو یہ گویا جنوں کو اللہ کا شریک بنانا ٹھہرا کہ اس کا حکم ماننے کے بجائے انھوں نے جنوں کے حکم کو مانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ﴿ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ﴿ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿ ﴾ (النسآء 4:117-120) ”وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں اور دراصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں۔ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے (شیطان اللہ سے) کہنے لگا: میں تیرے بندوں سے (غیر اللہ کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا اور البتہ میں ضرور ان کو گمراہ کرتا اور میں ضرور ان کو امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں اور میں یقیناً ان کو حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلیں گے۔ اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ یقیناً صریح نقصان میں پڑ گیا، وہ (شیطان) ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے، وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَاۤءَ مِنْ دُوْنِيْ ﴾ (الکہف 18:50) ”کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿ ﴾ (مریم 19:44) ”اے میرے باپ! شیطان کی پوجا نہ کر، بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿ ﴾ (یٰس 36:60,61) ”اے آدم کی اولاد! کیا ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے؟ اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا رستہ ہے۔ اور فرشتے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے: ﴿ سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿ ﴾ (سبا 34:41) ”تو پاک ہے تو ہی ان کے سوا ہمارا کارساز ہے بلکہ وہ تو جنات کو پوجا کرتے تھے اور ان کے اکثر انھی پر ایمان لاتے تھے۔“ اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۤءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ﴾ ”اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ ان کو اسی نے پیدا کیا ہے۔“ جنوں کو بھی اسی نے پیدا کیا اور وہی خالق وحدہ لاشریک ہے تو اس کے ساتھ کسی غیر کی پوجا کیوں کی جا سکتی ہے؟ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۙ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:95,96) ”تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“ آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی مستقل بالذات خالق ہے، لہٰذا واجب ہے کہ صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ ”اور انھوں نے بے سمجھے (جھوٹ و بہتان کے طور پر) اس کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیے۔“ اللہ تعالیٰ ان گمراہوں کی گمراہی اور ضلالت کو واضح فرما رہا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُونُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ

وہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور وہی ہر چیز کو

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾

خوب جاننے والا ہے ﴿١٠١﴾

یہ کہا کہ اس کا بیٹا ہے جس طرح یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور مشرکین عرب نے فرشتوں کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان ظالموں کی ان باتوں سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ارشاد باری: ﴿ وَخَرَقُوا ﴾ کے معنی ہیں کہ انھوں نے جھوٹ و بہتان باندھا اور وہم و گمان سے کام لیا۔ علمائے سلف نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٠٠﴾ ﴾ ''وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور اس کی شان ان سے بلند ہے۔'' یعنی یہ جاہل اور ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جو اولاد، اَنداد، ہمسر اور شریک بناتے ہیں تو اس کی ذات گرامی اس سے پاک اور بہت بلند ہے۔

تفسیر آیت:101

بدیع کے معنی: ﴿ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''(وہی) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔'' یعنی وہ آسمانوں اور زمین کو بنانے والا، پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا اور کسی سابقہ مثال کے بغیر انھیں وجود بخشنے والا ہے جیسا کہ امام مجاہد اور سدی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے۔[1] بدعت کو بھی اسی لیے بدعت کہا جاتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی۔ ﴿ اَنّٰى يَكُونُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ ''اس کی اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں؟'' یعنی اولاد تو دو متناسب چیزوں سے پیدا ہوتی ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مناسب اور مشابہ نہیں ہے، وہ تو ہر چیز کا خالق ہے، اس کی نہ بیوی ہے اور نہ بچہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۞ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۞ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۞ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۞ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۞ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۞ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۞ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۞ ﴾ (مریم19:88-95) ''اور کہتے ہیں: رحمٰن اولاد رکھتا ہے (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد تجویز کی اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو اولاد بنائے، تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب رحمٰن کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے، اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔'' ﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ﴾ ''اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔'' اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1362/4.

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿102﴾

یہ ہے اللہ، تمھارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز پر نگران ہے ﴿102﴾

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿103﴾

اس (کی حقیقت) کو نگاہیں نہیں پا سکتیں، اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ نہایت باریک بین، بہت باخبر ہے ﴿103﴾

نے بیان فرمایا ہے کہ اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے تو اس کی مخلوق میں سے اس کے ہم پلہ اس کی کوئی بیوی کس طرح ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی تو کوئی نظیر ہی نہیں، لہٰذا اس کا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

تفسیر آیات: 103,102

اللہ ہی تمھارا پروردگار ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ ''یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمھارا پروردگار ہے۔'' یعنی جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیوی۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو۔'' یعنی صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، اس کی وحدانیت کا اقرار کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی بیٹا، کوئی باپ اور کوئی بیوی نہیں اور اس کا کوئی نظیر وعدیل نہیں۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿102﴾﴾ ''اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔'' یعنی محافظ اور نگہبان ہے، وہ ہر چیز کی تدبیر کرتا، اسے رزق دیتا اور رات دن اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

آخرت میں دیدار الٰہی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫﴾ ''(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔'' یعنی نگاہیں دنیا میں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اگرچہ آخرت میں دیدار الٰہی سے ضرور فیض یاب ہوں گی جیسا کہ صحاح، مسانید اور سنن میں کئی سندوں کے ساتھ مروی رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو وہ جھوٹ کہتا ہے اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ ''(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔''[1]

صحیح حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَّنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ ۔ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ: النَّارُ ۔ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهٰى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ]

[1] ملخص از صحيح البخاري، التفسير، باب، حديث: 4855 و صحيح مسلم، الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ (النجم 13:53)، حديث: 177 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حديث: 3068 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة النجم: 471/6، حديث: 11532 و مسند أحمد: 50,49/6.

’’بے شک اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ اس کی ذات پاک کے شایانِ شان ہے کہ وہ سوئے، وہ میزان کو جھکاتا اور اوپر اٹھاتا ہے، اس کی طرف رات کا عمل دن سے پہلے اور دن کا عمل رات سے پہلے اٹھایا جاتا ہے، اس کا حجاب نور- یا ابوبکر کی روایت کے مطابق آگ- ہے اگر وہ اسے دور ہٹا دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس چیز کو مخلوق میں سے جلا دیں جس پر اس کی نظر پڑے (ساری مخلوق اس کے چہرۂ اقدس کے انوار و تجلیات کی تاب نہ لاتے ہوئے جل کر راکھ ہو جائے۔)‘‘[1]

سابقہ کتابوں میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! مجھے جو بھی جاندار دیکھے گا وہ مر جائے گا اور جس خشک چیز (بے جان) پر میرا جلوہ پڑے گا وہ تباہ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ (الأعراف 143:7) ’’پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر (اپنا) جلوہ ڈالا تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں۔‘‘ اس اثر نے ادراک خاص کی نفی کی ہے، اس نے اس دیدار کی نفی نہیں کی جو بندگانِ الٰہی کو قیامت کے دن اس طرح نصیب ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے گا جبکہ عظمت و جلال والے کی ذات پاک کا جس طرح وہ ہے، نگاہیں ادراک نہیں کر سکتیں، یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل ہیں کہ آخرت میں تو دیدار الٰہی کی سعادت نصیب ہوگی مگر دنیا میں یہ ممکن نہیں، آپ کا استدلال اسی آیتِ کریمہ سے تھا: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ٘ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ آپ نے جس ادراک کی نفی کی، اس سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ کی جس طرح وہ ہے، رؤیت کی نفی ہے کیونکہ یہ انسانوں، فرشتوں یا کسی بھی دوسری مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ ’’اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔‘‘ یعنی وہ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ان کے بارے میں جانتا ہے جیسے وہ ہیں کیونکہ اسی نے تو ان کو پیدا فرمایا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۝﴾ (الملك 14:67) ’’بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے۔‘‘ کبھی مُبصِرین (دیکھنے والوں) کو اَبصَار سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سدی نے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ٘ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے کوئی چیز نہیں دیکھ سکتی اور وہ تمام مخلوقات کو دیکھتا ہے۔[2] ابوالعالیہ نے ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝١٠٣﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ﴿اللَّطِيْفُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کو نکالنے میں باریک بین ہے۔ ﴿الْخَبِيْرُ﴾ اور وہ ان کی جگہ سے باخبر ہے۔[3] وَاللّٰهُ أَعلَم.

یہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

① صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله عليه السلام: [إن الله لا ينام......]، حديث:179، البتہ صحیح مسلم میں پہلے [عَمَلُ اللَّيْلِ] کا ذکر ہے جبکہ تفسیر ابن کثیر میں پہلے [عَمَلُ النَّهَارِ] کا ذکر ہے جو صحيح ابن حبان، الإيمان، باب ما جاء في الصفات: 499/1، حديث:266 کے مطابق ہے۔ ② تفسير ابن أبي حاتم:1364/4. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1364/4.

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ

تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں آچکی ہیں، چنانچہ جس نے بصیرت سے کام لیا تو اس کے اپنے فائدے کے لیے ہے، اور جو اندھا بنا

وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿104﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ

رہا اس کا (وبال) اسی پر ہے۔ اور (کہہ دیجیے) میں تم پر محافظ نہیں ہوں﴿104﴾ اور ہم آیات کو اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (کافر) یہ کہیں کہ

وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿105﴾

تو نے (کسی سے) پڑھ لیا ہے اور جو لوگ علم رکھتے ہیں، ان پر ہم اس (حقیقت) کو واضح کردیں﴿105﴾

﴿ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ○ ﴾ (لقمٰن 16:31) ''اے میرے (پیارے) بیٹے! اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں، اللہ اس کو قیامت کے دن نکال لائے گا، کچھ شک نہیں کہ اللہ نہایت باریک بین (اور) باخبر ہے۔''

تفسیر آیات:105,104

روشن دلائل سے کیا مراد ہے؟ ﴿ بَصَآىِٕرُ ﴾ سے مراد وہ روشن دلائل و براہین ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں، نیز جنھیں رسول اللہ ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ ﴿ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ ﴾ ''تو جس نے بصیرت سے کام لیا اس نے اپنا بھلا کیا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ ﴾ (یونس 108:10) ''چنانچہ جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو یقیناً ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو یقیناً گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ ﴾ ''اور جو اندھا بنا رہا اس نے اپنے حق میں برا کیا۔'' یعنی جو ان روشن دلائل و براہین کو دیکھنے سے اندھا بنا رہا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ○ ﴾ (الحج 46:22) ''پس بے شک (ان کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔'' ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿104﴾ ﴾ ''اور میں تمھارا نگہبان نہیں ہوں۔'' یعنی میں تمھارا نگہبان اور نگران نہیں ہوں بلکہ میں تو مبلغ ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کردیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ﴾ ''اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔'' یعنی جس طرح توحید کے بیان کے سلسلے میں اور اس بارے میں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم نے اس سورت میں دلائل کو بیان کیا ہے، اسی طرح جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے ہم ہر جگہ دلائل و براہین کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مشرک، کافر اور تکذیب کرنے والے یہ نہ کہیں کہ آپ یہ باتیں اہل کتاب سے سیکھے ہوئے ہیں اور ان سے پڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔[1]

[1] تفسیر الطبری:398/7.

امام طبرانی نے عمرو بن کیسان سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا: [دَارَسْتَ] کے معنی پڑھنے اور باہم تکرار کرنے کے ہیں۔[1] یہ آیت ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کذب وعناد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ ﴾ (الفرقان 5,4:25) ''اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعیٔ رسالت) نے بنالی ہیں اور اس (کے گھڑنے) میں دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے، چنانچہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے لکھوا رکھا ہے اور وہ صبح وشام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔''

اسی طرح کافروں کے ایک سردار اور کاذب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ ﴾ (المدثر 74:18-25) ''بے شک اس نے فکر کیا اور اندازہ لگایا، یہ مارا جائے! اس نے کیسا انداہ لگایا؟ پھر یہ مارا جائے! اس نے کیسا اندازہ لگایا؟ پھر اس نے دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا، پھر وہ پشت پھیر کر چلا اور (قبولِ حق سے) غرور کیا، پھر کہنے لگا کہ یہ (قرآن) تو صرف جادو ہے جو (پہلوں سے) منتقل ہوتا چلا آیا ہے، (پھر بولا) یہ تو (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) صرف بشر کا کلام ہے۔''

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝105 ﴾ ''اور تاکہ ہم علم والے لوگوں کے لیے اس (حقیقت) کو واضح کر دیں۔'' ہم اس کی ان لوگوں کے لیے وضاحت کر دیں جو حق کو حق جانتے اور اس کی اتباع کرتے ہیں اور باطل کو باطل سمجھتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کارفرما ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو گمراہ رکھا اور کچھ کے سامنے حق کو اس طرح واضح فرما دیا کہ وہ ہدایت یاب ہوگئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا...... ﴾ الآیۃ (البقرۃ 26:2) ''اس سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے......'' اور فرمایا: ﴿ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (الحج 54,53:22) ''غرض (اس سے) یہ ہے کہ جو (وسوسے) شیطان ڈالتا ہے، اللہ اس کو ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں ذریعۂ آزمائش ٹھہرائے اور بے شک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں (پڑے) ہیں۔ اور تاکہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ بے شک یہ (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے، پھر وہ اس پر ایمان لائیں تو ان کے دل اللہ کے آگے عاجزی کریں اور جو لوگ ایمان لاتے

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: 137/11، حدیث: 11283.

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿106﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

(اے نبی!) آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے (نازل) کی جاتی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اور مشرکین کی طرف دھیان نہ

اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿107﴾

دیں﴿106﴾اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے،اور ہم نے آپ کو ان پر محافظ نہیں بنایا،اور آپ ان کے ذمے دار نہیں﴿107﴾

ہیں،اللہ یقیناً ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔‘‘اور فرمایا: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۠ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر 31:74) ’’اور ہم نے دوزخ کے داروغے فرشتے ہی مقرر کیے ہیں اور ان کی تعداد کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے (اور یہ) اس لیے کہ اہل کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہل کتاب اور مومن شک نہ کریں اور اس لیے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر (ہیں) کہیں کہ اس مثال (کے بیان کرنے) سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (بنی إسرآئیل 82:17) ’’اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ’’کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہراپن) ہے اور یہ ان کے حق میں اندھاپن ہے (گرانی کے سبب) ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔‘‘

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیاتِ کریمہ ہیں جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ان لوگوں کے لیے کتابِ رہنما کے طور پر نازل فرمایا جو اس سے ڈرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے ہدایت سے فیض یاب فرما دیتا ہے۔

تفسیر آیات:107,106

وحی کی اتباع کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے طریقے کی پیروی کرنے والوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ﴾ ’’جو حکم آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس آتا ہے،اسی کی پیروی کیجیے۔‘‘ یعنی اس کی اقتدا کریں،اس کے نقش قدم پر چلیں اور اسی کے مطابق عمل کریں کیونکہ آپ کے پروردگار کی طرف سے جو وحی

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ

اور مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہیں، تم انھیں گالی مت دو، پھر وہ بھی جہالت میں، حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر امت

عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿108﴾

کے لیے ان کے عمل میں کشش پیدا کر دی ہے، پھر انھیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ انھیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہتے تھے ﴿108﴾

آتی ہے، وہی حق ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ وحی اس ذات گرامی کی طرف سے ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ﴿ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿106﴾ ﴾ ''اور مشرکوں سے کنارہ کر لیجیے۔'' یعنی انھیں معاف کر دیں، درگزر سے کام لیں اور ان کی تکلیفوں کو برداشت کرتے رہیں حتی کہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دے اور خوب جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں گمراہ رکھا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت کارفرما ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو تمام کے تمام انسانوں کو ہدایت سے بہرہ ور فرما دیتا۔ ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔'' بلکہ اسی کی مشیت و حکمت کارفرما ہے، اس چیز کے متعلق جسے وہ چاہتا اور پسند فرماتا ہے۔ اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں جبکہ انسانوں سے ان کے اعمال کی بابت یقیناً باز پرس کی جائے گی۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا۔'' یعنی آپ ان کے اقوال و اعمال کے محافظ نہیں ہیں۔ ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿107﴾ ﴾ ''اور نہ آپ ان کے ذمے دار ہیں۔'' یعنی آپ ان کے رزق اور ان کے امور کے نگہبان نہیں ہیں بلکہ آپ کا کام تو ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴾ (الغاشیة 22,21:88) ''چنانچہ آپ نصیحت کرتے رہیں، بے شک آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہی ہیں، آپ ان پر داروغے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ (الرعد 40:13) ''(اے نبی!) آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔''

تفسیر آیت:108

مشرکوں کے معبودوں کو گالی دینے سے روکنے میں حکمت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنوں کو منع فرما دیا ہے کہ وہ مشرکوں کے معبودوں کو گالی نہ دیں۔ اگرچہ انھیں گالی دینے میں مصلحت ہے لیکن اس کے نتیجے میں مفسدت کا پہلو مصلحت سے زیادہ بڑا ہے اور وہ یہ کہ اس طرح مشرکین مومنوں کے معبود حقیقی اللہ وحدہ لاشریک، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، کو گالی دینے لگ جائیں گے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا کہ اے محمد (ﷺ)! تم ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آ جاؤ ورنہ ہم بھی تمھارے رب کو برا کہیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ انھیں برا کہنے کے نتیجے میں) ﴿ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ ''پھر وہ بھی جہالت میں حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو گالی دیں گے۔''[1]

[1] تفسیر الطبری: 403/7.

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا

اور انھوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس (مخصوص) نشانی آجائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے، (اے نبی!) کہہ دیجیے:

یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ

نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں، اور تمھیں یہ بات کون سمجھائے کہ بے شک جب وہ نشانی آجائے گی تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰۹﴾ اور ہم (اسی طرح)

مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع 13 10 19

ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیتے ہیں جس طرح یہ پہلی بار اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں گے ﴿۱۱۰﴾

عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان کافروں کے بتوں کو برا کہا کرتے تھے تو جواب میں کفار بے ادبی سے اور بے سمجھے اللہ کو برا کہنے لگ جاتے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جن لوگوں کو یہ (مشرک) اللہ کے سوا پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو۔''①

زیادہ فساد کے مقابلے میں تھوڑی مصلحت کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے کے قبیل میں سے یہ بھی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَلْعُونٌ مَّنْ سَبَّ (شَيْئًا مِّنْ) وَّالِدَیْهِ] ''وہ شخص ملعون ہے جو اپنے والدین کو کچھ بھی برا بھلا کہے۔'' عرض کی گئی کہ ایک شخص کیسے اپنے والدین کو برا بھلا کہہ سکتا ہے؟ فرمایا: [یَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ، فَیَسُبُّ أَبَاهُ، وَیَسُبُّ أُمَّهُ، فَیَسُبُّ أُمَّهُ] ''(وہ اس طرح کہ) وہ جب کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''② (یہ حدیث مبارکہ اسی طرح ہے) یا جس طرح آپ نے بیان فرمایا۔

ارشادِ الٰہی: ﴿ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ﴾ ''اسی طرح ہم نے ہر ایک امت کے اعمال (ان کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے۔'' یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کے لیے ان کے بتوں کی محبت وحمایت اور ان کی نصرت واعانت کو ان لوگوں کی نظروں میں اچھا کر دکھایا ہے، اسی طرح ہم نے سابقہ تمام گمراہ قوموں میں سے ہر قوم کے لیے اس کے اعمال کو اس کی نظروں میں اچھا کر دکھایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا اور پسند فرماتا ہے، اسی میں اس کی حجتِ بالغہ اور حکمت تامہ کارفرما ہوتی ہے۔ ﴿ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ ﴾ ''پھر ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تب وہ ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔'' یعنی وہ انھیں ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا صلہ دے گا اور اگر برے ہوئے تو بری سزا دے گا۔

تفسیر آیات: 110,109

① تفسیر عبدالرزاق: 61/2، رقم: 840 . ② ابتدائی حصہ المستدرك للحاكم، الحدود: 356/4، حدیث: 8053 عن أبی هریرة ؓ کے مطابق ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے جبکہ اسے مسند أحمد: 217/1 عن ابن عباس ؓ کی تائید حاصل ہے۔ اور اس کا سیاق بھی مختلف ہے۔ اور آخری حصہ صحیح مسلم، الإیمان، باب الکبائر و أکبرها، حدیث: 90 عن عبداللّٰه بن عمرو ابن العاص ؓ کے مطابق ہے۔ اور دیکھیے صحیح البخاری، الأدب، باب: لا یسب الرجل والدیه، حدیث: 5973 .

معجزات کا مطالبہ اور ان کے ظہور پر ایمان لانے کی قسمیں: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی بڑی پکی قسمیں کھائیں ﴿ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ﴾ ''کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے۔'' یعنی کوئی معجزہ اور خرقِ عادت بات ﴿ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ﴾ ''تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔'' یعنی اس کی ضرور تصدیق کریں گے۔ ﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ ہی کے پاس ہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ہٹ دھرمی، کفر اور عناد کے باعث نہ کہ ہدایت و رہنمائی کے حصول کے لیے آپ سے نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ تمام نشانیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اگر وہ چاہے تو انھیں تمھارے پاس لے آئے اور اگر نہ چاہے تو نہ لائے۔

ارشادِ الٰہی: ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور تمھیں کیا معلوم کہ ان کے پاس نشانیاں آ بھی جائیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ﴾ ''اور تمھیں کیا معلوم ہے؟'' کے مخاطب مشرک ہیں، مجاہد نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔① گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا ہے کہ تمھیں کیا معلوم کہ تم اپنی ان قسموں کے بارے میں سچے بھی ہو؟ اس صورت میں ﴿ اَنَّهَآ ﴾ کے ہمزہ کو کسرہ کے ساتھ، یعنی [إِنَّهَا] پڑھا جائے گا اور یہ جملہ مستانفہ ہوگا، یعنی [إِنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ] کہ جن نشانیوں کو انھوں نے طلب کیا ہے، ان کے آنے پر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب مومن ہیں، یعنی مومنو! تمھیں کیا معلوم؟ اس صورت میں ﴿ اَنَّهَآ ﴾ کے ہمزہ کو مکسور پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ پہلی قراءت میں ہے اور اسے مفتوح پڑھنا بھی جائز ہے کہ اس صورت میں یہ ﴿ يُشْعِرُكُمْ ﴾ کا معمول ہے، نیز اس صورت میں ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ میں ﴿ لَا ﴾ صلہ، یعنی زائد اور بے معنی ہوگا جیسا کہ ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ (الأعراف 12:7) اور ﴿ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾ (الأنبيآء 95:21) میں ﴿ لَا ﴾ زائد ہے، یعنی تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ میں نے تجھے یہ حکم دیا تھا۔ اور (دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ) یہ بات حرام ہے کہ وہ دوبارہ واپس آئیں گے۔ اس آیت میں مقدر عبارت گویا اس طرح ہے: ''اے مومنو! جو مشرکوں کے لیے نشانیوں کے آجانے کو پسند کرتے ہو تاکہ نشانیوں کو دیکھ کر وہ ایمان لے آئیں، کیا تمھیں معلوم ہے کہ ان کے پاس نشانیاں آجائیں تو وہ ایمان لے آئیں گے۔''

اور ارشادِ الٰہی: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے جب اس قرآن مجید کا انکار کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا تو اس کے بعد ان کے دل کسی بھی چیز پر ثابت نہ رہے بلکہ ہر چیز سے پھر گئے۔② مجاہد فرماتے ہیں کہ اس ارشادِ الٰہی: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ

① تفسير الطبري: 407/7. ② تفسير الطبري: 410/7.

﴿وَاَبْصَارَھُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کے اور ایمان کے درمیان حائل ہو جائیں گے اور ان کے پاس اگر تمام نشانیاں بھی آ جائیں تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ ہم پہلی مرتبہ ان کے اور ایمان کے درمیان حائل تھے۔① عکرمہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اس آیت کی تفسیر کے بارے میں یہی فرمایا ہے۔②

ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ اس آیت میں بندوں کے کہنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا ہے کہ وہ کیا کہیں گے اور ان کے عمل کرنے سے پہلے ہی یہ بتا دیا ہے کہ وہ کیا عمل کریں گے کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ (فاطر 14:35) ''اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (الزمر 39:56-58) ''کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس کوتاہی پر افسوس! جو میں نے اللہ کے حق (اطاعت) میں کی اور بلاشبہ میں تو ہنسی ہی کرتا رہا یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ کاش! مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔'' مگر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر انھیں دنیا میں ایک دفعہ اور لوٹا بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی ہدایت کو قبول نہیں کریں گے۔ اور فرمایا: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 28:6) ''اور اگر وہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہ پھر کرنے لگیں اور کچھ شک نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے وہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' یعنی اگر یہ دنیا میں ایک بار پھر لوٹا بھی دیے جائیں تو ہم پھر ان کے اور ہدایت کے مابین اسی طرح حائل ہو جائیں گے جیسا کہ پہلی بار دنیا میں حائل ہوئے تھے۔③

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١١٠﴾ ''اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی فرماتے ہیں کہ سرکشی سے مراد کفر ہے۔④ جبکہ ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کا قول ہے کہ سرکشی سے مراد ان کی ضلالت اور گمراہی ہے۔⑤ اعمش فرماتے ہیں کہ ﴿يَعْمَهُوْنَ ۝١١٠﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کھیلتے رہیں۔⑥ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابوالعالیہ، ربیع اور ابومالک وغیرہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے کفر میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔⑦

---

① تفسير الطبرى:410/7 وتفسير ابن أبى حاتم:1369/4. ② تفسير الطبرى:410/7. ③ تفسير الطبرى:410/7.
④ تفسير ابن أبى حاتم:1369/4. ⑤ تفسير ابن أبى حاتم:1370/4. ⑥ تفسيرابن أبى حاتم:1370/4. ⑦ تفسير ابن أبى حاتم:1370/4.

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا

اور اگر بے شک ہم ان کی طرف فرشتے نازل کرتے اور ان سے مردے کلام کرتے ، اور ہم (ان کی) ہر (مطلوبہ) شے ان کے سامنے پیش کر دیتے ، تو بھی

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿111﴾

وہ ایمان نہ لاتے ۔ ہاں اگر اللہ ایسا چاہتا (تو اور بات تھی) لیکن ان میں سے اکثر جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں ﴿111﴾

تفسیر آیت : 111

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم ان لوگوں کے سوال کو پورا کر دیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بڑی پختہ پختہ قسمیں کھا کر کہا ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور ہم ان پر فرشتے اتار دیں جو رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ملنے والی رسالت کے بارے میں خبر دیں جیسا کہ انھوں نے اس کا سوال کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ (بنی إسرآئیل 17:92) ''یا اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آئیں۔'' اور کہا: ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ (الأنعام 6:124) ''کہتے ہیں کہ جس طرح کی رسالت اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے ، جب تک اسی طرح کی رسالت ہم کو نہ ملے ، ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا﴾ (الفرقان 25:21) ''اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ، کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھتے ؟ بلاشبہ یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔''

﴿وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى﴾ ''اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے۔'' اور رسولوں کے لائے ہوئے دین و شریعت کی صداقت کے بارے میں انھیں بتاتے ۔ ﴿وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا﴾ ''اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کرتے۔'' بعض اہل علم نے اسے [قِبَلًا] قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے مقابلہ سے مشتق اور معاینہ کے معنی میں قرار دیا ہے ۔ بعض نے اسے قاف اور باء دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس صورت میں بھی یہ مقابلہ و معاینہ ہی کے معنی میں ہوگا جیسا کہ علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1] امام قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں فوج در فوج اور غول کے غول ۔[3]

یعنی اگر ان کے پاس باری باری ہر امت کو پیش کیا جائے اور وہ انھیں بتائے کہ اللہ کے رسول جس دین و شریعت کو لے کر آئے ہیں وہ سچا ہے ﴿مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ ''تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ ۔'' یعنی ہدایت سے نوازنا اللہ کے اختیار میں ہے ، ان کے اپنے بس میں نہیں ہے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے ، وہ جو چاہے اسے کر گزرتا ہے ، ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ (الأنبيآء 21:23) ''وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔'' اللہ تعالیٰ جو بھی کرتا ہے ، وہ اس کے علم و

[1] تفسیر الطبری: 4/8 . [2] تفسیر الطبری: 5/8 . [3] تفسیر الطبری: 5/8 .

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى

اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین، ہر نبی کے دشمن بنائے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتا رہتا

بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾

ہے تاکہ اسے دھوکے میں رکھے۔ اور (اے نبی!) اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے۔ چنانچہ آپ ان لوگوں کو، اور جو کچھ یہ جھوٹ گھڑ رہے ہیں،

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا

اس کو رہنے دیجیے ﴿112﴾ اور تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس جھوٹ کی طرف مائل ہو جائیں، اور وہ اس (جھوٹ) کو پسند کرتے

مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿113﴾

رہیں، اور وہ جو (برے کام) کر رہے ہیں وہ کرتے رہیں ﴿113﴾

حکمت، اس کی قوت اور اس کے غلبہ وتسلط کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ آیت اسی طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ (یونس 10:96,97) ”بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذابِ الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔“

تفسیر آیات: 113,112

ہر نبی کا دشمن ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! جس طرح ہم نے آپ کے دشمن بنا دیے ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے، آپ سے دشمنی رکھتے اور عناد سے کام لیتے ہیں، اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے بھی ہر ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیے تھے، اس لیے ان دشمنوں کی وجہ سے غم نہ کھائیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا ﴾ (الأنعام 6:34) ”اور بے شک آپ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے تو وہ تکذیب اور ایذاء پر صبر کرتے رہے۔“

اور فرمایا: ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:43) ”آپ سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے دوسرے پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ بے شک آپ کا پروردگار بخش دینے والا بھی ہے اور عذاب الیم دینے والا بھی ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ (الفرقان 25:31) ”اور اسی طرح ہم نے گناہ گاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا۔“

ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ جس طرح کا دین آپ لے کر آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا جو پیغمبر بھی اس طرح کا دین لے کر آیا تو اس سے دشمنی کی گئی۔[1] آیتِ کریمہ میں ﴿ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ ﴾ بدل ہے ﴿ عَدُوًّا ﴾

[1] ماخوذ از صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، حدیث: 3 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، حدیث: 160.

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

(کہہ دیجیے:) کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تمھاری طرف یہ کتاب تفصیل سے نازل کی، اور جن لوگوں کو ہم نے

الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿114﴾ وَتَمَّتْ

کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوں ﴿114﴾

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿115﴾

اور آپ کے رب کی بات صدق اور عدل میں مکمل ہے، اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں، اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿115﴾

سے، یعنی شیاطین سیرت جنوں اور انسانوں سے ان کے دشمن تھے اور ہر وہ شیطان ہے جو شر کے ساتھ اپنے جیسے کو دین سے دور کردے اور رسولوں کے دشمن اسی قسم کے شیاطین انس و جن ہی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے۔

امام عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جنوں میں سے بھی شیاطین ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی جو ایک دوسرے کے دل میں باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔[1] ارشاد الٰہی: ﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ ''وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔'' یعنی وہ ایک دوسرے کے دل میں ایسی مزین اور ملمع باتیں ڈالتے تھے کہ جاہل جنھیں سن کر فریب خوردہ ہو جایا کرتے تھے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ ''اور اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔'' یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر اور اس کے مشیت و ارادے سے ہے کہ ہر ایک نبی کے لیے ان لوگوں میں سے اس کا کوئی دشمن بھی ہو ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾﴾ ''چنانچہ آپ انھیں اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔'' یعنی انھیں اور ان کے جھوٹ کو چھوڑ دیں اور ان کی عداوت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی پر توکل کریں کیونکہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہی آپ کو کافی ہے اور وہ آپ کا حامی و ناصر ہے۔

فرمایا: ﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ﴾ ''اور تاکہ اس کی طرف مائل ہوں'' یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیے ہیں۔[2] ﴿اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' یعنی ان کے دل، ان کی عقلیں اور ان کے کان آخرت پر یقین نہیں رکھتے، سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد کافروں کے دل ہیں۔ ﴿وَلِيَرْضَوْهُ﴾ ''اور تاکہ وہ راضی ہوں اس (جھوٹ) سے۔'' یعنی وہ اسے پسند کریں اور اسے چاہیں اور ایسا وہی کر سکتا ہے جس کا آخرت پر ایمان نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:161-163) ''(اے مشرکو!) بے شک تم اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے خلاف بہکا نہیں سکتے مگر اسی کو جو جہنم میں جانے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝﴾ (الذّٰریٰت 51:8,9) ''یقیناً تم ایک متناقض بات میں (پڑے ہوئے) ہو، اس (ایمان) سے وہی پھیرا جاتا ہے جو (بھلائی سے) پھیرا گیا۔''

ارشاد الٰہی: ﴿وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿113﴾﴾ ''اور جو کام وہ کرتے تھے، وہی کرنے لگیں۔'' علی بن ابو طلحہ نے تو

[1] تفسیر عبدالرزاق:2/62، رقم:846. [2] تفسیر الطبری:8/10. [3] تفسیر الطبری:8/11.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جو کمائی وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ اور سدی اور ابن زید نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جو کام وہ کرتے تھے، وہی کرنے لگیں۔ ①

تفسیر آیات: 115,114

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں اور غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں سے کہہ دیں: ﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾ ''کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں؟'' جو میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ''حالانکہ اس نے تمھاری طرف واضح کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے'' یعنی یہود و نصاریٰ ﴿ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ ''وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے۔'' کیونکہ ان کے پاس سابقہ انبیاء کی طرف سے آپ کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں۔

﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ ﴾ ''لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۙ ﴾ (یونس 94:10) ''پھر اگر آپ کو اس (کتاب کے) بارے میں جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے کچھ شک ہے تو جو لوگ آپ سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لیں۔ یقیناً آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس حق آ چکا ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔'' یہ شرط ہے اور شرط کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ وہ واقعی وقوع پذیر بھی ہوگی۔

ارشاد الٰہی: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں قول کے اعتبار سے سچی اور حکم کے اعتبار سے انصاف پر مبنی ہیں۔ ② یعنی خبر دینے کے اعتبار سے سچی اور حکم کے اعتبار سے انصاف پر مبنی ہیں۔ جو بھی خبر دی ہے وہ اس قدر حق اور سچ ہے کہ اس میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں ہے جو حکم دیا ہے وہ اس قدر مبنی بر عدل و انصاف ہے کہ اس سے بڑھ کر عدل و انصاف کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا جس سے اس نے منع فرمایا ہے، وہ باطل ہے کہ وہ باطل اور فاسد چیزوں ہی سے منع فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (الأعراف 157:7) ''وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔''

﴿ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴾ ''اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔'' یعنی اس کے حکم کو کوئی بھی دنیا یا آخرت میں ٹال نہیں سکتا۔ ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ ﴾ ''اور وہ سنتا ہے۔'' اپنے بندوں کے اقوال کو ﴿ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ ﴾ ''اور جانتا ہے۔'' ان کی تمام حرکات و

---

① تفسیر الطبری: 11/8. ② تفسیر الطبری: 13/8.

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

اور اگر آپ اہلِ زمین کی اکثریت کی اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے، وہ اپنے گمان کے سوا کسی بات کی پیروی نہیں کرتے، اور

الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿116﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ

وہ اٹکل پچو باتیں ہی کرتے ہیں﴿116﴾ بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے، اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾

جانتا ہے﴿117﴾

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾ وَمَا لَكُمْ

چنانچہ تم اس (جانور) کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو، اگر تم اس کی آیات پر ایمان لانے والے ہو﴿118﴾ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس (حلال

اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا

جانور) کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان (سب جانوروں) کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کیے

اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

ہیں، مگر جسے تم کھانے پر مجبور ہو جاؤ (تو وہ بھی حلال ہیں) اور بے شک اکثر لوگ اپنی خواہشات سے، بغیر علم کے دوسروں کو بہکاتے ہیں۔ بے شک آپ کا

اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿119﴾

رب حد سے گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے﴿119﴾

سکنات کو، پھر ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

تفسیر آیات: 117,116

اکثر لوگ گمراہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ روئے زمین کے اکثر لوگ گمراہ ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴾ (الصّٰفّٰت 71:37) ''اور بلاشبہ ان سے پیشتر بہت سے پہلے لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی گو آپ (کتنی ہی) خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' وہ گمراہی میں مبتلا ہیں، دولتِ یقین سے محروم ہیں اور ظنونِ کاذبہ اور باطل خیالات رکھتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿116﴾﴾ ''یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔'' خرص کے معنی اندازہ لگانے کے ہیں، اسی سے [خَرَصَ النَّخْلَ] کا محاورہ ہے جس کے معنی کھجور کے درخت پر لگے ہوئے پھل کے وزن کا اندازہ لگانے کے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کے مطابق ہے۔

﴿هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ﴾ ''وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔'' اور وہ ان کے لیے اسے آسان بنا دیتا ہے۔ ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾﴾ ''اور ان سے بھی خوب واقف ہے، جو رستے پر چل رہے ہیں۔'' اور ان کے لیے اسے آسان بنا دیا ہے اور ہر ایک کے لیے اسے آسان بنا دیتا ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم کھلے اور چھپے گناہ چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو ان (عملوں) کی جلد سزا ملے گی جو وہ کرتے رہے ہیں ﴿۱۲۰﴾

تفسیر آیات:119,118

اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ وہ ان جانوروں کو کھا سکتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کا مفہومِ مخالف یہ ہوا کہ ان جانوروں کو کھانا حلال نہیں ہے جن پر اس کا نام نہ لیا گیا ہو جیسا کہ کفار قریش مردہ جانوروں کے کھانے، نیز بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے کھانے کو بھی حلال سمجھتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے جانور کے کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو: ﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ ﴾ ''اور سبب کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اسے نہ کھاؤ، حالانکہ جو چیزیں اس نے تمھارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں۔'' یعنی جن چیزوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے، انھیں خوب واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔ ﴿ فَصَّلَ ﴾ کو تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں صورتوں میں معنی بیان کرنے اور واضح کرنے ہی کے ہیں۔ ﴿ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ﴾ ''مگر اس صورت میں کہ تم ان کے (کھانے کے) لیے ناچار ہو جاؤ۔'' یعنی اضطراری حالت میں جو بھی مل جائے اسے کھانا حلال ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی جہالت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی فاسد رائے کے مطابق مردہ اور ان جانوروں کو کھانا بھی جائز سمجھتے ہیں جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، فرمایا: ﴿ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ ﴾ ''اور بے شک اکثر لوگ بے سمجھے بوجھے اپنے نفس کی خواہشوں سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ایسے لوگوں کو جو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حدود سے باہر نکل جاتے ہیں، آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے۔'' یعنی وہ ان کی سرکشی، کذب اور افتراء پردازی کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر آیت:120

﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ ﴾ ''اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظاہری اور پوشیدہ طور پر کیا جانے والا معصیت کا کام ہے۔[1] جبکہ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظاہری اور پوشیدہ طور پر کیا جانے والا گناہ کا کام ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ (الأعراف 33:7) ''کہہ دیجیے کہ بے شک میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ حرام قرار دیا ہے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ ﴾ ''بے شک جو

[1] تفسیر الطبری:19/8۔ [2] تفسیر الطبری:19/8۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى

اور تم اس (جانور) کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو، کیونکہ یہ (کھانا) یقیناً نافرمانی ہے، اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے ذہنوں

ع 14 11 1 اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿121﴾ ع

میں شبہے ڈالتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم بھی ضرور مشرک ہو گے ﴿121﴾

لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔'' گناہ کا ارتکاب، خواہ وہ ظاہری طور پر کریں یا پوشیدہ، یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی جزا ضرور دے گا۔ امام ابن ابو حاتم نے نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: [اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ] ''گناہ وہ ہے جو تمھارے سینے میں کھٹکے اور تم لوگوں کے اس سے باخبر ہونے کو ناپسند کرو۔''[1]

تفسیر آیت:121

اللہ کے نام کے بغیر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے: اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر ذبیحے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال نہیں ہے، خواہ ذبح کرنے والے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، نیز حسب ذیل آیت شکار سے بھی یہی استدلال کیا گیا ہے: ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (المآئدة 4:5) ''جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑ رکھیں، اس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو۔'' پھر اس کی حرمت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ﴾ ''اور یقیناً اس کا کھانا گناہ ہے۔'' ایک قول کے مطابق اس ضمیر کا مرجع کھانا ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس کا مرجع غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔

وہ احادیث جن میں ذبیحہ (ذبح کرنے) اور شکار کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم ہے، ان سے بھی یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو پھر ذبیحے کو کھانا حلال نہیں ہے، مثلاً: عدی بن حاتم اور ابو ثعلبہ سے مروی حدیث میں ہے: [إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فَكُلْ (مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ)] ''جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اس پر اللہ کا نام لے لو تو اسے کھا لو جو تمھارے لیے روکے۔'' یہ حدیثیں صحیحین میں ہیں۔[2] رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: [مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ] ''جو آلہ خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھا لو۔'' یہ حدیث بھی صحیحین میں ہے۔[3] حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے فرمایا تھا: [لَكُمْ

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والصلة، حديث:2553 وتفسير ابن أبي حاتم:1378/4. [2] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب الصيد إذا غاب عنه يومين أو ثلاثة، حديث:5484 وحديث:5488 وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة، حديث:1929 وحديث:1930، البتہ قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء في الكلب يأكل من الصيد، حديث:1470 کے ہیں۔ [3] صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، حديث:2488 وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم......، حديث:1968.

كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ] ''تمھارے لیے ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔'' اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے ① اور جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرٰى] ، [وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ ذَبَحَ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ بِسْمِ اللّٰهِ] ''جو شخص نماز سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح کر لے تو وہ اس کی جگہ ایک اور جانور ذبح کرے اور جو نماز ادا کرنے تک ذبح نہ کرے تو وہ اللہ کے نام سے اسے ذبح کرے۔'' اسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔②

شیطان کی وحی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾ ''اور بے شک شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔'' امام ابن ابو حاتم نے ابو اسحاق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مختار کا خیال ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے تو انھوں نے جواب دیا: ہاں، وہ صحیح کہتا ہے، پھر انھوں نے اسی آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ ﴾ ③

ابو زمیل سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر کہا کہ ابو اسحاق مختار بن ابو عبید، جس نے حج بھی کیا تھا، نے کہا ہے کہ آج رات اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ سچ کہتا ہے، مجھے اس سے تعجب ہوا اور میں نے عرض کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس نے سچ کہا ہے! انھوں نے فرمایا: ہاں، اس لیے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: (1) اللہ کی طرف سے وحی اور (2) شیطان کی طرف سے وحی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجتا ہے اور شیطان اپنے رفیقوں کی طرف وحی بھیجتا ہے، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ ﴾ ④ قبل ازیں ﴿ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ کی تفسیر میں حضرت عکرمہ سے بھی مروی اسی طرح کا قول بیان کیا جا چکا ہے۔⑤

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾ ''اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا یقیناً گناہ ہے اور بے شک شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ جن جانوروں کو تم نے خود قتل کیا ہے، انھیں تو کھا لیتے ہو مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے، انھیں تم نہیں کھاتے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جس کو تم نے قتل کیا، اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور جو جانور خود مر گیا ہے، اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔⑥

① صحيح مسلم، الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن، حديث:450. ② ابتدائی حصہ صحيح البخاري، التوحيد ، باب السؤال بأسماء الله تعالى والاستعاذة بها، حديث:7400 وصحيح مسلم، الأضاحي، باب وقتها، حديث:(1)-1960 اور آخری حصہ مسند أحمد:312/4 کے مطابق ہے۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم:1379/4. ④ تفسير ابن أبي حاتم:1379/4. ⑤ دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر، سورة الأنعام، آیت:112 کے ذیل میں۔ ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:1380/4.

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا، اور ہم نے اس کے لیے نور بنا دیا، وہ اس کی روشنی میں لوگوں میں چلتا ہے، (کیا) وہ اس شخص

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ

جیسا (ہوسکتا) ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہے، ان سے نکلنے والا نہیں؟ اسی طرح کافروں کے لیے ان کاموں میں کشش رکھی گئی ہے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿122﴾

جو وہ کرتے ہیں ﴿122﴾

سدی نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ تم یہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار ہو کیونکہ جس جانور کو اللہ قتل کر دے تم اسے کھاتے نہیں ہو اور جس کو خود ذبح کرتے ہو تو اسے کھا لیتے ہو؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ ﴾ ''اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے'' اور مردار کو کھا لیا تو ﴿ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿121﴾ ﴾ ''بے شک تم بھی ضرور مشرک ہو گے۔'' مجاہد، ضحاک اور کئی ایک دیگر علمائے سلف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

اللہ کی شریعت سے کسی کے قول کو مقدم قرار دینا شرک ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿121﴾ ﴾ ''اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے۔'' اگر تم نے اللہ کے حکم اور شریعت سے روگردانی کرتے ہوئے کسی اور کے قول کو اس سے مقدم قرار دے دیا تو یہ بھی شرک ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبۃ9:31) ''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔'' اس آیت کی تفسیر میں امام ترمذی نے عدی بن حاتم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بَلٰى ! إِنَّهُمْ أَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ وَحَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ، فَاتَّبَعُوهُمْ فَذٰلِكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُمْ] ''کیوں نہیں! وہ (علماء) ان کے لیے (کسی چیز) کو حرام کرتے اور حلال کرتے تو وہ (عوام) اس پر ان کی پیروی کرتے تو یہی ان کو معبود بنانا ہے۔''[2]

تفسیر آیت:122

کافر اور مومن کی مثال: یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اس مومن کی بیان فرمائی ہے جو پہلے مردہ تھا اور ضلالت وگمراہی میں تباہ و برباد اور حیران ہو رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو ایمان کے ساتھ زندہ کر دیا، اسے ہدایت سے نوازا اور پیغمبروں کی اتباع کی توفیق بخشی ﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ ''اور ہم نے اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔'' یعنی وہ راہِ ہدایت پر ہے اور جانتا ہے کہ راہ راست پر کس طرح چلے اور کس طرح تصرف کرے۔ اس

[1] تفسیر الطبری:25/8 . [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن ، باب ومن سورة التوبة، حدیث:3095 میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: [أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ] ''وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کر دیتے وہ اسے حلال سمجھتے اور جب کسی چیز کو ان پر حرام کر دیتے وہ اسے اپنے اوپر حرام کر لیتے۔'' لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ اسی ترتیب سے ہمیں نہیں ملے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

آیتِ کریمہ میں نور سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ عوفی اور ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1] سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد اسلام ہے۔[2] اور یہ دونوں معنی ہی صحیح ہیں۔

﴿ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ ﴾ ''(کہیں) اس شخص جیسا (ہوسکتا) ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا ہو؟'' یعنی جہالتوں، خواہشوں اور مختلف ضلالتوں میں پڑا ہو۔ ﴿ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ ''اور وہ اس سے نکل ہی نہ سکے۔'' یعنی ان ظلمتوں اور ضلالتوں سے نکلنے کے لیے اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہ ہو۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِي ظُلْمَةٍ، ثُمَّ (أَلْقٰى) عَلَيْهِمْ مِّنْ نُّورِهٖ يَوْمَئِذٍ، فَمَنْ أَصَابَهٗ مِنْ نُّورِهٖ يَوْمَئِذٍ اهْتَدٰى، وَمَنْ أَخْطَأَهٗ ضَلَّ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا، پھر ان پر اس دن اپنے نور کو ڈالا جس پر اس دن نور الٰہی (کا اثر) پہنچا وہ ہدایت یاب ہوگیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا۔''[3] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ2:257) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کا دوست اللہ ہے کہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (الملک67:22) ''بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر پڑتا ہے وہ سیدھے رستے پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر برابر چل رہا ہو؟'' اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (ھود11:24) ''دونوں فرقوں (کافر و مومن) کی مثال ایسے ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور ایک دیکھتا اور سنتا، بھلا دونوں کا حال یکساں ہوسکتا ہے؟ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ۙ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ۙ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ ﴾ (فاطر35:19-23) ''اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہوسکتے ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔''

اس موضوع کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ یہاں روشنی اور اندھیرے دونوں مثالوں کو بیان کرنے میں وجہ مناسبت وہی ہے جو اس سورت کے آغاز میں ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ﴾ (الأنعام 6:1) کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔

[1] تفسير الطبري:8/31. [2] تفسير الطبري:8/31. [3] مسند أحمد:2/176 تفسیر ابن کثیر میں (أَلْقٰى) کے بجائے [رَشَّ] ''چھڑکا'' ہے جو کہ کتب احادیث میں ہمیں اس مقام پر نہیں ملا۔ واللہ أعلم.

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو لگا دیا کہ وہ اس (بستی) میں اپنے مکر وفریب کا جال پھیلائیں، اور وہ اپنے آپ ہی سے

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿123﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰي نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۭ

مکر وفریب کرتے ہیں، اور وہ شعور نہیں رکھتے ﴿123﴾ اور جب ان کے پاس نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ ایسی ہی چیز

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

خود ہمیں دی جائے جیسی رسولوں کو دی گئی۔ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔ جن لوگوں نے جرم کیے انھیں جلد ہی اللہ کے

شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿124﴾

ہاں ذلت ملے گی، اور اس مکر وفریب کی وجہ سے شدید عذاب ہوگا جو وہ کرتے رہے ﴿124﴾

ارشاد الٰہی ﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿122﴾ ﴾ ''اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں، وہ ان کے لیے مزین کر دیے گئے ہیں۔'' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت بالغہ ہے کہ جہالت وضلالت کے باوجود انھیں اپنے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ.

تفسیر آیات :124,123

بڑے مجرم، ان کی حیلہ سازیاں اور انجام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! جس طرح آپ کی بستی میں ہم نے یہ بڑے بڑے مجرم بنائے ہیں جو کفر کے سرغنہ اور کفر کی طرف دعوت دینے والے، اللہ کے رستے میں رکاوٹ بننے والے اور آپ کی مخالفت وعداوت کرنے والے ہیں، اسی طرح آپ سے پہلے کے رسولوں کو بھی اسی طرح کے مجرموں کی مخالفتوں اور دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن انجام کار عافیت اور فتح ونصرت انبیاء ہی کو حاصل ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ ﴾ (الفرقان 31:25) ''اور اسی طرح ہم نے گناہ گاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا ﴾ (بنی إسرآئیل 16:17) ''اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔''

اس آیت کریمہ کے مفہوم کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ہم نے انھیں اپنی اطاعت کا حکم دیا مگر انھوں نے مخالفت کی تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں حکم سے مراد قدری حکم ہے جیسا کہ یہاں فرمایا ہے: ﴿ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ﴾ ''تاکہ وہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں۔'' اور ﴿ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ﴾ ''بڑے بڑے مجرم (پیدا کیے) تاکہ ان (بستیوں) میں مکاریاں کرتے رہیں۔'' کے بارے میں ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم نے ان پر شریر لوگوں کو مسلط کر دیا اور انھوں نے نافرمانیاں شروع کر دیں تو ہم نے انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے کر تباہ وبرباد کر دیا۔[1] مجاہد وقتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ میں اکابر سے مراد بڑے لوگ ہیں۔[2]

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1383/4. [2] تفسير الطبري: 33/8.

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ ﴾ (سبا34:34، 35) ''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم بے شک اس کے ساتھ انکار کرتے ہیں اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سا مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف43:23) ''اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔'' مکر سے یہاں مراد ملمع قول وفعل کے ساتھ ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت دینا ہے جیسا کہ قوم نوح کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾ (نوح71:22) ''اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ﴾ (سبا34:31-33) ''اور (اے نبی!) کاش! (ان) ظالموں کو آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ردّوکد کر رہے ہوں گے تو جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے۔ بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمھارے پاس آ چکی تھی، روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم ہی گناہ گار تھے اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (نہیں) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں۔''

ابن ابوحاتم نے اپنے والد گرامی امام ابوحاتم سے اور انھوں نے ابن ابوعمر کے حوالے سے سفیان سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ جہاں بھی مکر کا لفظ آیا ہے، عمل کے معنی میں ہے۔[1] ارشاد الٰہی: ﴿ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿123﴾ ﴾ ''اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں ان کا نقصان انھیں کو ہے اور وہ بے خبر ہیں۔'' ان کے مکر کا وبال اور جن لوگوں کو انھوں نے گمراہ کیا ہے، ان کی گمراہی کا بوجھ انھی پر ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ﴾ (العنکبوت29:13) ''اور ضرور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ○ ﴾ (النحل16:25) ''اور جن کو یہ بغیر علم کے

[1] تفسير ابن أبي حاتم:4/1383.

گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے) سن رکھو کہ جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں، برے ہیں۔''

ارشادِ الٰہی: ﴿ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ﴾ ''اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جس طرح کی رسالت اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے، جب تک اسی طرح کی رسالت ہم کو نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔'' یعنی جب ان کے پاس کوئی نشانی، کوئی برہان اور کوئی قطعی دلیل آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک فرشتے ہمارے پاس بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت لے کر نہیں آجاتے جس طرح وہ رسولوں کی طرف رسالت اور نبوت لے کر آتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ بھی فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ﴾ (الفرقان 21:25) ''اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔''

ارشادِ الٰہی: ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔'' وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کسے عطا فرمائے اور مخلوق میں سے کون اس کے لیے زیادہ موزوں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ (الزخرف 43:31,32) ''اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکے اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟ کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟'' یعنی انھوں نے کہا کہ یہ قرآن مجید کسی ایسے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا جو ان کی نظروں میں بہت عظیم، کبیر، جلیل اور بڑا آدمی ہو۔ اور دو بستیوں سے مراد مکہ و طائف ہیں۔ یہ لوگ ۔ اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل ورسوا کرے ۔ بغاوت، حسد، عناد اور تکبر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو کم مرتبہ انسان سمجھتے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ○ ﴾ (الفرقان 25:41) ''اور یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ہنسی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیاء 21:36) ''اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے استہزاء کرتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر (اہانت سے) کرتا ہے؟ جبکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:10، الأنبیاء 21:41) ''اور (اے نبی!) یقیناً آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، پھر جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔''

کفار رسول اکرم ﷺ کے نسب کی بلندی کے معترف تھے: اس کے ساتھ ساتھ کفار رسول اللہ ﷺ کے فضل وشرف، علوِ نسب اور آپ کے گھرانے کی پاکیزگی اور تربیت ونشأت کی عمدگی کے بھی معترف تھے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور

مومنوں کا آپ ﷺ کی ذات گرامی پر درود ہو۔حتی کہ آپ پر وحی کے نازل ہونے سے پہلے یہ لوگ آپ کو امین کے نام سے موسوم کرتے تھے، آپ کے نسب کی بلندی کا رئیسِ کفار ابوسفیان نے بھی اس وقت اعتراف کیا تھا جب ہرقل نے یہ پوچھا تھا کہ اس کا نسب تم میں کیسا ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ان کا نسب ہم میں بہت بلند ہے۔ ہرقل نے پوچھا: اس بات کا دعویٰ کرنے سے پہلے کبھی تم نے اس پر جھوٹ کا الزام لگایا؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں......الحدیث،[1] شاہِ روم نے آپ کی صفات کی پاکیزگی ہی سے آپ کی نبوت کی صداقت اور آپ کے پیغام کی درستی پر استدلال کیا تھا۔

امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰى مِنْ وَّلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِي كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَّاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَّاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ] ”بے شک اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم میں سے اسماعیل کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنوکنانہ کا انتخاب کیا اور بنوکنانہ میں سے قریش کو چُنا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو ممتاز کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔“[2] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3] صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: [بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا، حَتّٰى (بُعِثْتُ) مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ] ”مجھے ایک ایک صدی کر کے بنی آدم کی بہترین صدیوں میں سے مبعوث کیا گیا حتی کہ میری بعثت اس صدی میں ہوئی جس میں میں ہوں۔“[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ ﴾ ”جو لوگ جرم کرتے ہیں ان کو اللہ کے ہاں ذلت اور عذاب شدید ہوگا۔“ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی سرزنش اور بہت شدید وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو تکبر کا اظہار کرتے ہوئے رسولوں کی اتباع نہ کریں اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے سامنے سر اطاعت نہ جھکائیں کہ روزِ قیامت انھیں اللہ تعالیٰ کے سامنے دائمی ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑے۔ دنیا میں انھوں نے تکبر کو اختیار کیا تھا، اس لیے سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ آخرت میں انھیں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴾ (المؤمن 60:40) ”بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“ یعنی ذلیل وخوار، رسوا اور حقیر ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔

اور ارشاد باری ہے: ﴿ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿124﴾ ﴾ ”اور عذاب شدید ہوگا، اس لیے کہ مکاریاں کرتے تھے۔“ مکروفریب اکثر و بیشتر صورتوں میں مخفی ہوتا ہے اور حیلہ سازی و دھوکا بازی میں بہت لطیف پیرایہ اختیار کیا جاتا ہے، اس لیے اس کے مناسب حال سزا کے طور پر روزِ قیامت شدید عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کسی پر قطعاً کوئی ظلم نہیں فرمائے گا

① صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 7 مفصلاً. وصحيح مسلم، الجهاد، باب كتب النبي ﷺ إلى هرقل......، حديث: 1773. ② مسند أحمد: 107/4. ③ صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ ......، حديث: 2276. ④ صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3557 لیکن صحیح بخاری میں [حَتّٰى كُنْتُ] ہے جبکہ [حتى بعثت] مسند أحمد: 416/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

چنانچہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے وہ آسمان

ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿125﴾

میں چڑھ رہا ہو، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی (مسلط) کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿125﴾

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ (الطارق 9:86) ''جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے۔'' یعنی مستتر، مخفی اور پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(يُنْصَبُ) لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ عِنْدَ اسْتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ، [فَيُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ] ''قیامت کے دن ہر دھوکے باز کی پیٹھ پر جھنڈا گاڑا جائے گا، پھر کہا جائے گا کہ یہ ہے فلاں ابن فلاں کی دھوکا بازی۔''[1] حکمت اس میں یہ ہے کہ دھوکہ بازی چونکہ مخفی تھی، لوگ اس سے آگاہ نہیں تھے، اس لیے قیامت کے دن دھوکے باز کے اس شرم ناک فعل کو ساری مخلوق کے سامنے الم نشرح کر دیا جائے گا۔

تفسیر آیت:125

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ ''تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' اسلام کو اس کے لیے سہل اور آسان بنا دیتا ہے اور اسے انشراح و انبساط صدر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ اچھی علامتیں ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ...... الآية (الزمر 22:39) ''بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو......'' اور فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ (الحجرات 7:49) ''اور لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو عزیز بنا دیا اور اس کو تمھارے دلوں میں سجا دیا اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسند بنا دیا، یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو توحید اور ایمان کے لیے کشادہ فرما دیتا ہے۔ ابو مالک اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[2] اور بظاہر یہی مفہوم صحیح معلوم ہوتا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم ، حديث:6177 وصحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم الغدر، حديث:1738 عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ وحديث:1735. تفسیر ابن کثیر میں [يُنْصَبُ] اسی طرح شروع میں ہے جبکہ صحيح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم، حديث:6178 میں یہ الفاظ ایسے ہیں: [إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ] اور حدیث کا دوسرا جز اسی حدیث کے مطابق ہے۔ اور صحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم الغدر، حديث: (10)-1735 میں مذکورہ الفاظ یوں بیان ہوئے ہیں: [إِنَّ الْغَادِرَ يَنْصِبُ اللّٰهُ لَهُ لِوَاءً......] . [2] تفسير ابن أبي حاتم:1385,1384/4.

ارشادالٰہی: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ ''اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے، اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔'' ﴿ضَيِّقًا﴾ کو [ضَيْقًا] ضاد کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے مگر اکثر اہل علم نے اسے ﴿ضَيِّقًا﴾ یاء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس لفظ کو هَيْن اور هَيِّن کی طرح ہر دو انداز میں پڑھا جاسکتا ہے۔ اور بعض نے ﴿حَرَجًا﴾ کو [حَرِجًا] حاء کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ بمعنی آثم ہے، یہ سدی کا قول ہے اور دوسری قراءت ﴿حَرَجًا﴾ حاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس صورت میں اس کے معنی اس دل کے ہیں جو کسی بھی قسم کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو اور جس تک ایمان کی قطعاً کوئی رسائی نہ ہو اور جس دل پر ایمان بالکل اثر انداز نہ ہوسکتا ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خاندان مُدْلِج کے ایک بادیہ نشین اعرابی سے حَرَجَه کا مفہوم پوچھا تو اس نے کہا کہ درختوں کے درمیان ایک ایسا درخت ہوتا ہے جس تک پالتو یا جنگلی جانور یا کوئی اور چیز نہیں پہنچ سکتی، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی طرح منافق کے دل تک بھی خیر و بھلائی کی کوئی بات نہیں پہنچ سکتی۔[1] ﴿كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ ''گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔'' اس کی شدت کی وجہ سے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے سینے کو تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے کہ وہ یوں محسوس کرتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اور اس کے سوا وہ کوئی اور رستہ نہیں پاتا۔[2]

حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ابن آدم آسمان تک پہنچنے کی استطاعت نہیں رکھتا، اسی طرح اسے اس بات کی بھی استطاعت نہیں کہ توحید اور ایمان اس کے دل میں داخل ہو سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ توحید اور ایمان کو اس کے دل میں داخل فرما دے۔[3]

امام ابوجعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کافر کے دل کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ ایمان کے قبول نہ کرنے اور ایمان کے اس تک پہنچنے کے لیے اس طرح تنگ ہوتا ہے جس طرح وہ آسمان پر چڑھنے سے عاجز و درماندہ ہے کیونکہ یہ بات اس کی استطاعت و قوت سے باہر ہے کہ وہ آسمان پر چڑھ سکے۔[4] اسی طرح انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۵﴾ ''اس طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی (مسلط) کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔'' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے سینے کو تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے جن کو وہ گمراہ کرنا چاہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان جیسے ان لوگوں پر جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کریں، شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو انھیں گمراہ کر کے اللہ تعالیٰ کے رستے سے روک دیتا ہے۔ ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں رجس سے مراد شیطان ہے۔[5] مجاہد فرماتے ہیں کہ رجس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو۔[6] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ رجس کے معنی

[1] تفسير الطبري:38/8 مختصرًا. [2] تفسير الطبري:39/8. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1386/4. [4] تفسير الطبري: 41/8 . [5] تفسير الطبري:42/8 . [6] تفسير الطبري:42/8 .

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں﴿126﴾ انھی کے لیے ان کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿127﴾

رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے، اور وہ ان کاموں کی وجہ سے ان کا دوست ہے جو وہ کرتے رہے﴿127﴾

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۤؤُهُمْ

اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا (تو فرمائے گا:) اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں میں سے بہت زیادہ (گمراہ) کیے تھے، اور انسانوں میں سے ان

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ

کے دوست کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا، اور ہم اس میعاد کو پہنچے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی، اللہ فرمائے گا: آگ

مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿128﴾

ہی تمھارا ٹھکانا ہے، تم اس میں ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ چاہے (تو دوسری بات ہے)، بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے﴿128﴾

عذاب کے ہیں۔[1]

تفسیر آیات:127,126

اللہ تعالیٰ نے جب گمراہوں کی روش اور اس کے رستے سے روکنے والوں کے طرزِ عمل کا ذکر کیا تو اب اس کے بعد اس فضل وشرف کا ذکر فرمایا ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق عطا کر کے سرفراز فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ ﴾ ''اور یہی آپ کے پروردگار کا سیدھا رستہ ہے۔'' ﴿ مُسْتَقِيْمًا ﴾ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی اے محمد (ﷺ)! یہ دین جو ہم نے آپ کو عطا کیا ہے اور یہ قرآن جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کا سیدھا رستہ ہے۔ ﴿ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ ﴾ ''تحقیق ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔'' اور نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ انھیں بیان کر دیا ہے، ﴿ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ ﴾ ''ان کے لیے جو لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔'' جن میں فہم وبصیرت ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو سمجھتے ہیں۔

﴿ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ ﴾ ''ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے۔'' یعنی جنت ﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کے پروردگار کے ہاں۔'' یعنی قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں جنت کو دار السلام کے نام سے اس لیے موسوم کیا ہے کہ انھوں نے دنیا میں جس صراط مستقیم کو اختیار کیا اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلے وہ سلامتی کا رستہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں جس طرح شیطانی پگڈنڈیوں کی آفتوں سے محفوظ رکھا، اسی طرح آخرت میں دار السلام کی نعمتوں سے فیض یاب فرما دیا۔ ﴿ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ ﴾ ''اور وہی ان کا دوست ہے۔'' یعنی ان کا حافظ وناصر اور مددگار ہے۔ ﴿ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿127﴾ ﴾ ''جو وہ کرتے رہے۔'' یعنی ان کے اعمالِ صالحہ کی جزاء کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر اور مددگار بن گیا اور اس نے محض اپنے فضل وکرم

[1] تفسیر الطبری:42/8.

15 ع 8 2

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿129﴾

اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر ان کاموں کی وجہ سے مسلط کر دیتے ہیں جو وہ کرتے رہے ﴿129﴾

سے انھیں جنت کی سعادت وکامرانی سے سرفراز فرمایا۔

تفسیر آیت:128

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اس دن کو یاد کریں، اپنی قوم کو اس دن کے حالات بتائیں اور انھیں ڈرائیں: ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ ''اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا۔'' یعنی جنوں کو اور انسانوں میں سے ان کے ان دوستوں کو جو دنیا میں ان کی پوجا کرتے تھے، ان کی پناہ طلب کرتے تھے، ان کی اطاعت بجالاتے تھے اور وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ ''اے گروہ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔'' یعنی تم نے انسانوں کو اغوا اور گمراہ کر کے بہت فائدے اٹھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ 36:60-62) ''اے آدم کی اولاد! ہم نے تم کو تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کو نہ پوجنا بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا رستہ ہے اور اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟''

﴿وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ ''اور جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔'' یعنی جنوں کے انسانوں میں سے دوست اللہ تعالیٰ کو جواب دیتے ہوئے یہ کہیں گے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ تھی کہ جن حکم دیتے اور انسان اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔[1]

ابن جریج فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالتا تو وہ یہ کہتا کہ میں اس وادی کے سربراہ کی پناہ طلب کرتا ہوں تو یہ تھا ان کا فائدہ حاصل کرنا جسے وہ قیامت کے دن بطور معذرت ذکر کریں گے۔[2] اور جہاں تک جنوں کے انسانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی بات ہے تو وہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ انسان جنوں سے مدد طلب کرتے وقت ان کی تعظیم بجالاتے تھے جس کی وجہ سے جن کہتے کہ ہم جنوں اور انسانوں دونوں کے سردار ہیں۔

﴿وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾ ''اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔'' سدی کہتے ہیں کہ اس وقت مقرر سے مراد موت ہے۔ ﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ﴾ ''اللہ فرمائے گا (اب) تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' یعنی تمھارا، ان کا اور تمھارے دوستوں کا ٹھکانا اور منزل دوزخ ہے، ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ﴾ ''ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے۔'' اور

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:4/1387 والدر المنثور:3/85 . [2] تفسیر الطبری:8/45 .

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمھارے پاس تمھی میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ وہ تم سے میری آیات بیان کرتے تھے، اور تمھیں تمھاری اس

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا

آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ (تب) وہ کہیں گے: ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں۔ اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا،

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿130﴾

اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرنے والے تھے ﴿130﴾

ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو گے۔ اِلا مَاشَاءَ اللّٰہ.

تفسیر آیت:129

ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کرنا: اس آیت کی تفسیر میں معمر نے قتادہ سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دے گا اور وہ جہنم میں ایک دوسرے کے پیچھے چلیں گے۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا ﴾ اس سے جنوں اور انسانوں میں سے ظالم لوگ مراد ہیں۔ پھر انھوں نے اس موقع پر یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ ﴾ (الزخرف 36:43)
''اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرلے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔''
انھوں نے فرمایا کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیں گے۔[2] کسی شاعر نے کہا ہے ؎

وَمَا مِنْ يَّدٍ إِلَّا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَهَا   وَلَا ظَالِمٍ إِلَّا سَيُبْلٰى بِظَالِمِ

''ہر ہاتھ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور ہر ایک ظالم کو اپنے سے بڑے ظالم کے ساتھ واسطہ پیش آتا ہے۔''

اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ہم نے ان خسارہ پانے والے انسانوں پر ان جنوں کو مسلط کر دیا جنھوں نے انھیں گمراہ کیا تھا، اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے اور ایک دوسرے کے ساتھ تباہ و برباد اور ہلاک کر دیتے ہیں اور اس طرح ہم ان میں سے ہر ایک سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ ان کے ظلم اور بغاوت و سرکشی کی سزا ہوتی ہے۔

تفسیر آیت:130

جنوں اور انسانوں کو سرزنش: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سرزنش کرتے ہوئے کافر جنوں اور انسانوں سے یہ سوال کرے گا۔ حالانکہ اسے خوب معلوم ہوگا۔ کیا رسولوں نے ان تک اس کے پیغام کو پہنچایا تھا یا نہیں؟ یہ استفہام تقریری ہے، ارشاد ہوگا: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ﴾ ''اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے؟'' یعنی مجموعی طور پر تم میں سے ورنہ رسول تو تمام کے تمام انسانوں ہی میں سے بھیجے گئے ہیں، جنوں

[1] تفسیر عبدالرزاق:66/2، رقم:855 و تفسیر ابن أبی حاتم:1388/4. [2] تفسیر الطبری:47,46/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1389/4.

میں سے کسی کو رسول نہیں بنایا گیا تھا جیسا کہ امام مجاہد، ابن جریج اور دیگر کئی ایک ائمہ سلف وخلف نے فرمایا ہے۔ ①

اس بات کی دلیل کہ تمام انبیاء ورسل انسانوں ہی میں سے ہوئے ہیں، حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ تا ﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾ (النسآء4:163-165) ''(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد دوسرے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی ...... (سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت 27:29) ''اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب (مقرر) کر دی۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور کتاب کو آپ کی اولاد ہی میں محصور قرار دیا ہے اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے پہلے نبوت جنوں میں بھی تھی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کے بعد جنوں میں یہ منقطع ہوگئی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ (الفرقان20:25) ''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ (یوسف 109:12) ''اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے تھے ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔'' سبھی جانتے ہیں کہ جن اس باب میں انسانوں کے تابع ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (الأحقاف 46:29-32) ''اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جبکہ وہ قرآن سنتے تھے تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو، چنانچہ جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے، کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا (دین) اور سیدھا رستہ بتاتی ہے، اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو

① تفسیر الطبری:48/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1389/4.

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿131﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

یہ (رسول) اس لیے (بھیجے گئے) کہ آپ کا رب بستیوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں، جبکہ ان کے باشندے غافل ہوں ﴿131﴾ اور ہر ایک

عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿132﴾

کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انھوں نے کیے، اور آپ کا رب اس سے غافل نہیں جو وہ کرتے ہیں ﴿132﴾

قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے۔ یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

جامع ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کو سورۂ رحمٰن کی تلاوت سنائی تھی اور اس سورت میں یہ آیت کریمہ بھی ہے: سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن 55:31,32) ''اے گروہِ جن وانس! ہم عنقریب تمھاری طرف متوجہ ہوں گے، پھر تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''[1]

اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا﴾ ''اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے؟ جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے سامنے آموجود ہونے سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے کہ (پروردگار!) ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں۔'' یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے رسولوں نے ہم تک تیرے پیغام کو پہنچا دیا تھا، ہمیں آج کے دن کی ملاقات سے بھی ڈرا دیا تھا اور آج کے دن کے بارے میں بھی یہ صاف صاف بتا دیا تھا کہ یہ ہر صورت میں آکر رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ ''اور ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی انھوں نے اپنی دنیا کی زندگی کو تباہیوں اور بداعمالیوں میں صرف کی، انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب اور ان کے لائے ہوئے معجزات کی مخالفت کے باعث ہلاک ہو گئے کیونکہ دنیا کی زندگی کی سج دھج، چمک دمک اور اس کی خواہشوں نے انھیں فریب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ﴿وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ ''اور (اب) خود اپنے اوپر گواہی دی۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿130﴾﴾ ''کہ بے شک وہ کفر کرتے تھے۔'' یعنی دنیا میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ان کے پاس جس دین و شریعت کو لے کر آئے تھے، انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

تفسیر آیات: 132,131

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿131﴾﴾ ''(اے نبی!) یہ

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الرحمٰن، حدیث: 3291 مختصرًا عن جابر رضی اللہ عنہ.

(جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں) اس لیے کہ آپ کا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو (کچھ بھی) خبر نہ ہو۔'' یعنی ہم نے رسولوں کو مبعوث فرما کر اور کتابوں کو نازل کر کے جنوں اور انسانوں پر حجت تمام کر دی ہے تا کہ کسی ایسے شخص سے اس کے ظلم کی وجہ سے باز پرس نہ ہو جس تک دعوت ہی نہ پہنچی ہو، اس لیے ہم نے تمام امتوں کے عذر کو ختم کر دیا ہے اور جس امت کو بھی ہم نے عذاب دیا تو اس کی طرف رسولوں کو بھیجنے اور حجت تمام کرنے کے بعد عذاب دیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ ﴾ (فاطر35:24) ''اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل16:36) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل17:15) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور فرمایا: ﴿ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا ﴾ (الملك67:8,9) ''جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغے ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! یقیناً ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ارشاد الٰہی: ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾ ''اور سب لوگوں کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں۔'' یعنی ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا معصیت کے مطابق عمل کرتا ہے، اس کے عمل کے مطابق اس کے درجات ہیں جن تک اللہ تعالیٰ اسے پہنچا دے گا اگر اس نے نیک عمل کیے تو اسے اچھے مراتب سے نوازا جائے گا اور اگر اس نے برے عمل کیے تو برے مقامات میں اسے گرا دیا جائے گا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس آیت کریمہ میں سب لوگوں سے مراد کافر جن وانس ہوں، یعنی ان میں سے ہر ایک کا اس کے حسب حال جہنم میں درجہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ ﴾ (الأعراف7:38) ''اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا۔)'' اور فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ ﴾ (النحل16:88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے، اس لیے کہ وہ شرارت کیا کرتے تھے۔'' ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں۔'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ (اے محمد ﷺ!) آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بھی بے خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو شمار کر کے اپنے پاس محفوظ کر رہا ہے اور جب یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے تو وہ قیامت کے دن ان کے اعمال کے مطابق انھیں بدلہ دے گا۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 50/8.

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ

اور آپ کا رب بے نیاز ہے رحمت والا، اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے، اور تمھارے بعد جنھیں چاہے جانشین بنا دے، جیسے اس نے تمھیں دوسری قوم

اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ؕ ﴿133﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿134﴾

کی نسل سے پیدا کیا﴿133﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ ضرور آنے والی ہے، اور تم عاجز کرنے والے نہیں﴿134﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اے

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، چنانچہ جلد ہی تم جان لو گے کہ کس شخص کے لیے آخرت کا (اچھا) انجام

الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿135﴾

ہے۔ اور بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے﴿135﴾

تفسیر آیات:133-135

نافرمانی کی صورت میں نابود کر دینے کی وعید: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَبُّكَ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار'' (اے نبی!) ﴿ الْغَنِيُّ ﴾ ''بے پروا ہے'' اپنی تمام مخلوق سے ہر اعتبار سے اور وہ اپنے تمام حالات میں اس کے محتاج ہیں۔ ﴿ ذُو الرَّحْمَةِ ﴾ (اور) صاحب رحمت ہے۔'' اور وہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا بھی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (الحج 65:22) ''بے شک اللہ لوگوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔'' ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ﴾ ''اگر وہ چاہے (تو اے بندو!) تمھیں لے جائے۔'' جب تم اس کے حکم کی مخالفت کرو۔ ﴿ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ ﴾ ''اور تمھارے بعد جن لوگوں کو چاہے تمھارا جانشین بنا دے۔'' یعنی دوسرے ایسے لوگوں کو جو اس کی اطاعت کے مطابق عمل کریں۔ ﴿ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿133﴾ ﴾ ''جیسا کہ تم کو بھی دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے۔'' یعنی وہ اس بات پر قادر ہے اور اس کے لیے یہ بہت آسان ہے جیسا کہ اس نے پہلے لوگوں کو نیست و نابود کر کے ان کے بعد دوسروں کو پیدا کیا، اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان لوگوں کو ختم کر کے یہاں اور لوگوں کو بسا دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ○ ﴾ (النسآء 4:133) ''لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمھاری جگہ) دوسرے لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ○ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ ﴾ (فاطر 35:15-17) ''لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پروا، سزاوار حمد و ثنا ہے اگر چاہے تو تم کو نیست و نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○ ﴾ (محمد 47:38) ''اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔'' محمد بن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابان بن عثمان

سے اس آیت: ﴿ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾ کے بارے میں سنا کہ ذریت اصل کو بھی کہتے ہیں اور نسل کو بھی۔[1] ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا تھا وہ (وقوع میں) آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے۔'' یعنی (اے محمد ﷺ!) آپ انھیں بتا دیں کہ قیامت سے متعلق ان سے جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ بہر صورت پورا ہونے والا ہے ﴿ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ ''اور تم (اللہ تعالیٰ کو) مغلوب نہیں کر سکو گے۔'' وہ تمھیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، خواہ تم مٹی بن جاؤ اور تمھاری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں، وہ قادر ہے، اسے کوئی چیز مغلوب نہیں کر سکتی۔

ارشاد الٰہی: ﴿ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ بے شک میں (اپنی جگہ) عمل کیے جاتا ہوں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔'' یہ سخت وعید اور شدید سرزنش ہے کہ اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ تم ہدایت پر ہو تو پھر تم اپنے طریقے کے مطابق عمل کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے اور دستور کے مطابق عمل کیے جاتا ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ ﴾ (ھود 11:121,122) ''اور جو لوگ ایمان نہیں لائے آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ بے شک ہم (اپنی جگہ) عمل کیے جاتے ہیں اور (نتیجہ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مَكَانَتِكُمْ ﴾ کے معنی اپنی جگہ کے ہیں۔[2] ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں (بہشت) کس کا گھر ہوگا کچھ شک نہیں کہ ظالم نجات نہیں پائیں گے۔'' یعنی عنقریب تم کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں بہشت میرے لیے ہوگی یا تمھارے لیے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو پورا فرما دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ملک میں دسترس عطا فرمائی، مخالفین پر غلبہ و تسلط عطا فرمایا، مکہ مکرمہ پر فتح عطا فرمائی، اپنی اس قوم پر آپ کو غالب کر دیا جس نے آپ کی تکذیب کی، آپ سے دشمنی کی اور آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف سارے جزیرۃ العرب کو بلکہ یمن اور بحرین کو بھی آپ کی حیات طیبہ ہی میں مسلمانوں کے زیر نگیں کر دیا۔

پھر آپ کی وفات کے بعد خلفاء رضی اللہ عنہم کے عہد میں بہت سے علاقوں اور بہت سے ملکوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (المجادلۃ 58:21) ''اللہ کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن 40:51,52) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:4/1390 و الدر المنثور:3/88 . [2] تفسیر الطبری:8/52 .

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

اور انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا کیا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے: یہ (حصہ)

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى

اللہ کے لیے ہے، اور یہ ہمارے دیوتاؤں کے لیے ہے، پھر ان کے دیوتاؤں کا جو حصہ ہے وہ تو اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے

شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿136﴾

دیوتاؤں کے پاس پہنچ جاتا ہے، کس قدر برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿136﴾

بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ (الأنبیآء 105:21) ''اور بلاشبہ ہم نے نصیحت (کی کتاب، یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ بے شک میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔''

تفسیر آیت:136

بعض اعمالِ شرک کا بیان: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی مذمت اور سرزنش کی ہے جنھوں نے بدعت، کفر اور شرک کو اختیار کیا اور مخلوق میں اللہ کا حصہ بنا دیا، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ ﴾ ''اور (یہ لوگ) اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے (بھی ایک حصہ) مقرر کرتے ہیں۔'' یعنی ان چیزوں میں سے جن کو اس نے پیدا فرمایا اور وجود بخشا ہے ﴿ مِنَ الْحَرْثِ ﴾ ''کھیتی سے'' یعنی فصلوں اور پھلوں میں سے ﴿ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ﴾ ''اور چوپایوں میں سے (بھی) ایک حصّہ'' نصیب کے معنی جز اور حصے کے ہیں۔ ﴿ فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ﴾ ''اور اپنے خیال (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو اللہ کا اور یہ ہمارے شریکوں (بتوں) کا تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے۔''

علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن جب کوئی کھیتی بوتے یا کسی پھل کو حاصل کرتے تو اس میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور ایک بت کے لیے مقرر کر دیتے اور فصل، پھل یا کسی بھی دوسری چیز میں سے جو حصہ بتوں کے لیے ہوتا اس کی تو خوب حفاظت کرتے، اسے گن گن کر رکھتے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے میں سے اگر کوئی چیز گر جاتی تو اسے اٹھا کر بھی بت کے حصے میں شامل کر دیتے اور اگر بت کے لیے مقرر کی ہوئی چیز کو پانی سیراب کر دیتا اور اللہ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے کو بھی سیراب کر دیتا تو سب کو بت کے لیے کر دیتے (بت کا حصہ اور اللہ کا حصہ جو سیراب ہو جاتا) اور اگر کھیتی یا پھل میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے میں سے کوئی چیز گر جاتی تو اسے بت کے لیے وقف کر دیتے اور کہتے کہ یہ فقیر ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے میں

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے دیوتاؤں نے ان کی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا رکھا ہے، تاکہ وہ انھیں ہلاک کر دیں اور ان کے لیے ان کا

دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿137﴾

دین مشکوک بنا دیں، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے، چنانچہ انھیں اور ان کے جھوٹ کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیے جو وہ گھڑتے ہیں ﴿137﴾

شامل نہ کرتے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے کو پانی سیراب کر دیتا اور اسے بھی سیراب کر دیتا جسے بت کے لیے وقف کیا ہوتا تو اسے بت کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اپنے اموال میں سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دے کر بتوں کے لیے وقف کر دیتے تھے اور عقیدہ یہ رکھتے تھے کہ انھوں نے اپنے ان اموال کو تقرب الٰہی کے حصول کے لیے حرام قرار دیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ ''اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں، یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔''[1] امام مجاہد، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[2]

اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو چیز اللہ کے نام پر ذبح کرتے اسے اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک اس پر اپنے بتوں کے نام نہ لیتے تھے اور جسے وہ اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اس پر اللہ کا نام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی حتی کہ ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿136﴾﴾ تک پہنچ گئے۔[3] یعنی بری ہے یہ تقسیم جو وہ کرتے تھے۔

پہلے تو انھوں نے تقسیم ہی میں غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب، مالک اور خالق ہے، ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر چیز اسی کے تصرف، قدرت اور مشیت کے تحت ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار، پھر اپنے گمان فاسد کے مطابق انھوں نے جو یہ تقسیم کی، اس کی بھی حفاظت نہ کی بلکہ اس میں بھی ظلم سے کام لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝﴾ (النحل 57:16) ''اور یہ لوگ اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (اور) وہ ان سے پاک ہے اور اپنے لیے (بیٹے) جو مرغوب (ودل پسند) ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (الزخرف 15:43) ''اور انھوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لیے اولاد مقرر کی، بے شک انسان تو صریح ناشکرا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝﴾ (النجم 22,21:53) ''(مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو پھر بہت بے انصافی کی ہے۔''

تفسیر آیت: 137

شیطان نے مشرکوں کے لیے قتلِ اولاد کو اچھا کر دکھایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطانوں نے جس طرح ان کے لیے

[1] تفسیر الطبری: 54/8 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1391/4. [2] تفسیر الطبری: 55,54/8. [3] تفسیر الطبری: 55/8 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1392/4.

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ

اور اپنے (جھوٹے) خیال کے مطابق انھوں نے کہا: یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع ہیں، انھیں بس وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں، اور بعض چوپائے ہیں جن

حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا

کی پشت (پر سواری) حرام کر دی گئی، اور بعض چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں پڑھتے، یہ سب وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہوئے کرتے ہیں، وہ جلد ہی

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿138﴾

انھیں اس جھوٹ کی سزا دے گا جو وہ گھڑتے رہے ہیں ﴿138﴾

اس بات کو اچھا کر دکھایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ چیزوں، کھیتیوں اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کریں اور اپنے بتوں کا بھی، اسی طرح شیطان نے اس بات کو بھی ان کے لیے مزین کر دکھایا کہ بھوک کے خوف سے اولاد کو قتل کریں اور عار کے خوف سے بچیوں کو زندہ درگور کر دیں۔ علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا اچھا کر دکھایا ہے۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿شُرَكَآؤُهُمْ﴾ سے یہاں شیاطین مراد ہیں جنھوں نے انھیں اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر کی وجہ سے زندہ درگور کر دینے کا حکم دیا۔[2] سدی فرماتے ہیں کہ شیطانوں نے انھیں حکم دیا کہ بیٹیوں کو قتل کر دیں اور یہ حکم اس لیے دیا ﴿لِيُرْدُوْهُمْ﴾ ''تا کہ وہ انھیں ہلاکت میں ڈال دیں۔'' یا ﴿وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ﴾ ''اور تا کہ ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں۔''[3]

اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔'' یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے سے ہوا ہے اور اس میں بھی اس کی پوری پوری حکمت کارفرما ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے، اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ سب لوگوں کو اپنے اعمال کی ضرور جواب دہی کرنا ہوگی۔ ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿137﴾﴾ ''چنانچہ ان کو چھوڑ دیں (کہ وہ جانیں) اور ان کے جھوٹ کو۔'' ان کو چھوڑ دیں، ان سے اور ان کے اعمال سے اجتناب کریں، آپ کے اور ان کے درمیان عنقریب اللہ تعالیٰ خود فیصلہ فرما دے گا۔

تفسیر آیت:138

چوپایوں کے بارے میں مشرکوں کی بعض حرام کردہ چیزیں: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿حِجْرٌ ۖ﴾ سے مراد وصیلہ اور دیگر وہ چیزیں ہیں جن کو انھوں نے حرام قرار دے رکھا تھا۔[4] مجاہد، ضحاک، سدی، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ﴾ ''اور اپنے (جھوٹے) خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے۔'' سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں شیطانوں نے ان کے اموال میں سے ان کے لیے نہایت شدت سے حرام قرار دے رکھا تھا اور یہ حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھی۔[6]

[1] تفسیر الطبری: 57/8. [2] تفسیر الطبری: 57/8. [3] تفسیر الطبری: 57/8. [4] تفسیر الطبری: 60/8. [5] تفسیر الطبری: 61/8 . [6] تفسیر الطبری: 61/8.

ابن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ﴿ حِجۡرٌ ﴾ سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں انھوں نے اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ①

سدی ﴿ لَّا يَطۡعَمُهَآ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ ﴾ ''اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ان کا کھانا حرام ہے، سوائے ان لوگوں کے جنھیں ہم چاہیں۔ ② یہ آیت کریمہ اسی طرح ہے جیسے یہ ہے: ﴿ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ۝ ﴾ (یونس 59:10) ''کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمھارے لیے جو رزق نازل فرمایا ہے، پھر تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے اس کا تمھیں حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟''

اور فرمایا: ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝ ﴾ (المآئدة 103:5) ''اللہ نے نہ تو بحیرہ کو کچھ چیز بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔'' ③ سدی کہتے ہیں کہ جن جانوروں کی پیٹھوں پر چڑھنا منع تھا، وہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام تھے، نیز وہ ان جانوروں کے پیدا ہونے کے وقت اور انھیں ذبح کرنے کے وقت ان پر اللہ کا نام بھی نہیں لیا کرتے تھے۔ ④

ابوبکر بن عیاش نے عاصم بن ابوالنجود سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے ابووائل نے کہا کیا تمھیں معلوم ہے کہ ﴿ وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا ﴾ ''اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں کہ ان پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے۔ اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔'' سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو انھوں نے بتایا کہ اس سے مراد وہ بحیرہ جانور ہیں جن کی پیٹھ پر سوار ہو کر وہ حج بھی نہیں کرتے تھے۔ ⑤

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے کچھ اونٹ اس قسم کے تھے کہ جن پر وہ مطلق اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے، نہ ان پر سوار ہوتے وقت، نہ ان کا دودھ دوہتے وقت، نہ ان پر سامان لادتے وقت، نہ ان کے بچوں کے جنم دینے کے وقت اور نہ ہی ان سے کوئی دوسرا کام لیتے وقت ان پر اللہ کا نام لیتے تھے۔ ⑥ ﴿ افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ ﴾ ''سب اللہ پر جھوٹ ہے۔'' یعنی انھوں نے اپنی ان خُرافات کو جو اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کی طرف منسوب کیا تو یہ سراسر جھوٹ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی بات کا نہ حکم دیا ہے اور نہ اس نے ان میں سے کسی بات کو پسند ہی فرمایا ہے۔ ﴿ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝۱۳۸ ﴾ ''وہ عنقریب ان کو ان کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔'' یعنی وہ انھیں ان کے جھوٹ بولنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی ضرور سزا دے گا۔

① تفسیر الطبری:61/8. ② تفسیر الطبری:61/8. ③ دیکھیے سورۃ المائدۃ، آیت:103 کے ذیل میں۔ ④ تفسیر الطبری:62/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1394/4. ⑤ تفسیر الطبری:62/8 . ⑥ تفسیر الطبری:62/8 .

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ

اور انھوں نے کہا: ان (حرام کیے ہوئے) چوپایوں کے پیٹ میں جو بچہ ہو وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر وہ

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

مردہ ہوتو (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہیں۔ جلد ہی اللہ انھیں اس طرح (خود ہی حلال اور حرام) طے کرنے کی سزا دے گا، بے شک وہ بڑا حکمت

عَلِيْمٌ ﴿139﴾

والا، خوب جاننے والا ہے ﴿139﴾

تفسیر آیت:139

ابواسحاق سبیعی نے عبداللہ بن ابوالہذیل سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا ...... ﴾ الآیۃ ”اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے، وہ خاص ہمارے مردوں کے لیے ہے......“ سے مراد دودھ ہے۔[1] اور عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد دودھ ہے کہ اسے وہ عورتوں کے لیے حرام قرار دے دیتے تھے اور مرد اُسے پیتے تھے، بکری جب نر بچہ جنم دیتی تو وہ اس بچے کو ذبح کر دیتے اور اسے صرف مرد کھا سکتے تھے، عورتیں نہیں اور اگر بکری مادہ بچے کو جنم دیتی تو اسے چھوڑ دیتے اور ذبح نہ کرتے اور اگر وہ مردار ہوتا تو مرد اور عورتیں سب مل کر کھاتے تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرما دیا۔ سدی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[2] شعبی کہتے ہیں کہ بحیرہ جانوروں کے دودھ کو صرف مرد ہی استعمال کر سکتے تھے اور اگر کوئی بحیرہ جانور مر جاتا تو اس کے کھانے میں مرد اور عورتیں سب شریک ہو جاتے تھے۔ عکرمہ، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[3]

مجاہد فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت سے مراد سائبہ اور بحیرہ جانور ہیں۔[4] ابوالعالیہ، مجاہد اور قتادہ نے اللہ کے اس فرمان: ﴿ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ﴾ ”عنقریب اللہ ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا۔“ کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ یہاں ﴿ وَصْفَهُمْ ﴾ سے مراد ان کا جھوٹ ہے۔[5] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ﴾ الآیۃ (النحل 117,116:16) ”اور یونہی جھوٹ جو تمھاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے......“ ﴿ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ ﴾ ”بے شک وہ حکمت والا ہے۔“ یعنی اپنے افعال واقوال اور شریعت وتقدیر میں ﴿ عَلِيْمٌ ﴿139﴾ ﴾ ”(اور) خبردار ہے“ اپنے بندوں کے تمام اچھے اور برے اعمال سے، پھر انھی کے مطابق وہ انھیں پورا پورا بدلہ بھی دے گا۔

[1] تفسیر الطبری: 63/8۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1396/5 وتفسیر الطبری: 64,63/8۔ [3] تفسیر الطبری: 63/8۔
[4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1395/5۔ [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 1396/5۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَی

بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے، جنھوں نے اپنی اولاد کو علم کے بغیر بیوقوفی سے قتل کیا، اور اللہ نے انھیں جو رزق دیا اللہ پر جھوٹ باندھ کر اسے حرام

اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿140﴾

ٹھہرالیا، تحقیق وہ گمراہ ہو گئے، اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے ﴿140﴾

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے، اور کھجور اور فصلیں (پیدا کیں) ان کے پھل (مزے میں) مختلف

وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ

ہیں، اور زیتون اور انار (پیدا کیے)، ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی، ان کا پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق

حَصَادِهٖ ۖ٘ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿141﴾ۙ وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا

دے دیا کرو، اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿141﴾ اور (پیدا کیے) اس نے چوپایوں میں سے بوجھ اٹھانے والے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿142﴾ۙ

اور زمین سے لگے (پست قد)، اللہ نے تمھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿142﴾

تفسیر آیت:140

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے یہ کام کیے، وہ دنیا و آخرت میں گھاٹے میں پڑ گئے، دنیا میں اپنی اولاد کو قتل کرنے کی وجہ سے گھاٹے میں پڑ گئے اور اپنے اموال میں سے کچھ چیزوں کو از خود حرام قرار دے کر اپنے آپ کو تنگی اور مشکل میں ڈال لیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ پر کذب و افتراء باندھنے کی وجہ سے بدترین انجام سے دوچار ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 70,69:10) ''بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لیے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں)، پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو عذابِ شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔''

حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اگر آپ عربوں کی جہالت کو معلوم کرنا چاہیں تو سورۂ انعام کی آیت:130 کے بعد کی آیات پڑھ لیں (جن میں سے ایک آیت یہ بھی ہے کہ) ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَی اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿140﴾ ﴾ ''بے شک جن لوگوں نے اپنی اولاد کو علم کے بغیر بیوقوفی سے قتل کیا اور اللہ پر افتراء کر کے اس کی عطا فرمائی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا، وہ گھاٹے میں پڑ گئے، وہ بلاشبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے

[1] الدر المنثور:3/91.

بھی اپنی ''صحیح'' کے باب مناقب قریش میں اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ ①

تفسیر آیات:142,141

اللہ تعالیٰ ہی نے پھلوں، دانوں اور چوپایوں کو پیدا فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہی ہر قسم کی فصلوں، پھلوں اور چوپایوں کا خالق ہے مگر ان مشرکوں نے اپنی فاسد آراء کے ساتھ ان چیزوں میں تصرف کیا اور ان میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال ٹھہرا دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ ''اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کیے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ سے بلند و بالا اور طویل درخت مراد ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ سے مراد وہ باغات ہیں جنھیں لوگوں نے چھتریوں پر چڑھایا ہو اور ﴿غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ سے مراد جنگلوں اور پہاڑوں میں پیدا ہونے والے پھل ہیں۔② عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ سے مراد انگوروں کی بیلیں ہیں جنھیں چھتریوں پر چڑھا لیا گیا ہو اور ﴿غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ سے مراد ایسی بیلیں ہیں جنھیں چھتریوں پر نہ چڑھایا گیا ہو۔ سدی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔③

اور ابن جریج نے کہا ہے کہ ﴿مُتَشَابِهًا﴾ سے مراد وہ پھل ہیں جو شکل و صورت کے اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ﴿غَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ سے مراد وہ ہیں جو اپنے ذائقے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔④ محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ﴾ ''ان کے پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں۔'' یعنی کھجور اور انگور وغیرہ پھل کھاؤ۔⑤

ارشاد الٰہی: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو، اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر مسکین آجائیں تو انھیں بھی پھلوں میں سے دو۔⑥ اور امام عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ کھیتی کاٹتے وقت اور پھل توڑتے وقت مسکینوں کو بھی مٹھی بھر دے دیا جائے۔⑦ ثوری نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ انھیں مٹھی بھر کر دے دیا جائے۔⑧ اور ابن مبارک نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ یہ حکم زکاۃ کی فرضیت سے پہلے تھا کہ مسکینوں کو مٹھی بھر غلہ یا پھل دے دیا جائے اور ان کے جانوروں کے لیے بھی ایک مٹھی چارہ دے دیا جائے۔⑨

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو کھیتی اور پھل کاٹتے تو ہیں مگر صدقہ نہیں کرتے جیسا کہ سورۂ ''ن'' میں باغ والوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ

① صحیح البخاری، المناقب، باب قصة زمزم و جهل العرب، حدیث:3524. امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے باب مناقب قریش کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ بعد والے کئی ابواب اسی کے ضمن میں ہیں جیسا کہ تخریج میں ذکر کردہ باب سے بھی یہ بات واضح ہے۔ ② تفسیر الطبری:69/8. ③ تفسیر الطبری:69/8. ④ تفسیر الطبری:70/8. ⑤ تفسیر الطبری:70/8. ⑥ تفسیر الطبری: 73/8. ⑦ تفسیر عبدالرزاق:67/2، رقم:860. ⑧ تفسیر الطبری:75/8. ⑨ تفسیر الطبری:76/8.

مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝ (القلم68:17-20) ''جب انھوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا میوہ ضرور توڑ لیں گے اور ان شاء اللہ نہ کہا۔ وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ آپ کے پروردگار کی طرف سے اس پر ایک آفت پھر گئی، پھر وہ ایسا ہو گیا، جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔'' یعنی وہ باغ جل کر اس طرح راکھ بن گیا گویا کالی سیاہ رات ہو۔

بعدازاں: ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (القلم68:21-33) ''جب صبح ہوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو، چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج یہاں تمھارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر) قادر (ہیں)، پھر جب انھوں نے باغ کو دیکھا تو (ویران) کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں (نہیں) بلکہ ہم (برگشتہ بخت) بے نصیب ہیں۔ ایک جوان میں عقل مند تھا بولا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ (تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہم ہی قصوروار تھے، پھر لگے ایک دوسرے کو ملامت کرنے، کہنے لگے کہ ہائے شامت! ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے، امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے، بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ (دیکھو!) عذاب یوں ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے کاش! یہ لوگ جانتے ہوتے۔''

اسراف کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝١٤١﴾ ''اور بے جا نہ اڑانا بے شک اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' اس کے ایک معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ دینے میں اسراف نہ کرو کہ دستور سے بڑھ کر دینے لگو۔ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنی کھجوروں کا پھل توڑا اور کہا کہ آج جو بھی میرے پاس آئے گا میں اسے کھجوریں کھانے کے لیے دے دوں گا حتی کہ شام تک انھوں نے تمام کھجوریں تقسیم کر دیں اور ان کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝١٤١﴾ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

لیکن آیت کے سیاق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کھانے میں اسراف سے کام نہ لو کیونکہ یہ عقل اور جسم کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا کہ جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ، پھر آخر میں یہ فرمایا

[1] تفسیر الطبری:8/81.

کہ اسراف سے کام نہ لو تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کھانے پینے میں حد سے بڑھنا مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ﴾ (الأعراف 31:7) ''اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ۔'' صحیح بخاری کی ایک معلق روایت میں ہے کہ [كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا (وَتَصَدَّقُوا) فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَّلَا مَخِيلَةٍ] ''کھاؤ، پیو اور پہنو (اور صدقہ وخیرات کرو) لیکن اسراف اور تکبر نہ کرو۔''① معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَم.

چوپایوں کے فائدے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ﴾ ''اور چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (بڑے بڑے) بھی پیدا کیے اور زمین سے لگے ہوئے (چھوٹے چھوٹے) بھی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے کچھ ایسے جانور پیدا فرمائے ہیں جو بڑے بڑے ہیں اور کچھ ایسے جو چھوٹے چھوٹے ہیں کہا گیا ہے کہ ﴿ حَمُوْلَةً ﴾ سے مراد وہ بڑے اونٹ ہیں جن پر بوجھ لادا جاتا ہے جبکہ ﴿ وَّ فَرْشًا ؕ﴾ سے مراد چھوٹے اونٹ ہیں جن پر ابھی بوجھ نہ لادا جا سکتا ہو، اسے امام حاکم نے روایت کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے مگر امام بخاری ومسلم نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔②

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ﴿ حَمُوْلَةً ﴾ وہ جانور ہیں جن پر تم سواری کرتے ہو اور ﴿ وَّ فَرْشًا ؕ﴾ وہ ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور جن کا دودھ پیتے ہو، مثلاً: بکری وزن نہیں اٹھاتی مگر تم اس کے گوشت کو کھاتے اور اس کے بالوں سے لحاف اور بستر بناتے ہو۔③

عبدالرحمٰن نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ جو فرمایا ہے، یہ بہت خوب ہے، اس کی تائید حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 72,71:36) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں، ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے، پھر وہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے انھیں ان کے قابو میں کر دیا، چنانچہ کچھ تو ان میں سے ان کی سواریاں ہیں اور کچھ کو یہ کھاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ ﴾ تا ﴿ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ ﴾ (النحل 80-66:16) ''اور بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں بھی (مقام) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس کے بیچ سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوش گوار ہے...... اور ان کی اون اور پشم اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں (بناتے ہو جو) مدت تک (کام دیتی ہیں۔)''

چوپایوں کے گوشت کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ۔'' یعنی پھلوں، فصلوں اور چوپایوں سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا اور اس نے ان سب چیزوں کو تمھارے

① صحيح البخاري، اللباس، باب قول الله تعالى: ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ﴾ (الأعراف 32:7)، قبل حديث: 5783. ② المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنعام: 317/2، حديث: 3235 . ③ تفسير الطبري: 85/8.

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

یہ آٹھ قسمیں (پیدا کی) ہیں دو بھیڑ میں سے اور دو بکری میں سے، (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا اس (اللہ) نے دونوں کے نر حرام کیے ہیں یا دونوں کی

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿143﴾

مادائیں یا وہ بچے جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوں؟ (ٹھیک ٹھیک) علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو﴿143﴾ اور دو اونٹوں میں سے اور دو

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

گایوں میں سے۔ کہہ دیجیے: کیا اللہ نے دونوں کے نر حرام کیے ہیں یا دونوں کی مادائیں یا وہ بچے جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوں؟ کیا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمھیں یہ تاکیدی حکم دیا تھا؟ پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا تاکہ

ع 17 4 4 مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿144﴾

وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ بے شک اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا﴿144﴾

لیے رزق بنا دیا ہے۔ ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ ”اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔“ یعنی شیطان کے طریقے اور احکام پر نہ چلو جیسا کہ ان مشرکوں نے شیطان کی پیروی کو اختیار کیا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دے لیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہوئے، انھوں نے اپنے لیے پھلوں اور فصلوں میں سے بعض چیزوں کو حرام قرار دے لیا تھا۔

﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿142﴾ ﴾ ”یقیناً وہ تمھارا صریح دشمن ہے۔“ لوگو! شیطان تمھارا ایسا کھلم کھلا دشمن ہے کہ اس کی دشمنی بالکل ظاہر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ﴾ (فاطر 6:35) ”بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔“ اور فرمایا: ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ﴾ (الأعراف 27:7) ”اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمھیں بہکا نہ دے جس طرح تمھارے ماں باپ کو (بہکا کر) بہشت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیے تاکہ ان کے ستر ان کو (کھول کر) دکھا دے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ ﴾ (الكهف 50:18) ”کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو جبکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔“ قرآن مجید میں اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

تفسیر آیات: 144,143

رسوم و رواج کی یا کسی اور بنا پر کچھ حلال چیزوں کو حرام قرار دینے کی تردید: یہ اسلام سے قبل عربوں کی جہالت کا بیان ہے کہ انھوں نے چوپایوں کو حرام قرار دے کر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی مختلف انواع و اقسام میں تقسیم کر دیا تھا، اسی طرح

جانوروں، فصلوں اور پھلوں کو انھوں نے اور بھی کئی قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ اسی نے ایسے باغات پیدا فرمائے ہیں جو چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور اسی نے چوپایوں کو بھی پیدا فرمایا ہے جن میں سے بعض بڑے بڑے اور بوجھ اٹھانے والے بھی ہیں اور بعض چھوٹے چھوٹے زمین سے لگے ہوئے بھی۔

پھر اس نے بیان فرمایا ہے کہ اسی نے بھیڑوں اور بکریوں میں سے نر اور مادہ کو سیاہ اور سفید رنگ میں پیدا کیا، اسی طرح اس نے نر اور مادہ اونٹوں اور گایوں کو بھی پیدا فرمایا اور اس نے ان جانوروں کو یا ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی حرام قرار نہیں دیا بلکہ ان سب کو انسانوں کے کھانے کے لیے، ان کی سواری کے لیے، ان کی بار برداری کے لیے، ان کے دودھ کے لیے اور ان کے دیگر فوائد کے لیے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ﴾ (الزمر 6:39) ''اور اسی نے تمھارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ''یا جو بچہ دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوا ہے (اس نے حرام قرار دیا ہے؟)'' یہ ان کی اس بات کی تردید ہے کہ ﴿ مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ﴾ (الأنعام 139:6) ''اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ ''اگر تم سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔'' یعنی یقین سے خبر دو کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور یہ حام وغیرہ جن کو تم نے حرام قرار دے رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں کب حرام قرار دیا تھا؟

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارشاد الٰہی: ﴿ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ﴾ ''(یہ بڑے چھوٹے چوپائے) آٹھ قسم کے (ہیں) دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ۔)'' یہ چار قسمیں ہوئیں۔ ﴿ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) پوچھیں کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) ماداؤں کو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تو ان میں سے کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ ﴿ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ''یا جو بچہ دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوا ہے۔'' یعنی رحم میں جو بچہ ہوتا ہے وہ نر یا مادہ ہی ہوتا ہے تو پھر کیا بات ہے کہ تم ان میں سے بعض کو تو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیتے ہو۔ ﴿ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ ''اگر تم سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔'' اللہ تعالیٰ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں حلال ہیں۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ﴾ ''بھلا جس وقت اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا تم اس وقت

[1] تفسیر الطبری: 90,89/8.

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو،

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، پھر جو شخص مجبور ہو

عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿145﴾

جائے، (بشرطیکہ) وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو بے شک آپ کا رب بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿145﴾

موجود تھے؟'' انھوں نے کچھ چیزوں کو از خود حرام قرار دے کر ازراہِ کذب وافتراء ان کی حرمت کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دی تو اس پر ان کی سرزنش کی جارہی ہے۔ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ''تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے تاکہ بغیر علم کے وہ لوگوں کو گمراہ کرے؟'' اس شخص سے زیادہ بڑا اور کوئی ظالم نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿144﴾﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیتِ کریمہ کا سب سے پہلا مصداق عمرو بن لُحَی بن قَمَعہ ہے کیونکہ یہ سب سے پہلا وہ شخص تھا جس نے انبیائے کرام کے دین کو بدلا اور سائبہ، وصیلہ اور حام کی رسموں کو ایجاد کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے۔ ①

تفسیر آیت:145

حرام اشیاء کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ آپ ان لوگوں کے سامنے جنھوں نے اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دے دیا، یہ اعلان کر دیں کہ ﴿لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ﴾ ''جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں، میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا۔'' یعنی ان چیزوں کے سوا حیوانات میں سے اور کچھ حرام نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ مائدہ میں یا احادیث مبارکہ میں دیگر محرمات کا جو ذکر آیا ہے، وہ اس آیت کے بعد آیا ہے ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ ''یا بہتا لہو'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ بہتا لہو حرام ہے اور اگر خون گوشت کے ساتھ لگا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ②

امام حمیدی نے سفیان کے واسطے سے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اسے حکم بن عمرو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کرتے تھے لیکن یہ عالم، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ یہ آیت پڑھتے ہیں:

① صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب إذا انفلت الدابة في الصلاة، حديث:1212 عن أبي هريرة ﷺ. والتفسير، باب: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ ...... ﴾ (المائدة5:103) ، حديث:4623 مختصرًا. وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب النار يدخلها الجبارون ......، حديث:2856 ومسند أحمد:446/1 و366/2 وتفسير عبدالرزاق:31/2، رقم:751. ② تفسير الطبري:94/8.

﴿ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ ...... ﴾ الآیة.[1] امام بخاری اور ابوداود ﷭ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ابوبکر بن مردویہ نے اور امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت ابن عباس ﷟ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ کچھ چیزوں کو تو کھا لیتے تھے اور کچھ کو نفرت کرتے ہوئے نہیں کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا، اپنی کتاب کو نازل فرمایا اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دے دیا، پس جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا وہی حلال ہے اور جسے اس نے حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس سے اس نے سکوت فرمایا ہے، وہ قابل معافی ہے، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ ...... ﴾ الآیة یہ الفاظ ابن مردویہ کی روایت کے ہیں، امام ابوداود نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[3]

امام احمد نے حضرت ابن عباس ﷟ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سودہ بنت زمعہ ﷝ کی بکری مرگئی تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بکری مرگئی ہے، آپ نے فرمایا: [فَلَوْ لَا أَخَذْتُمْ مَّسْكَهَا، فَقَالَتْ: نَأْخُذُ مَسْكَ شَاةٍ قَدْ مَاتَتْ؟] ''تم نے اس کی کھال کو کیوں نہ اتار لیا؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم مری ہوئی بکری کی کھال اتارتے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

[﴿ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ ﴾ فَإِنَّكُمْ لَا تَطْعَمُونَهُ، إِنْ تَدْبَغُوهُ فَتَنْتَفِعُوا بِهِ] ''کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں سے کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سؤر کا گوشت۔'' اور تم اسے کھاتے تو نہیں ہو، لہٰذا اسے رنگ لو اور اس سے فائدہ اٹھا لو تو حضرت سودہ ﷝ نے پیغام بھیج کر اس کی کھال کو اتروا لیا، اسے رنگ لیا اور اس سے ایک مشکیزہ بنا لیا جو ان کے استعمال میں رہا حتی کہ پھٹ گیا۔'' اسے امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ﴾ ''پھر اگر کوئی مجبور کر دیا جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے۔'' یعنی اگر کوئی شخص ان اشیاء میں سے کسی کے کھانے کے لیے مجبور ہو جائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت

---

[1] المسند للحمیدی:379/2 ، حدیث:859. [2] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب لحوم الحمر الإنسیة، حدیث:5529 وسنن أبی داود، الأطعمة، باب فی أکل لحوم الحمر الأهلیة، حدیث:3808. [3] الدرالمنثور:96/3 والمستدرك للحاکم ، الأطعمة:115/4، حدیث:7113 وسنن أبی داود، الأطعمة، باب مالم یذکر تحریمه، حدیث: 3800. [4] صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب: إذا حلف أن لا یشرب نبیذا فشرب طلاء......، حدیث:6686 مختصرًا. وسنن النسائی، الفرع والعتیرة، باب جلود المیتة، حدیث:4245 مختصرًا. ومسند أحمد:328,327/1

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

اور جو لوگ یہودی ہوئے ان پر ہم نے ہر ناخن والا (جانور) حرام کیا تھا، اور گائے اور بکری میں سے ان پر ان کی چربی حرام کی تھی، سوائے

شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

اس چربی کے جو ان کی پیٹھوں یا آنتوں کے ساتھ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہ سزا ہم نے انھیں ان کی سرکشی کے باعث دی تھی اور

بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿146﴾

بے شک ہم سچے ہیں ﴿146﴾

کریمہ میں حرام قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ نافرمانی کا ارتکاب کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو ﴿فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿145﴾﴾ ''تو بے شک آپ کا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے بخشنے والا اور اس پر رحم فرمانے والا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

اس آیتِ کریمہ سے مقصود ان مشرکین کی تردید ہے جنھوں نے از خود کچھ چیزوں کو حرام قرار دے کر اپنی فاسد آراء کے ساتھ انھیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے ناموں سے موسوم کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ آپ ان لوگوں کو یہ بتا دیں کہ وحیِ الٰہی میں ان چیزوں میں سے کسی کو بھی حرام قرار نہیں دیا گیا بلکہ جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں اور وہ ہیں مرا ہوا جانور، بہتا لہو، سؤر کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، ان کے سوا اور چیزوں کو اس نے حرام قرار نہیں دیا، ان کے سوا باقی چیزیں ایسی ہیں جو قابل معافی ہیں جن سے سکوت اختیار کر لیا گیا ہے، لہٰذا تم یہ کیوں گمان کرتے ہو کہ یہ چیزیں بھی حرام ہیں، تم نے انھیں کیوں حرام قرار دے لیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں حرام قرار نہیں دیا تھا؟

تفسیر آیت:146

یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے حلال کو حرام قرار دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے چوپایوں اور پرندوں میں سے ہر ناخن والے، مثلاً: اونٹ، شتر مرغ، اوز (بطخ کی ایک قسم) اور بطخ وغیرہ کو یہودیوں کے لیے حرام قرار دے دیا تھا۔[2] ارشاد الٰہی: ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ﴾ ''اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی کو ہم نے حرام کر دیا تھا۔'' سدی بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کے لیے بھیڑ، بکریوں اور گایوں کی خصوصاً ان کے گردوں کی چربی کو حرام قرار دے دیا تھا اور یہودی بات یہ بناتے تھے کہ چربی کے استعمال کو چونکہ حضرت یعقوب نے اپنے لیے حرام قرار دے لیا تھا، اس لیے ہم بھی اسے حرام سمجھتے ہیں۔[3]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ﴾ ''سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھوں پر لگی ہو۔'' یعنی جو چربی ان جانوروں کی پیٹھ پر لگی ہو وہ ان کے لیے حرام نہیں تھی۔[4] ﴿اَوِ الْحَوَايَآ﴾ ''یا اوجھڑی

① دیکھیے آیت: 173 کے تحت۔ ② دیکھیے آل عمران، آیت: 93 کے تحت۔ ③ تفسیر الطبری: 98/8. ④ تفسیر الطبری: 99/8.

میں'' امام ابوجعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ حَوَایا جمع ہے اور اس کا واحد حَاوِیاء، حَاوِیَة اور حَوِیَّة آتا ہے، اس سے مراد پیٹ کے اندر کا وہ حصہ ہے جو جمع ہو کر گول شکل اختیار کر جائے، یہیں دودھ کی نالیاں بھی ہوتی ہیں، اور اسی مقام پر مینگنیاں بھی جمع ہوتی ہیں اور اس میں انتڑیاں بھی ہوتی ہیں۔ اور اس کا نام مرابض ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کلام الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہودیوں کے لیے گایوں اور بکریوں کی چربی کو بھی حرام قرار دے دیا تھا۔ ہاں، البتہ ان جانوروں کی وہ چربی ان کے لیے حرام نہ تھی جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا جسے ان کی اوجھڑی نے اٹھایا ہوا ہو۔ [1] علی بن ابو طلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حوایا سے مراد اوجھڑی ہے۔ [2] امام مجاہد کا بھی قول ہے کہ حَوَایا اوجھڑی اور معدے کو کہتے ہیں۔ [3] سعید بن جبیر اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ [4]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ﴾ یعنی وہ چربی جو ہڈی کے ساتھ ملی ہو، وہ بھی ہم نے یہودیوں کے لیے حلال قرار دے دی تھی۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ ان کے لیے وہ چربی حلال تھی جو جانور کی چکی اور دم کے ساتھ لگی ہو، اسی طرح ہر وہ چربی جو پایوں، پہلو، سر، آنکھ اور ہڈی کے ساتھ لگی ہوتی تھی، وہ بھی ان کے لیے حلال تھی، امام سدی کا بھی یہی قول ہے۔ [5]

ارشاد الٰہی: ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ﴾ ''یہ سزا ہم نے ان کو ان کی سرکشی کے سبب دی تھی۔'' یعنی ہم نے انھیں اس تنگی اور مصیبت میں ان کی شرارت، بغاوت اور ہمارے احکام کی مخالفت کی وجہ سے مبتلا کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ (النسآء 160:4)

''تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں، حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ ''اور یقیناً ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔'' یعنی ہم نے ان کے ظلموں کی وجہ سے انھیں جو سزا دی ہے تو اس میں ہم عدل کرنے والے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اسی کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ کو جو یہ خبر دی ہے کہ ہم نے ان چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دے دیا تھا تو ہم اس میں سچے ہیں اور یہودیوں کی یہ بات جھوٹ پر مبنی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو اپنے لیے از خود حرام قرار دے لیا تھا۔ [6]

یہود ملعون کی حیلہ سازی: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے تو انھوں نے فرمایا اللہ سمرہ کو تباہ کرے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَلُوهَا فَبَاعُوهَا] ''اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے کہ ان کے لیے چربیوں کو حرام قرار دیا گیا تو انھوں نے انھیں پگھلا لیا اور فروخت کر دیا۔'' اسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ [7]

---

[1] تفسیر الطبری:99/8. [2] تفسیر الطبری:100/8. [3] تفسیر الطبری:100/8. [4] تفسیر الطبری:100/8. [5] تفسیر الطبری:101/8. [6] تفسیر الطبری:102/8. [7] صحیح البخاری، البیوع، باب لا یذاب شحم المیتة ولا یباع ودکه، حدیث:2223 وصحیح مسلم، المساقاة، باب تحریم الخمر والمیتة، حدیث:1582 واللفظ له.

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾

پھر اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے: تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرم قوم سے ٹالا نہیں جاتا﴿١٤٧﴾

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے سال مکہ میں فرماتے ہوئے سنا:[إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ، فَقِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ؟ فَإِنَّهَا يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ، فَقَالَ: لَا، هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا أَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ] ''بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کے بیچنے سے منع کیا ہے، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! مردہ جانوروں کی چربی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ اس سے کھالوں کو چکنائی لگائی جاتی ہے اور کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور اس سے لوگ چراغوں کو جلاتے ہیں آپ نے فرمایا: نہیں، وہ حرام ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو تباہ و برباد کرے، ان کے لیے جب چربیوں کو حرام قرار دیا گیا تو انھوں نے انھیں پگھلا لیا اور انھیں بیچ دیا، پھر ان کی قیمت کھا گئے۔''[1] اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت:147

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اگر آپ کے یہ مخالف مشرکین اور یہودی وغیرہ آپ کی تکذیب کریں ﴿ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ تمھارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کے حصول اور اتباعِ رسول کی ترغیب ہے۔ ﴿ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ ﴾ ''اور اس کا عذاب گناہ گار لوگوں سے نہیں ٹلے گا۔'' یہ ان کے لیے اللہ کے رسول، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی مخالفت پر ترہیب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ترغیب و ترہیب کو ملا کر ہی بیان فرمایا ہے جیسا کہ اس سورت کے آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الأنعام6:165) ''بے شک آپ کا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (الرعد13:6) ''اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار سخت عذاب دینے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث:2236 وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، حديث:1581. [2] سنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، حديث: 3486 وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في بيع جلود الميتة والأصنام، حديث:1297 وسنن النسائي، البيوع، باب بيع الخنزير، حديث:4673 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب مالا يحل بيعه، حديث:2167 ومسند أحمد: 324/3 .

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ

جن لوگوں نے شرک کیا وہ جلد ہی کہیں گے: اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے۔ اسی طرح ان لوگوں

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ

نے (حق کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انھوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ کہہ دیجیے: کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے تو اسے ہمارے سامنے

لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿148﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ

پیش کرو؟ تم تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہو، اور تم اٹکل پچو ہی سے کام لیتے ہو﴿148﴾ کہہ دیجیے: پھر مضبوط دلیل تو اللہ ہی کی ہے، لہٰذا اگر وہ چاہتا تو تم

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿149﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

سب کو ہدایت دیتا﴿149﴾ کہہ دیجیے: تم اپنے گواہ لے آؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے ان (چیزوں) کو حرام کیا ہے، پھر اگر وہ گواہی دیں تو

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

بھی آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں، اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں جنھوں نے ہماری آیات جھٹلائیں اور (نہ) ان لوگوں کی (پیروی

18 ع 6 5 بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿150﴾ ع

کریں) جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں﴿150﴾

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ (الحجر 15:49,50) ''(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ بے شک میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔'' اور فرمایا: غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ (المؤمن 40:3) ''جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا (اور) سخت عذاب دینے والا ہے۔'' اور فرمایا: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ○ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ○ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ○ (البروج 85:12-14) ''بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے، بلاشبہ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا اور وہ بخشنے والا (اور) محبت کرنے والا ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

تفسیر آیات: 148-150

ایک مغالطہ اور اس کا رد: یہ ایک مناظرہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور ایک شبہ ہے جس کا مشرکوں نے اپنے شرک اور چیزوں کو حرام قرار دینے کے سلسلے میں سہارا لیا تھا، اللہ تعالیٰ کو ان کے شرک کا بھی علم تھا اور انھوں نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا تھا ان کا بھی اور اسے تبدیل کر دینے پر بھی قدرت تھی کہ وہ ہمیں ایمان الہام کر دیتا اور ہمارے اور کفر کے مابین حائل ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو تبدیل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے ہے اور وہ ہم سے راضی ہے، اسی لیے مشرکوں نے کہا تھا: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ﴾ (الزخرف 43:20) ''اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو نہ

پوجتے۔'' سورۂ نحل کی آیت:35 بھی بالکل اسی طرح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جوان سے پہلے تھے۔'' یعنی اسی شبہے کی بنیاد پر ان سے پہلے لوگ گمراہ ہوئے تھے، حالانکہ یہ محض ایک بودی اور باطل دلیل ہے اگر ان کی یہ دلیل صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں عذاب کیوں دیتا، انھیں تباہ و برباد کیوں کرتا، اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں اپنے رسولوں کو فتح یاب کیوں کرتا اور مشرکوں سے دردناک انتقام کیوں لیتا۔ ﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے؟'' کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ان حالات کی وجہ سے تم سے راضی ہے ﴿ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ﴾ ''تو اسے ہمارے سامنے نکالو'' ہمیں دکھاؤ اور اسے ظاہر اور واضح کرو۔ ﴿ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿148﴾ ﴾ ''تم محض خیال کے پیچھے چلتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہو۔'' یعنی یہ محض تمھارا واہم وخیال ہے۔ یہاں ظن سے مراد اعتقاد فاسد ہے۔ اور تم اپنے اس دعوے میں اللہ تعالیٰ کی طرف محض جھوٹ منسوب کر رہے ہو۔

ارشاد الٰہی: ﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿149﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی کی حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔'' اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت سے نوازنا چاہے اسے ہدایت دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اسے گمراہ کرنے میں اس کی حکمت تامہ اور حجت بالغہ کارفرما ہے اور اگر وہ چاہتا تو اپنی قدرت، مشیت اور اختیار کے ساتھ تم سب کو ہدایت عطا فرما دیتا مگر وہ مومنوں سے راضی اور کافروں سے ناراض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ﴾ (الأنعام6:35) ''اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر جمع کر دیتا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ﴾ (یونس10:99) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب سارے ہی ایمان لے آتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾ (هود11:118,119) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھروں گا۔''

امام ضحاک فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اس کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں، البتہ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے بندوں کے خلاف بہت مضبوط و مستحکم دلائل موجود ہیں۔ [1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو

---

[1] تفسیر الطبری:106/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1413/5 و تفسیر الخازن:170/2 عن الربیع بن أنس رحمه الله .

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا

کہہ دیجیے: آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

ہوں یا چھپے ہوئے ہوں، اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو، سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو، ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿151﴾

تاکید کی ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو ﴿151﴾

بتائیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں۔'' یعنی اپنے گواہوں کو حاضر کرو جو یہ گواہی دیں کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جن کی حرمت کی ازراہِ کذب وافتراء تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی ہے۔ ﴿ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ﴾ ''پھر اگر وہ (آ کر) گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں۔'' کیونکہ اس حالت میں تو ان کی گواہی محض جھوٹی گواہی ہوگی ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿150﴾ ﴾ ''اور نہ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور (بتوں کو) اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی اس کے ساتھ شرک کرتے اور لوگوں کو اس کا ہمسر بناتے ہیں۔

تفسیر آیت:151

دس وصیتیں: داود اَودی نے شعبی سے، انھوں نے علقمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحیفے کو دیکھنا چاہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ہے تو وہ ان آیات کریمہ کو پڑھ لے: ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ﴾ تا ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿153﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ (لوگو) آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا...... تاکہ تم اللہ سے ڈرو۔''[1]

امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سورۂ انعام میں کچھ محکم آیات ہیں جو اصل کتاب ہیں، پھر انھوں نے ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ...... ﴾ الآیۃ سے ان آیات کی تلاوت فرمائی، امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں فرمایا۔[2]

امام حاکم ہی نے (مستدرک میں) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حديث:3070. [2] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة الأنعام:317/2، حديث:3238.

[مَنْ يُّبَايِعُنِي عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ؟ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ حَتّٰى خَتَمَ الْآيَاتِ الثَّلَاثِ فَمَنْ وَّفٰى فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ، وَمَنِ انْتَقَصَ شَيْئًا أَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا كَانَتْ عُقُوبَتَهُ ، وَمَنْ أَخَّرَ إِلَى الْآخِرَةِ كَانَ أَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُ]''تم میں سے کون ہے جوان آیات پر مجھ سے بیعت کرے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ سے تین آیات کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا: جو اس بیعت کو پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی چیز کو کم کرے اور اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لے تو وہ اس کی سزا ہوگی اور جسے آخرت تک مہلت دے دی جائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔'' امام حاکم نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[1]

ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ ان مشرکوں سے یہ کہہ دیں کہ جنھوں نے غیر اللہ کی عبادت کی ہے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دیا ہے، اپنی اولاد کو قتل کیا ہے اور انھوں نے یہ سب کچھ اپنی باطل آراء اور شیاطین کے بہکاوے کی وجہ سے کیا ہے تو آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں اور میں تم کو بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کن کن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور یہ محض وہم و خیال اور اٹکل کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ بات حقیقت اور وحیِ الٰہی پر مبنی ہے اور یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

شرک کی ممانعت: ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ ''کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔'' یہاں کچھ عبارت محذوف ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس بات کی وصیت کی ہے کہ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنانا، اسی وجہ سے اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''ان باتوں کی وہ تمھیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[أَتَانِي جِبْرِيلُ فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ]،[مِنْ أُمَّتِكَ]،[دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ:]،[وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ:وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ]، [وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ]''میرے پاس جبریل آئے اور انھوں نے مجھے یہ بشارت دی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو۔ میں نے کہا: خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو۔ میں نے کہا: خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، خواہ وہ زنا

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنعام:318/2 ، حديث:3240 .

اور چوری کرتا ہو اور اگر شراب بھی پیتا ہو۔“①

بعض مسانید اور سنن میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [یَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي فَإِنِّي سَأَغْفِرُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا أُبَالِي، وَلَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً أَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً مَّالَمْ تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّإِنْ أَخْطَأْتَ حَتّٰى تَبْلُغَ خَطَايَاكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي، غَفَرْتُ لَكَ] ”اے ابن آدم! بے شک تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا، میں تجھے معاف کرتا رہوں گا، خواہ تیرے کیسے بھی گناہ ہوں اور مجھے کوئی پروا نہیں اگر تو میرے پاس زمین بھر کر گناہ لے کر آئے تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا بشرطیکہ تو کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائے اگرچہ تو اس قدر گناہ کرے کہ تیرے گناہوں کے انبار آسمانوں کی بلندیوں کو چھونے لگیں، پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کردوں گا۔“②

قرآن مجید میں اس حدیث کا شاہد یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (النسآء4:48) ”اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔“ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: [مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ] ”جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“③ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات واحادیث ہیں۔

والدین سے حسن سلوک: ارشاد الٰہی: ﴿ وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ ”اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) حسنِ سلوک کرتے رہنا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی اور اس کا تمھیں حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنیٓ إسرآئیل17:23) ”اور آپ کے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔“ بعض نے اس آیت کریمہ کو اس طرح بھی پڑھا ہے: [وَوَصّٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ......] ”اور آپ کے پروردگار نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو......۔“④

یعنی اپنے ماں باپ سے حسن سلوک سے پیش آؤ، اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر اپنی طاعت اور ماں باپ سے بھلائی

① صحیح البخاری، الجنائز، باب ومن کان آخر کلامه......، مگر اس کا پہلا حصہ حدیث: 7487، دوسرا اور تیسرا، حدیث: 2388، چوتھا، حدیث: 5827 اور پانچواں حصہ حدیث: 6443 کے مطابق ہے و صحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی من مات ......، حدیث: 94. ② اس روایت کو الفاظ اور ترتیب کے اختلاف کے ساتھ ملاحظہ کیجیے جامع الترمذی، الدعوات، باب: [الحدیث القدسی: یا ابن آدم إنك ما دعوتنی......]، حدیث: 3540 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 172/5. ③ صحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی من مات لا یشرك باللّٰه شیئا دخل الجنة......، حدیث: 92. ④ تفسیر الطبری: 80/15.

کے حکم کو ملا کر بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (لقمٰن 15,14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں، دنیا میں معروف طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر، اور اس کے طریقے کی اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے، پھر میں ان سب سے تم کو آگاہ کروں گا۔'' ماں باپ مشرک ہوں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے حسب حال ان سے حسن سلوک کیا جائے، اسی طرح فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (البقرة 83:2) ''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا (قَالَ:) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: بِرُّالْوَالِدَيْنِ (قَالَ:) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ماں باپ سے نیکی کرنا، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے رستے میں جہاد کرنا۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں اگر میں مزید سوال کرتا تو آپ بھی جواب میں یقیناً مزید باتیں ارشاد فرماتے۔[1]

قتلِ اولاد کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ﴾ ''اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' جب اللہ تعالیٰ نے والدین اور اجداد کے بارے میں وصیت فرمائی تو اس کے ساتھ ہی اولاد اور احفاد کے ساتھ شفقت اور حسن سلوک کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔'' زمانۂ جاہلیت کے لوگ شیطانوں کے بہکاوے میں آ کر اپنی اولاد کو بھی قتل کر دیتے تھے، وہ عار کے خوف سے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے اور بسا اوقات فقر و افلاس کے خوف سے اپنے بیٹوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، حديث: 5970 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث: (137و139)-85 واللفظ له.

تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ] ''تم اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اپنے بیٹے کو اس ڈر سے قتل کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ (الفرقان 68:25) ''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور سدی وغیرہ ﴿ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فقر ہے۔[2] یعنی تمھیں جو فقر حاصل ہے اس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ (بنیٓ إسرآئیل 31:17) ''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔'' یعنی مستقبل میں پیش آنے والی مفلسی کے خوف سے تم اسے قتل نہ کرنا، اس لیے وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ﴾ ''(کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' یعنی ان کے اہتمام کے باعث پہلے انھیں رزق دینے کا ذکر کیا، یعنی انھیں رزق میں شریک کرنے کی وجہ سے یہ اندیشہ نہ کرو کہ تم فقیر ہو جاؤ گے کیونکہ ان کا رزق تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور اس آیت میں فقر حاصل کی صورت کو بیان کیا جا رہا تھا، اس لیے فرمایا: ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ﴾ ''(کیونکہ) تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' یہاں زیادہ اہم چونکہ یہ صورت تھی، اس لیے یہاں ان کی نسبت تم کا ذکر پہلے کیا۔ وَاللّٰہُ أَعْلَم.

ارشاد الٰہی: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ ''اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 33:7) ''کہہ دیجیے: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ﴾ (الأنعام 120:6) کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ، (مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ) حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ] ''اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ باغیرت نہیں

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ...... ﴾ الآية (الفرقان 68:25)، حديث: 4761 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب وبيان أعظمها بعده، حديث: 86 . [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1415,1414/5.

ہے، غیرت ہی کی وجہ سے اس نے بے حیائی کی ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو حرام قرار دیا ہے۔''① عبدالملک بن عمیر نے ورّاد سے اور انھوں نے اپنے غلام مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو دیکھ لوں تو تلوار سے اسے قتل کر دوں گا اور معاف نہیں کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: [تَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ؟ وَاللّٰهِ! لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي، وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ] ''تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی مجھ سے زیادہ باغیرت ہے، غیرت ہی کی وجہ سے اس نے بے حیائی کے ظاہر اور پوشیدہ کاموں کو حرام قرار دیا ہے۔''②

انسان کو قتل کرنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ ''اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے۔)'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل کی نہایت تاکید کے ساتھ ممانعت ہے ورنہ قتل بھی ظاہر اور پوشیدہ بے حیائی کے کاموں کی ممانعت میں داخل ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ يَّشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ] ''مرد مسلمان کا جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، خون تین صورتوں میں سے کسی ایک کے بغیر حلال نہیں ہے: (1) شادی شدہ ہو کر بدکاری کرے (2) اس نے کسی انسان کو قتل کیا ہو (3) دین کو ترک کر کے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لے۔''③

مسلمان کا قتل تو کجا معاہد کے قتل کے بارے میں بھی ممانعت، زجر و توبیخ اور وعید آئی ہے، معاہد سے مراد وہ شخص ہے جو اہل حرب میں سے ہو مگر وہ مسلمانوں سے امن طلب کر لے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت کو بیان کیا ہے: [مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَّمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ، وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا] ''جس شخص نے کسی معاہد کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہو رہی ہو گی۔''④

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ (الأنعام 151:6) ، حدیث: 4634 وصحیح مسلم، التوبة، باب غیرة اللّٰه تعالٰی وتحریم الفواحش، حدیث: 2760، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، النکاح، باب الغیرة ، حدیث: 5220 کے مطابق ہیں۔ ② صحیح البخاری، التوحید، باب قول النبی ﷺ: [لا شخص أغیر من اللّٰه]، حدیث: 7416 وصحیح مسلم، اللعان، حدیث: 1499 والمعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة عبدالملک بن عمیر عن وراد: 390/20 ، حدیث: 921 واللفظ له. ③ صحیح البخاری، الدیات، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ﴾ (المآئدة 45:5)، حدیث: 6878 وصحیح مسلم، القسامة والمحاربین ، باب مایباح به دم المسلم، حدیث: 1676 واللفظ له . ④ صحیح البخاری، الجزیة والموادعة، باب إثم من قتل معاهدا بغیر جرم، حدیث: 3166 .

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ

اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ پختگی کی عمر کو پہنچ جائے، اور تم ناپ اور تول کو انصاف کے

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

ساتھ پورا دو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿152﴾

رشتے دار (کا) ہو، اور تم اللہ کا عہد پورا کرو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿152﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: [مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَّهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهٖ، (فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللّٰهِ) فَلَا يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ سَبْعِينَ خَرِيفًا] ''جس نے کسی ذمی کو قتل کیا جبکہ اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، تو اس نے اللہ کے عہد کو توڑا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا، اور بے شک اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔① ارشاد الٰہی: ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿151﴾﴾ ''ان باتوں کی وہ تمھیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔'' یعنی اس نے تمھیں یہ وصیت اس لیے فرمائی ہے تاکہ تم اللہ کے حکم اور نہی کو سمجھ سکو۔

تفسیر آیت:152

مالِ یتیم کھانا حرام ہے: عطاء بن سائب نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' اور یہ آیت نازل فرمائی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ (النسآء 4:10) ''یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔'' تو جس شخص کے زیر کفالت کوئی یتیم تھا تو اس نے اس کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا اور یتیم کے کھانے پینے کی کوئی چیز اگر بچ جاتی تو وہ اسے رکھ دیتا حتی کہ اسے خود وہ یتیم ہی کھاتا یا وہ خراب ہو جاتی، بہرحال یہ صورت حال ان کے لیے بہت گراں تھی، اس کا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾ (البقرۃ 2:220) ''اور آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔'' تو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انھوں نے ان کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے کے ساتھ ملا لیا۔②

① جامع الترمذی، الدیات، باب ماجاء فیمن یقتل نفسا معاهدا، حدیث:1403 وسنن ابن ماجه، الدیات، باب من قتل معاهدا، حدیث:2687، البتہ قوسین والے الفاظ جامع ترمذی میں ہیں۔ ② سنن أبی داود، الوصایا، باب مخالطة الیتیم فی الطعام، حدیث:2871.

ارشادالٰہی: ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ﴾ امام شعبی، امام مالک اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ''حتی کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے۔''①

ماپ تول پورا کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ ''اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لیتے اور دیتے وقت عدل وانصاف سے کام لیا کرو جیسا کہ اس نے ترک عدل وانصاف پر وعید سناتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (المطففین83:1-6) ''ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے (یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں جس دن (تمام) لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں میں سے ایک امت کو محض اس جرم کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتی تھی۔

ارشادالٰہی: ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾ ''ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔'' یعنی اگر کوئی شخص حق کے ادا کرنے اور وصول کرنے میں پوری کوشش کرے اور مقدور بھر کوشش کرنے کے بعد اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

گواہی میں انصاف کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ﴾ ''اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی رشتے دار (کا) ہو۔'' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز﴾ (المآئدۃ5:8) ''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔'' اسی طرح سورۂ نساء کی آیت:135 میں بھی یہی حکم دیا جو اس آیت کے مشابہ ہے کہ قول وفعل میں ہر قریب وبعید کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ہر وقت اور ہر حال میں انصاف کیا جائے اور انصاف کا دامن کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ﴾ ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔'' حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو وصیت فرمائی ہے اسے پورا کرو اور اسے پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی اطاعت بجالاؤ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق عمل کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنا ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝١٥٢﴾ ''ان باتوں کا اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔'' اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے تمھیں اس کا مکلّف ٹھہرایا، اس کا حکم دیا اور اس کے

① تفسیر الطبری:113,112/8 وتفسیر ابن أبی حاتم:1419/5.

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

اور یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو، اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿153﴾

نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو ﴿153﴾

متعلق زور دیا ہے، ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ یعنی تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور اس سے قبل تم جن خرابیوں میں مبتلا تھے انھیں ترک کر دو اور ان سے باز آ جاؤ۔[1]

تفسیر آیت:153

صراط مستقیم پر چلنے کا حکم: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ ''اور تم دوسرے رستوں پر نہ چلنا وہ تمھیں اللہ کے رستے سے الگ کر دیں گے۔'' اور ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ 13:42) ''دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا'' اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ مل کر رہیں اور اختلاف وتفرقہ بازی سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ تم سے پہلے لوگ دین میں لڑائی جھگڑے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ امام مجاہد وغیرہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔[2]

امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک خط کھینچا اور فرمایا: [هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيمًا قَالَ: ثُمَّ خَطَّ عَنْ يَّمِينِهٖ وَشِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ: هٰذِهِ السُّبُلُ، وَلَيْسَ مِنْهَا سَبِيلٌ إِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَّدْعُو إِلَيْهِ] ''یہ اللہ کا سیدھا رستہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ ایسے رستے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اس کی طرف دعوت دے رہا ہے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ ''اور یقیناً یہ میرا سیدھا رستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ وہ تمھیں اللہ کے رستے سے الگ کر دیں گے۔''[3] امام حاکم نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری ومسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[4]

امام احمد رحمہ اللہ اور عبد بن حمید نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے اور یہ الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ہیں۔ کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے سامنے اس طرح خط کھینچا اور فرمایا: [هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَخَطَّيْنِ عَنْ يَّمِينِهٖ وَخَطَّيْنِ عَنْ شِمَالِهٖ، فَقَالَ: هٰذِهِ سُبُلُ[5] الشَّيْطَانِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ فِي

[1] تفسير الطبري:114/8. [2] تفسير الطبري:117,116/8. [3] مسند أحمد:465/1. [4] المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنعام:318/2، حديث:3241. [5] بعض مقامات پر سَبِيل ''رستے'' کا لفظ ہے، دیکھیے مسند أحمد: 397/3.

اَلْخَطِّ الْأَوْسَطِ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ] ''یہ اللہ کا رستہ ہے، پھر آپ نے دو خط اس کے دائیں جانب اور دو خط بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: یہ شیطان کے راستے ہیں، پھر آپ نے درمیانی خط پر اپنا دست مبارک رکھا، پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔'' ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝153﴾ [1] امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ رستہ ہے کہ جس کے ایک کنارے پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چھوڑا تھا اور اس کا دوسرا کنارا جنت میں ہے اور اس کے دائیں جانب بھی پگڈنڈیاں ہیں اور بائیں جانب بھی اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو وہاں سے گزرنے والوں کو دعوت دیتے ہیں جس نے ان پگڈنڈیوں کو اختیار کر لیا وہ اسے جہنم میں لے جائیں گی اور جو صراط مستقیم پر چلتا رہے، وہ اسے جنت میں پہنچا دے گا، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾. [2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ، وَّعَلٰى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ فِيهِمَا أَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ ، وَّعَلَى الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُّرْخَاةٌ، وَّعَلٰى بَابِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَّقُولُ: أَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوا الصِّرَاطَ جَمِيعًا وَّلَا تَتَفَرَّجُوا، وَدَاعٍ يَّدْعُو مِنْ جَوْفِ الصِّرَاطِ ، فَإِذَا أَرَادَ يَفْتَحُ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ قَالَ: وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ، وَالصِّرَاطُ الْإِسْلَامُ ، وَالسُّورَانِ حُدُودُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ مَحَارِمُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَذٰلِكَ الدَّاعِي عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالدَّاعِي فَوْقَ الصِّرَاطِ وَاعِظُ اللّٰهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ]

''اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال اس طرح بیان کی ہے کہ جیسے رستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہوں اور ان دونوں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہوں، دروازوں پر لٹکتے ہوئے پردے ہوں، رستے کے دروازے پر ایک دعوت دینے والا یہ دعوت دے رہا ہو کہ اے لوگو! آؤ اور سب کے سب صراط مستقیم میں داخل ہو جاؤ اور الگ الگ رستے اختیار نہ کرو اور ایک دعوت دینے والا رستے کے درمیان سے بھی دعوت دیتا ہے، جب کوئی انسان ان میں سے کسی دروازے کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے ہائے تجھ پر افسوس! اسے نہ کھولو کیونکہ اگر تم نے اسے کھولا تو اس میں داخل ہو جاؤ گے، پھر آپ نے اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ رستے سے مراد اسلام ہے، دو دیواروں سے مراد اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں، کھلے ہوئے دروازوں سے مراد وہ امور ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، رستے کے کنارے پر داعی سے مراد کتاب اللہ ہے

[1] مسند أحمد:397/3 ومسند عبد بن حميد، من مسند جابر بن عبدالله:345/1 ، حديث:1141 وسنن ابن ماجه، السنة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، حديث: 11 ومسند البزار:131/5، حديث:1718. [2] تفسير الطبري:117/8.

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

پھر ہم نے موسیٰ کو اس لیے کتاب دی کہ جو شخص اچھے کام کرے اس پر ہماری نعمتیں پوری ہوں، اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے۔ اور یہ ہدایت

19 ع 4 6 وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿154﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

اور رحمت کا ذریعہ ہے، تا کہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں﴿154﴾ اور یہ (قرآن) ایک عظیم کتاب ہے، ہم نے اسے نازل کیا ہے، (یہ)

وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿155﴾

برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے﴿155﴾

اور رستے کے اوپر جو دعوت دینے والا ہے۔ اس سے مراد وہ واعظ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہے۔''[1] اور اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی: ﴿فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ ''تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے کے لیے واحد کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ حق ایک ہی ہے اور افتراق واختلاف کی وجہ سے دیگر رستوں کے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○﴾ (البقرۃ2:257) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ ہے کہ اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرں میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

تفسیر آیات:155,154

تورات اور قرآن کی تعریف: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب قرآن مجید کے بارے میں یہ فرمایا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾ (الأنعام 153:6) ''میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا۔'' تو پھر اس کے بعد تورات اور صاحب تورات رسول کی مدح میں فرمایا: ﴿ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ ''(ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی۔'' اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر قرآن مجید اور تورات کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے، مثلاً: ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا﴾ (الأحقاف12:46) ''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی جو پیشوا اور رحمت ہے اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے، اس کی تصدیق کرنے والی۔'' اور اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ﴾ (الأنعام92:6) ''کہہ دیجیے کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے، اسے کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل)

---

[1] مسند أحمد:183,182/4. [2] جامع الترمذی، الأمثال، باب ماجاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ، حدیث:2859 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، سورۃ یونس:361/6، حدیث:11233.

کر رکھا ہے اس (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔'' پھر اس آیت کے بعد فرمایا: ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ﴾ (الأنعام 93:6) ''اور (ویسی ہی) یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔'' اور مشرکوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ﴾ (القصص 48:28) ''پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو ملی تھیں ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (القصص 48:28) ''کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں انھوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور بولے کہ ہم سب کے منکر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ﴾ (الأحقاف 30:46) ''اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا (دین) اور سیدھا رستہ بتاتی ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا ﴾ ''تاکہ ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور تفصیل بیان کرنے کے لیے۔'' یعنی ہم نے اس (موسیٰ علیہ السلام) کو وہ کتاب دی جسے ہم نے اس پر نازل کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت بھی ہے اور ایک ایسی کامل کتاب جو ان تمام امور کی جامع ہے جن کی انھیں اپنی شریعت میں ضرورت تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ ﴾ (الأعراف 145:7) ''اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ ﴾ ''ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں۔'' اور یہ اس کے حسن عمل اور ہمارے حکم اور اطاعت کے بجالانے کی جزا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ ﴾ (الرحمٰن 60:55) ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرة 124:2) ''اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ اللہ نے کہا کہ بے شک میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ○ ﴾ (السجدة 24:32) ''اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔ جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً ﴾ ''اور ہر شے کی تفصیل بیان کرنے کے لیے اور ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔'' یہ اس کتاب کی مدح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر نازل فرمایا تھا: ﴿ لَعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

تاکہ تم یہ نہ کہو کہ صرف ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود ونصاریٰ) پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے ⑯ یا تم

لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

(یہ نہ) کہو کہ اگر بے شک ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، چنانچہ یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ

ایک واضح کتاب اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے، پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور ان سے منہ موڑا؟ جو لوگ

سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں انھیں جلد ہم سخت عذاب کی شکل میں سزا دیں گے، اس لیے کہ وہ حق سے منہ موڑتے ہیں ﴿۱۵۷﴾

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ ”تاکہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب بھی ہم ہی نے اتاری ہے برکت والی تو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔“ یہ قرآن مجید کی اتباع کی دعوت ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب کی ترغیب دی ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اس میں تدبر کریں، اس کے مطابق عمل کریں، اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کی تعریف میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اس کی پیروی کرے گا اور اس کے مطابق عمل کرے گا تو یہ کتاب اس کے لیے دنیا وآخرت میں بابرکت ثابت ہوگی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی مضبوط و مستحکم رسی ہے۔

تفسیر آیات: 157,156

قرآن مجید مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے: امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو: ﴿اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ”کہ صرف ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتابیں اتری ہیں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے تاکہ تمھارا عذر ختم ہو جائے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (القصص 47:28) ”اور ایسا نہ ہو کہ اگر ان (اعمال) کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں، ان پر کوئی مصیبت واقع ہو تو یہ کہنے لگیں کہ اے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے۔)“

ارشاد الٰہی: ﴿عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ”ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر“ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان دو گروہوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔[1] امام مجاہد، سدی، قتادہ اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2] ﴿وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾ ”اور بے شک ہم ان کے پڑھنے سے (معذور اور) بے

[1] تفسیر الطبری: 123/8. [2] تفسیر الطبری: 123/8.

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ

کیا وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں؟ جس دن آپ

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا

کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اسے فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، یا اس نے اپنے ایمان میں

خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿158﴾

کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا۔ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں﴿158﴾

خبر تھے۔'' جو وہ کہتے تھے، ہم اسے سمجھنے سے قاصر تھے کیونکہ ان کی زبان ہماری زبان سے مختلف تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اس سے غافل اور اپنے کاموں میں مشغول بھی تھے۔ ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ﴾ ''یا (یہ نہ) کہو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں کی نسبت کہیں سیدھے رستے پر ہوتے۔'' یعنی ہم نے تمھاری اس بات کو بھی ختم کر دیا کہ اگر ہم پر بھی وہ کتاب نازل ہوتی جو ان پر نازل ہوئی تھی تو ان کی نسبت ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ﴾ (فاطر 42:35) ''اور یہ اللہ کی پختہ قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آئے تو ضرور یہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے۔''

اور اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ﴾ ''چنانچہ یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے دلیل، ہدایت اور رحمت آ گئی ہے۔'' تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی عربی حضرت محمد ﷺ کی زبانی قرآن عظیم آ گیا ہے جس میں حلال و حرام کے احکام بھی ہیں جس میں دلوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا نور بھی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے ان بندوں کے لیے سراپا رحمت بھی ہے جو اس کی پیروی کرتے اور اس کے احکام کی اطاعت بجالاتے ہیں۔

ارشاد الٰہی: ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ﴾ ''تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے منہ موڑے؟'' رسول اللہ ﷺ جس چیز کو لے کر تشریف لائے ہیں، اس سے فائدہ نہ اٹھائے، آپ کو جس چیز کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، اس کی پیروی نہ کرے اور نہ اس کے سوا دیگر چیزوں کو ترک کرے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی آیات کی پیروی سے روکے۔ یہ امام سدی کا قول ہے۔ [1] جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ ﴿ صَدَفَ عَنْهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے اعراض کرے۔ [2]

تفسیر آیت: 158

[1] تفسیر الطبری: 125/8. [2] تفسیر الطبری: 125/8.

ایمان لانے میں تاخیر پر سرزنش: اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں، رسولوں کی مخالفت کرنے والوں، اس کی آیات کی تکذیب کرنے والوں اور اس کے رستے سے روکنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ ﴾ ''یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار آئے۔'' اور یہ قیامت کے دن ہوگا ﴿ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا ﴾ ''یا آپ کے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں مگر جس روز آپ کے پروردگار کی نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔'' یہ قیامت سے پہلے ہونے والا ہے کہ جب وہ قیامت کی علامات اور اشراط کو دیکھیں گے تو اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا ، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا، فَذَاكَ حِينَ] ''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا جب لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتا ہوا دیکھیں گے تو ایمان لے آئیں گے مگر یہ وہ وقت ہوگا: ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔''[1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا ، وَالدَّجَّالُ ، وَدَابَّةُ الْأَرْضِ] ''تین نشانیاں جب نمودار ہوں گی تو اس وقت کسی ایسے شخص کو ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے: (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (2) دجال کا آنا اور (3) زمین سے جانور کا نکلنا۔''[2] اسے امام احمد نے بھی روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں دھوئیں کا ذکر ہے۔[3] اور اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

امام احمد نے عمرو بن جریر کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ تین مسلمان مدینے میں مروان کے پاس بیٹھے تھے اور انھوں نے سنا کہ وہ قیامت کی نشانیوں کے بارے میں بیان کر رہا تھا کہ ان میں سے سب سے پہلی نشانی دجال کا آنا ہوگا، یہ لوگ عبداللہ بن عمرو کے پاس چلے گئے اور نشانیوں کے بارے میں مروان سے سنی ہوئی بات ان سے بیان کی تو عبداللہ نے کہا کہ مروان نے یہ بات صحیح طرح بیان نہیں کی جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایک حدیث یاد کی ہے جسے آج تک میں بھولا نہیں ہوں، میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: [إِنَّ أَوَّلَ الْآيَاتِ خُرُوجًا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا،

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا ﴾ (الأنعام 158:6)، حديث: 4635 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الزمن الذي لا يقبل فيه الإيمان، حديث: 157 وتفسير الطبري:129/8. [2] تفسير الطبري:135/8.
[3] مسند أحمد:446,445/2. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الزمن الذي لايقبل فيه الإيمان، حديث:158.

وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ ضُحًى ، فَأَيَّتُهُمَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْأُخْرَى عَلَى أَثَرِهَا] ''قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوگی کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور چاشت کے وقت زمین سے ایک جانور نکلے گا، ان میں سے جو نشانی پہلے نمودار ہو تو دوسری بھی فوراً اس کے بعد نمودار ہو جائے گی۔''

پھر عبداللہ نے جو سابقہ آسمانی کتابیں پڑھتے رہتے تھے، کہا کہ میرا خیال ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہوگا، سورج جب بھی غروب ہوتا ہے تو وہ عرش الٰہی کے نیچے آ کر سجدہ کرتا ہے، پھر واپس جانے کے لیے اجازت طلب کرتا ہے تو اسے واپس جانے کی اجازت مل جاتی ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ جب اسے مغرب سے طلوع کرنا چاہے گا تو وہ اپنے حسب معمول عرش الٰہی کے نیچے آ کر سجدہ کرے گا اور واپس جانے کے لیے اجازت طلب کرے گا مگر اسے کوئی جواب نہیں دیا جائے گا، یہ پھر واپسی کے لیے اجازت طلب کرے گا مگر اسے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا جائے گا حتی کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے رات کا کچھ حصہ چلا جائے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ اگر اسے واپسی کی اجازت مل بھی جائے تو وہ مشرق کو نہیں پہنچ سکے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! مشرق کس قدر دور ہے، مجھے لوگوں تک کون پہنچائے گا حتی کہ افق جب ایک طوق کی طرح محسوس ہوگا تو سورج پھر واپسی کے لیے اجازت طلب کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنی اسی جگہ سے طلوع ہو تو یہ لوگوں کے لیے مغرب سے طلوع ہوگا۔

پھر عبداللہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ ''جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس دن جب کافر ایمان لے آئے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور جو شخص اس دن سے پہلے مومن ہوگا اور عمل صالح کرتا ہوگا تو وہ عظیم بھلائی میں ہوگا اور اگر وہ عمل صالح کرنے والا نہ ہوگا اور اس دن توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی جیسا کہ سابقہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور یہی معنی ہیں ﴿ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ کے، یعنی اس سے نیک عمل بھی اس وقت قبول نہ ہوگا اگر اس نے اس سے پہلے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۵۸ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے کہ تم بھی انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔'' یہ کافروں کے لیے شدید سرزنش ہے اور اس شخص کے لیے زبردست وعید ہے جو اپنے ایمان اور توبہ کو اس وقت تک کے لیے مؤخر کر دے جب ایمان یا توبہ بھی نفع بخش نہ ہوگی، یعنی اس وقت تک جب سورج مغرب سے طلوع

---

[1] صحيح مسلم، الفتن، باب في خروج الدجال ومكثه الأرض......، حديث:2941 وسنن أبي داود، الملاحم، باب أمارات الساعة، حديث:4310 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب طلوع الشمس من مغربها، حديث:4069 ومسند أحمد:201/2 واللفظ له .

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی کی، اور وہ گروہوں میں بٹ گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بے شک ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ

اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿159﴾

میں ہے، پھر وہ انھیں ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو وہ کرتے رہے تھے ﴿159﴾

ہوگا کیونکہ یہ وہ وقت ہوگا جب قیامت بالکل قریب آ جائے گی اور اس کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ ﴾ (محمد 18:48) ''اب تو یہ لوگ قیامت ہی کو دیکھتے ہیں کہ ناگہاں ان پر آ واقع ہو۔ سو اس کی نشانیاں (وقوع میں) آ چکی ہیں، پھر جب وہ ان پر آ نازل ہوگی، اس وقت انھیں نصیحت کہاں مفید ہو سکے گی؟''

اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ﴾ (المؤمن 85,84:40) ''چنانچہ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے، ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔''

تفسیر آیت:159

تفرقہ بازی کی مذمت: امام مجاہد، قتادہ، ضحاک اور سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب آپ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ﴾ ''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''[2]

لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت عام اور ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اللہ کے دین کو چھوڑ دے اور اس کی مخالفت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے مبعوث فرمایا تھا تاکہ وہ اسی کو تمام دینوں پر غالب کر دے، دین و شریعت ایک ہی ہے، اس میں کوئی اختلاف و افتراق نہیں ہے جو اس میں اختلاف کریں ﴿ وَكَانُوْا شِيَعًا ﴾ ''اور کئی کئی فرقوں میں بٹ جائیں۔'' جیسے مختلف ملتوں، فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے خواہشات اور گمراہیوں کے پجاری ہیں تو جس فرقہ پرستی میں یہ لوگ مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بری قرار دیا ہے۔ یہ آیت اسی

[1] تفسیر الطبری:139,138/8۔ [2] تفسیر الطبری:139,138/8۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا

جو شخص (وہاں) ایک نیکی لے کرآئے گا تو اس کے لیے دس گنا (ثواب) ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا تو اسے بس اس کے برابر ہی سزا دی

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿160﴾

جائے گی۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿160﴾

طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل آیت ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ...... الآیة (الشوریٰ13:42) ’’اس نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے نبی!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے......۔‘‘

حدیث میں ہے: [وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ’’انبیاء علاتی بھائیوں (جو ایک باپ اور مختلف ماؤں کی اولاد ہوں) کی طرح ہیں کہ ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور دین ایک ہے۔‘‘[1] یہی وہ صراط مستقیم ہے اور یہی وہ دین ہے جسے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام لے کر آئے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور ان میں سے سب سے آخر میں تشریف لانے والے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو اختیار کیا جائے اور جو چیز اس کے خلاف ہوگی، وہ محض ضلالتوں، جہالتوں، انسانی آراء اور نفسانی خواہشات پر مبنی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے رسول اس سے بری ہوں گے جیسا کہ یہاں فرمایا: ﴿لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ ’’آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔‘‘ اور ﴿اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿159﴾﴾ ’’بے شک ان کا کام اللہ کے حوالے، پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو بتائے گا۔‘‘ یہ آیت کریمہ اسی طرح ہے جیسے حسب ذیل آیت ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الحج17:22) ’’بے شک جو لوگ مومن ہیں اور جو یہودی اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک ہیں اللہ ان میں روز قیامت فیصلہ کر دے گا۔‘‘ پھر روز قیامت اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں جو لطف و عدل ہوگا، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ .... وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿160﴾﴾۔

تفسیر آیت:160

نیکی کا ثواب دس گنا اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر: اس آیت کریمہ میں اس اجمال کی تفصیل ہے جسے دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا تھا: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ﴾ (القصص84:28) ’’جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس سے بہتر (صلہ موجود) ہے۔‘‘ اس آیت کریمہ کے مطابق بہت سی احادیث بھی وارد ہیں۔

جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کیا ہے: [إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى رَحِيمٌ، مَّنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا﴾ (مريم 16:19)، حديث:3443 وصحيح مسلم، الفضائل باب فضائل عيسى عليه السلام، حديث:2365 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشَرَةً إِلٰى سَبْعِمِائَةٍ ، إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ ، وَّمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ وَاحِدَةً ، أَوْ يَمْحُوهَا اللّٰهُ ، وَلَا يَهْلِكُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى إِلَّا هَالِكٌ] ''بے شک تمہارا رب تبارک وتعالیٰ رحم فرمانے والا ہے جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لیے دس سے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے، پھر اسے عملی جامہ نہ پہنائے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لیے ایک ہی برائی لکھ دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف فرما دیتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تباہ و برباد ہونے والا شخص ہی ہلاک ہوتا ہے۔''① اسے امام بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔②

امام احمد رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيدُ ، وَمَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَجَزَاؤُهَا مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ ، وَمَنْ عَمِلَ قُرَابَ الْأَرْضِ خَطِيئَةً ثُمَّ لَقِيَنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا جَعَلْتُ لَهُ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً ، وَّمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا، اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَّمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا، اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا،وَّمَنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً] ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص نیک عمل کرے تو اسے دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے اور جو شخص کوئی برا عمل کرے تو اسے اس کے برابر ہی گناہ ہوتا ہے یا میں اسے معاف کر دیتا ہوں اگر کسی نے زمین بھر گناہ کیے، پھر مجھے اس حال میں ملا کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو تو میں اس کے لیے اتنی ہی مغفرت پیدا کر دیتا ہوں جو ایک بالشت میرے قریب آئے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں جو ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دونوں ہاتھوں کی مسافت کے برابر اس کے قریب ہو جاتا ہوں جو چل کر میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کے پاس آتا ہوں۔''③ اور اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔④

یاد رہے برائی کو چھوڑنے اور اسے عملی جامہ نہ پہنانے کی تین صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو انسان اسے اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کر دیتا ہے تو اس صورت میں برائی نہ کرنے کی وجہ سے اس کے لیے نیکی لکھ دی جاتی ہے کیونکہ یہ عمل ہے اور اس کی نیت بھی موجود ہے، اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس نے میری وجہ سے اس برائی کو ترک کیا ہے،⑤ کبھی انسان نسیان اور بھول کی وجہ سے اس برائی کو ترک کرتا ہے تو اس صورت میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ ثواب کیونکہ اس نے نہ نیک عمل کی نیت کی اور نہ برے عمل کو ترک کیا اور کبھی

① مسند أحمد:279/1. ② صحيح البخاري، الرقاق، باب من هم بحسنة أو بسيئة، حديث:6491 وصحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت وإذا هم بسيئة لم تكتب، حديث:131 والسنن الكبرى للنسائي، النعوت، الرحيم:396/4 ، حديث:7670 . ③ مسند أحمد:153/5. ④ صحيح مسلم، الذكر و الدعاء، باب فضل الذكر والدعاء والتقرب إلى الله تعالى وحسن الظن به، حديث:2687 . ⑤ صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللّٰهِ﴾ (الفتح15:48)، حديث:7501 .

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا

(اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے صحیح اعلیٰ اقدار کے حامل دین کی، ایک رب کے پرستار

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿161﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿162﴾

ابراہیم کے طریقے کی، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا﴿161﴾ کہہ دیجیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، (سب کچھ) اللہ

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿163﴾

رب العالمین ہی کے لیے ہے﴿162﴾ اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی (بات یعنی توحید) کا حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں﴿163﴾

انسان برائی کے لیے پورا زور صرف کرتا ہے، اس کے لیے تمام اسباب و وسائل کو اختیار کرتا ہے مگر اسے عملی جامہ پہنانے سے عاجز و قاصر رہتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے برا کام کر لیا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبئ اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ] ”جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ملتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ فرمایا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر تلا ہوا تھا۔“①

حافظ ابوالقاسم طبرانی نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْجُمُعَةُ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَّذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾] ”جمعہ گزرے ہوئے جمعے (سات دن) اور تین دن زیادہ (دس دنوں کے گناہوں) کا کفارہ بن جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا، اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔“②

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ فَقَدْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ] ”جو شخص ہر ماہ تین روزے رکھ لے تو اس نے گویا زمانے بھر کے روزے رکھ لیے۔“ یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے مطابق ہیں، نیز اسے امام نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: [فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِهٖ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾ اَلْيَوْمُ بِعَشْرَةِ أَيَّامٍ] ”اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی کتاب میں اس طرح نازل فرمائی ہے: ”جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا، اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں

① صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ﴾ (الحجرات 9:49)، حديث: 31 و صحيح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، حديث: 2888. ② المعجم الكبير للطبراني: 298/3، حديث: 3459 اس حدیث کی سند بوجہ انقطاع ضعیف ہے لیکن صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، حديث: (27,26)-857 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کو تقویت ملتی ہے، یہاں اس میں آیت کا ذکر نہیں ہے۔

گی۔'' یعنی ایک دن دس دن کے برابر، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ①

اس موضوع سے متعلق اگرچہ احادیث وآثار بہت زیادہ ہیں، ان میں سے ہم نے جو ذکر کیے ہیں، امید ہے یہ ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ثابت ہوں گے۔ وَبِهِ الثِّقَةُ.

تفسیر آیات:161-163

اسلام ہی صراط مستقیم ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس مقام پر یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بتادیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ عظیم الشان انعام فرمایا ہے کہ آپ کی اس صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، جس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ پن نہیں ہے جو ﴿ دِيْنًا قِيَمًا ﴾ ''دین صحیح'' قائم اور ثابت دین کا رستہ ہے۔ ﴿ مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ''مذہب ابراہیم کا جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ﴾ (البقرۃ2:130) ''اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کرسکتا ہے، سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔''

اور فرمایا: ﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (الحج22:78) ''اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمھارے لیے) تمھارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا۔)'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۭ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (النحل16:120-123) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور بے شک وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے، پھر ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

رسول اکرم ﷺ کو جو ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ سے زیادہ کامل تھے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے تو دین حنیف کو اس طرح عظیم الشان طریقے سے قائم فرمایا اور آپ کے لیے اسے اس طرح مکمل کر دیا گیا کہ آپ سے پہلے کوئی بھی کمال کے اس درجے پر فائز نہیں ہوا، اسی لیے آپ ہی خاتم الانبیاء ہیں اور

① جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی صوم ثلاثة أيام من كل شهر، حديث:762 وسنن النسائی، الصيام، ذكر الاختلاف على أبی عثمان......، حديث:2411 وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء فی صيام ثلاثة أيام من كل شهر، حديث:1708 ومسند أحمد:146/5.

آپ ہی کی ذات گرامی علی الاطلاق تمام اولاد آدم کی سردار ہے اور آپ ہی اس مقام محمود پر فائز ہوں گے جس کی تمام مخلوق حتی کہ حضرت خلیل علیہ السلام بھی خواہش کریں گے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ [قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ] ''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ کون سا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: آسان دین حنیف۔''①

اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ان مشرکوں کو یہ بتا دیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے نام پر اپنے جانوروں کو ذبح کرتے ہیں کہ آپ ان کاموں میں ان کے مخالف ہیں، آپ کی نماز محض اللہ ہی کے لیے ہے اور آپ کی عبادت صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر 2:108) ''آپ اپنے پروردگار ہی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔'' یعنی اپنی نماز اور قربانی کو اسی کی ذات گرامی کے لیے خالص کریں، مشرکین بتوں کی عبادت کرتے اور انھی کے لیے جانور ذبح کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی مخالفت کرتے ہوئے، ان کے طریقے سے انحراف کریں اور اللہ ہی کے لیے اخلاص کی نیت اور قصد و ارادہ کر لیں، امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ ﴾ ''میں نُسُك سے حج اور عمرے میں جانوروں کا ذبح کرنا مراد ہے۔''②

امام ابن ابو حاتم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قربان کے دن دو مینڈھوں کی قربانی دی اور انھیں ذبح کرتے ہوئے یہ پڑھا: ﴿ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (الأنعام 79:6) ﴿ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''میں نے اپنا چہرہ اس اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے، میں نے سب سے منہ موڑ لیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' ''بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' دو آیتوں کے آخر تک پڑھا۔③

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین اسلام ہی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس امت میں سب سے پہلا مسلمان میں ہوں۔④ اور بات بھی اسی طرح ہے کیونکہ آپ سے پہلے بھی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اسلام ہی کی طرف تھی اور اسلام یہ ہے کہ محض اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ

① مسند أحمد:236/1 . ② تفسير ابن أبي حاتم: 1434/5. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1434/5. ④ تفسير الطبري:148/8 .

اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الأنبیاء25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا: فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (یونس72:10) ''پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا، میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔''

اور فرمایا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ (البقرۃ2:130-132) ''اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کرسکتا ہے، سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو، ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرۂ) صلحاء میں ہوں گے جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا! بے شک اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تم مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی تھی: رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ (یوسف101:12) ''اے پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔''

موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ○ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ○ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ (یونس10:84-86) ''اے قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) فرمانبردار ہو تو اسی پر بھروسا رکھو تو وہ بولے کہ ہم اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال اور اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات بخش۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ (المآئدۃ44:5) ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی، جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی۔'' اور فرمایا: وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○ (المآئدۃ111:5) ''اور جب میں نے حواریوں کی

طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ کہنے لگے کہ (پروردگار!) ہم ایمان لائے، تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔‘‘

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسولوں کو دین اسلام کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ ہاں، البتہ وہ اپنی ان خاص شریعتوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے ضرور مختلف تھے جن میں سے بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ بعض دوسری شریعتوں کو منسوخ کرتا آیا ہے حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ سابقہ تمام شریعتوں کو تو منسوخ کر دیا مگر اب شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ابد الآباد کے لیے ہے اور یہ کبھی بھی منسوخ نہیں ہوگی بلکہ یہ قیامت تک قائم و منصور اور باقی رہے گی، اسی لیے نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا ہے: [وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ’’انبیاء علاتی بھائیوں کی طرح ہیں ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف اور دین ایک ہے۔‘‘[1] علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہو مگر مائیں مختلف ہوں، اس طرح دین ایک ہے اور وہ یہ کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور شریعتیں مختلف ہیں جو مختلف ماؤں کے مانند ہیں، اخیافی بھائی اس کے برعکس ہوتے ہیں، یعنی ان کی ماں ایک اور باپ مختلف ہوتے ہیں اور اعیانی بھائی وہ ہوتے ہیں جو ایک ہی ماں اور باپ کی اولاد ہوں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَم.

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو استفتاح کے طور پر یہ دعا پڑھتے تھے: [﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۚ﴾ (الأنعام 6:79) ﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴾ اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِي، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْلِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ]

’’بے شک میں نے اپنا چہرہ اس پروردگار کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، سب سے منہ موڑ کر، اسی کا فرمانبردار بن کر اور میرا مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں، بے شک میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے، اے اللہ! تو (تمام کائنات کا) مالک ہے، تیرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا ہے اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں تو میرے تمام کے تمام گناہ معاف فرما دے، تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا تو مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت عطا فرما، اس لیے کہ بہترین اخلاق کی تیرے سوا اور کوئی ہدایت عطا نہیں فرما سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے دور رکھ، برے اخلاق کو تیرے سوا اور کوئی مجھ سے دور نہیں رکھ سکتا، تو بہت ہی برکت والا ہے اور بہت ہی بلند و بالا ہے، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری ہی جانب رجوع کرتا ہوں۔‘‘[2]

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا ﴾ (مریم 16:19)، حدیث:3443 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسٰی علیه السلام، حدیث:2365 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [2] مسند أحمد:94/1.

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ

کہہ دیجیے: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ جبکہ وہی ہر چیز کا رب ہے، اور کوئی شخص ایسا (گناہ) نہیں کماتا جس کا وبال اسی پر نہ ہو، اور کوئی

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر اپنے رب ہی کی طرف تمھیں لوٹنا ہے، چنانچہ وہ تمھیں ان باتوں سے آگاہ کرے گا جن میں تم

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿164﴾

اختلاف کرتے رہے تھے ﴿164﴾

اس کے بعد امام احمد نے باقی ساری حدیث بھی بیان کی ہے جس میں رکوع وسجود اور تشہد کی دعاؤں کا بھی ذکر ہے، امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[1]

تفسیر آیت:164

اخلاصِ توکل کا حکم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کے لیے عبادت وتوکل میں اخلاص سے کام نہیں لیتے۔ ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا﴾ ''کیا میں اللہ کے سوا اور پروردگار تلاش کروں؟'' ﴿وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ''حالانکہ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔'' وہی مجھے پالتا، میری حفاظت کرتا اور میرے معاملے کی تدبیر کرتا ہے، لہٰذا میں اسی پر توکل کرتا ہوں، اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں کیونکہ وہ ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے، اسی نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا اور تمام کائنات میں اسی کا حکم کارفرما ہے۔

اس آیت کریمہ میں اخلاصِ توکل کا حکم ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ وحدہ لاشریک کے لیے اخلاصِ عبادت کا حکم ہے اور ان دونوں باتوں کو قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر ملا کر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہ کہیں: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴾ (الفاتحة 5:1) ''(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ﴾ (هود 123:11) ''چنانچہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسا رکھیں۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ﴾ (الملك 29:67) ''کہہ دیجیے کہ وہ (جو اللہ) رحمان (ہے) ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝﴾ (المزمل 9:73) ''(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔'' اور اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ﴾ ''اور جو کوئی (برا) کام کرتا ہے تو اس کا ضرر اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن بدلہ دیے جانے اور اس کے فیصلے اور عدل کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ تمام

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبيﷺ ودعائه بالليل، حديث: 771.

لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا صلہ ملے گا اور اگر اعمال برے ہوئے تو برا بدلہ ملے گا اور کسی کے گناہ کے بوجھ کو دوسرا کوئی نہیں اٹھائے گا اور یہ بھی اسی کے عدل ہی کے سبب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (فاطر 18:35) ''اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگر چہ قرابت دار ہی ہو۔''

اور ارشاد الٰہی: ﴿ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ○ ﴾ (طٰہٰ 112:20) ''نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہوگا نہ حق تلفی کا۔'' علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بھی شخص پر ظلم نہیں ہوگا کہ اس پر کسی اور کے گناہوں کا بوجھ ڈال دیا جائے اور نہ کسی پر یہ زیادتی ہوگی کہ اس کی نیکیوں کو کم کر دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ○ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴾ (المدثر 39،38:74) ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے مگر دائیں طرف والے (نیک لوگ۔)'' اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنے برے اعمال کے بدلے گروی ہے مگر داہنی طرف والے نیک لوگ کہ ان کے اعمال صالحہ کی برکت ان کی اولاد اور ان کے قرابت داروں کو بھی حاصل ہوگی۔

جیسا کہ سورۂ طور میں فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (الطور 21:52) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔'' یعنی جنت میں انھیں حاصل ہونے والے بلند مرتبے پر ہم ان کی اولاد کو بھی فائز کر دیں گے اگر چہ انھوں نے ان جیسے اعمال نہیں کیے ہوں گے لیکن اصل ایمان میں وہ ان کے ساتھ ضرور شریک ہوں گے اور ہم ان بلند مرتبہ اور معزز لوگوں کے اعمال میں سے بھی کچھ کم نہ کریں گے کہ انھیں کم کر کے ان لوگوں کو جو اعمال میں ان سے کم تر ہیں، ان کے برابر کر دیں بلکہ اولاد کو اللہ تعالیٰ ان کے آباء کے اعمال کی برکت سے محض اپنے فضل و کرم کے ساتھ ان کے بلند مرتبہ پر فائز کر دے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ○ ﴾ (الطور 21:52) ''ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔'' یعنی برے اعمال میں۔ ﴿ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''پھر تم (سب) کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا۔'' یعنی تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے، پھر تم بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جاؤ گے اور ہم بھی اور وہ ہمیں اور تمھیں جن باتوں میں اختلاف تھا ان کے بارے میں بھی ہم سب کو بتا دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ○ ﴾ (سبا 26،25:34) ''کہہ دیجیے کہ نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پرسش ہوگی اور نہ تمھارے اعمال کی ہم سے پرسش ہوگی کہہ دیجیے کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا (اور) صاحب علم ہے۔''

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر اونچے درجے عطا کیے تاکہ وہ تمھیں ان نعمتوں میں

20 ع 11 7 اٰتٰكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿165﴾

آزمائے جو اس نے تمھیں دیں۔ بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿165﴾

تفسیر آیت:165

اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے خلیفہ بنایا اور درجات میں فرق رکھا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا۔'' یعنی اس نے تم کو زمین میں ایسی مخلوق بنایا کہ تم نسلاً بعد نسلٍ، قرناً بعد قرنٍ اور خلفاً بعد سلفٍ زمین کو آباد کرتے ہو، یہ ابن زید وغیرہ کا قول ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 60:43) ''اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمھاری جگہ زمین میں رہتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ﴾ (النمل 62:27) ''اور (کون) تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بناتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ (البقرۃ 30:2) ''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 129:7) ''قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

﴿ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ ''اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے۔'' یعنی اس نے رزق، اخلاق، خوبیوں، خرابیوں، صورتوں، شکلوں اور رنگوں میں تم کو ایک دوسرے سے مختلف کر دیا اور اس میں بھی اس کی بہت حکمت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ﴾ (الزخرف 32:43) ''ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔'' اور فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 21:17) ''دیکھیے! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور فضیلت میں کہیں بڑھ کر ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ﴾ ''تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشا ہے، اس میں تمھاری آزمائش کرے۔'' یعنی وہ تمھاری اس میں آزمائش کرے جس کا اس نے تم پر انعام فرمایا اور تمھارا امتحان کیا ہے تاکہ وہ دولت مند کو دولت دے کر آزمائے، پھر اس سے پوچھے کہ اس نے شکر ادا کیا ہے یا نہیں۔ اور فقیر کو فقر سے آزمائے اور اس سے یہ پوچھے کہ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1435/5.

اس نے صبر کیا ہے یا نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَّإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ؟ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ] ”بے شک دنیا شیریں اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں تمھیں ایک دوسرے کے بعد بھیجنے والا ہے اور وہ یہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا عمل کرتے ہو، پس دنیا سے بچ جاؤ اور عورتوں سے بچ جاؤ کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے بارے میں تھا۔“[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿165﴾ ﴾ ”بے شک آپ کا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔“ یہ ترہیب وترغیب ہے کہ اس کا حساب اور عذاب اس کے لیے بہت جلد آنے والا ہے جو اس کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی مخالفت کرے۔ ﴿ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿165﴾ ﴾ ”اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔“ اس کے لیے جو اس کی دوستی اختیار کرے اور اس کے رسول جس خبر اور طلب کو لے کر آئے ہیں، اس میں ان کی اتباع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات میں اپنی ان دونوں صفتوں کو یکجا بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ﴾ (الرعد6:13) ”اور یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار سخت عذاب دینے والا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْۤ اَنِّيْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ ﴾ (الحجر15:49،50) ”(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دیں کہ بے شک میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔“

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو ترغیب وترہیب پر مشتمل ہیں اللہ تعالیٰ کبھی تو اپنے بندوں کو جنت کی صفتوں اور اپنی نعمتوں کی طرف توجہ دلا کر ترغیب دیتا ہے اور کبھی جہنم، اس کی سزاؤں، اس کے عذابوں اور روز قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کر کے ڈراتا ہے اور کبھی ترغیب وترہیب دونوں کو یکجا بیان فرماتا ہے تاکہ ہر شخص اس سے اپنے حسب حال نصیحت حاصل کر سکے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان بندوں میں سے بنائے جو اس کے احکام کی اطاعت بجالاتے، اس کے منع کردہ امور کو ترک کر دیتے اور اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ إِنَّهٗ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ سَمِيعُ الدُّعَاءِ جَوَّادٌ كَرِيمٌ وَّهَّابٌ.

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ......، حديث:2742، البتہ [فناظر] کا لفظ جامع الترمذی، الفتن، باب ماأخبر النبی ﷺ ......، حدیث:2191 کے مطابق ہے۔

مَا عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمِعَ (بِجَنَّتِهِ) أَحَدٌ، وَّلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنَ الْجَنَّةِ أَحَدٌ] ،[خَلَقَ اللّٰهُ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَوَضَعَ رَحْمَةً وَّاحِدَةً بَيْنَ خَلْقِهِ يَتَرَاحَمُونَ بِهَا، وَعِنْدَاللّٰهِ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُونَ رَحْمَةً] ''اگر مومن کو علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کس قدر شدید سزائیں ہیں تو کوئی بھی (اس کی) جنت کی طمع نہ کرے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کس قدر بے پایاں ہے تو کوئی بھی (اس کی) جنت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سو قسم کی رحمت پیدا فرمائی اور ان میں سے صرف ایک قسم کی رحمت کو اپنی مخلوق میں بانٹ دیا اور اسی کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں اور باقی ننانوے اقسام کی رحمتیں خود اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔''① امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا اور امام مسلم نے بھی اسے روایت فرمایا ہے۔②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي] ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک کتاب میں جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے، یہ لکھا ہے: بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''③

سورۂ انعام کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① مسند أحمد:334/2. ② صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث:2752 و2755 وجامع الترمذي، الدعوات، باب: [لو يعلم المؤمن ما عندالله من العقوبة......]، حديث:3542 . ③ صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث:2751 .

تفسیر سُورۂ اعراف

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(شروع) اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ

الٓمّٓصٓ ① (اے نبی!) یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں

وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

کو) ڈرائیں اور (یہ) مومنوں کے لیے نصیحت ہے ② تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور تم

اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③

اس کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو ③

تفسیر آیت: 1-3

حروفِ مقطعات سے متعلق بحث قبل ازیں سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔① ﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ”(اے نبی! یہ) کتاب (جو) آپ پر نازل ہوئی ہے۔“ یعنی یہ کتاب آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے، ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ ”تو اس سے آپ کے سینے میں تنگی نہیں ہونی چاہیے۔“ امام مجاہد، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کتاب کے بارے میں آپ کے دل میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔② اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اس کتاب کے پہنچانے اور اس کے ساتھ ڈرانے کے بارے میں آپ تنگ دل نہ ہوں ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الأحقاف 35:46) ”پس جس طرح دوسرے عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں، اسی طرح آپ بھی صبر کریں۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿لِتُنْذِرَ بِهٖ﴾ ”تاکہ آپ اس کے ذریعے سے ڈرائیں۔“ یعنی ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ اس کے ساتھ آپ کافروں کو ڈرائیں ﴿وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②﴾ ”اور (یہ) ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے کائناتِ انسانی کے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ”(لوگو!) جو (کتاب) تمھاری طرف تمھارے پروردگار کی جانب سے نازل ہوئی ہے، اس کی پیروی کرو۔“ یعنی تم اس نبی اُمی محمد ﷺ کے نقشِ قدم پر چلو جو تمھارے پاس ایسی کتاب لے کر آئے ہیں جو تمھاری طرف ہر چیز کے رب اور مالک کی طرف سے نازل

① دیکھیے البقرة 2:1 کے ذیل میں عنوان: ”حروف مقطعات کے متعلق بحث“ ② تفسیر الطبری: 154/8.

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا

اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں کہ ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، تو ان کے پاس ہمارا عذاب اس وقت آیا، جب وہ رات کو سوئے ہوئے تھے یا وہ دوپہر کو آرام کر رہے

كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ

تھے④ پھر جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو ان کی پکار بس یہی تھی کہ وہ کہہ اٹھے: بے شک ہم ہی ظالم تھے⑤ چنانچہ ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں

الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ

گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے⑥ پھر ہم (سب کچھ اپنے) علم سے ان کے سامنے ضرور بیان کریں گے، اور

وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

ہم (دنیا میں) غائب (غیر حاضر) تو نہ تھے⑦

کی گئی ہے، ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ ’’اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔‘‘ یعنی رسول اللہ ﷺ تمھارے پاس جو لے کر آئے ہیں، اسے چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف رجوع نہ کرو ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کر کے کسی اور کے حکم کو اختیار کر لیا ہے۔

﴿ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ ﴾ ’’تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔‘‘ یہ فرمان اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ (یوسف 103:12) ’’اور بہت سے آدمی، گو آپ (کتنی ہی) خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔‘‘ اور فرمایا: وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الأنعام 116:6) ’’اور اکثر لوگ جو زمین میں (آباد) ہیں (گمراہ ہیں) اگر آپ ان کا کہا مان لیں گے تو وہ آپ کو اللہ کے رستے سے گمراہ کر دیں گے۔‘‘ اور فرمایا: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ (یوسف 106:12) ’’اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود مشرک ہی ہیں۔‘‘

تفسیر آیات: 4-7

تباہ شدہ بستیوں کے حالات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ﴾ ’’اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے تباہ کر دیا۔‘‘ اس لیے کہ انھوں نے ہمارے رسولوں کی مخالفت اور تکذیب کی تھی تو انھیں دنیا میں ذلت و رسوائی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا، پھر اس کے بعد آخرت میں بھی ذلت و رسوائی اور عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 10:6) ’’اور یقیناً آپ سے پہلے پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں تو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے، ان کو تمسخر (کی سزا) نے آ گھیرا۔‘‘

اور فرمایا: فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ○ (الحج 45:22) ’’تو بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں، سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (بہت سے) کنویں ناکارہ اور (بہت سے) مستحکم و عالی شان محل (ویران پڑے ہیں۔)‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا

مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○ (القصص 58:28) ''اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخیٔ) معیشت پر اترا رہی تھیں، سو یہاں ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم اور (ان کے پیچھے) ہم ہی (ان کے) وارث ہوئے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ ﴾ ''پھر جن پر ہمارا عذاب آیا (یا تو رات کو) تھا جبکہ وہ سوتے تھے یا (دن کو جب) وہ قیلولہ (دوپہر کو آرام) کرتے تھے۔'' یعنی ان میں سے کچھ لوگوں کے پاس اللہ کا امر اور عذاب رات کے وقت آیا یا اس وقت جب وہ دوپہر کے وقت محو استراحت تھے اور یہ دونوں ہی غفلت اور لہو کے اوقات ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۭ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 7:97,98) ''کیا پھر بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں؟ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آنازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں؟''

اور فرمایا: ﴿ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (النحل 16:45-47) ''کیا پھر جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آجائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے، پس وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے یا ڈرا دھمکا کر ان کو پکڑ لے تو بے شک تمھارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ ﴾ ''تو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تھا تو ان کی پکار یہی تھی کہ (ہائے) بلاشبہ ہم (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے۔'' یعنی جب ان کے پاس عذاب آتا تو وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیتے اور اس بات کا اعتراف کر لیتے تھے کہ وہ واقعی عذاب کے مستحق ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۭ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔــلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 21:11-15) ''اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جو ستم گار تھیں، ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد اور لوگ پیدا کر دیے، پھر جب انھوں نے ہمارے (مقدمۂ) عذاب کو دیکھا تو اس سے بھاگنے لگے۔ مت بھاگو! اور ان (اپنے عیش کے سامانوں) کی (طرف) اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ جن (نعمتوں) میں تم عیش و آسائش کرتے تھے تاکہ تم سے (اس بارے میں) دریافت کیا جائے، کہنے لگے: ہائے شامت! بے شک ہم ظالم تھے، پھر ہمیشہ ان کی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ (کر اور آگ کی طرح) بجھا (کر ڈھیر کر) دیا۔''

وَالْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ

اوراس دن (اعمال کا) وزن کیا جانا برحق ہے، پھر جس شخص کے (نیک اعمال کے) وزن بھاری ہوگئے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ⑧ اور جس شخص کے

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

(نیک اعمال کے) وزن ہلکے ہوگئے، تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، اس لیے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ بے انصافی کرتے تھے ⑨

﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ﴾ ''تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے، ہم ان سے بھی ضرور باز پرس کریں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (القصص 65:28) ''اور جس روز (اللہ) ان کو پکارے گا، پھر کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟'' اور فرمایا: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝﴾ (المآئدة 109:5) ''(وہ دن یاد رکھنے کے لائق ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب ملا تھا؟ وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں یقیناً تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔''

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن امتوں سے پوچھے گا کہ انھوں نے اس کے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا، اسی طرح وہ رسولوں سے بھی پوچھے گا، کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو اپنی امتوں تک پہنچا دیا تھا یا نہیں؟ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ ''چنانچہ جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان کی بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ سوال تبلیغ رسالت کے بارے میں ہوگا۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ: ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآىِٕبِيْنَ ۝﴾ ''پھر ہم (اپنے) علم سے ان کے حالات بیان کریں گے اور ہم (کہیں) غائب (غیر حاضر) تو نہیں تھے۔'' کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ان کے حالات بیان کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے سامنے ان کی کتاب (نامۂ اعمال) کو رکھ دیا جائے گا اور وہ جو عمل کرتے تھے، ان کے بارے میں بتائے گی۔ ﴿وَّمَا كُنَّا غَآىِٕبِيْنَ ۝﴾ ''اور ہم (دنیا میں) غائب (غیر حاضر) تو نہ تھے۔''[2]

اس طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو ان کے تھوڑے اور زیادہ، چھوٹے اور بڑے تمام اقوال واعمال کے بارے میں بتائے گا کیونکہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے، نہ کوئی چیز اس سے غائب ہوسکتی ہے اور نہ وہ خود کسی چیز سے بے خبر ہے بلکہ وہ ذات گرامی تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی مخفی باتوں کو بھی جانتی ہے، ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک (چیز) نہیں ہے مگر روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

تفسیر آیت: 9,8

[1] تفسیر الطبری: 159/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1440/5.

اعمال کے وزن کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْوَزْنُ ﴾ یعنی قیامت کے دن اعمال کا تلنا ﴿ اَلْحَقُّ ﴾ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء47:21) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو پیش کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء40:4) ''بے شک اللہ (کسی پر) ذرا بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کردے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ ﴾ (القارعة101:6-11) ''تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے، اس کا مرجع ہاویہ ہے اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا (چیز) ہے؟ (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 103-101:23) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے تو جن کے (عملوں کے) بوجھ بھاری ہوں گے، وہ فلاح پانے والے ہیں اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے وہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔''

کس چیز کا وزن؟ روز قیامت میزان میں کس چیز کو رکھ کر وزن کیا جائے گا؟ اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ اعمال کو تولا جائے گا، اعمال اگرچہ اعراض ہیں مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں اجسام میں تبدیل کردے گا۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [......اَلْبَقَرَةَ وَسُورَةَ آلِ عِمرَانَ فَإِنَّهُمَا يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ (كَأَنَّهُمَا) غَيَايَتَانِ أَوْ (كَأَنَّهُمَا) فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ......] ''......سورۂ بقرہ اور آل عمران قیامت کے دن اس طرح آئیں گی، گویا وہ دو بادل یا دو سائبان یا صفیں باندھے ہوئے پرندوں کی دو جماعتیں ہوں......۔''[2]

اسی طرح صحیح حدیث میں قرآن مجید کا قصہ ہے: [يَجِيءُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ (...... فَيَقُولُ لَهُ: هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُولُ: مَاأَعْرِفُكَ......) فَيَقُولُ: أَنَا الَّذِي أَسْهَرْتُ لَيْلَكَ وَأَظْمَأْتُ نَهَارَكَ] ''......قرآن اپنے پڑھنے والے

[1] تفسير البغوى:181/2. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، حديث: 804 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ. البتہ تفسیر ابن کثیر میں قوسین والے الفاظ نہیں ہیں۔

کے پاس ایک ایسے نوجوان کی شکل میں آئے گا جس کا رنگ بدلا ہوا ہوگا.....تو وہ (قرآن) کہے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ قاری کہے گا: میں تجھے نہیں جانتا.....تو وہ جواب دے گا کہ میں وہ قرآن ہوں جس نے تجھے رات کو بیدار اور دن کو پیاسا رکھا تھا۔''①

اور حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہما میں سوال قبر کے قصے میں ہے: [وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيحِ فَيَقُولُ......: مَنْ أَنْتَ......؟ فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ] ''اور مومن کے پاس ایک خوبصورت چہرے، اچھے کپڑے اور عمدہ خوشبو والا آدمی آئے گا تو مومن اس سے پوچھے گا:......تم کون ہو......؟ تو وہ جواب دے گا کہ میں تمھارا عمل صالح ہوں۔''② اور کافر و منافق کے بارے میں اسی حدیث میں اس کے برعکس صورت حال ذکر کی گئی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اعمال کی کتاب کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث بطاقہ میں اس شخص کے بارے میں آیا ہے جسے لایا جائے گا اور اس کے میزان کے پلڑے میں ننانوے ایسے رجسٹر رکھے جائیں گے جن میں سے ہر رجسٹر منتہائے بصر تک ہوگا، پھر کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو لایا جائے گا جس میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لکھا ہوگا تو وہ کہے گا کہ اے اللہ! ان بڑے بڑے رجسٹروں کے مقابلے میں کاغذ کے اس پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، پھر اس پرزے کو میزان کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ] ''رجسٹروں والا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا اور (ان کے مقابلے میں یہ) پرزہ بہت ہی بھاری ثابت ہوگا۔'' امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور حسن غریب قرار دیا ہے۔③

تیسرا قول یہ ہے کہ صاحب عمل کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: [إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ ، وَقَالَ: اقْرَءُوا: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾] (الكهف 105:18) ''بلاشبہ قیامت کے دن ایک بہت موٹا تازہ آدمی آئے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، اور فرمایا: اس آیت کریمہ کو پڑھو: ''تو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی میزان قائم نہیں کریں گے۔''④

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مِمَّ تَضْحَكُونَ؟ قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ أُحُدٍ] ''تم کس بنا پر ہنس رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کی پنڈلیوں کی باریکی کی وجہ سے تو آپ نے فرمایا: اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری

---

① **سنن ابن ماجه**، الأدب، باب ثواب القرآن، حديث:3781 لیکن قوسین والے الفاظ **مسند أحمد**:348/5 عن بُريدة بن الحُصَيب رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ ② **مسند أحمد**: 288,287/4. ③ ملخص از **حامع الترمذي**، الإيمان، باب ما جاء فيمن يموت وهو يشهد أن لا إله إلا الله، حديث:2639 و **سنن ابن ماجه**، الزهد، باب ما يرجى من رحمة الله يوم القيمة، حديث:4300 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ. ④ **صحيح البخاري**، التفسير، باب: ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ......﴾ (الكهف 105:18)، حديث:4729 و **صحيح مسلم**، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث: 2785 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑩ ع

اور بلاشبہ ہم نے تمھیں زمین میں قدرت دی اور اس میں تمھارے لیے گذران کے اسباب فراہم کر دیے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو ⑩

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا

اور بلاشبہ ہم نے تمھیں پیدا کیا، پھر تمھاری صورتیں بنائیں، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ انھوں نے سجدہ کیا، سوائے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪

ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا ⑪

جان ہے! یہ تو میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔''①

ان تمام احادیث میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ یہ تمام صورتیں صحیح ہیں کہ کبھی اعمال کا وزن کیا جائے گا، کبھی ان رجسٹروں کا وزن کیا جائے گا جن میں اعمال لکھے ہوں گے اور کبھی ان اعمال کے کرنے والے کا وزن کیا جائے گا۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیت:10

کائنات کی تمام نعمتیں انسان کے لیے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسانات کو شمار کراتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنا دیا، اس میں پہاڑ اور نہریں بنا دیں، اس میں مکانات اور محلات بنا دیے، اس کی نفع بخش چیزوں کو ان کے لیے مباح قرار دے دیا، ان کے لیے بادلوں کو مسخر کر دیا تاکہ وہ ان کے لیے زمین سے رزق نکالیں اور اس نے اس میں ان کے لیے اسباب معیشت اور کمانے کے مختلف طریقے مہیا کر دیے کہ یہ لوگ تجارت کرتے اور حصول دنیا کے لیے مختلف انواع واقسام کے اسباب کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے باوجود اکثر لوگ اپنے رب کا بہت کم شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 34:14) ''اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف (اور) ناشکرا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن ہُرمُز اَعْرَج کے سوا تمام قراء نے ﴿ مَعَايِشَ ﴾ کو ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے② اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ اسے ہمزہ کے بغیر پڑھا جائے جیسا کہ اکثر قراء نے اسے پڑھا ہے کیونکہ مَعَايِش عَاشَ يَعِيشُ عَيْشًا وَّمَعِيشَةً سے ہے اور مَعَايِشُ مَعِيشَةٌ کی جمع ہے اور اصل میں یہ مَعْيِشَةٌ تھا۔ ''یاء'' پر کسرہ ثقیل تھا، اس لیے اسے عین کی طرف منتقل کر دیا گیا جس کی وجہ سے یہ مَعِيشَةٌ ہو گیا۔ اور جب اس لفظ کی جمع بنائی گئی تو پھر حرکت ''یاء'' کی طرف لوٹ آئی کیونکہ اس صورت میں کسرہ ثقیل نہ رہا اور جمع مَعَايِشُ بروزن مَفَاعِلُ ہو گئی کیونکہ اس کلمے میں ''یاء'' حرف اصلی ہے بخلاف مَدَائِنُ، صَحَائِفُ اور بَصَائِرُ کے جو کہ مَدِينَةٌ، صَحِيفَةٌ اور بَصِيرَةٌ کی جمع ہے جو کہ مَدَنَ، صَحَّفَ اور أَبْصَرَ سے ہیں۔ اس سے پتا چلا کہ ان

① مسند أحمد:421,420/1 ومسند أبي يعلى:209/9، حديث:5310. یہ حدیث صحیح ہے۔ ② یعنی عبدالرحمٰن بن ہرمز نے مَعَائِش پڑھا ہے۔ دیکھیے تفسير القرطبي:167/7.

میں کلمہ ''یاء'' زائد ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی جمع فَعَائِلُ کے وزن پر اور ہمزہ کے ساتھ آتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیت:11

فرشتوں کا آدم کو سجدہ اور ابلیس کا انکار: اس مقام پر اللہ تعالیٰ اولاد آدم کی ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے شرف کی طرف توجہ دلا رہا ہے اور ان کے دشمن ابلیس کی عداوت اور حسد کو بیان فرما رہا ہے جو اسے آدم اور اولاد آدم سے ہے تاکہ یہ اس سے بچیں اور اس کے رستوں پر نہ چلیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا ﴾ ''اور بلاشبہ ہم ہی نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا، پھر تمھاری شکل وصورت بنائی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا۔'' یہ آیت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر 29,28:15) ''اور جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں، پھر جب اس کو (صورت انسانی میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز) روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔''

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست مبارک کے ساتھ چپکتے گارے سے پیدا فرما کر انھیں ٹھیک انسانی صورت عطا فرما دی اور ان میں اپنی بے بہا چیز، یعنی روح پھونک دی تو اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ جل جلالہ کی شان کی تعظیم بجالاتے ہوئے انھیں سجدہ کریں تو تمام فرشتوں نے سمع وطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا، ابلیس کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کے الفاظ: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں اور یہاں جمع کے صیغے اس لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ آپ ابوالبشر ہیں، اس کی مثال ایسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴾ (البقرة 57:2) ''اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیے رکھا اور تم پر من وسلوی اتارتے رہے۔'' حالانکہ ان سے مراد ان کے وہ آباء واجداد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے، یہ احسان جب ان کے آباء واجداد پر تھا جو کہ ان کے اصل تھے تو یہ ایسے ہی ہے گویا یہ ان کے بیٹوں پر بھی ہے جو ان کی نسل ہیں لیکن اُس آیت کریمہ: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ﴾ (المؤمنون 12:23) ''اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔'' میں صورت حال اس کے خلاف ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ مٹی کے خلاصے سے تو وہی پیدا ہوئے ہیں جبکہ ان کی اولاد نطفے سے پیدا ہوئی ہے اور یہی بات درست ہے کیونکہ یہاں انسان سے مراد جنسِ انسان ہے کوئی معین اور مخصوص انسان مراد نہیں۔ و اللّٰہ أعلم.

---

[1] دیکھیے آیت: 34 کے ذیل میں۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ

اللہ نے کہا: تجھے کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ وہ بولا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو

وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿12﴾

نے مٹی سے پیدا کیا ہے ﴿12﴾

تفسیر آیت:12

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ﴾ ''کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟'' یعنی سجدہ کرنے میں تجھے کیا حرج تھا جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو پھر کس چیز نے تجھے مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے؟ امام ابن جریر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[1] اور یہ ایک قوی اور حسن قول ہے۔ و اللّٰہ أَعلم.

ابلیس لَعَنَهُ اللّٰهُ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ﴿ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ ﴾ ''میں اس سے افضل ہوں۔'' یہ گویا ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' والی بات ہے، یعنی اس کے جواب کے مطابق اس نے اللہ کے حکم کی اطاعت اس لیے نہ کی کہ فاضل کو یہ حکم نہیں دیا جا سکتا کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے۔ یعنی اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جب میں اس سے بہتر ہوں تو پھر تو مجھے یہ حکم کیوں دیتا ہے کہ میں اسے سجدہ کروں؟ پھر اس نے اپنے بہتر ہونے کی دلیل یہ بیان کی کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ اس چیز سے اشرف ہے جس سے آدم کو پیدا کیا گیا ہے، یعنی آگ مٹی سے زیادہ بہتر ہے، ابلیس لعین نے اصل عُنصر کی طرف تو دیکھا مگر آدم کے عظیم الشان شرف کی طرف نہ دیکھا کہ انھیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا کیا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی ہے۔

اس طرح اس نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ ﴾ (الحجر 29:15) ''تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔'' کی نص کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور اس طرح سجدہ نہ کر کے اس نے فرشتوں سے اپنی راہ الگ کر لی اور اپنی اس غلطی کا ارتکاب کر کے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گیا۔

ابلیس ملعون نے قیاس بھی غلط کیا اور اپنے اس دعوے میں بھی غلطی کی کہ آگ مٹی سے اشرف ہے کیونکہ مٹی میں تو نرمی، حلم، بردباری اور ثابت قدمی ہے اور مٹی تو نبات، نمو، اضافے اور اصلاح کی جگہ ہے جبکہ آگ کی خاصیت جلا دینا، اڑا دینا اور جلد بازی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابلیس سے اس کے عنصر نے خیانت کی جبکہ حضرت آدم کو اس کے عنصر نے فائدہ پہنچایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت سے کام لیا، اس کے حکم کی اطاعت بجا لاتے ہوئے انھوں نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور غلطی ہوئی تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے رب تعالیٰ سے توبہ و مغفرت طلب کر لی۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ وَّ خُلِقَ

[1] تفسیر الطبري:171/8.

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ

اللہ نے کہا: پھر تو اس (آسمان) سے اتر جا، کیونکہ تیرے لائق یہ نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرتا، لہٰذا تو نکل جا، بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے⑬ اس نے کہا:

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮

تو مجھے (اس دن تک) مہلت دے دے، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے⑭ اللہ نے کہا: بے شک تو مہلت دیے گئے لوگوں میں سے ہے⑮

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑯ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ

وہ بولا: پس اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، تو میں ان (لوگوں کو گمراہ کرنے) کے لیے تیرے سیدھے راستے پر ضرور بیٹھوں گا⑯ پھر میں ان کے سامنے

اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰

سے اور ان کے پیچھے سے ان کے پاس ضرور آؤں گا، اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے بھی، اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا⑰

الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ] ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، جنّوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جسے تمھارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے۔''[1]

سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا: امام ابن جریر نے حضرت حسن بصری سے آیت کریمہ: ﴿ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ ﴾ ''مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ ابلیس کا قیاس تھا اور ابلیس ہی نے سب سے پہلے قیاس سے کام لیا، اس قول کی سند صحیح ہے۔[2] امام ابن سیرین کا بھی قول ہے کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا، وہ ابلیس تھا اور سورج اور چاند کی پوجا بھی قیاس ہی کی وجہ سے کی گئی ہے، اس کی سند بھی صحیح ہے۔[3]

تفسیر آیات:13-15

اللہ تعالیٰ نے اپنے قدری و کونی امر کے ساتھ مخاطب ہوتے ہوئے ابلیس کو حکم دیا: ﴿ فَاهْبِطْ مِنْهَا ﴾ ''تو (بہشت سے) اتر جا۔'' یعنی تو نے میرے حکم کی جو نافرمانی کی اور میری اطاعت سے جو خارج ہو گیا ہے تو اب تجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تو یہاں غرور کرے۔

بہت سے مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ﴿ مِنْهَا ﴾ کی ضمیر کا مرجع جنت ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کا مرجع وہ مقام و مرتبہ ہو جس پر وہ ملکوت اعلیٰ میں فائز تھا۔

﴿ فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬ ﴾ ''لہٰذا تو نکل جا بے شک تو ذلیل و حقیر ہے۔'' یہ معاملہ اس کے الٹ ہے جس کا اس نے قصد کیا تھا اور اس کی مراد کے خلاف اسے بدلہ دیا جا رہا ہے تو اس موقع پر ابلیس لعین نے مہلت کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ اسے روز قیامت تک مہلت دے دی جائے: ﴿ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮ ﴾ ''مجھے (اس دن تک) مہلت عطا فرما جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے، فرمایا (اچھا) بے شک

① صحيح مسلم، الزهد، باب في أحاديث متفرقة، حديث:2996 و مسند أحمد:153/6 لیکن ابن کثیر میں [الجان] کے بجائے [إبليس] ہے۔ ② تفسير الطبري:173/8. ③ تفسير الطبري:173/8.

تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کے سوال کو پورا کر دیا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق تھا کہ جس کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے بدلا جا سکتا ہے اور کوئی بھی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر آیات: 17,16

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بیان فرمایا ہے کہ جب اس نے ابلیس کو ﴿ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ قیامت کے دن تک مہلت دے دی اور ابلیس کو بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ اسے مہلت مل گئی ہے تو اس نے دشمنی اور سرکشی شروع کر دی اور کہا: ﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ ''وہ کہنے لگا: مجھے تو تو نے گمراہ کیا ہی ہے تو میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے ضرور بیٹھوں گا۔'' یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: [كَمَا أَضْلَلْتَنِي] یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔[1]

اور دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح تو نے مجھے ہلاک کیا ہے، میں بھی تیرے ان بندوں کے لیے بیٹھوں گا جنھیں تو اس شخص کی اولاد میں سے پیدا کرے گا جس کے سبب تو نے مجھے دور کیا ہے، میں ان کے لیے ﴿ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ یعنی حق اور نجات کے رستے پر بیٹھوں گا کہ انھیں اس سے گمراہ کر دوں تا کہ یہ تیری عبادت نہ کر سکیں اور تجھے وحدہ لاشریک نہ مانیں کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ سے مراد حق کا رستہ ہے۔[2]

امام احمد نے سَبرہ بن ابو فاکہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا:

[إِنَّ الشَّيْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِأَطْرُقِهِ ، فَقَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْإِسْلَامِ ، فَقَالَ لَهُ: أَتُسْلِمُ وَتَذَرُ دِينَكَ وَدِينَ آبَائِكَ وَآبَاءِ أَبِيكَ؟ قَالَ: فَعَصَاهُ فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ: أَتُهَاجِرُ وَتَذَرُ أَرْضَكَ وَسَمَائَكَ؟ وَإِنَّمَا مَثَلُ الْمُهَاجِرِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي الطِّوَلِ، قَالَ: فَعَصَاهُ فَهَاجَرَ قَالَ: ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْجِهَادِ ، فَقَالَ لَهُ: هُوَ جَهْدُ النَّفْسِ وَالْمَالِ: فَتُقَاتِلُ فَتُقْتَلُ فَتُنْكَحُ الْمَرْأَةُ وَيُقَسَّمُ الْمَالُ ، قَالَ : فَعَصَاهُ فَجَاهَدَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَمَاتَ ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْ قُتِلَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، وَإِنْ غَرِقَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْ وَقَصَتْهُ دَابَّتُهُ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ]

''بلاشبہ شیطان ابن آدم کے لیے اللہ کے رستوں پر بیٹھ گیا ہے، مثلاً: وہ اسلام کے رستے پر بیٹھ جاتا ہے اور ابن آدم سے کہتا ہے کہ کیا تو اسلام کو قبول کر کے اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین اور اپنے باپ کے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ رہا ہے؟

[1] تفسیر الطبری:8/175. [2] تفسیر الطبری:8/177.

مگر ابن آدم اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اسلام کو اختیار کر لیتا ہے، پھر اسی طرح شیطان راہ ہجرت پر بیٹھ جاتا ہے اور مسلمان سے کہتا ہے: کیا تو ہجرت کر کے اپنی زمین اور اپنے آسمان کو چھوڑ رہا ہے؟ مہاجر کی مثال تو اس گھوڑے کی سی ہے جس کی رسی کو دراز کر دیا گیا ہو مگر مومن شیطان کی نافرمانی کر کے ہجرت کر لیتا ہے، پھر وہ مومن کے لیے راہ جہاد پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے، یہ تو بس نفس اور مال کی مشقت ہے، چنانچہ تو جنگ کرے گا تو تو مارا جائے گا، تیری بیوی سے کوئی نکاح کر لے گا، تیرا مال تقسیم کر لیا جائے گا مگر مرد مومن شیطان کی نافرمانی کرتے ہوئے جہاد کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان یہ کام کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے یا اگر شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اگر غرق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اگر اس کی سواری اس کو گرا دے اور وہ فوت ہو جائے تو بھی اللہ پر یہ حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔''[1]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ......﴾ الآیۃ
''پھر میں ان کے آگے سے اور پیچھے سے ان کے پاس ضرور آؤں گا اور ان کے دائیں اور بائیں سے بھی......''

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ﴾ میں آگے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ میں انھیں آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا کر دوں گا اور ﴿وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ میں پیچھے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ میں انھیں دنیا کی محبت میں مبتلا کر دوں گا اور ﴿وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ﴾ میں دائیں طرف سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ میں ان پر دین کے معاملے کو مشتبہ کر دوں گا اور ﴿وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ﴾ میں بائیں طرف سے آنے سے مراد یہ ہے کہ میں گناہوں اور نافرمانیوں کی خواہش ان میں پیدا کر دوں گا۔[2]

الغرض اس سے مراد خیر و شر کے تمام رستے ہیں کہ خیر سے وہ انھیں روکے گا اور شر کی ان کے دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔

حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیطان نے یہ نہیں کہا کہ میں ان کے اوپر سے بھی آؤں گا، اس لیے کہ اوپر سے تو رحمت نازل ہوتی ہے۔[3]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝17﴾ ''اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔'' میں شکر گزاروں سے مراد مُوَحّدین ہیں۔[4] ابلیس نے گویہ گمان اور توہّم کی وجہ سے کہا تھا مگر امر واقع اسی طرح ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝﴾ (سبا 34:20,21) ''اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال یقیناً سچ کر دکھایا، چنانچہ سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے وہ اس

[1] مسند أحمد:3/483 وسنن النسائی، الجهاد، (باب) ما لمن أسلم وهاجر وجاهد، حديث:3136 . [2] تفسير الطبری:8/179. [3] تفسير الطبری:8/181. [4] تفسير الطبری:8/181.

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

اللہ نے فرمایا: نکل جا اس سے ذلیل دھتکارا ہوا، پھر ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا،

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿18﴾

تو میں جہنم کو تم سب سے ضرور بھروں گا﴿18﴾

کے پیچھے چل پڑے اور اس (ابلیس) کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر (ہمارا) مقصد یہ تھا کہ جو لوگ آخرت کے متعلق شک میں ہیں، ان سے ان لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے ہم متمیز کر دیں اور آپ کا پروردگار ہر چیز پر خوب نگہبان ہے۔‘‘

اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے کہ شیطان کسی بھی طرف سے انسان پر مسلط ہو، امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبح و شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے اور کبھی بھی ان کے پڑھنے میں ناغہ نہیں کیا کرتے تھے:

[اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اَللّٰهُمَّ! اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَّوْعَاتِي، اَللّٰهُمَّ! احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَّمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي، وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي] ’’اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں خیر و عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور اپنے دین میں اور دنیا میں اور اپنے اہل اور مال میں عافیت و سلامتی چاہتا ہوں، اے اللہ! تو میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف اور پریشانی کو امن سے بدل دے۔ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما میرے آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی اور میری دائیں طرف سے بھی اور میرے اوپر سے بھی اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے اچانک کسی مصیبت میں ڈال دیا جاؤں۔‘‘[1]

امام وکیع فرماتے ہیں کہ اس آخری جملے کے معنی یہ ہیں کہ میں زمین میں نہ دھنسا دیا جاؤں۔[2] اس حدیث کو امام ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[3]

تفسیر آیت:18

اللہ تعالیٰ نے ملاءِ اعلیٰ کے مقام سے اسے نکال کر، دور ہٹا کر اور اسے دھتکارتے اور لعنت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اخْرُجْ مِنْهَا

① مسند أحمد:25/2. ② سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، حديث:5074 . ③ سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، حديث:5074 وسنن النسائي، الاستعاذة، باب الاستعاذة من الخسف، حديث: 5531 مختصرًا جدًّا. وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب ما يدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسى، حديث:3871 وصحيح ابن حبان، الرقائق، ذكر ما يستحب للمرء سؤال ربه......:241/3، حديث: 961 والمستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير: 518,517/1، حديث:1902.

وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

اور اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو، اور تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ، اور تم دونوں اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

سے ہو جاؤ گے ⑲ پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکانے کے لیے (ان کے دل میں) وسوسہ ڈالا، تاکہ ان کے لیے ان کی شرم گاہیں ظاہر کر دے جو ان سے

وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ

چھپائی گئی تھیں۔ اور شیطان نے کہا: تمھارے رب نے تمھیں صرف اس لیے روکا ہے کہ (کہیں) تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ، یا (کہیں) تم دونوں ہمیشہ

الْخٰلِدِيْنَ ⑳ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ㉑

رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ ⑳ اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ بے شک میں تم دونوں کے خیر خواہوں میں سے ہوں ㉑

مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿ ''نکل جا اس سے ذلیل دھتکارا ہوا۔''

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذء وم کے معنی ''عیب دار'' کے ہیں، ذأم ۔تشدید کے بغیر ۔ کے معنی عیب کے ہوتے ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے: ذَأَمَهُ، يَذْأَمُهُ ذَأْمًا فَهُوَ مَذْءُومٌ اور ہمزہ کو ترک کر کے ذِمْتُهُ أَذِيمُهُ ذَيْمًا وَّذَامًا بھی کہا جاتا ہے۔ اور ذَمّ کی نسبت ذام اور ذیم عیب میں زیادہ مبالغے کو ظاہر کرتا ہے۔ اور مَدْحُور کے معنی ''دور ہٹایا ہوا'' اور ''دھتکارا ہوا'' ہیں۔[1]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مَذْءُوم اور مَذْمُوم کے معنی ایک ہی ہیں۔[2] سفیان ثوری نے ابو اسحاق سے انھوں نے تمیمی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مَذْءُوم اور مَدْحُور کے معنی مبغوض کے ہیں۔[3] اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی ذلیل اور مبغوض کے بیان کیے ہیں۔[4] سدی نے اس کے معنی مبغوض اور مردود، قتادہ نے ملعون اور مبغوض، مجاہد نے دور ہٹایا ہوا اور دھتکارا ہوا بیان کیے ہیں اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ مَذْءُوم کے معنی جسے دور ہٹا دیا گیا ہو اور مَدْحُور کے معنی ذلیل و رسوا کے ہیں۔[5]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱ ﴾ ''جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا میں (اس کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:63-65) ''اللہ نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا! جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو بے شک تم سب کی جزا جہنم ہے اور (وہ) پوری سزا (ہے) اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز

① تفسیر الطبری:8/182. ② تفسیر الطبری:8/183. ③ تفسیر الطبری:8/183. ④ تفسیر الطبری:8/182. ⑤ تفسیر الطبری:8/182.

سے بہکا تا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے، بے شک جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر!) آپ کا پروردگار کارساز کافی ہے۔‘‘

تفسیر آیات:19-21

شیطان کا حضرت آدم وحوّاء کے ساتھ مکر: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوّاء کے لیے یہ جائز قرار دے دیا کہ وہ ایک درخت کے پھل کے سوا جنت کے دیگر تمام پھلوں کو کھا سکتے ہیں، اس سلسلے میں تفصیل قبل ازیں سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے [1] مگر شیطان اس کی وجہ سے حضرت آدم وحوّاء سے حسد کرنے لگا اور اس نے مکر وفریب اور وسوسے کے ذریعے سے یہ کوشش شروع کر دی کہ وہ انھیں جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں اور لباس فاخرہ سے محروم کر دے، اس لیے اس نے ازراہ کذب وافتراء یہ کہا کہ ﴿مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ ’’تم دونوں کو تمھارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ۔‘‘

یعنی تمھیں اس لیے منع کیا ہے تاکہ تم اس پھل کو کھا کر فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔ اور اگر تم اس درخت کے پھل کو کھا لو تو تمھیں یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں گی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝﴾ (طٰہٰ 120:20) ’’کہا کہ آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو؟‘‘

﴿اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ دراصل لِئَلَّا تَكُونَا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ﴾ (النسآء 176:4) یہاں ﴿اَنْ تَضِلُّوْا ؕ﴾ لِئَلَّا تَضِلُّوا یعنی اللہ تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔ اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ (النحل 15:16) ’’اور اسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیے کہ تم کو لے کر (کہیں) جھک نہ جائے۔‘‘ یہاں بھی ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ لِئَلَّا تَمِيدَ بِكُمْ کے معنی میں ہے۔

﴿وَ قَاسَمَهُمَاۤ﴾ ’’اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا۔‘‘ یعنی حضرت آدم وحوّاء علیہما السلام کے سامنے اس نے اللہ کی قسم کھائی ﴿اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝﴾ ’’بلاشبہ میں تو تمھارے خیرخواہوں میں سے ہوں۔‘‘ میں تم سے پہلے سے اس جگہ رہ رہا ہوں اور اس جگہ کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔

﴿قَاسَمَهُمَاۤ﴾ اگرچہ باب مفاعلہ سے ہے مگر یہاں دونوں میں سے ایک ہی طرف، یعنی ابلیس مراد ہے۔ امام قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ابلیس نے آدم وحواء دونوں کے سامنے اللہ کے نام کی قسم کھائی اور اس طرح انھیں دھوکا دیا اور مومن اللہ کے نام کی وجہ سے دھوکا کھا ہی جاتا ہے۔ چنانچہ ابلیس نے اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہا کہ میں تم سے پہلے پیدا ہوا

[1] دیکھیے آیت: 35 کے ذیل میں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

چنانچہ شیطان نے ان دونوں کو دھوکا دے کر پھسلا دیا، پھر جب ان دونوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان دونوں کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں، اور

الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا

وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے (تاکہ ستر ڈھانک سکیں)، اور ان کے رب نے ان کو آواز دی: کیا میں نے تمھیں اس درخت سے روکا نہیں

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿22﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

تھا؟ اور میں نے تمھیں یہ (نہیں) کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟﴿22﴾ انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور اگر تو

الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾

نے ہمیں نہ بخشا اور تو نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿23﴾

ہوں اور میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، لہٰذا تم دونوں میری بات مانو، میں تمھاری رہنمائی کروں گا۔①

تفسیر آیات: 23,22

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام لمبے قد کے تھے گویا وہ کھجور کا تن آور درخت ہوں، آپ کے سر کے بال بھی گھنے تھے جب آپ سے غلطی ہوئی تو آپ کے ستر کی پوشیدہ چیز جسے وہ پہلے نہیں دیکھتے تھے، ظاہر ہو گئی اور آپ جنت سے بھاگنے لگے تو جنت کے ایک درخت نے آپ کو سر سے پکڑ کر روک لیا تو آپ نے کہا: مجھے چھوڑ دو تو اس درخت نے کہا: نہیں، آپ کو نہیں چھوڑوں گا، ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا: آدم! مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کی: نہیں اے اللہ! میں تو تجھ سے حیا کرتا ہوں۔② ابن جریر اور ابن مردویہ نے اسے کئی سندوں کے ساتھ حسن سے انھوں نے اُبی بن کعب سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے مرفوع روایت کیا ہے لیکن موقوف روایت سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔③

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ ﴾ ”اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔“ اس آیت کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ وہ انجیر کے پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے تھے،④ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ انھوں نے جنت کے پتوں کو اپنے اوپر اس طرح لپیٹنا شروع کر دیا تھا جس طرح کپڑے کو تن بدن پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔⑤

وہب بن مُنَبِّہ نے ﴿ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا ﴾ (الأعراف 27:7) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آدم وحوّاء کے ستر کے مقامات پر نور کا لباس تھا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ستر کے مقامات کو دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن جب انھوں نے درخت کے پھل کو کھا لیا تو ان کے ستر کے مقامات کھل گئے، اسے امام ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔⑥

عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! اگر میں توبہ واستغفار کرلوں؟ تو اللہ

① تفسير الطبرى:186/8. ② تفسير الطبرى:187/8. ③ تفسير الطبرى:187/8. ④ تفسير الطبرى:188/8. ⑤ تفسير الطبرى:188/8. ⑥ تفسير الطبرى:189/8.

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿24﴾

اللہ نے کہا: تم اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھیں زمین میں ٹھہرنا اور ایک (مقررہ) وقت تک فائدہ (اٹھانا) ہے﴿24﴾ اور فرمایا: تم اسی (زمین)

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿25﴾ ع 2/15 9

میں زندہ رہو گے، اور اسی میں تم مرو گے اور (قیامت کے دن) اسی سے تم نکالے جاؤ گے﴿25﴾

تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر میں تجھے جنت میں داخل کر دوں گا۔ اس کے برعکس ابلیس نے توبہ کی بابت کوئی سوال نہ کیا بلکہ یہ سوال کیا کہ اسے مہلت دے دی جائے اور دونوں نے جو سوال کیا اسے پورا کر دیا گیا۔[1]

ضحاک بن مُزاحم نے ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سكتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور تو نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وہ کلمات تھے جو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے سیکھے تھے۔[2]

تفسیر آیات: 25,24

زمین کی طرف اتارنا: ﴿ اهْبِطُوْا ﴾ ''تم (زمین میں) اتر جاؤ۔'' کے بارے میں ایک قول تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ خطاب آدم، حوّاء، ابلیس اور سانپ سے تھا، بعض لوگوں نے یہاں سانپ کا ذکر نہیں کیا۔[3] و اللہ أعلم.

اصل دشمنی تو آدم اور ابلیس ہی کے مابین تھی، اس لیے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا (طٰہٰ20:123) ''تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ۔'' حوّاء حضرت آدم ہی کے تابع تھیں (ان کو علیحدہ حکم دے کر جمع کا صیغہ نہیں استعمال کیا گیا) اور سانپ کا ذکر اگر صحیح ہے تو وہ ابلیس کے تابع تھا۔ مفسرین نے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جن پر ان میں سے ہر ایک کو اتارا گیا تھا مگر ان تمام روایات کا تعلق اسرائیلیات سے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ یہ روایات صحیح ہیں یا نہیں؟ اگر ان مقامات کے تعین میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی یقیناً اپنی کتاب میں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنت میں اسے بیان فرما دیتے۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿24﴾ ﴾ ''اور تمھارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی میں) فائدہ (اٹھانا) ہے۔'' یعنی زمین تمھارے لیے جائے قرار ہے اور اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے تمھاری عمریں مقرر کر دی گئی ہیں جو اس کے مطابق ہیں جسے قلم نے لکھا، تقدیر نے شمار کیا اور کتاب اول میں جسے تحریر کر دیا گیا تھا اور یہ فرمانِ الٰہی: ﴿ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''فرمایا: اسی (زمین) میں تم جیو گے، اسی میں مرو گے اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔'' اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ20:55) ''اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں

---

[1] تفسیر عبدالرزاق:76/2، رقم:891. [2] تفسیر الطبری:190/8. [3] تفسیر الطبری:190/8.

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ

اے بنی آدم! بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا جو تمھاری شرمگاہیں چھپاتا ہے اور زینت کا باعث ہے، اور پرہیز گاری کا لباس بہت بہتر ہے۔ یہ

خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿26﴾

اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿26﴾

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا

اے بنی آدم! کہیں شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا تھا جب اس نے ان دونوں کا لباس

سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ

اتروایا تھا، تاکہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھادے۔ بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمھیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔ بے شک ہم نے

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿27﴾

شیطانوں کو ان لوگوں کے دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے ﴿27﴾

تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے تم کو دوسری دفعہ نکالیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے دنیوی زندگی کی مدت کے لیے زمین کو انسان کا گھر بنا دیا ہے کہ اسی میں ان کا جینا مرنا ہے، اسی میں ان کی قبریں ہیں اور اسی سے انھیں قیامت کے دن کے لیے دوبارہ اٹھایا جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے تمام انسانوں کو جمع کرے گا، پھر ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

تفسیر آیت:26

لباس اور زینت کا اتارنا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے ان احسانات کو شمار کر رہا ہے جو اس نے لباس اور زینت کی صورت میں ان پر فرمائے ہیں، یہاں لباس سے مراد وہ ہے جو انسان کے لیے ستر پوشی کا کام دیتا ہے اور ﴿رِيْشًا﴾ سے مراد ظاہری زینت ہے، گویا لباس کا تعلق بنیادی ضروریات سے ہے اور زینت کا تعلق تکملے اور اضافے سے ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں رِیَاش آرائشی ساز و سامان اور ظاہری کپڑوں کو کہتے ہیں۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اپنے ستر کے مقام کو چھپا لیتا ہے تو یہ لباس تقویٰ ہے۔[2]

تفسیر آیت:27

شیطان کے بہکاوے سے بچنے کی تلقین: اللہ تعالیٰ انسانوں کو ابلیس اور اس کے قبیلے سے بچنے کی تلقین فرما رہا ہے اور اس قدیم دشمنی کو بھی بیان فرما رہا ہے جو ابلیس کو ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے تھی اور جس کی وجہ سے اس نے کوشش کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو نعمتوں کے مقام جنت سے نکلوا کر دکھوں اور مصیبتوں کے گھر دنیا میں پہنچا دیا، پھر ان کے ستر کے مقامات سے جو پہلے ڈھکے اور چھپے ہوئے تھے، کپڑے اتروا دیے اور یہ سب کچھ اس کی زبردست دشمنی ہی کا نتیجہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

[1] تفسیر الطبری:194/8. [2] تفسیر الطبری:197/8.

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ (اے نبی!) آپ کہہ

يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا

دیجیے: اللہ قطعاً بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ ﴿28﴾ کہہ دیجیے: میرے رب نے انصاف (کرنے) کا

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿29﴾

حکم دیا ہے، اور (یہ کہ) ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے (قبلہ رخ) کرلو، اور خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اسی کو پکارو، جیسے اس نے تمھیں (پہلے)

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

پیدا کیا (ویسے ہی) تم (اس کی طرف) لوٹو گے ﴿29﴾ ایک فریق کو اس نے ہدایت دی، اور دوسرے فریق پر گمراہی ثابت ہوگئی ہے، یقیناً انھوں نے اللہ کو چھوڑ

دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿30﴾

کر شیطانوں کو دوست بنالیا ہے، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں ﴿30﴾

ہے: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ ﴾ (الکہف 50:18)

''کیا پھر تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔''

تفسیر آیات: 28-30

کفار کا بے حیائی کے کام کرنا اور انھیں اللہ کی طرف منسوب کرنا: مجاہد فرماتے ہیں کہ مشرکین عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اسی حالت میں طواف کریں گے جس طرح ہماری ماؤں نے ہمیں جنم دیا ہے حتی کہ عورتیں بھی اپنی شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا یا کوئی اور چیز رکھ لیتیں اور طواف کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتیں:

اَلْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهٗ أَوْ كُلُّهٗ   وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهٗ

''آج (میرے) جسم کا کچھ حصہ یا سارا جسم ہی ننگا ہوگا اور جو ننگا ہوگا اسے میں کسی کے لیے حلال قرار نہیں دوں گی۔''[1]

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ ''اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔'' قریش کے سوا دیگر قبائل کے لوگ اپنے کپڑوں میں بھی طواف نہیں کیا کرتے تھے جنھیں انھوں نے پہنا ہوتا تھا اور کہتے یہ تھے کہ بھلا ان کپڑوں میں ہم طواف کیوں کریں جنھیں پہن کر ہم نے اللہ کی نافرمانی کے کام کیے ہیں؟

قریش جو حُمس کہلاتے تھے وہ اپنے ان کپڑوں میں طواف کرلیا کرتے تھے اور جس شخص کو کوئی اُحمسی (قریشی) اپنے کپڑے

[1] تفسیر الطبری: 202,201/8.

مستعار دے دیتا تو وہ بھی ان میں طواف کر لیا کرتا تھا اور جس کے پاس کوئی نیا کپڑا ہوتا تو وہ بھی اس میں طواف کر لیتا اور طواف کرنے کے بعد اس کپڑے کو پھینک دیتا تو اسے کوئی نہیں اٹھاتا تھا جس کے پاس کوئی نیا کپڑا نہ ہوتا یا جسے کوئی قریشی مستعار نہ دیتا تو وہ عریاں ہو کر طواف کرتا حتی کہ بعض اوقات عورتیں بھی بے لباس ہو کر طواف کرتیں، وہ اپنے مقام خاص کو تھوڑا سا چھپا لیتیں اور طواف کرتے ہوئے اس طرح کے اشعار بھی پڑھتیں:

اَلْیَوْمَ یَبْدُو بَعْضُهٗ أَوْ كُلُّهٗ وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهٗ

عورتیں اکثر عریاں طواف رات کے وقت کیا کرتی تھیں، اس رسم کو انھوں نے اپنے آباء واجداد کی اتباع میں از خود ایجاد کر لیا تھا اور وہ عقیدہ یہ رکھتے تھے کہ ان کے آباء واجداد کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم اور شریعت کے مطابق تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ ''اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔'' اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے۔'' ان لوگوں کو جو اس بات کے دعوے دار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بے حیائی کا حکم دیا ہے کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ ''بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔'' تم جو یہ کام کر رہے ہو یہ تو برائی اور بے حیائی کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اس قسم کے کاموں کا حکم نہیں دیتا، ﴿ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف تم ایسے اقوال کیوں منسوب کرتے ہو جن کی صحت کا تمھیں کچھ علم ہی نہیں ہے؟

﴿ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ﴾ ''کہہ دیجیے: میرے پروردگار نے تو انصاف (کرنے) کا حکم دیا ہے۔'' یعنی عدل واستقامت کا ﴿ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ ''اور (یہ کہ) ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسی کو پکارو۔'' یعنی اس نے تمھیں حکم دیا ہے کہ استقامت کے ساتھ اسی کی عبادت کرو اور اس کے رسولوں کی اتباع کرو جن کی اللہ تعالیٰ نے معجزات سے تائید فرمائی ہے اور جو کچھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا ہے اور جو احکام شریعت وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، ان کے مطابق اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرو کیونکہ اس وقت تک وہ کسی بھی عمل کو قبول نہیں فرماتا جب تک اس میں یہ دو باتیں نہ ہوں: (1) عمل درست اور شریعت کے مطابق ہو اور (2) شرک سے پاک ہو۔

ابتدا میں اور دوبارہ پیدا ہونے کا مفہوم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''اس نے جس طرح تم کو (ابتدا میں) پیدا کیا تھا، (اسی طرح) تم لوٹو گے۔'' اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ابو نَجیح نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمھیں موت کے بعد پھر زندہ کرے گا۔[1] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے اس نے

[1] تفسیر الطبری:8/207.

تمھیں دنیا میں پیدا کیا (پھر فوت ہو گئے) اسی طرح تم روز قیامت زندہ لوٹو گے۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ جس طرح اس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، اسی طرح وہ تمھیں دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا۔[2]

امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اور انھوں نے اس کی تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی پیش کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: [يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا، كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○] (الأنبياء 21:104) ''لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور بغیر ختنوں کے جمع کیے جاؤ گے۔ ''جس طرح ہم نے (تمھاری) پہلی تخلیق کی ابتدا کی (اسی طرح) ہم اسے لوٹائیں گے، (یہ) وعدہ ہمارے ذمے ہے، بے شک ہم (اسے پورا) کرنے والے ہیں۔''[3] یہ حدیث صحیحین میں بھی مذکور ہے۔[4]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی پیدائش اس طرح شروع کی کہ ان میں سے کچھ مومن اور کچھ کافر تھے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ (التغابن 64:2) ''وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔'' اور وہ روز قیامت انھیں اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح پہلی مرتبہ انھیں مومن اور کافر پیدا کیا تھا۔[5]

اس قول کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے: [فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَدْخُلُهَا] ''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے مابین تقریباً ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل دوزخ کا سا کوئی کام کر لیتا ہے اور جہنم رسید ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص اہل دوزخ کے سے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور دوزخ کے مابین تقریباً ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل جنت کا سا کوئی کام کر لیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''[6]

اگر اس آیت کریمہ سے یہی مراد ہے تو اس قول اور اس آیت: ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ

---

[1] تفسير الطبري:8/207. [2] تفسير الطبري:8/207. [3] تفسير الطبري:8/208. [4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ○﴾ (النسآء 4:125)، حديث: 3349 مطوّلا. وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها......، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيمة، حديث: (58)-2860. [5] تفسير الطبري:8/205.
[6] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملئكة، حديث:3208 وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه......، حديث:2643 مطولا.

عَلَيْهَا ﴾ (الروم30:30) ''چنانچہ آپ یکسو ہو کر اپنا منہ دین حنیف کی طرف کر لیں (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہیں۔)'' میں تطبیق ضروری ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ مَوْلُودٍ يُّولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ (وَ) يُنَصِّرَانِهِ (وَ) يُمَجِّسَانِهِ] ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[1] اور اسی طرح صحیح مسلم میں عِیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے: [......وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ] ''......اور بے شک میں نے اپنے سارے بندوں کو (اپنے دین کے رستے پر) یکسو پیدا کیا تھا مگر شیاطین ان کے پاس آئے تو انھوں نے انھیں دین سے بہکا دیا۔''[2]

تو ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح پیدا کیا تاکہ وہ اپنی دوسری حالت میں مومن اور کافر ہوں جبکہ پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی معرفت و توحید ہی پر پیدا فرمایا تھا اور انھیں یہ علم عطا فرمایا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد و پیمان بھی لیا تھا اور اسے ان کی فطرت میں سمو دیا تھا اور اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ کو شقی اور کچھ کو سعید بنا دیا جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ (التغابن 2:64) ''وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔'' حدیث میں ہے: [كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَايِعٌ نَّفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا] ''ہر شخص صبح کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو بیچنے والا ہوتا ہے، پھر اسے آزاد کرا لیتا ہے یا اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔''[3]

اور اللہ کی تقدیر اس کی مخلوق میں مؤثر ثابت ہوتی ہے کہ وہی وہ ذات گرامی ہے: ﴿ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ ﴾ (الأعلى 3:87) ''اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا، پھر (اس کو) رستہ بتایا۔'' اور فرمایا: ﴿ الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 50:20) ''جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی، پھر راہ دکھائی۔''

صحیح بخاری و مسلم میں ہے: [أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ] ''جو شخص اہل سعادت میں سے ہو تو اس کے لیے اہل سعادت کے عمل کو آسان کر دیا جاتا ہے اور جو اہل شقاوت میں سے ہو تو اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل کو آسان کر دیا جاتا ہے۔''[4] اسی لیے اس

[1] صحيح البخاری، الجنائز، باب ما قيل فی أولاد المشركين، حديث:1385 وصحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة......، حديث:2658 بعض طرق میں [و] کے بجائے [أَوْ] ہے۔ [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب الصفات التي يعرف بها فی الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث:2865 مطولاً. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء ، حديث:223 مطولاً عن أبی مالك الأشعری رضی اللہ عنہ. [4] صحيح البخاری، التفسير، باب: ﴿ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴾ (اللّيل 10:92)، حديث:4949 وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمی فی بطن أمه ......، حديث:2647 عن علی رضی اللہ عنہ.

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی نہ کرو،

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾ ع

بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿31﴾

نے فرمایا ہے: ﴿ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ﴾ ’’ایک فریق کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی۔‘‘ پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ’’بے شک ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ شیطانوں کو دوست بنا لیا۔‘‘

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس شخص کی غلطی پر بہت واضح دلیل ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو معصیت کا ارتکاب کرنے یا ضلالت کا اعتقاد رکھنے پر عذاب نہیں دے گا الا یہ کہ درست بات کو جاننے کے بعد محض رب تعالیٰ سے دشمنی کی وجہ سے معصیت کا ارتکاب کرے کیونکہ اگر ان کی یہ بات درست ہوتی تو پھر اس فریق میں جو گمراہ ہے مگر اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہے اور اس فریق میں جو واقعی ہدایت یافتہ ہے تو کوئی فرق نہیں رہ جاتا، حالانکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فریقوں کے نام بھی الگ رکھے ہیں اور ان کے بارے میں حکم بھی الگ الگ بتایا ہے۔ ①

تفسیر آیت:31

ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرنے کا حکم: اس آیت کریمہ میں ان مشرکین کی تردید ہے جو بیت اللہ شریف کا عریاں طواف کیا کرتے تھے جیسا کہ امام مسلم، نسائی اور ابن جریر۔۔ اور یہ الفاظ ابن جریر کی روایت کے مطابق ہیں۔۔ نے شعبہ سے بواسطہ سلمہ بن کُہَیل از مسلم بَطِین اور انھوں نے سعید بن جبیر کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مرد اور عورتیں بیت اللہ کا عریاں ہو کر طواف کرتے، مرد دن کے وقت اور عورتیں رات کے وقت طواف کیا کرتی تھیں اور طواف کرتے ہوئے اس قسم کے اشعار بھی پڑھتی تھیں:

اَلْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ

’’آج (میرے) جسم کا کچھ حصہ یا سارا جسم ہی ننگا ہوگا، البتہ جو ننگا ہوگا اسے میں کسی کے لیے حلال قرار نہیں دوں گی۔‘‘

اس (رسم) کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ ’’تم ہر نماز کے لیے اپنے آپ کو مزین کیا کرو۔‘‘② اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری تعالیٰ: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ لوگ بیت اللہ کا عریاں ہو کر طواف کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ زینت کو اختیار کریں اور زینت سے مراد وہ لباس ہے جو ستر کے مقام کو چھپا لے، علاوہ ازیں ہر اچھا لباس زینت میں شامل ہے۔ بہر حال انھیں حکم

① تفسیر الطبری: 209/8. ② صحیح مسلم، التفسیر، باب فی قوله تعالیٰ: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (الأعراف 31:7)، حدیث: 3028 والسنن الكبرىٰ للنسائي: 345/6، حدیث: 11182 وتفسیر الطبری: 210/8.

دیا گیا کہ وہ ہر نماز کے لیے زینت اختیار کریں۔[1]

امام مجاہد، عطاء، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، قتادہ، سدی، ضحاک، مالک از زہری رحمہ اللہ اور کئی ایک ائمۂ سلف نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بیت اللہ شریف کا عریاں ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔[2] اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر میں وارد سنت نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز خصوصاً جمع اور عیدین کی نمازوں کے وقت زینت کو اختیار کرنا اور خوشبو اور مسواک کو استعمال کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ خوشبو بھی زینت ہے اور مسواک سے زینت کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور بہترین لباس سفید رنگ کا لباس ہے جیسا کہ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِلْبَسُوا مِنْ ثِیَابِكُمُ الْبَیَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِكُمْ وَ كَفِّنُوا فِیهَا مَوْتَاكُمْ وَإِنَّ مِنْ خَیْرِ أَكْحَالِكُمُ الْإِثْمِدَ ، فَإِنَّهُ یَجْلُو الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ] ''سفید لباس زیب تن کیا کرو کیونکہ یہ تمھارا بہترین لباس ہے اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو، تمھارا بہترین سرمہ اثمد ہے کیونکہ یہ نظر کو تیز کرتا اور بالوں کو اگاتا ہے۔''[3] اس حدیث کی سند جید ہے، اس کے رجال امام مسلم کی شرط کے مطابق ہیں، اسے امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔[4]

طعام اور لباس میں اسراف کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا﴾ ''اور تم کھاؤ اور پیو۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو مگر دو باتوں، یعنی اسراف اور تکبر سے بچو۔[5] امام ابن جریر نے محمد بن عبدالاعلیٰ، محمد بن ثور، معمر، ابن طاؤس اور ان کی اپنے باپ طاؤس کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو حلال قرار دیا ہے، بشرطیکہ اسراف اور تکبر نہ ہو۔[6] اس کی سند صحیح ہے۔

امام احمد نے مقدام بن مَعدِی کَرِب کِندی سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: [مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ، حَسْبُ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ یُّقِمْنَ صُلْبَهُ ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ ، فَثُلُثٌ طَعَامٌ وَّثُلُثٌ شَرَابٌ، وَّثُلُثٌ لِّنَفَسِهِ] ''ابن آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا اور کوئی برتن نہیں بھرا، حالانکہ ابن آدم کے لیے ایسے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اور اگر کوئی ضرور ہی کھانے والا ہو تو اسے چاہیے کہ ایک ثلث کھانے کے لیے، ایک ثلث پینے کے لیے اور ایک ثلث سانس لینے کے لیے رکھے۔''[7] اس حدیث کو امام ترمذی و نسائی رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے،

---

[1] تفسیر الطبری:211/8. [2] تفسیر الطبری:211/8-213. [3] مسند أحمد:247/1. [4] سنن أبی داود، الطب، باب فی الکحل، حدیث:3878 و جامع الترمذی، الجنائز، باب ماجاء ما یستحب من الأکفان، حدیث:994 مختصرًا. لیکن [فَإِنَّهُ] ترمذی کی حدیث:1757 میں ہے۔ و سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء فیما یستحب الکفن، حدیث: 1472و3497. [5] صحیح البخاری، اللباس، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ ......﴾ (الأعراف 32:7) قبل الحدیث: 5783 . [6] تفسیر الطبری:213/8 . [7] مسند أحمد:132/4.

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو زینت اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، وہ کس نے حرام کی ہیں؟ کہہ دیجیے: یہ (پاکیزہ

هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

چیزیں) دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو ایمان لائے، جبکہ قیامت کے دن یہ خالص مومنوں ہی کے لیے ہوں گی، اسی طرح ہم آیات کو

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿32﴾

ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ﴿32﴾

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

کہہ دیجیے: بے شک میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے، چاہے وہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی، اور گناہ کو اور ناحق ظلم کو بھی اور یہ (بھی حرام ہے)

وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾

کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے ﴿33﴾

امام ترمذی نے اسے حسن اور ایک نسخے کے مطابق حسن صحیح قرار دیا ہے۔[1]

عطاء خُراسانی نے حضرت ابن عباس سے آیت کریمہ: ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾﴾ ''اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ، یقیناً اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کھانے پینے میں بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو حلال و حرام کے بارے میں اس کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ ہاں، البتہ اس بات کو وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے حلال قرار دیے ہوئے کو حلال اور حرام قرار دیے ہوئے کو حرام قرار دیا جائے اور یہی وہ عدل ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے۔[3]

تفسیر آیت: 32

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرما رہا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر از خود ہی کھانے پینے اور پہننے کی کئی چیزوں کو حرام قرار دے لیا تھا کہ ﴿قُلْ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے!'' ان مشرکوں سے جنھوں نے اپنی فاسد آراء سے از خود بہت سی چیزوں کو حرام قرار دے لیا ہے کہ ﴿مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ...... ﴾ الآیة ''جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، ان کو حرام کس نے کیا ہے؟'' یعنی یہ ان لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان رکھتے اور دنیا کی زندگی میں اس کی

[1] السنن الکبرٰی للنسائی، آداب الأکل ذکر القدر الذی یستحب للإنسان......: 177/4، حدیث: 6768 و جامع الترمذی، الزھد، باب ما جاء فی کراھیة کثرة الأکل، حدیث: 2380 و سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الاقتصاد فی الأکل و کراھة الشبع، حدیث: 3349. [2] تفسیر الطبری: 213/8. [3] تفسیر الطبری: 214/8.

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿34﴾ يٰبَنِيْٓ

اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، تو جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو وہ (اس سے) لحہ بھر پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے ﴿34﴾ اے

اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

بنی آدم! اگر تمھارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تمھارے سامنے میری آیتیں بیان کریں، تو جنھوں نے پرہیز گاری اختیار کی اور اپنی

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿35﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ

اصلاح کر لی، تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿35﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، وہی لوگ دوزخی ہیں،

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿36﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿36﴾

عبادت کرتے ہیں اور دنیا میں اگر کفار بھی ان کے ساتھ ان چیزوں میں شریک ہیں تو آخرت میں تو یہ بطور خاص انھی کے لیے ہوں گی اور وہاں کوئی کافر ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا کیونکہ جنت کافروں کے لیے حرام ہے۔

تفسیر آیت:33

حرام چیزوں کی تفصیل: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ باغیرت اور کوئی نہیں، اسی لیے اس نے ظاہر اور پوشیدہ بے حیائی کی باتوں کو حرام قرار دیا ہے اور جس قدر اللہ تعالیٰ کو مدح پسند ہے، کسی اور کو نہیں۔''① اس حدیث کو صحیحین میں بھی بیان کیا گیا ہے۔② ظاہر اور پوشیدہ بے حیائی کی باتوں کے بارے میں قبل ازیں سورۂ انعام کی تفسیر میں بحث کی جا چکی ہے۔③

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ''اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو (حرام کیا ہے۔)'' سدّی فرماتے ہیں کہ إثم سے مراد گناہ اور معصیت ہے اور بغی سے مراد یہ ہے کہ تم لوگوں پر ناحق زیادتی کرو۔④ مجاہد فرماتے ہیں کہ إثم سے مراد گناہ کے تمام کام ہیں اور باغی وہ ہے جو اپنے آپ پر ناحق زیادتی کرے۔⑤ الغرض إثم سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق خود گناہوں کے ارتکاب کرنے والے سے ہو اور بغی سے مراد لوگوں کے ساتھ ناحق زیادتی کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو حرام قرار دیا ہے۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ﴾ ''اور اس کو بھی (حرام قرار دیا ہے) کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔'' یعنی اس بات کو بھی اللہ نے حرام قرار دیا ہے کہ تم اس کی عبادت میں

① مسند أحمد:381/1. ② صحيح البخاري، النكاح، باب الغيرة، حديث:5220 و صحيح مسلم، التوبة، باب غيرة الله تعالى وتحريم الفواحش، حديث: (33)-2760. ③ دیکھیے آیت:120 کے ذیل میں۔ ④ تفسير الطبري: 219/8. ⑤ تفسير الطبري:219/8 .

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یَنَالُہُمْ نَصِیْبُہُمْ مِّنَ

چنانچہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑا، یا اس کی آیات کو جھٹلایا؟ یہی لوگ ہیں جن کا لکھا ہوا نصیب انھیں مل

الْکِتٰبِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْہُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَہُمْ ۙ قَالُوْۤا اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ

جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس جب ہمارے فرشتے پہنچیں گے، جو ان کو فوت کریں گے، تو وہ ان سے کہیں گے: آج وہ کہاں ہیں جنھیں تم اللہ کے

دُوْنِ اللّٰہِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَہِدُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ اَنَّہُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ﴿37﴾

سوا پکارتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: وہ ہم سے کھو گئے، اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرنے والے تھے ﴿37﴾

شریک بناؤ ﴿ وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ”اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں۔“ لیکن از راہِ افتراء و کذب تم یہ دعویٰ کر دو کہ اللہ کا بیٹا بھی ہے یا اس طرح کی کچھ اور باتیں اپنی طرف سے گھڑ لو جن کا تمھیں علم نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ (الحج 30:22) ”تو تم بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرو۔“

تفسیر آیات: 34-36

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ ﴾ ”اور ہر ایک امت کے لیے“ امت سے یہاں قرن اور نسل مراد ہے۔ ﴿ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمْ ﴾ ”وقت مقرر ہے تو جب ان کا (موت کا) وقت مقرر آ جاتا ہے۔“ یعنی وہ وقت جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہو تو ﴿ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿34﴾ ﴾ ”نہ تو ایک لمحہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو ڈرایا ہے کہ وہ ان کی طرف رسول بھیجے گا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سنائیں گے۔ پھر خوش خبری دیتے اور ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ ﴾ ”تو جو شخص (ان پر ایمان لا کر اللہ سے) ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت درست رکھے گا۔“ یعنی محرمات کو ترک کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لائے گا تو ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿35﴾ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْہَاۤ ﴾ ”تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔ اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی۔“ یعنی ان کے دلوں نے جھٹلایا اور ان کے مطابق عمل سے انھوں نے سرکشی کی تو ﴿ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ﴿36﴾ ﴾ ”وہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔“ یعنی ہمیشہ ہمیش دوزخ ہی میں رہیں گے۔

تفسیر آیت: 37

شرک اور افتراء کرنے والوں کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا ہی رہے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ﴾ ”چنانچہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے؟“ یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی اور ظالم نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے یا اس کی نازل کردہ آیات کو جھٹلائے۔ محمد بن کعب قُرَظی آیت کریمہ: ﴿ اُولٰٓئِکَ یَنَالُہُمْ نَصِیْبُہُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ ﴾ ”یہی لوگ ہیں ان کو ان کے

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ

اللہ فرمائے گا: تم ان امتوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ، جو جنوں اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزر چکی ہیں، جب بھی ایک امت آگ میں

اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ

داخل ہوگی تو وہ اپنی بہن (اپنے جیسی دوسری امت) پر لعنت کرے گی، یہاں تک کہ جب اس میں وہ سب اکٹھے ہوں گے تو ان کی دوسری جماعت ان کی

رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا

پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی: اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا تو انھیں آگ کا دوگنا عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا: (تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

میں سے) ہر ایک کے لیے دوگنا (عذاب) ہے، مگر تم نہیں جانتے ﴿38﴾ اور ان کی پہلی جماعت ان کی دوسری جماعت سے کہے گی: تمھیں ہم پر کوئی فضیلت

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿39﴾ ع 4/8/11

حاصل نہیں، چنانچہ تم اس کے بدلے میں عذاب (کا مزہ) چکھو جو کچھ تم کماتے رہے تھے ﴿39﴾

نصیب کا لکھا ملتا ہی رہے گا۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عمل، رزق اور عمر ہے۔[1] ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[2]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ (یونس 70,69:10) ''بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لیے) جو فائدے ہیں، دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ﴾ (لقمٰن 24,23:31) ''اور جو کفر کرے تو اس کا کفر آپ کو غمناک نہ کر دے، ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر جو کام وہ کیا کرتے تھے، ہم ان کو جتا دیں گے، بے شک اللہ دلوں کی باتوں سے واقف ہے، ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے۔''

﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ...... ﴾ الآیۃ ''یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) آئیں گے جو انھیں فوت کریں گے......'' اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتے جب مشرکوں کی جان نکالتے ہیں تو وہ ان کی موت اور ان کی روحوں کو جہنم کی طرف لے جاتے وقت گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تم دنیا کی زندگی میں اللہ کا شریک بناتے تھے جنھیں تم پکارتے تھے اور اللہ کے سوا جن کی تم پوجا کیا کرتے تھے؟ اب ان کو پکارو تاکہ تمھیں اس مشکل سے نجات دلا سکیں تو وہ جواب دیں گے کہ ﴿ ضَلُّوْا عَنَّا ﴾ ''وہ ہم سے غائب ہو گئے۔'' ہمیں ان کی کوئی خبر نہیں اور نہ اب یہ امید ہے کہ وہ ہمارے کچھ بھی کام آ سکیں گے۔ ﴿ وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

[1] تفسیر الطبری: 225/8. [2] تفسیر الطبری: 226,225/8.

كٰفِرِيْنَ ﴿37﴾ ''اور اقرار کریں گے کہ بے شک وہ کافر تھے۔'' یعنی اپنے کفر کا وہ اقرار اور اعتراف کر لیں گے۔

تفسیر آیات:39,38

جہنمیوں کا باہم جھگڑنا اور لعنت کرنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ان مشرکوں، اس پر افتراء باندھنے والوں اور اس کی آیات کی تکذیب کرنے والوں سے فرمائے گا: ﴿ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ﴾ یعنی ان جماعتوں کے ساتھ مل کر جہنم میں داخل ہو جاؤ جو تمھاری طرح کی تھیں اور تمھارے جیسے اعمال کرتی تھیں۔ یہاں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿فِي النَّارِ﴾ ارشاد باری تعالیٰ ﴿فِيْٓ اُمَمٍ﴾ ''سے بدل ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿فِيْٓ اُمَمٍ﴾ میں ﴿فِي﴾ بمعنی مَعَ ہو، یعنی تم بھی ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ ''جب ایک جماعت (وہاں) جا داخل ہوگی تو اپنی (مذہبی) بہن (اپنے جیسی دوسری جماعت) پر لعنت کرے گی۔'' جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (العنکبوت 25:29) ''پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○﴾ (البقرۃ 2:167,166) ''اس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروؤں سے بے زاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذاب (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش! ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بے زار ہو رہے ہیں، اسی طرح ہم بھی ان سے بے زار ہوں، اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا﴾ ''یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے۔'' یعنی سب کے سب اس میں جمع ہو جائیں گے ﴿قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ﴾ ''تو پچھلی جماعت پہلی کے بارے میں کہے گی۔'' یعنی جو داخل ہونے کے اعتبار سے پچھلی ہوگی، یعنی پہلے لوگوں کی اتباع کرنے والے جبکہ پہلے لوگ ان کے متبوع ہوں گے اور وہ ان لوگوں سے جنھوں نے ان کی پیروی کی ہوگی، بڑے مجرم ہوں گے اور وہ ان سے پہلے جہنم میں داخل ہوں گے، ان کی پیروی کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شکایت کریں گے کہ انھوں نے انھیں سیدھے رستے سے بہکا دیا تھا اور کہیں گے کہ ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا تو ان کو آتش جہنم کا دگنا عذاب دے۔'' یعنی انھیں جہنم میں دگنی سزا دے جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل

الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿40﴾ لَهُمْ مِّنْ

ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے، اور ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں﴿40﴾ ان کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا، اور ان کے

جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾

اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا، اور ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں﴿41﴾

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ (الأحزاب33:66-68) ''جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹائے جائیں گے کہیں گے: اے کاش! ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول (اللہ) کا حکم مانتے۔ اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہم کو (سیدھے) رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے۔'' ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ ﴾ ''اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا۔)'' یعنی ہم ایسا ہی کریں گے اور ہر ایک کو اس کے حسب حال سزا دیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ﴾ (النحل16:88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز ﴾ (العنکبوت 29:13) ''اور یقیناً یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (النحل 16:25) ''اور جن کو یہ بلا تحقیق گمراہ کرتے ہیں، ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے۔)''

﴿ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ ﴾ ''اور ان کی پہلی جماعت ان کی دوسری جماعت سے کہے گی۔'' یعنی متبوع اپنی اتباع کرنے والوں سے کہیں گے کہ ﴿ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ ''تمھیں ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی۔'' سدّی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم بھی گمراہ تھے جس طرح کہ ہم گمراہ تھے۔[1] ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○ ﴾ ''چنانچہ جو (عمل) تم کیا کرتے تھے، اس کے بدلے میں عذاب (کے مزے) چکھو۔'' اور محشر میں ان کا حال یہ ہوگا: ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (سبا34:32,33) ''بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمھارے پاس آ چکی تھی روکا تھا (نہیں) بلکہ تم ہی گناہ گار تھے۔ اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (نہیں) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم

[1] تفسیر الطبری:8/229.

سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں۔ اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (دل میں) ندامت چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس جو عمل وہ کرتے تھے، انھی کا ان کو بدلہ ملے گا۔‘‘

تفسیر آیات: 41,40

جھٹلانے والوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ ’’ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔‘‘ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان کے دروازوں سے ان کا کوئی نیک عمل یا دعا نہیں اٹھائی جائے گی، یہ مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے، عوفی اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔[1] اسی طرح ثوری نے لیث سے، انھوں نے عطاء سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اور دوسرا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اسے ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور سدی اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[3] اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابن جریر نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاجر کی روح کے قبض کیے جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے: [فَيَصْعَدُونَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّونَ عَلٰى مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: مَاهٰذَا الرُّوحُ الْخَبِيثُ؟ فَيَقُولُونَ: فُلَانٌ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانَ يُدْعٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يَنْتَهُوا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَيَسْتَفْتِحُونَ لَهُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ] ’’موت کے فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں اور فرشتے جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو وہ جماعت کہتی ہے کہ کس قدر خبیث ہے یہ روح! فرشتے انھیں بتاتے ہیں کہ یہ فلاں انسان کی روح ہے اور وہ اس کا وہ بدترین نام لیتے ہیں جس کے ساتھ اسے دنیا میں بلایا جاتا تھا حتی کہ فرشتے اس کی روح کو لے کر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، وہ آسمان (کے دروازے) کو کھلواتے ہیں مگر اس کے لیے آسمان (کے دروازے) کو نہیں کھولا جاتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمانے کے بعد اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ ’’نہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ گھس جائے۔‘‘[4] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[5] ابن جریج نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ان کے اعمال اور ان کی روحوں کے لیے آسمان کے

---

[1] تفسير الطبري:231/8. [2] تفسير الطبري:231/8. [3] تفسير الطبري:230/8. [4] تفسير الطبري:232/8. [5] سنن أبي داود، السنّة، باب المسألة في القبر، حديث:4753 لیکن یہاں مذکورہ کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔ وسنن النسائي، الجنائز، باب الوقوف للجنائز، حديث:2003 مختصرًا جدًا. والسنن الكبرى للنسائي، التفسير:443/6، حديث:11442 وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الجلوس في المقابر، حديث:1548 مختصرًا جدًا. والزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، حديث:4262 مطوّلاً عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. مزید دیکھیے مسند أحمد:287/4 والمستدرك للحاكم :37/1.

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو ہم کسی شخص کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، وہی لوگ جنت والے ہیں، وہ

الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿42﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ

اس میں ہمیشہ رہیں گے﴿42﴾ اور ان کے دلوں میں جو کینہ ہوگا وہ ہم نکال پھینکیں گے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ کہیں گے: سب

الْاَنْهٰرُ ج وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ سیدھی راہ دکھائی اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی تو ہم ہرگز ایسے نہ تھے

اللّٰهُ ج لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

کہ ہدایت پاتے، بلاشبہ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے اور انھیں آواز دی جائے گی کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم ان اعمال

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾

کے بدلے وارث بنائے گئے ہو جو تم کرتے تھے﴿43﴾

دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔[1] اس تفسیر کے مطابق دونوں قولوں میں تطبیق ہے۔ واللّٰہُ أَعلَمُ.

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ط ﴾ ''اور وہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ گھس جائے۔'' ﴿ الْجَمَلُ ﴾ کی تفسیر میں ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اونٹ ہے جو اونٹنی کا بچہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے جو اونٹنی کا نر ہوتا ہے۔[2] مجاہد اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اس کی قراءت اس طرح کیا کرتے تھے کہ [حَتّٰى يَلِجَ الْجُمَّلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ] اس قراءت کے مطابق جُمَّل کے جیم پر ضمہ اور میم پر تشدید ہے، یعنی حتی کہ موٹا رسا سوئی کے ناکے سے نہ نکل جائے۔[3]

﴿ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ ﴾ ''ان کے لیے (نیچے) بچھونا بھی (آتش) جہنم کا ہوگا۔'' محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ ﴿ مِهَادٌ ﴾ سے مراد بچھونا ہے۔ ﴿ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ﴾ ''اور ان کے اوپر سے اوڑھنا بھی (اسی کا۔)'' یعنی لحاف بھی آتش جہنم کا ہوگا،[4] ضحاک بن مزاحم اور سُدّی کا بھی یہی قول ہے۔[5] ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾ ﴾ ''اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 43,42

نیک لوگوں کا حال اور حسن انجام: اللہ تعالیٰ نے جب بد بخت لوگوں کا ذکر کیا تو اب ان کے بعد سعادت مند لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔'' یعنی

[1] تفسیر الطبری:231/8. [2] تفسیر الطبری:234/8. [3] تفسیر الطبری:236/8. [4] تفسیر الطبری:239/8. [5] تفسیر الطبری:239/8.

جن کے دل ایمان لے آئے اور انھوں نے اپنے اعضاء کے ساتھ نیک عمل کیے تو یہ لوگ ان کے برعکس ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر اور انکار کیا۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ ایمان اور اس کے مطابق عمل بہت آسان ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (اور ہم (عملوں کے لیے) کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیتے ہی نہیں، ایسے ہی لوگ اہل بہشت ہیں (کہ) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کینے ان کے سینوں میں ہوں گے ہم سب نکال ڈالیں گے۔'' یعنی ان کے سینوں کو حسد اور بغض سے پاک کر دیں گے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَتَقَاصُّونَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى إِذَا نُقُّوا وَهُذِّبُوا أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) بِيَدِهِ! لَأَحَدُهُمْ بِمَسْكَنِهِ فِي الْجَنَّةِ أَدَلُّ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا] ''جب مومن دوزخ سے نجات پا جائیں گے تو انھیں دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک پل پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ آپس میں ان زیادتیوں کا بدلہ لیں گے جو دنیا میں انھوں نے ایک دوسرے پر کی تھیں یہاں تک کہ جب انھیں پاک صاف کر دیا جائے گا تو پھر جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی، اس ذات کی قسم جس کے دست مبارک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! جنتی اپنے جنت کے گھر کو دنیا کے گھر سے کہیں زیادہ پہچانتا ہوگا۔''[1]

سدی اس آیت: ﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اہل جنت کو جب جنت کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ جنت کے دروازے پر ایک ایسا درخت پائیں گے جس کے تنے کے پاس دو چشمے ہوں گے، وہ ان میں سے ایک چشمے کا پانی پئیں گے تو اس سے ان کے سینوں کا تمام کینہ جاتا رہے گا اور یہی شراب طہور ہے اور دوسرے چشمے کے پانی سے وہ غسل فرمائیں گے تو اس سے ان کے چہروں پر راحت کی تازگی پھیل جائے گی تو اس کے بعد کبھی بھی ان کے چہروں پر کسی قسم کا کوئی میل کچیل نظر نہ آئے گا۔[2]

امام نسائی اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے۔ اور یہ الفاظ نسائی کی روایت کے مطابق ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ أَهْلِ الْجَنَّةِ (يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)، يَقُولُ: لَوْ (لَا) أَنَّ اللّٰهَ هَدَانِي ، فَيَكُونُ لَهُ شُكْرًا، وَكُلُّ أَهْلِ النَّارِ (يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ) يَقُولُ: ﴿ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ ﴾ (الزمر 39:57)، لِيَكُونَ عَلَيْهِ حَسْرَةً] ''ہر جنتی جہنم کے اپنے ٹھکانے کو بھی دیکھے گا اور کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا نہ فرمائی ہوتی (تو میرا یہ ٹھکانا ہوتا) اس طرح اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا موقع ملے گا، اسی طرح ہر جہنمی جنت کے اپنے مقام کو بھی دیکھے گا اور

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب قصاص المظالم، حديث: 2440. [2] تفسير الطبري: 241/8.

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ

اور جنت والے دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے سچا پایا، تو کیا تم

وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ

نے بھی وہ وعدہ سچا پایا جو تمھارے رب نے تم سے کیا تھا؟ وہ (دوزخی) کہیں گے: ہاں۔ پھر ایک اعلان کرنے والا ان میں اعلان کرے

عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿44﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ

گا کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ﴿44﴾ جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور اس میں ٹیڑھ ڈھونڈتے تھے، اور وہ آخرت

بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿45﴾

کا انکار کرنے والے تھے ﴿45﴾

وقف لازم

کہے گا کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہوتی (تو آج میں اس مقام پر ہوتا) اس طرح یہ اس کے لیے موجب حسرت و ندامت ہوگا۔''[1] اس لیے جنتیوں کو جب جنت کے وہ سب مقامات بھی عطا کر دیے جائیں گے جو جہنمیوں کے حصے کے تھے تو اس روز منادی کر دی جائے گی کہ تم ان اعمال کے صلے میں جو دنیا میں کرتے تھے، اس بہشت کے مالک بنا دیے گئے ہو، یعنی اپنے اعمال کے سبب تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا کر جنت میں داخل ہو گئے ہو اور اپنے اعمال کے مطابق تم جنت کے درجات پر فائز ہو۔

آیت کریمہ کی اس تفسیر کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [وَاعْلَمُوا أَنْ لَّنْ يُّدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ]، [قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا ، إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ (بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ)] ''اور تم جان لو! تم میں سے کسی کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا عمل بھی نہیں؟ فرمایا: میرا عمل بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل کے ساتھ مجھے ڈھانپ لے۔''[2]

تفسیر آیات: 45,44

اہل دوزخ کی حسرتیں: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ دوزخی جب اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے جائیں گے تو جنتی زجر و توبیخ کے طور پر انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

[1] السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب: 447/6,310، حدیث: 11454 اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 512/2 میں ہیں۔ مزید دیکھیے [لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا......] صحیح البخاری، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حدیث: 6569۔ [2] پہلا حصہ صحیح البخاری، الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث: 6464 عن عائشة رضی اللہ عنہا۔ اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، المرض، باب تمنی المریض الموت، حدیث: 5673 جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب لن یدخل أحد الجنة بعمله......، حدیث: (71)-2816 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں۔

حَقًّا﴾ ’’بے شک جو وعدہ ہمارے پروردگار نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پالیا، بھلا جو وعدہ تمھارے پروردگار نے تم سے کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟‘‘اس آیت کریمہ میں ﴿ اَنْ ﴾ قَالُوا لَھُمْ مقدر کی تفسیر کے لیے ہے اور ﴿ قَدْ ﴾ تحقیق کے لیے ہے، یعنی جنتی جہنمیوں کو کہیں گے کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا اسے سچا پایا...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ صٰفّٰت میں اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کا ہم نشین جہنم میں ہوگا: ﴿ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ○ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ○ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ○ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ○ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:55-59) ’’(اتنے میں) وہ (خود) جھانکے گا تو اس کو وسط دوزخ میں دیکھے گا، کہے گا کہ اللہ کی قسم! تو تو مجھے ہلاک ہی کر چکا تھا اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو (عذاب میں) حاضر کیے ہوئے ہیں کیا (یہ نہیں کہ) ہم (آئندہ کبھی) مریں گے نہیں؟ ہاں! (جو) پہلی بار مرنا (تھا سو مر چکے) اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا۔‘‘ یعنی وہ اس کی اس بات کی تردید کرے گا جسے وہ دنیا میں کہا کرتا تھا اور اسے بتائے گا کہ وہ اپنی انھی باتوں کی وجہ سے آج جہنم میں ہے، اسی طرح فرشتے بھی انھیں ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ○ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الطور 52:14-16) ’’یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے تو کیا یہ جادو ہے؟ یا تم کو نظر ہی نہیں آتا؟ اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے یقیناً جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) ان ہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔‘‘

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی جنگ بدر کے دن کنویں میں گرے ہوئے مقتول کفار قریش کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا تھا: [يَا أَبَاجَهْلِ بْنَ هِشَامٍ!...... يَا عُتْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ! وَيَا شَيْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ! ـ وَسَمَّى رُؤُوسَهُمْ ـ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؟ فَإِنِّي وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا (قَالَ عُمَرُ) يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَتُنَادِي قَوْمًا قَدْ جَيَّفُوا؟ قَالَ: (وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!) مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَّايَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُّجِيبُوا] ’’اے ابوجہل بن ہشام!...... اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! بھلا جو وعدہ تمھارے پروردگار نے تم سے کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پالیا؟ میرے پروردگار نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا میں نے تو اسے سچا پالیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! وہ کیسے سنتے ہیں اور کیسے جواب دیں گے وہ تو مردہ لاشے ہیں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست مبارک میں میری جان ہے! میں ان سے جو بات کہہ رہا ہوں، اسے تم ان کی نسبت زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔‘‘[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ ﴾ ’’تو (اس وقت) ان میں ایک پکارنے والا پکارے گا۔‘‘ یعنی ایک معلوم

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب قتل أبی جهل، حدیث:3976 وصحیح مسلم، الجنة ونعیمها، باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار علیه......، حدیث:2874 والسنن الکبرٰی للنسائی، الجنائز وتمنی الموت، باب أرواح المؤمنین: 665/1، حدیث:2202 عن أنس رضی اللہ عنہ. پہلی قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مطابق ہیں جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ صحیح مسلم میں ہیں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ

اور ان دونوں (گروہوں) کے درمیان پردہ ہوگا، اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک (جنتی ودوزخی) کو ان کی خاص علامتوں سے پہچانتے ہوں

الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿46﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

گے، اور وہ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو، اعراف والے (ابھی) جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے جب کہ وہ اس کی امید رکھتے ہوں

5 ع 8 12 اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾

گے ﴿46﴾ اور جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی تو کہیں گے: اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کر ﴿47﴾

کروانے والا معلوم کروا دے گا اور ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کر دے گا کہ ﴿ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''بے انصافوں پر اللہ کی لعنت (برسنے والی ہے۔)'' پھر فرمایا کہ بے انصاف وہ ہیں: ﴿ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ ﴾ ''جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے تھے۔'' یعنی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رستے، اس کی شریعت اور اس کے انبیاء کے لائے ہوئے دین کی اتباع سے روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ رستے سیدھے نہ ہوں بلکہ ٹیڑھے ہوں تاکہ کوئی ان پر چل ہی نہ سکے۔ ﴿ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''اور وہ آخرت کا انکار کرتے تھے۔'' یعنی وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے، نہ اس کی تصدیق کرتے تھے اور نہ اس پر ایمان رکھتے تھے، اسی وجہ سے وہ اپنے برے قول وعمل کی کوئی پروا نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ انھیں آخرت کے حساب اور عذاب کا کوئی ڈر نہ تھا اور اپنے اقوال واعمال کے اعتبار سے یہ بدترین لوگ تھے۔

تفسیر آیات: 47,46

اعراف اور اصحاب اعراف: جب اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے دوزخیوں سے مخاطب ہونے کا ذکر فرمایا تو اب اس بات کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ جنت اور جہنم کے مابین ایک پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے دوزخی جنت تک نہیں پہنچ سکیں گے، امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دیوار ہے جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿13﴾ ﴾ (الحدید13:57) ''پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے، اس طرف عذاب ہے۔'' اور اس سے مراد اعراف ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ ﴾ ''اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے۔''[1]

پھر امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ سدی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ ﴾ ''اور ان دونوں (بہشت اور دوزخ) کے درمیان (اعراف نام کی) ایک دیوار ہوگی'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس ''حجاب'' سے مراد دیوار ہے اور یہی أعراف ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ أعراف جنت اور جہنم کے درمیان ایک حجاب ہے، ایک دیوار ہے جس

[1] تفسیر الطبری:8/246,247. [2] تفسیر الطبری:8/247.

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ

اوراعراف والے کچھ ایسے لوگوں کو پکاریں گے جنھیں وہ ان کی خاص علامتوں سے پہچانتے ہوں گے، وہ کہیں گے کہ تمھیں تمھارے گروہ نے کوئی فائدہ

جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿48﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ

نہیں دیا اور نہ اس تکبر نے (فائدہ دیا) جو تم کرتے تھے ﴿48﴾ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر رحمت نہیں کرے گا؟

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿49﴾

(ان سے تو کہہ دیا گیا کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿49﴾

میں دروازہ ہوگا۔[1] ابن جریر فرماتے ہیں کہ أعراف، عُرف کی جمع ہے اور عرب ہر اونچی اور ابھری ہوئی زمین کو عرف کہتے ہیں، مرغ کی کلغی کو بھی ابھرا ہوا ہونے کی وجہ سے عُرف کہا جاتا ہے۔[2]

سدی بیان کرتے ہیں کہ اعراف کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اصحاب اعراف لوگوں کو پہچانتے ہوں گے۔[3] اور اصحاب اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی جیسا کہ حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور کئی ایک ائمہ سلف و خلف رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔ امام ابن جریر نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان سے اصحاب اعراف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، برائیوں کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جا سکیں گے اور نیکیوں کی وجہ سے وہ جہنم میں نہیں جا سکیں گے، لہٰذا انھیں اس دیوار کے پاس کھڑا کیا جائے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ فرما دے۔[4]

معمر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جب اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿46﴾﴾ ''یہ لوگ (ابھی) بہشت میں داخل تو نہیں ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے۔'' تو فرمایا کہ ان کے دلوں میں یہ امید اس لیے پیدا کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مہربانی فرمانے کا ارادہ رکھتا ہوگا۔[5] قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ بتادیا ہے کہ وہ اس بات کی کس قدر امید رکھتے ہوں گے۔[6] ﴿وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿47﴾﴾ ''اور جب ان کی نگاہیں پلٹ کر اہل دوزخ کی طرف جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ (شامل) نہ کرنا۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اصحاب اعراف جب دوزخیوں کو دیکھیں گے تو انھیں پہچان لیں گے اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔

تفسیر آیات: 49,48

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اہل اعراف مشرکین کے کئی سرداروں اور قائدین کو جنھیں وہ ان کی صورتوں سے پہچانتے

[1] تفسیر الطبری:8/248. [2] تفسیر الطبری:8/247. [3] تفسیر الطبری:8/247. [4] تفسیر الطبری:8/249.
[5] تفسیر الطبری:8/257. [6] تفسیر الطبری:8/257.

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم کچھ پانی ہم پر انڈیل دو یا اس رزق میں سے، جو اللہ نے تمھیں دیا ہے، (کچھ ہمیں عطا کر دو) جنتی کہیں

قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۟ۙ﴿50﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا

گے: بے شک اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں﴿50﴾ وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا، اور انھیں دنیاوی زندگی نے

وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا

دھوکے میں ڈالے رکھا، چنانچہ آج ہم انھیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انھوں نے اپنی اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسے کہ وہ ہماری

بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿51﴾

آیتوں کا انکار کرتے تھے﴿51﴾

ہوں گے، ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ ﴿ مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ ﴾ ''آج نہ تو تمھاری جماعت ہی تمھارے کچھ کام آئی۔'' یعنی تمھاری کثرت نے بھی تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ''اور نہ تمھارا تکبر (ہی سودمند ہوا) جو تم کرتے تھے۔'' یعنی تمھاری کثرت اور تمھاری جماعتیں تمھیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں بلکہ تم اس سزا اور اس عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ﴿ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ ﴾ ''کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی دست گیری نہیں کرے گا؟'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اصحاب اعراف ہیں۔

﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿49﴾ ﴾ ''(تو مومنو!) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ تمھیں کچھ خوف نہیں اور نہ تم کو کچھ رنج و اندوہ ہوگا۔''①

تفسیر آیات: 51,50

بہشت کی نعمتیں دوزخیوں کے لیے حرام ہیں: اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی ذلت و رسوائی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت سے کھانے پینے کی چیزوں کو مانگیں گے مگر وہ انھیں دی نہیں جائیں گی۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ: ﴿ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''اور دوزخی بہشتیوں سے (گڑگڑا کر) کہیں گے کہ کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ نے تمھیں عنایت فرمایا ہے، اس میں سے (کچھ ہمیں بھی دو۔)'' سے مراد کھانا ہے۔② ثوری نے عثمان ثقفی کے حوالے سے حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ آدمی اپنے باپ یا بھائی کو پکار کر کہے گا کہ میں آگ سے جل گیا ہوں، لہٰذا مجھ پر پانی بہا دو تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم ان دوزخیوں کو یہ جواب دو کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿50﴾ ﴾ ''بے شک اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔''③ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں سے مراد جنت کا کھانا اور پینا ہے۔④

① تفسیر الطبری: 260/8. ② تفسیر الطبری: 262/8. ③ تفسیر الطبری: 262/8. ④ تفسیر الطبری: 263,262/8.

پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی میں انھوں نے دین کو تماشا اور کھیل بنا لیا تھا، دنیا اور اس کی رنگینیوں میں کھوئے ہوئے تھے اور آخرت کی بہتری کے لیے جن اعمال کے کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا، ان سے غافل تھے، اس لیے فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا﴾ ''تو جس طرح یہ لوگ اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے، اسی طرح آج ہم بھی انھیں بھلا دیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے معاملہ اس شخص کا سا کرے گا جسے بھلا دیا گیا ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم سے نہ کوئی چیز مخفی ہے اور نہ وہ کسی چیز کو بھول ہی سکتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ (طٰہٰ 52:20) ''(جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا پروردگار نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مقابلے کے قبیل سے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ (التوبۃ 67:9) ''انھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔'' اور فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طٰہٰ 126:20) ''ایسا ہی (چاہیے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (الجاثیۃ 34:45) ''اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے، اسی طرح آج ہم تمھیں بھول جائیں گے۔''

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں خیر کے اعتبار سے تو بھلا دے گا مگر شر کے اعتبار سے نہیں بھلائے گا۔[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم انھیں چھوڑ دیں گے جس طرح انھوں نے آج کے اس دن کی ملاقات کو چھوڑ دیا تھا،[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انھیں دوزخ میں چھوڑ دیں گے۔[3] سدی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انھیں رحمت سے محروم کر دیں گے جس طرح انھوں نے آج کے اس دن کی ملاقات کے لیے عمل کو چھوڑ دیا تھا۔[4]

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے فرمائے گا: [أَلَمْ أُكْرِمْكَ (وَأُسَوِّدْكَ) وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟ فَيَقُولُ: بَلَى (أَيْ رَبِّ!) قَالَ: فَيَقُولُ: أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ؟ فَيَقُولُ: لَا (يَا رَبِّ!) فَيَقُولُ: فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي] ''کیا میں نے تیری عزت افزائی نہیں کی تھی؟ کیا میں نے تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے لیے مسخر نہیں کر دیے تھے اور تجھے چھوڑ نہیں دیا تھا کہ تو عزت و وقار کے ساتھ جس طرح چاہے کھائے اور پیے؟ بندہ عرض کرے گا۔ ہاں! یہ سب کچھ درست ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یقین تھا کہ تو ایک دن میرے ساتھ ملاقات کرے گا؟ بندہ جواب دے گا: نہیں، میرے پروردگار! مجھے یہ یقین نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔''[5]

---

[1] تفسیر الطبری:264/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1492/5. [3] تفسیر الطبری:263/8. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1492/5. [5] صحیح مسلم، الزھد والرقائق، باب: [الدنیا سجن للمؤمن وجنة للکافر] حدیث:2968 و مسند أحمد: 492/2 و صحیح ابن حبان:479,478/16، حدیث:7445، البتہ تینوں قوسوں والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ هَلْ

اور ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جسے ہم نے (اپنے) علم سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جبکہ وہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ

ایمان لاتے ہیں﴿52﴾ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں، صرف اس کے انجام (قیامت) کا انتظار ہے، جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ

قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ

جو اس سے پہلے اس دن کو بھولے ہوئے تھے کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، تو کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

ہمارے حق میں سفارش کریں؟ یا ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان اعمال سے ہٹ کر عمل کریں جو ہم (پہلے) کیا کرتے تھے؟ بے شک انھوں نے

6 ع 6 13 يَفْتَرُوْنَ ﴿53﴾

اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور وہ ساری باتیں ہوا ہو گئیں جو وہ گھڑتے رہتے تھے ﴿53﴾

تفسیر آیات: 53,52

مشرک کوئی معذرت نہیں کر سکیں گے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے رسولوں کو مبعوث اور اس کتاب کو نازل فرما کر، جسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں لائے اور وہ ایک مفصل اور واضح کتاب ہے، اس نے مشرکوں کے تمام حیلے بہانے ختم کر دیے ہیں، اس کتاب کے بارے میں اس نے فرمایا ہے: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ (ھود 11:1) ''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ ''جس کو ہم نے علم و دانش کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔'' یعنی ہم نے اس میں جو تفصیل بیان کی ہے، وہ ہمارے علم میں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ﴾ (النسآء 4:166) ''اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے۔''

مقصود یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس خسارے کا ذکر کیا جس سے مشرک اور کافر آخرت میں دوچار ہوں گے تو اس نے ساتھ ہی یہ بھی ذکر فرما دیا ہے کہ اس نے رسولوں کو مبعوث اور کتابیں نازل فرما کر دنیا میں ان کی تمام حجتیں ختم کر دی تھیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝﴾ (بنی إسرآئیل 17:15) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ﴾ ''کیا یہ لوگ اس کے وقوع (انجام) کے منتظر ہیں۔'' یعنی اس عذاب، سزا، جنت اور جہنم کے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔[1] ﴿يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ ''جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یعنی قیامت کے دن۔[2] ﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ''جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے، وہ بول اٹھیں گے۔'' یعنی جنھوں نے قیامت کے دن کے لیے عمل کو ترک کر دیا تھا اور اسے دنیا میں بھلا دیا تھا: ﴿قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ﴾

[1] تفسیر الطبری:265/8. [2] تفسیر الطبری:266/8.

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

بے شک تمھارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا۔ وہ دن کو رات سے اس طرح ڈھانپتا ہے

الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ

کہ وہ (رات) جلدی سے اس (دن) کو آلیتی ہے، اور اس نے سورج، چاند اور تارے اس طرح پیدا کیے کہ وہ سب اس (اللہ) کے حکم کے پابند کر دیے

بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿54﴾

گئے ہیں۔ آگاہ رہو! پیدا کرنا اور حکم صادر کرنا اسی کے لیے روا ہے، اللہ رب العالمین بہت بابرکت ہے ﴿54﴾

﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ﴾ ''بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے، بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ ہماری سفارش کریں۔'' اور اس عذاب سے ہمیں نجات دلائیں جس میں ہم مبتلا ہو چکے ہیں ﴿اَوْ نُرَدُّ﴾ ''یا ہم لوٹا دیے جائیں۔'' یعنی دنیا کی طرف ﴿فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ﴾ ''تو جو عمل (بد) ہم (پہلے) کرتے تھے (وہ نہ کریں بلکہ) ان کے سوا اور (نیک) عمل کریں۔''

جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 28,27:6) ''اور اگر آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تا کہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں، ہاں! یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہی پھر کرنے لگیں کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔'' جیسا کہ یہاں فرمایا: ﴿قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝﴾ ''بے شک ان لوگوں نے اپنا نقصان کیا اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے ان سے سب جاتا رہا۔'' یعنی ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل کر لینے کی وجہ سے نقصان پہنچایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے، وہ سب ان سے کھو گئے ہیں کہ وہ نہ تو ان کی سفارش کریں گے، نہ ان کی کوئی مدد کریں گے اور نہ انھیں دوزخ سے باہر ہی نکال سکیں گے۔

تفسیر آیت:54

کائنات کی چھ دن میں تخلیق: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سماوی وارضی اور جو کچھ اس کے مابین ہے، اسے چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے جیسا کہ اسے قرآن مجید کے دیگر کئی ایک مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان چھ دنوں سے اتوار، سوموار، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ مراد ہیں۔ جمعے کے دن ہی ساری مخلوق جمع ہوئی [1] اور اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ [2]

---

[1] تفسير الطبري:268/8. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، حديث: 854 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

ان دنوں کے بارے میں یہ اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا ان میں سے ہر ایک دن ہمارے ان دنوں ہی کی طرح تھا جیسا کہ ذہن میں فوراً ایہ خیال آتا ہے یا یہ ایک ہزار سال کے برابر تھا جیسا کہ امام مجاہد[1] اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے اور ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں بھی یہی مروی ہے۔[2] ہفتے کے دن کسی چیز کو پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ یہ تو ساتواں دن بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو چھ دن میں پیدا فرمایا ہے، اسی لیے اسے یوم سبت کہا جاتا ہے اور اس کے معنی ہیں قطع کر دینا۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا: [خَلَقَ اللّٰهُ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ ، وَخَلَقَ الْجِبَالَ فِيهَا يَوْمَ الْأَحَدِ ، وَخَلَقَ الشَّجَرَ فِيهَا يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ، وَخَلَقَ آدَمَ عليه السلام بَعْدَ الْعَصْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ آخِرَ الْخَلْقِ فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ] ''اللہ نے مٹی کو ہفتے کے دن پیدا کیا اور اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا، درختوں کو اس میں سوموار کے دن پیدا کیا، شر کو منگل کے دن اور خیر کو بدھ کے دن پیدا کیا، جاندار چیزوں کو جمعرات کے دن پیدا کر کے اس میں پھیلا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو آخری مخلوق کے طور پر جمعے کے دن کی آخری گھڑیوں میں عصر اور رات کے درمیان کی کسی گھڑی میں پیدا فرمایا تھا۔''[3]

استوا کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''پھر عرش پر جا ٹھہرا'' کی تفسیر میں لوگوں کے بہت سے اقوال ہیں اور یہ ان کی تفصیل کا مقام نہیں ہے، بہر حال ہمارا اس مسئلے میں مذہب وہی ہے جو سلف صالح امام مالک، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اور زمانۂ قدیم وجدید کے دیگر ائمۂ مسلمین کا ہے کہ اس پر اسی طرح ایمان لایا جائے جیسا کہ یہ کتاب اللہ میں وارد ہے کہ نہ تو اس کی کیفیت معلوم ہے، نہ ہم اسے مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور نہ اس کی نفی کرتے ہیں۔

آیت کریمہ کے ان الفاظ سے جو بات تشبیہ دینے والوں کے ذہن میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے پاک ہے کہ اسے مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی، ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ (الشوریٰ 11:42) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔'' بلکہ معاملہ اس طرح ہے جیسا کہ بعض ائمہ نے فرمایا، جن میں سے امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام نُعَیم بن حماد خزاعی بطور خاص قابل ذکر ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے کسی صفت کا انکار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے لیے بیان فرمائی ہیں تو وہ بھی کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفات بیان فرمائی ہیں یا اس کے رسول نے اس کی جو صفات بیان کی

[1] تفسير الطبرى:268/8. [2] تفسير ابن أبى حاتم:1496/5. [3] صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب ابتداء الخلق وخلق آدم عليه السلام، حديث:2789 ومسند أحمد:327/2 واللفظ له.

ہیں، ان میں کوئی تشبیہ نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کو ثابت کرے جن کا ذکر آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ میں ہے اور وہ ان کو اس طرح تسلیم کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے شایان شان ہیں اور تمام نقائص کی اس کی ذات سے نفی کرے تو وہ راہِ ہدایت پر ہے۔

رات اور دن اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا﴾ ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے۔'' یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی سے اور دن کی روشنی رات کی تاریکی سے ختم ہو جاتی ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے تیز دوڑتا چلا آتا ہے اور اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوتی بلکہ جوں ہی رات ختم ہوتی ہے تو فوراً ہی دن آ جاتا ہے اور دن ختم ہوتا ہے تو رات اپنے سائے ڈال دیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ 36:37-40) ''اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔''

اس مقام پر جو یہ فرمایا ہے: ﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ﴾ ''نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے۔'' بلکہ اس کے فوراً بعد کسی واسطے اور تاخیر کے بغیر آتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ﴾ ''وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اس نے سورج اور چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا) سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔'' بعض نے مسخرات کو منصوب اور بعض نے مرفوع پڑھا ہے، بہر حال دونوں صورتوں میں معنی قریباً قریباً ایک ہی ہیں، یعنی یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے تسلط، تسخیر اور مشیت کے ماتحت ہیں، اسی لیے اس نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ﴾ ''دیکھو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے۔)'' یعنی حکومت بھی اسی کی اور تصرف و اختیار بھی اسی کا ہے۔ ﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ''(یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝﴾ (الفرقان 25:61) ''(اور اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔''

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی ایک دعا میں ہے جو مرفوعاً بھی مروی ہے: [اَللّٰهُمَّ لَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ ، وَلَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ ، وَإِلَيْكَ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهٗ ، أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ] ''اے اللہ! تمام بادشاہت تیرے

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

تم اپنے رب کو آہ وزاری کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿55﴾ اور زمین کی اصلاح کے بعد تم اس میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾

فساد نہ کرو، اور اللہ کو خوف سے اور طمع کرتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے﴿56﴾

ہی لیے ہے اور تمام تر تعریف تیرے ہی لیے ہے اور تمام معاملات تیری ہی طرف لوٹائے جائیں گے، اے اللہ! میں تجھ سے تمام تر خیر و بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور تجھی سے تمام تر شر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔''①

تفسیر آیات: 56,55

دعا کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ جس میں ان کی دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ارشاد ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ﴾ ''(لوگو!) اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔'' تَضَرُّع کے معنی یہ ہیں کہ عجز و انکسار کے ساتھ اور ﴿وَّ خُفْيَةً ۭ﴾ کے معنی ہیں چپکے چپکے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ (الأعراف 205:7) ''اور اپنے پروردگار کو عاجزی سے دل ہی دل میں، خوف اور پست آواز سے یاد کرتے رہو۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تکبیر و تہلیل کے دوران میں ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، (إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ) إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ] ''لوگو! اطمینان اور سکون اختیار کرو کہ تم نہ تو کسی بہرے کو پکارتے ہو اور نہ کسی غائب کو بلکہ جس کو تم پکارتے ہو بے شک وہ سننے والا بھی ہے اور قریب بھی۔''②

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿تَضَرُّعًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ عجز و انکسار کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاتے ہوئے اور ﴿وَّ خُفْيَةً﴾ کے معنی ہیں اپنے دلوں کے خشوع اور اس کی وحدانیت و ربوبیت کے صحیح یقین کے ساتھ، اپنے اور اس کے درمیان راز و نیاز کے ساتھ نہ کہ ریاکاری کے ساتھ اونچی اونچی آواز میں۔③

دعا میں حد سے بڑھنے کی ممانعت: عطاء خُراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾﴾ ''بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' خواہ وہ دعا میں حد سے بڑھیں یا کسی اور کام

① یہ روایت بعینہ ان الفاظ سے منقول نہیں۔ البتہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعد بن ابو وقاص اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے اور امام احمد نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے اس قسم کے الفاظ بیان کیے ہیں لیکن اسناد میں ضعف ہے، دیکھیے شعب الإیمان: 97/4، حدیث:4400 و مسند أحمد:396/5. ② صحیح البخاری، الجهاد و السیر، باب ما یکره من رفع الصوت فی التکبیر، حدیث:2992 و صحیح مسلم، الذکر و الدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر......، حدیث:2704، البتہ قوسین والے الفاظ سنن أبی داود، الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث:1526 میں ہیں۔ ③ تفسیر الطبری:269/8.

میں۔① ابومجلز کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات تک پہنچنے کی دعا نہ کرے۔② امام احمد نے ابونعامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مُغَفَّل نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ جب جنت میں داخل ہوں تو جنت کے دائیں طرف مجھے سفید محل عطا فرمانا، انھوں نے کہا: بیٹا اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ مانگو میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ [یَکُونُ قَوْمٌ یَّعْتَدُونَ فِی الدُّعَاءِ وَالطُّھُورِ] ''کچھ لوگ دعا اور طہارت میں حد سے بڑھ جائیں گے۔''③ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔④ اور امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے⑤ اور اس کی سند حسن ہے جس میں کوئی عیب نہیں۔ واللّٰہ أعلم.

زمین میں فساد برپا کرنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ ''اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا۔'' اللہ تعالیٰ نے زمین میں فساد برپا کرنے اور اصلاح کے بعد خرابی سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر معاملات درست اور صحیح سمت پر چل رہے ہوں، پھر ان میں خرابی پیدا کردی جائے تو یہ صورت حال بندگان الٰہی کے لیے بہت نقصان دہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور عجز و انکسار کے ساتھ صرف اسی سے دعا کی جائے، فرمایا: ﴿وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا﴾ ''اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔'' یعنی اس کے دردناک عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے بے پایاں اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس سے دعائیں مانگو۔

پھر اس نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔'' یعنی اس کی رحمت ان نیکی کرنے والوں ہی کے لیے خاص ہے جو اس کے احکام کی اطاعت بجالاتے اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے، انھیں ترک کردیتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ......﴾ الآیة (الأعراف 156:7) ''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، چنانچہ میں جلد ہی اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں......''

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ﴿رَحْمَتَ اللّٰهِ﴾ مبتدا جو کہ مؤنث ہے اس کی خبر ﴿قَرِیْبٌ﴾ بیان فرمائی ہے جو کہ مذکر ہے (جبکہ یہاں خبر مؤنث، یعنی قریبة ہونی چاہیے) کیونکہ یہاں رحمت کا لفظ ثواب کے معنی پر بھی مشتمل ہے یا اس لیے کہ لفظِ رحمت لفظِ اللہ کی طرف مضاف ہے اور یہاں مضاف الیہ کا اعتبار کرتے ہوئے خبر کو مذکر لایا گیا ہے۔⑥ چنانچہ فرمایا: ﴿قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ مطر ورّاق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے اس کی اطاعت بجالا کر حاصل کرو، اس

---

① تفسیر الطبری:270/8. ② تفسیر الطبری:270/8. ③ مسند أحمد:55/5. ④ سنن ابن ماجه، الدعاء، باب کراهیة الاعتداء فی الدعاء، حدیث:3864. ⑤ سنن أبی داود، الطهارة، باب الإسراف فی الماء، حدیث:96. ⑥ اس کی مزید وضاحت کے لیے علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کے ذیل میں رجوع کریں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے حتی کہ جب وہ (ہوائیں) بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں تو ہم انھیں کسی مردہ شہر کی

ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

طرف ہانک دیتے ہیں، پھر ہم ان کے ذریعے سے پانی نازل کرتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے سے (زمین سے) ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ

طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿57﴾ اور جو ستھری زمین ہوتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے (خوب) نکلتی

رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿58﴾ ع 7/5/14

اور جو خراب ہوتی ہے اس کی پیداوار ناقص ہی نکلتی ہے۔ اسی طرح ہم (اپنی) آیات کو ان لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں جو شکر کرتے ہیں ﴿58﴾

لیے کہ اس نے فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 58,57

بارش نازل کرنا اور پھل پیدا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور وہی مُتَصَرِّف، حاکم، مُدَبِّر اور مُسَخِّر ہے تو اس نے اپنے بندوں کی دعا کی طرف رہنمائی فرمائی کیونکہ وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جسے وہ چاہے، اس سے اس نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ وہی رزق عطا فرمانے والا ہے اور وہی قیامت کے دن اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، فرمایا: [وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ نُشُرًا] [2] ''اور وہی تو ہے جو ہواؤں کو پھیل جانے والی (بنا کر) بھیجتا ہے۔'' یہاں نُشُرًا بمعنی نَاشِرَة ہے، یعنی وہ ہوائیں جو بارش والے بادل سے پہلے پھیل جاتی ہیں اور کئی ایک ائمہ نے اسے ﴿بُشْرًا﴾ پڑھا ہے، یعنی خوش خبری دینے والی جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ (الروم 46:30) ''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوش خبری دیتی ہیں۔'' ﴿بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ ''اپنی رحمت سے پہلے۔'' یعنی بارش سے پہلے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ۝﴾ (الشوریٰ 28:42) ''اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت (بارش کی برکت) کو پھیلا دیتا ہے اور وہ کارساز (اور) لائق تعریف ہے۔'' اور فرمایا: ﴿فَانْظُرْ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝﴾ (الروم 50:30) ''تو (اے دیکھنے والے!) اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے؟ بے شک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں۔'' یعنی ہوائیں ان بھاری بھاری بادلوں کو لاتی ہیں جو پانی کی کثرت کے باعث بہت بوجھل ہو کر زمین کے قریب ہو جاتے ہیں اور گھٹاؤں کی

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1501/5. [2] یہ بعض قرائے کرام کی قراءت ہے۔

صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ﴿ سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ ﴾ ''ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں۔'' ایسی بستی کی طرف جو مری ہوئی، یعنی خشک ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی نباتات نہیں ہوتیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا ...... ﴾ الآیۃ (یٰسٓ 33:36) ''اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا......۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى ﴾ ''پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو (زمین سے زندہ کرکے) نکالیں گے۔'' یعنی جس طرح ہم نے زمین کو مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیا، اسی طرح ہم جسموں کو بھی خاک میں مل جانے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر دیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا اور چالیس دن تک زمین پر بارش برستی رہے گی اور اس بارش کی وجہ سے قبروں سے جسم اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح زمین میں دانے اگتے ہیں۔ ① قرآن مجید میں اس مثال کو بہت سے مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ ② اسی لیے فرمایا: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''

اور فرمایا: ﴿ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ ﴾ ''اور (جو) زمین پاکیزہ (ہے) اس میں سے پیداوار بھی پروردگار کے حکم سے (نفیس ہی) نکلتی ہے۔'' یعنی عمدہ زمین میں سے پیداوار اچھی بھی ہوتی ہے اور جلد بھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ ﴾ (آل عمران 37:3) ''اور اسے اچھی طرح پرورش کیا۔'' ﴿ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ﴾ ''اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے۔'' مجاہد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ خراب زمین سے مراد بنجر اور شور زدہ زمین ہے۔ ③

امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا ، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا ، وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرٰى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَّا تُمْسِكُ مَاءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَأً، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ ، وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهٖ]

''اللہ تعالیٰ نے جس علم و ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی تو اس میں سے کچھ ایسی صاف زمین تھی جس نے پانی کو قبول کیا اور بہت زیادہ گھاس اور جڑی بوٹیاں اگائیں۔ اور زمین کے کچھ قطعات ایسے تھے جنھوں نے پانی کو روک لیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا جنھوں نے اسے پیا، پلایا اور

① بعض آثار میں یہ چیز بیان ہوئی ہے۔ دیکھیے الدر المنثور و تفسیر ابن أبی حاتم وغیرہ اسی آیت کے ذیل میں۔ ② مزید دیکھیے سورۃ حٰمٓ السجدۃ 39:41 و سورۃ الزخرف 11:43 و سورۃ قٓ 11:50. ③ تفسیر الطبری: 276/8 .

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، چنانچہ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، بے شک میں

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿59﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ

تم پر بہت بڑے دن کا عذاب آنے سے ڈرتا ہوں﴿59﴾ اس کی قوم میں سے بعض سرداروں نے کہا: بے شک ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں﴿60﴾ نوح

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿60﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

نے کہا: اے میری قوم! میں گم راہ نہیں ہوں بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں﴿61﴾ میں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا

الْعٰلَمِيْنَ ﴿61﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿62﴾

ہوں، اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے﴿62﴾

اسے زراعت کے لیے استعمال کیا۔ اور زمین کے کچھ ٹکڑے چٹیل میدان ہیں جن پر بارش تو برسی مگر انھوں نے نہ تو پانی کو روکا اور نہ ہی گھاس کو اگایا، پس یہ مثال ہے اس شخص کی جو اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرے اور اسے وہ چیز نفع پہنچائے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، اسے وہ سیکھے بھی اور سکھائے بھی اور یہی مثال اس شخص کی ہے جو اس کے ساتھ سر ہی نہ اٹھائے اور نہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول کرے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔''[1] اس روایت کو امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 59-62

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ اور اس سے متعلق دیگر باتیں بیان فرمائی تھیں اور اب اللہ تعالیٰ نے ترتیب کے ساتھ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: نوح بن لامک بن متوشلح بن خَنُوخ ۔ اہل علم کے بقول یہی اللہ کے نبی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یہی سب سے پہلے انسان ہیں جنھوں نے قلم کے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا ۔ ابن بُرد بن مَہلیل بن قَنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہم السلام ۔ محمد بن اسحاق اور دیگر کئی ائمۂ نسب نے حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی علمائے تفسیر نے بیان کیا ہے کہ بتوں کی پوجا اس طرح شروع ہوئی کہ جب کچھ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنا لیں اور ان میں ان نیک لوگوں کی تصویریں بنا کر رکھ دیں

[1] صحيح البخاري، العلم، باب فضل من عَلِم وعلّم، حديث: 79. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب بيان مثل ما بعث النبيﷺ من الهدى والعلم، حديث: 2282 والسنن الكبرىٰ للنسائي، العلم، مثل من فقه في دين الله تعالىٰ: 427/3، حديث: 5843.

تاکہ انھیں دیکھ کر ان کا حال اور ان کی عبادت کی کیفیت یاد رہے۔ اور وہ انھی کی مشابہت اختیار کرتے رہیں جب طویل زمانہ گزر گیا تو انھوں نے تصویروں کے بجائے ان کے بت تراش لیے، پھر کچھ عرصے بعد ان بتوں کی پوجا شروع کر دی اور ان بتوں کو انھی نیک لوگوں کے نام پر وَدّ، سُواع، یغوث، یعُوق، اور نَسر کے نام سے موسوم کر دیا اور جب یہ معاملہ بہت ہی شدت اختیار کر گیا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ ولہ الحمد و المنة۔ انھوں نے انھیں حکم دیا کہ وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور فرمایا: ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں بے شک مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔'' یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے اس سے ملو گے تو مجھے قیامت کے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

﴿ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ ﴾ ''تو جو ان کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے۔'' یعنی جمہور، سرداروں، قائدین اور ان میں سے بڑے لوگوں نے کہا: ﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''بے شک ہم تمھیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔'' تم ہمیں جو یہ دعوت دیتے ہو کہ ہم ان بتوں کی پوجا کو ترک کر دیں جن کی پوجا کرتے ہوئے ہم نے اپنے آباء و اجداد کو دیکھا ہے تو یہ صریح گمراہی ہے۔ فاسقوں اور فاجروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ نیک لوگوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ گمراہی میں مبتلا ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴾ (المطففین 32:83) ''اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ بے شک یہ تو گمراہ ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴾ (الأحقاف 11:46) ''اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے، قوم کی یہ بات سن کر ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''انھوں نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں تو پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔'' جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ ﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''میں تمھیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔'' رسول کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ مبلغ، فصیح، ناصح اور اللہ کے دین کا ایسا عالم ہوتا ہے کہ ان صفات میں اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اور پیغمبر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفے کے دن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا جبکہ وہ بہت کثیر تعداد میں جمع تھے: [وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي ، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا

کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک ایسے آدمی کے ذریعے سے نصیحت آ گئی جو تم میں سے ہے؟ تاکہ وہ

وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿63﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا

تمھیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿63﴾ پھر انھوں نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ (ایمان لانے

8 ع 6 15 الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿64﴾

والے) تھے کشتی میں، بچالیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، بے شک وہ لوگ (دل کے) اندھے تھے ﴿64﴾

بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ، يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ ، اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ] ''(اے لوگو!) تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟'' تو سب نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پہنچا دیا، اپنے فرض کو ادا فرما دیا اور امت کی خیر خواہی کی تو آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے اور ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ ہو جا۔''[1]

تفسیر آیات: 64,63

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿ اَوَ عَجِبْتُمْ ﴾ ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے؟'' یعنی اس سے تعجب نہ کرو، یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت اور لطف واحسان فرماتے ہوئے تمھی میں سے ایک شخص پر وحی نازل فرما دے تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اور تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو ﴿ وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ ﴾ ''تو ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔'' یعنی ان کی تکذیب اور مخالفت ہی کرتے رہے اور ان میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے۔[2]
﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ ﴾ ''تو ہم نے نوح کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے، ان کو تو بچالیا۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ ﴾ (العنکبوت 15:29) ''پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی۔'' ﴿ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، ہم نے انھیں غرق کر دیا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ ﴾ (نوح 25:71) ''وہ اپنے گناہوں کے سبب (پہلے) غرقاب کر دیے گئے، پھر آگ میں ڈال دیے گئے تو انھوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔'' اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿64﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔'' یعنی وہ حق سے اندھے ہو گئے تھے، اسے دیکھتے نہیں تھے اور نہ اس کی طرف راہ پاتے تھے۔

[1] صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث: 1218. [2] دیکھیے سورۂ ہود، آیت: 40 کے ذیل میں۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں،

تَتَّقُوْنَ ۝65 قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا

کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟ 65 اس کی قوم میں سے کافر چودھری کہنے لگے: بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں، اور بے شک ہم تجھے

لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝66 قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں 66 (ہود نے) کہا: اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں، بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف

الْعٰلَمِيْنَ ۝67 اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝68 اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

سے رسول ہوں 67 میں اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا خیر خواہ اور امین ہوں 68 کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ

تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس ایک ایسے آدمی کے ذریعے سے نصیحت آئی ہے جو تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمھیں ڈرائے۔ اور

خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ

یاد کرو، جب اس نے قوم نوح کے بعد تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تمھیں قد و قامت میں بڑھوتری دی، لہٰذا تم اللہ کی نعمتیں

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝69

یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ 69

اس واقعے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کا اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیا، اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرمائی اور اپنے کافر دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ......﴾ الآیة (المؤمن 51:40) ''بلاشبہ ہم اپنے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں......'' دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ وہ اپنے ڈرنے والے بندوں ہی کو عافیت، کامیابی اور غلبہ عطا فرماتا ہے جیسا کہ اس نے قوم نوح کو تو غرق کر کے ہلاک کر دیا مگر اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کو نجات عطا فرمائی، ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اسّی (80) آدمی نجات پا گئے تھے جن میں سے ایک جُرہُم بھی تھے اور ان کی زبان عربی تھی۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[1] اور انھوں نے اسے ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متصل بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 65-69

حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح قوم نوح کی طرف ہم نے نوح کو بھیجا اسی طرح قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھی بھیجا۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ قوم عاد، عاد بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد ہے میں کہتا ہوں

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1506/5. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1506/5، 1507.

کہ یہ جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، ان سے مراد عاد اولیٰ ہیں اور یہ عاد بن ارم کی اولاد ہیں جو جنگلوں میں گھر بنا کر رہتے تھے، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ ﴾ (الفجر 89:6-8) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد کہ تمام ملکوں میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے۔'' جو حملے کی شدت اور قوت کے اعتبار سے بے مثل تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:15) ''تو جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔''

قوم عاد کے مسکن: ان لوگوں کے مسکن یمن میں احقاف کے مقام پر رمل کے پہاڑوں میں تھے، محمد بن اسحاق نے ابوطفیل عامر بن واثلہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا جب آپ حَضْرَ مَوْت کے ایک شخص سے فرما رہے تھے: کیا تم نے ایسا سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جس میں سرخ مٹی کی آمیزش، اور اس میں پیلو اور بیری کے بہت سے درخت بھی ہوں اور وہ سرزمین حَضْرَ مَوْت سے فلاں طرف ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اے امیر المؤمنین! میں نے اس ٹیلے کو دیکھا ہے اور اللہ کی قسم! آپ تو اس کی کیفیت کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں جیسے آپ نے بھی اسے دیکھا ہو، آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے اسے دیکھا تو نہیں، البتہ مجھ سے اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرمی نے عرض کی: امیر المؤمنین! اس ٹیلے کی کیا خاص بات ہے؟ آپ نے فرمایا: اس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد یمن کی رہنے والی تھی، ہود علیہ السلام کی قبر یمن میں ہے اور اپنی قوم میں نسب کے اعتبار سے سب سے اشرف تھے اور انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ قوم کے افضل واشرف لوگوں میں سے ہی مبعوث فرماتا ہے۔ لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور پر بہت سخت تھی، اسی طرح ان کے دل بھی بہت سخت تھے، حق کی تکذیب کرنے میں یہ تمام قوموں سے آگے بڑھے ہوئے تھے، اسی وجہ سے حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں دعوت دی تھی کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، اس کی اطاعت بجالاؤ اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کی قوم: ﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ ﴾ یہاں ﴿ الْمَلَاُ ﴾ سے مراد ان کے جمہور، سردار اور قائدین ہیں، وہ کہنے لگے: ﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ ''بے شک تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور بے شک ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔'' یعنی یہ گمراہی ہے کہ تم ہمیں یہ دعوت دیتے ہو کہ ہم بتوں کی عبادت کو ترک کر دیں اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جائیں، سرداران قریش نے بھی اللہ وحدہ لاشریک

[1] تفسیر الطبری: 8/282.

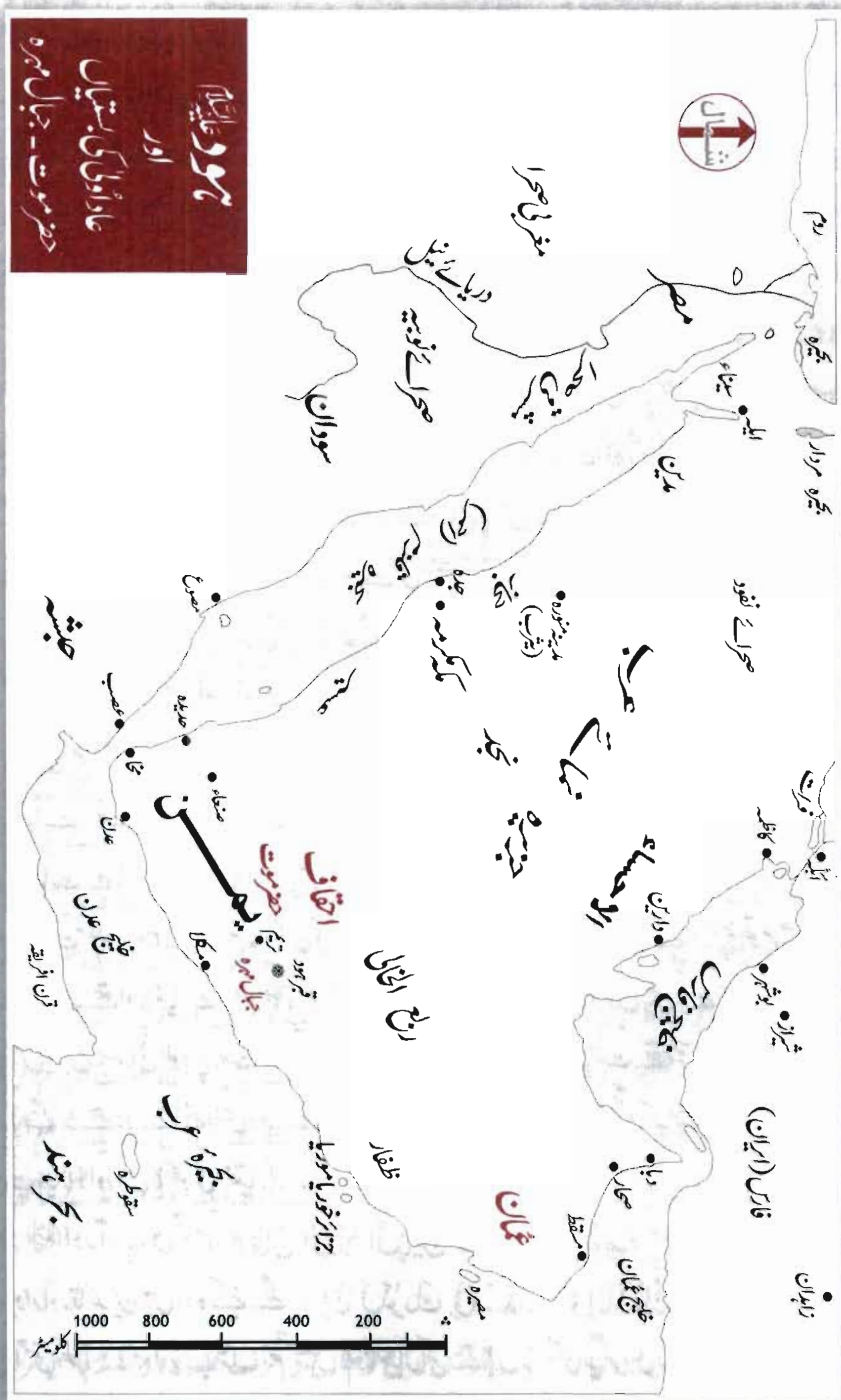
ہود علیہ السلام
اور
عادِ اولیٰ کی بستیاں
حضر موت۔ جبال مہرہ
شمال
مصر
سوڈان
حبش
یمن
حضر موت
الاحقاف
ربع الخالی
عمان
خلیج عمان
فارس (ایران)
بحیرۂ عرب
1000
800
600
400
200
0
کلو میٹر

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا

انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم ایک اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ عبادت کرتے تھے؟

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿70﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ

چنانچہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے ﴿70﴾ ہود نے کہا: تمھارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب

وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ

نازل ہوا ہی چاہتا ہے۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمھارے آباء واجداد نے رکھ لیے ہیں؟ اللہ نے ان کی کوئی دلیل

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿71﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

نازل نہیں فرمائی، چنانچہ تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿71﴾ پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿72﴾ ع وقف لازم 9/8/16

ہمراہ تھے، اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ﴿72﴾

کی طرف دعوت دینے سے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ...... ﴾ الآیۃ (صٓ 5:38) ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟''

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿67﴾ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔'' یعنی میں اس طرح نہیں ہوں جس طرح تم خیال کرتے ہو بلکہ میں تو اس اللہ کے پاس سے تمھارے لیے حق لے کر آیا ہوں جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہی ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے۔ ﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿68﴾ ﴾ ''میں تمھیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔'' اور یہ پیغمبروں ہی کی صفتیں ہیں کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں، اپنی امت کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور پیغام کے پہنچانے میں پوری پوری امانت و دیانت کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ ﴾ ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمھیں ڈرائے۔'' یعنی اس بات سے تم تعجب نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھی میں سے ایک رسول بھیج دیا ہے تاکہ وہ تمھیں اللہ کے گذشتہ قوموں پر عذاب کے واقعات اور اس کی ملاقات سے ڈرائے بلکہ تمھیں تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ ''اور یاد کرو! جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا۔'' یعنی اس احسان کو یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے بنایا ہے کہ مخالفت اور تکذیب کرنے پر جن کی دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا تھا، ﴿ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ ﴾ ''اور تم کو قد و قامت میں بڑھوتری دی۔'' یعنی دیگر انسانوں کی نسبت اس نے تمھیں زیادہ طویل قد و قامت سے نوازا جیسا کہ قصۂ طالوت

میں ہے: ﴿ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾ (البقرۃ2:247) ’’اس نے علم اور جسم (دونوں) میں اس کو زیادہ کشادگی دی ہے۔‘‘ ﴿ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؀ ﴾ ’’پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم نجات حاصل کرو۔‘‘ ﴿ اٰلَاۗءَ ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات ہیں اور یہ اِلیٌ کی جمع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اَلیٌ یا اَلْیٌ کی جمع ہے۔

تفسیر آیات:70-72

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے بغاوت، سرکشی، عناد اور انکار کرتے ہوئے ہود علیہ السلام سے کہا: ﴿ اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ ﴾ ’’کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں؟‘‘ اس مکمل آیت کا مفہوم اسی طرح ہے جیسا کہ کفار قریش نے کہا تھا: ﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الأنفال8:32) ’’اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔‘‘

محمد بن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قوم ہود کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کے ایک بت کا نام صُداء، دوسرے کا نام صَمُود اور تیسرے کا نام ہباء تھا۔[1] اسی لیے حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ﴾ ’’تحقیق تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔‘‘ یعنی تمھاری اس بات کی وجہ سے تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لیے عذاب واجب ہو چکا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ﴿ رِجْسٌ ﴾ کا لفظ رِجز سے مقلوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ناراضی اور غضب کے ہیں۔[2]

﴿ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ ﴾ یعنی کیا تم مجھ سے ان بتوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کے تم اور تمھارے باپ دادا نے آلِهَةٌ نام رکھ لیے ہیں، حالانکہ یہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کی کوئی حجت اور دلیل نازل فرمائی ہے، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ؀ ﴾ ’’جن کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔‘‘ یہ رسول کی طرف سے اپنی قوم کے لیے سرزنش اور شدید وعید تھی۔

قوم عاد کا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ؀ ﴾ ’’پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو نجات بخشی اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔‘‘ ان کے ہلاک کرنے کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی ایک دوسرے مقامات پر بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ان پر ایسی نامبارک ہوا چلائی گئی کہ وہ جس چیز پر چلتی تھی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی تھی جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا

[1] تفسیر الطبری:8/282. [2] تفسیر الطبری:8/289.

عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ ﴾ (الحآقة69:6-8) ''اور رہے عاد! ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا، اللہ نے اس کو سات رات اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے، بھلا تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے؟''

جب انھوں نے بغاوت اور سرکشی کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نہایت تیز آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیا، ہوا ان میں سے ایک ایک شخص کو اٹھا کر فضا میں اچھال دیتی، پھر بلندی سے سر کے بل نیچے گرا دیتی جس سے سر پھٹ کر تن بدن سے جدا ہو جاتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ ﴾ (الحآقة 7:69) ''جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔''

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ لوگ یمن میں عُمان اور حَضرَ مَوت کے درمیان رہتے تھے اور زمین کے دوسرے بہت سے علاقوں میں بھی پھیل گئے تھے اور اپنی اس طاقت وقوت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی تھی، انھوں نے ان علاقوں کے لوگوں پر غلبہ وتسلط حاصل کر لیا تھا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کی پوجا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جن کا تعلق اعلیٰ خاندان اور بہترین علاقے سے تھا، انھوں نے انھیں یہ حکم دیا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار نہ دیں، نیز لوگوں پر ظلم نہ کریں مگر انھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کی تکذیب کی اور کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ طاقت ور اور کون ہو سکتا ہے، ان میں سے تھوڑے سے لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی پیروی کو اختیار کر لیا تھا مگر وہ اپنے ایمان کو چھپا کر رکھتے تھے۔

قوم عاد نے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کے رسول کو جھٹلایا، زمین کو فتنہ وفساد سے بھر دیا، ظلم وزیادتی کی روش کو اختیار کیا اور ہر اونچی جگہ پر عبث نشان تعمیر کرنا شروع کر دیا تو حضرت ہود علیہ السلام نے گفتگو کرتے ہوئے ان سے فرمایا: ﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ۙ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ۚ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ۚ ﴾ (الشعرآء 26:128-131) ''بھلا تم ہر اونچی جگہ عبث نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو؟ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

ہود علیہ السلام کے جواب میں انھوں نے کہا: ﴿ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (ہود11:53-56) ''وہ بولے: ہود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم (صرف) تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں،

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو یقیناً میں ان سے بیزار ہوں (جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں اللہ پر جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔''①

عاد کے سفیر کا قصہ: امام احمد رحمہ اللہ نے حارث بکری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علاء بن حضرمی کی شکایت کرنے کے لیے نکلا اور جب مقام ربذہ کے پاس سے گزرا تو وہاں بنو تمیم کی ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی جس کا زادِ راہ ختم ہو چکا تھا تو اس نے کہا: اے عبداللہ! مجھے رسول اللہ ﷺ سے ایک کام ہے تو کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیں گے؟ میں نے اسے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا اور اسے مدینہ لے آیا۔

جب ہم مدینہ میں آئے تو مسجد نبوی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، سیاہ پرچم لہرا رہا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑے تھے، میں نے پوچھا: کیا بات ہے، لوگ کیوں جمع ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ ﷺ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قائد بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے تو میں نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ نے مجھے اجازت عطا فرما دی، میں اندر داخل ہوا اور میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا: [هَلْ كَانَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ تَمِيمٍ شَيْءٌ ؟] ''کیا تمھارے اور تمیم کے درمیان کوئی اختلاف ہے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں! ہم میں اختلاف تھا اور ہمیں ان پر فتح حاصل تھی۔

میں بنو تمیم کی ایک بڑھیا کے پاس سے گزرا جو رستے سے ہٹی ہوئی تھی اور اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اپنی سواری پر بٹھا کر آپ کی خدمت میں پہنچا دوں اور اس وقت وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے، آپ نے اسے اجازت دے دی اور وہ بھی اندر آ گئی تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ہمارے اور تمیم کے درمیان سرحد کے طور پر جنگل کو مقرر فرما دیں، یہ سن کر بڑھیا بہت بدکی اور گرم ہوگئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اپنے مُضر کو کہاں مجبور کریں گے؟ میں نے کہا کہ مثال تو ایسے ہے جیسے پہلے زمانے میں کسی نے کہا تھا کہ میری بکری نے اپنی موت کو خود آواز دی ہے، میں نے اس بڑھیا کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھایا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ میری ہی دشمن ہے، میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ چاہتا ہوں کہ قوم عاد کے سفیر کی طرح ہو جاؤں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: [وَمَا وَافِدُ عَادٍ؟] ''قوم عاد کے سفیر کا کیا قصہ ہے؟'' حالانکہ آپ اسے زیادہ بہتر جانتے تھے مگر دل جوئی کے لیے آپ نے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی کہ عاد کے لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے اپنے ایک سفیر کو بھیجا

① تفسیر الطبری: 282/8.

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ

معبود نہیں، تحقیق تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ گئی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے خاص نشانی ہے، چنانچہ تم

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ

اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمھیں بہت دردناک عذاب پکڑ لے گا﴿73﴾ اور یاد کرو،

عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ

جب اس نے تمھیں قوم عاد کے بعد ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تمھیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس کی نرم مٹی سے محلات بناتے ہو اور پہاڑوں

بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿74﴾ قَالَ الْمَلَاُ

سے گھر تراشتے ہو، چنانچہ تم اللہ کی نعمتیں یاد کرو، اور زمین میں فسادی بن کر مت پھرو﴿74﴾ اس کی قوم کے وڈیرے جنھوں نے تکبر کیا، کمزور سمجھے

الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ

جانے والے ایمان داروں سے کہنے لگے: کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ واقعی صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: (ہاں) بلاشبہ

اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿75﴾ قَالَ الَّذِيْنَ

ہم اس چیز پر ایمان لانے والے ہیں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے﴿75﴾ ان لوگوں نے کہا جنھوں نے تکبر کیا: بے شک ہم اس چیز کا انکار کرنے

اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿76﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا

والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو﴿76﴾ چنانچہ انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں، اور انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: اے

يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿77﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے﴿77﴾ پھر انھیں زلزلے نے آ لیا، چنانچہ وہ اپنے گھروں

دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿78﴾

میں گھٹنوں کے بل (مردہ) گرے پڑے تھے﴿78﴾

جس کا نام قَیل تھا، وہ معاویہ بن بکر کے پاس سے گزرنے لگا تو اس کے پاس ایک مہینے تک مقیم ہو گیا، اس نے اسے شراب پلانا شروع کر دی اور روزانہ دولڑکیاں اسے گانا بھی سناتیں جنھیں جَرادَتان کہا جاتا تھا۔ جب مہینہ گزر گیا تو یہ تہامہ کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور کہنے لگا: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نہ تو کسی مریض کے پاس اسے دوائی پلانے کے لیے آیا ہوں اور نہ کسی قیدی کا فدیہ دے کر اسے چھڑانے کے لیے آیا ہوں، اے اللہ! عاد کو اسی طرح پانی پلا جس طرح تو اسے پہلے پانی پلایا کرتا تھا، چنانچہ اس کے پاس سے کالے سیاہ بادل گزرے اور اسے بادلوں میں سے آواز آئی کہ ان میں سے کسی ایک بادل کا انتخاب کر لو تو اس نے ایک سیاہ رنگ کے بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے منتخب کر لیا تو اس سیاہ رنگ کے بادل میں

سے اسے یہ آواز آئی کہ اسے لے لو یہ ایک ایسی جلتی ہوئی راکھ ہے جو قوم عاد کے کسی ایک فرد کو بھی نہ چھوڑے گی۔ اس نے کہا: مجھے یہ خبر بھی معلوم ہوئی ہے کہ ان پر ہوا صرف اس قدر چھوڑی گئی جو میری اس انگوٹھی میں چل سکتی تھی حتی کہ اس سے وہ ہلاک ہو گئے۔

ابووائل کہتے ہیں کہ اس نے یہ سچ بیان کیا کہ عاد پر ہوا صرف انگوٹھی کے برابر چھوڑی گئی تھی۔ عورتیں اور مرد جب کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے تو اسے یہ کہہ دیتے کہ تم قوم عاد کے نمائندے کی طرح نہ بنو۔[1] اور تقریباً اسی طرح امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:73-78

قوم ثمود کا مسکن اور نسب: علمائے تفسیر ونسب نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے کہ ثمود بن عاثر بن ارم بن سام بن نوح، ثمود جدیس بن عاثر کا بھائی ہے، اسی طرح قبیلہ طَسم بھی اور عرب کے یہ تمام قبائل عاربہ کہلاتے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہو گزرے ہیں، قوم ثمود، قوم عاد کے بعد ہوئی ہے، ان کے مسکن مشہور تھے جو حجاز وشام کے درمیان وادیٔ قریٰ اور اس کے گرد و پیش تک پھیلے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے گھروں اور مقامات کے پاس سے اس وقت گزرے جب آپ 9 ہجری میں تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔

امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک میں لوگوں کے پاس فروکش ہوئے تو آپ ثمود کے گھروں کے پاس مقام حِجر میں ٹھہرے تھے، لوگوں نے ان کنوؤں سے پانی پیا جن سے ثمود پیتے تھے، اس پانی کے ساتھ آٹا بھی گوندھا اور ہنڈیاں بھی پکائیں تو نبیٔ کریم ﷺ نے حکم دیا تو انھوں نے ہنڈیاؤں کو گرا دیا اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا، پھر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور اس کنویں کے پاس پڑاؤ ڈالا جس سے (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیتی تھی، آپ نے منع فرما دیا کہ ان لوگوں کے گھروں میں نہ جاؤ جن پر عذاب نازل ہوا تھا، آپ نے فرمایا: [إِنِّي أَخْشٰى أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ ، فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ] ''بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر نازل ہوا تھا، لہٰذا ان کے گھروں میں نہ جاؤ۔''[3]

امام احمد ہی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی (ایک اور طریق سے) روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام حِجر میں فرمایا تھا: [لَا تَدْخُلُوا عَلٰى هٰؤُلَاءِ (الْقَوْمِ) الْمُعَذَّبِينَ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ، فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ ، أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ] ''ان عذاب شدہ لوگوں کے گھروں میں نہ جاؤ الا یہ کہ روتے ہوئے اور اگر تمھیں رونا نہ آئے تو پھر وہاں نہ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ جو ان پر نازل ہوا تھا۔''[4]

---

[1] مسند أحمد:482/3. [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الذّٰریٰت، حدیث:3274 والسنن الکبریٰ للنسائی، السیر، صفة الرایة:181/5، حدیث:8607 وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرایات والألویة، حدیث:2816 اور تینوں نے اسے نہایت اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [3] مسند أحمد:117/2. [4] مسند أحمد:74/2.

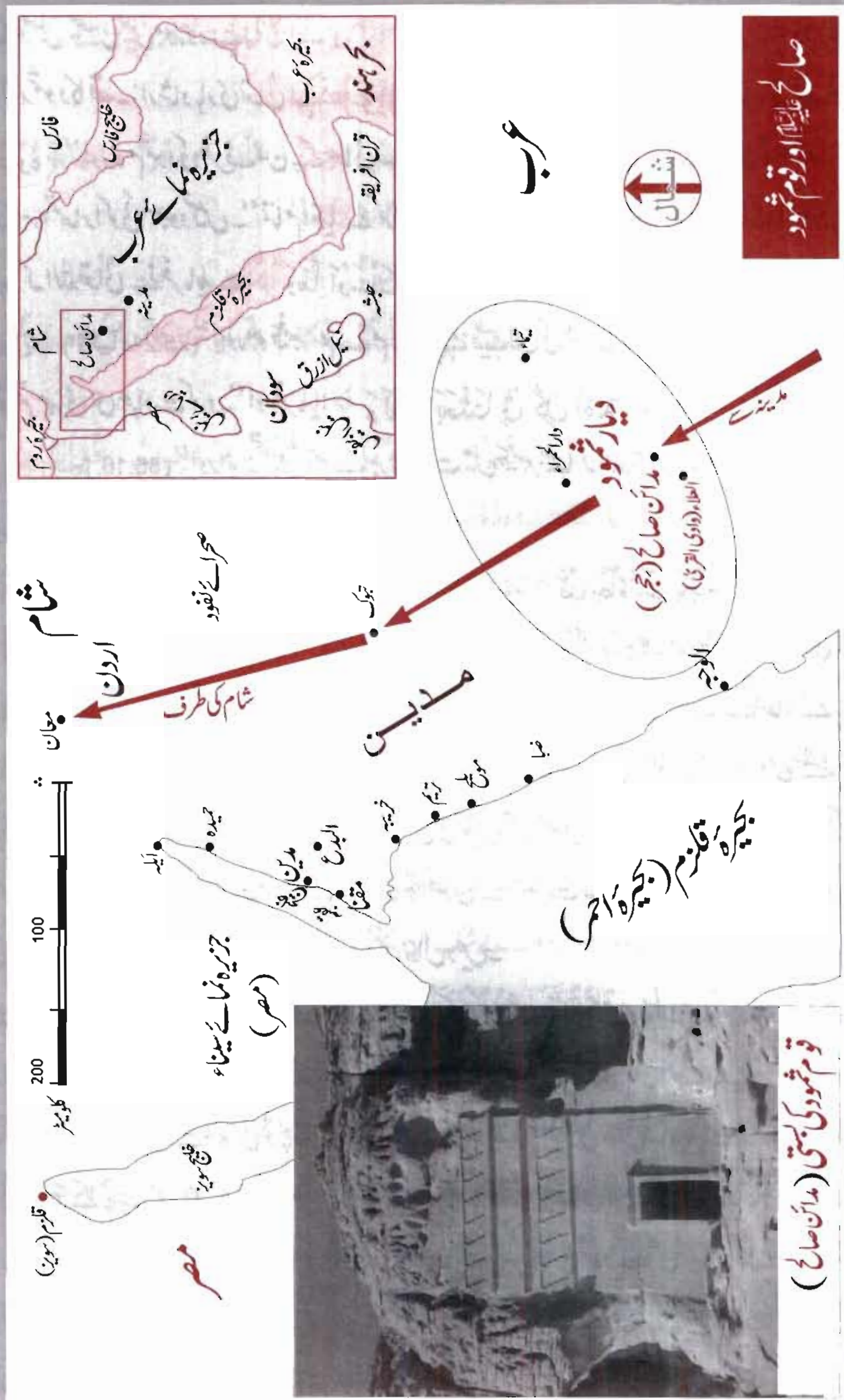
صالح علیہ السلام اور قوم ثمود
شمال
عرب
دیار ثمود
مدائن صالح (حجر)
العلاء (وادی القری)
دار الحمراء
تیماء
مدینہ سے
تبوک
شام کی طرف
شام
اردن
معان
صحرائے نفود
مدین
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
جزیرہ نمائے سیناء (مصر)
خلیج سویز
قلزم (سویز)
مصر
100
200
جزیرہ نمائے عرب
خلیج فارس
فارس
بحیرۂ عرب
بحر ہند
مدینہ
مدائن صالح
سوڈان
نیل ازرق
قرن افریقہ
قوم ثمود کی بستی (مدائن صالح)

اس حدیث کا اصل صحیحین میں موجود ہے۔ ①

صالح علیہ السلام اور ثمود کا قصہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ''اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔'' تمام انبیائے کرام نے سب سے پہلے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی کی دعوت دی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبیاء 21:25) ''اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ (النحل 16:36) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

ثمود نے چٹان سے اونٹنی کے نکلنے کا مطالبہ کیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ﴾ ''تحقیق تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے (یعنی) یہی اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے معجزہ ہے۔'' یعنی میں تمھارے پاس جو لے کر آیا ہوں اس کی صداقت کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس دلیل بھی آ گئی ہے۔ اور خود انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کے پاس کوئی نشانی لائیں اور اس سلسلے میں خود انھوں نے تجویز یہ پیش کی تھی کہ ایک سخت ٹھوس اور جامد چٹان سے جس کی تعیین بھی انھوں نے خود ہی کر دی تھی اور یہ حِجر کی جانب ایک اکیلی سی چٹان تھی جسے کاتبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا تو انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنی نبوت کی صداقت کی نشانی کے طور پر اس چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکال دیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ثمود سے بہت ہی پختہ عہد و پیمان لیے کہ اگر اللہ نے ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا تو پھر انھیں ضرور ایمان لانا ہوگا اور ان کی پیروی کرنی ہوگی، انھوں نے جب حضرت صالح علیہ السلام کو تمام عہد و پیمان دے دیے تو حضرت صالح علیہ السلام نے نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چٹان حرکت کرنے لگی، پھر دراڑ پڑی، اس سے بہت بھاری بھرکم اور خوبصورت اونٹنی نکل آئی جس کے پیٹ میں اس کا بچہ بھی حرکت کرتا ہوا نظر آ رہا تھا جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ دیکھ کر سردار قوم جُندَع بن عمرو اور اس کے ساتھی ایمان لے آئے، دیگر سرداران ثمود نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا تو ذُؤاب بن عمرو بن لبید، حُبَاب ــ جو بتوں کا مالک تھا ــ اور رُباب ② بن صَمْعَر بن جَلْهَس نے انھیں منع کر دیا۔ جُندَع بن عمرو کا ایک چچا زاد بھائی تھا جس کا نام شہاب بن خلیفہ بن مُخَلاۃ بن لبید بن جواس تھا اور یہ شخص ثمود کے سرداروں اور علماء میں سے تھا، اس نے

---

① صحیح البخاری، الصلاۃ، باب الصلاۃ فی مواضع الخسف والعذاب، حدیث: 433 عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما. وصحیح مسلم، الزھد، باب النھی عن الدخول علی أھل الحجر......، حدیث:2980. ② بعض نسخوں میں ''رباب'' ہے۔

بھی مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا تھا مگر ان لوگوں نے اسے بھی منع کیا اور اس نے ان کی بات کو مان لیا تو اس کے بارے میں قوم ثمود کے مومن لوگوں میں سے ایک شخص مُہَوِّش بن (عَنَمَة) بن دَمِیل رحمہ اللہ نے کہا:

وَكَانَتْ عُصْبَةٌ مِّنْ آلِ عَمْرٍو إِلَى دِينِ النَّبِيِّ دَعَوْا شِهَابَا

''آل عمرو کی ایک جماعت نے شہاب کو نبی کے دین کی طرف دعوت دی۔''

عَزِيزَ ثَمُودَ كُلِّهِمْ جَمِيعًا فَهَمَّ بِأَنْ يُّجِيبَ فَلَوْ أَجَابَا

''شہاب ساری قوم ثمود کی آنکھوں کا تارا تھا، اس نے دین کو قبول کرنے کا ارادہ تو کیا لیکن کاش! اگر وہ دین کو قبول کر لیتا۔''

لَأَصْبَحَ صَالِحٌ فِينَا عَزِيزًا وَّمَا عَدَلُوا بِصَاحِبِهِمْ ذُؤَابَا

''تو صالح علیہ السلام ہم میں معزز ترین ہو جاتے اور نہ وہ ذُؤاب (کی بات مان کر اس) کو اپنے صاحب، یعنی نبی کے برابر ٹھہراتے۔''

وَلَكِنَّ الْغُوَاةَ مِنْ آلِ حِجْرٍ تَوَلَّوْا بَعْدَ رُشْدِهِمْ ذُئَابَا

''لیکن آلِ حِجر کے گمراہ لوگ رشد و بھلائی کے بعد پھر مکار لوگوں کے دوست بن گئے۔''

پھر اونٹنی نے ان کے سامنے اپنے بچے کو جنم دیا تو ایک دن اونٹنی ان کے کنویں سے پانی پیتی اور ایک دن پانی کو ان کے لیے چھوڑ دیتی تھی اور جس دن اونٹنی پانی پیتی اس دن وہ اس کے دودھ کو پیتے تھے، وہ اس کے دودھ کو دوہتے اور جس قدر چاہتے برتن بھر لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ ﴾ (القمر 28:54) ''اور ان کو آگاہ کر دو کہ بے شک ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے، ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے۔'' اور فرمایا: ﴿ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾ (الشعرآء 155:26) ''یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمھاری باری۔''

یہ اونٹنی وادیوں میں آتی جاتی تھی، ایک گھاٹی میں جاتی اور دوسری سے واپس آتی تھی تاکہ کھلی جگہ پر سما سکے، اس لیے کہ یہ خوب خوب سیر ہو کر پانی پیتی تھی اور جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے یہ اونٹنی بہت گرانڈیل قسم کی مگر بے حد خوب صورت بھی تھی جب قوم ثمود کے مویشیوں کے پاس سے گزرتی تو وہ اسے دیکھ کر بھاگ جاتے تھے جب یہ عرصہ طویل ہو گیا اور اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو انھوں نے سختی سے جھٹلانا شروع کر دیا تو انھوں نے یہ ارادہ بھی کر لیا کہ اس اونٹنی کو قتل کر دیں تاکہ روزانہ خود ہی پانی پئیں، اس بات پر ان سب کا اتفاق ہو گیا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جس نے اس اونٹنی کو قتل کیا تھا، وہ ان میں سے ہر ایک کے پاس گیا اور اس نے معلوم کر لیا کہ سب اس کے قتل سے راضی ہیں حتی کہ پردہ نشیں عورتوں اور بچوں سے بھی اس نے پوچھا تو سب نے رضامندی

کا اظہار کیا۔[1] حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۖ ﴾ (الشمس 14:91) ''تو انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ﴾ (إسرآئيل 59:17) ''اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوتِ صالح کی کھلی) نشانی دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ ﴾ ''چنانچہ انھوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا۔''

یہاں اونٹنی کی کونچوں کو کاٹنے کی نسبت سارے قبیلے کی طرف کی گئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب اس بات سے راضی تھے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اونٹنی کا قتل: امام ابوجعفر بن جریر اور دیگر کئی علمائے تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ اونٹنی کے قتل کا سبب یہ تھا کہ ان میں سے ایک عورت جس کا نام عُنَیزہ بنت غنم بن مِجْلَز اور کنیت ام غَنْم تھی، یہ بہت بوڑھی، کافر اور حضرت صالح علیہ السلام کی بہت شدید دشمن تھی، اس کی بیٹیاں بہت خوبصورت اور یہ بہت مال دار عورت تھی، اور اس کا شوہر ذُؤاب بن عمرو سرداران ثمود میں سے تھا، اسی طرح ایک دوسری عورت جس کا نام صدوف بنت محیا بن دہر بن محیا تھا، ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، مال دار بھی تھی اور صاحب حسن و جمال بھی اور یہ قوم ثمود کے ایک مسلمان شخص کی بیوی تھی مگر اس نے اس مسلمان شخص سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ان دونوں عورتوں نے اعلان کر دیا کہ یہ اس شخص کی ہو جائیں گی جو اونٹنی کو قتل کرے گا۔

صدوف نے حُباب نامی ایک شخص کو دعوت دی کہ اگر وہ اونٹنی کو قتل کر دے تو یہ اپنے نفس کو اس کے لیے پیش کر دے گی مگر اس نے انکار کر دیا، پھر اس نے اپنے چچا زاد مصدع بن مہرج بن محیا کو یہ پیش کش کی تو اس نے اسے قبول کر لیا، اسی طرح عنیزہ بنت غنم نے قدار بن سالف بن جُندع کو دعوت دی جو کہ سرخ رنگ، نیلی آنکھوں اور پست قد کا آدمی تھا اور لوگ کہتے تھے کہ وہ حرامی تھا اپنے باپ سالف کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ صہیاد نامی ایک شخص کے نطفے سے تھا لیکن وہ پیدا سالف کے بستر پر ہوا تھا، اس لیے اس کی طرف منسوب ہوا، عنیزہ نے اس شخص سے کہا کہ اگر تو اونٹنی کی کونچوں کو کاٹ دے تو میری جو بیٹی چاہے گا، وہ میں تجھے دے دوں گی۔ اس پیشکش کے بعد قدار بن سالف اور مصدع بن مہرج نے ثمود کے اوباشوں کو گمراہ کیا اور سات آدمیوں کو اپنے پیچھے لگانے میں کامیاب ہو گئے، چنانچہ اس طرح ان کی تعداد نو ہو گئی، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (النمل 48:27) ''اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔'' یہ نو شخص اپنی قوم کے سردار تھے، اس لیے انھوں نے تمام کافر لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا اور انھوں نے ان کی اطاعت شروع کر دی تھی، یہ لوگ اونٹنی کی گھات میں بیٹھ گئے اور انتظار میں تھے کہ وہ پانی پی کر کب واپس آتی ہے، قدار بن سالف اس کے رستے میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور

[1] تفسير الطبرى:298/8.

مصدع ایک دوسری چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری تو اس نے اس پر ایک تیر پھینکا جس کے ساتھ اس کی پنڈلی کا ایک پٹھہ زخمی ہو گیا، ام غَنم عنیزہ بھی باہر نکل آئی اور اس نے اپنی اس بیٹی کو حکم دیا جو تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی، اس نے قدار کے سامنے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا اور اس کا حوصلہ بڑھایا تو اس نے تلوار کے ساتھ اونٹنی پر حملہ کر دیا اور اس کی کونچ کو کاٹ دیا جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر گئی اور ایک بار اس طرح زور سے بلبلائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے بچے کے بارے میں ڈرتی ہے، پھر اس ظالم نے اس کی گردن پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔اونٹنی کا بچہ ایک بہت اونچے پہاڑ پر چڑھ کر بلبلانے لگا۔ ①

عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے اس شخص سے روایت کیا ہے جس نے امام حسن بصری سے سنا تھا کہ بچے نے کہا: اے رب! میری ماں کہاں ہے؟ ② یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تین بار بلبلایا، پھر چٹان میں داخل ہو کر غائب ہو گیا۔اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان ظالموں نے بچے کا تعاقب کر کے اس کی ماں کے ساتھ ساتھ اس کی کونچیں بھی کاٹ دی تھیں۔ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ. جب انھوں نے یہ کام کیا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے فارغ ہو گئے اور صالح علیہ السلام کو بھی یہ خبر پہنچ گئی تو آپ ان کے مجمع میں آئے اور اونٹنی کی حالت دیکھ کر رونے لگے اور فرمانے لگے: ﴿ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ﴾(ھود 11:65) ”تم اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدہ اٹھالو۔“

مفسدین کی حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کی کوشش: انھوں نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تھا اور جب شام ہوئی تو ان نو آدمیوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم اپنے (عذاب سے دوچار ہونے) سے قبل ہی اس کا کام تمام کر دیں اور اگر جھوٹا ہے تو ہم اسے اس کی اونٹنی کے پاس پہنچا دیں گے: ﴿ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ ﴾(النمل 27:49-51) ”کہنے لگے کہ اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے موقعۂ ہلاکت پر گئے ہی نہیں تھے اور بے شک ہم سچ کہتے ہیں اور وہ ایک چال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی تو دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟“

جب انھوں نے اس کا عزم کر لیا اور اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رات کو آ گئے تاکہ اللہ کے نبی کو شہید کر دیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے، جسے اور جس کے رسول کو ان کافروں کے مقابلے میں عزت وسربلندی حاصل تھی، ان پر ایک پتھر گرا دیا جس نے ان کی قوم سے پہلے انھیں کچل دیا اور جمعرات کے دن جو ایامِ مہلت میں سے پہلا دن تھا، ثمودیوں کے چہرے پیلے پڑ گئے جیسا کہ صالح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا اور مہلت کے دوسرے دن، یعنی جمعے کے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے اور

① ملخص از تفسیر الطبری:295/8. ② تفسیر عبدالرزاق:82/2، رقم:912.

تیسرے، یعنی ہفتے کے دن ان کے چہرے کالے سیاہ ہو گئے اور اتوار کے دن خوشبو لگا کر بیٹھے اللہ کے عذاب کے منتظر تھے۔ عِیاذًا باللّٰہ من ذٰلك.

اور نہیں جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور عذاب کس صورت میں ان کے پاس آئے گا جب سورج طلوع ہوا تو آسمان سے ایک زبردست چیخ آئی اور نیچے سے بہت شدید زلزلہ آیا اور چشم زدن میں یہ سب لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ ﴿ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ ''تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' یعنی یہ بے حس و حرکت لاشے تھے، ان میں روحیں نہیں تھیں اور ان میں کوئی چھوٹا بڑا اور کوئی مرد و عورت عذاب الٰہی سے نہ بچ سکا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک اپاہج لڑکی بچ گئی تھی جس کا نام کلبہ بنت سَلَق تھا اور جسے زُرَیقَہ بھی کہا جاتا تھا، یہ لڑکی کافر تھی اور حضرت صالح علیہ السلام سے شدید عداوت رکھتی تھی جب اس نے عذاب کو دیکھا تو اس کے پاؤں کھل گئے، اور اس نے بہت تیز رفتاری کے ساتھ دوڑنا شروع کر دیا اور ایک خاندان میں پہنچ گئی اور اس نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں انھیں بھی بتایا اور اس کی قوم پر جو عذاب الٰہی ٹوٹا اس کے بارے میں انھیں مطلع کیا، پھر ان سے پانی طلب کیا اور پانی پیتے ہی یہ بھی مرگئی۔ ①

علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ثمود کی اولاد میں سے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کے سوا اور کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا۔ ہاں، البتہ ایک شخص جس کا نام ابو رِغال تھا وہ قوم ثمود پر عذاب آنے کے وقت حرم مکہ میں مقیم تھا، وہاں اسے کچھ نہ ہوا لیکن جب ایک دن وہ حرم سے باہر نکلا تو آسمان سے ایک پتھر گرا اور اس نے اسے قتل کر دیا۔ ②

عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے کہ مجھے اسماعیل بن امیہ نے خبر دی کہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو رغال کی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: هٰذَا قَبْرُ أَبِي رِغَالٍ (قَالُوا: وَمَنْ هُوَ أَبُو رِغَالٍ؟) قَالَ: رَجُلٌ مِّنْ ثَمُودَ ، كَانَ فِي حَرَمِ اللّٰهِ فَمَنَعَهُ حَرَمُ اللّٰهِ عَذَابَ اللّٰهِ ، فَلَمَّا خَرَجَ أَصَابَهُ مَا أَصَابَ قَوْمَهُ فَدُفِنَ هٰهُنَا ، وَدُفِنَ مَعَهُ غُصْنٌ مِّنْ ذَهَبٍ ، فَنَزَلَ الْقَوْمُ فَابْتَدَرُوهُ بِأَسْيَافِهِمْ فَبَحَثُوا عَنْهُ فَاسْتَخْرَجُوا الْغُصْنَ] ''تمھیں معلوم ہے کہ یہ کون شخص تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ ابو رغال کی قبر ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرنے لگے: یہ ابو رغال کون شخص ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ قوم ثمود کا ایک جوان تھا جو عذاب کے وقت اللہ کے حرم میں تھا جس کی وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ گیا لیکن جب یہ حرم سے باہر نکلا تو اس کا انجام بھی وہی ہوا جو اس کی قوم کا ہوا تھا، اور ہلاکت کے بعد پھر اسے یہاں دفن کر دیا گیا تھا، اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ کو بھی دفن کیا گیا تھا، لوگوں نے تلواروں کے ساتھ کھدائی کر کے اس شاخ کو تلاش کیا اور نکال لیا تھا۔'' ③

عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے امام زہری کا قول نقل کیا ہے کہ ابو رغال ہی ابو ثقیف ہے۔ ④

① تفسیر الطبری:298/8. ② تفسیر الطبری:299/8. ③ تفسیر عبدالرزاق:84/2، رقم:916. ④ تفسیر عبدالرزاق: 84/2، رقم:917 .

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

تب صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا: اے میری قوم! بے شک میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور میں نے تمھیں نصیحت کی تھی، لیکن تم

النّٰصِحِيْنَ ﴿79﴾

نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ﴿79﴾

تفسیر آیت:79

جب اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، قبول حق سے انکار اور ہدایت کو چھوڑ کر اندھے پن کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے انھیں ملامت اور سرزنش کرتے ہوئے ان سے یہ فرمایا تھا اور وہ اس وقت ان کی اس بات کو سن بھی رہے تھے۔

جیسا کہ صحیحین کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل بدر پر فتح و نصرت حاصل ہوگئی تو آپ نے وہاں تین دن قیام فرمایا، پھر آپ نے حکم دیا اور تیسرے دن رات کے آخری پہر میں آپ کی سواری کو تیار کر دیا گیا تو آپ اس پر سوار ہو کر چل پڑے، پھر بدر کے کنویں کے پاس کھڑے ہوگئے اور آپ نے فرمایا: [يَا أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ!...... يَا عُتْبَةُ ابْنَ رَبِيعَةَ ! يَا شَيْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ ! هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا ؟ فَإِنِّي وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا (قَالَ عُمَرُ:) يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! أَتُنَادِي قَوْمًا قَدْ جَيَّفُوا؟ قَالَ: (وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!) مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَّايَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُّجِيبُوا] ''اے ابوجہل بن ہشام!...... اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچا پایا؟ مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے تو اسے سچا پا لیا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کیسے سنیں گے اور کیونکر جواب دیں گے جبکہ یہ مردہ لاشے ہو چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اس وقت ان سے جو بات کر رہا ہوں، تم اسے ان کی نسبت زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔''[1]

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا: ﴿ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ﴾ ''البتہ تحقیق میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمھاری خیر خواہی کی۔'' لیکن تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا کیونکہ تم حق کو پسند نہیں کرتے اور خیر خواہی کرنے والے کی بات کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے انھوں نے یہ بھی فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿79﴾ ﴾ ''مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔''

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث:3976 عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ. وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار، حديث:2874 والسنن الكبرى للنسائي، الجنائز وتمني الموت، باب أرواح المؤمنين:665/1، حديث:2202 عن أنس رضی اللہ عنہ. البتہ [وقال عمر] صحیح بخاری اور [والذي نفسي بيده] صحیح مسلم میں ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾

اور لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی؟﴿80﴾ بے شک تم جنسی

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿81﴾

خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو﴿81﴾

تفسیر آیات: 81,80

حضرت لوط علیہ السلام، ان کی ہجرت اور علاقہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ ﴾ ”اور“ بلاشبہ ہم نے بھیجا ﴿ لُوْطًا ﴾ ”لوط کو“ یعنی لَقَدْ أَرْسَلْنَا یہاں محذوف ہے یا اصل میں عبارت اس طرح ہے کہ وَاذْكُرْ ”اور لوط کو یاد کرو“ ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ ﴾ ”جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔“ حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے برادر زادے ہیں، آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان بھی لے آئے تھے اور ان کے ساتھ ارض شام کی طرف ہجرت بھی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انھیں سدُوم اور اس کے گرد ونواح کی بستیوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرما دیا تا کہ آپ انھیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیں، نیکی کا حکم دیں اور انھیں گناہوں، حرام کاموں اور بے حیائی کی باتوں سے منع کریں جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے اور جنھیں سب سے پہلے انھوں نے ایجاد کیا تھا اور ان سے پہلے انسانوں یا کسی اور مخلوق میں سے کسی نے ان کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور وہ یہ کہ وہ عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی جنسی خواہش کو پورا کرتے تھے، ان سے پہلے انسانوں نے اس بے حیائی کا کبھی ارتکاب نہیں کیا تھا، نہ وہ اسے پسند کرتے تھے بلکہ کبھی ان کے دل میں اس کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔ سب سے پہلے اہل سدوم ہی نے اس بے حیائی کا ارتکاب کیا تھا، ان پر اللہ کی لعنت ہو۔

عمرو بن دینار: اس آیت کریمہ: ﴿ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾ ﴾ ”تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا۔“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قوم لوط سے پہلے کبھی کسی مرد نے دوسرے مرد سے بدفعلی نہیں کی تھی۔[1] اسی لیے حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ ﴾ ”تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا، یعنی بے شک خواہش نفسانی پورا کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو۔“ یعنی عورتوں سے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جس مقام کو تمھارے لیے پیدا کیا ہے، اس سے روگردانی کر کے مردوں کی طرف مائل ہو رہے ہو اور یہ ظلم بھی ہے اور جہالت بھی کیونکہ یہ ایک چیز کو ایسی جگہ پر رکھنا ہے جو اس کی جگہ ہی نہیں۔

اسی لیے ایک دوسری آیت میں آپ نے ان سے فرمایا: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿71﴾ ﴾ (الحجر 71:15) ”اگر تمھیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کر لو۔)“ آپ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ عورتوں سے شادی

[1] تفسیر الطبری: 304/8.

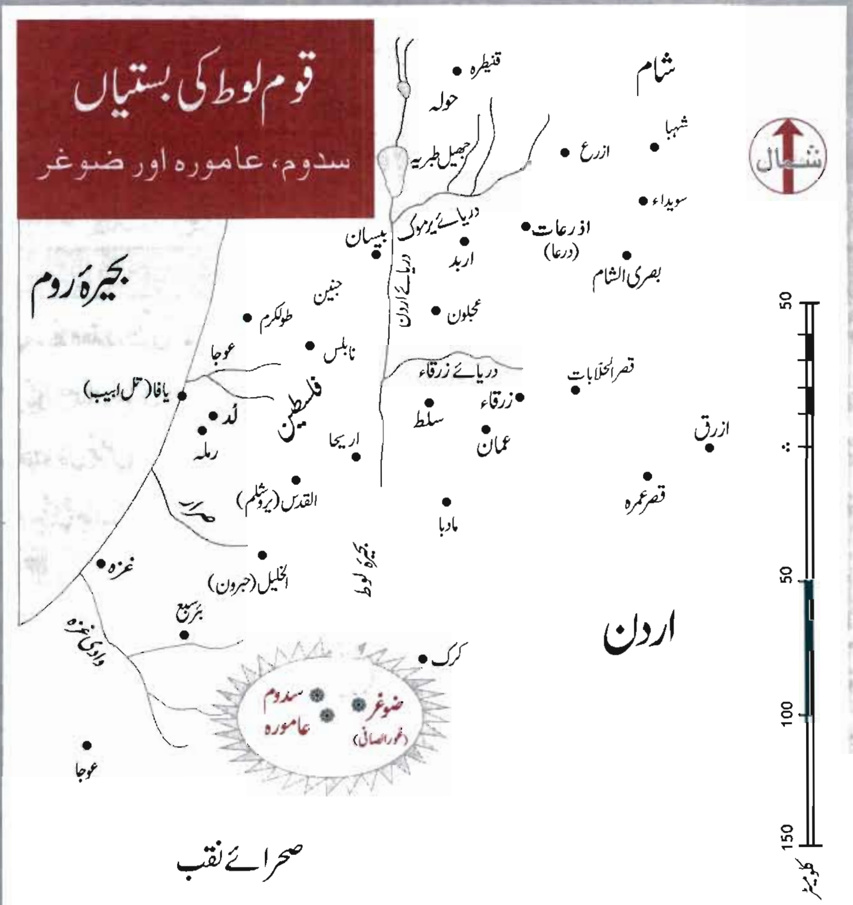

قوم لوط کی بستیاں
سدوم، عامورہ اور ضوغر
شام
قنیطرہ
حولہ
جھیل طبریہ
ازرع
شہبا
سویداء
دریائے یرموک
بیسان
اربد
اذرعات
(درعا)
بصری الشام
بحیرۂ روم
جنین
طولکرم
دریائے اردن
عجلون
عوجا
نابلس
دریائے زرقاء
قصر الحلابات
یافا (تل ابیب)
لد
فلسطین
زرقاء
سلط
ازرق
رملہ
اریحا
عمان
القدس (یروشلم)
قصر عمرہ
مادبا
غزہ
الخلیل (حبرون)
بحیرۂ لوط
اردن
بئر سبع
وادی غزہ
کرک
سدوم
ضوغر
عامورہ
(غور الصافی)
عوجا
صحرائے نقب
شمال
50
0
50
100
150
کلومیٹر

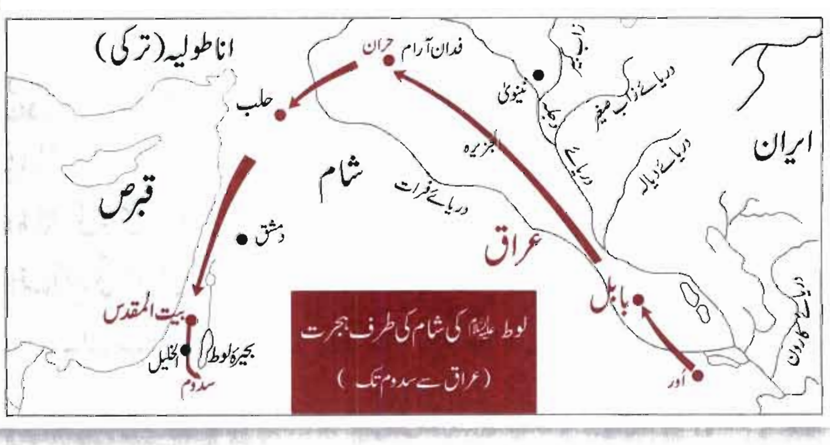

اناطولیہ (ترکی)
فدان آرام
حران
نینوی
دریائے زاب کبیر
دریائے زاب صغیر
حلب
دریائے دجلہ
الجزیرہ
ایران
شام
دریائے دیالہ
دریائے فرات
قبرص
دمشق
عراق
بابل
دریائے کارون
بیت المقدس
لوط علیہ السلام کی شام کی طرف ہجرت
(عراق سے سدوم تک)
بحیرۂ لوط
الخلیل
سدوم
اور

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿82﴾

اور اس کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ انھوں نے کہا: انھیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں ﴿82﴾

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿83﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ

پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی، سوائے اس کی بیوی کے، وہ پیچھے رہنے (ہلاک ہونے) والوں میں شامل ہوگئی ﴿83﴾ اور ہم نے ان پر

10 ع 12 17

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿84﴾

پتھروں کی بارش برسائی، چنانچہ دیکھیے مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿84﴾

کر لو مگر انھوں نے معذرت کی کہ وہ عورتوں کو پسند نہیں کرتے: ﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴾ (ھود 79:11) ''وہ بولے: البتہ تحقیق تم کو معلوم ہے کہ تمھاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں اور بے شک جو ہماری غرض ہے اسے تم (خوب) جانتے ہو۔'' یعنی تم جانتے ہو کہ عورتوں سے متعلق ہماری کوئی خواہش اور ارادہ نہیں ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ تمھارے مہمانوں کے بارے میں ہمارا کیا ارادہ ہے۔

تفسیر آیت: 82

یعنی لوط علیہ السلام کو انھوں نے یہ جواب دیا کہ وہ ارادہ کر چکے ہیں کہ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنے علاقے سے جلاوطن کر دیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں سے صحیح سلامت باہر نکال لیا اور قوم لوط کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ انھی کے علاقے میں ہلاک کر دیا۔ ﴿ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ ''بے شک یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسا عیب لگایا جو کوئی عیب نہ تھا۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مردوں اور عورتوں کی شرم گاہوں سے پاک رہنا چاہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

تفسیر آیات: 84,83

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا اور ان کے گھر والوں کے سوا اور کوئی ان پر ایمان بھی تو نہیں لایا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ ﴾ (الذّٰریٰت 36,35:51) ''تو وہاں جتنے مومن تھے، ان کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔''

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان پر ایمان نہیں لائی تھی بلکہ وہ اپنی قوم ہی کے دین پر تھی اور وہ اپنی قوم کے لوگوں کو حضرت لوط علیہ السلام کے خلاف اکساتی رہتی تھی اور اشاروں کے ساتھ لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کے بارے میں بھی انھیں بتا دیتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو یہاں سے نکل جائیں تو انھیں یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے پروگرام کے بارے میں اپنی بیوی کو نہ بتائیں اور نہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔

[1] تفسیر الطبری:306/8. [2] تفسیر الطبری:306,305/8.

وَاِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿85﴾

اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی ہے، لہٰذا تم ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو، اور تم زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو ﴿85﴾

کچھ لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان کے ساتھ نکل تو پڑی تھی مگر جب عذاب آیا تو پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا اور اس طرح یہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوگئی جس میں اس کی قوم مبتلا ہوئی تھی لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت شہر سے باہر نہیں نکلی تھی اور نہ حضرت لوط علیہ السلام نے اسے بتایا تھا بلکہ یہ اپنی قوم کے لوگوں ہی میں باقی رہی تھی، اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿83﴾ ﴾ ''مگر اس کی بیوی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔'' یعنی پیچھے باقی رہ جانے والوں میں سے تھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہلاک ہو جانے والوں میں سے تھی اور جو پیچھے رہ جانے والے تھے، وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔ ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ﴾ ''اور ہم نے ان پر مینہ برسایا۔'' اس کی تفسیر ایک دوسرے مقام پر اس طرح ہے: ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ ﴾ (ھود 11:83,82) ''اور ان پر پتھر کی تہ بہ تہ (پے در پے) کنکریاں برسائیں جن پر تمھارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿84﴾ ﴾ ''چنانچہ دیکھ لیجیے کہ گناہ گاروں کا کیسا انجام ہوا۔'' یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ دیکھ لیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے کی جرأت کرے تو اس کا انجام کیسا بھیانک ہوتا ہے۔

امام احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ وَّجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ] ''جسے تم قوم لوط جیسا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''[1]

تفسیر آیت:85

حضرت شعیب علیہ السلام اور مدین کا قصہ: محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ اہل مدین، مدین بن (مدیان بن) ابراہیم کی اولاد میں

[1] مسند أحمد:300/1 وسنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، حديث:4462 وجامع الترمذي، الحدود، باب ما جاء في حدّ اللوطي، حديث:1456 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، حديث: 2561.

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا

اور تم ہر ایک راستے پر مت بیٹھو،تم اس شخص کو ڈراتے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لے آئے،اور تم اس راہ میں ٹیڑھ تلاش کرتے ہو،

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، پھر اس نے تمھیں زیادہ کر دیا۔اور دیکھو! فسادیوں کا انجام کیسا ہوا تھا؟ (86) اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر ایمان

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿86﴾ وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ

لے آئے ہیں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور کچھ دوسرے ایمان نہیں لائے ہیں تو تم ذرا صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے،اور وہ

يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿87﴾

سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (87)

سے ہیں اور حضرت شعیب، میکیل بن یشجر کے بیٹے ہیں اور سریانی زبان میں ان کا اسم گرامی یثرون ہے۔[1] مدین کا اطلاق قبیلے پر بھی ہوتا ہے اور اس شہر پر بھی جو حجاز کے رستے کی طرف سے مَعان کے قریب تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ﴾ (القصص 23:28) ''اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے ہیں (اور اپنے چوپایوں کو) پانی پلا رہے ہیں۔'' قوم مدین سے مراد اصحاب ایکہ ہیں جیسا کہ ہم عنقریب ان شاءاللہ بیان کریں گے۔و به الثقة.[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔'' اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہی دعوت ہے۔ ﴿ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین بیان فرما دیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میں تمھارے پاس جس دین و شریعت کو لایا ہوں وہ سچا ہے، پھر دیگر لوگوں سے معاملات کے متعلق وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور البخس کے معنی ہیں نامعلوم طریقے سے چیز کے عیب چھپاتے ہوئے کسی نہ کسی انداز سے کمی کرنا اور دھوکہ دینا، مطلب یہ کہ لوگوں کے ساتھ ان کے اموال میں خیانت نہ کرو اور ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کے مال ہڑپ نہ کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ﴾ تا ﴿ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ﴾ (المطففين 83:1-6) ''ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں، کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے (یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں جس دن (تمام) لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

یہ بہت زبردست سرزنش اور سخت وعید ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عافیت عطا فرمائے، پھر اللہ تعالیٰ

[1] تفسير الطبری: 308/8. [2] دیکھیے الشعرآء، آیت:176 کے ذیل میں۔اور شعیب علیہ السلام کی قوم کے علاقے کا توضیحی نقشہ بھی ملاحظہ کیجیے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ

اس کی قوم میں سے جو سردار تکبر کرتے تھے، انھوں نے کہا: اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور

قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿88﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ

نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے۔ شعیب نے کہا: کیا (ہم تمھارے دین میں آ جائیں) اگرچہ ہم (اس سے) کراہت کرتے ہیں؟﴿88﴾ ہم

عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ

نے (گویا) اللہ پر جھوٹ باندھا اگر ہم تمھارے دین میں لوٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لائق نہیں کہ ہم اس میں لوٹ

اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ

آئیں مگر یہ کہ اللہ، ہمارا رب چاہے۔ ہمارے رب نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے گھیر رکھا ہے، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے۔ (اور ہم دعا کرتے ہیں) اے

قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿89﴾

ہمارے رب! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر، اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے﴿89﴾

نے حضرت شعیب علیہ السلام کے (اپنی قوم سے خطاب کے) بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے جنھیں عبارت کی فصاحت اور وعظ و نصیحت کے دلنشین اسلوب کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔

تفسیر آیات: 87,86

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو حسّی اور معنوی قطعِ طریق سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ ''اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ تم ڈراتے ہو۔'' یعنی تم لوگوں کو ڈراتے ہو کہ اگر انھوں نے تمھیں اپنا مال نہ دیا تو تم انھیں قتل کر دو گے۔ سدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ لوگوں سے ٹیکس لیتے تھے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ تم حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ان کی اتباع کے لیے آنے والے مومنوں کو ڈراتے ہو۔[2] لیکن یہاں پہلے معنی، یعنی حسّی طور پر قطعِ طریق زیادہ نمایاں ہیں کیونکہ الفاظ یہ ہیں: ﴿بِكُلِّ صِرَاطٍ﴾ اور صراط کے معنی رستے کے ہیں اور یہ دوسرا مفہوم جو بیان کیا گیا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں: ﴿وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ ''اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اسے اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔'' یعنی تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ کے رستے میں کجی ہو اور وہ ٹیڑھا ہو جائے۔

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ﴾ ''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر کر دیا۔'' تم اپنی تعداد کی قلت کی وجہ سے کمزور تھے مگر اب تعداد کی کثرت کی وجہ سے قوی بن چکے ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ ﴿وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿86﴾﴾ ''اور دیکھو! خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟'' دیکھو کہ گزشتہ زمانوں میں ان سابقہ امتوں کا انجام کیسا ہوا اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے وہ کیسے

[1] تفسیر الطبری:310/8. [2] تفسیر الطبری:309/8.

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿90﴾

اور اس کی قوم میں سے وہ سردار جنھوں نے کفر کیا تھا، کہنے لگے: اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم ضرور خسارہ پانے والے ہو گے ﴿90﴾ پھر انھیں

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿91﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ

زلزلے نے آ پکڑا، چنانچہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿91﴾ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ (یوں ہو گئے) جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی

يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿92﴾

نہ تھے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ پانے والے تھے ﴿92﴾

کیسے دردناک اور عبرت انگیز عذابوں میں مبتلا ہوئے۔

﴿ وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا ﴾ ''اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی۔'' یعنی میرے بارے میں تم اختلاف میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ﴿ فَاصْبِرُوْا ﴾ یعنی انتظار کرو ﴿ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔'' ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿87﴾ ﴾ ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' وہ یقیناً اپنے سے ڈرنے والوں کا انجام اچھا کرے گا اور کافروں کو تباہی و بربادی اور ہلاکت میں مبتلا کر دے گا۔

تفسیر آیات: 89,88

یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ کفار نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور انھیں کس طرح دھمکیاں دیں کہ وہ انھیں اپنے شہر سے نکال دیں گے یا اپنے مذہب و ملت میں واپس آ جانے پر مجبور کر دیں گے۔ ان کا خطاب اگرچہ رسول سے ہے لیکن ان کی مراد وہ تمام لوگ بھی ہیں جو شعیب علیہ السلام کی ملت پر تھے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿88﴾ ﴾ ''خواہ ہم (تمھارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟)'' یعنی کیا تم یہ کام اس صورت میں بھی کرو گے جبکہ ہم اس بات سے بیزار ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو؟ اگر ہم تمھاری ملت کی طرف لوٹ آئیں اور تمھارے دین میں داخل ہو جائیں تو بے شک اللہ کے ساتھ شریک بنا کر ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ اور یہ ان کی اپنے متبعین کی طرف سے ترجمانی ہے۔ ﴿ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ ﴾ ''اور ہمیں شایان نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں (مگر یہ کہ) اللہ جو ہمارا پروردگار ہے، وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں۔)'' حضرت شعیب علیہ السلام نے سارے معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف لوٹا دیا کیونکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز کا اپنے علم کے ساتھ احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ ﴾ ''ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے۔'' یعنی جو کام ہم کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے، ان سب میں ہمارا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر بھروسا ہے۔ ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ﴾ یعنی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے اور ہمیں ان پر فتح و نصرت عطا فرما، ﴿ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿89﴾ ﴾ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا وہ عادل و منصف ہے کہ جو کبھی بھی ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر آیات:90-92

اس مقام پر اللہ تعالیٰ ان کے شدید کفر، سرکشی، بغاوت، ضلالت اوران کے دلوں میں جوحق کی مخالفت رچ بس گئی تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ انھوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ ﴿ لَىِٕنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَيۡبًا اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ۝٩٠ ﴾ ''اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔'' اوراس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ ﴿ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۝٩١ ﴾ ''توان کو بھونچال نے آ پکڑااور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھیں بھونچال نے آ پکڑا کیونکہ انھوں نے شعیب اوران کے ساتھیوں کو ڈرایا اور دھمکایا تھا اور شہر سے نکال دینے کا پروگرام بنایا تھا۔

جیسا کہ سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۝ ﴾ (ھود 94:11) ''اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جولوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، ان کو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' یہاں سورۂ ہود میں ﴿ الرَّجۡفَةُ ﴾ کے بجائے ﴿ الصَّيۡحَةُ ﴾ کا لفظ استعمال کرنے میں مناسبت یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے جب شدید ناراض ہوتے ہوئے کہا: ﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ...... ﴾ الآیة (ھود 87:11) ''کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے......؟'' تو ایک چنگھاڑ آئی اوراس نے انھیں خاموش کرادیا۔

اور سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝ ﴾ (الشعرآء 189:26) ''توان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، پس سائبان کے عذاب نے ان کو آ پکڑا، بے شک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔''

یہاں یہ الفاظ اس لیے استعمال کیے کہ قصے کے سیاق میں یہ ہے کہ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (الشعرآء 187:26) ''تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔'' تواس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھیں سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا تھا، الغرض عذاب کی ان تمام مذکورہ صورتوں سے وہ دوچار ہوئے وہ اس طرح کہ ﴿ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ ﴾ (الشعرآء 189:26) ''پس سائبان کے دن کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔'' یہ ایک بادل تھا جو سائبان کی طرح ان کے سروں پر چھایا ہوا تھا، اس میں زبردست آگ اوراس کے خوفناک شرارے اور چنگارے تھے، پھر آسمان سے زبردست چنگھاڑ آئی اور مزید براں ان کے نیچے زمین پر خوفناک زلزلہ بھی طاری ہوگیا جس سے روحیں جسموں سے نکل گئیں، جسم بے کار ہوگئے اور وہ لوگ چشم زدن میں ہلاک ہوگئے۔ ﴿ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۝٩١ ﴾ ''چنانچہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ۛۚ ﴾ ''گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔'' یعنی جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو وہ صفحۂ ہستی سے یوں مٹ گئے گویا کبھی ان گھروں میں وہ رہتے ہی نہ تھے جن سے جلاوطن کرنے کی

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ

پھر شعیب نے ان سے منہ پھیر کر کہا: اے میری قوم! یقیناً میں نے تو اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچا دیے اور تمھاری خیر خواہی کی، پھر میں کافر قوم پر

كٰفِرِيْنَ ﴿93﴾ ع 11 9 1

غم کیوں کھاؤں ﴿93﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور جب بھی ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو اس بستی والوں کو تنگی اور سختی میں مبتلا کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں ﴿94﴾ پھر ہم نے (ان کی)

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿94﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

بدحالی کو خوشحالی میں بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے: ہمارے باپ دادا کو بھی سختی اور راحت پیش آئی تھی، تب ہم

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿95﴾

نے انھیں اچانک پکڑ لیا اور انھیں خبر تک نہ ہو سکی ﴿95﴾

انھوں نے اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں کو دھمکی دی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿92﴾ ﴾ ''(غرض) جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا، وہی خسارے میں پڑ گئے۔''

تفسیر آیت: 93

جب کافر عبرت ناک عذاب اور سزا میں مبتلا ہوئے تو حضرت شعیب علیہ السلام ان میں سے نکل آئے اور انھیں ملامت کرتے ہوئے فرمانے لگے: ﴿ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ ﴾ ''اے میری قوم! یقیناً میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے اور تمھاری خیر خواہی کی۔'' یعنی جس پیغام کے ساتھ مجھے بھیجا گیا تھا وہ میں نے بلاکم و کاست تم تک پہنچا دیا مگر تم نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا اور کفر کی روش اختیار کی، اس لیے مجھے تم پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ ﴿ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿93﴾ ﴾ ''پھر میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم کیوں کروں؟''

تفسیر آیات: 95,94

سابقہ امتوں کی آزمائش: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے سابقہ امتوں کو جن کی طرف اس نے انبیاء کو بھیجا، دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تھا۔ بأساء سے بیماریاں اور جسمانی تکلیفیں مراد ہیں اور ضراء سے فقر و فاقہ کی مصیبتیں مراد ہیں۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿94﴾ ﴾ یعنی تاکہ وہ دعا کریں، خشوع و خضوع کا اظہار کریں اور ان پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے، اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں۔ اصل میں عبارت اس طرح تھی کہ اللہ تعالیٰ نے دکھوں اور مصیبتوں میں انھیں اس لیے مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی اور آہ و زاری کریں مگر جب انھوں نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات میں تبدیلی کر کے انھیں خوشحالی سے نواز دیا تاکہ اس طرح بھی ان کی آزمائش کرے۔

اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ ﴾ ''پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا۔'' یعنی

ہم نے ان کی حالت کو بدحالی سے آسودگی، مرض اور بیماری سے صحت وعافیت اور فقر سے دولت مندی میں بدل دیا تاکہ وہ شکر ادا کریں مگر انھوں نے ایسا نہ کیا ﴿ حَتّٰى عَفَوْا ﴾ ''یہاں تک کہ (مال واولاد میں) زیادہ ہوگئے۔'' ﴿ عَفَوْا ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ زیادہ ہوگئے عَفَا الشَّيْءُ اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز زیادہ ہو جائے، معنی یہ ہیں کہ جب ان کے ہاں مال اور اولاد کی کثرت ہوگئی۔ ﴿ وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''اور وہ کہنے لگے کہ اسی طرح کا رنج وراحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انھیں دونوں طرح سے آزمایا تاکہ وہ عاجزی اور آہ وزاری کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں مگر نہ تکلیف سے انھوں نے کوئی سبق سیکھا اور نہ آسودگی سے، نہ وہ رنج کو دیکھ کر باز آئے اور نہ راحت کو دیکھ کر بلکہ کہنے لگے کہ ہم بھی رنج وراحت سے اسی طرح دوچار ہوتے ہیں جیسا کہ زمانۂ قدیم میں ہمارے آباء واجداد ان سے دوچار ہوتے رہے تھے کیونکہ زمانے کے حالات بدلتے رہتے ہیں کبھی کوئی حالت ہوتی ہے اور کبھی کوئی اور وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ دونوں حالتیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں۔

ان کفار کے برعکس مومنوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ آسودگی اور خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں اور رنج اور تکلیف کی حالت میں صبر کرتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ [عَجَبًا لِّلْمُؤْمِنِ ، لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهٗ شَيْئًا إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ]، [إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ] ''مرد مومن کا معاملہ بہت ہی تعجب انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو بھی فیصلہ فرمادے وہ بہتر ہی ہوتا ہے اگر اسے کوئی آسودگی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر بجالاتا ہے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے۔''[1]

الغرض مومن وہ ہے جو رنج اور آسودگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش کو سمجھ جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا مذکورہ بالا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔'' یعنی ہم نے انھیں اس طرح اچانک پکڑ لیا کہ انھیں اس کا شعور بھی نہ تھا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ [مَوْتُ الْفُجَاءَةِ (رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ) وَأَخْذَةُ أَسَفٍ عَلَى الْكَافِرِ] ''اچانک موت مومن کے لیے رحمت ہے اور کافر کے لیے افسوس ناک پکڑ۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث:2999 عن صهيب ﷺ. مگر اس کا پہلا جز مسند أحمد: 24/5 عن أنس ﷺ ومسند أبي يعلٰى: 221/7، حديث: 1463 کے مطابق ہے۔ [2] مسند أحمد:136/6 بعض روایات میں کافر کے بجائے فاجر ہے، راحة اور رحمة کے بجائے تخفیف ہے۔ والمصنف لعبد الرزاق:598/3، حديث:6781 [illegible]، البتہ قوسین والے الفاظ مسند احمد کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہیں اور [رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ] کی سند میں ضعف ہے۔ اور باقی حصہ سنن أبي داود، الجنائز، باب في موت الفجأة، حديث:3110 میں بھی ہے۔ ومسند أحمد:424/3 والسنن الكبرٰى للبيهقي، الجنائز، باب في موت الفجاءة: 379,378/3 وشعب الإيمان للبيهقي: 225/7، حديث: 10218.

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿96﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ

(دینِ حق کو) جھٹلایا تو ہم نے انھیں (ان کے برے عملوں کے باعث) پکڑ لیا جو وہ کرتے رہے تھے ﴿96﴾ کیا پھر بستیوں والے اس (بات) سے بے خوف ہو گئے

يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿97﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا

ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آ جائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں؟﴿97﴾ یا بستیوں والے اس (بات) سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن

ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿98﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا

چڑھے آ جائے اور وہ کھیل تماشے میں مصروف ہوں؟﴿98﴾ کیا پھر وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ اللہ کی تدبیر سے بے خوف تو وہی لوگ

الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿99﴾ ع 12/6/2

ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں﴿99﴾

تفسیر آیات:96-99

ایمان کے ساتھ برکت اور کفر کے ساتھ گرفت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان بستیوں والے لوگ بہت کم ایمان لائے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾ (یونس 98:10) ”تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لائی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا۔ ہاں، یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔“ یعنی قوم یونس کے سوا اور کوئی بستی ایسی نہیں جس کے سارے باشندے ایمان لے آئے ہوں۔ ہاں، البتہ قوم یونس نے جب عذاب الٰہی کو آتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ سب کے سب ایمان لے آئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:147,148) ”اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ایمان لے آئے تو ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝﴾ (سبا 34:34) ”اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ”اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے۔“ یعنی ان کے دل اس دین پر ایمان لے آتے جسے رسول لے کر آئے، اس کی تصدیق کرتے، اس کی اتباع کرتے اور طاعات کو بجا لا کر اور محرمات کو ترک کر کے پرہیزگار ہو جاتے ﴿لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ”تو ہم

اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ

کیا ان لوگوں پر واضح نہیں ہوا جو زمین میں (پہلے) بسنے والوں (کی ہلاکت) کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے

بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿100﴾

انھیں مصیبتوں میں مبتلا کر دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں، پھر وہ (کچھ) نہ سن پائیں؟﴿100﴾

ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔‘‘یعنی آسمان سے ان کے لیے بارش برستی اور زمین سے نباتات اگتیں ﴿ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿96﴾ ﴾ ’’لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔‘‘ مطلب یہ کہ انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور گناہوں اور حرام کاموں کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور پر ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی مخالفت اور محرمات کے ارتکاب پر جرأت کرنے سے ڈراتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى ﴾ ’’کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں‘‘ یعنی کافر بستیوں کے رہنے والے ﴿ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿97﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿98﴾ ﴾ ’’کہ ان پر عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں۔ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آنازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں۔‘‘ یعنی مشغولیت وغفلت کی حالت میں عذاب انھیں آلے۔ ﴿ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ ﴾ ’’کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر کا ڈر نہیں رکھتے؟‘‘ یعنی کیا یہ لوگ اللہ کے عذاب، اس کی سزا، اس کی قدرت اور اپنی مدہوشی وغفلت کی حالت میں اس کی گرفت سے نہیں ڈرتے؟ ﴿ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿99﴾ ﴾ ’’(سن لو کہ) اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔‘‘

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مومن نیک کام کرتے ہوئے بھی ڈرتا، لرزتا اور خوف کھاتا ہے۔ اور فاجر گناہ کے کام کرتے ہوئے بھی امن وسکون میں ہوتا ہے۔[1]

تفسیر آیت:100

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ ﴾ ’’کیا ان لوگوں کو جو اہل زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں، یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا؟‘‘ اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے أَوَلَمْ يُبَيِّنْ کیا ہم نے ان کے لیے یہ بیان نہیں کر دیا، ﴿ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ ﴾ کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں پکڑ سکتے ہیں، مجاہد وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا ہم نے ان لوگوں کے لیے یہ بیان نہیں کر دیا

[1] تفسیر الطبری:43/18 نحوہ۔ [2] تفسیر الطبری:14/9.

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

(اے نبی!) یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم آپ سے بیان کرتے ہیں اور یقیناً ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، چنانچہ جس چیز

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿101﴾ وَمَا وَجَدْنَا

کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اس پر ایمان لانے کے روادار نہ ہوئے۔ اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے﴿101﴾ اور ہم نے ان میں سے اکثر میں

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿102﴾

عہد (کا پاس) نہیں پایا اور بلاشبہ ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا﴿102﴾

جو اپنے سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کے بعد زمین میں وارث ہوئے ہیں، انھی کی سیرت کو اپنائے ہوئے، انھی کی طرح کے اعمال بجالا رہے اور اپنے رب کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ ﴿ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں۔'' یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم ان کے ساتھ بھی وہی کچھ کریں جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا تھا۔ ﴿ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿100﴾ ﴾ ''اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔'' یعنی کسی وعظ و نصیحت کو نہ سن سکیں۔ ①

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 128:20) ''کیا یہ بات ان لوگوں کے لیے موجب ہدایت نہ ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے فرقوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں؟ بے شک عقل والوں کے لیے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ ﴾ (السجدة 26:32) ''کیا ان کو اس (امر) سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو جن کے مقاماتِ سکونت میں یہ چلتے پھرتے ہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں نشانیاں ہیں تو یہ سنتے کیوں نہیں؟''

اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ (إبراهيم 45,44:14) ''کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہوگا؟ جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے تم ان کے مکانوں میں رہتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ ﴾ (مريم 98:19) ''اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے، بھلا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا (کہیں) ان کی بھنک (آہٹ) بھی سنتے ہو؟'' یعنی کیا تم ان کے وجود کو دیکھتے ہو؟ یا ان کی آواز کو سنتے ہو؟ علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دشمنوں پر

① تفسير الطبری: 14,13/9.

اس کا عذاب آ ٹوٹا اور اس کے دوستوں کو اس کی طرف سے نعمتیں حاصل ہوئیں، اسی لیے اس کے بعد اس اصدق القائلین اور اس رب العالمین نے یہ فرمایا ہے:

تفسیر آیات :102,101

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط اور قوم شعیب علیہم السلام کے قصے سنائے اور یہ بتایا کہ اس نے اپنے دشمنوں کو کس طرح ہلاک کیا اور اپنے مومن بندوں کو کس طرح نجات عطا فرمائی اور اس نے کافروں کے تمام حیلے بہانے کس طرح ختم کر دیے تھے کیونکہ اس نے اپنے رسولوں علیہم السلام کی زبانی دلائل کے ساتھ حق کو واضح طور پر بیان فرما دیا تھا تو ارشاد فرمایا: ﴿ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ۚ ﴾ ''یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم آپ کو سناتے ہیں۔'' اے نبی! ﴿ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ ﴾ ''اور یقیناً ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔'' جو ان کی خبروں کی صداقت کی دلیل تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 15:17) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ (ھود 11:100,101) ''(اے نبی!) یہ (پرانی) بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض تہس نہس کر دی گئیں۔ اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔''

اور یہاں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ ''تو وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اسے مان لیں۔'' ﴿ بِمَا ﴾ کی ''با'' سببیہ ہے، یعنی رسول ان کے پاس جس چیز کو لے کر آئے، وہ اسے ماننے والے نہیں تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حق کی انھوں نے اسی وقت تکذیب کر دی تھی جب پہلی مرتبہ ان کے پاس آیا تھا (یہ مفہوم ابن عطیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور خوب بیان کیا ہے) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الأنعام 6:109,110) ''اور (مومنو!) تمھیں کیا معلوم ہے (یہ تو ایسے بدبخت ہیں) کہ بلاشبہ ان کے پاس نشانیاں آ بھی جائیں، تب بھی وہ ایمان نہ لائیں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٠١ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ ﴾ ''اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں عہد (کا نباہ) نہیں دیکھا۔'' یعنی اکثر سابقہ امتوں میں عہد کو پورا کرنے کا پاس نہیں تھا، ﴿ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝١٠٢ ﴾ ''اور بلاشبہ ان میں اکثروں کو ہم نے (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا۔''

یہاں ﴿ اِنْ ﴾ مخففہ ہے، یعنی وَلَقَدْ وَجَدْنَا ''اور البتہ تحقیق ہم نے پایا'' کے معنی میں ہے، مطلب یہ کہ ہم نے ان میں سے اکثر کو بدکار اور اطاعت و فرمانبرداری سے خارج ہی پایا۔ اور یہاں عہد سے مراد وہ عہد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

پھر ان (نبیوں) کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا تو انھوں نے ان (نشانیوں) کو نہ مانا، پھر دیکھیے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿103﴾

فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ ﴿103﴾

فرمایا اور وہ ابھی پشتوں ہی میں تھے کہ ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ان کا رب اور مالک ہے اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں تو اس کا انھوں نے اقرار اور عہد و پیمان کیا تھا مگر پھر خود ہی اس کی انھوں نے مخالفت بھی کی، اسے پس پشت پھینک دیا اور کسی دلیل و حجت اور عقل و شریعت کی تائید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے سوا معبودان باطلہ کی پوجا شروع کر دی، حالانکہ خود فطرت سلیمہ ہی اس کے خلاف ہے، اول سے آخر تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اس سے منع فرمایا۔

جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: [وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، فَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ] ”میں نے اپنے تمام بندوں کو دین اسلام پر پیدا کیا تھا مگر شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں دین سے بہکا دیا اور ان کے لیے وہ چیزیں حرام قرار دے دیں جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔“[1] اور صحیحین میں ہے: [كُلُّ مَوْلُودٍ يُّولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ] ”ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔“[2]

تفسیر آیت:103

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ ”پھر ان کے بعد ہم نے بھیجا“ یعنی ان پیغمبروں کے بعد جن کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے، مثلاً: نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى سَائِرِ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ أَجْمَعِينَ ﴿ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ﴾ ”موسیٰ کو نشانیاں دے کر۔“ واضح دلائل و براہین کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ ﴿ وَمَلَا۟ئِهٖ ﴾ یعنی اور اس کی قوم کی طرف ﴿ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ ﴾ ”تو انھوں نے ان کے ساتھ کفر کیا۔“ یعنی از راہِ ظلم و عناد انھوں نے انکار اور کفر کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ (النمل 14:27) ”اور بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کیا جبکہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے، پھر دیکھیے کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟“ جنھوں نے اللہ کے رستے سے روکا، اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو تم دیکھو کہ ان کا انجام کیسا ہوا اور کس

[1] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة ......، حديث:2865 مطوّلًا عن عياض بن حمار رضي الله عنه. وصحيح ابن حبان:423,422/2، حديث:653. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين، حديث:1385 عن أبي هريرة رضي الله عنه. وصحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة ......، حديث:2658. بعض طرق میں ”و“ کے بجائے ”أو“ ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون! بے شک میں سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں﴿104﴾ مجھ پر واجب ہے کہ میں اللہ کی طرف سے حق کے سوا

الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿105﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ

کچھ نہ کہوں۔ تحقیق میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل لایا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے﴿105﴾ فرعون نے کہا:

بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿106﴾

اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو وہ پیش کر، اگر تو سچوں میں سے ہے﴿106﴾

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿107﴾ ښ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا

تب موسیٰ نے اپنا عصا (زمین پر) ڈالا تو وہ اسی وقت اژدہا (بن کر) ظاہر ہوا﴿107﴾ اور موسیٰ نے (بغل سے) اپنا ہاتھ (باہر) نکالا

ع 13/9/3 هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿108﴾ ع

تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا سفید تھا﴿108﴾

طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی آنکھوں کے سامنے ان کے تمام دشمنوں کو دریا میں غرق کر دیا اور یہ فرعون اور اس کی قوم کے لیے انتہائی دردناک سزا تھی جبکہ اللہ کے دوستوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مومنوں کے دلوں کے لیے اس میں تسکین کا بے پناہ سامان تھا۔

تفسیر آیات: 104-106

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے مناظرے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے کس طرح دلیل کے ساتھ لاجواب کر دیا اور فرعون اور اس کی قوم نے قِبطِ مصر کے سامنے کس طرح روشن نشانیوں کو ظاہر کر دیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔'' یعنی مجھے اس ذات گرامی نے رسول بنا کر بھیجا ہے جو ہر چیز کا خالق، پروردگار اور مالک ہے۔

﴿ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ ﴾ یعنی مجھ پر یہ واجب اور حق ہے کہ میں اللہ کے بارے میں صرف وہی خبر دوں جو حق اور سچ ہو کیونکہ میں اس کی جلالت اور عظمتِ شان سے خوب آگاہ ہوں۔ ﴿ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''تحقیق میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حجتِ قاطعہ عطا فرمائی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں تمھارے پاس جو دین لے کر آیا ہوں، وہ ایک سچا دین ہے ﴿ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿105﴾ ﴾ ''تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دو۔'' یعنی انھیں اپنی قید اور تسلط سے رہا کر دو اور چھوڑ دو تاکہ وہ اس ذات گرامی کی عبادت کریں جو تمھارا اور ان کا رب ہے کیونکہ یہ ایک معزز نبی اسرائیل، یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہم السلام کی اولاد ہیں، ﴿ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿106﴾ ﴾ ''فرعون نے کہا اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ۔)'' یعنی فرعون نے کہا کہ موسیٰ! تم جو کچھ کہہ رہے ہو میں

اسے سچ نہیں سمجھتا اور تم نے جو مطالبہ کیا ہے، میں اسے مان نہیں سکتا، لہٰذا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور تمھارے پاس کوئی نشانی ہے تو اسے پیش کرو تا کہ ہم اسے دیکھ لیں۔

تفسیر آیات: 108,107

موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ﴾ سے نر اژدہا مراد ہے۔① سدی اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔②

حدیث فتون میں بروایت یزید بن ہارون از اصبغ بن زید از قاسم بن ابوایوب از سعید بن جُبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت ﴿ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ ﴾ ''تب موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی۔'' کی تفسیر میں مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ ایک ایسے زبردست سانپ کی شکل میں بدل گئی جو اپنا منہ کھولے ہوئے فوراً فرعون کی طرف لپک رہا تھا، فرعون نے جب یہ دیکھا کہ سانپ اس کی طرف آ رہا ہے تو وہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے یہ فریاد کرنے لگا کہ اسے مجھ سے روکو تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے روک دیا۔③

اسی طرح ﴿ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ﴾ ''تو وہ اسی وقت صریح اژدہا (ہوگیا) تھا۔'' کی تفسیر میں سدی کہتے ہیں کہ ثعبان نر سانپ تھا جو اپنا منہ کھولے ہوئے تھا، نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا جبڑا محل کی دیوار پر رکھے ہوئے تھے، پھر وہ فرعون کی طرف بڑھنے لگا تا کہ اسے پکڑ لے فرعون نے اسے دیکھا تو بہت ڈر گیا۔ اپنے تخت سے اس نے چھلانگ لگا دی اور مارے خوف کے اس کی ہوا خارج ہونے لگی اور اس سے پہلے اس کی ہوا خارج نہیں ہوتی تھی، یہ منظر دیکھ کر وہ چیخ اٹھا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اسے پکڑ لو، میں تمھارے ساتھ ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی بھیج دیتا ہوں، موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے پکڑا تو سانپ دوبارہ لاٹھی بن گیا۔④

﴿ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴾ ''اور اپنا ہاتھ (باہر) نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کے لیے سفید تھا۔'' یعنی اپنی قمیص میں داخل کرنے کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو باہر نکالا تو وہ سفید چمک رہا تھا، حالانکہ اس پر برص یا کسی مرض وغیرہ کا کوئی اثر نہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَدۡخِلۡ يَدَكَ فِىۡ جَيۡبِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ ﴾ (النمل 12:27) ''اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو بے عیب سفید نکلے گا۔'' حدیث فتون میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ ﴾ (النمل 12:27) کی تفسیر میں مروی ہے کہ ہاتھ سفید تو ہوگا لیکن اس پر کسی برص وغیرہ کا اثر نہیں ہوگا، موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے دوبارہ اپنی آستین میں داخل کیا تو اس کا رنگ پہلے جیسا ہوگیا۔ مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔⑤

① تفسیر الطبری: 20/9. ② تفسیر الطبری: 20/9. ③ تفسیر الطبری: 20/9 اور حدیث فتون دیکھیے السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا ﴾ (40:20): 6/396-402، حدیث: 11326 و مسند أبی یعلی: 2618 مطوّلًا جدًّا. ④ تفسیر الطبری: 19/9. ⑤ تفسیر الطبری: 21/9.

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿109﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک یہ تو ماہر جادوگر ہے ﴿109﴾ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دے،

مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿110﴾

پس تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ﴿110﴾

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿111﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿112﴾

انھوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی (ہارون) کو مہلت دے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دے ﴿111﴾ (تاکہ) وہ ہر ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں ﴿112﴾

تفسیر آیات: 110,109

فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر قرار دینا: فرعون کا جب ڈر اور خوف دور ہوا اور وہ اپنے تخت پر واپس آ گیا تو ﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ (الشعرآء34:26) ''اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا: بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔'' فرعون کی یہ بات سن کر اس کی قوم کے سرداروں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہنے لگے: ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿109﴾﴾ ''واقعی یہ بہت ماہر جادوگر ہے۔''[1] اور اب آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ وہ کیا کریں؟ کس طرح موسیٰ علیہ السلام کے نور کو بجھائیں، اس کے کلمے کو کس طرح نیچا دکھائیں اور فرعون کے کذب وافتراء کو کس طرح غالب کریں؟

درحقیقت وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ جس کو وہ جادو سمجھتے ہیں اس کی وجہ سے کہیں لوگ موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہی نہ ہو جائیں اور ان کا خیال یہ تھا کہ اگر لوگ موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہو گئے تو اس طرح موسیٰ علیہ السلام غالب آ جائیں گے اور وہ واقعی بنی اسرائیل کو ان کے علاقے سے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن جس سے یہ ڈرتے تھے، وہ ہو کر رہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ (القصص6:28) ''اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔'' جب انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپس میں مشورہ کیا تو وہ اس بات پر متفق ہو گئے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے:

تفسیر آیات: 112,111

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿اَرْجِهْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اسے (فی الحال) مؤخر کر دو۔[2] ﴿وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿111﴾﴾ ''اور شہروں میں نقیب روانہ کر دیجیے۔'' جو تمام علاقوں سے جادوگروں کو جمع کر کے لے آئیں، اس زمانے میں جادو کا بے حد چرچا اور غلبہ تھا اور ان میں سے کچھ لوگ اس وہم وگمان میں مبتلا تھے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی جادوگروں کی طرح شعبدہ

① دراصل امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کا مفہوم واضح کیا ہے کہ یہاں ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿109﴾﴾ ہے اور سورۂ شعراء میں ﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ یعنی پہلی آیت میں یہ ہے کہ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا اور دوسری آیت میں ہے کہ فرعون نے سرداروں سے کہا تو امام رحمہ اللہ نے یہاں فرمایا کہ پہلے فرعون نے یہ بات کہی تھی، پھر اس کی موافقت میں سرداروں نے بھی وہی بات دہرائی۔ ② تفسیر الطبری:24/9.

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿113﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آئے، تو انھوں نے کہا: یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا اگر ہم غالب آ گئے؟ ﴿113﴾ فرعون نے کہا: ہاں، اور بے شک تم (میرے)

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿114﴾

مقرب لوگوں میں سے ہو گے ﴿114﴾

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿115﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو تو ڈال یا (پہلے) ہم ہی (اپنا جادو) ڈالیں ﴿115﴾ موسیٰ نے کہا: (پہلے) تم ڈالو، پھر جب انھوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں)

اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿116﴾

ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انھیں (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپوں سے) ڈرایا، اور وہ بہت بڑا جادو لائے تھے ﴿116﴾

بازی سے کام لیتے ہیں، اس لیے انھوں نے ملک بھر سے جادوگروں کو جمع کیا تاکہ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں اس طرح کی چیزیں پیش کریں جس طرح کی انھوں نے پیش کی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرعون نے کہا تھا: ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ○ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ○﴾ (طٰہٰ 20:58-60) ''چنانچہ ہم بھی تیرے مقابل ایسا ہی جادو لائیں گے، لہٰذا تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لے، نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو (اور یہ مقابلہ) ایک ہموار میدان میں (ہوگا) اس نے کہا کہ آپ کے لیے یوم زینت (جشن) کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے اکٹھے کیے جائیں، چنانچہ فرعون (محل میں) لوٹ گیا، پھر اپنی ساری چالیں جمع کر کے دوبارہ (میدان میں) آیا۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ ﴾...... ﴿لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿114﴾﴾۔

تفسیر آیات: 114,113

جادوگروں کا جمع ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب فرعون اور ان جادوگروں کے مابین یہ شرط طے پا گئی جن کو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے بلایا تھا کہ اگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو فرعون انھیں بہت زیادہ اجرت دے گا، فرعون نے ان سے اس کا وعدہ کر لیا کہ وہ انھیں نہ صرف بہت زیادہ اجرت عطا کرے گا بلکہ انھیں ہم نشینوں اور مقربین میں سے بھی بنا لے گا جب انھوں نے فرعون ملعون سے یہ پختہ عہد و پیمان لے لیا تو (آگے دیکھیے تفسیر آیت: 115)

تفسیر آیات: 116,115

جادوگروں نے حضرت موسیٰ کو دعوت مبارزت دیتے ہوئے کہا: ﴿اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿115﴾﴾ ''کہ موسیٰ! یا تو (پہلے) تم ڈالو یا ہم (جادو کی چیز) ڈالتے ہیں۔'' یعنی آپ سے پہلے ہم ڈال دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ○﴾ (طٰہٰ 20:65) ''یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔'' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿اَلْقُوْا ۚ﴾ ''(پہلے) تم (ہی اپنی چیزیں) ڈالو۔'' بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ جادوگروں کے کرتب کو

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿117﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو (بھی) اپنا عصا ڈال۔ (جب اس نے ڈالا) تو وہ دیکھتے دیکھتے (اژدہا بن کر ان سانپوں کو) نگلنے لگا جو وہ (جادوگر) گھڑتے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿118﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿119﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿120﴾

تھے ﴿117﴾ بالآخر حق ثابت ہوگیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے، باطل ٹھہرا ﴿118﴾ تب وہ جادوگر وہیں مغلوب ہوگئے اور ذلیل وخوار ہوکر پیچھے ہٹ آئے ﴿119﴾ اور

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿121﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿122﴾

جادوگر (بے اختیار) سجدے میں گر پڑے ﴿120﴾ انھوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ﴿121﴾ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ﴿122﴾

دیکھ لیں، اس پر خوب غور کر لیں اور جب جادوگر اپنا سارا کرتب اور کرشمہ دکھا لیں تو پھر موسیٰ علیہ السلام سے مطالبے کے جواب میں اور حق کے انتظار کے بعد جب ان کے پاس واضح اور جلی حق آئے گا تو وہ نفوس انسانی کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہوگا اور ہوا بھی ایسا ہی تھا۔ وَاللّٰہُ أَعْلَم.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ ﴾ ''تو جب انھوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا کر) انھیں ڈرا دیا۔'' انھوں نے نظروں میں یہ خیال ڈال دیا کہ انھوں نے جو کرتب دکھایا ہے، حقیقت میں بھی وہ اسی طرح ہے، حالانکہ یہ خیال اور نظر کے دھوکے کی محض ایک کرشمہ سازی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ○ ﴾ (طٰہٰ 20:67-69) ''تو (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا، ہم نے کہا: خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی غالب ہو اور جو چیز (لاٹھی) تمھارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو کہ جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، اس کو نگل جائے گی، جو کچھ انھوں نے بنایا ہے (یہ تو) جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں سے بھی آئے فلاح نہیں پائے گا۔''

سفیان بن عُیَینہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لاٹھیاں ڈالی تھیں اور ان کے جادو کی وجہ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ میدان میں ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں۔ [1]

تفسیر آیات: 117-122

موسیٰ علیہ السلام کا غالب آنا اور جادوگروں کا ایمان لانا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس عظیم الشان مقابلے کے وقت، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں واضح طور پر فرق فرما دیا تھا، اپنے عبد اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ ان کے دائیں ہاتھ میں جو چیز ہے، یعنی لاٹھی، وہ اسے ڈال دیں ﴿ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿117﴾ ﴾ ''تو وہ فورًا (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) نگل جائے گی۔'' یعنی جو چیز یہ ڈال رہے اور اس کے بارے میں یہ خیال پیدا کر رہے ہیں کہ وہ حق ہے، حالانکہ وہ باطل ہے، اسے تمھاری لاٹھی کھا جائے گی۔

[1] تفسیر الطبری: 27/9.

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ

فرعون نے کہا: (کیا) تم میرے اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے ہو؟ بے شک یہ مکر ہے، تم نے اس شہر میں (مل کر) یہ مکر کیا ہے تاکہ یہاں

فِی الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿123﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

رہنے والوں کو اس (شہر) سے نکال دو، پھر جلد ہی (اس کا نتیجہ) تم جان لو گے ﴿123﴾ میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے ضرور کاٹ دوں گا، پھر میں

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿124﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿125﴾ ۚ

تم سب کو ضرور سولی پر لٹکاؤں گا ﴿124﴾ انھوں نے کہا: بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿125﴾ اور (اے فرعون!) تو ہمیں صرف اس بات کی

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

سزا دے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے ہیں، جب وہ ہمارے پاس آگئیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں

وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿126﴾ ع 14/18/4

اس حال میں فوت کر کہ ہم مسلمان ہوں ﴿126﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جادوگروں کی جس رسی یا لاٹھی کے پاس سے گزرتی، اسے فوراً کھا جاتی، اس سے جادوگروں کو یہ معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کا جادو سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کے اس عمل کو آسمانی تائید حاصل ہے۔ اس لیے وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے اور پکار اٹھے: ﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿121﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿122﴾ ﴾ ''ہم سارے جہان کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔''[1]

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے بننے والے سانپ نے جادوگروں کی ڈالی ہوئی ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی کو نگلنا شروع کر دیا حتی کہ میدان میں جادوگروں کی ڈالی ہوئی کوئی چھوٹی رسی اور لاٹھی بچی نہ کوئی بڑی، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس سانپ کو پکڑ لیا تو وہ حسب سابق ان کے ہاتھ میں پھر لاٹھی بن گیا، یہ منظر دیکھ کر جادوگر فوراً سجدے میں گر گئے اور پکار اٹھے کہ ہم اللہ رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے ایمان لاتے ہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اگر جادوگر ہوتے تو وہ ہم پر کبھی بھی غالب نہ آ سکتے۔[2]

قاسم بن ابوبزّہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیج دی کہ تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو، چنانچہ انھوں نے جب اپنی لاٹھی کو ڈالا تو وہ ایک ایسا بہت بڑا اژدہا بن گیا جس نے اپنے منہ کو کھولا ہوا تھا اور جو جادوگروں کی ڈالی ہوئی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا، یہ منظر دیکھ کر تمام جادوگر سجدہ ریز ہو گئے اور جب انھوں نے اپنے سروں کو سجدے سے اٹھایا تو انھوں نے جنت و جہنم اور دونوں میں جانے والوں کے ثواب و عذاب کا بھی نظارہ کیا۔[3]

تفسیر آیات: 123-126

ایمان لانے کے بعد جادوگروں کو فرعون کی دھمکی اور ان کا جواب: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب

[1] تفسیر الطبری: 28/9. [2] تفسیر الطبری: 29/9. [3] تفسیر الطبری: 29/9.

جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو فرعون ملعون نے انھیں کیا دھمکی دی اور لوگوں کے سامنے کس مکر وفریب کا اظہار کیا تھا۔ اس نے جادوگروں سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ﴾ ''بے شک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تا کہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔'' یعنی آج کے دن موسیٰ علیہ السلام کا تم پر غالب آنا تمھارے باہمی مشورے اور رضامندی سے تھا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ (طٰهٰ 71:20) ''بے شک وہ تمھارا بڑا (استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔'' فرعون خود بھی جانتا تھا اور ہر وہ شخص بھی جس میں ادنیٰ سی بھی عقل تھی کہ فرعون کی یہ بات بے حد باطل تھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے تو مدین سے آتے ہی فرعون کو اللہ کی طرف دعوت دینا شروع کر دی تھی اور اپنی صداقت کے نمایاں معجزات اور قطعی دلائل پیش کیے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے خود فرعون ہی نے اپنے ملک کے مختلف شہروں میں نمائندوں کو بھیج کر جادوگروں کو جمع کیا تھا اور انھیں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے تیار کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام پر غالب آنے کی صورت میں بے پناہ انعام واکرام کا وعدہ کیا تھا، اس لیے جادوگروں کی بھی شدید خواہش تھی کہ وہ اس مقابلے میں کامیاب ہوں تا کہ وہ زبردست انعام بھی حاصل کریں اور فرعون کے دربار میں بلند مقام ومرتبہ بھی، موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے تھے، نہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی ان میں سے کسی کو دیکھا تھا یا کسی سے کبھی کوئی ملاقات ہی کی تھی، فرعون کو بھی ان ساری باتوں کا علم تھا لیکن اس نے اپنی حکومت کے کارندوں اور جاہل عوام سے حقیقت کو چھپانے اور انھیں مبتلائے فریب کرنے کے لیے یہ کہا تھا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے: ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ﴾ (الزخرف 54:43) ''تو اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی اور انھوں نے اس کی بات مان لی۔'' فرعون کی قوم کائنات کے تمام لوگوں سے زیادہ جاہل اور گمراہ تھی کہ اس نے تو فرعون کی یہ بات بھی صحیح مان لی تھی کہ ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ (النّٰزعٰت 24:79) ''تمھارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔''

سدی نے اپنی تفسیر میں اپنی مشہور سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے سرکوپ کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے اس سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ اگر میں تم پر غالب آ گیا تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے اور اس بات کی گواہی دو گے کہ میں جو لایا ہوں یہ حق ہے؟ جادوگر نے جواب دیا کہ میں کل ایسے جادو کا مظاہرہ کروں گا کہ اس پر کوئی جادو غالب نہ آ سکے گا لیکن اللہ کی قسم! اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں تم پر ایمان بھی لے آؤں گا اور اس بات کی گواہی بھی دوں گا کہ تم جس دین کو لے کر آئے ہو یہ ایک سچا دین ہے، فرعون دونوں کو باتیں کرتے ہوئے اس وقت دیکھ رہا تھا، اسی وجہ سے اس نے کہا تھا کہ ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ﴾ یعنی تم اور وہ جمع ہو جاؤ، تمھیں حکومت اور اقتدار حاصل ہو جائے، یہاں کے اکابر اور سرداروں کو نکال دو اور سارا تصرف اور اقتدار تمھیں حاصل ہو جائے[1]

[1] تفسیر الطبری:31/9.

﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''چنانچہ عنقریب تم معلوم کرلو گے۔'' کہ میں تمھارے ساتھ کیا کروں گا۔

پھر خود ہی اس نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾ ''میں (پہلے تو) تمھارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کو ضرور کاٹ دوں گا۔'' یعنی وہ آدمی کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کو یا بائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کو کاٹ ڈالے گا۔ ﴿ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''پھر تم سب کو ضرور سولی چڑھا دوں گا۔'' ایک دوسری آیت میں ہے کہ اس نے یہاں ﴿ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ (طٰہٰ20:71) کے الفاظ بھی استعمال کیے تھے اور یہاں ﴿ فِيْ ﴾ بمعنی عَلٰی ہے، یعنی کہا کہ میں تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرعون ہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے انسانوں کو سولی دی اور جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی۔[1] جادوگروں نے جواب دیا: ﴿ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' یعنی ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ ہم نے ایک دن اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس کا عذاب تیرے عذاب سے زیادہ سخت ہو گا اور تو ہمیں جس چیز کی دعوت دے رہا اور جس جادو پر مجبور کر رہا ہے اس پر اس کی سزا تیری سزاؤں سے زیادہ شدید ہو گی، لہٰذا آج ہم تیرے عذاب کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیں گے تاکہ کل اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔

اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ﴾ ''اے پروردگار! ہم پر صبر واستقامت کے دہانے کھول دے۔'' یعنی اس قدر صبر و استقامت عطا فرما کہ تیرے دین پر ثابت قدم رہ سکیں ﴿ وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور ہمیں اسلام کی حالت میں ہی فوت کرنا'' کہ ہم تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والے ہوں۔ اور فرعون کو جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا تھا: ﴿ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ20:72-75)

''تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے، وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں ہے۔ بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (اسے بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، بے شک جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گناہ گار ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جیے گا اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں۔''

دن کے ابتدائی حصے میں یہ لوگ جادوگر تھے مگر آخری حصے میں نیکوکار اور شہداء بن گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبید بن عمیر، قتادہ اور ابن جریج رحمہم اللہ نے بھی ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں جادوگر تھے مگر آخری حصے

[1] تفسیر الطبری: 9/32،33.

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور فرعون کی قوم کے چودھریوں نے (اس سے) کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا، تاکہ وہ زمین میں فساد کریں اور وہ (موسیٰ) تجھے اور

فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

تیرے معبودوں کو چھوڑ دے؟ فرعون نے کہا: ہم ان کے (نومولود) بیٹے قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیاں چھوڑ دیں گے اور بے شک ہم ان پر پورا

وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿127﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ

غلبہ رکھتے ہیں﴿127﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے

الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿128﴾ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا

اس کا وارث بناتا ہے، اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے﴿128﴾ انھوں نے (موسیٰ سے) کہا: ہمارے پاس تمھارے آنے سے پہلے بھی

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

ہمیں تکلیفیں دی گئیں اور تمھارے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا: امید ہے کہ تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمھیں زمین میں

15 ع 3 5 وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿129﴾ ع

جانشین بنا دے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو﴿129﴾

میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ ①

تفسیر آیات: 127-129

قوم کا اکسانا اور فرعون کا بنی اسرائیل کے قتل کے لیے تیار ہونا: فرعون اور اس کے سرداروں نے جس چیز پر اتفاق کیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے اپنے دلوں میں جو نفرت اور بغض چھپائے ہوئے تھے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے۔'' فرعون سے: ﴿اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ ''کیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا تاکہ وہ زمین میں خرابی کریں۔'' یعنی تیری رعایا کو خراب کر دیں اور تجھے چھوڑ کر وہ انھیں اپنے رب کی عبادت کی دعوت دیں، کس قدر تعجب انگیز ہے یہ بات کہ یہ لوگ اس بات سے ڈرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ملک میں خرابی کریں گے، حالانکہ زمین میں فساد برپا کرنے والا تو فرعون اور اس کی قوم ہی تھی اور انھیں اس کی خبر بھی نہ تھی، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ﴾ ''اور وہ (موسیٰ) تجھے اور تیرے معبودوں سے دست کش ہو جائیں گے؟''

سدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ معبودوں سے مراد گائے ہے، وہ جب بھی کسی خوبصورت گائے کو دیکھتے تو فرعون انھیں اس کی عبادت کا حکم دیتا۔ اسی وجہ سے سامری نے بھی بچھڑے کا ایک ایسا قالب بنایا تھا جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ ②

① تفسیر الطبری:9/33,32. ② تفسیر الطبری:9/34.

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا

اور بلاشبہ ہم نے آلِ فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں﴿۱۳۰﴾ پھر جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے: یہ ہمارے

جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ

ہی لیے ہے، اور اگر انھیں بدحالی آلیتی تو اسے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست ٹھہراتے۔ خبردار! ان کی نحوست اللہ کے پاس (مقدر) ہے اور لیکن

مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

ان میں اکثر (لوگ) نہیں جانتے﴿۱۳۱﴾

فرعون نے سرداروں کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ﴾ ''عنقریب ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔'' اس فعل کے بارے میں فرعون کا یہ دوسرا حکم تھا اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل بھی وہ موسیٰ کی قوم کو یہ سزا دے چکا تھا کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے سے ڈرتا تھا مگر فرعون کے قصد وارادے کے خلاف وہ ہو کر رہا جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اسی طرح اس نے جب بنی اسرائیل کو ذلیل اور مغلوب کرنا چاہا، پھر بھی اس کے ارادے کے برعکس ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عزت عطا فرمائی اور فرعون کو ذلیل وخوار کرتے ہوئے اسے اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔

بہرحال فرعون نے جب بنی اسرائیل کے ساتھ برا سلوک کرنے کا ارادہ کیا تو ﴿قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ ''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔'' اور موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ ان کا انجام اچھا ہوگا اور زمین کی ملکیت انھیں حاصل ہو کر رہے گی: ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْۤا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ﴾ ''یقیناً زمین تو اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے، وہ بولے کہ تمھارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور آنے کے بعد بھی۔'' یعنی انھوں نے ہمیں اس ذلت ورسوائی سے آپ کے آنے سے پہلے بھی دوچار کیا اور بعد میں بھی تو موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ان کی موجودہ حالت، پھر دوسری جس حالت سے دوچار ہوں گے، اس سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾﴾ ''قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔'' اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ترغیب دی کہ تم یہ عزم کر لو کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں نعمتیں حاصل ہوں گی اور مصیبتیں ختم ہوں گی تو تم نے اس کا شکر بجا لانا ہوگا۔

تفسیر آیات: 131,130

قوم فرعون کی قحط کے ساتھ آزمائش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے فرعونیوں کو پکڑا۔'' یعنی ان کو امتحان اور آزمائش میں ڈالا ﴿بِالسِّنِیْنَ﴾ ''قحطوں میں'' یعنی فصلوں میں کمی کے سبب ہم نے انھیں قحط

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ

اور انھوں نے (موسیٰ سے) کہا: خواہ تم ہمارے پاس کوئی نشانی لے آؤ تا کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو کر دو تو بھی ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿132﴾ پھر

الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

ہم نے ان پر طوفان، ٹڈی دَل، جوئیں، مینڈکوں اور خون (کا عذاب) بھیجا (یہ) الگ الگ نشانیاں تھیں، پھر بھی انھوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿133﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ

مجرم ﴿133﴾ اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تو کہتے: اے موسیٰ! تو اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے، اگر تو ہم سے

عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿134﴾ فَلَمَّا

عذاب ہٹا دے تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے ﴿134﴾ پھر جب ہم ان سے ایک مقرر وقت تک

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿135﴾

عذاب ہٹا لیتے، جس تک وہ بہر حال پہنچنے والے ہوتے، تو یکا یک وہ عہد توڑ دیتے ﴿135﴾

میں مبتلا کر دیا۔ ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ ''اور میووں کے نقصان میں۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ نقصان پہلے کے علاوہ ہے۔[1] ابو اسحاق نے رجاء بن حَیْوَہ سے روایت کیا ہے کہ اس وقت کھجور کے درخت ایک ہی پھل دیتے تھے۔[2] ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿130﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ﴾ ''تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پھر جب ان کو آسائش حاصل ہوتی'' یعنی پیداوار اور رزق کی فراوانی حاصل ہوتی تو ﴿قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ ''کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی'' خشک سالی اور قحط کی صورت میں ﴿يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ﴾ ''تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔'' اور کہتے کہ یہ ان کے اور جو دین وہ لائے ہیں، اس کے سبب ہے۔ ﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''دیکھو! ان کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے۔''

علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿طٰٓئِرُهُمْ﴾ بمعنی مصائبهم ہے، یعنی ان کے مصائب اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہیں۔[3] ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿131﴾﴾ ''لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔''

تفسیر آیات: 132-135

قوم فرعون کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف عذاب: اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی سرکشی، نافرمانی، حق کے لیے دشمنی اور باطل پر اصرار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾﴾ ''تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔'' یعنی انھوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس جو بھی نشانی لاؤ اور جو دلیل بھی پیش کرو ہم اسے رد کر دیں گے اور کبھی بھی قبول نہیں کریں گے اور نہ تم پر اور تمھارے دین پر ایمان لائیں گے۔

[1] تفسیر الطبری:39/9. [2] تفسیر الطبری:39/9. [3] تفسیر الطبری:40/9.

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ ﴾ ''تو ہم نے ان پر طوفان بھیجا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان پر اس قدر کثرت کے ساتھ بارشیں نازل کی گئیں جن سے ان کی فصلیں اور پھل تباہ و برباد ہو گئے [1] اور ایک روایت کے مطابق اس سے کثرتِ موت مراد ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ طوفان سے ہر حال میں پانی اور طاعون ہی مراد ہے۔[3]

اور ﴿ وَالْجَرَادَ ﴾ سے مراد ٹڈی ہے جو ایک مشہور و معروف جانور ہے جو کھایا بھی جاتا ہے۔ صحیحین میں ابو یعفور سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابو اوفیٰ سے ٹڈی کے بارے میں سنا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں ٹڈی کو کھایا۔[4]

امام شافعی، احمد بن حنبل اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی اپنے باپ سے اور ان کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، (فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ:) فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ (وَأَمَّا الدَّمَانِ) فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ] ''ہمارے لیے دو مردہ چیزیں اور دو خون حلال قرار دے دیے گئے ہیں: اور ہاں! مردہ چیزوں سے مراد مچھلی اور ٹڈی اور دو خونوں سے مراد جگر اور تلی ہیں۔''[5] ابن ابو نجیح نے اس آیت ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ ﴾ کے بارے میں امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ٹڈی ان کے دروازوں کے کیلوں کو تو کھا جاتی مگر لکڑی کو چھوڑ دیتی تھی۔[6]

﴿ وَالْقُمَّلَ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کیڑا ہے جو گندم کے دانے سے نکلتا ہے [7] اور آپ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چھوٹی ٹڈی ہے جس کے پر نہیں ہوتے، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[8] حسن اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ قُمّل سے سیاہ رنگ کے چھوٹے کیڑے مراد ہیں۔[9]

امام ابن جریر نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس آئے تو انھوں نے اس سے کہا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دو مگر فرعون نے انھیں اجازت نہ دی تو اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر طوفان کو بھیج دیا اور اس سے مراد وہ بارش ہے جو اس قدر شدید تھی کہ فرعونی ڈر گئے کہ یہ کہیں عذاب ہی نہ ہو، اس لیے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ اس بارش کو روک لے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمھارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش کو روک دیا مگر وہ ایمان لائے نہ انھوں نے بنی اسرائیل ہی کو

---

[1] تفسير الطبرى:41/9. [2] تفسير الطبرى:42/9. [3] تفسير الطبرى:42/9. [4] صحيح البخارى، الذبائح والصّيد، باب أكل الجراد، حديث:5495 وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الجراد، حديث:1952. [5] كتاب الأم للشافعى، الصيد والذبائح، ذكاة الجراد والحيتان:177/3 ، حديث: 1444 ومسند أحمد:97/2 واللفظ له وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الكبد والطحال، حديث:3314. [6] تفسير الطبرى:53/9 وتفسير ابن أبى حاتم: 1546/5. [7] تفسير الطبرى:44/9. [8] تفسير الطبرى:44/9. [9] تفسير الطبرى:45/9.

جانے کی اجازت دی۔ تو اس سال ان کی فصلیں، پھل اور گھاس وغیرہ اس قدر کثرت سے پیدا ہوئے کہ اس کی پہلے کوئی مثال نہ تھی، فرعونی کہنے لگے کہ ہماری تمنا تھی کہ ایسی ہی فصلیں اور پھل پیدا ہوا کریں، ادھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی کو بھیج دیا اور اسے گھاس پر مسلط کیا، فرعونیوں نے جب گھاس پر ٹڈی کا اثر دیکھا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ ان کی فصلیں بھی ان سے باقی نہ بچیں گی، اس لیے وہ پھر موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنے لگے کہ موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ٹڈی کو دور کر دے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی جانے کی اجازت دے دیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ٹڈیوں کو دور فرما دیا مگر وہ پھر بھی ایمان لائے نہ انھوں نے بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دی۔ انھوں نے فصلوں کی پیداوار کو حاصل کر کے گھروں میں محفوظ کر لیا اور کہنے لگے کہ اب ہم ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیڑوں کو بھیج دیا اور اس سے مراد وہ کیڑے ہیں جو غلے میں پیدا ہو جاتے ہیں، وہ آٹا پیسنے کے لیے غلے کی دس بوریاں چکی کی طرف لے کر جاتے مگر آٹا صرف تین من واپس لے کر آتے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر یہ کہنے لگے کہ موسیٰ! تم اپنے رب سے یہ دعا کرو کہ وہ ان کو دور کر دے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمھارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیڑوں کو دور کر دیا مگر انھوں نے پھر بھی بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس بیٹھے تھے کہ انھوں نے مینڈک کے ٹرّانے کی آواز سنی تو فرعون سے کہا کہ تم اور تمھاری قوم اس سے کیا کوئی تکلیف محسوس تو نہیں کرتے؟ فرعون کہنے لگا: کیا تم نے تو کوئی چکر نہیں چلا دیا۔ شام ہوئی تو مینڈکوں کی اس قدر بہتات ہو گئی کہ جب کوئی آدمی بیٹھتا تو اس کی ٹھوڑی تک مینڈک آ جاتے اور جب وہ بات کرنا چاہتا تو مینڈک اچھل کر اس کے منہ میں چلے جاتے، فرعونیوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم سے ان مینڈکوں کو دور کر دے تو ہم تمھارے ساتھ ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی جانے کی اجازت دے دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اس نے مینڈکوں کو ان سے دور کر دیا مگر وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کو بھیج دیا جس کی وجہ سے ان کی نہروں، کنوؤں اور برتنوں کا پانی سرخ رنگ کے تازہ خون میں تبدیل ہو گیا، فرعونیوں نے فرعون سے کہا کہ ہم خون کے عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اب ہمارے پاس پینے کے لیے پانی بھی نہیں ہے، فرعون نے کہا کہ موسیٰ نے تم پر جادو کر دیا ہے، فرعونی کہنے لگے کہ اس نے جادو کہاں کیا ہے! ہمارے برتنوں کا تمام پانی خون میں تبدیل ہو گیا ہے، پھر وہ موسیٰ کے پاس آ کر عرض کرنے لگے کہ اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہم سے اس خون کو دور کر دے تو ہم تیرے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی جانے کی اجازت دے دیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اس نے اسے دور کر دیا مگر فرعونی ایمان لائے اور نہ انھوں نے بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت ہی دی۔[1] حضرت

---

[1] تفسیر الطبری: 46/9.

ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی، قتادہ اور دیگر کئی ایک علمائے سلف سے بھی تقریباً اسی طرح مروی ہے۔

امام محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب جادوگر ایمان لے آئے تو فرعون بہت دل شکستہ اور افسردہ خاطر لوٹا لیکن پھر بھی اس نے کفر اور شر ہی پر قائم رہنے کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مسلسل کئی نشانیاں دکھائیں، مثلاً: قحط سالی میں مبتلا کیا، طوفان بھیجا، پھر یکے بعد دیگرے ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں اور خون کے عذاب میں مبتلا کیا اور یہ وہی ﴿ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ﴾ یعنی بہت واضح نشانیاں تھیں۔ طوفان، یعنی پانی بھیجا جو سطح زمین پر بہنے لگا، پھر پانی ٹھہر گیا کہ ان کے لیے کاشت کاری یا کوئی اور کام کرنا ممکن نہ تھا اور جب وہ شدید بھوک میں مبتلا ہو گئے تو ﴿ قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ ''کہتے کہ موسیٰ! ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے، اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی ضرور لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمھارے ساتھ ضرور بھیج دیں گے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا مگر انھوں نے موسیٰ سے جو وعدے کیے تھے، ان میں سے کسی ایک کو بھی پورا نہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی کو بھیج دیا جس نے درختوں کو کھا لیا جیسا کہ مجھے خبر پہنچی ہے حتی کہ ٹڈی نے ان کے دروازوں کے کیلوں کو کھانا بھی شروع کر دیا تاکہ ان کے گھر اور مکانات وغیرہ گر جائیں، انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے کہا جیسا کہ پہلے کہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عذاب کو دور کر دیا مگر فرعونیوں نے اپنے وعدے کو نہ پورا کرنا تھا نہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جوؤں کو بھیج دیا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ایک ٹیلے کے پاس جائیں اور اس پر اپنا عصا ماریں۔ موسیٰ علیہ السلام ایک بڑے بلند ٹیلے کے پاس چلے گئے، آپ نے اس پر اپنا عصا مارا تو فرعونیوں پر جوئیں اس قدر کثرت کے ساتھ پھیل گئیں حتی کہ گھروں میں اور کھانے پینے کی تمام چیزوں میں جوئیں ہی جوئیں نظر آنے لگیں جس کی وجہ سے ان کی نیند اور ان کا سکون ختم ہو گیا اور جب وہ بہت زیادہ مشکل میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں اسی طرح عرض کی جیسا کہ پہلے عرض کی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عذاب کو دور فرما دیا مگر فرعونیوں نے اپنے وعدے کو قطعاً پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کو بھیج دیا۔ ان کے گھر، کھانے پینے کی چیزیں اور تمام برتن مینڈکوں سے بھر گئے۔ ان میں سے کوئی شخص جب بھی کسی کپڑے کو کھولتا یا کھانے پینے کی کسی چیز کو دیکھتا تو مینڈک ہی مینڈک نظر آتے جب فرعونی اس کی وجہ سے بہت مشکل میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کی طرح درخواست کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عذاب کو دور فرما دیا مگر فرعونیوں نے اپنے وعدے کو قطعاً پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب بھیج دیا، آل فرعون کے پانی خون سے بدل گئے۔ وہ جب بھی کسی کنویں یا نہر سے پانی پینا چاہتے یا برتن میں بھرے

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿136﴾

پھر ہم نے ان سے انتقام لیا تو انھیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے بے پروا ہو گئے تھے ﴿136﴾ اور ہم نے ان

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ

لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، اس زمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔ اور (اے نبی! اس طرح) بنی اسرائیل

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ

کے حق میں آپ کے رب کا اچھا وعدہ پورا ہوا، اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا تھا۔ اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ تباہ کر دیا جو (کارخانے) وہ

فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾

بناتے اور جو (محلات کی عمارتیں) وہ اٹھاتے تھے ﴿137﴾

ہوئے پانی کو دیکھتے تو انھیں ہر جگہ تازہ خون ہی خون نظر آتا تھا۔ [1]

تفسیر آیات: 137,136

آلِ فرعون کو دریا میں غرق کرنا اور بنی اسرائیل کو مقدس سرزمین کا وارث بنانا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب فرعونی بغاوت وسرکشی میں حد سے بڑھ گئے، حالانکہ انھیں یکے بعد دیگرے متواتر کئی بار مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیتے ہوئے انھیں دریا میں غرق کر دیا، یہ وہی دریا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے رستے بنا دیے تھے اور وہ سلامتی کے ساتھ دریا کو عبور کر گئے تھے پھر ان کے تعاقب میں جب فرعون اور اس کے لشکر اسی دریا میں داخل ہوئے تو یہ رستے ختم ہو گئے، دریا کا پانی حسب سابق مل گیا اور فرعون اپنے تمام لشکروں سمیت غرق ہو گیا کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہ صرف غفلت کا مظاہرہ کیا بلکہ ان کی صریحًا تکذیب بھی کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ فرعونیوں کو غرق کرنے کے بعد اس نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، یعنی بنی اسرائیل، ان کو زمین کے مشرق ومغرب کا وارث بنا دیا۔ امام حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہاں زمین سے مراد ملک شام ہے۔ [2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ﴾ ''اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمھارے پروردگار کا وعدۂ نیک پورا ہوا۔'' امام مجاہد اور ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس وعدۂ نیک سے مراد حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: [3] ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝﴾ (القصص 28:5،6) ''اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں، ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انھیں (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

[1] تفسیر الطبری: 9/50،51. [2] تفسیر الطبری: 9/58. [3] تفسیر الطبری: 9/59 لیکن امام مجاہد نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى

اور (جب) ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا، تو ان کا ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: اے

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا

موسیٰ! تو ہمارے لیے ایک معبود بنا دے جس طرح کہ ان کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا: بے شک تم لوگ تو (نرے) جاہل ہو﴿138﴾ یہ لوگ جس کام میں

هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾

لگے ہیں یقیناً وہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ باطل ہے﴿139﴾

﴿ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ ﴾ ''اور فرعون اور قوم فرعون جو بناتے تھے، سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔'' یعنی فرعون اور اس کی قوم نے جو عمارات اور کھیت بنائے تھے، ہم نے سب تباہ کر دیے، ﴿ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾ ﴾ ''اور ان (محلات) کو جو وہ بلند کرتے تھے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ يَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ جو وہ بناتے تھے۔[1]

تفسیر آیات: 139,138

بنی اسرائیل کا دریا کے پار اترنا: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو ہم نے دریا کے پار اتار دیا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی عظیم قدرتوں کا مشاہدہ کیا، ﴿ فَاَتَوْا ﴾ یعنی وہ گزرے ﴿ عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ ﴾ ''ایسے لوگوں کے پاس سے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لیے بیٹھے رہتے تھے۔''

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کنعانی تھے، بعض کے بقول یہ لخم تھے۔[2] امام ابن جریج[3] نے لکھا ہے کہ یہ لوگ گائے کی صورت کے مطابق بنے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے تو اس بات نے ان کے دلوں میں پھر سے بچھڑے کی محبت کا ولولہ تازہ کر دیا۔[4] اور ان جاہلوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کر دیا کہ ﴿ يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ ﴾ ''موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو، موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور اس بات سے جاہل ہو کہ یہ واجب ہے کہ اس کی ذات گرامی کو ہر قسم کے شریک اور مثیل سے پاک قرار دیا جائے۔ ﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ ﴾ ''بے شک یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں، وہ برباد ہونے والا ہے۔'' ﴿ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾ ﴾ ''اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں۔''

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف جا رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ کفار کا بیری کا ایک درخت ہے جس کے پاس وہ بیٹھے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ وہ اپنے اسلحے کو بھی لٹکا لیتے ہیں، اس درخت کو ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا، اس کے بعد ہم بیری کے

[1] تفسیر الطبری:9/60. [2] تفسیر الطبری:9/61. [3] بعض نسخوں میں ابن جریر ہے۔ [4] تفسیر الطبری:9/61.

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿140﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ

موسیٰ نے کہا: کیا میں تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی (اور) معبود تلاش کروں، جبکہ اسی نے تمھیں سب جہانوں پر فضیلت دی ہے؟﴿140﴾ اور (اے بنی

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ

اسرائیل! یاد کرو) جب ہم نے تمھیں فرعون کی قوم سے نجات دی، وہ تمھیں برا عذاب چکھاتے تھے، تمھارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمھاری عورتوں

16 ع 12 6

ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿141﴾ ع

(بیٹیوں) کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی﴿141﴾

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا (کہ وہ اتنی راتیں کوہ طور پر گزارے) اور ہم نے انھیں (مزید) دس راتوں کے ساتھ پورا کیا، یوں اس کے رب کی

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ

(مقرر کی ہوئی) چالیس راتوں کی مدت پوری ہوگئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: تو میری قوم میں میرے پیچھے جانشین بن جا، اور (ان کی)

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿142﴾

اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا﴿142﴾

ایک بہت بڑے اور سرسبز وشاداب درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیجیے جیسا کہ کافروں کے لیے ایک ذاتِ انواط ہے تو آپ نے فرمایا: [قُلْتُمْ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسٰى: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾ إِنَّهَا السُّنَنُ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمھاری یہ بات اسی طرح ہے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا: ''جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو، موسیٰ نے کہا کہ بے شک تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں۔'' بے شک یہ پہلے لوگوں کے طور طریقے ہیں اور تم ضرور ان کی روش اختیار کرو گے۔''[1]

تفسیر آیات: 140، 141

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی کے ساتھ نصیحت: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں کہ اس نے انھیں فرعون کی قید اور اس کے قہر سے نجات بخشی، ان کی ذلت و رسوائی کو عزت و سربلندی سے بدل دیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو دریا میں غرق کر کے ان کے دلوں کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی جیسا کہ ان تمام

[1] جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلكم، حديث: 2180 و مسند أحمد: 218/5 تفسير الطبري: 61/9 ، البتہ کتب احادیث میں آیت: 139 نہیں ہے، نیز تفسیر ابن کثیر میں آیت کے بعد والی عبارت کا ذکر نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ

اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت کے لیے آیا اور اس سے اس کے رب نے کلام کیا تو موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے (اپنی جھلک) دکھا کہ میں تجھے

تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ

دیکھ سکوں۔ اللہ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے لیکن تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ، پھر اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا، تو تم مجھے بھی ضرور دیکھ سکو گے۔ پھر

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا

جب اس کے رب نے پہاڑ پر (اپنا) جلوہ ڈالا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب وہ ہوش میں آئے تو انھوں نے عرض

اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿143﴾

کی: (اے اللہ!) تو پاک ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مومن ہوں ﴿143﴾

باتوں کا ذکر قبل ازیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ [1]

تفسیر آیت: 142

موسیٰ علیہ السلام کے روزے اور چالیس راتوں کی عبادت: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے اس احسان کا اظہار فرما رہا ہے کہ انھیں ہدایت اس لیے حاصل ہوئی کہ اس نے ان کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کے شرف سے نوازا اور انھیں تورات عطا فرمائی جس میں احکام اور ان کی شریعت کی تفاصیل موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی تھی۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان تیس دنوں کے روزے رکھے تھے اور جب انھوں نے اس میعاد کو پورا کر دیا تو انھوں نے ایک درخت کی شاخ کے ساتھ مسواک کر لی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اس مدت کو چالیس راتوں تک بڑھا کر مکمل کر دیں۔ [2] جب میعاد مکمل ہوگئی اور موسیٰ نے کوہِ طور پر جانے کا عزم کر لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ﴾ (طٰہٰ 20:80) ”اے آل یعقوب! یقیناً ہم نے تم کو تمھارے دشمن سے نجات دی اور تورات دینے کے لیے تم سے کوہ طور کی دائیں طرف مقرر کی۔“ تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو بنی اسرائیل میں اپنا نائب مقرر کر دیا اور انھیں وصیت کی کہ وہ راستی کو اختیار کیے رہیں اور فساد نہ ہونے دیں اور یہ بطور تنبیہ وتذکیر کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، صاحب جاہ وجلال اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت برگزیدہ تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ.

تفسیر آیت: 143

موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لیے سوال: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچے اور انھیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کا سوال کرتے ہوئے کہا: ﴿رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ ”اے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، پروردگار

[1] دیکھیے آیت: 47 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے تفسیر ابن أبي حاتم: 1556/5.

نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔'' حرف ﴿ لَنْ ﴾ یہاں دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ورنہ بہت سی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مومن آخرت میں دیدار الٰہی کی سعادت سے فیض یاب ہوں گے۔ ہم ان احادیث مبارکہ کو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ﴾ (القیمة 23,22:75) ''اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔'' کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

سابقہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! مجھے جب بھی کوئی زندہ دیکھے تو وہ مرجائے اور کوئی خشک اور بے جان چیز دیکھے تو وہ لڑھک جائے۔[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ ''پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر جلوہ ڈالا تو (تجلّیِ انوارِ ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر یوں منقول ہے: [قَالَ هٰكَذَا: يَعْنِي أَنَّهُ أَخْرَجَ طَرَفَ الْخِنْصَرِ] ''اللہ تعالیٰ نے اپنی انگلی خنصر کا ایک کنارہ (یا اس کے بقدر) ہی ظاہر فرمایا تھا۔''[2] اس حدیث کو بالفاظِ دیگر امام ترمذی نے بھی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔[3]

اسی طرح امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں حماد بن سلمہ سے کئی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت مسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[4]

سدی نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی انگلی خنصر ہی کے بقدر جلوہ فرمایا ﴿ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ اور پہاڑ مٹی کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا ﴿ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ ''اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔''[5] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کا قرینہ یہ الفاظ ہیں: ﴿ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ ﴾ ''تو جب ہوش میں آئے۔'' اور ظاہر ہے کہ ہوش میں آنے کے الفاظ اسی کے لیے استعمال ہوں گے جو پہلے بے ہوش ہوا ہو۔ ﴿ قَالَ سُبْحٰنَكَ ﴾ ''کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے۔'' تنزیہہ، تعظیم اور جلال و عظمت کی خاطر ایسا کہا کہ اسے دنیا میں جو بھی دیکھے گا وہ مرجائے گا۔[6] ﴿ تُبْتُ اِلَيْكَ ﴾ ''میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس بات سے توبہ کہ آئندہ (دنیا میں) دیدار الٰہی کا سوال کروں۔[7] ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۴۳ ﴾ ''اور جو ایمان لانے والے ہیں، میں ان میں سے سب سے اول ہوں۔'' ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلا مومن ہوں[8] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

---

[1] البداية والنهاية، سؤال الرؤية:265/1 والفردوس بمأثور الخطاب للديلمي:267/2 ، حديث:3243 . [2] مسند أحمد: 125/3. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأعراف، حديث:3074. [4] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة الأعراف:320/2 ، حديث:3249. [5] تفسير الطبري:70/9. [6] تفسير الطبري:74/9. [7] تفسير الطبري: 75/9. [8] تفسير الطبري:74/9.

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ

اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! بے شک میں نے اپنے پیغامات پہنچانے اور اپنی ہم کلامی کے لیے لوگوں میں سے تجھے چن لیا ہے، چنانچہ تو لے لے جو میں

اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

نے تجھے دیا ہے اور شکر گزاروں میں (شامل) ہو جا﴿144﴾ اور ہم نے اس (موسیٰ) کے لیے (تورات کی) تختیوں میں (زندگی کے) ہر معاملے کے بارے میں

مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ

نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق تفصیل لکھ کر دے دی ہے، چنانچہ تو ان (ہدایات) کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی اچھی اچھی باتوں پر

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿145﴾

کاربند رہیں۔ جلد ہی میں تمھیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا﴿145﴾

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں کہ میں سب سے پہلے اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ تیری ذات پاک کو تیری مخلوق میں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

﴿ وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ ﴾ ''اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔'' اس کی تفسیر میں ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مروی ہیں۔ حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں قرآن مجید کے اس مقام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے چہرے پر تھپڑ مارا گیا تھا، اس نے عرض کی: اے نبی! تیرے ایک انصاری صحابی نے میرے منہ پر تھپڑ مار دیا ہے، آپ نے فرمایا: [اُدْعُوهُ] ''اس کو بلاؤ، چنانچہ انھوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) نے اسے بلایا تو آپ نے فرمایا: [لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ؟] ''تو نے اسکے منہ پر تھپڑ کیوں مارا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں یہودیوں کے پاس سے گزر رہا تھا تو میں نے (ایک کو) یہ کہتے ہوئے سنا: اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں سے برگزیدہ کیا! میں نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بزرگی دی ہے؟ میں اس کی بات سن کر غضب ناک ہو گیا اور میں نے اسے تھپڑ مار دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُّفِيقُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسٰى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ؟] ''مجھے انبیاء میں سے اچھا قرار نہ دو، قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کے ایک پائے کو پکڑے ہوئے ہوں گے، نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہوں گے یا کوہ طور پر بے ہوش ہونے کے بدلے میں بے ہوش ہوئے ہی نہیں ہوں گے۔''①

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' میں بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے، امام مسلم نے اسے ''صحیح'' کی کتاب

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ ﴾ (الأعراف 143:7)، حدیث: 4638.

أحادیث الأنبیاء میں اورامام ابوداود نے "سنن" کی کتاب السنة میں بیان فرمایا ہے۔[1] اور رہی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس کو بھی امام احمد اور امام بخاری و مسلم نے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 145,144

موسیٰ علیہ السلام کا امتیاز اور ان کے لیے تختیوں کا عطیہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اس نے انھیں اپنے پیغام اور کلام سے ان کے زمانے کے لوگوں پر ممتاز کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اگلی پچھلی تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین ہونے کے اعزاز سے سرفراز فرمایا، آپ کی شریعت کو قیامت تک کے لیے جاری وساری کر دیا اور آپ کے پیروکاروں کو تمام نبیوں اور رسولوں کے پیروکاروں سے تعداد میں زیادہ بنا دیا، آپ کے بعد شرف وفضل میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ ہے، پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ بن عمران کلیم الرحمٰن علیہ السلام کا درجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ﴾ "تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے، اسے پکڑ رکھو۔" یعنی کلام ومناجات کو۔ ﴿وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾﴾ "اور (میرا) شکر بجالاؤ۔" یعنی کلام ومناجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ اور اس بات کا سوال نہ کرو جس کی تمھیں طاقت ہی نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ تختیاں جواہرات کی بنی ہوئی تھیں۔[3] اور ان میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی باتیں اور حلال وحرام سے متعلق مفصل احکام بیان فرمائے تھے۔[4] اور یہ تختیاں تورات ہی پر مشتمل تھیں جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ﴾ (القصص 43:28) "اور البتہ تحقیق ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرت ہے۔" یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ تختیاں موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے عطا کی گئی تھیں۔ وَاللّٰہ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ﴾ "تو اسے زور سے پکڑے رہو۔" یعنی طاعت کے عزم کے ساتھ ﴿وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا﴾ "اور اپنی قوم سے بھی کہہ دیجیے کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔" سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوسعد نے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اس چیز کو اُس سے بھی زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیں جس قدر انھوں نے اپنی قوم کو پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ (کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو ﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ﴾ کا حکم اور قوم کو ﴿بِاَحْسَنِهَا﴾ کا)[5] اور فرمایا: ﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٤٥﴾﴾

---

① صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، حدیث: 2373 وسنن أبی داود، السنة، باب فی التخییر بین الأنبیاء علیہم السلام، حدیث: 4671. ② صحیح البخاری، الخصومات، باب ما یذکر فی الإشخاص......، حدیث: 2411 وصحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، حدیث: 2373 ومسند أحمد: 264/2. ③ تفسیر القرطبی: 281/7. ④ تفسیر الطبری: 77/9. ⑤ تفسیر الطبری: 79/9.

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا

اور جلد ہی میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی نگاہوں) کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر

بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ

ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو اسے اختیار نہیں کریں گے، اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے اختیار کر لیں گے، یہ اس

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿146﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

لیے کہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل رہے ﴿146﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، ان کے عمل

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿147﴾ ع 17 6 7

برباد ہو گئے۔ انھیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو کچھ وہ (دنیا میں) کرتے رہے تھے ﴿147﴾

''میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا۔'' یعنی تم ان لوگوں کے انجام کو دیکھ لو گے جو میرے حکم کی مخالفت کریں گے اور میری اطاعت سے باہر ہو جائیں گے کہ وہ کس طرح تباہی و بربادی سے دوچار ہوں گے؟

تفسیر آیات:147,146

غرور کرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیات سے محروم رہیں گے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ ''جلد ہی جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔'' یعنی اپنی عظمت، شریعت اور احکام سے متعلق دلائل و براہین کے سمجھنے سے ان لوگوں کے دلوں کو محروم کر دوں گا جو میری اطاعت سے اعراض کریں گے اور لوگوں سے ناحق غرور کے ساتھ پیش آئیں گے، یعنی جس طرح انھوں نے تکبر اور غرور کیا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انھیں احکام شریعت سے جاہل رکھ کر ذلیل و رسوا کر دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الأنعام 110:6) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' اور فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ﴾ (الصف 5:61) ''تو جب ان لوگوں نے کج روی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔''

امام سفیان بن عیینہ اس آیت کریمہ: ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ان سے قرآن کا فہم چھین لوں گا اور انھیں اپنی آیتوں سے دور کر دوں گا۔[1] ابن جریر فرماتے ہیں: ابن عیینہ کی یہ تفسیر اس بات کی دلیل ہے کہ خطاب اس امت سے ہے۔[2] لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ خطاب اس امت ہی سے ہو کیونکہ ابن عیینہ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیت ہر امت پر صادق آ سکتی ہے اور اس اعتبار سے کسی امت میں کوئی فرق نہیں، جس کا بھی یہ طرز عمل ہوگا، اس سے یہی سلوک ہوگا۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ﴾ ''اور اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ

[1] تفسیر الطبری:80/9. [2] تفسیر الطبری:81,80/9.

وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰی مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِیِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّهٗ

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنالیا، وہ ایک جسم تھا جس کی آواز گائے کی تھی۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا

لَا یُکَلِّمُهُمۡ وَلَا یَهۡدِیۡهِمۡ سَبِیۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَکَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ

کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انھیں کوئی راستہ بتاتا ہے؟ (پھر بھی) انھوں نے اسے (معبود) بنالیا اور وہ ظالم تھے ﴿۱۴۸﴾ اور جب انھیں شرمندگی ہوئی اور

وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ

انھوں نے دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے: اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں (شامل) ہو

الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

جائیں گے ﴿۱۴۹﴾

لائیں۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡهِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ کُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ۝ (یونس 97,96:10) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔'' ﴿ وَاِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الرُّشۡدِ لَا یَتَّخِذُوۡهُ سَبِیۡلًا ۚ ﴾ ''اور اگر وہ راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں۔'' یعنی اگر ان کے لیے راستی اور نجات کا رستہ ظاہر بھی ہو جائے تو یہ اسے اختیار نہیں کریں گے اور اگر ان کے لیے ہلاکت وضلالت کا رستہ ظاہر ہو جائے تو اسے یہ اختیار کر لیں گے۔

پھر ان کے اس طرز عمل کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ﴾ ''یہ اس لیے کہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔'' اور دلوں سے ان کی تکذیب کر دی۔ ﴿ وَکَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾ ﴾ ''اور وہ ان سے غفلت کرتے رہے۔'' یعنی ان میں جو کچھ تھا، اسے قطعاً نہیں جانتے تھے۔ ﴿ وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔'' یعنی جو شخص اس طرز عمل کو اختیار کرے اور موت تک اسی کو اختیار کیے رکھے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ﴿ هَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ ﴾ ''یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔'' یعنی انھوں نے جیسے اعمال آگے بھیجے ہوں گے، ہم ان کے مطابق ہی ان کو بدلہ دیں گے، یعنی اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے!

تفسیر آیات: 149,148

بچھڑے کی عبادت کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں بنی اسرائیل کے ان لوگوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے جو اس بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے تھے جسے سامری نے ان کے لیے قبطیوں کے ان زیورات کو ڈھال کر بنایا تھا جسے انھوں نے ان سے مستعار لیا تھا۔ اور اس نے اس بچھڑے کے ڈھانچے میں اس مٹی کی مٹھی ڈالی جسے اس نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کے نشانات سے لیا تھا تو وہ ایک بچھڑا بن گیا جس کے قالب سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

اور جب موسیٰ غصے اور رنج میں بھرے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو (ان سے) کہا: میرے (جانے کے) بعد تم بہت برے جانشین ہوئے ہو! کیا تم نے

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ

اپنے رب کے حکم سے (منہ موڑنے میں) جلدی کی؟ اور انھوں نے (تورات کی) تختیاں (زمین پر) ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف

الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ

کھینچنے لگے۔ (اس پر) ہارون نے کہا: اے ماں جائے! بے شک ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور وہ مجھے قتل کرنے پر اتر آئے تھے، چنانچہ تو دشمنوں کو مجھ

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿150﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ

پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر جو ظالم ہیں ﴿150﴾ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿151﴾ ع 18 4 8

ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿151﴾

جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کے لیے کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی وہیں اطلاع دے دی تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ ﴾ (طٰہٰ 85:20) ''فرمایا کہ بے شک ہم نے یقیناً تمھاری قوم کو تمھارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے۔'' مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بچھڑا گوشت اور خون میں تبدیل ہو گیا اور اس کی گائے کی سی آواز تھی یا یہ سونے کا بنا ہوا ایک قالب ہی برقرار رہا اور اس میں ہوا کے داخل ہونے سے گائے کی سی آواز پیدا ہوتی تھی۔ مفسرین کے یہ دونوں ہی قول ہیں، صحیح حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس بچھڑے نے گائے کی سی آواز نکالی تو لوگوں نے اس کے گرد رقص شروع کر دیا، وہ فتنے میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہی تمھارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے مگر وہ (موسیٰ) بھول گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 89:20) ''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ ﴾ ''کیا ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید فرما رہا ہے کہ یہ بچھڑے کی وجہ سے گمراہ ہو کر اس ذات سے غافل ہو گئے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ہر چیز کو وجود بخشا ہے مگر انھوں نے بچھڑے کے اس قالب کی پوجا شروع کر دی جس سے گائے کی سی آواز تو نکلتی تھی مگر وہ ان سے نہ تو کوئی بات کر سکتا تھا اور نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی کوئی رہنمائی کر سکتا تھا مگر ان کی آنکھوں پر جہالت و ضلالت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ بے شک وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔'' یہ گویا ان کی طرف سے اپنے گناہ کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا اظہار تھا۔ بعض قرّاء نے ربَّنا کو مُناڈی قرار دے کر ﴿ يَرْحَمْنَا ﴾ غائب کے بجائے تَرْحَمْنَا اور ﴿ يَغْفِرْ لَنَا ﴾ کے بجائے تَغْفِرْ لَنَا پڑھا ہے۔

تفسیر آیات: 151,150

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کے بعد نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم میں واپس آئے، ابودرداء فرماتے ہیں کہ أَسِفٌ کے معنی شدید غصے کے ہیں،[1] تو ﴿ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ﴾ ''کہنے لگے کہ تم میرے بہت برے جانشین ہوئے ہو۔'' یعنی جب میں تمھیں چھوڑ کر چلا گیا تو تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر کے بہت ہی برا کام کیا۔ ﴿ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ﴾ ''کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم جلد چاہا؟'' یعنی تم نے چاہا کہ میں تمھارے پاس جلد آ جاؤں، حالانکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا جا چکا تھا۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ﴾ ''اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔'' اس بات میں اُس حدیث کی طرف بھی رہنمائی ہے جس میں یہ آیا ہے: [لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ] ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔'' یعنی سننا دیکھنے کے برابر نہیں۔[2] بظاہر سیاق سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ناراض ہوتے ہوئے تختیاں ڈالی تھیں۔ جمہور علمائے سلف وخلف کا یہی قول ہے۔

﴿ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ﴾ ''اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔'' اس خوف سے کہ کہیں انھوں نے اپنی قوم کو اس سے منع کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ہے: ﴿ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:92-94) ''(پھر موسیٰ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ؟ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا؟ کہنے لگے کہ بھائی! میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ

[1] تفسیر الطبری: 85/9. [2] مسند أحمد: 271/1. عنقریب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت آ رہی ہے جس سے اس روایت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

بے شک وہ لوگ جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا، جلد ہی ان کے رب کا غضب ان پر آن پہنچے گا اور (انھیں) دنیا کی زندگی میں ذلت نصیب ہوگی اور

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۫ اِنَّ

ہم بہتان باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں﴿152﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے برے عمل کیے، پھر ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لے آئے، بے شک

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿153﴾

آپ کا رب اس کے بعد (ضرور انھیں بخش دے گا کیونکہ وہ) بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿153﴾

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿150﴾ ''بھائی جان! بے شک لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں تو ایسا کام نہ کیجیے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے۔'' یعنی مجھے ان جیسا نہ سمجھیں اور ان کے ساتھ نہ ملایئے۔ ہارون علیہ السلام نے یہاں موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے بیٹے کہہ کر اس لیے مخاطب کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام زیادہ رحمت و شفقت کا مظاہرہ فرمائیں ورنہ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی ہیں۔ دونوں ایک ہی ماں باپ کے بیٹے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس میں حضرت ہارون علیہ السلام بے قصور ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ○ (طٰهٰ 90:20) ''اور البتہ تحقیق ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمھاری آزمائش کی گئی ہے اور تمھارا پروردگار اللہ ہے، لہٰذا تم میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔''

پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿151﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى لَيْسَ الْمُعَايِنُ كَالْمُخْبِرِ أَخْبَرَهُ رَبُّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَّ قَوْمَهُ فُتِنُوا بَعْدَهُ فَلَمْ يُلْقِ الْأَلْوَاحَ ، فَلَمَّا رَآهُمْ وَعَايَنَهُمْ أَلْقَى الْأَلْوَاحَ] ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، مشاہدہ کرنے والا سنی ہوئی خبر والے کی طرح نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جب انھیں یہ خبر دی کہ ان کی قوم کے لوگ ان کے بعد فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں تو انھوں نے تختیوں کو نہ ڈالا مگر انھوں نے جب قوم کو خود دیکھ لیا تو تختیاں ڈال دیں۔''①

تفسیر آیات:153,152

بچھڑے کی پوجا کی وجہ سے بنی اسرائیل پر جو غضبِ الٰہی واقع ہوا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک ان کی توبہ کو قبول نہ فرمایا جب تک ان میں سے بعض نے بعض کو قتل نہ کر دیا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں یہ فرمانِ الٰہی اور اس کا بیان گزر چکا

① مسند أحمد:271/1 والمستدرك للحاكم ، التفسير ، تفسير سورة الأعراف:321/2 ، حديث:3250 وتفسير ابن أبي حاتم:1570/5 .

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں اور ان کے مضامین میں ان کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے

لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾

رب سے ڈرتے تھے ﴿154﴾

ہے: ﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ ﴾ (البقرة 2:54) ”تو تم اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ تمھارے خالق کے نزدیک تمھارے حق میں یہی بہتر ہے، پھر اس نے تمھارا قصور معاف کر دیا وہ بے شک معاف کرنے والا (اور) رحم والا ہے۔“ اور اسی آیت کریمہ میں ذلت سے مراد وہ ذلت و رسوائی ہے جس میں بنی اسرائیل دنیا کی زندگی میں مبتلا ہوئے۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ ﴾ ”اور ہم افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

جو شخص بھی کسی بدعت کو ایجاد کرے گا تو بدعت اور مخالفتِ رسالت کی ذلت اس کے دل سے لے کر اس کے کندھوں تک پھیل جائے گی جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی ذلت ان کے کندھوں سے نمایاں ہوتی ہے، خواہ وہ خچروں اور اعلیٰ نسل کے عربی گھوڑوں ہی پر سوار کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح ابوایوب سختیانی نے ابوقلابہ جَرمی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جب اس آیت کو پڑھا: ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ ﴾ تو فرمایا: اللہ کی قسم! قیامت تک آنے والے ہر افتراء پرداز کے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔[1] امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہر گناہ سے توبہ کو شرف قبولیت سے نواز دیتا ہے، خواہ کفر و شرک یا نفاق اور اللہ و رسول کی مخالفت جیسا کبیرہ گناہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس نے اس قصے کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ ﴾ ”اور جنھوں نے برے کام کیے، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ آپ کا پروردگار“ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اے رسولِ توبہ! اور اے نبیِّ رحمت! ﴿ مِنْۢ بَعْدِهَا ﴾ ”اس کے بعد“ یعنی اس فعل کے بعد ﴿ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿153﴾ ﴾ ”(وہ) بخشنے والا مہربان ہے۔“

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے، پھر اس کے ساتھ شادی کر لیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی اور دس بار پڑھی اور نہ ایسا کرنے کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا۔[3]

تفسیر آیت:154

غصہ فرو ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا تختیوں کو اٹھا لینا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَمَّا سَكَتَ ﴾ ”اور جب ساکت ہوا۔“

[1] تفسير الطبرى:95/9. [2] تفسير الطبرى:96/9. [3] تفسير ابن أبى حاتم:1572/9 والسنن الكبرى للبيهقى ، النكاح ، باب مايستدل به على قصر الآية......:156/7.

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت (پر کوہ طور پر توبہ واستغفار) کے لیے چُنے، پھر جب ان کو زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے کہا:

لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ

اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی انھیں اور مجھے بھی ہلاک کر دیتا، کیا تو اس کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے

هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

کیا؟ یہ تیری طرف سے آزمائش کے سوا کچھ نہیں تو اس (آزمائش) سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو ہی ہمارا کارساز

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿155﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

ہے، لہٰذا ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی بہترین بخشنے والا ہے ﴿155﴾ اور تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی لکھ دے،

الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

بے شک ہم نے تیری ہی طرف رجوع کیا ہے۔

یعنی فرو ہوا ﴿ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ ﴾ ''موسیٰ کا غصہ'' جو انھیں اپنی قوم پر تھا ﴿ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ ﴾ ''تو انھوں نے تختیاں اٹھا لیں۔'' جنھیں انھوں نے قوم کے بچھڑے کو پوجنے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی خاطر بے حد غیرت وغضب کے باعث پھینک دیا تھا۔ ﴿ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾ ﴾ ''اور جو کچھ ان میں لکھا تھا، وہ ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت تھی۔''

بہت سے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب تختیوں کو پھینکا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں، پھر انھوں نے انھیں جوڑ لیا تھا، اسی لیے بعض سلف نے لکھا ہے کہ جوڑنے کے بعد انھوں نے ان میں ہدایت اور رحمت کو پایا۔ ہاں، البتہ تفصیل ختم ہو گئی تھی، انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان تختیوں کے ٹکڑے اسلامی حکومت کے قائم ہونے تک بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے خزانوں میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کس حد تک صحیح ہے اور اس بات کی قطعی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ موسیٰ کے پھینکنے کی وجہ سے یہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں؟ حالانکہ وہ جنت کے جواہرات کی بنی ہوئی تھیں۔ [1] جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو ڈال دینے کے بعد جب انھیں اٹھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے پایا کہ اُن میں ﴿ هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت تھی۔'' یہاں ''رہب'' (ڈرنا) خضوع کے معنی کو بھی متضمن ہے، اسی وجہ سے اسے لام کے ساتھ متعدی بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر آیات: 156,155

بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ میعاد کے مطابق جانا: علی بن ابوطلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم سے ستر آدمیوں کا انتخاب

[1] تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں ما الدلیل کے بجائے أما الدلیل ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

کریں تو انھوں نے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انھیں باہر لے گئے تا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کریں، انھوں نے جو دعائیں کیں، ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ ''اے اللہ! تو ہمیں وہ عطا فرما جو تو نے ہم میں سے پہلے کسی کو نہ دیا ہو اور نہ ہمارے بعد کسی کو دے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو ناپسند کیا اور انھیں زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے عرض کی: ﴿ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔''[1]

سدی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے کچھ آدمیوں کو لے کر آئیں تا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے معذرت کریں اور اس سلسلے میں وقت کا تعین بھی کر دیا گیا: ﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا ﴾ ''اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کیے۔'' تا کہ وہ معذرت کریں لیکن جب وہ مقررہ جگہ پر آئے تو کہنے لگے: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (البقرة2:55) ''(موسیٰ!) جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔'' تو نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا ہے، لہٰذا تو ہمیں اسے دکھا بھی دے۔ ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ ﴾ (النسآء4:153) ''تو انھیں بجلی نے آ پکڑا۔'' جس سے وہ سب مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے رونا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا شروع کر دی اور عرض کی کہ اے اللہ! تو نے بنی اسرائیل کے بہترین لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے، ملاقات کے وقت میں انھیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ ﴿ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔''[2]

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے اچھے اچھے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور ان سے کہا کہ اللہ کے پاس چلو، تم نے جو کچھ کیا ہے، اس سے اس کی جناب میں توبہ کرو اور اپنی قوم کے ان باقی لوگوں کی طرف سے بھی توبہ کرو جنھیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، روزے رکھو، طہارت و پاکیزگی اختیار کرو، کپڑوں کو بھی پاک صاف کرو تو موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی ہوئی میعاد کے مطابق انھیں لے کر طور سینا پر چلے گئے۔ اس پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے آیا کرتے تھے۔ ان ستر آدمیوں نے اسی طرح کیا جیسا کہ موسیٰ نے انھیں حکم دیا تھا۔

پھر وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر چلے گئے تو وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ دعا کرو کہ ہم بھی اپنے رب کے کلام کو سن سکیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے میں دعا کرتا ہوں جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے تو پہاڑ پر ایک بادل آ گیا اور وہ سارے پہاڑ پر چھا گیا تو موسیٰ علیہ السلام اس میں داخل ہو گئے اور انھوں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم بھی قریب ہو جاؤ، موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ جب کلام فرماتا تو موسیٰ کی پیشانی پر ایک ایسا نور چمکنے لگتا تھا جسے کوئی بھی انسان دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں پس پردہ کر دیا، قوم کے لوگ بھی قریب آ گئے حتی کہ جب وہ اس بادل میں داخل ہو گئے اور سجدے میں گر گئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1574/5 وتفسير الطبري: 98/9. [2] تفسير الطبري: 99,98/9.

دیا کہ یہ کام کرو اور یہ کام نہ کرو جب اس سے فارغ ہو گئے تو یہ بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ کہنے لگے کہ موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تو اس وقت انھیں زلزلے نے آ پکڑا، اور یہی صَعِقَة (بجلی) ہے، تو ان کی روحیں قبض کر لی گئیں اور یہ سب کے سب مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ﴿ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔'' یہ لوگ تو بے وقوف ہیں اور جو بنی اسرائیل میرے پیچھے رہ گئے ہیں کیا تو انھیں بھی ہلاک کر دے گا۔ ①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد اور ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہ زلزلے کی گرفت میں اس لیے آئے تھے کہ انھوں نے اپنی قوم کو بچھڑے کی پوجا سے منع نہیں کیا تھا۔ ② اس کی تائید موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ﴿ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ﴾ ''کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے، ہلاک کر دے گا، یہ تو تیری آزمائش ہے۔'' یعنی یہ تیری طرف سے ایک آزمائش اور امتحان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ایک ائمہ سلف وخلف کا یہی قول ہے۔ ③ اور اس کے معنی یہی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! امر بھی تیرا ہے اور حکم بھی تیرا اور وہی ہوتا ہے جو تو چاہے، لہٰذا تو جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت عطا فرما دے جسے تو گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت سے نوازے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جسے تو محروم کر دے اسے کوئی نہیں دے سکتا اور جسے تو دے اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا، ساری بادشاہت بھی تیری اور سارا حکم بھی تیرا ہے، تو نے ہی پیدا فرمایا اور تیرا حکم ہی کارفرما ہے۔

﴿ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿155﴾ ﴾ ''تو ہی ہمارا کارساز ہے، لہٰذا ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔'' غفر کے معنی پردہ پوشی کرنے اور گناہ کی وجہ سے مؤاخذہ نہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ اور یہ مغفرت کے ساتھ جب رحمت کو بھی ملا دیا جائے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ مستقبل میں اس طرح کے گناہ میں مبتلا نہ کرے ﴿ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿155﴾ ﴾ ''اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔'' یعنی گناہوں کو صرف تو ہی بخش سکتا ہے۔ ﴿ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ ''اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔'' دعا کا پہلا حصہ دفعِ محذور کے لیے تھا اور یہ دوسرا حصہ تحصیلِ مقصود کے لیے ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! دنیا اور آخرت میں ہمارے لیے بھلائی کو واجب اور ثابت کر دے۔ اور حسنة کی تفسیر قبل ازیں سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ ④

﴿ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ﴾ ''بے شک ہم تیری طرف لوٹ چکے۔'' یعنی ہم نے تیری جناب میں توبہ کی اور تیری ہی طرف

① تفسیر الطبری: 98/9. ② تفسیر الطبری: 100/9. ③ تفسیر الطبری: 104/9. ④ دیکھیے آیت: 201 کے ذیل میں۔

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا

اللہ نے کہا: میں جسے چاہتا ہوں اپنا عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿156﴾ ۚ

دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور (ان کے لیے بھی) جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں﴿156﴾

انابت اور رجوع کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، مجاہد، ابو العالیہ، ضحاک، ابراہیم تیمی، سدی، قتادہ رحمہ اللہ اور دیگر کئی ایک مفسرین کا یہی قول ہے۔① لغت میں بھی ﴿ هُدْنَآ ﴾ کے معنی رجوع کرنے اور توبہ کرنے کے ہی ہیں۔

بقیہ تفسیر آیت :156

اللہ تعالیٰ کی رحمت پرہیزگاروں کے لیے ہے: اللہ تعالیٰ نے اس بات ﴿ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ ﴾ ”یہ تو تیری آزمائش ہے۔“ کے جواب میں فرمایا: ﴿ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ ﴾ ”جو میرا عذاب ہے اسے میں جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔“ یعنی میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں جو ارادہ کرتا ہوں، اس کا حکم دے دیتا ہوں اور ان تمام باتوں میں میرے تمام فیصلے حکمت وعدل پر مبنی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ ﴾ ”اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔“ یہ ایک عظیم آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جامعیت اور عموم کا تذکرہ ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم، ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“ (المؤمن 7:40)

امام احمد نے جُندُب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا، پھر اسے باندھ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ اپنی سواری کے پاس آیا، اس کی رسی کو کھول دیا، اس پر سوار ہو گیا، پھر اس نے بلند آواز سے یہ کہا: ”اے اللہ! مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما اور ہم پر رحم کرنے میں اور کسی کو شریک نہ فرما۔“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَتَقُولُونَ هٰذَا أَضَلُّ أَمْ بَعِيرُهُ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ؟ قَالُوا: بَلٰى! قَالَ: لَقَدْ حَظَّرْتَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاسِعَةً، إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ رَحْمَةً يَتَعَاطَفُ بِهَا الْخَلَائِقُ جِنُّهَا وَإِنْسُهَا وَبَهَائِمُهَا وَعِنْدَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُونَ أَتَقُولُونَ هُوَ أَضَلُّ أَمْ بَعِيرُهُ؟] ”تمہارا کیا خیال ہے، یہ شخص زیادہ کم عقل ہے یا اس کا اونٹ! تم نے سنا ہے کہ اس نے کیا کہا؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جی ہاں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے سنا ہے، اس نے جو کہا، پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے پایاں رحمت کو محدود کر دیا ہے، بے شک

① تفسیر الطبری:105/9.

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

(یعنی) وہ لوگ جو اس رسول اُمی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں،

فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور انھیں برے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے

الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط

اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے، چنانچہ جو لوگ اس

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ

پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی فلاح

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾ ع 19 6 9

پانے والے ہیں﴿157﴾

اللہ تعالیٰ نے سو طرح کی رحمت پیدا فرمائی ہے اور ان میں سے صرف ایک رحمت کو نازل فرمایا جس کی وجہ سے جن و انس، حیوانات اور دیگر تمام مخلوق رحمت و شفقت کا مظاہرہ کرتی ہے اور (باقی) ننانوے قسم کی رحمتیں اسی کے پاس ہیں تو پھر کیا خیال ہے کہ یہ شخص زیادہ کم عقل ہے یا اس کا اونٹ؟'' اسے امام احمد اور ابوداود رحمہم اللہ نے روایت فرمایا ہے۔ ①

امام احمد ہی نے حضرت سلمان کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَمِنْهَا رَحْمَةٌ يَّتَرَاحَمُ بِهَا الْخَلْقُ] ، [وَبِهَا تَعْطِفُ الْوُحُوشُ عَلٰى أَوْلَادِهَا وَأَخَّرَ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے سو قسم کی رحمت کو پیدا فرمایا، ان میں سے یہ صرف ایک رحمت ہے جس کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں اور ننانوے قسم کی رحمتوں کو اس نے قیامت کے دن تک اپنے پاس رکھا ہے۔''② اس روایت کو اسی سند سے بیان کرنے میں امام مسلم متفرد ہیں اور امام بخاری نے اسے بیان نہیں کیا۔ ③

اور فرمانِ الٰہی: ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ ''تو عنقریب میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے ہیں۔'' یعنی اپنی طرف سے احسان کرتے ہوئے اسے میں ان کے لیے واجب قرار دے دوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لا﴾ (الأنعام 54:6) ''اللہ نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔''

① مسند أحمد:312/4 وسنن أبي داود، الأدب، باب من ليست له غيبة، حديث:4885 مختصراً. ② اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث:(20)-2753 اور دوسرا حصہ مسند أحمد: 439/5 کے مطابق ہے۔ ③ صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث:2753 اور صحیح بخاری میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دیکھیے صحيح البخاري، الأدب، باب جعل الله الرحمة في مائة جزء، حديث: 6000 وصحيح مسلم، حديث:2752.

﴿ لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔''یعنی جو ان (آمدہ) اوصاف کے ساتھ متصف ہیں اور اس سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مراد ہے اور پرہیزگاری کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ ﴿ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور زکاۃ دیتے ہیں۔''ایک قول کے مطابق اس سے نفسوں کی زکاۃ اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مالوں کی زکاۃ مراد ہے، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے دونوں ہی مراد ہوں۔اور یہ آیت مکی ہے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''یعنی ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

تفسیر آیت:157

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾ ''وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی امتوں کو آپ کی بعثت کی بشارت سنائی اور آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا، اس لیے ان کی کتابوں میں آپ کی صفات کا تذکرہ موجود رہا جنھیں ان کے علماء واحبار خوب جانتے تھے۔

جیسا کہ امام احمد نے ابوصخر عُقَیلی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے ایک اعرابی نے یہ بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دودھ والے جانور مدینہ لے گیا اور جب میں انھیں بیچ کر فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ میں اس شخص سے ضرور ملوں گا اور ان کی بات کو سنوں گا۔ میری آپ سے اس وقت ملاقات ہوئی جب آپ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان چل رہے تھے، میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا، یہ حضرات ایک یہودی کے پاس آئے جو تورات کو کھولے ہوئے اسے پڑھ رہا تھا اور اس سے وہ اپنے اس بیٹے کے بارے میں تسلی حاصل کر رہا تھا جو بڑا ہی خوبصورت نوجوان تھا اور موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: [أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ ذَا صِفَتِي وَمَخْرَجِي؟] ''میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات کو نازل فرمایا ہے، کیا تو اپنی اس کتاب میں میری صفات اور میری بعثت کا ذکر موجود پاتا ہے؟'' تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ نہیں مگر اس کے بیٹے نے کہا کہ ہاں، اس ذات کی قسم جس نے تورات کو نازل فرمایا ہے! ہم اپنی کتاب میں آپ کے اوصاف اور آپ کی بعثت کا ذکر موجود پاتے ہیں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَقِيمُوا الْيَهُودَ عَنْ أَخِيكُمْ] ''یہودیوں کو اپنے بھائی کے پاس سے اٹھا دو۔'' پھر آپ نے اس کے کفن ودفن کا اہتمام فرمایا اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔[1] یہ حدیث جید اور قوی ہے اور صحیح بخاری میں بروایت حضرت

[1] مسند أحمد:411/5.

انس رضی اللہ عنہ اس کا شاہد موجود ہے۔[1]

امام ابن جریر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور ان سے عرض کی کہ مجھے یہ بتائیے کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا اوصاف لکھے ہوئے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کے یہی اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں: ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ (الأحزاب 45:33) ''اے پیغمبر! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' آپ ان پڑھوں کے لیے محافظ اور میرے عبد اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام مُتَوَکِّل رکھا ہے، آپ بدخو اور سخت دل نہیں ہیں، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں بلکہ معاف اور درگزر کرنے والے ہیں، ہم اس وقت تک آپ کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کج روملت کو آپ کے ساتھ سیدھا کر دیں کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے لگ جائے۔ ہم آپ کے ساتھ بند دلوں، بہرے کانوں اور اندھی آنکھوں کو درست فرما دیں گے۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں کعب سے ملا اور ان سے یہ سوال کیا تو انھوں نے بھی بعینہ یہی جواب دیا سوائے اس کے کہ انھوں نے غُلْفًا کے بجائے غُلُوفِيًّا، صُمًّا کے بجائے صُمُومِيًّا اور عُمْيًا کے بجائے عُمُومِيًّا کہا۔[2]

اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[3] بہت سے سلف کے کلام میں تورات کے لفظ کا اطلاق کتب اہل کتاب پر کیا جاتا ہے اور بعض احادیث میں بھی آیا ہے جو اس کے مشابہ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ''وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔'' یہ سابقہ کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور فی الواقع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیکی ہی کا حکم دیتے اور برائی سے منع فرماتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب تم یہ ارشاد باری تعالیٰ سنو: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ تو ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی نیکی کا حکم دیا ہوگا یا کسی برائی سے منع کیا ہوگا۔[4] اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں سب سے زیادہ اہم اور عظیم ترین بات وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا، یعنی یہ حکم دیا کہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور اس سے منع فرمادیا کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے جیسا کہ آپ سے پہلے دنیا میں تشریف لانے والے تمام انبیائے کرام کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾ ''اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں

[1] شاید اس حدیث کی طرف اشارہ ہے، صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات ...... ، حديث:1356.
[2] تفسير الطبري:113/9. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب كراهية السَّخَب في السوق، حديث:2125. [4] تفسير ابن أبي حاتم:196/1 والدر المنثور:195/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔" یعنی بَحِیرہ، سائبہ، وَصِیلہ اور حام وغیرہ جن کو انھوں نے از خود حرام قرار دے کر اپنے آپ کو مشکل میں ڈال لیا تھا، آپ انھیں ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حرام چیزوں سے مراد سؤر کا گوشت، سود اور کھانے پینے کی وہ حرام چیزیں ہیں جن کو انھوں نے حلال قرار دے لیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار دے رکھا تھا۔①

﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ "اور ان سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے، اتارتے ہیں۔" یعنی آپ آسانی اور سہولت لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں، آپ نے حضرت معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو جب گورنر بنا کر یمن بھیجا تو اپنے ان دونوں گورنروں سے فرمایا: [يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا] "آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا، خوش خبری سنانا اور نفرت نہ دلانا، اتفاق و اتحاد سے رہنا اور اختلاف نہ کرنا۔"② آپ کے صحابی ابو بَرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ آپ آسانی فرمایا کرتے تھے۔③ اور ہم سے پہلی امتوں کی شریعتوں میں بہت تنگی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کے امور کو بہت ہی سہل اور آسان بنا دیا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ] "بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے اس وقت تک درگزر فرمایا ہے جب تک ان کے مطابق وہ عمل نہ کر لیں یا زبان سے بات نہ کر لیں۔"④ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: [وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ] "میری امت کے لیے خطا و نسیان اور جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو، معاف فرما دیا گیا ہے۔"⑤

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ یہ دعا پڑھا کریں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ أَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (البقرۃ2:286) "اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا، اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! جو بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہمارے سر پر نہ

① تفسير الطبرى:114/9. ② صحيح البخارى، الجهاد والسير، باب ما يكره من التنازع والاختلاف فى الحرب ......، حديث:3038 وصحيح مسلم، الجهاد......، باب فى الأمر بالتيسير......، حديث:1733. ③ صحيح البخارى، العمل فى الصلاة، باب إذا انفلتت الدابة فى الصلاة، حديث:1211. ④ صحيح البخارى، الطلاق، باب الطلاق فى الإغلاق والكره......، حديث:5269 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس......، حديث:127. ⑤ سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسى، حديث:2043 و2045 والمعجم الأوسط للطبرانى: 128/9، حديث:8269 [illegible].

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ

نہیں، وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے، لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول اُمی نبی پر ایمان لاؤ، جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر ایمان لاتا ہے، اور تم

بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿158﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ﴿158﴾ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ (ایسا) ہے جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں اور اسی (حق) کے ساتھ عدل

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿159﴾

کرتے ہیں﴿159﴾

رکھ اور (اے پروردگار!) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔'' صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک سوال کے بعد یہ فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا، میں نے ایسا ہی کیا۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾ ''تو وہ جو ان پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم وتوقیر بجالائے۔'' ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ﴾ ''اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس کی پیروی کی۔'' یعنی اس قرآن اور وحی کی پیروی کی جسے آپ لوگوں تک پہنچانے کے لیے تشریف لائے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾﴾ ''وہی مراد پانے والے ہیں۔'' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

تفسیر آیات: 159,158

حضور سرور کائنات ﷺ کی عالمگیر نبوت: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' (اے نبی!) ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ ''اے لوگو!'' یہ خطاب دنیا میں بسنے والے ہر شخص سے ہے، خواہ وہ سرخ ہو یا سیاہ، عربی ہو یا عجمی ﴿اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا﴾ ''بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔'' یعنی میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے شرف و عظمت کی دلیل ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کو کائناتِ انسانی کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ (الأنعام 19:6) ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن مجید مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک یہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾ (ھود 17:11) ''اور جو کوئی دوسرے فرقوں میں سے اس کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب تجاوز اللّٰه عن حدیث النفس……، حدیث:126.

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ﴾(آل عمران20:3) ''اور (اے نبی!) ان اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو بے شک یہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔''

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ اور احادیث تو اس قدر زیادہ ہیں کہ حیطۂ شمار سے باہر اور یہ بات سبھی لوگ جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تمام انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناراض کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے چلے گئے تا کہ ان سے یہ درخواست کریں کہ وہ معاف کر دیں مگر انھوں نے معاف نہ کیا بلکہ ناراضی کی وجہ سے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ابودرداء بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ہم بھی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا صَاحِبُكُمْ هٰذَا فَقَدْ غَامَرَ] ''تمھارے یہ ساتھی کہیں لڑ کر آئے ہیں۔'' (اتنے میں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے فعل پر نادم ہوئے، لہٰذا وہ بھی آ گئے اور سلام کر کے نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ اور انھوں نے آپ کو سارا واقعہ سنایا۔

ابودرداء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ واقعہ سن کر ناراض ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! زیادتی مجھ سے ہوئی ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [......هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي؟ إِنِّي قُلْتُ : ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ﴾ فَقُلْتُمْ: كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: صَدَقْتَ] ''......کیا تم میرے لیے میرے ساتھی کو نہیں چھوڑو گے؟ میں نے (جب یہ) کہا: ''اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' تو تم نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔'' اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے بیان فرمایا ہے۔[1]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِي (وَلَا أَقُولُهُ) فَخْرًا : بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا، وَّأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ فَأَخَّرْتُهَا لِأُمَّتِي (إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ) فَهِيَ لِمَنْ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا] ''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور یہ بات میں از راہ فخر نہیں کہہ رہا (اور وہ چیزیں یہ ہیں) کہ مجھے سرخ و سیاہ تمام انسانوں

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا...... ﴾ (الأعراف158:7)، حديث:4640.

کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، ایک مہینے کی مسافت پر رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے بھی حلال نہ تھیں، میرے لیے تمام زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے جسے میں نے اپنی امت کے لیے قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر لیا ہے اور یہ ہر اس انسان کو حاصل ہو گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا ہو گا۔''[1] اس حدیث کی سند جید ہے مگر امام احمد کے سوا دیگر محدثین نے اسے اسی سند سے روایت نہیں کیا۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ ''جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔'' یعنی جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، وہ ہر چیز کا خالق و مالک اور پروردگار ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام کائنات کی بادشاہت اور موت و حیات ہے اور اسی کا حکم کارفرما ہے۔ ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ﴾ ''تو اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر اُمی پر ایمان لاؤ۔'' آپ نے پہلے یہ خبر دی کہ آپ ان کی طرف اللہ کے رسول ہیں، پھر حکم دیا کہ وہ آپ کی اتباع کریں اور آپ پر ایمان لائیں۔ ﴿ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ﴾ یعنی میں وہ نبی اُمی ہوں جس کی آمد کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور جن کی آمد کی سابقہ آسمانی کتابوں میں بشارت دی گئی ہے اور ان کی کتابوں میں آپ کی صفت بھی یہی بیان کی گئی ہے۔ ﴿ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ ﴾ ''جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرتا ہے اور وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے۔ ﴿ وَاتَّبِعُوْهُ ﴾ ''اور ان کی پیروی کرو۔'' یعنی ان کے رستے پر ان کے نقش قدم پر چلو ﴿ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ ﴾ ''تاکہ تم ہدایت پاؤ۔'' اور سیدھے رستے کو اختیار کر لو۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی اتباع کرتے اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 113:3) ''ان اہل کتاب میں سے کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ ﴾ (آل عمران 199:3) ''اور بے شک بعض اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے، یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے اور اللہ

[1] مسند أحمد:301/1 مزید دیکھیے صحیح البخاری، التیمّم، باب: (1)، حدیث:335 و صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث:521 جبکہ قوسین والے الفاظ المصنف لابن أبی شیبۃ، الفضائل، باب ما أعطی اللہ تعالی محمد ﷺ:307/6، حدیث:31634 میں ہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو بارہ قبیلوں کے لحاظ سے (بارہ) گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور جب موسیٰ کی قوم نے اس سے پانی مانگا تو ہم نے اس کی

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

طرف وحی کی کہ تو اپنا عصا (اس) پتھر پر مار۔ (اس نے مارا) تو اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، تب ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے ان پر

اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ

بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے ان پر مَنّ اور سَلویٰ نازل کیا (اور کہا:) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں دی ہیں، ان میں سے کھاؤ۔ اور (اس کے بعد) انھوں

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿160﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ

نے (جو کچھ کیا تو) ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے رہے ﴿160﴾ اور جب ان سے کہا گیا: تم اس بستی میں ٹھہرو اور اس میں جہاں سے جی

اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ

چاہے کھاؤ پیو (رزق حاصل کرو) اور کہو: [حِطَّةٌ] ''ہمیں معاف کر دے، اور (شہر کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمھاری خاطر

سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿161﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے، پھر ہم نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ﴿161﴾ پھر ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، انھوں نے اس لفظ کو،

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿162﴾ ع 20 / 5 / 10

جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا، اس کے برعکس بدل ڈالا، تب ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیجا، اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے ﴿162﴾

جلد حساب لینے والا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا ...... ﴾ الآیة (القصص 28:52-54)

''بے شک جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے بیشک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے۔ (اور) ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں، ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ صبر کرتے رہے ہیں......'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:107-109) ''بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان پر پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔''

تفسیر آیات: 160-162

وقف لازم

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ

اور (اے نبی!) ان (یہودِ مدینہ) سے اس بستی (ایلہ) کے بارے میں پوچھیں جو سمندر کے ساحل پر واقع تھی، جب وہ لوگ سبت (ہفتے کے دن) کے بارے

تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ

میں حد سے گزر جاتے تھے، جبکہ ان کے یومِ سبت کو ان کی (شکار کی) مچھلیاں ان کے پاس ظاہر (پانی کے اوپر) آجاتی تھیں، اور جس دن ان کا ہفتہ نہ ہوتا

النصف

نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿163﴾

وہ (ان کے پاس) نہیں آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انھیں آزماتے تھے، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿163﴾

ان تمام آیات کریمہ کی تفسیر سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ سورۂ بقرہ مدنی سورت ہے جبکہ یہ سیاق مکی ہے اور ان دونوں میں جوفرق ہے، وہ بھی ہم وہاں بیان کر آئے ہیں۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیت: 163

یہودیوں کا ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کرنا: اس آیت کریمہ میں اس آیت: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ ﴾ (البقرۃ2:65) ''اور بے شک تم ان لوگوں کوخوب جانتے ہو جوتم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔'' کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا ہے: ﴿ وَسْـَٔلْهُمْ ﴾ ''اور ان سے پوچھیے۔'' یعنی ان یہودیوں سے جو آپ کے پاس موجود ہیں، ان کے ان ساتھیوں کے بارے میں پوچھیے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی تھی، پھر جب ان کے کرتوت حد سے تجاوز کر گئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کے لیے حیلہ سازی کی تو انھیں دنیا ہی میں عبرت ناک سزا ملی تھی۔ اور ان لوگوں کو ڈرائیں جو آپ کے ان اوصاف اور نشانیوں کو چھپا رہے ہیں جنھیں یہ اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں تاکہ یہ بھی اس عذاب کی گرفت میں نہ آجائیں جس سے ان کے بھائی اور بزرگ دوچار ہوئے تھے۔ اس گاؤں سے مراد أَیلہ نامی وہ بستی ہے جو بُحیرۂ قُلزُم کے کنارے آباد تھی۔

محمد بن اسحاق نے داود بن حُصَین سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس گاؤں سے مراد أَیلہ ہے جو مدین اور کوہ طور کے درمیان تھا۔[2] عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[3]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ ﴾ ''جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے لگے۔ ﴿ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا ﴾ ''اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ شُرَّعًا ﴾ کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ وہ پانی کے اوپر ظاہر ہو جاتیں۔[4] ﴿ وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ ﴾ ''اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو (ان کے سامنے) نہ آتیں۔''

[1] دیکھیے آیت:60 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری:122/9. [3] تفسیر الطبری:122/9. [4] تفسیر الطبری:124/9.

400 کلومیٹر
300
200
100
50
صحراے شام
شمال
وادی سرحان
سعودی عرب
تیماء
تبوک
عمان
اردن
کرک
معان
سدوم
بترا
القدس
الخلیل
غزہ
بئر سبع
بحیرۂ روم
عریش
سیناء
ایلہ (ایلات)
عقبہ
مدین
البدع
مقنا
کوہ طور (حورب)
بحیرۂ قلزم (احمر)
ضبا
خلیج سویز (سویس)
عیون موسیٰ
قلزم (سویز)
بحیرات مرہ
فرما
مصر
قاہرہ
منف (ممفس)
فیوم
بحیرۂ قارون
نیل کا ڈیلٹا
بوطو
سائیس
اسکندریہ
اصحاب السبت کا مسکن
ایلہ
﴿ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ﴾
”اور ان (یہودیوں) سے اس بستی کے متعلق پوچھیے جو بستی سمندر کے کنارے تھی۔“ (الأعراف 163:7)

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (دوسرے سے) کہا: تم ایسے لوگوں کو وعظ کیوں کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا

شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿164﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا

ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اس لیے کہ (ہم) تمھارے رب کے حضور عذر کر سکیں اور شاید کہ وہ (اللہ سے) ڈریں ﴿164﴾ پھر جب انھوں نے وہ باتیں بھلا دیں

ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ

جن کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برے کام سے روکتے تھے، اور ہم نے ان لوگوں کو بدترین عذاب کے ساتھ پکڑ لیا

بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿165﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

جنھوں نے زیادتی کی تھی، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿165﴾ پھر جب انھوں نے اس معاملے میں سرکشی کی جس سے انھیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان

قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿166﴾

سے کہا: ہو جاؤ ذلیل بندر ﴿166﴾

امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی اس طرح آزمائش کرتے تھے کہ جس دن ان کے لیے شکار کرنا حرام تھا، اس دن مچھلیاں پانی کی سطح پر تیرنے لگتیں اور جس دن ان کے لیے شکار حلال تھا، اس دن چھپ جاتیں اور نمودار نہ ہوتیں۔ ﴿ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿163﴾ ﴾ ”اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے“ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالانے کے بجائے انھوں نے نافرمانی اختیار کر لی تھی۔[1] ان لوگوں نے احکام الٰہی کی مخالفت کے لیے حیلہ سازی سے کام لیا اور ایسے ظاہری اسباب کو اختیار کیا جن سے مقصود حرام کام کا ارتکاب تھا۔

امام فقیہ ابوعبداللہ ابن بَطّہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِأَدْنَى الْحِيَلِ] ”تم بھی اس جرم کا ارتکاب نہ کرو جس کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا کہ ادنیٰ حیلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے لگو۔“[2] اس حدیث کی سند جید ہے۔

تفسیر آیات: 164-166

انھیں بندروں کی صورت میں تبدیل کر دینا اور روکنے والوں کو نجات دینا: اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے باشندوں کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے: (1) وہ گروہ جو حرام کا ارتکاب کر رہا تھا اور جس نے ہفتے کے دن مچھلی کے شکار کے لیے حیلہ سازی کو اختیار کیا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں اسے بیان کیا جا چکا ہے۔[3] (2) وہ گروہ جس نے انھیں منع کیا اور ان سے الگ تھلگ ہو گیا۔ (3) وہ گروہ جو خاموش رہا، اس نے نہ تو خود اس کا ارتکاب کیا اور نہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو منع کیا بلکہ منع کرنے والوں سے یہ کہا: ﴿ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ ﴾ ”تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے۔“ یعنی تم

[1] تفسیر الطبری: 124/9. [2] دیکھیے إرواء الغلیل: 375/5، حدیث: 1535. [3] دیکھیے آیت: 65 کے ذیل میں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ

اور (اے نبی! یاد کرو) جب آپ کے رب نے (یہود کو) خبردار کر دیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے شخص کو ضرور مسلط رکھے گا جو انھیں سخت عذاب (کا مزہ)

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿167﴾

چکھاتا رہے گا۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿167﴾

ان لوگوں کو کیوں منع کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ ہلاک ہونے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، لہٰذا انھیں منع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں تو انھیں منع کرنے والوں نے جواب دیا: ﴿ مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ ﴾ ''اس لیے کہ تمھارے پروردگار کے سامنے معذرت کر سکیں۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم نیکی کا حکم دیتے رہیں اور برائی سے منع کرتے رہیں: ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿164﴾ ﴾ ''اور عجب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔'' یعنی ہو سکتا ہے کہ ہمارے نصیحت کرنے کی وجہ سے وہ اس خرابی سے باز آ جائیں جس میں وہ مبتلا ہو چکے ہیں۔ اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں کیونکہ اگر وہ توبہ کر لیں گے تو اللہ بھی ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ ﴾ ''جب انھوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی۔'' یعنی حرام کا ارتکاب کیا اور نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ﴿ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ ''جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے، ان کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے ان کو پکڑ لیا۔'' یعنی معصیت کا ارتکاب کرنے والوں کو پکڑ لیا ﴿ بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍۭ ﴾ ''برے عذاب میں۔'' اللہ تعالیٰ نے منع کرنے والوں کی نجات اور ظلم کرنے والوں کی ہلاکت کا واضح طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور خاموش رہنے والوں کے انجام کے ذکر سے سکوت فرمایا ہے کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہی ہوتی ہے، یہ لوگ نہ تعریف کے مستحق تھے کہ ان کی تعریف کی جاتی اور نہ انھوں نے کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا تھا کہ ان کی مذمت کی جاتی۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نجات دی تھی یا نہیں؟ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس موضوع پر ہمیشہ بات کرتا رہا حتی کہ میں نے انھیں قائل کر لیا کہ وہ نجات پا گئے تھے تو انھوں نے (انعام کے طور پر) مجھے حلہ پہنایا۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍۭ ﴾ ''اور جو ظلم کرتے تھے، ہم نے ان کو برے عذاب میں پکڑ لیا۔'' سے معلوم ہوا کہ جنھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا وہ تو عذاب سے دوچار ہوئے اور باقی سب نجات پا گئے تھے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ بَىِٕيْسٍۭ ﴾ کے معنی شدید کے ہیں۔[2] ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی دردناک کے ہیں۔[3] قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی دکھ دینے والے کے ہیں۔[4] بہر حال ان سب کے معنی قریبًا ایک ہی ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

[1] تفسير الطبرى: 129/9. [2] تفسير الطبرى: 135/9. [3] تفسير الطبرى: 135/9. [4] تفسير الطبرى: 135/9.

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ

اور ہم نے انھیں قبیلوں میں بانٹ کر زمین میں پھیلا دیا۔ ان میں سے کچھ نیک تھے اور ان میں سے کچھ اس کے سوا (بداعمال) تھے۔ اور ہم نے انھیں

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿168﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا

خوش حالی اور بدحالی کے ساتھ آزمایا، شاید کہ وہ (اللہ کی طرف) لوٹ آئیں ﴿168﴾ پھر ان کے بعد نا اہل ان کے جانشین بنے، جو کتاب (تورات) کے

الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ

وارث ہوئے، وہ ادنیٰ (دنیا کا) سامان لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جلد ہمیں بخش دیا جائے گا (مگر ان کا حال یہ ہے) کہ اگر اس جیسا گھٹیا (دنیا کا) سامان

مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

(دوبارہ) ان کے پاس آئے تو (بغیر کسی عار کے) لے لیں، کیا ان سے کتاب (تورات) میں پختہ وعدہ نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں حق کے سوا

الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾

(کچھ) نہ کہیں؟ حالانکہ انھوں نے پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟ ﴿169﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (انھیں ہم اجر دیں گے)، بے شک ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾

نہیں کرتے ﴿170﴾

﴿خٰسِـِٕيْنَ ﴿166﴾﴾ کے معنی ذلیل، حقیر اور رسوا ہونے والوں کے ہیں۔

تفسیر آیت:167

یہودیوں کے لیے دائمی ذلت: ﴿تَاَذَّنَ﴾ أذان سے باب تفعُّل ہے، یعنی آگاہ کر دیا، معلوم کروا دیا یہ مجاہد کا قول ہے۔ اور دوسروں نے اس کے معنی حکم دینے کے بیان کیے ہیں۔[1] کلام میں قوت پیدا کرنے کے لیے جب اس لفظ کو استعمال کیا جائے تو یہ قسم کا معنی دیتا ہے، اسی وجہ سے ﴿لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ﴾ ''ان پر ایسے شخص کو ضرور مسلط رکھے گا'' پر لام داخل کیا گیا ہے۔ یعنی یہودیوں پر ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ﴾ ''قیامت تک جو ان کو بری بری تکلیفیں دیتا رہے۔'' یعنی ان کی نافرمانی، اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت کی مخالفت اور حرام کاموں کے ارتکاب کے لیے حیلہ سازی کی انھیں یہ سزا دی کہ ان پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں دیتا رہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سات سال اور ایک روایت کے مطابق تیرہ سال تک خَراج لگائے رکھا اور سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے خراج لگایا تھا۔[2] پھر یہودی یونانی، کُشدانی، اور کُلدانی بادشاہوں کے زیرنگیں رہے، پھر

[1] تفسیر طبری وغیرہ میں امام مجاہد سے وہ قول مروی ہے جو یہاں دوسروں کی طرف منسوب ہے۔ دیکھیے تفسیر الطبری:137,136/9.

[2] تفسیر الطبری:138/9.

عیسائیوں نے انھیں ذلیل ورسوا کیا اور ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا، پھر جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا میں اسلام کے ساتھ تشریف لائے تو یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے ماتحت تھے اور خراج اور جزیہ ادا کرتے تھے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ان کی ذلت ورسوائی اور ان سے جزیے کا وصول کیا جانا ہے۔① امام عبدالرزاق نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جزیے کے لیے انباط کو بھیجا جائے۔②

پھر آخر زمانے میں یہ دجال کے مددگار رہوں گے اور مسلمان حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر ان کے خلاف جنگ کریں گے۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار جلد سزا دینے والا ہے۔'' ان لوگوں کو جو اس کی نافرمانی کرتے اور اس کی شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' اس کے لیے جو توبہ کرے اور اس کی طرف رجوع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت کا عذاب کے ساتھ ملا کر اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ مایوسی نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر ترغیب وترہیب کو ملا کر اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ نفوس امید وخوف کے درمیان کی کیفیت میں رہیں۔

تفسیر آیات:168-170

بنی اسرائیل کا زمین میں منتشر ہونا: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر کے زمین میں منتشر کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴾ (بنی إسرآئیل 17:104) ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔'' ﴿ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ ''کچھ ان میں سے نیکوکار تھے اور کچھ اس کے سوا (بدکار۔)'' یعنی ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی جیسا کہ جنوں نے اپنے بارے میں کہا تھا: ﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴾ (الجن 72:11) ''اور بے شک ہم میں نیک بھی ہیں اور اس کے سوا بھی، ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔'' ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ﴾ ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے۔'' یعنی خوش حالی اور تنگ دستی سے، ترغیب وترہیب سے اور عافیت ومصیبت سے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ''تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

پھر فرمایا: ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى ﴾ ''پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے یہ (بے تامل) اس دنیائے دَنی کا مال ومتاع لے لیتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نسل کے بعد جس میں نیک اور بد ہر قسم کے لوگ تھے، ایسے لوگ آئے جن میں کوئی خیر و بھلائی نہ تھی، حالانکہ وہ کتاب، یعنی تورات کے وارث بنے تھے۔

① تفسیر الطبری:9/137. ② تفسیر عبدالرزاق:2/95، رقم:949.

امام مجاہد آیت کریمہ: ﴿ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى ﴾ ''یہ (بے تامل) اس دنیائے دَنی کا مال ومتاع لے لیتے ہیں۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انھیں دنیا کی جو چیز بھی نظر آتی ہے، اسے لے لیتے ہیں، خواہ وہ حلال ہو یا حرام اور اس کے باوجود وہ مغفرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ ﴿ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ط ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ جلد ہمیں بخش دیا جائے گا اور اگر (دوبارہ) ان کے سامنے ویسا ہی مال آ جائے تو وہ اسے لے لیں۔''①

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ لوگ انتہائی ناخلف ہیں، حالانکہ یہ اپنے انبیاء اور رسولوں کے بعد کتاب کے وارث بنے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں کتاب کا وارث بنایا اور ان سے عہد و پیمان بھی لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ ﴾ (مریم 59:19) ''پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے تو عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) سے دوچار ہوں گے۔''

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے امیدیں لگا رکھی ہیں اور اپنے آپ کو فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ﴿ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ط ﴾ ''اور اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آ جاتا ہے تو وہ بھی اسے لے لیتے ہیں۔'' یعنی کوئی بات انھیں اس سے روک نہیں سکتی، دنیا کی کوئی چیز بھی جب ان کے سامنے آتی ہے تو اسے کھا لیتے ہیں اور قطعاً پروا نہیں کرتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔②

سدی نے ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ تا ﴿ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ یہودی اپنے جس شخص کو بھی قاضی یا جج مقرر کرتے تو وہ رشوت لینے لگ جاتا، ان کے کچھ اچھے لوگوں نے جمع ہو کر یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے اور ہرگز رشوت نہیں لیں گے لیکن ان میں سے جب بھی کسی کو منصبِ قضاء پر فائز کیا جاتا تو وہ بھی رشوت لینے لگ جاتا۔ اور جب اس سے پوچھا جاتا کہ کیا بات ہے تم نے بھی رشوت لینی شروع کر دی؟ تو وہ کہتا کہ ہاں، میں رشوت لیتا ہوں لیکن مجھے معاف کر دیا جائے گا تو باقی بنی اسرائیل اس پر طعن کرتے اور جب وہ مر جاتا یا اسے معزول کر دیا جاتا اور اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کر دیا جاتا جو پہلے پر رشوت کی وجہ سے طعن کیا کرتا تھا تو وہ بھی رشوت لینے لگ جاتا اور کہتا کہ اگر دوسرے لوگوں کے پاس یہ دنیوی مال آتا تو انھوں نے بھی تو اس مال کو لے لینا تھا۔③

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ ''کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے؟'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس منفی طرز عمل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان سے تو یہ عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کو بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز

① تفسير الطبرى: 142/9. ② تفسير الطبرى: 142/9. ③ تفسير الطبرى: 142/9.

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ

اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ ایک سائبان تھا، اور انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً وہ ان پر گرنے والا ہے۔ (ہم نے کہا:) اس

21 ع 9 11 بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿171﴾

(تورات) کو جو ہم نے تمھیں دی، قوت کے ساتھ پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تا کہ تم (برے کاموں سے) بچ جاؤ ﴿171﴾

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ (آل عمران187:3) ”اور جب اللہ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اقرار لیا کہ (اس میں جو کچھ لکھا ہے) اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات کو) نہ چھپانا تو انھوں نے اس کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی، یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں برا ہے۔“

ابن جُرَیج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ ”کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے۔“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ ان گناہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید تو رکھتے ہیں جن کا پھر ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور ان سے توبہ نہیں کرتے۔[1]

اور اللہ نے فرمایا: ﴿وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾﴾ ”اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے بے پایاں اجر وثواب کی ترغیب دیتے ہوئے اور اپنے دردناک عذاب سے ڈراتے ہوئے فرما رہا ہے کہ میرا ثواب اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس شخص کے لیے بہتر ہے جو حرام کاموں کے ارتکاب سے بچ گیا جس نے اپنی خواہش نفس کو ترک کر دیا اور جو اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت وبندگی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾﴾ ”کیا تم سمجھتے نہیں؟“ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جن لوگوں نے میرے پاس موجود نعمتوں کے عوض دنیا کے مال کو اپنے لیے پسند کر لیا ہے، کیا ان کے پاس عقل نہیں ہے جو انھیں اس بے وقوفی اور حماقت سے روکتی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس کی اس کتاب کے ساتھ وابستہ ہیں جو انھیں اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اتباع کا درس دیتی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ﴾ ”اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں۔“ یعنی اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، اس کے احکام کو بجا لاتے ہیں اور جن کاموں سے اس نے منع کر دیا ہے، انھیں ترک کر دیتے ہیں، ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾﴾ ”اور نماز کا التزام کرتے ہیں (ان کو ہم اجر دیں گے کہ) بے شک ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔“

تفسیر آیت:171

[1] تفسیر الطبری: 143/9.

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ

اور (اے نبی! یاد کرو) جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا (اور پوچھا:) کیا میں تمھارا رب

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿172﴾

نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں۔ (اللہ نے فرمایا: یہ اس لیے) کہ تم قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا

تھے ﴿172﴾ یا تم (یہ نہ) کہو کہ بے شک ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا اور ہم ان کے بعد (ان کی) اولاد تھے، پھر کیا تو ہمیں اس (فعل) کی وجہ

فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿173﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿174﴾

سے ہلاک کرتا ہے جو گمراہ لوگوں نے کیا تھا؟ ﴿173﴾ اور اسی طرح ہم آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، شاید کہ وہ (لوگ ہماری طرف) لوٹ آئیں ﴿174﴾

یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے ان کے سروں پر کوہ طور اٹھا کھڑا کیا گیا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا ﴾ کے معنی ہیں کہ جب ہم نے اٹھا کھڑا کیا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ ﴾ (النسآء 154:6) ''اور ان سے عہد لینے کو ہم نے ان پر کوہ طور اٹھا کھڑا کیا۔''[1] امام سفیان ثوری نے اعمش، انھوں نے سعید بن جبیر اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتوں نے پہاڑ کو ان کے سروں پر اٹھا کھڑا کیا تھا۔[2]

قاسم بن ابوایوب نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پھر موسیٰ علیہ السلام انھیں ارض مقدس کی طرف لے گئے، غصہ فرو ہونے کے بعد انھوں نے تختیوں کو بھی اٹھالیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ان احکام کے مطابق عمل کریں جن کے مطابق عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو یہ بات ان پر بہت گراں گزری اور انھوں نے ان احکام کو ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ کو اٹھا کھڑا کیا ﴿ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ﴾ ''گویا وہ سائبان تھا۔''[3] امام نسائی نے اس روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[4]

تفسیر آیات:172-174

اولادِ آدم سے لیے گئے عہد کا بیان: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے اقرار کروایا کہ اللہ ہی ان کا رب اور مالک ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسی فطرت و جبلت پر پیدا فرمایا ہے، لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ﴾ (الروم 30:30) ''تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (اللہ کے رستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔''

---

[1] تفسیر الطبری:145/9. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1610/5. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1610/5. [4] السنن الکبریٰ للنسائی ، التفسیر، باب: ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ (طٰہٰ 40:20): 405/6، حدیث:11326 اور یہ حدیث فُتُون کا حصہ ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ] ، [فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟] ''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ جانور کا بچہ تو پورا پیدا ہوتا ہے، کیا تم ان میں سے کسی کا کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟''[1] اور صحیح مسلم میں عِیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے: [......وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ] ''اور بے شک میں نے اپنے تمام بندوں کو دینِ حنیف پر پیدا کیا تھا اور بے شک شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے بہکا دیا تھا اور ان چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔''[2] اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر انھیں اصحاب یمین (دائیں ہاتھ) اور اصحاب شمال (بائیں ہاتھ) والوں میں تقسیم کرنے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [يُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهِ؟ قَالَ : فَيَقُولُ: نَعَمْ، (قَالَ): فَيَقُولُ: قَدْ أَرَدْتُّ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ ذٰلِكَ، قَدْ أَخَذْتُ عَلَيْكَ فِي ظَهْرِ آدَمَ أَنْ لَّا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي] ''قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہا جائے گا کہ یہ بتاؤ اگر تمھیں دنیا بھر کی دولت مل جائے تو کیا اسے فدیے میں دے سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ جواب دے گا: ہاں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں چھوٹا مطالبہ کیا تھا اور وہ یہ کہ میں نے تجھ سے اس وقت عہد لیا تھا جب تو آدم کی پشت ہی میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو نے عہد کو پورا کرنے سے انکار کر دیا اور میرے ساتھ شرک کیا۔''[3] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِّنْهُمْ وَبِيصًا مِّنْ نُّورٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى آدَمَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ فَرَأَى رَجُلًا مِّنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ : أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالَ: هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ يُقَالُ لَهُ: دَاوُدُ، قَالَ: رَبِّ! وَكَمْ جَعَلْتَ عُمُرَهُ؟ قَالَ: سِتِّينَ سَنَةً، قَالَ : أَيْ رَبِّ!

[1] اس کا ابتدائی حصہ صحیح البخاری، الجنائز، باب ماقیل فی أولاد المشرکین، حدیث:1385 اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ (الروم30:30)، حدیث:4775 وصحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ......، حدیث:2658 کے مطابق ہے۔ [2] صحیح مسلم، الجنة ونعیمها، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا......، حدیث:2865. [3] مسند أحمد:127/3. [4] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته، حدیث:3334 وصحیح مسلم، صفات المنافقین، باب طلب الکافر الفداء......، حدیث:2805.

(وَهَبْتُ لَهُ) مِنْ عُمُرِى أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَلَمَّا انْقَضٰى عُمُرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ: أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمُرِى أَرْبَعُونَ سَنَةً ؟ قَالَ: أَوَ لَمْ تُعْطِهَا لِابْنِكَ دَاوُدَ؟ قَالَ: فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ آدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ]

''اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح گر گئی، جسے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا فرمانے والا تھا۔ اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرما دی، پھر انھیں حضرت آدم کے سامنے پیش کیا تو آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تیری اولاد ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کے آنکھوں کے درمیان کی چمک انھیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئی تو انھوں نے عرض کی: یا اللہ! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ آخری امتوں میں سے تیری اولاد میں سے ایک شخص ہے جس کا نام داود ہوگا، عرض کی: یا اللہ! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ فرمایا: ساٹھ سال، عرض کی: اے اللہ! میں نے اس کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیے۔

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داود کو نہیں دے دیے تھے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا، اسی وجہ سے آپ کی اولاد بھی انکار کر دیتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے، اسی وجہ سے اولادِ آدم بھی بھول جاتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوگئی، اسی وجہ سے آپ کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔''[1] امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے اور کئی سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے امام حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے مگر امام بخاری ومسلم نے اسے ذکر نہیں کیا۔[2]

یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور اہل جنت واہل دوزخ میں فرق کر دیا، پھر فرمایا ہے: ﴿ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ﴾ ''اور ان سے ان کی جانوں کے متعلق اقرار کرا لیا (ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ بولے: کیوں نہیں!'' یعنی اللہ نے انھیں اس طرح وجود بخشا کہ وہ اس کی گواہی دے رہے اور زبان حال وقال سے یہ کہہ رہے تھے: کیوں نہیں! کیونکہ گواہی کبھی تو قول کے ساتھ ہوتی ہے، مثلاً: ﴿ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ﴾(الأنعام 130:6) ''وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے نفسوں پر گواہ ہیں۔'' اور کبھی گواہی زبانِ حال سے ہوتی ہے، مثلاً: ﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ ﴾(التوبة 17:9) ''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأعراف، حديث:3076. [2] المستدرك للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة الأعراف:325/2 ، حديث:3257 وصحيح ابن حبان، حديث:6167 قوسین والے الفاظ السنن الکبری للبيهقي:146/10 میں ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

اور (اے نبی!) انھیں اس شخص کی خبر پڑھ سنائیں جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں مگر وہ ان (کی پابندی) سے نکل بھاگا تو اسے شیطان نے پیچھے لگالیا، پھر وہ

مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿175﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

گمراہوں میں (شامل) ہو گیا﴿175﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیتوں) کے ذریعے سے اسے بلند درجہ دیتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک پڑا اور اپنی خواہش

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ

کے پیچھے لگ گیا، چنانچہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپتا ہے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تو بھی ہانپتا ہے۔ یہی مثال ان

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿176﴾ سَآءَ مَثَلَا الْقَوْمُ

لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، چنانچہ (اے نبی!) آپ (یہود سے) یہ قصہ بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں﴿176﴾ ان لوگوں کی مثال

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿177﴾

بری ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے﴿177﴾

دے رہے ہوں۔'' یعنی ان کا حال اس بات پر گواہ ہے، یہ نہیں کہ وہ اپنی زبان سے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں۔ اور یہ اس فرمانِ الٰہی کی طرح ہے: ﴿وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴾ (العدیت 100:7) ''اور یقیناً وہ خود اس پر گواہ بھی ہے۔''

اسی طرح سوال بھی کبھی زبان قال سے اور کبھی زبان حال سے ہوتا ہے، مثلاً: ﴿وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ﴾ (إبراهيم 34:14) ''اور جو کچھ تم نے مانگا، سب میں سے تم کو عنایت کیا۔'' اور اس بات کی دلیل کہ اس سے مراد زبانِ حال کی گواہی ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گواہی کو ان کے شرک کے بارے میں ان کے خلاف حجت قرار دیا ہے اور اگر یہ گواہی زبانِ قال سے ہوتی جیسا کہ کچھ لوگوں نے کہا ہے تو پھر بھی یہ ہر شخص کو یاد ہونی چاہیے تھی تا کہ اس کے خلاف اسے بطور حجت پیش کیا جا سکتا۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا اس کے بارے میں خبر دینا ہی اس کے بارے میں کافی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ تکذیب کرنے والے مشرک تو رسولوں کی پیش کردہ تمام باتوں کی اس کی بھی اور دوسری باتوں کی بھی تکذیب کرتے ہیں لیکن اسے تو ان کے خلاف ایک مستقل دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد اقرار توحید سے متعلق ان کی وہ فطرت ہے جس پر انھیں پیدا کیا گیا ہے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿172﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا﴾ ''کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ بے شک ہم کو تو اس (توحید) کی خبر ہی نہ تھی یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو صرف ہمارے بڑوں نے کیا تھا۔''

تفسیر آیات: 175-177

بلعم کا قصہ: امام عبدالرزاق نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ ''اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا۔'' کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے مراد (بنی اسرائیل کا) ایک آدمی ہے جس کا نام بلعم بن

اَبُر تھا۔① شعبہ اور دیگر کئی راویوں نے از منصور اور آگے اسی سند سے یہی روایت کیا ہے۔② جبکہ سعید بن ابوعَرُوبہ نے قتادہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صَیفِی بن راہب ہے۔③ قتادہ نے کعب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ شخص اہل بُلقاء میں سے تھا، یہ وہ اسمِ اعظم جانتا تھا جس کی بنا پر دعا قبول کی جاتی ہے اور سرکش لوگوں کے ساتھ بیت المقدس میں مقیم تھا۔④ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ شخص اہل یمن میں سے تھا، اسے بلعم کہا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات عطا فرمائیں مگر اس نے انھیں ترک کر دیا تھا۔⑤

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا، یہ مستجاب الدعوات تھا، مشکلات میں بنی اسرائیل اسے آگے کیا کرتے تھے۔ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے مدین کے بادشاہ کی طرف بھیجا تا کہ اسے اللہ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی جائے مگر جب اس نے اسے انعام واکرام سے نوازا تو اس نے اس کے دین کو اختیار کر لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو ترک کر دیا، چنانچہ یہ آیات اسی کے متعلق نازل ہوئیں۔⑥ عمران بن عُیَینہ، حُصَین سے، وہ عمران بن حارث سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کا نام بلعم بن باعر تھا۔⑦ ثقیف کا قول ہے کہ اس سے مراد امیہ بن ابوصلت ہے۔⑧

اس آیت کریمہ کا مشہور سبب نزول یہ ہے کہ یہ سابقہ لوگوں میں سے بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شخص تھا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف کا قول ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ مدینہ جبارین کا ایک شخص تھا جس کا نام بلعم تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اکبر جانتا تھا۔⑨ علی بن ابوطلحہ ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جب جبارین میں آئے تو بلعم کے چچا زاد بھائیوں اور اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ موسیٰ بہت سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں اگر وہ ہم پر غالب آ گئے تو ہمیں ہلاک کر دیں گے، لہٰذا دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو ہم سے دور ہٹا دے، اس نے جواب دیا کہ اگر میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تو اس سے میری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی مگر وہ لوگ مسلسل اصرار کرتے رہے حتی کہ اس نے ان کی بات مان لی اور دعا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے جو علم عطا فرمایا تھا، اس سے محروم کر دیا۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ ''تو وہ (ان کی پابندی) سے نکل گیا، پھر شیطان نے اس کو پیچھے لگا لیا۔''⑩

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ ''اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ساتھ جو ہم نے اسے عطا کی تھیں، دنیا کی گندگیوں کے ساتھ ملوث

① تفسير عبدالرزاق:99/2، رقم:957 وتفسير الطبري:161/9. ② تفسير الطبري:160/9. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 1616/5. ④ تفسير ابن أبي حاتم:1617/5. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:1618/5. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:1618/5. ⑦ تفسير الطبري:161/9. ⑧ تفسير ابن أبي حاتم:1617/5. ⑨ تفسير الطبري:161/9. ⑩ تفسير الطبري:166/9.

ہونے سے محفوظ رکھتے لیکن وہ تو دنیا کی زیب وزینت کی طرف مائل ہوگیا، دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کے حصول کو اس نے مقصود قرار دے لیا اور دنیا نے اسے اسی طرح فریب دیا جیسا کہ اس نے دیگر بہت سے کم عقلوں اور بے وقوفوں کو فریب خوردہ کر دیا تھا۔

ابن اسحاق نے ابونضر سالم سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ارض شام کے بنو کنعان کے علاقے میں آئے تو بلعام کی قوم اس کے پاس آئی اور اس سے یہ کہنے لگی کہ دیکھو! یہ موسیٰ بن عمران بنی اسرائیل کے ساتھ اس لیے آئے ہیں تا کہ وہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیں، ہمیں قتل کر دیں اور یہاں بنی اسرائیل کو بسا دیں۔ ہم تمھاری قوم ہیں، ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں، تم مستجاب الدعوات ہو، لہٰذا گھر سے نکلو اور ان لوگوں کے لیے بددعا کرو۔ بَلْعام نے جواب دیا: لوگو! تم پر افسوس ہے، موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، آپ کے ہمراہ فرشتے اور مومن ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں ان کے لیے بددعا کروں جبکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کے لیے بددعا کرنے کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا نتیجہ ہوگا؟ اس کی قوم نے کہا کہ ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اس طرح وہ بار بار اصرار کرتے اور اس کے پاس الحاح وزاری سے کام لیتے رہے حتی کہ انھوں نے اسے فتنے میں مبتلا کر ہی دیا۔

بلعم اپنی گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف چل دیا تا کہ وہاں سے بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھ سکے، یہ حُسْبان [1] نامی ایک پہاڑ تھا، ابھی یہ تھوڑی دور تک ہی چلا تھا کہ گدھی زمین پر بیٹھ گئی، اس نے نیچے اتر کر اسے خوب مارا حتی کہ وہ کھڑی ہوگئی اور یہ اس پر سوار ہوگیا، اب پھر وہ تھوڑا سا چلی تھی کہ پھر بیٹھ گئی، اس نے اسے پھر مارا حتی کہ اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا تو اس پر حجت تمام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس گدھی کو قوت گویائی بخشی اور اس نے اس سے کہا: اے بلعم! تجھ پر افسوس ہے تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ میرے سامنے تو فرشتے ہیں جو مجھے اس طرف جانے سے روک رہے ہیں؟ تو اللہ کے نبی اور مومنوں کی طرف اس لیے جا رہا ہے تا کہ ان کے لیے بددعا کرے؟ گدھی کی یہ بات سننے کے بعد بھی یہ اس سے نہ اترا بلکہ اس نے اسے مارنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رستے کو کھول دیا تو وہ اسے لے کر چل دی حتی کہ وہ اسے لے کر حسبان پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی جہاں موسیٰ علیہ السلام کا لشکر، یعنی بنی اسرائیل تھے، پھر اس نے ان کے لیے بددعا کرنی شروع کر دی مگر اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ یہ جب بھی کوئی بددعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو اسی کی قوم کی طرف پھیر دیتا اور یہ اپنی ہی قوم کے لیے بددعا شروع کر دیتا۔ اور جب کوئی اچھی دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو بنی اسرائیل کی طرف پھیر دیتا اور یہ ان کے لیے اچھی دعائیں شروع کر دیتا۔ یہ دیکھ کر اس کی قوم نے کہا: بلعم! تجھے کچھ خبر ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ تو بنی اسرائیل کے لیے دعا اور ہمارے لیے بددعا کر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اب یہ بات میرے بس میں نہیں رہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مغلوب کر دیا تھا۔

پھر اس کی زبان بھی باہر نکل کر اس کے سینے پر آ گئی تو یہ کہنے لگا کہ لوگو! اب تو میری دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوگئی ہیں،

---

[1] تفسیر الطبری:168/9 میں ''حسان'' ہے۔

اب تو سوائے مکروفریب کے اور کوئی چارہ نہیں رہا، لہٰذا میں تمھیں ایک حیلہ بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ عورتوں کا خوب میک اپ کرو اور انھیں سامان دے کر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں بھیج دو۔ اور ان عورتوں سے کہو کہ اگر اس لشکر کا کوئی شخص بدکاری کا ارادہ کرے تو اسے یہ موقع دیا جائے کیونکہ ان میں سے اگر ایک شخص نے بھی زنا کر لیا تو بس سمجھو کہ تمھارا کام بن گیا۔

بلعم کی قوم نے اسی حیلے کو اختیار کر لیا اور اس کی بھیجی ہوئی عورتیں جب لشکر میں پہنچیں تو ان میں سے ایک عورت جس کا نام کُسْبیٰ تھا اور وہ ایک کنعانی سردار صور کی بیٹی تھی، ایک بنی اسرائیلی سردار زَمْرِی بن شلوم کے پاس سے گزری، یہ شخص خاندان شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کا سردار تھا، اس نے اسے دیکھا تو اسے یہ بہت پسند آئی اس نے اس کے ہاتھ کو پکڑا اور اسے موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے آیا اور کہنے لگا: میرا گمان یہ ہے کہ آپ کہیں گے کہ یہ عورت حرام ہے، اس کے قریب نہ جاؤ؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! بلاشبہ یہ حرام ہے تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! اس معاملے میں میں آپ کی بات نہیں مانوں گا، یہ کہہ کر وہ اسے اپنے خیمے میں لے آیا اور اس کے ساتھ اس نے بدکاری کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر دیا۔

فِنْحاص بن عیزار بن ہارون موسیٰ علیہ السلام کا امیر لشکر تھا اور اسے کشادہ جسم اور مضبوط گرفت ودیعت تھی زَمْرِی بن شلوم نے جب بدکاری کی اس وقت یہ موجود نہیں تھا اور جب یہ واپس آیا تو طاعون نے لشکر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اسے جب ساری بات بتائی گئی تو اس نے اپنے نیزے کو پکڑا جو سارے کا سارا لوہے کا بنا ہوا تھا۔ اور زمری کے خیمے میں داخل ہو گیا جس میں زَمْرِی اور کُسْبیٰ دادِ عیش دے رہے تھے، اس نے دونوں پر نیزے سے اس طرح وار کیا کہ نیزہ بیک وقت دونوں کے جسم میں پیوست ہو گیا، اس نے دونوں کو نیزے پر اٹھا لیا اور انھیں خیمے سے باہر لے آیا۔ یہ نیزے کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھا، جسے اس نے اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا، کہنی کو اس نے سہارے کے لیے اپنے پہلو کے ساتھ لگایا ہوا تھا اور نیزے کو اپنے جبڑے کا سہارا بھی دیا ہوا تھا۔ یہ عیزار کا بڑا بہادر بیٹا تھا، اس نے نیزے کو آسمان کی طرف اچھالتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! جو تیری نافرمانی کرے، اس کے ساتھ ہم یہی سلوک کرتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے طاعون کو ختم کر دیا۔

اس طاعون کی وجہ سے ہلاک ہونے والے اسرائیلیوں کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ زمری کے اس عورت سے بدکاری کرنے کے وقت سے لے کر فنحاص کے اسے قتل کرنے کے عرصے تک ستر ہزار اسرائیلی طاعون سے ہلاک ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں کم سے کم تعداد جو بیان کی گئی ہے وہ بھی بیس ہزار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل ذبح کیے جانے والے جانور کی گردن، دستی اور اپنے ہر مال کے عمدہ حصے کو فنحاص کی اولاد کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ اسی بَلْعام بن باعوراء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ﴾ تا ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝١٧٦ ﴾ تک آیات کو نازل فرمایا ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ﴾ ”تو اس کی

[1] تفسیر الطبری: 9/167-169.

مثال کتے کی سی ہوگی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔'' مفسرین کا اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کی سالم اوران کی ابونضر سے روایت کے مطابق بلعام کی زبان نکل کر چونکہ اس کے سینے پر آ گئی تھی، اس لیے مذکورہ بالا دونوں حالتوں میں کتے کے ساتھ اس کی تشبیہ بالکل ظاہر ہے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ضلالت و گمراہی اور اسی کو اختیار کیے رکھنے اور ایمان کی طرف دعوت دینے سے فائدہ نہ اٹھانے کے اعتبار سے اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس پر سختی کرو تو پھر بھی ہانپتا ہے اور نہ کرو تو پھر بھی اپنی زبان باہر نکالے رکھتا ہے، اسی طرح اس شخص کو بھی نصیحت کی جائے یا نہ کی جائے، ایمان کی دعوت دی جائے یا نہ دی جائے دونوں حالتیں برابر ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ○ ﴾ (البقرة6:2) ''انھیں آپ نصیحت کریں یا نہ کریں ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ﴾ (التوبة80:9) ''آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (بات ایک ہے) اگر ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔''

اس آیت کریمہ کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ کافر، منافق اور گمراہ انسان کا دل کمزور اور ہدایت سے خالی ہوتا ہے اور کثرت سے دھڑکتا ہے، اس کے دل کی اس حالت کو اس مثال کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے، امام حسن بصری اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر سے اس سے ملتے جلتے آثار منقول ہیں۔[1]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ ﴾ ''تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تا کہ وہ غور و فکر کریں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے یہ فرمایا ہے کہ یہ قصہ بیان کر دو شاید وہ بنی اسرائیل فکر کریں جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلعام کو گمراہ کر کے کس طرح اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جو اللہ نے اسے اسم اعظم سکھا کر عطا فرمائی تھی کہ وہ نام لے کر اس سے سوال کیا جائے تو وہ ضرور عطا کرتا ہے اور دعا کی جائے تو وہ ضرور قبول فرماتا ہے مگر اس نے اس کی اطاعت میں صرف کرنے کے بجائے اس کی جماعت، لشکرِ ایمان اور اس زمانے کے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے خلاف بددعا کرنے میں استعمال کی تھی۔

اور اس واقعے کو سن کر وہ اس جیسا کردار ادا کرنے سے اجتناب کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی علم سے نوازا ہے اور اعراب وغیرہ کی نسبت انھیں فضیلت علمی سے سرفراز ا ہے، ان کے ہاتھوں میں حضور اقدس ﷺ کے بارے میں ایسی نشانیاں پھیلا دی ہیں جن سے وہ آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ یہ دوسرے لوگوں کی نسبت سب سے پہلے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالائیں اور آپ کی تائید و حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں جیسا کہ آپ کے بارے میں ان کے انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی انھیں اطلاع دی اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالانے کا حکم دیا تھا۔

[1] تفسير الطبرى:9/172,173.

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿178﴾

جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے (اللہ) گمراہ کر دے تو یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿178﴾

یہی وجہ ہے کہ ان میں سے جس نے بھی اپنی کتاب کی مخالفت کی، اس میں لکھی ہوئی باتوں کو چھپایا اور ان کے بارے میں لوگوں کو نہ بتایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا ہی میں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دیا، آخرت کی ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی اس کے علاوہ ہوگی۔

﴿سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری ہے۔'' کہ انھیں ان کتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جن کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور نفس پرستی ہے۔ اسی طرح جو شخص بھی علم اور ہدایت سے باہر نکل جائے، شہوت پرستی کو اختیار کر لے اور خواہشات نفس کا بندہ بن جائے تو اس کی مثال کتے کی سی ہے جو بدترین مثال ہے، اسی وجہ سے صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ ، الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ] ''ہمارے لیے بری مثال نہیں ہے لیکن جو شخص کسی چیز کو دے کر واپس لے لے اس کی مثال ایسے ہے، جیسے کتا اپنی قے کو چاٹ لے۔''①

اور فرمانِ الٰہی: ﴿وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿177﴾﴾ ''اور انھوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنے آپ پر خود ہی ظلم کیا کہ ہدایت کی اتباع اور اپنے مولیٰ کی اطاعت سے روگردانی کی، عارضی اور فانی دنیا کو اپنا مقصود قرار دے لیا اور نفسانی خواہشوں اور لذت پرستیوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

تفسیر آیت:178

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے تو وہ یقینی طور پر خائب و خاسر اور گمراہ ہو گیا اور اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: [إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ ، نَحْمَدُهُ ، وَنَسْتَعِينُهُ ، (وَنَسْتَهْدِيهِ) وَنَسْتَغْفِرُهُ ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ......] ''بے شک سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے عملوں سے پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں......'' اس حدیث کو امام احمد، اہل سنن اور دیگر محدثین

---

① صحیح البخاری، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب: لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، حديث:2622 عن ابن عباس رضي الله عنه. وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الرجوع في الهبة، حديث:1298 و اللفظ له.

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ

اور تحقیق ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔ان کے دل تو ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں تو ہیں

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ

(مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھتے نہیں، اور ان کے کان تو ہیں (مگر) وہ ان سے (حق بات) سنتے نہیں، وہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ

بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿179﴾

گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں ﴿179﴾

نے بیان فرمایا ہے۔①

تفسیر آیت:179

کفر اور تقدیر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ﴾ ”اور تحقیق ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔“ یعنی ہم نے انھیں دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ دوزخیوں جیسے کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو وہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی یہ جانتا تھا کہ وہ کس طرح کے عمل کریں گے۔ اور اپنے اس علم کے مطابق ہی اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال قبل ان تمام باتوں کو اپنے پاس ایک کتاب میں لکھ لیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ] ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تحریر فرمایا تھا اور آپ نے فرمایا: اس کا عرش پانی پر تھا۔“②

اس کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں، تقدیر کا مسئلہ بہت اہم ہے لیکن اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ﴾ ”ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔“ یعنی اپنے ان اعضاء سے فائدہ حاصل نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے سبب ہدایت بنا دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ

① مسند أحمد:432/1 وسنن أبي داود، النكاح ، باب في خطبة النكاح، حديث:2118 وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، حديث:1105 وسنن النسائي، النكاح، باب ما يستحب من الكلام عند النكاح، حديث: 3280,3279 وسنن ابن ماجه، النكاح ، باب خطبة النكاح، حديث:1892 واللفظ له ومسندأبي يعلى:5233 امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کے قصے کے تحت اس خطبے کو بیان فرمایا ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 868 اور [وَنَسْتَهْدِيهِ] ہمیں نہیں ملا۔ ② صحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم وموسى علیہما السلام ، حديث: 2653.

اللہِ ﴾ (الأحقاف26:46) ''اور ہم نے انھیں کان، آنکھیں اور دل دیے تھے جبکہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آسکے اور نہ آنکھیں اور نہ دل۔''

اور فرمایا: ﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ2:18) ''(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔'' یہ منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے اور کافروں کے بارے میں یہ فرمایا ہے: ﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ2:171) ''(یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے۔'' یعنی یہ لوگ ہدایت قبول کرنے سے بہرے، گونگے اور اندھے تھے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جسمانی طور پر ان میں یہ معذوری تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ﴾ (الأنفال8:23) ''اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو ضرور سنا دیتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سنا دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔''

اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (الحج22:46) ''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 37,36:43) ''اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرلے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ اور بے شک یہ (شیطان) ان کو رستے سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک سیدھے رستے پر ہیں۔''

﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ ﴾ ''یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جو حق کو سنتے نہیں، اسے یاد نہیں رکھتے اور نہ ہدایت کو دیکھتے ہیں تو یہ ان چوپایوں کی طرح ہیں جو اپنے ان حواس سے دنیا کی زندگی کے ظاہر کے سوا اور کسی معاملے میں فائدہ نہیں اٹھاتے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ ﴾ (البقرۃ2:171) ''اور جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی (جانور) کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔'' یعنی ایمان کی طرف انھیں دعوت دینے کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی چرواہا جب اپنے جانوروں کو بلاتا ہے تو وہ صرف اس کی آواز سنتے ہیں مگر جو کچھ وہ کہتا ہے اسے سمجھتے نہیں۔

اسی لیے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ ﴾ ''بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔'' یعنی چوپایوں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ چوپائے تو اپنے چرواہے کی بات کو اس وقت مانتے ہیں جب وہ ان پر سختی کرے، خواہ وہ اس کی بات کو نہ سمجھتے ہوں لیکن ان لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پھر چوپائے تو وہ کام کرتے ہیں جس کے لیے انھیں پیدا کیا گیا ہے، خواہ وہ کام کرنا ان کی طبیعت میں رکھ دیا گیا ہو یا اس کام کے لیے انھیں مجبور کر دیا گیا ہو، تاہم کافر کا معاملہ اس کے خلاف ہے

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، لہٰذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو، اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس کے ناموں میں کج روی

اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿180﴾

اختیار کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے ﴿180﴾

کہ اسے تو صرف اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اسے وحدہ لاشریک مانے مگر اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کو اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں وہ روز قیامت فرشتوں سے افضل ہوں گے۔ اور جو انسان کفر کرتے ہیں، ان سے تو چوپائے اچھے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿179﴾﴾ ''یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

تفسیر آیت:180

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّ تِسْعِينَ اسْمًا ، مِّائَةً إِلَّا وَاحِدًا ، مَّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ]، [وَهُوَ وِتْرٌ يُّحِبُّ الْوِتْرَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو جو انھیں یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وہ وتر کو پسند فرماتا ہے۔'' اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے۔[1]

یاد رہے! اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ صرف ننانوے ہی میں منحصر نہیں ہیں۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد نے مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَّلَا حَزَنٌ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ (وَابْنُ عَبْدِكَ) وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ (الْعَظِيمَ) رَبِيعَ قَلْبِي ، وَ نُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي وَذَهَابَ هَمِّي، إِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحًا، قَالَ: فَقِيلَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَلَا نَتَعَلَّمُهَا؟ فَقَالَ: بَلٰى! يَنْبَغِي لِمَنْ سَمِعَهَا أَنْ يَّتَعَلَّمَهَا]

''جس شخص کو جب بھی کوئی غم و حزن لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ! بے شک میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا حکم میرے حق میں نافذ ہے، تیرا ہر فیصلہ میرے حق میں عین

[1] پہلا حصہ صحیح البخاري، الشروط، باب مايجوز من الاشتراط......، حديث: 2736 اور آخری جز کے لیے دیکھیے الدعوات، باب: لله مائة اسم غير واحدة، حديث:6410 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة......، باب في أسماء الله تعالىٰ......، حديث:2677.

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿181﴾

اور جنھیں ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک گروہ (ان لوگوں کا) ہے جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں﴿181﴾

انصاف ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے، جسے تو نے خود اپنا نام رکھا یا اسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا، اپنی کتاب میں نازل فرمایا یا تو نے اسے علم غیب میں اپنے پاس ہی محفوظ رکھا، میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور، میرے غم کا ازالہ اور پریشانی کو دور کرنے کا مداوا بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مصیبت، پریشانی اور غم و فکر کو دور فرما کر اسے خوشی اور مسرت سے بدل دے گا۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس دعا کو سیکھ نہ لیں؟ فرمایا: جو بھی مسلمان اس دعا کو سنے اسے چاہیے کہ اسے ضرور سیکھ لے۔''①

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ﴾ ''اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں، ان کو چھوڑ دو۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مُلحدین کا الحاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں انھوں نے لات کو بھی شامل کر دیا۔② ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عزیز سے عُزّیٰ اور اللہ سے لات کو مشتق کر لیا تھا۔③ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ يُلْحِدُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے اسماء میں شرک کرتے ہیں۔④

عربی زبان میں الحاد کے اصل معنی اعتدال سے اعراض کر کے دوسری طرف جھک جانا، ظلم کرنا اور منحرف ہو جانا ہیں۔ قبر کی لحد کو بھی اسی لیے لحد کہا جاتا ہے کہ وہ گڑھے کی سمت سے قبلے کی جہت جھکی ہوتی ہے۔

تفسیر آیت:181

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ ﴾ ''اور ہماری مخلوقات میں سے'' ﴿ اُمَّةٌ ﴾ ''وہ لوگ ہیں۔'' یعنی جو قول اور عمل کے اعتبار سے حق پر قائم ہیں۔ ﴿ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ ﴾ ''جو حق کا رستہ بتاتے ہیں۔'' یعنی حق بات کہتے ہیں اور حق ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ﴿ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿181﴾ ﴾ ''اور اس کے موافق انصاف کرتے ہیں۔'' یعنی خود بھی اس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اسی کے مطابق دوسروں کے فیصلے کرتے ہیں۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں امت سے مراد امت محمدیہ ہے۔⑤

صحیحین میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ]، [وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ] وَفِي رِوَايَةٍ: [حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ] وَفِي رِوَايَةٍ: [وَّ هُمْ بِالشَّامِ] ''میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق کے ساتھ غالب

① مسند أحمد:391/1 و صحيح ابن حبان:253/3 ، حديث:972 و مسند أبي يعلى:199,198/9 ، حديث:5297. جبکہ [العظیم] ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملا۔ ② تفسير الطبري:178/9 و تفسير ابن أبي حاتم:1623/5. ③ تفسير الطبري: 179/9. ④ تفسير الطبري:179/9. ⑤ تفسير الطبري:180/9 و تفسير ابن أبي حاتم:1623/5.

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿182﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم ضرور انھیں بتدریج پکڑیں گے جہاں سے انھیں علم تک نہ ہوگا﴿182﴾ اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں، بے شک

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿183﴾

میری تدبیر نہایت مضبوط ہے﴿183﴾

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سكتة مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾

کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (نبی) کو کوئی جنون (لاحق) نہیں؟ وہ تو صاف صاف (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں﴿184﴾

رہے گا، اسے رسوا کرنے والا یا اس کی مخالفت کرنے والا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''[1] ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''وہ غالب ہی رہے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے گا۔''[2] اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''یہ گروہ شام میں ہوگا۔''[3]

تفسیر آیات:183,182

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿182﴾﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں ان کے لیے رزق اور اسباب معیشت کے دروازے کھول دے گا حتی کہ وہ مبتلائے فریب ہو کر اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگ جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ (الأنعام 45,44:6) ''پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں، خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے، پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿183﴾﴾ ''اور میں ان کو مہلت دیے جاتا ہوں، یقیناً میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔''

تفسیر آیت:184

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سكتة﴾ ''کیا انھوں نے غور نہیں کیا؟'' یعنی ہماری آیات کی تکذیب کرنے والے ان لوگوں نے کہ ﴿مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ﴾ ''ان کے رفیق (محمد ﷺ) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے۔''

---

[1] صحیح البخاري، المناقب، باب: 28، حدیث: 3641 لیکن اس کا پہلا حصہ صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: لا تزال طائفة ......، حدیث: 1920 حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہے۔ اور [حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ] صحیح البخاري، الاعتصام، بالکتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ لا تزال طائفة......، حدیث: 7312 و صحیح مسلم، حدیث: 1922 میں ہے۔ [2] صحیح البخاري، المناقب، باب: 28، حدیث: 3641. [3] أیضًا، البتہ یہ الفاظ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہیں۔

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ

کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر نظر نہیں ڈالی، اور (اس پر غور نہیں کیا کہ) شاید ان کی موت قریب

يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿185﴾

آ گئی ہو؟ پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟﴿185﴾

بلکہ وہ تو اللہ کے سچے رسول ہیں جو حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾﴾ ''وہ تو صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی کھلم کھلا ڈرانے والے ہیں اسے جس میں عقل ہو اور سمجھنے اور یاد کرنے والا دل ہو۔ یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴾ (التکویر 22:81) ''اور (مکے والو) تمھارے رفیق (محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴾ (سبا 46:34) ''کہہ دیجیے کہ میں تمھیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو تمھارے رفیق کو کوئی جنون نہیں وہ تو تم کو عذاب سخت (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی میرا تم سے مطالبہ یہ ہے کہ تم بغیر کسی تعصب اور عناد کے اللہ کے لیے خالص ہو کر کھڑے ہو جاؤ، ﴿مَثْنٰى وَفُرَادٰى﴾ یعنی اکٹھے ہو کر بھی، الگ الگ بھی ﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا﴾ ''پھر تم غور کرو'' کہ یہ شخص جو تمھارے پاس پیغام الٰہی لے کر آیا ہے، کیا اسے کوئی جنون ہے یا نہیں؟ جب تم ایسا کرو گے تو تمھارے سامنے یہ حقیقت یقیناً واضح ہو جائے گی کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے سچے اور پکے رسول ہیں۔

قتادہ بن دِعامہ نے کہا کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ صفا پر تشریف فرما تھے کہ آپ نے قریش کو یا بنی فلاں یا بنی فلاں ایک ایک شاخ کا نام لے کر مخاطب فرمایا۔ اور انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گزشتہ و پیش آمدہ واقعات سے ڈرایا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ تمھارے یہ رفیق تو مجنون ہیں جنھوں نے ساری رات تمھیں آوازیں دیتے ہوئے گزاری ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾﴾ ''کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق (محمد ﷺ) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے، وہ تو صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔''[1]

تفسیر آیت:185

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہماری آیات کی تکذیب کرنے والے ان لوگوں نے کیا آسمانوں اور زمین میں ہماری حکومت و سلطنت کو نہیں دیکھا؟ اور نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیا کیا پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا اس پر غور کریں اور عبرت حاصل کریں اور اس حقیقت کو جان لیں کہ یہ حکومت و سلطنت اس کی ہے جس کی کوئی نظیر اور کوئی شبیہ نہیں ہے۔ اور یہ سارا کارخانۂ قدرت

[1] تفسیر الطبری:182/9.

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿186﴾

جسے اللہ گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور وہ انھیں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿186﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

(اے نبی!) وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کونسا ہے؟ کہہ دیجیے: اس کا علم تو میرے رب ہی

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا

کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت ہی پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہوگی۔ وہ (قیامت) تمھارے پاس بس اچانک ہی

بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

آئے گی۔ وہ (لوگ) آپ سے سوال کرتے ہیں جیسے آپ اس (کے وقت) سے بخوبی واقف ہیں۔ کہہ دیجیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿187﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿187﴾

اس ذات گرامی نے سجایا ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ نہایت اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اگر یہ لوگ اس بات پر غور کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے، اس کے رسول کی تصدیق کریں گے۔ اور اس کی اطاعت و بندگی کو اختیار کر لیں گے۔ اور معبودان باطلہ کو ترک کر دیں گے۔ اور اس بات سے ڈریں گے کہ مبادا ان کی موت کا وقت نہ آ جائے اور کہیں وہ اپنے کفر ہی پر فوت ہو کر جہنم رسید نہ ہو جائیں۔

اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿185﴾﴾ ''تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟'' یعنی محمد ﷺ کے اس ڈرانے اور سمجھانے کے بعد اب یہ اور کس ڈر اور خوف پر ایمان لائیں گے اگر یہ لوگ اس بات کی تصدیق نہیں کرتے جسے محمد ﷺ اللہ کے پاس سے لائے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیات میں مذکور ہے تو پھر یہ لوگ اور کس بات کی تصدیق کریں گے؟ پھر فرمایا:

تفسیر آیت:186

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کے لیے وہ ضلالت کو لکھ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، خواہ وہ اس کے لیے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے، وہ اس کے کچھ کام نہیں آ سکتی۔ ﴿وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ (المآئدۃ5:41) ''اور جس کسی کو اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○﴾ (یونس10:101) ''(ان کفار سے) کہہ دیجیے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے؟ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے نشانیاں اور ڈراوے کچھ کام نہیں آتے۔''

تفسیر آیت:187

قیامت کا بیان اور اس کی علامات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ ﴾ ''(یہ لوگ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ﴾ (الأحزاب 63:33) ''لوگ آپ سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کب آئے گی؟)'' کہا گیا ہے کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یہود کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکے کے لوگ قیامت کے وقوع کو بعید سمجھتے اور اس کے وجود کی تکذیب کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ﴾ (الملك 25:67) ''اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعید کب (پوری) ہوگی؟'' اور فرمایا: ﴿ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ 18:42) ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کررہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ دیکھو! بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں، وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔''

اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ ﴾ ''اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے؟'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں: مُنْتَهَاهَا[1] یعنی دنیا کی مدت کا آخری حصہ کب ہوگا؟ جو کہ قیامت کے وقت کا ابتدائی حصہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کردے گا۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جب آپ سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا جائے تو آپ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیں کیونکہ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کردے گا۔ اور وہی متعین طور پر اس کے وقت کو جانتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی بھی اسے نہیں جانتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''وہ آسمان اور زمین میں ایک بھاری (بات) ہوگی۔''
عبدالرزاق نے مَعْمَر سے اور انھوں نے قتادہ سے اس کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کا علم آسمانوں اور زمین والوں پر بہت گراں ہے کہ وہ اسے نہیں جانتے۔[2] معمر نے امام حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو وہ آسمانوں اور زمین والوں پر بہت شاق اور دشوار ہوگی۔[3] ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن ہر ایک مخلوق کو اس دن کا کچھ نہ کچھ ضرر ضرور پہنچے گا۔[4] ابن جُرَیج فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، سورج لپیٹ دیا جائے گا اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے، اسی طرح ہوگا، یہی وجہ ہے کہ قیامت بہت بھاری ہوگی۔[5] سدی کہتے ہیں

[1] تفسیر الطبری:184/9. [2] تفسیر عبدالرزاق:102/2، رقم: 964. [3] تفسیر عبدالرزاق:102/2، رقم: 964. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1627/5. [5] تفسیر الطبری:186/9.

کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ آسمانوں اور زمین میں مخفی ہے اس کے برپا ہونے کے وقت کے بارے میں نہ کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی نبی مُرسَل۔①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ﴾ ''وہ ناگہاں تم پر آ جائے گی۔'' قیامت اچانک آئے گی کہ لوگ اس سے غافل ہوں گے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ وہ اچانک آئے گی اور اس کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ السَّاعَةَ تَهِيجُ بِالنَّاسِ ، وَالرَّجُلُ يُصْلِحُ حَوْضَهُ وَالرَّجُلُ يَسْقِي مَاشِيَتَهُ وَالرَّجُلُ يُقِيمُ سِلْعَتَهُ فِي السُّوقِ وَالرَّجُلُ يَخْفِضُ مِيزَانَهُ وَيَرْفَعُهُ] ''بے شک قیامت لوگوں پر اس طرح ہلچل مچا دے گی کہ کوئی اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا، کوئی اپنے مویشی کو پانی پلا رہا ہوگا، کوئی بازار میں اپنے سامان تجارت کی نمائش کر رہا ہوگا اور کوئی اپنے ترازو کو نیچا اور اونچا کر رہا ہوگا۔''②

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا ، فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ ، فَذٰلِكَ حِينَ: ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ (الأنعام6:158)، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا، فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يُلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أَحَدُكُمْ أُكْلَتَهُ إِلٰى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا]

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور لوگ اسے طلوع ہوتا ہوا دیکھ لیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت ''کسی بھی ایسے نفس کے لیے ایمان لانا مفید نہ ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا جس نے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔'' قیامت قائم ہوگی تو اس وقت دو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہوگا مگر وہ نہ تو اس کی خرید و فروخت مکمل کر پائیں گے اور نہ اسے لپیٹ ہی سکیں گے۔ قیامت قائم ہوگی تو ایک شخص اپنے جانور کا دودھ دوہ کر لایا ہوگا مگر وہ اسے پی نہ سکے گا۔ قیامت قائم ہوگی تو ایک شخص اپنے حوض کو ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا مگر وہ اس میں سے (اپنے جانوروں کو) پانی نہ پلا سکے گا۔ اور جب قیامت قائم ہوگی تو ایک شخص نے منہ میں ڈالنے کے لیے لقمہ اٹھایا ہوگا مگر وہ اسے کھا نہ سکے گا۔''③

ارشاد الٰہی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ﴾ ''یہ آپ سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا آپ اور ان کے مابین

① تفسير الطبري:185/9. ② تفسير الطبري:186/9 یہ روایت مرسل ہے لیکن اس کے بعد والی روایت اس کے بعض حصے کی شاہد ہے۔ ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب: 40 ، حديث:6506 لیکن یہاں تک یہ آیت کریمہ، حدیث:7121 میں ہے اور وہ مفصل ہے و مسند أحمد:369/2 مختصرًا.

محبت ہے اور گویا آپ ان کے دوست ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے سوال اس انداز سے کیا، گویا آپ اس کے بارے میں بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ انھیں یہ بتا دیں کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ اور اس نے اسے اپنے ہی پاس رکھا ہے۔ اور اس کے بارے میں کسی بھی مقرب فرشتے یا اپنے کسی بھی رسول کو مطلع نہیں کیا۔[1]

مجاہد سے بروایت ابن ابو نَجیح وغیرہ صحیح قول یہ ہے کہ گویا آپ نے اس کے متعلق اس قدر چمٹ کر سوال کیے حتی کہ اس کے وقت کو جان لیا۔[2] حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ گویا آپ اس کے متعلق جانتے ہیں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم اپنی مخلوق سے مخفی رکھا ہے اس کے بعد عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ...... ﴾ الآية (لقمٰن 34:31) ''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے......''[3] اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔''

چنانچہ جبریل علیہ السلام جب ایک اعرابی کی صورت میں آئے تھے تاکہ لوگوں کو دین سکھائیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رہنمائی طلب کرنے والے ایک سائل کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ اور انھوں نے آپ سے اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں سوالات کیے، پھر یہ بھی پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کا جواب یہ دیا: [مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ] ''مسئول کو اس کے بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔'' یعنی میں اس کے بارے میں تم سے زیادہ نہیں جانتا اور نہ کوئی ایک کسی دوسرے سے زیادہ جانتا ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ...... ﴾ الآية (لقمٰن 34:31) ''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے......'' کی تلاوت فرمائی۔[4]

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے آپ سے قیامت کی علامات کے بارے میں پوچھا تو آپ نے قیامت کی علامات کو بیان کر دیا،[5] پھر فرمایا: [فِي خَمْسٍ لَّا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ] ''پانچ چیزیں ایسی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، پھر آپ نے اس آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ...... ﴾ الآية (لقمٰن 34:31) کی تلاوت فرمائی۔[6]

جبریل آپ کے ہر جواب کے بعد کہتے کہ آپ نے سچ فرمایا ہے، اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سائل کے بارے میں تعجب کا اظہار کیا تھا کہ یہ سوال بھی کرتا ہے، پھر تصدیق بھی کرتا ہے اور جب چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [......فَإِنَّهُ جِبْرَئِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ] ''بے شک یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس اس لیے آئے تھے تاکہ تمھیں دین

[1] تفسیر الطبری: 187/9. [2] تفسیر الطبری: 188/9. [3] تفسیر الطبری: 189/9. [4] ملخص از صحیح البخاری، الإیمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الإیمان......، حدیث: 50 مطولاً. وصحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 8. [5] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 8 وجامع الترمذی، الإیمان، باب ما جاء فی وصف جبریل للنبی ﷺ، حدیث: 2610 ومسند أحمد: 27/1. [6] صحیح البخاری، حوالہ مذکورہ وصحیح مسلم، حدیث: 9.

سکھائیں۔‘‘① ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے فرمایا:[وَمَا أَتَانِی فِی صُورَۃٍ إِلَّا عَرَفْتُهُ غَیْرَ هٰذِهِ الصُّورَۃِ] ’’جبریل میرے پاس جب بھی کسی صورت میں آئے تو میں نے انھیں پہچان لیا مگر اس صورت میں انھیں نہ پہچان سکا۔‘‘②

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اعرابی لوگ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے کہ وہ کب آئے گی؟ تو آپ ان میں سب سے کم عمر شخص کو دیکھتے اور فرماتے:[إِنْ یَّعِشْ هٰذَا لَمْ یُدْرِکْهُ الْهَرَمُ قَامَتْ عَلَیْکُمْ سَاعَتُکُمْ] ’’کہ اگر یہ زندہ رہا تو اسے بڑھاپا نہیں آئے گا حتی کہ تم پر قیامت قائم ہو جائے گی۔‘‘③ آپ کا اشارہ ان کی موت کی طرف ہوتا تھا جو انھیں برزخ میں پہنچا دے گی۔ پھر امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا......، تو آپ نے فرمایا:[إِنْ یَّعِشْ هٰذَا الْغُلَامُ فَعَسٰی أَنْ لَّا یُدْرِکَهُ الْهَرَمُ حَتّٰی تَقُومَ السَّاعَۃُ] ’’اگر یہ بچہ زندہ رہا تو ہو سکتا ہے کہ اس کے بوڑھے ہونے سے پہلے پہلے قیامت آجائے۔‘‘④ اسی سند سے اور انھی الفاظ سے یہ روایت صحیحین میں سے صرف صحیح مسلم ہی میں ہے۔⑤

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے یہ ارشاد فرما رہے تھے:[تَسْأَلُونِّی عَنِ السَّاعَۃِ ؟ وَإِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ! وَأُقْسِمُ بِاللّٰهِ! مَا عَلٰی ظَهْرِ الْأَرْضِ الْیَوْمَ مِنْ نَّفْسٍ مَّنْفُوسَۃٍ تَأْتِی عَلَیْهَا مِائَۃُ سَنَۃٍ] ’’تم مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہو، حالانکہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج زمین پر جو جاندار بھی موجود ہے، وہ سو سال بعد موجود نہیں ہوگا۔‘‘ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔⑥ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے، مزید براں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اس صدی کے اختتام سے قبل اس وقت موجود سب لوگ فوت ہو جائیں گے۔⑦

امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَقِیتُ لَیْلَۃَ أُسْرِیَ بِی إِبْرَاهِیمَ وَمُوسٰی وَ عِیسٰی ، قَالَ: فَتَذَاکَرُوا أَمْرَ السَّاعَۃِ ، فَرَدُّوا أَمْرَهُمْ إِلٰی إِبْرَاهِیمَ علیہ السلام، فَقَالَ: لَا عِلْمَ لِی بِهَا ، فَرَدُّوا الْأَمْرَ إِلٰی مُوسٰی فَقَالَ: لَا عِلْمَ لِی بِهَا فَرَدُّوا الْأَمْرَ إِلٰی عِیسٰی فَقَالَ عِیسٰی : أَمَّا وَجْبَتُهَا فَلَا

---

① صحیح البخاری، حوالہ مذکورہ و صحیح مسلم، حدیث: 8 و اللفظ لہ اور جبریل علیہ السلام کے تصدیق اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تعجب کرنے کا ذکر صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ ② مسند أحمد:53,52/1. ③ صحیح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حدیث: 2952. ④ صحیح مسلم: أیضا، حدیث:2953 . ⑤ صحیح البخاری، الأدب، باب ماجاء فی قول الرجل: ویلك، حدیث:6167 اور اس میں ایک واقعہ ہے۔ ⑥ صحیح مسلم، فضائل الصحابة،باب بیان معنی قوله ﷺ:[علی رأس مائة سنة......] حدیث:2538 اور الیوم بعض دوسرے طرق میں ہے۔ ⑦ صحیح البخاری، مواقیت الصلاة، باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء، حدیث: 601 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب بیان معنی قوله ﷺ: [علی رأس مائة سنة......] حدیث:2537.

يَعْلَمُهَا أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ، ذٰلِكَ وَفِيمَا عَهِدَ إِلَيَّ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ أَنَّ الدَّجَّالَ خَارِجٌ ، قَالَ: وَمَعِي قَضِيبَانِ، فَإِذَا رَآنِي ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الرَّصَاصُ، قَالَ: فَيُهْلِكُهُ اللّٰهُ حَتّٰى إِنَّ الْحَجَرَ وَالشَّجَرَ لَيَقُولُ: يَا مُسْلِمُ! إِنَّ تَحْتِي كَافِرًا، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ ، قَالَ : فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ إِلٰى بِلَادِهِمْ وَأَوْطَانِهِمْ ، قَالَ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَخْرُجُ يَأْجُوجُ وَ مَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُونَ ، فَيَطَأُونَ بِلَادَهُمْ لَا يَأْتُونَ عَلٰى شَيْءٍ إِلَّا أَهْلَكُوهُ، وَلَا يَمُرُّونَ عَلٰى مَاءٍ إِلَّا شَرِبُوهُ ، ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ إِلَيَّ فَيَشْكُونَهُمْ، فَأَدْعُوا اللّٰهَ عَلَيْهِمْ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ وَيُمِيتُهُمْ حَتّٰى تَجْوَى الْأَرْضُ مِنْ نَّتْنِ رِيحِهِمْ ، قَالَ : فَيُنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمَطَرَ فَتَجْرُفُ أَجْسَادَهُمْ حَتّٰى يَقْذِفَهُمْ فِي الْبَحْرِ]

''معراج کی رات ابراہیم، موسیٰ ، اور عیسیٰ علیہم السلام سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے قیامت کا ذکر کیا اور اس معاملے کو حضرت ابراہیم کے سپرد کر دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انھوں نے فرمایا: جہاں تک قیامت کے دھماکے کا تعلق ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے یہ بات اسی طرح ہے، ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ ضرور فرمایا ہے کہ دجال خروج کرنے والا ہے۔ اور اس وقت میرے پاس دو چھڑیاں ہوں گی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا حتی کہ حجر و شجر بھی کہیں گے کہ اے مسلمان! میرے نیچے کافر چھپا ہوا ہے، آؤ اور اسے قتل کر دو تو اللہ تعالیٰ سب کافروں کو ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے تو اس وقت یاجوج اور ماجوج نکلیں گے۔ اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ اور اپنے شہروں کو روند ڈالیں گے۔ اور جس چیز کے پاس سے گزریں گے اسے تباہ و برباد کر دیں گے، پانی کے جس ذخیرے کے پاس سے گزریں گے اسے پی جائیں گے۔ لوگ میرے پاس آ کر ان کی شکایت کریں گے تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بددعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک کر دے گا اور مار دے گا۔ ان کی گلی سڑی لاشوں کی وجہ سے زمین سخت بدبودار ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا اور بارش ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں لے جائے گی۔''

امام احمد نے یزید بن ہارون سے روایت کیا ہے کہ پھر پہاڑوں کو اڑا کر بکھیر دیا جائے گا اور زمین کو کھال کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔ پھر ہُشَیم کی روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں: [فَفِيمَا عَهِدَ إِلَيَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ أَنَّ ذٰلِكَ إِذَا كَانَ كَذٰلِكَ ، فَإِنَّ السَّاعَةَ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ الَّتِي لَا يَدْرِي أَهْلُهَا مَتٰى تَفْجَؤُهُمْ بِوِلَادِهَا[1] لَيْلًا أَوْ نَهَارًا] ''پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ فرمایا ہے کہ جب یہ واقعات رونما ہوں گے تو قیامت کی مثال اس حاملہ کی طرح ہو گی جس

---

[1] بعض نسخوں میں [بِوِلَادَتِهَا] ہے۔

کے حمل کی مدت تو پوری ہوگئی ہو مگر گھر والوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ رات یا دن کس وقت ولادت ہوگی۔‘‘① اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ متعین طور پر کس وقت قیامت برپا ہوگی۔ انھوں نے جب اس معاملے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کیا تو آپ نے قیامت کی علامات کے بارے میں گفتگو فرمائی کیونکہ ان کا اس امت کے آخری زمانے میں نزول ہوگا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کو نافذ کردیں اور مسیح دجال کو قتل کردیں۔ اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھی آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کردے گا، اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ چند باتیں بتائیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمادیا تھا۔

امام احمد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: [﴿ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ﴾ (الأعراف 187:7) ، وَلٰكِنْ أُخْبِرُكُمْ بِمَشَارِيطِهَا وَمَا يَكُونُ بَيْنَ يَدَيْهَا، إِنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا فِتْنَةً وَّهَرْجًا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! الْفِتْنَةُ قَدْ عَرَفْنَاهَا فَالْهَرْجُ مَا هُوَ؟ قَالَ: بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ الْقَتْلُ وَيُلْقٰى بَيْنَ النَّاسِ التَّنَاكُرُ، فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ أَنْ يَّعْرِفَ أَحَدًا] ’’اس کا علم میرے رب عزوجل کے پاس ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا لیکن میں تمھیں اس کی علامات اور اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں بتا دیتا ہوں کہ اس سے پہلے فتنہ انگیزی اور ہَرج ہوگا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! فتنے کو تو ہم جانتے ہیں لیکن ھرج سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: حبشہ کی زبان میں ھرج قتل وغارت کو کہتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ علامات قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے اجنبی ہو جائیں گے اور کوئی کسی کو پہچانتا نہ ہوگا۔‘‘③

اصحاب کتب ستہ میں سے کسی نے اس انداز اور اس سند سے اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔④ طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ قیامت کا ذکر فرماتے رہتے تھے حتی کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ ...... ﴾ الآیۃ⑤ اس حدیث کی سند جید اور قوی ہے۔

نبی امی سید المرسلین وخاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نبیٔ رحمت، نبیٔ توبہ، نبی مَلْحَمہ، (میدان کارزار، جنگ) عاقب (سب سے پیچھے آنے والے جن کے بعد کوئی نبی نہیں)، مُقفّی (خاتم النبیین) اور حاشر۔ جن کے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ ہیں،⑥ پھر

① مسند أحمد:375/1. ② سنن ابن ماجه، الفتن، باب فتنة الدجال و خروج عيسى ابن مريم ...... ، حديث:4081.
③ مسند أحمد:389/5. ④ مزید دیکھیے صحيح البخاري، الفتن، باب ظهور الفتن، حديث:7061 وصحيح مسلم، العلم، باب رفع العلم وقبضه، وظهور الجهل......، حديث:2672. ⑤ السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة النّزعٰت: 506/6 ، حديث:11645. ⑥ نبی کریم ﷺ کے ان اسمائے مبارکہ کے لیے دیکھیے صحيح مسلم، الفضائل باب فى أسمائه ﷺ، حديث:(126)-2355 ومسند أحمد:395/4.

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے

23 ع 7 13 مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ﴿۱۸۸﴾

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ انس اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح حدیث میں ہے: [بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ] ''مجھے اور قیامت کو ان دو کی طرح بھیجا گیا ہے۔'' یہ آپ نے انگشت شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔① لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ سے جب بھی قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو آپ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹا دیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو میرے اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

تفسیر آیت:188

رسول اللہ ﷺ غیب نہیں جانتے اور نہ ہی نفع و نقصان کے مالک ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ تمام امور کو اسی کے سپرد کر دیں اور اپنے بارے میں یہ بتا دیں کہ آپ مستقبل کی غیب کی باتوں کو نہیں جانتے، ان میں سے کسی کی آپ کو اطلاع نہیں ہے۔ سوائے اس کے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا ہو جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ﴾ (الجن26:72) ''(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ﴾ ''اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بہت سا مال جمع کر لیتا۔② دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ خریداری کے وقت مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ مجھے کس چیز میں نفع ہو گا اور اس طرح جو چیز بھی میں فروخت کرتا مجھے اس میں نفع ہی حاصل ہوتا، ﴿وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ﴾ ''اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔'' یعنی مجھے فقر و فاقہ نہ پہنچتا۔③

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ دیگر مفسرین نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو خوشحالی کے دور میں قحط سالی کی تیاری کر لیتا، چیزوں کے سستا ہونے کے دور میں مہنگائی کے دور کی تیاری کر لیتا۔④ عبدالرحمٰن بن زید

① صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ: [بعثت أنا والساعة......]، حديث:6504 وصحيح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حديث:2951 عن أنس ﷺ. وصحيح البخاري، التفسير، باب (سورة النّٰزعٰت)، حديث:4936 وصحيح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حديث:2950 عن سهل بن سعد ﷺ. ② تفسير ابن أبي حاتم:1629/5. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1629/5. ④ تفسير الطبري:190/9.

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا

وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمھیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب اس (کسی

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا

مرد) نے بیوی سے صحبت کی تو اسے ہلکا سا حمل ہو گیا، تو وہ اسے لیے پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب، اللہ سے دعا کی کہ

لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿189﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ

اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم ضرور (تیرے) شکر گزاروں میں سے ہوں گے ﴿189﴾ چنانچہ جب اللہ نے انھیں تندرست بچہ دیا تو انھوں نے اس

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿190﴾

(بچے) میں، جو اللہ نے انھیں دیا تھا، اس کے شریک ٹھہرا لیے، اللہ تو اس سے بہت اونچا ہے جو وہ شرک کرتے ہیں ﴿190﴾

بن اسلم نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ شر کے وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی میں اس سے بچنے کی تدبیر اختیار کر لیتا اور اس سے بچ جاتا۔[1] پھر بتایا کہ آپ تو نذیر اور بشیر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا اور مومنوں کو بہشتوں کی خوشخبری سنانے والا ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ ﴾ (مریم 97:19) ”(اے پیغمبر!) ہم نے یہ (قرآن) آپ کی زبان میں آسان (نازل) کیا ہے تاکہ آپ اس سے پرہیز گاروں کو خوش خبری دیں اور جھگڑالوؤں کو ڈرا دیں۔“

تفسیر آیات: 190,189

تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ تمام لوگوں کو اس نے آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا ہے۔ اور اسی نے آدم ہی سے ان کی بیوی حواء کو بھی پیدا کیا، پھر ان دونوں ہی سے تمام لوگ (زمین میں) پھیل گئے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ (الحجرات 13:49) ”لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔“

اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا...... ﴾ الآیة (النساء 1:4) ”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا......“

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ ﴾ ”اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ ﴾ (الروم 21:30) ”اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔“

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1630/5.

میاں بیوی میں جس قدر الفت ومحبت ہوتی ہے، اس سے بڑھ کر محبت اور کسی بھی دو روحوں میں نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے جو اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ جادوگر اپنے مکر وفریب کے ساتھ میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔[1] ﴿ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا ﴾ ''تو جب وہ اس کے پاس جاتا ہے (اس سے مباشرت کرتا ہے) تو اسے ہلکا سا حمل ہو جاتا ہے۔'' خفیف اس لیے کہا گیا کہ حمل کی ابتدا میں عورت کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی کیونکہ حمل کا آغاز نطفے سے ہوتا ہے، اور وہ لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر بوٹی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ ﴾ یعنی وہ (کچھ عرصہ) اسی حالت پر برقرار رہتی ہے۔ امام مجاہد نے یہی معنی بیان کیے ہیں، امام حسن بصری، ابراہیم نخعی اور سدی وغیرہ سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔[2] میمون بن مہران نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ وہ اسے بہت ہلکا سمجھتی ہے۔[3] ایوب سے روایت ہے کہ میں نے امام حسن سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر تم عربی ہوتے تو اس کے معنی جان لیتے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسی حالت پر برقرار رہتی ہے۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا حمل نمایاں ہو جاتا ہے۔[5] ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اٹھتے اور بیٹھتے ہوئے اس پانی کو اٹھائے پھرتی ہے۔[6] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے شک ہوتا ہے کہ حمل قرار پایا ہے یا نہیں۔

﴿ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ ﴾ ''پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے۔'' یعنی حمل کی وجہ سے بوجھل ہو جاتی ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں بچہ بڑا ہو جاتا ہے۔[7] ﴿ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا ﴾ ''تو دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار اللہ عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ڈرتے ہیں کہیں کوئی چوپایہ نہ پیدا ہو جائے۔[8] اسی طرح ابو البَختری اور ابو مالک نے بھی کہا ہے کہ وہ ڈرتے ہیں کہیں انسان پیدا نہ ہو۔[9] امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگر تو ہمیں بچہ عطا فرمادے[10] ﴿ لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝۱۹۰ ﴾ ''تو ہم (تیرے) شکر گزار ہوں گے جب وہ ان کو صحیح وسالم (بچہ) دیتا ہے تو اس (بچے) میں جو وہ ان کو دیتا ہے، اس کا شریک مقرر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔''

ابن جریر نے امام حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے کہ ﴿ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ ﴾ یہ حضرت آدم کی بات نہیں ہے بلکہ یہ بعض دیگر ملتوں کے لوگوں کی بات ہے۔[11] آپ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ اس سے آدم علیہ السلام کی اولاد اور آپ کے بعد ان میں سے شرک کرنے والے لوگ مراد ہیں۔[12]

---

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 102 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری:191/9 وتفسیر ابن أبی حاتم:1632/5. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1632/5. [4] تفسیر الطبری:191/9. [5] تفسیر الطبری:191/9. [6] تفسیر الطبری:191/9. [7] تفسیر الطبری:192/9. [8] تفسیر الطبری:193/9. [9] تفسیر الطبری:192/9 وتفسیر ابن أبی حاتم:1632/5. [10] تفسیر الطبری:192/9. [11] تفسیر الطبری:197/9. [12] تفسیر الطبری:197/9.

اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿191﴾ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ

کیا وہ ان کو (اللہ کے) شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے جبکہ وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں﴿191﴾اور وہ ان (مشرکین) کی مدد کرنے کی طاقت

اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿192﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ

نہیں رکھتے اور نہ اپنی مدد ہی کر سکتے ہیں﴿192﴾اور اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمھاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمھارے لیے برابر ہے کہ تم انھیں

اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿193﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ

(ہدایت کی طرف) بلاؤ یا خاموش ہو رہو﴿193﴾(اے مشرکو!) بے شک وہ لوگ، جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمھی جیسے بندے ہیں (اچھا تو) جب تم ان کو

فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿194﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ز اَمْ

پکارو تو انھیں تمھاری پکار کا جواب دینا چاہیے اگر تم سچے ہو﴿194﴾(اے نبی! مشرکین سے پوچھیے) کیا ان کے (معبودوں کے) ایسے پاؤں ہیں کہ وہ ان سے چلتے

لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ز اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

ہوں؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں کہ وہ ان سے پکڑتے ہوں؟ کیا ان کی ایسی آنکھیں ہیں کہ وہ ان سے دیکھتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے کان ہیں کہ وہ ان

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿195﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ

سے سنتے ہوں؟ کہہ دیجیے: تم اپنے شریکوں کو بلاؤ، پھر تم میرے خلاف (جو چاہو) تدبیر کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو (پھر دیکھو وہ میرا کیا بگاڑتے ہیں؟)﴿195﴾(کہہ

الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ﴿196﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

دیجیے:) بے شک میرا کارساز تو اللہ ہی ہے، جس نے یہ کتاب نازل کی، اور وہی نیک لوگوں کی کارسازی کرتا ہے﴿196﴾اور جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ

نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿197﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ

تمھاری مدد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں﴿197﴾اور اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ سن نہ پائیں گے، اور (اے نبی!) آپ

یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿198﴾

انھیں دیکھتے ہیں کہ (بظاہر) وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے﴿198﴾

قتادہ سے روایت ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد دی تو انھوں نے اسے یہودی اور عیسائی بنا دیا۔[1] صحیح سندوں سے مروی ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اور یہ اس آیت کی سب سے احسن تفسیر اور بہترین مفہوم ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

اس سیاق سے حضرت آدم و حواء مراد نہیں ہیں بلکہ آپ کی اولاد میں سے مشرک لوگ مراد ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَتَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿190﴾ ﴾ ''اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔'' اور شروع میں اللہ تعالیٰ نے آدم و حواء کا ذکر بعد والے (مشرک) والدین کے لیے بطور تمہید کیا ہے۔ اور یہ اُس آیت کریمہ میں گویا فرد سے جنس کی طرف انتقال ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ ﴾

[1] تفسیر الطبری: 9/197.

(الملك 5:67) ''اور البتہ تحقیق ہم نے قریب کے آسمان کو(تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور انھیں شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے۔'' اور معلوم ہے کہ یہاں مصابیح سے مراد وہ نجوم ہیں جن کے ساتھ آسمانِ دنیا کو زینت دی گئی ہے، ان سے مراد وہ نہیں ہیں جو شیطانوں کو مارے جاتے ہیں، یہ بھی مصابیح کے فرد سے اس کی جنس کی طرف انتقال ہے۔ قرآن مجید میں اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ .

تفسیر آیات:191-198

مشرکین کے معبودانِ باطلہ کچھ اختیار نہیں رکھتے: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی تردید فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں اور دیگر معبودانِ باطلہ کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ یہ تمام معبودانِ باطلہ اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں، اس کے پروردہ اور اسی کے بنائے ہوئے ہیں اور خود کسی چیز کے بھی مالک نہیں، نہ نفع ونقصان ہی کا کچھ اختیار رکھتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ اپنے پجاریوں کی مدد ہی کر سکتے ہیں بلکہ یہ تو بے جان ہیں، نہ حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ہی سنتے دیکھتے ہیں۔ سننے، دیکھنے اور پکڑنے کے اعتبار سے تو ان کی عبادت کرنے والے ان سے بہتر ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴾ ''کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیے جاتے ہیں؟'' یعنی کیا تم ایسے معبودوں کو اللہ کا شریک بناتے ہو جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور نہ انھیں اس کی استطاعت ہی ہے۔

جیسا کہ فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ○ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○ ﴾ (الحج 74,73:22) ''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، لہٰذا تم اسے غور سے سنو! بے شک جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب مجتمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب (عابد اور معبود دونوں) کمزور ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، کچھ شک نہیں کہ اللہ زبردست (اور) نہایت غالب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر تمام معبودانِ باطلہ مل کر بھی ایک مکھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے، مکھی بنانا تو درکنار اگر مکھی ان کے کھانے کا کوئی ذرہ اٹھا کر اڑ جائے تو یہ اس سے واپس لینے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ اور جس کی کمزوری وناتوانی کا یہ حال ہو تو حصول رزق ونصرت کے لیے اس کی عبادت کیسے کی جاسکتی ہے؟ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴾ (النحل 20:16) ''وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیے جاتے ہیں۔'' یعنی بلکہ یہ خود پیدا اور ایجاد کیے گئے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 95:37) ''تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟''

پھر فرمایا: ﴿ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا ﴾ ''اور نہ وہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں۔'' یعنی اپنی عبادت کرنے والوں

کی ﴿ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾ ''اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔'' یعنی اگر کوئی ان کے ساتھ برا سلوک کرنا چاہے تو اس وقت یہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور اپنے آپ کو اس سے نہیں بچا سکتے جیسا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑ دیا اور ان کی حد درجہ توہین وتذلیل کر دی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 93:37) ''پھر ان کو دائیں ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (الأنبيآء 58:21) ''پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔''

معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما دونوں جوان تھے ان کا واقعہ بھی اس بات کی دلیل ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے، پھر یہ دونوں رات کے وقت مشرکوں کے بتوں پر حملہ کر کے انھیں توڑ دیتے، انھیں تہس نہس کر دیتے اور ان کے ٹکڑوں کو ایندھن کے طور پر جلانے کے لیے بیوہ عورتوں کو دے دیتے تاکہ ان کی قوم عبرت حاصل کرے اور اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرے۔ عمرو بن جموح جو اپنی قوم کا سردار تھا، اس کا بھی اپنا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتا اور اسے خوشبو لگا کر معطر رکھتا تھا، یہ رات کے وقت آتے اور اس کے بت کو الٹا کر دیتے اور اس پر گندگی مل دیتے، عمرو بن جموح صبح کے وقت یہ منظر دیکھتا تو بہت سٹپٹاتا، اسے دھوتا، خوشبو لگاتا اور اس کے پاس ایک تلوار رکھ دیتا اور کہتا کہ لو! اس تلوار سے مدد لینا، یہ دونوں رات کو پھر آتے اور اسی طرح کرتے اور عمرو بن جموح بھی صبح کے وقت اسی طرح کرتا حتی کہ ایک بار تو ان دونوں نے اس بت کی توہین وتذلیل کی حد کر دی کہ اسے اٹھا لیا اور ایک مرے ہوئے کتے کے پاس جا کر رکھ دیا، پھر ان دونوں کو رسی سے باندھ کر ایک کنویں میں پھینک دیا۔ عمرو نے جب اپنے اس بت کا یہ حشر دیکھا تو اسے بھی یہ حقیقت معلوم ہو گئی کہ اس کا دین باطل ہے اور اس نے اس موقع پر یہ شعر کہا:

تَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ إِلٰهًا مُسْتَدَنِ   لَمْ تَكُ وَالْكَلْبُ جَمِيعًا فِي قَرَنِ

''اللہ کی قسم! اگر تو واقعی قابل تعظیم معبود ہوتا تو تُو اور کتا دونوں یکجا نہ ہوتے۔''

پھر یہ مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے حتی کہ اللہ کے رستے میں جہاد کرتے ہوئے غزوۂ احد کے دن جام شہادت نوش کیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ وَجَعَلَ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ﴾ ''اور اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو تمھارا کہا نہ مانیں۔'' یعنی یہ بت بلانے والے کی آواز کو سنتے ہی نہیں، ان کے نزدیک بلانے والا اور نہ بلانے والا دونوں ہی یکساں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴾ (مریم 42:19) ''میرے ابا جان! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں؟''

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ بت بھی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح ان کی پوجا کرنے والے لوگ مخلوق ہیں بلکہ یہ

لوگ ان سے اچھی مخلوق ہیں کہ یہ سنتے، دیکھتے اور پکڑتے ہیں اور یہ بت ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ ﴿ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اپنے شریکوں کو بلا لو میرے بارے میں (جو) تدبیر کرنی ہو کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔'' یعنی انھیں میرے خلاف استعمال کرو، مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ دو اور پوری پوری کوشش کر دیکھو۔ ﴿ اِنَّ وَلِـيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''بے شک میرا مددگار تو اللہ ہی ہے جس نے کتاب (برحق) نازل کی اور نیک لوگوں کا وہی دوست ہے۔'' یعنی اللہ ہی مجھے کافی ہے، وہ میرا مددگار ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ وہ دنیا و آخرت میں میرا دوست ہے اور میرے علاوہ ہر نیک انسان کا بھی وہی دوست ہے۔

جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا تھا جب ان کی قوم نے ان سے یہ کہا: ﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (ھود 11:54-56) ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا کر دیوانہ کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو بے شک جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں (جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، بے شک میں اللہ پر جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔''

اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:76-78) ''کچھ خبر بھی ہے جنھیں تم پوج رہے ہو؟ تم اور تمھارے اگلے باپ دادا بھی، پس بے شک وہ میرے دشمن ہیں مگر (اللہ) رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے۔'' یہ چند آیات اور اسی طرح انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے یہ بھی کہا تھا: ﴿ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:26-28) ''بے شک میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، ہاں! جس نے مجھ کو پیدا کیا بے شک وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تا کہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔''

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... ﴾ الآیۃ ''اور (مشرکو!) بے شک وہ لوگ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو......'' یہ سابقہ بات کی مزید تاکید ہے، صرف یہ فرق ہے کہ یہ صیغۂ خطاب کے ساتھ ہے جبکہ وہ صیغۂ غائب

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿199﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ

آپ (ان سے) درگزر کیجیے، اور نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے ﴿199﴾ اور اگر آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے، بے

نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿200﴾

شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿200﴾

کے ساتھ تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿197﴾﴾ ''وہ نہ تمھاری ہی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿198﴾﴾ ''اور اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو وہ سن نہ سکیں اور (اے نبی!) آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ (بظاہر) وہ آنکھیں کھولے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) کچھ نہیں دیکھتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ﴾ (فاطر 14:35) ''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمھاری پکار کو سن نہ سکیں۔'' ﴿وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿198﴾﴾ ''اور (اے نبی!) آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ (بظاہر) وہ آنکھیں کھولے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) وہ کچھ نہیں دیکھتے۔'' یعنی وہ آپ کو ایسی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، گویا وہ دیکھنے والی آنکھیں ہیں، حالانکہ وہ بے جان ہیں لیکن ان سے معاملہ ذوی العقول کا کیا گیا کیونکہ انھیں انسان کی شکل وصورت کے مطابق بنایا گیا ہے، اسی وجہ سے ذوی العقول کی ضمیر ان کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

تفسیر آیات: 200,199

معاف کر دینے کا حکم: ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ ''(اے نبی!) عفو اختیار کیجیے۔'' عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیے رکھا کہ آپ مشرکوں کو معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں، چنانچہ آپ نے مکہ میں دس سال تک ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور ان کے بارے میں سختی کرنے کا حکم دیا۔[1] کئی ایک ائمۂ تفسیر نے امام مجاہد کا یہ قول روایت کیا ہے کہ تجسس نہ کرو اور لوگوں کے اخلاق واعمال کے بارے میں عفو ودرگزر سے کام لو۔[2] ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کے عادات واطوار کے بارے میں عفو اختیار کریں۔[3] اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کے اخلاق میں سے آپ عفو کو اختیار کر لیں۔[4] صحیح بخاری میں ہشام کی اپنے باپ عروہ سے اور ان کی اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے اخلاق میں سے عفو کو لے لیں۔[5] ایک دوسری روایت جو ہشام نے اپنے باپ سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے[6] اور ایک اور روایت جو ہشام نے

[1] تفسیر الطبری:205/9. [2] تفسیر الطبری:204/9. [3] تفسیر الطبری:204/9. [4] تفسیر الطبری:204/9. [5] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ (الأعراف 199:7)، حدیث: 4644,4643 . [6] المستدرك للحاكم، العلم، فصل فی توقیر العالم:124/1، حدیث:430 .

اپنے باپ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے، ان میں بھی اسی طرح ہے۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ.

امام ابن جریر اور ابن ابوحاتم دونوں نے یونس از سفیان بن عیینہ از اُبی روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ ؟ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ ، وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ ، وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ] ''جبریل! اس سے کیا مراد ہے؟ جبریل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ اسے معاف کر دیں جو آپ کو نہ دے، آپ اسے دیں اور جو آپ سے قطع تعلق کرے، آپ اس سے مل کر رہیں۔''①

امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ﴿ بِالْعُرْفِ ﴾ کے معنی نیکی کے ہیں، پھر انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عُیَیْنَہ بن حِصن بن حذیفہ آئے اور اپنے بھتیجے حُر بن قَیس کے پاس ٹھہرے اور یہ حُر ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاص قرب حاصل تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم نشین اور مشیر قرآن مجید کے عالم اور قاری ہوتے تھے، خواہ وہ ادھیڑ عمر ہوں یا جوان۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے برادر زادے! تجھے اس امیر کے ہاں خاص قرب حاصل ہے، لہٰذا میرے لیے بھی ان سے ملاقات کی اجازت طلب کرو، انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، میں آپ کے لیے ضرور اجازت طلب کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حُر نے عیینہ کے لیے اجازت طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی جب وہ اندر آئے تو حضرت عمر سے کہنے لگے: اے ابن خطاب! بات یہ ہے کہ اللہ کی قسم! تو ہمیں نہ زیادہ عطیے دیتا ہے اور نہ ہمارے بارے میں عدل کے ساتھ فیصلے کرتا ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے حتی کہ انھوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو حُر نے ان کی خدمت میں عرض کی: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ''(اے نبی!) عفو اختیار کیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کشی کر لیجیے۔'' اور یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں) اللہ کی قسم! جس وقت حُر نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے سننے کے بعد ذرہ برابر بھی آگے نہ بڑھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے پاس ٹھہر جانے والے تھے۔② (اس کے مطابق عمل کرتے اور اس سے آگے نہ بڑھتے تھے۔) یہ روایت صرف صحیح بخاری میں ہے۔

بعض حکماء نے اس آیت کے مفہوم کو درج ذیل دو شعروں میں بھی بیان کیا ہے۔ اور ان دونوں کے (آخری الفاظ) ہم شکل ہونے کے باوجود مختلف معنی رکھتے ہیں:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِعُرْفٍ كَمَا أُمِرْتَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

---

① تفسیر الطبری: 207/9 وتفسیر ابن أبی حاتم: 1638/5. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (الأعراف 7: 199)، حدیث: 4642.

''عفو کو اختیار کرو اور نیکی کا حکم دو جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ہے اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔''

وَلِنْ فِي الْكَلَامِ لِكُلِّ الْأَنَامِ فَمُسْتَحْسَنٌ مِّنْ ذَوِي الْجَاهِ لِينَ

''اور تمام لوگوں کے لیے کلام میں نرمی اختیار کرو، اصحاب جاہ کے لیے نرمی ہی مستحسن ہے۔''

بعض علماء نے کہا ہے کہ لوگ دو طرح کے ہیں: (1) نیک، اس کی نیکی کا لحاظ کرو اور اسے ایسی تکلیف نہ دو جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہو یا جو اسے مشقت میں ڈال دے اور (2) بد، اسے نیکی کا حکم دو اگر وہ اپنی ضلالت اور جہالت پر ہی اصرار کرے تو اس سے کنارہ کرلو، شاید اسی طرح اس کی سرکشی کا ازالہ ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:96-98) ''بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور کہو کہ اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے پروردگار! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔''

اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ ''اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتیں، آپ (برائی کو) ایسی بات سے ٹالیے جو احسن ہو تو (آپ دیکھیں گے) یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، (ایسا ہو جائے گا) جیسے جگری دوست ہو اور یہ نہیں حاصل ہوتی مگر ان لوگوں کو جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔'' یعنی یہ وصیت: ﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:34-36) ''اور اگر تمھیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو، بے شک وہ خوب سننے (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور اس سورۂ کریمہ میں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٢٠٠ ﴾ ''اور اگر شیطان کی طرف سے تمھارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔'' یہ تین آیات جو سورۂ اعراف، مومنون اور حٰمٓ سجدہ میں ہیں، ان کی طرح کی اور کوئی چوتھی آیت نہیں ہے، ان میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ گناہ گار انسان سے ایسا معاملہ کیا جائے جو بہت ہی اچھا ہو کیونکہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی سرکشی سے باز آ جائے گا، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:34) ''(ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ) جس میں اور تم میں دشمنی تھی، وہ تمھارا گرم جوش دوست ہے۔'' اور شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ اللہ سے پناہ مانگی جائے کیونکہ نیکی اور احسان اسے تجھ سے دور نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ تو تمھیں بالکل تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے کیونکہ وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے جیسا

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَۚ (201)

بے شک جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ لیتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں، پھر وہ یکا یک سوجھ بوجھ والے ہو

وَ اِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ (202)

جاتے ہیں (201) اور ان کے بھائی (شیطان) انھیں گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ اس میں کوئی کمی نہیں کرتے (202)

کہ قبل ازیں اس نے تمھارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی دشمنی کی تھی۔

امام ابن جریر نے ﴿ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر شیطان کی طرف سے تمھیں اس قدر غصہ آ جائے جو تمھیں جاہلوں سے کنارہ کشی سے روک دے اور ان سے انتقام لینے پر آمادہ کرے تو اس کے وسوسے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ﴿ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (200) ﴾ ''بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔'' یعنی وہ جاہل کی جہالت کو بھی سنتا ہے اور شیطان کے وسوسے سے آپ اللہ کی جو پناہ مانگتے ہیں، وہ اسے بھی سنتا ہے، علاوہ ازیں ساری مخلوق کے دیگر کلام کو بھی وہ سنتا ہے اور کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ شیطان کا وسوسہ آپ سے کس طرح دور ہوگا اور مخلوق کے دیگر تمام امور کو بھی خوب جانتا ہے۔[1] استعاذے کے متعلق احادیث تفسیر کے آغاز میں بیان کی جا چکی ہیں،[2] لہٰذا ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 202,201

وسوسے کے وقت اصحابِ تقویٰ کا طریقہ: اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں، یعنی اپنے ان بندوں کے بارے میں فرمایا ہے جو اس کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے، ان سے اجتناب کرتے ہیں کہ ﴿ اِذَا مَسَّهُمْ ﴾ یعنی جب ان کو پہنچتا ہے طَیْفٌ ''کوئی وسوسہ'' اس لفظ میں دوسری قراءت ﴿ طٰٓىِٕفٌ ﴾ بھی ہے۔ اور یہ دونوں مشہور قراءتیں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ کچھ علماء نے اس کے معنی غضب کے اور کچھ نے اس کے معنی شیطان کے آسیب زدہ کر دینے کے بیان کیے ہیں۔ بعض علماء نے اس کے معانی گناہ کے ارادے کے بیان کیے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی گناہ میں مبتلا ہو جانے کے ہیں۔

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَذَكَّرُوْا ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب، اس کے بے پایاں ثواب اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کو یاد کرنے لگتے ہیں اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے اور جلد ہی اس سے لو لگا لیتے ہیں۔ اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (201) ﴾ ''تو وہ (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔'' یعنی سیدھے راستے کو اختیار کرتے ہوئے اپنے طرز عمل کو صحیح کر لیتے ہیں۔

شیطانوں کے بھائی سرکشی کی طرف کھینچتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ ﴾ ''اور ان (کفار)

[1] تفسیر الطبری: 208/9. [2] دیکھیے الفاتحة، آیت: 1 عنوان ''تعوذ کی تفسیر اور احکام'' کے ذیل میں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى

اور (اے نبی!) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں: تم خود کیوں نہیں بنا لائے؟ کہہ دیجیے: میں تو صرف اس چیز کا اتباع کرتا ہوں

اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ تمھارے رب کی طرف سے روشن دلائل ہیں، اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿203﴾

جو ایمان لاتے ہیں ﴿203﴾

کے بھائی انھیں کھینچے جاتے ہیں۔'' یعنی انسانوں میں سے شیطانوں کے بھائی جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ ''بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطانوں کے بھائی ہیں۔'' (بنی إسرآئیل 27:17) یعنی وہ جو شیطان کے پیروکار، اس کی باتوں کو سننے والے اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے والے ہیں، ﴿ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ﴾ ''وہ انھیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں۔'' یعنی شیاطین گناہوں کے ارتکاب کے لیے ان کی مدد کرتے، گناہوں کو ان کے لیے آسان اور مزین کر دیتے ہیں۔

عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں: اَلْمَدُّ کے معنی زیادہ کر دینے کے ہوتے ہیں۔[1] تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کی گمراہی، یعنی جہالت اور حماقت میں اضافہ کر دیتے ہیں، ﴿ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿202﴾ ﴾ ''پھر وہ (اس میں کسی طرح کی) کوتاہی نہیں کرتے۔'' یعنی شیاطین بڑھا دیتے ہیں اور انسان ان کی گمراہی کے مطابق عمل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ نہ تو انسان اپنے ان اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ شیاطین ہی ان کا پیچھا چھوڑتے ہیں۔[2] ﴿ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿202﴾ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ نہ تو ان اعمال سے اکتاتے ہیں اور نہ ان سے باز آتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ (مریم 83:19) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے ﴿ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ ﴾ کے معنی بیان کیے ہیں کہ وہ ان کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔[3]

تفسیر آیت: 203

مشرکین کا نشانیوں کو طلب کرنا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ﴾ یعنی تم نے اسے حاصل کیوں نہ کر لیا؟ دوسری بار انھوں نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تم نے اسے ایجاد کیوں نہ کر لیا۔[4] ابن جریر نے عبداللہ بن کثیر سے اور انھوں نے مجاہد سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں

[1] تفسیر الطبری: 212/9. [2] تفسیر الطبری: 212/9. [3] تفسیر الطبری: 157/16. [4] تفسیر الطبری: 214/9.

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۲۰۴ ﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۝۲۰۴

کہ تم نے اسے فی البدیع کیوں نہ بنالیا؟ یعنی وہ کہتے ہیں کہ تم اسے اپنی طرف سے بناتے ہو۔[1] قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[2]

اور ﴿ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ ﴾ ''اور جب تم ان کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے۔'' میں آیت سے مراد کوئی معجزہ اور خرق عادت بات ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ۝ ﴾ (الشعرآء 26:4) ''اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں، پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔'' گویا رسول اللہ ﷺ سے وہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ تم کوشش کر کے اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب کیوں نہیں کر لیتے تا کہ ہم انھیں دیکھ کر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اسی حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔'' یعنی میں کسی بھی چیز میں اللہ تعالیٰ سے پیش قدمی نہیں کرسکتا بلکہ میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری طرف جو وحی بھیجتا ہے، میں اس کی اطاعت بجالاتا ہوں اگر وہ کوئی نشانی بھیجے تو میں اسے قبول کر لیتا ہوں اور اگر نہ بھیجے تو میں از خود اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی مجھے اجازت عطا فرما دے کیونکہ وہ حکیم و علیم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ سب سے بڑا معجزہ، سب سے واضح دلیل اور سب سے سچی نشانی تو یہ قرآن مجید ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝۲۰۳ ﴾ ''یہ (قرآن) تمھارے پروردگار کی جانب سے دانش و بصیرت اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

تفسیر آیت:204

قرآن مجید سننے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید لوگوں کے لیے دانش و بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے تو اب ساتھ ہی یہ بھی حکم دے دیا ہے کہ تعظیم اور احترام کے پیش نظر قرآن مجید کی تلاوت کو خاموشی کے ساتھ سنا جائے اور کفار قریش اور مشرکین کی طرح یہ نہ کہا جائے: ﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:26) ''اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کرو۔'' امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ہم نماز میں ایک دوسرے کو سلام کہہ دیا کرتے تھے کہ فلاں پر سلام ہو فلاں پر سلام ہو حتی کہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی[3]: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۲۰۴ ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

[1] تفسیر الطبری:214/9. [2] تفسیر الطبری:214/9. [3] تفسیر الطبری:216/9.

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ

اور (اے نبی!) اپنے رب کو صبح اور شام اپنے دل میں یاد کیجیے، عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے، پست اور ہلکی آواز سے۔ اور آپ غافلوں

وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿205﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

میں (شامل) نہ ہوں﴿205﴾ بے شک جو (فرشتے) آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، وہ اس کی تسبیح بیان

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿206﴾ ع السجدة

کرتے ہیں اور اسی کو وہ سجدہ کرتے ہیں﴿206﴾

السجدة 1 ع 24 18 14 المنزلة

تفسیر آیات: 206,205

صبح وشام ذکر وعبادت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دن کے ابتدائی اور آخری حصے میں کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے جیسا کہ ان دونوں وقتوں میں اس نے اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے بھی فرمایا ہے: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ (قٓ 39:50) ''اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔'' یہ آیت مکی ہے اور یہ حکم شب معراج پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے تھا۔ اور یہاں فرمایا: ﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ''صبح وشام'' غُدُوٌّ دن کے ابتدائی حصے کو کہتے ہیں اور آصال آخری حصے کو، اور یہ اصیل کی جمع ہے، جیسے: أَيْمَان يَمِين کی جمع ہے۔ ﴿تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً﴾ ''عاجزی اور خوف سے'' یعنی اپنے پروردگار کو اپنے دل میں شوق اور ڈر اور پست آواز سے یاد کرو، اسی لیے فرمایا: ﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ''اور پست آواز سے۔'' مستحب یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اسی طرح پست آواز سے کیا جائے نہ کہ بہت اونچی آواز سے اور چیخ چیخ کر۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں (غزوۂ خیبر سے واپسی پر) ہم لوگوں نے بہت اونچی آواز سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا (إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ) إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ]، [وَّالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِّنْ عُنُقِ رَاحِلَةِ أَحَدِكُمْ] ''لوگو! اطمینان وسکون اختیار کرو بے شک تم کسی بہرے یا غائب کو تو نہیں پکارتے ہو بلکہ تم تو اس ذات گرامی کو پکارتے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ اور جس ذات کو تم پکارتے ہو وہ تو تمھاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ تمھارے قریب ہے۔''[1]

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں کو صبح وشام کثرت کے ساتھ ذکر کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ غافل نہ ہو جائیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے جو رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے

[1] اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب مايكره من رفع الصوت فى التكبير، حديث: 2992 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر......، حديث: (44)-2704، البتہ قوسین والے الفاظ سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار ، حديث: 1526 اور دوسرا حصہ صحيح مسلم، حديث: (46)-2704 میں ہے۔

رہتے ہیں اوراس سے ذرہ برابر نہیں اکتاتے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ ﴾ ''بے شک جو لوگ تمھارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے گردن کشی نہیں کرتے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا یہ ذکر اس لیے فرمایا ہے تاکہ کثرتِ طاعت وعبادت میں ان کی پیروی کی جائے۔

اس مقام پر ہمیں بھی سجدہ کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ یہاں فرشتوں کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: [أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا (فَقُلْنَا......قَالَ:) يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ] ''کیا تم اپنی صفوں کو اس طرح نہیں باندھو گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بستہ رہتے ہیں؟ (ہم نے کہا......تو آپ نے فرمایا:) وہ پہلے پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔''[1] یہ قرآن مجید میں پہلا سجدۂ تلاوت ہے، اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنے اور اسے سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے۔

[1] صحیح مسلم، الصلاة، باب الأمر بالسكون فی الصلاة......، حدیث:430 .

تفسیر سُورۂ انفال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠

(اے نبی!) وہ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے: مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

باہمی اصلاح کرلو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو①

یہ سورت مدنی ہے: اس سورت کی آیات 75، کلمات ایک ہزار چھ سو اکتیس اور حروف پانچ ہزار دو سو چورانوے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعلَم.

تفسیر آیت: 1

انفال کی تفسیر: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ انفال کے معنی غنیمتوں کے ہیں، پھر امام صاحب نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ انفال کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔① اسی طرح علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انفال سے مراد وہ غنیمتیں ہیں جو خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے تھیں کسی اور کا ان میں کوئی حصہ نہ تھا۔② مجاہد، عکرمہ، عطاء، ضحاک، قتادہ، عطاء خراسانی، مقاتل بن حیان، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی فرمایا ہے کہ انفال سے مراد غنیمتیں ہیں۔③

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''نفل'' مقتول سے حاصل ہونے والے اس مال کو کہتے ہیں جسے امام اصل مال غنیمت کی تقسیم کے علاوہ بعض اشخاص کو بطور مال سلب یا انعام کے دے دے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انفال مال غنیمت کے پانچویں حصے کو کہتے

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ...... ﴾ (الأنفال8:1)، حدیث:4645 وصحیح مسلم، التفسیر، باب فی سورة براءة والأنفال والحشر، حدیث:3031. ② تفسیرابن أبی حاتم:1649/5 وتفسیر الطبری: 225/9. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:1649/5 وتفسیر الطبری:225,224/9.

ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ انفال مالِ فے کو کہتے ہیں، یعنی اس مال کو جو کفار سے لڑائی کیے بغیر لے لیا گیا ہو یا کفار کے اس جانور یا غلام یا لونڈی یا ساز وسامان کو کہتے ہیں جو ان سے الگ ہو کر مسلمانوں کے پاس آ جائے۔امام ابن جریر نے علی بن صالح بن حَیّ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس آیت میں انفال سے مراد سرایا ہیں۔① یعنی اس سے مراد وہ مال ہے جو امام کسی سریہ کے مجاہدوں کو باقی لشکر کے حصے کی نسبت کچھ زیادہ دے دے۔

سبب نزول: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج مشرکوں کا کام تمام کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت خوشی عطا فرمائی ہے، لہٰذا یہ تلوار مجھے عنایت فرما دیں؟ آپ نے فرمایا:[إِنَّ هٰذَا السَّيْفَ لَيْسَ لَكَ وَلَا لِي، ضَعْهُ قَالَ: فَوَضَعْتُهُ، ثُمَّ رَجَعْتُ قُلْتُ: عَسٰى أَنْ يُّعْطٰى هٰذَا السَّيْفُ الْيَوْمَ مَنْ (لَّا يُبْلِي) بَلَائِي، قَالَ: فَإِذَا رَجُلٌ يَّدْعُونِي مِنْ وَّرَائِي قَالَ: قُلْتُ: قَدْ أُنْزِلَ فِيَّ شَيْءٌ! قَالَ: كُنْتَ سَأَلْتَنِيَ السَّيْفَ وَلَيْسَ هُوَ لِي، وَإِنَّهُ قَدْ وُهِبَ لِي، فَهُوَ لَكَ قَالَ: وَأُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ:] ''یہ تلوار تمھارے لیے ہے نہ میرے لیے، لہٰذا اسے رکھ دو۔'' میں نے اسے رکھ دیا، پھر میں لوٹ گیا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ شاید آج یہ تلوار اسے دے دی جائے جس نے میری طرح دادِ شجاعت نہ دی ہو، اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص پیچھے سے مجھے آواز دے رہا ہے، میں نے سوچا کہ میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے! (میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو) آپ نے فرمایا: ''تم نے مجھ سے اس تلوار کے بارے میں پوچھا تھا جو (پہلے) میرے لیے نہیں تھی مگر اب مجھے عطا کر دی گئی ہے، لہٰذا وہ میں تمھیں دیتا ہوں۔'' ان کا بیان ہے کہ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ ﴾ (اے نبی! مجاہد لوگ) آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے؟) کہہ دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے۔''② امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ایک اور سببِ نزول: امام احمد نے ابواُمامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے عُبادہ رضی اللہ عنہ سے سورۂ انفال کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا یہ سورت ہم اصحاب بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب مال غنیمت کے بارے میں ہمارا اختلاف تھا اور اس سلسلے میں ہم نے اچھے اخلاق کا ثبوت نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں سے چھین کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم فرما دیا۔③

امام احمد ہی نے ابوامامہ کے واسطے سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، میں آپ کے ساتھ بدر میں بھی حاضر ہوا جب لوگوں کی مڈ بھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کر

---

① تفسير الطبري:225/9 و تفسير الماوردي:292/2. ② مسند أحمد:178/1 وسنن أبي داود، الجهاد، باب في النفل، حديث:2740 اور[لا يبلى] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنفال، حديث:3079 کے مطابق ہے۔ والسنن الكبرٰى للنسائي،التفسير، سورة الأنفال:349,348/6، حديث:11196. ③ مسند أحمد:322/5.

دیا، ایک جماعت دشمن کے تعاقب میں گئی جو اسے بھگاتی اور قتل کرتی جاتی تھی، ایک جماعت لشکر کی طرف متوجہ تھی جو اس کی حفاظت کرتی اور اسے جمع رکھتی تھی اور ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی تاکہ دشمن دھوکے سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے حتی کہ جب رات آئی اور لوگ بھی اپنے ٹھکانوں پر واپس آ گئے تو مال غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا کہ اس مال کو ہم نے جمع کیا ہے، لہٰذا کسی دوسرے شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے جو لوگ دشمن کی تلاش میں نکلے تھے، وہ کہنے لگے کہ تم اس مال کے زیادہ حق دار نہیں ہو کیونکہ ہم نے دشمن کو مار بھگایا اور اسے شکست سے دوچار کیا ہے جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا خوش گوار فریضہ سرانجام دیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، ہم نے نبیٔ اکرم ﷺ کی حفاظت کی تاکہ دشمن دھوکے سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے اور اس کی وجہ سے ہم مشغول رہے تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ ’’(اے نبی! مجاہد لوگ) آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے؟) کہہ دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔‘‘ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد نبیٔ کریم ﷺ نے مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب دشمن کے علاقے میں حملہ آور ہوتے تو چوتھے حصے کو بطور غنیمت مجاہدوں میں برابر تقسیم کرتے اور جب واپسی پر حملہ آور ہوتے اور لوگ تھکے ہوتے تو آپ تہائی مال تقسیم کرتے اور بطور خاص کسی کو زائد دینے کو ناپسند فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: لِيَرُدَّ قَوِيُّ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى ضَعِيفِهِمْ ’’طاقت ور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کمزور مومنوں کو بھی حصہ دیں۔‘‘[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[2]

ارشاد الٰہی: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ ’’لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔‘‘ یعنی اپنے امور و معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، آپس میں جھگڑے نہ کرو، اختلاف نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے تمھیں جس ہدایت اور علم سے سرفراز فرمایا ہے، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کی وجہ سے تم آپس میں جھگڑ رہے ہو۔ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ ﴾ ’’اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو۔‘‘ اس تقسیم میں جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تم میں کر دی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو مال غنیمت کو اسی طرح عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم فرماتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مومنوں پر اس بات کو لازم قرار دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور آپس میں صلح رکھیں امام مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ اور سُدّی فرماتے ہیں کہ آپس میں صلح رکھو کے معنی یہ ہیں کہ آپس

[1] مسند أحمد:324,323/5. [2] جامع الترمذی، السیر، باب فی النفل، حدیث:1561 مختصرًا. وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب النفل، حدیث: 2852 مختصرًا .

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ

(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی

زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں، اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں② وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ

رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں③ یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے اپنے رب کے ہاں درجے ہیں اور بخشش ہے

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

اور باعزت رزق ہے④

میں سبّ وشتم نہ کرو۔[1]

تفسیر آیات:4-2

سچے مومنوں کے اوصاف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''(سچے) مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ منافقوں کے دل فرائض ادا کرتے ہوئے اللہ کے ذکر سے خالی ہوتے ہیں، اللہ کی آیات پر ان کا ایمان نہیں ہوتا، نہ اللہ کی ذات پر ان کا توکل ہوتا ہے، نہ وہ علیحدگی میں نماز ادا کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ یہ مومن نہیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''(سچے) مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔'' اور وہ اس کے عائد کردہ فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ ''اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان اور بڑھا دیتی ہیں۔'' ان کی تصدیق میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② ﴾ ''اور وہ اپنے پروردگار ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔'' اور اس کے سوا کسی اور سے امید نہیں رکھتے۔[2]

مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے دل ڈر جاتے اور خوف محسوس کرتے ہیں، سدی اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر نے بھی یہی بیان فرمایا ہے۔[3] سچے مومن کی یہی نشانی ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل ڈر جائے اور اللہ کا خوف محسوس کرتے ہوئے اس کے احکام کو بجالائے اور جن کاموں سے اس نے منع فرما دیا ان سے رک جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ﴾

---

① تفسیر الطبری:236/9 و تفسیر ابن أبی حاتم:1654/5. ② تفسیر الطبری:238,237/9 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1656,1655/5. ③ تفسیر الطبری: 238/9 و تفسیر ابن أبی حاتم:1655/5.

﴿ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (آل عمران 135:3) ''اور وہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے نفسوں پر کوئی اور زیادتی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور وہ جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ ﴾ (النّٰزعٰت 41,40:79) ''اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا تو بے شک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے۔'' امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے سدی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ سورۂ انفال کی اس آیت کے بارے میں فرما رہے تھے کہ مومن وہ شخص ہے کہ جب وہ کوئی ظلم یا معصیت کا ارادہ کرے اور اس سے یہ کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ تو اس کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے دہل جائے۔ ①

تلاوتِ قرآن سے ایمان میں اضافہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ ''اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان اور بڑھا دیتی ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ ﴾ (التوبة 124:9) ''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض منافق (استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ چنانچہ جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے ان کو ایمان میں زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔'' اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات کریمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کئی ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جمہور امت کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابوعبید اور کئی ایک ائمہ نے بیان فرمایا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان میں اضافہ اور کمی ہوتی رہتی ہے۔ اس مسئلے پر ہم نے صحیح بخاری کی شرح کے آغاز میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

توکل کا بیان: ﴿ وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② ﴾ ''اور وہ اپنے پروردگار ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' یعنی اس کے سوا کسی سے امید نہیں رکھتے، کسی کا قصد نہیں کرتے، کسی کی جناب کی پناہ نہیں چاہتے، اسی سے اپنی حاجتوں کو طلب کرتے ہیں، اسی کی طرف رغبت اور شوق رکھتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جو وہ چاہے گا وہی ہوگا اور جو وہ نہیں چاہے گا نہیں ہوگا کیونکہ اس کائنات میں صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کا تصرف و اختیار ہے، اس کے فیصلے کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل اور بھروسا ہی اصل ایمان ہے۔ ②

مومنوں کے اعمال کا تذکرہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ ﴾ ''(اور) جو نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔'' مومنوں کے اعتقاد کو بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا تذکرہ فرما رہا ہے اور یہ اعمال نیکی کی تمام انواع و اقسام پر مشتمل

① تفسیر ابن أبی حاتم:1655/5 و تفسیر الطبری:238/9. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1656/5.

ہیں۔اقامتِ صلاۃ حقوق اللہ میں سے ہے۔

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اقامت صلاۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کے اوقات، وضو، رکوع اور سجود کی خوب خوب حفاظت کی جائے۔[1] مقاتل بن حیان نے بھی کہا ہے کہ اقامت صلاۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اوقات کے مطابق ادا کیا جائے، طہارت کا خوب خوب اہتمام کیا جائے، رکوع و سجود صحیح طریقے سے ادا کیے جائیں، نماز میں قرآن مجید کی اچھی طرح تلاوت کی جائے، پھر تشہد اور تشہد میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف کا خاص اہتمام کیا جائے، یہ ہے اقامت صلاۃ کا مفہوم۔[2] اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرنا زکاۃ ادا کرنے اور دیگر تمام واجب اور مستحب حقوق العباد کے ادا کرنے پر مشتمل ہے، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔

ایمان کی حقیقت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ﴾ ’’یہی لوگ سچے مومن ہیں۔‘‘ یعنی جو لوگ ان مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہیں وہی سچے مومن ہیں۔

ایمان کامل کا ثمرہ: ارشاد الٰہی ﴿ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ’’ان کے لیے اپنے پروردگار کے ہاں (بڑے بڑے) درجے ہیں۔‘‘ انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات اور مقامات حاصل ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 163:3) ’’ان لوگوں کے اللہ کے ہاں (مختلف اور متفاوت) درجے ہیں اور اللہ دیکھ رہا ہے جو وہ عمل کر رہے ہیں۔‘‘ ﴿ وَ مَغْفِرَةٌ ﴾ ’’اور بخشش (ہے۔)‘‘ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کی نیکیوں کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَهْلَ عِلِّيِّينَ لَيَرَاهُمْ مَّنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُمْ]، [كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ]، [قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! تِلْكَ مَنَازِلُ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ، قَالَ: بَلٰى! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! رِجَالٌ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ] ’’بے شک اعلیٰ درجے والے اپنے سے نچلے درجے والے لوگوں کو دیکھیں گے جس طرح تم روشن ستارے کو آسمان کے کناروں میں دیکھتے ہو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو حضرات انبیائے کرام ہوں گے اور دوسرے لوگ ان کے درجات کو نہیں پا سکیں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ تو وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تصدیق کی۔‘‘[3]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1657/5. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1657/5. [3] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة، حدیث:3256 وصحیح مسلم، الجنة ونعیمها، باب ترائی أهل الجنة أهل الغرف……، حدیث:2831 اس حدیث کا ابتدائی حصہ مسند أحمد:50/3، دوسرا حصہ مسند أحمد:61/3 اور آخری حصہ صحیحین کے مذکورہ بالا حوالے کے مطابق ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ﴿5﴾

جیسے (بدر کے موقع پر) آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر (مدینہ) سے حق (بہترین تدبیر) کے ساتھ نکالا تھا، اور بے شک (اس وقت) مومنوں کا ایک

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ﴿6﴾

گروہ (اس نکلنے کو) ناپسند کرتا تھا⑤ وہ آپ سے حق (کے معاملے) میں اس کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑتے تھے، گویا کہ انھیں موت کی طرف ہانکا

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

جا رہا تھا، اور وہ (اسے) دیکھ رہے تھے⑥ اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہے، اور تم چاہتے تھے کہ

تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿7﴾ لِيُحِقَّ

جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے وہی تمھارے ہاتھ لگے، اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے فرامین کے ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ

الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿8﴾

دے⑦ تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ (اسے) ناپسند ہی کریں⑧

ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے بروایت عطیہ، ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَرَوْنَ أَهْلَ عِلِّيِّينَ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ ، وَإِنَّ أَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ لَمِنْهُمْ وَأَنْعَمَا] ''اہل جنت علیین والے لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے کسی کنارے میں روشن تارے کو دیکھتے ہو، بلاشبہ ابوبکر و عمر بھی انھی بلند درجات والے لوگوں میں سے ہوں گے اور ان کے لیے یہ کیا خوب قسمت کی بات ہے!''①

تفسیر آیات:5-8

اتباعِ رسول ہی باعثِ خیر و برکت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ ﴾ ''(ان لوگوں کو اپنے گھروں سے اس طرح نکلنا چاہیے تھا) جس طرح آپ کے پروردگار نے آپ کو حق (تدبیر) کے ساتھ اپنے گھر سے نکالا۔'' بعض ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ مومنوں کی بہتری و بھلائی کو، ان کے اپنے رب سے ڈرنے، آپس کے حالات کی اصلاح کرنے اور ان کے اپنے رب تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح مالِ غنیمت میں تمھارا لڑائی جھگڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے تمھارے ہاتھوں سے لے کر اس کی تقسیم کے معاملے کو اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور اس طرح اسے عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیا گیا اور

① مسند أحمد:61/3 وسنن أبي داود، الحروف والقراء ات، باب، حديث:3987 وجامع الترمذي، المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ ......، حديث:3658 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، حديث: 96 تفسیر ابن کثیر میں [أهل عليين] کے بجائے [أَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى] کے الفاظ ہیں جن کا ذکر کتب احادیث میں اسی حدیث کی ابتدا میں ملتا ہے۔ واللہ أعلم .

اس میں یہی مصلحت کارفرما تھی۔ اسی طرح جب تم نے اس شان وشوکت والی لڑائی کے لیے دشمنوں کے مقابلے میں نکلنے کو ناپسند کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس مقابلے کے لیے نکلنے کو تمھارے مقدر میں کر دیا اور کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر دشمن کے مقابلے میں نکلنے کو تمھارے لیے رشد وہدایت کا سبب بنا دیا، دشمنوں سے مراد وہ کفار قریش ہیں جو اپنے دین کی مدد اور اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے نکلے تھے، یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرۃ 216:2) ’’(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘ ﴿وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝﴾ ’’اور بے شک (اس وقت) مومنوں کی ایک جماعت (اس نکلنے میں) ناخوش تھی۔‘‘ سدی کہتے ہیں کہ وہ اس بات سے ناخوش تھی کہ مشرکوں کی تلاش میں نکلا جائے۔[1]

﴿يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ ’’وہ لوگ آپ سے حق (کے معاملے) میں اس کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑنے لگے۔‘‘ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ آپ سے جھگڑا کرتے ہوئے مالِ غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس طرح انھوں نے بدر کے دن جھگڑا کیا تھا اور کہا تھا کہ آپ نے ہمیں دشمن کے مقابلے کے لیے گھروں سے باہر تو نکال دیا ہے مگر جنگ کے بارے میں ہمیں کچھ بتایا نہیں تھا کہ ہم اس کی تیاری کر لیتے؟ ﴿وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ ’’اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ تمھاری اور اس جماعت کی مڈبھیڑ ہو جو مسلح بھی تھی اور لڑائی کے لیے تیار بھی، پھر تمھیں اس کے مقابلے میں فتح ونصرت سے نواز کر اپنے دین کو غلبہ اور اسلام کو سربلندی عطا فرما دے اور اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، تمام امور ومعاملات کے انجام کو وہی خوب جانتا ہے، تمھیں وہ حسنِ تدبیر سے نوازتا ہے اگرچہ لوگ اس کے خلاف ہی کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ﴾ (البقرۃ 216:2) ’’(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو۔‘‘

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی کہ ابوسفیان شام کی طرف سے آ رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: [هٰذِهِ عِيرُ قُرَيْشٍ فِيهَا أَمْوَالُهُمْ، فَاخْرُجُوا إِلَيْهَا لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُنَفِّلَكُمُوهَا] ’’دیکھو قریش کا یہ قافلہ اموال سے لدا پھندا ہے، چنانچہ اس کی طرف نکلو (نکل

[1] تفسير الطبري:243/9 وتفسير ابن أبي حاتم:1659/5.

کر اس کا مقابلہ کرو) ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمھیں (وہ بطور) مالِ غنیمت عطا فرما دے۔'' آپ کا یہ فرمان سن کر لوگوں نے اس ترغیب کو قبول کیا اور بعض تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بعض نے قدرے سستی کی اور اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنگ درپیش ہے، ابوسفیان حجاز سے قریب ہوا تو وہ خبریں دریافت کرنے لگا۔ جو سوار ملتے ان سے صورتِ حال معلوم کرتا کیونکہ اس پر خوف طاری تھا۔ بعض سواروں نے اسے بتایا کہ محمد ﷺ نے تیرے اور تیرے قافلے کے لیے اپنے صحابہ کو نکلنے کی دعوت دی ہے۔

یہ سنتے ہی ابوسفیان نے احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا شروع کر دیا اور ضَمْضَم بن عمرو غِفاری کو اجرت دے کر مکہ مکرمہ روانہ کر دیا تاکہ وہ قریش کے پاس جا کر انھیں یہ پیغام دے دے کہ اپنے اموال کی حفاظت کے لیے نکلو کیونکہ محمد ﷺ قافلے کے راستے میں حائل ہیں ضمضم بن عمرو یہ پیغام پہنچانے کے لیے تیز رفتاری کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے نکلے اور ایک وادی میں پہنچ گئے جسے ''ذَفِران'' کہا جاتا تھا، پھر اس وادی سے نکلنے لگے اور ابھی تک یہ وادی ختم نہ ہوئی تھی کہ اس کے ایک حصے میں پڑاؤ ڈال دیا اور اسی اثنا میں آپ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے چل پڑے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے قریش کی اس خبر سے صحابۂ کرام کو بھی مطلع کیا اور ان سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے تقریر کی اور خوب تقریر کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے بھی خوب تقریر کی، پھر مِقداد بن عمرو اٹھے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو جو حکم دے اسے پورا کیجیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ 24:5) ''چنانچہ تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، پس ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار دونوں چلیں اور لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں بِرْکُ الْغِماد (حبشہ کا ایک شہر) تک بھی لے چلیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے حتی کہ آپ تشریف لے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ!] ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔'' آپ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اس لیے بھی کہ انھوں نے بیعت عقبہ کے وقت کہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی ذمہ داری سے اس وقت تک بری ہیں جب تک آپ ہماری بستی میں تشریف نہیں لے آتے جب آپ تشریف لے آئیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے، ہم آپ کی حفاظت ہر اس چیز سے کریں گے جس سے ہم اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں انصار یہ نہ سمجھتے ہوں کہ آپ کی امداد ان پر صرف اسی صورت میں لازم ہے کہ جب کوئی دشمن مدینہ میں آپ پر اچانک حملہ کر دے۔ اور اس صورت میں ان پر آپ کی امداد لازم

اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَـكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ

(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک

مُرۡدِفِيۡنَ ⑨ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى وَلِتَطۡمَـئِنَّ بِهٖ قُلُوۡبُكُمۡ‌ ۚ وَمَا النَّصۡرُ

ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا⑨ اور اس (مدد) کو اللہ نے خوشخبری بنا دیا تا کہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو جائے اور مدد تو اللہ ہی کے پاس

اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ⑩ ع 1/10/15

ہے۔ بے شک اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا⑩

نہیں ہے جب آپ انھیں ان کی بستی سے نکال کر کسی دشمن کے مقابلے میں لے جائیں۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' تو انھوں نے عرض کی: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ آپ جس چیز کے ساتھ تشریف لائے ہیں وہ بلاشبہ حق ہے، ہم سمع و طاعت بجالانے پر آپ سے پختہ عہد و پیمان کر چکے ہیں، اس لیے اے اللہ کے رسول! آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمارے سامنے اس سمندر کو پیش کر دیں اور اس میں داخل ہوں تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہ ہٹے گا، ہم اس بات کو قطعاً ناپسند نہیں کرتے کہ آپ ہمیں ساتھ لے کر کل ہی دشمن سے مقابلہ کریں۔ ہم جنگ میں بڑے بہادر اور دشمن کے مقابلے کے لیے بڑے جری لوگ ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے وہ منظر دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، لہٰذا آپ ہمیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوں۔

سعد کی یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: [سِيرُوا عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ وَأَبْشِرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَعَدَنِي إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ ، وَاللّٰهِ! لَكَأَنِّي الْآنَ أَنْظُرُ إِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ] ''اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! اس وقت میں دیکھ رہا ہوں کہ کفار قریش کس کس جگہ ڈھیر ہوں گے۔''[1] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] سدی، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور کئی ایک علمائے سلف و خلف نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[3] ہم نے محمد بن اسحاق کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے ان کے اقوال کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تفسیر آیات: 10,9

مسلمانوں کی فریاد اور فرشتوں کا نزول: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم فرمایا

① تفسیر الطبری:9/246,245 والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام:2/615 وتاریخ الطبری:3/22. ② تفسیر الطبری:9/248.

③ تفسیر الطبری:9/246-248.

ہے:باب قول اللّٰہ تعالی: ﴿ اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَکُمۡ ﴾ تا ﴿ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ○ ﴾ (الأنفال 8:9-13) اوراس باب میں انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ میں مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات کے موقع پر حاضر تھا کہ ساری دنیا مل جانے سے بھی مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ وہ بات کہنے کی مجھے سعادت میسر آتی اور وہ یہ کہ وہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ مشرکین کے لیے بددعا فرما رہے تھے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿ فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ ﴾ (المآئدة 5:24) ''چنانچہ تم اور تمھارا رب جاؤ، پھر دونوں لڑو۔'' بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے میں نے دیکھا کہ مقداد کی اس بات سے نبیٔ اکرم ﷺ اس قدر مسرور ہوئے کہ چہرۂ اقدس گلنار ہو گیا۔①

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے بدر کے دن یہ دعا کی تھی: [اَللّٰهُمَّ! (إِنِّی) أَنۡشُدُكَ عَهۡدَكَ وَوَعۡدَكَ، اللّٰهُمَّ! إِنۡ شِئۡتَ لَمۡ تُعۡبَدۡ] ''اے اللہ! بے شک میں تجھے تیری ذات کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو اپنے عہد و پیمان کو پورا فرما دے، اے اللہ! اگر تو چاہے کہ تیری پوجا نہ ہو۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے تھام لیا اور عرض کی: بس اب کافی ہے، آپ وہاں سے نکلے تو اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ○ ﴾ (القمر 54:45) ''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔''② اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔③

ارشاد الٰہی: ﴿ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُرۡدِفِیۡنَ ⑨ ﴾ ''ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے۔'' یعنی وہ ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گے جیسا کہ ہارون بن عنترہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مُرۡدِفِیۡنَ ⑨ ﴾ کے معنی مسلسل ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔④ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مومنوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی جن میں سے پانچ سو فرشتوں کی قیادت حضرت جبریل کر رہے تھے اور پانچ سو کی قیادت حضرت میکائیل کے پاس تھی۔⑤

امام ابوجعفر بن جریر اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث روایت کی ہے جس میں یہ ذکر بھی ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے بھاگ رہا تھا کہ اس نے اپنے اوپر سے کوڑے اور ایک شہسوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا حَیۡزُوم آگے بڑھو، پھر اس نے دیکھا کہ وہ مشرک چاروں شانے چت گر گیا ہے، اس کی

① صحیح البخاری، المغازی، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ ...... ﴾، حدیث: 3952. ② صحیح البخاری، المغازی، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ ...... ﴾، حدیث: 3953. ③ السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، سورۃ القمر، قولہ تعالٰی: ﴿ سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ○ ﴾ (القمر 54:45): 477/6، حدیث: 11557. ④ تفسیر الطبری: 253/9 وتفسیر ابن أبی حاتم: 1663/5. ⑤ تفسیر ابن عباس: 247/1، رقم: 525 وتفسیر الطبری: 259/9.

ناک اوراس کا چہرہ زخموں سے اس طرح چور تھا، جیسے اس پر کوڑے برسائے گئے ہوں حتی کہ اس کے سارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ، انصاری نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ نے فرمایا:[صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَّدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ] ''تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان سے مدد تھی۔'' غزوہ بدر کے دن ستر مشرک قتل ہوئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے تھے۔①

امام بخاری رحمہ اللہ نے بَابُ شُهُودِ الْمَلَائِكَةِ بَدْرًا ''بدر میں فرشتوں کے حاضر ہونے کا بیان'' میں رِفاعہ بن رافع زُرَقِی کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے جو کہ اصحاب بدر میں سے تھے، جبریل نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اہل بدر کو آپ اپنے ہاں کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:[مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ] ''وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں۔'' یا آپ نے اس طرح کے کوئی اور الفاظ فرمائے، جبریل نے عرض کی: اسی طرح ہم ان فرشتوں کو بھی سب سے افضل سمجھتے ہیں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی۔② اس روایت کو امام بخاری بیان کرنے میں منفرد ہیں۔امام طبرانی نے اسے ''المعجم الکبیر'' میں رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے جو کہ غلط ہے، صحیح بات یہی ہے کہ یہ رِفاعہ بن رافع سے مروی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔③ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انھوں نے حاطب بن ابوبلتعہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا:[إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ : اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ] ''انھوں نے تو بدر میں شرکت کی تھی اور تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ اب تم جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔''④

ارشاد الٰہی: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى﴾ ''اور اس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بھیجنے اور تمھیں ان کے بارے میں اطلاع دے دینے کو تمھارے لیے بشارت بنا دیا تھا۔ ﴿وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ﴾ ''تاکہ تمھارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں۔'' ورنہ وہ ذات اقدس تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے بغیر بھی دشمنوں کے مقابلے میں تمھاری مدد فرما دیتی، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝﴾

① صحيح مسلم، الجهاد......، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر......، حديث:1763. ② صحيح البخاري، المغازي، باب شهود الملائكة بدرًا ، حديث:3992. ③ المعجم الكبير للطبراني:277/4، حديث:4412 . ④ صحيح البخاري، المغازي، باب فضل من شهد بدرًا ، حديث:3983 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبي بلتعة وأهل بدر رضي الله عنهم، حديث: 2494 .

وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ (محمد47:4-6) ''جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کرلو، پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے چھوڑ دینا ہے یا کچھ مال لے کر یہاں تک کہ (فریقِ مقابل) لڑائی (کے) ہتھیار (ہاتھ سے) رکھ دے یہ (حکم یاد رکھو!) اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا (بلکہ) ان کو (سیدھے) رستے پر چلائے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا اور ان کو بہشت میں جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے، داخل کرے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران3:140، 141) ''اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے اور اللہ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نیست و نابود کر دے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا حکم ہے کہ مومنوں کے ہاتھوں کفار کے خلاف جہاد ہو۔ انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کو تو اللہ تعالیٰ مختلف عذابوں کی صورت میں سزا دیا کرتا تھا اور تکذیب کرنے والی ساری قوم عذاب کی لپیٹ میں آ جایا کرتی تھی جیسا کہ قوم نوح کو طوفان کے ساتھ، قوم عاد کو سخت آندھی کے ساتھ، قوم ثمود کو چنگھاڑ کے ساتھ، قوم لوط کو پتھروں کی بارش کے ساتھ اور قوم شعیب کو سائبان کے دن کے عذاب کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان کے دشمن فرعون اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا اور اس میں کفار سے لڑنے کا حکم دیا، کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم ان کے بعد کی تمام شریعتوں میں بھی باقی رہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ ﴾ (القصص 28:43) ''اور البتہ تحقیق ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی (جس میں) بصیرت افروز دلائل ہیں۔'' مومنوں کے کافروں کو قتل کرنے میں کافروں کی بے حد توہین بھی ہے اور اس سے مومنوں کے سینے ٹھنڈے بھی ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے مومنوں سے فرمایا ہے: ﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ9:14) ''ان سے (خوب) لڑو اللہ ان کو تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور رسوا کرے گا اور وہ تمھاری ان کے خلاف مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔'' سردارانِ قریش کا قتل، ان کے ان دشمنوں کے ہاتھوں جنھیں وہ نہایت حقارت سے دیکھتے تھے جہاں ان کے لیے بے حد ذلت و رسوائی کا سبب تھا، وہاں گروہ ایمان کے سینوں کے لیے بے پناہ ٹھنڈک کا ذریعہ بھی تھا۔

معرکۂ کارزار میں ابو جہل کا قتل، بستر پر کسی عذاب یا سزا سے دوچار ہو کر مرنے کی نسبت کہیں زیادہ توہین آمیز تھا، اسی

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

(یادکرو) جب وہ (اللہ) اپنی طرف سے تمھیں امن وسکون دینے کے لیے تم پر اونگھ طاری کررہا تھا، اور آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪

کے ذریعے سے پاک کردے اور تم سے شیطانی وسوسوں کو لے جائے اور تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط کردے، اور تاکہ اس کی وجہ سے (تمھیں) ثابت

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ

قدم رکھے ⑪ (اے نبی!) جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی کررہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو جو ایمان

قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ

لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب

بَنَانٍ ؕ ⑫ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ

لگاؤ ⑫ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو یقیناً اللہ سخت سزا

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭

دینے والا ہے ⑬ پس تم یہ (سزا) چکھو اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب (تیار) ہے ⑭

طرح ابولہب ملعون طاعون کے مرض میں مبتلا ہوکر اس قدر ذلت کی موت مرا کہ اس کے قریبی رشتے داروں میں سے بھی کوئی اس کے قریب نہ گیا بلکہ دور ہی سے اس پر پانی گرادیا گیا، پھر اس پر دور ہی سے پتھر پھینک پھینک کر اسے دفن کردیا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ ”بے شک اللہ غالب ہے۔“ یعنی دنیا و آخرت میں عزت اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝﴾ (المؤمن 51:41) ”بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی۔)“ ﴿حَكِيْمٌ ⑩﴾ ”حکمت والا ہے۔“ کہ اس نے حکمت ہی کی وجہ سے کفار سے لڑنے کا حکم دیا، حالانکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنی قدرت اور قوت کے ساتھ خود ہی کافروں کو تباہ و برباد اور ہلاک کردے۔

تفسیر آیات:11-14

مسلمانوں پر اونگھ کا غلبہ: اللہ تعالیٰ اپنے اس انعام کا ذکر فرمارہا ہے جو اس نے اپنے ان بندوں پر اونگھ طاری کرکے فرمایا تھا تاکہ ان کا وہ خوف دور ہوجائے جو دشمن کی کثرت اور ان کی تعداد کی قلت کی وجہ سے تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے احد کے دن بھی ان پر اونگھ طاری فرمادی تھی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ (آل عمران 154:3) ”پھر اللہ نے غم و رنج کے بعد امن و سکون کے لیے تم پر اونگھ اتاری، اس (اونگھ) نے تم میں سے ایک گروہ کو ڈھانپ لیا اور (دوسرا) گروہ جنھیں ان کے نفس غمناک کررہے

تھے۔'' ابوطلحہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھ طاری ہوگئی تھی، اس اونگھ کی وجہ سے میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی، میں اسے پکڑتا اور وہ گر جاتی تھی، پھر اسے پکڑتا اور وہ پھر گر جاتی تھی میں نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ لوگ ڈھالیں سروں پر رکھے ہوئے نیند کے جھولے لے رہے ہیں۔ ①

حافظ ابو یعلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بدر کے دن مقداد کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص سو رہا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے نماز پڑھتے اور رو رو کر دعائیں کرتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔ ② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میدان جنگ میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہوتی ہے مگر نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اونگھ کا تعلق سر سے اور نیند کا دل سے ہوتا ہے ③ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ احد کے دن طاری ہوئی تھی جیسا کہ یہ بہت ہی مشہور بات ہے مگر یہ آیت شریفہ قصۂ بدر کے سیاق میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے دن بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ طاری ہوئی تھی۔ گویا جب بھی شدید جنگ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مومنوں پر اونگھ طاری فرما دیتا تھا تاکہ نصرتِ الٰہی کے ساتھ انھیں اطمینان وسکونِ قلب نصیب ہو اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و رحمت اور اس کی نعمت تھی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ﷺ ﴾ ''کیونکہ بلاشبہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے (اور) بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔'' (الانشراح 6,5:94)

اسی لیے صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے دن سائبان کے نیچے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دونوں دعائیں کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اونگھ طاری ہوگئی تھی، پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا: [أَبْشِرْ يَا أَبَا بَكْرٍ! هٰذَا جِبْرِيلُ...... عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقْعُ] ''ابوبکر! خوش ہو جاؤ، یہ جبریل ہیں...... اس کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے۔'' پھر آپ باہر تشریف لے آئے اور آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ﴾ (القمر 45:54) ''عنقریب یہ جمعیت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔'' ④

بدر کی رات بارش کا نزول: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ''اور تم پر آسمان سے پانی برساتا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی طرف چلے تو آپ نے اور مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو ان کے اور پانی کے درمیان ایک ٹیلہ تھا، مسلمانوں کو شدید کمزوری لاحق تھی، شیطان نے ان کے دلوں میں غصہ اور یہ وسوسہ پیدا کر دیا کہ تم تو اپنے آپ کو اللہ کے دوست سمجھتے ہو اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں مگر پانی

---

① تفسير ابن أبي حاتم:1664/5. ② مسند أحمد:125/1 ومسند أبي يعلى الموصلي:242/1، حديث:280 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً ﴾، 316/6، حديث:11080. ③ تفسير ابن أبي حاتم:21664/5 وتفسير الطبري:256/9. ④ دلائل النبوة للبيهقي، باب التقاء الجمعين و نزول الملائكة......: 81,80/3 مفصلاً عن عبدالله بن أبي بكر رضی اللہ عنہ. آیات کی تلاوت کا ذکر دیکھیے صحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالى: ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ...... ﴾ (الأنفال 9:8)، حديث: 3953 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ.

پر تو دشمنوں کا غلبہ ہے تو تم حالتِ جنابت میں نمازیں پڑھو گے! اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے شدید بارش نازل فرما دی، مسلمانوں نے پانی پیا، غسل بھی کیا اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں کو ان سے دور کر دیا، بارش کی وجہ سے یہ ریت والی زمین بھی مضبوط ہوگئی اور لوگوں اور جانوروں کو چلنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنوں کی مدد کے لیے ایک ہزار فرشتوں کو بھی نازل فرما دیا جن میں سے پانچ سو کے قائد جبریل اور پانچ سو کے قائد میکائیل تھے۔[1]

اس سلسلے میں سب سے بہتر روایت وہ ہے جسے صاحب ''المغازی'' امام محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ مجھے یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی اور یہ وادی نرم زمین تھی، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو بارش کی وجہ سے یہ فائدہ ہوا کہ زمین مضبوط ہوگئی اور چلنے پھرنے میں کوئی دشواری نہ رہی اور اس سے قریش کے لیے یہ مصیبت پیدا ہوگئی کہ آپ کے مقابلے میں ان کے لیے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو اونگھ سے پہلے نازل فرمایا تھا، اس سے غبار بیٹھ گیا، زمین سخت ہوگئی، مسلمانوں کے دل خوش ہو گئے اور انھیں ثابت قدمی نصیب ہوئی۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ﴾ ''تا کہ وہ تم کو اس کے ذریعے سے پاک کر دے۔'' یعنی چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی ناپاکی سے اور یہ ظاہری طہارت ہے۔ ﴿ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ ﴾ ''اور شیطانی وسوسے تم سے دور کر دے۔'' یعنی وسوسے اور برے خیال کو اور یہ باطنی طہارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ز وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ج ﴾ (الدهر 76:21) ''ان (کے بدنوں) پر سبز اور باریک ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔'' یہ ظاہری زینت ہے اور ﴿ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ ﴾ (الدهر 76:21) ''اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔'' جو ان کو کینے، حسد اور بغض سے پاک کر دے گا اور یہ باطنی زینت اور طہارت ہے۔ ﴿ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ﴾ ''اور اس لیے بھی کہ تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے۔'' صبر اور دشمنوں کے مقابلے پر اقدام کے ساتھ۔ اور یہ باطنی شجاعت ہے۔ ﴿ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ﭑ ﴾ ''اور اس سے (تمھارے) پاؤں جمائے رکھے۔'' اور یہ ظاہری شجاعت ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط ﴾ ''اے نبی! جب آپ کا پروردگار فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو جو ایمان لائے ہیں۔'' یہ ایک خفیہ نصیحت تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے اظہار فرما دیا تا کہ اس کے بندے اس کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان فرشتوں کی طرف یہ وحی فرمائی جنھیں اس نے اپنے نبی،

[1] تفسير الطبرى: 259,258/9. [2] السيرة النبوية لابن هشام، نزول قريش بالعدوة والمسلمين ببدر: 620/2. [3] تفسير الطبرى: 260/9.

اپنے دین اور اپنے مومن بندوں کی نصرت کے لیے نازل فرمایا تھا کہ اہل ایمان کو تسلی دے کر ثابت قدم رکھو۔ ارشادالٰہی: ﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ ''میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈال دوں گا۔'' تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور انھیں ان کے دشمنوں کے مقابلے میں طاقت ور بناؤ اور میں رعب، ذلت اور رسوائی ان لوگوں کے دلوں میں ڈال دوں گا جو میرے حکم کی مخالفت کریں گے اور میرے رسول کی تکذیب کریں گے۔

ارشادالٰہی ہے: ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؀﴾ ''چنانچہ تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور پر ضرب لگاؤ۔'' یعنی ان کی کھوپڑیوں پر مارو اور انھیں توڑ دو، گردنوں کو مروڑ دو اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور ارشادالٰہی: ﴿فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سروں کو مارو۔ اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ گردنوں کے اوپر مارو۔ ضحاک اور عطیہ عوفی نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[1] اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اس طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤ﴾ (محمد 4:47) ''پھر جب تم کافروں سے ملو تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو۔'' ربیع بن انس نے کہا ہے کہ لوگ ان کافر مقتولوں کو پہچانتے تھے جنھیں جنگ بدر کے دن فرشتوں نے قتل کیا تھا اور وہ اس طرح کہ ان کی گردنوں اور پوروں پر اس طرح کالے نشان تھے جس طرح آگ سے جلنے کے نشان ہوتے ہیں۔[2]

ارشادالٰہی: ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؀﴾ ''اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ۔'' ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مومنو! تم اپنے دشمنوں کے ہاتھ اور پاؤں کے ایک ایک جوڑ کو مار کر توڑ دو۔ بَنَان، بَنَانَة کی جمع ہے۔[3] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعۂ بدر کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ انھیں یک دم قتل نہ کرنا بلکہ پکڑ لینا اور ان سے اعتراف کروالینا کہ انھوں نے تمھارے دین میں طعنہ زنی کی اور لات و عزیٰ سے بے رغبتی اختیار کی تھی تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؀﴾ ''بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو جو ایمان لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ۔''[4]

جنگ بدر میں اُنھتر (69) آدمیوں میں ابوجہل ملعون بھی تھا جو مارا گیا، عقبہ بن ابومُعَیط گرفتار ہو کر حالتِ گرفتاری میں مارا گیا تھا اور اس طرح بدر میں قتل ہونے والوں کی تعداد پوری ستر ہو گئی تھی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

---

[1] تفسیر الطبری: 262/9. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1668/5. [3] تفسیر الطبری: 263/9. [4] المعجم الكبير للطبراني: 48/5، حدیث: 4550 لیکن یہاں آیت کے نزول کا ذکر نہیں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮

اے ایمان والو! جب تمھارا ان لوگوں کے لشکر سے مقابلہ ہو جنھوں نے کفر کیا تو تم ان سے پیٹھیں نہ پھیرو⑮ اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا،

وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

سوائے اس شخص کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو یا (اپنے) کسی گروہ کی پناہ لینے والا ہو، تو یقیناً وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا، اور اس کا ٹھکانا جہنم

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑯

ہے، اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے⑯

﴿شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ ''یہ (سزا) اس لیے (دی گئی) کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔'' یعنی انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور اس طرح یہ ایک طرف ہو گئے اور شریعت، ایمان اور اس کی اتباع کو ایک طرف رکھ دیا۔ ﴿شَآقُّوا﴾ شَقّ العَصا کے محاورے سے مشتق ہے جس کے معنی لاٹھی کے دو ٹکڑے کر دینے کے ہیں۔ ﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑬﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ بھی سخت عذاب والا ہے۔'' جو اس کی مخالفت کرے وہ اسے گرفت میں لے لیتا اور اس پر غالب آ جاتا ہے، کوئی چیز اس سے اوجھل نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے غضب کا مقابلہ کر سکتی ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔ ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭﴾ ''پس یہ (مزہ تو یہاں) چکھو اور بے شک کافروں کے لیے آگ کا عذاب (بھی تیار) ہے۔'' یہ کافروں سے خطاب ہے کہ دنیا میں اس عذاب اور سزا کو چکھو اور یاد رکھو! آخرت میں بھی کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

تفسیر آیات:16,15

میدانِ جنگ سے فرار کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ سے فرار کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم کفار کے لشکر سے ملو'' اور مقابلہ کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں تم ایک دوسرے کے قریب آ جاؤ ﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮﴾ ''تو ان سے پیٹھیں نہ پھیرنا۔'' یعنی راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ نہ جانا۔ ﴿وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ ''اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس شخص کے جو لڑائی (کی مصلحت) کے لیے ہٹے۔'' یعنی جنگی تدبیر کے طور پر اپنے مدمقابل کے آگے سے بھاگ کر اسے تاثر یہ دے کہ یہ اس سے ڈر کر بھاگا ہے اور جب وہ اس کا پیچھا کرے تو یہ پلٹ کر اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دے تو اس طرح کی تدبیر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سعید بن جبیر اور سُدّی نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔[1] ضحاک بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ساتھیوں سے آگے نکل جائے تاکہ دشمن کو دھوکا دے کر اس پر حملہ آور ہو۔[2] ﴿اَوْ

① تفسیر ابن أبي حاتم:5/1670. ② تفسیر ابن أبي حاتم:5/1670 و تفسیر الطبري:9/265.

﴿مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ ''یا کسی جماعت کی پناہ لینے والا ہو۔'' یعنی ادھر سے فرار اختیار کر کے مسلمانوں کی دوسری جماعت کی پناہ تاکہ یہ ان کی اور وہ اس کی مدد کر سکیں تو یہ جائز ہے حتی کہ اگر کوئی شخص کسی سریّے میں ہو اور وہ بھاگ کر امیر لشکر[1] یا امام اعظم کے پاس چلا جائے تو اسے بھی یہ رخصت حاصل ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوعبید کے بارے میں فرمایا تھا جب وہ ارض فارس میں مجوسیوں کے لشکر کی کثرت کی وجہ سے پل پر قتل ہو گئے تھے کہ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو وہ ﴿مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ کی صورت اختیار کر لیتے۔ محمد بن سیرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اور ابوعثمان نہدی کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ جب ابوعبید شہید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! میں تمھاری جماعت ہوں۔[3] اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں۔[4] عبدالمالک بن عمیر کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! اس آیت کی وجہ سے تم دھوکے میں مبتلا نہ ہونا، اس کا تعلق بدر کے دن سے تھا اور میں ہر مسلمان کے لیے جماعت ہوں۔[5]

امام ابن ابوحاتم نے اپنے والد گرامی سے، حسان بن عبداللہ مصری، خلّاد بن سلیمان حضرمی کی سند کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم لوگ جنگ میں اپنے دشمن کو ثابت قدم نہیں رہنے دیتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ فئة سے مراد ہمارا امام ہے یا لشکر؟ تو انھوں نے فرمایا: فِئَة سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے تو ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ......﴾ الآیة ''جب تم ان لوگوں کے لشکر سے ملو جنھوں نے کفر کیا......'' تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت نہ پہلے اور نہ بعد بلکہ عین جنگ بدر کے دن نازل ہوئی تھی۔[6]

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ ﴿اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ میں متحیز سے مراد وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کی طرف بھاگ کر آجائے، اسی طرح آج کل جو بھاگ کر اپنے امیر یا اپنے ساتھیوں کی طرف آجائے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔[7]

ان مذکورہ بالا اسباب میں سے کسی سبب کے بغیر میدان جنگ سے فرار اختیار کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ:الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ] ''سات کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا: (1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) جادو کرنا (3) اس جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ (4) سود کھانا (5) یتیم کے مال

[1] تفسير الطبري:266/9 . [2] تفسير الطبري:268/9. [3] تفسير الطبري:268/9. [4] تفسير الطبري: 268/9.

[5] تفسير ابن أبي حاتم:1671/5. [6] تفسير ابن أبي حاتم:1671/5. [7] تفسير ابن أبي حاتم:1671/5.

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ

چنانچہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ ہی نے انھیں قتل کیا، اور (اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ

اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰

نے پھینکی اور تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ⑰ یہ تھی بات (ہماری حکمت)

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱

اور بے شک اللہ کافروں کی چال کمزور کرنے والا ہے ⑱

کو کھانا (6) جنگ کے دن میدان سے پیٹھ پھیرنا اور (7) پاک دامن، غافل اور مومن عورتوں پر بہتان لگانا۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯﴾ ''چنانچہ وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

تفسیر آیات:18,17

اللہ تعالیٰ کا کافروں کو قتل کرنا اور ان پر مٹی پھینکنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے اور بندوں سے صادر ہونے والے تمام اچھے کاموں کی وجہ سے وہی قابل ستائش ہے کیونکہ اسی نے اپنے بندوں کو ان کاموں کی توفیق دی اور ان کی اعانت فرمائی، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪﴾ ''تم (لوگوں) نے انھیں قتل نہیں کیا اور بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا۔'' یعنی تم نے اپنے دشمنوں کو اپنی طاقت وقوت سے قتل نہیں کیا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ اور تمھاری تعداد کم تھی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمھیں ان پر کامیابی عطا فرمائی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ﴾ (آل عمران3:123) ''اور اللہ نے جنگ بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی تھی جب تم بے سروسامان تھے۔'' اور فرمایا: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴾ (التوبة 9:25) ''یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تم کو مدد دی ہے اور (جنگ) حنین کے دن بھی جبکہ تم کو تمھاری کثرت نے تمھیں حیرت وتعجب میں ڈال دیا تو اس (کثرت) نے تمھیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بات معلوم کروائی ہے کہ فتح ونصرت تعداد کی کثرت، ہتھیاروں سے مسلح ہونے اور ساز و سامان کی فراوانی پر موقوف نہیں ہے بلکہ فتح ونصرت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرة2:249) ''کئی بار تھوڑی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

[1] **صحيح البخاري**، الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾...... الآية (النسآء 10:4)، حديث:2766 و**صحيح مسلم**، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث:89.

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

(کافروں سے کہہ دیجیے:) اگر تم فیصلہ مانگتے تھے تو فیصلہ تمھارے سامنے آ گیا۔ اور اگر تم باز آ جاؤ تو وہ تمھارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم دوبارہ (پہلے کی

وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ

طرح) کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح کریں گے (تمھیں سزا دیں گے) اور تمھاری جماعت اگرچہ زیادہ ہی ہو وہ تمھیں ہرگز کچھ فائدہ نہ دے گی، اور بے

2 ع 9 16 اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝19

شک اللہ مومنوں کے ساتھ ہے ⑲

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مٹی کی اس مٹھی کے بارے میں بھی فرمایا ہے جو آپ نے بدر کے دن اس وقت کافروں کے چہروں پر پھینک دی تھی جب آپ دعا اور الحاح وزاری کے بعد سائبان سے باہر تشریف لائے تھے اور کافروں پر مٹی کی مٹھی پھینکتے ہوئے فرمایا تھا: [شَاهَتِ الْوُجُوهُ] ''چہرے بگڑ جائیں۔'' ادھر اللہ تعالیٰ نے ان کنکریوں کو مشرکوں کی آنکھوں تک پہنچا دیا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکری نہ پڑی ہو۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ ﴾ ''اور (اے نبی!) جس وقت آپ نے (کنکریوں کی مٹھی) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔''① یعنی ان کنکریوں کو ان تک آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہنچایا اور ان کے ساتھ انھیں ذلیل وخوار کیا تھا۔

محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے ﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ ﴾ ''تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی یہ نعمت معلوم کروا لے جو اس نے انھیں اپنے دشمنوں پر غلبے کی صورت میں عطا فرمائی، حالانکہ دشمنوں کی تعداد زیادہ اور مومنوں کی تعداد کم تھی تاکہ مومن اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچان کر اس کی نعمت کا شکر بجا لائیں۔② امام ابن جریر نے بھی اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔③ اور حدیث میں ہے: [وَكُلَّ بَلَاءٍ حَسَنٍ أَبْلَانَا] اور ہر اچھی نعمت پر (اس کا شکر) جو اس نے ہمیں دی۔''④

اور فرمان الٰہی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝17 ﴾ ''بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کی دعا کو سنتا ہے اور جانتا ہے کہ نصرت وغلبے کا کون مستحق ہے اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝18 ﴾ ''(بات) یہ (ہے) کچھ شک نہیں کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے۔'' مسلمانوں کو فتح ونصرت کے ساتھ ساتھ یہ ایک دوسری بشارت

① دیکھیے المعجم الکبیر للطبرانی، أبو بكر بن سليمان:203/3، حديث:3128 عن حكيم بن حزام رضی اللہ عنہ. اور صحیح مسلم، الجهاد، باب غزوة حنين، حديث:1775 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. و1777 عن سلمة بن الأكوع رضی اللہ عنہ میں غزوہ حنین کے موقع پر بھی کنکریاں یا مٹی پھینکنے کا ذکر ملتا ہے۔ و تفسیر الطبری:271/9. ② تفسير ابن أبي حاتم:1674/5 و تفسير الطبري:272/9. ③ تفسير الطبري:272/9. ④ صحيح ابن حبان، الأطعمة، ذكر مايحمد العبد......:23/12، حديث:5219.

دی جارہی ہے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا، انھیں ذلت ورسوائی میں مبتلا کر دینے والا اور انھیں تباہی و بربادی سے دوچار کرنے والا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیت:19

مشرکوں کا فیصلہ طلب کرنے کی دعا کرنا اور اس کی قبولیت: اللہ تعالیٰ نے کافروں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا ﴾ ''اگر تم فیصلہ چاہتے ہو۔'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے اور اسی سے فیصلہ کروانا چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ تمھارے اور تمھارے مومن دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے تو تمھارے پاس وہ چیز آ پہنچی ہے جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے امام زہری سے اور انھوں نے عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعَیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! ہم میں سے جو شخص رشتوں کو زیادہ توڑنے والا اور ہمارے سامنے ایک غیر معروف بات پیش کرنے والا ہے، اسے آج صبح ہلاک کر دے۔ اس طرح وہ خود اپنی بربادی کا دروازہ آپ کھولنے والا تھا۔ اسی سلسلے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ ...... ﴾ الآیة[1] ''(کافروں سے کہہ دیجیے:) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ (تمھارے سامنے) آ گیا......۔''

امام احمد نے بھی عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا ہوئے تو ابوجہل نے کہا: اے اللہ! ہم میں سے جو شخص رشتوں کو زیادہ توڑنے والا اور ہمارے سامنے ایک غیر معروف بات پیش کرنے والا ہے، اسے آج صبح ہلاک کر دے۔ اس طرح فیصلہ طلب کرنے والا ابوجہل تھا۔[2] امام نسائی نے اسے تفسیر میں بیان کیا ہے اور امام حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، ضحاک، قتادہ، یزید بن رومان اور دیگر کئی ایک ائمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] سدی کہتے ہیں کہ مشرکین جب مکہ سے بدر کی طرف نکلنے لگے تو انھوں نے غلافِ کعبہ کو پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہنے لگے: اے اللہ! دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ، دونوں جماعتوں میں سے زیادہ معزز اور دونوں قبیلوں میں سے بہتر کو فتح ونصرت عطا فرما۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ ﴾ یعنی تم نے جو کہا اس کے مطابق میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ونصرت عطا فرما دی ہے۔[5] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہ ان کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾[6] (الأنفال 32:8) ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:1675/5. ② مسند أحمد:431/5. ③ السنن الکبرٰی للنسائي، التفسیر، قوله تعالٰی: ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ﴾: 350/6، حدیث: 11201 والمستدرك للحاکم، التفسیر، تفسیر سورة الأنفال: 328/2، حدیث:3264. ④ تفسیر الطبري:275,274/9. ⑤ تفسیر الطبري:275/9. ⑥ تفسیر الطبري:275/9.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿20﴾ وَلَا

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے نہ پھرو، حالانکہ تم سن رہے ہو﴿20﴾ اور تم ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ

تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿21﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ

جنھوں نے کہا: ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے نہیں تھے﴿21﴾ بے شک اللہ کے نزدیک چلنے پھرنے والوں میں بدترین وہ بہرے گونگے ہیں جو

الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿22﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ

عقل نہیں رکھتے﴿22﴾ اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انھیں ضرور سنا دیتا، اور اگر وہ انھیں سنا دیتا تو بھی وہ ضرور پھرتے اور وہ اعراض

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾

کرنے والے ہیں﴿23﴾

دردناک عذاب لے آ۔“

ارشادِ الٰہی: ﴿وَاِنْ تَنْتَهُوْا﴾ ”اور اگر تم باز آجاؤ“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے سے ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ”تو وہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔“ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ فرمانِ الٰہی: ﴿وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ﴾ ”اور اگر تم لوٹو گے تو ہم بھی لوٹیں گے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ﴾ (بنی إسرآئیل 8:17) ”اور اگر تم لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔“ یعنی اگر تم پھر کفر وضلالت کا مظاہرہ کرو گے تو ہم بھی دوبارہ تم سے اسی طرح کا سلوک کریں گے۔ ﴿وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ﴾ ”اور اگرچہ تمھاری جماعت کتنی ہی زیادہ ہو وہ تمھیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی۔“ یعنی تم جس قدر جماعتوں کو جمع کر سکتے ہو کر لو لیکن جس کے ساتھ اللہ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿19﴾﴾ یعنی اللہ مومنوں کی جماعت کے ساتھ اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیات: 20-23

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت بجالائیں اور اس بات سے انھیں ڈرایا ہے کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور کافروں اور اس کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ ”اور اس سے نہ پھرو۔“ یعنی اس کی اطاعت ترک نہ کرو، اس نے جو حکم دیے ہیں ان کی اطاعت بجالاؤ اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، انھیں ترک کر دو۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿20﴾﴾ ”اور تم سنتے ہو۔“ یعنی تم جانتے ہو کہ اس نے تمھیں کس بات کی دعوت دی ہے۔ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿21﴾﴾ ”اور تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے کہا کہ ہم نے (اللہ کے حکم کو) سن لیا، حالانکہ وہ سنتے نہیں تھے۔“ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس سے مراد منافق ہیں کیونکہ وہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ انھوں نے احکامِ الٰہی کو سن لیا اور قبول کر لیا ہے، حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 279/9.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کی بات) کو قبول کرو جب وہ تمھیں اس (امر) کے لیے بلائے جو تمھیں زندگی بخشتا ہے، اور تم جان لو کہ یقیناً اللہ بندے

اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿24﴾

اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿24﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ ساری مخلوق میں سے بدترین ہیں، پس فرمایا: ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ کے ہاں چلنے پھرنے والوں میں بدترین بہرے ہیں۔'' یعنی جو حق کو سن نہیں سکتے ﴿ الْبُكْمُ ﴾ ''گونگے ہیں۔'' جو حق کو سمجھ نہیں سکتے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ جو عقل نہیں رکھتے۔'' یہ ساری مخلوق میں سے بدترین ہیں کیونکہ ان کے سوا ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار ہے جس مقصد کی خاطر اسے پیدا کیا اسے وہ سرانجام دے رہی ہے اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تھا مگر انھوں نے کفر کو اختیار کیا ہے۔ اسی لیے حسب ذیل آیت کریمہ میں انھیں چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے: ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ ...... ﴾ الآیة (البقرۃ2:171) ''جو لوگ کافر ہیں، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس (جانور) کو پکارتا ہے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے......'' اور ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ (الأعراف7:179) ''یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں مذکوران لوگوں سے قریش کی بنی عبدالدار شاخ کی ایک جماعت مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہی مروی ہے اور امام ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[1] جبکہ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ ان سے منافق مراد ہیں۔[2] اس اعتبار سے مشرکین اور منافقین میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں گروہ ہی صحیح فہم اور عمل صالح سے محروم ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا فہم صحیح ہے نہ ان کا قصد وارادہ ہی صحیح ہے اگر بالفرض ان کا فہم صحیح ہوتا تو ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ ﴾ ''اور اگر اللہ ان میں بھلائی جانتا تو ان کو ضرور سنا تا۔'' یعنی ان کو صحیح فہم عطا فرما دیتا لیکن ان میں نیکی کا مادہ نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم نہیں عطا فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے: ﴿ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ ﴾ ''اور اگر وہ انھیں سنا دیتا۔'' یعنی فہم عطا فرما دیتا ﴿ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''تو بھی وہ ضرور پھرتے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔'' یعنی فہم کے بعد بھی دیدہ دانستہ ازراہِ عناد منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔

تفسیر آیت: 24

اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہنا: امام بخاری فرماتے ہیں: ﴿ اِسْتَجِيْبُوْا ﴾ کے معنی ہیں کہ تم قبول کرو ﴿ لِمَا

[1] صحیح البخاری، التفسیر، سورة الأنفال، حدیث:4646 وتفسیر الطبری:280/9. [2] تفسیر الطبری:280/9.

﴿يُحْيِيكُمْ﴾ جو تمھاری اصلاح کر دیتا ہے۔ پھر انھوں نے ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور آپ نے مجھے بلایا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا بلکہ نماز سے فارغ ہوکر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: [مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟ أَ لَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ......﴾ ثُمَّ قَالَ: لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ] ''تم میرے پاس کیوں نہ آئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے: ''مومنو! اللہ اور اس کے رسول (کی بات) کو قبول کرو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں بلائیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: (مسجد سے) نکلنے سے پہلے پہلے میں تمھیں قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت سکھا دوں گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد سے) باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا۔ اور معاذ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا کہ حفص بن عاصم نے صحابۂ کرام میں سے ایک شخص ابوسعید سے سنا کہ آپ نے فرمایا تھا: [هِيَ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي] ''وہ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ ہے اور وہ سات آیتیں ہیں جو (نماز میں) بار بار پڑھی جاتی ہیں۔''[1]

اور محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زبیر سے اور انھوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں اس لڑائی کی دعوت دیں جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمھیں ذلت کے بعد عزت عطا فرمائی، کمزوری کے بعد طاقت وقوت سے سرفراز فرمایا اور کمزور وناتواں ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھارے دشمن سے محفوظ رکھا۔[2]

اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ ''اور جان لو! یقیناً اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ مومن اور کفر کے درمیان اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔[3] اس روایت کو امام حاکم نے مستدرک میں موقوفاً روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے لیکن امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[4] امام مجاہد، سعید، عکرمہ، ضحاک، ابوصالح، عَطِیّہ، مُقاتل بن حَیّان اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[5] امام مجاہد سے ﴿يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ کے بارے میں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ بندے کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی عقل کام نہیں کرتی۔[6] سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہ ایمان لاسکتا ہے اور نہ کفر اختیار کرسکتا ہے۔[7] اس آیت کریمہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی احادیث مبارکہ بھی مروی

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ......﴾ الآية (الأنفال 24:8)، حديث:4647. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1679/5 والسيرة النبوية لابن هشام:669/2، ما نزل في حضّ المسلمين على طاعة الرسول. [3] تفسير الطبري:284/9. [4] المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنفال:328/2، حديث:3265. [5] تفسير الطبري:285,284/9. [6] تفسير الطبري:286/9 وتفسير ابن أبي حاتم:1681/5. [7] تفسير الطبري:286/9.

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور اس فتنے سے ڈرو جو تم میں سے خاص طور پر (صرف) ان لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں نے ظلم کیا، (بلکہ سب اس کی زد میں آ سکتے ہیں)

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿25﴾

اور تم جان لو کہ بے شک اللہ سخت سزا والا ہے ﴿25﴾

ہیں، مثلاً: امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: [يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ] ”اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔“ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ جس دین کو لے کر آئے ہیں، اس پر ایمان لائے ہیں تو کیا آپ کو ہمارے بارے میں کوئی ڈر ہے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ ، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يُقَلِّبُهَا] ”ہاں، بے شک ہر ایک کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، اللہ عزوجل انھیں پھیرتا رہتا ہے۔“① امام ترمذی نے اپنی جامع کے کتاب القدر میں بھی اس حدیث کو بیان کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔②

امام احمد ہی نے نوّاس بن سَمعان کِلابی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَا مِنْ قَلْبٍ إِلَّا وَهُوَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ (الرَّحْمٰنِ) رَبِّ الْعَالَمِينَ، إِنْ شَاءَ أَنْ يُّقِيمَهٗ أَقَامَهٗ وَإِنْ شَاءَ أَنْ يُّزِيغَهٗ أَزَاغَهٗ، وَكَانَ يَقُولُ: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلٰى دِينِكَ، وَالْمِيزَانُ بِيَدِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ يَخْفِضُهٗ وَيَرْفَعُهٗ] ”ہر دل اللہ رب العالمین کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، وہ اسے جب سیدھا رکھنا چاہے تو سیدھا رکھتا ہے اور جب ٹیڑھا کرنا چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ آپ یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے: اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ، اور میزان، رحمٰن کے ہاتھ میں ہے، وہ اسے نیچا اور اونچا کرتا رہتا ہے۔“③

تفسیر آیت:25

فتنۂ عام سے ڈرو: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس فتنے، یعنی امتحان و آزمائش سے ڈرایا ہے جو گناہ گاروں اور دیگر سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، صرف نافرمانوں اور گناہ گاروں ہی کو نہیں بلکہ سب لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے گا جیسا کہ امام احمد نے مُطَرِّف سے روایت کیا ہے کہ ہم نے زبیر سے کہا کہ اے ابوعبداللہ! تمھیں یہاں کون سی چیز لائی ہے؟ تم نے اس خلیفہ کو ضائع کر دیا جو شہید ہو گئے ہیں اور اب تم اس کے خون کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے ہو؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں اس آیت کو تو پڑھتے تھے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ ”اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انھی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں

---

① مسند أحمد: 112/3. ② جامع الترمذي، القدر، باب ما جاء أن القلوب بين أصبعي الرحمن، حديث: 2140.

③ مسند أحمد: 182/4 جبکہ قوسین والا لفظ السنن الكبرى للنسائي، النعوت، قوله: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ (طٰہٰ 39:20): 414/4، حديث: 7738 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث: 199 میں ہے۔

نے ظلم کیا، (بلکہ سب اس کی زد میں آ سکتے ہیں۔)'' لیکن یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ ہم خود بھی اس فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے حتی کہ یہ واقعہ رونما ہو گیا۔ [1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ خطاب خصوصیت کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔ [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں برائی کو باقی نہ رہنے دیں ورنہ سب کو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے گا۔ [3] یہ اس آیت کریمہ کی بہت ہی اچھی تفسیر ہے۔ اسی لیے امام مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ فتنہ تمھارے لیے بھی ہوگا۔ [4] ضحاک، یزید بن حبیب اور دیگر کئی ایک مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ [5] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک فتنے میں مبتلا ہونے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن 15:64) ''تمھارا مال اور تمھاری اولاد تو آزمائش ہے۔'' لہٰذا تم میں سے جو پناہ طلب کرنا چاہے، وہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کن فتنوں سے پناہ چاہے۔ [6]

یہ قول صحیح ہے کہ اس آیت میں خطاب اگرچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے مگر یہ عام ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سب مسلمانوں کو فتنے سے ڈرایا گیا ہے اور اس پر وہ تمام احادیث دلالت کرتی ہیں جو فتنوں سے بچنے کے بارے میں وارد ہیں، اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے گی اور اس میں ان تمام کو بیان کیا جائے گا جیسا کہ بہت سے ائمۂ کرام نے اس موضوع پر مستقل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ یہاں وہ حدیث بطور خاص قابلِ ذکر ہے جسے امام احمد نے بروایت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْ عِنْدِهِ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا پھر اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا، پھر تم اس سے دعا کرو گے مگر وہ تمھاری دعا کو قبول نہیں فرمائے گا۔'' [7]

امام احمد نے ابورُقاد کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ میں اپنے آقا کے ساتھ نکلا اور میں ابھی بچہ تھا، پس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا تو اس وقت وہ یہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اگر کوئی شخص ایک بات کہتا تو وہ منافق ہو جاتا مگر میں اس طرح کی بات تم میں سے ایک شخص سے ایک ہی مجلس میں چار دفعہ بھی سن لیتا ہوں (اور تم اسے منع نہیں کرتے) تم ضرور نیکی کا حکم دو گے، برائی سے منع کرو گے اور خیر و بھلائی کی ترغیب دو گے یا پھر اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا یا تمھارے برے لوگوں کو تمھارا حاکم بنا دے گا، پھر تمھارے نیک لوگ دعا کریں گے اور وہ قبول نہیں ہوگی۔ [8]

---

[1] مسند أحمد:165/1. [2] تفسير القرطبي:391/7. [3] تفسير الطبري:288/9. [4] تفسير الطبري:288/9. [5] تفسير ابن أبي حاتم:1682/5 و الدر المنثور:322/3. [6] تفسير الطبري:289/9. [7] مسند أحمد:389,388/5. [8] مسند أحمد:390/5.

ایک اور حدیث: امام احمد ہی نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے:

[مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰی حُدُودِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا، وَالْمُدَّهِنِ فِيهَا مَثَلُ قَوْمٍ رَّكِبُوا سَفِينَةً فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا وَأَوْعَرَهَا وَشَرَّهَا، وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوُا الْمَاءَ مَرُّوا عَلٰی مَنْ فَوْقَهُمْ فَآذَوْهُمْ، فَقَالُوا: لَوْخَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا فَاسْتَقَيْنَا مِنْهُ وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ تَرَكُوهُمْ وَأَمْرَهُمْ هَلَكُوا جَمِيعًا، وَّإِنْ أَخَذُوا عَلٰی أَيْدِيهِمْ نَجَوْا جَمِيعًا]

''اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے، اس میں واقع ہو جانے والے اور اس میں مداہنت سے کام لینے والے کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ایک بحری جہاز پر سوار ہوئے اور ان میں سے کچھ لوگوں کے حصے میں جہاز کا سب سے نچلا حصہ، گہرا اور برا حصہ آیا اور کچھ لوگ اس کے بالائی حصے میں سوار ہو گئے، نچلے حصے والے لوگوں کو پانی پینے کے لیے اوپر جانا پڑتا تھا جس کی وجہ سے وہ ان کے لیے اذیت کا باعث بنتے، اس لیے وہ کہنے لگے کہ اگر اپنے حصے میں سوراخ کر لیں تو اس سے پانی بھی حاصل کر لیں گے اور اوپر والوں کو تکلیف بھی نہ دیں گے اگر اوپر والے ان نیچے والوں کو ان کے حالات پر چھوڑ دیں اور انھیں یہ کام کر لینے دیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیں (اور انھیں جہاز کے پیندے میں سوراخ نہ کرنے دیں) تو سب کے سب بچ جائیں گے۔''[1] صحیح مسلم میں یہ روایت نہیں ہے، امام بخاری نے اسے الشِّرکۃ اور الشھادات اور امام ترمذی نے اسے فتن کے ابواب میں بیان کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام احمد نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَاصِي فِي أُمَّتِي عَمَّهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَمَا فِيهِمْ (يَوْمَئِذٍ) أُنَاسٌ صَالِحُونَ؟ قَالَ: بَلٰی، قَالَتْ: فَكَيْفَ يُصْنَعُ أُولٰئِكَ؟ قَالَ: يُصِيبُهُمْ مَّا أَصَابَ النَّاسَ ثُمَّ يَصِيرُونَ إِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ] ''جب میری امت میں گناہ عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ان میں نیک لوگ نہ ہوں گے؟ فرمایا: ''کیوں نہیں!'' کہنے لگیں: ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ فرمایا: ''وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوں گے جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی سے نوازے جائیں گے۔''[3]

ایک اور حدیث: امام احمد ہی نے حضرت جریر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ قَوْمٍ يُّعْمَلُ

---

[1] مسند أحمد:4/269. [2] صحیح البخاری، الشرکة، باب : هل یقرعُ فی القسمة والاستهام فیه؟ حدیث:2493. وکتاب الشهادات، باب القُرعة فی المشکلات، حدیث:2686 وجامع الترمذی، الفتن، باب منه، حدیث:2173 .

[3] مسند أحمد:6/304 .

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں تو اللہ نے

فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿26﴾

تمھیں ٹھکانا دیا، اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی، اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو﴿26﴾

فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي هُمْ أَعَزُّ وَأَكْثَرُ مِمَّنْ يَعْمَلُهُ لَمْ يُغَيِّرُوهُ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ] ''جس قوم میں گناہ اور برے کام کیے جاتے ہوں اور وہ کرنے والوں سے زیادہ معزز اور تعداد میں زیادہ ہوں مگر پھر انھیں منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔''[1]

تفسیر آیت:26

مسلمانوں کی کمزوری وناتوانی کو قوت ونصرت سے بدل دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنا یہ انعام واحسان یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کی قلت کو کثرت سے بدل دیا، کمزوری اور خوف کو قوت ونصرت سے بدل دیا، ان کے فقر اور تنگ دستی کو ختم کر کے انھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرما دیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی ان نعمتوں پر اس کا شکر بجا لائیں، مومنوں نے اپنے رب کے اس حکم کی اطاعت کی بلکہ اس کے تمام احکام کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا۔

یہ مومنوں کے مکہ میں قیام کے زمانے کے حالات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وہاں تعداد میں قلیل تھے، چھپ چھپ کر اپنے دین کے مطابق عمل کرتے اور مغلوب ومقہور ہونے کی وجہ سے ڈرتے تھے کہ مشرک، مجوسی اور رومی انھیں اڑا نہ لے جائیں کیونکہ یہ سب لوگ ان کی قلت اور عدم قوت کے باعث ان کے دشمن تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرما دی تو اللہ تعالیٰ نے وہاں انھیں ٹھکانا عطا فرما دیا اور وہاں کے باشندوں کو توفیق عطا فرما دی اور انھوں نے مسلمانوں کو جگہ بھی دی، نیز بدر کے دن اور دوسرے موقعوں پر ان کی مدد بھی کی، ان کے لیے مالی ایثار بھی کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اپنی جانیں بھی کھپا دیں۔

قَتادہ بن دِعامہ سَدُوسی رحمہ اللہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین (مکہ) میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ عرب لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل تھے، ان کی معیشت سب سے زیادہ خراب تھی، یہ سب سے زیادہ بھوکے، ننگے اور گمراہ تھے جو زندہ تھے وہ سب سے زیادہ بدبخت اور جو مر جاتے وہ جہنم رسید ہوتے تھے فقیر اور محتاج تھے غنی نہ تھے، الغرض ساری زمین میں کوئی قبیلہ بھی ایسا نہ تھا جو ان سے زیادہ بدحال ہو حتی کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا تو اسلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں

[1] مسند أحمد:364/4 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:4009.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿27﴾

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو﴿27﴾ اور جان لو یقیناً تمھارے مال اور

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ ع 3/9 17

تمھاری اولاد فتنہ ہیں اور (جان لو) بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے﴿28﴾

زمین میں عزت دے دی، رزق میں فراوانی عطا فرما دی اور لوگوں کے بادشاہ بنا دیا، الغرض یہ ساری بہار جو تم دیکھ رہے ہو یہ اسلام ہی کی برکت سے ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤ کیونکہ تمھارا رب، منعم حقیقی اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور شکر ادا کرنے والوں کو وہ مزید نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ ①

تفسیر آیات: 28,27

شانِ نزول: صحیح بخاری و مسلم میں حاطِب بن ابو بَلْتَعہ کا قصہ موجود ہے کہ انھوں نے فتح مکہ کے سال کفار قریش کو ایک خط لکھ کر رسول اللہ ﷺ کے قصد کے بارے میں مطلع کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس سے مطلع فرما دیا تو آپ نے خط لے کر جانے والی (بڑھیا) کے تعاقب میں (حضرت علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم) کو بھیجا اور اس خط کو حاصل کر لیا، پھر حاطب کو بلا کر اس خط کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کی خیانت کی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(دَعْهُ) إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ] ''یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور تمھیں معلوم نہیں کہ اہل بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمھارے گناہ معاف کر دیے ہیں۔'' ②

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے، خواہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کسی خاص سبب کے باعث نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ عام الفاظ کو دیکھا جاتا ہے خاص سبب کو نہیں۔ اس آیت کریمہ میں خیانت کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ چھوٹے بڑے، لازم اور متعدی تمام گناہوں پر مشتمل ہے۔ علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ ''اور نہ تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو'' میں امانت سے مراد وہ تمام اعمال اور فرائض ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امین ٹھہرایا ہے۔ ﴿لَا تَخُوْنُوْا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے مطابق عمل میں کمی نہ کرو۔ ③

---

① تفسیر الطبری:9/291,290 . ② ملخص از صحیح البخاری، المغازی، باب فضل من شهد بدرًا ، حدیث:3983 وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبی بلتعة وأهل بدر رضی اللہ عنہم ، حدیث:2494، کتب احادیث میں [دعه] کے بجائے [مَهْلًا] ہے۔ دیکھیے المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، باب ذکر أهل بدر:4/77 ، حدیث: 6967. ③ تفسیر الطبری:9/294 .

عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ تمھیں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت سے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح خیانت نہ کرو جس طرح منافقین کرتے ہیں۔① ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ ''اور جان لو! یقیناً تمھارے مال اور اولاد آزمائش ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ نعمتیں امتحان و آزمائش کے لیے عطا فرمائی ہیں اور وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہو یا نہیں، ان نعمتوں کی موجودگی میں اس کی اطاعت کرتے ہو یا ان دلچسپیوں میں کھو کر اس سے غافل ہو جاتے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾ (التغابن 15:64) ''بلاشبہ تمھارا مال اور تمھاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ ہی کے ہاں بڑا اجر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ط ﴾ (الأنبیآء 35:21) ''اور ہم تمھیں پرکھنے کے لیے، برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ﴾ (المنفقون 9:63) ''مومنو! تمھارے مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ...... ﴾ الآیة (التغابن 14:64) ''مومنو! تمھاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن (بھی) ہیں سو ان سے بچتے رہو......'' فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ ﴾ ''اور بے شک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔'' یعنی اس کا ثواب، اس کی نعمتیں اور اس کی بہشتیں تمھارے لیے تمھارے اموال و اولاد سے بہتر ہیں کیونکہ ان میں سے تو کوئی تمھارا دشمن بھی ہو سکتا ہے اور اکثر تمھارے کچھ کام نہیں آ سکتے، اللہ رب ذوالجلال ہی کی ذات گرامی دنیا و آخرت میں متصرف و مختار ہے اور اسی کے پاس روز قیامت بے پایاں اجر و ثواب ہو گا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، (مَن كَانَ) يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ] ، [وَمَنْ كَانَ أَنْ يُّلْقَى فِي النَّارِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ] ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں موجود ہوں گی تو وہ ان کے ساتھ ایمان کی حلاوت کو پا لیتا ہے: (1) جسے اللہ اور اس کا رسول دیگر تمام چیزوں کی نسبت زیادہ محبوب ہوں۔ (2) اور جو شخص کسی سے محبت کرتا ہو تو محض اللہ ہی کے لیے محبت کرتا ہو اور (3) جسے آگ میں ڈال دیا جانا زیادہ پسندیدہ ہو اس سے کہ وہ (دوبارہ) کفر کی طرف لوٹ جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے نجات دے دی ہے۔''②

رسول اللہ ﷺ سے محبت تو اولاد، اموال اور اپنی جانوں کی محبت سے بھی مقدم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: [(وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!) لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ (نَّفْسِهِ) وَأَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ

① تفسیر الطبری: 293/9. ② پہلا حصہ صحیح البخاری، الإیمان ، باب حلاوة الإیمان، حدیث: 16 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان خصائل من اتصف بهن وجد حلاوة الإیمان، حدیث: 43، قوسین والے الفاظ صحیح مسلم جبکہ دوسرا حصہ سنن ابن ماجه الفتن، باب الصبر علی البلاء، حدیث: 4033 کے مطابق ہے۔ و مسند أحمد: 172/3.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمھارے لیے نکلنے کی راہ بنا دے گا اور تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور تمھیں بخش دے گا۔ اور اللہ بہت

لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾

بڑے فضل والا ہے ﴿29﴾

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ

اور (اے نبی! یاد کیجیے) جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے تا کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو (مکہ

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾

سے) نکال دیں اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے ﴿30﴾

أَجْمَعِينَ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے اپنی جان، اپنے اہل و عیال، اپنے مال اور سب لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ ہو۔''[1]

تفسیر آیت:29

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ اور دیگر کئی ایک مفسرین نے فرمایا ہے کہ ﴿فُرْقَانًا﴾ کے معنی رنج و غم سے مخلصی ہے۔ اور مجاہد نے فرمایا ہے کہ دنیا و آخرت میں رنج و غم سے مخلصی مراد ہے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ اس کے معنی نجات ہیں۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے معنی نصرت کے ہیں۔[3] محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ اس کے معنی حق و باطل میں فرق کے ہیں۔[4] پہلے اقوال کی نسبت ابن اسحاق کی یہ تفسیر زیادہ عموم پر مبنی ہے اور یہ ان تمام اقوال کو مستلزم ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کے احکام کو بجا لائے اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کرے تو اسے یقیناً حق و باطل میں فرق کرنے کی توفیق بھی مل جائے گی اور یہ توفیق یقیناً اس کی فتح و نصرت، نجات، دنیا کے رنج و غم سے مخلصی، روز قیامت کی سعادت، گناہوں کی بخشش اور کفارے، لوگوں سے عیوب کی پردہ پوشی اور اللہ کی طرف سے بے پایاں اجر و ثواب کے حصول کا سبب بن جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحدید 28:57) ''مومنو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمھیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمھارے لیے روشنی کر دے گا جس میں تم چلو گے اور وہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ أكثر من الأهل......، حديث: 44 عن أنس رضي الله عنه. وسنن النسائي، الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان، حديث: 5017 جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ سنن النسائي، حديث: 5018 اور دوسری قوسین والا لفظ مسند أحمد: 233/4 کے مطابق ہے۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1686/5 و تفسير الطبري: 297,296/9.
[3] تفسير ابن أبي حاتم: 1686/5. [4] تفسير الطبري: 298/9.

تفسیر آیت :30

اہل مکہ کی نبی کریم ﷺ کے خلاف تدبیریں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ لِيُثۡبِتُوكَ ﴾ کے معنی ہیں کہ آپ کو قید کر دیں۔ سدی کا بھی یہی قول ہے کہ اثبات کے معنی قید کرنے کے ہیں۔ ①

امام محمد بن اسحاق بن یسار صاحب مغازی نے عبداللہ بن ابو نَجیح از مجاہد کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھ سے کلبی نے باذان مولیٰ ام ہانی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش کے ہر قبیلے کے سرداروں پر مشتمل ایک جماعت جب دارالندوہ میں داخل ہونے کے لیے جمع ہوئی تو ان لوگوں سے ابلیس ایک خوش نما بوڑھے کی شکل میں آ ملا، انھوں نے جب اسے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں نجد کا رہنے والا ایک شیخ ہوں، سنا تھا کہ آپ لوگ ایک قرارداد کے مطابق جمع ہو رہے ہیں تو میں بھی چلا آیا ہوں تاکہ تم میری رائے دہی اور خیر خواہی سے محروم نہ رہو۔ انھوں نے کہا: اچھی بات ہے، آؤ تو اس طرح وہ بھی ان کے ساتھ دارالندوہ میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس آدمی کے بارے میں اچھی طرح غور کرو، اللہ کی قسم! یہ تم پر عنقریب غالب آ جائے گا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اسے لوہے کی ہتھکڑیوں میں جکڑ کر کسی جگہ قید کر دو، پھر اس کی موت کا انتظار کرو جس طرح کہ اس سے پہلے کے شعراء زُہیر اور نابِغہ پر موت آئی تھی کیونکہ یہ بھی انھی جیسا ایک شاعر ہی تو ہے۔

یہ سن کر اللہ کا یہ دشمن شیخ نجدی چیخا کہ نہیں، واللہ! تمھاری یہ رائے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اللہ کی قسم! اس کا رب اسے قید سے نکال کر اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ساتھی تم پر حملہ کر کے اسے تمھارے ہاتھوں سے چھین لیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے اور مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ یہ تمھیں تمھارے علاقے سے نکال دیں گے۔ قریشیوں نے کہا کہ شیخ نے سچ کہا ہے، لہٰذا اس کے علاوہ اور رائے سوچو۔ تو پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اسے اپنے پاس سے نکال دو، اس طرح تم اس سے آرام میں ہو جاؤ گے اور جب وہ نکل جائے گا تو تمھیں کوئی نقصان نہ ہوگا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کہاں جا بستا ہے کیونکہ اس طرح اس کی ایذا تم سے ختم ہو جائے گی تم آرام پا لو گے اور اس کا معاملہ اب دوسرے لوگوں سے ہوگا۔ شیخ نجدی نے کہا: نہیں، واللہ! تمھاری یہ رائے بھی ٹھیک نہیں، کیا تم نے اس کی شیرینیٔ گفتار، خوبیٔ کلام اور اس کی بات کے دلوں پر اثر انداز ہونے کی کیفیت کو نہیں دیکھا؟ واللہ! اگر تم نے ایسا کیا تو مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ عرب کے جس قبیلے میں ٹھہرے گا تو وہ اس کی شیریں کلام کی وجہ سے اس کے پیروکار بن جائیں گے، پھر وہ انھیں لے کر تم پر حملہ آور ہوگا اور تمھیں تمھارے علاقے سے نکال باہر کرے گا اور تمھارے سرداروں کو قتل کر دے گا۔ قریشیوں نے کہا: واللہ! شیخ نے سچ کہا ہے، لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور رائے اختیار کرو۔

چنانچہ ابوجہل لعنہ اللّٰہ نے کہا: واللہ! میری رائے ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے اب تک اس رائے کا اظہار کیا ہو اور

① تفسیر الطبری:9/298,299 و تفسیر ابن أبی حاتم:5/1688.

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ

اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم نے سن لیں اگر ہم چاہیں تو اس طرح (کا کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں، یہ تو اگلے

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿31﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

لوگوں ہی کی داستانیں ہیں﴿31﴾ اور جب انھوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿32﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

پر دردناک عذاب لے آ﴿32﴾ اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہیں کہ انھیں عذاب دے جبکہ آپ بھی ان کے درمیان (موجود) ہوں، اور اللہ انھیں عذاب

وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾

دینے والا نہیں جبکہ وہ بخشش مانگتے ہوں﴿33﴾

اس کے سوا کوئی اور رائے ہو بھی نہیں سکتی۔ لوگوں نے پوچھا: تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میری یہ رائے ہے کہ ہر قبیلے میں سے ایک جواں مرد، نوعمر، قوی، شریف النسب لے لیں، ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں شمشیر بُرّاں دے دیں، پھر یہ سب جوان مرد اس پر اس طرح یک بارگی حملہ کریں، گویا یہ ایک ہی شخص کا وار ہو اور اس طرح جب یہ اسے قتل کر دیں گے تو اس کا خون تمام قبیلوں پر بٹ جائے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ خاندان بنی ہاشم سارے قریش سے جنگ نہ کر سکے گا اور وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائے گا، اس طرح ہم اس سے آرام پا لیں گے اور اس کی مصیبت ختم ہو جائے گی۔ یہ سن کر شیخ نجدی کہنے لگا: واللہ! یہ رائے بہت ہی مناسب ہے، اس نوجوان نے بہت خوب رائے پیش کی ہے، میرے نزدیک بھی اس کے سوا کوئی اور رائے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد سب لوگ اس رائے پر اتفاق کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ہجرت نبوی: قریش کے اس مشورے کے بعد جبریل نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے قریش کے اس مشورے سے مطلع کرتے ہوئے کہا کہ آج کی رات آپ اپنے اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر آپ روزانہ آرام فرمایا کرتے ہیں اور ساتھ ہی جبریل نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں سے ہجرت کر جانے کی اجازت عطا فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد سورۂ انفال کو نازل فرمایا اور اس میں اپنے اس احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾ ﴾ ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کریں) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو (جان سے) مار دیں یا (مکہ سے) نکال دیں تو (ادھر) وہ تدبیریں کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' اور کفار قریش نے جو یہ کہا تھا کہ اسے لوہے کی ہتھکڑیوں میں جکڑ کر کہیں بند رکھو اور اس کی موت کا انتظار کرو جس طرح اس سے پہلے کے شاعر زُہیر اور نابغہ پر موت آئی تھی۔

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ ﴾ (الطور 52:30) ''کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ (نبی) شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث (موت) کا انتظار کر رہے ہیں؟'' اس دن کو

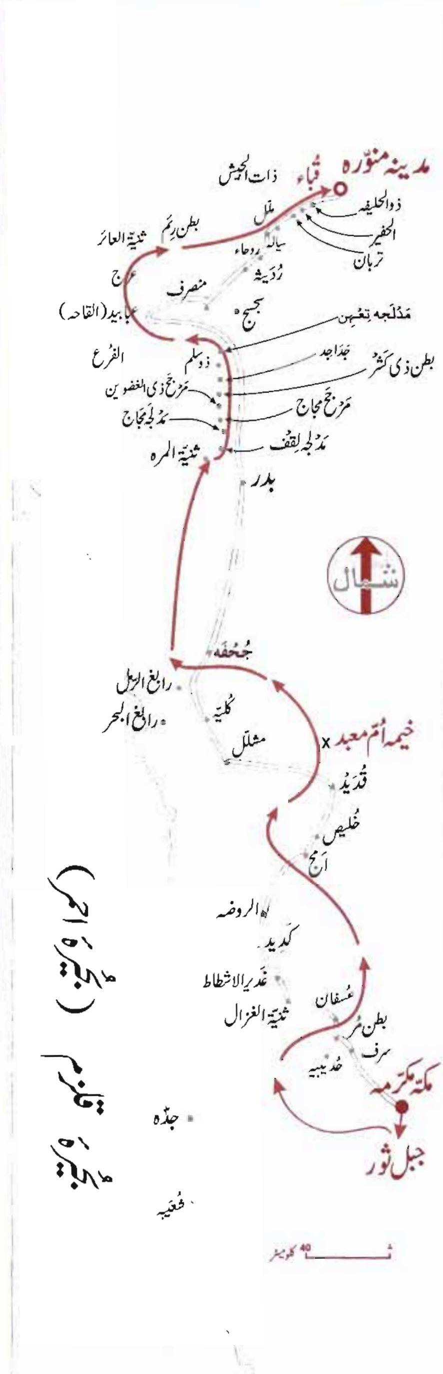

ہجرت نبوی

* نبی ﷺ 12 ربیع الاول مطابق 24 ستمبر 622ء کو بروز پیر قبا پہنچے۔
* یکم محرم 1ھ 16 جولائی 622ء کے مطابق ہے اور یہی ہجری تقویم کی ابتدا ہے۔

ہجرت کا راستہ

قافلوں کا راستہ

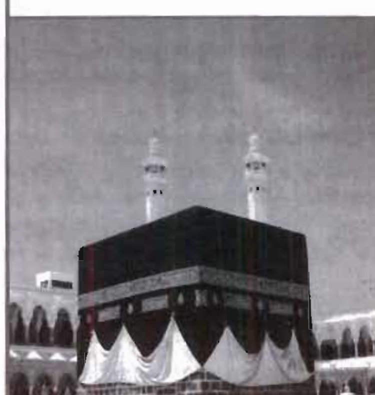

یَوْمُ الزَّحْمَةِ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا جس میں کفار قریش مشورے کے لیے جمع ہوئے تھے۔① سدی نے بھی (تقریباً) اسی طرح اسے بیان کیا ہے۔② اور محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زبیر سے اور انھوں نے عروہ بن زبیر سے اس آیت: ﴿ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اپنی مضبوط و مستحکم تدبیر کے ساتھ میں نے کافروں کی چال کونا کام بنا کر تمھیں ان کے مکر و فریب سے نجات عطا کر دی۔③

تفسیر آیات: 31-33

قریش کا گمان کہ وہ بھی اس طرح کا قرآن بنا سکتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قریش کے کفر، سرکشی، دشمنی اور عناد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتے تو باطل دعویٰ کرتے ہوئے یہ کہتے: ﴿ قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ﴾ ''یقیناً (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا (کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔'' یہ ان کا محض ایک ایسا دعویٰ تھا جسے وہ پورا نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں تو قرآن نے کئی بار چیلنج کیا تھا کہ وہ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دیں مگر وہ قرآن مجید کے اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے، اس لیے ان کی یہ بات اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو محض دھوکا دینے کے مترادف تھی۔ کہا گیا ہے کہ یہ بات نضر بن حارث لعنه الله نے کہی تھی جیسا کہ سعید بن جبیر، سدی اور ابن جریج وغیرہ نے کہا ہے۔④

نضر بن حارث ملعون بلاد فارس میں گیا اور وہاں اس نے ان سے ان کے بادشاہوں رستم اور اسفندیار کے قصے معلوم کیے اور جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرما دیا ہے اور آپ لوگوں کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب کسی مجلس سے اٹھتے تو پھر وہاں یہ نضر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو رستم اور اسفندیار کے قصے سنانے لگ جاتا، پھر کہتا کہ اے اللہ! تو ہی بتا ہم میں سے کس کے قصے اچھے ہیں، میرے یا محمد (ﷺ) کے؟ نَعُوذُ بِاللّٰهِ یہی وجہ ہے کہ جب یہ غزوۂ بدر میں قیدی بن کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کے سامنے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ آپ کے اس ارشاد کے مطابق اس کی گردن اڑا دی گئی تھی۔⑤ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

أَسَاطِیر، أُسْطُورَة کی جمع ہے۔ کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن ہے ہی کیا، یہ صرف اگلے لوگوں کی حکایتیں ہیں جنھیں آپ نے اگلے لوگوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے اور آپ انھیں لوگوں کو سنا دیتے ہیں، یہ سخت جھوٹ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی ان کے متعلق بیان فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:5,6) ''اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اس کو اس نے اتارا جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' جو شخص اس

---

① تفسیر الطبری:301,300/9 والسیرة النبویة لابن ہشام، ہجرة الرسول:482,481/2. ② تفسیر الطبری:302/9.
③ تفسیر ابن أبی حاتم:1688/5. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:1689/5 وتفسیر الطبری:305/9. ⑤ تفسیر الخازن: 308/2 بالفاظ دیگر والبدایة والنہایة:86/3 وتفسیر الطبری:306/9.

کی طرف توبہ اور رجوع کرلے تو وہ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے معاف فرما دیتا ہے۔

مشرکین کا مطالبۂ عذاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' کفار مکہ نے یہ بات اپنی بے پناہ جہالت اور تکذیب و دشمنی کی شدت کی وجہ سے کہی تھی اور یہ ان کے لیے موجب عیب و عار بن گئی جبکہ انھیں کہنا یوں چاہیے تھا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے تو ہمیں اس کی ہدایت فرما اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما لیکن اس کے بجائے انھوں نے اپنے لیے جلد سزا اور عذاب کا مطالبہ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (العنکبوت 53:29) ''اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کررہے ہیں۔ اگر (عذاب کا) ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا تو انھیں عذاب ضرور آ لیتا اور یقیناً وہ (کسی وقت میں) ان پر ضرور نا گہاں آ کر رہے گا اور ان کو شعور بھی نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ (صٓ 16:38) ''اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا (عذاب کا) حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔'' اور فرمایا: ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴾ (المعارج 70:1-3) ''ایک طلب کرنے والے نے کافروں پر واقع ہونے والا عذاب طلب کیا جسے کوئی ٹال نہ سکے گا (اور وہ) اللہ صاحب درجات کی طرف سے (نازل ہوگا۔)''

سابقہ امتوں کے جاہلوں نے بھی اسی طرح کہا تھا، مثلاً: قوم شعیب نے ان سے کہا تھا: ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (الشعرآء 26:187) ''اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے۔'' اور ان کفار مکہ نے یہ کہا: ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' امام شعبہ نے عبدالحمید صاحب الزیادی [1] کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ بات ابوجہل نے کہی تھی اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ ''اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک آپ ان میں تھے انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے۔'' [2]

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود اور مشرکین کا استغفار عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا

[1] زیاد بن ابوسفیان کے غلام محمد بن عون تھے، اس بنا پر یہ الزیادی کی نسبت سے معروف ہوئے اور عبدالحمید اسی محمد بن عون الزیادی کے ساتھی تھے، اسی لیے انھیں صاحب الزیادی کہا جاتا ہے۔ [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ ...... ﴾ (الأنفال 8:32)، حدیث:4648.

كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾ ’’اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک آپ ان میں تھے، انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے۔‘‘ امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ! لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ’’میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔‘‘ تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: قَدْ قَدْ ’’بے شک، بے شک۔‘‘ اور کبھی وہ یہ کہا کرتے تھے: لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكاً هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَ مَا مَلَكَ ’’تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس کے جس کو تو نے خود اپنا شریک بنالیا ہے تو اس کا بھی اور جو اس کی ملکیت میں ہے اس کا بھی مالک ہے۔‘‘ اور کبھی وہ یہ کہا کرتے تھے: غُفْرَانَكَ، غُفْرَانَكَ ’’ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں، ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں۔‘‘ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ...... ﴾ الآية ’’اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ (جب تک) آپ ان میں تھے اور وہ انھیں عذاب دیتا......‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انھیں دو چیزوں کی وجہ سے امان حاصل تھا: (1) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور (2) استغفار[1] نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور استغفار باقی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ أَمَانَيْنِ لِأُمَّتِي: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ فَإِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيهِمُ الْإِسْتِغْفَارَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ’’اللہ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے کہ میری امت کے لیے دو چیزیں باعث امان ہیں: ’’اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ (جب تک) آپ ان میں تھے اور وہ انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے۔‘‘ اور جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو پھر ان میں قیامت کے دن تک کے لیے استغفار چھوڑ جاؤں گا۔‘‘[2]

اس حدیث کی شاہد وہ روایت بھی ہے جو مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ: وَعِزَّتِكَ يَارَبِّ! لَا أَبْرَحُ أُغْوِي عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ، قَالَ الرَّبُّ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي! لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَّا اسْتَغْفَرُونِي] ’’شیطان نے کہا: اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم! جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں ان کی روحیں باقی رہیں گی، میں انھیں گمراہ کرتا رہوں گا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: مجھے میرے عزت وجلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے، میں انھیں معاف کرتا رہوں گا۔‘‘ امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[3]

[1] تفسير الطبري: 310/9 وتفسير ابن أبي حاتم: 1691/5. [2] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنفال، حديث: 3082 لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ [3] مسند أحمد: 29/3 والمستدرك للحاكم، التوبة والإنابة: 261/4، حديث: 7672.

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ

اور (اب) ان کے لیے کونسی وجہ ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ (لوگوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں، اس کے متولی تو

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ

متقی لوگ ہی ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ﴿34﴾ اور بیت اللہ کے پاس ان (مشرکین) کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا

اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿35﴾

کچھ نہیں تھی، چنانچہ تم عذاب چکھو اس کفر کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ﴿35﴾

تفسیر آیات : 35,34

نافرمانیوں کی وجہ سے مشرکوں کو عذاب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ مشرکین اس بات کے مستحق ہیں کہ انھیں عذاب دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنے رسول ﷺ کے قیام کی برکت سے ان پر عذاب نازل نہیں کیا اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں سے تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن انھیں اپنے عذاب میں مبتلا کر دیا اور بہت سے صنادید قریش مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی کہ جو وہ گناہ کر رہے ہیں ان سے استغفار کریں اور اپنے شرک وفساد سے باز آ جائیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں۔

اگر ان میں وہ کمزور مومن مقیم نہ ہوتے جو استغفار کرتے رہتے ہیں تو پھر بھی وہ عذاب انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیتا جو کسی صورت ٹالا نہ جا سکتا لیکن مکہ میں مقیم ان کمزور مومنوں کی وجہ سے انھیں عذاب میں مبتلا نہ کیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے دن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾ (الفتح 25:48) ”یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا اور قربانیوں کو بھی کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں اور اگر (مکہ میں) ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، پھر بے خبری میں ان (کے قتل) کی وجہ سے تمھیں تکلیف پہنچتی (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے، ہم انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ ﴾ ”اور (اب) ان کے لیے کون سی وجہ ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ (لوگوں کو) مسجد حرام (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہیں؟ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کیوں عذاب نہ دے جبکہ یہ مسجد

حرام سے جو مکہ میں واقع ہے، اہل ایمان کو اس میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے سے روکتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ یعنی وہ مسجد حرام کے متولی نہیں بلکہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ہی اس مسجد کے متولی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ○﴾ (التوبة 9:17,18) ''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ انھی لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ ......﴾ الآية (البقرة 2:217) ''اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ میں جانے) سے (روکنا) اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے......۔''

امام حاکم نے مستدرک میں رفاعہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو جمع فرمایا اور ان سے پوچھا: [هَلْ فِيكُمْ مِّنْ غَيْرِكُمْ ؟ فَقَالُوا: فِينَا ابْنُ أُخْتِنَا وَفِينَا حَلِيفُنَا وَفِينَا مَوْلَانَا، فَقَالَ: حَلِيفُنَا مِنَّا وَابْنُ أُخْتِنَا مِنَّا وَمَوْلَانَا مِنَّا إِنَّ أَوْلِيَائِي مِنْكُمُ الْمُتَّقُونَ] ''کیا اس وقت تم میں تمھارے علاوہ کوئی دوسرا شخص بھی موجود ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ اس وقت ہم میں ایک تو ہمارا بھانجا، ایک ہمارا حلیف اور ایک ہمارا آزاد کردہ غلام ہے۔ آپ نے فرمایا: ہمارا حلیف ہم میں سے ہے، ہمارا بھانجا ہم میں سے ہے اور ہمارا آزاد کردہ غلام بھی ہم میں سے ہے، تم میں سے میرے دوست وہ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔'' امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔ [1] عروہ، سدی اور محمد بن اسحاق نے ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ [2] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد متقین ہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں۔ [3]

پھر مسجد حرام کے پاس کفار کے معاملے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ﴾ ''اور ان لوگوں (مشرکین) کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔'' عبداللہ بن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابورجاء العُطاردی، محمد بن کعب قرظی، حُجر بن عنبس، نُبیط بن شُریط،

[1] المستدرك للحاكم، التفسير: 328/2، حديث: 3266. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1694/5 وتفسير الطبري: 316,315/9.
[3] تفسير ابن أبي حاتم: 1694/5 وتفسير الطبري: 316/9 والدر المنثور: 331/3.

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکیں تو وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے،

تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ﴿36﴾

پھر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ﴿36﴾ تاکہ اللہ

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ

ناپاک کو پاک سے الگ کر دے، اور ناپاک (لوگوں) کو (ایک دوسرے پر) اوپر تلے رکھ کر سب کا ڈھیر لگا دے، پھر اسے جہنم میں ڈال دے،

جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿37﴾ ع 4/9 18

یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿37﴾

قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ﴿ مُكَآءً ﴾ کے معنی سیٹی کے ہیں۔[1] مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اپنے مونہوں میں انگلیاں داخل کر لیتے تھے۔[2] سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ قریش بیت اللہ کا عریاں طواف کرتے ہوئے سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔ ﴿ مُكَآءً ﴾ کے معنی سیٹی بجانا اور ﴿ تَصْدِیَةً ؕ ﴾ کے معنی تالی بجانا ہے۔ علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، مجاہد، محمد بن کعب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ضحاک، قتادہ، عطیہ عوفی، حجر بن عنبس اور ابن ابزیٰ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ﴿ مُكَآءً ﴾ کے معنی سیٹی بجانا اور ﴿ تَصْدِیَةً ؕ ﴾ کے معنی تالی بجانا ہیں۔[4]

سعید بن جبیر اور عبدالرحمٰن بن زید سے روایت ہے کہ ﴿ تَصْدِیَةً ؕ ﴾ کے معنی ان کا لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکنا ہے۔[5] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ ''چنانچہ تم عذاب کو چکھو اس کفر کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔'' ضحاک، ابن جریج اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ اس عذاب سے مراد کفار قریش کا بدر کے دن قتل اور قید ہونا ہے۔[6]

تفسیر آیات: 37,36

اللہ تعالیٰ کے رستے سے روکنے کے لیے کفار کا خرچ کرنا باعث حسرت ہوگا: محمد بن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ اور حصین بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد بن معاذ نے بیان کیا کہ جب قریش بدر کے دن قتل اور قید ہوئے اور باقی شکست خوردہ لوگ مکہ میں لوٹ آئے اور ابوسفیان بھی اپنے قافلے کے ساتھ واپس آیا تو عبداللہ

① تفسیر ابن أبی حاتم:1695/5 وتفسیر الطبری:318/9. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1695/5 وتفسیر الطبری:319/9.
③ تفسیر ابن أبی حاتم:1696/5 وتفسیر الطبری:318,317/9. ④ تفسیر الطبری:317/9. ⑤ تفسیر الطبری: 321/9. ⑥ تفسیر الطبری:321/9.

بن ابو ربیعہ، عکرمہ بن ابو جہل، اور صفوان بن امیہ نے کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر جن کے باپ، بیٹے یا بھائی جنگ بدر میں مارے گئے تھے، ابوسفیان بن حرب اور ان لوگوں سے گفتگو کی جن کا اس قافلے کے ساتھ تجارتی سامان تھا اور کہا کہ اے گروہِ قریش! محمد (ﷺ) نے تمھیں تباہ و برباد کر دیا اور تمھارے اچھے اچھے لوگوں کو قتل کر دیا ہے، لہٰذا اس مال کے ساتھ ہماری مدد کرو تا کہ ہم جنگ کر کے اس سے اپنے مقتولوں کا انتقام لے سکیں، انھوں نے ان کے مطالبے کو تسلیم کر لیا اور جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا ہے، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ ”بے شک جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکیں تو وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لیے باعث افسوس ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک (لوگوں) کو (ایک دوسرے پر) اوپر تلے رکھ کر سب کا ایک ڈھیر بنا دے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے، یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔“[1]

مجاہد، سعید بن جبیر، حکم بن عیینہ، قتادہ، سدی اور ابن ابزیٰ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوسفیان اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ احد میں اس کے مال خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] ضحاک کا قول ہے کہ یہ اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔[3]

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے، گو اس کا سبب نزول خاص ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر یہ دی ہے کہ کفار حق کے رستے کی پیروی سے روکنے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اور یہ اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے حتی کہ ان کے اموال ختم ہو جائیں گے اور کچھ حاصل نہ کر سکنے کی وجہ سے انھیں حسرت اور ندامت ہوگی کیونکہ یہ اللہ کے نور کو بجھانا اور کلمۂ حق کے مقابلے میں اپنی بات کو غالب کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والا، اپنے کلمے کو سربلند کرنے والا اور اپنے دین کو باقی تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔

کافروں کے لیے دنیا میں یہ ذلت و رسوائی اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہوگا، ان میں سے جو زندہ رہا وہ اپنی آنکھ سے وہ کچھ دیکھ لے گا اور اپنے کان سے وہ کچھ سن لے گا جو اس کو برا معلوم ہوگا اور ان میں سے جو مارا گیا یا مر گیا تو وہ ابدی ذلت و رسوائی اور سرمدی عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬﴾

[1] تفسیر الطبری:324,323/9 وتفسیر ابن أبی حاتم:1698/5 والدرالمنثور:334,333/3. [2] تفسیر الطبری: 323,322/9. [3] تفسیر الطبری:324/9.

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ

(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ انھیں معاف کر دیا جائے گا، اور اگر وہ دوبارہ وہی کریں

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿38﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ

گے تو بلاشبہ اگلے لوگوں کا (جو) طریقہ گزر چکا ہے (وہی ان کا انجام ہوگا) ﴿38﴾ اور تم ان سے لڑو حتی کہ فتنہ (شرک) نہ رہے اور (ہر کہیں) سارے کا سارا دین اللہ

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿39﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ

ہی کا ہو، پھر اگر وہ (کافر) باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿39﴾ اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ یقیناً اللہ ہی تمھارا کارساز ہے،

الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿40﴾

وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے ﴿40﴾

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿36﴾﴾ ''تو وہ آئندہ بھی خرچ کریں گے، آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لیے باعث افسوس ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔''

ارشاد الٰہی: ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ ''تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دے۔① یعنی ان کو الگ کر دے جو اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے دشمنوں اور کافروں سے جہاد کرتے ہیں یا اس کی نافرمانی کرتے ہوئے جہاد سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ ......﴾ الآية (آل عمران 3:179) ''اللہ مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے بھی مطلع نہیں کرے گا......۔'' اور فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○﴾ (آل عمران 3:142) ''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ (بلا آزمائش) بہشت میں جا داخل ہو گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو (اچھی طرح) معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ صبر کرنے والوں کو جان لے۔'' آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانو! ہم نے کفار کے ساتھ تمھاری آزمائش کی ہے، وہ تم سے لڑائی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنے مالوں کو بھی خرچ کرتے ہیں۔

﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ﴾ یعنی تاکہ اللہ پاک سے ناپاک کو الگ کر دے، پھر سارے ناپاک (لوگوں) کو جمع کر کے ایک دوسرے پر اوپر تلے رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے۔ ﴿فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿37﴾﴾ ''پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے، یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔'' یعنی یہی لوگ دنیا و آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں۔

① تفسير الطبرى:325/9 .

تفسیر آیات:38-40

کفار کو توبہ کی ترغیب اور کفر پر ترہیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا﴾ ''(اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں۔'' یعنی کفر، عداوت اور عناد سے رک جائیں اور اسلام، اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کو اختیار کر لیں۔ ﴿يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ ''تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ انھیں بخش دیا جائے گا۔'' جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ] ''جس نے اسلام میں اچھے عمل کیے تو اس سے جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور جس نے اسلام میں برے عمل کیے تو اس سے پہلے اور بعد کے تمام اعمال کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔''① اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ] ، [وَالتَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهَا] ''اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔''②

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِنْ يَّعُوْدُوْا﴾ ''اور اگر وہ لوٹیں (وہی حرکات کرنے لگیں۔)'' یعنی جس طرح کے کام پہلے کرتے تھے، اسی طرح کے کام ہی کرتے رہیں گے۔ ﴿فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸﴾ ''تو بلا شبہ اگلے لوگوں کا (جو) طریقہ گزر چکا ہے (وہی ان کے حق میں برتا جائے گا۔)'' یعنی اگلے لوگوں میں ہمارا طریقہ یہ رہا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور اپنی سرکشی اور عناد کی اس روش کو برقرار رکھا تو ہم نے بھی انھیں جلد ہی اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا تھا۔

کفر و شرک کے خاتمے کے لیے جہاد کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ ''اور تم ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (شرک) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آ کر یہ کہنے لگا: اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: ﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا......﴾ الآية (الحجرات 9:49) ''اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں......'' تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، آپ لڑائی کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے جواب دیا برادر زادے! مجھے اس آیت کی وجہ سے الزام دیا جائے اور میں لڑائی نہ کروں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ مجھے اس آیت کی وجہ سے الزام دیا جائے: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا......﴾ الآية

① صحیح البخاري، استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إثم من أشرك بالله وعقوبته في الدنيا والآخرة......، حديث: 6921 وصحيح مسلم، الإيمان، باب هل يؤاخذ بأعمال الجاهلية؟ حديث: 120. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله......، حديث: 121 ومسند أحمد: 199/4 اور صحیح مسلم میں [يَجُبُّ] کے بجائے [يهدم] عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے۔ [والتوبة تجب ما كان قبلها] کے الفاظ کسی حدیث میں نہیں مل سکے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ. دیکھیے سلسلة الأحاديث الضعيفة: 141/3، رقم: 1039 .

(النسآء 93:4) ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے......'' اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ قَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ ﴾ ''اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (شرک) نہ رہے۔'' تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اس وقت اس آیت کے مطابق عمل کیا تھا جب اسلام ابھی زیادہ نہیں پھیلا تھا اور مسلمان کو دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا کر کے قتل کر دیا جاتا یا گرفتار کر لیا جاتا اور اب جب اسلام پھیل گیا ہے تو اب فتنہ باقی نہیں رہا ہے۔

اس شخص نے جب یہ دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی رائے سے اتفاق نہیں کر رہے تو اس نے کہا کہ پھر علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں میرا کیا قول ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں معاف فرما دیا ہے مگر تم نہیں چاہتے کہ اللہ انھیں معاف کرے۔ اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں میں یہ کہتا ہوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد اور داماد ہیں- اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا- اور یہ رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر جیسا کہ تم دیکھتے ہو (ان کے حبالۂ عقد میں ہے۔)[1] سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آئے تو ایک آدمی نے کہا کہ فتنے میں لڑائی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ فتنہ کیا ہے؟ حضرت محمد ﷺ مشرکوں سے لڑائی کرتے تھے اور ان پر داخل ہونا فتنہ تھا، اس سے تمھارا حکومت کے لیے لڑنا مراد نہیں ہے۔ یہ ساری روایت امام بخاری رحمہ اللہ کے سیاق کے مطابق ہے۔[2]

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ قَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ ﴾ میں فتنے سے مراد شرک ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، سدی، مُقاتل بن حیّان اور زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھے عروہ بن زبیر اور دیگر علماء کی امام زہری کے حوالے سے یہ روایت پہنچی ہے کہ کسی مومن کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کر دیا جائے۔[4] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّ يَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ ''اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔'' کے بارے میں ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ توحید اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے۔[5] حسن، قتادہ اور ابن جریج نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ حتی کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جانے لگ جائے۔[6] محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مومن کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کر دیا جائے، توحید خالص اللہ ہی کے لیے ہو جائے، اس میں شرک کی قطعاً کوئی آمیزش نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر تمام معبودوں کو چھوڑ دیا جائے۔[7]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارے دین کے ساتھ ساتھ کفر باقی نہ رہے۔[8] اس کی

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَ قَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ ...... ﴾ (الأنفال 39:8)، حدیث: 4650 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَ قَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ ...... ﴾ (الأنفال 39:8)، حدیث: 4651 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1701/5 ودلائل النبوة للبیهقی، باب مبتدأ الإذعان بالقتال وماورد بعده ......:582/2. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1701/5. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:1701/5. [6] تفسیر الطبری:327,326/9 وتفسیر ابن أبی حاتم:1701/5. [7] السیرة النبویة لابن هشام، نزول سورة الأنفال:672/2 . [8] تفسیر الطبری:328/9.

تائید صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ ، إِلَّا بِحَقِّهَا ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ] ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں حتی کہ وہ کہہ دیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور جب وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں گے تو مجھ سے اپنے خون اور اموال بچالیں گے مگر جو ان کا حق ہوا، پھر ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔''①

صحیح بخاری و مسلم ہی میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص حمیّت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص ریا کاری کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے رستے میں لڑنے والا کون ہے؟ فرمایا: [مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''جو شخص اس لیے لڑائی کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کو سربلندی حاصل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے رستے میں لڑتا ہے۔''②

ارشاد الٰہی: ﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا ﴾ ''اور اگر وہ باز آ جائیں۔'' یعنی حالت کفر میں تمھارے ساتھ لڑنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے لڑائی کرنے سے رک جاؤ، خواہ تمھیں ان کی باطنی حالت کا علم نہ بھی ہو۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳۹ ﴾ ''تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ...... ﴾ الآیة (التوبة 5:9) ''اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو......'' اور دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ ﴾ (التوبة 11:9) ''تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة 193:2) ''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نیست و نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے، پھر اگر وہ (فساد سے) باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے۔)''

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ سے اس وقت فرمایا تھا جب وہ تلوار لے کر ایک شخص پر چڑھ گئے تو اس نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا مگر اس کے باوجود اسامہ نے تلوار مار کر اسے قتل کر دیا اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ ذکر کیا گیا تو آپ نے اسامہ سے فرمایا: [أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ...... يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّمَا (قَالَهَا تَعَوُّذًا) قَالَ: (هَلَّا) شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ؟] ''اس کے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ روز قیامت تم لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا کیا جواب دو گے؟ اسامہ نے عرض کی: اے اللہ کے

① صحیح البخاری، الإیمان، باب: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ ﴾ (التوبة 5:9)، حدیث: 25 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما. وصحیح مسلم، الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله......، حدیث: (35)-21 واللفظ له عن جابر رضی اللہ عنہ. ② صحیح البخاری، التوحید، باب قوله تعالى: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 171:37)، حدیث: 7458 وصحیح مسلم، الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله، حدیث: (150)-1904 واللفظ له.

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی

اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے

وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ

داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو

یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿41﴾

فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے ﴿41﴾

رسول! اس نے تو بچنے کی خاطر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا تھا۔ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے دل کو چاک کر کے دیکھ کیوں نہیں لیا؟ آپ بار بار یہ مجھے فرماتے رہے: [(مَنْ لَّكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ؟) ـ قَالَ أُسَامَةُ ـ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ إِلَّا يَوْمَئِذٍ] قیامت کے دن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے سامنے تیرا کون مددگار ہوگا؟۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ میں خواہش کرنے لگا کہ اے کاش! میں آج کے دن ہی مسلمان ہوا ہوتا۔"[1]

ارشادِ الٰہی: ﴿ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿40﴾ ﴾ "اور اگر وہ پھریں تو جان رکھو کہ اللہ تمھارا حمایتی ہے (اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔" یعنی اگر یہ تمھاری مخالفت کریں اور تمھارے خلاف جنگ برپا کرتے رہیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمھارا کارساز، تمھارا آقا و مولیٰ اور تمھارے دشمنوں کے مقابلے میں تمھارا حامی و ناصر ہے اور وہ بہت اچھا کارساز بھی ہے اور بہت خوب حامی و مددگار بھی۔

تفسیر آیت:41

مالِ غنیمت اور فَے کا حکم: سابقہ تمام امتوں کے مقابلے میں اس امتِ شریفہ کو اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت سے بھی نوازا ہے کہ اس کے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دے دیا ہے اور اس مقام پر اسی کی تفصیل کو بیان فرمایا ہے۔ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو اونٹ اور گھوڑے دوڑا کر کفار سے حاصل کر لیا گیا ہو اور فَے اس مال کو کہتے ہیں جو اونٹ گھوڑے دوڑائے بغیر ہی مل گیا ہو، مثلاً: وہ مال جو کفار سے صلح کر لینے کی وجہ سے حاصل ہوا ہو یا کافر فوت ہو گئے ہوں اور ان کا کوئی وارث نہ ہو یا وہ مال جو جزیہ اور خراج وغیرہ کی صورت میں کفار سے حاصل ہوا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ﴾ "اور جان رکھو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت

[1] صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا ﴾ (المائدة 5:32)، حديث: 6872 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله، حديث: 97,96 قوسین والے الفاظ علی الترتیب حوالہ جات کے مطابق ہیں: السنن الكبرى للنسائي، السير، باب قول المشرك لا إله إلا الله: 176/5، حديث: 8595 والمعجم الكبير للطبراني، ترجمة السميط بن سمير عن عمران بن حصين: 226/18 وسنن أبي داود، الجهاد، باب على ما يقاتل المشركون، حديث: 2643.

حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کا ہے۔'' اس میں تاکید ہے کہ ہر چیز، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ حتی کہ سوئی دھاگے وغیرہ میں سے بھی پانچواں حصہ ضرور ادا کر دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران 161:3) ''اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے روبرو) حاضر کرنی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ ''تو اس کا پانچواں حصہ یقیناً اللہ اور اس کے رسول کا ہے'' کے بارے میں ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی سَرِیّے کو بھیجتے اور وہ غنیمت کا پانچواں حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ اس پانچویں حصے کو مزید پانچ حصوں میں تقسیم فرما دیتے۔ پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ......﴾ الآية. اور فرمایا کہ یہ آیت کلام باری تعالیٰ: ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرة 284:2) کی مفتاح ہے، یعنی انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حصے کو ایک حصہ ہی قرار دیا۔[1] ابراہیم نخعی، حسن بن محمد ابن حنفیہ، حسن بصری، شعبی، عطاء بن ابورباح، عبداللہ بن بریدہ، قتادہ، مغیرہ اور دیگر کئی ایک اہل علم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔[2]

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام حافظ ابوبکر بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن شَقِیق سے اور انھوں نے بُلْقِین کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ میں نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ وادی قریٰ میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! غنیمت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: [لِلّٰهِ خُمُسُهَا وَأَرْبَعَةُ أَخْمَاسٍ لِّلْجَيْشِ، قُلْتُ: فَمَا أَحَدٌ أَوْلٰى بِهِ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَ: لَا، وَلَا السَّهْمُ تَسْتَخْرِجُهُ مِنْ جَنْبِكَ لَيْسَ أَنْتَ أَحَقَّ بِهِ مِنْ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ] ''اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور باقی چار حصے لشکر کے لیے ہیں۔ میں نے عرض کی: ان میں سے کوئی کسی دوسرے کی نسبت زیادہ حق دار نہیں ہے؟ فرمایا: نہیں، حتی کہ وہ تیر بھی جسے تم اپنے پہلو سے نکالو، اپنے مسلمان بھائی کی نسبت تم اس کے زیادہ حق دار نہیں ہو۔''[3]

امام احمد نے مقدام بن مَعدِی کَرِب کِندی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ وہ عُبادہ بن صامت، ابوالدرداء اور حارث بن معاویہ کِندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک کا تذکرہ شروع کر دیا۔ ابوالدرداء نے عُبادہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں غزوے میں مالِ غنیمت کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟ عبادہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوے میں صحابۂ کرام کو نماز پڑھائی اور اس وقت مال غنیمت کا ایک اونٹ آپ کے سامنے تھا، سلام

[1] تفسير الطبري:5/10. [2] تفسير الطبري:6/10. [3] السنن الكبرى للبيهقي، قسم الفيء والغنيمة، باب إخراج الخمس من رأس الغنيمة ......:324/6 .

پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان اونٹ کی ایک مینگنی پکڑی اور فرمایا:

[إِنَّ هٰذِهِ مِنْ غَنَائِمِكُمْ وَإِنَّهُ لَيْسَ لِي فِيهَا إِلَّا نَصِيبِي مَعَكُمْ، إِلَّا الْخُمُسُ، وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ، فَأَدُّوا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ، وَأَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَأَصْغَرَ، وَلَا تَغُلُّوا فَإِنَّ الْغُلُولَ نَارٌ وَّعَارٌ عَلٰى أَصْحَابِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَجَاهِدُوا النَّاسَ فِي اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ، وَلَا تُبَالُوا فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَّأَقِيمُوا حُدُودَ اللّٰهِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ عَظِيمٌ، يُّنَجِّي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى [بِهٖ] مِنَ الْغَمِّ وَالْهَمِّ]

’’یہ بھی تمھاری غنیمتوں میں سے ہے اور خمس کے علاوہ باقی میرا حصہ بھی تمھارے حصے کے برابر ہی ہے اور یہ پانچواں حصہ بھی تمھی کو واپس کر دیا جاتا ہے، لہٰذا سوئی اور دھاگے کو بھی پیش کر دو، اس سے کوئی بڑی یا چھوٹی چیز ہو تو اسے بھی پیش کرو اور خیانت نہ کرو کیونکہ خیانت تو خائن لوگوں کے لیے دنیا و آخرت میں آگ اور عار ہے، اللہ کی خاطر قریب و بعید سب لوگوں سے جہاد کرو، اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرو، سفر و حضر ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرو اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرو، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک عظیم الشان دروازہ ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ غم و فکر سے نجات عطا فرماتا ہے۔‘‘[1]

یہ حدیث حسن عظیم ہے مگر کتب ستہ میں یہ اس سند سے موجود نہیں ہے۔ ہاں، البتہ امام احمد، ابوداود اور نسائی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے غنیمت کے سلسلے میں اور خیانت کی ممانعت کے بارے میں اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] امام ابوداود اور نسائی نے عمرو بن عَبَسَہ سے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[3]

نبیٔ اکرم ﷺ مال غنیمت میں سے اپنے لیے غلام یا لونڈی یا گھوڑے یا تلوار وغیرہ جیسی کسی چیز کو پسند فرما لیا کرتے تھے جیسا کہ محمد بن سیرین اور عامر شعبی نے بیان کیا اور اکثر علماء نے بھی ان کی متابعت میں یہی بیان کیا ہے۔[4] امام احمد و ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالفقار نامی اپنی تلوار کو بدر کے دن مال غنیمت میں سے حاصل کیا تھا اور اسی تلوار کے بارے میں آپ نے احد کے دن خواب دیکھا تھا۔[5]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صَفِیَّہ کا تعلق (غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی) لونڈیوں میں سے تھا۔[6]

اہل قرابت کا حصہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیا جاتا تھا کیونکہ بنو مطلب نے زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں بنو ہاشم کا ساتھ دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اظہار ہمدردی کے طور پر یہ بھی بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب میں داخل ہو گئے

---

① مسند أحمد:316/5. ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، حديث:2694 وسنن النسائي، الهبة، باب هبة المشاع، حديث:3718 ومسند أحمد:184/2. ③ سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإمام يستأثر بشيء من الفيء لنفسه، حديث:2755 . ④ الدر المنثور:336/3. ⑤ مسند أحمد:271/1 وجامع الترمذي، السير، باب في النفل، حديث:1561. ⑥ سنن أبي داود، الخراج، باب ما جاء في سهم الصفي، حديث:2994 .

تھے، ان میں سے جو مسلمان تھے وہ تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے شعب ابو طالب میں داخل ہوئے تھے اور جو کافر تھے، وہ اپنے خاندان کے لیے حمیت اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی اطاعت کے لیے داخل ہوئے تھے۔

آیت کریمہ میں یتیموں سے مراد مسلمانوں کے یتیم ہیں اور محتاجوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اپنی گزر بسر کے لیے ضروری سامان موجود نہ ہو اور مسافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس قدر مسافت کا سفر کر رہے ہیں یا سفر کرنے کا ارادہ کر رہے ہوں جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہو اور اس کے پاس سفر کے لیے زاد راہ نہ ہو۔ اس کی تفصیل سورۂ توبہ کی آیت صدقہ میں بیان کی جائے گی۔[1] إِنْ شَاءَ اللّٰهُ. وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ﴾ ''اگر تم اللہ پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی۔'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ، یوم آخرت اور اس پر ایمان رکھتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تو مال غنیمت کے خمس کے بارے میں ہمارے حکم کی پابندی کرو۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفد عبدالقیس سے متعلق حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، آمُرُكُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللّٰهِ، وَهَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ؟ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، (وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ) وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، (وَتُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ)] ''میں تمھیں چار چیزوں کا حکم دیتا اور چار سے منع کرتا ہوں۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لاؤ، اور کیا تم جانتے ہو کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا اور یہ کہ تم مال غنیمت میں سے بھی پانچواں حصہ ادا کرو......'' لمبی حدیث ہے۔[2] اس حدیث میں آپ نے مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کو ادا کرنا بھی ایمان میں سے قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کی کتاب الإیمان میں ایک باب کا عنوان یہ قائم فرمایا ہے: بَابُ أَدَاءِ الْخُمُسِ مِنَ الْإِيمَانِ ''غنیمت کے پانچویں حصے کو ادا کرنا بھی ایمان میں سے ہے۔'' پھر انھوں نے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہی حدیث بیان فرمائی ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''فیصلے کے دن (اتارا) جس دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہو گئی تھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر اپنے اس انعام واحسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے بدر میں حق و باطل میں فرق کر دیا اور اس دن کو ''یوم الفرقان'' کے نام سے موسوم کیا کیونکہ اس دن اس نے کلمۂ ایمان کو کلمۂ باطل پر سربلند کر دیا تھا، اپنے دین کو غالب کر دیا اور اپنے نبی اور اپنی جماعت کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا

[1] دیکھیے آیت: 60 کے ذیل میں۔ [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:96)، حدیث: 7556 لیکن پہلی قوسین والے الفاظ حدیث: 53 میں ہیں و صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله تعالى ورسوله ﷺ وشرائع الدين......، حدیث: (23)-17 جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، حدیث: 87 کے مطابق ہیں۔ [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب أداء الخمس من الإيمان، حدیث: 53.

اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰى وَالرَّكۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ ؕ

جبکہ تم (میدان بدر کے) قریب والے کنارے پر تھے اور وہ (کافر) دور والے کنارے پر تھے اور (قریش کا تجارتی) قافلہ تم سے بہت نیچے (بحیرہ قلزم کے ساحل

وَلَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِى الۡمِيۡعٰدِ ۙ وَلٰـكِنۡ لِّيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ

کی طرف) تھا۔ اور اگر تم (دونوں فریق جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے تو مقررہ وقت پر ضرور اختلاف کرتے اور لیکن (ہوا یہ کہ دونوں گروہ آمنے سامنے

لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَىَّ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

آگئے) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہونے والا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے (حق پہچان کر)

لَسَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿42﴾

زندہ رہے، اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿42﴾

تھا۔ علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "یوم الفرقان" سے مراد بدر کا دن ہے کیونکہ اس دن اللہ نے حق و باطل میں فرق کر دیا تھا۔ [1] اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ [2] اسی طرح مجاہد، مِقْسَم، عبیداللہ بن عبداللہ، ضحاک، قتادہ، مُقاتِل بن حَیّان اور کئی ایک اہل علم نے کہا ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے۔ [3]

تفسیر آیت:42

یوم بدر کی کچھ تفصیل: اللہ تعالیٰ نے یوم الفرقان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا﴾ "جس وقت (تم بدر کے) قریب والے کنارے پر تھے۔" یعنی جب تم نے وادی کے اس کنارے پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا جو مدینہ سے قریب تھا۔ ﴿وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰى﴾ "اور کافر بعید کے کنارے پر تھے۔" یعنی اس کنارے پر جو مدینہ سے بعید اور مکہ کی جانب تھا۔ ﴿وَالرَّكۡبُ﴾ "اور قافلہ" جس میں ابوسفیان اپنے سامان تجارت کے ساتھ تھا ﴿اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ ؕ﴾ "تم سے نیچے (اتر گیا) تھا" اور وہ ساحل سمندر کی طرف تھا ﴿وَلَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ﴾ "اور اگر تم (جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے۔" تم اور مشرک ایک جگہ جمع ہونے کے بارے میں آپس میں فیصلہ کر لیتے ﴿لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِى الۡمِيۡعٰدِ ۙ﴾ "تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں اختلاف کرتے۔"

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے اس آیت کریمہ کے بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ مڈھ بھیڑ تمھارے اور ان کے درمیان طے شدہ ایک وقت معین کے مطابق ہوتی، پھر تمھیں یہ معلوم ہوتا کہ ان کی تعداد زیادہ اور تمھاری تعداد کم ہے تو تم ان سے نہ ملتے۔ ﴿وَلٰـكِنۡ لِّيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ﴾ "اور لیکن تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہو کر رہنے والا تھا۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرمانے اور شرک و مشرکین کو ذلیل و رسوا کرنے کا اپنی قدرت کے ساتھ جو ارادہ فرمایا اسے پورا کر دے اور اپنے لطف و کرم

[1] تفسیر الطبری:12/10. [2] المستدرك للحاكم، المغازی والسرایا:23/3، حدیث:4307. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1706/5 و تفسیر الطبری:14,13/10.

کے ساتھ اس نے اپنے اس ارادے کو پورا فرما دیا۔ ① حدیث کعب بن مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان نکلے اور وہ قریش کے قافلے سے ملنا چاہتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کے دشمنوں کو پہلے سے طے شدہ کسی وقت معین کے بغیر جمع کر دیا۔ ②

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شام کے وقت علی بن ابوطالب، سعد بن ابووقاص اور زبیر بن عوام کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بدر کے پانی کی طرف روانہ فرمایا تاکہ جستجو کر کے آپ تک خبریں پہنچائیں، ان کی قریش کی پانی لے جانے والی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، بنوسعید بن عاص کا ایک غلام اسلم اور بنوحجاج کا ایک غلام عریض ابویسار، صحابۂ کرام انھیں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے، رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز پڑھنے میں مصروف تھے، اس لیے صحابۂ کرام نے ان سے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ صحابۂ کرام نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم قریش کے سقے ہیں، انھوں نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم ان کے پینے کے لیے پانی لے جائیں، لوگوں نے ان کی یہ بات قبول نہ کی اور انھیں خیال ہوا کہ شاید یہ ابوسفیان کے ملازم ہیں، اس لیے انھوں نے انھیں خوب مارا پیٹا تو وہ بول اٹھے کہ ہاں، ہم ابوسفیان ہی کے ملازم ہیں، اس پر انھوں نے انھیں چھوڑ دیا، رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا، پھر سجدے کیے اور نماز مکمل کرتے ہوئے سلام پھیر دیا اور فرمایا:

[إِذَا صَدَقَاكُمْ ضَرَبْتُمُوهُمَا، وَإِذَا كَذَبَاكُمْ تَرَكْتُمُوهُمَا، صَدَقَا، وَاللّٰهِ ! إِنَّهُمَا لِقُرَيْشٍ، أَخْبِرَانِي عَنْ قُرَيْشٍ؟ قَالَا: هُمْ وَاللّٰهِ! وَرَاءَ هٰذَا الْكَثِيبِ الَّذِي تَرٰى بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى۔ وَالْكَثِيبُ : الْعَقَنْقَلُ۔ فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَمِ الْقَوْمُ؟ قَالَا: كَثِيرٌ، قَالَ: مَا عِدَّتُهُمْ؟ قَالَا: لَا نَدْرِي، قَالَ: كَمْ يَنْحَرُونَ كُلَّ يَوْمٍ؟ قَالَا: يَوْمًا تِسْعًا وَّيَوْمًا عَشْرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْقَوْمُ فِيمَا بَيْنَ التِّسْعِ مِائَةِ وَالْأَلْفِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمَا: فَمَنْ فِيهِمْ مِّنْ أَشْرَافِ قُرَيْشٍ؟]

''جب ان دونوں نے تم سے سچ کہا تو تم نے زدوکوب کیا اور جب انھوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انھیں چھوڑ دیا۔ واللہ! ان دونوں نے سچ کہا ہے کہ وہ قریش کے ہیں۔'' (پھر آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ) ''مجھے قریش کے متعلق خبر دو گے؟'' انھوں نے کہا کہ واللہ! وہ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جو دور سے نظر آ رہا ہے۔ ٹیلہ عقنقل۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ لوگ کتنے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ بہت ہیں، آپ نے فرمایا: ''ان کی تعداد کتنی ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہیں، آپ نے فرمایا: ''وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن دس، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے، پھر آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ لشکر میں

① السيرة النبوية لابن هشام، نزول سورة الأنفال:672/2 وتفسير ابن أبي حاتم:1708/5. ② تفسير الطبري: 16/10.

اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلًا ؕ وَلَوۡ اَرٰىكَهُمۡ كَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی

(اے نبی! یاد کریں) جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو ان کی تعداد کم دکھائی اور اگر وہ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ضرور ہمت ہار دیتے اور

الۡاَمۡرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿43﴾ وَاِذۡ یُرِیۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ

اس معاملے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں) بچالیا۔ بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے﴿43﴾ اور (اے مسلمانو یاد کرو!) جب تم

فِیۡۤ اَعۡیُنِكُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُكُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ

(کافروں کے) آمنے سامنے ہوئے تو اللہ نے انھیں تمھاری نظروں میں تھوڑا دکھایا اور تمھیں ان کی نظروں میں تھوڑا دکھایا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے

5 ع 7 1 تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿44﴾

جو ہونے والا تھا۔ اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں﴿44﴾

سردارانِ قریش میں سے کون کون ہیں؟''

انھوں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خُوَیلد، حارث بن عامر بن نوفل، طُعَیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زَمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف، حجاج کے بیٹے نُبیہ اور مُنبّہ، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدوُدّ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا: [هٰذِهِ مَكَّةُ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْكُمْ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا] ''یہ مکہ ہے (اس) نے تمھاری طرف اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیے ہیں۔''①

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ لِّیَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَةٍ ؕ﴾ ''تاکہ جو ہلاک ہو وہ حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت وبصیرت کے ساتھ (حق پہچان کر) زندہ رہے۔'' محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ جس نے کفر کرنا ہے وہ حجت کے بعد، یعنی نشانی اور عبرت دیکھنے کے بعد کفر کرے اور جس نے ایمان لانا ہے، وہ بھی نشانی اور عبرت دیکھنے کے بعد ایمان لائے۔② یہ ایک اچھی تفسیر ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو تمھارے دشمن کے ساتھ پہلے سے طے شدہ کسی وقت معین کے بغیر ایک ہی میدان میں جمع کر دیا تاکہ تمھیں دشمن کے مقابلے میں فتح ونصرت سے نوازے، کلمۂ حق کو باطل کے مقابلے میں سربلندی عطا فرمائے تاکہ معاملہ بالکل واضح ہو جائے کیونکہ یہ حجت قاطعہ اور یہ براہین ساطعہ ہیں اور ان کے بعد کسی کے پاس نہ کوئی حجت باقی رہے اور نہ کسی کے لیے کسی قسم کے شبہے کی کوئی گنجائش رہے اور یہ وہ صورت ہے کہ اگر کسی نے ہلاک ہی ہونا ہے تو وہ ہلاک ہو جائے، یعنی اگر کسی نے اپنے کفر ہی کی حالت پر برقرار رہنا ہے تو وہ بصیرت کے ساتھ کفر کو اختیار کرے کیونکہ وہ حجت قائم ہونے کے باوجود اپنے باطل مذہب پر قائم ہے، اسی طرح جس نے ایمان لانا ہے تو وہ بھی حجت وبصیرت کے ساتھ ایمان لائے اور ایمان تو دلوں کی زندگی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَمَنۡ كَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِهٖ فِی النَّاسِ ﴾ (الأنعام

① السيرة النبوية لابن هشام، ظفر المسلمين برجلين من قريش يقفانهم على أخبارهم: 617,616/2 . ② تفسير الطبري: 17/10.

122:6) ''کیا ایک ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔''

واقعۂ اِفک کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میرے بارے میں ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا۔'' یعنی اس نے آپ کے بارے میں بہتان لگایا اور افتراء پردازی کی۔[1] ﴿ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ ﴾ ''اور کچھ شک نہیں کہ اللہ خوب سننے والا ہے۔'' یعنی تمھاری دعا، الحاح وزاری اور تمھاری فریاد کو وہ سنتا ہے۔ ﴿ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ یعنی تمھیں جانتا بھی ہے اور یقیناً کفار و معاندین کے مقابلے میں تمھی فتح ونصرت کے مستحق ہو۔

تفسیر آیات:44,43

اللہ تعالیٰ کا ہر جماعت کو دوسرے کی آنکھ میں تھوڑا کر کے دکھانا: امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خواب میں کافروں کی تعداد کو تھوڑا کر کے دکھایا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے بارے میں بتلایا تو اس سے انھیں حوصلہ اور ثابت قدمی نصیب ہوگئی۔ ابن اسحاق اور کئی دیگر اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔[2] فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ ﴾ ''اور اگر وہ انھیں بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ بزدل ہو جاتے۔'' یعنی تم بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جاتے۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ﴾ ''لیکن اللہ نے (تمھیں اس سے) بچا لیا۔'' اس طرح کہ دشمن تمھیں تھوڑی تعداد میں دکھائے۔ ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ ''بے شک وہ سینوں کی باتوں سے واقف ہے۔'' وہ تو ان باتوں سے بھی آگاہ ہے جن کو ضمیر چھپائے ہوتے ہیں اور جن پر انتڑیاں لپٹی ہوتی ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ ﴾ (المؤمن 19:40) ''وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جنھیں سینوں نے چھپایا ہوا ہے۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا ﴾ ''اور (اے مسلمانو یاد کرو!) جب تم ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تو کافروں کو تمھاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا۔'' یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے ساتھ ایک خاص لطف وکرم تھا کہ اس نے کافروں کو مسلمانوں کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھایا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر جرأت اور رغبت دلائی۔

ابواسحاق سبیعی نے ابوعبیدہ سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن کافر ہماری آنکھوں میں اس قدر تھوڑی تعداد میں دکھائے گئے کہ میں اپنے ساتھ کھڑے ہوئے آدمی سے یہ پوچھ رہا تھا کہ کافروں کی تعداد ستر ہوگی؟ اس نے کہا کہ نہیں ایک سو کی تعداد میں ہوں گے حتی کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر پوچھا کہ تمھاری تعداد کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم ایک ہزار ہیں۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[3] ﴿ وَّيُقَلِّلُكُمْ

[1] مسند أحمد:195/6. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1709/5 و تفسير عبدالرزاق:123/2 ، رقم:1018 و تفسير الخازن: 315/2. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1710/5 و تفسير الطبرى:19/10.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿45﴾

اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا آمنا سامنا ہوتو ثابت (قدم) رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ﴿45﴾اور اللہ اور اس کے رسول

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ

کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿46﴾

والوں کے ساتھ ہے﴿46﴾

فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ ﴾ ''اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا۔'' امام ابن ابوحاتم نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ اس طرح اس نے بعض کو بعض پر برانگیختہ کیا، اس کی سند صحیح ہے۔[1]

محمد بن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن عبّاد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے ﴿ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ﴾ ''تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہونے والا تھا۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں جنگ کو برپا کردیا تاکہ جس سے وہ انتقام لینا چاہے، اس سے انتقام لے لے اور اپنے جن دوستوں کو وہ انعام واکرام سے نوازنا چاہے، نواز دے۔[2] آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کیا اور ایک دوسرے کو تھوڑی تعداد میں دکھایا تاکہ ہر ایک کو دوسرے کے بارے میں رغبت پیدا ہوجائے، تھوڑی تعداد میں دکھانے کا یہ عمل اس وقت تھا جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں لیکن جب گھمسان کا رن پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی تو کافروں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ مومنوں کی تعداد ان سے دوگنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (آل عمران13:3) ''تمھارے لیے دو گروہوں میں جو (جنگِ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (اللہ کی قدرت کی عظیم الشان) نشانی تھی ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ) ان کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا مشاہدہ کر رہا تھا اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے جو اہل بصارت ہیں ان کے لیے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔'' اس طرح ان دونوں آیتوں میں تطبیق ہوجاتی ہے اور ان میں سے ہر آیت مبنی برحق وصداقت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیات: 46,45

آداب جنگ کی تعلیم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو جنگ کے آداب اور دشمنوں سے مقابلے کے وقت شجاعت وبہادری

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1710/5. [2] السيرة النبوية لابن هشام، نزول سورة الأنفال: 672/2 وتفسير ابن أبي حاتم: 1708/5.

کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا﴾ ''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے ملو (تمھارا مقابلہ ہو) تو ثابت (قدم) رہو۔'' صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان بعض ایام میں، جن میں دشمن سے آپ کا مقابلہ ہوا، انتظار فرمایا حتی کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ، وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ، اهْزِمْهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ] ''لوگو! دشمن سے مڈھ بھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے رہو اور جب تمھارا دشمنوں سے سامنا ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! کتاب کے نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے، جماعتوں کو شکست دینے والے ہمارے ان دشمنوں کو شکست دے اور ان سے مقابلے میں ہماری نصرت فرما۔''[1]

کعب احبار سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر سے بڑھ کر اور کوئی چیز پسند نہیں ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ لوگوں کو نماز اور جہاد کا حکم نہ دیتا، دیکھو! اس نے جہاد کے وقت بھی لوگوں کو اپنے ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝45﴾ ''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے ملو (تمھارا مقابلہ ہو) تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''[2]

دشمن سے مقابلے کے وقت ثابت قدمی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے ثابت قدمی اور ان کی مبارزت کے وقت صبر کا مظاہرہ کیا جائے اور مومن فرار ہوں نہ منہ موڑیں اور نہ بزدلی کا مظاہرہ کریں بلکہ اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اسے نہ بھولیں بلکہ اس سے مدد طلب کریں، اسی کی ذات گرامی پر توکل کریں اور اسی سے اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت طلب کریں، اس حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دامن نہ چھوڑیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے، اسے بجالائیں اور جس سے منع فرما دیا ہے اس سے کنارہ کشی کریں اور آپس میں اختلاف بھی نہ کریں کیونکہ باہمی اختلاف ذلت و رسوائی اور شکست کا سبب بنے گا۔ ﴿وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ ''اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' یعنی تمھاری قوت و وحدت اور کامیابی و کامرانی ختم ہو جائے گی۔ ﴿وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝46﴾ ''اور صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔''

حضرات صحابۂ کرام شجاعت و بہادری، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بجا آوری اور اطاعت و فرمانبرداری کے اعتبار

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب كان النبي ﷺ إذا لم يقاتل أول النهار أخر القتال حتى تزول الشمس، حديث: 2966,2965 وصحيح مسلم، الجهاد......، باب كراهة تمني لقاء العدو......، حديث:1742. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1711/5.

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ

تھے۔ اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے ﴿٤٧﴾ اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے سجا کر پیش کیے اور وہ کہنے لگا:

لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور بے شک میں تمہارا ساتھی ہوں، پھر جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور

وَقَالَ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنْكُمْ إِنِّيٓ أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيدُ

کہنے لگا: بے شک میں تم سے بری ہوں۔ بے شک میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت

ع 6/4/2 الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ؕ وَمَنْ

سزا دینے والا ہے ﴿٤٨﴾ جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، یہ کہتے تھے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو بے شک اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿٤٩﴾

سے اس قدر آگے بڑھے ہوئے تھے کہ سابقہ امتوں اور زمانوں میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی اور نہ ہی بعد میں نظر آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے حکم کی اطاعت کی برکت سے انھوں نے بہت ہی قلیل مدت میں مشرق و مغرب کے ملکوں اور ان میں بسنے والے لوگوں کے دلوں کو فتح کر لیا، حالانکہ رومیوں، ایرانیوں، ترکوں، صقالبہ، بربر، حبشیوں، سوڈان کی مختلف قوموں، قبطیوں اور دیگر اقوام کے لشکر ہائے جرار کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت ہی قلیل تھی لیکن انھوں نے ان سب کو شکست دی حتی کہ اللہ کے کلمے کو سر بلندی حاصل ہوگئی، اللہ کا دین تمام دینوں پر غالب آ گیا اور تیس سال سے بھی کم عرصے میں اسلامی ملکوں کا سلسلہ مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل گیا۔ فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ أَجْمَعِينَ، وَحَشَرَنَا فِي زُمْرَتِهِمْ إِنَّهُ كَرِيمٌ وَّهَّابٌ.

تفسیر آیات: 47-49

بدر کے دن مشرکوں کے نکلنے کی کیفیت: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کی راہ میں جہاد میں اخلاص سے کام لینے اور کثرت سے اس کا ذکر کرنے کے حکم کے بعد مشرکوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے گھروں سے اس طرح نہ نکلو جس طرح مشرک نکلے تھے۔ ﴿بَطَرًا﴾ ”اتراتے ہوئے“ یعنی حق کا مقابلہ کرنے کے لیے، ﴿وَّرِئَآءَ النَّاسِ﴾ ”اور لوگوں کو دکھانے کے لیے۔“ یعنی فخر اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے جیسا کہ ابوجہل نے کہا: جب اس سے یہ کہا گیا کہ قافلہ بچ کر آ گیا ہے، لہٰذا لوٹ جاؤ تو اس نے کہا: نہیں، واللہ! ہم اس وقت تک واپس نہیں ہوں گے جب تک بدر کے پانی تک نہ پہنچ جائیں، اونٹوں کو ذبح نہ کر لیں، شرابیں نہ پی لیں، باندیاں گانے نہ گا لیں تاکہ ہماری آج کی اس شان و شوکت کے

بارے میں عرب ہمیشہ بیان کرتے رہیں۔[1]

لیکن یہ سب کچھ اس کے الٹ ثابت ہوا، اس لیے کہ وہ جب بدر کے کنویں پر آئے تو درحقیقت موت کے کنویں پر آئے تھے اور قتل ہونے کے بعد انھیں قلیب بدر میں اس طرح پھینک دیا گیا کہ وہ بے حد ذلیل و رسوا تھے اور نہایت شقاوت کے ساتھ سرمدی و ابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ﴾ ''اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اللہ جانتا ہے کہ وہ کس طرح آئے اور کس مقصد کے لیے آئے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں بدترین سزا دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور سدی نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ان مشرکوں کے بارے میں ہے جنھوں نے بدر کے دن رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تھی۔[2] محمد بن کعب کہتے ہیں کہ جب قریش مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو وہ گانے بجانے والی عورتوں اور موسیقی کے آلات کے ساتھ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔[3]

شیطان کا مشرکوں کو مبتلائے فریب کرنا: ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ...... ﴾ الآیۃ ''اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور یقیناً میں تمھارا رفیق ہوں ......'' کفار جس مقصد کی خاطر آئے اور جو ان کا ارادہ تھا، شیطان ملعون نے وہ انھیں آراستہ کر کے دکھایا اور انھیں اس بات پر رغبت دلائی کہ آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا۔ اور اس خوف کو بھی ان سے دور کر دیا کہ ان کے دشمن بنو بکر میں سے بھی کوئی ان کے گھروں پر حملہ آور نہیں ہوگا اور کہا کہ میں تمھارا رفیق ہوں۔[4] شیطان کافروں کے سامنے سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں آیا تھا جو بنو مُدلج کا سردار اور اس علاقے کا ایک وڈیرا تھا۔[5]

شیطان نے کافروں سے یہ ساری باتیں کیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾ (النسآء 120:4) ''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔'' ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب بدر کا دن تھا تو ابلیس اپنے پرچم اور لشکروں کے ساتھ مشرکوں کے ساتھ چلا اور مشرکوں کے دلوں میں اس نے یہ بات ڈال دی کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکے گا اور میں تمھارا ساتھی ہوں لیکن جب مشرک اور کافر صف آرا ہوئے اور شیطان نے فرشتوں کی امداد کو دیکھا تو ﴿ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ ...... ﴾ الآیۃ. ''وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ بلاشبہ میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ

[1] تفسیر الطبری: 23,22/10 والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام:673/2. [2] تفسیر الطبری: 24,23/10 وتفسیر ابن أبی حاتم:1714,1713/5. [3] تفسیر الطبری: 24,23/10 والدر المنثور:344/3. [4] تفسیر الطبری:27/10. [5] تفسیر الطبری:26/10.

رہے......۔''①

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابلیس بدر کے دن شیطانوں کے لشکر کے ساتھ آیا، اس کے پاس اس کا جھنڈا بھی تھا، وہ بنومُدْلج کے سردار سراقہ بن مالک بن جُعْشُم کی صورت میں آیا تھا اور مشرکوں سے اس نے کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا اور میں تمھارا رفیق ہوں جب لوگ صف آرا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے مشرکوں کے چہروں کی طرف پھینک دیا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ جبریل علیہ السلام ابلیس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس وقت ابلیس ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا، اس نے جب حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو اپنا ہاتھ مشرک کے ہاتھ سے چھڑا لیا، پھر وہ اور اس کا سارا لشکر دم دبا کر بھاگ گیا، وہ مشرک جس کے ہاتھ میں ابلیس کا ہاتھ تھا کہنے لگا: سراقہ! تم تو کہتے تھے کہ میں تمھارا رفیق ہوں، ابلیس نے جواب دیا: میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ ابلیس نے یہ پسپائی اس وقت اختیار کی جب اس نے میدان بدر میں فرشتوں کو اترتے ہوئے دیکھا تھا۔②

بدر کے دن منافقوں کا موقف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ﴾ ''اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا، کہتے تھے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں کی آنکھوں میں تھوڑی تعداد میں دکھایا اور مشرکوں کو مسلمانوں کی آنکھوں میں کم کر کے دکھایا تو مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ انھیں معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں ہیں اور وہ گمان یہ کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کو یقیناً شکست دے دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے۔''③

امام قتادہ کا قول ہے کہ مشرکوں نے یہ دیکھا کہ مومنوں کی ایک جماعت نے اللہ کے دین کے بارے میں تشدد سے کام لیا ہے۔ نیز امام قتادہ نے کہا کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے دشمن ابوجہل نے جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تو قساوت وسرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ آج کے بعد اللہ کی عبادت نہیں کر سکیں گے④ عامر شعبی کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کے بارے میں گفتگو کی اور بدر کے دن وہ مشرکوں کے ساتھ نکلے اور جب انھوں نے مسلمانوں کی قلتِ تعداد کو دیکھا تو کہا: ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔⑤

① تفسیر الطبری:27/10. ② تفسیر الطبری:25/10 . ③ تفسیر ابن أبی حاتم:1717/5. ④ تفسیر الطبری:29/10.
⑤ تفسیر الطبری:29,28/10.

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ

اور کاش! آپ دیکھیں، جبکہ فرشتے کافروں کو فوت کرتے ہیں، وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ) تم

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

جلا دینے والا عذاب چکھو﴿50﴾ یہ اسی کا بدلہ ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور یہ (جان لو) کہ بے شک اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم

لِّلْعَبِيْدِ ۙ ﴿51﴾

کرنے والا نہیں﴿51﴾

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو یقیناً اللہ غالب ہے۔'' یعنی جو اس کا سہارا ڈھونڈ لے، وہ ذلیل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ غالب، عالی جناب اور عظیم الشان سلطنت کا مالک ہے۔ ﴿ حَكِيْمٌ ﴿49﴾ ﴾ ''حکمت والا ہے۔'' اپنے تمام افعال میں حکیم ہے، تمام افعال کو ان کے مقام پر رکھتا ہے، لہٰذا جو مستحق نصرت ہو تو اسے فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور جو ذلت و رسوائی کا مستحق ہو تو اسے وہ ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔

تفسیر آیات: 51,50

فرشتوں کا کفار کو بوقتِ موت مارنا: اللہ نے فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ اس حالت کو دیکھ لیں جب فرشتے کفار کی روحیں قبض کر رہے ہوتے ہیں تو آپ ایک خطرناک، ہولناک اور دہشت ناک منظر دیکھیں گے جب ﴿ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ ﴾ ''وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں۔'' اور ان سے یہ کہتے ہیں: ﴿ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ﴾ ''اور تم جلا دینے والا عذاب چکھو۔'' ابن جریج نے امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اَدْبَارَهُمْ ۚ ﴾ سے ان کے سرین مراد ہیں، بدر کے دن۔ اور ابن جریج ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بدر کے دن مشرکوں نے اپنے چہرے مسلمانوں کی طرف کیے تو فرشتوں نے ان کے چہروں پر تلواریں ماریں اور جب انھوں نے پیٹھ پھیری تو فرشتوں نے ان کا تعاقب کر کے ان کی پیٹھوں پر درے برسائے۔[1]

یہ آیت کریمہ اگرچہ واقعۂ بدر کے سیاق میں ہے لیکن یہ ہر کافر کے حق میں عام ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اسے اہل بدر کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ ﴾ ''اور کاش! آپ اس وقت (کی کیفیت) دیکھیں جب فرشتے کافروں کو فوت کرتے ہیں، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں۔'' سورۂ محمد میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔[2] اور قبل ازیں سورۂ انعام کی حسبِ ذیل آیت میں بھی یہ گزر چکا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ﴾ (الأنعام 93:6) ''اور کاش! آپ ان ظالم لوگوں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں مبتلا

[1] تفسیر الطبری: 31,30/10 . [2] دیکھیے آیت: 27 کے ذیل میں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ

ان کی عادت آل فرعون اور ان لوگوں کی عادت جیسی ہے جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿52﴾

انھیں پکڑ لیا۔ بے شک اللہ بہت طاقتور، سخت سزا والا ہے ﴿52﴾

ہوتے ہیں اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔" یعنی فرشتے اپنے رب کے حکم سے اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھا کر اس وقت انھیں مارتے ہیں جب ان کی روحیں ان کے جسموں سے نہیں نکلتیں تو فرشتے انھیں زبردستی نکالتے ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب کی بشارت سناتے ہیں۔

چنانچہ حدیث براء میں ہے کہ موت کے وقت ملک الموت جب بہت ڈراؤنی شکل وصورت میں کافر کے پاس آتا ہے تو اس کی روح سے کہتا ہے: [أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ! إِلٰى (سَمُومٍ وَّحَمِيمٍ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُومٍ) فَتَفَرَّقَ فِي بَدَنِهٖ فَيَسْتَخْرِجُونَهَا مِنْ جَسَدِهٖ، كَمَا يَخْرُجُ السَّفُودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُولِ تَتَقَطَّعُ مَعَهَا الْعُرُوقُ وَالْعَصَبُ] "اے خبیث نفس! (دوزخ کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے) کی طرف نکل تو یہ سن کر روح اس کے جسم میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اور فرشتے اسے اس کے جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گیلی اون سے لوہے کی سلاخ کو نکال لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی رگیں اور پٹھے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔"① اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مطلع فرمایا ہے کہ اس وقت فرشتے ان سے یہ کہتے ہیں: ﴿ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ﴾ "اور تم جلا دینے والا عذاب چکھو۔" فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾ "یہ ان (اعمال) کی سزا ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔" یہ سزا تمھارے ان برے اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیے تھے، یہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں سزا دی ہے۔

﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿51﴾ ﴾ "اور یہ (جان لو!) کہ بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔" وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ تو حاکم عادل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ غنی وحمید کی ذات بابرکات اس سے بہت ہی بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُّحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا......، يَا عِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ، (ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا) فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ] "اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے اور اسے تمھارے لیے بھی حرام ٹھہرایا ہے، لہٰذا تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو...... اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہیں جو میں تمھارے لیے

① مسند أحمد: 288/4 مفصلاً جبکہ قوسین والے الفاظ یہاں نہیں۔ اور تفسیر ابن کثیر میں [فتخرج معها العروق والعصب] کے الفاظ ہیں لیکن مراجع میں [فتخرج] کے بجائے [تَتَقَطَّعُ] ہے اور یہ الفاظ مسند احمد حوالۂ مذکورہ میں اسی حدیث کے بعد والی حدیث میں ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ کوئی نعمت، جو اس نے کسی قوم کو بخشی ہو، نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت بدلیں۔ اور بے شک اللہ خوب

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿53﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿53﴾ ان کی عادت آلِ فرعون اور ان لوگوں کی عادت جیسی ہے جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿54﴾

تو ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا، اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ اور وہ سب ظالم تھے﴿54﴾

شمار کر رہا ہوں، پھر میں تم کو اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا، لہٰذا جو شخص کوئی بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔''①

تفسیر آیت: 52

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی! ان مشرکین اور آپ جس دین کو لے کر آئے ہیں، اس کی تکذیب کرنے والوں کا فعل ان امتوں کے فعل جیسا ہے جنھوں نے ان سے پہلے تکذیب کی تھی، لہٰذا ان کے ساتھ بھی ہم نے اسی طرح کیا ہے جس طرح ان سے پہلے تکذیب کرنے والے فرعونیوں، انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی قوموں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والوں کے ساتھ کیا تھا۔ ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ﴾ ''تو اللہ نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔'' ان کے گناہوں کے سبب انھیں ہلاک کر دیا اور انھیں اس طرح پکڑا جس طرح کوئی غالب اور قدرت والا پکڑتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿52﴾﴾ ''بے شک اللہ زبردست (اور) سخت عذاب والا ہے۔'' یعنی اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور نہ کوئی بھاگنے والا اس سے بچ سکتا ہے۔

تفسیر آیات: 54,53

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے مکمل مبنی بر عدل و انصاف ہونے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جو نعمت کسی کو دیا کرتا ہے تو اسے اس کے کسی گناہ کے ارتکاب کے سبب ہی اس سے محروم کرتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ (الرعد 11:13) ''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت نہ بدلیں اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کوئی ٹالنے والا نہیں اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔'' ارشاد الٰہی: ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ﴾ ''جیسا حال فرعونیوں کا (ہوا تھا۔)'' یعنی اس نے ان کا حال بھی ویسا کیا ہے جیسا حال اس نے فرعونیوں اور ان جیسے لوگوں کا کیا تھا جب انھوں نے اس کی آیات کی تکذیب کی اور اس نے ان کے گناہوں کے سبب انھیں ہلاک کر دیا اور انھیں ان نعمتوں سے محروم کر دیا جو انھیں باغات، چشموں، کھیتیوں، خزانوں، نفیس مکانوں اور آرام کی ان چیزوں کی صورت میں عطا کی تھیں جن

① صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث:2577 مفصلاً .

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿55﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ

بے شک چلنے پھرنے والوں میں سے، اللہ کے نزدیک، بدترین وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا، پھر وہ ایمان نہیں لاتے ﴿55﴾ وہ جن سے آپ نے معاہدہ

مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي

کیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اللہ سے ذرا) نہیں ڈرتے ﴿56﴾ پھر اگر آپ ان کو لڑائی میں پائیں تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی بھگا دیں جو

الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾

ان کے پیچھے ہوں، شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿57﴾

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔

7 ع 10 3 لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿58﴾

بے شک اللہ خیانت (بدعہدی) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿58﴾

میں وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کیا کرتے تھے، اس کے بارے میں اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔

تفسیر آیات: 55-57

کفر اور عہد شکنی کرنے والوں پر ضرب کاری لگانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر چلنے والے جان داروں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو کافر ہیں اور ایمان نہیں لاتے، وہ جب بھی عہد کرتے ہیں تو اسے توڑ ڈالتے ہیں، خواہ قسمیں کھا کر کیسا ہی پختہ عہد کیوں نہ کریں، اسے پورا نہیں کرتے، ﴿وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾﴾ ''اور وہ (عہد توڑنے سے) نہیں بچتے۔'' یعنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے قطعاً نہیں ڈرتے۔ ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ یعنی پھر اگر آپ ان کو لڑائی میں پائیں تو ان پر غلبہ و تسلط حاصل کرلیں ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ ''تو جو ان کے پیچھے ہوں، ان کو بھگا دیں۔'' یعنی انھیں بہت شدید اور عبرت ناک سزا دیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، ضحاک، سدی، عطاء خراسانی اور ابن عیینہ کا قول ہے۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں شدید ترین سزا دیں اور خوب تہ تیغ کریں تاکہ دیگر عرب و غیر عرب دشمنان اسلام بھی عبرت حاصل کریں۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾﴾ ''شاید کہ ان کو (اس سے) عبرت ہو۔'' سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شاید وہ اس خوف کی وجہ سے عہد شکنی نہ کریں کہ کہیں ان کے ساتھ بھی اسی طرح نہ کیا جائے جیسے ان کے ساتھ کیا گیا ہے۔[2]

تفسیر آیت: 58

عہد شکنی پر برابر کا جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ ''اور اگر آپ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1719/5 وتفسير الطبري:35,34/10. [2] تفسير الطبري:35/10 وتفسير ابن أبي حاتم: 1720/5.

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿59﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ سبقت لے گئے ہیں۔ بے شک وہ (اپنی چالوں سے اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿59﴾ اور ان (کافروں کے

اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ

مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت (تیر وتفنگ) اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں

مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کو ڈرائے رکھو جنھیں تم نہیں جانتے (مگر) اللہ انھیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمھیں (اس کا) پورا پورا (ثواب) دیا جائے گا۔ اور تم

يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾

پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿60﴾

کو کسی قوم سے خیانت (عہد شکنی) کا خوف ہو۔‘‘ یعنی کسی ایسی قوم سے جن سے آپ نے عہد کیا ہو یہ خوف ہو کہ وہ عہد شکنی کرے گی ﴿فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ﴾ ’’تو (ان کا عہد) انھیں کی طرف پھینک دیں (اور) برابر (کا جواب دیں۔)‘‘ یعنی انھیں معلوم کرا دیں کہ آپ نے بھی عہد کو توڑ دیا ہے تاکہ آپ کو بھی اور ان کو بھی معلوم ہو کہ آپ کی ان کے ساتھ اور ان کی آپ کے ساتھ جنگ ہے اور اب آپ کے اور ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہے اور اب آپ اور وہ اس سلسلے میں برابر ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿58﴾﴾ ’’کچھ شک نہیں کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘ حتی کہ کافروں کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا۔

امام احمد نے سُلیم بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سرزمین روم میں چل رہے تھے، آپ کے اور ان کے مابین معاہدہ تھا، آپ چاہتے تھے کہ ان کے قریب پہنچ جائیں اور جب معاہدے کی مدت ختم ہو تو ان پر حملہ کر دیں تو انھوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ جانور پر سوار ہیں اور کہہ رہے ہیں: اللہ اکبر! اللہ اکبر! وعدہ وفا کرنا ہے، بے وفائی نہیں کرنی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عُقْدَةً وَّلَا يَشُدَّهَا حَتّٰى يَنْقَضِيَ أَمَدُهَا، أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ] ’’جس کسی قوم کے مابین عہد ہو تو جب تک مدت گزر نہ جائے، کوئی گرہ کھولے نہ باندھے یا ان کا عہد انھی کی طرف پھینک دے اور برابر کا جواب دے۔‘‘ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث پہنچی تو وہ واپس آگئے، حدیث بیان کرنے والے یہ بزرگ حضرت عمرو بن عَبَسہ رضی اللہ عنہ تھے۔[1] اس حدیث کو امام ابوداود طیالسی، امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی نے اور ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اپنی ’’صحیح‘‘ میں بیان کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

[1] مسند أحمد:111/4. [2] مسند أبي داود الطيالسي:472/2، حديث عمرو بن عبسة......، حديث:1251 و سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإمام يكون بينه وبين العدو عهد فيسير نحوه، حديث:2759 و جامع الترمذي، السير، باب ما جاء في الغدر، حديث:1580 و السنن الكبرى للنسائي، السير، باب الوفاء بالعهد:224,223/5، حديث:8732 و صحيح ابن حبان، السير، ذكر البيان بأن العقد إذا وقع بين المسلمين وأهل الحرب......:215/11، حديث:4871.

تفسیر آیات:60,59

دشمن سے مقابلے کے لیے مقدور بھر تیاری کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے نبی! ﴿ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا ﴾ یعنی کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمیں پیچھے چھوڑ جائیں گے اور ہم ان پر قدرت حاصل نہ کر سکیں گے بلکہ وہ تو ہماری قدرت اور ہمارے غلبے کے تحت ہیں اور وہ ہماری مشیت کے قبضے میں ہیں، لہٰذا وہ ہمیں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے جیسا کہ فرمایا: اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ○ (العنکبوت4:29) ''کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں، یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ ہم سے سبقت لے جائیں گے۔ بہت برا ہے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ○ (النور24:57) ''ہرگز ایسا خیال نہ کرنا کہ کافر لوگ (ہم کو) زمین میں عاجز کر دیں گے (وہ جا ہی کہاں سکتے ہیں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بلاشبہ وہ واپسی کی بہت بری جگہ ہے۔'' اور فرمایا: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِ ؕ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ثُمَّ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ○ (آل عمران3:196,197) ''(اے پیغمبر!) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکا نہ دے۔ (یہ دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں سے جنگ کرنے کے لیے حسب امکان و استطاعت آلاتِ جنگ تیار رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ ﴾ ''اور جہاں تک ہو سکے قوت (تیر و تفنگ) سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ منبر پر فرما رہے تھے: [﴿ وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ ﴾ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ] ''خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔''[1]

امام مالک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِّرَجُلٍ أَجْرٌ، وَّلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَّعَلٰى رَجُلٍ وِّزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ: فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ، كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَّلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا، فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَّهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَّسْقِيَ بِهِ، كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَّهُ، فَهِيَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ، وَّرَجُلٌ رَّبَطَهَا تَغَنِّيًا وَّتَعَفُّفًا، وَّلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ، وَّرَجُلٌ رَّبَطَهَا فَخْرًا وَّرِيَاءً وَّنِوَاءً، فَهِيَ عَلٰى ذٰلِكَ وِزْرٌ، فَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ، قَالَ: مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ]

[1] مسند أحمد:157/4 وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرمي والحث عليه......، حديث:1917 .

’’گھوڑا تین اشخاص کے لیے ہے: ایک شخص کے لیے یہ باعث اجر ہے، دوسرے کے لیے یہ ستر پوشی کا ذریعہ ہے اور تیسرے کے لیے موجب گناہ ہے۔ باعث اجر اس کے لیے ہے جس نے اسے اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے باندھا اور چراگاہ یا باغ میں (چرانے کے لیے) اس کی رسی کو دراز رکھا اور اس نے اپنی رسی کی اس درازی کے ساتھ چراگاہ یا باغ میں سے جو بھی کھایا وہ اس گھوڑے کے مالک کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر اس نے اپنی رسی کو قطع کر دیا اور وہ ایک یا دو ٹیلوں پر چڑھ گیا تو اس کے قدموں کے نشانات اور اس کی لید وغیرہ بھی اس کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر وہ گھوڑا کسی نہر کے پاس سے گزرا اور اس نے اس سے پانی پی لیا، خواہ گھوڑے کے مالک نے اسے پانی پلانے کا ارادہ نہ بھی کیا ہو تو پھر بھی وہ اس کے لیے نیکیاں بن جائے گا، الغرض یہ گھوڑا اس شخص کے لیے باعث اجر ہے۔ اور وہ شخص جس نے غنا اور عفت کے حصول کے لیے گھوڑا باندھا اور اس کی گردن اور پشت کے بارے میں وہ اللہ کے حق کو نہ بھولا تو یہ اس کے لیے ستر پوشی کا موجب ہوگا۔ اور جس شخص نے اسے فخر، ریاکاری اور مسلمانوں کی دشمنی کے لیے باندھا تو یہ اس کے لیے باعث گناہ ہوگا۔‘‘ رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ’’ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر صرف یہ ایک جامع اور منفرد آیت نازل فرمائی ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال 8,7:99) ’’تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔‘‘[1]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ: فَفَرَسٌ لِّلرَّحْمٰنِ، وَفَرَسٌ لِّلْإِنْسَانِ وَفَرَسٌ لِّلشَّيْطَانِ، فَأَمَّا فَرَسُ الرَّحْمٰنِ: فَالَّذِي يُرْبَطُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَعَلَفُهُ وَرَوْثُهُ وَبَوْلُهُ، وَذَكَرَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَأَمَّا فَرَسُ الشَّيْطَانِ: فَالَّذِي يُقَامَرُ أَوْ يُرَاهَنُ عَلَيْهِ، وَأَمَّا فَرَسُ الْإِنْسَانِ: فَالْفَرَسُ يَرْتَبِطُهَا الْإِنْسَانُ يَلْتَمِسُ بَطْنَهَا، فَهِيَ تَسْتُرُ مِنْ فَقْرٍ] ’’گھوڑے تین قسم کے ہیں: (1) رحمان کے لیے (2) انسان کے لیے (3) شیطان کے لیے۔ رحمان کے لیے وہ گھوڑا ہے، جسے اللہ کے رستے کے لیے باندھا جائے تو اس کا چارا، لید اور پیشاب، آپ نے یہاں کچھ اور چیزوں کا بھی ذکر فرمایا۔ (قیامت کے دن ترازو میں نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا) شیطان کے لیے گھوڑا وہ ہے جسے جوئے اور گھڑ دوڑ کے لیے رکھا جائے۔ اور انسان کے لیے گھوڑا وہ ہے جسے افزائش نسل کے لیے باندھ کر رکھتا ہے، چنانچہ یہ گھوڑا اس کے فقر کو ڈھانپ لیتا ہے۔‘‘[2]

صحیح بخاری میں عروہ بن ابوالجعد البارقی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ] ’’گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیر، (یعنی) اجر و غنیمت کو قیامت کے دن تک

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال 8,7:99)، حديث: 4962 وصحيح مسلم، الزكاة باب إثم مانع الزكاة، حديث: (26)-987 والموطأ للإمام مالك، الجهاد، باب الترغيب في الجهاد، حديث: 997. [2] مسند أحمد: 395/1.

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿61﴾ وَاِنْ

اور (اے نبی!) اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسا رکھیں، بے شک وہی خوب سننے والا، خوب جاننے

يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾

والا ہے﴿61﴾ اور اگر وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو بے شک آپ کے لیے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی﴿62﴾ اور

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ

اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن

اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿63﴾

اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی۔ بے شک وہ زبردست (اور) خوب حکمت والا ہے﴿63﴾

کے لیے باندھ دیا گیا ہے۔''[1] ارشاد الٰہی: ﴿ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ﴾ ''اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں کو ڈراؤ۔'' امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اور لوگوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔[2] اور سدی کا قول ہے کہ ان سے مراد ایرانی ہیں۔[3] مُقاتل بن حیّان اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ان سے مراد منافقین ہیں۔[4] اس کی تائید درج ذیل آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ ﴾ (التوبة 9:101) ''اور تمھارے گرد ونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔''

فرمانِ الٰہی: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾ ﴾ ''اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے (تو اس کا ثواب) تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی جہاد کے لیے تم جو بھی خرچ کرو گے تو اس کا تمھیں پورا پورا ثواب دیا جائے گا جیسا کہ قبل ازیں اس ارشاد باری تعالیٰ میں بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرة 2:261) ''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے، زیادہ کرتا ہے، وہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

تفسیر آیات: 61-63

اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو صلح کر لی جائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تمھیں کسی قوم کی طرف سے دغابازی کا خوف ہو تو ان کا عہد انھی کی طرف پھینک دو اور برابر کا جواب دو اور اگر وہ جنگ جاری رکھنا چاہیں تو تم بھی ان سے جنگ کرو۔

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الجهاد ماض مع البر والفاجر، حديث: 2852. [2] تفسير الطبري: 41/10.
[3] تفسير الطبري: 41/10. [4] تفسير الطبري: 42/10.

﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ﴾ ''اور (اے نبی!) اگر یہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں۔'' اور صلح کو قبول کر لیں، یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ کے سال جب مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کر کے نو سال تک جنگ نہ کرنے کا مطالبہ کیا اور اس سلسلے میں کچھ شرائط بھی پیش کیں تو آپ نے ان سے صلح کر لی تھی۔ عبداللہ بن امام احمد نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي اخْتِلَافٌ أَوْ أَمْرٌ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ السِّلْمَ فَافْعَلْ] ''میرے بعد بہت اختلاف وغیرہ رونما ہوگا، لہٰذا اگر تم صلح کی کوشش کر سکو تو ضرور کرو۔''[1] فرمانِ الٰہی: ﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور اللہ پر بھروسا کرو۔'' یعنی دشمنوں سے صلح کر لو اور بھروسا اللہ پر رکھو کہ اللہ تمھیں کافی ہے اور وہ تمھارا حامی و ناصر ہے۔ اگر ان کا صلح سے مقصود دھوکا دینا اور اپنی قوت کو مجتمع کر کے جنگ کی تیاری کرنا ہے، ﴿ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''تو بے شک وہ اللہ (واحد) ہی آپ کے لیے کافی ہے۔''

مومنوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنے کی نعمت کی یاد دہانی: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے کہ اس نے مہاجرین اور انصار مومنوں کے ساتھ تقویت بخشی، فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔'' ان کے دلوں کو آپ کے ساتھ ایمان لانے، آپ کی اطاعت بجالانے اور آپ کی نصرت و اعانت کرنے پر جمع کر دیا۔

﴿ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''اور اگر آپ دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے، تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔'' کیونکہ وہ شدید باہمی عداوت اور بغض میں مبتلا تھے، زمانۂ جاہلیت میں انصار اوس اور خزرج کے قبائل میں بہت سی جنگیں ہوئیں اور کئی ایسے امور وقوع پذیر ہوئے جن کی وجہ سے ان میں مسلسل خرابی رہی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان جنگوں اور خرابیوں کا نور ایمان کے ساتھ خاتمہ فرمایا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (آل عمران 3:103) ''اور تم اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔''

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کی غنیمتوں کے سلسلے میں خطاب کرتے ہوئے انصار سے فرمایا تھا: [يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَ كُنْتُمْ مُّتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي، وَ كُنْتُمْ عَالَةً فَأَغْنَاكُمْ

[1] مسند أحمد:1/90.

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿64﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ

اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اوران لوگوں کے لیے بھی جو مومنوں میں سے آپ کی پیروی کرتے ہیں ﴿64﴾ اے نبی!

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ

مومنوں کو جہاد پر ابھاریں اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک سو

يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾

(صابر) ہوں تو وہ ہزار (کافر) پر غالب آئیں گے، اس لیے کہ وہ لوگ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے ﴿65﴾ اب اللہ نے تم سے تخفیف کردی اور

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا

اس نے جان لیا کہ تمھارے اندر کچھ کمزوری ہے، چنانچہ اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں

مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿66﴾

گے۔ اور اگر تم میں سے ایک ہزار (ایسے) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿66﴾

اللّٰهُ بِي؟ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ] ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمھیں گم کردہ راہ نہیں پایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے ہدایت بخشی؟ اور تم اختلاف وانتشار میں مبتلا تھے، میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں متفق و متحد کر دیا اور تم فقیر تھے تو میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں دولت مند بنا دیا؟ آپ اس سلسلے میں جب بھی کوئی بات فرماتے تو انصار جواب میں کہتے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی، بے شک وہ زبردست (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی اس کی ذات گرامی بہت زبردست ہے جو اس پر توکل کرے وہ اس کی امید کو پورا کر دیتا ہے اور وہ اپنے تمام افعال واحکام میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات: 64-66

جہاد کی ترغیب اور فتح کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے مومن بندوں کو جہاد، دشمنوں کے مقابلے اور مخالفین کو مبارزت کی دعوت دی ہے اور فرمایا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں وہ ان کا حامی وناصر اور مددگار رہے، خواہ ان کے دشمن کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو، ان کے پاس اسباب ووسائل کی کتنی ہی فراوانی ہو اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کتنی ہی کم ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ ﴾ ''اے نبی! مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریں۔'' رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو دشمن کے سامنے صف آرا ہوتے وقت جہاد کی ترغیب دیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے بدر کے دن صحابۂ کرام کو اس وقت ترغیب دیتے ہوئے فرمایا، جب مشرک اپنی کثیر تعداد اور ساز وسامان کی کثرت کے ساتھ مدینے پر

[1] **صحیح البخاری**، المغازی، باب غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان، حدیث:4330 عن عبداللّٰه بن زید بن عاصم ﷺ. و **صحیح مسلم**، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام وتصبّر من قوی إيمانه، حدیث:1061.

حملہ آور ہوئے تھے: [قُومُوا إِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ] ''اس جنت کے لیے اٹھو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' عُمَیر بن حُمام نے عرض کی: اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو اس نے عرض کی: بہت خوب۔ پس نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ : بَخٍ بَخٍ ؟] ''یہ تم نے کیوں کہا ہے کہ بہت خوب؟'' اس نے عرض کی کہ اس امید سے کہ اللہ مجھے بھی اہل جنت میں سے بنا دے۔ پھر آپ نے فرمایا: [فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا] ''تم اہل جنت میں سے ہو۔'' اس نے پھر اپنے تھیلے سے کھجوریں نکال کر کھانا شروع کر دیں، پھر جلد ہی ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجوروں کو پھینک دیا اور کہا کہ اگر ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ بہت طویل زندگی ہوگی، پھر آگے بڑھے اور خوب لڑے حتی کہ جام شہادت نوش کر گئے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔[1]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بشارت اور حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ﴾ ''اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے۔'' یعنی ہر ایک دس پر غالب رہے گا، پھر یہ حکم تو منسوخ ہو گیا مگر بشارت برقرار رہی۔ عبداللہ بن مبارک نے جریر بن حازم از زبیر بن خرّیت از عکرمہ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ حکم بہت گراں محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض قرار دیا کہ دس کافروں کے مقابلے سے ایک مسلمان نہ بھاگے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف کرتے ہوئے نازل فرمایا: ﴿ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ ﴾ ''اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ (ابھی) تم میں کسی قدر کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے۔'' (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تعداد میں کمی کر دی اور اسی کمی کے بقدر صبر بھی کم کر دیا۔[2] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث ابن مبارک کے حوالے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔[3]

اور محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ بہت گراں گزری اور انھیں یہ بہت مشکل محسوس ہوا کہ بیس آدمی دو سو اور ایک سو ایک ہزار آدمیوں کا مقابلہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تخفیف کر دی اور دوسری آیت: ﴿ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ ﴾ تا ﴿ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ ﴾ میں اس حکم کو منسوخ کر دیا کہ اگر وہ دشمن کے مقابلے میں نصف تعداد میں ہوں تو پھر ان کے لیے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں ہے، اور اگر ان کی تعداد

---

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، حديث:1901 عن أنس بن مالك ﷺ. ومسند أحمد:137,136/3 والسنن الكبرٰى للبيهقي، السير، باب من تبرع بالتعرض للقتل رجاء إحدى الحسنيين:43/9 . [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في التولي يوم الزحف، حديث:2646. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ ﴾ (الأنفال8:66) ، حديث:4653 .

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ

کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامان دنیا چاہتے ہو اور

الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿67﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ

اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿67﴾ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (ایک بات) لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (بدر کے

فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

قیدیوں سے) جو (فدیہ) لیا اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا ﴿68﴾ پھر جو حلال، پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے

ع 9/5/5 غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿69﴾

ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿69﴾

اس سے بھی کم ہو تو پھر ان کے لیے لڑنا واجب نہیں ہے اور جائز ہے کہ ان کے مقابلے سے روگردانی کر لیں۔ ①

تفسیر آیات: 67-69

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قیدیوں کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا اور فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَمْكَنَكُمْ مِّنْهُمْ قَالَ: فَقَامَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اِضْرِبْ أَعْنَاقَهُمْ قَالَ: فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ، قَالَ: ثُمَّ عَادَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَمْكَنَكُمْ مِّنْهُمْ، وَإِنَّمَا هُمْ إِخْوَانُكُمْ بِالْأَمْسِ] ''اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان پر دسترس عطا فرما دی ہے۔'' تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور مشورہ دیا: اے اللہ کے رسول! آپ ان کی گردنیں اڑا دیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! اللہ نے اب تمھیں ان پر دسترس عطا فرما دی ہے اور کل یہ تمھارے بھائی ہی تھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ان کی گردنیں اڑا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے اعراض کیا اور وہی ارشاد فرمایا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ انھیں معاف فرما دیں اور ان سے فدیہ قبول کر لیں۔ یہ رائے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے غم کے تاثرات ختم ہو گئے، آپ نے انھیں معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول فرما لیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾﴾ ''اگر اللہ کی طرف سے پہلے نہ لکھا ہوا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے، اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب چھوتا۔'' ②

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ نہ لکھا گیا ہوتا کہ غنیمتیں اور قیدی تمھارے لیے حلال ہیں، ﴿لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾﴾ تو اس فدیہ لینے کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ ③ لہٰذا ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا

① تفسير الطبري:51,50/10 . ② مسند أحمد:243/3. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1734/5 مفصلاً.

طَيِّبًا ﴾...... الآیة ''جو مال غنیمت تمھیں ملا ہے، اسے کھاؤ (کہ وہ تمھارے لیے) حلال طیب ہے ......'' عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے، نیز حضرت ابو ہریرہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عطاء، حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] ﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ ﴾ ''اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا۔'' اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اس امت کے لیے غنیمتیں حلال ہیں۔

اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ (مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ) قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا ......، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ (خَاصَّةً) وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئیں: (1) میری ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ (2) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور ذریعہ طہارت بنا دیا گیا ہے......، (3) میرے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دے دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے بھی حلال نہ تھیں۔ (4) مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے اور (5) ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔''[2]

اعمش نے ابو صالح سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِقَوْمٍ سُودِ الرُّؤُوسِ قَبْلَكُمْ] ''تم سے پہلے دیگر انسانوں میں سے کسی کے لیے بھی غنیمتیں حلال نہ تھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾...... الآیة ''پھر جو مال غنیمت تمھیں ملا ہے، اسے کھاؤ (کہ وہ تمھارے لیے) حلال طیب ہے......''[3] اس آیت کے پیش نظر انھوں نے قیدیوں سے فدیہ لے لیا۔

امام ابوداود نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اہل جاہلیت کا فدیہ چار سو مقرر فرمایا تھا۔[4] جمہور علماء کے نزدیک قیدیوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو انھیں قتل کر دے جیسا کہ بنو قریظہ کے قیدیوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور اگر چاہے تو فدیہ لے لے جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا گیا تھا یا اُن کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت اور اس کی بیٹی کے معاملے میں کیا تھا جو خاندان سلمہ بن اکوع کی تھیں اور قیدی بن کر آئی تھیں اور ان کا آپ نے ان مسلمانوں سے تبادلہ کر لیا تھا جنھیں

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1735,1734/5 وتفسیر الطبری:58-61 . [2] صحیح البخاری، التیمّم، [باب]، حدیث:335 اور پہلی قوسین والے الفاظ حدیث: 438 میں ہیں۔ وصحیح مسلم، الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث: 521 . [3] السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، قوله تعالٰی: ﴿ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾:352/6، حدیث:11209 مفصلاً. وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأنفال، حدیث:3085 . [4] سنن أبی داود، الجهاد، باب فی فداء الأسیر بالمال، حدیث:2691 .

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا

اے نبی! جو قیدی تمھارے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر

يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿70﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا

عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿70﴾ اور (اے نبی!) اگر وہ آپ سے خیانت (دغا)

خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾

کرنا چاہیں تو وہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، پھر اس نے انھیں تمھارے قبضے میں دے دیا اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿71﴾

مشرکوں نے قیدی بنا لیا تھا اور اگر وہ چاہے تو قیدیوں کو غلام بھی بنا سکتا ہے۔

تفسیر آیات: 71,70

قیدیوں سے اچھے معاوضے کا وعدہ: محمد بن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن اپنے صحابہ سے فرمایا: [إِنِّي عَرَفْتُ أَنَّ رِجَالاً مِّنْ بَنِي هَاشِمٍ وَّغَيْرِهِمْ قَدْ أُخْرِجُوا كَرْهًا لَّاحَاجَةَ لَهُمْ بِقِتَالِنَا، فَمَنْ لَّقِيَ مِنْكُمْ أَحَدًا مِّنْ بَنِي هَاشِمٍ فَلَا يَقْتُلْهُ، مَنْ لَّقِيَ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَمَّ النَّبِيِّ ﷺ فَلَا يَقْتُلْهُ، فَإِنَّمَا أُخْرِجَ مُسْتَكْرِهًا] ''مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم اور دیگر خاندانوں کے کچھ لوگوں کو مجبور کر کے میدان جنگ میں لایا گیا ہے، وہ ہمارے ساتھ لڑنا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا اگر تم بنو ہاشم کے کسی آدمی سے ملو تو اسے قتل نہ کرو، عباس بن عبدالمطلب، نبی ﷺ کا چچا ملے تو اسے بھی قتل نہ کرو کیونکہ انھیں بہت مجبور کر کے میدان میں لایا گیا ہے۔'' ابوحذیفہ بن عتبہ نے کہا کہ کیا ہم اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور خاندان کے لوگوں کو تو قتل کر دیں اور عباس کو قتل نہ کریں؟ واللہ! اگر میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں انھیں تلوار سے قتل کر دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ تک ابوحذیفہ کی یہ بات پہنچ گئی، آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: [يَا أَبَا حَفْصٍ! قَالَ عُمَرُ: وَاللّٰهِ! إِنَّهُ لَأَوَّلُ يَوْمٍ كَنَّانِي فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِأَبِي حَفْصٍ أَيُضْرَبُ وَجْهُ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِالسَّيْفِ؟] ''اے ابوحفص! حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ واللہ! یہ پہلا دن تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت ابوحفص رکھی، کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: مجھے اجازت دیجیے، میں اس کی گردن اڑا دوں، واللہ! یہ تو منافق ہو گیا ہے۔ ابوحذیفہ اپنی بات پر نادم ہوئے، اس کے بعد کہا کرتے تھے: میں نے جو اُس دن بات کہی تو اس سے بے خوف نہیں ہوں بلکہ میں تو اس بات کی وجہ سے مسلسل ڈرتا رہا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ خون شہادت کے چھینٹوں سے میری اس غلطی کو مٹا دے۔ بالآخر وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔[1]

[1] دلائل النبوة للبيهقي، باب ما فعل رسول اللهﷺ بالغنائم والأسارى......:140/3 والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 11,10/4.

اسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کی شام جب قیدی رسیوں کے ساتھ باندھے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ابتدائی حصے میں بیدار رہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ آرام نہیں فرما رہے؟ آپ نے فرمایا: [سَمِعْتُ أَنِينَ عَمِّي الْعَبَّاسِ فِي وِثَاقِهِ] ''مجھے اپنے چچا عباس کے (رسیوں میں) بندھے ہونے کی وجہ سے کراہنے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔'' وہ عباس کی طرف کھڑے ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کھول دیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آرام فرمانے لگ گئے۔①

صحیح بخاری میں بروایت موسیٰ بن عقبہ، ابن شہاب نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ کچھ انصاری اجازت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھانجے عباس کے فدیے کو چھوڑ دیں۔ فرمایا: [وَاللّٰهِ ! لَا تَذَرُونَ مِنْهُ دِرْهَمًا] ''اللہ کی قسم! تم ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔''② یونس بن بکیر نے از محمد بن اسحاق از یزید بن رومان از عروہ از زہری، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے۔ جن کا امام زہری نے نام بھی لیا۔ روایت کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا، ہر قوم نے اپنے اپنے قیدی کا وہ فدیہ دیا جس سے مسلمان راضی ہو گئے۔ عباس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں تو مسلمان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[(اَللّٰهُ) أَعْلَمُ بِإِسْلَامِكَ، فَإِنْ يَّكُنْ كَمَا تَقُولُ فَاللّٰهُ يُجْزِيكَ بِذٰلِكَ فَأَمَّا ظَاهِرًا مِّنْكَ فَكَانَ عَلَيْنَا. فَافْدِ نَفْسَكَ وَابْنَي أَخِيكَ نَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَعَقِيلَ بْنَ أَبِي طَالِبِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَحَلِيفَكَ عُتْبَةَ بْنَ عَمْرٍو أَخِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ فِهْرٍ قَالَ: مَا ذَاكَ عِنْدِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: فَأَيْنَ الْمَالُ الَّذِي دَفَنْتَهُ أَنْتَ وَأُمُّ الْفَضْلِ فَقُلْتَ لَهَا: إِنْ أُصِبْتُ فِي سَفَرِي هٰذَا، فَهٰذَا الْمَالُ الَّذِي دَفَنْتُهُ لِبَنِيَّ: الْفَضْلِ ابْنِ الْعَبَّاسِ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَبَّاسِ وَقُثَمِ بْنِ الْعَبَّاسِ! فَقَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ؟: وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا شَيْءٌ مَّا عَلِمَهُ أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُ أُمِّ الْفَضْلِ، فَاحْسُبْ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا أَصَبْتُمْ مِّنِّي عِشْرِينَ أُوقِيَةً مِّنْ مَّالٍ كَانَ مَعِيَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا، ذَاكَ شَيْءٌ أَعْطَانَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْكَ]

''تمھارے اسلام کے بارے میں اللہ بہتر جانتا ہے اگر تم صحیح کہتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کی جزا دے گا مگر بظاہر تو تم ہمارے مخالف گروہ کے ساتھ تھے۔ لہٰذا تم اپنا، اپنے بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابوطالب بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو، جس کا تعلق بنی حارث بن فہر سے ہے، کا فدیہ ادا کرو۔'' عباس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تو فدیہ ادا کرنے کے لیے اس قدر مال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ مال کہاں ہے، جسے تم نے اورام

① دلائل النبوة للبيهقي: 141/3 والطبقات الكبرى لابن سعد: 13/4. ② صحيح البخاري، المغازي، باب، حديث: 4018.

الفضل نے دفن کیا تھا؟ اور تم نے ام الفضل سے کہا تھا کہ اگر اس سفر میں میرا کام تمام ہوگیا تو یہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قُثَم کے لیے ہوگا؟'' عباس نے عرض کی: واللہ! اے اللہ کے رسول! بے شک میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہ ایک ایسی بات ہے، جسے میرے اور ام الفضل کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھ سے جو بیس اوقیے چاندی حاصل کر لی ہے اسے میرے فدیے میں شمار کر لیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، یہ مال تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ سے دلا دیا ہے۔''

بہر حال حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر دیا۔ اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝70﴾ ''اے پیغمبر! جو قیدی آپ کے ہاتھوں میں (گرفتار) ہیں، ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو (مال) تم سے لے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمھیں عنایت فرمائے گا اور تمھارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جو بیس اوقیہ چاندی بطور فدیہ ادا کی، اس کے بدلے میں اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس غلام عطا فرما دیے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس اس قدر مال تھا جو ضرب المثل تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی بھی امید ہے۔[1]

حافظ ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے فرمایا: [أُنْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ] ''اسے مسجد میں رکھ دو۔'' یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے والا سب سے زیادہ مال تھا۔ آپ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے مگر مال کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، نماز سے فراغت کے بعد آپ مال کے پاس بیٹھ گئے اور جو مسلمان بھی نظر آیا اسے مال سے نواز دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی مال دیجیے کہ میں نے اپنا فدیہ دیا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا تو آپ نے فرمایا: [خُذْ] ''ہاں! لے لو۔'' انھوں نے کپڑا اچھایا اور اسے مال سے اس قدر بھر لیا کہ جب اٹھانا چاہا تو اسے اٹھا نہ سکے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کسی کو حکم دیجیے جو مال اٹھانے میں میری مدد کرے، آپ نے فرمایا: [لَا] ''نہیں'' تو انھوں نے عرض کی: آپ ہی اسے اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: ''نہیں'' تو انھوں نے اس میں سے کچھ نکال دیا، پھر اسے اپنے کاندھے پر اٹھا لیا اور چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی مال کی حرص کی وجہ سے مسلسل انھیں دیکھتے رہے حتی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ

---

[1] دلائل النبوّة للبيهقي، باب ما فعل رسول الله بالغنائم والأساری ......:143,142/3 اس روایت کی ابتداء میں لفظ[اللہ] السنن الكبرٰی للبيهقي:322/6 عن عائشة رضی اللہ عنہا میں ہے۔ اور دیکھیے مسند أحمد:353/1 عن عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہما۔ وتفسير القرطبي:52/8 والبداية والنهاية، طرح رؤوس الكفر في بئر يوم بدر:300/3.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ

نے (مہاجروں کو اپنے ہاں) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر انھوں نے ہجرت

مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

نہیں کی، ان کی دوستی سے تمھیں کوئی غرض نہیں حتی کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملے) میں مدد مانگیں تو تم پر مدد

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿72﴾

لازم ہے مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ جن کے اور تمھارے درمیان کوئی معاہدہ ہو، اور تم جو کام کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ﴿72﴾

نے بحرین سے آنے والا یہ سارا مال تقسیم فرما دیا تھا اور جب آپ اٹھے تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا۔[1] امام بخاری نے بھی اس روایت کو صحیح کے کئی ایک مقامات پر تعلیقًا مگر صیغۂ جزم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ ﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کرنا چاہیں گے۔'' ان اقوال کے سلسلے میں جو انھوں نے آپ کے لیے ظاہر کیے ہیں۔ ﴿ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''تو یہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں۔'' یعنی بدر سے پہلے اللہ کے ساتھ کفر کی صورت میں خیانت کر چکے ہیں۔ ﴿ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ ﴾ ''تو اس نے ان کو (تمھارے) قبضے میں کر دیا۔'' یعنی بدر کے دن انھیں تمھارا قیدی بنا دیا۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾ ﴾ ''اور اللہ دانا حکمت والا ہے۔'' وہ جو کرتا ہے اسے جانتا ہے اور جو کرتا ہے، وہ مبنی بر حکمت و دانش ہوتا ہے۔

تفسیر آیت:72

مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے دوست ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا ذکر کرتے ہوئے انھیں دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے: (1) مہاجرین جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکلے، اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کی مدد کے لیے آئے اور اس سلسلے میں انھوں نے اپنے مالوں اور جانوں کی بے دریغ بازی لگا دی اور (2) انصار، یعنی اہل مدینہ کے مسلمان جنھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی، اپنے مال ان پر نثار کر دیے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ ﴾ ''وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' یعنی ان میں سے ہر ایک، دوسرے کا زیادہ حق دار ہے۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مؤاخات قائم فرما دی تھی، یعنی مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا تھا حتی کہ وراثت میں وہ حقیقی رشتے داروں سے بھی زیادہ مقدم سمجھے جاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کے احکام نازل فرما کر اسے منسوخ فرما دیا تھا جیسا

① السنن الکبرٰی للبیهقی، قسم الفیء والغنیمة، باب الاختیار فی التعجیل بقسمة مال الفیء إذا اجتمع:356/6.

② صحیح البخاری، الصلاة، باب القسمة وتعلیق القنو فی المسجد، حدیث:421 و3049 و3165.

کہ صحیح بخاری میں یہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ثابت ہے۔[1]

امام احمد نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[اَلْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، وَّالطُّلَقَاءُ مِنْ قُرَيْشٍ، وَّالْعُتَقَاءُ مِنْ ثَقِيفٍ، بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے رفیق ہیں، طلقاء (فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والے جن سے کوئی تعرض نہ کیا گیا تھا) قریش سے اور عتقاء (آزادکردہ) ثقیف سے یہ سب لوگ قیامت تک ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بہت سی آیات میں مہاجرین وانصار کی تعریف کی ہے، مثلاً: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبۃ 100:9) ''جن لوگوں نے سبقت کی (سب سے پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔'' اور فرمایا: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...... الآیة (التوبۃ 117:9) ''بے شک اللہ نے پیغمبر اور مہاجرین وانصار پر توجہ فرمائی جو مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے......۔''

اور فرمایا: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر 9,8:59) ''(مال فے) ان مہاجر فقراء کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں، یہی لوگ سچے (ایمان دار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' اس آیت کے اس حصے: وَلَا يَجِدُوْنَ

[1] صحیح البخاری، الکفالة، باب قول الله عزوجل: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ (النسآء 33:4)، حدیث:2292. [2] مسند أحمد:363/4 وصحیح ابن حبان، إخباره عن مناقب الصحابة، باب فضل الصحابة والتابعین ﷺ:250/16، حدیث:7260 والمعجم الکبیر للطبرانی:314/2، حدیث:2310.

﴿ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ﴾ ''اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے۔'' کی تفسیر میں سب سے اچھا قول یہ ہے کہ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے جس فضل و شرف سے نوازا ہے، اس کی وجہ سے انصار ان سے حسد نہیں کرتے۔

ان آیات کریمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مہاجرین انصار سے زیادہ مقدم ہیں اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہجرت نہ کرنے والے مومن سے کوئی سروکار نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں۔''

﴿ وَّلَايَتِهِمْ ﴾ کو حمزہ نے واو کے کسرہ کے ساتھ [وِلَايَتِهِمْ] اور دوسرے ائمہ نے فتحہ کے ساتھ [وَلَايَتِهِمْ] پڑھا ہے اور [الدِّلَالَةُ] اور [الدَّلَالَةُ] کی طرح دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ ﴿ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ﴾ ''یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔'' یہ مومنوں کی ایک تیسری قسم ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان تو لے آئے لیکن انھوں نے ہجرت نہیں کی بلکہ وہ اپنے علاقوں ہی میں مقیم رہے تو ان لوگوں کا مال غنیمت یا خمس میں سے اس وقت تک کوئی حصہ نہیں ہے جب تک یہ جہاد میں عملی طور پر شریک نہ ہوں۔

امام احمد نے بُریدہ بن حُصَیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو سَرِیّہ یا لشکر کا امیر بنا کر روانہ کرتے تو اسے یہ وصیت فرماتے کہ خود اللہ تعالیٰ کے تقوے کو اختیار کرے اور اپنے ہمراہ مسلمانوں سے خیر و بھلائی کا سلوک کرے۔ آپ فرماتے:

[اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، فَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى إِحْدٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ، فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ إِلَيْهَا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، اُدْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ (وَكُفَّ عَنْهُمْ) ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلٰى دَارِالْمُهَاجِرِينَ، وَأَعْلِمْهُمْ إِنْ هُمْ فَعَلُوا ذٰلِكَ أَنَّ لَهُمْ مَّا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَأَنَّ عَلَيْهِمْ مَّا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ ، فَإِنْ أَبَوْا وَاخْتَارُوا دَارَهُمْ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْفَيْءِ وَالْغَنِيمَةِ نَصِيبٌ إِلَّا أَنْ يُّجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا، فَادْعُهُمْ إِلٰى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ، فَإِنْ أَجَابُوا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ثُمَّ قَاتِلْهُمْ]

''اللہ کے رستے میں اللہ کے نام سے جہاد کرو جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس سے لڑائی کرو اور جب اپنے دشمن مشرکوں سے ملو تو انھیں دعوت دو کہ وہ تین باتوں میں سے ایک کو قبول کر لیں اور ان میں سے وہ جس بات کو بھی قبول کر لیں تم اسے تسلیم کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے رک جاؤ، انھیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اسے تسلیم کر لو، پھر انھیں دعوت دو کہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (اے مسلمانو!) اگر تم ایسا نہیں کرو گے

فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ ﴿73﴾

تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد مچے گا﴿73﴾

وہ اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مہاجرین کے گھر میں آ جائیں اور انھیں بتاؤ کہ ایسا کرنے سے انھیں بھی وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں۔ اگر وہ انکار کر دیں اور اپنے گھروں ہی میں رہنا پسند کریں تو انھیں بتاؤ کہ اس صورت میں ان کی حیثیت مسلمان اعراب کی سی ہوگی، ان پر بھی اللہ کا وہ حکم نافذ ہوگا جو مومنوں پر نافذ ہے، اس صورت میں مال فے اور مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔ اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انھیں جزیہ ادا کرنے کی دعوت دو اگر وہ اسے قبول کر لیں تو تم بھی اسے تسلیم کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے رک جاؤ اور اگر وہ جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور ان کے خلاف جہاد کرو۔ [1] صحیح مسلم کی روایت میں کچھ باتیں زائد بھی ہیں، نیز یہ روایت صرف صحیح مسلم میں ہے، صحیح بخاری میں نہیں ہے۔'' [2]

ارشادِ الٰہی: ﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ﴾ ''اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ اعراب جنھوں نے ہجرت نہیں کی، جہاد کے لیے اگر تم سے اپنے دشمن کے خلاف مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرنا تم پر واجب ہے کیونکہ وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ ہاں، البتہ اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے خلاف تم سے مدد طلب کریں کہ ﴿ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ ﴾ ''تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو (تو مدد نہیں کرنی چاہیے۔)'' یعنی اگر تم نے ایک مدت کے لیے ان سے صلح کر رکھی ہو تو پھر عہد شکنی نہ کرو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ [3]

تفسیر آیت:73

کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ مومن ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو اس سے اس نے مومنوں اور کافروں کے درمیان دوستی کو قطع کر دیا ہے جیسا کہ امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت اسامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ، وَلَا يَرِثُ مُسْلِمٌ كَافِرًا، وَّلَا كَافِرٌ مُّسْلِمًا] ''دو ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، یعنی مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا۔'' پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ ﴿73﴾ ''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو

[1] مسند أحمد:352/5 قوسین والے الفاظ مسند أحمد:358/5 کے مطابق ہیں۔ [2] صحيح مسلم، الجهاد......، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث......، حديث:(3)-1731. [3] تفسير الطبري:70/10.

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ سچے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿74﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے﴿74﴾ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمھارے ساتھ (مل کر)

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ

جہاد کیا تو وہ بھی تمھی میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتے دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز

كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿75﴾ ع 10 ، 6 ، 6

کو خوب جاننے والا ہے﴿75﴾

ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔'' امام حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن اسے امام بخاری و مسلم نے بیان نہیں فرمایا[1] لیکن یہ حدیث صحیحین میں بروایت اسامہ بن زید ہی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ] ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿73﴾﴾ سے مراد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تم نے مشرکوں سے کنارہ کشی نہ کی اور مومنوں سے دوستی نہ کی تو لوگوں میں فتنہ برپا ہو جائے گا، معاملات میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح کہ مومن اور کافر میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا جس کی وجہ سے لوگ بے حد و حساب طویل و عریض فتنہ و فساد میں مبتلا ہو جائیں گے۔

تفسیر آیات: 75,74

سچے مومن: پہلے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مومنوں کے بارے میں حکم کو بیان کیا اور اب یہ ذکر فرما رہا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے کیا ہوگا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ سچے مومن کون ہیں؟ جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں بھی یہ بیان فرمایا تھا، نیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو اچھی جزا دے گا، انھیں مغفرت سے نوازے گا اور اگر ان کے گناہ ہوئے تو انھیں معاف فرما دے گا اور انھیں رزق کریم سے نوازے گا، یعنی ایسے رزق سے جو بہت اچھا، بہت زیادہ، بہت پاکیزہ اور دائمی و ابدی ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ اس کے حسن و تنوع کی وجہ سے کبھی اس سے اکتاہٹ محسوس ہوگی۔

جو جس سے محبت کرتا ہوگا اس کا حشر بھی انھی کے ساتھ ہوگا: پھر یہ بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں ایمان اور عمل صالح میں مومنوں کی پیروی کریں گے، وہ آخرت میں بھی انھی کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ آیت کریمہ: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ

[1] المستدرك للحاكم، التفسير:240/2 ، حديث:2944. [2] صحيح البخارى، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ......، حديث:6764 وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر......، حديث:1614.

...... ﴾ الآية (التوبة 9:100) اور آیت کریمہ: ﴿ وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ...... ﴾ الآية (الحشر 59:10) میں فرمایا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم کی اور اس کے علاوہ کئی صحیح سندوں سے مروی متواتر حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ] ''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔''① دوسری حدیث میں ہے: [مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا، فَهُوَ مِنْهُمْ] ''جو کسی قوم سے محبت کرے تو وہ انھی میں سے ہوگا۔''② اور ایک روایت میں ہے: [حُشِرَ مَعَهُمْ] ''وہ ان کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔''③

وراثت رشتے داروں کے لیے ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ ''اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔'' اس آیت کریمہ میں اولوالارحام سے مراد وہ رشتے دار نہیں ہیں جو علمائے میراث کی اصطلاح میں اولوالارحام ہیں، یعنی جن کے لیے میراث میں سے کوئی حصہ فرض نہیں ہے اور نہ انھیں عصبہ ہونے کی وجہ سے کچھ ملتا ہے بلکہ اصحاب الفروض اور عصبات سے جو کچھ بچ جائے وہ انھیں ملتا ہے، مثلاً: خالہ، ماموں، پھوپھی، نواسے اور بھانجے وغیرہ جیسا کہ یہ بعض علماء کا خیال ہے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے اور اسے اس مسئلے میں صریح قرار دیتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس سے مراد تمام رشتے دار ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور کئی ایک اہل علم کا قول ہے کہ اس آیت نے اس میراث کو منسوخ کر دیا ہے جس کے لوگ حلف اور مؤاخات کی بنیاد پر حق دار قرار پاتے تھے۔④

اس تفسیر کے مطابق یہ آیت ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے اسم خاص کے مطابق ذوی الارحام ہیں (جن کے حصے مقرر ہیں یا جو عصبہ ہیں۔) اور جن علماء نے مقرر حصے والے یا عصبہ بننے والے ورثاء کے علاوہ رشتے داروں کو وارث قرار نہیں دیا انھوں نے کئی دلائل سے استدلال کیا ہے اور ان میں سے ان کی سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے: [إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا اب کسی وارث کے لیے

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب علامة الحب في الله لقوله تعالىٰ: ﴿ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران 3:31)، حديث: 6168 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ. وصحيح مسلم، البر والصلة، باب المرء مع من أحب، حديث: 2640 وجامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء أن المرء مع من أحب، حديث: 2385 عن أنس رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 207/3 عن أنس رضی اللہ عنہ. و240/4 عن صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ. و336/3 عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ. و392/4 عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ. ② اس حدیث کا پہلا حصہ المعجم الكبير للطبراني: 3/3، حديث: 2519 کے مطابق ہے مگر اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے، دیکھیے ضعيف الجامع الصغير: 771/1، حديث: 5343، البتہ اس مفہوم کی تائید صحیح بخاری کی سابقہ حدیث سے ہوتی ہے۔ اور دوسرا حصہ سنن سعيد بن منصور، باب من أسلم على الميراث قبل أن يقسم: 78/1، حديث: 198 کے مطابق ہے لیکن اس حدیث کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں: [مَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا......] ''جو کسی قوم سے دوستی رکھے گا......'' ③ المستدرك للحاكم، الهجرة: 18/3، حديث: 4294 مطولاً. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 1743/5 والدر المنثور: 374/3 وتفسير الماوردي: 334/2.

وصیت نہیں ہے۔‘‘[1] ان علماء نے فرمایا ہے کہ اگر اس (جس کا حصہ بھی مقرر نہیں اور نہ ہی وہ عصبہ ہے) کا کوئی حق ہوتا تو کتاب اللہ میں اس کا حصہ بھی مقرر ہوتا اور جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ وارث بھی نہیں ہے۔ وَاللّٰہ أَعلَم.

سورۂ انفال کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ، وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ وَھُوَحَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَکِیلُ.

[1] سنن أبی داود، البیوع، باب فی تضمین العاریة، حدیث:3565 وجامع الترمذی، الوصایا، باب ماجاء لا وصیة لوارث، حدیث:2120 عن أبی أمامة ﷺ.

نوٹ: احکامِ وراثت اور حصص کے موضوع پر آخر میں ضمیمہ ملاحظہ کیجیے۔

ضمیمہ احکامِ وراثت (سورۂ نساء، آیات: 11، 12) ________ مرتب: ابونعمان بشیر احمد حفظہ اللہ

علم وراثت کی اصطلاحی تعریف: وہ اصول وقواعد جن سے ترکے میں وارثوں کے حصے معلوم کیے جائیں، علم میراث کہلاتے ہیں۔
وارث ہونے کی شرائط تین ہیں: ① مرحوم کی موت کے وقت وارث زندہ ہو۔ ② مرحوم کی موت کا یقین ہو۔ ③ وراثت سے مانع کوئی سبب نہ ہو۔
وراثت سے مانع اسباب چار ہیں: ❁ قتل: جس قتل کی وجہ سے قصاص یا دِیَت لازم آئے اس کی بنا پر قاتل وراثت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''قاتل کسی چیز کا بھی وارث نہیں بن سکتا۔'' (ابوداود: 4564، ترمذی: 2109)
❁ اختلافِ دین: مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ (بخاری: 6764، مسلم: 1614) ❁ وَلَدِ زِنا: زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے زانی باپ کا وارث ہوگا نہ باپ اپنے حرامی بچے کا وارث ہوگا' البتہ بچہ اور اس کی ماں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (مسلم: 1492) ❁ غلامی: غلام نہ خود وارث بنتا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ اس کی تمام کمائی مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔
اسباب وراثت تین ہیں: ❁ نسبی رشتہ: وُرثا خونی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں، مثلاً: اولاد، والدین اور بہن بھائی وغیرہ۔ ❁ نکاح: میاں بیوی شرعی نکاح کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ❁ ولاء: کوئی شخص غلام آزاد کرے اور آزاد کردہ غلام فوت ہو جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث بھی نہ ہو تو آزاد کرنے والا اس کا وارث ہوگا۔
ترکے کی تقسیم: میت کا ترکہ تین مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی ورثا میں تقسیم ہوگا: ❁ کفن دفن: اگر کفن دفن کا انتظام کرنے والا کوئی نہ ہو تو سب سے پہلے میت کے ترکے میں سے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا۔ ❁ قرض: اگر ورثا ادائیگیٔ قرض کی ذمہ داری قبول نہ کریں تو میت کے ترکے میں سے قرض ادا کیا جائے گا، خواہ اس میں تمام ترکہ صرف ہو جائے۔ ❁ وَصِیّت: میت کی جائز وصیت کو پورا کیا جائے گا۔ جائز وصیت وہ ہوگی جو تہائی ترکے سے زیادہ نہ ہو، نیز ورثا کے بارے میں نہ ہو اور حرام کام کے متعلق نہ کی گئی ہو۔

بنیادی اصطلاحات

وراثت کی تفصیل سے پہلے چند بنیادی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے:
اصحابِ فرائض: قرآن وحدیث میں جن ورثا کے حصے مقرر ہیں، ان کی کل تعداد 12 ہے جن میں 4 مرد اور 8 عورتیں ہیں، مثلاً: خاوند، بیوی، ماں وغیرہ۔
عصبہ: میت کے وہ قریبی رشتے دار جو اصحابِ فرائض سے بچا ہوا ترکہ لیتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں تمام ترکے کے وارث بنتے ہیں، مثلاً: بیٹا، باپ، بھائی اور چچا وغیرہ۔
عصبہ کی اقسام: ❁ عصبہ نسبی ❁ عصبہ سببی
عصبہ نسبی: یہ خونی رشتے کی وجہ سے عصبہ بنتے ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں:
(ا) عصبہ بالنفس: میت کے وہ مذکر رشتے دار جن کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو درمیان میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ آئے۔ ان کی ترتیب وار چار صورتیں ہیں اور ترکے کی تقسیم میں بھی اس ترتیب کا لحاظ ضروری ہے:
(i) میت کا بیٹا اور اس کی عدم موجودگی میں پوتا، پھر پڑپوتا...... (ii) میت کا باپ اور اس کی عدم موجودگی میں دادا، پھر پردادا......

(iii) میت کا بھائی اور اس کی عدم موجودگی میں بھتیجا...... (iv) میت کا چچا اور اس کی عدم موجودگی میں چچا کا بیٹا......

(ب) **عصبہ بالغیر:** ہر وہ مونث جو اصحاب فرائض میں سے ہو اور وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بنے۔ عصبہ بالغیر صرف چار ہیں:

❁ بیٹی ❁ پوتی یا پڑپوتی ❁ حقیقی بہن ❁ پدری بہن

(ج) **عصبہ مع الغیر:** ہر وہ مؤنث جو کسی دوسری مونث کی وجہ سے عصبہ بنے، اس میں صرف حقیقی بہن اور پدری بہن آتی ہیں جب وہ بیٹی یا پوتی کے ساتھ شریک ہوں۔

عصبہ سببی: جو خونی رشتے کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی سبب کی وجہ سے عصبہ بنے، مثلاً: آزاد کردہ غلام فوت ہو جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو آزاد کرنے والا مالک اس کا وارث بنے گا۔

ذوی الارحام: میت کے وہ رشتے دار جو اصحابِ فرائض اور عصبہ میں سے نہ ہوں، مثلاً: بیٹیوں کی اولاد، ماموں، خالہ، پھوپھی وغیرہ۔ ذوی الارحام اس وقت وارث بنتے ہیں جب اصحابِ فرائض یا عصبہ میں سے کوئی نہ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ❁ اگر ذوی الارحام میں سے صرف ایک وارث ہو تو وہ اکیلا تمام ترکہ لے گا۔ ❁ اگر ایک سے زیادہ وارث ہوں اور سب کا رشتہ برابر درجے کا ہو تو ان کے درمیان ترکہ برابر تقسیم کیا جائے گا، مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا۔ اگر درجہ برابر نہ ہو تو ترکہ قریبی کو ملے گا اور بعید والا محروم ہوگا۔

حجب: کسی وارث کا دوسرے وارث کی موجودگی میں اپنے کل یا بعض حصے سے محروم ہو جانا۔

حجب کی اقسام: ❁ **حجبِ نقصان:** کسی وارث کا دوسرے وارث کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے زیادہ حصّے سے کم کی طرف منتقل ہو جانا، مثلاً: خاوند کا اولاد کی وجہ سے آدھے سے چوتھائی حصے کی طرف منتقل ہو جانا۔ ❁ **حجبِ حرمان:** کسی وارث کا دوسرے وارث کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے تمام حصے سے محروم ہو جانا، مثلاً: بیٹے کی وجہ سے پوتے کا محروم ہونا۔

اصل: میت کو اوپر کی طرف جن رشتوں سے منسوب کیا جائے، مثلاً: والدین، دادا، پردادا۔

فرع: میت کو نیچے کی طرف جن رشتوں سے منسوب کیا جائے، مثلاً: بیٹے، بیٹیاں یا پوتے، پوتیاں۔

جدِّ صحیح: وہ جدّ جب اس کا رشتہ میت سے ملایا جائے تو درمیان میں جدّہ فاسدہ (نانی) کا واسطہ نہ ہو، مثلاً: دادا، پردادا۔

جدّہ صحیحہ: وہ دادی یا نانی جب اس کا رشتہ میت سے ملایا جائے تو درمیان میں جدّ فاسد (نانے) کا واسطہ نہ ہو، جیسے دادی، پردادی، نانی، پرنانی۔

ترکہ اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ سب سے پہلے اصحاب فرائض، پھر عصبہ کو اور ان دونوں کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو دیا جائے گا۔

اصحابِ فرائض کی تفصیل

① **خاوند:** بیوی کی وراثت میں خاوند کے وارث ہونے کی دو صورتیں ہیں: ❁ جب بیوی کی کوئی فرع (بیٹے، بیٹیاں یا پوتے، پوتیاں) وارث نہ ہو تو خاوند کو آدھا ($\frac{1}{2}$) ترکہ ملے گا۔ ❁ جب بیوی کی فرع وارث ہو تو خاوند کو چوتھا حصہ ($\frac{1}{4}$) ملے گا۔

② **بیوی:** خاوند کی وراثت میں بیوی کے وارث ہونے کی دو صورتیں ہیں: ❁ جب خاوند کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ($\frac{1}{4}$) ملے گا۔ ❁ جب خاوند کی فرع وارث ہو تو اسے آٹھواں حصہ ($\frac{1}{8}$) ملے گا۔

③ **باپ:** اولاد کی وراثت میں باپ کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی مذکر فرع (بیٹا، پوتا) وارث ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) ملے گا۔ ❁ جب میت کی مؤنث فرع وارث ہو تو باپ چھٹا حصہ پانے کے ساتھ عصبہ بھی بنے گا۔ ❁ جب میت کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو باپ بطور عصبہ وارث بنے گا۔

④ **دادا:** باپ کی عدم موجودگی میں میت کا وارث اس کا دادا بنتا ہے اور باپ کے وارث ہونے کی مذکورہ بالا تینوں صورتیں دادا پر لاگو ہوں گی۔

⑤ **ماں:** اولاد کی وراثت میں ماں کے وارث ہونے کی بھی تین صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی کوئی فرع وارث ہو یا اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) ملے گا۔ ❁ جب میت کے مذکورہ وُرثا (اولاد یا ایک سے زیادہ بہن بھائی) نہ ہوں تو ماں کو کل مال کا تہائی حصہ ($\frac{1}{3}$) ملے گا۔ ❁ جب مسئلہ عُمَرِیَّتَین ہو، یعنی میت کے والدین کے ساتھ خاوند یا بیوی بھی موجود ہو تو خاوند یا بیوی کو مقرر حصہ دینے کے بعد ماں کو باقی ترکے کا تہائی حصہ ($\frac{1}{3}$) ملے گا۔

⑥ **دادی ونانی:** ماں کی عدم موجودگی میں میت کی دادی اور نانی (جدّہ صحیحہ) چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) لیں گی جبکہ باپ کی موجودگی میں دادی محروم ہو جائے گی، البتہ نانی وارث بنے گی۔

وضاحت: اگر دادی اور نانی میں سے ایک موجود ہو تو وہ اکیلی چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) لے گی اور قریبی کی موجودگی میں بعید والی محروم ہو جائے گی، مثلاً: دادی یا نانی کی موجودگی میں پردادی اور پرنانی محروم رہیں گی۔

⑦ **بیٹی:** والدین کی وراثت میں بیٹی کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی وارث صرف ایک بیٹی ہی ہو تو اسے آدھا ترکہ ($\frac{1}{2}$) ملے گا۔ ❁ جب وارث محض ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو وہ دو تہائی حصہ ($\frac{2}{3}$) پائیں گی۔ ❁ جب وارث بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔

⑧ **پوتی:** اس کی پانچ صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی فرع میں سے صرف ایک پوتی ہو تو وہ آدھا ترکہ لے گی۔ ❁ جب ایک سے زیادہ پوتیاں ہوں تو وہ دو تہائی لیں گی۔ ❁ جب پوتیوں کے ساتھ میت کی ایک بیٹی بھی ہو تو بیٹی کو آدھا اور پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ ❁ جب پوتیوں کے ساتھ میت کا پوتا بھی ہو تو وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ اور مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا۔ ❁ جب میت کی نرینہ اولاد ہو یا ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتیاں محروم ہو جائیں گی۔

⑨ **مادری بہن** ⑩ **مادری بھائی:** مادری بہن اور بھائی وراثت میں برابر ہوتے ہیں۔ ان کی تین صورتیں ہیں: ❁ ایک مادری بھائی ہو تو چھٹا حصہ لے گا۔ ❁ ایک سے زیادہ ہوں تو تہائی لیں گے۔ ❁ میت کے فرع وارث، باپ یا دادا کی موجودگی میں محروم ہو جائیں گے۔

⑪ **حقیقی بہنیں:** ان کی پانچ صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی صرف ایک حقیقی بہن ہو تو اُسے آدھا ترکہ ملے گا۔ ❁ جب ایک سے زیادہ بہنیں ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا۔ ❁ جب بہنوں کے ساتھ اُن کا بھائی بھی ہو تو وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ اور بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔ ❁ جب بہنوں کے ساتھ میت کی مؤنث فرع (بیٹی، پوتی) وارث بھی اُن کے ساتھ ہو تو بہنیں بطور عصبہ حصہ لیں گی۔ ❁ جب میت کی مذکر فرع (بیٹا، پوتا......) یا باپ موجود ہو تو بہنیں محروم ہو جائیں گی۔

⑫ **پدری بہنیں:** ان کی چھ صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی صرف ایک پدری بہن ہو اور حقیقی بہن بھی نہ ہو تو اسے آدھا ترکہ ملے گا۔ ❁ جب ایک سے زیادہ پدری بہنیں ہوں اور حقیقی بہن نہ ہو تو وہ دو تہائی لیں گی۔ ❁ پدری بہنیں ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں چھٹے حصے کی وارث ہوں گی۔ ❁ جب پدری بہنوں کے ساتھ ان کا بھائی یا میت کی مؤنث فرع وارث بھی موجود ہو تو وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ ❁ جب پدری بہنوں کے ساتھ میت کی مذکر فرع (بیٹے، پوتے) یا باپ یا حقیقی بھائی وارث ہو تو وہ محروم ہو جائیں گی۔ ❁ جب میت کی ایک سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو بھی پدری بہنیں محروم ہو جاتی ہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ پدری بھائی بھی شریک ہو جائے، اس صورت میں وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔

اصحاب فرائض عصبات	① بیٹی	② بیٹیاں	③ پوتی	④ پوتیاں	⑤ ماں	⑥ دادی نانی	⑦ حقیقی بہن	⑧ حقیقی بہنیں	⑨ پدری بہن	⑩ پدری بہنیں	⑪ مادری بہن بھائی	⑫ متعدد مادری بہن بھائی	⑬ خاوند	⑭ بیوی	⑮ بیٹا	⑯ پوتا	⑰ باپ	⑱ دادا	⑲ حقیقی بھائی	⑳ پدری بھائی	㉑ حقیقی بھتیجا	㉒ پدری بھتیجا	㉓ حقیقی چچا	㉔ پدری چچا	㉕ حقیقی چچا کا بیٹا	㉖ پدری چچا کا بیٹا
① بیٹی ($\frac{1}{2}$)	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
② بیٹیاں ($\frac{2}{3}$)	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
③ پوتی ($\frac{1}{2}$)	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	م	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
④ پوتیاں ($\frac{2}{3}$)	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	م	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
⑤ ماں ($\frac{1}{3}$)	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	مل	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$
⑥ دادی نانی ($\frac{1}{6}$)	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	م (دادی)	م (پردادی)	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$
⑦ حقیقی بہن ($\frac{1}{2}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	م	م	م	مخ	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
⑧ حقیقی بہنیں ($\frac{2}{3}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	م	م	م	مخ	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
⑨ پدری بہن ($\frac{1}{2}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	م	م	م	مخ	م	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
⑩ پدری بہنیں ($\frac{2}{3}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	م	م	م	مخ	م	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
⑪ مادری بہن و بھائی ($\frac{1}{6}$)	م	م	م	م	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	ش $\frac{1}{3}$	ش $\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	م	م	م	م	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$
⑫ متعدد مادری بہن و بھائی ($\frac{1}{3}$)	م	م	م	م	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	ش $\frac{1}{3}$	ش $\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	م	م	م	م	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$
⑬ خاوند ($\frac{1}{2}$)	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	مل	مل	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
⑭ بیوی ($\frac{1}{4}$)	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	مل	ش $\frac{1}{4}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$
⑮ بیٹا (عصبہ)	کر	کر	ک	ک	ب	ب	کل	ک	ک	ک	ک	ک	ب	ب	شک	ک	ب	ب	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
⑯ پوتا (عصبہ)	ب	ب	کر	کر	ب	ب	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ب	ب	م	شک	ب	ب	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
⑰ باپ (عصبہ)	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	ب	ک (دادی)	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ب	ب	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	مل	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
⑱ دادا (عصبہ)	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	ب	ک (پردادی)	مخ	مخ	مخ	مخ	ک	ک	ب	ب	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	مل	مخ	مخ	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
⑲ حقیقی بھائی (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	کر	کر	ک	ک	ب	ب	ب	ب	مخ	مخ	مخ	مخ	شک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
⑳ پدری بھائی (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	کر	کر	ب	ب	ب	ب	م	م	م	مخ	م	شک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
㉑ حقیقی بھتیجا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک	ک	ک	ک
㉒ پدری بھتیجا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک	ک	ک
㉓ حقیقی چچا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک	ک
㉔ پدری چچا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک
㉕ حقیقی چچا کا بیٹا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک
㉖ پدری چچا کا بیٹا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	م	م	م	شک

نقشہ میں مستعمل اشارات

اشارات	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{4}$	ش	م	مخ	ک	ب	کر	مل
اشارات سے مراد	آدھا	تہائی	دوتہائی	چھٹا	آٹھواں	چوتھائی	مشترک	محروم	مختلف	کل مال	باقی مال	مذکر کو دو حصے مونث کو ایک حصہ	مہمل

نقشہ دیکھنے کا طریقہ ① اگر کسی وارث کا انفرادی حصہ معلوم کرنا چاہیں تو دائیں طرف (سرخ لکھائی میں) ہر وارث کے ساتھ اس کا حصہ درج ہے۔

② دوسرے ورثا کے ساتھ اکٹھا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں طرف (سرخ لکھائی میں) وارث کو، اوپر (کالی لکھائی میں) وارث کے ساتھ 90° درجے کے زاویے پر ملائیں۔ جس خانے میں دونوں اکٹھے ہوجائیں وہاں دائیں طرف (سرخ لکھائی میں) وارث کا حصہ ہوگا، مثلاً: ماں کا انفرادی صورت میں $\frac{1}{3}$ حصہ ہے۔ جب اس کو حقیقی بہنوں کے ساتھ 90° درجے کے زاویے پر ملایا جائے تو وہ دونوں خانہ $\frac{1}{6}$ میں اکٹھی ہوئیں، چنانچہ جب ماں ایک سے زیادہ بہنوں کے ساتھ شریک ہو تو اُسے چھٹا حصہ ملے گا۔

تحقیق و تخریج کے

مصادر و مراجع

اسم الكتاب	اسم المصنف	دار النشر	مدينة النشر	سنة النشر
الإتقان	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن السيوطى (849-911ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	
الأحاديث الطوال	للحافظ سليمان بن أحمد الطبرانى (260-360ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق عمان	1419 ھ 1998 م
الأحاديث المختارة	لأبى عبدالله محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلى المقدسى (567-643ھ)	مكتبة النهضة الحديثة	مكة المكرمة	1410 ھ
أحكام القرآن	للإمام أبى بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربى (468-543ھ)	دار الكتب العربى	//	1421 ھ 2000 م
الأدب المفرد	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى (194-256ھ)	المكتبة الإسلامية	الأردن	1423 ھ 2003 م
إرشاد السارى	للإمام شهاب الدين أبى العباس أحمد بن محمد الشافعى القسطلانى (المتوفى 923ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1416 ھ 1996 م
إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420	المكتب الإسلامى	بيروت	1405 ھ 1985 م
الاستذكار	لأبى عمر يوسف بن عبدالله بن عبدالبر النمرى الأندلسى (5368-5463ھ)	دارالوعى	حلب القاهرة	1414 ھ 1993 م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبى الحسن على بن محمد الجَزَرى (المتوفى 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن على بن حجر العَسْقَلانى (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	//	1415 ھ 1995 م

إكمال المُعلم بفوائد صحيح مسلم	للإمام الحافظ أبي الفضل عياض بن موسى بن عياض اليَحْصِبي (المتوفى 544ھ)	دار الوفاء	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبي عبدالله محمد بن إدريس الشافعي القرشي (المتوفى 204ھ)	دار إحياء التراث العربي	//	1420ھ 2000م
بائبل، قرآن اور سائنس (اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاهور پاكستان	1999م
البحر الزخار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبي بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق العَتَكي البزّار (المتوفى 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومكتبة العلوم والحكم	بيروت	1409ھ 1988م
البداية و النهاية	لأبي الفداء الحافظ ابن كثير الدِّمشقي (المتوفى 774ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البيان فی عدّ آی القرآن	لأبي عمرو عثمان بن سعيد الأموى الدانى (371-444ھ)	مركز المخطوطات	الكويت	1414ھ 1994م
تاج العروس	للإمام محب الدين أبي فيض السيد محمد مرتضى الحسينى الزبيدى (المتوفى 1205ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
تاريخ ابن خلدون	لعبد الرحمن بن خلدون (732-808ھ/1332-1406م)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1992م
تاريخ بغداد	للحافظ أبي بكر أحمد بن على الخطيب البغدادى (المتوفى 463ھ)	دار الفكر	//	1418ھ 1998م
تاريخ دمشق	للإمام الحافظ أبي القاسم على بن الحسن الدمشقى الشافعى المعروف بابن عساكر (499-571ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1421ھ 2001م
تاريخ الطبرى	لأبي جعفر محمد بن جرير الطبرى (المتوفى 310ھ)	//	//	
التاريخ الكبير	للإمام أبي عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجُعفِى (194-256ھ)	دار الكتب العلمية	//	1414ھ 1993م

تحفة الأحوذی	للإمام الحافظ أبی العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
تحفة الأخیار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار بلنسیة	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدین أبی الحجاج یوسف المِزّی (654-742ھ)	دار الغرب الإسلامی	بیروت	1999م
تذکرة الحفاظ	للإمام شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1419ھ 1998م
الترغیب و الترهیب	للإمام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (المتوفی 656ھ)	دار الحدیث	القاهرة	1407ھ 1987م
تغلیق التعلیق	لأحمد بن علی ابن حجر العسقلانی المتوفی(852ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق	1470ھ 1999م
تفسیر البغوی	للإمام أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی(المتوفی 516ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسیر البیضاوی	للإمام ناصر الدین أبی الخیر عبداللّٰه بن عمر ابن محمد الشیرازی الشافعی البیضاوی (المتوفی 691ھ)	دار إحیاء التراث العربی	//	1418ھ 1998م
تفسیر ابن أبی حاتم	للإمام الحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدریس الرازی ابن أبی حاتم (المتوفی 327ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة الریاض	1417ھ 1997م
تفسیر الرازی	للإمام فخر الدین الرازی (المتوفی 606ھ)	دار إحیاء التراث العربی	//	1415ھ 1995م
تفسیر السمعانی	للإمام أبی المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التمیمی المَرْوَزِی الشافعی (426-489ھ)	دار الوطن	الریاض	1418ھ 1997م

تفسیر الطبری	لأبی جعفر محمد بن جریر الطبَری (المتوفی 310ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1415 ھ 1995 م
تفسیر عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی 211ھ)	دارالکتب العلمیة	//	1419 ھ 1999 م
تفسیر القرطبی	لأبی عبدالله محمد بن أحمد الأنصاری القُرطبی	دارالکتب العلمیة	//	1413 ھ 1993 م
تفسیر الماوردی	لأبی الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری (364-450ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1412 ھ 1992 م
التلخیص الحبیر	للإمام الحافظ أبی الفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	دار المعرفة	//	1406 ھ 1986 م
تمام المنّة	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	دار الرایة	الریاض السعودیة	1417 ھ
التمهید	للإمام الحافظ أبی عمر یوسف بن عبدالله ابن محمد بن عبدالبر النمری الأندلسی (368-463ھ)	مکتبة السوادی	جدة	1387 ھ 1967
تنویر المقباس	للإمام السید حبر الأمة عبدالله بن عباس الهاشمی القرشی (المتوفی 68ھ)	مطبعة أمیر	قم ایران	
جامع الترمذی	للإمام الحافظ أبی عیسی محمد بن عیسی ابن سورة الترمذی (200-279ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420 ھ 1999 م
جامع المسانید والسنن	للإمام عماد الدین أبی الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی الشافعی (700-774ھ)	دار الفکر	بیروت	
حلیة الأولیاء	للإمام الحافظ أبی نُعیم أحمد بن عبدالله الأصفهانی الشافعی (المتوفی 430ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1418 ھ 1997 م
الدر المنثور فی التفسیر المأثور	للإمام جلال الدین عبدالرحمٰن بن أبی بکر السیوطی (المتوفی 911ھ)	دارالکتب العلمیة	//	1421 ھ 2000 م

دلائل النبوة	لأبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیھقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1405 ھ 1985 م
الدِّیباج	للحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی (المتوفی 911ھ)	شرکة دار الأرقم بن أبی الأرقم	//	
الرحیق المختوم (اردو)	للشیخ صفی الرحمن مبارکفوری	المکتبة السلفیة	لاھور باکستان	1416 ھ 1995 م
روح المعانی	للعلامة أبی الفضل شھاب الدین السید محمود الألوسی البغدادی (المتوفی127ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1417 ھ 1997 م
زاد المسیر	للإمام أبی الفَرَج جمال الدین عبدالرحمن ابن علی بن محمد الجوزی (المتوفی597ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1414 ھ 1994 م
زاد المعاد	للإمام شمس الدین أبی عبداللّٰہ محمد بن أبی بکر الزرعی الدمشقی المشھور بابن قیم الجوزیة (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	//	1415 ھ 1995 م
سلسلة الأحادیث الصحیحة	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی1420ھ)	مکتبة المعارف	الریاض السعودیة	1415 ھ 1995 م
سلسلة الأحادیث الضعیفة	// // //	//	//	1420 ھ 2000 م
سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417 ھ 1996 م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بھرام التمیمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1417 ھ 1996 م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السِجِستانی (المتوفی 275ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420 ھ 1999 م
سنن سعید بن منصور	للحافظ سعید بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصمیعی	//	1420 ھ 2000 م

السنن الکبریٰ	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی (384-458ھ)	إدارة تألیفات أشرفیة	ملتان باکستان	1414ھ 1993م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه محمد بن یزید الربعی ابن ماجه القَزْوِینی (209-273ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی (215-303ھ)	دار السلام	//	1420ھ 1999م
السیرة النبویة	لولی الدین أبی زید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحیم الحضرمی الأشبیلی المالکی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مکتبة المعارف	//	1418ھ 1998م
السیرة النبویة	لأبی محمد عبدالملك بن هشام بن أیوب الحِمْیَری (المتوفی 218ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
شرح السنة	للإمام الحافظ محی السنة أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (436-516ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت	1403ھ 1983م
شرح معانی الآثار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت	1407ھ 1987م
شرح النووی	محی الدین أبوزکریا یحیی بن شرف بن مری الحزامی الحواربی الشافعی (المتوفی 676ھ)	مؤسسة قرطبة	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
شعب الإیمان	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1410ھ 1990م

الصحاح	لأبی نصر إسماعيل بن حماد الجوهری الفارابی المتوفی (398ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1419 ھ 1999 م
صحيح البخاری	للإمام أبی عبدالله محمد بن إسماعيل البخاری الجعفی (194-256ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419 ھ 1999 م
صحيح الترغيب والترهيب	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مكتبة المعارف	الرياض	1421 ھ 2000 م
صحيح الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المكتب الإسلامی	بيروت لبنان	1408 ھ 1988 م
صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان الفارسی	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	//	1414 ھ 1993 م
صحيح ابن خزيمة	للإمام أبی بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة السلمی النيسابوری (المتوفی 311ھ)	المكتب الإسلامی	//	1412 ھ 1992 م
صحيح سنن أبی داود	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مؤسسة غراس	الكويت	1423 ھ 2002 م
صحيح مسلم	للإمام أبی الحسين مسلم بن الحجاج القشيری النيسابوری (204-261ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419 ھ 1998 م
ضعيف الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المكتب الإسلامی	بيروت لبنان	1410 ھ 1990 م
ضعيف سنن ابن ماجه	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	//	//	1415 ھ 1994 م
الطبقات الكبرىٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منيع (المتوفی 230ھ)	دار صادر	بيروت	1418 ھ 1998 م
عمدة القاری	للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبی محمد محمود بن أحمد العينی (المتوفی 855ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1418 ھ 1998 م

عون المعبود	للعلامة أبي الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادى	دار الكتب العلمية	//	1410ھ 1990م
فتح الباری	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار نشر الكتب الإسلامية	لاهور باكستان	1401ھ 1981م
فتح البيان	لأبی الطيب صديق بن حسن بن علی الحسينی القَنُّوجی البخاری (المتوفی 1307ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
كتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخريج السنة	لأبی بكر عمرو بن أبی عاصم الضحاك ابن مخلد الشيبانی المتوفی (287ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب الزهد	للإمام الشيخ عبدالله بن المبارك المروزی (المتوفی 181ھ)	//	//	1419ھ 1998م
كتاب العرش	لأبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	مكتبة أضواء السلف ومكتبة الإمام البخاری	الرياض السعودية مصر	1420ھ 1999م
كتاب العظمة	لأبی محمد عبدالله بن محمد بن جعفر بن حيّان المعروف بأبي الشيخ الأصبهاني (274-369ھ)	دار العاصمة	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
الكشاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخشری (المتوفی 528ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
كشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدين علی بن أبی بكر الهيثمی (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1399ھ 1979م
كشف الظنون	للمؤرخ الكامل مصطفی بن عبدالله المشهور بحاجی خليفة (1017-1067ھ)	دار إحياء التراث العربی	//	
اللآلئ المصنوعة فی الأحاديث الموضوعة	للإمام جلال الدين أبی الفضل عبدالرحمٰن ابن الكمال السيوطی (849-911ھ)	دار الكتب العلمية	//	1417ھ 1996م

مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (المتوفى 807ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414 ھ 1994 م
مجموعة الفتاوى	لشيخ الإسلام تقى الدين أحمد بن تيمية الحَرَّانى (المتوفى 728ھ)	مكتبة العبيكان	الرياض السعودية	1419 ھ 1998 م
المحلى	لأبى محمد على بن أحمد بن سعيد بن حزم المتوفى (456ھ)	دارالجبل دارالآفاق الجديدة	بيروت	
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدين أبى الفضل أحمد بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	مؤسسة الكتب الثقافية	بيروت لبنان	1412 ھ 1992 م
مختصر سنن أبى داود	عبدالعظيم بن عبدالقوى بن عبدالله بن سلامة بن سعد زكى الدين أبومحمد المنذرى الشامى المصرى (المتوفى 656ھ)	مكتبة السنة المحمدية مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1423 ھ 2002 م
مختصر قيام الليل	للشيخ أبى عبدالله محمد بن نصر المروزى (المتوفى 294ھ)	مكتبة المنار	الأُردُن	1413 ھ 1993 م
المراسيل	للإمام الحافظ أبى داود سليمان بن الأشعث السجستانى (المتوفى 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1418 ھ 1998 م
المستدرك	للإمام أبى عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابورى (المتوفى 405ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة السعودية	1420 ھ 2000 م
مسند أحمد (طبع ميمنية)	للإمام الحافظ أبى عبدالله أحمد بن محمد ابن حنبل الشيبانى البغدادى (164-241ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق	1403 ھ 1983 م
مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبى عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشَّيبانى البغدادى (164-241ھ)	بيت الأفكار الدولية	الرياض السعودية	1419 ھ 1998 م
مسند أبى داود الطَّيالِسى	لسليمان بن داود بن الجارود (المتوفى 204ھ)	هجر	أمبابة	1419 ھ 1999 م
المسند الضعيف	للإمام أبى جعفر محمد بن عمرو بن وهبى بن حماد العقيلى (المتوفى 322ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة السعودية	1422 ھ 2001 م

مسند أبی عوانة	للإمام أبی عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائينی (المتوفی 316ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
مسند أبی يعلی المَوصلی	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن المثنی التمِيمی (210-307ھ)	دار الثقافة العربية	بيروت دمشق	1412ھ 1992م
المصنف	للإمام الحافظ أبی بكر عبدالله بن محمد بن أبی شيبة (المتوفی 235ھ)	دار الكتب العلمية	//	1416ھ 1995م
المصنف	للحافظ الكبير أبی بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی 211ھ)	المكتب الإسلامی	//	1403ھ 1983م
المطالب العالية	للحافظ ابن حجر أحمد بن علی العسقلانی (773-852ھ)	دار المعرفة	//	1414ھ 1993م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدين أبی عبدالله ياقوت بن عبدالله الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	//	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز البغوی (المتوفی 773ھ)	مكتبة دار البيان	دولة الكويت	1421ھ 2000م
المعجم الكبير	للحافظ أبی القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مطبعة الزهراء الحديثية	موصل	1420ھ 2000م
معجم ما استعجم	لعبدالله بن عبدالعزيز البكری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الكتب	بيروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدين أبی محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
منهاج السنة النبوية	لأبی العباس تقی الدين أحمد بن عبدالحليم ابن تيمية الحرانی الدمشقی (المتوفی 728ھ)	دار المعرفة	//	1406ھ 1986م
الموسوعة الحديثية (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبدالله بن عبدالمحسن التركی	مؤسسة الرسالة	//	1420ھ 1999م
الموضوعات	لأبی الفرَج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی القرشی(510-597ھ)	مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1407ھ 1987م

النجوم الزاهرة فى ملوك مصر والقاهرة	لجمال الدين أبى المحاسن يوسف بن تغرى بُردى (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار ابن القيم ودار ابن عفان	القاهرة	1422 ھ 2001 م

المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

سورۂ فاتحہ ــــ سورۂ آل عمران

امام ابوالفدا، عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ
۷۰۱-۷۷۴ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق ونظرثانی:
شعبہ تحقیق وتصنیف وترجمہ دارالسلام

دارالسلام
DARUSSALAM

مصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں...

3

ⓒ مكتبة دارالسلام، ١٤٢٨ هـ
فهرسة مكتبة الـــملك فهد الوطنية أثناء النشر
ابن كثير، اسماعيل بن عمر
المصباح المنير فى تهذيب تفسير ابن كثير- المجلد الثالث - اسماعيل بن عمر ابن كثير - الرياض، ١٤٢٨ هـ
ص: ٨٨٠ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٧-٩-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨
(النص باللغة الاردية)
١. القرآن - التفسير الماثور أ. العنوان
ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٢٨/٦٦٧٨
رقم الإيداع: ١٤٢٨/٦٦٧٨
ردمك: ٧-٩-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.dar-us-salam.com

- طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 ● الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
- سویلم فون: 00966 1 2860422 ● جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270
- مدینہ منورہ: 00966-04-8234446 فیکس: 04-8151121 ● خمیس مشیط فون: 00966 7 2207055 موبائل: 0500710328
- الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624

لندن فون: 0044 208 539 4885 فیکس: 208 5394889

امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 001 713 7220419 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 001 718 6255925 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 0092 42 7240024-7232400-7111023-7110081 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ موُن مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

مصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

3

سورۂ توبہ ـــــ سورۂ مریم

امام ابوالفدا عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ـ ۷۷٤ھ

تہذیب مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ ترجمہ مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تخریج تحقیق نظر ثانی: شعبۂ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام ، لاہور

دارالسلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:4043432-4033962 1 00966 فیکس:4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

• الریاض۔العلیا۔ فون:4614483 01 فیکس:4644945 • الملز فون:4735220 01 فیکس:4735221 • سویلم فون:2860422 01

• مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون / فیکس:3696124 06 موبائل:0503417156

• مکہ مکرمہ: موبائل:0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون:8234446 04 فیکس:8151121 موبائل:0503417155

• جدہ فون:6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون:8692900 03 فیکس:8691551

• ینبع البحر فون / فیکس:3908027 04 موبائل:0500887341 • خمیس مشیط فون / فیکس:2207055 07 موبائل:0500710328

شارجہ فون:5632623 6 00971 امریکہ • ہوسٹن فون:7220419 713 001 • نیویارک فون:6255925 718 001

لندن فون:4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون:4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

• 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس:7354072

موبائل:4212174 0321-8484569 0322 • غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

کراچی طارق روڈ بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال فون:4393936 21 0092 فیکس:4393937

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون / فیکس:2281513 51 0092 موبائل:5370378 0321

حافظ آباد فیصل پلازہ، گوجرانوالہ روڈ، حافظ آباد فون و فیکس 525170-0547

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشادِ باری تعالیٰ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

''کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں؟''

(سورۂ محمد:24)

فرمانِ نبوی

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

(صحیح بخاری:5027)

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

اجمالی فہرست

فہرست

عنوانات

سورۂ یوسف

تفسیر سُورَۂ تَوبَہ

یہ سورت مدنی ہے

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ

(اے مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے عہد کر رکھا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان سے (اعلان) براءت ہے① چنانچہ

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ②

(اے مشرکو!) تم زمین میں چار ماہ چل پھر لو، اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ②

تفسیر آیات:2,1

نزول کے اعتبار سے آخری سورت: یہ سورت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے جیسا کہ امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ﴾ (النسآء 4:176) ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت، سورۂ توبہ ہے۔①

اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں؟ اس سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' اس لیے نہیں لکھی جاتی کیونکہ صحابۂ کرام نے بھی مصحف امام میں اس سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہیں لکھی تھی اور انھوں نے ایسا امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اقتدا کے پیش نظر کیا تھا۔②

زمانۂ نزول: اس سورۂ کریمہ کا ابتدائی حصہ حج کے دنوں میں اس وقت نازل ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے تھے، پھر جب آپ کے پاس یہ ذکر کیا گیا کہ حسبِ عادت مشرکین بھی موسم حج میں آئیں گے اور وہ بیت اللہ کا عریاں ہو کر طواف کریں گے تو آپ نے ان کے ساتھ شریک ہونے کو پسند نہ فرمایا اور اس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا تا کہ وہ مسلمانوں کو مناسک حج ادا کر کے دکھائیں، مشرکوں کو بتادیں کہ اس سال کے بعد وہ حج نہ کریں اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیں: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دست برداری ہے۔'' جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے تو ان کے پیچھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا تا کہ

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ ......﴾ (التوبة 9:1)، حديث:4654 و صحيح مسلم، الفرائض، باب آخر آية أنزلت آية الكلالة، حديث:1618. ② ملخص از سنن أبي داود، الصلاة، باب من جهربها، حديث: 786 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث:3086.

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ

اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری الذمہ ہیں،

الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

لہٰذا (اے مشرکو!) اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے (حق سے) منہ موڑے رکھا تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ③

اور (اے نبی!) آپ ان کافروں کو درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں③

وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ پیغام پہنچادیں، اس لیے کہ وہ آپ کے عصبہ تھے جیسا کہ تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔[1]

مشرکوں سے براءت کا اعلان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ ''(اے اہل اسلام! اب) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے، جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا، بیزاری (اور جنگ کی تیاری) ہے، چنانچہ (مشرکو! تم) زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔'' یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جن سے کسی وقت کے تعین کے بغیر مطلق عہد و پیمان کیے گئے تھے یا جن سے چار ماہ سے کم مدت کے لیے معاہدے تھے کہ وہ چار ماہ کی مدت پوری کرلیں اور جن سے معاہدوں کی مدت متعین تھی تو ان کے لیے اس مدت کو پورا کرنے کی اجازت تھی، خواہ وہ مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ...... ﴾ الآية (التوبة 9:4) ''تو جس مدت تک ان کے ساتھ عہد کیا ہوا سے پورا کرو......'' اور جیسا کہ عنقریب اس حدیث کو آگے بیان کیا جائے گا جس میں یہ ہے: [وَمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَعَهْدُهُ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''اور جس شخص کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی عہد ہو تو اس کا عہد اس کی مدت تک ہوگا۔''[2] اسی طرح کلبی، محمد بن کعب قرظی اور دیگر کئی ایک اہل علم سے مروی ہے۔

مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت: ابومَعْشَر مدنی نے کہا کہ ہم سے محمد بن کعب قُرظی وغیرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے 9 ہجری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کے بعد حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت کی تیس یا چالیس آیات دے کر بھیجا جو انھوں نے لوگوں کو سنائیں جن میں مشرکوں کو چار مہینے زمین میں چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی تھی، انھوں نے ان آیات کو عرفے کے دن پڑھ کر سنایا۔ اس لیے یہ مدت ذوالحجہ کے بیس دنوں، محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر کے دس دنوں پر مشتمل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کے مقامات کے پاس جا کر ان آیات کو پڑھ کر سنایا اور اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔[3] اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: (دیکھیے آیت:3)

---

① دیکھیے التوبة، آیت: 3 کے ذیل میں۔ ② جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء في كراهية الطواف عريانًا، حديث: 871 وسنن الدارمي، المناسك، باب لا يطوف بالبيت عريان: 658/2، حديث: 1919 و اللفظ له ومسند أحمد: 79/1.

③ تفسير الطبري: 80,79/10.

تفسیر آیت:3

حج اکبر کے دن اعلان براءت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ﴾ ''اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے۔'' حج اکبر کے دن سے مراد قربانی کا دن ہے جو ایام مناسک میں سے افضل، زیادہ نمایاں اور زیادہ تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے کا دن ہے۔ ﴿ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ ﴾ ''بے شک اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی (ان سے دست بردار ہے۔)'' یعنی رسول اللہ ﷺ بھی ان سے بیزار ہیں۔ پھر انھیں توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنْ تُبْتُمْ ﴾ ''پس اگر تم توبہ کرلو۔'' یعنی اس شرک اور ضلالت سے جس میں تم مبتلا ہو ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ ''تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر جاؤ۔'' اور اپنی اسی حالت پر برقرار رہو ﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ ﴾ ''تو جان لو! بے شک تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے۔'' بلکہ وہ تم پر قادر ہے اور تم اس کے قبضے اور تسلط میں ہو اور اس کی مشیت کے پابند ہو۔ ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿3﴾ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دیں۔'' یعنی دنیا میں ان کے لیے ذلت و رسوائی اور آخرت میں ہتھوڑوں اور بیڑیوں کے ساتھ انھیں عذاب دیا جائے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس حج کے موقع پر مجھے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے ساتھ بھیجا جنھوں نے منیٰ میں یہ اعلان کیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ حُمید (بن عبدالرحمٰن) کہتے ہیں کہ پھر نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا کہ وہ سورۂ براءت کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ شامل ہو کر منیٰ میں قربانی کے دن سورۂ براءت کا اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بھی قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کرنے والوں میں بھیجا۔ اور ہم نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی عریاں ہو کر طواف کرے۔ حِج اکبر کے دن سے مراد قربانی کا دن ہے۔ لوگ چونکہ (عمرے کو) حج اصغر کہتے تھے، اس وجہ سے اس دن کو حِج اکبر کہا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے یہ اعلان کرا دیا اور اس کے نتیجے میں اگلے سال، یعنی جس میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا تھا، کسی مشرک نے حج نہ کیا۔[2]

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ...... ﴾ (التوبة 9:2)، حديث:4655. ② صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب كيف ينبذ إلى أهل العهد؟ حديث:3177 وصحيح مسلم، الحج، باب لايحج البيت مشرك......، حديث:1347.

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ

لیکن جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا ہے، پھر انھوں نے تمھارے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو

اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

ان سے (مقررہ) مدت تک ان کا عہد پورا کرو۔ بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ④

محمد بن اسحاق نے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر سورۂ براءت نازل ہوئی تو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرما چکے تھے۔ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ یہ سورت دے کر کسی کو ابوبکر کے پاس بھیج دیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِي] ''میری طرف سے میرے اہل بیت ہی میں سے کوئی شخص یہ سورت پہنچائے گا۔'' پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: [أُخْرُجْ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ مِنْ صَدْرِ بَرَاءَةَ، وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ يَوْمَ النَّحْرِ إِذَا اجْتَمَعُوا بِمِنًى أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ كَافِرٌ، وَّلَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَّلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَّمَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَهُوَ لَهُ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''سورۂ براءت کے ابتدا میں مذکور اس قصے کے ساتھ نکلو اور قربانی کے دن لوگ جب منیٰ میں جمع ہوں تو یہ اعلان کر دو کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہو تو وہ اس کی مدت تک ہوگا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ناقہ عَضباء پر سوار ہو کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رستے میں جا ملے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں دیکھا تو فرمایا: تم امیر ہو یا مامور؟ انھوں نے فرمایا: میں امیر نہیں بلکہ مامور ہوں، پھر دونوں نے مل کر سفر طے کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج میں لوگوں کی امامت کے فرائض سرانجام دیے۔ اس سال عرب میں لوگ اپنے ان مقامات ہی میں تھے جن میں وہ زمانۂ جاہلیت میں موسم حج میں ہوا کرتے تھے حتی کہ جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ اعلان کیا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ كَافِرٌ، وَّلَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَّلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَّمَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَهُوَ لَهُ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''لوگو! بے شک کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہے تو وہ اس کے لیے اس کی مدت تک ہوگا۔'' اس اعلان کی وجہ سے اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج کیا نہ کسی نے عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر حج سے فراغت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔ اس طرح یہ مشرکین سے بیزاری کا اعلان تھا، البتہ جن سے پہلے سے کوئی معاہدہ تھا انھیں معاہدے کی مدت تک مہلت دے دی گئی۔ [1]

[1] السيرة النبوية لابن هشام، حج أبي بكر بالناس سنة تسع: 191,190/4 و تفسير الطبري: 85,84/10 .

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو اور انھیں پکڑ لو اور ان کا محاصرہ کر لو اور

وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑤

تفسیر آیت :4

عہد کو مدت تک پورا کیا جائے: جن لوگوں سے عہد مطلق تھا اور اس کے لیے کسی وقت کا تعین نہ تھا، انھیں چار ماہ کی مہلت دے دی گئی کہ وہ زمین میں چلیں پھریں اور اپنی جان بچانے کی خاطر جہاں جانا چاہیں چلے جائیں۔ اور جن لوگوں سے عہد و پیمان کی مدت مقرر ہو تو ان کے لیے حکم یہ تھا کہ ان کے لیے مدت مقررہ تک عہد کا پاس کیا جائے۔ قبل ازیں اس مفہوم کی احادیث بھی بیان کی جا چکی ہیں کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد کر رکھا ہو تو اس کا اس کی مدت مقررہ تک پاس رکھا جائے گا، بشرطیکہ وہ معاہد عہد شکنی نہ کریں اور نہ کسی اور کو مسلمانوں کے خلاف حملے کے لیے اکسائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ ﴾ ”یقیناً اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔“ یہاں پرہیزگاروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں۔

تفسیر آیت :5

آیتِ سیف کا حکم: امام مجاہد، عمرو بن شعیب، محمد بن اسحاق، قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں عزت کے مہینوں سے مراد وہ چار مہینے ہیں جن کی کافروں کو مہلت دیتے ہوئے (اسی سورت کی آیت:2) میں فرمایا گیا: ﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ ”چنانچہ (مشرکو!) تم زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔“[1] پھر فرمایا: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ یعنی جب یہ چار ماہ گزر جائیں جن میں ہم نے تمھارے لیے مشرکوں سے لڑنے کو حرام قرار دیا ہے اور انھیں ان چار ماہ کی مہلت دے دی ہے تو ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ ”مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔“ یعنی زمین میں انھیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔ اور یہ حکم عام ہے لیکن مشہور بات یہ ہے کہ انھیں حرم میں قتل کرنا حرام ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط ﴾ (البقرة 2:191) ”اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑو، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کر ڈالو۔“ اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخُذُوْهُمْ ﴾ ”اور انھیں پکڑ لو۔“ اور اگر چاہو تو قتل کر دو یا چاہو تو قید کر لو۔ اور ارشاد الٰہی ہے:

① تفسیر الطبری:10/102,103.

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ

اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی

مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع

امن کی جگہ پہنچا دیں، اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے ⑥

﴿وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾ ''اور ان کو گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو۔'' یعنی صرف انھیں پکڑنے پر اکتفانہ کرو بلکہ ان کے ٹھکانوں اور قلعوں میں ان کا محاصرہ کرلو، راستوں پر ان کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جاؤ اور زمین کو اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کردو اور انھیں مجبور کردو کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا قتل ہونا پسند کرلیں، اسی لیے فرمایا: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

زکاۃ کی اہمیت: اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کے لیے اسی طرح کی آیات کریمہ سے استدلال کیا تھا کیونکہ ان لوگوں سے قتال اس شرط کے ساتھ ہی حرام تھا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس کے عائد کردہ واجبات کو ادا کریں۔ واجبات اسلام میں سے اعلیٰ کا ذکر کر کے دیگر واجبات کی طرف اشارہ کر دیا۔ شہادتین کے بعد ارکان اسلام میں سب سے اشرف و افضل رکن نماز ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے۔ اس کے بعد زکاۃ کا درجہ ہے جسے فقراء اور محتاج لوگوں کے فائدے کے لیے واجب قرار دیا گیا ہے۔ مخلوق سے متعلق افعال میں سے زکاۃ سب سے اشرف و افضل عمل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر نماز اور زکاۃ کا اکٹھا ہی ذکر کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ......] ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں......۔''[1]

یہ آیت کریمہ آیت سیف ہے اور اس کے بارے میں ضحاک بن مُزاحم نے کہا ہے کہ اس آیت نے ہر اس عہد کو ختم کر دیا جو نبی اکرم ﷺ اور کسی بھی مشرک کے مابین تھا، اس نے ہر عہد اور ہر مدت کو ختم کر دیا۔[2] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ سورۂ براءت کے نزول اور حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد کسی بھی مشرک کے ساتھ کوئی عہد اور ذمہ باقی نہیں رہا اور مشرکوں سے کیے ہوئے عہد کی مدت کے گزرنے کے حکم کا تعلق سورۂ براءت کے نزول

① صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ......﴾، حديث: 25 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله ......، حديث: 22. ② تفسير ابن أبي حاتم: 1752/6.

سے پہلے کے دور سے تھا اور جب سورۂ براءت نازل ہوئی تو صرف چار ماہ کے لیے مہلت دے دی گئی ،یعنی سورۂ براءت کے اس حکم کے مطابق اعلان کے دن سے لے کر ربیع الآخر کی دس تاریخ تک ۔ ①

تفسیر آیت :6

مشرک پناہ مانگے تو اسے پناہ دی جائے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ ''اور اگر کوئی ایک مشرکوں میں سے۔'' ان میں سے جن سے قتال کا میں نے آپ کو حکم دیا ہے اور جن کی جانوں اور مالوں کو آپ کے لیے مباح قرار دیا: ﴿ اسْتَجَارَكَ ﴾ ''آپ سے پناہ کا خواست گار ہو۔'' یعنی آپ سے امن طلب کرے تو اس کی درخواست کو قبول کر لیجیے حتی کہ وہ اللہ کے کلام قرآن مجید کو سن لے جسے آپ اسے پڑھ کر سنائیں اور دین کی کچھ باتوں کا اس کے سامنے ذکر کریں تا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے۔ ﴿ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ﴾ ''پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔'' یعنی وہ امن میں ہو اور اسے امان حاصل ہو حتی کہ وہ اپنے ملک ، اپنے گھر اور اپنے امن کی جگہ پہنچ جائے۔ ﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ⑥ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک وہ بے خبر لوگ ہیں۔'' یعنی ہم نے ان جیسے لوگوں کو امان اس لیے دی ہے تا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو جان لیں اور اللہ کی دعوت اس کے بندوں تک پہنچ جائے۔

ابن ابو نَجیح نے امام مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ فرمایا ہے کہ اگر ایک انسان آپ کے پاس آئے تا کہ آپ کی بات کو اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے ، اسے سنے تو وہ امن میں ہے حتی کہ وہ آپ کے پاس آ کر اللہ کے کلام کو سن لے ، پھر اپنے امن کی اس جگہ واپس چلا جائے جہاں سے وہ آیا تھا۔ ② یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس شخص کو امان دے دیتے تھے جو آپ کے پاس رہنمائی حاصل کرنے کے لیے یا کوئی پیغام لے کر آتا جیسا کہ حدیبیہ کے دن آپ کے پاس قریش کے قاصدوں کی ایک جماعت آئی تھی ، مثلاً : عروہ بن مسعود ، مِکرَز بن حفص اور سہیل بن عمرو وغیرہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے اس قضیے کے سلسلے میں آئے تھے جو آپ کے اور مشرکین کے مابین تھا۔ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی بے پناہ تعظیم بجالاتے ہیں تو وہ اس سے مبہوت رہ گئے کیونکہ انھوں نے اس طرح کی تعظیم نہ قیصر کی دیکھی تھی اور نہ دنیا کے کسی اور بڑے سے بڑے بادشاہ کی اور انھوں نے واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اس کے بارے میں بتایا تھا ③ اور یہی باتیں ان میں سے اکثر لوگوں کی ہدایت کا بڑا سبب ثابت ہوئیں۔

مُسَیلمہ کذاب کا قاصد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا: [أَتَشْهَدُ (أَنْتَ) أَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُولُ اللّٰهِ] ''کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔'' اس نے کہا: ہاں ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ عُنُقَكَ] ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تیری گردن

① تفسیر الطبری:78/10. ② تفسیر الطبری:103/10. ③ دیکھیے صحیح البخاری، الشروط، باب الشروط فی الجھاد والمصالحة……، حدیث:2732,2731 مطولاً.

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ

بھلا مشرکوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیونکر ہو سکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے قریب

الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝7

عہد لیا تھا، پھر (جب تک) وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں تو تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔ بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ۝7

اڑا دیتا۔'' [1] البتہ بعد میں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اس کی گردن اس وقت اڑائی گئی جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کے امیر تھے، اس شخص کا نام ابن نوّاحہ تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ شخص مسیلمہ کذاب کو رسول تسلیم کرتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ اس وقت تم قاصد نہیں ہو، لہٰذا تمھاری گردن اڑا دی جائے گی، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس ملعون کی گردن اڑا دی گئی۔ [2]

الغرض دارالحرب سے اگر کوئی کافر دارالاسلام میں پیغام پہنچانے، تجارت کرنے، صلح طلب کرنے، معاہدہ کرنے یا جزیہ وغیرہ ادا کرنے کے لیے آئے اور امام وقت یا ان کے نائب سے امان طلب کرے تو جب تک وہ دارالاسلام میں رہے گا، اسے امان دے دی جائے گی حتی کہ وہ اپنے وطن اور امن کی جگہ واپس چلا جائے۔

تفسیر آیت: 7

مشرکین سے بیزاری کی تاکید: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے بے زاری، چار ماہ کی مہلت اور جہاں بھی پائے جائیں شمشیر بُرّاں کے ساتھ انھیں تہ تیغ کر دینے کے حکم کی مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ﴾ ''بھلا مشرکوں کے لیے عہد کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے؟'' یعنی امان اور یہ کہ انھیں چھوڑ دیا جائے اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کر رہے ہیں، ﴿اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ۚ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے نزدیک عہد کیا ہے۔'' یعنی حدیبیہ کے دن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَالۡهَدۡىَ مَعۡكُوۡفًا اَنۡ يَّبۡلُغَ مَحِلَّهٗ‌ؕ﴾ (الفتح 25:48) ''یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجد حرام سے روک دیا اور جانوروں کو بھی کہ اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا۔'' ﴿فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ‌ؕ﴾ ''پھر اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی (اپنے قول قرار پر) قائم رہو۔'' یعنی جب تک وہ تم سے جنگ نہ کرنے کے عہد و پیمان پر دس برس تک قائم رہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝7﴾ ''بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ اور انھوں نے اہل مکہ کے

---

[1] اس حدیث کا ابتدائی حصہ المعجم الكبير للطبراني:195/9، حدیث:8959 اور آخری حصہ سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرسل، حديث:2762,2761 کے مطابق ہے۔ والسيرة النبوية لابن هشام، كتاب مسيلمة إلى رسول الله والجواب عنه:247/4 جبکہ بعض روایات میں [عُنُقَكَ] کے بجائے [أَعْنَاقَكُمَا] ''تم دونوں کی گردنیں (اڑا دیتا۔)'' کے الفاظ ہیں اور قوسین والا لفظ بھی المعجم الكبير للطبراني میں ہے۔ [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرسل، حديث:2762.

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ

کس طرح (مشرکوں سے عہد رہ سکتا ہے؟) جبکہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو وہ تمھارے معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کریں گے

بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ⑧

نہ کسی عہد کا۔ وہ اپنے مونہوں (زبانوں) سے تمھیں خوش کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ⑧

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا

انھوں نے اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت میں بیچا، پھر (لوگوں کو) اس کے راستے سے روکا، بے شک برا ہے جو وہ کرتے

يَعْمَلُوْنَ ⑨ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩

ہیں ⑨ وہ کسی مومن کے معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ کسی عہد کا ،اور وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں ⑩

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ

پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔ اور ہم (اپنی) نشانیاں ان لوگوں

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪

کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ⑪

ساتھ 6 ہجری میں جو عہد و پیمان کیا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ نے نبھایا یہاں تک کہ قریش نے اسے توڑا اور اپنے حلیف بنو بکر سے رسول اللہ ﷺ کے حلیف خزاعہ پر حملہ کر دیا بلکہ حرم میں انھیں قتل بھی کیا تو اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے رمضان 8 ہجری میں ان سے لڑائی کی اور اس کے نتیجے میں اللہ نے مکہ فتح کرا دیا اور کافروں پر اپنے رسول اور مسلمانوں کو غلبہ و تسلط عطا فرما دیا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

رسول اللہ ﷺ نے غلبہ و تسلط حاصل کرنے کے بعد ان میں سے مسلمان ہونے والوں کو آزاد کر دیا اور یہ طُلَقاء کے نام سے موسوم ہوئے اور یہ دو ہزار کے قریب تھے۔ اور ان میں سے جو اپنے کفر پر برقرار رہا یا فرار ہو گیا تو انھیں چار ماہ تک کی مہلت دے دی گئی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ انھی میں سے صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابو جہل وغیرہ بھی تھے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی کے لیے ہیں، اس کے تمام افعال ہی قابل ستائش ہیں۔

تفسیر آیت: 8

کافروں سے دشمنی: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مشرکوں کی دشمنی اور ان سے بیزاری کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان سے عہد پورا کیا جائے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اگر انھیں مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ انھیں ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور کسی رشتے اور تعلق کا پاس نہ کریں۔ علی بن ابو طلحہ، عکرمہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِلًّا ﴾ کے معنی قرابت اور

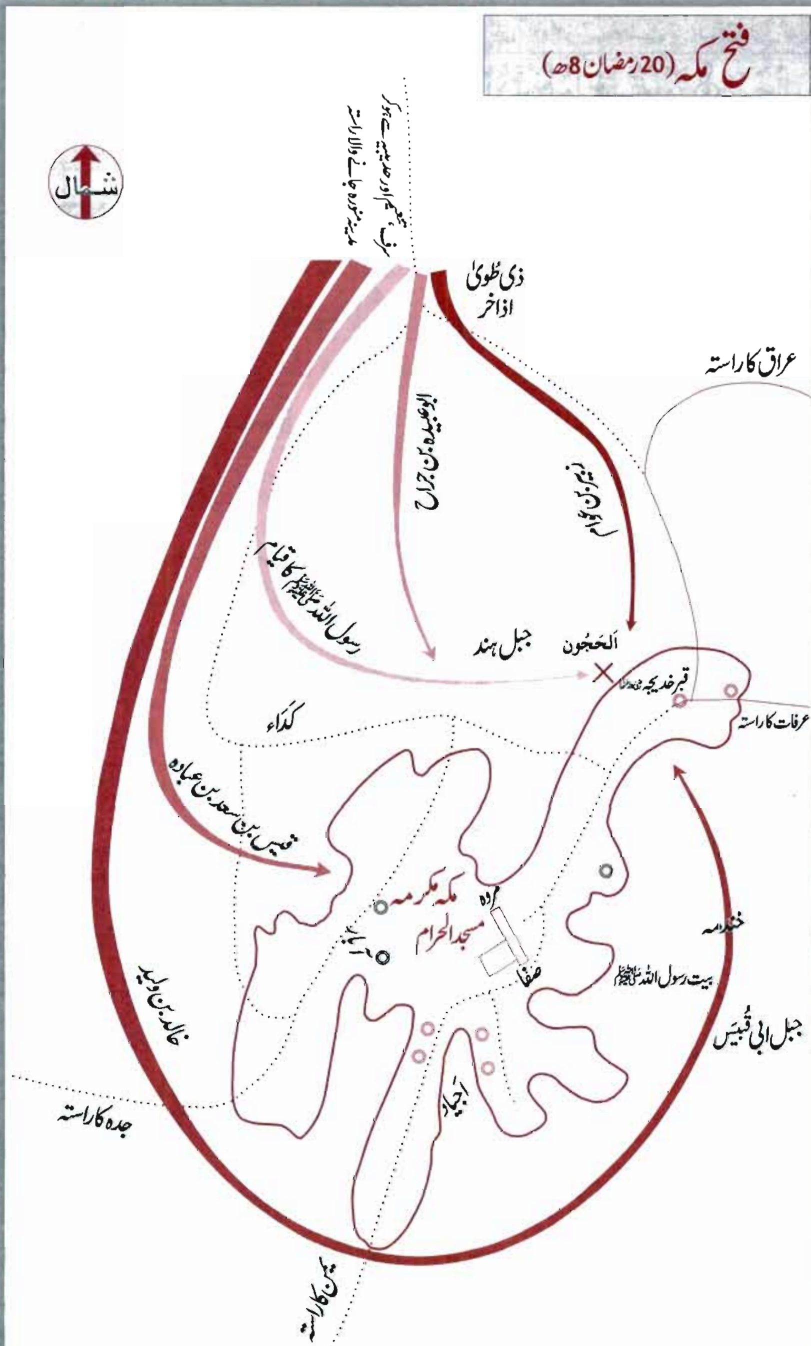
فتح مکہ (20 رمضان 8ھ)
شمال
ذی طوی
اذاخر
عراق کا راستہ
ابوعبیدہ بن جراح
زبیر بن العوام
رسول اللہ ﷺ کا قیام
جبل ہند
الحجون
قبر خدیجہ
عرفات کا راستہ
کداء
قیس بن سعد بن عبادہ
مکہ مکرمہ
مسجد الحرام
مروہ
صفا
خندمہ
بیت رسول اللہ ﷺ
جبل ابی قبیس
خالد بن ولید
جدہ کا راستہ
اجیاد
یمن کا راستہ

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمھارے دین میں طعن کریں تو کفر کے (ان) سرداروں سے جنگ کرو، بے شک

الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫

ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، شاید کہ وہ باز آئیں ⑫

﴿ذِمَّةً﴾ کے معنی عہد کے ہیں۔[1] ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[2]

تفسیر آیات:9-11

مشرکین کی بداعمالیاں: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مذمت اور مومنوں کو ان کے خلاف جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''انھوں نے اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت میں بیچا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کی اتباع کے عوض انھوں نے ذلیل دنیا کے امور میں مشغولیت اختیار کر لی ہے۔ ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ ''پھر انھوں نے (لوگوں کو) اس (اللہ) کے رستے سے روکا۔'' یعنی مومنوں کو اتباع حق سے روکا۔ ﴿اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ ''کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں برے ہیں۔ یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتے داری کا پاس کرتے ہیں نہ کسی عہد کا۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے،[3] اسی طرح اس کے بعد والی آیت: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ کی تفسیر بھی قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[4]

تفسیر آیت:12

کفر کے سرداروں کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ مشرک جن سے تم نے ایک معین مدت کے لیے عہد و پیمان کیا ہے، توڑ دیں ﴿اَيْمَانَهُمْ﴾ یعنی اپنے عہدوں اور پیمانوں کو ﴿وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ ''اور تمھارے دین میں طعن کرنے لگیں۔'' یعنی دین پر عیب لگائیں اور اس کی تنقیص کریں۔ اسی آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرے یا دینِ اسلام پر طعن کرے یا اس کی تنقیص کرے تو اسے قتل کیا جائے گا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝﴾ ''تو ان کفر کے سرداروں سے جنگ کرو بے شک ان کا کوئی عہد و پیمان نہیں، شاید کہ وہ (اپنی حرکات سے) باز آ جائیں۔'' یعنی اپنے کفر، عناد اور گمراہی سے باز آ جائیں۔ امام قتادہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ائمۂ کفر سے ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے کافر مراد ہیں، انھوں نے یہاں اس طرح کے اور بھی کئی کافروں کے نام لیے ہیں۔[5] اعمش نے زید بن وہب سے اور انھوں نے حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے اہل سے اس کے بعد لڑائی نہیں کی گئی۔[6] حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[7] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگرچہ اس آیت کے نزول کا سبب مشرکین قریش ہیں مگر یہ آیت ان کے لیے اور دیگر مشرکین کے لیے

[1] تفسیر الطبری :109,108/10. [2] تفسیر الطبری :109/10. [3] دیکھیے التوبۃ، آیت: 8 کے ذیل میں۔ [4] دیکھیے التوبۃ، آیت: 5 کے ذیل میں۔ [5] تفسیر الطبری :114/10. [6] تفسیر الطبری :114/10. [7] الدر المنثور :388/3.

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ

کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو (مکہ سے) نکالنے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ہی پہلے پہل تم

اَوَّلَ مَرَّةٍ ط اَتَخْشَوْنَهُمْ ج فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ قَاتِلُوْهُمْ

سے لڑائی شروع کی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو ⑬ ان سے (خوب) لڑائی

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭

کرو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ط وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮

(ٹھنڈک) بخشے گا ⑭ اور وہ ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرماتا ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ⑮

عام ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ولید بن مسلم نے کہا کہ ہم سے صفوان بن عمرو نے عبدالرحمٰن بن جُبَیر بن نُفَیر سے روایت کیا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان لوگوں میں شامل تھے جنھیں شام کی طرف روانہ کیا گیا تھا اور ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ تم ایسے لوگوں سے ملو گے جن کے سر درمیان سے مونڈے ہوئے ہوں گے تو ان کی شیطانی گرہوں پر تلواریں مارو، اللہ کی قسم! مجھے ان میں سے ایک کو قتل کرنا دوسرے ستر کافروں کے قتل کرنے سے زیادہ پسند ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ ''تو کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔''[1]

تفسیر آیات: 13-15

کافروں سے لڑائی کی ترغیب اور اس کے فوائد: یہ بھی ان مشرکوں کے خلاف قتال کی ترغیب ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے جلاوطن کر دینے کا ارادہ کر کے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ط وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 8:30) ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کیجیے) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا جان سے مار دیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ تدبیر کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ط ﴾ (الممتحنة 60:1) ''وہ رسول کو اور تمھیں بھی جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا ...... ﴾ الآية (بنیٓ إسرآء يل 17:76) ''اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تاکہ آپ کو وہاں سے جلاوطن کر دیں......'' ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط ﴾ ''اور پہلے پہل انھوں ہی نے تم سے (عہد شکنی کی) ابتدا کی۔'' کہا گیا

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1761/6.

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمھیں (یونہی) چھوڑ دیا جائے گا؟ جبکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنھوں نے جہاد کیا

دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ ع 2/10/8

اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ ان کی خوب خبر رکھتا ہے ⑯

ہے کہ اس سے بدر کے دن کی عہد شکنی مراد ہے جب یہ لوگ اپنے قافلے کی مدد کے لیے نکلے تھے لیکن اس بات کے معلوم ہونے کے باوجود کہ ان کا قافلہ بچ نکلا ہے، پھر بھی یہ لڑنے مرنے کی غرض سے ازراہِ غرور وتکبر آگے ہی بڑھتے چلے گئے جیسا کہ قبل ازیں تفصیل کے ساتھ یہ بیان کیا جا چکا ہے۔[1] اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی اس عہد شکنی سے مراد ان کا اپنے حلیف بنوبکر کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے حلیف خُزاعہ کے خلاف جنگ کرنا ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال ان کے مقابلے کے لیے تشریف لے آئے۔ اور اس واقعے کی تفصیلات آپ کو معلوم ہی ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ ﴾ ''کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو، میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ میرے بندے میری سطوت اور میرے عذاب سے ڈریں، میرے ہی ہاتھ میں تمام امور ہیں، وہی ہوتا ہے جو میں چاہوں اور جو میں نہ چاہوں، وہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچاؤ: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جہاد کا حکم دیتے ہوئے اور جہاد کی حکمت ومصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، حالانکہ اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے حکم کے ساتھ اپنے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالے: ﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ ﴾ ''ان سے (خوب) لڑو اللہ ان کو تمھارے ہاتھوں عذاب دے گا اور رسوا کرے گا اور تمھاری ان کے خلاف مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا (ٹھنڈک) بخشے گا'' یہ آیت کریمہ تمام مومنوں کے حق میں عام ہے لیکن مجاہد، عکرمہ اور سدی کا قول ہے کہ یہ آیت بنوخزاعہ کے بارے میں ہے۔ اور ﴿ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ﴾ ''اور ان کے دلوں سے غصہ لے جائے گا۔'' میں بھی ھِم ضمیر کا مرجع یہی (خُذاعہ کے) لوگ ہیں۔[2]

﴿ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ''اور جس پر اللہ چاہے مہربانی فرماتا ہے۔'' یعنی اپنے بندوں میں سے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ سب کچھ جانتا ہے'' کہ اس کے بندوں کے لیے کیا بہتر ہے۔ ﴿ حَكِيْمٌ ⑮ ﴾ ''(اور) حکمت والا ہے۔'' وہ اپنے کونی اور شرعی تمام افعال واقوال میں حکمت والا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرماتا ہے، فیصلہ کرتا ہے، وہ عادل وحاکم ہے، کبھی بھی ظلم نہیں فرماتا، اور اس کے پاس خیر وشر کا کوئی ذرہ بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ وہ اس کے مطابق دنیا وآخرت میں جزا وسزا دیتا ہے۔

[1] دیکھیے الأنفال، آیت: 47 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 118,117/10.

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ

مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ انھی لوگوں

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

کے (سب) اعمال برباد ہو گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ⑰ اللہ کی مسجدیں تو صرف وہ آباد کرتا ہے جو اللہ اور

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ قف

یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکاۃ دی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرا، لہٰذا امید ہے کہ یہی لوگ

فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱

ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے ⑱

تفسیر آیت:16

مسلمانوں کی آزمائش مقصود ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا ﴾ ''کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ (بلا آزمائش) چھوڑ دیے جاؤ گے۔'' اے مومنو! کیا ہم تمھیں یوں ہی چھوڑ دیں گے اور ایسے امور کے ساتھ تمھاری آزمائش نہیں کریں گے جن سے ظاہر ہو جائے گا کہ عزم صادق والے کون ہیں اور جھوٹے کون۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ ﴾ ''اور ابھی تو اللہ نے (ایسے) لوگوں کو جانا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔'' بلکہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر اللہ اور اس کے رسول کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ اور اس نے یہاں دو قسموں میں سے ایک ہی کے ذکر پر اکتفا کیا۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ الٓمّٓ ۚ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ ﴾ (العنکبوت29:1-3) ''الٓمّٓ۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ اور البتہ تحقیق جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے)، چنانچہ اللہ ضرور معلوم کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی ضرور معلوم کرے گا جو جھوٹے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○ ﴾ (آل عمرٰن3:142) ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بلا آزمائش) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو (اچھی طرح) معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ صبر کرنے والوں کو معلوم کرے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ ﴾ (آل عمرٰن3:179) ''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہیں رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کر دے۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں کو جہاد کا حکم دیا تو اس نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ جہاد میں فلسفہ وحکمت یہ ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کر کے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ان میں سے فرمانبردار کون ہیں اور نافرمان کون، حالانکہ اب تک جو ہوا اور آئندہ جو ہوگا، وہ سب کچھ جانتا ہے اور جو کچھ نہیں ہوا اس کے بارے میں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر یہ ہوتا تو کس طرح ہوتا وہ ہر ہر چیز کے بارے میں اس کے ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے اور جب وہ ہو جائے تو یہ بھی جانتا ہے کہ اب وہ کس حال میں ہے، وہ معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں اور وہ جو فیصلہ فرمادے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

تفسیر آیات: 18,17

مشرک اللہ کی مسجدوں کو آباد نہیں کر سکتے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والوں کو یہ بات زیبا نہیں کہ اس کی مسجدوں کو آباد کریں کیونکہ یہ مسجدیں تو اسی وحدہ لاشریک کے پاک نام پر بنائی گئی ہیں۔ اور جس نے یہاں [مَسْجِدَ اللّٰهِ] پڑھا ہے تو اس نے اس سے مسجد حرام مراد لی ہے جو تمام مسجدوں سے اشرف وافضل ہے اور جو پہلے دن ہی سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے اور جس کے بانی خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بہر حال مشرکوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ سدی نے کہا ہے کہ اگر آپ کسی نصرانی سے پوچھیں کہ تمھارا دین کیا ہے۔ تو وہ کہے گا کہ میں نصرانی ہوں، کسی یہودی سے یہ سوال پوچھیں تو وہ کہے گا کہ میں یہودی ہوں اگر کسی صابی سے پوچھیں تو وہ کہے گا کہ میں صابی ہوں اور اگر کسی مشرک سے پوچھیں تو وہ جواب دے گا کہ میں مشرک ہوں۔[1] ﴿اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ﴾ ''ان لوگوں کے (سب) اعمال ضائع ہیں۔'' ان کے شرک کی وجہ سے ﴿وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷﴾ ''اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الأنفال 34:8) ''اور (اب) ان کے لیے کون سی وجہ ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ لوگوں کو مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف پرہیزگار ہی ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

اہل ایمان مسجدیں آباد کرتے ہیں: اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو آباد کرنے والوں کے ایمان کی گواہی دی ہے۔ جیسا کہ امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ، فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ] ''جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد آنا اس کی عادت ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو۔'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت

[1] تفسير الطبرى : 120/10.

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس شخص کے (اعمال کے) مانند قرار دے رکھا ہے جو اللہ اور یوم

الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الظّٰلِمِيْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

وقف لازم

نہیں دیا کرتا ⑲ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا،

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

اللہ کے ہاں درجے میں (وہ) سب سے بڑھ کر ہیں اور وہی مراد پانے والے ہیں⑳ ان کا رب انھیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی ㉑ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ㉒

ابد تک۔ بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے ㉒

پر ایمان لاتے ہیں۔''① نیز اسے امام ترمذی، ابن مردویہ نے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔②

امام عبدالرزاق نے عمرو بن میمون اَودِی سے روایت کیا ہے کہ ہمیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خبر دی کہ مسجدیں زمین میں اللہ کے گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی عزت کرے جو اس کے گھر میں اس کی زیارت کے لیے آئے۔③ اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ ﴾ ''اور نماز قائم کرتے ہیں۔'' جو سب سے بڑی بدنی عبادت ہے۔ ﴿ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' جو مخلوق کے ساتھ نیکی و بھلائی کے اعتبار سے ایک افضل عمل ہے۔ اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔'' یعنی صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے ﴿ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱ ﴾ ''لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ کو وحدہ لاشریک مانے، آخرت کے دن کے ساتھ اور جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اس کے ساتھ ایمان لائے اور نماز پنجگانہ ادا کرے اور اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے: ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 79:17) ''قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔'' یعنی عنقریب آپ کا رب

① مسند أحمد:68/3. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث:3093 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة التوبة:332/2، حديث:3280، البتہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ③ تفسير عبدالرزاق:443/2، رقم: 2049 وشعب الإيمان للبيهقي، باب في الصلوات، فصل المشي إلى المساجد:82/3، حديث:2943.

آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور وہ شفاعت ہے۔ ﴿ عَسٰی ﴾ اگرچہ ایسا فعل ہے جو امید کا فائدہ دیتا ہے مگر قرآن مجید میں یہ ہر جگہ یقین ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ①

تفسیر آیات: 19-22

حاجیوں کو پانی پلانا اور خانہ کعبہ کو آباد کرنا ایمان و جہاد کے برابر نہیں: عوفی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ بیت اللہ کو آباد کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا ایمان و جہاد سے بہتر ہے اور وہ حرم پر فخر کرتے اور اس وجہ سے وہ تکبر کرتے تھے کہ وہ حرم کے باشندے اور اسے آباد رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تکبر اور حق سے روگردانی کا ذکر کرتے ہوئے اہل حرم کے مشرکین کو فرمایا ہے: ﴿ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:66,67) ''یقیناً میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھر جاتے تھے۔ ان سے سرکشی کرتے، کہانیوں میں مشغول ہوتے اور تم بے ہودہ گوئی کرتے تھے۔'' یعنی اہل حرم میں سے ہونے کی وجہ سے تکبر کرتے، کہانیوں میں مشغول ہو جاتے اور قرآن اور نبی ٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نبی ٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کو مشرکوں کے خانہ کعبہ کو آباد رکھنے اور حاجیوں کو پانی پلانے سے بہتر قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ شرک کی وجہ سے بیت اللہ کی آبادی و خدمت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہ ہوگی، چنانچہ فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' یعنی جو لوگ بزعم خود اپنے آپ کو بیت اللہ کو آباد کرنے والے سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے شرک کی وجہ سے ان کا نام ظالم رکھا ہے تو اللہ کے گھر کی آبادی و خدمت بھی ان کے کچھ کام نہ آئی کیونکہ وہ شرک کرتے تھے۔ ②

آیت کی شان نزول: علی بن ابوطلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ عباس بن عبدالمطلب کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب انھیں بدر کے دن قیدی بنالیا گیا تھا اور انھوں نے کہا تھا کہ اگر تم ہم سے اسلام، ہجرت اور جہاد میں سبقت لے گئے ہو تو کیا ہوا، ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد رکھتے، حاجیوں کو پانی پلاتے اور فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑاتے رہے ہیں۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل کیا اور فرمایا کہ تمھارے یہ تمام اعمال حالت شرک میں تھے اور شرک کے ساتھ میں کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ ③ اور ضحاک بن مزاحم نے اس طرح روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے عباس اور ان کے رفقاء کو اس وقت شرک کرنے کی وجہ سے طعنہ دیا جب وہ بدر کے دن قیدی بنا لیے گئے تھے تو عباس نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم! ہم بھی مسجد محترم کو آباد کرتے، فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑاتے، بیت اللہ کی دربانی کرتے

① تفسیر الطبری: 121/10. ② تفسیر الطبری: 123/10. ③ تفسیر الطبری: 123,122/10.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمھارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو پسند کریں تو تم (ہرگز) انھیں دوست

الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ

نہ بناؤ۔ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائیں گے، تو وہی لوگ ظالم ہیں ﴿23﴾ (اے نبی!) کہہ دیں: اگر تمھارے

وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ

مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد

ع 3 8 9 سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿24﴾ ع

سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿24﴾

اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔ ①

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث بھی وارد ہے، لہٰذا اسے یہاں بیان کرنا ضروری ہے، امام عبدالرزاق نے اس حدیث کو بروایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ بھی کروں تو مجھے کوئی پروا نہیں لیکن میں حاجیوں کو پانی ضرور پلاؤں گا۔ دوسرے نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں بھی اگر کوئی عمل نہ کروں تو مجھے بھی کوئی پروا نہیں لیکن میں مسجد محترم کے آباد کرنے میں ضرور حصہ لوں گا۔ یہ سن کر ایک اور شخص کہنے لگا کہ تم نے جو کچھ کہا اس سے تو جہاد فی سبیل اللہ افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ یہ جمعے کا دن تھا، نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، (اور ہم نے اس کے بارے میں آپ سے دریافت کیا) تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ تا ﴿لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾. ②

تفسیر آیات: 24,23

مشرکوں کی دوستی ترک کر دینے کا حکم اگرچہ قریبی ہی ہوں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حکم دیا ہے کہ کفار سے علیحدگی اختیار کر لی جائے، خواہ وہ تمھارے باپ یا بیٹے ہی کیوں نہ ہوں اور اگر وہ ایمان کے بجائے کفر ہی کو پسند کرتے ہوں تو

① تفسیر الطبری:125,124/10. ② تفسیر عبدالرزاق:138/2، رقم:1060 وصحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة فی سبیل اللّٰه تعالٰی، حدیث: 1879 وتفسیر الطبری:123/10 واللفظ له. ملحوظ: صحیح مسلم میں [إِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ] کے بجائے [وَلٰكِنْ إِذَا صَلَّيْتُ الْجُمُعَةَ دَخَلْتُ فَاسْتَفْتَيْتُهُ فِيمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ] ”اور لیکن میں جمعے سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر پوچھوں گا جس میں تم نے اختلاف کیا ہے۔“ کے الفاظ ہیں۔

پھران سے دوستی ممنوع ہے اور ایسا کرنے پر دھمکی دی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ...... ﴾ الآیة (المجادلة 22:58) ''(اے نبی!) جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا......۔''

حافظ بیہقی نے عبداللہ بن شَوْذَب کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جَرَّاح رضی اللہ عنہ کا والد، بدر کے دن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف نیزہ سیدھا کر رہا تھا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اعراض کر رہے تھے جب جراح باز نہ آیا تو اس کے بیٹے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ...... ﴾ الآیة (المجادلة 22:58). [1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو وعید سنا دیں جو اپنے اہل وعیال اور اعزہ واقارب کو اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں، پس فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ࣙاقْتَرَفْتُمُوْهَا...... ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو......۔'' یعنی جو تم نے کمایا اور حاصل کیا ہے، ﴿ وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ ﴾ ''اور تجارت جس کے مندہ پڑنے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو۔'' یعنی تم ان کی عمدگی اور خوبصورتی کی بنا پر محبت کرتے ہو، اگر یہ تمام چیزیں ﴿ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو۔'' یعنی ﴿ حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۲۴ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

محبتِ رسول ﷺ کا معیار: امام احمد نے زُہرہ بن مَعْبَد سے اور انھوں نے اپنے دادا (عبداللہ بن ہشام) سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ اس وقت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو تھامے ہوئے تھے، انھوں نے عرض کی: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا یُؤْمِنُ

[1] السنن الکبرٰی للبیهقي، السیر، باب المسلم یتوقی فی الحرب قتل أبیه......:27/9 تفسیر ابن کثیر میں یَنْعَتُ الْاٰلِهَةَ ہے لیکن سنن بیہقی اور مستدرک حاکم میں یہ الفاظ اس طرح ہیں: یَنْصِبُ الْاَلَّ دیکھیے المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، ذکر مناقب أبي عبیدة بن الجراح رضی اللہ عنہ:265/3، حدیث:5152. اور ہم نے معنی بھی اسی کے مطابق کیے ہیں۔ ہاں، البتہ سنن بیہقی کے ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان سے مطبوعہ نسخے میں ینصب الآلهة ہے جبکہ یہ روایت ضعیف ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں

تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿25﴾ ثُمَّ

ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے ﴿25﴾ پھر اللہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ

نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور جن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ

لوگوں نے کفر کیا انھیں عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے ﴿26﴾ پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا مہربانی فرمائے گا

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿27﴾

اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿27﴾

أَحَدُكُم حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَّفْسِهٖ] ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْآنَ يَا عُمَرُ!] ''اے عمر! اب (مومن ہو۔)''[1] اسے شیخین میں سے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔[2]

ترکِ جہاد کے نقصانات: امام احمد اور ابوداود نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور یہ الفاظ ابوداود کی روایت کے مطابق ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُم بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَّا يَنْزِعُهٗ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ][3] ''جب تم بیع عینہ کرنے لگو اور گائیوں کی دموں کو پکڑ لو اور کھیتی ہی پر رضا مند ہو جاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اسے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ پلٹ آؤ گے۔''[4]

تفسیر آیات:25-27

① مسند أحمد:336/4. ② صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ؟ حديث:6632.
③ القاموس المحيط، مادة: العين میں ہے کہ بیع عینہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی مدت مقررہ کے ادھار پر اپنا سودا کسی کو ایک متعین قیمت میں بیچے، پھر وہ اسی سے اس سے کم قیمت میں خود ہی (نقد) خرید لے۔ رافعی نے بیع عینہ کی صورت یہ بیان کی ہے کہ کسی کو اپنا سودا ایک مقرر قیمت میں ادھار بیچے اور وہ سودا خریدار کے سپرد بھی کر دے اور اس سے قیمت وصول کرنے سے قبل خود ہی کم قیمت نقد ادا کر کے اسے خرید لے۔ امام مالک، ابوحنیفہ اور امام احمد بیع عینہ کے عدم جواز کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اسے جائز قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: نيل الأوطار، البيوع، باب ماجاء في بيع العينة:234,233/5 (مترجم). ④ مسند أحمد:42/2 وسنن أبي داود، البيوع، باب في النهي عن العينة، حديث:3462.

فتح کا انحصار غیبی نصرت پر ہے: ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ سورۂ براءت کی نازل ہونے والی پہلی آیت ہے۔[1] اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنے اس فضل واحسان کا ذکر فرمایا ہے جس سے اس نے ۔۔۔ سے مقامات پر انھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اپنی نصرت وحمایت کی صورت میں نوازا۔ اور یہ بھی ۔۔۔ ۔ فتح ونصرت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی تائید وحمایت سے ہے، فوجوں کی تعداد کی کثرت اور ساز وسامان حرب کی فرا ۔۔۔ یں اگر اللہ تعالیٰ کی تائید وحمایت شامل حال ہو تو پھر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ فوج کی تعداد کم ہے یا زیادہ۔ حنـ ۔۔۔ دن مسلمان اپنی تعداد کی کثرت پر نازاں تھے مگر تعداد کی یہ کثرت ان کے کچھ کام نہ آئی حتی کہ ان چند صحابہ کے سوا جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، باقی سب پیٹھ پھیر کر پھر گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور ان مومنوں کو جو آپ کے ساتھ تھے، اپنی تائید و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔ جیسا کہ ہم عنقریب تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ تاکہ انھیں یہ بات معلوم کرا دے کہ فتح ونصرت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، خواہ تعداد کم ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ249:2) ''بسا اوقات تھوڑی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

غزوۂ حنین: واقعۂ حنین فتح مکہ کے بعد شوال 8 ہجری میں پیش آیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہو گئے، تمام امور بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے، مکہ کے اکثر باشندے مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں آزاد فرما دیا تو آپ کو یہ خبر پہنچی کہ خاندان ہوازن کے لوگ آپ سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں، ان کا امیر مالک بن عوف نصری[2] ہے، اس کے ساتھ سارا خاندان ثقیف، بنوجُشم اور بنوسعد بن بکر بھی ہیں، نیز بنو ہلال کے مختلف لوگ اور وہ تھوڑے تھے، بنوعمرو بن عامر اور عوف بن عامر کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ ہیں اور یہ لوگ اپنی عورتوں، بچوں، بھیڑ بکریوں، اونٹوں اور تمام چھوٹوں بڑوں کو ساتھ لے کر نکلے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے کے لیے اپنے اسی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جو آپ کے ساتھ فتح مکہ کے لیے آیا تھا اور وہ مہاجرین وانصار اور قبائل عرب کے دس ہزار لوگوں پر مشتمل تھا، نیز اس میں اہل مکہ میں سے مسلمان ہونے والے وہ دو ہزار افراد بھی تھے جنھیں طُلَقاء کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، آپ اپنے اس لشکر کے ہمراہ ان لوگوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور دونوں لشکروں کا مقابلہ مکہ وطائف کے درمیان ایک وادی میں ہوا جس کا نام حنین تھا۔ واقعہ صبح کے اندھیرے، یعنی دن کے ابتدائی حصے میں پیش آیا تھا، مسلمان جب اس وادی میں اترے تو اس میں بنوہوازِن چھپے ہوئے تھے، مسلمانوں کو ان کی موجودگی کا اس وقت علم ہوا جب انھوں نے اچانک حملہ کرتے ہوئے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور بے نیام تلواروں کے ساتھ ہلہ بول دیا اور اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق سب نے مل کر یک بارگی حملہ کیا گویا ایک ہی شخص کا حملہ ہو۔ اس اچانک

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1772/6 والدر المنثور: 404/3. [2] تفسیر ابن کثیر میں ''نضری'' ہے لیکن تمام مراجع میں ''نصری'' ہے۔

غزوۂ حنین (شوال 8ھ/فروری 630ء)

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا﴾

''اور حنین کے دن (بھی) جب کہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو تمھاری کثرت نے پس نہ کام آئی، وہ تمھارے کچھ بھی۔'' (التوبة 25:9)

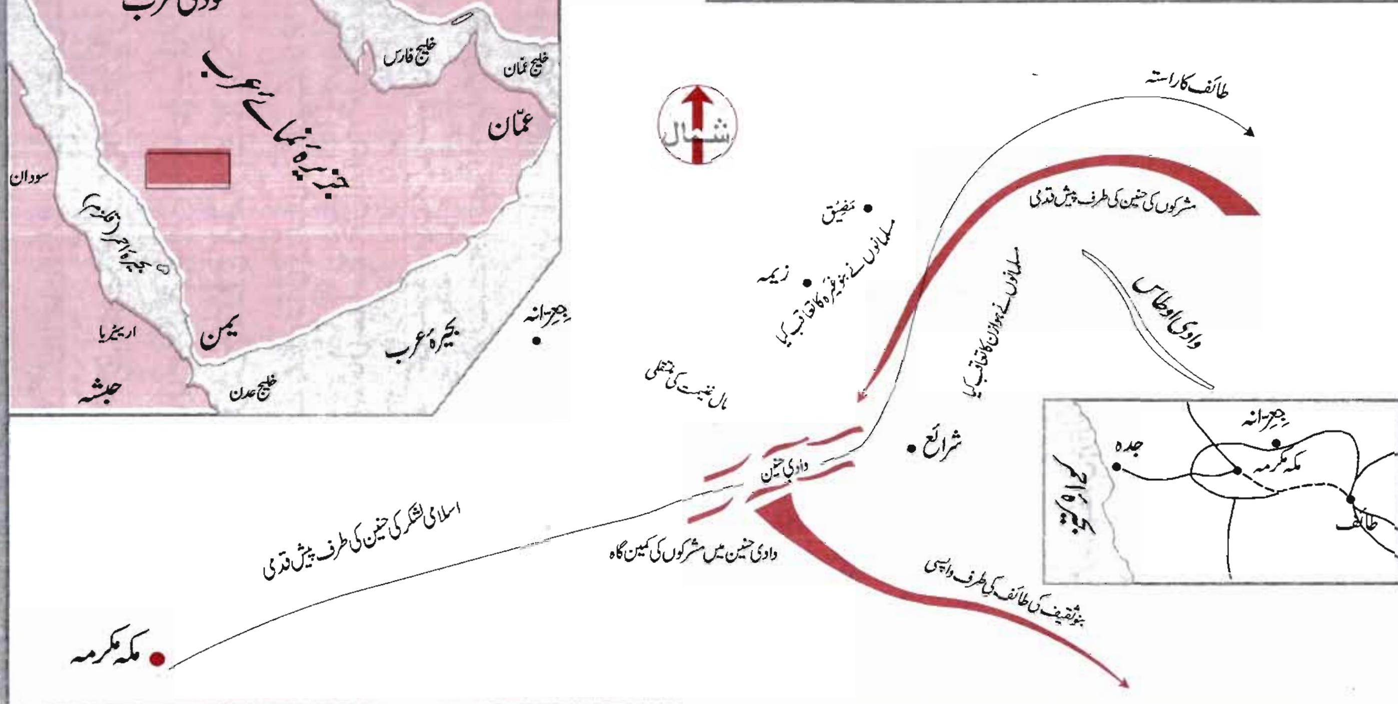

پیش آنے والی صورت حال سے گھبرا کر مسلمان پیٹھ پھیر کر پیچھے کی طرف مڑ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

مگر رسول اللہ ﷺ پیکر شجاعت وبسالت بن کر میدان میں ڈٹے رہے، آپ اس وقت اپنے خچر شُہباء پر جلوہ افروز تھے اور دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے اسے آگے بڑھا رہے تھے، آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اس کی دائیں رکاب اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اس کی بائیں رکاب کو تھامے ہوئے تھے اور اس پر بوجھ ڈال رہے تھے تاکہ آپ کی سواری زیادہ تیز نہ چلے مگر نبیٔ اکرم ﷺ اپنے نام کے ساتھ بلند آواز سے اعلان کرکے مسلمانوں کو لوٹ آنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمار ہے تھے: [إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ، [1] إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ] ''اے بندگانِ الٰہی! میرے پاس آؤ، میرے پاس آؤ میں رسول اللہ تم سے مخاطب ہوں۔'' اس حال میں آپ یہ بھی فرمار ہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں (اور) میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اس سنگین صورتحال میں اسی (80) یا سو (100) کے قریب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ ثابت قدم رہے، ان میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عباس، حضرت علی، فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث، ایمن بن ام ایمن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں، پھر آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جن کی آواز بہت بلند تھی، حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کریں کہ اے اصحابِ شجرہ! یعنی مہاجرین وانصار میں سے وہ مسلمان جنھوں نے درخت کے نیچے اس بات پر بیعتِ رضوان کی تھی کہ وہ آپ کو چھوڑ کر میدان سے نہ بھاگیں گے۔ اے ببول (کیکر) کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! اور کبھی وہ اس طرح اعلان کرتے: اے اصحابِ سورۂ بقرہ! شمع رسالت کے جاں نثار پروانوں نے یہ اعلان سنا تو وہ سب يَا لَبَّيْكَ، يَا لَبَّيْكَ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر جمع ہو گئے۔

اور چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ تیروں کی بوچھاڑ کے باعث اگر کسی صحابی کا اونٹ واپس آنے پر تیار نہ ہوتا تو وہ اونٹ سے نیچے اتر آتا اور اپنی زرہ پہن کر پیدل ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑتا۔ اس طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک چھوٹی سی جماعت جب آپ کے پاس جمع ہو گئی تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ ایک زبردست اور تابڑ توڑ حملہ کر دو، آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت کی دعا کی: [اَللّٰهُمَّ أَنْجِزْلِي مَا وَعَدْتَنِي] ''اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا فرما دے۔'' پھر آپ نے مٹی کی یہ مٹھی دشمن کی طرف پھینک دی جس سے دشمن کے ہر ہر فرد کی آنکھ اور اس کے منہ میں خاک پڑ گئی جس کی وجہ سے وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور وہ شکست کھا کر بھاگ گئے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا اور ان قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ

---

[1] غزوۂ حنین کے ضمن میں یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے، البتہ اس کے قریب تر الفاظ الكامل في التاريخ لابن الأثير: 136/2 میں یوں ہیں: [أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ] ''اے لوگو! میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں، میں عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں۔''

کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ①

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا: (اے ابوعمارہ!) کیا تم حنین کے دن رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: لیکن رسول اللہ ﷺ تو میدان کارزار میں ثابت قدم رہے تھے۔ بات یہ ہے کہ ہوازن کے لوگ تیر اندازی کے ماہر تھے جب ہم ان سے نبرد آزما ہوئے، ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے اور لوگوں نے غنیمتوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تو ہوازن نے ہم پر تیر برسانے شروع کر دیے جس کی وجہ سے مسلمان بھاگ اٹھے لیکن رسول اللہ ﷺ اس وقت تیروں کی بوچھاڑ میں بھی پیکر شجاعت و بسالت بنے میدانِ کارزار میں ڈٹے رہے۔ ابوسفیان بن حارث نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر کی لگام کو پکڑا ہوا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں اللہ کا (سچا) نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' ②

یہ واقعہ نبیٔ اکرم ﷺ کی حد درجہ شجاعت اور بے پناہ بہادری کی دلیل ہے کہ اس حالت میں جب دشمن نے زبردست حملہ کر رکھا تھا، لشکر اسلام تتر بتر ہو گیا تھا، آپ خچر پر سوار تھے جو تیز رفتار نہ تھا کہ بھاگنے دوڑنے میں زیادہ کام آئے اور نہ اس پر سواری کی حالت میں کوئی حملہ ہی کیا جا سکتا تھا مگر اس نازک صورتحال اور تیروں کی بوچھاڑ میں بھی آپ خچر کو ایڑ لگائے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور آپ اپنے اسم گرامی کے ساتھ بلند آواز سے اعلان فرما رہے تھے تاکہ وہ شخص بھی آپ کو پہچان لے جو (پہلے سے) نہیں جانتا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ.

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر مکمل اعتماد اور توکل کا نتیجہ تھا، آپ کا دل اس یقین سے سرشار تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت سے ضرور سرفراز فرمائے گا اور اس مشن کو پورا کرے گا جس کے لیے اس نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا، یعنی وہ آپ کے دین کو دنیا کے دیگر تمام ادیان پر غلبہ و سربلندی عطا فرمائے گا، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ ''پھر اللہ نے اپنے رسول پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔'' یعنی اطمینان اور ثابت قدمی ﴿ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور مومنوں پر بھی۔'' یعنی جو اس وقت آپ کے پاس تھے ﴿ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ ''اور (تمھاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا تھا۔''

امام ابوجعفر بن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ایک ایسے شخص کی روایت بیان کی ہے جو حنین کے دن مشرکین کے ساتھ تھا کہ جب ہمارا اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی ہمارے سامنے نہ ٹھہر سکے جب ہم نے انھیں شکست دی تو ہم نے

---

① غزوۂ حنین کی تفصیل کے لیے دیکھیے السيرة النبوية لابن هشام، غزوة حنين في سنة ثمان بعد الفتح: 4/80-88 وتفسير الطبري: 10/129-132 وتفسير ابن أبي حاتم: 6/1773، 1774۔ ② صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من قاد دابة غيره في الحرب، حديث: 2864 لیکن [يَاأَبَاعُمَارَةَ] کے الفاظ حدیث: 4315 میں ہیں۔ وصحيح مسلم، الجهاد......، باب غزوة حنين، حديث: 1776-(80).

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ

اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی پلید، لہٰذا وہ اپنے اس برس کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمھیں تنگ

هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ

دستی کا خوف ہے، تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، خوب حکمت

حَكِيۡمٌ ﴿28﴾ قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ

والا ہے ﴿28﴾ ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ نے اور

اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا

اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے، اور دین حق کو قبول نہیں کرتے، وہ جو اہل کتاب میں سے ہیں، (ان سے لڑو) یہاں تک کہ

الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿29﴾ ع 4 5 10

وہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ﴿29﴾

انھیں پیچھے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا حتی کہ ہم ایک شخص کے پاس پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے، وہ رسول اللہ ﷺ تھے، اس وقت آپ کے ساتھ گورے چٹے اور بہت حسین وجمیل لوگ تھے، انھوں نے ہم سے کہا کہ تمھارے چہرے خاک آلود ہو جائیں، واپس بھاگ جاؤ! ہم واپس بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے جس کی وجہ سے ہمیں شکست ہو گئی۔ ①

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿27﴾﴾ ”پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے مہربانی فرمائے اور اللہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہوازن کے باقی ماندہ لوگوں پر مہربانی فرمائی اور وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہو گئے جب آپ مکہ کے قریب جِعرانہ کے مقام پر تھے اور یہ واقعہ غزوۂ حنین کے بیس دن بعد کا ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے انھیں قیدیوں اور مالوں میں سے ایک چیز کے انتخاب کا اختیار دے دیا تو انھوں نے اپنے قیدیوں کو واپس لینا پسند کیا جن کی تعداد چھ ہزار بچوں اور عورتوں پر مشتمل تھی، آپ نے یہ قیدی واپس کر دیے اور اموال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم فرما دیے اور تالیف قلب کے لیے طُلَقاء کو زیادہ مال دیا اور ان میں سے ایک ایک کو سو سو اونٹ عطا فرما دیے، مثلاً: مالک بن عوف نصری کو آپ نے سو اونٹ عطا فرمائے تھے اور انھیں حسب سابق اپنی قوم کا سربراہ بھی بنا دیا۔ اس سے متاثر ہو کر اس نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

مَا إِنْ رَّأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ فِي النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٖ

”میں نے کائنات کے تمام لوگوں میں محمد ﷺ جیسا نہ کوئی دیکھا ہے اور نہ سنا۔“

① تفسير الطبري:134,133/10 و الدر المنثور:407/3 .

أَوۡفَى وَأَعۡطَى لِلۡجَزِيلِ إِذَا اجۡتُدِيَ وَمَتَى تَشَأۡ يُخۡبِرۡكَ عَمَّا فِي غَدِ

''وہ انتہائی وفادار ہیں۔ اور جب ان سے کوئی سوال کیا جائے تو فراخ دلی سے عطا کرتے ہیں اور جب تو چاہے تو وہ (وحی کی روشنی میں) تجھے آئندہ کی خبریں دیتے ہیں۔''

وَإِذَا الۡكَتِيبَةُ عَرَّدَتۡ أَنۡيَابُهَا بِالسَّمۡهَرِيِّ وَضَرۡبِ كُلِّ مُهَنَّدِ

''اور جب دشمن کے لشکر کی کچلیاں مضبوط نیزوں اور تیز تلواروں کی ضرب کی صورت میں نکل آتی ہیں۔''

فَكَأَنَّهُ لَيۡثٌ عَلَى أَشۡبَالِهِ وَسۡطَ الۡهَبَائَةِ خَادِرٌ فِي مَرۡصَدِ

''تو آپ اس شیر کی طرح ہوتے ہیں جو سنگ ریزوں کے درمیان کچھار میں اپنے بچوں کے لیے گھات لگائے ہوئے ہوتا ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 29,28

مشرکین کے لیے مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن اور دین وذات کے اعتبار سے پاک بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان مشرکوں کو جو دین کے اعتبار سے ناپاک ہیں، مسجد حرام سے دور ہٹا دیں اور اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد انھیں مسجد حرام کے قریب نہ آنے دیں۔ یہ آیت 9 ہجری میں نازل ہوئی تھی، اسی وجہ سے اس سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کے لیے بھیجا اور انھیں حکم دیا تھا کہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پورا فرما دیا اور شرعاً اور قدرًا اس کا حکم دے دیا۔ عبدالرزاق نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں روایت کیا ہے: ﴿ إِنَّمَا الۡمُشۡرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هَٰذَا ﴾ ''مشرکین تو ناپاک ہیں، لہٰذا اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ جانے پائیں۔'' مگر کوئی کسی کا غلام یا ذمی ہو تو اسے اجازت ہے۔[2]

امام ابوعمرو اوزاعی نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تحریری طور پر یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں کی مسجدوں میں داخل ہونے سے منع کر دو اور انھوں نے اپنے اس فرمان کے آخر میں اس آیت کریمہ کو بھی لکھا: ﴿ إِنَّمَا الۡمُشۡرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ ''بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی ناپاک۔''[3] عطاء فرماتے ہیں کہ سارا حرم ہی مسجد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ ﴾ ''لہٰذا وہ بیت اللہ کے پاس نہ جائیں۔''[4] یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ مشرک نجس اور مومن پاک ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) [اَلۡمُؤۡمِنُ لَا يَنۡجُسُ] ''مومن ناپاک نہیں ہوتا۔''[5]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، أمر أموال هوازن وسباياها...... :134/4. [2] تفسير عبدالرزاق :142/2، رقم:1069. [3] تفسير الطبري :136/10. [4] تفسير الطبري :136/10. [5] صحيح البخاري، الغسل، باب عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس، حديث:283 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ ﴾ ''اور اگر تمھیں مفلسی کا خوف ہو تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔'' محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ اس طرح تو ہم بازاروں اور مارکیٹوں سے کٹ جائیں گے، ہماری تجارت تباہ ہو جائے گی اور جو سہولتیں ہمیں حاصل ہیں، ہم ان سے محروم ہو جائیں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے: ﴿ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً ﴾ تا ﴿ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ۝ ﴾ نازل فرما دیا، یعنی اگر تمھیں کساد بازاری کا خدشہ ہے، اہل شرک سے تعلقات منقطع ہونے کی صورت میں تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ تمھیں اہل کتاب کی گردنیں جھکا کر تمھیں جزیہ دلا دے گا۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ ﴾ ''بے شک اللہ خوب جانتا ہے۔'' یعنی تمھارے لیے بہتر کیا ہے؟ ﴿ حَكِيۡمٌ ۝ ﴾ ''(اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ جس بات کا بھی حکم دے اور جس سے منع فرمائے، وہ مبنی بر حکمت و مصلحت ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے افعال و اقوال میں کامل اور اپنے خلق و امر میں عادل ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشرکوں پر اس پابندی کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان کا اندیشہ تھا، اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے اہل ذمہ سے جزیہ دلا دیا۔

اہل کتاب سے جہاد جزیہ نہ دینے کی صورت میں: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ۝ ﴾ ''جو لوگ (اہل کتاب میں سے) اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، وہ جو اہل کتاب میں سے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔'' کیونکہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے حقیقت میں ان کا کسی بھی پیغمبر اور ان کی شریعت پر ایمان نہیں رہا۔ یہ لوگ صرف اپنی آراء و خواہشات اور اپنے آباء و اجداد کی اتباع کر رہے ہیں جن باتوں کو یہ اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کی شریعت ہرگز نہیں ہے کیونکہ اگر اپنے دین و شریعت پر ان کا صحیح ایمان ہوتا تو یہ حضرت محمد ﷺ پر بھی یقیناً ایمان لے آتے کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو آپ کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا مگر آپ جب تشریف لے آئے تو انھوں نے ایمان لانے کے بجائے کفر کو اختیار کیا، حالانکہ آپ تمام رسولوں سے اشرف و افضل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ایمان سابقہ انبیائے کرام کی شریعتوں کے مطابق بھی نہیں ہے بلکہ انھوں نے اپنی آراء اور خواہشات ہی کو اپنا دین و ایمان بنا رکھا ہے، لہٰذا سید الانبیاء، افضل الانبیاء، خاتم الانبیاء اور اکمل الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے دیگر انبیاء کے ساتھ ایمان لانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَاتِلُوا

① تفسیر الطبری: 140/10. ② تفسیر الطبری: 138,137/10.

﴿ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ ﴾ جب مشرکین کا کام تمام کر دیا گیا اور لوگ غول در غول اللہ کے دین میں داخل ہو گئے تو اس کے بعد یہ پہلی آیت تھی جو اہل کتاب سے جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔

جب جزیرۃ العرب کا مسئلہ حل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اہل کتاب یہود اور نصاریٰ سے جہاد کا حکم دے دیا اور یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف جہاد کی تیاری کی اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی اور ان کے لیے اس راز کو ظاہر کر دیا۔ مدینہ کے اردگرد کے قبائل عرب کی طرف بھی آپ نے لڑائی کا پیغام بھیجا تو وہ بھی آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اور اس طرح تیس ہزار جنگجوؤں کا لشکر آپ کی قیادت میں جمع ہو گیا۔ ہاں، البتہ مدینہ منورہ اور اس کے گردو پیش کے کچھ منافقوں وغیرہ نے اس میں شرکت نہ کی۔ یہ سال بھی قحط کا تھا اور موسم بھی شدید گرمی کا۔ رسول اللہ ﷺ رومیوں سے جہاد کے لیے سوئے شام روانہ ہوئے حتی کہ آپ تبوک پہنچ گئے اور تبوک کے چشمے پر آپ نے قریباً بیس دن قیام فرمایا، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور لوگوں کی تنگی اور کمزوری کی وجہ سے اس سال واپس تشریف لے آئے جیسا کہ اس کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں بیان کی جائے گی۔[1]

جزیہ ذلت وکفر کی علامت ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ ﴾ یعنی اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو جزیہ دیں ﴿ عَنۡ يَّدٍ ﴾ ''اپنے ہاتھ سے''یعنی مقہور اور مغلوب ہو کر ﴿ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴾ یعنی ذلیل وخوار اور رسوا ہو کر یہی وجہ ہے کہ اہلِ ذمہ کی عزت کرنا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ انھیں مسلمانوں پر کوئی فوقیت دی جائے بلکہ وہ تو ذلیل وحقیر اور بدبخت ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [لَاتَبۡدَأُوا الۡيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمۡ أَحَدَهُمۡ فِي طَرِيقٍ فَاضۡطَرُّوهُ إِلَى أَضۡيَقِهِ] ''یہود ونصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو اور جب رستے میں ان میں سے کسی سے ملاقات ہو تو اسے تنگ حصے کی طرف مجبور کر دو۔''[2] یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے توہین وتذلیل کی تمام معروف شرطیں ان پر عائد کر دی تھیں۔ ائمہ حفاظ نے عبدالرحمٰن بن غَنۡم اشعری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں سے مصالحت کی تو میں نے یہ دستاویز لکھی تھی:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ امیر المؤمنین، اللہ کے بندے عمر کے لیے فلاں فلاں شہر کے نصاریٰ کی طرف سے معاہدہ ہے کہ جب تم ہمارے پاس آئے تو ہم نے تم سے اپنی جانوں، اولادوں، مالوں اور اہل ملت کے لیے امن طلب کیا اور تم سے یہ شرط طے کی کہ ہم اپنے شہر اور اس کے گردو پیش میں کوئی گرجا، کنیسہ نہ کسی راہب کی خانقاہ بنائیں گے، نہ کسی خراب گرجا وغیرہ کی مرمت ہی کریں گے اور مسلمان جہاں رہائش پذیر ہیں وہاں نئے بھی نہیں بنائیں گے

---

[1] دیکھیے التوبۃ، آیت: 117 کے تحت غزوہ تبوک کی تفصیل اور اس کا نقشہ۔ [2] صحیح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حديث: 2167.

اور دن ہو یا رات ہم کسی وقت بھی اپنے کنیسوں میں داخل ہونے والے کسی مسلمان کو منع نہیں کریں گے، مسافروں اور راہ چلتے لوگوں کے لیے ان کے دروازوں کو کھلا رکھیں گے جو مسلمان ہمارے پاس آئے گا ہم تین دن تک اس کی مہمان نوازی کریں گے، ہم اپنے گرجوں اور گھروں میں کسی جاسوس کو جگہ نہیں دیں گے، مسلمانوں سے دھوکے فریب کی کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔

ہم اپنی اولاد کو قرآن نہیں سکھائیں گے، شرک کا اظہار نہیں کریں گے، نہ کسی کو اس کی دعوت دیں گے اگر ہمارے رشتے داروں میں سے کوئی اسلام کو قبول کرنا چاہے گا تو ہم اسے منع نہیں کریں گے، ہم مسلمانوں کی عزت کریں گے، جب وہ بیٹھنا چاہیں تو اپنی مجلسوں سے ان کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے، ہم ٹوپی، عمامہ، جوتوں اور بالوں کے سٹائل وغیرہ کسی چیز میں بھی مسلمانوں کی مشابہت اختیار نہیں کریں گے، ہم ان کی زبان نہیں بولیں گے، ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے، زین والے گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے، تلواریں نہیں لٹکائیں گے، کوئی بھی اسلحہ نہیں لیں گے اور نہ اسے اپنے ساتھ رکھیں گے، اپنی انگوٹھیوں پر عربی میں نقش نہیں کرائیں گے، شرابیں نہیں بیچیں گے، اپنے سروں کے اگلے بالوں کو کٹوا دیں گے، جہاں کہیں بھی ہوں گے صفائی کا خیال رکھیں گے، زُنّار (وہ پٹی جسے نصرانی کمر اور پیٹ پر باندھتے ہیں) اپنی کمروں پر ضرور لٹکائے رکھیں گے، صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے اپنی صلیبوں اور کتابوں کو مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے، اپنے گرجوں میں ناقوس بہت آہستہ آواز میں بجائیں گے، مسلمانوں کی موجودگی میں ہم اونچی آواز سے اپنی کتابوں کو نہیں پڑھیں گے۔

ہم اپنے مذہبی شعار، مثلاً: شَعَانِین اور بَاعُوث[1] راستوں میں انجام نہیں دیں گے ہم اپنے مردوں پر اونچی آواز میں بین نہیں کریں گے۔ اور نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے رستوں اور بازاروں میں آگ لے کر چلیں گے، قبرستان میں مسلمانوں کے پڑوس میں اپنے مردوں کو دفن نہیں کریں گے، مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہیں لیں گے، ہم مسلمانوں کی خیر خواہی تو کرتے رہیں گے لیکن ان کے گھروں میں نہیں جھانکیں گے۔''

راوی کا بیان ہے کہ جب میں یہ معاہدہ لکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس میں یہ اضافہ بھی فرما دیا: ''ہم کسی بھی مسلمان کو نہیں ماریں گے، ہم تمھاری طرف سے اپنے لیے اور اپنے اہل قبلہ وملت کے لیے ان شرائط کو قبول کر کے امان کو قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم نے ان میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی جو ہم نے لگائی ہیں اور اپنے اوپر لاگو کی ہیں تو پھر ہم سے آپ کا ذمہ دور ہو جائے گا اور ہم اس سزا کے مستحق ہوں گے جو عہد شکنی کرنے والے معاندین اور اختلاف کو بڑھانے والے کو ملتی ہے۔''[2]

[1] شعانین نصارٰی کی ایک اتوار کے دن کی عید جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بیت المقدس میں داخل ہونے کی یاد منائی جاتی ہے، بَاعُوث عیسائیوں کے ہاں بارش کے لیے عبادت اور دعا وغیرہ۔ [2] المحلّٰی لابن حزم: 347,346/7 میں تقریباً اسی طرح ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ

اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے مونہوں کی بات ہے، یہ اس سے پہلے کے

بِاَفْوَاهِهِمْ ج يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ج اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿30﴾

کافروں کی بات کی ریس کرتے ہیں، اللہ انھیں ہلاک کرے یہ کہاں پھرے جاتے ہیں ﴿30﴾ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا

کو (اپنا) رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی)، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی

اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿31﴾

معبود نہیں، وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿31﴾

تفسیر آیات: 31,30

یہود ونصاریٰ سے قتال ان کے کفر وشرک کی بنا پر ہے: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مشرکین، کفار، یہود اور نصاریٰ سے قتال پر ابھارا ہے کیونکہ انھوں نے بہت بری باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر افترا پردازی کی، یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اس بات سے پاک اور بلند وبالا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اور عیسائیوں کی حضرت مسیح کے بارے میں گمراہی واضح ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ج﴾ ''یہ ان کے مونہوں کی باتیں ہیں۔'' یعنی ان کے دعوے محض کذب وافتراء ہیں اور ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ﴿يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط﴾ ''پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے۔'' یعنی جس طرح یہ لوگ گمراہ ہیں، اسی طرح پہلی امتوں کے لوگ بھی گمراہ تھے۔ ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ج﴾ ''اللہ انھیں ہلاک کرے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔[1] ﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿30﴾﴾ ''یہ کہاں پھرے جاتے ہیں؟'' یعنی یہ حق سے کیسے گمراہ ہیں، حالانکہ وہ ظاہر ہے اور حق کو چھوڑ کر یہ باطل کو اختیار کر رہے ہیں؟

نبیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عدی بن حاتم کی گفتگو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج﴾ ''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔'' امام احمد، ترمذی اور ابن جریر نے کئی سندوں کے ساتھ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو وہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ زمانۂ جاہلیت میں انھوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان کی بہن اور قوم کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہن پر احسان کرتے ہوئے انھیں آزاد کر دیا اور اُسے کچھ عطا بھی کر دیا تو اس نے واپس جا کر اپنے بھائی کو اسلام قبول کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی دعوت دی تو عدی مدینہ میں آ گئے،

[1] تفسیر الطبری: 145/10.

یہ اپنی قوم بنو طے کے سردار تھے، ان کے والد حاتم طائی جود وسخا میں بہت زیادہ مشہور تھے، ان کی مدینہ آمد پر لوگ باتیں کرنے لگے۔ عدی جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی گردن میں چاندی کی صلیب تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی:

[﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ قَالَ: فَقُلْتُ: إِنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوهُمْ. فَقَالَ: بَلٰى! إِنَّهُمْ حَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ وَأَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ، فَذٰلِكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُمْ] ، [وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَاعَدِيُّ! مَاتَقُولُ؟ أَيُفِرُّكَ أَنْ يُّقَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ؟ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا أَكْبَرَ مِنَ اللّٰهِ؟ مَايُفِرُّكَ؟ أَيُفِرُّكَ أَنْ يُّقَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ فَهَلْ تَعْلَمُ مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ؟ ثُمَّ دَعَاهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَأَسْلَمَ وَشَهِدَ شَهَادَةَ الْحَقِّ، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ وَجْهَهُ اسْتَبْشَرَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْيَهُودَ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارٰى ضَالُّونَ]

''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔'' عدی کہتے ہیں: میں نے عرض کی کہ یہ لوگ اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا: ''ہاں، لیکن وہ جب ان کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے دیتے تو وہ ان کی پیروی شروع کر دیتے تھے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! تم اس سے کیوں بھاگتے ہو کہ یہ کہا جائے کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ سے بڑی کوئی چیز ہے۔ پھر تم اس بات سے کیوں بھاگتے ہو کہ یہ کہا جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔'' پھر نبی مکرم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے حق کی گواہی دی۔ عدی کہتے ہیں: چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس سے حضور سرور کائنات ﷺ کا رخِ انور جگمگا اٹھا، پھر آپ نے فرمایا: ''یہود مغضوب علیہم اور نصاریٰ گمراہ ہیں۔'' [1]

حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح مروی ہے کہ انھوں نے حلال و حرام میں اپنے علماء و مشائخ کی باتوں کو اختیار کر لیا تھا۔ [2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ﴾ ''حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔'' یعنی حرام وہ ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو اور حلال وہ ہے جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہو، اس نے جو شریعت نازل فرمائی، اس کی اتباع کی جائے گی اور اس نے جو حکم دیا اسے نافذ کیا جائے گا۔ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔'' یعنی وہ ذات گرامی ہر شریک، نظیر، مددگار، اضداد اور اولاد سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

---

[1] مسند أحمد: 378/4 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة فاتحة الكتاب، حديث: 2953 و تفسير الطبري: 147/10 و دلائل النبوة للبيهقي: 340/5 و السيرة النبوية لابن هشام: 227/4 و تفسير ابن أبي حاتم: 1784/6. البتہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان تمام ائمہ کے بیان کردہ الفاظ سے مختلف الفاظ بیان کیے ہیں۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1784/6.

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ اپنا نور پورا کرے، خواہ کافروں کو برا ہی

الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿32﴾ هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ

لگے ﴿32﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے،

كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ﴿33﴾

خواہ مشرکین کو برا ہی لگے ﴿33﴾

تفسیر آیات: 33,32

اہل کتاب کی نور اسلام کو بجھا دینے کی کوشش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین واہل کتاب قسم کے کفار چاہتے ہیں: ﴿ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کے نور کو بجھا دیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جس ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، یہ چاہتے ہیں کہ اسے محض لڑائی جھگڑے اور افترا پردازی کے ساتھ مٹا دیں، ان کی مثال اس طرح ہے، جیسے کوئی سورج یا چاند کی روشنی کو پھونک مار کر بجھا دینا چاہے، حالانکہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس دین کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا وہ اسے یقیناً مکمل اور غالب کر کے چھوڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی خواہشوں اور ان کے ارادوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿32﴾ ﴾ ''اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔''

''کافر'' کی وجہ تسمیہ: کافر اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپالے اور ڈھانپ لے، رات کو کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ چیزوں کو چھپا لیتی ہے اور کسان کو کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دانے کو زمین میں چھپا دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ ''کسانوں کو اس کا سبزہ بھلا لگتا ہے۔'' (الحدید 20:57)

اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔'' ہدایت سے مراد وہ سچی خبریں، ایمان صحیح اور علم نافع ہے جسے لے کر رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ اور دین حق سے مراد وہ صالح اور صحیح اعمال ہیں جو دنیا و آخرت میں منفعت بخش ہیں۔ ﴿ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ ﴾ ''تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے۔'' جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْأَرْضَ، (فَرَأَیْتُ) مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، (وَإِنَّ أُمَّتِی سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِیَ لِی مِنْهَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا، زمین کے جس جس حصے کو میرے لیے لپیٹا گیا، وہاں وہاں تک میری امت کی حکومت پہنچ جائے گی۔''[1]

[1] صحیح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، حدیث:2889 وسنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها، حدیث:4252 ومسند أحمد:278/5 جبکہ قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ

اے ایمان والو! بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے

بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۗ وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ

سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں

وَلَا يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿34﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِى نَارِ

دردناک عذاب کی خبر سنا دیں ﴿34﴾ جس دن اُسے دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں،

جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ

ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ وہ (مال) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا،

فَذُوقُوا۟ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿35﴾

لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے ﴿35﴾

امام احمد نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ (اللّٰهُ) هٰذَا الدِّينَ، (بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ)، عِزًّا يُعِزُّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ، وَذُلًّا يُذِلُّ اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ] ''یہ دین وہاں وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں جہاں دن اور رات ہے۔ اللہ تعالیٰ معزز کو عزت اور ذلیل کو ذلت دے کر شہر اور دیہات کے ہر ہر گھر میں اس دین کو داخل کر دے گا۔ عزت سے مراد وہ عزت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسلام کو معزز کر دے گا اور ذلت سے مراد وہ ذلت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفر کو ذلیل کر دے گا۔'' حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس بات کا خود اپنے اہل خانہ میں مشاہدہ کر لیا کہ ان میں سے جو مسلمان ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے خیر و بھلائی اور عزت و شرف سے نوازا اور جو حالت کفر پر رہا اللہ تعالیٰ نے اسے ذلت و رسوائی سے دوچار کر کے جزیہ ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔ [1]

تفسیر آیات: 35,34

علمائے سوء اور گمراہ صوفیوں سے بچنے کی تلقین: سدی کہتے ہیں کہ ﴿ٱلْأَحْبَارِ﴾ ''علماء'' کا تعلق یہود سے اور ﴿ٱلرُّهْبَانِ﴾ ''مشائخ'' کا تعلق نصاریٰ سے ہے۔ [2] واقعی احبار سے مراد علمائے یہود ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ ٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ ٱلْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ﴾ (المآئدۃ5:63) ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انھیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟'' اور ﴿ٱلرُّهْبَانِ﴾ سے عیسائیوں کے مشائخ اور قِسِّیسُونَ سے ان کے علماء مراد ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا﴾ (المآئدۃ5:82) ''یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور

[1] مسند أحمد:103/4 و المستدرك للحاكم:430/4، حديث:8326 پہلی قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ فعل مضارع سے [یعز، یذل] مذکور ہیں۔ [2] تفسیر الطبری:151/10.

مشائخ بھی۔''

بہرحال مقصود علمائے سوء اور گمراہ مشائخ سے بچنے کی تلقین کرنا ہے جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے جو خراب ہو گیا اس میں یہودیوں کی مشابہت موجود ہے، اور ہمارے مشائخ میں سے جو خراب ہوا اس میں نصاریٰ کی مشابہت موجود ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا): [(لَتَرۡكَبُنَّ) سَنَنَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ (حَذۡوَ الۡقُذَّةِ بِالۡقُذَّةِ)] ''تم اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر ٹھیک اسی طرح چلو گے جس طرح تیر کا ایک پر دوسرے پر کے برابر ہوتا ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا پہلے لوگوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا: [فَمَنۡ؟] ''تو اور کون؟''① ایک روایت میں ہے: کیا ان سے مراد ایرانی اور رومی (لوگوں جیسے لوگ) ہیں؟ فرمایا: [وَمَنِ النَّاسُ إِلَّا أُولٰئِكَ؟] ''اور ان کے علاوہ اور کون لوگ ہیں؟''②

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان لوگوں کے اقوال و احوال کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَيَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''لوگوں کے مال ناحق کھاتے اور (ان کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔'' دین کے بدلے دنیا کھاتے ہیں اور لوگوں میں اپنے جاہ و منصب سے فائدہ اٹھا کر ان کے مالوں کو باطل طریقے سے کھاتے ہیں جیسا کہ علمائے یہود کو اہل جاہلیت پر شرف حاصل تھا اور اہل جاہلیت کی طرف سے انھیں خراج، تحائف اور ٹیکس وصول ہوتے رہتے تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرما دیا تو پھر بھی یہ علمائے یہود اپنی ضلالت، کفر اور عناد پر برقرار رہے تاکہ ان کی سرداری اور چودھراہٹ کا یہ نظام باقی رہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل نظام کو نور نبوت کے ساتھ بجھا دیا، ان کو عزت اور سربلندی سے محروم کر دیا اور اس کے عوض ذلت و نامرادی عطا کر دی، اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پا گئے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور (ان کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ مال حرام کھانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اتباع حق سے بھی روکتے ہیں، حق و باطل کو خلط ملط کر دیتے ہیں جو جاہل ان کی پیروی کرتے ہیں یہ انھیں تأثر یہ دیتے ہیں کہ یہ خیر و بھلائی کی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو لوگوں کو جہنم کی دعوت دیتے

① صحيح البخاری، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبیﷺ: [لتتبعن سنن……]، حديث: 7320 وصحيح مسلم، العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصاریٰ، حديث: 2669 مذکورہ حوالوں میں پہلی قوسین والے الفاظ کے بجائے [لَتَتَّبِعُنَّ] عن أبی سعيدؓ ہے۔ ہاں، البتہ مسند أحمد: 340/5 عن سهل بن سعدؓ میں [لتركبن] ہی ہے اور دوسری قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 125/4 عن شدّاد بن أوسؓ میں ہیں جبکہ ان الفاظ کی سند شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ دیکھیے السلسلة الضعيفة: 913/7، حديث: 3312 . ② صحيح البخاری، الاعتصام……، باب قول النبیﷺ: [لتتبعن سنن……]، حديث: 7319 عن أبی هريرةؓ لیکن ان الفاظ کا سیاق قدرے مختلف ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اسے قرب قیامت کی علامت بتایا ہے۔

ہیں اور قیامت کے دن ان کی قطعاً کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

کون سا ''کنز'' (خزانہ) عذاب کا باعث ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔'' یہ لوگوں کے رہنماؤں کی تیسری قسم ہے، بے شک لوگ علماء، مشائخ اور اصحاب ثروت کے محتاج ہیں۔ اور اگر انھی تین طبقوں کے لوگ خراب ہو جائیں تو پھر سارے لوگ ہی خراب ہو جاتے ہیں جیسا کہ ابن مبارک نے فرمایا ہے:

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ وَأَحْبَارُ سُوءٍ وَّرُهْبَانُهَا

''دین کو بادشاہوں، علمائے سوء اور مشائخ ہی نے تو خراب کیا ہے۔''

اَلْكَنْزُ کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ نے عبداللہ بن دینار سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ مال ہے جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے زہری کی خالد بن اسلم سے حدیث کو بیان کیا ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے تو انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اس کا تعلق زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کے دور سے ہے جب زکاۃ کا حکم نازل ہوا تو اسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مال پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔[2] اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز اور عراک بن مالک نے بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کو ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ...... ﴾ الآية(التوبة 103:9) آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔[3]

سونا اور چاندی کم سے کم رکھنے کی مدح اور زیادہ رکھنے کی مذمت میں بہت سی احادیث آئی ہیں، ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ آیت کریمہ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ...... ﴾ کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [تَبًّا لِّلذَّهَبِ، تَبًّا لِّلْفِضَّةِ] ''سونے کے لیے بربادی ہے، چاندی کے لیے بربادی ہے۔'' آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام پر یہ بات بہت گراں گزری، انھوں نے عرض کی: پھر ہم کون سا مال اختیار کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں تمھیں یہ بات معلوم کر کے بتاتا ہوں، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! صحابہ پر یہ بات گراں گزری ہے وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کون سا مال اختیار کریں، آپ نے فرمایا: [لِسَانًا ذَاكِرًا وَّقَلْبًا شَاكِرًا وَّزَوْجَةً تُعِينُ أَحَدَكُمْ عَلٰى دِينِهِ] ''ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور دین کے لیے تعاون کرنے والی تمھاری بیوی۔''[4]

---

[1] الموطأ للإمام مالك، الزكاة، باب ما جاء في الكنز:108/1، حديث:606. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ ...... ﴾ (التوبة35:9)، حديث:4661. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1789/6. [4] تفسير عبدالرزاق :145/2 رقم:1076 یہ روایت منقطع ہے، اس لیے مصباح المنیر (اردو) میں اس کے بعد والی صحیح روایت مفصل ابن کثیر سے لی گئی ہے۔

امام احمد نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سونے اور چاندی کے بارے میں اللہ کا حکم نازل ہوا تو صحابۂ کرام نے کہا: ہم کس مال کو ذخیرہ کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ بات معلوم کر کے تمھیں بتاتا ہوں، انھوں نے اپنی سواری کو دوڑایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا اور میں ان کے پیچھے تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم کس مال کو ذخیرہ کریں؟ فرمایا: [لِيَتَّخِذْ أَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا، وَّلِسَانًا ذَاكِرًا، وَّزَوْجَةً تُعِينُهُ عَلٰى أَمْرِالْآخِرَةِ] ''چاہیے کہ رکھے تم میں سے کوئی ایک شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان، آخرت کی تیاری میں مدد کرنے والی بیوی۔''[1] ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ ﴾ ''جس دن اس (مال) پر دوزخ میں آگ دہکائی جائے گی، پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔'' یعنی یہ انھیں رُلانے، ڈانٹ پلانے اور مذاق کے طور پر کہا جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ ﴾ (الدخان 44:48,49)

''پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو (مزہ) چکھ! بے شک تو (تھا اپنے خیال میں) بڑا زبردست بڑا اکرم۔''

یعنی یہ ہے تمھارا وہ مال جسے تم جمع کر کے رکھتے تھے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جو کسی چیز سے اس قدر محبت کرے کہ اسے اللہ کی اطاعت پر ترجیح دے تو اسے اس کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ ان لوگوں نے ان مالوں کے جمع کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول پر ترجیح دی تھی، لہٰذا انھیں انھی مالوں کے ساتھ عذاب دیا جائے گا جیسا کہ ابولہب۔ لَعَنَهُ اللّٰهُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرنے میں حد سے بڑھا ہوا تھا اور اس کی بیوی بھی اس سلسلے میں اس کی مدد کرتی تھی تو وہ روزِ قیامت اس کے عذاب میں بھی اس کی مددگار ہوگی اور اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی، یعنی جہنم کے ایندھن کو وہ اکٹھا کرے گی اور اسے ابولہب کے اوپر پھینک دے گی تاکہ اس کے عذاب میں مزید اضافہ ہو، حالانکہ دنیا میں وہ اس کے لیے سب سے زیادہ شفیق تھی۔ اسی طرح جیسے یہ مال دنیا میں ان کے مالکان کے لیے بے حد عزیز ہیں، ایسے ہی آخرت میں یہ ان کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہوں گے، انھیں آتشِ دوزخ میں گرمایا جائے گا اور یہ آپ جانتے ہیں کہ اس کی حرارت کس قدر شدید ہوگی، پھر ان کے ساتھ ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

زکاۃ ادا نہ کرنے والے کا انجام: امام ابوجعفر ابن جریر نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: [مَنْ تَرَكَ بَعْدَهُ كَنْزًا، مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يَتْبَعُهُ يَقُولُ: وَيْلَكَ مَا أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ الَّذِي تَرَكْتَهُ بَعْدَكَ، فَلَا يَزَالُ يَتْبَعُهُ حَتّٰى يُلْقِمَهُ يَدَهُ فَيَقْضِمَهَا، ثُمَّ يَتْبَعُهُ سَائِرُ

[1] مسند أحمد: 282/5.

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہی ہے اللہ کی کتاب میں، جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ

کو پیدا کیا، ان میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے، چنانچہ تم ان (مہینوں) میں اپنے آپ پر ظلم

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿36﴾

نہ کرو۔ اور تمام مشرکین سے لڑو جیسے وہ سارے تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان لو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ﴿36﴾

جَسَدِهٖ]''جس نے اپنے بعد کوئی خزانہ چھوڑا تو اسے روز قیامت ایک گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، وہ اس کے پیچھے بھاگے گا اور یہ کہے گا کہ تجھ پر افسوس! تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا: میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا، وہ اس کا پیچھا کرتا رہے گا حتی کہ اس کے ہاتھ کو لقمہ بنا کر چبا جائے گا، پھر اس کا سارا جسم بھی اس کے پیچھے اس کے منہ میں چلا جائے گا۔''[1] امام ابن حبان نے اسے اپنی ''صحیح'' میں بروایت یزید از سعید بیان کیا ہے[2] اور اس حدیث کا اصل صحیحین میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود ہے۔[3]

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ رَّجُلٍ لَّا يُؤَدِّي زَكَاةَ مَالِهٖ إِلَّا جُعِلَ (لَهُ) يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ]، [فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَ(جَبْهَتُهُ) وَظَهْرُهُ...... فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ]''جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنا کر ان سے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو...... اس دن داغا جائے گا جو پچاس ہزار سال کا دن ہو گا حتی کہ بندوں کا حساب مکمل ہو جائے، پھر اسے اس کا رستہ دکھایا جائے گا، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔''[4] پھر امام مسلم نے باقی ساری حدیث بھی بیان کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں زید بن وہب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں رَبَذَہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو میں نے عرض کی کہ آپ اس جگہ کیوں مقیم ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہم شام میں تھے میں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ﴿34﴾ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت کا تعلق ہم

---

[1] تفسير الطبري:160/10. [2] صحيح ابن حبان:49/8، حديث:3257. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث:1403 صحیح مسلم میں اس طریق سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث:988 میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث میں اس قسم کے الفاظ منقول ہیں، مزید دیکھیے صحيح ابن خزيمة، ذكر أخبار رويت عن النبي ﷺ......:11/4، حديث:2255. [4] پہلا حصہ مسند أحمد:276/2 کے مطابق، البتہ قوسین والا لفظ صحيح ابن خزيمة:12,11/4، حديث:2256 میں ہے اور دوسرا حصہ صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث:(26,24)-987 میں جبکہ قوسین والا لفظ مسند احمد کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے۔

سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تو اہل کتاب سے ہے۔ میں نے کہا: نہیں، اس کا تعلق ہم سے بھی ہے اور ان سے بھی۔ ①

تفسیر آیت:36

حرمت والے چار مہینے: امام احمد نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: [أَلَا! إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُّتَوَالِيَاتٌ: ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ] ’’خبردار! زمانہ اپنی اسی حالت میں پلٹ آیا ہے جس حالت میں اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔‘‘ پھر فرمایا: [أَلَا! أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟] ’’خبردار! یہ کون سا دن ہے؟‘‘ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، ہم نے خیال کیا شاید آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا: [أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟] ’’کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟‘‘ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں! پھر آپ نے فرمایا: [أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟] ’’یہ کون سا مہینہ ہے؟‘‘ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے سکوت فرمایا، ہم نے خیال کیا شاید آپ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے، آپ نے فرمایا: [أَلَيْسَ ذَاالْحِجَّةِ؟] ’’کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟‘‘ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں! پھر آپ نے فرمایا: [أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟] ’’یہ کون سا شہر ہے؟‘‘ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے سکوت فرمایا۔ اور ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اسے کسی اور نام سے موسوم فرمائیں گے، آپ نے فرمایا: [أَلَيْسَتِ الْبَلْدَةَ؟] ’’کیا یہ بلدِ حرام نہیں ہے۔‘‘ ہم نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:

[فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ (قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَأَعْرَاضَكُمْ) عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا! فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا! هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا! لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ (مِنْكُمْ) الْغَائِبَ، فَلَعَلَّ مَنْ يُّبَلَّغُهُ يَكُونُ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ يَّسْمَعُهُ]

’’بے شک تمھارے خون اور مال۔ میرے خیال میں آپ نے یہاں عزتوں کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ تم پر اسی طرح حرام

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾...... (التوبۃ 9:34)، حدیث:4660.
نوٹ: حضرت ابوذر اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ﴾ کے بارے میں اختلاف ہو گیا تھا کہ اس کا تعلق اہل کتاب سے ہے یا امت محمدیہ سے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ بیوی بچوں کے نان جویں سے زائد ذخیرہ کرنا حرام ہے اور وہ اس کو رواج دے رہے تھے چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف خط لکھا تو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینے بلایا، پھر انھیں ربذہ کی طرف بھیج دیا۔ اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ربذہ ہی میں فوت ہوئے، تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، الزکاۃ، باب ما أدی ......، حدیث:1406 و تفسیر الطبری 10/157.

ہیں جس طرح اس دن کی تمھارے اس مہینے اور تمھارے اس شہر میں حرمت ہے۔ عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑانے لگ جانا، کیا میں نے تم تک (اللہ کا دین) پہنچا دیا ہے؟ خبردار! تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان تک بھی یہ باتیں پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، ممکن ہے کہ بعض لوگ جن تک ان باتوں کو پہنچا دیا جائے وہ سننے والوں سے بھی انھیں زیادہ یاد رکھنے والے ہوں۔''[1] امام بخاری نے اسے کتاب التفسیر اور صحیح بخاری کی دیگر کتب میں بھی بیان کیا ہے اور امام مسلم نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔[2]

قمری مہینوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ: شیخ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المَشۡهُورُ فِي أَسۡمَاءِ الۡأَيَّامِ وَالشُّهُورِ میں ذکر کیا ہے کہ مُحَرَّم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے لیکن میرے نزدیک اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے کی حرمت کی تاکید کے لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ عرب تبدیلی کرتے ہوئے اسے کبھی حلت والا اور کبھی حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے تھے۔ اس کی جمع مُحَرَّمَات، مَحَارِم اور مَحَارِيم ہے۔

صَفَر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جنگوں اور سفروں کے لیے گھروں کے خالی ہو جانے کی وجہ سے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے: صَفِرَ الۡمَكَانُ جب جگہ خالی ہو جائے، اس کی جمع أَصۡفَار ہے، جیسے جَمَل کی جمع أَجۡمَال ہے۔

رَبِيعُ الۡأَوَّل کو اقامت اختیار کرنے کی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ اِرۡتِبَاع سے مشتق ہے اور اِرۡتِبَاع کے معنی موسم بہار کے لیے مخصوص کسی عمارت میں اقامت اختیار کرنے کے ہیں، اس کی جمع أَرۡبِعَاء ہے، جیسے نَصِيب کی جمع أَنۡصِبَاء ہے، نیز اس کی جمع أَرۡبِعَةُ بھی ہے، جیسے رَغِيف کی جمع أَرۡغِفَة۔ رَبِيعُ الۡآخِر، ربيع الأوّل ہی کی طرح ہے۔

جُمادی اس مہینے میں پانی کے جم جانے کی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ عربوں کے حساب کے مطابق مہینے بدلتے نہیں تھے لیکن ان کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اگر مہینوں کا تعلق چاند سے ہو تو پھر یہ قمری مہینے یقیناً بدل بدل کر مختلف موسموں میں آئیں گے، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ابتدائی طور پر اس کا نام بھی سردیوں میں پانی کے جم جانے کی وجہ سے رکھا گیا ہو جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ۔

وَلَيۡلَةٍ مِّنۡ جُمَادَى ذَاتَ أَنۡدِيَةٍ   لَّا يُبۡصِرُ الۡعَبۡدُ فِي ظَلۡمَآئِهَا الطُّنُبَا
لَا يَنۡبَحُ الۡكَلۡبُ فِيهَا غَيۡرَ وَاحِدَةٍ   حَتّٰى يُلِفَّ عَلٰى خُرۡطُومِهِ الذَّنَبَا

---

[1] مسند أحمد:37/5. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ ...... ﴾ (التوبة9:36)، حديث:4662 والأضاحي، باب من قال: الأضحى يوم النحر، حديث:5550 والتوحيد، باب قول الله تعالىٰ ﴿ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ...... ﴾ (القيٰمة75:22,23)، حديث:7447 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، حديث:1679 .

’’جمادی کی کتنی محفلوں والی ایسی راتیں بھی تھیں جن کے اندھیروں میں بندہ خیموں کی طنابیں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، ان میں کتا بھی صرف ایک بار ہی بھونکتا تھا حتی کہ وہ دم کو اپنی تھوتھنی سے لپیٹ لیتا۔‘‘

جُمَادٰی کی جمع جُمَادَیَات ہے، جیسے حُبَارٰی کی جمع حُبَارَیَات ہے، یہ نام مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، یعنی جُمَادَی الْأُولٰی اور جُمَادَی الْأَول اور جُمَادَی الآخر اور جُمَادَی الآخرۃ.

رَجَب، تَرْجِیب سے مشتق ہے جس کے معنی تعظیم کے ہیں، اس کی جمع أَرْجَابُ، رِجَاب، رَجَبَات آتی ہے۔

شَعْبَان، تَشَعَّبَ الْقَبَائِلُ کے محاورے سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹ مار کے لیے قبائل کے منتشر اور متفرق ہو جانے کے ہیں، اس کی جمع شَعَابِینَ اور شَعْبَانَات ہے۔

رَمَضَان، شِدَّۃُ الرَّمْضَاءِ سے ہے جس کے معنی حرارت کے ہیں، کہا جاتا ہے: رَمَضَتِ الْفِصَالُ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹوں کے بچے پیاسے ہو جائیں۔ [1] اس کی جمع رَمَضَانَات، رَمَاضِین اور أَرْمِضَۃ ہے۔ علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ رمضان، اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے تو یہ بات غلط اور ناقابل التفات ہے۔ میں کہتا ہوں اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ہے جو ضعیف ہے [2] اور میں نے اسے کتاب الصیام کے شروع میں بیان کیا ہے۔

شَوَّال، شَالَتِ الْإِبِلُ کے محاورے سے مشتق ہے جس کے معنی اونٹوں کے جفتی کے لیے اپنی دموں کے اوپر اٹھانے کے ہیں، اس کی جمع شَوَاوِل، شَوَاوِیل اور شَوَّالَات ہے۔

اَلْقَعْدَۃِ قاف کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی بیٹھ جانے کے ہیں اور اس مہینے میں وہ لڑائی جھگڑے اور سفر کرنے سے بیٹھ جاتے تھے، اس کی جمع ذَوَات الْقَعْدَۃ ہے۔

اَلْحِجَّۃ بھی حاء کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، اس مہینے میں وہ حج کے لیے بیٹھ جاتے تھے، اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اس کی جمع ذَوَاتُ الحجۃ ہے۔

دنوں کے عربی ناموں کی واحد جمع اور بعض ناموں کی وجہ تسمیہ: دنوں کے ناموں میں پہلا أَحَد ’’اتوار‘‘ ہے۔ اس کی جمع آحَاد، أُوحَاد اور وُحُود ہے، پھر یَومُ الإِثْنَین ’’سوموار‘‘ ہے، اس کی جمع أَثَانِین ہے، پھر الثُّلَاثَاء ’’منگل‘‘ ہے اسے مد کے ساتھ مذکر اور مؤنث دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ اس کی جمع ثُلَاثَاوَات اور أَثَالِث ہے۔ پھر اَلْأَرْبِعَاء ’’بدھ‘‘ ہے یہ بھی مد کے ساتھ ہے، اس کی جمع أَرْبِعَاوَات اور أَرَابِیع ہے۔ اَلْخَمِیسُ ’’جمعرات‘‘ کی جمع أَخْمِسَۃ اور أَخَامِس ہے، پھر اَلْجُمُعَۃ

---

[1] عام طور پر اس محاورے کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کہ جب دھوپ کی حدت سے ریت کے انتہائی گرم ہونے کی بنا پر اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔ [2] وہ ضعیف حدیث یہ ہے: [لَا تَقُولُوا رَمَضَانَ فَإِنَّ رَمَضَانَ اسْمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلٰکِنْ قُولُوا: شَھْرَ رَمَضَانَ] ’’صرف رمضان نہ کہو کیونکہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے لیکن تم کہو: رمضان کا مہینہ۔‘‘ دیکھیے مسند الفردوس: 25/5، حدیث: 7339 عن عائشۃ رضی اللہ عنہا و 52/5، حدیث: 7433 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اور دیکھیے تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ لابن عراق الکنانی: 153/2.

ہے،میم کے ضمہ،سکون اور فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے،اس کی جمع جُمَع اور جَمَاعَات ہے، پھر اَلسَّبُت ہے، جو اَلسَّبُت، سبت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ختم ہو جانے کے ہیں،اس پر ہفتے کے دن ختم ہو جاتے ہیں،اس لیے اس نام سے اسے موسوم کیا گیا ہے۔

عرب دنوں کو أَوَّل، أَهُوَن، جُبَار، دُبَار، مُؤُنِس، عَرُوبَة اور شِيَار کے ناموں سے بھی موسوم کرتے تھے۔ عاربہ متقدمین کے ایک عرب شاعر نے کہا ہے ۔

أُرَجِّي أَنُ أَعِيشَ وَإِنَّ يَوُمِي بِأَوَّلَ أَوُ بِأَهُوَنَ أَوُجُبَارِ

أَوِ التَّالِي دُبَارِ فَإِنُ أَفُتُهُ فَمُؤُنِسٍ أَوُ عَرُوبَةَ أَوُشِيَارِ

''میں امید کرتا ہوں کہ اگر میں زندہ رہا تو یقیناً (میری وفات کا دن) اتوار یا سوموار یا منگل یا اس کے بعد آنے والا بدھ ہے پس اگر میں اسے بھی گزار جاؤں تو پھر جمعرات یا جمعے یا ہفتے تک زندہ رہوں گا (آخر کار مر جاؤں گا۔)''

حرمت والے مہینے صرف چار ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ ''ان میں سے چار (مہینے) حرمت کے ہیں۔'' عرب زمانۂ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے اور جمہور عرب انھی چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھتے تھے۔ ہاں، البتہ ایک گروہ جسے بَسَل کہا جاتا تھا، وہ از راہِ تعمق و تشدد سال کے آٹھ مہینوں کو حرمت والے مہینے قرار دیتا تھا۔

رجب کو رجبِ مُضر کیوں کہا گیا؟ آپ نے جو یہ فرمایا تھا: [ثَلَاثَةٌ مُّتَوَالِيَاتٌ: ذُو الُقَعُدَةِ وَذُو الُحِجَّةِ وَالُمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيُنَ جُمَادَى وَشَعُبَانَ] ''ان میں سے تین مہینے تو متواتر ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا مہینہ رجبِ مضر ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔''[1] رجب کی مضر کی طرف اضافت اس لیے کی تاکہ رسول اللہ ﷺ یہ بیان فرما دیں کہ یہ بات صحیح ہے کہ رجب سے مراد وہ مہینہ ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے نہ کہ جو شعبان اور شوال کے درمیان ہے جیسا کہ خاندانِ ربیعہ کا خیال تھا کیونکہ شعبان اور شوال کے درمیان تو وہ مہینہ ہے جسے آج کل رمضان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ رجب سے مراد وہ مہینہ ہے جسے مضر نے رجب قرار دیا ہے نہ کہ وہ جسے ربیعہ نے رجب قرار دیا ہے۔

ان مہینوں کو حرمت والے قرار دیے جانے کی وجہ: بہر حال حرمت والے مہینے چار ہیں تین تو ان میں سے مسلسل ہیں اور ایک الگ ہے تاکہ حج و عمرہ کے مناسک کو ادا کیا جا سکے۔ حج سے پہلے ایک مہینے، یعنی ذوالقعدہ کو اس لیے حرمت والا قرار دیا گیا تاکہ وہ اس مہینے میں جنگ و جدال سے باز رہیں، ذوالحجہ کو اس لیے حرمت والا مہینہ قرار دیا تاکہ وہ اس میں مناسک حج ادا کر سکیں۔ اور اس کے بعد ماہ محرم کو اس لیے حرمت والا قرار دیا تاکہ امن و سکون سے اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ جائیں۔ اور

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ما جاء في سبع أرضين، حديث:3197 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، حديث:1679 عن أبي بكرة ﷺ مطوّلاً.

سال کے درمیان میں ماہ رجب کو اس لیے حرمت والا قرار دیا تا کہ جزیرۃ العرب کے دور دراز کے علاقوں میں سے آ کر اگر کوئی بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کرنا چاہے تو وہ زیارت وعمرے سے فارغ ہو کر امن سے اپنے وطن لوٹ جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ ''یہی سیدھا دین ہے۔'' یعنی یہی شریعت مستقیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی جائے اور اس کے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں کی حرمت کا پاس کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے روز اول سے جو مقرر کر رکھا ہے، اس کی پابندی کی جائے۔

ان مہینوں میں نیکی کے ثواب اور گناہ کے عذاب میں اضافہ: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''چنانچہ تم ان (مہینوں) میں (قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔'' کیونکہ ان مہینوں میں ظلم کرنے اور جدال وقتال کا دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ گناہ ہے جیسا کہ بلد حرام میں ارتکاب معصیت زیادہ بڑا گناہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (الحج 25:22) ''اور جو اس میں شرارت سے کج روی (وکفر) کرنا چاہے، اس کو ہم دردناک عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔'' اسی طرح حرمت والے مہینوں میں بھی گناہوں کی سزا زیادہ سنگین ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے کسی بھی مہینے میں ظلم نہ کرو اور ان میں سے چار مہینوں کو بطور خاص حرمت والے قرار دیا، ان کا بہت زیادہ ادب واحترام بجالانے کا حکم دیا اور ان میں گناہ کا ارتکاب کرنے کو بڑا جرم قرار دیا اور عمل صالح کو بھی بڑے اجر وثواب کا موجب قرار دیا۔[1]

امام قتادہ نے بھی ﴿ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں ظلم دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہے اگرچہ ظلم ہر حال میں اور ہر وقت ہی بڑا گناہ ہے لیکن ان مہینوں میں اس کی سنگینی اور گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ نے قابل ادب واحترام قرار دیا ہے۔[2] اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے منتخب فرمالے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو منتخب فرمالیا ہے، کلام میں سے اس نے اپنے ذکر کو منتخب فرمایا ہے، زمین میں سے اس نے مسجدوں کو اعزاز بخشا ہے، مہینوں میں سے اس نے رمضان اور حرمت والے مہینوں کو شرف بخشا ہے، دنوں میں سے اس نے جمعے کے دن کو اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو سرفراز فرمایا ہے، لہٰذا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے تم بھی ان کا ادب واحترام بجالاؤ۔ بلاشبہ ارباب عقل ودانش انھی چیزوں کو قابل تعظیم سمجھتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے۔

حرمت والے مہینوں میں قتال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ ''اور تم تمام مشرکین سے لڑو، جیسے وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ اور جان لو! بے شک اللہ پرہیزگاروں

[1] تفسیر الطبری :164/10. [2] تفسیر ابن أبی حاتم :1793/6.

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا

بلاشبہ (کسی مہینے کو) آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے اس کی وجہ سے کافر گمراہ کیے جاتے ہیں، وہ ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال

لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ

اسے حرام (خیال کرتے ہیں) تاکہ ان (مہینوں) کی تعداد پوری کریں جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں، پھر وہ حلال ٹھہرالیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا۔ ان

5 ع 8 11 وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿37﴾

کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔﴿37﴾

کے ساتھ ہے۔'' یعنی خوب جان لو کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ میں پہل کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ (المآئدة 2:5) ''مومنو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ماہ حرام کی۔'' اور فرمایا: ﴿ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ﴾ (البقرة2:194) ''ماہ حرام، ماہ حرام کے بدلے میں ہے اور حرمتیں ایک دوسری کا بدلہ ہیں، پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ...... ﴾ الآية (التوبة9:5) ''تو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کر دو......۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ﴾ ''اور تم تمام مشرکوں سے لڑو، جیسے وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اجازت دی ہے کہ وہ حرمت والے مہینے میں بھی مشرکوں سے لڑائی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ لڑائی کی ابتدا ان کی طرف سے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ﴾ (البقرة2:194) اور فرمایا: ﴿ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ...... ﴾ (البقرة2:191) ''اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو......۔''

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ طائف کا جو محاصرہ کیا اور حرمت والے مہینے کے شروع ہونے تک محاصرہ جاری رکھا تو وہ ہوازن اور ان کے حلیف ثقیف سے جنگ کا تتمّہ تھا اور ان لوگوں نے جنگ کا آغاز خود کیا تھا اور دوسرے لوگوں کو بھی جمع کر کے جنگ کی دعوت دی تھی، رسول اللہ ﷺ کو جب ان کی جنگ کی تیاری کا علم ہوا تو آپ ان کی سرکوبی کے لیے تشریف لے گئے اور جب یہ لوگ طائف کے قلعے میں بند ہو گئے تو آپ نے انھیں قلعے سے باہر نکالنے کے لیے کوشش فرمائی، انھیں مسلمانوں کی طرف سے گزند پہنچا کیونکہ مسلمانوں نے کافی لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔ منجنیقوں وغیرہ کے ساتھ محاصرہ قریباً چالیس دن تک جاری رہا اور اس کی ابتدا تو حلال مہینے سے ہوئی حتی کہ ماہ حرام شروع ہو گیا اور اس میں بھی کئی دن تک محاصرہ جاری رہا، پھر رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے اور اس صورت میں جنگ کا جاری رہنا قابل معافی ہے جبکہ حرمت والے مہینے میں جنگ کا آغاز

کرنا نا قابل معافی ہے۔ یہ طے شدہ اصول ہے اور اس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیت:37

شریعت میں رائے کے ساتھ تصرف کی مذمت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مذمت فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی شریعت میں اپنی فاسد آراء کے ساتھ تصرف کرتے، اپنی بے ہودہ خواہشات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جسے حرام قرار دیا ہے، اسے حلال اور جسے حلال قرار دیا اسے حرام ٹھہرا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی قوت غضبیہ، نخوت اور حمیّت کی وجہ سے ان تین مہینوں کی مدت کو بہت طویل سمجھتے تھے جو انھیں اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں رکاوٹ تھی، دشمنوں سے لڑائی وغیرہ کی صورت میں، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے ایک عرصے تک انھوں نے محرم کو حلال قرار دے لیا تھا اور اس کے بجائے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا تھا تاکہ حرمت والے چار مہینوں کی تعداد کو پورا کر لیں۔

﴿اَلنَّسِیْٓءُ﴾ کیا ہے؟ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ﴾ ''بلاشبہ (کسی مہینے کو ہٹا کر) آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جُنادہ بن عوف بن امیہ کنانی، جس کی کنیت ابوثمامہ تھی، موسم حج میں آتا اور اعلان کرتا کہ خبردار! لوگو ابوثمامہ کی بات پر اعتراض کرنا نہ کوئی عیب لگانا، خبردار! اس سال صفر حلال ہے۔ اور اس طرح وہ ایک سال صفر کو حلال قرار دیتا اور ایک سال اسے حرمت والا مہینہ قرار دے دیتا اور ایک سال محرم کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتا، یہی ﴿اَلنَّسِیْٓءُ﴾ ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ﴾ ''بلاشبہ (کسی مہینے کو ہٹا کر) آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔'' یہ لوگ ایک سال محرم کو حلت والا اور ایک سال حرمت والا قرار دے دیتے تھے۔[2] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

اور لیث بن ابوسلیم نے مجاہد سے یہ روایت کیا ہے کہ ہر سال موسم حج میں بنو کنانہ کا ایک شخص اپنے گدھے پر سوار ہو کر آتا اور یہ اعلان کرتا لوگو! مجھ پر نہ کوئی عیب لگایا جا سکتا ہے نہ مجھے مجرم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے، ہم نے محرم کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور صفر کو مؤخر کر دیا ہے۔ پھر آئندہ سال بھی اسی طرح کی بات کرتے ہوئے کہتا کہ اس سال کے لیے ہم نے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور محرم کو مؤخر کر دیا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ایسا اس لیے کرتے: ﴿لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ''تاکہ وہ (حرمت کے مہینوں کی) جو اللہ نے حرام کیے ہیں، گنتی پوری کر لیں۔'' یعنی چار مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔ اور حرمت والے اس مہینے کو مؤخر کر کے اس حرمت والے مہینے کو حلال کر لیتے[4] یہ لوگ ایک سال محرم کو حلال قرار دے لیتے تھے، اس کے بدلے میں صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے تھے، پھر اس کے بعد کا مہینہ

[1] یہ مثالیں البقرۃ، آیات: 194و217 کے تحت دیکھی جا سکتی ہیں۔ [2] تفسیر الطبری:10/168,169. [3] تفسیر الطبری: 10/169. [4] تفسیر الطبری:10/169.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ

اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ

آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی حقیر ہے ﴿38﴾ اگر

اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿38﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۬ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿39﴾

اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿39﴾

ربیع ہے، وہ ربیع سے لے کر سال کے آخری مہینے تک تمام مہینوں کو اپنے نظام، شمار اور ناموں کے اعتبار سے پہلے ہی کی طرح بدستور برقرار رکھتے اور اگلے سال محرم کو بھی حرمت والا مہینہ ہی رہنے دیتے، پھر صفر اور اس کے بعد والے دیگر تمام مہینوں میں بھی کوئی تبدیلی نہ کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام تاکہ وہ (حرمت کے مہینوں کی) جو اللہ نے حرام کیے ہیں، گنتی پوری کر لیں اور جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں اس کو حلال ٹھہرائیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے چار مہینے حرمت والے قرار دیے ہیں مگر یہ لوگ مسلسل تین حرمت والے مہینوں میں سے تیسرے مہینے، یعنی محرم کو کبھی تو حرمت والا قرار دے دیتے اور کبھی اس کے بجائے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے تھے۔

رسمِ نسیء کا موجد: امام محمد بن اسحاق نے سیرت سے متعلق اپنی کتاب میں اس موضوع پر بہت ہی عمدہ اور نفیس انداز میں روشنی ڈالی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عربوں میں سب سے پہلے جس نے نسیء کی رسم کو ایجاد کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینے کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیا وہ قَلَمَّس، یعنی حذیفہ بن عبد بن فُقَیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ تھا، اس کے بعد اس کے بیٹے عَبّاد، اس کے بعد اس کے بیٹے قَلَع، اس کے بعد اس کے بیٹے امیہ، اس کے بعد اس کے بیٹے عوف، پھر اس کے بیٹے ابوثُمامہ جُنادہ بن عوف نے اس رسم کو جاری رکھا۔ ابوثمامہ ہی کا دور تھا جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا۔ عرب کے لوگ جب حج سے فراغت کے بعد اس کے پاس آ کر جمع ہو جاتے تو یہ انھیں خطاب کرتے ہوئے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم کو حرمت والے مہینے قرار دیتا لیکن جب ان میں سے کسی کو حلال کرنا چاہتا تو ایک سال محرم کو حلال اور اس کی جگہ صفر کو حرام قرار دے دیتا تاکہ ادب کے ان مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

تفسیر آیات: 39,38

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق، أول من ابتدع النسيء: 42/1 .

17546

جہاد نہ کرنے پر سرزنش: یہاں سے ان لوگوں کی سرزنش کا آغاز ہوتا ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے اور جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے، یاد رہے! غزوۂ تبوک سخت گرمی کے موسم میں اس وقت پیش آیا تھا جب پھل پک چکے تھے اور گھنے سائے بہت فرحت بخش معلوم ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''مومنو! تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو۔'' یعنی تمھیں اللہ کی راہ میں جہاد کی دعوت دی جاتی ہے۔ ﴿ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ﴾ ''تو تم (کاہلی کے سبب) زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو۔'' یعنی سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرتے اور آسائش وخوشحالی اور پکے ہوئے پھلوں ہی میں رہنے کی طرف مائل ہوتے ہو۔ ﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو؟'' یعنی تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ کیا تم آخرت کے بجائے دنیا کی زندگی پر خوش ہو؟ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا سے بے رغبت کرتے اور آخرت کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۞ ﴾ ''چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی حقیر ہے۔'' امام احمد نے بنوفہر کے ایک شخص مُستَورِد کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا الدُّنيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا كَمِثْلِ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هٰذِهِ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ؟] ''آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے پھر دیکھے کہ اس کی انگلی (سمندر میں سے) کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے؟ (لگنے والے پانی کی کیا حیثیت ہے۔)'' اور آپ نے یہ بیان کرتے ہوئے انگشتِ شہادت کی طرف اشارہ فرمایا۔[1] اسے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2] امام ثوری نے اس آیت کی تفسیر میں اعمش کا قول نقل کیا ہے کہ دنیا کی مثال تو اس طرح ہے، جیسے کسی مسافر کے پاس تھوڑا سا زادِ راہ ہو۔[3]

دنیا کا سامان بہت قلیل ہے: عبدالعزیز بن ابو حازم نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ جب عبدالعزیز بن مروان کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہنے لگے کہ میرے پاس وہ کفن لاؤ جو مجھے پہنایا جائے گا تاکہ میں اسے دیکھ لوں۔ جب کفن ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انھوں نے اسے دیکھا اور کہا: کیا میرے لیے اس سے بڑا کفن نہیں ہے کیا مجھے دنیا کی چیزوں میں سے صرف یہ کفن ہی ملے گا پھر انھوں نے رخ پھیر لیا اور رونے لگے اور یہ کہنے لگے: اے دنیا کے گھر تجھ پر بہت افسوس! تیرا زیادہ مال بھی تھوڑا ہے اور جو تھوڑا ہے، وہ تو بہت ہی تھوڑا ہے مگر افسوس! ہم ہی تیرے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔[4]

جہاد سے گریزاں لوگوں کو سرزنش: پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد ترک کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ ''اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ

---

① مسند أحمد :229/4. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة، حديث:2858. ③ تفسير ابن أبي حاتم :1797/6. ④ تفسير ابن أبي حاتم :1797/6.

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ

تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر

بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ

اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا، اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا، اور بات تو اللہ ہی کی

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿40﴾

بلند ہے۔ اور اللہ بہت زبردست ہے، خوب حکمت والا ہے ﴿40﴾

رسول اللہ ﷺ نے عربوں کے ایک خاندان کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو انھوں نے سستی و کاہلی کا ثبوت دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر انھیں بارش سے محروم کر دیا سو یہ ان کے لیے عذاب تھا۔[1] ﴿ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ ”اور تمھارے سوا اور لوگ بدل دے گا۔“ یعنی جو اس کے نبی کی مدد کریں اور اس کے دین کو قائم کریں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴾ (محمد 38:47) ”اور اگر تم پھرو گے تو وہ تمھارے سوا اور لوگوں کو بدل دے گا پھر وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔“ ﴿ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ ﴾ ”اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے۔“ یعنی جہاد سے منہ موڑنے اور بزدلی و دوں ہمتی کا مظاہرہ کر کے اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ ﴿ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿39﴾ ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمھارے بغیر بھی وہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکے۔

تفسیر آیت: 40

اللہ اپنے نبی ﷺ کا مددگار ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ ﴾ ”اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے“ تو اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر، معاون و مددگار اور محافظ و کارساز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس وقت بھی مدد فرمائی تھی: ﴿ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ ﴾ ”جب ان کو کافروں نے (مکہ سے) نکال دیا تو (اس وقت) وہ دو میں سے دوسرا تھا۔“ یعنی ہجرت کے وقت جب مشرکوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ آپ کو قتل کر دیں یا قید کر دیں یا جلاوطن کر دیں مگر آپ اپنے دوست اور ساتھی حضرت ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر پہلے غار ثور میں تین دن تک مقیم رہے تھے تاکہ آپ کے تعاقب میں نکلنے والے لوگ واپس چلے جائیں اور آپ پھر مدینہ کی طرف تشریف لے جائیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی جھانک کر دیکھ لے اور نبی اکرم ﷺ کو ان کی طرف سے کوئی گزند پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گھبراہٹ اور پریشانی کو دیکھ کر آپ انھیں تسلی دے رہے تھے اور ثابت قدم رکھ رہے

---

[1] تفسير الطبري: 174/10 وتفسير ابن أبي حاتم: 1797/6.

ہجرت نبوی

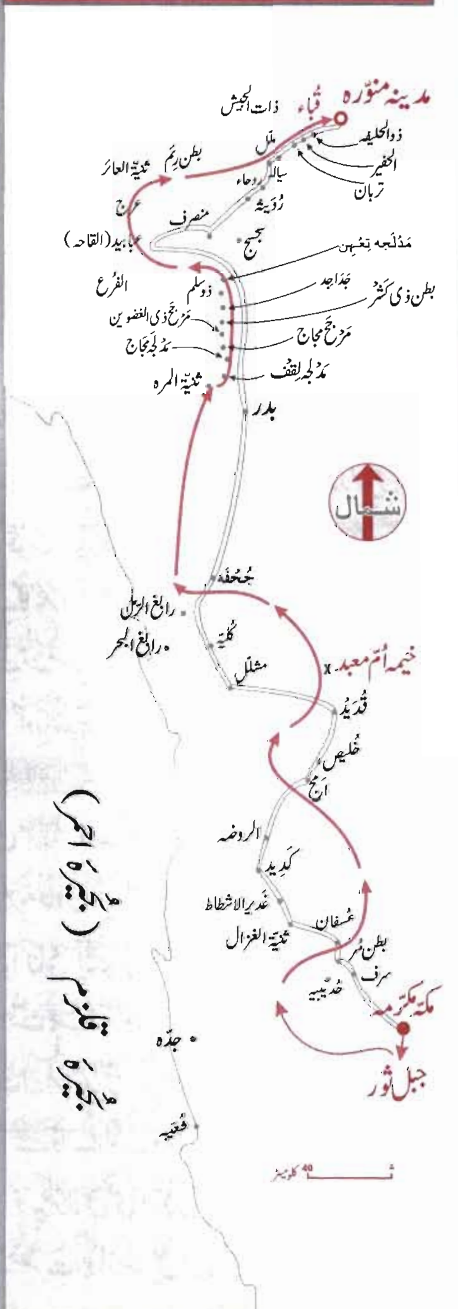

* نبی ﷺ 12 ربیع الاوّل مطابق 24 ستمبر 622ء کو بروز پیر قبا پہنچے۔
* یکم محرم 1ھ 16 جولائی 622ء کے مطابق ہے اور یہی ہجری تقویم کی ابتدا ہے۔

ہجرت کا راستہ

قافلوں کا راستہ

غارِ ثور

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ

تم ہلکے (بھی) نکلو اور بوجھل (بھی)، اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو،

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾

یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ﴿41﴾

تھے، آپ نے فرمایا: [يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ، اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟] ''ابوبکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟'' جیسا کہ امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے اس وقت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی جب ہم غار میں تھے کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا تو آپ نے فرمایا: [يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ، اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟] ''اے ابوبکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟''[1] اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ ''پھر اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمائی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر تائید و نصرت کو نازل فرمایا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے۔'' یعنی فرشتوں کو ان کی مدد کے لیے نازل فرما دیا۔ ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ﴾ ''اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کافروں کی بات سے مراد شرک اور اللہ کی بات سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے۔[3]

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص حمیت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص ریاکاری کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا: [مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''جو اس لیے لڑائی کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی بات کو سربلندی حاصل ہو تو وہ اللہ کے رستے میں لڑنے والا ہے۔''[4] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ ''اور اللہ بڑا زبردست ہے۔'' یعنی انتقام لینے اور مدد کرنے میں وہ بہت زبردست ہے جو اس کے باب عالی پر جھک جائے اور

[1] مسند أحمد:4/1. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين و فضلهم، حديث: 3653 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث:2381. [3] تفسير الطبري: 177/10. [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۚ﴾ (الصّٰفّٰت 37: 171)، حديث: 7458 وصحيح مسلم، الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا......، حديث: (150)-1904 واللفظ له.

اس کی کتاب مقدس سے لو لگا لے، وہ کبھی ذلیل ورسوا نہیں ہوسکتا۔ اور ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ ''وہ بڑی حکمت والا ہے۔'' اپنے تمام اقوال وافعال میں۔

تفسیر آیت:41

جہاد ہر حال میں فرض ہے: سفیان ثوری نے اپنے والد سے اور انھوں نے ابوالضحیٰ مسلم بن صُبَیح سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ سورۂ براءت کی یہ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت ہے۔① معتمر بن سلیمان نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرمی کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ لوگوں میں سے کوئی بیمار یا بہت بڑی عمر کا بھی ہوسکتا ہے۔ حضرمی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے آپ ﷺ نے فرمایا: [أَنَا لَا آثَمُ] ''میں ایسے لوگوں کو گنہگار نہیں ٹھہراتا۔'' تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ...... ﴾ الآیۃ ''تم سبک بار ہو یا گراں بار (مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت، گھروں سے) نکل آؤ......۔''② اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نکلنے کا حکم دیا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن رومیوں اور کفار اہل کتاب کے خلاف جہاد کریں اور مومنوں کے لیے ہر حال میں، خواہ خوشی ہو یا ناخوشی، تنگی ہو یا آسانی نکلنے کو فرض قرار دیا۔ اور فرمایا: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾۔

علی بن زید نے حضرت انس سے اور انھوں نے حضرت ابوطلحہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاد کے لیے نکلو، خواہ بوڑھے ہو یا جوان، اللہ تعالیٰ نے کسی کے عذر کو بھی قبول نہیں کیا، پھر وہ شام کی طرف تشریف لے گئے، جہاد میں حصہ لیا اور جام شہادت نوش فرما گئے۔③ ایک روایت میں یہ ہے کہ ابوطلحہ سورۂ براءت پڑھتے ہوئے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''تم سبک بار ہو یا گراں بار (مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت، گھروں سے) نکل آؤ اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑو۔'' تو انھوں نے کہا کہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے رب نے ہمیں نکلنے کے لیے کہا ہے، خواہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، لہٰذا اے بیٹو! مجھے تیار کر دو، ان کے بیٹوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ کو تو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کے ہمراہ جہاد کیا حتی کہ وہ وفات پا گئے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا حتی کہ وہ وفات پا گئے، پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیا حتی کہ وہ بھی انتقال فرما گئے، لہٰذا اب آپ کے بجائے ہم جہاد کریں گے مگر انھوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے سمندری سفر اختیار کیا اور سمندر میں ہی تھے کہ وفات پا گئے، ساتھیوں کو کوئی ایسا جزیرہ نہ ملا جس میں وہ انھیں دفن کر سکیں، بالآخر نو دن کے بعد ایک جزیرہ ملا جس میں انھیں دفن کر دیا گیا، ساتھیوں نے دیکھا کہ نو دن گزر جانے کے باوجود ان کی میت میں قطعاً کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔④

① تفسیر الطبری:181/10. ② تفسیر الطبری:180/10. ③ تفسیر الطبری:178/10. ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 1802/6.

سدی نے ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ تم اللہ کے رستے میں نکلو، خواہ دولت مند ہو یا فقیر، طاقت ور ہو یا کمزور، اس دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، راویوں کا خیال تھا کہ وہ مقداد تھے جو بہت موٹے اور قوی الجثہ تھے، انھوں نے اپنے موٹاپے کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دینے سے انکار فرما دیا تھا تو اسی دن یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾ اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو لوگوں پر بہت گراں گزری، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ (التوبة 9:91) ''نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریکِ جہاد نہ ہوں) جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں۔''[1]

امام ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے حبان بن زید شَرْعَبِی نے بیان کیا کہ ہم والی حمص صفوان بن عمرو کے ہمراہ اُفْسُوس کی جانب مقام جَراجِمہ گئے تو وہاں میں نے ایک بہت زیادہ معمر شخص کو دیکھا جن کے ابروان کی آنکھوں پر ڈھلک گئے تھے، ان کا تعلق دمشق سے تھا اور وہ اپنی سواری پر سوار تھے اور دشمن پر حملہ کر رہے تھے، میں نے ان کے پاس جا کر عرض کی: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو شریک جہاد نہ ہونے کی اجازت دی ہے، انھوں نے اپنے ابروؤں کو اوپر اٹھایا اور کہا: برادر زادے! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا ہے، خواہ ہم سبک بار ہوں یا گراں بار۔ اور یہ بات بھی خوب سن لو! اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے محبت کرتا ہے، اسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے لوٹا کر باقی رکھتا ہے اور یہ بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان کو امتحان میں ڈالتا ہے جو شاکر، صابر اور ذاکر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔[2]

انفاق وقتال کی ترغیب: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں اپنی اور اپنے رسول کی رضا میں جان و مال خرچ کر دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ ﴾ ''اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑو، یہی تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' یعنی یہ دنیا وآخرت میں تمھارے لیے بہتر ہے کیونکہ تم تھوڑا سا مال خرچ کرو گے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کا مال تمھیں غنیمت میں دلا دے گا اور آخرت میں بے پایاں اجر وثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [(تَكَفَّلَ اللّٰهُ) لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ (إِنْ تَوَفَّاهُ) أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ......]، [أَوْ يَرُدَّهُ إِلٰى (مَنْزِلِهِ) بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ] ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے میں جہاد کرنے والے کا یہ ذمہ لیا ہے کہ اگر وہ اسے فوت کرے تو اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اجر وثواب اور

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1803/6، 1804. [2] تفسیر الطبری: 179/10.

لَوۡ کَانَ عَرَضًا قَرِیۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَیۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ

اگر مال (غنیمت) قریب الحصول اور سفر درمیانہ ہوتا تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے، اور لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہو گئی،

وَسَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ یُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ۚ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ

اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمھارے ساتھ ضرور نکلتے۔ وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ

لَكٰذِبُوۡنَ ﴿42﴾ ع 6/5/12

جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں ﴿42﴾

مال غنیمت کے ساتھ اسے اس کے گھر لوٹائے گا۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُتِبَ عَلَیۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّهُوَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ (البقرۃ2:216) ''(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: [أَسْلِمْ] ''اسلام قبول کرلو۔'' اس نے عرض کی کہ مجھے یہ ناپسند ہے، آپ نے فرمایا: [أَسْلِمْ وَ إِنْ كُنْتَ كَارِهًا] ''اسلام قبول کرلو، خواہ یہ تمھیں ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔''[2]

تفسیر آیت: 42

منافقوں کے پیچھے رہ جانے کا سبب: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے اور جھوٹے حیلے بہانوں سے اپنے آپ کو معذور ظاہر کر کے اجازت لے لی تھی، حالانکہ ان کے پاس کوئی سچا عذر نہ تھا، فرمایا: ﴿ لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِیۡبًا ﴾ ''اگر مال غنیمت قریب الحصول ہوتا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غنیمت آسانی سے حاصل ہونے والی ہوتی۔ ﴿ وَّسَفَرًا قَاصِدًا ﴾ ''اور سفر بھی ہلکا ہوتا۔'' یعنی سفر بھی قریب کا ہوتا[3] ﴿ لَّاتَّبَعُوۡكَ ﴾ ''تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے۔'' یعنی جہاد کے لیے آپ کے ساتھ شریک ہوتے ﴿ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَیۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ ﴾ ''اور لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہو گئی۔'' اس آیت میں ﴿ الشُّقَّةُ ؕ ﴾ (کٹھن منزل) مَسافت سے مراد ملک شام کی

[1] پہلا حصہ صحیح البخاري، الجهاد والسير، باب: أفضل الناس مؤمن......، حديث:2787 کے مطابق لیکن پہلی قوسین والا جملہ صحیح البخاري، فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ: أحلت لكم الغنائم، حديث:3123 و صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد......، حديث:(104)-1876 میں ہے جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ المعجم الكبير للطبراني: 100,99/8، حديث:7491 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ دوسرا حصہ صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ ...... ﴾ (الکهف18:109) ، حديث:7463 کے مطابق ہے اور قوسین والا لفظ مسند أحمد:424/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [2] مسند أحمد:109/3. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1804/6.

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿43﴾

(اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر ظاہر ہو جاتے

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

سچے لوگ اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے ﴿43﴾ (اے نبی!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اجازت نہیں مانگتے اس سے

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿44﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿44﴾ آپ سے اجازت تو صرف وہ لوگ مانگتے ہیں

وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿45﴾

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں، لہٰذا وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں ﴿45﴾

طرف مسافت ہے۔ ﴿ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ ''اور اب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے۔'' یعنی آپ کے سامنے جب آپ لوٹ کر آئیں گے۔ ﴿ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ ﴾ ''(کہ) اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ ضرور نکل پڑتے۔'' یعنی یہاں اگر ہمارے پاس عذر نہ ہوتے تو ہم آپ کے ساتھ ضرور نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''یہ (ایسے عذروں سے) خود کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بلا شک وشبہ وہ جھوٹے ہیں۔''

تفسیر آیات: 43-45

منافقوں کو اجازت دینے کی وجہ سے باز پرس: امام ابن ابو حاتم نے عون سے روایت کیا ہے کہ کیا تم نے کبھی اس سے بھی زیادہ احسن انداز میں باز پرس سنی ہے کہ باز پرس سے قبل ہی معافی کا اعلان ہو: ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ﴾ ''معاف کرے اللہ آپ کو! آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟''[1] مُوَرِّق عجلی وغیرہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ جیسے تم سن رہے ہو باز پرس کی ہے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں یہ حکم نازل فرما دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انھیں اجازت دے دیں۔ فرمایا: ﴿ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ ...... ﴾ الآیة (النور 62:24) ''چنانچہ جب یہ لوگ آپ سے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں......''[3]

عطاء خراسانی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرلو اگر اجازت دے دیں تو بیٹھ رہو اور اگر اجازت نہ دیں تو پھر بھی بیٹھ رہو۔[5] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ﴾ ''حتی کہ آپ پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں۔'' یعنی عذر ظاہر کرنے میں ﴿ وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ ''اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1805/6. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1805/6. [3] تفسیر الطبری:184,183/10. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1806/6. [5] تفسیر الطبری:183/10.

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ

اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا، اس لیے اس نے انھیں ہلنے نہ دیا اور

اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿46﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

(ان سے) کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو﴿46﴾ اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھیں خرابی ہی میں زیادہ کرتے اور تمھارے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾

اندر فتنہ (کھڑا کرنے) کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں بعض ان کے جاسوس ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے﴿47﴾

انھوں نے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے انھیں چھوڑ کیوں دیا، آپ ان میں سے کسی کو بھی پیچھے بیٹھ رہ جانے کی اجازت نہ دیتے تاکہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ آپ کی اطاعت بجا لانے میں ان میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ اگر آپ انھیں اجازت نہ دیتے تو پھر بھی یہ جہاد سے منہ موڑ کر پیچھے بیٹھ رہ جانے پر ہی مصر تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہوگا وہ جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب نہیں کرے گا، پس فرمایا: ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ﴾ ''(اے نبی!) آپ سے اجازت طلب نہیں کرتے'' کہ جہاد سے پیچھے رہ جائیں۔ ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔'' کیونکہ وہ تو جہاد کو تقرب الٰہی کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھیں جب اس کی دعوت دی گئی تو انھوں نے اس پر فوراً لبیک کہا: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿44﴾﴾ ''اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔''

﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ﴾ ''بلاشبہ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔'' جہاد سے پیچھے رہ جانے کی جبکہ ان کے پاس کوئی عذر بھی نہیں ہے ﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''وہی لوگ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' یعنی جنھیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اعمال کے ثواب ملنے کی امید نہیں ہے۔ ﴿وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔'' آپ جس دین کو لائے ہیں، اس کے بارے میں انھیں شک ہے ﴿فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿45﴾﴾ ''لہٰذا وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔'' یعنی حیران و پریشان ہیں، ایک قدم آگے بڑھاتے اور ایک قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں، کسی چیز میں بھی یہ ثابت قدم نہیں ہیں، لہٰذا یہ حیران و پریشان ہی نہیں بلکہ تباہ و برباد بھی ہو رہے ہیں، یہ کسی ایک طرف بھی نہیں ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے، اسے کوئی رستہ نہیں دکھا سکتا۔

تفسیر آیات: 47,46

منافقین کے حالات کی پردہ دری: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ﴾ ''اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے۔'' یعنی آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے ﴿لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ ''تو اس کے لیے سامان تیار کرتے۔'' یعنی جہاد کے لیے بھرپور تیاری کرتے ﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿46﴾﴾ ''اور

لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند ہی نہ کیا تو ان کو سست کر دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا مومنوں کے ساتھ نکلنا ناپسند کیوں ہے، فرمایا: ﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ﴾ ''اگر وہ (منافق) تم میں (شامل ہو کر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو وہ تمھیں خرابی ہی میں بڑھاتے۔'' کیونکہ یہ بزدل ذلیل وخوار لوگ ہیں۔ ﴿ وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ﴾ ''اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے۔'' یعنی تمھاری چغلی کرنے اور تم میں بغض اور فتنہ پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے ﴿ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ﴾ ''اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔'' جو ان کی اطاعت کرتے ہیں، ان کی باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں، ان کی ہمدردی اور خیر خواہی چاہتے ہیں اگرچہ وہ ان کی حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہیں مگر وہ اپنے اس طرز عمل سے مومنوں میں بے پناہ شر وفساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے: جیسا کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرنے والے عبداللہ بن اُبیّ ابن سَلول اور جد بن قیس جیسے لوگ تھے جو اپنی قوم میں ممتاز اور صاحب حیثیت شمار ہوتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلنے جلنے ہی نہ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ نکلے تو وہ آپ کے لشکر کو خراب کریں گے۔[1] جبکہ آپ کے لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو ان سے محبت رکھتے اور ان کی اطاعت بجالاتے تھے کیونکہ یہ اپنی قوم کے ممتاز اور صاحبِ حیثیت لوگ تھے، اس لیے فرمایا: ﴿ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ﴾ ''اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل علم سے خبر دی ہے، فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' وہ جانتا ہے جو ہوا جو ہوگا اور جو نہیں ہوا اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا؟

اسی لیے فرمایا: ﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ﴾ ''اگر وہ (منافق) تم میں (شامل ہو کر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو وہ تمھیں خرابی ہی میں بڑھاتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ نکلتے تو کس طرح نکلتے، حالانکہ وہ تو نکلے ہی نہیں تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ (الأنعام 28:6) ''اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہی پھر کرنے لگیں اور کچھ شک نہیں کہ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ (الأنفال 23:8) ''اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) جانتا تو ان کو ضرور سنواتا اور اگر (بغیر صلاحیت وہدایت کے) سنوا بھی دیتا تو وہ پھر جاتے، اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والے ہوتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ (النسآء 4:66-68) ''اور یقیناً اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے

[1] تفسير الطبری: 186/10.

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ

(اے نبی!) یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا

اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿48﴾

اور اللہ کا حکم غالب ٹھہرا، جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے ﴿48﴾

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے اجازت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے میں تو پڑ چکے ہیں۔

لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿49﴾

اور بے شک جہنم یقیناً کافروں کو گھیرنے والا ہے ﴿49﴾

آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھر چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے ہی ایسا کرتے اور اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور تب ہم ضرور ان کو اپنے ہاں اجر عظیم بھی عطا فرماتے اور ہم ضرور انھیں سیدھے رستے پر چلاتے۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

تفسیر آیت: 48

منافقوں کے ظاہری طور پر اسلام لانے کا سبب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ ﴾ ''(اے نبی!) یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے لیے معاملات کو الٹ پلٹ کرتے رہے۔'' یعنی انھوں نے اپنے افکار و آراء کو ایک مدت تک آپ کے اور آپ کے رفقاء کے خلاف تدبیریں کرنے اور آپ کے دین کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنانے میں وقف کر رکھا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری کے ابتدائی دور میں تمام عربوں نے آپ پر ایک ہی کمان سے تیر اندازی کے منصوبے بنائے اور مدینہ کے یہودیوں اور مخالفوں نے آپ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا لیکن جب بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور آپ کے کلمے کو سر بلند کر دیا تو عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی کہنے لگے کہ اس دین کو تو غلبہ حاصل ہو گیا، لہٰذا ظاہری طور پر وہ دینِ اسلام میں داخل ہو گئے لیکن پھر جب بھی اسلام اور مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی تو اس سے انھیں بہت تکلیف پہنچتی اور مسلمانوں کی یہ کامیابی و کامرانی انھیں ایک آنکھ نہ بھاتی، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔''

تفسیر آیت: 49

یہ آیت جدّ بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ منافقوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ اے نبی! ﴿ ائْذَنْ لِّيْ ﴾ ''مجھے تو اجازت ہی دیجیے'' کہ میں بیٹھ رہوں اور جہاد میں شرکت نہ کروں ﴿ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ ﴾

’’اور مجھے آفت میں نہ ڈالیے‘‘ کہ آپ کے ساتھ نکل کر کہیں میں رومی لڑکیوں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ط﴾ ’’خبردار! یہ آفت میں پڑ گئے ہیں۔‘‘ یعنی اپنی اس بات کی وجہ سے یہ فتنے میں پڑ گئے ہیں جیسا کہ محمد بن اسحاق نے امام زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابوبکر اور عاصم بن عمر بن قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن دنوں جہاد کی تیاری فرما رہے تھے تو آپ نے خاندان بنوسلمہ کے ایک شخص جد بن قیس سے کہا: [هَلْ لَّكَ يَا جَدُّ! الْعَامَ فِي جِلَادِ بَنِي الْأَصْفَرِ؟] ’’جدّ! کیا اس سال رومیوں سے جہاد کے لیے چلو گے؟‘‘ تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے تو اجازت ہی دیجیے اور فتنے میں نہ ڈالیے۔ اللہ کی قسم! میری قوم کو معلوم ہے کہ مجھ سے بڑھ کر عورتوں کا کوئی رسیا نہیں، مجھے ڈر ہے کہ میں نے جب رومیوں کی عورتوں کو دیکھا تو میں صبر نہ کر سکوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس سے رخِ انور پھیر لیا اور فرمایا: [أَذِنْتُ لَكَ] ’’میں نے تجھے اجازت دے دی ہے۔‘‘ اسی جد بن قیس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ط...... ﴾ الآية ’’اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجیے اور آفت میں نہ ڈالیے۔‘‘ یہ مکمل آیت، یعنی اگر یہ رومیوں کی عورتوں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہونے سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تو خود غرضی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ کر جیسے فتنے میں یہ مبتلا ہوا ہے یہ تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمہ تفسیر سے اسی طرح مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ② یہ جد بن قیس بنوسلمہ کے سرداروں میں سے تھا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: [مَنْ سَيِّدُكُمْ يَا بَنِي سَلِمَةَ؟] ’’بنوسلمہ! تمھارا سردار کون ہے؟‘‘ انھوں نے جواب دیا کہ سردار تو جد بن قیس ہے مگر وہ بخیل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوٰى مِنَ الْبُخْلِ؟ بَلْ سَيِّدُكُمْ بِشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُورٍ] ’’بخل سے بڑھ کر اور کیا بیماری ہو سکتی ہے؟ لہٰذا تمھارا سردار بشر بن براء بن معرور ہے۔‘‘ ③ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ ’’اور بے شک دوزخ (سب) کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔‘‘ یعنی یہ اس سے جان چھڑا کر اور بھاگ کر کہیں نہ جا سکیں گے۔

① تفسیر الطبری:192,191/10. ② تفسیر الطبری:191/10. ③ المستدرک للحاکم، معرفة الصحابة، ذکر مناقب بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ:219/3، حدیث:4965 و المعجم الکبیر للطبرانی:81/19، حدیث:163، بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے بنوسلمہ کا سردار عمرو بن جموح کو بنایا تھا، دیکھیے مجمع الزوائد، المناقب، باب فی عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ: 315,314/9، حدیث:15743 و الأدب المفرد، باب البخل:153/1، حدیث:296. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ بشر کے قصے کو عمرو کی شہادت کے بعد پر محمول کیا جائے گا، دیکھیے فتح الباری:179,178/5 بعد الحدیث: 2550.

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا

(اے نبی!) اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انھیں بری لگتی ہے۔ اور اگر آپ پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے معاملے

مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿50﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ

میں پہلے ہی احتیاط برتی تھی۔ اور وہ خوش خوش لوٹ جاتے ہیں ﴿50﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمیں تو صرف وہی (مصیبت) پہنچے گی جو اللہ نے

هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾

ہمارے لیے لکھ دی، وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ﴿51﴾

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے بس ایک (فتح یا شہادت) کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمھارے حق میں یہ انتظار کرتے

اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿52﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا

ہیں کہ اللہ تمھیں اپنے پاس سے عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں (عذاب دلوائے)، چنانچہ تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں ﴿52﴾

طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿53﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، بے شک تم نافرمان لوگ ہو ﴿53﴾ اور ان کے خرچ

اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا

کیے ہوئے مال قبول کیے جانے میں صرف یہ (امر) مانع ہے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور وہ نماز کے لیے

وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿54﴾

سست ہو کر ہی آتے ہیں اور وہ ناگواری ہی سے خرچ کرتے ہیں ﴿54﴾

تفسیر آیات: 51,50

مومنوں پر مصیبتیں ٹوٹیں تو کافر خوش ہوتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی دشمنی سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کو جب بھی کوئی فتح و نصرت حاصل ہو جس سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو مسرت حاصل ہو تو وہ ان کو بری معلوم ہوتی ہے۔ ﴿ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اور اگر آپ پر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی (درست) کر لیا تھا۔'' یعنی ہم نے پہلے ہی آپ کی اتباع سے احتراز کر لیا تھا ﴿ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿50﴾ ﴾ ''اور خوشیاں مناتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان کی اس شدید دشمنی کے جواب میں یہ فرما دیں: ﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی، سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔'' یعنی ہم تو اسی کے ارادے اور مشیت کے تحت ہیں۔ ﴿ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ ﴾ ''وہی ہمارا کارساز ہے۔'' ہمارا آقا و مولیٰ ہے ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ ﴾ ''اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔'' اور ہم اسی پر بھروسا رکھے ہوئے ہیں، وہ ہمیں کافی ہے اور وہ

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

چنانچہ ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں، یقیناً اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیاوی زندگی ہی میں عذاب

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿55﴾

دے اور ان کی جانیں حالت کفر ہی میں نکلیں ﴿55﴾

بہت ہی اچھا کارساز ہے۔

تفسیر آیات: 52-54

مارے گئے تو شہید زندہ رہے تو غازی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجیے'' اے نبی! ان سے ﴿ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ ﴾ ''کیا تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو؟'' یعنی شہادت یا تم پر فتح و نصرت کے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے فرمایا ہے۔[1] ﴿ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ ﴾ ''اور ہم تمھارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ (یا تو) اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے (عذاب دلوائے۔)'' یعنی تم قیدی بن جاؤ یا قتل ہو جاؤ۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿52﴾ ﴾ ''چنانچہ تم انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں۔''

کافر کی کوئی نیکی قابل قبول نہیں: پھر فرمایا: ﴿ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿53﴾ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ تم (مال) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔'' پھر ان کے مال کو قبول نہ کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ﴾ ''بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔'' اور اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان ضروری ہے۔ ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى ﴾ ''اور نماز کو آتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر۔'' یعنی نہ تو ان کا قصد و ارادہ ہی صحیح ہے اور نہ کسی عمل کے لیے یہ اپنے اندر جوش، ولولہ اور ہمت ہی پاتے ہیں۔ ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿54﴾ ﴾ ''اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔''

صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوا] ''اللہ تعالیٰ (ثواب دیتے) نہیں اکتاتا، تم ہی (عمل کرتے کرتے) اکتا جاؤ گے۔''[2] [إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَّا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا] ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال ہی قبول فرماتا ہے۔''[3] یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کے کسی خرچ کو قبول فرماتا ہے نہ کسی عمل کو کیونکہ وہ تو اپنے پرہیزگار بندوں کے عمل ہی کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

[1] تفسیر الطبری: 195,194/10. [2] صحیح البخاری، الإیمان، باب أحب الدین إلی اللّٰه أدومه، حدیث: 43 و صحیح مسلم، الصلاة، باب فضیلة العمل الدائم......، حدیث: (221)-785 عن عائشة رضی اللہ عنہا. [3] صحیح مسلم، الزکاة، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب و تربیتها، حدیث: 1015 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿56﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ

اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، بلکہ وہ تو ڈرپوک لوگ ہیں ﴿56﴾ اگر وہ کوئی

مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿57﴾

پناہ کی جگہ یا غاریں یا کوئی اور گھس بیٹھنے کی جگہ پائیں تو اس کی طرف رسیاں تڑا کر ضرور بھاگ نکلیں ﴿57﴾

تفسیر آیت: 55

کفار کے مال واولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ ﴾ ”چنانچہ آپ کو ان کے مال اور اولاد حیرت میں نہ ڈالیں۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۵ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ ﴾ (طٰهٰ 131:20) ”اور آپ اپنی دونوں آنکھیں اس کی طرف دراز نہ کریں جس کو دنیاوی زندگی کی آرائش سے ہم نے کئی طرح کے لوگوں کو بہرہ مند کیا ہے تاکہ ہم انھیں اس دنیا میں آزمائیں اور آپ کے پروردگار کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 56,55:23) ”کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ شعور ہی نہیں رکھتے۔“ اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ”بلاشبہ اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیاوی زندگی میں ان کو عذاب دے۔“ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھیں ان کی زکاۃ ادا کرنا پڑتی اور اللہ کے رستے میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔[1] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ ”اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔“ یعنی اللہ چاہتا ہے کہ جب یہ مریں تو حالتِ کفر ہی میں مریں تاکہ انھیں جہنم میں شدید ترین عذاب ہو۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ. دنیا کی زندگی میں اگر یہ عیش وعشرت میں مصروف ہیں تو یہ مہلت اور استدراج کے قبیل سے ہے۔

تفسیر آیات: 57,56

منافقوں کی گھبراہٹ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو منافقوں کے ڈر، خوف اور گھبراہٹ سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ یعنی وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں، درحقیقت وہ تم میں سے نہیں ہیں ﴿ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿56﴾ ﴾ ”اور لیکن وہ تو ڈرپوک لوگ ہیں۔“ اور اپنے ڈر اور خوف ہی کی وجہ سے یہ قسمیں کھاتے ہیں ﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً ﴾ ”اگر وہ کوئی بچاؤ کی جگہ پالیں۔“ یعنی قلعہ جس میں وہ قلعہ بند ہو جائیں یا چھپنے کی کوئی اور جگہ تلاش کرلیں ﴿ اَوْ مَغٰرٰتٍ ﴾ ”یا غار“ وہ جو پہاڑوں میں ہوتے ہیں ﴿ اَوْ مُدَّخَلًا ﴾ ”یا (زمین

[1] تفسیر الطبری: 197/10.

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا

اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ آپ پر صدقات (کی تقسیم) میں عیب جوئی کرتے ہیں، چنانچہ اگر انھیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو

مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝58 وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ

راضی رہتے ہیں اور اگر اس میں سے نہ دیا جائے تو وہ جھٹ ناراض ہو جاتے ہیں ⑤⑧ اور (کیا ہی اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی رہتے جو اللہ

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى

نے اور اس کے رسول نے انھیں دیا۔ اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، جلد ہی اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی،

7 ع 17 13 اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝59 ع

بے شک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں ⑤⑨

کے اندر) گھسنے کی جگہ'' جیسے زمین میں کوئی سرنگ وغیرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے ان تینوں الفاظ کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[1] ﴿ لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝57 ﴾ ''تو اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے پھر جائیں۔'' یعنی بھاگ کر تم سے دور چلے جائیں کیونکہ اگر وہ تم سے تعلق رکھتے ہیں تو از راہ محبت نہیں بلکہ انتہائی ناپسندیدگی کے ساتھ اور چاہتے یہ ہیں کہ تم سے کوئی تعلق نہ رکھیں لیکن مجبوراً انھیں تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر وقت غم اور فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کیونکہ یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو آئے دن فتح و نصرت، غلبہ اور سربلندی حاصل ہوتی جا رہی ہے، لہٰذا جب بھی مسلمانوں کو فرحت و مسرت کی کوئی بات حاصل ہوتی ہے تو وہ انھیں بہت بری لگتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مومنوں سے میل جول نہ رکھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝57 ﴾ ''اگر وہ کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غاریں یا (زمین کے اندر) گھسنے کی جگہ پالیں تو اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے پھر جائیں۔''

تفسیر آیات: 59,58

منافقوں کی صدقات پر طعنہ زنی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ ''اور ان میں سے'' یعنی منافقوں میں سے ﴿ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ ﴾ ''بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں آپ پر عیب جوئی کرتے ہیں۔'' حالانکہ وہ خود ایسے ہیں کہ ان پر طعنہ زنی کی جائے اور انھیں برا قرار دیا جائے، پھر یہ طعنہ زنی دین کے لیے نہیں بلکہ یہ تو اپنی نفسانی خواہشات کے لیے کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ﴿ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝58 ﴾ ''تو اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل جائے تو خوش رہیں اور اگر (اس قدر) نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔'' یعنی ان کی ناراضی محض اپنے مفادات کی وجہ سے ہے۔ امام قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم کی وجہ سے آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔

---

[1] تفسیر الطبری:10/199.

خارجیوں کے متعلق پیش گوئیاں: (قتادہ کہتے ہیں:) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آیا جب آپ سونا اور چاندی تقسیم فرما رہے تھے اس نے کہا: اے نبی! اللہ کی قسم! اللہ نے اگر آپ کو عدل کرنے کا حکم دیا ہے تو آپ نے عدل نہیں کیا، نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [وَيْلَكَ! فَمَنْ ذَا يَعْدِلُ عَلَيْكَ بَعْدِي؟] ''تجھ پر افسوس! میرے بعد تجھ سے کون عدل وانصاف کرے گا؟'' پھر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِحْذَرُوا هٰذَا وَأَشْبَاهَهُ! فَإِنَّ فِي أُمَّتِي أَشْبَاهَ هٰذَا، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، فَإِذَا خَرَجُوا فَاقْتُلُوهُمْ، ثُمَّ إِذَا خَرَجُوا فَاقْتُلُوهُمْ، ثُمَّ إِذَا خَرَجُوا فَاقْتُلُوهُمْ] ''اس شخص سے اور اس جیسے لوگوں سے بچ کر رہو، میری امت میں کچھ اس طرح کے لوگ ہوں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا جب اس طرح کے لوگ نکل آئیں تو ان سے قتال کرو، پھر جب یہ نکلیں تو ان سے لڑائی کرو، پھر جب یہ نکلیں تو پھر ان سے جنگ کرو۔'' ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! مَا أُعْطِيكُمْ شَيْئًا وَّلَا أَمْنَعُكُمُوهُ، إِنَّمَا أَنَا خَازِنٌ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھیں (اپنی طرف سے) کوئی چیز دیتا ہوں نہ کسی چیز کو تم سے روکتا ہوں کیونکہ میں تو خازن ہوں۔''[1]

امام قتادہ نے جو یہ ذکر کیا ہے، یہ اس روایت کے مشابہ ہے جسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ابوسعید سے ذُوالخُوَیصِرَہ کے قصے میں بیان کیا ہے، اس کا نام حُرقُوص تھا، اس نے حنین کی غنیمتوں کی تقسیم کے موقع پر نبیٔ اکرم ﷺ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ انصاف کریں آپ نے انصاف نہیں کیا، تو نبیٔ اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

[......قَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِنْ لَّمْ أَكُنْ أَعْدِلُ!...... نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ وَّقَالَ: (إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِيءِ هٰذَا قَوْمٌ) يَّحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، (فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ)، (شَرُّ قَتْلٰى تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ)] ''......اگر میں عدل وانصاف نہ کروں تو (پھر تو میں) خائب وخاسر ہو گیا!...... جب یہ شخص واپس جا رہا تھا تو نبیٔ اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر سمجھے گا، چنانچہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوں سے آگے نہیں جائے گا لیکن وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، پھر جب تم ان لوگوں کو ملو تو قتل کر دو۔ آسمان کی چھت تلے قتل ہونے والے یہ بدترین لوگ ہوں گے۔''[2]

---

[1] تفسير الطبري:201/10. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3610، پہلی قوسین والے الفاظ کسی اور سیاق سے صحيح البخاري، المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب رضي الله عنه......، حديث:4351، دوسری قوسین والے الفاظ خوارج کے سیاق میں ہی صحيح البخاري، استتابة المرتدين......، باب قتل الخوارج، حديث:6930 و صحيح مسلم، الزكاة، باب التحريض على قتل الخوارج، حديث:1066 عن علي رضي الله عنه میں ہیں جبکہ تیسری قوسین والے الفاظ بھی مختلف سیاق کے ساتھ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حديث:3000 و مسند أحمد:256/5 عن أبي أمامة رضي الله عنه میں ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي

زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور

الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿60﴾

اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے ﴿60﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا جو ان کے لیے بہتر ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿59﴾ ﴾ ”اور یقیناً اگر وہ اس پر خوش رہتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور اللہ اپنے فضل سے اور اس کے پیغمبر (اپنی مہربانی سے) عنقریب ہمیں (پھر) دے دیں گے اور بلاشبہ ہم تو اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔)“ اس آیت کریمہ میں بہت بڑے ادب اور بہت بڑی راز کی بات یہ سکھائی گئی ہے کہ خوش اس پر ہونا چاہیے جو اللہ اور اس کا رسول عطا فرما دیں جبکہ توکل صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات گرامی پر کرنا چاہیے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ ﴾ ”اور وہ کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔“ اسی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ وہ اپنے رسول کی اطاعت، آپ کے احکام کے بجالانے، جن باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنے، آپ نے جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کرنے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر آیت :60

مصارفِ زکاۃ کا بیان: اللہ تعالیٰ نے جب جاہل منافقوں کی نبیٔ اکرم ﷺ پر اعتراض اور تقسیم صدقات کے سلسلے میں طعنہ زنی کا ذکر کیا تو اس آیت کریمہ میں یہ بیان فرما دیا ہے کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ اسی نے بیان فرمایا اور اس کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، تقسیم صدقات کا اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا بلکہ اس نے مذکورہ بالا مصارف میں اسے خود ہی تقسیم فرما دیا ہے۔ اور یہاں فقراء کو سب سے پہلے ذکر کیا کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن بصری اور ابن زید سے مروی ہے اور ابن جریر اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کہ فقیر سے مراد وہ محتاج ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور مسکین وہ ہے جو لوگوں کے پاس آئے جائے، ان کا پیچھا کرے اور ان سے سوال کرے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو جسمانی طور پر معذور ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم ہو۔[2] اب ہم زکاۃ کے ان آٹھ مصارف سے متعلق احادیث ذکر کریں گے۔

[1] تفسیر الطبری:203,202/10. [2] تفسیر الطبری:203/10.

فقراء: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، وَّلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ]''صدقہ کسی دولت مند یا ایسے شخص کے لیے حلال نہیں ہے جو مال دار، طاقت ور اور صحیح سالم ہو۔'' اسے امام احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔[1]

مساکین: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِهٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ، فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ قَالُوا فَمَا الْمِسْكِينُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُّغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ، فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا]''مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے پاس چکر لگائے اور اسے ایک یا دو لقمے یا ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں۔ تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جس کے پاس دولت نہ ہو جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور نہ اس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ ضرورت مند ہے تاکہ اسے صدقہ دیا جاسکے اور نہ وہ خود ہی لوگوں سے کوئی سوال کرے۔''[2]

کارکنانِ صدقات: کارکنانِ صدقات سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں لوگوں سے زکاۃ وصول کرنے اور جمع کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو تو وہ اپنی اس محنت کی وجہ سے مستحق قرار پاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے لیے یہ کام جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے لیے صدقہ حرام ہے، جیسے صحیح مسلم میں عبدالمطلب بن رَبیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ وہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ انھیں زکاۃ کی وصولی کے لیے کارکن مقرر کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:[إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ]''یہ صدقات ہیں، یہ تو لوگوں کے میل کچیل ہیں، محمد اور آل محمد (ﷺ) کے لیے حلال نہیں ہیں۔''[3]

تالیف قلب: تالیف قلبی کی کئی قسمیں ہیں: کچھ لوگوں کو تو اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حنین کی غنیمتوں میں سے صفوان بن امیہ کو دیا تھا، غزوۂ حنین کے وقت یہ مشرک تھے اور ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔ یہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ رسول اللہ ﷺ تھے مگر آپ مجھے اس قدر کثرت کے ساتھ عطا فرماتے رہے حتی کہ آپ کی ذات گرامی سے مجھے شدید ترین محبت ہوئی اور آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ ہوگئے۔ جیسا کہ امام احمد نے صفوان بن امیہ کی روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے مال دیا، حالانکہ آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ تھے مگر آپ مجھے اس قدر کثرت سے عطا فرماتے

---

[1] مسند أحمد:164/2 وسنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى، حديث: 1634 وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء من لا تحل له الصدقة، حديث: 652. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ (البقرة2:273)، حديث: 1479 وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين لايجد غنى...... ، حديث: 1039 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي على الصدقة، حديث:(168)-1072.

رہے کہ آپ کی ذات گرامی سے مجھے شدید ترین محبت ہوگئی۔ [1] اسے امام مسلم اور امام ترمذی نے بھی بیان کیا ہے۔ [2] کچھ لوگوں کو آپ اس لیے عطا فرماتے تا کہ ان کا اسلام پختہ ہو جائے اور ان کا دل اسلام پر جم جائے جیسا کہ آپ نے حنین کے دن کئی طُلَقَاء اور سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرما دیے تھے، آپ نے فرمایا: [إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ، وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهِ] ''بے شک میں ایک شخص کو دیتا ہوں جبکہ کوئی اور مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے مگر میں اسے اس لیے دیتا ہوں تا کہ اسے اوندھے منہ جہنم میں (نہ) گرا دیا جائے (اور یہ پکا سچا مسلمان بن کر جہنم کی آگ سے بچ جائے۔)'' [3]

صحیحین میں حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے تھوڑا سا خام سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو وہ آپ نے چار آدمیوں اَقرَع بن حابس، عیینہ بن بدر، عَلْقَمہ بن عُلاثہ اور زید الخیر میں تقسیم کر دیا اور فرمایا: [إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ] ''میں نے انھیں تالیفِ قلب کے لیے دیا ہے۔'' [4] کچھ لوگوں کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان جیسے لوگوں کے اسلام لانے کی امید ہوتی ہے، کچھ لوگوں کو اس لیے دیا جاتا تا کہ وہ اپنے میل جول اور تعلق والے لوگوں کو دے دیں یا اس لیے دیا جاتا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کریں اور انھیں دشمنوں کے نقصان سے بچائیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

گردنیں آزاد کرنا: امام حسن بصری، مُقاتِل بن حَیّان، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نَخَعی، زہری اور ابن زید رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ یہاں گردنوں سے مراد وہ غلام ہیں جنھوں نے اپنے مالکان سے یہ معاہدہ کر لیا ہو کہ وہ ایک مقررہ رقم قسطوں کی صورت میں ادا کر دیں گے اور جب وہ رقم پوری ہو جائے گی تو وہ انھیں آزاد کر دیں گے۔ [5] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ زکاۃ سے گردن کو آزاد کر دیا جائے۔ [7] یعنی گردن عام ہے، لٰہذا یہاں یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ زکاۃ مکاتب غلام کو دی جائے یا اس سے کسی غلام کو خرید کر مستقل طور پر آزاد کر دیا جائے۔ گردن آزاد کرنے کے ثواب کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں کہ اللہ تعالیٰ غلام کے جسم کے ایک ایک عضو کے بدلے میں اسے آزاد کرنے والے کے عضو کو آزاد کر دے گا حتی کہ شرم گاہ کے بدلے میں شرم گاہ کو آزاد کر دے گا۔ [8] کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ

[1] مسند أحمد:465/6. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث:2313 و جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في إعطاء المؤلفة قلوبهم، حديث:666. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ (البقرة2:273)، حديث:1478 و صحيح مسلم، الإيمان، باب تألف قلب من يخاف على إيمانه ......، حديث:(237)-150. [4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ (الأعراف7:65)......، حديث: 3344 مفصلاً. و صحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، حديث: 1064 مفصلاً. [5] تفسير الطبري:210/10 و تفسير روح المعاني:178/10 و تفسير ابن أبي حاتم:1824,1823/6. [6] تفسير الطبري:210/10. [7] تفسير الطبري:210/10 والدر المنثور:451/3. [8] صحيح البخاري، كفارات الأيمان، باب قول الله تعالى: ﴿اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ (المآئدة5:89)......، حديث:6715.

تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 39:37) ''اور تم کو بدلہ ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔''

گردن آزاد کرنے کی فضیلت: ''مسند'' میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) مجھے ایک ایسا عمل بتایئے جو جنت میں داخل کر دے؟ فرمایا: [......أَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَوَ لَيْسَا (وَاحِدًا؟) قَالَ: لَا، إِنَّ عِتْقَ النَّسَمَةِ أَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا، وَفَكَّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِينَ فِي (ثَمَنِهَا)] ''......جان کو آزاد کر دو اور گردن کو چھڑا دو، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں؟ فرمایا: نہیں، جان سے آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ تم اکیلے ہی اسے آزاد کرو اور گردن چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ تم اس کی (گردن چھڑانے کی) قیمت میں مدد کر دو۔''[1]

قرض دار: قرض داروں کی کئی قسمیں ہیں: کچھ تو وہ ہیں جنھوں نے کوئی بوجھ اٹھا لیا یا کسی کے قرض کے ضامن بن گئے اور اس کی وجہ سے ان کا سارا مال جاتا رہا یا انھیں قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی تاوان ادا کرنا پڑا یا کسی گناہ کے کام کی وجہ سے سارا مال صرف ہو گیا، پھر اس نے اس گناہ سے توبہ کر لی تو ایسے تمام لوگوں کو زکاۃ دی جائے گی۔ اس سلسلے میں دلیل قَبیصہ بن مُخارِق ہلالی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے ایک مالی بوجھ کی ذمے داری قبول کی، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ اس سلسلے میں تعاون کی درخواست کروں، آپ نے فرمایا:

[أَقِمْ حَتّٰى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأْمُرَ لَكَ بِهَا. قَالَ: ثُمَّ قَالَ: يَا قَبِيصَةُ! إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ: رَّجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ۔ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ۔ وَّرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُولَ ثَلَاثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهٖ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ۔ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ۔ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ (يَاقَبِيصَةُ) سُحْتًا يَّأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا]

''کچھ دیر ٹھہر جاؤ، ہمارے پاس جب زکاۃ کا مال آئے گا تو ہم حکم دے دیں گے کہ اس میں سے تمھیں دے دیا جائے، پھر آپ نے فرمایا: قبیصہ! سوال کرنا ایسے تین آدمیوں میں سے کسی ایک کے لیے ہی حلال ہے: (1) وہ شخص جس نے مالی ذمہ داری کا کوئی بوجھ اٹھا لیا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر دے، پھر سوال نہ کرے۔ (2) وہ شخص جو کسی ایسی آفت میں مبتلا ہو گیا ہو جس نے اس کے سارے مال کو تباہ کر دیا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ اسے گزر بسر کے لیے مناسب مال مل جائے اور (3) وہ شخص جو فاقے میں مبتلا ہو جائے حتی کہ اس کی قوم کے تین عقل مند آدمی یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص فاقے میں مبتلا ہو گیا ہے تو اس کے لیے بھی سوال کرنا حلال ہے حتی کہ اسے بھی گزر بسر کے لیے مناسب مال مل جائے، قبیصہ ان صورتوں کے سوا سوال کرنا حرام ہے، لہٰذا سوال کرنے والا مال حرام کھاتا ہے۔'' اسے امام مسلم

[1] مسند أحمد: 299/4 مفصلاً جبکہ قوسین والے الفاظ المستدرك للحاكم: 217/2، حديث: 2861 میں ہیں۔

وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ

اور ان (منافقوں) میں سے بعض وہ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ (تو صرف) کان ہے۔(ہر ایک کی سن اور مان لیتا ہے) آپ کہہ

بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ

دیجیے: وہ تمھارے لیے خیر کا کان ہے، وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں (کی باتوں) پر یقین رکھتا ہے، اور تم میں سے جو ایمان لائے ان کے

رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿61﴾

لیے رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿61﴾

نے بیان کیا ہے۔[1]

ابوسعید (سعد بن مالک رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھل خریدے مگر وہ پھل تباہ ہوگئے اور وہ شخص بہت مقروض ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ] ''اس پر صدقہ کرو'' لوگوں نے صدقہ کیا مگر وہ اس کے قرض کے برابر نہ تھا تو آپ نے اس سے قرض لینے والوں سے فرمایا: [خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ] ''تمھیں جو ملے وہ لے لو اور بس تمھارے لیے یہی ہے۔'' اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2]

اللہ کی راہ میں: اس سے مراد وہ مجاہد بھی ہیں جنھیں سرکاری خزانے سے کوئی تنخواہ وغیرہ نہ ملتی ہو۔

مسافر: ''ابن سبیل'' سے مراد وہ مسافر ہے جو کسی شہر سے گزر رہا ہو اور اس کے پاس زادِ راہ نہ ہو تو اسے بھی بقدر ضرورت مالِ زکاۃ دیا جاسکتا ہے، خواہ اپنے شہر میں اس کے پاس مال موجود ہو۔ اسی طرح وہ شخص جو اپنے شہر سے سفر کا آغاز کرنا چاہتا ہو اور اس کے پاس زادِ سفر نہ ہو تو اسے بھی سفر کے آنے جانے کے اخراجات کے مطابق دیا جاسکتا ہے، اس کی دلیل ایک تو یہی آیت کریمہ ہے اور دوسری وہ حدیث جسے امام ابوداود اور ابن ماجہ نے معمر از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ غَارِمٍ أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَأَهْدٰى مِنْهَا لِغَنِيٍّ] ''کسی دولت مند شخص کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ ہاں، البتہ پانچ قسم کے لوگوں کے لیے حلال ہے: (1) کارکنانِ صدقات کے لیے۔ (2) اس شخص کے لیے جو اپنے مال کے ساتھ صدقے کی کوئی چیز خرید لے۔ (3) مقروض کے لیے۔ (4) اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے کے لیے۔ (5) یا کسی مسکین پر کوئی صدقہ کیا گیا تو اس نے اس میں سے کسی دولت مند کو کوئی تحفہ دے دیا۔''[3]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اللہ کی طرف سے فرض ہے۔'' یعنی یہ حکم اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے اور اس

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب من تحل له المسألة؟ حديث:1044 قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے۔ [2] صحيح مسلم، المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، حديث:1556. [3] سنن أبي داود، الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، حديث:1635 وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب من تحل له الصدقة؟ حديث:1841 ومسند أحمد: 56/3 واللفظ له.

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

(اے مسلمانو!) وہ (منافقین) تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، تاکہ تمھیں راضی رکھیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ

مُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

وہ انھیں راضی رکھیں اگر یہ لوگ مومن ہیں ﴿62﴾ کیا انھیں معلوم نہیں ہوا کہ بے شک جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بلاشبہ اس کے

خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿63﴾

لیے جہنم کی آگ ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، یہ بہت بڑی رسوائی ہے ﴿63﴾

طرح تقسیم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿60﴾ ﴾ ''اور اللہ بڑا جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ امور و معاملات کے ظاہر و باطن اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جانتا ہے اور وہ اپنے قول و فعل اور تشریع و حکم میں حکمت والا ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

تفسیر آیت: 61

نبی ﷺ کو ایذا دینا منافقوں کی نشانی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض منافق ایسے بھی ہیں جو آپ کے بارے میں باتیں کرکے آپ کو ایذا دیتے اور کہتے ہیں ﴿ هُوَ اُذُنٌ ؕ ﴾ ''کہ یہ (شخص نرا) کان ہے۔'' یعنی ہمارے بارے میں اگر کوئی بات کرے تو آپ اسے سچا مان لیتے ہیں اور جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی بات کریں اور قسم کھالیں تو آپ ہمیں بھی سچا سمجھ لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ سے بھی اس کی تفسیر میں اسی طرح مروی ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ (وہ) کان (ہے تو) تمھاری بھلائی کے لیے۔'' یعنی وہ کان تمھاری بھلائی کے لیے ہے اور جانتا ہے کہ تم میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ ﴿ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''وہ اللہ کا اور مومنوں (کی بات) کا یقین رکھتا ہے۔'' یعنی وہ مومنوں کی تصدیق کرتا ہے، ﴿ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ ﴾ ''اور جو لوگ تم میں ایمان لائے، ان کے لیے رحمت ہے۔'' اور کافروں کے خلاف حجت ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿61﴾ ﴾ ''اور جو لوگ رسول اللہ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

تفسیر آیات: 63,62

جھوٹی قسموں کے ساتھ لوگوں کو خوش کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ ﴾ الآية ''مومنو! یہ (منافقین) لوگ تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمھیں خوش کردیں......'' اس آیت کی شان نزول کے بارے میں امام قتادہ نے کہا ہے کہ منافقوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے لوگ بہترین ہیں اور یہ ہمارے سردار ہیں اور

[1] تفسیر الطبری: 216/10.

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ

منافقین (اس بات سے) ڈرتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) پر کوئی سورت نازل کر دی جائے جو انھیں (ہر بات) بتا دے، جو ان (منافقوں) کے دلوں میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿64﴾

کہہ دیجیے: تم مذاق کرتے رہو، بے شک اللہ وہ باتیں ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو﴿64﴾

اگر محمد (ﷺ) جو بات کہتے ہیں، وہ حق ہے تو وہ (مسلمان) گدھوں سے بھی برے ہیں۔ اس منافق کی یہ بات ایک مسلمان نے سن لی تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک محمد ﷺ جو کہتے ہیں وہ حق ہے اور بلا شبہ تو گدھے سے بھی بدتر ہے اور اس بات کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا تو آپ نے پیغام بھیج کر اسے بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ تو اس نے لعنتیں بھیجنا اور قسمیں کھانا شروع کر دیں اور کہا کہ نہیں، میں نے یہ بات نہیں کہی، یہ صورت حال دیکھ کر اس مسلمان نے دعا کی: اے اللہ! سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا ثابت کر دے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی۔ ①

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ ''کیا ان لوگوں نے جانا نہیں کہ جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے اور اس کے رسول کی۔'' یعنی کیا ان کو معلوم نہیں ہوا اور انھوں نے جانا نہیں کہ بے شک جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا اور جنگ کرتا ہے، وہ ایک طرف ہوتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دوسری طرف۔ ﴿ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ﴾ ''تو بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔'' یعنی نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ اسے جہنم میں عذاب ہوتا رہے گا، ﴿ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿63﴾ ﴾ ''یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔'' بہت بڑی ذلت اور بہت بڑی شقاوت (بدبختی) ہے۔

تفسیر آیت: 64

راز کے فاش ہونے کا ڈر: امام مجاہد بیان کرتے ہیں کہ منافق آپس میں بیٹھے بری باتیں کرتے تھے، پھر کہتے امید ہے کہ اللہ ہمارے اس راز کو فاش نہیں کرے گا۔ ② یہ آیت اس آیت کریمہ سے مشابہ ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ ﴾ (المجادلة 8:58) ''اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے اللہ نے آپ کو دعا نہیں دی، اس سے آپ کو دعا دیتے ہیں اور اپنے نفسوں میں کہتے ہیں کہ (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں، اللہ ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔ (اے پیغمبر!) ان کو دوزخ (ہی کی سزا) کافی ہے، یہ اسی میں داخل ہوں گے سو وہ بری جگہ ہے۔'' اور اس آیت میں فرمایا: ﴿ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿64﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ تم ہنسی کیے جاؤ بے شک جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اس کو ضرور نکال (ظاہر کر) دے گا۔'' اللہ اپنے رسول پر وہ نازل فرما دے گا جس سے تمھاری رسوائی ہوگی اور اپنے رسول کے سامنے اللہ تعالیٰ

① تفسير الطبري:218/10. ② تفسير الطبري:219/10.

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ

اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے تھے۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ اور اس کی

تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿65﴾ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ

آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے؟﴿65﴾ (اب) بہانے مت بناؤ، یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم تم میں سے

مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿66﴾ ع 8/7/14

ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو اس وجہ سے عذاب دیں گے کہ وہ مجرم تھے﴿66﴾

تمھارے معاملے کو واضح کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ يُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ۝ ﴾ تا ﴿ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِيۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ ...... ﴾ الآیة (محمد 30,29:47) ''کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ہرگز (ظاہر) نہیں (کرے) نکالے گا۔ اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے اور آپ ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور آپ انھیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لیں گے......'' امام قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس سورت کا ایک نام فَاضِحَة بھی ہے، یعنی منافقوں کو ذلیل و رسوا کرنے والی سورت۔ ①

تفسیر آیات: 66,65

منافقوں کے حیلے بہانے اور باطل عذر: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں ایک مجلس میں ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنے ان علماء جیسا کسی کو نہیں دیکھا کہ پیٹ کے لیے انھیں بہت رغبت ہے، زبانوں کے یہ جھوٹے ہیں اور دشمن کے مقابلے کے وقت یہ بہت بزدل ثابت ہوتے ہیں، یہ سن کر مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو منافق ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ضرور بتاؤں گا، بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچ گئی اور اس بارے میں قرآن بھی نازل ہو گیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا، پتھروں سے اس کے پاؤں زخمی ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ﴿ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿65﴾ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ ﴾ ''کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے؟ اب بہانے مت بناؤ، یقیناً تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔'' ②

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت تھی جس میں ودیعہ بن ثابت بھی تھا جس کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور بنو سلمہ کے حلیف خاندان اشجع کا ایک آدمی بھی جس کا نام مُخَشِّن بن حُمَيِّر تھا، ابن ہشام کہتے ہیں کہ اُسے مَخْشِيّ

① تفسیر الطبری:219/10. ② تفسیر الطبری:220/10.

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں ان کے بعض بعض سے ہیں (سب ایک جیسے ہیں) وہ برے کام کا حکم دیتے ہیں اور نیک کام سے روکتے ہیں اور

عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ

(خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھ روک کے رکھتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس نے بھی انھیں بھلا دیا۔ بے شک منافقین ہی نافرمان ہیں (67)

الْفٰسِقُوْنَ ﴿67﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ (دوزخ) انھیں

فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿68﴾ۙ

کافی ہے۔ اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے (68)

کہا جاتا تھا، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارے کر رہے تھے جبکہ آپ تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، انھوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا: کیا تم رومیوں سے جنگ کو بھی اسی طرح سمجھتے ہو، جیسے عربوں کی آپس میں لڑائی ہوتی ہے؟ اللہ کی قسم! یوں معلوم ہوتا ہے، گویا کل تم زنجیروں میں جکڑے جاؤ گے، انھوں نے یہ بات مومنوں کو ڈرانے اور بزدل بنانے کے لیے کی تھی، مخشن بن حمیر نے کہا کہ تم نے جو یہ بات کہی ہے اس کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جانا اور ہمارا جنگ میں مغلوب ہو جانا مجھے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے بارے میں قرآن نازل ہو جس سے ہماری یہ بات فاش ہو جائے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے جیسا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: [أَدْرِكِ الْقَوْمَ فَإِنَّهُمْ قَدِ احْتَرَقُوا، فَسَلْهُمْ عَمَّا قَالُوا، فَإِنْ أَنْكَرُوا، فَقُلْ: بَلٰى! قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا] ''ان لوگوں کو پکڑ لو، یہ جل گئے ہیں، ان سے پوچھو کہ انھوں نے کیا کہا ہے اگر یہ اپنی بات کا انکار کر دیں تو تم کہو کہ نہیں، تم نے یہ یہ بات کہی ہے۔'' حضرت عمار ان کے پاس گئے اور اس سلسلے میں ان سے بات کی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر معذرت کرنا شروع کر دی۔ ودیعہ بن ثابت نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر تشریف فرما تھے اور وہ اس کی مہار پکڑے ہوئے کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو یوں ہی گپ شپ میں مشغول تھے اور کھیل تماشا کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ ﴾ ''اور اگر آپ ان سے (اس بارے میں) دریافت کریں تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔'' مخشن بن حمیر نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے میرا اور میرے باپ کا نام لے بیٹھا۔ اس آیت میں جسے معاف کر دیا گیا وہ مخشن بن حمیر تھا، بعد میں اسے عبدالرحمٰن کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اسے اس طرح شہادت کی موت نصیب ہو کہ اس کی جگہ کے بارے میں بھی معلوم نہ ہو، اس کی یہ دعا قبول ہوئی اور یہ جنگ یمامہ کے دن شہید ہو گیا مگر اس کا کوئی نشان نہ ملا۔[1]

(1) السيرة النبوية لابن إسحاق، غزوة تبوك......:603/2 و تفسير ابن أبي حاتم:1831/6 مختصرًا.

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا

(منافقو! تم) ان لوگوں کی طرح (ہو) جو تم سے پہلے تھے، وہ قوت میں تم سے کہیں زبردست اور مال و اولاد میں کہیں زیادہ تھے، چنانچہ وہ

بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

(دنیا میں) اپنا حصہ برت چکے، پس تم نے (بھی) اپنا حصہ برت لیا جس طرح ان لوگوں نے اپنا حصہ برت لیا جو تم سے پہلے تھے۔ اور

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ

تم (بھی) فضول باتوں میں الجھے رہے جس طرح وہ فضول باتوں میں الجھے رہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿69﴾

اور یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں﴿69﴾

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ ﴾ ''بہانے مت بناؤ یقیناً تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔'' اس بات کی وجہ سے جو تم نے مذاق اڑاتے ہوئے کہی، تم کافر ہو گئے ہو۔ ﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةً ﴾ ''اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف بھی کر دیں تو ایک جماعت کو سزا دیں گے۔'' یعنی تم سب کو معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ تم میں سے کچھ لوگوں کو سزا بھی ضرور دی جائے گی، ﴿ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿66﴾ ﴾ ''کیونکہ وہ مجرم تھے۔'' یعنی اس غلط اور فسق و فجور پر مبنی بات کے باعث وہ گناہ گار اور مجرم قرار پا گئے ہیں۔

تفسیر آیات: 68,67

منافقوں کی کچھ دیگر خصلتیں: مومنوں کی صفات تو یہ ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں مگر منافقوں کی عادات اس کے خلاف ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ ﴾ ''برے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بند کیے رہتے ہیں۔'' یعنی اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے، ﴿ نَسُوا اللّٰهَ ﴾ ''انھوں نے اللہ کو بھلا دیا۔'' یعنی اللہ کی یاد کو بھلا دیا ﴿ فَنَسِيَهُمْ ۭ ﴾ ''تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔'' یعنی ان سے اس طرح کا معاملہ کیا، گویا انھیں بھلا دیا ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ (الجاثیۃ 34:45) ''اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا، اسی طرح آج ہم تمھیں بھلا دیں گے۔'' اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿67﴾ ﴾ ''بے شک منافق نافرمان ہیں۔'' اور حق کے رستے سے خارج اور گمراہی کے رستے میں داخل ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ ﴾ ''اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتش جہنم کا وعدہ کیا ہے۔'' ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ﴾ ''جس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔'' یعنی یہ بھی اور کافر بھی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور جلتے رہیں گے، ﴿ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ ﴾ ''وہی ان کے لائق ہے۔'' اور انھیں عذاب دینے کے لیے کافی ہے، ﴿ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ ﴾ ''اور اللہ نے ان پر

لعنت کر دی ہے۔'' انھیں اپنی بارگاہ سے دھتکار کر دور کر دیا ہے، ﴿ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴾ ''اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب (تیار) ہے۔''

تفسیر آیت: 69

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے لیے بھی دنیا و آخرت میں اسی طرح عذاب ہے جس طرح ان سے پہلے لوگوں کے لیے تھا۔ اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ ﴾ ''تو وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہو چکے۔'' میں ﴿ بِخَلَاقِهِمْ ﴾ کے معنی امام حسن بصری نے دین کے بیان کیے ہیں۔[1] اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ﴾ ''اور جس طرح وہ (کذب وافتراء میں) مشغول رہے اسی طرح تم بھی مشغول رہے۔'' کذب اور باطل میں ﴿ أُولَٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے۔'' اور ان کا انھیں کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ یہ فاسد ہیں ﴿ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ''دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' کیونکہ انھیں ان کے اعمال کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

یہود و نصاریٰ کی روش اور پیغمبر اسلام ﷺ کی امت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ: ﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔'' پڑھ کر فرمایا: آج کی رات کل کی رات سے کس قدر مشابہت رکھتی ہے۔ ہمیں بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَتَّبِعُنَّهُمْ حَتّٰى لَوْ دَخَلَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ جُحْرَ ضَبٍّ لَّدَخَلْتُمُوْهُ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ان (بنی اسرائیل) کی ضرور اتباع کرو گے حتی کہ اگر ان میں سے کوئی شخص سانڈے کے بل میں داخل ہوا تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے۔''[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَّذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، وَّبَاعًا بِبَاعٍ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَّدَخَلْتُمُوْهُ. قَالُوا: وَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَهْلُ الْكِتَابِ؟ قَالَ: فَمَنْ؟] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کی عادات کی اس طرح پیروی کرو گے جس طرح بالشت، بالشت کے، ہاتھ، ہاتھ کے اور گز، گز کے برابر ہوتا ہے حتی کہ اگر وہ سانڈے کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے؟ فرمایا: تو (اور) کون؟''[3] صحیح (بخاری) میں اس حدیث کا شاہد بھی موجود ہے۔[4]

---

[1] تفسير الطبرى:225/10. [2] تفسير الطبرى:225/10. [3] تفسير الطبرى:225/10. [4] صحيح البخارى، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بنى إسرائيل، حديث: 3456 وصحيح مسلم، العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصارٰى، حديث:2669.

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ

کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے اور الٹی

مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

ہوئی بستیوں والوں کی۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿70﴾

جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿70﴾

تفسیر آیت:70

منافقوں کو نصیحت کہ وہ پہلے لوگوں سے عبرت حاصل کریں: اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''کیا ان کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے؟'' یعنی کیا تمھیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنھوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی؟ مثلاً: ﴿ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ قوم نوح کہ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسا زبردست طوفان آیا جس کی وجہ سے تمام اہل زمین غرق ہو گئے اور صرف وہ لوگ باقی بچے جو اللہ کے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، ﴿ وَّعَادٍ ﴾ اور قوم عاد کہ جب اس نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو وہ نامبارک اور انتہائی تند و تیز ہوا کے ساتھ ہلاک کر دی گئی، ﴿ وَّثَمُوْدَ ﴾ اور قوم ثمود کہ جب اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو زبردست چیخ اور چنگھاڑ سے ان کے دل پھٹ گئے، ﴿ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ اور قوم ابراہیم کہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے خلیل کی مدد فرمائی اور انھیں زبردست معجزات سے سرفراز فرمایا اور اس دور کے بادشاہ نُمرود بن کنعان بن کُوش کنعانی ملعون کو ہلاک کر دیا، ﴿ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ ﴾ اور اصحابِ مدین، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کہ اسے زلزلے اور سائبان کے دن کے عذاب سے تباہ و برباد کر دیا گیا ﴿ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ﴾ ''اور الٹی ہوئی بستیوں والوں کو۔'' قوم لوط کو تباہ و برباد کر دیا گیا جو کہ مدائن میں رہتے تھے، اور دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴾ (النجم 53:53) ''اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو دے ٹپکا۔'' اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اس نے الٹی ہوئی امت کو دے ٹپکا، نیز یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اس نے ان کی مرکزی بستی، یعنی سدوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی لوط علیہ السلام کی تکذیب کرنے اور ایسی فحاشی کی وجہ سے جس کا ان سے پہلے دنیا میں کسی نے ارتکاب نہیں کیا تھا، ہلاک کر دیا تھا۔

﴿ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''ان کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے۔'' نشانیوں سے مراد قطعی دلائل و براہین ہیں۔ ﴿ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ ﴾ ''پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔'' انھیں ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر اور تمام موانع کو دور کر کے ان پر حجت قائم کر دی تھی ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''اور لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔'' یعنی انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور حق کی مخالفت کی جس

وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ

مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے

الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ

ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔ بے شک

سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿71﴾

اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے﴿71﴾

وقف لازم

کی پاداش میں ان پر عذاب بھیج کر انھیں ہلاک کر دیا گیا۔

تفسیر آیت:71

مومنوں کی صفاتِ محمودہ: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذموم صفات بیان کرنے کے بعد مومنوں کی صفات محمودہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۘ﴾ ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' ایک دوسرے کی مدد کرتے اور ایک دوسرے کے دست و بازو بنتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا] ''مومن، مومن کے لیے ایک عمارت کے مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔'' آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے یہ بات سمجھائی۔[1] اور صحیح حدیث ہی میں ہے: [مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ...... (كَمَثَلِ) الْجَسَدِ (الْوَاحِدِ)، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى] ''آپس کی محبت اور رحم دلی...... کے اعتبار سے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کے مانند ہے کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو بے خوابی اور بخار کے ساتھ سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔''[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ﴾ ''اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ...... الآية﴾ (آل عمرٰن 3:104) ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے......''

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ﴾ ''اور نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، حديث:2446 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تراحم المؤمنين ......، حديث:2585 عن أبي موسى الأشعري ﷺ. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث:6011 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تراحم المؤمنين......، حديث:2586 عن النعمان بن بشير ﷺ، البتہ پہلی قوسین والا لفظ بخاری کے مذکورہ حوالے میں ہے جبکہ دوسری قوسین والا لفظ آداب الصحبة لأبي عبدالرحمن السُّلَمي: 39/1 (c-d) میں ہے اور مسند أحمد:276/4 میں كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ ان

فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

میں رہیں گے اور سدا بہار باغوں میں پاکیزہ محلات کا (وعدہ ہے) اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑھ کر (نعمت) ہوگی،

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿72﴾ ع 9 6 15

یہی عظیم کامیابی ہے ﴿72﴾

کی اطاعت کرتے اور اس کی مخلوق سے حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں، ﴿ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ ﴾ ''اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں۔'' جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ان کی اطاعت بجالاتے اور جن سے منع فرمادیا ہے، انھیں ترک کردیتے ہیں۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔'' یعنی جن میں یہ صفات ہوں گی، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ ''بے شک اللہ نہایت غالب ہے۔'' جو اس کی اطاعت کرے اسے عزت عطا فرمادیتا ہے کیونکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی، ﴿ حَكِيْمٌ ﴿71﴾ ﴾ ''بڑی حکمت والا ہے۔'' مومنوں کو یہ صفات عطا فرمانے اور منافقوں کو مذکورہ بالا صفات عطا کرنے میں وہ حکمت والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال ہی حکمت پر مبنی ہیں۔

تفسیر آیت:72

مومنوں کو دائمی نعمتوں کی بشارت: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان بھلائیوں اور ابدی نعمتوں کے بارے میں خبر دی ہے جو اس نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے تیار فرمائی ہیں: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً ﴾ ''اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے۔)'' جن کی عمارتیں بہت حسین وجمیل ہوں گی اور جن میں زندگی بہت خوش گوار ہوگی جیسا کہ صحیحین میں ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ] ''دو بہشتیں چاندی کی ہوں گی کہ ان کے برتن اور دیگر سارا ساز وسامان بھی چاندی کا بنا ہوگا اور دو بہشتیں سونے کی ہوں گی کہ ان کے برتن اور دیگر سارا ساز وسامان بھی سونے کا بنا ہوگا۔ جنت عدن میں ان کے اور رب تعالیٰ کے دیدار کے مابین صرف کبریائی کی چادر ہوگی جو اللہ رب ذوالجلال کے چہرۂ اقدس پر ہوگی۔''[1]

[1] صحیح البخاري، التوحید، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ﴾ (القیٰمة75:22،23)، حدیث:7444 و صحیح مسلم، الإیمان، باب إثبات رؤیة المؤمنین في الآخرة ربهم سبحانه وتعالٰی، حدیث:180.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:[إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِّنْ لُّؤْلُؤَةٍ وَّاحِدَةٍ مُّجَوَّفَةٍ، طُولُهَا سِتُّونَ مِيلًا (فِي السَّمَآءِ)، لِلْمُؤْمِنِ فِيهَا أَهْلُونَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ، فَلَا يَرٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا]''بے شک مومن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک جوف دار موتی سے بنا ہوگا، اس کا طول آسمان میں ساٹھ میل ہوگا، اسی خیمے میں مومن کے اہل وعیال ہوں گے، وہ ان کے پاس جائے گا لیکن وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکیں گے۔'' اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔①

اور صحیحین ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نُنَبِّئُ النَّاسَ بِذٰلِكَ؟ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ، كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ]

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے، نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کے رستے میں ہجرت کرے یا اپنے اس وطن میں بیٹھ رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں کو ہم یہ بات بتا دیں؟ فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار فرمایا ہے، ان میں سے ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے، اسی کے اوپر رحمان کا عرش ہے، اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔''②

وسیلہ کیا ہے؟ امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَسَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ]''جب تم مجھ پر درود بھیجو تو اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کرو۔'' عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا: [أَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنَالُهَا إِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ، وَّأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ]''جنت کا سب سے بلند و بالا درجہ جو صرف ایک آدمی کو ملے گا اور امید ہے کہ وہ میں ہوں گا۔''③

---

① صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة، حدیث:3243 و4879 وصحیح مسلم، الجنة و صفة نعیمها……، باب فی صفة خیام الجنة……، حدیث:2838 واللفظ له. لیکن قوسین والا جملہ بخاری کے مذکورہ حوالے اور مسلم، حدیث:(25)-2838 عن أبی موسی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ② صحیح البخاری، التوحید، باب: ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (ھود 11:7)……، حدیث:7423 صحیح مسلم میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ ③ مسند أحمد:265/2. یہ حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے، البتہ اس کا شاہد صحیح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول……، حدیث:384 عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ میں ہے۔

مسند امام احمد میں سعد ابو مجاہد طائی نے ابو المُدِلّہ سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں جنت کے بارے میں بتائیں کہ اسے کس طرح بنایا گیا ہے۔ فرمایا: [لَبِنَةُ ذَهَبٍ وَّلَبِنَةُ فِضَّةٍ، وَّمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ، وَتُرَابُهَا الزَّعْفَرَانُ. مَنْ يَّدْخُلُهَا يَنْعَمُ، وَلَا يَبْؤُسُ، وَيَخْلُدُ لَا يَمُوتُ، لَا تَبْلٰى ثِيَابُهُ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُ] ''اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے، اس کا گارا انتہائی خوشبودار کستوری، اس کے کنکر موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران ہے جو اس میں داخل ہوگا وہ شاداں و فرحاں ہوگا اور کبھی پریشان نہ ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اسے کبھی موت نہ آئے گی، نہ اس کا لباس کبھی بوسیدہ ہوگا اور نہ اس کا شباب کبھی ختم ہوگا۔''[1]

جنتیوں کے لیے سب سے بڑی نعمت: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ ''اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔'' یعنی اہل جنت جن نعمتوں سے شاد کام ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ان سب سے بڑی، جلیل القدر اور عظیم الشان نعمت ہوگی جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن اسلم از عطاء بن یسار کی سند کے ساتھ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ. فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى؟ يَارَبِّ! وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُونَ: يَا رَبِّ! وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا]

''بے شک اللہ عزوجل اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، اور تیری فرمانبرداری کے لیے تیار ہیں اور ہر قسم کی خیر وخوبی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم خوش ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم کیوں خوش نہ ہوں کہ تو نے ہمیں ان نعمتوں سے سرفراز فرما دیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائی ہوں گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمھیں ان سے بھی افضل ایک اور نعمت عطا نہ فرما دوں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ان سے افضل نعمت کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمھارے لیے اپنی رضامندی کو حلال قرار دیتا ہوں اور اس کے بعد تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔'' امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو بروایت امام مالک ہی بیان کیا ہے۔[2]

[1] مسند أحمد: 305/2 اور مسند أحمد کے کئی نسخوں میں وَلَا يَمُوتُ ہے۔ [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب كلام الرب مع أهل الجنة، حديث: 7518 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب إحلال الرضوان على أهل الجنة ......، حديث: 2829.

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا (اصل) ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بدترین

وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿73﴾ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ

جگہ ہے ﴿73﴾ وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کوئی بات) نہیں کہی، حالانکہ انھوں نے ضرور کلمۂ کفر کہا تھا

اِسۡلَامِهِمۡ وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا ۚ وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ

اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔ اور انھوں نے غصہ نہیں نکالا،

فَضۡلِهٖ ۚ فَاِنۡ يَّتُوۡبُوۡا يَكُ خَيۡرًا لَّهُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّتَوَلَّوۡا يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا

مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا، پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا اور

اَلِيۡمًا ۙ فِي الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿74﴾

اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں درد ناک عذاب دے گا اور ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور کوئی مدد گار نہ ہو گا﴿74﴾

تفسیر آیات: 74,73

کفار و منافقین سے جہاد اور سختی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس نے مومنوں کے لیے شفقت کے ساتھ پہلو کو جھکانے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ آخرت میں کافروں اور منافقوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ﴿جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ﴾ ''کافروں اور منافقوں سے لڑو'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان سے اپنے ہاتھ سے لڑو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے لڑو اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے بُرا جانو اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو چہرے کے تاثرات سے سختی کا مظاہرہ کرو۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ تلوار سے اور منافقوں کے ساتھ زبان سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ برتاؤ کو ختم کر دیا ہے۔[2] ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرو اور منافقوں پر کلام کے ساتھ سختی کرو کہ ان کے خلاف یہی جہاد ہے۔[3] مُقاتل اور ربیع سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے جہاد یہ ہے کہ ان پر حدود کو قائم کیا جائے۔[5] ان تمام اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ حسب حالات کفار و منافقین کے خلاف جہاد کے لیے کبھی ایک انداز اختیار کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرا۔ واللہ أَعلَمُ.

سببِ نزول: اموی نے مغازی میں لکھا ہے کہ ہم کو محمد بن اسحاق نے، انھوں نے زہری سے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ منافقوں میں سے جو لوگ پیچھے بیٹھ رہے اور جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا تھا، ان میں سے ایک شخص جُلاس بن سُوید بن صامت بھی تھا جو عُمیر بن سعد

[1] تفسیر الطبری: 233/10. [2] تفسیر الطبری: 234/10. [3] تفسیر الطبری: 234/10. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1842/6. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 1841/6.

کی والدہ کا شوہر تھا اور عمیر اس وقت اس کی گود میں تھا۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں منافقوں کا ذکر کیا گیا تو جُلاس کہنے لگا کہ اگر یہ شخص اپنی باتوں میں سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی برے ہیں۔ عمیر بن سعد نے اس کی اس بات کو سن لیا تو کہا: اے جُلاس! اللہ کی قسم! مجھے تم سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، بے حد عزیز ہو اور میں پسند نہیں کرتا کہ تمھیں کوئی بری بات لاحق ہو لیکن تم نے ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اسے ذکر کروں تو اس میں تیری رسوائی ہے اور اگر میں اسے چھپاؤں تو اس میں میری تباہی ہے اور ایک سے دوسری بڑھ کر تکلیف دہ ہے لیکن اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جلاس کی اس بات کا ذکر کر دیا جب جلاس کو معلوم ہوا کہ اس کی یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی ہے تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ کی قسم کھائی کہ اس نے وہ بات نہیں کہی جو عمیر بن سعد نے بیان کی ہے، اس نے میرے بارے میں جھوٹ بولا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ﴾ ''یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (تو کچھ) نہیں کہا، حالانکہ انھوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔''[1] اس آیت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول ﷺ کو اس کی اس بات کے بارے میں مطلع کر دیا۔ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ بعد میں جلاس نے اچھے انداز میں توبہ کر لی تھی جس کی وجہ سے اس کی موت بھی اچھی حالت میں واقع ہوئی تھی۔

امام ابوجعفر ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سائے تلے تشریف فرما تھے کہ آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ سَيَأْتِيكُمْ إِنْسَانٌ فَيَنْظُرُ إِلَيْكُمْ بِعَيْنَيْ شَيْطَانٍ، فَإِذَا جَاءَ فَلَا تُكَلِّمُوهُ] ''عنقریب تمھارے پاس ایک ایسا انسان آئے گا جو تمھیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا، لہٰذا جب وہ تمھارے پاس آئے تو اس سے بات نہ کرنا۔'' ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ نیلی آنکھوں والا ایک شخص آیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر اس سے فرمایا: [عَلَامَ تَشْتُمُنِي أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ؟] ''تم اور تمھارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟'' وہ شخص چلا گیا، پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس آ گیا اور سب نے قسمیں کھا کر کہا کہ انھوں نے یہ بات نہیں کہی، لہٰذا آپ نے ان سے درگزر فرمایا، اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ﴾...... الآیة.[2]

منافقین کا رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا ناپاک ارادہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ﴾ ''اور ایسی بات کا قصد کر چکے ہیں جسے پا نہیں سکے۔'' بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت جُلاس بن سُوید کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے کہ اس نے اس وقت اپنی بیوی کے بیٹے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جب اس نے یہ کہا تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو تمھاری یہ بات بتا دوں گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبی کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دینے کا ناپاک ارادہ کر لیا تھا۔[3] سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل

[1] تفسیر الطبری:236/10 تفسیر ابن أبی حاتم:1843/6 و الدر المنثور:463/3 . [2] تفسیر الطبری:237/10. [3] تفسیر الطبری:238/10.

ہوئی ہے جنھوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ عبداللہ بن اُبی کی تاج پوشی کر دیں، خواہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند ہی کریں۔ ①
یہ بھی مروی ہے کہ کچھ منافقوں نے جن کی تعداد بارہ تھی غزوۂ تبوک کے موقع پر رات کی تاریکی میں آپ کی سواری کو ڈرا کر بھگا دینے کی سازش کی تھی تاکہ گر کر آپ شہید ہو جائیں، ضحاک کے بقول یہ آیت انھی منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ②

حافظ ابوبکر بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے اس کے آگے چل رہا تھا اور عمار اسے پیچھے سے ہانک رہے تھے یا عمار آگے تھے اور میں پیچھے تھا حتی کہ جب ہم گھاٹی میں پہنچے تو وہاں بارہ سوار راستہ روکے ہوئے کھڑے تھے، میں نے انھیں ڈانٹا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کے بارے میں بتا دیا، رسول اللہ ﷺ نے انھیں للکارا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[هَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ؟ قُلْنَا: لَا، يَارَسُولَ اللّٰهِ! كَانُوا مُتَلَثِّمِينَ، وَلٰكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ، قَالَ: هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُونَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَهَلْ تَدْرُونَ مَا أَرَادُوا؟ قُلْنَا: لَا، قَالَ: أَرَادُوا أَنْ يَّزْحَمُوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوهُ مِنْهَا. قُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَوَلَا تَبْعَثُ إِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ إِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ ؟ قَالَ: لَا، أَكْرَهُ أَنْ تَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا أَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ، حَتّٰى إِذَا أَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُهُمْ. ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ! اِرْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ. قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ: شِهَابٌ مِّنْ نَّارٍ يَّقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ أَحَدِهِمْ فَيَهْلِكُ]

''کیا تم نے انھیں پہچان لیا ہے! ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم انھیں نہیں پہچان سکے کیونکہ وہ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے، البتہ ہم نے سواریوں کو پہچان لیا ہے۔ فرمایا: یہ قیامت کے دن تک منافق ہیں اور کیا تم جانتے ہو کہ ان کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے عرض کی: جی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ان کا ارادہ تھا کہ مزاحمت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اس گھاٹی میں گرا دیں۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا آپ ان کے خاندانوں کی طرف پیغام نہیں بھیجتے تاکہ ہر قبیلہ اپنے شخص کے سر کو آپ کی خدمت میں بھیج دے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عرب یہ باتیں کرنے لگیں کہ محمد ﷺ نے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے مخالفوں سے جنگ کی حتی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو غلبہ عطا کر دیا تو آپ نے انھی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! انھیں دبیلہ کے ساتھ تباہ کر دے ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دبیلہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: آگ کا انگارا جو ان میں سے ہر ایک کے دل کی رگ پر گرے گا، پھر اسے ہلاک کر دے گا۔'' ③

ولید بن جُمیع کہتے ہیں کہ ابوطفیل نے ہم سے بیان کیا کہ اہلِ عقبہ میں سے ایک شخص اور حضرت حذیفہ کے درمیان کچھ

① تفسیر ابن أبی حاتم: 1845/6. ② الدر المنثور: 464/3. ③ دلائل النبوۃ للبیهقی، باب رجوع النبی ﷺ من تبوك ......: 261,260/5 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1844/6.

اختلاف تھا، اس نے کہا کہ میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اصحابِ عقبہ کی تعداد کتنی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ پوچھ رہا ہے تو اِسے بتا دو، حضرت حذیفہ نے کہا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی تعداد چودہ تھی اور اگر تم بھی ان میں شامل تھے تو پھر ان کی تعداد پندرہ تھی۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں سے بارہ کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی دنیا اور آخرت میں جنگ ہے۔ ان میں سے تین نے تو عذر پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کی آواز کو نہیں سنا تھا اور نہ ہمیں مسلمانوں کے ارادے کے بارے میں معلوم ہو سکا تھا۔ آپ نے اس وقت سخت گرمی کے موسم میں چلتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ [إِنَّ الْمَآءَ قَلِيلٌ فَلَا يَسْبِقُنِي إِلَيْهِ أَحَدٌ] ''پانی کم ہے، لہٰذا مجھ سے پہلے پانی کے پاس کوئی نہ جائے۔'' مگر آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ آپ سے پہلے وہاں چلے گئے ہیں تو آپ نے ان پر لعنت فرمائی۔[1]

امام مسلم ہی نے عمار بن یاسر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھے حذیفہ نے بیان کیا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [فِي أَصْحَابِي) اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا، لَّا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَجِدُونَ رِيحَهَا حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ: ثَمَانِيَةٌ مِّنْهُمْ تَكْفِيكَهُمُ الدُّبَيْلَةُ، سِرَاجٌ مِّنَ النَّارِ يَظْهَرُ فِي أَكْتَافِهِمْ حَتَّى يَنْجُمَ مِنْ صُدُورِهِمْ] ''میرے ساتھیوں میں سے بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں پا سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔ فرمایا: ان میں آٹھ کے لیے تو تمھارے بجائے دبیلہ ہی کافی ہوگا، دبیلہ جہنم کی آگ کا ایک ایسا انگارا ہوگا جو ان کے کندھوں کے درمیان ظاہر ہوگا حتی کہ ان کے سینوں میں پیوست ہو جائے گا۔''[2] یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راز دان تھے اور ان کے پاس یہ راز تھا جسے کوئی اور نہیں جانتا تھا کہ منافقوں کی جماعت میں کون کون لوگ شامل ہیں۔ ان منافقوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صرف حضرت حذیفہ ہی کو مطلع فرمایا تھا اور کسی کو نہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور ان کو سارا غصہ نہیں ہے مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے ان کو دولت مند کر دیا ہے۔'' یعنی کیا ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا یہ گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وساطت کی خیر و برکت سے انھیں دولت مند کر دیا ہے اور اگر سعادت ان کے مقدر میں ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت بھی عطا فرما دیتا جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: [أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ مُّتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟] ''کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمھیں ہدایت عطا فرما دی؟ تم جدا جدا تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمھیں متحد کر دیا؟ اور تم فقیر تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمھیں دولت مند کر دیا؟'' رسول اللہ ﷺ جب بھی کوئی بات فرماتے تو انصار جواب میں عرض کرتے:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب و باب صفات المنافقین......، حدیث: (11)-2779. [2] صحیح مسلم، کتاب و باب صفات المنافقین ......، حدیث: (10)-2779. اور قوسین والا لفظ بھی صحیح مسلم، حدیث:(9)-2779 میں ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا کیا تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور ہم

الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿76﴾

ضرور صالحین میں سے ہو جائیں گے ﴿75﴾ پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں عطا کیا تو انھوں نے اس میں بخل کیا اور انھوں نے (حق سے) منہ موڑ لیا،

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ

اور وہ (اپنے عہد سے) منحرف ہو گئے ﴿76﴾ پھر اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال کر انھیں اس دن تک کے لیے سزا دی (جس دن) وہ اللہ سے ملیں گے،

وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿77﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ

اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ﴿77﴾ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ

اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿78﴾

ان کے بھیدوں اور ان کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ اور بے شک اللہ غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے ﴿78﴾

اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔[1] یہ صیغہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی قصور نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ ﴾ (البروج 85:8) ''اور انھوں نے ان سے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ وہ اللہ کے ساتھ ایمان لائے۔''

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''تو اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب دے گا۔'' یعنی اگر یہ اپنے اسی طریقے پر رہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں دنیا میں قتل اور غم وفکر کی صورت میں اور آخرت میں جہنم کی سزا اور ذلت ورسوائی کی صورت میں عذاب دے گا۔ ﴿ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿74﴾ ﴾ ''اور زمین میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔'' کوئی نہیں جو انھیں سعادت و کامرانی سے ہمکنار کر سکے اور انھیں خیر دلا سکے اور شر کو ان سے دور کر سکے۔

تفسیر آیات: 75-78

طلب مال اور صدقے میں بخل منافقوں کی نشانی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض منافقوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل وکرم سے انھیں دولت مند کر دیا تو وہ اپنے مال کو ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بن جائیں گے لیکن انھوں نے نہ تو اپنے عہد کو پورا کیا اور نہ اپنے دعوے کو سچا ثابت کر دکھایا تو اس عہد شکنی اور بد عملی کی وجہ سے ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا جو قیامت کے دن تک ان کے دلوں میں گھر کیے رکھے گا۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوّال سنة ثمان، حديث:4330 وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث:1061 عن عبدالله بن زيد رضي الله عنه.

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

جو لوگ عیب جوئی کرتے ہیں کھلے دل سے خیرات کرنے والے مومنوں پر، (ان کے) صدقات کی بابت اور ان پر بھی جو اپنی (تھوڑی سی) محنت

اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ 79

مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے 79

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ...... ﴾ الآیۃ ''اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کے خلاف کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق ان کی وعدہ خلافی اور کذب کی وجہ سے پیدا کیا جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور (3) جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ...... ﴾ الآیۃ ''کیا وہ جانتے نہیں کہ اللہ ان کے بھیدوں اور خفیہ مشوروں کو جانتا ہے......'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کے ظاہر و باطن اور ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی دعویٰ کریں کہ اگر انھیں دولت حاصل ہو گئی تو وہ صدقہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ان سے زیادہ بہتر جانتا ہے کیونکہ وہ علام الغیوب ہے، وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر، بھید اور مشورے کو جانتا ہے۔

تفسیر آیت: 79

منافقوں کی کم یا زیادہ خرچ کرنے والوں پر طعنہ زنی: یہ بھی منافقوں کی نشانی ہے کہ کوئی بھی ان کی عیب جوئی اور طعنہ زنی سے محفوظ نہیں رہ سکتا حتی کہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے والے بھی ان سے بچ نہیں سکتے اگر کوئی زیادہ مال خرچ کرے تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار ہے اور اگر کوئی تھوڑا مال لے کر آئے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے صدقے سے بے نیاز ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبید اللہ بن سعید از ابونعمان بصری از شعبہ از سلیمان از ابووائل کی سند کے ساتھ ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم اپنی پشتوں پر اٹھا کر لاتے تھے، ایک شخص آیا اور وہ صدقے کے لیے بہت زیادہ مال لایا تو منافقوں نے کہا کہ یہ تو ریاکار ہے اور ایک شخص آیا اور وہ صدقے کے لیے ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) لایا تو کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے صدقے کی کیا ضرورت ہے تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ ﴾ ''وہ لوگ جو (فراخ دلی سے) صدقات و خیرات کرنے والے مومنوں کی خیرات میں اور ان پر جو اپنی محنت و مزدوری کے سوا کچھ نہیں پاتے عیب جوئی کرتے ہیں۔'' امام مسلم نے بھی

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصائل المنافق، حديث: 59 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

اسے صحیح میں روایت کیا ہے۔ [1]

منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن لوگوں کے پاس تشریف لائے اور آپ نے لوگوں میں اعلان فرمایا: اپنے صدقات جمع کرو، لوگوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے صدقات کو جمع کیا۔ پھر آخر میں ایک بہت غریب شخص مقدار بھر کھجوریں لے کر آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ ایک صاع کھجوریں ہیں، میں ساری رات رہٹ سے پانی کھینچتا رہا اور مزدوری کے طور پر مجھے دو صاع کھجوریں ملیں، ایک صاع میں گھر رکھ آیا ہوں اور ایک صاع آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کھجوروں کو تمام صدقات پر بکھیر دیا جائے۔ کچھ لوگوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس کی کیا ضرورت ہے، وہ تمھارے ایک صاع کھجوروں کو لے کر کیا کریں گے، پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے، جو قریش کے قبیلے بنو زہرہ سے تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: کیا صدقہ کرنے والا کوئی اور شخص باقی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میرے پاس صدقے کے لیے سو اُوقیہ چاندی ہے؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا تم مجنون ہو؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: جی نہیں، میں مجنون نہیں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو جو تم نے کہا؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: جی ہاں، میرا کل مال آٹھ ہزار ہے، چار ہزار میں نے اپنے رب کو قرض دے دیا ہے اور چار ہزار میں نے اپنے لیے رکھ لیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: [بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا أَمْسَكْتَ وَفِيمَا أَعْطَيْتَ] ''جو تم نے اپنے پاس رکھا اور جو اللہ کے لیے دے دیا، اللہ تعالیٰ اس سارے مال میں برکت عطا فرما دے۔'' منافقوں نے طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ عبدالرحمٰن نے یہ مال ریاکاری کے لیے خرچ کیا ہے۔ یہ منافق جھوٹے تھے کیونکہ عبدالرحمٰن نے تو تقرب الٰہی کے حصول کے لیے خرچ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن اور ایک صاع کھجور صدقہ کرنے والے اس مسکین مسلمان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرما کر منافقوں کی اس طعنہ زنی کی مذمت فرمائی ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ...... ﴾ [2] مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ [3]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ دل کھول کر خرچ کرنے والے مسلمانوں میں سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ انھوں نے چار ہزار درہم صدقہ کر دیے تھے، نیز خاندان بنو عجلان کے عاصم بن عدی بھی انھی لوگوں میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو عبدالرحمٰن بن عوف کھڑے ہوئے اور انھوں نے چار ہزار درہم صدقہ کر دیے، اسی طرح عاصم بن عدی اٹھے اور انھوں نے ایک سو وسق کھجوریں صدقہ کر دیں (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع اڑھائی کلو کا۔) منافقوں نے ان دونوں پر طعن کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ریاکاری ہے۔ اور ابو عقیل، جس کا تعلق بنو عمرو بن عوف کے حلیف

---

[1] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ......، حدیث:1415 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحمل بأجرۃ یتصدق بھا......، حدیث:1018. [2] تفسیر الطبری:248,247/10. [3] تفسیر الطبری:248/10.

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ

(اے نبی!) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (برابر ہے۔) اگر آپ ان کے لیے ستر بار (بھی) بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿80﴾ ع 10/8/16

یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا﴿80﴾

بنو اُنَیف اَراشی سے تھا، محنت مزدوری سے کمائی ہوئی ایک صاع کھجوریں لایا اور انھیں صدقے کے تمام مال پر بکھیر دیا تو منافقوں نے ہنسی اڑاتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابوعقیل کے اس ایک صاع کھجوروں سے بے نیاز ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز﴾ ''پس منافق ان کی ہنسی اڑاتے ہیں تو اللہ بھی ان پر ہنسے گا۔'' یہ ان کے برے عمل اور مومنوں کے ساتھ مذاق کے جواب میں ہے کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہوتی ہے، گویا معاملہ ان سے اس طرح کیا گیا جس طرح ان سے مذاق کیا جارہا ہوتا کہ اس سے دنیا میں مسلمانوں کی مدد کی جائے اور آخرت میں منافقوں کو دردناک عذاب دیا جائے کیونکہ جزا و سزا جنس عمل کے مطابق ہی ہوتی ہے۔

تفسیر آیت:80

منافقوں کے لیے استغفار کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ منافق اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے لیے بخشش مانگی جائے اور اگر ان کے لیے ستر بار بھی بخشش مانگیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں فرمائے گا۔ کہا گیا ہے کہ ستر کا عدد اس لیے استعمال کیا گیا ہے تاکہ ان کے لیے بخشش طلب کرنے کی قطعی طور پر کوئی گنجائش ہی باقی نہ رکھی جائے کیونکہ عربوں کے ہاں یہ اسلوب ہے کہ وہ کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ستر کے عدد کو استعمال کرتے اور اس سے مقصود تحدید و تعیین نہیں ہوتی اور نہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ ستر سے زائد اس کے خلاف ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں ستر کی تعداد ہی مقصود ہے جیسا کہ شعبی نے کہا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبَیّ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو اس کا بیٹا عبداللہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ میرے باپ کا آخری وقت ہے، میری خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: الْحُبَابُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: بَلْ أَنْتَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ، إِنَّ الْحُبَابَ اسْمُ شَيْطَانٍ] ''تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا نام حباب بن عبداللہ (بن اُبَیّ) ہے، آپ نے فرمایا: نہیں، تمھارا نام عبداللہ بن عبداللہ بن اُبَی ہے، حباب تو شیطان کا نام ہے۔'' آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے حتی کہ اس کے جنازے میں شرکت فرمائی اور اسے اپنی قمیص پہنائی اور وہ پسینے میں شرابور تھا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، حالانکہ وہ تو منافق ہے؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾ ...... وَلَأَسْتَغْفِرَنَّ لَهُ سَبْعِينَ وَسَبْعِينَ

---

[1] تفسیر الطبری: 250/10.

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ

سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں

كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿81﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿82﴾

زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے﴿81﴾ چنانچہ انھیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے﴿82﴾

(وَ سَبْعِيْنَ)] ”ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ﴾ ”اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں گے تو اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا“ میں ضرور اس کے لیے ستر، ستر اور ستر دفعہ بھی بخشش مانگوں گا۔“[1] عروہ بن زبیر، مجاہد اور قتادہ بن دِعامہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اسے ابن جریر نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 82,81

غزوے میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے منافقوں کی خوشی: اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ اس بات سے خوش تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ بیٹھے رہے ہیں ﴿وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا﴾ ”اور اس بات کو ناپسند کیا کہ جہاد کریں۔“ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں، ﴿بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا﴾ ”اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے اور کہنے لگے۔“ یعنی آپس میں ایک دوسرے سے: ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ﴾ ”گرمی میں مت نکلنا“ کیونکہ غزوۂ تبوک گرمی کے موسم میں اس وقت پیش آیا جب سائے بہت گھنے تھے اور پھل پک چکے تھے، اسی لیے انھوں نے کہا کہ ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ﴾ ”گرمی میں مت نکلنا۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے“ ان سے ﴿نَارُ جَهَنَّمَ﴾ ”دوزخ کی آگ“ اپنی مخالفت کی وجہ سے جس میں تم گرو گے ﴿اَشَدُّ حَرًّا ۭ﴾ ”اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔“ یعنی جس گرمی سے تم بھاگتے ہو دوزخ کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔

جیسا کہ امام مالک نے ابو زِناد سے، انھوں نے اعرج سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَارُ بَنِي آدَمَ الَّتِي يُوقِدُونَ، جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ] ”بنی آدم کی یہ آگ جسے وہ جلاتے ہیں جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔“ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! عذاب کے لیے تو دنیا کی آگ ہی کافی

---

[1] تفسیر الطبری: 254,253/10. اس حدیث کے ابتدائی حصے [ما اسمك...... إن الحباب اسم شيطان] کی سند کئی وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے، واللہ أعلم. جبکہ دوسرے حصے کی تائید صحیح بخاری و مسلم کی روایات سے ہوتی ہے اور قوسین والا لفظ تفسیر طبری کے مذکورہ حوالے میں ہے۔ دیکھیے التوبة، آیت: 84 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 10/253-255.

تھی؟ فرمایا:[إِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا] ''جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا زیادہ سخت ہے۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

جہنم کی ہولناکیاں: اعمش نے ابو اسحاق سے اور انھوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا (يَوْمَ الْقِيَامَةِ) مَنْ لَّهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ، يَّغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ، مَا يَرٰى أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا، وَّإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا] ''قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب اسے ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح کھولتا ہوگا جس طرح ہنڈیا کھولتی ہے، اس کے باوجود وہ یہ سمجھے گا کہ دوزخیوں میں سے اور کسی کو اس سے زیادہ سخت عذاب نہیں ہے، حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔''[3] اسے بھی امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار نبوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے: ﴿كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝﴾ (المعارج 16,15:70) ''ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے، کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔'' اور فرمایا: ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝﴾ (الحج22:19-22) ''ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (و تکلیف کی وجہ) سے دوزخ میں سے نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا کہ) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ﴾ (النسآء 4:56) ''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا ان کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے جب ان کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو ہم ان کی اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝81﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے، کاش! یہ (اس بات کو) سمجھتے۔'' اگر یہ اس بات کو جانتے اور سمجھتے تو ضرور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گرمی کے موسم میں بھی جہاد کے لیے نکلتے تاکہ جہنم کی اس گرمی سے بچ جاتے جو دنیا کی گرمی سے بدرجہا زیادہ گرم ہے۔

---

[1] الموطأ للإمام مالك، جهنم، باب ماجاء في صفة جهنم:471/2، حديث:1923. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث:3265 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث:2843. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حديث:6561 وصحيح مسلم، الإيمان، باب أهون أهل النار عذابا، حديث:(364)-213 واللفظ له لیکن قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے میں ہیں۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ

(اے نبی!) پھر اگر اللہ آپ کو واپس لے آئے ان (منافقین) میں سے کسی گروہ کی طرف پھر وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیے:

اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا

تم اب میرے ساتھ کبھی بھی (جہاد پر) نہیں نکلو گے اور نہ کبھی میرے ساتھ (مل کر) دشمن سے لڑو گے، یقیناً تم پہلی بار (پیچھے) بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے

مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿83﴾

تھے تو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ﴿83﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کے اس برے عمل پر ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا﴾ ''چنانچہ انھیں چاہیے کہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنسیں۔'' ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے، یہ اس میں جس قدر چاہیں ہنس لیں جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچیں گے تو انھیں اس قدر رونا پڑے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ ①

تفسیر آیت :83

منافقوں کو ساتھ لے کر جہاد کے لیے نکلنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اس غزوے سے واپس لے آئے ﴿اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ''ان میں سے کسی گروہ کی طرف'' قتادہ نے کہا ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ منافقین بارہ تھے۔ ② ﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ ''پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت طلب کریں۔'' یعنی آپ کے ساتھ کسی دوسرے غزوے میں شرکت کے لیے ﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ میرے ساتھ (مددگار ہو کر) دشمن سے لڑائی کرو گے۔'' یعنی بطور سزا انھیں یہ کہہ دیجیے، پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''بے شک تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ......﴾ الآية (الأنعام 110:6) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ پلٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے)......'' کیونکہ برائی کی سزا بری ہے جیسا کہ نیکی کی جزا بھی بہت اچھی ہے جیسے عمرۂ حدیبیہ کے بارے میں فرمایا: ﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○﴾ (الفتح 15:48) ''عنقریب جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے کہ ہمیں بھی چھوڑ (اجازت) دو ہم تمھاری پیروی کریں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے قول کو بدل دیں

① تفسير ابن أبي حاتم: 1855/6 عن إسماعيل بن سميع عن ابن عباس رضي الله عنهما. ② تفسير الطبري: 259/10.

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اور (اے نبی!) ان میں سے جو مر جائے آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک انھوں نے اللہ اور

وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿84﴾

اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالت فسق میں مرے ﴿84﴾

کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ہماری پیروی نہیں کر سکتے۔ اس طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے، پھر عنقریب وہ کہیں گے (نہیں) بلکہ تم تو ہم سے حسد کرتے ہو بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں مگر بہت کم۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿83﴾ ﴾ ''تو اب بھی تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اب بھی تم ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے۔[1]

تفسیر آیت: 84

منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ منافقوں سے براءت کا اظہار کر دیں اور ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے بخشش طلب کریں اور نہ دعا کریں کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور کفر ہی پر ان کا خاتمہ ہوا ہے۔

یہ حکم عام ہے اور ہر اس منافق کے بارے میں ہے جس کا نفاق معلوم ہو۔ گو یہ آیت منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبَیّ ابن سَلُول کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبَیّ فوت ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے سوال کیا کہ آپ اسے اپنی قمیص عطا فرما دیں تا کہ اس میں وہ اپنے باپ کو کفن دے سکے تو آپ نے اسے اپنی قمیص عطا فرما دی۔ پھر اس نے درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں تو رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے تو حضرت عمر نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے دامن کو پکڑ لیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آپ اس کا جنازہ پڑھنے لگے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اس کا جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا خَيَّرَنِيَ اللّٰهُ فَقَالَ: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ﴾ (التوبة 9:80) وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ] ''میرے رب نے یقیناً مجھے اختیار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''(اے نبی) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (بات ایک ہی ہے) اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔'' اور میں ان کے لیے ستر سے زیادہ دفعہ بخشش مانگوں گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ منافق ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ان میں

[1] تفسير الطبرى: 259/10.

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِي الدُّنۡيَا

اور (اے نبی!) ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ بے شک اللہ تو چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے

وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿85﴾

اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں﴿85﴾

وَاِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو ان کے دولت مند آپ سے اجازت مانگنے

الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿86﴾ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ

لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں﴿86﴾ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿87﴾

کے ساتھ رہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، لہٰذا وہ نہیں سمجھتے﴿87﴾

سے کوئی مر جائے تو کبھی اس کی نماز (جنازہ) نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہوں۔''[1] خود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ اس کے جنازے کے ساتھ بھی گئے اور اس کی قبر پر بھی کھڑے ہوئے حتی کہ اس سے فارغ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس بات سے تعجب بھی ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح جرأت سے بات کی، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں لیکن اللہ کی قسم! ابھی تھوڑی سی دیر ہی گزری تھی کہ یہ دو آیتیں: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا......﴾ الآية. نازل ہو گئیں، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی کسی منافق کا جنازہ پڑھایا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے حتی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔[3] امام ترمذی نے بھی اسے اسی طرح سنن کے (ابواب) التفسیر میں روایت کیا اور اسے حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔[4] نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[5]

تفسیر آیت: 85

اس آیت کریمہ جیسی ایک آیت کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[6] وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ.

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ......﴾ (التوبة 9:80)، حديث: 4670 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حديث: 2400. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ......﴾ (التوبة 9:80)، حديث: 4671. ③ مسند أحمد: 16/1. ④ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3097. ⑤ صحيح البخاري، الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين......، حديث: 1366. ⑥ دیکھیے التوبة، آیت: 55 کے ذیل میں۔

لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

لیکن رسول (ﷺ) اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے، انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اور بھلائیاں بھی انھی لوگوں کے

لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿88﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

لیے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿88﴾ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ

الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿89﴾ ع 11/9/17

رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے ﴿89﴾

تفسیر آیات: 87,86

جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید اور مذمت کی ہے جنھوں نے قدرت و استطاعت کے باوجود جہاد سے منہ موڑا اور رسول اللہ ﷺ سے پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: ﴿ ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿86﴾ ﴾ ”ہمیں تو رہنے ہی دیجیے کہ ہم (گھروں میں) بیٹھنے والوں کے ساتھ رہیں گے۔“ انھوں نے اپنے لیے عار کو اور شہر میں عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کو پسند کیا کیونکہ لشکر کے نکلنے کے بعد عورتیں ہی پیچھے رہ جاتی ہیں۔ جب جنگ ہوتی ہے تو یہ سب لوگوں سے بزدل ثابت ہوتے ہیں لیکن جب حالتِ امن ہوتی ہے تو یہ سب سے زیادہ باتیں کرتے ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں بھی ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِيۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ ﴾ (الأحزاب 19:33) ”چنانچہ جب ڈر (کا وقت) آئے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (اسی طرح) پھر رہی ہیں، جیسے کسی کو موت سے غشی آ رہی ہو، پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کے ساتھ تمھارے بارے میں زبان درازی کریں۔“ تیز اور زوردار گفتگو کے ساتھ ان کی زبانیں چلتی ہیں لیکن جب جنگ کا وقت آتا ہے تو یہ سب سے زیادہ بزدل ثابت ہوتے ہیں۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَتۡ سُوۡرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ مُّحۡكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيۡهَا الۡقِتَالُ ۙ رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يَّنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ نَظَرَ الۡمَغۡشِيِّ عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ فَاَوۡلٰى لَهُمۡ ﴿20﴾ طَاعَةٌ وَّقَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ ۟ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ﴿21﴾ ﴾ (محمد 21,20:47) ”اور مومن لوگ کہتے ہیں: (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوئی؟ لیکن جب کوئی محکم سورت نازل ہوا اور اس میں جہاد کا بیان ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے آپ ان کو دیکھیں کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگیں ہیں جس طرح کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو رہی ہو، ان (کے حال) پر افسوس ہے۔ (خوب کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات کہنا (ہے)، پھر جب (جہاد کی) بات پختہ ہو گئی تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہنا چاہتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔“

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ ﴾ ”اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔“ جہاد کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اللہ کے راستے میں نہ نکلنے کی وجہ سے ﴿ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿87﴾ ﴾ ”تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔“ یعنی اس بات کو کہ ان کے لیے

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اور دیہاتیوں میں سے بہانے باز آئے کہ انھیں اجازت دی جائے، اور وہ لوگ بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا،

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿90﴾

ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں جلد ہی دردناک عذاب آ پکڑے گا﴿90﴾

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ

ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر

اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿91﴾

خواہی کرتے ہیں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿91﴾ اور (اے نبی!) نہ ان لوگوں پر

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص

(کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿92﴾ؕ اِنَّمَا

میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں﴿92﴾ (اے نبی!) (گرفت کی) راہ

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

ان لوگوں پر ہے جو آپ سے رخصت مانگتے ہیں، حالانکہ وہ مال دار ہیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے (گھروں میں) رہنے والی عورتوں کے

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿93﴾

ساتھ رہیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، چنانچہ وہ نہیں جانتے﴿93﴾

بہتری کس کام میں ہے کہ اسے سرانجام دیں اور نقصان اور خرابی کس کام میں ہے کہ اس سے اجتناب کریں۔

تفسیر آیات: 89,88

مومنوں پر انعامات الٰہیہ: منافقوں کے گناہ ذکر کرنے کے بعد اب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف کی اور بتایا ہے کہ آخرت کی نعمتوں سے وہ شادکام ہوں گے، فرمایا: ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿88﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿89﴾﴾ ”لیکن پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے، انھی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“ یعنی آخرت میں انھیں جنت الفردوس اور بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات نصیب ہوں گے۔

تفسیر آیت: 90

جہاد اور معذور لوگ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو ترکِ جہاد کے سلسلے میں معذور تھے، اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تاکہ آپ کی خدمت میں عذر اور جہاد کے لیے نہ نکلنے کے اسباب، یعنی اپنی کمزوری اور عدمِ استطاعت کو بیان کر سکیں، ان لوگوں کا تعلق مدینہ کے اردگرد کے صحرا نشین قبائل سے تھا۔ ضحاک نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تخفیف کے ساتھ اسے: [وَجَآءَ الْمُعْذِرُوْنَ] پڑھتے تھے، یعنی اہلِ عذر آئے۔[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے۔'' یعنی وہ معذرت کرنے کے لیے نہیں آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دردناک عذاب کی سزا سناتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''عنقریب جو لوگ ان میں سے کافر ہوئے ہیں، ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔''

تفسیر آیات :91-93

جہاد میں عدمِ شرکت کا شرعی عذر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان عذروں کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے اگر کوئی جہاد میں شرکت نہیں کر سکتا تو کوئی حرج نہیں، ان میں سے کچھ عذر تو ایسے ہیں کہ جو ایک دفعہ لاحق ہو جائیں تو پھر دور ہی نہیں ہو سکتے، مثلاً: ایسی جسمانی کمزوری جس کی وجہ سے انسان جہاد میں کوئی جوش اور سرگرمی نہ دکھا سکے، نیز اندھا اور لنگڑا پن وغیرہ اور بعض عذر ایسے ہوتے ہیں جو وقتی طور پر پیش آنے والے کسی ایسے مرض کی صورت میں ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے نکل نہیں سکتا یا وہ ایسے فقر وفاقے کی صورت میں ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انسان ساز وسامانِ حرب تیار نہیں کر سکتا تو اس طرح کے عذروں والے اگر جہاد کے لیے نہ نکل سکیں اور گھروں ہی میں رہیں تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، لوگوں میں بری خبریں نہ اڑائیں اور نہ انھیں جہاد کے لیے نکلنے سے روکیں اور وہ اس حال میں بھی نیکو کار ہوں، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''نیکو کاروں پر کسی طرح کا (سزا کا) راستہ نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

امام اوزاعی نے لکھا ہے کہ لوگ نمازِ استسقا کے لیے نکلے تو ان میں بلال بن سعد کھڑے ہوئے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: اے حاضرین! کیا تم اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں، انھوں نے کہا: اے اللہ! ہم نے سنا ہے کہ تو نے فرمایا: ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ﴾ ''نیکو کاروں پر کسی طرح کا (سزا کا) راستہ نہیں ہے۔'' اے اللہ! ہم گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو ہمیں معاف فرما دے، ہمارے حال پر رحم فرما اور ہمیں بارش عطا فرما، انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھا دیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے بارانِ رحمت عطا فرما دی۔[2]

[1] تفسير الطبري:266/10. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1862/6.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ جہاد: عوفی نے اس آیت کریمہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلیں، آپ کے پاس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آ گئی جن میں عبداللہ بن مُغَفَّل مُزَنی رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے سواری کا انتظام فرما دیں، آپ نے ان سے فرمایا: [وَاللّٰهِ! مَا أَجِدُ مَا أَحمِلُكُم عَلَيهِ] ''اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کروں۔'' تو وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے کیونکہ ان کے لیے یہ بات مشکل تھی کہ وہ جہاد میں حصہ نہ لیں اور گھروں میں بیٹھ رہیں لیکن ان کے پاس خرچ ہے نہ سواری۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ دیکھا کہ اللہ اور اس کے رسول سے انھیں کس قدر شدید محبت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کے بارے میں نازل فرما دیا: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿91﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿92﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿93﴾﴾ ''نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریک جہاد ہوں) جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں نیکو کاروں پر کسی طرح کا (سزا کا) راستہ نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ آپ کے پاس آئے کہ ان کو سوار کریں اور آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں۔ (سزا کا) راستہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہیں اور (پھر) آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی) اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، چنانچہ وہ جانتے ہی نہیں۔''[1]

سفر نہ تکلیف، اجر میں برابر کے شریک: مجاہد نے: ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ﴾ کے بارے میں کہا کہ یہ آیت مُزَینہ کے بنی مُقَرِّن (قبیلے) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] امام ابن ابوحاتم نے حسن کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَقَدْ خَلَّفْتُم بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا، مَّا أَنْفَقْتُم مِّنْ نَّفَقَةٍ، وَّلَا قَطَعْتُم وَادِيًا، وَّلَا نِلْتُم مِّنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا، إِلَّا وَقَدْ شَارَكُوكُم فِي الْأَجْرِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص ......﴾ الآية] ''بلاشبہ تم نے مدینہ میں کچھ ایسے لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑا ہے کہ تم نے جو بھی خرچ کیا یا جس وادی کو بھی طے کیا یا دشمن کی طرف سے جو دکھ اٹھایا وہ تمھارے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہیں، پھر آپ نے

① تفسير الطبری :269/10. ② تفسير الطبری :269/10.

اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ''ان لوگوں پر (کوئی سزا کا راستہ) نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ ان کو سوار کریں اور آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں......۔''①

اس حدیث کا اصل صحیحین میں بروایت انس رضی اللہ عنہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَّا سِرْتُمْ مَّسِيرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا، إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ] ''بے شک مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم نے جب بھی کوئی وادی سر کی یا کوئی مسافت طے کی تو وہ تمھارے ساتھ تھے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مدینہ میں ہوتے ہوئے وہ ہمارے ساتھ تھے؟ فرمایا: [وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ] ''اور وہ مدینہ میں اس لیے ہیں کہ انھیں عذر نے روک رکھا ہے۔''②

پھر اللہ تعالیٰ نے قابلِ ملامت ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود بیٹھ رہنے کی اجازت مانگتے ہیں اور ان پر تنقید کی کہ وہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں، گھروں میں بیٹھ رہیں، پھر فرمایا: ﴿ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے پس وہ جانتے ہی نہیں۔''

① تفسیر ابن أبي حاتم: 1863/6. ② صحیح البخاري، المغازي، باب: 82، حدیث: 4423 و صحیح مسلم، الإمارة، باب ثواب من حبسه عن الغزو مرض ......، حدیث: 1911 عن جابر رضی اللہ عنہ.

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ

وہ (منافق) تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے: تم عذر پیش نہ کرو، ہم ہرگز تم پر

مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ

یقین نہیں کریں گے، اللہ نے تمھارے حالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اور اللہ جلد تمھارے عمل دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی، پھر تم چھپی اور کھلی

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿94﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ

(باتیں) جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمھیں بتا دے گا جو تم عمل کرتے رہے ﴿94﴾ عنقریب وہ تمھارے لیے اللہ کی قسمیں کھائیں گے

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿95﴾

جب تم ان کی طرف پلٹو گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو، چنانچہ تم ان سے درگزر (ہی) کرو۔ بلاشبہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ

(کاموں) کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ﴿95﴾ وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو

الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿96﴾

بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں ﴿96﴾

تفسیر آیات :94-96

منافقوں کے مکر وفریب کا بیان: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ جب مدینہ میں واپس آئے تو منافقوں نے عذر پیش کرنے شروع کر دیے، ﴿ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ﴾ ”(اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے: عذر مت کرو ہم ہرگز تم پر یقین نہیں کریں گے۔“ یعنی ہم تمھیں سچا نہیں مانیں گے۔ ﴿ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ﴾ ”تحقیق اللہ نے ہمیں تمھارے سب حالات بتا دیے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول تمھارے عملوں کو جلد دیکھیں گے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں لوگوں کے سامنے تمھارے سارے عملوں کو ظاہر کر دے گا، ﴿ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿94﴾ ﴾ ”پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ واحد) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو عمل تم کرتے رہے ہو وہ سب تمھیں بتائے گا۔“ یعنی وہ تمھارے اچھے اور برے سب عملوں کے بارے میں تمھیں بتائے گا اور انھی کے مطابق تمھیں بدلہ دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ عذر پیش کرتے ہوئے قسمیں بھی کھائیں گے تاکہ آپ ان سے درگزر کریں اور انھیں ملامت نہ کریں، پس از راہِ حقارت ان کی طرف التفات نہ کریں کیونکہ یہ ناپاک ہیں، ان کا باطن ناپاک ہے اور ان کے اعتقادات بھی ناپاک ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانا ﴿ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿95﴾ ﴾ ”جہنم اس کے بدلے میں جو کام یہ کرتے ہیں۔“ یعنی یہ جہنم ان کے گناہوں اور خطاؤں کی سزا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے قسمیں کھانے کی وجہ سے اگر آپ ان سے خوش ہو بھی جائیں، ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى

دیہاتی کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں اور اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ جان پائیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے،

رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿97﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا

اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿97﴾ اور کچھ دیہاتی اس کو تاوان سمجھتے ہیں جو وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور وہ تمھارے خلاف

وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿98﴾ وَمِنَ

زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں (مگر) منحوس گردش انھی کے خلاف ہے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿98﴾ اور کچھ دیہاتی وہ ہیں جو

الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قربتوں کا ذریعہ اور رسول کی دعاؤں (کے حصول) کا ذریعہ سمجھتے

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ہیں۔ آگاہ رہو! یقیناً یہ (خرچ کرنا) ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے، اللہ جلد انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿99﴾ ع 12/10/1

رحم کرنے والا ہے ﴿99﴾

عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿96﴾ ”تو بے شک اللہ (ان) نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔“ یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خارج ہو گئے ہیں۔ فسق کے معنی خارج ہونے اور باہر نکل جانے کے ہیں، چوہیا کو عربی میں فُوَیْسِقَۃٌ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے بل سے چیزوں کو خراب کرنے کے لیے باہر نکلتی ہے۔ فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ اس وقت کہا جاتا ہے جب کھجور اپنے خوشوں سے باہر نکل آئے۔

تفسیر آیات: 97-99

دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں زیادہ شدید ہوتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتایا ہے کہ دیہاتی لوگوں میں کچھ کافر، کچھ منافق اور کچھ مومن ہیں۔ ان کے کافر و منافق اپنے کفر و نفاق میں دوسروں کی نسبت بہت سخت ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام شریعت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں، یہ ان سے واقف ہی نہ ہوں جیسا کہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی زید بن صُوحان کے پاس آ کر اس وقت بیٹھ گیا جب وہ اپنے ساتھیوں سے بیان کر رہے تھے کہ جنگ نہاوند میں ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا، اس اعرابی نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! تمھاری بات تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے مگر تمھارے ہاتھ نے مجھے شک میں ڈال دیا ہے۔ زید نے کہا کہ تمھیں شک کیوں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ میرا بایاں ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ اعرابی نے جواب دیا: اللہ کی قسم! یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ (چوری کی سزا میں) دایاں ہاتھ کاٹتے ہیں یا بایاں۔ زید بن صوحان نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ﴾ ”بدوی کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور وہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ ان احکام کو

نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں۔'' [1]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى السُّلْطَانَ افْتَتَنَ] ''جو جنگل میں سکونت اختیار کرے گا وہ سخت دل ہو جائے گا اور جو شکار کے پیچھے لگے گا وہ غافل ہو جائے گا اور جو بادشاہ کے پاس جائے گا وہ فتنے میں مبتلا ہو جائے گا۔'' [2] اسے امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ [3]

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہدیہ دیا تو وہ اس وقت خوش ہوا جب آپ نے اس سے کئی گنا زیادہ اسے لوٹایا، اس وجہ سے آپ نے فرمایا تھا:[لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَّا أَقْبَلَ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ أَوْ أَنْصَارِيٍّ أَوْ ثَقَفِيٍّ أَوْ دَوْسِيٍّ] ''یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ صرف کسی قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دوسی ہی کا ہدیہ قبول کروں۔'' [4] یہ لوگ مکہ، طائف، مدینہ اور یمن جیسے شہروں میں رہتے ہیں اور دیہاتی لوگوں کی نسبت یہ لطیف اخلاق کے مالک ہیں جبکہ دیہاتیوں کی طبیعت میں سختی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ ﴾ ''اور اللہ بڑا جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' وہ جانتا ہے کہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اسے ایمان اور علم سکھایا جائے اور اس نے اپنے بندوں میں علم، جہالت، ایمان، کفر اور نفاق کو تقسیم کر دیا ہے تو اس کے یہ فیصلے سراسر حکمت پر مبنی ہیں، اپنے علم و حکمت سے وہ جو فیصلہ فرماتا ہے اس کی بابت اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان دیہاتی لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں: ﴿ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ ﴾ ''جو خیال کرتے ہیں جو کچھ خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ کے رستے میں ﴿ مَغْرَمًا ﴾ ''(اسے) تاوان۔'' یعنی چٹی اور گھاٹا، ﴿ وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ﴾ ''اور تمھارے خلاف زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں۔'' یعنی تم پر حادثات و آفات کے منتظر ہیں، ﴿ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ﴾ ''مگر گردش کی برائی انھی کے خلاف ہے۔'' یعنی وہ انھی پر لوٹنے والی ہے اور وہ آفت اور برائی انھی پر لوٹے گی۔ ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ ﴾ ''اور اللہ خوب سننے والا (اور) بڑا جاننے والا ہے۔'' وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور جانتا ہے کہ فتح و نصرت کا مستحق کون ہے اور رسوائی و ذلت کا مستحق کون۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ

---

[1] تفسير الطبرى:7,6/11. [2] مسند أحمد:357/1. [3] سنن أبى داود، الصيد، باب فى اتباع الصيد، حديث: 2859 و جامع الترمذى، الفتن، باب من أتى أبواب السلطان افتتن، حديث:2256 و سنن النسائى، الصيد، باب اتباع الصيد، حديث:4314. [4] سنن أبى داود، البيوع، باب فى قبول الهدايا، حديث:3537 و جامع الترمذى، المناقب، باب فى ثقيف وبنى حنيفة، حديث:3945 واللفظ له و سنن النسائى، العمرى، باب عطية المرأة بغير إذن زوجها، حديث:3790 عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ.

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ

اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی

رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾

یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۰۰﴾

الرَّسُوۡلِ ؕ﴾ ’’اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کی قربتوں اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔‘‘ یہ دیہاتی قابلِ ستائش ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رستے میں خرچ کرنے کو تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں، نیز اللہ کے رستے میں خرچ کر کے اللہ کے رسول کی دعاؤں کے طلب گار ہیں۔ ﴿ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ﴾ ’’خبردار! وہ بلا شبہ ان کے لیے (موجب) قربت ہے۔‘‘ یعنی انھیں یہ مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ ﴿ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾﴾ ’’اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔‘‘

تفسیر آیت :100

مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے فضائل و مناقب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین و انصار اور نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے خوش ہے اور وہ اپنے اللہ سے خوش ہیں کہ اس نے ان کے لیے ابدی و سرمدی نعمتوں کے باغات تیار فرما رکھے ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار میں سے پہلے پہل سبقت کرنے والے وہ ہیں جنھوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان کا شرف حاصل کیا تھا۔ ① ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیّب، محمد بن سیرین، حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ②

اللہ رب ذوالجلال نے اس مقام پر یہ فرمایا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین و انصار اور نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے خوش ہے تو کس قدر بدبخت ہیں وہ لوگ جو ان سے بغض رکھیں یا انھیں گالیاں دیں یا ان میں سے بعض سے بغض رکھیں اور انھیں گالیاں دیں، خصوصاً سارے صحابہ کے سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اشرف و افضل صدیق اکبر اور خلیفۂ اعظم حضرت ابوبکر بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہیں جیسا کہ یہ ملعون رافضی ٹولہ افضل صحابہ سے دشمنی اور بغض رکھتا اور انھیں دُشنام دیتا ہے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنۡ ذٰلِكَ.

① تفسیر الطبری:11/11. ② تفسیر الطبری:11/11، 12.

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫

اور تمھارے آس پاس جو دیہاتی ہیں ان میں بعض منافق ہیں، اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ (اے نبی!) آپ انھیں نہیں جانتے،

لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿101﴾

ہم انھیں جانتے ہیں۔ ہم جلد انھیں دوہری سزا دیں گے، پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿101﴾

ان کا یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی عقلیں ٹیڑھی اور ان کے دل الٹے ہو چکے ہیں، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کے بعد کیا ان کا قرآن پر ایمان باقی رہے گا۔ ان کے برعکس اہل سنت کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے خوش ہیں کیونکہ ان سے اللہ تعالیٰ خوش ہے اور اسے گالی دیتے ہیں جسے اللہ اور اس کا رسول گالی دے، وہ اس کے دوست ہیں جس کا اللہ دوست ہو اور اس کے دشمن ہیں جس کا اللہ دشمن ہو کہ یہ متبع سنت ہیں بدعتی نہیں۔ یہ اقتدا کرتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہیں کرتے اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی کامیاب و کامران جماعت اور اس کے مومن بندے ہیں۔

تفسیر آیت :101

دیہات اور مدینہ کے منافق: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ کو مطلع فرمایا ہے کہ مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل عرب میں بلکہ خود اہل مدینہ میں بھی کچھ لوگ منافق ہیں ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫﴾ ''وہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔'' نفاق کو اختیار کیے اور اسے باقی رکھے ہوئے ہیں، شیطان کو بھی مَرِید اور مَارِد کہا جاتا ہے جب کوئی شخص سرکش اور جابر ہو جائے تو کہتے ہیں: تَمَرَّدَ فُلَانٌ عَلَى اللّٰهِ. ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ﴾ ''آپ انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔'' یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے منافی نہیں ہے: ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ﴾ (محمد 30:47) ''اور اگر ہم چاہتے تو وہ (منافق) لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے اور آپ ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیں گے اور آپ انھیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لیں گے۔'' اس آیت کریمہ میں ان کی ان نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ساتھ وہ پہچانے جا سکتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ متعین طور پر تمام اہل نفاق و شک کو جانتے ہیں۔ آپ کو معلوم تھا کہ اہل مدینہ کے بعض لوگوں میں سے منافق بھی ہیں اور آپ انھیں صبح شام دیکھتے بھی تھے۔ آیت کریمہ: ﴿وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ﴾ (التوبۃ 74:9) کی تفسیر میں قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ یا پندرہ منافقوں کا باقاعدہ متعین طور پر بتا دیا تھا۔[1] یہ ایک خاص پہلو تھا جس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کو متعین طور پر تمام کے تمام منافقوں کے ناموں کا علم تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

عبد الرزاق نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں یہ جاننے کا تکلف کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ فلاں جنت میں ہے اور فلاں جہنم میں ہے لیکن جب آپ ان میں

[1] دیکھیے التوبۃ، آیت: 74 کے ذیل میں۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے ملا جلا عمل کیا، ایک اچھا اور دوسرا برا، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ

يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿102﴾

قبول فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿102﴾

سے کسی ایک سے خود اس کے اپنے بارے میں پوچھیں تو وہ کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں، حالانکہ اللہ کی قسم! لوگوں کے احوال کی نسبت تو اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے اور تو ایسی بات کا بوجھ اٹھا رہا ہے جس کا بوجھ تو انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الشعرآء 112:26) ”اور مجھے کیا معلوم جو وہ کرتے ہیں۔“ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ (ھود 86:11) ”اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا (دیا ہوا) نفع ہی تمھارے لیے بہتر ہے اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔“ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ ﴾ ”آپ انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔“[1] مجاہد نے ﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾ ”ہم جلد ان کو دوہرا عذاب دیں گے۔“ کے بارے میں کہا ہے کہ دوہرے عذاب سے مراد قتل اور قید ہونے کا عذاب ہے۔[2] اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے بھوک اور قبر کا عذاب مراد ہے۔[3]

فرمایا: ﴿ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴾ ”پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ایک تو اموال و اولاد کا دنیا میں عذاب ہوگا اور انھوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (التوبة 55:9) ”تو آپ ان کے مالوں اور اولاد سے تعجب نہ کریں، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیاوی زندگی میں ان کو عذاب دے۔“ دنیا کے یہ مصائب ان کے لیے عذاب ہیں جبکہ مومنوں کے لیے یہ باعث اجر ہیں، پھر ان منافقوں کو آخرت میں آگ کا عذاب بھی ہوگا: ﴿ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴾ ”پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“ اس بڑے عذاب سے مراد جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔[4]

تفسیر آیت :102

سستی کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جانے والے مومن: اللہ تعالیٰ نے پہلے ان منافقوں کا حال بیان کیا جو بے رغبتی، تکذیب اور شک کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہے تھے، اور اب ان گناہ گاروں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو محض سستی اور راحت طلبی کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہے تھے، حالانکہ ان کا ایمان بھی تھا اور وہ حق کی تصدیق بھی کرتے تھے، فرمایا: ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ ”اور کچھ دیگر لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں۔“ اپنے گناہوں کا اقرار اور

① تفسیر الطبری :15,14/11 وتفسیر عبدالرزاق :162,161/2، رقم :1118۔ ② تفسیر الطبری :16/11۔ ③ تفسیر الطبری :16/11۔ ④ تفسیر الطبری :17/11۔

اپنے رب کے حضور اعتراف کرتے ہیں اور ان کے اچھے اعمال بھی ہیں جنھیں انھوں نے برے عملوں کے ساتھ ملا جلا دیا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ عفو اور بخشش سے نوازے گا۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ کچھ مخصوص اور معین لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں، خطا کاروں اور اچھے اور برے عملوں کو ملا جلا دینے والوں کے لیے عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ابولبابہ اور ان کے کچھ ایسے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابولبابہ اور ان کے پانچ ساتھی تھے اور بعض نے ان کے ساتھیوں کی تعداد سات اور بعض نے نو بتائی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس غزوے سے واپس تشریف لائے تو ان سب لوگوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور قسمیں کھائیں کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی انھیں کھولیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ ......﴾ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کھول دیا اور معاف فرما دیا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ فَابْتَعَثَانِي، فَانْتَهَيَا بِي إِلٰى مَدِينَةٍ مَّبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَّلَبِنِ فِضَّةٍ، فَتَلَقَّانَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِّنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، وَّشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، قَالَا لَهُمْ: اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذٰلِكَ النَّهْرِ، فَوَقَعُوا فِيهِ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، قَالَا لِي: هٰذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَّهٰذَاكَ مَنْزِلُكَ، قَالَا: وَأَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِّنْهُمْ حَسَنٌ وَّشَطْرٌ مِّنْهُمْ قَبِيحٌ، فَإِنَّهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ]

''رات میرے پاس خواب میں دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر ایک ایسے شہر میں لے گئے جو (اس انداز سے) بنا ہوا تھا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی تھی اور وہاں ہمیں کچھ ایسے آدمی بھی ملے جن کا نصف حصہ بے حد خوب صورت اور نصف بے حد بدصورت تھا، ان دونوں فرشتوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں چھلانگ لگا دو، انھوں نے اس میں چھلانگ لگا دی۔ پھر جب وہ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی ختم ہو گئی تھی اور اب ان کا سارا جسم ہی بے حد خوبصورت ہو گیا تھا۔ ان دونوں فرشتوں نے بتایا کہ یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کا مقام ہے اور انھوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ جن کا نصف حصہ خوبصورت اور نصف بدصورت تھا، وہ تھے جنھوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا جلا دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔[2]

---

① تفسير الطبري:20,19/11. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ﴾ (التوبة 102:9)، حديث:4674.

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ

(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اوران کا تزکیہ کریں اوران کے لیے دعا کریں، بے شک

سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿103﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ

آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿103﴾ کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں

عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾

کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿104﴾

تفسیر آیات:104,103

زکاۃ وصول کرنے کا حکم اور اس کے فوائد کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ آپ ان مسلمانوں سے ان کے مالوں کی زکاۃ قبول کر کے انھیں ظاہری اور باطنی طور پر پاک کر دیں۔ یہ حکم عام ہے اگرچہ ﴿اَمْوَالِهِمْ﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں کے نزدیک یہی لوگ ہیں جنھوں نے اچھے اور برے دونوں طرح کے عمل کیے تھے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے بعض مانعین زکاۃ کا یہ عقیدہ تھا کہ اب امام کو زکاۃ ادا نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ بات تو رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ خاص تھی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً......﴾ الآیۃ. ''ان کے مالوں میں سے صدقہ وخیرات لیں......۔'' مگر ان کی اس تاویل اور فہم فاسد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رد کر دیا اور ان کے خلاف جہاد کیا تاکہ وہ مسلمانوں کے خلیفے کی خدمت میں اسی طرح زکاۃ ادا کریں، جیسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ادا کیا کرتے تھے حتی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے بکری کے اس ایک بچے ۔[1] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ اونٹ کا گھٹنا باندھنے والی اس رسی ۔ کو بطور زکاۃ دینے سے انکار کیا جسے یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ادا کیا کرتے تھے تو اس انکار کی وجہ سے میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔[2]

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ یعنی ان کے حق میں دعائے خیر کیجیے اور ان کے لیے گناہوں سے بخشش طلب کیجیے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب کسی قوم کی طرف سے مالِ زکاۃ پہنچتا تو آپ ان کے لیے دعائے خیر فرمایا کرتے تھے، میرے والد جب اپنی زکاۃ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِي أَوْفٰى] ''اے اللہ! آل ابو اوفی پر رحمت نازل فرما۔''[3]

---

[1] صحیح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث:1400. [2] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب الاقتداء بسنن رسول اللهﷺ، حديث:7285,7284 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمربقتال الناس......، حديث: 20 عن أبي هريرةﷺ. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب صلاة الإمام ودعائه لصاحب الصدقة......، حديث:1497 و صحيح مسلم، الزكاة، باب الدعاء لمن أتى بصدقة، حديث:1078.

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ

اور (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم عمل کرو، پھر اللہ تمھارے عمل کو عنقریب دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی اور تم جلد اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾

چھپی اور کھلی (باتیں) جاننے والا ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے رہے ﴿105﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ صَلٰوتَكَ ﴾ ''بلاشبہ آپ کی دعا۔'' بعض نے اسے جمع کے صیغے کے ساتھ [صَلَوَاتِكَ] بھی پڑھا ہے اور باقی نے اسے مفرد کے صیغے کے ساتھ ﴿ صَلٰوتَكَ ﴾ پڑھا ہے۔ ﴿ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ ﴾ ''بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجبِ تسکین ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موجبِ رحمت ہے۔① ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾ ''اور اللہ خوب سننے والا ہے۔'' آپ کی دعا کو ﴿ عَلِيْمٌ ﴿103﴾ ﴾ ''بڑا جاننے والا ہے'' کہ آپ کی دعا کا مستحق اور اہل کون ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول کرتا اور صدقات کی پرورش فرماتا ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ﴾ ''کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (و خیرات) لیتا ہے۔'' اس آیت کریمہ میں توبہ اور صدقے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو گناہوں کو مٹا کر انسان کو پاک صاف کر دینے کا موجب بنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے اور جو کسب حلال سے صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرما کر اس طرح اسے پالتا پوستا ہے کہ ایک کھجور احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ وَيَأْخُذُهَا بِيَمِينِهِ فَيُرَبِّيهَا لِأَحَدِكُمْ، كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ مُهْرَهُ، حَتّٰى إِنَّ اللُّقْمَةَ لَتَصِيرُ مِثْلَ أُحُدٍ] ''بے شک اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول فرما کر اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اسے اس طرح پالتا پوستا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے حتی کہ ایک لقمہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔'' اور اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ﴾ ''کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (وخیرات) لیتا ہے۔'' نیز اس آیت کریمہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے: ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ ﴾ (البقرۃ 276:2) ''اللہ سود کو نیست و نابود (بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔''②

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں آ جاتا ہے، پھر

① تفسير الطبري:25/11. ② جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في فضل الصدقة، حديث:662 ومسند أحمد: 471/2 وتفسير الطبري:27/11.

انھوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی۔ [1]

تفسیر آیت :105

نافرمانوں کے لیے وعید: امام مجاہد کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہے۔[2] یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول اور مومن (سب) تمھارے عملوں کو دیکھ لیں گے۔ اور قیامت کے دن ایسا یقیناً ہو کر رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ ﴾ (الحآقة 69:18) ''اس روز تم (سب لوگوں کے سامنے) پیش کیے جاؤ گے اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں رہے گی۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ ﴾ (الطارق 86:9) ''جس دن (دلوں کے) بھید جانچے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (العٰديٰت 100:10) ''اور جو (بھید) دلوں میں ہیں، وہ ظاہر کر دیے جائیں گے۔'' بسا اوقات اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی لوگوں کے سامنے ان کے سارے اعمال آشکارا کر دیتا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بیان کیا ہے کہ جب کسی مرد مسلمان کا کوئی حسنِ عمل تمھیں اچھا لگے تو یہ کہو: ﴿ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''تم عمل کرو، پھر اللہ تمھارے عمل کو دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی۔''[3] ایک حدیث کا بھی قریباً یہی مفہوم ہے۔ امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَعْجَبُوا بِأَحَدٍ حَتّٰى تَنْظُرُوا بِمَ يُخْتَمُ لَهُ، فَإِنَّ الْعَامِلَ يَعْمَلُ زَمَانًا مِّنْ عُمْرِهِ۔ أَوْ بُرْهَةً مِّنْ دَهْرِهِ۔ بِعَمَلٍ صَالِحٍ لَّوْ مَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلًا سَيِّئًا، وَّإِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ الْبُرْهَةَ مِنْ دَهْرِهِ بِعَمَلٍ سَيِّءٍ، لَّوْ مَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ النَّارَ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلًا صَالِحًا، وَّإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ قَبْلَ مَوْتِهِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَ كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ ؟ قَالَ: يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ، ثُمَّ يَقْبِضُهُ عَلَيْهِ]

''کسی کے عمل سے تعجب نہ کرو حتی کہ یہ دیکھ لو کہ اس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے۔ ایک عمل کرنے والا اپنی عمر کے ایک زمانے تک نیک عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اگر اس وقت فوت ہو تو جنت میں داخل ہو جائے مگر پھر بدل کر وہ کوئی برا عمل کر بیٹھتا ہے، اسی طرح ایک شخص کچھ عرصے تک برے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اگر اس وقت وہ فوت ہو تو جہنم میں داخل ہو جائے مگر پھر بدل کر وہ کوئی نیک عمل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو موت سے پہلے اس سے کام لے لیتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس سے کس طرح کام لیتا ہے؟ فرمایا: اسے عملِ صالح کی توفیق عطا فرما دیتا ہے، پھر اس حالت میں اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔'' اس حدیث کو صرف امام احمد ہی نے

[1] تفسير الطبری:11/27. [2] تفسير الطبری:11/28. [3] صحيح البخاری، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ...... ﴾ (المآئدة 5:67)، قبل الحديث:7530 تعليقًا.

وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ

اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کر دیا گیا ہے، یا تو وہ انھیں سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرلے گا۔

حَكِيۡمٌ ﴿106﴾

اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ﴿106﴾

وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًا بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاِرۡصَادًا

اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی تاکہ (مسلمانوں کو) ضرر پہنچائیں اور کفر پھیلائیں اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے لیے

لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَيَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰى ؕ

گھات لگائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے۔ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نیک ہی تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا

وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿107﴾ لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى

ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں ﴿107﴾ (اے نبی!) آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی سے

مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ

تقوے پر رکھی گئی ہے اس کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (اس بات کو) پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک

يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ ﴿108﴾

صاف ہوں اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿108﴾

روایت کیا ہے۔[1]

تفسیر آیت: 106

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ضحاک رحمہم اللہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے وہ تین لوگ مراد ہیں جن کی توبہ کی قبولیت کو مؤخر کر دیا گیا تھا اور وہ مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ تھے۔[2] اور وہ سستی، راحت طلبی، پکے پھلوں اور ٹھنڈے گھنے سایوں میں آرام کرنے کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ ان کی عدم شرکت شک اور نفاق کی وجہ سے نہیں تھی، ان میں سے کچھ لوگوں، مثلاً: ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں نے تو اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا تھا اور کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو اس طرح نہیں باندھا تھا، مثلاً: مذکورہ بالا تین حضرات کہ ان کی توبہ کی قبولیت کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا حتی کہ ﴿لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ ......﴾ الآیة (التوبة 9:117) ''یقیناً اللہ نے نبی اور مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی......'' اور ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ......﴾ الآیة (التوبة 9:118) ''اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکم الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا حتی کہ جب زمین فراخی کے

[1] مسند أحمد: 120/3. [2] تفسیر الطبری: 30,29/11.

باوجود ان پر تنگ ہوگئی......'' نازل ہوئی۔ [1] جیسا کہ کعب بن مالک کی روایت میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر آگے آرہا ہے۔

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ﴾ ''چاہے ان کو عذاب دے اور چاہے رحمت کر دے۔'' وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اس کی رحمت اس کے عذاب پر غالب ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ جانتا ہے کہ سزا کا مستحق کون ہے اور معافی کا مستحق کون۔ اور وہ اپنے تمام افعال اور اقوال میں حکمت والا ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، وَلَا رَبَّ سِوَاهُ.

تفسیر آیات: 108,107

مسجدِ ضرار اور مسجد تقویٰ: ان آیات کریمہ کا سببِ نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں خزرج کا ایک شخص تھا جس کا نام ابوعامر راہب تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہوگیا تھا اور اس نے اہل کتاب کے علم کو حاصل کیا تھا، زمانۂ جاہلیت میں یہ بہت عبادت کرتا تھا اور خزرج میں اسے بہت بلند مقام حاصل تھا، رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ میں تشریف لے آئے، مسلمان آپ کے گرد جمع ہوگئے، اسلام کے کلمے کو سربلندی حاصل ہوگئی اور خصوصاً بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے حد کامیابی سے سرفراز فرما دیا تو یہ ملعون ابوعامر غصے اور کینے سے تلملا اٹھا اور اس نے کھلم کھلا عداوت اور دشمنی سے کام لینا شروع کر دیا۔ یہ بھاگ کر کفار مکہ اور مشرکین قریش کے پاس گیا اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسایا، کفار مکہ بھی ان قبائل عرب کے ساتھ شامل ہوگئے جنھوں نے اس سے اتفاق کر لیا تھا، پھر ان سب نے مل کر احد کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی، اس جنگ میں اگرچہ مسلمان سخت ابتلا اور آزمائش سے بھی گزرے، گو آخر کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کو حاصل ہوتی ہے، اس فاسق نے دونوں صفوں کے درمیان بہت سے گڑھے بھی کھود دیے تھے جن میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ بھی گر گئے تھے، جنگ احد میں آپ کا چہرۂ اقدس بھی زخمی ہوگیا تھا، آپ کا سامنے والا دائیں طرف کا نیچے کا دانت ٹوٹ گیا، آپ کے سر مبارک پر بھی زخم آیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

دعوتِ مُبارَزت کے آغاز میں یہ ابوعامر انصار میں سے اپنے لوگوں کی طرف بڑھا اور انھیں مخاطب کر کے اپنی نصرت و موافقت پر آمادہ کرنا چاہا جب انھوں نے اس کی آواز کو پہچان لیا تو انھوں نے کہا: اے فاسق! اے اللہ کے دشمن! اللہ تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے، انھوں نے اسے گالیاں دیں اور یہ لوٹ گیا اور کہتا جا رہا تھا: اللہ کی قسم! میرے بعد میری قوم بری ہوگئی ہے۔ اس کے فرار ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے اللہ کے دین کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا تھا مگر اس نے سرکشی اختیار کی اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا فرمائی کہ یہ مردود و مغضوب ہو کر مرے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لوگ جب غزوۂ احد سے فارغ

[1] تفسیر الطبری: 29/11.

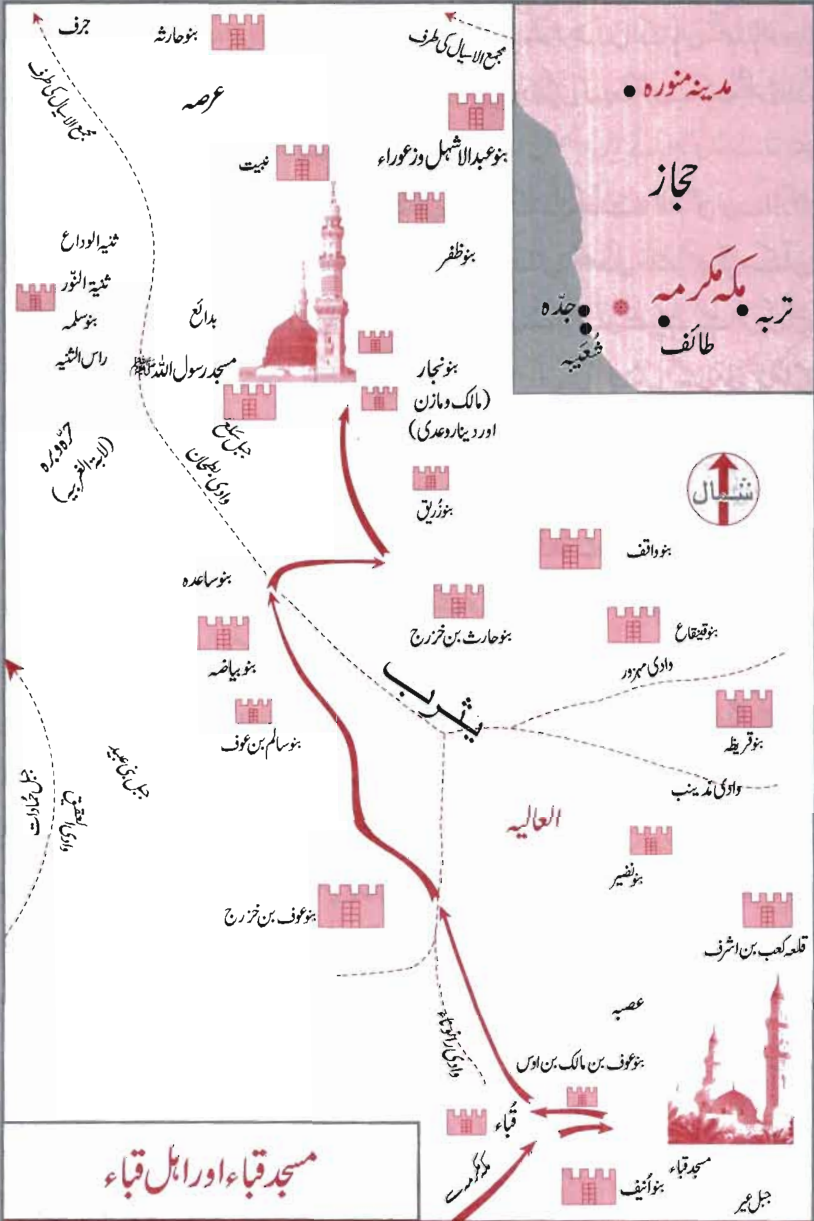

مسجد قباء اور اہل قباء

﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ "نہ کھڑے ہوں آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی، البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی ہے (اس کی) تقویٰ پر پہلے ہی دن سے، زیادہ حق دار ہے اس کی کہ کھڑے ہوں آپ اس میں، اس میں تو ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ پاک ہوں وہ اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔" (التوبۃ 9:108)

ہوئے اور اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مشن کامیاب ہوتا جا رہا ہے تو یہ روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس گیا تاکہ اس سے آپ کے خلاف مدد حاصل کرے، اس نے اس کی مدد کا وعدہ کیا اور یہ کچھ عرصہ اس کے ہاں مقیم رہا اور وہاں سے اس نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جو نفاق وشک میں مبتلا تھے خطوط لکھ کر امیدیں دلائیں کہ وہ عنقریب ایک لشکر جرار لے کر آئے گا جس کے ساتھ یہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کر کے غلبہ حاصل کر لے گا۔

نیز اس نے انھیں یہ بھی لکھا کہ وہ ایک ایسی محفوظ جگہ بنالیں جو ان کے لیے گھات کا کام بھی دے اور اس کے خطوط لانے والے لوگ بھی وہاں آ کر انھیں اس کے خطوط پہنچا دیں تو انھوں نے اس مقصد کی خاطر مسجد قباء کے قریب ہی ایک مسجد بنانا شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے اس کی تعمیر مکمل کر لی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر مطالبہ کیا کہ آپ تشریف لائیں اور ان کی مسجد میں انھیں نماز پڑھائیں، اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ آپ کے نماز پڑھانے کو یہ اس مسجد کی بقا اور استحکام کے لیے بطور دلیل استعمال کر سکیں گے انھوں نے آپ کی خدمت میں بیان یہ کیا کہ ہم نے یہ مسجد ان کمزوروں اور بیماروں کے لیے بنائی ہے جو سردی کی راتوں میں مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے لیے نہیں جا سکتے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مسجد میں نماز پڑھانے سے محفوظ رکھا اور آپ نے فرمایا: [إِنَّا عَلٰى سَفَرٍ، وَّلٰكِنْ إِذَا رَجَعْنَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ] ''بے شک اس وقت تو ہم سفر کی تیاری کر رہے ہیں اور جب ہم واپس آئے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم نماز پڑھائیں گے۔''

مگر جب آپ تبوک سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے اور مدینہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم مسافت پر رہ گیا تھا تو جبریل وحی لے کر نازل ہوئے جس میں مسجد ضرار کی کیفیت بیان کر دی گئی تھی کہ اس کے بنانے والوں کا مقصد تو کفر اور روز اول سے تقوے کی بنیاد پر تعمیر کی جانے والی مسجد قباء کے مومنوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ اس وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی کچھ لوگوں کو اس مسجد کے گرا دینے کے لیے روانہ فرما دیا جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: یہ انصار میں سے کچھ لوگ تھے جنھوں نے یہ مسجد بنائی تھی اور ان سے ابوعامر نے یہ کہا تھا کہ مسجد بناؤ اور مقدور بھر اسلحہ اور قوت جمع کرو، میں شاہِ روم قیصر کے پاس جا رہا ہوں اور اس سے ایک ایسا رومی لشکر لے کر آؤں گا جس کے ساتھ میں محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کو یہاں سے نکال دوں گا۔

مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کی ممانعت: یہ لوگ جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہم نے مسجد کی تعمیر مکمل کر لی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ تشریف لا کر اس میں نماز پڑھائیں اور برکت کی دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں: ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ تا ﴿الظّٰلِمِيْنَ﴾ (التوبة 9:108,109) تک آیات نازل فرما دیں۔[1]

[1] تفسير الطبري :11/33. ملحوظہ: مسجد ضرار کا مکمل واقعہ ملاحظہ فرمائیں تفسیر الطبري :11/32,31 وتفسير ابن أبي حاتم: 6/1880-1878.

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَيَحْلِفُنَّ ﴾ ''اور قسمیں کھائیں گے'' جنھوں نے مسجد کو بنایا ہے: ﴿ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ﴾ ''ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی۔'' ہمارا اس مسجد کے بنانے سے مقصود تو بھلائی اور لوگوں کے ساتھ نرمی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ ''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ جھوٹے ہیں۔'' یہ اپنا مقصد اور نیت بتانے میں جھوٹے ہیں، انھوں نے تو اس مسجد قباء کو نقصان پہنچانے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے، مومنوں میں تفریق و انتشار پیدا کرنے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں، ان کے لیے گھات کی جگہ بنانے کے لیے بنایا ہے۔ پہلے جنگ کرنے والوں سے مراد فاسق اور ملعون ابو عامر ہے جسے راہب کہا جاتا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ﴾ ''آپ اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو منع فرما دیا کہ اس میں کبھی بھی نماز نہ پڑھیں اور آپ کی اتباع میں آپ کی امت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

مسجد قباء اور اس میں نماز کی فضیلت: پھر اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے۔ تقوے سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت، مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد قائم کرنا اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے ٹھکانا مہیا کرنا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ﴾ ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے، اس قابل ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔'' سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہی ہے اسی وجہ سے صحیح حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ] ''مسجد قباء میں نماز کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔''[1] صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء کی زیارت کے لیے سوار اور پیادہ تشریف لایا کرتے تھے۔[2] حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنی عمرو بن عوف میں تشریف آوری کے وقت اس مسجد کو تعمیر فرمایا تو جبریل امین نے قبلے کی سمت کا تعین کیا تھا۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اہل قباء اور طہارت: امام احمد نے عُوَیم بن ساعِدہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ ان کے پاس مسجد قباء میں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ فِي الطُّهُورِ فِي قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ، فَمَا هٰذَا الطُّهُورُ الَّذِي تَطَهَّرُونَ بِهِ؟] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھاری (اس) مسجد کے ذکر کے ضمن میں تمھاری پاکیزگی اور صفائی کی تعریف فرمائی تو تم نے پاکیزگی اور طہارت کے لیے کیا صورت اختیار کی ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے پڑوس میں کچھ یہودی رہتے تھے اور

[1] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في مسجد قباء، حديث: 324 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوٰت، باب ما جاء في الصلاة في مسجد قباء، حديث: 1411 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب من أتى مسجد قباء كل سبت، حديث: 1193 وصحيح مسلم، الحج، باب فضل مسجد قباء……، حديث: 1399 عن ابن عمر رضي الله عنهما. [3] تاريخ المدينة المنورة: 39/1، رقم: 162.

اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡيَانَهٗ عَلٰى تَقۡوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٍ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

کیا بھلا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور (اس کی) رضا پر رکھی، (وہ) بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد (دریا کے)

جُرُفٍ هَارٍ فَانۡهَارَ بِهٖ فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ

ایک کھوکھلے گرنے والے کنارے پر رکھی؟ پھر وہ اسے جہنم کی آگ میں لے گرا؟ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (109) انھوں نے جو عمارت بنائی

بُنۡيَانُهُمُ الَّذِىۡ بَنَوۡا رِيۡبَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَقَطَّعَ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع 13/11/2

تھی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں شک ڈالے رکھے گی الا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے (110)

وہ قضائے حاجت کے بعد اپنی پیٹھوں کو دھوتے تھے تو ہم نے بھی انھی کی طرح دھونا شروع کر دیا۔[1] اسے ابن خذیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے، اس قابل ہے کہ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ ان قدیم مسجدوں میں نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ جو روزِ اول ہی سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں اور یہ بھی مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک، باعمل، وضو اور طہارت کی حفاظت کرنے والوں اور گندی اور ناپاک چیزوں سے دور رہنے والوں کی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

اچھے طریقے سے وضو نہ کرنے کا نقصان: امام احمد نے اصحابِ رسول اللہ ﷺ میں سے ایک شخص (ابو روح الکلاعی) کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے انھیں صبح کی نماز پڑھائی جس میں آپ نے سورۂ روم کی تلاوت شروع فرمائی مگر آپ اس میں بھولنے لگے اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: [إِنَّهُ يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أَنَّ أَقْوَامًا مِّنْكُمْ يُصَلُّونَ مَعَنَا، لَا يُحْسِنُونَ الْوُضُوءَ، فَمَنْ شَهِدَ الصَّلَاةَ مَعَنَا فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ] ''بے شک ہمیں قرآن پڑھنے میں التباس ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ کچھ لوگ ہمارے ساتھ نماز تو پڑھتے ہیں مگر وہ اچھی طرح وضو نہیں کرتے، لہٰذا جو شخص ہمارے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو خوب اچھی طرح کرے۔''[3] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کامل طریقے سے طہارت حاصل کرنا، عبادت میں قیام کو آسان کر دیتا ہے اور اسے آداب و شرائط کے ساتھ احسن اور اکمل انداز میں ادا کرنے کے لیے مدد معاون ثابت ہوتا ہے۔

تفسیر آیات: 110,109

مسجد قبا اور مسجد ضرار میں فرق: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا مندی پر

① مسند أحمد: 422/3. ② صحيح ابن خزيمة، باب ذكر ثناء الله عزوجل على المتطهرين بالماء: 46,45/1، حديث: 83. ③ مسند أحمد: 472,471/3.

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں،

اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ أَوْفٰى

پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد

بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿111﴾

کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس (اللہ) سے کیا، اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿111﴾

رکھی اور وہ برابر نہیں ہوسکتا جس نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائے، کفر کرے، مومنوں میں تفرقہ ڈالے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں، ان کے لیے گھات کی جگہ بنائے کیونکہ ان لوگوں نے تو اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی اور وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿109﴾﴾ ''اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' یعنی فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کا عمل صحیح نہیں ہوسکتا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد ضرار سے دھواں نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ [1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے (اور ان کو متردد رکھے) گی۔'' یعنی ان کے دلوں میں شک اور نفاق رہے گا کیونکہ انھوں نے بدترین جرم کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ بچھڑے کے پجاریوں کے دلوں میں گائے کے بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ﴾ ''مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔'' یعنی ان کی موت واقع ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم، سدی، حبیب بن ابی ثابت، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور کئی ایک علمائے سلف رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ [2] ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ خوب جاننے والا'' اپنی مخلوق کے اعمال کو ﴿حَكِيْمٌ ﴿110﴾﴾ اور ''بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا اچھا یا برا بدلہ دینے میں۔

تفسیر آیت: 111

اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں مومنوں کے جان و مال کو خرید لیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب اس کے مومن بندے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو اس کی راہ میں خرچ کریں گے تو وہ انھیں اس کے معاوضے میں جنت عطا فرمائے گا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کا خاص احسان ہے کہ اس نے جنت اور اس کی دائمی اور ابدی نعمتوں کے معاوضے کے طور پر ایسی چیزوں کو قبول فرما لیا ہے جن کا درحقیقت وہ خود ہی مالک ہے مگر از راہِ لطف وکرم اس نے وہ چیزیں اپنے اطاعت گزار اور وفا شعار بندوں کو عطا فرما رکھی ہیں۔ امام حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے سودا کیا اور انھیں

[1] تفسیر الطبری: 45/11. [2] تفسیر الطبری: 47,46/11.

بہت ہی گراں قیمت ادا فرمادی ہے۔[1] شِمر بن عَطِیّہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کی گردن میں اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے، خواہ وہ اسے پورا کرے یا اس پر فوت ہو جائے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ کے رستے میں حملہ کرنے والے کے لیے کہا جاتا ہے: بَايَعَ اللّٰهَ یعنی اس نے اس عقد بیع کو قبول کرلیا اور اُسے پورا کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ ''یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔'' یعنی خواہ وہ کافروں کو ماریں یا خود مریں یا انھیں یہ دونوں باتیں ہی حاصل ہو جائیں ان کے لیے ہر صورت میں جنت واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ مجاہد کا کفیل ہے: صحیحین کی حدیث میں آیا ہے: [تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا جِهَادٌ فِي سَبِيلِي وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي بِأَنْ تَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، أَوْ يَرْجِعَهُ إِلٰى مَنْزِلِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ، نَائِلًا مَّا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ] ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے جو اس کے رستے میں نکلے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اسے اگر میرے رستے میں نکالنے والی میرے رستے میں جہاد اور میرے رسولوں کی تصدیق کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے (تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اسے فوت کرے گا اور اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا وہ جس گھر سے نکلا تھا اس گھر میں اسے اجرو ثواب یا غنیمت کے ساتھ لوٹائے گا۔''[3]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ ''(یہ) تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کے ذمے سچا وعدہ ہے۔'' یہ ﴿حَقًّا﴾ اس ﴿وَعْدًا﴾ کی تاکید مزید ہے، نیز اس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اس بات کو اس نے اپنی ذات بابرکات کے لیے لازم ٹھہرالیا ہے اور اسے اپنی ان بڑی بڑی کتابوں میں بھی ذکر فرمایا ہے جسے اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، مثلاً: تورات میں جسے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا، انجیل میں جسے اس نے عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور قرآن مجید میں جسے اس نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا تھا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟'' یعنی وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (النسآء4:122) ''اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون (ہوسکتا) ہے؟'' اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿111﴾﴾ ''تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے، اس سے خوش رہو اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' جو شخص اس عقدِ بیع کے تقاضوں کو پورا کرے اور اس عہد کو وفا کرے تو اسے بڑی کامیابی اور جنت کی ابدی و سرمدی نعمتوں پر خوش ہونا چاہیے۔

---

[1] تفسير الطبرى: 49/11. [2] تفسير الطبرى: 49/11. [3] صحيح البخارى، فرض الخمس، باب قول النبى ﷺ: أحلت لكم الغنائم، حديث: 3123 وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج فى سبيل الله، حديث: 1876. حدیث کے یہ الفاظ صحیحین کے مختلف طرق سے لیے گئے ہیں۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

وہ (مومن) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے

بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾

والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور (اے نبی!) مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے ﴿112﴾

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ

نبی اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان کے متعلق یہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿113﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ

واضح ہو جانے کے بعد کہ وہ بلاشبہ دوزخی ہیں ﴿113﴾ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش کی دعا کرنا بس ایک وعدے کے باعث تھا جو وعدہ

مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ

انھوں نے اس سے کیا تھا، پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ یقیناً وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے نرم دل،

لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿114﴾

بہت تحمل والے تھے ﴿114﴾

تفسیر آیت: 112

مومنوں کی صفات جمیلہ: یہ ان مومنوں کی تعریف ہے جن کی ان صفات جمیلہ اور خصائل جلیلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے۔ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ﴾ ”توبہ کرنے والے۔“ تمام گناہوں سے توبہ کرنے والے اور فواحش و منکرات کو ترک کرنے والے ﴿الْعٰبِدُوْنَ﴾ ”عبادت کرنے والے۔“ یعنی اپنے رب کی عبادت کو قائم کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے۔ عبادات اقوال و افعال کے مجموعے کا نام ہے، اقوال میں سب سے خاص صورت اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿الْحٰمِدُوْنَ﴾ ”حمد کرنے والے۔“ اور افضل اعمال میں سے روزہ ہے، اور روزہ کھانے، پینے اور جنسی لذت کے ترک کرنے کا نام ہے اور یہاں سیاحت سے مراد روزہ ہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ ”روزہ رکھنے والے۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعریف میں بھی فرمایا ہے: ﴿سٰٓئِحٰتٍ﴾ (التحریم 5:66) ”روزہ رکھنے والیاں۔“ اسی طرح افضل اعمال میں سے رکوع و سجود بھی ہیں اور وہ نماز سے عبارت ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ ”رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے۔“

اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ بھی پہنچاتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سے اطاعتِ الٰہی کی طرف ان کی راہنمائی بھی کرتے ہیں، پھر انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ کون سا کام کرنا ہے اور کون سا نہیں کرنا، یعنی حلال و حرام کے بارے میں وہ حدودِ الٰہی کو جانتے بھی ہیں اور ان کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں، یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کی ہمدردی و خیر خواہی بھی کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾﴾ ”اور (اے

پیغمبر!) مومنوں کو (بہشت کی) خوش خبری سنا دیں۔'' کیونکہ ایمان ان ساری باتوں کو شامل ہے اور انتہائی سعادت منداور خوش بخت ہیں وہ لوگ جو ان صفات حمیدہ سے متصف ہوں۔

تفسیر آیات: 114,113

مشرکین کے لیے دعا کی ممانعت: امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسیّب سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت تھا تو نبی اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس وقت اس کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَيْ عَمِّ! قُلْ: لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''اے چچا! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کے ساتھ میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھگڑا کروں گا۔'' یہ سن کر ابوجہل اور عبداللہ بن ابواُمیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین کو چھوڑتے ہو؟ وہ ہمیشہ اُسے ورغلاتے رہے حتی کہ آخری بات ابوطالب نے یہ کی کہ میں عبدالمطلب ہی کے دین پر ہوں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ] ''میں اس وقت تک آپ کے لیے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا جائے۔'' تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ ''پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ بے شک مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔'' نیز اس سلسلے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص 56:28) ''(اے نبی!) بے شک آپ جس کو پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔''[1] اسے امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

ابن جریر نے سلیمان بن بریدہ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مکہ میں تشریف لائے تو آپ ایک قبر کے نشان کے پاس گئے، وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، پھر اشکبار ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو کیا ہم نے بھی اسے دیکھا ہے، آپ نے فرمایا: [إِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّي فَأَذِنَ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الْاِسْتِغْفَارِ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِّي] ''بے شک میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تھی تو اس نے مجھے اجازت عطا فرما دی، اور میں نے ان کی بخشش کے لیے دعا کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت عطا نہ فرمائی۔'' اس دن جس قدر کثرت کے ساتھ آپ روئے اس طرح کبھی نہیں روئے تھے۔[3]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا...... ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی والدہ کے لیے بخشش مانگنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا تھا، آپ نے بارگاہ الٰہی

---

① مسند أحمد: 433/5. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (التوبة 113:9)، حديث: 4675 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على صحة إسلام من حضره الموت......، حديث: 24.

③ تفسير الطبري: 58/11.

میں عرض کی:[إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ اللّٰهِ عليه السلام قَدِ اسْتَغْفَرَ لِأَبِيهِ......] ''بے شک حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تو اپنے باپ کے لیے بخشش طلب کی تھی......۔'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ...... ﴾ ''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش طلب کرنا تو ایک وعدے کے سبب تھا، جو وعدہ اس (ابراہیم) نے اس (باپ) سے کیا تھا......۔''[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ لوگ مشرکین کے لیے بھی بخشش کی دعا کیا کرتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوگئی تو انھوں نے فوت شدگان مشرکین کی بخشش کے لیے دعا کرنا ترک کر دیا لیکن انھیں زندہ مشرکین کے لیے دعا سے منع نہیں کیا گیا تھا تاوقتیکہ وہ فوت نہ ہو جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ ...... ﴾ الآية.[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ﴾ ''پھر جب ان کو معلوم ہوگیا کہ بے شک وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہوگئے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی وفات تک بخشش کی دعا کرتے رہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ فوت ہوا، تب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔[3] مجاہد، ضحاک، قتادہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] عبید بن عمیر اور سعید بن جبیر نے یہ کہا ہے کہ آپ اس سے بیزاری کا اظہار قیامت کے دن اس وقت کریں گے جب آپ اس سے ملیں گے اور دیکھیں گے کہ اس کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے ابراہیم! میں نے پہلے تمھاری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا مگر آج انکار نہیں کروں گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ تو میرے لیے اس سے بڑھ کر رسوائی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ میرے باپ کو رحمت سے دور کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت کہا جائے گا کہ ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھیں، آپ دیکھیں گے کہ خاک وخون میں تڑپتی ہوئی بجو کی ایک لاش ہے، پھر اسے پاؤں سے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔[5]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ ﴾ ''بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ أَوَّاهٌ کے معنی کثرت سے دعا کرنے والے کے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ معنی کئی سندوں سے مروی ہے۔[6] أَوَّاهٌ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: الحاح وزاری کرنے والے، رحم دل، صاحبِ یقین وایمان اور تسبیح

---

[1] تفسير الطبرى:58/11. [2] تفسير الطبرى:59/11. [3] تفسير الطبرى:62/11 و تفسير ابن أبي حاتم:1894/6.
[4] تفسير الطبرى:63/11. [5] عبید بن عمیر وسعید بن جبیر سے تو یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ یہ روایت بالفاظ دیگر صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھیے صحيح البخارى، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ (النسآء4:125)......، حديث:3350. [6] تفسير الطبرى:64/11.

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح نہ کر دے جن سے وہ بچیں۔

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿115﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے،

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿116﴾

اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ﴿116﴾

بیان کرنے والے وغیرہ۔[1]

تفسیر آیات: 116,115

مؤاخذہ اتمام حجت کے بعد ہی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک اور اپنے مبنی بر عدل وانصاف فیصلے کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ کسی قوم کو پیغام پہنچانے اور ان پر حجت تمام کرنے کے بعد ہی گمراہ کرتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ ......﴾ الآية (حٰمٓ السجدۃ 17:41) ''اور جو ثمود تھے تو ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا......'' امام مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ﴾ میں جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب تک مومنوں کے لیے یہ بات بیان نہ فرما دے کہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا نہیں کرنا اور یہ واضح نہ فرما دے کہ اس کی معصیت کیا ہے اور اطاعت کیا، لہٰذا تم چاہو تو اس کام کو کرو اور اگر چاہو تو چھوڑ دو۔[2] ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے مشرک مردوں کے لیے طلبِ بخشش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمھیں گمراہ قرار دینے کا فیصلہ نہیں کرے گا جبکہ اس نے تمھیں ہدایت سے سرفراز فرمایا اور اپنے اور اپنے رسول پر ایمان لانے کی توفیق بخشی ہے اور جب وہ تمھیں اس سے منع فرما دے تو اس سے رک جاؤ اور اس کی ممانعت سے پہلے اگر تم نے بخشش کی دعا کی ہو تو اس کی وجہ سے وہ تمھیں گمراہ قرار نہیں دے گا کیونکہ طاعت ومعصیت کا انحصار تو امر اور نہی پر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا یا منع نہ کیا ہو تو کام کرنے والے کو فرمانبردار اور نہ کرنے والے کو نافرمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿116﴾﴾ ''بے شک اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہی زندگانی بخشتا اور (وہی) موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ مشرکوں اور کافر بادشاہوں سے جہاد کریں، آسمانوں اور زمین کے بادشاہ اللہ تعالیٰ کی نصرت

[1] تفسیر الطبری: 11/64-70. [2] تفسیر الطبری: 11/73. [3] تفسیر الطبری: 11/73.

لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالۡمُهٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِیۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ

یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ

مَا كَادَ یَزِیۡغُ قُلُوۡبُ فَرِیۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿117﴾

کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿117﴾

پر اعتماد کریں اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور دوست یا مددگار نہیں ہے۔[1]

تفسیر آیت: 117

غزوۂ تبوک: مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] صحابۂ کرام اس غزوے کے لیے قحط سالی، شدید گرمی، زادِ راہ اور پانی کی کمی جیسے شدید حالات میں اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام شدید ترین گرمی اور بے حد مشکلات میں غزوۂ تبوک کے لیے شام کی طرف نکلے تھے۔ اس غزوے میں انھیں بے پناہ تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کھانے پینے کی بھی اس قدر شدید کمی تھی کہ دو آدمیوں کے حصے میں صرف ایک کھجور آتی تھی، پھر کئی آدمیوں کے حصے میں صرف ایک کھجور آنے لگی، ان میں سے ایک شخص کھجور کو چوس لیتا اور اس کے بعد پانی پی لیتا، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات پر رحم فرمایا اور انھیں غزوے سے لوٹا دیا۔[3]

تپتے صحراء، دشوار راہ، منزل کی دوری اور مجاہدین کا صبر وثبات: ابن جریر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے غزوۂ عُسرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سخت گرمی کے موسم میں تبوک کی طرف روانہ ہوئے، رستے میں ایک جگہ ہم نے جب پڑاؤ ڈالا تو ہمیں شدید پیاس لگی ہوئی تھی، پیاس کی شدت کے باعث یوں محسوس ہونے لگا کہ ہماری گردنیں کٹ جائیں گی، آدمی بے قرار ہو کر پانی کی تلاش میں ادھر ادھر جاتا مگر اسے کہیں پانی نظر نہ آتا تو واپس آجاتا اور گمان کرنے لگتا کہ بس اب اس کی زندگی تمام ہو جائے گی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھ کو نچوڑ کر پینا شروع کر دیا اور جو باقی بچتا اسے اپنے جگر پر لگا لیتے۔ اس صورت حال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے، آپ ہمارے لیے دعا فرمائیے؟ آپ نے فرمایا: [تُحِبُّ ذٰلِكَ؟] ''کیا تم یہ پسند کرتے ہو (کہ میں دعا کروں؟)'' انھوں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور ابھی دعا سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ آسمان سے موسلا دھار بارش برسنے لگی، پھر تھوڑی دیر بعد ہی بارش رک گئی، لوگوں نے اپنے برتن بارانِ رحمت کے پانی سے بھر لیے، پھر ہم جب اپنے پڑاؤ کی اس جگہ سے باہر نکلے تو کہیں پانی نظر نہیں آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس

[1] تفسیر الطبری: 74/11. [2] تفسیر الطبری: 75/11. [3] تفسیر الطبری: 75/11.

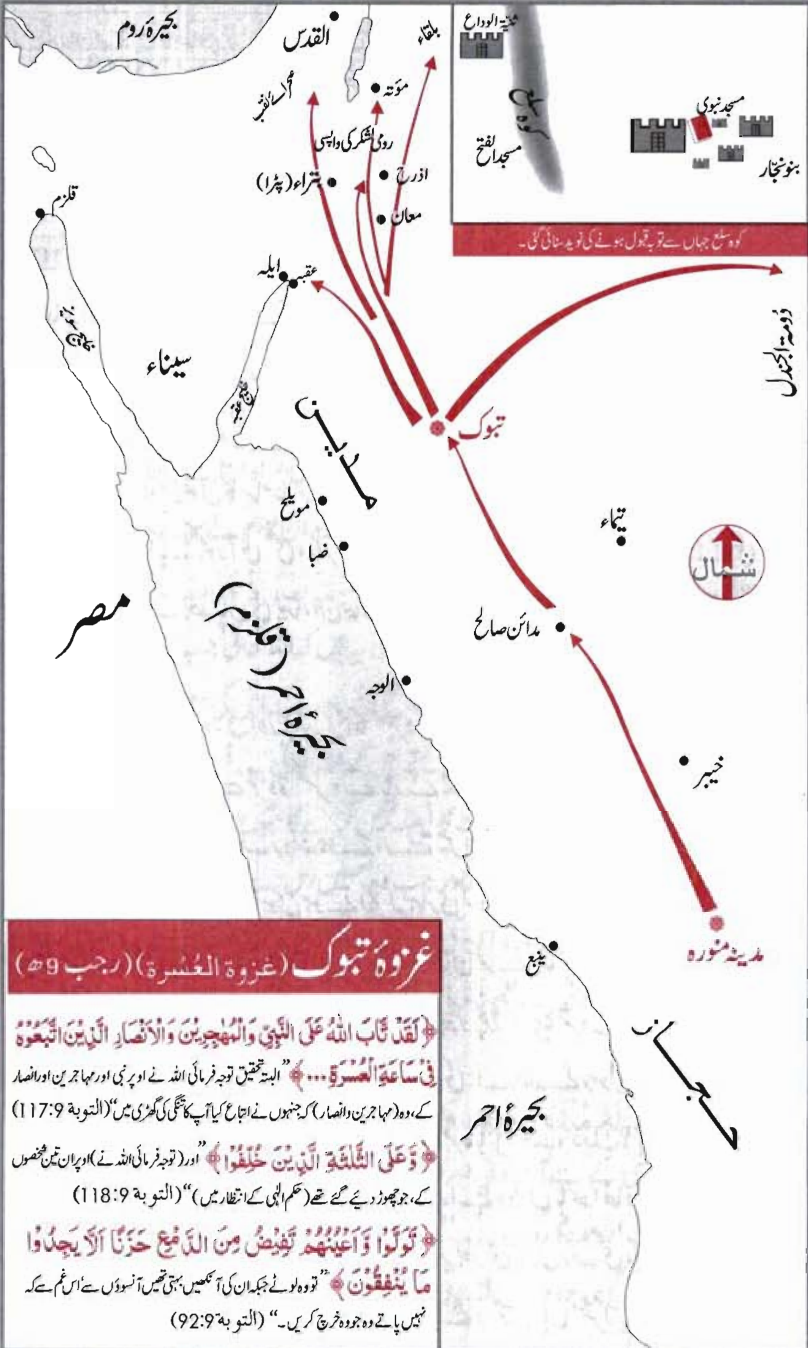

غزوۂ تبوک (غزوۃ العُسرۃ) (رجب 9ھ)

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ...﴾ ”البتہ تحقیق توجہ فرمائی اللہ نے اوپر نبی اور مہاجرین اور انصار کے، وہ (مہاجرین وانصار) کہ جنہوں نے اتباع کیا آپ کا تنگی کی گھڑی میں“ (التوبة 9:117)

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ ”اور (توجہ فرمائی اللہ نے) اوپر ان تین شخصوں کے، جو چھوڑ دیے گئے تھے (حکم الٰہی کے انتظار میں)“ (التوبة 9:118)

﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ”تو وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں۔“ (التوبة 9:92)

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکمِ الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا، حتی کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ

جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں، اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر

14 ع 8 3 عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿118﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

مہربانی کی، تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿118﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿119﴾

اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ ﴿119﴾

لشکر ہی کو پانی سے نوازا تھا۔ ①

ابن جریر نے آیت کریمہ: ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ ''بے شک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو مشکل گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے تھے۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ گھڑی نفقہ وخرچہ، سواری، زادِ راہ اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے مشکل تھی۔ ② ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ ''بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جاتے۔'' یعنی وہ حق سے پھر جانے کو تھے، رسول اللہ ﷺ کے دین کے بارے میں انھیں شک پیدا ہونے لگا تھا، سفر اور اس غزوے میں پیش آنے والی ناقابل برداشت شدت اور مشقت کی وجہ سے انھیں شک پیدا ہونے لگا تھا، ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔'' یعنی اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمادی۔ ﴿اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿117﴾﴾ ''بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' ③

تفسیر آیات :119,118

ان تین صحابہ ؓ کا قصہ جن پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ کردی گئی: امام احمد نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا۔ اور یہ عبداللہ حضرت کعب کے بیٹوں میں سے اس وقت ان کا رہبر تھا جب وہ نابینا ہوگئے تھے۔ کہ میں نے (اپنے والد) کعب بن مالک کو اپنا وہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے جب وہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت کعب نے بیان کیا کہ میں غزوۂ تبوک کے سوا اور کسی بھی غزوے میں رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔ ہاں، البتہ غزوۂ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا لیکن غزوۂ بدر میں پیچھے رہ جانے والے کسی شخص پر بھی ناراضی کا اظہار نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اس غزوے میں تو رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلے کے تعاقب میں نکلے تھے حتی کہ

① تفسير الطبري:11/76. ② تفسير الطبري:11/74. ③ تفسير الطبري:11/74.

اللہ تعالیٰ نے ان کو اوران کے دشمن کو پہلے سے کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا کر دیا تھا۔عقبہ کی رات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت حاضر تھا جب ہم نے اسلام پر آپ سے پیمان وفا باندھا تھا۔اگر چہ بدر کا چرچا اوراس کی شہرت لوگوں میں زیادہ ہے لیکن بدر کی حاضری کی نسبت مجھے عقبہ کی رات کی حاضری زیادہ عزیز ہے۔

اور غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے میرے پیچھے رہ جانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ میں اتنا زیادہ قوی اور اتنا زیادہ خوش حال کبھی نہیں تھا جتنا کہ اس وقت تھا جب میں غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہو سکا تھا، اللہ کی قسم! میرے پاس کبھی بھی دو سواریاں نہیں تھیں جبکہ اس موقع پر میرے پاس دو سواریاں تھیں (میرے پاس جسمانی یا مالی اعتبار سے پیچھے رہ جانے کا کوئی جواز نہ تھا) ایسا کبھی کم ہی ہوا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی غزوے کا ارادہ فرمایا ہو اور توریے سے کام نہ لیا ہو مگر اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے توریے سے کام نہیں لیا تھا (اپنے سفر اور پروگرام کے بارے میں کسی بھی بات کو مخفی نہیں رکھا تھا) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ غزوہ فرمایا سخت گرمی کا موسم تھا، سفر بھی بہت دور کا اور جنگل بیابانوں کا تھا، پھر جس دشمن سے مقابلہ تھا اس کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، اس لیے آپ نے مسلمانوں کے سامنے ساری صورت حال کو واضح فرما دیا تھا تاکہ وہ دشمن کے مقابلے کے لیے پوری پوری تیاری کر لیں، آپ نے وہ سمت بھی بتا دی جس کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، تاہم ایسا کوئی رجسٹر وغیرہ نہیں تھا جس میں تمام مسلمانوں کے نام لکھے ہوئے ہوں۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اس لیے اگر کوئی شخص جنگ سے غیر حاضر رہتا تو وہ یہی سمجھتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مخفی رہے گا اور وحی الٰہی کے بغیر اس کا معاملہ آپ ﷺ کے علم میں نہیں آئے گا۔رسول اللہ ﷺ نے یہ غزوہ اس وقت فرمایا تھا جب پھل پک چکے تھے اور درختوں کے سائے گھنے اور ٹھنڈے تھے اور میرا زیادہ میلان انھی (پھلوں اور سایوں) کی طرف تھا۔رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ مومنوں نے بھی اس غزوے کی تیاری کر لی اور میرا حال یہ تھا کہ صبح کو پروگرام بناتا کہ تیاری کروں مگر سارا دن گزر جاتا اور کوئی تیاری نہ کر پاتا اور اپنے دل میں یہ سوچتا کہ میں جب چاہوں گا جہاد میں شریک ہو جاؤں گا کیونکہ میرے پاس تمام وسائل موجود ہیں، میری صورتحال یہی رہی اور لوگوں نے جہاد کی تیاری مکمل کر لی حتی کہ ایک دن صبح سویرے رسول اللہ ﷺ اور مسلمان کشاں کشاں سوئے منزل روانہ ہو گئے اور میں ابھی تک قطعاً کوئی تیاری نہ کر سکا تھا، میں نے کہا کہ میں تو ایک یا دو دن بعد بھی تیاری کر کے آپ کے ساتھ مل جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے روانہ ہونے کے بعد میں نے تیاری کا پروگرام بنایا مگر پھر بھی کوئی تیاری نہ کر سکا، یہ دن گزر گیا، دوسرے دن کی صبح ہوگئی اور میں پھر بھی کوئی تیاری نہ کر سکا، میری یہی صورتحال رہی اور مجاہدین تیز رفتاری کے ساتھ سوئے منزل رواں دواں تھے اور غزوے میں شریک ہونے کا وقت بھی ختم ہو گیا، میں نے پھر بھی ارادہ کیا کہ سفر پر روانہ ہو جاؤں اور ان کو جا ملوں اور اے کاش! کہ میں ایسا کر لیتا لیکن مجھے اس کی توفیق نہ ملی۔

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں لوگوں میں نکلتا تو یہ دیکھ کر میں غمگین ہو جاتا کہ اب اگر کوئی نظر

آ تا ہے تو یا ایسا شخص جس پر نفاق کا الزام ہے یا وہ کمزور جسے اللہ تعالیٰ نے جہاد میں شرکت سے معذور قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رستے میں یاد نہ فرمایا حتیٰ کہ آپ جب تبوک تشریف لے گئے اور وہاں صحابۂ کرام کے جلو میں تشریف فرما تھے تو آپ نے فرمایا: [مَا فَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ؟] ''کعب بن مالک کو کیا ہوا؟'' بنوسلمہ کے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے اس کی دونوں چادروں اور اپنے دونوں پہلوؤں کو دیکھنے نے روک لیا ہے؟ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا کہ تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہمیں اس کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرما لیا۔

کعب بن مالک نے بیان کیا جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک سے واپسی کا سفر شروع فرما دیا ہے تو مجھ پر غم واندوہ کی کیفیت چھا گئی اور میں جھوٹے حیلے بہانے سوچنے لگا اور دل میں کہنے لگا کہ کل آپ کی ناراضی سے کس طرح بچوں گا۔ اور اس کے بارے میں، میں اپنے گھر کے ہر صاحبِ رائے شخص سے بھی مدد لینے لگا اور جب مجھے یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اب (مدینہ میں) تشریف لانے ہی والے ہیں تو (جھوٹے حیلے بہانوں کا) خیال باطل میرے دل سے محو ہو گیا اور یہ حقیقت مجھ پر آشکار ہو گئی کہ میں جھوٹ بول کر کبھی بھی آپ سے بچ نہیں سکوں گا، لہٰذا میں نے آپ سے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

بالآخر وہ صبح جاں نواز آ پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ سفر سے جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر لوگوں کے سامنے بیٹھ جاتے۔ اس سفر سے واپسی پر بھی جب آپ نے ایسا ہی کیا تو پیچھے رہ جانے والوں نے آ کر آپ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر پیش کرنے شروع کر دیے، ان لوگوں کی تعداد 80 سے کچھ زیادہ تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہری عذر قبول فرمائے، ان کے لیے بخشش کی دعا کی اور ان کی باطنی حالتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دیا حتیٰ کہ میں نے بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضری دی، میں نے سلام عرض کی: تو آپ اس طرح مسکرائے کہ جس میں ناراضی کی آمیزش تھی، پھر آپ نے مجھے فرمایا: [تَعَالَ] ''(آگے) آجاؤ'' میں آگے آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا: [مَا خَلَّفَكَ، أَلَمْ تَكُنْ قَدِ اسْتَمَرَّ ظَهْرُكَ؟] ''تم (جہاد سے) پیچھے کیوں رہے؟ تمھارے پاس سواری موجود نہیں تھی؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر میں دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو یقیناً کوئی جھوٹا عذر پیش کر کے اس کی ناراضی سے بچ جاتا کیونکہ مجھے بحث وتکرار کرنے میں بڑا ملکہ حاصل ہے لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ معلوم ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹ بول کر کوئی ایسی بات کروں کہ آپ مجھ سے خوش ہو جائیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ (مطلع فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات عرض کروں تو آپ یقیناً مجھ سے ناراض ہو جائیں گے لیکن اس صورت میں مجھے اللہ تعالیٰ سے اچھے انجام کی امید ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس کوئی عذر نہ تھا، اللہ کی قسم! میں اتنا طاقت ور اور خوش حال کبھی نہ تھا جتنا

میں اس وقت تھا جب آپ سے پیچھے رہا۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ، فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيكَ] ''اس شخص نے سچی بات کہی ہے، پھر فرمایا: جاؤ تم یہاں سے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں فیصلہ فرما دے۔'' میں کھڑا ہو گیا تو میرے ساتھ بنوسَلِمہ کے کچھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلے آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ آپ نے اس سے پہلے کبھی کوئی گناہ کیا ہو تو تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح کا کوئی عذر کیوں نہ پیش کر سکے جیسے عذر جہاد سے پیچھے رہ جانے والے دوسرے لوگوں نے کیے تھے۔ تمھارے اس گناہ سے معافی کے لیے تو یہی بات کافی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تمھاری بخشش کے لیے دعا فرما دیتے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میری سچائی پر وہ اس قدر مسلسل مجھے ملامت کرتے رہے کہ میرے جی میں آیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس جا کر اپنی پہلی بات کی تکذیب کر دوں لیکن پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اس طرح کا معاملہ کسی اور کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: ہاں، اس طرح کا معاملہ دو اور لوگوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہے اور انھوں نے بھی وہی بات کہی جو تم نے کہی ہے۔ اور ان سے بھی وہی کہا گیا ہے جو تم سے کہا گیا ہے، میں نے پوچھا کہ وہ دو آدمی کون ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک مُرارہ بن رَبیع عَمْرِی اور دوسرے ہلال بن امیہ واقفی، انھوں نے ایسے دو نیک آدمیوں کا نام لیا جنھیں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور میرے لیے وہ نمونہ تھے۔ جس وقت انھوں نے ان دونوں آدمیوں کا میرے سامنے ذکر کیا تو میں اپنے سابقہ موقف پر جم گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہم تینوں سے مسلمانوں کو گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے کنارہ کشی کر لی اور وہ ہمارے لیے بالکل ہی بدل گئے حتی کہ مجھے زمین بھی اجنبی محسوس ہونے لگی، گویا یہ وہ زمین نہ تھی جسے میں جانتا تھا، پچاس راتیں ہم نے اسی طرح گزاریں، میرے دوسرے دونوں ساتھی تو عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھے روتے رہے لیکن میں بالکل جوان اور تندرست و توانا تھا، لہٰذا میں مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی حاضر ہوتا اور بازاروں میں بھی آتا جاتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بھی کلام نہیں کرتا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اس وقت حاضر ہوتا جب نماز سے فراغت کے بعد آپ اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے، میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں کہتا کہ سلام کے جواب میں آپ نے اپنے مبارک لبوں کو جنبش دی ہے یا نہیں۔ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ کی طرف دیکھتا جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ مجھ سے اعراض فرما لیتے حتی کہ جب میرے ساتھ مسلمانوں کا یہ بائیکاٹ طول اختیار کر گیا تو ایک روز میں ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا، وہ میرا چچا زاد بھائی اور محبوب ترین دوست تھا۔ میں نے اسے سلام کہا لیکن اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے اس سے کہا: ابوقتادہ! تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو جانتا

ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ وہ خاموش رہا، میں نے دوبارہ قسم دے کر پوچھا، وہ پھر بھی خاموش رہا، پھر میں نے تیسری بار قسم دے کر جب یہی سوال دوہرایا تو وہ پھر بھی خاموش ہی رہا اور اس نے صرف اس قدر کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، اس سے میری آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور میں دیوار پھاند کر لوٹ آیا۔

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ میں نے اہل شام کے کسانوں میں سے ایک کسان کو یہ کہتے ہوئے سنا جو مدینہ میں کھانا بیچنے کے لیے لایا تھا کہ کون ہے جو کعب بن مالک کی طرف میری رہنمائی کرے۔ لوگ اشارے سے اسے میرے بارے میں بتانے لگے، وہ میرے پاس آ گیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں پڑھا لکھا تھا، اس لیے میں نے جب اسے پڑھنا شروع کیا تو اس میں لکھا تھا:

امابعد! ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تمھارے ساتھی نے تم پر ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمھیں ذلت کے گھر میں رہنے یا ضائع ہونے کے لیے پیدا نہیں کیا، لہٰذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تم سے پوری پوری ہمدردی کریں گے۔

جس وقت میں نے یہ خط پڑھا تو کہا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے، میں نے اُسے تنور میں ڈال کر جلا دیا۔ جب پچاس دنوں میں سے چالیس دن گزر گئے تو میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے ایک قاصد نے آ کر یہ پیغام دیا کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کر لو، میں نے پوچھا کہ اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں۔ اس نے کہا: نہیں، طلاق نہ دو بلکہ اس سے دور رہو اور اس کے قریب نہ جاؤ، آپ نے میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھی اس طرح پیغام ارسال فرمایا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور انھی کے پاس رہو حتی کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا جو چاہے فیصلہ فرما دے۔ ہلال بن امیہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہلال بہت ہی بوڑھے ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، کیا اگر میں ان کی خدمت کروں تو یہ بات آپ کو ناپسند ہے۔ فرمایا: [لَا، وَلٰكِنْ لَّا يَقْرَبَنَّكِ] ”نہیں، لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کریں۔“ اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اب ان میں کسی چیز کی طرف حرکت کی طاقت ہی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! جب سے یہ معاملہ شروع ہوا ہے، ان کا سارا وقت روتے ہوئے گزرتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے بھی میرے بعض گھر والوں نے کہا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی کے بارے میں اجازت حاصل کر لو، رسول اللہ ﷺ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ میں نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب نہیں کروں گا، میں جوان آدمی ہوں جب اجازت طلب کروں تو معلوم نہیں رسول اللہ ﷺ مجھے کیا جواب دیں۔

اس طرح دس راتیں اور گزر گئیں اور اس وقت سے لے کر اب تک پوری پچاس راتیں ہوگئی تھیں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ پچاسویں رات کی صبح کی نماز میں نے اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی چھت پر ادا کی اور میں اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں ذکر فرمایا ہے، میرا دل بھی مجھ پر

تنگ ہو گیا اور زمین بھی اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی۔

اچانک میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو کوہ سَلْع [1] پر چڑھ کر بلند آواز سے یہ کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک! تمھیں بشارت ہو۔ میں اسی وقت سجدے میں گر گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کو قبول کرتے ہوئے پریشانی کو دور فرما دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر سے فراغت کے بعد لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کو قبول فرما لیا ہے۔ لوگوں نے ہمیں خوشخبری سنانے کے لیے آنا شروع کر دیا۔ خوش خبری سنانے والے میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی گئے۔ ایک شخص نے نہایت تیزی سے میری طرف گھوڑا دوڑایا، اسلم قبیلے کا ایک شخص بھی میری طرف دوڑا آیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور اس کی آواز گھوڑے سے بھی تیز رفتار تھی، پس جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی خوشخبری کی آواز میں نے سنی تھی تو میں نے اس کے خوش خبری سنانے کے بدلے میں اپنے جسم سے دونوں کپڑے اتار کر اسے پہنا دیے۔ اللہ کی قسم! اس روز ان کے علاوہ میں کسی اور چیز کا مالک بھی نہیں تھا اور میں نے دو کپڑے مستعار لے کر پہنے۔

پھر میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے قصد سے چل پڑا۔ رستے میں لوگ مجھے فوج در فوج ملتے اور توبہ کی قبولیت پر مبارک باد دیتے اور کہتے کہ تمھیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ حتی کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہو گیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے گرد ہالہ کیے ہوئے تھے، پس طلحہ بن عبید اللہ لپکتے ہوئے کھڑے ہو گئے، انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد پیش کی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ان کے علاوہ کوئی اور کھڑا نہیں ہوا۔ کعب، طلحہ کی اس بات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کیا تو اس وقت خوشی سے آپ کا چہرۂ اقدس دمک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: [أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَّرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ، قَالَ: قُلْتُ: أَمِنْ عِنْدِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَمْ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ] ”تمھیں یہ دن مبارک ہو جب سے تمھاری ماں نے تمھیں جنم دیا ہے یہ تمھاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ خوشخبری آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔“ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ اقدس اس طرح گلنار ہو جاتا، گویا کہ وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اس وقت آپ خوش ہیں۔

جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری توبہ کا یہ بھی حصہ ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول کے رستے میں صدقہ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: [أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ] ”اپنا کچھ مال اپنے لیے بھی رکھ لو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔“ میں نے عرض کی کہ میں اپنا وہ حصہ رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے، پھر میں

[1] یہ پہاڑ مسجد نبوی کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس کا نقشہ اسی سورت کی آیت: 117 کے تحت دیکھیے۔

نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نجات سچ بولنے کی وجہ سے عطا فرمائی ہے، اس لیے یہ بھی میری توبہ کا ایک حصہ ہے کہ جب تک میری زندگی ہے، میں ہمیشہ سچ ہی بولتا رہوں گا۔ اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس عہد کا ذکر کیا میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کے صلے میں وہ بہتر انعام فرمایا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نوازا۔ اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا ہے، اب تک میں نے جھوٹ نہیں بولا اور مجھے امید ہے کہ باقی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ مجھے اس سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں جو آیات نازل فرمائی تھیں، وہ یہ ہیں: ﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝117 وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝118 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝119 ﴾ ''بے شک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو باوجود اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جاتے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) بڑا مہربان ہے اور ان تینوں پر جو پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تا کہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔''

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، اللہ کی قسم! جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت سے نوازا، اس وقت سے لے کر اب تک میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے مجھے سرفراز فرمایا یہ ہے کہ اس نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے جھوٹ نہ بولا ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح جھوٹ بولنے والے ہلاک ہوئے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب وحی نازل فرمائی تو جھوٹ بولنے والوں کو اس طرح برا بھلا کہا کہ اس طرح کبھی بھی کسی کو نہیں کہا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: ﴿ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:96,95) ''جب تم ان کی طرف لوٹو گے تو تمھارے روبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو سو ان کی طرف التفات نہ کرنا، یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں، ان کے بدلے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہ تمھارے آگے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے خوش ہو جاؤ لیکن اگر تم ان سے خوش ہو جاؤ گے تو اللہ ان نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔'' حضرت کعب نے فرمایا: ہم تینوں پیچھے

رکھے گئے ان لوگوں کے معاملے سے جن کی جھوٹی قسموں کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرما لیا تھا اور ان سے بیعت لی اور ان کی بخشش کے لیے دعا بھی فرمائی اور ہمارے معاملے کو رسول اللہ ﷺ نے مؤخر فرما دیا حتی کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ ﴾ یہ جو پیچھے رکھے جانے کا اس آیت میں ذکر ہے تو اس سے ہمارا غزوے میں پیچھے رہ جانا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہمارے معاملے کو ان لوگوں کے معاملے سے مؤخر اور ملتوی کر دینا ہے جنھوں نے آپ کے سامنے قسمیں کھائیں، عذر پیش کیے اور آپ نے ان کے عذر قبول فرما لیے تھے۔[1]

یہ حدیث صحیح، ثابت اور متفق علیہ ہے، امام بخاری و مسلم نے بھی اسے اسی طرح روایت فرمایا ہے۔[2] اس حدیث سے اس آیت کریمہ کی نہایت احسن اور مفصل انداز میں تفسیر ہوگئی ہے۔ کئی ایک ائمۂ سلف سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے جیسا کہ امام اعمش نے ابوسفیان سے اور انھوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں تین شخصوں سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن اُمیّہ اور مُرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم ہیں اور ان سب کا تعلق انصار سے ہے۔[3]

سچ بولنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ اس نے ان تینوں کی اس مشکل اور تنگی کو کس طرح دور فرمایا جب مسلمانوں نے پچاس دنوں تک ان سے قطعی طور پر ہر قسم کا تعلق منقطع کر لیا تھا حتی کہ ان کی اپنی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں اور تمام تر وسعت کے باوجود زمین بھی انھیں تنگ محسوس ہونے لگی اور انھیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا کہ وہ کیا کریں لیکن انھوں نے ان تمام کٹھن حالات میں بھی صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر اطاعت جھکائے رکھا اور ہر طرح صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تو اپنے پیچھے رہ جانے کے بارے میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو سچ بولا تھا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام مشکلات آسان فرما دیں، یہ چونکہ بغیر کسی شرعی عذر کے جہاد سے پیچھے رہے تھے، اس لیے پچاس دن کے مقاطعہ کی صورت میں انھیں یہ سزا دی گئی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور ان کے سچ بولنے کا انجام بالآخر ان کے لیے بہتر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی توبہ کو قبول فرما لیا بلکہ مومنوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔'' یعنی سچ بولو اور سچ کو اختیار کرو تاکہ تم بھی اہل صدق میں سے ہو جاؤ اور مشکلات سے نجات پا جاؤ، سچ سے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تمام مشکلات اور پریشانیوں سے بچ نکلنے کی تدبیر فرما دے گا۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ صِدِّيقًا، وَّإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ،

[1] مسند أحمد:3/456-459. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك......، حديث:4418 وصحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث:2769. [3] تفسير الطبري:11/77.

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا

اہل مدینہ اور ان کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں کے لائق نہیں تھا کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ (جائز) کہ اپنی جانوں

يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ

کو نبی کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں، یہ اس لیے کہ یہ بلاشبہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف)

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ

پہنچتی ہے، اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں، جو کافروں کو سخت ناگوار ہو، اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان

عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿120﴾

کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا﴿120﴾

وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا]

''سچ کو اختیار کرو، بے شک سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے، اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک بدی جہنم کی راہ دکھاتی ہے، اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک جھوٹے شخص کے طور پر لکھا جاتا ہے۔''[1] اسے بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت :120

غزوے کے لیے نکلنے کی جزا: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش کی ہے جو اہل مدینہ اور گردونواح کے قبائل عرب میں سے تھے اور وہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے اور آپ کو جو تکلیف پہنچی اس میں شریک ہونے اور غم خواری کرنے کے بجائے اپنی جانوں کو زیادہ عزیز رکھتے تھے تو یقیناً انھوں نے اپنے اجر و ثواب کو کم کر لیا اس لیے کہ ﴿لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا﴾ یہ وہ (لوگ) ہیں کہ بے شک انھیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ قیام کرتے ہیں جو کافروں کو مرعوب کر دے۔ ﴿وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا﴾ اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے یا غلبہ پاتے ہیں تو ان کے ان اعمال کی وجہ سے جو ان کی مقدور میں نہیں ہیں بلکہ ان سے رونما ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اعمال صالحہ اور ثواب جزیل میں لکھ لیتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ (الکھف 30:18) ''بے شک ہم نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

[1] مسند أحمد: 384/1. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبة9:119)..........، حديث: 6094 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، حديث:(105)-2607 واللفظ له.

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ

اور وہ جو بھی چھوٹا اور بڑا خرچ کرتے ہیں اور وہ جو بھی وادی طے کرتے ہیں وہ (سب) ان کے لیے لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ انھیں ان

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿121﴾

کاموں کی بہترین جزا دے جو وہ کرتے ہیں ﴿121﴾

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا

اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سب ہی نکل کھڑے ہوں، تو ہر فرقے میں سے ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہ

فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿122﴾ ع 15/4/4

نکلا، تاکہ وہ جب اپنے قبیلے میں واپس جائیں تو انھیں خبردار کریں، تاکہ وہ (پیچھے والے بھی اللہ سے) ڈریں ﴿122﴾

تفسیر آیت :121

سخاوتِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ ''اور وہ خرچ نہیں کرتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرنے والے مجاہد ﴿ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً ﴾ ''کوئی خرچ تھوڑا اور نہ زیادہ'' ﴿ وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا ﴾ ''اور کوئی میدان طے نہیں کرتے ہیں۔'' یعنی دشمنوں تک پہنچنے کے لیے ﴿ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ﴾ ''مگر سب کچھ ان کے لیے (اعمال صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے۔'' (ابھی پہلے ﴿ كُتِبَ لَهُمْ ﴾ کے ساتھ ﴿ بِهٖ ﴾ گزرا ہے مگر) اس جگہ [بِهٖ] نہیں کہا کیونکہ (پہلے جن اعمال کا ذکر ہوا ہے وہ ان سے صادر نہیں ہوئے تھے اور) یہ افعال خود ان سے صادر ہوئے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿121﴾ ﴾ ''تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے۔'' امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ سے بہرہ وافر نصیب ہوا تھا کیونکہ انھوں نے اس غزوے میں بے پناہ بیش بہا مال خرچ کیا تھا۔

عبداللہ نے عبدالرحمٰن بن سَمُرہ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جیشِ عُسرہ کی تیاری فرما رہے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں ایک ہزار دینار لے کر آئے اور انھوں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے دست مبارک سے الٹ پلٹ رہے اور فرما رہے تھے: [مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ] ''عفان کے بیٹے (عثمان) آج کے بعد جو عمل بھی کریں، انھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔'' آپ یہ کلمات بار بار ارشاد فرما رہے تھے۔[1] قتادہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ﴾ ''اور وہ کوئی وادی طے کرتے ہیں تو (یہ سب کچھ) ان کے لیے (اعمال صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو کوئی قوم اللہ کے رستے میں اپنے اہل و عیال سے جس قدر دور ہوتی ہے، وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتی ہے۔[2]

تفسیر آیت :122

دین سیکھنے کی ضرورت و اہمیت: اللہ تعالیٰ کا یہ بیان ان قبائل کے متعلق ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

① مسند أحمد:5/63. ② تفسير الطبري:11/89.

نکلے تھے،سلف کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے نکلیں تو پھر ہر مسلمان کے لیے بھی نکلنا واجب ہے،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ﴾ (التوبۃ 41:9) ”تم سبک بار ہو یا گراں بار (مال و اسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت گھروں سے) نکل آؤ۔“ اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ ...... ﴾ الآیۃ (التوبۃ 120:9) ”اہل مدینہ اور جو ان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کے لائق نہ تھا......۔“ مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ساتھ اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام قبائل نکلیں تو اس سے یہ مراد ہے کہ اگر تمام قبائل پورے کے پورے نہ نکلیں تو پھر ہر قبیلے سے ایک جماعت تو ضرور نکلے تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو سیکھ لے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو انھیں دشمن کے بارے میں خبردار کرے تو اس سفر میں ان کے لیے دونوں امر، یعنی جہاد اور تعلیم دین یکجا ہو جائیں گے،اور نبی اکرم ﷺ کے بعد جو جماعت نکلے گی تو وہ علم دین سیکھنے کے لیے یا جہاد کے لیے نکلے گی کیونکہ اب ان دونوں کاموں کے لیے نکلنا فرض کفایہ ہے۔

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت ﴿ وَمَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِيَنۡفِرُوۡا كَآفَّةً ؕ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام مومنوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ سب کے سب نکل جائیں اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ جائیں، ﴿ فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ ﴾ سب کو نہیں بلکہ ایک جماعت کو اور وہ بھی آپ کی اجازت سے نکلنا چاہیے اور جب یہ لوگ جہاد سے واپس آئیں اور ان کے بعد قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوا ہو جسے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ رہنے والوں نے سیکھ لیا ہو اور وہ ان سے یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے بعد اپنے نبی پر قرآن کا یہ حصہ نازل فرمایا ہے جسے ہم نے سیکھ لیا ہے تو یہ مجاہدین بھی اسے سیکھنے کے لیے رک جائیں اور ان کے بجائے دوسرے مجاہدین کو جہاد کے لیے روانہ کر دیا جائے جیسے فرمان الٰہی ہے: ﴿ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ ﴾ ”تا کہ علم دین سیکھ لیں۔“ یعنی اسے سیکھ لیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمایا ہے اور مجاہدین کو بھی ان کی واپسی پر سکھا دیں ﴿ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ ﴾ ”تا کہ وہ ڈریں۔“ [1]

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو دیہاتوں کی طرف نکل گئے تھے،لوگوں نے ان سے اچھا سلوک کیا، زمین کی سرسبزی وشادابی سے بھی انھوں نے فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو جب انھوں نے ہدایت قبول کرنے کی دعوت دی تو لوگوں نے ان سے کہا کہ تم اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے ہو تو انھوں نے اسے محسوس کیا اور دیہاتوں سے آ کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ ﴾ ”تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے۔“

[1] تفسیر الطبری:90/11.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب وجوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿123﴾

یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ﴿123﴾

جو خیر کو تلاش کرتے، ﴿ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ﴾ ”تاکہ دین کا علم سیکھتے“ اور لوگوں کے بارے میں سنتے اور جو اللہ تعالیٰ نے ان (جہاد پر جانے والوں) کے بعد نازل کیا ہے، اسے بھی توجہ سے سنتے۔ ﴿ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿122﴾ ﴾ ”اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی طرف لوٹیں تاکہ وہ (پیچھے والے بھی اللہ سے) ڈریں۔“[1]

امام قتادہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جہاد کے لیے لشکر روانہ فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ بھی جہاد میں اللہ کے نبی کے ساتھ شامل ہو جائیں اور کچھ لوگ دین سیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہیں اور کچھ لوگ نکل جائیں تاکہ اپنی اپنی قوم کو دین کی دعوت دیں اور پہلے لوگوں کے حالات وواقعات بیان کر کے انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔[2] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ ﴾ ”اور مومنوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ سب کے سب نکل آئیں۔“ اس کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے خاندان مُضر کے لیے قحط سالی کی بددعا فرمائی تھی تو ان کے علاقے میں قحط پڑ گیا تو ان میں سے ہر ایک قبیلے نے اپنے تمام افراد سمیت مدینہ میں آنا شروع کر دیا تاکہ یہاں بھی مشکل صورت حال پیدا ہو جائے اور یہ لوگ ازراہ جھوٹ اسلام قبول کرنے کا دعویٰ بھی کرتے تھے، مدینہ میں آ کر جب انھوں نے صحابۂ کرام کو مشکل صورت حال سے دوچار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کے بارے میں یہ بتا دیا کہ یہ مومن نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو ان کے خاندانوں میں لوٹا دیا اور انھیں وارننگ بھی دی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا یہی معنی ہیں ان الفاظ کے۔ ﴿ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾ ”اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی طرف واپس جائیں۔“

تفسیر آیت :123

نزدیک رہنے والے کفار سے جہاد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو کفار مرکزِ اسلام کے جس قدر زیادہ قریب ہیں پہلے انھی سے جہاد کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی پہلے جزیرۃ العرب کے مشرکین کے خلاف جہاد فرمایا تھا اور جب آپ جزیرۃ العرب کے مشرکوں سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حَضَرمَوت اور جزیرۃ العرب کے دیگر تمام علاقوں پر فتح عطا فرما دی اور تمام قبائل عرب کے لوگ فوج در فوج دائرۂ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تو پھر آپ نے اہل کتاب کے خلاف جہاد شروع فرمایا اور اس کا آغاز رومیوں کے خلاف جہاد سے

[1] تفسیر الطبری:89/11. [2] تفسیر الطبری:93/11 بالفاظ دیگر۔

کیا کیونکہ وہ جزیرۃ العرب کے سب سے زیادہ قریب تھے، لہٰذا اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ انھیں اسلام کی دعوت دی جائے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے، اسی سلسلے میں آپ تبوک بھی تشریف لے گئے لیکن لوگوں کی مشقت، قحط سالی اور حالات کی تنگی کے باعث واپس تشریف لے آئے اور یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے، پھر 10 ہجری میں حجۃ الوداع میں آپ مصروف ہو گئے اور حج کے صرف 81 دن بعد راہ گزارِ ملک جاوداں ہو گئے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

آپ کے وصال کے بعد آپ کے وزیر، صدیق اور خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی قیادت کے فرائض سرانجام دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے باعث دین کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دین کو ثابت قدمی عطا فرمائی، انھوں نے دین کی بنیادوں اور ستونوں کو نہایت مضبوط و مستحکم کر دیا، دین سے بھاگنے اور مرتد ہونے والے لوگوں کو پھر سے دین کی طرف لوٹا دیا جنھوں نے زکاۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، انھیں پھر سے زکاۃ ادا کرنے پر مجبور کر دیا، جاہلوں کے سامنے حق کو واضح کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی حیثیت سے جن ذمہ داریوں کو قبول کیا تھا انھیں بدرجہ اتم پورا کیا، پھر آپ نے صلیب کے پجاری رومیوں اور آگ کے پجاری ایرانیوں کے خلاف جہاد کے لیے اسلامی لشکروں کی شیرازہ بندی کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاص کی برکت سے ان ملکوں پر مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور قیصر و کسریٰ اور ان کے پیروکاروں کو ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا، آپ نے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں تقسیم فرما دیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے بارے میں پیش گوئی فرمائی تھی۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے وصی اور ولی عہد، فاروق اواب، شہید محراب، امیر المؤمنین ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلامی فتوحات کا مشن پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی برکت سے کافروں اور ملحدوں کی ناکیں خاک آلودہ ہو گئیں، انھوں نے باغیوں اور منافقوں کا کام تمام کر دیا اور مشرق و مغرب کے ملکوں پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، قریب و بعید کے تمام ملکوں کا مال و دولت اور خزانوں کے انبار آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے شرعی طریقے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق ان تمام مالوں اور ان تمام خزانوں کو اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تقسیم فرما دیا۔

جب آپ نے سعادتوں اور کامرانیوں سے بھرپور زندگی بسر کرنے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا تو مہاجرین و انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شہید دار، امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق فرما لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی، انھوں نے دنیا بھر کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اس زبردست حجت (اسلام) کو غالب کر دیا اور مشرق و مغرب کے تمام ملکوں میں اسلام غالب آ گیا، اللہ تعالیٰ کے کلمے اور اس کے دین کو سربلندی نصیب ہو گئی، ملتِ اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ کے تمام دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو گئی۔ مسلمان جب بھی کسی قوم پر

فتح ونصرت حاصل کرتے تو پھر اس کے بعد اس کے قرب و جوار میں بسنے والے اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان دیگر لوگوں کی طرف رخ کر لیتے تاکہ حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہو سکیں۔

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے نزدیک کے (رہنے والے) کافروں سے جنگ کرو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی (محنت وقوت جنگ) پائیں۔'' یعنی تم کفار سے اس قدر زبردست قوت وطاقت سے جہاد کرو کہ انھیں معلوم ہو جائے کہ مسلمان بہت جری، بہادر اور طاقت ور ہیں۔ ایک مومن کامل کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کے لیے حریر و پرنیاں اور کافر دشمن کے مقابلے میں صفتِ فولاد ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المآئدة 5:54) ''تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرے اور جس سے وہ محبت کریں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔'' اور فرمایا: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح 48:29) ''محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ (التوبة 9:73 و التحريم 66:9) ''اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑیں اور ان پر سختی کریں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۳ ﴾ ''اور جان رکھو! بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔'' یعنی کافروں سے لڑائی کرو، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کرو اور یاد رکھو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی اطاعت بجالاتے رہے تو اس کی تائید وحمایت تمھارے شامل حال رہے گی۔ اسلامی تاریخ کی ابتدائی تین صدیوں میں جو اس امت کی بہترین صدیاں تھیں، معاملہ اسی طرح تھا کیونکہ وہ لوگ استقامت کے پہاڑ تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں سرِ مو فرق نہ آنے دیتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال تھی اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیشہ کامیاب وکامران تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور کافر پیچھے ہٹتے اور ناکام ونامراد ہوتے رہے۔

پھر جب مسلمان بادشاہوں میں فتنے، خواہشات اور اختلافات رونما ہو گئے تو دشمنوں نے اطراف بلاد کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ صرف دیکھنا شروع کر دیا بلکہ انھوں نے ان کی طرف پیش قدمی بھی شروع کر دی اور بادشاہوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے ان کے آگے بند نہ باندھا جا سکا حتی کہ اطراف کے کئی علاقوں کو فتح کرنے کے بعد انھوں نے مرکز اسلام کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور مسلمانوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ جما لیا۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی سارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسلمان بادشاہوں میں سے جب بھی کوئی دشمنوں کے مقابلے کے لیے شجاعت وجواں مردی سے کھڑا ہوتا، اللہ تعالیٰ

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض ایسے ہیں جو (طنزاً) کہتے ہیں: تم میں سے کس کو اس (سورت) نے ایمان میں

اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿124﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

زیادہ کیا ہے؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اس (سورت) نے ان کو ایمان میں زیادہ کیا ہے، اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿124﴾ لیکن جن لوگوں کے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿125﴾

دلوں میں روگ ہے، تو اس (سورت) نے ان کی (پہلی) پلیدی پر مزید پلیدی کا اضافہ کر دیا اور وہ مرتے دم تک کافر ہی رہے ﴿125﴾

کے احکام کی اطاعت بجا لاتا اور اس کی ذات گرامی پر توکل کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیتا اور وہ چھینے ہوئے علاقے دشمنوں سے واپس لے لیتا۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے اور امید بھی کہ وہ مسلمانوں کو کافروں اور دشمنوں کی پیشانیوں کو پکڑنے کی پھر توفیق عطا فرما دے گا، پھر سے تمام دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کا ڈنکا بجنے لگے گا۔ اِنَّهٗ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ.

تفسیر آیات: 125,124

مومن کے ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے۔'' یعنی آپس میں ایک دوسرے سے یہ پوچھتے ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿124﴾﴾ ''چنانچہ جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ ائمہ و علماء میں سے اکثر سلف و خلف کا یہی مذہب ہے بلکہ کئی ایک اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ ہم نے صحیح بخاری کی شرح کی ابتدا میں اس مسئلے پر نہایت شرح وبسط سے روشنی ڈالی ہے۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى......﴾ ''اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کی (پہلی) پلیدی پر مزید پلیدی کا اضافہ کر دیا......'' یعنی ان کے شک اور ریب میں اس سے اضافہ ہی ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ......﴾ الآية (بنيّ إسرآء يل 82:17) ''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا ہے......'' اور فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ؀﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' یہ ان کی شقاوت اور بدبختی

اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ

کیا وہ (مومن) نہیں دیکھتے کہ بے شک وہ (منافق) ہر سال ایک یا دو بار فتنے میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ

پکڑتے ہیں﴿126﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی (مسلمان) تمھیں دیکھ تو نہیں رہا، پھر

انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾

(چپکے سے) کھسک جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، اس لیے کہ بے شک وہ لوگ سمجھتے نہیں﴿127﴾

کی انتہا ہے کہ جو چیز دلوں کے لیے ہدایت ہے، وہی ان کی ضلالت اور تباہی و بربادی کا سبب ہے جیسا کہ ہیضے کے مریض کے لیے اچھی سے اچھی غذا بھی مزید بیماری اور خرابی ہی کا سبب بنتی ہے۔

تفسیر آیات: 127,126

منافقوں کی آزمائش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا یہ منافق نہیں دیکھتے: ﴿اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ﴾ ''بلاشبہ یہ آزمائے جاتے ہیں۔'' ﴿فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾﴾ ''ہر سال ایک یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔'' نہ اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور نہ مستقبل کے لیے نصیحت پکڑتے ہیں۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کی قحط سالی اور بھوک کے ساتھ آزمائش کی جاتی ہے۔ ①

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (اور پوچھتے ہیں:) بھلا تمھیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر (چپکے سے) پھر جاتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر رکھا ہے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔'' یہ بھی منافقوں ہی کے بارے میں خبر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ﴿نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ ﴿هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ﴾ ''بھلا تمھیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر (چپکے سے) پھر جاتے ہیں۔'' یعنی حق سے دور ہو جاتے ہیں اور پھر جاتے ہیں اور دنیا میں ان کا یہ حال ہے کہ نہ حق کو قبول کرتے، نہ اس پر ثابت قدم رہتے اور نہ اسے سمجھتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝﴾ (المدثر 74:49-51) ''پھر ان کو کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں۔ گویا بدکے ہوئے گدھے ہیں (یعنی) شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝﴾ (المعارج 70:36,37) ''پھر ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں (اور) دائیں بائیں سے گروہ گروہ ہو کر (جمع ہوتے جاتے ہیں۔)'' یعنی یہ لوگ حق سے

① تفسیر الطبری: 98/11.

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا)

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿128﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ

حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿128﴾ پھر بھی اگر وہ پھریں تو کہہ دیجیے: مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق)

16 ع 7 5 رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿129﴾

نہیں، اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے ﴿129﴾

بھاگتے اور باطل کو اختیار کرتے ہوئے، آپ سے دائیں بائیں ہو جاتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ ''پھر (چپکے سے) پھر جاتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ﴾ (الصّف 5:61) ''پھر تو جب ان لوگوں نے کج روی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔'' ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾﴾ ''کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔'' یعنی اللہ کے فرمان کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش ہی کرتے ہیں بلکہ اس سے نفرت کرتے اور دور ہوتے ہیں، لہٰذا وہ اپنے اس بدترین انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔

تفسیر آیات:129,128

رسول اللہ ﷺ کی بعثت اللہ کا احسان ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مومنوں پر یہ عظیم الشان احسان فرمایا کہ انھی میں سے اپنے ایک رسول مبعوث فرمائے جو انھی کی جنس میں سے ہیں اور انھی کی زبان بولتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دعا فرمائی تھی: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (البقرۃ 129:2) ''اے ہمارے پروردگار! اور ان (لوگوں) میں انھیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمرٰن 164:3) ''یقیناً اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ ''(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔'' یعنی جو تمھاری جنس میں سے ہیں اور تمھاری بولی بولتے ہیں جیسا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے اور مغیرہ بن شعبہ نے کسریٰ کے سفیر سے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسے رسول مبعوث فرمائے ہیں جن کے حسب و نسب، اوصاف و اطوار اور جن کی آمد و رفت اور صداقت و امانت کو ہم خوب جانتے ہیں۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ''تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔'' یعنی آپ کو وہ چیز بہت گراں معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے آپ کی امت مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ] ''بے شک دین بہت آسان ہے۔''[2] اس کی تمام شریعت بھی بہت سہل، آسان اور کامل ہے اور اس کے لیے

[1] مسند أحمد: 202/1 و 291/5 اور مغیرہ بن شعبہ کے قول کے لیے دیکھیے تاریخ الطبری، ذکر ابتداء أمر القادسیة: 123/4.

[2] صحیح البخاري، الإیمان، باب الدین یسر، حدیث: 39 عن أبي هریرة رضی اللہ عنہ.

اس کے مطابق عمل کرنا تو بہت ہی آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اسے آسان بنا دے۔ ﴿ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ ''تمھارے لیے (بھلائی کے) بہت خواہش مند ہیں۔'' یعنی آپ اس بات کے شدید خواہش مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز فرمائے۔ امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ حُرْمَةً إِلَّا وَقَدْ عَلِمَ أَنَّهُ سَيَطَّلِعُهَا مِنكُمْ مُّطَّلِعٌ، أَلَا! وَإِنِّي آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ أَنْ تَهَافَتُوا فِي النَّارِ كَتَهَافُتِ الْفَرَاشِ أَوِ الذُّبَابِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بھی حرام قرار نہیں دیا مگر اسے معلوم ہے کہ تم میں سے کوئی نہ کوئی اس کی طرف ضرور جھانکے گا اور میں تمھیں تمھاری کمروں سے پکڑ رہا ہوں تاکہ تم جہنم کی آگ میں اس طرح نہ گرنے لگو جس طرح پروانے یا مکھیاں آگ میں گرتی ہیں۔'' [1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) بڑے مہربان ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ ﴾ (الشعرآء26:215-217) ''اور جو مومن آپ کے پیرو ہو گئے ہیں ان کے لیے آپ اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں۔ پھر اگر وہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے کہ میں تمھارے اعمال سے بے تعلق ہوں اور (اللہ) غالب (اور) مہربان پر بھروسا رکھیں۔''

اسی طرح اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ ''پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں۔'' یعنی اگر یہ لوگ اس عظیم، پاک، کامل اور جامع شریعت سے پھر جائیں جو آپ ان کے پاس لائے ہیں ﴿ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ اللہ مجھے کفایت کرتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔'' یعنی مجھے اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی کی ذات گرامی پر توکل کیا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ ﴾ (المزمل9:73) ''(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔'' ﴿ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔'' یعنی وہ ہر چیز کا مالک و خالق ہے کیونکہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے اور وہ عرشِ عظیم تمام مخلوقات کی چھت ہے۔ تمام مخلوقات، آسمان، زمین اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ بھی اور جو کچھ عرش کے نیچے ہے، تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے مغلوب ہیں، اس کا علم ہر ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کی تقدیر ہر چیز میں نافذ ہے اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ...... ﴾ الآیۃ قرآن مجید کی نازل ہونے والی سب سے آخری آیت ہے۔ [2]

[1] مسند أحمد:390/1. [2] مسند أحمد:117/5.

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت زید نے کہا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت مجھے خزیمہ بن ثابت یا ابوخزیمہ سے ملی۔[1] اور قبل ازیں ہم نے یہ بیان کر دیا ہے کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے یاد کیا کہ انھوں نے بھی اس آیت کریمہ کو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا جیسا کہ خزیمہ بن ثابت نے اس آیت کی ابتدا میں کہا تھا۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

سورۂ توبہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ ...... (التوبة9:128)، حديث:4679. ② دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر مذکورہ آیت کے ذیل میں۔

تفسیر سُورَۃ یونس

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ① اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡہُمۡ اَنۡ

الٓرٰ، یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ① کیا لوگوں کے لیے یہ تعجب (کی بات) ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی کہ آپ

اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَہُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ

لوگوں کو ڈرائیں اور ان لوگوں کو خوشخبری دیں جو ایمان لائے کہ بے شک ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سچائی کا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا:

اِنَّ ہٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ ②

بے شک یہ تو یقیناً صاف جادوگر ہے ②

تفسیر آیات :2,1

بعض سورتوں کے آغاز میں مذکورہ حروف مقطعات کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں ہو چکی ہے۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ ﴿ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ① ﴾ ''یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں۔'' یعنی یہ نہایت محکم اور روشن کتاب قرآن مجید کی آیات ہیں۔

رسول آدمی ہی ہوسکتا ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ﴾ ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا؟'' اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ انسانوں میں سے رسول بھیجے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے بھی از راہِ تعجب یہ کہا تھا: ﴿ اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ ﴾ (التغابن 6:64) ''کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں؟'' حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام[2] نے اپنی اپنی قوم سے کہا تھا:

① دیکھیے البقرۃ، آیت: 1 کے ذیل میں۔ ② یہاں عبارت سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے اپنی اپنی قوموں سے اس کے متعلق کہے گئے الفاظ ایک جیسے ہیں لیکن قرآن پاک میں حضرت ہود علیہ السلام کے ان الفاظ جیسے الفاظ حضرت نوح علیہ السلام سے منقول ہیں نہ کہ صالح علیہ السلام سے، دیکھیے الأعراف، آیت:63. ممکن ہے کہ تفسیر ابن کثیر کے کسی ناسخ سے ''نوح'' کے بجائے ''صالح'' لکھا گیا ہو جو تا حال چلا آ رہا ہے، البتہ صالح علیہ السلام کی قوم کی طرف سے یہ اعتراض موجود ہے: ﴿ ءَاُلۡقِیَ الذِّکۡرُ عَلَیۡہِ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ﴾ (القمر 25:54) ''کیا (یہ) نصیحت ہمارے درمیان اسی (صالح) پر نازل کی گئی ہے؟''

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

بے شک تمھارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوگیا، وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔

الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ③

کوئی سفارشی نہیں (بن سکتا) بغیر اس کی اجازت کے۔ یہی اللہ ہے تمھارا رب، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟③

﴿ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ ﴾ (الأعراف 7:69) ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ذریعے سے تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نصیحت آئی ہے۔'' کفارِ قریش کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ کہا تھا: ﴿ أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ (صٓ 38:5) ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔'' ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو تمام یا بعض عربوں نے آپ کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ محمد (ﷺ) جیسا کوئی بشر اس کا رسول ہو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ...... ﴾ الآیۃ ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا......؟''[1]

اور فرمایا: ﴿ أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''بے شک ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لیے سچائی کا مرتبہ ہے۔'' اس جملے کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ ان کے بارے میں لوحِ محفوظ ہی میں سعادت لکھ دی ہے۔[2] اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا اجر وثواب ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ قَدَمَ صِدْقٍ ﴾ سے مراد نماز، روزہ، صدقہ وخیرات اور تسبیح جیسے اعمالِ صالحہ ہیں، پھر یہ بھی کہ محمد رسول اللہ ﷺ ان کی شفاعت بھی فرمائیں گے۔[3]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ قَالَ الْكٰفِرُونَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِينٌ ② ﴾ ''کافر کہتے ہیں کہ بے شک یہ تو صریح جادوگر ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تو انھی کی جنس میں سے ایک بشر کو ان کی ہدایت کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے مگر ان کافروں نے انھیں رسول تسلیم کرنے کے بجائے صریح جادوگر قرار دیا، حالانکہ کافر اس بارے میں جھوٹے ہیں۔

تفسیر آیت:3

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق، رب اور متصرف ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام کائنات کا پروردگار ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے۔ ان چھ دنوں کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ ہمارے دنیا کے ان دنوں

① تفسیر الطبری :107/11. ② تفسیر الطبری :109/11. ③ تفسیر الطبری :109,108/11.

ہی کی طرح تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دن ہماری دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر تھا۔ اس کی تفصیل سورۂ اعراف (کی آیت: 54) میں گزر چکی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''پھر عرش پر مستوی ہوا۔'' عرش تمام مخلوقات میں سے بڑی مخلوق اور تمام مخلوقات کی چھت ہے۔ ﴿ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾ ''وہی (ہر) کام کا انتظام کرتا ہے۔'' ﴿ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ﴾ (سبا 3:34) ''ذرہ برابر بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔'' نہ کوئی کام اسے کسی دوسرے کام سے مشغول کر سکتا ہے، نہ مسائل اس سے کوئی غلط کام کروا سکتے ہیں، نہ وہ فریاد کرنے والوں کی گریہ وزاری سے تنگ دل ہوتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں، سمندروں، آبادیوں اور جنگلوں کے کسی بڑے کام کا انتظام اسے کسی چھوٹے کام سے غافل کر سکتا ہے۔ ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ (ھود 6:11) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

دَراوَرْدِی نے سعد بن اسحاق بن کعب بن عُجرہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ..... ﴾ الآیة ''بے شک تمھارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا......'' نازل ہوئی تو انھیں ایک بہت بڑی جماعت ملی جس کے بارے میں ان کا خیال یہ تھا کہ یہ عربوں کی جماعت ہے لیکن جب انھوں نے ان سے یہ پوچھا کہ تم کون ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم جن ہیں، ہم مدینہ سے نکلے ہیں اور ہمیں اس آیت نے نکالا ہے۔[1]

سفارش اس کے لیے ہوگی جس کے حق میں اللہ چاہے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ یعنی (کوئی اس کے پاس) اس کی اجازت ملے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ (البقرة 255:2) ''کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ ﴾ (النجم 26:53) ''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ (سبا 23:34) ''اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔'' ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ ''یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟'' یعنی صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور اے مشرکو! تم اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ تم غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ ساری مخلوق کو صرف اسی نے پیدا فرمایا ہے تو اس بات کا بھی صرف وہی مستحق ہے کہ تمام مخلوق

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1924/6.

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، بے شک وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے لوٹائے (زندہ کرے) گا،

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④

پانی اور دردناک عذاب ہوگا، اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے ④

اسی کی عبادت کرے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (الزخرف 87:43) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے!'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 87,86:23) ''(اے نبی! ان سے) پوچھیں کہ سات آسمانوں کا کون مالک ہے اور عرش عظیم کا (کون) مالک (ہے۔) یقیناً (بے ساختہ) کہہ دیں گے کہ (یہ چیزیں) اللہ ہی کی ہیں! کہہ دیجیے کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں۔'' اسی طرح اس سے پہلی اور بعد والی آیات میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر آیت:4

جزا و سزا کے لیے سب نے اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمام مخلوق نے روزِ قیامت اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، وہ اپنی ہر ہر مخلوق کو دوبارہ اسی طرح زندہ کر دے گا جس طرح اس نے اسے پہلی بار پیدا فرمایا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔'' ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ ﴾ ''تاکہ وہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔'' قسط کے معنی عدل وانصاف اور پوری پوری جزا کے ہیں۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ ﴾ ''اور جو کافر ہیں ان کے لیے پینے کو نہایت کھولتا ہوا پانی اور درد دینے والا عذاب ہوگا کیونکہ وہ (اللہ کا) انکار کرتے تھے۔'' یعنی کفر وانکار کے سبب انھیں قیامت کے دن دوزخ کی لپیٹ اور کھولتے ہوئے گرم پانی اور سیاہ دھوئیں کے بادلوں کی صورت میں مختلف قسم کے عذاب دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: ﴿ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ○ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ○ ﴾ (ص 58,57:38) ''یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ (ہے اب) اس (کے مزے) کو چکھو اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے۔)'' اور فرمایا: ﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ○ ﴾ (الرحمٰن 44,43:55) ''یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم جھٹلاتے تھے، وہ اس (دوزخ) اور شدید کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔''

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ

وہی ہے (اللہ) جس نے سورج کو نہایت روشن بنایا اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ یہ (سب کچھ)

وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِي

اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ (اپنی) آیتیں تفصیل سے ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں ⑤ بے شک رات اور دن کے (بدل

اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥

بدل کر) آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے (اس میں بھی)، البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ⑥

تفسیر آیات: 6,5

ہر چیز اللہ کی قدرت کی شاہد ہے: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نشانیوں کو بیان کیا ہے جنھیں اس نے پیدا فرمایا اور اپنی کمالِ قدرت اور عظیم سلطنت کے لیے نشان بنا دیا ہے، مثلاً: اس نے سورج سے نکلنے والی شعاعوں کو ضیاء بنا دیا ہے اور چاند سے نکلنے والی شعاعوں کو نور بنا دیا ہے۔ ضیاء ایک الگ چیز ہے اور نور ایک الگ، [1] دونوں میں فرق رکھا تاکہ ایک دوسرے سے مشتبہ نہ ہو جائیں۔ دن کو اس نے سورج کا راج قائم کر دیا اور رات کو چاند کا، پھر چاند کی اس نے منزلیں مقرر فرما دیں کہ ابتدا میں جب چاند طلوع ہوتا ہے تو بہت چھوٹا ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کے وجود اور اس کے نور میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ وہ بدرِ کامل، یعنی چودھویں رات کا چاند بن جاتا ہے، پھر وہ آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے حتی کہ مہینے کے پورے ہونے پر وہ اپنی پہلی اور ابتدائی حالت کی طرف لوٹ آتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ○ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○﴾ (یٰسٓ 36:39,40) ''اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ﴾ (الأنعام 6:96) ''اور سورج اور چاند کو (ذریعۂ) حساب بنایا ہے۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿وَ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾ یعنی چاند کی منزلیں مقرر کیں ﴿لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ﴾ ''تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب جان لو۔'' سورج کے ساتھ دن اور چاند کے ساتھ مہینے اور سال معلوم کیے جاتے ہیں۔

نہیں نکمی کوئی چیز قدرت کے کارخانے میں: ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''یہ (سب کچھ) اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' یعنی اس نے اسے عبث پیدا نہیں کیا بلکہ اس میں عظیم الشان حکمت و مصلحت کارفرما ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ

[1] نور وہ روشنی ہے جس میں روشنی اور چمک تو ہو مگر حرارت، تپش اور رنگ میں سرخی نہ ہو۔ اگر روشنی بھی ہو اور ساتھ حرارت، تپش اور سرخی بھی ہو تو وہ ضیاء ہے، دیکھیے مترادفات القرآن، ص: 547 از عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ۔ اس طرح سے بھی فرق کیا جاتا ہے کہ ضیاء تیز روشنی کو اور نور اس سے کم روشنی کو کہتے ہیں۔

ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ؀ ﴾ (صٓ 27:38) ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (کائنات) ان میں ہے اس کو بے کار نہیں پیدا کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں تو کافروں کے لیے آگ کی (صورت میں) بڑی ہلاکت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ؀ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ؀ ﴾ (المؤمنون 116,115:23) ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (اس کی شان اس سے) بلند و بالا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، (وہی) عزت والے عرش کا مالک ہے۔''

﴿ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''وہ (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔'' آیتوں سے یہاں دلائل و براہین مراد ہیں۔ ﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ ''بے شک دن اور رات کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں۔'' یعنی جب دن چلا جاتا ہے تو رات آجاتی ہے اور جب رات چلی جاتی ہے تو دن آجاتا ہے، کوئی چیز بھی اپنے وقت سے مؤخر نہیں ہوتی جیسا کہ فرمایا: ﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ ﴾ (الأعراف 54:7) ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ ...... ﴾ الآیة (یٰسٓ 40:36) ''نہ تو سورج ہی سے یہ ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے ......'' اور فرمایا: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ﴾ (الأنعام 96:6) ''(وہی رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا۔)''

ایمان وتقویٰ اور عقل ودانش سے بہرہ ور لوگوں کے لیے ہر سو پھیلی ہوئی قدرت کی نشانیاں: فرمایا ﴿ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اور جو چیزیں اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں۔'' یعنی وہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ؀ ﴾ (یوسف 105:12) ''اور آسمان و زمین میں کتنی زیادہ نشانیاں ہیں جن پر سے وہ گزرتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بے دھیان ہوتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ؀ ﴾ (یونس 101:10) ''(ان کفار سے) کہہ دیجیے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے۔ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے نشانیاں اور ڈراوے ان کے کچھ کام نہیں آتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ؀ ﴾ (سبا 9:34) ''کیا انھوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے (یعنی) آسمان اور زمین؟ اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے کچھ ٹکڑے گرا دیں، یقیناً اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور نشانی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؀ ﴾ (آل عمران 190:3)

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ

بے شک وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی اور اسی پر مطمئن ہیں اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل

عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑧

ہیں⑦ وہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ان (عملوں) کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے⑧

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے انھیں (جنت کے باغوں کی) راہ دکھائے گا جن کے

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ

نیچے نہریں بہتی ہوں گی، نعمتوں کے باغات میں⑨ اس (جنت) میں ان کی پکار ہوگی: اے اللہ! تو پاک ہے۔ اور اس میں ان کی دعا ہوگی: سلام۔

اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ ع 1/10/6

اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں⑩

''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے آنے جانے میں یقیناً عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' ارشاد باری ہے: ﴿ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥ ﴾ ''(البتہ نشانیاں ہیں) ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں۔'' یعنی ان کے لیے جو اللہ کی سزا، ناراضی اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 8,7

منکرینِ قیامت کا ٹھکانا جہنم ہے: اللہ تعالیٰ نے ان بدبخت اور بدنصیب لوگوں کا حال بیان کیا ہے جنھوں نے روز قیامت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کیا، وہ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے اور اسی پر ان کے دل مطمئن ہو گئے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! انھوں نے دنیا کو اس لیے مزین کیا اور اسے اس لیے اٹھایا کہ وہ اس سے خوش تھے۔[1] اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کونیہ ''کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں'' سے غافل تھے کہ ان میں غور نہیں کرتے تھے اور آیاتِ شرعیہ سے بھی غافل تھے کہ ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے، قیامت کے دن ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو ان کے کمائے ہوئے برے اعمال، گناہوں، غلطیوں اور جرموں کی سزا ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بدنصیب اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور یومِ آخرت کا انکار بھی کرتے تھے۔

تفسیر آیات: 10,9

اہلِ ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو اچھا بدلہ ملے گا: یہ ان سعادت مند لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی، احکامِ الٰہی کی پابندی کی اور نیک اعمال بجا لائے تو ان کے ایمان کے سبب اللہ تعالیٰ ان کو راہ دکھائے گا، اس بات کا احتمال ہے کہ ﴿ بِاِيْمَانِهِمْ ﴾ کی ''با'' سببیہ ہو اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1928/6.

ان لوگوں کے دنیا میں ایمان لانے کے سبب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں مستقیم اور سیدھی راہ (پل صراط) دکھا دے گا حتی کہ وہ اسے عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ "با" استعانت کے لیے ہو جیسا کہ امام مجاہد نے اس آیت: ﴿ رَبُّهُمْ بِإِيْمَانِهِمْ ﴾ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے نور ہوگا جس کی مدد سے وہ چلیں گے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ "ان کی دعا ان (جنتوں) میں (یہ) ہوگی: پاک ہے تو اے اللہ! اور آپس میں ان کی دعا سلام علیکم ہوگی اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی حمد (اور اس کا شکر) ہے۔" یعنی یہ اہل جنت کا حال ہے۔

اس آیت کریمہ کی حسبِ ذیل آیات سے مشابہت ہے: ﴿ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ﴾ (الأحزاب 33:44) "جس روز وہ اس سے ملیں گے تو ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا۔" اور فرمایا: ﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝ ﴾ (الواقعة 56:25,26) "وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ ہاں، ان کا کلام سلام سلام (ہوگا۔)" اور فرمایا: ﴿ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ ﴾ (یٰس 36:58) "پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے گا۔)" اور فرمایا: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ (الرعد 13:23,24) "اور فرشتے (بہشت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو۔"

ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ ہی حمد و ثنا کا مستحق ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ "اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی حمد (اور اس کا شکر) ہے۔" یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابد الآباد تک اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی محمود ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہی معبود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ نے مخلوق کی پیدائش کے آغاز کا ذکر کیا، اسی طرح تخلیق کا عمل مسلسل جاری رکھنے کے موقع پر، اسی طرح اپنی کتاب مقدس کے آغاز اور جہاں اس کے نزول کا ذکر ہے وہاں بھی حمد کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ (الکهف 18:1) "سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر (یہ) کتاب نازل کی۔" اور فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (الأنعام 6:1) "ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لائق ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔" اس طرح اور بھی بہت سے احوال میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ گرامی کی حمد بیان کی ہے، ان کا ذکر موجبِ طوالت ہوگا۔ بہر حال ابتدا میں بھی آخر میں بھی، دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور ہر ہر حال میں وہی حمد و ثنا کا مستحق ہے۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ...... يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالتَّحْمِيدَ، كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفَسَ] "یقیناً اہل جنت......کو تسبیح و تحمید کا الہام ہوگا جس طرح انھیں ان کا سانس الہام کیا جاتا ہے۔"[2] اور یہ اس لیے کہ وہ دیکھیں گے کہ

[1] تفسیر الطبری: 117/11. [2] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب فی صفات الجنة وأهلها......، حدیث: 2835 عن جابر ﷺ.

وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ بِالۡخَيۡرِ لَقُضِيَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيۡنَ

اور اگر اللہ لوگوں کو برائی پہنچانے میں جلدی کرتا جیسے وہ بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی، چنانچہ ہم ان لوگوں کو جو

لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِيۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ⑪

ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں⑪

ان پر ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور انھیں بار بار ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا جا رہا ہے جن کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ وہ کبھی ختم ہی ہوں گی۔ پس اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی پروردگار!

تفسیر آیت :11

اللہ تعالیٰ بددعا کو بھلائی کی دعا کی طرح جلد قبول نہیں فرماتا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ اپنے حلم اور لطف و کرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب تنگی یا غصے کی حالت میں اپنے لیے یا اپنے مال و اولاد کے لیے بددعا کرتے ہیں تو وہ ان کی اس بددعا کو قبول نہیں فرماتا کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ ان کا ارادہ اس شر کا نہیں ہے، لہٰذا وہ ازراہ لطف و کرم غصے اور ناراضی کی حالت میں کی گئی بددعا کو اس طرح قبول نہیں فرماتا جس طرح اپنے لیے یا اپنے مال و اولاد کے لیے ان کی خیر و بھلائی اور برکت کی دعا کو جلد قبول فرما لیتا ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ بِالۡخَيۡرِ لَقُضِيَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ ؕ﴾ ''اور اگر اللہ بہت جلدی بھلائی دینے کی طرح لوگوں کے لیے جلدی برائی دے، تو ان کی طرف ان کی مدت ضرور پوری کر دی جائے۔'' یعنی اگر وہ ان کی بددعا کو اسی طرح قبول کر لیتا جس طرح انھوں نے کی ہوتی ہے تو وہ انھیں ہلاک کر دیتا۔

اس لیے کثرت سے بددعا نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ حافظ ابوبکر بزار رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَدۡعُوا عَلٰی أَنۡفُسِکُمۡ، وَلَا تَدۡعُوا عَلٰی أَوۡلَادِکُمۡ، وَلَا تَدۡعُوا عَلٰی أَمۡوَالِکُمۡ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُّسۡأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسۡتَجِيبَ لَكُمۡ] ''تم اپنے لیے بددعا نہ کرو اور نہ اپنی اولاد اور مالوں کے لیے بددعا کرو، ہو سکتا ہے کہ تمھاری یہ بددعا کسی ایسی گھڑی میں ہو جس میں عطا ہی عطا ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما لے۔''[1] اسے امام ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[2] یہ آیت اسی طرح ہے جیسے یہ آیت ہے: ﴿وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ ؕ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 11:17) ''اور انسان جس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے، اسی طرح برائی مانگتا ہے۔''

امام مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ: ﴿وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ .....﴾ الآیۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان غصے

① صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصة أبی الیَسَر، حدیث: 3009 مطولا۔ جبکہ مسند البزار میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ ② سنن أبی داود، الوتر، باب النهی أن یدعو الإنسان علی أهله وماله، حدیث:1532 اس میں عَلٰی خَدَمِکُمۡ ''اپنے خادموں کے لیے بھی (بددعا مت کرو۔)'' کے الفاظ بھی ہیں۔ ابن کثیر میں [ساعة فیها إجابة] ہے۔ جبکہ اس سے قریب ترین الفاظ موارد الظمآن: 53,52/8، حدیث: 2411 میں اس طرح ہیں: [مِنَ الۡإِجَابَةِ السَّاعَةَ]۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، اپنے پہلو پر (لیٹے) یا بیٹھے یا کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو

ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

وہ (یوں) گزر جاتا ہے جیسے اس نے خود کو تکلیف پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا، اسی طرح حد سے گزر جانے والوں کے لیے ان کے (برے) عمل

يَعْمَلُوْنَ ⑫

پر کشش بنا دیے گئے ⑫

کی حالت میں اپنی اولاد یا اہل کے لیے یہ کہہ دیتا ہے کہ اے اللہ! اس میں برکت نہ دینا اور وہ ان پر لعنت بھیجنے لگ جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی بددعا کو بھی اسی طرح قبول فرمانے لگ جائے جس طرح ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے تو انھیں ہلاک کر ڈالے۔ ①

تفسیر آیت :12

انسان تکلیف میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور فراخی و خوشحالی میں اُسے فراموش کر دیتا ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو قلق و اضطراب میں اپنے رب کو پکارتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 51:41) ”اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔“ عریض اور کثیر کے معنی ایک ہی ہیں۔ انسان کو جب کوئی سختی پہنچتی ہے تو وہ قلق و اضطراب میں مبتلا ہو جاتا، جزع فزع کرتا اور کثرت سے دعائیں مانگتا ہے۔ لیٹے، بیٹھے، کھڑے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا ہے کہ وہ اس کی تکلیف اور پریشانی کو دور فرما دے اور جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف اور پریشانی کو دور فرما دیتا ہے تو وہ منہ موڑ لیتا اور پہلو پھیر کر اس طرح چل دیتا ہے: ﴿ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ ﴾ ”اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی ایسی تکلیف پر جو اسے پہنچی تھی، ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔“ اللہ تعالیٰ نے اس قُماش کے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫ ﴾ ”اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو ان کے (برے) اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ جسے ہدایت، راست روی اور سلامتی کی توفیق عطا فرما دے، وہ اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ ﴾ (هود 11:11) ”سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے۔“ اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ [عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ (لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهُ قَضَاءً إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ) إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ فَصَبَرَ كَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ فَشَكَرَ كَانَ خَيْرًا لَّهُ ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ] ”مومن کا معاملہ بہت تعجب انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو فیصلہ بھی فرماتا ہے، وہ اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور صبر کرنا اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی مسرت حاصل ہو تو شکر کرتا

① تفسير الطبري 122,121/11.

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا

اور البتہ ہم نے ان امتوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے پہلے تھیں، جب انھوں نے ظلم کیا، اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ

لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ

آئے، اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ⑬ پھر ان کے بعد ہم نے تمھیں زمین میں جانشین بنایا، تاکہ

بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭

ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ⑭

ہےاور شکر ادا کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے اور یہ مومن ہی کی شان ہے (کہ اس کی زندگی صبر اور شکر کا حسین امتزاج ہے۔)‘‘[1]

تفسیر آیات: 14,13

پہلی امتوں کی ہلاکت باعثِ عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے پہلی امتوں کو اس وقت کس طرح ہلاک کر دیا تھا جب انھوں نے اپنے ان پیغمبروں کی تکذیب کی جو ان کے پاس واضح دلائل و براہین لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بعد ان کو یہاں خلیفہ بنایا، بسایا اور ان کی طرف اپنے رسول کو بھیجا تاکہ وہ یہ معلوم کر لے کہ یہ لوگ اس کی اطاعت اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہیں یا نہیں۔ صحیح مسلم میں ابونضرہ کی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الدُّنيَا حُلوَةٌ خَضِرَةٌ، وَّإِنَّ اللّٰهَ مُستَخلِفُكُم فِيهَا، فَيَنظُرُ كَيفَ تَعمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتنَةِ بَنِي إِسرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ] ’’بے شک دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک دوسرے کے بعد اس میں بسایا ہے اور وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کس طرح کے عمل کرتے ہو، چنانچہ تم دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنے) سے بھی احتراز کرو کیونکہ بنی اسرائیل میں بھی سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی وجہ سے تھا۔‘‘[2]

عوف بن مالک رحمہ اللہ کا خواب: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ آسمان سے گویا ایک رسی لٹکائی گئی ہے جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر اٹھا لیا گیا، پھر اس رسی کو دوبارہ لٹکا دیا گیا اور اس کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اوپر اٹھا لیا گیا، پھر منبر کے ارد گرد لوگوں کی پیمائش کی گئی تو عمر رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کی نسبت تین ہاتھ منبر کی جانب آگے بڑھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: بس رہنے دو اپنا خواب! ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے فرمایا: عوف! وہ تمھارا خواب کیا تھا؟ انھوں نے عرض کی: کیا آپ کو میرے خواب کی کوئی ضرورت ہے۔ کیا آپ نے مجھے خواب

---

① صحيح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث:2999 اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد:24/5 کے مطابق ہیں، البتہ مسند احمد میں [شيئا] ہے اور [قضاء] کے لیے دیکھیے مسند أبي يعلى الموصلي :221/7. ② صحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء، وأكثر أهل النار النساء، وبيان الفتنة بالنساء، حديث:2742.

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ

اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ، جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں: تو اس کے علاوہ کوئی (دوسرا)

هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا

قرآن لے آیا اسے (کچھ) بدل دے۔ کہہ دیجیے: مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو

مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ قُلْ لَّوْ

میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے ⑮ کہہ دیجیے:

شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ

اگر اللہ چاہتا تو میں اس (قرآن) کی تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمھیں اس کی خبر دیتا، چنانچہ میں اس (نبوت) سے پہلے تمھارے اندر ایک مدت

قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯

ٹھہرا ہوں، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ⑯

سناتے وقت ڈانٹا نہیں تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر افسوس ہو! تم کو تو میں نے اس لیے خواب سنانے سے منع کیا تھا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کو خود ان کے سامنے ان کی موت کی خبر سناؤ۔ اس کے بعد عوف نے اپنا خواب بیان کرنا شروع کر دیا، پھر جب وہ خواب بیان کرتے ہوئے لوگوں کی پیمائش کیے جانے اور اس پیمائش میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین ہاتھ کے بقدر آگے بڑھنے تک پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ ان تینوں ہاتھوں میں سے ایک تو خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور تیسرا یہ کہ وہ شہید ہیں، پھر انھوں نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭﴾ ''پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔'' ام عمر کے بیٹے! اب تمھیں خلیفہ بنا دیا گیا ہے، لہٰذا اب دیکھو کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ خواب میں جو یہ کہا گیا ہے کہ میں اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا تو یہ اسی صورت میں ہے کہ جب اللہ چاہے، اور جو شہادت کی بات کہی گئی ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت کیسے مل سکتی ہے جبکہ مسلمان ہر وقت ان کے گرد و پیش جمع رہتے ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 16,15

سردارانِ قریش کی ہٹ دھرمی: اللہ تعالیٰ نے قریش کے سرداروں، مشرکوں، انکار کرنے والوں اور حق سے اعراض کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اللہ کی کتاب اور اس کے روشن دلائل پڑھ کر سناتے ہیں تو وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن بنا لاؤ، یعنی اس قرآن کو لے جاؤ اور کسی اور انداز کا قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ﴾

① تفسیر الطبری: 124/11 والطبقات الکبرٰی لابن سعد: 331/3.

﴿ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ﴾ ''ان سے کہہ دیں کہ مجھے اختیار نہیں ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔'' یعنی مجھے اس کا کوئی اختیار نہیں ہے کیونکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کے حکم کا پابند ہوں اور اس کا رسول ہوں اور جو وحی اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے، میں اسے بلاکم وکاست پہنچا دیتا ہوں۔

﴿ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿15﴾ ﴾ ''میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو یقیناً مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔''

قرآن مجید کی صداقت کا ثبوت: اس کے بعد ان پر حجت قائم کرتے ہوئے اس بات کی دلیل دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ صحیح ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَیۡكُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰىكُمۡ بِهٖ ۖ ﴾ ''(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر نہ سناتا اور نہ اللہ تمھیں اس کی خبر دیتا۔'' یعنی تمھارے پاس میں یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے ارادۂ ومشیت سے لے کر آیا ہوں۔ اور اس بات کی دلیل کہ اسے میں نے خود اپنی طرف سے نہیں بنایا، یہ ہے کہ بے شک تم اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہو اور تم میری ولادت سے بعثت تک میری صداقت وامانت کے بارے میں بھی خوب جانتے ہو، تم نے کبھی مجھ پر ذرا بھی تنقید نہیں کی جس کی وجہ سے تمھیں میرے بارے میں کوئی شبہ ہو یا مجھ میں کوئی عیب نکال سکو، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿16﴾ ﴾ ''(اے نبی! کہہ دیجیے) کہ بے شک میں نے (نبوت سے پہلے) تمھارے اندر ایک عمر گزاری ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔'' یعنی کیا تم میں عقل نہیں ہے جس کے ساتھ تم حق وباطل میں فرق کر سکو؟

اسی لیے ہرقل شاہِ روم نے جب نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کچھ سوال پوچھے تھے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا: دعوائے نبوت سے قبل تم نے ان پر جھوٹ کا کبھی کوئی الزام لگایا تھا؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ جی نہیں، حالانکہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت کافروں کے سردار اور مشرکوں کے سربراہ تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ کی صداقت کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے وَالۡفَضۡلُ مَا شَهِدَتۡ بِهِ الۡأَعۡدَاءُ ''اور خوبی وہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں۔'' ابوسفیان کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے ہرقل نے کہا: مجھے معلوم ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کے معاملے میں تو جھوٹ نہ بولیں مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ جھوٹ بولنے لگ جائیں۔ ①

اسی طرح جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جن کی صداقت وامانت اور جن کے نسب کو ہم خوب جانتے ہیں۔ ② اور آپ ﷺ نے نبوت سے قبل چالیس برس کا عرصہ

① ملخص از صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللّٰه......؟ حدیث: 7 ودلائل النبوة للبیهقی، باب الهجرة الأولی إلی الحبشة......:302/2. ② مسند أحمد:202/1 ودلائل النبوة للبیهقی، باب الهجرة الأولی إلی الحبشة ثم الثانیة ......:302/2 والسیرة النبویة لابن هشام، باب إحضار النجاشی للمهاجرین......:336,335/1.

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿17﴾﴾

پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا؟ بے شک مجرم فلاح نہیں پاتے ﴿17﴾

ان میں گزارا تھا۔ اور یہی مشہور اور صحیح ترین قول ہے۔

تفسیر آیت:17

نبوت کا جھوٹا دعویدار بہت بڑا ظالم ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی زیادہ ظالم و سرکش اور بڑا مجرم نہیں ہوسکتا، ﴿مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ''جو اللہ پر جھوٹ وافتراء باندھے۔'' اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہو تو ایسے شخص سے بڑھ کر نہ کوئی بڑا مجرم ہوسکتا ہے اور نہ بڑا ظالم۔ اس طرح کے شخص کا معاملہ تو نہایت غبی اور کند ذہن لوگوں پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسے شخص کا حال انبیاء کے ساتھ مشتبہ ہو جائے۔ جو شخص بھی ایسی بات کرے، خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا تو اللہ تعالیٰ اس کے سچے یا جھوٹے ہونے کے ایسے دلائل مہیا فرما دیتا ہے جو اظہر من الشّمس ہوتے ہیں، مثلاً: اگر کوئی شخص ایک طرف رسولِ رحمت محمد ﷺ کا مشاہدہ کرے اور دوسری طرف مُسَیلمہ کذاب کو دیکھے تو اسے دونوں میں فرق اس سے بھی زیادہ واضح نظر آئے گا جیسے آفتاب نصف النہار کی روشنی اور شب دَیجور کی تاریکی میں فرق ہوتا ہے۔ جس شخص میں ادنیٰ سی بھی بصیرت ہو وہ عادات واطوار اور کردار و گفتار ہی سے یہ معلوم کرلے گا کہ رسولِ اکرم حضرت محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور مسیلمہ کذّاب، سَجاح اور اسود عنسی جھوٹے اور کذاب ہیں۔

یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو قدوم مَیمَنَت لزوم سے نوازا تو لوگ دیوانہ وار آپ کے استقبال کے لیے دوڑے، میں بھی انھی لوگوں میں شامل تھا جوں ہی میری نظر آپ کے چہرۂ اقدس پر پڑی تو مجھے فوراً معلوم ہوگیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا اور سب سے پہلے آپ کی کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان مبارک سے میں نے جو الفاظ سنے وہ یہ تھے: [(يَا أَيُّهَا النَّاسُ!) أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا (بِاللَّيْلِ) وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ] ''اے لوگو! سلام پھیلاؤ (کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کہا کرو) اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی سے کام لو اور رات کو اس وقت نماز پڑھا کرو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو (ان کاموں کے کرنے کی وجہ سے) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''[1]

ضِمام بن ثَعلَبہ جب اپنی قوم بنوسعد بن بکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ سے جو گفتگو کی اس میں یہ بات بھی تھی کہ اس نے پوچھا: آسمان کو کس نے بلند کیا؟...... آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ] ''اللہ نے'' اس نے

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب حديث: أفشوالسلام، حديث: 2485 جبکہ قوسین والا جملہ سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في قيام الليل، حديث: 1334 میں ہے۔ و مسند أحمد: 451/5 واللفظ له.

پوچھا: ان پہاڑوں کو کس نے کھڑا کیا؟ اور جو ان پہاڑوں میں رکھا ہے جو رکھا ہے؟ فرمایا: [اَللّٰهُ] ''اللہ نے'' پھر اس نے پوچھا کہ اس زمین کو کس نے بچھایا؟ آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ] ''اللہ نے'' اس نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آسمان کو بلند کیا، پہاڑوں کو (زمین میں) نصب کیا اور زمین کو بچھایا، کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُمَّ! نَعَمْ] ''جی ہاں! اللہ کی قسم!'' پھر اس نے آپ سے نماز، زکاۃ، حج اور روزے کے بارے میں بھی سوالات پوچھے اور وہ ہر سوال اسی طرح کی قسم دے کر پوچھتا تھا تو رسول اللہ ﷺ بھی قسم ہی کے ساتھ اسے جواب دیتے تھے (اپنے تمام سوالات کے جواب سے مطمئن ہوکر) اس نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ اس ذات اقدس کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں ان باتوں میں کوئی اضافہ کروں گا نہ کمی۔① اس شخص نے محض انھی سوالات و جوابات پر اکتفا کیا اور اسے ان دلائل و براہین سے جن کا اس نے مشاہدہ کیا تھا، آپ ﷺ کی صداقت کا پورا پورا یقین ہو گیا۔

''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'': مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ ایک بار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسیلمہ کے پاس گئے جو کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کے دوست تھے اور ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، مُسَیلِمہ نے کہا: عمرو! یہ بتاؤ کہ تمھارے ساتھی پر اب کیا نازل ہوا ہے؟ یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر تازہ وحی کیا نازل ہوئی ہے۔ عمرو نے جواب دیا کہ میں نے آج کل آپ ﷺ کے صحابہ کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا ہے جو اگرچہ ایک چھوٹی سی سورت ہے مگر ہے بہت عظیم الشان! مسیلمہ نے پوچھا: وہ کونسی سورت ہے؟ عمرو نے کہا: ﴿ وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ ...... ﴾ (العصر 103:1,2) تو مسیلمہ نے کچھ دیر غور و فکر کیا، پھر کہنے لگا کہ اس طرح کی ایک سورت تو مجھ پر بھی نازل ہوئی ہے، عمرو نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ وہ سورت یہ ہے: يَا وَبْرُ! يَا وَبْرُ! إِنَّمَا أَنْتَ أُذُنَانِ وَصَدْرٌ، وَّسَائِرُكَ حَقْرٌ نَقْرٌ. ''اے جنگلی چوہے! اے جنگلی چوہے! تیرے دو کان اور ایک سینہ ہے اور باقی تیرا سارا جسم حقیر، بے ہنگم اور بے ڈول ہے۔'' پھر اس نے کہا کہ عمرو! اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے۔ عمرو نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! یہ بات تو تجھے بھی معلوم ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ تو سراسر جھوٹ بولتا ہے۔②

اس واقعہ کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس وقت عمرو بن عاص مشرک تھے مگر حالتِ شرک میں بھی انھیں ذرہ بھر شبہ نہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور مسیلمہ ملعون کذاب ہے تو اصحاب دانش و بینش اور اربابِ عقل و بصیرت سے یہ بات کس طرح مخفی رہ سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ ﴾ (الأنعام 93:6) ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا یہ کہے کہ میری طرف وحی کی گئی، حالانکہ اس کی طرف کوئی شے بھی وحی نہ کی گئی ہو اور جو یہ کہے کہ جو اللہ نے

① ماخوذ از صحيح البخاري، العلم، باب ماجاء في العلم، حديث: 63 و صحيح مسلم، الإيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام، حديث: 12، مزید دیکھیے زاد المعاد: 647/3. ② البداية والنهاية، مقتل مسيلمة الكذاب لعنه الله: 331/6.

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

اور وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نقصان دیتی ہیں اور نہ نفع دیتی ہیں، اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

ہیں۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمانوں میں نہیں جانتا اور نہ زمین میں؟ وہ پاک اور بلند ہے ان سے جن کو وہ شریک

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

ٹھہراتے ہیں⑱ اور پہلے لوگ ایک ہی امت تھے، پھر انھوں نے (باہم) اختلاف کیا، اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲

سے طے ہو چکی ہے تو ان میں اس چیز کے متعلق یقیناً فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں⑲

نازل کیا ہے میں بھی اس جیسا نازل کروں گا۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰﴾ ''تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اور اس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ بے شک مجرم فلاح نہیں پائیں گے۔'' اس طرح جو شخص اس حق کی تکذیب کرے جسے اللہ کے پیغمبر لے کر آئے ہیں اور اس حق کی تائید میں دلائل و براہین بھی موجود ہوں تو اس سے بڑا ظالم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

تفسیر آیات: 19,18

مشرکوں کا اپنے خداؤں کے بارے میں اعتقاد: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر جھوٹے خداؤں کی بھی عبادت شروع کر دی تھی اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت ان کے کام آئے گی، ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ تو نفع و نقصان یا کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور ان کے بارے میں جو لوگ اس قسم کے عقائد رکھتے ہیں، ان میں سرے سے ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں اور نہ کبھی آئندہ ہوگی، اسی لیے فرمایا: ﴿قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایسی خبر بتاتے ہو جو کبھی نہ آسمانوں میں ہو سکتی ہے اور نہ زمین میں۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کو ان کے شرک اور کفر سے پاک قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱﴾ ''وہ پاک ہے اور (اس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔''

شرک ایک نئی ایجاد ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شرک ایک نئی ایجاد ہے، پہلے لوگوں میں شرک نہیں تھا اور سب لوگ ایک ہی دین، یعنی دین اسلام پر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کی دس

[1] تفسیر الطبری: 129/11.

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ

اور وہ کہتے ہیں: اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ تو آپ کہہ دیجیے: یقیناً غیب تو اللہ ہی کے لیے ہے،

مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿20﴾ ع 2/10/7

پھر تم انتظار کرو، بے شک میں (بھی) تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿20﴾

صدیوں کے سب لوگ دین اسلام پر تھے۔[1] پھر لوگوں میں اختلاف رونما ہو گیا اور بتوں، مجسموں اور شریکوں کی پوجا پاٹ کی جانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل اور قوی و مضبوط براہین کے ساتھ اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، ﴿ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ﴾ (الأنفال 42:8) ''تاکہ جو ہلاک ہو واضح دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے واضح دلیل سے زندہ رہے۔''

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ ''اور اگر ایک بات جو آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی۔'' یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ حجت پوری کیے بغیر کسی کو عذاب نہ دیتا اور یہ کہ اس نے مخلوق کو ایک محدود مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے تو اس اختلاف کی وجہ سے ان کا فیصلہ کر دیا جاتا جس سے وہ مومنوں کو کامیاب و کامران کر دیتا اور کافروں کو ناکام و نامراد ٹھہراتا ہے۔

تفسیر آیت: 20

مشرکوں کا نشانی کا مطالبہ: تکذیب کرنے، ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لینے والے یہ کافر کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی، نشانی سے ان کی مراد یہ تھی جیسا کہ قوم ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی گئی تھی یا تو ان کے لیے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا کر ان کی جگہ باغات بنا دیے اور نہریں جاری کر دی جائیں یا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس طرح کی کوئی اور نشانی دکھا دے۔[2] (اللہ تعالیٰ اس طرح کی نشانیاں دکھانے پر قادر ہے) لیکن وہ اپنے تمام افعال و اقوال میں حکمت سے کام لیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا

[1] یہ الفاظ الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 42/1 میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ اور تفسیر الطبری: 455/2 میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ منقول ہیں: كَانَ بَيْنَ نُوحٍ وَّ آدَمَ عَشَرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ ''حضرت نوح اور آدم علیہما السلام کے مابین دس صدیوں یا نسلوں کا فاصلہ ہے۔ وہ سب کے سب شریعتِ حقہ پر (کاربند) تھے۔'' صحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر الإخبار عما کان بین آدم و نوح: 69/14، حدیث: 6190 میں اس معنی کی مرفوع روایت بھی ہے جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آیا آدم علیہ السلام پیغمبر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ مُكَلَّمٌ] ''ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی فرمایا تھا۔'' وہ پھر پوچھنے لگا کہ حضرت آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [عَشَرَةُ قُرُونٍ] ''دس صدیاں یا نسلیں۔'' مزید دیکھیے المستدرک للحاکم، التفسیر، باب من سورۃ البقرۃ: 262/2، حدیث: 3039. [2] مزید دیکھیے بنیٓ إسرآءیل 17:90-93.

لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيۡرًا ﴿ (الفرقان 11,10:25) ''وہ (اللہ) بہت بابرکت ہے وہ اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دے (یعنی) باغات جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، نیز آپ کے محل بنا دے بلکہ یہ تو قیامت ہی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے بھڑکتا دوزخ تیار کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 59:17) ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمودیوں کو بطور واضح نشانی کے اونٹنی دی لیکن انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔''

پیغمبر رحمت ﷺ کا حلم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری سنت یہ ہے کہ جب میں لوگوں کے مطالبے پر کوئی نشانی بھیج دوں اور وہ اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں تو بہت بہتر ورنہ میں انھیں بہت جلد اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہوں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ ان لوگوں کو ان کے مطالبے کے مطابق نشانیاں دکھا دی جاتی ہیں اور نشانیاں دیکھ کر بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو انھیں عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا یا نشانیاں دکھانے کے بجائے انھیں مہلت دے دی جاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا تھا کہ انھیں مہلت دے دی جائے، اسی طرح اور بھی کئی ایک مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حلم و بردباری اور دور اندیشی کا معاملہ فرمایا تھا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے جواب میں یہ فرما دیں: ﴿ فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَيۡبُ لِلّٰهِ ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ غیب (کا علم) تو اللہ ہی کو ہے۔'' یعنی تمام امور و معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی ان کے انجام کو جانتا ہے۔

سب سے بڑی نشانی: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۲۰﴾ ﴾ ''چنانچہ تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔'' یعنی اگر تم اس وقت تک ایمان نہیں لاؤ گے جب تک اپنے سوال کے مطابق نشانی نہ دیکھ لو تو پھر میرے اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ ان کافروں کی محض ہٹ دھرمی تھی کیونکہ یہ تو (اب) اپنے اس سوال سے بھی بڑی نشانی اس سے پہلے اس وقت دیکھ چکے تھے جب آپ نے ان کی موجودگی میں انھی کے مطالبے پر چودھویں رات کے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا تھا، ایک ٹکڑا (حراء) پہاڑ کے پیچھے تھا اور دوسرا دوسری طرف۔[2] یہ ان تمام زمینی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی تھی جن کا انھوں نے سوال کیا تھا یا ان کے بارے میں سوال

---

[1] جیسا کہ طائف کے سفر میں ہوا، دیکھیے صحيح البخاري، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم آمين والملائكة في السماء ......، حديث: 3231 و صحيح مسلم، الجهاد......، باب مالقي النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث: 1795.

[2] واقعۂ شقِ قمر کے لیے دیکھیے صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴾ ...... (القمر 2,1:54)، حديث: 4864 و صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب انشقاق القمر، حديث: 2800 عن عبدالله بن مسعود ﷺ.

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ط

اور جب ہم (ان کافر) لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں میں ان کے لیے چالیں ہوتی

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ط اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿21﴾ هُوَ الَّذِيْ

ہیں (جو وہ چلتے ہیں)، کہہ دیجیے: اللہ سب سے تیز تر ہے چال (چلنے) میں۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھتے جاتے ہیں جو تم مکر و فریب

يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ج وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ

کرتے ہو ﴿21﴾ وہی ہے (اللہ) جو تمھیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے، حتی کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں (سواروں کو) پاکیزہ (موافق) ہوا

طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

کے ساتھ لیے چلتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں، تو اچانک ان (کشتیوں) پر طوفانی ہوا آ پہنچتی ہے اور لہریں ان پر ہر طرف سے امڈ آتی ہیں اور

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ لا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ

وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ (طوفان میں) گھیر لیے گئے ہیں (تو اس وقت) خالص اللہ ہی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں کہ اگر تو نے

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿22﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

ہمیں اس (طوفان) سے نجات دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ﴿22﴾ پھر جب اس (اللہ) نے انھیں نجات دے دی تو وہ فوراً ہی

الْحَقِّ ط يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ لا مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ز ثُمَّ اِلَيْنَا

زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمھاری سرکشی (کا وبال) تمھاری (اپنی ہی) جانوں پر ہے، (تم) دنیاوی زندگی کا فائدہ (اٹھا لو)، پھر

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿23﴾

تمھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم تمھیں بتائیں گے جو عمل تم کیا کرتے تھے ﴿23﴾

نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے کے مطابق نشانیاں کیوں نہیں نازل فرمائیں، اگر اس وقت بھی ان کا مطالبہ رہنمائی اور دین میں ثابت قدمی کے لیے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو یہ نشانیاں دکھا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان کا یہ مطالبہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر ہے اور ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾ (یونس 10:96,97) ''یقیناً جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ...... ﴾ الآية (الأنعام 6:111) ''اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کرتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہاں، اگر اللہ ہی چاہے (تو اور بات ہے۔)......'' کیونکہ ان میں ضد اور ہٹ دھرمی بہت زیادہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا

اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا...... الآية (الحجر15:14,15) ''اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں اور یہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں، تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بند کر دی گئی ہے......'' اور فرمایا: وَاِنۡ یَّرَوۡا کِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡکُوۡمٌ ○ (الطور52:44) ''اور اگر یہ آسمان (سے عذاب) کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تب بھی کہہ دیں گے کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے۔'' اور فرمایا: وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَیۡكَ کِتٰبًا فِیۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ بِاَیۡدِیۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ○ (الأنعام6:7) ''اور اگر ہم آپ پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے، پھر یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف) صریح جادو ہے۔'' یعنی یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ انھیں ان کے سوالوں کا جواب دیا جائے کیونکہ انھیں جواب دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کا کوئی نتیجہ نہیں، اس لیے کہ اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے یہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی ہی پر جمے رہیں گے، اسی لیے فرمایا: فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّیۡ مَعَکُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ⑳ ''چنانچہ تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

تفسیر آیات:21-23

تکلیف کے بعد راحت آنے پر انسان کا بدل جانا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جب لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد اپنی رحمت سے آسائش کا مزہ چکھا دیتا ہے، مثلاً: تنگ دستی کے بعد خوش حالی، قحط سالی کے بعد رزق کی فراوانی اور خشک سالی کے بعد بارانِ رحمت سے نواز دیتا ہے تو اِذَا لَهُمۡ مَّکۡرٌ فِیۡۤ اٰیَاتِنَا ؕ ''تب وہ ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔'' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مذاق اڑانے اور تکذیب کرنے لگتے ہیں۔[1] جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ کَاَنۡ لَّمۡ یَدۡعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ (یونس10:12) ''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو پہلو کے بل (لیٹا) یا بیٹھا یا کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔''

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی جبکہ اس رات بارش ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: [هَلۡ تَدۡرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمُ (اللَّیۡلَةَ) ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَعۡلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصۡبَحَ مِنۡ عِبَادِی مُؤۡمِنٌ بِی وَکَافِرٌ، فَأَمَّا مَنۡ قَالَ: مُطِرۡنَا بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَرَحۡمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤۡمِنٌ بِی وَکَافِرٌ بِالۡکَوۡکَبِ، وَأَمَّا مَنۡ قَالَ: مُطِرۡنَا بِنَوۡءِ کَذَا وَکَذَا، فَذٰلِكَ کَافِرٌ بِی مُؤۡمِنٌ بِالۡکَوۡکَبِ] ''کیا تم جانتے ہو کہ (آج رات) تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے بندوں میں سے کچھ مومن اور کچھ کافر ہو گئے ہیں جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہم پر بارش ہوئی ہے تو وہ مومن ہیں اور جنھوں نے یہ کہا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے تو ان کا میرے ساتھ کفر اور ستارے کے

[1] تفسیر الطبری:130/11.

ساتھ ایمان ہے۔''[1]

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ تدبیر کرنے میں تیز تر ہے۔'' یعنی وہ بہت زیادہ مہلت دے دیتا ہے حتی کہ مجرم لوگ یہ گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ انھیں عذاب نہیں دے گا، حالانکہ درحقیقت انھیں مہلت دی گئی ہوتی ہے، پھر وہ اچانک اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ جاتے ہیں، کراماً کاتبین نے ان کے تمام افعال لکھ رکھے ہوتے ہیں، پھر وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے بڑے، ذرہ بھر اور معمولی، الغرض! تمام اعمال کے مطابق انھیں بدلہ دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ﴾ ''وہی تو ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔'' یعنی خشکی اور دریا میں تمھاری حفاظت کرتا اور تمھیں اپنی نگہداشت میں رکھتا ہے، ﴿حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾ ''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں۔'' کہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہے ہیں وہ اسی کیفیت میں ہوتے ہیں، ﴿جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ ''تو ناگہاں زنّاٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے ان (کشتیوں) پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں۔'' اور دریا اور سمندر ان پر ٹوٹ پڑتا ہے، ﴿وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ﴾ ''اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بلاشبہ (اب تو لہروں میں) انھیں گھیر لیا گیا ہے۔'' یعنی ہلاک ہو گئے، ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ ''(تو اس وقت) اطاعت و فرماں برداری اللہ کے لیے خاص کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں۔'' یعنی اس وقت کسی صنم یا بت سے دعا نہیں کرتے بلکہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے حضور گڑگڑاتے اور اس سے دعا مانگتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا۝﴾ (بنيٓ إسرآءيل 67:17) ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ ''(تو اس وقت) اطاعت و فرماں برداری اللہ کے لیے خاص کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں کہ (اے اللہ!) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم ضرور (تیرے) شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔'' یعنی اگر تو نے اس حالت سے نجات دی، تو ہم کسی کو تیرا شریک نہیں بنائیں گے، صرف تیری ہی عبادت کریں گے جیسا کہ اب صرف تجھ ہی سے دعا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ﴾ ''پھر جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے۔''

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب: يستقبل الإمام الناس......، حديث: 846 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، حديث: 71 و اللفظ له عن زيد بن خالد الجُهَني ﷺ اور قوسین والا لفظ سنن النسائي، الاستسقاء، باب كراهية الاستمطار بالكوكب، حديث: 1526 میں ہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا

بے شک دنیاوی زندگی کی مثال تو اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کی نباتات مل جل گئیں جس میں سے

يَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ

انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، حتی کہ جب زمین نے اپنی رونق پکڑی اور مزین ہو گئی اور زمین والوں نے سمجھا کہ بے شک وہ اس (فصل کاٹنے)

اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ

پر قادر ہیں تو اس کو ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کو (اچانک) آ گیا، چنانچہ ہم نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا، گویا کل وہ تھی ہی نہیں، اسی طرح ہم

بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿24﴾ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ

(اپنی) آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿24﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے، اور وہ جسے

وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿25﴾

چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے ﴿25﴾

اس مشکل سے ﴿اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ﴾ ”تو وہ زمین میں فوراً ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔“ گویا پہلے کچھ ہوا ہی نہیں تھا (اسی لیے فرمایا:) ﴿مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ﴾ (یونس 12:10) ”اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے کسی ایسی تکلیف پر جو اسے پہنچی تھی، ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ﴾ ”لوگو! یقیناً تمھاری سرکشی کا وبال تمھاری ہی جانوں پر ہوگا۔“ یعنی اپنی اس بغاوت کا مزہ تم خود ہی چکھو گے اور اس سے کسی اور کو نقصان نہیں پہنچا سکو گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ ، مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ] ”ظلم و زیادتی اور قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا ارتکاب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جلد سزا دے اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی عذاب دے۔“[1]

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؗ﴾ یعنی تمھارے لیے اس حقیر و ذلیل اور گھٹیا دنیا ہی کی زندگی میں فائدہ ہے۔ ﴿ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ﴾ ”پھر تمھارا لوٹنا ہماری طرف ہی ہے۔“ یعنی تمھارا انجام اور ٹھکانا ہمارے پاس ہی ہے۔ ﴿فَنُنَبِّئُكُمۡ﴾ ”پھر ہم تم کو بتائیں گے۔“ ہم تمھیں تمھارے اعمال کے بارے میں بتائیں گے اور ان کے مطابق تمھیں بدلہ دیں گے۔ جو شخص خیر و بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جو کسی اور صورت حال سے دوچار ہو تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔[2]

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، حديث:4902 و جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في عظم الوعيد على البغي......، حديث:2511 واللفظ له وسنن ابن ماجه، الزهد، باب البغي، حديث:4211 عن أبي بكرة ﷺ. [2] یہ اقتباس صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2577 سے لیا گیا ہے۔

تفسیر آیات : 25,24

دنیاوی زندگی کی مثال: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی سج دھج اور زیب و زینت، پھر اس کے جلد ختم اور زوال پذیر ہو جانے کی مثال اس نبات سے دی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے ساتھ اگایا جسے اس نے آسمان سے برسایا اور مختلف انواع و اقسام کی ان فصلوں اور پھلوں کو پیدا فرمایا جنھیں انسان کھاتے ہیں، نیز اس نے چارا وغیرہ بھی اگایا جسے حیوان کھاتے ہیں۔ ﴿ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَہَا وَ ازَّیَّنَتۡ ﴾ ''یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی۔'' اور گلہائے رنگارنگ بہار دکھانے لگے ﴿ وَ ظَنَّ اَہۡلُہَاۤ ﴾ ''اور زمین والوں نے خیال کیا۔'' جنھوں نے اسے کاشت کیا تھا: ﴿ اَنَّہُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡہَاۤ ۙ ﴾ ''بے شک وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔'' اور وہ جلد ہی فصلوں اور پھلوں کو حاصل کر لیں گے مگر اچانک زبردست طوفان یا شدید آندھی یا زبردست یخ بستہ ہوا چلتی ہے جو پتوں کو خشک اور پھلوں کو تلف کر دیتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَتٰىہَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَہَارًا فَجَعَلۡنٰہَا حَصِیۡدًا ﴾ ''ناگہاں رات کو یا دن کو اسے ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اسے کاٹ ڈالا۔'' اور سرسبزی و شادابی کے بعد اسے اس طرح خشک کر دیا، ﴿ کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ ﴾ ''گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔'' گویا اس سے پہلے وہاں کسی سرسبزی و شادابی کا کوئی نام و نشان ہی نہ تھا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گویا وہاں کسی نعمت کا وجود ہی نہ تھا۔[1]

اور زوال پذیر ہو جانے کے بعد امور یوں ہی محسوس ہوتے ہیں کہ گویا کبھی موجود ہی نہ تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [يُؤْتٰى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً، ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللّٰهِ! يَا رَبِّ! وَيُؤْتٰى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا ، مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟...... فَيَقُولُ: لَا،......] ''قیامت کے دن جہنمیوں میں سے دنیا کے سب سے زیادہ خوش حال شخص کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی خیر و بھلائی دیکھی ہے؟ کیا کبھی کوئی نعمت تیرے پاس سے بھی گزری ہے؟ تو وہ جواب دے گا: نہیں، اللہ کی قسم! اے میرے رب! اس کے بعد ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو اہل جنت میں سے ہوگا جس کی دنیا کی زندگی تنگ حالی میں گزری ہوگی، اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کوئی تکلیف دیکھی ہے......؟ وہ کہے گا: نہیں......۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہلاک شدہ اقوام کے بارے میں بھی فرمایا ہے: ﴿ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۙ۝ کَاَنۡ لَّمۡ

[1] تفسیر الطبری :135/11. [2] صحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب صبغ أنعم أهل الدنیا......، حدیث:2807 ومسند أحمد :203/3 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، تفسیر ابن کثیر میں [صبغ] کے تمام صیغوں کے بجائے [غمس] کے صیغے ہیں، اس کے لیے دیکھیے سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة النار، حدیث:4321 .

يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ (هود 11:68,67) ''تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے گویا (کبھی) ان میں بسے ہی نہ تھے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔'' یعنی دلائل و براہین بیان کرتے ہیں، ﴿ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو غور کرنے والے ہیں۔'' تاکہ وہ اس مثال سے دنیا کے دنیا والوں سے جلد زوال پذیر ہو جانے سے عبرت حاصل کریں۔

مگر دنیا والے دنیا کے بارے میں فریب خوردہ ہیں اور یہاں ڈیرے جمائے اور اس دنیا پر اعتماد کیے ہوئے ہیں، حالانکہ دنیا کی عادت یہ ہے کہ یہ اس سے بھاگتی ہے جو اس کا طلب گار ہو اور جو اس سے بھاگے یہ اس کی طلب گار بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اور بھی کئی ایک مقامات پر دنیا کے جلد فانی اور زوال پذیر ہو جانے کی مثال زمین کی نباتات کے ساتھ بیان فرمائی ہے، مثلاً: سورۂ کہف میں فرمایا: ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ ﴾ (الكهف 18:45) ''اور ان سے دنیاوی زندگی کی مثال بھی بیان کر دیجیے (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی، پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' سورۂ زمر[1] اور سورۂ حدید[2] میں بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی مثال اسی طرح بیان فرمائی ہے۔

غیر فانی نعمتوں کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ ﴾ ''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔'' جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کے جلد فنا اور زوال پذیر ہونے کا ذکر فرمایا تو اب جنت کی ترغیب دی اور اس کی طرف دعوت دی ہے اور اسے دارالسلام کے نام سے موسوم فرمایا ہے، یعنی ایسا گھر جو آفتوں، مصیبتوں اور نقائص سے سلامتی میں ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿25﴾ ﴾ ''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا:

[إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ جِبْرَائِيلَ عِنْدَ رَأْسِي، وَمِيكَائِيلَ عِنْدَ رِجْلَيَّ، يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اِضْرِبْ لَهُ مَثَلًا، فَقَالَ: اِسْمَعْ، سَمِعَتْ أُذُنُكَ، وَاعْقِلْ، عَقَلَ قَلْبُكَ، إِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ أُمَّتِكَ كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَارًا، ثُمَّ بَنٰى فِيهَا بَيْتًا، ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً، ثُمَّ بَعَثَ رَسُولًا يَدْعُو النَّاسَ إِلٰى طَعَامِهِ، فَمِنْهُمْ مَنْ أَجَابَ الرَّسُولَ، وَمِنْهُمْ مَنْ تَرَكَهُ، فَاللّٰهُ الْمَلِكُ ، وَالدَّارُ الْإِسْلَامُ، وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ، وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ! رَسُولٌ، فَمَنْ أَجَابَكَ دَخَلَ الْإِسْلَامَ، وَمَنْ دَخَلَ الْإِسْلَامَ دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَكَلَ مِنْهَا]

''میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ جبریل میرے سر کے پاس ہیں اور میکائیل میرے دونوں پاؤں کے پاس اور ان میں

① الآية:21. ② الآية:20.

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید (دیدارِ الٰہی) ہے، اور ان کے چہروں کو سیاہی اور ذلت نہیں ڈھانپے گی، یہی لوگ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿26﴾

جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿26﴾

سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ ﷺ کے لیے مثال بیان کیجیے تو اس نے کہا: سنیں آپ کے کان سنتے ہیں اور غور فرمائیں آپ کا دل سمجھتا ہے، آپ کی اور آپ کی امت کی مثال اس بادشاہ کی سی ہے جس نے ایک محل بنایا، پھر اس میں ایک گھر (کمرہ) بنایا، پھر اس گھر میں ایک دسترخوان سجایا، پھر ایک پیغمبر کو بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے دعوتِ طعام دے تو کچھ لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور کچھ نے انکار کر دیا، چنانچہ (اس مثال کی وضاحت یہ ہے کہ) اللہ بادشاہ ہے، محل اسلام ہے، گھر جنت ہے اور اے نبی (ﷺ!) آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو آپ کی دعوت کو قبول کرے گا، وہ اسلام میں داخل ہو جائے گا جو مشرف بہ اسلام ہو گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو جنت میں داخل ہو گیا تو وہ اس (جنت کی نعمتوں) سے شادکام ہو گا۔'' اس روایت کو امام ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[1]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ شَمْسُهُ إِلَّا وَبِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يَسْمَعُهُ خَلْقُ اللّٰهِ كُلُّهُمْ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلٰى رَبِّكُمْ، إِنَّ مَا قَلَّ وَكَفٰى، خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى، قَالَ: وَأَنْزَلَ ذٰلِكَ فِي الْقُرْآنِ فِي قَوْلِهِ] ''ہر روز جب اس دن کا سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں جو اعلان کرتے ہیں جسے جنوں اور انسانوں کے سوا اللہ تعالیٰ کی باقی ساری مخلوق سنتی ہے (وہ اعلان یہ ہے:) اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ! بے شک جو مال کم ہو اور کفایت کرے، وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غافل کر دے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿25﴾ ﴾ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت :26

نیکوکاروں کا اجر و ثواب: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ جس نے دنیا کی زندگی میں ایمان اور عمل صالح کو اختیار کیا، آخرت میں اس کے لیے ﴿ اَلْحُسْنٰى ﴾ ''خیر و بھلائی'' ہو گی جیسا کہ فرمایا: ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ ﴾ (الرحمٰن 60:55) ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ﴿ وَزِيَادَةٌ ؕ ﴾ ''اور (مزید برآں) اور بھی۔'' یعنی

[1] تفسیر الطبری: 137/11، مزید دیکھیے صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، حدیث: 7281 و جامع الترمذی، الأمثال، باب ماجاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ، حدیث: 2860. [2] تفسیر الطبری: 136/11 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1943,1942/6، مزید دیکھیے مسند أحمد: 197/5 لیکن یہاں آیت کے بجائے [اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً] کا ذکر ہے و المستدرك للحاکم، التفسیر: 445,444/2، حدیث: 3662 .

اعمال صالحہ کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا کیا جائے گا۔ ① اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو جنت میں محلات، حوروں اور اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمائے گا، مزید برآں آنکھوں کو ٹھنڈک بخشنے والی ایسی ایسی نعمتوں سے مالا مال کرے گا جو ان سے چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ ② جنت کی تمام نعمتوں سے سب سے افضل اور اعلیٰ نعمت دیدارِ الٰہی کی سعادت ہو گی، اس عظیم الشان نعمت کے مقابلے میں جنت کی دیگر تمام نعمتیں ہیچ ہوں گی۔ اہل جنت اپنے کسی عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے اس نعمت کے مستحق قرار پائیں گے۔

دیدار الٰہی: ﴿زِيَادَةٌ ط﴾ سے دیدار الٰہی مراد ہے۔ اور اس کی یہ تفسیر حضرت ابوبکر صدیق، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ، عبدالرحمٰن بن سابط، مجاہد، عکرمہ، عامر بن سعد، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر کئی ائمۂ سلف و خلف رحمہم اللہ سے منقول ہے۔ ③

اور اس کے بارے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث مبارکہ بھی وارد ہیں، مثلاً: امام احمد نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط﴾...... اور فرمایا:

[إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ نَادٰى مُنَادٍ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَوْعِدًا يُّرِيدُ أَنْ يُّنجِزَكُمُوهُ فَيَقُولُونَ: وَمَا هُوَ؟ أَلَمْ يُثْقِلْ مَوَازِينَنَا وَيُبَيِّضْ وُجُوهَنَا وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَيُجِرْنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيُكْشَفُ لَهُمُ الْحِجَابُ، فَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، قَالَ: فَوَاللّٰهِ مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِّنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ، وَلَا أَقَرَّ لِأَعْيُنِهِمْ]

''جب اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا کہ اے جنت والو! اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا اور اب وہ اس وعدے کو پورا فرمانا چاہتا ہے، جنتی عرض کریں گے: کون سا وعدہ؟ کیا اس نے ہمارے (نیک اعمال کے) وزنوں کو بھاری نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور جہنم سے بچا نہیں لیا؟ آپ نے فرمایا (کہ اہل جنت اس طرح تعجب کا اظہار کر رہے ہوں گے) کہ پردہ ہٹا دیا جائے گا اور وہ دیدار الٰہی کی سعادت سے فیض یاب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت میں کوئی بڑی سے بڑی نعمت بھی ایسی عطا نہیں فرمائی ہو گی جو انھیں دیدار الٰہی سے زیادہ پسند اور ان کی آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈک بخشنے والی ہو۔'' ④ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ اور محدثین کی ایک جماعت نے بھی اس حدیث کو اسی طرح

① ماخوذ از صحيح البخاری، الإيمان، باب حسن إسلام المرء، حديث: 42,41 وصحيح مسلم، الإيمان، باب إذاهم الإنسان بحسنة......، حديث: (128)-131. ② صحيح البخاری، التفسير، باب قوله: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ......﴾ (السجدة 32:17)، حديث: 4779. ③ تفسير الطبری: 11/137-142. ④ مسند أحمد: 4/333.

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ

اور جن لوگوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلہ اس (برائی) کے برابر ہی ہے اور انھیں ذلت ڈھانپ لے گی۔ کوئی انھیں اللہ (کے

اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

عذاب) سے بچانے والا نہیں ہوگا، یوں لگے گا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں، یہی (لوگ) دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿27﴾

ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿27﴾

بیان کیا ہے۔[1]

روز قیامت گرد وغبار اور سیاہیوں سے محفوظ، رونق افروز چہرے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ ﴾ ”اور ان کے مونہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی۔“ یعنی عرصۂ محشر میں ان لوگوں کے چہروں پر اس طرح کا کوئی غبار یا سیاہی نہیں ہوگی جس طرح کافروں اور فاجروں کے چہروں پر سیاہی اور غبار ہوگا۔ ﴿ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ ﴾ ”اور نہ رسوائی۔“ یعنی کسی قسم کی ذلت ورسوائی بھی نہیں ہوگی، الغرض! نہ باطنی طور پر انھیں کوئی پریشانی ہوگی اور نہ ظاہری طور پر بلکہ وہ اس طرح ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے: ﴿ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۚ﴾ (الدھر 11:76) ”تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائے گا۔“ یعنی ان کے چہروں پر تازگی ہوگی اور ان کے دلوں میں خوشی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل ورحمت کے ساتھ ہمیں بھی اپنے انھی بندوں میں سے بنا دے۔ آمین!

تفسیر آیت: 27

مجرموں کی سزا: اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے ان سعادت مند بندوں کا ذکر فرمایا جن کی نیکیوں کا بہت اچھا بدلہ بلکہ ان کی محنت سے بھی بڑھ کر صلہ دیا جائے گا اور اب ان بدبخت لوگوں کا ذکر کیا جارہا ہے جنھوں نے برے کام کیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی عدل کرے گا اور ان کی برائی کا بدلہ اتنا ہی دے گا جتنی برائی ہوگی، برائی کا بدلہ برائی سے زیادہ نہیں دے گا، ﴿ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ﴾ ”اور ان (کے چہروں) پر ذلت چھا جائے گی۔“ ان کے اپنے گناہوں اور ان (کی سزا) کے خوف کی وجہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ ﴾ (الشوریٰ 45:42) ”اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے، ذلت کے مارے جھکے جارہے ہوں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ڛ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ مُهْطِعِيْنَ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين فى الآخرة......، حديث: 181 وجامع الترمذى، صفة الجنة، باب ماجاء فى رؤية الرب تبارك وتعالى، حديث: 2552 والسنن الكبرىٰ للنسائى، التفسير، سورة يونس: 362,361/6، حديث: 11234.

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم ان لوگوں سے، جنھوں نے شرک کیا، کہیں گے: تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر

بَیْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿28﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ

ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تو کرتے ہی نہیں تھے ﴿28﴾ چنانچہ ہمارے اور تمھارے درمیان

اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿29﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

اللہ کافی گواہ ہے، بے شک ہم تمھاری عبادت سے بالکل غافل تھے ﴿29﴾ وہاں ہر نفس (شخص) جانچ لے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا تھا اور وہ اللہ کی

ع 3 10 8 مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿30﴾ ع

طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے، اور (وہ سب کچھ) ان سے گم ہو جائے گا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے ﴿30﴾

مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿﴾ (إبراهيم 43,42:14) ''اور آپ مت خیال کریں کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے بے خبر ہے، وہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جبکہ (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدانِ قیامت کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے، ان کی نگاہ اپنی طرف بھی نہ پھر سکے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔''

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ ﴾ ''کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ﴿﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿﴾ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ ﴿ِ﴾ الْمُسْتَقَرُّ ﴿﴾ ﴾ (القيمة 75:10-12) ''اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ جاؤں! ہرگز نہیں کہیں پناہ، اس روز پروردگار ہی کے پاس ٹھکانا ہے۔'' ﴿ كَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ۚ ﴾ ''یوں لگے گا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں۔'' یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آخرت میں ان کے چہرے کالے سیاہ پڑ جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿﴾ ﴾ (آل عمرٰن 3:106,107) ''جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے اللہ فرمائے گا:) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ تو (اب) اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿﴾ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿﴾ ﴾ (عبس 80:38-40) ''کتنے چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے، خنداں و شاداں (یہ نیکوکار ہیں) اور کتنے چہرے ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہوگی۔''

تفسیر آیات: 28-30

مشرکوں کے خداؤں کا مشرکوں سے اظہارِ براءت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ﴾ ''اور جس دن

ہم ان تمام کو جمع کریں گے۔'' یعنی روئے زمین کے تمام جنوں، انسانوں اور نیک و بدلوگوں کو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ (الکہف 47:18) ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' ﴿ ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ﴾ ''پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔'' یعنی تم اور تمھارے شریک ایک معین جگہ پر ٹھہر جاؤ اور مومنوں کے مقام سے الگ ہو جاؤ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ (یٰسٓ 59:36) ''اور مجرمو! تم آج الگ ہو جاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴾ (الروم 14:30) ''اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہو جائیں گے۔'' اور ایک دوسری آیت میں ہے: ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴾ (الروم 43:30) ''اس روز (سب) لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔'' یعنی دو جماعتوں میں بٹ جائیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تبارک و تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لیے آئے گا۔

اسی لیے تو اس امتیاز سے پہلے [1] مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی تلاش کر رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لیے تشریف لائے اور ہمیں اس مشکل مقام سے نجات دے جس میں ہم اس وقت کھڑے ہیں۔ [2] ایک دوسری حدیث میں ہے: [نَحْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى كَوْمٍ فَوْقَ النَّاسِ] ''ہم قیامت کے دن لوگوں سے بلند ایک ٹیلے پر ہوں گے۔'' [3]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ قیامت کے دن مشرکوں اور ان کے بتوں سے فرمائے گا: ﴿ مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ ''تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم ان میں تفرقہ ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تو کرتے ہی نہیں تھے۔'' یعنی وہ ان کی عبادت کا انکار کر کے ان سے براءت کا اظہار کر دیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ (مریم 82:19) ''ہرگز نہیں! وہ (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ﴾ (البقرۃ 166:2) ''جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ (الأحقاف 6,5:46) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب

---

[1] تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں یہاں بیاض ہے۔ اور تمام نسخوں میں بیاض سے پہلے قبل ذلك ہے، سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن باز رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر پر تعلیق میں اس کے متعلق بہت عمدہ اور اقرب توجیہ کی ہے کہ یہاں قبل ذلك ''اس امتیاز سے پہلے'' تھا۔ اور اسی توجیہ کے پیش نظر ہم نے ترجمہ بھی یہی کیا ہے۔ واللہ أعلم. [2] حدیث شفاعت دیکھیے صحیح البخاري، التفسیر، باب قول اللہ تعالی: ﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ﴾ (البقرۃ 31:2)، حدیث:4476 و صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة ......، حدیث:193 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ. [3] مسند أحمد:345/3، مزید دیکھیے صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة......، حدیث:191 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ.

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تمھیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

زندہ سے نکالتا ہے، اور کون ہے جو (دنیا کے) کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو وہ (کافر) ضرور کہیں گے: اللہ! تو کہہ دیجیے: کیا پھر تم (اللہ سے) ڈرتے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿31﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿32﴾

نہیں؟﴿31﴾ یہی تو اللہ جو تمھارا حقیقی رب ہے، پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر تم کدھر پھیرے جاتے ہو؟﴿32﴾ اسی طرح آپ کے رب کا

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾

کلمہ ان لوگوں کے بارے میں ثابت ہو کر رہا جنھوں نے نافرمانی کی کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿33﴾

نہ دے سکے جبکہ انھیں ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔''

معبودان باطلہ کی بابت فرمایا ہے کہ جب ان کی عبادت کرنے والے ان کی عبادت کا دعویٰ کریں گے تو معبودان باطلہ انھیں یہ جواب دیں گے: ﴿ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔'' یعنی ہمیں تو اس بات کا کوئی شعور اور علم ہی نہ تھا کہ تم ہماری عبادت کرتے رہے ہو اور ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ ہے کہ ہم نے تمھیں کبھی بھی اس بات کی دعوت نہیں دی تھی کہ تم ہماری عبادت کرو، ہم نے نہ کبھی تمھیں اس بات کا حکم دیا اور نہ ہم اس کو پسند ہی کرتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ﴾ ''وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کرلے گا۔'' یعنی روز قیامت حساب کے وقت ہر ہر شخص پرکھ لے گا اور جان لے گا کہ اس نے کون سے اچھے یا برے عمل آگے بھیجے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴾ (الطارق 9:86) ''جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۭ﴾ (القیٰمۃ 13:75) ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۭ ۝﴾ (بنیٓ إسرآءیل 14,13:17) ''اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اسے نکال دکھائیں گے، جسے وہ کھلا ہوا پائے گا (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ ''اور وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے۔'' یعنی ان کے تمام امور اللہ تعالیٰ حاکم و عادل کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ ان میں فیصلے فرمائے گا اور اس فیصلے کے نتیجے میں اہل جنت کو جنت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں پہنچا دے گا۔ ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿30﴾﴾ ''اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہے گا۔'' یعنی مشرکین اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتے

ہوئے اس کے سوا جن کی پوجا کرتے تھے، وہ سب ان پوجا کرنے والوں سے لاتعلق ہو کر چلتے بنیں گے۔

تفسیر آیات :31-33

مشرکین کا اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت کا اعتراف: مشرکین جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراف کو اپنی الوہیت میں یکتائی کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ ’’(اے نبی! ان سے) پوچھیے کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے۔‘‘ یعنی کون ہے جو آسمان سے بارانِ رحمت کو نازل فرماتا اور اس کے ذریعے سے اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ زمین کو پھاڑتا اور اس سے (یہ چیزیں) پیدا فرماتا ہے: ﴿ حَبًّا ۙ وَّ عِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ وَّزَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۙ وَّحَدَآىِٕقَ غُلْبًا ۙ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ ﴾ (عبس 80:27-31) ’’اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور پھل اور چارا۔‘‘ ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ ﴾ (النمل 27:60) ’’تو کیا اس اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟‘‘ بہر حال ان سے یہ سوال کیا جائے کہ تمہارا روزی رساں اور کون ہے۔ ﴿ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ ﴾ ’’تو یقیناً کہہ دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ ﴾ (الملك 67:21) ’’بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کرلے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟‘‘

اور اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ﴾ ’’(تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟‘‘ یعنی وہی تو ہے جس نے تمھیں یہ قوت سماعت اور یہ قوت بصارت عطا فرمائی ہے اور اگر وہ چاہے تو ان قوتوں کو سلب کر کے تمھیں ان سے محروم کر دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ...... ﴾ الآية (الملك 67:23) ’’کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان اور آنکھیں بنائیں ......‘‘ اور فرمایا: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ ﴾ (الأنعام 6:46) ’’(ان کافروں سے) کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمھارے کان اور آنکھیں چھین لے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے تو بتاؤ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں یہ (چیزیں) لا دے۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ﴾ ’’اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے اور جان دار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے؟‘‘ یہ اسی کی عظیم قدرت اور بہت بڑے احسان کی کرشمہ سازی ہے۔

ہر کوئی اللہ کے در کا سوالی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ ﴾ ’’اور (تمام) کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟‘‘ یعنی کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے؟ اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اور وہ کون حاکم ہے کہ جس کا تصرف اس کائنات میں اس طرح کارفرما ہے کہ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے کسی کام کے بارے میں سوال ہی کیا جا سکتا ہے جبکہ ان سب لوگوں سے باز پرس کی جائے گی جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ ﴾ (الرحمٰن 55:29) ’’آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، سب اسی سے

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

کہہ دیجیے: کیا تمھارے (بناوٹی) شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرے، پھر اسے لوٹا (دوبارہ پیدا کر) دے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی پہلی بار مخلوق

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿34﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ

کو پیدا کرتا ہے، پھر وہی لوٹائے گا، لہٰذا تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟﴿34﴾ کہہ دیجیے: کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہو؟

اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ

کہہ دیجیے: اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے، پھر کیا جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ (حق دار)

يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿35﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ

ہے جو خود ہدایت یافتہ نہیں، مگر یہ کہ اسے (حق کی) ہدایت دی جائے؟ چنانچہ تمھیں کیا ہوا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟﴿35﴾ اور ان (کافروں) میں سے اکثر

مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾

گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ بے شک گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں﴿36﴾

مانگتے ہیں، وہ ہر روز ایک شان میں ہوتا ہے۔'' عُلوی وسِفلی تمام کائنات اور اس میں موجود ایک ایک چیز، خواہ وہ فرشتے ہوں، انسان ہوں یا جن، سب اسی کی بارگاہ کے فقیر، اس کے بندے اور اسی کے حضور عاجزی اور انکسار کرنے والے ہیں۔

﴿ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ ﴾ یعنی جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو یہ جواب میں فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں، یعنی یہ جانتے اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ ﴿ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿31﴾ ﴾ یعنی پس کہہ دیجیے تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو کہ از راہِ جہالت محض اپنی رائے سے اس کے ساتھ غیروں کی بھی پوجا پاٹ کر رہے ہو۔ ﴿ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ ﴾ ''پس یہی اللہ تو تمھارا پروردگار برحق ہے۔'' جیسا کہ تم نے خود بھی اعتراف کیا کہ ان سب کاموں کو کرنے والا اللہ ہی ہے اور وہی تمھارا رب اور معبود حقیقی ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے، ﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ ﴾ یعنی اس کے سوا ہر معبود باطل ہے، معبود حقیقی صرف وہی وحدہ لاشریک ہی ہے۔ ﴿ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ''تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟'' یعنی اس کی عبادت چھوڑ کر غیروں کی تم کس طرح عبادت کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے بھی ہو کہ اسی رب العالمین نے ہر ہر چیز کو پیدا فرمایا اور ہر ہر چیز میں صرف اسی کا تصرف کارفرما ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ''اسی طرح اللہ کا ارشاد ان نافرمانوں پر ثابت ہو کر رہا کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' یعنی جس طرح ان مشرکین نے کفر کیا، اللہ کے ساتھ شرک کرتے اور غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے، حالانکہ یہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے تھے کہ وہی خالق، رازق اور کائنات میں وہ اکیلا ہی متصرف ہے، اسی نے اپنی توحید کی دعوت دینے کے لیے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، لہٰذا ان نافرمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ثابت ہو کر رہا کہ یہ بدبخت جہنم رسید ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

یہ خود ہی اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (الزمر 39:71)
''انھوں نے کہا: کیوں نہیں! اور لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا۔''

تفسیر آیات: 34-36

کیا معبودوں میں پیدا کرنے، لوٹانے اور ہدایت سے نوازنے کی صلاحیت ہے؟ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ جو شرک کیا اور غیر اللہ کی جو عبادت کی، اسے باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ ''(ان سے) پوچھیے کہ بھلا تمھارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار مخلوقات کو پیدا کرے، پھر اس کو لوٹائے۔'' یعنی کون ہے جس نے ان آسمانوں اور زمین کو پہلی بار پیدا کیا، پھر ان میں بہت سی مخلوقات کو پیدا کیا، آسمانوں اور زمین کے وجود کو الگ الگ کر دیا (اور پھر) ان میں موجود تمام چیزوں کو فنا کر کے ان کو بدل دے گا، پھر تمام مخلوق کو از سرِ نو پیدا فرمائے گا۔ ﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ ''کہہ دیجیے: اللہ!'' ہی ہے جو یہ سارے کام کرتا اور صرف وہی وحدہ لاشریک اور خود مختار ہے۔ ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾ ''لہٰذا تم کہاں بہکائے جا رہے ہو؟'' یعنی پھر تم رشد و بھلائی کے رستے کو چھوڑ کر باطل راہ کی طرف کیوں جا رہے ہو؟ ﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ ﴾ ''پوچھیے کہ بھلا تمھارے شریکوں میں کون ایسا ہے کہ حق کا رستہ دکھائے۔ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا رستہ دکھاتا ہے۔'' اور تم یہ خوب جانتے ہو کہ تمھارے شرکاء کسی گمراہ کو ہدایت دینے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ حیران و پریشان اور گمراہ لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہی اس بات پر قادر ہے کہ دلوں کو گمراہی سے رشد و بھلائی کی طرف پھیر دے۔ ﴿ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ ﴾ ''بھلا جو حق کا رستہ دکھائے، وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ کہ جب تک اسے رستہ نہ بتایا جائے، رستہ نہ پائے۔'' کیا بندہ اس کی پیروی کرے جو حق کی طرف رہنمائی کرے اور اندھے پن سے بصارت عطا فرمائے یا اس کی پیروی کرے جو کسی چیز کی طرف بھی راہنمائی نہ کر سکے اور وہ گونگا بہرہ ہونے کی وجہ سے خود اس بات کا محتاج ہو کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ ﴾ (مریم 19:42) ''اے میرے باپ! تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے؟'' اور انھوں نے اپنی قوم سے بھی یہ کہا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:95,96) ''تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے؟'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾ ''تو تم کو کیا ہوا ہے، کیسے فیصلے کرتے ہو؟'' یعنی تمھیں کیا ہوا ہے؟ تمھاری عقلیں کہاں چلی گئی ہیں؟ تم نے اللہ اور اس کی مخلوق کو برابر کیسے قرار دے دیا؟ تم نے خالق اور مخلوق کو ایک جیسا کیسے سمجھ لیا اور خالق کے ساتھ مخلوق کی عبادت کیوں شروع کر دی؟ تم نے رب تعالیٰ جل جلالہ، مالک، حاکم اور گمراہی سے ہدایت

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور یہ قرآن (ایسا) نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ توان کتابوں کی تصدیق (کرتا) ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور ان تمام کتابوں کی

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿37﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

تفصیل (بیان کرتا) ہے، اس میں کوئی شک نہیں، (یہ) رب العالمین کی طرف سے ہے ﴿37﴾ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے گھڑ لیا

بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿38﴾ بَلْ كَذَّبُوْا

ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تو تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور (اس میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو ﴿38﴾ بلکہ

بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

انھوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا اپنے علم سے وہ احاطہ نہ کر سکے اور ابھی تک اس کی اصل حقیقت بھی ان پر نہیں کھلی تھی، اسی طرح ان لوگوں نے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿39﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ

(بھی) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے، پھر دیکھیے ظالموں کا انجام کیسا ہوا! ﴿39﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور ان

ع 4/10 وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿40﴾ ع

میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب ان فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿40﴾

دینے والے ہی کو مستحق عبادت کیوں نہ سمجھا؟ صرف اسی کو کیوں نہ پکارا اور صرف اسی کی طرف رجوع کیوں نہ کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ جو دین اختیار کر رکھا ہے، اس کی ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے بلکہ ان کا سارا انحصار محض وہم و گمان پر ہے اور وہم و گمان تو انسان کے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾﴾ ''بے شک اللہ ان کے (سب) اعمال سے خوب واقف ہے۔'' یہ ان کے لیے زبردست سرزنش اور نہایت شدید وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے تمام اعمال سے واقف ہے اور وہ انھیں ان کی پوری پوری سزا دے گا۔

تفسیر آیات: 40-37

قرآن اللہ کا سچا کلام ہے: یہ قرآن مجید کے اعجاز کا بیان ہے اور اس بات کا ذکر کہ یہ انسانوں کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اس جیسا قرآن پیش کر سکیں، مکمل قرآن تو بہت دور کی بات ہے، وہ اس جیسی دس سورتیں [1] بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی نہیں بنا سکتے کیونکہ اس طرح کی فصاحت و بلاغت، اس طرح کی رعنائی و زیبائی اور جامع اختصار، اس طرح کی حلاوت و شیرینی اور ایسے معانی و مطالب کی وسعت پر مشتمل ہونا جو دنیا و آخرت میں نفع بخش ہوں، صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے جس کی ذات و صفات اور جس کے افعال و اقوال میں کسی بھی چیز کو ذرہ بھر مشابہت نہیں ہے، لہٰذا اس کا پاکیزہ کلام بھی مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتا، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو (اپنی طرف سے) بنا لائے۔'' یعنی اس طرح کا عظیم الشان

[1] دیکھیے ھود، آیت:13 کے ذیل میں۔

قرآن تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے، کسی بشر کے کلام میں یہ تاب ہی نہیں کہ وہ اس کی مشابہت اختیار کر سکے۔ ﴿ وَلٰكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ ﴾ ''اور لیکن (یہ اللہ کا کلام ہے) جو اس سے پہلے ہے اس کی تصدیق (کرتا) ہے۔'' یعنی سابقہ کتابوں کی۔ یہ ان پر نگہبان ہے اور ان میں جو تحریف، تاویل اور تبدیلی کی جا چکی ہے، اسے بیان کرتا ہے۔

﴿ وَتَفۡصِيۡلَ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿37﴾ ﴾ ''اور انھی کتابوں کی (اس میں) تفصیل ہے، اس میں کچھ شک نہیں، (یہ) رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔'' یعنی اس میں تمام احکام اور حلال و حرام کا شافی بیان ہے اور یہ بات بالکل حق، سچ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿38﴾ ﴾ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا بھی لو۔'' یعنی اگر تم نے افترا سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے اور تمھیں اس کے ''کتاب اللہ'' ہونے میں شک ہے اور جھوٹ بولتے ہوئے تم یہ کہہ رہے ہو کہ یہ محمد ﷺ کا کلام ہے تو محمد ﷺ تو تمھارے جیسے بشر ہیں، تمھارے باطل گمان کے مطابق اگر انھوں نے یہ قرآن بنایا ہے تو تم اس قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو اور ان تمام جنوں اور انسانوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو جن سے مدد لینا تمھارے لیے ممکن ہے۔

قرآن پاک کے چیلنج کا تیسرا مقام: قرآن مجید کا یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں چیلنج کیا اور یہ دعوت دی ہے کہ اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن مجید محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے بنایا ہے تو یہ سب کافر جسے انھوں نے تن تنہا بنایا ہے مل کر اس کا مقابلہ کر دکھائیں اور جن جن سے وہ اس سلسلے میں مدد لینا چاہیں بلا شک مدد بھی لے لیں، اس چیلنج کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے یہ پیش گوئی بھی کی ہے کہ وہ کبھی بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ انھیں اس بات کی قدرت ہی نہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 88:17) ''کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔'' پھر قرآن نے چیلنج میں اور تخفیف کر دی اور سورۂ ہود کے آغاز میں فرمایا کہ اس جیسی دس سورتیں ہی پیش کر کے دکھا دو۔

﴿ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ ﴾ (ھود 13:11) ''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنالیا ہے، کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنالاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو، بلا بھی لو۔'' پھر قرآن نے چیلنج میں اور کمی کر دی، لہٰذا یہاں اس سورت میں فرمایا کہ تم اس جیسی صرف ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو: ﴿ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿38﴾ ﴾ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے، کہہ

دیجیے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو، بلا بھی لو۔'' اسی طرح سورۂ بقرہ میں بھی جو مدنی سورت ہے یہ چیلنج کیا کہ اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی دی (جو قرآن مجید کا ایک دوسرا معجزہ ہے) کہ یہ کبھی بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ﴾ (البقرة 2:24) ''چنانچہ اگر تم نے (ایسا) نہ کیا اور ہرگز کر بھی نہیں سکو گے تو آگ سے بچو۔''

قرآن مجید ایک معجز نما کتاب ہے: قرآن نے عربوں کو یہ چیلنج دیا، فصاحت و بلاغت جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ان کے اشعار اور معلقات فصاحت و بلاغت کی انتہا تک پہنچے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک ایسی کتاب آئی کہ جس کے مقابلے کی ان میں سے کسی کو بھی تاب نہ تھی، ان میں سے جن لوگوں نے قرآن کی فصاحت و بلاغت، شیرینی و حلاوت، رعنائی و زیبائی، عمدگی و خوبی اور افادیت کو پہچان لیا تو وہ ایمان لے آئے، وہ قرآن کو زیادہ جانتے، پہچانتے، سمجھتے اور قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق نہایت سختی سے عمل کرتے تھے جیسا کہ جادوگری اور شعبدہ بازی سے واقفیت کی وجہ سے جادوگروں کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کام کر دکھایا ہے[1] یہ کسی جادوگر کا کام نہیں ہو سکتا، یہ تو ایسی شخصیت کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید اور مکمل رہنمائی حاصل ہے اور یہ (موسیٰ علیہ السلام) مرسل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی بشر کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ یہ کام کر دکھائے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ایک ایسے دور میں ہوئی جس میں طب اور علاج معالجے کا فن عروج پر تھا اور اس فن کے بہت سے ماہرین موجود تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے حکم سے برص اور جذام کے مریضوں کا علاج کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے[2] تو ان ماہرین طب نے اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ یہ کام طب اور علاج معالجے کے دائرے سے باہر ہے اور اسی سے انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ نَّبِیٍّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ إِلَّا وَقَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا آمَنَ عَلٰى مِثْلِهِ الْبَشَرُ ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ہر نبی کو ایسی نشانیاں عطا فرمائی گئیں کہ ان جیسی نشانیوں کو دیکھ کر لوگ ایمان لے آتے تھے، مجھے جو نشانی عطا فرمائی گئی ہے وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے، مجھے امید ہے کہ روز قیامت تمام انبیائے کرام کے پیروکاروں کی نسبت میری اتباع کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گی۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ ''بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) جس چیز

[1] دیکھیے الأعراف، آیات:106-126 وطٰہ، آیات:56-73 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے آل عمرٰن، آیات:49-52 والمآئدة، آیات:110،111 کے ذیل میں۔ [3] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب: کیف نزل الوحی......؟ حدیث:4981 وصحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد ﷺ......، حدیث:152 وشرح السنة، الفضائل، باب فضائل سید الأولین والآخرین محمد ﷺ......:13/195،196، حدیث:3615 واللفظ له عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے: میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔ تم اس سے بری ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور میں اس

تَعْمَلُوْنَ ﴿41﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا

سے بری ہوں جو تم عمل کرتے ہو ﴿41﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، پھر کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿42﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿43﴾

عقل نہ رکھتے ہوں؟ ﴿42﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، کیا پھر آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ وہ نہ دیکھتے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿44﴾

ہوں؟ ﴿43﴾ بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، مگر لوگ اپنے آپ پر (خود ہی) ظلم کرتے ہیں ﴿44﴾

کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔'' یعنی انھوں نے قرآن کی تکذیب کی ہے، حالانکہ انھوں نے ابھی اسے نہ سمجھا ہے اور نہ پہچانا ہے، ﴿ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ ﴾ ''اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔'' جب انھوں نے ازراہ جہالت و بے وقوفی قرآن کو جھٹلا دیا ہے تو یہ اس ہدایت اور دین حق سے محروم ہیں جس پر قرآن مشتمل ہے۔ ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، انھوں نے بھی تکذیب کی تھی۔'' یعنی پہلی امتوں کے لوگوں نے، ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿39﴾ ﴾ ''پھر دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا؟'' یعنی دیکھیے ہم نے انھیں اس وقت کس طرح ہلاک کر دیا تھا جب انھوں نے ظلم و زیادتی، کفر و سرکشی اور جہالت سے کام لیتے ہوئے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی تھی، لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والو! تم بھی ڈرو کہیں تمھارا انجام بھی انھی جیسا نہ ہو۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ﴾ ''اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) جن لوگوں کی طرف آپ بھیجے گئے ہیں، ان میں سے کچھ اس قرآن پر ایمان لے آئے ہیں، آپ کی اتباع کر رہے ہیں اور آپ کے لائے ہوئے دین سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ ﴾ ''اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔'' بلکہ کفر پر مرتے ہیں اور وہ کفر پر ہی اٹھائے جائیں گے۔

﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿40﴾ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار شریروں سے خوب واقف ہے۔'' اور وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے تو اسے وہ ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور ضلالت کا مستحق کون ہے تو اسے وہ گمراہی میں مبتلا رہنے دیتا ہے اور وہ عادل ہے، کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک سے اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہو، اس کی ذات پاک بابرکت، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ.

تفسیر آیات :41-44

مشرکوں سے اظہارِ براءت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ اگر یہ مشرک آپ کی تکذیب کریں تو آپ بھی ان مشرکوں اور ان کے عمل سے براءت کا اظہار کر دیں، ﴿ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا

عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ ...... ﴾ (الكٰفرون 2,1:109) ''(اے پیغمبر! ان منکرین اسلام سے) کہہ دیجیے کہ اے کافرو! جن کو تم پوجتے ہو، ان کو میں نہیں پوجتا......'' تا آخر سورت۔ اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے اپنی قوم کے مشرکوں سے کہا تھا: ﴿ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؗ ...... ﴾ الآية (الممتحنة 4:60) ''بے شک ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں......''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ ﴾ ''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔'' یعنی وہ آپ کے کلام بلاغت نظام کو، قرآن عظیم کو اور صحیح و فصیح، قلوب وابدان اور ادیان کے لیے نافع احادیثِ مبارکہ کو سنتے ہیں اور اسی میں بہت کفایت ہے لیکن اس سلسلے میں نہ آپ کا کوئی اختیار ہے اور نہ ان کا کیونکہ یہ آپ کی استطاعت میں نہیں ہے کہ بہروں کو سنا سکیں اور ان لوگوں کو ہدایت سے بہرہ ور کر سکیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرما دے۔ ﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ ﴾ ''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔'' یعنی ان میں سے بعض لوگ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شان و شوکت، حسن و جمال اور خلق عظیم سے اس قدر بہرہ وافر عطا فرمایا ہے کہ وہ اصحاب بصیرت و دانش کے لیے آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے لیکن یہ لوگ اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح دوسرے لوگ دیکھتے ہیں لیکن انھیں اس طرح ہدایت حاصل نہیں ہوتی جس طرح دوسروں کو حاصل ہوتی ہے، مومن تو آپ کی طرف نظر وقار سے دیکھتے ہیں جبکہ کافر نظر حقارت سے دیکھتے ہیں، (جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ﴿ وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ ...... ﴾ الآيتان (الفرقان 42,41:25) ''اور (اے نبی!) یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ہنسی ہی اڑاتے ہیں......''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کسی پر بھی قطعاً ظلم نہیں کرتا گو اس نے اس قرآن کے ساتھ بہت سے لوگوں کو ہدایت فرما دی، نابینا پن کے بجائے بصارت عطا فرما دی ہے، اندھی آنکھوں، بند کانوں اور پردوں میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دیا اور دوسرے بہت سے لوگوں کو اس نے گمراہ بھی رہنے دیا، وہ حاکم اور مالک و مختار ہے جو چاہے اپنی ملکیت میں تصرف فرمائے، وہ جو بھی کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ ان سب سے پوچھا جائے گا۔ اس ذات گرامی کا ہر ہر کام علم و حکمت اور عدل پر مبنی ہے، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''بے شک اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [يَا عِبَادِي ! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَ جَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا۔ إِلٰى أَنْ قَالَ فِي آخِرِهِ۔ يَا عِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ، ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا ، فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ] ''اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے اور تمھارے لیے بھی ظلم کو

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ

اور جس دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا (تو انھیں یوں لگے گا) جیسے وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہ رہے تھے۔ وہ باہم ایک دوسرے کو پہچان

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿45﴾

لیں گے۔ یقیناً وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا، اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے ﴿45﴾

حرام قرار دے دیا ہے، لہٰذا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اور اس حدیث قدسی کے آخر میں فرمایا کہ اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہیں جو میں تمھارے لیے شمار کر رہا ہوں پھر تمھیں ان کا پورا پورا بدلہ عطا کروں گا، جو شخص خیر و بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جو کسی اور صورت حال سے دوچار ہو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔'' اس مفصل روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیت:45

حشر میں احساس ہوگا کہ دنیا کی زندگی بہت مختصر تھی: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قیامت کے برپا ہونے اور قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہونے کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ﴾ ''اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ ﴾ (الأحقاف 35:46) ''جس دن یہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (خیال کریں گے کہ) گویا (دنیا میں) رہے ہی نہ تھے مگر دن کی ایک گھڑی۔'' اور فرمایا: ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 46:79) ''جس دن وہ اس کو دیکھیں گے تو (ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ۚۖ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:102-104) ''جس روز صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن گناہ گاروں کو اکٹھا کریں گے اور ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی (تو) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے ہو جو باتیں یہ کریں گے ہم خوب جانتے ہیں، اس وقت ان میں سے سب سے اچھے طریقے والا کہے گا کہ (نہیں بلکہ) صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔'' اور فرمایا ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الروم 30:55,56) ''اور جس دن قیامت ہوگی، مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) گھڑی بھر کے سوا نہیں ٹھہرے، اسی طرح وہ (دنیا میں) بہکے رہے۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے: یقیناً تم تو جیسا کہ اللہ کی کتاب (لوحِ محفوظ) میں ہے، دوبارہ اٹھانے کے دن (قیامت) تک ٹھہرے رہے، چنانچہ یہی دوبارہ اٹھنے کا دن ہے، لیکن تم تو (اسے حق

[1] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2577.

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ

اور (اے نبی!) اگر ہم ایسا کوئی عذاب آپ کو دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں، تو انھیں ہماری ہی طرف لوٹنا

عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿46﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

ہے، پھر اللہ ان کاموں پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿46﴾ اور ہر امت کا ایک رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آ گیا تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿47﴾

کر دیا گیا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ﴿47﴾

نہیں جانتے تھے۔''

یہ تمام آیات کریمہ اس بات کی دلیل ہیں کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی یہ زندگی بہت ہی مختصر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ○ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ○ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:112-114) ''(اللہ) پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے (اللہ) فرمائے گا (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے کاش! تم جانتے ہوتے۔'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''آپس میں ایک دوسرے کی شناخت بھی کریں گے۔'' یعنی بیٹے،[1] باپ اور دیگر رشتے دار ایک دوسرے کو اسی طرح پہچانتے ہوں گے جس طرح دنیا میں جانتے تھے لیکن ہر ایک پر نفسا نفسی کی کیفیت طاری ہوگی (اسی لیے تو فرمایا:) ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:101) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ وہ باہم سوال ہی کر سکیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚ ...... ﴾ الآيات (المعارج 70:10-15) ''اور کوئی گرم جوش دوست کسی دوست کا پرسانِ حال نہ ہوگا......۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ ﴾ (المطففين 83:10) ''ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔'' کیونکہ (حقیقت میں یہی لوگ ہیں) جنھوں نے ﴿ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ ﴾ (الزمر 39:15) ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو قیامت کے دن خسارے میں رکھا، خبردار! یہ کھلم کھلا خسارہ ہے۔'' اور اس سے بڑھ کر اور کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا کہ حسرت وندامت کے دن انسان اور اس کے پیاروں کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔

تفسیر آیات: 47,46

[1] بعض نسخوں میں الأبناء والآباء ہے، اس لیے ترجمے میں یہ بات ملحوظ رہی۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا

اور وہ (کافر) کہتے ہیں یہ (عذاب کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ ﴿48﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: میں اپنی ذات کے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا

اور نہ نفع کا مگر جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیے ایک مقررہ وقت ہے۔ جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو وہ (اس سے) ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں

يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿49﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

ہو سکتے ﴿49﴾ کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اگر اس کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آجائے (تو کیا بچاؤ کرلو گے؟ آخر) کیا چیز ہے جس کے لیے مجرم جلدی مچارہے

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿50﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿51﴾ ثُمَّ قِيْلَ

ہیں؟ ﴿50﴾ کیا پھر جب (عذاب) واقع ہو جائے گا (تب) اس پر ایمان لاؤ گے؟ (اس وقت کہا جائے گا:) کیا اب (ایمان لاتے ہو؟) حالانکہ تم تو یقیناً اسے جلدی

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿52﴾

مانگتے تھے ﴿51﴾ پھر جنھوں نے ظلم کیا ان سے کہا جائے گا: تم دائمی عذاب (کا مزہ) چکھو، تمھیں انھی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا میں) کماتے رہے ﴿52﴾

مجرموں سے دنیا یا آخرت میں ضرور انتقام لیا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ ﴾ ''اور (اے نبی!) اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں، آپ کو دکھا دیں۔'' یعنی آپ کی زندگی ہی میں ان سے انتقام لے لیں تاکہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ ''یا آپ کی مدتِ حیات پوری کر دیں تو ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔'' یعنی ان کا ٹھکانا اور لوٹنے کی جگہ ہمارے پاس ہی ہے اور آپ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ ﴾ ''اور ہر ایک امت کے لیے ایک پیغمبر ہے، پھر جب ان کا پیغمبر آئے گا۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن آئے گا۔[1] ﴿ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ ''تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 69:39) ''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی۔'' چنانچہ ہر امت کو اس کے رسول کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور کتابِ اعمال رکھی جائے گی جس میں ان کے اچھے برے سب اعمال لکھے ہوں گے، اور ان کی گواہی دے گی۔ علاوہ ازیں کراماً کاتبین بھی گواہی دیں گے، اسی طرح ایک ایک امت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ امت محمدیہ اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے سب سے آخری امت ہے لیکن روز قیامت سب سے پہلے اس امت کا فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ، [الْمَقْضِيُّ

[1] تفسير الطبري: 158/11.

لَهُمُ قَبلَ الْخَلاَئِقِ] ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے سبقت لے جانے والے ہوں گے جن کا فیصلہ تمام مخلوقات سے پہلے کیا جائے گا۔''[1] امت محمدیہ کو یہ فضیلت اپنے رسول کے شرف کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلاَمُهُ عَلَيْهِ دَائِماً إِلَى يَوْمِ الدِّينِ .

تفسیر آیات:48-52

منکرین، قیامت کے جلدی وقوع پذیر ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس کفر کی بابت کہ وہ عذاب (قیامت) کے جلد آنے کا اور اس کے وقت کی تعیین کا سوال کرتے ہیں جس میں ان کا کوئی فائدہ نہیں، خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ ﴾ (الشوریٰ 18:42) ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اس کو جلدی طلب کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔'' اور یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والا ہے، گو انھیں اس کے معین وقت کا علم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی کہ انھیں اس انداز سے جواب دیا جائے: ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا۔'' میں صرف وہی کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا ہے اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی پاس رکھا ہے، ان کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے مطلع فرما دے، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور تمھاری طرف اس کا رسول ہوں۔

میں نے تمھیں یہ بتا دیا ہے کہ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی، ویسے اس کا وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں بتایا لیکن ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ ﴾ ''ہر ایک امت کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔'' یعنی ہر امت کی مدت مقرر ہے اور جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی، ﴿ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ ﴾ ''تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ ﴾ (المنفقون 11:63) ''اور جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ اس نفس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کے پاس اچانک آ جائے گا، چنانچہ ارشاد گرامی ہے: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اگر اس کا عذاب تم پر (ناگہاں) آ جائے رات کو یا دن کو تو پھر مجرم لوگ کس بات کی جلدی کریں گے کیا جب وہ آ واقع ہوگا تب اس پر ایمان لاؤ گے۔ (اس وقت کہا جائے گا کہ) اور اب (ایمان لائے۔) اسی کے لیے تو تم جلدی مچایا کرتے تھے۔'' یعنی جب ان کے پاس عذاب آ جائے گا تو یہ کہیں گے: ﴿ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة ......؟ حديث: 896 عن أبي هريرة رضي الله عنه و صحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة ، حديث: 855 اور اس حدیث کا دوسرا جز صحيح مسلم، حديث: 856 عن حذيفة رضي الله عنه کے مطابق ہے جو صحیح بخاری میں ہمیں نہیں ملا۔

وَيَسْتَنْبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿53﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ

اور (اے نبی!) وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا وہ (عذاب) واقعی سچ ہے؟ (آپ) کہہ دیجیے: ہاں! میرے رب کی قسم! وہ سچ ہے، اور تم (اللہ کو)

نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

عاجز نہیں کر سکتے ﴿53﴾ اور اگر بلاشبہ ہو ہر ظالم شخص کے پاس جو کچھ زمین میں ہے تو وہ اسے (عذاب سے بچنے کے لیے) ضرور فدیہ دے دے گا اور مجرم

5 ع 13 10 وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿54﴾

جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے ﴿54﴾

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ (السجدة 12:32) ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا، اور سن لیا، لہٰذا ہمیں واپس بھیج کہ ہم نیک عمل کریں بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (المؤمن 85,84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس کا انکار کیا لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ کر رہ گئے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ ''پھر ظالم لوگوں سے کہا جائے گا کہ عذاب دائمی (کا مزہ) چکھو۔'' یہ انھیں قیامت کے دن ذلیل و رسوا کرنے کے لیے کہا جائے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ؕ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ۚ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الطور 52:13-16) ''جس دن وہ آتشِ جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جائے جائیں گے، یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر ہی نہیں آتا؟ اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) ان ہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔''

تفسیر آیات: 54,53

قیامت برحق ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں: اَحَقٌّ هُوَ ؕ ''آیا یہ سچ ہے؟'' یعنی جب جسم مٹی بن جائیں گے تو انھیں پھر قبروں سے اٹھایا جائے گا اور قیامت کا دن برپا کیا جائے گا؟ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿53﴾ ''کہہ دیجیے: ہاں، اللہ کی قسم! سچ ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکو گے۔'' یعنی تمھارا مر کر مٹی ہو جانا اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکے گا کہ تمھیں دوبارہ اسی طرح پیدا کر دے جس طرح اس نے پہلی دفعہ تمھیں عدم سے وجود بخشا تھا کیونکہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (یٰس 82:36) ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

آگاہ رہو! بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، آگاہ رہو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے ﴿55﴾

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿56﴾

وہی زندہ کرتا اور (وہی) مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿56﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ

اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت اور شفا، ان (بیماریوں) کے لیے جو سینوں میں ہیں، اور مومنوں کے لیے ہدایت اور

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ

رحمت آگئی ہے ﴿57﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہٰذا (لوگوں کو) چاہیے کہ وہ اسی کے ساتھ خوش

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿58﴾

ہوں، یہ ان چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ﴿58﴾

ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔"

اس آیت کریمہ کی نظیر قرآن مجید کی صرف دو اور آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ قیامت کا انکار کرنے والوں کے سامنے آپ قسم اٹھا کر یہ بیان فرما دیں کہ قیامت ضرور آئے گی، چنانچہ سورۂ سبا میں فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ﴾ (سبا 3:34) "اور کافر کہتے ہیں کہ (قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی کہہ دیجیے کیوں نہیں (آئے گی۔) میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔" اور سورۂ تغابن میں فرمایا: ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝﴾ (التغابن 7:64) "جو لوگ کافر ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کہہ دیجیے کہ ہاں ہاں، میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر جو جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں بتائے جائیں گے اور یہ (بات) اللہ کو آسان ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب قیامت قائم ہو گی تو کافر خواہش کریں گے کہ اے کاش! زمین بھر کر سونا دے دیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ ﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿54﴾﴾ "اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (پچھتائیں گے اور) ندامت کو چھپائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور (کسی طرح کا) ان پر ظلم نہیں ہو گا۔" ﴿بِالْقِسْطِ﴾ سے مراد ہے: حق کے ساتھ۔

تفسیر آیات: 56,55

ہر چیز اللہ کے روبرو حاضر ہو گی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس کا وعدہ برحق ہے جو ہر صورت میں پورا ہو کر رہے گا، وہی زندگی عطا فرماتا اور موت دیتا ہے اور سب نے لوٹ کر اسی کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونا

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ

کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اللہ نے تمھارے لیے جو رزق نازل کیا، پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرالیا۔

آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿59﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہہ دیجیے: کیا اللہ نے تمھیں (یہ) حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟ ﴿59﴾ اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿60﴾ ع 6/7 11

باندھتے ہیں، روز قیامت کے بارے میں؟ بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے اور لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے ﴿60﴾

ہے اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے، وہ جسموں سے جدا ہو کر زمینوں، دریاؤں، سمندروں اور جنگلوں میں بکھر جانے والے تمام ذرات کو جانتا ہے (اور انھی کو یکجا کر کے، انسانوں کو دوبارہ زندگی عطا فرما کر اپنے دربار میں حاضر کر لے گا۔)

تفسیر آیات: 58,57

قرآن نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے قرآن عظیم کو اپنے رسول کریم ﷺ پر نازل فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ”لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ پہنچی ہے۔“ (یعنی قرآن) جو فواحش و منکرات سے منع کرتا ہے۔ ﴿وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴾ ”اور دلوں کی بیماریوں کی شفا ہے۔“ یعنی دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات اور گندگی و نجاست کو زائل کرتا ہے۔ ﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ ”اور ہدایت اور رحمت۔“ یعنی اس کتاب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور رحمت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ ہدایت و رحمت مومنوں، تصدیق کرنے والوں اور جو کچھ اس میں ہے اس پر یقین کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○﴾ (بنيٓ إسرآءيل 82:17) ”اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو نقصان ہی میں بڑھاتا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ”کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے۔“ اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ﴾ ”کہہ دیجیے کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔“ یعنی انھیں اس ہدایت اور دین حق سے خوش ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس آیا ہے کیونکہ یہی سب سے بہتر وہ چیز ہے جس پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ ﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿58﴾﴾ ”یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“ یعنی دنیا کے سامان اور اس عارضی اور فانی دنیا کی آسائشوں سے یہ یقیناً بدرجہا بہتر ہے۔

تفسیر آیات: 60,59

اللہ تعالیٰ کے سوا حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار کسی اور کو نہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، قتادہ، اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے (تقریباً اس طرح کا مفہوم بیان) فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان مشرکوں کی تردید میں نازل ہوئی

ہے جنھوں نے بَحیرہ ، سائبہ اور وصیلہ کی رسموں کے لیے حلال وحرام کے ضابطے خود مقرر کر رکھے تھے [1] جیسا کہ فرمایا:
﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ......﴾ الآية (الأنعام136:6) ''اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں، یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں......'' امام احمد نے مالک بن نَضْلَہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے:

[أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا قَشِفُ [2] الْهَيْئَةِ فَقَالَ: هَلْ لَّكَ مَالٌ ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ: قُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ، مِنَ الْإِبِلِ وَالرَّقِيقِ وَالْخَيْلِ وَالْغَنَمِ، فَقَالَ: إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالاً فَلْيُرَ عَلَيْكَ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ تُنْتَجُ إِبِلُ قَوْمِكَ صِحَاحًا آذَانُهَا، فَتَعْمِدُ إِلٰى مُوسٰى فَتَقْطَعُ آذَانَهَا، فَتَقُولُ: هٰذِهِ بُحُرٌ، وَّتَشُقُّهَا أَوْ تَشُقُّ جُلُودَهَا وَتَقُولُ هٰذِهِ صُرُمٌ، وَّتُحَرِّمُهَا عَلَيْكَ وَعَلٰى أَهْلِكَ ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّ مَا آتَاكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَكَ (حِلٌّ)، ...... وَسَاعِدُ اللّٰهِ أَشَدُّ مِنْ سَاعِدِكَ، وَمُوسَى اللّٰهِ أَحَدُّ مِنْ مُّوسَاكَ]

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں پراگندہ حال تھا، آپ نے فرمایا: تمھارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کس قسم کا مال؟ میں نے عرض کی: ہر قسم کا مال، یعنی اونٹ، غلام، گھوڑے اور بکریاں۔ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تمھیں مال سے نوازے تو اس کا اثر تم پر نظر آنا چاہیے، پھر آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ تمھاری قوم کے اونٹ جب اپنے بچوں کو جنم دیتے ہیں تو ان کے کان صحیح ہوتے ہیں مگر تم لوگ استرے سے ان کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بَحیرہ ہیں، ان (کانوں) کو یا ان کی کھالوں کو کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ صُرُم (کان کٹے) ہیں، پھر انھیں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے حرام قرار دے دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں جو مال عطا فرمائے وہ تمھارے لیے حلال ہے،...... اللہ تعالیٰ کا بازو تمھارے بازو سے زیادہ مضبوط ہے اور اللہ تعالیٰ کا استرا تمھارے استرے سے زیادہ تیز ہے'' [3]...... پھر انھوں نے باقی حدیث بھی بیان کی، یہ حدیث جید اور اس کی سند قوی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو بغیر کسی حجت اور دلیل کے محض اپنی آراء اور خواہشات سے اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے لیتے ہیں، پھر قیامت کے دن کی سرزنش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور جو لوگ اللہ پر افترا باندھتے ہیں، وہ قیامت کے دن کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟'' یعنی ان کا کیا خیال ہے کہ قیامت کے دن جب ہمارے پاس آئیں گے تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ ''بے شک اللہ لوگوں پر مہربان ہے۔'' ابن جریر فرماتے

[1] تفسير الطبري:167,166/11 و تفسير ابن أبي حاتم:1961,1960/6. [2] یہاں رَثٌّ تھا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ یہ لفظ بعض دوسرے طرق میں ہے دیکھیے جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الإحسان والعفو، حديث:2006. [3] مسند أحمد:473/3 اور قوسین والا لفظ حوالۂ مذکورہ ہی میں دوسری حدیث میں آیا ہے۔ وسنن أبي داود، اللباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب، حديث:4063 مختصرًا .

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ

اور(اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں، اور تم لوگ

اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ

جو بھی عمل کرتے ہو، اس وقت ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے ذرہ بھر کوئی

ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿61﴾

چیز بھی چھپی نہیں ہوتی، زمین میں اور نہ آسمان میں، اور نہ کوئی اس سے چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی، مگر (وہ) واضح کتاب میں (درج) ہے ﴿61﴾

ہیں کہ وہ مہربان ہے کہ وہ لوگوں کو جلد (دنیا ہی میں) سزا نہیں دیتا۔[1] اور میرے خیال میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس جملے کا یہ مفہوم ہو کہ وہ مہربان ہے کہ اس نے اپنی پیدا کردہ ان چیزوں کو حلال قرار دے دیا جو دنیا میں مفید ہیں اور صرف انھی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو دنیا یا دین کے اعتبار سے نقصان دہ ہیں۔ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿60﴾﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔“ بلکہ ان چیزوں کو اپنے لیے حرام قرار دے لیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے ان کے لیے حلال قرار دیا ہے اور اس طرح یہ خود اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کرتے ہوئے از خود بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ مشرکین نے اپنے لیے جو شرعی ضابطے مقرر کیے اور اہل کتاب نے اپنے دین میں جن بدعات کو ایجاد کیا تھا، ان میں انھوں نے اسی طرز عمل کو اختیار کیا تھا۔

تفسیر آیت:61

ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ہر لمحہ، ہر گھڑی اور ہر لحظہ آپ کے، آپ کی امت کے اور تمام مخلوقات کے تمام حالات کو جانتا ہے۔ اور اس کے علم، اس کی نظر سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں ہے بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○﴾ (الأنعام 59:6) ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے خشکی اور سمندر کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ درختوں اور تمام جمادات کی حرکتوں تک سے آگاہ ہے، اسی طرح تمام جانداروں کی ہر حرکت سے بھی خوب واقف ہے، اس کا اظہار اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ ......﴾ الآية (الأنعام 38:6) ”اور زمین پر چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں کے ساتھ اڑنے

[1] تفسیر الطبری: 167/11.

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

آگاہ رہو! بے شک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿62﴾ (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور (اللہ سے)

يَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ

ڈرتے رہے ﴿63﴾ ان کے لیے دنیاوی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں (بھی)، اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی،

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿64﴾

یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿64﴾

والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمھاری طرح الگ امت نہ ہو......۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا...... ﴾ الآية (هود 11:6) ’’اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے......۔‘‘ یعنی اگر ان چیزوں کی حرکات کے بارے میں اس کے علم کی یہ کیفیت ہے تو ان بندوں کے بارے میں اس کے علم کی شان کیا ہوگی جنھیں اس کی عبادت کا حکم دیا اور پابند کیا گیا ہے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝﴾ (الشعرآء 26:217-219) ’’اور (اللہ) نہایت غالب (اور) بڑے مہربان پر بھروسا رکھیں جو آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں دیکھتا ہے اور نمازیوں میں آپ کے پھرنے کو بھی۔‘‘

اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ﴾ ’’اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے کچھ بھی پڑھتے ہیں اور تم لوگ جو بھی کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو تب ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔‘‘ یعنی جب تم اس طرح کے کام کر رہے ہوتے ہو تو ہم مشاہدہ کر رہے، تمھیں دیکھ رہے اور تمھاری تمام باتوں کو سن رہے ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت جبریل نے جب نبیٔ اکرم ﷺ سے احسان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: [أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ] ’’تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو بلاشبہ وہ تمھیں ضرور دیکھ رہا ہے۔‘‘ [1]

تفسیر آیات: 62-64

اولیاء اللہ کی پہچان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے دوست وہ ہیں جو ایمان دار اور پرہیز گار ہیں جیسا کہ اولیاء اللہ کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ فرمایا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو پرہیز گار ہوگا، وہ اللہ کا دوست ہوگا، لہٰذا ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ ’’ان کو کچھ خوف نہ ہوگا۔‘‘ یعنی مستقبل میں پیش آنے والے آخرت کے ہولناک

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبيﷺ عن الإيمان......، حديث: 50 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام ......، حديث: 9,8 عن أبي هريرةؓ.

حالات کے بارے میں انھیں کوئی خوف نہ ہوگا ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔'' یعنی دنیا میں اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے حالات کے بارے میں بھی انھیں کوئی غم نہ ہوگا۔

انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے! ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ عِبَادًا يَّغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ ، قِيلَ : مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَلَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ ؟ قَالَ: هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا فِي اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ أَمْوَالٍ وَّلَا أَنْسَابٍ، وُّجُوهُهُمْ مِنْ نُّورٍ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّورٍ، لَّا يَخَافُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحْزَنُونَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ] ''یقیناً کچھ بندگانِ الٰہی ایسے بھی ہوں گے جن پر انبیاء و شہداء بھی رشک کریں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون (سعادت مند) لوگ ہوں گے تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں۔ فرمایا: وہ لوگ جو کسی مالی لالچ یا نسبی تعلق کے بغیر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے، ان کے چہرے نور سے (منور) ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے جب لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے تو انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم ناک ہوں گے تو انھیں کوئی غم نہ ہوگا۔'' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''آگاہ رہو! بے شک جو اللہ کے دوست ہیں، ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔''[1]

''بُشریٰ'' سے مراد سچے خواب ہیں: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ ''ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔'' ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ آخرت کی بشارت سے مراد جنت ہے لیکن یہ فرمائیں کہ دنیا کی بشارت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا: [اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْعَبْدُ أَوْ تُرٰى لَهُ وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ أَرْبَعَةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا أَوْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ] ''اس سے مراد نیک خواب ہے جسے کوئی بندہ دیکھتا ہے یا اس کے لیے کوئی خواب دیکھا جاتا ہے، یہ نبوت کے چوالیس یا ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔''[2]

امام احمد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آدمی ایک نیک کام کرتا ہے تو اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف اور ستائش کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ] ''یہ وہ بشارت ہے جو مومن کو جلد مل جاتی ہے۔''[3] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

---

① تفسیر الطبری:172,171/11 اور دیکھیے سنن أبي داود، البیوع، باب في الرهن ، حدیث:3527 عن عمر رضی اللہ عنہ. ② تفسیر الطبری:176/11 مزید دیکھیے جامع الترمذي، الرؤیا، باب قوله: ﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾، حدیث: 2275 وسنن ابن ماجه، تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا الصالحة یراها المسلم......، حدیث:3898 . ③ مسند أحمد:156/5.
④ صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب: إذا أثنی علی الصالح فهي بشریٰ ولا تضره، حدیث:2642 اور اس میں [وَيَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ] کے الفاظ ہیں۔

پریشان کن خواب آئے تو......: امام احمد رحمہ اللہ ہی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [قَالَ: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يُبَشَّرُهَا الْمُؤْمِنُ، هِيَ جُزْءٌ مِّنْ تِسْعَةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ، فَمَنْ رَّأٰى ذٰلِكَ فَلْيُخْبِرْ بِهَا، وَمَنْ رَّأٰى سِوٰى ذٰلِكَ، فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَهُ، فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَّسَارِهِ ثَلَاثًا، وَّلْيَسْكُتْ وَلَا يُخْبِرْ بِهَا أَحَدًا] ''ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔'' فرمایا: ''سچا خواب مومن کے لیے بشارت ہے اور وہ نبوت کے انچاس حصوں میں سے ایک حصہ ہے جو شخص اچھا خواب دیکھے، وہ اس کے بارے میں بتا دے اور جو اس کے علاوہ کوئی اور خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے تاکہ اسے غم میں مبتلا کر دے، اس طرح کے خواب کے دیکھنے پر وہ بائیں طرف تین بار پھونک مار دے، خاموش رہے اور کسی کو بھی اس خواب کے بارے میں نہ بتائے۔''[1] اصحاب کتب ستہ نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔

''بُشْرٰی'' کا ایک اور مفہوم: یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بشارت سے مراد موت کے وقت فرشتوں کا مومن کو مغفرت اور جنت کی بشارت دینا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۗ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 32-30:41) ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ، ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمھارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمھارے جی چاہیں گے، تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔''

مومن کے دنیا میں آخری لمحات اور روز قیامت بشارتیں: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: [أَنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ جَاءَهُ مَلَائِكَةٌ بِيضُ الْوُجُوهِ (بِيضُ الثِّيَابِ) فَقَالُوا: اُخْرُجِي أَيَّتُهَا الرُّوحُ الطَّيِّبَةُ إِلٰى رَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ، فَتَخْرُجُ مِنْ فَمِهِ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فَمِ السِّقَاءِ] ''بے شک مومن کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اس کے پاس سفید چہروں اور سفید کپڑوں والے فرشتے آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اے پاک روح! تو نکل کر نعمتوں، خوشبو اور پھولوں اور ایسے رب کی طرف آجا جو ناراض نہیں ہے تو روح اس کے منہ سے اس طرح نکل آتی ہے جس طرح مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے۔''[2] اور آخرت میں ان کے لیے بشارت یہ ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ

[1] مسند أحمد: 219/2 تفسیر ابن کثیر میں لِيَسْكُتْ کے بجائے لِيُكَبِّرْ ہے۔ اور دیکھیے صحيح البخاري، التعبير، باب الرؤيا من الله، حديث: 6985-6989. [2] یہ روایت بالفاظ دیگر مختلف کتب احادیث میں موجود ہے، دیکھیے سنن النسائي، الجنائز، باب مايلقى به المؤمن من الكرامة عند خروج نفسه، حديث: 1834 و مسند أحمد: 288,287/4 و المستدرك للحاكم، الجنائز: 353,352/1 و شعب الإيمان للبيهقي، فصل في عذاب القبر: 356/1، حديث: 395 جبکہ قوسین والے الفاظ ہمیں نہیں ملے۔

وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿65﴾ اَلَاۤ اِنَّ

اور (اے نبی!) ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں، بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے، وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿65﴾ آگاہ

لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ

رہو! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں میں جو (مخلوق) ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں، وہ (کسی اور چیز

اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿66﴾ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ

کی) پیروی نہیں کرتے مگر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ محض قیاس کے گھوڑے دوڑاتے ہیں ﴿66﴾ وہی ہے (اللہ) جس نے تمھارے لیے

لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿67﴾

رات بنائی، تاکہ اس میں سکون (حاصل) کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک اس میں یقیناً بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں ﴿67﴾

نے فرمایا ہے: ﴿لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوۡمُكُمُ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝﴾ (الأنبیآء 103:21) ''ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان سے (یہ کہہ کر) ملیں گے کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰٮكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۚ﴾ (الحدید 12:57) ''جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف چل رہا ہے (تو ان سے کہا جائے گا:) تم کو بشارت ہو کہ آج (تمھارے لیے) باغ ہیں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

﴿لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔'' یعنی اس وعدے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی، نہ اس کی خلاف ورزی کی جائے گی بلکہ یہ ایک حتمی اور یقینی وعدہ ہے جو ہر صورت میں پورا ہو کر رہے گا۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿64﴾﴾ ''یہی تو بڑی کامیابی ہے۔''

تفسیر آیات :65-67

ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) آپ ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہوں۔'' یعنی ان مشرکوں کی باتوں سے۔ اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنا اور اسی کی ذات گرامی پر توکل کرنا۔ ﴿اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ﴾ ''بے شک عزت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔'' یعنی عزت تو سب کی سب اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کی ہے۔ ﴿هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿65﴾﴾ ''وہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے۔'' یعنی اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا اور ان کے تمام احوال کو جانتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت بھی اسی کی ہے جبکہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور بت کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں، لہٰذا اس بات کی بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے، اس سلسلے میں

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ

انھوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے۔ وہ (اولاد سے) پاک ہے، وہ بے پروا ہے، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ

ہے، تمھارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم جانتے نہیں؟ ﴿68﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ

باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿69﴾ دنیا میں (تھوڑا سا) فائدہ اٹھانا ہے، پھر انھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ان کے کفر کرنے کی وجہ سے

ع 7/10/12 نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾

ہم انھیں شدید عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے ﴿70﴾

ان کا سارا انحصار اپنے وہم وگمان اور کذب وافترا پر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے اپنے بندوں کے لیے رات کو بنایا تاکہ اس میں سکون کریں اور تھکاوٹ اور مشقت کو دور کرنے کے لیے آرام کریں۔ ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ﴾ ''اور دن کو روشن (بنایا۔)'' یعنی دن کو کسبِ معاش، جدوجہد، سفر اور ضرورت کے دیگر کاموں کے لیے روشن بنا دیا، ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿67﴾﴾ ''بے شک جو لوگ سنتے ہیں، ان کے لیے ان میں نشانیاں ہیں۔'' یعنی ان کے لیے جو ان دلائل و براہین کو سنتے، ان سے عبرت حاصل کرتے اور ان سے ان کے خالق، ان کے اندازے مقرر کرنے والے اور انھیں چلانے والے کی ذات گرامی کے بارے میں استدلال کرتے ہیں۔

تفسیر آیات :68-70

اللہ تعالیٰ بیوی اور بچوں سے پاک ہے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اللہ نے اولاد بنائی ہے، فرمایا کہ وہ ذات اولاد سے پاک ہے، وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے جبکہ کائنات کی ہر ہر چیز اس کی ذات پاک کی محتاج ہے۔ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ''جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔'' تو اس نے جس کو پیدا فرمایا ہے، اس میں سے اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ کائنات کی ہر ہر چیز اس کی مملوک اور اسی کی غلام ہے۔ ﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ﴾ ''(اے افترا پردازو!) تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔'' یعنی یہ جو تم کذب و بہتان سے کام لیتے ہوئے کہہ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا ہے، تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾﴾ ''کیا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کہتے ہو جو جانتے نہیں؟'' یہ ان کی اس بات کی تردید، زبردست وعید اور نہایت شدید سرزنش ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۙ ○ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ ○ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ ○ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ ○ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○﴾ (مریم 19:88-95) ''اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنائی ہے، البتہ تحقیق (ایسا کہنے والو!) یہ تو

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ م اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ

اور (اے نبی!) آپ انھیں نوح کا قصہ سنا دیجیے: جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تمھیں میرا قیام اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

کرنا ناگوار ہے تو میں نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے، چنانچہ تم اور تمھارے شریک مل کر (میرے خلاف) فیصلہ کر لو، پھر تمھارا فیصلہ تم میں (کسی سے) پوشیدہ

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿71﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ

نہ رہے، پھر مجھ پر تم نافذ کر دو اور مجھے مہلت نہ دو ﴿71﴾ پھر اگر تم (حق سے) پھر جاؤ، تو میں نے تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کیا، میرا اجر تو اللہ کے پاس

مِّنْ اَجْرٍ ط اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ لا وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿72﴾ فَكَذَّبُوْهُ

ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں ﴿72﴾ پھر انھوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو نجات دی جو

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ج

اس کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے، اور ہم نے انھیں (ان کا) جانشین بنا دیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾

(اے نبی!) دیکھیے ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جنھیں ڈرایا گیا تھا؟ ﴿73﴾

تم ناپسندیدہ و نازیبا بات (زبان پر) لاتے ہو قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز کی اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو اولاد بنائے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو غلام ہو کر آئیں گے۔ یقیناً اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹے اور افترا پردازوں کو — جنھوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے — سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دنیا و آخرت میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے، دنیا میں اللہ تعالیٰ جب انھیں مہلت دے گا تو انھیں تھوڑے عرصے کے لیے دنیا کے ساز و سامان سے بھی نواز دے گا۔ ﴿ ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:24) ''پھر ہم انھیں عذابِ شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' جیسا کہ یہاں فرمایا ہے: ﴿ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ﴾ ''(ان کے لیے) جو فائدے ہیں، دنیا میں (ہیں۔)'' یعنی تھوڑی سی مدت کے لیے، ﴿ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ ''پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن، ﴿ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''اس وقت ہم ان کو عذابِ شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔'' یعنی ان کے کفر، افترا اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کی وجہ سے انھیں شدید عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

تفسیر آیات: 71-73

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ سے فرمایا ہے: ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ﴾

”اور آپ ان کو سنا دیں۔“ یعنی ان کفار مکہ کو جو آپ کی تکذیب اور مخالفت کر رہے ہیں، یہ قصہ سنا دیں۔ ﴿ نَبَاَ نُوۡحٍ ۘ ﴾ ”نوح (علیہ السلام) کا قصہ“ یعنی انھیں نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ قصہ سنا دیں کہ جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو غرق کر کے کس طرح تباہ و برباد کر دیا تھا تا کہ یہ لوگ بھی ڈر جائیں کہ کہیں یہ بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا کر کے تباہ و ہلاک نہ کر دیے جائیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكُمۡ مَّقَامِىۡ وَتَذۡكِيۡرِىۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ یعنی جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمھیں میرا قیام اور اللہ کے دلائل و براہین سے نصیحت کرنا ناگوار ہو، ﴿ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ ﴾ ”تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔“ یہ بات تمھیں ناگوار گزرے یا نہ گزرے مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے اور نہ میں اس سے رک سکتا ہوں۔

فرمایا: ﴿ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ ﴾ ”چنانچہ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام کا (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) فیصلہ کرلو۔“ اور تم اور تمھارے وہ تمام شریک جمع ہو جائیں، اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو، خواہ وہ بت ہوں یا کچھ اور ﴿ ثُمَّ لَا يَكُنۡ اَمۡرُكُمۡ عَلَيۡكُمۡ غُمَّةً ﴾ ”پھر وہ (فیصلہ) تمھاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے۔“ یعنی اپنے کام کو پوشیدہ نہ رکھو بلکہ میرے ساتھ اپنے معاملے کو واضح طور پر بیان کر دو اور اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم حق پر ہو تو پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو، ﴿ وَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ۝71 ﴾ ”اور تم مجھے مہلت نہ دو۔“ یعنی مجھے ایک لمحے کے لیے بھی مہلت نہ دو، الغرض! جس قدر بھی تمھارا بس چلتا ہے، تم کر گزرو، مجھے تمھاری کچھ پروا نہیں، میں تم سے قطعاً نہیں ڈرتا کیونکہ تم قطعی طور پر راہ راست پر نہیں ہو جیسا کہ ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ اِنِّىۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝ مِنۡ دُوۡنِهٖ فَكِيۡدُوۡنِىۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ۝ اِنِّىۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ ؕ ﴾ (ھود 11:54-56) ”یقیناً میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو، بے شک میں ان سے بیزار ہوں (جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو، بے شک میں اللہ پر جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں۔“

اسلام ہی تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ ﴾ ”پھر اگر تم پھر گئے۔“ یعنی تکذیب کی اور اطاعت سے منہ موڑ لیا ﴿ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ ؕ ﴾ ”تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔“ یعنی اس نصیحت کا جو میں تمھیں کرتا رہتا ہوں۔ ﴿ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝72 ﴾ ”میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔“ یعنی میں تو اس حکم کی اطاعت بجا لاتا ہوں کہ مسلمان بن کر رہوں، یاد رہے! اول سے لے کر آخر تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، گو ان کی شریعتیں اور طریقے الگ الگ اور متعدد تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ ﴾ (المآئدۃ 5:48) ”ہم نے تم میں سے ہر ایک (گروہ) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ ﴾

(المآئدۃ 48:5) کے معنی رستے اور طریقے کے ہیں۔[1]

اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی (یہاں) فرمایا ہے: ﴿ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 2:131،132) ''جب (بھی) ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ فرمانبردار ہو جاؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا کہ) میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 12:101) ''اے میرے پروردگار! بے شک تو نے مجھے کچھ حکومت سے بہرہ ور کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔''

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:84) ''میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسا رکھو اگر تم (دل سے) فرمانبردار ہو۔'' جادوگروں نے بھی کہا تھا: ﴿ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:126) ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ ہم مسلمان ہوں۔''

بلقیس نے کہا تھا: ﴿ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (النمل 27:44) ''میرے پروردگار! بے شک میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی ہوں اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار ہوگئی ہوں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ﴾ (المآئدۃ 5:44) ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے فیصلے کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ 5:111) ''اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ، وہ کہنے لگے کہ (پروردگار!) ہم ایمان لائے اور تو شاہد رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔''

اور خاتم الرسل، سید البشر ﷺ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ لَا شَرِيْكَ

[1] تفسیر الطبری: 6/367.

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا

پھر ہم نے اس (نوح) کے بعد کئی رسول ان کی (اپنی اپنی) قوم کی طرف بھیجے، چنانچہ وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے، تو (پھر بھی) نہ ہوئے کہ

كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿74﴾

وہ اس (ہدایت) پر ایمان لے آتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ﴿74﴾

لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ○ ﴾ (الأنعام6:162,163) ”یقیناً میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔“ یعنی اس امت میں سے سب سے پہلا فرمانبردار میں ہوں، چنانچہ آپ سے مروی ایک حدیث میں بھی ہے: [اَلْأَنْبِیَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ...... وَدِینُهُمْ وَاحِدٌ] ”انبیاء علاتی بھائی ہیں......اور ان کا دین ایک ہے۔“[1] یعنی تمام انبیائے کرام کا دین یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے گو ہماری شریعتیں مختلف ہیں۔ آپ ﷺ کے فرمان: [أَوْلَادُ عَلَّاتٍ] کا یہی مطلب ہے۔ اور علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں مختلف اور باپ ایک ہو۔

مجرموں کا بدترین انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَذَّبُوۡهُ فَنَجَّيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ ﴾ ”پھر ان لوگوں نے ان (نوح علیہ السلام) کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، (طوفان سے) بچا لیا۔“ یعنی ان لوگوں کو جو ان کے دین پر تھے۔ ﴿ فِى الۡفُلۡكِ ﴾ یعنی ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے۔ ﴿ وَجَعَلۡنٰهُمۡ خَلٰٓئِفَ ﴾ یعنی انھیں زمین میں خلیفہ بنا دیا۔ ﴿ وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿73﴾ ﴾ ”اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو غرق کر دیا تو دیکھیے! جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیسا انجام ہوا؟“ یعنی اے محمد (ﷺ!) دیکھیے کہ ہم نے مومنوں کو کس طرح نجات دی اور جھٹلانے والوں کو کس طرح ہلاک کر دیا تھا۔

تفسیر آیت: 74

دلوں پر مہر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے اور بھی بہت سے پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے تھے جو اپنی نبوت کی صداقت کے دلائل و براہین بھی لوگوں کے پاس لے کر آئے تھے۔ ﴿ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ ﴾ ”تو وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی اس سے پہلے تکذیب کر چکے تھے، اس پر ایمان لے آتے۔“ یعنی امتیں اس دین و شریعت پر ایمان لانے والی نہ تھیں جو ان کے رسول ان کے پاس لائے تھے، اس لیے کہ اس کی اس وقت تکذیب کر چکے تھے جب پہلی مرتبہ اسے ان کے پاس بھیجا گیا تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الأنعام 6:110) ”اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں جس طرح یہ پہلی بار اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔“ اور یہاں

---

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ...... ﴾ (مریم19:16)، حدیث:3442 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسٰی علیہ السلام، حدیث: 2365 کے مطابق ہے اور آخری حصہ صحیح البخاری، حدیث:3443 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا

مجرم لوگ تھے ﴿75﴾ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو انھوں نے کہا: بے شک یہ تو یقیناً کھلا جادو ہے ﴿76﴾ موسیٰ نے کہا: کیا تم حق

لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿76﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ

کے بارے میں (یہ) کہتے ہو جب وہ تمھارے پاس آ گیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو فلاح نہیں پاتے ﴿77﴾ انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے

السّٰحِرُوْنَ ﴿77﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي

پاس آیا ہے کہ ہمیں اس (طریقے) سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور تم دونوں کے لیے زمین میں اقتدار ہو؟ جبکہ ہم تم دونوں

الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿78﴾

پر ایمان لانے والے نہیں ﴿78﴾

فرمایا ہے: ﴿كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿74﴾﴾ ”اسی طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔“ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور وہ اپنی سابقہ تکذیب کی وجہ سے ایمان نہ لائے، اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے بعد آنے والے ان لوگوں کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتا ہے جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان (زیادتی کرنے والوں) کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتا ہے، اس لیے: ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس 10:88) ”چنانچہ وہ جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے والی امتوں کو ہلاک کر دیا اور نجات صرف انھی سعادت مند لوگوں کو بخشی جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے اور اس بات کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے بعد سے ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لوگ دینِ اسلام پر تھے، اس وقت تک دینِ اسلام ہی پر رہے جبکہ انھوں نے بتوں کی پوجا نہ شروع کر دی تھی۔ جب انھوں نے بتوں کی پوجا شروع کر دی تو ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا، اس وجہ سے قیامت کے دن مومن ان سے یہ کہیں گے کہ آپ اللہ کے وہ پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں تھیں اور ان صدیوں کے لوگ دین اسلام پر تھے۔[1]

[1] یہ الفاظ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 42/1 میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ اور تفسير الطبری: 455/2 میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ: [كَانَ بَيْنَ نُوحٍ وَّ آدَمَ عَشَرَةُ قُرُونٍ ، كُلُّهُمْ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ] منقول ہیں صحیح ابن حبان وغیرہ میں اس معنی کی مرفوع روایت بھی ہے۔ دیکھیے صحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر الأخبار عما كان بين آدم ونوح ......: 69/14، حديث: 6190 والمستدرك للحاكم، التفسير، من سورة البقرة: 262/2، حديث: 3039 .

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿79﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَآ

اور فرعون نے کہا: تم میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آؤ ﴿79﴾ پھر جب تمام جادوگر آگئے تو ان سے موسیٰ نے کہا: ڈالو جو کچھ تم ڈالنے

اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿80﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ

والے ہو ﴿80﴾ پھر جب انھوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا: جو کچھ تم لائے ہو (یہ) جادو ہے۔ بے شک اللہ جلد اسے باطل کر دے گا۔

8 ع 12 13 اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿81﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿82﴾ ع

بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں سنوارتا ﴿81﴾ اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ساتھ ثابت کرتا ہے، اگرچہ مجرم لوگ ناپسند کریں ﴿82﴾

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ...... ﴾ الآية (بنیٓ إسرآءیل 17:17) ''اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا......'' اس میں ان مشرکین عرب کے لیے زبردست ڈراوا تھا جنھوں نے سید الرسل، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ جب پہلے زمانوں میں انبیائے کرام ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف خوفناک قسم کے عذابوں میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دیا تھا تو ان لوگوں کا اپنے بارے میں کیا گمان ہے جو ان سے بڑھ کر گناہوں کا ارتکاب کر رہے اور اللہ تعالیٰ کے سب سے عظیم اور محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کرنے کے جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 75-78

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا ﴾ ''پھر ہم نے (ان رسولوں کے بعد) بھیجا۔'' ﴿ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا ﴾ یعنی موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں (دلائل و براہین) دے کر فرعون اور اس کے سرداروں (قوم) کی طرف (بھیجا۔) ﴿ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿75﴾ ﴾ ''تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ گناہ گار لوگ تھے۔'' یعنی انھوں نے حق کو قبول کرنے اور اس کی اتباع کرنے سے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿76﴾ ﴾ ''پھر جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ بے شک یہ تو صریح جادو ہے۔'' ان ملعونوں نے گویا قسمیں کھا کھا کر اسے جادو قرار دیا، حالانکہ وہ خود بھی یہ جانتے تھے کہ ان کی یہ بات محض جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ ﴾ (النمل 14:27) ''اور انھوں نے ظلم اور غرور کی وجہ سے ان کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دلوں نے ان کو تسلیم کیا۔'' ﴿ قَالَ مُوْسٰۤى ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿77﴾ ﴾ ''کیا تم حق کے بارے میں یہ کہتے ہو جب وہ تمھارے پاس آ گیا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو فلاح نہیں پاتے۔'' ﴿ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ﴾ ''انھوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جس (طریقے) پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس سے ہمیں پھیر دو۔'' یعنی اس دین سے ہمیں دور کر رہے ہو جس پر وہ تھے، ﴿ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ ﴾ اور تم دونوں ہی کی، یعنی تمھاری اور ہارون کی عظمت اور سرداری ہو جائے، ﴿ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿78﴾ ''زمین میں جبکہ ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''

تفسیر آیات:79-82

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ: اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے کے قصے کو سورۂ اعراف میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اس کے بارے میں وہاں بحث کی جا چکی ہے۔[1] اسی طرح اس قصے کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں، نیز سورۂ طٰہٰ[2] اور سورۂ شعراء میں بھی بیان فرمایا ہے[3] جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون ملعون نے یہ پروگرام بنایا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی دھاک بٹھائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جس واضح حق کو لے کر آئے ہیں، اسے جادوگروں کے جادو اور شعبدہ بازوں کے کرتبوں سے مغلوب کر دے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری تدبیریں الٹ دیں، اس کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور کھلے میدان میں جب مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دلائل و براہین کو غلبہ عطا کر کے موسیٰ علیہ السلام کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔ ﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝﴾ (الشعرآء 26:46-48) ''تب جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے مالک پر ایمان لائے، جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا مالک ہے۔'' فرعون کا گمان تھا کہ وہ جادوگروں کے تعاون سے اللہ ذو الجلال کے رسول پر غالب آ جائے گا مگر وہ دنیا میں بھی خائب و خاسر رہا اور آخرت میں بھی جنت سے محروم ہو کر جہنم رسید ہوگا۔ اسی واقعے کا یہاں ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿79﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿80﴾﴾ ''اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ، پھر جب تمام جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔'' یہ اس لیے کہا کہ جب جادوگروں کا انتخاب ہو گیا اور کامیابی کی صورت میں فرعون کی طرف سے ان کے لیے انعام و اکرام کا وعدہ کر لیا گیا تو ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ج﴾ (طٰہٰ 20:65،66) ''(ان جادوگروں نے) کہا: اے موسیٰ! یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم ہی (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں، موسیٰ نے کہا: (نہیں) بلکہ تم ہی ڈالو۔'' موسیٰ علیہ السلام نے یہ پروگرام بنایا کہ ابتدا ان کی طرف سے ہو تاکہ لوگ بھی دیکھ لیں کہ انھوں نے کیا کیا ہے، پھر ان کی جادوگری و شعبدہ بازی کے بعد حق کا مظاہرہ ہو جو ان کے باطل کا ستیاناس کر دے۔

جادوگروں نے جب اپنی چیزوں کو ڈالا تو انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، ان پر خوف طاری کر دیا اور بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا تو ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ط اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ط وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝﴾ (طٰہٰ 20:67-69) ''پھر موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ہم نے کہا: خوف نہ کرو، بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے اور جو چیز (لاٹھی) تمھارے دائیں ہاتھ میں ہے،

---

[1] دیکھیے الأعراف، آیات:103-126 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے طٰہٰ، آیات:63-71 کے ذیل میں۔ [3] دیکھیے الشعرآء، آیات: 38-48 کے ذیل میں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ

چنانچہ موسیٰ پر اس کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہ لایا، فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انھیں فتنے میں

يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿83﴾

نہ ڈال دے، اور بے شک فرعون سرزمین (مصر) میں سرکش (بنا ہوا) تھا، اور بے شک وہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا﴿83﴾

اسے ڈال دو کہ جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، اس کو نگل جائے گی جو کچھ انھوں نے بنایا ہے وہ تو جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں سے بھی آئے (جو چاہے کرلے) فلاح نہیں پائے گا۔'' جادوگروں نے جب اپنی چیزوں کو ڈالا تو اسی موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ فرمایا تھا: ﴿مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿81﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿82﴾﴾ ''جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو (یہ) جادو ہے، یقیناً اللہ اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا۔ بے شک اللہ شریروں کا کام سنوارا نہیں کرتا اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کرتا ہے اگرچہ مجرم برا ہی مانیں۔''

تفسیر آیت :83

قوم فرعون کے چند لڑکے ہی ایمان لائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان آیات بینات اور مضبوط و مستحکم دلائل و براہین کو دیکھنے کے باوجود جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، قوم فرعون کے صرف چند لڑکے ہی ان پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے کہ کہیں وہ پھر ان کو اس کفر کی طرف لوٹا نہ دیں جس میں یہ پہلے مبتلا تھے، اس لیے کہ یہ فرعون ملعون بہت ہی جابر اور سرکش بادشاہ تھا اور اس نے ظلم و استبداد کا بازار گرم کر رکھا تھا جس کی وجہ سے اس کی رعایا اس سے بہت زیادہ ڈرتی اور خوف کھاتی تھی۔ عوفی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ فرعون کی قوم کے صرف چند لوگ ہی ایمان لائے تھے اور ان میں سے فرعون کی بیوی، مومن آلِ فرعون، خازنِ فرعون اور اس خازن کی بیوی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔[1]

بنی اسرائیل کے بارے میں یہی بات مشہور ہے کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے تھے کیونکہ وہ اپنی سابقہ کتب کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نشانیوں اور بشارتوں کو جانتے تھے اور اس بات کو بھی جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں فرعون کی غلامی سے نجات عطا فرما دے گا اور فرعون کے مقابلے میں انھیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔ فرعون کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے اس سے بچاؤ کی ہر احتیاطی تدبیر اختیار کی مگر اس نے اسے کچھ فائدہ نہ دیا اور جب موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی تو فرعون نے بنی اسرائیل کو بہت شدید ایذائیں دینا شروع کر دیں اور بنی اسرائیل کہنے لگے: ﴿قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا

[1] تفسیر الطبری :194/11.

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿84﴾

اور موسیٰ نے کہا:اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم فرماں بردار ہو ﴿84﴾ چنانچہ انھوں نے کہا:

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿85﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم قوم کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈال ﴿85﴾ اور تو ہمیں اپنی رحمت

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿86﴾

کے ساتھ کافر قوم سے نجات دے ﴿86﴾

جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 129:7) ''وہ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ ہمارے پاس تمھارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور تمھارے آنے کے بعد بھی ،موسیٰ علیہ السلام نے کہا: قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کردے اور اس کی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے ، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام بنی اسرائیل مومن ہی تھے۔(دیکھیے آیت: 84)

تفسیر آیات:84-86

موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو توکل علی اللہ کی ترغیب دی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿84﴾ ﴾ ''اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسا رکھو اگر تم (دل سے) فرمانبردار ہو۔'' کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے تو پھر اللہ اس کے لیے کافی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ ﴾ (الزمر 36:39) ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ ﴾ (الطلاق 3:65) ''اور جو اللہ پر بھروسا رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر عبادت اور توکل کا اکٹھے ذکر فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ ﴾ (ھود 123:11) ''چنانچہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسا رکھیں۔'' ﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ ﴾ (الملك 29:67) ''کہہ دیجیے کہ وہ (جو اللہ) رحمٰن ہے ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ ﴾ (المزمل 9:73) ''(وہی) مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ وہ اپنی تمام نمازوں میں اس کے حضور اس بات کا اعتراف کیا کریں: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿﴾ ﴾ (الفاتحة 5:1) ''(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کی اطاعت بجالاتے ہوئے عرض کی: ﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''ہم اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ظالم لوگوں کے لیے

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰى وَاَخِيۡهِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِكُمَا بِمِصۡرَ بُيُوۡتًا وَّاجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر بناؤ، اور تم اپنے گھروں کو قبلہ (رو) بناؤ اور نماز قائم کرو،

قِبۡلَةً وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿87﴾

اور مومنوں کو خوشخبری دے دیجیے ﴿87﴾

وَقَالَ مُوۡسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ

اور موسیٰ نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں شان وشوکت اور مال وزر دے رکھا

رَبَّنَا لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ‌ۚ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے بھٹکا دیں۔ اے ہمارے رب! ان کے مال وزر غارت کر دے اور ان کے دل سخت کر

فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴿88﴾ قَالَ قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا

دے، پس وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب (نہ) دیکھ لیں ﴿88﴾ اللہ نے کہا: یقیناً تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، چنانچہ تم دونوں

فَاسۡتَقِيۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿89﴾

ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی مت کرو جو علم نہیں رکھتے ﴿89﴾

فتنہ نہ بنا۔'' یعنی انھیں ہمارے خلاف کامیابی نہ دے اور انھیں ہم پر مسلط نہ فرما تاکہ وہ اس گمان میں مبتلا نہ ہوں کہ وہ اس لیے ہم پر مسلط ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں اور اس طرح وہ دوسرے لوگوں کو بھی فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔ ابومجلز اور ابوضحیٰ نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔[1] امام عبدالرزاق نے مجاہد کا یہ قول بیان کیا ہے کہ انھیں ہم پر مسلط نہ فرما تاکہ وہ ہمیں فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔[2] ﴿وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ﴾ ''اور تو ہمیں اپنی رحمت سے نجات بخش'' یعنی اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم کے ساتھ ہمیں نجات عطا فرما، ﴿مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿86﴾﴾ ''قوم کفار سے'' یعنی ان لوگوں سے جنھوں نے حق کے ساتھ کفر کیا اور اسے چھپایا جبکہ ہم تیرے ساتھ ایمان لے آئے ہیں اور تجھی پر بھروسا کیے ہوئے ہیں۔

تفسیر آیت: 87

گھروں میں نماز ادا کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو کس طرح فرعون اور اس کی قوم سے نجات عطا فرمائی تھی۔ اس نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو یہ حکم دیا کہ اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر بناؤ، ﴿وَّاجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ قِبۡلَةً﴾ ''اور اپنے گھروں کو قبلہ (مسجدیں) ٹھہراؤ۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ فرعونیوں کی موجودگی میں ہم اپنی نماز ادا نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اجازت عطا فرما دی کہ وہ اپنے گھروں ہی میں نماز ادا کر لیں اور اپنے گھروں ہی کو قبلہ بنا لیں۔[3] مجاہد نے ﴿وَّاجۡعَلُوۡا

---

[1] تفسیر الطبری: 197/11۔ [2] تفسیر الطبری: 197/11 وتفسیر عبدالرزاق: 179/2، رقم: 1170 میں ہے کہ وہ ''ہمیں قتل نہ کر دیں۔'' [3] تفسیر الطبری: 200/11۔

﴿ بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب یہ خوف محسوس کیا کہ فرعون کہیں انھیں کنیسوں میں نماز ادا کرتے ہوئے قتل ہی نہ کرادے تو انھیں یہ حکم دے دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں ہی کو قبلہ رخ مسجدیں قرار دے لیں اور ان میں چھپ کر نماز ادا کر لیا کریں، قتادہ اور ضحاک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ①

تفسیر آیات : 89,88

موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے بددعا: یہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے اس بددعا کا ذکر فرمایا ہے جو انھوں نے اس وقت کی تھی جب انھوں نے حق قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے عناد، دشمنی، سرکشی، بغاوت اور ظلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ضلالت اور کفر ہی پر اصرار کیا تھا تو موسیٰ نے بددعا کی: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کو زینت دی ہے۔'' دنیا کے ساز و سامان سے نوازا ہے، ﴿ وَّ اَمْوَالًا ﴾ ''اور (بہت سا) مال و زر (دے رکھا ہے۔)'' ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ١ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ ﴾ ''دنیا کی زندگی میں۔ ہمارے پروردگار! تاکہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے گمراہ کر دیں۔'' بعض قراء توں میں یہ لفظ [لِيَضِلُّوا] یا کے فتحہ کے ساتھ ہے ''تاکہ وہ گمراہ ہو جائیں۔'' یعنی تو نے انھیں یہ سب کچھ اس لیے دیا ہے، حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے جس کے ساتھ تو نے مجھے ان کی طرف بھیجا ہے مگر اس کے باوجود تو نے انھیں مہلت دیتے ہوئے (استدراجًا) دنیا کے ساز و سامان اور مال و منال سے نواز رکھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط ﴾ ''تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں۔'' (طٰہٰ 131:20)

دوسرے قراء نے اسے ﴿ لِيُضِلُّوْا ﴾ یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی تاکہ تو نے ان کو جو دیا ہے، اس کے ذریعے وہ لوگ تیرے بندوں میں سے جن کو تو چاہے فتنہ میں ڈال دیں تاکہ جسے تو گمراہ کرنا چاہے وہ یہ خیال کرے کہ تو نے انھیں یہ دنیوی مال و اسباب اس لیے دیا ہے کہ تجھے ان سے محبت اور ایک خاص تعلق ہے۔ ﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ ﴾ ''ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو برباد کر دے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اطْمِسْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اسے ہلاک کر دے۔ ② ضحاک، ابو العالیہ اور ربیع کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی اس بددعا کے نتیجے میں ان کے یہ مال اسی طرح منقوش پتھروں کی صورت میں تبدیل ہو گئے جس طرح ان کی پہلی حالت تھی۔ ③ ﴿ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے۔ ④ ﴿ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ ﴾ ''چنانچہ یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب الیم دیکھ لیں۔''

موسیٰ علیہ السلام کی بددعا اور اس کی قبولیت: موسیٰ علیہ السلام نے یہ بددعا اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی وجہ سے فرعون اور اس کے ان

① تفسیر الطبری: 201,200/11. ② تفسیر الطبری: 205/11. ③ تفسیر الطبری: 205,204/11. ④ تفسیر الطبری: 205/11.

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا، پھر فرعون اور اس کی فوجوں نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا، حتی کہ جب اسے غرق ہونے

اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ

نے پالیا، تو پکار اٹھا: میں ایمان لاتا ہوں کہ بے شک اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں مسلمانوں میں سے

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝90 آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝91 فَالْيَوْمَ

ہوں (90) (اللہ نے فرمایا:) کیا اب (ایمان لاتا ہے؟) جبکہ تو پہلے نافرمان تھا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا (91) چنانچہ آج ہم تجھے نجات دیں گے

نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا

تیرے بدن سمیت (تیرا جسم بچا کر سمندر سے باہر نکال پھینکیں گے)، تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لیے نشان (عبرت) ہو، اور بے شک بہت سے لوگ

9 ع 10 14 لَغٰفِلُوْنَ ۝92 ع

ہماری نشانیوں سے البتہ غافل ہیں (92)

سرداروں کے لیے کی تھی جن کے بارے میں واضح ہو گیا تھا کہ ان میں خیر و بھلائی کا کوئی شمہ باقی نہیں ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم پر یہ بدعا کی تھی: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾ (نوح 71:26,27) ''اے میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے، بے شک اگر تو ان کو رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی (آئندہ) اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔'' اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی اس بددعا کو جس پر ان کے بھائی ہارون نے بھی آمین کہی تھی، قبولیت سے نوازا اور فرمایا: ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ ''یقیناً تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔'' یعنی تمھاری اس دعا کو ہم نے قبول کر لیا کہ آل فرعون کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ ﴿فَاسْتَقِيْمَا﴾ ''تو تم دونوں ثابت قدم رہنا۔'' یعنی جس طرح میں نے تمھاری دعا کو قبول کیا ہے، تم نے بھی میرے حکم پر ثابت قدم رہنا ہوگا۔ ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ثابت قدم رہنا اور میرے حکم کی اطاعت بجالاتے رہنا، اسی کو استقامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 90-92

بنی اسرائیل کا نجات پانا اور آل فرعون کی غرقابی: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کرنے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ بنی اسرائیل جب موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں مصر سے نکل گئے اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بچوں وغیرہ کو چھوڑ کر ان کے صرف جنگجوؤں کی تعداد اس وقت چھ لاکھ تھی۔ قبطیوں سے انھوں نے بہت سے زیورات مستعار لے رکھے تھے، انھیں بھی یہ اپنے ساتھ ہی لے گئے، بنی اسرائیل کے نکلنے سے فرعون کے غیض و غضب میں اور بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا

---

[1] تفسیر الطبری :209/11.

اور اس نے مختلف شہروں میں نقیب روانہ کر دیے تا کہ وہ اس کے لشکروں کو جمع کریں اور اس طرح فرعون بڑے کرّوفر اور لشکر ہائے جرار کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ بھی اب ان سے اپنے ارادے و مشیت کے مطابق عمل کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے فرعون کی ساری سلطنت میں سے کوئی قابل ذکر شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس موقع پر اس کے ساتھ شامل نہ ہوا ہو۔ یہ فرعونی لشکر طلوع آفتاب کے وقت بنی اسرائیل سے جا ملے۔

﴿ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ۚ ﴾ (الشعرآء 26:61) ''جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھی کہنے لگے: یقیناً ہم تو پکڑ لیے گئے۔'' اس لیے کہ وہ جب ساحلِ سمندر پر پہنچے تو فرعون ان کے پیچھے تھا اور اب اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا کہ دونوں فوجوں میں جنگ ہو، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے اصرار کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام سے یہ پوچھا کہ اب اس حال میں نجات کی کیا صورت ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے تو حکم دیا گیا تھا کہ میں چل کر یہاں تک آ جاؤں۔ ﴿ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:62) ''ہرگز نہیں! بلاشبہ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ ضرور مجھے رستہ بتائے گا۔'' جب معاملہ تنگ ہو گیا تو اس میں وسعت اور کشادگی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر ماریں، موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل کرتے ہوئے جب سمندر پر اپنے عصا کو مارا تو وہ (سمندر) پھٹ گیا۔ ﴿ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ۚ ﴾ (الشعرآء 26:63) ''چنانچہ (سمندر کا) ہر ٹکڑا ایک عظیم پہاڑ جیسا ہو گیا۔'' اور اس میں بارہ رستے بن گئے اور ہر خاندان کے لیے ایک الگ الگ رستہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے رستوں کی زمین کو خشک کر دیا۔ ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:77) ''پھر ان کے لیے سمندر میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بنا دو، پھر تم کو نہ تو (فرعون کے) آ پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔'' رستوں کے درمیان پانی نے پھٹ کر کھڑکیوں کی شکل اختیار کر لی تا کہ رستوں پر چلتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ بھی لیں اور یہ گمان نہ کریں کہ شاید دوسرے لوگ ہلاک نہ ہو گئے ہوں۔

اس طرح بنی اسرائیل نے سلامتی کے ساتھ بحر قُلزُم کو عبور کر لیا اور جب آخری بنی اسرائیلی شخص بھی بحر قلزم سے باہر نکل گیا تو دوسری طرف فرعون اپنے لشکروں سمیت بحر قُلزُم کے ساحل پر پہنچ گیا۔ فرعون کے لشکر میں دیگر رنگوں کے علاوہ سیاہ رنگ کے ایک لاکھ گھوڑے تھے۔ اس نے جب یہ دیکھا تو گھبرا گیا، اور ڈر کر رک گیا اور ارادہ کیا کہ اب پیچھے واپس ہو جائے مگر اب کیسے لوٹ سکتا تھا، اب تو وہ تقدیر کی گرفت میں آ گیا تھا اور اس کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی بددعا قبول ہو چکی تھی۔

اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے کی خواہشمند، غیر حاملہ خوبصورت گھوڑی پر آئے اور وہ فرعون کے گھوڑے کے پاس سے گزرے، فرعون کا گھوڑا اس گھوڑی کو دیکھ کر ہنہنایا، جبریل علیہ السلام نے اپنی گھوڑی بحر قلزم میں ڈال دی، گھوڑا بھی اس کے پیچھے بحر قلزم میں کود پڑا اور فرعون اسے تھام نہ سکا مگر سرداروں کے سامنے اپنی بہادری کا تاثر دیتے ہوئے ان سے کہنے لگا: بنی اسرائیل اس سمندر کے ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہیں، لہٰذا سب کے سب اس سمندر میں داخل ہو گئے۔ پیچھے سے حضرت میکائیل علیہ السلام بھی

فرعون کے لشکر کو دھکیل رہے تھے انھوں نے ایک ایک شخص کو دھکیل دھکیل کر آگے کر دیا جب سب کے سب مکمل طور پر سمندر میں داخل ہو گئے اور ان میں سے سب سے آگے والا شخص سمندر سے نکلنے کے قریب تھا تو قدرتوں کے مالک اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دے دیا کہ وہ پھر سے جڑ جائے، سمندر جڑ گیا اور اس طرح ایک فرعونی بھی زندہ نہ بچ سکا، تمام کے تمام سمندر میں غرق ہو کر مر گئے، سمندر کی موجیں کبھی بلند اور کبھی پست ہو رہی تھیں، خصوصاً فرعون کے اوپر کی موجوں میں تو بہت زیادہ مد و جزر پیدا ہو گیا تھا اور اس پر سکرات موت طاری ہو رہی تھی اور اب وہ کہنے لگا: ﴿ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰ ﴾ ''میں ایمان لاتا ہوں کہ بے شک اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔'' فرعون اس وقت ایمان لایا جب ایمان لانا کچھ کام نہیں آتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 85,84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں، پھر جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور اس (عذاب کے) موقع پر کافر گھاٹے میں پڑ کر رہ گئے۔''

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس بات کے جواب میں فرمایا: ﴿ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ ﴾ ''کہ اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا۔'' یعنی اس وقت یہ بات کہتا ہے اور اس سے پہلے تو تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کرتا رہا۔ ﴿ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۹۱ ﴾ یعنی تو زمین میں فساد برپا کرتا رہا اور ان لوگوں میں شامل رہا جو لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔ ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 41:28) ''اور ہم نے انھیں (لوگوں کو) آگ کی طرف بلانے والے سرغنے بنا دیا اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔'' موت کے وقت کی اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس بات کو جو بیان فرمایا ہے تو یہ ان اسرارِ غیب میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو معلوم کروا دیے تھے۔

امام ابوداود طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ لِي جِبرِيلُ: يَا مُحَمَّدُ! لَوْ رَأَيْتَنِي وَأَنَا آخُذُ مِنْ حَالِ الْبَحْرِ فَأَدُسُّهُ فِي فِي فِرْعَوْنَ مَخَافَةَ أَنْ تُدْرِكَهُ الرَّحْمَةُ] ''جبریل نے مجھ سے کہا: اے محمد (ﷺ!) کاش! آپ مجھے دیکھتے جب میں سمندر کی تہ سے گارا پکڑ کر اس (فرعون) کے منہ میں ٹھونس رہا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہو جائے۔''[1] امام ترمذی اور ابن جریر طبری نے بھی اس حدیث کو دوسری

[1] مسند أبي داود الطيالسي :411/4 ، حديث:2816.

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی

اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، پھر انھوں نے (باہم) اختلاف نہیں کیا حتی کہ ان

جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿93﴾

کے پاس علم آ گیا۔ (اے نبی!) بے شک آپ کا رب ان کے درمیان روز قیامت ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿93﴾

سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔[1]

فرعون کا جسم نشانِ عبرت بنا دیا گیا: اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ﴾ ''تو آج ہم تیرے بدن کو بچا کر (سمندر سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے نشانِ عبرت ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی سلف نے فرمایا ہے کہ بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کے بارے میں شک تھا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ اس کے جسم کو صحیح سلامت لیکن روح کے بغیر نکال دے، اس نے اس وقت اپنی مشہور زرہ پہن رکھی تھی، سمندر نے باہر نکال کر اسے ایک اونچی جگہ پر پھینک دیا تاکہ لوگوں کو اس کی موت اور ہلاکت کے بارے میں یقین ہو جائے[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ﴾ یعنی آج ہم تجھے اونچی زمین پر ڈال دیں گے۔ ﴿بِبَدَنِكَ﴾ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدن کے معنی جسم کے ہیں۔[3] ﴿لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ﴾ یعنی تاکہ یہ بنی اسرائیل کے لیے تیری موت اور ہلاکت کی دلیل ہو اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، ہر جان دار کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی چیز اس کے غضب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿92﴾﴾ ''تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت ہو اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔'' اور وہ ان سے نصیحت اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔

فرعون کی ہلاکت عاشوراء کے دن ہوئی: فرعونیوں کی ہلاکت کا یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا تھا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا: [(مَا هٰذَا الْیَوْمُ الَّذِی تَصُومُونَهُ ؟) فَقَالُوا: هٰذَا یَوْمٌ ظَهَرَ فِیهِ مُوسٰی عَلٰی فِرْعَوْنَ ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ : أَنْتُمْ أَحَقُّ بِمُوسٰی مِنْهُمْ فَصُومُوهُ] ''تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: اس دن موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آ گئے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: ان کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کے تم زیادہ حقدار ہو، لہٰذا تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔''[4]

---

① جامع الترمذی ، التفسیر ، باب ومن سورة یونس، حدیث:3107 وتفسیر الطبری :211/11 . ② تفسیر الطبری : 215,214/11. ③ تفسیر الطبری :215/11. ④ صحیح البخاری ، التفسیر ، باب: ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ ...... (یونس 90:10)......، حدیث:4680 البتہ حدیث کا پہلا جز صحیح مسلم ، الصیام ، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: (128)-1130 کے مطابق ہے۔

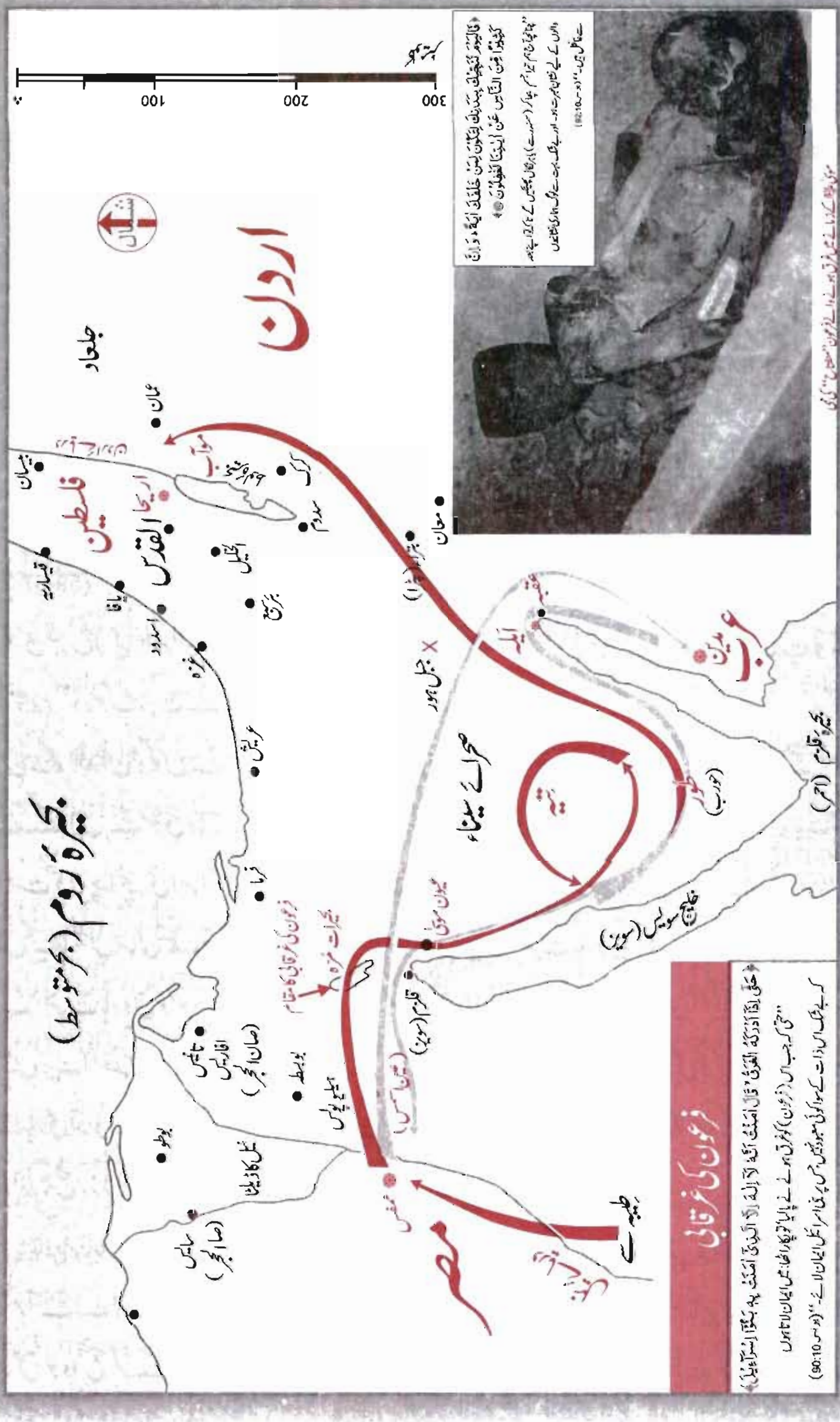
بحیرہ روم (بحر متوسط)
فلسطین
اردن
شمال
صحرائے سیناء
مصر
عرب
مدین
القدس
عمان
معان
سدوم
کرک
غزہ
یافا
عریش
طیبہ
فرعون کی غرقابی
خلیج سویس (سویز)
بحیرہ قلزم (احمر)
300
200
100
0

تفسیر آیت :93

بنی اسرائیل کو عمدہ جگہ اور پاکیزہ رزق ملنا: اللہ تعالیٰ اپنی ان دنیوی واخروی نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے جن سے اس نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ ﴿ مُبَوَّاَ صِدْقٍ ﴾ ''عمدہ جگہ'' سے مراد بلاد مصر وشام، بیت المقدس اور اس کے گرد ونواح کے علاقے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرعون اور اس کے تمام لشکروں کو ہلاک کر دیا تو تمام بلاد مصر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت قائم ہو گئی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 137:7) ''اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے، ان کو زمین (شام) کے مشرق ومغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی، وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (کارخانے) بناتے اور (محلات کی عمارتیں) اُٹھاتے تھے، سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔'' اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:57-59) ''تو ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور نفیس مکانات سے (ان کے ساتھ ہم نے) اسی طرح (کیا) اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ ﴾ (الدخان 25:44) ''وہ لوگ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔''

لیکن اس کے بعد ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بلاد بیت المقدس کا رخ کیا کیونکہ یہ علاقے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے تھے، اس لیے موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ ان دنوں بیت المقدس پر قوم عمالقہ کی حکومت تھی، چنانچہ بنی اسرائیل نے ان کے خلاف جہاد کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا انھیں صحرا میں بھیج دیا جہاں یہ چالیس سال تک بھٹکتے پھرے، اسی صحرا ہی میں پہلے حضرت ہارون، پھر حضرت موسیٰ علیہما السلام نے بھی انتقال فرمایا۔ یہ لوگ حضرت ہارون وموسیٰ علیہما السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں اس صحرا سے باہر نکلے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں بیت المقدس پر فتح عطا فرما دی اور اس طرح ایک عرصے تک بیت المقدس پر انھی لوگوں کا قبضہ رہا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ ﴾ ''اور ہم نے انھیں (کھانے کو) پاکیزہ چیزیں عطا کیں۔'' ایسا حلال، طیب اور نافع رزق عطا کیا جو طبعی اور شرعی دونوں اعتبار سے بہت پاکیزہ تھا۔

فرقہ بندیاں: اور فرمایا: ﴿ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ ﴾ ''پس انھوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد اختلاف کیا۔'' یعنی علم آنے کے بعد انھوں نے مسائل میں اختلاف کیا، حالانکہ انھیں اختلاف نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حق کو واضح کر کے ہر قسم کے شک وشبہ کو دور کر دیا تھا۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ الْيَهُودَ اخْتَلَفُوا عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَّإِنَّ النَّصَارٰى اخْتَلَفُوا عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً ، وَّسَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

پھر اگر آپ (اس کتاب کے متعلق) شک میں ہوں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں،

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿94﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿94﴾ اور آپ ہرگز ان لوگوں میں سے نہ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿95﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ

ہوں جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، ورنہ آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے ﴿95﴾ بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب

رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿97﴾

کا حکم (عذاب) صادر ہو چکا وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿96﴾ خواہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں، حتی کہ وہ دردناک عذاب (بھی) دیکھ لیں ﴿97﴾

فِرْقَةً ، مِّنْهَا وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، قِيلَ: مَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي] ''بے شک یہودی آپس میں اختلاف کرتے ہوئے اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور عیسائی آپس میں اختلاف کرتے ہوئے بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور (ہماری) یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں سے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہوں گے؟ فرمایا: وہ جن کا عمل اس کے مطابق ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''مستدرک'' میں انھی الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔[1] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿93﴾﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

تفسیر آیات: 94-97

سابقہ کتابوں میں قرآن مجید کی تصدیق: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫﴾ (الأعراف 157:7) ''وہ لوگ جو اس رسول امی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' اپنی کتابوں کے اس علم کی روشنی میں اللہ

[1] المستدرك للحاكم، العلم، فصل في توقير العالم: 129/1، حديث: 444 میں یہ الفاظ ہیں: [...... إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقُوا عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَّتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً، فَقِيلَ لَهُ: مَا الْوَاحِدَةُ ؟ قَالَ: مَاأَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي] عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ جبکہ مستدرک حاکم کے متداولہ نسخوں میں بالخصوص اور ہمارے ہاں مُیسر کتب حدیث میں بالعموم ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ کے مطابق روایت ہمیں نہیں ملی، اور اس بات کا بھی قوی احتمال ہے کہ بھذا اللفظ ''اس لفظ کے ساتھ۔'' سے ابن کثیر کی مراد حدیث کا آخری جملہ ہو، یعنی [مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي] جو مستدرک میں [الیوم] کے اضافے کے ساتھ اور جامع الترمذي، الإيمان ، باب ماجاء في افتراق هذه الأمة، حديث: 2641 اس کے بغیر ہے جبکہ دیگر کتب حدیث میں [وَهِيَ الْجَمَاعَةُ] کے الفاظ کے ساتھ نقل ہے، دیکھیے مسند أحمد: 102/4 و سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث: 4596.

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا

پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی کہ وہ (عذاب سے پہلے) ایمان لائی ہو، پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو، سوائے قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿98﴾

لے آئے تو ہم نے ان سے دنیاوی زندگی میں ذلت کا عذاب ٹال دیا، اور ہم نے ایک (مقرر) وقت تک انھیں (اس سے) فائدہ (اٹھانے) دیا﴿98﴾

کے نبی کو یہ اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے مگر اس کے باوجود تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ تحریف و تبدیلی سے کام لیتے اور آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے، حالانکہ ان پر حجت قائم ہو چکی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿97﴾ ﴾ ”بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذاب الیم (نہ) دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس (ہر طرح کی) نشانی آ جائے۔“ یعنی ان کا ایسا ایمان نہیں ہوگا جو ان کے لیے مفید ہو بلکہ اس وقت کسی کا ایمان لانا اس کے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے بددعا کی تو کہا تھا: ﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ ﴾ (یونس 10:88) ”اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، چنانچہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک عذاب الیم (نہ) دیکھ لیں۔“ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:111) ”اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور مردے ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہاں، مگر اللہ ایسا چاہتا۔ اور لیکن ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (دیکھیے آیت: 98)

تفسیر آیت: 98

نزولِ عذاب کے وقت ایمان لانے نے قوم یونس کے سوا اور کسی کو فائدہ نہیں دیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے جن کی طرف اے نبی! ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا، کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ مکمل طور پر ایمان لے آتی بلکہ ہر بستی کے تمام یا اکثر لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب ہی کی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:30) ”بندوں پر افسوس! کہ ان کے پاس جو بھی رسول آتا رہا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔“ اور فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ ﴾ (الذّٰریٰت 51:52) ”اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا

عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 23:43) ’’اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے متکبر خوش حال لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور بے شک ہم قدم بقدم انھی کے پیچھے چلتے ہیں۔‘‘

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(عُرِضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ) فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلُ، وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلَانِ، وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ] ’’مجھ پر انبیاء پیش کیے گئے (میں نے دیکھا کہ) ایک نبی گزرتا اور اس کے ساتھ ایک ہی شخص ہوتا اور ایک نبی گزرتا اور اس کے ساتھ دو شخص ہوتے اور ایک نبی گزرتا اس کے ساتھ ایک جماعت ہوتی اور ایک نبی گزرتا اور اس کے ساتھ (ایمان لانے والا) ایک شخص بھی نہ ہوتا۔‘‘[1]

پھر اسی حدیث میں آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی کثرت کا ذکر فرمایا، پھر نبی اکرم صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ نے اپنی امت کی اس قدر کثرت کا ذکر فرمایا جس نے مشرقی اور مغربی دونوں افقوں کو بھر دیا تھا۔ الغرض! قوم یونس کے سوا سابقہ بستیوں میں سے کوئی ایک بستی بھی ایسی نہیں ہے جو سب کی سب اپنے نبی پر ایمان لے آئی ہو۔

قوم یونس نینوٰی میں رہتی تھی۔ یہ قوم اس وقت ایمان لائی جب اس نے اس عذاب کے آثار اور اسباب دیکھ لیے جس عذاب کے بارے میں ان کے نبی نے ان کو ڈرایا تھا اور خود اس بستی میں سے نکل گئے تھے مگر عذاب الٰہی کی آمد کے اثرات کو محسوس کر کے جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا، اس سے فریاد کی، اس کے حضور الحاح وزاری کی اور فریاد کرتے ہوئے اپنے بچوں، جانوروں اور مویشیوں تک کو بھی لے آئے اور دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! اس عذاب کو دور فرما دے جس کے بارے میں ان کے نبی نے انھیں ڈرایا تھا۔ اس توبہ واستغفار اور ایمان کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم فرمایا اور ان سے عذاب کو دور فرما دیا اور انھیں دنیا میں مہلت دے دی گئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸ ﴾ ’’مگر یونس علیہ السلام کی قوم کہ جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔‘‘

امام قتادہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قوم یونس کے سوا ایسی اور کوئی قوم نہیں کہ اس نے پہلے کفر کیا ہو اور عذاب الٰہی کو دیکھنے کے بعد ایمان لائی ہو اور اسے چھوڑ دیا گیا ہو اور اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو۔ قوم یونس نے جب یہ دیکھا کہ ان کے نبی موجود نہیں ہیں اور عذاب الٰہی قریب آ گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ اب ان کے لیے توبہ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو انھوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیے، جانوروں کو ان کے بچوں سے

[1] اس کا پہلا حصہ المعجم الکبیر للطبرانی: 241/18، حدیث: 605 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے اور باقی حصہ صحیح البخاری، الطب، باب من لم یرق، حدیث: 5752 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق ہے۔

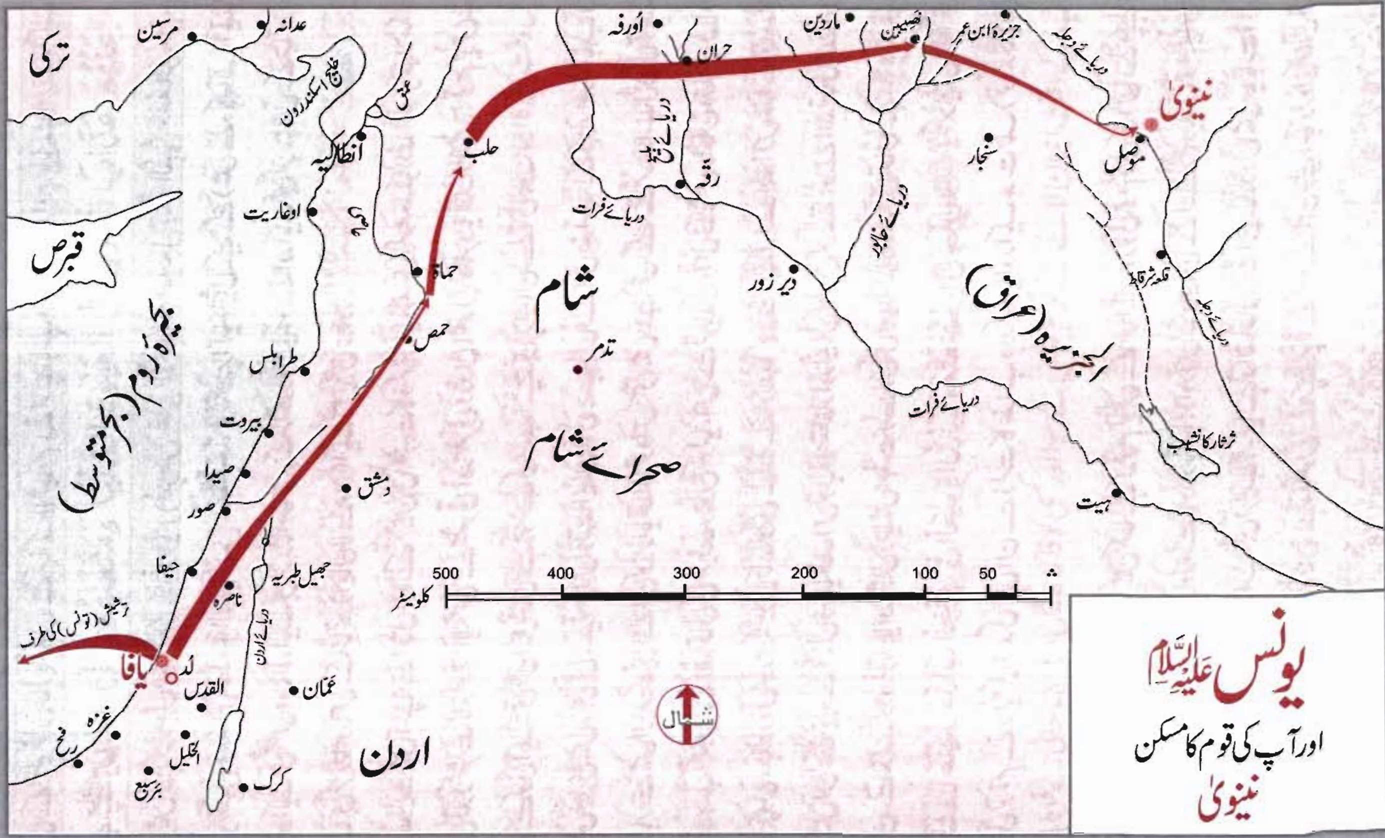

یونس علیہ السلام
اور آپ کی قوم کا مسکن
نینویٰ
ترکی
مرسین
عدانہ
خلیج اسکندرون
انطاکیہ
عتق
اوغاریت
قبرص
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
طرابلس
بیروت
صیدا
صور
حیفا
ترشیش (تونس) کی طرف
یافا
لد
القدس
الخلیل
غزہ
رفح
بئر سبع
کرک
عمان
اردن
دریائے اردن
جھیل طبریہ
ناصرہ
دمشق
حمص
حماۃ
حلب
شام
صحرائے شام
تدمر
رقہ
دریائے فرات
دریائے بلیخ
حران
اورفہ
ماردین
نصیبین
جزیرہ ابن عمر
دریائے دجلہ
نینویٰ
موصل
سنجار
دریائے خابور
دیر زور
الجزیرہ (عراق)
قلعہ شرقاط
ثرثار کا نشیب
ہیت
500
400
300
200
100
50
0
کلومیٹر
شمال

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب، سارے ہی ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿99﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ

مومن ہو جائیں؟ ﴿99﴾ اور کسی شخص کے لیے (ممکن) نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے، اور وہ (اللہ) ان لوگوں پر پلیدی (عذاب) ڈال

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿100﴾

دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے ﴿100﴾

الگ کر دیا اور چالیس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے فریادیں کرتے رہے جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کے لیے صدق دل سے توبہ اور ندامت کا اظہار کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر منڈلاتے ہوئے عذاب کو دور فرما دیا۔ امام قتادہ رحمہ اللہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قوم یونس موصل کی بستی نینوٰی کی رہنے والی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مجاہد، سعید بن جبیر رحمہم اللہ اور کئی ایک ائمہ سلف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [1]

تفسیر آیات :100,99

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایمان پر مجبور نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ ”اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا“ تو اے نبی! آپ کے آنے کے بعد آپ کا رب تمام روئے زمین کے لوگوں کو اجازت دے دیتا اور وہ سب کے سب آپ پر ایمان لے آتے لیکن اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور موجود ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ (ھود 11:118,119) ”اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یقیناً تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ ہمیشہ (باہم) اختلاف کرتے رہیں گے، سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں، سب سے بھر دوں گا۔“ اور فرمایا: ﴿اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ﴾ (الرعد 13:31) ”تو کیا مومنوں نے نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے رستے پر چلا دیتا۔“

ہدایت نہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہے اور نہ ہی آپ کے ذمے ہے: یہاں فرمایا ہے: ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿99﴾﴾ یعنی کیا پھر آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ مومن ہو جائیں؟ یہ نہ آپ کا حق ہے اور نہ یہ آپ پر فرض ہے بلکہ یہ تو اللہ رب ذوالجلال کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ﴾ (فاطر 35:8) ”چنانچہ وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، لہٰذا ان

[1] تفسیر الطبری: 11/221-223.

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: دیکھو (اور غور کرو) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتے جو ایمان

لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿101﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ

نہیں لاتے ﴿101﴾ تو یہ لوگ بھی (گویا) ان لوگوں کے سے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر رے۔ کہہ دیجیے: پھر تم انتظار کرو،

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿102﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ﴿102﴾ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اسی

كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ ع 10 11 15

طرح ہم پر لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں ﴿103﴾

لوگوں پر افسوس کرتے ہوئے آپ کی جان نہ جاتی رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ (البقرة 2:272) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:3) ''(اے پیغمبر!) شاید اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ خود کو ہلاک ہی کر لیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص 28:56) ''(اے نبی!) بے شک جس کو آپ پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ ﴾ (الرعد 13:40) ''آپ کا کام تو صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ ﴾ (الغاشية 88:21,22) ''چنانچہ آپ نصیحت کرتے رہیں، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہی ہیں، آپ ان پر داروغے نہیں ہیں۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہی کرتا ہے، وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور اپنے علم و حکمت اور عدل کی وجہ سے جسے چاہے ہدایت سے محروم رکھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿100﴾ ﴾ ''اور کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے اور وہ (اللہ) ان لوگوں پر پلیدی (عذاب) ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔'' ان پر وہ ذلت اور ضلالت کی نجاست ڈال دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل و براہین کو نہیں سمجھتے جبکہ اس کی ذات گرامی سراپا عدل ہے، خواہ وہ کسی کو ہدایت عطا فرمائے یا اس سے محروم رکھے۔

تفسیر آیات: 101-103

آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ اس کی نعمتوں کے بارے میں غور کریں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں عقل والوں کے لیے کس قدر روشن دلائل مہیا فرما رکھے ہیں، مثلاً: آسمانوں میں روشن نجوم و کواکب (جو) ثابت و سیارہ ہیں، شمس و قمر، رات اور دن اور ان کا ایک دوسرے کے بعد آنا

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

کہہ دیجیے: اے لوگو! اگر تم میرے دین سے (متعلق) شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، لیکن میں تو

اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿104﴾ وَاَنْ اَقِمْ

اللہ کی عبادت کرتا ہوں وہ جو تمھیں وفات دیتا ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہو جاؤں ﴿104﴾ اور یہ کہ آپ یکسو ہو کر

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿105﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اپنا چہرہ دین (اسلام) کی طرف سیدھا رکھیں اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں ﴿105﴾ اور آپ اللہ کے سوا انھیں مت پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتے

مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿106﴾ وَاِنْ

ہیں اور نہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو بے شک آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے ﴿106﴾ اور اگر اللہ آپ کو کوئی

يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی بھی اسے دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ آپ کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی بھی اس کے فضل کو رد

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿107﴾

کرنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس (فضل) سے نوازتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿107﴾

جانا، پھر ایک کا دوسرے میں داخل ہونا اور گھٹنا بڑھنا اور آسمان کی بلندی، وسعت اور حسن و زینت اور آسمان سے اللہ تعالیٰ کا بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا اور اس سے مختلف انواع و اقسام کے پھلوں، فصلوں، پھولوں اور جڑی بوٹیوں کو پیدا فرمانا، پھر زمین میں مختلف شکلوں، رنگوں اور فائدوں پر مشتمل جانوروں کا پیدا فرمانا اور زمین میں پہاڑوں، میدانوں، جنگلوں، آبادیوں اور صحراؤں کے یہ وسیع و عریض سلسلے اور دریاؤں اور سمندروں کی موجیں اور ان کے عجائبات اور اس کے باوجود ان کا دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے والوں کے لیے مسخر ہونا اور ان کی کشتیوں کو اٹھانا اور انھیں سہولت اور آسانی کے ساتھ (ساحلِ مراد تک) چلانا، یہ سب کچھ اس قادر و قدیر ذات گرامی کی قدرت کاملہ ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں جس کے سوا اور کوئی نہ معبود ہے اور نہ پروردگار۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿101﴾ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے، ان کو نشانیاں اور ڈراوے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔'' یعنی جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان کے نہ تو یہ زمین و آسمان کی نشانیاں ہی کام آتی ہیں اور نہ وہ آیات اور دلائل و براہین ہی کچھ کام آتے ہیں جو حضرات انبیائے کرام ﷺ کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (یونس 10:96) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' ﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ ﴾ ''تو یہ لوگ بھی (گویا) ان لوگوں کے سے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزرے۔'' یعنی اے نبی! آپ کی تکذیب کرنے والے یہ لوگ کیا اس طرح کی سزاؤں اور عذابوں کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح کی سزاؤں اور عذابوں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

کہہ دیجیے: اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، چنانچہ جس (شخص) نے ہدایت پائی تو یقیناً وہ اپنے ہی لیے

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿108﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

ہدایت پاتا ہے، اور جس نے گمراہی اختیار کی تو یقیناً وہ اپنے ہی لیے گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور میں تمھارا وکیل نہیں ہوں ﴿108﴾ اور آپ کی طرف جو

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿109﴾ ع 11/6/16

وحی کی جاتی ہے آپ اس کی اتباع کیجیے، اور صبر کیجیے حتی کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿109﴾

میں وہ قومیں مبتلا ہوئی تھیں جنھوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔ ﴿ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿102﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''کہہ دیجیے: پھر تم بھی انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور مومنوں کو نجات دیتے رہیں گے۔'' ﴿ كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ ﴾ ''اسی طرح ہم پر لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں۔'' یہ وہ حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی پر واجب قرار دے رکھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ ﴾ (الأنعام 54:6) ''تمھارے رب نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔''

تفسیر آیات: 104-107

اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اسی پر توکل کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ یہ اعلان فرما دیں کہ اے لوگو! اگر تمھیں اس دین حنیف کے بارے میں ذرہ بھر بھی شک ہے جسے میں تمھارے پاس لایا ہوں اور جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے تو سن لو! جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا کیونکہ میں تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرتا ہوں۔ وہی تم پر موت طاری کرے گا جس طرح اس نے تمھیں پیدا فرمایا ہے۔ اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اگر تمھارے یہ معبود جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، سچے ہیں تو میں اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ کچھ طاقت رکھتے ہیں تو تم انھیں کہو کہ یہ مجھے نقصان پہنچائیں لیکن یہ تو کسی نفع و نقصان کے مالک ہی نہیں ہیں، نفع و نقصان تو صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں ہو جاؤں۔'' ﴿ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ ﴾ ''اور یہ کہ آپ اپنا رخ یکسو ہو کر دین (اسلام) کی طرف سیدھا رکھیں۔'' یعنی شرک سے کنارہ کش ہو کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿105﴾ ﴾ ''اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔'' یہ جملہ ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ پر عطف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ...... ﴾ الآیة ''اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے......'' اس جملے میں اس کی مزید تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ خیر و شر اور نفع و نقصان صرف اللہ وحدہ لاشریک کے قبضۂ اختیار میں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، لہٰذا صرف اسی وحدہ لاشریک کی ذات گرامی عبادت کی مستحق ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ

﴿ الرَّحِيْمُ ﴾ ''اور وہ نہایت بخشنے والا ، بڑا مہربان ہے۔'' یعنی (ان لوگوں کو) جو اس کے حضور صدقِ دل سے توبہ کر لیں، خواہ انھوں نے کتنا بڑا گناہ کیا ہو حتی کہ شرک کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو تو وہ ان کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

تفسیر آیات :109,108

انبیائے کرام علیہم السلام بھی وحی الٰہی کے تابع ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس جو دین آیا وہی حق ہے، اس میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں ہے، لہٰذا جو اس سے ہدایت حاصل کرے اور اس کی اتباع کرے تو اس کا اسے ہی فائدہ حاصل ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرے تو گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ ﴿ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴾ ''اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔'' مجھے تم پر اس طرح مسلط نہیں کیا گیا کہ تم ضرور ایمان لاؤ بلکہ میرا کام تو تمھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا دینا ہے اور تمھیں ہدایت دینا یا نہ دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) آپ کو جو حکم بھیجا جاتا ہے، اسی کی پیروی کیجیے اور (تکلیفوں پر) صبر کریں۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ پر جس دین کو نازل کیا اور وحی فرمایا ہے، اسے مضبوطی سے تھام لیں اور مخالفت کرنے والے لوگوں کی مخالفت پر صبر کریں۔ ﴿ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔'' یعنی آپ کے اور ان کے درمیان۔ ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴾ ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' یعنی اپنے عدل وحکمت کے ساتھ بہترین فتح عطا کرنے والا ہے۔

تفسیر سورۂ ہود

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا

الٓرٰ، (یہ وہ) کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، بڑی حکمت والے، بہت خبر رکھنے والے کی طرف سے ① یہ کہ تم

اللّٰهَ ط اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تمھارے لیے اسی کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ② اور یہ کہ تم اپنے رب سے

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ

بخشش مانگو، پھر تم اسی کی طرف توبہ کرو، وہ تمھیں بہت اچھا فائدہ دے گا ایک مقرر وقت تک، اور ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل بخشے گا۔ اور اگر تم منہ موڑو

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④

گے تو بے شک میں تم پر ایک بڑے (ہولناک) دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ③ تمھارا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ④

اس سورت نے نبیٔ اکرم ﷺ کو بوڑھا کر دیا: امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَّالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَ ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ وَ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾] ''سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ نبا اور سورۂ تکویر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔''[1] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَّأَخَوَاتُهَا] ''مجھے ہود اور اس جیسی دیگر سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔''[2]

تفسیر آیات: 1-4

قرآن پاک کی آیات محکم اور مفصل ہیں: حروف مقطعات کے بارے میں اللہ کی توفیق سے سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾

① جامع الترمذي، تفسير القرآن......، باب ومن سورة الواقعة، حديث:3297. ② مجمع الزوائد، التفسير، سورة هود عليه السلام:37/7، حديث:11073 عن عقبة بن عامر رضي الله عنه.

''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر بالتفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔'' یعنی قرآن مجید کی آیات کریمہ الفاظ کے اعتبار سے محکم اور معانی کے اعتبار سے مفصل ہیں، یعنی صوری و معنوی ہر اعتبار سے کامل ہیں۔ امام مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ سے ان الفاظ کے یہی معنی مروی ہیں اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی انھی کو اختیار کیا ہے۔[1] ﴿ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ ﴾ ''اللہ بڑی حکمت والے، خوب خبر رکھنے والے کی طرف سے۔'' یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اپنے اقوال و احکام میں حکیم ہے اور تمام امور و معاملات کے انجام سے باخبر ہے۔

قرآن مجید اور دعوتِ توحید: ﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' یعنی یہ محکم و مفصل قرآن مجید اس لیے نازل ہوا ہے تاکہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبيآء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (بتوں وغیرہ کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

معلم کائنات ﷺ بحیثیت بشیر و نذیر: فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ ﴾ ''بے شک میں اسی کی طرف سے تم کو ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔'' یعنی اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی تو میں تمھیں اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو میں تمھیں اجر و ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور آپ نے درجہ بدرجہ قریب کے تمام قبائلِ قریش کو دعوت دی جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: [يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تُصَبِّحُكُمْ أَلَسْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ فَقَالُوا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا، قَالَ: فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ] ''اے گروہ قریش! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکر صبح (یا شام) تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق نہ کرو گے؟ ان سب نے جواب دیا کہ ہم آپ کی ضرور تصدیق کریں گے کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا: (یہ تو تمھیں سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی، لہٰذا تم میری اس بات کی بھی تصدیق کرو کہ) میں تمھیں (اللہ تعالیٰ کے) پیش آمدہ شدید عذاب سے ڈراتا ہوں۔''[2]

استغفار کے ثمرات اور اس سے روگردانی کے نقصانات: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ﴾ ''اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو،

---

[1] تفسير الطبري: 232/11. [2] ملخص از صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ ﴾ (سبا 46:34)، حديث: 4801 و صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 214:26)، حديث: 208 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ

آگاہ رہو! بے شک وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں تاکہ اس (اللہ) سے چھپ جائیں۔ آگاہ رہو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تب بھی) وہ

مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ⑤

(اللہ) جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے ⑤

پھر اسی کی طرف توبہ کرو وہ تمھیں بہت اچھا فائدہ دے گا ایک وقت مقرر تک اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل دے گا۔'' یعنی میں تمھیں یہ حکم بھی دیتا ہوں کہ اپنے سابقہ گناہوں کی بخشش طلب کرو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور یہ اقرار کرو کہ تم اپنی اس توبہ پر قائم رہو گے۔ ﴿ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ ﴾ ''وہ تم کو ایک وقت مقرر تک (دنیا میں) بہت اچھے فائدے سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل دے گا۔'' یعنی آخرت میں جیسا کہ امام قتادہ کا قول ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ ...... ﴾ الآیة (النحل 16:97) ''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے......''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ③ ﴾ ''اور اگر تم روگردانی کرو گے تو بے شک مجھے تمھارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔'' یہ شدید ترین وعید ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرے کہ وہ روز قیامت یقیناً عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگا۔ ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ ۚ ﴾ ''تم (سب) کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ④ ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس پر بھی کہ اپنے دوستوں سے جتنا چاہے اچھا سلوک کرے، اپنے دشمنوں سے جس قدر چاہے انتقام لے اور قیامت کے دن ساری مخلوق کو دوبارہ پیدا فرما دے۔ یہ مقامِ ترہیب ہے جیسا کہ پہلا مقام ترغیب تھا۔

تفسیر آیت:5

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ عام حالات میں اور مباشرت کرتے وقت اپنی شرمگاہوں کو آسمان کی طرف کرنے کو ناپسند کرتے تھے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[2] امام بخاری نے ابن جریج از محمد بن عباد بن جعفر از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی (اس طرح): [أَلَا! إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِی صُدُورُهُمْ] ''خبردار! بے شک وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں۔''[3] تلاوت کی تو میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ سینوں کو دوہرا کرنے سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی سے مباشرت کرتے ہوئے یا قضائے حاجت کے

① تفسیر الطبری: 11/235,234. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 6/1998. ③ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے، اور وہ جانتا ہے اس کی قرار گاہ اور اس کے دفن ہونے کی جگہ کو۔ ہر چیز

كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ⑥

واضح کتاب میں (تحریر) ہے ⑥

وقت حیا محسوس کرتا تھا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ ﴾ ''دیکھو! بے شک وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ اللہ سے پردہ کریں۔''[1] اور ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ لوگ رفع حاجت کے وقت آسمان کی طرف شرمگاہ کے ظاہر ہونے سے حیا محسوس کرتے تھے، نیز اپنی بیویوں سے مقاربت کرتے وقت بھی آسمان کی طرف شرمگاہ کے ظاہر ہونے سے حیا محسوس کرتے تھے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ يَسْتَغْشُونَ ﴾ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔[3]

تفسیر آیت:

تمام مخلوقات کا رزق اللہ کے ذمے ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چھوٹی بڑی تمام مخلوقات کا رزق اس کے ذمے ہے، خواہ وہ زمین میں رہ رہی ہوں یا دریاؤں اور سمندروں میں اور وہ ان کے رہنے اور سونپے جانے کی جگہ کو بھی جانتا ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ وہ زمین میں کہاں تک چلیں گی، پھر کہاں آ کر وہ رک جائیں گی اور ٹھہر جائیں گی۔ ﴿ مُسْتَوْدَعَهَا ۚ ﴾ سے مراد گھونسلے اور رہنے سہنے کے مقامات ہیں۔ علی بن ابوطلحہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ جانتا ہے کہ ان کا ٹھکانا کون سا ہے اور ﴿ مُسْتَوْدَعَهَا ۚ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کہاں مریں گے۔[4] یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتابِ روشن میں بڑی تفصیل سے لکھا ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۝ ﴾ (الأنعام 38:6) ''اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا پرندہ ہے، ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں، ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی، پھر سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ ...... ﴾ (هود 11:5)، حديث: 4682.

② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ ...... ﴾ (هود 11:5)، حديث: 4681.

③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ ...... ﴾ (هود 11:5)، حديث: 4683.

④ تفسير الطبري: 4/12 .

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا

اچھے عمل کرتا ہے۔ اور (اے نبی!) اگر آپ کہیں کہ تمھیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا

کھلا جادو ہے ⑦ اور اگر ہم ان سے گنی چنی مدت تک عذاب مؤخر کر دیں تو البتہ وہ (کافر) ضرور کہیں گے کہ کیا چیز اسے روکے ہوئے ہے۔

ع 1/8/1 يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑧ ع

خبردار! جس دن وہ (عذاب) ان کے پاس آئے گا (پھر) ان سے ٹلے گا نہیں اور انھیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ⑧

مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

تفسیر آیات :8,7

آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے قبل عرش الٰہی پانی پر تھا: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ امام احمد نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا بَنِي تَمِيمٍ ! قَالَ: قَالُوا: قَدْ بَشَّرْتَنَا، فَأَعْطِنَا، قَالَ: اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا أَهْلَ الْيَمَنِ! قَالَ: قُلْنَا قَدْ قَبِلْنَا، فَأَخْبِرْنَا عَنْ أَوَّلِ هٰذَا الْأَمْرِ كَيْفَ كَانَ؟ قَالَ: كَانَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ، وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ، وَكَتَبَ فِي اللَّوْحِ ذِكْرَ كُلِّ شَيْءٍ] ''اے بنوتمیم! بشارت قبول کرلو، انھوں نے عرض کی: آپ نے ہمیں بشارت دی ہے، پھر (اب کچھ) عطا فرمائیے، آپ نے فرمایا: اے اہل یمن! تم بشارت قبول کرلو، انھوں نے عرض کی: ہم نے اسے قبول کرلیا، آپ یہ فرمائیں کہ اس کائنات کی سب سے پہلے ابتدا کس طرح ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا: ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تھی، اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کا ذکر لکھ دیا تھا۔'' اسی اثنا میں ایک شخص نے آکر مجھے یہ بتایا کہ عمران! تمھاری اونٹنی کی رسی کھل گئی ہے تو یہ بات سن کر میں باہر چلا گیا۔ اس وقت اونٹنی دور جا چکی تھی، میں اس کی تلاش میں نکلا، مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد آپ نے کیا فرمایا تھا۔[1] یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بھی بہت سے الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔[2]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ

[1] مسند أحمد: 432,431/4. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ...... ﴾ (الروم 27:30)، حديث: 3191 و 7418 صحیح مسلم میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔

الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ] ''اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیر کو آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا اور فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ] ''اللہ عزوجل نے فرمایا: تم خرچ کرو! میں تم پر خرچ کروں گا۔'' آپ نے فرمایا: [يَدُ اللّٰهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ] ''اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن مسلسل خرچ کرنا بھی اسے کم نہیں کر سکتا۔'' آپ نے فرمایا: [أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ] ''ذرا غور کرو کہ اس نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے لے کر اب تک جو کچھ خرچ کیا ہے بلاشبہ اس سے ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوا جو اس کے ہاتھ میں ہے، اس کا عرش پانی پر تھا، اسی کے ہاتھ میں میزان ہے وہی نیچے جھکاتا اور اوپر اٹھاتا ہے۔''[2]

مقصد حیات: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ ﴾ ''تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔'' یعنی اس نے آسمانوں اور زمین کو اپنے بندوں کی منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے جنھیں اس نے محض اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ شرک نہ کریں۔ اس نے اس کائنات کو بے معنی پیدا نہیں فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۞ ﴾ (صٓ 27:38) ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو بے کار پیدا نہیں کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں، سو کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۞ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۞ ﴾ (المؤمنون 23:115,116) ''کیا تم نے خیال کر لیا ہے کہ محض ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ بے شک تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ چنانچہ اللہ جو سچا بادشاہ (اور) برتر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش کریم کا مالک ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۞ ﴾ (الذّٰریٰت 51:56) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔''

احسن عمل کون سا ہے؟ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ ﴾ ''تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔'' قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں عمل کے ساتھ اکثر کا نہیں بلکہ احسن کا لفظ استعمال کیا ہے اور کوئی بھی عمل اس وقت تک احسن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خالص اللہ عزوجل ہی کے لیے نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق

---

[1] صحیح مسلم، القدر، باب حجاج آدم وموسٰی صلی اللہ علیہما وسلم، حدیث: 2653. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (ہود 11:7)، حدیث: 4684 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی النفقۃ وتبشیر المنفق بالخلف، حدیث: 993.

نہ ہو، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو عمل رائیگاں اور باطل ہو جائے گا۔

بعث بعد الموت کے متعلق مشرکین کا جھگڑا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ ''اور اگر آپ کہیں کہ بے شک تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھائے جاؤ گے تو البتہ ضرور کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے نبی! اگر آپ ان مشرکوں کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں موت کے بعد دوبارہ اسی طرح اٹھائے گا جیسا کہ اس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (الزخرف 87:43) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو البتہ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ ﴾ (العنکبوت 61:29) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تمھارے لیے مسخر کیا تو البتہ وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے!'' لیکن اس کے باوجود یہ لوگ بعث بعد الموت اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر ہیں، حالانکہ دوبارہ زندہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ ﴾ (لقمٰن 28:31) ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور تمھیں دوبارہ اٹھانا صرف ایک شخص (کے پیدا کرنے) کی طرح ہے۔'' اور وہ کہتے تھے ﴿ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ ''یہ تو کھلا جادو ہے۔'' یعنی یہ لوگ کفر اور سرکشی اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ بھی اٹھنا ہے، ایسی بات تو صرف وہی شخص تسلیم کر سکتا ہے جس پر آپ نے جادو کر دیا ہو۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ...... ﴾ الآیۃ ''اور اگر ایک مدت معین تک ہم ان سے عذاب روک دیں......'' اس فرمان باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہم ان مشرکوں سے مؤاخذہ اور عذاب ایک مدت مقررہ تک روک دیں اور اس مدت کے بارے میں ان سے وعدہ کر لیں ﴿ لَيَقُوْلُنَّ ﴾ تو یہ تکذیب کرتے اور جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً کہہ دیں گے کہ ﴿ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ ﴾ یعنی اس عذاب کو آنے سے کس چیز نے روکا ہے کیونکہ تکذیب اور شک ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے، اس سے اب یہ چھٹکارا حاصل کر ہی نہیں سکتے۔

''اُمَّة'' کے متعدد معانی: لفظ امت قرآن و سنت میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً: مدت کے معنی میں جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ: ﴿ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ ﴾ میں ہے، نیز جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ﴾ (یوسف 45:12) ''اور بولا وہ شخص جو دونوں (قیدیوں) میں سے رہائی

پا گیا تھا اور جسے ایک مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی۔'' اسی طرح یہ لفظ اس امام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جس کی اقتدا کی جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴾ (النحل 120:16) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' اسی طرح ملت اور دین کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝﴾ (الزخرف 23:43) ''بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہے اور بلاشبہ ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔'' یہ لفظ جماعت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫﴾ (القصص 23:28) ''اور جب وہ مدین کے پانی (کے کنویں) پر پہنچا تو اس نے پایا کہ وہاں لوگوں کی ایک جماعت ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور تم بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾ (یونس 47:10) ''اور ہر ایک جماعت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا جب ان کا پیغمبر آ گیا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا گیا۔''

یہاں امت (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے، خواہ وہ لوگ مومن ہوں یا کافر جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا جو یہودی اور عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ اس پر ایمان نہ لایا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ جہنم رسیدہ لوگوں میں سے ہوگا۔''[1] امت کے وہ افراد جو آپ ﷺ کی اتباع اور تصدیق کرنے والے ہیں، ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمرٰن 110:3) ''(مومنو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو۔'' صحیح حدیث میں (بھی یہ لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا) ہے: [فَأَقُولُ: أُمَّتِي أُمَّتِي] ''میں کہوں گا: (اے اللہ!) میری امت (کو بچا لے)، میری امت (کو بچا لے۔)''[2] امت کا لفظ فرقہ اور طائفہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمدﷺ......، حدیث: 153 عن أبي هریرةؓ. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها......، حدیث: 193 ومسند أحمد: 144/3 واللفظ له عن أنس بن مالكؓ.

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائیں، پھر وہ اس سے چھین لیں، تو بے شک البتہ وہ بڑا ناامید، بہت ناشکرا ہو جاتا ہے ⑨ اور اگر ہم اسے

نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ⑩ اِلَّا

تکلیف پہنچنے کے بعد نعمتیں چکھائیں تو وہ ضرور کہے گا: مجھ سے سختیاں دور ہو گئیں، بے شک وہ (اس وقت) اترانے والا اور فخر جتانے والا ہو جاتا

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪

ہے ⑩ مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے، انھی کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے ⑪

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○﴾ (الأعراف 159:7) ''اور قوم موسیٰ میں سے ایک گروہ (ایسا) ہے جو حق کا رستہ بتاتا اور اسی (حق) کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ ......﴾ الآیة (آل عمرٰن 113:3) ''(ان) اہل کتاب میں سے ایک گروہ (حق پر) قائم ہے......''

تفسیر آیات:9-11

خوشی اور غمی میں انسان کا بدل جانا: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان مذموم صفات کا ذکر فرمایا ہے جن سے اس کے صرف وہ مومن بندے ہی محفوظ رہتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہو۔ اور وہ یہ کہ اسے آسائش اور نعمت کے بعد جب کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مستقبل میں خیر و بھلائی سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور حالِ جاری میں کفر و انکار کی روش اختیار کر لیتا ہے، گویا اس نے کبھی کوئی خیر و بھلائی دیکھی ہی نہ تھی اور موجودہ مشکلات سے نکلنے کی گویا کوئی امید ہی نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اسے تکلیف کے بعد آسائش اور سہولت حاصل ہو تو ﴿لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ﴾ ''تو البتہ وہ ضرور کہے گا: سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔'' یعنی اب مجھے کوئی تکلیف اور پریشانی لاحق نہ ہو گی۔ ﴿اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ⑩﴾ ''بے شک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔'' یعنی اس کے پاس جو نعمتیں موجود ہوتی ہیں ان پر وہ خوشیاں مناتا اور دوسروں کے سامنے فخر کا اظہار کرتا ہے۔

مومن کے لیے خیر ہی خیر ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا﴾ ''مگر وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا۔'' یعنی آلام و مصائب پر ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ﴾ ''اور نیک عمل کیے۔'' یعنی صحت و عافیت اور آسائش و راحت کے اوقات میں ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے۔'' یعنی انھیں دنیا میں پہنچنے والی تکلیفیں ان کی بخشش کا سبب بن جاتی ہیں۔ ﴿وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪﴾ ''اور اجر عظیم ہے۔'' یعنی ان اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جو انھوں نے خوشحالی اور آسائش کے دور میں سرانجام دیے تھے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ هَمٌّ، وَّلَا غَمٌّ، وَّلَا نَصَبٌ، وَّلَا وَصَبٌ، وَّلَاحَزَنٌ، حَتَّى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ] ''مومن کو جب کوئی پریشانی، غم و فکر، تکلیف و مشقت اور حزن و ملال لاحق ہوتا ہے حتی کہ جب اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ

تو (اے نبی!) شاید کہ آپ اس وحی سے کچھ چھوڑنے والے ہوں جو آپ کی طرف (نازل) کی جاتی ہے اور آپ کا سینہ اس سے تنگ ہونے والا ہو کہ

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ⑫

وہ (کافر) کہیں گے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ (کیوں نہیں) آیا۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

پر نگران ہے⑫ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجیے: پھر تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑬ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ

جنھیں (مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو⑬ پھر اگر وہ تمھیں جواب نہ دیں تو جان لو کہ یقیناً یہ (قرآن) اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ

بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭

کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر (اے لوگو!) کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟⑭

گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''[1] اور صحیح حدیث میں ہے: [فَوَاللّٰهِ! لَا يَقْضِي اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِ قَضَاءً إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ]، [إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ]، [وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ] ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو فیصلہ بھی فرماتا ہے، وہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اگر اسے کوئی آسائش حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے، مومن کے سوا کسی اور کے لیے یہ بات نہیں ہے (ایک مومن کی زندگی صبر و شکر کا حسین امتزاج ہوتی ہے۔)''[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾ (العصر 103:1-3) ''زمانے کی قسم! یقیناً انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ ﴾ (المعارج 70:19,20) ''کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے اور جب اسے شر پہنچے تو گھبرا جاتا ہے۔''

تفسیر آیات:12-14

مشرکوں کی باتوں سے رسول اللہ ﷺ کا دل گرفتہ ہونا اور اللہ کی طرف سے آپ کو تسلی: مشرکین رسول اللہ ﷺ

① مذکورہ الفاظ صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد کی مختلف روایات سے لیے گئے ہیں، دیکھیے صحیح البخاری، المرضی، باب ما جاء فی كفارة المرض، حديث: 5642,5641 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض......، حديث: 2573 ومسند أحمد: 335/2 و38/3 وصحيح ابن حبان، الجنائز، ذكر تكفير الله جل وعلا بالهموم......: 166/7، حديث: 2905 عن أبي سعيد الخدري وأبي هريرة رضي الله عنهما. ② حدیث کے الفاظ بالترتیب مسند الشهاب: 348/1، حديث: 596 وصحيح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: 2999 وصحيح ابن حبان، الجنائز، ذكر إثبات الخير للمسلم......: 156,155/7، حديث: 2896 کے مطابق ہیں۔ والله تعالى أعلم.

کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح کی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:7,8) ''اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ہمراہ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا؟ یا اس پر (آسمان سے) خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالم (مومنوں سے) کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک جادوزدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔''

رسول اللہ ﷺ مشرکین کی اس طرح کی باتوں سے دل آزردہ ہو جایا کرتے تھے، اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے اور رہنمائی فرمائی ہے کہ آپ ان کی باتوں سے دل گرفتہ نہ ہوں، نہ ان کی وجہ سے دعوت الی اللہ کے کام کو چھوڑیں بلکہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے دن رات مصروفِ عمل رہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:97) ''اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ بے شک ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا ﴾ ''تو (اے نبی!) شاید کہ آپ اس وحی سے کچھ چھوڑنے والے ہوں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور آپ کا سینہ اس سے تنگ ہونے والا ہو کہ وہ (کافر) کہیں گے''، یعنی ان کے یہ کہنے کی وجہ سے (کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا آپ کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، آپ کا دل تنگ نہ ہو) کیونکہ آپ تو نذیر ہیں، سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے کہ ان کی بھی تکذیب کی گئی، انھیں بھی طرح طرح کی تکلیفیں دی گئی تھیں مگر انھوں نے صبر کیا حتی کہ فتح ونصرتِ الٰہی سے شاد کام ہوئے۔

اعجازِ قرآن: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اعجاز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ قرآن مجید جیسی کتاب پیش کر سکے بلکہ یہ بھی کسی کے مقدور میں نہیں کہ وہ اس جیسی دس سورتیں یا ایک ہی سورت بھی پیش کر سکے کیونکہ رب تعالیٰ کے پاک کلام سے مخلوق کے کلام کو کوئی نسبت یا مشابہت نہیں ہو سکتی جیسا کہ صفاتِ الٰہی سے مخلوق کی صفات کو کوئی موافقت ومناسبت نہیں ہو سکتی، اس کی ذاتِ بابرکات اس بات سے بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے کہ کوئی بھی چیز اس کے مشابہ ہو، اس کے سوا کوئی معبود ہے نہ پروردگار۔ پھر فرمایا: ﴿ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ ﴾ ''پھر اگر وہ تمھاری بات قبول نہ کریں۔''، یعنی چیلنج کو قبول نہ کر سکیں اور قرآن کا جواب پیش نہ کر سکیں تو پھر خوب جان لو! یہ لوگ قرآن مجید کے مقابلے سے عاجز وقاصر ہیں کیونکہ یہ پاک کلام تو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ اور اس کے علم اور اس کے اوامر ونواہی پر مشتمل ہے۔ ﴿ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴ ﴾ ''اور یہ کہ اس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، پھر (اے لوگو!) کیا تم مسلمان (ہوتے) ہو؟''[1]

[1] اعجاز قرآن کی تفصیل کے لیے دیکھیے یونس، آیت: 38 کے ذیل میں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا

جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم انھیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی

لَا يُبْخَسُوْنَ ⑮ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا

نہیں کی جاتی⑮ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور برباد ہوگیا جو کچھ انھوں نے اس (دنیا) میں کیا تھا اور جو عمل

فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯

وہ کرتے رہے، ضائع ہوگئے⑯

تفسیر آیات: 16,15

محض دنیا کے طلب گار کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ریا کاروں کو ان کی نیکیوں کا دنیا ہی میں بدلہ دے دیا جائے گا، اس لیے کہ ان پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی نماز، روزہ یا تہجد وغیرہ کوئی عمل بھی دنیا کے لیے کرتا ہے تو میں اس کی خواہش کے مطابق اسے دنیا ہی میں اس کا صلہ ادا کر دیتا ہوں، پھر اس کا وہ عمل اکارت ہو جاتا ہے اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔[1] امام مجاہد، ضحاک اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[3] مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ریا کاروں کے بارے میں ہے۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ جس کا ارادہ و نیت طلب دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کا اسے دنیا ہی میں بدلہ عطا فرما دیتا ہے اور آخرت میں ایسے شخص کے پاس کوئی ایسی نیکی نہ ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے جبکہ مومن کو اس کی نیکیوں کا صلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب بھی اسے ضرور ملے گا۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا○ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:18-21) ”جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ مذموم اور دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا خواست گار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے جبکہ وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ ہم ان کو اور ان کو بھی سب کو آپ کے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔ دیکھیں! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے؟ اور

① تفسیر الطبری:16/12. ② تفسیر الطبری:18,17/12. ③ تفسیر الطبری:18/12. ④ تفسیر الطبری:18/12.
⑤ تفسیر الطبری:17/12.

اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ

کیا بھلا جو شخص اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اور اس کے بعد اللہ کی طرف سے ایک گواہ (قرآن) بھی آجائے، جبکہ اس سے پہلے موسٰی

مُوۡسٰۤى اِمَامًا وَّرَحۡمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ

کی کتاب بھی رہنما اور رحمت (رہی) ہو (وہ قرآن کا انکار کرسکتا ہے؟) ایسے لوگ ہی تو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور ان گروہوں میں سے جو کوئی

فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۗ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ

اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔ چنانچہ (اے نبی!) آپ اس سے شک میں نہ پڑیں، بے شک یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے

النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝17

حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ⑰

آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور فضیلت میں کہیں بڑھ کر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ 42:20) ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اس کے لیے ہم اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواست گار ہو، اس کو ہم اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

تفسیر آیت: 17

قرآن پر ان کا ایمان ہے جو اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے ان مومن بندوں کا حال بیان فرمایا ہے جو اس فطرت پر قائم ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے کہ وہ اس بات کا اعتراف کریں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ ...... ﴾ الآیۃ (الروم 30:30) ''چنانچہ (اے نبی!) آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف سیدھا رکھیں، اللہ کی فطرت (اختیار کریں) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے......''

دین فطرت: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟] ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ ہر جانور صحیح سالم بچے کو جنم دیتا ہے، کیا تم نے کبھی محسوس کیا ہے کہ کوئی بچہ کان کٹا پیدا ہو؟''①

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کرتے ہیں: [إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ،

① صحیح البخاری، الجنائز، باب: إذا أسلم الصبي فمات......، حدیث: 1359 اور [كُلُّ مَوْلُودٍ] کے الفاظ حدیث: 1385 کے ہیں۔ و صحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود علی الفطرة......، حدیث: 2658.

وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا] ’’میں نے اپنے سارے بندوں کو دین حنیف پر پیدا فرمایا تھا، شیطان ان کے پاس آئے اور انھوں نے انھیں اپنے دین سے دور ہٹا دیا اور ان چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دے دیا جن کو میں نے ان کے لیے حلال قرار دیا تھا۔ اور شیطانوں نے انھیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ اسے شریک کریں جس کی میں نے کوئی سند نازل نہیں کی تھی۔‘‘[1] جبکہ مومن کی زندگی اسی فطرت کے مطابق ہی رہتی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ ’’اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو۔‘‘ یعنی دلیل روشن کے ساتھ ساتھ ان کے پاس ایک آسمانی گواہ بھی ہو، اس آسمانی گواہ سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاک شریعتیں مراد ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کی گئیں اور جو شریعت محمدیہ کے نازل ہونے کے بعد اپنی آخری ارتقائی، تکمیلی اور اختتامی صورت اختیار کر گئیں۔

مومن اس قدر سلیم الفطرت ہوتا ہے کہ فی الجملہ تو اس کی فطرت شریعت کی شاہد ہوتی ہے، جبکہ تمام تفصیلات شریعت ہی سے حاصل کی جاتی ہیں اور فطرت ان کی تصدیق کرتی اور ان پر ایمان لاتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ ’’کیا پس جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ ایک (آسمانی) گواہ بھی اس کی جانب سے ہو۔‘‘ گواہ سے مراد قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام نے نبیٔ اکرم ﷺ تک پہنچایا اور نبی مکرم حضرت محمد ﷺ نے اسے اپنی امت تک پہنچا دیا۔

پھر فرمایا: ﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى ﴾ ’’اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب‘‘ یعنی قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب (تورات) ﴿ اِمَامًا وَّرَحْمَةً ﴾ ’’پیشوا اور رحمت تھی۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے پیشوا بنا کر نازل کیا تھا تاکہ وہ اس کتاب کے مطابق عمل کریں، نیز یہ کتاب ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باعثِ رحمت تھی۔ چنانچہ جس شخص کا اس کتاب پر صحیح صحیح ایمان ہو تو یہ ایمان لانا اسے قرآن مجید پر ایمان لانے کی طرف بھی رہنمائی کرے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ ’’یہی لوگ تو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔‘‘

پھر جو شخص قرآن کی یا قرآن کے کسی حصے کی تکذیب کرے تو اسے وعید دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ ’’اور گروہوں میں سے جو کوئی اس کے ساتھ کفر کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔‘‘ یعنی تمام روئے زمین کے لوگوں میں سے، خواہ وہ مشرک، کافر یا اہل کتاب ہوں یا انسانی معاشرے کے کسی بھی طبقے یا جنس سے ان کا تعلق ہو، ان کا کوئی رنگ اور کوئی شکل ہو اور انھیں قرآن پہنچ جائے اور وہ اس کا انکار کریں تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ (الأنعام 6:19) ’’تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس کو یہ پہنچے سب کو ڈراؤں (خبردار کروں۔)‘‘

[1] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث: 2865 مفصلا.

عالمگیر رسول ﷺ: اور فرمایا: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الأعراف 158:7) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (اس کا رسول ہوں۔)'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ ''اور ان گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔'' صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت میں سے جو یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر اس حال میں مر جائے کہ اس چیز کے ساتھ ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ جہنم رسیدہ لوگوں میں سے ہوگا۔''①

ہر حدیث کا مصداق قرآن میں موجود ہے: ایوب سختیانی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ میں جب بھی نبی اکرم ﷺ کی کسی حدیث کو اس کی اصلی صورت میں سنتا تو مجھے قرآن مجید سے بھی اس کا مصداق یا اس کی تصدیق ضرور مل جاتی، مجھے جب نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث پہنچی: [لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَلَا يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ]، [فَلَا يُؤْمِنُ بِي إِلَّا دَخَلَ النَّارَ] ''اس امت میں سے کوئی ایک یا یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم رسید ہوگا۔'' میں نے سوچنا شروع کیا کہ کتاب اللہ میں اس حدیث کے مصداق کون سی آیت ہوگی؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ کا جب بھی کوئی فرمان سنا ہے مجھے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق ضرور ملی ہے، میں اس بات پر غور کر ہی رہا تھا کہ مجھے یہ آیت کریمہ مل گئی: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ ''اور ان گروہوں میں سے جو کوئی اس کے ساتھ کفر کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔'' گروہوں سے مراد یہاں تمام امتیں اور تمام ملتیں ہیں۔② اور فرمایا: ﴿ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ...... ﴾ الآیۃ ''تو آپ اس (قرآن) سے شک میں نہ ہوں، بلاشبہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے......'' یعنی قرآن مجید تو بلاشک وشبہ حق اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ الٓمّٓ ۟ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۟ ﴾ (السجدة 2,1:32) ''الٓمّٓ- کتاب کا، جس میں کچھ شک نہیں، نازل کیا جانا رب العالمین کی طرف سے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ الٓمّٓ ۟ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۖ فِيْهِ ۛۚ ﴾ (البقرة 2,1:2) ''الٓمّٓ- یہ کتاب (قرآن مجید) جس میں کچھ شک نہیں (کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔)''

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ......، حدیث: 153 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ. ملحوظہ: صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ اسے امام طیالسی رحمہ اللہ نے مسند أبی داود: 410/1، حدیث: 511 میں اور امام نسائی نے السنن الکبریٰ، التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ ...... ﴾: 364,363/6، حدیث: 11241 میں بیان کیا ہے مگر اس سند میں انقطاع ہے، جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث اس کی شاہد ہے۔ ② تفسیر الطبری: 27/12 اور دیکھیے المستدرک للحاکم، التفسیر، تفسیر سورۃ ہود: 342/2، حدیث: 3309 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا؟ یہی لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ⑱ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ

اور گواہ (فرشتے) کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا، سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے⑱ وہ جو اللہ

سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲ اُولٰٓئِكَ لَمْ یَكُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ

کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں، اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں⑲ یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز

فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا وقف لازم

کرنے والے نہ تھے اور ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہ تھا۔ ان کے لیے عذاب دوگنا کردیا جائے گا۔ ان میں (حق) سننے کی تاب

یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ⑳ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

نہیں تھی اور نہ وہ دیکھتے تھے⑳ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور ان سے گم ہوگیا جو وہ افترا باندھتے تھے ㉑

مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ㉑ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ㉒

بلاشبہ یقیناً وہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں㉒

کیا اکثریت معیار حق ہوسکتی ہے؟ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑰﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾ (یوسف 12:103) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ﴾ (الأنعام 6:117) ''اور اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کی اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کا رستہ بھلا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾ (سبا 34:20) ''اور البتہ تحقیق شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا، چنانچہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ سب اس کے پیچھے چل پڑے۔''

تفسیر آیات: 18-22

اللہ پر جھوٹ باندھنے والے اور اس کے رستے سے روکنے والے ہی خائب و خاسر ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی ذات گرامی کے بارے میں جھوٹ باندھنے والوں کے حال کو بیان فرما رہا ہے کہ آخرت میں انھیں فرشتوں، رسولوں، پیغمبروں اور تمام جنوں اور انسانوں کے سامنے بے پناہ ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ امام احمد نے صفوان بن مُحرِز کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کو پکڑا ہوا تھا کہ ان کے سامنے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی: قیامت کے دن سرگوشی کے بارے میں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ، فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ، وَيَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، وَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ وَيَقُولُ لَهُ: أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ حَتّٰى إِذَا قَرَّرَهُ بِذُنُوبِهِ وَرَأٰى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ قَدْ هَلَكَ، قَالَ: فَإِنِّي قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، وَإِنِّي أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ ثُمَّ يُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ، وَأَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُونَ، فَيَقُولُ الْأَشْهَادُ]

’’بے شک اللہ عز وجل مومن کو قریب کرے گا اور اس پر اپنے پہلو کو رکھ کر اسے تمام لوگوں سے چھپا لے گا، پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا کہ کیا تو فلاں گناہ کا اقرار کرتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ کا اعتراف کرتا ہے؟ کیا تو اپنے فلاں گناہ کا بھی اعتراف کرتا ہے؟ حتی کہ اللہ تعالیٰ جب اس سے اس کے سارے گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور مومن اپنے دل میں یہ خیال کرنے لگے گا کہ وہ تو بس اب تباہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی تھی اور آج میں تیرے ان سارے گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پھر اسے نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی۔ اور جہاں تک کفار اور منافقوں کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں گواہ کہیں گے: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا، خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ ﴾ ’’جو اللہ کے رستے سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔‘‘ یعنی لوگوں کو حق کی اتباع اور ہدایت کے اس رستے سے روکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اور اس طرح انھیں جنت سے محروم کر دیتے ہیں۔ ﴿ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ ﴾ ’’اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔‘‘ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ ان کا رستہ ٹیڑھا ہو، سیدھا نہ ہو۔ ﴿ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ ’’اور وہ آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں۔‘‘ یعنی آخرت کے منکر ہیں اور اس کے وقوع پذیر ہونے کی تکذیب کرتے ہیں۔ ﴿ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ ﴾ ’’یہ لوگ زمین میں (کہیں بھاگ کر اللہ کو) ہرا نہیں سکتے اور نہ اللہ کے سوا کوئی ان کا حمایتی ہے۔‘‘ بلکہ یہ اسی کے قبضہ وتسلط اور غلبہ واقتدار میں ہیں اور وہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ ﴿ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴾ (ابراھیم42:14) ’’بلاشبہ وہ انھیں صرف اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔‘‘ صحیحین میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ’’بے شک اللہ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔‘‘[2]

اسی لیے فرمایا: ﴿ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ ﴾ ’’ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔‘‘ ان کو دگنا عذاب اس لیے دیا جائے گا

---

[1] صحیح البخاری، المظالم، باب قول اللہ تعالی: ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾، حدیث: 2441 و صحیح مسلم، التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالی علی المؤمنین......، حدیث: 2768 و مسند أحمد: 74/2 واللفظ لہ.

[2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ﴾...... (ہود102:11)......، حدیث: 4686 و صحیح مسلم، البر و الصلۃ والأدب، باب تحریم الظلم، حدیث: 2583.

کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کان، آنکھیں اور دل دیے تھے مگر کان، آنکھیں اور دل ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ حق سننے سے یہ بہرے بنے رہے، حق کی اتباع کرنے کے بجائے یہ اندھے بنے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جہنم میں داخل ہونے کے متعلق فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴾ (الملك 10:67) ''اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ...... ﴾ الآية (النحل 88:16) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا، ہم ان کو عذاب پر عذاب زیادہ دیں گے......'' ہر اس حکم کی وجہ سے جسے انھوں نے ترک کر دیا اور ہر اس ممانعت کی وجہ سے جس کا انھوں نے ارتکاب کیا ہوگا، انھیں عذاب دیا جائے گا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ افترا باندھتے تھے، ان سے جاتا رہا۔'' یعنی انھوں نے اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچایا کہ اپنے آپ کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا مستحق بنا دیا جس میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ اور مسلسل عذاب دیا جائے گا کہ لمحہ بھر کے لیے بھی اسے روکا نہیں جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴾ (بنيٓ إسرآءيل 97:17) ''جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لیے) اور بھڑکا دیں گے۔''

روز قیامت اور معبودان باطلہ: ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ''اور جو وہ جھوٹ باندھتے تھے ان سے جاتا رہا۔'' یعنی اللہ کے سوا جن معبودوں اور بتوں کو یہ پکارتے رہے، وہ ان کے کچھ کام تو نہ آ سکیں گے، البتہ ہر طرح کے نقصان اور خسارے کا سبب ضرور قرار پائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ (الأحقاف 6:46) ''اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴾ (البقرة 166:2) ''اس دن پیشوا اپنے پیروکاروں سے بے زاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذابِ (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جو ان لوگوں کی تباہی و بربادی پر دلالت کرتی ہیں، اسی لیے تو یہاں فرمایا ہے: ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴾ ''بلاشبہ یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے انجام کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھانے والے یہی لوگ ہوں گے کیونکہ انھوں نے اپنے لیے بلندیوں کے بجائے پستیوں کو پسند کر لیا تھا اور جنت کی نعمتوں کے بجائے جہنم کے گرم کھولتے ہوئے پانی کو، جنت کی سربمہر خالص شراب کے بجائے جہنم کی نہایت گرم ہوا، کھولتے پانی اور سیاہ ترین دھوئیں کو، موٹی موٹی آنکھوں والی خوبصورت حوروں کے بجائے تھوہر کے کھانے کو اور جنت کے بلند و بالا محلات کے بجائے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب کے حضور عاجزی کی، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿23﴾

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿23﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ

دونوں فریقوں کی مثال ایسے ہے جیسے اندھا اور بہرا، اور دیکھنے والا اور سننے والا، کیا (اس) وصف میں دونوں برابر ہیں؟ کیا پھر تم نصیحت

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ ع 2/16/2

حاصل نہیں کرتے؟ ﴿24﴾

جہنم کے گڑھوں کو پسند کر لیا تھا، اللہ رحمٰن کے تقرب اور اس کے دیدار کے حصول کے بجائے انھوں نے قہار کے غضب اور اس کی سزاؤں کو اپنے لیے پسند کر لیا تھا، بلاشک وشبہ یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

تفسیر آیات:24,23

اہلِ ایمان کا صلہ: بدبخت لوگوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ جن کے دل ایمان سے لبریز تھے اور جن کے اعضاء قولاً اور فعلاً اعمالِ صالحہ بجالاتے رہے۔ جنھوں نے نیکیوں کو سرانجام دیا اور برائیوں سے اجتناب کیا تو وہ لوگ اپنے اس پاکیزہ طرزِ عمل کے باعث جنتوں کے وارث بن جائیں گے جن میں بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ بالا خانے، اونچے اونچے بچھے ہوئے تخت، جنت کے پھلوں سے لدی پھندی اور جھکی ہوئی درختوں کی شاخیں، عالی شان بچھونے، خوبصورت اور بہترین حوریں، انواع واقسام کے پھل، پسندیدہ کھانے اور لذت وفرحت بخش مشروبات ہوں گے، پھر ان تمام عظیم الشان نعمتوں سے بڑھ کر خالقِ ارض وسما کی ذات گرامی کے دیدار کی سعادت۔ اور وہ ان ابدی وسرمدی نعمتوں سے بھرپور جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہاں موت ہوگی اور نہ بڑھاپا، نہ بیماری اور نہ نیند، نہ بول و براز اور نہ بلغم اور تھوک، بس کستوری کی خوشبو جیسا ہلکا سا پسینہ آئے گا (جس سے کھایا پیا سب ہضم ہو جائے گا۔)

مومنوں اور کافروں کی مثال: پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ﴾ ''دونوں فریقوں کی مثال۔'' جن میں سے پہلا فریق وہ ہے جس کی بدبختی اور شقاوت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور دوسرا فریق ان مومنوں کا ہے جو سعادت وکامرانی سے بہرہ ور ہوگا۔ ﴿كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ﴾ ''ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو۔'' جبکہ مومن تو دیکھنے اور سننے والے انسان کی طرح ہیں اور کافر دنیا وآخرت میں حق سے اندھے ہیں، یہ خیر و بھلائی کے رستے کو نہ جانتے ہیں اور نہ اس پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ دلائل و براہین کے سننے سے بہرے ہیں، لہٰذا یہ ایسی باتوں کو سنتے ہی نہیں جو ان کے لیے مفید ہوں۔ ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ......﴾ الآية (الأنفال 23:8) ''اور اگر اللہ ان میں کوئی خیر دیکھتا تو انھیں ضرور سننے کی توفیق بخشتا......'' رہا مومن تو وہ ہوشیار، ہونہار اور عقل مند ہوتا ہے۔ وہ حق کو دیکھتا اور حق وباطل میں پہچان کرتا ہے۔ وہ خیر و بھلائی کو اختیار کرتا اور شر و بدی کو ترک کر دیتا ہے، وہ دلیل کو سنتا ہے اور دلیل اور

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۙ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿25﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْۤ

اور البتہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے کہا:) بے شک میں تمھیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں﴿25﴾ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿26﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تم پر دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں﴿26﴾ پھر اس کی قوم کے وڈیرے بولے: ہم تجھے بس اپنے ہی جیسا بشر

بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ

دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بس انھی لوگوں نے بے سوچے سمجھے تیری پیروی کی ہے جو ہمارے کمین ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمھیں ہم پر

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿27﴾

کوئی فضیلت نہیں بلکہ ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں﴿27﴾

نے میں فرق کرتا ہے۔ مردِ مومن پر باطل کا جادو نہیں چل سکتا تو پھر کیا مومن اور کافر برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ’’کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟‘‘ اور ان دونوں جماعتوں میں فرق کیوں نہیں کرتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ (الحشر 59:20) ’’اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ ﴾ (فاطر 35:19-24) ’’اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں، اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔‘‘

تفسیر آیات: 25-27

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور قوم کے ساتھ آپ کی گفتگو: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے رسول تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کے مشرکوں اور بت پرستوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ انھوں نے اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ﴿ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿25﴾ ﴾ یعنی اگر تم غیر اللہ کی عبادت کرو گے تو میں تمھارے لیے بالکل واضح ڈرانے والا ہوں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿26﴾ ﴾ ’’اللہ کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک مجھے تمھاری نسبت بہت دردناک عذاب کا خوف ہے۔‘‘ یعنی اگر تم اپنی اسی روش پر چلتے رہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں تمھیں زبردست دردناک عذاب دے گا۔

﴿ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ﴾ ’’تو اس کی قوم کے سردار، جو کافر تھے، کہنے لگے۔‘‘ مَلَأٌ سے کافروں کے

سردار اور بڑے لوگ مراد ہیں۔ ﴿ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ ''ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں۔'' یعنی آپ فرشتے تو نہیں ہیں بلکہ ہمارے جیسے بشر ہی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے بجائے آپ ہی کی طرف وحی کیسے بھیجی ہے؟

کفار کے ہاں کمزور، گھٹیا اور رذیل لوگوں کا تصور: پھر ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ﴾ ''اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپ کے پیروہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں۔'' مثلاً: بے نوا، کمزور، کنگھال، جولاہے اور ان جیسے دیگر لوگ۔ [1] اور اشراف اور سرداروں میں سے تو کسی نے بھی تمھاری پیروی نہیں کی اور یہ تمھاری پیروی کرنے والے جو لوگ ہیں انھوں نے بھی سوچے سمجھے بغیر ہی پیروی کی ہے، غور وفکر سے کام نہیں لیا، بس آپ نے انھیں دعوت دی اور انھوں نے اسے قبول کر کے آپ کی پیروی شروع کر دی۔

اس لیے انھوں نے کہا: ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ﴾ ''اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپ کے پیروہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور وتعمق سے۔)'' ﴿ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ ''اور ہم تمھارے لیے اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے۔'' وہ (ایمان والوں سے) کہتے کہ جب سے تم لوگ اپنے اس دین میں داخل ہوئے ہو تو ہم نے تمھارے لیے اپنے اوپر جسمانی، اخلاقی اور مالی کسی طرح کی کوئی فضیلت بھی تو نہیں دیکھی۔ ﴿ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾ ''بلکہ ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔'' یعنی ہم تمھیں تمھارے اس دعوے میں جھوٹا خیال کرتے ہیں کہ تمھیں آخرت میں جانے کے بعد تو خیر و بھلائی اور عبادت الٰہی کے صلے میں سعادت وکامرانی میسر آئے گی۔

ادنیٰ واعلیٰ کا صحیح معیار: حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے پیروؤں پر کافروں کا یہ اعتراض تھا جو ان کی جہالت اور علم وعقل کی کمی کی دلیل ہے کیونکہ حق کے لیے یہ کوئی عار کی بات تو نہیں ہے کہ اسے ماننے والے ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں کیونکہ حق تو بذات خود صحیح اور قیمتی چیز ہے، خواہ اسے قبول کرنے والے ادنیٰ درجے کے لوگ ہوں یا اعلیٰ درجے کے بلکہ بلاشک وشبہ حق یہی ہے کہ حق کے ماننے والے ہی اشراف اور اعلیٰ درجے کے لوگ ہیں، خواہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں اور جو لوگ حق کا انکار کریں وہی ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں، خواہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہوں لیکن اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ کمزور لوگ ہی حق کی اتباع کرتے ہیں اور اشراف اور سرداروں کی اکثریت حق کی مخالف ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف 23:43) ''اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ

---

[1] یہ مثالیں دے کر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کفار کے ہاں رذیل اور گھٹیا لوگوں کا تصور پیش کیا ہے ورنہ اسلام نے عزت وشرف کا بالکل واضح معیار مقرر کیا ہے کہ ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ (الحجرات 13:49) ''بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوے والا ہے۔'' خواہ متقی کا تعلق کسی بھی ذات یا برادری سے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ

نوح نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (نبوت) بخشی ہو،

فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿28﴾

پھر وہ تم (اندھوں) سے چھپا دی گئی ہو، تو کیا ہم تم پر (زبردستی) چپکا دیں گے اسے جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟﴿28﴾

بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور بے شک ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔'' اور شاہِ روم ہرقل نے جب ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے میں سوالات کیے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اعلیٰ درجے کے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے یا ادنیٰ درجے کے لوگوں نے؟ تو انھوں نے یہی جواب دیا تھا کہ کمزور لوگوں نے آپ کی پیروی کی ہے تو یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا تھا کہ پیغمبروں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔[1]

حق کے آشکار ہونے کے بعد مزید غور وفکر کی حاجت نہیں رہتی: انھوں نے جو یہ کہا: ﴿بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ﴾ ''وہ بھی ظاہر رائے سے (نہ کہ غور وتعمق سے۔)'' تو یہ بھی کوئی قابل مذمت یا عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ حق جب واضح ہو جائے تو پھر غور وفکر کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ اس وقت تو حق کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہوتا۔ ذہین وفطین لوگ تو حق واضح ہونے کے بعد اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں جبکہ اس وقت غبی اور جاہل لوگ غور کرتے ہیں اور تمام انبیائے کرام صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ تو نہایت واضح اور روشن حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ ''اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت بھی نہیں دیکھتے۔'' وہ فضیلت اس لیے نہیں دیکھتے تھے کہ وہ خود حق سے اندھے تھے، حق کو نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے بلکہ وہ اپنے شکوک وشبہات ہی میں غلطاں وپیچاں تھے اور جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے اور یہ لوگ بہت ہی افترا پرداز، جھوٹے، معمولی اور رذیل تھے اور آخرت میں بھی یہی بہت زیادہ نقصان پانے والے ہوں گے۔

تفسیر آیت:28

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اس بات کا یہ جواب دیا: ﴿اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''(اے قوم!) دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں۔'' یعنی اگر میرے پاس یقین، امر جلی اور سچی نبوت ہے جو کہ میرے لیے اور ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت ہے۔ ﴿فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ﴾ ''پھر وہ تم پر پوشیدہ کر دی گئی۔'' یعنی تم پر وہ مخفی رہ گئی اور تم نے اس کی طرف رستہ نہ پایا اور نہ اس کی قدر وقیمت کو پہچان سکے بلکہ جلد اس کی تکذیب وتردید کرنے لگ گئے۔ ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا﴾ یعنی کیا ہم اس کے لیے

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ ......؟ حديث: 7 وصحيح مسلم، الجهاد، باب: كتب النبيﷺ إلى هرقل ......، حديث:1773.

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے۔ اور میں ان لوگوں کو دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لے آئے،

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿29﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو ﴿29﴾ اور اے میری قوم! اگر میں انھیں دھتکار دوں تو

طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿30﴾

کون مجھے اللہ (کے عذاب) سے بچائے گا؟ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿30﴾

تمھیں مجبور کر سکتے ہیں جبکہ تم اسے قبول کرنا پسند ہی نہیں کرتے؟

تفسیر آیات: 30,29

کمزور مؤمنین کی طرف داری: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمھیں جو نصیحت کر رہا ہوں، اس پر تم سے بطور اجرت مال کا سوال نہیں کرتا بلکہ میں تو اپنے اللہ تعالیٰ ہی سے اجر و ثواب کا طلب گار ہوں۔ ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، میں ان کو دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں۔“ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مومنوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں کیونکہ وہ اپنی نفاست، حشمت اور وقار کی وجہ سے ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انھی جیسے لوگوں نے خاتم الرسل والانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی کہا تھا کہ آپ کمزور صحابہ کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں اور ان کے ساتھ خصوصی مجلس کریں (جس میں ان کمزور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ آنے دیں) تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ...... ﴾ الآية (الأنعام 52:6) ”اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں، ان کو (اپنے پاس سے) مت نکالیے......“[1] اور فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ (الأنعام 54,53:6) ”اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے کہ (جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ (اللہ نے فرمایا:) بھلا اللہ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو۔ تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، بے شک تم میں سے جو شخص جہالت سے برا عمل کرے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو یقیناً وہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

[1] ملخص از صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ، حدیث: 2413 عن سعد رضی اللہ عنہ۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ

اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں اور نہ میں

لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ

انھیں، جنھیں تمھاری آنکھیں حقیر دیکھتی ہیں، (یہ) کہتا ہوں کہ اللہ انھیں کوئی بھلائی نہیں دے گا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے نفسوں میں

اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿31﴾

ہے۔ بے شک (اگر میں نے یہ باتیں کہیں) تب میں ضرور ظالموں میں سے ہوں گا ﴿31﴾

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

انھوں نے کہا: اے نوح! تو ہم سے جھگڑ چکا ہے، پس ہمارے ساتھ بہت زیادہ جھگڑا کر چکا ہے، چنانچہ تو ہم پر وہ (عذاب) لے ہی آ جس کا ہم

الصّٰدِقِیْنَ ﴿32﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿33﴾ وَلَا

سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچا ہے ﴿32﴾ نوح نے کہا: یقیناً اللہ ہی تم پر وہ (عذاب) لائے گا اگر اس نے چاہا، اور تم (اسے) عاجز کرنے والے نہیں ﴿33﴾

یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ

اور تمھیں میری نصیحت نفع نہیں دے گی اگر میں چاہوں کہ تمھیں نصیحت کروں جبکہ اللہ تمھیں گمراہ کرنا چاہتا ہو، وہی تمھارا رب ہے اور اسی کی

هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿34﴾ ؕ

طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿34﴾

تفسیر آیت: 31

نبی کے پاس خزانے ہوتے ہیں نہ وہ عالم الغیب ہوتا ہے: آپ انھیں خبر دے رہے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے اور آپ اس کام پر ان سے کسی اجرت کا سوال بھی نہیں کرتے بلکہ آپ ہر اس شخص کو یہ دعوت دیتے ہیں جس سے بھی آپ کی ملاقات ہو، خواہ وہ اعلیٰ درجے کا ہو یا ادنیٰ کا۔ جو آپ کی دعوت پر لبیک کہے گا، وہ نجات پا جائے گا اور آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کرنے کی آپ کو کوئی قدرت نہیں ہے اور نہ آپ غیب جانتے ہیں، آپ کو صرف اسی بات کا علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دے۔ اسی طرح آپ فرشتے بھی نہیں ہیں بلکہ آپ بشر، اللہ تعالیٰ کے رسول اور معجزات کے ساتھ مؤید ہیں۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لوگ جن کو تم حقیر اور کم حیثیت سمجھتے ہو، میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ﴾ ”جو ان کے دلوں میں ہے، اسے اللہ خوب جانتا ہے۔“ اگر وہ باطن میں بھی مومن ہیں جیسا کہ ان کے ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے تو انھیں اچھا بدلہ ملے گا اور اگر ان کے ایمان لانے کے بعد کوئی بھی ان کے بارے میں بری بات کہتا ہے تو وہ ظالم ہے اور ایسی بات کہتا ہے جس کا اسے کوئی علم ہی نہیں ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر میں نے اسے خود گھڑا ہے تو میرا جرم مجھ ہی پر ہے، اور میں اس

تُجْرِمُوْنَ ﴿35﴾ ع 3 11 3

سے بری ہوں جو تم جرم کرتے ہو ﴿35﴾

تفسیر آیات: 32-34

قومِ نوح کا مطالبۂ عذاب اور نوح علیہ السلام کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قومِ نوح نے اللہ تعالیٰ کے قہر، عذاب اور ناراضی کے جلد آنے کا مطالبہ کر دیا۔ وَالْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ ''اور مصیبت انسان کی گفتگو ہی سے آتی ہے''۔: ﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ ''انھوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا۔'' لیکن ہم تمھاری پیروی نہیں کریں گے۔ ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ﴾ ''چنانچہ تم جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو، وہ ہم پر لا نازل کر دو۔'' یعنی قہر و عذابِ الٰہی کو نازل کرو، ہمارے بارے میں جو چاہو بددعا کرو اور جو تم بددعا کرو وہ اب ہمارے بارے میں قبول ہو ہی جانی چاہیے۔ ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿33﴾﴾ ''اگر تم سچے ہو۔ نوح نے کہا کہ اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) عاجز نہیں کر سکتے۔'' یعنی جو تمھیں سزا دے گا اور اسے جلد تمھارے لیے لے آئے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے جسے کوئی ہرا نہیں سکتا۔

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ﴾ ''اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمھاری خیر خواہی کروں جبکہ اللہ یہ چاہے کہ تمھیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہی تمھیں گمراہ اور تباہ و برباد کرنا چاہے تو میرا تمھیں سمجھانا، ڈرانا اور نصیحت کرنا تمھارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ ﴿هُوَ رَبُّكُمْ قف وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿34﴾﴾ ''وہی تمھارا پروردگار ہے اور تمھیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' وہی تمام امور کا مالک ہے، وہ متصرف، حاکم اور عادل ہے جو ظلم نہیں کرتا، اسی نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اسی کا حکم کارفرما ہے، اسی نے پہلی مرتبہ کائنات کو پیدا فرمایا اور وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور صرف وہی دنیا و آخرت کا مالک ہے۔

تفسیر آیت: 35

رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا بیان: اس قصے کے درمیان میں، اس کی تاکید و وضاحت کے لیے یہ جملہ معترضہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ یہ کافر اور منکر بھی کہتے ہیں کہ اس پیغمبر نے یہ قرآن از خود گھڑ لیا اور اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ ﴿قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اسے خود گھڑا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر ہے۔'' یعنی میں گنہگار ہوں ﴿وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿35﴾﴾ ''اور جو گناہ تم کرتے ہو، اس سے میں بری الذمہ ہوں۔'' یعنی یہ چیز جعلی یا از خود گھڑی ہوئی نہیں ہے۔ اور میں یہ جانتا ہوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے، اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا سزا ہے۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا، سوائے اس کے جو (پہلے) ایمان لا چکا ہے، چنانچہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں

كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ

تو اس پر غم نہ کھا ﴿36﴾ اور تو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا، اور مجھ سے ان لوگوں کے متعلق بات مت کرنا جنھوں نے ظلم

ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿37﴾ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

(کفر) کیا، بے شک وہ غرق کیے جانے والے ہیں ﴿37﴾ اور نوح کشتی بناتا تھا، اور جب بھی اس کی قوم کے وڈیرے اس کے پاس سے گزرتے تو وہ اس

سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿38﴾ فَسَوْفَ

سے مذاق کرتے، نوح نے کہا: اگر تم (آج) ہم سے مذاق کرتے ہو تو بے شک (ایک روز) ہم بھی تم سے مذاق کریں گے جیسے تم مذاق کرتے ہو ﴿38﴾ پھر

تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿39﴾

تم جلد جان لوگے کہ کس شخص پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے (دنیا میں) رسوا کر دے گا اور (آخرت میں) اس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوگا ﴿39﴾

تفسیر آیات: 36-39

قوم کے انجام کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ جب قومِ نوح نے عذابِ الٰہی کے جلد آ جانے کا مطالبہ کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی جس کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ (نوح 71:26) ”میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے۔“ اور فرمایا: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (القمر 54:10) ”تو انھوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی طرف یہ وحی کی: ﴿اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ ”کہ تمھاری قوم میں سے جو لوگ (پہلے) ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔“ لہٰذا ان کے بارے میں غم نہ کھائیں اور ان کی کوئی فکر نہ کریں۔

سفینۂ نوح: ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ﴾ ”اور تو کشتی بنا۔“ فُلک سے مراد کشتی ہے۔ ﴿بِاَعْیُنِنَا﴾ یعنی ہمارے سامنے ﴿وَوَحْیِنَا﴾ ”اور ہمارے حکم سے۔“ یعنی جس طرح ہم نے آپ کو کشتی بنانا سکھا دیا ہے۔ ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿37﴾﴾ ”اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، بے شک انھیں غرق کر دیا جائے گا۔“ محمد بن اسحاق نے تورات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ساج کی لکڑی سے ایک ایسی کشتی بنائیں جس کا طول (لمبائی) اسی (80) ہاتھ اور عرض (چوڑائی) پچاس (50) ہاتھ ہو، اس کی اندرونی اور بیرونی سطح کو تارکول سے پینٹ کر دیں اور کشتی کا اگلا حصہ اس طرح تیز دھار بنائیں جو پانی کو پھاڑتا چلا جائے، یہ کشتی تیس (30) ہاتھ اونچی اور تین منزلہ تھی، ہر منزل دس ہاتھ تھی، سب سے نچلی منزل جانوروں اور مویشیوں کے لیے، درمیانی انسانوں کے لیے اور

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ

حتی کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور نے جوش مارا تو ہم نے (نوح سے) کہا: اس (کشتی) میں ہر قسم (کے جانوروں) کا جوڑا، دو (نر اور مادہ) سوار کر لے اور

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿40﴾

اپنے گھر والوں کو، سوائے اس شخص کے جس کی بابت پہلے حکم ہو چکا، اور ان کو بھی جو ایمان لا چکے ہیں، اور اس پر تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے تھے ﴿40﴾

بالائی پرندوں کے لیے تھی، کشتی کا دروازہ اس کے عرض کے رخ تھا اور اس کشتی کے لیے ایک پردہ تھا جس کے ساتھ اسے چاروں طرف سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔[1]

اپنے پیغمبروں کو بھی تمسخر کا نشانہ بناتے رہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ ﴾ ''اور نوح نے کشتی بنانا شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے۔'' یعنی مذاق اڑاتے اور آپ انھیں غرق ہونے کی جو وعید سناتے تو اس کی وہ تکذیب کرتے۔ ﴿ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ ﴾ ''وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو یقیناً (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے۔'' یہ شدید وعید اور زبردست سرزنش تھی۔ ﴿ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ ﴾ ''کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا؟'' یعنی دنیا میں اسے رسوا کرے گا۔ ﴿ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿39﴾ ﴾ یعنی کس پر دائمی، ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے؟

تفسیر آیت: 40

طوفان کا آغاز: یہ حضرت نوح علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا ذکر ہے کہ جب مسلسل اور موسلا دھار بارش اور نہ تھمنے اور نہ رکنے والے زبردست اور خوفناک طوفان کا وقت آ گیا تو کیفیت یہ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۫ۖ﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿ۚ﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿ۙ﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿﴾ ﴾ (القمر 54:11-14) ''چنانچہ ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔ اور ہم نے زمین میں چشمے جاری کر دیے تو پانی ایک کام کے لیے، جو مقدر ہو چکا تھا، جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر، جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی، سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی، (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لیے (کیا گیا) جس کا انکار کیا گیا تھا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ ﴾ ''اور تنور جوش مارنے لگا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تنور سے مراد سطح زمین ہے۔[2] یعنی زمین جوش مارتے ہوئے چشموں کی صورت اختیار کر گئی حتی کہ وہ تنور جو آگ کی جگہ ہوتی ہے وہاں سے بھی پانی پھوٹنے لگا۔ جمہور علمائے سلف و خلف کا یہی قول ہے۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ تمام جاندار مخلوقات میں سے ایک ایک جوڑا (ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے کر

[1] تفسیر الطبری:12/46-48. [2] تفسیر الطبری:12/51.

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿41﴾ وَهِيَ

اور نوح نے کہا: اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ بے شک میرا رب البتہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا

تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ

ہے ﴿41﴾ اور وہ (کشتی) انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلتی جاتی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا، اور وہ (سب سے) الگ تھلگ تھا: پیارے

ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿42﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ

بیٹے! تو (بھی) ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو ﴿42﴾ وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لیتا ہوں، وہ مجھے پانی سے بچا لے

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ

گا۔ (نوح نے) کہا: آج اللہ کے حکم (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر جس پر اللہ رحم فرمائے، اور ان دونوں کے درمیان لہر حائل ہوگئی، تو وہ غرق

مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾

ہونے والوں میں سے ہوگیا ﴿43﴾

کشتی میں سوار ہو جائیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جاندار مخلوقات کی طرح آپ کو ہر قسم کی نباتات میں سے بھی ایک ایک جوڑا (نر مادہ) ساتھ لے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے جس جانور کو کشتی میں داخل کیا وہ چھوٹا طوطا تھا اور جسے سب سے آخر میں داخل کیا وہ گدھا تھا۔ گدھے نے اپنی اگلی ٹانگیں کشتی میں رکھیں تو شیطان اس کی دم سے چمٹ گیا، گدھا جب بھی (اپنی پچھلی ٹانگوں کو اٹھانا چاہتا تو) شیطان اس کی دم کو کھینچ لیتا، نوح علیہ السلام نے گدھے سے کہا کہ تجھ پر افسوس! جلدی سے داخل ہو جاؤ۔ گدھا اٹھنے کی کوشش کرتا مگر اٹھ نہ سکتا، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ جلدی سے داخل ہو جاؤ، خواہ ابلیس تمھارے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، پس اس طرح گدھا اور ابلیس دونوں کشتی میں سوار ہو گئے۔ ①

صرف اسّی (80) مرد وزن ایمان لائے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ﴾ ”اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اس کشتی میں سوار کر لو۔“ یعنی اس کشتی میں اپنے گھر والوں اور رشتے داروں کو بھی سوار کر لو۔ ہاں، البتہ جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے گا کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا، اسے سوار نہ کرنا۔ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والوں میں ان کا اپنا بیٹا ”یام“ بھی تھا جو آپ سے الگ ہو گیا تھا، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایمان نہیں لائی تھی بلکہ کافرہ تھی۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ ﴾ ”اور جو ایمان لایا ہو۔“ یعنی جو تمھاری قوم میں سے ایمان لے آیا ہو، اسے بھی اپنے ساتھ سوار کر لو ﴿ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿40﴾ ﴾ یعنی بہت ہی قلیل تعداد میں لوگ ایمان لائے تھے، حالانکہ آپ نے ان کے مابین ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ گزارا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے

① تفسیر الطبری: 49,48/12.

والے تمام مردوں (اور عورتوں) کی تعداد اسی (80) تھی۔ ①

تفسیر آیات: 41-43

کشتی میں سوار ہونا اور ہولناک موجوں میں اس کا چلنا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے ان لوگوں سے کہا جنھیں اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لینے کا انھیں حکم دیا گیا تھا: ﴿ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا ط ﴾ ''اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، اس میں سوار ہو جاؤ۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پاک نام ہی سے یہ پانی کی سطح پر چلے گی اور اللہ تعالیٰ کے پاک نام ہی سے یہ ٹھہرے گی، ابورجاء عطاردی نے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [بِسْمِ اللّٰهِ مُجْرِيهَا وَمُرْسِيهَا] ''اللہ کا نام لے کر جو اسے چلانے والا اور وہی اسے ٹھہرانے والا ہے (اس میں سوار ہو جاؤ۔)'' ② اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 29,28:23) ''اور جب تم اور تمھارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔ اور (یہ بھی) دعا کرنا کہ اے پروردگار! ہمیں مبارک جگہ اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ تمام امور کے آغاز میں اور کشتی اور جانور پر سواری کے وقت اللہ تعالیٰ کا پاک نام لینا مستحب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ...... ﴾ الآية (الزخرف 13,12:43) ''اور جس نے سب جوڑے پیدا کیے اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو......'' سنت میں بھی اس بات کی بہت ترغیب آئی ہے جیسا کہ سورۂ زخرف کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔ ③ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَبِهِ الثِّقَةُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿41﴾ ﴾ ''بے شک میرا پروردگار البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جب تمام کافروں کو غرق کر کے ان سے انتقام لے لیا تو اس موقع پر مناسب تھا کہ یہ بھی بیان کر دیا جاتا کہ وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الأعراف 167:7) ''بے شک آپ کا پروردگار البتہ جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک البتہ وہ خوب بخشنے والا، نہایت مہربان بھی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (الرعد 6:13) ''اور یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' اسی طرح اور بھی بہت سی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور اپنے انتقام کو یکجا بیان فرمایا ہے۔

① تفسیر الطبری :57/12. ② تفسیر الطبری :58/12. ③ دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر، الزخرف، آیات :14,13 کے ذیل میں۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور کہا گیا: اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تو (برسنے سے) تھم جا، اور پانی اتار (کر غائب کر) دیا گیا، اور (کافروں کا) کام تمام کر دیا

عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾

گیا، اور (کشتی) جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہری، اور کہا گیا: ظالم قوم کے لیے دوری (لعنت) ہے ﴿44﴾

سفینۂ نوح موجوں کی روانی میں: اور فرمایا: ﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾ ''اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں پر چلنے لگی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے۔)'' یعنی کشتی اس پانی کی سطح پر چلنے لگی جس نے تمام روئے زمین کو ڈھانپ لیا تھا حتی کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی پندرہ (15) ہاتھ[1] اور ایک قول کے مطابق اسی (80) میل بلند تھا[2] اور یہ کشتی اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اس کی عنایت وحفاظت اور اس کے فضل وکرم سے، اتنے زبردست پانی کی سطح پر رواں دواں رہی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝﴾ (الحآقة 12,11:69) ''بے شک جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم لوگوں کو کشتی میں سوار کر لیا تا کہ ہم تمھارے لیے اس (فعل) کو نصیحت بنا دیں اور (تا کہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾ (القمر 54:13-15) ''اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے (تیار کی گئی) تھی، سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی اس شخص کے انتقام کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور یقیناً ہم نے اس کو ایک نشانی بنا چھوڑا، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟''

مجبور رہا محبوب ترا، کشتی میں پسر کو بٹھا نہ سکا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ﴾ ''اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔'' یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا نام ''یام'' تھا اور یہ کافر تھا۔ کشتی پر سوار ہوتے وقت بھی اس کے باپ نے اسے دعوت دی کہ وہ ایمان لے آئے، ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے اور کافروں کی طرح غرق نہ ہو مگر اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ﴾ ''میں ابھی کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لیتا ہوں، وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔'' اپنی جہالت کے باعث اس کا یہ خیال تھا کہ یہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچے گا، لہٰذا وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر غرق ہونے سے بچ جائے گا۔ اس کا یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ﴾ ''آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔'' یعنی آج کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ (باپ اور بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ) ﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾﴾ ''اور اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہو گئی تو وہ غرق شدہ لوگوں میں سے ہو گیا۔''

تفسیر آیت: 44

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2036/6. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2036/6.

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، چنانچہ اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے، اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو

الْحٰكِمِيْنَ ﴿45﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا

سب فیصلے کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿45﴾ اللہ نے کہا: اے نوح! بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں، بے شک اس کا عمل نیک

تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿46﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ

نہیں، لہٰذا تو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے (نہ) ہو جائے ﴿46﴾ نوح

اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ

نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں، اور اگر تو نے

مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿47﴾

میری بخشش نہ کی اور مجھ پر رحم (نہ) کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ﴿47﴾

طوفان کا اختتام: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے جب کشتی والوں کے سوا دیگر تمام اہل زمین کو غرق کر دیا تو اس نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اپنے اس پانی کو نگل لے جو اسی سے پھوٹ کر اس پر جمع ہو گیا تھا اور آسمان سے فرمایا کہ اب بارش برسانے سے تھم جا۔ ﴿وَغِيْضَ الْمَآءُ﴾ یعنی کم ہونا شروع ہو گیا۔ ﴿وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾ ''اور کام تمام کر دیا گیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ روئے زمین کے ان تمام لوگوں کے خاتمے سے فارغ ہو گیا جنھوں نے اس کی ذاتِ گرامی کے ساتھ کفر کیا تھا۔ اور ان میں سے اس نے کسی ایک کو بھی باقی نہ رہنے دیا۔ ﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ ''اور (کشتی کوہِ) جودی پر جا ٹھہری۔'' اپنے ان تمام سواروں سمیت جو اس میں سوار تھے۔

جودی پہاڑ کا عجز و انکسار: امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ''جودی'' الجزیرہ کے علاقے کا ایک پہاڑ ہے۔ اس دن جب دیگر تمام پہاڑ اپنے آپ کو غرق ہونے سے بچانے کے لیے اپنی چوٹیوں کو بلند اور لمبا کر رہے تھے تو یہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع وانکسار کا اظہار کر رہا تھا، اس لیے یہ غرق نہ ہوا اور اسی پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آ کر ٹھہر گئی۔[1] امام قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کشتی اس پہاڑ پر ایک مہینہ ٹھہری رہی حتی کہ پھر لوگ اس سے اتر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو نشانی اور عبرت بنا کر سرزمین الجزیرہ کے اس جودی پہاڑ کی چوٹی پر باقی رکھا۔[2] حتی کہ ہماری اس امت کے ابتدائی لوگوں نے بھی اس کشتی کو دیکھا تھا، حالانکہ اس کے صدیوں بعد بننے والی کتنی ہی کشتیاں تباہ و برباد ہو کر خاک میں مل گئی تھیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾﴾ ''اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں کے لیے دوری (لعنت) ہے۔'' یعنی ان کے لیے ہلاکت، نقصان اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے کہ یہ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا۔

[1] تفسیر الطبری: 63/12. [2] تفسیر الطبری: 63,62/12.

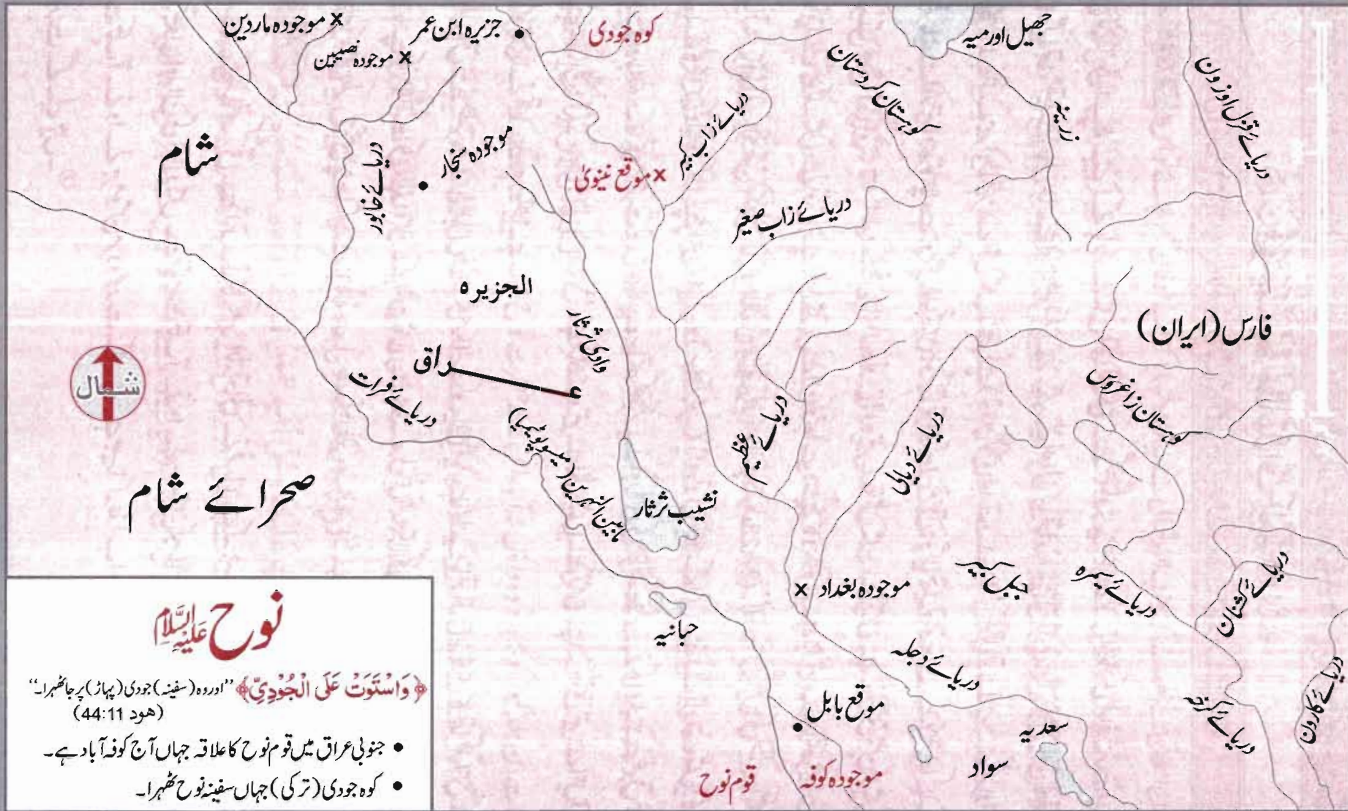

نوح علیہ السلام
﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ ''اور وہ (سفینہ) جودی (پہاڑ) پر جاٹھہرا۔''
(ھود 44:11)
• جنوبی عراق میں قوم نوح کا علاقہ جہاں آج کوفہ آباد ہے۔
• کوہ جودی (ترکی) جہاں سفینہ نوح ٹھہرا۔
شمال
شام
صحرائے شام
موجودہ ماردین
موجودہ نصیبین
جزیرہ ابن عمر
کوہ جودی
موجودہ سنجار
موقع نینویٰ
دریائے زاب کبیر
دریائے زاب صغیر
کوہستان کردستان
جھیل اورمیہ
زرینہ
دریائے قزل اوزون
الجزیرہ
وادی ثرثار
عراق
دریائے فرات
مابین النہرین (میسوپوٹیمیا)
نشیب ثرثار
حبانیہ
موجودہ بغداد
دریائے دجلہ
دریائے دیالہ
موقع بابل
موجودہ کوفہ
قوم نوح
سواد
سعدیہ
جبل کبیر
دریائے سیمرہ
کوہستان زاغروس
فارس (ایران)
دریائے کرخہ
دریائے کارون

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ

کہا گیا: اے نوح! اتر تو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تجھ پر اور تیرے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی) ہیں، اور کچھ جماعتیں

ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿48﴾

ہوں گی کہ ہم انھیں (دنیا میں) فائدہ دیں گے، پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ﴿48﴾

تفسیر آیات: 45-47

حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو: یہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے اپنے اس بیٹے کی، جو غرق ہو گیا تھا، حقیقتِ حال جاننے اور معلوم کرنے کے لیے سوال کیا تھا، ﴿ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ ﴾ ''پس کہا کہ پروردگار! بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے (تو اس کو بھی نجات دے۔)'' کیونکہ تو نے میرے گھر والوں کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا تو وہ کیوں غرق ہو گیا جبکہ تو تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ ﴿ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ ﴾ ''اللہ نے فرمایا: اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔'' یعنی جن کو میں نے نجات دینے کا وعدہ کیا ہے کیونکہ میں نے تو تیرے اہل میں سے ان کو نجات دینے کا وعدہ کیا ہے جو تیرے ساتھ ایمان لائیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ ﴾ (المؤمنون 23:27) ''اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کو (سوار کر لو۔)'' اور نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کے بارے میں بھی یہ حکم ہو چکا تھا کہ اپنے باپ اور اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے غرق ہو جائے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ ﴾ ''بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔'' یعنی تیرے اس اہل سے نہیں جن کی نجات کا میں نے تجھ سے وعدہ کیا ہے۔

امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ بیٹا تو نوح علیہ السلام ہی کا تھا مگر اس نے اپنے عمل اور نیت سے باپ کی مخالفت کی، لہٰذا اس کے اہل میں سے ہونے کی نفی کر دی گئی۔ عکرمہ نے کہا ہے کہ بعض قراءات کے مطابق ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے: [إِنَّهُ عَمِلَ عَمَلًا غَيْرَ صَالِحٍ] ''بے شک اس نے غیر صالح عمل کیا ہے۔''①

تفسیر آیت: 48

سلامتی و برکت کے ساتھ کشتی سے اترنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری تو نوح علیہ السلام کو ان کے مومن ساتھیوں اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک آنے والے ہر مومن کو سلام کہا گیا جیسا کہ محمد بن کعب کا قول ہے کہ یہ سلام قیامت تک آنے والے ہر مومن مرد و عورت کے لیے ہے جیسا کہ عذاب اور دنیوی فوائد قیامت تک آنے والے ہر کافر مرد اور عورت کے لیے ہیں۔②

① تفسیر عبدالرزاق: 191/2، رقم: 1217,1216. ② تفسیر الطبری: 73/12.

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ

(اے نبی!) یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، اس لیے آپ

هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿49﴾ ع 4 14 4

صبر کریں، بے شک (بہترین) انجام متقین ہی کے لیے ہے ﴿49﴾

امام محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اب طوفان تھم جائے تو اس نے زمین پر ہوا چلا دی، پانی ٹھہر گیا، زمین کے چشمے اور آسمانوں کے دروازے بند ہو گئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (ہود11:44) ''اور حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور (کشتی کوہ) جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں کے لیے دوری ہے۔'' اس سے پانی کم ہونا، اترنا اور خشک ہونا شروع ہو گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر آ کر ٹھہر گئی۔ اہل تورات کے بقول یہ سال کے ساتویں مہینے کی سترہ تاریخ تھی، پھر اس کے بعد دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ اور جب اس کے بعد چالیس دن اور گزر گئے تو نوح علیہ السلام نے کشتی کا وہ سائبان کھولا جو کشتی میں بنایا ہوا تھا۔ پھر کوے کو بھیجا کہ وہ پانی کی صورت حال کو معلوم کرے مگر وہ واپس نہ آیا تو آپ نے کبوتر کو بھیج دیا، وہ واپس آ گیا اور اس نے بتایا کہ اسے پاؤں رکھنے کے لیے زمین پر کوئی خشک جگہ نہیں ملی، آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کبوتر کو پکڑ لیا اور اسے پھر کشتی میں داخل کر دیا۔ پھر سات دن اور گزرنے کے بعد اسے دوبارہ بھیجا تو یہ شام کے وقت واپس آیا اور اس کے منہ میں زیتون کا ایک پتا تھا، اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ سطح زمین پر پانی کم ہو گیا ہے۔ پھر سات دن بعد کبوتر کو بھیجا تو وہ واپس نہ آیا، اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب زمین (سے پانی چلا گیا ہے اور وہ) واضح ہو گئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے طوفان کو بھیجنے سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے کبوتر بھیجنے تک پورا ایک سال مکمل ہو گیا اور دوسرے سال کے پہلے مہینے کا پہلا اتوار آیا تو روئے زمین ظاہر ہو گیا، (نظر آنے لگا) اور خشکی ظاہر ہو گئی اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی سے پردے کو ہٹا دیا اور زمین کا چہرہ دیکھا اور دوسرے سال کے دوسرے مہینے کی یہ ستائیس تاریخ تھی جب ﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿48﴾ ﴾ ''حکم ہوا کہ نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور تمھارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی) ہیں، اتر آؤ اور کچھ جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے بہت دردناک عذاب پہنچے گا۔''[1]

تفسیر آیت: 49

[1] تفسیر الطبری: 64/12.

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

اور (ہم نے) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، تمھارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم

مُفْتَرُوْنَ ﴿50﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا

تو محض جھوٹ گھڑنے والے ہو﴿50﴾ اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی ذات کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا

تَعْقِلُوْنَ ﴿51﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

کیا، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟﴿51﴾ اور اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿52﴾

گا اور تمھاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بن کر (حق سے) منہ نہ موڑو﴿52﴾

یہ واقعات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ﴾ ''من جملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔'' یعنی غیب کی گزشتہ خبروں میں سے ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف اس طرح وحی کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں، گویا آپ ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ﴿نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ﴾ ''ہم انھیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔'' یعنی ہم آپ کی طرف وحی بھیج کر آپ کو یہ واقعات بتاتے ہیں۔ ﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ﴾ ''اس سے پہلے نہ آپ ہی ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم (ہی ان سے واقف تھی۔)'' یعنی ان واقعات کا اس سے پہلے نہ آپ کو علم تھا اور نہ آپ کی قوم میں سے کسی کو۔ آپ کی تکذیب کرنے والا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان واقعات کو آپ نے فلاں شخص سے سیکھا ہے بلکہ ان واقعات سے تو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا اور صحیح صحیح اسی طرح مطلع فرمایا ہے جس طرح یہ رونما ہوئے تھے، پھر سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابیں بھی ان واقعات کی شاہد ہیں۔ لہٰذا آپ کی قوم میں سے جو آپ کی تکذیب کرے اور آپ کو ایذاء پہنچائے تو آپ صبر کریں، ہم آپ کو اپنی نصرت و اعانت سے سرفراز فرمائیں گے اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے آپ اور آپ کی فرمانبرداری کرنے والے ہی شاد کام ہوں گے جیسا کہ سابقہ پیغمبروں کو بھی ہم ہی نے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت سے نوازا تھا، چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ......﴾ (المؤمن 40:51) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں......''

اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ۚۖ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝۪﴾ (الصّٰفّٰت 37:171,172) ''اور یقیناً اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ وہی (مظفر و) منصور ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿49﴾﴾ ''اس لیے صبر کیجیے بے شک انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔''

تفسیر آیات: 50-52

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ﴾ ''اور ہم نے عاد کی طرف

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ

انھوں نے کہا: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لایا اور ہم (صرف) تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تجھ پر ایمان

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

لانے والے (بھی) نہیں ﴿53﴾ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے (دماغی) خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ (ہود نے) کہا: بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا

وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾

ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں بری ہوں ان سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو ﴿54﴾ سوائے اللہ کے، چنانچہ تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ

تدبیر کر لو، پھر تم مجھے مہلت نہ دو ﴿55﴾ بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے جو میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے، (زمین پر) چلنے پھرنے والا کوئی (جاندار ایسا)

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿56﴾

نہیں جسے اس نے اس کی پیشانی سے نہ پکڑ رکھا ہو، بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے ﴿56﴾

ان کے بھائی ہود کو (بھیجا۔)'' تا کہ وہ انھیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا حکم دیں اور انھیں بتوں کی پوجا پاٹ سے منع کریں جنھیں انھوں نے خود بنایا اور مختلف خدائی ناموں سے موسوم کر رکھا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کے پہنچانے پر ان سے کسی اجرت کا مطالبہ بھی نہیں کرتے بلکہ اللہ سے اجر و ثواب کے طلب گار ہیں جس نے انھیں پیدا فرمایا ہے۔ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿51﴾﴾ ''بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟'' کہ وہ کون ہے جو تمھیں بغیر کسی اجرت کے مطالبے کے ایسے کام کی دعوت دے رہا ہے جو تمھاری دنیا و آخرت کو بہتر کر دینے والا ہے۔ پھر آپ نے انھیں حکم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ استغفار کرو کہ اس سے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور توبہ کرو کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کرو گے۔ اور جو شخص توبہ و استغفار کو اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے حصول کو آسان کر دیتا ہے اور اس کی حفاظت فرماتا ہے، اس لیے یہ بھی فرمایا: ﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ ''وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا۔''

تفسیر آیات: 53-56

حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کی گفتگو: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قوم عاد نے اپنے نبی سے کہا: ﴿مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ ''تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے۔'' یعنی تم نے اپنے دعوے کی کوئی مضبوط دلیل اور کوئی حجت و برہان پیش نہیں کی۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ﴾ ''اور ہم (صرف) تمھارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔'' یعنی تم نے جو یہ کہا ہے کہ انھیں چھوڑ دو تو ہم تمھاری اتنی سی بات سن کر انھیں چھوڑ دیں؟ ﴿وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾﴾ ''اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔'' یعنی نہ تمھاری تصدیق کرنے والے ہیں۔ ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ﴾ ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔'' وہ کہتے تھے ہمارا خیال ہے کہ تم ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے جو منع کرتے اور اسے معیوب قرار دیتے ہو تو اس سے ناراض ہو کر ہمارے کسی

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

پھر اگر تم (حق سے) منہ موڑو گے تو میں نے وہ (پیغام) تمھیں پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا تھا، اور میرا رب تمھارے سوا ایک

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿57﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

اور قوم کو (تمھارا) جانشین بنا دے گا، اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿57﴾ اور جب ہمارا حکم

هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿58﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۙ

(عذاب) آ گیا تو ہم نے ہود اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم نے انھیں شدید عذاب سے نجات دی ﴿58﴾ اور

جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿59﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ

(دیکھو) یہ عاد ہیں، انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا تھا، اور اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی، اور ہر سرکش (اور حق سے) عناد رکھنے والے کے

هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا

حکم کی پیروی کی ﴿59﴾ اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور روز قیامت کو بھی (لگی رہے گی۔) آگاہ رہو! بے شک (قوم) عاد نے اپنے رب

5 ع 11 5 لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿60﴾ ع

کا انکار کیا۔ خبردار! دوری ہے ہود کی قوم عاد کے لیے ﴿60﴾

معبود نے تمھاری عقل کو ماؤف کر کے تمھیں جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔ ﴿ قَالَ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ بے شک میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو بے شک میں ان سے بیزار ہوں سوائے اللہ کے۔'' یعنی میں تمھارے ان تمام معبودانِ باطلہ سے اور ان تمام بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ ﴿ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ﴾ ''تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کرلو۔'' یعنی اگر تم اور تمھارے یہ معبودانِ باطلہ سچے ہیں تو تم سب مل کر میرے بارے میں جو تدبیر کرنی چاہتے ہو کرلو ﴿ ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾ ﴾ ''پھر تم مجھے مہلت نہ دو۔'' یعنی ایک لمحے کی بھی۔ ﴿ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ ﴾ ''بلاشبہ میں اللہ پر، جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ (اللہ) اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔'' یعنی کائنات کی ہر چیز صرف اسی کے غلبہ وتسلط میں ہے اور وہ حاکم وعادل ہے جو اپنے کسی فیصلے میں بھی ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ سیدھے رستے پر ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اس بات کی حجتِ بالغہ اور دلیلِ قاطعہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے جس بات کو پیش کیا وہ اس میں سچے تھے اور ان کی وہ قوم باطل پر تھی جو بتوں کی پجاری تھی جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں بلکہ وہ تو ایسی بے جان چیزیں ہیں جو سننے اور دیکھنے اور کسی سے دوستی یا دشمنی کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں جبکہ اللہ وحدہ لاشریک کی ذات گرامی ہی اس بات کی مستحق ہے کہ اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کی جائے کیونکہ صرف اسی کے ہاتھ میں کائنات کی بادشاہت ہے اور صرف اسی کا تصرف کارفرما ہے، کوئی بھی چیز اس کی ملکیت اور اس کے غلبہ وتسلط کے دائرے

وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ

اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا)۔ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، اسی

هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ

نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اسی نے تمھیں اس میں آباد کیا، چنانچہ تم اس سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو۔ بے شک میرا رب بہت

قَرِيۡبٌ مُّجِيۡبٌ ﴿61﴾

قریب ہے، (دعائیں) قبول کرنے والا ہے ﴿61﴾

سے باہر نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود ہے نہ کوئی پروردگار۔

تفسیر آیات: 57 - 60

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو وارننگ: حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا ﴾ ”اگر تم روگردانی کرو گے۔“ اس بات سے جسے میں تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرو جبکہ تم پر حجت تمام ہو چکی ہے اور میں نے تم تک اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ اس نے مجھے تمھاری طرف بھیجا ہے۔ ﴿ وَيَسۡتَخۡلِفُ رَبِّىۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ﴾ ”اور میرا پروردگار تمھاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا۔“ جو اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے اور اسے تمھاری کوئی پروا بھی نہیں ہوگی کیونکہ تم کفر کے ساتھ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ تمھارے اس کفر کا وبال تمھی پر پڑے گا۔ ﴿ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ﴿57﴾ ﴾ ”بے شک میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔“ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کا شاہد بھی ہے اور محافظ بھی۔ پھر وہ انھی کے مطابق اپنے بندوں کو جزا دے گا، اعمال و اقوال اچھے ہوئے تو اچھی جزا اور اگر برے ہوئے تو بری سزا۔

قوم عاد کی تباہی اور مومنوں کی نجات: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا ﴾ ”اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا۔“ اور وہ اس نامبارک ہوا کی صورت میں تھا جس نے ساری قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور اس سخت ترین عذاب سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکار ہی محفوظ رہے۔ ﴿ وَتِلۡكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ ﴾ ”یہ (وہی) عاد ہیں جنھوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا۔“ یعنی ان کے ساتھ کفر کیا ﴿ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ ﴾ ”اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔“ یہاں جمع کا صیغہ رسل اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ایک نبی کے ساتھ کفر کرے تو اس نے گویا تمام انبیاء کے ساتھ کفر کیا کیونکہ وجوبِ ایمان کے اعتبار سے کسی نبی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قومِ عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا تھا تو ان کے اس کفر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے، جیسے انھوں نے تمام رسولوں کے ساتھ کفر کیا ہو۔ ﴿ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ ﴿59﴾ ﴾ ”اور ہر سرکش و متکبر کا کہا مانا۔“ اپنے نیک پیغمبر کی اتباع کو ترک کر دیا اور ہر سرکش و متکبر کی پیروی شروع کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ان کا جب بھی ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور مومنوں کی طرف سے ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔ اور روزِ قیامت تمام مخلوقات کے سامنے ان کے بارے میں اعلان کیا جائے گا: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

انھوں نے کہا: اے صالح! تحقیق تو اس سے پہلے ہم میں امیدوں کا مرکز تھا۔ کیا تو ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی

وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿62﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى

ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور بلاشبہ جس چیز (توحید) کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ہم اس کے متعلق ایسے شک میں ہیں جو اضطراب میں

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا

ڈالنے والا ہے ﴿62﴾ صالح نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿63﴾

رحمت (نبوت) دی ہو، پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ (کے عذاب) سے میری مدد کون کرے گا؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو ﴿63﴾

﴿ بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿60﴾ ﴾ ”دیکھو! عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو! ہود کی قوم عادیوں پر پھٹکار ہے۔“

تفسیر آیت: 61

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ﴾ ”اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا۔)“ قوم ثمود کے لوگ تبوک اور مدینہ کے درمیان حجر کے شہروں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ قوم عاد کے بعد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا، انھوں نے انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ ”اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔“ یعنی تمھاری تخلیق کی ابتدا زمین (مٹی) سے کی اور تمھارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین (مٹی) سے پیدا کیا۔ ﴿ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ﴾ ”اور تمھیں اس میں آباد کیا۔“ یعنی تمھیں زمین میں بسا دیا، تم اس میں بستے ہو اور اس سے فائدے اٹھاتے ہو۔ ﴿ فَاسْتَغْفِرُوْهُ ﴾ ”تو تم اس سے مغفرت مانگو۔“ اپنے سابقہ گناہوں کی۔ ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ﴾ ”پھر تم اسی کی طرف توبہ کرو۔“ کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کرو گے۔ ﴿ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿61﴾ ﴾ ”بے شک میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا قبول کرنے والا (بھی) ہے۔“ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ...... ﴾ الآیة (البقرة 186:2) ”اور (اے پیغمبر!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجیے کہ) بے شک میں تو (تمھارے) قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں......“

تفسیر آیات: 63,62

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کی گفتگو: یہاں اللہ تعالیٰ نے اس گفتگو کو بیان فرمایا ہے جو حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کے مابین ہوئی تھی اور قوم نے کس طرح جہالت اور سرکشی سے کام لیتے ہوئے ان سے کہا: ﴿ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ ﴾ ”اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے۔“ یعنی اس بات سے پہلے ہمیں تمھارے بارے میں یہ امید تھی کہ تم عقل مند ہو گے۔

وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے بطور نشانی ہے، لہٰذا تم اسے چھوڑ دو کہ کھاتی (چرتی) پھرے اللہ کی زمین میں اور تم اسے برائی سے

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿64﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ

نہ چھونا، ورنہ تمھیں جلد عذاب پکڑ لے گا﴿64﴾ پھر انھوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، تو (صالح نے) کہا: تم اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھا

ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿65﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

لو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں بولا جائے گا﴿65﴾ پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے صالح اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿66﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ

کو اپنی رحمت سے نجات دی، اور اس (قیامت کے) دن کی رسوائی سے بھی (نجات دی)، بے شک آپ کا رب، وہی ہے نہایت قوی، بہت

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿67﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ

زبردست﴿66﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آ پکڑا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے﴿67﴾ جیسے کبھی ان میں بسے

6 ع 8 6 ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿68﴾

ہی نہ تھے۔ آگاہ رہو! بے شک ثمود (قوم) نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سن لو! پھٹکار (لعنت) ہے ثمود کے لیے﴿68﴾

﴿ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ ”کیا تم ہمیں ان کو پوجنے سے منع کرتے ہو جنھیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے آئے ہیں۔“ یعنی جن کی پرستش کو ہمارے بزرگوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ ﴿ وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿62﴾ ﴾ ”اور بلاشبہ ہم اس بات کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے یقیناً ایک بے چین رکھنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“ یعنی بہت زیادہ شک۔ ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ﴾ ”(صالح نے) کہا: اے میری قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں۔“ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یقین وبرہان کے ساتھ تمھاری طرف بھیجا ہے۔ ﴿ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ﴾ ”اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت (نبوت) دی ہو تو اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اللہ (کے عذاب) سے میری مدد کون کرے گا؟“ اور میں حق کی اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی تمھیں دعوت دینا ترک کر دوں اور اگر میں اللہ کو چھوڑ بیٹھوں تو تم مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکو گے اور مجھے نقصان ہی میں زیادہ کرو گے۔

تفسیر آیات: 64- 68

اس قصے (اونٹنی کا بطور نشانی ظہور، پھر اس کے مارے جانے) کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔[1] وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ.

[1] دیکھیے آیات: 73-78 کے ذیل میں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ

اور البتہ تحقیق ہمارے قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔انھوں نے کہا: (آپ پر) سلام ہو۔ابراہیم نے کہا: (تم پر بھی) سلام ہو۔

جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿69﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ

پھر دیر کیے بغیر وہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا﴿69﴾ پھر جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (بچھڑے) کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اجنبی سمجھا اور (دل

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿70﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

میں) ان سے خوف محسوس کیا۔انھوں نے کہا: (ہم سے) نہ ڈر، بے شک ہمیں تو قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے﴿70﴾ اور ابراہیم کی بیوی (قریب) کھڑی

بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿71﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ

تھی تو وہ ہنس پڑی، پھر ہم نے اسے اسحٰق کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب (پوتے) کی﴿71﴾ وہ بولی: ہائے ہائے! کیا (اب) میں بچہ جنوں گی،

شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿72﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ

حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے؟ بے شک یہ تو بہت ہی عجیب چیز ہے﴿72﴾ انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے! اللہ

عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿73﴾

کی رحمت اور برکتیں ہوں تم پر اے اہل بیت! بے شک اللہ قابل تعریف، نہایت بزرگی والا ہے﴿73﴾

تفسیر آیات: 69-73

فرشتوں کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آمد اور اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ﴾ ”اور البتہ تحقیق ہمارے قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔“ ایک قول تو یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت اسحاق کے بارے میں خوشخبری دی۔[1] اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس بشارت کا تعلق قومِ لوط کی ہلاکت سے تھا۔[2] ان میں سے پہلے قول کی تائید حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے: ﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ (ہود 11:74) ”تو جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی تو قومِ لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرنے لگے۔“

﴿ قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ﴾ ”انھوں نے سلام کہا، ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔“ یعنی تم پر بھی سلام ہو۔ ماہرینِ علم بیان کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام فرشتوں کے سلام سے زیادہ بہتر تھا، اس لیے کہ مرفوع ہونا (جملہ اسمیہ) ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلام کے معنی یہ ہیں کہ فرشتو! تم پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔)

آدابِ ضیافت: ﴿ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿69﴾ ﴾ ”ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔“ یعنی آپ جلدی سے تشریف لے گئے اور سامان ضیافت لے آئے اور وہ گائے کے بچھڑے کا گوشت تھا جو گرم پتھروں پر بھنا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام قتادہ اور کئی ائمۂ تفسیر سے ان الفاظ کے یہی معنی مروی ہیں۔[3] جیسا کہ

[1] تفسیر الطبری: 89/12. [2] تفسیر الطبری: 89/12. [3] تفسیر الطبری: 91,90/12.

ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 27,26:51) ''پھر وہ چپکے سے اپنے اہل کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لائے۔ پھر (کھانے کے لیے) ان کے قریب کر دیا، کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟'' اس آیت کریمہ سے بہت سے آداب ضیافت بھی معلوم ہو رہے ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ ﴾ ''پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں جاتے (تو) انھیں اجنبی سمجھا۔'' اور ان سے کچھ بدگمان سے ہو گئے۔ ﴿ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ﴾ ''اور (دل میں) ان سے خوف محسوس کیا۔'' کیونکہ فرشتوں کو کھانے کی ہمت ہے نہ شوق اور نہ وہ کھانا کھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ کھانے سے اعراض کر رہے ہیں اور اس کی طرف قطعاً کوئی توجہ ہی نہیں دے رہے تو آپ انھیں اجنبی سمجھتے ہوئے دل میں خوف محسوس کرنے لگے۔

ابراہیم علیہ السلام اس کے مستحق ہیں کہ اللہ انھیں اپنا دوست قرار دے: سدی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو قوم لوط کی تباہی کے لیے بھیجا تو وہ نوجوان لڑکوں کی صورت میں چلتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے اور اپنے آپ کو مہمانوں کے طور پر پیش کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے ان مہمانوں کو دیکھا تو ان کی عزت افزائی کی: ﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 26:51) ''پھر چپکے سے اپنے اہل کی طرف چلے گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لائے۔'' پھر اسے ذبح کر کے، گرم پتھروں پر بھون کر لے آئے اور خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ نے کھانا ان کے سامنے پیش کیا اور فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ابراہیم! ہم تو قیمت ادا کر کے کھانا کھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، اس کھانے کی بھی ایک قیمت ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ کہ کھانا شروع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرو اور جب ختم کر لو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ یہ سن کر حضرت جبریل نے میکائیل کی طرف دیکھا اور کہا کہ واقعی یہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنا دوست (خلیل) قرار دے، پھر جب آپ نے انھیں دیکھا کہ وہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو آپ نے انھیں اجنبی سمجھتے ہوئے اپنے دل میں خوف سا محسوس کیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام نے بھی جب یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے مہمانوں کی بہت زیادہ عزت افزائی فرمائی ہے اور وہ بھی ان کی خدمت کے لیے کھڑی ہیں تو ہنس پڑیں اور فرمانے لگیں کہ ہمارے یہ مہمان بھی عجیب ہیں کہ ہم ان کی خدمت و عزت کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے کھانے کو تناول ہی نہیں کر رہے![1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد ﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ ﴾ ''(فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے۔'' یعنی انھوں نے کہا کہ ہم سے مت ڈریے ﴿ اِنَّآ ﴾ ''بے شک ہم'' فرشتے ہیں۔ ﴿ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ ﴾ ''ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' تاکہ ہم ان کو ہلاک کر دیں۔ حضرت سارہ ان کی ہلاکت کی خوشخبری سن کر ہنسنے لگیں کیونکہ وہ بہت بڑے مفسد اور بہت

[1] تفسیر الطبری:94/12.

سخت قسم کے کافر تھے۔ چنانچہ مایوسی کے بعد انھیں بچے کی بشارت بھی دے دی گئی۔

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ ''تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔'' یعنی ہم نے انھیں بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا اور اس بیٹے سے آگے نسل کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ حضرت یعقوب، حضرت اسحاق ہی کے بیٹے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت میں فرمایا ہے: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (البقرۃ 2:133) ''بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے؟ جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

ذبیح، اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں: اسی سے بعض لوگوں نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق ہوں کیونکہ ان کے بارے میں جب بشارت دی گئی تو ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی گئی تھی کہ ان کے ہاں یعقوب نامی بیٹا بھی پیدا ہوگا تو پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ان کے بچپن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کر دینے کا حکم دیا جاتا جبکہ ان کے ہاں ابھی یعقوب نامی وہ بچہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا جس کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے جس میں کسی قسم کی وعدہ خلافی نہیں، لہٰذا یہ ممکن نہیں تھا کہ اس حالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کے ذبح کر دینے کا حکم دیا جاتا۔ اس سے یہ بات یقینی طور پر واضح ہوگئی کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ واقعی یہ بہت خوب صورت، صحیح اور نہایت واضح استدلال ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ ھٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾ ''اس نے کہا: ہائے ہائے! کیا میں بچہ جنوں گی، حالانکہ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں؟ بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔'' اس آیت میں آپ کے قول کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴾ (الذّٰریٰت 51:29) ''تو ابراہیم کی بیوی چیختی چلاتی سامنے آئی اور پھر اپنا منہ پیٹ کر کہنے لگی: (میں) بانجھ، بڑھیا ہوں (اولاد کیسے؟)'' حضرت سارہ کا یہ قول و فعل بالکل اسی طرح تھا جس طرح تعجب کے وقت عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ ﴿ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ ''انھوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟'' یعنی فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب نہ کرو کیونکہ وہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے اگرچہ تم بڑھیا اور بانجھ ہو اور تمھارے میاں بھی بہت بوڑھے ہیں تو پھر بھی تعجب نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿74﴾ اِنَّ

پھر جب ابراہیم سے خوف چلا گیا اور اس کے پاس خوشخبری آ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کی بابت جھگڑنے لگا﴿74﴾ بے شک ابراہیم بہت بردبار، بہت

اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿75﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ

زیادہ آہ وزاری کرنے والا، (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا﴿75﴾ (ہم نے کہا:) اے ابراہیم! اس (بات) کو جانے دو، بے شک تمھارے رب

رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿76﴾

کا حکم آ پہنچا ہے اور بے شک ان لوگوں پر (ایسا) عذاب آنے والا ہے جو (ان سے) پھیرا نہیں جائے گا﴿76﴾

﴿ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿73﴾ ﴾ ''اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، یقیناً وہ سزاوارِ تعریف، بزرگ وار ہے۔'' یعنی وہ اپنے تمام افعال واقوال میں قابلِ تعریف اور اپنی ذات و صفات میں قابل ستائش و تعظیم ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں یہ تو معلوم ہوگیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کس طرح بھیجیں لیکن ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہو: [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ...... إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ] ''اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی ہے بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بزرگی کا مالک ہے اور محمد اور آل محمد پر برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم کو برکتوں سے نوازا ہے، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بزرگی کا مالک ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 74-76

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قومِ لوط کے بارے میں جھگڑا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان سے خوف جاتا رہا، وہ خوف جو انھوں نے فرشتوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے محسوس کیا تھا اور فرشتوں نے انھیں بیٹے کی بشارت بھی سنا دی تو پھر انھوں نے آپ کو یہ خبر دی کہ وہ قومِ لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھی آئے ہیں۔ سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام اور جو ان کے ساتھ آئے تھے انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ﴿ اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ ﴾ (العنکبوت 29:31) ''یقیناً ہم اس بستی (سَدُوم) کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں۔'' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہو جس میں تین سو مومن ہوں؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اس بستی کو جس میں دو سو مومن ہوں؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اس بستی کو جس

---

[1] صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب، حديث: 3370 وصحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، حديث: 405 واللفظ له. لیکن اس روایت میں [وعلى آل محمد] ہے اور [إنك حميد مجيد] سے پہلے [في الْعَالَمِينَ] کا اضافہ ہے جو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کیا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ

اور جب ہمارے قاصد (فرشتے) لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوا اور ان سے دل میں تنگ ہوا اور بولا: یہ انتہائی سخت دن ہے (77) اور اس

عَصِيْبٌ (77) وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ

کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے، جبکہ وہ پہلے ہی سے برے عمل کرتے تھے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں

يٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ

(ان سے نکاح کرلو)، یہ تمھارے لیے پاکیزہ تر ہیں، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟ (78)

رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (78) قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (79)

انھوں نے کہا: یقینا تو جانتا ہے کہ ہمارے لیے تیری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی حق (دلچسپی) نہیں اور بلاشبہ تو یقینا جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں (79)

میں چالیس مومن ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، فرمایا: تیس؟ جواب دیا: نہیں، حتی کہ آپ اس طرح پانچ تک پہنچ گئے تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا: اچھا تم یہ بتاؤ کیا اس بستی کو ہلاک کر دو گے جس میں ایک مسلمان شخص موجود ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا: نہیں، ہم اسے بھی ہلاک نہیں کریں گے تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا: ﴿اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ٚ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫......﴾ الآیة (العنکبوت 29:32) ''بے شک اس میں تو لوط بھی ہیں، وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں، یقیناً ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیں گے سوائے ان کی بیوی کے......'' فرشتوں کی یہ بات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا اور آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفاتِ جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (75)﴾ ''بے شک ابراہیم بڑے تحمل والا، نرم دل، رجوع کرنے والا تھا۔'' پھر قومِ لوط کے بارے میں آپ سے فرمایا گیا: ﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ﴾ ''اے ابراہیم! اس سے باز آجاؤ، بے شک تمھارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے۔'' یعنی ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا گیا ہے، اس عذاب، ہلاکت اور تباہی و بربادی کا فیصلہ جسے مجرموں کی قوم سے ٹالا نہیں جا سکتا۔

تفسیر آیات: 77-79

فرشتوں کی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آمد: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بتا دیا کہ آج رات اللہ تعالیٰ قوم لوط کو ہلاک کر دے گا تو فرشتے آپ کے پاس سے فارغ ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آگئے۔ حضرت لوط اس وقت اپنی زمین میں یا اپنے گھر میں تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا و آزمائش کے طور پر فرشتے بہت ہی خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت و حجت بالغہ پر مبنی ہوتا ہے۔

(1) تفسیر الطبری: 12/102، 103 عن سعید بن جبیر و ابن إسحاق رحمہما اللہ نحوہ.

حضرت لوط علیہ السلام ان خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر افسردہ ہو گئے اور اپنے دل میں تنگی محسوس کرنے لگے، آپ یہ خوف محسوس کر رہے تھے کہ اگر آپ نے ان مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کی تو کوئی اور ان کی مہمان نوازی کے لیے تیار ہو جائے گا اور کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر وہ ان سے بدسلوکی کرے۔ ﴿ وَ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴾ ''اور وہ کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بہت سخت آزمائش کا دن ہے۔[1] کیونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ آپ ان مہمانوں کا ضرور خیال رکھیں گے اور اس میں آپ کو کافی مشقت اٹھانا پڑے گی۔

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ فرشتے جس وقت آپ کے پاس آئے، اس وقت آپ اپنی زمین پر تھے۔ فرشتوں نے اپنے آپ کو آپ کے سامنے مہمانوں کے طور پر پیش کیا، آپ نے شرم وحیا کا مظاہرہ فرمایا اور گھر جانے کے لیے ان کے آگے آگے چلنے لگے، رستے میں اشارے کنایے سے آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ روئے زمین پر اس بستی کے لوگوں سے زیادہ خبیث لوگ ہوں، تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ نے یہ بات پھر فرمائی حتی کہ رستے میں آپ نے اسے چار بار دوہرایا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ حکم تھا کہ وہ اس وقت تک ان لوگوں کو ہلاک نہ کریں جب تک ان کا نبی بھی ان کے بارے میں گواہی نہ دے دے۔[2]

نبی قوم کے لیے باپ کی حیثیت رکھتا ہے: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ﴾ ''قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔'' اور خوشی ومسرت کی وجہ سے اچھلتے اور کودتے ہوئے آئے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ ''اور یہ لوگ پہلے ہی سے برے عمل کیا کرتے تھے۔'' یعنی وہ اس بری عادت میں مبتلا تھے حتی کہ وہ اسی میں پکڑے گئے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ﴾ ''(لوط نے) کہا کہ اے میری قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمھارے لیے (جائز اور) بہت پاکیزہ ہیں۔'' یعنی آپ نے انھیں ان کی عورتوں کی طرف رہنمائی فرمائی۔ انھیں اپنی بیٹیاں اس لیے قرار دیا کہ نبی اپنی امت کے لیے والد کی طرح ہوتا ہے۔ آپ نے ایک ایسے کام کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی جو ان کے لیے دنیا وآخرت دونوں کے اعتبار سے مفید تھا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:165,166) ''کیا تم (جنسی تسکین کی خاطر) جہان (والوں) میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟ اور تمھارے پروردگار نے جو تمھارے لیے تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں، ان کو چھوڑ دیتے ہو، بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم حد سے نکل جانے والے ہو۔'' اس کے جواب میں انھوں نے کہا: ﴿ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:70) ''وہ بولے کیا ہم نے تجھے جہانوں (کی حمایت وطرف داری) سے منع نہیں کیا؟'' یعنی تجھے مردوں کی ضیافت سے منع نہیں کیا؟ ﴿ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:71,72) ''اس نے کہا کہ یہ

[1] تفسیر الطبری:108/12. [2] تفسیر الطبری:106/12.

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿80﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

اس (لوط) نے کہا: کاش! میرے لیے تمھارے مقابلے میں کوئی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا﴿80﴾ (فرشتوں نے) کہا: اے لوط!

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا

بے شک ہم تیرے رب کے قاصد ہیں، وہ تیری طرف ہرگز نہیں پہنچیں گے، چنانچہ تو اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے چل، اور تم میں

امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ

سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، سوائے تیری بیوی کے، بے شک اسے (وہ عذاب) پہنچنے والا ہے جو ان (لوگوں) کو پہنچے گا۔ بے شک ان کے وعدے

بِقَرِيْبٍ ﴿81﴾

(عذاب) کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟﴿81﴾

میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کرلو) اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔ (اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی (گمراہی) میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ﴾ ''یہ (جو) میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمھارے لیے (جائز اور) بہت پاکیزہ ہیں۔'' امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی اپنی حقیقی لڑکیاں نہ تھیں بلکہ یہ آپ کی امت کی لڑکیاں تھیں اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔[1] امام قتادہ اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

لوط علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور قوم کی ہٹ دھرمی: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ ﴾ ''لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔'' یعنی عورتوں پر اکتفا کرنے کے بارے میں میری بات کو قبول کرلو۔ ﴿ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿78﴾ ﴾ ''کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟'' یعنی جس میں خیر و بھلائی ہو اور وہ اس بات کو قبول کرے جس کا میں حکم دیتا ہوں اور اس بات کو ترک کر دے جس سے میں منع کرتا ہوں۔ ﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ﴾ ''وہ بولے یقیناً تم کو معلوم ہے کہ تمھاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں۔'' یعنی تم خوب جانتے ہو کہ عورتوں کی ہمیں نہ کوئی حاجت ہے اور نہ خواہش۔ ﴿ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿79﴾ ﴾ ''اور جو ہماری غرض ہے، اسے بلاشبہ تم خوب جانتے ہو۔'' یعنی ہماری غرض صرف لڑکوں سے متعلق ہے اور اس بات کو تم بھی خوب جانتے ہو، لہٰذا اس سلسلے میں ہم سے ایک ہی بات بار بار کرنے کی تمھیں کیا ضرورت ہے؟

تفسیر آیات: 81,80

حضرت لوط علیہ السلام کی عاجزی اور قوت کی تمنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: ﴿ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً ﴾ ''اے کاش! مجھے تمھارے مقابلے کی طاقت ہوتی'' تو میں اور میرا خاندان تمھیں سزا دیتا، اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَحْمَةُ

[1] تفسیر الطبری:110/12. [2] تفسیر الطبری:110/12.

اللّٰهِ عَلٰی لُوطٍ (لَّقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ) مَا بَعَثَ اللّٰهُ بَعْدَهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي ثَرْوَةٍ مِّنْ قَوْمِهِ] ''اللہ تعالیٰ کی حضرت لوط علیہ السلام پر رحمت ہو کہ وہ مضبوط سہارے کو پکڑنا چاہتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا سہارا اختیار کیے ہوئے تھے۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں میں سے مبعوث فرمایا۔''①

فرشتوں کا آپ کو حقیقت سے مطلع کرنا: جب صورتِ حال یہاں تک پہنچی تو فرشتوں نے آپ کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ان کی قوم کی تباہی کے لیے بھیجا گیا ہے اور وہ انھیں قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ﴿قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ﴾ ''(فرشتوں نے) کہا کہ لوط! بے شک ہم تمھارے پروردگار کے فرشتے ہیں، یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔'' یعنی فرشتوں نے آپ سے کہا کہ رات کے آخری حصے میں اپنے اہل خانہ کو لے کر نکل جائیں اور آپ خود ان سب کے پیچھے ہوں، یعنی اپنے اہل کو ہانکنے والے بن جائیں۔

﴿وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ ''اور تم میں سے کوئی (شخص) پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔'' یعنی جب ان پر نازل ہونے والے عذاب کی آواز کو سنو تو پیچھے مڑ کر نہ دیکھو اور ان خوفناک آوازوں کی طرف دھیان نہ دو بلکہ آگے ہی بڑھتے چلے جاؤ ﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ ط﴾ ''سوائے تمھاری بیوی کے۔'' اکثر لوگوں نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تمھاری بیوی تمھارے ساتھ نہیں جائے گی بلکہ اپنے گھر ہی میں رہے گی اور ہلاک ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی۔ ان لوگوں کے بقول آپ کی بیوی بھی آپ کے ساتھ نکل گئی تھی لیکن اس نے جب عذاب کی آواز کو سنا تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا: ہائے میری قوم! یہ کہنا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر آیا اور اس نے اس کا کام تمام کر دیا۔

پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بشارت دیتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت قریب ہی ہے کیونکہ آپ نے ان سے کہا تھا کہ انھیں فوراً اہلاک کر دو تو فرشتوں نے جواب دیا: ﴿اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿81﴾﴾ ''بے شک ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟'' قومِ لوط کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازے پر کھڑے تھے اور ہر طرف سے ان کی طرف دوڑ دوڑ کر چلے آ رہے تھے، حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے تھے، انھیں دور ہٹا رہے، ڈانٹ پلا رہے اور اس بری بات سے منع فرما رہے تھے جس میں وہ مبتلا تھے مگر وہ ان کی بات کو قبول ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ آپ کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ تو اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام ان کی طرف نکلے اور ان کے چہروں پر اپنے پر کو مارا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا، پھر جب وہ اپنے گھروں کی طرف واپس جا رہے تھے تو انھیں رستہ نظر نہیں آ رہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○﴾ (القمر 37:54) ''اور یقیناً انھوں نے لوط کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلانا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں

---

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة يوسف، حديث:3116 قوسین والے الفاظ صحیح بخاری اور مسلم کے ہیں، دیکھیے صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله: ﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ○﴾ (الحجر 51:15)......، حديث: 3372 و صحيح مسلم، الإيمان، باب زيادة طمأنينة القلب بتظاهر الأدلة، حديث:151.

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿82﴾

پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو نیچے والا (حصہ) کر دیا، اور ان پر کھنگر کے پتھر تہ بہ تہ برسائے ﴿82﴾

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴿83﴾ ع

جو آپ کے رب کے ہاں سے نشان زدہ تھے۔ اور وہ (پتھر یا سزا یا بستی) ان ظالموں (قریش مکہ) سے دور نہیں ﴿83﴾

مٹا دیں، چنانچہ (اب) تم میرے عذاب اور ڈراوے (کے مزے) کو چکھو۔''

تفسیر آیات: 83,82

قوم لوط کی بستی کی ہلاکت وتباہی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ ''پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آیا'' اور یہ طلوع آفتاب کا وقت تھا تو ﴿جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا﴾ ''ہم نے اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو (الٹ کر) نیچے کر دیا۔'' بستی کا نام سَدُوم تھا۔ یہ جملہ اس جملے کی طرح ہے: ﴿فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰی﴾ (النجم 54:53) ''پھر اس کو ڈھانپ لیا اس (تباہی اور بربادی) نے جس نے ڈھانپا۔'' یعنی ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ اور فارسی میں ﴿سِجِّیْلٍ﴾ مٹی کے پتھروں کو کہتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے۔[1]

بعض نے کہا ہے کہ لفظ ﴿سِجِّیْلٍ﴾ دراصل فارسی کا لفظ سنگ گل ہے۔ فارسی میں پتھر کو سنگ اور مٹی کو گل کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ﴾ (الذٰریٰت 33:51) ''مٹی کے پتھر (کھنگر۔)'' یعنی بڑے سخت اور مضبوط پتھر تھے اور بقول بعض شدید ترین گرم پتھر تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿سِجِّیْلٍ﴾ کے معنی بہت سخت اور بہت بڑے بڑے پتھر کے ہیں۔ سِجِّیلٌ اور سِجِّینٌ کے معنی ایک ہیں۔ تمیم بن مُقبل کا شعر ہے ؎

وَرَجْلَةٍ یَّضْرِبُوْنَ الْبَیْضَ ضَاحِیَةً ضَرْبًا (تَوَاصٰی) بِهِ الْأَبْطَالُ سِجِّینَا

''بعض پیادے دن دِہاڑے خود پر ضرب لگاتے ہیں ایسی ضرب جس کی سختی کے لیے بڑے بڑے پہلوان اپنے شاگردوں کو وصیت کیا کرتے ہیں۔''[2]

پتھروں کی بارش: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿مَّنْضُوْدٍ﴾ کے معنی بعض علماء نے یہ بیان کیے ہیں کہ یہ پتھر آسمان میں اسی مقصد کی خاطر تیار کیے گئے تھے اور بعض نے اس لفظ کے معنی تہ بہ تہ بیان کیے ہیں، یعنی وہ ان پر آسمان سے پے در پے اور مسلسل برس رہے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ یعنی ان پتھروں پر نشان بھی لگے ہوئے تھے اور جن ظالموں کو وہ پتھر لگنے تھے، ان پر ان کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ امام قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ پتھر نوکیلے تھے جو قدرے سرخ رنگ کے تھے۔[3] انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ یہ پتھر شہر والوں پر بھی برسے اور گرد و نواح کی بستیوں پر بھی۔ ان میں سے ایک شخص لوگوں کے درمیان کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک اس پر آسمان سے ایک پتھر گرا جس نے اسے ہلاک کر دیا، پھر اس

[1] تفسیر الطبری:122/12. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَّکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ﴾ (ھود 7:11)، بعد الحدیث: 4684، البتہ ابن کثیر میں تواصی کے بجائے تَوَاصَتْ ہے۔ [3] تفسیر الطبری:125/12.

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا

اور (ہم نے) مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود

تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿84﴾

نہیں، اور تم ناپ تول کم نہ کرو، بے شک میں تمھیں خوشحال دیکھتا ہوں، اور بے شک مجھے تم پر گھیرنے والے عذاب کے دن سے خوف آتا ہے ﴿84﴾

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف سے پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور تم زمین میں فسادی بن کر نہ پھرو ﴿85﴾ اللہ کی

مُفْسِدِيْنَ ﴿85﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ڬ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿86﴾

بچت (جائز نفع) تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو، اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں ﴿86﴾

کے بعد دیگر تمام شہروں اور بستیوں پر مسلسل پتھر برسنے لگے جن کی وجہ سے یہ تمام لوگ تباہ و برباد ہو گئے اور ان میں سے ایک شخص بھی زندہ باقی نہ بچا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿83﴾ ﴾ ''اور وہ ان ظالموں سے دور نہیں۔'' اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ عبرت ناک سزا جو ان ظالموں کو دی گئی، اس طرح کے ظلم کا ارتکاب کرنے والوں سے کچھ بعید نہیں ہے، انھیں بھی اسی طرح کی سزا دی جا سکتی ہے۔ کتب سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث میں ہے: [مَنْ وَّجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ] ''تم جس شخص کو قوم لوط جیسا کام کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''[1]

تفسیر آیت: 84

مدین کا قصہ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے مدین کی طرف بھی رسول بھیجا۔ اور مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا، یہ لوگ مَعان کے قریب حجاز اور شام کے درمیان رہتے تھے۔ اور ان کا علاقہ مدین کے نام سے مشہور تھا۔ اور نسب کے اعتبار سے یہ اس علاقے کا ایک اشرف قبیلہ تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ ﴾ ''(مدین کی طرف) ان کے بھائی شعیب (کو بھیجا۔)'' تا کہ وہ انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیں اور ناپ تول میں کمی سے منع کریں۔ انھوں نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ ﴾ ''بے شک میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں۔'' یعنی معیشت اور رزق کی فراوانی کی وجہ سے تم خوشحال ہو، لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ۔ ﴿ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿84﴾ ﴾ ''اور بے شک مجھے تمھارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔'' یعنی آخرت میں۔

[1] سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، حديث:4462 وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، حديث:1456 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، حديث:2561.

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا

انھوں نے کہا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ حکم کرتی (سکھاتی) ہے کہ ہم ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا اپنے

مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿87﴾

مالوں میں وہ نہ کریں جو کرنا چاہیں؟ بلاشبہ تو تو بڑا نرم مزاج، بڑا سمجھ دار ہے ﴿87﴾

تفسیر آیات: 86,85

ڈکیتی، راہزنی اور ناپ تول میں کمی کرنے والی قوم: حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں پہلے تو اس بات سے منع کیا کہ وہ جب لوگوں کو دیں تو ناپ تول میں کمی نہ کریں، پھر حکم دیا کہ لیتے اور دیتے وقت ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، نیز آپ نے انھیں زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے بھی منع فرمایا، اس لیے کہ وہ لوگ ڈکیتی اور رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ امام ابوجعفر بن جریر نے ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ”اللہ کا دیا ہوا (نفع ہی) تمھارے لیے بہتر ہے“ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو پورا پورا ناپ تول دینے کے بعد جو خالص نفع بچ جائے، وہ لوگوں کے مال لینے کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔[1] انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مفہوم ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔[2] میں کہتا ہوں کہ یہ آیت، حسب ذیل آیت کریمہ کے مشابہ ہے: ﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ...... ﴾ الآية (المآئدة 100:5) ”کہہ دیجیے کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں اور اگرچہ ناپاک چیزوں کی کثرت تمھیں بھلی ہی لگے......“ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿86﴾ ﴾ ”اور میں تمھارا نگہبان نہیں ہوں۔“ یعنی میں تمھارا نگہبان ہوں نہ محافظ۔ یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے کرو، اس لیے نہ کرو کہ لوگ تمھیں دیکھیں بلکہ اس لیے کرو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

تفسیر آیت: 87

قوم شعیب کا جواب: ان ملعون لوگوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَصَلٰوتُكَ ﴾ ”کیا تمھاری نماز؟“ اعمش نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ کیا تمھاری قراءت[3] ﴿ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ ﴾ ”تمھیں یہ حکم دیتی (سکھاتی) ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، ہم ان کو ترک کر دیں۔“ یعنی اوثان واصنام کو۔ ﴿ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ﴾ ”یا ہم اپنے مالوں میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں؟“ یعنی تیرے کہنے پر ناپ تول میں کمی ترک کر دیں جبکہ یہ ہمارا اپنا مال ہے، ہم جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ: ﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ ﴾ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے: اللہ کی قسم! شعیب کی نماز انھیں یہ حکم دیتی ہے کہ وہ ان بتوں کو ترک کر دیں جن کی پوجا پاٹ ان کے باپ دادا کرتے تھے۔[4] اور امام ثوری نے بیان کیا ہے کہ مال میں تصرف کرنے کی جو بات انھوں نے کی تو اس سے ان کا زکاۃ دینے سے انکار کرنا تھا۔[5] ﴿ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿87﴾ ﴾

---

[1] تفسیر الطبری: 131/12. [2] تفسیر الطبری: 131/12. [3] تفسیر الطبری: 134/12. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 2072/6. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 2073/6.

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا

اس (شعیب) نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا

حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا

ہو (تو کیسے اس کی نافرمانی کروں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمھاری مخالفت کروں (اس طرح کہ) وہ کام کروں جن سے تمھیں روکتا ہوں۔ میں کچھ نہیں

الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ

چاہتا سوائے (تمھاری) اصلاح کے جہاں تک مجھ سے ہو سکے۔ اور مجھے (اس کی) توفیق ملنا اللہ کی مدد کے سوا (ممکن) نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا

اُنِيْبُ ﴿88﴾

ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ﴿88﴾

”بے شک تم تو بڑے نرم دل، راست باز ہو!“ ابن عباس رضی اللہ عنہما، میمون بن مہران، ابن جریج، ابن اسلم اور ابن جریر رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ کے ان دشمنوں نے یہ بات ازراہِ مذاق کہی تھی۔[1] اللہ تعالیٰ انھیں تباہ کرے اور یقیناً اپنی رحمت سے دور کرے اور یقیناً اللہ نے ایسا کر دیا۔

تفسیر آیت: 88

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب: حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم! دیکھو تو ﴿ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ﴾ ”اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں۔“ یعنی تمھیں علی وجہ البصیرت یہ دعوت دے رہا ہوں۔ ﴿ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ ﴾ ”اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے اچھا رزق دیا ہو (تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا؟)“ کہا گیا ہے کہ اس میں دونوں ہی باتوں کا احتمال ہے کہ ﴿ رِزْقًا حَسَنًا ؕ ﴾ سے نبوت یا رزق حلال یا دونوں ہی چیزیں مراد ہوں۔ ﴿ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ ﴾ ”اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری مخالفت کروں (اس طرح کہ) وہ کام کروں جن سے میں تمھیں روکتا ہوں۔“ امام ثوری کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمھیں ایک بات سے منع کروں، پھر خفیہ طور پر خود اسے کرنے لگوں۔ امام قتادہ نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمھیں ایک کام سے منع کروں، پھر خود اس کا ارتکاب کرنے لگوں۔[2]

تبلیغ دین سے کیا مقصود ہونا چاہیے؟ ﴿ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ ﴾ ”میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمھارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔“ یعنی میں تمھیں جو بھی حکم دیتا ہوں یا جس بات سے بھی تمھیں منع کرتا ہوں تو اس سے میری مقدور بھر کوشش تمھاری اصلاح ہی ہے۔ ﴿ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ ﴾ ”اور مجھے توفیق کا ملنا۔“ یعنی اس حق کے پا لینے میں جسے میں چاہتا ہوں ﴿ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ ”اللہ ہی (کے فضل) سے ہے، میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں۔“ اپنے تمام امور و معاملات میں ﴿ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿88﴾ ﴾ ”اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“ امام مجاہد نے اس کے معنی

[1] تفسير الطبري: 135/12 وتفسير ابن أبي حاتم: 2073/6. [2] تفسير الطبري: 135/12.

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ

اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں (ایسے کام پر) نہ اکسائے کہ تم پر ویسا عذاب آئے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا، اور لوط کی

اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿89﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ

قوم (کا علاقہ بھی) تم سے کچھ دور نہیں ﴿89﴾ اور تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب بڑا رحم کرنے والا، نہایت محبت

اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿90﴾

کرنے والا ہے ﴿90﴾

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

انھوں نے کہا: اے شعیب! جو تو کہتا ہے ہم اس میں سے بہت کچھ نہیں سمجھتے اور بے شک ہم تجھے اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔ اور اگر تیرا قبیلہ نہ

لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿91﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ

ہوتا تو ہم یقیناً تجھے سنگسار کر دیتے، اور تو ہم پر کوئی غلبہ نہیں رکھتا ﴿91﴾ شعیب نے کہا: اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ دباؤ والا ہے؟ اور

وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿92﴾

تم نے اس (اللہ) کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو میرا رب انھیں گھیرنے والا ہے ﴿92﴾

رجوع کرنے کے ہی بیان کیے ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 90,89

شِقَاقِيْٓ کا معنی و مفہوم: آپ نے فرمایا: ﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ﴾ ''اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں (ایسے کام پر) نہ ابھارے۔'' یعنی میری عداوت اور دشمنی کی وجہ سے تم کفر اور فساد کو اختیار نہ کرو ورنہ تم بھی اس تباہی و بربادی اور عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے جس میں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط مبتلا ہوئی تھی۔ امام قتادہ رحمہ اللہ ﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: کوئی چیز تمھیں میری جدائی پر نہ اُبھارے۔[2] سدی نے اس لفظ کے معنی عداوت کے بیان کیے ہیں۔[3] یعنی میرے ساتھ دشمنی کی وجہ سے تم ضلالت اور کفر کی روش کو اختیار نہ کرو ورنہ تم بھی اس عذاب کی گرفت میں آ جاؤ گے جس میں سابقہ قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ ''اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔'' یعنی وہ لوگ تو ابھی کل تمھارے سامنے ہلاک ہوئے ہیں۔ اس میں دونوں ہی احتمال ہیں کہ قوم لوط کا زمانہ تم سے کچھ دور نہیں ہے یا یہ کہ قوم لوط کا علاقہ تم سے کچھ دور نہیں ہے یا دونوں (زمان اور مکان) مراد ہیں۔ ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ ''اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو'' اپنے سابقہ گناہوں کی ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ ''پھر اس کے آگے توبہ کرو'' کہ آئندہ ایسے برے عمل نہیں کرو گے۔ ﴿اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ﴾ یعنی جو توبہ کرے، وہ اس پر رحم فرماتا اور اس سے محبت کرتا ہے۔

[1] تفسیر الطبری: 136/12. [2] تفسیر الطبری: 136/12. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2075/6.

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ط سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ جلد تم جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم

وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ط وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿93﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ

انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں ﴿93﴾ اور جب ہمارا حکم (عذاب) آیا تو ہم نے نجات دی شعیب کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿94﴾ لا

والوں کو اپنی رحمت سے، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿94﴾ جیسے وہ ان میں

ع 8/12/8 كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ط اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿95﴾ ع

کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سنو! پھٹکار ہے (اہل) مدین پر جیسے ثمود پر پھٹکار پڑی ﴿95﴾

تفسیر آیات: 92,91

قوم شعیب کا جواب: انھوں نے کہا: ﴿يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا﴾ ''شعیب! تمھاری بہت سی (باتیں) ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' امام ثوری فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام اس قدر قادر الکلام تھے کہ آپ کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔[1] ﴿وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ج﴾ ''اور بے شک ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو۔'' سدی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اکیلے ہو۔[2] ابوروق کہتے ہیں کہ تم ذلیل ہو، اس لیے کہ تمھارا قبیلہ تمھارے دین پر نہیں ہے۔[3] ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ز﴾ ''اور اگر تمھارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے۔'' یعنی اگر تمھاری قوم کی عزت کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمھیں پتھر مار مار کر سنگسار کر دیتے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ہم تمھیں گالیاں دیتے۔[4] ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿91﴾﴾ ''اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔'' اور نہ تمھاری ہمارے نزدیک کوئی عزت ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب: ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ط﴾ ''انھوں نے کہا: اے میری قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے؟'' یعنی کیا تم مجھے میری قوم کی وجہ سے چھوڑ دینا چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے نہیں چھوڑتے اور اس کے نبی سے تم برا سلوک کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی جسے ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ط﴾ ''تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔'' اور اس کی تعظیم کرتے ہو نہ اطاعت بجالاتے ہو۔ ﴿اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿92﴾﴾ ''بے شک میرا پروردگار تو تمھارے سب اعمال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی وہ تمھارے سب اعمال کو جانتا ہے اور تمھارے اعمال کے مطابق ہی وہ تمھیں سزا دے گا۔

تفسیر آیات: 93-95

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو سرزنش: اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف سے مایوس ہو گئے تو فرمانے

[1] تفسير الطبري: 138/12. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2076/6. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2076/6. [4] تفسير الطبري: 138/12.

لگے: ﴿ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ ''اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔'' یعنی اپنے طریقے کے مطابق کام کیے جاؤ، یہ زبردست سرزنش کا ایک انداز ہے۔ ﴿ اِنِّيْ عَامِلٌ ﴾ ''بے شک میں (اپنی جگہ) کام کیے جاتا ہوں۔'' یعنی میں اپنے طریقے کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ﴾ ''تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے۔'' یعنی مجھ میں اور تم میں سے۔ ﴿ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴾ ''اور تم بھی انتظار کرو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

قوم شعیب پر مختلف قسم کے عذاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ ''اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، ان کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جو ظالم تھے ان کو زبردست چیخ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' ﴿ جٰثِمِيْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ بے حس و حرکت پڑے تھے۔ یہاں ﴿ الصَّيْحَةُ ﴾ کا لفظ ہے جس کے معنی زبردست چیخ کے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ﴿ الرَّجْفَةُ ﴾ (الأعراف 78:7) کا لفظ ہے جس کے معنی بھونچال کے ہیں اور سورۂ شعراء میں ﴿ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ﴾ (الشعرآء 189:26) ''سائبان کے دن کے عذاب'' کے الفاظ ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی امت کی بات ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عذاب الٰہی کی ان تینوں صورتوں میں مبتلا ہوئے تھے۔ اور ہر جگہ سیاق کی مناسبت سے الفاظ کو بیان کر دیا گیا ہے۔

سورۂ اعراف میں ہے کہ قوم شعیب نے جب یہ کہا: ﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ ﴾ (الأعراف 88:7) ''شعیب! ہم تم کو اور جو لوگ تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو اپنے شہر سے ضرور نکال دیں گے۔'' تو اس مناسبت سے ﴿ الرَّجْفَةُ ﴾ (الأعراف 78:7) کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس زمین پر زلزلہ طاری ہو گیا تھا جس میں انھوں نے ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور جس سے اللہ کے نبی کو نکالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور یہاں اپنے نبی سے گفتگو کرتے ہوئے جب ان کی بے ادبی کا ذکر ہوا تو ﴿ الصَّيْحَةُ ﴾ کا لفظ استعمال کیا گیا جس نے انھیں بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ اور سورۂ شعراء میں ہے کہ جب انھوں نے یہ کہا: ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (الشعرآء 187:26) ''پھر اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔'' تو اس مناسبت سے یہ الفاظ ذکر کر دیے گئے ہیں: ﴿ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ (الشعرآء 189:26) ''پس سائبان کے دن کے عذاب نے ان کو آ پکڑا، بے شک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔'' اس مذکورہ نکتے کا تعلق انتہائی لطیف اسرار و رموز سے ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ كَثِيرًا دَائِمًا.

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ ''گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔'' یعنی جیسے وہ اپنے گھروں میں کبھی زندہ رہے ہی نہ تھے۔ ﴿ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴾ ''خبردار! اہل مدین کے لیے دوری ہے جیسے ثمود (رحمت سے) دور ہوئے۔'' ثمود علاقے کے اعتبار سے ان کے پڑوسی تھے، کفر اور راہ زنی و ڈکیتی میں ان جیسے تھے اور نسلاً انھی کی طرح عرب تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿96﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا﴿96﴾ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کی طرف، پھر انھوں نے فرعون

فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿97﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ

کے حکم کی اتباع کی، اور فرعون کا حکم کوئی رشد و بھلائی والا نہیں تھا﴿97﴾ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، پھر انھیں آگ میں جا داخل

وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿98﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ

کرے گا، اور برا ہے وہ گھاٹ جس پر (پینے کے لیے) آیا جائے﴿98﴾ اور اس (دنیا) میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی،

الْمَرْفُوْدُ ﴿99﴾

اور برا ہے وہ انعام جو دیا جائے﴿99﴾

تفسیر آیات:96-99

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نشانیوں اور بڑے زبردست معجزات کے ساتھ فرعون۔ جو قبطیوں کا بادشاہ تھا۔ اور اس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا۔ ﴿ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ﴾ ''تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے۔'' یعنی انھوں نے بغاوت اور سرکشی میں اسی کے مسلک، طریقے اور اسلوب کو اختیار کیا۔ ﴿ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿97﴾﴾ ''اور فرعون کا کوئی حکم بھلائی والا نہیں تھا۔'' یعنی اس میں کوئی رشد و بھلائی اور ہدایت نہ تھی بلکہ وہ جہالت، ضلالت، کفر اور سرکشی پر مبنی تھا۔ اور ان لوگوں نے جس طرح دنیا میں اس کی پیروی کی، اسی طرح آخرت میں بھی وہ ان کا سربراہ ہوگا اور ان کی قیادت کرتے ہوئے ان سب کو لے کر جہنم میں داخل ہو جائے گا۔ جہنم کی سزاؤں اور عذاب اکبر سے انھیں خوب حصہ وافر ملے گا اور جہنم کے لہو اور پیپ کے حوضوں سے یہ پئیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝﴾ (المزمّل 16:73) ''چنانچہ فرعون نے (ہمارے) پیغمبر کا کہا نہ مانا تو ہم نے اس کو نہایت سختی سے پکڑ لیا۔''

اور فرمایا: ﴿ فَكَذَّبَ وَعَصٰی ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰی ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰی ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰی ۝﴾ (النّٰزعٰت 21:79-26) ''تو اس نے (اسے) جھٹلا دیا اور نہ مانا۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا۔ پھر (لوگوں کو) اکٹھا کیا پھر پکارا۔ پس کہنے لگا کہ تمھارا سب سے بڑا رب میں ہوں۔ تب اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ بے شک جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہے، اس کے لیے اس (قصے) میں عبرت ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝﴾ ''وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا، پھر ان کو دوزخ میں جا اتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔'' غلط کاموں میں پیشواؤں کا یہی انجام ہوگا کہ انھیں روزِ قیامت بہت زیادہ عذاب دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 38:7) ''(تم میں سے) ہر ایک کے لیے دوگنا (عذاب) ہے اور لیکن تم نہیں

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ﴿100﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

(اے نبی!) یہ کچھ خبریں ان (تباہ شدہ) بستیوں کی ہیں جو ہم آپ کو سناتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ تہس نہس کر دی گئیں ﴿100﴾ اور ہم نے

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا

ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، تو ان کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کے کسی کام نہ آئے، جب

جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾

آپ کے رب کا حکم (عذاب) آ پہنچا بلکہ انھوں نے ان کو تباہی میں ہی زیادہ کیا ﴿101﴾

جانتے۔" اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جہنم میں کہیں گے: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ...... ﴾ الآية (الأحزاب 68,67:33) "اے ہمارے پروردگار بلاشبہ! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہمیں رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے......"

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴾ "اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی۔)" یعنی جہنم کے عذاب کے ساتھ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت بھی کی اور یہ انعام جو ان کو ملا ہے، برا ہے۔ امام مجاہد کا قول ہے کہ قیامت کے دن ان کی لعنت میں اور بھی اضافہ کر دیا جائے گا گویا ان پر دو لعنتیں برسیں گی۔[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿99﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کی لعنت مراد ہے۔[2] ضحاک اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ○ ﴾ (القصص 42,41:28) "اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا، وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بدحالوں میں سے ہوں گے۔" اور فرمایا: ﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ ﴾ (المؤمن 46:40) "آتشِ (جہنم) کہ صبح شام اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون کی آل اولاد کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

تفسیر آیات: 101,100

تباہ شدہ بستیوں سے عبرت: اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اپنی امتوں کے ساتھ واقعات، کافروں کی تباہی و بربادی اور مومنوں کی نجات کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى ﴾ "یہ (پرانی) بستیوں کے (تھوڑے سے) حالات ہیں۔" یعنی ان کے کچھ واقعات ہیں۔ ﴿ نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ ﴾ "(جو) ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، ان میں

[1] تفسير الطبري: 144/12. [2] تفسير الطبري: 145/12. [3] تفسير الطبري: 146,145/12.

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾

اور (اے نبی!) آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ نہایت دردناک (اور) شدید ہے ﴿102﴾

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ

بے شک اس میں اس شخص کے لیے یقیناً نشان (عبرت) ہے جو عذاب آخرت سے ڈر گیا۔ وہ (یوم آخرت) ایسا دن ہے جس میں سب لوگ جمع کیے

يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿103﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿104﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا

جائیں گے، اور وہ ایسا دن ہے جب (سب) حاضر کیے جائیں گے ﴿103﴾ اور صرف ہم ایک مقرر وقت تک ہی اس میں تاخیر کر رہے ہیں ﴿104﴾ (جب) وہ

بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿105﴾

دن آجائے گا تو کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا، پھر ان میں سے کوئی تو بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ﴿105﴾

سے بعض (بستیاں) تو باقی ہیں۔'' یعنی آباد ہیں۔ ﴿وَّحَصِيْدٌ ﴿100﴾﴾ ''اور (بعض) تہس نہس کر دی گئیں۔'' یعنی وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئی ہیں۔ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ ''اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا۔'' یعنی جب ہم نے انھیں ہلاک کیا۔ ﴿وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ ''اور لیکن انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔'' یعنی ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ کفر کیا۔ ﴿فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ﴾ ''چنانچہ ان کے معبود ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔'' معبودوں سے مراد ان کے وہ بت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے اور ﴿يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ﴾ ''جن کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کوئی بھی (کام نہ آئے۔)'' وہ ان کے کچھ کام نہ آئے اور ان کی تباہی و بربادی کا پیغام لے کر جب عذابِ الٰہی نازل ہوا تو وہ انھیں اس عذاب سے بچا نہ سکے۔ ﴿وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾﴾ ''اور تباہ کرنے کے سوا ان کے حق میں اور کچھ نہ کر سکے۔'' مجاہد اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ﴿تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾﴾ کے معنی نقصان اور خسارے کے ہیں۔[1] ان کی ہلاکت و بربادی کا سبب ہی یہ معبودان باطلہ تھے اور ان کی اتباع ہی کی وجہ سے یہ لوگ دنیا و آخرت کی ناکامی و نامرادی سے دوچار ہوئے۔

تفسیر آیت: 102

اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی شدید ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے ان ظالم اور انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کو ہلاک کیا ہم ان جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کریں گے۔ ﴿اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾﴾ ''بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) بہت سخت ہے۔'' صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے اور جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔'' راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید میں اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾﴾ ''اور آپ کا

[1] تفسیر الطبری: 148/12.

پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) بہت سخت ہے۔'' ①

تفسیر آیات:103-105

بستیوں کی تباہی قیامت کی دلیل ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے کافروں کو جو ہلاک کیا اور مومنوں کو نجات بخشی تو اس میں عبرت اور آخرت سے متعلق ہمارے وعدوں کی صداقت کی دلیل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ (المؤمن 40:51) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی۔)''

اور فرمایا: ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (ابراهيم 14:13) ''چنانچہ پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ یقیناً ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ ﴾ ''اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب اکٹھے کیے جائیں گے۔'' یعنی اگلے پچھلے سب لوگ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ (الكهف 18:47) ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' ﴿ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴾ ''یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے۔'' یعنی یہ ایک عظیم دن ہوگا جس میں فرشتے حاضر ہوں گے، تمام انبیائے کرام بھی موجود ہوں گے۔ انسانوں، جنوں، پرندوں، درندوں، حیوانوں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی اکٹھا کیا جائے گا، پھر اس دن وہ عادل و منصف فیصلہ فرمائے گا جو ﴿ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا ﴾ (النسآء 4:40) ''کسی کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی (کی) ہوگی تو وہ اس کو دو چند کر دے گا۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴾ ''اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت معین تک تاخیر کر رہے ہیں۔'' یعنی ایک معین مدت تک جس میں قطعاً کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ ﴿ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ ''جس روز وہ آ جائے گا تو کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر بات بھی نہیں کر سکے گا۔'' یعنی قیامت کے دن اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴾ (النبا 78:38) ''کوئی بات نہ کر سکے گا مگر جس کو (اللہ) رحمان اجازت بخشے اور وہ درست (بات) کہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ ...... ﴾ الآية (طٰهٰ 20:108) ''اور اللہ کے سامنے سب آوازیں پست ہو جائیں گی......۔''

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث شفاعت میں ہے: [وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اَللّٰهُمَّ! سَلِّمْ، سَلِّمْ] ''اور اس دن رسولوں کے سوا کوئی گفتگو نہ کر سکے گا اور رسولوں کی بات بھی اس دن صرف یہ ہوگی کہ اے اللہ!

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ...... ﴾ (هود 11:102)......، حديث:4686 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2583.

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿106﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ

چنانچہ جولوگ بد بخت ہوں گے تو (وہ) آگ میں ہوں گے، ان کے لیے اس (آگ) میں بس چیخنا چلانا اور دھاڑنا ہوگا﴿106﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں

السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿107﴾

گے جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے، مگر یہ کہ آپ کا رب (کچھ اور) چاہے۔ بے شک آپ کا رب جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے﴿107﴾

سلامت رکھنا، سلامت رکھنا۔''[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿105﴾﴾ ''پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔'' یعنی میدان حشر میں جمع ہونے والوں میں سے کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہوں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۝﴾ (الشوریٰ 7:42) ''(اس روز) ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق بھڑکنے والی آگ میں۔'' حافظ ابویعلٰی نے اپنی مسند میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿105﴾﴾ تو میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر ہم عمل کیوں کریں؟ کیا عمل ایک ایسی چیز کی وجہ سے کریں جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے یا ایسی چیز کی وجہ سے جس سے فراغت حاصل نہیں کی گئی؟ تو آپ نے فرمایا: [بَلْ عَلٰی شَیْءٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ وَجَرَتْ بِهِ الْأَقْلَامُ یَا عُمَرُ! وَلٰكِنْ كُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ] ''ایک ایسی چیز کی بنیاد پر جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے اور جس کے ساتھ قلم چل چکے ہیں اے عمر! لیکن ہر شخص کے لیے اس کام کو آسان کر دیا جائے گا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔''[2] پھر اللہ تعالیٰ نے بد بخت اور نیک بخت لوگوں کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: (دیکھیے آیات:107,106)

تفسیر آیات:107,106

بد بختوں کا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿106﴾﴾ ''اس میں ان کا چلّانا اور دھاڑنا ہوگا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زفیر کا تعلق گلے سے اور شہیق کا سینے سے ہوتا ہے۔[3] یعنی ان کا سانس لینا زفیر (چلّانا) اور سانس خارج کرنا شہیق (دھاڑنا) ہوگا، اس لیے کہ وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ عِیَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

دوام اور ہمیشگی پر دلالت کے لیے اہل عرب کے مختلف محاورے: ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ﴾ ''اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں۔'' امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ جب کسی چیز کے دوام اور ہمیشگی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں: هٰذَا دَائِمٌ دَوَامَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ''یہ چیز

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ ......﴾ (القیٰمۃ 23,22:75)، حدیث: 7437 وصحیح مسلم، الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث: 182. [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة هود، حدیث: 3111. امام ابویعلٰی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی سیاق میں مختلف سند اور متن سے روایت کو نقل کیا ہے، دیکھیے مسند أبی یعلی: 421/9، حدیث: 5571. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2085/6.

اس وقت تک رہے گی جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔'' اسی طرح وہ یہ محاورہ بھی استعمال کرتے ہیں: هُوَ بَاقٍ مَّا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ ''وہ اس وقت تک باقی ہے جب تک لیل ونہار کی یہ گردش جاری ہے۔'' نیز اسی مفہوم کے لیے وہ مَا سَمَرَ ابْنَا سَمِيرٍ ''جب تک شب وروز کا سلسلہ قائم ہے۔'' اور مَا لَأْلَأَتِ الْعُفُرُ بِأَذْنَابِهَا ''جب تک ہرنیاں اپنی دمیں ہلاتی رہیں گی'' کے محاورے بھی استعمال کرتے ہیں اور ان سب سے کسی چیز کے بقا اور دوام کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے عربوں کو انھی کے روزمرہ محاورے کے مطابق مخاطب فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ ''(اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں، ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''①

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے جنسِ آسمان وزمین مراد ہو کیونکہ آسمان وزمین تو عالمِ آخرت میں بھی ہوں گے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ﴾ (إبراهيم14:48) ''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے۔)'' اسی لیے امام حسن بصری رحمہ اللہ ﴿ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے اس آسمان اور زمین کے علاوہ اور آسمان وزمین مراد ہیں، یعنی جب تک وہ آسمان وزمین رہیں گے۔②

مومن بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ ﴾ ''مگر جو آپ کا پروردگار چاہے، بے شک آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (الأنعام6:128) ''تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے، بے شک آپ کا پروردگار بڑا دانا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس استثنا کا تعلق ان موحّد گناہ گاروں سے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے فرشتوں، نبیوں اور مومنوں کی شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال دے گا حتی کہ وہ اصحاب کبائر کے بارے میں بھی شفاعت کریں گے۔ پھر ارحم الراحمین کی رحمت آئے گی جو اس شخص کو بھی جہنم سے نکال دے گی جس نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا مگر زندگی میں ایک دن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ضرور کہا ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس مضمون کی ان صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے جو حضرت انس، جابر، ابوسعید، ابوہریرہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔③ اور اس کے بعد جہنم میں صرف وہی باقی رہے گا جس کا جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا واجب ہوگا اور جسے قطعاً کسی قیمت پر جہنم سے باہر نہیں نکالا جائے گا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں زمانۂ قدیم وجدید کے بہت سے علماء نے یہی فرمایا ہے۔

---

① تفسير الطبرى :152/12. ② تفسير ابن أبي حاتم :2086/6. ③ صحيح البخاري، الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، حديث: 44 وصحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة، حديث:(325)-193 وجامع الترمذي، صفة جهنم، باب ما جاء أن للنار نفسين......، حديث:2593.

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

اور لیکن جو نیک بخت بنائے گئے ہوں گے تو (وہ) جنت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے مگر یہ کہ

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ⑩⑧

آپ کا رب (کچھ اور) چاہے، (یہ اللہ کا) نہ ختم ہونے والا انعام ہے ⑩⑧

تفسیر آیت:108

نیک بخت لوگوں کا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا ﴾ ''اور جو نیک بخت ہوں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اتباع کرنے والے ﴿ فَفِي الْجَنَّةِ ﴾ ''وہ بہشت میں (داخل کیے جائیں گے۔)'' یعنی ان کا ٹھکانا جنت ہوگا۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ ﴾ ''جب تک آسمان اور زمین ہیں، ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا آپ کا پروردگار چاہے۔'' یہاں اس استثنا کے معنی یہ ہیں کہ ان نعمتوں میں ان کا ہمیشہ ہمیشہ رہنا بذات خود امر واجب نہ ہوگا بلکہ یہ معاملہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت کے سپرد ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہمیشہ ان کے شامل حال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں تسبیح وتحمید کا اسی طرح الہام کیا جائے گا جس طرح (بلا تکلف) سانس کی آمد وشد کا سلسلہ جاری ہوگا۔[1] ضحاک اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا تعلق ان موحد گناہ گاروں سے ہے جو پہلے دوزخ میں ہوں گے، پھر انھیں اس سے نکال لیا جائے گا۔[2]

اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ⑩⑧ ﴾ ''یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔'' یعنی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، ابو العالیہ اور کئی ایک ائمہ رحمہم اللہ نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[3] تاکہ مشیت کے ذکر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہاں کبھی انقطاع یا اختتام بھی ہوگا بلکہ حتمی بات یہ ہے کہ وہاں دوام ہوگا اور کبھی انقطاع نہیں ہوگا جیسا کہ پہلے بیان فرمایا ہے کہ اہل دوزخ کا جہنم میں ہمیشہ مبتلائے عذاب رہنا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے اور اس کا انھیں عذاب دینا بھی عدل وحکمت پر مبنی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ○ ﴾ (هود 107:11) ''بے شک آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ ﴾ (الأنبياء 23:21) ''وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔'' اور یہاں ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ⑩⑧ ﴾ ''یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔'' فرما کر دلوں کو تسکین بخشی اور مقصود کی طرف توجہ دلائی ہے۔

موت کو بھی موت دے دی جائے گی: صحیح بخاری ومسلم میں ہے: [يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ كَهَيْئَةِ كَبْشٍ أَمْلَحَ (فَيُذْبَحُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ) ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ] ''موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور جنت وجہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر اعلان کیا جائے گا: اے اہل جنت!

① صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب في صفات الجنة وأهلها......، حديث:(19)-2835 عن جابر رضي الله عنه.
② تفسير ابن أبي حاتم: 2088,2087/6. ③ تفسير الطبري: 158/12.

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ

چنانچہ آپ ان کے متعلق تردد میں نہ پڑیں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، یہ لوگ تو ویسے ہی عبادت کرتے ہیں جیسے اس سے پہلے ان کے

قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿109﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ع 14 9

باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور بے شک ہم انھیں ان کا حصہ بغیر کسی کمی کے پورا پورا دیں گے ﴿109﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ

میں اختلاف کیا گیا اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے (طے) ہو چکی ہے تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور

شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿110﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا

بلاشبہ وہ اس کے متعلق البتہ بے چین کرنے والے شک میں ہیں ﴿110﴾ اور بے شک آپ کا رب ضرور ہر ایک کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿111﴾

دے گا۔ بے شک وہ جو عمل کرتے ہیں اللہ ان سے خوب باخبر ہے ﴿111﴾

تم اب ہمیشہ رہو گے اور کبھی موت نہ آئے گی اور اے اہل دوزخ! تم بھی اب ہمیشہ رہو گے اور تمھیں بھی کبھی موت نہیں آئے گی۔‘‘①

صحیح حدیث میں ہے: [إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَعِيشُوا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا] ’’(کہا جائے گا: اے اہلِ جنت!) بے شک تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، تم اب ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی نہیں مرو گے، تم ہمیشہ ہمیشہ جوان رہو گے اور کبھی بوڑھے نہیں ہو گے اور تم ہمیشہ ہمیشہ ناز و نعم میں رہو گے اور کبھی بدحال نہیں ہو گے۔‘‘②

تفسیر آیات: 109-111

شرک بلاشبہ بہت بڑی گمراہی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ﴾ ’’تو یہ لوگ جو (غیر اللہ کی) پرستش کرتے ہیں، اس سے آپ تردد میں نہ پڑیں۔‘‘ یعنی ان مشرکین سے کیونکہ وہ یقیناً باطل، جہالت اور ضلالت ہے، یہ انھی بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت ان کے آباء و اجداد کیا کرتے تھے۔ یعنی ان جہالتوں کے سلسلے میں ان کے پاس سند محض آباء و اجداد کی تقلید ہی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ انھیں اس کی پوری پوری سزا بلکہ ایسا عذاب دے گا کہ اس

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ (مريم 19:39)، حديث: 4730 و 6548 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث: 2849 قوسین سے پہلے والا حصہ صحيح البخاري، حديث: 4730، قوسین کے بعد والا حصہ صحيح مسلم، حديث: 2849 اور قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون ...... ، حديث: 2850 کے سیاق کے مطابق ہیں۔ ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في دوام نعيم أهل الجنة......، حديث: 2837 و اللفظ له. صحیح مسلم میں لفظ: [تَعِيشُوا] کے بجائے [تَحْيَوْا] ہے، اس کے لیے دیکھیے المعجم الصغير للطبراني، باب من اسمه إبراهيم: 140/1.

طرح کا عذاب کسی اور کو نہیں دے گا۔ اور اگر ان کی کچھ نیکیاں ہوئیں تو ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے انھیں دنیا ہی میں چکا دے گا۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴾ ''اور بے شک ہم انھیں ان کا حصہ پورا پورا بلا کم و کاست دینے والے ہیں۔'' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم انھیں ان کے عذاب کا حصہ پورا پورا دینے والے ہیں۔[1] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا، کچھ ایمان لے آئے اور کچھ نے کفر کیا اور اے محمد (ﷺ!) سابقہ انبیاء آپ کے لیے نمونہ ہیں، لہٰذا یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں، اس سے آپ دل آزردہ نہ ہوں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے (طے) نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا۔'' ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی کہ عذاب کو ایک مدت مقررہ تک کے لیے مؤخر کر دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا فیصلہ فرما دیتا۔[2] اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ حجت پوری کرنے اور رسولوں کو بھیجنے کے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 15:17) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ (طٰهٰ 130,129:20) ''اور اگر ایک بات آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے صادر اور (جزائے اعمال کے لیے) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو (نزولِ) عذاب لازم ہو جاتا۔ لہٰذا جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے۔''

تمام امتیں اللہ کے روبرو حاضر ہوں گی: پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اگلی پچھلی تمام امتوں کو جمع کرے گا اور ان کے اعمال کے مطابق انھیں بدلہ دے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھی جزا دے گا اور اگر برے ہوئے تو سزا دے گا، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ ''اور بے شک آپ کا پروردگار ان سب کو (قیامت کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، بے شک جو عمل یہ کرتے ہیں وہ اس سے خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ ان کے چھوٹے بڑے تمام اعمال سے واقف ہے۔ اس آیت کے بارے میں بہت سی قراءتیں ہیں جن سب کے مطابق معنی و مفہوم یہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں بھی اگرچہ قراءتیں مختلف لیکن معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔ ﴿ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 32:36) ''اور سب کے سب (لوگ) ہمارے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔''

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2089/6. [2] تفسیر الطبری: 160/12.

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿112﴾

چنانچہ (اے نبی!) آپ ثابت قدم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی (ایمان لائے) اور تم سرکشی نہ

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

کرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو وہ (اللہ) انھیں دیکھ رہا ہے ﴿112﴾ اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، اور

اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿113﴾

تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی ﴿113﴾

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ

اور آپ نماز قائم کریں دن کی دونوں طرفوں (صبح و شام) اور رات کی کچھ گھڑیوں میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ یہ (اللہ کا) ذکر

ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿114﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿115﴾

کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ﴿114﴾ اور آپ صبر کریں، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿115﴾

تفسیر آیات: 113,112

استقامت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ثبات و استقلال اور استقامت کو اختیار کریں کہ یہ دشمنوں کے خلاف فتح و نصرت اور مخالفت کے سلسلے میں بہت مدد و معاون ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بغاوت و سرکشی سے منع فرمایا ہے کہ یہ شکست ہے، خواہ مشرک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، نیز فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے اور اس سے کوئی چھوٹی بڑی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مداہنت سے کام نہ لو۔[1] اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا۔[2] یہ ایک اچھا قول ہے، یعنی ظالموں سے مدد نہ لینا کہ یوں معلوم ہو کہ تم بھی ان کے اعمال سے راضی ہو۔ ﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿113﴾﴾ ''ورنہ تمھیں آگ آ لپٹے گی اور اللہ کے سوا تمھارے اور دوست نہیں ہیں، پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمھارا کوئی دوست نہ ہوگا جو تمھیں بچا سکے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو تم سے عذابِ الٰہی ہٹا سکے۔

تفسیر آیات: 115,114

اقامتِ نماز کا حکم: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ ''اور دن کے دونوں سروں (صبح شام) میں نماز پڑھا کرو'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صبح اور مغرب کی نمازیں ہیں۔ حسن اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] اور امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت کے مطابق، نیز

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2089/6. [2] تفسیر الطبري: 165/12. [3] تفسیر الطبري: 167,166/12.

قتادہ اور ضحاک وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سے صبح اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔[1] امام مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مراد ہے جو دن کے ابتدائی حصے سے تعلق رکھتی ہے اور ظہر وعصر کی نماز مراد ہے جو دن کے آخری حصے سے تعلق رکھتی ہے۔ محمد بن کعب قُرَظی اور ضحّاک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔[2] ﴿ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ﴾ ''اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے نمازِ عشا مراد ہے۔[3] ابن مبارک کی مبارک بن فَضالہ سے اور ان کی امام حسن سے جو روایت ہے اس کے مطابق اس سے مغرب وعشا کی نمازیں مراد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: [هُمَا زُلَفَتَا اللَّيْلِ: الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ] ''مغرب وعشا رات کی ابتدائی ساعات ہیں۔''[4] مجاہد، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مغرب وعشا کی نمازیں مراد ہیں۔[5] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ آیت کریمہ شبِ معراج کو نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہو۔ اس وقت دو نمازیں فرض تھیں، ایک نماز طلوعِ آفتاب سے پہلے اور دوسری غروبِ آفتاب سے پہلے۔ نیز رات کا قیام بھی نبیٔ اکرم ﷺ اور امت پر واجب تھا، پھر امت کے حق میں یہ منسوخ ہو گیا اور آپ ﷺ کے حق میں واجب رہا اور ایک قول کے مطابق آپ ﷺ کے لیے بھی اس کے وجوب کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔'' یعنی بے شک نیک کام سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے امیر المؤمنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی حدیث سنتا تو اس سے اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا مجھے فائدہ عطا فرما دیتا اور اگر کوئی اور شخص مجھ سے آپ کی حدیث کو بیان کرتا تو میں اس سے قسم لیتا اگر وہ قسم دے دیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا، مجھ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِذٰلِكَ الذَّنْبِ إِلَّا غَفَرَ لَهُ] ''جو مسلمان کوئی گناہ کر بیٹھے اور وضو کر کے دو رکعتیں پڑھ لے، پھر اللہ تعالیٰ سے اُس گناہ کی معافی مانگ لے تو وہ اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔''[6]

صحیح بخاری ومسلم میں امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو اس طرح وضو کر کے دکھایا جس طرح رسول اللہ ﷺ وضو فرمایا کرتے تھے، پھر کہا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا اور فرمایا:

---

① تفسير الطبرى:167,166/12. ② تفسير الطبرى:166/12. ③ تفسير الطبرى:169/12. ④ تفسير الطبرى: 170/12 لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ⑤ تفسير الطبرى:171,170/12. ⑥ سنن أبى داود، الوتر، باب فى الاستغفار، حديث:1521 و جامع الترمذى، الصلاة، باب ما جاء فى الصلاة عند التوبة، حديث:406 و السنن الكبرىٰ للنسائى، عمل اليوم والليلة، ما يفعل من بُلى بذنب وما يقول:109/6، حديث:10247 و مسند أحمد:9/1 واللفظ له و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فى أن الصلاة كفارة، حديث:1395.

[مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوئِی هٰذَا]، [ثُمَّ صَلّٰی رَكْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ فِیهِمَا نَفْسَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ] ”جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے، پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان میں اپنے نفس سے بات نہ کرے (خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے) تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“[1]

صغیرہ گناہوں کو مٹانے کا بہترین طریقہ: صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[أَرَأَیْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهِ شَیْءٌ؟ قَالُوا: لَا یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهِ شَیْءٌ، قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، یَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا] ”بھلا بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر جاری وساری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ بار غسل کرے تو کیا اس کا کوئی میل کچیل باقی رہے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں، آپ نے فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ پانچوں نمازوں سے خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے۔“[2] امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمایا کرتے تھے: [اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَی الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰی رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتُ مَا بَیْنَهُنَّ، إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ] ”پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعے تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، بشرطیکہ (انسان) کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔“[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کو بوسہ دیا اور اس نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں بتا دیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ﴾ ”اور دن کے دونوں سروں (صبح شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو، کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔“ اس شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ حکم بطور خاص میرے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا:[لِجَمِیعِ أُمَّتِی كُلِّهِمْ] ”میری ساری امت کے لیے یہی حکم ہے۔“ امام بخاری نے اسے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے، نیز اس حدیث کو کتاب التفسیر میں بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[4]

---

① صحیح البخاری، الوضوء، باب الوضوء ثلاثًا ثلاثًا، حدیث: 159 و 1934 وصحیح مسلم، الطھارة، باب صفة الوضوء و کمالہ، حدیث: (4)-226. البتہ اس حدیث کا پہلا حصہ صحیح البخاری، حدیث: 1934 اور دوسرا حصہ حدیث: 159 کے مطابق ہے۔ ② صحیح البخاری، مواقیت الصلاة، باب الصلوات الخمس کفارة، حدیث: 528 وصحیح مسلم، المساجد......، باب المشی إلی الصلاة تمحی به الخطایا و ترفع به الدرجات، حدیث: 667 واللفظ له. ③ صحیح مسلم، الطھارة، باب الصلوات الخمس......، حدیث: (16)-233. ④ صحیح البخاری، مواقیت الصلاة، باب الصلاة کفارة، حدیث: 526 والتفسیر، باب قوله: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ......﴾ (ہود11:114)......، حدیث: 4687 وصحیح مسلم، التوبة، باب قوله تعالٰی: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ﴾، حدیث: 2763.

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

پھران امتوں میں، جوتم سے پہلے گزریں، ایسے عقل وبصیرت والے کیوں نہ ہوئے جوزمین میں (لوگوں کو) فساد (پھیلانے) سے روکتے مگر تھوڑے

قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿116﴾

ہی ان میں سے جنھیں ہم نے نجات دی اور جن لوگوں نے ظلم کیا وہ ان چیزوں کے پیچھے لگے رہے جن میں وہ (ظالم) آسودگی دیے گئے تھے، اور وہ

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿117﴾

مجرم تھے ﴿116﴾ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے جبکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں ﴿117﴾

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک عورت کچھ خریدنے کے لیے جب میرے پاس آئی تو میں نے اسے کوٹھڑی میں داخل کرلیا اور مقاربت کے سوا سب کچھ کیا۔ انھوں نے فرمایا: تجھ پر افسوس! شاید یہ ایسی عورت ہو کہ اس کا شوہر جہاد کے لیے گھر سے باہر ہو۔ اس نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: جاؤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھو۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ مسئلہ پوچھا تو انھوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح یہی فرمایا کہ شاید یہ ایسی عورت ہو کہ جس کا شوہر جہاد کے لیے گھر سے باہر ہو۔

پھر اس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر یہ صورت حال بیان کی تو آپ نے بھی یہی فرمایا: [فَلَعَلَّهَا مُغِيبٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''شاید یہ ایسی عورت ہو کہ اس کا شوہر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر سے باہر ہو۔'' پھر اس کے بارے میں یہ مکمل آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ...... ﴾ الآية ''اور دن کے دونوں سروں (صبح شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو، کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں......'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا یہ حکم خاص میرے لیے ہے یا سب لوگوں کے لیے عام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور کہا کہ تمھارے لیے آنکھ کی ٹھنڈک نہ ہو، یہ حکم سب لوگوں کے لیے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: [صَدَقَ عُمَرُ] ''(ہاں!) عمر سچ کہتے ہیں۔''[1]

تفسیر آیات: 117,116

برائیوں سے روکنے والی جماعت ضرور ہونی چاہیے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ان میں کچھ ایسے اہل خیر باقی کیوں نہ رہے جو لوگوں کو زمین میں وقوع پذیر ہونے والے شر و فساد اور منکرات سے منع کرتے۔ ہاں، البتہ اس قسم کے تھوڑے سے لوگ ضرور موجود ہیں جو زیادہ تعداد میں نہیں ہیں، انھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کے وقت نجات دی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت (محمدیہ) کو حکم دیا ہے کہ اس میں ایسے لوگ ضرور ہوں جو نیکی کا حکم دیں

① مسند أحمد: 245/1.

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿118﴾ اِلَّا مَنْ

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یقیناً تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ ہمیشہ (باہم) اختلاف کرتے رہیں گے ﴿118﴾ سوائے ان لوگوں کے

رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

جن پر آپ کے رب نے رحم کیا، اور اسی لیے اس نے انھیں پیدا کیا، اور آپ کے رب کی بات پوری ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں،

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿119﴾

سب سے ضرور بھروں گا ﴿119﴾

اور برائی سے منع کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن3:104) ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔'' اور حدیث میں ہے: [إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا...... الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ أَوْشَكَ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ] ''لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔''[1] اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ﴾ ''تو جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو زمین میں خرابی کرنے سے روکتے۔ ہاں، (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے ان میں سے نجات بخشی۔''

اور ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ ﴾ ''اور جو ظالم تھے وہ انھی باتوں کے پیچھے لگے رہے جن میں عیش و آرام تھا۔'' یعنی وہ معاصی اور منکرات میں مبتلا رہے اور ان کو سمجھانے اور راہ ہدایت پر لانے کی طرف انھوں نے کوئی توجہ نہ دی حتی کہ اچانک عذابِ الٰہی کی گرفت میں آ گئے۔ ﴿ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿116﴾ ﴾ ''اور (کیونکہ) وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے صرف ظالم بستی ہی کو تباہ کیا ہے اور صرف ظالم لوگ ہی اس کے عذاب کی گرفت میں آتے ہیں اور مصلحین کی بستی میں کبھی عذاب نہیں آتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ (ہود11:101) ''اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة41:46) ''اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

تفسیر آیات: 119,118

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ایمان عطا نہیں کیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بلاشبہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمام اہل زمین

---

[1] موارد الظمآن، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر:80,79/6، حديث:1837 عن قيس بن أبي حازمؓ وسنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:4005. لیکن ابن ماجہ میں [فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ] کے بجائے [فَلَا يُغَيِّرُونَهُ] ہے۔

کوایمان یا کفر کی ایک ہی امت بنا دیتا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے : ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ﴾ (یونس 10:99) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔'' ارشادالٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴾ ''اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔'' یعنی لوگوں میں ادیان، اعتقادات، ملتوں، فرقوں، مذاہب اور افکار و آراء کے اعتبار سے ہمیشہ اختلاف رہے گا۔

فرقۂ ناجیہ: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ﴾ ''مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے۔'' یعنی اختلاف سے وہ لوگ بچیں گے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا جو رسولوں کی فرمانبرداری کریں اور دین کے ان احکام پر سختی سے عمل پیرا ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے انھیں بتایا ہوگا۔ یہ لوگ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع کرتے رہے، پھر جب سب سے آخر میں سیدالانبیاء وخاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی اتباع کی، آپ کی تصدیق کی اور آپ کی نصرت و اعانت میں کمربستہ ہو کر دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو گئے کیونکہ یہی لوگ اس فرقہ ناجیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں مذکور ہے جو مسانید اور سنن میں ایسی مختلف سندوں سے مروی ہے جو ایک دوسری کے لیے باعث تقویت ہیں: [إِنَّ الْيَهُودَ افْتَرَقَتْ عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً]، [افْتَرَقَتِ النَّصَارٰى عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً]، [وَّتَتَفَرَّقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ فِرْقَةً]، [كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا فِرْقَةً وَّاحِدَةً]، [قَالَ: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي] ''یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور ایک فرقے کے سوا یہ تمام فرقے جہنم رسید ہوں گے، عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: وہ جو اس کے مطابق عمل کریں گے جس پر میرا اور میرے صحابہ کا عمل ہے۔''[1] امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں اس روایت کے آخری الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔[2]

بہشتِ جاوداں کے مستحق کمزور لوگ ہیں: ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں، سب سے بھر دوں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بے پایاں علم و حکمت اور قضا و قدر کے مطابق یہ فیصلہ فرما رکھا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جنت کا مستحق کون ہے اور جہنم کا مستحق کون۔ اور وہ جہنم کو بھی جنوں اور انسانوں سے ضرور بھرے گا اور اس میں بھی اس کی

---

① اس حدیث کے اجزا مختلف طرق سے لیے گئے ہیں، دیکھیے صحیح ابن حبان، التاریخ، باب إخباره ﷺ عما يكون في أمته من الفتن والحوادث: 125/15، حدیث: 6731 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب افتراق الأمم، حدیث: 3992 و مجمع الزوائد، قتال أهل البغي، باب ما جاء في الخوارج: 226/6، حدیث: 10401 و جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة، حدیث: 2641، مزید دیکھیے سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حدیث: 4596 و مسند أحمد: 332/2 عن أبي هريرة وعبدالله بن عمرو و عوف بن مالك ﷺ. ② المستدرك للحاكم، العلم، فصل في توقير العالم: 129/1، حدیث: 444.

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے آپ کو وہ (خبر) سناتے ہیں جس سے ہم آپ کا دل مضبوط رکھتے ہیں، اور اس (سورت) میں آپ کے پاس حق آ گیا

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿120﴾

اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی بھی ﴿120﴾

حجت بالغہ اور حکمت کاملہ کارفرما ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[اِخْتَصَمَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ الْجَنَّةُ، مَا لِيَ لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ، وَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ، وَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِي أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ أَشَاءُ، وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِّنْكُمَا مِلْؤُهَا، فَأَمَّا الْجَنَّةُ فَلَا يَزَالُ فِي الْجَنَّةِ فَضْلٌ، حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنَهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ، لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ حَتّٰى يَضَعَ فِيهَا رَبُّ الْعِزَّةِ قَدَمَهُ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ]

''جنت اور جہنم کی آپس میں گفتگو ہوئی تو جنت نے کہا کہ آخر کیا بات ہے کہ مجھ میں کمزور اور نادار لوگ ہی داخل ہوئے ہیں۔ جہنم نے جواب دیا: اس لیے کہ تمام متکبر اور سرکش لوگ میرے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ساتھ میں جس کو چاہوں اپنی رحمت سے نواز دوں۔ اور جہنم سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے، تیرے ساتھ میں جس سے چاہوں انتقام لوں۔ میں تم میں سے ہر ایک کو بھر دوں گا۔ جنت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا حتی کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا، جسے اللہ تعالیٰ جنت کے باقی ماندہ حصے میں بسائے گا۔ جہنم کی طرف سے مسلسل یہ مطالبہ رہے گا کہ کچھ اور بھی ہے؟ حتی کہ اللہ رب العزت اس پر اپنا قدم مبارک رکھ دے گا تو پھر جہنم کہے گا: بس بس تیری عزت کی قسم۔''[1]

تفسیر آیت:120

سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی تکذیب کا سامنا کرنا پڑا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے انبیاء کے ان کی امتوں کے ساتھ واقعات ان کے باہمی اختلافات وتنازعات، پھر انبیاء کو اپنی امتوں کی طرف سے جس تکذیب اور ایذا کا سامنا کرنا پڑا اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے مومن بندوں کی نصرت واعانت فرمائی اور کافروں اور دشمنوں کو

① حدیث کے الفاظ حضرت ابو ہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی بخاری ومسلم کی روایات سے لیے گئے ہیں، دیکھیے صحیح البخاری، التوحید، باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الأعراف 56:7)، حدیث:7449 وصحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب النار یدخلها الجبارون......، حدیث:2846 اور ان کے اطراف۔ ومسند أحمد:234/3 جبکہ [أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ] کے الفاظ جامع الترمذی، صفة الجنة، باب ما جاء فی احتجاج الجنة والنار، حدیث:2561 میں ہیں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ

اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ایمان نہیں لاتے: تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾ اور تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

انتظار کرنے والے ہیں ﴿۱۲۲﴾

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا

اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب، اور سب کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، چنانچہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر توکل

10 ع 14 10 رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

کریں، اور آپ کا رب اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو ﴿۱۲۳﴾

ذلت و رسوائی سے دو چار کیا تو یہ سب کچھ اے محمد (ﷺ!) ہم اس لیے بیان کر رہے ہیں تا کہ آپ کے دل کو قائم رکھیں اور آپ اپنے سابقہ انبیاء بھائیوں کو اپنے لیے اسوہ و نمونہ بنا لیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ﴾ ''اور ان (قصص) میں آپ کے پاس حق پہنچ گیا۔'' یعنی یہاں حق سے مراد یہ سورت ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سلف کی ایک جماعت نے فرمایا ہے اور یہی صحیح بات ہے۔[1] کیونکہ یہ سورت انبیائے کرام کے واقعات پر مشتمل ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مومنوں کو کس طرح نجات عطا فرمائی اور کافروں کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اور اس سلسلے میں اس سورت میں حقیقی واقعات اور سچی خبریں بیان کی گئی ہیں جن میں نصیحت کا ایسا سامان ہے کہ کافر اپنی غلط روش سے باز آسکتے اور مومن اس سے نصیحت اور یاد دہانی حاصل کر سکتے ہیں۔

تفسیر آیات: 122,121

انجام کس کا اچھا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ ان لوگوں سے بطورِ سرزنش یہ کہہ دیں جو اس دین پر ایمان نہیں لاتے جسے آپ لائے ہیں: ﴿اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ﴾ ''کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔'' یعنی تم اپنے طریقے اور اسلوب کے مطابق عمل کرو۔ ﴿اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''بے شک ہم (اپنی جگہ) عمل کیے جاتے ہیں۔'' یعنی اپنے طریقے اور اپنے اسلوب کے مطابق۔ ﴿وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''اور (نتیجۂ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔'' یعنی عنقریب تم یہ جان لو گے کہ آخرت میں اچھا انجام کس کا ہوگا اور ظالم لوگ تو کبھی فلاح پا ہی نہیں سکتے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کیے ہوئے تمام وعدوں کو پورا فرما دیا، آپ کو اپنی تائید و نصرت سے نوازا، اپنے کلمے کو سربلند کیا، کافروں کی بات کو پست کر دیا اور اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت: 123

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے، بالآخر سب کو اسی

[1] تفسیر الطبری:190,189/12.

کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور وہ حساب کے دن ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ اسی نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اور کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کی ذات گرامی پر بھروسا رکھا جائے۔ جو اس پر بھروسا رکھے اور اسی کی طرف رجوع کرے تو بس وہ اس کے لیے کافی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور جو عمل تم کر رہے ہو آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' اے محمد (ﷺ!) اللہ تعالیٰ آپ کی تکذیب کرنے والوں سے غافل نہیں ہے بلکہ وہ ان کے احوال سے خوب آگاہ ہے اور ان کے اعمال کے مطابق ہی وہ دنیا و آخرت میں انھیں پورا پورا بدلہ دے گا اور دونوں جہانوں میں وہ آپ کو اور آپ کی جماعت کو ان کے مقابلے میں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

تفسیر سورۂ ہود مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر
سُورۂ یوسف

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ②

الٓرٰ، یہ واضح کتاب کی آیات ہیں ① بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو ② (اے نبی!)

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ‌ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ

آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو ایک بہترین داستان سناتے ہیں جبکہ یقیناً اس سے پہلے

مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ③

آپ بے خبروں میں سے تھے ③

تفسیر آیات:1-3

اوصافِ قرآنِ کریم: حروفِ مقطعات کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں تفصیل سے بحث ہو چکی، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ① ﴾ یعنی یہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہاں کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے جو بہت واضح اور روشن کتاب ہے اور مبہم اشیاء کو نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتی اور ان کی تفسیر وتشریح کرتی ہے۔ ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ② ﴾ ”بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔“

اس لیے کہ عربی زبان دیگر تمام زبانوں کی نسبت سب سے زیادہ فصیح، روشن اور وسیع ہے اور انسانی جذبات واحساسات کو سب سے زیادہ بہتر طور پر ادا کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں سے سب سے اشرف و افضل کتاب کو سب سے اشرف و افضل زبان میں نازل کیا گیا۔ اور اسے سب سے اشرف فرشتے کے ذریعے سے، تمام رسولوں میں سے اشرف رسول پر روئے زمین کے سب سے بہترین حصے پر نازل کیا گیا، نیز اس کتاب کے نزول کا آغاز بھی سال کے سب سے اشرف مہینے، یعنی رمضان المبارک میں ہوا تھا۔ الغرض ہر قسم کے شرف وفضل سے اس کتاب مقدس کو سرفراز کیا گیا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ‌ۖ ﴾ ”(اے

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ

جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے ابا جان! بے شک میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند میں نے انھیں

لِيْ سٰجِدِيْنَ ④

دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں④

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

اس (یعقوب) نے کہا: میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا، ورنہ وہ تیرے لیے کوئی (بری) تدبیر کریں گے، بے شک شیطان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑤

انسان کا کھلا دشمن ہے⑤

پیغمبر!) ہم اس قرآن سے، جو ہم نے آپ کی طرف بھیجا ہے، آپ کو ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں۔'' یعنی آپ کی طرف یہ قرآن بھیجنے کے سبب ہم یہ قصہ سناتے ہیں۔

سببِ نزول: اس آیتِ کریمہ کے سببِ نزول میں ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہمیں کوئی قصہ سنائیں تو اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔①

تفسیر آیت: 4

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے (اپنا خواب جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) بیان کیا، وہ قصہ بھی آپ اپنی قوم کو سنائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔② مفسرین نے اس خواب کی تعبیر کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ تھا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ان کے سوا گیارہ بھائی تھے اور سورج اور چاند سے ان کے ماں باپ کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، قتادہ، سفیان ثوری، اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ سے اس خواب کی یہی تعبیر مروی ہے۔③

یاد رہے! خواب کی یہ تعبیر چالیس سال بعد رونما ہوئی تھی۔④ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اسی (80) سال بعد رونما ہوئی جبکہ انھوں نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھا لیا تھا اور ان کے بھائی بھی اس وقت ان کے سامنے تھے، ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ﴾ (یوسف 100:12) ''اور وہ (سب) یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے اور (اس وقت یوسف نے) کہا: ابا جان! یہ ہے میرے پہلے کے خواب کی تعبیر، یقیناً میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا۔''

① تفسیر الطبری:196/12. ② تفسیر الطبری:197/12. ③ تفسیر الطبری:198/12. ④ الدر المنثور:65/4.

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

اور اسی طرح تیرا رب تجھے ممتاز (مقام عطا) کرے گا اور تجھے باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا، اور تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی

وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

نعمت پوری کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے اسے تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر پورا کیا تھا، بے شک تیرا رب خوب جاننے والا،

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥ ع 1/6/11

بڑی حکمت والا ہے ⑥

تفسیر آیت:5

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب مخفی رکھنے کا حکم دیا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں اپنا یہ خواب سنایا جس کی تعبیر یہ تھی کہ ان کے بھائی ایک دن ان کے سامنے عجز وانکسار کا اظہار کریں گے اور ان کی حد درجہ تعظیم بجا لاتے ہوئے ان کی عزت واحترام اور عظمتِ شان کے باعث ان کے آگے سجدے میں گر جائیں گے تو انھوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنے کسی بھی بھائی کے سامنے یہ خواب بیان کرنے سے منع کر دیا تاکہ وہ حسد میں مبتلا ہو کر آپ کے خلاف کوئی سازش نہ شروع کر دیں، چنانچہ آپ نے فرمایا: ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ﴾ ''اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا، ورنہ وہ تمھارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔'' یعنی تمھارے خلاف کوئی حیلہ سازی کر کے تمھیں ہلاک کر دیں گے۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ خوابوں سے متعلق چند مسائل: سنت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [......فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَّا يُحِبُّ (وَلْيُحَدِّثْ بِهَا) وَإِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ (وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ)، (وَلْيَتْفُلْ عَنْ يَّسَارِهِ ثَلَاثًا وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا) وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ] ''...... چنانچہ تم میں سے کوئی جب پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے بیان کر دے اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کروٹ بدل لے، اپنی بائیں طرف تین بار (معمولی سا) تھوک دے اور اس خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی کے سامنے اس خواب کو بیان نہ کرے تو اس خواب سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''[1]

اور ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام احمد اور بعض اہل سنن رحمہم اللہ نے بروایت معاویہ بن حیدہ قُشَیری رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَّا لَمْ تُعَبَّرْ، فَإِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ] ''جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ

[1] صحیح البخاری، التعبیر، باب إذا رأى مايكره فلا يخبر بها ولا يذكرها، حديث:7044 وصحیح مسلم، الرؤيا، باب في كون الرؤيا من الله وأنها جزء من النبوة، حديث:(4)-2261 لیکن قوسین والے الفاظ کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، حديث:7045 وصحیح مسلم، حديث:2262 ومسند أحمد:296/5 عن أبي قتادة وأبي سعيد الخدري و جابر رضی اللہ عنہم۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ

البتہ تحقیق یوسف اور اس کے بھائیوں (کے واقعے) میں سائلوں کے لیے نشانیاں ہیں ⑦ جب انھوں نے (آپس میں) کہا: یوسف اور اس

اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚۖ ⑧ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ

کا بھائی (بنیامین) تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں، بے شک ہمارا باپ البتہ واضح غلطی پر ہے ⑧

اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ⑨ قَالَ

تم یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو کہ تمھارے باپ کا چہرہ تمھارے لیے خالی (مخصوص) ہو جائے، اور اس کے بعد تم نیک لوگ

قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ

بن جانا ⑨ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم یوسف کو قتل نہ کرو اور تم اسے کنویں کی تہ (گہرائی) میں ڈال دو کہ اسے کوئی مسافر اٹھا لے

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩

(جائے)، اگر تم (کچھ) کرنے ہی والے ہو ⑩

کی جائے تو وہ ایسے ہے جیسے پرندے کے پاؤں پر ہو اور جب خواب کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔''[1]

تفسیر آیت:6

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو منتخب کیا اور یہ ستارے اور شمس و قمر سجدہ کرتے ہوئے دکھائے ہیں، ﴿ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ﴾ ''اور اسی طرح اللہ تمھیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا۔'' یعنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے گا، ﴿ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ ''اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بیان فرمایا ہے: ﴿ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ سے خوابوں کی تعبیر کا علم مراد ہے۔[2]

﴿ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ﴾ ''اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے گا۔'' یعنی تمھاری طرف وحی بھیجے گا اور تمھیں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ﴾ ''جس طرح اس نے اپنی نعمت پہلے تمھارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی۔'' ابراہیم سے اللہ کے پیغمبر سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسحاق سے ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام مراد ہیں۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥ ﴾ ''بے شک تمھارا پروردگار (سب کچھ) جاننے والا (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ نبوت و رسالت کا مستحق کون ہے جیسا کہ دوسری

① جامع الترمذي، الرؤيا ، باب ماجاء فی تعبير الرؤيا، حديث:2279 و سنن ابن ماجه، تعبير الرؤيا، باب الرؤيا إذا عبرت وقعت......، حديث: 3914 و سنن أبي داود، الأدب، باب فی الرؤيا ، حديث: 5020 و اللفظ له و مسند أحمد:10/4 عن أبي رزين العقيلي رضی اللہ عنہ جبکہ معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ واللہ تعالٰی أعلم . ② تفسير الطبري:200/12.

آیت میں فرمایا ہے۔ ①

تفسیر آیات:7-10

قصۂ یوسف علیہ السلام اور عبرت و نصیحت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے بھائیوں کے ساتھ اس قصے میں بہت سی نشانیاں ہیں، یعنی اس کے بارے میں سوال کرنے اور خبر معلوم کرنے والوں کے لیے عبرت و نصیحت کا بہت سا سامان ہے۔ اور یہ واقعی ایک بہت عجیب و غریب قصہ ہے، اسے ضرور بیان کیا جانا چاہیے۔ ﴿ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا ﴾ ''جب انھوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔'' انھوں نے اپنے گمان کے مطابق قسم کھا کر کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی، یعنی بنیامین جو ماں کی طرف سے آپ کا حقیقی بھائی تھا، ﴿ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ﴾ ''ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔'' اس لیے باپ کو ہماری نسبت ان دونوں سے زیادہ محبت نہیں کرنی چاہیے۔ ﴿ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ ۝ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے۔'' یعنی ہماری نسبت انھیں فوقیت اور ترجیح دیتا اور ان سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کی سازشیں: ﴿ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ ﴾ ''تم یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی زمین میں پھینک دو، پھر تمھارے باپ کی توجہ صرف تمھاری طرف ہو جائے گی۔'' ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص جو تمھارے باپ کی محبت میں تمھارے لیے رکاوٹ ہے، اسے رستے سے ہٹا دو تاکہ وہ صرف تمھاری طرف توجہ دینے لگے اور رستے سے ہٹانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یا تو اسے قتل کر دو یا پھر اسے کسی جگہ پھینک دو، اس طرح تم اس سے نجات پا لو گے اور اپنے باپ کی توجہ کے مستحق بھی ٹھہرو گے۔ ﴿ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا۔'' یعنی گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی اس بات کو دل میں رکھو کہ اس کے بعد توبہ کر لیں گے۔

﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ﴾ ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا'' قتادہ اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ اس سے سب سے بڑا بھائی مراد ہے جس کا نام رُوبیل تھا۔② سدی کا قول ہے کہ یہ بات یہوذا نے کہی تھی۔③ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ بات کہنے والا شمعون تھا۔④ ﴿ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ ''تم یوسف کو جان سے نہ مارو۔'' یعنی اس کی عداوت اور دشمنی میں اس حد تک نہ پہنچو کہ اسے قتل ہی کر ڈالو۔ اور وہ اسے قتل کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس کے بارے میں پہلے ہی سے یہ فیصلہ فرما چکا تھا کہ اسے وحی و تنزیل سے سرفراز کیا جائے گا اور نہ صرف نبوت و رسالت کا تاج بلکہ مصر کی حکومت و بادشاہت کا تاج بھی اس کے سر پر رکھا جائے گا، اس لیے قتل کی سازش کو روبیل کی اس بات کی وجہ سے دور کر دیا کہ یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ کسی گہرے

① دیکھیے الأنعام، آیت: 124. ② تفسیر الطبری:12/203. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:7/2106. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:7/2106.

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا

انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ ہم پر یوسف کی بابت اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ یقیناً ہم اس کے خیر خواہ ہی ہیں ⑪ آپ

غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫

کل اسے ہمارے ساتھ بھیجیں کہ خوب (پھل) کھائے (پیے) اور کھیلے کودے اور ہم یقیناً اس کے محافظ ہیں ⑫

کنویں میں پھینک دو۔ ﴿ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ سے مراد گہرا کنواں ہے۔

﴿ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ ﴾ ''کوئی راہ گیر اسے اٹھا لے گا۔'' یعنی کوئی گزرنے والا مسافر اسے لے جائے گا اور تم اس سے نجات پا جاؤ گے، لہٰذا اسے قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩ ﴾ ''اگر تم (کچھ) کرنے ہی والے ہو۔'' یعنی اگر تم جو بات کہہ رہے ہو، اس کا پختہ عزم کیے ہوئے ہو تو پھر قتل کرنے کے بجائے اس طرح کر لو۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے اس طرح ایک بہت گھناؤنی اور سنگین سازش تیار کی جس میں قطع رحمی بھی تھی اور باپ کی نافرمانی بھی، ایک چھوٹے معصوم اور بے گناہ بچے پر ظلم بھی تھا اور ایک قابل صد احترام اور صاحبِ عزو شرف بوڑھے انسان کی ایذا رسانی بھی۔

اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ایک بہت بڑا گناہ بھی تھا کہ بیٹے اپنے باپ کے تمام حقوق کو پامال کر رہے تھے، بڑھاپے اور پیری کے عالم میں اس کے اور اس کے پیارے اور چھوٹے بچے میں جدائی ڈال رہے تھے جبکہ باپ کو اس چھوٹے، ننھے اور معصوم بچے سے بے پناہ محبت تھی اور بچے کو بھی کمزوری و ناتوانی اور صغرسنی کے باعث قدم قدم پر باپ کی حفاظت و نگہداشت کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے، وہ ارحم الراحمین ہے، بلاشبہ انھوں نے ایک عظیم اور سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے بطریق سلمہ بن فضل روایت کیا ہے۔①

تفسیر آیات:12,11

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو لے جانے کی اجازت مانگی: جب انھوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ قتل کرنے کے بجائے کسی گہرے کنویں میں پھینک دیں جیسا کہ ان کے بڑے بھائی روبیل نے یہ تجویز پیش کی تھی، چنانچہ وہ اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے: ﴿ مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ ﴾ ''(ابا جان!) کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ یقیناً ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔'' یہ ان کا محض زبانی کلامی دعویٰ تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی کیونکہ باپ کے حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں تو ان کے لیے بے پناہ حسد تھا۔

﴿ اَرْسِلْهُ مَعَنَا ﴾ ''اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔'' یعنی کل اسے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیجیے تاکہ ہم

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2106/7.

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ قَالُوْا

اس (یعقوب) نے کہا: بے شک مجھے تو یہ بات غمگین کیے دیتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ، اور مجھے خوف آتا ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے

لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

غافل ہو ⑬ انھوں نے کہا: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، جبکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم تو تب خسارہ پانے والے ہوئے ⑭

خوب میوے کھائیں اور کھیلیں کودیں۔ (امام ابن کثیر کے نزدیک اس کی قراءت [نَرْتَعْ وَنَلْعَبْ] ''ہم خوب میوے کھائیں اور کھیلیں'' ہے اس وجہ سے انھوں نے فرمایا ہے کہ) بعض ائمۂ قراءت نے اسے ﴿ يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ ﴾ ''وہ (یوسف) خوب (پھل) کھائے اور کھیلے کودے۔'' پڑھا ہے، یعنی یاء کے ساتھ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دوڑے بھاگے اور کھیلے کودے۔① یہی قول امام قتادہ، ضحاک اور سدی وغیرہ سے منقول ہے۔② ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ ﴾ ''اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔'' کہنے لگے کہ آپ فکر نہ کریں ہم اس کی پوری پوری حفاظت و نگہداشت کریں گے۔

تفسیر آیات:14,13

باپ کا جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان کے بیٹوں نے ان سے یوسف کو اپنے ساتھ جنگل میں کھانے پینے کے لیے لے جانے کی اجازت طلب کی تو انھوں نے یہ جواب دیا: ﴿ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ ﴾ ''بے شک یہ امر مجھے غم ناک کیے دیتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ (وہ مجھ سے جدا ہو جائے۔)'' یعنی تمھاری واپسی تک کی یہ جدائی بھی مجھے بہت گراں محسوس ہوتی ہے کیونکہ آپ کو یوسف علیہ السلام سے بے پناہ محبت تھی، اس لیے کہ آپ اس میں جسمانی حسن و جمال کے ساتھ ساتھ روحانی کمال اور نبوت کے شمائل و خصائل کو بھی محسوس فرماتے تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

یعقوب علیہ السلام کا خدشہ: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ ﴾ ''اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اس سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے۔'' یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم اپنی تیراندازی اور اپنے جانوروں کو چرانے میں مشغول ہو جاؤ، کوئی بھیڑیا آئے، اسے کھا جائے اور تمھیں معلوم ہی نہ ہو۔ بس انھوں نے بھی اپنے باپ کے منہ سے نکلے ہوئے ان الفاظ کو لے لیا اور اپنے کرتوت کے بعد انھی الفاظ میں اپنے عذر کو پیش کیا، حالانکہ انھوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کرتے وقت اپنے باپ کی بات کے جواب میں کہا تھا: ﴿ لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭ ﴾ ''اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، جبکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں، تو بلاشبہ ہم تو تب بڑے نقصان میں پڑ گئے۔'' یعنی ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، بھیڑیا اس پر حملہ کر کے اسے کھا جائے، پھر ہم تو بڑے عاجز و ناتواں اور بڑے خائب و خاسر ہو گئے۔

① تفسیر الطبری:206/12. ② تفسیر الطبری:207/12.

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ

پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کر لیا کہ اسے کنویں کی تہ میں ڈال دیں، تب ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تو انھیں ان کا یہ کام

هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮

ضرور بتائے گا جبکہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے ⑮

تفسیر آیت :15

یوسف علیہ السلام کو کنویں میں گرانا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ باپ کی بات کا جواب دینے کے بعد جب وہ یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ﴿ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ ﴾ ''اور انھوں نے طے کر لیا کہ اس کو کنویں کی تہ میں ڈال دیں۔'' یہ ان کے فعل کی شناعت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ان سب نے یوسف کو گہرے کنویں میں گرانے پر اتفاق کر لیا، حالانکہ باپ سے یوسف کو لیتے وقت انھوں نے بظاہر تاثر یہ دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی بہت عزت کرتے ہیں اور ان کے انبساط و انشراح قلب اور ان کی خوشنودی کے لیے یوسف کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یوسف کو ان کے ساتھ روانہ کیا تو اسے گلے لگایا، بوسہ دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔ [1] سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ باپ کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہی باپ کے تمام اکرام و احترام کو فراموش کر کے انھوں نے گندی باتوں، غلیظ گالیوں اور مار پیٹ کی صورت میں یوسف علیہ السلام کو ایذا پہنچانی شروع کر دی۔ اور اس کنویں کے پاس لے آئے جس میں انھیں گرانے کا انھوں نے فیصلہ کیا تھا۔ انھوں نے ایک رسی کے ساتھ باندھ کر اس کو اس کنویں میں لٹکا دیا، یوسف علیہ السلام ان میں سے جس کا سہارا لینے کی کوشش کرتے وہ آپ کے رخ انور پر طمانچے مارتا اور غلیظ گالیاں دیتا اور جب آپ کنویں کی دیواروں کو پکڑنے کی کوشش کرتے تو وہ آپ کے ہاتھوں پر مارتے۔ جس رسی کے ساتھ انھوں نے آپ کو باندھا تھا جب وہ کنویں کے نصف تک پہنچ گئی تو انھوں نے اس کو کاٹ دیا اور اس طرح آپ پانی میں گر گئے، پانی نے آپ کو ڈھانپ لیا مگر آپ جلد ہی پتھر کی اس چٹان پر چڑھ گئے جو کنویں کے درمیان میں تھی۔ [2] اس چٹان کو ''راعوفہ'' [3] کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یوسف علیہ السلام کو تسلی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮ ﴾ ''اور ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) تم انھیں ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوگی۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم، اپنی رحمت و شفقت اور اس مشکل گھڑی میں آپ کے لیے آسانی پیدا کر دینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس مشکل گھڑی اور اس انتہائی نازک لمحے میں اس نے یوسف علیہ السلام کے دل کی تسکین اور ثابت قدمی

---

① تفسير ابن أبي حاتم:2107/7. ② تفسير الطبري:209/12 نحوه مفصلا و تفسير ابن أبي حاتم:2109,2108/7.

③ یہ لفظ حدیث اور لغت دونوں میں ''راعوفہ'' یعنی عین کے ساتھ اس مذکورہ معنی میں مستعمل ہے لیکن تفسیر ابن کثیر کے تمام نسخوں میں ''راغوفہ'' غین کے ساتھ ہے۔ واللہ أعلم.

وَجَآءُوْ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ⑯ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ

اور وہ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے ⑯ انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے تھے اور

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ⑰ وَجَآءُوْ

یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا تو اسے بھیڑیا کھا گیا، اور آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں ⑰ اور وہ اس

عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ

کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی (لگا) لائے، اس (یعقوب) نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے نفسوں نے تمھارے لیے ایک (بری) بات آراستہ

الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑱

کر دی ہے، لہٰذا صبر ہی بہتر ہے اور اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے جو تم بیان کرتے ہو ⑱

کے لیے ان کی طرف یہ وحی نازل فرمائی کہ غم کی اس گھڑی میں گھبراؤ نہیں، تم اس مشکل سے بہت خوبی و آسانی کے ساتھ نکل جاؤ گے اور تمھیں ان کے مقابلے میں فتح و نصرت حاصل ہوگی، تمھیں ان کے مقابلے میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات نصیب ہوں گے اور ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ تم انھیں ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮ ﴾ ''اور ان کو کچھ خبر نہ ہوگی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ان کو بتائیں گے کہ انھوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جبکہ اس وقت یہ آپ کو جانتے پہچانتے ہی نہ ہوں گے۔ ①

تفسیر آیات:16-18

برادرانِ یوسف کا اپنے باپ کے ساتھ فریب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب برادران یوسف نے آپ کو کنویں میں ڈال دیا تو رات کی تاریکی میں روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے اور بظاہر حزن و ملال اور غم کا تاثر دینے لگے۔ اور ان کے خیال کے مطابق یوسف علیہ السلام جس صورت حال سے دوچار ہوئے اس پر معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے: ﴿ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ ﴾ یعنی ہم تیراندازی میں مشغول ہو گئے۔ ﴿ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا ﴾ ''اور ہم یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔'' یعنی کپڑوں اور دیگر ساز و سامان کے پاس، ﴿ فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ﴾ ''تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔'' اور اسی بات کے ڈر اور خوف کا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اظہار فرمایا تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ⑰ ﴾ ''اور آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔'' یعنی اپنی بات کی تائید میں انھوں نے یہ بہت لطیف پیرایہ اختیار کیا اور کہنے لگے: ہم جانتے ہیں کہ اس حالت میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ اگر ہم آپ کے ہاں سچے ہوتے تو آپ ہم پر یہ الزام عائد کیوں کرتے کہ مجھے ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور اب جب واقعی اسے بھیڑیا کھا گیا ہے تو آپ ہماری تکذیب کرنے میں معذور ہیں کیونکہ یہ ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا ہے۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ آپ نے جو کہا تھا ہمارے ساتھ اسی طرح ہوا ہے۔

① تفسیر الطبری: 211,210/12.

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ

اور ایک قافلہ آیا، پھر انھوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ وہ (دیکھتے ہی) پکار اٹھا: واہ خوشخبری ہے! یہ تو لڑکا ہے۔ اور انھوں

بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا

نے اسے پونجی سمجھ کر چھپالیا، اور اللہ اسے خوب جانتا تھا جو وہ کر رہے تھے ⑲ اور انھوں نے اسے معمولی سی قیمت (یعنی) گنتی کے چند درہموں میں

فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ⑳ ع 2/14/12

بیچ دیا، اور انھیں اس میں کوئی رغبت ہی نہ تھی ⑳

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ﴾ ''اور اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا لہو بھی (لگا) لائے۔'' یعنی جھوٹ موٹ کا خون جو یوسف کا خون نہیں تھا۔ اپنے مکروفریب اور سازش کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک تدبیر انھوں نے یہ کی۔ بقول مجاہد، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر۔ کہ انھوں نے بکری کے ایک بچے کو ذبح کیا اور اس کے خون کو حضرت یوسف کی قمیص پر مل دیا۔[1] اور تاثر دیا کہ یہ تھی وہ قمیص جو یوسف نے اس وقت پہنی ہوئی تھی جب بھیڑیے نے اسے کھایا، یہی وجہ ہے کہ اسے خون لگا ہوا ہے لیکن وہ قمیص پھاڑنی بھول گئے جس کی وجہ سے ان کا یہ ڈرامہ اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کو مطمئن نہ کرسکا بلکہ آپ نے ان کے کلام سے اعراض اور اپنے شکوک وشبہات کے اظہار کے لیے فرمایا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ﴾ ''(حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو، لہٰذا صبر ہی بہتر ہے۔'' یعنی میں تمھاری اس سازش پر جس پر تم سب متفق ہو گئے ہو، صبر جمیل کا مظاہرہ کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے میرے اس غم واندوہ کو دور فرما دے۔ ﴿وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑱﴾ ''اور جو تم بیان کرتے ہو، اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔'' یعنی تم اس جھوٹی اور محال بات کو جو بیان کر رہے ہو تو اس کے بارے میں میں اپنے اللہ ہی سے مدد کا طلب گار ہوں۔

تفسیر آیات: 20,19

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکال کر فروخت کیا جانا: اب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب یوسف کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا اور وہاں یکہ وتنہا چھوڑ دیا تو پھر کیا ہوا! ابوبکر بن عیاش کے بقول آپ اس کنویں میں تین دن رہے تھے۔[2] اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ کنویں میں ڈالنے کے بعد سارا دن بھائی اس کنویں کے پاس بیٹھے رہے تاکہ یہ دیکھیں کہ اب یوسف کیا کرتا ہے یا اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ اس نے اس طرف ایک قافلہ بھیج دیا جس نے کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا اور انھوں نے پانی کے لیے اپنے سقے کو بھیجا، اس نے پانی نکالنے کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا۔[3] تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کے ساتھ لٹک گئے، اس نے آپ کو باہر نکال لیا اور آپ کو دیکھ کر خوشی ومسرت کا اظہار

[1] تفسیر الطبری:213/12 بالفاظ دیگر۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2107/7. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:2113/7 مفصلاً.

کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ﴾ ''واہ خوشخبری ہے! یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔''[1] ﴿ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ﴾ ''اوراس کو (قیمتی) سرمایہ سمجھ کرانھوں نے چھپالیا۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جملے کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام اوران کے بھائی ہونے کے معاملے کو چھپایا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی خود اپنے معاملے کو چھپایا تا کہ بھائی انھیں قتل نہ کردیں اورانھوں نے اپنے فروخت ہوجانے کو پسند کیا۔اس کے بھائیوں نے جب سقّے سے ان کا ذکر کیا تو اس نے کہا: ﴿ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ﴾ ''واہ خوشخبری ہے! یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے'' جوفروخت ہورہا ہے، بالآخرآپ کے بھائیوں نے آپ کوفروخت کردیا۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کوسب معلوم تھا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ برادرانِ یوسف اورخریدار کیا کررہے ہیں۔وہ اس صورت حال کے بدل دینے پر یقیناً قادر تھا لیکن اس نے حکمتوں اور مصلحتوں پرمبنی پہلے ہی سے اپنے فیصلے فرمارکھے ہیں، لہٰذا اس نے اس صورت حال میں کوئی تبدیلی پیدانہ فرمائی تا کہ قضا و قدر کا فیصلہ ہی برقرار رہے۔ ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 54:7) ''آگاہ رہو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے، وہی) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

اس طرح ضمناً اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تسلی دے رہا ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کی قوم آپ کے درپے آزار ہے۔اور میں ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنادینے پر قادر ہوں لیکن میں نے کچھ وقت کے لیے انھیں مہلت دے رکھی ہے جبکہ انجام کار آپ کو ان کے مقابلے میں اسی طرح کامیابی وکامرانی اور حکومت نصیب ہوگی جس طرح میں نے یوسف کو ان کے بھائیوں کے مقابلے میں کامیابی وکامرانی اور حکومت سے سرفراز کیا تھا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ﴾ ''اور انھوں نے اسے معمولی سی قیمت (یعنی) گنتی کے چند درہموں میں بیچ ڈالا۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے انھیں نہایت تھوڑی سی قیمت کے ساتھ بیچ دیا۔ یہ مجاہد وعکرمہ کا قول ہے۔[3] ﴿ بَخْسٍ ﴾ کے معنی کمی کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ ﴾ (الجن 13:72) ''اس کو نہ کسی نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔'' بہر حال اس کا مفہوم یہ ہے کہ بھائیوں نے آپ کو بہت ہی معمولی قیمت کے ساتھ بیچ دیا اوراس قیمت کا بھی انھیں کوئی لالچ نہ تھا اگر آپ کو ان سے بلا قیمت طلب کیا جاتا تو انھیں اس میں بھی کوئی دریغ نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک فرماتے ہیں: ﴿ وَشَرَوْهُ ﴾ کی ضمیر کا مرجع برادرانِ یوسف ہیں۔[4] انھوں نے بہت ہی کم قیمت کے ساتھ آپ کوفروخت کردیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ﴾ ''گنتی کے چند درہم۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آپ کو صرف بیس درہم میں فروخت کردیا تھا۔[5]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2113/7 عن قتادة نحوه . [2] تفسیر الطبری:221/12 . [3] تفسیر الطبری:225,224/12 والدر المنثور:18/4. [4] تفسیر الطبری:223,222/12. [5] تفسیر الطبری:225/12.

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ

اور وہ شخص جس نے یوسف کو مصر میں خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کی رہائش اچھی رکھ، امید ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا یہ کہ ہم اسے بیٹا

وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی

بنالیں، اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین (مصر) میں جگہ دی، تاکہ ہم اسے باتوں کی تاویل (خوابوں کی تعبیر) سکھائیں، اور اللہ اپنے (ہر) کام پر

اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿21﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ

غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿21﴾ اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿22﴾

جزا دیتے ہیں ﴿22﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما، نوف بکالی، سدی، قتادہ اور عطیہ عوفی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[1] عطیہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ پھر انھوں نے آپس میں دو، دو درہم بانٹ لیے۔[2] ﴿ وَ كَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿20﴾ ﴾ ''اور انھیں ان (کے بارے) میں کوئی رغبت بھی نہ تھی۔'' ضحاک بیان کرتے ہیں، اس لیے کہ انھیں آپ کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی قدر و منزلت کے بارے میں قطعاً کوئی علم نہ تھا۔[3]

تفسیر آیات:22,21

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں: اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام پر اپنے لطف و کرم کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرما رہا ہے کہ اس نے اس شخص کو آپ کی حفاظت و نگہداشت پر مامور کر دیا جس نے مصر میں آپ کو خریدا تھا۔ اس نے آپ کا خاص خیال رکھا، عزت افزائی کی اور اپنے گھر والوں کو بھی حسن سلوک کی تلقین کی کیونکہ اس نے آپ میں رشد و بھلائی کی علامتوں کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: ﴿ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ ﴾ ''اس کو عزت و احترام سے رکھو، عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔'' مصر میں جس شخص نے آپ کو خریدا وہ عزیز مصر، یعنی مصر کا وزیر تھا۔

تین شخص بہت صاحب فراست تھے: ابواسحاق نے ابوعبیدہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تین شخص بہت ہی صاحب فراست تھے: (1) عزیز مصر کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا: ﴿ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ ﴾ ''اس کو عزت و احترام سے رکھو۔'' (2) وہ عورت جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ ﴾ (القصص 26:28) ''میرے ابا جان! ان کو اجرت پر رکھ لیجیے۔'' اور (3) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جنھوں نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔[4]

---

[1] تفسیر الطبری: 226,225/12. [2] تفسیر الطبری: 226/12. [3] تفسیر الطبری: 227/12. [4] المستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، ومن مناقب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب ﷺ: 90/3، حديث: 4509 وتفسير ابن أبي حاتم: 2118/7 وتفسير الطبرى: 229/12.

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ

اور جس عورت کے گھر میں وہ (یوسف) تھا اس عورت نے اس کے جی سے پھسلایا، اور دروازے بند کر دیے اور بولی: لو آجاؤ، یوسف نے کہا: اللہ کی

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾

پناہ! وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے ﴿23﴾

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے یوسف کو ان کے بھائیوں سے نجات دی ﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی۔'' یعنی سرزمین مصر میں۔ ﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ ''اور غرض یہ تھی کہ ہم اسے (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھا دیں۔'' مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی خوابوں کی تعبیر کے ہیں۔[1] ﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ ﴾ ''اور اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے۔'' یعنی وہ جب کسی کام کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اسے نہ کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے کیونکہ وہ سب پر غالب ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔[2] ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' یعنی وہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے ارادہ ومشیت کے مطابق جو کرتا ہے اس کی مخلوق کے لیے اس میں حکمت اور لطف وکرم کے کیا کیا سامان ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ ﴾ ''اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا۔'' یعنی یوسف علیہ السلام کی عقل اور خلق کی تکمیل ہو گئی تو ﴿ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ ﴾ ''ہم نے اسے دانائی اور علم بخشا۔'' یعنی اللہ نے سارے لوگوں میں سے اسے نبوت ورسالت سے سرفراز کیا۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنے عمل کے اعتبار سے نیک اور اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار تھا۔

تفسیر آیت:23

عزیز کی بیوی کی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت اور ان سے فریب کاری: اللہ تعالیٰ عزیز مصر کی بیوی کا ذکر فرما رہا ہے کہ مصر میں جس کے گھر یوسف علیہ السلام تھے اور جس کے خاوند نے آپ کو عزت واکرام سے رکھنے کی وصیت کی تھی، اس نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی کیونکہ آپ کے حسن وجمال کو دیکھ کر اسے آپ سے شدید محبت ہو گئی تھی۔ اس نے خوب بناؤ سنگھار کیا، دروازے بند کر دیے اور دعوتِ گناہ دیتے ہوئے کہا: ﴿ هَيْتَ لَكَ ؕ ﴾ ''لو آجاؤ۔'' آپ نے نہایت سختی کے ساتھ گناہ کی اس دعوت کو مسترد کر دیا اور فرمایا: ﴿ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ ﴾ ''اللہ کی پناہ! بے شک وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا۔''

وہ لوگ آقا اور مالک کے لیے رب کا لفظ استعمال کرتے تھے، اسی لیے یوسف علیہ السلام نے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا۔ معنی یہ ہے

[1] تفسیر الطبری: 230,229/12. [2] تفسیر الطبری: 230/12 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2118/7.

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ

اور البتہ تحقیق اس (عورت) نے یوسف کا ارادہ کیا، اور وہ (یوسف) بھی اس کا ارادہ کر لیتا اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھ لیتا۔ اسی طرح (ہوا) تاکہ

وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿24﴾

ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں، بے شک وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا﴿24﴾

کہ تمھارے میاں میرے آقا ہیں، انھوں نے مجھے عزت و اکرام سے رکھا ہے اور میرے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا ہے، لہٰذا میں ان کی بیوی کے ساتھ فحاشی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔'' مجاہد، سدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔[1]

کچھ ﴿هَيْتَ﴾ کے بارے میں: فرمان الٰہی: ﴿ هَيْتَ لَكَ ؕ ﴾ کے بارے میں قراء میں اختلاف ہے۔ بہت سے قراء نے اسے ھاء کے فتحہ، یاء کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے آپ کو اپنے نفس کی دعوت دی تھی۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿ هَيْتَ لَكَ ؕ ﴾ حورانی زبان[3] کے الفاظ ہیں جو هَلُمَّ ''آ یئے!'' کے معنی میں ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلق ذکر فرمایا ہے۔[4] کچھ دیگر قراء نے ان الفاظ کو [هِئْتُ لَكَ] ھاء کے کسرہ اور (یاء کے بجائے) ہمزہ مجزوم اور تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تیرے لیے تیار ہوں، یعنی یہ هِئْتُ لِلْأَمْرِ أَهِيءُ هَيْئَةً کے محاورے سے مشتق ہے۔ جن ائمہ سے یہ قراءت مروی ہے ان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوعبدالرحمٰن سُلَمی، ابووائل، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ کے نام بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب ائمہ نے اس کلمے کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ میں تمھارے لیے تیار ہوں۔[5]

عبداللہ بن اسحاق نے اسے [هَيْتِ] ھاء کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔[6] اور یہ ایک غریب قراءت ہے۔ بعض قرائے مکہ نے [هَيْتُ] ھاء کے فتحہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔[7] ابوعبید مَعْمَر بن مُثَنّٰی کہتے ہیں: ﴿ هَيْتَ ﴾ سے تثنیہ، جمع اور مؤنث کے صیغے استعمال نہیں ہوئے بلکہ سب کے لیے ایک لفظ ﴿ هَيْتَ ﴾ ہی استعمال کرتے ہوئے (کاف خطاب کو بدل کر یہ) کہا جاتا ہے: [هَيْتَ لَكَ، هَيْتَ لَكُمَا، هَيْتَ لَكُمْ ، هَيْتَ لَكُنَّ] اور [هَيْتَ لَهُنَّ] وغیرہ۔[8]

تفسیر آیت:24

﴿ هَمَّ بِهَا ﴾ سے مراد: بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد سے مراد دل میں آنے والے خیالات ہیں اور یہ معنی

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2122/7 وتفسیر الطبری:238/12. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2121/7 وتفسیر الطبری: 235/12. [3] موجودہ شام کا وہ علاقہ جو دمشق کے جنوب میں قبلے کی سمت واقع تھا، حَوران کہلاتا تھا۔ یہاں کی مقامی زبان حورانی کہلاتی تھی۔ [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ ...... ﴾ (یوسف 23:12)، قبل الحدیث:4692. [5] تفسیر الطبری:236,235/12. [6] تفسیر الطبری:236/12. [7] تفسیر الطبری:236/12 وتفسیر البغوی:483/2. [8] عام قرائے اہل مدینہ نے اسے [هِيْتَ لك] ھاء کے کسرہ، یاء کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تفسیر الطبری: 237/12.

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ

اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اور اس (عورت) نے اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی، اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿25﴾

پاس پایا، تو وہ (جھٹ سے) بولی: اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی سے برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ

عذاب (دیا جائے) ﴿25﴾ یوسف نے کہا: اسی نے مجھے میرے جی سے پھسلایا۔ اور اس (عورت) کے خاندان میں سے ایک شاہد نے گواہی دی کہ

قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿26﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ (عورت) سچی ہے اور وہ (یوسف) جھوٹوں میں سے ہے ﴿26﴾ اور اگر اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھٹی

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ

ہے تو وہ (عورت) جھوٹی ہے اور وہ (یوسف) سچا ہے ﴿27﴾ پھر جب اس (عزیز) نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو وہ کہنے لگا: بے شک یہ

كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ

تمھارے (عورتوں کے) مکر و فریب میں سے ہے، بے شک تمھارا مکر بہت بڑا (خطرناک) ہے ﴿28﴾ اے یوسف! اس (بات) سے درگزر کر، اور (بیوی

3 ع 9 13 لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿29﴾ ع

سے کہا:) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ، بے شک تو ہی خطا کار ہے ﴿29﴾

امام بغوی نے بعض اہل تحقیق سے بیان کیے ہیں۔[1] پھر انھوں نے یہاں ایک حدیث بھی بیان کی ہے جسے امام عبدالرزاق نے معمر سے انھوں نے ہمام سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِحَسَنَةٍ فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا]، [إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، (إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّائِي)، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ سَيِّئَةً] ''جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرلے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ لو اگر وہ اس ارادے کے مطابق نیک عمل سرانجام دے لے تو اسے دس گنا لکھ لو۔ اور جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے تو پھر بھی ایک نیکی لکھ لو کیونکہ اس نے میرے ڈر کی وجہ سے اسے ترک کیا ہے، پھر اگر وہ برائی کے ارادے کو عملی جامہ پہنا دے تو اسے برائی کے مطابق ہی لکھو۔''[2] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے اور بہت سے مختلف الفاظ سے مروی ہے جن میں مذکورہ بالا روایت کے الفاظ بھی ہیں۔[3]

① تفسير البغوي:485,484/2. ② اس حدیث کا پہلا حصہ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حديث:3073، دوسرا حصہ صحيح ابن حبان، البر والإحسان، ذكر تفضل الله جل وعلا بكتبه حسنة......:105/2، حديث:381 اور قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الإيمان، باب إذا همّ العبد بحسنة......، حديث:129 کے مطابق ہیں۔

③ صحيح البخاري، التوحيد باب قول الله تعالى: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ﴾ (الفتح 15:48)......، حديث: 7501 و صحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة......، حديث:129.

اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہ قصد فرمایا کہ اس برے ارادے کی اسے سزا دیں۔

اس آیت میں ﴿ بُرْهَانَ ﴾ کے معانی: اور یہ برہان (نشانی) جسے آپ نے دیکھا تھا، اس کے بارے میں بھی کئی اقوال ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کوئی ایک ایسی نشانی دیکھ لی تھی جو آپ کو اس قصد سے منع کرتی تھی، ممکن ہے کہ آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل وصورت دیکھ لی ہو، ہوسکتا ہے آپ نے کسی فرشتے کی شکل دیکھ لی ہو اور یہ بھی ممکن ہے آپ نے کوئی ایسی تحریر دیکھ لی ہو جو اس فعل شنیع سے ممانعت کے بارے میں ہو،① اس سلسلے میں کسی متعین چیز کے بارے میں کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ حسب ارشاد باری تعالیٰ اسے مطلق ہی رکھا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ﴾ ''اسی طرح، تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔'' یعنی جس طرح نشانی دکھا کر انھیں ان کے قصد سے روک دیا، اسی طرح ہم نے انھیں دیگر تمام امور میں بھی برائی اور بے حیائی سے بچایا۔ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔'' یعنی منتخب، پاک، پسندیدہ، چنیدہ اور نیکوکار بندوں میں سے تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

تفسیر آیات :25-29

عورت کا یوسف علیہ السلام کے پیچھے بھاگنا: اللہ تعالیٰ اس وقت کی حالت کو بیان فرما رہا ہے جب دونوں دروازے کی طرف بھاگے۔ یوسف علیہ السلام اس عورت سے بھاگ رہے تھے اور عورت اس لیے بھاگ رہی تھی تاکہ آپ کو پکڑ کر گھر کے اندر لے جائے۔ عورت بھاگ کر آپ تک پہنچ گئی اور آپ کی قمیص پیچھے سے پکڑ کر زور سے کھینچی تو وہ بری طرح پھٹ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی قمیص پھٹ کر نیچے گر گئی مگر آپ تیز بھاگتے رہے جبکہ عورت آپ کے پیچھے پیچھے تھی اور جب دروازے پر پہنچے تو دونوں کو عورت کا خاوند مل گیا اور عورت نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے مکروفریب سے کام لیتے ہوئے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگا دیا اور کہا: ﴿ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿25﴾ ﴾ ''جو شخص تمھاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک عذاب (دیا جائے۔)'' تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے حق کو بیان کرتے اور اس نے خیانت کا جو الزام لگایا اس سے اظہار براءت کرتے ہوئے فرمایا اور سچ فرمایا: ﴿ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ﴾ ''اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔'' اور مجھے پکڑنے کے لیے یہ میرے پیچھے بھاگی حتی کہ اس نے میری قمیص کو بھی پھاڑ ڈالا ہے۔

دانشمندانہ فیصلہ: ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ ﴾ ''عورت کے قبیلے میں سے ایک شاہد نے یہ گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہو تو عورت سچی ہے۔'' یعنی اپنی اس بات میں کہ یوسف علیہ السلام نے

① تفسیر الطبری :250/12.

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ج قَدْ شَغَفَهَا

اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے جی سے پھسلاتی ہے، اس کے دل میں (یوسف کی) محبت گھر کر گئی ہے۔ بے شک ہم

حُبًّا ط اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ

اسے کھلی گمراہی میں دیکھتی ہیں ﴿30﴾ چنانچہ جب اس (عورت) نے ان کی پرمکر باتیں سنیں تو اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے لیے مسندیں

وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ج

تیار کیں، اور اس نے ان میں سے ہر ایک (عورت) کو ایک چھری دی اور (پھر یوسف سے) کہا: ان کے سامنے نکل آ۔ پھر جب انھوں نے اسے دیکھا

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا

تو انھوں نے اس (کی شان) کو بڑا خیال کیا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور بولیں: [حَاشَ لِلّٰهِ] "اللہ کی پناہ!" یہ بشر نہیں، یہ تو نہایت معزز فرشتہ

مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿31﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ط وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

ہے ﴿31﴾ اس نے کہا: یہی تو ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں اور البتہ تحقیق میں نے ہی اسے اس کے جی سے پھسلایا تھا، لیکن

فَاسْتَعْصَمَ ط وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ رَبِّ

اس نے (خود کو) بچا لیا، اور اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے ضرور قید کیا جائے گا اور یقیناً وہ بے عزت ہونے والوں میں سے ہو

السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ج وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ

گا ﴿32﴾ یوسف نے کہا: اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ (عورتیں) مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو نے ان کا مکر مجھ سے

وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿33﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ط اِنَّهٗ هُوَ

دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہوں گا ﴿33﴾ چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی، پھر اس نے اس

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿34﴾

سے ان (عورتوں) کا مکر دور کر دیا، بے شک وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿34﴾

اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا ہے کیونکہ اس طرح یوسف نے اسے دعوت دی ہوگی، عورت نے انکار کرتے ہوئے ان کے سینے پر مارا ہوگا جس سے اس کی قمیص پھٹ گئی ہوگی، لہٰذا عورت کی بات صحیح ہے۔ ﴿وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾﴾ "اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہو تو عورت نے جھوٹ بولا اور وہ (یوسف) سچوں میں سے ہے۔" اور یہ اس طرح ہوتا ہے، چنانچہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوا تھا کہ جب یوسف بھاگے تو عورت نے پیچھے سے آپ کو پکڑنا چاہا اور کھینچنے کے لیے اس نے پیچھے سے آپ کی قمیص کو پکڑ لیا جس کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ اس شاہد کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ چھوٹا بچہ تھا یا بڑی عمر کا کوئی آدمی تھا۔ امام عبدالرزاق نے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک باریش آدمی تھا۔[1] امام ثوری نے جابر از ابن ابوملیکہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ وہ بادشاہ کے خواص میں سے تھا۔[2]

① تفسير عبدالرزاق :213/2، رقم:1302. ② تفسير الطبري:254/12.

امام مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ وہ ایک آدمی تھا۔ ①

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ وہ پنگوڑے کا ایک بچہ تھا۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہلال بن یساف، حسن، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ گھر کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ ③ امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ④

عزیز مصر کی تحقیق اور یوسف علیہ السلام کو پردہ پوشی کا حکم: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ ﴾ ''پھر جب اس کی قمیص کو دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹی تھی۔'' جب اس عورت کے خاوند نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یوسف سچا ہے اور یہ عورت اس الزام تراشی اور بہتان بازی میں جھوٹی ہے۔ ﴿ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ﴾ ''وہ کہنے لگا: بے شک یہ تمھارے (عورتوں کے) مکروفریب میں سے ہے۔'' یعنی یہ بے ہودہ الزام جس سے تم نے اس نوجوان کی عزت کو داغ دار کرنا چاہا یہ تمھارا ہی مکرو فریب ہے۔ ﴿ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ تمھارے (عورتوں کے) فریب بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔'' پھر اس نے حضرت یوسف کو اس واقعے کے چھپانے کا حکم دیتے ہوئے کہا: ﴿ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ﴾ ''یوسف! اس بات سے درگزر کر۔'' یعنی اس سے درگزر کرو اور کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کرنا۔ ﴿ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ﴾ ''اور تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ۔'' یہ اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت ہی نرم طبیعت کا مالک تھا یا اس نے عورت کو معذور سمجھا کہ وہ ایسی صورت حال سے دوچار ہوگئی کہ صبر نہ کر سکی، اس لیے اس نے کہا کہ تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ کہ تو نے اس نوجوان کے ساتھ پہلے خود ہی برائی کا ارادہ کیا، پھر اس پر یہ الزام بھی لگا دیا جس سے وہ قطعی طور پر بری تھا۔ ﴿ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹ ﴾ ''بے شک تو ہی خطا کار ہے۔''

تفسیر آیات:30-34

خبر شہر کی عورتوں تک پہنچ گئی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کی یہ خبر مصر میں پھیل گئی اور لوگوں نے اس موضوع پر باتیں کرنا شروع کر دیں۔ ﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ ''اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں'' خصوصاً سرداروں اور امراء کی عورتوں نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عزیز مصر، جو کہ وزیر تھا، کی بیوی پر تنقید شروع کر دی اور اسے بہت معیوب قرار دیا کہ ﴿ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ ''عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے جی سے پھسلاتی ہے۔'' یعنی اسے اپنے نفس کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ﴾ ''بے شک (اس کی) محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔'' یعنی اس کی محبت اس کے دل کے شغاف، یعنی غلاف تک پہنچ گئی ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الشعف حب قاتل کو کہتے ہیں جبکہ الشغف محبت کا اس سے کچھ کم درجہ ہے اور شغاف دل کے حجاب کو

---

① تفسیر الطبری: 255,254/12. ② تفسیر الطبری: 254/12. ③ تفسیر الطبری: 254,253/12. ④ تفسیر الطبری: 256/12.

کہتے ہیں۔[1]

﴿ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''بے شک ہم اسے دیکھتی ہیں کہ (وہ) صریح گمراہی میں ہے۔'' یعنی یہ صریح گمراہی ہے کہ وہ اپنے غلام سے اس قدر محبت کرتی اور اس سے برائی کرنا چاہتی ہے۔ ﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ﴾ ''پس جب اس (عورت) نے ان کی پرمکر باتیں سنیں۔'' بعض نے لکھا ہے کہ عورتوں نے یہ کہا تھا کہ محبت نے اسے دیوانہ کر دیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کے بارے میں سن لیا تھا، یہ آپ کا دیدار کرنا چاہتی تھیں اور یہ بات انھوں نے آپ کے دیدار کے لیے حربے کے طور پر کہی تھی۔[2] تو اس وقت ﴿ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ ﴾ ''اس (عزیز مصر کی بیوی) نے ان کے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا۔'' یعنی ضیافت کے لیے انھیں اپنے گھر بلایا۔

﴿ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً ﴾ ''اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، مجاہد، حسن اور سدی رحمہم اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے ایسی محفل مراد ہے جس میں فرشی نشستوں کے لیے بچھونے بچھائے گئے ہوں، گاؤ تکیے لگائے گئے ہوں اور ایسے کھانے سجائے گئے ہوں جنھیں چھریوں سے کاٹ کر کھایا جاتا ہو، سنگترہ وغیرہ۔[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا ﴾ ''اور ہر ایک کو ایک ایک چھری دی۔''

عورتوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے: یہ اس عورت کی طرف سے ایک چال تھی جو ان کی اس چال کے جواب میں تھی جو انھوں نے دیدار یوسف کے لیے اختیار کی تھی۔ ﴿ وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ﴾ ''اور (یوسف سے) کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ۔'' اس نے حضرت یوسف کو ایک دوسری جگہ چھپا دیا تھا۔ ﴿ فَلَمَّا ﴾ ''پس جب'' یوسف علیہ السلام باہر تشریف لے آئے اور ﴿ رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ ﴾ ''عورتوں نے اس کو دیکھا تو اسے بہت بڑا جانا۔'' یعنی انھوں نے آپ کو بہت ہی عظیم الشان اور ایک بہت اعلیٰ قدر و منزلت کا انسان پایا اور رعب و دہشت کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ مدہوشی کی اس کیفیت میں وہ سمجھ یہ رہی تھیں کہ پھلوں کو کاٹ رہی ہیں لیکن حقیقت میں چھریاں ان کے ہاتھوں پر چل رہی تھیں اور مراد یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں کو چھریوں سے زخمی کر لیا تھا، کئی ائمہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔[4]

اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عورتوں نے کھانا کھا لیا، سیر شکم ہو گئیں تو پھر اس نے ان کے آگے پھل رکھے اور ہر ایک کو پھل کاٹنے کے لیے ایک ایک چھری بھی دے دی اور کہا: کیا تم یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ تو ان عورتوں نے جواب دیا: ہاں! تو اس نے پیغام بھیج کر یوسف علیہ السلام کو باہر بلایا جب عورتوں نے دیکھا تو بے ساختہ اپنے ہاتھ کاٹ لیے، پھر اس نے کہا کہ اب آپ واپس چلے جائیں، اس سے اس کا مقصود یہ تھا کہ یہ عورتیں آتے ہوئے اور جاتے ہوئے آپ کے جمال کا دیدار کر لیں، آپ واپس تشریف لے جا رہے تھے اور چھریوں سے ان کے ہاتھ زخمی ہو رہے تھے، درد کے باعث جب

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2131/7. [2] تفسیر الطبری: 263/12 وتفسیر البغوی: 489/2 . [3] تفسیر الطبری: 264,263/12. [4] تفسیر الطبری: 270,269/12.

انھوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تو اس نے ان سے کہا کہ تم نے تو ایک ہی نظر دیکھنے کے بعد اپنا یہ حال کر لیا ہے تو پھر مجھے میری بے قراریوں اور بے تابیوں پر ملامت کیوں؟

عورتیں پکار اٹھیں: ﴿ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾ ''اور وہ (عورتیں بے ساختہ) بول اٹھیں کہ [حَاشَا لِلّٰهِ] یہ آدمی نہیں، یہ تو نہیں ہے مگر نہایت معزز فرشتہ۔'' پھر ان عورتوں نے اس سے کہا کہ یہ منظر دیکھنے کے بعد ہم آئندہ تمھیں کبھی ملامت نہیں کریں گی۔[1] انھوں نے آج تک ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا تھا جو (حسن و جمال میں) حضرت یوسف جیسا یا آپ کے قریب قریب ہی ہو، اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا جیسا کہ واقعۂ معراج سے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا۔ ان کے بارے میں آپ نے فرمایا: [وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ] ''اور ان کو نصف حسن عطا کیا گیا ہے۔''[2]

امام مجاہد اور کئی اہل علم نے کہا ہے کہ ﴿ حَاشَ لِلّٰهِ ﴾ کے معنی ہیں مَعَاذَ اللّٰهِ.[3] ﴿ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾ ﴿ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ ﴾ ''یہ آدمی نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ اس نے کہا: یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں۔'' اس نے گویا اپنا عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ اپنے جمال و کمال کے باعث یہ انسان اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ ﴾ ''اور بے شک میں نے ہی اسے اس کے نفس سے پھسلایا تھا مگر یہ بچا رہا۔'' بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے ظاہری جمال کو دیکھ لیا تو اس نے ان سے آپ کے باطنی کمالات اور صفاتِ جمیلہ کا بھی ذکر کیا، مثلاً: اس بے پناہ حسن و جمال کے ساتھ بے حد عفت و پاک دامنی۔

یوسف علیہ السلام کی قید کو ترجیح اور اللہ سے دعا: پھر اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا: ﴿ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾ ''اور اگر (یہ وہ کام) نہ کرے گا جو میں اسے کہتی ہوں تو اسے ضرور قید کر دیا جائے گا اور وہ یقیناً بے عزت ہونے والوں میں سے ہوگا۔''

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں کے شر اور مکر و فریب سے پناہ مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی: ﴿ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ ﴾ ''میرے پروردگار! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید زیادہ پسند ہے۔'' یعنی بدکاری ﴿ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ ﴾ ''اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔'' یعنی اگر تو نے مجھے میرے نفس کے سپرد کر دیا تو مجھے برائی سے بچنے کی قدرت نہیں ہے کیونکہ میں تو تیری طاقت و قوت اور توفیق و عنایت کے بغیر کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں، اس لیے تجھی سے مدد چاہتا اور تیری ذات گرامی پر بھروسا رکھتا ہوں، لہٰذا تو مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرما: ﴿ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهٗ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2137/7 بالفاظ دیگر۔ [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ إلی السموات وفرض الصلوات، حدیث: 162. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2136/7 وتفسیر الطبری: 273/12.

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿35﴾ ع 4/6 14

پھر نشانیاں دیکھ لینے کے بعد ان لوگوں کو یہی سوجھا کہ وہ اس (یوسف) کو کچھ عرصے تک بہرحال قید رکھیں ﴿35﴾

رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿34﴾ ”تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔ تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان سے ان (عورتوں) کا مکر دور کر دیا، بے شک وہی خوب سننے (اور) خوب جاننے والا ہے۔“

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو عظیم الشان عصمت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ آپ نے بے حیائی کے اس کام کو نہایت سختی کے ساتھ رد کر دیا اور اس کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دی۔ یہ مقامات کمال میں سے نہایت بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ مقام ہے کہ شباب، جمال اور کمال کے باوجود محض اللہ کے خوف اور اس سے ثواب کی امید کے باعث برائی کی اس دعوت کو رد کر کے قید کو پسند فرما لیا جبکہ دعوت بھی ایک ایسی عورت کی طرف سے تھی جو آپ کی مالکہ تھی، عزیز مصر کی بیوی تھی، حد درجہ خوبصورت تھی اور مال و دولت اور حکمرانی سے بہرہ ور تھی۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَّشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ، اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا (أَنْفَقَتْ) يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ]

”سات قسم کے (سعادت مند) انسان ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (1) عدل کرنے والا حکمران (2) وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی (3) وہ شخص جس کا دل مسجد سے معلق ہو جب اس سے نکلے حتی کہ اس میں واپس آ جائے (4) وہ دو شخص جو اللہ ہی کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں اور حب الٰہی کے باعث جمع اور جدا ہوتے ہیں (5) وہ شخص جو اس طرح خفیہ طور پر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (6) وہ شخص جسے کسی صاحبِ منصب و جمال عورت نے (برائی کی) دعوت دی اور اس نے (اسے رد کرتے ہوئے) کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (7) اور وہ شخص جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔“ [1]

تفسیر آیت: 35

[1] اس حدیث کے الفاظ بخاری و مسلم کی مختلف روایات کے مطابق ہیں لیکن لفظ [أَنْفَقَتْ] شعب الإيمان للبيهقي میں ہے۔ دیکھیے صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد، حديث:660 و1423 و6806 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031 وشعب الإيمان للبيهقي، الزكاة، فصل في الاختيار في صدقة التطوع:243/3، حديث:3439.

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ

اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو جوان بھی داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں، اور

الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا

دوسرا بولا: بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، ان میں سے پرندے کھا رہے ہیں، تو ہمیں ان کی تعبیر بتا،

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿36﴾

بے شک ہم تجھے نیک سمجھتے ہیں ﴿36﴾

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ

یوسف نے کہا: جو کھانا تمھیں (یہاں) ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمھیں ان کی تعبیر بتلا دوں گا۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو میرے رب

رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿37﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

نے مجھے سکھائیں۔ بے شک میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں ﴿37﴾ اور میں نے اتباع

اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ

کی ہے اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی۔ ہمارے لیے (جائز) نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں، یہ اللہ کا

فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿38﴾

ہم پر اور (سب) لوگوں پر فضل ہے، اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿38﴾

قید کا فیصلہ اور اس پر عمل درآمد: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں نے مصلحت اسی بات میں دیکھی کہ آپ کو ایک مدت تک کے لیے جیل میں بھیج دیں۔ اور یہ فیصلہ انھوں نے نشانیوں کو دیکھ لینے کے باوجود کیا، انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ آپ بالکل پاک ہیں اور آپ کی عفت و پاک دامنی کی کئی نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں۔ گویا کہ انھوں نے یہ فیصلہ اس لیے کیا کہ وہ بات مشہور ہو گئی تھی جس کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا تھا کہ آپ نے عورت کو برائی پر مائل کرنا چاہا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. یہی وجہ ہے کہ اس مدت کے آخر میں بادشاہ نے جب آپ کو بلایا تو آپ نے اس وقت تک جیل سے نکلنے سے انکار فرما دیا تھا یہاں تک کہ آپ کی طرف منسوب جرم اور خیانت سے آپ کی براءت واضح نہ ہو جائے جسے آپ کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ اور جب اس معاملے کی تحقیق ہوئی اور آپ بے گناہ ثابت ہوئے تو آپ اس شان سے جیل سے باہر تشریف لائے کہ عفت و پاک بازی کا پیکر تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ.

تفسیر آیت: 36

خواب کی تعبیر کے بارے میں دو قیدیوں کا سوال: قتادہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا نانبائی۔[1] ان دونوں نے خواب دیکھے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی تعبیر پوچھی۔

[1] تفسیر الطبری:280/12.

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿39﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ

میرے قید خانے کے دوساتھیو! بھلا کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ؟﴿39﴾ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ نام ہی تو ہیں جو

اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ

خود تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿40﴾

صرف اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ﴿40﴾

تفسیر آیات: 38,37

تعبیر سے پہلے قیدیوں کو دعوتِ توحید: حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ انھوں نے جو خواب بھی دیکھا ہو وہ اس کی تعبیر جانتے ہیں اور وقوع پذیر ہونے سے پہلے انھیں تعبیر بتا دیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴾ ”نہیں آئے گا تمھارے پاس کھانا جو تم دیے جاتے ہو مگر (اس کے تمھارے پاس آنے سے پہلے پہلے) میں اس کی تعبیر تم دونوں کو بتا دوں گا۔“ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا: ﴿ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے پاس نہیں آئے گا کھانا جو تم دونوں خواب میں دیے گئے ہو، ﴿ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ﴾ ”مگر میں تمھارے پاس اس (کھانے) کے آنے سے پہلے تم دونوں کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔“[1] سدی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[2] پھر آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا اور (عطا) فرمایا ہے، اس لیے کہ میں نے اللہ اور آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرنے والے ان کافروں کی ملت سے اجتناب کیا ہے جو آخرت کے ثواب اور عذاب کو نہیں مانتے۔ ﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ ﴾ ”اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے مذہب پر چلتا ہوں۔“ یعنی میں نے کفر اور شرک کے رستے کو چھوڑ دیا ہے اور میں اللہ کے ان رسولوں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔ کے راستے پر چلتا ہوں۔ اور یہی حال ہوتا ہے اس شخص کا جو راہ ہدایت پر چلے، پیغمبروں کے رستے کی اتباع کرے اور گمراہوں کے رستے سے اعراض کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت سے لبریز فرما دیتا ہے، اسے وہ علم عطا فرما دیتا ہے جو وہ نہیں جانتا اور اسے خیر و بھلائی کے کاموں کا امام، رشد و ہدایت کے رستے کا داعی بنا دیتا ہے۔ ﴿ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ ﴾ ”ہمارے لیے جائز ہی نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں، یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر۔“ یہ توحید، یعنی اس بات کا اقرار کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا وہ فضل ہے جس سے اس نے ہمیں نوازا اور جس کے اختیار کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور لوگوں پر بھی یہ اللہ کا فضل ہے کہ ان کی طرف ہمیں داعی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿38﴾ ﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“ کیونکہ وہ یہ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2144/7. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2144/7.

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ

میرے قید خانے کے دو ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلائے گا، اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور اس کے سر میں سے پرندے

مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿41﴾

(گوشت) کھائیں گے۔ اس معاملے کا فیصلہ کیا جا چکا جس کی بابت تم مجھ سے پوچھتے ہو ﴿41﴾

نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جو رسولوں کو بھیجا ہے تو یہ اس کی کس قدر عظیم الشان نعمت ہے۔ بلکہ ﴿ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:28) ''انھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔''

تفسیر آیات: 40,39

یوسف علیہ السلام کا نہایت واضح اندازِ دعوت: پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے دعوت دی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کو اختیار کریں اور ان تمام بتوں کو ترک کر دیں جنھیں ان کی قوم پوجتی ہے، آپ نے فرمایا: ﴿ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿39﴾ ﴾ ''بھلا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو نہایت غالب ہے؟'' یعنی جس کے عزت وجلال اور عظمتِ اقتدار کے سامنے ہر چیز عاجز ودرماندہ ہے، پھر آپ نے بیان فرمایا کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے اور جنھیں الٰہ قرار دیتے ہیں یہ تو ان کی جہالت کی کرشمہ سازی ہے۔ انھوں نے ان بتوں کو ان ناموں سے ازخود موسوم کر رکھا ہے۔ یہ باتیں انھوں نے اپنے آباء واجداد سے سنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ ﴾ ''اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل اور برہان نہیں ہے، پھر آپ نے بیان فرمایا کہ حکم، تصرف، مشیت اور بادشاہت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے، اس نے اپنے تمام بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف اور صرف اسی کی ذات گرامی کی عبادت کریں، پھر فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ ''یہی نہایت سیدھا دین ہے۔'' یعنی یہ جو میں تمھیں دعوت دے رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کرو اور اسی کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل بجا لاؤ تو یہی وہ سیدھا دین ہے جسے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے اور جس کی اس نے دلیل وبرہان بھی نازل فرمائی ہے۔

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿40﴾ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' اسی لیے اکثر لوگ مشرک ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 12:103) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ کتنی ہی خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' جب آپ انھیں دین کی دعوت دینے سے فارغ ہو گئے تو ان کے خوابوں کی تعبیر بیان کرنا شروع کر دی اور فرمایا: (دیکھیے آیت:41)

تفسیر آیت: 41

دونوں قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر: آپ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ز فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ

اور یوسف نے ان دونوں میں سے جس کے متعلق سمجھا تھا کہ وہ نجات پانے والا ہے اسے کہا: تو اپنے مالک سے میرا ذکر کرنا، پھر شیطان نے اسے

5 ع 7 15 فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿42﴾ ط ع

اپنے مالک سے (یوسف کا) ذکر کرنا بھلا دیا، چنانچہ یوسف قید خانے میں کئی سال ٹھہرا رہا﴿42﴾

﴿ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ج ﴾ ''میرے جیل کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک (جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔'' یعنی جس نے یہ خواب دیکھا تھا کہ وہ شراب کے لیے انگور نچوڑ رہا ہے۔ آپ نے معین طور پر اس کا نام نہ لیا تا کہ دوسرا غم زدہ نہ ہو، اسی لیے مبہم انداز میں فرمایا: ﴿ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ط ﴾ ''اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا پھر پرندے اس کا سر کھا جائیں گے۔'' یعنی وہ جس نے یہ خواب دیکھا ہے کہ وہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہے اور پرندے انھیں کھا رہے ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے، لہٰذا لامحالہ اسی طرح ہو کر رہے گا کیونکہ خواب کی جب تک تعبیر نہ کی جائے وہ ایسے ہے جیسے پرندے کے پاؤں پر ہو اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ تعبیر کے مطابق پورا ہو جاتا ہے۔ ثوری نے عمارہ بن قعقاع سے، انھوں نے ابراہیم سے اور انھوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے خواب سن کر یہ تعبیر بیان فرما دی تو وہ کہنے لگے کہ نہیں! ہم نے تو کوئی خواب ہی نہیں دیکھا تھا، اس پر آپ نے فرمایا: ﴿ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿41﴾ ط ﴾ ''جس معاملے کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔''[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹا خواب بیان کرتا ہے، پھر اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ تعبیر یقیناً رونما ہو کر رہتی ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ. اس حدیث شریف میں بھی ہے جسے امام احمد نے معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَّا لَمْ تُعَبَّرْ، فَإِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ] ''خواب کی جب تک تعبیر بیان نہ کی جائے وہ پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ تعبیر وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔''[2]

تفسیر آیت:42

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے فرمایا......: حضرت یوسف علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ساقی نجات پا جائے گا تو آپ نے اس سے علیحدگی میں تا کہ دوسرے کو یہ معلوم نہ ہو کہ اسے سولی پر لٹکایا جائے گا یہ فرمایا: ﴿ اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ز ﴾ ''تم اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔'' یعنی اپنے آقا سے میرا قصہ بھی بیان کرنا۔ آقا سے مراد اس دور کا بادشاہ ہے مگر رہائی پانے کے بعد یہ شخص بادشاہ کے پاس آپ کا ذکر کرنا بھول گیا اور اس کے اس بھول جانے کا تعلق بھی شیطان کی دسیسہ کاریوں سے تھا تا کہ اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے باہر نہ آ سکیں، لہٰذا درست بات یہی ہے۔ ﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾

[1] تفسیر الطبری: 289/12. [2] مسند أحمد: 10/4 عن أبی رزین العقیلی رضی اللہ عنہ. حدیث کی مفصل تخریج کے لیے دیکھیے یوسف، آیت: 5 کے ذیل میں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ

اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات سبز بالیاں اور دوسری

يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿43﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ

خشک۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر کر سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ﴿43﴾ انھوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں اور ہم (ایسے) خوابوں

اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿44﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ

کی تعبیر جاننے والے نہیں﴿44﴾ اور وہ (شخص) جس نے دونوں (قیدیوں) میں سے نجات پائی تھی اسے (یوسف) مدت کے بعد یاد آیا، بولا: میں تمھیں

اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿45﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ

اس کی تعبیر بتاؤں گا، لہٰذا تم مجھے (یوسف کے پاس) بھیجو﴿45﴾ (اس نے جا کر کہا:) اے یوسف! اے بہت ہی سچے! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتلائیے کہ

سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ

سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیاں ہیں اور دوسری خشک، تاکہ میں لوگوں کی طرف لوٹوں تاکہ وہ جان

لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿46﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا

لیں﴿46﴾ یوسف نے کہا: تم سات سال لگاتار کاشت کرو گے، چنانچہ تم جو (فصل) کاٹو تو وہ اس کی بالیوں ہی میں رہنے دو، سوائے تھوڑی (مقدار)

قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿47﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا

کے جو تم کھاؤ﴿47﴾ پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے، وہ کھا جائیں گے اسے جو تم نے ان کے لیے آگے بھیجا (ذخیرہ کیا) ہوگا، سوائے تھوڑے سے

ع 6 7 16 قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿48﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿49﴾ ع

غلے کے جو تم (بطور بیج) محفوظ رکھو گے﴿48﴾ پھر اس (قحط سالی) کے بعد ایک سال آئے گا، اس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے﴿49﴾

''تو اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے اس (قید کے ساتھی) کو بھلا دیا۔'' میں ضمیر کا مرجع یہی نجات پانے والا شخص ہے جیسا کہ مجاہد، محمد بن اسحاق اور دیگر کئی ایک اہل علم کا قول ہے۔[1]

لفظ بِضع کے بارے میں مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ تین سے نو تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[2] وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات برس تک آزمائش میں مبتلا رہے، حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک جیل میں رہے اور بخت نصر کو بھی سات سال تک عذاب دیا گیا (وہ درندوں میں گھومتا رہا کیونکہ اس کے چہرے کو مسخ کر دیا گیا تھا۔)[3]

تفسیر آیات:43-49

شاہِ مصر کا خواب: یہ بادشاہِ مصر کے اس خواب کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانے سے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ رہائی کا سبب بنا دیا تھا۔ بادشاہ نے جب یہ خواب دیکھا تو وہ اس سے بہت گھبرایا اور اس خواب اور اس

① تفسیر الطبری:293/12 وتفسیر ابن أبی حاتم:2149/7. ② تفسیر الطبری:294,293/12. ③ تفسیر الطبری: 293/12.

کی تعبیر کے بارے میں پریشان ہوگیا۔ اس نے کاہنوں، نجومیوں، سرداروں اور امرائے سلطنت کو طلب کیا، انھیں اپنا خواب سنایا اور ان سے تعبیر پوچھی تو وہ تعبیر نہ بتا سکے اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے: ﴿ اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ﴾ ''یہ تو پریشان سے خواب ہیں۔'' یعنی آپ کا یہ خواب بہت سے ملے جلے اور پراگندہ خیالات پر مشتمل ہے۔ ﴿ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾ ﴾ ''اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔'' بلکہ اگر خواب پریشان خیالات سے پاک بھی ہوتا اور واقعی صحیح خواب ہوتا تو ہم پھر بھی تعبیر نہیں بتا سکتے تھے کیونکہ ہمیں خوابوں کی تعبیر کا کوئی علم نہیں ہے۔ اب ان دونوں جوانوں میں سے، جو قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھے، نجات پا جانے والے کو آپ کی یاد آئی، درحقیقت شیطان نے اسے بادشاہ کے پاس آپ کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا اور اب ایک مدت کے بعد اسے آپ کی یاد آئی۔ بعض ائمہ نے ان الفاظ کو [بَعۡدَ أَمَهٍ] بھی پڑھا ہے، یعنی بھول جانے کے بعد اسے اب یاد آیا تو اس نے بادشاہ اور تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿ اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِیۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾ ﴾ ''میں تمھیں اس (خواب) کی تعبیر بتاؤں گا، لہٰذا تم مجھے (یوسف کے پاس) بھیجو۔'' یعنی مجھے جیل خانے میں یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت دے دیجیے۔ ہوا یہ کہ انھوں نے اسے اجازت دے دی، یہ جیل خانے میں گیا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کی: ﴿ یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا ﴾ ''یوسف! اے انتہائی سچے شخص! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے۔'' پھر اس نے بادشاہ کا خواب آپ سے بیان کر دیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر: حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب سنتے ہی فوراً اس کی تعبیر بیان فرما دی اور نہ تو اس نوجوان کو کوئی سرزنش کی کہ وہ بادشاہ کے پاس آپ کا ذکر کرنا بھول کیوں گیا اور نہ ہی ایسی کوئی شرط عائد کی کہ پہلے مجھے جیل سے نکالا جائے، پھر اس کی تعبیر بتاؤں گا بلکہ خواب سنتے ہی آپ نے فرمایا: ﴿ تَزۡرَعُوۡنَ سَبۡعَ سِنِیۡنَ دَاَبًا ﴾ ''تم لوگ سات سال متواتر کاشت کرو گے۔'' یعنی متواتر سات سال تک خوب بارشیں ہوں گی اور سرسبزی و شادابی رہے گی۔ گایوں کی تعبیر آپ نے سالوں سے کی کیونکہ اس زمین میں انھی سے ہل چلائے جاتے ہیں جن سے پھل اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں، سبز خوشوں سے پھل اور فصلیں مراد تھیں۔

فصلوں کو محفوظ رکھنے کا عمدہ اور نایاب طریقہ: پھر آپ نے ان سات سالوں کے لیے رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَا حَصَدۡتُّمۡ فَذَرُوۡهُ فِیۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۴۷﴾ ﴾ ''چنانچہ تم جو (فصل) کاٹو تو اسے اس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، سوائے تھوڑی (مقدار) کے جو تم کھاتے ہو۔'' یعنی ان سرسبز و شاداب سالوں میں تم جو غلہ حاصل کرو اسے خوشوں ہی میں رہنے دو تاکہ وہ زیادہ دیر تک باقی رہے اور خراب نہ ہو۔ ہاں! البتہ کھانے کے لیے بالیوں سے حاصل کرتے رہو اور وہ بھی کفایت شعاری کے ساتھ تھوڑی تھوڑی مقدار میں اور اسراف سے کام نہ لو تاکہ بعد میں آنے والے قحط کے سات سالوں میں اس غلے کو استعمال کر سکو۔ سات دبلی گائیں جو سات موٹی گایوں کو کھا رہی تھیں، یہ آنے والے قحط کے انھیں سات سالوں کی طرف اشارہ تھا کیونکہ قحط زدہ سالوں میں وہی کھایا جاتا ہے جو خوشحالی کے سالوں میں جمع کیا گیا ہو، خواب میں مذکور خشک

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

اور بادشاہ نے کہا: تم اسے میرے پاس لے آؤ، پھر جب اس (یوسف) کے پاس قاصد آیا تو اس نے کہا: تو اپنے مالک کے پاس لوٹ جا اور اس سے پوچھ کہ

النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿50﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ

ان عورتوں (کے معاملے) کی کیا حقیقت ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بے شک میرا رب ان کا مکر خوب جانتا ہے﴿50﴾ بادشاہ نے (عورتوں

رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ

سے) کہا: تمھارا معاملہ کیا ہے جب تم نے یوسف کو اس کے جی سے پھسلایا تھا؟ وہ بولیں: [حَاشَ لِلّٰهِ!] "اللہ کی پناہ!" ہمیں اس (کی ذات) میں کوئی برائی

الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿51﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ

معلوم نہیں۔ عزیز (مصر) کی بیوی نے کہا: اب حق واضح ہوگیا ہے، میں نے ہی اسے اس کے جی سے پھسلایا تھا، اور بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے﴿51﴾ (یوسف

لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿52﴾

نے کہا:) یہ اس لیے کہ وہ (عزیز) جان لے کہ بے شک میں نے در پردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی، اور یہ کہ بے شک اللہ خائنوں کا مکر نہیں چلنے دیتا﴿52﴾

بالیوں سے اسی طرف اشارہ تھا، پھر آپ نے وضاحت سے فرمایا کہ قحط کے ان سالوں میں کوئی چیز پیدا نہ ہوگی اور زمین میں وہ جو بیج ڈالیں گے، اس سے انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿يَاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿48﴾﴾ "جو (غلہ) تم نے ان کے لیے آگے بھیجا (جمع کر رکھا) ہوگا، وہ اس سب کو کھا جائیں گے، صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا جسے تم محفوظ رکھو گے۔" پھر آپ نے خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ قحط کے ان مسلسل سات سالوں کے بعد جو سال آئے گا، اس میں خوب بارش ہوگی، سرسبزی وشادابی پیدا ہو جائے گی اور لوگ حسبِ عادت تیل اور رس وغیرہ نچوڑنے لگیں گے۔

تفسیر آیات:50-52

حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے معاملے کی تحقیق: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بادشاہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب اسے اس کے خواب کی تعبیر بتائی گئی تو وہ بہت خوش ہوا، تعبیر کے بارے میں مطمئن ہوگیا اور اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے شرف وفضل، علم، خوابوں کی تعبیر کے بارے میں مہارت، حسنِ اخلاق اور رعایا کے بارے میں ہمدردی و خیر خواہی کا علم ہوا تو کہنے لگا: ﴿ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ﴾ "اس (یوسف) کو میرے پاس لے آؤ۔" یعنی انھیں جیل خانے سے نکال کر یہاں میرے پاس لے آؤ۔ جب اس سلسلے میں بادشاہ کا قاصد آپ کے پاس گیا تو آپ نے اس وقت تک جیل سے نکلنے سے انکار فرما دیا جب تک بادشاہ اور اس کی رعایا اس الزام کی تحقیق نہ کرلیں جو عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے آپ کے پاک اور طاہر دامن پر لگایا گیا تھا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی اور محض ظلم وزیادتی سے آپ کو جیل میں بھجوا دیا گیا تھا۔ اس لیے آپ نے قاصد سے فرمایا: ﴿ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ "اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ۔" سنت نبوی میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس طرز عمل کی تحسین کرتے ہوئے آپ کے فضل وشرف، علو منزلت اور صبر کی تعریف کی گئی ہے، صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ. چنانچہ مسند احمد اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ

إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ: ﴿ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ﴾...... الآية (البقرة2:260). وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ] ''حضرت ابراہیم کی نسبت شک میں ہم زیادہ مبتلا ہو سکتے ہیں، آپ نے بارگاہِ الٰہی میں جو یہ عرض کی: ﴿ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ ﴾ ''پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے کہا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔'' (تو یہ شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اطمینان قلب کے لیے تھا۔) اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے وہ کسی مضبوط قلعے کی پناہ پکڑنا چاہتے تھے۔ اور اگر میں جیل میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت یوسف رہے تو میں بلانے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔''[1] مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝ ﴾ ''ان سے پوچھو کہ ان عورتوں (کے معاملے) کی کیا حقیقت ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ بے شک میرا پروردگار ان کے مکروں سے خوب واقف ہے۔'' کے بارے میں فرمایا: [لَوْ كُنْتُ أَنَا لَأَسْرَعْتُ الْإِجَابَةَ وَمَا ابْتَغَيْتُ الْعُذْرَ] ''اگر میں ہوتا تو جلدی سے اس پیشکش کو قبول کر لیتا اور عذر تلاش نہ کرتا۔''[2]

بادشاہ اور زنانِ مصر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ﴾ ''(بادشاہ نے عورتوں سے) پوچھا کہ تمھارا معاملہ کیا ہے جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا؟'' بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو جمع کیا جنھوں نے عزیز مصر کی بیوی کے ہاں اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا تھا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا جبکہ روئے سخن اپنے وزیر، یعنی عزیز کی بیوی کی طرف بطور خاص تھا، ﴿ مَا خَطْبُكُنَّ ﴾ یعنی اس وقت کا تمھارا معاملہ اور اصل خبر کیا ہے، ﴿ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ﴾ ''جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔'' یعنی ضیافت کے دن، ﴿ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ ﴾ ''سب بول اٹھیں کہ اللہ کی پناہ! ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔'' یعنی عورتوں نے بادشاہ کو جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کی پناہ! یوسف پر کوئی الزام ہو، ہم نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی تو اس وقت ﴿ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٘ ﴾ ''عزیز (مصر) کی بیوی نے کہا کہ اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب حق بات بالکل واضح، ظاہر اور نمایاں ہوگئی ہے۔[3] ﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ﴾ ''(اصل یہ ہے کہ) میں نے اسے اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔'' یعنی اپنی اس بات میں کہ ﴿ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ ﴾ (یوسف12:26) ''اسی (عزیز مصر کی بیوی) نے مجھے میرے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔''

---

[1] اس حدیث کے الفاظ بخاری کی روایات کے مطابق ہیں، دیکھیے صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله: ﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ۝ ﴾ (الحجر15:51)...... ، حديث:3372 و4694 وصحیح مسلم، الإیمان، باب زیادة طمأنینة القلب بتظاهر الأدلة، حدیث: 151 ومسند أحمد:326/2. [2] مسند أحمد:346/2 و 389. [3] تفسیر الطبري: 310,309/12.

﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ (عزیز) جان لے کہ بے شک میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی تھی۔'' یعنی عورت نے کہا کہ میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے اسے ورغلانا چاہا تھا لیکن حقیقت میں میں نے خیانت کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ بڑے جرم (بدکاری) ہی کا۔ ہاں! اس نوجوان کو ضرور مائل کرنا چاہا مگر اس نے مائل ہونے سے انکار کر دیا، لہٰذا میں اس کا اعتراف کرتی ہوں تا کہ میرے شوہر کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں نے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ ''اور اللہ خیانت کرنے والوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔''

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے، بے شک میرا رب

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿53﴾

غفور (اور) رحیم ہے ﴿53﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ

اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنی ذات کے لیے مخصوص کروں گا، پھر جب اس نے یوسف سے گفتگو کی تو کہا: یقیناً آج تو

لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿54﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ

ہمارے ہاں مرتبے والا، امین ہے ﴿54﴾ (یوسف نے) کہا: مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر (نگران) مقرر کر دیجیے، بے شک میں خوب نگہبانی کرنے

عَلِيْمٌ ﴿55﴾

والا، خوب جاننے والا ہوں ﴿55﴾

تفسیر آیت:53

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ ...... ﴾ کا قائل کون تھا؟ ﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ ﴾ یعنی اس عورت نے کہا کہ میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتی، نفس بری بات کہتا اور بری خواہش رکھتا ہے، اسی وجہ سے میں نے اس کو مائل کرنا چاہا تھا کیونکہ ﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ ﴾ ”بے شک نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔“ یعنی اسے برائی سے بچالے۔ ﴿ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿53﴾ ﴾ ”بے شک میرا پروردگار خوب بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“ قصے کے سیاق اور کلام کے معنی کے مطابق یہی قول زیادہ مشہور، زیادہ لائق اور زیادہ مناسب ہے کہ یہ الفاظ عزیز مصر کی بیوی کے ہیں۔ امام ماوردی نے اپنی تفسیر میں یہی بیان کیا ہے۔[1] اور امام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس قول کی تائید میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام ہے اور مفہوم یہ ہے کہ ﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ ﴾ ”(میں نے) یہ (بات) اس لیے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ یقیناً میں نے اس کی خیانت نہیں کی“ یعنی اس کی بیوی کے بارے میں ﴿ بِالْغَيْبِ ﴾ ”اس کی پیٹھ پیچھے۔“ یعنی میں نے قاصد کو اس لیے لوٹا دیا ہے تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں بے گناہ ہوں اور عزیز کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکروں کو کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتا۔ امام ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے تو اس سلسلے میں صرف یہی ایک قول بیان کیا ہے۔[2] جبکہ زیادہ قوی اور نمایاں پہلا قول ہے کیونکہ سیاق کلام میں بادشاہ کی موجودگی میں عزیز مصر کی بیوی کی بات ذکر ہو رہی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام تو اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ اس کے بعد بادشاہ نے

① دیکھیے حاشیہ تفسیر الماوردی:3/48. ② تفسیر الطبری:13/3 و تفسیر ابن أبي حاتم:7/2158.

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ

اور اس طرح ہم نے یوسف کو زمین (مصر) میں اقتدار دیا، وہ اس میں جہاں چاہتا قیام کرتا، ہم اپنی رحمت سے جسے چاہیں نوازتے ہیں،

وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿57﴾ ع 7/8 1

اور ہم نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿56﴾ اور یقیناً آخرت کا اجر بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لائے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا ﴿57﴾

آپ کو اپنے پاس بلایا تھا۔

تفسیر آیات: 55,54

بادشاہ کی نظر میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مقام و مرتبہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاک دامنی ثابت ہوگئی اور اسے معلوم ہوگیا کہ آپ پر لگایا گیا الزام بالکل جھوٹا ہے تو بادشاہ نے حکم دیا: ﴿ اِئْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ ﴾ ''اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنا مصاحب خاص بناؤں گا۔'' یعنی میں اسے اپنے خواص اور اہل مشورہ میں شامل کرلوں گا۔ ﴿ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ ﴾ ''پھر جب ان سے گفتگو کی'' یعنی بادشاہ جب آپ سے مخاطب ہوا تو اس نے آپ کے شرف و کمال کو جان لیا اور خَلق اور خُلق کی خوبیوں کو پہچان لیا تو آپ سے کہنے لگا: ﴿ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿54﴾ ﴾ ''یقیناً آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب منزلت، امانت دار ہیں۔'' یعنی آپ ہمارے ہاں ایک امین انسان کی حیثیت سے بلند مقام و مرتبہ پر فائز رہیں گے۔

بوقت ضرورت اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو آگاہ کرنا: حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿55﴾ ﴾ ''مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر مقرر کر دیجیے، بے شک میں خوب حفاظت کرنے والا، خوب واقف بھی ہوں۔'' آپ نے اپنی تعریف خود بیان کی اور جب کسی انسان کی خوبیوں کے بارے میں معلوم نہ ہو تو اس کے لیے بوقت ضرورت اس طرح کا اظہار جائز ہے۔ آپ نے اپنی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ﴿ حَفِيْظٌ ﴾ یعنی خازن اور امین ہوں اور ﴿ عَلِيْمٌ ﴿55﴾ ﴾ اس منصب کے لیے صاحب علم و بصیرت بھی۔ آپ نے ملک کے خزانوں، یعنی غلے کے گوداموں پر تقرر کی یہ بات اس لیے فرمائی کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ آئندہ سالوں میں اس ملک میں قحط پڑنے والا ہے جیسا کہ آپ نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر میں بھی فرمایا تھا، اس لیے آپ نے پسند فرمایا کہ غلے کے خزانوں اور ذخیروں کے استعمال میں حد درجہ احتیاط، تدبر اور دانش مندی سے کام لیا جائے۔ آپ کی اس کام میں مہارت، دلچسپی اور آپ کے اعزاز و اکرام کے باعث آپ کی اس پیشکش کو قبول کرلیا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(دیکھیے آیات: 57,56)

تفسیر آیات: 57,56

مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ ﴾ ''اور اس طرح ہم نے یوسف کو زمین (مصر) میں جگہ دی وہ اس میں جہاں چاہتے رہتے تھے۔'' سدی اور

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿58﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

اور یوسف کے بھائی (غلہ لینے) آئے اور اس کے پاس پہنچے، تو اس نے انھیں پہچان لیا اور وہ اسے نہیں پہچانتے تھے ﴿58﴾ اور جب اس نے ان کا

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ

سامان تیار کروایا تو کہا: میرے پاس اپنا پدری بھائی (بنیامین) لانا، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا ماپ (غلہ) دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز

الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ

ہوں۔ ﴿59﴾ پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمھارے لیے میرے پاس کوئی ماپ (غلہ) نہیں، اور نہ تم میرے قریب آنا ﴿60﴾ انھوں نے کہا: ہم

عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

عنقریب اس کے باپ کو اس کے بارے میں آمادہ کریں گے اور یقینا ہم (یہ) کرنے والے ہیں ﴿61﴾ اور یوسف نے اپنے خادموں سے کہا: ان کی

يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿62﴾

پونجی (نقدی) ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب وہ اپنے اہل وعیال کی طرف پلٹیں تو اسے پہچان لیں، شاید وہ واپس آئیں ﴿62﴾

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ جس طرح چاہتے تصرف کرتے تھے۔[1] امام ابن جریر نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تنگی اور اسیری کے بعد اب آپ آزاد تھے اور جہاں چاہتے آتے جاتے تھے۔[2] ﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾﴾ ''ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔'' یعنی یوسف نے جو اپنے بھائیوں کی طرف سے دی گئی تکلیف اور عزیز مصر کی بیوی کے سبب قید پر صبر کیا تو ہم نے ان کے اس صبر اور اس نیک عمل کو ضائع نہیں کیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں سلامتی اور اپنی نصرت و تائید کے ساتھ سرفراز فرمایا۔

فرمایا: ﴿وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿57﴾﴾ ''اور ہم نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے یقیناً ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے نبی یوسف علیہ السلام کے لیے آخرت میں جو بے پایاں اور عظیم الشان اجر وثواب تیار فرما رکھا ہے وہ دنیا کی اس حکومت و اقتدار سے بدر جہا بہتر اور افضل ہے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ○﴾ (صٓ 40,39:38) ''یہ ہماری بخشش ہے، لہٰذا (لوگوں پر) احسان کر و یا رکھ چھوڑو، (تم سے) کچھ حساب نہیں اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔''

الغرض! شاہِ مصر ریان بن ولید نے یوسف علیہ السلام کو اس شخص کی جگہ منصبِ وزارت پر فائز کر دیا جس نے آپ کو مصر میں

[1] تفسیر الطبری:9/13. [2] تفسیر الطبری:8/13.

خریدا اور جس کی بیوی نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور یہ بادشاہ یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام بھی ہو گیا تھا۔ یہ امام مجاہد کا قول ہے۔[1]

تفسیر آیات:58-62

بلادِ مصر قحط کی لپیٹ میں: سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ برادرانِ یوسف کے مصر میں آنے کا سبب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام جب مصر میں منصبِ وزارت پر فائز ہوئے، سرسبزی وشادابی کے سات سال گزر گئے اور ان کے بعد قحط کے سات سالوں کا آغاز ہو گیا تو اس قحط نے تمام بلادِ مصر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حتی کہ یہ بلادِ کنعان تک پہنچ گیا۔ ان دنوں یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد بلادِ کنعان ہی میں رہتی تھی۔ قحط کے اس زمانے میں یوسف علیہ السلام نے غلے کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیا۔ سارے غلے کو خوب احسن انداز میں جمع کیا۔ غلے کی فروخت سے بہت زیادہ قیمت اور بے شمار قیمتی اور نفیس تحائف بھی جمع ہو گئے کیونکہ غلے کی خریداری کے لیے تمام علاقوں سے لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے لیے آپ سے غلہ حاصل کرتے تھے۔ آپ ایک آدمی کو سال بھر کے لیے ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہیں دیتے تھے۔ اور قحط کے اس دور میں آپ خود بھی اس قدر احتیاط فرماتے کہ سیر ہو کر کھانا نہ کھاتے بلکہ آپ، بادشاہ اور فوج کے تمام سپاہیوں نے معمول یہ بنا لیا تھا کہ دوپہر کے وقت صرف ایک لقمہ کھاتے تاکہ قحط کے ان سات سالوں میں لوگوں کی ضرورت کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ بلاشبہ آپ کا وجودِ مسعود اہل مصر کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باعث رحمت تھا۔

برادرانِ یوسف کی مصر میں آمد: غلے کے حصول کے لیے جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں آپ کے بھائی بھی تھے جو اپنے باپ کے حکم سے اس مقصد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کیونکہ انھیں یہ خبر موصول ہوئی تھی کہ عزیز مصر لوگوں کو قیمتاً کھانے پینے کا سامان فروخت کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے ساتھ کچھ سامان لیا تاکہ اس کے عوض کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں۔ اس سلسلے میں دس بھائی مصر آئے تھے جبکہ یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین کو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بعد ان سے آپ کو بہت محبت تھی۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ اپنی شان وشوکت اور ریاست وسیاست میں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے انھیں دیکھتے ہی پہچان لیا جبکہ یہ لوگ آپ کو نہ پہچان سکے کیونکہ انھوں نے جب آپ کو چھوڑا تھا اس وقت آپ بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ انھوں نے قافلے والوں کے ہاتھ آپ کو بیچ دیا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اہل قافلہ آپ کو کہاں لے جائیں گے۔ اور اس بات کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایک دن آپ اس قدر بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز ہوں گے، اس لیے وہ آپ کو پہچان نہ سکے مگر آپ نے انھیں خوب پہچان لیا۔

---

[1] تفسیر البغوی:499/2 وتفسیر الطبری:9/13.

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹے تو بولے: اے ہمارے ابا جان! (آیندہ) ہمارے لیے ماپ (غلہ) ممنوع ٹھہرا ہے، لہٰذا تو ہمارے ساتھ

لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿63﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ

ہمارے بھائی کو بھیج کہ ہم ماپ (غلہ) لائیں اور بے شک ہم اس کے محافظ ہیں﴿63﴾ اس (یعقوب) نے کہا: کیا میں تمھیں اس کی بابت امین سمجھ لوں

حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿64﴾

جیسے پہلے اس کے بھائی کی بابت میں نے تمھیں امین سمجھا تھا؟ چنانچہ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے﴿64﴾

سدی اور دیگر نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے جب ان سے گفتگو فرمائی تو تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے فرمایا: میرے ملک میں کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے جواب دیا: اے عزیز! ہم غلہ حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: کہیں تم جاسوس تو نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی پناہ! آپ نے فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم بلادِ کنعان سے آئے ہیں اور ہمارے باپ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا ان کے اور بیٹے بھی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، ہم بارہ بھائی تھے، ہم میں سب سے چھوٹا بھائی جنگل میں ہلاک ہوگیا تھا، ہمارے والد کو اس سے سب سے زیادہ پیارا تھا، ان کا دوسرا حقیقی بھائی موجود ہے، انھیں والد صاحب نے تسلی کے لیے اپنے پاس ہی رکھا ہوا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کی مہمانی اور خوب عزت افزائی کی جائے۔[1]

حسن تدبیر: ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ ”اور جب یوسف نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کروا دیا۔“ یعنی انھیں پورے پورے وزن کا غلہ دے دیا اور ان کا سامان لدوا دیا تو فرمایا کہ آئندہ اپنے اس بھائی کو بھی لے کر آنا جس کا تم نے ذکر کیا تھا تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔ ﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾﴾ ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ بے شک میں ماپ پورا دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں۔“ یہ آپ نے انھیں دوبارہ آنے کی ترغیب کے لیے فرمایا، پھر بطور ترہیب یہ بھی فرمایا: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾﴾ ”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمھارے لیے میرے پاس کوئی ماپ نہ ہوگا اور میرے قریب نہ آنا۔“ یعنی جب تم دوبارہ آئے اور اپنے ساتھ اپنے اس بھائی کو نہ لائے تو پھر تمھیں میرے ہاں سے کوئی غلہ نہیں ملے گا۔ ﴿قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾﴾ ”انھوں نے کہا: ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں ضرور آمادہ کریں گے اور بے شک ہم ضرور کرنے والے ہیں۔“ یعنی ہم اسے یہاں لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے تاکہ آپ کو ہماری بات کی صداقت کا یقین ہو جائے۔

﴿وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ﴾ ”اور (یوسف نے) اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ رکھ دو“ یعنی جسے وہ غلہ

[1] تفسیر الطبری: 10/13 سدی اور ابن اسحاق سے بالفاظ دیگر منقول ہے وتفسیر ابن أبي حاتم: 2163,2162/7.

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی پونجی پائی جو انھیں لوٹا دی گئی تھی۔ وہ بولے: اے ہمارے ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجی ہمیں

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ

لوٹا دی گئی ہے، اور ہم اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ہم ایک اونٹ کا ماپ (غلہ) زیادہ لائیں گے، یہ

يَّسِيْرٌ ﴿65﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ

ماپ (غلہ ملنا) تو بہت آسان ہے ﴿65﴾ اس (یعقوب) نے کہا: میں اسے تمھارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتی کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد دو کہ تم اسے ضرور

اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿66﴾

میرے پاس لاؤ گے، سوائے اس کے کہ تم گھیر لیے جاؤ۔ پھر جب انھوں نے اسے اپنا پختہ عہد دیا تو وہ بولا: جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ اس پر ضامن ہے ﴿66﴾

خریدنے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے، ﴿ فِيْ رِحَالِهِمْ ﴾ ''ان کے کجاووں میں۔'' یعنی سامان کے بوروں میں اس انداز سے کہ انھیں معلوم نہ ہو ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿62﴾ ﴾ ''شاید کہ وہ پھر لوٹ آئیں۔'' یعنی اسی سرمائے کے ساتھ۔ کہا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ اس خدشے کے پیش نظر کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے پاس اور کوئی سرمایہ ہی نہ ہو جس کے ساتھ غلہ حاصل کرنے کے لیے وہ دوبارہ آئیں۔

تفسیر آیات: 64,63

یعقوب علیہ السلام سے بنیامین کو ساتھ لے جانے کا مطالبہ: اللہ تعالیٰ نے برادرانِ یوسف کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس آگئے تو ﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ ﴾ ''کہنے لگے کہ اے ہمارے ابا جان! ہمارے لیے غلے کی بندش کر دی گئی ہے۔'' یعنی اگر آپ نے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو نہ بھیجا تو آئندہ ہمارے لیے غلے کی ممانعت کر دی گئی ہے، لہٰذا آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم آئندہ بھی غلہ حاصل کر سکیں اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔ بعض قراء نے اسے ﴿ نَكْتَلْ ﴾ کے بجائے یَکْتَلْ بھی پڑھا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ (بنیامین) غلہ لائے۔ ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔'' یعنی آپ اس کے بارے میں غم نہ کریں وہ بہت جلد واپس آجائے گا، اسی طرح انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی کہا تھا: ﴿ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ ﴾ (یوسف 12:12) ''آپ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب (میوے) کھائے اور کھیلے کودے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔''

اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ ''کیا میں اس کے متعلق تمھارا اعتبار کر لوں جیسے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟'' یعنی اس کے ساتھ بھی تم اسی طرح کا سلوک کرنا چاہتے ہو جس طرح پہلے اس کے بھائی کے ساتھ کر چکے ہو اور اسے بھی مجھ سے غائب کر کے میرے اور اس کے درمیان جدائی ڈالنا چاہتے ہو؟

﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ﴾ ''چنانچہ اللہ ہی بہتر نگہبان ہے۔'' بعض قُرّاء نے ﴿ حِفْظًا ﴾ کو [حِفْظًا] پڑھا ہے۔ ﴿ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ ''اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' یعنی وہ میرے ساتھ بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ وہ میرے بڑھاپے، کمزوری اور بیٹے کی جدائی کی وجہ سے مجھ پر ضرور رحم فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ میرے بیٹے کو مجھ سے ضرور ملائے گا اور میری پریشانی کو دور فرمائے گا کیونکہ وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات: 66,65

سرمائے کا غلے سے برآمد ہونا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ برادرانِ یوسف نے جب اپنے سامان کو کھولا تو دیکھا کہ ان کے سرمائے کو واپس کر دیا گیا ہے۔ یہ وہی سرمایہ تھا جس کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خدام کو حکم دیا تھا کہ ان کا سرمایہ ان کے سامان (غلے) میں رکھ دو۔ اور جب انھوں نے اس سرمائے (غلے کی قیمت) کو اپنے سامان میں موجود پایا تو ﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ﴾ ''کہنے لگے: اے ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے؟'' ﴿ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ﴾ ''یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس کے بعد اور کیا چاہیے کہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اور انھوں نے ہمیں غلہ بھی پورا پورا دیا ہے۔[1] ﴿ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا ﴾ ''اور ہم اپنے اہل وعیال کے لیے (پھر) غلہ لائیں گے۔'' یعنی اگر آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تو ہم اپنے اہل وعیال کے لیے اور غلہ لے آئیں گے۔ ﴿ وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ﴾ ''اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک اونٹ کا ماپ (غلہ) زیادہ لائیں گے۔'' اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک شخص کو اتنا غلہ دیتے تھے جسے ایک اونٹ اٹھا سکے۔

برادرانِ یوسف کہنے لگے: ﴿ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴾ ''یہ ماپ (غلہ ملنا) تو بہت آسان ہے۔'' یہ جملہ کلام کی تکمیل اور تحسین کے لیے کہا ہے۔ یعنی ان کا بھائی جو غلہ لے گا، اس کے مقابلے میں یہ بہت تھوڑا ہے، یہ اس کے برابر نہیں ہے۔ ﴿ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''(یعقوب نے) کہا: جب تک تم مجھے اللہ کا پختہ عہد نہ دو، میں اسے ہرگز تمھارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔'' یعنی تم قسم کھا کر پختہ عہد و پیمان کرو: ﴿ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ﴾ ''تم اس کو ضرور میرے پاس (صحیح وسالم) لے آؤ گے سوائے اس کے کہ تم گھیر لیے جاؤ۔'' یعنی بے بس ہو جاؤ تو مجبوری ہے یا پھر تم سب مغلوب ہو جاؤ اور اس کی خلاصی پر قادر نہ رہو۔ ﴿ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ ﴾ ''پھر جب انھوں نے ان سے پختہ عہد کر لیا'' تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے مزید تاکید کے طور پر فرمایا: ﴿ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ ''جو قول قرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے۔'' ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین کو بھیجنے پر اس لیے آمادہ ہوئے کہ غلے کے حصول کے لیے اسے بھیجنا ایک مجبوری تھی اور غلے کے بغیر چارۂ کار نہ تھا، اس لیے مجبوراً اسے ان کے ساتھ بھیجنا پڑا۔[2]

---

[1] تفسير الطبري: 15/13. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2167/7 نحوه.

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ

اور اس نے کہا: اے میرے بیٹو! تم ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمھیں اللہ

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿67﴾

(کے حکم) سے ذرا بھی کفایت نہیں کر سکتا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے، اسی پر میں نے توکل کیا ہے، اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا

چاہیے ﴿67﴾ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے انھیں حکم دیا تھا، وہ انھیں اللہ (کے حکم) سے ذرا بھی نہیں بچا

حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

سکتا تھا، مگر یعقوب کے دل میں ایک حاجت (خواہش) تھی سو وہ پوری کر چکا، اور بلاشبہ ہمارے تعلیم دینے کی وجہ سے وہ صاحب علم

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ ع 8/11/2

تھا، اور لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ﴿68﴾

تفسیر آیات: 68,67

یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے ایک تدبیر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اجازت دے دی کہ بنیامین کو اپنے ساتھ مصر لے جائیں، پھر انھوں نے حکم دیا کہ وہ سب کے سب مصر کے ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہوں بلکہ شہر میں داخلے کے لیے مختلف دروازوں کو استعمال کریں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب، مجاہد، ضحاک، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ اقدام انھیں نظر بد سے بچانے کے لیے تھا۔[1] اس وجہ سے کہ وہ سب کے سب بہت خوبصورت، تندرست و توانا اور جوانانِ رعنا تھے۔ آپ نے خدشہ محسوس فرمایا کہ کہیں لوگ انھیں نظر ہی نہ لگا دیں کیونکہ نظر برحق ہے۔ نظر بد تو شہسوار کو گھوڑے سے نیچے گرا دیتی ہے۔ اس تدبیر کے باوجود انھوں نے یہ بھی فرمایا: ﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''اور میں تمھیں اللہ کے مقابلے میں ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔'' یعنی میری یہ تدبیر اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرمالیتا ہے اس کی نہ خلاف ورزی کی جا سکتی ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿67﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ﴾ ''بے شک حکم اسی کا ہے، میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ اور جب وہ ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں سے (داخل ہونے کے لیے) باپ نے ان سے کہا تھا تو وہ انھیں اللہ کے مقابلے میں ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں، وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انھوں نے پوری کی۔'' یعنی یہ تو انھوں نے نظر بد سے بچانے کے لیے ایک تدبیر کی تھی۔

[1] تفسیر الطبری: 18,17/13 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2168/7.

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا

اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس جگہ دی (اور) کہا: بے شک میں تیرا بھائی ہوں، لہٰذا تو اس کا غم

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿69﴾

نہ کر جو کچھ وہ کرتے رہے ﴿69﴾

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا

پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں ایک پیالہ رکھ دیا، پھر ایک پکارنے والے نے پکارا: اے قافلے والو! یقیناً تم

الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿70﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿71﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ

چور ہو ﴿70﴾ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولے: تم کیا چیز گم پاتے ہو؟ ﴿71﴾ انھوں نے کہا: ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں، اور جو شخص اسے لائے اس کے

الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿72﴾

لیے اونٹ بھر (غلہ) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں ﴿72﴾

﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ﴾ ''اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا۔'' قتادہ اور ثوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے بھی تھے۔[1] اور امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ صاحب علم تھے، اس لیے کہ انھیں ہم نے سکھایا تھا۔[2] ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

تفسیر آیت: 69

حضرت یوسف علیہ السلام کی بنیامین کو تسلی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جب برادرانِ یوسف بنیامین کے ساتھ، جو حضرت یوسف کے حقیقی بھائی تھے، ان کے پاس آئے تو انھوں نے ان کی بے حد عزت افزائی کرتے ہوئے انھیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا اور ان پر صلہ رحمی، حسن سلوک اور نوازشات کی انتہا کر دی۔ اور اپنے بھائی بنیامین کو خلوت میں اپنے بارے میں بتا دیا اور آپ جن حالات سے گزر کر اس مقام و مرتبے پر پہنچے اس سے بھی مطلع فرما دیا اور انھیں خوب یاد دلا دیا کہ وہ ان کے حقیقی بھائی ہیں اور فرمایا: ﴿فَلَا تَبْتَىِٕسْ﴾ ''لہٰذا تو اس کا غم نہ کر۔'' یعنی اس پر جو انھوں نے میرے ساتھ کیا تھا، نیز آپ نے حکم دیا کہ ابھی ان سے اپنے معاملے کو مخفی رکھنا اور جو باتیں میں نے تمھیں بتائی ہیں ان کے بارے میں انھیں نہ بتانا، نیز آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کو اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے تاکہ آپ نہایت تعظیم اور اعزاز و اکرام کے ساتھ میرے پاس ہی رہیں۔

تفسیر آیات: 70-72

برادرانِ یوسف، بنیامین کو بھائی کے پاس چھوڑنے پر کیسے مجبور ہوئے؟ حضرت یوسف نے جب اپنے بھائیوں کا

[1] تفسیر الطبری: 13/19، 20. [2] تفسیر الطبری: 13/19.

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿73﴾ قَالُوْا فَمَا

وہ بولے: اللہ کی قسم! یقیناً تمھیں علم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں﴿73﴾ انھوں نے کہا: پھر اس (چور) کی کیا سزا ہے

جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿74﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ

اگر تم جھوٹے ہوئے؟﴿74﴾ وہ بولے: اس کی سزا یہ ہے (کہ) جس کے سامان میں وہ (پیالہ) پایا جائے وہی شخص اس کا بدلہ ہے۔ ہم ظالموں کو اسی

نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿75﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ

طرح سزا دیتے ہیں﴿75﴾ چنانچہ یوسف اپنے بھائی کے بورے سے پہلے ان کے بوروں کی تلاشی لینے لگا، پھر اس نے اپنے بھائی کے بورے سے وہ

اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ

(پیالہ) نکال لیا، اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی، وہ اس بادشاہ کے قانون کی رو سے تو اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہ تھا مگر یہ کہ اللہ

اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿76﴾

چاہے۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ اور ہر صاحب علم کے اوپر ایک زیادہ علم والا ہے﴿76﴾

سامان تیار کر دیا اور ان کے اونٹوں کو غلے سے لاد دیا تو کسی خادم کو حکم دیا کہ وہ پیالے کو بنیامین کے سامان میں رکھ دے۔ وہ برتن اکثر ائمۂ تفسیر کے بقول چاندی کا اور بعض کے بقول سونے کا تھا۔ ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آپ اسی پیالے سے پانی پیا کرتے تھے۔[2] اور اس وقت کے بہترین قیمتی اناج کو اس کے ساتھ ماپ کر دیا کرتے تھے۔[3] شعبہ نے ابو بشر سے، انھوں نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ چاندی کا بنا ہوا تھا، وہ اس میں پانی پیا کرتے تھے اور یہ صراحی کی طرح تھا۔[4] اسے بنیامین کے سامان میں اس طرح خفیہ طور پر رکھ دیا گیا تھا کہ کسی کو علم نہ ہو سکا۔ اور جب قافلہ آبادی سے باہر گیا تو ایک منادی نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ "اے قافلے والو! یقیناً تم تو چور ہو۔" وہ منادی کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے: ﴿ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿71﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ "تم کیا چیز گم پاتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔" یعنی بادشاہ کا وہ پیالہ گم ہو گیا ہے جس سے وہ غلہ ماپ کر دیتے ہیں۔ ﴿ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ ﴾ "اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لیے ایک بارِ شتر (انعام) ہے۔" یہ بدل کے طور پر ہوگا۔ ﴿ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿72﴾ ﴾ "اور میں اس کا ضامن ہوں۔" یہ ضمانت و کفالت کے باب سے ہے۔

تفسیر آیات:73-76

سابقہ شرائع میں چوری کی سزا: جب ان لوگوں نے چوری کا الزام لگایا تو برادرانِ یوسف نے انھیں جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿73﴾ ﴾ "اللہ کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس) زمین

[1] تفسير الطبري:22/13. [2] تفسير الطبري:22/13. [3] تفسير البغوي:504/2 عن عكرمة رحمه الله نحوه . [4] تفسير ابن أبي حاتم:2173/7.

میں اس لیے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چور ہیں۔'' یعنی جب سے ہماری تمھاری جان پہچان ہوئی ہے تم بھی ہمارے بارے میں یہ جانتے ہو۔ انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ انھوں نے انھیں اچھی سیرت کا مالک پایا تھا۔ اور وہ انھیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہ ہمارے عادات و خصائل ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم خرابی یا چوری کریں۔ یہ سن کر خدام بولے: ﴿ فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾ ''پھر اگر تم جھوٹے نکلے (چوری ثابت ہوئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟'' ﴿ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ (پیالہ) دستیاب ہو تو وہی اس کا بدل قرار دیا جائے۔ ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا کہ چور کو اس شخص کے سپرد کر دیا جائے جس کی اس نے چوری کی ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی اس تدبیر سے مقصود بھی یہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بھائی کے سامان سے پہلے ان کے سامان کو دیکھنا شروع کیا۔ یعنی توریے کے طور پر پہلے ان لوگوں کے سامان کی تلاشی لی گئی، ﴿ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ ﴾ ''پھر اس نے اپنے بھائی کے بورے میں سے اس (پیالے) کو نکال لیا۔'' اور ان کے اپنے اعتراف اور اعتقاد کے مطابق ان سے بنیامین کو لے لیا۔

یہ تدبیر درحقیقت اللہ کی طرف سے تھی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ ﴾ ''اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی۔'' اور یہ ایک محبوب اور اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق تدبیر تھی کیونکہ یہ ایک مطلوب حکمت و مصلحت پر مبنی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ ''وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہ تھا۔'' یعنی بادشاہ کے حکم کے مطابق وہ بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ ضحاک وغیرہ کا یہی قول ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ بھائیوں نے بھی اس بات کا اعتراف کر لیا جو ان کی شریعت کا حکم تھا اور آپ بھی اسے خوب جانتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ ﴾ ''ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ ...... ﴾ الآية (المجادلة58:11) ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا......''

ہر صاحب علم سے بڑھ کر صاحب علم موجود ہے: ﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور ہر صاحبِ علم کے اوپر ایک بہت زیادہ علم والا ہے۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے حتی کہ یہ سلسلہ اللہ ذوالجلال تک پہنچ جاتا ہے۔[2] امام عبدالرزاق نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، آپ نے ایک بہت عجیب بات بیان فرمائی جس سے ایک شخص نے بہت تعجب کا اظہار کیا اور کہا: الحمد للہ! ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے بری بات کہی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات تو علیم ہے اور وہ

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم :2176/7 وتفسير الطبري :33/13. [2] تفسير الطبري :36/13.

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

انھوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی، چنانچہ یوسف نے یہ (بات) اپنے دل میں چھپائی

یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾

اور ان پر ظاہر نہ کی (اور دل میں) کہا: تم بدترین درجے پر ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ﴿77﴾

قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ

انھوں نے کہا: اے عزیز! بے شک اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، چنانچہ آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں۔ بے شک ہم آپ کو احسان کرنے

مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿78﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ

والوں میں سے دیکھتے ہیں ﴿78﴾ یوسف نے کہا: اللہ پناہ دے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں، تب تو بے شک

اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿79﴾ ع 9 11 3

ہم ظالم ہوئے ﴿79﴾

ہر علم والے سے بڑھ کر ہے۔ ① سماک نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ شخص اس سے بڑا عالم ہے اور وہ اس سے بڑا عالم ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہر علم والے سے بڑھ کر عالم ہے۔ ② عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ ③ قتادہ کہتے ہیں کہ ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے حتی کہ علم کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی ذات گرامی سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ علماء کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اور اس کی طرف علم لوٹ جائے گا۔ عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی قراءت میں اس طرح ہے: [وَفَوْقَ كُلِّ عَالِمٍ عَلِيمٌ]. ④

تفسیر آیت: 77

برادرانِ یوسف کا آپ علیہ السلام پر چوری کا الزام: جب برادرانِ یوسف نے دیکھا کہ پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا ہے تو کہا: ﴿اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اگر اس نے چوری کی ہے تو تحقیق اس کے بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔“ انھوں نے عزیز کے سامنے اپنے آپ کو بنیامین کے ساتھ مشابہت سے دور رکھنا چاہا اور یہ ذکر کیا کہ ان کے بھائی، یعنی یوسف علیہ السلام نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ﴾ ”تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا۔“ یعنی اس بات کو جو اس کے بعد ہے اور وہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾﴾ ”تم بدترین درجے پر ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔“ یعنی جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ آپ نے یہ بات اپنے دل میں

① تفسیر عبدالرزاق: 220/2، رقم: 1329. ② تفسیر الطبری: 35/13. ③ تفسیر الطبری: 36/13. ④ تفسیر الطبری: 36/13.

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

پھر جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کیا۔ ان کے بڑے نے کہا: کیا تمھیں علم نہیں کہ بے شک تمھارے باپ نے تم سے اللہ کا

عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ

پختہ عہد لیا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کی بابت تم کوتاہی کر چکے ہو؟ چنانچہ میں تو اس سرزمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا حتی کہ میرا باپ مجھے اجازت

حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿80﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ

دے یا اللہ میرے لیے فیصلہ کر دے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ﴿80﴾ تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو: اے ہمارے ابا جان!

فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿81﴾

بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی، اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہمیں علم تھا، اور ہمیں غیب کی خبر نہ تھی ﴿81﴾ اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿82﴾

لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں، اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿82﴾

کہی اور ان کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا اور یہ اسلوب ''اضمار قبل الذکر''[1] کے قبیل سے ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دل میں اسی بات کو مخفی رکھا: ﴿ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾ ﴾ .[2]

تفسیر آیات: 79,78

بھائیوں کی تجویز: جب یہ بات طے پا گئی کہ اب بنیامین کو ان سے لے لیا جائے گا اور یوسف علیہ السلام کے پاس اسے رہنا پڑے گا جیسا کہ بھائیوں نے پہلے خود ہی اس بات کا اعتراف واقرار کر لیا تھا، لہٰذا انھوں نے اب منت وسماجت سے کام لینا شروع کر دیا، ﴿ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! بے شک اس کے والد بہت بوڑھے ہیں۔'' یعنی وہ ان سے بہت محبت کرتے اور اپنے گم شدہ بچے کی جگہ ان سے قرار پاتے ہیں۔ ﴿ فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ ﴾ ''تو آپ (اس کو چھوڑ دیجیے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیجیے۔'' جو اس کے بدلے آپ کے پاس رہے۔ ﴿ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿78﴾ ﴾ ''بے شک ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والوں سے ہیں۔'' یعنی عدل وانصاف سے کام لینے والے اور نیکی کو قبول کرنے والے ہیں۔ ﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ ﴾ ''(یوسف نے) کہا کہ اللہ کی پناہ! اس سے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں۔'' یعنی جیسا کہ خود تم نے بھی کہا اور اس قانون کا اعتراف کیا ہے۔ ﴿ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿79﴾ ﴾ ''بلاشبہ (اگر ایسا کریں) تب تو ہم ظالم ہوں گے۔'' یعنی گناہ گار کے بجائے کسی بے گناہ کو پکڑ لیں۔

[1] عام طور پر ضمیر کسی سابقہ اسم کی طرف لوٹتی ہے لیکن کبھی ضمیر کو اس کے اسم سے پہلے ہی ذکر کر دیا جاتا ہے، نحوی اصطلاح میں اس کو ''اِضمار قبل الذکر'' کہتے ہیں۔ [2] تفسیر الطبری:40/13 .

تفسیر آیات:80-82

بھائیوں کا آپس میں مشورہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب برادرانِ یوسف بنیامین کی خلاصی کے سلسلے میں مایوس ہو گئے جبکہ وہ اپنے باپ سے پختہ عہد و پیمان کر کے آئے تھے کہ وہ انھیں ضرور اپنے ساتھ واپس لے کر آئیں گے مگر اب ان کی واپسی ان کے لیے بہت مشکل ہو گئی اور وہ مایوس ہو گئے تو ﴿ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ ﴾ ''الگ ہو کر مشورہ کیا۔'' یعنی لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر آپس میں اس سلسلے میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔ ﴿ قَالَ كَبِيْرُهُمْ ﴾ ''سب سے بڑے نے کہا'' ان کے سب سے بڑے بھائی رُوبیل اور بقول بعض یہوذا تھے۔ بھائیوں نے جب یوسف کے قتل کا ارادہ کیا تو انھوں نے ہی یہ مشورہ دیا تھا کہ قتل نہ کرو بلکہ انھیں کسی اندھے کنویں میں ڈال دو، اب انھوں نے کہا: ﴿ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارے والد نے تم سے اللہ کا پختہ عہد لیا ہے۔'' کہ تم اسے ضرور ان کے پاس واپس لے کر جاؤ گے۔ پہلے تم نے ان کے لیے یوسف کو گم کر دیا اور اب بنیامین کو واپس لے جانا تمھارے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ ﴿ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ ﴾ ''تو میں تو اس جگہ سے نہیں جاؤں گا۔'' یعنی اس شہر سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا ﴿ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ ﴾ ''یہاں تک کہ والد (صاحب) مجھے اجازت دیں'' یعنی مجھے خوشی سے واپس آنے کی اجازت دے دیں، ﴿ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ ﴾ ''یا اللہ میرے لیے کوئی اور فیصلہ کر دے۔'' یعنی مجھے تلوار استعمال کرنے کا موقع مل جائے یا مجھے (اللہ) اپنے بھائی کو ساتھ لے آنے کی کوئی اور تدبیر سکھا دے۔ ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ ﴾ ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

پھر اس نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ واپس جاؤ اور والد کو ساری صورت حال بتاؤ تا کہ انھیں معلوم ہو جائے کہ یہ بنیامین کو واپس نہ لانے میں معذور تھے، نیز معذرت کرتے ہوئے اور اپنی بے گناہی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بھی کہو: ﴿ وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ ﴾ ''اور ہم غیب (کی باتوں) کے (جاننے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔'' قتادہ و عکرمہ رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کا بیٹا چوری کرے گا۔ [1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اس کا علم نہیں ہوا تھا کہ بنیامین نے ان کی کوئی چیز لی ہے بلکہ یہ پوچھا تھا کہ چور کی سزا کیا ہے؟ [2]

﴿ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا ﴾ ''اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم (ٹھہرے) تھے۔'' کہا گیا ہے کہ اس بستی سے مراد مصر ہے اور یہ قتادہ کا قول ہے۔ [3] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مصر کے علاوہ اور بستی مراد ہے۔ ﴿ وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ ﴾ ''اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں'' کہ ہم سچے اور امین ہیں اور ہم نے بنیامین کی حفاظت و نگہداشت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾ ''اور ہم یقیناً (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔'' یعنی جو ہم نے آپ کو خبر دی کہ بنیامین نے چوری کر لی اور وہ چوری کے جرم میں پکڑا گیا ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری:49/13. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2183/7. [3] تفسیر الطبری:50/13 و تفسیر ابن أبی حاتم:2183/7.

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ

اس (یعقوب) نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے لیے تمھارے دلوں نے ایک (بری) بات آراستہ کردی ہے، چنانچہ صبر ہی بہتر ہے۔ شاید اللہ ان سب کو

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿83﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ

میرے پاس لے آئے، بے شک وہی علیم و حکیم ہے ﴿83﴾ اور وہ ان سے پھرا اور بولا: ہائے افسوس یوسف پر! اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں، پس وہ

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿84﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ

غم سے بھرا ہوا تھا ﴿84﴾ بیٹے بولے: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو سدا یاد کرتے رہیں گے، حتی کہ آپ (غم سے گھل کر) مرنے کے قریب ہو جائیں یا ہلاک ہونے

الْهٰلِكِيْنَ ﴿85﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿86﴾

والوں میں سے ہو جائیں ﴿85﴾ اس نے کہا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿86﴾

تفسیر آیات: 83-86

افسوس ناک خبر سننے کے بعد اللہ کے نبی کا جواب: حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ المناک خبر سن کر بھی وہی بات فرمائی جو اس وقت فرمائی تھی جب یہ یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے تھے: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ ﴾ ''بلکہ (یہ) ایک بات تمھارے لیے تمھارے نفسوں نے آراستہ کردی ہے، چنانچہ صبر ہی بہتر ہے۔'' محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ لوگ جب یعقوب علیہ السلام کے پاس واپس آئے اور انھوں نے انھیں ساری صورت حال بتائی تو انھوں نے انھی کو مورد الزام ٹھہرایا اور گمان یہ کیا کہ انھوں نے بنیامین کے ساتھ بھی اسی طرح کیا ہے جس طرح اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، پھر فرمایا: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ ﴾ .[1]

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جب ان کی اس کرتوت کو بھی ان کے پہلے فعل سے وابستہ قرار دیا تو اس کے بارے میں بھی وہی حکم لگا دیا جو ان کے پہلے فعل کے بارے میں لگایا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ ﴾ ، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس امید کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے تینوں بیٹوں یوسف، ان کے بھائی بنیامین اور رُوبیل (یا یہوذا) کو ضرور ان کے پاس لوٹا دے گا۔ رُوبیل از خود دیارِ مصر میں رہ گیا تھا تا کہ وہ امر الٰہی کا انتظار کرے اور اس کا والد اسے خوشی سے واپس آنے کی اجازت دے دے یا کسی خفیہ طریقے سے اپنے بھائی کو حاصل کر کے واپس لے جانے میں کامیاب ہو جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ ﴾ ''شاید کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے۔'' یعنی میرے حال کو جانتا ہے۔ ﴿ الْحَكِيْمُ ﴿83﴾ ﴾ ''(اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی اس کے تمام افعال اور قضا و قدر کے فیصلے حکمت پر مبنی ہیں۔ ﴿ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ ''اور وہ ان سے پھرا اور بولا: ہائے افسوس یوسف پر!'' یعنی اپنے بیٹوں سے منہ موڑ لیا اور یوسف کے بارے میں ان کا وہی پرانا غم تازہ ہو گیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى

[1] تفسیر الطبری: 51/13.

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ

اے میرے بیٹو! تم جاؤ اور یوسف اوراس کے بھائی کو ڈھونڈو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ کی رحمت

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿87﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا

سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں ﴿87﴾ پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل و عیال

وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم ناقص پونجی لائے ہیں، چنانچہ آپ ہمیں پورا ماپ دیں اور ہم پر صدقہ خیرات کریں، یقیناً اللہ صدقہ

يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿88﴾

خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے ﴿88﴾

يُوْسُفَ ﴾ ''ہائے افسوس یوسف پر!'' اب ان دونوں بیٹوں کے غم نے بھولے ہوئے پہلے غم کی یادیں تازہ کر دیں۔

عبدالرزاق نے ثوری از سفیان عُصفُری کی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ اس امت کے سوا کسی اور امت کو غم کے موقع پر ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (البقرۃ2:156) پڑھنا نہیں سکھایا گیا۔ دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس شدید غم کے موقع پر یہ الفاظ نہیں پڑھے بلکہ یہ کہا: ﴿ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿84﴾ ﴾ ''ہائے افسوس یوسف پر! اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں تو وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔''[1] قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شدت غم کے باعث آپ نے خاموشی اختیار فرمالی اور مخلوق میں سے کسی کے پاس اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔[2] اور ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿84﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ آپ انتہائی غمگین اور افسردہ خاطر رہتے تھے۔[3]

بیٹوں کا باپ سے اظہارِ ہمدردی: اس وقت باپ کی یہ حالت دیکھ کر ان کے بیٹوں پر بھی رقت طاری ہوگئی اور انھوں نے ازراہِ نرمی وشفقت کہا: ﴿ تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ ﴾ ''اللہ کی قسم! آپ سدا یوسف کو یاد کرتے رہیں گے۔'' اگر آپ یوسف کو (اسی طرح) یاد کرتے رہے، یعنی اس قدر تسلسل کے ساتھ یاد ﴿ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا ﴾ ''یہاں تک کہ آپ (غم میں گھل کر) مرنے کے قریب ہو جائیں گے''، یعنی ضعف و ناتوانی میں مبتلا ہو جائیں گے، ﴿ اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' اگر آپ کی یہی حالت رہی تو ہمیں ڈر ہے کہیں آپ جان ہی سے نہ گزر جائیں۔

بیٹوں کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ''میں تو اپنے غم و اندوہ کا شکوہ صرف اللہ ہی سے کرتا ہوں۔'' یعنی میں غم و فکر کی جس کیفیت میں مبتلا ہوں اس کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا ہوں۔ ﴿ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿86﴾ ﴾ ''اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔'' یعنی

---

[1] تفسیر عبدالرزاق: 222/2 ، رقم: 1333 وتفسیر الطبری: 53/13. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2187/7 وتفسیر الطبری: 54/13 نحوہ. [3] تفسیر الطبری: 53/13.

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿89﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ

اس نے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم نادان تھے ﴿89﴾ وہ بولے: کیا واقعی تو

يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ

ہی یوسف ہے؟ اس نے کہا: (ہاں) میں ہی یوسف ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ یقیناً اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بے شک جو

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿90﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا

شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿90﴾ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت

لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿91﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿92﴾

دی، اور بلاشبہ ہم ہی خطاکار تھے ﴿91﴾ یوسف نے کہا: تم پر آج کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے ﴿92﴾

اللہ تعالیٰ سے مجھے ہر خیر کی امید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف نے جو خواب دیکھا تھا وہ سچا ہے۔[1] اور اللہ تعالیٰ اسے ایک نہ ایک دن ضرور ظاہر کرے گا۔

تفسیر آیات: 88,87

یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ زمین میں پھیل جائیں اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی بنیامین کو تلاش کریں۔ یہاں تَحَسُّس (تلاش کرنا) کا لفظ استعمال ہوا ہے جو خیر کے کام تلاش کرنے کے لیے جبکہ تَجَسُّس (ڈھونڈنا) کا لفظ شر کے کام ڈھونڈنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے انھیں ترغیب اور بشارت دی اور حکم دیا کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، یعنی اپنے اس مقصود و مطلوب کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے اپنی امید کو منقطع نہ کریں کیونکہ اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔

بھائی، یوسف علیہ السلام کے دربار میں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ ''پھر جب وہ یوسف کے پاس داخل ہو گئے'' یعنی جب وہ مصر چلے گئے اور یوسف علیہ السلام کے ہاں داخل ہوئے تو ﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ ''کہنے لگے کہ عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی تکلیف پہنچی ہے۔'' یعنی قحط سالی اور قلت طعام کی وجہ سے۔ ﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ﴾ ''اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں۔'' یعنی کھانے پینے کا سامان خریدنے کے لیے ہمارے پاس سرمایہ تو ہے لیکن بہت قلیل۔ مجاہد، حسن اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اس کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ (انھوں نے کہا:) ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ ''چنانچہ آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجیے۔'' یعنی اس قلیل سرمایے کے ساتھ بھی ہمیں اتنا ہی غلہ دے دیجیے جتنا آپ ہمیں پہلے دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [فَأَوْقِرْ رِكَابَنَا وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا] ''آپ ہماری سواریوں کو

[1] تفسیر الطبری:60/13. [2] تفسیر الطبری:69/13.

غلے سے بھر دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے۔‘‘[1] ابن جریج نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آپ ہم پر خیرات کیجیے کہ ہمارا بھائی ہمیں واپس دے دیجیے۔[2] سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کسی نبی پر صدقہ حرام تھا؟ انھوں نے جواب دیا: کیا تم نے یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا: ﴿ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿88﴾ ﴾ ’’چنانچہ آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے، یقیناً اللہ خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔‘‘ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 89-92

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو اپنے بارے میں بتانا: اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان کے بھائیوں نے ان کے سامنے یہ ذکر کیا کہ انھیں بے حد تکلیف و مشقت، کھانے کی قلت اور شدید قحط سالی کا سامنا ہے تو آپ نے خیال فرمایا کہ آپ کے والد گرامی اپنے دو بیٹوں کے فراق کی وجہ سے کس قدر غم و اندوہ میں مبتلا ہوں گے جبکہ آپ (یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو مخاطب کیا۔) مالی فراوانی، خوشحالی اور حکومت و اقتدار کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور والد گرامی اور بھائیوں کے ساتھ رحمت و شفقت کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا، دل فگار اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمانے لگے: ﴿ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿89﴾ ﴾ ’’کیا تمھیں معلوم ہے کہ جب تم نادان تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔‘‘ یعنی یوسف اور ان کے بھائی میں کس طرح جدائی ڈال دی تھی اور تم اس وقت نادان تھے اور جہالت و نادانی نے تمھیں اس سنگین جرم کے ارتکاب پر آمادہ کر دیا تھا۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اب بھائیوں سے اپنا تعارف اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرایا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ان کی آمد کے پہلے دو موقعوں پر اپنے معاملے کو ان سے مخفی رکھا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ اور جب صورت حال بہت تنگ ہوگئی اور معاملے میں شدت پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس تنگی کو کشادگی سے بدل دیا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ ﴾ (الانشراح 94:5,6) ’’پھر بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات سن کر بھائی کہنے لگے: ﴿ ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ ﴾ ’’کیا تم ہی یوسف ہو؟‘‘ حضرت اُبیّ بن کعب نے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [أَوَ أَنْتَ يُوسُفُ] اور ابن محیصن نے: [إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ] پڑھا ہے۔[4] لیکن پہلی قراءت ہی زیادہ مشہور ہے کیونکہ استفہام استعظام (عظیم جاننے) پر دلالت کرتا ہے، یعنی انھیں اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ وہ دو سال سے بھی زیادہ عرصے سے ان کے پاس آ رہے ہیں اور انھوں نے انھیں نہ پہچانا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں پہچان لیا لیکن اپنے معاملے کو ان سے مخفی رکھا تھا، اس لیے انھوں نے استفہام کے انداز میں پوچھا: ﴿ ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ

---

[1] تفسیر الطبری: 68/13. [2] تفسیر الطبری: 72/13. [3] تفسیر الطبری: 71/13. [4] تفسیر الطبری: 73/13.

10 ع 14 4
اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾

تم میری یہ قمیص لے جاؤ، پھر اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے، اور تم اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ ﴿93﴾

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ

اور جب قافلہ (مصر سے) چلا تو ان کے باپ نے کہا: بے شک میں یوسف کی مہک پاتا ہوں اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو ﴿94﴾ (ان کے پاس موجود لوگ)

اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾

بولے: اللہ کی قسم! بلاشبہ آپ اپنی قدیم غلطی پر ہیں ﴿95﴾

﴿ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ ﴾ ''کیا تم ہی یوسف ہو؟ انھوں نے کہا: (ہاں!) میں ہی یوسف ہوں اور (بنیامین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے:) یہ میرا بھائی ہے۔''

عفوودرگزر کی درخشندہ مثال: فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ ﴾ ''یقیناً اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔'' یعنی لمبی جدائی اور عرصۂ دراز کے بعد ہمیں یکجا کر دیا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿90﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ ''یقیناً جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو بے شک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ بولے: اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت بخشی ہے۔'' انھوں نے آپ کے فضل وشرف، حسن وجمال، اخلاق، مالی خوشحالی، حکومت واقتدار بلکہ نبوت کا بھی اعتراف کیا اور اس بات کا بھی اقرار کیا کہ انھوں نے آپ سے برا سلوک کیا اور آپ کے حق میں بہت بڑی غلطی کی تھی۔ آپ نے فرمایا: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ ''آج کے دن تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں ہے۔'' آج کے بعد تم سے کوئی باز پرس ہوگی نہ تمھیں کوئی سرزنش کی جائے گی اور میرے ساتھ تم نے جو ناروا سلوک کیا اس کا آئندہ کبھی تم سے ذکر بھی نہیں کیا جائے گا، پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے ان کی مغفرت کے لیے دعا بھی فرمائی:

﴿ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿92﴾ ﴾ ''اللہ تم کو معاف کر دے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

تفسیر آیات:93-95

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرنا: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا: ﴿ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ ﴾ ''تم میری یہ قمیص لے جاؤ، پھر اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے۔'' حضرت یعقوب علیہ السلام کثرت سے رونے کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ ﴿ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾ ﴾ ''اور تم اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ۔'' یعنی یعقوب کے تمام بیٹوں کو میرے پاس لے آؤ۔ ﴿ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ ﴾ ''اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے'' اپنے ان بیٹوں سے جو ان کے پاس موجود تھے: ﴿ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''بے شک اگر تم مجھ سے یہ نہ کہو کہ بہک گیا ہے تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔'' یعنی اگر مجھے کم عقل اور بوڑھا نہ سمجھو۔

امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب قافلہ روانہ ہوا تو ہوا چل پڑی اور اس ہوا

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

پھر جب بشارت دینے والا آیا، اس نے وہ (قمیص) اس کے چہرے پر ڈالی تو وہ (یعقوب) پھر سے بینا ہو گیا، اس (یعقوب) نے کہا: کیا میں نے تم

لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا

سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿96﴾ انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! ہمارے لیے ہمارے

ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِــِٕيْنَ ﴿97﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

گناہوں کی مغفرت مانگیں، بے شک ہم ہی خطا کار تھے ﴿97﴾ اس (یعقوب) نے کہا: عنقریب میں اپنے رب سے تمھارے لیے مغفرت مانگوں گا،

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿98﴾

بے شک وہی خوب بخشنے والا (اور) خوب رحم کرنے والا ہے ﴿98﴾

نے حضرت یعقوب علیہ السلام تک حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کو پہنچا دیا تو فرمایا: ﴿ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''بے شک اگر تم مجھ سے یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔'' اور اس طرح انھوں نے آٹھ دن کی مسافت سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو کو محسوس کر لیا۔[1] سفیان ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ وغیرہ نے بھی ابوسنان سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اگر تم مجھے بیوقوف قرار نہ دو۔[3] مجاہد اور حسن رحمہما اللہ نے اس کے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا بوڑھا نہ سمجھو۔[4] مگر انھوں نے یہ سن کر کہا: ﴿ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾ ﴾ ''بلاشبہ آپ اپنی قدیم غلطی میں ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ابھی تک اپنی قدیم غلطی میں مبتلا ہیں۔[5] قتادہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یوسف علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کو اس قدر محبت تھی کہ اسے ابھی تک نہ بھولے تھے اور نہ ہی غم کو دور کر سکے تھے۔ بہر حال انھوں نے اپنے باپ سے بہت سخت بات کہی تھی، انھیں زیب نہیں دیتا تھا کہ اپنے والد اور اللہ کے نبی سے اس انداز میں بات کرتے۔ سدی وغیرہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[6]

تفسیر آیات:96-98

یہوذا قمیص لے کر پہنچ گیا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا ہے کہ اس آیت میں بشیر کے معنی قاصد کے ہیں۔[7] مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے یہ ڈاک لانے والا ان کا اپنا بیٹا یہوذا ہی تھا۔[8] سدی نے لکھا ہے کہ یہوذا قمیص لے کر اس لیے آیا کیونکہ یہی وہ شخص تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی اس قمیص کو لے کر آیا تھا جس پر جھوٹ موٹ کا

① تفسیر عبدالرزاق:224/2، رقم:1343. ② تفسیر الطبری:77,76/13. ③ تفسیر الطبری:79,78/13. ④ تفسیر الطبری:81,80/13. ⑤ تفسیر الطبری:82/13. ⑥ تفسیر الطبری:82/13. ⑦ تفسیر الطبری:83/13 . ⑧ تفسیر الطبری:83/13.

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا: تم مصر میں داخل ہو جاؤ دراں حالیکہ تم امن سے ہو، اگر

اٰمِنِيْنَ ﴿99﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

اللہ نے چاہا ﴿99﴾ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا، اور سب اس کے آگے سجدے میں گر گئے اور یوسف نے کہا: اے میرے ابا جان!

مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ

یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے۔ بلاشبہ میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے، اور تحقیق اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید سے نکالا

مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا

اور تمھیں دیہات سے (یہاں) لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے (ورغلا کر) میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی تھی، بے شک

يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿100﴾

میرا رب نہایت باریک بینی سے جو چاہے تدبیر کرتا ہے، بے شک وہی علیم و حکیم ہے ﴿100﴾

خون لگایا گیا تھا اور اب اس طرح گویا اس جرم کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا، اس لیے اب بھی وہی یوسف علیہ السلام کی قمیص کو لے کر آیا جسے اس نے جب اپنے باپ کے چہرے پر ڈالا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔[1] تب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ ﴾ ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟'' یعنی میں یہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور یوسف سے ملاقات کرائے گا اور میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ﴿ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''بے شک اگر تم یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔''

برادرانِ یوسف کی ندامت: اس وقت انھوں نے اپنے باپ کے سامنے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿97﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿98﴾ ﴾ ''اے ہمارے ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت مانگیے، بے شک ہم ہی خطا کار تھے۔ انھوں نے کہا کہ عنقریب میں اپنے پروردگار سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یعنی جو اس کے حضور توبہ کرے وہ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم تیمی، عمرو بن قیس اور ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ نے سحری کے وقت تک ان کے لیے دعا کو مؤخر کر دیا تھا (کیونکہ سحری کا وقت دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہے۔)[2]

تفسیر آیات: 100,99

والدین کا استقبال: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آمد اور بلادِ مصر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازنے کا ذکر فرمایا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ تم تمام اہل وعیال

① تفسیر الطبری: 83/13 نحوہ۔ ② تفسیر الطبری: 85/13۔

کو میرے پاس لے آؤ تو اس پیغام پر سب نے رخت سفر باندھ لیا اور بلاد کنعان سے بلادِ مصر روانہ ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اس قافلے کے پہنچ جانے کی خبر ملی تو آپ استقبال کے لیے شہر سے باہر تشریف لے آئے، بادشاہ نے بھی تمام امراء واکابر کو یہ حکم دے دیا تھا کہ وہ بھی یوسف علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کا استقبال کریں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خود بادشاہ بھی استقبال کے لیے باہر آیا تھا اور یہی بات قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴾ ''اور کہا کہ تم مصر میں داخل ہو جاؤ، اللہ نے چاہا تو امن سے (رہو گے۔)''

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات اس وقت کہی جب وہ سب مصر میں پہنچے اور انھیں اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ ،یعنی اب مصر میں امن وسکون کے ساتھ رہو کہ اب تکلیف، پریشانی اور قحط کی مصیبت کا دور گزر چکا ہے۔

یوسف علیہ السلام اپنے والدین کو تخت پر بٹھاتے ہیں: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ ﴾ ''اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی۔'' سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ والدین سے مراد یوسف علیہ السلام کے والد گرامی اور خالہ ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ تو بہت عرصہ پہلے وفات پا گئی تھیں۔[1] محمد بن اسحاق اور ابن جریر نے لکھا ہے کہ آپ کے والد اور والدہ دونوں ہی زندہ تھے۔ اور بقول ابن جریر اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ آپ کی والدہ فوت ہو گئیں تھیں، قرآن مجید سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی حیات تھیں۔[2] امام ابن جریر کی اس بات کی تائید قرآن مجید کے سیاق سے بھی ہو رہی ہے: ﴿ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس کے یہی معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔[3]

خواب کی سچی تعبیر: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ ''اور سب اس (یوسف) کے آگے سجدے میں گر پڑے۔'' یعنی آپ کے والدین اور باقی بھائی جو تعداد میں گیارہ تھے، آپ کے آگے سجدے میں گر گئے۔ ﴿ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اور (اس وقت یوسف نے) کہا: اے میرے ابا جان! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے۔'' اور ان الفاظ میں اپنے باپ سے بیان کیا تھا: ﴿ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا ﴾ (یوسف 4:12) (جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔)

کیا تعظیمی سجدہ شریعت محمدیہ میں جائز ہے؟ ان کی شریعت میں یہ بات جائز تھی کہ وہ جب کسی بڑے انسان کو سلام کرتے تو اس کے لیے سجدۂ تعظیمی بجا لاتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت تک یہ جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں اسے حرام قرار دے دیا گیا ہے اور سجدے کو صرف اور صرف رب سبحانہ وتعالیٰ کی ذات گرامی کے

---

[1] تفسیر الطبری :89/13 وتفسیر ابن أبي حاتم:2201,2200/7. [2] تفسیر الطبری:88/13. [3] تفسیر الطبری : 89,88/13.

لیے خاص قرار دے دیا گیا ہے۔ امام قتادہ اور دیگر ائمہ تفسیر رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کا بھی یہی خلاصہ ہے۔ ①

حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا واپسی پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا: [مَا هٰذَا يَا مُعَاذُ؟] ''اے معاذ! یہ کیا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، آپ نے فرمایا: [لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا] ، [لِعِظَمِ حَقِّهٖ عَلَيْهَا] ''اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے کیونکہ شوہر کا اپنی بیوی پر بہت زیادہ حق ہے۔'' ②

غرضیکہ ان کی شریعت میں یہ سجدہ جائز تھا، اسی لیے وہ یوسف علیہ السلام کے لیے سجدے میں گر گئے (جبکہ شریعت محمدی میں اس طرح کا سجدۂ تعظیمی بھی حرام ہے بلکہ کسی دوسرے انسان کے سامنے جھکنا بھی جائز نہیں ہے۔)

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ﴾ ''اے میرے ابا جان! یہ ہے تعبیر میرے پہلے کے خواب کی، میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا ہے۔'' اور یہ ہے میرے معاملے کا انجام اور معاملے کے انجام ہی کو تعبیر قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ (الأعراف 53:7) ''کیا (یہ) لوگ اس کے وقوع کے منتظر ہیں جس دن اس کا انجام آئے گا؟'' یعنی ان لوگوں سے خیر و شر کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ قیامت کے دن پورا ہو جائے گا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ﴾ ''تحقیق میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا ہے۔'' یعنی خواب کو اس نے صحیح اور سچ ثابت کر دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ ﴾ ''اور تحقیق اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے جیل سے نکالا اور تمھیں گاؤں سے (یہاں) لایا۔'' یعنی جنگل سے۔ ابن جریج وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے لوگ بادیہ نشین تھے اور مال مویشی پال کر گزارہ کیا کرتے تھے۔ ③ اور سرحدِ شام پر فلسطین کے علاقے عَرَبات میں رہتے تھے۔ ④

﴿ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ﴾ ''اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔ بے شک میرا پروردگار باریک بینی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' یعنی جب

---

① تفسیر الطبری:90/13 و تفسیر البغوی:515/2. ② پہلا حصہ [ماهذا يا معاذ؟] سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث:1853 ، دوسرا حصہ جامع الترمذی، الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج على المرأة، حديث: 1159 اور تیسرا حصہ مجمع الزوائد، علامات النبوة، باب فی معجزاته......:556/8، حدیث:14153 و الترغيب والترهيب، النكاح وما يتعلق......، ترغيب الزوج في الوفاء......:675,674/2، حدیث:2893 کے مطابق ہے۔ ③ تفسیر الطبری: 94/13. ④ تفسیر الطبری:93/13.

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ

اے میرے رب! تحقیق تو نے مجھے کچھ حکومت دی ہے اور مجھے باتوں (خوابوں) کی تعبیر سکھائی ہے، اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو

وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿101﴾

ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا ﴿101﴾

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ

یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، یہ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس نہیں تھے جب انھوں نے اپنی ایک بات

يَمْكُرُوْنَ ﴿102﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ وَمَا تَسْـَٔــلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ

پر اتفاق کیا تھا اور وہ مکر کر رہے تھے ﴿102﴾ اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ حرص کریں، ایمان لانے والے نہیں ﴿103﴾ اور آپ اس (تبلیغ) پر ان (مشرکین مکہ)

11 ع 11 5 اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ ع

سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے ﴿104﴾

وہ کسی کام کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما کر اسے آسان بنا دیتا ہے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ﴾ ''بے شک وہی نہایت علم والا ہے۔'' اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿الْحَكِيْمُ ﴿100﴾﴾ ''نہایت حکمت والا ہے۔'' اس کے تمام اقوال وافعال، قضاوقدر سے متعلق اس کے تمام فیصلے اور اس کے تمام اختیارات اور ارادے حکمت پر مبنی ہیں۔

تفسیر آیت:101

اسلام پر خاتمے کی دعا اور ایک اشکال کا جواب: یہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی دعا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے والدین اور اپنے بھائیوں سے ملا کر ان پر اپنی نعمتوں کا اتمام فرما دیا اور نبوت وحکومت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے اپنے رب تعالیٰ سے یہ دعا کی: اے اللہ! جس طرح تو نے مجھے دنیا میں اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اسی طرح آخرت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں سے بھی شادکام فرمانا اور جب دنیا سے اٹھانا تو حالتِ اسلام میں اٹھانا، یہ امام ضحاک کا قول ہے۔[1] اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔ نیک بندوں سے مراد ان کے بھائی انبیائے کرام اور مرسلین عظام علیہم السلام ہیں۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا عین اپنی وفات کے وقت کی ہو جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت اپنی انگلی اوپر اٹھاتے اور یہ دعا فرماتے تھے: [(اَللّٰهُمَّ) فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى] ''اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ (انبیاء وصالحین) کے ساتھ ملا دے۔'' یہ تین مرتبہ فرمایا۔[2] اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انھوں نے یہ دعا اپنی زندگی ہی میں کی ہو کہ جب ان کے لیے پیغامِ اجل آئے اور پیمانۂ عمر لبریز

① تفسير الطبري:96/13. ② صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب، حديث:3669 وصحيح مسلم، السلام، باب استحباب رقية المريض، حديث:2191، البتہ [اللّٰھم] کے لیے دیکھیے صحیح البخاري، حديث:6348.
اور یہ دونوں احتمالات دراصل اس اعتراض کا جواب ہیں کہ موت کی دعا کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انھیں اسلام پر فوت کرے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔

تفسیر آیات:102-104

یہ واقعات وحی الٰہی میں سے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جب اپنے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور برادرانِ یوسف کا یہ قصہ سنایا اور بتایا کہ اس نے کس طرح اپنے بندے یوسف علیہ السلام کو رفعت و سربلندی عطا فرمائی، فتح و نصرت سے نوازا اور حکومت و اقتدار سے سرفراز فرمایا، حالانکہ ان کے بھائیوں نے ان سے بہت برا سلوک کیا اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ ان تمام حالات و واقعات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ﴾ ”یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔“ اور یہ واقعات ہم آپ ہی کو سکھاتے ہیں کیونکہ ان میں آپ اور آپ کے مخالفین کے لیے عبرت و نصیحت کے بہت سے سامان ہیں۔

نبی علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر نہیں: ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ ﴾ ”آپ ان کے پاس تو نہ تھے“ یعنی وہاں حاضر اور موجود نہ تھے، ﴿ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ﴾ ”جب انھوں نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا“ کہ یوسف کو اندھے کنویں میں ڈال دیں۔ ﴿ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾ ﴾ ”اور وہ فریب کر رہے تھے۔“ لیکن ہم نے آپ کی طرف وحی بھیج کر اور قرآن نازل کر کے اس واقعے سے آپ کو مطلع کیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ ...... ﴾ الآية (آل عمران 3:44) ”اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے، آپ ان کے پاس نہیں تھے......“ اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿﴾ ﴾ (القصص 28:44) ”اور آپ اس وقت (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور نہ ہی آپ حاضر ہونے والوں میں سے تھے۔“ ﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ (القصص 28:46) ”اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا بلکہ (آپ کا بھیجا جانا) آپ کے پروردگار کی رحمت ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿﴾ ﴾ (القصص 28:45) ”اور نہ ہی آپ مدین والوں میں رہنے والے تھے کہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے۔ ہاں، ہم ہی تو پیغمبر بھیجنے والے تھے۔“

اکثریت کیسے لوگوں کی ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماضی کے ان واقعات سے اس لیے مطلع فرمایا ہے کہ ان میں لوگوں کے لیے عبرت بھی ہے اور دین و دنیا کی نجات کا سامان بھی لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائے: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ ﴾ ”اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“ اور اسی وجہ سے فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ (الأنعام 6:116) ”اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر آپ ان کا کہنا

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿105﴾

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ وہ ان پر سے گزرتے ہیں اور ان سے بے دھیانی کرتے ہیں ﴿105﴾ اور ان کے اکثر اللہ پر (اس طرح)

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿106﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

ایمان لاتے ہیں کہ وہ مشرک ہی ہوتے ہیں ﴿106﴾ کیا پھر وہ بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب کی کوئی آفت آئے، یا اچانک ان پر قیامت

عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿107﴾

آ جائے، اور انھیں خبر بھی نہ ہو ﴿107﴾

مان لیں گے تو وہ آپ کو اللہ کا رستہ بھلا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:8) ''کچھ شک نہیں کہ اس میں (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے مگر وہ اکثر ایمان والے نہیں ہیں۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ ﴾ ''اور آپ ان سے اس (خیر خواہی) کا کچھ صلہ بھی نہیں مانگتے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ ان سے اس ہمدردی و خیر خواہی اور رشد و بھلائی کی اس دعوت کا کوئی صلہ بھی تو نہیں مانگتے بلکہ آپ یہ تمام کام اس کی رضا کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے سے سرانجام دے رہے ہیں۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''یہ (قرآن) تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔'' یعنی وہ اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کر کے دنیا و آخرت کی نجات کے طلب گار بن جائیں۔

تفسیر آیات: 105-107

لوگوں کا نشانیوں پر غور نہ کرنا: اللہ تعالیٰ نے اکثر لوگوں کی غفلت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور توحید کے ان دلائل پر غور نہیں کرتے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمایا ہے، مثلاً: چمکتے دمکتے نجوم و کواکب، ستارے اور سیارے، گردش کرتے ہوئے افلاک، زمین کے مختلف قطعات، سرسبز و شاداب باغات، مضبوط و مستحکم پہاڑ، رواں دواں دریا و سمندر اور ان کی تلاطم خیز موجیں، بڑے بڑے صحرا اور جنگل اور بے شمار زندہ و مردہ چیزیں، حیوانات، نباتات، شکلوں اور صورتوں میں ملتے جلتے مگر ذائقوں، خوشبوؤں، رنگوں اور فوائد کے اعتبار سے مختلف انواع و اقسام کے پھل۔ پس پاک ہے وہ ذات گرامی جو واحد ہے، تمام مخلوقات کا خالق ہے، صرف اس کی ذات پاک کے لیے بقا و دوام ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے، اسماء و صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿106﴾ ﴾ ''اور وہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آسمانوں کو کس نے پیدا کیا؟ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے پیدا

کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ [1] مجاہد، عطاء، عکرمہ، شعبی، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ [2] صحیح حدیث میں ہے کہ مشرکین اپنے تلبیے میں یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ...... إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرے لیے ہے، اس کا بھی تو ہی مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی (تو ہی مالک ہے)۔'' [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمٰن 31:13) ''بے شک شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔'' اور یہی شرک اعظم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کی جائے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''تم کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔'' [4] امام حسن بصری رحمہ اللہ آیت کریمہ: ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ منافق لوگ ہیں جو لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں اور اس دکھاوے اور ریا کاری کی وجہ سے مشرک بن جاتے ہیں۔ [5] ان کا اشارہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرف ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (النسآء 4:142) ''بے شک منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے؟) وہ انھی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے اٹھنے لگتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر اٹھتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

شرک کی ایک مخفی صورت: شرک کی ایک بہت مخفی صورت بھی ہے کہ اس کے کرنے والے کو یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے جیسا کہ حماد بن سلمہ نے عاصم بن ابوالنجود سے اور انھوں نے عروہ [6] سے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کے پاس گئے تو آپ نے اس کے بازو پر ایک تسمہ بندھا ہوا دیکھا، آپ نے اسے توڑ دیا اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ ''اور وہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔'' [7] اور حدیث میں ہے: [مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ] ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔'' اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا اور حسن قرار دیا ہے۔ [8] اور اس حدیث

---

[1] تفسير الطبري: 100/13. [2] تفسير الطبري: 103,102/13. [3] صحيح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، حديث: 1185. [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ (البقرة 2:22)......، حديث: 7520 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح ......، حديث: 86. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 2208,2207/7. [6] انھیں عزرہ بھی کہا جاتا ہے، دیکھیے تقریب التهذيب: 19/2. [7] تفسير ابن أبي حاتم: 2208/7. [8] جامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في أن من حلف بغير الله فقد أشرك، حديث: 1535.

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے، میں (تمھیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ جنھوں نے میری اتباع کی، بصیرت پر ہیں۔ اور اللہ

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿108﴾

پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ﴿108﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں ہے جسے امام احمد اور ابوداود وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ] ''بلاشبہ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور باہمی محبت پیدا کرنے کے لیے تعویذ وغیرہ لینا شرک ہے۔''① اور امام احمد اور ابوداود کی ایک دوسری روایت میں ہے: [اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَّمَا مِنَّا إِلَّا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ] ''بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے ہر ایک کے دل میں بدشگونی پیدا ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اسے دور فرما دیتا ہے۔''②

مشرکوں کو تنبیہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ ......﴾ الآیۃ ''کیا یہ اس (بات) سے بے خوف ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر ان کو ڈھانپ لے......'' یعنی آیا یہ مشرک اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ عذابِ الٰہی نازل ہو کر ان کو اس طرح ڈھانپ لے کہ عذاب کی آمد کا انھیں علم ہی نہ ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (النحل 16:45-47) ''کیا جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب آ جائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو یا وہ ان کو نقل و حرکت کرتے پکڑ لے، تو وہ اس (اللہ) کو عاجز نہیں کر سکتے، یا جب ان کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے۔ پس بے شک آپ کا پروردگار بہت شفقت کرنے والا (اور) نہایت مہربان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ۝ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 7:97-99) ''کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں؟ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر کا ڈر نہیں

① سنن أبي داود، الطب، باب في تعليق التمائم، حديث:3883 و سنن ابن ماجه، الطب، باب تعليق التمائم، حديث: 3530 و مسند أحمد:381/1 واللفظ له. ② سنن أبي داود، الكهانة والتطير، باب في الطيرة، حديث:3910 و مسند أحمد:389/1 واللفظ له عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، البتہ یہ الفاظ: [ومامنا...... بالتوكل] بہت سے ائمہ حدیث نے مدرج قرار دیے ہیں، یعنی یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ ہیں۔ دیکھیے فتح الباري:213/10، حدیث:5754 کے ذیل میں اور مسند أحمد (الموسوعة الحديثية):214/6.

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی ؕ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ

اور آپ سے پہلے ہم نے مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے (اور) وہ بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔ کیا پھر وہ

فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا ؕ

زمین میں نہیں چلے پھرے کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے، اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟ ﴿۱۰۹﴾

رکھتے؟ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔''

تفسیر آیت :108

رسول اللہ ﷺ کا رستہ، طریقہ اور سنت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو، جنھیں اس نے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے، مخاطب کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ آپ کا رستہ، یعنی طریقہ، مسلک اور سنت یہ ہے کہ آپ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور آپ یہ دعوت الی اللہ بصیرت، یقین اور برہان کی بنیاد پر دیتے ہیں۔ اور جو شخص بھی آپ کی پیروی کرے، آپ نے اس کے سپرد بھی یہ کام کیا ہے کہ وہ بھی اسی بات کی طرف دعوت دے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے بصیرت و یقین اور برہانِ عقلی و شرعی کے ساتھ دعوت دی تھی۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ پاک ہے۔'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کو منزہ پاک، جلیل، عظیم اور مقدس سمجھتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، عدیل، ساجھی، بیٹا، باپ، بیوی، وزیر یا مشیر ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ان تمام باتوں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ○﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:44) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں، سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بہت حوصلے والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔''

تفسیر آیت :109

تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر اور مرد تھے: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے تمام کے تمام انبیاء کو مردوں میں سے ہی بھیجا ہے کسی بھی عورت کو اس نے نبیہ نہیں بنایا جیسا کہ اس آیت کریمہ کے سیاق سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنات بنی آدم میں سے کسی بھی عورت کی طرف وحی تشریع نہیں بھیجی۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے، شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمہ اللہ نے بھی اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک بیان کیا ہے کہ عورتوں میں سے کوئی نبیہ نہیں ہوئی۔ ہاں، البتہ کئی عورتیں مقام صدیقیت پر ضرور فائز تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اشرف ترین خاتون حضرت مریم بنت عمران کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّیۡقَةٌ ؕ کَانَا

يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط (المآئدۃ 5:75) ''مسیح ابن مریم تو ایک رسول ہی ہیں، تحقیق ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ صدیقہ (نہایت راست باز) تھیں، وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے سب سے بلند مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مقامِ صدیقیت پر فائز تھیں اگر وہ نبیہ ہوتیں تو ان کے مقام شرف وعظمت کے تذکرے میں ان کے مقام نبوت پر فائز ہونے کو بیان کیا جاتا مگر نص قرآن کی روشنی میں آپ نبیہ نہیں بلکہ صدیقہ (ولیہ) تھیں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا ﴾ ''اور ہم نے آپ سے پہلے مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے تھے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان کا تعلق آسمان والوں سے نہیں تھا جیسا کہ تم کہتے ہو۔[1] (بلکہ ان کا تعلق تو اہل زمین سے تھا، یعنی وہ فرشتے نہیں بلکہ انسان تھے۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی تائید حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط ﴾ (الفرقان 25:20) ''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، بلاشبہ وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔'' نیز فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 21:8،9) ''اور ہم نے ان (نبیوں) کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے، پھر ہم نے ان کے بارے میں (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا، چنانچہ انھیں اور جس کو ہم نے چاہا نجات دی اور ہم نے حد سے نکل جانے والوں کو ہلاک کر دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 46:9) ''کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ط ﴾ ''بستیوں کے رہنے والوں میں سے۔'' بستیوں سے یہاں شہر مراد ہیں یہ مراد نہیں کہ وہ کوئی بادیہ نشین یا دیہاتی لوگ تھے جو طبیعت اور اخلاق کے اعتبار سے بہت درشت ہوتے ہیں۔

سابقہ لوگوں سے عبرت حاصل کی جائے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا پھر وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟'' یعنی جنھوں نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی تکذیب کی ہے۔ ﴿ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط ﴾ ''پس وہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا۔'' یعنی ان قوموں کا جنھوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی تھی ان کا انجام کیا ہوا، اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح (کا عذاب) ان کافروں کو ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ ...... ﴾ الآیة (الحج 22:46) ''کیا پھر وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ جن سے سمجھ سکتے ......'' یعنی جب انھوں نے یہ خبر سنی تو انھیں اس حقیقت کو جان لینا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہلاک کر دیا تھا اور اپنے مومن بندوں ہی کو اس نے نجات عطا

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2210/7.

حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ

حتی کہ جب رسول مایوس ہوگئے اور وہ (لوگ) گمان کرنے لگے کہ انھیں خلاف واقعہ خبر دی گئی ہے تو ان (انبیاء و رسل) کے پاس ہماری مدد آپہنچی، پھر

نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾

نجات ملی اسے جسے ہم نے چاہا اور مجرم قوم سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جاتا ﴿۱۱۰﴾

فرمائی تھی اور اپنی مخلوق کے بارے میں اس کی ہمیشہ یہی سنت رہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ﴾ ”اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔“ یعنی جس طرح ہم نے دنیا کی زندگی میں اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرمائی، اسی طرح آخرت میں بھی ہم نے ان کے لیے نجات لکھ دی ہے جو کہ دنیا کی نجات سے بھی بدرجہا بہتر ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۙ۝ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝﴾ (المؤمن 52,51:40) ”یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی،) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔“

یہاں گھر کی اضافت آخرت کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ ﴾ ”اور آخرت کا گھر“ جیسے کہا جاتا ہے: صَلَاةُ الْأُولٰی ”پہلی نماز“ مَسجِدُ الْجَامِعِ ”جامع مسجد“ عَامُ الْأَوَّلِ ”پہلا سال“ بَارِحَةُ الْأُولٰی ”پہلی رات“ یَوْمُ الْخَمِیسِ ”جمعرات کا دن۔“

تفسیر آیت :110

انبیائے کرام علیہم السلام کو مشکل اوقات میں نصرت سے نوازا جاتا تھا: اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا ہے کہ مشکل حالات اور نازک اوقات میں اس کی طرف سے اس کے رسولوں علیہم السلام پر فتح و نصرت نازل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرة 214:2) ”اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا دیے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے، (سب) پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔“

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كُذِبُوْا ﴾ میں دو قراءتیں ہیں: [1] ایک تشدید کے ساتھ [قَدْ كُذِّبُوا] ہے، اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی طرح پڑھا کرتی تھیں۔ امام بخاری نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ یہ لفظ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ ہے یا [كُذِّبُوا؟] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ [كُذِّبُوا] (تشدید کے ساتھ) ہے۔ میں نے عرض کی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو تو یقین تھا کہ ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی ہے تو پھر ظن کا

---

[1] ان دونوں قراءتوں کا مطلب سامنے رکھنا بعد والی عبارت سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا، لہٰذا [كُذِّبُوا] کا مطلب ہے ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو جھٹلایا گیا۔ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ کا مطلب ہے ان سے جھوٹ بولا گیا یا ان کے ساتھ خلاف واقعہ بات کی گئی۔

لفظ کیوں استعمال ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، میری عمر کی قسم! انھیں واقعی یقین حاصل تھا۔ (کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے) میں نے (دوبارہ) عرض کی: (شاید کہ) ﴿ وَظَنُّوٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ ''اور وہ خیال کرنے لگے کہ انھیں خلاف واقعہ خبر دی گئی ہے۔'' (کذبوا بغیر شد ہی کے) ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: مَعَاذَ اللّٰهِ! رسول اپنے رب کے ساتھ ایسا گمان نہیں کیا کرتے تھے (کہ ان کی نصرت کا وعدہ پورا نہیں ہو رہا، گویا ان کو خلاف واقعہ خبر دی گئی ہے۔) میں نے عرض کی: تو پھر اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد انبیائے کرام کے وہ پیروکار ہیں جو اپنے رب کے ساتھ ایمان لائے اور ان کی انھوں نے تصدیق کی مگر جب ابتلاء و آزمائش کا دور طول اختیار کر گیا اور فتح و نصرت کی آمد میں تاخیر ہوگئی ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ﴾ ''یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے۔'' یعنی اپنی قوم کے ان لوگوں سے جنھوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور رسولوں نے گمان یہ کیا کہ اب ان کے پیروکار بھی ان کی تکذیب کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس فتح و نصرت آ گئی۔[1]

عروہ نے کہا کہ میں نے عرض کی کہ لفظ تخفیف کے ساتھ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ تو نہیں ہے؟ تو فرمانے لگیں: مَعَاذَ اللّٰهِ![2]

ابن جریج نے کہا کہ مجھے ابن ابوملیکہ نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تخفیفاً ﴿ كُذِبُوْا ﴾ پڑھا ہے۔ عبداللہ بن ابوملیکہ نے بیان کیا کہ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام نے یہ گمان اس لیے کیا کہ پیغمبر بھی بشر تھے، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ ﴾ (البقرۃ2:214) ''یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے، سب پکار اٹھے کہ کب اللہ کی مدد آئے گی۔ دیکھو! بے شک اللہ کی مدد قریب (ہی آیا چاہتی) ہے۔''[3]

ابن جریج نے کہا ہے کہ مجھ سے ابن ابوملیکہ نے کہا کہ مجھے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ خبر دی ہے کہ انھوں نے اس رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ بھی فرمایا اس کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ وہ وعدہ بہر صورت پورا ہو کر رہے گا اور تادم واپسیں اس یقین سے سرشار رہے لیکن بات یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی ابتلاء و آزمائش میں مبتلا ہوتے رہے حتی کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے شاید ان کی تکذیب کر دی ہے۔ ابن ابوملیکہ نے حدیث عروہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ ان الفاظ کو [وَظَنُّوا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا] ''پڑھا کرتی تھیں، یعنی تشدید کے ساتھ باب تکذیب (تفعیل) سے۔[4]

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ﴾ (یوسف12:110)، حدیث:4695. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ﴾ (یوسف12:110)، حدیث:4696 یہ گزشتہ حدیث کی ایک اور سند سے الفاظ ہیں اور ان کا مقام وہاں ہے جہاں مذکورہ حدیث کے ترجمے میں قوسین میں ''شاید کہ'' کا اضافہ ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ...... ﴾ (یوسف12:7)، حدیث: 3389. [3] تفسیر الطبری:112/13. [4] تفسیر الطبری:113/13.

دوسری قراءت تخفیف کے ساتھ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ ہے اور اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ امام سفیان ثوری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ یہ لفظ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ بغیر شدّ کے ہے۔ یعنی وہ بات جسے آپ اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔ ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ جب رسول اس بات سے مایوس ہو گئے کہ قوم ان کی دعوت پر لبیک کہے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ رسول نے ان سے جھوٹ بولا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت ان کے شامل حال ہو گئی۔ ② ﴿ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ط ﴾ ''پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا۔''

ابن جریر نے ابراہیم بن ابوحُرّہ جزری سے روایت کیا ہے کہ ایک قریشی نوجوان نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کہ ابوعبداللہ! ان الفاظ: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ کو کس طرح پڑھا جائے کیونکہ میں جب ان الفاظ پر آتا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس سورت ہی کو نہ پڑھوں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ جب رسول اپنی قوم کی طرف سے تصدیق سے مایوس ہو گئے اور جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا انھوں نے یہ خیال کیا کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ جواب سن کر ضحاک بن مزاحم نے کہا: میں نے جیسا منظر آج دیکھا ہے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی اہل علم نے توقف کیا ہو، بہرحال آپ کا یہ جواب اس قدر صحیح تھا کہ اگر اس طرح کے جواب کے لیے یمن تک بھی سفر کرنا پڑے تو یہ سفر بہت کم ہوگا۔ پھر امام ابن جریر نے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ مسلم بن یسار نے سعید بن جبیر سے اس کے بارے میں سوال کیا تو پھر بھی انھوں نے یہی جواب دیا تھا، انھوں نے یہ جواب سنا تو کھڑے ہو کر سعید کو گلے لگا لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل کو دور فرمائے جیسا کہ آپ نے میری مشکل کو دور کر دیا ہے۔ ③ کئی ایک مختلف سندوں کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے۔ امام مجاہد بن جبر اور دیگر کئی ائمۂ سلف سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ④

یہ تفسیر کرنے والے پھر مختلف ہو گئے ہیں، ان میں سے بعض نے ﴿ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ کی ضمیر کا مرجع پیغمبروں پر ایمان لانے والے ان کے پیروکاروں کو قرار دیا ہے اور بعض نے اس کا مرجع کافروں کو قرار دیا ہے، یعنی کافروں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے کہ ان سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے، یعنی انھوں نے اسے تخفیف کے ساتھ [كَذَبُوا] پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام ابن جریر نے تمیم بن حَذلم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سنا کہ جب رسول اپنی قوم کے ان پر ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور جب معاملے میں تاخیر ہو گئی تو ان کی قوم نے گمان کیا کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے، یعنی انھوں

---

① تفسیر الطبری:13/112. ② تفسیر الطبری:13/108. ③ تفسیر الطبری:13/109,110. ④ تفسیر الطبری:

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ‌ؕ مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ

البتہ یقیناً ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) گھڑی ہوئی بات نہیں، بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز

الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ع 12/7/6

کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ﴿۱۱۱﴾

نے بھی اسے تخفیف کے ساتھ [کَذَبُوا] ہی پڑھا ہے۔ ①

تفسیر آیت : 111

عقل مندوں کے لیے عبرت : اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رسولوں کی اپنی قوم کے ساتھ اس خبر میں اور اس بات میں کہ ہم نے مومنوں کو کس طرح نجات دی اور کافروں کو کس طرح ہلاک کیا، ﴿ عِبۡرَةٌ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ‌ؕ ﴾ ”عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔“ ﴿ مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى ﴾ ”(یہ قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو۔“ یعنی یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل نہ فرمایا ہو اور اسے از راہ کذب وافترا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ ﴿ وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ ﴾ ”بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے۔“ یعنی اس سے پہلے آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں میں جو صحیح باتیں ہیں، قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے اور ان میں جو تحریف اور تغیر وتبدل رونما ہو چکا ہے اس کی نفی کرتا ہے، نیز سابقہ آسمانی کتابوں میں بیان کردہ احکام کو منسوخ قرار دیتا یا انھیں برقرار رکھتا ہے۔

﴿ وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ ﴾ ”اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔“ یعنی قرآن مجید میں حلال وحرام اور مستحب ومکروہ کی تفصیل موجود ہے، علاوہ ازیں اس میں طاعات، واجبات اور مستحبات کا حکم ہے، محرمات ومکروہات کی ممانعت ہے، واضح امور اور مستقبل کے اجمال وتفصیلی مخفی امور کی نشان دہی ہے، نیز اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء وصفات اور مخلوقات کی مشابہت سے اس کے پاک ہونے کا تذکرہ ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ﴾ ”اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“ یعنی مومنوں کے دل قرآن کی ہدایت سے سرشار ہو کر سرکشی سے رشد و بھلائی کی طرف اور ضلالت وگمراہی سے راستی کی طرف آ جاتے ہیں اور قرآن کے ساتھ وہ اپنے رب تعالیٰ سے دنیا وآخرت میں اس کی رحمت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ہم بھی اللہ رب ذوالجلال کے حضور دست بدعا ہیں کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں دنیا میں بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے اور آخرت کے دن میں بھی جب سفید، روشن اور تروتازہ چہرے کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہوں گے اور سیاہ چہرے ناکام ونامراد ہوں گے۔

سورۂ یوسف کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ.

① تفسیر الطبری: 111/13 تخفیف کے ساتھ ساتھ انھوں نے کُذِبُوا ”ان سے جھوٹ بولا گیا“ مجہول کے بجائے معروف کَذَبُوا ”انھوں نے جھوٹ بولا“ پڑھا ہے۔

تفسیر سورۂ رعد

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ

الٓمّٓرٰ، (اے نبی!) یہ کتاب کی آیات ہیں، اور جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا وہی حق ہے، اور لیکن اکثر

النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ①

لوگ ایمان نہیں لاتے ①

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ

اللہ وہ ذات ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان بلند کیے، تم انھیں دیکھتے ہو، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، اور سورج اور چاند کو کام

الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ

پر لگایا، ہر ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہا ہے۔ وہ کام کی تدبیر کرتا ہے، (اپنی) نشانیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے

بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ②

رب سے ملاقات پر یقین کر لو ②

تفسیر آیت :1

بعض سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں، ان کے بارے میں سورۂ بقرہ کے شروع میں تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ اور ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ سورت جسے حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے، اس میں قرآن مجید کی تائید و حمایت کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس بات میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے نازل فرمایا ہے، اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ ﴾ یہ کتاب الٰہی، یعنی قرآن مجید کی آیات ہیں، پھر اس پر عطف صفات ڈالتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ ﴾ ''اور جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔'' اے محمد (ﷺ!) ﴿ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ ﴾ ''آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔'' اس میں ﴿ الۡحَقُّ ﴾ عربی گرامر کے اعتبار سے خبر ہے اور اس کا مبتدا پہلے گزر چکا ہے جو یہ: ﴿ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ﴾ ہے۔

اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے: اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ (کتنی ہی) حرص کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' یعنی اس بیان، روشنی اور وضاحت کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے کیونکہ وہ مخالفت، دشمنی اور نفاق میں مبتلا ہیں۔

تفسیر آیت: 2

اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت اور عظیم سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کے اذن اور امر کے ساتھ بلند و بالا آسمان ستونوں کے بغیر کھڑے ہیں بلکہ اس نے اپنے اذن، امر اور تسخیر کے ساتھ انھیں زمین سے اس قدر دور فاصلے پر رکھا ہے کہ نہ اسے چھوا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی حدود کا ادراک ہوسکتا ہے۔ آسمانِ دنیا، زمین اور اس کے گردو پیش کے پانی اور ہوا کا اس کے تمام اطراف و جوانب سے احاطہ کیے ہوئے ہے اور چاروں طرف سے یکساں طور پر زمین سے بلند ہے اور ہر طرف سے آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر ہے اور اس کا اپنا قُطر بھی اتنا ہی ہے، پھر دوسرا آسمان ہے جو پہلے آسمان اور اس کی تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے، دونوں آسمانوں کے درمیان کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کی مسافت کا ہے اور اس کا اپنا قطر بھی پانچ سو سال کی مسافت کا ہے، الغرض! اسی طرح تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کا حال ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ط ...... ﴾ الآیۃ (الطلاق 12:65) ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ان کی مثل زمینیں بھی......''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ﴾ ''ستونوں کے بغیر تم انھیں دیکھتے ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ اور کئی ایک اہل علم سے مروی ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن نظر نہیں آتے۔[1] ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ آسمان زمین پر قبے کی طرح، یعنی بلا ستون ہے۔ قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] اور سیاق سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط ﴾ (الحج 65:22) ''اور وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پر (نہ) گرے۔'' سے بھی یہی ظاہر ہے، لہٰذا ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ ''تم انھیں دیکھتے ہو'' ستونوں کی نفی کی تاکید کے لیے ہے، یعنی آسمانوں کو ستونوں کے بغیر بلند کیا گیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور بلاشبہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے نہایت مناسب ہیں۔

استواء: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''پھر وہ عرش پر مستوی ہوا'' سورۂ اعراف میں استواء کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے[3] کہ اللہ ذوالجلال کی ذات گرامی عرش پر مستوی ہے، اس پر کیفیت بیان کیے بغیر، نیز تشبیہ، تعطیل اور تمثیل کے بغیر اسی طرح ایمان لایا جائے گا جیسا کہ قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عُلُوًّا كَبِيرًا.

---

[1] تفسیر الطبری: 122/13. [2] تفسیر الطبری: 123/13. [3] دیکھیے، آیت: 54 کے ذیل میں۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ

اور وہی ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں، اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے،

فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ③

وہ دن کو رات سے ڈھانپتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ③ اور زمین میں

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ

باہم ملے ہوئے قطعات ہیں، اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں ایک جڑ سے کئی تنوں والے اور ایک تنے

یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

والے، جو ایک ہی پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں، اور ہم ان کے بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں

لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ④

ان لوگوں کے لیے البتہ نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں ④

تسخیرِ شمس وقمر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ ''اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا، ہر ایک طے شدہ مدت کے لیے چل رہا ہے۔'' کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں چلتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے آنے سے ان کا خاتمہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ﴾ (یٰسٓ 38:36) ''اور سورج اپنے ٹھکانے (پر پہنچنے) کے لیے چلتا رہتا ہے۔'' یہ قول بھی ہے کہ اس سے مراد سورج اور چاند کا ٹھکانا ہے جو عرش کے نیچے اور دوسری طرف سے زمین کے بطن کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ سورج، چاند اور دیگر تمام کواکب جب یہاں پہنچتے ہیں تو اس وقت وہ عرش سے سب سے زیادہ دور ہوتے ہیں کیونکہ صحیح بات جو دلائل سے ثابت ہے یہ ہے کہ عرش قبہ ہے اس طرف سے جو عالم سے ملا ہوا ہے اور وہ باقی افلاک کی طرح محیط نہیں ہے، کیونکہ عرش الٰہی کے تو پائے بھی ہیں اور اس کے حاملین بھی ہیں جو اسے اٹھائے ہوئے ہیں اور گول فلک اس طرح نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس سلسلے میں وارد آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے واضح ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

شمس و قمر کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کیونکہ یہ ان ساتوں کواکبِ سیار میں سے سب سے زیادہ نمایاں ہیں جو تمام ثوابت (وہ کواکب جو سیار نہیں) میں سے اشرف و اعظم ہیں۔ جب ان کو اس نے مسخر کر رکھا ہے تو دیگر تمام کواکب تو بالاولیٰ اس کے قبضۂ تسخیر میں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝﴾ (حٰمٓ السجدة 37:41) ''تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم واقعی اس کی عبادت کرتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (الأعراف 54:7) ''اور اس نے سورج، چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا)، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں، دیکھو! سب

مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے، یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ ''وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔'' یعنی وہ ان آیتوں اور نشانیوں کو خوب کھول کھول کر بیان فرماتا ہے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مخلوق کو جب وہ چاہے گا دوبارہ اسی طرح پیدا کردے گا جس طرح اس نے اسے پہلی دفعہ پیدا فرمایا تھا۔

تفسیر آیات:4,3

زمین میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے پہلے عالم عُلوی کا ذکر کیا اور اب اس نے عالم سُفلی سے متعلق اپنی قدرت وحکمت اور اس کی مضبوطی واستحکام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ ﴾ ''اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا۔'' یعنی اسے وسعت دے کر طول وعرض میں پھیلا دیا، بلند وبالا پہاڑوں کے ساتھ اسے مضبوطی اور استحکام بخشا اور اس میں نہروں، ندیوں اور چشموں کا سلسلہ جاری فرما دیا تاکہ مختلف انواع واقسام کے رنگوں، شکلوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے ان پھلوں کے لیے پانی کا انتظام کیا جاسکے جنھیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا فرمایا ہے۔ ﴿ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ﴾ ''اور اس (زمین) میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں۔'' یعنی ہر شکل کے پھلوں کی دو دو قسمیں ہیں۔

﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ﴾ ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔'' یعنی اس نے ہر ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلا آتا ہے، یعنی رات جاتی ہے تو دن آجاتا ہے اور دن چلا جاتا ہے تو رات آجاتی ہے، یعنی جس طرح مقامات اور ان میں رہنے والوں میں اس کا ارادہ اور تصرف کارفرما ہے، اسی طرح زمانوں اور اوقات میں بھی اسی کا ارادہ اور تصرف ہی کارفرما ہے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ ''یقیناً غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، حکمتوں اور اس کے دلائل میں غور کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ﴾ ''اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے قطعات ہیں۔'' زمین کے ٹکڑے باہم ملے ہوئے ہیں اور ان میں سے کچھ زرخیز ہیں جن میں ایسی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو لوگوں کے لیے بہت منفعت بخش ہیں اور زمین کے کچھ ٹکڑے نمکین اور شورزدہ ہیں کہ ان میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک اور کئی ایک ائمۂ سلف سے اسی طرح مروی ہے۔[1] زمین کے ٹکڑوں کے رنگوں کا اختلاف بھی اس آیت میں داخل ہے، مثلاً: کسی مٹی کا رنگ سرخ ہے، کسی کا سفید، کسی کا پیلا، کسی کا سیاہ، اس طرح کوئی زمین پتھریلی ہے، کوئی میدانی ہے، کوئی ریتلی ہے، کوئی سخت ہے اور کوئی نرم مگر زمین کے یہ سارے ٹکڑے اپنی ان مختلف خصوصیات کے باوجود آپس میں ملے ہوئے ہیں، یہ سب باتیں اس فاعل مختار کے وجود گرامی پر دلالت کرتی ہیں جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

[1] تفسیر الطبری: 128,127/13.

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا عجیب تر ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم البتہ نئی پیدائش میں ہوں گے؟ یہی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اور یہی ہیں کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور یہی دوزخ والے ہیں،

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے⑤

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ ﴾ ''اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ وَزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ ﴾ کا عطف ﴿ وَّجَنّٰتٌ ﴾ پر ہو، تو اس صورت میں یہ دونوں لفظ مرفوع ہوں گے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ان کا عطف ﴿ اَعْنَابٍ ﴾ پر ہو تو اس صورت میں یہ مجرور ہوں گے، لہٰذا قراءت کے اماموں نے انھیں دونوں طرح پڑھا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ ﴾ ''بعض تنوں والے ہیں اور بعض کا صرف ایک تنا ہوتا ہے۔'' ﴿ صِنْوَانٌ ﴾ سے مراد وہ بہت سے تنے ہیں جو اگنے کی ایک ہی جگہ پر جمع ہو گئے ہوں، جیسے انار، انجیر اور کھجور کے بعض درختوں کے ہوتے ہیں اور بعض درختوں کے تنے اتنے نہیں ہوتے جیسے دیگر سارے درخت ہوتے ہیں، اسی محاورے کے مطابق آدمی کے چچا کو [صِنوُ أَبِيهِ] ''باپ کی مثل'' یعنی باپ کا سگا بھائی کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: [أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنوُ أَبِيهِ؟] ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔''①

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ ﴾ ''ایک ہی پانی سے سیراب کی جاتی ہیں اور ہم ان کے بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا ہے: [اَلدَّقَلُ وَالْفَارِسِيُّ، وَالْحُلْوُ، وَالْحَامِضُ] ''بعض کھجوریں بہت ردی قسم کی ہوتی ہیں اور بعض عمدہ قسم کی، بعض (پھل) میٹھے ہوتے ہیں اور بعض کھٹے۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔②

یعنی یہ اختلاف پھلوں اور فصلوں کی جنسوں، شکلوں، رنگوں، ذائقوں، پتوں اور پھولوں میں ہے کہ ایک پھل بے حد میٹھا ہے تو دوسرا بے حد کھٹا، ایک بہت کڑوا ہے تو دوسرا کسیلا، اور ایک بہت میٹھا تو دوسرا دونوں کا مرکب ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پھل کا ذائقہ دوسرے سے نہیں ملتا اور کسی کا رنگ زرد، کسی کا سرخ، کسی کا سفید، کسی کا سیاہ اور کسی کا نیلا ہوتا ہے اور اسی طرح پھولوں کی بھی مختلف شکلیں، مختلف رنگ اور مختلف خوشبوئیں ہیں، حالانکہ رنگوں، شکلوں، ذائقوں اور منافع کے اس بے حد اختلاف کے باوجود یہ سب کے سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، تو ان باتوں میں نصیحت حاصل کرنے والے کے

① صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فی تقدیم الزکاۃ ومنعھا، حدیث:983. ② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الرعد، حدیث:3118.

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ

اور وہ آپ سے بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب) جلدی چاہتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے (عذاب کی) مثالیں گزر چکی ہیں،

رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥

اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود البتہ انھیں بخشنے والا ہے، اور یقیناً آپ کا رب البتہ سخت سزا دینے والا ہے⑥

لیے قدرتِ الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں ہیں اور یہ اس فاعل ومختار حقیقی کی عظمت کی کتنی بڑی دلیل ہیں جس نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان مختلف اشیاء کو اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے، اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④ ﴾ ”یقیناً اس میں سمجھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔“

تفسیر آیت:5

حیات بعد الممات کا انکار عجیب وغریب نظریہ ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَعْجَبْ ﴾ ”اور اگر آپ تعجب کریں“ کہ یہ مشرک آخرت کی تکذیب کرتے ہیں، حالانکہ وہ مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور اس کے دلائل کو دیکھ رہے ہیں اور اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی جو چاہے اسے کرنے پر قادر ہے، یہ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمام اشیاء کو پہلی دفعہ پیدا فرمایا، حالانکہ پہلے ان کا کوئی ذکر تک نہ تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس بات کی تکذیب کرتے ہیں کہ وہ تمام عالم کو ایک نیا وجود عطا کر کے دوبارہ پیدا فرمائے گا، حالانکہ جس بات کی یہ تکذیب کر رہے ہیں اس سے زیادہ تعجب انگیز باتوں کا یہ خود مشاہدہ کر چکے ہیں، لہٰذا تعجب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نہیں بلکہ تعجب ان کی اس بات سے ہے: ﴿ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ ﴾ ”کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں از سر نو پیدا کیا جائے گا؟“ حالانکہ ہر عالم وعاقل کو یہ بات معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا تو لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑا کام ہے اور جس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (الأحقاف 46:33) ”کیا انھوں نے نہیں سمجھا کہ بے شک اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں! بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ ﴾ ”یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے منکر ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔“ جن کے ساتھ انھیں گھسیٹ کر جہنم رسید کر دیا جائے گا، ﴿ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤ ﴾ ”اور یہی اہل دوزخ ہیں وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔“

تفسیر آیت:6

کفار کا جلد عذاب طلب کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ ﴾ ''اور وہ آپ سے جلدی طلب کرتے ہیں۔'' یعنی تکذیب کرنے والے، ﴿ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ﴾ ''بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب۔)'' یعنی اپنی سزا کے طور پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ؕ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر15:6-8) ''اور (کفار) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص! جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے یقیناً تو تو دیوانہ ہے۔ اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا۔ ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے مگر حق کے ساتھ اور اس وقت ان (کفار) کو مہلت نہیں ملتی۔''

اور فرمایا: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:53،54) ''اور وہ لوگ آپ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں اور اگر (عذاب کا) وقت مقرر نہ ہوتا (تو) البتہ عذاب ان کے پاس آجاتا اور وہ اچانک ہی ان کے پاس ضرور آئے گا جبکہ وہ شعور نہیں رکھتے ہوں گے۔ وہ آپ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ ﴾ (المعارج70:1) ''ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ ﴾ (الشوریٰ 42:18) ''جو لوگ اس (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝ ﴾ (صٓ 38:16) ''اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہمارا (عذاب کا) حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔'' یعنی ہمارا قیامت کے دن سے پہلے ہی حساب کر لے اور ہمیں سزا دے دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الأنفال8:32) ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' تکذیب، عناد اور کفر کی شدت کے باعث کفار نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کے پاس جلد عذاب لے آئیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ ﴾ ''اور حالانکہ ان سے پہلے (عذاب کی) مثالیں گزر چکی ہیں۔'' سابقہ امتوں کو عذابوں میں مبتلا کر کے ہم ان سے انتقام لے چکے ہیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے ہم انھیں سامان عبرت بنا چکے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ حلم اور عفو و درگزر سے کام نہ لیتا تو انھیں عذاب میں مبتلا کر دیتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ

اور کافر لوگ کہتے ہیں: اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی؟ (اے نبی!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، اور ہر

قَوْمٍ هَادٍ ⑦ ع

قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے⑦

يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ (فاطر 45:35) ''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگے تو ایک چلنے پھرنے والے کو بھی زمین پر نہ چھوڑے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ ﴾ ''اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کرنے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ عفوو درگزر سے کام لیتا اور لوگوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے، حالانکہ وہ ظلم کا بازار گرم کرتے اور دن رات گناہ کرتے ہیں، پھر عفوو درگزر کے ذکر کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے تاکہ امید وخوف میں توازن پیدا کیا جا سکے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 147:6) ''پھر اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجیے کہ آپ کا پروردگار صاحب رحمتِ وسیع ہے اور اس کا عذاب گناہ گار لوگوں سے نہیں ٹلے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (الأعراف 167:7) ''بے شک آپ کا پروردگار یقیناً جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک البتہ وہ بہت بخشنے والا، خوب مہربان (بھی) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ ﴾ (الحجر 50,49:15) ''(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو خبر دیجیے کہ یقیناً میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔'' علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ میں امید وخوف کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر آیت :7

مشرکوں کا نشانی طلب کرنا: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے ازراہ کفر وعناد کہا کہ یہ پیغمبر اپنے رب کے پاس سے ہماری طرف کوئی نشانی لے کر کیوں نہیں آئے جیسا کہ پہلے پیغمبروں کو نشانیاں دی گئی تھیں جیسا کہ ازراہِ عناد وکفر انھوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ آپ کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیں اور مکہ کی زمین سے پہاڑوں کو ہٹا کر یہاں باغات، چراگاہیں اور نہریں بنا دیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ ﴾ الآية (بنیٓ إسرآء يل 59:17) ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ ﴾ ''آپ (اے محمد ﷺ!) تو صرف ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی آپ کا فرض یہ ہے کہ اللہ کے اس پیغام کو پہنچا دیں جس کے پہنچانے کا آپ کو حکم دے دیا ہے اور ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ

اللہ جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو کچھ زیادہ کرتے ہیں، اور اس کے ہاں ہر چیز کی

عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨

ایک مقدار (مقرر) ہے ⑧ وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا، بہت بڑا، نہایت بلند ہے ⑨

مَنْ يَّشَآءُ ؕ (البقرة 2:272) ''آپ (اے محمد ﷺ!) ان لوگوں کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦﴾ ''اور ہر ایک قوم کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر قوم کے لیے ایک داعی ہوتا ہے۔ [1]

تفسیر آیات:9,8

عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اس قدر بے پایاں اور بے حد وحساب ہے کہ کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے، تمام حیوانات کی ماداؤں کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کا علم ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ﴾ (لقمٰن 34:31) ''اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔'' یعنی وہ جانتا ہے کہ حاملہ کے رحم میں مذکر ہے یا مؤنث، خوب صورت ہے یا بدصورت، بدبخت ہے یا نیک بخت طویل العمر ہے یا قلیل العمر جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ﴾ (النجم 32:53) ''وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ﴾ (الزمر 6:39) ''وہی تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریکیوں میں تمھیں ایک کے بعد ایک شکل میں بناتا چلا جاتا ہے۔'' یعنی اس نے تمھیں ایک طرح کے بعد پھر دوسری طرح بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۭ﴾ (المؤمنون 23:12-14) ''اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم نے نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر ہم نے بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا، پھر ہم نے اس کو نئی صورت میں بنا دیا، چنانچہ اللہ جو نہایت بہتر پیدا کرنے والا ہے بڑا بابرکت ہے۔''

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ) يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا]، [وَيُؤْمَرُ

[1] تفسير الطبري: 13/143.

بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ] ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش کے وقت اسے اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کر کے رکھا جاتا ہے، پھر اسے اسی طرح چالیس دن تک لوتھڑے کی صورت میں رکھا جاتا ہے، پھر اسے اسی طرح چالیس دن تک بوٹی کی شکل میں رکھا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ وہ (1) اس کے رزق، (2) اس کی عمر، (3) اس کے عمل اور (4) اس کے بد بخت یا نیک بخت ہونے کو لکھ دیتا ہے۔'' ①

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ فرشتہ کہتا ہے: [أَيْ رَبِّ! ذَكَرٌ أَمْ أُنْثٰى؟ أَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ؟ فَمَا الرِّزْقُ؟ فَمَا الْأَجَلُ؟ (فَيَقُولُ اللّٰهُ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ)] ''(1) اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ (2) یہ بد بخت ہے یا خوش بخت؟ (3) اس کا رزق کتنا ہے؟ (4) اس کی عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان سوالوں کے جواب عطا فرما دیتا ہے اور فرشتہ انھیں لکھ لیتا ہے۔'' ②

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ﴾ ''اور جو رحم کم کرتے اور اضافہ کرتے ہیں (اس سے بھی واقف ہے۔)'' امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ: لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللّٰهُ] ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: (1) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ (2) ارحام کے کم کرنے کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (3) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ (4) کوئی جان دار یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں فوت ہوگا۔ (5) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔'' ③

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رحم کے سکڑنے سے حمل کا ساقط ہونا مراد ہے۔ اور ﴿ وَمَا تَزْدَادُ ﴾ سے مراد سکڑنے کے بعد پیٹ کا بڑھنا اور بچے کا مکمل حالت میں پیدا ہونا ہے، اس لیے کہ کچھ عورتوں کو دس ماہ حمل رہتا ہے اور کچھ کو نو ماہ، کچھ کے حمل کی مدت اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور کچھ کی اس سے کم، یہی سکڑنا اور بڑھنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے اور ان تمام باتوں سے اس کی ذات گرامی آگاہ اور باخبر ہے۔ ④

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ ﴾ ''اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔'' حضرت قتادہ رحمہ اللہ

① پہلا حصہ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکة صلوات الله علیهم......، حدیث:3208. جبکہ قوسین والا جملہ بھی صحیح البخاری، التوحید، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا ...... ﴾ (الصّٰفّٰت37:171)، حدیث:7454 میں اور دوسرا حصہ صحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمی......، حدیث: 2643 کے مطابق ہے۔ ② صحیح البخاری، القدر، باب، حدیث: 6595 و صحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمی......حدیث: 2646 و تفسیر الطبری:230/3 جبکہ قوسین والے الفاظ طبری کے ہیں۔ ③ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ ﴾ (الرعد13:8)......، حدیث:4697. ④ تفسیر الطبری:144/13.

سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۭ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ

(اللہ کے نزدیک) مساوی ہے تم میں سے جو کوئی آہستہ بات کہے یا بلند آواز سے کہے، اور جو رات (کی تاریکی) میں چھپنے والا ہو یا دن (کی روشنی) میں

بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ

چلنے والا ہو ⑩ اس (انسان) کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، وہ اللہ کے حکم سے اس کی

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا

حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے، حتی کہ وہ اسے بدل لیں جو ان کے نفسوں میں ہے۔ اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ

مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ⑪

برائی (عذاب) کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی واپسی نہیں، اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں ⑪

فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی مخلوق کے رزق اور اجل کو محفوظ کر دیا ہے اور ہر چیز کے لیے ایک مدت مقرر فرما دی ہے۔① صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ ان کا بیٹا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اور وہ پسند کرتی ہیں کہ آپ تشریف لے آئیں، آپ نے یہ سن کر ان کی طرف جواب بھیجا: [إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ] ''بے شک اللہ ہی کے لیے جو وہ لے لیتا ہے اور اسی کے لیے ہے جو وہ عطا فرما دیتا ہے، ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، لہٰذا آپ انھیں کہہ دیں کہ وہ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں۔'' (تفصیل کے لیے) مکمل حدیث دیکھیے۔②

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ''وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔'' یعنی وہ ہر چیز کو جانتا ہے بندے، خواہ اسے دیکھتے یا نہیں دیکھتے ہیں کیونکہ اس کی ذات گرامی سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ ﴿الۡكَبِيۡرُ﴾ ''سب سے بزرگ۔'' یعنی وہ ہر چیز سے بڑا ہے، ﴿الۡمُتَعَالِ ⑨﴾ ''عالی رتبہ (ہے۔)'' یعنی ہر چیز سے وہ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ﴿قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عِلۡمًا ۝﴾ (الطلاق 12:65) ''وہ (اللہ) اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے'' اور ہر چیز کو اس نے مغلوب کر رکھا ہے، گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں اور بندے خوشی یا ناخوشی سے اس کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

تفسیر آیات: 11,10

اللہ تعالیٰ کا علم ہر ظاہر و مخفی چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ مخلوق کی ہر بات کو سنتا ہے، خواہ وہ مخفی ہو یا ظاہر، اس سے کوئی بات بھی مخفی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۝﴾ (طٰہٰ 7:20) ''اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بلاشبہ وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2228/7. ② صحیح البخاري، التوحید، باب قول اللّٰه تبارك وتعالیٰ: ﴿قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ ......﴾ (بنيٓ إسرآءيل 110:17)، حدیث: 7377 وصحیح مسلم، الجنائز، باب البكاء على الميت، حدیث: 923.

بات تک کو بھی جانتا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ (النمل 25:27) ’’اور وہ جانتا ہے جو تم علانیہ اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو۔‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں: تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس کی سماعت آوازوں کے سننے کے لیے بہت وسیع ہے۔ وہ عورت آئی جو بحث وجدال کرتی اور اپنے شوہر کی رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت کررہی تھی، میں اس وقت اپنے گھر کے ایک کونے میں تھی اور اس کی کچھ گفتگو سننے نہ پا رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو سن لیا اور قرآن مجید میں نازل فرما دیا: ﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ﴾ (المجادلة 1:58) ’’(اے پیغمبر!) جو عورت آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کررہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت (رنج و ملال) کررہی تھی، یقیناً اللہ نے اس کی التجا سن لی اور اللہ تم دونوں کا مکالمہ سن رہا تھا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ ﴾ ’’اور جو رات کو بالکل چھپا ہوا ہے۔‘‘ یعنی رات کے اندھیرے میں اپنے گھر کے کسی کونے میں چھپنے والا ہو، ﴿ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ ﴾ ’’اور دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلنے پھرنے والا (اس کے نزدیک برابر ہیں۔)‘‘ یعنی رات کی تاریکی میں کوئی اپنے گھر کے گوشوں میں چھپ جائے یا دن کے اجالے اور روشنی میں چلے پھرے، اس کے نزدیک دونوں برابر ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (هود 5:11) ’’آگاہ رہو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تب بھی) اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (يونس 61:10) ’’اور تم جس حال میں ہوتے ہو یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم کوئی (اور) کام کرتے ہو، جب اس میں مصروف ہوتے ہو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں۔ اور آپ کے پروردگار سے زمین وآسمان میں ذرّہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔‘‘

حفاظت کرنے والے فرشتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ’’اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔‘‘ یعنی بندے کے پاس فرشتے آتے جاتے ہیں جن میں سے کچھ رات کے چوکیدار ہیں اور کچھ دن کے چوکیدار جو برے

[1] ماخوذ از سنن النسائی، الطلاق، باب الظهار، حديث:3490 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث:188 وتفسير الطبری:8/28.

کاموں اور مصیبتوں سے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے فرشتے بندے کے اچھے اور برے اعمال کی نگرانی کے لیے دن اور رات اس کے پاس آتے جاتے ہیں، ان میں سے دو فرشتے تو انسان کے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں جو اعمال لکھتے ہیں، دائیں طرف کا فرشتہ نیکیوں کو لکھتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو، اسی طرح دو اور فرشتے ہوتے ہیں جو انسان کی حفاظت و نگہداشت کرتے ہیں، ان میں سے ایک آگے اور دوسرا پیچھے ہوتا ہے، گویا انسان چار فرشتوں کے جلو میں دن کو اور چار کے جلو میں رات کو ہوتا ہے جن میں سے دو فرشتے انسان کے محافظ اور دو کراماً کاتبین ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَّلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ ـ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ ـ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ] ''تمھارے پاس فرشتے رات اور دن کے وقت یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اور وہ نماز فجر اور نماز عصر میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جب وہ فرشتے جاتے ہیں جنھوں نے تم میں رات بسر کی ہوتی ہے تو وہ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ فرشتے کہتے ہیں کہ جب ہم نے انھیں چھوڑا تو اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ، وَقَرِينُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ] ''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا ایک جنوں میں سے ساتھی اور ایک فرشتوں میں سے ساتھی مقرر کیا گیا ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا: [وَإِيَّايَ، لٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ، فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ] ''ہاں! میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ مجھے خیر و بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔'' اسے امام مسلم ہی نے بیان کیا ہے۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[2]

ابن ابوحاتم نے ابراہیم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے یہ کہو کہ جس بستی یا گھر والوں نے اطاعت الٰہی کو چھوڑ کر اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی معصیت کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ بھی انھیں پسندیدہ چیزوں کے بجائے ناپسندیدہ کی طرف پھیر دے گا، پھر فرمایا کہ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں بھی اس طرح موجود ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ ''یقیناً اللہ اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ بدل دیں اس کو جو ان کے نفسوں میں ہے۔''[3]

① صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، حديث:555 عن أبي هريرة رضي الله عنه وصحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حديث:632. ② مسند أحمد:401/1 وصحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان......، حديث:2814. ③ تفسير ابن أبي حاتم:2233,2232/7.

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ

وہی ہے جو تمھیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے ⑫ اور (بادل کی) گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح

بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ

پڑھتی ہے، اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (تسبیح پڑھتے ہیں)۔ اور وہی کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جن پر چاہے گراتا ہے، جبکہ وہ اللہ کی

یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ۭ ⑬

بابت جھگڑ رہے ہوتے ہیں، اور وہ شدید قوت والا ہے ⑬

تفسیر آیات: 13,12

بادل، بجلی اور کڑک اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازیاں ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے بجلی کو مسخر کیا ہوا ہے، بجلی سے مراد یہاں وہ چمکتی ہوئی روشنی ہے جو بادلوں کے درمیان سے نمودار ہوتی ہے۔ ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوجلد کی طرف لکھ کر ان سے بجلی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ برق (بجلی) سے مراد پانی ہے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ ''ڈرانے اور امید دلانے کے لیے۔'' حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مسافر کے لیے یہ باعث خوف ہے کہ وہ اس کی ایذا اور مشقت سے ڈرتا ہے اور مقیم کے لیے یہ باعث امید ہے کہ وہ اس کی برکت، منفعت اور اللہ سے رزق کی امید رکھتا ہے۔[2] ﴿وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫﴾ ''اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔'' یعنی انھیں نئے نئے روپ میں پیدا فرماتا ہے اور پانی کی کثرت کی وجہ سے ہی یہ بھاری اور زمین کے قریب ہوتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ بھاری بادل سے مراد وہ بادل ہے جس میں پانی ہو۔[3] ﴿وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ﴾ ''اور (بادل کی) گرج اور فرشتے سب اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 44:17) ''اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔''

امام احمد نے ابراہیم بن سعد سے روایت کیا ہے کہ مجھے میرے والد نے خبر دی کہ میں مسجد میں حمید بن عبدالرحمٰن کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں سے بنوغفار کے ایک خوبرو شیخ کا گزر ہوا اور ان کے کانوں میں کچھ ثقل تھا۔ حمید نے ان کی طرف پیغام بھیجا جب وہ تشریف لے آئے تو حمید نے مجھ سے کہا: برادر زادے! میرے اور اپنے درمیان ان کے لیے جگہ کشادہ کر دو، انھیں رسول اللہ ﷺ سے شرفِ صحبت حاصل ہے، چنانچہ وہ تشریف لائے تو میرے اور ان کے درمیان بیٹھ گئے تو حمید نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا حدیث تھی جو آپ نے مجھے رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تھی۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ فَیَنْطِقُ أَحْسَنَ النُّطْقِ، وَیَضْحَكُ أَحْسَنَ الضِّحْكِ] ''اللہ تعالیٰ جب بادل کو پیدا فرماتا ہے تو وہ بہت شائستہ انداز میں گفتگو کرتا ہے اور بہت احسن انداز میں ہنستا ہے۔''[4] اس سے مراد

① تفسیر الطبری :162/13۔ ② تفسیر الطبری:162/13۔ ③ تفسیر الطبری:163/13۔ ④ مسند أحمد :435/5 والسلسلة الصحیحة:228/4، حدیث:1665۔

یہ ہے کہ بادلوں کی گفتگو کڑک اور ہنسنا بجلی ہے۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ. موسیٰ بن عبیدہ نے سعد بن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش کو بھیجتا ہے تو اس سے زیادہ اچھے انداز میں ہنسنے والی اور کوئی چیز نہیں ہوتی اور نہ اس سے زیادہ شائستہ گفتگو کرنے والی کوئی اور چیز ہوتی ہے، اس کا ہنسنا بجلی اور اس کی گفتگو کڑک ہے۔ ①

کڑک کے وقت دعا: امام احمد نے سالم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رعد اور کڑک کی آواز سنتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: [اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ، وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ، وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ] ''اے اللہ! ہمیں اپنے غضب کے ساتھ قتل نہ کرنا اور اپنے عذاب کے ساتھ ہلاک نہ کرنا اور ہمیں اس سے پہلے عافیت عطا فرما دینا۔'' ② اسے امام ترمذی نے اور امام بخاری نے الأدب المفرد میں، امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ ③

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ جب کڑک کی آواز سنتے تو گفتگو ترک کر دیتے اور یہ پڑھنا شروع کر دیتے: [سُبْحَانَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ] ''پاک ہے وہ ذات کہ رعد اور فرشتے سب جس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں۔'' آپ فرماتے کہ [إِنَّ هٰذَا لَوَعِيدٌ شَدِيدٌ لِّأَهْلِ الْأَرْضِ] ''یہ گرج اور کڑک درحقیقت اہل زمین کے لیے ایک شدید وعید ہے۔'' اسے امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں روایت کیا ہے۔ ④

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے پروردگار عزوجل نے فرمایا ہے: [لَوْ أَنَّ عِبَادِي أَطَاعُونِي لَأَسْقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ، وَأَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ، وَلَمَا أَسْمَعْتُهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ] ''اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو رات کو میں انھیں بارش کا پانی پلاؤں اور دن کو سورج طلوع کر دوں اور انھیں کڑک کی آواز بھی نہ سناؤں۔'' ⑤ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ انھیں بطور سزا بھیجتا ہے اور جس سے چاہتا ہے انتقام لے لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر زمانے میں اس کی کثرت ہوگی۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اَربد بن قیس بن جزی بن خالد بن جعفر بن کلاب

---

① العظمة لأبي الشيخ الأصبهاني، ذكر السحاب وصفته:1244/4، رقم:719 مختصراً. ② مسند أحمد:101,100/2.

③ جامع الترمذي، الدعوات، باب مايقول إذا سمع الرعد؟ حديث:3450 والأدب المفرد، باب الدعاء عند الصّواعق:380/1، حديث:721 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا سمع الرعد والصواعق: 230/6، حديث:10764 والمستدرك للحاكم، الأدب:286/4، حديث:7772عن ابن عمر رضی اللہ عنہما. یہ حدیث ضعیف ہے۔

④ الموطأ للإمام مالك، الكلام، باب القول إذا سمعت الرعد:470/2، حديث:1920 والأدب المفرد، باب إذا سمع الرعد:380/1، حديث:723. ⑤ مسند أحمد:359/2 یہ حدیث ضعیف ہے۔

اور عامر بن طفیل بن مالک مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ آئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، یہ دونوں آپ کے سامنے بیٹھ گئے، عامر بن طفیل نے عرض کی: اے محمد (ﷺ!) اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَكَ مَا لِلْمُسْلِمِينَ، وَعَلَيْكَ مَا عَلَيْهِمْ، قَالَ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ: أَتَجْعَلُ لِيَ الْأَمْرَ إِنْ أَسْلَمْتُ مِنْ بَعْدِكَ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ ذٰلِكَ لَكَ وَلَا لِقَوْمِكَ، وَلٰكِنْ لَّكَ أَعِنَّةُ الْخَيْلِ، قَالَ: أَنَا الْآنَ فِي أَعِنَّةِ خَيْلِ نَجْدٍ، اِجْعَلْ لِّيَ الْوَبَرَ وَلَكَ الْمَدَرَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا] ''جو مسلمانوں کے حقوق ہیں وہ تمھارے حقوق ہوں گے اور جو مسلمانوں کے فرائض ہیں وہ تمھارے فرائض ہوں گے۔'' عامر بن طفیل نے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا زمامِ اقتدار اپنے بعد میرے لیے مقرر کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس (اقتدار) کا تمھیں یا تمھاری قوم کو حق حاصل نہیں ہے۔ ہاں، البتہ گھوڑوں کی لگام تمھارے سپرد ہوگی۔'' اس نے عرض کی کہ نجد کے گھوڑوں کی لگام تو اب بھی میرے پاس ہے، لہٰذا دیہات میرے سپرد کر دیں اور شہر خود رکھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں'' جب یہ دونوں آپ کے پاس سے واپس جانے لگے تو عامر نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے مقابلے کے لیے سوار اور پیادہ لوگوں کا ایک لشکر جرار لے کر آؤں گا۔ آپ نے فرمایا: [يَمْنَعُكَ اللّٰهُ] ''اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے باز رکھے۔''

جب اربد اور عامر آپ کے پاس سے چلے گئے تو عامر نے کہا: اربد! میں محمد (ﷺ) کو باتوں میں مصروف کر دوں گا تو تم تلوار سے کام تمام کر دینا، تم جب محمد (ﷺ) کو قتل کر دو گے تو لوگ دیت پر راضی ہو جائیں گے اور وہ جنگ کو ناپسند کریں گے، لہٰذا ہم انھیں دیت دے دیں گے۔ اربد نے کہا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ یہ دونوں پھر آپ کے پاس واپس آ گئے۔ عامر نے کہا: محمد (ﷺ!) ذرا اٹھیے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، رسول اللہ ﷺ اٹھ کر اس کے ساتھ ہو گئے اور دونوں ایک دیوار کی طرف گئے، رسول اللہ ﷺ نے جب اس سے گفتگو شروع فرمائی تو اربد نے تلوار کو سونتنا چاہا اور جب اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھا تو تلوار کے دستے پر اس کا ہاتھ سوکھ گیا اور وہ تلوار کو سونت نہ سکا، پس وار کرنے میں اربد نے عامر کو دیر کرائی، رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ اربد کیا کر رہا ہے تو آپ انھیں چھوڑ کر واپس تشریف لے آئے۔

بہر حال اپنی اس سازش کی ناکامی کے بعد یہ آپ کے پاس سے چلے گئے اور جا کر حَرَّہ واقم نامی جگہ میں ٹھہر گئے تو سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے اور کہا: بھاگ جاؤ، اے اللہ کے دشمنو! اللہ تم پر لعنت کرے! عامر نے کہا: سعد! یہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ اُسید بن حُضیر الکتائب[1] ہیں، یہ دونوں کافر یہاں سے روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب مقام رقم میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اربد پر کڑک کو بھیجا جس نے اسے قتل کر دیا، عامر بھاگ نکلا اور جب وہ مقام خریم میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم پر ایک بہت بڑا پھوڑا پیدا کر دیا، رات اس نے بنی سلول کی ایک عورت کے گھر میں بسر کی، یہ اپنے پھوڑے کو چھوتا اور کہتا تھا کہ یہ پھوڑا تو اونٹ کے غدودوں کی طرح پھولا ہوا ہے اور میں اس سلولیہ عورت کے گھر میں ہوں، وہ ناپسند کرتا تھا کہ اسے اس عورت کے گھر

[1] یہ حضیر کا لقب تھا۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ

اسی کو پکارنا برحق ہے، اور جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ انھیں کسی بات کا جواب نہیں دیتے، مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ

كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭

پانی کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ میں آپہنچے، جبکہ وہ اس (کے منہ) تک پہنچنے والا نہیں۔ اور کافروں کی پکار سراسر گمراہی میں ہے ⑭

میں موت آئے، پھر اس نے اپنا گھوڑا نکالا اور اسے دوڑایا مگر ابھی رستے ہی میں تھا کہ مرگیا۔ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے: ﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى ﴾ تا ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ ﴾ (الرعد 13:8-11) تک آیات نازل فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چوکیدار فرشتے محمد ﷺ کی حفاظت کرتے تھے، پھر انھوں نے اربد اور اس کے قتل کا واقعہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ ﴾ الآیۃ ''اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے۔''[1] اختصار کے ساتھ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ ﴾ ''اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔'' یعنی اس کی عظمت میں شک کرتے ہیں، حالانکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ﴿ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬ ﴾ ''اور وہ بڑی قوت والا ہے۔'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ جو بغاوت اور سرکشی کو اختیار کرے اور اپنے کفر پر اڑا رہے تو وہ اسے اپنے سخت عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہے۔[3] یہ آیت حسب ذیل آیت کریمہ کے مشابہ ہے: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ (النمل 27:50،51) ''اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر ہی نہ ہوئی، پھر آپ دیکھیں کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا! بلاشبہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬ ﴾ کے معنی سخت پکڑنے والے کے ہیں۔[4]

تفسیر آیت:14

مشرکوں کے معبودوں کے عجز کی مثال: حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ ﴾ ''اسی کو پکارنا برحق ہے'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد توحید ہے۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے فرمایا کہ اس سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

① المعجم الکبیر للطبرانی: 313,312/10، حدیث: 10760 و الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث عامر بن الطفیل و أربد بن قیس، حدیث: 34 و مجمع الزوائد، التفسیر، سورة الرعد: 41/7، حدیث: 11091 یہ حدیث ضعیف ہے۔ ② صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة الرجیع......، حدیث: 4091. اس واقعہ سے متعلق جو بات صحیح بخاری میں ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کے سردار عامر بن طفیل نے نبی ﷺ کے سامنے تین صورتیں رکھی تھیں: (1) دیہاتی آبادی پر آپ کا کنٹرول ہو اور شہری آبادی پر میرا۔ (2) آپ کے بعد میں خلیفہ ہوں گا۔ (3) نہیں تو ہزاروں غطفانیوں کو لے کر آپ کے ساتھ لڑوں گا، پھر عامر مرکوام فلاں کے گھر طاعون کی بیماری لاحق ہوگئی، گھر جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کی پشت پر مرگیا۔ اتنی بات صحیح بخاری کے حوالے سے ثابت ہے۔ طبرانی کی روایت میں راوی عبدالعزیز بن عمران ضعیف ہے۔ ③ تفسیر الطبری: 166/13. ④ تفسیر الطبری: 167/13. ⑤ تفسیر الطبری: 169/13.

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿15﴾ السجدة

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، خوشی سے اور ناخوشی سے، اور ان کے سائے بھی صبح اور شام (سجدہ کرتے ہیں) ﴿15﴾

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ! (اور) کہیے: پھر کیا تم نے اللہ کے سوا (ایسے) حمایتی بنا رکھے ہیں جو خود

لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ اَمْ

اپنے نفع نقصان کے بھی مالک نہیں۔ کہہ دیجیے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا

هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ

انھوں نے اللہ کے لیے (ایسے) شریک ٹھہرا رکھے ہیں (کہ) انھوں نے اللہ کی مخلوق جیسی کوئی مخلوق بنائی ہے، پھر وہ مخلوق ان پر مشتبہ ہوگئی ہے؟

الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿16﴾

کہہ دیجیے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا ہے، نہایت غالب ﴿16﴾

ہے۔[1] اور مالک نے بھی محمد بن منکدر سے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ ''اور جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں۔'' یعنی ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں، ﴿كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ﴾ ''اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ (دور ہی سے) اس کے منہ تک آ پہنچے۔'' حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے ہاتھ سے کنویں کے کنارے سے پانی لینا چاہے، حالانکہ وہ اپنے ہاتھ سے کبھی پانی حاصل نہیں کر سکتا جب پانی حاصل نہیں کر سکتا تو وہ اس کے منہ تک کیسے پہنچ سکتا ہے![2] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی زبان سے پانی کو پکارے اور اس کی طرف اشارہ کرے تو وہ اس کے پاس کبھی نہیں آ سکتا۔[3] اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے پانی کی طرف اپنے ہاتھ کو پھیلایا تو جس طرح وہ اس پانی سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا جو کہ پینے کا مقام ہے، اسی طرح ان مشرکوں کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی پوجا کرتے ہیں تو وہ کبھی بھی دنیا و آخرت میں ان سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿14﴾﴾ ''اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بے کار ہی تو ہے۔''

تفسیر آیت:15

ہر چیز اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و سلطنت کا ذکر فرمایا ہے، اس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے، ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے، ہر چیز اس کے سامنے سجدہ ریز ہے، مومن خوشی سے اور کافر ناخوشی و مجبوری سے اسے سجدہ کرتے ہیں۔ ﴿وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿15﴾﴾ ''اور ان کے سائے بھی صبح شام (سجدے کرتے ہیں۔)'' ﴿بِالْغُدُوِّ﴾ کے معنی صبح کے ہیں اور ﴿وَالْاٰصَالِ ﴿15﴾﴾ أصِیل کی جمع ہے، اس سے مراد دن کا آخری حصہ، یعنی شام ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَوَلَمْ

[1] تفسیر الطبری:169/13. [2] تفسیر الطبری:170/13. [3] تفسیر الطبری:170/13.

يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ○﴾ (النحل 16:48) ''کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں عجز وانکسار کرتے ہوئے؟''

تفسیر آیت :16

توحید باری تعالیٰ کا اثبات: اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اثبات فرمایا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ وہ لوگ اس بات کا تو اعتراف کرتے تھے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہی ان کا مالک اور مدبر ہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اللہ کے سوا اپنے اولیاء کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ وہ اولیاء خود اپنے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں، اپنی عبادت کرنے والوں کے نفع ونقصان کے مالک کس طرح ہوں گے! تو کیا جو شخص ان معبودان باطلہ کی عبادت کرے، یہ اور وہ برابر ہو سکتے ہیں جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہو! اس لیے فرمایا: ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں؟ یا اندھیرا اور اجالا برابر ہوسکتا ہے؟ بھلا ان لوگوں نے جن کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے، کیا انھوں نے اللہ کی سی مخلوق پیدا کی ہے، پھر وہ مخلوق ان پر مشتبہ ہوگئی ہے؟''

یعنی کیا ان مشرکوں نے اللہ کے ساتھ اور معبود بنا رکھے ہیں جو پیدا کرنے کے اعتبار سے رب تعالیٰ جیسے اور اس کے مثل ہیں اور انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسی مخلوق پیدا کی ہے جس کی وجہ سے مخلوق میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے انھیں یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق کون سی ہے اور ان معبودان باطلہ کی پیدا کردہ مخلوق کون سی ہے۔ حالانکہ امر واقع اس طرح نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے، نہ کوئی چیز اس کے مثل یا اس کے برابر ہے، نہ کوئی اس کا وزیر ہے نہ بیٹا اور نہ بیوی، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان مشرکوں کی باتوں سے بہت بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کی بھی عبادت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ خود بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یہ اس کے بندے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں بھی کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ...... إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ''میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں...... مگر وہ جسے تو اپنے ساتھ شریک کرے اور تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ کہا کرتے تھے: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط ﴾ (الزمر 39:3) ''ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں تا کہ ہمیں اللہ کا زیادہ مقرب بنا دیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتقاد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا

[1] صحیح مسلم، الحج، باب التلبیة وصفتها......، حدیث:1185 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ.

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

اس (اللہ) نے آسمان سے پانی نازل کیا، تو ندی نالے اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہ نکلے، پھر سیلاب ابھرا ہوا جھاگ اوپر لے آیا۔ اور ان

يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ

(دھاتوں) میں سے بھی جنھیں زیور یا سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں، اسی طرح کا جھاگ (اٹھتا) ہے۔ اللہ اسی طرح

الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ۬ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

حق اور باطل (کی مثال) بیان کرتا ہے۔ چنانچہ جو جھاگ ہے وہ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے، اور جو چیز انسانوں کو فائدہ دیتی ہے سو وہ

الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿17﴾

زمین میں باقی رہتی ہے۔ اللہ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے ﴿17﴾

ہے کہ اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کرسکتا: ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ﴾ (سبا 23:34) ”اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔“ اور فرمایا: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○﴾ (النجم 26:53) ”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔“ اور فرمایا: ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ○ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○﴾ (مریم 19:93-95) ”تمام لوگ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو غلام بن کر آئیں گے۔ اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔“

جب سب کے سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تو انھوں نے ایک دوسرے کی بندگی دلیل و برہان کے بغیر کیوں کی؟ بلکہ محض رائے سے کی اور اسے از خود اپنی طرف سے گھڑ لیا اور ایجاد کر لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف جس قدر بھی انبیائے کرام مبعوث فرمائے تو اگلے پچھلے تمام نبیوں نے غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا مگر انھوں نے انبیائے کرام کی مخالفت اور تکذیب کی جس کی وجہ سے یہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا گئے اور بالآخر عذاب الٰہی نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○﴾ (الکھف 49:18) ”اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“

تفسیر آیت: 17

حق کے باقی رہنے اور باطل کے فنا ہونے کی دو مثالیں: یہ آیت کریمہ دو ایسی مثالوں پر مشتمل ہے جو حق کے ثابت اور باقی رہنے اور باطل کے مضمحل اور فنا ہو جانے کے بارے میں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ ”اس نے آسمان سے مینہ برسایا، پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہ نکلے۔“ یعنی ہر نالے نے اپنے اندازے کے مطابق پانی لے لیا۔ ایک نالا بڑا ہوتا ہے تو اس میں پانی کی بہت بڑی مقدار سما جاتی ہے اور دوسرا

چھوٹا ہوتا ہے تو اس میں پانی اس کے بقدر سماتا ہے، یہ دلوں اور ان کے تفاوت کی طرف اشارہ ہے کہ کچھ دلوں میں بہت زیادہ علم سما جاتا ہے اور کچھ دل اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان میں زیادہ علم نہیں سما سکتا، ﴿ فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ط ﴾ ''پھر اٹھالیا سیلاب نے ابھرا ہوا جھاگ۔'' یعنی وہ پانی جو ان نالوں میں بہ رہا تھا اس پر جھاگ آ گیا، یہ ایک مثال ہے۔

اور دوسری مثال یہ ہے: ﴿ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ط ﴾ ''اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لیے آگ میں پگھلاتے ہیں، اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔'' یعنی آگ میں سونا یا چاندی کو زیور بنانے کے لیے پگھلایا جاتا ہے، اسی طرح پیتل اور لوہے سے بھی زیورات یا اور سامان بنائے جاتے ہیں تو اس پر بھی اسی طرح جھاگ آ جاتا ہے جس طرح پانی پر جھاگ آتا ہے، ﴿ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ڛ ﴾ ''اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔'' یعنی جب حق و باطل دونوں جمع ہوں تو باطل کے لیے کوئی دوام و ثبات نہیں ہے جس طرح کہ جھاگ نہ پانی کے ساتھ ٹھہرتا ہے اور نہ سونے، چاندی اور ان چیزوں کے ساتھ جنھیں آگ میں تپایا جاتا ہے بلکہ جھاگ مضمحل ہو کر ختم ہو جاتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ ﴾ ''چنانچہ جو جھاگ ہے وہ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے۔'' اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ متفرق اور منتشر ہو کر نالے کے دونوں طرف چلا جاتا ہے یا درختوں کے ساتھ لگ جاتا ہے یا ہوائیں اسے اڑا کر ادھر ادھر پھینک دیتی ہیں، اسی طرح سونے، چاندی، لوہے اور پیتل وغیرہ کا میل کچیل بھی ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور اس میں کوئی چیز باقی نہیں بچتی، باقی صرف پانی یا سونا چاندی بچتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ط كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ ﴿17﴾ ﴾ ''اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ تو زمین میں ٹھہرا رہتا ہے، اسی طرح اللہ (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ تم سمجھو۔)'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ ﴾ (العنکبوت 43:29) ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔'' بعض سلف سے منقول ہے کہ میں جب قرآن مجید کی کوئی مثال پڑھتا ہوں اور اسے سمجھتا نہیں تو رونا شروع کر دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اہل علم ہی سمجھتے ہیں اور مثال نہ سمجھنے کی صورت میں گویا میں اہل علم میں سے نہیں ہوں۔

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ پس دلوں نے اس سے اپنے یقین و شک کی مقدار کے مطابق حاصل کیا، مگر شک کی وجہ سے شک کرنے والوں کو عمل کوئی فائدہ نہیں دیتا جبکہ یقین کے ساتھ ضرور فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمان: ﴿ فَأَمَّا الزَّبَدُ ﴾ ''چنانچہ جھاگ'' یعنی شک ﴿ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ط ﴾ ''تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔'' یعنی یقین باقی رہتا ہے جس طرح زیورات کو جب آگ میں ڈالا جاتا ہے تو خالص سونے کو لے لیا جاتا ہے اور میل کچیل کو آگ میں چھوڑ دیا

جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ یقین کو قبول فرمالیتا اور شک کو ترک کر دیتا ہے۔ ①

پانی اور آگ کی مثالیں کتاب وسنت میں موجود ہیں: اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں بھی منافقوں کے لیے آگ اور پانی کی دو مثالیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ...... ﴾ الآیة (البقرة2:17) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (شب تاریک میں) آگ جلائی، جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں......'' پھر پانی کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ...... ﴾ الآیة (البقرة2:19) ''یا ان کی مثال بارش کی سی ہے کہ آسمان سے (برس رہی ہو اور) اس میں اندھیرے پر اندھیرا چھا رہا ہو اور (بادل کی) گرج ہو اور بجلی (کوندرہی) ہو......'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے: ﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ ...... ﴾ الآیة (النور24:39) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے سراب (چمکتی ریت)......'' اور سراب سخت گرمی میں ہوتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ قیامت کے دن یہودیوں سے کہا جائے گا کہ تم کیا جانتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم بہت پیاسے ہیں تو ہمیں پانی پلا دے تو کہا جائے گا کہ تم پانی پینے کے لیے جاتے کیوں نہیں۔ وہ جہنم کی آگ پر آئیں گے جو سراب کی طرح معلوم ہوگی لیکن درحقیقت آگ، آگ ہی کو کھا رہی ہوگی۔ ② پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں دوسری مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ...... ﴾ الآیة (النور24:40) ''یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے......''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ مَثَلَ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ، كَمَثَلِ غَيْثٍ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا مِنْهَا، وَسَقَوْا،وَرَعَوْا، (وَزَرَعُوا)، وَأَصَابَ طَائِفَةً مِّنْهَا أُخْرٰى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَّا تُمْسِكُ مَاءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللّٰهِ، وَنَفَعَهُ اللّٰهُ بِمَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهِ، فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ]

''اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس بارش کے مانند ہے جو کسی زمین پر برسی، اس کا ایک حصہ عمدہ تھا، اس نے پانی کو اپنے اندر جذب کیا اور گھاس اور دیگر جڑی بوٹیاں اگائیں، اور اس کا ایک حصہ سخت تھا اس نے پانی

---

① تفسير الطبري:177/13. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ﴾ (القيمة 75:22،23)، حديث:7439 و صحيح مسلم، الإيمان ، باب معرفة طريق الرؤية، حديث:183 عن أبي سعيد رضي الله عنه و اللفظ له.

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰیؕ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی

جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا، ان کے لیے بھلائی ہے۔ اور جنھوں نے اس کا حکم نہ مانا، بلاشبہ اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو

الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬

زمین میں ہے اور اسی کی مثل اس کے ساتھ (اور بھی) تو وہ ضرور اسے فدیے میں دے دیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے برا حساب

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑱

ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے⑱

کو اکٹھا کر لیا تو اس کے ذریعے سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا، انھوں نے خود بھی پیا، جانوروں کو بھی پلایا اور کھیتوں کو سیراب کیا اور وہ بارش زمین کے ایک اور حصے کو بھی پہنچی جو چٹیل تھا جس نے پانی اکٹھا کیا نہ کوئی گھاس اگائی، بس یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور اس ہدایت سے اللہ نے اسے نفع پہنچایا جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا، پس اس نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھلایا اور اس شخص کی بھی یہی مثال ہے جس نے اس کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''[1] اور ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[مَثَلِی کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهَا، جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِی (تَقَعُ) فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیهَا، وَجَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهُ فَتَتَقَحَّمُ فِیهَا، قَالَ: فَذٰلِکُمْ مَّثَلِی وَمَثَلُکُمْ، أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ فَتَغْلِبُونِی، تَقْتَحِمُونَ فِیهَا]

''میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو پروانوں اور ان جانوروں نے جو آگ میں گرتے ہیں، اس آگ میں گرنا شروع کر دیا اور اس نے ان کو روکنا شروع کر دیا مگر یہ اس پر غالب آ کر اسی آگ میں گر رہے ہیں، فرمایا: یہ ہے میری اور تمھاری مثال، میں تمھیں کمروں سے پکڑ کر آگ سے دور ہٹا رہا ہوں کہ تم آگ سے اس طرف آ کر بچ جاؤ، تم آگ سے اس طرف آ کر بچ جاؤ مگر تم مجھ پر غالب آ کر اس میں گر رہے ہو۔''[2] یہ آگ والی مثال ہے۔

تفسیر آیت:18

خوش بختوں اور بدبختوں کی جزا: اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں اور بدبختوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

① صحیح البخاری، العلم، باب فضل من علم و علم، حدیث: 79 و صحیح مسلم، الفضائل، باب بیان مثل مابعث النبی ﷺ من الهدی و العلم، حدیث: 2282 و اللفظ له البتہ قوسین والا لفظ بخاری کے مطابق ہے۔ ② مسند أحمد: 312/2 و صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالیٰ: ﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَؕ ....﴾ (ص 38:30)......، حدیث: 3426 مختصراً و صحیح مسلم، الفضائل، باب شفقته ﷺ علی أمته......، حدیث: (18)-2284.

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

کیا پھر وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے، وہ اس شخص کے مانند (ہوسکتا) ہے جو

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿19﴾

اندھا ہے؟ بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں ﴿19﴾

﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ﴾ ''جن لوگوں نے اللہ (کے حکم) کو قبول کیا۔'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس کے احکام کو تسلیم کیا اور ماضی اور مستقبل کی خبروں کی تصدیق کی توان کے لیے ﴿الْحُسْنٰى ؕ﴾ ''بھلائی ہے۔'' اور وہ اچھی جزا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ذوالقرنین نے کہا تھا: ﴿قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ○ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ؕ﴾ (الکہف 88,87:18) ''جو (کفر و بدکرداری سے) ظلم کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے، پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بڑا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لائے گا، اور عمل نیک کرے گا اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس کے لیے آسانی کا حکم دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ﴾ (یونس 26:10) ''جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور (اس کے علاوہ) مزید بھی۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ﴾ ''اور جن لوگوں نے اس کو قبول نہ کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی، ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ ''اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے اختیار میں ہوں۔'' یعنی آخرت میں، اور ان کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے زمین بھر کر سونا دے دیں اور اس قدر اور بھی دے دیں تو وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کرے گا، ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ﴾ ''ایسے ہی لوگوں کا حساب برا ہوگا۔'' یعنی آخرت میں، اور ان سے چھوٹی بڑی ہر چیز کا حساب لیا جائے گا [وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ] ''اور جس سے حساب لیا گیا تو اسے عذاب دیا جائے گا۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿18﴾﴾ ''اور ان کا ٹھکانا بھی دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

تفسیر آیت:19

مومن اور کافر برابر نہیں ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص برابر نہیں ہوسکتا جو یہ جانتا ہے کہ ﴿اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ''جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے۔'' اے محمد (ﷺ!) ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''آپ کے پروردگار کی طرف سے۔'' وہ حق ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ اس میں کوئی اختلاط یا اختلاف ہے بلکہ قرآن سراپا حق ہے، اس کا ایک مقام دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں، اس میں بیان کی گئی تمام خبریں حق ہیں اور اس کے تمام اوامر و نواہی مبنی بر عدل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ﴾ (الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ⑳ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے ⑳ اور جو جوڑتے ہیں وہ چیز جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا، اور وہ

يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ㉑ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے گھبراتے ہیں ㉑ اور جنھوں نے اپنے رب کے چہرے کی طلب کے لیے صبر کیا

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور نماز قائم کی اور ہمارے دیے رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور خرچ پر کیا اور وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، انھی لوگوں کے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ㉒ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ

لیے آخرت کا گھر ہے ㉒ جو کہ ہمیشہ کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، اور وہ بھی جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ㉓ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا

اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوئے۔ اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے ㉓ (اور کہیں گے:) تم پر

صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ㉔

سلام ہو، اس لیے کہ تم نے صبر کیا، لہٰذا آخرت کا گھر بہت خوب ہے ㉔

میں پوری ہیں۔'' یعنی یہ خبر دینے کے اعتبار سے سچی ہیں اور احکام و مسائل کے اعتبار سے مبنی بر عدل ہیں، لہٰذا اے محمد (ﷺ!) وہ شخص جسے یقین ہو کہ آپ جو لائے ہیں وہ حق سچ ہے اور دوسرا وہ شخص جو اندھا ہو برابر نہیں ہو سکتے، جو خیر و بھلائی کی طرف رستہ نہ پائے اور نہ اسے سمجھے اور اگر سمجھ بھی لے تو اسے نہ مانے، نہ اس کی تصدیق کرے اور نہ اس کی اتباع کرے جیسا کہ فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝﴾ (الحشر 20:59) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ﴾ ''بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے حق ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے۔'' یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑲﴾ ''اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں۔'' یعنی وعظ و نصیحت اور عبرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو صحیح اور سلیم عقلوں کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے بنا دے۔

تفسیر آیات: 20-24

سعادت مندوں کے وہ اوصاف جو جنت میں پہنچا دیتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں تو ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے، یعنی دنیا و آخرت میں ان کا انجام اچھا ہوگا اور انھیں فتح و نصرت بھی حاصل ہوگی: ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ⑳﴾ ''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے۔'' یعنی وہ منافقوں کی طرح نہیں ہیں کہ عہد و پیمان کر کے توڑ دیں، جب لڑائی جھگڑا کریں تو گالیاں دیں، بات کریں تو جھوٹ بولیں

اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کریں۔[1] ﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ ''اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے ہیں۔'' یعنی رشتے داروں سے صلہ رحمی کرتے اور ان سے اور فقیروں اور محتاجوں سے نیکی و احسان کا معاملہ کرتے ہیں۔ ﴿ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ ''اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں۔'' یعنی اعمال کے کرنے یا نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کو پیش نظر رکھتے اور آخرت میں برے حساب سے ڈرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنے تمام چھوٹے بڑے حالات اور تمام حرکات و سکنات میں درستگی و استقامت کو اختیار کیے رکھیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ﴾ ''اور جو لوگ پروردگار کا چہرہ حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور اس سے بے پایاں اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو حرام اور گناہ کے کاموں سے بچاتے ہیں۔ ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ''اور وہ نماز قائم کرتے ہیں۔'' شریعت کے مقرر کردہ پسندیدہ طریقے کے مطابق نماز کو حدود اور اوقات کی پابندی کے ساتھ رکوع و سجود کو احسن انداز میں سرانجام دیتے ہوئے نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے ہیں۔ ﴿ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ ''اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی ان لوگوں پر جن پر خرچ کرنا واجب ہے، مثلاً: بیویاں، قرابت دار اور اجنبی فقراء و مساکین اور حاجت مند لوگ۔ ﴿ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ ''پوشیدہ اور ظاہر۔'' یعنی خفیہ اور اعلانیہ طور پر ہر حالت میں اور دن رات کی ہر گھڑی میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

﴿ وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ﴾ ''اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں۔'' برائی کا اچھائی سے مقابلہ کرتے ہیں اگر کوئی انھیں تکلیف پہنچائے تو اسے برداشت کرتے ہوئے صبر جمیل کا مظاہرہ کرتے اور انھیں معاف کر دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ ﴾ (حٰم السجدة 35,34:41) ''سخت کلامی کا ایسے طریق سے جواب دیں جو بہت اچھا ہو، ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے کہ یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ (ایسا ہو جائے گا) جیسے جگری دوست ہو۔ اور یہ بات انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔'' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سعادت مند اور صفات حسنہ سے اتصاف پذیر اپنے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ''ہمیشہ رہنے کے باغات۔'' ﴿ عَدْنٍ ﴾ کے معنی اقامت کے ہیں، یعنی ان کے لیے اقامت کے ایسے باغات ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ﴾ ''اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں

[1] منافقوں کی ان علامتوں کے متعلق دیکھیں صحیح البخاری، الإیمان، باب علامات المنافق، حدیث:34,33 و صحیح مسلم، الإیمان، باب خصال المنافق، حدیث:59,58 .

سے جو نیکو کار ہوں گے وہ بھی (بہشت میں جائیں گے۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے ان پیارے باپ دادا، اہل وعیال اور بیٹوں کو جنت میں جمع کر دے گا جو مومن اور جنت میں داخل ہونے کے اہل ہوں گے تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتی کہ اللہ تعالیٰ لطف وکرم اور احسان فرماتے ہوئے ادنیٰ درجے کے جنتیوں کو اعلیٰ درجے کے جنتیوں کے ساتھ یکجا کر دے گا اور یہ نہیں کرے گا کہ اعلیٰ درجے کے جنتیوں کو ادنی درجے کے جنتیوں کے ساتھ ملا دے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (الطور 52:21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے درجے تک پہنچا دیں گے اور ہم ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿23﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿24﴾ ﴾ ''اور فرشتے (بہشت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو (یہ) تمھاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے، لہٰذا عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔'' یعنی ان کے پاس فرشتے یہاں اور وہاں ہر جگہ سے آئیں گے اور جنت میں داخل ہونے کی مبارک باد دیں گے، یعنی جوں ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے ان کے پاس آئیں گے، انھیں سلام کہیں گے اور اس بات پر مبارک باد پیش کریں گے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقرب وانعام اور دار السلام میں صدیقین اور انبیاء ومرسلین عظام کے جوار میں جگہ عطا فرمائی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هَلْ تَدْرُونَ أَوَّلَ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ؟] ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے جنت میں کون داخل ہوگا۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

[أَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ الْفُقَرَاءُ الْمُهَاجِرُونَ الَّذِينَ تُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ، وَيُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ، وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ، لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً، فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ مَّلَائِكَتِهِ: ائْتُوهُمْ فَحَيُّوهُمْ، فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: نَحْنُ سُكَّانُ سَمَائِكَ، وَخِيرَتُكَ مِنْ خَلْقِكَ، أَفَتَأْمُرُنَا أَنْ نَّأْتِيَ هٰؤُلَاءِ فَنُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا عِبَادًا يَّعْبُدُونِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا، وَّتُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ، وَيُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ، وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ، لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً. قَالَ: فَيَأْتِيهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَيَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ]

''اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں وہ فقراء اور مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی اور ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا ہے اور ان میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے تو اس کی حاجت وضرورت اس کے سینے ہی میں رہ جاتی ہے کہ اسے اس کے پورا کرنے کی استطاعت ہی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ ان کے پاس جاؤ اور انھیں سلام کہو تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہم تیرے آسمان کے رہنے والے ہیں اور تیری مخلوق میں سے چنے ہوئے ہیں

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

اور جو لوگ اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ چیز قطع کرتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا، اور وہ زمین

يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿25﴾

میں فساد کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) بہت برا گھر ہے ﴿25﴾

لیکن تیرا حکم یہ ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انھیں سلام کہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہاں، اس لیے کہ یہ ایسے بندے تھے جو میری عبادت کرتے تھے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے تھے، ان کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی اور ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا، ان میں سے جب کوئی فوت ہوتا تو اس کی حاجت وضرورت اس کے سینے ہی میں ہوتی تھی اور وہ اسے پورا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا، اس فرمان باری تعالیٰ کے سننے کے بعد فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آتے اور کہتے ہیں: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿24﴾﴾ ”تم پر سلام ہو (یہ) تمھاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔“[1]

تفسیر آیت: 25

بدبختوں کے اعمال اور انجام: اب بدبختوں کے حالات، صفات اور آخرت میں ان کے انجام کو بیان کیا جا رہا ہے جو مومنوں کے انجام کے خلاف ہے کیونکہ دنیا میں ان کے اعمال مومنوں کے اعمال کے خلاف تھے، اس لیے کہ مومن تو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے تھے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے تھے اور یہ لوگ ان کے برعکس ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ﴾ ”اللہ سے عہد واثق کر کے اس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو قطع کر دیتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔“ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ”منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔“[2] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ”جب عہد کرے تو اسے توڑ ڈالے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔“[3]

اسی لیے فرمایا: ﴿اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ ”انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے۔“ لعنت کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے ہیں، ﴿وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿25﴾﴾ ”اور ان کے لیے برا گھر ہے۔“ یعنی ان کی عاقبت بھی بری اور ان کا انجام بھی برا ہے، ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ (الرعد 18:13) ”اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔“

[1] مسند أحمد: 168/2. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 59 عن أبي هريرة ﷺ. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 34 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 58 عن عبدالله بن عمرو ﷺ.

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ

اللہ جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اور وہ (کافر) دنیا کی زندگی پر اتراتے ہیں، حالانکہ دنیا کی

الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿26﴾ ع 3/8/9

زندگی آخرت کی نسبت (حقیر) متاع ہی تو ہے ﴿26﴾

تفسیر آیت: 26

رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے ہاتھ میں ہے: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی عطا فرما دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں تنگی پیدا کر دیتا ہے اور اس کے لیے یہ سارے فیصلے حکمت وعدل پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کفار کا دنیوی زندگی کے مال واسباب پر خوش ہونا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مہلت دے رکھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:55,56) ’’کیا وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔ (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔‘‘ پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو اس کے مقابلے میں جو اس نے اپنے مومن بندوں کے لیے آخرت میں تیار فرما رکھا ہے، حقیر قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ ﴾ ’’حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں تھوڑا سا فائدہ ہے۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ (النسآء 4:77) ’’کہہ دیجیے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کے لیے (نجاتِ) آخرت ہے اور تم پر (کھجور کی گٹھلی کے) دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ۖ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ (الأعلی 87:16,17) ’’بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔‘‘

امام احمد نے بنو فہر کے فرد مستورد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا كَمِثْلِ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هٰذِهِ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ ؟] ’’دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی اس انگلی کو سمندر میں داخل کرے، پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ کتنا پانی لگتا ہے‘‘ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی انگشت شہادت کی طرف اشارہ فرمایا۔[1] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بکری کے ایک چھوٹے کانوں والے مردہ بچے کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: [فَوَاللّٰهِ! لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ، مِنْ هٰذَا (عَلٰى أَهْلِهِ حِينَ أَلْقَوْهُ)] ’’اللہ کی قسم! دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جس قدر یہ اپنے مالکوں

① مسند أحمد: 229,228/4. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب فناء الدنيا، وبيان الحشر يوم القيامة،

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

اور کافر کہتے ہیں: اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی (بڑی) نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ کہہ دیجیے: بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے

وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۚۖ ﴿27﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ

اور اس شخص کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو رجوع کرے ﴿27﴾ جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں،

اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ﴿28﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾

آگاہ رہو! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں ﴿28﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے ﴿29﴾

کے نزدیک حقیر تھی جب انھوں نے اسے پھینکا۔''[1]

تفسیر آیات: 27-29

مشرکین کا نشانیوں کا مطالبہ اور اس کا جواب: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ مشرکوں نے کہا: ﴿لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟'' جیسا کہ انھوں نے کہا: ﴿فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝﴾ (الأنبياء 21:5) ''تو جیسے پہلے پیغمبر نشانیاں دے کر بھیجے گئے تھے (اسی طرح) یہ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائے۔'' اس بارے میں قبل ازیں کئی دفعہ گفتگو ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مطالبے کو پورا کرنے پر قادر ہے۔[2]

حدیث میں ہے کہ جب کفار مکہ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ صفا کو سونے کا بنا دیں یا چشمے جاری کر دیں یا مکہ کے اردگرد سے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ اس میں کھیتی باڑی کریں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے محمد (ﷺ!) اگر آپ چاہیں تو ان کے ان تمام مطالبات کو پورا کر دیا جائے، پھر اگر انھوں نے کفر ہی کو اختیار کیا تو انھیں ایسا عبرت ناک عذاب دیا جائے گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دیا گیا ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازے کو کھلا رکھا جائے تو آپ نے اس کے جواب میں کہا: [بَلْ (تَفْتَحُ لَهُمْ) بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ] ''(اے اللہ!) تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازے کو کھلا رکھ۔''[3]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿27﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہی

---

① صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حديث: 2957 عن جابر بن عبدالله ﷺ مطولاً۔ اور قوسین والے الفاظ المعجم الأوسط للطبراني: 104/4، حديث: 5361 میں اس طرح ہیں: [على أهلها حين ألقوها] عن أبي موسىٰ ﷺ، البتہ اس کی سند ضعیف ہے۔ ② دیکھیے الأنعام، آیت: 37 کے ذیل میں۔ ③ مسند أحمد: 242/1 عن ابن عباس ﷺ اور قوسین والا جملہ ہمیں نہیں ملا جبکہ اس کے بجائے [اِفْتَحْ لَهُمْ] ''ان کے لیے کھلا رکھ'' مسند أحمد: 345/1 میں ہے۔ والسنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ ......﴾: 380/6، حديث: 11290۔ چشموں کے جاری کرنے کا ذکر قرآن میں ہے۔ دیکھیے بنیّ إسراءيل، آیت: 90 کے ذیل میں۔

گمراہ کرتا ہے اور ہدایت عطا فرماتا ہے، خواہ وہ رسول کو ان کے مطالبے اور تقاضے کے مطابق نشانی دے کر بھیجے یا ان کے مطالبے کو پورا نہ کرے، ہدایت دینے یا نہ دینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (یونس101:10) ''اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان لوگوں کو نشانیاں اور ڈراوے کچھ کام نہیں دیتے۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ ﴾ (یونس 96,97:10) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 111:6) ''اور بلاشبہ اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لاموجود بھی کرتے تو بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ بات یہ ہے کہ وہ اکثر نادان ہیں۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿27﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: یقیناً اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' یعنی ہدایت سے اسے سرفراز کرتا ہے۔ جو اس کی طرف توبہ کرے، رجوع کرے، اس سے مدد چاہے اور اس کی جناب میں آہ وزاری کرے۔

اللہ کے ذکر سے مومن کو اطمینان وسکونِ قلب حاصل ہوتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔'' اللہ کی جانب مائل ہوتے اور اس سے خوشی محسوس کرتے ہیں اور اللہ کے ذکر کے وقت اطمینان وسکون محسوس کرتے ہیں اور اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا مولیٰ اور مددگار ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿28﴾ ﴾ ''آگاہ رہو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے کہ اس سے دل اطمینان وسکون حاصل کرتے ہیں۔

طوبیٰ کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔'' ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے لیے خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔[1] عکرمہ فرماتے ہیں کہ کیا خوب ہے وہ ساز وسامان جو ان کے لیے ہے۔[2] ضحاک کہتے ہیں کہ ان کا یہ ساز وسامان قابل رشک ہے۔[3] ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ عربی لفظ ہے۔ جب کوئی آدمی کہتا ہے: [طُوبىٰ لَكَ] تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تو خیر وبھلائی حاصل کرے۔[5] اور

---

① تفسیر الطبری:191/13. ② تفسیر الطبری:191/13. ③ تفسیر الطبری:191/13. ④ تفسیر البغوی:21/3.

⑤ تفسیر الطبری:191/13.

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

(جیسے پہلے رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا جس سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، تا کہ آپ انھیں وہ

اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی، اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، کہہ دیجیے: وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں،

وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿30﴾

میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے ﴿30﴾

ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ﴿وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے لیے اچھائی ہے۔[1] ﴿وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے لیے واپسی کی عمدہ جگہ ہے۔ ان تمام اقوال کا مطلب ایک ہی ہے، ان میں کوئی تضاد نہیں۔

امام بخاری و مسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا يَقْطَعُهَا] ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا مگر اس کا سایہ ختم نہ ہو گا۔''[2] صحیح بخاری کے راوی ابو حازم کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث نعمان بن ابو عیاش زُرَقی سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے ابو سہل سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادَ أَوِ الْمُضَمَّرَ السَّرِيعَ مِائَةَ عَامٍ مَّا يَقْطَعُهَا] ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر عمدہ گھوڑے یا تیز رفتاری کے لیے تیار گھوڑے کا سوار اس کے سائے میں سو سال تک بھی چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو گا۔''[3]

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب ذوالجلال فرماتا ہے: [يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ (مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا) إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ] ''اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جن ایک ہی میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کے سوال کے مطابق اسے دے دوں تو اس سے (میری بادشاہت میں) اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جتنی کہ سوئی کو سمندر میں داخل کرنے سے اس کے پانی میں کمی آتی ہے۔''[4] خالد بن معدان کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جسے طوبیٰ کہا جاتا ہے، اس درخت کے بہت سے پستان ہیں جو اہل جنت کے بچوں کو پلائیں گے۔ عورت کا گر جانے والا نا تمام بچہ جنت کی ایک نہر میں ڈال دیا جاتا ہے جس

---

[1] تفسير الطبري: 191/13. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار……، حديث: 6552 وصحيح مسلم، الجنة و صفة نعيمها……، باب: إن في الجنة شجرة……، حديث: 2827. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حديث: 6553 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها…… باب: إن في الجنة شجرة ……، حديث: 2828. [4] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2577. اور قوسین والے الفاظ بھی اسی حدیث میں بیان ہوئے ہیں لیکن ان کا پس منظر کچھ اور ہے۔

میں وہ قیامت تک پھرتا رہتا ہے، پھر قیامت کے دن اسے چالیس سال کی عمر میں اٹھایا جائے گا۔[1]

تفسیر آیت:30

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد تلاوت آیات اور دعوت الی اللہ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ہم نے آپ کو اس امت میں اس لیے بھیجا ہے: ﴿ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ ''تاکہ آپ ان پر وہ (کتاب) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تلاوت کریں۔'' یعنی ان تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیں، اسی طرح ہم نے گزشتہ کافر قوموں کی طرف بھی نبی بھیجے تھے اور ان نبیوں کی بھی تکذیب کی گئی تھی، ان کی زندگی آپ کے لیے اسوہ ہے۔ اور جس طرح ہم نے سابقہ امتوں کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا تھا، ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل نہ ہو کیونکہ دوسرے انبیاء کی نسبت آپ کی زیادہ تکذیب کی جا رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ (النحل 63:16) ''اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے لیے ان کے (ناشائستہ) کردار آراستہ کر دکھائے، چنانچہ آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 34:6) ''اور البتہ تحقیق (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آ چکی ہیں۔'' یعنی ہم نے اپنے نبیوں کی کس طرح مدد کی تھی اور دنیا و آخرت میں کس طرح انھیں اور ان کے پیروکاروں کو اچھے انجام سے سرفراز کیا تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ ﴾ ''اور یہ لوگ رحمٰن کو نہیں مانتے۔'' یعنی اس امت میں جس کی طرف ہم نے آپ کو بھیجا ہے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کفار مکہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو رحمان و رحیم کی صفتوں سے موصوف قرار دیا جائے جیسا کہ حدیبیہ کے دن انھوں نے اس بات سے انکار کیا تھا کہ صلح نامہ کی تحریر کو [بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ] سے لکھنا شروع کیا جائے، انھوں نے برملا کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ رحمان و رحیم کون ہے، یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[2] اور یہ حدیث بخاری میں ہے۔[3] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ ﴾ (بنی إسرآءیل 110:17) ''کہہ دیں کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمان (کے نام سے) پکارو جس نام سے بھی پکارو، پس اسی کے سب نام بہت اچھے ہیں۔''

---

[1] الدر المنثور: 113,112/4۔ [2] تفسیر الطبری: 197/13۔ [3] صحیح البخاری، الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب و کتابة الشروط، حدیث: 2732,2731 مفصلاً۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ

اور اگر بلاشبہ (قرآن ایسا ہوتا) کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین قطع کی جاتی یا اس سے مردے بلوائے جاتے (تو بھی

الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

کفار ایمان نہ لاتے) بلکہ سارا معاملہ (اختیار) اللہ ہی کے پاس ہے، کیا پھر ایمان والوں نے (ابھی تک) نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب ہی

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى

لوگوں کو ہدایت دیتا؟ اور جنھوں نے کفر کیا ان کے کرتوتوں پر انھیں آفت پہنچتی ہی رہے گی، یا ان کے گھروں کے قریب اترے گی، حتی

يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿31﴾ ع 4/5/10

کہ اللہ کا وعدہ آ پہنچے۔ بے شک اللہ (اپنے) وعدے کے خلاف نہیں کرتا ﴿31﴾

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ] ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ ﴾ ''کہہ دیجیے: وہی تو میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' یعنی یہ ذات گرامی جس کے ساتھ تم کفر کرتے ہو میں اس کا اعتراف کرتا اور اس کے ساتھ ایمان رکھتا ہوں، اس کی ربوبیت اور الوہیت کا اقرار کرتا ہوں، وہ میرا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ ''میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔'' اپنے تمام امور و معاملات میں ﴿ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿30﴾ ﴾ ''اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' کیونکہ اس کی ذات گرامی کے سوا اور کوئی اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

تفسیر آیت:31

قرآن کی فضیلت اور کفار کا انکار: اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور سابقہ تمام آسمانی کتابوں پر فضیلت بخشی ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ ﴾ ''اور اگر بلاشبہ قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے۔'' یعنی اگر سابقہ آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب ایسی ہوتی جس کی تاثیر سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے یا زمین کٹ اور پھٹ جاتی یا مردوں سے ان کی قبروں میں گفتگو کی جاتی تو یہ قرآن اس بات کا زیادہ حق دار تھا کہ ان اوصاف سے متصف ہوتا یا قرآن میں یہ تاثیر بالاولی پائی جاتی کیونکہ اس میں ایسا اعجاز ہے کہ تمام انسان اور جن مل کر بھی اس طرح کا کلام پیش کرنا چاہیں تو پیش نہیں کر سکتے بلکہ قرآن کی سورتوں جیسی ایک سورت بھی پیش نہیں کر سکتے لیکن تعجب ہے کہ قرآن کے اس بے مثال اور باکمال اعجاز کے باوجود کفار اس کے منکر ہیں۔ ﴿ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ ﴾ ''بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔'' یعنی تمام امور و معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، وہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے وہ ہدایت عطا فرمائے

[1] صحیح مسلم، الآداب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم......، حديث:2132.

اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور سابقہ آسمانی کتابوں میں سے ہر ایک کو قرآن کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سب سے مشتق ہے۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [خُفِّفَتْ عَلٰی دَاوُدَ علیہ السلام الْقِرَاءَةُ وَكَانَ يَأْمُرُ بِدَابَّتِهٖ فَتُسْرَجُ، وَكَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَابَّتُهٗ، وَكَانَ لَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ] ''حضرت داود علیہ السلام کے لیے قراءت کو اس قدر آسان کر دیا گیا تھا کہ وہ حکم دیتے تھے کہ گھوڑے کو زین پہنائی جائے تو زین پہنائے جانے سے پہلے پہلے وہ قرآن پڑھ لیا کرتے تھے، اور وہ اپنے ہاتھ ہی کی کمائی سے کھاتے تھے۔''[1] یہ روایت صرف صحیح بخاری میں ہے، صحیح مسلم میں نہیں ہے۔[2] اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ ''کیا پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں انھوں نے نہیں جانا؟'' ان کو یہ معلوم اور واضح نہیں ہوا کہ ﴿ اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے رستے پر چلا دیتا۔'' قرآن سے بڑھ کر کوئی حجت یا معجزہ نہیں ہے جو عقلوں اور نفسوں کو اس قرآن سے بڑھ کر اپیل کرنے والا ہو کہ اسے اگر اللہ تعالیٰ پہاڑ پر نازل کر دیتا تو تم دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهٗ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهٗ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''ہر نبی کو وہ معجزہ دیا گیا جس پر انسان ایمان لائے، مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''[3]

اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر نبی کا معجزہ ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا مگر یہ قرآن ایک ایسی حجت اور ایک ایسا معجزہ ہے جو ابدالآباد تک باقی رہے گا، جس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، جو بار بار پڑھے جانے کے باوجود کبھی پرانا نہیں ہوگا، جس سے علماء کبھی سیر نہ ہوں گے جو ایک فیصلہ کن بات ہے مذاق نہیں ہے، جو سرکش اسے ترک کر دے گا اللہ تعالیٰ اسے نیست و نابود کر دے گا اور جو اس کے سوا کسی اور جگہ سے ہدایت کا طلب گار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ﴾ ''بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کام وہ ہوتا ہے جو اللہ چاہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ اسے ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[4] نیز امام ابن جریر نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے۔[5] اور ارشاد الٰہی ہے:

[1] مسند أحمد: 314/2. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (النسآء 4:163) ......، حديث: 3417. [3] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي......؟ حديث: 4981 وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ ......، حديث: 152 عن أبي هريرة رضي الله عنه.
[4] الدر المنثور: 118/4. [5] تفسير الطبري: 203/13.

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ

اور (اے نبی!) بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، پھر میرا عذاب کیسا

كَانَ عِقَابِ ﴿32﴾

(عبرتناک) تھا؟﴿32﴾

﴿ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ﴾ ’’اور کافروں پر ہمیشہ ان کے اعمال کے بدلے آفت آتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب نازل ہوتی رہے گی۔‘‘ یعنی ان کے تکذیب کرنے کی وجہ سے انھیں ہمیشہ دنیا میں مصیبتوں کا سامنا رہے گا یا مصیبتیں اور آفتیں ان کے گردو پیش میں نازل ہوتی رہیں گی تاکہ یہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (الأحقاف 27:46) ’’اور البتہ تحقیق تمھارے اردگرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور بار بار (اپنی) نشانیاں ظاہر کیں تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 44:21) ’’کیا پھر وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں، (کفر سمٹ رہا ہے) کیا پھر بھی وہی لوگ غلبہ پانے والے ہیں!‘‘ قتادہ نے امام حسن بصری سے روایت کیا ہے: ﴿ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ﴾ ’’یا ان کے گھروں کے قریب نازل ہوتی رہے گی‘‘ کہ اس سے مراد آفت اور مصیبت ہے۔[1] اور سیاق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ ﴾ سے مراد آسمان سے نازل ہونے والا عذاب ہے اور ﴿ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ﴾ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ہاں نزول فرمانا اور ان سے لڑائی کرنا ہے۔[2] مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] اور عکرمہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے: ﴿ قَارِعَةٌ ﴾ سے مراد مصیبت اور آفت ہے۔[4] پھر ان سب ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ ﴾ ’’یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے‘‘ سے مراد فتح مکہ ہے۔[5] جبکہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔[6] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿31﴾ ﴾ ’’بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں انھیں اور ان کے پیروکاروں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا، وہ اپنے اس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ﴾ (إبراهيم 47:14) ’’چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرے گا، بے شک اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔‘‘

---

① تفسير الطبري:206/13. ② تفسير الطبري:204/13. ③ تفسير الطبري:205,204/13. ④ الدر المنثور: 119/4. ⑤ تفسير الطبري:205,204/13 و الدرالمنثور:119/4. ⑥ تفسير الطبري:206/13.

اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ

کیا پھر وہ (اللہ) جو ہر نفس (کے اعمال) پر نگران ہے جو اس نے کمائے، (اس کے مانند کوئی غیر اللہ ہو سکتا ہے؟) اور انھوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں۔

تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہہ دیجیے: ان کے (کمالات اور) نام تو لو، کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا؟ بلکہ ظاہر لفظ (کے اعتبار) سے (تم شریک ٹھہراتے

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾

ہو)، بلکہ کافروں کے لیے ان کا مکر خوشنما بنا دیا گیا، اور انھیں راہ (حق) سے روک دیا گیا۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی ہادی نہیں ﴿33﴾

تفسیر آیت:32

رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی: آپ کی قوم کے تکذیب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ’’اور البتہ تحقیق آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں۔‘‘ یعنی آپ کے لیے ان کی زندگی میں اسوہ ہے۔ ﴿فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ﴾ ’’تو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر انھیں پکڑ لیا۔‘‘ یعنی انھیں اچانک پکڑ لیا تو آپ کو اس بارے میں کیا خبر پہنچی کہ میں نے ان کا کیا حشر کیا، انھیں کیسے کیسے عذابوں میں مبتلا کیا، حالانکہ میں نے انھیں پہلے مہلت دے رکھی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ (الحج 22:48) ’’اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا جبکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔‘‘

صحیح بخاری و مسلم میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ’’بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔‘‘ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (ھود 11:102) ’’اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اس طرح کی ہوتی ہے، بے شک اس کی پکڑ بہت دکھ دینے والی بڑی سخت ہے۔‘‘[1]

تفسیر آیت:33

اللہ تعالیٰ اور مشرکوں کے معبودانِ باطلہ میں قطعاً کوئی اشتراک نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ﴾ ’’تو کیا جو (اللہ) ہر متنفس کے اعمال کا نگران (ونگہبان) ہے جو اس نے کمائے (وہ بتوں کی طرح بے علم و بے خبر ہو سکتا ہے۔)‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ جو حفیظ و علیم ہے اور ہر جاندار پر نگہبان ہے، وہ جانتا ہے کہ عمل کرنے والے کیا اچھے یا برے عمل کر رہے ہیں اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ﴾ (یونس 10:61) ’’اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ......﴾ (ھود 11:102)......، حديث:4686 و صحيح مسلم، البر و الصلة و الأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2583 عن أبي موسى الأشعرى ﷺ.

ہیں یا قرآن میں سے کچھ بھی پڑھتے ہیں اور تم لوگ جو بھی کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو تو اس وقت ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا ایسا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز ایسی نہیں مگر وہ واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (ھود 6:11) ''اور زمین پر چلنے پھرنے والے کا رزق اللہ کے ذمے ہے، وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور اس کے دفن ہونے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ ﴾ (الرعد 10:13) ''کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے، یا بلند آواز سے کہے یا رات (کی تاریکی) میں کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 7:20) ''وہ چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ تر بات کو جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ﴾ (الحدید 4:57) ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔'' تو کیا جس کے یہ اوصاف ہیں وہ ان بتوں کی طرح ہوسکتا ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو اور وہ نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ عقل رکھتے ہیں، نہ اپنے لیے اور نہ اپنے پجاریوں کے لیے کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ اپنے سے یا اپنے پجاریوں میں سے کسی کے نقصان ہی کو دور کر سکتے ہیں؟ سیاق کی دلالت پر اکتفا کرتے ہوئے اس سوال کا جواب حذف کر دیا گیا اور وہ سیاق یہ ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ ﴾ ''اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں، شریکوں اور معبودانِ باطلہ کی بھی پوجا کرتے ہیں۔

﴿ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ (ذرا) ان کے نام تو لو۔'' ہمیں بھی ان کے بارے میں بتاؤ، ان کی حقیقت واضح کرو تاکہ یہ پہچانے جاسکیں جبکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو، جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا؟'' یعنی اس کا کوئی وجود ہی نہیں اگر اس کا زمین میں کوئی وجود ہوتا تو وہ اسے ضرور جان لیتا کیونکہ اس سے تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ ﴿ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ ﴾ ''بلکہ (تم شریک ٹھہراتے ہو) ظاہری لفظ (کے اعتبار) سے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ظن کی تقلید کرتے ہو۔[1] ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں کہ تم باطل قول کی تقلید کرتے ہو۔[2] یعنی تم ان بتوں کی اس لیے پوجا کرتے ہو کہ تمھارا گمان یہ ہے کہ یہ نفع و نقصان کے مالک ہیں، اسی لیے تم نے ان کا نام معبود رکھا ہے: ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝ ﴾ (النجم 23:53)

[1] تفسیر الطبری:209/13. [2] تفسیر الطبری:210/13.

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿34﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو سخت ترین ہے، اور انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہیں ﴿34﴾

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ

جس جنت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس کے پھل اور اس کے سائے دائمی

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿35﴾

ہیں۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہوئے، اور کافروں کا انجام آگ ہے ﴿35﴾

''وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھے ہیں۔ اللہ نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی یہ لوگ تو محض ظن (فاسد) اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آچکی ہے۔''

﴿ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ ﴾ ''بلکہ کافروں کے لیے ان کا مکر خوشنما بنا دیا گیا۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ مکر سے مراد یہاں بات ہے۔[1] یعنی یہ جس ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں اور جس کی طرف دن رات دعوت دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 25:41) ''اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انھوں نے (ان کے اعمال) ان کو عمدہ کر کے دکھائے تھے۔'' ﴿ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ ﴾ ''اور وہ (ہدایت کے) رستے سے روک لیے گئے ہیں۔'' جنھوں نے اسے صاد کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ان کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے گئے اور انھیں معلوم کرا دیا گیا کہ یہی حق ہے تو انھوں نے اس کی طرف دعوت دی اور لوگوں کو رسولوں کے رستے کی پیروی سے روک دیا۔ اور جنھوں نے اسے صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جب انھیں ان کے اعمال صحیح اور مزین کر کے دکھائے گئے تو اس طرح یہ اللہ کے رستے سے روک لیے گئے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾ ﴾ ''اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ ﴾ (المآئدۃ 41:5) ''اور جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ ﴾ (النحل 37:16) ''(اے نبی!) اگر آپ ان (کفار) کی ہدایت کے لیے کتنی ہی حرص کریں تو بے شک جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے، پھر اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا اور ایسے (گمراہ) لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا۔''

تفسیر آیات: 35,34

کفار کے عذاب اور ابرار کے ثواب کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کفار کے عقاب اور ابرار کے ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔ مشرکوں کے حال اور ان کے کفر و شرک کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''ان کو دنیا کی زندگی

[1] تفسیر الطبری: 210/13.

میں بھی عذاب ہے۔'' یعنی مومنوں کے ہاتھوں یہ قتل ہوں گے اور قیدی بنائے جائیں گے، ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ﴾ ''اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔'' یعنی دنیا کی زندگی کی اس ذلت و رسوائی کے ساتھ ساتھ آخرت میں ان کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے وہ بہت ہی سخت ہے جیسا کہ رسول اللہ نے لعان کرنے والے ایک جوڑے سے فرمایا تھا: [أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ] ''آخرت کے عذاب کے مقابلے میں دنیا کا عذاب بہت ہلکا ہے۔''[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بالکل سچا ہے کیونکہ دنیا کا عذاب تو ختم ہو جاتا ہے جبکہ آخرت کا عذاب دائمی اور ابدی ہے اور یہ عذاب ایسی آگ کی صورت میں ہوگا جو دنیا کی آگ کی بہ نسبت ستر گنا ہے۔[2] پھر وہاں کی پکڑ کی سختی و شدت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ ﴾ (الفجر 26,25:89) ''تو اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا (کسی کو) عذاب دے گا۔ اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:11-15) ''اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ تیار کر رکھا ہے۔ جس وقت وہ ان (مجرموں) کو دور سے دیکھے گا تو غضب ناک ہو رہا ہوگا اور وہ اس کے جوش (غضب) اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔ اور جب یہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔ (کہا جائے گا:) تم آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔ کہہ دیجیے کہ یہ (عذاب) بہتر ہے یا بہشت جاودانی جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ ان (کے عملوں) کا بدلہ اور رہنے کا ٹھکانا ہوگا۔''

اسی لیے یہاں بھی جہنم کے ذکر کے ساتھ ہی جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ ﴾ ''جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی اس کے اطراف و جوانب میں نہریں بہ رہی ہیں اور اہل جنت ان میں سے جس طرح چاہیں گے اور جو چاہیں گے تصرف کر سکیں گے، یعنی اہل جنت انھیں جیسے چاہیں گے اور جدھر کو چاہیں گے نکال کر لے جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ

[1] صحیح مسلم، اللعان، باب، حدیث:1493 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ [2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَارُكُمْ هٰذِهِ ـ الَّتِي يُوقِدُ ابْنُ آدَمَ ـ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ حَرِّ جَهَنَّمَ...... فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهَا مِثْلُ حَرِّهَا] ''تمھاری یہ آگ جسے انسان جلاتے ہیں جہنم کی گرمی کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے، بلاشبہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر (69) حصے بڑھ کر ہے، تمام کی حرارت اس کے مثل ہے۔'' صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حدیث:2843 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ط وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ط......﴾ الآية (محمد 15:47) ''جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں (ایسے) پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور ایسی دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ (کبھی) نہیں بدلے گا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہے اور شہد مصفا کی نہریں ہیں (جو حلاوت ہی حلاوت ہے) اور (وہاں) ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہوگی۔''

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ط﴾ ''اس کے پھل اور اس کے سائے دائمی ہیں۔'' یعنی اس میں پھل اور کھانے پینے کی ایسی چیزیں ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ صحیح بخاری و مسلم میں نماز کسوف کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے دیکھا کہ آپ نے یہاں کھڑے ہوتے ہوئے کسی چیز کو پکڑنا چاہا مگر پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے گویا ارادہ بدل دیا۔ آپ نے فرمایا: [إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ۔ أَوْ أُرِيتُ الْجَنَّةَ۔ فَتَنَاوَلْتُ مِنهَا عُنْقُودًا، وَّلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَ كَلْتُم مِّنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا] ''میں نے جنت کو دیکھا۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی۔ تو میں نے انگور کے خوشے کو پکڑا اور اگر میں اسے لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس خوشے سے انگور کھاتے رہتے۔''[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: [يَأْكُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فِيهَا وَيَشْرَبُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ، وَلَا يَبُولُونَ، وَلٰكِنْ طَعَامُهُمْ ذَاكَ جُشَاءٌ (كَرِيحِ الْمِسْكِ)، يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالتَّقْدِيسَ، كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفَسَ] ''اہل جنت، جنت میں کھائیں گے، پئیں گے مگر نہ انھیں پاخانے کی حاجت ہوگی اور نہ ناک سے رینٹ نکالیں گے اور نہ انھیں پیشاب کی حاجت ہوگی، ان کا کھانا ایک ایسا ڈکار ہوگا (جس سے ہضم ہو جائے گا اور) جس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی اور ان کو تسبیح و تقدیس کا الہام اسی طرح جاری و ساری ہوگا جس طرح (کسی تکلف یا انقطاع کے بغیر) سانس کی آمد و شد کا سلسلہ جاری و ساری ہوتا ہے۔''[2]

امام احمد و نسائی نے ثُمامہ بن عُقبہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے زید بن ارقم سے سنا کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: اے ابوقاسم! آپ کا خیال ہے کہ اہل جنت کھائیں پئیں گے۔ آپ نے فرمایا: [إِي وَالَّذِي نَفْسِي

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب كفران العشير وهو الزوج......، حديث:5197 و صحيح مسلم، الكسوف، باب ما عرض على النبيﷺ في صلاة الكسوف من أمر الجنة والنار، حديث: 907 . [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها...... ، باب في صفات الجنة وأهلها......، حديث:(19)-2835، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح مسلم میں اس طرح ہیں: [كرشح المسك] ''خوشبو کے پھیلنے کی طرح۔'' اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ مسند أبي داود الطيالسي، وماروى سفيان:328/3، حديث:1885 میں اس طرح ہیں: [جشاء ريح كريح المسك] ''ڈکار کی ایسی خوشبو ہوگی جیسے کستوری کی خوشبو'' اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں [التقديس] ہے جو ہمیں نہیں ملا، البتہ صحیح مسلم وغیرہ میں اس کے بجائے [التحميد] ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ مَنۡ یُّنۡكِرُ بَعۡضَهٗ ؕ قُلۡ

اور جنھیں ہم نے کتاب دی وہ اس (قرآن) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا، اور کچھ گروہ ہیں جو اس کے بعض (احکام) کا انکار

اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشۡرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَیۡهِ مَاٰبِ ﴿36﴾ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ

کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں۔ اسی کی طرف میں دعوت دیتا

حُكۡمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

ہوں اور اسی کی طرف میری واپسی ہے ﴿36﴾ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی (زبان) میں حکم (بنا کر) نازل کیا اور اگر واقعی آپ اس کے بعد

مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿37﴾ ع 5/6/11

بھی ان کی خواہشات کے پیچھے چلے کہ آپ کے پاس علم آچکا تو آپ کے لیے اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ﴿37﴾

بِیَدِہٖ! إِنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ لَيُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ وَالشَّهْوَةِ] ''ہاں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے ایک آدمی کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت کے اعتبار سے ایک سو آدمیوں کی طاقت دی جائے گی'' اس نے کہا: جو کھاتا پیتا ہے اسے حاجت بھی پیش آتی ہے، حالانکہ جنت میں کوئی تکلیف دہ بات نہ ہوگی؟ آپ نے فرمایا: [تَكُونُ حَاجَةُ أَحَدِهِمْ رَشْحًا يَفِيضُ مِنْ جُلُودِهِمْ كَرِيحِ الْمِسْكِ فَيَضْمُرُ بَطْنُهُ] ''ان کی حاجت ایک پسینے سے پوری ہو جائے گی جو ان کی جلدوں سے بہے گا اور اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی، چنانچہ اس سے پیٹ ہلکا ہو جائے گا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِیۡرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾ ﴾ (الواقعة 56:32,33) ''اور وافر پھلوں میں جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَدَانِیَةً عَلَیۡهِمۡ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِیۡلًا ﴿۱۴﴾ ﴾ (الدھر 76:14) ''ان سے (پھل دار شاخیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے اور پھلوں کے گچھے ان کے تابع فرمان بنا دیے جائیں گے۔'' اسی طرح ان کے سائے بھی نہ ختم ہوں گے اور نہ سکڑیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴿۵۷﴾ ﴾ (النسآء 4:57) ''اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو ہم جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہیں اور ان کو ہم گھنے سایوں میں داخل کریں گے۔'' بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کے حالات کو یکجا بیان فرمایا ہے تا کہ جنت کی ترغیب دلائی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے، اسی طرح یہاں بھی جنت کے تذکرے کے بعد فرمایا: ﴿ تِلۡكَ عُقۡبَی

---

[1] السنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، قوله تعالىٰ: ﴿ وَفِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ ﴾: 454/6، حديث: 11478 واللفظ له. ومسند أحمد: 367/4 لیکن [يفيض من جلودهم] کے الفاظ صحيح ابن حبان، مناقب الصحابة، ذكر الإخبار عما يكون متعقب طعام......: 444,443/16، حديث: 7424 اور اس کے بعد والے الفاظ آخر تک المعجم الكبير للطبراني: 178/5، حديث: 5008 کے مطابق ہیں۔

﴿ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴾ ''یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہیں اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴾ (الحشر 20:59) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت ہی تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔''

تفسیر آیات: 37,36

سچے اہل کتاب قرآن مجید سے خوش ہوتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ''اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی۔'' اور وہ اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، ﴿ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ''وہ اس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے خوش ہوتے ہیں۔'' یعنی قرآن مجید سے کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی صداقت اور آپ کے بارے میں بشارت کے شواہد موجود ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (البقرۃ2:121) ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسا) پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے، یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو اس کو نہیں مانتے وہی خسارہ پانے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:107,108) ''کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ، یا نہ لاؤ، بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہماری کتابوں میں محمد ﷺ کے بھیجنے کے بارے میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ حق سچ ہے اور یقیناً پورا ہو کر رہنے والا ہے، پس پاک ہے وہ ذات کس قدر سچا ہے اس کا وعدہ، سب تعریفیں صرف اس کی ذات گرامی کو زیبا ہیں، پھر انھی اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل17:109) ''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے۔''

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ ﴾ ''اور بعض گروہ اس کی بعض باتیں نہیں بھی مانتے۔'' یعنی بعض گروہ ایسے بھی ہیں جو قرآن کی بعض باتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ وَمِنَ الْاَحْزَابِ ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔[1] اور ﴿ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ ﴾ بعض باتوں سے مراد اس حق میں سے بعض باتیں ہیں جو آپ ﷺ کے پاس آیا ہے۔ قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[2] اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ (آل عمرٰن 3:199) ''اور بلاشبہ بعض

[1] تفسیر الطبری:13/214. [2] تفسیر الرازی:19/60 وتفسیر الطبری:13/214,215.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے، اور ہم نے انھیں بیوی بچوں والے بنایا۔ اور کسی رسول کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ)

يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿38﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ

لائے مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر مقررہ وقت کے لیے ایک کتاب (لکھا ہوا وقت) ہے ﴿38﴾ اللہ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور (جسے چاہے) ثابت رکھتا ہے،

وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾

اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے ﴿39﴾

اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے، یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے اور یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ بناؤں۔'' یعنی میری بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی کی دعوت دوں جیسا کہ مجھ سے پہلے کے انبیاء بھی اسی مقصد کی خاطر مبعوث کیے گئے تھے۔ ﴿ اِلَيْهِ اَدْعُوْا ﴾ ''میں اسی کی طرف بلاتا ہوں۔'' یعنی اس کے رستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں، ﴿ وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿36﴾ ﴾ ''اور اس کی طرف (مجھے) لوٹنا ہے۔'' یعنی میرے لوٹنے کی جگہ اور میرے پناہ ملنے کی جگہ بھی اسی کی طرف ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو محکم عربی زبان میں (بنا کر) نازل کیا ہے۔'' یعنی جیسا کہ ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ان پر آسمان سے کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ پر یہ قرآنِ محکم نازل کیا ہے جو عربی زبان میں ہے، اس کے ساتھ ہم نے آپ کو شرف بخشا اور اس واضح، روشن اور جلی کتاب کے ساتھ ہم نے آپ کو دیگر پیغمبروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے جس کی شان یہ ہے: ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ بڑی حکمت والی اور قابل تعریف ہستی کی اتاری ہوئی ہے۔''

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿37﴾ ﴾ ''اور اگر آپ علم (ودانش) آنے کے بعد ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلیں گے تو اللہ کے سامنے نہ آپ کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ بچانے والا۔'' یہ اہل علم کے لیے وعید ہے کہ وہ اس سنت نبویہ اور حجت محمدیہ کے اختیار کرنے کے بعد جسے اللہ کے پیغمبر محمد ﷺ لے کر تشریف لائے، اہل ضلالت کے رستے کی پیروی نہ کریں۔

تفسیر آیات: 39,38

تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر تھے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) جس طرح ہم نے آپ کو رسول اور بشر بنا کر بھیجا

ہے اسی طرح آپ سے پہلے کے تمام پیغمبر بھی بشر ہی تھے، وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، اپنی بیویوں سے تعلقات قائم رکھتے تھے اور ان کے ہاں اولاد ہوتی تھی، یعنی ان کی بیویاں اور بچے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اشرف الرسل اور خاتم الانبیاء ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ یہ اعلان فرما دیں: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (الکہف 110:18) ”کہہ دیجیے کہ میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے۔“ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [......لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، (وَآكُلُ اللَّحْمَ) وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي] ”......لیکن میں تو روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور (گوشت بھی کھاتا ہوں) اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یہ ہے میری سنت) لہٰذا جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔“[1]

اللہ کے حکم کے بغیر کوئی رسول نشانی نہیں لا سکتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ”اور کسی پیغمبر کے اختیار کی بات نہ تھی کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی (معجزہ) لائے۔“ یعنی اپنی قوم کے سامنے وہ کوئی بھی معجزہ پیش نہیں کر سکتے۔ ہاں، جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہو جائے، یعنی نبی کو از خود اپنی طرف سے کسی معجزے کو دکھا دینے کا اختیار نہیں بلکہ یہ سارا معاملہ اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سپرد ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا اور جو ارادہ فرماتا ہے اسے عملی جامہ پہنا دیتا ہے۔ ﴿ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝38 ﴾ ”ہر وعدے کے لیے لکھا ہوا (وقت) ہے۔“ یعنی ہر مدت مقررہ کے بارے میں کتاب میں لکھا ہوا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔ ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ (الحج 70:22) ”کیا آپ نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے یہ (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے۔“

کتاب میں مٹانے اور باقی رکھنے کے معنی: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ ”اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔“ یعنی اس کی مدت میں سے ﴿ وَيُثْبِتُ ۚ ﴾ ”اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے۔“ یعنی قرآن کے نزول کی بدولت (سابقہ کتابوں کی) مدتوں کو منسوخ کر دیا گیا (اور قرآن مجید کو اس نے ثابت رکھا) جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ ﴾ ”اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے۔“ کیونکہ موت و حیات اور شقاوت و سعادت کے بارے میں اس کے فیصلے ناقابل تغیر و تبدل ہیں۔[2] منصور

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث: 5063 وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجد مؤنة......، حديث: 1401. البتہ قوسین والے الفاظ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملے۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے متعلق سوال کرنے والے تین صحابہ میں سے ایک کی خواہش ”کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا“ کے مقابلے میں یہ الفاظ آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو گئے ہوں کیونکہ اُس واقعے کا اسلوب بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی ایک ایک خواہش کا اسی انداز سے رد فرمایا تھا۔ واللہ أعلم. [2] تفسير الطبري: 217/13.

بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مجاہد سے پوچھا کہ اگر ہم میں سے کوئی اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ! اگر میرا نام سعادت مندوں میں ہے تو اسے قائم رکھنا اور اگر بدبختوں میں ہے تو ان کی فہرست سے اسے مٹا دینا اور اس کے بجائے سعادت مندوں میں کر دینا تو انھوں نے فرمایا: بہت اچھی دعا ہے، پھر میں ان سے ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے کے بعد ملا اور ان سے پھر یہی پوچھا تو انھوں نے سورۂ دخان کی دو آیتیں: ﴿ حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ﴾ (الدخان 44:1-4) ''حٰمٓ۔ واضح کتاب کی قسم ہے، بلاشبہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا، بے شک ہم ہی ڈرانے والے ہیں۔ اس (رات) میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔'' پڑھیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں ایک سال کے رزق اور مصیبت وغیرہ کے فیصلے فرما دیتا ہے، پھر ان میں سے جسے چاہتا ہے مقدم کر دیتا اور جسے چاہتا ہے مؤخر کر دیتا ہے لیکن سعادت اور شقاوت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو فیصلے فرما رکھے ہیں وہ ثابت اور قائم ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔[1]

اعمش نے ابو وائل شقیق بن سلمہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو نے ہمیں بدبخت لکھ دیا ہے تو اسے مٹا کر ہمیں سعادت مندوں میں لکھ دے اور اگر تو نے ہمیں سعادت مندوں میں لکھا ہے تو اسے قائم رکھنا کیونکہ تو جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور تیرے پاس ہی اصل کتاب ہے۔[2]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

بہر حال ان اقوال کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تقدیر میں سے جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اس قول کی تائید میں وہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے جسے امام احمد نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ] ''بندہ اس گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے اور تقدیر کو دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی اضافہ کر سکتی ہے۔''[4] اور صحیح حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔[5] اور ایک دوسری حدیث میں ہے: [إِنَّ الدُّعَاءَ وَالْقَضَاءَ لَيَعْتَلِجَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ] ''بے شک دعا اور قضا کا آسمان و زمین کے درمیان جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔''[6]

---

[1] تفسير الطبري: 218/13. [2] تفسير الطبري: 219/13. [3] تفسير الطبري: 220,219/13. [4] مسند أحمد: 277/5 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب في القدر، حديث: 90 و السنن الكبرى للنسائي، الرقاق: 380/10، حديث: 11775 مختصراً. طبع مؤسسة الرسالة، والله تعالى أعلم. اس حدیث کا ابتدائی حصہ [...... بالذنب يصيبه] تک ضعیف ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 68/37. [5] ماخوذ از صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، حديث: 5985 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ و صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم وتحريم ......، حديث: (21)-2557 مختصراً عن أنس رضی اللہ عنہ. [6] ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی، البتہ المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير: 492/1، حديث: 1813 میں الفاظ اس طرح ہیں: [إِنَّ الْبَلَاءَ لَيَنْزِلُ فَيَتَلَقَّاهُ الدُّعَاءُ فَيَعْتَلِجَانِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] عن عائشة رضی اللہ عنہا لیکن یہ ضعیف ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا

اور (اے نبی!) اگر ہم واقعی آپ کو اس (عذاب) کا کچھ حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا آپ کو وفات دے دیں، آپ کے ذمے تو صرف

الْحِسَابُ ﴿40﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

پہنچا دینا ہی ہے، اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے ﴿40﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم (کفر کی) زمین کو اس حال میں آتے ہیں، کہ اسے اس کے

لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿41﴾

اطراف سے گھٹاتے جاتے ہیں (اسلام پھیل رہا ہے) اور اللہ حکم کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿41﴾

عطیہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو سارا زمانہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہتا ہے مگر پھر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کام کرتا ہے حتی کہ گمراہی پر ہی اس کی موت واقع ہوتی ہے تو یہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اور جسے قائم رکھتا ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہتا ہے لیکن اس کی تقدیر میں خیر و بھلائی لکھی ہوتی ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کام کرتے ہوئے فوت ہوتا ہے تو یہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قائم رکھتا ہے۔[1] سعید بن جبیر سے مروی ہے: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ﴾ ''اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔'' بندوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے انھیں معاف نہیں کرتا۔[2] جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾ (البقرۃ 284:2) ''پھر وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تفسیر آیات: 41,40

رسول کا فرض پہنچا دینا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ ﴾ ''اور اگر ہم آپ کو دکھا دیں۔'' اے محمد (ﷺ!) دنیا میں ذلت و رسوائی کی صورت میں وہ بعض عذاب جس کا آپ کے دشمنوں سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ﴾ ''یا آپ کو وفات دے دیں۔'' یعنی اس سے پہلے ہی ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ﴾ ''تو آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے۔'' یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ اللہ کے پیغام کو پہنچا دیں اور آپ نے اسے پہنچا دیا ہے جو آپ کو حکم دیا گیا تھا ﴿ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾ ﴾ ''اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' یعنی ان کا حساب اور ان کا بدلہ ہمارے ذمے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ ڶ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ○ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ○ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ○ ﴾ (الغاشیۃ 88:21-26) ''چنانچہ آپ نصیحت کیجیے! آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر داروغے نہیں۔ ہاں، جو پھرا اور نہ مانا تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔ بے شک

[1] تفسیر الطبری: 220/13. [2] تفسیر البغوی: 27/3 و تفسیر القرطبی: 331/9.

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ

اور بے شک وہ لوگ بری تدبیریں کر چکے جو ان سے پہلے تھے، بس اللہ ہی کے لیے ساری تدبیریں ہیں۔ وہی جانتا ہے جو کچھ ہر نفس کماتا ہے، اور

وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿42﴾

جلد ہی کفار جان لیں گے کہ آخرت کا (اچھا) گھر کس کے لیے ہے ﴿42﴾

ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، پھر ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں (اسلام پھیل رہا ہے۔)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زمین کے بعد دوسری زمین پر فتح عطا کر رہے ہیں۔[1] حسن بصری اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کا مشرکوں پر غلبہ مراد ہے۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ...... ﴾ الآية (الأحقاف 27:46) ''اور البتہ تحقیق تمھارے ارد گرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا......''

تفسیر آیت:42

کفار کی چال اور مومنوں کی کامیابی: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''جو لوگ ان سے پہلے تھے بے شک وہ بہت تدبیریں کر چکے ہیں۔'' اپنے رسولوں کے خلاف اور انھوں نے انھیں اپنے ملکوں سے نکال دینے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف چال چلی اور انجام کار پرہیزگاروں کو کامیابی و کامرانی سے نوازا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 30:8) ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کریں) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں چال چل رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا جان سے مار دیں یا (مکہ سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ تدبیر کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾ (النمل 51,50:27) ''اور انھوں نے ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ تو پھر آپ دیکھیں! ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟ بلاشبہ ہم نے ان (نو سرغنوں) کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر ڈالا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ ﴾ ''ہر متنفس جو کچھ کر رہا ہے وہ اسے جانتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمام بھیدوں اور چھپی ہوئی تمام باتوں کو جانتا ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ [وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرُ] اور ایک دوسری قراءت (جو رائج ہے اس میں) اس طرح ہے: ﴿ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿42﴾ ﴾ ''اور کافر جلد معلوم کریں گے کہ عاقبت کا گھر کس کے لیے ہے!'' یعنی عاقبت کس کی بہتر اور انجام کار کس کا اچھا ہے، ان کا یا انبیائے کرام کے پیروکاروں کا! ان

[1] تفسير الطبرى:226/13. [2] تفسير الطبرى:226/13.

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ

اور کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں ہو۔ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے ، اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس

عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝43

کتاب کا علم ہے ۝43

کا انجام ہرگز اچھا نہیں ہوگا بلکہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام تو انبیائے کرام علیہم السلام کے پیروکاروں ہی کا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیت: 43

اللہ تعالیٰ اور جن کے پاس کتاب کا علم ہے، رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر گواہ کافی ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ﴾ ”آپ (اللہ کے) رسول نہیں ہیں۔“ یعنی آپ کو اللہ نے رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔“ مجھے اللہ ہی کافی ہے، وہ میرے اور تمھارے بارے میں گواہ ہے، وہ گواہ ہے کہ میں نے اس کے پیغام کو پہنچا دیا ہے اور اے تکذیب کرنے والو! وہ تمھارے کذب و افترا اور بہتان پر بھی گواہ ہے۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝43﴾ ”اور وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے (وہ بھی گواہ ہے۔)“ کہا گیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ امام مجاہد کا قول ہے۔[1] لیکن یہ ایک غریب قول ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور عبداللہ بن سلام نبی اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کی ابتدا ہی میں مسلمان ہوئے تھے، لہٰذا بظاہر وہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے جو عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ انھیں میں سے عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔[3]

اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ﴾ اسم جنس ہے جو ان علمائے اہل کتاب کو شامل ہے جو انبیائے کرام کی بشارتوں کی روشنی میں سابقہ آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ پاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ ...... الآية﴾ (الأعراف 7:156,157) ”جو میری رحمت ہے، وہ ہر چیز کو شامل ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکاۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں......۔“

اور فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ؕ﴾ (الشعرآء 26:197) ”کیا ان کے لیے ایک نشانی

[1] تفسیر الطبری: 230/13. [2] تفسیر الطبری: 230/13. [3] تفسیر الطبری: 231/13.

کافی نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس (قرآن یا صاحب قرآن) کو جانتے ہیں!''اور اس مفہوم کی دیگر آیات کریمہ جن میں علمائے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ اپنی آسمانی کتابوں کی روشنی میں یہ جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

سورۂ رعد کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سُورۂ إبراھیم

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى

الٓرٰ، (اے نبی!) (یہ) عظیم الشان کتاب ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لائیں،

صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَوَيۡلٌ

ان کے رب کے اذن سے غالب (اور) لائق تعریف کے راستے کی طرف ① (یعنی) اللہ کی طرف جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں

لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۙ ② الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ

میں اور زمین میں ہے، اور کافروں کے لیے شدید عذاب سے تباہی ہے ② جو آخرت پر دنیاوی زندگی کو محبوب رکھتے ہیں، اور اللہ کے

وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيۡدٍ ③

راستے سے روکتے ہیں، اور اس میں ٹیڑھا پن ڈھونڈتے ہیں، وہی دور کی گمراہی میں ہیں ③

تفسیر آیات :1-3

کئی سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں بحث ہو چکی ہے۔

قرآن مجید کی تعریف: ﴿ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ ﴾ ''(یہ) ایک (پرنور) کتاب ہے اس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے جو سب سے اشرف کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنے اس سب سے اشرف رسول پر نازل فرمایا ہے جنھیں روئے زمین کے عربوں، عجمیوں اور تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ ﴿ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ ﴾ ''اس لیے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس کتاب کے ساتھ ہم نے آپ کو اس لیے مبعوث کیا ہے تاکہ لوگوں کو ضلالت وگمراہی سے نکال کر ہدایت اور رشد و بھلائی کی طرف لے جائیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ

النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ...... ﴾ الآیة (البقرۃ2:257) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ ہے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں......۔'' اور فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ...... ﴾ الآیة (الحدید 9:57) ''وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے......۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کے پروردگار کے حکم سے۔'' یعنی اپنے اس رسول کے ہاتھوں، جنھیں اس نے اپنے حکم سے مبعوث فرمایا ہے، اسے ہدایت عطا فرمادے گا جس کے مقدر میں اس نے ہدایت لکھ رکھی ہے۔ ﴿ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ ﴾ ''غالب کے رستے کی طرف۔'' یعنی وہ ذات گرامی اس قدر غالب ہے کہ نہ تو کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ کوئی اسے مغلوب کر سکتا ہے بلکہ وہ اپنے علاوہ ساری کائنات اور تمام مخلوقات پر غالب ہے۔ ﴿ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ ''(وہ) قابلِ تعریف ہے۔'' یعنی وہ اپنے تمام افعال واقوال، احکام شریعت اور اوامر ونواہی میں قابلِ ستائش اور اپنی خبروں میں سچا ہے اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔'' بعض ائمہ قراءت نے یہاں جملہ مستأنفہ ہونے کی وجہ سے لفظ ﴿ اللّٰهِ ﴾ کو مرفوع پڑھا ہے اور بعض نے صفات جلالت ﴿ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ کی اتباع میں اسے مکسور پڑھا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ...... ﴾ الآیة (الأعراف 158:7) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے......۔'' میں ﴿ الَّذِيْ ﴾ کو مرفوع اور مکسور دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِۨ ۝ ﴾ ''اور کافروں کے لیے بڑے سخت عذاب (کی وجہ) سے تباہی ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کی مخالفت اور تکذیب کریں گے تو روز قیامت ان کے لیے خرابی ہوگی، پھر ان لوگوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ﴾ ''جو آخرت کی نسبت دنیا کو پسند کرتے ہیں۔'' یعنی اسے مقدم قرار دیتے اور دنیا ہی کو ترجیح دیتے ہوئے سارے کام اسی کے لیے کرتے ہیں، یہ لوگ آخرت کو فراموش کر کے اسے پس پشت ڈال رہے ہیں۔ ﴿ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں۔'' اللہ کے رستے سے مراد رسولوں کی اتباع کا رستہ ہے۔ ﴿ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ ﴾ ''اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔'' یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رستہ ٹیڑھا اور کجی والا ہو جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا رستہ صاف ستھرا اور بالکل سیدھا ہے، اس کی مخالفت کرنے والا اور اسے چھوڑنے والا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جو لوگ اس میں کجی چاہتے ہیں وہ جہالت وضلالت کی وجہ سے حق سے بہت دور ہیں، لہٰذا اس حال میں ان کی اصلاح کی کوئی امید بھی نہیں کی جا سکتی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان بولنے والا بھیجا، تاکہ ان کے لیے کھول کر بیان کرے۔ پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

ہدایت دیتا ہے۔اور وہ زبردست، خوب حکمت والا ہے ④

تفسیر آیت:4

ہر پیغمبر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر خاص لطف وکرم ہے کہ اس نے انھی میں سے ایسے پیغمبر بھیجے جو انھی کی زبان بولتے تھے تاکہ یہ اپنے نبیوں کی بات کو سمجھ لیں۔فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ’’پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔‘‘ یعنی حقیقت حال بیان کرنے اور حجت تمام کرنے کے بعد جسے چاہتا ہے راہ ہدایت سے دور کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے حق کے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ ’’اور وہ غالب ہے‘‘ کہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا۔ ﴿ الْحَكِيْمُ ④ ﴾ ’’خوب حکمت والا ہے۔‘‘ وہ اپنے تمام افعال میں حکمت والا ہے جو گمراہی کا مستحق ہوتا ہے اسے وہ گمراہ کر دیتا ہے اور جو ہدایت کا اہل ہوتا ہے، اسے ہدایت سے نوازتا ہے۔اپنی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت رہی ہے کہ اس نے ہر امت کے نبی کو اسی زبان (بولی) کے ساتھ بھیجا جو ان کی امت کی زبان تھی۔

عالمگیر پیغمبر ﷺ: پہلے ہر نبی کو صرف ان کی اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عالمگیر نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ (مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ) قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا...... وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ’’مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئی تھیں: (1) ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔(2) اور میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک قرار دے دیا گیا ہے۔......(3) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے انھیں کسی دوسرے کے لیے حلال قرار نہیں دیا گیا تھا۔(4) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔(5) اور پہلے ہر ہر نبی کو صرف اپنی قوم کی طرف ہی مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔‘‘[1] ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ...... ﴾ الآية (الأعراف 158:7) ’’(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی

[1] صحیح البخاری، التیمم، باب، حدیث: 335 اور قوسین والا جملہ بھی صحیح البخاری، الصلاۃ، باب قول النبیﷺ: [جعلت لی الأرض مسجدا وطهورا]، حدیث: 438 میں ہے۔ وصحیح مسلم، کتاب وباب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث: 521.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ

اور بلاشک وشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال اور انھیں اللہ کے ایام (احسان) یاد دلا۔

اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤

بے شک ان میں البتہ ہر صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں⑤

طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔''

تفسیر آیت:5

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) جس طرح ہم نے آپ کو نبوت ورسالت سے سرفراز کیا اور کتاب نازل کی تاکہ آپ تمام لوگوں کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف آنے کی دعوت دیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی مشہور نو نشانیاں مراد ہیں۔[1] ہم نے یہ کہتے ہوئے انھیں حکم دیا: ﴿ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ﴾ ''اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔'' یعنی اپنی قوم کو خیر کی دعوت دو تاکہ وہ جہالت وضلالت کی تاریکی سے نکل کر ہدایت کی روشنی اور ایمان کی بصیرت کی طرف آئیں۔ ﴿ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور ان کو اللہ کے (یادگار) دن یاد دلایئے۔'' یعنی انھیں اللہ تعالیٰ کے یہ احسانات اور انعامات یاد دلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فرعون کی قید، قہر اور ظلم وستم سے نکال کر اس دشمن سے نجات بخشی، ان کے لیے دریا میں رستے بنا دیے، بادلوں کو سائے کے لیے بھیج دیا، ان پر من وسلویٰ نازل فرمایا اور اپنی دیگر بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ اس سلسلے میں امام مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤﴾ ''اور اس میں صابر وشاکر لوگوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔'' یعنی یہ جو ہم نے بنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک کیا کہ انھیں فرعون کے ظلم سے نجات دی اور اس رسوا کن عذاب سے بچایا جس میں فرعون نے انھیں مبتلا کر رکھا تھا، اس میں ہر اس انسان کے لیے عبرت ہے جو مشکلات میں صبر سے کام لے اور امن وخوشحالی میں شکر ادا کرے جیسا کہ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''بہترین انسان وہ ہے جو کسی آزمائش میں مبتلا ہو تو صبر کرے اور جب اسے کوئی نعمت میسر ہو تو اپنے رب تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔''[3]

صحیح حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، ...... إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ] ''مومن کا سارا معاملہ بڑا تعجب انگیز ہے یقیناً اس کا سارا معاملہ اس کے لیے بھلائی ہی ہے...... اگر اسے کوئی مسرت حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ (بھی) اس کے حق میں بہتر ہے۔''[4]

---

[1] تفسير الطبرى:238/13. [2] تفسير الطبرى:241,240/13. [3] تفسير الطبرى:241/13. [4] صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب: المؤمن أمره كله خير، حديث:2999 عن صهيب رضي الله عنه.

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب اس نے تمھیں آل فرعون سے نجات دی، وہ تمھیں سخت

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

عذاب دیتے تھے اور تمھارے بیٹے ذبح کرتے اور تمھاری بیٹیاں زندہ چھوڑتے تھے، اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے

1 ع 6 13

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ ع وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ

عظیم آزمائش تھی ⑥ اور جب تمھارے رب نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں مزید دوں گا اور اگر تم کفر کرو

عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ

گے تو بلاشبہ میرا عذاب بہت شدید ہے ⑦ اور موسیٰ نے کہا: اگر تم کفر کرو گے اور وہ سب لوگ بھی جو زمین میں ہیں تو بے شک اللہ

اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾

بے پروا اور لائق تعریف ہے ⑧

تفسیر آیات: 6-8

انعامات واحسانات کی یاددہانی: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات واحسانات یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں آلِ فرعون سے نجات بخشی جس نے انھیں بدترین اور توہین آمیز عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ ان کے بیٹوں کو تو ذبح کر دیتے مگر ان کی بیٹیوں کو اپنی خدمت و چاکری کے لیے زندہ رہنے دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس عذاب سے نجات عطا فرما دی اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر ایک احسان عظیم تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ ﴾ ''اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے عظیم آزمائش تھی۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تم پر ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ تم اس کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتے۔ اس جملے کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ قوم فرعون تمھارے ساتھ جو سلوک کرتی تھی، یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں دونوں مفہوم ہی مراد ہوں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 168:7) ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے تا کہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ ﴾ ''اور جب تمھارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا۔'' یعنی تم سے کیے ہوئے وعدے سے تم کو مطلع کر دیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ جب تمھارے پروردگار نے اپنے عزت وجلال اور کبریائی کی قسم کھائی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ...... ﴾ الآية (الأعراف 167:7) ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ان پر قیامت تک (ایسے شخص کو) مسلط رکھے گا......''

نعمتوں پر شکر اضافے کا اور ناشکری عذاب کا باعث ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ ''کہ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں زیادہ دوں گا۔'' یعنی اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اور نعمتوں سے سرفراز کروں گا۔

﴿ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ ﴾ ''اور اگر ناشکری کرو گے۔'' یعنی میری نعمتوں کی ناشکری کرو گے، انھیں چھپاؤ گے اور ان کا انکار کرو گے، ﴿ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦ ﴾ ''بلاشبہ (یاد رکھو کہ) میرا عذاب بہت سخت ہے'' کہ میں تمھیں ان نعمتوں سے محروم کر دوں گا اور ان کی ناشکری پر عذاب دوں گا۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ] ''انسان گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ بہت بے نیاز ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑧ ﴾ ''اور موسیٰ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کرو تو یقیناً اللہ بھی بے نیاز (اور) بہت تعریف کیا ہوا ہے۔'' یعنی وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ بندے اس کا شکر ادا کریں اور ناشکری کرنے والوں کی ناشکری کے باوجود اس کی ذات ستودہ صفات قابل ستائش اور بے حد قابل تعریف ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ...... ﴾ الآية (الزمر 39:7) ''اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً اللہ تم سے بے پروا ہے......'' اور فرمایا: ﴿ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ ﴾ (التغابن 64:6) ''تو انھوں نے (حق کو) نہ مانا اور پھر گئے اور اللہ نے بھی بے پروائی کی اور اللہ بے پروا (اور) بہت تعریف کیا ہوا ہے۔''

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[......يَاعِبَادِي! لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّا زَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَّاعِبَادِي ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا، يَّاعِبَادِي! لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ......]

''(اللہ ذوالجلال کا ارشاد گرامی ہے کہ)......اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے اور تمھارے انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے اور تمھارے (تمام) انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ بدکار انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے اور تمھارے (تمام) انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان کے سوال کے مطابق اسے دے دوں تو اس سے میری بادشاہت میں اتنی کمی نہیں آتی جتنی دریا میں سوئی ڈبونے سے اس کے پانی میں کمی آتی ہے۔''[2] فَسُبْحَانَهُ وَتَعَالَى الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ.

---

[1] مسند أحمد :282/5 عن ثوبان رضی اللہ عنہ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیے ضعيف الجامع الصغير للألباني، حديث:3006.

[2] صحيح مسلم ، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2577.

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ

کیا تمھیں ان کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے، (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے؟ جنھیں

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا

صرف اللہ جانتا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹائے

اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

اور بولے: بے شک ہم اسے نہیں مانتے جو تمھارے ہاتھ بھیجا گیا ہے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں

تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨

ہمیں اضطراب میں ڈالنے والا شک ہے ⑨

الثلثة

تفسیر آیت :9

امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی: یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت کے لیے ایک نئی خبر ہے، اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، عاد، ثمود اور دیگر امتوں کے واقعات بیان کیے ہیں جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی اور جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا ﴿ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ’’ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔‘‘ نشانیوں سے مراد واضح اور قطعی نوعیت کے دلائل و براہین ہیں۔ ابن اسحاق نے عمرو بن میمون سے اور انھوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ ﴾ ’’جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔‘‘ کے پیش نظر فرمایا کہ نسب بیان کرنے والے جھوٹ بولتے ہیں۔[1] عروہ بن زبیر کا بھی قول ہے کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو مَعَد بن عدنان کے بعد والے نسب نامے کو جانتا ہو۔[2]

﴿ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ ’’تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیے۔‘‘ اس کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں کہ جب انبیائے کرام نے انھیں اللہ کے دین کی دعوت دی تو انھوں نے ان کے مونہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھیں خاموش ہو جانے کے لیے کہا۔ اور دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ انبیائے کرام کی تکذیب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ انھوں نے اپنے مونہوں پر رکھ لیے۔ اور تیسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جواب سے سکوت اختیار کرنے سے عبارت ہے۔ اور چوتھے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ غصے سے اپنے ہاتھوں کو کاٹنے لگے۔ مجاہد، محمد بن کعب اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی اور اپنے مونہوں سے ان کی بات کی تردید کردی۔[3] میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر کی تائید ان اگلے الفاظ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨ ﴾ ’’اور کہنے لگے: بے شک ہم

[1] تفسیر الطبری: 245/13. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2236/7. [3] تفسیر الطبری: 247/13 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2237/7.

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

ان کے رسولوں نے کہا: کیا (تمھیں) اس اللہ کی بابت شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمھیں بلاتا ہے کہ تمھارے

ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ

گناہ معاف کر دے اور تمھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ وہ کہنے لگے: تم ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان (معبودوں)

تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ

سے روک دو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، لہٰذا ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل (معجزہ) لے آؤ ⑩ ان کے رسولوں نے ان سے کہا:

نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ

واقعی ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں اور لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے۔ اور ہمیں یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے حکم

نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ

کے بغیر ہم تمھارے پاس کوئی نشانی (یا دلیل) لا سکیں، اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ⑪ اور ہمارے پاس کیا عذر ہے کہ ہم اللہ پر توکل

عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

نہ کریں، جبکہ وہ ہمیں ہماری راہیں دکھا چکا ہے؟ اور ہم ان ایذاؤں پر ضرور صبر کریں گے جو تم ہمیں دیتے ہو۔ اور پس توکل کرنے والوں

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ⑫ ع 2 6 14

کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ⑫

اسے نہیں مانتے جو تمھارے ہاتھ بھیجا گیا ہے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم ایسے شک میں ہیں جو اضطراب میں ڈالنے والا ہے۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جب انھوں نے کلام الٰہی کو سنا تو اس سے تعجب کیا اور اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھ لیا۔[1] ﴿وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ......﴾ الآیة ''اور کہنے لگے کہ بے شک جو تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے، اسے ہم تسلیم نہیں کرتے......'' جو چیز تم ہمارے پاس لائے ہو ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے صحیح ہونے کے بارے میں ہمیں بڑا پختہ شک ہے۔

تفسیر آیات:10-12

انبیائے کرام علیہم السلام اور کفار کے مابین جھگڑا: اللہ تعالیٰ اس جھگڑے کے بارے میں بیان فرما رہا ہے جو کفار اور ان کے رسولوں کے مابین ہوا تھا۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے جب اپنی امتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں تو وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہو گئے تو انبیائے کرام نے ان کے شک کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ﴾ ''کیا (تمھیں) اللہ (کے بارے) میں شک ہے؟'' یعنی کیا تمھیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ذات گرامی کے لیے وجوب عبادت میں شک ہے جبکہ وہ تمام موجودات کا خالق ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہی مستحق عبادت ہے۔

① تفسیر الطبری:13/247.

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا: ہم تمھیں اپنی زمین سے ضرور نکال دیں گے یا تم ضرور بالضرور ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے، چنانچہ ان کے

اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ⑬ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ

رب نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے ⑬ اور ان کے بعد ہم ضرور تمھیں (اس) سرزمین میں آباد کریں گے، یہ (انعام)

خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ⑮ مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ

اس کے لیے ہے کہ جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور میری وعید سے ڈرا⑭ اور انھوں نے فتح مانگی اور ہر سرکش، عناد رکھنے والا ناکام ہوا⑮ اس

جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ⑯ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ

کے آگے جہنم ہے اور (وہاں) اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا⑯ جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیے گا مگر حلق سے نہ اتار سکے گا، اور ہر جگہ سے اس کو موت آئے

كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ⑰

آئے گی، جبکہ وہ مرے گا نہیں۔ اور اس کے آگے نہایت سخت عذاب ہوگا⑰

اکثر امتیں اس بات کا اقرار تو کرتی تھیں کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسے وسیلوں اور واسطوں کے بھی قائل تھے جن کے بارے میں ان کا گمان یہ تھا کہ یہ انھیں نفع پہنچا سکتے اور تقرب الٰہی کے مقام پر فائز کر سکتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے ان لوگوں سے فرمایا: ﴿ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ ’’وہ تمھیں اس لیے بلاتا ہے کہ تم سے تمھارے گناہ معاف کر دے۔‘‘ یعنی آخرت میں۔ ﴿ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ﴾ ’’اور ایک مدت مقررہ تک تمھیں مہلت دے۔‘‘ یعنی اس دنیا میں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ ...... ﴾ الآية (ہود 3:11) ’’اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، وہ تمھیں وقت مقررہ تک بہت اچھا فائدہ دے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کی بزرگی دے گا......۔‘‘

کافروں نے بشریت کی وجہ سے انبیاء کی رسالت کا انکار کیا: امتوں نے گویا انبیائے کرام علیہم السلام کی پہلی (مذکورہ) بات (جو الوہیت کے متعلق تھی) کو تو تسلیم کر لیا لیکن مقام رسالت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے کہا۔ اور انھوں نے جو کہا اس کا خلاصہ یہ ہے: ﴿ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ ﴾ ’’تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔‘‘ یعنی ہم محض تمھاری بات سن کر تمھاری کس طرح پیروی کریں جبکہ ہم نے تمھارا کوئی معجزہ نہیں دیکھا ﴿ فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ ﴾ ’’تو تم ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل (معجزہ) لاؤ۔‘‘ جو خرق عادت ہو اور ہم اس کے متعلق تمھیں کوئی تجویز دیں۔ ﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ ’’ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ ہاں، ہم تمھارے ہی جیسے آدمی ہیں۔‘‘ یہ بات صحیح ہے کہ بشریت کے اعتبار سے ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ ﴾ ’’اور لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر (نبوت کا) احسان کرتا ہے۔‘‘ یعنی جسے چاہتا ہے نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ’’اور ہمیں اختیار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر تمھارے پاس (تمھاری فرمائش کے مطابق)

معجزہ لائیں۔'' یعنی ہم معجزہ صرف اسی صورت میں دکھا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں سوال کریں اور وہ ہمیں اس کی اجازت عطا فرما دے۔ ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔'' یعنی اپنے تمام امور و معاملات میں، پھر پیغمبروں نے فرمایا: ﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''اور ہم کیونکر اللہ پر بھروسا نہ رکھیں؟'' یعنی اس پر بھروسا رکھنے میں ہمیں کیا امر مانع ہے جبکہ اس نے ہمیں سب سے سیدھے، واضح اور روشن رستے کی ہدایت فرمائی۔ ﴿ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ ﴾ ''اور جو تکلیفیں تم ہم کو دیتے ہو اس پر ہم ضرور صبر کریں گے۔'' خواہ ان کا تعلق بری باتوں سے ہو یا گھٹیا کرتوتوں سے ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ ہی پر بھروسا کرنے والوں کو بھروسا کرنا چاہیے۔''

تفسیر آیات: 13-17

امتوں کی اپنے رسولوں کو دھمکی اور اللہ تعالیٰ کی رسولوں کو خوشخبری: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کافر امتوں نے اپنے رسولوں کو دھمکی دی کہ وہ انھیں اپنے اپنے علاقے سے نکال کر جلاوطن کر دیں گے جیسا کہ قوم شعیب نے شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں سے کہا تھا: ﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ...... ﴾ الآية (الأعراف 88:7) ''شعیب (یا تو) ہم تجھے اور جو لوگ تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے......'' اور اسی طرح قوم لوط نے کہا تھا: ﴿ اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ...... ﴾ الآية (النمل 56:27) ''آل لوط کو تم اپنی بستی سے نکال دو......''

مشرکین قریش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ الآية (بنیٓ إسرآء يل 76:17) ''اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ لوگ آپ کو اس زمین (مکہ) سے اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں اور اس وقت آپ کے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر تھوڑی ہی دیر۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 30:8) ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کریں) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا (مکہ سے) آپ کو نکال دیں، اور (ادھر) وہ تدبیر کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔'' لیکن کافروں کی ان تمام چالوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ اس نے اپنے رسول کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما کر غالب کر دیا اور مکہ سے نکلنے کے سبب انصار و مددگار اور ایسے مجاہدین عطا فرما دیے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائی حتی کہ وہ مکہ بھی فتح ہو گیا جس (کے مکینوں) نے آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ پر قبضہ عطا فرما دیا اور ان تمام دشمنوں کی ناک خاک میں ملا دی، خواہ ان کا تعلق مکہ سے تھا یا مکہ سے باہر کے علاقوں سے حتی کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے اور بہت ہی تھوڑے عرصے میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کا دین مشرق و مغرب کے تمام ادیان پر غالب آ گیا۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ

بَعْدِهِمْ ﴾ ''تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد ہم ضرور تمھیں اسی زمین میں آباد کریں گے۔'' جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور درحقیقت ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً انھی کی مدد کی جائے گی اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ زورآور (اور) بڑا زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ ﴾ الآية (الأنبيآء 21:105) ''اور یقیناً ہم نے نصیحت (آموز کتاب، یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا کہ بے شک میرے نیکوکار بندے زمین کے وارث ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڗ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:128) ''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو، بے شک زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام تو ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:137) ''اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو اس زمین کے مشرق و مغرب کا، جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (کارخانے) بناتے اور (جو محلات) وہ بلند کرتے تھے (سب کو) ہم نے تباہ کر دیا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭ ﴾ ''یہ (وعدہ) اس شخص کے لیے ہے جو (قیامت کے روز) میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور میری وعید سے ڈرا۔'' یعنی میری یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو روز قیامت میرے آگے کھڑا ہونے سے، میری وعید، میرے خوف اور میرے عذاب سے ڈرے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:37-39) ''پھر جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو بے شک اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:46) ''اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاسْتَفْتَحُوْا ﴾ ''اور انھوں نے فتح چاہی۔'' یعنی پیغمبروں نے اپنی قوم کے خلاف اپنے رب تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے[1] جبکہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے اس کا

[1] تفسیر الطبری: 13/252,253.

مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ امتوں نے اپنے ہی خلاف فتح طلب کی جیسا کہ انھوں نے یہ کہا: ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الأنفال 32:8) ”اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔“[1] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں معنی ہی مراد ہوں جیسا کہ بدر کے دن کفار نے اپنے خلاف مدد مانگی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ...... ﴾ الآية (الأنفال 19:8) ”(کافرو!) اگر تم فیصلہ مانگتے تھے تو تمھارے پاس فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو تمھارے حق میں بہتر ہے......“ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ ﴾ ”اور ہر سرکش، ضدی نامراد رہ گیا۔“ یعنی جو بنفسہٖ سرکش ہے اور حق قبول کرنے میں ضدی اور معاند ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ ﴾ (قٓ 50:24-26) ”(حکم ہوگا) تم دونوں ہر سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو۔ جو بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا (اور دین میں) شک کرنے والا تھا۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا تو تم دونوں اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔“ حدیث میں ہے: [يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ......، يَقُوْلُ: إِنِّي وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ،......] ”قیامت کے دن آگ سے ایک گردن نکلے گی......، کہے گی کہ مجھے تین طرح کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے: ہر سرکش اور ناشکرے پر،......“[2] یعنی جب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنے غالب و مقتدر رب تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس میں الحاح و زاری کرنے کی وجہ سے کامیاب و کامران ہوں گے تو یہ سرکش اور ضدی لوگ ناکا و نامراد ہو جائیں گے۔

”وراء“ بمعنی آگے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ ﴾ ”اس کے آگے دوزخ ہے۔“ وَرَاءَ کا لفظ یہاں أَمَام ”آگے“ کے معنی میں ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ﴿ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ ﴾ (الکھف 79:18) ”اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی زبردستی چھین لیتا تھا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے پڑھا ہی اس طرح کرتے تھے: [وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَّلِكٌ] ”ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔“[3] یعنی جابر اور سرکش کے آگے جہنم ہوگا جو اس کے لیے گھات لگائے ہوگا اور روز قیامت اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں داخل کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن تک اسے صبح شام جہنم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

---

[1] تفسیر الطبری: 254/13. [2] جامع الترمذی، صفة جهنم، باب ما جاء صفة النار، حديث: 2574 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. اور حدیث میں بیان کیے گئے تین طرح کے لوگوں میں سے باقی دو قسم کے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں اور جو تصویریں بناتے ہیں۔ [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 2379/7.

﴿ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴾ ''اور (وہاں) اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔'' یعنی جہنم میں ان کے پینے کو سوائے گرم کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے اور کچھ نہ ہوگا جن میں سے ایک بے انتہا سخت گرم اور دوسرا بے حد سرد اور بدبودار ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۙ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ؕ ﴾ (صٓ 38:57,58) ''یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے تو وہ اس کو چکھیں۔ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے (عذاب) ہیں۔'' مجاہد اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ صَدِيْدٍ ﴾ کے معنی پیپ اور خون کے ہیں۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾ (محمد 47:15) ''اور وہ سخت کھولتا ہوا پانی پلائے جائیں گے تو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ...... ﴾ الآية (الكهف 18:29) ''اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کے مانند ہوگا، وہ (ان کے) چہرے بھون ڈالے گا......'' امام ابن جریر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ يَّتَجَرَّعُهٗ ﴾ ''وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیے گا۔'' وہ اس کے گلے میں پھنسے گا اور اسے ناپسند سمجھے گا مگر مجبوراً اسے پیے گا۔ وہ اسے منہ پر بھی نہیں رکھنا چاہے گا مگر فرشتہ لوہے کے ہتھوڑے سے اسے مار مار کر پینے پر مجبور کر دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴾ (الحج 22:21) ''اور ان (کے مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔'' ﴿ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ ﴾ ''اور گلے سے نہیں اتار سکے گا۔'' اس کے ذائقے، رنگ، بدبو اور شدید حرارت کی وجہ سے یا نا قابل برداشت سرد ہونے کی وجہ سے اسے گلے سے نہیں اتار سکے گا۔ ﴿ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾ ''اور ہر جگہ سے اسے موت آئے گی۔'' اس کا سارا بدن اور اس کے تمام اعضاء بے پناہ تکلیف میں ہوں گے۔ عمرو بن میمون بن مہران کہتے ہیں کہ اس کی ہر ہر ہڈی، پٹھا اور رگ درد والم میں مبتلا ہوگی۔[3]

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ وہ مختلف انواع واقسام کے عذاب جن سے اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت جہنم کی آگ میں سزا دے گا اگر اس نے مرنا ہوتا تو مرنے کے لیے ان میں سے ہر ایک عذاب کافی ہوگا لیکن اب وہ یہاں مرے گا نہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا ﴾ (فاطر 35:36) ''ان کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں۔''[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ان مختلف انواع واقسام کے عذابوں میں سے ہر عذاب اس قدر شدید ہوگا کہ اگر کسی پر وارد ہو تو وہ مر جائے لیکن جہنمی نہیں مریں گے تا کہ ہمیشہ جہنم کی سزاؤں اور عذابوں میں مبتلا رہیں، اسی وجہ سے فرمایا ہے: ﴿ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ ﴾ ''اور ہر جگہ سے اُسے موت آ رہی ہوگی لیکن وہ مرنے والا نہیں (ہوگا۔)''

---

[1] تفسير الطبري:255/13 و تفسير ابن أبي حاتم:2239/7. [2] تفسير الطبري:300/15. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2239/7. [4] تفسير ابن أبي حاتم:2239/7.

ارشادِالٰہی ہے: ﴿وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷﴾ ''اوراس کے آگے نہایت سخت عذاب ہوگا۔'' یعنی اس حال کے بعد وہ ایک اور سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ﴿غَلِيْظٌ ۝۱۷﴾ کے معنی بڑا دردناک، مشکل، شدید اور پہلے سے بھی زیادہ سخت کے ہیں۔ یہ عذاب بڑا ہی سخت اور بڑا ہی تلخ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زقوم کے درخت کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:64-68) ''بے شک وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ میں اگتا ہے۔ اس کا خوشا گویا وہ شیطانوں کے سر ہیں، سو وہ (دوزخی) اسی میں سے کھائیں گے، پھر اس سے (اپنے) پیٹ بھریں گے۔ پھر اس (کھانے) کے ساتھ یقیناً ان کے لیے کھولتے پانی کا امیزہ ہوگا، پھر بلاشبہ ان کو دوزخ کی طرف لوٹنا ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ کبھی وہ تھوہر کا درخت کھائیں گے، کبھی گرم کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور کبھی جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝﴾ (الرحمٰن 55:43,44) ''یہی وہ جہنم ہے جسے گناہ گار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ دوزخ اور سخت کھولتے پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝﴾ (الدخان 44:43-50) ''بلاشبہ تھوہر کا درخت، گناہ گار کا کھانا ہے، جیسے پگھلا ہوا تانبا، پیٹوں میں اس طرح کھولے گا جس طرح پانی کھولتا ہے۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو اور گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ، پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو، (مزہ) چکھ! بے شک تو بڑا عزت والا سردار بنا پھرتا تھا۔ بلاشبہ یہی وہ (عذاب) ہے جس میں تم لوگ شک کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝﴾ (الواقعة 56:41-44) ''اور بائیں ہاتھ والے، کیا (حقیر) ہیں بائیں ہاتھ والے! وہ سخت گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔ اور سیاہ ترین دھوئیں کے سائے میں۔ (جو) نہ ٹھنڈا (ہوگا) اور نہ فرحت بخش۔'' اور فرمایا: ﴿هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝﴾ (صٓ 38:55-58) ''یہ (نعمتیں تو فرماں برداروں کے لیے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے بہت برا ٹھکانا ہے۔ (یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے، چنانچہ وہ بری آرام گاہ ہے۔ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ (ہے) اب وہ اس (کے مزے) کو چکھیں، اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے (عذاب ہوں گے۔)''

اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہنمیوں کو قسم قسم کا عذاب ہوگا اور انھیں بار بار

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے (نیک) اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلی۔ جو کچھ انھوں نے کمایا

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱

وہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھیں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے ⑱

اس قدر مختلف انواع واقسام کا عذاب دیا جائے گا جنھیں اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کرسکتا اور یہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔
﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 46:41) ”اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

تفسیر آیت:18

کافروں کے اعمال کی مثال: یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے اعمال کے لیے بیان کی ہے جنھوں نے غیر اللہ کی عبادت کی، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اعمال کو غلط بنیاد پر استوار کیا جس کی وجہ سے ان کے یہ اعمال اس وقت رائیگاں ہو جائیں گے جب انھیں ان کی شدید ضرورت ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال۔“ یعنی قیامت کے دن ان کے اعمال کی مثال جب وہ اللہ تعالیٰ سے ان کا ثواب طلب کریں گے، اس لیے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر تھے مگر وہ اعمال کا کوئی صلہ نہ پائیں گے اور انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا جیسا کہ اس راکھ سے حاصل نہیں ہوتا جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے اور وہ اسے اڑا لے جائے۔ ﴿ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ ﴾ ”آندھی والے دن۔“ یعنی جس طرح بہت شدید اور زبردست آندھی چلے، لہٰذا یہ اپنے ان اعمال پر ذرہ برابر قادر نہ ہوں گے جو انھوں نے دنیا میں کیے ہوں گے جیسا کہ یہ آندھی میں راکھ کے جمع کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔

یہ اس طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 23:25) ”اور جو انھوں نے (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (اٰل عمرٰن 117:3) ”(کافر) اس دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی آندھی کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو، وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو اسے تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔“ اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 264:2) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان جتانے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ⑲

جَدِيْدٍ ۙ⑲ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑳

اور اللہ کے لیے یہ (کام) کچھ بھی مشکل نہیں ⑳

برباد نہ کردو جو لوگوں کو دکھاوے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس (کے مال) کی مثال چکنے پتھر کی سی ہے جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ برس کر اسے صاف کر ڈالے، (اسی طرح) یہ (ریاکار) جو نیکی کرتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔ اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اور یہاں اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱ ﴾ ''یہی تو دور کی گمراہی ہے۔'' یعنی ان کی جدوجہد اور ان کا عمل کسی اساس پر نہیں ہے اور نہ انھیں کوئی استقامت حاصل ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے اعمال کے ثواب سے اس وقت محروم ہوں گے جب انھیں اس کی بہت ضرورت ہوگی اور یہی تو پرلے سرے کی گمراہی ہے۔

تفسیر آیات: 20,19

حیات بعد الممات کی دلیل: اللہ تعالیٰ نے روز قیامت جسموں کے دوبارہ پیدا کرنے کے بارے میں اپنی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے جو انسانوں کے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑی بات ہے۔ وہ ذات گرامی جس نے ان بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ، بے حد و حساب، وسیع و عریض اور عظیم الشان آسمانوں کو پیدا فرمایا، پھر اس نے ان میں مختلف حرکات کے حامل ثوابت اور سیاروں اور دیگر بے شمار روشن نشانیوں کو پیدا کیا، پھر اس زمین کو پیدا فرمایا جسے اس نے بچھونے کی طرح ہموار بنایا اور کہیں ناہموار کر دیا اور کہیں اس میں میخوں کی طرح پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں میدانوں، صحراؤں، جنگلوں، دریاؤں، سمندروں، درختوں، نباتات اور حیوانات کے مختلف انواع و اقسام، متعدد فوائد اور بے شمار شکلوں اور رنگوں سے (مزین) سلسلے پیدا فرما دیے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (الأحقاف 33:46) ''کیا انھوں نے نہیں سمجھا کہ بے شک اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے، کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۙ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

اور وہ سب (لوگ) اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو (دنیا میں) تکبر کرتے تھے: بے شک ہم تو تمھارے تابع

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ

تھے، پھر کیا تم ہم سے اللہ کا کچھ عذاب دور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمھیں بھی ہدایت کرتے۔ اب ہمارے لیے

ع 3 9 15 عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿21﴾

برابر ہے، خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ﴿21﴾

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿ (یٰسٓ 36:77-83) ''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا، پھر یکایک وہ کھلا جھگڑنے لگا۔ اور ہمارے بارے میں مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا: (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ (وہی) جس نے تمھارے لیے سرسبز و شاداب درخت سے آگ پیدا کی، پھر تم اس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر ان) سے آگ نکالتے ہو، بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! اور وہ تو بہت بڑا پیدا کرنے والا (اور) علم والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿ ''اگر وہ چاہے تو تم کو نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے۔ اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔'' (فاطر 35:16,17)

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی بڑی یا محال بات نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ بہت آسان ہے کہ جب تم اس کے حکم کی خلاف ورزی کرو تو وہ تمھیں نابود کر کے تمھاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے جو تمھارے جیسے نہ ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿ (فاطر 35:15-17) ''اے لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پروا لائق حمد (وثنا) ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم کو نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿ (محمد 47:38) ''اور اگر تم پھرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمھاری طرح نہیں ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ...... ﴾ الآیة (المائدۃ 5:54) ''اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم لے آئے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے......'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿ (النسآء 4:133) ''لوگو! اگر وہ چاہے تو تمھیں

لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے اور اللہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے۔''

تفسیر آیت:21

جہنم میں غلط پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا جھگڑا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَبَرَزُوْا ﴾ ''اور وہ سامنے (کھڑے) ہوں گے۔'' یعنی تمام مخلوق میں نیک بھی اور بد بھی اللہ واحد وقہار کے سامنے کھڑے ہوں گے، یعنی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایسے چٹیل میدان میں کھڑے ہوں گے اور وہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جو کسی کو چھپائے۔ ﴿ فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا ﴾ ''تو ضعیف لوگ کہیں گے۔'' یعنی پیروکار اپنے قائدین، سرداروں اور وڈیروں سے کہیں گے۔ ﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا ﴾ ''جو لوگ (دنیا میں) تکبر کرتے تھے۔'' جنھوں نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت سے اور رسولوں کی اطاعت سے تکبر کیا، انھیں کہیں گے: ﴿ اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ﴾ ''بے شک ہم تو تمھارے پیرو تھے۔'' یعنی تم نے ہمیں جو بھی حکم دیا ہم نے اس کی اطاعت کی اور اس کے مطابق عمل کیا۔ ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''پھر کیا تم اللہ کا کچھ عذاب ہم سے رفع کر سکتے ہو؟'' یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ حصے کو ہم سے دور کر سکتے ہو جیسا کہ تم ہم سے وعدے کیا کرتے اور ہمیں امیدیں دلایا کرتے تھے۔ یہ سن کر ان کے پیشوا جواب دیں گے: ﴿ لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ﴾ ''اگر اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمھیں ہدایت کرتے۔'' لیکن ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ثابت ہوگیا ہے اور ہمارے اور تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا فیصلہ نافذ ہوگیا ہے اور کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہے۔ ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴾ ''(اب) ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔'' یعنی خواہ ہم صبر کریں یا گھبراہٹ کا اظہار کریں، ہم اس عذاب سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔

میں کہتا ہوں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ پیروکاروں اور پیشواؤں کی یہ گفتگو جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ○ ﴾ (المؤمن 48,47:40) ''اور جب وہ دوزخ میں باہم جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ بلاشبہ ہم تو (دنیا میں) تمھارے تابع تھے، پھر کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تکبر کیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہم سب ہی اس دوزخ میں ہیں، یقیناً اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ○ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ○ ﴾ (الأعراف 39,38:7) ''تو اللہ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں، ان کے ساتھ تم بھی داخل

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ

اور جب (جنت یا جہنم کے) معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تو

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا

اس کی میں نے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمھیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی، چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو اور

اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ

اپنے آپ کو ملامت کرو۔ میں تمھارا فریاد رس نہیں اور نہ تم میرے فریاد رس ہو۔ بلاشبہ میں تو اس کا انکار کرتا ہوں جو تم اس سے پہلے مجھے (اللہ کا) شریک

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿22﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

ٹھہراتے تھے۔ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿22﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے وہ ایسی جنتوں میں داخل کیے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿23﴾

جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ وہاں ان کی (ملاقات کی) دعا ''سلام'' ہوگی ﴿23﴾

جہنم ہو جاؤ، جب بھی ایک امت (وہاں) جا داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری امت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو دوسری جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا تو ان کو آتش جہنم کا دگنا عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے۔ اور پہلی جماعت دوسری سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی تو جو (عمل) تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے میں عذاب (کے مزے) کو چکھو۔'' اور فرمایا: ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝﴾ (الأحزاب 33:67,68) ''(وہ کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہمیں رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت لعنت کر۔''

جہاں تک میدان حشر میں ان کے باہمی جھگڑے کا تعلق ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (سبا 34:31-33) ''اور کاش! (ان) ظالموں کو آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے۔ جو لوگ (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے وہ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے۔ تکبر کرنے والے کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ

تمھارے پاس آ چکی تھی، روکا تھا۔ (نہیں) بلکہ تم (خود ہی) مجرم تھے۔اور کمزور لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے (نہیں!) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو پشیمانی کو چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، پس جو عمل وہ کرتے تھے ان کو انھی کا بدلہ ملے گا۔"

تفسیر آیات: 23,22

قیامت کے دن ابلیس کا اپنے پیروکاروں سے خطاب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب وہ اپنے بندوں کے مابین فیصلہ فرما کر مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں داخل کر دے گا تو ابلیس ملعون کھڑا ہو کر کافروں سے خطاب کرے گا تا کہ ان کے حزن و ملال، غم و فکر اور حسرت و ندامت میں مزید اضافہ کر دے، وہ کہے گا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ ﴾ "بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی جو وعدہ کیا تھا، اور وعدہ یہ کیا تھا کہ رسولوں کی اتباع ہی میں نجات اور سلامتی ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ حق اور اس کی بتائی ہوئی یہ خبر سچی تھی اور جو وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:120) "وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وہ (شیطان) انھیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔" پھر ابلیس کہے گا: ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ "اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا۔" یعنی میں نے تمھیں جس چیز کی دعوت دی اس کی کوئی دلیل نہیں تھی اور جو تم سے وعدہ کیا اس کی کوئی حجت نہ تھی۔ ﴿ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ ﴾ "مگر یہ کہ میں نے تمھیں بلایا تو تم نے میرا کہنا مان لیا۔" یعنی میں نے تو تمھیں محض دعوت ہی دی تھی جبکہ رسولوں نے جو دعوت پیش کی تو اس کی صداقت کے انھوں نے صحیح صحیح دلائل و براہین بھی پیش کیے مگر تم نے ان کی مخالفت کی، اسی وجہ سے آج تم اپنے اس انجام کو پہنچے ہو۔

﴿ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ﴾ "چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔" یعنی گناہ تمھارا ہی ہے کہ تم نے دلائل و براہین کی مخالفت کی اور میری باطل دعوت کو بغیر کسی دلیل کے قبول کر لیا۔ ﴿ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ ﴾ "(نہیں) میں تمھارا فریاد رس نہیں ہوں۔" آج میں تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ اس عذاب سے تمھیں نجات دلا سکتا ہوں۔ ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ ﴾ "اور نہ تم میرے فریاد رس ہو۔" یعنی نہ مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو اور نہ اس عذاب سے مجھے نجات دلا سکتے ہو۔ ﴿ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ ﴾ "بلاشبہ میں تو اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم اس سے پہلے مجھے (اللہ کا) شریک بناتے تھے۔" قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: اس وجہ سے جو تم نے پہلے مجھے شریک بنایا۔ ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ میں اللہ کا شریک ہوں۔ [1]

---

[1] تفسير الطبري: 262/13.

اور یہی قول راجح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 6,5:46) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے؟ جبکہ وہ ان کی پکار ہی سے غافل ہیں۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ ﴾ (مریم 82:19) ''ہرگز نہیں! عنقریب وہ (معبودان) خود ان کی پرستش سے انکار کردیں گے اور ان کے (دشمن) مخالف ہوجائیں گے۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾ ﴾ ''بے شک جو ظالم ہیں، ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔'' یعنی حق سے اعراض کرنے اور باطل کو اختیار کرنے کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آیت کے سیاق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس ملعون یہ خطبہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد دے گا جیسا کہ ہم نے (چند سطور قبل) بھی بیان کیا ہے لیکن عامر شعبی کہتے ہیں کہ روز قیامت سب لوگوں کے سامنے دو خطیب خطبے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے فرمائے گا: ﴿ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (المآئدة 116:5) ''کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو۔'' اس کے جواب میں عیسیٰ ابن مریم عرض کریں گے: ﴿ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المآئدة 5:116-118) ''تو پاک ہے مجھے کب لائق تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو یقیناً تجھ کو معلوم ہوتا (کیونکہ) جو بات میرے نفس میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا، بے شک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا، جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ...... ﴾ الآية (المآئدة 119:5) ''آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی......'' اور دوسرا خطیب ابلیس ملعون ہوگا جو یہ کہے گا: ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ ﴾ ''اور میرا تم پر کسی طرح کا زور

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا

(اے نبی!) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ

فِي السَّمَآءِ ﴿24﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ

مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں ﴿24﴾ وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿25﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ

کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿25﴾ اور کلمۂ خبیثہ (کفر وشرک) کی مثال ایک خبیث درخت کی سی ہے کہ اسے زمین پر سے اکھاڑ دیا جاتا ہے،

الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿26﴾

اس کے لیے کوئی قرار نہیں ﴿26﴾

نہیں تھا، ہاں میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا، (آج) مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمھارا فریاد رس ہوں اور نہ تم میرے فریاد رس ہو۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے جب بدبختوں کے انجام کا ذکر کیا اور ان کی اس ذلت و رسوائی اور عذاب کا ذکر فرمایا جس میں وہ مبتلا ہوں گے، نیز ان کے خطیب ابلیس ملعون کا ذکر کیا تو اس کے بعد سعادت مندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل نیک کیے وہ بہشتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' اور جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں وہ آئیں جائیں گے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔'' ابدالآباد تک ان میں رہیں گے، وہاں سے وہ اور کہیں منتقل نہیں ہوں گے۔ ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿23﴾ ﴾ ''اپنے پروردگار کے حکم سے، وہاں ان کی (ملاقات کی) دعا ''سلام'' ہوگی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ...... ﴾ الآية (الزمر 73:39) ''یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو......'' اور فرمایا: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ (الرعد 24,23:13) ''اور فرشتے (بہشت کے) ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ ﴾ (الفرقان 75:25) ''اور ان کا وہاں دعا وسلام کے ساتھ استقبال ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:10) ''(جب وہ) اس (جنت) میں (ان کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے: سبحان اللہ! اور آپس میں ان کی دعا سلام ہوگی اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی تعریف (اور اس کا شکر) ہے۔''

تفسیر آیات: 24-26

[1] ملخص از تفسیر الطبری: 263,262/13.

کلمۂ اسلام اور کلمۂ کفر کی مثال: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارشاد الٰہی: ﴿ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً ﴾ ''مثال کلمۂ طیبہ (اسلام) کی'' سے مراد اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ﴾ ''جیسے وہ پاکیزہ درخت ہو۔'' اس سے مراد مومن ہے۔ ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾ ''جس کی جڑ مضبوط (زمین کو پکڑے ہوئے) ہو۔'' اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے مومن جس کا دل سے اقرار کرتا ہے۔ ﴿ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ 24 ''اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کے عمل کو آسمانوں کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔[1] ضحاک، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد اور دیگر کئی ایک آئمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] یعنی یہ مومن کے عمل سے عبارت ہے کہ اس کی بات پاکیزہ اور اس کا عمل صالح ہوتا ہے۔ مومن کھجور کے درخت کے مانند ہے کہ صبح شام بلکہ ہر وقت اس کا عمل صالح آسمانوں کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا: [أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ۔ أَوْ۔ كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَايَتَحَاتُّ وَرَقُهَا...... تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ] ''مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے جو مرد مسلم کی طرح ہے اور اس کے پتے نہیں گرتے ...... اور یہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے جی میں یہ بات آئی کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بات نہیں کر رہے تو میں نے پسند نہ کیا کہ وہ تو خاموش ہوں اور میں بات کروں۔ جب صحابۂ کرام میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هِيَ النَّخْلَةُ] ''یہ کھجور کا درخت ہے۔'' جب ہم کھڑے ہوئے تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابا جان! اللہ کی قسم! میرے جی میں یہ بات آئی تھی کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ انھوں نے کہا کہ پھر تم نے بات کیوں نہ کی؟ میں نے عرض کی کہ میں نے دیکھا آپ حضرات گفتگو نہیں کر رہے تھے تو میں نے بھی بات کرنے یا کچھ کہنے کو ناپسند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر تم نے یہ بات کہہ دی ہوتی تو یہ مجھے فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتی۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے: ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ﴾ سے مراد جنت کا درخت ہے۔[4] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ﴾ ''ہر وقت اپنا پھل لاتا ہو۔'' کہا گیا ہے کہ ہر وقت سے مراد صبح شام ہے۔ سیاق کلام سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی مثال ایک ایسے درخت کی سی ہے جو گرمی ہو یا سردی، رات ہو یا دن ہر وقت پھل لاتا رہتا ہے، اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ بھی ہر وقت دن اور رات کی گھڑیوں میں آسمانوں کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ ''اپنے پروردگار کے حکم سے۔'' یعنی وہ درخت مکمل، بہترین، کثیر مقدار میں، پاکیزہ اور بہت مبارک پھل دیتا ہو۔ ﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ 25 ''اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

---

[1] تفسير الطبري:266/13. [2] تفسير الطبري:13/267-270. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾ (إبراهيم 14:24)، حديث:4698. [4] تفسير الطبري:270/13.

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ

اللہ ایمان والوں کو قولِ ثابت (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے، اور اللہ ظالموں کو گمراہ کردیتا ہے

اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿27﴾ ع 4 6 16

اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿27﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ﴾ ''اور کلمۂ خبیثہ (کفروشرک) کی مثال ایک خبیث درخت کی سی ہے۔'' یہ کافر کے کفر کی مثال بیان کی گئی ہے کہ اس کی نہ جڑ مستحکم ہے اور نہ شاخیں بلند ہیں۔ یہ اندرائن (تُمّے) کے بیلدار پودے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جسے شَرْیان (یاشَرْی) بھی کہا جاتا ہے۔ شعبہ نے معاویہ بن قُرّہ سے اور انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اندرائن (تُمّہ) کا بیلدار پودا ہے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿26﴾ ﴾ ''زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے، اس کو ذرا بھی قرار نہیں۔'' کیونکہ نہ اس کی جڑ مستحکم ہے اور نہ اس کی شاخیں بلند ہیں، اسی طرح کفر کی بھی نہ جڑ ہوتی ہے اور نہ شاخ۔ کافر کا کوئی عمل اوپر اٹھایا جاتا ہے نہ اس کی کوئی چیز ہی قبول کی جاتی ہے۔

تفسیر آیت:27

مومن کی دنیا وآخرت میں قول ثابت کے ساتھ مضبوطی: امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ] ''مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اس ارشاد باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''اللہ مومنوں کو پکی بات (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی رکھے گا۔)'' اس حدیث کو امام مسلم اور دیگر تمام محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

نیک اور بدروح آخرت کی راہوں پر: امام احمد نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازے کے لیے نکلے، ہم قبر کے پاس پہنچے تو وہ ابھی کھودی نہیں گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے پاس (اس طرح خاموش ہوکر) بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ اس وقت آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ زمین کریدرہے تھے، آپ نے سرمبارک اٹھایا اور فرمایا:

[اِسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ

---

[1] تفسير الطبري: 276/13. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ ...... ﴾ (إبراهيم 14:27)، حديث: 4699 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه......، حديث: 2871 و سنن أبي داود، السنة، باب المسألة في القبر......، حديث: 4750.

الدُّنيَا وَإِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ بِيضُ الْوُجُوهِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الشَّمْسُ، مَعَهُمْ كَفَنٌ مِّنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوطٌ مِّنْ حَنُوطِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى يَجْلِسُوا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَيَقُولُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! اُخْرُجِي إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ۔ قَالَ۔: فَتَخْرُجُ تَسِيلُ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَأْخُذُوهَا، فَيَجْعَلُوهَا فِي ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِي ذٰلِكَ الْحَنُوطِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُّجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ۔ قَالَ۔: فَيَصْعَدُونَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّونَ ۔ يَعْنِي بِهَا ۔ عَلٰى مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: مَا هٰذَا الرُّوحُ الطَّيِّبُ؟ فَيَقُولُونَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانُوا يُسَمُّونَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يَنْتَهُوا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ، فَيَسْتَفْتِحُونَ لَهُ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُّقَرَّبُوهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي تَلِيهَا، حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ ،فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اُكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أُعِيدُهُمْ، وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى.

قَالَ: فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَيَقُولَانِ لَهُ: وَمَا عِلْمُكَ؟ فَيَقُولُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ، فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَيُنَادِي مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ۔قَالَ۔: فَيَأْتِيهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ۔ قَالَ: وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الثِّيَابِ، طَيِّبُ الرِّيحِ، فَيَقُولُ: أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُرُّكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ، فَيَقُولُ لَهُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالْخَيْرِ، فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ، فَيَقُولُ: رَبِّ! أَقِمِ السَّاعَةَ، حَتّٰى أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِي وَمَالِي.

قَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُودُ الْوُجُوهِ، مَعَهُمُ الْمُسُوحُ، فَيَجْلِسُونَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَيَقُولُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ، اُخْرُجِي إِلٰى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَغَضَبٍ۔ قَالَ۔: فَتُفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ، فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُولِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَجْعَلُوهَا فِي تِلْكَ الْمُسُوحِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِيحِ جِيفَةٍ وُّجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ، فَيَصْعَدُونَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّونَ بِهَا عَلٰى مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: مَا هٰذَا الرُّوحُ الْخَبِيثُ؟ فَيَقُولُونَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانَ يُسَمّٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ، فَلَا يُفْتَحُ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ

فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ﴾ (الأعراف7:40) فیقولُ اللّٰهُ: اکْتُبُوا کِتَابَهٗ فِی سِجِّینٍ فِی الْأَرْضِ السُّفْلٰی، فَتُطْرَحُ رُوحُهٗ طَرْحًا، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ۝ ﴾ (الحج22:31) فَتُعَادُ رُوحُهٗ فِی جَسَدِهٖ، وَیَأْتِیهِ مَلَكَانِ، فَیُجْلِسَانِهٖ فَیَقُولَانِ لَهٗ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَیَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِی، فَیَقُولَانِ لَهٗ: مَا دِینُكَ؟ فَیَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِی، فَیَقُولَانِ لَهٗ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِی بُعِثَ فِیكُمْ؟ فَیَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِی، فَیُنَادِی مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ فَأَفْرِشُوا لَهٗ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوا لَهٗ بَابًا إِلَی النَّارِ، فَیَأْتِیهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا، وَیُضَیَّقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیهِ أَضْلَاعُهٗ، وَیَأْتِیهِ رَجُلٌ قَبِیحُ الْوَجْهِ، قَبِیحُ الثِّیَابِ، مُنْتِنُ الرِّیحِ، فَیَقُولُ: أَبْشِرْ بِالَّذِی یَسُوؤُكَ، هٰذَا یَوْمُكَ الَّذِی كُنْتَ تُوعَدُ، فَیَقُولُ: مَنْ أَنْتَ ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ یَجِیءُ بِالشَّرِّ، فَیَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الْخَبِیثُ، فَیَقُولُ: رَبِّ! لَا تُقِمِ السَّاعَةَ]

''عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔آپ نے یہ دو یا تین بار فرمایا، پھر فرمایا: مومن جب دنیا کے آخری لمحات اور آخرت کے ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے تو اس کے پاس سفید چہروں والے ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمکتے دمکتے ہوتے ہیں، ان کے پاس جنت کے کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے اور وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک مومن کی نظر جاتی ہے، پھر ملک الموت آتا ہے اور وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے پاک روح! تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل۔آپ نے فرمایا: مومن کی روح اس طرح جسم سے باہر نکل آتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے۔ملک الموت روح کو پکڑ لیتا ہے اور جب ملک الموت اسے پکڑتا ہے تو پھر دوسرے فرشتے اسے لمحہ بھر کے لیے بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے لے کر جنت سے لائے ہوئے کفن اور خوشبو میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے روئے زمین کی بہترین کستوری سے بھی بڑھ کر پاکیزہ تر خوشبو نکلتی ہے۔وہ اس روح کو لے کر آسمانوں پر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ فرشتے کہتے ہیں کہ کس قدر پاک ہے یہ روح! وہ کہتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں شخص کی ہے۔وہ اس کا اس بہترین نام سے ذکر کرتے ہیں جس سے وہ دنیا میں موسوم ہوتا تھا حتی کہ وہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، اس کے لیے آسمان دنیا کا دروازہ کھلواتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر ہر آسمان کے ملائکہ مقربین اگلے آسمان تک اسے رخصت کر کے آتے ہیں حتی کہ اسے ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کی کتاب کو علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو، میں نے بندوں کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹاؤں گا، پھر اسی میں سے انھیں دوبارہ نکالوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے۔وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا۔وہ

جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا۔ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا تو میں آپ پر ایمان لے آیا اور آپ کی تصدیق کی۔ آسمان سے ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دو، اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور منتہائے نظر تک اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کے پاس خوبصورت چہرے والا ایک شخص آتا ہے جس کے کپڑے بھی بڑے خوبصورت ہوتے ہیں اور جس سے بڑی عمدہ خوشبو آ رہی ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ تیرے لیے خوشخبری ہے، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا تو وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو۔ تمہارا چہرہ وہ چہرہ ہے جو اچھی خبر لاتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت قائم کر دے تا کہ میں اپنے اہل و مال کے پاس لوٹ جاؤں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی کافر بندہ دنیا کے آخری اور آخرت کے ابتدائی لمحات میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے ایسے فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے چہرے سیاہ ہوتے ہیں اور ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں، وہ اس سے منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتا اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتا ہے کہ اے خبیث روح! اللہ کی ناراضی اور غضب کی طرف نکل آ! آپ نے فرمایا کہ (یہ سن کر) روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے تو وہ اسے اس طرح کھینچ لیتا ہے جس طرح سلاخ کو گیلی اون سے کھینچ لیا جاتا ہے اور وہ اسے پکڑ لیتا ہے اور جب پکڑتا ہے تو فرشتے آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی اسے اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے حتی کہ اسے ان ٹاٹوں میں رکھ دیتے ہیں اور جن سے اس قدر گندی بدبو آتی ہے جیسے روئے زمین کے سب سے بدبودار مردار سے بدبو آ رہی ہو، وہ اُسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاح کی روح ہے اور اس کا ایسا بدترین نام لیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں موسوم تھا حتی کہ اسے آسمان دنیا تک لے جایا جاتا ہے اور اس کے لیے دروازہ کھلوایا جاتا ہے مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ﴾ (الأعراف 40:7) ''ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کو سب سے نچلی زمین میں سجین میں لکھ دو، پھر اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ﴾ (الحج 31:22) ''اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور دراز جگہ لے جا پھینکے۔''

بعد ازاں اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا دیتے ہیں

اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ یہ جواب دیتا ہے: ہائے افسوس! مجھے معلوم نہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے۔ یہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہیں جو تم میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔ آسمان سے ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا، اس کے لیے جہنم کا بستر بچھا دو، اس کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ اس کے پاس جہنم کی گرم ہوا اور دھواں آتا ہے اور اس کی قبر اس پر اتنا تنگ کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں۔ اس کے پاس ایک گندے چہرے، غلیظ کپڑوں اور سخت بدبو والا ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے: تیرے لیے ایسی بشارت ہے جو تجھے بری لگے، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے۔ تیرا چہرہ وہ چہرہ ہے جو شر ہی لاتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔''[1]

امام عبد بن حمید رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ، إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ۔ قَالَ:۔ يَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالَ: فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ۔ قَالَ:۔ فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ. قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا] ''بلاشبہ بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پشت پھیر لیتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ کو سن رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور وہ اُسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ آپ نے فرمایا: مومن تو اس کا جواب یہ دیتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تم جہنم میں اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بجائے تمھیں جنت میں ٹھکانا عطا فرما دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لیتا ہے۔''

حدیث کے راوی امام قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی قبر کو ستر ہاتھ تک کشادہ کر دیا جاتا ہے اور قیامت تک کے لیے اسے سبزے سے بھر دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی اس سند کے ساتھ عبد بن حمید سے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے اسے بروایت یونس بن محمد مؤدب بیان کیا ہے۔[2]

حافظ ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ۔ أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ۔ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ

---

① مسند أحمد: 288,287/4 و سنن أبي داود، السنة، باب المسألة في القبر......، حديث: 4753 و سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الجلوس في المقابر، حديث: 1549 و 4269 مختصرًا. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه......، حديث: 2870 و سنن النسائي، الجنائز، باب المسألة في القبر، حديث: 2052 و مسند عبد بن حميد: 310، حديث: 1180. عبد بن حمید کا یہ نسخہ آیا صوفیا والا ہے۔

النَّكِيرُ_ فَيَقُولَانِ: مَاكُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ مَاكَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. فَيَقُولَانِ: قَدْكُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ، نَمْ، فَيَقُولُ: أَرْجِعُ إِلٰى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ، فَيَقُولَانِ، نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَايُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَّضْجَعِهِ ذٰلِكَ، وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا، قَالَ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ، لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذٰلِكَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ: الْتَئِمِي عَلَيْهِ، فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ، فَتَخْتَلِفُ فِيهَا أَضْلَاعُهُ، فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَّضْجَعِهِ ذٰلِكَ]

’’تم میں سے کسی ایک کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ یا یہ کہا کہ جب تم میں سے کوئی ایک (قبر میں میت کو دفن کرتا ہے)۔ تو اس کے پاس سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ تو وہ کہتا ہے جیسا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ یہی کہیں گے، پھر اس کی قبر کو ستر ہاتھ طول اور ستر ہاتھ عرض کی طرف سے کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے منور بھی کر دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ، وہ کہتا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر انھیں بتانا چاہتا ہوں۔ وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ تو اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے اہل خانہ میں سے صرف وہی شخص بیدار کر سکتا ہے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، حتی کہ اس کے اس بستر سے اسے اللہ تعالیٰ ہی اٹھائے گا۔ اور اگر منافق ہو تو وہ (فرشتوں کے سوال کے جواب میں) کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا تھا اس طرح میں نے کہا تھا، میں نہیں جانتا، فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا، پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ تو اس پر سکڑ جا تو زمین اس قدر سکڑ جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں، پھر اسے قبر میں مسلسل عذاب دیا جاتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اس ٹھکانے سے اٹھائے گا۔‘‘ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ کے بارے میں فرمایا: [ذَاكَ إِذَا قِيلَ فِي الْقَبْرِ: مَنْ رَّبُّكَ؟ وَمَا دِينُكَ (وَمَنْ نَّبِيُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللّٰهُ، وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ، وَنَبِيِّ مُحَمَّدٌ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ، فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَيُقَالُ لَهُ صَدَقْتَ، عَلٰى هٰذَا عِشْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ] ’’اس کا تعلق اس وقت سے ہے جب قبر میں یہ پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ تو (مومن) یہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ

[1] جامع الترمذی، الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، حدیث:1071.

ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس روشن دلائل کے ساتھ تشریف لائے تو میں آپ پر ایمان لایا اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا تو اسی پر زندہ رہا اور اسی پر فوت ہوا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا۔‘‘ ①

امام ابن جریر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ الْمَيِّتَ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِينَ يُوَلُّونَ عَنْهُ مُدْبِرِينَ، فَإِذَا كَانَ مُؤْمِنًا، كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ وَالزَّكَاةُ عَنْ يَمِينِهِ، وَكَانَ الصِّيَامُ عَنْ يَسَارِهِ، وَكَانَ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، فَيُؤْتَى مِنْ عِنْدِ رَأْسِهِ، فَتَقُولُ الصَّلَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ! فَيُؤْتَى عَنْ يَمِينِهِ، فَتَقُولُ الزَّكَاةُ: مَاقِبَلِي مَدْخَلٌ! فَيُؤْتَى عَنْ يَسَارِهِ، فَيَقُولُ الصِّيَامُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ! فَيُؤْتَى مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ، فَيَقُولُ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ:مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ!

فَيُقَالُ لَهُ: اِجْلِسْ! فَيَجْلِسُ، قَدْ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ قَدْ دَنَتْ لِلْغُرُوبِ، فَيُقَالُ لَهُ: أَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ! فَيَقُولُ: دَعُونِي حَتّٰى أُصَلِّيَ! فَيَقُولُ: إِنَّكَ سَتَفْعَلُ، فَأَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ، فَيَقُولُ: وَعَمَّ تَسْأَلُونَ؟ فَيُقَالُ: أَرَأَيْتَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ مَاذَا تَقُولُ فِيهِ وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهِ عَلَيْهِ؟ فَيَقُولُ: أَمُحَمَّدٌ؟ فَيُقَالُ لَهُ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنَّهُ جَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، فَصَدَّقْنَاهُ! فَيُقَالُ لَهُ: عَلٰى ذٰلِكَ حَيِيتَ وَعَلٰى ذٰلِكَ مِتَّ وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا، وَّيُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا! فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُورًا،ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى النَّارِ، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ مَاصَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ لَوْ عَصَيْتَهُ! فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُورًا ثُمَّ يُجْعَلُ نَسَمَتُهُ فِي النَّسَمِ الطَّيِّبِ، وَهِيَ طَيْرٌ خُضْرٌ تَعَلَّقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ، وَيُعَادُ جَسَدُهُ إِلٰى مَا بُدِئَ مِنْهُ مِنَ التُّرَابِ، وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى:]

’’اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مردہ اس وقت تمھارے جوتوں کی آہٹ کو سن رہا ہوتا ہے جب تم اس سے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہو، اگر وہ مومن ہو تو نماز اس کے سر کے پاس ہوتی ہے اور زکاۃ دائیں طرف، روزہ بائیں طرف اور صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور لوگوں کی طرف احسان جیسے اعمال صالحہ اس کے پاؤں کے پاس ہوتے ہیں۔ اگر اس کے سر کی طرف سے آیا جائے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے داخل ہونے کا رستہ نہیں ہے! دائیں طرف سے آیا جائے تو زکاۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے بھی رستہ نہیں ہے! بائیں طرف سے آیا جائے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے رستہ نہیں ہے! پاؤں کی طرف سے آیا جائے تو اعمال صالحہ: صدقہ، صلہ رحمی اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنا کہتے ہیں کہ میری طرف سے کوئی رستہ نہیں ہے!

① تفسیر الطبری: 282/13 اور قوسین والے الفاظ ابن جریر نے نقل نہیں کیے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿28﴾ جَهَنَّمَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنھوں نے اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لے جا اتارا؟﴿28﴾ (یعنی)

يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿29﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا

جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے﴿29﴾ اور انھوں نے اللہ کے شریک بنائے تا کہ وہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے بھٹکا

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿30﴾

دیں، کہہ دیجیے: تم فائدہ اٹھاؤ (دنیا میں) پھر یقیناً تمھاری واپسی آگ کی طرف ہے﴿30﴾

پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ! وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے غروب آفتاب کا منظر دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تجھ سے جو سوال کریں اس کا جواب دو، وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں نماز پڑھ لوں۔ اس سے کہا جاتا ہے: ہاں تم ایسا ضرور کرو گے لیکن پہلے ہمارے سوال کا جواب دو، وہ کہتا ہے: تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ شخص جو تم میں تھا، اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ اور اس کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ تمھارا سوال محمد ﷺ کے بارے میں ہے۔ اسے کہا جاتا ہے ہاں، تو وہ کہتا ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن دلائل کے ساتھ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اسی (عقیدے) پر جیتا رہا، اسی پر فوت ہوا اور اسی پر ان شاء اللہ اٹھایا جائے گا، پھر اس کی قبر کو ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے، قبر میں اس کے لیے روشنی کر دی جاتی ہے اور جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے اس میں کیا کیا نعمتیں تیار فرما رکھی ہیں! اس سے اس کی خوشی اور مسرت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے، پھر آگ کی طرف دروازہ کھول کر اسے کہا جاتا ہے کہ اگر تو اللہ کی نافرمانی کرتا، (اس صورت میں جو تیرا ٹھکانا ہوتا) اس کی طرف دیکھ جس سے اللہ نے تجھے پھیر دیا۔ پھر اس کی روح کو ''نسم طیب'' میں رکھ دیا جاتا ہے اور یہ ایک سبز رنگ کا پرندہ ہے جو جنت کے درختوں (کے پھلوں) سے کھاتا ہے اور اس کے جسم کو اس مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس سے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا گیا تھا۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اللہ مومنوں کو قول صادق (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا۔)''[1] امام ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا اور اس میں کافر کے جواب اور اس کے عذاب کو بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں قول ثابت سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور آخرت میں اس سے مراد قبر میں سوال ہے۔[3] قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں خیر و بھلائی اور عمل صالح کے ساتھ ثابت قدم

① تفسیر الطبری: 283,282/13 امام ابن جریر نے اسے موقوفاً ذکر کیا ہے۔ ② صحیح ابن حبان، الجنائز، ذکر الخبر المدحض قول من......: 381,380/7، حدیث: 3113 امام ابن حبان نے اِسے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ ③ تفسیر عبدالرزاق: 245/2، رقم: 1408.

رکھتا ہے اور آخرت سے یہاں قبر مراد ہے۔ دیگر کئی ائمۂ سلف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 28-30

کفرانِ نعمت کی سزا: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں: ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا؟'' کے معنی ہیں کیا تم نہیں جانتے؟ جیسا کہ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا...... ﴾ الآیۃ (البقرۃ 2:243) آیت کریمہ میں بھی ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ کے معنی میں ہے اور ﴿ الْبَوَارِ ﴾ بَارَ، یَبُوْرُ بَوْرًا سے ہے جس کے معنی تباہی و ہلاکت کے ہیں۔ ﴿ قَوْمًا بُوْرًا ﴾ (الفرقان 25:18) کے معنی ہلاک شدہ لوگ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے علی بن عبداللہ از سفیان از عمرو از عطاء کی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت کریمہ کے بارے میں قول بیان کیا ہے کہ ان لوگوں سے کفار اہل مکہ مراد ہیں۔ [2]

امام ابن ابوحاتم نے ابوطفیل سے روایت کیا ہے کہ ابن کوّاء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ کفار قریش ہیں جنھوں نے بدر کے دن جنگ میں شرکت کی تھی۔ [3] آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین قریش کے پاس ایمان کی نعمت کو بھیجا مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔ [4] لیکن معنی کے اعتبار سے یہ آیت کریمہ عام ہے اور تمام کافروں کو شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لیے نعمت بنا کر مبعوث فرمایا جنھوں نے اس نعمت کو قبول کر لیا اور اس کا شکر ادا کیا وہ جنت میں داخل ہوں گے اور جنھوں نے اس نعمت کا کفر اور انکار کیا تو وہ جہنم رسید ہوں گے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ط ﴾ ''اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کیے کہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کریں۔'' یعنی انھوں نے اللہ کے شریک بنائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی عبادت شروع کر دی اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ ﴾ ''کہہ دیجیے: (چندروز) فائدہ اٹھا لو آخر کار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی دنیا میں تم جتنا فائدہ بھی حاصل کرنا چاہو کر لو، دنیا میں تم جو بھی حاصل کر لو، آخر کار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:24) ''ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر ہم انھیں بڑے سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:70) ''دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے، پھر انھیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو بہت سخت عذاب (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر کیا کرتے تھے۔''

---

[1] تفسیر الطبری:13/285. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا...... ﴾ (إبراهیم 14:28)، حدیث:4700. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:7/2246. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:7/2247.

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً

کہہ دیجیے: میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے کہ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے چھپا کر اور علانیہ خرچ کریں،

مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾

اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ سودا بازی ہوگی نہ دوستی (کام آئے گی) ﴿31﴾

تفسیر آیت: 31

نماز پڑھنے اور خرچ کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس کی اطاعت بجالائیں، اس کے حقوق ادا کریں اور اس کی مخلوق پر احسان کریں۔ نماز قائم کریں کہ یہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جس رزق سے نوازا ہے، اس میں سے خرچ کریں، زکاۃ ادا کریں، قرابت داروں پر خرچ کریں اور اجنبیوں پر بھی احسان کریں۔ نماز قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے وقت، اس کی حدود اور رکوع و سجود اور خشوع کی حفاظت کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس نے جو رزق دیا ہے اس میں سے خفیہ اور علانیہ طور پر خرچ کیا جائے، نیز حکم دیا ہے کہ اس کے بندے نیکی کے ان کاموں میں جلدی کریں تاکہ اپنی جانوں کو عذاب جہنم سے بچا سکیں۔ ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ﴾ ''اور اس دن کے آنے سے پیشتر۔'' یعنی قیامت کے دن سے پیشتر۔ ﴿لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾﴾ ''جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)'' یعنی اس دن کسی سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ اس کے عوض اس کے نفس کو بیچ دیا جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ط......﴾ الآیة (الحدید15:57) ''تو آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ (وہ) کافروں ہی سے (قبول کیا جائے گا۔)......'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾﴾ ''اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہاں کسی دوست کی دوستی بھی کام نہیں آئے گی کہ مستحق عذاب سے اس کی دوستی کی وجہ سے درگزر کیا جائے بلکہ وہاں تو سراسر عدل و انصاف ہوگا۔ لفظ خِلَالٌ، خَالَلْتُ فُلَانًا فَأَنَا أُخَالُهُ مُخَالَّةً وَّخِلَالًا سے مصدر ہے۔[1]

امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے علم میں ہے کہ دنیا میں خرید و فروخت بھی ہے اور دوستی بھی جس کا لوگ دم بھرتے ہیں، اس لیے آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ اس کا دوست کون ہے اور اس کی دوستی کی بنیاد کس بات پر ہے اگر دوستی اللہ کے لیے ہو تو اسے چاہیے کہ اسے برقرار رکھے اور اگر غیر اللہ کے لیے ہو تو اسے ختم کر دے۔[2] بہر حال اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی بیع کام آئے گی اور نہ فدیہ، خواہ کوئی زمین بھر کر سونا بطور فدیہ ادا کرے، بشرطیکہ اس کے پاس موجود ہو اور اگر وہ حالت کفر میں اللہ کے پاس گیا تو پھر کسی کی دوستی یا سفارش بھی اس کے کچھ کام نہ آسکے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○﴾ (البقرة123:2) ''اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا

[1] تفسیر الطبری:294/13. [2] تفسیر الطبری:294/13.

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس نے اس (پانی) کے ذریعے سے تمھارے لیے بطور رزق

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿32﴾ وَسَخَّرَ

پھل نکالے اور تمھارے لیے کشتیاں مسخر کیں، تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں، اور تمھارے لیے دریا مسخر کیے ﴿32﴾ اور تمھارے لیے سورج

لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿33﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ

اور چاند مسخر کیے جو مسلسل چل رہے ہیں، اور تمھارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا ﴿33﴾ اور اس نے تمھیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی، اور اگر تم

مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿34﴾ ع 5/7 17

اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک انسان بڑا ظالم، نہایت ناشکرا ہے ﴿34﴾

اور نہ اس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے گی اور نہ لوگوں کو (کسی اور طرح کی) مدد مل سکے گی۔'' اور فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿ (البقرة 2:254) ''اے ایمان والو! جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے، اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ ہی دوستی اور سفارش ہو سکے گی اور کفر کرنے والے لوگ ہی ظالم ہیں۔''

تفسیر آیات: 32-34

اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے آسمان کو ایک محفوظ چھت کے طور پر پیدا فرمایا، زمین کو بچھونا بنا دیا، آسمان سے پانی نازل فرمایا اور اس پانی کے ساتھ مختلف نباتات اور مختلف رنگوں، شکلوں، ذائقوں خوشبوؤں اور منافع والے پھلوں اور فصلوں کو پیدا فرما دیا اور اس نے کشتی کو بھی تمھارے لیے مسخر کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریاؤں اور سمندروں کے پانی کی سطح پر تیرتی رہتی ہے، پھر اس نے کشتیوں کے اٹھانے کے لیے دریاؤں اور سمندروں کو مسخر کر دیا تاکہ مسافر ایک علاقے سے سفر کر کے دوسرے علاقے میں جا سکیں اور یہاں کی اشیاء کو وہاں اور وہاں کی اشیاء کو یہاں لا سکیں، پھر اس نے نہروں کو بھی کام میں لگا دیا ہے جو اس علاقے سے لے کر دوسرے علاقے تک زمین کو پھاڑ کر بنائی گئی ہوتی ہیں تاکہ یہ بندوں کے لیے رزق، آب نوشی اور آب پاشی کا ذریعہ بنیں، علاوہ ازیں ان میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ ﴾ ''اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا جو مسلسل چل رہے ہیں۔'' یعنی دن رات چل رہے ہیں اور چلتے چلتے کبھی بھی نہیں رکتے، پھر کیفیت یہ ہے کہ ﴿ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿ (یٰسٓ 36:40) ''نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿ (الأعراف

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ

اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا ㉟ اے

الْاَصْنَامَ ㉟ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگ گمراہ کیے ہیں، پھر جو میری اتباع کرے، تو یقیناً وہ میرا ہے، اور جو میری نافرمانی کرے، تو

وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ㊱

بلاشبہ تو غفور (اور) رحیم ہے ㊱

54:7) ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں، آگاہ رہو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اس کا ہے یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

شمس و قمر ایک دوسرے کے پیچھے آتے اور جاتے ہیں اور رات دن ایک دوسرے کے اس طرح مخالف ہوتے ہیں کہ کبھی رات بڑھنے لگتی اور دن گھٹنے لگتا اور کبھی دن گھٹنے لگتا اور رات بڑھنے لگتی ہے۔ ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ...... ﴾ الآية (الحج 61:22) ''وہ (اللہ) رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے......'' اور فرمایا: ﴿يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۝﴾ (الزمر 5:39) ''وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، سب ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے، دیکھو! وہی غالب (اور) بہت بخشنے والا ہے۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ﴾ ''اور تمھیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو تمھارے لیے تیار فرما دیا ہے جن کی تمھیں ضرورت ہے اور اپنے حسب حال جو تم اس سے مانگتے رہتے ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننے لگو تو تم انھیں شمار نہ کر سکو گے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ اس کی نعمتوں کو شمار کر سکیں، ان سب کا شکر بجالانا تو بہت دور کی بات ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [لَكَ الْحَمْدُ رَبَّنَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى (عَنْهُ) رَبَّنَا] ''سب تعریف تیرے ہی لیے ہے (اے) ہمارے پالنہار! نہ (اس کھانے سے) کفایت کی جا سکتی ہے نہ اسے خیر باد کہا جا سکتا ہے اور نہ اس سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے اے ہمارے پروردگار!''[1]

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں کہ تیرا شکر ادا کرنے کی

① صحیح البخاری، الأطعمة، باب ما یقول إذا فرغ من طعامه؟ حدیث: 5459,5458 عن أبی أُمامة رضی اللہ عنہ اور [اللّٰهم] اس دعا کے ضمن میں السنن الکبرٰی للنسائی، الدعاء بعد الأکل، القول عند انقضاء الطعام: 201/4، حدیث: 6896 میں ہے۔ لیکن وہاں [ربنا] نہیں ہے۔

توفیق ملنا بھی تو تیرا مجھ پر ایک احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: داود! یوں سمجھو کہ تم نے میرا شکر ادا کر دیا جب تم نے یہ اعتراف کر لیا کہ تمام نعمتیں میری طرف سے ہیں۔ ①

تفسیر آیات: 36,35

اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر مشرکین عرب کے طرز عمل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس بلد حرام مکہ کو جب بنایا گیا تو اسے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی کے لیے بنایا گیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جنھوں نے اس شہر کو بنایا اور اس میں اپنے اہل وعیال کو بسایا تھا وہ غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں سے بری تھے اور انھوں نے اس شہر مکہ کے لیے امن کی یہ دعا بھی کی تھی: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ ''اے میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن والا بنا دے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا تھا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا ...... ﴾ الآية (العنكبوت 29:67) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے......'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ ...... ﴾ الآية (آل عمرٰن 3:96,97) ''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا، وہی ہے جو مکہ میں ہے، جہان والوں کے لیے بابرکت اور (موجب) ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، (اور) مقام ابراہیم ہے، جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا......''

اور اس واقعے میں فرمایا: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ ''اے میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن والا بنا دے۔'' اور ﴿ الْبَلَدَ ﴾ کو معرفہ استعمال کیا کہ گویا انھوں نے یہ دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ ﴾ الآية (إبراهيم 14:39) ''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔'' یاد رہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی عمر میں ان کی والدہ کے ساتھ یہاں لائے تھے تو اس وقت بھی انھوں نے یہاں یہ دعا کی تھی: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ...... ﴾ الآية (البقرة 2:126) ''اے میرے پروردگار! اس (جگہ) کو امن کا شہر بنا......'' جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ ②

---

① الدر المنثور: 5/430 عن فضيل رحمہ اللہ وشعب الإيمان للبيهقي: 4/101، حدیث: 4414. ② دیکھیے البقرة، آیت: 126 کے ذیل میں۔ اس پیرے میں مفسر رحمہ اللہ نے سورۂ بقرہ میں ﴿ بَلَدًا ﴾ نکرہ اور یہاں ﴿ الْبَلَدَ ﴾ معرفہ ذکر کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ سورۂ بقرہ والی دعا اس وقت کی ہے جب ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں لائے تھے کیونکہ اس وقت وہ ایک غیر معروف اور غیر آباد جگہ تھی اور سورۂ ابراہیم والی دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے اس وقت یہ ایک معروف اور خاص جگہ بن گئی تھی۔ امام رحمہ اللہ نے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ ...... ﴾ (إبراهيم 14:39) کا ذکر اور حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی عمروں کا ذکر بھی اسی لیے فرمایا ہے کہ یہ سورۂ ابراہیم والی دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے کیونکہ اس دعا میں اسحاق علیہ السلام کے عطا ہونے کے شکر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے وہ تعمیر کعبہ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ واللہ أعلم.

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا

اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد ایک بے زراعت وادی میں بسائی ہے، تیرے محترم گھر (کعبے) کے پاس، اے ہمارے

لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، چنانچہ تو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہونے والے کردے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے،

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿37﴾

تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں ﴿37﴾

اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو شرک سے محفوظ رکھنے کی تڑپ: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿35﴾ ﴾ ”اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا۔“ ہر دعا کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دعا کیا کرے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذکر کیا کہ بہت سے لوگ بتوں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس لیے وہ بتوں کی پوجا کرنے والوں سے بری ہیں اور ان کے معاملے کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ وہ چاہے تو انھیں عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرما دے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المآئدۃ 5:118) ”اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو ہی غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔“ اس میں سارے معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لیے واقعی عذاب تجویز کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تلاوت فرمایا: ﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ ﴾ ”اے میرے پروردگار! انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پھر جس شخص نے میرا کہا مانا تو یقیناً وہ میرا ہے۔“ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا قول: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المآئدۃ 5:118) اور اگر تو انھیں عذاب دے، تو بے شک وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو نہایت غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔“ تلاوت فرمایا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ! أُمَّتِي أُمَّتِي] ”اے اللہ! میری امت (کو معاف فرما دے۔) میری امت (کو معاف فرما دے۔)“ اور رو رو کر یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اگرچہ تمھارا رب خوب جانتا ہے لیکن پوچھو کہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے جو دعا کی تھی وہ جبریل کو بتا دی۔ اور جبریل علیہ السلام نے جب بارگاہِ الٰہی میں آپ کی طرف سے جواب پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبریل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ امت کے بارے میں یقیناً ہم آپ کو خوش کر دیں گے اور ناراض نہیں کریں گے۔ [1]

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب دعا النبي ﷺ لأمته......، حديث:202.

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِيۡ وَمَا نُعۡلِنُ ؕ وَمَا يَخۡفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا

اے ہمارے رب! بے شک تو سب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔اور زمین اور آسمان میں کوئی چیز اللہ سے

فِى السَّمَآءِ ﴿38﴾ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ وَهَبَ لِىۡ عَلَى الۡـكِبَرِ اِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ

مخفی نہیں ﴿38﴾ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے، بے شک میرا رب دعا خوب سننے والا ہے ﴿39﴾

لَسَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿39﴾ رَبِّ اجۡعَلۡنِىۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿40﴾

اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بھی نماز قائم کرنے والا بنا۔ اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرما ﴿40﴾ اے ہمارے رب! جس دن

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَىَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿41﴾ ع 6/7 18

حساب قائم ہوگا اس دن مجھے، میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو معاف فرمانا ﴿41﴾

تفسیر آیت: 37

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور لوگوں کا سرزمین کعبہ کی طرف میلان: یہ الفاظ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو چھوڑ کر جا رہے تھے تو وہ پہلی دعا تھی اور یہ ایک دوسری دعا ہے۔ پہلی دعا تعمیر کعبہ سے پہلے کی ہے اور یہ دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے۔[1] اور یہ دعا (اس پہلی دعا کی) تاکید اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور شوق کے لیے ہے۔ (یہ دعا بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کی ہے) اسی لیے کہا: ﴿عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ﴾ ''تیرے عزت والے گھر کے پاس۔'' اور فرمانِ الٰہی: ﴿رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز پڑھیں۔'' کے بارے میں ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ﴿الۡمُحَرَّمِ﴾ سے ہے، یعنی میں نے اس گھر کو عزت و ادب والا اس لیے قرار دیا ہے تاکہ یہاں کے رہنے والوں کے لیے اس گھر کے پاس نماز قائم کرنا ممکن ہو جائے۔[2] ﴿فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ﴾ ''چنانچہ تو بعض لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اگر آپ ﴿اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ کے بجائے [أَفْئِدَةَ النَّاسِ] ''سب لوگوں کے دل۔'' کے الفاظ استعمال فرماتے تو فارس و روم، یہود و نصاریٰ اور دیگر لوگ بھی یہاں کشاں کشاں چلے آتے لیکن آپ نے ﴿مِّنَ النَّاسِ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے کہ آپ کی مراد بطور خاص مسلمانوں ہی سے تھی۔[3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے دعا کا اثر: اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ ''اور انھیں ہر قسم کے

---

[1] صحیح بخاری کی ایک حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب آپ علیہ السلام پہلی مرتبہ اسماعیل علیہ السلام کی شیرخوارگی کی عمر میں مکہ تشریف لائے اور انھیں اور ان کی والدہ ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ واللہ أعلم دیکھیے صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله: ﴿يَزِفُّوۡنَ﴾ (الصّٰفّٰت 37:94)...... ، حدیث:3364. اس صورت میں ممکن ہے کہ ﴿عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ﴾ سے مراد وہ نشانات ہوں جو پہلے سے موجود تھے یا وہ بیت اللہ ہو جو ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں تھا۔ واللہ أعلم۔ [2] تفسير الطبري: 306/13. [3] تفسير الطبري: 307,306/13.

پھلوں سے روزی دے۔'' تاکہ یہ روزی تیری اطاعت بجالانے کے لیے معاون ثابت ہو۔ اب تو یہ وادی ایسی ہے کہ جہاں کھیتی نہیں لیکن اس غیر ذی زرع وادی میں پھل پہنچا دینا تاکہ یہاں کے لوگ انھیں کھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:57) ''کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل پہنچائے جاتے ہیں (اور یہ) رزق ہماری طرف سے ہے؟ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم اور اس کی خاص رحمت و برکت ہے کہ مکہ میں ایک بھی پھل دار درخت نہیں لیکن وہاں گرد و پیش کے تمام پھل موجود ہیں اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔

تفسیر آیات :38-41

ہم جو بھی چھپاتے یا ظاہر کرتے ہیں اللہ اس کو جانتا ہے: امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ﴾ ''اے میرے پروردگار! جو بات ہم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک تو (سب) جانتا ہے۔'' یعنی تو جانتا ہے کہ میری دعا سے میرا کیا مقصد ہے اور اس شہر والوں کے لیے دعا سے میرا کیا ارادہ ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ میرا مقصود محض تیری رضا اور تیرے ہی لیے اخلاص ہے کیونکہ تو ظاہری اور باطنی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور آسمان و زمین کی کوئی چیز بھی تجھ سے مخفی نہیں ہے۔ [1]

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے انھیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی اور کہا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝ ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا پروردگار خوب دعا سننے والا ہے۔'' یعنی جو اس سے دعا کرے وہ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور میں نے اس سے اولاد کے لیے جو دعا مانگی تو اس نے میری دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔

پھر کہا: ﴿ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا۔'' یعنی نماز کی حفاظت کرتا رہوں اور اس کی حدود کو قائم کرتا رہوں۔ ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ ﴾ ''اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش۔)'' یعنی انھیں بھی اس طرح نماز قائم کرنے والا بنادے۔ ﴿ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! اور میری دعا قبول فرما۔'' یعنی میں نے تجھ سے جو دعا بھی مانگی ہے تو اسے شرف قبولیت عطا فرما۔ ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت سے پہلے کی تھی جب ان کے سامنے یہ واضح ہو گیا تھا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے، پھر انھوں نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا تھا۔ ﴿ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ﴾ ''اور حساب (کتاب) کے دن (تمام) مومنوں کو بھی (معاف فرمادینا۔)'' یعنی ہم سب کو اس دن معاف فرمادینا جب تو اپنے بندوں

---

[1] تفسیر الطبری:308/13.

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۵ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ

اور (اے نبی!) آپ مت خیال کریں کہ اللہ ان کاموں سے غافل ہے جو ظالم کرتے ہیں، وہ تو انھیں صرف اس دن تک مہلت دیتا ہے

فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿42﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ

جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ﴿42﴾ وہ اپنے سر اٹھائے (محشر کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے، ان کی نگاہ اپنی طرف بھی نہ پھر سکے گی،

وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿43﴾

اور ان کے دل خالی ہوں گے ﴿43﴾

سے حساب کرے گا اور ان کے اعمال کے مطابق انھیں اچھا یا برا بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات: 43,42

اللہ تعالیٰ کا کافروں کو مہلت دینا از راہ غفلت نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) آپ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اعمال سے بے خبر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں مہلت دے رکھی اور ان کی رسی دراز کر رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان سے بے خبر ہے اور وہ انھیں ان کی بداعمالیوں کی سزا نہیں دے گا بلکہ وہ ان کے تمام اعمال کو شمار کر رہا ہے اور ﴿ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿42﴾ ﴾ ''وہ تو انھیں صرف اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' یعنی قیامت کے دن کی دہشت ناکیوں اور ہولناکیوں کی شدت کی وجہ سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے قبروں سے کھڑے ہونے اور میدان حشر کی طرف دوڑنے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ مُهْطِعِيْنَ ﴾ ''وہ دوڑ رہے ہوں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○ ﴾ (القمر 8:54) ''وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے جاتے ہوں گے، کافر کہیں گے: یہ بڑا سخت دن ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ○ يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ○ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ ...... ﴾ الآیة (طٰہٰ 20:108-111) ''اس روز لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اور اس کی پیروی سے انحراف نہ کر سکیں گے اور اللہ کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی، چنانچہ آپ آہٹ کے سوا کوئی اور آواز نہ سن سکیں گے۔ اس دن کسی کی سفارش کوئی فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔ جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے وہ اسے جانتا ہے اور وہ (اپنے) علم سے اس (اللہ کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے اور اس زندہ و قائم کے روبرو چہرے جھک جائیں گے......'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ○ ﴾ (المعارج 43:70) ''جس دن قبروں سے نکل کر دوڑیں گے، گویا کہ وہ آستانوں (بتوں) کی طرف دوڑ رہے ہوں۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ ﴾ ''اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ

اور (اے نبی!) لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب انھیں عذاب آلے گا تو ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک

قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ

مہلت دے (تاکہ) ہم تیری دعوت قبول کریں اور رسولوں کی اتباع کریں۔ (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے

زَوَالٍ ۙ﴿44﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں؟ ﴿44﴾ اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں آباد تھے جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح ہو چکا تھا کہ

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿45﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ

ہم نے ان سے کیا سلوک کیا تھا، اور ہم نے تمھارے لیے مثالیں بیان کی تھیں ﴿45﴾ اور یقیناً وہ اپنی چالیں چل چکے اور ان کی سب چالیں اللہ کے

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿46﴾

پاس ہیں اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ ہل جاتے ﴿46﴾

ان الفاظ کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ وہ سروں کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔[1] ﴿لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ﴾ ''ان کی نگاہ ان کی طرف لوٹ نہ سکے گی۔'' یعنی ان کی نظریں اڑی ہوئی ہوں گی، وہ ٹکٹکی باندھے مسلسل دیکھ رہے ہوں گے اور ہولناکی، دہشت ناکی، فکر اور خوف کے باعث لمحہ بھر کے لیے بھی آنکھیں جھپک نہیں سکیں گے۔ اس دن کی ہولناکیوں سے اللہ رب ذوالجلال کی پناہ! پھر فرمایا: ﴿وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴾ ''اور ان کے دل خالی ہوں گے۔'' یعنی ان کے دل جھکے ہوئے ہوں گے، خالی ہوں گے، ڈر اور خوف کی کثرت کے باعث دلوں میں کچھ نہیں ہوگا، اسی لیے امام قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ ان کے دلوں کی جگہیں خالی ہوں گی کیونکہ دل تو شدت خوف کے باعث اپنی جگہوں سے نکل کر حلقوں کے پاس پہنچ چکے ہوں گے۔[2] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: (دیکھیے آیات: 44-46)

تفسیر آیات: 44-46

عذاب آنے کے بعد مہلت نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو یہ کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مدت مہلت عطا کرتا کہ ہم تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴾ (المؤمنون 23:99) ''حتی کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے (پھر دنیا میں) واپس بھیج دے۔'' اور فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○﴾ (المنفقون 63:9،10)

[1] تفسیر الطبری: 13/313. [2] تفسیر الطبری: 13/316.

''مومنو! تمھارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس (وقت) سے پیشتر خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔'' اور اللہ تعالیٰ نے محشر میں ان کے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ ﴾ (السجدة 32:12) ''اور کاش! آپ دیکھیں جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ نیک عمل کریں، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:27) ''اور کاش! آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تاکہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ○ ﴾ (فاطر 35:37) ''وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کریں گے، نہ کہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا۔ اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، پس (اب مزے) چکھو! ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿44﴾ ﴾ ''کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال نہیں ہوگا۔'' یعنی کیا تم اپنی اس حالت سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو اس حال سے جس میں تم ہو کبھی بھی زوال نہیں ہوگا اور نہ کبھی تمھیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور نہ جزا و سزا کا معاملہ ہوگا، لہٰذا اپنی ان بداعمالیوں کا آج مزا چکھو۔ مجاہد اور کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿44﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم دنیا سے آخرت کی طرف کبھی منتقل نہیں ہو گے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ ﴾ (النحل 16:38) ''اور یہ اللہ کی پختہ قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے (دوبارہ) نہیں اٹھائے گا۔ ہرگز نہیں! (بلکہ وہ اٹھائے گا) یہ (اللہ کا) وعدہ سچا ہے اور اس کے ذمے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿45﴾ ﴾ ''اور جو (لوگ) اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے، تم ان لوگوں کی بستیوں میں رہتے تھے اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں

[1] تفسير الطبرى: 13/318.

کے ساتھ کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا اور ہم نے تمھارے (سمجھانے کے) لیے مثالیں بیان کر دی تھیں۔‘‘یعنی تم نے دیکھا بھی اور تمھیں خبریں بھی پہنچیں کہ ہم نے تم سے پہلے تکذیب کرنے والی امتوں پر کس طرح عذاب اتارا تھا لیکن تم نے اس سے کوئی عبرت حاصل کی اور نہ ہی جس عذاب میں ہم نے انھیں مبتلا کیا تھا اس سے کوئی نصیحت حاصل کی۔ ﴿ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴾ (القمر 5:54) ’’اور کامل دانائی (کی کتاب میں)، پھر محض ڈرانا (ان کو) کچھ فائدہ نہیں دیتا۔‘‘

شعبہ نے ابواسحاق سے، انھوں نے عبدالرحمٰن [1] سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴾ ’’گو وہ تدبیریں ایسی (غضب کی) نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ہل جاتے۔‘‘ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا اس نے دو چھوٹے گدھ لیے اور انھیں پالا پوسا حتی کہ وہ مضبوط و توانا اور جوان ہو گئے، پھر اس نے ان دونوں کے ایک ایک پاؤں کو ایک تابوت کے کیل کے ساتھ باندھ دیا اور بھوکا رکھنا شروع کر دیا اور وہ خود اور ایک دوسرا شخص تابوت میں بیٹھ گئے، تابوت کے اوپر اس نے ایک عصا کھڑا کر دیا اور عصا کے کنارے پر گوشت باندھ دیا تھا، گوشت کو دیکھ کر یہ دونوں گدھ اس کی طرف لپکے تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھو تم کیا دیکھ رہے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں، میں یہ یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حتی کہ اس نے کہا کہ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ساری کی ساری مکھیاں ہے، اس نے عصا کو ہلایا تو دونوں گدھ نیچے گر گئے اور یہی مفہوم اس ارشاد باری تعالیٰ کا ہے: [وَاِنْ كَادَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ] ’’اور ان کی چال ایسی تھی قریب تھا کہ ان کی وجہ سے پہاڑ ہل جاتے۔‘‘ ابواسحاق کہتے ہیں کہ عبداللہ کی قراءت میں اسی طرح ہے: [وَاِنْ كَادَ مَكْرُهُمْ] [2]

مجاہد نے یہ قصہ بخت نصر کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ جب اس کی نظر زمین اور اس کے باشندوں سے منقطع ہو گئی تو آواز دی گئی کہ اے سرکش! اب تیرا کیا ارادہ ہے؟ یہ آواز سن کر وہ ڈر گیا، پھر اس نے اپنے اوپر آواز سنی تو اس نے نیزے گاڑ دیے اور ان پر گدھ بٹھا دیے، پہاڑ ان کے گرنے کو دیکھ کر ڈر گئے اور قریب تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے: ﴿ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴾ ’’اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ ہل جائیں۔‘‘ [3]

ابن جریج نے نقل کیا ہے کہ مجاہد نے اس آیت کریمہ کو پہلے لام کے فتحہ اور دوسرے لام کے ضمہ کے ساتھ یعنی [لَتَزُوْلُ] پڑھا ہے۔ [4] اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان کی تدبیریں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ [5] اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اس کا مفہوم یہی بیان کیا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ جو شرک اور کفر کیا تو اس نے پہاڑوں کو یا کسی اور چیز

[1] عبدالرحمٰن کے والد کا نام علماء نے واصل، دانیل، دنیال وغیرہ نقل کیا ہے۔ واللہ أعلم۔ [2] تفسیر الطبری:320/13 ملحوظہ: تفسیر طبری میں ﴿ وَاِنْ كَانَ ...... ﴾ ہی ہے، البتہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر:380/9 پر امام ابن کثیر کے مطابق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے [وإن كاد ......] کی قراءت بیان فرمائی ہے۔ [3] تفسیر الطبری:321,320/13. [4] تفسیر الطبری:321/13. [5] تفسیر الطبری:

فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿47﴾ يَوۡمَ تُبَدَّلُ

چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔ بے شک اللہ غالب ہے، انتقام لینے والا ﴿47﴾ جس دن یہ زمین

الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ﴿48﴾

دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، اور آسمان بھی، اور لوگ اللہ، واحد، قہر والے کے سامنے (پیش) ہوں گے ﴿48﴾

کوکوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ان کے کفر و شرک کا وبال خود انھی کے لیے ہے۔ [1] یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مشابہ ہے: ﴿ وَلَا تَمۡشِ فِى الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 37:17) ''اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل کہ بے شک تو ہرگز نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ تو ہرگز طول میں پہاڑوں (کی چوٹیوں) تک پہنچ سکتا ہے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دوسرا قول جو علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں مکر سے مراد ان کا شرک ہے اور یہ آیت کریمہ حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۝ ﴾ (مریم 91,90:19) ''قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اس (بات) پر کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا۔'' ضحاک اور قتادہ کا قول بھی یہی ہے کہ یہاں مکر سے مراد ان کا شرک ہے۔ [2]

تفسیر آیات: 48,47

اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو دہراتے اور اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ ﴾ ''چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی انھیں اپنی نصرت سے شادکام فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ بہت زبردست ہے، کوئی چیز اس کے ارادے میں حائل نہیں ہو سکتی اور نہ اس پر غالب آ سکتی ہے اور جو اس کی ذات اقدس کا انکار اور کفر کرے تو وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے، لہٰذا ﴿ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝ ﴾ (المرسلٰت 15:77) ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ ﴾ ''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے۔)'' یعنی اس کا یہ وعدہ اس دن پورا ہو گا جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور وہ زمین اس مألوف و معروف زمین جیسی نہ ہو گی جیسا کہ صحیحین میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، میں

[1] تفسیر الطبری:325/13. [2] تفسیر الطبری:323,322/13.

نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی أَرْضٍ بَیْضَاءَ عَفْرَاءَ کَقُرْصَةِ النَّقِیِّ۔ قَالَ سَھْلٌ۔ أَوْ غَیْرُہٗ۔: لَیْسَ فِیھَا مَعْلَمٌ لِّأَحَدٍ] ''روز قیامت لوگوں کو ایک ایسی زمین پر اکٹھا کیا جائے گا جو سفید سرخی مائل صاف گول روٹی کی طرح ہوگی اور اس میں کسی کے لیے کوئی نشان نہ ہوگا (بالکل ہموار ہوگی۔)''①

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: ﴿ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ...... ﴾ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: [عَلَی الصِّرَاطِ] ''پل صراط پر۔''② اسے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے امام بخاری نے نہیں۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔③

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا تھا، آپ کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور اس نے کہا: اے (محمد ﷺ!) آپ پر سلام ہو۔ میں نے اسے زور کا ایک دھکا دیا قریب تھا کہ وہ گر جاتا، اس نے کہا کہ تم مجھے دھکا کیوں دیتے ہو۔ میں نے کہا: تم اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں کہتے؟ یہودی نے جواب دیا: ہم آپ کو اسی نام سے پکاریں گے جو آپ کے گھر والوں نے آپ کا نام رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ اسْمِی مُحَمَّدٌ الَّذِی سَمَّانِی بِهٖ أَھْلِی، فَقَالَ الْیَھُودِیُّ: جِئْتُ أَسْأَلُكَ، فَقَالَ لَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَیَنْفَعُكَ شَیْءٌ إِنْ حَدَّثْتُكَ؟ قَالَ: أَسْمَعُ بِأُذُنَیَّ، فَنَکَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِعُودٍ مَّعَهٗ، فَقَالَ: سَلْ! فَقَالَ الْیَھُودِیُّ: أَیْنَ یَکُونُ النَّاسُ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَیْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ھُمْ فِی الظُّلْمَةِ دُونَ الْجِسْرِ، قَالَ: فَمَنْ أَوَّلُ النَّاسِ إِجَازَةً ؟ قَالَ: فُقَرَاءُ الْمُھَاجِرِینَ، قَالَ الْیَھُودِیُّ: فَمَا تُحْفَتُھُمْ حِینَ یَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: زِیَادَةُ کَبِدِ النُّونِ، قَالَ: فَمَا غِذَاؤُھُمْ عَلٰی إِثْرِھَا؟ قَالَ: یُنْحَرُ لَھُمْ ثَوْرُ الْجَنَّةِ الَّذِی کَانَ یَأْکُلُ مِنْ أَطْرَافِھَا، قَالَ: فَمَا شَرَابُھُمْ عَلَیْهِ؟ قَالَ: مِنْ عَیْنٍ فِیھَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیلًا، قَالَ:صَدَقْتَ، قَالَ: وَجِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنْ شَیْءٍ لَّا یَعْلَمُهٗ أَحَدٌ مِّنْ أَھْلِ الْأَرْضِ إِلَّا نَبِیٌّ أَوْ رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ. قَالَ: یَنْفَعُكَ إِنْ حَدَّثْتُكَ؟ قَالَ: أَسْمَعُ بِأُذُنَیَّ، قَالَ جِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنِ الْوَلَدِ؟ قَالَ: مَاءُ الرَّجُلِ أَبْیَضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ أَصْفَرُ، فَإِذَا اجْتَمَعَا، فَعَلَا مَنِیُّ الرَّجُلِ مَنِیَّ الْمَرْأَةِ أَذْکَرَا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَإِذَا عَلَا مَنِیُّ الْمَرْأَةِ مَنِیَّ الرَّجُلِ، آنَثَا بِإِذْنِ اللّٰهِ، قَالَ الْیَھُودِیُّ: لَقَدْ صَدَقْتَ، وَإِنَّكَ لَنَبِیٌّ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَذَھَبَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ سَأَلَنِی ھٰذَا عَنِ الَّذِی سَأَلَنِی عَنْهُ، وَمَا لِیَ عِلْمٌ بِشَیْءٍ مِّنْهُ حَتّٰی أَتَانِیَ اللّٰهُ بِهٖ]

---

① صحیح البخاری، الرقاق، باب یقبض اللہ الأرض یوم القیامة......، حدیث: 6521 وصحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب فی البعث والنشور......، حدیث:2790. ② مسند أحمد:35/6. ③ صحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب فی البعث والنشور......، حدیث:2791 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة إبراهیم، حدیث:3121 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر البعث، حدیث:4279.

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿49﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى

اور اس دن آپ تمام مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھیں گے ﴿49﴾ ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے، اور آگ ان کے

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿50﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿51﴾

چہروں کو ڈھانپتی ہوگی ﴿50﴾ تاکہ اللہ ہر نفس کو (اس عمل کی) جزا دے جو اس نے کمایا۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿51﴾

''یقیناً میرا نام محمد ہے جو میرے گھر والوں نے رکھا ہے۔ یہودی نے عرض کی کہ میں آپ سے ایک سوال پوچھنے آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے بیان کروں تو کیا تمھیں اس سے کچھ فائدہ ہوگا۔ یہودی نے جواب دیا کہ میں آپ کی بات کو پوری توجہ سے سنوں گا، رسول اللہ ﷺ نے اس لکڑی کے ساتھ زمین کو کریدتے ہوئے جو آپ کے پاس تھی، فرمایا: ہاں تم پوچھو، تو یہودی نے پوچھا کہ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے اور آسمان دوسرے آسمان سے بدل دیے جائیں گے، اس دن لوگ کہاں ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ پل سے ورے اندھیرے میں ہوں گے۔ یہودی نے پوچھا کہ سب سے پہلے کن لوگوں کو اجازت ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فقراء مہاجرین کو، یہودی نے پوچھا کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انھیں کیا تحفہ ملے گا۔ فرمایا: مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ۔ یہودی نے پوچھا کہ اس کے بعد انھیں کیا غذا دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا: ان کے لیے جنت کے اس بیل کو ذبح کیا جائے گا جو جنت ہی کی اطراف واکناف میں چرا کرتا تھا، یہودی نے پوچھا کہ اس کھانے کے ساتھ وہ کیا پئیں گے۔ آپ نے فرمایا: وہ جنت کے ایک ایسے چشمے سے پانی پئیں گے جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ یہ سن کر یہودی نے کہا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے، پھر یہودی نے کہا کہ میں آپ سے ایک ایسا سوال بھی پوچھنے آیا ہوں جس کا جواب تمام اہل زمین میں سے سوائے نبی کے یا ایک دو آدمیوں کے اور کوئی نہیں جانتا، آپ نے فرمایا: اگر میں تم سے بیان کروں تو کیا تمھیں اس سے فائدہ ہوگا۔ اس نے عرض کی: میں آپ کی بات پوری توجہ سے سنوں گا، اس نے کہا کہ میں آپ سے بچے کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں، آپ نے فرمایا: مرد کا پانی سفید رنگ کا اور عورت کا پانی پیلے رنگ کا ہوتا ہے اور جب یہ دونوں پانی جمع ہو جائیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکے کو جنم دیتے ہیں اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکی کو جنم دیتے ہیں۔ یہودی نے کہا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا: آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور پھر وہ چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جانے کے بعد فرمایا: اس شخص نے مجھ سے جو سوالات پوچھے ہیں ان کے بارے میں مجھے پہلے کوئی علم نہ تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بارے میں علم عطا فرما دیا۔''[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَبَرَزُوْا﴾ ''اور سامنے (کھڑے) ہوں گے۔'' یعنی تمام کے تمام لوگ اپنی قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔ ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿48﴾﴾ ''اللہ کے لیے جو یگانہ و زبردست ہے۔'' یعنی اس ذات گرامی کے سامنے جو ہر چیز

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب بيان صفة منيّ الرجل والمرأة......، حديث:315.

پر غالب ہے اور جس کے سامنے سب کی گردنیں جھکی ہوئی اور عقلیں ماند پڑ گئی ہیں۔

تفسیر آیات:49-51

روز قیامت مجرموں کے احوال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیے جائیں گے اور تمام مخلوقات اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے نکل کھڑی ہوں گی تو اے محمد (ﷺ!) اس دن آپ کفر اور فساد کی صورت میں جرم کرنے والے مجرموں کو (اس حال میں) دیکھیں گے: ﴿ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴾ ''زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔'' یعنی ہر جنس اور ہر شکل کے مجرموں کو اپنی اپنی جنس اور اپنی اپنی صنف کے ساتھ ملا دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ ...... ﴾ الآیة (الصّٰٓفّٰت 22:37) ''جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو اور ان کے جوڑوں کو جمع کرلو......'' اور فرمایا: ﴿ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ ﴾ (التکویر 7:81) ''اور جب روحیں (بدنوں سے) ملادی جائیں گی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 13:25) ''اور جب یہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔'' اور فرمایا ﴿ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ ﴾ (صٓ 38,37:38) ''اور شیاطین کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور دوسروں کو بھی (جو) زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، اعمش اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ الْاَصْفَادِ ﴾ کے معنی زنجیروں کے ہیں۔[1] اور یہی معنی عربی لغت میں مشہور ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ ﴾ ''ان کے کُرتے گندھک کے ہوں گے۔'' یعنی جس لباس کو وہ پہنیں گے وہ گندھک کا ہوگا۔ گندھک وہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کی مالش کی جاتی ہے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ چیز ہے جو آگ کو سب سے زیادہ پکڑنے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ﴿ قَطِرَانٍ ﴾ سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے، اس لیے وہ کبھی اس طرح بھی پڑھتے تھے: [سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قِطْرٍ آنٍ] یعنی ان کا لباس ایسے گرم تانبے سے بنا ہوگا جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوگی۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ ﴾ ''اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہوگی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 104:23) ''آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا کہ ہمیں ابان بن یزید نے یحییٰ بن ابو کثیر سے، انھوں نے زید سے، انھوں نے ابوسلام سے اور انھوں نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَرْبَعٌ مِّنَ الْجَاهِلِيَّةِ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2254/7. [2] تفسیر القرطبی: 385/9 و الدر المنثور: 170/4.

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ

یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے اور تاکہ اس کے ذریعے سے انھیں ڈرایا جائے، اور تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ بے شک وہی (اللہ) معبود

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿52﴾ ع 7/11/19

واحد ہے، اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں ﴿52﴾

لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ، وَالنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ أَوْ دِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ] ''جاہلیت کی چار چیزیں باقی رہیں گی جنھیں نہیں چھوڑیں گے: (1) حسب پر فخر۔ (2) نسب پر طعن۔ (3) ستاروں سے بارش طلب کرنا اور (4) میت پر نوحہ کرنا۔ اور نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے قیامت کے دن اس طرح کھڑا کیا جائے گا کہ اس کا کرتا گندھک کا یا اوڑھنی خارش والی ہوگی۔''[1] اس کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2] امام بخاری نے نہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے۔'' یعنی قیامت کے دن جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴾ (النجم 31:53) ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے اچھائیاں کیں انھیں اچھا بدلہ دے۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿51﴾ ﴾ ''بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' یعنی جب وہ اپنے بندے کا محاسبہ کرے گا تو اس سے جلد حساب لے لے گا کیونکہ وہ ہر چیز جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ اس کی قدرت کے سامنے ساری مخلوق ایسے ہے جیسے کوئی ایک انسان ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ (لقمٰن 28:31) ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور تمھیں دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا ہے۔'' اور یہی معنی ہیں مجاہد کے اس قول کے کہ وہ شمار کرنے اور گننے کے اعتبار سے جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر آیت: 52

اللہ کا پیغام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ﴾ (الأنعام 19:6) ''تاکہ اس کے ذریعے سے میں تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔'' یعنی یہ قرآن تمام انسانوں اور جنوں کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا: ﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (إبراھیم 1:14) ''الٓرٰ۔ (یہ) ایک (پرنور) کتاب ہے اس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔''

[1] مسند أحمد: 343,342/5. [2] صحیح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، حديث: 934.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ ''اور تا کہ اس کے ذریعے سے انھیں ڈرایا جائے اور بے شک وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے۔'' یعنی اس (قرآن) میں موجود دلائل و براہین سے وہ اس بات پر استدلال کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ﴿ وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿52﴾ ﴾ ''اور تا کہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔''

سورۂ ابراہیم کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

تفسیر سُورَۂ حِجر

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ① رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا

الٓرٰ۔ یہ آیات ہیں کتاب اور قرآن مبین کی ① کسی وقت کافر چاہیں گے کاش کہ وہ مسلمان ہوتے ② (اے نبی!) انھیں چھوڑ دیجیے، وہ کھائیں

مُسۡلِمِيۡنَ ② ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ③

(پئیں) اور فائدہ اٹھائیں، اور (جھوٹی) امید انھیں غفلت میں ڈالے رکھے، پھر جلد ان کو معلوم ہو جائے گا ③

تفسیر آیات :1-3

کفار کسی وقت تمنا کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے: حروف مقطعات کے متعلق شروع میں بحث گزر چکی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ﴾ ”کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے۔“ یعنی کافروں کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب وہ اپنے کفر پر ندامت کا اظہار کریں گے اور تمنا کریں گے کہ اے کاش! وہ دنیا میں مسلمان ہوتے۔ سفیان ثوری نے سَلَمہ بن کُہَیل سے، انھوں نے ابوزَعراء سے اور انھوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ: ﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ② ﴾ ”کسی وقت کافر چاہیں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ ان جہنمیوں کے بارے میں ہے جو یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کو جہنم سے باہر نکالا جا رہا ہے۔[1] ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ وہ اس آیت کی یہ تفسیر بیان کیا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ گناہ گار مسلمانوں کو جہنم میں مشرکوں کے ساتھ یکجا کر دے گا تو مشرک ان سے کہیں گے کہ جس کی تم دنیا میں عبادت کرتے تھے وہ تمھارے کچھ کام نہ آیا تو مشرکوں کی یہ بات سن کر اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور وہ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے گناہ گار مسلمانوں کو جہنم سے باہر نکال دیں گے اور اسی وقت کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ② ﴾ ”کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے کہ اے کاش! وہ مسلمان ہوتے۔“[2]

① تفسیر الطبری:6/14. ② تفسیر الطبری:6/14.

وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ④ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ⑤

اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس (کی تباہی) کے لیے لکھی ہوئی (میعاد) مقرر تھی ④ کوئی امت اپنے (مقرر) وقت سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ⑤

وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ؕ ⑥ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰۤئِكَةِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ⑦ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰۤئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ ⑧ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ⑨

اور انھوں نے کہا: اے وہ شخص! جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے، یقیناً تو تو مجنون ہے ⑥ تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچوں میں سے ہے؟ ⑦ فرشتے تو ہم صرف حق (عذاب) کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور پھر اس وقت ان (کفار) کو ڈھیل نہیں دی جاتی ⑧ بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں ⑨

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا ﴾ ''(اے نبی!) ان کو ان کے حال پر رہنے دیجیے کہ وہ کھائیں (پئیں) اور فائدے اٹھالیں۔'' یہ بہت سخت ڈانٹ ڈپٹ اور شدید ترین سرزنش ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ○ ﴾ (ابراھیم 14:30) ''کہہ دیجیے کہ (چندروز دنیا میں) فائدہ اٹھالو، پھر یقیناً تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' اور فرمایا ﴿ كُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ○ ﴾ (المرسلٰت 46:77) ''(اے جھٹلانے والو!) تم (دنیا میں) کچھ (دن) کھالو اور فائدے اٹھالو، بے شک تم مجرم ہو۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ ﴾ ''اور (جھوٹی) امید ان کو (دنیا میں) غافل کیے رکھے۔'' توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے۔ ﴿ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ③ ﴾ ''عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔'' یعنی اس کا انجام۔

تفسیر آیات: 5،4

ہر بستی کے لیے ایک وقت مقرر ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس وقت جب اس پر حجت تمام ہوگئی اور اس کی مہلت ختم ہوگئی اور اس نے کسی امت کی تباہی و بربادی کے لیے جو وقت مقرر کر رکھا ہوتا ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ یہ اہل مکہ کے لیے تنبیہ بھی تھی اور رہنمائی بھی کہ وہ اپنے شرک، عناد اور الحاد سے باز آجائیں کیونکہ ان جرائم کی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انھیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔

تفسیر آیات: 9-6

کفار کا رسول اللہ ﷺ کو مجنون قرار دینا اور نزول ملائکہ کا مطالبہ اور ان کا رد: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ کفار نے اپنے کفر، سرکشی اور عناد کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ ﴾ ''اے وہ شخص! جس پر نصیحت (کی کتاب) نازل ہوئی ہے۔'' یعنی وہ جو اس کے نازل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ﴿ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ⑥ ﴾ ''یقیناً تو تو دیوانہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

اور یقیناً آپ سے پہلے ہم کئی گروہوں میں رسول بھیج چکے ہیں ⑩ اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس سے مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ

کرتے تھے ⑪ ہم اسی طرح مجرموں کے دلوں میں ہنسی مذاق ڈالتے ہیں ⑫ وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬

(یہی) پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے ⑬

ہے۔'' یعنی ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم تیری اتباع کریں اور اس دین کو چھوڑ دیں جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ ﴿لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦﴾ ''اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا؟'' یعنی جو اس بات کی گواہی دیتے کہ تو جو دین لے کر آیا ہے وہ سچا ہے جیسا کہ فرعون نے بھی کہا تھا: ﴿فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ○﴾ (الزخرف 53:43) ''پھر اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے؟'' کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ○ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○﴾ (الفرقان 25:21,22) ''اور ان لوگوں نے کہا جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھتے۔ بلاشبہ یہ اپنے نفسوں میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی اور وہ (فرشتے) کہیں گے: (تم پر جنت) ممنوع و حرام ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧﴾ ''ہم فرشتوں کو نازل نہیں کرتے مگر حق (عذاب) کے ساتھ اور اس وقت ان (کفار) کو مہلت نہیں ملتی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿بِالْحَقِّ﴾ سے مراد رسالت اور عذاب ہے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے کتاب نصیحت، یعنی قرآن کو نازل فرمایا ہے اور وہی تغیر و تبدل سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔

تفسیر آیات: 10-13

مشرکین کا اپنے رسولوں کے ساتھ استہزا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر کفار قریش نے آپ کی تکذیب کی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اللہ نے آپ سے پہلے بھی سابقہ تمام امتوں میں رسول بھیجے اور ہر امت نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور مذاق اڑایا، پھر از راہ عناد و تکبر ہدایت کی اتباع سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫﴾ ''ہم اسی طرح اس (گمراہی و کفر اور استہزا و شرک)

[1] تفسیر الطبری: 11/14.

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ

اور اگر ہم ان پر آسمان سے ایک دروازہ کھول دیں، پھر وہ اس پر چڑھنے لگیں ⑭ تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری تو نظریں ہی بند کر دی

ع 1 15 1 اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮

گئی ہیں، بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے ⑮

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

اور یقیناً ہم نے آسمان میں ستارے بنائے اور اسے ناظرین کے لیے زینت دی ⑯ اور ہم نے انھیں ہر شیطان مردود سے محفوظ

رَّجِيْمٍ ⑰ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا

رکھا ⑰ مگر جو چوری چھپے سنے تو چمکتا شہاب (دہکتا شعلہ) اس کا پیچھا کرتا ہے ⑱ اور ہم نے زمین پھیلا دی اور اس میں پہاڑ

فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ

ڈال (گاڑ) دیے اور اس میں ہر چیز مناسب مقدار میں اگائی ⑲ اور ہم نے تمھارے لیے زمین میں معاش کے اسباب بنا دیے

لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ⑳

اور ان کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو ⑳

کو مجرموں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔'' یہاں دلوں میں ڈالنے سے مراد شرک ہے۔ ①

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ ﴾ ''اور پہلوں کی (یہی تباہی و بربادی کی) روش گزر چکی ہے۔'' یعنی یہ حقیقت معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا تھا جنھوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس نے دنیا و آخرت میں اپنے نبیوں اور ان کے پیروکاروں کو کس طرح نجات عطا فرمائی تھی۔

تفسیر آیات: 15,14

کفار نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے: اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے کفر، عناد اور سرکشی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو پھر بھی یہ تصدیق نہیں کریں گے بلکہ یہی کہیں گے: ﴿ اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا ﴾ ''ہماری تو نظریں ہی بند کر دی گئی ہیں۔'' مجاہد، ابن کثیر اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری آنکھیں بند کر دی گئی ہیں۔ ② قتادہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ ہماری آنکھیں پکڑی گئی ہیں جبکہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ ہم پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے اور ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ ③ ابن زید کہتے ہیں کہ السُّکران وہ ہوتا ہے جس میں عقل نہ ہو۔ ④

تفسیر آیات: 20-16

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2258/7. ② تفسیر الطبری: 18,17/14. ③ تفسیر الطبری: 18/14. ④ تفسیر الطبری: 19/14.

آسمانوں اور زمین میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ آسمانوں کو پیدا فرمایا اور انھیں مختلف نجوم و کواکب سے مزین فرمایا ہے جن میں سے بعض ثابت اور بعض سیارے ہیں۔ جو شخص ان کے نظام پر غور و فکر کرے گا اسے بہت سے عجائبات اور بے شمار روشن نشانات نظر آئیں گے کہ وہ حیران و ششدر رہ جائے گا۔ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ یہاں آیت کریمہ میں برج سے مراد ستارے ہیں[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا ﴾ الآیة (الفرقان 25:61) ''اور اللہ بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں ثوابت و سیارے بنائے......۔''
عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ ﴿ بُرُوْجًا ﴾ سے یہاں مراد نگہبان ستاروں کے محلات ہیں۔[2] اللہ تعالیٰ نے شہابوں کو سرکش شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ بنا دیا ہے تاکہ وہ ملاء اعلیٰ کی بات کو نہ سن سکیں ان میں سے اگر کوئی سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بات سننے کے لیے پیش قدمی کرتا ہے تو ایک روشن انگارا آتا ہے اور وہ اسے تباہ کر دیتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ شہاب ثاقب کے پہنچنے سے پہلے سنی ہوئی بات دوسرے شیطانوں تک منتقل کر دیتا ہے اور وہ دوسرا شیطان اسے اپنے دوست نجومی اور کاہن وغیرہ تک پہنچا دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل صحیح حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِّقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلٰى صَفْوَانٍ] ''اللہ تعالیٰ جب آسمان میں کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے جھکتے ہوئے اپنے پروں کو اس طرح مارتے ہیں جیسے پتھر پر کوئی زنجیر کھینچی جا رہی ہو۔'' حدیث کے راوی علی بن عبداللہ کی روایت میں تو الفاظ یہیں تک ہیں جبکہ دیگر راویوں نے اس کے بعد یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ان تک پہنچ جاتا ہے، اور جب ان کے دلوں سے اضطراب دور ہو جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ اس فیصلے کو چوری چھپے سننے والے بھی سن لیتے ہیں اور چوری سننے والے ایک دوسرے کے اوپر اس طرح ہوتے ہیں، سفیان نے اپنے ہاتھ سے اس طرح وضاحت کی کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر ایک دوسرے کے اوپر کھڑا کر دیا۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ سننے والا اس بات کو اپنے ساتھی تک پہنچائے، شہاب ثاقب آتا اور اسے جلا دیتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ شہاب ثاقب اسے نہیں لگتا اور یہ بات اپنے سے نیچے والے ساتھی کی طرف منتقل کر دیتا ہے حتی کہ وہ اسے زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔ سفیان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر یہ بات زمین تک پہنچ جاتی ہے اور وہ اس جادوگر یا کاہن کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے، پھر وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ بولتا ہے مگر پھر بھی اسے سچا سمجھا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس نے فلاں دن یہ نہیں کہا تھا کہ فلاں فلاں واقعات رونما ہوں گے اور وہ اسی طرح رونما ہو گئے، حالانکہ اس کی وہ پیش گوئی اس بات کی وجہ سے سچی ثابت ہوتی ہے جو آسمان سے سنی گئی ہوتی ہے۔[3]

---

[1] تفسير الطبري:14/20. [2] تفسير ابن أبي حاتم:7/2259 وتفسير البغوي:3/52. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ ...... ﴾ (الحجر 15:18)، حديث:4701.

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ

اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہی ہیں، اور ہم ہر چیز معلوم مقدار ہی میں اتارتے ہیں ﴿21﴾ اور ہم نے بوجھل (بارآور) ہوائیں بھیجیں، پھر آسمان

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ

سے پانی نازل کیا، پھر وہ تمھیں پلایا، اور اس (پانی) کا ذخیرہ کرنے والے تم نہیں ہو ﴿22﴾ اور بلاشبہ ہم ہی زندگی اور موت دیتے ہیں، اور بے شک ہم

وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا

ہی (سب کے) وارث ہیں ﴿23﴾ اور یقیناً ہمیں ان کا علم ہے جو تم میں سے پہلے گزر چکے اور ان کا (بھی) علم ہے جو پیچھے رہنے والے ہیں ﴿24﴾ اور (اے

ع 2/10/2 الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

نبی!) بے شک آپ کا رب ہی انھیں اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ حکیم و علیم ہے ﴿25﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس نے زمین کو پیدا فرمایا، پھیلایا، وسیع کیا اور بچھایا ہے، پھر اس نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ، وادیاں، کھیت اور صحرا بنا دیے، پھر اس نے اس زمین سے رنگ رنگ کی فصلوں اور پھلوں کو پیدا فرمایا۔ ﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾﴾ ''اور ہم نے اس میں ہر ایک چیز مناسب مقدار میں اگائی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾﴾ کے معنی معلوم کے ہیں۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، ابو مالک، مجاہد، حکم بن عتیبہ، حسن بن محمد، ابو صالح اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ﴾ ''اور ہم ہی نے تمھارے لیے اس میں معاش کے سامان پیدا کیے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم ہی نے تمھارے لیے زمین میں مختلف انواع و اقسام کے اسباب معیشت بھی مہیا کر دیے ہیں، مَعَایِشُ مَعِیشَةٌ کی جمع ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''اور ان کے لیے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ان سے مراد جانور اور مویشی وغیرہ ہیں۔[2] ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے مراد غلام، لونڈیاں، جانور اور مویشی ہیں۔[3] مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر فرما رہا ہے کہ اسی نے اسباب معیشت اور کمانے کے مختلف طریقے آسان کر دیے ہیں۔ کچھ جانوروں کو سواری کے لیے مسخر کر دیا اور کچھ کو انسانوں کی خوراک بنا دیا ہے، غلاموں اور لونڈیوں کو خدمت میں لگا دیا ہے اور ان سب کا رزق ان کے ذمے نہیں بلکہ ان کے خالق و مالک کے ذمے ہے، یعنی منفعت تو ان سے یہ لوگ اٹھاتے ہیں مگر ان کا رزق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذمے ہے۔

تفسیر آیات: 21-25

ہر چیز کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کے لیے بہت ہی آسان ہے، اور تمام چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں ﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور ہم ہر چیز بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔'' جس طرح وہ چاہے اور جس طرح وہ ارادہ فرمائے اس میں بھی اس کی بے پایاں حکمت اور

[1] تفسیر الطبری: 23,22/14. [2] تفسیر الطبری: 24/14. [3] تفسیر الطبری: 25/14.

اپنے بندوں پر رحمت کا ظہور ہے اس پر یہ واجب نہیں لیکن اس نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو واجب قرار دے رکھا ہے۔ یزید بن ابوزیاد نے ابو جحیفہ سے اور انھوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا اپنے بندوں میں بارش کو تقسیم فرماتا رہتا ہے، ایک سال کہیں زیادہ بارش ہو جاتی ہے اور دوسرے سال کسی اور جگہ، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ ﴾ ''اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔''[1] اس کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ہواؤں کے فائدے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ ''اور ہم ہی بوجھل ہوائیں بھیجتے ہیں۔'' یعنی جو بادلوں کو بھر دیتی ہیں اور ان سے پانی برستا ہے اور درختوں کو بھر دیتی ہیں اور ان کے پتے اور گوشے پھوٹنے لگتے ہیں۔ یہاں ﴿ الرِّيٰحَ ﴾ کا لفظ جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوا ہے تاکہ ان سے بار آوری ہو جبکہ قرآن مجید میں الریح العقیم ''نامبارک ہوا'' کا لفظ واحد استعمال ہوا ہے کیونکہ یہ ہوا بار آور نہیں ہوتی اور بار آوری دو یا دو سے زیادہ چیزوں ہی سے ہو سکتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہوا کو بھیجا جاتا ہے اور وہ آسمان سے پانی لیتی، پھر بادلوں کو چلاتی ہے حتی کہ بادلوں سے اس طرح پانی برسنے لگتا ہے جس طرح بہت زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی دودھ دیتی ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ضحاک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بادل پر بھیج دیتا ہے جو اسے بار آور کر دیتی ہے تو بادل پانی سے بھر جاتا ہے۔[4] عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوشخبری دینے والی ہوا کو بھیجتا ہے تو وہ زمین میں جھاڑو دے دیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ ابھارنے والی ہوا کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ جمع کرنے والی ہوا کو بھیجتا ہے، جو بادلوں کو جمع کر دیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ بار آور کرنے والی ہوا کو بھیجتا ہے جو درختوں کو بار آور کر دیتی ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ ''اور ہم ہی بوجھل ہوائیں بھیجتے ہیں۔''[5]

میٹھا پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ﴾ ''پھر ہم نے وہ تمھیں پلایا۔'' یعنی ہم نے تمھارے لیے میٹھا پانی نازل کیا ہے تاکہ تم اسے پی سکو اور اگر ہم چاہتے تو اس پانی کو کڑوا اور کھاری بنا دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ واقعہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (الواقعة 56:68-70) ''بھلا دیکھو تو، جو پانی تم پیتے ہو، کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا کر دیں، پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟'' اور

[1] تفسیر الطبری:26/14. [2] تفسیر الطبری:28/14. [3] تفسیر الطبری:29/14. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 2261/7. [5] تفسیر الطبری:29/14.

فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴾ (النحل 10:16) ''وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اسی سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں) جن میں تم (اپنے جانور) چراتے ہو۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴾ ''اور تم تو اس کا ذخیرہ نہیں رکھتے۔'' یعنی تم تو اس کی حفاظت نہیں کر سکتے بلکہ ہم ہی اسے نازل کرتے، اس کی تمھارے لیے حفاظت کرتے اور اس کو ندیوں اور چشموں کی صورت میں جاری کر دیتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو لے جائیں اور اسے ختم کر دیں لیکن اپنی رحمت سے ہم نے اسے نازل بھی فرمایا، میٹھا بھی بنایا اور چشموں، کنوؤں اور نہروں کی صورت میں اسے محفوظ بھی کر دیا تاکہ سارا سال محفوظ رہے اور لوگ خود بھی پیتے رہیں اور اپنے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کو بھی سیراب کرتے رہیں۔

مخلوق کو پہلی دفعہ اور دوبارہ پیدا کرنے پر اللہ کی قدرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ ﴾ ''اور بلاشبہ ہم ہی زندگی اور موت دیتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کرنے اور اسے دوبارہ زندہ کر دینے کے بارے میں اپنی قدرت کا بیان فرمایا ہے کہ اس کی ذات پاک نے مخلوق کو عدم سے وجود بخشا، پھر وہ انھیں موت دے گا اور ان سب کو قیامت کے دن اٹھائے گا۔ اور اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کا وارث ہے اور ان سب کو ایک دن اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ پہلے اور پچھلے سب لوگوں کو جانتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴾ ''اور البتہ تحقیق جو لوگ تم میں سے پہلے گزر چکے ہیں ہمیں معلوم ہیں اور جو پیچھے آنے والے ہیں، وہ بھی ہمیں معلوم ہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنے لوگ فوت ہوئے ہیں وہ سب ﴿ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ ﴾ ''اگلے'' ہیں اور اب جس قدر لوگ زندہ ہیں اور جس قدر قیامت تک آئیں گے وہ سب ﴿ الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴾ ''پچھلے'' ہیں۔[1] عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ، محمد بن کعب اور شعبی وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ابن جریر نے محمد بن ابو معشر سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو محمد بن کعب سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴾ کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے سنا، عون نے کہا کہ اس آیت میں اگلے اور پچھلے لوگوں سے مراد نماز کی صفیں ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا: نہیں، یہ بات درست نہیں بلکہ اگلوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو فوت یا قتل ہو گئے اور پچھلوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعد میں پیدا ہوں گے۔ ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور (اے نبی!) آپ کا پروردگار (قیامت کے دن) ان سب کو جمع کر دے گا، بے شک وہ بڑا دانا (اور) خبردار ہے۔'' یہ سن کر عون بن عبداللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن

[1] تفسير الطبرى: 32/14 و تفسير ابن أبى حاتم: 2262/7. [2] تفسير الطبرى: 14/31-34.

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿26﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾

اور یقیناً ہم نے انسان کو سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے تخلیق کیا ہے ﴿26﴾ اور اس سے پہلے جنوں کو ہم نے سخت حرارت والی آگ سے تخلیق کیا ﴿27﴾

فہمی کی مزید توفیق بخشے اور جزائے خیر سے نوازے۔[1]

تفسیر آیات: 27,26

انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مادہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہاں ﴿صَلْصَالٍ﴾ سے مراد خشک مٹی ہے۔[2] اور یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہی کی طرح ہے: ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ﴾ (الرحمٰن 55:14,15) ''اسی نے انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹی سے بنایا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔''

مجاہد سے یہ روایت بھی ہے کہ ﴿صَلْصَالٍ﴾ بدبودار مٹی کو کہتے ہیں۔[3] لیکن آیت کی آیت کے ساتھ تفسیر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿26﴾﴾ ''سڑے ہوئے گارے سے۔'' یعنی ﴿صَلْصَالٍ﴾ کے معنی کھنکھناتا ہوا، ﴿حَمَإٍ﴾ کے معنی گارا اور ﴿مَّسْنُونٍ ﴿26﴾﴾ کے معنی سڑا ہوا ہیں۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور جنوں کو ہم نے اس سے بھی پہلے پیدا کیا تھا۔'' یعنی انسانوں سے پہلے ﴿مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾﴾ ''سخت حرارت والی آگ سے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سموم ایسی آگ کو کہتے ہیں جو قتل کر دے۔[4] امام ابوداود طیالسی نے بیان کیا ہے کہ ہم سے شعبہ نے اور انھوں نے ابواسحاق سے روایت کیا کہ میں عمرو بن اصم کی بیمار پرسی کے لیے ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا: کیا میں آپ سے وہ بات نہ بیان کروں جو میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ آپ فرماتے تھے کہ ہماری یہ آگ اس آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے جس سے جنوں کو پیدا کیا گیا تھا، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾﴾ ''اور جنوں کو ہم نے اس سے بھی پہلے سخت حرارت والی آگ سے پیدا کیا تھا۔''[5] اور صحیح حدیث میں ہے: [خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ، وَّخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ] ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تمھارے لیے (قرآن میں) بیان کیا گیا ہے (مٹی سے۔)''[6] اس آیت کریمہ سے مقصود آدم علیہ السلام کے شرف ان کے عنصر کی پاکیزگی اور ان کے مادے کی طہارت کی طرف توجہ دلانا ہے۔

---

① تفسیر الطبری: 32,31/14. ② تفسیر الطبری: 37/14. ③ تفسیر الطبری: 39/14. ④ تفسیر الطبری: 40/14.

⑤ المستدرك للحاكم، التفسير، سورة الرحمن: 474/2 و تفسیر الطبری: 41/14، البتہ مسند ابی داود طیالسی میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ ⑥ صحیح مسلم، الزهد......، باب فی أحاديث متفرقة، حديث: 2996.

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿28﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر تخلیق کرنے والا ہوں ﴿28﴾ پھر جب

وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿29﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿30﴾ اِلَّاۤ

میں اسے درست کرلوں اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ کرتے گر پڑنا ﴿29﴾ پھر سارے فرشتوں نے اکٹھے سجدہ

اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿31﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ

کیا ﴿30﴾ سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو ﴿31﴾ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہے کہ تو سجدہ کرنے

السّٰجِدِیْنَ ﴿32﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿33﴾

والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا؟ ﴿32﴾ اس نے کہا: میں ایسا نہیں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ﴿33﴾

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿34﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿35﴾ قَالَ رَبِّ

اللہ نے فرمایا: پھر تو یہاں سے نکل جا، چنانچہ بلاشبہ تو مردود ہے ﴿34﴾ اور بے شک تجھ پر یوم جزا تک لعنت ہے ﴿35﴾ اس نے کہا: میرے رب! مجھے اس دن

فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿36﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿37﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿38﴾

تک مہلت دے جب (لوگ دوبارہ) اٹھائے جائیں ﴿36﴾ اللہ نے فرمایا: بے شک تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے ﴿37﴾ مقرر وقت کے دن تک ﴿38﴾

تفسیر آیات: 28-33

تخلیق آدم، فرشتوں کو سجدے کا حکم اور ابلیس کا انکار: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کا ان کی تخلیق سے قبل ہی فرشتوں میں ذکر فرمایا اور انھیں یہ شرف بخشا کہ اس نے فرشتوں کو انھیں سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا مگر ابلیس نے حسد، کفر، عناد، تکبر اور باطل پر فخر کے باعث سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: ﴿لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿33﴾﴾ ''میں ایسا نہیں ہوں کہ ایک انسان کو سجدہ کروں جس کو تو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنایا ہے۔'' جیسا کہ اس نے کہا: ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○﴾ (الأعراف 7:12) ''میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے تو نے مٹی سے بنایا ہے۔'' اور یہ بھی کہا: ﴿اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ز لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ○﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:62) ''بھلا دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔''

تفسیر آیات: 34-38

ابلیس کا جنت سے اخراج اور قیامت تک مہلت: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ابلیس کو حکم دیا جس کی نہ مخالفت کی جا سکتی تھی اور نہ ٹالا جا سکتا تھا کہ وہ اس مقام و مرتبہ سے نکل جائے جو اسے ملاء اعلیٰ میں حاصل ہے کیونکہ اب وہ مردود ہے اور اب روز قیامت تک اس پر مسلسل اور متواتر لعنت برستی رہے گی۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿39﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

اس نے کہا: میرے رب! مجھ کو تیرے گمراہ کرنے کے سبب یقیناً میں ان (لوگوں) کے لیے زمین میں (گناہ) خوش نما بنادوں گا اور ان سب کو گمراہ

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿41﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا

کروں گا ﴿39﴾ تیرے ان بندوں کے سوا جو ان میں سے چنے ہوئے ہیں ﴿40﴾ اللہ نے فرمایا: یہی مجھ تک (پہنچانے والی) سیدھی راہ ہے ﴿41﴾ بے شک

مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿42﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿43﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ

میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، مگر گمراہوں میں سے (تیرا زور اس پر چلے گا) جس نے تیری اتباع کی ﴿42﴾ اور یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾ ع 3/19/3

ہے ﴿43﴾ اس کے سات دروازے ہیں، ان (گمراہوں) میں سے ہر دروازے کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے ﴿44﴾

ابلیس پر لعنت فرمائی تو اس کی فرشتوں والی صورت تبدیل ہوگئی اور اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور قیامت تک دنیا میں ہر چیخ کا تعلق اسی سے ہے۔ ①

تفسیر آیات:39-44

ابلیس کا چیلنج اور اس کے لیے جہنم کی وعید: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی بغاوت و سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے رب تعالیٰ سے کہا: ﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ ''میرے پروردگار! جیسے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔'' یعنی جس طرح تو نے مجھے رستے سے دور کر دیا اور الگ کر دیا ہے تو، ﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ﴾ ''یقیناً میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا۔'' یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد کے لیے۔ ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ ''زمین میں۔'' یعنی میں انھیں گناہوں کی ترغیب دوں گا اور انھیں ان کا شوق دلاؤں گا، دلوں میں گناہوں کی محبت پیدا کروں گا۔ ﴿وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿39﴾﴾ ''اور البتہ میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا۔'' یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا اور اسے مجھ پر قدرت بخشی ہے (اسی طرح میں بھی اس کی ساری اولاد کو گمراہ کر دوں گا۔)

﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾﴾ ''تیرے ان بندوں کے سوا جو ان میں سے چنے ہوئے ہیں۔'' جیسا کہ دوسری جگہ ابلیس نے کہا: ﴿اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ز لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ○﴾ (بنی إسرآءیل 17:62) ''بھلا دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے اسے ڈانٹ پلاتے اور سرزنش کرتے ہوئے کہا: ﴿هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿41﴾﴾ ''مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا رستہ ہے۔'' یعنی تم سب نے ایک دن میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے اور میں ہی تمھارے اعمال کا بدلہ دوں گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا بدلہ اور اگر اعمال برے ہوئے تو برا بدلہ دوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿14﴾﴾ (الفجر 89:14) ''بے شک آپ کا پروردگار، البتہ گھات (تاک) میں ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ (النحل 16:9) ''اور سیدھا رستہ تو اللہ تک (جا پہنچتا) ہے۔''

① تفسیر ابن أبی حاتم: 7/2265.

پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ ''بے شک جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں (کہ تو ان کو گناہ میں ڈال سکے۔)''یعنی جن کے مقدر میں ہدایت میں نے لکھ دی ہے ان تک پہنچنے کے لیے تجھے کوئی رستہ ہی نہیں ملے گا۔ ﴿ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ ''صرف ان گمراہوں پر (تیرا زور چلے گا) جو تیرے پیچھے چل پڑے۔'' یہ استثنا منقطع ہے۔ امام ابن جریر نے یہاں یزید بن قُسیط کی رِوایت کو بیان کیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مسجدیں، ان کی بستیوں سے باہر ہوتی تھیں جب نبی اپنے رب تعالیٰ سے کوئی بات پوچھنا چاہتے تو وہ اپنی مسجد میں چلے جاتے، اس میں جس قدر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا نماز ادا کرتے، پھر اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا دشمن (ابلیس) آیا اور وہ ان کے اور قبلے کے درمیان بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ] ''میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ کے دشمن نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ جس سے تم نے پناہ چاہی ہے کیا وہ وہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نبی نے پھر پڑھا: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ] اور اسے تین بار پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن نے کہا: تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کس طرح بچو گے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا: بلکہ تم یہ بتاؤ کہ ابن آدم پر کس طرح غالب آتے ہو؟ دوبار پوچھا اس کے بعد ہر ایک نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ ''بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، (تیرا زور) صرف ان (گمراہوں) پر (چلے گا) جو تیرے پیچھے چل پڑے۔'' اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جواب دیا کہ ہاں یہ بات تو میں نے آپ کی ولادت سے بھی پہلے سنی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾ (الأعراف 200:7) ''اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگیے۔ بے شک وہ خوب سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔'' واللہ! میں جب بھی تیرا کچھ وسوسہ محسوس کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے تیری پناہ مانگنے لگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جواب دیا کہ ہاں! آپ سچ کہتے ہیں، آپ اسی تعوذ کے ساتھ ہی مجھ سے بچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا: [فَأَخْبِرْنِی بِأَیِّ شَیْءٍ تَغْلِبُ ابْنَ آدَمَ؟] ''اچھا یہ بتاؤ کہ تم ابن آدم پر کس چیز کے ساتھ غالب آتے ہو؟'' ابلیس نے جواب دیا کہ میں انسان کو غصے اور خواہش نفس کے وقت اپنے قابو میں کر لیتا ہوں......۔ (1)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ ''اور یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔'' یعنی جو لوگ ابلیس کی پیروی کریں گے ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ الآیة (ھود 17:11) ''اور ان گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے......۔''

(1) تفسیر الطبری:46/14.

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿45﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿46﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ

بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿45﴾ (کہا جائے گا:) تم ان میں سلامتی سے باامن داخل ہو جاؤ ﴿46﴾ اور ان کے سینوں میں جو کینہ

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿47﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا

حسد ہوگا ہم نکال دیں گے، (وہ) تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) بھائی بھائی ہوں گے ﴿47﴾ انھیں وہاں نہ کوئی تھکاوٹ (تکلیف) پہنچے گی اور نہ وہاں

هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿48﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿49﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ

سے نکالا جائے گا ﴿48﴾ (اے نبی!) میرے بندوں کو خبر سنا دیجیے کہ یقیناً میں خوب بخشنے والا (اور) خوب رحم کرنے والا ہوں ﴿49﴾ اور بے شک میرا عذاب

الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿50﴾

بھی بڑا دردناک عذاب ہے ﴿50﴾

جہنم کے سات دروازے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ﴿ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾﴾ ''ہر ایک دروازے کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے۔'' یعنی ہر ایک دروازے سے داخل ہونے والے ابلیس کے پیروکاروں کو متعین کر دیا گیا ہے اور وہ اس دروازے سے ہر صورت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ ہر شخص اپنے عمل کے مطابق ان دروازوں سے داخل ہوگا اور اپنے عمل کے مطابق ہی وہ جہنم کے درجے میں ہوگا۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کے یہی معنی ہیں: ﴿ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾﴾ ''اور ہر ایک دروازے کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے۔''

تفسیر آیات:45-50

اہل جنت کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ نے جب اہل دوزخ کا ذکر کیا تو اس کے بعد اہل جنت کا بھی تذکرہ فرمادیا کہ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا: ﴿ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿46﴾﴾ ''تم ان میں سلامتی سے امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔'' یعنی تم آفتوں سے سلامت رہو گے اور تمھیں سلام کہا جائے گا اور تمھیں کوئی خوف وخطر نہ ہوگا بلکہ تم امن میں ہو گے اور اس بات کا بھی کوئی خدشہ دل میں نہ لاؤ کہ تمھیں یہاں سے کبھی نکال دیا جائے گا یا یہاں کی نعمتیں کبھی ختم ہو جائیں گی یا یہ جنت کبھی فنا ہو جائے گی۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿47﴾﴾ ''اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اس کو ہم نکال (کر صاف کر) دیں گے (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔'' قاسم نے ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے دلوں میں دنیا والی کدورتیں اور کینے ہوں گے لیکن جب وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کر ملاقات کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے دنیا کی تمام کدورتوں کو نکال دے گا، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ﴾ ''اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی ہم اس کو نکال دیں گے۔''[1] قاسم بن عبدالرحمٰن جب ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرے تو

[1] تفسیر الطبری :48/14.

ضعیف ہے لیکن اس کی یہ روایت قتادہ کی اس روایت کے مطابق ہے جو وہ ابو متوکل ناجی سے بیان کرتے ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَخلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُونَ عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ مَّظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ] ''مومن دوزخ سے نجات پا جائیں گے اور انھیں دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک پل پر کھڑا کیا جائے گا، اور بعض سے بعض کی ان زیادتیوں کا بدلہ لیا جائے گا جو انھوں نے دنیا میں کی تھیں حتی کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔''①

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ ﴾ ''ان کو وہاں کوئی تکان نہ پہنچے گی۔'' یعنی انھیں وہاں کسی تکان کا سامنا ہوگا نہ کوئی ایذا دی جائے گی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: [(أَمَرَنِي رَبِّي أَنْ أُبَشِّرَ خَدِيجَةَ) بِبَيْتٍ مِّنْ قَصَبٍ لَّا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ] ''اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں خدیجہ کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت دے دوں جو موتیوں سے بنا ہوگا اور اس میں نہ کوئی شور و غوغا ہوگا اور نہ کوئی تکان۔''②

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ ﴾ ''اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔'' جیسا کہ حدیث میں ہے: [إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَعِيشُوا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، (وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تُقِيمُوا فَلَا تَظْعَنُوا أَبَدًا)] ''اب تم ہمیشہ ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بھی بیمار نہ ہو گے۔ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے۔ اور اب کبھی بھی فوت نہیں ہو گے، اب تم سدا جوان رہو گے اور کبھی بھی بوڑھے نہیں ہو گے۔ اور اب ہمیشہ ہمیشہ رہو گے اور یہاں سے کبھی بھی نہیں جاؤ گے۔''③ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ ﴾ (الکھف 18:108) ''ہمیشہ ان میں رہیں گے اور وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾ ﴾ ''(اے پیغمبر!) آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ میں بڑا بخشنے والا (اور) نہایت مہربان ہوں۔ اور بے شک میرا عذاب بھی درد دینے والا

---

① صحيح البخاري، الرقاق، باب القصاص يوم القيامة، حديث:6535. ② صحيح البخاري، العمرة، باب متى يحل المعتمر؟ حديث:1792 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: 2433 عن عبدالله بن أبي أوفىٰ رضي الله عنه. البتہ اس کا ابتدائی حصہ مسند أحمد:279/6 عن عائشة رضي الله عنها کے مطابق ہے۔ ③ صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في دوام نعيم أهل الجنة......، حديث:2837 صحیح مسلم میں تعیشوا کے بجائے تَحيَوْا ہے جبکہ قوسین والا جملہ ہمیں مرفوعاً نہیں ملا، البتہ اس کے بجائے [وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا] ''اور بے شک تم ہمیشہ ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے کبھی بد حال نہیں ہو گے'' کے الفاظ ہیں۔ دیکھیے صحيح مسلم حوالۂ مذکورہ اور جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الزمر، حديث:3246. اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اس طرح کے الفاظ مروی ہیں: [وَتُقِيمُونَ فَلَا تَظْعَنُونَ أَبَدًا] دیکھیے مسند ابن الجعد:374، حديث:2569.

وقف لازم

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿51﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا

اور انھیں ابراہیم کے مہمانوں کی خبر سنا دیجیے ﴿51﴾ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انھوں نے سلام کیا، اس نے کہا: بے شک ہم تم سے ڈرتے ہیں ﴿52﴾ وہ

لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿53﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ

بولے: ڈرمت، بے شک ہم تجھے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں ﴿53﴾ ابراہیم نے کہا: کیا تم مجھے بشارت دیتے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا آ چکا؟

تُبَشِّرُوْنَ ﴿54﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ

چنانچہ (اب) کس بنا پر بشارت دیتے ہو؟ ﴿54﴾ وہ بولے: ہم نے تجھے حق (امر واقعی) کی بشارت دی ہے، چنانچہ تو ناامیدوں میں سے نہ ہو ﴿55﴾ ابراہیم

رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿56﴾

نے کہا: اور اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں ﴿56﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿57﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿58﴾ ۙ

ابراہیم نے کہا: پھر تمھارا مقصد کیا ہے؟ اے بھیجے ہوئے (فرشتو!) ﴿57﴾ انھوں نے کہا: بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿58﴾

اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿59﴾ ۙ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ

سوائے آلِ لوط کے، بے شک ہم ان سب کو نجات دینے والے ہیں ﴿59﴾ سوائے اس کی بیوی کے، ہم نے مقدر کر دیا کہ بے شک وہ پیچھے

ع 4/16/4

الْغٰبِرِيْنَ ﴿60﴾ ع

رہ جانے والوں میں سے ہو گی ﴿60﴾

عذاب ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) میرے بندوں کو یہ بتا دیں کہ میں صاحب رحمت بھی ہوں اور میرا عذاب بھی بہت دردناک ہے۔ اس آیت کریمہ کی نظیر پہلے بھی گزر چکی ہے اور یہ امید وخوف کے مقامات پر دلالت کرتی ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 51-56

ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا لڑکے کی بشارت دینا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ابراہیم کے مہمانوں کا قصہ بھی بتا دیں۔ ضَیف کا لفظ زَوْر (ملاقاتی) اور سَفَر (مسافر) کی طرح واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انھیں بتا دیں: ﴿ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿52﴾ ﴾ ''جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو انھوں نے سلام کیا اس نے کہا کہ بے شک ہم تم سے ڈرتے ہیں۔'' ان سے ڈرنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ موٹے تازے بچھڑے کے بھنے ہوئے گوشت کی طرف بڑھتے ہی نہیں جو انھوں نے بطور ضیافت ان کے آگے رکھا تھا تو فرشتوں نے کہا: ﴿ لَا تَوْجَلْ ﴾ ''آپ نہ ڈریں۔'' ﴿ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 51:28) ''انھوں نے آپ کو ایک دانش مند بیٹے کی خوشخبری سنائی۔'' اس بیٹے سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں بیان کیا جا چکا ہے۔ [2] ﴿ قَالَ ﴾ ''وہ بولے'' اپنے اور اپنی بیوی کے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب کرتے ہوئے اور وعدے کی تحقیق کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ

[1] دیکھیے الرعد، آیت: 6 و الأنعام، آیت: 147 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے ہود، آیت: 71 کے ذیل میں۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿61﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿62﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا

پھر جب فرشتے آل لوط کے ہاں پہنچے ﴿61﴾ تو لوط نے کہا: بے شک تم لوگ تو اجنبی ہو ﴿62﴾ وہ بولے: بلکہ ہم تیرے پاس وہ (عذاب) لائے ہیں جس

فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿63﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿64﴾

میں یہ (لوگ) شک کرتے تھے ﴿63﴾ اور ہم تیرے پاس حق (یقینی چیز) لائے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿64﴾

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ

چنانچہ تو رات کے کسی حصے میں اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل، اور تو ان کے پیچھے چل، اور تم میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ

تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿65﴾ وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿66﴾

جہاں تمھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿65﴾ اور ہم نے اسے اس امر کا فیصلہ سنا دیا کہ بے شک صبح ہوتے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی ﴿66﴾

عَلٰۤى اَنۡ مَّسَّنِىَ الۡكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ﴿54﴾ ''کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا آ چکا؟ اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو؟'' فرشتوں نے جو بشارت دی تھی اس کے یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے اور بشارت کے بعد ایک اور خوشخبری کے رونما ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ﴿بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ ﴿55﴾﴾ ''ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں، چنانچہ آپ مایوس نہ ہوں۔''

تفسیر آیات: 57-60

فرشتوں کی آمد کا سبب: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان کا خوف دور ہو گیا اور انھیں بشارت مل گئی تو انھوں نے فرشتوں سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا تو انھوں نے بتایا: ﴿اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿58﴾﴾ ''بے شک ہم ایک گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' گناہ گار قوم سے ان کا اشارہ قوم لوط کی طرف تھا فرشتوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو بچالیں گے، البتہ ان کی بیوی ہلاک ہو جائے گی، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿60﴾﴾ ''سوائے اس کی بیوی کے، اس کے لیے ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ بے شک وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی۔'' یعنی وہ پیچھے رہ جانے اور ہلاک ہو جانے والوں میں سے ہے۔

تفسیر آیات: 61-64

فرشتوں کی لوط علیہ السلام کے پاس آمد: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتے جب لوط علیہ السلام کے پاس حسین چہروں والے نوجوانوں کی صورت میں آئے اور ان کے گھر میں داخل ہو گئے تو انھوں نے کہا: ﴿اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿62﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿63﴾﴾ ''بے شک تم تو نا آشنا سے لوگ ہو۔ وہ بولے کہ (نہیں) بلکہ ہم آپ کے پاس وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ (لوگ) شک کرتے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جس عذاب اور تباہی و ہلاکت کے واقع ہونے میں شک کیا کرتے تھے ہم اسے لے کر آ گئے ہیں۔ ﴿وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ﴾ ''اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ﴾ الآیة (الحجر 8:15) ''ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے مگر حق کے ساتھ......'' فرمانِ الٰہی ہے:

وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿67﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿68﴾

اور شہر (سدوم) والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے ﴿67﴾ لوط نے کہا: بے شک یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا تم مجھے رسوا نہ کرو ﴿68﴾ اور اللہ سے ڈرو اور

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿69﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿70﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ

مجھے ذلیل نہ کرو ﴿69﴾ وہ بولے: کیا ہم نے تجھے دنیا والوں (کی حمایت) سے روکا نہیں تھا؟ ﴿70﴾ لوط نے کہا: یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح

فٰعِلِيْنَ ﴿71﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾

کرلو) اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو ﴿71﴾ (اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی (گمراہی) میں بھٹک رہے تھے ﴿72﴾

﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿64﴾ ﴾ ''اور بے شک ہم سچے ہیں۔'' فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جو یہ خبر دی کہ وہ نجات پا جائیں گے اوران کی قوم کو ہلاک کر دیا جائے گا، اس کی تاکید کے طور پر انھوں نے یہ کہا کہ ہم آپ سے یہ بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 66,65

لوط علیہ السلام کو اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو نکل جانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ ان سب کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ یہ امران کے لیے زیادہ موجب حفاظت ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی غزوات کے موقع پر لشکر اسلام کے پیچھے ہوتے تھے تاکہ آپ کمزوروں کو سہارا دیں اور بچھڑ جانے والوں کو ساتھ ملا دیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ ﴾ ''اور آپ میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر نہ دیکھے۔'' یعنی جب تم اپنی قوم کی چیخ وپکار کو سنو تو پیچھے مڑ کر نہ دیکھو اور قوم کو نازل ہونے والے عذاب میں تباہ وبرباد ہونے دو۔ ﴿ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿65﴾ ﴾ ''اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جایئے۔'' آپ گویا ان کے ساتھ اس طرح تھے جس طرح وہ شخص ہوتا ہے جو رستے کی نشان دہی کرنے والا ہو۔ ﴿ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ ﴾ ''اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی۔'' یعنی انھیں پہلے سے یہ بتا دیا: ﴿ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿66﴾ ﴾ ''بے شک ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے کاٹ دی جائے گی۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ○ ﴾ (ھود 11:81) ''بے شک ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح قریب نہیں؟''

تفسیر آیات: 67-72

اہل شہر فرشتوں کو نوجوان سمجھ کر ان کے پاس آ گئے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب اہل شہر کو لوط علیہ السلام کے ان حسین و جمیل چہروں والے مہمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ خوش خوش دوڑتے چلے آئے تو ﴿ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿68﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿69﴾ ﴾ ''لوط علیہ السلام نے کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔'' حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے یہ بات اس وقت فرمائی جب آپ کو ابھی تک یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ یہ مہمان اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں فرمایا ہے۔[1]

---

[1] دیکھیے ھود، آیت:81 کے ذیل میں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿73﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ

پھر سورج نکلتے انھیں ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا ﴿73﴾ پھر ہم نے اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو اس کے نیچے والا (حصہ) کر دیا، اور ان پر کھنگر کے پتھر

سِجِّيْلٍ ﴿74﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿75﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿76﴾ اِنَّ فِيْ

برسائے ﴿74﴾ بے شک اس میں گہری نظر سے غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿75﴾ اور بے شک وہ بستی سیدھی راہ پر موجود ہے ﴿76﴾ اور

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿77﴾

بے شک اس میں مومنوں کے لیے یقیناً نشانی ہے ﴿77﴾

یہاں اس بات کا ذکر پہلے ہوا ہے کہ وہ اللہ کے فرشتے ہیں، پھر اس کے بعد قوم کے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنے اور جھگڑنے کا ذکر ہوا ہے لیکن یاد رہے کہ ''واو'' ہمیشہ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی بالخصوص جبکہ اس کے خلاف دلیل بھی موجود ہو۔ بہرحال قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿ اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''کیا ہم نے تمھیں سارے جہان (کی حمایت وطرف داری) سے منع نہیں کیا؟'' یعنی کیا ہم نے تمھیں منع نہیں کیا کہ تم نے کسی کی مہمان داری نہیں کرنی۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی رہنمائی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عورتوں کو پیدا فرمایا اور ان کی شرم گاہوں کو ان کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ بحث پہلے ہو چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔[1] قوم لوط اپنی مدہوشی میں اس بات سے غافل تھی کہ تباہی و بربادی اور عذاب نے اسے اب گھیر لیا ہے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے انھیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''(اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور اس میں آپ کے عظیم شرف، بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ مقام و مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ عمرو بن مالک نُکْرِی نے ابوجَوزاء سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے نفس کو پیدا نہیں فرمایا اور وجود نہیں بخشا جو اس کی نگاہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مکرم و محترم ہو اور آپ کے سوا کوئی نہیں جس کی زندگی کی اس نے قسم کھائی ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''(اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔'' یعنی تمھاری زندگی، عمر اور دنیا میں بقا کی قسم! ﴿ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''بے شک وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔'' اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ اپنی گمراہی میں ﴿ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ یعنی کھیل رہے تھے۔[3] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَعَمْرُكَ ﴾ یعنی تمھاری زندگی کی قسم! ﴿ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ یعنی وہ اپنی مستی میں حد سے بڑھ رہے تھے۔[4]

① دیکھیے ہود، آیت:78 کے ذیل میں۔ ② تفسير الطبرى:58/14 و تفسير ابن أبي حاتم:2270,2269/7. ③ تفسير الطبرى:59/14. ④ تفسير الطبرى:59/14.

وَاِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿78﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿79﴾

اور بے شک اَیکہ (بستی) والے بھی البتہ ظالم تھے ﴿78﴾ چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا، اور بے شک وہ دونوں (تباہ شدہ بستیاں) کھلی شاہراہ پر ہیں ﴿79﴾

تفسیر آیات: 77-73

قوم لوط کی ہلاکت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ﴾ ''پھر ان کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔'' اور وہ اس طرح کہ طلوع آفتاب کے وقت ایک بے حد خوفناک آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی ان کی بستیوں کو اٹھا دیا گیا، تہ و بالا کر دیا گیا اور اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی۔ یہاں پتھروں کے لیے سجیل کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں ضروری بحث پہلے کی جا چکی ہے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿75﴾﴾ ''بے شک اس قصے میں اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں۔'' یعنی ان علاقوں پر اس عذاب الٰہی کے نشانات اس شخص کے لیے نہایت واضح ہیں جو چشم بصیرت و بصارت کے ساتھ جائزہ لے جیسا کہ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿75﴾﴾ کے معنی اہل فراست کے ہیں۔[2] ابن عباس اور ضحاک نے اس کے معنی بیان کیے ہیں: دیکھنے والے۔[3] قتادہ کے بقول اس کے معنی ہیں: عبرت حاصل کرنے والے۔[4] ہمارے نزدیک اس کے معنی ہیں: غور وفکر کرنے والے۔

بستی سدوم رستے پر ہے: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ ﴿76﴾﴾ ''اور بے شک وہ (شہر) سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔'' یعنی یہ بستی سدوم جس کی صوری اور معنوی حالت بدل دی گئی اور جس پر پتھروں کی بارش برسائی گئی حتی کہ وہ خبیث بحیرہ مردار کی صورت اختیار کر گئی، وہ ان کے اس رستے پر واقع ہے جسے لوگ آج تک استعمال کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَیۡهِمۡ مُّصۡبِحِیۡنَ ۝ وَبِالَّیۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:137,138) ''اور بلاشبہ تم دن کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟'' فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿77﴾﴾ ''بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔'' یعنی ہم نے قوم لوط کو جو تباہ و برباد کر دیا اور لوط اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا تو اس قصے میں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لیے ایک واضح اور روشن نشانی ہے۔

تفسیر آیات: 79,78

قوم شعیب کی ہلاکت: اَیکہ کے رہنے والوں سے مراد قوم شعیب ہے جن کے لیے یہاں ﴿اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَةِ﴾ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ضحاک، قتادہ اور کئی دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ اَیکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔[5] ان کا ظلم یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے، رستے کو کاٹ دیتے اور ناپ تول میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے چنگھاڑ، زلزلے اور سائبان کے عذاب کی صورت میں انتقام لیا۔ یہ لوگ قوم لوط کے قریب تھے اگرچہ زمانے کے اعتبار سے ان کے بعد ہوئے ہیں

[1] دیکھیے ہود، آیت: 82 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 60/14. [3] تفسیر الطبری: 61/14. [4] تفسیر الطبری: 61/14. [5] تفسیر الطبری: 65,64/14.

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿80﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا

اور یقیناً حجر والوں (ثمود) نے رسولوں کی تکذیب کی ﴿80﴾ اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں، پھر وہ ان سے اعراض کرنے والے

مُعْرِضِيْنَ ﴿81﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿82﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

تھے ﴿81﴾ اور وہ پہاڑوں سے بے خوف ہو کر گھر تراشتے تھے ﴿82﴾ چنانچہ انھیں صبح ہوتے ہی چنگھاڑ نے آ پکڑا ﴿83﴾ پھر ان کے کام

مُصْبِحِيْنَ ﴿83﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾

نہ آیا وہ (مال) جو وہ کماتے تھے ﴿84﴾

مکران کا علاقہ قریب قریب ہی تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿79﴾﴾ ”اور یہ دونوں بستیاں کھلے رستے پر (موجود) ہیں۔“ ﴿لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿79﴾﴾ کے معنی کھلے رستے کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، ضحاک اور دیگر کئی مفسرین کا قول ہے کہ اس کے معنی ظاہر رستے کے ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے یہ الفاظ بھی کہے: ﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ (ھود 11:89) ”اور لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں۔“

تفسیر آیات:80-84

وادی حجر کے رہنے والوں کی ہلاکت: وادی حجر کے رہنے والوں سے قوم ثمود کے لوگ مراد ہیں جنھوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی اور یاد رہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کی تکذیب کی تو اس نے گویا تمام انبیائے کرام کی تکذیب کی، اسی لیے یہاں جمع کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انھوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس نے صالح علیہ السلام کو ایسی نشانیاں دیں جو ان کی صداقت کی واضح دلیل تھیں، مثلاً: اس نے صالح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے ایک ٹھوس اور جامد چٹان سے اونٹنی کو نکال دیا تھا جو ان کے علاقوں میں چرتی تھی۔ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ لوگ پانی پیتے تھے مگر جب ان لوگوں نے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ (ھود 11:65) ”تم اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدے اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے کہ جھوٹا نہیں ہوگا۔“ اور فرمایا: ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ الآية (حٰم السجدة 41:17) ”اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔“

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے: ﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿82﴾﴾ ”اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے بے خوف ہو کر۔“ یعنی نہ تو انھیں کسی کا ڈر خوف تھا اور نہ ایسے گھروں کی انھیں ضرورت تھی بلکہ محض تکبر، فخر اور غرور کی وجہ سے وہ ایسے گھر بناتے تھے جیسا کہ وادی حجر میں ان کے گھروں کے کھنڈرات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو تشریف لے جاتے وقت جب اس وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے سر مبارک کو جھکا لیا اور

[1] تفسیر الطبری: 65/14.

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جوان کے مابین ہے حق ہی کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے، تو (اے نبی!) آپ (کافروں

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿85﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿86﴾

سے) خوبصورت انداز سے درگزر کریں ﴿85﴾ بلاشبہ آپ کا رب ہی سب کو تخلیق کرنے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿86﴾

اپنی سواری کی رفتار تیز کر دی اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: [لَاتَدْخُلُوا عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ]، [فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ] ''ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جن کو عذاب دیا گیا تھا مگر یہ کہ تم رو رہے ہو اور اگر رونا نہ آئے تو ان پر داخل نہ ہو کہیں تم بھی اس عذاب کی گرفت میں نہ آ جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔''[1] اور فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿83﴾﴾ ''پھر انھیں صبح کے وقت چیخ نے آ پکڑا۔'' یعنی چوتھے دن کی صبح کے وقت ان پر عذاب آ گیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾﴾ ''پھر جو کام وہ کرتے تھے، وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔'' یعنی فصلوں اور پھلوں کو جو وہ اگاتے تھے اور جن کی وجہ سے انھوں نے بخل کرتے ہوئے اونٹنی کو نہ صرف یہ کہ پانی نہیں پینے دیا بلکہ اس کی کونچیں بھی کاٹ دیں تاکہ انھیں پانی کی قلت کا مسئلہ پیش نہ آئے مگر ان کے یہ مال ان کے کچھ کام نہ آئے اور نہ عذاب الٰہی کو ان سے ٹال سکے۔

تفسیر آیات: 86,85

دنیا کو مصلحت کی خاطر پیدا کیا گیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے اور یقیناً قیامت تو ضرور آ کر رہے گی۔'' حق سے مراد عدل ہے۔ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴾ (النجم 31:53) ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے انھیں ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں انھیں اچھا بدلہ دے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿﴾﴾ (صٓ 27:38) ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (کائنات) ان میں ہے ان کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں تو کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○﴾ (المؤمنون 116,115:23) ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمھیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آ ؤ گے۔ تو

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاری، المغازی، باب نزول النبی ﷺ الحجر، حدیث: 4420 اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ ......﴾ (الحجر 80:15) حدیث: 4702 کے مطابق ہے جبکہ سر جھکانے اور سواری کو تیز کرنے کا ذکر حدیث: 4419 میں ہے۔ و صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب النهي عن الدخول علی أهل الحجر......، حدیث: 2980 عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿87﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی

بے شک ہم نے آپ کو بار بار دوہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم دیا ہے ﴿87﴾ اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو جو مال و متاع

مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿88﴾

دیا ہے اس کی طرف آپ اپنی دونوں آنکھیں نہ اٹھائیں اور نہ ان (کی حالت) پر غم کھائیں اور اپنا (پُرشفقت) بازو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں ﴿88﴾

اللہ جو سچا بادشاہ ہے اس کی شان (اس سے) اونچی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش کریم کا مالک ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خبر دی کہ قیامت یقیناً قائم ہونے والی ہے، پھر یہ حکم دیا کہ آپ مشرکوں کی ایذا رسانی اور تکذیب پر درگزر کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴾ (الزخرف 89:43) ''(اے نبی!) آپ ان سے درگزر کریں اور کہہ دیجیے: سلام ہے، پھر عنقریب وہ جان لیں گے۔''

مجاہد اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے اور وہ صحیح ہے کہ اس آیت کا تعلق مشرکوں اور کافروں سے قتال کے حکم سے پہلے کا ہے۔[1] کیونکہ یہ مکی سورت ہے اور قتال کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا تھا۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿86﴾ ﴾ ''یقیناً آپ کا پروردگار ہی (سب کچھ) پیدا کرنے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' یہ گویا آخرت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت برپا کرنے پر قادر ہے کیونکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے والا ہے۔ کسی بھی چیز کا پیدا کرنا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں اور وہ جانتا ہے کہ جسم کس کس طرح پھٹے اور کہاں کہاں خاک میں ملے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ○ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ﴾ (یٰس 36:81-83) ''بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! وہی تو بڑا پیدا کرنے والا (اور) خوب علم والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

تفسیر آیات: 88,87

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو عظمت والا قرآن عطا کیا ہے، لہٰذا آپ دنیا اور اس کی زیب و زینت کی طرف نہ دیکھیں۔ یہ تو ہم نے دنیا داروں کو اس لیے دی ہے تاکہ ان کی آزمائش کریں، لہٰذا آپ ان پر رشک نہ کریں اور نہ اس وجہ سے اپنے دل میں حزن و ملال لائیں کہ وہ آپ کی تکذیب اور آپ کے دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (الشعرآء 26:215) ''اور جو مومن آپ کے پیرو ہو گئے ہیں، آپ ان کے لیے اپنا پہلو جھکائے رکھیں۔'' یعنی ان کے لیے اپنے شفقت کے پہلو کو جھکا دیں جیسا

---

[1] تفسیر الطبری: 14/67,68.

کہ فرمایا: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (التوبة 128:9) ’’(لوگو) تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) بڑے مہربان ہیں۔‘‘

’’سبع مثانی‘‘ سے کیا مراد ہے؟ سبع مثانی کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سات طویل سورتیں، یعنی بقرہ، آل عمران، نسآء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس ہیں۔[1] ابن عباس اور سعید بن جبیر نے یہ قول واضح طور پر بیان کیا ہے۔[2] سعید کہتے ہیں کہ ان سورتوں میں فرائض، حدود، قصص اور احکام کو بیان کیا گیا ہے۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سورتوں میں امثال، اخبار اور عبرت ونصیحت کی باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔[4]

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور یہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ یہ قول حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بسم اللہ اس سورت کی ایک مستقل آیت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے بطور خاص تمھیں عطا فرمائی ہے۔[6] ابراہیم نخعی، عبداللہ بن عبید بن عمیر، ابن ابوملیکہ، شَہر بن حَوشَب، حسن بصری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔[7]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں: (1) ابوسعید بن مُعلّٰی سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے مجھے بلایا مگر میں آپ کے پاس نہ گیا حتی کہ نماز سے فارغ ہو گیا تو پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: [مَامَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟] ’’میرے پاس کیوں نہ آئے؟‘‘ میں نے عرض کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: [أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ﴾] (الأنفال 24:8) ’’کیا ارشاد باری تعالیٰ نہیں ہے؟ ’’اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو جب وہ تمھیں بلائے۔‘‘ پھر آپ نے فرمایا: [أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ؟] ’’کیا میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے قرآن کی عظیم ترین سورت نہ سکھا دوں؟‘‘ پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: [﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (الفاتحة 2:1) هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ] ’’الحمد للہ رب العالمین (سورۂ فاتحہ)، سبع مثانی (بار بار دوہرائی جانے والی سات آیات) اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔‘‘[8]

---

[1] تفسير الطبري: 70-68/14. [2] تفسير الطبري: 69/14. [3] تفسير الطبري: 70,69/14 وتفسير ابن أبي حاتم: 2272/7. [4] تفسير الطبري: 71/14. [5] تفسير الطبري: 73,72/14. [6] تفسير الطبري: 73/14. [7] تفسير الطبري: 75,74/14. [8] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ ﴾ (الحجر 87:15)، حديث: 4703.

وَقُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ ﴿89﴾ۚ كَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَی الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ ﴿90﴾ۙ الَّذِیۡنَ جَعَلُوا

اور کہہ دیجیے: بے شک میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں﴿89﴾ (ایسے ہی عذاب سے) جیسا کہ ہم نے قسمیں کھانے والوں پر نازل کیا تھا﴿90﴾ جنھوں نے

الۡقُرۡاٰنَ عِضِیۡنَ ﴿91﴾ فَوَ رَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿92﴾ۙ عَمَّا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿93﴾

(اپنے) قرآن (تورات) کو پارہ پارہ کر دیا﴿91﴾ چنانچہ آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے﴿92﴾ ان عملوں کی جو وہ کرتے تھے﴿93﴾

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ] ''ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔''[1]

یہ احادیث مبارکہ نص ہیں کہ سورۂ فاتحہ ہی سبع مثانی، نماز میں دوہرا کر پڑھی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ سات طویل سورتوں کو بھی سبع مثانی قرار دیا جائے کیونکہ ان میں بھی یہ وصف موجود ہے بلکہ یہ اس کے بھی منافی نہیں ہے کہ سارے قرآن کو سبع مثانی قرار دیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ﴾ الآیة (الزمر 39:23) ''اللہ نے کتاب کی شکل میں بہترین کلام اتارا ہے، جس کے ملتے جلتے آیات و احکام بار بار دوہرائے جاتے ہیں۔'' یعنی اس کتاب کی آیات بار بار دوہرائی بھی جاتی ہیں اور یہ قرآن عظیم بھی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡكَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ﴾ ''اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو (جو فوائد دنیوی سے) متمتع کیا ہے، آپ ان کی طرف (رغبت سے) اپنی دونوں آنکھیں نہ اٹھائیں۔'' یعنی ان کے دنیوی ساز و سامان اور فانی چمک دمک کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس قرآن عظیم سے سرفراز فرمایا ہے، اس کے ساتھ بے نیاز ہو جائیں۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡكَ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ اس مال کی تمنا کرنے لگ جائے جو اس کے ساتھی کے پاس ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ﴾ سے دولت مند لوگ مراد ہیں۔[3]

تفسیر آیات: 89-93

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علانیہ ڈرانے والے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں سے فرما دیں: ﴿اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ ﴿89﴾ۚ﴾ ''بے شک میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔'' یعنی آپ لوگوں کو دردناک عذاب سے ڈرانے والے ہیں کہ آپ کی تکذیب کرنے والوں پر کہیں اسی طرح کا عذاب نازل نہ ہو جائے جس طرح انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں پر عذاب اور انتقام نازل ہوا تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ﴾ (الحجر 15:87)، حديث:4704. [2] تفسير الطبري:81/14. [3] تفسير الطبري:81/14.

[إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتٰى قَوْمًا فَقَالَ: يَاقَوْمِ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ (النَّجَاءَ) فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهِ فَأَدْلَجُوا فَانْطَلَقُوا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِهِ، وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ]

’’میری مثال اور اس دین کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آ کر یہ کہے کہ اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں علانیہ طور پر ڈرانے والا ہوں، لہٰذا نجات پا جاؤ، نجات پا جاؤ۔ تو قوم کے ایک گروہ نے تو اس کی اطاعت کی اور وہ راتوں رات اطمینان وسکون کے ساتھ چل پڑے تو وہ نجات پا گئے اور ایک گروہ نے اس کی تکذیب کی اور وہیں ٹھہرے رہے تو صبح کے وقت لشکر نے انھیں آ لیا اور تباہ و برباد کر دیا۔ پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور اس دین کی پیروی کی جسے میں لے کر آیا ہوں اور اس شخص کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جس دین کو میں لے کر آیا ہوں، اس کی تکذیب کی۔‘‘[1]

﴿اَلْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ کی تفسیر: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾﴾ کے معنی ہیں قسمیں کھانے والے، یعنی انھوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ انبیائے کرام کی مخالفت کریں گے، ان کی تکذیب کریں گے اور انھیں تکلیف پہنچائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم صالح کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ الآية (النمل 49:27) ’’کہنے لگے کہ تم آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے......۔‘‘ یعنی رات کو انھیں قتل کر دیں گے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿تَقَاسَمُوْا﴾ کے معنی ہیں کہ قسمیں کھاؤ۔[2] اور فرمایا: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ﴾ الآية (النحل 38:16) ’’اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے، اللہ اسے (قیامت کے دن قبر سے) نہیں اٹھائے گا......۔‘‘ اور فرمایا: ﴿اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ......﴾ الآية (إبراهيم 44:14) ’’کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے......۔‘‘ اور فرمایا: ﴿اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ......﴾ الآية (الأعراف 49:7) ’’کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دست گیری نہ کرے گا......۔‘‘ گویا یہ لوگ دنیا میں جس چیز کی بھی تکذیب کرتے تو قسمیں کھا کھا کر تکذیب کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے انھیں مُقْتَسِمِينَ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

[1] صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنّة، باب الإقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7283 اور قوسین والا لفظ حديث: 6482 میں ہے۔ وصحيح مسلم، الفضائل، باب شفقته ﷺ على أمته......، حديث: 2283. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○﴾ (الحجر 91:15)، قبل الحديث: 4705 وتفسير الطبري: 210/19.

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱ ﴾ ”وہ لوگ جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔“ یعنی انھوں نے ان کتابوں کو جو ان پر نازل کی گئی تھیں، اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ یہ بعض کے ساتھ ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱ ﴾ سے مراد اہل کتاب ہیں جنھوں نے اپنی کتاب کو کئی اجزاء میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے بعض کے ساتھ تو ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ مُقْتَسِمِينَ سے قریش مراد ہیں، اور قرآن سے مراد یہی قرآن مجید ہے اور بقول عطاء اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ بعض نے اسے سحر، بعض نے جنون اور بعض نے کہانت قرار دیا۔ ضحاک وغیرہ سے بھی عضین کے یہی معنی منقول ہیں۔[2]

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس قریش کے کچھ لوگ آئے۔ ولید قریش کا ایک سردار مانا جاتا تھا۔ موسم حج آیا تو اس نے کہا: اے گروہ قریش! موسم حج آ گیا ہے، عرب کے وفود کی آمد آمد ہے، انھوں نے تمھارے اس صاحب کے بارے میں سن رکھا ہے، لہٰذا تم سب اس کے بارے میں ایک رائے پر متفق ہو جاؤ اور اس بارے میں اختلاف کرتے ہوئے ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے کی بات کی تردید نہ شروع کر دینا۔ یہ سن کر قریش کہنے لگے: آپ اس بارے میں رائے قائم کیجیے، ہم بھی اس کے مطابق بات کریں گے۔ ولید کہنے لگا کہ نہیں بلکہ تم کہو تاکہ میں سنوں کہ تم کیا کہتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ وہ کاہن ہے، ولید نے کہا: نہیں، وہ کاہن نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ وہ مجنون ہے، ولید نے کہا: نہیں، وہ مجنون بھی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے، ولید نے کہا: نہیں، وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ ساحر ہے۔ ولید نے کہا: نہیں، وہ ساحر بھی نہیں ہے، پھر وہ بولے کہ اچھا آپ ہی کہیے کہ ہم اس کے بارے میں کیا کہیں۔ ولید کہنے لگا: اللہ کی قسم! ان کی بات میں حلاوت ہے، تم ان میں سے جو بھی کہو گے وہ پہچان لیا جائے گا کہ بے شک وہ بات باطل ہے، بہر حال زیادہ مناسب یہی بات ہے کہ تم یہ کہو کہ وہ ساحر ہے، آخر کار اسی بات پر اتفاق کر کے انھوں نے مجلس کو برخاست کر دیا۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱ ﴾ ”وہ لوگ جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔“ یعنی اسے مختلف اصناف میں تقسیم کر دیا۔ ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۲ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۳ ﴾ ”چنانچہ آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو یہ باتیں کرتے رہے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴾ (الحجر 91:15)، حديث: 4705. [2] تفسير الطبري: 86/14-88. [3] السيرة النبوية لابن هشام، تحيرالوليدبن المغيرة فيما يصف به القرآن: 270/1 والدر المنثور: 198/4.

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿94﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿95﴾ الَّذِيْنَ

چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں ﴿94﴾ بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں ﴿95﴾ وہ لوگ

يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ

جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں، چنانچہ وہ (اپنا انجام) جلد جان لیں گے ﴿96﴾ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے آپ کا

بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿97﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿98﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى

سینہ (دل) تنگ ہوتا ہے ﴿97﴾ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ گزاروں میں ہو جائیں ﴿98﴾ اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتی کہ

يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿99﴾ ع 6/20/6

آپ کے پاس یقین (موت) آجائے ﴿99﴾

ابو جعفر نے ربیع سے اور انھوں نے ابو العالیہ سے ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿92﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ تمام بندوں سے قیامت کے دن دو باتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا: (1) وہ کس چیز کی عبادت کرتے تھے اور (2) انھوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔[1] علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ان آیات کی تلاوت کی، پھر اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ﴾ (الرحمٰن 55:39) ''اس روز نہ تو کسی انسان سے اس کے گناہوں کے بارے میں پرسش کی جائے گی اور نہ کسی جن سے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا، کیا تم نے یہ عمل کیا تھا؟ کیونکہ اپنے بندوں کے اعمال کو وہ ان سے بھی زیادہ جانتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے گا کہ تم نے یہ یہ کام کیوں کیے تھے۔[2]

تفسیر آیات: 94-99

حق کو بیان کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے آپ کو جس دین کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ اسے لوگوں تک پہنچا دیں اور اِسے نافذ کر دیں اور لوگوں کو کھلم کھلا حق سنا دیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ ''چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اسے کھول کر سنا دیں'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ حق کو بیان کر دیں۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں اس کا معنی ہے کہ جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریے۔[4] ابو عبیدہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ چھپ چھپ کر دین کی دعوت دیا کرتے تھے حتی کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے باہر نکل کر کھلم کھلا دین کی دعوت دینا شروع فرما دی۔[5]

مشرکین سے اعراض کا حکم اور استہزا کرنے والوں سے کفایت کی ضمانت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَعْرِضْ عَنِ

① تفسیر الطبری: 90/14. ② تفسیر الطبری: 90/14. ③ تفسیر الطبری: 91/14. ④ تفسیر الطبری: 91/14.
⑤ تفسیر الطبری: 92/14 وتفسیر البغوی: 68,67/3 عن عبداللہ بن عبیدۃ.

﴿ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ ﴾ ''اور آپ مشرکوں سے اعراض کریں، بلاشبہ ہم استہزا کرنے والوں سے آپ کو کافی ہیں۔'' یعنی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے جو نازل ہوا ہے اسے پہنچا دیں اور ان مشرکین کی طرف التفات نہ فرمائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے روک دینا چاہتے ہیں اور ﴿ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ ﴾ (القلم 9:68) ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ (کچھ) نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔'' اور ان سے خوف نہ کھائیں، بے شک آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ ان سے آپ کی حفاظت فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ ﴾ الآية (المآئدة 67:5) ''اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیے گئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔''

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ استہزا کرنے والوں کے سردار پانچ لوگ تھے اور وہ اپنی اپنی قوم کے سربراہ تھے: (1) بنو اسد بن عبدالعُزّٰی بن قُصَیّ میں سے اسود بن مُطَّلِب ابوزَمعہ تھا جیسا کہ مجھے روایت پہنچی ہے، اس کے ایذا اور استہزا کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کرتے ہوئے فرمایا تھا: [اَللّٰهُمَّ أَعْمِ بَصَرَهٗ، وَأَثْكِلْهُ وَلَدَهٗ] ''اے اللہ! اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اس کے بیٹے کو گم کر دے۔'' (2) بنو زُہرہ میں سے اسود بن عبد یَغُوث بن وَہب بن عبد مَناف بن زہرہ تھا۔ (3) بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا۔ (4) بنو سَہم بن عمرو بن ہُصَیص بن کعب سے عاص بن وائل بن ہشام تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں: عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید بن سَہم تھا۔ اور (5) بنو خُزاعہ سے حارث بن طُلاطِلہ بن عمرو بن حارث بن عبد عمرو بن (لُؤَیُ بن) مِلْکان تھا جب یہ لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انھوں نے بہت زیادہ استہزا کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرما دیں: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''پس جو حکم آپ کو دیا جاتا ہے، کھول کر سنا دیں اور مشرکوں سے اعراض کریں، بلاشبہ ہم استہزا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیتے ہیں، چنانچہ عنقریب ان کو (ان باتوں کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔''[1]

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے یزید بن رُومان نے اور انھوں نے عروہ بن زبیر یا علماء میں سے کسی اور سے روایت کیا ہے کہ جبریل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب وہ (مشرکین) بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ جبریل آ کر کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ بھی ان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہاں سے اسود بن مطلب کا گزر ہوا تو جبریل نے اس کے چہرے پر ایک سبز پتا پھینکا جس سے وہ اندھا ہو گیا، اسی طرح اسود بن عبد یغوث کا گزر ہوا تو جبریل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ استسقا کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا، اسی طرح وہاں سے ولید بن مغیرہ گزرا تو جبریل نے اس کے

[1] السيرة النبوية لابن هشام، كفاية اللّٰه أمر المستهزئين:409/2.

پاؤں کے ٹخنے کے نیچے زخم کے نشان کی طرف اشارہ کیا، تہبند کو گھسیٹتے ہوئے یہ زخم اسے دو سال پہلے لگا تھا اور وہ اس طرح کہ اس کا خاندانِ خزاعہ کے ایک ایسے شخص کے پاس سے گزر ہوا تھا جو اپنے تیروں کو تیز کر رہا تھا، ایک تیر اس کے تہبند سے الجھ گیا اور اس کے پاؤں پر یہ زخم آ گیا تھا اس کی اور کوئی وجہ نہ تھی، اب اس کا یہ زخم پھٹ گیا اور یہ مر گیا۔ اس طرح وہاں سے عاص بن وائل گزرا تو جبریل نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا، وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا تو کانٹوں کے ایک ڈھیر پر گر گیا، کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں گھس گیا اور یہ مر گیا، پھر حارث بن طُلاطِلہ وہاں سے گزرا تو جبریل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو وہ پیپ تھوکنے لگا اور اسی سے مر گیا۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ”جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیتے ہیں، چنانچہ عنقریب ان کو (ان باتوں کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود کی پرستش کرنے والوں کے لیے یہ زبردست وعید ہے۔

تکالیف برداشت کرنے پر حوصلہ افزائی اور موت تک تسبیح اور عبادت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝﴾ ”اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ تو آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہیں۔“ یعنی اے محمد (ﷺ!) ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کی ایذا سے آپ کے دل کو تنگی اور انقباض لاحق ہوتا ہے لیکن آپ اسے خاطر میں نہ لائیں، اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے سے نہ رکیں اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کریں، وہی آپ کے لیے کافی ہے اور ان کے مقابلے میں وہی آپ کی مدد فرمائے گا، پس آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی تسبیح و تحمید اور اس کی عبادت، نماز میں مشغول رہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝﴾ ”تو آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں ہو جائیں۔“ جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام احمد نے نُعَیم بن ہَمّار سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: [يَا ابْنَ آدَمَ، لَا تَعْجِزْ عَنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ] ”اے ابن آدم! دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں پڑھنے سے عاجز نہ آؤ، میں دن کے آخر تک تمھیں کفایت کروں گا۔“[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝﴾ ”اور آپ اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔“ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سالم نے کہا ہے کہ یہاں ﴿الْيَقِيْنُ ۝﴾ سے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، ماأصاب المستهزئين:410/2. اس واقعے کو علامہ ہیثمی اور امام طبرانی نے سند اور متن کے اختلاف سے روایت کیا ہے، دیکھیے الأحاديث الطوال للطبراني، تسمية المستهزئين......، حديث: 33 و مجمع الزوائد، التفسير، سورة الحجر:47,46/7، حديث:11113. [2] مسند أحمد:286/5 والسنن الكبرى للنسائي، الصلاة، باب الحث على الصلاة أول النهار:178,177/1، حديث: 468 .

مراد موت ہے۔[1] سالم سے مراد سالم بن عبداللہ بن عمر ہیں جیسا کہ امام ابن جریر نے بھی سالم بن عبداللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ میں ﴿ الْيَقِيْنُ ﴾ سے مراد موت ہے۔[2]

صحیح بخاری میں ایک انصاری خاتون اُمّ علاء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جبکہ وہ فوت ہو گئے تھے تو ام علاء نے کہا: ابو سائب! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری عزت افزائی فرمائی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَكْرَمَهُ؟] ''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی فرمائی ہے۔'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! اگر اللہ تعالیٰ ان کی عزت افزائی نہیں فرمائے گا تو اور کس کی عزت افزائی فرمائے گا۔ آپ نے فرمایا: [أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ] ''بے شک انھیں موت (اچھی حالت میں) آئی ہے کہ اللہ کی قسم! یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے خیر کی امید رکھتا ہوں۔''[3] آپ کا استدلال اسی آیت کریمہ سے تھا: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾.

یاد رہے! عبادت، مثلاً: نماز وغیرہ انسان پر اس وقت تک واجب ہے جب تک اس میں عقل باقی ہو، نماز انسان کو حسب حال پڑھتے ہی رہنا چاہیے جیسا کہ صحیح بخاری میں عمران بن حُصَین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ] ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لو۔''[4]

اس سے یہ بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ان ملحدین کی یہ بات غلط ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہاں یقین سے مراد معرفت ہے اور جس کو معرفت حاصل ہو جائے اس سے احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ کفر، ضلالت اور جہالت ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دیگر لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے انھیں اس کے حقوق وصفات کی سب سے زیادہ معرفت تھی اور وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کس قدر تعظیم کی مستحق ہے، اس کے باوجود وہ دیگر لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرتے اور موت کے وقت تک اعمال صالحہ کو پابندی سے بجالاتے تھے۔ بہر حال یہاں یقین سے مراد موت ہے جیسا کہ قریب ہی بیان کیا جا چکا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کہ اس نے ہدایت عطا فرمائی، ہم اسی سے مدد طلب کرتے، اسی کی ذات گرامی پر توکل کرتے اور اسی سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اکمل اور احسن حالت میں ہماری زندگی کا خاتمہ فرمائے۔ إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ.

سورۂ حجر کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ (الحجر 15:99)، بعد الحديث: 4706. [2] تفسير الطبري: 99/14. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت......، حديث:1243 مفصلاً. [4] صحيح البخاري، التقصير، باب إذا لم يطق قاعدًا صلّى على جنب، حديث:1117.

تفسیر سورۂ نحل

یہ مکی سورت ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ①

اللہ کا حکم آ پہنچا، لہٰذا تم اسے عجلت سے نہ مانگو۔ وہ پاک اور ان (معبودانِ باطلہ) سے برتر ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں ①

تفسیر آیت: 1

قیامت قریب ہے: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بہت ہی قریب آجانے کو ماضی کے صیغے کے ساتھ بیان فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت لامحالہ وقوع پذیر ہونے والی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ﴾ (الأنبیاء 21:1) ”لوگوں کے لیے ان کا حساب (اعمال کا وقت) بہت نزدیک آ پہنچا ہے جبکہ وہ غفلت میں پڑے (اس سے) اعراض کر رہے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴾ (القمر 54:1) ”قیامت بہت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔“ ﴿ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ﴾ ”لہٰذا تم اسے جلدی طلب نہ کرو۔“ یعنی جو چیز دور ہے وہ قریب ہے، لہٰذا اس کے لیے جلدی مت کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ لَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَیَاۡتِیَنَّہُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ○ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیۡطَۃٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ○﴾ (العنکبوت 29:53،54) ”اور یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب مانگ رہے ہیں۔ اور اگر (عذاب کا) ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا تو انھیں عذاب ضرور آ لیتا اور یقیناً وہ (کسی وقت) ان پر ضرور ناگہاں آ کر رہے گا اور ان کو معلوم تک نہ ہوگا، یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں اور بلاشبہ دوزخ تو کافروں کو گھیرنے والا ہے۔“

اور ابن ابو حاتم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[تَطلُعُ عَلَیکُم عِندَ السَّاعَۃِ سَحَابَۃٌ سَودَاءُ مِنَ المَغرِبِ مِثلُ التُّرسِ، فَمَا تَزَالُ تَرتَفِعُ فِی السَّمَاءِ، ثُمَّ یُنَادِی مُنَادٍ فِیھَا: یَا أَیُّھَا النَّاسُ! فَیُقبِلُ النَّاسُ بَعضُھُم عَلٰی بَعضٍ، ھَل سَمِعتُم؟ فَمِنھُم مَّن یَّقُولُ: نَعَم، وَمِنھُم مَّن یَّشُكُّ، ثُمَّ یُنَادِی الثَّانِیَۃَ: یَاأَیُّھَا النَّاسُ! فَیَقُولُ النَّاسُ بَعضُھُم لِبَعضٍ، ھَل سَمِعتُم؟ فَیَقُولُونَ:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ

وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے وحی دے کر فرشتے نازل کرتا ہے کہ تم (لوگوں کو) اس بات سے آگاہ کردو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی

اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

الٰہ نہیں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو②

نَعَم، ثُمَّ يُنَادِي الثَّالِثَةَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! ﴿ اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ط ﴾ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِﷺ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّ الرَّجُلَيْنِ لَيَنْشُرَانِ الثَّوْبَ فَمَا يَطْوِيَانِهِ أَبَدًا، وَّإِنَّ الرَّجُلَ لَيَمُدَّنَّ حَوْضَهُ فَمَا يَسْقِي فِيهِ شَيْئًا أَبَدًا، وَّإِنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلُبُ نَاقَتَهُ فَمَا يَشْرَبُهُ أَبَدًا، قَالَ: وَيَشْتَغِلُ النَّاسُ]

”قیامت کے قریب مغرب کی طرف سے ڈھال کی طرح کا ایک سیاہ بادل نمودار ہوگا جو مسلسل آسمان کی طرف اٹھتا جائے گا، پھر ایک منادی اس میں یہ آواز دے گا: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے: کیا تم نے سنا؟ کچھ لوگ تو کہیں گے ہاں اور کچھ شک کریں گے، پھر وہ دوبارہ آواز دے گا: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نے سنا؟ وہ جواب دیں گے: ہاں، پھر وہ تیسری بار اعلان کرے گا: اے لوگو! ”اللہ کا حکم آپہنچا ہے تو اس کے لیے جلدی مت کرو۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت دو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہوگا مگر وہ اسے کبھی لپیٹ نہ سکیں گے، آدمی اپنے حوض کو پانی سے بھر رہا ہوگا مگر وہ اس میں سے کسی کو کبھی بھی پانی پلا نہ سکے گا اور آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا مگر وہ اسے کبھی بھی پی نہ سکے گا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ مشغول ہو جائیں گے (اور وہ اپنے اس طرح کے کام کر نہ سکیں گے۔)“①

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات اس بات سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے یا اس کے ساتھ بتوں اور معبودانِ باطلہ وغیرہ کی بھی عبادت کی جائے، اس کی ذات پاک اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اور قیامت کی تکذیب کرنے والے بھی یہی لوگ ہیں۔ اور فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① ﴾ ”وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ (اللہ کا) شریک بناتے ہیں۔“

تفسیر آیت:2

اللہ جسے چاہے پیغام توحید کے ساتھ مبعوث فرمادے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ ﴾ ”وہی فرشتوں کو وحی دے کر بھیجتا ہے۔“ یعنی وحی دے کر بھیجتا ہے۔ اور اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط ﴾ (الشوریٰ

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2275/7 والمستدرك للحاکم، الفتن والملاحم: 540,539/4، حدیث: 8622 والمعجم الکبیر للطبرانی: 325/17، حدیث: 899 مزید دیکھیے صحیح البخاری، الرقاق، باب، حدیث: 6506 مختصرًا عن أبی هريرة ﷺ.

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

اس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ تخلیق کیے، وہ ان سے برتر ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں③اس نے انسان کو نطفے سے تخلیق کیا تو

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④

یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا④

52:42) ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمھاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے، تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو اور لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ ''اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے'' جو کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ ﴾ (الأنعام 124:6) ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کسے عنایت فرمائے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ (الحج 75:22) ''اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔''

اور فرمایا: ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۙ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن 16,15:40) ''اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے، جس روز وہ ظاہر ہوں گے، ان میں سے کوئی چیز اللہ سے مخفی نہ رہے گی، آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ ہی کے لیے جو اکیلا (اور) نہایت غالب ہے۔'' ﴿ اَنْ اَنْذِرُوْٓا ﴾ ''کہ (لوگوں کو) ڈراؤ۔'' یعنی انبیاء کو وہ اس لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو یہ بتا دیں: ﴿ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② ﴾ ''میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو۔'' یعنی میرے حکم کی مخالفت کرنے والو اور میرے سوا اوروں کی عبادت کرنے والو مجھ ہی سے ڈرو!

تفسیر آیات: 4,3

اللہ ہی نے آسمان، زمین اور انسان کو پیدا فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے عالم علوی، یعنی آسمانوں کو اور عالم سفلی، یعنی زمین اور ان کے اندر موجود تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور ان تمام مخلوقات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، انھیں بے کار پیدا نہیں کیا، انھیں اس لیے پیدا فرمایا ہے ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ ﴾ (النجم 31:53) ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان لوگوں کے شرک سے پاک قرار دیا ہے جو اس کے ساتھ غیروں کی بھی پوجا کرتے ہیں کیونکہ ساری مخلوق کو صرف اسی وحدہ لاشریک نے پیدا فرمایا ہے، لہٰذا اس بات کا مستحق بھی وہی ہے کہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اس نے جنس انسان کو بہت ہی کمزور نطفے سے پیدا فرمایا ہے مگر جب یہ بڑا ہو جاتا

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ فِيْهَا

اور اس نے چوپائے بھی پیدا کیے، ان میں تمھارے لیے گرمی حاصل کرنے کا سامان اور دیگر منافع ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی)

جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا

ہو⑤ اور ان میں تمھارے لیے عزت وشان (بھی) ہے جب تم انھیں شام کو چرا کر لاتے ہو اور صبح چرانے لے جاتے ہو⑥ اور وہ تمھارے بوجھ

بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑦

اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم جسمانی مشقت کے بغیر نہیں پہنچ پاتے تھے۔ بے شک تمھارا رب بڑا شفقت والا، بہت رحم والا ہے⑦

اور پروان چڑھتا ہے تو یہ اپنے رب تعالیٰ سے جھگڑنے لگتا، اس کی تکذیب کرنے لگتا اور اس کے رسولوں سے جنگ کرنا شروع کر دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے اس لیے پیدا فرمایا تھا کہ یہ اللہ کا بندہ بن جائے، اسے اس لیے پیدا نہیں کیا تھا کہ یہ اس کا مخالف بن جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝﴾ (الفرقان 25:54,55) ”اور وہی تو ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو صاحب نسب اور سسرال والا بنا دیا اور آپ کا پروردگار ہر طرح کی قدرت رکھنے والا ہے اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں کہ جو نہ ان کو فائدہ پہنچا سکے اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے پروردگار کی مخالفت میں (شیطان کا) مددگار ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝﴾ (یٰسٓ 36:77-79) ”کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا، پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑنے والا (ہوگیا) اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کے پیدا کرنے کو خوب جاننے والا ہے۔“

ایک حدیث میں ہے جسے امام احمد اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بُسر بن جَحّاش سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلی پر لعاب دہن رکھا اور فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ: ابْنَ آدَمَ! أَنّٰى تُعْجِزُنِي وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ مِّثْلِ هٰذِهِ، حَتّٰى إِذَا سَوَّيْتُكَ وَعَدَّلْتُكَ، مَشَيْتَ بَيْنَ بُرْدَيْنِ وَلِلْأَرْضِ مِنْكَ وَئِيدٌ، فَجَمَعْتَ وَمَنَعْتَ، حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ، قُلْتَ: أَتَصَدَّقُ وَأَنّٰى أَوَانُ الصَّدَقَةِ؟] ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اے ابن آدم! تو مجھے کہاں عاجز کر سکتا ہے کہ میں نے تو تجھے اس جیسی ایک چیز سے پیدا کیا ہے حتی کہ جب میں نے تیرے اعضاء کو ٹھیک ٹھیک بنایا اور تیری قامت کو اعتدال سے بنا دیا تو تو (فخر وغرور کے ساتھ) اپنی دو چادروں میں چلنے لگا اور زمین پر تیرے چلنے کی پرزور آہٹ تھی۔ تو نے مال واسباب جمع کرنا شروع کر دیے اور اس سے (حق داروں کو) محروم رکھا حتی کے جب تیری روح حلق تک پہنچ گئی تو تو نے کہا کہ میں صدقہ کرتا ہوں، مگر

اب صدقہ کرنے کا وقت کہاں ہے!''[1]

تفسیر آیات:5-7

چوپائے بھی اللہ کی مخلوق اور نعمت ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا اظہار فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے چوپائے، یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں پیدا فرمائیں جیسا کہ سورۂ انعام میں اس نے انھیں آٹھ قسموں میں تقسیم کر کے بیان فرمایا ہے۔[2] پھر اس نے ان چار پایوں میں اپنے بندوں کے بہت سے فوائد اور منافع رکھ دیے کہ وہ ان کی اون، پشم اور بالوں کو اپنے لباس، قالین اور غالیچوں کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کے دودھ کو پیتے اور ان کی اولاد کے گوشت کو کھاتے ہیں اور یہ باعث زینت و جمال بھی ہیں، اس لیے فرمایا: ﴿ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥ ﴾ ''اور جب شام کو انھیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے جاتے ہو تو اس میں تمھاری عزت و شان ہے۔'' ﴿ تُرِيحُونَ ﴾ کے معنی بوقت شام چراگاہوں سے جانوروں کے واپس لانے کے ہیں کہ اس وقت ان کے شکم پُر، ان کے تھن بڑے اور ان کی کوہانیں زیادہ اونچی ہوتی ہیں۔ ﴿ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥ ﴾ کے معنی صبح کے وقت انھیں چراگاہوں میں لے جانے کے ہیں۔

اور فرمایا: ﴿ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ ﴾ ''اور وہ تمھارے بوجھ اٹھاتے ہیں۔'' یعنی وہ بھاری بھر کم بوجھ جن کے نقل و حمل سے تم عاجز ہوتے ہو۔ ﴿ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ﴾ ''(دور دراز) شہروں میں جہاں تم زحمت شاقہ کے بغیر پہنچ نہیں سکتے۔'' مثلاً: حج، عمرہ، جہاد، تجارت اور اس طرح کے دیگر مقاصد کے سفروں میں تم انھیں سواری اور بار برداری کے لیے استعمال کرتے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:21،22) ''اور بے شک تمھارے لیے چار پایوں میں بھی عبرت (اور نشانی) ہے کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اس میں سے ہم تمھیں (دودھ) پلاتے ہیں اور تمھارے لیے ان میں (اور بھی) بہت سے فائدے ہیں اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ۝ ﴾ (المؤمن 40:79-81) ''اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے چار پائے بنائے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور تمھارے لیے ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ (کہیں جانے کی) تمھارے سینوں (دلوں) میں جو حاجت ہو ان پر (چڑھ کر وہاں) پہنچ جاؤ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو، اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔''

اسی لیے یہاں بھی ان نعمتوں کو شمار کرانے کے بعد فرمایا: ﴿ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑦ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار

---

[1] مسند أحمد 4/210 و سنن ابن ماجه، الوصايا، باب النهي عن الإمساك......، حديث: 2707 مختصراً۔ [2] دیکھیے الأنعام، آیات: 143، 144۔

وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ⑧

اور (اسی نے) گھوڑے، خچر اور گدھے (پیدا کیے) تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے (انھیں پیدا کیا)، اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے ⑧

نہایت شفقت والا (اور) بڑا مہربان ہے۔'' یعنی تمھارا پروردگار وہ ہے جس نے یہ جانور تمھارے تابع فرمان اور مسخر کر دیے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَوَ لَمۡ يَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَيۡدِيۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ ○ وَذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَكُوۡبُهُمۡ وَمِنۡهَا يَاۡكُلُوۡنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 72,71:36) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں، ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے اور یہ ان کے مالک ہیں اور ان کو ان کے قابو میں کر دیا تو کوئی تو ان میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ۙ لِتَسۡتَوٗا عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ۙ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ○ ﴾ (الزخرف 43:12-14) ''اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر چڑھو، پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو جب اس پر چڑھ جاؤ، اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم اس کو قابو میں لانے والے نہیں تھے۔ اور یقیناً ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ لَكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ ﴾ ''ان میں تمھارے لیے گرمائش کا سامان ہے'' سے مراد کپڑے ہیں۔ ﴿ وَّمَنَافِعُ ﴾ ''اور (بہت سے) فائدے ہیں'' سے کھانے پینے کے فوائد مراد ہیں۔[1]

تفسیر آیت:8

گھوڑے، گدھے اور خچر: اس آیت کریمہ میں جانوروں کی ایک اور قسم کا ذکر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمایا اور ان کا بطور احسان ذکر کیا جا رہا ہے اور وہ گھوڑے، خچر اور گدھے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے سواری اور زینت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور ان کی تخلیق کا بڑا مقصد یہی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [نَهٰى، يَوْمَ خَيْبَرَ، عَنْ لُّحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ] ''خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی ہے۔''[2]

امام احمد اور ابوداود رحمہما اللہ نے دو سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان میں سے ہر سند شرط مسلم کے مطابق ہے کہ غزوۂ خیبر کے دن ہم نے گھوڑے، خچر اور گدھے ذبح کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خچر اور گدھے کے گوشت سے تو منع فرما دیا مگر گھوڑے کے گوشت سے منع نہیں فرمایا۔[3] صحیح مسلم میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے

① تفسیر الطبری: 106/14. ② صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة خیبر، حدیث: 4219 وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة أکل لحم الخیل، حدیث: 1941 واللفظ له. ③ مسند أحمد: 356/3 وسنن أبي داود، الأطعمة، باب فی أکل لحوم الخیل، حدیث: 3789 جبکہ اسی معنی کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة أکل لحم الخیل، حدیث: 1941 میں بھی آئی ہے۔

1/9/7 ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآىِٕرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹﴾ ع

اور سیدھی راہ اللہ ہی پر (جا پہنچتی) ہے، اور بعض (راہیں) ان میں سے ٹیڑھی ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۝۹

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں گھوڑا ذبح کر کے کھایا اور ہم مدینہ میں تھے۔ ①

تفسیر آیت:9

دینی رستوں کا بیان: اللہ تعالیٰ نے جب حیوانات کا ذکر فرمایا جنھیں حسی اور مادی رستوں پر چلنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس نے معنوی اور دینی رستوں کی طرف بھی توجہ دلا دی۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ حسی اور مادی امور کا تذکرہ کرتے ہوئے دینی و معنوی مفید امور کی طرف بھی توجہ دلا دی جاتی ہے، مثلاً: فرمایا: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ؗ﴾ (البقرة 2:197) ''اور زادِ راہ (رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ راہ پرہیز گاری ہے۔'' اور فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ﴾ (الأعراف 7:26) ''اے بنی آدم! ہم نے تم پر ایسا لباس اتارا جو تمھارا ستر ڈھانکتا اور (تمھارے بدن کو) زینت دیتا ہے اور (جو) پرہیز گاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں حیوانوں اور چوپایوں وغیرہ کا ذکر فرمایا جن پر انسان سواری کرتے اور اپنی دلی حاجت کو پورا کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں اور یہ جانور دور دراز مقامات اور شہروں میں پُر مشقت سفروں میں ان کے بھاری بھرکم سامان بھی منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان رستوں کا بھی ذکر فرمایا جن پر لوگ چلتے ہیں اور بیان فرمایا کہ ان میں سے سب سے سچا اور سیدھا وہ رستہ ہے جو اس کی ذات پاک تک پہنچا دے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ ''اور وہ سیدھا راستہ تو اللہ ہی پر (پہنچتا) ہے۔'' اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ﴾ (الأنعام 6:153) ''اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ وہ (رستے) تمھیں (اللہ کے) رستے سے الگ کر دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝﴾ (الحجر 15:41) ''(اللہ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) سیدھا رستہ یہی ہے۔''

مجاہد فرماتے ہیں: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ وہ راہ حق کو بیان فرمائے۔ ② عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی روایت کیے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی کو بیان فرما دے۔ ③ علی بن ابو طلحہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ④ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ ⑤ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمِنْهَا جَآىِٕرٌ ؕ﴾ ''اور ان میں سے بعض (رستے) ٹیڑھے ہیں۔'' یعنی یہ

---

① صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب النحر والذبح، حديث: 5511 و صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة أكل ......، حديث: 1942 واللفظ له. لیکن [نَحْنُ بِالْمَدِينَةِ] اسی سیاق میں بخاری میں ہیں۔ ② تفسير الطبري: 113/14. ③ تفسير الطبري: 113/14. ④ تفسير الطبري: 113/14. ⑤ تفسير الطبري: 113/14.

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ⑩ یُنْۢبِتُ

وہی ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی نازل کیا، اسی سے پینا ہے اور اسی سے درخت (اگتے) ہیں جن میں تم (جانور) چراتے ہو⑩

لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

وہ اسی (پانی) سے تمھارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔ بے شک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪

لیے بہت بڑی نشانی ہے⑪

ایسے رستے ہیں جو حق سے دور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ان سے مراد مختلف رستے اور متفرق آراء وخواہشات ہیں۔ ① مثلاً: یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت وغیرہ۔ ② ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ الفاظ وَمِنْكُمْ جَائِرٌ ہیں۔ ③

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی قدرت ومشیت سے یہ سب کچھ ہونے والا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ⑨ ﴾ ''اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ ﴾ (یونس 99:10) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○ ﴾ (ھود 119,118:11) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔''

تفسیر آیات: 11,10

بارش اور اس کے فوائد: اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جن سے اس نے اپنے بندوں کو جانوروں اور چار پایوں کی صورت میں نوازا ہے اور اب وہ اپنے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے آسمان سے ان کے لیے بارش کو نازل فرمایا، آسمان کا لفظ یہاں بلندی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس بارش میں انسانوں اور ان کے حیوانوں کے لیے بے شمار فوائد ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ ﴾ ''اسی سے تمھارے لیے پینا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس صاف ٹھنڈے پانی کو شیریں بنا دیا ہے تاکہ تم اسے پی سکو اور یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے اسے کھارا اور کڑوا نہیں بنایا۔ ﴿ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ⑩ ﴾ ''اور اس سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں) جن میں تم (اپنے چوپایوں کو) چراتے ہو۔'' یعنی بارش کے اس پانی کے ساتھ اس نے تمھارے لیے درخت اُگا دیے جن میں تم اپنے چوپایوں کو چراتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما،

① تفسیر الطبری: 114/14. ② تفسیر القرطبی: 82/10 وتفسیر الطبری: 116/8. ③ تفسیر الطبری: 114/14.

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور اس نے تمھارے لیے مسخر کیے رات اور دن اور سورج اور چاند، اور تمام تارے بھی اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند لوگوں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کے لیے البتہ کئی نشانیاں ہیں⑫ اور رنگ برنگ کی وہ چیزیں بھی (تابع کر دیں) جو اس (اللہ) نے تمھارے لیے زمین میں پیدا کیں۔ بے شک اس

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬

میں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں بہت بڑی نشانی ہے⑬

عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور ابن زید ؒ کا قول ہے کہ ﴿ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩ ﴾ کے معنی ہیں تم چراتے ہو۔[1] اسی وجہ سے اونٹوں کو سائم کہا جاتا ہے کیونکہ سوم کے معنی چرنے کے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ ''اسی پانی سے وہ تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (اور بے شمار درخت) اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے۔)''، یعنی پانی ایک ہی ہے مگر وہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ، اس پانی سے زمین میں مختلف قسموں، ذائقوں، رنگوں، خوشبوؤں اور شکلوں کے پھل پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ ﴾ ''غور کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں (اللہ کی قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔'' یہ اس بات کی دلیل اور حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴾ (النمل 27:60) ''(کیا یہ بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (جس نے) تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا؟ پھر ہم نے اس سے سرسبز باغ اگائے، تمھیں (قدرت) نہ تھی کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے تو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (رستے سے) ہٹ رہے ہیں۔''

تفسیر آیات: 13,12

لیل و نہار، شمس و قمر کی تسخیر اور زمین کی پیداوار، نشانیاں ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی بڑی بڑی نشانیوں اور عظیم ترین احسانات میں سے لیل و نہار کی تسخیر بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں، شمس و قمر گھومتے ہیں اور نجوم، ثوابت و سیارے آسمانوں میں نور اور روشنی ہیں تاکہ تاریکیوں اور ظلمتوں میں ان سے رستے معلوم کیے جا سکیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنا دیا ہے اور ہر ایک بلا کم و کاست اس رفتار سے چل رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرما دی ہے، تمام اجرام فلکی پر اللہ تعالیٰ

---

① تفسیر الطبری: 14/ 116,115.

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً

اور وہی ہے جس نے سمندر مسخر کیا تاکہ تم اس میں سے تر و تازہ (مچھلی کا) گوشت کھاؤ، اور اس میں سے زیور (موتی) نکالو جو تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیاں

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭

دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں، اور تاکہ تم اس (اللہ) کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو⑭ اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال (گاڑ) دیے

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮

کہ وہ تمھیں لے کر جھک (نہ) پڑے، اور نہریں اور راستے (بنائے)، تاکہ تم راہ پاؤ⑮ اور (دیگر) نشانیاں (بنائیں) اور تاروں سے بھی لوگ راہ پاتے

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ⑯ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا

ہیں⑯ بھلا جو (اللہ سب کچھ) تخلیق کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو (کچھ بھی) تخلیق نہیں کرتا؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟⑰ اور اگر تم اللہ کی

تَذَكَّرُوْنَ ⑰ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑱

نعمتیں گننا چاہو تو انھیں گن نہ سکو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے⑱

ہی کا غلبہ وتسلط ہے، اسی نے انھیں مسخر کیا، ان کے اندازوں کو مقرر کیا اور ان کے کام کو آسان فرما دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ ﴾ (الأعراف7:54) ''کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس سے پیچھے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ⑫ ﴾ ''سمجھنے والوں کے لیے یقیناً اس میں (اللہ کی قدرت کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔'' یعنی ان تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت اور اس کی عظیم الشان سلطنت کی ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی قدرتوں اور اس کی بیان کردہ دلیلوں کو سمجھتے ہیں۔

﴿ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ ﴾ ''اور جو طرح طرح کے رنگوں کی چیزیں اس نے زمین میں پیدا کیں (سب تمھارے زیر فرمان کر دیں۔)'' اللہ تعالیٰ نے پہلے اجرام فلکی کی طرف توجہ مبذول کرائی اور اب اس نے زمین میں پیدا کردہ عجیب امور، مختلف اشیاء، مثلاً: حیوانات، معدنیات، نباتات اور ان کے مختلف رنگوں، شکلوں، منافع اور خواص کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ⑬ ﴾ ''نصیحت پکڑنے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانی ہے'' کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں اور وہ ان کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

تفسیر آیات:14-18

ستاروں، سمندروں اور پہاڑوں میں اللہ کی قدرت کی دیگر نشانیاں: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی جن نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے، وہ یہ ہیں کہ اس نے تلاطم خیز موجوں والے دریا کو مسخر کر دیا ہے اور اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے اس احسان کا اظہار فرما رہا ہے کہ اس نے ان کے لیے دریاؤں اور سمندروں کو مسخر کر دیا، ان میں سفر کو آسان بنا دیا، ان میں مچھلیوں اور دیگر جانوروں کو پیدا کر کے ان کے گوشت کو حلال قرار دے دیا، خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ، ان کا شکار حلال ہونے کی حالت میں کیا جائے یا حالتِ احرام میں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت ہی نفیس قسم کے موتی اور جواہر پیدا فرما دیے اور دریاؤں اور سمندروں کے پیندوں سے انھیں نکالنا اپنے بندوں کے لیے آسان کر دیا تا کہ انھیں بطور زیورات استعمال کیا جائے۔ اس نے دریاؤں اور سمندروں کو کشتیوں کے اٹھانے کے لیے بھی مسخر کر دیا ہے۔

کشتیوں کی صفت مَوَاخِرَ بیان کی گئی ہے، یعنی ایسی کشتیاں جو کہ دریاؤں اور سمندروں کے پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں یا وہ ہواؤں کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور یہ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ کشتیاں اور جہاز اپنے اس اگلے حصے کے ساتھ دریاؤں اور سمندروں کے پانی کو پھاڑتے جاتے ہیں جس کے اس شکل وصورت میں بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی اور بنانے کا طریقہ نسلاً بعد نسلٍ ان کے باپ حضرت نوح علیہ السلام سے بطور وراثت ان کی طرف منتقل ہوتا چلا آیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے انسان تھے جنھوں نے کشتی کی سواری اختیار فرمائی، انھیں اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا طریقہ سکھایا تھا اور پھر قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسل لوگوں میں یہ طریقہ منتقل ہوتا چلا آیا اور اس طریقے کو اختیار کر کے انھوں نے ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک کے سفر کرنا شروع کر دیے تا کہ یہاں کے ساز وسامان کو وہاں پہنچا سکیں اور وہاں کی اشیاء کو یہاں منتقل کر سکیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿14﴾ ﴾ ''اور اس لیے بھی (دریا کو تمھارے لیے مسخر کیا) کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تا کہ اس کا شکر کرو۔'' یعنی دریاؤں اور سمندروں کو مسخر کرنا بھی اس کی تم پر عظیم الشان نعمت اور ایک بہت بڑا احسان ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے زمین میں بہت مضبوط و مستحکم اور بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ پہاڑ بھی نصب فرما دیے تا کہ زمین کو قرار نصیب ہو جائے اور نہ وہ خود ڈگمگائے اور نہ اس پر بسنے والی جان دار چیزیں ہی ڈگمگائیں کیونکہ اس صورت میں ان کے لیے پر سکون زندگی بسر کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿32﴾ ﴾ (النّٰزعٰت 79:32)

''اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا ﴾ ''اور نہریں اور رستے (بنا دیے۔)'' یعنی اس نے زمین میں نہریں جاری فرما دیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بہتی چلی جاتی ہیں تا کہ ان سے بھی بندوں کو رزق حاصل ہو کہ ایک جگہ سے یہ نہریں ہوتی ہوئی دوسری جگہ کے لوگوں کے لیے رزق کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور یہ مختلف علاقوں، جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں اور ٹیلوں سے

گزرتی ہوئی اس علاقے کے لوگوں تک پہنچ جاتی ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مسخر کیا ہوتا ہے، پھر یہ دائیں بائیں، جنوباً شمالاً اور شرقاً غرباً بہتی چلی جاتی ہیں کہ ان میں سے کچھ نہریں چھوٹی ہوتی ہیں اور کچھ بڑی، اسی طرح اس نے بہت سی ندیاں بھی بہا دیں جو کبھی جاری ہو جاتی ہیں اور کبھی خشک، کچھ میں پانی کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اور کچھ میں سست، بہر حال یہ نہریں اور ندیاں بھی سطح زمین پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت اور اس کی تسخیر و تدبیر کے تابع چلتی ہیں کہ اس کے سوا نہ کوئی معبود حقیقی ہے اور نہ پروردگار!

اسی طرح اس اللہ رب العالمین نے زمین میں رستے بنا دیے تا کہ اس کے بندے ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف آ جا سکیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو کاٹ کر ان کے درمیان سے رستے اور گزرگاہیں بنا دیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 31:21) ''اور ہم نے اس میں کشادہ رستے بنائے تا کہ وہ (لوگ) راہ پائیں۔''

﴿ وَعَلٰمٰتٍ ط ﴾ ''اور (رستوں میں) نشانات بنا دیے۔'' یعنی اس نے بڑے بڑے پہاڑوں میں بھی اور چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں بھی ایسے نشانات بنا دیے ہیں جن سے مسافر اپنی گم شدہ منزل کا سراغ لگا لیتے ہیں: ﴿ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ⑯ ﴾ ''اور وہ (لوگ) ستاروں سے بھی رستے معلوم کر لیتے ہیں۔'' یعنی رات کی تاریکیوں میں لوگ ستاروں سے رستے معلوم کر لیتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ [1]

عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے: اپنی قدرت کے ان کمالات اور نشانات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس نے اپنی عظمت کو بیان فرمایا ہے کہ عبادت کے لائق اسی کی ذات گرامی ہے، یہ بت، مجسمے اور مورتیاں جو بنائے گئے ہیں اور وہ خود کسی چیز کو بنانے کی قدرت نہیں رکھتے، یہ بھلا اس قابل کہاں ہیں کہ ان کی پوجا کی جائے۔ ﴿ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰ ﴾ ''تو جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ ویسا ہے جو کچھ بھی نہ پیدا کر سکے؟ تو پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟''

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنے احسانات کے حیطۂ شمار سے باہر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑱ ﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو اسے گن نہ سکو۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یعنی وہ تم سے درگزر فرماتا ہے اگر وہ تمھیں یہ حکم دے دیتا کہ تم اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرو تو تم ایسا نہ کر سکتے اور اس کے اس حکم کی تم اطاعت نہ کر سکتے اور حکم کی اطاعت نہ بجا لانے کی وجہ سے اگر وہ تمھیں عذاب دیتا تو وہ حق بجانب تھا لیکن وہ تو غفور و رحیم ہے، تمھارے بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور تمھارے بہت تھوڑے سے عمل کی بھی جزا عطا فرما دیتا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نعمتوں کے شکر ادا کرنے میں تم سے جو کوتاہی ہوتی ہے اسے وہ معاف فرما دے گا، بشرطیکہ تم اس کے حضور توبہ کرو، اس کی اطاعت بجا لاؤ اور اس کی خوشنودی کے طلب گار بن جاؤ کہ تمھاری توبہ اور انابت کے بعد وہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمھیں اپنے عذاب سے بچائے گا۔ [2]

---

① تفسیر الطبری: 122/14. ② تفسیر الطبری: 125/14.

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿19﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿19﴾ اور لوگ جنھیں اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿20﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ

تخلیق نہیں کرتے، جبکہ وہ خود تخلیق کیے گئے ہیں ﴿20﴾ (وہ) مردے ہیں، زندہ نہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ وہ کب

يُبْعَثُوْنَ ﴿21﴾ ع 2/12/8

اٹھائے جائیں گے ﴿21﴾

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿22﴾

تمھارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، چنانچہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل منکر ہیں، اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ﴿22﴾

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿23﴾

بلاشبہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا ﴿23﴾

تفسیر آیات: 19-21

اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جانتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ خفیہ باتوں کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح وہ ظاہر باتوں کو جانتا ہے، پھر روز قیامت وہ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دیگا، اچھا عمل ہوا تو اچھی جزا اور اگر برا عمل ہوا تو سزا۔
مشرکوں کے معبود مخلوق ہیں خالق نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں، وہ پیدا کیے گئے ہیں لیکن وہ خود کسی بھی چیز کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:95,96) ”کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ ﴾ ”(وہ) مردے ہیں، زندہ نہیں۔“ یعنی یہ تو جمادات ہیں، ان میں روح بھی نہیں، یہ سنتے بھی نہیں، دیکھتے بھی نہیں اور ان میں عقل و شعور بھی نہیں۔ ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ”ان کو یہ بھی تو شعور نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے۔“ یعنی یہ نہیں جانتے کہ قیامت کب ہوگی تو ایسی چیزوں سے کسی نفع یا ثواب یا جزا کی امید کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ ان چیزوں کی امید تو اسی ذات گرامی ہی سے کی جا سکتی ہے جو ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز کا خالق ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 23,22

[1] یہ آیت عام ہے اور صرف بتوں اور جمادات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ ان اولیاء وغیرہ کو بھی شامل ہے جو وفات پا چکے ہیں لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں اور حاجت برآری کے لیے ان کو پکارتے ہیں، اس لیے کہ آیت میں مذکورہ صفات ذوی العقول کی ہیں، مثلاً: پیدا نہیں کر سکتے، خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں، زندگی ختم ہوگئی ہے، شعور نہیں رکھتے اور ان کے لیے بعث بعد الموت ہے، یہ صفات عام طور پر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتی ہیں، ایسی صفات کا جمادات وغیرہ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے!

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ

اور جب ان سے کہا جائے کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ﴿24﴾ تاکہ

كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَآءَ

یوم قیامت وہ اپنے کامل بوجھ اُٹھائیں اور کچھ ان کے بوجھ بھی جنھیں وہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، جان لو! برا بوجھ ہے جو

مَا يَزِرُوْنَ ﴿25﴾ ع 3/4/9

وہ اٹھاتے ہیں ﴿25﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے سوائی کوئی معبود نہیں، معبود صرف وہ ذات واحد، احد، فرد اور صمد ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ کافروں کے دل اس بات کے منکر ہیں جیسا کہ انھوں نے اس بات پر از راہ تعجب کہا: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ ﴾ (صٓ 38:5) ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ بلاشبہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے!'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ ﴾ (الزمر 39:45) ''اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ تنگ دل و بیزار ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''اور وہ سرکش ہو رہے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے سرکشی اختیار کر رہے ہیں اور ان کے دل اس کی توحید کا انکار کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 40:60) ''جو لوگ میری عبادت سے از راہ تکبر اعراض کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ ﴾ ''بلاشک وشبہ یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ اس کو جانتا ہے۔'' اور وہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''یقیناً وہ (اللہ) تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔''

تفسیر آیات: 25,24

کفار کی وحی سے روگردانی اور دگنی سزا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب وحی کی تکذیب کرنے والے ان کفار سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ﴿ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا ﴾ ''تمھارے پروردگار نے کیا اتارا ہے؟ تو کہتے ہیں'' جواب سے اعراض کرتے ہوئے: ﴿ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''وہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نازل نہیں فرمایا اور یہ جو ہم پر پڑھتے ہیں تو یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو سابقہ لوگوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:5) ''اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح اور شام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔'' یعنی رسول اللہ ﷺ پر یہ افترا پردازی کرتے ہوئے مختلف اور متضاد باتیں کہتے ہیں جو سب باطل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا

لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿ (بنیٓ إسراءیل 17:48) ''دیکھوانھوں نے کس کس طرح کی آپ کے بارے میں باتیں بنائی ہیں؟ سو یہ گمراہ ہو رہے ہیں اور رستہ نہیں پا سکتے۔'' یہ اس لیے کہ جو شخص حق سے دور ہو جائے، وہ جو بھی کہے غلط کہے گا، یہ کفار آپ ﷺ کو ساحر، شاعر، کاہن اور مجنوں کہتے، پھر ان کے متفرد لیڈر ولید بن مغیرہ مخزومی نے اپنے زعم میں غور و فکر کے بعد قرار دیا کہ آپ ساحر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ ﴾ (المدّثر 74:18-24) ''اس نے غور و فکر کیا اور اندازہ لگایا، پس یہ مارا جائے اس نے کیسا اندازہ لگایا! پھر وہ مارا جائے کیسا اندازہ لگایا! پھر اس نے تامل کیا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا، پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبول حق سے) غرور کیا، پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔'' یعنی یہ پہلے لوگوں سے منقول ہوتا چلا آیا ہے تو یہ ظالم لوگ اس کی بات کو قبول کرتے ہوئے اس کے ہاں سے چلے گئے۔ قَبَّحَهُمُ اللّٰهُ.

گمراہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ اپنے پیروؤں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان کو بکنے دو) یہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کرتے رہے ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے۔)'' یعنی ایسی باتیں کرنا تو ہم نے ان کی تقدیر میں لکھ دیا ہے تاکہ یہ اپنے اعمال کے بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں کے اعمال کے بوجھ بھی اٹھائیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اپنی گمراہی کا بوجھ بھی ان کے سروں پر ہوگا اور ان لوگوں کی گمراہی کا بھی جن کو انھوں نے گمراہ کیا اور انھوں نے ان کی پیروی کی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَّمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا] ''جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے اجر کے مطابق اجر ملے گا جو اس کی اتباع کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اسے ان تمام گناہوں کے برابر گناہ ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ (العنکبوت 29:13) ''اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی اور جو بہتان یہ باندھتے رہے قیامت کے دن ان سے ضرور پرسش ہوگی۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ سورۂ نحل کی یہ آیت، سورۂ عنکبوت کی مذکورہ بالا آیت ہی کی طرح ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے گناہوں

[1] صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة......، حديث: 2674. [2] تفسير الطبري: 128/14.

قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ

تحقیق وہ لوگ مکر کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، پھر اللہ نے ان (کے مکر) کی عمارت کو بنیادوں سے آلیا، چنانچہ ان کے اوپر

فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿26﴾ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ

چھت گر پڑی اور ان پر عذاب آیا جہاں سے وہ شعور نہ رکھتے تھے ﴿26﴾ پھر یوم قیامت اللہ انھیں رسوا کرے گا اور کہے گا: میرے

وَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ فِيۡهِمۡ‌ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اِنَّ

شریک کہاں ہیں جن کی بابت تم (مومنوں سے) جھگڑتے تھے؟ وہ لوگ کہیں گے جنھیں علم دیا گیا تھا: بے شک آج کا دن کافروں

الۡخِزۡىَ الۡيَوۡمَ وَالسُّوۡٓءَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿27﴾

کے لیے رسوائی اور بدبختی ہے ﴿27﴾

کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی جو ان کی پیروی کریں گے اور اس سے پیروی کرنے والوں کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی۔[1]

تفسیر آیات: 27,26

سابقہ لوگوں کے اعمال اور ان کی سزا کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ﴾ ”ان سے پہلے لوگوں نے بھی ویسی ہی مکاریاں کی تھیں۔“ اس آیت کریمہ کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ نمرود ہے جس نے بہت بڑا محل تعمیر کروایا تھا۔[2]

دیگر ائمہ تفسیر نے کہا ہے کہ یہ بخت نصر کی طرف اشارہ ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں اور عبادت میں اس کے ساتھ غیروں کو شریک کرنے والوں کے اعمال کے باطل ہونے کے لیے بیان کی گئی ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَمَكَرُوۡا مَكۡرًا كُبَّارًا ۚ﴾ (نوح 22:71) ”اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔“ یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے انھوں نے ہر حیلے بہانے کو اختیار کیا اور لوگوں کو شرک کی طرف مائل کرنے کے لیے انھوں نے ہر وسیلے کا سہارا لیا جیسا کہ قیامت کے دن ان کے پیروکار کہیں گے: ﴿بَلۡ مَكۡرُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجۡعَلَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا ؕ......﴾ الآیۃ (سبا 33:34) ”بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں......“

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ﴾ ”پھر اللہ نے ان (کے مکر) کی عمارت کو بنیادوں سے آلیا۔“ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو باطل کر کے انھیں بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ﴾ (المآئدۃ 64:5) ”یہ جب بھی لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿فَاَتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَيۡثُ لَمۡ يَحۡتَسِبُوۡا‌ وَقَذَفَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ يُخۡرِبُوۡنَ بُيُوۡتَهُمۡ بِاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَيۡدِى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۖ فَاعۡتَبِرُوۡا

[1] تفسیر الطبری: 128/14. [2] تفسیر الطبری: 130/14.

﴿ يَاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾ (الحشر 2:59) ''تو اللہ نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ ﴾ ''تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے آ لیا اور چھت ان پر ان کے اوپر سے گر پڑی اور (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آ واقع ہوا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا، پھر وہ ان کو قیامت کے دن بھی ذلیل کرے گا۔'' یعنی ان کی رسوائیوں کو نمایاں کر دے گا اور ان کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کر دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ ۝﴾ (الطارق 9:86) ''اس دن (دلوں کے) بھید جانچے جائیں گے۔'' یعنی دلوں کے بھید نمایاں اور ظاہر کر دیے جائیں گے۔

عہد شکنوں کی رسوائیاں: صحیح بخاری و مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ (عِنْدَ اسْتِهِ عَلٰى قَدْرِ غَدْرَتِهِ) فَيُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ] ''قیامت کے دن ہر عہد شکن اور دھوکے باز انسان کی سرین کے پاس اس کی غداری کے بقدر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔''[1]

اسی طرح یہ لوگ جس مکر و فریب سے کام لیا کرتے تھے، اسے واضح کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کے سامنے انھیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سرزنش کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ﴾ ''میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟'' یعنی جن کے لیے تم لڑتے اور جن کی خاطر تم دوسروں سے دشمنی کرتے تھے، آج وہ کہاں ہیں؟ آج وہ تمھاری مدد کیوں نہیں کرتے اور اس عذاب سے تمھیں خلاصی کیوں نہیں دلاتے؟ ﴿ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝﴾ (الشعرآء 93:26) ''کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا (خود) بدلہ لے سکتے ہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝﴾ (الطارق 10:86) ''تو انسان کے پاس نہ کوئی (اپنا) زور ہو گا اور نہ کوئی (اس کا) مددگار ہو گا۔'' جب ان پر حجت اور دلیل قائم ہو جائے گی اور بات ان کے خلاف ثابت ہو جائے گی تو وہ خاموش ہو جائیں گے، زبان پر کوئی حرف اعتذار لا سکیں گے اور نہ راہ فرار ہی اختیار کر سکیں گے۔

﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ ''جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا، وہ کہیں گے۔'' یعنی وہی دنیا و آخرت میں سردار اور دونوں جہانوں میں حق بات کہنے والے ہیں۔ ﴿ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ ''بلاشبہ آج کافروں کی رسوائی اور

---

[1] قوسین سے پہلے ابتدائی حصہ صحيح البخاري، الفتن، باب: إذا قال عند قوم……، حديث: 7111 آخری حصہ صحيح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم، حديث: 6178 جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 49/2 کے مطابق ہیں۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے: [يُرْفَعُ لَهٗ بِقَدْرِ غَدْرِهِ]، حديث: 1738 مزید دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 3187,3186 عن أنس وعبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہما.

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۖ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ

وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے، تو وہ (یہ کہتے ہوئے) سر تسلیم خم کر دیتے ہیں کہ ہم تو کوئی

سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

برا عمل نہیں کرتے تھے۔ (فرشتے کہتے ہیں:) کیوں نہیں! بے شک اللہ کو معلوم ہے جو تم عمل کرتے تھے ﴿28﴾ چنانچہ تم جہنم کے دروازوں میں داخل

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿29﴾

ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے۔ سو کیسا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا! ﴿29﴾

بدبختی ہے۔'' آج ذلت ورسوائی اور عذاب اس شخص کا مقدر ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور ایسی چیزوں کو اس کا شریک بنایا جو کسی بھی نفع ونقصان کی مالک نہیں ہیں۔

تفسیر آیات: 29,28

بوقت وفات اور بعد از وفات کافروں کے حالات: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مشرکوں اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے ان لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب موت کے وقت فرشتے ان کی خبیث روحوں کو قبض کرنے کے لیے آتے ہیں تو ﴿ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ ﴾ ''تو یہ سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔'' اور یہ کہتے ہوئے سمع وطاعت اور تسلیم ورضا کا اظہار کرتے ہیں کہ ﴿ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ ﴾ ''ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔'' اسی طرح قیامت کے دن بھی یہ کہیں گے: ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 23:6) ''اللہ کی قسم، اے ہمارے پروردگار! ہم مشرک نہیں تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ ﴾ (المجادلة 18:58) ''جس دن اللہ ان سب کو (جلا) اٹھائے گا تو جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ ان کی باتوں اور قسموں کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''کیوں نہیں! بے شک جو کچھ تم کیا کرتے تھے، اللہ اسے خوب جانتا ہے، سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ! ہمیشہ اس میں رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی یہ بہت ہی برا ٹھکانا اور ذلت ورسوائی کا مقام ہے، ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے ازراہ تکبر انکار کرتے تھے۔ یہ لوگ جس دن مریں گے، اسی دن ان کی روحیں جہنم میں داخل کر دی جائیں گی اور ان کے جسموں کو بھی قبروں میں جہنم کی حرارت اور گرم ہوائیں اپنی لپیٹ میں لے لیں گی، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی روحوں کو ان کے جسموں میں داخل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آتش دوزخ کے سپرد کر دیا جائے گا، پھر ﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ ﴾ (فاطر 36:35) ''نہ انھیں موت آئے گی کہ مر جائیں اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ ﴾ (المؤمن 46:40) ''آتش (جہنم) کہ صبح اور شام اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ

اور (جب) پوچھا جاتا ہے متقی لوگوں سے کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: خیر ہی خیر۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿30﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور دارِ آخرت تو یقیناً بہترین ہے اور کیا خوب ہے متقی لوگوں کا گھر! ﴿30﴾ (یعنی) ہمیشہ کے باغات ہیں، وہ ان

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿31﴾

میں داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں ان کے لیے وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اللہ اسی طرح متقی لوگوں کو جزا دیتا ہے ﴿31﴾ جن کو

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ (کفر وشرک سے) پاک ہوتے ہیں تو (فرشتے) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ اس

تَعْمَلُوْنَ ﴿32﴾

کے بدلے میں جو تم عمل کرتے تھے ﴿32﴾

(حکم ہوگا کہ) فرعون کی آل کو سخت عذاب میں داخل کرو۔''

تفسیر آیات: 30-32

پرہیزگاروں کے حالات: اللہ تعالیٰ نے پہلے بدنصیب لوگوں کی حالت کو بیان کیا اور اب سعادت مند لوگوں کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ بدنصیب لوگوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ﴿مَا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ﴾ ''تمھارے پروردگار نے کیا اتارا ہے؟'' تو وہ جواب سے اعراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس نے تو کچھ نہیں اتارا، یہ تو صرف پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں اور اس کے برعکس جب پرہیزگاروں اور سعادت مندوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ان لوگوں کے لیے سراپا رحمت و برکت ہے جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی پیروی کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا اور جس کے بارے میں اپنے رسولوں پر وحی نازل فرمائی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ﴾ ''جو لوگ نیکوکار ہیں (ان کے لیے) اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (النحل 16:97) ''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو (دنیا میں) پاکیزہ (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔'' یعنی جو شخص دنیا میں اچھے عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت کو اچھا بنا دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آخرت کا گھر دنیا کی زندگی سے بہتر ہے اور اس میں دنیا کی نسبت پوری پوری جزا دی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ ...... ﴾ الآیة (القصص 28:80) ''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! اللہ کا ثواب کہیں بہتر ہے (اس شخص کے لیے جو

ایمان لایا......۔)" اور فرمایا: ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ (آل عمرٰن 3:198) "اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ نیکوکاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔" اور فرمایا: ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ (الأعلٰی 87:17) "آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔" اور اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ (الضحٰی 93:4) "اور آخرت آپ کے لیے پہلی (دنیاوی حالت) سے کہیں بہتر ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے گھر کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ "اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر بلاشبہ خوب ہے۔" اور اس کا فرمان: ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ "(وہ) بہشت جاودانی ہے۔" ﴿دَارُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ سے بدل ہے، یعنی آخرت کا گھر جس میں وہ داخل ہوں گے، وہ باغات جاودانی ہیں، ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ "ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔" یعنی وہاں کے درختوں اور محلات کے درمیان نہریں رواں دواں ہیں۔ ﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ﴾ "وہاں جو چاہیں گے، ان کے لیے میسر ہوگا۔" یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ ﴿وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (الزخرف 43:71) "اور وہاں جو جی چاہیں اور جو آنکھوں کو اچھا لگے (موجود ہوگا) اور (اے اہل جنت!) تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ اہل جنت کی ایک جماعت کے اوپر سے بادل گزرے گا، جبکہ وہ اپنے مشروب پینے کے لیے بیٹھے ہوں گے، ان میں سے جو شخص جو خواہش کرے گا بادل اسے بارش کی صورت میں برسا دے گا حتی کہ ان میں سے ایک شخص یہ کہے گا کہ اے بادل! ہم پر نوجوان ہم عمر عورتوں کی بارش برسا تو ان کی اس خواہش کو بھی پورا کر دیا جائے گا۔[1]

﴿كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ "اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔" اللہ ہر اس شخص کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے جو اس پر ایمان لائے، اس سے ڈرے اور نیک عمل کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنی موت کے وقت یہ لوگ شرک کے میل کچیل اور ہر برائی سے پاک ہوتے ہیں اور اس وقت فرشتے انھیں سلام کہتے اور جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰۗؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۭ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:30-32) "جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ ہم دنیا کی زندگی میں بس تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمھارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمھارے جی چاہیں گے تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی (یہ) بخشنے والے، نہایت مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔"

[1] تفسیر الطبری: 124/25 عن أبی ظَبْیَة السلفی رحمہ اللہ یہ روایت مقطوع ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

وہ (کافر) یہی انتظار تو کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آئے۔ اسی طرح کیا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔

قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿33﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا

اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿33﴾ پھر انھوں نے جو کیا تھا اس کے برے نتائج انھیں پہنچے، اور انھیں اس

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿34﴾ ع 4/9/10

(عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿34﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا

اور مشرک لوگوں نے کہا: اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ہی، اور ہم اس (کے حکم)

حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا

کے بغیر کوئی چیز حرام (بھی) نہ ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ رسولوں کے ذمے تو صرف صاف صاف

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿35﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا

پہنچا دینا ہے ﴿35﴾ اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے

الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي

ہدایت دی، اور ان میں سے بعض پر ضلالت ثابت ہوگئی، لہٰذا تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا (عبرتناک)

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿36﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ

ہوا؟ ﴿36﴾ (اے نبی!) خواہ آپ ان کی ہدایت کے لیے کتنی ہی حرص کریں، تو بے شک اللہ جسے گمراہ کرے اسے ہدایت نہیں دیتا،

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿37﴾

اور ان (گمراہوں) کا مددگار کوئی بھی نہیں ﴿37﴾

قبل ازیں ہم آیت کریمہ: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝﴾ (إبراهيم 14:27) کی تفسیر میں مومن اور کافر کی روح قبض کرنے سے متعلق احادیث بیان کر چکے ہیں۔

تفسیر آیات: 34,33

ایمان سے انکار کے معنی عذاب کے انتظار کے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو اپنے باطل میں مست رہنے اور دنیا پر فریب خوردہ ہونے کی وجہ سے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ اب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے آ ہی جائیں، یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[1] ﴿اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ﴾ "یا آپ کے پروردگار کا حکم آ پہنچے۔" یعنی قیامت کا دن

[1] تفسير الطبري: 136/14.

اپنی تمام تر ہولنا کیوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ آجائے ﴿ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔'' یعنی اس طرح ان سے پہلے ان جیسے مشرکوں نے کیا تھا کہ وہ اپنے شرک میں مست رہے حتی کہ انھوں نے عبرت ناک عذاب الٰہی کا مزہ چکھ لیا اور زبردست قسم کے عذاب میں مبتلا ہو گئے: ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ ﴾ ''اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیج کر اور اپنی کتابوں کو نازل فرما کر ان پر حجت تمام کر دی اور ان کا کوئی عذر باقی نہ چھوڑا۔ ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے'' کہ رسولوں کی مخالفت کرتے تھے اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی تکذیب کرتے تھے۔ اسی لیے عذاب الٰہی نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ﴿ وَحَاقَ بِهِمْ ﴾ ''اور ان کو (ہر طرف سے) گھیر لیا'' یعنی دردناک عذاب نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ﴿ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ ''جس چیز کے ساتھ وہ ٹھٹھے کیا کرتے تھے۔'' انبیائے کرام جب انھیں عذاب الٰہی سے ڈراتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، اسی لیے روز قیامت ان سے کہا جائے گا: ﴿ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ ﴾ ''یہی وہ آتش (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' (الطور 52:14)

تفسیر آیات: 35-37

مشرکین کا شرک کے بارے میں تقدیر سے استدلال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین مبتلائے فریب ہیں کہ وہ شرک کے بارے میں تقدیر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم ہی اس کے سوا کسی چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے باپ دادا ہی (پوجتے) اور نہ اس کے (فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔'' ان کا اشارہ اس بَحِیرہ، سائبہ اور وَصِیلہ وغیرہ کی طرف ہے جنھیں انھوں نے از خود ایجاد کر رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں فرمایا تھا۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے یہ افعال ناپسند ہوتے تو وہ ہمیں یہ کرنے ہی نہ دیتا اور کرنے پر فوراً ان کی سزا دے دیتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرح کے شبہات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ ''پس پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔'' یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح تمھارا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے منع نہیں کیا بلکہ اس نے تو اس سے بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اس نے ہر زمانے اور ہر علاقے میں اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان سب نے اس بات کی دعوت دی کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، ان سب کا فرمان تھا: ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ ''اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

جب سے انسانوں میں قوم نوح کے زمانے میں شرک پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ اسی پیغام کے ساتھ لوگوں کی طرف اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا ہے، سب سے پہلے رسول جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا، وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے اور خاتم النبیین

حضرت محمد ﷺ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کے تمام جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ان تمام انبیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کی توحید ہی کی دعوت دی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبیآء 21:25) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:45) ''اور (اے نبی ﷺ!) جو اپنے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں، ان کے احوال دریافت کرلو۔ کیا ہم نے (اللہ) رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔'' اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

لہٰذا ان صریح ارشادات کے بعد کسی مشرک کے لیے یہ کہنا کس طرح روا ہے کہ ﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کو نہ پوجتے!'' اللہ تعالیٰ کی شرعی مشیت تو ان کی اس بات کی نفی کرتی ہے کیونکہ اس نے اپنے رسولوں کی زبانی انھیں شرک سے منع فرما دیا تھا، البتہ اس کی کونی وقدری (تقدیری) مشیت نے انھیں شرک کرنے دیا لیکن یہ ان کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا کر کے جہنم میں جانے والے شیطانوں اور کافروں کو بھی پیدا کیا جبکہ وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند ہی نہیں فرماتا۔ شیطانوں اور کافروں کے جہنم کے لیے پیدا کرنے میں بھی اس کی حجت بالغہ اور حکمت قاطعہ کارفرما ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب رسولوں نے انھیں شرک اور اس کے انجام سے ڈرایا مگر انھوں نے شرک کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا ہی میں اس کی سزا دے کر اس سے اپنی ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اس لیے فرمایا ہے: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿36﴾ ﴾ ''تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔'' یعنی جن لوگوں نے رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کی ان کے حالات معلوم کرلو کہ کس طرح: ﴿ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ﴾ (محمد 47:10) ''اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح کا (عذاب) ان کافروں کو ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کو برباد کیا۔ اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ ﴾ (الملك 67:18) ''اور البتہ تحقیق جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا ہوا۔''

اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے اسے کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں گمراہ کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے تو آپ کا ان کی ہدایت کی خواہش کرنا انھیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ ﴾ (المآئدۃ 5:41) ''اور

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ

اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے (دوبارہ) نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں! (بلکہ وہ اٹھائے گا یہ) اس کے ذمے سچا وعدہ

حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ

ہے اور لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ﴿38﴾ تاکہ ان کے لیے وہ بات واضح کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور تاکہ معلوم ہو جائے کافروں کو

فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿39﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ

کہ بے شک وہی جھوٹے تھے ﴿39﴾ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کر لیں تو اس کے لیے ہمارا صرف یہی قول ہوتا ہے کہ ہم اس سے کہتے ہیں: ہو جا!

5 ع 6 11 اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿40﴾ ع

تو وہ ہو جاتی ہے ﴿40﴾

اگر کسی کو اللہ آزمائش میں ڈالنا (گمراہ کرنا) چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔'' اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ ﴾ (ھود 11:34) ''اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمھاری خیر خواہی کروں اور اللہ یہ چاہے کہ تمھیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ ﴾ ''اگر آپ ان (کفار) کی ہدایت کے لیے للچائیں تو جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے، اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:186) ''جس شخص کو اللہ گمراہ کرے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکتے رہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:96,97) ''یقیناً جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔'' اس کی شان یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، لہٰذا فرمایا: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ ﴾ یعنی جس کو وہ گمراہ کر دے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے بعد اسے ہدایت دے دے؟ کوئی نہیں۔ ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا۔'' جو انھیں اس کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچا سکے۔ ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:54) ''دیکھو سب مخلوق بس اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے، یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

تفسیر آیات: 38-40

بعث بعد الموت برحق ہے: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے سخت سخت قسمیں کھا کر کہا کہ جو شخص مر جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا، بعث بعد الموت کو انھوں نے بہت ہی بعید سمجھا تھا اور حضرات

انبیائے کرام نے بعث بعد الموت کی جو خبر دی تو اس وجہ سے انھوں نے انبیاء ہی کی تکذیب کردی تھی اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی تکذیب و تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ بَلٰى ﴾ ''کیوں نہیں! (ایسا ضرور ہوگا۔)'' ﴿ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا ﴾ ''اس کے ذمے سچا وعدہ ہے۔'' جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' اور جہالت کی وجہ سے رسولوں کی مخالفت کرتے اور کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے برپا کرنے اور روز قیامت جسموں کے قبروں سے اٹھا کھڑا کرنے کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ ﴾ ''تاکہ ان پر ظاہر کردے۔'' ﴿ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ﴾ ''جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴾ (النجم 53:31) ''جن لوگوں نے برے کام کیے ہیں۔ ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴾ ''اور اس لیے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔'' اپنی ان قسموں کے کھانے میں جھوٹے تھے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے گا، یہی وجہ ہے کہ ان مشرکوں اور کافروں کو قیامت کے دن آتش جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جایا جائے گا اور دوزخ پر مقرر فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ○ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الطور 52:14-16) ''پس وہ آتش (جہنم) ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے۔ تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر نہیں آتا؟ اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) ان ہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے!''

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، آسمان و زمین کی کوئی چیز اسے عاجز و درماندہ نہیں کر سکتی، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، اس طرح وہ جب قیامت کے برپا کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس سے صرف ایک بار یہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ برپا ہو جائے گی جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ○ ﴾ (القمر 54:50) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ ﴾ (لقمٰن 31:28) ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ''جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' یعنی ہمارے صرف ایک بار حکم دینے سے وہ وجود میں آ جاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو اس بات کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو وجود میں آنے کے لیے بار بار حکم دے کیونکہ اس ذات گرامی کے کسی حکم کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے، اس لیے کہ وہ واحد و قہار بہت ہی عظیم الشان ہے۔ اس کی عزت و جبروت اور اس کے جلال و بادشاہت

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ

اور جن لوگوں نے ظلم وستم (سہنے) کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، البتہ ہم انھیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے، اور یقیناً آخرت کا اجر تو بہت

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿42﴾ وقف لازم

بڑا ہے۔ کاش! وہ علم رکھتے ﴿41﴾ وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں ﴿42﴾

نے ہر چیز کو مقہور ومغلوب کر رکھا ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ مالک!

تفسیر آیات: 42,41

مہاجرین کی جزا: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی جزا کو بیان فرمایا ہے جنھوں نے اس کی رضا کے حصول کے لیے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ سے ثواب اور جزا کی امید میں اپنے گھروں، بھائیوں اور دوستوں کو چھوڑ دیا، ممکن ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ان مہاجرین حبشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہو جن پر جب مکہ میں اپنی قوم کی ایذا رسانیاں نہایت شدت اختیار کر گئی تھیں تو انھوں نے مکہ سے بلاد حبشہ کی طرف ہجرت کر لی تھی تاکہ وہاں اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔

ان مہاجرین کے مقدس گروہ میں حضرت عثمان بن عفان، آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول ﷺ، رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد جعفر بن ابو طالب اور ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہم سرفہرست تھے۔ جبکہ اہل اللہ کا یہ سارا گروہ اسی (80) کے قریب پاکباز مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں دنیا وآخرت میں اچھی جزا عطا فرمائے گا۔ ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ﴾ ”ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شعبی اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس اچھے ٹھکانے سے مراد مدینہ ہے۔[1] مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد پاکیزہ رزق ہے۔[2] اور ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ان مہاجرین نے اپنے گھروں اور مالوں کو ترک کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان سے بہتر گھر اور مال عطا فرما دیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بھی چیز کو ترک کر دے تو وہ یقیناً اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرما دیتا ہے۔ ان مہاجرین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے انھیں علاقے بھی عطا فرما دیے اور لوگوں کی گردنوں کا بھی انھیں مالک بنا دیا جس کی وجہ سے یہ امراء اور حکام بن گئے، پھر لطف یہ کہ ان میں سے ہر ایک پرہیز گاروں کا امام بھی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین کو دنیا میں جو عطا فرمائے گا، آخرت کا ثواب اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ﴾ ”اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔“ یعنی ہم نے انھیں دنیا میں جو کچھ دیا ہے، آخرت کا اجر وثواب اس سے کہیں بڑھ کر ہے: ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾﴾ ”کاش! وہ (اسے) جانتے۔“ یعنی جو لوگ ان کے ساتھ ہجرت میں شامل نہیں ہوئے بلکہ ان سے پیچھے رہ گئے، اے کاش! انھیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت

---

[1] تفسیر الطبری: 142/14. [2] تفسیر الطبری: 143/14.

ہجرت حبشہ

جب نبی ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مصائب میں مبتلا پایا اور یہ دیکھا کہ انہیں ان مصائب سے نجات دلانا ممکن نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے، جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا' اور وہ سچائی کی سرزمین ہے' حتیٰ کہ اللہ تمہارے لیے کوئی راستہ نکال دے۔'' یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

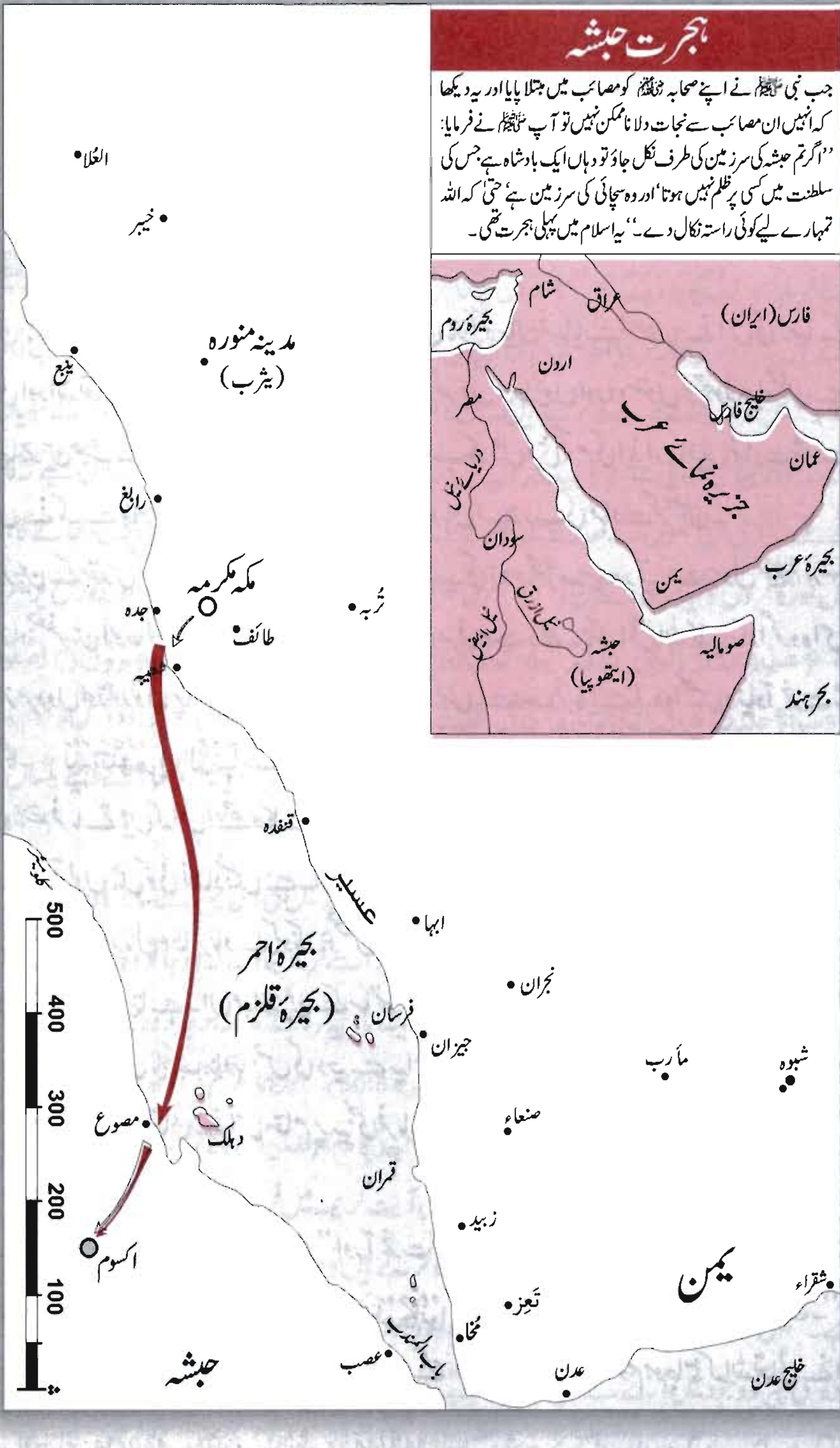

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مرد ہی (نبی) بھیجے تھے، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے، لہٰذا تم اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو اگر تم علم نہیں رکھتے ﴿43﴾

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿43﴾ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ

(ہم نے انھیں) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ (بھیجا تھا)، اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ

وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿44﴾

ان کی طرف نازل کیا گیا، اور شاید کہ وہ غور وفکر کریں ﴿44﴾

کرنے والوں اور اپنے رسول کی اتباع کرنے والوں کے لیے کیا کچھ تیار فرما رکھا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پاک باز بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ”وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔“ یعنی ان لوگوں نے دنیا میں اپنی قوم کی ایذا پر صبر کیا اور اپنے اس اللہ پر بھروسا کیا جس نے دنیا وآخرت میں ان کے انجام کو اچھا کر دیا تھا۔

تفسیر آیات: 44,43

تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر تھے: ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو عربوں نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝ ﴾ (یونس 2:10) ”کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کی طرف وحی کی کہ لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دیں کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿43﴾ ﴾ ”اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو۔“ یعنی ان لوگوں سے پوچھ لو جن کو ماضی میں کتابیں دی گئی تھیں کہ ان کی طرف انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا یا فرشتوں کو۔ اگر فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا تو پھر بے شک تم انکار کر دو اور اگر انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا تو پھر محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کا بھی انکار نہ کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ؕ ﴾ (یوسف 109:12) ”اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔“ ان کا تعلق آسمان میں رہنے والوں سے نہیں تھا جیسا کہ تم کہتے ہو۔[1] مجاہد نے

[1] تفسیر الطبری: 145/14۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ ①

یہ ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:93,94) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی، کہنے لگے: کیا اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پیغمبر (بنا) بھیجا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط ﴾ (الفرقان 25:20) ''اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 21:8) ''اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 46:9) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں۔'' اور اسی کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (الکھف 18:110) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ اگر کسی کو رسولوں کے بشر ہونے میں شک ہو تو وہ ان لوگوں سے جن کو پہلے کتابیں دی گئی تھیں، انبیاء کے بارے میں پوچھ لے کہ ان کے انبیاء انسان تھے یا فرشتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ کہ اس نے انبیائے کرام کو دلائل و براہین اور کتب کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ ﴿ وَالزُّبُرِ ط ﴾ کے معنی کتب ہیں۔ ②

زُبُر، زَبُور کی جمع ہے، جب آپ کتاب لکھیں تو عرب اس کے لیے زَبَرْتَ الْكِتَابَ کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ ﴾ (القمر 54:52) ''اور جو کچھ انھوں نے کیا (ان کے) اعمال ناموں میں (مندرج) ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 21:105) ''اور البتہ تحقیق ہم نے نصیحت (کی کتاب تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ ﴾ ''اور ہم نے آپ کی طرف بھی (یہ) ذکر اتارا ہے۔'' یعنی قرآن ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ ''تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو نازل فرمایا تھا، آپ اس کے معنی کو خوب جانتے تھے، وحی الٰہی کے مشتاق تھے اور اس کی اتباع کرنے والے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ معلوم تھا کہ آپ اس کی ساری مخلوق میں سے افضل اور تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، اس لیے

① تفسیر الطبری: 14/144. ② تفسیر الطبری: 14/147.

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

کیا بے خوف ہو گئے ہیں وہ لوگ جنھوں نے برے مکر کیے کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر (وہاں سے) عذاب لے آئے جہاں سے وہ

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿45﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿46﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ

شعور نہیں رکھتے ﴿45﴾ یا ان کے چلنے پھرنے کے دوران میں وہ انھیں پکڑ لے، پھر وہ اسے عاجز کرنے والے نہیں ﴿46﴾ یا انھیں حالتِ خوف میں مبتلا کر

عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿47﴾

کے پکڑ لے، پھر بلاشبہ تمھارا رب، بہت شفقت کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿47﴾

اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید کو نازل فرمایا اور حکم دیا کہ آپ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل اور قرآن مجید کے مشکل مقامات کی شرح و تفسیر بیان فرما دیں: ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''اور تا کہ وہ غور کریں۔'' اپنا جائزہ لیں، ہدایت اختیار کریں اور دنیا و آخرت میں نجات حاصل کر کے کامیاب ہو جائیں۔

تفسیر آیات:45-47

مجرم بے خوف کیسے ہو سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان نافرمان لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے جو برے کام کرتے ہیں، برے کاموں کی طرف دوسروں کو دعوت دیتے ہیں اور ان کے ساتھ مکر و فریب کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب آ جائے۔ ﴿ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو۔'' انھیں اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ ان پر عذاب آ رہا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝ ﴾ (الملك 67:16,17) ''یا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے۔ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو گئے ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے، سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے!'' ﴿ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ ﴾ ''یا ان کو نقل و حرکت کرتے ہوئے پکڑ لے۔'' یعنی جب اپنے معیشت کے سلسلے میں آ جا رہے ہوں، اپنے سفروں میں مشغول ہوں یا غافل کر دینے والے کاموں میں مصروف ہوں۔ قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ اس سے سفروں میں چلنا پھرنا مراد ہے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:97,98) ''کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت (دن چڑھے) آ نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں۔'' ﴿ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿46﴾ ﴾ ''وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔'' یعنی وہ خواہ جس حال میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں

[1] تفسير الطبري: 14/149.

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ

کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں جانب سے ڈھلتے ہیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے، اور (اس

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿48﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ

کے سامنے) وہ سب عاجز ہیں ﴿48﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام جاندار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور تمام فرشتے بھی، اور وہ تکبر نہیں کرتے ﴿49﴾ وہ اپنے

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿49﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿50﴾ السجدة 3 ع 6/10/12

اوپر سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿50﴾

کر سکتے۔ ﴿ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ﴾ ''یا حالتِ خوف میں ان کو پکڑ لے۔'' یعنی جب انھیں یہ خوف پیدا ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں کہیں پکڑ ہی نہ لے تو وہ اس حالتِ خوف میں انھیں پکڑ لے اور اس حالت میں ان کا پکڑنا بہت شدید ہو گا کیونکہ جس چیز کا خوف بھی ہو اس کا حصول بہت شدید محسوس ہوتا ہے۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں چاہوں تو اسے بھی اس کے ساتھی کی موت کے بعد جب یہ ڈر رہا ہو تو پکڑ لوں۔[1] مجاہد، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کی رافت و رحمت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿47﴾ ﴾ ''پس بے شک تمھارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' یعنی وہ تمھیں جلد سزا نہیں دیتا جیسا کہ صحیحین میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ...... وَيَجْعَلُوْنَ لَهٗ وَلَدًا (وَّهُوَ مَعَ ذٰلِكَ) يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ''تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر صبر کرنے والا اور کوئی نہیں ...... لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا قرار دیتے ہیں اور وہ اس کے باوجود انھیں رزق اور عافیت عطا فرماتا ہے۔''[3]

صحیحین ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے اور جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ ﴾ (ھود 11:102) ''اور آپ کا پروردگار جب ظلم و زیادتی کرنے والی (اور نافرمان) بستیوں کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) بڑی سخت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الحج 22:48) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ ظالم (اور نافرمان) تھیں، پھر میں

[1] تفسیر الطبری: 14/150. [2] تفسیر الطبری: 14/151. [3] صحیح البخاری، الأدب، باب الصبر فی الأذی ......، حدیث: 6099 وصحیح مسلم، صفات المنافقین وأحکامهم، باب فی الکفار، حدیث: (50)-2804 واللفظ له عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ.

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿51﴾ وَلَهٗ مَا

اور اللہ نے فرمایا: دو الٰہ مت بناؤ، بس وہ اکیلا الٰہ ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو﴿51﴾ اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اسی کی

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿52﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ

اطاعت دائمی ہے۔ کیا پھر تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟﴿52﴾ اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ تو اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمھیں کوئی

اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿53﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ

تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے تم آہ و فغاں کرتے ہو﴿53﴾ پھر جب وہ تم سے تکلیف ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک

بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾

کرنے لگتا ہے﴿54﴾ تاکہ ان (نعمتوں) کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دیں، چنانچہ تم فائدہ اٹھا لو، پھر جلد تم جان لو گے﴿55﴾

نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 48-50

ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت، جلال اور کبریائی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تمام جمادات، حیوانات، انسان، جن، فرشتے اور ہر ہر چیز اس کے سامنے عاجز و درماندہ ہے اور ہر وہ چیز جس کا سایہ صبح شام دائیں اور بائیں طرف لوٹتا رہتا ہے تو وہ اپنے سائے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب سورج کا سایہ ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ عزوجل کو سجدہ کرتی ہے۔[2] قتادہ اور ضحاک وغیرہم کا بس یہی قول ہے۔[3] ﴿وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾ ''اور وہ عجز و انکسار کر رہے ہیں۔'' مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر چیز کا لوٹنا اس کا سجدہ کرنا ہے، پہاڑوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کا سایہ ان کا سجدہ کرنا ہے۔[4] ابو غالب شیبانی نے کہا کہ سمندر اور دریا کی موجیں ان کی نماز ہے۔[5] ان کی طرف سجدہ کی نسبت کرتے ہوئے انھیں ذوی العقول کی طرح سمجھ لیا گیا ہے، فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ''اور تمام جان دار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝﴾ (الرعد 13:15) ''اور جو شے آسمانوں اور جو زمین میں ہے خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام (سجدے کرتے ہیں۔)''

اور اس کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ''اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔'' فرشتے اس کی عبادت اور بندگی کے بجالانے سے ذرا برابر غرور نہیں کرتے۔ ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ ''اور وہ اپنے اوپر اپنے

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ...... ﴾ (هود 11:102)......، حديث: 4686 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2583 عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه. ② تفسير الطبري: 14/153. ③ تفسير الطبري: 14/152،153. ④ تفسير الطبري: 17/170. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 7/2285.

پروردگار سے ڈرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں اور ڈرتے ہوئے اسے سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ ﴿ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ ''اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے، اس پر عمل کرتے ہیں۔'' یعنی مستقل مزاجی کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاتے، اس کے احکام کو تسلیم کرتے اور جن کاموں سے اس نے منع فرمادیا ہے، انھیں ترک کر دیتے ہیں۔

تفسیر آیات: 51-55

صرف اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا عبادت صرف اسی وحدہ لاشریک ہی کی ہونی چاہیے کیونکہ وہی ہر چیز کا مالک، خالق اور پروردگار ہے۔ ﴿ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ﴾ ''اور اسی کی اطاعت دائمی ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، میمون بن مہران، سدی، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہمیشہ کے لیے اسی کی عبادت کے ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک دوسری روایت کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت اسی کی واجب ہے۔[2] مجاہد سے روایت ہے کہ عبادت اسی کے لیے خالص ہے۔[3] یعنی آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کی ذات گرامی مستحق عبادت ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:83) ''کیا یہ کافر اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں، حالانکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں؟'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ کے قول کے مطابق یہ خبر کے باب سے ہوگا جبکہ مجاہد کے قول کے مطابق یہ طلب کے قبیل سے ہوگا، یعنی مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ڈر جاؤ اور میرے ساتھ شرک نہ کرو اور میرے ہی لیے اطاعت و فرمانبرداری کو خالص کرو جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ (الزمر 39:3) ''دیکھو! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (ضروری) ہے۔''

نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے: پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک بھی وہی ہے، اپنے بندوں کو رزق، نعمت، عافیت اور نصرت سے نوازتا ہے تو یہ اس کا بندوں پر فضل و احسان ہے۔ ﴿ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴾ ''پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے آہ و فغاں کرتے ہو۔'' کیونکہ تمھیں یہ معلوم ہے کہ تکلیف کے ازالے پر اس کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہے، لہٰذا بوقت ضرورت تم اسی کی طرف رجوع کرتے ہو، اس سے دعا کرتے، اسی کی طرف رغبت کرتے اور اسی سے فریاد کرتے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:67) ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا۔''

---

[1] تفسیر الطبری: 158,157/14 وتفسیر القرطبی: 113/10. [2] تفسیر الطبری: 158/14. [3] تفسیر الطبری: 159/14.

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ

اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے ان (باطل معبودوں) کا حصہ ٹھہراتے ہیں جنھیں یہ جانتے بھی نہیں، اللہ کی قسم! تم سے تمھاری افترا

تَفْتَرُوْنَ ﴿56﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

پردازیوں کا ضرور سوال ہوگا ﴿56﴾ اور وہ اللہ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ (اولاد سے) پاک ہے، اور ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں (یعنی بیٹے) ﴿57﴾ اور

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿58﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے ﴿58﴾ وہ اس عار کے باعث لوگوں

مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿59﴾

سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اسے بشارت دی گئی ہے، (سوچتا ہے) کیا (اپنی) توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو!

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿59﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے بری مثال ہے، اور اللہ کے لیے اعلیٰ مثال ہے، اور وہ غالب،

7 ع 10 13 الْحَكِيْمُ ﴿60﴾

خوب حکمت والا ہے ﴿60﴾

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ ﴾ ''پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں تاکہ جو (نعمتیں) ہم نے ان کو عطا کی ہیں، ان کی ناشکری کریں۔'' کہا گیا ہے کہ ﴿ لِيَكْفُرُوْا ﴾ کا لام، لام عاقبہ ہے اور اس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لام تعلیل ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کے لیے یہ اس لیے مقدر کر دیا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہیں، چھپائیں اور ان کا انکار کر دیں، حالانکہ وہی انھیں نعمتیں عطا فرمانے والا اور مصیبتوں کو ان سے دور کرنے والا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَتَمَتَّعُوْا ﴾ ''تو (مشرکو! دنیا میں) فائدے اٹھالو۔'' جو چاہے عمل کرو اور دنیا کی اس زندگی میں تھوڑا عرصہ فائدے اٹھاؤ۔ ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ ''پھر عنقریب تم جان لوگے۔'' یعنی اس کا انجام۔

تفسیر آیات: 56-60

مشرکین کا معبودانِ باطلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے نذر و نیاز: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان مشرکوں کی قبیح عادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ بتوں، شریکوں اور معبودانِ باطلہ کی بھی علم کے بغیر پوجا کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو رزق دیا تھا، اس میں انھوں نے اپنے بتوں کے لیے بھی حصہ مقرر کر دیا اور اپنے گمان سے تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ یہ حصہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے، تو جو حصہ ان کے شریکوں کے لیے ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جا سکتا اور جو اللہ کا حصہ ہے، وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے اور ان کے یہ فیصلے بہت

ہی برے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ صرف اپنے شریکوں کے لیے بھی حصہ مقرر کر رکھا ہے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حصے پر فوقیت بھی دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ وہ ان سے ان کے لیے اس کذب وافترا کے بارے میں ضرور باز پرس کرے گا اور انھیں اس کی آتش جہنم میں سخت سزا دی جائے گی، چنانچہ فرمایا: ﴿تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ ''(کافرو!) اللہ کی قسم! جو تم افترا کرتے ہو، اس کی تم سے ضرور پرسش ہوگی۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے فرشتوں کو مادہ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنا دیا، پھر ان کی بھی پوجا شروع کر دی تو ان تینوں باتوں میں انھوں نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں، اس کی ذات بابرکات اولاد سے پاک ہے، پھر انھوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جبکہ اپنے لیے یہ بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○﴾ (النجم 53:21،22) ''(مشرکو!) کیا تمھارے لیے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں، یہ تقسیم تو بڑی دھاندلی کی ہوئی!''

اور یہاں فرمایا: ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ﴾ ''اور یہ لوگ اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، حالانکہ اس سے وہ پاک ہے'' از روئے کذب وافترا جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ○ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ○ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○﴾ (الصّٰفّٰت 37:151-154) ''خبردار! یہ لوگ اپنی بہتان طرازی سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے۔ تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو!'' اور اس کا ارشاد ہے: ﴿وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ ''اور اپنے لیے (بیٹے) جو وہ چاہتے ہیں۔'' یعنی اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں اور خود بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کی اولاد ہو۔

مشرکوں کی بیٹیوں سے نفرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا﴾ ''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے۔'' یعنی وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ ﴿وَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ ''اور (اس دل کو دیکھو تو) وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے۔'' اور اپنے اسی شدید غم کی وجہ سے وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ ﴿يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ﴾ ''لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔'' کیونکہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں: ﴿مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ﴾ ''اسے دی گئی بری خوشخبری کی وجہ سے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے اسے باقی رہنے دے یا اسے مٹی میں دبا دے۔'' یعنی سوچتا ہے اگر اس نے اسے زندہ رکھا تو اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ زندہ رکھے گا، اسے اپنے مال کا وارث بھی نہیں بنائے گا اور اولاد نرینہ کو اس پر ترجیح دے گا۔ ﴿اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ﴾ ''یا وہ اسے مٹی میں دبا دے۔'' جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ کیا یہ لوگ جو بیٹیوں سے اس قدر شدید نفرت کرتے ہیں اور اپنے لیے انھیں پسند نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ

اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم پر ان کا مواخذہ کرے تو اس (زمین) پر کوئی چلنے پھرنے والا نہ چھوڑے، اور لیکن وہ ایک مقرر وقت تک انھیں ڈھیل دیتا ہے،

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿61﴾ وَيَجْعَلُوْنَ

پھر جب ان کا مقرر وقت آپہنچتا ہے تو وہ ایک گھڑی بھی نہ آگے اور نہ پیچھے ہو سکتے ہیں ﴿61﴾ اور وہ اللہ کے لیے وہ چیز ٹھہراتے ہیں جس سے خود

لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ

کراہت کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ بے شک ان کے لیے بھلائی ہے۔ بلاشبہ یقیناً ان کے لیے آگ ہے اور بے شک وہ

النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿62﴾

(اس میں) سب سے آگے بھیجے جائیں گے ﴿62﴾

ہیں! ﴿ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿59﴾ ﴾ ''(افسوس!) کیسا برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں!'' ان کی بات بھی بری، ان کی تقسیم بھی بری اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی یہ نسبت بھی بری ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الزخرف 43:17) ''جب ان سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جو انھوں نے اللہ کے لیے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ ﴾ ''جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، انھی کے لیے بری باتیں (شایاں) ہیں'' کہ نقص وعیب کو انھی کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے صفت اعلیٰ ہے۔'' یعنی کمال مطلق کو ہر اعتبار سے صرف اسی کی ذات گرامی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿60﴾ ﴾ ''اور وہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔''

تفسیر آیات: 62,61

گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کی جاتی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بندے اگرچہ ظلم کرتے ہیں مگر وہ ان کے ساتھ حلم سے پیش آتا ہے اور اگر وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفت کرنا چاہے تو زمین پر کسی ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑے، یعنی انسانوں کے ساتھ ساتھ زمین پر بسنے والی دیگر تمام مخلوقات کو بھی وہ ہلاک کر دے لیکن اللہ رب ذوالجلال حلم کا معاملہ فرماتا ہے، بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور انھیں ایک مدت تک مہلت دیتا ہے، یعنی ان کی بداعمالیوں کی انھیں فوراً سزا نہیں دیتا اور اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کسی کو بھی باقی نہ چھوڑے ابن جریر رحمہ اللہ نے ابو سلمہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! ظالم کے ظلم کی وجہ سے سرخاب اپنے گھونسلے میں مر جاتا ہے۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 166/14 وشعب الإیمان للبیهقی، فصل فی ذکر ماورد من التشدید فی الظلم: 54/6، حدیث: 7479.

مشرکوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ناپسندیدہ چیزوں کی نسبت کرنا: ارشاد باری ہے: ﴿ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ ﴾ ''اور یہ اللہ کے لیے ایسی چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں۔'' مثلاً: بیٹیاں اور شرکاء جو اللہ کے بندے ہیں۔ جبکہ ان میں سے ہر شخص اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ مال میں اس کا کوئی شریک ہو ﴿ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ﴾ ''اور ان کی زبانیں جھوٹ بکتی ہیں کہ ان کے لیے (قیامت کے دن) بھلائی (نجات) ہوگی۔'' یہ ان کے اس دعوے کی تردید ہے کہ جس طرح انھیں دنیا میں بھلائی حاصل ہے، اسی طرح اگر واقعی قیامت برپا ہوئی تو وہاں بھی انھیں بھلائی نصیب ہوگی، ان کی یہ بات اس طرح ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ ﴾ (ھود 10,9:11) ''اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں، پھر اس سے اس کو چھین لیں تو ناامید (اور) ناشکرا (ہو جاتا ہے) اور اگر ہم تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش (کا مزہ) چکھائیں تو (خوش ہو کر) کہتا ہے کہ (آہا!) سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 50:41) ''اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اس کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہو، اور اگر (قیامت سچ مچ بھی ہو اور) میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو میرے لیے اس کے ہاں بھی اچھائی ہے، پس کافر جو عمل کیا کرتے ہیں وہ ہم ضرور ان کو جتائیں گے اور ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ ﴾ (مریم 77:19) ''بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا کہ (اگر میں از سر نو زندہ ہوا تو بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے (وہاں) ضرور ملے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ ﴾ (الکہف 36,35:18) ''اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا، کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔'' اس فرمان باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں نے عمل تو برے کیے مگر یہ باطل امید رکھی کہ انھیں اپنے ان اعمال کا اچھا بدلہ ملے گا اور یہ محال ہے کہ برے عمل کا بدلہ اچھا ہو، اسی لیے ان کی باطل امید پر پانی پھیرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَا جَرَمَ ﴾ ''کچھ شک نہیں۔'' یقینی بات ہے، یہ ہر صورت میں واقع ہونے والی ہے کہ ﴿ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ ﴾ ''ان کے لیے (دوزخ کی) آگ (تیار) ہے۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴾ 62

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ

اللہ کی قسم! البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے (برے) اعمال ان کے لیے خوش نما کر دیے، چنانچہ

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ

آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿63﴾ اور ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ان پر

لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿64﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ

وہ چیز واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے﴿64﴾ اور اللہ نے آسمان سے

8 ع 5 14 السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿65﴾

پانی نازل کیا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے البتہ نشانی ہے جو سنتے ہیں﴿65﴾

''اور یہ (دوزخ میں) سب سے آگے بھیجے جانے والے ہیں۔'' مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو جہنم میں ڈال کر بھلا دیا جائے گا اور رائیگاں کر دیا جائے گا۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ﴾ (الأعراف 7:51) ''تو جس طرح یہ لوگ اپنے اس دن کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے، اس طرح آج ہم بھی انھیں بھلا دیں گے۔''

قتادہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ﴿مُّفْرَطُوْنَ ﴿62﴾﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھیں دوزخ میں سب سے آگے بھیجا جائے گا۔[2] یعنی یہ فَرْط سے مشتق ہے اور فرَط اسے کہتے ہیں جو گھاٹ کی طرف سب سے پہلے جانے والا ہو۔ اور ان دونوں معنوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ انھیں جہنم میں سب سے آگے بھیجا جائے گا، پھر اس میں ڈال کر انھیں بھلا بھی دیا جائے گا اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

تفسیر آیات:63-65

سابقہ لوگوں کے حالات سے تسلی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے سابقہ امتوں کی طرف بھی جب اپنے پیغمبروں کو بھیجا تو انھوں نے ان کی تکذیب کی تھی تو اے محمد (ﷺ!) آپ کے ان بھائیوں اور پیغمبروں میں آپ کے لیے اسوہ ہے، آپ اپنی قوم کی تکذیب سے دل آزردہ نہ ہوں، مشرکوں نے پیغمبروں کی تکذیب اس لیے کی تھی کہ شیطان نے انھیں اس بات پر اکسایا اور ان کے اس کرتوت کو اس نے مزین کر کے دکھایا تھا: ﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ﴾ ''تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے۔'' یہ اپنی ان بداعمالیوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے مستحق ہیں، شیطان ان کا دوست ہے، وہ انھیں عذاب سے بچا نہیں سکے گا، نہ کوئی اور ہی ان کی مدد کرے گا، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

نزولِ قرآن کا مقصد: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ اس نے یہ کتاب آپ پر اس لیے

[1] تفسیر الطبری: 169,168/14. [2] تفسیر الطبری: 169/14.

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا

اور بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت (غور و فکر کا سامان) ہے۔ ہم تمھیں پلاتے ہیں اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور لہو کے

خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿66﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا

بیچ سے خالص دودھ، پینے والوں کے لیے آسانی سے (حلق میں) اتر جانے والا ہے ﴿66﴾ اور کھجوروں اور انگوروں کے کچھ پھل وہ ہیں جن سے تم

وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿67﴾

نشہ (آور شراب) اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ﴿67﴾

نازل فرمائی ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے واضح فرما دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، قرآن مجید ہی لوگوں کے تمام تنازعات و اختلافات میں فیصلہ کن ہے۔ ﴿ وَهُدًى ﴾ علاوہ ازیں یہ دلوں کے لیے ہدایت اور ﴿ وَّرَحْمَةً ﴾ عمل کرنے والوں کے لیے رحمت ہے۔ ﴿ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿64﴾ ﴾ اور وہ لوگ اسے مانتے بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کفر کی وجہ سے مردہ ہو جانے والے دلوں کے لیے قرآن مجید کو حیات آفریں بنا دیا ہے، اسی طرح وہ مردہ ہو جانے والی زمین پر آسمان سے بارانِ رحمت نازل فرما کر اسے زندہ و شاداب بنا دیتا ہے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿65﴾ ﴾ ''بے شک اس میں سننے والوں کے لیے نشانی ہے۔'' یعنی ان کے لیے جو کلام اور اس کے معنی کو سمجھتے ہیں۔

تفسیر آیات: 67,66

چوپاؤں، کھجوروں اور انگوروں میں بھی عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ لَكُمْ ﴾ ''اور بلاشبہ تمھارے لیے'' اے لوگو! ﴿ فِي الْاَنْعَامِ ﴾ ''چوپاؤں میں بھی۔'' یعنی اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں میں ﴿ لَعِبْرَةً ؕ ﴾ ''مقام عبرت (غور) ہے۔'' یعنی ان کا وجود بھی ان کے خالق کی حکمت، قدرت اور لطف و رحمت کی نشانی ہے۔ ﴿ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ ﴾ ''ان کے پیٹوں میں جو ہے، اس سے ہم تم کو پلاتے ہیں۔'' یہاں ﴿ بُطُوْنِهٖ ﴾ میں مفرد (مذکر) کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، اس لیے کہ اس کا مرجع یا تو معنی نَعَم (جانور) ہے یا پھر اس لیے کہ اس کا مرجع حیوان ہے کیونکہ سارے چوپائے ہی حیوان ہیں اور معنی یہ ہیں کہ ہم تمھیں اس حیوان کے پیٹ سے دودھ پلاتے ہیں، (اسی طرح کی) ایک دوسری آیت میں: ﴿ بُطُوْنِهَا ﴾ (المؤمنون 21:23) (جمع کے لیے استعمال ہونے والی واحد مونث کی ضمیر ھا بھی استعمال کی گئی ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ) یہاں ان دونوں طرح کی ضمیروں کا استعمال جائز ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے: ﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴾ (عبس 12,11:80) ''ہرگز نہیں! یہ (قرآن) نصیحت ہے، پس جو چاہے اسے یاد رکھے۔'' (اس میں پہلے مؤنث کی ھا ضمیر اور سورۂ مدثر، آیت: 54 میں پھر مذکر کی ضمیر ''ہ'' آئی ہے) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ ﴾ (النمل 36,35:27) ''اور میں ان کی طرف کوئی تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں، پھر جب سلیمان کے پاس آیا......'' یعنی مال۔ (یہاں بھی هَدِيَّةٌ مؤنث ہے، پھر اسی کے لیے جآء مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔)

گوبر اور لہو کے درمیان سے دودھ کا نکلنا: اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا﴾ ''گوبر ورلہو کے درمیان سے خالص دودھ (ہم تم کو پلاتے ہیں۔)'' یعنی حیوان کے پیٹ میں جو گوبر اور لہو ہے، وہ دودھ کی سفیدی، ذائقے اور حلاوت سے الگ رہتا ہے جب معدے میں غذا ہضم ہو جاتی ہے تو ہر چیز اپنی اپنی جگہ چلی جاتی ہے، خون رگوں میں چلا جاتا ہے، دودھ پستانوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، پیشاب مثانے کا رخ کرتا ہے اور گوبر باہر نکل جاتا ہے۔ معدے سے الگ ہونے کے بعد ان میں سے کسی ایک چیز کی دوسری میں قطعاً آمیزش نہیں ہوتی ہے اور نہ کوئی ایک چیز دوسری سے مل کر متغیر ہوتی ہے۔ ﴿لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶﴾ ''خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے حلق سے آسانی سے اتر جانے والا ہے۔'' کہ کوئی بھی اسے ناخوشگوار نہیں سمجھتا۔

اللہ تعالیٰ نے جب دودھ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے اسے لوگوں کے لیے ایک خوشگوار مشروب بنا دیا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیگر مشروبات کا بھی ذکر فرمایا جنھیں لوگ کھجور اور انگور کے پھلوں سے بناتے ہیں اور شراب بھی کشید کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے یہ آیت کریمہ تحریم شراب کے حکم سے پہلے نازل ہوئی ہے، اسی لیے مشروبات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا﴾ ''اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ ان سے شراب بناتے ہو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب جائز تھی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت کھجور اور انگور کی شراب میں کوئی فرق نہ تھا، نیز گندم، جو، چنا اور شہد سے بنائی جانے والی شرابوں میں بھی کوئی فرق نہ تھا جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔[1]

فرمانِ باری ہے: ﴿سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ ''شراب (بناتے ہو) اور عمدہ رزق (کھاتے ہو۔)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سَکَر سے مراد وہ ہے جو ان کے پھلوں میں سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور رزق حسن سے مراد وہ ہے جو ان کے پھلوں میں سے حلال قرار دیا گیا ہے۔[2] اور ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ سکر سے مراد حرام اور رزق حسن سے مراد حلال ہے۔[3] یعنی ان کے پھلوں کو کھجور اور کشمش کی صورت میں جو خشک کر لیا جائے یا انگور یا کھجور کا شیرہ، سرکہ اور نبیذ، (کھجور، انگور، شہد یا کشمش سے بنایا جانے والا مشروب) بنا لیا جائے تو وہ سکر پیدا ہونے سے پہلے پہلے حلال مشروب ہے جیسا کہ سنت میں اس کی تفصیل موجود ہے۔[4]

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷﴾ ''جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے ان (چیزوں) میں (اللہ کی قدرت کی)

---

① صحيح البخاري، المغازي ، باب بعث أبي موسى……، حديث:4343 وصحيح مسلم، الأشربة ، باب بيان أن كل مسكر ……، حديث: 1733 بعد الحديث:2001. ② تفسير الطبري: 176/14. ③ تفسير الطبري: 177/14.
④ صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسىٰ……، حديث:4343 وصحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر……، حديث: 1733 وسنن أبي داود، الأشربة ، باب الخمر مماهي ، حديث: 3677و3684.

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿68﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ تو پہاڑوں میں گھر (چھتے) بنا اور درختوں میں اور ان میں، جو (لوگ) چھپر بناتے ہیں ﴿68﴾

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

پھر ہر قسم کے پھلوں (اور پھولوں) سے کھا (رس چوس)، پھر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر چل۔ ان کے پیٹوں سے مختلف رنگوں

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿69﴾

کا مشروب (شہد) نکلتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بے شک اس میں بھی غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے ﴿69﴾

نشانی ہے۔'' یہاں عقل کا ذکر ہی مناسب تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، ان میں یہ سب سے اشرف ہے، یہی وجہ ہے کہ عقل کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے تمام نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۙ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ 36:34-36) ''اور اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس میں چشمے جاری کر دیے تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا تو پھر کیا یہ شکر نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔''

تفسیر آیات: 69,68

شہد کی مکھی اور اس کے شہد میں بھی عبرت ہے: وحی سے یہاں الہام و رہنمائی مراد ہے اور شہد کی مکھی کے لیے یہ رہنمائی کہ وہ ٹھکانا حاصل کرنے کے لیے پہاڑوں، درختوں اور اونچی اونچی ٹٹیوں میں گھر بنا لیتی ہے۔ شہد کی مکھیوں کے یہ گھر بے حد مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی خلل نظر نہیں آتا، پھر اللہ تعالیٰ نے تسخیری اور قدری طور پر انھیں یہ اجازت دے دی کہ وہ ہر قسم کے پھلوں کو کھائیں اور ان رستوں پر چلی جائیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے صاف اور ہموار کر دیا ہے، یعنی اس عظیم الشان فضا، دور دراز کے جنگلات، وادیوں اور بلند و بالا پہاڑوں میں آنے جانے کے لیے رستوں کو آسان اور صاف کر دیا ہے کہ ان رستوں پر چل کر دائیں بائیں بھٹکے بغیر ایک ایک مکھی بڑی آسانی کے ساتھ اپنے گھر لوٹ آتی ہے جہاں اس کے بچے بھی ہوتے ہیں اور شہد بھی، وہ اپنے پروں سے موم بناتی اور اپنے منہ سے شہد نکالتی اور اپنی پیٹھ سے بچوں کے انڈے دیتی ہے، پھر اپنی چراگاہوں میں آسانی سے چلی جاتی ہے۔

قتادہ اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے ﴿فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ﴾ ''اور اپنے پروردگار کے صاف رستوں پر چلی جا'' کے بارے میں کہا کہ مطیع و فرمانبردار ہو کر چلی جا۔ انھوں نے ﴿ذُلُلًا ؕ﴾ کو ﴿فَاسْلُكِيْ﴾ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے۔ اور ابن زید نے حسب ذیل آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ 36:71,72) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا جو چیزیں

ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں، ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے اور یہ ان کے مالک ہیں؟ اور ہم نے ان کو ان کے مطیع وفرمانبردار کر دیا تو کوئی تو ان میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں۔'' اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ لوگ شہد کی مکھیوں کو ان کے گھروں سمیت ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جاتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے لیکن پہلا قول زیادہ نمایاں ہے کہ ﴿ ذُلُلًا ﴾ ﴿ سُبُلَ ﴾ سے حال ہے، یعنی اس رستے پر چلی جا جسے تیرے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔ مجاہد سے بھی صراحت کے ساتھ یہی قول منقول ہے۔ امام ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ دونوں قول ہی صحیح ہیں۔ ①

شہد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ ''ان کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔'' کھانے کی چیزوں کے مختلف رنگ ہونے کی وجہ سے شہد کے بھی سفید، زرد اور سرخ وغیرہ مختلف خوبصورت رنگ ہوتے ہیں۔ اور فرمایا: ﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ ''اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔'' شہد میں لوگوں کو پیش آنے والی کئی بیماریوں کی شفا ہے۔ طب نبوی ﷺ کے موضوع پر لکھنے والے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر یہاں یہ کہا جاتا کہ [فِيهِ الشِّفَاءُ لِلنَّاسِ] ''اس میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی شفا ہے۔'' تو یہ ہر بیماری کی دوا ہوتا لیکن اس کے بجائے یہاں یہ فرمایا ہے کہ ﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی یہ تمام ٹھنڈی بیماریوں کے لیے موزوں ہے کیونکہ یہ گرم ہے اور کسی شے کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے۔

شہد کے ذریعے سے علاج معالجہ: امام بخاری اور مسلم نے صحیحین میں بروایت قتادہ، ابومتوکل علی بن داود ناجی سے اور انھوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میرے بھائی کو اسہال (دست، پیچش) ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [اِسْقِهِ عَسَلًا] ''اسے شہد پلاؤ۔'' اس نے اسے شہد پلا دیا، پھر واپس آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں نے اسے شہد پلایا مگر اس سے اسہال میں اور اضافہ ہو گیا ہے، آپ ﷺ نے اس سے تین مرتبہ یہ فرمایا، پھر چوتھی دفعہ آیا تو عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسے شہد پلایا مگر اس کا اسہال بڑھتا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، اِسْقِهِ عَسَلًا] ''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور تمھارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔ جاؤ! اسے شہد پلاؤ'' اس نے اسے شہد پلایا اور اس سے وہ صحیح ہو گیا۔ ②

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میٹھی چیز اور شہد پسند تھا۔ ③ یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ اور صحیح بخاری ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلشِّفَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي

① تفسير الطبري: 184/14. ② صحيح البخاري، الطب، باب الدواء بالعسل ......، حديث: 5684 وصحيح مسلم، السلام، باب التداوي بسقي العسل، حديث: 2217. ③ صحيح البخاري، الأشربة، باب شراب الحلواء والعسل، حديث: 5614 وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الكفارة......، حديث: (21)-1474.

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ

اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا، پھر وہی تمھیں وفات دیتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ناکارہ عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ وہ علم کے بعد کچھ نہ جانے،

عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿70﴾ ع 9/5/15

بے شک اللہ خوب جاننے والا، خوب قدرت والا ہے ﴿70﴾

شَرْطَةِ مِحْجَمٍ، أَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ، أَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ، وَأَنْهٰى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ] ''شفا تین چیزوں میں ہے: (1) سینگی کے نشتر میں۔ (2) یا شہد کے گھونٹ میں۔ (3) یا آگ سے داغ دینے میں۔ اور میں اپنی امت کو داغ دینے سے منع کرتا ہوں۔''[1]

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿69﴾ ﴾ ''بے شک سوچنے والوں کے لیے اس میں بھی نشانی ہے۔'' یعنی اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی ان کمزور سی مکھیوں کو الہام فرمایا کہ وہ ان صاف رستوں پر چلیں، تمام پھلوں کو کھائیں اوران سے موم اور شہد جمع کریں جو ایک بے حد پاکیزہ چیز ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو شہد کی مکھیوں کے پیدا کرنے والے، ان کے لیے اندازے مقرر فرمانے والے، ان کے لیے مسخر کرنے والے اوران کے لیے آسانی پیدا کر دینے والے کی عظمت کے بارے میں سوچتے ہیں اوراس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ وہی فاعل، قادر، حکیم، علیم، کریم اور رحیم ہے۔

تفسیر آیت:70

انسان بھی مقام عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں اپنے تصرف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہی انھیں عدم سے وجود بخشتا ہے، پھر وہی انھیں فوت کرتا ہے اور بعض کو لمبی عمر عطا فرماتا ہے کہ وہ انتہائی بوڑھے اور بے حد کمزور ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ○ ﴾ (الروم 54:30) ''اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو (ابتدا میں) کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی، پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ صاحب دانش، صاحب قدرت ہے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ ﴾ ''تاکہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔'' یعنی پہلے جانتے ہوتے ہیں، پھر بڑھاپے کے باعث سب کچھ بھول جاتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: [أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ (وَالْهَرَمِ)، وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ] ''(اے اللہ!) میں بخل، سستی، بڑھاپے، بدترین عمر، عذاب قبر، دجال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، الطب، باب الشفاء في ثلاث، حديث: 5681. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى ...... ﴾ (النحل 70:16)، حديث: 4707 اور قوسین والا لفظ صحیح بخاری ہی کی حدیث: 2823 میں ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ

اور اللہ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، پھر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنا رزق ان لوگوں کی طرف نہیں

رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾

لوٹانے والے جن کے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں کہ وہ اس (رزق) میں برابر ہوں۔ کیا پھر وہ اللہ کی نعمتوں ہی کے منکر ہیں؟ (71)

زہیر بن ابوسُلمٰی نے اپنے مشہور معلقہ میں کہا ہے ۔

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَّعِشْ ثَمَانِينَ عَامًا لَّا أَبًا لَّكَ يَسْأَمِ

''میں زندگی کی تکلیفوں سے اکتا گیا ہوں اور جو بھی (میری طرح) اسی 80 سال زندہ رہے گا، تیرا باپ نہ رہے، وہ لازماً اکتا ہی جاتا ہے۔''

رَأَيْتُ الْمَنَايَا خَبْطَ عَشْوَاءَ مَنْ تُصِبْ تُمِتْهُ وَمَنْ تُخْطِئْ يُعَمَّرْ فَيَهْرَمِ

''میں موت کو اندھی اونٹنی کی طرح دیکھتا ہوں کہ جس کو وہ پالے اسے مار دیتی ہے اور جس سے وہ چوک جائے اس کی عمر بڑھا دی جاتی ہے اور وہ نہایت بوڑھا ہو جاتا ہے۔''[1]

تفسیر آیت: 71

امور معیشت نشانی اور نعمت ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مشرکین پر ان کے اس جہل و کفر کو خوب واضح کر دیا جو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیتے تھے، حالانکہ وہ اس بات کا بھی اعتراف کرتے تھے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں جیسا کہ حج کے تلبیے میں وہ کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ...... لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرے لیے ہو، تو اس کا مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہم نے تمھیں جو رزق دیا ہے، اس میں تمھارے غلام بھی تمھارے ساتھ شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو کیسے پسند فرمائے گا کہ الٰہیت اور تعظیم میں اس کے بندے اس کے شریک بن جائیں؟ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ (الروم 28:30) ''اس نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ بھلا جن (لونڈیوں یا غلاموں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے ہیں وہ اس (مال) میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے تمھارے شریک ہیں؟ تو (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو؟ (اور کیا) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنے (ہمسر) لوگوں سے؟''

---

(1) شرح القصائد التسع المشهورات، قصیدة زهير: 353,352/1 . (2) صحيح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، حديث: 1185 عن ابن عباس ﷺ.

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً

اور اللہ نے تمھارے لیے تمھی میں سے بیویاں بنائیں اوراسی نے تمھارے لیے تمھاری بیویوں سے بیٹے اور پوتیاں پوتے بنائے

وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿72﴾

اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿72﴾

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے غلاموں کو تو اپنے مالوں اور اپنی عورتوں میں شریک نہیں بناتے تو میرے غلاموں کو میری سلطنت میں کیوں شریک بناتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾﴾ ''تو کیا یہ لوگ نعمت الٰہی کے منکر ہیں؟''[1] اور آپ سے دوسری روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے لیے اس چیز کو کس طرح پسند کرتے ہو جسے تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے![2]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾﴾ یعنی یہ اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں، کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں تو اس بنا پر انھوں نے اس کی نعمت کا انکار کر دیا اور اس کے ساتھ غیر کو شریک بنایا۔ حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام یہ خط لکھا: دنیا میں اپنے رزق پر قناعت کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو بعض پر رزق میں جو فضیلت دی ہے تو یہ بھی اس کی طرف سے آزمائش ہے جس کے ساتھ وہ ہر ایک کو آزماتا ہے جسے وہ رزق کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو اس کے لیے آزمائش یہ ہے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس رزق سے نوازا ہے، اس کے حق کو وہ ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب قرار دیا ہے![3] اس کو ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

تفسیر آیت: 72

بیویاں، بیٹے اور پوتے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اس نے ان کے لیے انھی میں سے ان کی جنس اور شکل کی بیویاں پیدا فرمائیں اگر بیویاں کسی اور جنس سے ہوتیں تو پھر الفت، محبت اور مہربانی حاصل نہیں ہوسکتی تھی، اس لیے اس نے اپنی رحمت کے ساتھ بنی آدم میں سے مرد اور عورتیں پیدا فرما دیں، عورتوں کو مردوں کی بیویاں بنا دیا اور بیویوں سے اس نے بیٹے اور پوتے پیدا فرما دیے۔ حَفَدَة کے معنی پوتے کے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، حسن، ضحاک اور ابن زید کا قول ہے۔[4] شعبہ نے ابوبشر سے، انھوں نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾ کے معنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے ہیں۔[5] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان الفاظ کے معنی خادموں اور مددگاروں کے ہیں۔[6] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے معنی دو بہنوں کے ہیں۔[7] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے معنی

---

[1] تفسیر الطبری: 187/14. [2] تفسیر الطبری: 187/14. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2291/7. [4] تفسیر الطبری: 190-192/14. [5] تفسیر الطبری: 192/14. [6] تفسیر الطبری: 191/14. [7] تفسیر الطبری: 189,188/14.

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا

اوروہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جنھیں آسمانوں اورزمین سے ان کے لیے کسی رزق کا کوئی اختیار نہیں اور نہ وہ (اس کی)

وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿73﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾

استطاعت ہی رکھتے ہیں ﴿73﴾ چنانچہ تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿74﴾

سسرال کے ہیں۔[1] جس نے ﴿ وَحَفَدَةً ﴾ کو ازواج سے متعلق قرار دیا ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس سے مراد اولاد، اولاد کی اولاد اور سسرال مراد ہوں کیونکہ وہ بیٹیوں کے شوہر ہیں یا بیوی کی اولاد ہیں۔

اور فرمان ہے: ﴿ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ﴾ ''اور (کھانے کو) تمھیں پاکیزہ چیزیں دیں۔'' یعنی کھانے پینے کی تمھیں بہت عمدہ چیزیں دیں، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جنھوں نے اس مُنعم حقیقی کی عبادت میں غیروں کو اس کا شریک بنایا: ﴿ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''تو کیا یہ بے اصل چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں؟'' باطل اور بے اصل چیزوں سے مراد مشرکین کے انداد واصنام ہیں۔ ﴿ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں؟'' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو چھپاتے اور غیر اللہ کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے بندے کو اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمائے گا: [أَلَمْ أُكْرِمْكَ...... وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ، وَالْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟] ''کیا میں نے تیری عزت افزائی نہیں کی تھی؟...... اور کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ اور کیا میں نے اونٹ اور گھوڑوں کو تیرے مطیع وفرمانبردار نہیں کر دیا تھا؟ اور کیا میں نے تجھے ایسے نہیں چھوڑا تھا کہ تو سرداری کرتا اور حسب خواہش تصرف کرتا تھا؟''[2]

تفسیر آیات: 74,73

غیر اللہ کی عبادت سے انکار: اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نعمتوں سے سرفراز فرمانے والا، فضل وکرم سے نوازنے والا، پیدا فرمانے والا اور رزق دینے والا تو وحدہ لاشریک ہے مگر اس کے باوجود مشرکین اسے چھوڑ کر بتوں اور اصنام وانداد کی پرستش کرتے ہیں۔ ﴿ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا ﴾ ''جو ان کو آسمانوں اور زمین میں روزی (دینے) کا ذرا سا اختیار نہیں رکھتے۔'' انھیں نہ بارش نازل کرنے کی قدرت ہے اور نہ فصلوں اور درختوں کے اگانے کی بلکہ اپنے لیے بھی انھیں کسی چیز کا اختیار نہیں ہے، اپنی مرضی اور ارادے کے مطابق وہ کوئی چیز نہیں بنا سکتے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ ﴾ ''تو (لوگو) اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ۔'' یعنی اس کے شریک، اشباہ اور ہم مثل نہ بناؤ۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾ ﴾ ''بے شک اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں

---

[1] تفسیر الطبری: 189/14. [2] صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حدیث: 2968.

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا

اللہ نے مثال بیان کی ایک غلام مملوک کی جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اور (دوسرا) وہ جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا،

حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

چنانچہ وہ اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔کیا وہ دونوں برابر ہیں؟ تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے، بلکہ ان کے اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾

(یہ حقیقت بھی) نہیں جانتے ﴿75﴾

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى

اور اللہ نے دوشخصوں کی (ایک اور) مثال بیان کی، ان میں سے ایک گونگا (اور بہرا) ہے، وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، جبکہ وہ اپنے آقا پر

مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ

ایک بوجھ ہے، جہاں کہیں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی خیر وبھلائی نہیں لاتا۔ اور کیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے اور

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿76﴾ ع 10/6/16

وہ صراط مستقیم پر ہے؟ ﴿76﴾

جانتے۔'' اور خبردار کرتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر اپنی جہالت کی وجہ سے تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔

تفسیر آیت: 75

مومن اور کافر یا بت اور حق کی مثال: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ کافر و مومن کی مثال بیان فرمائی ہے، امام قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[1] امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] وہ غلام جو بالکل دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، یہ کافر کی مثال ہے اور وہ شخص جس کو بہت سا رزقِ حسن دیا گیا ہو اور وہ اس سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا رہتا ہو تو وہ مومن ہے۔ ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ بت کے لیے اور حق تعالیٰ کے لیے مثال بیان کی گئی ہے کہ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔[3] دونوں میں فرق جب ظاہر، واضح اور حد درجہ نمایاں ہے تو کوئی غبی اور کند ذہن ہی اس سے ناواقف رہ سکتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾﴾ ''تمام تعریف اللہ کے لیے ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔''

تفسیر آیت: 76

ایک اور مثال: مجاہد کہتے ہیں کہ اس مثال سے بھی مراد بت اور حق تعالیٰ ہیں۔[4] یعنی بت گونگا ہے، وہ نہ گفتگو کرتا ہے، نہ خیر کی کوئی بات کرتا ہے نہ کوئی اور بات اور کسی بھی چیز کی قطعاً کوئی قدرت نہیں رکھتا، الغرض! نہ کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ کوئی کام، پھر وہ اپنے آقا کے لیے سراسر بوجھ اور کلفت ہے۔ ﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ﴾ ''وہ جہاں اسے بھیجتا ہے، بھلائی

[1] تفسیر الطبری: 14/196. [2] تفسیر الطبری: 14/198. [3] تفسیر الطبری: 14/197. [4] تفسیر الطبری: 14/197.

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ

اور اللہ ہی کے پاس آسمانوں اور زمین کا غیب ہے، اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی قریب تر،

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿77﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ

بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿77﴾ اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے

وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ

تھے، اور اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو ﴿78﴾ کیا انھوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، وہ آسمانی فضا

مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

میں مسخر (تابع فرمان) ہیں۔ اللہ کے سوا، انھیں (فضا میں) کوئی نہیں تھام رہا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے البتہ نشانیاں ہیں

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿79﴾

جو ایمان لاتے ہیں ﴿79﴾

نہیں لاتا۔'' اور کبھی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا۔ ﴿ هَلْ يَسْتَوِيْ ﴾ ''کیا وہ برابر ہے؟'' جس کی یہ صفات ہوں؟ ﴿ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ ﴾ ''اور جو (لوگوں کو) انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے؟'' یعنی اس کا قول بھی حق ہے اور اس کا فعل بھی درست ہے۔ ﴿ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿76﴾ ﴾ ''اور خود سیدھے رستے پر ہے؟'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلی مثال کی طرح یہ بھی کافر اور مومن کی مثال ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کی جانے والی بھی کافر اور مومن کی مثال ہے۔ [1]

تفسیر آیات:77-79

غیب اور قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے: اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے بارے میں اپنے کمال علم و قدرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور علم غیب اسی کا خاصہ ہے، اس کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں مگر یہ کہ وہ کسی کو کسی چیز کے بارے میں مطلع فرما دے، اس کی قدرت کاملہ کی کرشمہ سازی یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ○ ﴾ (القمر 54:50) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔''

یعنی وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے، وہ آنکھ جھپکنے میں ہو جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿77﴾ ﴾ ''اور (اللہ کے نزدیک) قیامت کا معاملہ یوں ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ (اس سے بھی) قریب تر، کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ ﴾ (لقمٰن 31:28) ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور (دوبارہ) اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔''

[1] تفسیر الطبری: 14/196 و 198.

کان، آنکھیں اور دل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انھیں جب ان کی ماؤں کے پیٹ سے نکالا تو وہ کچھ نہیں جانتے تھے، پھر اس نے انھیں کان عطا فرمائے جس سے وہ آوازوں کو سنتے ہیں، آنکھیں عطا فرمائیں جن سے وہ مرئی اشیاء کو دیکھتے ہیں اور دل عطا فرمائے۔ ﴿وَالْأَفْـِٕدَةَ﴾ کے معنی عقول کے ہیں جن کا مرکز صحیح قول کے مطابق انسان کا دل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقل کا مرکز دماغ ہے، عقل ہی سے انسان نقصان دہ اور نفع بخش اشیاء میں تمیز کرتا ہے۔ یہ قوتیں اور حواس انسان کو تھوڑا تھوڑا کر کے تدریجاً حاصل ہوتے ہیں، جیسے جیسے انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس کی قوتِ سماعت و بصارت اور عقل بڑھتی جاتی ہے حتی کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ قوتیں اور حواس اس لیے عطا فرمائے ہیں تاکہ اس کے لیے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے کی قوت حاصل ہو جائے اور وہ اپنے ہر عضو اور ہر قوت سے اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت و بندگی میں کام لے سکے۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُبِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَ تَهٗ]

''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں نے اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا اور میرا بندہ جن چیزوں کے ساتھ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں میری فرض کردہ چیزوں سے زیادہ محبوب مجھے اور کوئی چیز نہیں ہے اور بندہ نوافل ادا کر کے میرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں (اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں) تو میں اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا وہ ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا وہ پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دوں گا اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا اور میں جن چیزوں کو کر گزرتا ہوں، ان میں سے کسی چیز کے بارے میں کبھی بھی مجھے ایسا تردد نہیں ہوا جس طرح کا تردد مومن بندے کی روح (قبض کرنے) کے وقت ہوتا ہے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں اسے تکلیف دوں۔''[1]

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بندہ جب اخلاص کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت بجالائے تو اس کے سارے افعال اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سنتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دیکھتا ہے، یعنی اس چیز کی طرف دیکھتا ہے جس کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے لیے پکڑتا ہے اور اسی کے لیے چلتا ہے اور

---

① صحیح البخاری، الرقاق، باب التواضع، حدیث: 6502.

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا

اور اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھر جائے سکونت بنائے اور تمھارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) بنائے جنھیں تم ہلکا سمجھتے ہو

تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ

اپنے کوچ کے دن اور اپنے قیام کے دن اور ان (بھیڑوں) کی اون سے اور ان (اونٹوں) کی پشم سے اور ان (بکریوں) کے بالوں سے (گھریلو)

اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿80﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

اثاثے اور ایک مدت تک برتنے کی چیزیں (بنائیں) ﴿80﴾ اور اللہ نے اپنی تخلیق کردہ چیزوں سے تمھارے لیے سائے بنائے، اور تمھارے لیے

الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

پہاڑوں میں چھپنے کے مقام (غار) بنائے، اور تمھارے لیے کُرتے بنائے جو تمھیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کُرتے (زرہ بکتر) جو تمھاری لڑائی میں

يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿81﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿82﴾

تمھیں بچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں تمام کرتا ہے، تاکہ تم مطیع ہو جاؤ ﴿81﴾ پھر اگر وہ پھریں تو آپ کے ذمے تو صرف صاف صاف پہنچا

11 ع 7 17 يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿83﴾ ع

دینا ہے ﴿82﴾ وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں ﴿83﴾

ان تمام امور کے بجالانے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتا ہے۔ صحیح بخاری کے سوا بعض دیگر کتب کی روایت میں اس عبارت: ''میں اس کا پاؤں......'' کے بعد یہ الفاظ بھی آئے ہیں: [فَبِيَ يَسْمَعُ، وَبِيَ يُبْصِرُ، وَبِيَ يَبْطِشُ، وَبِيَ يَمْشِي] ''وہ میرے ساتھ ہی سنتا، میرے ساتھ ہی دیکھتا، میرے ساتھ ہی پکڑتا اور میرے ساتھ ہی چلتا ہے۔''[1] اسی لیے فرمایا: ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾﴾ ''اور اس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل (یہ اعضاء) بخشے تاکہ تم شکر کرو۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○﴾ (الملك 23,22:67) ''کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم کم احسان مانتے ہو، کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا اور اسی کے روبرو تم جمع کیے جاؤ گے۔''

فضا میں پرندوں کی تسخیر بھی نشانی ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توجہ آسمان کی ہوا میں مسخر پرندوں کی طرف مبذول کروائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو! پرندے آسمان و زمین کے درمیان کس طرح دو پروں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ فضا میں اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت کے ساتھ انھیں تھامے رکھتا ہے، اس نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا ہے کہ وہ انھیں اٹھا لیتی ہے اور پرندے اڑنا شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ملک میں فرمایا ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ

[1] فتح الباري: 344/11، تحت الحديث: 6502,6501 ونوادر الأصول، الأصل الخامس والسبعون في أن غرس الله......، ص: 115 سند کے بغیر۔

﴿صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ﴾ (الملك 67:19) ''کیا انھوں نے اپنے اوپر (اڑتے) پرندوں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلائے رہتے ہیں اور ان کو سکیڑ بھی لیتے ہیں، اللہ کے سوا انھیں کوئی تھام نہیں سکتا، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ''ایمان والوں کے لیے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیات: 80-83

گھر، کپڑے اور دیگر اسباب اللہ کی نعمتیں ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، اس نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے گھر بنائے ہیں جن میں وہ سکونت اختیار کرتے، ٹھکانا پکڑتے، چھپ جاتے اور ہر طرح کے دیگر فوائد حاصل کرتے ہیں، اس نے ان کے لیے چوپایوں کی کھالوں کے بھی گھر بنا دیے ہیں جن کے ہلکا ہونے کی وجہ سے وہ انھیں سفر میں کام میں لاتے ہیں اور سفر وحضر میں ان سے بنے ہوئے خیموں کو نصب کر لیتے ہیں۔ ﴿تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا﴾ ''جن کو تم ہلکا پا کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اون۔'' یعنی بھیڑوں کی۔ ﴿وَاَوْبَارِهَا﴾ ''اور ان کی پشم'' یعنی اونٹوں کی ﴿وَاَشْعَارِهَآ﴾ ''اور ان کے بالوں سے'' یعنی بکریوں کے۔ ھا ضمیر کا مرجع انعام ہے۔ ﴿اَثَاثًا﴾ ''اسباب'' یعنی ان سے تم اَثاثہ بناتے ہو، اس سے مراد مال ہے۔[1] دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد ساز وسامان۔[2] اور تیسرے قول کے مطابق اس سے مراد کپڑے ہیں۔[3] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ ان سب کی نسبت عام ہے کہ اس سے مراد بچھونے اور کپڑے وغیرہ بھی ہیں اور مال تجارت بھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اثاث کے معنی سامان کے ہیں۔[4] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، عطیہ عوفی، عطاء خراسانی، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] ﴿اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾ ''ایک مدت تک'' یعنی مدت مقررہ اور وقت معلوم تک تم ان سے فائدے اٹھاتے اور انھیں اپنے کام میں لاتے ہو۔

سائے، پہاڑ اور قمیصیں بھی اللہ کی نعمتیں ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا﴾ ''اور اللہ ہی نے تمھارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے سائے بنائے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد درخت ہیں۔[6] ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ ''اور اسی نے تمھارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے۔'' قلعے اور سرنگیں بنائیں۔ ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ﴾ ''اور اسی نے تمھارے لیے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں۔'' یعنی روئی، کتان اور اون سے بنے ہوئے کپڑے، ﴿وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ﴾ ''اور قمیصیں جو تم کو جنگ سے محفوظ رکھتی ہیں۔'' جیسے چپٹے لوہے کی زرہیں اور خودیں وغیرہ۔ ﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾ ''اسی طرح اللہ اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے۔'' یعنی اسی طرح

---

[1] تفسیر الطبری: 202/14. [2] تفسیر الطبری: 202/14. [3] تفسیر الطبری: 202/14. [4] تفسیر الطبری: 202/14. [5] تفسیر الطبری: 202/14 و 148,147/16. [6] تفسیر الطبری: 203/14.

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿84﴾

اور (یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، پھر جنھوں نے کفر کیا، انھیں اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ ہی کا

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿85﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ

مطالبہ کیا جائے گا ﴿84﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب دیکھ لیں گے تو نہ ان سے (عذاب میں) تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے

أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا

گی ﴿85﴾ اور جن لوگوں نے شرک کیا جب وہ اپنے (خودساختہ) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک ہیں جنھیں ہم

إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿86﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا

تیرے سوا پکارتے تھے۔ تب وہ (شریک) ان کی بات ان کی طرف پھینک ماریں گے (اور کہیں گے:) بلاشبہ تم تو یقیناً جھوٹے ہو ﴿86﴾ اور اس دن وہ اللہ

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿87﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

کے حضور میں اپنی فرماں برداری (عاجزی) پیش کریں گے، اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا جو وہ جھوٹ گھڑتے تھے ﴿87﴾ جنھوں نے کفر کیا اور

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿88﴾

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم انھیں عذاب پر عذاب زیادہ دیں گے، اس لیے کہ وہ فساد کرتے تھے ﴿88﴾

تمھارے لیے ایسی چیزیں بناتا ہے جنھیں تم اپنے کام میں لاتے ہو جن کی تمھیں ضرورت ہوتی ہے اور جو اس کی طاعت اور عبادت کے سلسلے میں تمھارے لیے مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿81﴾﴾ ''تاکہ تم فرمانبردار بنو۔'' جمہور نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اور انھوں نے ﴿تُسْلِمُونَ ﴿81﴾﴾ کو اسلام (بابِ افعال) سے لام کے کسرے کے ساتھ پڑھا ہے۔

پیغمبر کا کام پیغام پہنچانا ہے: ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں۔'' اس بیان کے بعد اور اس احسان کے بعد تو پھر ان کی ذمے داری آپ پر نہیں، ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿82﴾﴾ ''تو (اے پیغمبر!) آپ پر فقط کھلا کھلا پہنچا دینا ہے۔'' اور آپ نے اس فرض کو ادا کر دیا ہے۔ ﴿يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا﴾ ''یہ اللہ کی نعمتوں سے واقف ہیں مگر (واقف ہو کر) ان سے انکار کرتے ہیں۔'' یعنی یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان پر احسان و انعام فرمانے والا ہے اور اسی نے انھیں فضل و کرم سے نوازا ہے لیکن اس کے باوجود یہ اس کا انکار کرتے، اس کے ساتھ غیروں کی پوجا کرتے اور فتح و نصرت اور رزق کی نسبت غیروں کی طرف کرتے ہیں۔ ﴿وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿83﴾﴾ ''اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔''

تفسیر آیات: 84-88

حشر کے دن مشرکین کا حال: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر قیامت کے دن مشرکین کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس دن وہ ہر امت پر ایک گواہ کھڑا کرے گا اور وہ گواہ اس امت کا نبی ہوگا اور وہ نبی گواہی دے گا کہ جب انھوں نے اللہ کے پیغام کو پہنچایا تو امت نے انھیں کیا جواب دیا تھا؟ ﴿لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ''پھر کفار کو اجازت نہیں ملے گی'' کہ وہ کوئی عذر پیش کریں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جو بھی عذر پیش کریں گے وہ باطل اور جھوٹ ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿هَذَا يَوْمُ

لَا يَنْطِقُوْنَ ۙ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ○ ﴾ (المرسلٰت 77:35،36) ''یہ وہ دن ہے کہ وہ (لوگ) بول نہیں سکیں گے اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿84﴾ ﴾ ''اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ ہی کیا جائے گا۔'' ﴿ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ ﴾ ''اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں گے۔'' یعنی وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا تھا، ﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ ﴾ ''تو پھر نہ تو ان سے (عذاب میں) تخفیف کی جائے گی۔'' ایک لحہ بھر کے لیے بھی ان سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ ﴿ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔'' ان سے عذاب کو مؤخر نہیں کیا جائے گا بلکہ عذاب جلدی سے میدان حشر ہی سے بلا حساب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔ جہنم کو (جب میدان حشر میں) لایا جائے گا تو اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ باندھ کر لایا جائے گا اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتوں نے تھام رکھا ہوگا۔[1] جہنم سے ایک گردن نکل کر مخلوق کو جھانکے گی اور وہ ایک ایسا گرم سانس لے گی کہ ہر شخص گھٹنوں کے بل گر جائے گا اور جہنم کہے گا کہ مجھے ہر جابر اور سرکش پر مسلط کر دیا گیا ہے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود بنا تا رہا ہے اور فلاں فلاں پر بھی مسلط کر دیا گیا ہے۔ جہنم مختلف قسم کے لوگوں کا ذکر کرے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، پھر جہنم ان لوگوں کو میدان حشر سے اس طرح اچک لے گا جس طرح پرندہ (دانے کو اچک لیتا ہے۔)[2]

جہنم کی ہولناکیاں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ○ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ؕ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ○ ﴾ (الفرقان 25:12-14) ''جس وقت وہ ان کو دور سے دیکھے گا تو (غضب ناک ہو رہا ہوگا اور یہ) اس کی سخت غصیلی آواز اور چیخنے چلانے کو سنیں گے اور جب یہ لوگ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے، آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ○ ﴾ (الكهف 18:53) ''اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ ﴾ (الأنبيآء 21:39،40) ''اے کاش! کافر اس وقت کو جانیں جب وہ اپنے چہروں سے (دوزخ کی) آگ کو روک نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے، اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی بلکہ قیامت ان پر ناگہاں آ واقع ہوگی تو ان کے ہوش کھو دے گی، پھر نہ تو وہ اس کو ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔''

مشرکین کے معبودوں کا ان سے اظہار براءت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کے معبود اس وقت ان سے

---

[1] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها ......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث:2842. [2] مسند أحمد: 110/6 وحلية الأولياء، ترجمة كعب الأحبار: 409/5.

براءت کا اظہار کر دیں گے جبکہ ان کی انھیں شدید ضرورت ہوگی۔ ﴿ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ ﴾ ''اور جب مشرک اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے۔'' جن کی وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے ﴿ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ ''کہیں گے: ہمارے پروردگار! یہ وہی ہمارے شریک ہیں جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے تو وہ (ان کی) بات ان کی طرف دے ماریں گے (اور کہیں گے کہ) یقیناً تم جھوٹے ہو۔'' یعنی ان کے معبودان باطلہ ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو ہم نے تمھیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 46:5،6) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ ﴾ (مریم 19:81،82) ''اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و) مددگار ہوں، ہرگز نہیں وہ (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے مخالف (دشمن) ہوں گے۔'' حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے) ﴿ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ ﴾ (العنکبوت 29:25) ''پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دوگے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ﴾ الآية (القصص 28:64) ''اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ۔ تو وہ ان کو پکاریں گے پس وہ ان کو جواب نہیں دیں گے۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

روز قیامت سب اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہو جائیں گے: ارشاد باری ہے: ﴿ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨ السَّلَمَ ﴾ ''اور اس دن اللہ کے سامنے فرمانبرداری پیش کریں گے۔'' قتادہ و عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز ہو کر فرمانبردار ہو جائیں گے۔[1] یعنی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیں گے اور ہر ایک سامع اور مطیع ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ﴾ (مریم 19:38) ''وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے!'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا ﴾ (السجدة 32:12) ''اور (تم تعجب کرو) جب دیکھو کہ مجرم اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ ﴾ (طٰہٰ 20:111) ''اور اس ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والے (اللہ) کے لیے سب چہرے جھک جائیں گے۔'' یعنی ان کے چہرے جھک جائیں

---

[1] تفسیر الطبری: 14/209.

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى

اور (اے نبی! یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں ان پر انھی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ

هٰٓؤُلَآءِ ط وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى

لائیں گے۔ اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی یہ کتاب نازل کی ہے اور جو مسلمانوں کے لیے ہدایت اور

لِلْمُسْلِمِيْنَ ع ﴿89﴾ ع 12 6 18

رحمت اور خوشخبری ہے ﴿89﴾

گے، ذلیل ہو جائیں گے، عاجز و درماندہ ہو جائیں گے، رجوع کریں گے اور سر جھکا دیں گے۔

﴿ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ اِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿87﴾ ﴾ ’’اور اس دن اللہ کے سامنے فرماں برداری پیش کریں گے اور وہ جو افترا باندھا کرتے تھے سب ان سے گم ہو جائے گا۔‘‘ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افتراء باندھتے ہوئے جن کی یہ پوجا پاٹ کیا کرتے تھے، وہ سب ان سے ناپید اور ختم ہو جائیں گے اور ان کے لیے وہاں نہ کوئی معاون و مددگار ہوگا نہ کوئی انھیں عذابِ الٰہی سے بچا سکے گا۔

فسادی کافروں کے عذاب میں اضافہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ ’’جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے، اس لیے کہ شرارت کیا کرتے تھے۔‘‘ یعنی ایک عذاب تو ان کے کفر کی وجہ سے اور دوسرا عذاب لوگوں کو اتباعِ حق سے روکنے کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ﴾ (الأنعام 26:6) ’’وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی پرے رہتے ہیں۔‘‘ یعنی اتباعِ حق سے لوگوں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 26:6) ’’مگر (ان باتوں سے) اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (اس سے) بے خبر ہیں۔‘‘ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے عذاب میں فرق ہوگا جیسا کہ مومنوں کے بھی جنت میں مراتب اور درجات مختلف ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 38:7) ’’اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا مگر تم نہیں جانتے۔‘‘

تفسیر آیت:89

ہر نبی روز قیامت اپنی امت کے بارے میں گواہی دے گا: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ط ﴾ ’’اور (اس دن کو یاد کریں) جس دن ہم ہر امت میں خود انھی میں سے گواہ کھڑے کریں گے اور ہم (اے پیغمبر!) آپ کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔‘‘ یعنی آپ کی امت پر۔ اس دن اور اس کی ہولناکیوں کو یاد کریں اور اس بات کو بھی یاد کریں کہ اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو شرفِ عظیم اور مقامِ رفیع سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ آیت سورۂ نساء کی اس آیت کے مشابہ ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ

كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿ (النساء 41:4) ''بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو بلائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔'' جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک بار تلاوت کرتے ہوئے اسی آیت مبارکہ پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [حَسْبُكَ الْآنَ] ''بس کافی ہے۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ①

قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ''اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے اس حال میں کہ وہ ہر چیز کے لیے مفصل بیان ہے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اس قرآن میں ہر علم اور ہر چیز کو بیان کر دیا گیا ہے۔ ② قرآن مجید میں ہر نافع علم موجود ہے اس میں ماضی کے واقعات ہیں، مستقبل کا علم ہے، حلال و حرام کے احکام بیان کیے گئے ہیں، نیز ہر اس چیز کو بیان کر دیا گیا جس کی لوگوں کو دین، دنیا، معیشت اور آخرت کے اعتبار سے ضرورت تھی۔ ﴿وَّهُدًى﴾ ''اور ہدایت ہے'' دلوں کے لیے ﴿وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿89﴾﴾ ''اور مسلمانوں کے لیے رحمت اور بشارت۔'' امام اوزاعی فرماتے ہیں: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ''اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے اس حال میں کہ وہ ہر چیز کے لیے مفصل بیان ہے۔'' یعنی سنت کے ذریعے سے ہر چیز کے لیے مفصل بیان ہے۔ ③

آیت کریمہ کے اس حصے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ کو ﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ط﴾ کے ساتھ متصل ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ جس ذات گرامی نے آپ پر اس کتاب کو نازل فرمایا ہے اور جس کی تبلیغ کو آپ پر فرض قرار دیا ہے، وہ اس کے بارے میں قیامت کے دن آپ سے پوچھے گا۔ ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿﴾ (الأعراف 6:7) ''تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان سے بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿﴾ (الحجر 93,92:15) ''سو آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ط قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿﴾ (المائدة 109:5) ''(وہ دن یاد رکھنے کے لائق ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب ملا تھا۔ وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں تو ہی عالم الغیب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ط﴾ (القصص 85:28) ''اے پیغمبر! بے شک جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ کی طرف پہنچانے والا ہے۔''

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقاری ......، حديث: 5050 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل استماع القرآن ......، حديث: 800. ② تفسير الطبري: 212/14. ③ الدر المنثور: 240/4.

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔

وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿90﴾

وہ تمھیں وعظ کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت پکڑو ﴿90﴾

یعنی جس ذات گرامی نے آپ پر قرآن کی تبلیغ کو واجب قرار دیا ہے وہ آپ کو اس کی طرف لوٹا دے گا اور قیامت کے دن آپ سے آپ کے فرائض منصبیہ کے بارے میں پوچھے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال میں سے یہ ایک قول ہے اور یہ ایک اچھا قول ہے۔

تفسیر آیت:90

انصاف واحسان کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عدل کا حکم دیا ہے جس کے معنی انصاف اور موازنہ (برابری) کرنا ہے اور احسان کرنے کی طرف اللہ تعالیٰ نے دعوت دی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (النحل 126:16) ”اگر تم بدلہ لو تو برابر اس (تکلیف) کے جو تم ایذا دیے گئے ہو اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۖ﴾ (الشورٰی 40:42) ”اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۖ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۖ﴾ (المآئدة 45:5) ”اور سب زخموں کا (اسی طرح) بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے، تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔“ علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں عدل کا حکم اور احسان کی ترغیب دی گئی ہے۔

صلہ رحمی کا حکم اور بے حیائی و برائی کی ممانعت: ﴿وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ ”اور رشتے داروں کو دینے کا (حکم دیتا ہے۔)“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں صلہ رحمی کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝﴾ (بنی إسرآءیل 26:17) ”اور رشتے داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی مت کرو فضول خرچی کرنا۔“ ﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ﴾ ”اور بے حیائی سے اور برے کاموں اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔“ فواحش سے مراد محرمات اور منکرات سے مراد بے حیائی کے وہ کام ہیں جو کسی کرنے والے سے ظاہر ہوں، اسی لیے دوسری جگہ فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الأعراف 33:7) ”کہہ دیجیے: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ حرام کیا ہے۔“ اور بغی سے مراد لوگوں کے ساتھ دشمنی اور زیادتی کرنا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: [مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ] ”سرکشی اور قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں جو اس کے

لائق ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کی جلد سزا اور آخرت میں عذاب دے۔''[1] ﴿ يَعِظُكُمْ ﴾ ''تمھیں وعظ کرتا ہے۔'' یعنی اس نے تمھیں جس کا حکم دیا وہ بھلائی ہے اور جس سے منع فرمایا وہ شر ہے۔ (اس سے مقصود تمھیں نصیحت کرنا ہے۔) ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ ''تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' شعبی نے شُتَیر بن شَکَل سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ قرآن مجید میں سب سے جامع آیت سورۂ نحل کی یہ آیت ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾[2]

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ: اس آیت کریمہ کے نزول کے بارے میں ایک حسن حدیث وارد ہے، جسے امام احمد نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے صحن میں جلوہ افروز تھے کہ آپ کے پاس سے عثمان بن مظعون گزرے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر مسکرانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [أَلَا تَجْلِسُ؟] ''بیٹھو گے نہیں؟'' اس نے کہا: ضرور، راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے اور آپ ان سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیر تک آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر آپ نے نظر نیچے کرنا شروع کر دی حتی کہ زمین پر اپنی دائیں طرف نظر گاڑ دی، پھر آپ نے سر مبارک ہلانا شروع کیا گویا آپ بات کو سمجھنا چاہتے ہیں، ابن مظعون یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے جب ضرورت پوری ہوگئی اور آپ نے بات کو سمجھ لیا تو آپ نے پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی جیسے پہلی دفعہ اٹھائی تھی، آپ نے نظر کو مسلسل اٹھائے رکھا حتی کہ وہ (فرشتہ) بلندی میں چھپ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ عثمان کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح بیٹھ گئے جس طرح پہلے بیٹھے ہوئے تھے عثمان نے کہا: اے محمد (ﷺ!) جب سے میں آپ کے ساتھ بیٹھا کرتا ہوں، آپ نے ایسا فعل کبھی نہیں کیا جو آج صبح آپ نے کیا! آپ نے فرمایا: [وَمَا رَأَيْتَنِي فَعَلْتُ؟] ''تم نے مجھے کیا کرتے ہوئے دیکھا؟'' عثمان نے جواب دیا: میں نے دیکھا کہ آپ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، پھر اسے اپنی دائیں طرف مرکوز کر دیا، آپ ادھر متوجہ ہو گئے اور مجھے چھوڑ دیا، آپ سر مبارک کو ہلا رہے تھے گویا کوئی بات سمجھ رہے ہوں، آپ نے فرمایا: [وَفَطِنْتَ لِذٰلِكَ] ''آپ اس بات کو سمجھ گئے تھے؟'' عثمان نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: [أَتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ آنِفًا، وَأَنْتَ جَالِسٌ] ''میرے پاس اس وقت اللہ تعالیٰ کا پیغامبر آیا تھا جب تم بیٹھے ہوئے تھے۔'' اس نے کہا: اللہ کا پیغامبر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں'' عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس نے آپ سے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا: ''اس نے مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ پہنچایا ہے۔'' عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسی لمحے میرے دل میں ایمان نے قرار پکڑ لیا اور مجھے محمد عربی ﷺ سے محبت ہوگئی۔[3] اس حدیث کی سند جید، متصل اور حسن

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، حديث:4902 و جامع الترمذي، صفة القيامة و......، باب في عظم الوعيد ......، حديث:2511 عن أبي بكرة رضي الله عنه. ② تفسير الطبري:14/214. ③ مسند أحمد:1/318.

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ

اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد کر لو اور قسمیں پکی کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم نے اللہ کو اپنا کفیل بنایا ہو۔

عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿91﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ

بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿91﴾ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد

بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

تار تار ادھیڑ ڈالا، تم اپنی قسموں کو باہم فریب کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے (مال وافر میں) بڑھ جائے۔

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿92﴾

بے شک اللہ اس (عہد و پیماں) سے تمھیں آزماتا ہے۔ اور یوم قیامت وہ تم پر ضرور واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿92﴾

ہے اور اس میں سماع متصل کی وضاحت ہے۔ (1)

تفسیر آیات: 92,91

ایفائے عہد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر عہد و پیمان کے پورا کرنے اور قسموں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا ﴾ ''اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد مت توڑو۔'' اس میں اور اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ﴾ (البقرۃ 2:224) ''اور تم اللہ کو اپنی قسموں کے لیے نشانہ نہ بناؤ۔'' میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ اس آیت سے کوئی تعارض ہے: ﴿ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ ﴾ (المآئدۃ 5:89) ''یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو چاہیے کہ) اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔'' یعنی انھیں کفارے کے بغیر نہ چھوڑو اور نہ اس حدیث کے ساتھ کوئی تعارض ہے جو صحیحین میں ہے اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي وَاللّٰهِ! إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّ تَحَلَّلْتُهَا] ''بے شک میں اللہ کی قسم! ان شاء اللہ جب بھی کوئی قسم کھاؤں گا اور جب اس کے خلاف اس سے بہتر بات دیکھوں گا تو بہتر بات کو اختیار کر لوں گا اور قسم کا کفارہ دے کر اس کو حلال کر لوں گا۔'' (2) اور ایک روایت میں ہے: [وَ كَفَّرْتُ عَنْ يَّمِينِي] ''میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا۔'' (3)

ان سب میں اور مذکورہ بالا آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا ﴾ میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان

(1) یہ حدیث ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے الأدب المفرد: 482/2، حدیث: 893 کی تحقیق میں اور شیخ شعیب نے الموسوعۃ الحدیثیۃ (مسند أحمد): 89/5، حدیث: 2919 میں اسے ضعیف الاسناد قرار دیا ہے۔ (2) صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب لحم الدجاج، حدیث: 5518 وصحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینا......، حدیث: (9)-1649 عن أبی موسیٰ رضی اللہ عنہ۔ (3) صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب قول اللّٰه تعالی: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ ...... ﴾ (المآئدۃ 5:89)، حدیث: 6623 وصحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینا......، حدیث: (7)-1649.

سے مراد وہ قسمیں ہیں جو عہد و پیمان میں داخل ہوں، وہ قسمیں مراد نہیں ہیں جو کسی چیز کی ترغیب یا ممانعت کے بارے میں ہوں، اس لیے امام مجاہد نے فرمایا ہے: اس آیت میں أیمان کا لفظ حلف کے معنی میں ہے اور اس سے مراد حلفِ جاہلیت ہے۔ ① اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ، وَأَيُّمَا حِلْفٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، لَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً] ''اسلام میں حلف نہیں ہے اور جس حلف کا تعلق دورِ جاہلیت سے ہو، اسلام اس کی سختی میں اور اضافہ کر دے گا۔'' ② اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ③ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کو اس طرح کے کسی حلف کی ضرورت نہیں ہے جس طرح لوگ زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے کیونکہ اسلام کے دامن سے وابستگی کے بعد اس طرح کے کسی حلف کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

رہی وہ حدیث جو صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے گھر میں مہاجرین و انصار کے درمیان میں باہمی اتحاد و تعاون کا معاہدہ کروایا تھا۔ ④ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے ان میں مؤاخات قائم فرما دی تھی حتی کہ وہ ایک دوسرے کی وفات کی صورت میں وارث بھی قرار پاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ قرار دے دیا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

پختہ قسمیں توڑنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔'' یہ پکی قسموں کو توڑنے والوں کے لیے سرزنش ہے۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ﴾ ''اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد تار تار ادھیڑ ڈالا۔'' عبداللہ بن کثیر اور سدی نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں ایک احمق عورت تھی کہ وہ جب بھی سوت کاتتی تو بعد میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی۔ ⑤ مجاہد، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جو پختہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ ڈالے۔ ⑥ یہ قول زیادہ راجح اور زیادہ نمایاں ہے، خواہ مکہ میں کاتتے ہوئے سوت کو توڑ دینے والی کوئی عورت ہو یا نہ ہو۔

﴿ اَنْكَاثًا ﴾ ''ادھیڑنا۔'' احتمال ہے کہ یہ اسم مصدر ہو، یعنی اس نے اپنے کاتتے ہوئے سوت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ کان کی خبر سے بدل ہو، یعنی تم ٹکڑے ٹکڑے نہ بنو، أنکاث، نکث کی جمع ہے اور اس کا فاعل ناکث ہے، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ ﴾ ''تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کا ذریعہ بناتے ہو۔'' یعنی مکر و فریب کا ذریعہ۔ ﴿ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ﴾ ''یہ کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ

---

① تفسیر الطبری: 215/14 . ② مسند أحمد: 83/4 . ③ صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبیﷺ ......، حدیث: 2530 . ④ صحیح البخاری، الکفالة، باب قول اللّٰه عزوجل: [وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ]، حدیث: 2294 وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبیﷺ......، حدیث: 2529 . ⑤ تفسیر الطبری: 217/14 . ⑥ تفسیر الطبری: 218,217/14 .

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط

اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک ہی امت بنا دیتا، اور لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم سے ضرور اس کا سوال

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ

ہوگا جو تم عمل کرتے تھے ﴿93﴾ اور تم اپنی قسموں کو باہم فریب دینے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ (اسلام پر کسی کا) قدم جمنے کے بعد ڈگمگا جائے، اور تم (دنیا میں)

بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿94﴾

اس کی سزا چکھو کہ تم نے (اسے) اللہ کی راہ سے روکا، اور (آخرت میں) تمھارے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا ﴿94﴾ اور اللہ کے عہد کے بدلے میں

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تھوڑی قیمت (دنیوی فائدے) نہ خریدو، بے شک جو اللہ کے ہاں (اجر) ہے وہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ﴿95﴾ جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ فنا

تَعْلَمُوْنَ ﴿95﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا

ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور انھیں ان کا اجر و ثواب ان بہترین

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾

اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے ﴿96﴾

بڑھنے والا (غالب) ہو۔'' یعنی تم لوگوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہو جب ان کی تعداد تم سے زیادہ ہوتا کہ وہ تم سے مطمئن ہو جائیں لیکن جب تمھارے لیے ممکن ہو تو تم عہد شکنی سے دریغ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا تاکہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف تنبیہ کی جائے، یعنی جب کمزوری کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے غداری اور عہد شکنی سے منع فرما دیا تو غلبہ و طاقت کے وقت تو یہ بالاولیٰ منع ہوگا۔

مجاہد کہتے ہیں کہ وہ اپنے حلیفوں کے ساتھ پیمان وفا باندھا کرتے تھے مگر جب وہ یہ دیکھتے کہ اپنے حلیفوں کی نسبت ان کی تعداد زیادہ ہے اور یہ ان سے معزز بھی زیادہ ہیں تو وہ ان سے عہد و پیمان توڑ کر ایسے لوگوں کے حلیف بن جاتے جو تعداد اور عزت و سربلندی میں ان سے زیادہ بڑھے ہوتے تھے تو ایسا کرنے سے انھیں منع کر دیا گیا۔ ضحاک، قتادہ اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[1] ﴿اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ط﴾ ''بلاشبہ اللہ تمھیں اس سے آزماتا ہے۔'' سعید بن جبیر کا قول ہے، یعنی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمھاری آزمائش کرتا ہے۔[2] اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[3] ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کا تمھیں جو حکم دیا ہے تو وہ اس کے ساتھ تمھیں آزماتا ہے۔ ﴿وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿92﴾﴾ ''اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اس کی حقیقت تم پر ضرور ظاہر کر دے گا۔'' اور ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دے گا۔[4]

[1] تفسیر الطبری: 220,219/14. [2] الدر المنثور: 244,243/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2301,2300/7.
[4] تفسیر الطبری: 220/14.

تفسیر آیات:93-96

اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو بنا دیتا۔'' اے لوگو! ﴿ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''ایک ہی جماعت۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ﴾ (یونس 99:10) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔'' تم میں وہ اتفاق واتحاد پیدا فرما دیتا اور انتشار وخلفشار اور بغض اور دشمنی سے تمھیں محفوظ فرما دیتا۔ ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ (ھود 119,118:11) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اس لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔'' اور اسی طرح بیان فرمایا ہے: ﴿ وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اور لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔'' پھر قیامت کے دن تمام اعمال کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا اور چھوٹے بڑے ہر عمل کا بدلہ دے گا۔

دھوکے کے لیے قسم کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ دھوکا اور مکر وفریب کے لیے قسم کھائیں تاکہ جمے ہوئے قدم لڑکھڑا نہ جائیں، یہ مثال ہے اس شخص کی جو استقامت پر ہو مگر بعد میں لڑکھڑا جائے اور ایسی جھوٹی قسموں کے باعث راہ ہدایت سے بھٹک جائے جو اللہ کے رستے سے روکنے والی ہوں کیونکہ کافر جب یہ دیکھے گا کہ مومن نے عہد توڑ دیا ہے تو اس کا دین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ دین اسلام کو قبول نہیں کرے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکا تم اس کی سزا بھگتو اور تمھارے لیے دردناک عذاب ہے۔''

دنیا کے ساز وسامان کے عوض قسموں کو مت توڑو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے جو تم نے عہد کیا ہے اس کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی قسموں کے عوض دنیوی زندگی کا ساز وسامان حاصل نہ کرو کیونکہ یہ سامان بہت قلیل ہے بلکہ اگر کسی انسان کو دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے، وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر وثواب اس شخص کے لیے بہت بہتر ہے جو اس کی امید رکھے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس سے اجر وثواب طلب کرے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کی امید میں اس سے کیے ہوئے عہد وپیمان کی حفاظت کرے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ﴾ ''اگر تم جانتے ہو، تو جو کچھ تمھارے پاس ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے۔'' یعنی ختم ہو جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ایک گنی ہوئی محصور اور محدود مدت کے لیے ہے جس نے بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ ﴾ ''اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ باقی ہے۔'' یعنی جنت میں اس کا ثواب باقی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا بلکہ وہ دائمی، ابدی اور سرمدی ہے جس کی وجہ سے وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم انھیں ضرور ان کا اجر وثواب ان

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿97﴾

بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے ﴿97﴾

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿98﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ

پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں ﴿98﴾ بے شک ان لوگوں پر اس کا کوئی زور نہیں (چلتا) جو ایمان لائے

سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿99﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ﴿99﴾ بس اس کا زور تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور (ان پر) جو اس (اللہ) کے ساتھ

13 ع 11 19 يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿100﴾ ع

شریک ٹھہراتے ہیں ﴿100﴾

﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾﴾ ''اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ بات قسم کے ساتھ بیان فرمائی اور مزید تاکید کے لیے لام بھی لایا گیا ہے، یعنی وہ صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا اور برے اعمال سے تجاوز فرمائے گا۔

تفسیر آیت: 97

نیک عمل اور اس کی جزا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے ہر اس شخص کے ساتھ جو نیک عمل کرے اور نیک عمل وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہو، خواہ مرد ہو یا عورت اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہو اور اس عمل کا اللہ نے حکم دیا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائے گا اور آخرت میں اسے اس کے اس عمل کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ حیات طیبہ وہ ہے جو اسباب راحت پر مشتمل ہو، خواہ وہ کسی طرح بھی حاصل ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مفسرین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد حلال اور طیب رزق ہے۔ ①

علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر قناعت سے کی ہے۔ ② ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور وہب بن مُنَبِّہ کا بھی یہ قول ہے جبکہ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد سعادت ہے۔ ③ حسن، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ حیات طیبہ جو جنت ہی میں حاصل ہوگی۔ ④ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا میں رزق حلال اور عبادت کی توفیق کا حاصل ہونا ہے۔ ⑤ ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد انشراح قلب کے ساتھ طاعت بجالانا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ حیات طیبہ ان سب امور پر مشتمل ہے۔ ⑥ جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا

---

① تفسیر الطبری: 223/14. ② تفسیر الطبری: 224/14. ③ تفسیر الطبری: 224/14. ④ تفسیر الطبری: 224/14 . ⑤ تفسیر الطبری: 223/14 . ⑥ تفسیر الطبری: 224/14 .

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ بدل کر دوسری آیت لائیں، اور اللہ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ نازل کرتا ہے، تو وہ (کافر) کہتے ہیں: یقیناً تو گھڑ

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

لانے والا ہے، لیکن ان میں اکثر علم نہیں رکھتے ﴿101﴾ کہہ دیجیے: اس (قرآن) کو روح القدس (جبریل) نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ

اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿102﴾

نازل کیا ہے، تاکہ اللہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہو ﴿102﴾

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ ، وَرُزِقَ كَفَافاً، وَّقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ] ''وہ شخص یقیناً کامیاب ہو گیا جو مسلمان ہو بقدر کفایت اسے رزق دیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو دیا ہو، اس پر اسے قناعت عطا فرما دی ہو۔''[1] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 98-100

تلاوت سے پہلے تعوذ کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبانی اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ استعاذے کے بارے میں وارد احادیث قبل ازیں تفسیر کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔[3] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. قرآن مجید کی قراءت سے پہلے استعاذے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ شیطان قراءت میں خلل نہ ڈال سکے اور خلط ملط کر کے اسے تدبر اور تفکر سے روک نہ سکے یہی وجہ ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ استعاذہ تلاوت سے پہلے ہے۔

اور فرمانِ باری ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿99﴾ ﴾ ''جو مومن ہیں اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔ ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا۔'' ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا ان لوگوں پر زور نہیں چلتا کہ وہ انھیں ایسے گناہ میں مبتلا کر دے جس سے وہ توبہ نہ کریں۔[4] اور دیگر ائمۂ تفسیر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ شیطان کے لیے ان پر حجت نہیں۔ اور کچھ اور مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾ (الحجر 15:40) ''مگر ان میں جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (ان پر تیرا قابو پانا مشکل ہے۔)'' ﴿ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ ﴾ ''اس کا زور انھی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔[5] دیگر ائمہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جو اللہ کو چھوڑ کر اسے دوست بنا لیتے ہیں۔[6] ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿100﴾ ﴾ ''اور جو اس کے سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر

---

[1] مسند أحمد: 168/2 . [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب في الكفاف والقناعة، حديث: 1054 . [3] دیکھیے سورۂ فاتحہ کے شروع میں عنوان: ''تعوذ کی تفسیر اور احکام'' [4] تفسير الطبري: 228/14 . [5] تفسير الطبري: 227/14 . [6] تفسير الطبري: 228/14 .

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ

اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں: یقیناً اس (نبی) کو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ اس شخص کی زبان عجمی ہے جس کی طرف یہ غلط نسبت کرتے ہیں،

اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾

جبکہ یہ (قرآن تو) فصیح عربی زبان ہے ﴿103﴾

کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسے بھی شریک بنا لیتے ہیں۔

تفسیر آیات:102,101

مشرکین کا ایک اعتراض اور اس کی تردید: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی عقلوں کے ضعف اور ان کے ثبات وایقان کی قلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے ایمان لانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شقاوت اور بدبختی کو لکھ دیا ہے۔ ان کی کم عقلی کا یہ عالم ہے کہ نسخ کے قاعدے کے مطابق جب یہ احکام میں کوئی تبدیلی دیکھتے ہیں تو فوراً رسول اللہ ﷺ سے یہ کہہ دیتے ہیں: ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ ﴾ ''آپ تو (یوں ہی اپنی طرف سے) بنا لاتے ہیں۔'' یعنی آپ جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ رب تعالیٰ جو چاہے کرتا اور جو ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دے دیتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ ﴾ ''جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں'' کے معنی یہ ہیں کہ ایک آیت کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسری آیت نازل کر دیتے ہیں۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حسب ذیل آیت کی طرح ہے: ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (البقرة 2:106) ''ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ ﴾ ''کہہ دیجیے: اس کو روح القدس لے کر نازل ہوئے ہیں۔'' روح القدس سے مراد جبریل امین ہیں۔ ﴿ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ ''آپ کے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ۔'' یعنی صدق وعدل کے ساتھ۔ ﴿ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے۔'' اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ اس کی پوری پوری تصدیق کریں اور ان کے دل اللہ کے سامنے عاجزی کریں۔ ﴿ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿102﴾ ﴾ ''اور (حکم) ماننے والوں کے لیے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو مسلمانوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لاتے ہیں، ہدایت اور بشارت بنا دیا ہے۔

تفسیر آیت:103

مشرکین کا ایک اور افترا اور اس کی تردید: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ از راہ کذب وافترا

[1] تفسیر الطبری: 230/14. [2] تفسیر الطبری: 231/14.

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾ اِنَّمَا

بلاشبہ جولوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انھیں ہدایت نہیں دیتا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿104﴾ جھوٹ تو صرف وہ لوگ

يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿105﴾

گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں﴿105﴾

اور بہتان بازی کیا کرتے تھے کہ محمد ﷺ ہمیں جو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں، انھیں ایک شخص یہ قرآن سکھاتا ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک عجمی شخص کا نام لیا کرتے تھے جو کسی قریشی خاندان کا غلام تھا اور وہ کوہ صفا کے نزدیک اپنا سودا سلف بیچا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ بسا اوقات اس کے پاس بیٹھ جاتے اور اس سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس شخص کی زبان عجمی تھی اور وہ عربی نہیں جانتا تھا یا بقدر ضرورت بہت معمولی جانتا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس افترا پردازی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾﴾ ”مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔“ قرآن کی زبان تو فصیح و بلیغ عربی ہے اور جو شخص فصاحت و بلاغت کے اس بلند پایہ شاہکار اور معانی ومطالب کے اعتبار سے ایسی جامع کتاب کہ اس طرح کی کتاب کسی بھی نبی پر نازل نہیں ہوئی، کو لے کر آیا ہے وہ اسے کسی عجمی شخص سے کیسے سیکھ سکتا ہے! جس شخص میں ذرہ برابر بھی عقل ہو وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے ایک لوہار کو جانتے تھے جس کا نام بَلعام تھا اور جس کی زبان عجمی تھی، مشرکین نے جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آتے جاتے ہیں تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ بلعام (لوہار) رسول اللہ ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾﴾ ”اور البتہ تحقیق ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں، اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔“[1]

تفسیر آیات: 105,104

پیغمبروں پر نازل کردہ آیات سے اعراض کرنے اور جھٹلانے والوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے ذکر سے اعراض کرے اور اس نے اپنے رسول ﷺ پر جو نازل فرمایا ہے، اس سے اعراض کرے اور اس پر ایمان لانے کا ارادہ ہی نہ کرے تو اس قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی نشانیوں اور اپنے رسولوں کے ساتھ ایمان لانے کی توفیق نہیں دیتا جبکہ آخرت میں ان کے لیے بہت ہی دردناک عذاب ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے رسول نہ افترا پرداز ہیں اور نہ کذاب کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر بہتان باندھنے والے بدترین

[1] تفسير الطبرى: 233/14 والسيرة النبوية لابن هشام، ادعاء المشركين على النبى ﷺ بتعليم......: 393/2.

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، لیکن

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿106﴾

جس نے کفر کے لیے (اپنا) سینہ کھول دیا (راضی خوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

عذاب ہے ﴿106﴾ یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں (زیادہ) محبوب رکھا، اور بے شک اللہ کافر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿107﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ

قوم کو ہدایت نہیں دیتا ﴿107﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل

وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿108﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿109﴾

ہیں ﴿108﴾ بلا شبہ یقیناً آخرت میں یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿109﴾

لوگ ہوتے ہیں، ﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ﴾ ''یہ لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔'' یعنی وہ لوگ جو کافر و ملحد ہیں اور لوگوں کے نزدیک مشہور و معروف کذاب ہیں جبکہ اللہ کے رسول محمد ﷺ لوگوں میں سب سے سچے، سب سے نیکو کار، علم و عمل اور ایمان و ایقان میں سب سے کامل اور اپنی قوم میں صادق کے طور پر معروف ہیں۔ اور اس بارے میں ان میں سے کسی کو بھی شک نہیں بلکہ آپ تو امین کے نام سے معروف ہیں۔

بادشاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے میں چند سوالات پوچھے تو ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا دعوائے نبوت سے قبل تم لوگ کبھی ان پر جھوٹ کا الزام لگایا کرتے تھے۔ ابوسفیان نے جواب دیا: نہیں، ہرقل نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولے مگر اللہ عزوجل کے بارے میں جھوٹ بولنے لگے![1]

تفسیر آیات:106-109

مرتد پر اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان و بصیرت کے بعد کفر کریں اور کفر کو شرح صدر کے ساتھ قبول کر کے اس پر مطمئن ہو جائیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو گا کیونکہ انھوں نے ایمان کو جاننے کے بعد اس سے اعراض کیا ہے، ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہو گا کیونکہ انھوں نے دنیا کی خاطر ارتداد کو اختیار کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو ہدایت دی اور نہ انھیں دین حق پر ثابت رکھا بلکہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی، لہٰذا یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ان کے لیے کون سی چیز نفع بخش ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں اور آنکھوں پر بھی مہر لگا دی کہ ان سے یہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور بھی کوئی چیز ان کے کام نہ آئی، لہٰذا ان کے بارے میں جو ارادہ کیا جا رہا ہے، یہ اس سے یکسر غافل ہیں۔

① صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی......؟ حدیث: 7 وصحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب کتب النبی ﷺ إلی هرقل......، حدیث: 1773.

﴿ لَا جَرَمَ ﴾ یعنی جس کی یہ حالت ہو، وہ اسی طرح کے انجام سے لازماً دوچار ہوتا ہے۔ ﴿ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ''بلاشبہ یہی لوگ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔'' یعنی آخرت کے دن انھوں نے اپنے آپ کو بھی خسارے میں رکھا اور اپنے اہل و عیال کو بھی۔ ﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ ''وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔'' اس جملے میں اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو مار پیٹ، ایذا و تکلیف پہنچا کر مجبور کر دیا جائے اور اس وجہ سے وہ زبان سے کفر کرے اور زبانی طور پر مشرکوں کی موافقت کرے جبکہ اس کا دل اس کا منکر ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان پر مطمئن ہو۔

سبب نزول: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ مشرکوں نے آپ کو شدید تکلیفیں دیں اور (کہا کہ تکلیفوں کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرتے، زبردستی مجبور کیے جانے کی وجہ سے انھوں نے مشرکوں کی ہاں میں ہاں ملا دی) اور نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔[1] شعبی، قتادہ اور ابو مالک کا بھی یہی قول ہے۔[2] ابن جریر نے ابوعبیدہ محمد بن عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر ایسی زبردست تکلیفیں پہنچائیں کہ انھوں نے مجبور ہو کر مشرکین کی ہاں میں ہاں ملا دی، پھر جب نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا ماجرا کہہ سنایا تو نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟] ''تم اپنے دل کی کیفیت کیسے پاتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے، تو نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [فَإِنْ عَادُوا فَعُدْ] ''اگر مشرکین دوبارہ درپے آزار ہوں تو تم پھر اسی طرح کی بات کہہ کر جان بچا لینا۔''[3]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مجبوراً کفر کرنے والا شخص مومن ہی رہے گا: امام بیہقی نے اس واقعے کو اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ انھوں نے (معاذ اللہ) نبیٔ اکرم ﷺ کو برا بھلا کہہ دیا اور مشرکوں کے بتوں کا اچھے الفاظ میں ذکر کر دیا تھا، پھر انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں سارا ماجرا بیان کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے اس وقت تک چھوڑا ہی نہ گیا جب تک کہ میں نے آپ کی ذات گرامی کو گالی نہ دے لی اور ان کے بتوں کو اچھا نہ کہہ لیا، آپ نے فرمایا: [كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟] ''تمھارے دل کی کیا کیفیت ہے؟'' انھوں نے عرض کی: دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے، آپ نے فرمایا: [فَإِنْ عَادُوا فَعُدْ] ''اگر مشرکین دوبارہ درپے آزار ہوں تو تم پھر اسی طرح کی بات کہہ (کر جان بچا) لینا۔''[4] اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ ''وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔''

---

① تفسير الطبري: 237/14. قوسین والے الفاظ قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ ② تفسير الطبري: 237/14. ③ تفسير الطبري: 237/14 و المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة النحل: 357/2. ④ السنن الكبرى للبيهقي، المرتد، باب المكره على الردة: 209,208/8.

علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو زبردستی کفر پر مجبور کر دیا جائے تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ جان بچانے کے لیے بات کہہ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ غلط بات کہنے سے انکار کر دے جیسا کہ بلال رضی اللہ عنہ کافروں کی بات ماننے سے انکار کر دیا کرتے تھے، حالانکہ وہ آپ پر مظالم کے بے پناہ پہاڑ توڑتے تھے حتی کہ سخت گرمی کے موسم میں وہ آپ کے سینے پر بہت بھاری پتھر رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرو مگر آپ شرک کرنے سے انکار کر دیتے اور احد احد کہتے۔[1] اور کہتے اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ کوئی بات اس سے بھی زیادہ غصے میں مبتلا کر دینے والی ہو سکتی ہے تو میں وہ بھی کہنے کے لیے تیار ہوں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ.

اسی طرح حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے جب مسیلمہ کذاب نے کہا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں: ہاں، مسیلمہ کہتا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔ وہ جواب دیتے: میں بہرہ ہوں۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا، اس نے ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا مگر وہ دین پر ثابت قدم رہے اور انھوں نے مسیلمہ کذاب کو رسول ماننے سے انکار کر دیا۔[2]

مسلمان کا رخصت کے بجائے اپنے دین پر ثابت قدم رہنا افضل واولیٰ ہے: افضل اور اولیٰ بات یہی ہے کہ مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم رہے، خواہ وہ شہید ہو جائے جیسا کہ حافظ ابن عساکر نے صحابیٔ رسول عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ انھیں رومیوں نے گرفتار کر لیا تھا اور وہ انھیں گرفتار کرنے کے بعد جب اپنے بادشاہ کے پاس لے کر آئے تو بادشاہ نے ان سے کہا: عیسائی ہو جاؤ میں تمھیں اپنی بادشاہت میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی بیٹی کا تمھیں رشتہ بھی دے دیتا ہوں۔ عبداللہ نے جواب دیا: اگر تو مجھے اپنی ساری حکومت و دولت دے دے اور عربوں کی ساری حکومت و دولت بھی اور میں ایک لمحے کے لیے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے پھر جاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا، بادشاہ نے کہا: اگر عیسائیت کو قبول نہیں کرو گے تو میں تمھیں قتل کر دوں گا، عبداللہ نے کہا: تم جانو اور تمھارا کام! بادشاہ نے حکم دیا اور انھیں لٹکا دیا گیا، پھر اس نے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ ان کے ہاتھوں اور پاؤں پر تیر مارو، جلاد تیر مار رہے تھے اور بادشاہ عیسائیت قبول کرنے کے لیے اصرار کر رہا تھا لیکن حضرت عبداللہ مسلسل انکار فرماتے رہے۔ بادشاہ نے حکم دیا اور آپ کو نیچے اتار لیا گیا، پھر اس کے حکم سے پیتل کے ایک کڑاہے میں تیل گرم کیا گیا اور عبداللہ کی آنکھوں کے سامنے اس میں ایک مسلمان قیدی کو پھینک دیا گیا، لمحہ بھر میں اس کی ہڈیوں سے گوشت اتر کر جدا ہو گیا، اب پھر بادشاہ نے عبداللہ کو عیسائیت کے قبول کرنے کی دعوت دی مگر عبداللہ نے اب بھی انکار فرما دیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ عبداللہ کو اس کھولتے ہوئے تیل میں گرا دو، آپ کو منجنیق میں رکھ دیا گیا تا کہ تیل میں گرا دیا جائے، اس وقت عبداللہ رونے لگا، بادشاہ کو خیال آیا عبداللہ شاید عیسائی ہونے کے لیے تیار ہیں، اس نے آپ کو بلایا اور پوچھا

---

[1] سنن ابن ماجه، السنة، فضل سلمان وأبي ذر......، حديث: 150. [2] أسد الغابة، ترجمة حبيب بن زيد بن عاصم الأنصاري رضي الله عنه: 1049.

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰهَدُوۡا وَصَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ

پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے (مہربان ہے) جنھوں نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا

14 ع 10 20 رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿110﴾ يَوۡمَ تَاۡتِىۡ كُلُّ نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِهَا

رب ان (آزمائشوں) کے بعد (ان لوگوں کے لیے) البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿110﴾ جس دن ہر نفس اپنی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا اور

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿111﴾

ہر کسی نے جو عمل کیے ان کا اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿111﴾

تو آپ نے فرمایا: میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ اللہ کی محبت کی خاطر نثار کرنے کے لیے میرے پاس اس وقت صرف ایک ہی جان ہے، اے کاش! میرے پاس میرے جسم کے ہر ہر بال کے عوض ایک ایک جان ہوتی اور میں ان سب کو اللہ کی محبت کی خاطر باری باری نثار کر دیتا۔

بعض روایات میں ہے کہ رومی بادشاہ نے آپ کو جیل میں ڈال دیا اور کچھ دن کھانے پینے کو بھی نہ دیا، پھر شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا مگر آپ نے ہاتھ لگانے سے بھی انکار کر دیا، بادشاہ نے آپ کو بلایا اور پوچھا کہ آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ اضطراری حالت میں میرے لیے یہ کھانا حلال تھا لیکن میں تمھیں اس بات سے خوش نہیں کرنا چاہتا کہ تم یہ کہو کہ میں نے ایک مسلمان کو شراب پلا دی اور خنزیر کا گوشت کھلا دیا، بادشاہ نے کہا: میں اس شرط پر تمھیں رہا کرنے کے لیے تیار ہوں کہ میرے سر کو بوسہ دے دو۔ آپ نے فرمایا: ہاں، بشرطیکہ تم تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دو۔ اس نے کہا: ہاں، میں تیار ہوں، آپ نے اس کے سر کو بوسہ دیا تو اس نے آپ کو رہا کر دیا اور آپ کے ساتھ تمام مسلمان قیدیوں کو بھی رہا کر دیا جو اس کے پاس تھے۔ آپ جب مدینہ منورہ میں واپس آئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دے اور سب سے پہلے میں بوسہ دیتا ہوں، آپ کھڑے ہوئے اور عبداللہ کے سر کو بوسہ دینے لگے۔ [1]

تفسیر آیات: 111,110

مجبور و مضطر قابل معافی ہے: یہ ایک دوسرا گروہ ہے، یہ لوگ مکہ میں کمزور و ناتوان تھے اور فتنہ و آزمائش کے موقع پر اپنی قوم کی تائید کرتے تھے، پھر جب ہجرت کی صورت میں ان کے لیے فلاح کی صورت پیدا ہو گئی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بخشش کے حصول کے لیے اپنے شہر، اہل و عیال اور مال کو ترک کر دیا اور مسلمانوں کی سِلک میں منسلک ہو گئے، ان کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد بھی کیا۔ اور میدانِ کارزار میں صبر و ثبات کا مظاہرہ بھی، چنانچہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کی اس آزمائش کے بعد روز قیامت انھیں معاف فرما دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ﴿يَوۡمَ تَاۡتِىۡ كُلُّ

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمة عبدالله بن حذافة: 246,245/29 و شعب الإيمان للبيهقي، باب في شحّ المرء بدينه: 245,244/2، حديث: 1639 والإصابة، ترجمة عبدالله بن حذافة: 4641.

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن و اطمینان سے (آباد) تھی، اس کا رزق اسے ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا، پھر اس

مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿112﴾

(کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک چکھائی اور خوف کا لباس (پہنایا) ﴿112﴾

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿113﴾

اور یقیناً ان کے پاس ایک رسول انھی میں سے آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی تب انھیں عذاب نے آ پکڑا اور وہی ظالم تھے ﴿113﴾

﴿ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ﴾ ''جس دن ہر متنفس اپنی طرف سے جھگڑا کرنے آئے گا۔'' یعنی اس کی طرف سے اور کوئی جھگڑا نہیں کرے گا نہ باپ نہ بیٹے نہ بھائی اور نہ بیوی، ﴿ وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ﴾ ''اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔'' خواہ اعمال اچھے ہوں یا برے۔ ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿111﴾ ﴾ ''اور ان پر ظلم و زیادتی نہیں کی جائے گی۔'' یعنی کسی کی نیکی کے ثواب کو کم نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی کی برائی کی سزا میں اضافہ کیا جائے گا، الغرض! کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر آیات:113,112

مکہ کی مثال: اس مثال سے مراد اہل مکہ ہیں۔ مکہ میں امن، چین اور قرار تھا جبکہ مکہ کے گردو پیش سے لوگ اچک لیے جاتے تھے اور جو یہاں آ جاتا وہ امن میں ہو جاتا تھا اور ڈرتا نہیں تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ (القصص 57:28) ''اور کہتے ہیں کہ اگر ہم تمھارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں، کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے، جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطور رزق اکٹھے کیے (پہنچائے) جاتے ہیں۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا ﴾ ''رزق با فراغت چلا آتا تھا۔'' خوشگوار اور آسانی سے ﴿ مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ ﴾ ''ہر جگہ سے مگر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا جن میں عظیم ترین نعمت حضرت محمد ﷺ کی بعثت تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ ﴾ (ابراهيم 29,28:14) ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا (وہ گھر) دوزخ (ہے سب ناشکرے) اس میں داخل ہوں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

نعمتوں کی ناشکری اور پیغمبروں کی نافرمانی کا نتیجہ قحط سالی، خوف اور بھوک ہے: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے دونوں حالات کو بدل دیا۔ ﴿ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ ﴾ ''چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس (پہنا کر ناشکری کا مزہ) چکھا دیا۔'' یعنی انھیں بھوک کا مزہ چکھا دیا جبکہ ان کے پاس ہر طرح کے پھل آیا کرتے تھے اور ہر جگہ سے با فراغت رزق آتا تھا لیکن جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ کی اطاعت و فرماں برداری

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ

چنانچہ اس میں سے کھاؤ (پیو) جو اللہ نے تمھیں حلال پاکیزہ رزق دیا ہے اور اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو تو

تَعْبُدُوْنَ ﴿114﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ

اللہ کی نعمت کا شکر کرو ﴿114﴾ اللہ نے تو بس تم پر حرام کیا ہے: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو،

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿115﴾

پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ نہ وہ باغی ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿115﴾

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بیان کرنے کی وجہ سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔

الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿116﴾ مَتَاعٌ

بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿116﴾ (ان کے لیے) تھوڑا سا فائدہ ہے اور (آخرت میں)

قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿117﴾

ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿117﴾

سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے لیے بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس طرح قحط میں مبتلا کر دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی بددعا کو قبول فرمایا اور اس قدر شدید قحط آیا کہ اس نے ہر چیز کو ختم کر دیا حتی کہ وہ اونٹ کے بالوں کو خون میں ڈبو کر کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

﴿وَالْخَوْفِ﴾ ''اور خوف'' یہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تھے تو کفار مکہ آپ کی سطوت، شوکت اور آپ کے لشکروں سے خوف کی وجہ سے لرزہ براندام تھے ان کا سارا مال و دولت تباہ و برباد ہو گیا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ فتح کرنے کی توفیق عطا فرما دی یہ ان کے کرتوت، سرکشی اور رسول ﷺ کی تکذیب کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی طرف سے مبعوث فرمایا اور آپ کی بعثت کو احسان قرار دیا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمرٰن 3:164) ''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔'' اور فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا﴾ (الطلاق 65:10،11) ''پس اے ارباب دانش! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ نے تمھارے پاس نصیحت (کی کتاب) بھیجی ہے (اور اپنے) پیغمبر (بھی بھیجے ہیں۔)'' اور فرمایا: ﴿كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۬ۛ فَاذْكُرُوْنِيْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ؒ﴾ (البقرۃ 2:151،152) ''جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمھی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے اور تمھیں پاک بناتے اور کتاب (قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی

باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کے حال کو بدل دیا کہ امن کے بجائے انھیں خوف میں مبتلا کر دیا اور رزق کی فراوانی کے بعد بھوک میں مبتلا کر دیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے حالات میں بھی تبدیلی پیدا فرما دی اور ان کے خوف کو امن سے اور بھوک کو رزق کی فراوانی سے بدل دیا اور انھیں لوگوں کے امراء، حکام، سردار، قائد اور امام بنا دیا۔ ہم نے شروع میں جو کہا تھا کہ اس آیت کریمہ میں اہل مکہ کی مثال بیان کی گئی ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو عوفی نے ان سے روایت کیا ہے۔[1] نیز مجاہد، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

تفسیر آیات :114-117

حلال وحرام: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حلال اور پاک رزق کھائیں اور اس کا شکر بجا لائیں کہ اسی مُنعِم حقیقی نے اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرمایا ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہی مستحق عبادت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جنھیں اس نے اپنے بندوں پر اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ دین ودنیا کے اعتبار سے ان کے لیے نقصان دہ تھیں اور یہ ہیں مردار، خون، سؤر کا گوشت ﴿ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ ﴾ ''اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔'' یعنی جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، اس کا کھانا بھی حرام ہے، اس کے باوجود ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ ''اگر کوئی ناچار ہو جائے۔'' یعنی مجبور ومضطر ہو، بشرطیکہ گناہ کرنے والا اور حد سے نکلنے والا نہ ہو۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝115 ﴾ ''تو اللہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' اسی طرح کی ایک آیت کے بارے میں قبل ازیں سورۂ بقرہ میں گفتگو ہو چکی ہے۔[3] لہٰذا اس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ضرورت نہیں رہی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مشرکین کے رستے پر چلنے سے منع فرما دیا ہے جنھوں نے از خود کچھ چیزوں کو حلال یا حرام قرار دے رکھا تھا اور اس سلسلے میں از خود بَحِیرہ، سائبہ، وَصِیلہ اور حام وغیرہ اصطلاحات ایجاد کر لی تھیں اور زمانۂ جاہلیت میں اسے انھوں نے اپنی شریعت قرار دے لیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ ﴾ ''اور یونہی جھوٹ جو تمھاری زبانیں بیان کرتی ہیں مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو۔'' اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو شرعی دلیل کے بغیر کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی ایسی چیز کو حلال قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو یا اپنی رائے اور خواہش سے کسی ایسی چیز کو حرام قرار دے دے جسے اللہ نے جائز قرار دیا ہو۔ ﴿ لِمَا تَصِفُ ﴾

---

[1] تفسیر الطبری:14/242. [2] تفسیر الطبری:14/242 . [3] دیکھیے آیت: 173 کے ذیل میں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

اور جو لوگ یہودی ہوئے ان پر ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿118﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ

کیا اور لیکن وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ﴿118﴾ پھر بے شک آپ کا رب ان پر (مہربان ہے) جنھوں نے جہالت سے برے

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

عمل کیے، پھر اس کے بعد انھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی، بے شک اس کے بعد آپ کا رب (ان لوگوں کے لیے) البتہ

15 ع 9 21 لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿119﴾

بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿119﴾

میں ما مصدر یہ ہے، یعنی اپنی زبانوں کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے (بغیر کسی دلیل کے یہ) نہ کیا کرو (کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔) پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿116﴾﴾ ”جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔“ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، دنیا میں ان کے لیے تھوڑا سا فائدہ ہے مگر آخرت میں دردناک عذاب جیسا کہ فرمایا: ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝﴾ (یونس 70:10) ”(ان کے لیے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔“

تفسیر آیات: 119,118

یہودیوں کے لیے بعض حلال و پاکیزہ چیزوں کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے ہمارے لیے مردار، خون، سؤر کے گوشت اور ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا ہے جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، البتہ اضطراری حالت میں بوقت ضرورت ان کے استعمال کی بھی اجازت دے دی، بشرطیکہ گناہ اور حد سے تجاوز کا ارادہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت امت محمدیہ کو عطا فرمائی ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے اور مشکل نہیں چاہتا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منسوخ کرنے سے پہلے یہودیوں کی شریعت میں ان پر حرام قرار دیا تھا اور اس کی وجہ سے وہ بہت مشکل، تنگی اور حرج میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ”اور جو چیزیں ہم آپ سے پہلے بیان کر چکے ہیں، وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں۔“ یعنی جن کا ذکر سورۂ انعام کی اس آیت میں کیا گیا ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 146:6) ”اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائیوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿120﴾ شَاكِرًا

بلاشبہ ابراہیم ایک امت تھا، اللہ کا فرماں بردار اور اس کی طرف یکسو، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا ﴿120﴾ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والا

لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿121﴾ وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ

تھا، اس (اللہ) نے اسے چن لیا اور اس کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی ﴿121﴾ اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی، اور بلاشبہ وہ آخرت

فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿122﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ

میں ضرور صالحین میں سے ہوگا ﴿122﴾ (اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کریں جو (اللہ کی طرف) یکسو تھا اور

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿123﴾

وہ مشرکوں میں سے نہ تھا﴿123﴾

آنتوں کے ساتھ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہو، یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت و بغاوت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔" اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ﴾ "اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا۔" یعنی جو ان پر ہم نے تنگی کی تھی۔ ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿118﴾ ﴾ "بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔" جس کی وجہ سے اس کی تنگی کے مستحق قرار پائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ۙ ﴾ (النسآء 4:160) "تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔" پھر اللہ تعالیٰ نے مومن گناہ گاروں پر اپنے فضل و کرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ان میں سے جو توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ ارشاد ہے: ﴿ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ﴾ "پھر بے شک آپ کا رب ان پر مہربان ہے جن لوگوں نے نادانی سے برے کام کیے۔" بعض سلف نے کہا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، وہ جاہل ہے۔ ﴿ ثُمَّ تَابُوا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوٓا ۙ ﴾ "پھر اس کے بعد توبہ کی اور نیکوکار ہو گئے۔" یعنی گناہوں کو چھوڑ دیا اور نیک کام کرنے لگے۔ ﴿ إِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا ﴾ "پھر اس کے بعد آپ کا پروردگار۔" یعنی اس برے کام اور لغزش کے بعد ﴿ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿119﴾ ﴾ "بڑا بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحمت کرنے والا ہے۔"

تفسیر آیات: 120-123

خلیل اللہ کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ نے امام الحنفاء، ابو الانبیاء، اپنے بندے، رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس مقام پر بہت تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا مشرکین یا یہودیوں یا عیسائیوں سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا، فرمایا: ﴿ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ ﴾ "بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرماں بردار تھے۔" ﴿ أُمَّةً ﴾ کے معنی اس امام کے ہیں جس کی اقتدا کی جاتی ہو اور ﴿ قَانِتًا ﴾ کے معنی عاجزی کرنے والے اور اطاعت گزار کے ہیں اور ﴿ حَنِيفًا ۖ ﴾ کے معنی ہیں شرک سے اعراض کر کے توحید کو اختیار کرنے والے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿120﴾ ﴾ "اور

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

ہفتے کے دن (کی تعظیم) کو تو صرف ان لوگوں پر ضروری قرار دیا گیا تھا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور بے شک آپ کا رب ان کے

الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿124﴾

مابین قیامت کے دن اس امر کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿124﴾

مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ أمة کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ آپ اکیلے ہی امت تھے۔[1] ﴿ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ﴾ ''اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا، ان پر اپنے رب تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴾ (النجم 37:53) ''اور ابراہیم جنھوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں جو جو حکم دیا، انھوں نے سب کو پورا کر دیا، ﴿ اجْتَبَاهُ ﴾ ''اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا۔'' یعنی منتخب کیا اور پسند فرما لیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ﴾ (الأنبیاء 51:21) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿121﴾ ﴾ ''اور اسے (اپنی) سیدھی راہ پر چلاتا تھا۔'' صراط مستقیم یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی اس طریقے کے مطابق عبادت کی جائے جو اس کا مقرر کردہ اور پسندیدہ ہو۔

﴿ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ ﴾ ''اور ہم نے انھیں دنیا میں بھی خوبی دی تھی۔'' یعنی ہم نے انھیں حیات طیبہ کی تکمیل کے لیے دنیا میں ہر وہ خوبی عطا فرمادی تھی جس کی ایک مرد مومن کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس کے معنی پچھلے لوگوں میں ذکر خیر کے ہیں۔[2] ﴿ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿122﴾ ﴾ ''اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔''

﴿ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ ﴾ ''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو۔'' یعنی ان کے کمال، ان کی عظمت، ان کی توحید اور ان کا طریقہ صحیح ہونے کی وجہ سے، اے خاتم الرسل اور سید الانبیاء! ہم نے آپ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا: ﴿ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ (الأنعام 161:6) ''کہہ دیجیے: مجھے میرے پروردگار نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے، صحیح (اعلیٰ اقدار کے حامل) دین کا، ایک رب کے پرستار ابراہیم کے طریقے کا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہودیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: (دیکھیے آیت:124)

تفسیر آیت:124

یہودیوں کے لیے ہفتے کے دن کا تقرر: اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے ہفتے کے دنوں میں سے ایک دن بطور خاص مقرر کیا

[1] تفسیر الطبری: 250/14. [2] تفسیر الطبری: 251/14.

ہے جس میں وہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے جمعے کا دن مقرر فرمایا ہے کیونکہ یہ وہ چھٹا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کی تکمیل فرمادی تھی اور اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہودیوں کے لیے اس دن کو مقرر فرمایا تھا۔ مگر انھوں نے اسے چھوڑ کر اپنے لیے ہفتے کے دن کو پسند کر لیا۔ اس لیے کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کو پیدا نہیں فرمایا تھا کیونکہ تخلیق کائنات کا عمل تو جمعے کے دن مکمل ہو گیا تھا، تورات میں نازل کی گئی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اس دن کے اختیار کرنے کے بارے میں لازمی حکم دیا اور انھیں وصیت کی کہ اس دن کو مضبوطی سے تھام لو، اس کی حفاظت کرو اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ جب میں اپنے نبی محمد ﷺ کو مبعوث کروں تو ان کی اطاعت بجالانا اور پیروی کرنا، اللہ تعالیٰ نے ان سے اس سلسلے میں خوب پختہ عہد و پیمان لیے تھے، اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط ﴾ ''ہفتے کا دن تو انھی لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا تھا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔'' مجاہد کہتے ہیں، یعنی اس دن کو اختیار کر لیا اور جمعے کو ترک کر دیا۔①

پھر وہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی بعثت تک اس دن سے وابستہ رہے اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ہی اسے اتوار کے دن میں بدلا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی شریعت کو ترک نہیں کیا تھا سوائے ان بعض احکام کے جو منسوخ ہو گئے تھے اور وہ ہفتے کے دن کی حفاظت کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمانوں پر اٹھا لیا، پھر بعد میں قسطنطین کے زمانے میں عیسائیوں نے ہفتے کے دن کو اتوار کے دن میں بدل دیا تھا تاکہ وہ یہودیوں کی مخالفت کر سکیں، نیز انھوں نے صَخْرَہ کے بجائے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا تھا۔② وَاللّٰہُ أَعْلَمُ.

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: [نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ ، اَلْيَهُودُ غَدًا وَّالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ] ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن روز قیامت سبقت لے جانے والے ہوں گے، البتہ انھیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس دن (جمعہ) کو ان پر فرض قرار دیا تھا مگر انھوں نے اس میں اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن کے اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرما دی، لوگ اس اعتبار سے ہم سے پیچھے ہیں، یہودیوں کا دن کل ہے اور عیسائیوں کا کل کے بعد (اتوار۔)''③ یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَضَلَّ اللّٰهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا،

① تفسير الطبرى: 251/14 . ② عیسائیوں کے مشرق کی سمت نماز پڑھنے کی مزید تفصیل دیکھیے البداية والنهاية، ليس للجنب لمس التوراة: 139,138/2. ③ صحيح البخارى، الجمعة ، باب فرض الجمعة......، حديث: 876 وصحيح مسلم، الجمعة ، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: (21) - 855.

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ

(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک

اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿125﴾

آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿125﴾

فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ، وَكَانَ لِلنَّصَارٰى يَوْمُ الْأَحَدِ ، فَجَاءَ اللّٰهُ بِنَا، فَهَدَانَا اللّٰهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْأَحَدَ، وَكَذٰلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ] ''اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے لوگوں کو جمعے کے دن سے گمراہ کر دیا تھا، اب یہودیوں کے لیے ہفتے کا دن ہے اور عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھیجا تو جمعے کے دن کے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور ترتیب اس طرح ہے کہ جمعہ، ہفتہ اور اتوار، اس طرح روز قیامت بھی وہ ہمارے بعد ہوں گے، ہم اہل دنیا میں سے بعد میں آنے والے ہیں لیکن روز قیامت پہلے ہوں گے اور دیگر لوگوں کی نسبت حساب سے پہلے فارغ ہو جائیں گے۔''[1]

تفسیر آیت :125

حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ دین کی دعوت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد وہ کتاب وسنت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ ﴿ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾ ''اور نیک نصیحت سے'' جس میں لوگوں کے ساتھ پیش آنے والے حالات و واقعات کا بھی ذکر ہو۔[2] یعنی حالات و واقعات بھی انھیں یاد دلاؤ تاکہ یہ عبرت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جائیں۔ ﴿ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ ﴾ ''اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو'' جس سے مناظرہ و مباحثہ کی ضرورت ہو تو خندہ پیشانی، نرمی و ملائمت اور شائستہ انداز گفتگو کے ساتھ مناظرہ کرو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ﴾ (العنکبوت 29:46) ''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں، جو ان میں سے ظلم و زیادتی کریں (ان کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو۔)'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت نرمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:44) ''پس اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔'' ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿125﴾ ﴾ ''جو اس کے رستے سے بھٹک گیا، آپ کا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ جانتا ہے کہ بدبخت

① صحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: 856. ② تفسير الطبري: 252/14.

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ﴿126﴾

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہو، اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے ﴿126﴾ اور (اے نبی!) آپ

وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا

صبر کریں، اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی (کی توفیق) سے ہے اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں اور نہ آپ اس پر تنگی میں مبتلا ہوں جو وہ مکر (سازشیں)

16 ع 9 22 يَمۡكُرُوۡنَ ﴿127﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿128﴾ ع

کرتے ہیں ﴿127﴾ بلاشبہ اللہ ان کے ساتھ ہے جنھوں نے پرہیز گاری کی اور وہ احسان کرتے ہوں ﴿128﴾

کون ہے اور نیک بخت کون، اسے اس نے اپنے پاس لکھ کر رکھا ہے اور اس سے فارغ ہو چکا ہے، لہٰذا انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت تو دو لیکن ان میں سے جو گمراہ ہو جائے اور دعوت الی اللہ کو قبول نہ کرے، اس پر غم کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں کیونکہ انھیں ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہیں، آپ کا کام تو انھیں ڈرانا اور اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے، پھر ان سے حساب ہم خود ہی لے لیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝﴾ (القصص 28:56) ”اے نبی! بلاشبہ جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ﴾ (البقرة 2:272) ”اے نبی! آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔“

تفسیر آیات: 126-128

قصاص میں مساوات کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قصاص اور اپنا حق وصول کرتے ہوئے عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے جیسا کہ عبدالرزاق نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ﴾ ”تو اتنی ہی تکلیف دو جتنی تکلیف تم کو اس سے پہنچی ہے۔“ کے بارے میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص تمھاری کوئی چیز لے لے تو تم بھی اس کی اسی طرح کی چیز لے لو۔[1] مجاہد، ابراہیم، حسن بصری اور دیگر کئی ائمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] ابن زید کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مشرکین سے درگزر سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا، ان میں سے جب کچھ صاحب حیثیت لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اجازت دے تو ہم ان کتوں سے بدلہ لے لیں گے، اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مگر پھر جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔[3]

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں اور پرہیز گاروں کا مددگار ہے: ﴿وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ”اور صبر ہی کیجیے اور

[1] تفسیر الطبری: 14/255. [2] تفسیر الطبری: 14/256. [3] تفسیر الطبری: 14/255.

آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی (کی مدد) سے ہے۔'' یہ صبر کے حکم کی تاکید ہے، نیز بتایا جا رہا ہے کہ صبر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت و اعانت کے بغیر اختیار نہیں کیا جا سکتا، پھر فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور ان کے بارے میں غم نہ کیجیے'' جو آپ کی مخالفت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور ہے۔ ﴿ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿127﴾ ﴾ ''اور جو یہ بد اندیشی کرتے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہوں۔'' آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، وہ آپ کا حامی و ناصر ہے وہ آپ کو ان کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمائے گا۔ ﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿128﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ جو پرہیز گار ہیں اور جو نیکو کار ہیں، اللہ ان کا مددگار ہے۔'' یعنی وہ اپنی تائید، نصرت، اعانت، ہدایت اور سعی و کوشش سے ان کے ساتھ ہے، یہ معیت خاصہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ (الأنفال 12:8) ''جب آپ کا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو ان لوگوں کو جمائے رکھو جو ایمان دار ہیں۔'' اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا تھا: ﴿ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴾ (طٰہٰ 46:20) ''تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں (اور) سنتا اور دیکھتا ہوں۔''

اور نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جبکہ دونوں غار میں تھے: ﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ (التوبة 40:9) ''غم نہ کیجیے: اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''[1] معیت عامہ سمع، بصر اور علم کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾ (الحدید 4:57) ''اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ﴾ (المجادلة 7:58) ''(اے نبی!) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بے شک اللہ کو سب معلوم ہے (کسی جگہ) تین (شخصوں) کا (مجمع اور کانوں میں) صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ کہیں ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ (یونس 61:10) ''(اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہیں یا تم لوگ کوئی (اور) کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو تو ہم تمھارے پاس ہوتے ہیں اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے یا بڑی مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

﴿ الَّذِينَ اتَّقَوا ﴾ ''اور جو پرہیز گار ہیں۔'' یعنی جنھوں نے محرمات کو ترک کر دیا ہے ﴿ وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿128﴾ ﴾

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ...... ﴾ (التوبة 40:9)، حديث: 4663.

’’اور جو نیکو کار ہیں۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کے کام بجالاتے ہیں تو ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے، انھیں اپنی نصرت و حمایت سے نوازتا ہے اور انھیں ان سے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرماتا ہے۔

سورۂ نحل کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيماً.

تفسیر
سُورۂ بنی إسرآءیل

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا

پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے، تاکہ ہم

حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے①

فضیلت: امام حافظ متقن ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے سورۂ بنی اسرائیل، کہف اور مریم کے بارے میں فرمایا: ان کا تعلق میرے پہلے اور قدیم مال سے ہے۔[1] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس قدر کثرت سے نفلی) روزے رکھتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کا ارادہ نہیں کہ روزوں کو چھوڑ دیں اور پھر آپ (نفل) روزے رکھنا چھوڑ دیتے حتی کہ ہم یہ کہتے کہ اب آپ کا ارادہ نہیں کہ روزے رکھیں اور آپ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[2]

تفسیر آیت: 1

معراج کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی بزرگی اور اپنی عظمت شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے وہ قدرت حاصل ہے جو اس کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہے کیونکہ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔ وہ تو وہ ذات پاک ہے: ﴿اَلَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ﴾ ”جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔“ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿لَیۡلًا﴾ یعنی رات کے ایک حصے میں ﴿مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ﴾ ”مسجد الحرام سے“ یعنی مکہ مکرمہ کی مسجد (خانہ کعبہ) سے ﴿اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾ ”مسجد اقصیٰ تک۔“ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے جو ایلیاء میں ہے جو کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے لے کر انبیائے کرام کا مرکز رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں اس رات تمام انبیائے کرام کو جمع کیا گیا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقے اور ان کے گھر

① صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ بنی إسرائیل، باب: (1)، حدیث: 4708. ② مسند أحمد: 189/6.

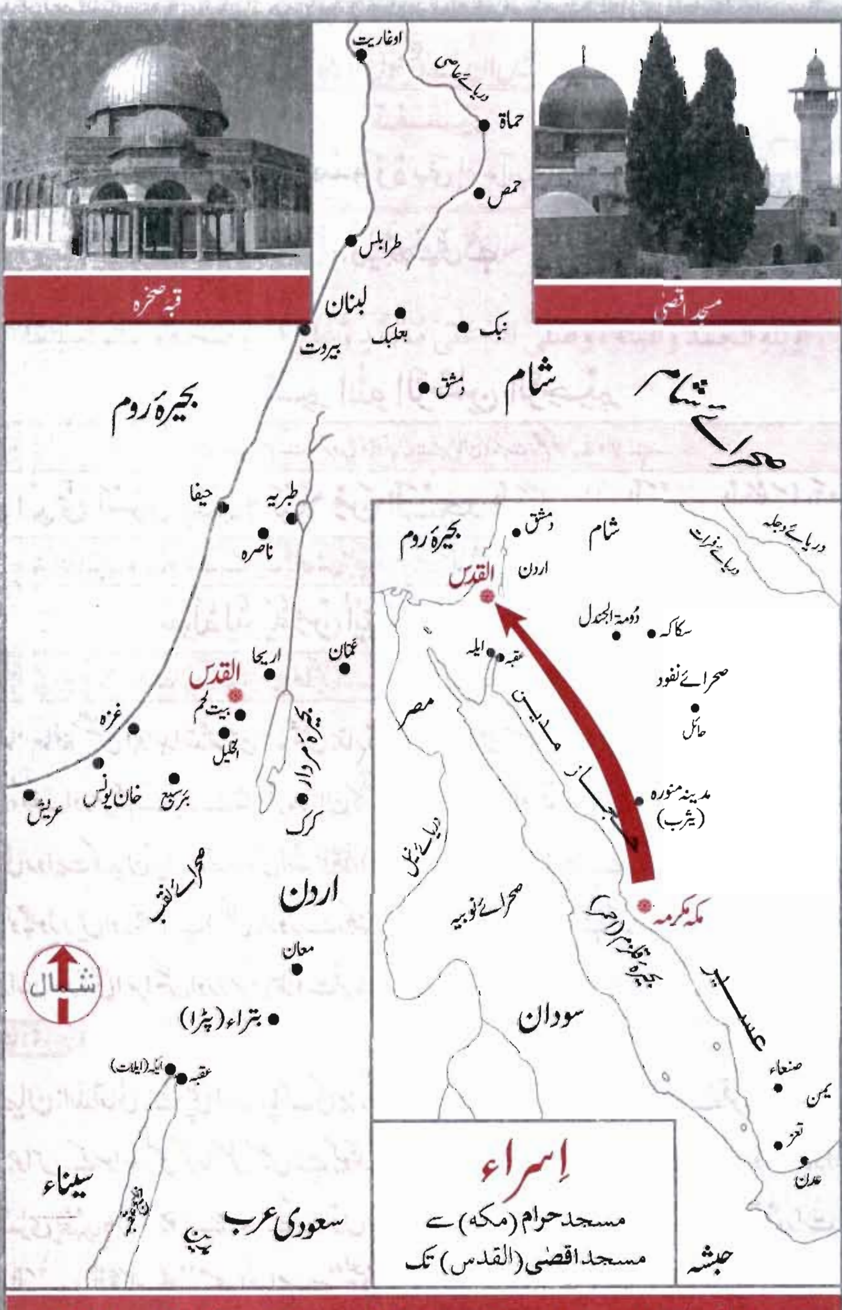

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾

"پاک ہے وہ جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا۔" (بنی اسرآئیل 17:1)

میں ان کی امامت فرمائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام اعظم اور رئیس مقدم آپ ہی ہیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

ارشاد الٰہی: ﴿ الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ ''جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔'' یعنی فصلوں اور پھلوں کی صورت میں ﴿ لِنُرِيَهٗ ﴾ ''تاکہ ہم اسے دکھائیں۔'' یعنی محمد ﷺ کو ﴿ مِنْ اٰيٰتِنَا ﴾ ''اپنی (قدرت کی) نشانیاں۔'' یعنی بڑی بڑی نشانیاں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ ﴾ (النجم 18:53) ''البتہ تحقیق انھوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' ہم آگے ان نشانیوں کا ذکر کریں گے جن کا نبیٔ اکرم ﷺ کی احادیث میں ذکر آیا ہے۔ ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ﴾ ''بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔'' یعنی وہ اپنے تمام بندوں کی باتوں کو سنتا ہے، خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، تصدیق کرنے والے ہوں یا تکذیب کرنے والے اور وہ انھیں دیکھتا بھی ہے اور ہر ایک کو وہ دیتا بھی ہے جس کا وہ دنیا و آخرت میں مستحق ہو۔

معراج سے متعلق احادیث مبارکہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ، يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهِ، فَرَكِبْتُهُ فَسَارَ بِي حَتّٰى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَرَبَطْتُ الدَّابَّةَ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ فِيهَا الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ دَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَ نِي جِبْرِيلُ بِإِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّإِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ، فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ، قَالَ جِبْرِيلُ: أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ.

قَالَ: ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: وَمَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِآدَمَ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ. قَالَ: فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ يَحْيٰى وَعِيسٰى فَرَحَّبَا وَدَعَوَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ، فَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ الْبَابُ، فَإِذَا أَنَا بِإِدْرِيسَ فَرَحَّبَ بِي وَدَعَالِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ قَالَ: يَقُولُ اللّٰهُ: ﴿ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ ﴾ (مریم 57:19) ثُمَّ عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ:

جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِهَارُونَ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ:وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِمُوسٰى، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ.

ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ،قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيمَ وَإِذَا هُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَّا يَعُودُونَ إِلَيْهِ،ثُمَّ ذُهِبَ بِي إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، فَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيلَةِ، وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ، فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَهَا تَغَيَّرَتْ، فَمَا أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَّصِفَهَا مِنْ حُسْنِهَا.

قَالَ: فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ مَا أَوْحٰى، وَفَرَضَ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ خَمْسِينَ صَلَاةً فَنَزَلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوسٰى،فَقَالَ: مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ خَمْسِينَ صَلَاةً فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، قَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، وَإِنِّي قَدْ بَلَوْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَخَبَرْتُهُمْ، قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلٰى رَبِّي، فَقُلْتُ: أَيْ رَبِّ! خَفِّفْ عَنْ أُمَّتِي، فَحَطَّ عَنِّي خَمْسًا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: مَا فَعَلْتَ؟ قُلْتُ: حَطَّ عَنِّي خَمْسًا، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَاكَ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ:فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي وَبَيْنَ مُوسٰى وَيَحُطُّ عَنِّي خَمْسًا خَمْسًا، حَتّٰى قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! هِيَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، بِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ،فَتِلْكَ خَمْسُونَ صَلَاةً، وَّمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ عَشْرًا، وَّمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً، فَنَزَلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوسٰى فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَاكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِﷺ لَقَدْ رَجَعْتُ إِلٰى رَبِّي حَتّٰى لَقَدِ اسْتَحْيَيْتُ]

’’میرے پاس براق لایا گیا جو سفید رنگ کا ایک ایسا جانور تھا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، (اور وہ اس قدر سبک رفتار تھا کہ) اپنے پاؤں کو وہاں رکھتا جہاں اس کی نظر پڑتی تھی، میں اس پر سوار ہوا، وہ مجھے لے کر چل پڑا حتی کہ میں بیت المقدس میں پہنچ گیا، میں نے جانور کو اس حلقے سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے، پھر میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی، پھر میں مسجد سے باہر نکلا تو جبریل میرے پاس ایک شراب کا برتن اور دوسرا دودھ کا برتن لے کر آئے، میں نے دودھ والے برتن کو پسند کر لیا تو جبریل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا: پھر ہمیں آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا، جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو ان سے پوچھا گیا

کہ تم کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا کہ تمھارے ساتھ کون ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے، اس کے بعد ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات دو خالہ زاد بھائیوں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی، دونوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی، پھر ہمیں تیسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں نصف حسن سے نوازا گیا ہے، انھوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی، پھر ہمیں چوتھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا، وہاں میری ملاقات ادریس علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ ﴾ (مریم 19:57) ''اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھا لیا تھا۔''

پھر ہمیں پانچویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا اور وہاں میری ملاقات ہارون علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی، پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، آپ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار

فرشتے داخل ہوتے ہیں وہ اس کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے، پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح تھے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح تھے، جب اللہ تعالیٰ کے امر نے اسے (سدرۃ المنتہیٰ کو) ڈھانپا جس قدر ڈھانپا تو اس کا رنگ بدل گیا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ طاقت نہیں کہ اس کے حسن و جمال کو بیان کر سکے۔

آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی جو بھیجی اور مجھ پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض قرار دے دیں۔ واپسی پر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ دن رات میں پچاس نمازیں، انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس سے امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں ہوگی کیونکہ میں اس سلسلے میں بنی اسرائیل کی خوب آزمائش کر چکا ہوں۔ میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس واپس آیا اور میں نے عرض کی: اے میرے رب! میری امت سے تخفیف فرما دے! تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دیں، میں واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا بنا؟ میں نے جواب دیا کہ پانچ نمازیں کم ہوگئی ہیں، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو اس کی بھی طاقت نہ ہوگی، آپ اپنے رب تعالیٰ کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بار بار آتا جاتا رہا اور مجھ سے پانچ پانچ نمازیں کم کی جاتی رہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (ﷺ!) یہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز کا دس گنا ثواب ملے گا تو اس طرح گویا یہ پچاس نمازیں ہو جائیں گی، جو شخص ایک نیکی کا ارادہ کرے مگر اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے تو اس کے لیے کچھ نہیں لکھا جاتا اور اگر اس کے مطابق عمل کر لے تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور انھیں بتایا تو انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس جائیں اور تخفیف کے لیے سوال کریں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی بھی طاقت نہ ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں نے بار بار اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اب مجھے حیا دامن گیر ہے۔''[1]

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو اسی سیاق کے ساتھ روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ شب معراج نبی اکرم ﷺ کے پاس براق کو زین اور لگام کے ساتھ لایا گیا تاکہ آپ اسے سواری کے لیے استعمال کریں مگر اس نے ضد کرنا چاہی تو جبریل نے اس سے کہا کہ ایسا کیوں کرتے ہو۔ اللہ کی قسم! تم پر آج تک کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ سے زیادہ معزز اور مکرم ہو، یہ سن کر براق پسینے سے شرابور ہو گیا۔[3] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو روایت کیا اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[4]

① مسند أحمد: 149,148/3. ② صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ...... ، حدیث: 162. ③ مسند أحمد: 164/3. ④ جامع الترمذي، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بني إسرائیل، حدیث: 3131.

امام احمد ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَمَّا عَرَجَ بِي رَبِّي عَزَّوَجَلَّ، مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَّهُمْ أَظْفَارٌ مِّنْ نُّحَاسٍ يَّخْمُشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ، وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ]''جب میرے رب نے مجھے معراج کروائی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن پیتل کے تھے اور وہ ان کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے پوچھا: جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھایا کرتے اور ان کی عزتوں کے درپے ہوا کرتے تھے۔''[1] اسے ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام احمد ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلٰى مُوسٰى قَائِمًا يُّصَلِّي فِي قَبْرِهِ]''شب معراج میرا موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔''[3] اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

انس بن مالک کی مالک بن صَعْصَعہ رضی اللہ عنہما سے روایت: امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مالک بن صَعْصَعہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:[بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ- وَرُبَّمَا قَالَ قَتَادَةُ: فِي الْحِجْرِ- مُضْطَجِعٌ إِذْ أَتَانِي آتٍ، فَجَعَلَ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ الْأَوْسَطِ بَيْنَ الثَّلَاثَةِ، قَالَ: فَأَتَانِي فَقَدَّ- وَسَمِعْتُ قَتَادَةَ يَقُولُ: فَشَقَّ- مَا بَيْنَ هٰذِهِ إِلٰى هٰذِهِ وَقَالَ قَتَادَةُ: فَقُلْتُ: لِلْجَارُودِ وَهُوَ إِلٰى جَنْبِي: مَا يَعْنِي؟ قَالَ: مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهِ إِلٰى شِعْرَتِهِ، وَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: مِنْ قَصِّهِ إِلٰى شِعْرَتِهِ قَالَ: فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِي فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مَّمْلُوءَةٍ إِيمَانًا وَّحِكْمَةً فَغُسِلَ قَلْبِي ثُمَّ حُشِيَ، ثُمَّ أُعِيدَ، ثُمَّ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ دُونَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ أَبْيَضَ قَالَ: فَقَالَ لَهُ الْجَارُودُ: أَهُوَ الْبُرَاقُ يَا أَبَا حَمْزَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَقَعُ خَطْوُهُ عِنْدَ أَقْصٰى طَرْفِهِ قَالَ: فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ فَانْطَلَقَ بِي جِبْرِيلُ حَتّٰى أَتٰى بِيَ السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَاسْتَفْتَحَ، فَقِيلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ : جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، قِيلَ: أَوَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ، وَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، قَالَ: فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا فِيهَا آدَمُ، فَقَالَ: هٰذَا أَبُوكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ:مَرْحَبًا بِالْإِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ (اَلْحَدِيثَ بِنَحْوِمَا سَبَقَ، وَفِيهِ فِي ذِكْرِ مُوسٰى علیہ السلام)- قَالَ:- فَلَمَّا تَجَاوَزْتُ بَكٰى قِيلَ لَهُ: مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: أَبْكِي لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مِمَّا يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي.

قَالَ: ثُمَّ صَعِدَ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ السَّابِعَةَ، فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ

[1] مسند أحمد:224/3. [2] سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة ، حديث:4878. [3] مسند أحمد:120/3.

[4] صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى، حديث:(165)-2375.

مُحَمَّدٌ، قِيلَ: أَوَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ وَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، قَالَ:فَفَتَحَ ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ: هٰذَا إِبْرَاهِيمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، قَالَ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، قَالَ: ثُمَّ رُفِعَتْ إِلَيَّ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ، فَقَالَ: هٰذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى، قَالَ: وَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ: نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ، قَالَ: ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ ـ قَالَ قَتَادَةُ:وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ رَأَى الْبَيْتَ الْمَعْمُورَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى حَدِيثِ أَنَسٍ ـ قَالَ: ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّإِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ وَّإِنَاءٍ مِّنْ عَسَلٍ، قَالَ: فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ، قَالَ: هٰذِهِ الْفِطْرَةُ أَنْتَ عَلَيْهَا وَأُمَّتُكَ ـ قَالَ: ثُمَّ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: (فَرَجَعْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ، قَالَ: فَقُلْتُ:) بِخَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِخَمْسِينَ صَلَاةً، وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا.

قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى قَالَ: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: بِأَرْبَعِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَاتَسْتَطِيعُ أَرْبَعِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا أُخَرَ فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى ، فَقَالَ لِي: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: أُمِرْتُ بِثَلَاثِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِثَلَاثِينَ صَلَاةً كُلَّ يَومٍ وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا أُخَرَ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى: فَقَالَ:بِمَ أُمِرْتَ؟ فَقُلْتُ: بِعِشْرِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ عِشْرِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ.

فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، قَالَ: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: أُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَقَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: أُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَقَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِخَمْسِ صَلَوَاتٍ

كُلَّ يَوْمٍ وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: قُلْتُ: قَدْ سَأَلْتُ رَبِّي حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ، وَلٰكِنْ أَرْضٰى وَأُسَلِّمُ، فَلَمَّا نَفَذْتُ نَادَانِي مُنَادٍ: قَدْ أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِي وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِي]

’’میں حطیم۔اس حدیث کی سند کے راوی قتادہ نے ’’حطیم‘‘ کے بجائے حِجر کا نام بھی لیا ہے۔میں لیٹا ہوا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے تینوں میں سے اپنے درمیان والے ساتھی سے یہ کہنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ آیا اور اس نے میرے جسم کے یہاں سے لے کر یہاں تک کے حصے کو چاک کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے جارود سے پوچھا جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کیا مقصد! انھوں نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سینے کے کنارے سے لے کر پیٹ تک کا حصہ چاک کیا اور میں نے انھیں یہ بھی کہتے ہوئے سنا ہے کہ سینے کی ہڈی سے لے کر پیٹ تک کا حصہ چاک کیا۔ [1] آپ نے فرمایا کہ میرے دل کو نکالا گیا اور میرے پاس سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا۔میرے دل کو دھویا گیا، پھر اسے ایمان وحکمت سے بھر کر اپنی جگہ لوٹا دیا گیا۔پھر میرے پاس سفید رنگ کا ایک ایسا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا......جارود نے پوچھا کہ ابوحمزہ! یہ جانور براق تھا انھوں نے کہا: ہاں اور یہ جانور (اس قدر سبک رفتار تھا) کہ جہاں تک اس کی نگاہ جاتی وہاں وہ اپنا قدم رکھتا تھا۔

آپ نے فرمایا: مجھے اس جانور پر سوار کر دیا گیا، جبریل علیہ السلام میرے ہمراہ تھے حتی کہ وہ مجھے آسمان دنیا کے پاس لے گئے، جبریل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہو۔انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں، تو کہا گیا: آپ کو خوش آمدید ہو۔آپ بہت ہی اچھے تشریف لانے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں آدم علیہ السلام تشریف فرما تھے، جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، آپ انھیں سلام کہیں، میں نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید اے صالح بیٹے اور صالح نبی! (باقی حدیث اسی طرح ہے جس طرح پہلے بیان کی جا چکی ہے، [2] البتہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں یہ بھی ہے:) جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ رونے لگ گئے، ان سے پوچھا گیا: آپ روتے کیوں ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ نوجوان میرے بعد مبعوث ہوئے مگر آپ کی امت میری امت کی نسبت جنت میں زیادہ داخل ہوگی۔

آپ نے فرمایا: پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا: کون ہو؟ جواب دیا: جبریل، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔جواب دیا، محمد (ﷺ) پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا

---

[1] ہمّام کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے قَدَّ کے بجائے شَقَّ سنا، بہر حال دونوں کے معنیٰ ’’لمبائی میں چاک کرنے یا پھاڑنے کے ہیں۔‘‘

[2] دیکھیے عنوان: ’’انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت‘‘

ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں، تو کہا گیا کہ خوش آمدید بہت ہی اچھے ہیں یہ تشریف لانے والے! آپ نے فرمایا: پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے بتایا کہ یہ ابراہیم ہیں آپ انھیں سلام کہیں، آپ نے فرمایا کہ میں نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید اے نیک بیٹے اور نیک نبی! آپ نے فرمایا: پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، اس کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح، جبریل نے کہا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

آپ نے فرمایا: وہاں چار نہریں تھیں، دو نہریں باطنی اور دو نہریں ظاہری، میں نے کہا: جبریل یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ دونوں باطنی نہریں جنت کی ہیں اور دونوں ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر بیت المعمور کو میرے پاس لایا گیا۔

امام قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسن نے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو ایک مرتبہ داخل ہو گئے، وہ دوبارہ داخل نہ ہوں گے۔

پھر انھوں نے حدیث انس [1] ہی کی طرح بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا، ایک دودھ کا اور ایک شہد کا لایا گیا، آپ نے فرمایا کہ میں نے دودھ والے برتن کو لے لیا، جبریل نے کہا کہ یہ (اس دین) فطرت (کی طرف اشارہ) ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہیں۔

آپ نے فرمایا: پھر مجھ پر پچاس نمازیں روزانہ فرض قرار دے دی گئیں اور میں جب واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ روزانہ پچاس نمازیں، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ پچاس نمازوں کی استطاعت نہیں ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے، لہٰذا اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، آپ نے فرمایا کہ میں واپس گیا تو مجھ سے دس نمازیں کم کر دی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟ میں نے کہا کہ روزانہ چالیس نمازیں، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ چالیس نمازوں کی استطاعت نہ ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے، لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں۔

آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے پاس گیا تو مجھ سے دس نمازیں اور کم کر دی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟ میں نے کہا: تیس نمازیں روزانہ۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ تیس نمازوں کی بھی استطاعت نہیں ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے، لہٰذا اپنے رب کے پاس

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰه......، حدیث: 162 .

جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے پاس گیا تو مجھ سے دس نمازیں اور کم کردی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟ میں نے کہا: بیس نمازیں روزانہ، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ بیس نمازوں کی بھی استطاعت نہ ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے۔

لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، آپ فرماتے ہیں کہ میں پھر واپس گیا تو مجھ سے دس نمازیں اور کم کردی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے روزانہ دس نمازوں کا حکم ملا ہے، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روازانہ دس نمازوں کی بھی استطاعت نہ ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے، لہٰذا اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، میں واپس گیا تو مجھے روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دے دیا گیا، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا کیا حکم ملا ہے؟ میں نے کہا: روزانہ پانچ نمازوں کا حکم ملا ہے، انھوں نے کہا آپ کی امت کو روزانہ پانچ نمازوں کی بھی استطاعت نہ ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے، لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، میں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے رب سے بار بار سوال کیا ہے حتی کہ اب مجھے شرم آتی ہے، لہٰذا اب میں اپنے رب کے حکم کے سامنے تسلیم اور رضا کا اظہار کرتا ہوں، چنانچہ جب میں نے (اس حکم کو) نافذ کردیا تو اس وقت ایک منادی کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ میں نے اپنے فرض کو عائد کردیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی۔''[1] صحیحین میں بھی یہ حدیث اسی طرح ہے۔[2]

انس کی ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَفَرَجَ صَدْرِي ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُّمْتَلِيءٍ حِكْمَةً وَّإِيمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي، ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخَذَبِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ: اِفْتَحْ! قَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قَالَ: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ: نَعَم، مَعِيَ مُحَمَّدٌ، فَقَالَ: أَأُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰى يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ، وَّعَلٰى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكٰى، فَقَالَ:

[1] مسند أحمد: 4/208-210. جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 3/148 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم ......، حديث: 3207 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ......، حديث: 164.

مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ، قَالَ: قُلْتُ لِجِبْرِيلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا آدَمُ، وَهٰذَا الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَّمِينِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ، فَأَهْلُ الْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَّمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى، حَتّٰى عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ۔ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔: قَالَ: ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ،قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِبْرَاهِيمُ ﷺ.

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُولَانِ: قَالَ النَّبِيُّ: [ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ]۔ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّأَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: مَافَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ:فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ: مُوسٰى: فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعَنِي فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا، قَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعْتُهُ، فَقَالَ: هُنَّ خَمْسٌ وَّهُنَّ خَمْسُونَ، لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، قُلْتُ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّي، ثُمَّ انْطَلَقَ بِي حَتّٰى انْتَهٰى بِي إِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، وَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَّا أَدْرِي مَاهِيَ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا فِيهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ]

’’میرے گھر کی چھت کو کھولا گیا جبکہ میں مکہ میں تھا، جبریل آئے اور انھوں نے میرے سینے کو کھولا، پھر اسے آبِ زمزم کے ساتھ دھویا، پھر وہ سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا تو انھوں نے اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، پھر سینے کو بند کر دیا، پھر میرے ہاتھ کو پکڑا اور مجھے آسمان دنیا کے پاس لے گئے جب میں آسمان تک پہنچا تو جبریل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ کھولو تو اس نے پوچھا: کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، اس نے پوچھا۔ کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں، اس نے پوچھا، کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، جب اس نے دروازہ کھولا تو ہم آسمان دنیا کے اندر چلے گئے۔ وہاں ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے جن کی دائیں طرف بہت سے لوگ تھے اور بائیں طرف بھی بہت سے لوگ، جب وہ اپنی دائیں طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رونے لگتے، انھوں نے کہا: خوش آمدید اے صالح نبی اور صالح کے بیٹے! میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ آدم علیہ السلام ہیں ان کی دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے یہ لوگ ان کی اولاد ہیں، دائیں طرف کے لوگ اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے اہل دوزخ، یہی وجہ ہے کہ وہ جب اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، پھر مجھے دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا- پھر حسب سابق حدیث بیان کی- آپ نے فرمایا کہ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے فرمایا: خوش آمدید اے صالح نبی اور

صالح کے بیٹے! میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں- امام زہری بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے اور اوپر لے جایا گیا حتی کہ میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں میں قلموں کی آوازیں سن رہا تھا۔

ابن حزم وانس بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازوں کو فرض قرار دیا تو واپسی پر جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں ہوگی، میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے آدھی نمازیں کم کر دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو میں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدھی نمازیں کم کر دی ہیں تو انھوں نے کہا اپنے رب کے پاس واپس جائیں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں ہوگی میں واپس آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آدھی اور کم کر دیں، میں موسیٰ کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں، آپ کی امت کو اس کی طاقت نہ ہوگی، میں پھر واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نمازیں پانچ ہیں اور یہ پچاس کے بقدر ہیں، میرے ہاں بات میں تبدیلی نہ ہوگی، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس گیا تو انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس جائیں، میں نے کہا اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ پھر جبریل میرے ساتھ چلے حتی کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے اس پر بہت سے رنگ چھا رہے تھے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا ہیں، پھر مجھے جنت میں داخل کر دیا گیا تو اس میں موتیوں کے ہار تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔'' یہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ ہیں جو کتاب الصلاۃ میں ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو باب ماذکر عن بنی إسرائیل میں، کتاب الحج میں اور کتاب أحادیث الأنبیاء میں بھی مختلف سندوں سے یونس سے روایت کیا ہے۔[1] اور امام مسلم نے اسے اپنی صحیح کی کتاب الإیمان میں بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے عبداللہ بن شقیق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ سے ایک سوال پوچھتا، انھوں نے کہا کہ آپ نے کیا سوال پوچھنا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ پوچھنا تھا: کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ سوال آپ سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا: [قَدْ رَأَيْتُهُ نُورًا ، أَنّٰى أَرَاهُ؟] ''میں نے اس کا نور دیکھا ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟''[3] امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں اسی طرح آیا ہے۔ امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں عبداللہ بن شقیق سے اور انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: [نُورٌ أَنّٰى أَرَاهُ] ''اللہ تعالیٰ کی ذات تو نور ہے میں اسے

---

① صحیح البخاری، الصلاۃ ،باب: کیف فرضت الصلاۃ ......؟ حدیث: 349 والحج، باب ماجاء فی زمزم، حدیث: 1636 وأحادیث الأنبیاء، باب ذکر إدریس علیہ السلام......، حدیث: 3342 جبکہ أحادیث الأنبیاء میں باب ماذکر عن بنی إسرائیل کے تحت یہ حدیث نہیں ہے، البتہ بخاری ہی میں بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ......، حدیث: 3207 میں ہے۔ ② صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 163. ③ مسند أحمد: 147/5.

کیسے دیکھ سکتا ہوں؟‘‘① عبداللہ بن شَقِیق سے روایت ہے کہ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو آپ سے ایک سوال پوچھتا، انھوں نے کہا: آپ نے کیا سوال پوچھنا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ سوال پوچھنا تھا کہ کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ سوال پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا: [رَأَيْتُ نُورًا] ’’میں نے نور دیکھا ہے۔‘‘②

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت: امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَا اللّٰهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ ، فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ] ’’جب مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی تو قریش نے میری تکذیب کی، میں حجر میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المقدس دکھا دیا، میں اس وقت بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا اور قریش کو اس کی نشانیوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔‘‘③ امام بخاری و مسلم نے اس روایت کو صحیحین میں بھی کئی سندوں سے بیان کیا ہے۔④ بیہقی میں ہے کہ ابن شہاب نے کہا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ قریش کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے: کیا آپ اپنے ساتھی کی اس بات کو کبھی سچ مانیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر مکہ میں واپس بھی آ گئے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ نے واقعی یہ بات فرمائی ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ بات فرمائی ہے تو سچ فرمایا ہے۔ انھوں نے کہا: تعجب ہے کہ آپ ان کی اس بات کو سچ سمجھتے ہیں کہ وہ راتوں رات شام جا کر صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ میں واپس بھی آ گئے! انھوں نے فرمایا: ہاں، میں تو آپ کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں، یعنی میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ ابوسَلَمہ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ابوبکر کو صِدِّیق کے نام سے موسوم کیا گیا۔⑤

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت: امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک طرف قدموں کی آہٹ سنی تو پوچھا: [يَا جِبْرِيلُ! مَاهٰذَا؟] ’’جبریل! یہ کیا ہے؟‘‘ انھوں نے جواب دیا کہ یہ بلال مؤذن کے قدموں کی آہٹ ہے، نبی ﷺ جب لوگوں کے پاس واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: [قَدْ أَفْلَحَ بِلَالٌ رَأَيْتُ لَهُ كَذَاوَكَذَا] ’’بلال کامیاب ہو گئے، میں نے جنت میں انھیں ایسے ایسے دیکھا ہے۔‘‘ جنت میں جب موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ نبی امی کی تشریف آوری

---

① صحیح مسلم ، الإیمان ، باب فی قوله ﷺ:[نورأنّی أراه......]، حدیث:178. ② صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله ﷺ : [نورأنّی أراه......]، حدیث:(292)-178. ③ مسند أحمد:377/3. ④ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ...... ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 1:17)،حدیث: 4710و3886. ⑤ دلائل النبوة للبیهقی، باب الإسراء برسول اللّٰه من المسجد الحرام......:360/2.

پرخوش آمدید کہتے ہیں، آپ نے فرمایا:[وَهُوَ رَجُلٌ آدَمُ طَوِيلٌ، سَبْطٌ شَعْرُهُ مَعَ أُذُنَيْهِ ، أَوْ فَوْقَهُمَا] ''موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گندمی، قد طویل اور بال لمبے تھے جو کانوں تک تھے یا ان سے اوپر میں نے پوچھا:[مَنْ هٰذَا؟ يَا جِبْرِيلُ!] ''جبریل! یہ کون ہیں؟'' انھوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔[1] اس کے بعد آپ آگے تشریف لے گئے اور وہاں ایک جلیل القدر اور پر ہیبت شیخ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے خوش آمدید اور سلام کہا۔ تمام انبیائے کرام ہی آپ کو سلام کہتے تھے، آپ نے پوچھا: [مَنْ هٰذَا؟ يَا جِبْرِيلُ!] ''جبریل! یہ کون ہیں؟'' انھوں نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم ہیں۔

آپ نے کچھ لوگوں کو جہنم میں دیکھا جو مردار کھا رہے تھے، آپ نے پوچھا:[مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ يَا جِبْرِيلُ !] ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے؟ یعنی غیبت کیا کرتے تھے، آپ نے ایک آدمی دیکھا جو بہت سرخ، نیلگوں رنگ، گھنگریالے اور پراگندہ بالوں والا تھا، آپ نے پوچھا:[مَنْ هٰذَا؟ يَا جِبْرِيلُ!] ''جبریل! یہ کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے (صالح کی) اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ واپسی پر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نے نماز پڑھنا شروع فرما دی اور تمام نبیوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کی خدمت میں دو پیالے پیش کیے گئے، ایک دائیں طرف سے اور دوسرا بائیں طرف سے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شہد، آپ نے دودھ کو لے لیا اور نوش فرمایا جس کے ہاتھ میں پیالہ تھا، اس نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔[2] اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر اصحاب کتب ستہ نے اسے بیان نہیں کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بیت المقدس کی سیر کرائی گئی اور پھر آپ اسی رات واپس بھی تشریف لے آئے اور آپ نے لوگوں سے اپنے اس سفر بیت المقدس کی علامت اور قریش کے قافلے کے بارے میں بیان فرمایا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے، وہ مرتد ہو کر کافر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی گردنوں کو ابوجہل کے ساتھ (غزوۂ بدر میں) مار دیا تھا۔ ابوجہل کہنے لگا کہ محمد ﷺ ہمیں زَقُّوم کے درخت سے ڈراتے ہیں، کھجور اور پنیر لاؤ اور اسے باہم ملا دو تو یہ زقوم بن گیا (حالانکہ زقوم جہنم میں تھوہر کے درخت کا نام ہے) آپ نے دجال کو بھی اس رات خواب میں نہیں بلکہ سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا، نیز عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو بھی دیکھا تھا۔ نبی ﷺ سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

[رَأَيْتُهُ فَيْلَمَانِيًّا أَقْمَرَ هِجَانًا، إِحْدٰى عَيْنَيْهِ قَائِمَةٌ، كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ، كَأَنَّ شَعْرَ رَأْسِهِ أَغْصَانُ شَجَرَةٍ، وَّرَأَيْتُ عِيسٰى شَابًّا أَبْيَضَ، جَعْدَ الرَّأْسِ، حَدِيدَ الْبَصَرِ، مُبَطَّنَ الْخَلْقِ، وَرَأَيْتُ مُوسٰى أَسْحَمَ آدَمَ، كَثِيرَ الشَّعْرِ۔ قَالَ حَسَنٌ: اَلشَّعْرَةِ۔ شَدِيدَ الْخَلْقِ، وَنَظَرْتُ إِلٰى إِبْرَاهِيمَ، فَلَا أَنْظُرُ إِلٰى إِرْبٍ مِّنْ آرَابِهٖ إِلَّا نَظَرْتُ إِلَيْهِ مِنِّي، كَأَنَّهُ صَاحِبُكُمْ ، فَقَالَ جِبْرِيلُ علیہ السلام سَلِّمْ عَلٰى (أَبِيكَ) فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ]

[1] بعض نسخوں میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی ہے۔ [2] مسند أحمد:257/1.

’’میں نے اسے دیکھا کہ وہ بہت بھاری بھرکم عظیم الجُثَّہ ، چاند کی طرح روشن رو تھا، اس کی ایک آنکھ سلامت تھی اور یوں محسوس ہوتی تھی گویا چمکدار تارا ہو اور اس کے سر کے بال اس طرح تھے جیسے کسی درخت کی شاخیں ہوں۔ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ سفید رنگ کے نوجوان تھے، ان کے سر کے بال گھنگریالے، نظر بہت تیز اور پیٹ کے دبلے پتلے تھے، میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ لحیم وشحیم، گندمی رنگ، زیادہ بالوں والے۔ فرمایا: خوبصورت بالوں والے۔ مضبوط جسم کے مالک تھے، میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، میں نے آپ کی جس خوبی کو بھی دیکھا، وہ مجھے اپنے آپ میں بھی نظر آئی بس یوں ہی سمجھو کہ وہ مجھ سے بہت ہی ملتے جلتے تھے، جبریل نے کہا کہ اپنے باپ کو سلام کہیں تو میں نے آپ کو سلام کہا۔‘‘[1] اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے ابوزید ثابت (بن یزید) اور انھوں نے ہلال (بن خباب) سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔[2]

امام بیہقی نے ابوالعالیہ کی روایت کو بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ ہم سے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر عم زاد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي مُوسَى بْنَ عِمْرَانَ عليه السلام، رَجُلًا طِوَالًا جَعْدًا كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ ، وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عليه السلام مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، سَبِطَ الرَّأْسِ وَأُرِيَ مَالِكًا خَازِنَ جَهَنَّمَ وَالدَّجَّالَ فِي آيَاتٍ أَرَاهُنَّ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِيَّاهُ قَالَ: ﴿فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ (السجدة 23:32)] ’’میں نے شب معراج موسیٰ بن عمران کو دیکھا کہ وہ طویل القامت اور گھنگریالے بالوں والے تھے، گویا وہ خاندان شنوءہ کے لوگوں میں سے ہوں اور میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ آپ درمیانے قد، سرخ وسفید رنگ اور لمبے بالوں والے تھے، مجھے جہنم کے داروغے مالک اور دجال کو بھی ان نشانیوں کے ساتھ دکھایا گیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھائیں۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ ’’پس آپ ان کے ملنے سے شک میں نہ ہوں۔‘‘ امام قتادہ رحمہ اللہ اس کی تفسیر یہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی: ﴿وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (بنی إسرآء یل 2:17) ’’اور ہم نے اس (کتاب) کو (یا موسیٰ کو) بنی اسرائیل کے لیے (ذریعۂ) ہدایت بنایا۔‘‘ امام قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لے ذریعۂ ہدایت بنادیا تھا۔[3] امام مسلم نے اسے صحیح میں روایت کیا ہے۔[4] اور امام بخاری ومسلم نے اسے قتادہ سے مختصراً بھی روایت کیا ہے۔[5]

---

① مسند أحمد:374/1. ② السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، سورة الإسراء:377/6، حدیث:11283. ملحوظ: مسند احمد میں نحن لانصدق ...... کے بجائے نحن نصدق......؟ یعنی استفہام انکاری ہے، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے، اسی طرح مسند احمد کے مذکورہ حوالے میں (سَلِّمْ عَلٰی مَالِكٍ) ہے جبکہ مسند أبی یعلی الموصلی:108/5، حدیث:2720 میں......أَبِيكَ اور سیاق کلام سے مؤخر الذکر ہی درست معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم. ③ دلائل النبوة للبیھقی، باب الدلیل علٰی أن النبی ﷺ عرج به إلی السماء......:386/2 . ④ صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰه......،حدیث:165. ⑤ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب: إذ قال أحدکم: آمین......، حدیث:3239 و3396 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء ......، حدیث: 165.

امام احمد ہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَمَّا كَانَ لَيْلَةُ أُسْرِيَ بِي، وَ أَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ فَظِعْتُ بِأَمْرِي ، وَعَرَفْتُ أَنَّ النَّاسَ مُكَذِّبِيَّ] ”جب رات کو مجھے معراج کرائی گئی اور پھر صبح کے وقت میں مکہ میں تھا میں گھبرا گیا اور میں نے معلوم کر لیا کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔“ تو آپ غمزدہ حالت میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے، اللہ کے دشمن ابوجہل کا پاس سے گزر ہوا تو وہ میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور طنزیہ انداز میں کہنے لگا: کیا کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے۔ آپ نے فرمایا:[نَعَمْ] ”ہاں“ اس نے کہا: وہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا:[إِنَّهُ أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ] ”رات کو مجھے سیر کرائی گئی۔“ اس نے پوچھا: کہاں؟ آپ نے فرمایا:[إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ] ”بیت المقدس تک کی“ اس نے کہا: پھر بوقت صبح آپ یہاں پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا:[نَعَمْ] ”ہاں“ ابوجہل نے فوراً آپ کی تکذیب نہ کی کیونکہ اس نے یہ سوچا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں کو آپ کی یہ بات بتائے اور آپ اس کا انکار کر دیں، اس لیے اس نے کہا کہ اگر آپ کی قوم کے لوگوں کو یہاں بلاؤں تو کیا آپ ان سے بھی یہ بات بیان کریں گے جو مجھ سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[نَعَمْ] ”ہاں“ تو اس نے آواز دی، اے بنی کعب بن لُؤَیّ کے لوگو! تو لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور آکر ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے تو ابوجہل کہنے لگا کہ وہ بات ذرا ان سے بھی بیان کریں جو آپ نے مجھ سے بیان کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِنِّي أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ] ”بلاشبہ مجھے رات کو سیر کرائی گئی ہے۔“ لوگوں نے کہا: کہاں کی؟ آپ نے فرمایا:[إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ] ”بیت المقدس تک کی۔“ لوگوں نے پوچھا: پھر صبح آپ یہاں پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا:[نَعَمْ] ”ہاں“۔

تو یہ سن کر کچھ لوگ تو تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے اسے جھوٹ سمجھ کر از راہ تعجب اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیے اور کہنے لگے: کیا آپ ہمارے سامنے مسجد اقصیٰ کی کیفیت بیان کر سکتے ہیں؟ کیونکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے اس شہر کا سفر کیا اور مسجد کو دیکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[فَذَهَبْتُ أَنْعَتُ فَمَا زِلْتُ أَنْعَتُ حَتَّى الْتَبَسَ عَلَيَّ بَعْضُ النَّعْتِ ، قَالَ: فَجِيءَ بِالْمَسْجِدِ وَ أَنَا أَنْظُرُ حَتّٰى وُضِعَ دُونَ دَارِ عِقَالٍ ، أَوْ عُقَيْلٍ ، فَنَعَتُّهُ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ قَالَ: وَكَانَ مَعَ هٰذَا نَعْتٌ لَّمْ أَحْفَظْهُ، قَالَ :فَقَالَ الْقَوْمُ : أَمَّا النَّعْتُ فَوَ اللّٰهِ ! لَقَدْ أَصَابَ] ”میں نے کیفیت بیان کرنا شروع کی حتی کہ مجھے جب کچھ کچھ اشتباہ سا ہونے لگا تو مسجد کو میرے سامنے لایا گیا اور میں نے اسے دیکھنا شروع کر دیا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ مسجد کو عِقال یا عُقَیل کے گھر سے قریب رکھ دیا گیا ہے اور میں نے اسے دیکھتے ہوئے اس کی کیفیت کو بیان کرنا شروع کر دیا کیونکہ اس کی کچھ کیفیت ایسی تھی جو مجھے یاد نہیں رہی تھی، لوگوں نے کہا کہ جہاں تک مسجد کی کیفیت کا تعلق ہے تو وہ تو اللہ کی قسم! انھوں نے صحیح صحیح بیان کی ہے۔“[1] اسے امام نسائی اور بیہقی نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت: حافظ ابوبکر بیہقی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مسند أحمد:309/1. [2] السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب سورة الإسراء:377/6، حديث:11285 ودلائل النبوة للبيهقي، باب الإسراء برسول الله ﷺ......:364,363/2.

کومعراج کرائی گئی تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، یہ چھٹے آسمان میں ہے اور جو چیز اوپر لے جائی جاتی ہے وہ یہاں تک پہنچتی ہے حتی کہ اسے یہاں سے لے لیا جاتا ہے اور جو چیز اوپر سے آتی ہے وہ بھی یہاں سے ہو کر نیچے آتی ہے حتی کہ اسے لے لیا جاتا ہے۔ ﴿ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ۝ ﴾ (النجم53:16) ''جبکہ اس بیری کو ڈھانپ رہا تھا جو ڈھانپ رہا تھا۔'' آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کے پتنگے چھا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کو اس رات پانچ نمازوں اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور اس شخص کے کبیرہ گناہوں کی مغفرت کی نوید بھی سنائی گئی جو کسی بھی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناتا ہو۔[1] اس روایت کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں بیان فرمایا ہے۔[2]

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابِیَہ میں تھے کہ آپ نے فتح بیت المَقدِس کا ذکر کیا امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ابو سلمہ نے کہا مجھ سے ابو سِنان نے عُبَید بن آدم کے واسطے سے فرمایا کہ میں نے سنا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کعب رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے کہ تمھاری رائے میں مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیے، انھوں نے کہا کہ اگر آپ مجھ سے پوچھتے ہیں تو آپ صخرہ کے پیچھے نماز ادا کریں، اس طرح سارا اقدُس آپ کے سامنے ہوگا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس طرح تو آپ کی یہودیت سے مشابہت ہو جائے گی، اس لیے میں تو نماز اس جگہ ادا کروں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی، اس کے بعد آپ قبلے کی طرف بڑھ گئے اور آپ نے نماز پڑھی، پھر آپ نماز سے فراغت کے بعد تشریف لائے تو آپ نے اپنی چادر کو پھیلا دیا اور مسجد میں جھاڑو دے کر کوڑا اس میں ڈالنا شروع کر دیا اور لوگوں نے بھی مسجد میں جھاڑو دینا شروع کر دیا۔[3]

آپ نے صَخْرَہ کو ایسی تعظیم نہ دی کہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کی ہو جیسا کہ کعب احبار نے کہا تھا، یاد رہے کہ کعب کا تعلق اس قوم سے تھا جو صَخْرَہ کی تعظیم کرتی اور اسے قبلہ قرار دیتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا کہ انھیں اسلام اور ہدایت حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دی، یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے صَخْرَہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اشارہ کیا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم نے یہودیت کی مشابہت اختیار کر لی ہے لیکن میں صَخْرَہ کی اس طرح توہین نہیں کروں گا جس طرح عیسائیوں نے اس کی توہین کرتے ہوئے اسے کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا دیا تھا، اس لیے کہ یہ یہودیوں کا قبلہ تھا لیکن میں تو اس کوڑے کرکٹ کو صاف کر دوں گا، پھر آپ نے اپنی مبارک چادر سے اس کی صفائی کر دی تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت: امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(حِینَ أُسْرِیَ بِی لَقِیتُ مُوسٰی علیہ السلام) قَالَ فَنَعَتَهُ، فَإِذَا رَجُلٌ ـ حَسِبْتُهُ قَالَ ـ: مُضْطَرِبٌ، رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، قَالَ: وَلَقِيتُ عِيسٰى ، فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقَالَ: رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ

[1] دلائل النبوة للبیهقي، باب الدلیل علی أن النبي ﷺ عرج به إلی السماء......: 373,372/2. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب في ذکر سدرة المنتهی، حدیث: 173. [3] مسند أحمد: 38/1 البتہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

دِیمَاسٍ۔ یَعْنِی الْحَمَّامَ ۔ وَرَأَیْتُ إِبْرَاهِیمَ وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ ، قَالَ: وَأُتِیتُ بِإِنَاءَیْنِ أَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَّالْآخَرُ فِیهِ خَمْرٌ، فَقِیلَ لِی: خُذْ أَیَّهُمَا شِئْتَ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ، فَقِیلَ لِی: هُدِیتَ الْفِطْرَةَ أَوْ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ: أَمَا! إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ]

’’جب مجھے سیر کرائی گئی تو موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا کہ وہ ایک (ایسے) آدمی تھے۔راوی کہتا ہے میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جو دراز قد اور ان کے سر کے بال قدرے گھنگریالے تھے، گویا آپ خاندان شنوءہ کے آدمیوں کی طرح تھے، آپ نے فرمایا کہ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ درمیانی قامت اور سرخ رنگ کے خوبصورت انسان تھے، گویا ابھی حمام سے (غسل کر کے) باہر آئے ہوں اور میں نے ابراہیم علیہ السلام سے بھی ملاقات کی اور آپ کی اولاد میں سے میں آپ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔آپ نے فرمایا: میرے پاس دو برتن لائے گئے، ان میں سے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی، مجھ سے کہا گیا کہ ان میں سے جس برتن کو چاہو اپنے لیے پسند فرما لو تو میں نے دودھ والے برتن کو لے کر دودھ کو نوش کر لیا تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے فطرت کا انتخاب کیا ہے، اگر آپ شراب کے برتن کو لے لیتے تو آپ کی ساری امت گمراہ ہو جاتی۔‘‘① صحیحین میں یہ ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔②

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[لَقَدْ رَأَیْتُنِی فِی الْحِجْرِ وَقُرَیْشٌ تَسْأَلُنِی عَنْ مَّسْرَایَ، فَسَأَلَتْنِی عَنْ أَشْیَاءَ مِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَّا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ۔ قَالَ۔: فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِی أَنْظُرُ إِلَیْهِ، مَا یَسْأَلُونِّی عَنْ شَیْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ، وَقَدْ رَأَیْتُنِی فِی جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِیَاءِ،فَإِذَا مُوسٰی علیہ السلام قَائِمٌ یُّصَلِّی، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَأَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ، وَإِذَا عِیسَى ابْنُ مَرْیَمَ علیہ السلام قَائِمٌ یُّصَلِّی، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِیُّ، وَإِذَا إِبْرَاهِیمُ علیہ السلام قَائِمٌ یُّصَلِّی، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ یَعْنِی نَفْسَهٗ ﷺ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ: یَّا مُحَمَّدُ! هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ، فَالْتَفَتُّ إِلَیْهِ فَبَدَأَنِی بِالسَّلَامِ]

’’میں حجر میں تھا اور قریش میری سیر (معراج) کے بارے میں سوال کر رہے تھے، انھوں نے بیت المقدس کے بارے میں بھی مجھ سے کئی چیزیں پوچھیں جو مجھے اچھی طرح یاد نہ تھیں، اس لیے مجھے ایسا غم لاحق ہوا کہ اس طرح کا غم کبھی لاحق نہ ہوا ہو گا۔ فرمایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اس طرح میرے سامنے لا کھڑا کیا کہ میں اسے دیکھ رہا تھا اور اب اس کے بارے میں وہ مجھ سے جو بھی سوال کرتے میں اس کا جواب دے دیتا تھا۔ میں نے انبیائے کرام کی بھی ایک جماعت دیکھی، موسیٰ علیہ السلام

① صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء ، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ ......﴾ (مریم 16:19)، حدیث: 3437 وصحیح مسلم، الإیمان ، باب الإسراء ......، حدیث: 168 جبکہ قوسین والے الفاظ مسلم کے مطابق ہیں۔ ② صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء ، باب قول اللّٰه تعالٰی : ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۝......﴾ (طٰہٰ 9:20)، حدیث: 3394 وصحیح مسلم، الأشربة، باب جواز شرب اللبن، حدیث:168، بعد الحدیث:2009.

کو کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ دراز قد گھنگریالے بالوں والے تھے، گویا شنوءہ کے لوگوں میں سے ہوں، عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں سے عروہ بن مسعود ثقفی ان سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، لوگوں میں سے، میں خود آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں، نماز کا وقت ہوا تو میں نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت کے فرائض انجام دیے، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا: اے محمد (ﷺ!) یہ مالک داروغۂ جہنم ہیں آپ انھیں سلام کہیں، میں نے ان کی طرف جھانکا تو انھوں نے مجھے پہلے سلام کیا۔‘‘ ①

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت: امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی گئی اور آپ نے صبح لوگوں کو اس کے بارے میں بتانا شروع کیا تو کچھ وہ لوگ بھی مرتد ہو گئے جو پہلے آپ پر ایمان لا چکے اور آپ کی تصدیق کر چکے تھے۔ یہ لوگ بھاگے بھاگے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہنے لگے۔ کیا آپ اپنے ساتھی کی اس بات کی بھی تصدیق کریں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ انھیں راتوں رات بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا انھوں نے یہ بات فرمائی ہے۔ لوگوں نے کہا: ہاں، تو آپ نے کہا کہ اگر آپ نے یہ بات فرمائی ہے تو آپ نے سچ فرمایا ہے، انھوں نے پوچھا کیا آپ ان کی اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے، پھر صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں واپس بھی آ گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، میں تو آپ کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں، میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ کے پاس صبح شام آسمان سے وحی آتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صِدّیق کے نام سے موسوم قرار پائے۔ ②

زمانۂ معراج: موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے تھی۔ عروہ کا بھی یہی قول ہے۔ ③ سدی کہتے ہیں کہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے تھی۔ ④

حق بات یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کو معراج نیند میں نہیں بلکہ حالت بیداری میں کرائی گئی تھی مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک بُراق پر سوار کر کے آپ کو لے جایا گیا، جب آپ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے اس جانور کو دروازے کے پاس باندھ دیا اور خود مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور مسجد کے قبلے میں تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر معراج کو لایا گیا، یہ سیڑھی کی طرح ایک چیز تھی جس میں زینے بنے ہوئے تھے، آپ ان پر چڑھتے ہوئے آسمان دنیا اور پھر باقی سات آسمانوں تک پہنچ گئے، ہر آسمان کے مقربین نے آپ کا استقبال کیا اور آپ نے ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو سلام کہا جو اپنے مراتب و درجات

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم ......، حدیث:172. ② دلائل النبوۃ للبیھقی، باب الإسراء برسول اللہ ......:361/2. ③ دلائل النبوۃ للبیھقی، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ من المسجد......:355,354/2. ④ دلائل النبوۃ للبیھقی، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ ......:355/2.

کے اعتبار سے ان آسمانوں میں تھے، مثلاً: چھٹے آسمان پر آپ کی موسیٰ کلیم اللہ سے اور ساتویں پر ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی، پھر آپ ان اور دیگر تمام انبیائے کرام کے مقام سے آگے بڑھ کر اس مقام تک پہنچ گئے جہاں قلموں کی آواز سنائی دے رہی تھی، یعنی ان قلموں کی آواز جن سے ہونے والے حالات وواقعات کی تقدیر لکھی جاتی ہے۔

آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو بھی دیکھا جسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے عظیم الشان کیفیت، سونے کے پتنگوں، مختلف رنگوں اور فرشتوں نے ڈھانپ رکھا تھا، وہاں آپ نے جبریل علیہ السلام کو بھی ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے، نیز آپ نے جبریل کو سبز رنگ کے ریشمی حلے میں دیکھا جو سارے افق پر چھایا ہوا تھا، آپ نے بیت المعمور کو دیکھا اور دیکھا کہ زمینی کعبے کے بانی ابراہیم خلیل اللہ اس کے ساتھ اپنی پشت لگائے ہوئے ہیں، اس آسمانی کعبے میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور جو فرشتے ایک بار داخل ہو گئے تو پھر قیامت کے دن تک دوبارہ ان کی باری نہ آسکے گی۔ آپ نے جنت اور جہنم کا بھی مشاہدہ کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ پر پہلے پچاس نمازیں فرض کیں، پھر اللہ تعالیٰ نے از راہ لطف وکرم انھیں کم کر کے پانچ کر دیا، اس سے نماز کے شرف اور عظمت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے معراج سے پہلے نماز پڑھائی یا واپسی پر؟ پھر آپ نیچے اتر کر بیت المقدس میں تشریف لے آئے، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی آپ کے ہمراہ تھے، یہاں آپ نے انھیں نماز پڑھائی، ممکن ہے کہ یہ اس دن کی نماز فجر ہو۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو آسمان میں نماز پڑھائی تھی لیکن روایات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انھیں بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے انھیں آسمانوں کی سیر سے واپسی پر نماز پڑھائی تھی کیونکہ آپ جب آسمانوں میں ان کے مقامات میں ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان میں سے ایک ایک کے بارے میں جبریل سے یہ پوچھا تھا کہ یہ کون ہیں اور جبریل نے ان میں سے ایک ایک کا تعارف کروایا اور قرین صواب بھی یہی بات ہے کیونکہ اللہ رب ذوالجلال کی جناب میں یہی بات پہلے مطلوب تھی کہ وہ آپ پر اور آپ کی امت پر جو چاہے فرض قرار دے اور پھر آپ جب اس سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ ومشیت کے مطابق آپ پر اور آپ کی امت پر پانچ نمازوں کو فرض کر دیا اور آپ کے پاس آپ کے تمام نبی بھائی جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلے میں آپ کے شرف وفضل کا اس طرح اظہار فرمایا کہ آپ کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا امام بنا دیا، اس وقت جبریل امین نے اشارہ کیا تھا کہ امامت کے فرائض آپ سرانجام دیں۔

پھر آپ بیت المقدس سے باہر نکلے اور بُراق پر سوار ہو کر منہ اندھیرے ہی مکہ مکرمہ میں واپس تشریف لے آئے۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ.

آپ کی خدمت میں دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی یا ان سب چیزوں سے بھرے ہوئے برتن بیت المقدس میں اور بعض روایات کے مطابق آسمانوں میں پیش کیے گئے تھے۔ ممکن ہے دونوں جگہ ہی پیش کیے گئے ہوں کیونکہ اس

کی حیثیت ایسے تھی جیسے آنے والے (مہمان) کی ضیافت کی جاتی ہے، واللہ أعلم.

معراج جسم وروح کے ساتھ عالم بیداری میں تھی: یادر ہے آپ کی یہ معراج جسم وروح کے ساتھ نیند میں نہیں بلکہ عالم بیداری میں تھی اوراس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ ”وہ ذات پاک ہے جورات کے کچھ حصے میں اپنے بندے کومسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں ہیں، لے گئی۔“ اللہ تعالیٰ کی تسبیح عظیم الشان امور ومعاملات کے موقع پر بیان کی جاتی ہے، اگر یہ واقعہ خواب میں پیش آیا ہوتا تو کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی، اس میں عظمت وخوبی کا کوئی پہلو نہ تھا، کفار قریش کواس کی تکذیب کی ضرورت نہ تھی، کچھ لوگ یہ واقعہ سننے کے بعد مرتد نہ ہوتے، پھراس آیت کریمہ میں لفظ عبد استعمال ہوا ہے جوروح اور جسم دونوں سے عبارت ہے اوراللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 60:17) ”اور جونمائش ہم نے آپ کودکھائی اس کولوگوں کے لیے آزمائش کیا۔“ تواس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آنکھوں سے وہ دیکھنا ہے جورسول اللہ ﷺ کومعراج کی رات دکھایا گیا تھا اورملعون درخت سے مرادتھوہر کا درخت ہے۔[1] اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴾ (النجم 17:53) ”ان کی نگاہ نہ تو (حقیقت سے) ہٹی اورنہ (حد سے) آگے بڑھی۔“ آنکھ کا تعلق روح سے نہیں بلکہ جسمانی اعضاء سے ہے۔ علاوہ ازیں آپ کو براق پرسوار کرایا گیا تھا جوکہ سفید رنگ کا بہت ہی چمک دمک والا ایک جانور ہے اورسواری کی ضرورت جسم کوہوتی ہے روح کونہیں کیونکہ روح کوحرکت کرنے کے لیے کسی سواری پرسوار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، واللہ أعلم.

ایک عظیم نکتہ: حافظ ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب ”دلائل النبوہ“ میں بطریق محمد بن عمرواقدی بیان کیا ہے کہ مجھ سے مالک بن ابورجال نے، انھوں نے عمرو بن عبداللہ سے اورانھوں نے محمد بن کعب قُرظی سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دِحیہ بن خلیفہ کوقیصر کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا، اس روایت میں دحیہ کے قیصر کے پاس جانے اور آنے کا ذکر ہے، نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل بے حد عقل مند انسان تھا، اس نے شام میں آئے ہوئے تاجروں کوطلب کیا تو ابوسفیان صخر بن حرب اوراس کے ساتھیوں کواس کے پاس لایا گیا، ہرقل نے ابوسفیان سے وہ مشہور سوالات پوچھے جوصحیح بخاری ومسلم کی روایت میں ہیں جیسا کہ اس کا ذکر آگے آئے گا ابوسفیان کی کوشش تھی کہ وہ آپ کو ہرقل کی نگاہوں میں حقیر اورصغیر کرکے پیش کرے لیکن ابو سفیان نے کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس سے اس بات نے روکا کہ میں اس بات کوپسند نہیں کرتا تھا کہ ہرقل کے پاس جھوٹ بولوں، وہ میرے جھوٹ کوپکڑے اورپھر میری کسی بات کوبھی سچ نہ جانے۔

اسی اثنا میں مجھے معراج کے بارے میں آپ کی بات یاد آگئی تو میں نے کہا: بادشاہ سلامت! میں آپ کوایک بات بتاتا ہوں جس سے آپ کومعلوم ہوجائے گا کہ اس شخص نے جھوٹ بولا ہے۔ ہرقل نے پوچھا: وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ ان کا

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب المعراج، حديث: 3888 و4716.

خیال ہے کہ وہ ایک رات ہمارے علاقے سرزمین حرم سے نکلے اور تمھاری اس مسجد، مسجدِ ایلیا میں آ گئے، پھر صبح سے پہلے پہلے ہمارے ہاں واپس بھی پہنچ گئے۔

ابوسفیان کی یہ بات سن کر ایلیا کے بِطْرِیق (پادری) نے کہا جو اس وقت قیصر کے سر کے پاس کھڑا تھا کہ میں اس رات کو جانتا ہوں، قیصر نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمھیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے کہا: میں ہر رات سونے سے پہلے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیا کرتا تھا، اس رات میں نے تمام دروازے بند کر دیے مگر ایک دروازے کا بند ہونا مشکل ہو گیا تو میں نے اپنے تمام کارکنوں اور تمام حاضرین سے مدد لی مگر ہم سب مل کر بھی اس دروازے کو حرکت نہ دے سکے، وہ دروازہ اس وقت پہاڑ کی طرح وزنی معلوم ہوتا تھا، میں نے بڑھئی لوگوں کو بلایا تو انھوں نے بتایا کہ اس پر تو چھت گری ہوئی ہے، صبح ہونے سے پہلے ہم اسے ہلا نہیں سکتے، صبح ہوئی تو ہم دیکھیں گے کہ چھت کہاں سے اور کیسے گری ہے۔ لہٰذا میں واپس آ گیا اور میں نے دونوں دروازے کھلے رہنے دیے۔ صبح ہوئی تو میں ان دروازوں کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں پڑے ہوئے پتھر میں ایک سوراخ ہو گیا ہے اور اس میں کسی جانور کے باندھنے کا نشان بھی ہے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ کسی نبی کے لیے کھلا رکھا گیا ہے۔ جنھوں نے آج رات ہماری اس مسجد میں نماز ادا فرمائی ہے...... اور پھر انھوں نے باقی تمام حدیث بھی بیان کی۔ ①

احادیث معراج متواتر ہیں: حافظ ابوخطّاب عمر بن دحیہ نے اپنی کتاب ”التنویر فی مولد السراج المنیر“ میں حدیث معراج بطریق انس رضی اللہ عنہ ذکر کرنے کے بعد اس پر بہت ہی احسن انداز میں گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ معراج کی روایات متواتر ہیں اور یہ عمر بن خطاب، علی، ابن مسعود، ابوذر، مالک بن صَعْصَعہ، ابو ہریرہ، ابوسعید، ابن عباس، شدّاد بن اوس، ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن قُرْط، ابوحَبّہ، ابولیلیٰ، عبداللہ بن عمرو، جابر، حذیفہ، بُرَیدہ، ابوایوب، ابوامامہ، سَمُرہ بن جُنْدُب، ابوحمراء، صہیب رومی، ام ہانی، عائشہ، اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ② کچھ راویوں نے ان روایات کو مفصل اور کچھ نے مختصر بیان کیا ہے جیسا کہ مسانید میں ہے، بعض روایات اگرچہ صحیح نہیں ہیں تاہم حدیثِ معراج پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، صرف زندیق اور ملحد لوگ ہی اس کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝﴾ (الصّف 8:61) ”یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو اپنے مونہوں سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔“

① الدر المنثور: 287,286/4 امام سیوطی رحمہ اللہ نے ”دلائل النبوہ“ کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے لیکن ابن کثیر کے محقق سامی بن محمد السلامہ نے کہا ہے کہ دلائل النبوہ کے مطبوع نسخے میں مجھے یہ روایت نہیں ملی جبکہ دوسرے محقق عبدالرزاق مہدی نے لکھا ہے کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ محمد بن کعب تابعی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے اور دوسری علت یہ ہے کہ اس سند میں محمد بن عمر واقدی متروک ہے۔ علاوہ ازیں ہرقل اور ابوسفیان کی باہمی گفتگو معروف روایات میں مروی ہے لیکن ان روایات میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی أعلم۔ ② مذکورہ بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کے حوالے بالترتیب یہ ہیں: مسند أحمد: 38/1 ◀◀

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس کی سند ضعیف ہے۔ کشف الأستار، باب بدء الأذان:178/1، حدیث:352 عن علی رضی اللہ عنہ اس کی سند بھی بہت ضعیف ہے۔ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدکم: آمین......، حدیث:3233,3232 وصحیح مسلم، الإیمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتھی، حدیث:173 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. صحیح البخاری، الصلاۃ، باب: کیف فرضت الصلاۃ فی الإسراء؟ حدیث:349 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ إلی السمٰوات ......، حدیث:163 عن أبی ذر رضی اللہ عنہ (من روایۃ أنس عنہ). صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیھم، حدیث: 3207 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ......، حدیث:(164)-265,264 عن مالك بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ (من روایۃ أنس عنہ). صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ......﴾ (بنیٓ إسرآء یل17:1)، حدیث:4709 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ، حدیث:168 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ. المصنف لعبد الرزاق :452/1، حدیث: 1769 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ اس کی سند ضعیف ہے۔ صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب المعراج، حدیث: 3888 ومسند أحمد:374/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. البحر الزخار:409/8، حدیث: 3484 عن شداد بن أوس رضی اللہ عنہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کے ایک راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھیے الإسراء والمعراج للألبانی، ص: 69. الإسراء والمعراج (بحوالہ ابن مردویہ) عن أبی بن کعب رضی اللہ عنہ، ص: 56. مجمع الزوائد:78/1، حدیث: 243 عن عبدالرحمن بن قرط رضی اللہ عنہ. صحیح البخاری، الصلاۃ، باب: کیف فرضت الصلاۃ......؟ حدیث: 349 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ، حدیث:163 عن أبی حبۃ رضی اللہ عنہ، البتہ صحیحین میں ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد ہے۔ المعجم الأوسط: 65/3 عن عبدالرحمن بن أبی لیلی، البتہ ابو لیلی رضی اللہ عنہ سے اس موضوع پر روایت ہمیں نہیں ملی۔ المعجم الأوسط :712/6، حدیث:9247 عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔ نوٹ: تفسیر کے بعض نسخوں میں اس جگہ عبداللہ بن عمرو ہے جبکہ عبداللہ بن عمر ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب حدیث الإسراء، حدیث :3886 وصحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال، حدیث: 170 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ. جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ بنیٓ إسرائیل، حدیث: 3147 عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ. جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ بنی إسرائیل، حدیث :3132 عن بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ عنہ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند أحمد :418/5 عن أبی أیوب رضی اللہ عنہ سند ضعیف ہے لیکن متن کا شاہد موجود ہے۔ مسند أحمد:259/5 عن أبی أمامۃ الباھلی رضی اللہ عنہ. سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی روایت خواب کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم دیکھیے صحیح البخاری، التعبیر، باب تعبیر الرؤیا......، حدیث:7047. المعجم الکبیر للطبرانی:200/22، حدیث: 526 عن أبی الحمراء رضی اللہ عنہ. المعجم الکبیر للطبرانی:46/8، حدیث: 7313 عن صھیب بن سنان رضی اللہ عنہ. المعجم الکبیر للطبرانی:433,432/24، حدیث:1059 عن أم ھانی رضی اللہ عنہا. المعجم الکبیر للطبرانی:401,400/22، حدیث: 1000 عن عائشۃ رضی اللہ عنہا شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، دیکھیے السلسلۃ الضعیفۃ، حدیث: 3242. المستدرك للحاکم، التفسیر، تفسیر سورۃ النجم :469/2 عن أسماء بنت أبی بکر رضی اللہ عنہا.

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝②

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (اور انھیں حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ②

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝③

اے (ان لوگوں کی) اولاد! جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، بے شک وہ شکر گزار بندہ تھا③

تفسیر آیات:3,2

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد ﷺ کے معراج کے ذکر کے بعد اپنے عبد و رسول اور کلیم موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اور بھی بہت سے مقامات پر اپنے ان دونوں پیغمبروں موسیٰ اور محمد علیہما السلام کا اور تورات و قرآن مجید کا یکجا ذکر فرمایا ہے، اسی طرح یہاں بھی معراج کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی۔'' یعنی تورات ﴿ وَجَعَلْنٰهُ ﴾ ''اور ہم نے اس کو مقرر کیا'' یعنی کتاب کو ﴿ هُدًى ﴾ ''ہدایت'' یعنی رہنما ﴿ لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝② ﴾ ''بنی اسرائیل کے لیے کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا'' یعنی میرے سوا کسی کو دوست، مددگار اور معبود نہ بنانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس نبی کو مبعوث کیا اس پر یہ حکم نازل فرمایا کہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

پھر فرمایا ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ ﴾ یعنی اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ یہ اسلوب اختیار کر کے درحقیقت انھیں اس احسان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم ان لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے نجات دینے کے لیے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کر دیا تھا تو تم بھی اپنے باپ نوح علیہ السلام کی مشابہت اختیار کرو کیونکہ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝③ ﴾ ''بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے'' اور تم میری اس نعمت کو بھی یاد کرو کہ میں نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر تمھاری طرف مبعوث فرمایا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَّأْكُلَ الْأَكْلَةَ أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ کھانا کھا کر یا پانی پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔''[1] اسی طرح اسے امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام مالک نے زید بن اسلم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نوح علیہ السلام ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس حدیث کو بیان فرمایا ہے جسے ابوذر رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [أَنَا سَيِّدُ

① مسند أحمد:117/3. ② صحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب حمد الله تعالى ......، حديث:2734 و جامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في الحمد......، حديث:1816 و السنن الكبرى للنسائي، الدعاء بعد الأكل، باب ثواب الحمد لله:202/4، حديث:6899.

وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) میں فیصلہ سنا دیا کہ تم زمین میں دوبار ضرور فساد کرو گے اور ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ④ پھر جب

كَبِيۡرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮہُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا

دونوں میں سے پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے بھیج دیے، چنانچہ وہ (فساد انگیزی کے لیے) شہروں کے درمیان گھس (پھیل) گئے اور

خِلٰلَ الدِّيَارِ‌ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡـكَرَّةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ

یہ وعدہ (پورا) کیا ہوا تھا ⑤ پھر ہم نے پھیر کر تمھیں ان پر غلبہ دیا اور تمھیں مال اور بیٹوں کے ساتھ مدد دی اور ہم نے تمھیں نفری میں خوب زیادہ کر

بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ⑥ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ‌ قف وَاِنۡ

دیا ⑥ اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے ہی نفسوں کے لیے کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو (وہ بھی) انھی کے لیے ہوگی پھر جب آخری بار کا وعدہ آیا (تو ایک

اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا‌ ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا

اور قوم تم پر غالب آئی) تاکہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہو جائیں جیسے پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے، اور تاکہ وہ جس پر

دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ

غلبہ پائیں اسے یکسر تباہ کر دیں ⑦ قریب ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر دوبارہ (سرکشی) کرو گے تو ہم بھی دوبارہ (وہی معاملہ) کریں

عُدْتُّمۡ عُدۡنَا‌ ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَـنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ⑧ وقف لازم

گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے ⑧

النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔بِطُولِهٖ وَفِیهِ۔ فَیَأْتُونَ نُوحًا فَیَقُولُونَ یَانُوحُ!إِنَّكَ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلٰی أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُورًا اِشْفَعْ لَنَا إِلٰی رَبِّكَ......] ''روز قیامت میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ لمبی حدیث اور اسی حدیث میں ہے کہ ۔لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح (علیہ السلام!) آپ اہل زمین کی طرف اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندے کے نام سے موسوم فرمایا تھا، لہٰذا اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں......'' اور پھر انھوں نے یہ ساری حدیث بیان فرمائی ہے۔ [1]

تفسیر آیات:4-8

یہودیوں کی دوبارہ سرکشی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے یہودیوں سے ان کی اسی کتاب میں جسے ان کی طرف نازل کیا گیا تھا یہ کہہ دیا تھا کہ وہ زمین میں دوبارہ فساد مچائیں گے اور بڑی ہی سرکشی کریں گے، یعنی وہ لوگوں کے ساتھ بڑی سرکشی، بغاوت اور ظلم واستبداد کا مظاہرہ کریں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ۝﴾ (الحجر15:66) ''اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔'' یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو یہ بات پہلے ہی سے بتا دی تھی۔

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا......﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:3)، حدیث:4712.

یہودیوں کا پہلا فساد اور اس کی سزا: ارشاد الٰہی: ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ﴾ ’’پس جب دونوں میں سے پہلا وعدہ آیا۔‘‘ یعنی ان دونوں فسادوں میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو: ﴿ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ﴾ ’’ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر بھیج دیے۔‘‘ یعنی ہم نے اپنی مخلوق میں سے ایسے بندے تم پر مسلط کر دیے جو بہت قوت وطاقت اور زبردست سلطنت کے مالک تھے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے، یعنی انھوں نے تمھارے شہروں پر قبضہ کر لیا اور تمھارے گھروں کے اندر گھس گئے اور وہ بلا روک ٹوک اور بلا خوف وخطر آنے جانے لگے اور اس طرح وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اس بارے میں مفسرین وسلف وخلف میں اختلاف ہے کہ قبضہ وتسلط جمانے والے یہ کون لوگ تھے۔

اس سلسلے میں بہت سی اسرائیلی روایات ہیں، میں ان کے ذکر سے کتاب کو طول نہیں دینا چاہتا کیونکہ ان میں سے کچھ تو موضوع ہیں جن کو بعض زندیقوں نے وضع کیا ہے اور ممکن ہے کہ ان میں سے بعض صحیح بھی ہوں لیکن ہم ان سے بحمد اللہ بے نیاز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنی کتاب میں جو بیان فرما دیا ہے، وہ کافی ہے اس کی موجودگی میں ہمیں سابقہ کتابوں کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہمیں ان کا محتاج ہی نہیں رہنے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے جب سرکشی و بغاوت کی روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کر دیا۔ جس نے انھیں تباہ و برباد کر دیا، وہ ان کے گھروں میں گھس گیا اور اس نے ان کی بغاوت و سرکشی کی سزا کے طور پر انھیں ذلیل ورسوا کر کے رکھ دیا اور یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں فرماتے بلکہ ان ظالم یہودیوں نے ظلم و استبداد کا بازار گرم کیا اور بہت سے انبیاء وعلماء کو شہید کر دیا تھا۔

بخت نصر نے کشتوں کے پشتے لگا دیے: ابن جریر نے یحییٰ بن سعید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے سعید بن مسیّب کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ بخت نصر جب شام پر غالب آیا تو اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا اور یہاں کے لوگوں کو قتل کر دیا، پھر دمشق آیا تو اس نے دیکھا کہ جھاگ پر خون جوش مار رہا ہے، اس نے ان سے پوچھا کہ یہ خون کیا ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح پایا ہے کہ جب جھاگ غالب آتی ہے اور خون ڈالا جاتا ہے تو پھر وہ جھاگ پر غالب آجاتا ہے، پھر اس نے ستر ہزار مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اس خون پر قتل کیا تو یہ خون پرسکون ہو گیا۔ سعید بن مسیّب تک اس روایت کی سند صحیح ہے اور مشہور بات بھی یہی ہے کہ بخت نصر نے اس قدر اشراف اور علماء کو قتل کیا کہ تورات کا ایک عالم بھی باقی نہ بچا اور اس نے نبیوں وغیرہ کی اولاد میں سے بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا اور بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا اور اگر یہ واقعات صحیح یا تقریباً صحیح ہوتے تو ان کو لکھنا اور بیان کرنا جائز ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ﴾ ’’اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمھاری جانوں پر ہوگا‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:46) ’’جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے اور جو برے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا۔‘‘

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ

بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے بہت

ع 1 10 1 لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ⑨ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ⑩ ع

بڑا اجر ہے⑨اور یہ کہ بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے نہایت دردناک عذاب تیار کیا ہے⑩

دوسرا افساد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ ﴾ ''پھر جب دوسرا وعدہ (اس کا وقت) آیا۔'' یعنی جب تم نے دوسری مرتبہ فساد مچایا اور تمھارے دشمن آ گئے ﴿ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ ﴾ ''تاکہ وہ تمھارے چہروں کو بگاڑ دیں۔'' یعنی تمھیں ذلیل ورسوا اور مغلوب کر دیں۔ ﴿ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے، اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں۔'' یعنی اس پہلی مرتبہ کی طرح جب وہ تمھارے شہروں کے اندر پھیل گئے تھے: ﴿ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ﴾ ''اور جس چیز پر غلبہ پائیں، اسے تباہ کر دیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمھارا پروردگار تم پر رحم کرے۔'' اور تمھارے دشمنوں کو تم سے دور ہٹا دے ﴿ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ﴾ ''اور اگر تم لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔'' یعنی تم جب فساد کرو گے تو ہم تمھیں دنیا ہی میں ذلیل ورسوا کر دیں گے، پھر آخرت کا عذاب اور سزا اس پر مستزاد ہوگی، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ⑧ ﴾ ''اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔'' حصیر کے معنی مستقر، مقام، ٹھکانا اور ایسے قید خانے کے ہیں جس سے وہ رہائی حاصل نہ کر سکیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حصیر کے معنی قید خانے کے ہیں۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جس میں انھیں بند کر دیا جائے گا۔[2] دیگر ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے جبکہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی بستر اور بچھونے کے ہیں۔[3] قتادہ فرماتے ہیں کہ اسرائیل نے پھر فساد مچایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلط فرما دیا جنھوں نے انھیں ذلیل ورسوا کر کے ان سے جزیہ وصول کیا۔[4]

تفسیر آیات:10,9

قرآن مجید کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب عزیز قرآن مجید کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے جسے اس نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا کہ یہ سیدھے اور نہایت واضح رستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے: ﴿ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے۔'' یعنی ان مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ﴿ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ⑨ ﴾ ''بے شک ان کے لیے اجر عظیم ہے۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ⑩ ﴾ ''اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے قرآن انھیں یہ بشارت دیتا ہے کہ روز قیامت ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ ﴾ (اٰل عمرٰن 21:3)

[1] تفسیر الطبری:59/15. [2] تفسیر الطبری:59/15. [3] تفسیر الطبری:59/15. [4] تفسیر الطبری:58/15.

وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ⑪

اور انسان برائی کی دعا (ایسے) مانگتا ہے جیسے اس کی بھلائی کی دعا ہو۔ اور انسان بہت عجلت والا ہے ⑪

''تو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔''

تفسیر آیت:11

انسان کی جلد بازی اور اپنے لیے بددعا: اللہ تعالیٰ نے انسان کی جلد بازی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جلد بازی کی وجہ سے بسا اوقات اپنے یا اپنی اولاد یا اپنے مال کے لیے ﴿ بِالشَّرِّ ﴾ یعنی موت، ہلاکت، تباہی و بربادی یا لعنت کی بددعا کرنے لگتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس کی بددعا کو قبول فرما لے تو یہ اپنی ہی بددعا کی وجہ سے ہلاک ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ بِالۡخَيۡرِ لَقُضِيَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ ؕ ﴾ (یونس 11:10) ''اور اگر اللہ لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا، جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر بیان کی ہے [1] اور یہ حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ [لَا تَدۡعُوا عَلٰی أَنۡفُسِكُمۡ،......وَلَا تَدۡعُوا عَلٰی أَمۡوَالِكُمۡ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُّسۡأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسۡتَجِيبُ لَكُمۡ] ''تم اپنے لیے...... اور اپنے مال کے لیے بددعا نہ کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ قبولیت دعا کی گھڑی ہو اور اللہ تعالیٰ تمھاری بددعا کو قبول فرما لے۔'' [2]

جلد بازی اور انسان: انسان کا قلق واضطراب اور اس کی جلد بازی اسے بددعا پر مجبور کرتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ⑪ ﴾ ''اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔'' سلمان فارسی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا وہ قصہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے پاؤں تک روح کے پہنچنے سے پہلے ہی اٹھ کر کھڑے ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا، ان میں روح سر کی طرف سے پھونکی گئی تھی، روح جب دماغ میں پہنچی تو انھیں چھینک آئی اور انھوں نے کہا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَرۡحَمُكَ رَبُّكَ يَا آدَمُ ''اے آدم! تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے۔'' روح جب آنکھوں تک پہنچی تو انھوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں، روح جب ان کے اعضاء اور جسم کے دیگر حصوں تک پہنچی تو انھوں نے اپنے جسم کو دیکھنا اور اس پر تعجب کا اظہار شروع کر دیا اور روح پاؤں تک پہنچنے سے پہلے ہی انھوں نے اٹھ کر کھڑے ہو جانے کا ارادہ کر لیا مگر اٹھ نہ سکے اور عرض کرنے لگے: اے میرے رب! رات سے پہلے پہلے جلد روح کو میرے پاؤں تک پہنچا دے۔ [3]

[1] تفسیر الطبری:62/15. [2] صحیح مسلم، الزھد، باب حدیث جابر الطویل......، حدیث:3009 مفصلاً. وسنن أبی داود، الوتر، باب النھی أن یدعو الإنسان علی أھله وماله، حدیث:1532 عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ اور دیکھیے یونس، آیت: 11 کے ذیل میں عنوان: ''اللہ تعالیٰ بددعا کو بھلائی کی دعا کی طرح جلد قبول نہیں فرماتا'' [3] تفسیر الطبری:63/15 جبکہ [الحمدللہ] اور [یرحمك ربك یا آدم] صحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر خبر أوھم عالما ......:40/14، حدیث: 6167 میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ اور دیکھیے حدیث:6165,6164.

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی تو محو (بے نور) کر دی اور دن کی نشانی روشن بنائی تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

کرو، اور تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔ اور ہم نے ہر چیز خوب تفصیل سے بیان کر دی ہے ⑫

تفسیر آیت:12

رات دن اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی عظیم الشان نشانیوں کا ذکر کر کے اپنی مخلوق پر اپنے احسانات کا اظہار فرما رہا ہے، ان عظیم الشان نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے دن رات کو ایک دوسرے کے مخالف بنا دیا ہے تا کہ لوگ رات کو سکون کر سکیں اور دن کو اپنے کام کاج اور سفر کر سکیں اور وہ دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے اعداد و شمار کو معلوم کر سکیں اور اپنے قرضوں کی ادائیگی، عبادات، معاملات اور محنت مزدوری کے اوقات کو پہچان سکیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''تا کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔'' یعنی روزی تلاش کرو اور اس کی خاطر سفر کر سکو ﴿ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ ﴾ ''اور تا کہ تم برسوں کا شمار اور حساب جانو۔'' اگر زمانے کا صرف ایک ہی لگا بندھا اسلوب اور انداز ہوتا تو ان مذکورہ بالا چیزوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ ﴾ (القصص 28:71-73) ''(اے پیغمبر!) کہہ دیں بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کیے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو روشنی لا دے تو کیا تم سنتے نہیں؟ کہہ دیں بھلا دیکھو تو اگر تم پر ہمیشہ قیامت تک دن کیے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو رات لا دے جس میں تم آرام کرو، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور اس نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور (اس میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ شکر کرو۔''

اور فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ○ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ○ ﴾ (الفرقان 25:61،62) ''اور بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمانوں میں سیارے بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔ اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے (جانے) والا بنایا (یہ باتیں) اس شخص کے لیے جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے (سوچنے اور سمجھنے کی ہیں۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ ﴾ (المؤمنون 23:80) ''اور رات اور دن کا بدلتے رہنا اسی کے لیے (تصرف) ہے'' اور فرمایا: ﴿ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ○ ﴾ (الزمر 39:5) ''(اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے

سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے سب ایک وقتِ مقرر تک چلتے رہیں گے، خبردار! وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ﴾ (الأنعام6:96) ”(وہی رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے، یہ اللہ کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں جو نہایت غالب، بڑا علم والا ہے۔“ ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ۙ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ؕ ﴾ (یٰسٓ 36:37،38) ”اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے رات کے لیے ایک ایسی نشانی بنادی ہے جس کے ساتھ یہ پہچانی جاتی ہے اور یہ ہے اندھیرا اور چاند کا اس میں نمودار ہونا اور دن کے لیے بھی ایک نشانی بنادی ہے اور یہ روشنی اور سورج کا اس میں طلوع ہونا اور پھر اس نے چاند کی روشنی اور سورج کی ضیاء میں نمایاں فرق کر دیا تاکہ دونوں میں تمیز ہو سکے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (یونس10:5،6) ”وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو۔ یہ (سب کچھ) اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا ہے سمجھنے والوں کے لیے وہ (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں (سب میں) پرہیزگاروں کے لیے نشانیاں ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ ﴾ (البقرة2:189) ”(اے محمد!) لوگ آپ سے (نئے) چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعاد) اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔“

ابن جریج نے عبداللہ بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً ﴾ ”پس رات کی نشانی کو ہم نے مٹا دیا (تاریک بنایا) اور دن کی نشانی کو روشن بنایا“ میں نشانی سے مراد رات کی تاریکی اور دن کا اجالا ہے۔[1] اور ابن جریج نے مجاہد سے یہ روایت کیا ہے کہ سورج دن کی نشانی اور چاند رات کی نشانی ہے۔[2] ﴿ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ ﴾ ”پس ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا (تاریک بنایا۔)“

اس سے مراد وہ تاریکی ہے جو چاند میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پیدا فرمایا ہے۔[3] اور ابن ابونجیح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رات اور دن دو نشانیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی طرح پیدا فرمایا ہے۔[4]

① تفسیر الطبری:65/15. ② تفسیر الطبری:65/15. ③ تفسیر الطبری:65/15. ④ تفسیر الطبری:65/15 عن مجاهد.

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬

اور ہم نے ہر انسان کا عمل (نامہ) اس کی گردن سے لگا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جس سے وہ ملے گا جبکہ وہ

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ ⑭

کھلی ہوگی ⑬ (کہا جائے گا:) اپنا (اعمال) نامہ پڑھ، آج تیرا نفس ہی تیرا حساب لینے والا کافی ہے ⑭

تفسیر آیات: 14,13

ہر انسان کے ساتھ اس کا نامۂ اعمال ہوگا: اللہ تعالیٰ نے زمانے اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بنی آدم کے اعمال کے ذکر کے بعد فرمایا ہے۔﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ ﴾ ”اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔“ طائر سے مراد انسان سے سرزد ہونے والے اعمال ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد انسان کے وہ اچھے یا برے اعمال ہیں جو انسان کے ساتھ لازم ہیں اور جن کا اسے اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا۔[1] ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ﴾ (الزلزال 99:8,7) ”تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔“ اور فرمایا: ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ ﴾ (ق 50:17,18) ”جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں (لکھ لیتے ہیں)، کوئی بات (اس کی زبان سے) نہیں نکلتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔“

اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ (الانفطار 82:10-12) ”حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر (تمھاری باتوں کے) لکھنے والے۔ جو تم کرتے ہو، وہ اسے جانتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الطور 52:16) ”بس جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) انھی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ ﴾ (النسآء 4:123) ”جو شخص برے عمل کرے گا، اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا۔“ مقصود یہ ہے کہ ابن آدم کے چھوٹے بڑے تمام اعمال کو رات دن، صبح شام لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی: ﴿ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬ ﴾ ”اور قیامت کے روز (وہ) کتاب ہم اس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔“ یعنی اس کے تمام اعمال کو ایک کتاب میں لکھ لیا جاتا ہے، پھر روز قیامت وہ کتاب اسے دے دی جائے گی، اگر سعادت مند ہوا تو کتاب دائیں ہاتھ اور اگر بدبخت ہوا تو کتاب بائیں ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ ﴿ مَنْشُوْرًا ⑬ ﴾ کے معنی ہیں کھلا ہوا، یعنی وہ اپنی کتاب اعمال کو کھلا ہوا دیکھے گا، اسے وہ خود بھی اور ہر دوسرا شخص بھی پڑھ سکے گا، اس میں اس کی زندگی کے اوّل سے لے کر آخر تک تمام اعمال درج ہوں گے۔ ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ ﴾ (القیٰمۃ 75:13-15) ”اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے، بتا دیے جائیں گے بلکہ انسان اپنے آپ پر دلیل و حجت ہے۔ اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔“

[1] تفسیر الطبری: 15/67,66.

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

جس نے ہدایت پائی تو بس وہ اپنے نفس کے لیے ہدایت پاتا ہے، اور جو گمراہ ہوا تو بس وہ اپنے نفس ہی پر گمراہ ہوتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی

وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ ہم کوئی رسول بھیج دیں ⑮

اسی لیے فرمایا: ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ⑭﴾ ''(کہا جائے گا) اپنی کتاب پڑھ لے، تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔'' یعنی تو خود جانتا ہے کہ تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا، تیرے نامۂ اعمال میں صرف وہی کچھ لکھا گیا ہے جو تو نے کیا، تجھے یاد ہے کہ تو نے کیا کیا عمل کیا تھا، اس وقت کوئی شخص بھی اپنے کسی عمل کو نہیں بھولے گا اور ہر شخص، خواہ وہ پڑھا ہو یا ان پڑھ اپنے نامۂ اعمال کو پڑھ سکے گا۔ ﴿ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ﴾ ''ہم نے اس کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔'' گردن میں اس لیے کہ یہ انسانی اعضاء میں سے ایک ایسا عضو ہے کہ جس کی جسم انسانی میں دوسری کوئی نظیر نہیں اور جس کی گردن میں کوئی چیز لٹکا دی جائے تو وہ اس سے خلاصی نہیں پا سکتا۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں طائر سے مراد انسان کا عمل ہے۔ ﴿ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اور قیامت کے روز ہم (وہ) کتاب اس کے لیے نکالیں گے۔'' یعنی اس کا عمل اسے دکھا دیں گے۔ ﴿ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬﴾ ''کتاب جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔''

معمر کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ○ ﴾ (ق 17:50) ''جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔'' اور کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم! میں نے تیرے نامۂ اعمال کو کھول دیا ہے، دو معزز فرشتوں کو تیرے ساتھ مقرر کر دیا ہے جن میں سے ایک تیرے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ہے، دائیں طرف والا فرشتہ تیری نیکیوں کو لکھتا ہے اور بائیں طرف والا تیری برائیوں کو لکھتا جاتا ہے، لہٰذا تو جو چاہے عمل کر، تھوڑا کر یا زیادہ کر تو جب فوت ہوگا تو تیرے اس نامۂ اعمال کو بند کر کے تیرے گلے میں ڈال کر اسے تیرے ساتھ قبر میں داخل کر دیا جائے گا حتی کہ جب تو قیامت کے روز اپنی قبر سے نکلے گا تو اسے کھلا ہوا دیکھے گا اور تجھ سے کہا جائے گا: ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ﴾ ''اپنی کتاب پڑھ لے۔'' تیرے ساتھ پورا پورا عدل کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تجھے خود تیرا محاسب بنا دیا ہے۔[1] امام حسن بصری رحمہ اللہ نے یہ بہت عمدہ بات فرمائی ہے۔

تفسیر آیت:15

کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہدایت اختیار کرے، حق کی اتباع کرے اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی کرے تو اس کا انجام اچھا ہوگا اور اس کا فائدہ خود اسے ہی ہوگا۔ ﴿ وَمَنْ ضَلَّ ﴾ ''اور جو گمراہ ہو۔'' راہِ حق سے بھٹک جائے اور رشد و بھلائی کو چھوڑ دے تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور اس کا وبال اس کی اپنی ہی جان پر ہوگا،

[1] تفسیر الطبری:69,68/15.

پھر فرمایا: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ ''اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یعنی کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جو شخص بھی گناہ کرے، اس کا وبال اس کی اپنی ہی جان پر ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ ﴾ (فاطر18:35) ''اور اگر کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے گا تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا۔'' اس میں اور درج ذیل ارشاداتِ باری تعالیٰ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ﴾ (العنکبوت 13:29) ''اور یہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔'' ﴿ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (النحل 25:16) ''اور جن کو یہ بلا تحقیق گمراہ کرتے ہیں، ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے۔)''

کیونکہ جو گمراہی کے داعی ہوں، انھیں گمراہی کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کی گمراہی کا بھی جن کی گمراہی کا یہ سبب بنے تھے اور ان گمراہ ہونے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی اور نہ یہ ان کے بوجھ کے اٹھانے میں ہاتھ ہی بٹائیں گے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ پورا پورا عدل وانصاف اور اس کی رحمت ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔''

عذاب رسول کی بعثت کے بعد ہی ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل وانصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب تک پیغمبر کو بھیج کر اتمام حجت نہ کر دے، کسی کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ ﴾ (الملك 9,8:67) ''جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بلاشبہ ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل نہیں کی تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (الزمر 71:39) ''کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے تو اس کے داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم پر تمھارے پروردگار کی آیتیں تلاوت کرتے اور تمھیں تمھاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے؟ کہیں گے: کیوں نہیں! اور لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ ﴾ (فاطر 37:35) ''وہ اس میں چلائیں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کیا کریں گے نہ وہ جو (پہلے)

کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، تو (اب مزے) چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب تک پیغمبر کو بھیج کر اتمام حجت نہ کر دے، کسی کو جہنم میں داخل نہیں کرتا۔

فوت ہو جانے والے چھوٹے بچوں کا مسئلہ: اس مسئلے میں قدیم وجدید ہر دور کے ائمۂ کرام رحمہم اللہ میں اختلاف رہا ہے کہ فوت ہو جانے والے ان چھوٹے بچوں کے بارے میں کیا حکم ہے جن کے باپ کافر ہوں۔ نیز مجنون، بہرے، شیخ فانی اور اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو دور فترت میں فوت ہو جائے اور اس تک دین کی دعوت نہ پہنچی ہو؟ ان لوگوں کے بارے میں کچھ احادیث بھی موجود ہیں جنھیں میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

پہلی حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے اَسود بن سَریع کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أَرْبَعَةٌ (يَّحْتَجُّونَ) يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَصَمُّ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا وَّرَجُلٌ أَحْمَقُ وَرَجُلٌ هَرَمٌ وَّرَجُلٌ مَّاتَ فِي فَتْرَةٍ، فَأَمَّا الْأَصَمُّ فَيَقُولُ: رَبِّ! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَسْمَعُ شَيْئًا وَّأَمَّا الْأَحْمَقُ فَيَقُولُ: رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَالصِّبْيَانُ يَحْذِفُونِي بِالْبَعْرِ وَأَمَّا الْهَرَمُ فَيَقُولُ: رَبِّي! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَعْقِلُ شَيْئًا وَّأَمَّا الَّذِي مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ فَيَقُولُ: رَبِّ! مَا أَتَانِي لَكَ رَسُولٌ فَيَأْخُذُ مَوَاثِيقَهُمْ لَيُطِيعُنَّهُ فَيُرْسِلُ إِلَيْهِمْ أَنِ ادْخُلُوا النَّارَ، قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ دَخَلُوهَا لَكَانَتْ عَلَيْهِمْ بَرْدًا وَّسَلَامًا]

''یہ چار شخص قیامت کے روز حجت پیش کریں گے: (1) بہرہ شخص جو کچھ نہیں سنتا تھا (2) احمق شخص (3) بے حد بوڑھا شخص اور (4) وہ شخص جو دور فترت میں فوت ہو گیا۔ بہرا شخص کہے گا کہ اے اللہ! اسلام آیا تھا مگر میں تو کچھ بھی سن نہیں سکتا تھا، احمق کہے گا کہ اے اللہ! اسلام آیا تھا مگر مجھے تو بچے مینگنیاں مارتے تھے۔ بوڑھا کہے گا کہ اے اللہ! اسلام آیا مگر میں تو کچھ بھی سمجھتا نہیں تھا اور دور فترت میں فوت ہونے والا کہے گا کہ اے اللہ! میرے پاس تو تیرا کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے عہد و پیمان لے گا کہ تم ضرور میری اطاعت کرو گے، پھر ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ، اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر وہ جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو وہ ان کے لیے سرد اور موجب سلامتی بن جائے گا۔''[1] یہ حدیث از قتادہ از حسن از ابورافع از ابوہریرہ اسی طرح مروی ہے، البتہ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: [فَمَنْ دَخَلَهَا كَانَتْ عَلَيْهِ بَرْدًا وَّ سَلَامًا، وَّمَنْ لَّمْ يَدْخُلْهَا يُسْحَبُ إِلَيْهَا] ''ان میں سے جو شخص جہنم میں داخل ہو جائے گا، وہ اس کے لیے سرد اور موجب سلامتی بن جائے گا اور جو داخل نہ ہو گا تو اسے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''[2]

---

① مسند أحمد: 24/4 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح ابن حبان، مناقب الصحابة، ذكر الإخبار عن وصف الأقوام الذين يحتجون......: 356/16، حدیث: 7357 میں ہے۔ ② مسند أحمد: 24/4 .

اسحاق بن راہویہ نے معاذ بن ہشام سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ① امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب ’’الاعتقاد‘‘ میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ ②

ابن جریر رحمہ اللہ نے اسے از معمر از ہمام از ابوہریرہ مرفوعا بیان کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی تائید میں یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮﴾ ’’اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔‘‘③ اسی طرح معمر نے عبداللہ بن طاؤس سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ ④

دوسری حدیث: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [(كُلُّ) مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ ؟] ’’ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ جانور پورا صحیح سلامت پیدا ہوتا ہے، کیا تم ان میں کوئی کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟‘‘⑤ ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ فرمائیں کہ جو چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ] ’’اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔‘‘⑥ امام احمد نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جو اس کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں، نے فرمایا:- موسیٰ بن داود کو شک ہے-[ذَرَارِيُّ الْمُسْلِمِينَ فِي الْجَنَّةِ يَكْفُلُهُمْ إِبْرَاهِيمُ عليه السلام] ’’مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنت میں ہوں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کفالت کریں گے۔‘‘⑦ صحیح مسلم میں عِیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: [إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ] ’’بے شک میں نے اپنے بندوں کو یکسو ہو کر عبادت کرنے والے بنایا ہے۔‘‘⑧ اور مسلم کے علاوہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ [مُسْلِمِينَ] ’’(میں نے انھیں) مسلمان (پیدا کیا ہے۔)‘‘⑨

تیسری حدیث: حافظ ابوبکر بَرْقانی نے اپنی کتاب ’’المستخرج علی البخاری‘‘ میں عوف اعرابی کی ابورجاء عُطارِدی سے اور ان کی سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ] ’’ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا

① مسند إسحاق بن راهويه:123/1، حديث:42. ② الاعتقاد للبيهقي:CD,169/1. ③ تفسير الطبري:71,70/15. ④ تفسير القرطبي:232/10. ⑤ صحيح البخاري، الجنائز، باب: إذا أسلم الصبي فمات ......، حديث:1359 وصحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد......، حديث:2658 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح البخاری، الجنائز، باب ماقيل في أولاد المشركين، حديث:1385 میں ہے۔ ⑥ صحيح البخاري، القدر، باب: [اللّٰه أعلم بما كانوا عاملين]، حديث:6600 وصحيح مسلم، القدر، باب معنىٰ كل مولود......، حديث:(23)-2658. ⑦ مسند أحمد: 326/2. ⑧ صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التي يعرف بها......، حديث:2865. ⑨ المعجم الكبير للطبراني:363/17، حديث:997 اس کا سیاق مختلف ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متکبر امراء کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اس بستی پر (عذاب

فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ⑯

کی) بات ثابت ہو جاتی ہے، تب ہم اسے مکمل طور پر تباہ کر ڈالتے ہیں ⑯

ہے۔'' لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مشرکوں کے بچے بھی؟ آپ نے فرمایا: [وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ] ''مشرکوں کے بچے بھی۔''① اور امام طبرانی نے سَمُرَہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: [هُمْ خَدَمُ أَهْلِ الْجَنَّةِ] ''وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔''②

چوتھی حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حسناء بنت معاویہ- جن کا تعلق بنی صُرَیم سے ہے- کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے میرے چچا نے یہ بیان کیا کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جنت میں کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: [اَلنَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ ، وَالشَّهِيدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْمَوْلُودُ فِي الْجَنَّةِ ، وَالْوَئِيدُ فِي الْجَنَّةِ] ''نبی جنت میں ہوگا، شہید جنت میں ہوگا، نومولود بچہ جنت میں ہوگا اور زندہ درگور جنت میں ہوگا۔''③

اس مسئلے میں گفتگو کرنا مکروہ ہے: اس مسئلے میں گفتگو کے لیے صحیح اور جید دلائل کی ضرورت ہے مگر کچھ ایسے لوگ بھی اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگتے ہیں جن کے پاس شریعت کا علم نہیں ہوتا، لہٰذا علماء کی ایک جماعت نے اس موضوع پر گفتگو کو مکروہ قرار دیا ہے، مثلاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق اور محمد بن حنفیہ وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں جریر بن حازم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے ابورَجاء عُطارِدی سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَزَالُ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ (مُوَّاتِيًا) ، أَوْمُقَارِبًا، مَّالَمْ يَتَكَلَّمُوا فِي الْوِلْدَانِ وَالْقَدَرِ] ''اس امت کا معاملہ اس وقت تک صحیح رہے گا جب تک وہ چھوٹے بچوں اور تقدیر کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے۔'' ابن حبان نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں چھوٹے بچوں سے مشرکوں کے چھوٹے بچے مراد ہیں۔④

ابوبکر بزار نے بطریق جریر بن حازم بھی اسی طرح روایت کیا ہے، نیز انھوں نے کہا ہے کہ ایک جماعت نے ابورَجاء سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔

تفسیر آیت:16

① التمهيد لا بن عبدالبر:68/18 وصحيح ابن حبان، الرقائق، ذكر ما يجب على المرء......:431/2، حديث:655 اس کی اصل بخاری میں دیکھیے صحيح البخاري، التعبير، باب تعبير الرؤيا بعد صلاة الصبح ، حديث:7047. ② المعجم الكبير للطبراني:244/7، حديث:6993 . ③ مسند أحمد: 58/5 اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ④ صحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر الإخبار عن الإمارة......:119,118/15، حديث: 6724 قوسین والے لفظ کے بجائے بعض نسخوں میں موائمًا ''موافق'' ہے۔ ⑤ مختصر زوائد مسند البزار:154/2، حديث:1606.

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ⑰

اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں اور آپ کا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں کی خوب خبر رکھنے والا، (انھیں) خوب دیکھنے والا ⑰

﴿ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا ﴾ کا مفہوم: مفسرین کا اس لفظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہاں کے متکبر امراء کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے، مامور کرنے سے مراد قدری طور پر مامور کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا ﴾ (یونس 24:10) ''اسے (ناگہاں) رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ پہنچا۔'' میں حکم سے مراد حکم قدری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا، انھوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں برے کاموں کے لیے مسخر کر دیا جس کی وجہ سے یہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تو انھیں نیکیوں کا حکم دیا تھا مگر وہ برائیاں کرنے لگ گئے جس کی وجہ سے یہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔ یہ قول ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ① سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے۔ ② اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ہم نے وہاں کے شریر لوگوں کو مسلط کر دیا، انھوں نے نافرمانیاں کیں تو اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرما کر ان سب کو ہلاک کر دیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ (الأنعام 123:6) ''اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرم بنا دیے۔'' ③ ابوالعالیہ، مجاہد اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ ④ اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ہم ان کی تعداد کو زیادہ کر دیتے ہیں۔ عکرمہ، حسن، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہ قول ہے۔ ⑤ مالک نے بھی زہری سے یہی روایت کیا ہے کہ ﴿ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آسودہ حال لوگوں کی تعداد کو زیادہ کر دیا۔

تفسیر آیت: 17

قریش کو سرزنش: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے کفار قریش کو ڈراتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے نوح علیہ السلام کے بعد رسولوں کی تکذیب کرنے والی کئی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کا عرصہ دس صدیوں پر محیط ہے اور ان صدیوں کے تمام لوگ مسلمان تھے۔ ⑥ تو اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اے تکذیب کرنے والے لوگو! تم ان سابقہ لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز نہیں ہو، تم تو اس رسول کی تکذیب کر رہے ہو جو تمام رسولوں سے اشرف اور تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز ہیں، لہٰذا تم اس بات کے مستحق ہو کہ رسول اللہ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے تمھیں سزا دی جائے گی۔ ارشاد الٰہی: ﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ⑰ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے، دیکھنے والا کافی ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے اچھے اور برے تمام اعمال کو جانتا ہے اور اس سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات گرامی سے کوئی بات بھی مخفی نہیں۔

① تفسير الطبرى :71/15. ② تفسير الطبرى :71/15. ③ تفسير الطبرى :72/15. ④ تفسير الطبرى:72/15.
⑤ تفسير الطبرى :73,72/15. ⑥ المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين:546/2، حديث:4009 ومجمع الزوائد، التفسير، باب كيف يفسر القرآن؟ 318/6 ، حديث:10858.

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

جو کوئی جلدی والی (دنیا) چاہے تو ہم اسی (دنیا) میں جس کے لیے چاہیں جس قدر چاہیں جلد عطا کرتے ہیں، پھر اس کے لیے ہم جہنم ٹھہرا دیتے ہیں،

يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ

وہ اس میں مذموم دھتکارا ہوا داخل ہوگا ⑱ اور جو آخرت چاہے اور اس کے لیے پوری پوری سعی کرے، جبکہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ ہیں جن

فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲

کی سعی قابل قدر ہے ⑲

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ⑳ اُنْظُرْ كَيْفَ

ہم ہر ایک کو آپ کے رب کی عطا سے نوازتے ہیں، اُن کو بھی اور ان کو بھی، اور تیرے رب کی عطا (کسی سے) روکی ہوئی نہیں ⑳ دیکھیے! کس طرح

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ㉑

ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی؟ اور یقیناً آخرت درجوں میں بڑھ کر ہے اور فضیلت دینے میں (بھی) بڑھ کر ہے ㉑

تفسیر آیات: 19,18

دنیا و آخرت کے طلب گاروں کا بدلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا اور اس کی نعمتوں کا طلب گار ہو تو ضروری نہیں کہ اسے یہ سب کچھ مل جائے بلکہ دنیا تو اسے ہی حاصل ہوتی ہے جس کے لیے اللہ چاہے اور اتنی ہی حاصل ہوتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ چاہے۔ ﴿ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ ﴾ ''تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے۔'' یعنی آخرت میں اس کے لیے جہنم تیار ہے: ﴿ يَصْلٰىهَا ﴾ ''جس میں وہ داخل ہوگا'' اور اس طرح داخل ہوگا کہ جہنم کی آگ اسے ہر طرف سے ڈھانپ لے گی: ﴿ مَذْمُوْمًا ﴾ یعنی وہ جہنم میں اپنی برائیوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے مذموم داخل ہوگا کہ اس نے دنیا فانی کو ابدی اور سرمدی آخرت کے مقابلے میں ترجیح دی تھی۔ ﴿ مَّدْحُوْرًا ⑱ ﴾ ''(اللہ کی درگاہ سے) راندہ ہو کر۔'' یعنی اسے ذلیل و رسوا کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار سے دفع کر دیا اور دور ہٹا دیا گیا ہوگا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ ﴾ ''اور جو شخص آخرت کا خواست گار ہو۔'' یعنی دار آخرت اور اس کی نعمتوں اور مسرتوں کا طلب گار ہو۔ ﴿ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ﴾ ''اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے۔'' یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہوئے حصول آخرت کے لیے کوشش کرے۔ ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ ''اور وہ مومن بھی ہو۔'' اس کا دل ایمان سے لبریز اور ثواب اور سزا کی تصدیق کرنے والا ہو۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲ ﴾ ''تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش کی قدر دانی ہوتی ہے۔''

تفسیر آیات: 21,20

اللہ کی عطا رکی ہوئی نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ كُلًّا ﴾ یعنی ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو جو دنیا کے طلب گار

ع 2 12 2

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿22﴾

آپ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرائیں، (ورنہ) پھر آپ مذمت کیے ہوئے بے کس ہو کر بیٹھے رہیں گے ﴿22﴾

ہیں اور جو آخرت کے خواستگار ہیں، مدد دیتے ہیں: ﴿مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ﴾ ''آپ کے پروردگار کی بخشش سے۔'' یعنی ساری کائنات میں صرف اسی کا تصرف ہے اور وہ ایسا حاکم ہے جو ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کو وہ سعادت یا شقاوت عطا فرما دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ جو عطا فرمائے، اس سے کوئی روک نہیں سکتا، اس کے فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا، اس لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿20﴾﴾ ''اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی سے) روکی ہوئی نہیں۔'' یعنی اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی ٹالنے والا اسے ٹال سکتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے پروردگار کی بخشش میں کوئی کمی نہیں ہے۔[1] حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارے پروردگار کی بخشش کو کوئی روک نہیں سکتا[2] اور پھر فرمایا: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ ''دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔'' یعنی دنیا میں کہ ان میں سے کوئی امیر ہے اور کوئی فقیر اور کوئی متوسط، کوئی اچھا ہے اور کوئی برا اور کوئی درمیانے درجے کا اور کوئی چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو جاتا ہے اور کوئی بہت بڑی عمر پا کر بہت بوڑھا ہو جاتا ہے اور کوئی بچپن اور بڑھاپے کے درمیان فوت ہو جاتا ہے۔

جنت کے درجات اور جہنم کے طبقات: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿21﴾﴾ ''اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔'' یعنی آخرت میں ان کے درجات کا فرق دنیا کی نسبت بہت زیادہ ہوگا کہ ان میں سے کوئی تو جہنم کے نچلے طبقوں میں جہنم کی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوگا اور کوئی جنت کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات میں جنت کی نعمتوں اور مسرتوں سے شاد کام ہوگا۔

پھر جہنم اور جنت میں جانے والوں کے بھی اپنے اپنے مقام پر مختلف درجات ہوں گے۔ جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ صحیحین میں ہے [إِنَّ أَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى لَيَرَوْنَ أَهْلَ عِلِّيِّينَ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ (الْغَابِرَ) فِي أُفُقِ السَّمَآءِ] ''بلند و بالا درجات والے اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم آسمان کے افق پر باقی رہ جانے والے ستارے کو دیکھتے ہو۔''[3] اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿21﴾﴾ ''اور آخرت درجوں میں بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔''

---

[1] تفسير الطبری:78/15. [2] تفسير الطبری:78/15 و تفسير ابن أبی حاتم:2322/7 عن ابن زيد. [3] صحيح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة ......، حديث:3256 و صحيح مسلم، الجنة و صفة نعيمها وأهلها، باب ترائی أهل الجنة أهل الغرف ......، حديث:2831 و مسند أحمد:61/3 و اللفظ له جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ جامع الترمذی، المناقب، باب مناقب أبی بكر......، حديث:3658 اور دوسری قوسین والا لفظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے عن أبی سعيد الخدری ﷺ میں ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ

اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین سے اچھا سلوک کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے

اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿23﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا

ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ''اف'' تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب واحترام سے) بات کر ﴿23﴾ اور ان کے لیے

جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿24﴾ؕ

رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی ﴿24﴾

تفسیر آیت :22

کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ: اللہ تعالیٰ نے امت میں سے ہر ہر مکلّف کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے مکلّف! تو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنا: ﴿ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿22﴾ ﴾ ''پھر تم ملامت زدہ بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی وجہ سے کیونکہ اس طرح رب تعالیٰ تیری مدد نہیں کرے گا بلکہ تجھے اس کے سپرد کرے گا جس کی تو نے عبادت کی ہوگی اور وہ تیرے کسی بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے کیونکہ نفع ونقصان کا مالک تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ ، فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنٰى ، إِمَّا أَجَلٍ عَاجِلٍ أَوْ غِنًى عَاجِلٍ] ''جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ اسے لوگوں پر ڈال دے تو اس کا فاقہ دور نہ ہوگا اور جو اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے یا تو جلد موت دے کر یا جلد دولت عطا فرما کر۔'' اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا جبکہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔ [1]

تفسیر آیات :24,23

توحید اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک نے اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے، ﴿ وَقَضٰى ﴾ یہاں حکم کے معنی میں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ وَقَضٰى ﴾ کے معنی ہیں کہ اللہ نے وصیت فرمائی ہے۔ [2] ابی بن

① مسند أحمد:407/1 و سنن أبی داود، الزکاۃ، باب فی الاستعفاف، حدیث:1645 و جامع الترمذی، الزھد، باب ماجاء فی الھم فی الدنیا وحبھا ، حدیث: 2326. ملحوظہ: سنن ابوداود کے مذکورہ حوالے میں [بِمَوْتٍ عَاجِلٍ] جبکہ مسند أحمد:442/1 اور مسند أبی یعلیٰ الموصلی:218/9، حدیث: 5317 میں [مَوْتٌ آجِلٌ] ہے اور [بِمَوْتٍ عَاجِلٍ] ''جلد موت'' کا مطلب تو یہ ہے کہ فاقے میں مبتلا شخص جب اللہ سے دعا کرے تو اسے جلد موت دے کر دنیا کی آزمائشوں سے نجات عطا فرما کر جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمادے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کسی قریبی مالدار کی موت سے اسے غنی کر دے اس کا وارث بننے کی صورت میں جیسا کہ عون المعبود اور تحفۃ الأحوذی میں یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے اور [بموت آجل] ''دیر سے موت'' دینے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ فاقے کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کو ذخیرہ کرتا رہے اور بالآخر جنت کی صورت میں اسے بدلہ عطا فرمائے، واللّٰہ أعلم۔ ② تفسیر الطبری:81/15 .

کعب، ابن مسعود اور ضحاک بن مزاحم نے بھی اسی طرح پڑھا ہے:[وَوَصّٰی رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ] [1] اسی لیے اپنی عبادت کے ساتھ والدین سے حسن سلوک کے حکم کو ملا کر فرمایا: ﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ ''اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔'' یعنی اس نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ (لقمٰن 14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ﴾ ''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا۔'' یعنی ان سے کوئی بری بات نہ کرنا حتی کہ اف تک بھی نہ کہنا جو بری بات کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے: ﴿ وَلَا تَنْهَرْهُمَا ﴾ ''اور نہ انھیں جھڑکنا'' یعنی ان کے لیے تمھاری طرف سے کوئی برا فعل بھی صادر نہ ہو جیسا کہ عطاء بن ابورباح نے کہا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان پر ہاتھ بھی نہ اٹھاؤ، [2] بری بات اور برے فعل سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اچھی بات اور اچھے فعل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴾ ''اور ان دونوں سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔'' یعنی ان سے نرم، پاکیزہ اور شائستہ گفتگو کرنا اور بہت ادب اور تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آنا ﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾ ''اور دونوں کے لیے عجز و نیاز کا پہلو جھکائے رہو۔'' یعنی ان کے سامنے بہت ہی تواضع اور انکساری کا اظہار کرو۔ ﴿ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾ ''اور کہہ اے میرے پروردگار! جیسا انھوں نے بچپن میں میری (شفقت سے) پرورش کی ہے تو تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔'' ان کے بڑھاپے میں بھی اور ان کی وفات کے وقت بھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ (التوبۃ 113:9) ''پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔'' [3]

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں بہت سی احادیث بھی ہیں، مثلاً: وہ حدیث جو کئی سندوں کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے فرمایا:[آمِينَ! آمِينَ! آمِينَ! فَلَمَّا نَزَلَ قِيلَ لَهُ: (عَلَامَ أَمِنْتَ؟) فَقَالَ: أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ:(يَا مُحَمَّدُ!) رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ (شَهْرَ) رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهُ...... قُلْ: آمِينَ! فَقُلْتُ: آمِينَ! وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ(أَوْأَحَدَهُمَا) فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ...... قُلْ: آمِينَ! قُلْتُ: آمِينَ! وَرَجُلٌ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ......قُلْ: آمِينَ! فَقُلْتُ: آمِينَ!] ''آمین! آمین! آمین! جب آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے تو عرض کی گئی! آپ نے آمین کس بات پر کہی؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور انھوں نے کہا: اے محمد(ﷺ!) اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس نے ماہ رمضان کو پایا تو وہ اپنے گناہ نہ

[1] تفسیر الطبری:81,80/15. [2] تفسیر الطبری:84/15. [3] تفسیر الطبری:87/15.

معاف کرا سکا۔ آپ آمین کہیں! تو میں نے آمین کہی (پھر انھوں نے کہا:) اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی کو پایا، پھر وہ اسے جنت میں داخل نہ کرا سکے (ان کی خدمت کر کے یہ جنت میں داخل نہ ہو سکا) آپ آمین کہیں! تو میں نے آمین کہی، (اور پھر انھوں نے کہا:) اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جائے جس کے پاس آپ کا نام لیا جائے تو وہ آپ پر درود نہ بھیجے آپ آمین کہیں! تو میں نے آمین کہی۔''[1]

دوسری حدیث: امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا (عِنْدَهُ الْكِبَرُ) لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ] ''ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو اور پھر ناک خاک آلود ہو اس شخص کی جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔''[2] اس طریق سے یہ حدیث صحیح ہے اور امام مسلم کے سوا دوسرے محدثین نے اسے روایت نہیں کیا۔''[3]

تیسری حدیث: امام احمد نے معاویہ بن جاہمہ سُلَمی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جاہمہ نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے اور اس سلسلے میں مشورے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا: [هَلْ لَّكَ مِنْ أُمٍّ؟] ''تمھاری ماں ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: [اِلْزَمْهَا، فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا] ''بس ان کی خدمت میں لگ جاؤ، جنت ان کے قدموں کے پاس ہے۔'' پھر آپ نے دوسری اور تیسری بار مختلف مجلسوں میں بس یہی بات بیان فرمائی۔[4] اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بیان کیا ہے۔[5]

چوتھی حدیث: امام احمد نے مقدام بن مَعْدِی کَرِب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ ، إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِآبَائِكُمْ ، إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِالْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے بارے

---

[1] پہلی قوسین والا جملہ الأمالي والقراءة لمحمد بن إسحاق، ص: 44 (C.D) عن أنس رضی اللہ عنہ، دوسری اور تیسری قوسین والے الفاظ المعجم الكبير للطبراني، ترجمة قيس بن الربيع الأسدي عن سماك: 244,243/2، حديث: 2022 عن جابر رضی اللہ عنہ، چوتھی قوسین والا جملہ مسند أبي يعلى الموصلي: 328/10، حديث: 5922 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ جبکہ باقی حدیث مسند البزار، مماروی محمد بن عمار عن أبيه: 241,240/4، حديث: 1405 عن عمار بن ياسر رضی اللہ عنہ میں ہے اس حدیث کی سند حسن ہے مزید دیکھیے جامع الترمذي، الدعوات، باب رغم أنف رجل......، حديث: 3545 و مسند أحمد: 254/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ [2] مسند أحمد: 346/2. [3] صحيح مسلم ، البر و الصلة والأدب، باب رغم من أدرك أبويه......، حديث: 2551 مسند احمد کے کئی نسخوں میں عنده الكبر کے بجائے عِنْدَ الْكِبَرِ ہے۔ [4] مسند أحمد: 429/3 . [5] سنن النسائي، الجهاد، باب الرخصة في التخلف لمن له والدة، حديث: 3106 و سنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرجل يغزو وله أبوان ، حديث: 2781 یہ حدیث حسن ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿25﴾

تمھارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمھارے نفسوں میں ہے، اگر تم صالح ہو گے تو بلاشبہ وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿25﴾

میں وصیت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے باپوں کے متعلق وصیت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے قریبی رشتے داروں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے۔‘‘[1] ابن ماجہ میں یہ روایت اسماعیل بن عیاش سے مروی ہے۔[2]

پانچویں حدیث: امام احمد ہی نے بنو یربوع کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرما رہے تھے: [يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا أُمَّكَ وَ أَبَاكَ وَ أُخْتَكَ وَ أَخَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ] ’’دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے پہلے اپنی ماں اور باپ کو دو، بہن بھائیوں کو دو، پھر جو شخص تم سے زیادہ قریب ہے، اسے دو۔‘‘[3]

تفسیر آیت:25

والدین کے حق میں کوتاہی کی معافی: والدین کے حق میں کوتاہی کی معافی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اولاد اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ بسا اوقات انسان سے جلد بازی میں اپنے والدین کے بارے میں کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ اس کے دل میں ہوتا ہے کہ اس سے اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔[4] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ اس کا ارادہ تو خیر و بھلائی ہی کا ہوتا ہے۔[5] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿25﴾ ﴾ ’’جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، تمھارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے، اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے۔‘‘ قتادہ کہتے ہیں کہ أوّابین کے معنی اطاعت کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے ہیں۔[6] شعبہ نے یحییٰ بن سعید سے اور انھوں نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن سے گناہ ہو جاتا ہے اور وہ توبہ کر لیتے ہیں، پھر گناہ ہو جاتا ہے تو پھر توبہ کر لیتے ہیں۔[7] عطا بن یسار، سعید بن جبیر اور مجاہد کا قول ہے کہ ان سے مراد نیکی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔[8] مجاہد نے عبید بن عمیر سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگ جاتا ہے، اس سلسلے میں مجاہد کا اپنا قول بھی یہی ہے۔[9] امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے گناہ سے توبہ کرنے والا ہو، معصیت کو چھوڑ کر اطاعت کو اختیار کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے کاموں کو چھوڑ کر اس کی خوشنودی کے کاموں کو اختیار کرنے والا ہو۔[10]

---

① مسند أحمد: 132/4. ② سنن ابن ماجه، الأدب، باب بر الوالدين، حديث: 3661 میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ فرمایا۔ ③ مسند أحمد: 65,64/4. ④ تفسير الطبري: 88/15. ⑤ تفسير الطبري: 88/15. ⑥ تفسير الطبري: 89/15. ⑦ تفسير الطبري: 89/15. ⑧ تفسير الطبري: 91,90/15. ⑨ تفسير الطبري: 91,90/15. ⑩ تفسير الطبري: 91/15.

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿26﴾ اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا

اور قرابت دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور فضول خرچی نہ کر ﴿26﴾ بے شک فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب

اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ‌ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ﴿27﴾ وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ

کا بڑا ناشکرا ہے ﴿27﴾ اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کی تلاش میں، جس کی تو امید رکھتا ہے، ان (عزیز واقارب) سے اعراض ہی کرے تو تو ان سے ایسی

تَرۡجُوۡهَا فَقُلْ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿28﴾

بات کہہ جس میں آسانی ہو ﴿28﴾

امام ابن جریر رحمہ اللہ کی بات بہت صحیح ہے کیونکہ أوّاب کا لفظ أَوب سے مشتق ہے، أوب کے معنی رجوع کرنے کے ہیں، جب کوئی شخص واپس آئے تو اس کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ آبَ فُلَانٌ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ۙ﴾ (الغاشية 25:98) ”بے شک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔“ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہ پڑھا کرتے تھے: [آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ] ”ہم سفر سے لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور ہم اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔“ [1]

تفسیر آیات: 26-28

صلہ رحمی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کے حکم کے بعد قریبی رشتے داروں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے: [أُمَّكَ، ثُمَّ أَبَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ] ”اپنی ماں سے حسن سلوک کرو، پھر اپنے باپ سے اور پھر جو شخص جس قدر زیادہ قرابت دار ہو اس سے اس قدر زیادہ اچھا سلوک کرو۔“ [2] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ] ”پھر اس کے بعد قریبی، پھر اس کے بعد قریبی۔“ [3] حدیث میں ہے کہ [مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي (أَجَلِهِ)، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ] ”جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اس کے رزق میں کشادگی اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو اسے صلہ رحمی سے کام لینا چاہیے۔“ [4]

فضول خرچی کی ممانعت: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿26﴾﴾ ”اور فضول خرچی نہ کر۔“ جب اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے

[1] صحیح البخاری، الدعوات، باب الدعاء إذا أراد سفرا أو رجع، حدیث:6385 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. [2] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب برالوالدين......، حدیث:(2)-2548 و مسند أبي يعلى الموصلي:482/10، حدیث: 6094 واللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ و جامع الترمذي، البر والصلة......، باب ماجاء في برالوالدين، حدیث:1897 و مسند أحمد:3/5 عن معاوية بن حَيدة القشيري، یہ حدیث صحیح ہے۔ [3] سنن أبي داود، الأدب، باب في برالوالدين، حدیث:5139. [4] صحیح البخاری، الأدب، باب من بسط له في رزقه......، حدیث:5986 و صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم......، حدیث:(21)-2557، البتہ قوسین والا لفظ صحیح ابن حبان، البر والإحسان، ذكر إثبات طيب العيش......: 181,180/2، حدیث:438 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہے۔ صحیحین میں اس کے بجائے (أثره) ہے، تاہم معنی دونوں کا ایک ہے۔

کا حکم دیا تو ساتھ ہی اس میں اسراف اور فضول خرچی سے منع فرما دیا۔ بلکہ اعتدال اور میانہ روی کا مظاہرہ ہونا چاہیے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا ﴾ (الفرقان25:67) ''اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ﴾ ''بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیاطین کے بھائی ہیں۔'' یعنی فضول خرچی میں وہ شیطانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تبذیر یہ ہے کہ مال ایسی جگہ خرچ کیا جائے جہاں خرچ کرنا جائز نہ ہو۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ انسان راہ حق میں اگر اپنا سارا مال بھی خرچ کر دے تو وہ فضول خرچ نہیں ہوگا اور اگر غیر حق میں ایک مد بھی خرچ کرے تو وہ فضول خرچ ہوگا۔[3] امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فضول خرچی یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں غیر حق میں اور فتنہ و فساد میں خرچ کیا جائے۔[4]

امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بنو تمیم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں بہت سرمایہ دار ہوں، میرے پاس اہل وعیال بھی ہیں اور سرمایہ بھی تو آپ یہ فرمائیں کہ میں کیسے خرچ کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تُخْرِجُ الزَّكَاةَ مِنْ مَّالِكَ فَإِنَّهَا طُهْرَةٌ تُطَهِّرُكَ ، وَتَصِلُ أَقْرِبَاءَ كَ، وَتَعْرِفُ حَقَّ السَّائِلِ، وَالْجَارِ، وَالْمِسْكِينِ] ''اگر تمھارے پاس مال ہو تو اس میں سے زکاۃ ادا کرو، اس سے تم اپنے مال کو پاک کر لو گے، اپنے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرو اور سائل، پڑوسی اور مسکین کے حق کو پہچانو'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے کم بات بتاؤ تو آپ نے فرمایا: [فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِينَ وَ ابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا] ''اور رشتے داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ بات مجھے کافی ہے، جب آپ کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اسے زکاۃ ادا کر دوں تو کیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں بری ہو جاؤں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ، إِذَا أَدَّيْتَهَا إِلٰى رَسُولِي فَقَدْ بَرِئْتَ مِنْهَا ، فَلَكَ أَجْرُهَا ، وَإِثْمُهَا عَلٰى مَنْ بَدَّلَهَا] ''ہاں، جب تم میرے قاصد کو زکاۃ ادا کر دو تو تم اس سے بری ہو جاؤ گے، تمھیں اس کا اجر و ثواب ملے گا اور گناہ اس کو ہوگا جو اسے بدلے گا۔''[5]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ﴾ ''بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطانوں کے بھائی ہیں۔'' یعنی وہ فضول خرچی، بے وقوفی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ترک کرنے اور اس کی نافرمانی کے ارتکاب کرنے کے اعتبار سے شیطان کے بھائی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ ﴾ ''اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا انکار

---

[1] تفسیر الطبری:94/15. [2] تفسیر الطبری:95/15. [3] تفسیر الطبری:95/15. [4] تفسیر الطبری:95/15. [5] مسند أحمد:136/3. ملحوظہ: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ ابن حجر رحمہ اللہ تہذیب التہذیب میں سعید بن ابو ہلال لیثی کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ سعید حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ مزید دیکھیے المستدرک للحاکم، التفسیر، باب ومن تفسیر سورة بنی إسرائيل:361,360/2، حدیث:3374.

وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿29﴾

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا نہ رکھ اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ پھر ملامت زدہ، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے ﴿29﴾ بلاشبہ آپ کا رب جس

اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿30﴾ ع 3/8/3

کے لیے چاہے رزق کھول دیتا ہے اور تنگ (بھی) کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿30﴾

کرنے والا (ناشکرا) ہے۔'' ﴿ کَفُوۡرًا ﴿27﴾ ﴾ کے معنی ہیں انکار کرنے والا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا انکار کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا تھا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی بلکہ اس کی نافرمانی اور مخالفت کی۔ ارشاد الٰہی: ﴿ وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡہُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ ﴾ ''اگر تو اپنے پروردگار کی رحمت (فراخ دستی) کی تلاش میں ان (مستحقین) سے اعراض کرے۔'' یعنی جب تمھارے قرابت دار تم سے سوال کریں اور وہ جن کو دینے کا ہم نے حکم دیا ہے اور تمھارے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اور تم ان سے اعراض کر لو تو اس صورت میں: ﴿ فَقُلۡ لَّہُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا ﴿28﴾ ﴾ ''تو ان سے آسان بات کہہ دیا کرو۔'' نرمی سے بات کرتے ہوئے ان سے یہ وعدہ کر لیا کرو کہ جب ہمارے پاس مال آئے گا تو ہم ان شاء اللہ تمھیں بھی دیں گے، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ اس صورت میں نرمی سے بات کرتے ہوئے مستحقین سے وعدہ کر لیا کرو۔ ①

تفسیر آیات: 30,29

خرچ میں میانہ روی: اللہ تعالیٰ نے خرچ میں میانہ روی کا حکم دیتے ہوئے، بخل کی مذمت کرتے ہوئے اور فضول خرچی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ ﴾ ''اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (بہت تنگ) کر لو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں۔)'' یعنی بے حد بخیل اور کنجوس نہ بن جاؤ کہ کسی کو کچھ بھی نہ دو جیسا کہ یہود ملعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا: ﴿ یَدُ اللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ ؕ ﴾ (المآئدۃ5:64) ''اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔'' یعنی ان ملعونوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل قرار دیا، حالانکہ بے حد و حساب کرم کرنے اور عطا فرمانے والے اس آقا اور مولا کی ذات گرامی اس سے پاک ہے۔ فرمان الٰہی: ﴿ وَلَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ ﴾ ''اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو۔)'' یعنی خرچ میں اس طرح اسراف سے کام نہ لو کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر دے دو، اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کر دو اور پھر اس کا انجام یہ ہو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ یہ از باب لفّ ونشر ہے، یعنی اگر تم نے بخل سے کام لیا تو ملامت زدہ ہو کر بیٹھ جاؤ گے لوگ تمھیں ملامت کریں گے تمھاری مذمت کریں گے اور تم سے بے نیاز ہو جائیں گے اور اگر تم نے اپنی طاقت سے بڑھ کر اپنے ہاتھ کو پھیلا دیا تو تم خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ گے اور آئندہ خرچ کرنے کے لیے تمھارے پاس کچھ نہیں ہوگا تو تمھاری مثال اس جانور کی سی ہوگی جو چلنے پھرنے سے عاجز و درماندہ ہو گیا ہو اور ضعف و ناتوانی کی وجہ سے بیٹھ گیا ہو، ایسے جانور کو

① تفسیر الطبری: 97,96/15 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2326/7.

عربی میں حسیر کہتے ہیں جس کے معنی تھکے ہوئے کے ہیں جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں بھی یہ لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے: ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝﴾ (الملك4,3:67) ''تو نگاہ دوڑا بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام و نامراد ہو کر لوٹ آئے گی جبکہ وہ تھکی ماندی ہوگی۔'' یعنی وہ تھک جائے گی مگر آسمان میں کوئی عیب نہ دیکھ سکے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ، ابن جریج، ابن زید اور دیگر کئی ائمہ رحمہم اللہ نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر فرمائی ہے کہ اس سے بخل اور اسراف مراد ہے۔ ①

صحیحین میں ابوزِناد (عبداللہ بن ذکوان) کی اعرج سے اور ان کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُنْفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ مِّنْ ثُدِيِّهِمَا إِلٰى تَرَاقِيهِمَا فَأَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا يُنْفِقُ إِلَّا سَبَغَتْ أَوْوَفَرَتْ عَلٰى جِلْدِهِ حَتّٰى تُخْفِيَ بَنَانَهُ وَتَعْفُوَأَثَرَهُ وَأَمَّا الْبَخِيلُ فَلَايُرِيدُ أَنْ يُّنْفِقَ شَيْئًا إِلَّا لَزِقَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَّكَانَهَا فَهُوَ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ] ''بخیل اور خرچ کرنے والوں کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنھوں نے لوہے کے دو ایسے جبّے ② پہن رکھے ہوں جو سینے سے لے کر گلے تک ہوں، خرچ کرنے والا جب بھی خرچ کرتا ہے تو جبّہ کشادہ ہو جاتا ہے حتی کہ وہ اس کے پاؤں کی انگلیوں کو چھپا لیتا ہے اور اس کے قدموں کے نشانات کو مٹا دیتا ہے۔ اور بخیل کچھ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتا اسی لیے جبّے کا ہر حلقہ اپنی جگہ چمٹ جاتا ہے، وہ اسے ڈھیلا کرنا چاہتا ہے مگر وہ ڈھیلا نہیں ہوتا۔'' ③ یہ الفاظ اس حدیث کے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکاۃ میں بیان فرمایا ہے۔

بخاری و مسلم میں بطریق معاویہ بن ابومُزَرِّد از سعید بن یسار از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ يَّوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَّيَقُولُ الْآخَرُ، اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا] ''ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں، دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں: ان میں سے ایک یہ کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! روک رکھنے والے کو ہلاکت و بربادی دے۔'' ④

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ [مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَّمَازَادَ

① تفسیر الطبری:99,98/15. ② صحیح بخاری کی اس روایت میں یہ لفظ جبتان ہے جس کے معنی ہیں دو جبے اور جبہ ایک مخصوص لباس کو کہتے ہیں، بعض روایات میں یہ لفظ جُنَّتَان ہے، یعنی با کے بجائے ''ن'' کے ساتھ جس کے معنی دو ڈھالوں یا دو زرہوں کے ہیں مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے تصحیف قرار دیا ہے۔ اس لیے ہم نے اس لفظ کا ترجمہ دو جبّے کیا ہے جو صحیح روایت کے مطابق ہے (مترجم۔) ③ صحیح البخاری، الزکاۃ، باب مثل البخیل والمتصدق، حدیث:1443 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب مثل المنفق والبخیل، حدیث:1021. ④ صحیح البخاری، الزکاۃ، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ ......﴾ (الیل 10-5:92) ......، حدیث:1442 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فی المنفق والممسك، حدیث:1010.

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿31﴾

اور تم اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی، بے شک ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے ﴿31﴾

اللّٰهُ عَبۡدًا بِعَفۡوٍ إِلَّا عِزًّا، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ] ''صدقے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی عطا فرما دیتا ہے۔''(1) ابوکثیر کی عبداللہ بن عمرو سے مروی مرفوع روایت میں ہے: [إِيَّاكُمۡ وَالشُّحَّ ، فَإِنَّهُ أَهۡلَكَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ ، أَمَرَهُمۡ بِالۡقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا، وَأَمَرَهُمۡ بِالۡبُخۡلِ فَبَخِلُوا ، وَأَمَرَهُمۡ بِالۡفُجُورِ فَفَجَرُوا] ''اپنے آپ کو حرص سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا، انھیں قطع رحمی کا حکم دیا تو انھوں نے قطع رحمی کر لی، اس نے انھیں بخل کا حکم دیا تو انھوں نے بخل کیا اور اس نے انھیں بدی کا حکم دیا تو انھوں نے بدی شروع کر دی۔''(2)

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور (جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صرف وہی رزاق ہے، وہی رزق کو تنگ کرنے والا اور وہی اسے کشادہ کرنے والا ہے، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اپنی حکمت و مصلحت کے پیش نظر جسے چاہے غنی کر دیتا ہے اور جسے چاہے فقیر بنا دیتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا ﴿30﴾ ﴾ ''وہ اپنے بندوں سے بڑا خبردار ہے اور (ان کو) خوب دیکھ رہا ہے۔'' وہ اس بات سے خوب باخبر اور اچھی طرح دیکھنے والا ہے کہ دولت کا مستحق کون ہے اور فقر کا مستحق کون۔ بعض لوگوں کو دولت محض مہلت کے طور پر دی جاتی ہے اور فقر بطور سزا، ہم ان دونوں باتوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیت: 31

قتل اولاد کی ممانعت: یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ والد جس قدر اپنی اولاد سے شفقت و رحمت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بڑھ کر اپنے بندوں کے لیے رحیم و شفیق ہے۔ اسی لیے اس نے قتل اولاد سے منع فرمایا اور باپوں کو اولاد کے لیے وراثت کی تقسیم کے سلسلے میں احکام ارشاد فرمائے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بچیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا کرتے تھے

(1) صحیح مسلم، البر والصلة والأدب ، باب استحباب العفو والتواضع، حديث:2588، البتہ مسند البزار، وممارویٰ أبو سَلَمة بن عبدالرحمن عن أبيه:243/3 میں عن عبدالرحمن بن عوف سے المعجم الأوسط للطبراني:619,618/1، حديث:2270 میں عن أم سلمة رضی اللہ عنہا سے ضعیف سند کے ساتھ اسی طرح یہ ...... [مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ، وَّلَا عَفَا رَجُلٌ عَنۡ مَّظۡلِمَةٍ إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا......] الفاظ ہیں۔ ہاں، جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء مثل الدنيا......، حديث:2325 عن أبي كَبۡشَة الأنصاري رضی اللہ عنہ میں ثَلَاثٌ أُقۡسِمُ ...... [مَا نَقَصَ مَالُ عَبۡدٍ مِّنۡ صَدَقَةٍ] صحیح سند کے ساتھ ہے۔ (2) سنن أبي داود، الزكاة، باب في الشح، حديث:1698 ومسند أحمد:191/2 والسنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة، باب كراهية البخل ......:187/4 واللفظ له اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿32﴾

اور تم زنا کے قریب مت جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی اور بری راہ ہے ﴿32﴾

بلکہ بعض تو کثرت اولاد کے ڈر سے بچیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ﴾ ''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔'' یعنی اس خوف سے اولاد کو قتل نہ کرنا کہ ان کی وجہ سے تم فقیر ہو جاؤ گے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ اہتمام کیا کہ پہلے انھیں رزق دینے کا ذکر فرمایا: ﴿نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ﴾ ''کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' سورۂ انعام میں الفاظ یہ تھے: ﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ ۚ﴾ (الأنعام 151:6) اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔''

ارشاد الٰہی: ﴿اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿31﴾﴾ ''کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔'' بعض نے ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا ہے۔ [كَانَ خَطَأً كَبِيرًا][1] اور ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے بڑا کون سا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اسی نے تجھے پیدا فرمایا'' میں نے عرض کی، پھر کون سا؟ [ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ] ''یہ کہ تم اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ بھی تمھارے ساتھ کھائے گا'' میں نے عرض کی کہ پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ] ''یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔''[2]

تفسیر آیت:32

زنا اور اس کے اسباب سے اجتناب کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نہ صرف زنا سے منع کیا ہے بلکہ اس کے قریب جانے اور اس کے اسباب و دواعی کے اختیار کرنے سے بھی منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ﴾ ''اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی ہے۔'' یعنی بہت بڑا گناہ ہے۔ ﴿وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿32﴾﴾ ''اور بری راہ ہے۔'' یعنی یہ بہت ہی برا طریقہ اور رستہ ہے۔

امام احمد نے ابو امامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک نوجوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت فرما دیجیے، لوگ اس کی یہ بات سن کر اسے ڈانٹنے اور برا بھلا کہنے لگے مگر آپ نے اس سے فرمایا: [اُدْنُهْ] ''قریب آ جاؤ'' تو وہ آپ کے قریب آ گیا آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ تو جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: [أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟] ''کیا تم اپنی ماں کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان

[1] تفسیر الطبری: 101/15. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَالَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ......﴾ (الفرقان 68:25) ......، حدیث: 4761 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الشرك أقبح الذنوب ......، حدیث: 86.

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ

اور تم اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے۔ اور جو ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے، چنانچہ وہ قتل

سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿33﴾

(قصاص) میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے ﴿33﴾

کردے۔ آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ یُحِبُّونَهٗ لِأُمَّهَاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے۔'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهٗ لِابْنَتِكَ] ''کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان۔ آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ یُحِبُّونَهٗ لِبَنَاتِهِمْ] ''لوگ بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهٗ لِأُخْتِكَ؟] ''کیا تم اپنی بہن کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، میں آپ پر قربان، آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ یُحِبُّونَهٗ لِأَخَوَاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهٗ لِعَمَّتِكَ] ''کیا تم اپنی پھوپھی کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان۔ آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ یُحِبُّونَهٗ لِعَمَّاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهٗ لِخَالَتِكَ] ''کیا تم اپنی خالہ کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان، آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ یُحِبُّونَهٗ لِخَالَاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اسے اپنی خالاؤں کے لیے پسند نہیں کرتے'' پھر آپ نے اپنے دست مبارک کو اس پر رکھا اور یہ دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ، وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ ، وَحَصِّنْ فَرْجَهٗ] ''اے اللہ! اس کے گناہ کو صاف فرما دے، اس کے دل کو پاک کردے اور اس کی شرم گاہ کو محفوظ کردے'' پھر اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ [1]

تفسیر آیت:33

قتل ناحق کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حق شرعی کے بغیر کسی کو قتل کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ یَّشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدٰی ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّیِّبُ الزَّانِیْ ، وَالْمُفَارِقُ لِدِیْنِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ] ''کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں، البتہ تین میں سے کوئی ایک صورت ہو تو پھر حلال ہے: (1) جان کے بدلے جان (2) شادی شدہ ہو کر زنا کرے (3) دین کو ترک کرتے ہوئے

[1] مسند أحمد: 257,256/5، مزید دیکھیے المعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة حَریز بن عثمان عن سُلَیم بن عامر: 163,162/8، حدیث: 7679.

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ‌ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۚ

اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ ، سوائے اس کے جو احسن طریقہ ہو، حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور تم عہد پورا کرو،

اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿34﴾ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ؕ

بے شک عہد کی بابت سوال کیا جائے گا ﴿34﴾ اور جب ماپ کر دو تو تم ماپ پورا کرو اور سیدھی ترازو سے تولو، یہ بہترین اور

ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿35﴾

انجام کار کے لحاظ سے بہت اچھا ہے ﴿35﴾

مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنے والا ہو۔''[1] سنن کی روایت میں ہے:[لَزَوَالُ الدُّنۡيَا أَهۡوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنۡ قَتۡلِ رَجُلٍ مُسۡلِمٍ]''ایک مسلمان کے قتل کی نسبت ساری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں کم تر ہے۔''[2]

ارشادِ الٰہی ہے:﴿ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا ﴾''اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے۔)''یعنی قاتل پر اسے اختیار دے دیا ہے، چاہے تو اسے قصاص میں قتل کر دے، چاہے تو دیت لے کر معاف کر دے اور اگر چاہے تو دیت لیے بغیر معاف کر دے جیسا کہ سنت سے اس کی تفصیل ثابت ہے۔[3]

امام عالی مقام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کے عموم سے یہ استدلال کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت اور سلطنت ملے گی کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلم سے شہید کیے گئے تھے۔ اور پھر واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت ملی اور اقتدار ان کے قبضے میں آیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ واقعی یہ ایک بہت عمدہ استنباط اور استدلال تھا۔

ارشادِ الٰہی ہے:﴿ فَلَا يُسۡرِفۡ فِّى الۡقَتۡلِ‌ؕ ﴾''تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے۔''یعنی وارث کو چاہیے کہ وہ قاتل کے قتل میں زیادتی نہ کرے کہ اس کا مثلہ کر دے یا قصاص اس سے لے جو قاتل نہ ہو۔﴿ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿33﴾ ﴾''بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے۔''یعنی مقتول کا وارث، قاتل پر شریعت، دستور اور قانون کے مطابق منصور اور فتح یاب ہے۔

تفسیر آیات: 35,34

مال یتیم میں بہتر تصرف اور پورا ماپ تول: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى

[1] صحيح البخاري ، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ ﴾ (المآئدة 45:5)، حديث: 6878 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين...... ، باب ما يباح به دم المسلم، حديث:1676 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. [2] جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في تشديد قتل المؤمن، حديث:1395 و سنن النسائي، المحاربة (تحريم الدم) ، باب تعظيم الدم، حديث:3992 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ و سنن ابن ماجه، الديات، باب التغليظ في قتل مسلم ظلما، حديث:2619 عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخاري، الصلح، باب الصلح في الدية، حديث:2703 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين...... ، باب إثبات القصاص في الأسنان...... ، حديث:1675 و مسند أحمد:128/3، مزید دیکھیے المآئدة، آیت: 45 کے ذیل میں عنوان:''مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کرنا''

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىِٕكَ كَانَ

اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں اس کے پیچھے نہ لگیں، بے شک کان، آنکھ اور دل ، ان میں سے ہر ایک کی بابت

عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝36

سوال کیا جائے گا ۝36

﴿ يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ص ﴾ ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔'' یعنی مالِ یتیم میں اس طرح تصرف کرو جو بہت ہی قابل رشک ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ﴾ (النسآء 6:4) ''اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑا دینا، جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز رکھنا چاہیے اور جو غریب ہو وہ مناسب طور پر (بقدر خدمت کچھ) کھا لے۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا، وَّإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي، لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ ، وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ] ''اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو، میں تمھارے لیے بھی وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، لہٰذا تم دو آدمیوں پر ہرگز نہ حاکم نہ بننا اور نہ مال یتیم کا وارث بننا۔''[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ ﴾ ''اور عہد کو پورا کرو۔'' یعنی لوگوں سے تم نے جو عہد و پیمان کیے ہوں انھیں پورا کرو کیونکہ ﴿ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝34 ﴾ ''عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ ﴾ ''اور جب (کوئی چیز) ماپنے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو۔'' یعنی اس میں کمی نہ کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو: ﴿ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ﴾ ''اور (جب تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔''

﴿ بِالْقِسْطَاسِ ﴾ قِرطاس کے وزن پر ہے، اس کے معنی میزان کے ہیں، اسے قاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور ﴿ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ﴾ کے معنی ہیں ایسا سیدھا جس میں کوئی کجی، کوئی انحراف اور کوئی اضطراب نہ ہو بلکہ بالکل سیدھا ہو۔ ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ ''یہ بہت اچھا (کام) ہے۔'' دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝35 ﴾ ''اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔'' یعنی آخرت کے نتیجے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہ بہت بہتر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ طریقہ ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: لوگو! دو باتیں تمھارے اختیار میں ہیں جن کی وجہ سے پہلے لوگ ہلاک کر دیے گئے تھے، میرا اشارہ ماپ اور تول کی طرف ہے۔[3]

[1] صحیح مسلم، الإمارۃ، باب کراھۃ الإمارۃ بغیر ضرورۃ، حدیث:1826. [2] تفسیر الطبری:109/15. [3] تفسیر الطبری:109/15.

تفسیر آیت:36

علم کے بغیر بات کرنے والے کی سرزنش: علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَلَا تَقْفُ ﴾ کے معنی ہیں: ''نہ کہو۔''① اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے بارے میں ایسی بات نہ کہو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔② محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جھوٹی گواہی نہ دو۔③ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے، حالانکہ تم نے دیکھا نہ ہو، میں نے سنا ہے، حالانکہ تم نے سنا نہ ہو، میں جانتا ہوں، حالانکہ تم جانتے نہ ہو کیونکہ ان سب باتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ پرسش فرمائے گا۔④ ائمۂ تفسیر نے اس ارشاد باری تعالیٰ کی جو تفسیر کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ علم کے بغیر بات محض ظن، توہم اور خیال کی بنیاد پر کی جائے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۚ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ (الحجرات 12:49) ''بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔'' اور حدیث میں ہے کہ [إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ] ''بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔''⑤ اور سنن ابوداود میں ہے کہ [بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ: زَعَمُوا] ''انھوں نے ایسا خیال کیا، یہ آدمی کی بہت بری سواری ہے۔''⑥ ایک اور حدیث میں ہے کہ [إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرٰى أَنْ يُّرِيَ عَيْنَيْهِ فِي الْمَنَامِ مَالَمْ تَرَيَا] ''سب سے بڑی افترا پردازی یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو خواب دکھائے جو انھوں نے دیکھا نہ ہو۔''⑦ صحیح حدیث میں ہے کہ [مَنْ تَحَلَّمَ (حُلُمًا) كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ (وَلَيْسَ بِفَاعِلٍ)] ''جس شخص نے کوئی جھوٹا خواب بیان کیا تو اسے قیامت کے دن یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ جو کے دانوں کی گرہ لگائے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکے گا۔''⑧ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴾ ''ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔'' یعنی کان، آنکھ اور دل کے بارے میں قیامت کے دن انسان سے پوچھا جائے گا اور ان سے انسان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے ان کا کس طرح استعمال کیا۔ یہاں تلك ہونا چاہیے تھا لیکن تلك کے بجائے أولئك کا استعمال بھی صحیح ہے۔

① تفسیر الطبری: 109/15. ② تفسیر الطبری: 110/15. ③ تفسیر الطبری: 110/15. ④ تفسیر الطبری: 109/15.
⑤ صحیح البخاری، الأدب، باب: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا ...... ﴾ (الحجرات 12:49)، حدیث: 6066 و صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحریم الظن......، حدیث: 2563 عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ. ⑥ سنن أبی داود، الأدب، باب فی قول الرجل: زعموا، حدیث: 4972 و مسند أحمد: 119/4 عن أبی مسعود الأنصاری (عُقبة بن عمرو) رضی اللہ عنہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ⑦ صحیح البخاری، التعبیر، باب من کذب فی حلمه، حدیث: 7043 و مسند أحمد: 96/2 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما و اللفظ له. ⑧ صحیح البخاری، التعبیر، باب من کذب فی حلمه، حدیث: 7042 و جامع الترمذی، الرؤیا، باب ماجاء فی الذی یکذب فی حلمه، حدیث: 2283 و اللفظ له جبکہ پہلی قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، تعبیر الرؤیا، باب من تحلم حلما کاذباً، حدیث: 3916 میں اور دوسری قوسین والا جملہ صحیح ابن حبان، الحظر والإباحة، ذکر وصف عقوبة من استمع......: 498/12، حدیث: 5685 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿37﴾

اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بلاشبہ تُو نہ تو کبھی زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ کبھی لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے ﴿37﴾ یہ سارے (مذکورہ) کام،

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿38﴾

ان کی برائی آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے ﴿38﴾

تفسیر آیات: 38,37

اکڑ کر چلنے کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فخر وغرور کی چال سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ ﴾ ''اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل۔'' یعنی جابر وسرکش لوگوں کی طرح فخر وغرور اور تکبر کے ساتھ نہ چلو ﴿ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ ﴾ ''بے شک تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا۔'' یعنی اپنی اس متکبرانہ چال کے ساتھ تم زمین کو ہرگز پھاڑ نہیں سکو گے۔ ابن جریر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں اور انھوں نے رُوبہ بن عجّاج کے اس قول سے استشہاد کیا ہے:

وَقَاتِمِ الْأَعْمَاقِ خَاوِی الْمُخْتَرَقِ

''اور گرد وغبار سے اٹی ہوئی تاریک کناروں والی وادی اکثر ویران ہوا کرتی ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿37﴾ ﴾ ''اور نہ تو لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔'' یعنی اپنے اس فخر وغرور اور اپنی اس خود پسندی کی وجہ سے لمبے ہو کر پہاڑوں کی بلندی تک نہیں پہنچ جاؤ گے بلکہ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کے قصد وارادہ کے خلاف اسے دنیا میں سزا دے دی جاتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي (مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ عَلَيْهِ بُرْدَانِ لَهُ يَتَبَخْتَرُ فِيهِمَا) فَخَسَفَ اللّٰهُ بِهِ الْأَرْضَ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص چل رہا تھا، اس نے دو چادریں اوڑھ رکھیں تھیں اور وہ ان کی وجہ سے متکبرانہ چال چل رہا تھا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔''[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قارون کے بارے میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ ایک دن وہ بڑی آرائش وزیبائش کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔[2]

﴿ سَيِّئُهٗ ﴾ کی قراءتیں اور مفہوم: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿38﴾ ﴾ ''ان سب (عادتوں) کی برائی آپ کے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے۔'' بعض نے اسے [سَيِّئَةً] پڑھا ہے۔[3] جس کے معنی برائی کے ہیں تو اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ یہ سب کام جن سے ہم نے منع کیا ہے اور جن کا آیت: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ ﴾

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، حديث: 5789 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ و 5790 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، قوسین والے الفاظ شعب الإيمان للبيهقي، فصل في طلاقة الوجه...... : 252/6، حديث: 8050 جبکہ باقی حدیث صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب في تحريم التبختر...... ، حديث: (50)-2088 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ اور [يَمْشِي] مسلم کے مذکورہ حوالے میں حدیث: (49)-2088 کے تحت ہے۔ [2] دیکھیے القصص، آيات: 76-82 . [3] تفسير الطبري: 113/15.

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ

یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہراؤ، ورنہ جہنم میں ملامت زدہ،

مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿39﴾

دھتکارے ہوئے ڈالے جاؤ گے ﴿39﴾

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

کیا پھر تمھارے رب نے تمھیں بیٹوں کے لیے چن لیا اور (اپنے لیے) فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں؟ بلاشبہ تم بہت بڑی (نازیبا اور خطرناک)

عَظِيْمًا ﴿40﴾ ع 4 10 4

بات کہتے ہو ﴿40﴾

سے لے کر یہاں تک ذکر ہوا ہے، یہ سب برائی کے کام ہیں اور ان کی وجہ سے مؤاخذہ ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہیں اور جس نے اسے اضافت کے ساتھ ﴿ سَيِّئُهٗ ﴾ پڑھا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ جس کا آیت: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ سے لے کر یہاں تک ہم نے ذکر کیا ہے تو ان سب کاموں کی برائی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ناپسند ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان دونوں صورتوں میں اس کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیت: 39

وحی وحکمت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ سب اخلاق جمیلہ جن کا ہم نے حکم دیا اور یہ صفات رذیلہ جن سے ہم نے منع کیا ہے، ان کا تعلق اس وحی سے ہے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اس کا حکم دیں۔ ﴿ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿39﴾ ﴾ ”اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ (اور اللہ کی درگاہ سے) راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے۔“ یعنی تم خود بھی اپنے آپ کو ملامت کرو گے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق بھی تمھیں ملامت کرے گی اور تمھیں ہر خیر و بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدحور کے معنی مردود (راندۂ درگاہ) کے ہیں۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے یہ خطاب امت سے ہے کیونکہ آپ تو معصوم ہیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

تفسیر آیت: 40

فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان جھوٹے اور ملعون مشرکوں کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا تھا۔ ان ملعونوں نے فرشتوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں پہلے تو یہ گمان کیا کہ یہ مؤنث ہیں، پھر یہ دعویٰ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور پھر ان کی عبادت بھی شروع کر دی تو ان تینوں باتوں میں انھوں نے زبردست غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَاَصْفٰىكُمْ

[1] تفسیر الطبری: 113/15. [2] تفسیر الطبری: 114/15.

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿41﴾

اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر (حقائق کو) بیان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں، لیکن (یہ چیز) ان کو نفرت ہی میں زیادہ کرتی ہے ﴿41﴾

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿42﴾ سُبْحٰنَهٗ

کہہ دیجیے: اگر اس کے ساتھ اور معبود ہوتے، جیسا کہ وہ (مشرک) کہتے ہیں، تو وہ صاحب عرش (اللہ) تک (پہنچنے کے لیے) ضرور کوئی راہ تلاش

وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿43﴾

کرتے ﴿42﴾ وہ پاک ہے اور وہ (مشرک) جو کچھ کہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ و بلند تر ہے ﴿43﴾

﴿ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنَاثًا ؕ﴾ "(مشرکو!) کیا تمھارے پروردگار نے تم کو تو لڑکے دیے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا؟" یعنی تمھارے گمان کے مطابق اپنے لیے اس نے بیٹوں کو پسند کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿40﴾﴾ "کچھ شک نہیں کہ (یہ) تم بڑی (نامعقول) بات کہتے ہو۔" یعنی یہ گمان کرتے ہوئے کہ اللہ کی اولاد ہے اور پھر تم نے اس کی اولاد بھی ان بیٹیوں کو قرار دیا جن سے تم نفرت کرتے ہو بلکہ کبھی انھیں زندہ درگور بھی کر دیتے ہو تو یہ تقسیم تو بہت ہی ناانصافی کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴾ (مریم 19:88-95) "اور کہتے ہیں اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو۔ قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز کی۔ اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کوئی اولاد بنائے، آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں، سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے، اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔"

تفسیر آیت: 41

قرآن میں ایک بات کا مختلف طریقوں سے بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر (نشانیوں کو) بیان کیا ہے۔" یعنی ہم نے اس قرآن میں وعید سے متعلق بہت سی باتوں کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ اس کے دلائل و براہین اور مواعظ سے نصیحت حاصل کریں اور شرک، ظلم اور افترا پردازی سے باز آ جائیں۔ ﴿ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿41﴾﴾ "اور وہ ان میں نفرت کے سوا اور کچھ زیادہ نہیں کرتا۔" یعنی حق سے نفرت اور اس سے دور ہونے میں (اضافہ کرتا ہے۔)

تفسیر آیات: 43,42

قربت الٰہی کے لیے کسی پیر فقیر کے وسیلے کی ضرورت نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ان مشرکوں سے

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے اس (اللہ) کی تسبیح کرتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، اور لیکن

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿44﴾

تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حوصلے والا، بہت بخشنے والا ہے ﴿44﴾

کہہ دیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کا کوئی شریک بھی ہے جس کی یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردے، چنانچہ اگر بات اسی طرح ہے جیسے تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں اور ان کی عبادت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں اور اس کے پاس ان کی شفاعت کریں تو ان سے کہہ دیں کہ وہ تمام معبود تو خود اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے اور اس کا وسیلہ و قرب تلاش کرتے ہیں، لہٰذا تم بھی اسی وحدہ لا شریک کی عبادت کرو جس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ تمھیں کسی ایسے معبود کی ضرورت ہی نہیں جو تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے کا کام دے۔ اللہ تعالیٰ تو اس بات کو قطعی طور پر پسند ہی نہیں فرماتا ہے بلکہ وہ اسے ناپسند فرماتا اور اسے اس سے بہت نفرت ہے، اس نے اپنے تمام نبیوں اور رسولوں کی زبانی اس سے منع فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کی تنزیہ اور تقدیس بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿43﴾﴾ ”وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں، اس سے (اس کا رتبہ) بہت عالی ہے۔“ یعنی یہ مشرک، سرکش اور ظالم جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں تو اس کی ذات پاک اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے وہ اللہ احد و صمد ہے۔ وہ معبود برحق بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

تفسیر آیت:44

ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ساتوں آسمان، زمین اور جو مخلوقات ان میں ہیں، وہ سب اس کی تقدیس، تنزیہ، تعظیم اور تکبیر بیان کرتی ہیں اور اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ وہ اپنی ربوبیت و الوہیت میں واحد ہے۔

فَفِی كُلِّ شَیْءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

”ہر چیز میں اس کے لیے نشانی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ذات پاک واحد ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿90﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿91﴾﴾ ”قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹے تجویز کیے۔“ (مریم 91,90:19)

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ﴾ ”اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔“ یعنی مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو کیونکہ ان کی زبان تمھاری زبان سے مختلف ہے اور

یہ بات عام ہے جو تمام حیوانات، جمادات اور نباتات سے متعلق ہے اس سلسلے میں مشہور قول یہی ہے۔ صحیح بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ہم کھانے کی تسبیح سن رہے تھے جبکہ اسے کھایا جا رہا تھا۔[1] امام احمد نے معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس گئے جو اپنے جانوروں اور سواریوں پر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: [اِرْكَبُوهَا سَالِمَةً ، وَّدَعُوهَا سَالِمَةً، وَّلَا تَتَّخِذُوهَا كَرَاسِيَّ لِأَحَادِيثِكُمْ فِي الطُّرُقِ وَالْأَسْوَاقِ، فَرُبَّ مَرْكُوبَةٍ خَيْرٌ مِّنْ رَّاكِبِهَا وَأَكْثَرُهُ ذِكْرًا لِّلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مِنْهُ] ''ان پر سواری کرو جبکہ یہ صحیح سلامت ہوں اور صحت و سلامتی کی حالت میں انھیں چھوڑ دو، راستوں اور بازاروں میں اپنی باتوں کے لیے انھیں کرسیاں نہ بناؤ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سواری اپنے سوار سے بڑھ کر اور اس سے بہتر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی ہو۔''[2] سنن نسائی میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ''بے شک وہ بڑا بردبار (اور) نہایت بخشن ہار ہے۔'' یعنی اپنی نافرمانی کرنے والے کو وہ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسے مہلت اور ڈھیل دے دیتا ہے اور اگر وہ اپنے کفر و عناد پر بدستور قائم رہے تو وہ اسے اس طرح پکڑ لیتا ہے جس طرح قوی اور غالب پکڑ لیتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ (ھود 102:11) ''اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے۔''[4] اور فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ (الحج 48:22) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں۔''

اور فرمایا: ﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ (الحج 45:22) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں۔'' اور جو شخص کفر اور نافرمانی سے باز آ جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3579. [2] مسند أحمد: 439/3 [ولا تتخذوها كراسي] تک یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھیے السلسلة الصحيحة، حديث: 21 والموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 393,392/24. [3] سنن النسائي، الصيد، باب الضفدع، حديث: 4360، مزید دیکھیے سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، حديث: 3871 ومسند أحمد: 453/3 ملحوظہ: مینڈک کے تسبیح کرنے کے بارے میں حدیث کا حصہ ضعیف ہے۔ مکمل حدیث اس طرح ہے: نهى النبي عن قتل الضفدع وقال: [إِنَّ نَقِيقَهَا تَسْبِيحٌ] نبی اکرم ﷺ نے مینڈک کو قتل کرنے سے روکا اور فرمایا: ''بلاشبہ اس کا ٹرّانا تسبیح ہے۔'' دیکھیے المعجم الأوسط للطبراني، ترجمة عثمان: 12/3، حديث: 3716 والسنن الكبرى للبيهقي، الضحايا، باب مايحرم من جهة......: 318/9 والسلسلة الضعيفة، حديث: 4788 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ﴾...... (ھود 102:11) ......، حديث: 4686 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2583 عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ.

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿45﴾ وَّ جَعَلْنَا

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں ﴿45﴾ اور ہم نے

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا

ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اور ان کے کانوں میں گرانی (ڈال دیتے ہیں۔) اور جب آپ قرآن میں اپنے

عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿46﴾

اکیلے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت سے اپنی پیٹھوں کے بل پھر جاتے ہیں ﴿46﴾

یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:110) ’’اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بڑا بخشنے والا (اور) نہایت مہربان پائے گا۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿44﴾ ﴾ ’’بے شک وہ بڑا بردبار (اور) بہت بخشنے والا ہے۔‘‘ جیسا کہ سورۂ فاطر کے آخر میں فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَ لَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝ ﴾ (فاطر 35:41) ’’اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل (نہ) جائیں۔ اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے، بے شک وہ بڑا بردبار (اور) بہت بخشنے والا ہے۔‘‘ اور پھر اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت میں فرمایا: ﴿ وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا ۝ ﴾ (فاطر 35:45) ’’اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا اور لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیے جاتا ہے، سو جب ان کا وقت آ جائے گا تو (ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) اللہ تو اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔‘‘

تفسیر آیات: 46,45

مشرکوں کے دلوں پر پردہ ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) جب آپ ان مشرکوں کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان حجاب پر حجاب کر دیتے ہیں۔ قتادہ اور ابن زیاد کہتے ہیں کہ اس سے مراد کہ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:5) ’’اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (بہرا پن) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔‘‘[1] یعنی ہمارے کانوں میں رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے آپ کی بات ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور ﴿ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿45﴾ ﴾ میں مستور بمعنی ساتر ہے جس طرح مَیْمُون اور مَشْؤُوم کے الفاظ یَامِنٌ اور شَائِمٌ کے معنی میں

---

[1] تفسیر الطبری: 118/15.

استعمال ہوتے ہیں کیونکہ یہ الفاظ یَمْنَهُمْ اور شَأْمَهُمْ سے مشتق ہیں۔اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ان کے دل آنکھوں سے چھپے ہوئے ہیں، لہٰذا تم انھیں دیکھ نہیں سکتے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے اور ہدایت کے درمیان پردہ بھی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔[1]

حافظ ابویعلیٰ مُوصلی رحمہ اللہ نے اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب سورت ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴾ (اللھب 111:1) نازل ہوئی تو بھینگی ام جمیل بڑے جوش وخروش سے آئی، اس نے ہاتھ میں پتھر پکڑا ہوا تھا اور کہہ رہی تھی: مُذَمَّمٌ أَبَيْنَا أَوْ أَتَيْنَا۔ اَلشَّكُّ مِنْ أَبِي مُوسٰى۔ وَدِينُهُ قَلَيْنَا، وَأَمْرُهُ عَصَيْنَا] ''ہم نے (ان کا) انکار کیا ہے یا یہ کہا کہ مذمم ہمارے پاس آئے، یہ ابوموسیٰ کو شک ہے کہ اس نے کیا کہا، اس کے دین سے ہم بیزار و متنفر ہیں اور اس کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ اس وقت جلوہ افروز تھے اور آپ کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ آ رہی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ آپ کو دیکھ نہ لے، آپ نے فرمایا: [إِنَّهَا لَنْ تَرَانِي] ''یقیناً یہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی'' اور آپ نے اس وقت قرآن پڑھ کر اپنے آپ کو اس کے شر سے محفوظ کر لیا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ﶮ ﴾ ''اور جب آپ قرآن پڑھا کرتے ہیں تو ہم آپ میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے چھپایا ہوا پردہ کر دیتے ہیں۔'' راوی کا بیان ہے کہ یہ عورت آئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہو گئی مگر نبی ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: اے ابوبکر! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تیرے ساتھی نے میری مذمت کی ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں اس گھر کے رب کی قسم! انھوں نے تیری مذمت نہیں کی۔ تو وہ یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں اس کے سردار کی بیٹی ہوں۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔'' أَكِنَّةٌ، کنان کی جمع ہے، کنان اس کو کہتے ہیں جو دل پر چھا جائے، ﴿ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ﴾ ''کہ اسے سمجھ سکیں۔'' تاکہ وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں ﴿ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ ''اور ان کے کانوں میں ثقل (پیدا کر دیتے ہیں۔)'' یعنی وہ ثقل جو انھیں قرآن کے اس طرح سننے سے روکے جو ان کے لیے منفعت اور ہدایت کا سبب بنے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ﴾ ''اور جب آپ قرآن میں اپنے پروردگار یکتا کا ذکر کرتے ہیں۔'' یعنی تلاوت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر کرتے اور لا الہ الا اللہ کہتے ہیں تو ﴿ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ﶯ ﴾ ''تو وہ

---

[1] تفسیر الطبری: 118/15. [2] مسند أبی یعلی الموصلی: 54,53/1، حدیث: 53 مزید دیکھیے المستدرک للحاکم، التفسیر: 361/2، حدیث: 3376 اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب صحیح السیرۃ النبویۃ، باب أمر اللہ رسولہ بإبلاغ الرسالۃ......، ص: 138,137 میں ذکر کیا ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ

ہم خوب جانتے ہیں جس (غرض) سے وہ اس (قرآن) کو غور سے سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ خفیہ مشورے کرتے

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿47﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا

ہیں (تب بھی) جبکہ ظالم کہتے ہیں: تم جس کی اتباع کرتے ہو وہ تو جادو مارا شخص ہے ﴿47﴾ دیکھیے! انھوں نے آپ کے لیے کس طرح مثالیں بیان کیں؟

يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿48﴾

وہ گمراہ ہو گئے، لہٰذا وہ راستہ نہیں پا سکتے ﴿48﴾

بدک جاتے اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔'' نُفُور، نَافِر کی جمع ہے جس طرح قُعُود، قاعِد کی جمع ہے، یہ بھی جائز ہے کہ یہ کسی اور باب سے مصدر ہو، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ﴾ (الزمر 39:45) ''اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔''

امام قتادہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مسلمان جب لا الہ الا اللہ کہتے تو مشرکین اس کا انکار کرتے یہ بات انھیں بہت گراں محسوس ہوتی اور ابلیس اور اس کے لشکروں کو تو اس سے بہت ہی تنگی ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت یہی تھی کہ اس کلمے کو جاری کر دے، اسے بلند کر دے، اسے فتح ونصرت سے نوازے اور مخالفت کرنے والوں پر اسے غالب کر دے، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اس کے لیے جھگڑے گا، وہ کامیاب ہوگا جو اس کے ساتھ لڑے گا، فتح یاب ہوگا، اس جزیرے کے مسلمان اسے پہچانتے ہیں جسے اونٹ سوار چند راتوں میں طے کر سکتا ہے اور اگر وہ زمانہ بھر لوگوں کے گروہوں میں گھومتا رہے تو نہ وہ اس کلمے کو پہچانیں گے اور نہ اس کا اقرار ہی کریں گے۔[1]

تفسیر آیات: 48,47

قرآن سننے کے بعد قریش کی سرگوشیاں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو سردارانِ قریش کی ان سرگوشیوں سے مطلع فرمایا ہے جو انھوں نے اس وقت کی تھیں جب اپنی قوم سے چھپ کر نبیٔ اکرم ﷺ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور کہا تھا کہ آپ تو سحر زدہ ہیں مشہور قول کے مطابق سِحر سے ہے جس کے معنی جادو کے ہیں یا سَحر سے ہے جس کے معنی پھیپھڑے ہیں، یعنی انھوں نے کہا کہ تم تو ایسے آدمی کی اتباع کرتے ہو جو کھاتا پیتا ہے لیکن یہ معنی محل نظر ہے کیونکہ یہاں ان کی مراد ہے کہ آپ نعوذ باللہ، آسیب زدہ ہیں، آپ کے پاس وہ کلام آتا ہے جسے انھوں نے آپ سے تلاوت کرتے ہوئے سن رکھا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ آپ شاعر ہیں کسی نے کہا کہ کاہن ہیں کسی نے کہا کہ مجنون ہیں اور کسی نے کہا کہ ساحر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿48﴾ ﴾ ''دیکھو انھوں نے کس کس طرح آپ کے بارے میں باتیں بنائی ہیں، سو یہ گمراہ ہو رہے ہیں اور رستہ نہیں پا سکے۔'' یعنی یہ نہ راہ حق کو

[1] تفسیر الطبری: 119/15.

پاسکیں گے اور نہ اس تک پہنچ ہی سکیں گے۔

امام محمد بن اسحاق نے ''سیرت'' میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے بیان کیا کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی، جو بنی زہرہ کا حلیف تھا، ایک رات نکلے تا کہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنیں، آپ اس وقت کاشانۂ نبوت میں رات کو نماز میں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر آ کر قرآن سننے کے لیے بیٹھ گیا اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے بارے میں کوئی علم نہ تھا، یہ لوگ ساری رات طلوع فجر تک بیٹھے قرآن سنتے رہے اور جب صبح ہوئی تو اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے اور جب رستے میں ایک جگہ جمع ہوئے تو ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، اگر بعض بے وقوفوں نے تمھیں دیکھ لیا تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات آنے لگیں گے۔ یہ عہد و پیمان کرنے کے بعد وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اسی طرح جب دوسری رات ہوئی تو پھر اٹھ کر اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان اقدس سے قرآن سننے لگے اور طلوع فجر تک سنتے رہے، جب صبح ہوئی تو اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے اور پھر رستے میں ایک جگہ جمع ہو گئے تو پھر ایک دوسرے نے باہم وہی کہا جو پہلی مرتبہ کہا تھا، پھر چل دیے۔ جب تیسری رات ہوئی تو پھر ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ساری رات قرآن سننے کے بعد جب طلوع فجر کے وقت گھروں کو چل دیے تو راستے میں جمع ہو گئے، پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آج ہمیں یہ پختہ عہد و پیمان کر کے جانا ہے کہ آئندہ ہم ایسا نہ کریں گے، انھوں نے پختہ عہد کیا اور اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ صبح ہوئی تو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی پکڑی اور اپنے گھر سے باہر نکلا، پھر ابوسفیان بن حرب کے گھر آیا اور کہنے لگا:

ابوحنظلہ! محمد سے جو تم نے سنا ہے اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ابوثعلبہ! اللہ کی قسم! میں نے کچھ باتیں ایسی بھی سنی ہیں جن کو میں نہیں جانتا اور نہیں جانتا کہ ان سے کیا مراد ہے، اخنس نے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس کی تم نے قسم کھائی ہے! میرا بھی یہی حال ہے، پھر اخنس ابوجہل کے گھر گیا اور اس سے کہنے لگا: ابوالحکم! محمد سے رات کو تم نے جو کچھ سنا ہے اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کیا سننا تھا۔ بات یہ ہے کہ ہمارا اور عبد مناف کا شرف و برتری کے حصول میں ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا۔ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تو ہم بھی کھلا دیتے، وہ مسافروں کو سواریاں دیتے تو ہم بھی دے دیتے۔ وہ مال و دولت خرچ کرتے تو ہم ان سے بھی زیادہ خرچ کر دیتے حتی کہ گھڑ دوڑ کے دونوں گھوڑوں کی طرح ہم ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا تھے تو عبد مَناف کے لوگوں نے کہا کہ ہم میں اللہ کے ایک نبی ہیں جن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو ہم اس شرف کو بھلا کس طرح حاصل کر سکتے ہیں! لہٰذا ہم تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کی تصدیق کریں گے۔ اخنس ابوجہل کا یہ جواب سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے گھر سے نکل گیا۔ [1]

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق، قصة استماع قريش إلى قراءة النبي ﷺ:226/1 والسيرة النبوية لابن هشام، قصة استماع قريش إلى قراءة النبي ﷺ:316,315/1 ودلائل النبوة للبيهقي، باب اعتراف مشركي قريش بما في كتاب الله......:207,206/2.

وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ﴿49﴾ قُلۡ كُوۡنُوۡا

اور انھوں نے کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہوجائیں گے تو کیا ہم (دوبارہ) از سر نو پیدا کر کے اُٹھائے جانے والے ہیں؟﴿49﴾ کہیے: تم پتھر یا لوہا ہو

حِجَارَةً اَوۡ حَدِيۡدًا ﴿50﴾ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ يُّعِيۡدُنَا ؕ قُلِ

جاؤ﴿50﴾ یا کوئی مخلوق جو تمھارے سینوں میں بڑی معلوم ہوتی ہو۔ پھر وہ کہیں گے: کون ہمیں (دوبارہ) لوٹائے (پیدا کرے) گا؟ کہیے: وہی جس نے

الَّذِىۡ فَطَرَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ۚ فَسَيُنۡغِضُوۡنَ اِلَيۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ‌ ؕ قُلۡ عَسٰٓى

تمھیں پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ آپ کی طرف (تعجب سے) اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے: وہ کب ہوگا؟ کہہ دیجیے: امید ہے کہ وہ قریب ہو﴿51﴾

ع 5/12/5 اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ﴿51﴾ يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿52﴾ ع

جس دن وہ (اللہ) تمھیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور تم خیال کرو گے کہ بس تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو﴿52﴾

تفسیر آیات: 49-52

حیات بعد الممات پر ایمان نہ لانے والوں کی تردید: اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے بارے میں فرمایا: آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے جو آخرت کے وقوع کو بعید سمجھتے اور استفہام انکار کے طور پر کہتے ہیں: ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا﴾ ”جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے۔“ یعنی مٹی ہو جائیں گے، یہ مجاہد کا قول ہے۔[1]

اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ہم غبار ہو جائیں گے۔[2] ﴿ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ﴿49﴾﴾ ”تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔“ یعنی جب ہم بوسیدہ اور عدم ہو جائیں گے کہ جن کا کوئی ذکر مذکور نہ ہوگا تو کیا قیامت کے دن ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ؕ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴾ (النّٰزعٰت 79:10-12) ”(کافر) کہتے ہیں: کیا ہم الٹے پاؤں پھر لوٹیں گے؟ بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر زندہ کیے جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوٹانا تو (موجب) زیاں ہے۔“

اور فرمایا: ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلۡقَهٗ‌ ؕ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ ۝ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمُ ۙ﴾ (یٰسٓ 36:78،79) ”اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے۔“ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کو جواب دیں، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلۡ كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِيۡدًا ﴿50﴾﴾ ”کہہ دیں کہ (خواہ تم) پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔“ کیونکہ یہ چیزیں بوسیدہ ہڈیوں سے زیادہ سخت ہیں، ﴿اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ ۚ﴾ ”یا کوئی اور چیز جو تمھارے سینوں (دلوں) میں

[1] تفسیر الطبری: 122/15. [2] تفسیر الطبری: 122/15.

(پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو۔'' ابن اسحاق نے ابن ابو نَجیح سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے۔[1] عَطِیّہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ اگر تم مردہ ہو گئے تو میں تمھیں زندہ کر دوں گا۔[2] سعید بن جبیر، ابوصالح، حسن، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

بہرحال اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ فرض کرو کہ اگر تم موت سے دوچار ہو جاؤ جو کہ زندگی کی ضد ہے تو اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تمھیں زندہ کر دے گا کہ وہ جب کسی چیز کے کرنے کا ارادہ فرما لے تو کوئی چیز اسے روک نہیں سکتی۔

مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ﴾ ''یا کوئی اور چیز جو تمھارے سینوں (دلوں) میں (پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو۔'' سے مراد آسمان و زمین اور پہاڑ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ تم جو چاہو ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمھیں موت کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کرے گا۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ﴾ ''تو جھٹ کہیں گے: (بھلا) ہمیں کون لوٹائے گا؟'' یعنی اگر ہم پتھر یا لوہا یا کوئی اور سخت چیز بن جائیں تو ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ ﴿ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ﴾ ''کہہ دیں کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا۔'' یعنی جس نے تمھیں اس وقت پیدا کیا جب تمھارا کوئی ذکر تک مذکور نہ تھا، پھر اس نے تمھیں پیدا فرمایا اور تم انسان بن کر زمین میں بسنے لگے، وہی اس بات پر قادر ہے کہ مرنے کے بعد تم، خواہ جس حالت میں بھی ہو گے وہ تمھیں زندہ کر دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ﴾ الآية (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا۔ اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ ﴾ ''تو (تعجب سے) آپ کے آگے اپنے سر ہلائیں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ از راہ مذاق سر ہلائیں گے۔[5] کیونکہ اہل زبان، عربوں، کے نزدیک اِنغاض کے معنی نیچے سے اوپر یا اوپر سے نیچے حرکت دینے کے ہیں اور اسی وجہ سے شتر مرغ کے بچے کو نَغض کہتے ہیں کیونکہ وہ جب چلتا ہے تو تیز چلتا اور اپنے سر کو حرکت دیتا ہے، اسی طرح نَغَضَتْ سِنُّهٗ اس وقت کہا جاتا ہے جب دانت حرکت کرنے لگے اور اپنی جڑ سے اوپر اٹھ آئے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ﴾ ''اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہو گا۔'' یعنی وہ اس کے وقوع کو بعید سمجھتے ہوئے یہ کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾ (الملک 25:67) ''اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہو گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ﴾ (الشوریٰ 18:42) ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلْ

---

[1] تفسیر الطبری: 123/15 و تفسیر القرطبی: 274/10. [2] تفسیر الطبری: 123/15. [3] تفسیر الطبری: 124,123/15. [4] تفسیر عبد الرزاق: 301/2 رقم: 1575. [5] تفسیر الطبری: 126/15.

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ

اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بات کہیں جو احسن ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿53﴾

کھلا دشمن ہے ﴿53﴾

﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿51﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: ہوسکتا ہے کہ جلد ہو۔'' یعنی اس سے ڈر جاؤ، یہ بہت قریب ہے، یقینی طور پر یہ دن بہت جلد تمھارے پاس آنے والا ہے اور جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہی ہوتی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ﴾ ''جس دن وہ تمھیں پکارے گا۔'' یعنی رب تبارک وتعالیٰ ﴿ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ○ ﴾ (الروم 25:30) ''جب وہ تم کو زمین میں سے (نکلنے کے لیے) آواز دے گا تو تم جھٹ نکل پڑو گے۔'' یعنی وہ جب تمھیں زمین سے نکلنے کا حکم دے گا تو اس کے حکم کی نہ مخالفت کی جا سکے گی اور نہ اسے ٹالا جا سکے گا بلکہ صورت حال اس طرح ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ○ ﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ○ ﴾ (النّٰزعٰت 14,13:79) ''وہ تو صرف ڈانٹ ہوگی۔ اس وقت وہ (سب) میدان (حشر) میں (آ جمع) ہوں گے۔'' یعنی ڈانٹ کا ایک حکم ہوگا کہ لوگ زمین کے اندر سے نکل کر باہر آ جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ ﴾ ''جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرتے اور اس کے ارادے کی اطاعت بجالاتے ہوئے تم سب کے سب کھڑے ہو جاؤ گے۔ ﴿ وَتَظُنُّوْنَ ﴾ ''اور خیال کرو گے'' جس دن قبروں سے اٹھو گے ﴿ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿52﴾ ﴾ ''(کہ) تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ○ ﴾ (النّٰزعٰت 46:79) ''جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔''

اور فرمایا: ﴿ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۖ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ○ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ○ ﴾ (طٰہٰ 20:102-104) ''جس روز صور میں پھونکا جائے گا اور ہم گناہ گاروں کو اکٹھا کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی۔ (تو) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس ہی دن رہے ہو۔ جو باتیں یہ کریں گے ہم خوب جانتے ہیں اس وقت ان میں سب سے اچھے طریقے والا (عاقل و ہوش مند) کہے گا کہ (نہیں بلکہ) صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ○ ﴾ (الروم 55:30) ''اور جس روز قیامت برپا ہوگی گناہ گار قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ (دنیا) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ اسی طرح وہ (رستے سے) پھرے جاتے تھے۔'' اور فرمایا:

رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ‌ؕ اِنۡ يَّشَاۡ يَرۡحَمۡكُمۡ اَوۡ اِنۡ يَّشَاۡ يُعَذِّبۡكُمۡ‌ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ﴿54﴾

تمھارا رب تمھیں بہتر جانتا ہے، اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمھیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر

وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعۡضٍ وَّاٰتَيۡنَا

نہیں بھیجا ﴿54﴾ اور آپ کا رب انھیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور ہم

دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿55﴾

نے داود کو زبور دی ﴿55﴾

﴿ قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ○ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـئَلِ الۡعَآدِّيۡنَ○ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ○ ﴾ (المؤمنون 23:112-114) ”(اللہ) پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔ (اللہ) فرمائے گا کہ (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے، کاش! تم جانتے ہوتے۔“

تفسیر آیت:53

حسنِ ادب کے ساتھ گفتگو: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے عبد ورسول ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ گفتگو کریں تو وہ بہت پاکیزہ، شائستہ اور احسن انداز میں گفتگو کریں ورنہ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد اور لڑائی جھگڑا پیدا کر دے گا کیونکہ وہ تو اسی وقت سے آدم اور تمام اولاد آدم کا دشمن ہے جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، انسانوں سے اس کی عداوت بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلم بھائی کی طرف چھری کے ساتھ اشارہ کرے، اس لیے کہ بسا اوقات شیطان اسے چھری لگوا دیتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا (يُشِيرَنَّ) أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ أَنْ يَنْزِعَ فِي يَدِهِ، فَيَقَعَ فِي حُفْرَةٍ (مِّنَ النَّارِ)] ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے چلوا دے اور وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔“[1] امام بخاری ومسلم نے اسے بروایت عبدالرزاق بیان کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:55,54

اللہ ہی علیم وحکیم اور غفور ورحیم ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ ﴾ ”تمھارا پروردگار تم سے خوب واقف ہے۔“ لوگو! تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ہدایت کا مستحق نہیں ہے، ﴿ اِنۡ يَّشَاۡ

---

[1] مسند أحمد:317/2، پہلی قوسین والا لفظ المصنف لعبد الرزاق، باب ذکر رفع السلام:160/10، حدیث:18679 میں ہے۔ جبکہ مسند احمد میں اس کے بجائے يُمْشِيَنَّ ہے اور دوسری قوسین والا جملہ بخاری ومسلم کے مطابق ہے۔ [2] صحیح البخاری، الفتن، باب قول النبی ﷺ: [من حمل علینا......]، حدیث: 7072 وصحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب النهی عن الإشارة......، حدیث:2617.

﴿ يَرْحَمْكُمْ ﴾ ''اگر چاہے تو تم پر رحم کرے۔'' یہ کہ تمھیں اطاعت وانابت کی توفیق عطا فرما دے، ﴿ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ ﴾ ''یا اگر چاہے تو تمھیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر کوئی ذمہ دار (بنا کر) نہیں بھیجا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے جس نے آپ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی تو جہنم رسید ہوگا۔ ﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے آپ کا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ طاعت اور معصیت کے اعتبار سے ان کے مراتب سے خوب آگاہ ہے۔

بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت: ﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:253) ''یہ پیغمبر (جو وقتاً فوقتاً ہم بھیجتے رہے) ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے گفتگو کی اور بعض کے (دوسرے امور میں) مرتبے بلند کیے۔'' یہ بخاری و مسلم کی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ] ''انبیاء کے درمیان (مجھے) فضیلت نہ دو۔''[1] کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دلیل کے بغیر محض اپنی خواہش اور عصبیت کی وجہ سے فضیلت دی جائے، البتہ اگر کوئی چیز دلیل سے ثابت ہو جائے تو پھر اس کی اتباع واجب ہے اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول انبیاء سے افضل ہیں اور رسولوں میں سے اولوالعزم پیغمبر افضل ہیں۔

اولوالعزم پیغمبر پانچ ہیں جن کا سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ کی (حسب ذیل) آیتوں میں ذکر ہے۔ سورۂ احزاب میں ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ ﴾ (الأحزاب 33:7) ''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔'' اور سورۂ شوریٰ میں ہے: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ ﴾ (الشوریٰ 42:13) ''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا'' اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دیگر اولوالعزم پیغمبروں سے افضل ہیں، پھر ابراہیم، پھر موسیٰ، اور پھر عیسیٰ علیہم السلام ہیں جیسا کہ مشہور قول ہے، اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے دلائل کے ساتھ ہم نے کسی اور جگہ بیان کیا ہے۔ اَللّٰهُ الْمُوَفِّقُ.

---

[1] صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:139) ......، حديث: 3414 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسىٰ ﷺ، حديث: 2373 عن أبي هريرة ﷺ، البتہ مذکورہ حوالے میں [لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ] ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿56﴾ اُولٰٓئِكَ

کہہ دیجیے: انھیں پکارو جنھیں تم اس کے سوا (معبود) سمجھتے ہو، نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو ہٹانے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ (اسے) بدلنے ہی کا ﴿56﴾

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ

جنھیں یہ (مشرک) لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب تک (پہنچنے کا) وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون (اللہ سے) قریب تر (ہوسکتا) ہے، اور

عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿57﴾

وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے ﴿57﴾

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿55﴾﴾ ''اور ہم نے داود کو زبور عنایت کی۔'' یہ حضرت داود علیہ السلام کے فضل وشرف کی طرف اشارہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُفِّفَ عَلٰى دَاوٗدَ الْقُرْآنُ، فَكَانَ يَأْمُرُ (بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ) فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَّفْرُغَ] ''داود پر (زبور کی) قراءت آسان کردی گئی تھی، چنانچہ وہ اپنے (سواری کے) جانوروں پر زین ڈالنے کا حکم دیتے تو اس کام سے فراغت سے پہلے اسے پڑھ لیا کرتے تھے۔''[1]

تفسیر آیات: 57,56

مشرکوں کے معبود نفع ونقصان کی قدرت نہیں رکھتے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ﴾ ''کہیں (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!)'' ان مشرکوں سے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ﴿ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ ''جن لوگوں کی نسبت تمھیں اس کے علاوہ (معبود ہونے) کا گمان ہے ان کو بلا دیکھو۔'' یعنی اپنے بتوں اور معبودانِ باطلہ کو بلاؤ ﴿فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿56﴾﴾ ''وہ تم سے تکلیف کے دور کرنے یا اس کے بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔'' انھیں اس بات کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ تکلیف کو تم سے کُلیتًا دور کر کے کسی اور کی طرف منتقل کرسکیں کیونکہ اس کی قدرت تو صرف اس اللہ وحدہ لاشریک ہی کو ہے جس نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور جس کا حکم چلتا ہے۔ عَوْفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم فرشتوں، مسیح اور عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور وہ انھی کو، یعنی فرشتوں، مسیح اور عزیر کو ہی پکارا کرتے تھے۔[2]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ﴾ ''یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے سلیمان بن مہران اَعْمَش، از ابراہیم (نَخَعی)، از ابومعمر (عبداللہ ازدی) اس آیت کے بارے میں عبداللہ (بن مسعود) سے روایت کیا ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ کی پوجا کیا کرتے تھے وہ جن مسلمان ہوگئے۔[3] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ (بنیّ إسرآء یل17:55)، حدیث: 4713 اور قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ (النسآء4:163)......، حدیث: 3417 کے مطابق ہیں۔ [2] تفسیر الطبری:15/130. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ﴾...... (بنیّ إسرآء یل17:57)، حدیث:4715 .

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ كَانَ

اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم یوم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اسے شدید عذاب نہ دیں، یہ کتاب (لوح محفوظ) میں

ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿58﴾

لکھا ہوا ہے ﴿58﴾

وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً

اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے صرف اس چیز نے روکا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ثمود کو ایک اونٹنی (بطور) واضح (نشانی) دی تھی،

فَظَلَمُوۡا بِهَا ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ﴿59﴾

پھر انھوں نے اس پر ظلم کیا، اور ہم تو صرف ڈرانے کے لیے نشانیاں بھیجتے ہیں ﴿59﴾

کہ بعض انسان بعض جنوں کی عبادت کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہو گئے مگر وہ انسان اپنے اس دین کے ساتھ چمٹے رہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَيَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَيَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ ؕ ﴾ ''اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔'' کیونکہ عبادت تو خوف اور امید کے ساتھ ہی مکمل ہوتی ہے، خوف کی وجہ سے انسان برائیوں سے رکتا ہے اور امید کی وجہ سے کثرت سے طاعت بجالاتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا ﴿57﴾ ﴾ ''بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب واقعی ایسا ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کے وقوع پذیر ہونے سے خوف کھایا جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے اس کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیت: 58

قیامت سے پہلے کافروں کی تمام بستیوں کو تباہ کر دیا جائے گا: اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ اس نے اپنے ہاں لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرما رکھا ہے کہ وہ ہر ایک بستی کے رہنے والوں کو عنقریب تباہ و برباد کر دے گا یا انھیں سخت عذاب دے گا جو قتل یا اس کی مشیت کے مطابق کسی اور بہت بڑی آزمائش کی صورت میں ہوگا اور یہ ان کے گناہوں اور خطاؤں کے سبب ہوا جیسا کہ سابقہ امتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ﴾ (ھود 11:101) ''اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا شَدِيۡدًا ۙ وَّعَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا ○ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ○ ﴾ (الطلاق 65:8,9) ''اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی تو ہم نے انھیں انتہائی سخت حساب میں پکڑ لیا اور انھیں انتہائی ہولناک عذاب دیا۔ سو انھوں نے اپنے کاموں کی سزا (کے مزے) کو چکھ لیا اور ان کا انجام نقصان ہی تو تھا۔''

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ ...... ﴾ (بنيٓ إسراءيل 17:56)، حديث: 4714 .

تفسیر آیت:59

نشانیاں نہ بھیجنے کا سبب: سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ مشرکین نے کہا: اے محمد (ﷺ!) آپ یہ کہتے ہیں کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا تھا اور کوئی ان میں سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتا تھا، لہٰذا اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کریں تو پھر آپ اپنے رب سے یہ دعا کریں کہ وہ اس کوہِ صفا کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی فرمائی کہ میں نے ان کی بات کو سن لیا ہے، اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے مطالبے کو پورا کر دیتے ہیں اور اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر ان پر عذاب نازل ہوگا کیونکہ نشانی کے نازل ہونے کے بعد پھر چون و چرا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اگر آپ چاہیں کہ آپ کی قوم کو مہلت دے دی جائے تو میں انھیں مہلت دیتا ہوں، آپ نے جواب دیا: [یَا رَبِّ! أَسْتَأْنِی] ''اے میرے پروردگار! میں مہلت مانگتا ہوں۔''[1] قتادہ اور ابن جریج وغیرہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[2]

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل مکہ نے نبی ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے اور پہاڑوں کو دور کر کے زمین کو ہموار کر دیا جائے تاکہ وہ کھیتی باڑی کر سکیں۔ اس کے جواب میں آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم انھیں مہلت دے دیتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو ان کے مطالبے کو پورا کر دیا جاتا ہے اور اگر پھر بھی یہ کفر پر رہے تو انھیں ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح میں نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا، آپ نے جواب دیا: [لَا، بَلْ أَسْتَأْنِی بِهِمْ] ''نہیں، بلکہ میں ان کے لیے مہلت مانگتا ہوں۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ﴾ ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی۔''[3] امام نسائی نے اسے بروایت جریر بیان کیا ہے۔[4]

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ قریش نے نبی ﷺ سے یہ کہا: آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ اگر وہ کوہ صفا کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم ایمان لے آؤ گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، تو آپ نے دعا فرمائی تو جبریل آئے اور انھوں نے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیتا ہوں اور اس کے بعد اگر ان میں سے کسی نے کفر کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو اس طرح کا عذاب نہیں دیا ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازوں کو کھلا رکھتا ہوں؟ آپ نے جواب دیا: [بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ] ''بلکہ توبہ اور رحمت کے دروازوں کو (کھلا رکھا جائے۔)''[5]

---

[1] تفسیر الطبری: 135/15. [2] تفسیر الطبری: 135/15. [3] مسند أحمد: 258/1. [4] السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ......﴾: 380/6، حدیث: 11290 مزید دیکھیے صحیح السیرة النبویة للألبانی، ص: 152. [5] مسند أحمد: 242/1.

وَاِذۡ قُلۡنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِىۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً

اور (یاد کریں) جب ہم نے آپ سے کہا: بے شک آپ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے، اور ہم نے آپ کو (معراج میں) جو مشاہدہ کرایا اسے

لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ فِى الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمۡ ۙ فَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا طُغۡيَانًا

لوگوں کے لیے بس ایک آزمائش ہی بنا دیا اور اس درخت (زقوم) کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی اور ہم انھیں ڈراتے ہیں تو یہ (ڈرانا) ان کی

كَبِيۡرًا ۞ ع ⑥⓪

بڑی سرکشی ہی کو زیادہ کرتا ہے ⑥⓪

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ۞⑤⑨﴾ ''اور ہم جو نشانیاں بھی بھیجتے ہیں تو ڈرانے ہی کے لیے (بھیجتے ہیں۔)'' قتادہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی جن نشانیوں کے ساتھ چاہتا ہے لوگوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بار کوفے میں زلزلہ آیا تو انھوں نے فرمایا کہ لوگو! تمھارا رب یہ چاہتا ہے کہ تم توبہ کرو، لہٰذا تم توبہ کر کے اسے راضی کرو۔[1] اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ میں کئی بار زلزلہ آیا تو انھوں نے فرمایا: لوگو! اللہ کی قسم! تم نے گناہ شروع کر دیے ہیں لہٰذا اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو میں یہ کروں گا، یہ کروں گا۔[2] اسی طرح متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ (وَإِنَّهُمَا لَا يَنْكَسِفَانِ) لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ (وَلٰكِنْ يُّخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ) فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ (فَافْزَعُوا إِلٰى ذِكْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ)۔ ثُمَّ قَالَ۔ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّاللّٰهِ! مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّاللّٰهِ! لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَّ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا] ''بے شک شمس و قمر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انھیں کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، جب تم یہ دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، دعا اور استغفار کو اختیار کر لو، پھر فرمایا: اے امت محمد! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی زیادہ غیرت والا نہیں ہے، اسے اس بات سے بڑی غیرت آتی ہے کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کرے، اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔''[3]

---

① تفسیر الطبری:136/15. ② دیکھیے السنن الکبرٰی للبیهقی، صلاة الخسوف، باب لا یصلی جماعة......:342/3 والمصنف لابن أبی شیبة، باب فی الصلاة فی الزلزلة:222/2، حدیث:8335. ③ پہلی قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الکسوف ،باب ماعرض علی النبی ﷺ فی صلاة الکسوف......، حدیث:(10)-904 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، دوسری قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، الکسوف، باب قول النبی ﷺ:[یخوف اللّٰہ عبادہ......]، حدیث: 1059,1048 عن أبی موسی وعن أبی بکرة رضی اللہ عنہ وصحیح مسلم، الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف......، حدیث: 911 عن أبی مسعود رضی اللہ عنہ اور تیسری قوسین والے الفاظ صحیح البخاری ، الکسوف، باب الذکر فی الکسوف، حدیث:1059 وصحیح مسلم ، الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف......، حدیث: 912 عن أبی موسی رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں جبکہ باقی حدیث صحیح البخاری ، الکسوف، باب الصدقة فی الکسوف، حدیث:1044 وصحیح مسلم ، الکسوف، باب صلاة الکسوف، حدیث:901 عن عائشة رضی اللہ عنہا کے مطابق ہے۔

تفسیر آیت:60

واقعۂ معراج لوگوں کے لیے آزمائش ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا کیونکہ اسے تمام لوگوں پر قدرت حاصل ہے اور سب لوگ اس کے قبضے میں ہیں اور اسے ان پر غلبہ وتسلط حاصل ہے۔ مجاہد، عروہ بن زبیر، حسن اور قتادہ وغیرہ نے آیت کریمہ: ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ ﴾ ''اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کا پروردگار لوگوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے'' کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے بچائے گا۔[1] اور ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور جو منظر ہم نے آپ کو دکھایا ہے اس کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا'' کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے آنکھوں سے وہ دیکھنا مراد ہے جو رسول اللہ ﷺ کو شب معراج دکھایا گیا تھا۔ ﴿ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ ﴾ ''اسی طرح درخت کو (بھی فتنہ بنا دیا) جس پر قرآن میں لعنت کی گئی'' سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔[2] امام احمد اور عبدالرزاق وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3] اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[4] مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمٰن بن یزید اور دیگر بہت سے ائمہ رحمہم اللہ نے بھی اس کی تفسیر میں یہی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد شب معراج ہے۔[5] احادیث معراج تفصیل سے اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں بیان کی جا چکی ہیں۔[6] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ کچھ لوگوں نے دین حق کو محض اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ واقعۂ معراج ان کے دلوں اور عقلوں کی گرفت میں نہیں آ سکتا تھا، لہٰذا انھوں نے اس واقعے کا انکار کر دیا جبکہ دیگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ثبات ویقین کی دولت سے سرفراز فرما دیا تھا، اسی لیے فرمایا کہ ﴿ اِلَّا فِتْنَةً ﴾ یعنی اس واقعے کو آزمائش اور امتحان بنا دیا۔ ملعون درخت سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں یہ خبر دی کہ آپ نے جنت، جہنم اور تھوہر کے درخت کو دیکھا ہے تو انھوں نے اس کی تکذیب کی حتی کہ ابوجہل ملعون کہنے لگا کہ میرے پاس کھجور اور پنیر لاؤ اور پھر وہ دونوں کو ملا کر کھانے لگا اور کہنے لگا: تَزَقَّمُوا فَلَا نَعْلَمُ الزَّقُّومَ غَيْرَ هٰذَا ''کھاؤ! کہ ہم اس کے سوا اور کسی زقوم کو نہیں جانتے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، ابو مالک، حسن بصری اور کئی ایک ائمہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد شب معراج اور تھوہر کا درخت ہے۔[7] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ ﴾ ''اور ہم انھیں ڈراتے ہیں۔'' یعنی کفار کو وعید اور عذاب کے ساتھ۔ ﴿ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ ''تو وہ ان کو (اس سے) بہت بڑی سرکشی کے سوا زیادہ نہیں کرتا۔'' اس سے ان کے کفر اور گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری: 137/15. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا ...... ﴾ (بنیٓ إسرآء يل 60:17)، حدیث: 4716. [3] مسند أحمد: 221/1 و تفسیر عبدالرزاق: 303,302/2، رقم: 1582-1587. [4] تفسیر الطبری: 142/15. [5] تفسیر الطبری: 15/ 138-140. [6] دیکھیے بنیٓ إسرآء يل، آیت: 1 کے تحت عنوان: ''معراج سے متعلق احادیث مبارکہ'' [7] تفسیر الطبری: 15/139-144.

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا ان سب نے سجدہ کیا، وہ بولا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا

طِیۡنًا ﴿61﴾ قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ

ہے؟ ﴿61﴾ کہنے لگا: بھلا دیکھ تو اسے جسے تو نے مجھ پر عزت دی ہے، اگر تو مجھے یوم قیامت تک ڈھیل دے، تو تھوڑے لوگوں کے سوا میں اس کی تمام

لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿62﴾

نسل کی جڑ کاٹ دوں گا ﴿62﴾

قَالَ اذۡہَبۡ فَمَنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ فَاِنَّ جَہَنَّمَ جَزَآؤُکُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿63﴾ وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ

اللہ نے فرمایا: جا! پھر ان میں سے جو تیری اتباع کرے گا تو بلاشبہ تمھاری سزا جہنم ہے، پوری پوری سزا ﴿63﴾ اور ان میں سے جن پر بھی

اسۡتَطَعۡتَ مِنۡہُمۡ بِصَوۡتِکَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡہِمۡ بِخَیۡلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکۡہُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ

تیرا بس چل سکے انھیں اپنی آواز سے بہکا لے، اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، اور مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا،

وَ عِدۡہُمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُہُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿64﴾ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ

اور انھیں (جھوٹے) وعدے دے، اور شیطان تو انھیں بس فریب ہی کا وعدہ دیتا ہے ﴿64﴾ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں،

وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا ﴿65﴾

اور آپ کا رب کارساز کافی ہے ﴿65﴾

تفسیر آیات: 61، 62

قصۂ آدم و ابلیس: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس ملعون کی آدم اور اس کی اولاد سے عداوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ قدیمی عداوت ہے جو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے از راہ فخر وتکبر اور آدم کو حقیر سمجھتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: ﴿ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا ﴿61﴾﴾ ''بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۝﴾ (صٓ 38:76) ''میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔'' اور اس نے جرأت اور کفر کا اظہار کرتے ہوئے کہا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دی اور حلم و بردباری سے کام لیا: ﴿قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ ......﴾ ''اور (از راہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے......''

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیطان نے کہا کہ میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی اولاد پر غالب آجاؤں گا۔[1] مجاہد نے کہا: اس نے کہا کہ میں انھیں بہکا دوں گا۔[2] ابن زید کہتے ہیں کہ اس نے کہا: میں ان سب کو گمراہ کر دوں

[1] تفسیر الطبری: 146/15 مختصرًا۔ [2] تفسیر الطبری: 146/15۔

گا۔[1] بہرحال یہ سارے اقوال ہم معنی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس نے کہا کہ بھلا دیکھو کہ یہ آدم جسے تو نے مجھ پر شرف وعظمت عطا کی ہے، اگر تو مجھے مہلت دے دے تو میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی ساری اولاد کو گمراہ کر دوں گا۔

تفسیر آیات: 63-65

ابلیس اور اس کے پیچھے چلنے والوں کا ٹھکانا: ابلیس نے جب اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اسے مہلت دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اذۡهَبۡ ﴾ ''(یہاں سے) چلا جا۔'' میں نے تجھے مہلت دے دی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۙ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾ ﴾ (الحجر 15:37,38) ''فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے وقت مقرر (قیامت) کے دن تک۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اور اولاد آدم میں سے اس کی پیروی کرنے والوں کو جہنم کی سزا سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ ﴾ ''جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے۔)'' یعنی یہ تمھارے اعمال کی سزا ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ موفور کے معنی وافر کے ہیں۔[2] اور قتادہ کہتے ہیں کہ تمھیں پوری پوری سزا دی جائے گی اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

شیطانی ہتھکنڈے اور لشکر: پھر فرمایا: ﴿ وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ ﴾ ''اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا لے۔'' کہا گیا ہے کہ شیطان کی آواز سے مراد موسیقی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد لہو ولعب اور موسیقی ہے۔[3] یعنی انھیں اپنی آواز کے ساتھ بے وقوف بنا لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف بلائے، یہ امام قتادہ کا بھی قول ہے[4] اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[5] ﴿ وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ ﴾ ''اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لے آ۔'' یعنی تو اپنے پیادہ اور سوار لشکروں کے ساتھ ان پر چڑھائی کر لے، رَجِلٌ، رَاجِلٌ کی جمع ہے جس طرح رَكۡبٌ، رَاكِبٌ کی اور صَحۡبٌ، صَاحِبٌ کی جمع ہے۔ معنی یہ ہیں کہ تو جس چیز پر بھی قادر ہے اسے ان پر مسلط کر دے۔ اور یہ (اللہ کی) تقدیر ومشیت کا معاملہ ہے (کہ اس نے شیطان کو اختیار دے کر یہ حکم بھی صادر فرما دیا ہے۔) جیسا کہ حسب ذیل فرمان باری تعالیٰ میں ہے: ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ تَؤُزُّهُمۡ اَزًّا ۙ﴿۸۳﴾ ﴾ (مریم 19:83) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو خوب برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔'' یعنی وہ انھیں گناہوں پر ابھارتے اور اکساتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے: ﴿ وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں سوار یا پیادہ ہو کر سرگرم ہو۔[6]

قتادہ فرماتے ہیں کہ جنوں اور انسانوں میں سے سوار اور پیادہ لوگوں سے یہاں وہ مراد ہیں جو شیطان کی پیروی کرتے

[1] تفسیر الطبری: 146/15. [2] تفسیر الطبری: 147/15. [3] تفسیر الطبری: 147/15. [4] تفسیر الطبری: 148/15. [5] تفسیر الطبری: 148/15. [6] تفسیر الطبری: 148/15.

ہیں۔[1] اور عرب أَجْلَبَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی کسی پر چیخے۔ مقابلہ بازی میں جَلَب وجَنَب[2] سے جو منع کیا گیا ہے وہ بھی اسی سے ہے اور جَلَبَةٌ سے مشتق ہے اور اس کے معنی آوازوں کو بلند کرنے کے ہیں۔

مال واولاد میں شیطان کی شراکت: ﴿ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ ''اور ان کے مالوں اور اولادوں میں شریک ہوتا رہ۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو شیطان نے انھیں اللہ کی نافرمانی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا۔[3] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہاں اولاد سے مراد اولادِ زنا ہے۔[4] اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جسے لوگوں نے نادانی اور جہالت سے قتل کر دیا تھا۔[5]

قتادہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم! شیطان ان کے ساتھ مال واولاد میں شریک ہو گیا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی اولاد کو مجوسی، یہودی اور عیسائی بنا دیا اور انھیں اسلام کے رنگ کے سوا دوسرے رنگ میں رنگ دیا اور مالوں میں سے ایک حصہ شیطان کے لیے وقف کر دیا۔[6] اور امام قتادہ کا اپنا قول بھی اسی طرح ہے۔[7] انھوں نے ﴿ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ میں شرکت کے کسی ایک معنی کی تخصیص نہیں کی بلکہ ہر وہ کام جس میں یا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے یا جس کام میں یا جس کے ساتھ شیطان کی اطاعت کی جائے تو وہ شیطان کی طرف سے مشارکت ہے۔ صحیح مسلم میں عیاض بن حمار کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: [إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ......] ''بے شک میں نے اپنے سب کے سب بندوں کو یکسو ہو کر عبادت کرنے والے پیدا کیا تھا مگر شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے بہکا دیا اور انھوں نے ان کے لیے ان چیزوں کو حرام قرار دے دیا جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔''[8] بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَوْأَنَّ أَحَدَهُمْ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا] ''اگر کوئی ایک اس وقت، جب وہ اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے، یہ دعا پڑھ لے۔ اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہم کو شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا۔ اس صحبت کے نتیجے میں اگر دونوں کے مقدر میں اولاد لکھ دی گئی تو شیطان

[1] تفسير الطبرى:148/15. [2] جلب: مقابلے میں شریک شخص اپنے کسی ساتھی کو کہے کہ راستے میں میرے گھوڑے کو آواز لگا دینا، جس سے یہ اور تیز دوڑے گا۔ جنب: مقابلے میں شریک شخص اپنے گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا رکھے جو اسے دوڑانے پر ابھارے اور معاون بنے۔ مقابلہ بازی میں ان دونوں صورتوں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ [3] تفسير الطبرى:149/15. [4] تفسير الطبرى:151/15. [5] تفسير الطبرى:151/15 مختصرًا. [6] تفسير الطبرى: 152،151/15. [7] تفسير الطبرى: 152/15. [8] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التى يعرف بها فى الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث:2865.

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿66﴾

تمھارا رب وہی تو ہے جو تمھارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے، تاکہ تم اس کے فضل میں سے تلاش کرو، بے شک وہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿66﴾

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ

اور جب سمندر میں تمھیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ جنھیں تم اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہو، گم جاتے ہیں پھر جب وہ (اللہ) تمھیں خشکی کی طرف نجات

وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿67﴾

دیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو، اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ﴿67﴾

اسے کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔‘‘①

شیطان کا وعدہ سراسر دھوکا ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿64﴾ ﴾ ’’اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہیں۔‘‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب روز قیامت حق واضح ہو جائے گا تو وہ کہے گا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ ﴾ (إبراھیم 22:14) ’’بے شک اللہ نے تم سے انتہائی سچا وعدہ کیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، چنانچہ میں نے تم سے (وعدے کی) خلاف ورزی کی۔‘‘ فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ ﴾ ’’بلاشبہ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو اپنی تائید و حمایت سے سرفراز فرمائے گا اور وہ انھیں شیطان مردود کے بہکاوے سے محفوظ رکھے گا۔ ﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿65﴾ ﴾ ’’اور (اے پیغمبر!) آپ کا پروردگار کارساز کافی ہے۔‘‘ وہ حفاظت کرنے، مدد کرنے اور نصرت و حمایت سے سرفراز فرمانے کے اعتبار سے کافی ہے۔

تفسیر آیت :66

کشتیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی علامات ہیں: اللہ تعالیٰ مخلوق کے ساتھ اپنے اس لطف و کرم کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے سمندر میں کشتیوں کو مسخر کر دیا ہے اور بندوں کے لیے اپنی مصلحتوں کی خاطر کام لینا آسان کر دیا ہے تاکہ ایک ملک والے دوسرے کے ساتھ تجارت کے ذریعے سے اس کے فضل کو تلاش کر سکیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿66﴾ ﴾ ’’بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے۔‘‘ یعنی اس نے یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے تاکہ تمھیں اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے نواز سکے۔

تفسیر آیت :67

کفار مصیبت کے وقت اللہ ہی کو یاد کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① صحیح البخاري، الدعوات، باب مایقول إذا أتی أهله؟ حدیث:6388 و صحیح مسلم، النکاح، باب مایستحب أن یقوله عند الجماع، حدیث:1434 عن ابن عباس ﷺ.

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ وَکِیۡلًا ﴿68﴾

کیا پھر تم اس سے بے خوف ہوگئے ہو کہ وہ تمھیں خشکی کی جانب (زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں والی سخت آندھی بھیج دے، پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاسکو ﴿68﴾

﴿ وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاہُ ۚ﴾ ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو پکارا کرتے ہو، سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں۔'' یعنی وہ سب معبودان باطلہ تمھارے دلوں سے نکل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىکُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ﴾ ''پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو۔'' اس کی اس توحید کو بھول جاتے ہو جس کو تم نے دریا میں پہچانا تھا اور پھر اس وحدہ لاشریک کے پکارنے سے منہ پھیر لیتے ہو۔ ﴿ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ کَفُوۡرًا ﴿67﴾﴾ ''اور انسان ہے ہی ناشکرا'' اس کی خصلت یہ ہے کہ نعمتوں کو بھول جاتا اور انکار کر دیتا ہے، سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

تفسیر آیت:68

کیا خشکی میں عذاب الٰہی نہیں آسکتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دریاؤں اور سمندروں سے نکل کر خشکی پر آ جانے کے بعد کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اب اس کے عذاب اور انتقام سے تم بے خوف ہو گئے ہو۔ گویا وہ تمھیں خشکی میں زمین میں دھنسا نہیں سکتا اور تم پر سنگریزوں بھری آندھی نہیں چلا سکتا۔ حاصِبُ ایسی بارش کو کہتے ہیں جس میں پتھر برسیں۔ یہ امام مجاہد اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا قول ہے۔[1]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ نَجَّیۡنٰہُمۡ بِسَحَرٍ ﴿ۙ﴾ نِّعۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ﴾ (القمر 35,34:54) ''ہم نے ان پر کنکر بھری ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والے کہ ہم نے ان کو پچھلی رات ہی اپنے فضل سے بچا لیا۔'' ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہَا حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۬ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿ۙ﴾﴾ (ھود 82:11) ''اور ہم نے ان پر پتھر کی تہ بہ تہ (پے درپے) کنکریاں برسائیں۔'' اور فرمایا: ﴿ ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿ۙ﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿﴾﴾ (الملک 17,16:67) ''کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ (زمین) اس وقت حرکت کرنے لگے؟ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے۔ سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے!'' ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ وَکِیۡلًا ﴿68﴾﴾ ''پھر تم اپنا کوئی نگہبان نہ پاؤ۔'' یعنی تمھیں کوئی ایسا مددگار نہیں ملے گا جو تم سے اس عذاب کو دور کر کے تمھیں نجات دے سکے۔

[1] تفسیر الطبری: 154/15 عن قتادۃ۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ

کیا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمھیں دوسری مرتبہ اس (سمندر) میں لوٹا دے، پھر تم پر توڑ دینے والی طوفانی ہوا بھیجے، تو وہ تمھارے کفر کے سبب

بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿69﴾

تمھیں غرق کر دے، پھر تم اپنے لیے ہمارے خلاف اس پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا بھی نہ پاؤ ﴿69﴾

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور انھیں بر و بحر میں سوار کیا، اور انھیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور انھیں اپنی کثیر مخلوقات پر

7 ع 10 7 عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿70﴾ ع

جنھیں ہم نے پیدا کیا، فضیلت دی ﴿70﴾

تفسیر آیت: 69

وہ چاہے تو تمھیں دوبارہ دریا میں لے جائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ ﴾ ''یا تم بے خوف ہو گئے ہو۔'' اے دریا میں ہماری توحید کا اقرار کرنے والو اور باہر آ کر ہم سے اعراض کرنے والو! ﴿ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ ﴾ ''کہ تم کو دوسری دفعہ اس (دریا) میں لوٹائے، پھر تم پر تیز ہوا چلائے۔'' جو سواروں کو ہلاک کر دے اور سواریوں کو غرق کر دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ قاصِف دریاؤں میں چلنے والی اس تند و تیز ہوا کو کہتے ہیں جو کشتیوں کو توڑ کر غرق کر دیتی ہے۔[1] فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ﴾ ''پھر وہ تمھارے کفر کے سبب تمھیں ڈبو دے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں کفر کرنے اور اس کی ذات پاک سے اعراض کرنے کی وجہ سے غرق کر دے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿69﴾ ﴾ ''پھر تم اس (غرق) کے سبب اپنے لیے کوئی پیچھا کرنے والا نہ پاؤ۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تبیعاً کے معنی مددگار کے ہیں۔[2] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی ایسے مددگار کے ہیں جو بعد میں انتقام لینے والا ہو۔[3] قتادہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی سے نہیں ڈرتے کہ وہ ان میں سے کسی چیز کی وجہ سے ہمارا پیچھا کر سکے گا۔[4]

تفسیر آیت: 70

انسان کے شرف و فضل کا بیان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کو یہ شرف عطا کیا اور یہ عزت بخشی ہے کہ انھیں احسن اور اکمل شکل و صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾ (التین 4:95) ''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔'' یعنی انسان اپنے دونوں پاؤں پر سیدھا چلتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے کھاتا ہے جبکہ دیگر حیوانات اپنے چار پاؤں پر چلتے اور اپنے منہ سے کھاتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے

[1] تفسیر الطبری: 156/15 مختصراً۔ [2] تفسیر الطبری: 156/15۔ [3] تفسیر الطبری: 156/15۔ [4] تفسیر الطبری: 156/15۔

یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ یَقْرَءُوْنَ

جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، پھر جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں

كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿71﴾ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

گے، اور ان پر (گٹھلی کے) دھاگے برابر (بھی) ظلم نہ کیا جائے گا ﴿71﴾ اور جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راہ سے بہت زیادہ

وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿72﴾

بھٹکا ہوا رہے گا ﴿72﴾

انسان کو کان، آنکھیں اور دل عطا فرمایا ہے کہ وہ سب سے سمجھتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، چیزوں میں فرق کرتا ہے اور ان کے خواص اور دینی و دنیوی امور میں ان کے نفع و نقصان کو پہچانتا ہے۔ ﴿ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ ﴾ ”اور ہم نے ان کو خشکی میں سوار کیا“ گھوڑے، خچر اور سواری کے دیگر جانوروں پر ﴿ وَالْبَحْرِ ﴾ ”اور دریا میں“ مثلاً: چھوٹی اور بڑی کشتیوں پر۔ ﴿ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ﴾ ”اور ہم نے انھیں پاکیزہ روزی عطا کی۔“ یعنی فصلوں، پھلوں، گوشت، دودھ اور کھانے پینے کی دیگر تمام انواع و اقسام کی چیزوں کی صورت میں جن کے ذائقے، رنگ اور شکلیں بڑی خوب صورت اور دل آویز ہیں۔ اور پھر تمام انواع و اقسام کے لباس سے نوازا جن کی شکلیں اور رنگ مختلف ہیں اور ان میں سے بعض کو خود تیار کرتے اور بعض کو دیگر ممالک سے درآمد کرتے ہیں۔ ﴿ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿70﴾ ﴾ ”اور ہم نے انھیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔“ یعنی تمام حیوانات اور مختلف انواع و اقسام کی مخلوقات پر انسان کو فضیلت بخشی ہے۔

اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنس بشر، فرشتوں کی جنس سے افضل ہے۔

تفسیر آیات: 72,71

روز قیامت ہر شخص اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت ہر امت کا اس کے پیشوا کے ساتھ حساب لے گا۔ ائمہ تفسیر کا اس میں اختلاف ہے کہ یہاں امام سے کیا مراد ہے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے ہر امت کا نبی مراد ہے۔[1] اسی وجہ سے بعض سلف نے کہا ہے کہ اہل حدیث کے لیے یہ بہت بڑے شرف کی بات ہے کیونکہ ان کے امام نبی ﷺ ہیں۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہاں امام سے مراد ان کی وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر اتاری تھی۔[2] ابن جریر نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔[3] ابن ابو نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد لوگوں کی طرف نازل ہونے والی کتابیں ہیں۔[4] اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے ان کا یہی مقصود ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ

---

① تفسیر الطبری: 158,157/15۔ ② تفسیر الطبری: 159/15 و تفسیر القرطبی: 297,296/10۔ ③ تفسیر الطبری: 159/15۔ لیکن ابن جریر نے ﴿ بِاِمَامِهِمْ ﴾ کے معنی ”پیشوا“ کے کیے ہیں اور اسی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ﴿ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ ﴾ الذی کانوا یقتدون بہ و یأتمون فی الدنیا یعنی جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے جس کی وہ دنیا میں اقتدا اور پیروی کرتے ہوں گے۔ ④ تفسیر الطبری: 159/15۔

اس سے مراد ان کے اعمال کی کتاب ہو جیسا کہ یہ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ [1] ابو عالیہ، حسن اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ [2] اور یہی قول زیادہ راجح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (یٰس 12:36) ''اور ہر چیز کو ہم نے واضح کتاب (لوح محفوظ) میں شمار کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ ﴾ (الکہف 49:18) ''اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی تو آپ گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا، اس سے ڈر رہے ہوں گے۔'' ﴿ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الجاثیۃ 29,28:45) ''اور آپ ہر ایک فرقے کو دیکھیں گے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا (اور) ہر ایک جماعت اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی، جو کچھ تم کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہماری کتاب تمھارے بارے میں سچ سچ بولے گی، جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔''

یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس وقت نبی کو بھی بلایا جائے۔ جب ان کی امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمانے لگے کیونکہ وہ اپنی امت کے اعمال کے یقینی طور پر شاہد ہوں گے۔ لیکن یہاں امام سے مراد بہر حال نامۂ اعمال ہی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ ﴾ ''جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے تو جن (کے اعمال) کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی وہ اپنی کتاب کو (خوش ہو ہو کر) پڑھیں گے۔'' ان کی یہ خوشی اور مسرت ان اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہوگی جو اس میں لکھے ہوں گے، لہٰذا وہ اسے پڑھے گا اور اسے پڑھنا بہت پسند کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَاۗؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ڏ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ ﴾ (الحاقۃ 25-19:69) ''تو جس کا (اعمال) نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجیے میرا نامہ (اعمال) پڑھیے۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا، پس وہ (شخص) من مانے عیش میں ہوگا۔ (یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں جن کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے۔ جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو اور جس کا نامہ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش! مجھ کو میرا (اعمال) نامہ نہ دیا جاتا۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ ''اور ان پر (کھجور کی گٹھلی کے) دھاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔'' قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ فتیل اس لمبے سے دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔ [3] حافظ ابوبکر بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

[1] تفسیر الطبری:158/15 و تفسیر القرطبی:297,296/10. [2] تفسیر الطبری:158/15. [3] دیکھیے النسآء، آیت: 49 کے ذیل میں عنوان: ''اپنی پاکیزگی کے اظہار پر یہود کی مذمت''

وَ اِنۡ کَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَکَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَہٗ ٭ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوۡکَ

اور بلاشبہ قریب تھا کہ ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے کافر آپ کو اس سے پھسلا دیتے، تاکہ آپ ہم پر اس کے علاوہ کچھ اور گھڑ لیں، اور تب وہ

خَلِیۡلًا ﴿73﴾ وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡہِمۡ شَیۡئًا قَلِیۡلًا ﴿74﴾ اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ

ضرور آپ کو اپنا دلی دوست بنا لیتے ﴿73﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے ﴿74﴾ (اگر ایسا

الۡحَیٰوۃِ وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا ﴿75﴾

ہوتا) تو ہم آپ کو زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی دوگنا (عذاب) چکھاتے، پھر آپ اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتے ﴿75﴾

کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ ﴾ کے بارے میں فرمایا:

[یُدْعٰی أَحَدُھُمْ، فَیُعْطٰی کِتَابَهٗ بِیَمِینِهٖ، وَیُمَدُّ لَهٗ فِي جِسْمِهٖ سِتُّونَ ذِرَاعًا، وَّیُبَیَّضُ وَجْهُهٗ وَیُجْعَلُ عَلٰی رَأْسِهٖ تَاجٌ مِّنْ لُّؤْلُؤٍ یَّتَلَأْلَأُ، فَیَنْطَلِقُ إِلٰی أَصْحَابِهٖ، فَیَرَوْنَهٗ مِنْ بُعْدٍ، فَیَقُولُونَ: اَللّٰھُمَّ! ائْتِنَا بِھٰذَا وَبَارِكْ لَنَا فِي ھٰذَا، حَتّٰی یَأْتِیَھُمْ، فَیَقُولُ لَھُمْ! أَبْشِرُوا لِکُلِّ رَجُلٍ مِّنْکُمْ مِّثْلُ ھٰذَا۔ قَالَ۔ وَأَمَّا الْکَافِرُ فَیُسَوَّدُ وَجْهُهٗ، وَیُمَدُّ لَهٗ فِي جِسْمِهٖ سِتُّونَ ذِرَاعًا عَلٰی صُورَةِ آدَمَ وَیُلْبَسُ تَاجًا، فَیَرَاهُ أَصْحَابُهٗ، فَیَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ ھٰذَا اَللّٰھُمَّ! لَا تَأْتِنَا بِھٰذَا، قَالَ: فَیَأْتِیھِمْ، فَیَقُولُونَ: اَللّٰھُمَّ (أَخْزِهٖ)، فَیَقُولُ:أَبْعَدَکُمُ اللّٰهُ، فَإِنَّ لِکُلِّ رَجُلٍ مِّنْکُمْ مِّثْلَ ھٰذَا]

''ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس کے جسم کو ساٹھ ہاتھ بڑھا دیا جائے گا، اس کے چہرے کو منور کر دیا جائے گا اور اس کے سر پر چمکدار موتیوں کا تاج رکھ دیا جائے گا، وہ اپنے ساتھیوں کی طرف جائے گا اور وہ اسے دور ہی سے دیکھ لیں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ! اسے ہمارے پاس لے آ اور اس کے بارے میں ہمیں برکت عطا فرما، وہ ان کے پاس آجائے گا۔ اور ان سے کہے گا کہ تم خوش ہو جاؤ، تم میں سے ہر شخص کے لیے اسی طرح عزت افزائی ہے اور جو کافر ہوگا تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جائے گا، اس کے جسم کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ بڑھا دیا جائے گا اور اسے بھی تاج پہنا دیا جائے گا، چنانچہ اس کے ساتھی جب اسے دیکھیں گے تو کہیں گے: ہم اس کے شر سے پناہ چاہتے ہیں، اے اللہ! اسے ہمارے پاس نہ لانا مگر وہ ان کے پاس آجائے گا تو یہ کہیں گے کہ اے اللہ! اسے ذلیل ورسوا کر دے، وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں (اپنی رحمت سے) دور کر دے تم میں سے ہر شخص کو اسی طرح کی ذلت ورسوائی حاصل ہونے والی ہے۔''[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی ﴾ ''اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، اور ابن زید فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿ ہٰذِہٖۤ ﴾ ''اس'' سے مراد دنیا کی زندگی ہے ﴿ اَعۡمٰی ﴾ ''اندھا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی

① جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنيّ إسرآئيل، حديث:3136 . مزید دیکھیے صحیح ابن حبان، ذکر الإخبار عن وصف المسلم والکافر إذا أعطيا کتابيهما:346/16، حديث:7349 و مسند أبي يعلى الموصلي:5,4/11، حديث:6144 اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ جبکہ یہ حدیث مسند بزار میں نہیں ملی۔ اور قوسین والے لفظ کی جگہ بعض نسخوں میں أَخِّرْهُ ''اسے دور کر دے'' ہے۔ ② تفسیر الطبری:160/15.

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا

اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ آپ کو اس زمین (مکہ) سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں، اور تب آپ کے پیچھے وہ تھوڑا ہی ٹھہر پاتے (76) ان

قَلِيۡلًا (76) سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا (77) ع 8/7/8

رسولوں کے طریقے کے مانند جنھیں ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا، اور آپ ہمارے طریقے (قانون) میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے (77)

حجت، آیات اور روشن دلائل سے اندھا ﴿فَهُوَ فِي الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى﴾ ''تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔'' یعنی جس طرح وہ دنیا میں اندھا ہوگا اس طرح وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ ﴿وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا (72)﴾ ''اور (نجات کے) رستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا۔'' یعنی دنیا کی نسبت آخرت میں رستے سے زیادہ دور اور زیادہ گمراہ ہوگا۔[1] ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیات: 73-75

کفار کے مطالبے پر وحی کو بدل دینے کی سزا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ وَسَلَامُهٗ کی تائید فرمائی، آپ کو ثابت قدم رکھا، ہر قسم کی لغزش سے محفوظ رکھا اور شریروں، کافروں اور بدکاروں کے مکروفریب سے بچایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کا نگہبان اور مددگار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے علاوہ اور کسی کے سپرد نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کا والی، محافظ، مددگار، مؤید اور آپ کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمانے والا تھا، اللہ تعالیٰ ہی آپ کے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے میں آپ کے دین کو زمین کے مشرق ومغرب میں غلبہ عطا فرمانے والا تھا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ.

تفسیر آیات: 77,76

آیت کا سبب نزول: یہ آیت کریمہ کفار قریش کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی، جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو یہ وعید سنائی ہے کہ اگر وہ آپ کو نکال دیتے تو پھر آپ کے بعد وہ مکہ میں بھی بہت کم رہتے اور پھر ایسا ہی ہوا کہ جب کفار مکہ کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں اور نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو ابھی ڈیڑھ سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور آپ کو بغیر کسی سابقہ پروگرام کے بدر میں یکجا کر دیا اور آپ کو ان پر غلبہ وتسلط عطا فرمایا، فتح ونصرت سے نوازا، بڑے بڑے سرداران قریش مارے گئے اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا (77)﴾ ''اپنے پیغمبروں میں سے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے (ان کے بارے میں ہمارا وہی) طریق رہا ہے۔ اور آپ ہمارے طریق میں تغیر وتبدل نہ پائیں گے۔'' ان لوگوں کے بارے میں ہمارا یہی طریق رہا ہے جنھوں نے ہمارے رسولوں کے ساتھ کفر کیا اور انھیں تکلیفیں پہنچائیں تو ہم نے ان کے ہاں سے اپنے رسولوں کو نکال لیا اور انھیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔

---

(1) تفسیر الطبری: 160/15.

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿78﴾

سورج ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجیے، اور نماز فجر بھی، بے شک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے ﴿78﴾ اور رات

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿79﴾

کے کچھ حصے میں بھی آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں، (یہ) آپ کے لیے زائد ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا ﴿79﴾

رسول اللہ ﷺ اگر رسول رحمت نہ ہوتے تو یہ بھی دنیا میں ایسے شدید ترین عذاب میں مبتلا ہو جاتے کہ جس کا سامنا کرنے کی کسی میں بھی تاب نہ ہوتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ ﴾ (الأنفال 8:33) ''اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک آپ ان میں تھے انھیں عذاب دیتا۔''

تفسیر آیات: 79,78

نمازوں کو اپنے اوقات میں ادا کرنے کا حکم: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرض نمازیں اپنے اوقات میں ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ﴾ ''آپ (ﷺ!) سورج ڈھلنے (کے وقت) سے نماز پڑھا کریں۔'' ہُشَیم نے از مغیرہ از شُعبی از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ دُلُوكِ شَمْس کے معنی زوال آفتاب کے ہیں[1] نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔[2] امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں زہری سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3] ابو برزہ اسلمی، مجاہد، حسن، ضحاک، ابو جعفر باقر اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن جریر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی اور عرض کی کہ آپ اپنے جن ساتھیوں کو چاہیں اپنے ساتھ لے آئیں، آپ نے اور آپ کے صحابہ نے میرے ہاں کھانا تناول فرمایا اور پھر جب سورج زوال پذیر ہو گیا تو یہ معزز مہمان میرے پاس سے رخصت ہو گئے، نبی ﷺ جب تشریف لے جانے لگے تو آپ نے فرمایا: [أُخْرُجْ يَا أَبَا بَكْرٍ! قَدْ دَلَكَتِ الشَّمْسُ] ''ابوبکر! نکلو سورج ڈھل چکا ہے۔''[5] اس تفسیر کے مطابق اس آیت کریمہ میں پانچوں نمازوں کے اوقات مذکور ہیں۔ اس ارشاد: ﴿ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ ''سورج ڈھلنے (کے وقت) سے رات کے اندھیرے تک'' سے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کے اوقات مراد ہیں۔ ﴿ غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ سے رات کا اندھیرا یا غروب آفتاب کا وقت مراد ہے اور ﴿ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ ﴾ ''اور صبح (کی نماز) کا قرآن پڑھنا'' سے نماز فجر مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ اور آپ کے افعال واقوال سے نمازوں کے اوقات کی یہی تفصیل ثابت ہے جس کے مطابق آج مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور قرناً بعد قرن خلف نے سلف سے انھی اوقات میں نماز ادا کرنے کو سیکھا ہے جیسا کہ اپنی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

نماز فجر وعصر میں فرشتوں کا جمع ہونا: ﴿ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿78﴾ ﴾ ''بے شک (نماز) صبح میں قرآن (پڑھنا فرشتوں

[1] تفسیر الطبری:169/15. [2] تفسیر الطبری:169/15. [3] مختصر زوائد مسند البزار:90/2، حدیث:1477.

[4] تفسیر الطبری:170,169/15. [5] تفسیر الطبری:172,171/15.

کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔'' ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا:[تَشْهَدُهٗ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ]''اس (صبح کی نماز) میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔''①

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[فَضْلُ صَلَاةِ الْجَمِيعِ عَلٰى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَّعِشْرُونَ دَرَجَةً وَّ تَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ]''باجماعت نماز ادا کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور نماز فجر میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے کہ اگر تم چاہو تو اس کی تائید میں یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾⁽⁷⁸⁾ ''اور صبح کو قرآن پڑھنا (لازم کرو) بلاشبہ (نماز) صبح میں قرآن (پڑھنا فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے۔''②

امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا:[تَشْهَدُ(هٗ) مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ]''اس وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔''③ اسے ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔④ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَّلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ (رَبُّهُمْ) ــ وَهُوَ أَعْلَمُ

---

① جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنیّ إسرآئیل، حدیث:3135 و سنن ابن ماجه، الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، حدیث: 670 و تفسیر الطبری: 174/15. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی سند صحیح ہے جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے۔ ② صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ...... ﴾ (بنیّ إسرآء یل17:78)، حدیث:4717 و صحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة......، حدیث:(246)-649. ③ مسند أحمد: 474/2 اور قوسین والا حرف جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنیّ إسرآئیل، حدیث:3135 میں ہے۔ اس حدیث کی دو سندیں ہیں: ایک حَدَّثَنَا أَسْبَاطٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اور دوسری سند حَدَّثَنَا أَسْبَاطٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، پہلی اعمش از ابراہیم از ابن مسعود ہے۔ اس میں ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی ہیں۔ انھوں نے حضرت ابن مسعود سے نہیں سنا، چنانچہ حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب، ترجمة إبراهيم بن يزيد......: 155/1 میں لکھتے ہیں: وَقَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ: لَمْ يَلْقَ النَّخَعِيُّ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ''ابن مدینی کہتے ہیں: ابراہیم نخعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں ملے وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: لَمْ يَلْقَ أَحَدًامِّنَ الصَّحَابَةِ إِلَّا عَائِشَةَ'' اور ابو حاتم رقمطراز ہیں کہ نخعی حضرت عائشہ کے سوا کسی سے نہیں ملے اور ان سے بھی سماع ثابت نہیں، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کو پایا مگر ان سے سنا نہیں، البتہ ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب تم کو میں إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بیان کروں تو وہ میں نے ابن مسعود سے سنا ہوتا ہے اور جب میں کہوں: قَالَ عَبْدُاللّٰهِ تو وہ ابن مسعود کے علاوہ کوئی اور ہوتا ہے۔ ④ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنیّ إسرآئیل، حدیث: 3135 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ...... ﴾: 381/6، حدیث:11293 و سنن ابن ماجه، الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، حدیث:670 .

(بِکُمْ)۔: کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِی؟ فَیَقُولُونَ: تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّونَ وَأَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّونَ] ”تم میں رات اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر میں اکٹھے ہو جاتے ہیں، پھر وہ فرشتے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں جنھوں نے رات تمھارے پاس بسر کی ہوتی ہے تو ان کا رب ان سے پوچھتا ہے۔ حالانکہ تمھارے بارے میں وہ خوب جانتا ہے۔ کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ کر آئے ہیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔“[1] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کے دونوں گروپ نمازِ فجر میں اکٹھے ہوتے ہیں، ان میں سے ایک گروپ آسمان پر چڑھ جاتا ہے اور دوسرا گروپ زمین میں رہ جاتا ہے۔ ابراہیم نخعی، مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمہ رحمہم اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے۔[2]

نمازِ تہجد کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ ”اور بعض حصہ شب میں اس (قرآن) کو تہجد میں پڑھا کریں، (یہ شب خیزی) آپ کے لیے نفل ہے۔“ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نمازوں کے بعد قیام اللیل کا حکم ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: فرض کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: [صَلَاةُ اللَّیْلِ] ”رات کی نماز۔“[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرض نمازوں کے بعد رسول کو قیام اللیل کا حکم دیا ہے۔ تہجد وہ نماز ہوتی ہے جو سونے کے بعد ادا کی جائے۔ یہ علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[4] عربی زبان میں تہجد کے یہی معنی معروف ہیں۔ اسی طرح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے بعد نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما[5]، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا[6] اور کئی ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ اور اس کی تفصیل اپنے مقام پر موجود ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد وہ ہے جو عشاء کی نماز کے بعد ادا کی جائے۔[7] سو کر اٹھنے کے بعد ادا کی جانے والی نماز کو بھی تہجد کہا جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ ”(یہ شب خیزی) آپ کے لیے نفل ہے۔“ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نماز تہجد کو خصوصاً اس لیے نفل قرار دیا گیا کیونکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے تھے جبکہ آپ کی امت کے افراد کے گناہ نفل نمازوں کی وجہ سے معاف کر دیے جاتے ہیں یہ مجاہد کا قول ہے۔[8] جبکہ مسند میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔[9]

---

① صحیح البخاری، مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العصر، حدیث: 555 جبکہ [رَبُّهُمْ] صحیح مسلم، المساجد ……، باب فضل صلاتي الصبح والعصر……، حدیث: 632 میں اور دوسری قوسین والا لفظ بخاری کے بعض نسخوں کی حدیث: 7429 میں ہے۔ ② تفسیر الطبری: 175,174/15. ③ صحیح مسلم، الصیام، باب فضل صوم المحرم، حدیث: 1163. ④ تفسیر الطبری: 177/15. ⑤ صحیح البخاری، التوحید، باب ماجاء فی تخلیق السمٰوات……، حدیث: 7452 و صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین……، باب صلاۃ النبی ﷺ ودعائه باللیل، حدیث: 763. ⑥ صحیح البخاری، التہجد، باب من نام أول اللیل……، حدیث: 1146. ⑦ تفسیر الطبری: 177/15 . ⑧ تفسیر الطبری: 178/15. ⑨ مسند أحمد: 255/5.

فرمان الٰہی ہے: ﴿ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ ﴾ ''قریب ہے کہ اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔'' یعنی آپ یہ کام کریں جس کا میں نے آپ کو حکم دیا ہے تاکہ قیامت کے دن ہم آپ کو مقام محمود پر فائز کریں، اس دن ساری مخلوق آپ کی تعریف کرے گی اور اپنے خالق تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کرے گی۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک مقام محمود سے مراد حضرت محمد ﷺ کا قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کرنا ہے تاکہ رب تعالیٰ انھیں اس دن کی سختیوں سے نجات عطا فرما دے۔[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب لوگوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا۔ پکارنے والا انھیں اپنی آواز سنا سکے گا اور نظر ان سے پار ہو جائے گی، وہ اس طرح برہنہ پا اور بے لباس ہوں گے جس طرح پیدا ہوئے تھے، سب لوگ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی کلام نہ کر سکے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (ﷺ!) آپ جواب دیں گے: [لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ ، وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ، عَبْدُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَبِكَ وَإِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، (تَبَارَكْتَ) وَتَعَالَيْتَ، سُبْحَانَكَ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ] ''میں حاضر ہوں اور تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوں، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر و برائی کی تیری طرف نسبت نہیں ہے، ہدایت یافتہ وہ ہے جسے تو ہدایت عطا فرمائے، تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے، تیری توفیق سے اور تیری ہی طرف، اور تیری پکڑ سے بچنے کا تیری رحمت کے سوا کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ نہیں ہے، تو ہی برکت والا ہے۔ اے پروردگار! اور تو سب سے بلند و برتر ہے اور تیری ذات پاک ہے اے اس گھر کے مالک!'' تو یہ ہے وہ مقام محمود جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔[3] ابن ابو نجیح نے مجاہد سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے[4] اور امام حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] قتادہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ زمین سے باہر تشریف لائیں گے اور آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے۔[6] اہل علم کی رائے میں اس آیت کریمہ میں مذکور مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔

روز قیامت رحمت عالم ﷺ پر رب کائنات کی خصوصی نوازشیں: رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے دن بہت سے ایسے شرف حاصل ہوں گے جن میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہوگا، مثلاً: سب سے پہلے آپ ہی زمین سے باہر تشریف لائیں گے، آپ میدان حشر کی طرف سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جائیں گے، جھنڈا آپ کے پاس ہوگا اور آدم اور سب اولاد

① تفسير الطبرى:180,179/15. ② السنن الكبرى للنسائى، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ ......﴾: 381/6، حديث:11294 ومسند أبى داود الطيالسى، أحاديث حذيفة بن اليمان:330/1، حديث: 414 ومسند البزار، أبو إسحاق عن صلة عن حذيفة:329/7، حديث:2926 وكتاب السنة لابن أبى عاصم، ص:361,360، حديث: 789 وتفسير الطبرى:179/15 واللفظ له، البتہ قوسین والا لفظ تفسیر طبری کے علاوہ دیگر کتب کے مطابق ہے۔ ③ تفسير الطبرى:180/15. ④ تفسير الطبرى:180/15. ⑤ تفسير الطبرى:180/15. ⑥ تفسير الطبرى:181/15.

آدم آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، حوض بھی آپ ہی کا ہوگا اور سب سے زیادہ لوگ اسی جگہ پر آنے والے ہوں گے، شفاعت عظمیٰ بھی آپ ہی کو نصیب ہوگی جس کے مطابق آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ وہ مالک اپنی مخلوق میں فیصلے کے لیے جلوہ افروز ہو، آپ سے پہلے لوگ حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور پھر عیسیٰ علیہم السلام سے باری باری یہ درخواست کر چکے ہوں گے مگر ان میں سے ہر پیغمبر یہ جواب دے گا کہ میں اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کر سکوں حتیٰ کہ جب سب لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ فرمائیں گے: ہاں، میں یہ شفاعت کروں گا، میں یہ شفاعت کروں گا، اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی بیان کریں گے۔ آپ کو روز قیامت یہ شرف حاصل ہوگا کہ آپ کچھ ایسے لوگوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے جن کے بارے میں جہنم لے جانے کا حکم ہو چکا ہوگا مگر آپ کی شفاعت کے بعد انھیں جہنم سے واپس بلا لیا جائے گا۔ تمام انبیائے کرام میں سے سب سے پہلے آپ ہی کی امت کا فیصلہ کیا جائے گا، سب سے پہلے آپ ہی کی امت کو پل صراط سے گزرنے کی اجازت ملے گی۔ جنت کے بارے میں بھی سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ صحیح مسلم سے ثابت ہے۔[1]

حدیث صور میں ہے کہ تمام مومن جنت میں صرف آپ ہی کی شفاعت سے داخل ہوں گے۔[2] جبکہ جنت میں سب سے پہلے آپ داخل ہوں گے اور امتوں میں سے سب سے پہلے آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی، آپ کچھ لوگوں کے رفع درجات کے لیے بھی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ان درجات تک نہیں پہنچ سکیں گے، وسیلہ پر بھی آپ ہی فائز ہوں گے اور یہ جنت کا وہ سب سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے جو صرف آپ ہی کو عطا ہوگا، جب اللہ تعالیٰ آپ کو گناہ گاروں کے لیے شفاعت کی اجازت عطا فرما دے گا، شفاعت تو اگرچہ فرشتے، نبی اور مومن بھی کریں گے مگر آپ اس قدر بے حد و حساب مخلوق کے بارے میں شفاعت فرمائیں گے کہ ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، آپ کے سوا اور کوئی اس طرح کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ میں نے آپ کی ان تمام خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''السیرۃ'' کے آخر میں باب الخصائص میں بیان کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

مقام محمود: اب ہم مقام محمود سے متعلق احادیث کو بیان کریں گے۔ وَبِاللّٰهِ الْمُسْتَعَانُ. امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ گھٹنوں کے بل ہوں گے اور ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی اور سب لوگ اپنے اپنے نبی سے کہیں گے کہ اے فلاں! شفاعت کر، اے فلاں! شفاعت کر حتیٰ کہ شفاعت کا معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا۔ اور یہی وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔[3]

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قول النبی ﷺ: أنا أول الناس یشفع فی الجنة......، حدیث:196 عن أنس رضی اللہ عنہ. ② الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث الصور: 48 مفصلاً. ③ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ ......﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:79)، حدیث:4718. ملحوظہ: یَا فُلَانُ! اِشْفَعْ ہندوستان کے مکتبۂ انصاری سے طبع شدہ نسخے میں دو مرتبہ ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ الشَّمْسَ لَتَدْنُو حَتّٰى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوا بِآدَمَ عليه السلام، فَيَقُولُ: لَسْتُ صَاحِبَ ذٰلِكَ ثُمَّ بِمُوسٰى عليه السلام، فَيَقُولُ كَذٰلِكَ، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ فَيَشْفَعُ بَيْنَ الْخَلْقِ فَيَمْشِي حَتّٰى يَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْجَنَّةِ، فَيَوْمَئِذٍ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا]

''بے شک سورج اس قدر قریب ہوگا کہ پسینہ نصف کان تک پہنچ جائے گا، اس حال میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے تو وہ جواب دیں گے کہ میں یہ نہیں کرسکتا، پھر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کریں گے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے، پھر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کریں گے تو آپ مخلوق کی شفاعت فرمائیں گے اور پھر کشاں کشاں چلتے ہوئے آپ جنت کے (دروازے کے) کنڈے کو پکڑیں گے تو اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو کتاب الزکاۃ میں بیان فرمایا ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: [فَيَوْمَئِذٍ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا، يَّحْمَدُهٗ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ] ''اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا تو میدان حشر میں جمع ہونے والے سب لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔''[2]

ابو داود طیالسی نے بھی عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ پھر اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت عطا فرمادے گا تو روح القدس جبریل کھڑے ہوں گے، پھر ابراہیم خلیل اللہ کھڑے ہوں گے، پھر عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے۔ ابو زعراء کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہاں ان دونوں نبیوں میں سے کس کا نام لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر چوتھے نمبر پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور آپ اس قدر شفاعت فرمائیں گے کہ آپ کے بعد آپ سے زیادہ کوئی شفاعت نہ کرسکے گا اور یہ وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ ''ہوسکتا ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر فائز فرمادے۔''[3]

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: امام احمد رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا، آپ نے دستی کے گوشت کو جو کہ آپ کو بہت مرغوب تھا، تناول فرمانا شروع کیا، پھر فرمایا:

[أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَهَلْ تَدْرُونَ (بِمَ ذَاكَ؟) يَجْمَعُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ يُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي، وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ، فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَحْتَمِلُونَ،

---

① تفسیر الطبری:182/15. ② صحیح البخاری، الزکاۃ، باب من سأل الناس تكثرا، حدیث:1475. ③ مسند أبی داود الطیالسی:306/1، حدیث:389 والسنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالى: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ ......﴾:382/6، حدیث:11296 یہ حدیث ضعیف ہے۔ البتہ اس مفہوم کی احادیث دیکھیے صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ﴾ (ھود11:25)......، حدیث: 3340 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ وصحیح مسلم، الإیمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فیها، حدیث:193 عن أنس رضی اللہ عنہ.

فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: أَلَا تَرَوْنَ مَا أَنْتُمْ فِيهِ؟ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ؟ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: (عَلَيْكُمْ بِآدَمَ) فَيَأْتُونَ آدَمَ، فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ آدَمُ عليه السلام: إِنَّ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ، فَيَأْتُونَ نُوحًا، فَيَقُولُونَ: يَانُوحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَسَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْداً شَكُورًا، فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ نُوحٌ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ،وَإِنَّهُ (قَدْ) كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ (دَعَوْتُهَا) عَلَى قَوْمِي، (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ، فَيَقُولُونَ: يَا إِبْرَاهِيمُ! أَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ إِبْرَاهِيمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔ فَذَكَرَ كَذِبَاتِهِ۔ (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلَى مُوسٰى. فَيَأْتُونَ مُوسٰى عليه السلام، فَيَقُولُونَ: يَا مُوسٰى! أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهِ (وَبِكَلَامِهِ) عَلَى النَّاسِ، اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ مُوسٰى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا، (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلَى عِيسٰى فَيَأْتُونَ عِيسٰى، فَيَقُولُونَ: يَاعِيسٰى! أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ۔ قَالَ: هٰكَذَا هُوَ۔ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ، فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟

فَيَقُولُ لَهُمْ عِيسٰى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔ وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ ذَنْبًا۔ (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ (فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا ﷺ) فَيَقُولُونَ:يَا مُحَمَّدُ! أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، (وَقَدْ) غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَاتَرَى (إِلَى) مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَأَقُومُ، فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ، فَأَقَعُ سَاجِداً لِرَبِّي عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ، وَيُلْهِمُنِي مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئاً لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي، فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهُ، (وَاشْفَعْ) تُشَفَّعْ، (فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ: أُمَّتِي يَارَبِّ! أُمَّتِي يَا رَبِّ! أُمَّتِي يَارَبِّ! فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَا ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ) كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ، أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰى]

’’میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا اور کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا۔ جنھیں بلانے والا اپنی آواز سنا سکے اور نظر ان سے پار ہو سکے گی، سورج بہت قریب ہوگا اور لوگوں کو اس قدر غم و فکر لاحق ہوگا کہ انھیں اس کے برداشت کرنے کی طاقت و ہمت نہ ہوگی، لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ تم اس وقت کس مصیبت میں مبتلا ہو، ذرا دیکھو تو سہی، کون ہے جو تمھارے رب کے پاس تمھاری شفاعت کر سکے؟ بعض لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: اے آدم! آپ نسل انسانی کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، آپ میں روح پھونکی، فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں مبتلا ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔

آدم علیہ السلام جواب میں کہیں گے کہ بے شک میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہوگا، اس نے مجھے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا مگر میں نے اس کی مخالفت کی، لہٰذا مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے نوح (علیہ السلام!) آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ’’عبد شکور‘‘ (شکر گزار بندہ) رکھا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔ نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ بے شک میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہوگا، بلاشبہ مجھے ایک دعا کا اختیار تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف مانگ لی۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، ابراہیم (علیہ السلام!) کے پاس چلے جاؤ تو وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے ابرہیم (علیہ السلام!) آپ اللہ کے نبی بھی ہیں اور اہل زمین میں سے اللہ کے دوست بھی، اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کس صورت حال کا سامنا ہے۔ آپ جواب دیں گے کہ بے شک میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح کبھی غصے میں ہوگا، ابراہیم علیہ السلام اپنی خلاف واقعہ (کہی ہوئی) باتوں کو یاد کریں گے۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ جاؤ میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے موسیٰ (علیہ السلام!) آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پیغام اور کلام سے لوگوں میں سے ممتاز کیا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام انھیں جواب دیں: میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح

غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہوگا، میں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم نہیں دیا تھا۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ جاؤ میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے، اے عیسیٰ (علیہ السلام!) آپ اللہ کے رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ڈالا تھا اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح ہیں۔ آپ نے پنگوڑے میں لوگوں سے کلام کیا تھا، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام انھیں جواب دیتے ہوئے کہیں گے کہ میرا رب آج اس طرح غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے میں نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہوگا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی گناہ کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ۔

دریں اثنا لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیے تھے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔ پس میں اٹھ کر عرش کے نیچے آ جاؤں گا اور اپنے رب عزوجل کے سامنے سجدہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ثنا کے ایسے کلمات مجھے الہام فرمائے گا جو مجھ سے پہلے کسی کو الہام نہیں کیے ہوں گے، پھر مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنے سر کو اٹھائیں اور مانگیں آپ کو دیا جائے گا، سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، پس میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور کہوں گا: میری امت یا رب' میری امت یا رب' میری امت یا رب! پھر آپ سے کہا جائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنی امت کے ان لوگوں کو جن کے لیے کوئی حساب نہیں ہے، جنت کے دائیں طرف کے دروازوں میں سے ایک دروازے سے داخل کر دیں، وہ لوگوں کے ساتھ دیگر دروازوں میں بھی داخل ہو سکتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! جنت کے دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان فاصلہ ہے یا جتنا مکہ اور بصرہ کے درمیان فاصلہ ہے۔''[1] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔''[2]

---

① مسند أحمد: 436,435/2، پہلی قوسین کے علاوہ تمام قوسوں کے الفاظ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا ...... ﴾ (بنيٓ إسرآء يل17:3)، حدیث: 4712 کے مطابق ہیں اور پہلی قوسین والا جملہ صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، حدیث: 194 میں ہے۔ اسی طرح یا رب! أمتی تین مرتبہ جامع الترمذی، صفة القیامة والرقائق والورع، باب ماجاء فی الشفاعة، حدیث: 2434 میں ہے۔ ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا ...... ﴾ (بنيٓ إسرآء يل17:3)، حدیث: 4712 و صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، حدیث: 194.

وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ

اور کہیے: اے میرے رب! داخل کرنا مجھے سچا داخل کر اور نکال مجھے سچا نکالنا اور مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ عطا کر دے ⑧⓪ اور کہیے:

سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ⑧⓪ وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَهُوۡقًا ⑧①

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے ⑧①

تفسیر آیات: 81,80

ہجرت کا حکم: امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں تھے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ⑧⓪﴾ ”اور کہیں: اے میرے پروردگار! مجھے (مدینہ میں) اچھی طرح داخل فرما، اور (مکہ سے) اچھی طرح نکال، اور اپنے ہاں سے زور وقوت کو میرا مددگار بنا۔“[1] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کفار مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش کی تاکہ آپ کو جان سے مار دیں یا وطن سے نکال دیں یا قید کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں سے قتال کا ارادہ فرما لیا اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں، اسی سلسلے میں فرمایا: ﴿وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ﴾ ”اور کہیں: اے میرے پروردگار! مجھے (مدینہ میں) اچھی طرح داخل فرما اور (مکہ سے) اچھی طرح نکال۔“[3] اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اچھی طرح داخل کرنے سے مراد مدینہ میں داخل کرنا اور اچھی طرح نکالنے سے مراد مکہ سے نکالنا ہے۔[4] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[5]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ⑧⓪﴾ ”اور اپنے ہاں سے زور وقوت کو میرا مددگار بنا۔“ اس کی تفسیر میں امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ کے رب نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ایران اور روم سے عزت اور بادشاہت چھین کر آپ کو عطا فرما دے۔[6] قتادہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ کو زور وقوت کے بغیر اس کی طاقت نہیں ہے، اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب، اللہ تعالیٰ کی حدود، اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت کے لیے زور اور قوت کا سوال کیا۔ زور وقوت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ اگر زور وقوت نہ ہوتی تو انار کی پھیل جاتی اور طاقتور، کمزوروں کو کھا جاتے۔[7] لہٰذا دشمنوں اور مخالفین کے مقابلے کے لیے ضروری ہے کہ حق کے ساتھ ساتھ انسان کو قوت وطاقت بھی حاصل ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ﴾ (الحدید 25:57) ”البتہ تحقیق

---

① مسند أحمد: 223/1. اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی إسرائیل، حدیث: 3139. ③ تفسیر الطبری: 186,185/15. ④ تفسیر الطبری: 186/15. ⑤ تفسیر الطبری: 186/15. ⑥ تفسیر الطبری: 187/15. ⑦ تفسیر الطبری: 188/15.

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾

اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، اور وہ ظالموں کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے﴿82﴾

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا پیدا کیا۔‘‘

کفار قریش کے لیے وعید: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ ﴾ ’’اور کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔‘‘ یہ کفار قریش کے لیے تہدید اور وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس حق آ گیا تھا جس میں کوئی شک نہیں اور نہ وہ اس کا مقابلہ کر سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن، ایمان اور علم نافع کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس حق کے آنے کے بعد باطل نابود ہو گیا کیونکہ حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔ ﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ ﴾ (الأنبيآء 18:21) ’’بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر دے مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے تو جھوٹ اس وقت نابود ہو جاتا ہے۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، آپ اس لکڑی کے ساتھ انھیں گرا رہے تھے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اور یہ فرما رہے تھے: ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿81﴾ ﴾ ’’حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔‘‘ ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ ﴾ (سبا 49:34) ’’حق آ چکا اور باطل نہ تو پہلی بار ابھرا اور نہ وہ لوٹے گا۔‘‘[1]

تفسیر آیت:82

قرآن شفا اور رحمت ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کے بارے میں فرمایا ہے جسے اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور یہ وہ کتاب ہے کہ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے اللہ کی اتاری ہوئی ہے۔ یہ کتاب مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، یہ کتاب دلوں کی بیماریوں، شک، نفاق، شرک، کجی اور انحراف سے شفا دیتی ہے۔ یہ کتاب رحمت بھی ہے کہ اس سے ایمان، حکمت اور خیر و بھلائی کی طلب و رغبت حاصل ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق اور اتباع کرے اس کے حق میں یہ شفا اور رحمت ہے۔ کافر جو اس قرآن کو سن کر بھی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے تو قرآن کے سننے سے اس کے بُعد اور کفر میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ کافر کے اپنے عمل کی وجہ سے ہے۔ قرآن کا اس میں کوئی قصور نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ’’کہہ دیں کہ جو ایمان

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ ...... ﴾ (بنيٓ إسرآءيل 81:17)......، حديث:4720.

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا ﴿83﴾ قُلۡ

اور جب ہم انسان پر انعام کریں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنا پہلو دور کر لیتا ہے، اور جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت مایوس ہو جاتا ہے ﴿83﴾ کہہ دیجیے:

كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴿84﴾ ع 7

ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے، چنانچہ تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھے راستے پر ہے ﴿84﴾

لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہراپن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے، یہ لوگ ہیں کہ انھیں (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ○ ﴾ (التوبۃ 9:124,125) ''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض (منافق استہزا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے۔ سو جو ایمان والے ہیں اس نے ان کا ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے تو ان کو پلیدی پر پلیدی میں زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، امام قتادہ آیت کریمہ ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ ﴾ ''اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مومن جب قرآن کو سنتا ہے تو وہ اس سے نفع حاصل کرتا اور اسے یاد رکھتا ہے۔ ﴿ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾ ﴾ ''اور ظالموں کو وہ صرف نقصان میں بڑھاتا ہے۔'' کیونکہ وہ اس سے نہ نفع حاصل کرتا ہے اور نہ اسے یاد رکھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اپنے مومن بندوں کے لیے باعث شفا اور رحمت بنا دیا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 84,83

خوشی وغمی کی حالتوں میں انسان کی عادت: اللہ تعالیٰ نے انسان کی بحیثیت انسان خوشی اور غمی میں اس کمزوری کو بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت، صحت و عافیت، فتح و نصرت اور رزق کی فروانی کی نعمتوں سے نوازتا اور اس کی تمناؤں اور خواہشوں کو پورا فرما دیتا ہے تو وہ اس کی اطاعت اور عبادت سے روگرداں ہو جاتا اور پہلو پھیر لیتا ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ ۚ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ہم سے دور ہو جاتا ہے۔[2]

یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ‌ؕ ﴾ (یونس 10:12) ''پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور) اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف پہنچنے پر اس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔'' ﴿ فَلَمَّا نَجّٰٮكُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ‌ؕ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:67)

---

[1] تفسیر الطبری: 15/190. [2] تفسیر الطبری: 15/191.

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿85﴾

اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہیے: روح میرے رب کے حکم سے ہے، اور تمھیں تو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے ﴿85﴾

''پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ كَانَ يَئُوسًا ﴿83﴾ ﴾ ''تو ناامید ہو جاتا ہے۔'' یعنی جب اسے مصائب و حوادث اور مشکلات پیش آتی ہیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے کہ اب اسے کبھی بھی خیر و بھلائی حاصل نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوۡسٌ كَفُوۡرٌ ○ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ○ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ○ ﴾ (ھود 11:9-11) ''اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں، پھر اس سے اس کو چھین لیں تو ناامید (اور) ناشکرا (ہو جاتا) ہے اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش (کا مزہ) چکھائیں تو (خوش ہو کر) کہتا ہے کہ (آہا) سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔ بے شک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔ ہاں، جنھوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے، یہی ہیں جن کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ ﴾ ''کہہ دیں کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنے طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے۔① مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنی عادت اور طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔② قتادہ فرماتے ہیں کہ اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔③ ابن زید کہتے ہیں کہ اپنے دین کے مطابق عمل کرتا ہے۔④ ان تمام اقوال کے معنی قریباً قریباً ایک ہی ہیں۔ بہر حال اس آیت میں۔وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ۔ مشرکوں کے لیے تہدید اور وعید ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ ؕ ﴾ (ھود 11:121) ''اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴿84﴾ ﴾ ''کہہ دیں کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے، سو تمھارا پروردگار اس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے۔'' یعنی ہم اور تم میں سے کون سیدھے رستے پر ہے اور وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔

تفسیر آیت:85

روح کا ذکر: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں ایک کھیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ کھجور کی ایک ٹہنی کا سہارا لیے ہوئے تھے کہ یہودیوں کا گزر ہوا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھو تو اس نے کہا کہ تمھاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ ان میں

① تفسیر الطبری:192/15. ② تفسیر الطبری:192/15. ③ تفسیر الطبری:192/15. ④ تفسیر الطبری:192/15.

سے بعض نے یہ بھی کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں کسی ایسی بات کا سامنا کرنا پڑے جو تمھیں ناپسند ہو، انھوں نے کہا: نہیں، آپ سے ضرور پوچھو، اس کے بعد انھوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے سکوت فرمایا اور انھیں کوئی جواب نہ دیا، مجھے معلوم ہو گیا کہ اب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا، جب وحی کا نزول ہو گیا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ ''اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیں کہ وہ میرے پروردگار کے حکم سے (آتی) ہے۔''[1] اس سیاق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب مدینہ میں یہودیوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا، حالانکہ یہ تو ساری سورت مکی ہے تو اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مدینہ میں دوبارہ نازل ہوئی ہو جیسا کہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی یا اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ وحی کے ذریعے سے آپ کو یہ بتا دیا گیا کہ آپ یہودیوں کے سوال کا جواب اس آیت سے دیں جو قبل ازیں آپ پر نازل ہو چکی ہے اور یہ وہی آیت ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے عکرمہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ...... ﴾ یہ آیت سن کر یہودیوں نے کہا کہ آپ کا گمان ہے کہ ہمیں بہت کم علم دیا گیا ہے، حالانکہ ہمیں تو تورات عطا کی گئی ہے جو سراسر حکمت ہے۔ ﴿ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ ﴾ (البقرۃ 269:2) ''اور جس کو حکمت دی گئی، یقیناً اس کو بہت بڑی بھلائی دی گئی۔'' تو اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ ﴾ (لقمٰن 27:31) ''اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں۔'' آپ نے فرمایا: [مَا أُوتِيتُم مِّنْ عِلْمٍ فَنَجَّاكُمُ اللّٰهُ بِهِ مِنَ النَّارِ، فَهُوَ كَثِيرٌ طَيِّبٌ، وَّهُوَ فِي عِلْمِ اللّٰهِ قَلِيلٌ] ''تمھیں جو علم بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمھیں جہنم کی آگ سے نجات دے دے تو وہ علم کثیر اور طیّب ضرور ہے مگر اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں وہ قلیل ہے۔''[2]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں روح کے بارے میں بتائیں، نیز یہ بتائیں کہ روح تو جسم میں ہے، پھر اسے عذاب کیسے ہوگا۔ روح اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن اس کے بارے میں آپ پر ابھی تک کچھ نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے آپ نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ جبریل وحی لے کر نازل ہوئے اور انھوں نے کہا: ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 85:17)، حدیث: 4721. [2] تفسیر الطبری: 193/15.

وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیۡنَا

اور البتہ اگر ہم چاہیں تو اسے ضرور لے جائیں جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے، پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں اپنا کوئی

وَكِیۡلًا ﴿86﴾ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ﴿87﴾ قُلۡ لَّئِنِ

حمایتی نہ پائیں گے ﴿86﴾ سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، بے شک آپ پر اس کا فضل بہت زیادہ ہے ﴿87﴾ کہہ دیجیے: البتہ اگر تمام

اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ

انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار

وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿88﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ

بھی بن جائیں ﴿88﴾ اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال پھیر پھیر کر بیان کی ہے، پھر بھی اکثر لوگوں نے انکار کیا

مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿89﴾

مگر کفر کرنے سے (انکار نہیں کیا) ﴿89﴾

اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿85﴾ ''کہہ دیں کہ روح تو میرے پروردگار کے حکم سے (آتی) ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔'' نبی ﷺ نے انھیں یہ جواب دے دیا تو کہنے لگے کہ آپ کے پاس یہ جواب لے کر کون آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: [جَاءَ نِي بِهِ جِبْرِيلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ] ''میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب جبریل لائے ہیں۔'' کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! یہ تو ہمارا دشمن ہے جو آپ کے پاس یہ جواب لے کر آیا ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بھی نازل فرمادی: ﴿قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَهُدًی وَّبُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○﴾ (البقرۃ 2:97) ''کہہ دیں کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیے) کیونکہ اس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کی ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔''[1]

روح اور جان: علامہ سُہَیلی نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ روح ہی جان ہے یا یہ جان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، پھر انھوں نے لکھا ہے کہ روح ہوا کی طرح ایک لطیف چیز ہے جو جسم میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح درخت کی رگوں میں پانی سرایت کرتا ہے، علامہ سہیلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ روح جسے فرشتہ جنین میں پھونکتا ہے تو اس سے مراد نفس ہے، بشرطیکہ وہ بدن کے ساتھ مل جائے اور پھر اس کے سبب صفات مدح یا ذم کو حاصل کر لے، یعنی پھر وہ یا نفس مطمئنہ ہوگا یا أمارة بالسوء جیسا کہ پانی ہی درخت کی زندگی ہے مگر پھر وہ درخت کے ساتھ ملنے کے سبب ایک خاص نام حاصل کر لیتا ہے، جب انگور کے ساتھ مل جائے اور انگور سے اسے نچوڑا جائے تو وہ آب انگور یا شراب کہلائے گا اور اسے صرف مجازاً ہی پانی کہا جائے گا، چنانچہ نفس کو بھی روح اس انداز میں کہا جائے گا، اسی طرح روح کو نفس باعتبار مآل کہا جائے گا۔[2]

---

[1] تفسير الطبری: 194/15. [2] الروض الأُنُف للسهيلي، الفرق بين الروح والنفس: 72/2-74.

وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًا ﴿90﴾ اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنۡ

اور وہ بولے: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتی کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے ﴿90﴾ یا تیرے لیے کھجوروں

نَّخِيۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا تَفۡجِيۡرًا ﴿91﴾ اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا

اور انگور کا ایک باغ ہو، پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) نہریں جاری کر دے ﴿91﴾ یا تو آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم

كِسَفًا اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ قَبِيۡلًا ﴿92﴾ اَوۡ يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰى فِى

پر گرا دے جیسے تو نے گمان کیا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آ ﴿92﴾ یا تیرے لیے سونے کا گھر ہو، یا تو آسمان میں چڑھ جائے،

السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيۡنَا كِتٰبًا نَّقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ

اور ہم تیرے چڑھنے پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں، کہیے: میرا رب پاک ہے،

10 ع 10 اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿93﴾

میں تو بس ایک بشر رسول ہوں ﴿93﴾

حاصل کلام یہ ہے کہ روح ہی نفس کی اصل اور مادہ ہے اور نفس اس روح سے مرکب ہے اور اسی طرح اس روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے تو یہ روح اس ایک لحاظ سے نفس ہے ہر لحاظ سے اسے نفس نہیں کہہ سکتے، علامہ سہیلی کی یہ بات بہت ہی عمدہ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ.

لوگوں نے روح کی ماہیت اور احکام کے بارے میں کافی گفتگو کی ہے اس سلسلے میں کافی کتابیں بھی لکھی ہیں، ان میں سے سب سے اچھی کتاب حافظ ابن مندہ کی ہے جو انھوں نے روح کے بارے میں لکھی ہے۔

تفسیر آیات: 86-89

اگر اللہ چاہے تو قرآن کو لے جائے: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول کریم ﷺ پر اپنی نعمت اور اپنے اس فضل عظیم کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی طرف اس قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے جس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے اللہ کی اتاری ہوئی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخری زمانے میں شام کی طرف سے ایک سرخ ہوا چلے گی تو اس کے بعد کسی انسان کے مصحف اور دل میں کوئی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھا: ﴿وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو جو (کتاب) ہم آپ کی طرف بھیجتے ہیں اسے (دلوں سے) لے جائیں۔''[1]

قرآن کا چیلنج: پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کے شرف کے بارے میں توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر تمام انس و جن جمع ہو جائیں اور وہ اس طرح کا قرآن بنانا چاہیں جس طرح کا قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے تو انھیں قطعاً اس کی طاقت و استطاعت نہ ہوگی، خواہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں، وہ

[1] تفسیر الطبری: 197/15.

قرآن کا کبھی بھی مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ مخلوق کا کلام اس خالق کے کلام کے مشابہ ہو ہی نہیں سکتا جس کی نہ کوئی نظیر ہے نہ مثال اور نہ ہمسر۔ ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے (قرآن میں سب باتیں) پھیر پھیر کر (لوگوں کے لیے) بیان کردی ہیں۔'' یعنی ہم نے قطعی دلائل و براہین بیان کر دیے ہیں اور حق کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح کر دیا ہے، ﴿ فَاَبٰۤى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾ ﴾ ''مگر اکثر لوگوں نے سوائے کفر کرنے کے (ہر چیز سے) انکار کیا۔'' یعنی انھوں نے حق کا انکار کر دیا اور صواب کو ردّ کر دیا۔

تفسیر آیات: 90-93

قریش کا مخصوص نشانیوں کا طلب کرنا: امام ابن جریر نے محمد بن اسحاق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے اہل مصر کے ایک شیخ نے۔ جو چالیس سال سے زیادہ عرصے سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ وشیبہ، ابوسفیان بن حَرب، بنی عبدالدار کے ایک شخص، بنواسد کے بھائی ابوالبَختری، اسود بن مُطّلِب بن اسد، زَمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابوامیہ، اُمیہ بن خلف، عاص بن وائل، حجاج کے بیٹے نُبَیہ سَہمی اور منبہ سَہمی، یہ سب یا ان میں سے کچھ لوگ غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد کی طرف پیغام بھیج کر انھیں یہاں بلاؤ اور ان سے اس طرح گفتگو اور جھگڑا کرو کہ ان پر غالب آجاؤ، انھوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کی قوم کے سردار جمع ہیں تاکہ آپ سے گفتگو کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے یہ پیغام ملتے ہی جلدی سے تشریف لے آئے، آپ یہ سمجھتے تھے کہ شاید انھوں نے اپنے سابقہ موقف میں کوئی تبدیلی پیدا کرلی ہے، درحقیقت آپ اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ یہ لوگ رشد و بھلائی کو قبول کرلیں، ان کا فساد اور ان کی سرکشی آپ کو بہت گراں محسوس ہوتی تھی۔ آپ تشریف لائے اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان لوگوں نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے آپ کی طرف پیغام اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ کے بارے میں ہم حجت پوری کردیں، اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ عرب میں سے کسی اور شخص نے بھی اپنی قوم کو اس طرح مشکل میں مبتلا کیا ہو جس طرح آپ نے کیا ہے، ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں اور قوم میں اختلاف وانتشار پیدا کر دیا، بہر حال خرابی کی کوئی ایسی صورت نہیں جسے آپ نے ہمارے اور اپنے مابین پیدا نہ کیا ہو، اگر ان باتوں سے آپ کا مقصود مال و دولت کا حصول ہے تو ہم آپ کے لیے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم میں سے سب سے زیادہ مال دار بن جائیں گے، اگر آپ سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں، اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر یہ جن آپ پر غالب آ گیا ہے جو آپ کو ایسی باتیں سکھاتا ہے تو ہم آپ کے علاج معالجے کے لیے اپنا اس قدر مال خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں کہ آپ صحت یاب ہو جائیں یا ہم عاجز ولاچار ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا:

[مَا بِی مَاتَقُولُونَ، مَاجِئْتُكُم بِمَا جِئْتُكُم بِهِ أَطْلُبُ أَمْوَالَكُمْ، وَلَا الشَّرَفَ فِيكُمْ وَلَا الْمُلْكَ عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِی إِلَيْكُمْ رَسُولًا، وَّأَنْزَلَ عَلَیَّ كِتَابًا، وَّأَمَرَنِی أَنْ أَكُونَ لَكُمْ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا، فَبَلَّغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّی، وَنَصَحْتُ لَكُمْ، فَإِنْ تَقْبَلُوا مِنِّی مَا جِئْتُكُمْ بِهِ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَیَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِی وَبَيْنَكُمْ]

’’مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں جو تم کہتے ہو، میں اس دین کو لے کر تمھارے پاس اس لیے نہیں آیا کہ تم سے مال طلب کروں، یا سرداری کا مطالبہ کروں یا تمھارا بادشاہ بن جاؤں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اس نے مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں خوش خبری اور ڈر سنانے والا بن جاؤں، میں نے اپنے رب کے پیغامات تمھارے پاس پہنچا دیے ہیں اور تمھاری ہمدردی و خیر خواہی کی ہے، اگر تم اس دین کو قبول کر لو جسے میں تمھارے پاس لایا ہوں تو وہ دنیا و آخرت میں تمھارا حصہ ہوگا اور اگر تم اسے قبول کرنے سے انکار کر دو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔‘‘ یا جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ آپ کا جواب سن کر یہ لوگ کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ!) جو باتیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں اگر آپ انھیں قبول نہیں کرتے تو آپ یہ جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جس کا علاقہ ہمارے علاقے سے تنگ ہو، جس کا مال ہم سے کم ہو اور جس کی معیشت ہم سے زیادہ خراب ہو تو اپنے اس رب سے دعا کیجیے جس نے آپ کو اس دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو دور ہٹا دے جنھوں نے ہمارے علاقے کو تنگ کر دیا ہے اور ہمیں کشادہ اور وسیع زمین عطا فرما دے اور پھر اس میں اس طرح نہریں بہا دے جس طرح شام و عراق میں نہریں بہتی ہیں، ہمارے آبا و اجداد کو دوبارہ زندہ کر دے، خاص طور پر قُصَی بن کِلاب کو زندہ کر دے جو بہت ہی راست باز شیخ تھے تاکہ ہم ان سے یہ پوچھ سکیں کہ آپ جو کہتے ہیں یہ حق ہے یا باطل۔ اگر آپ ہمارے مطالبات کو پورا کر دیں اور مردے آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا بہت اونچا مقام و مرتبہ ہے اور اس نے واقعی آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انھیں جواب دیا: [مَا بِهٰذَا بُعِثْتُ إِنَّمَا جِئْتُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ بِمَا بَعَثَنِی بِهِ فَقَدْ بَلَّغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ فَإِنْ تَقْبَلُوهُ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَیَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِی وَبَيْنَكُمْ] ’’مجھے ان باتوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا، میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس وہ لایا ہوں جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے، میں نے تمھارے پاس وہ پیغام حق پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، اگر تم اسے قبول کر لو تو یہ دنیا و آخرت میں تمھارا حصہ ہوگا اور اگر اسے قبول کرنے سے انکار کر دو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔‘‘

یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر آپ ہمارے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے لیے ہی اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ وہ ایک فرشتے کو بھیج دے جو آپ کی تصدیق کرے اور ہماری باتوں کا جواب دے اور اس سے یہ بھی سوال کریں کہ وہ آپ کے لیے باغات، خزانے اور سونے چاندی کے محلات بنا دے اور آپ کو طلب معاش سے بے نیاز کر دے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بھی بازاروں میں اس طرح کاروبار کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام اونچا ہے اور آپ واقعی اس کے رسول ہیں جیسا کہ آپ کا دعوی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[مَا أَنَا بِفَاعِلٍ، مَّا أَنَا بِالَّذِي يَسْأَلُ رَبَّهُ هٰذَا، وَمَا بُعِثْتُ إِلَيْكُمْ بِهٰذَا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي بَشِيرًا وَّنَذِيرًا، فَإِنْ تَقْبَلُوا مَا جِئْتُكُمْ بِهِ، فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ] ”نہیں میں ایسا نہیں کروں گا، میں اپنے رب سے ان چیزوں کے بارے میں سوال نہیں کروں گا، مجھے تمھاری طرف ان باتوں کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے تو مجھے خوش خبری اور ڈر سنانے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اگر تم اس حق کو قبول کر لو جو میں تمھارے پاس لایا ہوں تو یہ دنیا و آخرت میں تمھارا حصہ ہوگا اور اگر تم اسے قبول کرنے سے انکار کر دو تو میں اللہ کے حکم کے لیے صبر کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر انھوں نے کہا کہ آپ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرائیں کیونکہ آپ کہا کرتے ہیں کہ تمھارا رب اگر چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، جب تک آپ ایسا نہ کر دکھائیں ہم کبھی ایمان نہیں لائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں جواب دیا کہ[ذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ فَعَلَ بِكُمْ ذٰلِكَ] ”اس بات کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے ہے، اگر وہ چاہے تو تم پر آسمان کے ٹکڑے گرا سکتا ہے۔“ یہ کہنے لگے: محمد (ﷺ!) کیا آپ کے رب کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے اور آپ سے یہ مطالبات کریں گے اور وہ آپ کو ہماری ان باتوں کے جوابات پہلے سے ہی سکھا دیتا اور وہ بتا دیتا کہ اگر ہم اس دین کو قبول نہ کریں جسے آپ لائے ہیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کو یہ باتیں یمامہ کا ایک شخص سکھاتا ہے جس کا نام رحمان ہے، اللہ کی قسم ہم رحمان کے ساتھ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ محمد (ﷺ) ہم نے آپ کے ہر طرح کے عذر کو ختم کر دیا ہے، لہٰذا آپ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے ہم آپ کو کبھی بھی نہیں چھوڑیں گے حتی کہ ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں ہلاک کر دیں، ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، ایک اور نے کہا کہ ہم تو ایمان نہیں لائیں گے۔ حتی کہ جب انھوں نے یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابو اُمیّہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر[1] بن مخزوم بھی کھڑا ہو گیا، وہ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا، وہ کہنے لگا: محمد (ﷺ!) آپ کی قوم نے پیشکش کی مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا، پھر انھوں نے آپ سے اپنے لیے کچھ چیزوں کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اس سے یہ جان لیں کہ اللہ کے ہاں آپ کا کتنا مقام و مرتبہ

---

[1] تفسیر طبری میں عمرو بن مخزوم اور سیرت ابن ہشام میں عمر بن مخزوم ہے۔

ہے مگر آپ نے اسے بھی پورا نہ کیا، پھر انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ جلدی سے اس عذاب کو بھی لے آئیں جس سے انھیں ڈراتے رہتے ہیں لیکن اللہ کی قسم! اگر آپ یہ سب کچھ کر بھی دکھائیں تو میرا خیال ہے کہ میں پھر بھی آپ کی تصدیق نہیں کروں گا، یہ کہہ کر وہ رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ بھی نہایت افسردہ خاطر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے آئے، آپ کو افسوس تھا کہ قوم کے آپ کو بلانے سے آپ نے ان کے ایمان کے بارے میں جو امید لگائی تھی وہ پوری نہ ہوئی بلکہ ایمان لانے کے بجائے وہ آپ سے کچھ اور بھی دور ہو گئے۔ ①

مشرکوں کے مطالبات پورے نہ کرنے کا سبب: اس محفل میں جمع ہونے والے ان مشرکوں کا ان سوالات سے مقصد اگر رہنمائی طلب کرنا ہوتا تو ان کے سوالات کو ضرور پورا کر دیا جاتا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کو معلوم تھی کہ ان کے یہ مطالبات کفر و عناد پر مبنی ہیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کے مطالبات کو پورا کر دیا جائے اگر انھوں نے پھر بھی کفر ہی کا اظہار کیا تو میں انھیں ایسا عذاب دوں گا جو اہل عالم میں سے کسی کو بھی نہ دیا گیا اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازے کو کھول دیتا ہوں، آپ نے جواب دیا کہ [بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ] ''(اے اللہ!) بلکہ تو (ان کے لیے) توبہ اور رحمت کے دروازے کو (کھول دے۔)'' ②

یہ اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسراءیل 59:17) ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوت صالح علیہ السلام کی) کھلی نشانی دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں ڈرانے ہی کے لیے ہوتی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:7-11) ''اور وہ کہتے ہیں: یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یا اس کی طرف سے آسمان سے خزانہ اتارا جاتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔ (اے پیغمبر!) دیکھو تو یہ

① تفسير الطبري: 207-204/15 و السيرة النبوية لابن هشام، ما دار بين رسول ﷺ وبين رؤساء قريش……: 1/295-298.

② مسند أحمد: 242/1. سیاق قدرے مختلف ہے بہرحال حدیث صحیح ہے۔ مزید دیکھیے المستدرك للحاكم، الإيمان: 1/53,54، حديث: 174 و المعجم الكبير للطبراني، عمران السُّلَمي أبو الحكم عن ابن عباس: 152/12، حديث: 12736 و السنن الكبرى للبيهقي، السير، باب مبتدأ الفرض على النبي ﷺ……: 8/9.

آپ کے بارے میں کس کس طرح کی مثالیں بیان کرتے ہیں، سوگمراہ ہوگئے اور رستہ نہیں پا سکتے۔ وہ (اللہ) بہت بابرکت ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دے (یعنی) باغات جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، نیز آپ کے لیے محل بنا دے۔ بلکہ یہ تو قیامت ہی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے بھڑکتا دوزخ تیار کر رکھا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝﴾ ''یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں۔'' ینبوع، رواں دواں چشمے کو کہتے ہیں۔ مشرکین نے سوال کیا کہ ان کے لیے ارض حجاز میں ایک چشمہ جاری کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے چشمہ جاری کرنا کچھ مشکل نہ تھا، اگرچہ وہ چاہتا تو چشمہ جاری فرما دیتا اور ان کے دیگر تمام مطالبات کو بھی پورا کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ لوگ ان مطالبات کے پورا ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾ (یونس 10:96,97) ''یقیناً جن کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 6:111) ''اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ، لیکن ان کے اکثر نادان ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا﴾ ''یا جیسا کہ آپ گمان کرتے ہیں ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گرائیں۔'' یعنی آپ ہم سے یہ کہا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے کنارے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے تو جلدی کریں اور آسمان کو توڑ کر اس کے ٹکڑے ہم پر گرا دیں۔ اسی طرح انھوں نے یہ بھی کہا تھا: ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (الأنفال 8:32) ''اور جب وہ کہنے لگے: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب لے آ۔'' اس طرح قوم شعیب نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام سے یہ کہا تھا: ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الشعرآء 26:187) ''سو اگر آپ سچوں سے ہیں تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انھیں سائبان کے عذاب کی صورت میں سزا دی، بے شک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا مگر نبی رحمت اور نبی توبہ نے جنھیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں مہلت دے دی جائے، شاید اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے کچھ ایسے لوگ پیدا کر دے جو اللہ کی عبادت کریں اور اس کی ذات گرامی کے ساتھ شرک نہ کریں۔ اور فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ ان مذکورہ بالا لوگوں میں سے کچھ مشرف بہ اسلام ہو گئے حتی کہ عبداللہ بن ابوامیہ بھی جس نے بہت بڑھ چڑھ کر رسول اللہ ﷺ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿94﴾ قُلْ

اورلوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد ان کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے بشر رسول بھیجا ہے؟﴿94﴾

لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿95﴾

کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو یہاں مطمئن ہوکر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے ﴿95﴾

سے باتیں کی تھیں، ایک دن یہ بھی مکمل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ ''یا آپ کے لیے ایک سونے کا گھر ہو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ زخرف کے معنی سونے کے ہیں۔[1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں [أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذَهَبٍ] ہے۔[2] ﴿اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ﴾ ''یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔'' یعنی آسمان پر جانے کے لیے آپ سیڑھی پر چڑھیں اور ہم آپ کو دیکھیں۔ ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ﴾ ''اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے، جب تک کوئی کتاب نہ لائیں جسے ہم پڑھ بھی لیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ انھوں نے مطالبہ یہ کیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک کتاب ہو جس میں یہ لکھا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتاب فلاں بن فلاں کے لیے ہے اور وہ کتاب اس کے پاس رکھی ہوئی ہو۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿93﴾﴾ ''کہہ دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے، میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔'' اللہ تعالیٰ کی قدرت پاک ہے کہ اس کے امور سلطنت وملکوت میں سے کسی امر کے بارے میں کوئی اس سے پیش قدمی کر سکے بلکہ وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے، وہ اگر چاہے تو تمھارے مطالبات پورے کر دے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے اور میں تو تمھاری طرف اس کا رسول ہوں، میرا فرض اپنے رب کے پیغامات کو تم تک پہنچانا اور تمھاری ہمدردی اور خیر خواہی کرنا ہے اور یہ فرض میں نے ادا کر دیا ہے باقی رہے تمھارے سوالات اور تمھارے مطالبات تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔

تفسیر آیات: 95,94

رسول کی بشریت کی وجہ سے مشرکین کا ایمان لانے سے انکار: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا﴾ ''اور لوگوں کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی۔'' یعنی اکثر لوگوں کو ایمان لانے اور رسولوں کی پیروی کرنے سے یہ بات مانع ہوئی کہ انھوں نے تعجب کیا کہ انسانوں کو رسول بنا کر کیوں بھیجا گیا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (یونس 10: 2) ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ

[1] تفسیر الطبری:203/15. [2] تفسیر الطبری:203/15. [3] تفسیر الطبری:204/15.

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۹۶﴾

کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ (بطور) گواہ کافی ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر اور (انھیں) خوب دیکھنے والا ہے ﴿۹۶﴾

لوگوں کو ڈر سنا دیں اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری دے دیں کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ يَّهۡدُوۡنَنَا ز﴾ (التغابن 64:6) ''یہ اس لیے کہ ان کے پاس پیغمبر کھلی دلیلیں لے کر آئے تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں۔'' فرعون اور اس کے سرداروں نے کہا: ﴿اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا وَقَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ۚ﴾ (المؤمنون 23:47) ''کیا ہم ان اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان دونوں (کی قوم) کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں؟'' اسی طرح اور لوگوں نے بھی اپنے رسولوں سے کہا تھا: ﴿اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا‌ ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ○﴾ (إبراهيم 14:10) ''تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو، تمھارا یہ منشا ہے کہ جن چیزوں کو ہمارے بڑے پوجتے رہے ہیں ان (کے پوجنے) سے ہم کو روک دو، تو (اچھا) کوئی کھلی دلیل لاؤ (معجزہ دکھاؤ۔)''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے لطف و کرم کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ انھی کی جنس میں سے رسول اس لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ اس کی بات کو سمجھ سکیں کیونکہ ان کے لیے اس سے گفتگو کرنا اور ہم کلام ہونا ممکن ہے۔ اگر انسانوں کی طرف سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو انسانوں کے لیے فرشتے کا سامنا کرنا اور اس سے دین کو اخذ کرنا ممکن ہی نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ﴾ (آل عمران 3:164) ''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔'' اور فرمایا: ﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ﴾ (التوبة 9:128) ''(لوگو!) البتہ تحقیق تمھارے پاس تمھی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ؕۛ فَاذۡكُرُوۡنِىۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ○﴾ (البقرة 2:151,152) ''جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمھی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتے اور تمھیں پاک کرتے اور کتاب (قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔''

اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿قُلْ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰٓـئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾﴾ ''کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) مطمئن ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر اتارتے۔'' یعنی انھی کی جنس سے پیغمبر بھیجتے لیکن تم بشر ہو، اس لیے از راہ لطف و کرم ہم نے تم میں سے ایک انسان ہی کو رسول بنا کر تمھاری طرف بھیجا ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط

اور جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ کرے تو آپ ان کے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی دوست ہرگز نہ

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ط مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط

پائیں گے اور ہم انھیں یوم قیامت چہرے کے بل، اندھے، گونگے اور بہرے اٹھائیں گے، انکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب بھی وہ بجھنے لگے

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿97﴾

گی تو ہم ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے ﴿97﴾

النصف

تفسیر آیت :96

اللہ ہی گواہ کافی وافی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رہنمائی فرمائی ہے کہ اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر وہ ان مشرکوں سے یہ کہیں کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، وہ اسے جانتا ہے جو میں تمھارے پاس لایا ہوں، اگر میں جھوٹا ہوتا تو وہ مجھ سے شدید انتقام لیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ ﴾ (الحآقة 69:44-46) ”اور اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنالاتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھران کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿96﴾ ﴾ ”یقیناً وہی اپنے بندوں سے بڑا خبردار (اور ان کو) خوب دیکھنے والا ہے۔“ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ ان میں سے کون انعام واحسان اور ہدایت کا مستحق ہے اور کون شقاوت وضلالت اور کج روی کا مستحق ہے، اسی لیے فرمایا: (دیکھیے آیت: 97)

تفسیر آیت :97

ہدایت وگمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مخلوق میں اسی کا تصرف کارفرما ہے، اسی کا حکم نافذ ہے اور کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا جسے وہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا: ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط ﴾ ”اور وہ جن کو گمراہ کرے تو تم اس (اللہ) کے سوا ان کے رفیق نہیں پاؤ گے۔“ جو انھیں ہدایت دے سکیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ ﴾ (الكهف 18:17) ”جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔“

گمراہوں کی سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ﴾ ”اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے۔“ امام احمد رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! لوگوں کو اوندھے منہ کس طرح اٹھایا جائے گا؟ فرمایا: [إِنَّ الَّذِي أَمْشَاهُمْ عَلَى أَرْجُلِهِمْ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُمْ عَلَى وُجُوهِهِمْ] ”وہ ذات اقدس جس نے انھیں پاؤں کے بل چلایا، یقیناً وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انھیں منہ کے بل چلائے۔“[1] اور اسے

[1] مسند أحمد:167/3.

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمۡ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا

یہ ان کی سزا ہے، کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم (دوبارہ) از سرِ نو پیدا کر کے

جَدِيۡدًا ﴿98﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ

اٹھائے جانے والے ہیں؟ ﴿98﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک جس اللہ نے آسمان اور زمین تخلیق کیے، وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پھر تخلیق

وَجَعَلَ لَهُمۡ اَجَلًا لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿99﴾

کر دے، اور اس (اللہ) نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، پھر ظالموں نے انکار کیا مگر کفر کرنے سے (انکار نہ کیا) ﴿99﴾

امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ عُمۡيًا ﴾ ''اندھے'' کہ دیکھتے نہیں ہوں گے، ﴿ وَّبُكۡمًا ﴾ ''اور گونگے'' کہ بولتے نہیں ہوں گے، ﴿ وَّصُمًّا ؕ ﴾ ''اور بہرے'' کہ سنتے نہیں ہوں گے، یعنی ان کی یہ کیفیات مختلف حالات میں ہوں گی جس طرح یہ دنیا میں حق سے اندھے، گونگے اور بہرے بن گئے تھے، اسی طرح محشر میں سزا کے طور پر انھیں اندھا، گونگا اور بہرا بنا دیا جائے گا، حالانکہ وہاں انھیں ان قوتوں کی شدید ضرورت ہو گی، ﴿ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ ﴾ ''ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' ﴿ كُلَّمَا خَبَتۡ ﴾ ''جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ساکن ہونے کے ہیں۔[2] اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی آگ کے بجھنے کے ہیں۔[3] ﴿ زِدۡنٰهُمۡ سَعِيۡرًا ﴿97﴾ ﴾ ''تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لیے) اور بھڑکا دیں گے'' اس کے شعلوں، حرارت اور انگاروں میں اور اضافہ کر دیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِيۡدَكُمۡ اِلَّا عَذَابًا ۝ ﴾ (النبا 30:78) ''سو (اب مزہ) چکھو یقیناً ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔''

تفسیر آیات: 99,98

بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہڈیاں دوبارہ صحیح سالم ہو جائیں گی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ سزا جو ہم نے انھیں دی کہ انھیں اندھا، گونگا اور بہرا کر کے اٹھایا تو یہ اس لیے کہ یہ اسی سزا کے مستحق تھے کیونکہ انھوں نے ہماری آیات، یعنی دلائل و براہین کی تکذیب کی اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو بہت بعید سمجھا۔ ﴿ وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ﴿98﴾ ﴾ ''اور کہتے تھے کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم از سرِ نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟'' یعنی جب مر جانے کے بعد ہم بوسیدہ ہو جائیں گے اور ہمارے جسم کے ذرات زمین میں بکھر جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے، ان کے خلاف دلائل دیتے اور اپنی قدرت کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اور انھیں دوبارہ پیدا کرنا تو

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلَّذِيۡنَ يُحۡشَرُوۡنَ عَلٰى ...... ﴾ (الفرقان 34:25)، حديث: 4760 و صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب يحشر الكافر على وجهه، حديث: 2806. [2] تفسير الطبري: 210/15. [3] الدر المنثور: 369/4.

قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِكُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّیۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَكۡتُمۡ خَشۡيَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ وَكَانَ

کہہ دیجیے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم انھیں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ضرور روک لیتے۔ اور

11 ع 7 11 الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿100﴾ ع

انسان نہایت ہی بخیل ہے ﴿100﴾

اس کے لیے اس سے کہیں آسان ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 57:40) ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ يَعۡیَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ ﴾ (الأحقاف 33:46) ''کیا انھوں نے نہیں سمجھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا، اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَيۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰی ۗ وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ○ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـًٔا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○ ﴾ (یٰس 82,81:36) ''بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہی فرما دیتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے (لوگ) پیدا کر دے۔'' یعنی قیامت کے دن ان کے جسموں کو اسی طرح دوبارہ پیدا کر دے جس طرح اس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلَ لَهُمۡ اَجَلًا لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ ﴾ ''اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ شک نہیں۔'' اس نے انھیں دوبارہ پیدا کرنے اور قبروں سے اٹھا کھڑا کرنے کے لیے ایک وقت متعین اور ایک مدت مقرر کر رکھی ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ؕ ﴾ (ھود 104:11) ''اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت متعین تک ہی تو تاخیر کر رہے ہیں۔''

تفسیر آیت:100

بخل انسانی طبیعت کا خاصہ ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ان سے کہہ دیں کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کے مالک ہوتے: ﴿ لَّاَمۡسَكۡتُمۡ خَشۡيَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ ﴾ ''تو تم خرچ ہونے کے خوف سے (ان کو) ضرور روک رکھتے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما وقتادہ فرماتے ہیں کہ تم فقر کے ڈر سے انھیں روک رکھتے۔[1] حالانکہ یہ خزانے کبھی بھی ختم نہ ہوں گے مگر بخل سے کام لینا تمھاری طبیعت اور خصلت ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿100﴾ ﴾ ''اور انسان بڑا تنگ دل ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ قَتُوۡرًا ﴿100﴾ ﴾ کے معنی بخیل اور کنجوس کے ہیں۔[2]

① تفسیر الطبری:212/15. ② تفسیر الطبری:212/15.

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں، چنانچہ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں، جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا: اے

اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿101﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

موسیٰ! بے شک میں تجھے سحر زدہ سمجھتا ہوں ﴿101﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: تو یقیناً جان چکا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں اور زمین کے رب ہی نے واضح دلائل

وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿102﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

بنا کر (غور کرنے کے لیے) نازل کی ہیں۔ اور اے فرعون! میں تو تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں ﴿102﴾ پھر اس (فرعون) نے ارادہ کیا کہ انھیں اس زمین

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿103﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ

سے اکھاڑ دے تو ہم نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا ﴿103﴾ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس زمین میں رہو، پھر

وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿104﴾

جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے ﴿104﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴾ (النسآء 4:53) ”(کیا وہ سمجھتے ہیں کہ) ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے، پھر تو وہ لوگوں کو (کھجور کی گٹھلی کے) شگاف برابر بھی نہ دیں گے۔“ یعنی ان کے لیے اگر اللہ کی بادشاہت کا کوئی حصہ ہوتا تو کسی کو (کھجور کی گٹھلی کے) شگاف برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا ہے کہ بحیثیت انسان اس کی عادت یہ ہے کہ وہ بخل سے کام لیتا، جزع فزع کرتا اور گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے، سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق و ہدایت فرما دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ ﴾ (المعارج 70:19-22) ”کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے مگر نمازی لوگ۔“ قرآن عزیز میں اس مفہوم کی اور بھی آیات کریمہ ہیں۔

بہر حال یہ آیت اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور احسان پر دلالت کرتی ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے: [يَدُ اللّٰهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي (يَمِينِهِ)] ”اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس قدر بھرا ہوا ہے کہ رات دن خرچ کرنا بھی اسے کم نہیں کر سکتا۔ بھلا دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت سے لے کر اب تک کتنا خرچ کیا ہے مگر (اس قدر بے حد و حساب خرچ کرنے کے باوجود) اس کے دائیں ہاتھ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئی۔“①

① صحیح البخاری، التوحید، باب قول الله تعالیٰ: ﴿ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ﴾ (صٓ 38:75)، حدیث: 7411 جبکہ قوسین والا لفظ بخاری ہی کی حدیث: 7419 اور صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی النفقة......، حدیث: (37)-993 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔

تفسیر آیات:101-104

موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا اور یہ نشانیاں ان کی نبوت وصداقت کے قطعی دلائل تھے اور وہ نو نشانیاں یہ تھیں:(1) عصا(2) ید بیضا(3) قحط سالی(4) دریا کا پھٹ جانا(5) طوفان(6) ٹڈیوں کا عذاب(7) جوؤں کا عذاب(8) مینڈکوں کا عذاب اور(9) خون کا عذاب۔ کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[1] محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ان نو نشانیوں سے مراد ید بیضا، عصا، پانچ وہ جو سورۂ اعراف میں مذکور ہیں:[2] طوفان، ٹڈی دَل، جوئیں، مینڈک، خون، موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے فرعون اور اس کے سرداروں کے مال کو برباد کرنا اور پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا ہے، نیز یہ مجاہد، عکرمہ، شَعْبی، اور قتادہ کا بھی قول ہے کہ ان سے مراد ید بیضا، عصا، قحط سالی، پھلوں میں کمی، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون ہیں۔[4]

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝﴾ (الأعراف 133:7) ''پھر انھوں نے تکبر ہی کیا اور وہ لوگ گناہ گار ہی تھے۔'' یعنی ان نشانیوں کے مشاہدے کے باوجود انھوں نے کفر کو اختیار کیے رکھا: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ﴾ (النمل 14:27) ''اور بے انصافی اور غرور سے انھوں نے ان سے انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔''

یہ نشانیاں بھی ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکیں، اس طرح اگر ہم ان کے مطالبات کو پورا بھی کر دیں جو انھوں نے آپ سے کیے ہیں اور جن کا ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝﴾ سے لے کر آخر تک کی آیات میں ذکر کیا ہے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے الا یہ کہ اللہ چاہے۔ فرعون نے بھی نشانیوں کے مشاہدے کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝﴾ ''موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں کہ یقیناً تم پر جادو کیا گیا ہے۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مسحور بمعنی ساحر ہے وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ. یہ نو آیات جن کا ان ائمہ نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے دو کا حسب ذیل آیات میں ذکر ہے: ﴿وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝﴾ (النمل 27:10-12) ''اور اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب اسے دیکھا کہ وہ ہل رہی تھی، گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر پلٹے اور پیچھے نہ مڑے، (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ! ڈرو مت، ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ ہاں، جس نے ظلم کیا، پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو بلاشبہ میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو بے عیب چٹا سفید نکلے گا (ان دو معجزوں کے ساتھ جو) نو معجزوں میں (داخل) ہیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس (جاؤ) کہ وہ بدکردار لوگ ہیں۔''

---

[1] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص: 242 و تفسیر الطبری:213/15. [2] دیکھیے الأعراف، آیت: 133. [3] تفسیر الطبری:213/15. [4] تفسیر الطبری:214/15.

ان آیات میں نو نشانیوں میں سے دو: عصا اور ید بیضا کا ذکر ہے اور باقی نشانیوں کو تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں بیان کیا گیا ہے۔ [1] موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ اور بھی بہت سی نشانیاں دی گئی تھیں، مثلاً: پتھر پر عصا کا مارنا اور اس سے پانی کا نکلنا، بادل کا بنی اسرائیل پر سایہ افگن ہونا، من وسلویٰ کا نازل ہونا اور دیگر بہت سی نشانیاں جو بنی اسرائیل کو بلاد مصر چھوڑنے کے بعد دی گئی تھیں لیکن یہاں صرف ان نو نشانیوں کا ذکر ہے جن کا اہل مصر، یعنی فرعون اور اس کی قوم نے مشاہدہ کیا تھا اور یہ ان کے خلاف حجت تھیں اور ازراہ کفر وعناد انھوں نے ان کی مخالفت کی تھی، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: ﴿ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ﴾ ''البتہ تحقیق تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا اس کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) دکھانے کے لیے۔'' اور میں تمھارے پاس جس دین وشریعت کو لے کر آیا ہوں اس کی صداقت کے دلائل وبراہین ہیں۔ ﴿ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ يٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ ﴾ ''اور اے فرعون! بلاشبہ میں تو تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔'' مثبوراً کے معنی ہلاک ہونے والے کے ہیں یہ مجاہد وقتادہ کا قول ہے۔ [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی مغلوب کے بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ [3] اور مجاہد نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کے جو بیان کیے ہیں تو یہ ان سب کو شامل ہے۔

فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَرَادَ اَنۡ يَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ﴾ ''تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے ہلکا سمجھ کر نکال دے۔'' یعنی انھیں مصر سے دور کر دے اور جلاوطن کر دے۔ ﴿ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِيۡعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ ﴾ ''تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم (اس) زمین میں رہو سہو۔'' اس آیت کریمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فتح مکہ کی بشارت بھی تھی، حالانکہ یہ سورت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے اور یہ بشارت پوری بھی ہوئی، مکہ والوں نے تو آپ کو شہر سے نکال دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 76:17) ''اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو زمین (مکہ) سے ہلکا سمجھ کر پھسلا دیں تاکہ آپ کو وہاں سے نکال دیں۔'' مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مکہ کا وارث بنا دیا اور مشہور قول کے مطابق آپ مکہ میں زبردستی داخل ہوئے تھے وہاں کے لوگوں پر غلبہ وتسلط حاصل کر لیا تھا اور پھر حلم اور کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے انھیں آزاد کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قبل ازیں بنی اسرائیل کو جنھیں مشرق ومغرب میں کمزور سمجھا جاتا تھا، فرعون کے علاقوں، مالوں، کھیتوں، پھلوں اور خزانوں کا وارث بنا دیا تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوۡرَثۡنٰهَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ ﴾ (الشعرآء 59:26) ''(ان کے ساتھ ہم نے) اس طرح (کیا) اور ان (چیزوں) کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ

---

[1] دیکھیے الأعراف، آیات: 132-135 کے ذیل میں عنوان: ''قوم فرعون کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف عذاب'' [2] تفسیر الطبری: 219,218/15. [3] تفسیر الطبری: 218/15.

وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿105﴾ وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ

اور ہم نے اس (قرآن) کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا، اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا

لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا ﴿106﴾

کر بھیجا ہے ﴿105﴾ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا (کر کے نازل) کیا، تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اسے بتدریج ہی نازل کیا ہے ﴿106﴾

﴿لَفِیۡفًا ﴿104﴾﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم (اس) زمین میں رہو سہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔'' یعنی تمھیں اور تمھارے دشمنوں سب کو لے آئیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ لفیف کے معنی سب کے ہیں۔ (1)

تفسیر آیات: 106,105

قرآن کا سچائی کے ساتھ تھوڑا تھوڑا نازل ہونا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے سچائی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ سچائی پر مشتمل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ یَشۡهَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ ۚ وَالۡمَلٰٓىِٕكَةُ یَشۡهَدُوۡنَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ﴿ؕ﴾﴾ (النسآء 4:166) ''لیکن اللہ نے جو (کتاب) تم پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔'' یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق نازل ہوئی ہے اور اس نے ارادہ فرمایا کہ تمھیں اپنے احکام اور امر و نہی سے مطلع فرمائے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ ''اور سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔'' یعنی اے محمد ﷺ! یہ قرآن ہر اعتبار سے محفوظ نازل ہوا ہے، اس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہیں اور نہ کوئی کمی بیشی ہے بلکہ آپ کے پاس یہ حق کے ساتھ پہنچی ہے اور ایسا فرشتہ لے کر نازل ہوا ہے جو نہایت قوت والا، امانت دار و دیانت دار اور ملاء اعلیٰ میں جس کی فرماں برداری کی جاتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿105﴾﴾ ''اور! ہم نے آپ کو صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔'' یعنی آپ اپنے اطاعت گزاروں اور ایمان داروں کو خوش خبری دیتے ہیں اور نافرمانوں اور کافروں کو ڈراتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ﴾ ''اور ہم نے اس قرآن کو جز جز (کر کے نازل) کیا ہے۔'' ﴿فَرَقۡنٰهُ﴾ کو تخفیف کی صورت میں پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے لوح محفوظ سے الگ کر کے آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کیا اور پھر وہاں سے حسب حالات و واقعات تیئیس سالوں میں رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا، عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ (2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تشدید کے ساتھ [فَرَّقْنَاهُ] بھی پڑھا ہے۔ (3) اس قراءت کے مطابق اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اسے ایک ایک آیت روشن اور واضح طور پر نازل کیا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ﴾ ''تاکہ آپ اسے لوگوں پر (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھیں۔'' یعنی آپ لوگوں تک اسے پہنچا دیں۔ اور لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنا دیں: ﴿عَلٰى مُكۡثٍ﴾

---

(1) تفسیر الطبری: 220/15. (2) تفسیر الطبری: 222/15. (3) تفسیر الطبری: 222/15. ملحوظہ: تفسیر طبری کے مذکورہ حوالے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ رحمہ اللہ سے منقول روایت میں 20 سال کا ذکر ہے۔

قُلۡ اٰمِنُوۡا بِہٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ یَخِرُّوۡنَ

کہہ دیجیے: اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، بلاشبہ جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے

لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوۡنَ

میں گر پڑتے ہیں (107) اور وہ کہتے ہیں: پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے (108) اور وہ روتے ہوئے اپنی ٹھوڑیوں

لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُہُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ

السجدۃ 4

کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے (109)

''ٹھہر ٹھہر کر۔'' ﴿ وَّ نَزَّلۡنٰہُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۱۰۶﴾ ﴾ ''اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔'' یعنی اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

تفسیر آیات: 107-109

قرآن حق ہے، سابقہ اہل علم کو اس کا اعتراف ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا ہے۔ ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہہ دیجیے۔'' اے محمد (ﷺ!) ان کافروں سے کہہ دیں جن کے پاس آپ اس قرآن عظیم کو لے کر آئے: ﴿ اٰمِنُوۡا بِہٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ ﴾ ''تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔'' قرآن فی نفسہ حق ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے، سابقہ زمانوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائی تھیں، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہٖۤ ﴾ ''بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے۔'' ان صالحین اہل کتاب کو جنھوں نے اپنی کتاب کو مضبوطی سے تھاما، وہ اسے بھی قائم کرتے اور اس میں کوئی تبدیلی و تحریف نہیں کرتے ﴿ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ ﴾ ''جب وہ ان پر تلاوت کیا جاتا ہے۔'' یعنی قرآن ﴿ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ ﴾ ''وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔'' أَذقَان، ذَقَن کی جمع ہے، چہرے کے نچلے حصے، یعنی ٹھوڑی کو ذَقَن کہتے ہیں۔ ﴿ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ ﴾ ''سجدہ کرتے ہوئے۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں جن سے اس نے انھیں نوازا ہے اور انھیں اس بات کی توفیق بخشی کہ انھوں نے اس رسول مقبول ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا جن پر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے، اسی لیے وہ کہتے ہیں: ﴿ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ ﴾ ''ہمارا پروردگار پاک ہے۔'' ہم اس کی قدرت کاملہ کی تعظیم و توقیر بجا لاتے ہیں کہ وہ اس وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا جو اس نے اپنے سابقہ انبیاء کی زبانی محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں فرمایا تھا، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ ﴾ ''ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ ﴾ ''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرتے اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں ﴿ وَ یَزِیۡدُہُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ ﴾ ''اور وہ ان کو عجز و انکسار میں زیادہ کر دیتا ہے۔'' یعنی ان کے ایمان و تسلیم میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ الَّذِیۡنَ اہۡتَدَوۡا زَادَہُمۡ ہُدًی وَّ اٰتٰہُمۡ تَقۡوٰىہُمۡ ۝ ﴾ (محمد 17:47) ''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، ان کو وہ مزید ہدایت بخشتا ہے اور انھیں پرہیزگاری عنایت کرتا ہے۔'' ﴿ وَ یَخِرُّوۡنَ ﴾ یہ صفت کا صفت پر عطف ہے،

قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ وَ لَا تَجۡہَرۡ

کہہ دیجیے: (اللہ کو) ''اللہ'' کہہ کر پکارو یا ''رحمٰن'' کہہ کر، تم جس نام سے بھی پکارو تو اسی کے لیے اچھے سے اچھے نام ہیں، اور اپنی نماز نہ بلند آواز

بِصَلَاتِکَ وَ لَا تُخَافِتۡ بِہَا وَ ابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ

سے پڑھیں نہ بالکل پست آواز سے، بلکہ اس کے بین بین راستہ اختیار کریں ﴿۱۱۰﴾ اور کہہ دیجیے: ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے (اپنے لیے)

لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ

کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ بادشاہی میں اس کے لیے کوئی شریک ہے اور نہ اسے ناتوانی (وکمزوری) کی وجہ سے کوئی حمایتی درکار ہے اور آپ اس

12 ع 11 12 الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

(اللہ) کی بڑائی بیان کریں، کمال درجے کی بڑائی ﴿۱۱۱﴾

سجدے کا سجدے پر عطف نہیں ہے۔ ①

تفسیر آیات: 111,110

اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!)۔ ﴿ قُلِ ﴾ ''کہہ دیں'' ان مشرکوں، اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے منکروں اور اس کے اسم پاک رحمان کا انکار کرنے والوں سے: ﴿ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ ﴾ ''تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔'' یعنی اسے اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ ۚ ہُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ○ ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُہَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ○ ہُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ○ ﴾ (الحشر 59:22-24) ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بادشاہ (حقیقی)، پاک ذات، (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا، اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) نئے سرے سے پیدا کرنے والا، وجود میں لانے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے اچھے نام ہیں، جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب، حکمت والا ہے۔''

مکحول نے روایت کیا ہے کہ ایک مشرک نے نبی ﷺ کو سجدوں میں یہ کہتے ہوئے سنا: یا رَحۡمٰنُ یَا رَحِیۡمُ تو وہ کہنے لگا کہ محمد تو کہتے ہیں کہ وہ ایک اللہ کو پکارتے ہیں، حالانکہ یہ تو دو کو پکار رہے ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت

① یہاں پہلی صفت (حال) ﴿ سُجَّدًا ﴾ اور دوسرا ﴿ یَبۡکُوۡنَ ﴾ ہے، یعنی ﴿ وَ یَخِرُّوۡنَ ﴾ کو مکرر لانے سے مقصود ان کے سجدہ کرنے کی تاکید نہیں بلکہ دوسرے ﴿ وَ یَخِرُّوۡنَ ﴾ سے ایک اور حالت کو بیان کرنا ہے اور وہ آہ وزاری ہے۔

کریمہ کو نازل فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ ①

قراءت نہ بلند آواز سے نہ آہستہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ ''اور آپ اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے، یہ آیت کریمہ ان دنوں نازل ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چھپ کر عبادت کرتے تھے، البتہ آپ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے تو پھر قرآن مجید بلند آواز سے پڑھتے اور جب مشرک قرآن کو سنتے تو وہ قرآن کو بھی گالیاں دیتے، اس کے نازل کرنے والے کو بھی اور اسے لے کر نازل ہونے والے کو بھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ ''اور آپ اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں۔'' تاکہ مشرک قرآن کو سن کر گالیاں نہ دینے لگیں، ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ ''اور نہ اسے آہستہ'' کہ آپ کے ساتھی اسے سن ہی نہ سکیں اور اسے سیکھ ہی نہ سکیں، ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ ﴾ ''بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔'' ② اسے بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔ ③ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو یہ حکم ساقط ہو گیا اور آپ کو اختیار دے دیا گیا کہ جس طرح چاہیں قراءت فرمائیں۔ ④

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرآن مجید کی بلند آواز سے قراءت فرماتے تو مشرک دور بھاگ جاتے اور قرآن سننے سے انکار کر دیتے اور اگر ان میں سے کوئی قرآن سننا چاہتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے ڈرتے ہوئے چھپ چھپ کر سنتا اور اگر وہ یہ سمجھتا کہ کافروں کو اس کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے تو سننا چھوڑ دیتا تاکہ کافر اسے کوئی ایذا نہ پہنچائیں اور جب آپ آہستہ آہستہ آواز میں قراءت فرماتے تو وہ لوگ اسے سن نہ پاتے جو آپ کی قراءت کو سننا چاہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا کہ نماز میں نہ بلند آواز سے پڑھو تاکہ لوگ آپ سے بھاگ ہی نہ جائیں اور نہ اس قدر آہستہ پڑھو کہ جو سننا چاہیں وہ اسے سن ہی نہ سکیں، ہو سکتا ہے کہ جو انھوں نے سنا ہو یہ اس کی طرف پلٹ آئیں اور اس طرح قرآن سننے سے انھیں فائدہ ہو جائے۔ ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ ﴾ ''بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔'' ⑤ امام حسن بصری، عکرمہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ⑥ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص سے قراءت کو آہستہ نہ کرو جو آپ کی قراءت کی طرف کان لگانا چاہے۔ ⑦

توحید کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ﴾ ''اور

① تفسير الطبرى: 227/15 . ② مسند أحمد: 23/1 ③ صحيح البخارى، التوحيد، باب قوله: ﴿ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ ﴾ (النسآء 4:166)......، حديث: 7490 و صحيح مسلم، الصلاة، باب التوسط فى القراءة فى الصلاة الجهرية ......، حديث: 446 . ④ تفسير الطبرى: 230/15. ⑤ تفسير الطبرى: 231/15 . ⑥ تفسير الطبرى: 233,232/15. ⑦ تفسير الطبرى: 234/15.

کہیں کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔'' وہ اللہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں، ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ﴾ ''اور نہ ناتوانی کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔'' یعنی وہ عاجز و ناتواں نہیں ہے کہ اسے کسی مددگار یا وزیر یا مشیر کی ضرورت ہو بلکہ وہ وحدہ لاشریک تو تمام اشیاء کا خالق اور اپنی مشیت کے ساتھ ان کی تدبیر کرنے والا اور ان کے اندازے مقرر فرمانے والا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہ کسی کا حلیف ہے اور نہ کسی کی مدد کا طلب گار۔[1] ﴿ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ ''اور اس (اللہ) کی خوب خوب بڑائی بیان کریں۔'' یعنی اس کی عظمت و جلالت بیان کریں کہ وہ اس بات سے پاک ہے جو یہ ظالم اور سرکش کہتے ہیں۔

ابن جریر نے قُرظی کی روایت کو بیان کیا ہے وہ اس آیت کے بارے میں کہا کرتے تھے: یہود و نصاریٰ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عرب کہتے: حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو خود اپنا شریک بنا لے، تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی۔ اور صابی و مجوسی کہتے: اگر اللہ تعالیٰ کے مددگار نہ ہوتے تو وہ عاجز و ناتواں ہو جاتا۔ تو ان سب کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ ''اور کہیں کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ ناتوانی کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس (اللہ) کی خوب خوب بڑائی بیان کریں۔''[2]

سورۂ سبحان (بنی اسرائیل) کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] تفسیر الطبری: 235/15 و تفسیر القرطبی: 345/10. [2] تفسیر الطبری: 236/15.

تفسیر سُورَۂ کہف

یہ مکی سورت ہے

فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے براء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے سورۂ کہف کو پڑھا، اس وقت گھر میں ایک جانور بھی تھا، اس نے بدکنا شروع کر دیا، اس آدمی نے دیکھا تو ایک بادل سا تھا جس نے اسے ڈھانپ رکھا تھا، اس نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِقْرَأْ فُلَانُ! فَإِنَّهَا السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ عِنْدَ الْقُرْآنِ أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ] ''اے فلاں! اسے پڑھتے رہتے، یہ تو سکینت تھی جو قرآن کے پاس یا قرآن کے لیے نازل ہوتی تھی۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] یہ آدمی جو سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، اس کا نام اُسید بن حُضَیر تھا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[3]

سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں پڑھنے والا فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا: امام احمد نے ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ، عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ] ''جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لے تو وہ دجال سے محفوظ ہو جائے گا۔''[4] اسے امام مسلم، ابوداود، نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[5] اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: [مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ ......] ''جس نے سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھیں......'' امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

---

① مسند أحمد:281/4. ② صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3614 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب نزول السكينة لقراءة القرآن، حديث:(241)-795. ③ دیکھیے عنوان: ''فضیلت سورۂ بقرہ'' شارحینِ حدیث کی قراءت کرنے والے شخص کے بارے میں متعدد آراء ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اسید بن حضیر سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے اور دوسری دفعہ سورۂ کہف۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۂ کہف پڑھنے والے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ تھے۔ واللّٰه أعلم. ④ مسند أحمد:196/5. ⑤ صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل سورة الكهف ......، حديث:809 و سنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، حديث:4323 و جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في فضل سورة الكهف، حديث:2886، البتہ امام ترمذی کے بیان کردہ الفاظ ثقات کی مخالفت کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں، دیکھیے السلسلة الضعيفة:509/3، حديث:1336 و السنن الكبرٰى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين......:235/6، حديث:10785 .

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا

ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی ① نہایت سیدھی (بغیر افراط وتفریط

شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ ②

کے اتاری) تاکہ وہ اس (اللہ) کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ ③ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ④ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

لیے اچھا اجر ہے ② اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ③ اور وہ لوگوں کو ڈرائے جنھوں نے کہا کہ اللہ نے کوئی اولاد بنائی ہے ④ نہ انھیں اس

وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤

(بات) کا کوئی علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو، بڑی (ہی خطرناک) بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے، وہ تو سراسر جھوٹ ہی بکتے ہیں ⑤

امام حاکم نے مستدرک میں ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ] ''جو شخص جمعے کے دن سورۂ کہف پڑھے تو یہ سورت دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لیے نور کا باعث ہوگی۔''[1] امام حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری ومسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔

امام حافظ ابوبکر بیہقی نے بھی اپنی سنن میں اسے امام حاکم سے روایت کیا ہے، پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ كَمَا نَزَلَتْ، كَانَتْ لَهُ نُورًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جس نے سورۂ کہف کو اس طرح پڑھا جس طرح یہ نازل ہوئی ہے تو قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور ہوگی۔''[2]

تفسیر آیات:1-5

قرآن مجید بحیثیت بشیر ونذیر: تفسیر کے آغاز میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز اور اختتام کے موقع پر اپنی ذات پاک کی حمد بیان فرمائی ہے۔[3] وہ ذات اقدس تو ہر حال میں قابل تعریف ہے، اسی کے لیے دنیا وآخرت میں حمد ہے، اسی لیے جہاں اس نے اپنے رسول کریم محمد ﷺ پر اپنی کتاب عزیز نازل کرنے کا ذکر فرمایا، وہاں اپنی ذات گرامی کی حمد بیان فرمائی ہے کیونکہ اہل زمین پر یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم الشان نعمت ہے کہ اس کے ساتھ اس نے اہل زمین کو اندھیروں سے نکال کر روشنی تک پہنچا دیا۔ اور اس نے اسے ایک ایسی کتاب مستقیم بنایا کہ اس میں کوئی ٹیڑھ پن یا کجی نہیں ہے بلکہ یہ

① المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الكهف:368/2 ، حديث:3392 والسنن الكبرىٰ للبيهقي، الجمعة، باب مايؤمر به في ليلة الجمعة......:249/3 اور دیکھیے إرواء الغليل :93/3، حديث: 626. ② السنن الكبرىٰ للبيهقي، الجمعة، باب مايؤمر به في ليلة الجمعة......:249/3. ③ دیکھیے سورۂ فاتحہ کے تحت عنوان: ''حمد کے معنی''

کتاب تو ایسے سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو واضح، روشن، صاف اور نمایاں ہے۔ اور یہ کافروں کو ڈرانے والی اور مومنوں کو خوشخبری دینے والی کتاب ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۟ؕ ﴾ ''اور اس نے اس میں کسی طرح کی کجی نہیں رکھی۔'' یعنی اس نے اس کتاب میں کسی طرح کا ٹیڑھ پن، کجی اور کوئی پیچیدگی نہیں رکھی بلکہ اس نے اسے معتدل اور مستقیم بنا دیا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ ﴾ ''اس حال میں کہ وہ سیدھی ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے جو اس (اللہ) کی طرف سے (آنے والا) ہے، ڈرائے۔'' یعنی جو اس کی مخالفت اور تکذیب کرتا ہے اور اس پر ایمان نہیں رکھتا اسے سخت عذاب سے ڈرائے جو دنیا کے عذاب اور آخرت کی سزا کی صورت میں ہے، پھر وہ عذاب اور سزا اس اللہ کی طرف سے ہے کہ نہ کوئی اس کے عذاب کی طرح کسی کو عذاب دے سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکتا ہے۔

﴿ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور مومنوں کو خوش خبری سنائے۔'' یعنی ان لوگوں کو جو اس قرآن کے ساتھ ایمان رکھتے، پھر عمل صالح کے ساتھ اپنے ایمان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ﴿ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۟ۙ ﴾ ''بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔'' ﴿ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۟ۙ ﴾ ''جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ کے ہاں انھیں بہت اچھا بدلہ ملے گا اور وہ جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جنت کو نہ کبھی زوال ہوگا اور نہ کبھی یہ ختم ہوگی۔

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۟ۗ ﴾ ''اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے (کسی کو) بیٹا بنا لیا ہے۔'' ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان سے مراد مشرکین عرب ہیں جو یہ کہتے تھے کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔[1] ﴿ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ﴾ ''ان کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں۔'' یعنی اس قول کا جس کو انھوں نے از خود گھڑ لیا ہے۔ ﴿ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ ﴾ ''اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا (یہ) بڑی (خطرناک) بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۟ ﴾ ''(اور کچھ شک نہیں) کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔'' یہ ان کی بات کی خرابی اور ان کے افترا کی قباحت کو بیان کیا گیا ہے کہ سوائے کذب و افترا کے ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔

سبب نزول: محمد بن اسحاق نے اس سورۂ کریمہ کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھ سے اہل مصر میں سے ایک شیخ نے بیان کیا جو ہمارے پاس قریباً چالیس سال قبل آئے تھے اور انھوں نے اسے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابومُعَیط کو مدینہ میں احبارِ یہود کے پاس بھیجا کہ محمد (ﷺ) کے اوصاف و حالات بیان کرنے کے بعد ان سے آپ کے بارے میں پوچھیں کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں اور انھیں انبیائے کرام کے بارے میں وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ لوگ مکہ سے چل کر مدینہ پہنچے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف، حالات اور آپ کے بعض ارشادات بیان کرنے کے بعد احبار یہود سے کہا کہ تم اہل تورات ہو، ہم تمھارے پاس اس لیے آئے ہیں

---

[1] تفسیر الطبری:241/15.

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا

پھر شاید آپ تو خود کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کرنے والے ہیں اگر یہ (کافر) اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں ⑥ بلاشبہ ہم نے جو کچھ روئے

جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ

زمین پر ہے، اسے اس کی زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں عمل کے لحاظ سے کون زیادہ اچھا ہے ⑦ اور جو کچھ اس (زمین) پر ہے،

مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا ⑧

بلاشبہ یقیناً ہم اسے چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں ⑧

تاکہ ہم یہ معلوم کریں کہ ہمارے اس ساتھی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم تمھیں یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے تین سوالات پوچھو اگر انھوں نے ان کے جواب دے دیے تو وہ نبی مُرسل ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو وہ باتیں بنانے والے ہیں اور ان کے بارے میں تم خود ہی رائے قائم کر لینا۔ (1) ان سے پہلے زمانے کے ان نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جو مفقود ہو گئے تھے، ان کا کیا معاملہ تھا؟ کیونکہ ان کا معاملہ واقعی بہت عجیب تھا۔ (2) ان سے اس سیاح کے بارے میں پوچھو کہ اس کا کیا قصہ ہے جو زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچ گیا تھا۔ اور (3) ان سے یہ پوچھو کہ روح کیا ہے اگر وہ تمھیں ان سوالات کے جواب دے دیں تو وہ نبی ہیں، تم ان کی اتباع کر لو اور اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو وہ فضول گفتگو کرنے والے ہیں، تم ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔

نضر اور عقبہ واپس قریش کے پاس آئے تو انھوں نے کہا: اے گروہ قریش! ہم تمھارے پاس ایک ایسی بات لے کر آئے ہیں جس سے تمھارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا، احبار یہود نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم محمد ﷺ سے یہ سوالات پوچھیں اور پھر انھوں نے ان سوالات کے بارے میں قریش کو بتایا۔ اس کے بعد یہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا: اے محمد (ﷺ!) ہمیں ان باتوں کے بارے میں بتاؤ اور انھوں نے آپ کی خدمت میں وہ سوالات پیش کیے جو یہودی علماء نے انھیں سکھائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُخۡبِرُكُمۡ غَدًا بِمَا سَأَلۡتُمۡ عَنۡهُ] ''ان سوالات کے جواب میں تمھیں کل بتاؤں گا۔'' مگر آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ وہ لوگ چلے گئے مگر پندرہ دن تک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل نہ فرمائی اور نہ اس دوران میں جبرائیل علیہ السلام ہی آئے حتی کہ اہل مکہ نے بری بری باتیں بنانا شروع کر دیں، اور وہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا مگر اب تو پندرہ دن گزر گئے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دے رہے۔ وحی بند ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ بھی بے حد غم زدہ ہوئے اور اہل مکہ کی باتیں آپ پر بہت گراں گزرتی تھیں، پھر جبرائیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں قریش کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کو غم زدہ ہونے سے منع کیا گیا، مذکورہ بالا نوجوانوں اور سیاح کے بارے میں بتایا گیا اور روح سے متعلق سوال کا جواب بھی دے دیا گیا۔[1]

---

[1] تفسير الطبري :239,238/15 والسيرة النبوية لابن هشام، سؤال قريش له ﷺ عن أسئلة وإجابته لهم:1/300-303.

تفسیر آیات:6-8

مشرکوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے غم نہ کریں: رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے بے حد غم تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ...... ﴾ الآية (فاطر 8:35) ''تو ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کا دم نہ نکل جائے......۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ...... ﴾ الآية (النمل 70:27) ''اور آپ ان (کے حال) پر غم نہ کریں......۔'' اور فرمایا: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الشعرآء 3:26) ''(اے پیغمبر!) شاید آپ ان کے پیچھے اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔''

﴿بَاخِعٌ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان پر رنج وغم کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے، اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ﴾ ''چنانچہ (اے پیغمبر!) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے (رنج کر کر کے) اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔'' ﴿الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد قرآن مجید ہے۔ ﴿اَسَفًا ⑥﴾ یعنی غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ان پر غضب اور غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿اَسَفًا ⑥﴾ کے معنی ہیں جزع فزع کرتے ہوئے۔[2] بہر حال ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے کہ آپ ان پر غم نہ کریں بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیں جو ہدایت اختیار کر لے، اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو گمراہی کو اختیار کر لے تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہے، لہٰذا آپ ان لوگوں پر اس قدر افسوس نہ کریں کہ جس سے آپ کا دم ہی نکل جائے۔

دنیا آزمائش کا گھر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے دنیا کو ایک فانی گھر بنایا ہے جو عارضی وفانی زیب وزینت کے ساتھ مزین ہے اور اسے اس نے آزمائش کے لیے بنایا ہے، یہ ہمیشہ رہنے والا گھر نہیں ہے۔ اور فرمایا: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦﴾ ''بے شک جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کے لیے آرائش بنایا ہے تا کہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے!'' ابو مَسلَمہ نے ابو نضرہ سے اور انھوں نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ ، وَّ إِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ] ''بے شک دنیا شیریں اور سرسبز وشاداب ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں اس میں جانشین بنانے والا ہے تا کہ وہ یہ دیکھے کہ تم اس میں کس طرح کے عمل کرتے ہو! پس دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی ڈرو، بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو رونما ہوا، وہ عورتوں ہی کی وجہ سے تھا۔''[3]

---

[1] تفسیر الطبری: 243/15. [2] تفسیر الطبری: 243/15. [3] صحیح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ......، حدیث: 2742 وجامع الترمذی، الفتن، باب ما أخبر النبیﷺ أصحابه بما هو......، حدیث: 2191 ومسند أحمد: 22/3.

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ

کیا آپ نے خیال کیا ہے کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب (نشانی) تھے؟⑨ جب ان نوجوانوں نے غار کی طرف پناہ لی، تو

اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩

انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں صحیح رہنمائی مہیا فرما⑩ پھر ہم نے غار میں

فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ

ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپک دیے⑪ پھر ہم نے انھیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کون اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے

ع 1/12/13 الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ⑫ ع

والا ہے جو انھوں نے گزاری⑫

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے زوال وفنا پذیر ہو جانے، ختم اور خراب ہو جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧ ﴾ ''اور جو چیز زمین پر ہے بلاشبہ ہم اس کو (نابود کر کے) بنجر میدان کر دیں گے۔'' یعنی زیب وزینت کے بعد ہم دنیا کو خراب اور تباہ وبرباد کر دیں گے، دنیا کی ہر چیز کو فنا کے گھاٹ اتار دیں گے اور دنیا کو اس طرح بنجر میدان بنا دیں گے کہ اس میں نہ کوئی چیز اُگے گی اور نہ زمین کوئی اور فائدہ دے گی جیسا کہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ روئے زمین کی ہر چیز تباہ وبرباد ہو جائے گی۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧ ﴾ اس میدان کو کہتے ہیں جو ہر چیز سے خالی ہو۔[2] اور قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ صَعِيْدًا ﴾ ایسی زمین کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی درخت یا نباتات وغیرہ نہ ہو۔[3]

تفسیر آیات: 9-12

اصحابِ کہف کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں اصحابِ کہف کے قصے کو پہلے اجمال اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ بلاشبہ غار اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے!'' لیکن ہماری قدرت و سلطنت کے اعتبار سے ان کا معاملہ عجیب نہ تھا۔ بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، رات اور دن کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا، شمس وقمر، ستاروں کی تسخیر اور دیگر بے شمار بڑی بڑی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہیں، نیز اس بات کی دلیل کہ اسے ہر اس چیز کی قدرت حاصل ہے جو وہ چاہے، کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی اور یہ سارا کارخانۂ قدرت اصحاب کہف کے حالات سے زیادہ تعجب انگیز ہے جیسا کہ ابن جریج نے مجاہد سے آیت کریمہ: ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری قدرت کی بہت سی ایسی نشانیاں

① تفسیر الطبری: 245/15. ② تفسیر الطبری: 245/15. ③ تفسیر الطبری: 245/15.

اصحابِ کہف کا شہر: اِفسُوس

ہیں جو اس قصے سے زیادہ تعجب انگیز ہیں۔[1]

﴿ وَالرَّقِيْمِ ﴾ کا معنی ومفہوم: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے آپ کو جو علم، سنت اور کتاب دی ہے وہ غار اور تختی والوں کی شان سے افضل ہے۔[2] محمد بن اسحاق اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ بندوں پر میں نے اپنے جو دلائل وبراہین ظاہر کیے ہیں وہ غار اور تختی والوں کی شان سے زیادہ تعجب انگیز ہیں۔[3] کہف سے مراد وہ غار ہے جو پہاڑ میں ہوتا ہے اور مذکورہ بالا نو جوانوں نے اسی غار میں پناہ لی تھی اور رقیم کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اَیلہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔[4] عطیہ عوفی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] ضحاک کہتے ہیں کہ کہف وادی کے غار کو کہتے ہیں جبکہ رقیم وادی کا نام ہے۔[6] مجاہد کہتے ہیں رقیم ان کی عمارت کا نام تھا اور بعض کہتے ہیں کہ رقیم اس وادی کا نام ہے جس میں یہ غار واقع تھا۔[7]

عبدالرزاق نے رقیم کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ کعب احبار کا یہ خیال تھا کہ رقیم بستی کا نام ہے۔[8] اور ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں یہ غار تھا۔[9] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ رقیم پتھر کی وہ لوح ہے جس میں لوگوں نے اصحاب کہف کے واقعات لکھ کر اسے غار کے دروازے پر رکھ دیا تھا۔[10]

اصحاب کہف کا غار میں داخلہ: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ ﴾ ''جب ان نو جوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے اس معاملے میں ہمارے لیے رہنمائی کا سامان فرما۔'' اللہ تعالیٰ ان نو جوانوں کے حالات کو بیان فرما رہا ہے جو اپنے دین کو بچانے کے لیے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تاکہ لوگ انھیں فتنے میں نہ ڈال دیں، اس لیے وہ ان سے بھاگ گئے اور پہاڑ کے ایک غار میں آ کر پناہ گزیں ہو گئے تاکہ اپنی قوم سے چھپ جائیں تو انھوں نے غار میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے رحمت اور اس کے لطف وکرم کے حصول کی دعا کرتے ہوئے کہا: ﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے۔'' یعنی ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمیں اپنی قوم سے چھپا دے۔ ﴿ وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ ﴾ ''اور ہمارے اس معاملے میں ہمارے لیے رہنمائی کا سامان فرما۔'' یعنی ہمارے انجام کو درست فرما دے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ

---

[1] تفسير الطبرى:246/15. [2] تفسير الطبرى:247/15. [3] تفسير الطبرى:247,246/15. [4] تفسير الطبرى: 247/15. [5] تفسير الطبرى:248,247/15. [6] تفسير الطبرى:248/15. [7] تفسير الطبرى:248/15. [8] تفسير عبدالرزاق:325/2، رقم:1654 و تفسير الطبرى:248/15. [9] تفسير الطبرى:249/15. [10] تفسير الطبرى:248/15.

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ⑬

ہم ان کا حال ٹھیک ٹھیک آپ سے بیان کرتے ہیں، بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ

کیا⑬ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے، جب وہ کھڑے ہوئے تو بولے: ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی معبود

دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ⑭ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ

کو ہرگز نہیں پکاریں گے، (اگر پکارا) تو یقیناً اس وقت ہم نے ظلم و زیادتی والی بات کہی⑭ یہ ہماری قوم ہے، انھوں نے اللہ کے سوا کئی الٰہ بنا رکھے

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ⑮ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ

ہیں وہ ان (کی عبادت) پر واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا⑮ اور جب تم ان (لوگوں)

وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ

سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے الگ ہو گئے ہو تو غار میں پناہ لو، کہ تمھارا رب اپنی رحمت (میں سے) تم پر پھیلا دے گا اور

مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯

تمھارے لیے تمھارے کام میں آسانی پیدا کر دے گا⑯

دعا سکھائی جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں): [وَمَا قَضَيْتَ لِي مِنْ قَضَاءٍ فَاجْعَلْ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا] ''اور میرے بارے میں تو جو فیصلہ بھی فرمائے، اس کے انجام کو درست فرما دے۔''[1]

اصحاب کہف پر نیند کا طاری ہونا: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ﴾ ''تو ہم نے غار میں گنتی کے کئی سال (تک) ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے (ان کو سلائے) رکھا۔'' یعنی جب وہ غار میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر نیند طاری کر دی اور وہ کئی برسوں تک وہاں سوئے رہے۔ ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ﴾ ''پھر ہم نے ان کو (بیدار کیا) اٹھایا۔'' اور ان میں سے ایک شخص چند درہم لے کر باہر نکلا تا کہ ان کے لیے کھانا خرید کر لائے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ⑫ ﴾ ''پھر ہم نے ان کو (بیدار کیا) اٹھایا تا کہ معلوم کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔'' ﴿ اَمَدًا ⑫ ﴾ کے معنی تعداد کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی انتہا کے ہیں جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

سَبْقَ الْجَوَادِ إِذَا اسْتَوْلٰى عَلَى الْأَمَدِ

''عمدہ گھوڑے کی جیت تب ہے جب وہ ہدف تک پہنچنے میں دوسرے سے آگے بڑھ جائے۔''

تفسیر آیات: 13-16

[1] سنن ابن ماجه، الدعاء، باب الجوامع من الدعاء، حديث: 3846 ومسند أحمد: 134/6 وصحيح الجامع الصغير، حديث: 4047 واللفظ له.

ان کا اللہ پر ایمان اور قوم سے علیحدگی: یہاں سے اس قصے کی تفصیل کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ چند جوان تھے اور جوان ان بوڑھوں کی نسبت حق کو زیادہ قبول اور راہ ہدایت کو زیادہ اختیار کرنے والے ہوتے ہیں جنھوں نے سرکشی کو اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی باطل دین میں بسر کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو قبول کرنے والوں کی اکثریت جوانوں ہی کی ہوتی ہے، مثلاً: دیکھیے کہ قریش کے بوڑھوں کی اکثریت اپنے دین ہی پر قائم رہی اور ان میں سے بہت کم مسلمان ہوئے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ بھی جوان تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے بعض کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں رشد و بھلائی کا الہام کیا اور انھیں اپنا ڈر عطا کر دیا اور وہ اپنے رب پر ایمان لے آئے اور اس کی وحدانیت کا اعتراف کر لیا اور اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایمان میں کمی بیشی: ﴿ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ ''اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی۔'' اس آیت کریمہ اور اس مفہوم کی دیگر آیات سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کئی لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ ''اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ ﴾ (محمد 47:17) ''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کو وہ مزید ہدایت بخشتا ہے اور پرہیز گاری عنایت کرتا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ ﴾ (التوبة 9:124) ''چنانچہ جو ایمان والے ہیں، اس (سورت) نے ان کو ایمان میں زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ الآية (الفتح 48:4) ''تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے۔''[1] علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ جوان مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عیسائیت کے دنیا میں آنے سے بہت پہلے تھے کیونکہ ان کا تعلق اگر عیسائیت سے ہوتا تو علمائے یہود کو ان کے حالات و واقعات سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی کیونکہ وہ تو عیسائیوں کے دشمن تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ قریش نے اپنے لوگوں کو مدینہ میں علمائے یہود کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ ان سے کچھ ایسی چیزیں معلوم کریں جن کے ساتھ وہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان کر سکیں تو یہودیوں نے انھیں سکھایا تھا کہ وہ آپ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کریں۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کا قصہ یہودیوں کی کتابوں میں بھی موجود تھا اور یہودیوں کا تعلق دین عیسائیت سے پہلے کے دور سے ہے۔ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

---

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب قول النبی ﷺ: [بنی الإسلام......] اور دیکھیے صحیح البخاری، قبل الحدیث: 44.

[2] دیکھیے سورۂ کہف کے شروع میں عنوان: ''سبب نزول'' کے ذیل میں۔

دلوں کی مضبوطی اور حوصلہ: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ ''اور ہم نے ان کے دلوں کو مربوط (محفوظ) کر دیا جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قوم اور شہر کے لوگوں کی مخالفت کو برداشت کرنے اور عیش وعشرت کی زندگی ترک کر دینے کے لیے ہم نے انھیں حوصلہ عطا کیا۔

اصحاب کہف کی سالانہ میلے میں آخری شرکت اور اپنی قوم سے علیحدگی: سلف وخلف میں سے کئی ایک مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان جوانوں کا تعلق روم کے بادشاہوں اور سرداروں کی اولاد سے تھا۔ یہ لوگ ایک دن اپنے میلے میں شرکت کے لیے نکلے۔ سال میں ایک دفعہ یہ لوگ شہر سے باہر ایک میلے میں جمع ہوا کرتے تھے جس میں وہ اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے اور ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک جابر اور سرکش بادشاہ تھا جس کا نام دقیانوس تھا جو لوگوں کو اس طرح کے کاموں کی دعوت اور ترغیب دیا کرتا تھا۔ جب شہر کے لوگ اپنے میلے میں شرکت کے لیے باہر نکلے تو یہ جوان بھی اپنے آباء واجداد اور قوم کے لوگوں کے ساتھ نکلے اور انھوں نے بصیرت کی آنکھ سے اپنی قوم کے افعال کو دیکھا تو انھیں یہ حقیقت معلوم ہوگئی کہ ان کی قوم کا یہ طرز عمل غلط ہے کہ وہ بتوں کو سجدہ کرتی اور ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتی ہے کیونکہ یہ کام تو اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی کے لیے سرانجام دینے چاہئیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اس سوچ کے بعد ان میں سے ہر ایک نے اپنی قوم سے الگ ہونا شروع کر دیا۔ ان میں سے جو شخص اس سوچ کے بعد سب سے پہلے الگ ہوا، وہ دور جا کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا، دوسرا جوان بھی آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا، پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں، پھر چھٹا، پھر آخر میں ساتواں بھی آ کر وہاں بیٹھ گیا۔ یہ جوان ایک دوسرے سے شناسا نہ تھے مگر اس ذات گرامی نے انھیں یکجا کر دیا تھا جس نے ان کے دلوں کو ایمان سے بھر دیا تھا۔

صحیح بخاری کی ایک معلق روایت میں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ ، فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ] ''روحیں جمع کیے گئے لشکر ہیں، ان میں سے جو ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں وہ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے اجنبی ہوتی ہیں وہ الگ الگ ہو جاتی ہیں۔''[1] اور امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2]

اپنی قوم سے الگ تھلگ ہو کر یہاں اکٹھے ہونے کا سبب: لوگ کہتے ہیں کہ جنس باہم جنس پرواز کرتی ہے، الغرض! ان میں سے ہر شخص خوف کی وجہ سے اپنے دین کو اپنے ساتھیوں سے چھپائے ہوئے تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ ان لوگوں کا بھی دین وہی ہے جو اس کا ہے حتی کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ لوگو! واللہ! تم یہ جانتے ہو کہ تم میں ایک قدر مشترک ہے جس نے تمھیں

---

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث:3336. [2] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث:2638.

اپنی قوم سے الگ تھلگ کر کے یہاں یکجا کر دیا ہے، لہٰذا ہر ایک کو اپنی داستان بیان کرنی چاہیے۔ یہ بات سن کر دوسرا جوان کہنے لگا: واللہ! میں نے دیکھا ہے کہ میری قوم نے جو دین اختیار کر رکھا ہے وہ باطل ہے کیونکہ جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے وہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے جس نے آسمان وزمین اور ان کے مابین ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ میرا بھی یہی حال ہے حتی کہ وہ سب کے سب ایک بات پر متفق ہو گئے اور آپس میں سچے بھائی بن گئے۔ انھوں نے ایک عبادت کدہ تعمیر کر لیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دی۔ قوم کو جب ان کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بادشاہ کو ان کے بارے میں مطلع کر دیا، بادشاہ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور ان سے ان کے دین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے نہ صرف صحیح صحیح جواب دیا بلکہ بادشاہ کو بھی دعوت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَّرَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلٰـہًا ﴾ ''اور ہم نے ان کے دلوں کو مربوط (مضبوط) کر دیا جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے۔''

﴿ نَّدۡعُوَا۠ ﴾ فعل مضارع پر حرف ناصبہ لَنۡ ابدی نفی کے لیے ہے، یعنی ہم کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اگر ہم نے ایسا کیا بھی تو ہمارا یہ فعل باطل قرار پائے گا، اسی لیے ان کی بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ ﴾ ''البتہ تحقیق (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔'' ﴿ شَطَطًا ﴾ کے معنی باطل اور بہتان کے ہیں۔ ﴿ ہٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً ؕ لَوۡ لَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ ﴾ ''ان ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، بھلا یہ ان (کی عبادت) پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟'' یعنی اپنے اس مذہب کے صحیح ہونے کی انھوں نے کوئی واضح اور صحیح دلیل کیوں پیش نہیں کی؟ ﴿ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ﴿ؕ۱۵﴾ ﴾ ''پس اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے!'' یعنی یہ لوگ خود ہی ظالم اور اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں۔

اصحاب کہف کا بادشاہ کو دعوت ایمان دینا اور اپنا دین بچانے کے لیے وطن چھوڑنا: بیان کیا جاتا ہے کہ ان نوجوانوں نے جب اپنے بادشاہ کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی اور دھمکیاں دیں اور حکم دیا کہ اس فاخرانہ لباس کو ان کے جسموں سے اتار دیا جائے جو انھوں نے زیب تن کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کے لیے انھیں مہلت دے دی شاید یہ اپنے سابقہ دین کی طرف لوٹ آئیں اور یہ مہلت ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا سبب بن گئی کیونکہ اس دوران میں ان کے لیے یہ ممکن ہوا کہ اپنے دین کو محفوظ کرنے اور اپنے آپ کو کسی فتنے سے بچانے کے لیے بھاگ جائیں۔

لوگوں سے علیحدگی کن کن حالات میں جائز اور ناجائز ہے؟ اور جب لوگ فتنوں میں مبتلا ہوں تو حکم شریعت یہی ہے کہ انسان اپنے دین کو بچانے کے لیے ایسے ظالموں سے بھاگ جائے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ] ''ممکن ہے کہ (ایسا وقت آئے جب) مسلمان کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں کہ وہ انھیں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے اور اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگ جائے۔''①

ان حالات میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا جائز ہے اور اگر اس طرح کے حالات نہ ہوں تو پھر جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جمعہ و جماعت کا ترک کر دینا لازم آئے گا۔

جب انھوں نے یہ عزم کر لیا کہ اپنی قوم سے بھاگ جائیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لیے اسی بات کو پسند فرمالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''اور جب تم نے ان (مشرکوں) سے اور جن کی یہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کر لیا ہے۔'' یعنی جب تم نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ان کے اس دین کی مخالفت کی ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ ﴿ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ ''تو غار میں پناہ لو، تمھارا پروردگار تمھارے لیے اپنی رحمت وسیع کر دے گا۔'' یعنی تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے گا جس کے ساتھ تمھیں تمھاری قوم سے چھپا دے گا۔

﴿ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯ ﴾ ''اور تمھارے معاملے میں آسانی کا سامان فرمائے گا۔'' یعنی تمھارا کام آسان کر دے گا تو اس کے بعد وہ بھاگ کر غار میں چلے گئے۔ قوم کے لوگوں نے انھیں گم پایا، بادشاہ نے بھی ان کی تلاش میں لوگوں کو ادھر ادھر دوڑایا مگر وہ انھیں تلاش نہ کر سکے اور ان کی تلاش میں اندھے ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کافروں کو اندھا کر دیا تھا جب انھوں نے ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لی تھی، حالانکہ مشرکین قریش ان کی تلاش میں وہاں تک پہنچ گئے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جب قدرے گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا تو آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: [مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ، اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟] ''اے ابوبکر! ان دونوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔''②

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ ﴾ (التوبة9:40) ''اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے ان کی مدد کی (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے نکال دیا، وہ (اس وقت) دو میں سے دوسرے

① صحيح البخاري، الإيمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، حديث: 19. ② صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين وفضلهم، حديث:3653.

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ

اور آپ سورج کو دیکھیں گے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف

ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ

کترا (کرنکل) جاتا ہے اور وہ اس (غار) کی کھلی جگہ میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے

2 ع 5 14 وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿17﴾ ع

وہ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی رہنما دوست نہیں پائیں گے ﴿17﴾

تھے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دے رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔'' چنانچہ غار ثور کا قصہ اصحاب کہف کے قصے سے اشرف، افضل، اعظم اور زیادہ عجیب ہے۔

تفسیر آیت:17

غار کا موقع محل: یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس غار کا دروازہ شمال کی جانب تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سورج جب طلوع کے وقت غار میں داخل ہوتا تو اس کے دائیں جانب سے ہٹ جاتا، یعنی سایہ دائیں جانب (مغرب کی طرف سے) سکڑ جاتا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ﴿تَزٰوَرُ﴾ کے معنی ہیں: ''سکڑ جاتا'' یعنی مائل ہو جاتا[1] اور یہ اس طرح کہ سورج جیسے جیسے افق پر بلند ہوتا تو اس کے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی شعاعیں سمٹتی جاتیں حتی کہ زوال کے وقت غار سے شعاعیں بالکل ختم ہو جاتیں (جو سورج کے بلند ہوتے ہوتے غار میں پڑ رہی ہوتی تھیں) اسی لیے فرمایا: ﴿وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ''اور جب غروب ہوتا تو ان کے بائیں طرف کترا کر نکل جاتا'' یعنی سورج کی شعاعیں شمال کی جانب سے دروازے کی مشرقی جانب سے داخل ہوتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم نے اس سلسلے میں جو کہا ہے (کہ اس غار کا دروازہ شمال کی جانب تھا) وہ صحیح ہے۔

اور یہ اس کے لیے واضح ہے جو اس پر غور کرے اور اسے شمس وقمر اور ستاروں کی ہیئت اور چال کا علم ہو جائے کہ اگر غار کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو غروب کے وقت غار میں دھوپ داخل نہ ہو سکتی تھی اور اگر دروازہ قبلہ رخ، یعنی جنوبی سمت ہوتا تو طلوع وغروب کے وقت اس میں دھوپ داخل نہ ہو سکتی تھی اور نہ سایہ دائیں بائیں سمٹتا اور اگر دروازہ مغرب کی طرف ہوتا تو طلوع کے وقت اس میں دھوپ داخل نہ ہوتی بلکہ زوال کے بعد داخل ہوتی اور غروب آفتاب تک رہتی، اس سے بھی ہماری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

[1] تفسیر الطبری:15/263,264.

اصحاب کہف کے غار کی کیفیت (تمثیلاً)

① 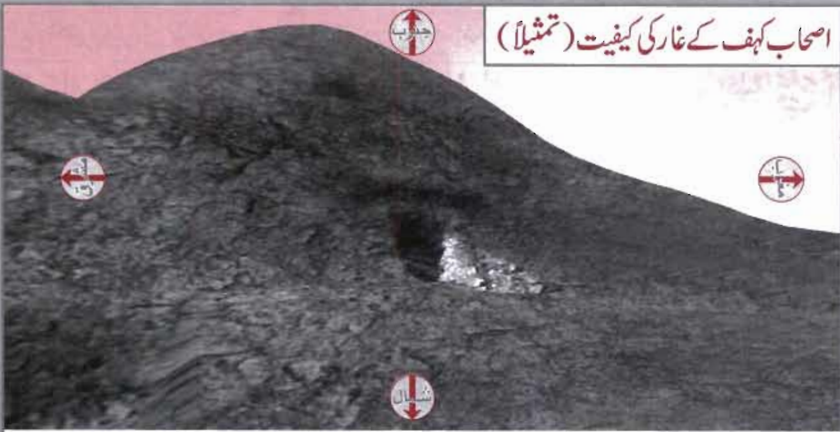

سورج طلوع ہونے کے بعد دائیں جانب شعاعیں پڑنے کا منظر

②

زوال کے وقت غار کا منظر جب شعاعیں غار پر بالکل نہ پڑتیں

③

سورج غروب ہونے کے وقت بائیں جانب شعاعیں پڑنے کا منظر

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

اور آپ انھیں جاگتے ہوئے خیال کریں گے، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم ان کی دائیں طرف اور بائیں طرف کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ

کتا (غار کے) دہانے پر اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے ہے، اگر آپ انھیں جھانک کر دیکھیں تو ان سے ضرور بھاگتے ہوئے پیٹھ پھیر لیں اور آپ

مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱

ان سے رعب میں بھر دیے جائیں ⑱

غار کس علاقے میں تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ تَّقْرِضُهُمْ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ انھیں چھوڑ دیتا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے اور اس کی مشیت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی فہم وتدبر سے کام لیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس غار کے بارے میں ہمیں یہ نہیں بتایا کہ یہ غار کس علاقے میں تھا کیونکہ اس کے بارے میں بتانے میں نہ کوئی فائدہ تھا اور نہ اس کا کوئی شرعی مقصد تھا۔ اگر اس میں کوئی دینی مصلحت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس کی طرف ہماری رہنمائی ضرور فرما دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُّقَرِّبُكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلَّا قَدْ بَيَّنْتُهُ لَكُمْ] ''میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمھیں جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے مگر تمھارے لیے میں نے اسے بیان کر دیا ہے۔''[2] اللہ تعالیٰ نے اس غار کی کیفیت ہمیں بتا دی ہے اس کی جگہ نہیں بتائی کہ وہ کہاں واقع تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ ﴾ ''اور آپ سورج کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے۔'' مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ تَّزٰوَرُ ﴾ کے معنی ہیں مائل ہو جائے۔ ﴿ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ﴾ ''اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا (کر نکل) جاتا ہے اور وہ اس (غار) کی کھلی جگہ میں ہیں۔'' یعنی وہ غار کے اندر تھے اور دھوپ انھیں نہیں پہنچتی تھی کیونکہ اگر دھوپ انھیں پہنچتی تو ان کے جسموں اور کپڑوں کو جلا دیتی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[3]

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غار کی طرف رہنمائی فرمائی جس میں اس نے انھیں زندہ رکھا، روشنی اور ہوا ان کے پاس داخل ہوتی تا کہ ان کے جسموں کو باقی رکھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ

---

① تفسير الطبرى:265/15. ② المصنف لعبد الرزاق، باب القدر:125/11، حديث:20100 و شعب الإيمان للبيهقى، باب فى الزهد وقصر الأمل:299/7، حديث:10376 و شرح السنة للبغوى، باب التوكل على الله عزوجل: 304/14، حديث: 4113 و هداية الرواة......، الرقاق، باب التوكل والصبر:54/5، حديث:5230 و المطالب العالية، الزكاة، باب الإجمال فى طلب الرزق:244/1، حديث:846. ③ تفسير الطبرى:264/15.

﴿ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ ﴾ یعنی یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ ﴾ ''جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یاب ہے۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے جس نے ان جوانوں کو اپنی قوم میں سے ہدایت سے نوازا۔ جسے وہ ہدایت سے نوازے، وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

تفسیر آیت:18

غار میں سونا: بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں پر تھپک دیا تو ان کی آنکھوں کو بند نہ کیا تاکہ وہ بوسیدہ نہ ہوں، انھیں ہوا بھی لگتی رہی تھی، اس لیے وہ بھی ان کے جسموں کو باقی رکھنے کا سبب بنی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ ﴾ ''اور تم ان کو خیال کرتے ہو کہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔'' کتے کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جب سوتا تو ایک آنکھ بند کر لیتا اور دوسری کو کھلی رکھتا ہے اور پھر نیند ہی کی حالت میں وہ کھلی آنکھ کو بند اور بند کو کھول لیتا تھا۔

﴿ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ ﴾ ''اور ہم ان کی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر ان کی کروٹ نہ بدلائی جاتی تو انھیں زمین کھا جاتی۔[1] ﴿ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ ﴾ ''اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ الوصید کے معنی صحن کے ہیں۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی دروازے کے ہیں۔[3] یہ بھی کہا گیا ہے کہ الوصید کے معنی الصعید یعنی مٹی کے ہیں۔[4] اور صحیح بات یہی ہے کہ اس کے معنی چوکھٹ، یعنی دروازے کے ہیں، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۟ ﴾ (الهمزة 104:8) ''وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی۔'' یعنی اسے ان پر بند کر کے ڈھانپ دیا جائے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وصید اور اصید، دروازے پر کتے کے بیٹھنے کو کہتے ہیں جیسا کہ کتوں کی عادت ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کتا دروازے پر ان کا پہرہ دیتا تھا۔[5] جیسا کہ کتوں کی عادت ہے کہ وہ دروازے پر بیٹھ کر پہرہ دیتے ہیں۔ ان کا کتا دروازے کے باہر بیٹھا تھا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوتے جس میں کتا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔[6] اسی طرح فرشتے اس گھر میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر، جنبی اور کافر ہو جیسا کہ حدیث حسن ہے۔[7]

ان کی برکت ان کے کتے کو بھی شامل رہی اور اس حالت میں اس پر بھی نیند طاری ہو گئی تھی اور یہی نیک لوگوں کی صحبت کا

---

[1] تفسير الطبرى:267/15. [2] تفسير الطبرى:268,267/15. [3] تفسير الطبرى:268/15. [4] تفسير الطبرى: 268/15. [5] تفسير الطبرى:267/15 والدر المنثور:392/4. [6] صحيح البخارى، اللباس، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة، حديث:5960. [7] سنن أبى داود، الطهارة، باب الجنب يؤخر الغسل، حديث:227 وسنن النسائى، الطهارة، باب فى الجنب إذا لم يتوضأ، حديث:262 یاد رہے ''اور نہ جنبی'' منکر ہیں اور لفظ ''کافر'' ہمیں نہیں ملا۔ دیکھیے ضعيف سنن أبى داود للألبانى، الطهارة، باب الجنب يؤخر الغسل، حديث:227.

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا

اور اسی طرح ہم نے انھیں جگایا، تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم کتنا (عرصہ) ٹھہرے ہو؟

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ

وہ بولے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں، پھر بولے: تمھارا رب خوب جانتا ہے جتنی دیر تم ٹھہرے، چنانچہ اب تم اپنی یہ چاندی (کے سکے)

اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ

دے کر اپنا ایک آدمی شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ دیکھے کہ اس (شہر) کا کون سا شخص طعام کے لحاظ سے پاکیزہ تر ہے، تو وہ اس میں سے تمھارے لیے

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ

کچھ کھانا لے آئے، اور وہ خوب نرمی (سے بات) کرے، اور تمھارے متعلق بالکل کسی کو نہ بتائے ⑲ بلاشبہ اگر وہ تم پر مطلع ہو گئے تو تمھیں رجم کر دیں

مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ⑳

گے یا تمھیں اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور پھر اس وقت تم ہرگز فلاح نہیں پا سکو گے کبھی بھی ⑳

فائدہ ہے کہ ان کی وجہ سے اس کتے کو بھی اہمیت حاصل ہو گئی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ اصحاب کہف میں سے ایک کا شکاری کتا تھا اور یہی بات قرین قیاس ہے ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ بادشاہ کے باورچی کا کتا تھا۔ اس نے ان کے دین کو اختیار کر لیا تھا اور اس کا کتا بھی اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱ ﴾ ''اگر آپ انھیں جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان سے دہشت زدہ ہو جاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح پر ہیبت بنا دیا تھا کہ اگر ان پر کسی کی نظر پڑے تو اس پر دہشت طاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لیے پر ہیبت، پر رعب بنا دیا تھا تا کہ ان کے کوئی قریب نہ آ سکے اور کوئی انھیں ہاتھ نہ لگا سکے حتیٰ کہ ان کی وہ مدت پوری ہو جائے جس تک اللہ تعالیٰ نے انھیں سلانا چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ حکمت، حجت بالغہ اور بے پایاں رحمت کا مظہر تھا۔

تفسیر آیات: 20,19

بیداری کے بعد ایک شخص کو کھانا خریدنے کے لیے بھیجنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب ہم نے انھیں بیدار کیا تو ان کے جسم، بال اور کھالیں بالکل صحیح تھیں، تین سو نو سال تک سو کر اٹھنے کے بعد بھی ان کی حالت اور ہیئت میں کوئی فرق نہ آیا تھا، اسی لیے انھوں نے ایک دوسرے سے پوچھا: ﴿ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ ﴾ ''تم (یہاں) کتنی مدت رہے۔'' یعنی کتنی مدت سوئے رہے ہو۔ ﴿ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔'' کیونکہ غار میں وہ دن کے ابتدائی حصے میں داخل ہو گئے تھے اور آخری حصے میں بیدار ہوئے تھے، اسی لیے انھوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ ﴿ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ہو تمھارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی تمھارے معاملے کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سونے کی وجہ سے انھیں کچھ تردد لاحق ہو گیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ

اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان پر مطلع کر دیا، تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور یقیناً قیامت، اس میں کوئی شک نہیں۔ جب

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ

(لوگ) ان کے معاملے میں باہم جھگڑ رہے تھے، تو انھوں نے کہا: ان پر ایک عمارت بنا دو، ان کا رب انھیں بہتر جانتا ہے۔ جو ان کے معاملے پر

الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿21﴾

غالب ہو گئے تھے، وہ بولے: ہم ان پر ضرور ضرور ایک عبادت گاہ بنائیں گے ﴿21﴾

پھر انھوں نے اس کے بعد اس سے زیادہ اہم معاملے کی طرف توجہ کی اور وہ ان کے کھانے پینے کی ضرورت کا معاملہ تھا، اس لیے انھوں نے کہا: ﴿ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ ﴾ ''تو اپنے میں سے کسی ایک کو یہ چاندی (کے سکے) دے کر بھیجو۔'' یعنی اپنی یہ چاندی دے کر بھیجو۔ اپنے گھروں سے روانہ ہوتے وقت انھوں نے اپنے ساتھ چاندی کے کچھ درہم لے لیے تھے تاکہ بوقت ضرورت انھیں استعمال کر سکیں۔ ان میں سے کچھ درہم تو انھوں نے صدقہ کر دیے تھے اور کچھ ان کے پاس باقی تھے، اسی لیے انھوں نے کہا تھا کہ اپنے میں سے کسی کو یہ سکے دے کر شہر بھیجو، یعنی اپنے اس شہر میں جس سے تم نکلے ہو۔ المدینة کا الف لام یہاں عہد کے لیے ہے۔ ﴿ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا ﴾ ''تو وہ دیکھے کہ سب سے پاکیزہ کھانا کون سا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ ﴾ الآیة (النور 21:24) ''اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہو سکتا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ ﴾ (الأعلى 14:87) ''بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔''

زکاۃ کا لفظ بھی اسی سے مشتق ہے کیونکہ وہ مال کو پاک صاف کر دیتی ہے۔ ﴿ وَلْيَتَلَطَّفْ ﴾ ''اور آہستہ آہستہ آئے جائے'' یعنی جانے آنے اور خریدنے میں بہت احتیاط سے کام لے۔ اور اپنے آپ کو مقدور بھر مخفی رکھنے کی کوشش کرے۔ ﴿ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿19﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور تمھارا حال کسی کو نہ بتائے، بلاشبہ اگر انھوں نے تمھاری خبر پالی۔'' یعنی اگر انھیں تمھاری جگہ کا علم ہو گیا۔ ﴿ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ ﴾ ''وہ تمھیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے۔'' ان کا اشارہ دقیانوس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ انھیں ان کی اس جگہ کے بارے میں علم نہ ہو جائے کیونکہ وہ انھیں انواع واقسام کی اس طرح کی سزائیں دیں گے یا تو اپنے مذہب میں داخل کر لیں اور یا پھر یہ تکلیفیں اور سزائیں برداشت نہ کرتے ہوئے مر جائیں گے اور اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونے پر اتفاق کر لیا تو پھر تمھارے لیے دنیا وآخرت میں کوئی کامیابی نہ ہوگی، اسی لیے کہا: ﴿ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿20﴾ ﴾ ''اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔''

تفسیر آیت: 21

اہل شہر کا مطلع ہونا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ ﴾ ''اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت

(جس کا وعدہ کیا جاتا ہے اس) میں کچھ شک نہیں۔'' کئی ایک ائمۂ سلف نے ذکر کیا ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کو دوبارہ جی اٹھنے اور قیامت کے بارے میں شک تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ روحوں کو تو دوبارہ اٹھایا جائے گا مگر جسموں کو نہیں۔ ①

ائمۂ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے ایک نے جب شہر کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ ان کے کھانے کے لیے کچھ خرید لائے تو اس نے ماحول کو بہت بدلا ہوا پایا اور ان دیکھی راہوں پر چلتے ہوئے بالآخر وہ شہر میں پہنچ ہی گیا، انھوں نے اس شہر کا نام اِفسُوس (اِفِسُسْ Ephesus) بیان کیا ہے۔ جانے والے کا خیال تھا کہ وہ تھوڑا عرصہ پہلے ہی اس شہر سے آیا تھا مگر اس میں اور اس شہر کے لوگوں کے درمیان تو کئی صدیاں حائل تھیں، ان کے سونے کے وقت سے لے کر اب تک تو وہاں کئی نسلیں اور کئی امتیں گزر گئی تھیں، شہر کے در و بام اور باشندے یکسر بدل گئے تھے، اس نے جو شہر دیکھا تھا اب اسے اس کی وہاں کوئی چیز بھی نظر نہ آ رہی تھی، وہ موجودہ لوگوں کے خواص و عوام میں سے کسی کو بھی جانتا پہچانتا نہیں تھا۔

وہ انتہائی حیران و پریشان ہو کر اپنے جی میں کہنے لگا: معلوم نہیں میں پاگل ہو گیا ہوں؟ یا مجھ پر کسی آسیب کا اثر ہے یا میں خواب دیکھ رہا ہوں اور پھر خود ہی کہنے لگا: نہیں، اللہ کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں لیکن کل شام میں اس شہر کو کسی اور حالت میں چھوڑ کر گیا تھا، پھر کہنے لگا کہ زیادہ مناسب یہی ہے کہ میں جلدی سے یہاں سے چلا جاؤں، پھر وہ کھانا بیچنے والے ایک شخص کی دوکان پر گیا، اس نے رقم اس کے سپرد کی اور کہا کہ وہ اس رقم کا اسے کھانا دے دے، کھانا بیچنے والے نے جب اسے دیکھا تو اسے اجنبی دیکھا اور اس کی پیش کردہ رقم کو بھی عجیب و غریب محسوس کیا۔ اس نے یہ رقم اپنے پڑوسی کو دکھائی اور پھر اور بھی کئی لوگ جمع ہو گئے اور وہ اس رقم کا جائزہ لینے لگے اور کہنے لگے کہ شاید اسے کہیں سے کوئی خزانہ ملا ہے، پھر انھوں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ رقم تمھیں کہاں سے ملی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں، میں تو یہاں سے کل شام ہی اس وقت گیا تھا جب بادشاہ دقیانوس (ڈیسیس Decius رومن بادشاہ) بھی یہاں موجود تھا، لوگوں نے اس کی یہ باتیں سن کر کہا کہ یہ شخص پاگل ہے، اسے یہ اپنے حکمران کے پاس لے گئے۔ حکمران نے اس سے اس کے حالات پوچھے، اس نے جواب دیا تو وہ بھی سن کر حیران و پریشان ہو گیا۔ بہر حال جب اس نے اپنے حالات بیان کیے تو وہ بادشاہ اور اہل شہر سب غار کی طرف روانہ ہو گئے اور جب غار کے پاس پہنچے تو یہ کہنے لگا کہ پہلے مجھے غار کے اندر جانے دو تاکہ میں اپنے ساتھیوں کو تمھاری آمد کے بارے میں بتا دوں، یہ کہہ کر یہ شخص غار میں داخل ہو گیا۔ ②

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غار میں کس طرح داخل ہوا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کو ان لوگوں سے مخفی رکھا۔ دوسرا قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ بھی اس غار میں داخل ہو گئے تھے اور انھوں نے انھیں دیکھا، بادشاہ نے انھیں سلام کہا اور گلے لگایا کیونکہ ایک قول کے مطابق یہ بادشاہ مسلمان تھا اور اس کا نام (تھیوڈوسِیَس Theodosius)

① تفسیر الطبری:271,270/15 وتاریخ الطبری، ذکر الخبر عن أصحاب الکھف:46/2 . ② تفسیر الطبری:271/15.

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

عنقریب (کچھ لوگ) کہیں گے: وہ تین ہیں ان کا چوتھا ان کا کتا ہے۔ اور (کچھ دوسرے) کہیں گے: وہ پانچ ہیں، ان کا چھٹا ان کا کتا ہے، بن دیکھے

بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا

پتھر مارتے ہوئے، اور (کچھ لوگ یہ بھی) کہیں گے: وہ سات ہیں، اور ان کا آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے: میرا رب ہی ان کی گنتی سے خوب

يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڨ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ

واقف ہے، بہت تھوڑے لوگ ہی ان (کے حال) کو جانتے ہیں، لہٰذا آپ ان کی بابت بحث نہ کریں، سوائے سرسری بحث کے۔ اور آپ ان کی

مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿22﴾ ع 3/5/15

بابت ان میں سے کسی سے بھی نہ پوچھیں ﴿22﴾

تھا۔ اصحاب کہف اس بادشاہ سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوئے، گفتگو سے بھی مانوس ہوئے، پھر انھوں نے اسے سلام کر کے رخصت کر دیا اور خود اپنی خواب گاہوں کی طرف لوٹ آئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرما دی۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. [1]

بطور یادگار غار پر مسجد بنانا: اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے خبردار کر دیا۔'' یعنی ان کو ہم نے ان کی اسی کیفیت میں بیدار کر کے اس زمانے کے لوگوں کو ان سے مطلع کر دیا۔ ﴿ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ڐ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ ﴾ ''تاکہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے اس) میں کچھ شک نہیں، اس وقت لوگ ان کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے۔'' یعنی قیامت کے بارے میں یہ لوگ جھگڑنے لگے کہ بعض لوگ قیامت کے قائل تھے اور بعض منکر تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں ان کو مطلع کر کے ان پر حجت تمام کر دی کہ قیامت کا آنا برحق ہے۔ ﴿ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ ﴾ ''تو کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار ان (کے حال) سے خوب واقف ہے۔'' یعنی غار کے دروازے کو بند کر دو، اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿21﴾ ﴾ ''جو لوگ ان کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم ان (کے غار) پر مسجد بنائیں گے۔'' جن لوگوں نے یہ بات کہی وہ اثر ورسوخ کے مالک تھے لیکن سوال یہ ہے کیا یہ لوگ قابلِ ستائش ہیں یا نہیں؟ یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ (وَصَالِحِيهِمْ) مَّسَاجِدَ] ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے، انھوں نے اپنے انبیاء (وصالحین) کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔'' [2] راوی کہتے ہیں کہ آپ ان کے اس عمل سے جو

---

[1] تفسیر الطبری: 277/15 و تاریخ الطبری، ذکر الخبر عن أصحاب الکھف: 46/2. [2] صحیح البخاری، الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ ......، حدیث: 1390 و صحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلاۃ، باب النھی عن بناء المسجد ......، حدیث: 529 عن عائشۃ ؓ، قوسین والا لفظ اور [إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ] ''میں تم کو اس سے روکتا ہوں'' مختلف سیاق کے ساتھ صحیح مسلم، حدیث: 532 میں ہے۔

انھوں نے کیا تھا ڈرار ہے تھے۔ ①

روایت ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانے میں عراق میں دانیال کی قبر کو پایا تو آپ نے حکم دیا کہ اسے لوگوں سے چھپا دیا جائے اور اس رقعے کو بھی دفن کر دیا جائے جو ان کی قبر کے پاس سے ملا تھا۔ ② کیونکہ اس طرح قبریں بنانے سے بہت سے فتنے وغیرہ جنم لیتے ہیں۔

تفسیر آیت :22

اصحاب کہف کی تعداد: اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے تین اقوال بیان فرمائے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول نہیں ہے۔ پہلے دونوں اقوال کو ﴿ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ ﴾ ''اٹکل پچو'' کہہ کر ضعیف قرار دیا کہ یہ دونوں قول علم کے بغیر ہیں اور یہ اس طرح ہیں جیسے کوئی ایسی جگہ پتھر پھینکے جسے وہ جانتا ہی نہیں تو وہ پتھر نشانے پر نہیں لگے گا اور اگر لگ بھی جائے تو وہ بلا قصد و ارادہ ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرا قول بیان کر کے اس سے سکوت فرمایا یا اس کی توثیق فرمائی ہے اور وہ قول یہ ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ ''اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ یہی قول صحیح ہے اور واقع اور نفس الامر کے عین مطابق ہے اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے۔'' میں اس طرف رہنمائی ہے کہ اس طرح کے موقع پر احسن بات یہ ہے کہ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ اس طرح کے واقعات میں علم کے بغیر بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع فرما دے تو ہم اس کے مطابق بات کریں گے اور اگر وہ مطلع نہ فرمائے تو پھر ہم بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔

﴿ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ ''ان کو جانتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں۔)'' قتادہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ میں بھی ان تھوڑے لوگوں میں شامل ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان کی تعداد سات تھی۔ ③ اسی طرح ابن جریج نے عطاء خراسانی سے ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان کی تعداد سات تھی۔ ④ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ وہ فرماتے تھے میں ان تھوڑے لوگوں میں شامل ہوں جو ان کی تعداد کو جانتے ہیں، ان کی تعداد سات تھی۔ ⑤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک یہ تمام سندیں صحیح ہیں کہ ان کی تعداد سات تھی اور یہ تعداد اس کے مطابق ہے جو ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں۔ ⑥

---

① راوی کے یہ الفاظ دیکھیے صحیح البخاری، اللباس، باب الأکسیة والخمائص، حدیث:5816,5815 و صحیح مسلم، المساجد......، باب النهی عن بناء المسجد ...... ، حدیث: 531 عن عائشة وعبداللّٰه بن عباس رضی اللہ عنہم. ② دیکھیے البدایة والنهایة، شیء من خبر دانیال:38,37/2 وفتح السوس:91/7. ③ تفسیر الطبری:282/15. ④ تفسیر الطبری: 282/15. ⑤ تفسیر الطبری:282/15. ⑥ دیکھیے الکهف، آیات:10-16 کے ذیل میں عنوان: ''ایمان میں کمی بیشی''

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاۡیۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿23﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ

اور آپ کسی شے کے متعلق کبھی یہ نہ کہیں: بے شک میں اسے کل کرنے والا ہوں ﴿23﴾ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو

اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّهۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿24﴾

یاد کریں اور کہیں: امید ہے کہ میرا رب اس معاملے میں رشد و بھلائی سے قریب تر بات کی طرف میری رہنمائی کرے گا ﴿24﴾

﴿ فَلَا تُمَارِ فِیۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ﴾ ''تو آپ ان (کے معاملے) میں بحث نہ کریں مگر سرسری سی بحث۔'' کیونکہ اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ ان کی صحیح تعداد کتنی تھی تو اس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے۔ ﴿ وَلَا تَسۡتَفۡتِ فِیۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿22﴾ ﴾ ''اور نہ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کریں۔'' کیونکہ انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے، یہ اس سلسلے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ محض اٹکل پچو سے کہتے ہیں۔ ان کے پاس معصوم پیغمبر کے کلام کی کوئی سند نہیں ہے۔ اور اے محمد (ﷺ!) آپ کے پاس وہ حق آ گیا ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے، لہٰذا یہ سابقہ تمام کتابوں اور اقوال سے مقدم اور فائق ہے۔

تفسیر آیات: 24,23

مستقبل میں کسی کام کے ارادے کے وقت ''ان شاء اللہ'' کہنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی اس ادب کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ آپ مستقبل میں جب کسی چیز کے کرنے کا ارادہ فرمائیں تو اسے اللہ عزوجل کی مشیت کے سپرد کر دیں کیونکہ وہ علام الغیوب ہی جانتا ہے جو ہوا اور جو ہوگا اور جو نہیں ہوا، اس کے بارے میں بھی وہ یہ جانتا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو کس طرح ہوتا۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[قَالَ سُلَیۡمَانُ بۡنُ دَاوٗدَ: (لَأَطُوفَنَّ) اللَّیۡلَةَ عَلٰی سَبۡعِینَ امۡرَأَةً، وَّفِی رِوَایَةٍ : تِسۡعِینَ امۡرَأَةً ، وَّفِی رِوَایَةٍ : مِّائَةِ امۡرَأَةٍ۔ تَلِدُ کُلُّ امۡرَأَةٍ مِّنۡهُنَّ غُلَامًا یُّقَاتِلُ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ ، فَقِیلَ لَهٗ۔ وَفِی رِوَایَةٍ: قَالَ لَهُ الۡمَلَكُ ۔ قُلۡ إِنۡ شَاءَ اللّٰهُ ، فَلَمۡ یَقُلۡ (فَطَافَ) بِهِنَّ فَلَمۡ تَلِدۡ مِنۡهُنَّ إِلَّا امۡرَأَةٌ وَّاحِدَةٌ نِّصۡفَ إِنۡسَانٍ ، قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: (وَالَّذِی نَفۡسِی بِیَدِهٖ!) لَوۡ قَالَ إِنۡ شَاءَ اللّٰهُ ، لَمۡ یَحۡنَثۡ وَکَانَ دَرَکًا لِّحَاجَتِهٖ ۔ وَفِی رِوَایَةٍ : (وَّلَقَاتَلُوا) فِی سَبِیلِ اللّٰهِ فُرۡسَانًا أَجۡمَعُونَ]

''حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ دوسری روایت میں نوے[1] اور تیسری میں سو[2] عورتوں کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ہر عورت ایک ایسے بچے کو جنم دے گی جو اللہ کے رستے میں جہاد کرے گا، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتے نے کہا۔[3] کہ آپ ان شاء اللہ کہیں مگر آپ

① صحیح البخاری، کفارات الأیمان ، باب الاستثناء فی الأیمان، حدیث:6720. ② صحیح البخاری، النکاح، باب قول الرجل: لأطوفن اللیلة ......، حدیث:5242. ③ صحیح البخاری، النکاح، باب قول الرجل: لأطوفن اللیلة ......، حدیث:5242.

نے نہ کہا، پس آپ ان سب عورتوں کے پاس گئے اور ان میں سے صرف ایک عورت نے نصف بچے کو جنم دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر آپ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کی قسم پوری ہو جاتی اور اپنی حاجت کو حاصل کر لیتے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ① کہ یہ تمام شاہسوار اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرتے۔'' ②

اس سورت کے شروع میں قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی ﷺ سے جب اصحاب کہف کے قصے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں تمھیں اس کے بارے میں کل بتاؤں گا اور آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا جس کی وجہ سے پندرہ دن تک وحی بند رہی تھی۔ ③ سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اس آیت کریمہ کے سببِ نزول کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ④

یاد آنے پر ''ان شاء اللہ'' کہنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ﴾ ''اور جب اللہ کا نام لینا بھول جائیں تو یاد آنے پر لے لیں۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ جب آپ ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں تو یاد آنے پر ان شاء اللہ کہہ لیا کریں، یہ ابو عالیہ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ⑤ ہُشَیم نے اعمش سے، انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص قسم کھائے اسے چاہیے کہ ان شاء اللہ کہہ دے، خواہ ایک سال بعد یاد آئے، گویا فرمان باری تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ کا نام لینا بھول جاؤ تو اس سلسلے میں یاد آنے پر لے لیا کرو۔ اعمش سے کہا گیا کیا تم نے اسے مجاہد سے سنا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ سے لیث بن ابو سلیم نے بیان کیا ہے۔ ⑥

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا ہے کہ خواہ ایک سال بعد یاد آئے تو ان شاء اللہ کہہ لے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اسے ایک سال بعد یاد آئے کہ وہ اپنے کلام یا قسم میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تھا تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ اسی وقت کہہ لے تا کہ وہ ان شاء اللہ کہنے کی سنت پر عمل کر سکے، خواہ وہ اپنی قسم کو پورا نہ کر سکا ہو تو پھر بھی ان شاء اللہ کہہ دے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ⑦ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے قسم کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کی یہ بات صحیح ہے اور زیادہ مناسب یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو بھی اسی پر محمول کیا جائے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

امام طبرانی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس آیت ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ﴾ کے بارے میں یہی روایت

① صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبيﷺ؟......، حديث: 6639 و صحيح مسلم، الأيمان، باب الاستثناء في اليمين ......، حديث:(25)-1654 ان میں قوسین والے الفاظ کے بجائے [لَجَاهَدُوا] ہے۔ ② صحيح مسلم، الأيمان، باب الاستثناء......، حديث:(24)-1654 لیکن قوسین والے الفاظ کے بجائے [لَأُطِيفَنَّ]، [فَأَطَافَ] اور [نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ] ہے۔ ہاں، صحيح البخاري، حديث: 6639 میں بھی اسی طرح ہے۔ مگر [لَأُطُوفَنَّ] ابن کثیر کے مطابق ہے۔ ③ تفسير الطبري:239,238/15 و السيرة النبوية لابن هشام، سؤال قريش......:302,301/1. ④ دیکھیے سورۂ کہف کی ابتدا میں عنوان: ''سبب نزول'' کے ذیل میں۔ ⑤ تفسير الطبري:285/15. ⑥ تفسير الطبري:285/15. ⑦ تفسير الطبري:285/15.

وَلَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور مزید نو (سال)﴿25﴾ کہہ دیجیے: اللہ ہی خوب جاننے والا ہے اس مدت کو جتنا (عرصہ) وہ رہے، آسمانوں اور

بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَاَسۡمِعۡ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ

زمین کا غیب اسی کے لیے ہے۔ وہ کیا ہی خوب ہے دیکھنے والا اور کیا ہی خوب سننے والا! ان کے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں، اور وہ

مِنۡ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا﴿26﴾

بیان کی ہے کہ جب یاد آئے تو ان شاء اللہ کہہ لیا کرو۔[1] ﴿ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ ﴾ ''اور کہہ دیجیے: امید ہے کہ میرا پروردگار اس معاملے میں رشد و بھلائی سے قریب تر بات کی طرف رہنمائی کرے گا۔'' یعنی جب تم سے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال پوچھا جائے جسے آپ نہیں جانتے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیا کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کیا کریں تاکہ وہ آپ کی رہنمائی کرتے ہوئے آپ کو درست جواب بتا دے۔ وَاللّٰہُ أَعۡلَمُ.

تفسیر آیات: 26,25

غار میں قیام کی مدت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ خبر بتائی ہے کہ جب اس نے اصحاب کہف پر نیند طاری کی تو اس وقت سے لے کر انھیں بیدار کرنے اور اس زمانے کے لوگوں کو ان سے مطلع کرنے تک کی مدت قمری حساب سے تین سو نو سال اور شمسی حساب سے پورے تین سو سال ہے کیونکہ ایک سو قمری و شمسی سالوں میں تین سال کا فرق پڑ جاتا ہے، اس لیے تین سو کا عدد ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾ ﴾ ''اور نو اوپر'' ﴿ قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ ﴾ ''کہہ دیں کہ جتنا (عرصہ) وہ رہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔'' یعنی جب آپ سے ان کی مدت کے بارے میں پوچھا جائے اور آپ کو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہ ہو تو اس سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ نہ کہیے بلکہ یہ ﴿ قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جتنا (عرصہ) وہ رہے، اسی کو آسمانوں اور زمین (کے علم) کا غیب ہے۔'' یعنی اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے اور مخلوق میں سے وہ جانتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس سے مطلع فرما دیا ہو۔ امام مجاہد اور سلف و خلف میں سے بہت سے ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اور قتادہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ ﴾ ''اور اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال رہے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کا قول ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ ﴾ ''کہہ دیجیے: جتنا (عرصہ) وہ رہے، اُسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔'' عبداللہ کی قراءت میں اس طرح ہے: [وَقَالُوا: وَلَبِثُوا] یعنی لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے۔[3] مُطَرِّف بن عبداللہ نے بھی اسی طرح کہا

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 147/5، حدیث: 6872. [2] تفسیر الطبري: 287/15. [3] تفسیر الطبري: 287/15.

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ

اور آپ اس کی تلاوت کیجیے جو کچھ آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور آپ

مُلْتَحَدًا ﴿27﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہرگز نہیں پائیں گے ﴿27﴾ اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کا

وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا

چہرہ چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں کہ دنیاوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے

قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿28﴾

اپنے ذکر سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا، اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے ﴿28﴾

ہے۔ لیکن امام قتادہ کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اہل کتاب کے پیش نظر جو بات ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے غار میں پورے تین سو سال رہے، نو سال زیادہ نہیں اور ان کی مراد تین سو شمسی سال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ اہل کتاب کے قول کے طور پر بیان کیا ہوتا تو پھر یہ نہ فرماتا ﴿وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿25﴾﴾ ''اور نو اوپر'' آیت کریمہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، اہل کتاب کا قول بیان نہیں فرمایا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو اختیار کیا ہے۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ﴾ **کا مفہوم**: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ﴾ ''وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے!'' یعنی وہ انھیں خوب دیکھنے والا اور ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے۔ یہ صیغے مدح میں مبالغے کے لیے ہیں، گویا کہ اس طرح کہا ہے کہ مَا أَبْصَرَهُ وَأَسْمَعَهُ.[2] اور معنی کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود کو خوب دیکھنے والا اور ہر بات کو خوب سننے والا ہے کہ اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ امام قتادہ سے اس کے یہ معنی مروی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر نہ کوئی دیکھنے والا ہے اور نہ سننے والا۔[3]

﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿26﴾﴾ ''اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا اور ساری کائنات میں اسی کا امر کارفرما ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کا کوئی وزیر نہیں، کوئی نصیر نہیں، کوئی شریک نہیں، کوئی مشیر نہیں، اس کی ذاتِ گرامی ان سب باتوں سے پاک ہے۔

تفسیر آیات: 28,27

تلاوتِ قرآن اور مومنوں کے ساتھ صبر کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ کتاب عزیز کی تلاوت کریں اور اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ﴾ ''اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں'' اللہ تعالیٰ کی باتوں کو

[1] تفسیر الطبری:288/15. [2] تفسیر الطبری:290/15. [3] تفسیر الطبری:290/15.

کوئی بدل نہیں سکتا، کوئی اس میں تحریف وتاویل نہیں کرسکتا۔ ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴾ ”اور اس کے سوا تم کہیں پناہ بھی نہیں پاؤ گے۔“ مجاہد سے روایت ہے کہ ﴿مُلْتَحَدًا﴾ کے معنی ملجأ، یعنی جائے پناہ کے ہیں۔ [1] قتادہ سے روایت ہے کہ اس کے معنی ولی اور مولیٰ کے ہیں۔ [2] ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے محمد (ﷺ!) اگر آپ نے اپنے رب کی اس کتاب کی تلاوت نہ کی جسے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کا کوئی ملجا نہ ہوگا۔ [3]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (المآئدة 67:5) ”اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچادیں اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ اللہ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔“ اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ﴾ (القصص 85:28) ”(اے پیغمبر!) بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے آپ پر قرآن (کے احکام کو) نازل کیا، یقیناً وہ آپ کو (اچھے) انجام تک پہنچانے والا ہے۔“ یعنی وہ آپ سے اس فرض کے بارے میں پوچھے گا جو اس نے تبلیغ رسالت کے بارے میں عائد کیا ہے۔

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ ”اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کے چہرے کے طالب ہیں، ان کے ساتھ آپ اپنے آپ کو روک رکھیں۔“ یعنی آپ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ جائیں جو اللہ کا ذکر کرتے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھتے، تحمید وتسبیح وتکبیر کرتے اور صبح شام اس سے دعائیں کرتے ہیں، خواہ یہ بندگان الٰہی فقیر ہوں یا امیر، قوی ہوں یا ضعیف۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان سرداران قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ اکیلے ان کے پاس بیٹھا کریں اور بلال، عمار، صہیب، خبّاب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے کمزور صحابہ ان کے پاس نہ بیٹھیں بلکہ انھیں آپ الگ مجلس میں بٹھایا کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ ......﴾ الآية (الأنعام 52:6) ”اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں (اور) اس کے چہرے کے طالب ہیں اُن کو (اپنے پاس سے) مت نکالیں......۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر صبر کرتے رہیں۔ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ ”اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کے چہرے کے طالب ہیں، ان کے ساتھ اپنے آپ کو روک رکھیں۔“

رحمٰن کے بندوں سے بے رخی نہ کرنے کی ترغیب: امام مسلم نے اپنی صحیح میں سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ہم چھ آدمی نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مشرکین نے آپ سے کہا کہ ان لوگوں کو یہاں سے نکال دو یہ ہم

[1] تفسیر الطبری:291/15. [2] تفسیر الطبری:291/15. [3] تفسیر الطبری:291,290/15.

وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا

اور کہہ دیجیے: حق تو تمھارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، بلا شبہ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار

لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا ؕ وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ

کر رکھی ہے جس کی قناتوں نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ایسے پانی کے ساتھ ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو

یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿29﴾

تیل کی تلچھٹ کے مانند ہوگا، وہ (ان کے) چہرے بھون ڈالے گا وہ برا مشروب ہے اور وہ بری آرام گاہ ہے ﴿29﴾

سے بات کی جرأت نہ کریں۔ سعد بیان کرتے ہیں کہ اس وقت نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس میں، ابن مسعود، ہذیل کا ایک شخص، بلال اور دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے جن کے میں نام بھول گیا ہوں، رسول اللہ ﷺ کے دل میں بھی اس سلسلے میں خیال آیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَ لَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ ؕ...... ﴾ الآیۃ (الأنعام 52:6) ''اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں (اور) اس کے چہرے کے طالب ہیں ان کو (اپنے پاس سے) مت نکالیں......۔''[1] اس روایت کو صرف امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان نہیں فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ ﴾ ''اور اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹائیں، آپ دنیوی زندگی کی زیب و زینت کا ارادہ کرتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، یعنی ان سے تجاوز کر کے دوسروں کی طرف نہ دیکھیے۔[2] اور ان کے بجائے اصحاب شرف و ثروت کو طلب نہ کیجیے۔

﴿ وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا ﴾ ''اور اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔'' یاد سے غافل کر دینے سے مراد یہ ہے کہ اس دین سے اور دنیا میں اپنے رب کی عبادت سے غافل کر دیا ہے۔

﴿ وَ کَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ﴿28﴾ ﴾ ''اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔'' اس کے تمام اعمال و افعال احمقانہ، ناکارہ اور برباد ہیں، لہٰذا آپ اس کی بات مانیں نہ اس کے طریقے کو پسند کریں اور نہ اس کے مال و دولت پر رشک کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡہُمۡ زَہۡرَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۬ۙ لِنَفۡتِنَہُمۡ فِیۡہِ ؕ وَ رِزۡقُ رَبِّکَ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ○ ﴾ (طٰہٰ 131:20) ''اور آپ ہرگز اپنی دونوں آنکھیں نہ اٹھائیں ان چیزوں کی طرف دنیاوی زندگی کی آرائش کے طور پر ہم نے ان کے کے گروہوں کو دے رکھی ہیں تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر اور دیرپا ہے۔''

تفسیر آیت:29

حق آچکا ہے تو جو کوئی اس کا انکار کرے گا......: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) آپ

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ، حدیث:(46)-2413. [2] تفسیر الطبری: 292/15.

لوگوں سے یہ کہہ دیں کہ یہ دین جو میں تمھارے پروردگار کی طرف سے لایا ہوں یہ حق ہے اور اس میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں ہے: ﴿ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ﴾ ''جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔'' یہ ڈانٹ ڈپٹ اور شدید وعید ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا ﴾ ''ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے، اس کی قناتیں ان کو گھیرے ہوئے ہوں گی۔'' یہاں ظالموں سے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اسی کی کتاب کے ساتھ کفر کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ سرادق سے مراد دیواریں ہیں۔ ابن جریج نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ﴿ سُرَادِقُہَا ﴾ سے مراد جہنم کی دیواریں ہیں۔ [1]

جہنمیوں کا کھانا پینا، زقوم اور تلچھٹ ہوگا: ﴿ وَاِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ﴾ ''اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مہل سے مراد ایسا غلیظ پانی ہے جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو۔ [2] مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد خون اور پیپ ہے۔ [3] عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی حرارت انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ [4] کچھ دیگر ائمۂ تفسیر کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے پگھلا دیا گیا ہو۔ [5] قتادہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سونے کو بھٹی میں پگھلایا جب وہ خوب پگھل گیا اور جھاگ دینے لگا تو فرمایا کہ یہ المہل کے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ [6] ضحاک کہتے ہیں کہ جہنم کا پانی سیاہ رنگ کا ہوگا اور جہنمیوں کا رنگ بھی سیاہ ہوگا۔ [7]

یہ اقوال ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں کیونکہ مہل ان تمام رذیل اوصاف کے مجموعے کا نام ہے، وہ سیاہ بھی ہے اور بدبودار بھی، غلیظ بھی ہے اور سخت گرم بھی، اس لیے فرمایا: ﴿ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ﴾ ''چہروں کو بھون ڈالے گا'' یعنی شدت حرارت کی وجہ سے وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔ جب کافر اسے پینے کا ارادہ کرے گا اور اسے اپنے منہ کے قریب لائے گا تو وہ اس کے چہرے کو بھون ڈالے گا حتی کہ اس کے چہرے کی کھال اس میں گر جائے گی۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جہنمی جب بھوکے ہوں گے تو وہ فریاد کریں گے، پھر ان کی فریاد رسی زقوم کے درخت کے ساتھ کی جائے گی جسے وہ کھائیں گے اس سے ان کے چہروں کی کھالیں جھلس جائیں گی، اس کے باوجود ان کے پاس سے گزرنے والا انھیں پہچان لے گا کیونکہ ان کے چہروں سے ان کی کھالوں کی بدبو آ رہی ہوگی، پھر ان پر پیاس طاری کر دی جائے گی، وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو مہل کی طرح ہوگا اور انتہائی شدید گرم کہ جب اسے اپنے مونہوں کے قریب کریں گے تو ان کی کھالیں اتر جائیں گی اور گوشت بھن جائے گا۔ [8]

[1] تفسیر الطبری:297/15. [2] تفسیر الطبری:299/15. [3] تفسیر الطبری:298/15. [4] تفسیر الطبری:297/15 عن سعید بن جبیر. [5] تفسیر الطبری:298/15. [6] تفسیر الطبری:298/15. [7] تفسیر الطبری:299/15. [8] تفسیر الطبری:300/15.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿30﴾ اُولٰٓئِكَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے اچھا عمل کیا ﴿30﴾

لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

انھی لوگوں کے لیے ابدی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں انھیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے

وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ

اور وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، وہاں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیا اچھا بدلہ ہے

4 ع 9 16 نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿31﴾

اور وہ اچھی آرام گاہ ہے! ﴿31﴾

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کی ان مذموم اور قبیح صفات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ ﴾ ''کیسا برا ہوگا وہ پانی!'' جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝ ﴾ (محمد 15:47) ''اور کھولتا ہوا پانی انھیں پینے کو دیا جائے گا، وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ ﴾ (الغاشية 5:88) ''شدید کھولتے ہوئے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ ﴾ (الرحمٰن 44:55) ''وہ جہنم کے درمیان اور سخت کھولتے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿29﴾ ﴾ ''اور کیسی بری ہے آرام گاہ!'' یعنی جہنم بہت ہی بری جگہ، برا ٹھکانا اور برا مقام ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝ ﴾ (الفرقان 66:25) ''اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانا اور (برا) مقام ہے۔''

تفسیر آیات: 31,30

ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا: اللہ تعالیٰ نے بد بخت لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مند لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، جنھوں نے حضرات انبیائے کرام کی تصدیق کی اور وہ ان اعمال صالحہ کو بجا لاتے رہے جن کا حضرات انبیائے کرام نے انھیں حکم دیا تھا: ﴿ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ''ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہیں۔'' ﴿ عَدْنٍ ﴾ کے معنی ہمیشگی اور اقامت کے ہیں۔ ﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ﴾ ''ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔'' یعنی ان کے مکانوں اور بالاخانوں کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی۔ فرعون نے کہا تھا: ﴿ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 51:43) ''اور یہ نہریں میرے نیچے بہ رہی ہیں کیا تم دیکھتے نہیں؟''

پھر فرمایا: ﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ ﴾ ''ان کو اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ ﴾ (الحج 23:22) ''وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کی ریشم کی پوشاک ہوگی۔'' اور یہاں اس پوشاک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ ﴾ ''اور وہ سبز رنگ کے باریک اور موٹے ریشم کے کپڑے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ

اور (اے نبی!) ان کے لیے ایک مثال بیان کیجیے، دو آدمی ہیں، ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا کیے اور ان کے گرد کھجوروں کی باڑ

وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿32﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا

لگا دی اور ان دونوں کے درمیان کھیتی اگائی ﴿32﴾ دونوں باغوں نے اپنا پھل دیا، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کیا اور ان کے درمیان ہم نے ایک نہر

خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿33﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ

بہائی ﴿33﴾ اور اس کے لیے پھل تھے تو وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا، جبکہ اس سے بحث کر رہا تھا: میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور جتھے میں (بھی)

مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿34﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

زیادہ معزز ہوں ﴿34﴾ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا، جبکہ وہ اپنی جان کے لیے ظالم تھا، اس نے کہا: میں گمان نہیں کرتا کہ یہ (باغ) کبھی تباہ ہوگا ﴿35﴾

هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿35﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا

اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، اور اگر (بالفرض) واقعی مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً ضرور میں وہاں ان (باغوں)

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿36﴾

سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا ﴿36﴾

پہنیں گے۔'' قمیص کی طرح کا لباس ہوگا جو بہت ہی ملائم اور باریک ہوگا اور ﴿اِسْتَبْرَقٍ﴾ ایسے موٹے ریشم کو کہتے ہیں جس میں بہت چمک دمک ہو۔ ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ ''اس میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔'' الاتکاء کے معنی لیٹنے کے ہیں اور ایک قول کے مطابق آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے ہیں اور یہاں یہی معنی قرین صواب معلوم ہوتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا] ''میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔''[1]

أرائك، اریکہ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ مسہری ہوتی ہے جو حجلۂ عروسی کے نیچے ہوتی ہے اور حجلہ وہ ہے جسے ہمارے زمانے کے لوگ باش خانے کے نام سے جانتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

﴿نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿31﴾﴾ ''کیا اچھا صلہ ہے اور کیسی بہتر جگہ ہے۔'' یعنی جنت ان کے اعمال کی بہت اچھی جزا اور بہت بہتر جگہ ہے، بہت اچھا ٹھکانا اور بہت اچھا مقام ہے جیسا کہ جہنم کے بارے میں فرمایا تھا: ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝﴾ (الکھف 29:18) ''کیسا برا ہوگا وہ پانی اور کیسی بری ہوگی وہ آرام گاہ!'' سورۂ فرقان میں بھی ان دونوں میں تقابل کرتے ہوئے جہنم کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّهَا سَاۗءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝﴾ (الفرقان 44:25) ''اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔'' اور پھر مومنین کی صفات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اُولٰۗىِٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝﴾ (الفرقان 76,75:25) ''ایسے لوگوں کو بوجہ ان کی

[1] جامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في كراهية الأكل متكئا، حديث:1830 وصحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل متكئا، حديث:5398 میں [إِنِّي لَا آكُلُ مُتَّكِئًا] عن أبي جُحَيفة (علي بن الأقمر ﷺ) ہے۔

ثابت قدمی کے بالا خانے ملیں گے اوران کو وہاں دعا و سلام ملے گا، اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔کیسا اچھا ہے وہ ٹھکانا اور مقام!‘‘

تفسیر آیات:32-36

دولت مند مشرک اور فقیر مسلم کی مثال: اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کے ذکر کے بعد جو از راہ تکبر کمزور اور مسکین مسلمانوں کی مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور اپنے مال و دولت اور حسب و نسب پر بہت فخر کرتے تھے، دو آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ جن میں سے ایک شخص کے انگوروں کے دو ایسے باغ تھے جنھیں کھجور کے درختوں نے گھیر رکھا تھا اور ان کے درمیان کھیتیاں بھی تھیں، تمام درخت اور کھیتیاں نہایت عمدہ نسل کی تھیں اور وہ خوب خوب پیداوار دیتی تھیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ﴾ ’’دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی۔‘‘ ﴿ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴾ ’’اور ہم نے ان دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی۔‘‘ یعنی اسی میں ادھر ادھر ندیاں بھی رواں دواں تھیں۔ ﴿ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾ ’’اور اس (شخص) کے لیے پھل تھے۔‘‘ ﴿ ثَمَرٌ ﴾ کا لفظ یہاں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد پھل ہی ہیں اور یہی معنی زیادہ قرین صواب ہیں اور دوسری قراءت سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے جو یہ ہے: [وَ كَانَ لَهٗ ثُمُرٌ] یعنی اس قراءت کے مطابق ثا پر ضمہ اور میم ساکن ہے اور اس طرح یہ ثَمرۃ کی جمع ہوگی جیسے خَشَبَۃٌ کی جمع خُشُبٌ آتی ہے۔[1] دوسرے قراء نے اسے ثَمَرٌ ثا اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔[2]

مال دار فاسق و فاجر کا فخر و غرور کرنا اور اتراتے ہوئے باغ میں داخل ہونا: ﴿ فَقَالَ ﴾ یعنی ان دو باغوں کے مالک نے کہا: ﴿ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ ﴾ ’’اپنے ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے۔‘‘ اس سے لڑائی جھگڑا کرتے اور فخر و غرور کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾ ’’میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں (بھی) زیادہ معزز ہوں۔‘‘ یعنی میرے پاس تیری نسبت (مال) خدم و حشم اور اولاد زیادہ ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ایک فاجر و فاسق انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو اور پارٹی کے اعتبار سے اسے عزت حاصل ہو۔[3]

﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ ’’اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔‘‘ وہ کفر، سرکشی، تکبر، فخر و غرور اور آخرت کا انکار کرتے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا اور ﴿ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴾ ’’بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو۔‘‘ وہ اپنے کھیتوں، درختوں، پھلوں اور ان میں رواں دواں نہروں کو دیکھ کر فریب خوردہ ہو گیا اور گمان کرنے لگا کہ یہ کبھی بھی فنا اور تباہ و برباد نہ ہوں گی اور اس کا یہ گمان فاسد اس کی قلت عقل، ضعفِ یقین، دنیا کی زندگی اور زینت پر اعجاب اور آخرت کے انکار کا نتیجہ تھا، اس لیے اس نے کہا: ﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ﴾ ’’اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (کبھی) آئے گی۔‘‘ یعنی کبھی برپا ہوگی۔ ﴿ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾

[1] تفسیر الطبری: 306/15 و تفسیر القرطبی: 403/10. [2] تفسیر الطبری: 306/15 و تفسیر القرطبی: 403/10. [3] تفسیر الطبری: 306/15.

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

اس کے (مومن) ساتھی نے اس سے کہا، جبکہ اسے جواب دے رہا تھا: کیا تو اس (ذات) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا،

ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿37﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿38﴾ وَلَوْلَآ اِذْ

پھر نطفے سے، پھر تجھے ٹھیک پورا مرد بنا دیا؟ ﴿37﴾ لیکن (میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ) وہ اللہ ہی میرا رب ہے، اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی

دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا

شریک نہیں کرتا ﴿38﴾ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ (جو اللہ نے چاہا، کوئی قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے)؟

وَّوَلَدًا ﴿39﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ

اگر تو مجھے مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے ﴿39﴾ تو امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر دے اور اس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی

السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿40﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿41﴾

عذاب بھیجے تو وہ (باغ) چٹیل پھسلنا میدان ہو جائے ﴿40﴾ یا اس کا پانی گہرا ہو جائے، پھر تو ہرگز اسے تلاش کرنے کی استطاعت نہیں رکھے گا ﴿41﴾

''اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا گیا (بھی) تو میں یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا۔'' یعنی اگر آخرت واقعی برپا ہوئی اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہوا تو وہاں میرے لیے اس سے بھی زیادہ اچھا مقام ہوگا کیونکہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہ ہوتا تو وہ مجھے یہ باغات عطا نہ کرتا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ (حٰمٓ السجدة 41:50) ''اور اگر مجھے میرے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لیے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہوگی۔'' اور فرمایا: ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ (مریم19:77) ''کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری نشانیوں کا کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو مال و اولاد ضرور ملے گا'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کو گویا اس نے قسم دیتے ہوئے یہ کہا۔ یہ آیت کریمہ عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔[1] اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ،وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

تفسیر آیات: 37-41

فقیر مومن کا جواب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے مومن ساتھی نے اسے وعظ ونصیحت کرتے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور فخر وغرور سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾ ''کیا تو اس (ذات) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا۔'' یہ تردید ہے اس کی اس بات کی جو وہ اپنے اس رب کا انکار کرتا تھا جس نے اسے پیدا کیا تھا اور جس نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور پھر اس کی نسل کو بے قدر پانی سے پیدا کیا جیسا کہ فرمایا: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ......﴾ الآية (البقرة2:28) ''تم کس طرح اللہ کا کفر کر سکتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تمہیں زندہ کیا......'' یعنی تم اپنے رب کا کس طرح انکار کر سکتے ہو، حالانکہ اس کی دلالت

[1] دیکھیے مریم، آیت: 77 کے ذیل میں۔

تم پر بالکل ظاہر اور واضح ہے جسے ہر انسان خود اپنے نفس ہی سے معلوم کر سکتا ہے کیونکہ مخلوقات میں سے ہر کوئی جانتا ہے کہ پہلے اس کا کوئی ذکر تک مذکور نہ تھا، پھر اسے وجود بخشا گیا۔ اس نے خود اپنے آپ کو وجود نہیں بخشا اور نہ ہی اس کی نسبت مخلوقات میں سے کسی کی طرف کی جا سکتی ہے کیونکہ تمام مخلوقات تو خود اس کے مانند ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسے اس کے خالق نے وجود بخشا ہے اور خالق وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے، اسی لیے اس مرد مومن نے اس سے کہا: ﴿ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ ﴾ ''لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار ہے۔'' میں وہ بات نہیں کہہ سکتا جو تم کہہ رہے ہو بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اعتراف کرتا ہوں ﴿ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا۝۳۸ ﴾ ''اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' کیونکہ وہ اللہ وحدہ لاشریک ہی معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

کوئی بھلی چیز دیکھ کر کیا کہنا چاہیے؟ اس مرد مومن نے پھر یہ بھی کہا: ﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا۝۳۹ۚ ﴾ ''اور تو جب اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں سوائے اللہ (کی مدد) کے (اور) اگر چہ تو مجھے مال و اولاد میں کمتر ہی دیکھتا ہے۔'' یہ گویا اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب ہے کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو نے باغ کو دیکھا اور اس کا منظر تجھے بہت خوش کن محسوس ہوا تو تو نے اپنے اس اللہ کا شکر کیوں ادا نہ کیا جس نے تجھ پر انعام فرمایا اور تجھے اس قدر کثرت سے مال و اولاد عطا فرمائے جو تیرے سوا کسی اور کو نہیں دیے، الغرض! تو نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت یہ کیوں نہ کہا: ﴿ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ ﴾ بعض ائمۂ سلف نے کہا ہے کہ جس شخص کو اپنے حال، مال یا اولاد میں سے کوئی چیز بہت ہی انوکھی معلوم ہو تو اسے یہ کلمات ﴿ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ ﴾ پڑھ لینے چاہییں۔ یہ بات اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے۔

ابو موسیٰ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِّنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟] ''کیا میں تمھیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' (وہ یہ ہے) [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ''اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر کسی شخص کو اللہ کی نافرمانی (اور گناہ) سے بچنے کی قدرت نہیں اور اللہ کی مدد (اور توفیق) کے بغیر کسی شخص کو اللہ کی اطاعت کی طاقت نہیں۔''[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ ﴾ ''تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمھارے باغ سے بہتر عطا فرمائے۔'' یعنی آخرت میں۔ ﴿ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا ﴾ ''اور اس پر بھیج دے'' یعنی دنیا ہی میں تیرے اس باغ پر بھیج دے جس کے بارے میں تو نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ کبھی زوال پذیر اور فنا نہیں ہوگا۔ ﴿ حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب قول: لاحول ولا قوة إلا بالله، حديث:6409 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب خفض الصوت......، حديث:2704 ومسند أحمد:403/4 واللفظ له.

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

اور اس کا پھل گھیر لیا (تباہ کر دیا) گیا، پھر وہ (ایسے) ہو گیا کہ اس (مال) پر اپنی ہتھیلیاں ملتا تھا جو اس نے اس میں خرچ کیا تھا، جبکہ وہ (باغ) اپنی

عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿42﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ

چھتریوں پر گرا ہوا تھا، اور وہ کہتا تھا: اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا ﴿42﴾ اور اس کے لیے کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اللہ

يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿43﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط

کے سوا اس کی مدد کرتے اور نہ وہ (خود ہم سے) بدلہ لینے والا تھا ﴿43﴾ وہاں تو تمام اختیار اللہ سچے ہی کے لیے ہیں، وہ ثواب (دینے) میں بہتر اور انجام

5 ع 13 17 هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿44﴾ ع

کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے ﴿44﴾

ضحاک اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے عذاب آئے۔ [1]

اور امام مالک رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے بھی روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے عذاب بھیج دے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسی زبردست اور خوفناک بارش ہے جو کھیتیوں اور درختوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر تباہ و برباد کر ڈالے، اس لیے کہا: ﴿ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿40﴾ ﴾ ''تو وہ صاف میدان ہو جائے۔'' صاف میدان ہو جائے جس کی مٹی ایسی ملائم ہو کہ اس میں قدم نہ جمتا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا بنجر میدان بن جائے جس میں کوئی چیز نہیں اگتی۔ [2] ﴿ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا ﴾ ''یا اس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے۔'' یعنی زمین میں گہرا ہو جائے۔ غائر، نابع کی ضد ہے، نابع اس پانی کو کہتے ہیں جو زمین کی سطح کے اوپر آنا چاہتا ہے اور غائر اس کو کہتے ہیں جو زمین کے نچلے حصے کی طرف جانا چاہتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝ ﴾ (الملك 30:67) ''کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو اگر تمھارا پانی (جو تم پیتے ہو اور برتتے ہو) گہرا ہو جائے تو (اللہ کے سوا) کون ہے جو تمھارے لیے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے؟'' جو جاری و ساری اور رواں دواں ہو۔ اور یہاں فرمایا: ﴿ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿41﴾ ﴾ ''یا اس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اسے نہ لا سکو۔'' غور مصدر ہے بمعنی غائر اور غائر کی نسبت یہ زیادہ بلیغ ہے۔

تفسیر آیات: 42-44

کفر کا بدترین انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ ﴾ ''اور اس کا پھل گھیر لیا (تباہ کر دیا) گیا۔'' دوسرے قول کے مطابق اس کے مالوں اور پھلوں کو عذاب نے آ گھیرا۔ مقصود یہ ہے کہ کافر اسی انجام سے دوچار ہوا جس کا ڈر تھا اور جس سے مرد مومن نے بھی اسے ڈرایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے باغ پر عذاب نہ بھیج دے جس پر اسے بڑا ناز ہے اور جس نے اسے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا ہے: ﴿ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا ﴾ ''تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا، اس پر (حسرت

[1] تفسیر الطبری:309/15. [2] تفسیر الطبری:309/15.

سے)ہاتھ ملتے رہ گیا۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ کف افسوس ملتا تھا اور ان مالوں کے ضائع ہونے کا اسے غم تھا جو اس نے باغ پر خرچ کیے تھے۔[1] ﴿ وَ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِيۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّيۡۤ اَحَدًا ۝۴۲ وَ لَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ ﴾ ''اور کہنے لگا کہ کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا، اور (اس وقت) کوئی جماعت اس کی (مددگار) نہ ہوئی۔'' اس کے رشتے دار یا بیٹے جن پر اسے بڑا ناز اور فخر تھا اس کے کسی کام نہ آسکے۔[2] ﴿ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ۝ؕ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ ﴾ ''اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔ وہاں تو تمام اختیار اللہ سچے ہی کا ہے۔''

﴿ هُنَالِكَ ﴾ اور ﴿ الۡوَلَايَةُ ﴾ کی مختلف قراءتیں: قراء کا اس میں اختلاف ہے، بعض نے تو ﴿ هُنَالِكَ ﴾ پر وقف کیا ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس جگہ اس کا کوئی حامی و ناصر نہ تھا جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا، عذاب الٰہی سے کوئی اسے بچا نہ سکا، اس صورت میں یہ قراء ﴿ هُنَالِكَ ﴾ پر وقف کرتے اور ﴿ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ ﴾ سے آغاز کرتے ہیں۔ بعض قراء ﴿ مُنۡتَصِرًا ۝۴۳ ﴾ پر وقف کر کے ﴿ هُنَالِكَ ﴾ سے آغاز کرتے ہیں، پھر ﴿ الۡوَلَايَةُ ﴾ کی قراءت میں بھی اختلاف ہے بعض نے اسے واو کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے: هُنَالِكَ الْمُوَالَاةُ لِلّٰهِ یعنی جب عذاب الٰہی آجائے گا تو پھر ہر شخص، خواہ وہ مومن ہو یا کافر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا، اس کی دوستی کا اظہار کرے گا اور اس کے سامنے خشوع و خضوع اختیار کرے گا۔[3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ وَكَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشۡرِكِيۡنَ ۝ ﴾ (المؤمن 84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے ہم انکار کرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدۡرَكَهُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝ ﴾ (یونس 91,90:10) ''یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آپکڑا تو کہنے لگا: میں اس پر ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (اور) یقیناً اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کیا) اب (ایمان لاتا ہے؟)، حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔''

بعض قراء نے ولایت کو واو کے کسرے کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ حکومت صرف اللہ برحق کی ہے۔[4] اور پھر بعض نے حق کو ولایت کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔[5] جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ۝ ﴾ (الفرقان 26:25) ''اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا۔'' اور بعض نے حق کے ''ق'' کو اللہ عزوجل کی صفت ہونے کی وجہ سے

---

[1] تفسیر الطبری:311/15. [2] تفسیر الطبری:312/15 و تفسیر القرطبی:411/10. [3] تفسیر الطبری:312/15 و تفسیر القرطبی:411/10. [4] تفسیر الطبری:312/15 و تفسیر القرطبی:411/10. [5] تفسیر الطبری:312/15.

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

اور ان کے لیے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کیجیے: جیسے پانی (مینہ)، جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا، پھر اس سے زمین کی نباتات

الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿45﴾

خوب مل جل گئی، پھر وہ چورا چورا ہوگئی جسے ہوائیں اڑائے لیے جاتی ہیں، اور اللہ ہر شے پر بہت قدرت رکھنے والا ہے﴿45﴾ مال اور بیٹے

اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ

تو دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، اور آپ کے رب کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب میں بہتر ہیں اور امید لگانے کے اعتبار

ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ﴿46﴾

سے (بھی) بہتر ہیں ﴿46﴾

مجرور پڑھا ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَقِّ ؕ ......﴾ الآیة (الأنعام 6:62) ''پھر (قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالک برحق اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے......۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ عُقۡبًا ﴿44﴾﴾ ''اسی کا صلہ بہتر اور (اسی کا) بدلہ اچھا ہے۔'' یعنی وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دیے جائیں ان کا صلہ بہت بہتر اور ان کا انجام قابل ستائش اور قابل تعریف ہے کہ یہ اعمال سراپا خیر ہیں۔

تفسیر آیات: 46,45

دنیاوی زندگی کی مثال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ﴾ ''اور ان سے بیان کریں'' یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ لوگوں سے بیان کر دیں ﴿مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ ''دنیاوی زندگی کی مثال'' جو زوال پذیر، فنا پذیر اور ختم ہو جانے کے اعتبار سے ﴿كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ﴾ ''ایسی ہے جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔'' زمین میں جو دانہ ڈالا گیا اس میں روئیدگی پیدا ہوئی اور جب اس پر پھول پھل آئے اور وہ سرسبزی وشادابی کی بہار دکھانے لگا تو بہت بھلا نظر آنے لگا مگر اس سب کچھ کے بعد ایک ایسا وقت آیا کہ ﴿فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ﴾ ''پھر وہ چورا چورا ہو گیا کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں'' کبھی اسے دائیں طرف گرا دیتی ہیں اور کبھی اٹھا کر بائیں طرف پھینک دیتی ہیں۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿45﴾﴾ ''اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' وہ اسے سرسبزی وشادابی بخشنے پر بھی قادر ہے اور تباہی وبربادی سے دوچار کر دینے پر بھی۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر دنیاوی کی زندگی کی یہی مثال بیان فرمائی ہے، مثلاً: سورۂ یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا

[1] تفسیر الطبری: 312/15 و تفسیر القرطبی: 411/10.

حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿ (یونس 24:10) ''دنیاوی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے کہ ہم نے اس کو آسمان سے برسایا، پھر اس کے ساتھ مل کر سبزہ نکلا جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں، یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوش نما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں، ان کے لیے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

سورۂ زمر میں فرمایا: ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَهٗ یَنَابِیۡعَ فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَجۡعَلُهٗ حُطٰمًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿ (الزمر 21:39) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کیا، پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو (کہ) زرد (ہوگئی ہے)، پھر اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔'' سورۂ حدید میں ہے: ﴿ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِیۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَتَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطٰمًا ؕ وَفِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٌ ؕ وَمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿ (الحدید 20:57) ''جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل، تماشا اور زینت (وآرائش) اور تمھارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال واولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (وخواہش) ہے (اس کی مثال ایسے ہے) جیسے بارش (کہ اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے، پھر وہ خوب زور پر آتی ہے، پھر (اے دیکھنے والے) تو اس کو دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے، پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوش نودی ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف متاع فریب ہے۔'' اور حدیث صحیح میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) [اَلدُّنۡیَا حُلۡوَةٌ خَضِرَةٌ] ''دنیا شیریں وشاداب ہے۔''[1]

اللہ کی عبادت اموال واولاد سے بہتر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَةُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ﴾ ''مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِیۡنَ وَالۡقَنَاطِیۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَیۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿ (آل عمران 14:3) ''لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں، یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں (مگر) یہ سب دنیاوی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ

[1] صحیح مسلم، الرقاق، باب أکثر أهل الجنة الفقراء......، حدیث: 2742 عن أبي سعید الخدري رضی اللہ عنہ.

عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝ ﴾ (التغابن64:15) ”بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا اور اس کی عبادت کے لیے فارغ ہو جانا مال و دولت میں مشغول ہو جانے، دنیا کی دولت جمع کرنے اور مال و دولت سے محبت کرنے کی نسبت بدرجہا بہتر ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ۝۴۶﴾ ”اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمھارے پروردگار کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔“

﴿وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور کئی ایک ائمۂ سلف کا قول ہے کہ ”باقیات صالحات“ سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔[1] عطاء بن ابورباح اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ”باقیات صالحات“ سے مراد یہ کلمات ہیں: سُبۡحَانَ اللّٰهِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ[2] امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ”باقیات صالحات“ سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد یہ کلمات ہیں: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَسُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ، وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ[3]

امام احمد نے رسول اللہ ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بَخٍ بَخٍ لِّخَمۡسٍ مَّا أَثۡقَلَهُنَّ فِي الۡمِيزَانِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ، وَسُبۡحَانَ اللّٰهِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَالۡوَلَدُ الصَّالِحُ يُتَوَفّٰى فَيَحۡتَسِبُهُ وَالِدُهُ، وَقَالَ: بَخٍ بَخٍ لِّخَمۡسٍ، مَّنۡ لَّقِيَ اللّٰهَ مُسۡتَيۡقِنًا بِهِنَّ دَخَلَ الۡجَنَّةَ : يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ، وَالۡيَوۡمِ الۡآخِرِ، وَبِالۡجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَ بِالۡبَعۡثِ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ، وَالۡحِسَابِ] ”بہت خوب، بہت خوب! یہ پانچ چیزیں میزان میں کس قدر بھاری ہوں گی: (1) لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (2) وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ (3) سُبۡحَانَ اللّٰهِ (4) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ اور (5) وہ نیک بچہ جو فوت ہو جائے اور اس کا والد اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے۔ اور آپ نے فرمایا: (حسب ذیل) پانچ چیزیں بہت خوب ہیں جو ان کے ساتھ یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا: وہ (1) اللہ (2) یوم آخرت (3) جنت وجہنم (4) بعث بعد الموت اور (5) حساب پر ایمان رکھتا ہو۔“[4]

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ”باقیات صالحات“ سے مراد اللہ کا ذکر: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ، وَسُبۡحَانَ اللّٰهِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَتَبَارَكَ اللّٰهُ، وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، اسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ، صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ اور روزہ، نماز، حج، صدقہ، غلام آزاد کرنا، جہاد، صلہ رحمی اور دیگر تمام اعمال حسنہ ہیں، پس وہ باقیات صالحات ہیں جو اپنے انجام دینے والوں کے لیے جنت میں اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہیں گے۔[5]

[1] تفسير الطبري:315/15. [2] تفسير الطبري:316/15-318. [3] مسند أحمد:71/1. [4] مسند أحمد:443/3 و 237/4 و مجمع الزوائد، الأذكار، باب ماجاء في الباقيات الصالحات ونحوها:101/10، حديث:16843 عن أبي سلمة ﷺ راعي رسول الله ﷺ و الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):430/24. [5] تفسير الطبري:318/15.

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلی (میدان کی طرح) دیکھیں گے، اور ہم ان کو اکٹھا کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے

اَحَدًا ﴿47﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۡ

کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے ﴿47﴾ اور وہ آپ کے رب کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے (کہا جائے گا:) یقیناً تم ہمارے پاس (ایسے) آئے

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿48﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

ہو جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا، بلکہ تم سمجھتے تھے کہ ہم تمھارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے ﴿48﴾ اور (ہر ایک کا) اعمال نامہ

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً

(سامنے) رکھ دیا جائے گا، پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس کے مندرجات (تحریر) سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی!

وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ

کیسا ہے یہ اعمال نامہ جو نہیں چھوڑ رہا کسی چھوٹے اور نہ بڑے (عمل) کو مگر اس نے اسے شمار کر رکھا ہے۔ اور انھوں نے جو عمل کیے تھے حاضر پائیں

6 ع 5 18 رَبُّكَ اَحَدًا ﴿49﴾ ع

گے۔ اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا ﴿49﴾

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد پاکیزہ گفتگو ہے۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ تمام اعمال صالحہ ہی باقیات صالحات ہیں۔[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 47-49

قیامت کی ہولنا کیاں: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ہولنا کیوں اور اس دن وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ ﴾ (الطور 52:9،10) ”جس دن آسمان کپکپا کر لرزنے لگیں گے اور پہاڑ (خوف ناک طریقے سے) چلنے لگیں۔“ یعنی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے، ٹل جائیں گے اور زوال پذیر ہو جائیں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ ...... ﴾ الآیة (النمل 27:88) ”اور آپ پہاڑوں کو دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ (اپنی جگہ پر) کھڑے ہیں مگر وہ (اس روز) اس طرح گزر جائیں گے جیسے بادل......۔“ اور فرمایا: ﴿ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ ﴾ (القارعة 101:5) ”اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی (رنگین) اون۔“ اور فرمایا: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ ﴾ (طٰهٰ 20:105-107) ”اور وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دیجیے: اللہ ان کو اڑا کر بکھیر دے گا اور زمین کو ہموار میدان کر چھوڑے گا جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی۔)“

[1] تفسیر الطبری:318/15. [2] تفسیر الطبری:318/15. [3] تفسیر الطبری:318/15.

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پہاڑ ختم ہو جائیں گے، زمین ہموار ہو جائے گی۔ ﴿ قَاعًا صَفْصَفًا ﴾ (طٰہٰ 106:20) ''ہموار میدان'' جس کی سطح مستوی ہوگی جس میں کوئی نشیب وفراز نہ ہوگا، وادیاں ہوں گی نہ پہاڑ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ ''اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے۔'' صاف اور کھلے میدان کی طرح ہوگی جس میں کسی کی ملکیت کا کوئی نشان نہ ہوگا اور نہ چھپنے کے لیے کسی کے پاس کوئی مکان ہوگا، سب کی سب مخلوق اپنے رب کے سامنے عیاں ہوگی، ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہ سکے گا۔ مجاہد اور قتادہ ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں چھپنے اور غائب ہونے کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ [1] قتادہ کا یہ بھی قول ہے کہ اس میں کوئی عمارت یا کوئی درخت نہ ہوگا۔ [2]

﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' یعنی اگلے پچھلے تمام لوگوں کو جمع کر لیں گے اور ان میں سے کسی بھی چھوٹے بڑے کو نہیں چھوڑیں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (الواقعة 56:49,50) ''کہہ دیجیے: بے شک پہلے اور پچھلے (سب) ایک روز مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴾ (ھود 11:103) ''یہ وہ دن ہوگا جس میں سب اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے۔''

فرشتے بھی حضور ایزدی میں قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ﴾ ''اور سب آپ کے پروردگار کے سامنے قطار در قطار لائے جائیں گے۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ہی صف میں کھڑی ہوں گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴾ (النبا 78:38) ''جس دن روح (الامین) اور (دیگر) فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو (اللہ) رحمان اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔'' اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے صفوں کی صورت میں کھڑا کیا جائے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴾ (الفجر 89:22) ''اور آپ کا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار باندھے (کھڑے) ہوں گے۔'' فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''(تو ہم ان سے کہیں گے کہ) البتہ تحقیق جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آئے ہو۔'' یہ منکرینِ آخرت کے لیے تمام مخلوقات کے سامنے بہت سخت ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش ہوگی، اسی لیے اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴾ ''لیکن تم نے تو یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم تمھارے لیے (قیامت کا) کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے۔'' یعنی تمھارے تو

[1] تفسیر الطبری:15/319. [2] تفسیر الطبری:15/319 و تفسیر ابن أبی حاتم:7/2365.

وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تمھیں اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا اور ایک نہ ایک دن یہ وقت ضرور آ کر رہے گا۔

مجرموں کا دم بخود کھڑے ہونا اور سربستہ رازوں کا کھلنا: فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ﴾ اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی۔'' یعنی کتاب اعمال جس میں جلیل وحقیر اور چھوٹے بڑے تمام اعمال لکھے ہوں گے۔ ﴿ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ ﴾ تو تم گناہ گاروں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے۔'' یعنی اپنے ان قبیح اعمال اور برے افعال کی وجہ سے جن کی مکمل تفصیل اس میں درج ہوگی۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا ﴾ ''اور کہیں گے: ہائے شامت!'' حسرت وافسوس اس کوتاہی پر جو ہم نے اپنی زندگی میں کی تھی۔ ﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ﴾ ''یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے۔'' یعنی چھوٹا یا بڑا عمل اور گناہ ایسا نہیں جسے اس نے محفوظ اور ضبط نہ کر رکھا ہو۔ ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾ ''اور جو عمل کیے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے۔'' یعنی تمام اچھے برے اعمال جو انھوں نے کیے ہوں گے انھیں اپنے سامنے لکھا ہوا موجود پائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ ...... ﴾ الآیة (آل عمرٰن 30:3) ''جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پا لے گا اور ان کی برائی کو بھی (دیکھ لے گا۔)......'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ (القیٰمة 13:75) ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑیں ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ ﴾ (الطارق 9:86) ''جس دن (دلوں کے) بھید جانچے جائیں گے۔'' یعنی دلوں کے بھیدوں اور خفیہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

غدار کا ذلیل و رسوا ہونا: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ] ''غداری کرنے والے ہر شخص کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا جس کے ساتھ وہ پہچانا جائے گا۔''[1] یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔[2]

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ (عِنْدَ اسْتِهِ) يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَدْرِهِ] [يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ] ''ہر غداری کرنے والے کے لیے روز قیامت اس کی سرین کے پاس اس کی غداری کے مطابق ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ بھر ظلم کرتا ہے، نہ کرے گا: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾ ''اور آپ کا پروردگار

---

[1] مسند أحمد:142/3 و 270. [2] صحيح البخاري، الحيل، باب إذاغصب جارية ......، حديث:6966 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، حديث:1737 عن أنس رضی اللہ عنہ. [3] پہلا حصہ صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، حديث:(16)-1738 کے مطابق ہے جبکہ قوسین والے الفاظ، حديث:1738 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ میں اور دوسرا حصہ صحيح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس......، حديث: 6177 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔'' وہ اپنے بندوں کے تمام اعمال کا فیصلہ فرمائے گا مگر اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ معاف فرمائے گا، درگزر کرے گا اور رحم فرمائے گا اور اپنی قدرت وحکمت اور عدل کے مطابق جسے چاہے گا عذاب بھی دے گا اور کفار اور گناہ گاروں سے جہنم کو بھر دے گا، پھر گناہ گاروں کو بھی جہنم سے نجات دے دے گا اور کافروں کو اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رکھے گا، وہ ایسا حاکم ہے جو کسی پر قطعاً کوئی ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 40:4) ''اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کردے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 47:21) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو لا موجود کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے گا: امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ مجھے ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کے پاس ایک ایسی حدیث ہے جسے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو میں نے ایک اونٹ خریدا، اس پر کجاوا کسا اور ایک مہینے کے سفر کے بعد میں ان کے پاس شام میں پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص عبداللہ بن اُنَیس ہیں۔ میں نے دربان سے کہا کہ انھیں بتاؤ کہ دروازے پر جابر ہیں، اس نے پوچھا: ابن عبداللہ؟ میں نے جواب دیا: ہاں، وہ اپنے کپڑے کو گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے تو انھوں نے مجھے اور میں نے انھیں گلے لگایا۔ میں نے کہا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ کے پاس قصاص سے متعلق ایک ایسی حدیث ہے جسے آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے اس حدیث کے سننے سے پہلے آپ کا انتقال نہ ہو جائے یا میں نہ فوت ہو جاؤں (اس لیے میں اس حدیث کو سننے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

[يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ أَوْ قَالَ: الْعِبَادُ۔ عُرَاةً غُرْلًا بُهْمًا، قَالَ: قُلْنَا: وَمَا بُهْمًا؟ قَالَ: لَيْسَ مَعَهُمْ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ (يَّسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ): أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الدَّيَّانُ، وَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ أَهْلِ النَّارِ أَنْ يَّدْخُلَ النَّارَ، وَلَهُ عِنْدَ أَحَدٍ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَقٌّ حَتّٰى أَقُصَّهُ مِنْهُ، وَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ وَلِأَحَدٍ مِّنْ أَهْلِ النَّارِ عِنْدَهُ حَقٌّ حَتّٰى أُقُصَّهُ مِنْهُ حَتَّى اللَّطْمَةَ، قَالَ قُلْنَا: كَيْفَ وَإِنَّا إِنَّمَا نَأْتِي اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عُرَاةً غُرْلًا بُهْمًا؟ قَالَ: بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو۔ یا فرمایا کہ بندوں کو۔ اس طرح جمع فرمائے گا کہ وہ عریاں، غیر مختون اور بُہم ہوں

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ

رب کے حکم کی نافرمانی کی، کیا پھر (بھی) تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو جبکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ وہ

عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿50﴾

(شیطان) ظالموں کے لیے بطور بدل برا ہے ﴿50﴾

گے۔ میں نے پوچھا کہ بُہم کا کیا مطلب۔ انھوں نے کہا (اس کا مطلب یہ ہے کہ) ان کے ساتھ کوئی چیز نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایسی آواز کے ساتھ بلائے گا جس کو قریب و بعید کے سب لوگ یکساں طور پر سنیں گے اور فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، میں ہوں حاکم۔ کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں داخل نہیں ہوسکتا کہ اس کا اہل جنت میں سے کسی پر کوئی حق ہو اور میں اس سے اس کا حق اسے دلا نہ دوں اور نہ کوئی جنتی اس وقت تک جنت میں داخل ہوسکتا ہے کہ اس کا اہل جہنم میں سے کسی پر کوئی حق ہو اور میں اس سے اس کا حق اسے دلا نہ دوں حتی کہ اگر کسی کا ایک تھپڑ مارنے کا حق ہو تو وہ بھی اسے دلا دیا جائے گا۔ راوی نے کہا کہ ہم نے عرض کی کہ حق کس طرح دلایا جائے گا جبکہ ہم تو اللہ عزوجل کے پاس اس حالت میں آئیں گے کہ برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون ہوں گے اور ہمارے پاس کوئی چیز بھی نہ ہوگی! تو آپ نے فرمایا: حقوق نیکیوں اور برائیوں کی صورت میں ادا کیے جائیں گے۔''[1]

شعبہ نے عوّام بن مُراجم سے، انھوں نے ابوعثمان سے اور انھوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الْجَمَّاءَ لَتُقَصُّ مِنَ الْقَرْنَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''قیامت کے دن بے سینگ بکری کا سینگوں والی بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا۔''[2] اسے عبداللہ بن امام احمد نے روایت کیا ہے۔[3] اور اس کے دیگر سندوں سے بھی کئی شواہد موجود ہیں۔[4]

تفسیر آیت: 50

قصۂ آدم و ابلیس: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ ابلیس کو ان سے بے حد عداوت ہے جیسا کہ وہ قبل ازیں ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی دشمن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش بھی کی ہے جو ابلیس کی پیروی کریں، اپنے خالق اور اپنے آقا و مولا کی نافرمانی کریں۔ یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ انسان کو پیدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے لطف و کرم سے اسے رزق عطا فرمایا مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ ابلیس کا دوست اور اپنے اللہ کا دشمن بن جاتا ہے! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا۔'' یعنی تمام فرشتوں کو جیسا کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں قبل ازیں

① مسند أحمد: 495/3 اور قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَلَا تَنْفَعُ......﴾ (سبا 23:34)......، قبل الحديث: 7481. ② مسند البزار: 41,40/2، حديث: 387. ③ مسند أحمد: 72/1. ④ صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2582 و مسند أحمد: 235/2 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

بیان کیا جا چکا ہے[1] کہ ﴿اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ﴾ ''آدم کو سجدہ کرو۔'' یہ تشریف وتکریم اور تعظیم کا سجدہ تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنِّىۡ خَالِـقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ ○﴾ (الحجر 29,28:15) ''اور جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں، جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ كَانَ مِنَ الۡجِنِّ﴾ ''تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا۔'' یعنی اس کی اصلیت نے اس کی مخالفت کی اور اسے دھوکا دیا کیونکہ اسے آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا تھا جبکہ فرشتے نور سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ وَّخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ] ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، جنّوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جسے تمھارے سامنے بیان کیا جا چکا ہے۔''[2] (ضرب المثل ہے) ''بوقتِ ضرورت برتن سے وہی کچھ چھلکتا ہے جو اس میں ہو۔'' چنانچہ اس موقع پر ابلیس کو بھی اس کی اصلیت نے دھوکا دیا (اور اسے سجدہ نہ کرنے دیا)۔ اس نے فرشتوں کے افعال شروع کر کے ان کے ساتھ مشابہت اختیار کر لی تھی اور عبادت وریاضت شروع کر دی تھی، اس لیے وہ بھی اس خطاب میں داخل تھا جو فرشتوں کے لیے تھا مگر اس نے مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرما کر کہ وہ جنات میں سے تھا، اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا تھا جیسا کہ اس نے خود بھی کہا تھا: ﴿اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ○﴾ (صٓ 76:38) ''میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس لمحہ بھر کے لیے بھی فرشتوں میں سے نہ تھا کیونکہ وہ تو جنات کی اصل تھا جیسا کہ آدم علیہ السلام انسانوں کی اصل ہیں۔ اسے امام ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ ؕ﴾ ''تو وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج ہو گیا، فسق کے معنی خروج کے ہیں۔ فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ اس وقت کہا جاتا ہے جب کھجور اپنے خوشوں سے نکل آئے اور فَسَقَتِ الْفَأْرَةُ مِنْ جُحْرِهَا اس وقت کہتے ہیں جب چوہا چیزیں خراب کرنے کے لیے اپنے بل سے باہر نکل آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی اطاعت وفرماں برداری کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَفَتَتَّخِذُوۡنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِىۡ﴾ ''کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟'' یعنی میرے بجائے تم ان کو دوست بناتے ہو، اسی

[1] دیکھیے آیت:34 کے ذیل میں۔ [2] صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب في أحاديث متفرقة، حديث: 2996. [3] تفسير الطبري: 323/15.

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ

میں نے انھیں نہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں گواہ حاضر کیا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے میں، اور میں گمراہ کرنے والوں کو بازو

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿51﴾

(مددگار) بنانے والا نہیں ﴿51﴾

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

اور جس دن وہ (اللہ) کہے گا: پکارو میرے ان شریکوں کو جنھیں تم (میرا شریک) سمجھتے تھے، پھر وہ انھیں پکاریں گے مگر وہ انھیں کوئی جواب نہ دیں گے،

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿52﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ

اور ہم ان کے درمیان ہلاکت گاہ بنا دیں گے ﴿52﴾ اور مجرم آگ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ بے شک وہ اس میں گرنے والے ہیں، اور وہ اس

7 ع 4 19 يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿53﴾

سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے ﴿53﴾

لیے فرمایا: ﴿ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿50﴾ ﴾ ”اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔“ یہ مقام اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰسٓ میں قیامت اور اس کی ہولناکیوں اور سعادت مند و بد بخت لوگوں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:59-62) ”اے گناہ گارو! اور تم آج الگ ہو جاؤ، اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا، پس یہ سیدھا رستہ ہے اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔“

تفسیر آیت : 51

مشرک جنھیں پکارتے ہیں وہ ذرے کے بھی مالک نہیں: مشرکوں کے معبودوں کو کسی چیز کی تخلیق کے وقت نہیں بلایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ جنھیں تم نے مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا لیا ہے یہ تو تمھاری طرح میرے غلام ہیں، یہ کسی چیز کے مالک نہیں، میں نے انھیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت بلایا بھی نہیں تھا اور یہ اس وقت موجود ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمام اشیاء کو صرف میں ہی پیدا کرتا، میں ہی ان کی تدبیر کرتا اور ان کے اندازے مقرر کرتا ہوں، میرا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وزیر، کوئی مشیر ہے اور نہ کوئی نظیر جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ (سبا 34:22,23) ”کہہ دیجیے: جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ، وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان دونوں میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار رہی ہے۔ اور اللہ

کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔‘‘

اس لیے یہاں فرمایا: ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴾ ’’اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔‘‘

مالک کہتے ہیں کہ ﴿عَضُدًا ﴾ کے معنی اعوان و مددگار کے ہیں۔

تفسیر آیات :53,52

شرکاء کی جواب سے عاجزی اور مجرمین کی آگ پر حاضری: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے طور پر مشرکوں سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ ’’میرے شریکوں کو جن کی نسبت تم گمان (اُلوہیّت) رکھتے تھے بلاؤ!‘‘ دنیا میں جن کے بارے میں تم یہ گمان رکھتے تھے، آج انھیں بلاؤ تاکہ وہ تمھیں اس سے نجات دلائیں جس میں تم مبتلا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 94:6) ’’اور البتہ تحقیق جیسا ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے اور جو (مال ومتاع) ہم نے تمھیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمھارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے۔‘‘ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ ’’تو وہ ان کو بلائیں گے مگر وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ......﴾ الآية (القصص 64:28) ’’اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ تو وہ ان کو پکاریں گے اور وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے......۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝﴾ (الأحقاف 6,5:46) ’’اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝﴾ (مریم 82,81:19) ’’اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے موجب عزت ہوں، ہرگز نہیں وہ (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔‘‘ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴾ ’’اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ ﴿مَّوْبِقًا ﴾ کے معنی ہلاکت کی جگہ کے ہیں۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 328/15.

گمراہ وہدایت یافتہ کو الگ الگ اور مجرموں کو جدا کر دیا جائے گا: بہر حال معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان مشرکوں کے لیے اپنے ان معبودوں تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی جن کو وہ دنیا میں مانتے تھے۔ آخرت میں ان میں اور ان کے معبودوں میں جدائی ڈال دی جائے گی، ان میں سے کوئی فریق دوسرے تک نہیں پہنچ سکے گا بلکہ دونوں میں ہلاکت کی جگہ بنا دی جائے گی۔ اگر ﴿ بَيۡنَهُمۡ ﴾ کی ضمیر کا مرجع مومنوں اور کافروں کو قرار دیا جائے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اہل ہدایت وضلالت میں فرق کر دیا جائے گا۔[1] تو یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوۡنَ ۝ ﴾ (الروم 30:14) ''اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز وہ الگ الگ فرقے ہو جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوۡمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ۝ ﴾ (الروم 30:43) ''اس روز (سب) لوگ منتشر ہو جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:59) ''اور الگ ہو جاؤ آج اے مجرمو!'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا مَكَانَكُمۡ اَنۡتُمۡ وَشُرَكَآؤُكُمۡ ۚ فَزَيَّلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۝ هُنَالِكَ تَبۡلُوۡا كُلُّ نَفۡسٍ مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ وَرُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝ ﴾ (یونس 10:28-30) ''اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے، پھر مشرکوں سے کہیں گے: تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تو کرتے ہی نہیں تھے، چنانچہ ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، بے شک ہم تمھاری عبادت سے بالکل غافل تھے۔ وہاں ہر شخص جانچ لے گا جو کچھ اس نے پہلے (دنیا میں) کیا تھا اور وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے، اور وہ سب کچھ ان سے جاتا رہے گا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ۝ ﴾ ''اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے۔'' یعنی جب وہ جہنم کو اس وقت دیکھیں گے جب اسے ستر ہزار زنجیروں کے ساتھ جکڑ کر لایا جائے گا اور ہر زنجیر کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔[2] ﴿ وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ ﴾ ''اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے'' تو انھیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں۔ جہنم کا مشاہدہ انھیں اس لیے کرایا جائے گا تاکہ اس میں پڑنے سے پہلے ہی غم وحزن میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کے خوف کا طاری ہو جانا بھی عذاب ہی ہے۔ ﴿ وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ۝ ﴾ ''اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے۔'' ان کے لیے کوئی ایسا رستہ نہ ہوگا جو انھیں دوزخ سے ہٹا کر دور لے جائے بلکہ وہ ضرور اسی میں داخل ہو کر رہیں گے۔

[1] تفسیر الطبری: 328/15. [2] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها ......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2842 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ.

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر ہر قسم کی مثال بیان کی ہے، اور انسان تمام چیزوں سے

اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿54﴾

زیادہ جھگڑالو ہے ﴿54﴾

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمْ

اور لوگوں کو ایمان لانے سے نہیں روکا جب ان کے پاس ہدایت آگئی اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے مگر (اس بات نے) کہ (وہ چاہتے ہیں)

سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿55﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ

انھیں پہلے لوگوں کا (سا) معاملہ پیش آئے، یا ان پر عذاب بالکل سامنے آجائے ﴿55﴾ اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر (لوگوں کو) خوشخبری دینے والے اور

وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا

ڈرانے والے، اور کافر لوگ تو باطل طریقے سے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ساتھ حق کو باطل کر دیں اور انھوں نے ہماری آیات کو اور جس چیز سے

اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿56﴾

ڈرائے گئے اس کو استہزا بنالیا ﴿56﴾

تفسیر آیت: 54

قرآن میں بیان کردہ مثالیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں تمام امور کو نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ وہ حق سے دور اور راہ ہدایت سے گمراہ نہ ہوں لیکن اس بیان وفرقان کے باوجود انسان بہت جھگڑالو ہے اور وہ باطل کے ساتھ حق کا مقابلہ کرتا رہتا ہے، البتہ ان لوگوں کا طرز عمل مختلف ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اور راہ نجات کی بصیرت سے نواز دے۔ امام احمد نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور آپ نے فرمایا: [أَلَا تُصَلِّيَانِ؟] ''کیا تم نماز نہیں پڑھتے؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھانا چاہے تو اٹھا دیتا ہے۔ جب میں نے یہ بات کہی تو آپ واپس تشریف لے گئے اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا، میں نے سنا کہ آپ جب واپس تشریف لے جا رہے تھے تو اپنی ران پر ہاتھ مارتے اور فرماتے جا رہے تھے: ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا﴾ ﴿54﴾ ''اور انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 56,55

کفار کی سرکشی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار قدیم وجدید ہر دور میں سرکشی کرتے اور روشن نشانیاں اور واضح دلائل

[1] مسند أحمد: 112/1. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب تحريض النبیﷺ علی قيام الليل ......، حديث: 1127 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب الحث علی صلاة الليل ......، حديث: 775.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ موڑ لے اور جو کچھ اس کے دونوں ہاتھوں نے

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ

آگے بھیجا ہے اسے بھول جائے، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اس سے کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے کانوں

تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿57﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

میں گرانی (ڈال دی۔) اور اگر آپ انھیں ہدایت کی طرف بلائیں تو تب وہ ہرگز ہدایت نہ پائیں گے کبھی بھی ﴿57﴾ اور آپ کا رب خوب بخشنے والا، رحمت

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ

والا ہے۔ اگر وہ ان کے کیے پر انھیں پکڑے تو یقیناً ان کے لیے عذاب جلدی لائے، بلکہ ان کے لیے وعدے کا (مقرر) وقت ہے، وہ ہرگز اس سے

يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿58﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

(بچنے کی) کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے ﴿58﴾ اور یہ بستیاں ہم نے انھیں ہلاک کیا جب انھوں نے ظلم کیا، اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر

8 ع 6 20 لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿59﴾

وقت طے کیا تھا ﴿59﴾

دیکھنے کے باوجود واضح اور ظاہر حق کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ اتباعِ حق سے انھیں صرف اس بات نے روکا کہ انھوں نے مطالبہ کیا تھا کہ جس عذاب کی آمد کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انھوں نے اپنے نبی سے کہا تھا: ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ؕ﴾ (الشعرآء 187:26) ”اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔“ دوسروں نے کہا: ﴿ ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (العنکبوت 29:29) ”اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔“ کفار قریش نے کہا: ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (الأنفال 32:8) ”اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔“ اور ﴿ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الحجر 7,6:15) ”اور (کفار) کہتے ہیں کہ اے شخص جس پر نصیحت (کی کتاب) نازل ہوئی ہے تو تو دیوانہ ہے اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا۔“ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ ”سوائے اس کے کہ (اس بات کے منتظر ہوں کہ) انھیں بھی پہلوں کا سا معاملہ پیش آئے۔“ یعنی عذاب آجائے اور ان سب کو اپنی گرفت میں لے لے۔ ﴿ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿55﴾﴾ ”یا ان پر عذاب سامنے آجائے۔“ اور اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ ”اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجا کرتے ہیں کہ (لوگوں کو اللہ کی نعمتوں کی

خوش خبریاں سنائیں اور (عذاب سے) ڈرائیں۔'' عذاب سے پہلے پیغمبروں کو بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ ان کو خوش خبری سنائیں جو ان کو سچا مانیں اور ان کے ساتھ ایمان لائیں اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں جو ان کی تکذیب و مخالفت کریں، پھر کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ﴾ ''اور جو کافر ہیں وہ باطل (کی سند) سے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو شکست دے دیں۔'' یعنی اس حق کو کمزور کر دیں جو پیغمبر ان کے پاس لے کر آئے تھے مگر یہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ ﴿ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ ﴾ ''اور انھوں نے ہماری آیتوں کو اور جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا ہے، ہنسی بنالیا۔'' یعنی انھوں نے ان دلائل و براہین اور معجزات کو جن کے ساتھ پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا تھا اور اس عذاب کو جس سے پیغمبروں نے ڈرایا تھا ہنسی مذاق بنالیا تھا اور یہ تکذیب کی انتہا ہے۔

تفسیر آیات: 57-59

سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو نصیحت کے بعد اعراض کرے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کی جائے مگر وہ ان سے منہ پھیر لے، انھیں بھلا دے اور ان کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ دے۔ ﴿ وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ ﴾ ''اور جو اعمال وہ آگے کر چکا اس کو بھول گیا۔'' یعنی اپنے برے اعمال اور قبیح افعال کو۔ ﴿ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ ﴾ ''ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اس سے کہ اسے سمجھ سکیں۔'' یعنی اس قرآن و بیان کو سمجھ نہ سکیں۔ ﴿ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ ﴾ ''اور ان کے کانوں میں ثقل (پیدا کر دیا ہے کہ سن نہ سکیں۔)'' یعنی معنوی ثقل پیدا کر دیا تاکہ رشد و ہدایت کی باتیں سن نہ سکیں۔ ﴿ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾ ﴾ ''اور اگر آپ ان کو رستے کی طرف بلائیں تو کبھی بھی رستے پر نہ آئیں گے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار بخشنے والا صاحب رحمت ہے۔'' اے محمد (ﷺ!) آپ کا پروردگار بخشنے والا اور بے پایاں رحمت والا ہے۔ ﴿ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ ﴾ ''اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کو پکڑنے لگے تو ان پر جھٹ عذاب بھیج دے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ ...... ﴾ الآیة (فاطر 45:35) ''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار نہ چھوڑتا......'' اور فرمایا: ﴿ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ○ ﴾ (الرعد 6:13) ''اور آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کر دینے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار بہت سخت عذاب دینے والا ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ حلم سے کام لیتا، اپنے بندوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ بعض کو رشد و ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور جو شخص اپنی سرکشی و ضلالت ہی پر اڑا رہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا دن بھی تیار کر رکھا ہے جس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور تمام حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اسی

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴿60﴾

اور جب موسیٰ نے اپنے جوان (یوشع بن نون) سے کہا: میں تو چلتا ہی رہوں گا، حتی کہ [مَجْمَعُ الْبَحْرَيْن] ''دو دریاؤں کے سنگم'' پر پہنچ جاؤں، یا میں

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿61﴾ فَلَمَّا

مدت ہائے دراز گزاروں (چلتا رہوں)﴿60﴾ پھر جب وہ دونوں ان دونوں (دریاؤں) کی آپس میں ملنے کی جگہ پر پہنچے، (تو) وہ اپنی مچھلی بھول گئے، سو

جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا ہٰذَا نَصَبًا ﴿62﴾ قَالَ

اس نے دریا میں اپنا راستہ سرنگ نما بنالیا﴿61﴾ پھر جب وہ دونوں آگے گزر گئے تو اس (موسیٰ) نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمیں ہمارا ناشتہ دے، بلاشبہ

اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَۃِ فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ

یقیناً اپنے اس سفر سے ہم تھکاوٹ سے دوچار ہوئے ہیں﴿62﴾ وہ بولا: بھلا آپ نے دیکھا جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی

اَنۡ اَذۡکُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ ٭ۖ عَجَبًا ﴿63﴾ قَالَ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبۡغِ ٭ۖ فَارۡتَدَّا

بھول گیا، اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان ہی نے کہ میں اسے یاد رکھوں، اور اس نے عجیب طرح دریا میں اپنا راستہ بنایا﴿63﴾ اس نے کہا: یہی تو ہے

عَلٰۤی اٰثَارِہِمَا قَصَصًا ﴿64﴾ فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا

جو ہم تلاش کر رہے تھے، پھر وہ اپنے قدموں کے نشانات کی اتباع کرتے ہوئے لوٹے﴿64﴾ چنانچہ ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک

وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿65﴾

بندے (خضر) کو پایا، جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے (خاص) علم سکھایا تھا﴿65﴾

لیے فرمایا: ﴿ بَلۡ لَّہُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ یَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا ﴿58﴾ ﴾ ''مگر ان کے لیے وعدے کا وقت (مقرر) ہے کہ اس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔'' اللہ تعالیٰ کے بجائے ان کے لیے کوئی جائے پناہ اور ٹھکانا نہ ہوگا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ تِلۡکَ الۡقُرٰۤی اَہۡلَکۡنٰہُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا ﴾ ''اور یہ بستیاں (جو ویران پڑی ہیں) جب انھوں نے (کفر سے) ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔'' یعنی سابقہ امتوں اور قوموں کو ہم نے ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا۔ ﴿ وَ جَعَلۡنَا لِمَہۡلِکِہِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿59﴾ ﴾ ''اور ہم نے ان کی تباہی کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔'' ہم نے ان کے لیے ایک مدت معلوم اور وقت معین مقرر کر رکھا تھا جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی تھی، اسی طرح مشرکو! تم بھی ڈرو کہیں تم بھی اسی طرح عذاب کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ جس میں یہ سابقہ امتیں مبتلا ہو گئی تھیں کیونکہ تم نے تو اشرف رسول اور اعظم نبی ﷺ کی تکذیب کی ہے اور تم ہمارے نزدیک ان سے زیادہ معزز نہیں ہو، لہٰذا میرے عذاب اور میرے ڈرانے سے ڈرو!

تفسیر آیات: 60-65

موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد، یعنی یوشع بن نون سے یہ اس لیے فرمایا تھا کہ آپ سے کہا گیا تھا کہ مجمع البحرین میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بندہ ہے جن کے پاس وہ علم ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے پسند فرمایا کہ سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوں، اسی لیے انھوں نے اپنے شاگرد سے فرمایا: ﴿ لَاۤ اَبۡرَحُ ﴾ ''میں چلتا رہوں گا۔'' یعنی

مسلسل چلتا رہوں گا۔ ﴿ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ ﴾ ''جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں۔'' یعنی اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ ﴿ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ ﴾ ''خواہ برسوں چلتا رہوں۔'' یعنی خواہ عرصۂ دراز تک چلتا رہوں۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عربی زبان کے بعض علماء کا کہنا ہے کہ بنو قیس کی لغت میں حقب ایک سال کو کہتے ہیں۔① پھر انھوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حُقُبَة کے معنی اسی (80) سال ہیں۔② اور مجاہد کا قول ہے اس سے مراد ستر (70) سال ہیں۔③ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حقب ایک زمانے کو کہتے ہیں۔④ قتادہ اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔⑤

مچھلی کا دریا میں چھلانگ لگانا اور ان کا منزل مقصود کو پالینا: ﴿ فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا ﴾ ''چنانچہ جب وہ دونوں (دریاؤں) کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے۔'' موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک بھنی ہوئی مچھلی بھی اپنے ساتھ لے لیں اور جہاں مچھلی گم ہو جائے تو اسی جگہ وہ بندہ ملے گا۔ موسیٰ و یوشع (علیہما السلام) دونوں چلتے رہے حتی کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ گئے، اسی مقام پر وہ چشمہ ہے جسے چشمۂ حیات کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں وہاں سو گئے۔ مچھلی پر وہاں جب پانی کے چھینٹے پڑے تو اس میں حرکت پیدا ہوئی، یہ مچھلی اس وقت یوشع علیہ السلام کے پاس ایک تھیلے میں تھی، مچھلی نے تھیلے سے باہر نکل کر دریا میں چھلانگ لگا دی، یوشع علیہ السلام بیدار ہو گئے اور انھوں نے مچھلی کے تعاقب میں پانی میں چلنا شروع کر دیا، ان کے لیے پانی طاق کی طرح تھا اور پانی آپس میں ملتا نہیں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ ﴾ ''تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا۔'' یعنی اس طرح جیسے زمین میں سرنگ ہوتی ہے۔ ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے نشانات اس طرح تھے جیسے پتھر ہو۔⑥ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: [مَا انۡجَابَ مَاءٌ مُنۡذُ كَانَ النَّاسُ غَيۡرُهُ ثَبَتَ مَكَانُ الۡحُوتِ الَّذِي فِيهِ فَانۡجَابَ كَالۡكُوَّةِ حَتّٰى رَجَعَ إِلَيۡهِ مُوسٰى ، فَرَأٰى مَسۡلَكَهُ، فَقَالَ: ﴿ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبۡغِ ﴾] ''مچھلی کی اس جگہ کے سوا پانی کبھی بھی نہیں پھٹا تھا اور مچھلی کی جگہ ایسی ہی سرنگ کی طرح رہی حتی کہ جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اس جگہ سے پانی پھٹ کر طاق کی طرح ہو گیا جس سے موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کے رستے کو دیکھ لیا تو فرمایا: ﴿ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبۡغِ ﴾ ''یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم چاہتے تھے۔''⑦

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَا ﴾ ''پھر جب وہ دونوں آگے گزر گئے۔'' یعنی جب اس جگہ سے آگے چلے گئے جہاں وہ مچھلی بھول گئے تھے، اگرچہ مچھلی بھولے صرف یوشع بن نون تھے مگر نسیان کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی ہے جس

① تفسیر الطبری:337/15 وتفسیر القرطبی:10/11. ② تفسیر الطبری:337/15. ③ تفسیر الطبری:337/15. ④ تفسیر الطبری:337/15. ⑤ تفسیر الطبری:338/15. ⑥ تفسیر الطبری:339/15. ⑦ تفسیر الطبری: 339/15.

مجمع البحرین

موسیٰ علیہ السلام اور خضر کی ملاقات

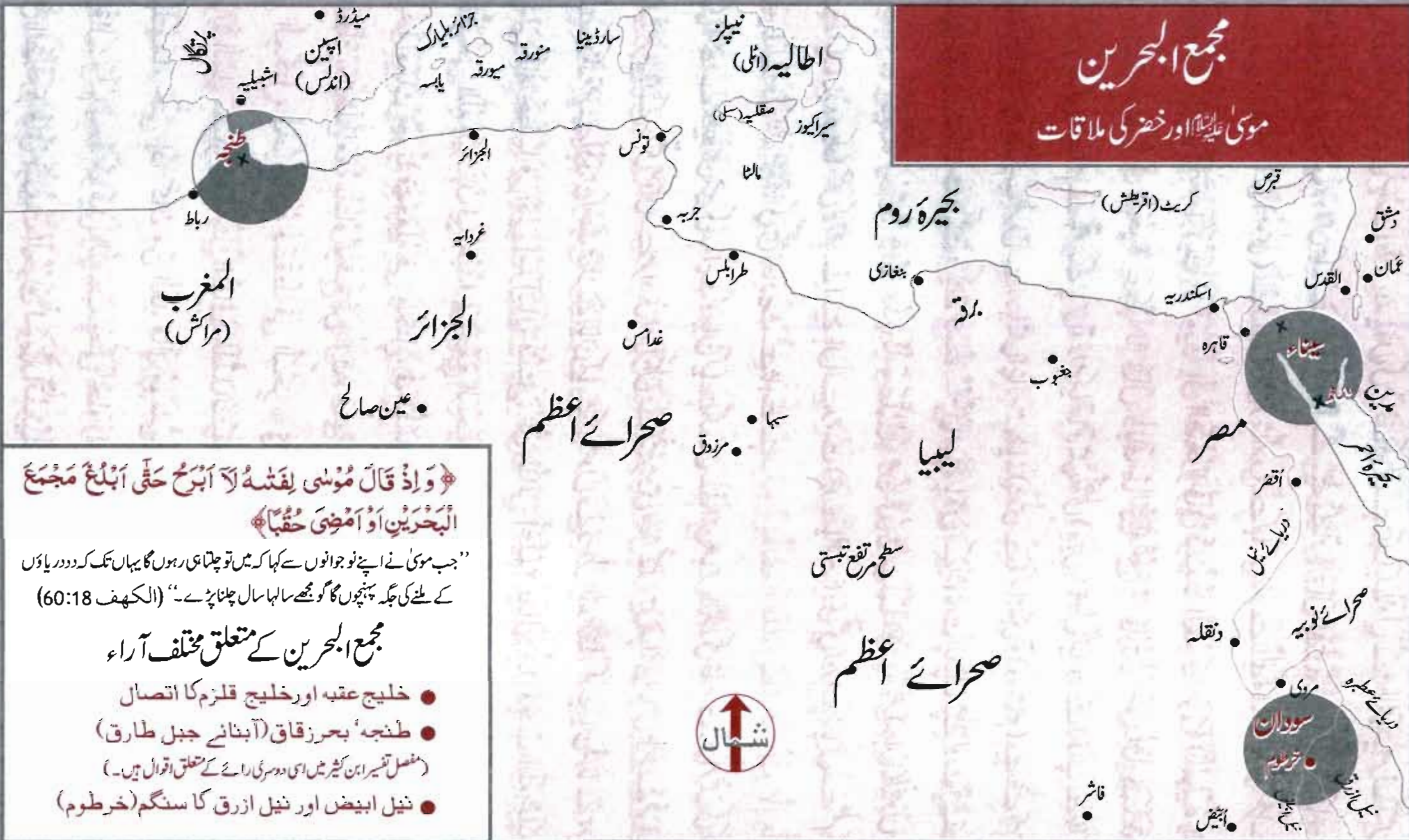

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا﴾

’’جب موسیٰ نے اپنے نوجوانوں سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچوں گا گو مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔‘‘ (الکھف 18:60)

مجمع البحرین کے متعلق مختلف آراء

- خلیج عقبہ اور خلیج قلزم کا اتصال
- طنجہ' بحر زقاق (آبنائے جبل طارق)
  (مفصل تفسیر ابن کثیر میں اسی دوسری رائے کے متعلق اقوال ہیں۔)
- نیل ابیض اور نیل ازرق کا سنگم (خرطوم)

طرح آیت کریمہ: ﴿ یَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَ الۡمَرۡجَانُ ﴾ (الرحمٰن 22:55) ’’دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں‘‘ میں موتی اور مونگے کی نسبت دونوں دریاؤں کی طرف کی گئی ہے جبکہ ایک قول کے مطابق یہ صرف نمکین پانی والے دریا سے نکلتے ہیں۔ بہر حال جب وہ اس جگہ سے ایک مرحلہ آگے چلے گئے تو ﴿ قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ ﴾ ’’اس (موسیٰ) نے اپنے جوان (شاگرد) سے کہا کہ ہمارے لیے کھانا لاؤ، اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے۔‘‘ تو اس نے کہا: ﴿ اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَةِ فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ ٭ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ٭ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ ﴾ ’’بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنایا۔ (موسیٰ نے) کہا: یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے، پھر وہ اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے دیکھتے لوٹے۔‘‘ یعنی اپنے پاؤں کے نشانات پر چلتے چلتے لوٹ آئے۔ ﴿ فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ ﴾ ’’پھر (وہاں) انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (نبوت یا نعمت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔‘‘ یہ خضر علیہ السلام تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کی کہ نوف بکالی کا گمان ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھی موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے کیونکہ ہم سے اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا:

[إِنَّ مُوسٰى قَامَ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ: أَنَا، فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ: إِنَّ لِي عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ مُوسٰى: يَا رَبِّ! فَكَيْفَ لِي بِهِ؟ قَالَ: تَأْخُذُ مَعَكَ حُوتًا فَتَجْعَلُهُ فِي مِكْتَلٍ، فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَهُوَ ثَمَّ، فَأَخَذَ حُوتًا، فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ، ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ، حَتّٰى إِذَا أَتَيَا الصَّخْرَةَ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَنَامَا، وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فِي الْمِكْتَلِ، فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ ﴿ فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ ﴾ وَأَمْسَكَ اللّٰهُ عَنِ الْحُوتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلَ الطَّاقِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ صَاحِبُهُ أَنْ يُخْبِرَهُ بِالْحُوتِ، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتَهُمَا، حَتّٰى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ قَالَ مُوسٰى لِفَتَاهُ: ﴿ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ ﴾ قَالَ: وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى النَّصَبَ حَتّٰى جَاوَزَا الْمَكَانَ الَّذِي أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ- فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ: ﴿ اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَةِ فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ ٭ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ ﴾ قَالَ: فَكَانَ لِلْحُوتِ سَرَبًا وَّلِمُوسٰى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا- فَقَالَ مُوسٰى: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ٭ۖ فَارۡتَدَّا

﴿ عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ قَالَ: رَجَعَا يَقُصَّانِ آثَارَهُمَا حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُّسَجًّى ثَوْبًا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسٰى فَقَالَ الْخَضِرُ: وَأَنّٰى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ؟ قَالَ: أَنَا مُوسٰى، قَالَ: مُوسٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ أَتَيْتُكَ، لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا، ﴿ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ يَامُوسٰى! إِنِّي عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ، وَأَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا أَعْلَمُهُ، فَقَالَ مُوسٰى: ﴿ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ أَعْصِيْ لَكَ أَمْرًا ﴾ فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: ﴿ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَمَرَّتْ سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَّحْمِلُوهُمْ فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُ بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَلَمَّا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ لَمْ يَفْجَأْ إِلَّا وَالْخَضِرُ قَدْ قَلَعَ لَوْحًا مِّنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ بِالْقَدُومِ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلٰى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا ﴿ لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا إِمْرًا ﴾ قَالَ ﴿ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ قَالَ ﴿ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ أَمْرِيْ عُسْرًا ﴾ قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَكَانَتِ الْأُولٰى مِنْ مُّوسٰى نِسْيَانًا، قَالَ: وَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً، فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: مَا عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ، ثُمَّ خَرَجَا مِنَ السَّفِينَةِ، فَبَيْنَاهُمَا يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ إِذْ بَصَرَ الْخَضِرُ غُلَامًا يَّلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَاقْتَلَعَهُ بِيَدِهِ فَقَتَلَهُ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: ﴿ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴾ قَالَ: ﴿ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ قَالَ: وَهٰذَا أَشَدُّ مِنَ الْأُولٰى قَالَ: ﴿ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴾ ﴿ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ أَنْ يَّنْقَضَّ ﴾ قَالَ:- مَائِلٌ- فَقَامَ الْخَضِرُ ﴿ فَأَقَامَهُ ﴾ بِيَدِهِ، فَقَالَ مُوسٰى: قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعِمُونَا وَلَمْ يُضَيِّفُونَا، ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴾ قَالَ: ﴿ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴾ (الكهف 18:61-78) فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَدِدْنَا أَنَّ مُوسٰى كَانَ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا.

قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَّقْرَأُ: (وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا) وَّكَانَ يَقْرَأُ: (وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَّكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ)]

''موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کی کہ انھوں نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے

عرض کی: یا اللہ میں ان کے پاس کس طرح پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو، اسے تھیلے میں ڈال لو اور جہاں تم مچھلی گم پاؤ وہاں وہ تمھیں مل جائیں گے۔ موسیٰ نے ایک مچھلی پکڑ کر تھیلے میں ڈال لی اور سفر پر روانہ ہو گئے، آپ کے شاگرد یوشع بن نون علیہ السلام بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ چلتے چلتے جب ایک پتھر کے پاس پہنچے تو دونوں اس پر سر رکھ کر سو گئے، تھیلے میں رکھی ہوئی مچھلی میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ تھیلے سے نکل کر دریا میں چلی گئی ﴿ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴾ ''پھر اس نے دریا میں اپنا سرنگ نما رستہ بنا لیا۔'' اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے پانی کی روانی کو روک لیا اور وہ پانی کی سطح پر طاق کی طرح تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ کے شاگرد مچھلی کے بارے میں آپ کو بتانا بھول گئے اور پھر باقی دن اور رات چلتے رہے حتی کہ جب اگلا دن آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد سے کہا: ﴿ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ ''ہمارے لیے کھانا لاؤ، اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہو گئی ہے۔'' موسیٰ علیہ السلام کو تکان اسی وقت ہوئی تھی جب انھوں نے اس جگہ سے تجاوز کیا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا تو آپ کے شاگرد نے کہا: ﴿ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ ''بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنا لیا تھا۔'' مچھلی کے لیے تو یہ رستہ سرنگ کی طرح تھا اور موسیٰ اور آپ کے شاگرد کے لیے یہ ایک تعجب انگیز بات تھی۔ تو یہ بات سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ''یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے دیکھتے لوٹے۔'' اور اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے چلتے واپس پتھر کے پاس آ گئے تو دیکھا کہ وہاں کپڑے میں لپٹا ہوا ایک آدمی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے انھیں سلام کہا تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ تمھاری اس زمین میں سلام کہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں تو انھوں نے کہا: بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ آپ نے جواب دیا: ہاں! اور میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ جو علم اللہ کی طرف سے آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ بھلائی کی باتیں مجھے بھی سکھا دیں: ﴿ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ ''(خضر نے) کہا کہ یقیناً تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔'' (اور پھر یہ بھی کہا:) اے موسیٰ (علیہ السلام!) اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ ایسا علم سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور اس نے کچھ علم آپ کو ایسا سکھایا ہے جو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴾ ''اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔'' خضر نے کہا: ﴿ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ ''اگر تم میری اتباع کرنا چاہو تو (شرط یہ ہے کہ) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔''

اس کے بعد دونوں دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے تو ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، انھوں نے کشتی والوں سے بات

کی کہ وہ انھیں بھی کشتی میں بٹھالیں، انھوں نے خضر کو پہچان لیا اور انھیں کرایہ لیے بغیر کشتی پر بٹھالیا۔ جب یہ دونوں کشتی میں سوار ہوگئے تو اچانک خضر نے تیشے کے ساتھ کشتی کے ایک تختے کو توڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے کرایہ لیے بغیر ہمیں اپنی کشتی پر بٹھایا (اور ہم پر یہ احسان کیا مگر) آپ نے ان کی کشتی کو اس لیے پھاڑ دیا ہے ﴿ لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ ﴾ ''کہ سواروں کو غرق کر دیں، یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی ہے!'' اس (خضر) نے کہا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ ﴾ ''کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔'' (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: ﴿ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ ﴾ ''جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مؤاخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے یہ پہلی بات واقعی بھول جانے کی وجہ سے سرزد ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے پر بیٹھ گئی اس نے دریا سے پانی کی ایک چونچ بھری تو خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا علم اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہے جس قدر کہ اس چڑیا کے چونچ بھرنے سے دریا کے پانی میں کمی ہوئی ہے۔

پھر دونوں کشتی سے باہر نکل کر سمندر کے ساحل پر چلنے لگے تو خضر نے ایک لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر کھیل رہا تھا، خضر نے اس لڑکے کے سر کو پکڑا اور اسے ہاتھ سے کچل کر قتل کر دیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ ﴾ ''آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بری بات کی۔'' تو انھوں نے جواب دیا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ ﴾ ''کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہیں ہو سکے گا۔'' اور یہ پہلی سے بھی زیادہ سخت بات تھی: ﴿ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ﴾ ''اس (موسیٰ) نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے، پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا، انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا، پھر انھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔'' یعنی ایک طرف کو جھک گئی تھی تو خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ﴿ فَاَقَامَهٗ ۭ ﴾ ''اس کو سیدھا کر دیا۔'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم ان لوگوں کے پاس آئے تھے مگر انھوں نے ہماری ضیافت کی اور نہ ہمیں کھانا کھلایا، ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ ﴾ ''اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) اس (خضر) نے کہا کہ اب مجھ میں اور تم میں علیحدگی ہے۔ (مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمھیں بھید بتائے دیتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اے کاش! موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں کی کچھ اور باتیں بھی بتا

قَالَ لَهٗ مُوۡسٰی هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿66﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنۡ

موسیٰ نے اس سے کہا: کیا اس (شرط) پر میں تیری اتباع کروں کہ تو مجھے اس میں سے سکھائے جو تجھے بھلائی سکھائی گئی ہے؟﴿66﴾ وہ بولا: بے شک

تَسۡتَطِيۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿67﴾ وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿68﴾ قَالَ

تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا﴿67﴾ اور جو چیز تیرے احاطۂ علم ہی میں نہیں، تو اس پر صبر کیسے کرے گا؟﴿68﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: یقیناً ان شاء اللہ تو

سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِیۡ لَكَ اَمۡرًا ﴿69﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ

مجھے صابر پائے گا اور میں کسی بھی حکم میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا﴿69﴾ اس (خضر) نے کہا: پھر اگر تو نے میری اتباع کرنی ہے تو کسی شے کی بابت

ع 9/11/21 فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرًا ﴿70﴾ ع

مجھ سے سوال نہ کرنا، حتی کہ میں خود ہی اس کا ذکر تجھ سے شروع کروں﴿70﴾

دیتا۔'' سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح قراءت فرمایا کرتے تھے: [وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا] ''اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی غصب کر لیتا تھا۔'' نیز آپ اس طرح بھی قراءت فرماتے: [وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَّكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ] ''پس غلام (بچہ) کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور روایت اسی طرح بیان فرمائی ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[فَخَرَجَ مُوسٰى وَمَعَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ، وَّمَعَهُمَا الْحُوتُ، حَتّٰى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَنَزَلَا عِنْدَهَا، قَالَ: فَوَضَعَ مُوسٰى رَأْسَهُ فَنَامَ ...... قَالَ: وَفِي أَصْلِ الصَّخْرَةِ عَيْنٌ يُّقَالُ لَهَا: الْحَيَاةُ، لَا يُصِيبُ مِنْ مَّائِهَا شَيْءٌ إِلَّا حَيِيَ، فَأَصَابَ الْحُوتَ مِنْ مَّاءِ تِلْكَ الْعَيْنِ، فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ الْمِكْتَلِ فَدَخَلَ الْبَحْرَ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مُوسٰى ﴿قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ...... وَوَقَعَ عُصْفُورٌ عَلٰى حَرْفِ السَّفِينَةِ، فَغَمَسَ مِنْقَارَهُ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ الْخَضِرُ لِمُوسٰى: مَا عِلْمُكَ وَعِلْمِي وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِقْدَارُ مَا غَمَسَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارَهُ]

''موسیٰ علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ آپ کے شاگرد یوشع بن نون بھی تھے، دونوں نے اپنے ساتھ مچھلی بھی لی تھی۔ جب پتھر کے پاس پہنچے تو وہاں پڑاؤ ڈال دیا، موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر پر سر رکھا اور سو گئے ...... اس پتھر کے نیچے ایک چشمہ تھا جسے حیات کہا جاتا تھا کیونکہ اس کا پانی جس چیز کو لگتا وہ زندہ ہو جاتی تھی، مچھلی کو بھی اس چشمے کا پانی لگا جس سے اس میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ تھیلے سے باہر نکل کر دریا میں داخل ہو گئی، موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے شاگرد سے کہا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''ہمارے لیے کھانا لاؤ'' اور پھر باقی حدیث پہلی روایت ہی کی طرح بیان کی ہے۔ اس میں بھی ہے کہ ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے اپنی چونچ دریا میں ڈبو دی تو خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا علم، آپ کا

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ۝﴾ (الكهف18:60) ......، حدیث: 4725 و صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل الخضر علیہ السلام، حدیث:2380.

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ

پھر وہ دونوں چلے حتی کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی میں شگاف کر دیا، اس (موسیٰ) نے کہا: کیا تو نے اس میں شگاف کیا کہ اس

لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿71﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿72﴾ قَالَ لَا

کشتی والوں کو غرق کر دے؟ تو نے بڑا ہولناک (اور انوکھا) کام کیا ہے ﴿71﴾ اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تو یقیناً میرے ساتھ صبر کرنے

تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿73﴾

کی استطاعت ہرگز نہیں رکھے گا ﴿72﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: میری بھول چوک پر تو مجھے نہ پکڑ، اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ ڈال ﴿73﴾

علم اور تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح چونچ کا وہ حصہ دریا کے مقابلے میں ہے جسے چڑیا نے پانی میں ڈبویا تھا۔'' باقی حدیث پہلی حدیث ہی کی طرح ہے۔[1]

تفسیر آیات: 66-70

موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات اور ان کا ساتھ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس عالم شخص سے کہا جو کہ خضر تھے اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے ایسے علم سے نوازا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہ تھا جیسا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے علم سے نوازا تھا جو خضر کو حاصل نہ تھا، بہر حال: ﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ﴾ ''موسیٰ علیہ السلام نے ان (خضر) سے کہا: کیا میں آپ کی پیروی کروں؟'' اس سوال میں ان سے درخواست کی گئی، یہ نہیں کہ انھیں مجبور کیا اور ان کے ساتھ رہنے کو لازم قرار دیا اور متعلم کو عالم سے اسی انداز میں سوال کرنا چاہیے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَتَّبِعُكَ﴾ یعنی میں آپ کا ساتھی اور رفیق بنوں۔ ﴿عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ ''تاکہ جو علم (اللہ کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے بھلائی کی کچھ باتیں مجھے بھی سکھا دیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم نافع اور عمل صالح سکھایا ہے میں اس سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ''(خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔'' یعنی جب تم میرے ایسے افعال دیکھو گے جو تمھاری شریعت کے مخالف ہوں گے تو تم میرے ساتھ رہ نہیں سکو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم سکھایا ہے جو تمھیں نہیں سکھایا اور اس نے تمھیں ایسا علم سکھایا ہے جو اس نے مجھے نہیں سکھایا۔ ہم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے ایسے امور کا مکلّف ہے جن کا دوسرا مکلّف نہیں ہے، لہٰذا تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ ''اور جس بات کی تمھیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیونکر سکتے ہو؟'' میں جانتا ہوں کہ ان امور کے بارے میں تم اعتراض کرو گے جن کے بارے میں تم اعتراض کرنے میں معذور ہو کیونکہ ان کی باطنی حکمت و مصلحت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے تو مطلع فرما دیا ہے مگر تمھیں مطلع نہیں فرمایا: ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔'' اپنے ان امور کے بارے میں جو میں دیکھوں گا، ﴿وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ ''اور

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ......﴾ (الكهف 18:63-82)، حديث:4727.

میں تیرے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔'' یعنی میں کسی چیز میں بھی آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے اس سلسلے میں اپنی شرط پیش کرتے ہوئے کہا: ﴿ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾ ﴾ ''اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے:) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔'' یعنی جب تک تمھارے سوال کرنے سے پہلے میں خود ہی اس کے بارے میں تم سے گفتگو نہ شروع کر دوں۔

تفسیر آیات: 71-73

کشتی کو توڑنے کا واقعہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ خضر کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب دونوں اس شرط پر متفق ہو گئے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر کسی چیز کو غلط سمجھیں تو اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کریں گے یہاں تک کہ خود خضر اس کی تشریح و توضیح بیان نہ کرنے لگ جائیں۔ اس شرط پر اتفاق کے بعد وہ دونوں چل پڑے اور پھر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ قبل ازیں حدیث کے حوالے سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ کشتی میں کس طرح سوار ہوئے تھے، نیز یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے خضر اور موسیٰ علیہما السلام کو کشتی میں سوار کر لیا اور ان سے خضر کے احترام کی وجہ سے کرایہ بھی نہ لیا۔ جب کشتی اپنے سفر پر روانہ ہوئی اور دریا کی موجوں سے کھیلنے لگی تو خضر اٹھے اور انھوں نے کشتی کو پھاڑ دیا، یعنی اس کا ایک تختہ نکال دیا جسے بعد میں انھوں نے کشتی میں لگا بھی دیا تھا۔[1]

بہر کیف موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اور انھوں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ ﴾ ''تو نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دے!'' ﴿ لِتُغۡرِقَ ﴾ کا لام عاقبت (انجام) کے لیے ہے تعلیل کے لیے نہیں۔ ﴿ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ ﴾ ''یہ تو تو نے بڑی (عجیب) بات کی۔'' مجاہد نے کہا ہے: ﴿ اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ ﴾ کے معنی بری بات کے ہیں اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی عجیب بات کے ہیں۔[2] موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر خضر نے انھیں اپنی شرط یاد دلاتے ہوئے کہا: ﴿ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ ﴾ ''کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔'' یعنی میں نے یہ کام قصداً کیا ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن کے بارے میں میں نے تمھارے ساتھ یہ شرط عائد کی تھی کہ تم ان کے بارے میں مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کرو گے کیونکہ ان کے بارے میں تمھیں علم نہیں ہے اور ان میں ایسی مصلحت کارفرما ہے جس کو تم نہیں جانتے: ﴿ قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَ لَا تُرۡہِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾ ﴾ ''اس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ جو بھول مجھ سے ہو گئی اس پر مؤاخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔'' یعنی میرے لیے تنگی اور سختی نہ کیجیے، قبل ازیں حدیث کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَانَتِ الْأُولٰى مِنْ مُّوسٰى نِسْيَانًا] ''موسیٰ علیہ السلام نے پہلا یہ اعتراض از راہ نسیان کیا تھا۔''[3]

[1] دیکھیے الکہف، آیات: 60-65 کے ذیل میں عنوان: ''موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ'' [2] تفسیر الطبری: 352/15. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿ وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىہُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ ﴾ (الکہف 18:60) ......، حدیث: 4725 عن أبي بن کعب رضی اللہ عنہ.

فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّةًۢ بِغَیۡرِ

پھر وہ دونوں چلے، حتی کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے، تو اس (خضر) نے اسے قتل کر دیا، اس (موسیٰ) نے کہا: کیا تو نے ایک پاک (بے گناہ) نفس

نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا نُّکۡرًا ﴿74﴾

کو کسی جان کے (قصاص کے) بغیر قتل کر دیا ہے؟ یقیناً تو نے تو بہت ہی برا کام کیا ہے!﴿74﴾

تفسیر آیت:74

لڑکے کو قتل کرنے کا واقعہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ ﴾ ''پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے مار ڈالا۔'' قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ لڑکا ایک بستی میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔[1] یہ لڑکا ان تمام لڑکوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا، خضر نے تمام لڑکوں میں سے اسے پکڑا اور قتل کر دیا۔[2] موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو پہلی بات سے بھی اس کی زیادہ سخت تردید کی اور فوراً بول اٹھے ﴿ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّةًۢ ﴾ ''کیا تو نے ایک بے گناہ نفس مار ڈالا؟'' یعنی یہ ایک چھوٹا لڑکا تھا جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچا تھا، اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا مگر آپ نے اسے مار ڈالا؟ ﴿ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ ؕ ﴾ ''(ناحق) بغیر قصاص کے'' یعنی اس کے قتل کی کوئی وجہ نہ تھی، ﴿ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا نُّکۡرًا ﴿74﴾ ﴾ ''البتہ تحقیق تو نے بری بات کی۔''

---

[1] دیکھیے الکهف، آیت: 65 کے تحت۔ [2] مسند أحمد: 119/5.

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿75﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ

اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکے گا؟ ﴿75﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: اگر اس کے بعد میں تجھ

شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾

سے کسی چیز کی بابت سوال کروں تو پھر مجھے ہرگز صحبت میں نہ رکھنا، یقیناً میری طرف سے تو عذر کو پہنچ چکا ہے ﴿76﴾

فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا

پھر وہ دونوں چلے حتی کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے، اس کے رہنے والوں سے طعام مانگا، تو انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا،

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ

پھر ان دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی، تو اس (خضر) نے وہ سیدھی کر دی۔ اس (موسیٰ) نے کہا: اگر تو چاہتا تو اس پر ضرور اجرت لے

اَجْرًا ﴿77﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿78﴾

لیتا ﴿77﴾ اس (خضر) نے کہا: یہ (اب) میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے، یقیناً میں تجھے ان (باتوں) کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تو صبر نہ کر سکا ﴿78﴾

تفسیر آیات: 76,75

﴿ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿75﴾ ﴾ ''اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔'' خضر علیہ السلام نے نہایت سختی کے ساتھ اپنی پہلی شرط یاد دلائی، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا ﴾ ''اگر میں اس کے بعد تجھ سے کوئی بات پوچھوں۔'' اور اس کے بعد آئندہ تم پر کوئی اعتراض کروں: ﴿ فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾ ﴾ ''تو تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا کہ تو میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گیا۔'' یعنی آپ نے بار بار میرے پاس عذر پیش کیا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اُبی بن کعب سے روایت کو ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر کرتے ہوئے دعا فرماتے تو اپنے آپ سے دعا کا آغاز فرماتے۔ ایک دن آپ نے فرمایا: [رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلٰى مُوسٰى لَوْ لَبِثَ مَعَ صَاحِبِهِ لَأَبْصَرَ الْعَجَبَ وَلٰكِنَّهُ قَالَ: ﴿ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾ ﴾] ''اللہ تعالیٰ کی ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر رحمت ہو اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ کچھ عرصہ اور رہتے تو یقیناً عجیب وغریب باتیں دیکھتے لیکن انھوں نے جلدی میں کہہ دیا: ''اگر میں اس کے بعد کوئی بات پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا کہ تو میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گیا۔''[1]

تفسیر آیات: 78,77

دیوار سیدھی کرنے کا واقعہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و خضر کے واقعے کو جاری رکھتے ہوئے بیان فرمایا ہے: ﴿ فَانْطَلَقَا وقفة ﴾ ''پھر دونوں چلے۔'' پہلی دو دفعہ کے بعد پھر انھوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ﴿ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ ﴾ ''یہاں تک کہ ایک گاؤں

[1] تفسیر الطبری: 356/15 مزید دیکھیے صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل الخضر، حدیث: (172)-2380 و سنن أبی داود، الحروف والقراءات، باب، حدیث: 3984 و مسند أحمد: 122/5 الفاظ کی تقدیم وتاخیر اور کمی بیشی کے ساتھ۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے، لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب ڈال دوں جبکہ ان کے آگے ایک بادشاہ

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿79﴾

تھا جو ہر کشتی زبردستی لے لیتا تھا ﴿79﴾

والوں کے پاس پہنچے۔'' امام ابن جریر نے ابن سیرین کا قول ذکر کیا ہے کہ اس گاؤں کا نام ایلہ تھا۔[1] اور حدیث میں ہے: [حَتّٰی إِذَا أَتَیَا أَهْلَ قَرْیَةٍ لِّئَامًا] ''وہ ایک گاؤں کے بخیل لوگوں کے پاس پہنچے۔''[2] ﴿ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ﴾ ''تو ان سے کھانا طلب کیا۔ انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا، پھر انھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔'' یہاں دیوار کی طرف ارادے کی نسبت استعارے کے طور پر ہے کیونکہ (غیر ذوی العقول) اشیاء کی طرف ارادے کی نسبت میلان کے معنی میں ہوتی ہے۔ اور انقضاض کے معنی گرنے کے ہیں۔ ﴿ فَاَقَامَهٗ ﴾ ''تو اس (خضر) نے اس کو سیدھا کر دیا۔'' اسے سیدھا کھڑے ہونے کی حالت میں لوٹا دیا۔ قبل ازیں یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کر دیا تھا اور اس کے جھکاؤ کو ختم کر دیا تھا اور یہ بھی ایک معجزہ تھا۔[3] موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فرمایا: ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿77﴾ ﴾ ''اگر تو چاہتا تو ان سے اس کا معاوضہ لیتا۔'' کیونکہ انھوں نے ہماری ضیافت نہیں کی، لہٰذا ان کے لیے بلا معاوضہ کام نہیں کرنا چاہیے: ﴿ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ﴾ ''اس (خضر) نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی ہے۔'' کیونکہ لڑکے کے قتل کے وقت تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس کے بعد کوئی بات پوچھوں اور اعتراض کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، لہٰذا اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی کا وقت آ گیا ہے: ﴿ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿78﴾ ﴾ ''(مگر) جن باتوں پر تو صبر نہ کر سکا، میں ان کا تجھے بھید بتائے دیتا ہوں۔''

تفسیر آیت: 79

کشتی پھاڑنے کا راز: یہ وضاحت ہے اس کام کی جسے سمجھنے میں موسیٰ علیہ السلام کو مشکل پیش آئی اور انھوں نے ظاہر حال کے مطابق اس پر اعتراض کر دیا تھا جبکہ اس کی باطنی حکمت کو اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام پر ظاہر کر دیا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کی باطنی حکمت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس کشتی کو اس لیے پھاڑا تھا کہ ان کا ایک ایسے ظالم بادشاہ کے پاس سے گزر ہونے والا تھا: ﴿ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿79﴾ ﴾ ''جو ہر ایک (عمدہ اور اچھی) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔'' تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں تاکہ عیب کی وجہ سے ظالم بادشاہ کے چھیننے سے اسے بچا سکوں اور کشتی کے غریب مالکان اس سے فائدہ اٹھا سکیں جن کے پاس گزر بسر کے لیے اس کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کشتی کے مالکان یتیم بچے تھے۔

---

[1] تفسیر الطبری: 357/15. [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل الخضر، حدیث: (172)-2380 ومسند أحمد: 119/5 عن أبی بن کعب رضی اللہ عنہ. [3] دیکھیے الکهف، آیت: 65 کے ذیل میں۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ﴿80﴾

اور رہا لڑکا، تو اس کے ماں باپ مومن تھے، چنانچہ ہم ڈرے کہ وہ سرکشی اور کفر کی وجہ سے انھیں مشقت میں ڈال دے گا﴿80﴾ چنانچہ ہم نے

فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿81﴾

چاہا کہ ان دونوں کا رب انھیں (ایسا) بدل دے جو اس سے پاکیزگی میں بہتر اور مہربانی میں قریب تر ہو﴿81﴾

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا

اور رہی دیوار تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کے لیے خزانہ تھا اور ان کا باپ صالح تھا، چنانچہ تیرے رب نے چاہا کہ

صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ

وہ دونوں (یتیم) اپنی جوانی کو پہنچیں اور تیرے رب کی رحمت کے سبب اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ ان (باتوں) کی

عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ﴿82﴾ ع 10/12/1

حقیقت ہے جن پر تو صبر نہ کرسکا﴿82﴾

تفسیر آیات: 81,80

لڑکے کے قتل کا راز: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْغُلَامُ الَّذِی قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ یَوْمَ طُبِعَ كَافِرًا] ''یہ لڑکا جسے خضر نے قتل کیا تھا، یہ روزِ اول ہی سے کافر پیدا ہوا تھا۔''[1] اسی لیے خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ﴿80﴾ ﴾ ''اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر بدکردار ہوگا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسائے۔'' یعنی لڑکے کی محبت والدین کو کفر اختیار کرنے پر مجبور نہ کر دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے اور جب قتل ہوا تو بہت غمگین ہو گئے تھے۔ اگر یہ لڑکا زندہ رہتا تو اس میں اس کے والدین کی تباہی و ہلاکت تھی، لہٰذا ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ جسے وہ ناپسند کرے اس فیصلے سے بہتر ہے جسے وہ پسند کرے۔[2] اور صحیح حدیث میں ہے: [(لَا یَقْضِی اللّٰهُ) لِلْمُؤْمِنِ (مِنْ قَضَاءٍ) إِلَّا كَانَ خَیْرًا لَّهٗ] ''اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو فیصلہ بھی فرمائے وہ اس کے لیے بہتر ہے۔''[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ...... ﴾ الآية (البقرة 2:216) ''اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو......۔''

---

① صحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود یولد ......، حدیث:2661 و سنن أبی داود، السنة، باب فی القدر، حدیث:4706,4705 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الکهف، حدیث:3150 و اللفظ له و مسند أحمد:121,120/5 و تفسیر الطبری:5/16. ② تفسیر الطبری:6/16. ③ مسند أحمد:184/3 عن أنس رضی اللہ عنہ لیکن قوسین والے الفاظ کے بجائے اس میں [إن اللہ لایقضی] اور [قضاءً] ہے۔ اور دیکھیے صحیح ابن حبان، الرقاق، ذکر الإخبار عما یجب علی المؤمن ......:507/2، حدیث:728 و مسند أبی یعلی الموصلی:221,220/7، حدیث:4218,4217 و السلسلة الصحیحة:277/1، حدیث:148.

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝۸۱ ﴾ ’’تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچہ) عطاء فرمائے جو پاک طینتی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو۔‘‘ یعنی ایسا بچہ جو اس سے زیادہ پاکیزہ ہو اور والدین اس سے زیادہ محبت کرنے والے ہوں۔ یہ ابن جریر کا قول ہے۔[1]

تفسیر آیت:82

بغیر اجرت دیوار سیدھی کرنے میں حکمت: یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ﴿ قَرْیَةٍ ﴾ ’’بستی (گاؤں)‘‘ کے لفظ کا مدینة ’’شہر‘‘ پر بھی اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ پہلے فرمایا: ﴿ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ﴾ (الكهف 77:18) ’’یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ ﴾ ’’سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے۔)‘‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ ...... ﴾ الآية (محمد 13:47) ’’اور بہت سی بستیاں تمھاری بستی سے جس (کے باشندوں) نے تمھیں (وہاں سے) نکال دیا زور و قوت میں کہیں بڑھ کر تھیں......۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ ﴾ (الزخرف 31:43) ’’اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔‘‘

اس آیت کریمہ میں دونوں بستیوں سے مکہ اور طائف کے شہر مراد ہیں۔ بہرحال مذکورہ بالا آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اس دیوار کو درست اس لیے کیا ہے کہ یہ ان دو یتیموں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون ہے۔ عکرمہ، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس دیوار کے نیچے ان دونوں یتیم بچوں کا مال مدفون تھا۔[2] آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[3]

﴿ وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ ﴾ ’’اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔‘‘ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیک آدمی کی اولاد کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کی شفاعت کی وجہ سے اس کی عبادت کی برکت اس کی اولاد کو بھی دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے، نیز اس کی اولاد کے جنت میں بھی درجات بلند کیے جاتے ہیں تاکہ اسے اپنی اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہو جیسا کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ان کے مال کی حفاظت کی گئی اور حضرت خضر نے ان لڑکوں کی نیکی کا ذکر نہیں کیا۔[4] اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ ﴾ ’’تو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔‘‘ یہاں ارادے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انھیں جوانی تک پہنچانے پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے جبکہ لڑکے کے معاملے میں حضرت خضر علیہ السلام نے ارادے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً ﴾ (الكهف 81:18) ’’تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان

[1] تفسير الطبری:7/16. [2] تفسير الطبری:10,9/16. [3] تفسير الطبری:10/16. [4] تفسير الطبری:10/16.

کودوسرا (بچہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی میں بہتر۔'' اسی طرح کشتی کے بارے میں بھی انھوں نے ارادے کی نسبت اپنی طرف کی تھی: ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ (الکھف 79:18) ''تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں۔'' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

کیا خضر نبی تھے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ﴾ ''یہ آپ کے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔'' یعنی یہ تینوں کام جو میں نے کیے ہیں: (1) یہ کشتی والوں، (2) لڑکے کے والدین اور (3) نیک آدمی کے دو یتیم لڑکوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے، یہ کام میں نے از خود نہیں کیے بلکہ مجھے ان کے بارے میں حکم دیا گیا اور ان کے بارے میں مطلع کر دیا گیا۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، علاوہ ازیں یہ آیت کریمہ: ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝﴾ (الکھف 65:18) ''(وہاں) انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔'' جو قبل ازیں گزر چکی ہے، یہ بھی حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے۔

خضر کی وجہ تسمیہ: امام احمد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خضر کے بارے میں فرمایا: [إِنَّمَا سُمِّيَ خَضِرًا (لِأَنَّهُ) جَلَسَ عَلٰى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ ، فَإِذَا هِيَ تَحْتَهُ تَهْتَزُّ خَضْرَاءَ] ''ان کا نام خضر اس لیے رکھا گیا کہ وہ سفید رنگ کی خشک گھاس پر بیٹھے تو وہ ان کے نیچے سبز رنگ میں لہلہانے لگی تھی۔''[1] اور امام احمد نے اس حدیث کو عبدالرزاق کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے۔[2] صحیح بخاری میں بھی ہمام کے واسطے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرُ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلٰى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهِ خَضْرَاءَ] ''انھیں خضر کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ وہ خشک گھاس پر بیٹھے تو وہ ان کے نیچے سبز رنگ میں لہلہانے لگی تھی۔''[3] ان احادیث میں جو لفظ ''فروہ'' آیا ہے اس کے معنی یہاں خشک گھاس کے ہیں اور وہ گھاس چوڑا چوڑا ہو جیسا کہ عبدالرزاق نے کہا ہے۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد سطح زمین ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝﴾ ''یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تو صبر نہ کر سکا۔'' یعنی یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن کی وجہ سے تو نے اپنے دل میں تنگی محسوس کی اور صبر نہ کر سکا حتی کہ تجھے از خود ان کے بارے میں بتا دیتا۔ اور جب اس نے ان باتوں کی تشریح و توضیح بیان کر کے مشکل زائل کر دی تو کہا ﴿مَا لَمْ تَسْطِعْ﴾ ''جن پر تو صبر نہ کر سکا'' جبکہ اس سے پہلے وہ بہت قوی اور شدید قسم کے اشکال میں مبتلا تھا، اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝﴾ (الکھف 78:18) ''جن باتوں پر تو صبر نہ کر سکا میں ان کا تجھے بھید بتائے دیتا ہوں۔'' زیادہ ثقیل اشکال کے مقابلے میں انھوں نے ثقیل اور خفیف اشکال کے مقابلے میں خفیف الفاظ استعمال فرمائے جیسا کہ فرمایا:

---

[1] مسند أحمد: 312/2، لیکن قوسین والے الفاظ بعض نسخوں میں نہیں ہیں۔ [2] مسند أحمد: 318/2. [3] صحيح البخاري، الأحاديث الأنبيآء، باب حديث الخضر ......، حديث: 3402. [4] مسند أحمد: 318/2. البتہ اس میں فروۃ کی تفسیر میں صرف الحَشِيشُ الْأَبْيَضُ وَمَا أَشْبَهَهُ ''سفید گھاس اور اس سے ملتی جلتی'' ہے۔

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ‌ ؕ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡهُ ذِكۡرًا ؕ﴿83﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى

اور (یہ لوگ) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے: عنقریب میں اس کا کچھ ذکر تمھارے سامنے تلاوت کروں گا﴿83﴾ بے شک

الۡاَرۡضِ وَاٰتَيۡنٰهُ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ سَبَبًا ۙ﴿84﴾

ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا اور اسے ہر چیز سے اسباب دیے﴿84﴾

﴿ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ ﴾ (الکھف 97:18) ''پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں۔'' اس سے مراد اوپر کی طرف چڑھنا ہے اور پھر فرمایا: ﴿ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ﴾ (الکھف 97:18) ''اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔'' یہ پہلے کی نسبت چونکہ زیادہ سخت کام تھا اس لیے یہاں ﴿ اسۡطَاعُوۡۤا ﴾ کے بجائے ﴿ اسۡتَطَاعُوۡا ﴾ استعمال کیا گیا، یعنی ہر فعل کے لیے وہ لفظ استعمال کیا گیا جو لفظاً اور معنًی ہر اعتبار سے مناسب تھا۔ وَاللّٰہُ أَعۡلَمُ.

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد کا اس قصے کے آغاز میں تو ذکر کیا گیا مگر بعد میں ان کا ذکر نہیں آیا تو اس کی کیا وجہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں مقصود موسیٰ و خضر علیہما السلام اور ان کے مابین پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تو ان کے تابع ہے۔ کتب صحاح وغیرہ کی احادیث میں پہلے صراحت ہو چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ شاگرد یوشع بن نون تھے۔[1] اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے یہی والی تھے۔

تفسیر آیات: 84,83

ذوالقرنین کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ‌ ؕ ﴾ ''اور یہ لوگ آپ سے (اے محمد ﷺ!) ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' کہ ان کی کیا خبر تھی۔ ہم قبل ازیں یہ بیان کر آئے ہیں کہ کفار مکہ نے اہل کتاب کے پاس اپنے آدمی بھیجے تھے تاکہ وہ ان سے ایسے سوالات سیکھیں جن سے وہ نبی ﷺ کا امتحان لیں تو انھوں نے کہا (1) آپ سے زمین میں بہت سفر کرنے والے آدمی کے بارے میں پوچھو۔'' (2) ان نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جن کی بابت معلوم نہیں کہ انھوں نے کیا کیا۔ (3) اور آپ سے روح کے بارے میں پوچھو۔ تو انھی سوالات کے جواب میں سورۂ کہف نازل ہوئی تھی۔[2]

ذوالقرنین کی عظیم الشان سلطنت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الۡاَرۡضِ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے اس کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی۔'' یعنی ہم نے انھیں بڑی عظیم الشان سلطنت دی تھی۔ انھیں بادشاہت، لشکر ہائے جرار، آلاتِ حرب، قلعے اور اس کی سلطنت میں سب کچھ تھا جو بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے، اسی لیے وہ زمین کے مشرق سے لے کر مغرب تک کا مالک تھا۔ تمام ممالک اس کے تابع تھے، بادشاہ اس کے فرمانبردار تھے، عرب و عجم کی تمام قومیں اس کی خادم تھیں، اسی وجہ سے بعض اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ انھیں ذوالقرنین کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق و مغرب میں سورج کے طلوع و غروب کے

[1] دیکھیے الکھف، آیت: 65 کے تحت۔ [2] دیکھیے الکھف کے شروع میں عنوان: ''سبب نزول'' کے ذیل میں۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ

چنانچہ وہ سامان لے کر چلا﴿85﴾ حتی کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا، اس نے اسے پایا کہ وہ سیاہ کیچڑ (دلدل) والے چشمے میں غروب ہو رہا ہے

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ

اور اس نے اس کے پاس ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! (تجھے اختیار ہے) خواہ تو (انھیں) سزا دے، خواہ ان سے اچھا برتاؤ کرے﴿86﴾

حُسْنًا ﴿86﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا

اس نے کہا: رہا وہ جس نے ظلم کیا، تو اسے ہم عنقریب سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا، چنانچہ وہ اسے سخت ترین عذاب دے

نُّكْرًا ﴿87﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ

گا﴿87﴾ اور رہا وہ جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو اس کے لیے (اللہ کے ہاں) بدلے میں خوب تر بھلائی ہے، اور ہم لازماً اپنے کام میں سے اس کے

اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿88﴾ ؕ

لیے نہایت آسانی کا حکم دیں گے﴿88﴾

مقامات تک پہنچ گیا تھا۔ ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾ ﴾ ”اور ہم نے اس کو ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی، قتادہ، ضحاک اور دیگر کئی ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں ہر طرح کا علم عطا کر دیا تھا۔[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی زمین کے مقامات و نشانات کے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے بارے میں بھی فرمایا: ﴿ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ...... ﴾ الآیۃ (النمل 23:27) ”اور ہر چیز اسے میسر کی گئی......۔“ یعنی ہر وہ چیز جو اس طرح کے بادشاہوں کو میسر ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بھی وہ تمام اسباب و وسائل مہیا فرما دیے تھے جو ملکوں اور لوگوں کو فتح کرنے، شہروں اور علاقوں پر قبضہ جمانے، دشمنوں کا زور کم کرنے، زمین کے بادشاہوں کو شکست دینے اور مشرکوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں، یعنی اسے وہ تمام اسباب و وسائل مہیا کر دیے گئے تھے جو اس طرح کے کاموں کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:85-88

ذوالقرنین کا کوچ کرنا اور غروب شمس کی جگہ پہنچنا: ﴿ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ ﴾ ”پھر وہ ایک راہ کے پیچھے لگا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں سبب سے مراد منزل ہے۔[3] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرق و مغرب کے درمیان منزل اور رستے ہیں۔[4] مجاہد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد زمین میں رستے ہیں۔[5] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے زمین کے منازل و معالم کا رخ کیا۔[6]

[1] تفسیر الطبری: 14,13/16 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2382/7 والبدایة والنهایة ، خبر ذی القرنین: 97/2. [2] تفسیر الطبری: 15,14/16 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2383/7 والبدایة والنهایة ، خبر ذی القرنین: 97/2. [3] تفسیر الطبری: 14/16. [4] تفسیر الطبری: 14/16. [5] تفسیر الطبری: 14/16. [6] تفسیر الطبری: 14/16.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا۔'' یعنی وہ ایک ایسے رستے پر چلے حتی کہ مغرب کی طرف سے زمین کے آخری کنارے تک پہنچ گئے، مغرب سے یہاں مراد زمین کا مغرب ہے کیونکہ آسمان میں غروبِ آفتاب کی جگہ تک پہنچنا تو بہت مشکل ہے۔ قصے بیان کرنے والے لوگوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ ایک مدت تک زمین میں چلتے رہے اور سورج ان کے پیچھے غروب ہوتا تھا تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، اس قبیل کی اکثر باتوں کا تعلق اہل کتاب کی خرافات اور ان کے زندیقوں کی بنائی ہوئی جھوٹی اور من گھڑت باتوں سے ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ﴾ ''اس نے اسے ایسا پایا کہ سیاہ کیچڑ والے ایک چشمے میں ڈوب رہا ہے۔'' انھوں نے بحر محیط (بحیرۂ روم) میں سورج کے غروب ہونے کا منظر دیکھا اور جو شخص بھی اس کے ساحل پر کھڑا ہو کر اسے دیکھے تو اسے اسی طرح معلوم ہوگا کہ جیسے وہ اس میں غروب ہو رہا ہے، حالانکہ یہ فلک چہارم کو نہیں چھوڑتا جس میں اسے ثبت کیا گیا ہے۔ ﴿ حَمِئَةٍ ﴾ کا لفظ دو قراءتوں میں سے ایک قراءت کے مطابق اَلْحَمْأَۃُ سے مشتق ہے[1] جس کے معنی مٹی کے ہیں۔[2] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ﴾ (الحجر 28:15) ''بلاشبہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔'' اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[3]

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ ﴾ ''اور اس نے اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی۔'' جس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کی یہ ایک بہت بڑی امت تھی: ﴿ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ ﴾ ''ہم نے کہا: ذوالقرنین! تو ان کو، خواہ تکلیف دے، خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کر۔'' معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو ان پر دسترس دے دی، ان کا حاکم بنا دیا، ان پر فتح و نصرت سے نوازا اور اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو انھیں قتل کر دیں اور قیدی بنا لیں اور اگر چاہیں تو ان پر احسان کر دیں یا ان سے فدیہ لے لیں۔ ان کے عدل و ایمان کا ان کے اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے: ﴿ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ ﴾ ''جو (کفر و بدکرداری سے) ظلم کرے گا'' اور کفر اور اپنے رب کے ساتھ شرک پر قائم رہے گا۔ ﴿ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ﴾ ''اسے ہم عنقریب عذاب دیں گے۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے ہم قتل کر دیں گے۔[4] ﴿ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ ﴾ ''پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بڑا عذاب دے گا۔'' ﴿ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ ﴾ کے معنی بہت شدید دردناک عذاب کے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے آخرت اور جزا و سزا کا اثبات بھی ہوتا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ ﴾ ''اور جو ایمان لائے گا'' اور ہماری اس دعوت کو قبول کرے گا جو ہم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دیتے ہیں: ﴿ فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ ﴾ ''تو اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے۔'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ ﴿ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ﴾ ''اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی نہیں

---

[1] جبکہ دوسری قراءت (حامیة) ہے۔ [2] تفسیر الطبری: 17/16 وتفسیر القرطبی: 49/11. [3] دیکھیے الحجر، آیت: 28 کے ذیل میں۔ [4] تفسیر الطبری: 17/16.

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿89﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ

پھر وہ (اور) سامان لے کر چلا ﴿89﴾ حتی کہ جب وہ طلوع شمس کی جگہ پہنچا، اس نے اسے پایا کہ وہ ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لیے ہم نے

لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿90﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿91﴾

سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں رکھا ﴿90﴾ (واقعہ) ایسا ہی ہے اور یقیناً اس کے پاس جو کچھ تھا علم کے اعتبار سے ہم نے اس کا احاطہ کر لیا تھا ﴿91﴾

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿92﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

پھر وہ (دیگر) سامان لے کر چلا ﴿92﴾ حتی کہ جب وہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو اس نے ان دونوں کے اس طرف ایک قوم پائی جو قریب نہ تھا کہ

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿93﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ

وہ کوئی بات سمجھیں ﴿93﴾ وہ کہنے لگے: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد کرنے والے ہیں تو کیا ہم تیرے لیے

نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿94﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

کچھ پیداوار طے کر دیں اس (شرط) پر کہ تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دے ﴿94﴾ اس نے کہا: میرے رب نے مجھے اس میں جو قدرت

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿95﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا

دی ہے بہت بہتر ہے، چنانچہ تم میری (افرادی) قوت سے مدد کرو، میں تمھارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط بند بنا دوں گا ﴿95﴾ تم مجھے لوہے کے

سَاوٰی بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ

تختے لا دو حتی کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو برابر کر دیا (تو) کہا: (اب اس میں) دھونکو، حتی کہ جب اس نے اسے آگ (جیسا) بنا دیا

عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿96﴾

تو کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں ﴿96﴾

کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس سے اچھی بات کہیں گے۔ [1]

تفسیر آیات: 89-91

ذوالقرنین کا مشرق کی طرف سفر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پھر ذوالقرنین نے مغرب کی طرف سے مشرق کا سفر اختیار کیا اور رستے میں جہاں بھی کسی امت کے پاس سے گزرتا تو انھیں مقہور و مغلوب کر لیتا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتا اگر وہ اس کی اطاعت کر لیتے تو ٹھیک ورنہ وہ انھیں ذلیل و رسوا کر کے ان کے مال و متاع کو لوٹ لیتا اور ہر امت سے وہ خدمت لیتا جو اس کے لشکر ہائے جرار کے لیے مخالف ملکوں سے جنگ کے لیے معاون ثابت ہوتی اور جب وہ سفر کرتے کرتے زمین میں سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿90﴾﴾ ''تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے سورج کے درمیان کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی۔'' یعنی سورج کی حرارت سے بچنے کے لیے ان کے پاس نہ تو کوئی عمارت تھی اور نہ کوئی سایہ دار درخت ہی تھے۔ قتادہ

[1] تفسیر الطبری: 18/16.

کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ ایک ایسی زمین میں تھے جہاں کچھ نہیں اگتا تھا، جب سورج طلوع ہوتا تو وہ سرنگوں میں داخل ہو جاتے اور جب سورج غروب ہو جاتا تو وہ سرنگوں سے باہر آ کر اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتے تھے۔[1] ﴿ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿91﴾ ﴾ ''حقیقت حال یوں (تھی) اور جو کچھ اس کے پاس تھا اس کی تفصیل ہمارے احاطۂ علم میں ہے۔'' مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی علم کے ہیں[2]، یعنی ہمیں اس کے اور اس کے لشکر کے تمام حالات کی خبر تھی اور ہم سے کوئی چیز بھی مخفی نہ تھی، گو اس کے لشکر میں مختلف قوموں اور علاقوں کے لوگ تھے لیکن اس ذات پاک کی شان یہ ہے: ﴿ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ ﴾ (آل عمرٰن 5:3) ''کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔''

تفسیر آیات:92-96

سرزمین یاجوج و ماجوج میں پہنچنا اور دیوار کی تعمیر: اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے حالات کو بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿92﴾ ﴾ ''پھر وہ ایک راہ کے پیچھے لگا۔'' یعنی اب وہ زمین کے مشرق کی طرف سے ایک رستے پر چلا اور دو دیواروں کے درمیان میں پہنچ گیا، یہ دونوں پہاڑ ایک دوسرے کے بالمقابل تھے اور ان میں ایک رستہ بنا ہوا تھا جس سے نکل کر یاجوج ماجوج ترکوں کے علاقوں میں آ جاتے، وہاں فتنہ و فساد برپا کرتے اور کھیتوں اور فصلوں کو تباہ کر دیتے تھے۔ یاجوج و ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے:

[يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ......، قَالَ: يَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ (إِلَى النَّارِ وَوَاحِدٌ إِلَى الْجَنَّةِ) فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ ﴿ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا...... ﴾ (الحج 2:22) (فَقَالَ: إِنَّ فِيكُمْ أُمَّتَيْنِ، مَا كَانَتَا فِي شَيْءٍ إِلَّا كَثَّرَتَاهُ) يَأْجُوجَ وَ مَأْجُوجَ]

''بے شک اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! وہ جواب دیں گے: لبیک وسعدیک......! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جہنم کا حصہ نکال دو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: جہنم کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں۔ یہ وہ وقت ہوگا جب (خوف کی وجہ سے) بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ ''اور ہر حمل والی اپنے حمل کو گرا دے گی......'' آپ نے فرمایا: تم میں دو امتیں ایسی ہیں کہ جس چیز سے بھی مقابلہ کیا جائے تو ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ ہیں یاجوج اور ماجوج۔''[3]

---

[1] تفسیر الطبری:20/16 و تفسیر ابن أبی حاتم:2386/7. [2] تفسیر الطبری:20/16 و تفسیر ابن أبی حاتم:2387/7.

[3] صحیح البخاری، الرقاق، باب: ﴿ إِنَّ زَلْزَلَةَ...... ﴾ (الحج 1:22)......، حدیث:6530 و صحیح مسلم، الإیمان، باب قوله: [یقول اللّٰه لآدم: أخرج بعث النار......]، حدیث:222 عن أبی سعید رضی اللہ عنہ۔ لیکن دونوں قوسین والی عبارتیں صحیحین میں نہیں بلکہ پہلی قوسین والی عبارت جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الحج، حدیث:3169 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے اور ترمذی ہی میں دوسری قوسین کی جگہ یہ الفاظ ہیں: [إِنَّكُمْ لَمَعَ خَلِيقَتَيْنِ مَا كَانَتَا مَعَ شَيْءٍ إِلَّا كَثَّرَتَاهُ].

﴿ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴾ ''تو اس نے ان کے اس طرف کچھ لوگوں کو پایا جو قریب نہ تھے کہ کوئی بات سمجھیں۔'' اس لیے کہ ان کی زبان عجمی ہے اور وہ لوگوں سے دور اور الگ تھلگ رہ رہے ہیں۔ ﴿ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا ﴾ ''ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں، بھلا ہم تیرے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں۔'' ابن جریج نے عطاء سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ خَرْجًا ﴾ کے معنی بہت زیادہ اجرت کے ہیں۔[1] یعنی ان کا ارادہ یہ تھا کہ اگر ذوالقرنین ان کے درمیان ایک دیوار بنا دے تو وہ بہت سا مال جمع کر کے انھیں دے دیں گے لیکن ذوالقرنین نے عفت و دیانت اور نیکی و خیر کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ ﴾ ''خرچ کا جو مقدور اللہ نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بادشاہت و اقتدار سے سرفراز فرمایا ہے وہ اس مال سے کہیں بہتر ہے جسے تم جمع کرو گے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا: ﴿ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۡ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ...... ﴾ الآية (النمل 36:27) ''تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو کہ جو کچھ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمھیں دیا ہے......۔''

اسی طرح ذوالقرنین نے بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے حکومت و قوت عطا فرمائی ہے وہ تمھارے مال و دولت سے بدر جہا بہتر ہے، البتہ تم مجھے قوت بازو اور آلات تعمیر کے ساتھ مدد دو۔ ﴿ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ﴾ ''میں تمھارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا تو تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ۔'' زُبَر، زُبرۃ کی جمع ہے اس کے معنی لوہے کے ٹکڑے ہیں، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔[2] اور یہ ٹکڑے اینٹ کی طرح ہوتے ہیں اور ہر اینٹ دمشقی قنطار کے برابر یا اس سے بھی زیادہ وزنی ہوتی ہے۔

اور فرمان باری ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ ﴾ ''یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان کا حصہ برابر کر دیا۔'' حتی کہ جب اس نے لوہے کی ان اینٹوں کو بنیاد سے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر طول و عرض کی طرف سے دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک رکھ کر دیوار بنا دی اس دیوار کی طول و عرض کی پیمائش کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ﴿ قَالَ انْفُخُوْا ﴾ ''کہا کہ (اب اسے) دھونکو۔'' یعنی اس میں آگ لگا دی حتی کہ ساری دیوار آگ بن گئی۔ ﴿ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴾ ''تو کہا: (اب) میرے پاس پگھلا تانبا لاؤ تاکہ میں اس پر ڈال دوں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ قِطر کے معنی تانبے کے ہیں اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے معنی پگھلائے ہوئے تانبے کے ہیں۔[3] اس سلسلے میں درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے: ﴿ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ﴾ (سبا 12:34) ''اور ان کے لیے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔'' یہی وجہ ہے کہ یہ دیوار دھاری دار چادروں سے مشابہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (دیکھیے آیات:97-99)

---

[1] تفسیر الطبری:30/16. [2] تفسیر الطبری:32,31/16. [3] تفسیر الطبری:34/16 وتفسیر ابن أبی حاتم:2389/7.

فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ﴿97﴾ قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ

پھر وہ (یاجوج ماجوج) استطاعت نہ رکھتے تھے کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ استطاعت رکھتے تھے کہ اس میں نقب لگائیں﴿97﴾ ذوالقرنین نے کہا: یہ

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿98﴾ وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ

میرے رب کی طرف سے رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے ہموار کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ حق ہے﴿98﴾ اور اس

یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰهُمۡ جَمۡعًا ﴿99﴾

روز ہم ان کے کچھ کو چھوڑ دیں گے، وہ دوسروں میں گھس جائیں گے، اور صور میں پھونکا جائے گا، پھر ہم ان (سب) کو جمع کریں گے جمع کرنا﴿99﴾

تفسیر آیات: 97-99

ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار رکاوٹ بن گئی اور یہ قیامت کے قریب ٹوٹے گی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یاجوج و ماجوج کو اس بات کی طاقت نہیں ہے کہ اس دیوار کے اوپر سے چڑھ سکیں اور نہ انھیں اس بات ہی کی استطاعت ہے کہ نیچے سے اس میں نقب لگا سکیں۔ اوپر چڑھنا نیچے سے نقب لگانے کی نسبت آسان ہے، لہٰذا ہر کام کے مناسب حال فعل کے صیغے استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ﴿97﴾ ﴾ ''پھر ان کو یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اس دیوار میں نقب لگانے یا اسے توڑنے وغیرہ کی قطعاً قدرت نہ تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو رخ انور سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ، ...... قَالَ: نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ] ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ عربوں کے لیے خرابی ہے اس شر کی وجہ سے جو قریب آ چکا ہے۔ آج دیوار یاجوج و ماجوج میں اتنا سوراخ کر دیا گیا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کا حلقہ بنایا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ فرمایا: ہاں، جب برائی کی کثرت ہو جائے گی۔''[1] یہ حدیث صحیح ہے اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ ﴾ ''بولا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔'' یعنی ذوالقرنین نے جب اس دیوار کو بنا دیا تو کہا: ﴿ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ ﴾ کہ یہ میرے پروردگار کی لوگوں پر مہربانی ہے کہ اس نے لوگوں اور یاجوج و ماجوج کے درمیان یہ رکاوٹ کھڑی کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ اب زمین میں فتنہ و فساد نہیں پھیلا سکیں گے۔

﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ ﴾ ''جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا۔'' یعنی جب سچا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ ﴿ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ ﴾ ''تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا۔'' یعنی زمین کے برابر کر دے گا۔ عرب ناقة دكاء ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی پشت ہموار ہو

---

[1] مسند أحمد:6/428. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قصة يأجوج ومأجوج ......، حديث :3346 وصحيح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب اقتراب الفتن وفتح ردم يأجوج ومأجوج، حديث:2880.

اوراس کی کوہان نہ ہو۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ (الأعراف7:143) ''پس جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر جلوہ ڈالا اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔'' اورزمین کے برابر کر دیا۔ ﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾ ''اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔'' جو یقیناً پورا ہونے والا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ﴾ ''(اسی روز) ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔'' یعنی جس دن یہ دیوار ہموار ہوگی اس دن یہ نکل کر لوگوں میں گھس جائیں گے اور لوگوں کے مال خراب اور ان کی چیزیں تباہ کر دیں گے۔ سدی نے اس آیت کریمہ: ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ﴾ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ جب یہ نکلیں گے تو لوگوں کے مال تباہ کر دیں گے۔[2] اور یہ سب کچھ قیامت سے پہلے لیکن خروج دجال کے بعد ہوگا جیسا کہ اس کا ذکر ارشاد باری تعالیٰ: ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ○ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ......﴾ الآية (الأنبيآء21:96,97) ''یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے اور (قیامت کا) سچا وعدہ قریب آ جائے گا......'' کی تفسیر میں آگے بیان کیا جائے گا۔[3]

نفخ صور: اوراس کا فرمان ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ ''اور صور میں پھونکا جائے گا۔'' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [اَلصُّورُ قَرْنٌ يُنفَخُ فِيهِ] ''صور ایک سینگ ہوگا جس میں پھونکا جائے گا۔''[4] اوراس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے جیسا کہ اس سلسلے میں ایک طویل حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[5] اس کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔[6] اور عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے،[7] نیز ابوسعید کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَيْفَ أَنْعَمُ وَقَدِ الْتَقَمَ صَاحِبُ الْقَرْنِ الْقَرْنَ وَحَنٰى جَبْهَتَهٗ...... (وَاسْتَمَعَ) مَتٰى يُؤْمَرُ؟ (قَالُوا: كَيْفَ نَقُولُ؟) قَالَ: قُولُوا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا] ''میں کیسے خوش رہوں جبکہ سینگ والے فرشتے نے سینگ کو منہ سے تھام لیا ہے اور اپنی پیشانی کو جھکا دیا ہے...... اور سننے کے لیے تیار ہے کہ اسے کب حکم دیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: (اس حالت میں) آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو: ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے، ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔''[8]

---

[1] تفسير الطبري:35/16. [2] الدر المنثور:454/4. [3] دیکھیے الأنبياء، آیت: 96 کے ذیل میں۔ [4] سنن أبي داود، السنة، باب ذكر البعث......، حديث:4742 وجامع الترمذي، صفة القيامة والرقائق والورع، باب ماجاء في شأن الصور، حديث:2430 ومسند أحمد:162/2 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ. [5] دیکھیے الأنعام، آیت:73 کے ذیل میں۔ [6] سنن أبي داود، أول كتاب الحروف و القراءات، باب، حديث:3999 ومسند أحمد:10/3 والمستدرك للحاكم: 264/2 وفتح الباري:367/11 تحت الحديث:6517 وكتاب العظمة، صفة إسرافيل:820/3-860 وجامع الترمذي، حديث: 2430 ومسند أحمد: 162/2 وصحيح ابن حبان:307/16، حديث: 7312. [7] مسند أحمد:326/1 والمستدرك للحاكم:559/4 والمعجم الكبير للطبراني:128/12، حديث:12671 وتفسير الطبري:38/16. [8] مسند أحمد: 7/3 و374/4 لیکن اس میں دونوں قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، صفة القيامة والرقائق والورع، باب ماجاء في شأن الصور، حديث:2431 و3243 وصحيح ابن حبان، الرقاق: 105/3، حديث: 823 والمستدرك للحاكم:559/4 والسلسلة الصحيحة: 66/3، حديث:1079 میں ہیں۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿100﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے روبرو لے آئیں گے ﴿100﴾ وہ لوگ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی استطاعت نہ

11 ع 19 2

وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿101﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ

رکھتے تھے ﴿101﴾ کیا پھر ان لوگوں نے جو کافر ہوئے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو (اپنا) کارساز بنالیں گے؟ بے شک ہم نے

اَوْلِيَآءَ ط اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿102﴾

کافروں کے لیے بطور مہمانی جہنم تیار کر رکھا ہے ﴿102﴾

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿99﴾ ﴾ ''تو ہم سب کو جمع کر لیں گے۔''یعنی ہم سب کو حساب کے لیے حاضر کر لیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ○ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○﴾ (الواقعة 50,49:56) ''کہہ دیجیے کہ بے شک پہلے اور پچھلے (سب) ایک روز مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ○﴾ (الكهف 47:18) ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

تفسیر آیات: 100-102

جہنم کو کافروں کے سامنے لایا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت کافروں کے ساتھ یہ معاملہ کرے گا کہ ان کے سامنے جہنم کو لائے گا، یعنی اسے ظاہر کرے گا تاکہ وہ جہنم رسید ہونے سے پہلے ہی اس کے عذاب اور سزاؤں کو دیکھ لیں اور اس طرح جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی انھیں جلدی سے غم وحزن میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ، لَّهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ مَّعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَّجُرُّونَهَا] ''اس (قیامت کے) دن جہنم کو ستر ہزار زنجیروں سے باندھ کر لایا جائے گا اور ہر زنجیر کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ ﴾ ''جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں۔'' وہ غفلت میں مبتلا ہو کر قبولِ ہدایت اور اتباع حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○﴾ (الزخرف 36:43) ''اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿101﴾ ﴾ ''اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔'' اللہ کے اوامر ونواہی کو سمجھتے نہیں تھے، پھر فرمایا: ﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ط ﴾ ''کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ میرے بندوں

[1] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2842 و جامع الترمذي، صفة جهنم، باب ماجاء في صفة النار، حديث: 2573.

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿103﴾ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ

کہیے: کیا ہم تمھیں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے والے بتائیں؟﴿103﴾ جن کی سعی دنیاوی زندگی میں اکارت گئی، جبکہ وہ سمجھتے ہیں

يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿104﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتۡ

کہ یقیناً وہ اچھے کام کر رہے ہیں﴿104﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، چنانچہ ان کے اعمال برباد

اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا ﴿105﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوۡا

ہو گئے، لہٰذا روزِ قیامت ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے﴿105﴾ یہ ہے ان کی سزا جہنم، اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا، اور میری آیات

وَاتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِيۡ وَرُسُلِيۡ هُزُوًا ﴿106﴾

اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا بنایا﴿106﴾

کو میرے سوا (اپنا) کارساز بنائیں گے۔'' یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بات ان کے لیے درست اور نفع بخش ہے: ﴿ كَلَّا ۭ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ۝ ﴾ (مریم 82:19) ''ہرگز نہیں وہ (معبودان باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور الٹے ان کے دشمن (و مخالف) ہوں گے۔'' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مطلع فرمایا ہے کہ اس نے قیامت کے دن کافروں کے لیے جہنم کی مہمانی تیار کر رکھی ہے۔

تفسیر آیات:103-106

اعمال اور بدلے کے لحاظ سے خسارے والے لوگ: امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو سے اور انھوں نے مصعب سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد، یعنی سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿103﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: ہم تمھیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں'' کے بارے میں پوچھا، کیا اس سے حُرُورِیّۃ فرقے کے لوگ مراد ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں نے حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کی تھی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہوگی جبکہ حروریہ تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ انھیں فاسقین کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔[1] حضرت علی بن ابو طالب، ضحاک اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس سے حروریہ ہی مراد ہیں۔[2]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ حروریہ، یہود و نصاریٰ اور ایسے دیگر سب لوگوں کو بھی شامل ہے، یہ عام ہے اور ان میں سے کسی مخصوص گروہ کے لیے نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اس وقت ابھی یہود و نصاریٰ سے خطاب شروع نہیں ہوا تھا اور خوارج کا تو اس وقت قطعاً کوئی وجود ہی نہ تھا، لہٰذا یہ آیت کریمہ عام ہے اور ہر وہ شخص اس کا مصداق ہے جو غیر پسندیدہ طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور گمان یہ کرے کہ وہ درست اور اس کا عمل

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ ...... ﴾ (الكهف 103:18)، حدیث:4728.

[2] تفسير الطبري: 43/16 وتفسير ابن أبي حاتم: 2393,2392/7.

مقبول ہے، حالانکہ وہ خطا کار اور اس کا عمل مردود ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ ﴾ (الغاشية 88:2-4) ”اس روز بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے، سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:23) ”اور جو عمل انھوں نے کیے ہوں گے، ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا ﴾ (النور 24:39) ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے میدان میں چمکتی ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔“

کافر کا ہر اچھا کام آخرت میں عبث اور بے کار ہے: اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝103 ﴾ ”(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے ہم تمھیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں۔“ اور پھر ان کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ”وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی۔“ یعنی جنھوں نے ایسے باطل عمل کیے جو غیر شرعی، ناپسندیدہ اور غیر مقبول تھے۔ ﴿ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝104 ﴾ ”اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔“ یعنی وہ اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں اور وہ مقبول و محبوب لوگ ہیں لیکن حقیقت میں ﴿ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ ﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا۔“ یعنی دنیا میں انھوں نے ان دلائل و براہین کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنے رسولوں کی صداقت کے بارے میں بیان فرمائے تھے، نیز انھوں نے آخرت کی تکذیب کی۔ ﴿ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝105 ﴾ ”اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔“ یعنی قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کے ترازو کو بھاری نہیں کریں گے کیونکہ ان کے اعمال خیر سے خالی تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَّقَالَ: اِقْرَءُوا: ﴿ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝105 ﴾] ”قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور موٹا آدمی آئے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا: یہ آیت کریمہ پڑھو: ”اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو ہی قائم نہیں کریں گے۔“[1] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا ﴾ ”یہ ہے ان کی سزا جہنم اس لیے کہ انھوں نے کفر کیا۔“ یعنی ہم نے انھیں یہ سزا اس لیے دی کہ انھوں نے کفر کیا، اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے پیغمبروں کی

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ ﴾ (الكهف 18:105)، حديث:4729. ② صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث:2785.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿107﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بطور مہمانی فردوس کے باغات ہیں ﴿107﴾ اس حال میں کہ وہ ان میں

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿108﴾

ہمیشہ مقیم ہوں گے، وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے ﴿108﴾

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

کہہ دیجیے: اگر میرے رب کی باتوں (کے لکھنے) کے لیے سمندر روشنائی ہو تو یقیناً میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿109﴾

گا اور اگرچہ ہم اس کے مثل (اور سمندر) بطور مدد لے آئیں ﴿109﴾

ہنسی اڑائی اور ان کی سخت تکذیب کی تھی۔

تفسیر آیات:108,107

مومنوں کی جزا: اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند بندوں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لانے والوں اور انبیائے کرام کے لائے ہوئے دین وشریعت کی تصدیق کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے لیے بہشت کے باغ ہوں گے۔ ابواُمامہ کہتے ہیں کہ فردوس بہترین جنت ہے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ فردوس اوسط وافضل جنت ہے۔[2] سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلْفِرْدَوْسُ مِنْ رَّبْوَةِ الْجَنَّةِ هِيَ أَوْسَطُهَا وَأَحْسَنُهَا] ''فردوس بلند ترین، بہترین اور احسن جنت ہے۔''[3] قتادہ نے انس بن مالک کے حوالے سے مرفوع حدیث بھی اسی طرح بیان کی ہے اور ان تمام روایات کو ابن جریر رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔[4] صحیح بخاری میں حدیث ہے: [فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ (الْجَنَّةَ) فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ......، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ] ''جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ اعلیٰ اور افضل جنت ہے...... اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔''[5] ﴿نُزُلًا﴾ کے معنی مہمانی کے ہیں۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''ہمیشہ ان میں رہیں گے۔'' ان میں اقامت وسکونت اختیار کریں گے اور ان سے کبھی بھی نہیں نکلیں گے۔ ﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ''وہاں سے مکان بدلنا نہیں چاہیں

[1] تفسیر الطبری:46/16 لیکن اس میں ابوامامہ کے بجائے ابواسامہ ہے، البتہ تفسیر ابن أبی حاتم:2393/7 میں یہ قول ابوامامہ ہی سے منقول ہے۔ [2] تفسیر الطبری:46/16 . [3] تفسیر الطبری:48/16 والمعجم الکبیر للطبرانی:213/7، حدیث:6886,6885 وتفسیر ابن أبی حاتم:2393/7 والسلسلة الصحیحة:9/5، حدیث:2003. [4] تفسیر الطبری: 49,48/16 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة المؤمنین، حدیث:3174 ومسند أحمد:260/3. ہاں، البتہ [وَالْفِرْدَوْسُ: رَبْوَةُ الْجَنَّةِ، وَأَوْسَطُهَا وَأَفْضَلُهَا] قتادہ کے الفاظ ہیں۔ اور دیکھیے السلسلة الصحیحة:427/4، حدیث: 1811. [5] صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب درجات المجاهدین......، حدیث:2790 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ البتہ قوسین والا لفظ المصنف لابن أبی شیبة، الجنة، باب ماذکر......:67/7 میں ہے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تو بس تمھاری ہی طرح بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا الٰہ صرف ایک الٰہ ہے، پھر جو شخص کہ اپنے رب کی

12 ع 9 3

فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

ملاقات کی امید رکھتا ہو تو وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے ﴿۱۱۰﴾

گے۔'' کیونکہ جنت کے علاوہ وہ کسی اور مقام کو پسند ہی نہیں کریں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت سے انھیں کس قدر رغبت اور محبت ہوگی، حالانکہ جو شخص کسی جگہ ہمیشہ ہمیشہ مقیم ہو تو اس کے بارے میں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ اس جگہ سے اکتا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے کہ دوام اور خلود سرمدی کے باوجود وہ جنت سے کہیں اور جانا، وہاں سے کوچ کرنا اور رخت سفر باندھنا پسند ہی نہیں کریں گے۔

تفسیر آیت :109

اللہ کی باتیں کبھی ختم نہ ہوں گی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے محمد (ﷺ!) کہہ دیجیے: اگر سمندر کا پانی قلم کے ساتھ لکھنے کے لیے سیاہی بن جائے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتیں، حکمتیں اور وہ نشانیاں لکھنی شروع کر دی جائیں جو اس کی ذات پاک پر دلالت کرتی ہیں تو ان باتوں کے تمام ہونے سے پہلے سمندر کی یہ سیاہی ختم ہو جائے گی۔ ﴿وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾﴾ ''اگر چہ ہم ویسا ہی (دوسرا) اس کی مدد کو لائیں۔'' یعنی ایک سمندر اور لے آئیں اور پھر اس کے بعد ایک اور لے آئیں اور اسی طرح اور سمندر لاتے جائیں اور ان کے ساتھ لکھا جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوۡ اَنَّ مَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ يَمُدُّهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ○﴾ (لقمٰن 27:31) ''اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ تعالیٰ کی باتیں (اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔''

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ تمام بندوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے تمام سمندروں کے مقابلے میں پانی کا ایک قطرہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىۡ﴾ ''کہہ دیجیے: اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے۔'' یعنی اگر یہ تمام سمندر اللہ تعالیٰ کی باتیں لکھنے کے لیے سیاہی بن جائیں اور سارے درخت قلمیں بن جائیں تو قلمیں ٹوٹ جائیں گی اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں باقی اور قائم رہیں گی، انھیں کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی کیونکہ کسی کو اس بات کی استطاعت ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا اندازہ لگا سکے اور اس کی اس طرح ثنا بیان کر سکے جس طرح اس کی ذات گرامی کے شایانِ شان ہے، اس طرح کی ثنا تو وہ خود ہی بیان فرما سکتا ہے کیونکہ ہمارا پروردگار اسی طرح ہے جس طرح

اپنے بارے میں وہ خود فرماتا ہے۔ وہ ہماری تعریف سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ اول سے لے کر آخر تک دنیا بھر کی تمام نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس طرح ہیں جس طرح ساری دنیا کے مقابلے میں رائی کا ایک دانہ ہو۔

تفسیر آیت:110

محمد ﷺ بشر اور رسول ہیں اور معبود ایک ہی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجیے۔'' ان مشرکوں سے جو آپ کی رسالت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ﴿ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ ''میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں۔'' اگر کوئی مجھے سچا نہیں سمجھتا تو پھر وہ بھی اس طرح کا قرآن لا دکھائے جس طرح کا قرآن میں لے کر آیا ہوں۔ میں نے تمھیں اصحاب کہف اور ذوالقرنین سے متعلق ماضی کے واقعات جو صحیح صحیح اور حقیقت حال کے مطابق بیان کیے ہیں تو وہ اس لیے نہیں کہ میں غیب جانتا ہوں بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بارے میں مطلع فرما دیا ہے اور اگر وہ مجھے ان کے بارے میں مطلع نہ فرماتا تو میں ان کے بارے میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا تھا، اسی طرح میں تمھیں یہ بات بھی بتاتا ہوں: ﴿ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ ﴾ ''بے شک تمھارا معبود'' جس کی عبادت کی میں تمھیں دعوت دیتا ہوں۔ ﴿ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ﴾ ''ایک معبود ہے۔'' یعنی جس کا کوئی شریک نہیں۔

عند اللہ مقبول اعمال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ ﴾ ''تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے۔'' یعنی اس سے ثواب اور اچھی جزا کی امید رکھے۔ ﴿ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا ﴾ ''چاہیے کہ عمل نیک کرے۔'' جو اللہ کی شریعت کے مطابق ہو۔ ﴿ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿110﴾ ﴾ ''اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔'' یعنی ایسی عبادت کرے جو محض اللہ وحدہ لاشریک ہی کی ذات پاک کے لیے کی گئی ہو۔ کسی عمل کے مقبول ہونے کے لیے یہی دو شرطیں ہیں: (1) عمل خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیا جائے۔ (2) اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق سرانجام دیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے محمود بن لبید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ، قَالُوا: وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ، يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جُزِيَ النَّاسُ بِأَعْمَالِهِمْ: اذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاءُونَ فِي الدُّنْيَا، فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً] ''مجھے تمھارے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کے بارے میں ہے، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! شرک اصغر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ریاکاری۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو (ریاکاری کرنے والوں سے) فرمائے گا: تم ان لوگوں کے پاس چلے جاؤ جن کو دنیا میں دکھانے کے لیے تم عمل کرتے تھے، بھلا دیکھو تو سہی! کیا تم ان کے پاس کوئی جزا پاتے ہو؟''[1]

[1] مسند أحمد: 428/5 والسلسلة الصحيحة: 634/2، حديث: 951.

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید بن ابوفضالہ انصاری کی روایت کو بیان کیا ہے جو صحابہ میں سے تھے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ، نَادٰى مُنَادٍ: مَّنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ] ''جب اللہ تعالیٰ قیامت کے اس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں، اگلے پچھلے تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتے ہوئے اس میں کسی کو شریک بنالیا تو وہ غیر اللہ سے اپنا ثواب طلب کرلے، بے شک اللہ تعالیٰ شرک سے تمام شرکاء کی نسبت سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔''[1] اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

سورۂ کہف کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ .

① مسند أحمد:466/3. ② جامع الترمذی ، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الكهف، حديث:3154 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الرياء والسمعة، حديث:4203 .

تفسیر
سورۂ مریم

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ

كٓهٰيٰعٓصٓ ① (یہ) آپ کے رب کی اپنے بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے ② جب اس نے اپنے رب کو نہایت آہستہ آواز سے پکارا ③ اس

اِنِّىۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّىۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④

(زکریا) نے کہا: اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں، اور میرا سر بڑھاپے (کی سفیدی) سے بھڑک اٹھا، اور اے میرے رب! میں

وَاِنِّىۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِىَ مِنۡ وَّرَآءِىۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِىۡ

تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا ④ اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابت داروں سے ڈرتا ہوں، اور میری بیوی بانجھ آ رہی ہے، چنانچہ تو مجھے اپنے

وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ‌ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥

پاس سے ایک وارث عطا کر ⑤ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب سے وارث بنے اور اے میرے رب! تو اسے پسندیدہ بنا ⑥

نجاشی کے دربار میں سورۂ مریم کی تلاوت: محمد بن اسحاق نے ''سیرت'' میں بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا[1] اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مکہ سے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کے واقعے کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اس سورت کا ابتدائی حصہ نجاشی اور ان کے ساتھیوں کو سنایا تھا۔[2]

تفسیر آیات:1-6

حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

زکریا علیہ السلام کی بیٹے کے لیے دعا: ﴿ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ﴾ ''(یہ) تمھارے پروردگار کی مہربانی کا بیان ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر رحمت کا ذکر ہے۔ یحییٰ بن یعمر نے اسے اس طرح پڑھا ہے: [ذَكَّرَ رَحۡمَةَ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا].[3]

---

① السيرة النبوية لابن هشام، إحضار النجاشي للمهاجرين...... : 337,336/1. ② مسند أحمد : 461/1، البتہ سورت کے ابتدائی حصے کے سنانے کا ذکر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں نہیں بلکہ مسند أحمد : 202/1 میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت میں ہے۔ ③ تفسير القرطبي : 75/11 عن الحسن رحمہ اللہ.

زکریا میں دوقراءتیں ہیں، یعنی اسے مد اور قصر دونوں طرح (زکریاء اور زکریا) پڑھا گیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک عظیم الشان نبی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَانَ زَكَرِيَّاءُ نَجَّارًا] ''زکریا علیہ السلام نجار تھے۔''① یعنی بڑھئی کا کام کرکے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ③ ﴾ ''جب انھوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا۔'' بے شک انھوں نے چپکے سے پکارا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بہت پسند ہے جیسا کہ قتادہ نے ﴿ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ③ ﴾ کے بارے میں بیان کیا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ تقوے والے دل کو جانتا اور پوشیدہ آواز کو سنتا ہے۔② ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ ﴾ ''(اور) کہا کہ میرے پروردگار! بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔'' یعنی ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں اور قوتیں ماند پڑگئی ہیں۔ ﴿ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا ﴾ ''اور سر بڑھاپے (کی سفیدی) سے بھڑک اٹھا ہے۔'' یعنی سیاہ بالوں کے بجائے اب سفیدی کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں، اس سے مراد کمزوری، بڑھاپے اور اس کے ظاہری و باطنی دلائل کو بیان کرنا ہے۔ ﴿ وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ④ ﴾ ''اور میرے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔'' یعنی اے اللہ! تو ہمیشہ میری دعا قبول فرماتا رہا ہے اور میں نے جب بھی تجھ سے مانگا تو نے مجھے کبھی بھی محروم نہیں کیا۔ ﴿ وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ ﴾ ''اور یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے وارثوں سے ڈرتا ہوں۔'' مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ موالی سے مراد عصبہ ہیں۔③ ان کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے رشتے داران کے بعد کہیں لوگوں سے برا سلوک نہ کریں، اس لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انھیں بیٹا عطا فرمائے جو ان کے بعد نبی ہو اور وہ وحی و تنزیل کی روشنی میں لوگوں سے معاملہ کرے، ان کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے ڈرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے رشتہ داران کے مال کو بطور وراثت تقسیم کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا مقام و مرتبہ اس سے کہیں بلند ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں اس حد تک ڈرے، رشتے داروں کے اسے بطور وراثت تقسیم کرنے سے نفرت کرے اور بیٹے کی دعا اس لیے کرے تاکہ رشتہ داروں کے بجائے وہ اکیلا ہی وارث بن جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مذکور ہی نہیں کہ وہ صاحب مال تھے بلکہ وہ تو نجار تھے اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے اور اس طرح کے لوگ، خصوصاً انبیاء تو مال جمع ہی نہیں کرتے کیونکہ وہ تو دنیا سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صحیحین میں کئی سندوں سے یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ] ''ہمارا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''④ ترمذی کی صحیح سند سے ایک

---

① صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل زكريا عليه السلام، حديث: 2379 عن أبي هريرة رضي الله عنه . اور صحیح بخاری میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ واللہ أعلم. ② تفسير الطبري: 57/16 . ③ تفسير الطبري: 59/16 . ④ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ......، حديث: 3712 عن أبي بكر رضي الله عنه: 4240، 4241 و6725 عن عائشة رضي الله عنها و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب قول النبي ﷺ: [لا نورث ماتركنا ......] ، حديث : 1758 عن عائشة رضي الله عنها.

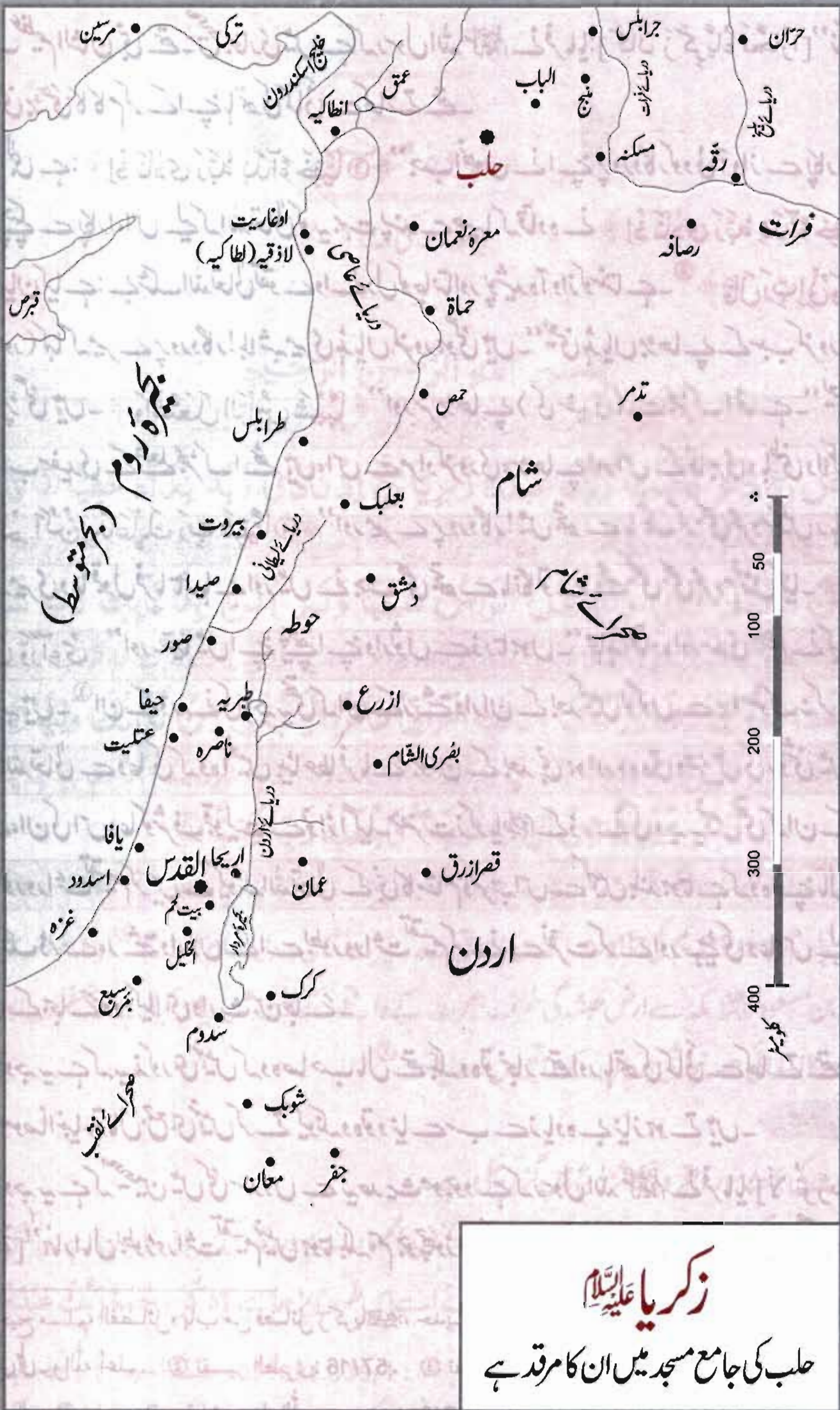

زکریا علیہ السلام

حلب کی جامع مسجد میں ان کا مرقد ہے

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦

(اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا⑦

روایت میں ہے: [نَحنُ مَعَاشِرَ الأَنبِیَاءِ لَا نُورَثُ] ''ہم گروہ انبیاء کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا۔''[1] لہٰذا ان وجوہ کی روشنی میں یہ بات متعین ہوگئی کہ ﴿ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ ﴾ ''چنانچہ تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔'' میں میراث سے میراث نبوت مراد ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ (النمل 16:27) ''اور سلیمان داود کے وارث بنے۔'' یعنی نبوت میں کیونکہ اگر اس سے مال کا وارث بننا مراد ہوتا تو پھر اپنے دیگر بھائیوں کے بجائے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص نہ کی جاتی اور نہ اس کے بیان کرنے میں کوئی خاص فائدہ تھا کیونکہ تمام دینوں اور تمام شریعتوں کی رو سے بیٹا اپنے باپ کا وارث بنتا آیا ہے، لہٰذا اگر اس سے کوئی خاص وراثت مراد نہ ہوتی تو اسے بیان ہی نہ کیا جاتا اور اس کی تصدیق و تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ [نَحنُ مَعَاشِرَ الأَنبِیَاءِ لَا نُورَثُ مَاتَرَکنَا فَھُوَ صَدَقَةٌ] ''ہم گروہ انبیاء کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں کیا جاتا، ہم جو مال چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔''[2]

مجاہد ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ﴾ ''جو میرا اور اولاد یعقوب کا وارث بنے۔'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ کی وراثت علم تھی۔ حضرت زکریا کا تعلق یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔[3] ہشیم کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن ابوخالد نے ابوصالح سے خبر دی کہ حضرت زکریا کی اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیٹا بھی نبی ہو جیسے ان کے آباء واجداد انبیاء تھے۔[4] ﴿ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥ ﴾ ''اور میرے پروردگار! اس کو پسندیدہ بنا۔'' یعنی تیرے اور مخلوق کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو، تو اسے پسند کرے اور دین و اخلاق کے اعتبار سے اسے اپنی مخلوق کے ہاں بھی پسندیدہ بنا دے۔

تفسیر آیت: 7

دعا کی قبولیت: یہاں کچھ عبارت محذوف ہے اور وہ یہ کہ ان کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نواز دیا گیا اور ان سے کہا گیا: ﴿ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ ﴾ ''اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ﴾ (اٰل عمرٰن 39,38:3) ''اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو خوب سننے (اور قبول کرنے) والا ہے، وہ

① دیکھیے جامع الترمذی، السیر، باب ماجاء فی ترکة رسول اللّٰہ، حدیث: 1610 والعلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، حدیث: 2682، البتہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ مسند الربیع (الجامع الصحیح)، باب فی المواریث: 62/2 میں ہیں جبکہ ترمذی کے الفاظ صحیحین کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔ ② دیکھیے سابقہ حوالہ۔ ③ تفسیر الطبری: 60/16۔ ④ تفسیر الطبری: 60/16۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا وَّقَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡكِبَرِ عِتِيًّا ﴿8﴾

اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، جبکہ میری بیوی بانجھ آ رہی ہے، اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں؟ ﴿8﴾

قَالَ كَذٰلِكَ‌ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔا ﴿9﴾

(فرشتے نے) کہا: ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا: وہ مجھ پر نہایت آسان ہے، اور میں نے اس سے پہلے تجھے پیدا کیا، جبکہ تو کچھ بھی نہیں تھا ﴿9﴾

قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً‌ ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿10﴾ فَخَرَجَ

اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی ٹھہرا، فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تندرست ہونے کے باوجود (تین دن اور) تین راتیں

عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿11﴾

لوگوں سے کلام نہیں کرے گا ﴿10﴾ چنانچہ وہ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، تو اس نے انھیں اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام تسبیح کرو ﴿11﴾

ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا!) اللہ تجھ کو یحیٰی کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے فیض (عیسٰی) کی تصدیق کرے گا اور سردار ہوگا اور اپنے آپ پر بہت ضبط رکھنے والا اور (اللہ کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں سے ہوگا۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا ﴿7﴾﴾ ’’اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔‘‘ قتادہ، ابن جریج اور ابن زید کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی شخص کا یہ نام نہیں تھا۔[1] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 9,8

قبولیتِ دعا کے بعد تعجب: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو جب شرفِ قبولیت سے نواز دیا اور انھیں لڑکے کی بشارت سنا دی گئی تو انھوں نے اس پر تعجب اور شدید مسرت کا اظہار کیا اور پوچھا کہ ان کے ہاں کس طرح لڑکا ہوگا کیونکہ ان کی بیوی تو بانجھ ہے، ان کے ہاں ولادت نہیں ہوئی حتی کہ اب وہ بوڑھی ہوگئی ہیں اور وہ خود بھی بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور بڑھاپے کے باعث ان کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، ان میں جماع اور بار آور کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے؟ لکڑی جب خشک ہو جائے تو عرب اس کے لیے عَتَا يَعْتُو عِتِيًّا وَّعُتُوًّا اور عَسَا يَعْسُو عُسُوًّا وَّعِسِيًّا کہتے ہیں۔

فرشتے کا جواب: ﴿قَالَ﴾ ’’کہا‘‘ یعنی فرشتے نے زکریا علیہ السلام کے تعجب کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿كَذٰلِكَ‌ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ﴾ ’’اسی طرح (ہوگا) تمھارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ پر یہ آسان ہے۔‘‘ یعنی تم سے اور تمھاری اس بیوی سے لڑکا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے، پھر اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ﴿وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔا ﴿9﴾﴾ ’’اور تحقیق میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔‘‘ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسیر الطبری: 16/63,62. [2] تفسیر الطبری: 16/63.

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا۝ ﴾ (الدھر 1:76) ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔''

تفسیر آیات: 11,10

حمل کی علامت: اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ﴾ ''کہا کہ میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔'' یعنی جو اس کے وجود کی علامت اور دلیل ہو جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے تاکہ مجھے اطمینان قلب حاصل ہو جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ ﴾ (البقرۃ 260:2) ''میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کر لے۔'' ﴿ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا۝۱۰ ﴾ ''فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تم صحیح و سالم ہو کر تین راتیں (اور دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔'' یعنی تین دنوں اور راتوں میں تمھاری زبان بات نہ کر سکے گی، حالانکہ تم صحیح سالم ہو گے، کوئی بیماری یا خرابی نہ ہو گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی، قتادہ اور کئی ایک مفسرین نے کہا ہے کہ کسی بیماری یا خرابی کے بغیر ہی آپ کی زبان بند رہی۔[1] عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ آپ پڑھتے اور تسبیح تو کرتے تھے مگر اپنی قوم سے بات نہ کر سکتے تھے، بات آپ اشارے ہی سے کرتے تھے۔[2]

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا۝۱۰ ﴾ کے معنی مسلسل تین راتیں ہیں۔[3] لیکن آپ سے اور جمہور سے مروی پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں بھی فرمایا ہے: ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۝ ﴾ (آل عمرٰن 41:3) ''زکریا نے کہا کہ میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے تو (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد اور صبح و شام (اس کی) تسبیح کرنا۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان تین دنوں اور راتوں میں لوگوں سے بات نہیں کیا کرتے تھے: ﴿ اِلَّا رَمْزًا ؕ ﴾ ''مگر اشارے سے۔'' اسی لیے اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ ﴾ ''پھر وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے۔'' یعنی اس حجرے سے جس میں آپ کو بیٹے کی بشارت دی گئی تھی ﴿ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ ﴾ ''تو ان سے اشارے سے کہا۔'' یعنی ہلکا سا جلدی سے اشارہ کیا: ﴿ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۝۱۱ ﴾ ''کہ صبح و شام (اللہ کی) تسبیح کرتے رہو۔'' یعنی جیسا کہ انھیں حکم ہوا تھا کہ ان تین دنوں میں اپنے دیگر اعمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بجا لاتے ہوئے بطور خاص اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اشارے

[1] تفسیر الطبری: 66,65/16. [2] تفسیر الطبری: 66/16. [3] تفسیر الطبری: 67/16.

يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ

(اللہ نے فرمایا:) اے یحییٰ! کتاب کو قوت سے پکڑ، اور ہم نے اسے بچپن ہی میں حکم عطا کیا⑫ اور اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی (دی)، اور وہ

تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّا بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ

نہایت متقی تھا⑬ اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا اور وہ سرکش، نافرمان نہیں تھا⑭ اور اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا، اور جس دن وہ

يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ⑮ ع 1 15 4

مرے گا اور جس دن وہ (دوبارہ) زندہ (کرکے) اٹھایا جائے گا⑮

سے یہ بات کہی۔ وہب اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔①

تفسیر آیات:12-15

لڑکے کی ولادت اور اس کے اوصاف: یہاں بھی کچھ عبارت محذوف ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب یہ بیٹا مل گیا جس کی بشارت سنائی گئی تھی، یعنی یحییٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کتاب سکھا دی، کتاب سے مراد تورات ہے جسے اس دور کے لوگ آپس میں پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے اور اسی کے مطابق انبیاء جو اللہ کے فرماں بردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے تھے اور مشائخ اور علماء بھی۔ حضرت یحییٰ اس وقت ابھی چھوٹے بچے ہی تھے، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا کہ یہ ان پر اور ان کے والدین پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ ﴾ ”اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو زور سے پکڑے رہو۔“ یعنی اس کتاب کو محنت، شوق اور کوشش سے سیکھو۔ ﴿ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ⑫ ﴾ ”اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں حکم عطا فرمایا تھا۔“ یعنی ہم نے انھیں لڑکپن ہی میں فہم، علم، حوصلہ، عزم اور نیکی کی رغبت، محبت اور شوق عطا کر دیا تھا۔

﴿ وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا ﴾ ”اور اپنے پاس سے شفقت“ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم نے انھیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی تھی۔② عکرمہ، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔③ ضحاک نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے انھیں اپنے پاس سے ایسی رحمت عطا فرمائی کہ جسے ہمارے سوا اور کوئی عطا نہیں کر سکتا۔④ قتادہ نے یہ بھی کہا کہ اس رحمت سے اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو نوازا تھا۔⑤ مجاہد نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے ان پر شفقت اور مہربانی تھی۔⑥ سیاق وسباق سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ﴿ وَّحَنَانًا ﴾ معطوف ﴿ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ⑫ ﴾ پر عطف ہے۔ ہم نے انھیں دانائی، شفقت اور پاکیزگی عطا کی، یعنی انھیں شفقت اور پاکیزگی والا بنا دیا۔ حنان اس محبت کو کہتے ہیں جس میں شفقت اور شیفتگی ہو۔ ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ ”اور پاکیزگی“ یہ ﴿ وَّحَنَانًا ﴾ پر عطف ہے۔ اور ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ میل کچیل اور گناہوں سے پاکیزگی کو کہتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ کے معنی عمل صالح کے ہیں۔⑦ ضحاک اور ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے معنی نیک اور پاک عمل کے ہیں۔⑧ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ کے معنی

① تفسیر الطبری: 16/67. ② تفسیر الطبری: 16/70. ③ تفسیر الطبری: 16/70. ④ تفسیر الطبری: 16/70.
⑤ تفسیر الطبری: 16/70. ⑥ تفسیر الطبری: 16/70. ⑦ تفسیر الطبری: 16/72. ⑧ تفسیر الطبری: 16/72.

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا ۙ ﴿16﴾ فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ

اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے، جب وہ اپنے خاندان والوں سے (دور) مشرقی جانب ایک جگہ میں الگ ہوئی ﴿16﴾ پھر اس نے ان کے آگے ایک

حِجَابًا ۚ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿17﴾ قَالَتۡ اِنِّيۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ

پردہ تان لیا، تب ہم نے اپنی روح (فرشتے) کو اس کے پاس بھیجا، تو وہ اس کے لیے کامل آدمی بن گیا ﴿17﴾ اس (مریم) نے کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ

مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا ﴿18﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿19﴾ قَالَتۡ اَنّٰى

مانگتی ہوں، اگر تو ڈرنے والا ہے ﴿18﴾ فرشتے نے کہا: یقیناً میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے (حکم الٰہی سے) ایک نہایت پاکیزہ لڑکا عطا

يَكُوۡنُ لِيۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِيۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ﴿20﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ

کروں ﴿19﴾ اس نے کہا: میرے لیے لڑکا کیونکر ہوگا، جبکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ میں بدکار ہوں ﴿20﴾ اس (فرشتے) نے کہا: اسی طرح ہوگا،

وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا ﴿21﴾

تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر بہت آسان ہے، تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں اور یہ امر طے شدہ ہے ﴿21﴾

برکت کے ہیں۔ ﴿ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿13﴾ ﴾ ”اور وہ پرہیز گار تھے۔“ پاک باز تھے کہ انھوں نے کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا تھا۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿14﴾ ﴾ ”اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش (اور) نافرمان نہیں تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے پہلے اس بات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے رب کے اطاعت گزار تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں مجسم رحمت و شفقت و پاکیزگی بنا کر پیدا فرمایا تو اب اس بات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے والدین کے بھی اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے اور قول و فعل اور امر و نہی میں ان کی نافرمانی نہیں کرتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿14﴾ ﴾ ”اور سرکش (اور) نافرمان نہیں تھے۔“ پھر ان کے اوصاف جمیلہ کی جزا بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ﴿15﴾ ﴾ ”اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ (کرکے) اٹھائے جائیں گے، ان پر سلامتی اور رحمت ہے۔“ یعنی ان تینوں حالتوں میں ان کے لیے امان ہے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین دن ایسے ہیں جن میں آدمی پر سب سے زیادہ خوف و گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوتی ہے: (1) ولادت کے دن کہ آدمی اپنے آپ کو اس جگہ سے نکلتے ہوئے دیکھتا ہے جس میں وہ پہلے رہ رہا تھا۔ (2) وفات کے دن کہ وہ ایسے لوگوں (فرشتوں) کو دیکھتا ہے کہ جن کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔ اور (3) بعثت کے دن کہ اپنے آپ کو ایک عظیم محشر میں دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو یہ اعزاز بخشا کہ ان تینوں دنوں میں انھیں سلامتی اور رحمت سے نواز دیا اور فرمایا: ﴿ وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ﴿15﴾ ﴾ ”اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ (کرکے) اٹھائے جائیں گے، ان پر سلامتی اور رحمت ہے۔“[2] اسے امام ابن جریر نے احمد بن منصور مروزی سے انھوں نے صدقہ بن فضل سے انھوں نے سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے۔

[1] تفسیر الطبری: 73/16. [2] تفسیر الطبری: 74/16.

تفسیر آیات:16-21

مریم و مسیح علیہما السلام کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے اس قصے کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بڑھاپے میں جبکہ ان کی بیوی بھی بانجھ تھیں، انھیں ہونہار، پاکباز اور مبارک بیٹا عطا فرمایا۔ اب حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ شروع فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بغیر باپ کے ایک بیٹا عیسیٰ علیہ السلام عطا فرمایا کیونکہ ان دونوں قصوں میں ایک خاص مناسبت اور مشابہت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قصوں کو یہاں، سورۂ آل عمران[1] اور پھر سورۂ انبیاء[2] میں ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے کیونکہ ان دونوں میں معنوی طور پر مشابہت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قدرت اور اپنی بادشاہت کی عظمت سے مطلع کرنا چاہتا ہے اور انھیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے قصے کو بیان کرتے ہوئے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ﴾ ''اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کیجیے۔'' حضرت مریم بنت عمران حضرت داود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، یہ بنی اسرائیل کا ایک بہت ہی پاک اور مقدس گھرانہ تھا، ان کی ولادت کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران[3] میں بیان فرمایا ہے کہ ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ یہ دنیا کی خدمت سے آزاد ہوں گی اور بیت المقدس کی مسجد کی خدمت کے لیے وقف ہوں گی، اس دور کے لوگ حصول تقرب کے لیے اپنی اولاد کو اس کام کے لیے وقف کر دیا کرتے تھے۔ ﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ﴾ (آل عمرٰن 3:37) ''تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اس کی اچھی طرح پرورش کی۔''

انھوں نے بنی اسرائیل میں بہت عظیم الشان انداز میں تربیت ونشأۃ کے مراحل طے کیے اور ان کا شمار بنی اسرائیل کی بہت ہی عابد وزاہد خواتین میں ہوتا تھا اور وہ عبادت وریاضت میں بے حد مشہور تھیں اور وہ اپنی بہن اور ایک قول کے مطابق اپنی خالہ کے شوہر زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام اس وقت بنی اسرائیل کے نبی، سربراہ اور دینی پیشوا تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی بعض زبردست کرامات دیکھیں جن سے وہ بے حد متأثر ہوئے۔ ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:37) ''زکریا (علیہ السلام) جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے، (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمھارے پاس کہاں سے (آتا ہے؟) وہ بولیں: اللہ کے ہاں سے (آتا ہے)، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔''

ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ ان کے پاس موسم سرما میں گرمیوں کے پھل اور موسم گرما میں سردیوں کے پھل پاتے تھے جیسا کہ قبل ازیں سورۂ آل عمران میں بیان کیا جا چکا ہے۔[4] جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ سے یہ ارادہ فرمایا کہ

---

[1] دیکھیے آیات: 37-41 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے آیات: 89-91 کے ذیل میں۔ [3] دیکھیے آیات: 35-37 کے ذیل میں۔

[4] دیکھیے آیت: 37 کے ذیل میں۔

آپ کے بطن سے اس کے عبد ورسول اور عظیم الشان اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک، یعنی عیسیٰ علیہ السلام جنم لیں ﴿ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴾ ''تو وہ اپنے خاندان والوں سے مشرق کی طرف جگہ میں الگ ہوگئیں۔'' یعنی اپنے لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر مسجد مقدس کے مشرق کی جانب چلی گئیں۔

عفت و پاکدامنی کا زیور: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات کا علم ہے کہ عیسائیوں نے مشرق کو اپنا قبلہ کیوں قرار دیا تھا، اس لیے: ﴿ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴾ ''وہ (مریم علیہا السلام) اپنے خاندان والوں سے مشرق کی طرف جگہ میں الگ ہوگئیں۔'' عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کو قبلہ بنالیا تھا۔[1] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ﴾ ''تو انھوں نے ان کی طرف سے پردہ کرلیا۔'' یعنی ان سے چھپ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جبریل علیہ السلام کو بھیجا ﴿ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ ''تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا۔'' یعنی وہ ایک پورے اور کامل انسان کی صورت میں ان کے سامنے آئے۔ مجاہد، ضحاک، قتادہ، ابن جریج، وہب بن منبہ اور سدی رحمہم اللہ نے ﴿ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا ﴾ ''پھر ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔[2] ﴿ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ ''(مریم) بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو بلاشبہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔'' جب فرشتہ ان کے سامنے انسانی صورت میں نمودار ہوا اور وہ خالی جگہ پر تھیں، ان کے اور ان کی قوم کے درمیان پردہ تھا تو وہ اس سے ڈر گئیں اور سمجھا کہ شاید وہ ان سے زیادتی کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو انھوں نے کہا: ﴿ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ ''اگر تم پرہیزگار ہو تو بلاشبہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔'' یعنی انھوں نے اللہ کا ڈر یاد دلاتے ہوئے کہا کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ شر کا ارادہ کرنے والے کو دور ہٹانے کے لیے یہی طریقہ شرعاً مستحسن ہے کہ پہلے اسے آسان انداز میں دور ہٹایا جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مریم نے انھیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا۔

ابن جریر نے عاصم سے روایت کیا ہے کہ ابووائل نے قصۂ مریم بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ عقل مند اور پرہیزگار فرشتے نے مریم علیہا السلام کی اس بات کے جواب میں کہا تھا: ﴿ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ﴾ ''کہنے لگی: بلاشبہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ پکڑتی ہوں اگر تو ڈرنے والا ہے۔ (فرشتے نے) کہا: میں تو تمھارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں۔'' یعنی فرشتے نے انھیں جواب دیتے اور اپنے نفس کے بارے میں انھیں جو خوف لاحق ہوا تھا، اسے زائل کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ تم گمان کرتی ہو، میں تو فرشتہ ہوں جسے تمھارے رب نے تمھاری طرف بھیجا ہے۔[3]

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مریم نے جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام خوف کے مارے کانپنے لگے فوراً اپنی

---

[1] تفسیر الطبری: 75/16. [2] تفسیر الطبری: 76/16. [3] تفسیر الطبری: 77/16 وتفسیر الطبری: 91/11.

اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے: سوائے اس کے نہیں میں تو تمھارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور اس لیے آیا ہوں) کہ وہ تجھے پاکیزہ لڑکا عطا فرمائے تو (مریم نے) کہا ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ﴾ ''میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا؟'' یعنی مریم نے فرشتے کی بات سن کر تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہو سکتا ہے! میرے ہاں بچہ پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ کیونکہ نہ تو میں شوہر والی ہوں اور نہ میرے بارے میں بدکاری کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی لیے اس نے کہا: ﴿ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ ﴾ ''مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔'' ﴿ بَغِيًّا ۝ ﴾ کے معنی زانیہ کے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [نَهٰی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مَّهْرِ الْبَغِیِّ] ''رسول اللہ ﷺ نے زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔''[1]

﴿ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ﴾ ''(فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تیرے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔'' فرشتے نے حضرت مریم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تم سے لڑکا پیدا فرمائے گا، خواہ تمھارا شوہر نہیں اور تم بدکار بھی نہیں کیونکہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ ﴿ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور (ہم اسے اسی طریق سے پیدا کریں گے) تاکہ اس کو لوگوں کے لیے (اپنی طرف سے) نشانی بنا دیں۔'' یعنی اسے باری تعالیٰ اور خالق کائنات کی قدرت کی علامت اور دلیل بنا دیا جائے جس نے لوگوں کی تخلیق میں تنوع کو اختیار فرمایا ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت کے بغیر پیدا کیا، حوا کو عورت کے بغیر صرف مرد سے پیدا کیا، عیسیٰ علیہ السلام کے سوا باقی تمام اولاد آدم کو مرد و عورت سے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو مرد کے بغیر صرف عورت سے پیدا فرمایا۔ تخلیق کے سلسلے میں یہ چار قسم کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی سلطنت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے، پس اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَرَحْمَةً مِّنَّا ﴾ ''اور اپنی طرف سے رحمت۔'' یعنی ہم اس بچے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور انبیاء میں سے ایک نبی بنا دیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کی دعوت دے گا جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:45,46) ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور (اللہ کے) خاص بندوں میں سے ہوگا اور (ماں کی) گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں ہوگا۔'' یعنی لڑکپن اور بڑی عمر میں لوگوں کو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دے گا۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ ﴾ ''اور یہ

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب ثمن الكلب، حديث: 2237 وصحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب تحريم ثمن الكلب...... ، حديث: 1567 عن أبي مسعود الأنصاري ﷺ ومسند أحمد: 235/1 عن ابن عباس ﷺ واللفظ له .

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿22﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ

بالآخر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوگئی، تو اس (حمل) کو لے کر دور کی ایک جگہ میں الگ ہوگئی ﴿22﴾ پھر درد زہ اسے کھجور کے ایک تنے کی طرف لے آیا، (تو)

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿23﴾

وہ بولی: اے کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بھلائی ہوتی ﴿23﴾

طے شدہ کام ہے۔'' جبرائیل علیہ السلام نے مریم سے جو گفتگو فرمائی، یہ بھی اسی کا حصہ ہے کہ یہ ایک ایسا کام ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت ومشیت کے مطابق فیصلہ فرما چکا ہے۔ محمد بن اسحاق نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے کرنے کا عزم فرمالیا ہے، لہٰذا یہ یقیناً ہو کر رہے گا۔[1]

تفسیر آیات: 23,22

استقرار حمل اور ولادت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت کے اس فیصلے کے بارے میں جبریل علیہ السلام نے جب مریم علیہا السلام سے یہ گفتگو کی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ کئی ایک علمائے سلف نے ذکر کیا ہے کہ اس وقت جبریل نے مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری اور پھونک گریبان سے ہوتی ہوئی ان کے اندام نہانی میں داخل ہوگئی جس سے انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حمل قرار دیا گیا۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کو حمل قرار پا گیا، ان کی کوکھ بھر گئی اور وہ واپس لوٹیں[2] (تو خون بند ہوگیا، پھر ان کو تکلیف، پریشانی اور رنگ کی تبدیلی کے وہ تمام عوارض پیش آئے جو کسی بھی حاملہ خاتون کو پیش آتے ہیں حتی کہ ان کی زبان بھی پھٹ گئی) اس معاملے کی وجہ سے آل زکریا کو تکلیفوں اور مصیبتوں کا جس قدر سامنا کرنا پڑا کسی گھرانے کو شاید اس طرح سامنا نہ کرنا پڑا ہو کیونکہ اس معاملے کا اب بنی اسرائیل میں عام چرچا ہوگیا تھا اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر یہ بہتان لگا دیا کہ حمل یوسف نامی ایک شخص سے ناجائز تعلقات کی وجہ سے ہے کیونکہ کنیسے میں اس کے سوا مریم کے پاس اور کوئی نہ تھا، حضرت مریم لوگوں سے چھپ گئیں اور انھوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا جس کی وجہ سے انھیں کوئی دیکھ سکتا تھا اور نہ وہ کسی کو دیکھ سکتی تھیں۔ ﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ ''پھر درد زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔'' یعنی درد زہ کی وجہ سے مجبور و مضطر ہو کر وہ کھجور کے درخت کے اس تنے کی طرف آئیں جو اس خالی جگہ پر تھا جہاں اب مریم تھیں۔[3]

اس جگہ سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں ائمہ تفسیر میں اختلاف ہے۔ سدی کا قول ہے کہ اس سے بیت المقدس میں ان کی عبادت کے حجرے کا مشرقی حصہ مراد ہے جس میں وہ نماز پڑھا کرتی تھیں۔[4] وہب بن منبہ کا قول ہے کہ حمل قرار پانے کے بعد بنی اسرائیل کی بہتان طرازی کی وجہ سے وہ بھاگ گئیں اور بھاگتے بھاگتے جب شام اور بلاد مصر کے درمیان پہنچیں تو درد زہ شروع ہوگیا۔[5] وہب کی ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل دور ایک بستی مراد ہے

[1] تفسیر الطبری: 78/16. [2] الکامل فی التاریخ، ذکر ولادۃ المسیح علیہ السلام......: 237/1. [3] دیکھیے البدایۃ والنہایۃ، میلاد العبد الرسول ......: 61/2، البتہ تو سین والی عبارت ہمیں نہیں ملی۔ [4] تفسیر الطبری: 80/16. [5] تفسیر الطبری: 82,81/16.

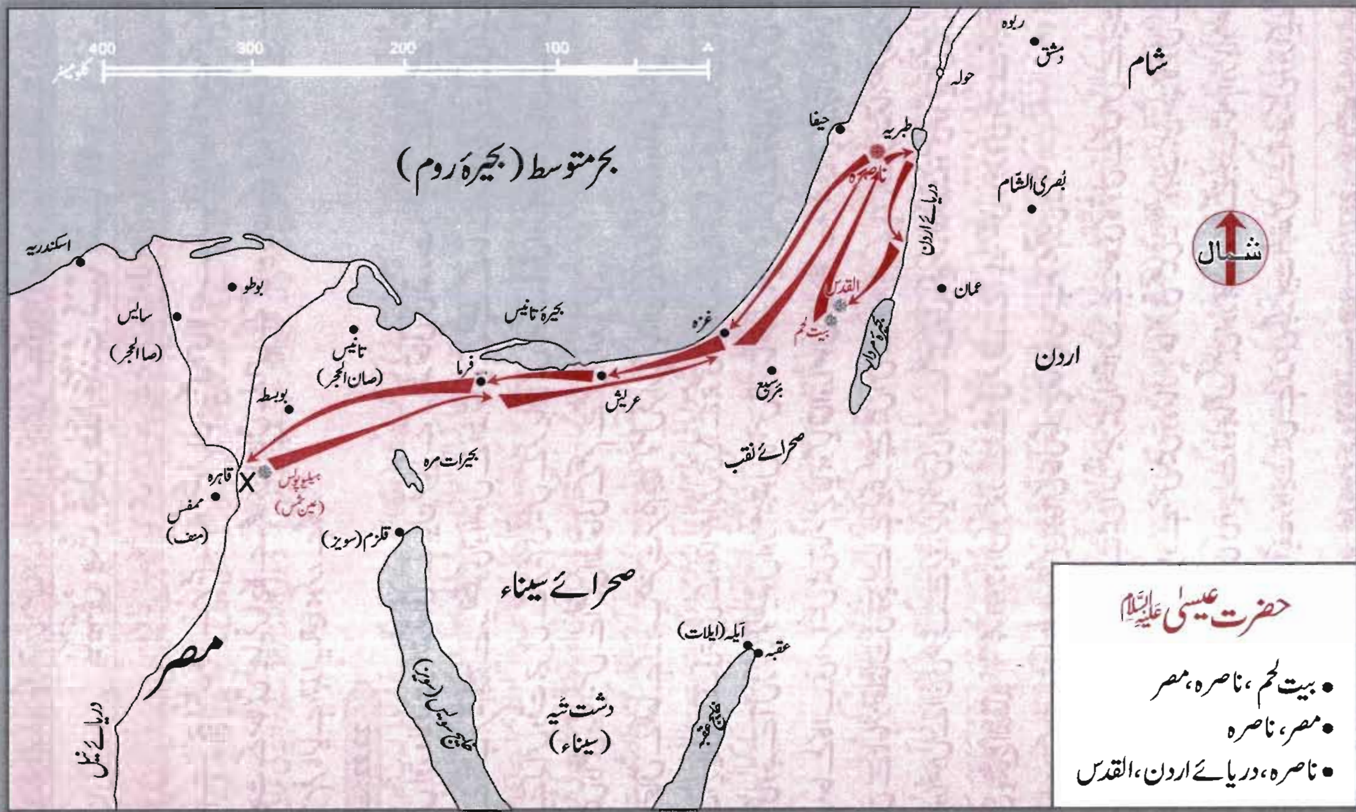
حضرت عیسیٰ علیہ السلام
• بیت لحم، ناصرہ، مصر
• مصر، ناصرہ
• ناصرہ، دریائے اردن، القدس
بحر متوسط (بحیرۂ روم)
شام
اردن
مصر
صحرائے سیناء
صحرائے نقب
دشت تیہ (سیناء)
شمال
دمشق
ربوہ
حولہ
حیفا
طبریہ
ناصرہ
بصریٰ الشام
دریائے اردن
عمان
القدس
بیت لحم
غزہ
بئر سبع
عریش
فرما
بحیرۂ تانیس
تانیس (صان الحجر)
بوبسطہ
بحیرات مرہ
قاہرہ
ہیلیوپولس (عین شمس)
ممفس (منف)
قلزم (سویز)
آیلہ (ایلات)
عقبہ
اسکندریہ
بوطو
سائیس (صاالحجر)
دریائے نیل
کلومیٹر
400
300
200
100

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿24﴾ وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ

پھر اس (فرشتے) نے اس کے نیچے (کے علاقے) سے اسے آواز دی کہ غم نہ کھا، تیرے رب نے تجھ سے نیچے (کے علاقے میں) ایک چشمہ جاری کردیا

النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿25﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ

ہے ﴿24﴾ اور تو کھجور کا تنا اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا ﴿25﴾ چنانچہ تو کھا اور پی اور (اپنی) آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر تو انسانوں میں

اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿26﴾ ۚ

سے کسی کو دیکھے تو اس سے کہہ دینا: بے شک میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، لہٰذا آج میں کسی انسان سے ہرگز کلام نہیں کروں گی ﴿26﴾

جس کا نام بیت لحم تھا۔[1] نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث معراج میں بھی ہے کہ یہ جگہ بیت لحم ہی تھی۔ واللہ أعلم. اس سلسلے میں لوگوں میں مشہور بات یہی ہے۔ عیسائیوں کو اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس بستی سے بیت لحم ہی مراد ہے، لوگوں نے بھی عیسائیوں سے اس روایت کو لیا ہے، حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے، بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔[2]

اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿23﴾﴾ ”کہنے لگیں کہ کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔“ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ فتنے کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو معلوم تھا کہ اس بچے کی وجہ سے انھیں ابتلا و آزمائش سے گزرنا پڑے گا، لوگ ان کی بات کو صحیح تسلیم نہیں کریں گے۔ ان کی خبر کو سچا نہیں مانیں گے، بنی اسرائیل میں پہلے ان کی شہرت ایک عابدہ و زاہدہ خاتون کی تھی مگر اب وہ انھیں ایک بدکار و بدکردار عورت قرار دیں گے، اس لیے انھوں نے کہا: ﴿يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿23﴾﴾ ”اے کاش! اس (حالت میں پہنچنے) سے پہلے ہی میں مرجاتی، (اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی) اور میں بھولی بسری ہوتی۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔[3] امام قتادہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اے کاش! میں کوئی ایسی چیز ہوتی جسے کوئی نہ جانتا جس کا کوئی نہ ذکر کرتا اور کسی کو کچھ معلوم نہ ہوتا کہ میں کون ہوں۔[4]

تفسیر آیات: 24-26

ولادت کے بعد آپ سے کیا کہا گیا؟ بعض قراء نے اسے [مَنْ تَحْتَهَا] پڑھا ہے، یعنی اس نے آواز دی جو ان سے نیچے تھا اور بعض نے اسے ﴿مِنْ تَحْتِهَاۤ﴾ یعنی حرف جار کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہیں ان کے نیچے کی جانب

---

[1] تفسیر الطبری:16/83,82. لیکن یہاں چھ میل کا ذکر ہے۔ [2] سنن النسائی، الصلاة، فرض الصلاة وذکر اختلاف الناقلین ......، حدیث:451 ودلائل النبوة للبیهقی، باب الإسراء برسول الله ﷺ ......:2/356. ملحوظہ: شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ اور رہا مسئلہ نبی اکرم ﷺ کا (واقعہ معراج میں) مقام بیت لحم میں نماز پڑھنے کا تو ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد:3/34 پر لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے بیت لحم میں نماز پڑھنا کسی صورت میں بھی ثابت نہیں ہے۔ [3] تفسیر الطبری: 16/84. [4] تفسیر الطبری: 16/84.

سے آواز دی۔ ① مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کون مراد ہے۔عوفی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے جبریل مراد ہیں۔ ② کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس وقت تک گفتگو نہ کی تھی جب تک مریم انھیں اپنی قوم کے پاس نہ لے آئی تھیں۔ ③ سعید بن جبیر، ضحاک، عمرو بن میمون، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ ④ یعنی جبریل نے وادی کے زیریں حصے کی طرف سے انھیں آواز دی۔ ⑤ مجاہد کا قول ہے کہ اس آواز دینے والے سے مراد خود عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ ⑥ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے بھی روایت کیا ہے کہ امام حسن بصری نے کہا کہ اس سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ ⑦ سعید بن جبیر سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ ''تو مریم نے اس (لڑکے) کی طرف اشارہ کیا۔'' ابن زید اور امام ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ⑧

﴿سَرِيًّا﴾ سے کیا مراد ہے؟ ﴿اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝۲۴﴾ ''کہ غم ناک نہ ہو، تحقیق تیرے پروردگار نے تجھ سے نیچے (مقام پر) ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔'' امام سفیان ثوری اور شعبہ نے ابواسحاق سے اور انھوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿سَرِيًّا﴾ کے معنی چشمے کے ہیں۔ ⑨ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی نہر کے ہیں۔ ⑩ عمرو بن میمون کا بھی قول ہے کہ اس کے معنی نہر کے ہیں جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ ⑪ مجاہد کا قول ہے کہ سَرِی سُریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی نہر کے ہیں۔ ⑫ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ نبطی زبان میں سری چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ ⑬ کچھ دیگر لوگوں کا کہنا ہے کہ سری سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، امام حسن بصری، ربیع بن انس اور محمد بن عباس بن جعفر کا بھی یہی قول ہے۔ ⑭ امام قتادہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اسی لیے اس کے بعد کہا: ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ ''اور کھجور کے تنے کو (پکڑ کر) اپنی طرف ہلاؤ۔'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست بھی ان کے پاس ہی کر دیا، چنانچہ فرمایا: ﴿تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝۲۵ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا﴾ ''وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا، چنانچہ تو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔'' یعنی خوش رہ۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ نفاس والی عورتوں کے لیے تر و تازہ کھجوروں سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں، پھر انھوں نے اپنی بات کی تصدیق میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ⑮

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝۲۶﴾ ''پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔''

---

① تفسیر الطبری: 87/16. ② تفسیر الطبری: 86/16. ③ تفسیر الطبری: 86/16. ④ تفسیر الطبری: 86,85/16. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 2404/7. ⑥ تفسیر الطبری: 86/16. ⑦ تفسیر الطبری: 86/16. ⑧ تفسیر الطبری: 87/16. ⑨ تفسیر الطبری: 88/16. ⑩ تفسیر الطبری: 88/16. ⑪ تفسیر الطبری: 88/16. ⑫ تفسیر الطبری: 88/16. ⑬ تفسیر الطبری: 88/16. ⑭ تفسیر الطبری: 89/16. ⑮ تفسیر الطبری: 91/16.

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔـا فَرِيًّا ﴿27﴾ يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ

پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئی، تو وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو نے بہت برا کام کیا ہے ﴿27﴾ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ

اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖ ﴿28﴾ فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ

برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی ﴿28﴾ چنانچہ اس نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا، تو وہ کہنے لگے: ہم اس سے کیسے کلام کریں جو گود میں بچہ

فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ﴿29﴾ قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ۙ ﴿30﴾ وَّجَعَلَنِىۡ مُبٰرَكًا

ہے؟ ﴿29﴾ وہ (بچہ) بول اٹھا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے ﴿30﴾ اور اس نے مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں

اَيۡنَ مَا كُنۡتُ ۖ وَاَوۡصٰنِىۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا ۖ ﴿31﴾ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِىۡ وَلَمۡ

ہوں، اور مجھے نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں ﴿31﴾ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے

يَجۡعَلۡنِىۡ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿32﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوۡمَ وُلِدْتُّ وَيَوۡمَ اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا ﴿33﴾

سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا ﴿32﴾ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں (زندہ کرکے) اٹھایا جاؤں گا ﴿33﴾

یہاں قول سے مراد اشارہ ہے تاکہ اس میں اور ﴿فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ﴿26﴾﴾ میں کوئی تضاد نہ رہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ یہاں روزے سے مراد چپ رہنے کا روزہ ہے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔[2] مراد یہ ہے کہ جب وہ روزہ رکھتے تو ان کی شریعت میں طعام و کلام ان کے لیے حرام ہو جاتا تھا۔ سدی، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہم اللہ سے بھی اس کی صراحت منقول ہے۔[3]

عبدالرحمٰن بن زید نے کہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مریم علیہا السلام سے کہا: ﴿اَلَّا تَحۡزَنِىۡ﴾ ''کہ غم ناک نہ ہو۔'' تو حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ میں غم کیوں نہ کروں جبکہ تم میرے پاس ہو اور میں نہ شادی شدہ ہوں اور نہ باندی؟ لوگوں کو میں کیا منہ دکھاؤں گی؟ ﴿يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿23﴾﴾ ''اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔'' عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ آپ کی طرف سے میں بات کروں گا، ﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ﴿26﴾﴾ ''چنانچہ اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔'' ان کے بقول یہ ساری گفتگو عیسیٰ علیہ السلام کی ہے جو انھوں نے اپنی والدہ سے کی تھی۔[4] وہب کا بھی یہی قول ہے۔[5]

تفسیر آیات: 27-33

مریم و مسیح قوم کے سامنے، قوم کا اعتراض اور مسیح علیہ السلام کا جواب: اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے بارے میں بتایا ہے کہ جب انھیں یہ حکم دیا گیا کہ آج کے دن وہ چپ رہنے کا روزہ رکھ لیں اور کسی بھی انسان سے بات نہ کریں، ان کا معاملہ درست ہو

① تفسیر الطبری: 94/16. ② تفسیر الطبری: 94/16. ③ تفسیر الطبری: 95/16 وتفسیر القرطبی: 98/11.
④ تفسیر الطبری: 95/16. ⑤ تفسیر الطبری: 95/16.

جائے گا اوران کی حجت غالب آ جائے گی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کر کے اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے بچے کو اٹھاتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آ گئیں۔ جب قوم کے لوگوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو اس پر سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بہت شدید اعتراض کیا: ﴿قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴾ ''وہ کہنے لگے کہ مریم! یہ تو تو نے بہت برا کام کیا ہے۔'' مجاہد، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو نے ایک بہت بڑے کام کا ارتکاب کیا۔ ① ابن ابوحاتم نے نوف بکالی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ قوم بھی مریم کی تلاش میں نکلی کیونکہ مریم کا تعلق نہ صرف ایک معزز گھرانے بلکہ خاندان نبوت سے تھا مگر انھیں مریم کا کوئی نشان نہ ملا، اسی اثنا میں ان کی ملاقات گائیوں کے ایک چرواہے سے ہوئی تو انھوں نے مریم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے پوچھا: کیا تم نے اس طرح کی کوئی دوشیزہ دیکھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن آج رات میں نے اپنی گائیوں کی ایک ایسی عجیب بات دیکھی ہے جو کبھی نہیں دیکھی تھی، انھوں نے پوچھا کہ تم نے کیا بات دیکھی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے آج رات اپنی گائیوں کو دیکھا کہ وہ اس وادی کی طرف منہ کر کے سجدہ کر رہی تھیں۔ ②

عبداللہ بن ابوزیاد نے کہا کہ مجھے سیار کی روایت اس طرح یاد ہے کہ چرواہے نے کہا کہ میں نے بلند ہوتی ہوئی روشنی دیکھی ہے وہ اس طرف چل پڑے جس طرف اس نے روشنی کی نشاندہی کی تھی تو سامنے سے انھیں مریم بھی آتی ہوئی دکھائی دیں، مریم نے جب انھیں دیکھا تو بیٹھ گئیں اور انھوں نے اپنے بیٹے کو اپنی گود میں بٹھا لیا، یہ لوگ آئے اور مریم کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے: ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴾ ''البتہ تحقیق مریم یہ تو تو نے برا کام کیا۔'' ﴿يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ﴾ ''اے ہارون کی بہن!'' یعنی عبادت میں ہارون کی مشابہ! ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ ''نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔'' یعنی تو تو ایک ایسے طیب اور پاک گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جو نیکی و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بہت مشہور ہے، تو نے یہ کیا کام کیا؟ ③ علی بن ابوطلحہ اور سدی نے کہا ہے کہ انھوں نے اسے ہارون کی بہن اس لیے کہا تھا کہ حضرت مریم، ہارون، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی کی نسل میں سے تھیں، جیسے تمیمی کو یَا أَخَا تَمِیمٍ اور مضری کو یَا أَخَا مُضَرَ کہا جاتا ہے۔ ④ اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نسبت بنی اسرائیل کے ہارون نامی ایک نیک شخص کی طرف تھی۔ عبادت و ریاضت کے اعتبار سے مریم کو ان کے مشابہ قرار دیا جاتا تھا۔ ⑤

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ''تو مریم نے اس (لڑکے) کی طرف اشارہ کیا، وہ بولے: ہم اس سے کیسے بات کریں جو (ابھی تک) گود میں بچہ ہے؟'' یعنی جب انھیں حضرت مریم کے بارے میں شک گزرا اور انھوں نے ان کے اس کام کو بہت ہی برا قرار دیا اور بہتان طرازی کرتے ہوئے طرح طرح کی باتیں بنائیں، مریم اس دن روزے کی وجہ سے ساکت و صامت تھیں تو انھوں نے اشارے سے کہا کہ بچے سے پوچھ لو تو انھوں

① تفسیر الطبری: 16/ 97,96. ② الدر المنثور: 4/ 480,479. بحوالہ زوائد الزھد لعبد اللہ بن أحمد رحمہ اللہ. ③ الدر المنثور: 4/ 480 ④ تفسیر الطبری: 16/ 98. ⑤ تفسیر الطبری: 16/ 98,97.

نے سمجھا کہ مریم ان سے مذاق کر رہی ہیں، اس لیے کہنے لگے: ﴿ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴾ ''ہم اس سے کیسے بات کریں جو (ابھی تک) گود میں بچہ ہے؟'' میمون بن مہران کہتے ہیں کہ لڑکے کی طرف اشارہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس سے بات کرو تو وہ کہنے لگے کہ ایک تو تم نے اس قدر شرمناک کام کیا ہے اور دوسرے تم ازراہ مذاق ہم سے یہ کہتی ہو کہ اس بچے سے بات کرلو جو ابھی گود میں ہے۔[1] سدی کہتے ہیں کہ جب حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا تو وہ ناراض ہوگئے اور کہنے لگے کہ اس عورت کا یہ ہم سے مذاق کہ ہم گود کے اس لڑکے سے بات کریں، اس کے زنا سے بھی زیادہ برا ہے۔ ﴿ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴾ ''وہ کہنے لگے: ہم (اس سے) کیسے بات کریں جو (ابھی) گود میں بچہ ہے؟''[2] کیونکہ جو لڑکا ابھی اس قدر چھوٹا ہے کہ وہ پنگوڑے میں ہے، وہ کیسے بات کرسکتا ہے؟ (تو اس موقع پر) ﴿ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾ ''اس (بچے) نے کہا کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔'' یعنی بچے نے جو سب سے پہلی بات کی اس میں اس نے رب تعالیٰ کی جناب کو اولاد سے پاک قرار دیا اور اپنے لیے اپنے رب کے عبد ہونے کا اقرار کیا اور اس کا فرمان ہے: ﴿ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴾ ''اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔'' اس نے اپنی ماں کو بھی اس فحاشی سے پاک قرار دیا ہے جس کی ان کی طرف نسبت کی گئی تھی۔

نوف بکالی کہتے ہیں کہ جب انھوں نے اس بچے کی ماں کی طرف غلط باتیں منسوب کیں تو وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا تو اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں طرف ٹیک لگاتے ہوئے کہا: ﴿ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴾ ''بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور میں جہاں بھی ہوں (اور جس حال میں رہوں) مجھے صاحب برکت بنایا ہے، اور جب تک میں زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکاۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ﴾ ''اور میں جہاں بھی ہوں مجھے صاحب برکت بنایا ہے۔'' کے بارے میں مجاہد، عمرو بن قیس اور ثوری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: اس نے مجھے بھلائی سکھلانے والا بنایا ہے۔[4] مجاہد سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے معنی بہت زیادہ نفع پہنچانے والے کے ہیں۔[5] ابن جریر نے وہیب بن ورد (بن ابوورد) مولیٰ بنومخزوم سے روایت کیا ہے کہ ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملے تو ان سے پوچھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، یہ بتاؤ کہ میں اپنے کس عمل کا اعلان کروں؟ انھوں نے جواب دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کہ یہی اللہ کا وہ دین ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے انبیاء کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ﴾ کے بارے میں فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے مراد یہ ہے کہ آپ جہاں بھی ہوں گے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں گے۔[6] اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

---

[1] فتح الباري:440/9، بعد الحديث:5304. [2] تفسير الطبري:100/16. [3] الدر المنثور:480/4. [4] تفسير الطبري:102/16 و تفسير ابن أبي حاتم:2408/7. [5] تفسير الطبري:101/16. [6] تفسير الطبري:102,101/16.

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿34﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم، (یہی ہے) حق کی بات جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں ﴿34﴾ اللہ کے لائق ہی نہیں کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائے، وہ پاک ہے،

مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿35﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ

جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے لیے بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے ﴿35﴾ اور بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے،

وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿36﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ

لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو، یہی ہے سیدھی راہ ﴿36﴾ پھر (متعدد) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا، چنانچہ ان کے لیے تباہی ہے جنھوں نے یوم عظیم

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿37﴾

کی پیشی کا انکار کیا ﴿37﴾

﴿ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿31﴾ ﴾ ''اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکاۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾ (الحجر 15:99) ''اور اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔''

عبدالرحمٰن بن قاسم نے امام مالک بن انس سے روایت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات تک ہونے والے اپنے معاملات کو بیان فرما دیا ہے، اس سے تقدیر کا اثبات اور منکرین تقدیر (قدریہ) کی تردید ہوتی ہے۔[1] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ۡ ﴾ ''اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کروں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد والدہ سے نیک سلوک کا ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اکثر و بیشتر مقامات پر اپنی عبادت اور اطاعت والدین کے مسئلے کو یکجا بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:23) ''اور آپ کے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور والدین سے اچھا سلوک کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (لقمٰن 14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تجھ کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿32﴾ ﴾ ''اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔'' یعنی اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا کہ میں اس کی عبادت و اطاعت سے اعراض کروں اور اپنی والدہ کی اطاعت نہ کروں۔ اور فرمایا: ﴿ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿33﴾ ﴾ ''اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (و رحمت) ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ثابت کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں، وہ زندہ ہیں اور پھر ایک دن فوت ہو جائیں گے اور پھر بالآخر ایک دن دیگر تمام مخلوقات کی طرح زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے لیکن ان تمام حالات میں جو لوگوں کے لیے بے حد مشکل ہوں گے، ان کے لیے سلامتی اور رحمت ہوگی۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

[1] تفسیر القرطبی: 103/11 لیکن اس میں مَا أَشَدَّهَا عَلٰی أَهْلِ الْقَدَرِ! ''قدریہ پر یہ آیت کس قدر سخت ہے!'' کے الفاظ ہیں۔

تفسیر آیات:34-37

عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بیٹے نہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ﴾ "یہ" جو عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہم نے آپ کو سنایا ہے: ﴿قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝﴾ "سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔" یعنی باطل پرست اور اس واقعہ کا انکار کرنے والے اور اہل حق اور اس پر ایمان رکھنے والوں میں اختلاف ہے۔ اسی وجہ سے اکثر قراء نے اسے [قَوْلُ الْحَقِّ] یعنی قول کو مرفوع پڑھا ہے جبکہ عاصم اور عبداللہ بن عامر نے اسے منصوب پڑھا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح پڑھا ہے: [ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَالُ الْحَقِّ][1] لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے اعراب کو مرفوع پڑھا جائے اور اس کا شاہد حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 3:60) "(یہ بات) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔"

جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبد اور نبی کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے تو اب اپنی ذات گرامی کو اولاد سے پاک قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ﴾ "اللہ کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے۔" یعنی وہ اس بات سے پاک، بہت بلند و بالا اور بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ جاہل، ظالم اور سرکش لوگ کہتے ہیں: ﴿اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾ "جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔" یعنی وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے حکم دے دیتا ہے اور وہ اس کے ارادے اور اس کی مشیت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 3:59,60) "عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے (یہ بات) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔"

عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو توحید کا حکم دیا: اور فرمایا: ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ "اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔" عیسیٰ علیہ السلام نے پنگوڑے ہی میں اپنی قوم کو حکم دیتے ہوئے کہا کہ بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے، پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے کہا: ﴿فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ "پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔" یعنی یہ دین جسے میں اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آیا ہوں، یہ سیدھا رستہ ہے جو اس کی پیروی کرے گا وہ رشد و ہدایت پا لے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ﴾ "پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔" یعنی

---

[1] تفسیر الطبری: 16/104,105.

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اہل کتاب کے اقوال مختلف ہیں، حالانکہ ان کا معاملہ بالکل واضح اور روشن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول اور اس کا کلمۂ بشارت تھے جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے مگر اہل کتاب میں سے ایک گروہ، جمہور یہود۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار لعنتیں ہوں۔ نے ان پر یہ بہتان لگایا کہ وہ ولدزنا ہیں اور ان کا کلام جادو ہے، ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا، کچھ اور لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ تین خداؤں میں سے ایک ہیں اور کچھ لوگوں نے ان تمام خرافات کے برعکس یہ کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور یہی قول برحق ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف مومنوں کی رہنمائی فرمائی ہے۔ عمرو بن میمون، ابن جریج، قتادہ[1] اور کئی ایک ائمۂ سلف وخلف سے اہل کتاب کے فرقوں کے اس باہمی اختلاف کے بارے میں اسی طرح مروی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿37﴾﴾ ''سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔'' یہ شدید وعید اور سرزنش ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا باندھیں اور یہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے مگر اس کذب وافترا کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو قیامت کے دن تک مہلت دے رکھی ہے، اس لیے کہ وہ ذات پاک حلیم اور اسے اپنی قدرت پر پورا اعتماد ہے، نیز یہ کہ وہ اپنے نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیا کرتا جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا، رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○﴾ (ھود 11:102) ''اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) سخت ہے۔''[2]

صحیح بخاری ومسلم ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَصْبَرُ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ]، [إِنَّهُمْ ...... يَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا وَّهُوَ ...... يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ''تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے کہ وہ...... اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا مانتے ہیں مگر وہ...... انھیں رزق دیتا اور عافیت عطا فرماتا ہے۔''[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○﴾ (الحج 22:48) ''اور

[1] تفسير الطبري: 106,105/16. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ......﴾ (ھود 11:102) ......، حديث: 4686 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2583 عن أبي موسى رضي الله عنه.
[3] صحيح البخاري، الأدب، باب الصبر في الأذى......، حديث: 6099 عن أبي موسى لیکن پہلا حصہ صحيح مسلم، صفات المنافقين ......، باب في الكفار، حديث: 2804 اور دوسرا حصہ بھی اسی باب کے تحت، حديث: (50)-2804 عن أبي موسى رضي الله عنه کے مطابق ہے۔

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَ اَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿38﴾ وَ اَنۡذِرۡهُمۡ

وہ لوگ کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے! لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ﴿38﴾

يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ ۘ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿39﴾ اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ

اور آپ انھیں روزِ حسرت سے ڈرائیں جب ہر معاملے کا فیصلہ کیا جائے گا، جبکہ وہ غفلت میں ہیں، اور وہ ایمان نہیں لاتے ﴿39﴾ بلاشبہ ہم ہی زمین

2 ع 25 5 الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿40﴾ ع

کے وارث ہوں گے اور جو اس (سرزمین) پر ہے وارث ہوں گے، اور ہماری ہی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ﴿40﴾

بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ۙ ﴾ (إبراهيم 42:14) ''اور (اے نبی!) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے بے خبر ہے، وہ ان کو ایسے دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿37﴾ ﴾ ''سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔'' اور ایک متفق علیہ حدیث میں ہے جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسٰى عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ، وَ(أَنَّ) الْجَنَّةَ حَقٌّ وَّ(أَنَّ) النَّارَ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ] ''جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے عبد اور رسول ہیں اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے عبد و رسول اور اس کا وہ کلمۂ بشارت تھے جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے اور بے شک جنت حق اور جہنم بھی حق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا، خواہ اس کا عمل کیسا ہی ہو۔''[1]

تفسیر آیات: 38-40

کفار کو حسرت کے دن سے ڈرانا: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت سب سے زیادہ سننے اور دیکھنے والے ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا ﴾ (السجدة 12:32) ''اور کاش! آپ دیکھیں جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔'' وہ یہ بات اس وقت کہیں گے جب یہ ان کے کسی کام نہ آسکے گی، انھوں نے یہ بات اگر عذاب دیکھنے سے پہلے کہی ہوتی تو ان کے لیے فائدہ مند اور عذاب الٰہی سے بچانے کا سبب بنتی،

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالىٰ: ﴿ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا...... ﴾ (النسآء 171:4)...... ، حديث: 3435، البتہ قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات ...... ، حديث: 28 میں ہیں۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ﴾ ''وہ لوگ کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے!'' یعنی بہت زیادہ سننے والے اور بہت زیادہ دیکھنے والے ہوں گے ﴿ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ﴾ ''جس دن ہمارے سامنے آئیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ ﴾ ''مگر ظالم آج'' یعنی دنیا میں ﴿ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''صریح گمراہی میں ہیں۔'' کہ حق کو سنتے نہیں، حق کو دیکھتے نہیں اور حق کو سمجھتے نہیں اور اب جبکہ ان سے ہدایت کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اس وقت اطاعت کو اختیار کریں گے جب اطاعت کا اظہار کرنا ان کے کسی کام نہ آئے گا، پھر فرمایا: ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ﴾ ''اور آپ ان کو حسرت (وافسوس) کے دن سے ڈرائیں۔'' یعنی تمام لوگوں کو حسرت وافسوس کے دن سے ڈرائیں: ﴿ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ ''جب بات فیصل کردی جائے گی۔'' یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان فیصلہ کردیا جائے گا اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ چلے جائیں گے: ﴿ وَهُمْ ﴾ ''اور وہ'' آج ﴿ فِيْ غَفْلَةٍ ﴾ ''غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں۔'' اور انھیں حسرت وندامت کے اس دن کی کوئی فکر نہیں جس سے انھیں ڈرایا جاتا ہے۔ ﴿ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور وہ ایمان نہیں لاتے۔'' اور قیامت کے دن کی تصدیق نہیں کرتے۔

موت کا خاتمہ: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ، يُجَاءُ بِالْمَوْتِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ، فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ قَالَ: فَيَشْرَئِبُّونَ، فَيَنْظُرُونَ، وَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هٰذَا الْمَوْتُ، قَالَ: فَيُقَالُ: يَاأَهْلَ النَّارِ! هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ قَالَ: فَيَشْرَئِبُّونَ، فَيَنْظُرُونَ، وَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هٰذَا الْمَوْتُ، قَالَ: فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُذْبَحُ، قَالَ: وَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ لَّا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ لَّا مَوْتَ، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾، قَالَ: وَأَشَارَ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: أَهْلُ الدُّنْيَا فِي غَفْلَةِ الدُّنْيَا]

''جب اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں داخل ہوجائیں گے تو موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اسے جنت ودوزخ کے درمیان کھڑا کردیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! کیا تم اس کو جانتے ہو؟ تو وہ گردنیں لمبی کریں گے اور دیکھیں گے اور کہیں گے۔ ہاں، ہم اسے جانتے ہیں یہ تو موت ہے۔ کہا جائے گا: اے اہل دوزخ! کیا تم اسے جانتے ہو؟ تو وہ گردنیں لمبی کرکے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ تو موت ہے، پھر حکم ہوگا تو اسے ذبح کردیا جائے گا، پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی ہے اور کبھی موت نہیں آئے گی، اے اہل دوزخ! (تم بھی سن لو کہ) اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی ہے اور کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور آپ ان کو حسرت (وافسوس) کے دن سے ڈرائیں جب ہر معاملے کا فیصلہ کردیا جائے گا جبکہ (آج) وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔'' پھر آپ نے ہاتھ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿41﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے، بے شک وہ نہایت سچا (اور) نبی تھا﴿41﴾ جب اس نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! تو اس کی عبادت

لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿42﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ

کیوں کرتا ہے جو نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے؟﴿42﴾ اے میرے باپ! بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں

فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿43﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

آیا، لہٰذا تو میری اتباع کر، میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا﴿43﴾ اے میرے باپ! تو شیطان کی عبادت نہ کر، بلاشبہ شیطان رحمٰن کا سخت نافرمان

عَصِيًّا ﴿44﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿45﴾

ہے﴿44﴾ اے میرے ابا جان! بے شک میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب آپہنچے، پھر تو شیطان کا ساتھی ہو جائے﴿45﴾

سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (افسوس کہ) اہل دنیا، دنیا کی غفلت میں مبتلا ہیں۔"[1] اور اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور ان دونوں کے الفاظ اس سے ملتے جلتے ہیں۔[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دن ہر انسان اپنے جنت کے گھر اور دوزخ کے گھر کو دیکھے گا اور وہی یوم حسرت ہے، اہل دوزخ اپنے جنت کے اس گھر کو دیکھیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھا تھا، بشرطیکہ وہ ایمان لے آتے، اس لیے ان سے کہا جائے گا کہ اگر تم ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے تو جنت میں تمھارا یہ گھر ہوتا جسے تم دیکھ رہے ہو تو اس سے انھیں بہت افسوس اور حسرت ہوگی، اسی طرح آپ نے فرمایا کہ اہل جنت دوزخ میں اپنے گھر کو دیکھیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان نہ ہوتا تو......۔[3] اور فرمایا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿40﴾﴾ "ہم ہی زمین کے اور جو لوگ اس پر (بستے) ہیں ان کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہوگا۔" اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ خالق و مالک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف و اختیار ہے، ساری مخلوق ایک نہ ایک دن فنا ہو جائے گی اور بقا و دوام صرف اسی کی ذات پاک کے لیے ہے، اس دن کوئی بادشاہت یا تصرف و اختیار کا دعویٰ نہیں کرے گا، اپنی ساری مخلوق کا وہی وارث ہے جو ان کے مرنے کے بعد بھی باقی ہوگا اور پھر انھیں دوبارہ زندہ کر کے ان کا فیصلہ فرمائے گا اور کسی بھی نفس پر کچھ بھی ظلم نہیں کرے گا، مچھر کے پر یا ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ امام ابن ابو حاتم نے حزم بن ابو حزم قطعی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے حاکم کوفہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کی طرف خط لکھا:

"امابعد! اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے اسی وقت موت کو لکھ دیا تھا جب اس نے اسے پیدا فرمایا تھا اور یہ بھی لکھ دیا تھا کہ ساری مخلوق کو مرنے کے بعد اسی کے پاس لوٹ کر آنا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سچی کتاب میں بھی یہ نازل فرمایا ہے

[1] مسند أحمد: 9/3. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ (مریم 19:39)، حديث: 4730 وصحيح مسلم، الجنة وصفة ......، باب النار يدخلها الجبارون ......، حديث: 2849. [3] تفسير الطبري: 110/16.

جس کی اس نے اپنے علم کے ساتھ حفاظت فرمائی ہے اور اس کی حفاظت پر فرشتوں کو گواہ بنایا کہ وہی زمین کا اور جو لوگ اس پر بستے ہیں ان کا وارث ہے اور ان سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''①

تفسیر آیات: 41-45

ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو وعظ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ ﴾ ''اور آپ کتاب میں ابراہیم کو یاد کریں۔'' اور اپنی قوم کے ان لوگوں پر جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں تلاوت کریں۔ ابراہیم خلیل الرحمٰن کا واقعہ ان (مکہ والوں) سے بیان کریں جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور انھی کی ملت پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ نہایت سچے پیغمبر تھے اور انھوں نے اپنے باپ کو بتوں کی پوجا سے منع کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝۴۲ ﴾ ''اے میرے باپ! ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ تیرے کچھ کام آسکیں۔'' یعنی یہ نہ تو تجھے کوئی نفع ہی پہنچا سکتی ہیں اور نہ کسی نقصان ہی کو دور کر سکتی ہیں۔ ﴿ يٰاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳ ﴾ ''اے میرے باپ! بلاشبہ مجھے ایسا علم ملا ہے جو تجھ کو نہیں، لہٰذا تو میری اتباع کر میں سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔'' اگرچہ میں آپ کی صلب میں سے ہوں، میں آپ سے چھوٹا ہوں اس لیے کہ آپ کا بیٹا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرما دیا ہے جس سے آپ محروم ہیں۔

﴿ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳ ﴾ ''لہٰذا تو میری اتباع کر میں تجھے سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔'' ﴿ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳ ﴾ سے مراد ایسا سیدھا رستہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچا دے اور ہر ڈر اور خوف والی چیز سے بچا لے۔ ﴿ يٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ ﴾ ''اے میرے باپ! تو شیطان کی پوجا نہ کر۔'' یعنی ان بتوں کی پوجا کر کے شیطان کی اطاعت نہ کر کیونکہ بتوں کی عبادت کی تو شیطان ہی دعوت دیتا اور وہ اس سے بہت خوش ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (یٰسٓ 60:36) ''اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ ﴾ (النسآء 4:117) ''وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں اور دراصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝۴۴ ﴾ ''بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔'' اللہ تعالیٰ کا مخالف ہے اس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے رب کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون و مردود قرار دے دیا، لہٰذا اس کی پیروی نہ کر ورنہ اسی کی طرح ہو جائے گا۔ ﴿ يٰاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ﴾ ''اے میرے باپ! مجھے ڈر لگتا ہے کہ تجھے اللہ کا عذاب آ پکڑے۔'' شرک کرنے اور میری بات نہ ماننے کی وجہ سے، ﴿ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝۴۵ ﴾ ''پس تو شیطان کا ساتھی ہو جائے گا۔'' یعنی اس صورت میں ابلیس کے سوا تیرا کوئی دوست، مددگار اور فریادرس نہ ہوگا اور اس کے یا کسی

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2410/7.

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

وہ (باپ آزر) کہنے لگا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور رجم کردوں گا، اور تو عرصۂ دراز

مَلِيًّا ﴿46﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿47﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ

کے لیے مجھے چھوڑ دے ﴿46﴾ ابراہیم نے کہا: تجھ پر سلامتی ہو، عنقریب میں تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان

وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ

ہے ﴿47﴾ اور میں کنارہ کش ہوتا ہوں تم سے اور ان سے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اور میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں، امید ہے کہ میں اپنے رب

شَقِيًّا ﴿48﴾

کو پکار کر محروم نہ رہوں گا ﴿48﴾

کے پاس بھی کوئی اختیار نہیں ہوگا بلکہ شیطان کی پیروی کرنا تو موجب عذاب ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ﴾ (النحل 63:16) ''اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تھے تو شیطان نے ان کے (ناشائستہ) کردار ان کو آراستہ کر دکھائے تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

تفسیر آیات: 46-48

ابراہیم علیہ السلام کے والد کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعوت دی تو ان کے باپ نے انھیں یہ جواب دیا: ﴿ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ ﴾ ''اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے انحراف کیے ہوئے ہے؟'' اگر تو ان بتوں کی عبادت نہیں کرنا چاہتا اور ان کو پسند نہیں کرتا تو کم از کم سب وشتم اور انھیں معیوب قرار دینے ہی سے باز آ جا اور اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھ سے انتقام لوں گا اور تجھے سب وشتم کروں گا۔ ﴿ لَاَرْجُمَنَّكَ ﴾ ''میں تجھے ضرور سنگسار کردوں گا۔'' کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی، ابن جریج، ضحاک اور دیگر کے قول کے مطابق یہی مفہوم ہے۔[1]

فرمان باری ہے: ﴿ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿46﴾ ﴾ ''اور تو عرصۂ دراز کے لیے مجھے چھوڑ دے۔'' مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ مَلِيًّا ﴿46﴾ ﴾ کے معنی زمانہ بھر کے ہیں۔[2] حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی زمانۂ طویل کے ہیں۔[3] سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی ابدالآباد کے ہیں۔[4] علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو مجھے صحیح سالم حالت میں چھوڑ کر چلا جا قبل اس کے کہ میں تجھے سزا دوں۔[5] ضحاک، قتادہ، عطیہ جدلی اور مالک وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔[6] اور امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[7]

خلیل اللہ کا جواب: اپنے باپ کی یہ بات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ ﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

① تفسیر الطبری: 114/16. ② تفسیر الطبری: 115/16. ③ تفسیر الطبری: 115/16. ④ تفسیر الطبری: 115/16. ⑤ تفسیر الطبری: 115/16. ⑥ تفسیر الطبری: 116/16. ⑦ تفسیر الطبری: 116/16.

مومنوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ ﴾ (الفرقان 63:25) ”اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 55:28) ”اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمھارے اعمال، تم کو سلام، ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جو ﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ ﴾ کہا تو اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ باپ کے احترام کی وجہ سے میری طرف سے آپ کو کوئی برائی یا ایذا نہیں پہنچے گی۔ ﴿ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ ﴾ ”میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔“ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو ہدایت عطا فرمائے اور آپ کے گناہ معاف فرما دے: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ ﴾ ”بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ﴿ حَفِيًّا ۝ ﴾ کے معنی لطف و کرم فرمانے والے کے ہیں۔[1] یعنی اس نے اپنے لطف و کرم کے ساتھ مجھے اپنی عبادت اور توحید کے اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ [حَفِيٌّ] اسے کہتے ہیں جو کسی کے بارے میں اہتمام کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طویل مدت تک، یعنی شام کی طرف ہجرت کرنے، مسجد حرام کی تعمیر کرنے اور اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کی ولادت کے بعد تک اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے جیسا کہ آپ کی درج ذیل دعا سے ثابت ہے: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ﴾ (ابراهيم 41:14) ”اے ہمارے پروردگار! حساب (کتاب) کے دن مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو بخش دے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلمان بھی ابتدائے اسلام میں اپنے مشرک رشتہ داروں اور اہل و عیال کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؗ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ﴾ (الممتحنة 4:60) ”یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے بہترین نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا: بے شک ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بری الذمہ ہیں، ہم نے تمھارا انکار کیا اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بیزاری آشکارا ہو گئی، یہاں تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے مغفرت ضرور مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔“

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے جو یہ کہا کہ میں آپ کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو حضرت

[1] تفسير الطبري: 116/16.

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿49﴾

پھر جب اس نے کنارہ کیا ان سے اور جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، تو ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب بخشے، اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا﴿49﴾

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿50﴾ ع 3/10/6

اور ہم نے انھیں اپنی رحمت بخشی، اور ان کے لیے سچائی کا بول (ذکر خیر) بلند کیا﴿50﴾

ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو اپنے لیے نمونہ قرار نہ دو اور اس میں ان کی پیروی نہ کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسے ترک کر دیا تھا: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ ﴾ (التوبۃ 9:113,114) ”پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل متحمل تھے۔“

اور فرمایا: ﴿ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ”اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ان سے کنارہ کرتا ہوں۔“ میں تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے، اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو، براءت اور بے زاری کا اظہار کرتا ہوں: ﴿ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۫ۖ ﴾ ”اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔“ یعنی اپنے رب تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کروں گا: ﴿ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿48﴾ ﴾ ”امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔“ یہ ﴿ عَسٰى ﴾ لامحالہ یقین کے معنی میں ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام، سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار ہیں۔

تفسیر آیات: 50,49

اللہ نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے باپ اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ان سے بہتر، یعنی اسحاق اور ان کے بیٹے یعقوب عطا فرما دیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ ﴾ (الأنبیآء 21:72) ”اور یعقوب مزید (دیا۔)“ اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ ﴾ (ھود 11:71) ”اور اسحاق کے بعد یعقوب (کی خوشخبری دی۔)“

اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اسحاق، یعقوب کے والد ہیں جیسا کہ درج ذیل نص قرآنی سے ثابت ہے: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ﴾ (البقرۃ 2:133) ”بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿51﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے، بلاشبہ وہ چنا ہوا تھا اور رسول نبی تھا﴿51﴾ اور ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے پکارا اور ہم نے اسے راز و نیاز

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿52﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿53﴾

کرتے ہوئے قریب کیا﴿52﴾ اور اسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی بخشا﴿53﴾

باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔''

اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اسحاق و یعقوب کا ذکر فرمایا ہے، یعنی ہم نے ان کی اولاد اور ان کی نسل کو انبیاء بنایا اور ان کے ساتھ ان کی زندگی میں ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿49﴾ ﴾ ''اور ہم نے سب کو پیغمبر بنایا۔'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں یعقوب علیہ السلام کو نبوت نہ ملی ہوتی تو پھر صرف انھیں کے ذکر تک اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ ان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا بھی ذکر ہوتا کیونکہ وہ بھی تو اللہ کے نبی تھے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [...... يُوسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ، ابْنُ (يَعْقُوبَ) نَبِيِّ اللّٰهِ، ابْنِ (إِسْحَاقَ) نَبِيِّ اللّٰهِ، ابْنِ (إِبْرَاهِيمَ) خَلِيلِ اللّٰهِ] ''اللہ کے نبی یوسف، جو اللہ کے نبی یعقوب کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے نبی اسحاق کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے خلیل ابراہیم کے بیٹے ہیں۔''[1] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [(إِنَّ) الْكَرِيمَ بْنَ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ] ''کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام تھے۔''[2]

﴿ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿50﴾ ﴾ ''اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں اور ہم نے ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لِسَانَ صِدْقٍ ﴾ سے مراد اچھی تعریف ہے۔[3] سدی اور مالک بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ﴿ عَلِيًّا ﴿50﴾ ﴾ اس لیے فرمایا کہ تمام ملتوں اور دینوں کے لوگ ان کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہیں۔[4] صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

تفسیر آیات: 51-53

موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر: حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے تذکرے اور تعریف کے بعد اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کا ذکر کیا جا رہا ہے: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا ﴾ ''اور آپ کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کریں بے شک وہ (ہمارے)

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ...... ﴾ (البقرة 2:133)، حديث: 3374 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل يوسف عليه السلام، حديث: 2378 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، قوسین والے الفاظ کے علاوہ۔ [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى...... ﴾ (يوسف 12:6)، حديث: 4688 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ لیکن قوسین والا لفظ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة يوسف، حديث: 3116 ومسند أحمد: 332/2 و416 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [3] تفسير الطبري: 117/16 . [4] تفسير الطبري: 117/16 .

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿54﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ

اور کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر کیجیے، بے شک وہ وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا﴿54﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیتا تھا اور وہ

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿55﴾

اپنے رب کے ہاں نہایت پسندیدہ تھا﴿55﴾

برگزیدہ (بندے) تھے۔'' ثوری نے عبدالعزیز بن رفیع سے اور انھوں نے ابولبابہ سے روایت کیا ہے کہ حواریوں نے کہا کہ اے روح اللہ! یہ فرمائیں کہ اللہ کے لیے مخلص کون ہے۔ فرمایا وہ جو صرف اللہ ہی کے لیے عمل کرے اور یہ پسند نہ کرے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جب مُخلِص کو لام کے کسرے کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر اسے لام کے فتحہ کے ساتھ مُخلَص پڑھا جائے تو اس کے معنی منتخب کے ہیں۔[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الأعراف 7:144) ''بلاشبہ میں نے تجھے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔'' ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿51﴾﴾ ''اور پیغمبر رسول تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دونوں صفتوں سے نوازا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب اور ممتاز بندے بھی تھے اور اولوالعزم مرسلین عظام میں سے بھی جو کہ پانچ ہیں: (1) نوح (2) ابراہیم (3) موسیٰ (4) عیسیٰ اور (5) محمد صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ أَجْمَعِيْنَ.

اور فرمایا: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ ''اور ہم نے ان کو طور کی دائیں طرف پکارا۔'' طور سے مراد کوہ طور ہے جو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں طرف تھا، جب انھوں نے آگ کو چمکتے ہوئے دیکھا اور اس کا انگارا لینے گئے تھے اور انھوں نے اس آگ کو کوہ طور کی دائیں غربی جانب وادی کے کنارے پر چمکتے ہوئے پایا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں ہم کلامی کے شرف سے نوازا، آواز دی اور قریب کر کے سرگوشی فرمائی: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿53﴾﴾ ''اور ہم نے اپنی مہربانی سے ان کو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔'' یعنی ان کے سوال کو پورا کر دیا اور اپنے بھائی ہارون کے بارے میں ان کی شفاعت کو قبول کرتے ہوئے، انھیں بھی نبی بنا دیا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○﴾ (القصص 28:34) ''اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے، بلاشبہ مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ○﴾ (طٰهٰ 20:36) ''اے موسیٰ! تحقیق جو تو نے مانگا تجھے دے دیا گیا۔'' اور فرمایا: ﴿فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ○ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ○﴾ (الشعرآء 26:13، 14) ''سو ہارون کی طرف (حکم) بھیج (کہ میرے ساتھ چلیں) اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے سو مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ مجھ کو مار ہی ڈالیں۔'' اسی لیے بعض سلف نے کہا ہے کہ دنیا میں کسی نے کسی کے لیے اس سے بڑھ کر شفاعت نہیں کی ہوگی

[1] تفسير الطبرى: 16/118 و تفسير القرطبي: 11/114.

جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کے بارے میں شفاعت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی نبی بنا دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِیًّا ﴾ ''اور ہم نے اپنی مہربانی سے ان کو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔''

تفسیر آیات: 55,54

اسماعیل کا ذکر: یہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل بن ابراہیم خلیل علیہما السلام کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز کے تمام عربوں کے والد تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے رب تعالیٰ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کر دکھایا اور جس عبادت کے ادا کرنے کی نذر مانی اسے بھی پورا کر دیا۔[1]

بعض ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ آپ کو صادق الوعد اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ نے اپنے والد گرامی سے کہا تھا: ﴿ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 102:37) ''اللہ نے چاہا تو تو یقیناً مجھے صابروں میں پائے گا۔'' اور پھر انھوں نے اپنے اس وعدے کو سچ ثابت کر دکھایا۔ وعدے کو سچ ثابت کر دکھانا صفات حمیدہ میں سے ہے جبکہ وعدے کی خلاف ورزی مذموم صفات میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ○ كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ○ ﴾ (الصف 3,2:61) ''اے مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے، اللہ کے ہاں بڑی ناراضی ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[2]

جب یہ منافقوں کی صفات ہیں تو ان سے متضاد صفات مومنوں کی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صادق الوعد تھے، آپ جس کسی سے جو وعدہ بھی فرماتے تو اسے پورا فرما دیتے تھے (اسی طرح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد، اپنی لخت جگر سیدہ زینب کے شوہر ابو العاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: [حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي] ''اس نے مجھ سے بات کی اور سچی بات کی اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا اور اسے پورا کر دکھایا۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو یا آپ کے ذمے کسی کا قرض ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اسے ادا کر دوں گا، یہ اعلان سن کر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

---

① تفسير الطبري: 120/16. ② صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 59 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ③ صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماذكر من درع النبي ﷺ......، حديث: 3110 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضي الله عنها، حديث: (95)-2449 عن المسور بن مخرمة رضي الله عنه.

آئے اور انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا: [لَوْقَدْ جَاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا] ''جب بحرین سے مال آئے گا تو میں تجھے اس طرح اور اس طرح اور اس طرح دوں گا۔'' یعنی دونوں ہتھیلیوں کو بھر بھر کر، پھر جب بحرین سے مال آیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مال سے بھر لیا، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ انھیں گنو، وہ کہتے ہیں میں نے گنے تو یہ پانچ سو درہم تھے، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے وعدے کے مطابق اس سے دو چند درہم مزید دیے۔ [1]

﴿ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴾ ''وہ وعدے کا سچا اور پیغمبر رسول تھا۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نبی اور رسول بھی تھے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وَّلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ......] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو منتخب فرمالیا تھا۔'' [2] اس حدیث سے بھی ہمارے قول کی تائید و تصدیق ہوتی ہے: ﴿ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴾ ''اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے۔'' یہ بھی اچھی تعریف، صفتِ حمیدہ اور پسندیدہ بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بے حد اطاعت گزار تھے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کا حکم دیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ (طٰہٰ 132:20) ''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کریں اور اس پر قائم رہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ (التحریم 6:66) ''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتشِ (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں اللہ ان سے جو ارشاد فرماتا ہے، اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔'' یعنی انھیں نیکی کا حکم دو، برائی سے منع کرو اور انھیں شتر بے مہار کی طرح نہ چھوڑو کہ قیامت کے دن وہ جہنم کی آگ کا ایندھن بن جائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا،

[1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......، حديث: 3137 و صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2314 عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ و اللفظ له. [2] صحیح مسلم میں ہمیں یہ الفاظ نہیں ملے۔ ہاں، اس میں [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَّلَدِ إِسْمَاعِيلَ......] ہے۔ دیکھیے صحيح مسلم الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ......، حديث: 2276 عن واثلة بن الأسقع رضی اللہ عنہ، البتہ جامع الترمذي المناقب، باب ماجاء في فضل النبي ......، حديث: 3605 اور مسند أحمد: 107/4 میں یہ الفاظ واثلہ بن اسقع ہی سے مروی ہیں، بہر کیف ضعیف ہیں۔ واللہ أعلم.

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ اِدۡرِيۡسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿56﴾ وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿57﴾

اور کتاب میں ادریس کا ذکر کیجیے، بے شک وہ نہایت سچا (اور) نبی تھا﴿56﴾ اور ہم نے اسے بہت بلند مقام پر اٹھالیا﴿57﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫

یہ وہ (انبیاء) ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا جو اولادِ آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا

وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡرَآءِيۡلَ ۫ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ

تھا، اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد سے، اور ان لوگوں میں سے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتیں تو

الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿58﴾

السجدۃ 5

وہ گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے﴿58﴾

فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ] ''اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحمت نازل فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے اور اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحمت نازل فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی بیدار کرے اور اگر وہ بیدار نہ ہو تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔''①

تفسیر آیات: 57,56

ادریس علیہ السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔ صحیح حدیث کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ کی حضرت ادریس سے چوتھے آسمان پر ملاقات ہوئی تھی۔② سفیان نے منصور سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اونچی جگہ سے چوتھا آسمان مراد ہے۔③

تفسیر آیت: 58

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ انبیاء اور اس سے مراد صرف یہی انبیائے کرام نہیں ہیں جو صرف اس سورت میں مذکور ہیں بلکہ اس سے مراد جملہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور یہاں اشخاص سے جنس کی طرف التفات ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنے پیغمبروں میں سے فضل کیا (یعنی) اولادِ آدم میں سے۔'' سدی اور ابن جریر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہاں اولادِ آدم سے حضرت ادریس، اولادِ نوح سے حضرت ابراہیم، اولادِ ابراہیم سے اسحاق و یعقوب و اسماعیل اور اولادِ اسرائیل سے موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام مراد ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان کے مختلف انساب بیان کیے گو سب کے والد حضرت آدم علیہ السلام تھے

① سنن أبي داود، التطوع، باب قيام الليل، حديث: 1308 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيمن أيقظ ......، حديث: 1336 ومسند أحمد: 250/2. ② دیکھیے بنیٓ إسرآء یل، آیت: 1 کے ذیل میں۔ ③ تفسير الطبري: 121/16.

ادریس علیہ السلام
بابل (میسوپوٹیمیا) سے مصر کی طرف ہجرت

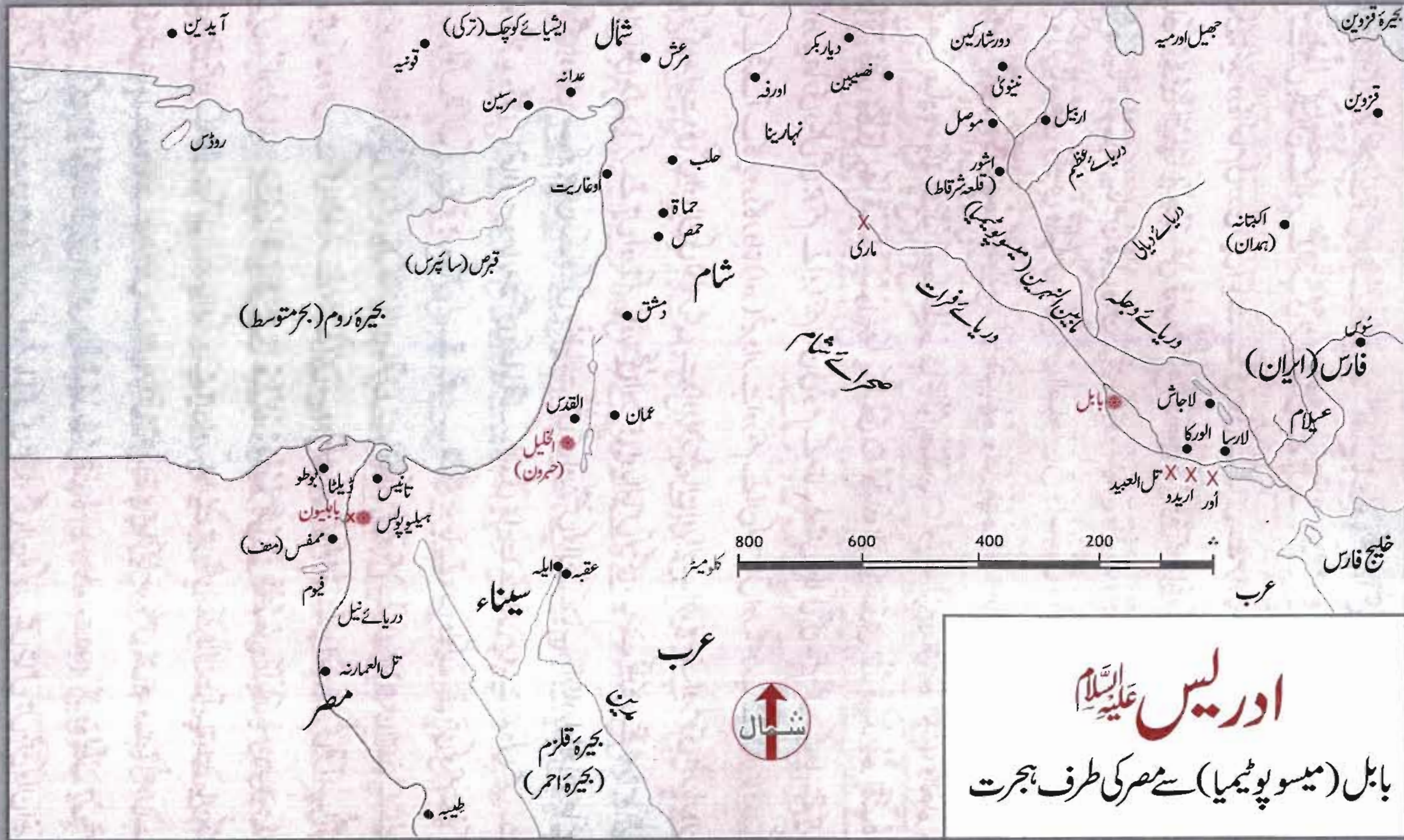

کیونکہ ان میں سے بعض وہ بھی تھے جو ان لوگوں کی اولاد میں سے نہیں تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے، مثلاً: حضرت ادریس علیہ السلام کہ وہ تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔[1] اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ حضرت ادریس، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں بلکہ ان کے اوپر کے نسب کی کڑیوں میں سے ہیں۔

اس بات کی تائید سورۂ انعام کی درج ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے کہ اس سے مراد چند مخصوص انبیائے کرام نہیں بلکہ جملہ انبیاء ہیں: ﴿ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ○ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ○ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ○ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ﴾ (الأنعام 6:83-90) ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں بے شک آپ کا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داود اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی، یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو بھی اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی اور بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے، یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت عطاء فرمائی تھی اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لیے) ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو آپ انھیں کی ہدایت کی پیروی کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ ﴾ (المؤمن 40:78) ''ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات آپ سے بیان کر دیے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ سے بیان نہیں کیے۔''

صحیح بخاری میں مجاہد سے روایت ہے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا سورۂ صٓ میں سجدہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، پھر یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ﴾ (الأنعام 6:90) ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم انھی کی ہدایت کی پیروی کرو۔'' اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جن کو ان انبیائے کرام کی

[1] تفسیر الطبری: 16/122 .

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ

پھر ان کے بعد ناخلف (نالائق ان کے) جانشین ہوئے، جنھوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات کی پیروی کی، چنانچہ جلد ہی (آگے) وہ (ہلاکت

غَيًّا ﴿59﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا

اور) گمراہی (کے انجام) سے دوچار ہوں گے ﴿59﴾ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر

يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿60﴾

کوئی ظلم نہ ہوگا ﴿60﴾

پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور ان انبیاء میں حضرت داود بھی شامل ہیں۔ (لہٰذا جب انھوں نے سجدہ کیا تو ہمیں بھی سجدہ کرنا چاہیے۔)[1] اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿58﴾ ﴾ ''جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے۔'' یعنی وہ جب دلائل و براہین سے مزین کلام الٰہی کو سنتے تو اپنے رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے تھے اور اس طرح خشوع و خضوع کا اظہار کرتے اور ان نعمتوں پر حمد و شکر بھی بجالاتے تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں نوازا تھا۔ بُكِيٌّ، بَاكٍ کی جمع ہے۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی اقتدا اور اتباع کے پیش نظر یہاں سجدہ کرنا واجب ہے۔

تفسیر آیات: 60,59

اچھے اور برے جانشین: جب اللہ تعالیٰ نے سعادت مند لوگوں کی جماعت کا ذکر فرمایا، یعنی انبیاء علیہم السلام کا اور ان کی اتباع کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ادا کرنے والے اور نواہی کو ترک کرنے والے لوگوں کا تو اب یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین بنے: ﴿ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ''جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔'' اور جب انھوں نے نماز کو ضائع کر دیا تو دیگر واجبات کو زیادہ ضائع کرنے والے ہوں گے۔

نماز دین کا ستون، بنیاد اور بندوں کا سب سے بہتر عمل ہے اور پھر ان لوگوں نے نماز ضائع کرنے کے بعد دنیا کی خواہشوں اور لذتوں کو اختیار کر لیا اور دنیا ہی کی زندگی کو انھوں نے اپنا منتہائے مقصود قرار دے لیا تو عنقریب ان لوگوں کو روز قیامت گمراہی کی سزا ملے گی اور یہ لوگ خسارہ پانے والوں میں ہوں گے۔

اوزاعی نے موسیٰ بن سلیمان سے اور انھوں نے قاسم بن مُخَیمِرَہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انھوں نے نمازوں کے اوقات کو ضائع کر دیا تھا اور اگر اس سے مراد ترک ہوتو یاد رہے ترک نماز کفر ہے۔[2] ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی خدمت میں عرض کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کا ذکر بکثرت فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ﴾ (الماعون 5:107) ''جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔'' ﴿ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ ﴾

① صحيح البخاري: التفسير، باب قوله: ﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ ...... ﴾ (الأنعام 6:90)، حديث: 4632. ② تفسير الطبري: 123/16.

(المعارج 70:24) ’’جو نماز کا التزام رکھتے (اور بلاناغہ پڑھتے) ہیں۔‘‘ ﴿ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ﴾ (المعارج 70:34) ’’اور جو اپنی نماز کی خبر رکھتے ہیں۔‘‘ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان آیات کا تعلق نماز کے اوقات سے ہے اور جہاں تک نماز کے ترک کرنے کا معاملہ ہے تو ترکِ نماز کفر ہے۔[1] مسروق کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص نماز پنجگانہ کی حفاظت کرے اور پھر اس کا نام غافلوں میں لکھا جائے۔ یاد رہے نماز میں کوتاہی کرنا ہلاکت ہے نماز ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے وقت پر ادا نہ کیا جائے۔[2]

اوزاعی نے ابراہیم بن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿59﴾ ﴾ ’’پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) پائیں گے۔‘‘ اور پھر فرمایا ان کے نماز کو ضائع کرنے سے یہ مراد نہیں کہ انھوں نے نماز کو چھوڑ دیا تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے نماز کو بروقت ادا کرنا چھوڑ دیا تھا۔[3]

﴿ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿59﴾ ﴾ ’’سو عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) پائیں گے۔‘‘ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ غَيًّا ﴿59﴾ ﴾ کے معنی خسارے کے ہیں۔[4] اور قتادہ کہتے ہیں غَیٌّ کے معنی برائی کے ہیں۔[5] سفیان ثوری، شعبہ اور محمد بن اسحاق نے ابو اسحاق سبیعی سے، انھوں نے ابوعبیدہ سے اور انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غَیٌّ جہنم کی ایک ایسی وادی ہے جس کی گہرائی بہت زیادہ اور جس کا کھانا بہت خبیث ہوگا۔[6] اعمش نے زیاد سے اور انھوں نے ابوعیاض سے روایت کیا ہے کہ غَیٌّ جہنم کی خون اور پیپ سے بھری ہوئی ایک وادی کا نام ہے۔

﴿ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ ’’ہاں، جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کیے۔‘‘ یعنی جو شخص نمازوں کے ضائع کرنے اور خواہشات کی پیروی کرنے سے باز آ گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا، اس کے انجام کو اچھا کر دے گا اور نعمتوں بھری جنت کا وارث بنادے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿60﴾ ﴾ ’’تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔‘‘ کیونکہ [اَلتَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا] ’’توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔‘‘[7] اور دوسری حدیث میں ہے: [اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ] ’’گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔‘‘[8]

---

[1] تفسیر الطبری: 124/16. [2] تفسیر الطبری: 124/16. [3] تفسیر الطبری: 124,123/16. [4] تفسیر الطبری: 126/16. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 2413/7. [6] تفسیر الطبری: 126/16. [7] دیکھیے السلسلة الضعیفة: 1039، اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔ اور ملاحظہ کریں الأنفال، آیت: 38 کے ذیل میں۔ [8] سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، حديث: 4250 والمعجم الكبير للطبراني: 150/10، حديث: 10281 والسنن الكبرى للبيهقي، الشهادات، باب شهادة القاذف: 154/10 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیکھیے السلسلة الضعيفة: 616,615.

جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

(یعنی) ابدی باغات، جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ (ہر صورت) آنے والا ہے﴿61﴾ وہ اس میں

فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿62﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ

کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، سوائے سلام کے، اور وہاں ان کے لیے صبح وشام رزق ہوگا﴿62﴾ یہی وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں

مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿63﴾

سے اسے بنائیں گے جو متقی ہوگا﴿63﴾

ان توبہ کرنے والوں کے اعمال کا نقصان نہیں کیا جائے گا اور نہ توبہ سے پہلے کیے ہوئے اعمال کی انھیں کوئی سزا دی جائے گی کیونکہ توبہ سے پہلے کے اعمال کو توبہ کر لینے کی وجہ سے نسیًا منسیا کر دیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر مہربانی اور لطف وکرم کی کثرت اور بہتات ہے۔ یہ استثنا اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ فرقان کی حسب ذیل آیات میں ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:68-70) ''اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا، قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہوگا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تفسیر آیات: 61-63

سچی توبہ کرنے والوں کے لیے جنت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ باغات جن میں اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والے داخل ہوں گے وہ بہشت جاودانی ہے جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا اور جو ان کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے، یعنی اس کا تعلق بھی ان مخفی باتوں سے ہے جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ انھوں نے اسے دیکھا تک بھی نہیں لیکن شدت ایقان اور قوت ایمان کی وجہ سے یہ اسے تسلیم کرتے ہیں: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ ﴾ ''بے شک اس کا وعدہ (نیکوکاروں کے سامنے) آنے والا ہے۔'' اس کے حصول، ثبوت اور استقرار کی تاکید کے لیے یہ فرمایا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور نہ ہی اسے بدلتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ ﴾ (المزمل 73:18) ''اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہنے والا ہے۔

﴿ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ ﴾ کے یہاں معنی یہ ہیں کہ بندے ان جنتوں میں یقیناً داخل ہوں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ ﴾ کے معنی آنے والے کے ہیں، یعنی ہر وہ چیز جو آپ کے پاس آنے والی ہے، آپ اس کے پاس آنے والے ہیں جیسا کہ عرب

کہتے ہیں:أَتَتْ عَلَيَّ خَمْسُونَ سَنَةً اور أَتَيْتُ عَلٰى خَمْسِينَ سَنَةً دونوں جملوں کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی میں پچاس سال کا ہو گیا ہوں۔[1] اور فرمایا: ﴿ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ﴾ ''وہ اس میں سلام کے سوا کوئی بے ہودہ کلام نہ سنیں گے۔'' یعنی ان باغہائے بہشت میں سلام کے سوا کوئی لغو یا بے ہودہ کلام نہیں ہوگا۔ ﴿ إِلَّا سَلٰمًا ﴾ استثنا منقطع ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝ ﴾ (الواقعة 56:25,26) ''وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ ہاں، (ان کا) کلام سلام سلام (ہوگا۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ ﴾ ''اور وہاں ان کے لیے صبح وشام رزق ہوگا۔''

یعنی صبح وشام کے اوقات کی طرح انھیں کھانا ملے گا لیکن وہاں رات دن نہیں ہوں گے۔ اوقات کے آنے جانے کو وہ روشنیوں اور انوار وتجلیات سے پہچانیں گے جیسا کہ امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ، صُوَرُهُمْ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَبْصُقُونَ فِيهَا وَلَا يَمْتَخِطُونَ فِيهَا، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ فِيهَا]،[آنِيَتُهُمْ وَأَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ، وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ، يُرٰى مُخُّ سَاقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ عَلٰى قَلْبٍ وَّاحِدٍ يُّسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا]

''پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند جیسی ہوں گی، وہ نہ تھوکیں گے، نہ بلغم خارج کریں گے اور نہ بول و براز کریں گے، ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں عود خالص (لوبان) سے تپائی گئی ہوں گی۔ ان کا پسینہ کستوری ہوگا، ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی کہ حسن کی وجہ سے گوشت میں سے پنڈلی کا مُخّ (گودا) نظر آئے گا۔ ان میں باہم کوئی اختلاف یا بغض نہ ہوگا، ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے اور وہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔''[2] اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام احمد ہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[اَلشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقِ نَهْرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ، يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا] ''شہداء جنت کے دروازے کی طرف نہر کے کنارے پر سبز رنگ کے قبے میں ہوں گے اور انھیں جنت سے صبح وشام رزق دیا جائے گا۔''[4] اس روایت کو صرف امام احمد

---

[1] تفسير الطبری: 128,127/16. [2] مسند أحمد: 316/2. البتہ اس کا ابتدائی حصہ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها ......، باب في صفات الجنة......، حديث: (17)-2834 کے مطابق ہے اور مسند احمد میں [سَاقِهِمَا] کے بجائے [سَاقَيْهِمَا] ہے۔ [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة......، حديث: 3245 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في صفات الجنة وأهلها ......، حديث: (17)-2834. [4] مسند أحمد: 266/1 وصحيح ابن حبان، السير، ذكر خبريوهم......: 515/10، حديث: 4658 والمعجم الكبير للطبراني: 333/10، حديث: 10825 والمصنف لابن أبي شيبة، الجهاد، باب ماذكر في فضل الجهاد ......: 209/4، حديث: 19314 والمستدرك للحاكم: 74/2، حديث: 2403.

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَيۡنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ

اور ہم (فرشتے) آپ کے رب ہی کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ

رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿64﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ ؕ

اس کے درمیان ہے، اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں ﴿64﴾ (وہی) رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (سب کا)، چنانچہ

4 ع 15 7 هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿65﴾

آپ اس کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر قائم رہیں، کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟ ﴿65﴾

ہی نے بیان کیا ہے۔ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿62﴾ ﴾ ”اور ان کے لیے وہاں صبح و شام رزق ہوگا۔“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ صبح و شام سے مراد رات اور دن کے اندازے ہیں۔ ①

﴿ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِيۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ﴿63﴾ ﴾ ”یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو مالک بنائیں گے جو پرہیزگار رہو گا۔“ یعنی یہ جنت جس کی یہ عظیم الشان صفات ہم نے بیان فرمائی ہیں، اس کا وارث ہم اپنے پرہیزگار بندوں کو بنائیں گے۔ پرہیزگار بندوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو غمی و خوشی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے ہیں، غصے کو پی جاتے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں جیسا کہ سورۂ مومنون کے آغاز میں فرمایا: ﴿ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ۚ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ۘ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۙ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴾ (المؤمنون 23:1-11) ”بے شک ایمان والے کامیاب ہوگئے، جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور جو زکاۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا ان (کنیزوں) سے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انھیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں اور جو امانتوں اور قراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں (یعنی) جو بہشت کی میراث حاصل کریں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

تفسیر آیات: 65,64

فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں: امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل سے فرمایا: [مَا يَمۡنَعُكَ أَنۡ تَزُورَنَا أَكۡثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا!] ”(جیسا کہ اب) آپ کا ہم سے ملاقات کا معمول ہے اس سے زیادہ آپ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ

① تفسیر معانی القرآن للنحاس: 343/4 (CD).

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿66﴾ اَوَ لَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ

اور انسان کہتا ہے: کیا جب میں مرجاؤں گا، البتہ یقیناً مجھے زندہ نکالا جائے گا؟ ﴿66﴾ اور کیا انسان (اتنا بھی) یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے

مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿67﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ

اسے تخلیق کیا، جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ﴿67﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان (کفار) کو شیطانوں کے ہمراہ اکٹھا کریں گے، پھر ہم ضرور انھیں گھٹنوں

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿68﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿69﴾

کے بل گرے ہوئے جہنم کے گرد حاضر کریں گے ﴿68﴾ پھر ہم ضرور ہر گروہ سے (اسے) کھینچ کر الگ کریں گے جو ان میں سے رحمٰن کے خلاف سرکشی میں

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿70﴾

سخت تر تھا ﴿69﴾ پھر ہمیں بلاشبہ ان کا خوب علم ہے جو اس (جہنم) میں جانے کے زیادہ لائق ہیں ﴿70﴾

﴿اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ ...... آیت کے آخر تک۔ ''اور (فرشتوں نے پیغمبر کو جواب دیا کہ) ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے ......۔''[1] امام بخاری نے اسے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔[2] جبکہ امام مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کئی دن تک جبرائیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے تو اس سے آپ کو بہت حزن وملال ہوا، پھر جب جبرائیل آئے تو وہ یہ وحی لائے: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ ''اور ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے۔''[3]

﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ ''جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے، سب اسی کا ہے۔'' ﴿مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا﴾ سے مراد دنیا اور ﴿وَمَا خَلْفَنَا﴾ سے مراد آخرت ہے[4] ﴿وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ ''اور جو ان کے درمیان ہے۔'' یعنی دونوں نفخوں کے درمیان۔ یہ ابو العالیہ، عکرمہ، مجاہد، سُدّی، ربیع بن انس[5] اور ایک روایت کے مطابق سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے۔[6] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا﴾ سے مراد پیش آنے والا آخرت کا معاملہ ہے اور ﴿وَمَا خَلْفَنَا﴾ سے مراد دنیا کا گزارا ہوا حصہ ہے اور ﴿وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ سے مراد دنیا و آخرت کے درمیان کا وقفہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور ثوری رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[7] نیز ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[8] واللّٰہ أعلم.

اور فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿64﴾﴾ ''اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا پروردگار آپ کو نہیں بھولا۔[9] اور اس کا فرمان ہے: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ''آسمان اور زمین کا

---

[1] مسند أحمد: 231/1. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ ...... (مریم 19:64)، حدیث: 4731. [3] تفسیر الطبری: 130/16. [4] تفسیر الطبری: 131/16. [5] تفسیر الطبری: 131/16. [6] تفسیر ابن أبی حاتم: 2414/7 وتفسیر الطبری: 131/16. [7] تفسیر الطبری: 132/16 وتفسیر القرطبی: 129/11 وتفسیر البغوی: 242/3 وتفسیر القرآن للسمعانی: 304/3. [8] تفسیر الطبری: 132/16. [9] تفسیر الطبری: 132/16.

اور جوان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے۔'' یعنی وہ ان سب کا خالق بھی ہے اور مدبر بھی، حاکم بھی ہے اور متصرف بھی اور اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴾ ''تو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو، بھلا تم کوئی اس کا ہم نام جانتے ہو؟'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: کیا تم اللہ کے لیے کوئی مثال یا شبیہ جانتے ہو؟[1] مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن جریج وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تبارَكَ وَتعالٰی وَتَقَدَّسَ اسْمُهٗ کے سوا اور کوئی نہیں جس کا نام رحمان ہو۔[3]

تفسیر آیات: 66-70

انسان کا حیات بعد الممات پر تعجب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انسان اس بات پر تعجب کرتا اور اسے بعید سمجھتا ہے کہ اسے موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴾ (الرعد 13:5) ''اگر تم تعجب کرتے ہو تو کافروں کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا بے شک ہم از سر نو پیدا ہوں گے؟'' اور فرمایا: ﴿اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ○ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ○﴾ (یٰسٓ 36:77-79) ''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا۔ پھر وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجیے: ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْـًٔا ﴿۶۷﴾﴾ ''اور (کافر) انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا (ایسا) انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت پیدا فرمایا جبکہ اس کا کوئی ذکر تک نہ تھا اور اب جبکہ وہ وجود میں آ گیا ہے تو کیا وہ اسے دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ﴾ (الروم 30:27) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔''

صحیح حدیث میں ہے: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: كَذَّبَنِی ابْنُ آدَمَ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِی وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ،

[1] تفسیر الطبری: 16/133 . [2] تفسیر الطبری: 16/133 وتفسیر القرطبی: 11/130 وتفسیر ابن أبی حاتم: 7/2414. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 7/2414 وتفسیر القرطبی: 11/130 .

فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّایَ فَقَوْلُهُ: لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّایَ فَقَوْلُهُ: اتَّخَذَاللّٰهُ وَلَدًا، وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ، لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ] ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ یہ بات اسے زیب نہیں دیتی (کہ وہ میری تکذیب کرے۔)، وہ مجھے برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ اسے یہ بات زیب نہیں دیتی (کہ وہ مجھے برا بھلا کہے۔) ابن آدم کا میری تکذیب کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں فرمائے گا جس طرح اس نے مجھے پہلے پیدا کیا تھا، حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا اسے لوٹا (دوبارہ پیدا کرنے) سے زیادہ آسان تو نہیں ہے اور ابن آدم کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے، وہ کہتا ہے کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ میں تو وہ احد صمد ہوں کہ نہ کسی کا باپ ہوں اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَحۡشُرَنَّهُمۡ وَالشَّيٰطِيۡنَ ﴾ ''پس آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ضرور ان کو جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات برکات کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ وہ اُن کو ضرور جمع کرے گا اور ان کے ساتھ ان کے شیطانوں کو بھی، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے۔ ﴿ ثُمَّ لَنُحۡضِرَنَّهُمۡ حَوۡلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴾ ''پھر ہم ضرور ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے (اور وہ) گھٹنوں پر گرے ہوئے (ہوں گے۔)'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ جِثِيًّا ﴾ ''کے معنی بیٹھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ﴾ (الجاثية 45:28) ''اور آپ ہر ایک فرقے کو دیکھیں گے کہ گھٹنوں کے بل (بیٹھا ہوگا۔)''[2] سدی نے کہا ہے کہ اس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں، مرہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

﴿ ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ ﴾ ''پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے۔'' ﴿ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ ﴾ کے معنی ہیں ہر جماعت میں سے، یہ مجاہد کا قول ہے۔[4] ﴿ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ﴾ ''جو اللہ کے خلاف سخت سرکشی کرتے تھے۔'' ثوری نے علی بن اقمر سے، انھوں نے ابوالاحوص سے اور انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگلے کو پچھلے کے آنے تک روک لیا جائے گا حتی کہ جب سب لوگ حاضر ہو جائیں گے تو پھر پہلے ان لوگوں کو پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا جو گناہوں میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ﴾ ''پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو اللہ کے خلاف سخت سرکشی کرتے تھے۔''[5] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوۡا فِيۡهَا جَمِيۡعًا ۙ قَالَتۡ اُخۡرٰىهُمۡ لِاُوۡلٰىهُمۡ رَبَّنَا هٰۤؤُلَاۤءِ اَضَلُّوۡنَا فَاٰتِهِمۡ عَذَابًا ضِعۡفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعۡفٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ○ وَقَالَتۡ اُوۡلٰىهُمۡ لِاُخۡرٰىهُمۡ فَمَا كَانَ

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب، حديث: 4974 ومسند أحمد: 2/351,350 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ ملحوظہ: ابن کثیر رحمہ اللہ کے ذکر کردہ الفاظ ہمیں نہیں ملے۔ [2] تفسير الطبري: 16/134. [3] المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز لغالب بن عطية الأندلسي: 3/132 (CD). [4] تفسير الطبري: 16/135. [5] تفسير الطبري: 16/135.

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۞ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ

اور تم میں سے جو بھی ہے وہ اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے، یہ آپ کے رب کے ذمے حتمی (اور) طے شدہ (بات) ہے ﴿71﴾ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات

الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ۞

دیں گے، اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے ﴿72﴾

لَكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ۞﴾ (الأعراف 39,38:7) ''یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا تو ان کو آتش (جہنم) کا دوگنا عذاب دے، اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دوگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی تو جو (عمل) تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے میں عذاب (کے مزے) کو چکھو۔''

﴿ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِيۡنَ هُمۡ اَوۡلٰى بِهَا صِلِيًّا ۞﴾ ''اور ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو ان میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔'' ﴿ثُمَّ﴾ یہاں خبر کے خبر پر عطف کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون اس بات کا مستحق ہے کہ اسے آتش جہنم میں ڈال کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی میں رکھا جائے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس بات کے مستحق ہیں کہ انھیں دوگنا عذاب دیا جائے جیسا کہ سورۂ اعراف کی (مذکورہ بالا) آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿قَالَ لِكُلٍّ ضِعۡفٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ۞﴾ (الأعراف 38:7) ''اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو (دوگنا عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے۔''

تفسیر آیات: 72,71

جہنم سے ہر شخص گزرے گا مگر پرہیزگار نجات پا جائیں گے: امام ابن جریر نے حضرت عبداللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ پل صراط جہنم پر تلوار کی دھار کی طرح ہوگا جس کے اوپر سے پہلا طبقہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائے گا، دوسرا طبقہ ہوا کی طرح، تیسرا طبقہ تیز گھوڑے کی طرح اور چوتھا طبقہ تیز جانوروں کی طرح گزر جائے گا، پھر لوگ گزر رہے ہوں گے اور فرشتے کہیں گے: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ ''اے اللہ! سلامت رکھنا، سلامت رکھنا۔''[1] اس حدیث کے صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں بروایت انس،[2] ابوسعید،[3] ابوہریرہ،[4] جابر رضی اللہ عنہم[5] اور دیگر سے شواہد بھی موجود ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی زید بن حارثہ کی بیوی ام مبشر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے

[1] تفسیر الطبری: 138/16 والمستدرك للحاكم: 376,375/2، حدیث: 3423. [2] التخويف من النار: 169/1 (CD). [3] صحیح البخاری، التوحید، باب قول الله تعالى: ﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ ......﴾ (القيمة 23,22:75)، حدیث: 7439 وصحیح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حدیث: (302)-183. [4] صحیح البخاری، الأذان، باب فضل السجود، حدیث: 806 وصحیح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حدیث: (299)-182. [5] دیکھیے صحیح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حدیث: (320)-191 ومسند أحمد: 345/3.

کہ آپ نے فرمایا:[لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ شَهِدَ بَدْرًا وَّالْحُدَيْبِيَةَ، قَالَتْ حَفْصَةُ: أَلَيْسَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ: ﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَهْ: ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ﴾] ''جہنم میں کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس نے بدر یا حدیبیہ میں شرکت کی ہو، حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ ''اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہوگا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ﴾ ''پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔''[1] صحیح بخاری و مسلم میں زہری از سعید از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ تَمَسُّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ] ''جس مسلمان کے تین بیٹے فوت ہو جائیں اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی سوائے قسم پورا کرنے کے۔''[2]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے آیت کریمہ: ﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ مسلمانوں کا وارد ہونا یہ ہوگا کہ وہ پل صراط کے اوپر سے گزر جائیں گے اور مشرکوں کا وارد ہونا یہ ہوگا کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔[3] سدی نے مرہ سے اور انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ ''یہ آپ کے پروردگار پر لازم (اور) مقرر ہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی قسم واجب کے ہیں۔[4] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تمھارے پروردگار کا فیصلہ ہے۔[5] ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔[6]

﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ﴾ ''پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔'' یعنی جب سب لوگ جہنم کے اوپر سے گزریں گے تو کفار اور نافرمان اپنے اپنے گناہوں کے مطابق اس میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مومنوں اور پرہیزگاروں کو ان کے اعمال کے مطابق جہنم سے نجات دے دے گا، پل صراط سے ان کے گزرنے کی رفتار دنیا میں کیے ہوئے ان کے اعمال کے حساب سے ہو گی، پھر کبیرہ گناہوں کے مرتکب مومنوں کے بارے میں شفاعت بھی قبول کی جائے گی، ان کے بارے میں فرشتے، انبیائے کرام علیہم السلام اور مومن شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال دیا جائے گا جنھیں جہنم کی آگ نے کھا لیا ہوگا، البتہ سجدے کے مقامات کو آگ نہیں کھائے گی، ان کا جہنم سے نکالا جانا بھی ان کے دلوں میں ان کے ایمان کے حساب سے ہوگا، پہلے ان لوگوں کو نکالا جائے گا جن کے دلوں میں دینار کے برابر ایمان ہوگا، پھر جن کے دلوں میں اس کے قریب ایمان ہوگا، پھر اُن کو جن کا اس کے قریب ایمان ہوگا، پھر ان کو جن کا اس کے قریب ایمان ہوگا حتی کہ ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکال دیا جائے گا جن کے دلوں میں ادنیٰ سے ادنیٰ ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا، پھر اس شخص کو بھی بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا جس نے زندگی میں صرف ایک دن لا الہ الا اللہ پڑھا ہوگا، خواہ کبھی کوئی بھی نیک عمل نہ کیا ہو، پھر

[1] مسند أحمد: 362/6 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر البعث، حديث: 4281. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قوله تعالى: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ (الأنعام 109:6)...... ، حديث: 6656 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، حديث: (150)-2632. [3] تفسير الطبري: 139/16. [4] تفسير الطبري: 144/16. [5] تفسير الطبري: 143/16. [6] تفسير الطبري: 144/16.

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں: فریقین میں سے کس کا مقام بہتر اور کس کی مجلس زیادہ

وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿73﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿74﴾

اچھی ہے؟ ﴿73﴾ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، وہ ان سے اثاثوں اور ظاہری ٹیپ ٹاپ میں کہیں بڑھ کر تھیں ﴿74﴾

جہنم میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے لیے جہنم میں ہمیشہ رہنا واجب ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿72﴾ ﴾ ”پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔“

تفسیر آیات: 74,73

کفار کا اپنی دنیوی خوش حالی پر فخر: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن کی دلالت ظاہر، حجت روشن اور برہان واضح ہوتا ہے تو وہ ان سے اعراض کر لیتے ہیں اور مومنوں پر فخر کرتے ہوئے اور اپنے باطل دین کے صحیح ہونے کے بزعم خود دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ﴿ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿73﴾ ﴾ ”مکان کس کے اچھے اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں؟“ یعنی مکان کس کے اچھے ہیں، گھر کن کے بلند ہیں، مجلسیں کن کی بہتر ہیں۔

نادی اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں لوگ باتیں کرنے کے لیے جمع ہوں، یعنی ان کی مجلسیں زیادہ آباد ہیں کیونکہ ان میں آنے جانے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت حال میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم باطل پر ہوں اور وہ لوگ حق پر ہوں جو دار ارقم بن ابو ارقم جیسے گھروں میں چھپ چھپ کر رہ رہے ہوں؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ ﴾ (الأحقاف 11:46) ”اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے۔“ قوم نوح نے کہا: ﴿ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿ ﴾ (الشعرآء 111:26) ”کیا ہم آپ کو مان لیں اور آپ کے پیرو تو رذیل لوگ ہوئے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 53:6) ”اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے (کہ جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ (اللہ نے فرمایا:) بھلا اللہ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟“ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ﴾ ”اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں۔“ یعنی کتنی ہی تکذیب کرنے والی قوموں اور امتوں کو ہم نے ان کے کفر کی وجہ

---

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿ ...... ﴾ (القيمة 23,22:75)، حديث: 6565,7510,7410,7440 و صحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حديث: (299)-182،(302)-193,183 و جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء فيمن يموت وهو يشهد......، حديث: 2638 .

قُلۡ مَنۡ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا

کہہ دیجیے: جوشخص گمراہی میں ہے، (لازم ہے کہ) اسے رحمٰن لمبی ڈھیل دے دے، حتی کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا

الۡعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا ۝75

عذاب یا قیامت تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون درجے میں بدتر اور لشکر کے لحاظ سے کمزور تر ہے ۝75

سے ہلاک کر دیا تھا۔ ﴿ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّرِءۡيًا ۝74 ﴾ ''وہ ان سے اثاثوں اور نام ونمود میں کہیں بڑھ کر تھیں۔'' یعنی وہ ان سے مال ودولت، شکل وصورت اور ساز وسامان کے اعتبار سے کہیں بڑھ کر تھے۔

اعمش نے ابوظبیان سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''مقام'' کے معنی گھر، ندیّ کے معنی مجلس[1] أثاث کے معنی سامان اور رئی کے معنی منظر کے ہیں۔[2] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قیام کے معنی مسکن، ندی کے معنی مجلس، نعمت اور اس آسودگی کے ہیں جس میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی ہلاکت کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۝ وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ۝ ﴾ (الدخان 26,25:44) ''وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور نفیس مکان۔'' مقام سے مراد گھر اور نعمت ہے اور ندی سے مراد وہ مجلس اور مجمع ہے جس میں وہ جمع ہوتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے قصے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَتَاۡتُوۡنَ فِيۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ ؕ ﴾ (العنکبوت 29:29) ''اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔'' عرب مجلس کو نادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[3]

تفسیر آیت:75

سرکش کو مہلت دی جاتی ہے: ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہہ دیجیے: اے محمد (ﷺ!)'' ان لوگوں سے جو اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو: ﴿ مَنۡ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ ﴾ ''جوشخص گمراہی میں (پڑا ہوا) ہے۔'' یعنی ہم میں سے اور تم میں سے ﴿ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ ﴾ ''اللہ اسے لمبی ڈھیل دیتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے رکھی ہے حتی کہ اس کی یہ مدت ختم ہو جائے گی اور اسے اپنے رب کے پاس جانا ہوگا: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ ﴾ ''یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، خواہ عذاب۔'' جو ان کے پاس آ جائے گا، ﴿ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ ﴾ ''اور خواہ قیامت۔'' جو ان کے پاس اچانک آ جائے گی تو اس وقت ﴿ فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا ۝75 ﴾ ''جان لیں گے کہ مکان کس کا برا ہے اور لشکر کس کا کمزور ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اس بات کے جواب میں فرمایا ہے جو انھوں نے مومنوں سے کہی تھی کہ ہمارے مکان تمھارے مکانوں سے اچھے اور ہماری مجلسیں تمھاری مجلسوں سے بہتر ہیں تو یہ گویا ان مشرکوں کو مباہلے کا چیلنج ہے جو یہ گمان کرتے تھے کہ وہ ہدایت پر ہیں جیسا کہ یہودیوں کو مباہلے کا چیلنج

[1] تفسیر الطبری: 145/16. [2] تفسیر الطبری: 147/16. [3] تفسیر الطبری: 146,145/16.

وَيَزِيۡدُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا هُدًى ؕ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

اور راہ ہدایت پر چلنے والوں کو اللہ مزید ہدایت عطا کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے ہاں ثواب اور انجام کے اعتبار

وَّخَيۡرٌ مَّرَدًّا ﴿76﴾

سے بہت بہتر ہیں ﴿76﴾

دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ ﴾ (الجمعة 6:62) ”(اے پیغمبر) آپ کہہ دیں کہ اے یہود اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو تم اگر سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو۔“

یعنی اگر تم اس بات کے دعوے دار ہو کہ تم ہی حق پر ہو تو پھر ہم میں سے جو باطل پر ہو اس کے لیے موت کی دعا کرو کیونکہ اس صورت میں دعا سے تمھیں تو کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ تم تو بزعم خود اس بات کے دعوے دار ہو کہ تم حق پر ہو مگر یہودی اس بات سے بھاگ گئے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔① وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ. اسی طرح سورۂ آل عمران میں عیسائیوں کو بھی اس وقت مباہلے کا چیلنج دیا گیا تھا جب انھوں نے کفر و سرکشی پر اصرار کیا اور انتہائی غلو سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اس بات کے دلائل و براہین بیان فرمائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ ہے اور وہ اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح آدم علیہ السلام مخلوق تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿ فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ○ ﴾ (آل عمران 61:3) ”پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو اُن سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ، پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔“ عیسائیوں نے بھی مباہلے کے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا اور وہ فرار ہو گئے تھے۔

تفسیر آیت: 76

ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ: اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا تھا کہ جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ انھیں مہلت دیے رکھتا اور ان کی گمراہی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے اور اب یہ فرمایا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں بھی اضافہ فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ○ ﴾ (التوبة 125,124:9) ”اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں

① دیکھیے البقرة، آیات: 95,94 کے ذیل میں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿77﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ

پھر آپ اس شخص کے بارے میں بتلایئے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ﴿77﴾ کیا اس نے غیب کی اطلاع

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا

پالی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ﴿78﴾ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے، اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے ﴿79﴾ اور

يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿80﴾

ان چیزوں کے ہم وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے، اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا ﴿80﴾

کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے، سو جو ایمان والے ہیں، ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے، اُن کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔''

﴿ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ ﴾ (الکھف 18:46) ''اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں۔'' اس کی تفسیر وتشریح اور اس سے متعلق احادیث قبل ازیں سورۂ کہف میں بیان کی جا چکی ہیں:[1] ﴿ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿76﴾ ﴾ ''وہ آپ کے پروردگار کے صلے کے لحاظ سے خوب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔''

تفسیر آیات: 77-80

کفار کی تردید کہ انھیں آخرت میں مال واولاد ملے گا: امام احمد رحمہ اللہ نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں ایک لوہار آدمی تھا اور میں نے عاص بن وائل سے قرض لینا تھا، میں اس کے پاس اپنا قرض لینے کے لیے گیا تو اس نے کہا نہیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک قرض ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمد (ﷺ) کے ساتھ کفر نہ کرو گے، میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا، خواہ تم مر جاؤ اور پھر دوبارہ اُٹھائے جاؤ، اس نے کہا کہ جب میں مر جاؤں گا اور دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا تو میرے پاس آنا، اس وقت میرے پاس مال بھی ہوگا اور اولاد بھی تو میں تمھارا قرض تمھیں دے دوں گا، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿77﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿80﴾ ﴾ ''بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا کہ (اگر میں از سر نو زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے (وہاں) ضرور دیا جائے گا، کیا اس نے غیب کی خبر پا لی ہے یا اللہ کے ہاں (سے) عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھتے جاتے اور آہستہ آہستہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے ان کے ہم وارث ہوں گے اور اکیلا ہمارے سامنے آئے گا۔''[2] اس حدیث کو امام بخاری ومسلم اور دیگر محدثین نے بھی بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں مکہ میں لوہار تھا، میں نے عاص بن وائل کو تلوار بنا کر دی اور پھر جب اس سے

---

[1] دیکھیے آیات: 45،46 کے ذیل میں۔ [2] مسند أحمد: 5/111.

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿81﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ

اور انھوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیے ہیں، تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں ﴿81﴾ ہرگز نہیں! عنقریب وہ خود ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے

عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿82﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ فَلَا تَعْجَلْ

مخالف ہو جائیں گے ﴿82﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے کافروں پر شیطان چھوڑ رکھے ہیں وہ جو انھیں خوب خوب (گناہوں پر)

5 ع 17 8 عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾

ابھارتے ہیں؟ ﴿83﴾ چنانچہ آپ ان کی بابت جلدی نہ کریں، ہم تو بس ان کے دن گن رہے ہیں ﴿84﴾

اس کی قیمت کا مطالبہ کرنے کے لیے گیا...... پھر انھوں نے (مسند احمد کی) مذکورہ حدیث بیان کی، اور انھوں نے فرمایا: اس آیت کریمہ میں: ﴿ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ ﴾ ”یا اللہ کے یہاں (سے) عہد لے لیا ہے؟“ ﴿ عَهْدًا ﴿78﴾ ﴾ سے مراد [مَوْثِقًا] ”پختہ عہد“ ہے۔[1]

﴿ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ ﴾ ”کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے۔“ یہ اس شخص کی بات کی تردید ہے جس نے کہا تھا: ﴿ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿77﴾ ﴾ ”مال اور اولاد مجھے ضرور دیا جائے گا۔“ (یعنی قیامت کے دن)، تو کیا اسے معلوم ہو گیا ہے کہ آخرت میں اسے کیا ملے گا جس کی وجہ سے یہ قسمیں کھا رہا ہے۔ ﴿ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ ﴾ ”یا اللہ کے یہاں (سے) کوئی عہد لے لیا ہے؟“ کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضرور یہ دے گا؟ اور بخاری کی روایت کے حوالے سے بالکل قریب ہی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ﴿ عَهْدًا ﴿78﴾ ﴾ سے مراد پختہ عہد ہے۔

اور فرمایا: ﴿ كَلَّا ؕ ﴾ ”ہرگز نہیں۔“ کلا، حرف زجر و توبیخ ہے۔ یہ ماقبل کی نفی اور مابعد کی تاکید کے لیے ہوتا ہے، ﴿ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ ﴾ ”یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں۔“ جو یہ طلب کر رہا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق اپنے لیے حکم لگاتا اور اللہ عظیم کی ذات گرامی کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ ﴿ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾ ﴾ ”اور ہم آہستہ آہستہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں۔“ یعنی اس کی اس بات کی وجہ سے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے آخرت میں ہم اس کے عذاب میں اضافہ کرتے جائیں گے۔ ﴿ وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ ﴾ ”اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے، ان کے ہم وارث ہوں گے۔“ یعنی اس کی بات کے برعکس مال و اولاد سے ہم اسے محروم کر دیں گے، یعنی یہ تو دعویٰ کرتا ہے کہ اسے آخرت میں دنیا سے بھی زیادہ مال و اولاد سے نوازا جائے گا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں اسے اس مال و اولاد سے محروم کر دیا جائے گا۔ جو دنیا میں اس کے پاس تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿80﴾ ﴾ ”اور یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا۔“ یعنی نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد۔

تفسیر آیات: 81-84

مشرکوں کے معبود انکار کر دیں گے: اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ ﴾ (مريم 19:78)......، حديث: 4733 وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب سؤال اليهود النبي......، حديث: 2795.

کو چھوڑ کر معبودانِ باطلہ کو اس لیے اختیار کیا تا کہ یہ ان کے لیے موجب عزت و مدد ہوں لیکن در حقیقت بات اس طرح نہیں جس طرح یہ کہتے اور جو یہ خواہش رکھتے ہیں، فرمایا: ﴿ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ ﴾ ''ہرگز نہیں! وہ عنقریب (معبودانِ باطلہ) اُن کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ ''اور اُن کے دشمن (و مخالف) ہوں گے۔'' یعنی ان کے وہم وگمان کے برعکس ان کے مددومعاون بننے کے بجائے، ان کے دشمن ومخالف بن جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 46:5,6) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور اُن کو اُن کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' سدی کہتے ہیں: ﴿ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ ﴾ ''ہرگز نہیں! وہ عنقریب (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' یعنی وہ بتوں کی عبادت سے انکار کردیں گے۔

﴿ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ ''اور اُن کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔'' یعنی ان کی امیدوں اور خواہشوں کے خلاف وہ تو ان کے دشمن ہوں گے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان سے سخت جھگڑا کریں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے دشمن ہوں گے۔ [1]

شیطانوں کا کافروں پر تسلط: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ تَـــؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ تَـــؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ان کو ابھارتے ہیں۔ [2] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیاطین کافروں کو محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے بارے میں برانگیختہ کرتے ہیں۔ [3] قتادہ کہتے ہیں کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی ترغیب دیتے ہیں۔ [4] عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت حسبِ ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے۔ ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُـقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ ﴾ (الزخرف 43:36) ''اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں تو وہ اُس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔'' [5]

اور فرمایا: ﴿ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴾ ''تو آپ ان پر (عذاب کے لیے) جلدی نہ کریں، ہم تو بس اُن کے لیے (دن) شمار کر رہے ہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ان پر عذاب واقع ہونے کے بارے میں جلدی نہ کریں کیونکہ ہم نے ان سے عذاب ایک طے شدہ محدود مدت کے لیے مؤخر کر رکھا ہے اور اس مدت کے آنے پر یہ یقیناً عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائیں

---

[1] تفسیر الطبری: 16/156. [2] تفسیر الطبری: 16/157، البتہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور میں تفسیر ابن کثیر کے مطابق تغویھم اغواء ابن ابوحاتم کی طرف منسوب کیا ہے جو ہمیں نہیں ملا۔ [3] الدر المنثور: 4/507. [4] تفسیر الطبری: 16/157.
[5] تفسیر الطبری: 16/157.

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿85﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿86﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ

جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف (بطور) مہمان اکٹھا کر لائیں گے ﴿85﴾ اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے (ہی) ہانک لے جائیں گے ﴿86﴾ (اس

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿87﴾

روز) وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے، سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ﴿87﴾

گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴾ (إبراهيم 42:14) ''اور (مومنو) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں، اللہ ان سے بے خبر ہے، وہ صرف اُن کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس دن (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' اور فرمایا: ﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴾ (الطارق 17:86) ''تو آپ کافروں کو مہلت دے دیں بس چند روز ہی مہلت دیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (ال عمرٰن 178:3) ''اور کافر لوگ یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو اُن کو مہلت دیتے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم ان کو صرف اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں، آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ (لقمٰن 24:31) ''ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴾ (إبراهيم 30:14) ''کہہ دیجیے! (چند روز) فائدے اٹھالو آخر کار تم کو بلاشبہ دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' سدی نے ﴿ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾ ﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ہم ان کے لیے سال، مہینے، دن اور گھڑیاں شمار کر رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 85-87

قیامت کے دن پرہیز گاروں اور مجرموں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پرہیز گار دوستوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے جنھوں نے دنیا کی زندگی میں اس کے خوف کو اختیار کیا، اس کے رسولوں کی اتباع کی، ان کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کی، ان کے احکام کی اطاعت کی اور جن کاموں سے انھوں نے منع فرمایا تھا ان سے رک گئے تھے کہ وہ انھیں جب قیامت کے دن جمع کرے گا تو وہ اس کے پاس وفد کی صورت میں آئیں گے۔ وفد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو سوار ہو کر آئیں اس کی جمع وفود آتی ہے، وہ آخرت کی سواریوں پر سوار ہو کر آئیں گے جو دنیا کی سواریوں سے عمدہ بھی ہوں گی اور نور کی بھی ہوں گی اور وہ اس ذات گرامی کے پاس سوار ہو کر آئیں گے جو سب سے بہتر ہے اور پھر اسی کے عزت افزائی والے گھر میں آئیں گے اور ان کے برعکس مجرموں کو اور حضرات انبیائے کرام کی تکذیب و مخالفت کرنے والوں کو گردنوں کے بل گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ ﴿ وِرْدًا ﴿86﴾ ﴾ کے معنی پیاسے کے ہیں، یہ عطاء، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ اور دیگر کئی مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1] یہاں کہا جا سکتا ہے: ﴿ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴾ (مريم 73:19) ''دونوں فریقوں میں سے مقام

[1] تفسير الطبري: 159/16.

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿88﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿89﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ

اور انھوں نے کہا: رحمٰن اولاد رکھتا ہے ﴿88﴾ البتہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آپہنچے ہو ﴿89﴾ قریب ہیں کہ آسمان اس (بات) سے پھٹ

الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿90﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿91﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿92﴾

پڑیں، اور زمین شق ہو جائے، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں ﴿90﴾ اس (بات) پر کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا ﴿91﴾ اور رحمٰن کے لائق

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿93﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿94﴾ وَ كُلُّهُمْ

نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے ﴿92﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ سب رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گے ﴿93﴾ بلاشبہ یقیناً اس (رحمٰن) نے

اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿95﴾

ان کا شمار کر رکھا ہے اور انھیں خوب گن رکھا ہے ﴿94﴾ اور وہ سب یوم قیامت اللہ کے پاس تنہا تنہا آئیں گے ﴿95﴾

کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے؟''

ابن ابوحاتم نے عمرو بن قیس ملائی سے اور انھوں نے ابن مرزوق سے روایت کیا ہے: ﴿ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿85﴾ ﴾ ''جس روز ہم پرہیزگاروں کو اللہ کے سامنے (بطور) مہمان جمع کریں گے۔'' کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو بہت خوب صورت شکل اور عمدہ خوشبو والا ایک انسان اس کا استقبال کرے گا تو مومن کہے گا: تو کون ہے؟ وہ کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ یہ جواب دے گا نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خوشبو کو عمدہ اور چہرے کو حسین بنا دیا ہے۔ وہ جواب دے گا کہ میں تمھارا عمل صالح ہوں تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا کہ تیرا عمل حسین اور خوشبودار تھا، میں دنیا میں کتنی ہی بار تجھ پر سوار ہوا تھا، آج تو مجھ پر سوار ہو جا اور یہ آیت پڑھی: ﴿ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿85﴾ ﴾ [1] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَفْدًا ﴿85﴾ ﴾ کے معنی سوار کے ہیں۔ [2] اور فرمایا: ﴿ وَ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿86﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ ﴾ ''اور ہم گناہ گاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانک لے جائیں گے (تو لوگ) کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے۔'' یعنی ان کی شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا جبکہ مومن ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے جیسا کہ مجرموں کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہیں گے: ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ○ ﴾ (الشعرآء 26:100,101) ''وہ تو (آج) نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے اور نہ گرم جوش دوست۔'' اور فرمایا: ﴿ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿87﴾ ﴾ ''مگر جس نے اللہ سے اقرار لیا ہو۔'' یہ استثنا منقطع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے اللہ کے پاس اقرار کیا ہو تو وہ سفارش کر سکے گا اور اقرار سے مراد ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دی جائے، لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا اقرار کیا جائے اور صرف اور صرف اللہ عزوجل ہی سے اُمید وابستہ کی جائے۔ [3]

تفسیر آیات: 88-95

اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی نسبت کی سخت تردید: اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں جب یہ بیان فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے

[1] تفسیر الطبری: 16/158,159. [2] تفسیر الطبری: 16/158. [3] تفسیر الطبری: 16/160.

بندے ہیں اور اس نے انھیں مریم سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے تو اب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی سختی سے تردید شروع فرما دی ہے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ کا بیٹا ہے کیونکہ اس کی ذات پاک تو اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اور مقدس و منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو، ارشاد فرمایا: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ ''اور کہتے ہیں اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آ پہنچے ہو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور مالک فرماتے ہیں کہ ﴿ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ کے معنی بڑی بات کے ہیں۔[1] ﴿ إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور مد کے ساتھ تین طرح پڑھا جاتا ہے لیکن زیادہ مشہور لغت ﴿ إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔[2] اور فرمایا: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ ﴾ ''قریب ہے کہ اس افترا سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا۔''

یعنی آسمان و زمین اور پہاڑ جب فاسق و فاجر انسانوں کی یہ بات سنتے ہیں تو قریب ہے کہ اللہ ذوالجلال کی عظمت کے باعث ان کی یہ حالت ہو جائے کیونکہ ان سب چیزوں کو اسی نے پیدا فرمایا اور اپنی توحید کی بنیاد پر پیدا فرمایا، انھیں معلوم ہے کہ اس ذات پاک کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک و نظیر نہیں، اس کی کوئی بیوی اور بچہ نہیں، اس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ یکتا و بے نیاز ہے۔

ابن جریر نے اس آیت کریمہ: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ شرک کرنے سے آسمان، زمین، پہاڑ اور جن و انس کے سوا دیگر تمام مخلوقات ڈرتی ہیں اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے یہ ساری چیزیں پارہ پارہ ہو جائیں جس طرح شرک کی وجہ سے مشرک کی کوئی نیکی اس کے لیے فائدہ بخش نہ ہوگی، اسی طرح ہمیں اُمید ہے کہ توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ موحدین کے تمام گناہ بخش دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

[لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَهَا عِنْدَ مَوْتِهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَنْ قَالَهَا فِي صِحَّتِهِ؟ قَالَ: تِلْكَ أَوْجَبُ وَأَوْجَبُ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْجِيءَ بِالسَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِينَ وَمَا فِيهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ وَمَا تَحْتَهُنَّ، فَوُضِعْنَ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ، وَوُضِعَتْ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي الْكِفَّةِ الْأُخْرٰى لَرَجَحَتْ بِهِنَّ]

''اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کی تلقین کیا کرو، کیونکہ جس نے مرتے وقت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جس نے زمانہ صحت میں اسے پڑھا؟ فرمایا: اس کے لیے تو زیادہ واجب ہوگی، زیادہ واجب ہوگی، پھر فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمام آسمانوں اور

[1] تفسیر الطبری: 162,161/16. [2] تفسیر الطبری: 162/16.

زمینوں کو ان تمام اشیاء کے ساتھ لایا جائے جو ان میں ہیں اور جو ان کے درمیان ہیں اور جو ان کے نیچے ہیں اور پھر ان سب کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو یہ پلڑا ان تمام اشیاء کے مقابلے میں بھاری ہوگا۔''[1] ابن جریر نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ حدیثِ بطاقہ اس حدیث کی شاہد ہے۔[2] واللہ أعلم۔

ضحاک نے ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ (الشوریٰ 42:5) کے بارے میں کہا ہے کہ قریب ہے کہ یہ اللہ کی عظمت کے خوف کی وجہ سے پھٹ جائیں۔[3] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝﴾ کے بارے میں کہا کہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی خاطر ناراض ہو کر شق ہو جائیں۔[4] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ منہدم ہو کر گر پڑیں۔[5] سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پہاڑ ٹوٹ ٹوٹ کر مسلسل ایک دوسرے پر گرتے جائیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَصْبَرُ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ إِنَّهُ يُشْرَكُ بِهِ وَيُجْعَلُ لَهُ وَلَدٌ وَّهُوَ يُعَافِيهِمْ وَيَدْفَعُ عَنْهُمْ وَيَرْزُقُهُمْ] ''تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے، اس کے لیے بیٹا قرار دیا جاتا ہے مگر وہ انھیں عافیت عطا فرماتا، ان سے مصیبتوں کو ہٹاتا اور انھیں رزق عطا فرماتا ہے۔''[6] اس کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[7] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [إِنَّهُمْ...... وَيَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا، وَّهُوَ...... يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ''بلاشبہ یہ لوگ...... اور اس کے لیے بیٹا قرار دیتے ہیں اور وہ...... انھیں رزق دیتا اور عافیت عطا فرماتا ہے۔''[8]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝﴾ ''اور اللہ کو شایان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔'' یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے شایانِ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی اس کا ہمسر ہے ہی نہیں، تمام مخلوقات تو اس کی غلام ہیں۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ

---

[1] تفسیر الطبری: 163/16 والمعجم الکبیر للطبرانی: 254/12، حدیث: 13024 ومجمع الزوائد، الجنائز، باب تلقین المیت: 323/2، حدیث: 3916. [2] جامع الترمذی، الإیمان، باب ماجاء فیمن یموت وھو یشھد......، حدیث: 2639 وسنن ابن ماجه، الزھد، باب ما یرجی من رحمة اللّٰه یوم القیامة، حدیث: 4300 ومسند أحمد: 213/2 والمستدرك للحاکم: 6/1 و529، حدیث: 9 عن عبداللّٰه بن عمرو رضی اللہ عنہ مزید دیکھیے السلسلة الصحیحة: 262,261/1، حدیث: 135. [3] تفسیر الطبری: 12/25 وتفسیر القرطبی: 4/16. [4] تفسیر الطبری: 163/16. [5] تفسیر الطبری: 163/16. [6] مسند أحمد: 405/4. [7] صحیح البخاری، الأدب، باب الصبر فی الأذی......، حدیث: 6099 وصحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب فی الکفار، حدیث: 2804 واللفظ له. [8] صحیح ابن حبان، الرقائق، ذکر الإخبار عن تفضل......: 408,407/2، حدیث: 642.

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿96﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا ﴿96﴾ یقیناً ہم نے تو اس (قرآن) کو آپ کی

لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿97﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ

زبان (عربی) میں خوب آسان کر دیا ہے، تاکہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور اس کے ساتھ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں ﴿97﴾ اور ان سے پہلے ہم

مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿98﴾ ع

ربع 16 النصف

نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی بھنک (آہٹ) بھی سنتے ہیں؟ ﴿98﴾

﴿ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿94﴾ ﴾ ''تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے، البتہ تحقیق اُس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔'' یعنی ابتدا سے لے کر قیامت تک اس نے جس قدر مخلوق پیدا فرمائی ہے، وہ ان سب کی تعداد، ان کے نر، مادہ اور ان کے چھوٹوں بڑوں سب کو جانتا ہے: ﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿95﴾ ﴾ ''اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔'' اور ان کے لیے اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ پناہ دینے والا، وہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا اور وہ عادل ہے کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرمائے گا۔

تفسیر آیات: 96-98

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی محبت دلوں میں پیدا فرما دیتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان مومن بندوں کی اپنے نیک بندوں کے دلوں میں محبت ومودت پیدا فرما دیتا ہے جو اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں، اعمال صالحہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو شریعت محمدیہ کے مطابق انجام دیے جائیں، ایسے اعمال ہی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت کئی احادیث مبارکہ میں آیا ہے، مثلاً: امام احمد رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ علیہ السلام، فَقَالَ: يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، قَالَ: فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ علیہ السلام، قَالَ: ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا (فَأَحِبُّوهُ)، قَالَ: فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ، وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ: يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ، قَالَ: فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ، إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ، قَالَ: فَيُبْغِضُهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ]

''بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے: اے جبریل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر تو جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر جبریل آسمان میں رہنے والوں میں یہ اعلان کر دیتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو تو اہلِ آسمان بھی اس سے محبت

کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر زمین میں بھی اسے قبولیت عطا فرما دی جاتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے اے جبریل! میں فلاں بندے سے بغض رکھتا ہوں تو بھی اس سے بغض رکھ تو جبریل بھی اس سے بغض رکھنا شروع کر دیتا ہے، پھر وہ آسمان والوں میں اعلان کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو تو اہلِ آسمان بھی اس سے بغض رکھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر زمین میں بھی اس کے لیے بغض رکھ دیا جاتا ہے۔''① اسی طرح امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔②

ابن ابو حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَّادٰى جِبْرِيلَ: إِنِّي قَدْ أَحْبَبْتُ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ۔ قَالَ: فَيُنَادِي فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ تُنْزَلُ لَهُ الْمَحَبَّةُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ، فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾] ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر، جبریل اس کا آسمان میں اعلان کر دیتا ہے اور پھر اہلِ زمین میں بھی اس کی محبت نازل کر دی جاتی ہے۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے اللہ ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا۔''③ اس کو امام مسلم اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔④ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

قرآن بشارت دینے اور ڈرانے کے لیے نازل ہوا ہے: ﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾ ''تو ہم نے یہ (قرآن) آپ کی زبان میں آسان (نازل) کیا ہے۔'' یعنی (اے محمد ﷺ!) اس سے روشن، فصیح و بلیغ اور کامل عربی زبان مراد ہے ﴿ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچا دیں۔'' جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں: ﴿ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ یعنی آپ اس (قرآن) کے ذریعے سے ایسے لوگوں کو ڈرائیں جو حق سے منہ موڑ کر باطل کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ﴾ ''اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا۔'' جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی: ﴿ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾ ''بھلا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا (کہیں) ان کی بھنک سنتے ہیں؟'' یعنی کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے یا ان میں سے کسی کی بات کو سنتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ، عکرمہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ضحاک اور ابن زید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ﴿ رِكْزًا ﴾ کے معنی آواز کے ہیں۔⑤ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں

---

① مسند أحمد: 413/2. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم......، حديث: 3209 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب إذا أحب الله عبدا......، حديث: 2637 وتفسير القرطبي: 161,160/11. ③ الدرالمنثور: 512/4. ④ صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب إذا أحب الله عبدا......، حديث: (157)-2637 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة مريم، حديث: 3161 واللفظ له. ⑤ تفسير الطبري: 169,168/16.

کہ اس کے معنی یہ ہیں کیا تم ان میں سے کسی شخص کو دیکھتے یا کسی کی آواز کو سنتے ہو۔ ① دراصل عربی زبان میں رکز آہستہ آواز کو کہتے ہیں۔

سورۂ مریم کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اوراس کے بعد ان شاءاللہ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر الطبری: 16/168.

تحقیق و تخریج کے

مصادر و مراجع

تاریخ الطبع	مقام	المطبعة	اسم المصنف	اسم الکتاب
1410ھ 1990م	طنطا مصر	دارالصحابة للتراث (C.D)	لأبی عبدالرحمٰن السّلمی	آداب الصحبة
	بیروت لبنان	دار المعرفة	للإمام جلال الدین أبی الفضل عبدالرحمٰن السیوطی (849-911ھ)	الإتقان
1419ھ 1998م	بیروت دمشق عمان	المکتب الإسلامی	للحافظ سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	الأحادیث الطوال
1410ھ	مکة المکرمة	مکتبة النهضة الحدیثة	لأبی عبداللّٰه محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلی المقدسی (567-643ھ)	الأحادیث المختارة
1421ھ 2000م	//	دارالکتب العربی	للإمام أبی بکر محمد بن عبداللّٰه المعروف بابن العربی (468-543ھ)	أحکام القرآن
1423ھ 2003م	الأُردن	المکتبة الإسلامیة	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن إسماعیل البخاری (194-256ھ)	الأدب المفرد
1419ھ 1998م	الریاض	مکتبة المعارف	//	الأدب المفرد
1416ھ 1996م	بیروت لبنان	دار الکتب العلمیة	للإمام شهاب الدین أبی العباس أحمد بن محمد الشافعی القسطلانی (المتوفی 923ھ)	إرشاد الساری

إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت	1405ھ 1985م
الاستذكار	لأبی عمر يوسف بن عبدالله بن عبدالبر النمری الأندلسی (368-463ھ)	دار الوعی	حلب القاهرة	1414ھ 1993م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبی الحسن علی بن محمد الجَزَری (المتوفی 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	
الإسراء والمعراج	لمحمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المكتبة الإسلامية	عمان (اردن)	1421ھ 2000م
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
إكمال المُعلم بفوائد مسلم	للإمام الحافظ أبی الفضل عياض بن موسی بن عياض اليحصبی (المتوفی 544ھ)	دار الوفاء	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبی عبدالله محمد بن إدريس الشافعی القرشی (المتوفی 204ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
بائبل،قرآن اور سائنس (اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاہور پاکستان	1999م
البحر الزخار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبی بكر أحمد بن عمرو بن عبدالخالق العتكی البزّار (المتوفی 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومكتبة العلوم والحكم	بيروت	1409ھ 1988م
البداية والنهاية	لأبی الفداء الحافظ ابن كثير الدِّمشقی (المتوفی 774ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البيان فی عدّ آی القرآن	لأبی عمرو عثمان بن سعيد الأموی الدانی (371-444ھ)	مركز المخطوطات	الكويت	1414ھ 1994م
تاج العروس	الإمام محب الدين أبی فيض السيد محمد مرتضی الحسينی الزبيدی (المتوفی 1205ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م

تاريخ ابن خلدون	لعبد الرحمٰن بن خلدون (732-808ھ/1332-1406م)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1992م
تاريخ بغداد	للحافظ أبى بكر أحمد بن على الخطيب البغدادى (المتوفى463ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
تاريخ دمشق	للإمام الحافظ أبى القاسم على بن الحسن الدمشقى الشافعى المعروف بابن عساكر (499-571ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1421ھ 2001م
تاريخ الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبرى (المتوفى310ھ)	مطبعة الاستقامة	القاهرة	1358ھ 1939م
التاريخ الكبير	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجعفى (194-256ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1414ھ 1993م
تحفة الأحوذى	للإمام الحافظ أبى العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحيم المباركفورى (المتوفى1353ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تحفة الأخيار	لأبى جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوى (239-321ھ)	داربلنسية	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدين أبى الحجاج يوسف المزى (654-742ھ)	ارالغرب الإسلامى	بيروت	1999م
التخويف من النار	للأبى الفرج عبدالرحمٰن بن أحمد بن رجب الحنبلى (المتوفى795ھ)	مكتبة دارالبيان (C.D)	دمشق	1399ھ
تذكرة الحفاظ	للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى (المتوفى748ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الترغيب والترهيب	للإمام الحافظ زكى الدين عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى (المتوفى656ھ)	دارالحديث	القاهرة	1407ھ 1987م

تغليق التعليق	لأحمد بن على ابن حجر العسقلانى المتوفى (852ھ)	المتكب الإسلامى	بيروت دمشق	1470ھ 1999م
تفسير البغوى	للإمام أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى الشافعى (المتوفى 516ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسير البيضاوى	للإمام ناصر الدين أبى الخير عبداللّٰه بن عمر بن محمد الشيرازى الشافعى البيضاوى (المتوفى 691ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1418ھ 1998م
تفسير الثورى	لسفيان بن سعيد بن مسروق الثورى أبو عبداللّٰه (المتوفى 161ھ)	دارالكتب العلمية (C.D)	بيروت لبنان	1403ھ
تفسير ابن أبى حاتم	للإمام الحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدريس الرازى ابن أبى حاتم (المتوفى 327ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة الرياض	1417ھ 1997م
تفسير الرازى	للإمام فخر الدين الرازى (المتوفى 606ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1415ھ 1995م
تفسير السمعانى	للإمام أبى المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التميمى المروزى الشافعى (426-489ھ)	دار الوطن	الرياض	1418ھ 1997م
تفسير الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبَرى (المتوفى 310ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى211ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1999م
تفسير القرطبى	لأبى عبداللّٰه محمد بن أحمد الأنصارى القُرطبى (المتوفى 671ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م
تفسير الماوردى	لأبى الحسن على بن محمد بن حبيب الماوردى البصرى (364-450ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م

تفسير معانی القرآن	للنحاس (المتوفی 338ھ)	جامعة أم القری (C.D)	مکة المکرمة	1409ھ
تلخيص الحبير	للإمام الحافظ أبی الفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
تمام المنة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	دار الراية	الرياض السعودية	1417ھ
التمهيد	للإمام الحافظ أبی عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر النمری الأندلسی (368-463ھ)	مکتبة السوادی	جده	1387ھ 1967م
تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة	لأبی الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی(907-963ھ)	دارالکتب العلمية	بيروت لبنان	1401ھ 1981م
تنوير المقباس	للإمام السيد حبر الأمة عبدالله بن عباس الهاشمی القرشیؓ (المتوفی 68ھ)	مطبعة الأمير	قم ايران	
جامع الترمذی	للإمام الحافظ أبی عيسی محمد بن عيسی بن سورة الترمذی (200-279ھ)	دارالسلام	الرياض السعوديه	1420ھ 1999م
جامع المسانيد والسنن	للإمام عماد الدين أبی الفداء إسماعيل بن عمر بن کثير القرشی الدمشقی الشافعی (700-774ھ)	دار الفکر	بيروت	
حلية الأولياء	للإمام الحافظ أبی نُعَيم أحمد بن عبدالله الأصفهانی الشافعی (المتوفی 430ھ)	دار الکتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
الدر المنثور فی التفسير المأثور	للإمام جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبی بکر السيوطی (المتوفی 911ھ)	دارالکتب العلمية	بيروت لبنان	1421ھ 2000م
دلائل النبوة	لأبی بکر أحمد بن الحسين بن علی البيهقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمية	بيروت لبنان	1405ھ 1985م

الدِّيباج	للحافظ جلال الدين عبدالرحمٰن السيوطی (المتوفی 911ھ)	شركة دار الأرقم بن أبی الأرقم	بيروت لبنان	
الرحيق المختوم (اردو)	للشيخ صفی الرحمٰن مباركفوری رحمہ اللہ	المكتبة السلفية	لاهور پاكستان	1416ھ 1995م
روح المعانی	للعلامة أبی الفضل شهاب الدين السيد محمود الآلوسی البغدادی (المتوفی 127ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1417ھ 1997م
زاد المسير	للإمام أبی الفَرَج جمال الدين عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی597ھ)	دار الكتب العلمية	الرياض	1414ھ 1994م
زاد المعاد	للإمام شمس الدين أبی عبداللّٰه محمد بن أبی بكر الزرعی الدمشقی المشهور بابن قيم الجوزية (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	دمشق بيروت	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الصحيحة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی1420ھ)	مكتبة المعارف	الرياض السعودية	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الضعيفة	// // //	//	//	1420ھ 2000م
سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰه بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بهرام التميمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سليمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م

سنن سعيد بن منصور	للحافظ سعيد بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصميعی	الرياض السعودية	1420ھ 2000م
السنن الكبرىٰ	للإمام أبی بكر أحمد بن الحسين بن علی البيهقی (384-458ھ)	إدارة تأليفات أشرفية	ملتان باكستان	1414ھ 1993م
السنن الكبرىٰ	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعيب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبدالله محمد بن يزيد الربعی ابن ماجه القزوينی (209-273ھ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب بن علی النسائی (215-303ھ)	دارلسلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
السيرة النبوية	لولی الدين أبی زيد عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحيم الحضرمی الأشبيلی المالكی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مكتبة المعارف	الرياض السعودية	1418ھ 1998م
السيرة النبوية	لابن إسحاق (المتوفی 151ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1424ھ 2004م
السيرة النبوية	لأبی محمد عبدالملك بن هشام بن أيوب الحِميَری (المتوفی 218ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
شرح السنة	للإمام الحافظ محی السنة أبی محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوی (436-516ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت	1403ھ 1983م
شرح معانی الآثار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1407ھ 1987م
شرح النووی	محی الدين أبوزكريا يحيی بن شرف بن مری الحزامی الحواربی الشافعی (المتوفی 676ھ)	مؤسسة قرطبة	بيروت لبنان	1414ھ 1994م

شعب الإيمان	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1410ھ 1990م
الصحاح	لأبی نصر إسماعیل بن حماد الجوهری الفارابی المتوفی (398ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1419ھ 1999م
صحیح البخاری	للإمام أبی عبداللہ محمد بن إسماعیل البخاری الجعفی (194-256ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1419ھ 1999م
صحیح الترغیب والترهیب	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ ـ 1999م)	مکتبة المعارف	الریاض	1421ھ 2000م
صحیح الجامع الصغیر وزیادته	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ 1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1408ھ 1988م
صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان الفارسی	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1414ھ 1993م
صحیح ابن خزیمة	للإمام أبی بکر محمد بن إسحاق بن خزیمة السلمی النیسابوری (المتوفی 311ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1412ھ 1992م
صحیح سنن أبی داود	للإمام المحدث الشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مؤسسة غراس	الکویت	1423ھ 2002م
صحیح مسلم	للإمام أبی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری (204-261ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1419ھ 1998م
ضعیف الجامع الصغیر وزیادته	للإمام المحدث الشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1410ھ 1990م
ضعیف سنن ابن ماجه	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھـ1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت	1415ھ 1994م
الطبقات الکبریٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منیع (المتوفی 230ھ)	دار صادر	بیروت	1418ھ 1998م

عمدة القاری	للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبي محمد محمود بن أحمد العينی (المتوفی 855ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
عون المعبود	للعلامة أبی الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادی	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
فتح الباری	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار نشر الكتب الإسلامية	لاهور باكستان	1401ھ 1981م
فتح البيان	لأبی الطيب صديق بن حسن بن علی الحسينی القنوجی البخاری (المتوفی 1307ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
كتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخريج السنة	لأبی بكر عمرو بن أبی عاصم الضحاك بن مخلد الشيبانی المتوفی (287ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب الزهد	للإمام الشيخ عبداللّٰه بن المبارك المروزی (المتوفی 181ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب العرش	لأبی عبداللّٰه محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	مكتبة أضواء السلف ومكتبة الإمام البخاری	الرياض السعودية مصر	1420ھ 1999م
كتاب العظمة	لأبی محمد عبداللّٰه بن محمد بن جعفر بن حيّان (274-369ھ)	دار العاصمة	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
الكشاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخشری (المتوفی 528ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
كشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدين علی بن أبی بكر الهيثمی (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1399ھ 1979م
كشف الظنون	للمؤرخ الكامل مصطفی بن عبداللّٰه المشهور بحاجی خليفة (1017-1067ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	

اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة	للإمام جلال الدین أبی الفضل عبدالرحمٰن بن الکمال السیوطی (849-911ھ)	دار الکتب العلمية	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی (المتوفی 807ھ)	دار الفكر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
مجموعة الفتاوی	لشیخ الإسلام تقی الدین أحمد بن تیمیة الحرّانی (المتوفی 728ھ)	مكتبة العبیکان	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
المحرر الوجیز	لغالب بن عطیة الأندلسی (المتوفی 546ھ)	دارالکتب العلمية	بیروت لبنان	1413ھ 1993م
المحلی	لأبی محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم المتوفی (456ھ)	دارالجبل دارالآفاق الجدیدة	بیروت	
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدین أبی الفضل أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	مؤسسة الكتب الثقافية	بیروت لبنان	1412ھ 1992م
مختصر سنن أبی داود	عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللّٰه بن سلامة بن سعد زکی الدین أبومحمد المنذری، الشامی، المصری (المتوفی 656ھ)	مكتبة السنة المحمدية مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1423ھ 2002م
مختصر قیام اللیل	للشیخ أبی عبداللّٰه محمد بن نصر المروزی (المتوفی 294ھ)	مكتبة المنار	الأُردن	1413ھ 1993م
المراسیل	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1418ھ 1998م
المستدرك	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن عبداللّٰه الحاکم النیسابوری (المتوفی 405ھ)	مكتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودية	1420ھ 2000م

مسند أحمد (طبع ميمنية)	للإمام الحافظ أبي عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني البغدادي (164-241هـ)	المكتب الإسلامي	بيروت دمشق	1403هـ 1983م
مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبي عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني البغدادي (164-241هـ)	بيت الأفكار الدولية	الرياض السعودية	1419هـ 1998م
مسند ابن الجعد	لأبي الحسن علي بن الجعد بن عبيد الجوهري (214-317هـ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1417هـ 1996م
مسند أبي داود الطَّيالَسي	لسليمان بن داود بن الجارود (المتوفى 204هـ)	هجر	أمباية	1419هـ 1999م
مسند الربيع	للإمام الربيع بن حبيب	مكتبة الثقافة الدينية	......	......
المسند الضعيف	للإمام أبي جعفر محمد بن عمرو بن وهبي بن حماد العقيلي (المتوفى 322هـ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة السعودية	1422هـ 2001م
مسند أبي عوانة	للإمام أبي عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني (المتوفى 316هـ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1419هـ 1998م
مسند أبي يعلى المَوصلي	للإمام الحافظ أحمد بن علي بن المثنى التمِيمي (210-307هـ)	دار الثقافة العربية	بيروت دمشق	1412هـ 1992م
المصنف	للإمام الحافظ أبي بكر عبدالله بن محمد بن أبي شيبة (المتوفى 235هـ)	دار الكتب العلمية	بيروت دمشق	1416هـ 1995م
المصنف	للحافظ الكبير أبي بكر عبدالرزاق بن همام الصنعاني (المتوفى 211هـ)	المكتب الإسلامي	بيروت دمشق	1403هـ 1983م
المطالب العالية	للحافظ ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني (773-852هـ)	دار المعرفة	بيروت دمشق	1414هـ 1993م

المعجم الأوسط	لأبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدین أبی عبداللّٰه یاقوت بن عبداللّٰه الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	بیروت	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبداللّٰه بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (المتوفی 773ھ)	مکتبة دار البیان	الکویت	1421ھ 2000م
المعجم الکبیر	للحافظ أبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مکتبة العلوم والحکم	موصل	1420ھ 2000م
معجم ما استعجم	لعبداللّٰه بن عبدالعزیز البکری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الکتب	بیروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدین أبی محمد عبداللّٰه بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
منهاج السنة النبویة	لأبی العباس تقی الدین أحمد بن عبدالحلیم ابن تیمیة الحرانی الدمشقی (المتوفی 728ھ)	دار المعرفة	بیروت لبنان	1406ھ 1986م
الموسوعة الحدیثیة (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبداللّٰه بن عبدالمحسن الترکی	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
الموضوعات	لأبی الفرَج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی (510-597ھ)	مکتبة ابن تیمیة	القاهرة	1407ھ 1987م
النجوم الزاهرة فی ملوك مصر و القاهرة	لجمال الدین أبی المحاسن یوسف بن تغری بُردی (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
نوادر الأصول فی معرفة أحادیث الرسول	لأبی عبداللّٰه محمد الحکیم الترمذی	دارصادر	بیروت	

نيل الأوطار	للشيخ محمد بن على بن محمد الشوكانى (1172-1250هـ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852هـ)	دار ابن القيم ودار ابن عفان	القاهرة	1422هـ 2001م

المصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

سورۂ فاتحہ —— سورۂ آل عمران

امام ابو الفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ
۷۰۱-۷۷۴ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق و نظر ثانی:
شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام

دارالسلام
DARUSSALAM

المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

4

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
ابن كثير، اسماعيل ابن عمر
المصباح المنير تهذيب و تحقيق تفسير ابن كثير: المجلد الرابع. / اسماعيل ابن عمر ابن كثير - الرياض، ١٤٢٩ هـ
ص: ٨٠٣ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٦-٠٩-٠٠٥-٩٩٦٠-٩٧٨
(الكتاب باللغة الاردية)
١. قصص القرآن ٢. السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٢٩/١٥٣٤
رقم الإيداع: ١٤٢٩/١٥٣٤
ردمك: ٦-٠٩-٠٠٥-٩٩٦٠-٩٧٨

المصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

4

سورۂ طٰہٰ ـــــ سورۂ احزاب

امام ابو الفدا عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ ـــ ۷۷٤ھ

تہذیب مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ ترجمہ مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن : حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تخریج تحقیق و نظر ثانی : شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام ، لاہور

دارالسلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

• الریاض۔العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 • سویلم فون: 2860422 01
• مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون / فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
• مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
• جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
• ینبع البحر فون / فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 • خمیس مشیط فون / فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ • ہوسٹن فون: 7220419 713 001 • نیویارک فون: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

• 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
موبائل: 4212174-0321 8484569-0322 • غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

کراچی طارق روڈ بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال فون: 4393936 21 0092 فیکس: 937د ردہ
اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون / فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321
حافظ آباد فیصل پلازہ، گوجرانوالہ روڈ، حافظ آباد فون و فیکس 525170-0547

اجمالی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ باری تعالیٰ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

’’اور رسول اللہ (ﷺ روزِ محشر) کہیں گے: اے میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو گلدستۂ طاقِ نسیاں بنادیا تھا۔‘‘

(الفرقان 25:30)

فرمانِ نبوی

اَلْقُرْاٰنُ مُشَفَّعٌ، وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ، مَنْ جَعَلَهُ أَمَامَهُ قَادَهُ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ إِلَى النَّارِ

’’قرآن کی سفارش قبول کی جائے گی۔ وہ (قاری کی) وکالت کرے گا تو اس کو سچا قرار دیا جائے گا۔ جس نے اسے اپنے آگے رکھا یہ اس کی فردوسِ بریں کی طرف راہ نمائی کرے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا اس کو آتشِ جہنم کی طرف ہانک کر لے جائے گا۔‘‘

(صحیح ابن حبان ، حدیث:124)

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

فہرست

سورۃ مؤمنون

پارہ:18

تفسیر سُورَۂ طٰہٰ

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰهٰ ① مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ② اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ③ تَنۡزِيۡلًا

طٰہٰ ① ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں ② مگر (یہ تو) اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے ③

مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ④ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ⑤ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمان تخلیق کیے ④ وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے ⑤ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ⑥ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ

اور زمین میں ہے، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے ⑥ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بلاشبہ وہ ہر راز

وَاَخۡفٰى ⑦ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ⑧

اور (اس سے بھی) پوشیدہ تر بات کو جانتا ہے ⑦ (وہی) اللہ ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، سب اچھے نام اسی کے ہیں ⑧

تفسیر آیات:1-8

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابِ نعمت ہے: حروف مقطعات کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث کی جا چکی ہے، لہٰذا اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ﴿مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ②﴾ ”(اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔“ جُویبر نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر قرآن نازل فرمایا تو آپ نے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قیام میں خوب قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا تھا، یہ دیکھ کر مشرکین قریش کہنے لگے کہ محمد ﷺ پر یہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ مشقت میں پڑ جائیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿طٰهٰ ① مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ② اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ③﴾ ”(اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ اس شخص کی نصیحت کے لیے

(نازل کیا ہے) جو خوف کھاتا ہے۔''[1] بات اس طرح نہیں ہے جیسا کہ باطل پرستوں کا گمان ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ علم سے نواز دے اس کے ساتھ تو اس نے خیر کثیر کا ارادہ فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ] ''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔''[2]

مجاہد نے ارشاد باری: ﴿ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤی ۝۲ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ اس طرح ہے جیسا کہ یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ﴾ (المزمّل 20:73) ''پس جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کریں۔'' صحابۂ کرام نماز پڑھتے ہوئے اپنے سینوں کے ساتھ رسیوں کو باندھ لیا کرتے تھے۔[3] قتادہ اس آیت کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے قرآن کو باعث مشقت نہیں بنایا بلکہ اسے رحمت، نور اور جنت میں جانے کا ذریعہ بنایا ہے۔[4]

﴿ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝۳ ﴾ ''مگر اس شخص کی نصیحت کے لیے (نازل کیا ہے) جو خوف کھاتا ہے۔'' یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس لیے نازل کیا اور اپنے رسول کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحمت فرمائے تاکہ نصیحت حاصل کرنے والا اس سے نصیحت حاصل کر لے اور کتاب اللہ کو سن کر آدمی اس سے نفع حاصل کرے۔ یہ کتاب نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں حلال و حرام کے ضابطوں کو نازل فرمایا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝۴ ﴾ ''(یہ) اس ذات کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان بنائے۔'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ قرآن جو آپ کے پاس آیا ہے، یہ آپ کے اس رب کی طرف سے نازل کردہ ہے جو ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے، ہر اس چیز کے کرنے پر قادر ہے جو وہ چاہے۔ جس نے زمین کو اس کی پستی اور کثافت کے ساتھ اور بلند و بالا آسمانوں کو ان کی بلندی اور لطافت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝۵ ﴾ ''رحمان جو عرش پر مستوی ہوا۔'' اس کے بارے میں قبل ازیں سورۂ اعراف میں بحث ہو چکی ہے،[5] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ استوائے عرش کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح مسلک یہ ہے کہ سلف کے طریق کو اختیار کیا جائے اور نصوص کتاب و سنت پر تکییف، تحریف، تشبیہ، تعطیل اور تمثیل کے بغیر ایمان لایا جائے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝۶ ﴾ ''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے، سب اسی کا ہے۔'' یہ سب کچھ اسی کی ملکیت ہے، اسی کے قبضے میں اور اس کے تصرف و مشیّت اور ارادہ و حکم کے تحت ہے، وہ ان سب چیزوں کا خالق و مالک

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:2415/7 و الدرالمنثور:516/4 و تفسير القرطبي:167/11. [2] صحيح البخاري، العلم، باب: [من يرد الله به خيراً......]، حديث:71 و صحيح مسلم، الزكاة، باب النهي عن المسألة، حديث :(100)-1037. [3] تفسير الطبري:172/16. [4] تفسير الطبري:172/16. [5] دیکھیے الأعراف، آیت: 54 کے ذیل میں۔

وَهَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ⑨ اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ

اور کیا آپ تک موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟⑨ جب اس نے (طور پر) آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: (یہاں) ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی

اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩

ہے، شاید میں اس میں سے تمھارے لیے کوئی انگارا لے آؤں، یا آگ کے پاس کوئی راہبر پاؤں⑩

اور معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود اور مالک نہیں ہے۔ فرمان الٰہی: ﴿ وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ⑥ ﴾ ''اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے'' کے بارے میں محمد بن کعب کہتے ہیں کہ جو کچھ ساتویں زمین کے نیچے ہے وہ بھی اسی کا ہے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ⑦ ﴾ ''اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو یقیناً چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ (بات تک) کو جانتا ہے۔'' یعنی یہ قرآن اس ذات گرامی نے نازل کیا ہے جس نے زمین اور بلند و بالا آسمانوں کو وجود بخشا اور چھپے بھید اور نہایت مخفی بات تک کو جانتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِىۡ يَعۡلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ○ ﴾ (الفرقان 25:6) ''کہہ دیجیے: اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہی بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ السِّرَّ ﴾ سے مراد وہ بات ہے جسے انسان اپنے دل میں چھپا لے اور ﴿ اَخۡفٰى ﴾ سے مراد وہ بات ہے جسے انسان سے مخفی رکھا جائے اور کرنے سے پہلے اسے علم نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کو ان سب باتوں کا علم ہے۔ ماضی و مستقبل کے تمام حالات اس کے نزدیک یکساں ہیں، اسے ان سب کا علم ہے، اس کے نزدیک تمام مخلوقات اس طرح ہیں جیسے ایک جاندار چیز ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ ﴾ (لقمٰن 31:28) ''تمھارا پیدا کرنا اور (جلا) اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔''[2] فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ⑧ ﴾ ''اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کے (سب) اچھے اچھے نام ہیں۔'' یعنی وہ ذات گرامی جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سب نام اچھے اور اس کی سب صفات بلند ہیں۔

تفسیر آیات:10,9

موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا تذکرہ: یہاں سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا شروع فرمایا ہے اور اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ ان کی طرف وحی و تنزیل کی ابتدا کیسے ہوئی اور انھیں ہم کلامی کے شرف سے کس طرح سرفراز کیا گیا۔ اور وہ واقعہ اس وقت کے بعد کا ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرانے کی اس مدت کو پورا کر دیا جس کا ان کے سسرال کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا اور دس سال سے زیادہ عرصہ بلاد مصر سے دور رہنے کے بعد اپنی بیوی کو ساتھ لیے بلاد مصر کی طرف جا رہے تھے مگر سفر کے دوران

[1] تفسیر الطبری: 174/16۔ [2] تفسیر الطبری: 175/16۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوۡدِیَ یٰمُوۡسٰى ﴿11﴾ اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ

چنانچہ جب وہ (موسیٰ) آگ کے پاس پہنچا تو آواز دی گئی: اے موسیٰ! ⑪ بے شک میں تیرا رب ہوں، لہٰذا تو اپنے جوتے اتار دے، بلاشبہ تو مقدس

طُوًى ﴿12﴾ وَاَنَا اخۡتَرۡتُكَ فَاسۡتَمِعۡ لِمَا یُوۡحٰى ﴿13﴾ اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

وادی طُویٰ میں ہے ⑫ اور میں نے تجھے چن لیا ہے، لہٰذا جو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سن ⑬ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود

فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِیۡ ﴿14﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخۡفِیۡهَا لِتُجۡزٰى

نہیں، چنانچہ تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر ⑭ بے شک قیامت آنے والی ہے، میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر

كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰى ﴿15﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ

نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے ⑮ لہٰذا اس (فکرِ آخرت) سے تجھے وہ شخص روکنے نہ پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور اس نے اپنی

هَوٰىهُ فَتَرۡدٰى ﴿16﴾

خواہشات کی پیروی کی، ورنہ تو (بھی) ہلاک ہو جائے گا ⑯

میں رستہ گم ہو گیا، یہ موسم سرما کی سرد رات تھی تو آپ نے وادیوں اور پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا جبکہ موسم سرما تھا، سخت سردی تھی، آسمان پر بادل چھائے ہوئے اور سخت اندھیرا تھا، آپ کے پاس چقماق کا ایک پتھر تھا، آپ نے حسب معمول اسے رگڑنا شروع کیا تاکہ آگ جلا سکیں مگر عجیب بات تھی کہ آج اس سے کوئی شرار نہیں نکل رہا تھا مگر اس وقت اچانک آپ نے طور کی طرف آگ کو جلتے ہوئے دیکھا، کوہ طور آپ کی دائیں طرف تھا، آپ نے اپنی بیوی کو خوش خبری سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّیۡۤ اٰتِیۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ ﴾ ”بلاشبہ میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید اس میں سے میں تمھارے پاس انگاری لاؤں۔“ القبس آگ کے انگارے کو کہتے ہیں، دوسری آیت میں ہے: ﴿ اَوۡ جَذۡوَةٍ مِّنَ النَّارِ ﴾ (القصص 29:28) ”یا آگ کا انگارہ۔“ ﴿ جَذۡوَةٍ ﴾ آگ کے ایسے انگارے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ شعلہ بھی ہو، ﴿ لَعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ﴾ (القصص 29:28) ”تاکہ تم تاپو۔“ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بہت سردی تھی جیسا کہ ﴿ بِقَبَسٍ ﴾ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اندھیرا بھی بہت تھا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿10﴾ ﴾ ”یا آگ پر کوئی رہنمائی پاؤں۔“ یعنی شاید وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو رستہ بتا سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رستے سے ہٹ گئے تھے۔ جیسا کہ ثوری رحمہ اللہ نے ابوسعید اعور سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ شاید وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو رستہ بتا سکے، آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ سردی کا موسم تھا اور دونوں رستے سے دور ہٹ گئے تھے اور جب آپ نے آگ کو دیکھا تو فرمایا کہ رستے کی نشان دہی کرنے والا اگر کوئی نہ ملا تو آگ لے آؤں گا تاکہ تم اسے جلا سکو۔[1]

① تفسیر الطبری: 179/16.

تفسیر آیات: 11-16

موسیٰ علیہ السلام کی طرف پہلی وحی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى﴾ ''پس جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ!'' یعنی جب آپ آگ کے قریب پہنچے تو وہاں یہ آواز آئی، دوسری آیت میں ہے: ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (القصص 28:30) ''پھر جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وادی کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز دی گئی کہ موسیٰ میں تو اللہ رب العالمین ہوں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ ''بلاشبہ میں تمھارا پروردگار ہوں۔'' جو تم سے ہم کلام اور مخاطب ہوں، ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ ''سو اپنی دونوں جوتیاں اتار دو۔'' علی بن ابوطالب، ابوذر، ابوایوب اور سلف میں سے کئی ایک حضرات کا قول ہے کہ آپ کی جوتیاں گدھے کی کھال سے تھیں اور پاک نہ تھیں، اس لیے انھیں اتارنے کا حکم دیا گیا تھا۔[1] اور ایک دوسرے قول کے مطابق اس مبارک جگہ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔[2]

ارشاد الٰہی: ﴿طُوًى﴾ کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اس وادی کا نام ہے اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[3] اس تفسیر کے مطابق یہ وادیٔ مقدس کا عطف بیان ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اپنے قدموں کے ساتھ پامال کرنے کے حکم سے عبارت ہے۔[4] اور تیسرا قول یہ ہے کہ اسے چونکہ دوبار مقدس قرار دیا گیا ہے اور برکت کو اس کے لیے جمع کر دیا گیا ہے، اس لیے وادیٔ مقدس کے ساتھ ساتھ اس کے لیے ﴿طُوًى﴾ کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔[5] لیکن ان میں سے پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ (النّٰزعٰت 79:16) ''جب ان کے پروردگار نے ان کو پاک وادی طوٰی میں پکارا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ ''اور میں نے تمھارا انتخاب کر لیا ہے۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ﴾ (الأعراف 7:144) ''بے شک میں نے تم کو اپنے پیغام پہنچانے اور اپنی ہم کلامی کے لیے لوگوں میں ممتاز کیا ہے۔'' یعنی ان کے زمانے میں موجود تمام لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ موسیٰ تمھیں معلوم ہے کہ دیگر لوگوں کی نسبت میں نے صرف تمھیں ہی ہم کلامی کے لیے کیوں منتخب کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: نہیں، فرمایا: اس لیے کہ کسی اور نے میرے سامنے اس طرح تواضع کا اظہار نہیں کیا جس طرح تم کرتے ہو۔[6]

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ ''پس جو (تمھاری طرف) وحی کی جائے اسے غور سے سنو۔'' یعنی اب اسے سنو جو میں تم سے کہوں اور جو تمھاری طرف وحی نازل کروں، ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ ''بے شک میں ہی اللہ ہوں،

---

[1] تفسیر الطبری: 180/16 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2417/7 و الدر المنثور: 522/4، البتہ ابوذر اور ابوایوب سے کسی کتاب میں نہیں ملا۔ [2] تفسیر القرطبی: 173/11 تفسیر الرازی: 17/22. [3] تفسیر الطبری: 183/16. [4] تفسیر الطبری: 183/16. [5] تفسیر الطبری: 182/16 و 183. [6] الدر المنثور: 224/3.

میرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' تمام مکلفین کے لیے سب سے پہلے یہ واجب ہے کہ وہ اس بات کو جانیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَاعۡبُدۡنِیۡ ﴾ ''پس تم میری عبادت کرو۔'' یعنی میری توحید کو اختیار کرو، میری عبادت کرو اور کسی کو میرا شریک نہ بناؤ۔ ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾ ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔'' اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ نماز پڑھو تا کہ تم میرا ذکر کر سکو۔[1]

علاوہ ازیں اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ جب تم میرا ذکر کرنا چاہو تو نماز قائم کرو۔[2] اس دوسرے معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ غَفَلَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ:] ''جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا اس سے غافل ہو جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾ ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''[3] صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ] ''جو شخص نماز بھول جائے یا سو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے، بس اس کا یہی کفارہ ہے۔''[4]

قیامت آنے والی ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ ﴾ ''بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔'' اور ہر صورت میں برپا ہونے والی ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَکَادُ اُخۡفِیۡہَا ﴾ ''میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں۔'' ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اسے اس طرح پڑھا کرتے تھے: [أَكَادُ أُخْفِيهَا مِنْ نَفْسِي] کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نفس سے تو کبھی مخفی نہیں رہ سکتی۔[5] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے وقت کے بارے میں اپنے سوا کسی کو مطلع نہیں کروں گا۔[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَۃً ؕ ﴾ (الأعراف 7:187) ''وہ آسمان اور زمین میں ایک بھاری بات ہوگی اور ناگہاں تم پر آ جائے گی۔'' یعنی اس کا علم اہل آسمان و زمین پر بہت بھاری ہے۔ ﴿ لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی ﴿۱۵﴾ ﴾ ''تا کہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے۔'' یعنی میں قیامت کو یقیناً برپا کروں گا تا کہ ہر عمل کرنے والے کو میں اس کے عمل کا بدلہ دوں۔ ﴿ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ﴿۷﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾ ﴾ (الزلزال 99:7,8) ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ ﴾ (الطور 52:16) ''جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) ان ہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔''

---

[1] تفسير الطبرى:185/16. [2] تفسير الطبرى:185/16. [3] مسند أحمد:184/3. [4] صحيح البخارى، مواقيت الصلاة، باب من نسى صلاة......، حديث:597 وصحيح مسلم، المساجد......، باب قضاء الصلاة الفائتة......، حديث:(315)684 واللفظ له. [5] تفسير ابن أبى حاتم:2419/7. [6] تفسير الطبرى:187/16.

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ⑰ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ

اور اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟⑰ اس نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے

فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰى ⑲ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ قَالَ خُذْهَا

پتے جھاڑتا ہوں، اور اس میں میرے لیے اور بھی مقاصد ہیں⑱ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! اسے پھینک دے⑲ پھر جب اس نے اسے پھینکا تب

وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑

وہ دوڑتا ہوا سانپ (بن گیا) تھا⑳ فرمایا: اسے پکڑ لے اور مت ڈر، ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے㉑

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا ﴾ ''لہٰذا اس (فکرِ آخرت) سے تجھے وہ شخص روکنے نہ پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا۔'' اس خطاب سے مراد تمام مکلفین ہیں، یعنی تم اس شخص کے رستے کی پیروی نہ کرو جو قیامت کی تکذیب کرتا اور دنیا کی لذتوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتا، اپنے مولیٰ کی نافرمانی کرتا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے جو لوگ ایسے شخص کے رستے پر چلیں وہ ناکام ونامراد ہو جائیں گے، ﴿ فَتَرْدٰى ⑯ ﴾ ''تو (اس صورت میں) تو ہلاک ہو جائے گا۔'' اس کے معنی ہلاک و برباد ہونے کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝ ﴾ (الّیل 92:11) ''اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔''

تفسیر آیات: 17-21

موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی: یہ ایک برہان، عظیم الشان معجزہ اور ایک زبردست خرقِ عادت چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی، اس طرح کے کام پر اللہ عزوجل کے سوا کوئی قادر نہیں اور اس طرح کے معجزات کا ظہور نبی مرسل ہی کے ہاتھوں پر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰ ﴾ ''اور موسیٰ! یہ تمھارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لیے یہ فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توجہ دلانے کے لیے یہ فرمایا کہ یہ جو تمھارے ہاتھ میں ہے تم اسے جانتے ہو، عنقریب تم دیکھو گے کہ ہم اب اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ﴿ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰ ﴾ میں استفہام تقریری ہے۔ ﴿ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا ﴾ ''انھوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے، اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں۔'' یعنی چلتے وقت میں اس کا سہارا لے لیتا ہوں، ﴿ وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ ﴾ ''اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔'' یعنی اس کے ساتھ میں درخت کو ہلاتا ہوں تو اس کے پتے گرتے ہیں تاکہ انھیں میری بکریاں کھا لیں۔ عبدالرحمٰن بن قاسم نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ الھش یہ ہے کہ آدمی چھڑی کو ٹہنی پر رکھ کر حرکت دے تاکہ پتے اور پھل گرنے لگیں مگر وہ لکڑی نہ ٹوٹے جس کے کنارے پر چھڑی کو لگایا گیا ہو۔[1] میمون بن مہران کا بھی یہی قول ہے۔[2]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2420/7. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2419/7.

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿22﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا

اور تو اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا وہ بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا سفید نکلے گا، (یہ) دوسری نشانی ہے ﴿22﴾ تاکہ ہم تجھے اپنی کچھ بڑی نشانیاں

ع 1 24 10 الْكُبْرٰى ﴿23﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿24﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿25﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ

دکھائیں ﴿23﴾ تو فرعون کی طرف جا، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے ﴿24﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ﴿25﴾ اور

اَمْرِيْ ﴿26﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿27﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿28﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿29﴾

میرے لیے میرا کام آسان کر دے ﴿26﴾ اور میری زبان کی گرہ کھول دے ﴿27﴾ (تاکہ) وہ میری بات سمجھ سکیں ﴿28﴾ اور میرے لیے میرے کنبے میں سے

هٰرُوْنَ اَخِي ﴿30﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿31﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿32﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿33﴾

ایک وزیر بنا دے ﴿29﴾ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو ﴿30﴾ اس کے ساتھ میری کمر مضبوط کر دے ﴿31﴾ اور اسے میرے کام (نبوت) میں شریک کر

وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿34﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿35﴾

دے ﴿32﴾ تاکہ ہم تیری بکثرت تسبیح کریں ﴿33﴾ اور ہم تجھے بکثرت یاد کریں ﴿34﴾ بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے ﴿35﴾

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿18﴾ ﴾ ”اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی فائدے ہیں۔“ یعنی علاوہ ازیں اس سے اور بھی کئی مصلحتیں، منفعتیں اور حاجتیں وابستہ ہیں، بعض لوگوں نے ان مبہم فوائد کو بیان کرنے کا بھی تکلف کیا ہے۔

لاٹھی سانپ بن گئی: ﴿ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿19﴾ ﴾ ”فرمایا: اے موسیٰ! اسے ڈال دو۔“ یعنی موسیٰ جو تمھارے دائیں ہاتھ میں عصا ہے اس کو ڈال دو، ﴿ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿20﴾ ﴾ ”پس انھوں نے اس کو ڈال دیا تو اچانک وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔“ یعنی وہ لاٹھی ایک عظیم اور طویل سانپ بن گئی اور وہ سانپ تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ ﴾ (القصص 31:28) ”(لاٹھی) حرکت کر رہی ہے، گویا سانپ ہے۔“ ﴿ جَآنٌّ ﴾ سب سے تیز حرکت سانپ کو کہتے ہیں لیکن وہ ایک چھوٹا سانپ ہوتا ہے جبکہ یہ سانپ بہت بڑا اور بہت تیز حرکت کرنے والا تھا۔ ﴿ تَسْعٰى ﴾ یعنی چل رہا اور حرکت کر رہا تھا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿21﴾ ﴾ ”ہم اس کو عنقریب اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔“ یعنی اس حالت میں جسے تم پہلے سے جانتے ہو۔

تفسیر آیات: 22-35

موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ کسی عیب کے بغیر چمکنے لگا: یہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے دوسری نشانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈالیں جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی صراحت ہے۔[1] اور یہاں فرمایا: ﴿ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ ﴾ ”اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو سے لگا لو۔“ ایک جگہ اور فرمایا: ﴿ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ط ﴾ (القصص 32:28) ”اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنا بازو اپنی طرف ملا لو، چنانچہ تمھارے رب کی طرف سے یہ دونوں معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (بھیجنے کے لیے) ہیں۔“

[1] دیکھیے النمل، آیت: 12 کے ذیل میں۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ہتھیلی کو اپنے بازو کے نیچے کرلو۔[1] موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں داخل کرنے کے بعد نکالتے تو وہ اس طرح چمکنے لگتا، گویا چاند کا ٹکڑا ہو۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ﴾ ''تو بغیر کسی عیب کے چٹا سفید نکل آئے گا۔'' یعنی ہاتھ برص، تکلیف یا بدنمائی کی وجہ سے سفید نہیں ہوگا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، سدی اور دیگر کئی مفسرین کا قول ہے۔[2] حسن بصری فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب ہاتھ نکالا تو وہ گویا چراغ تھا، اس سے موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کی اپنے رب عزوجل سے ملاقات ہوئی ہے۔[3] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿23﴾ ﴾ ''تاکہ ہم تمھیں اپنے عظیم نشانات دکھائیں۔''

موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿24﴾ ﴾ ''تم فرعون کے پاس جاؤ (کہ) بلاشبہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔'' یعنی بادشاہِ مصر فرعون کے پاس جاؤ جس کے خوف کی وجہ سے تم مصر سے نکلے تھے اور اسے وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دو، اسے حکم دو کہ وہ بنی اسرائیل سے اچھا سلوک کرے اور انھیں عذاب نہ دے، بلاشبہ اس نے سرکشی و بغاوت کو اختیار کر رکھا ہے، دنیا کی زندگی کو ترجیح دے رہا ہے اور جلیل الشان پروردگار کو بھول بیٹھا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دعا: ﴿ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿25﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿26﴾ ﴾ ''کہا: میرے پروردگار! (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ ان کے سینے کو اس مقصد کے لیے کھول دے جس کے لیے انھیں مبعوث کیا جا رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک بڑا زبردست اور عظیم الشان حکم دیا ہے، روئے زمین پر اس وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کی طرف بھیجا ہے جو کفر اور ظلم و استبداد میں سب سے بڑھا ہوا ہے جس کے لشکر بھی بہت زیادہ ہیں اور جس کا ملک بھی سب سے زیادہ آباد ہے مگر وہ بغاوت و سرکشی میں اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہی نہیں اور نہ اپنی رعایا کے لیے اپنے سوا کسی اور معبود کو جانتا ہے۔

قبل ازیں موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں اس وقت ایک طویل مدت تک رہے تھے جب آپ ابھی بچے تھے اور فرعون کی گود میں پرورش پا رہے تھے، پھر آپ نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور آپ کو خوف تھا کہیں وہ آپ کو قتل ہی نہ کر دیں، لہٰذا آپ وہاں سے بھاگ گئے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی طرف مبعوث فرما دیا تھا تاکہ آپ انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیں، اسی لیے آپ نے دعا کی تھی: ﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿25﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿26﴾ ﴾ ''میرے پروردگار! (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے۔'' اگر تو میرا حامی و ناصر اور مددومعاون نہیں بنے گا تو مجھے اس کام کے کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔

﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿27﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿28﴾ ﴾ ''اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔'' اس

---

[1] تفسیر الطبری:197/16۔ [2] تفسیر الطبری:198,197/16۔ [3] تفسیر ابن أبی حاتم:2421/7۔

لیے کہ آپ کی زبان میں اس وقت لکنت پیدا ہوگئی تھی جب آپ کے سامنے کھجور اور آگ کے انگارے کو رکھا گیا تو آپ نے آگ کے انگارے کو اٹھا کر اپنی زبان پر رکھ لیا تھا، آپ نے دعا کی کہ یہ لکنت ختم ہو جائے تاکہ آپ جو بات سمجھانا چاہیں وہ اسے سمجھ لیں، یعنی لکنت بقدر ضرورت زائل ہو جائے، اگر آپ ساری لکنت کے زائل ہونے کی دعا کرتے تو وہ بھی قبول ہو جاتی مگر انبیائے کرام بقدر ضرورت ہی دعا کیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کچھ لکنت باقی رہ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی کہا تھا: ﴿ اَمۡ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ مَهِيۡنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ ۝ ﴾ (الزخرف 52:43) ”بلکہ میں اس شخص سے جو ذلیل وخوار ہے اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا، کہیں بہتر ہوں۔“

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاجۡعَلۡ لِّىۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِىۡ ۝ هٰرُوۡنَ اَخِى ۝ ﴾ ”اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (مددگار) مقرر فرما (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔“ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہی کا حصہ ہے کہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا مددگار بنا دیا۔ ثوری نے ابوسعید سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہارون علیہ السلام کو بھی اسی وقت نبی بنا دیا گیا جب موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا تھا۔[1] امام ابن ابوحاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ وہ جب عمرے کے لیے روانہ ہوئیں تو بعض اعراب کے پاس ٹھہریں تو آپ نے ایک شخص کو یہ بات کرتے ہوئے سنا کہ یہ بتاؤ کہ وہ کون سا بھائی ہے جو دنیا میں اپنے بھائی کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم، اس نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بڑے وثوق سے قسم کھا رہا ہے جیسے اسے واقعی معلوم ہو کہ کون سا بھائی دنیا میں اپنے بھائی کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوا ہے، پھر وہ کہنے لگا کہ وہ بھائی موسیٰ علیہ السلام تھے جنھوں نے اپنے بھائی کے لیے نبوت کا سوال کیا تھا۔ میں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بالکل سچ کہہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَكَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ وَجِيۡهًا ۝ ﴾ (الأحزاب 69:33) ”اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔“[2]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِىۡ ۝ ﴾ ”اس سے میری پشت مضبوط کر۔“ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ اَزۡرِىۡ ۝ ﴾ کے معنی میری پشت کے ہیں۔[3] ﴿ وَاَشۡرِكۡهُ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۝ ﴾ ”اور اسے میرے کام میں شریک کر۔“ تاکہ میں اس سے مشورہ کر سکوں، ﴿ كَىۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ۝ وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ۝ ﴾ ”تاکہ ہم تیری بہت کثرت سے تسبیح کریں اور ہم تجھے کثرت سے یاد کریں۔“ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس وقت تک کوئی بندہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے۔[4] فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ۝ ﴾ ”یقیناً تو ہم کو (ہر حال میں) خوب دیکھ رہا ہے“ کہ تو نے ہمیں منتخب فرمایا، نبوت عطا فرمائی اور ہمیں اپنے دشمن فرعون کی طرف

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2422/7. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2422/7. [3] صحيح البخاري، التفسير، سورة طٰهٰ، قبل الحديث: 4736. [4] تفسير القرطبي: 186/14.

قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَكَ یٰمُوۡسٰی ﴿36﴾ وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰۤی ﴿37﴾ اِذۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّكَ

اس (اللہ) نے فرمایا: اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا تجھے دیا جاتا ہے﴿36﴾ اور البتہ تحقیق ہم تجھ پر ایک اور بار بھی احسان کر چکے ہیں﴿37﴾ جب ہم نے تیری

مَا یُوۡحٰۤی ﴿38﴾ اَنِ اقۡذِفِیۡهِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡهِ فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِهِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡهُ

ماں کی طرف وہ الہام کیا تھا جو (اب) وحی کی جاتی ہے﴿38﴾ یہ کہ تو اس (موسیٰ) کو صندوق میں ڈال، پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے

عَدُوٌّ لِّیۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلۡقَیۡتُ عَلَیۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّیۡ ۚ۬ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ ﴿39﴾ اِذۡ تَمۡشِیۡۤ

وقف لازم

ساحل پر لا ڈالے گا جسے میرا اور اس کا دشمن اٹھائے گا، اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت ڈال دی اور یہ (اس لیے) کہ میری آنکھوں کے سامنے تیری

اُخۡتُكَ فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰی مَنۡ یَّكۡفُلُهٗ ؕ فَرَجَعۡنٰكَ اِلٰۤی اُمِّكَ كَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُهَا وَلَا

پرورش کی جائے﴿39﴾ جب تیری بہن چل رہی تھی تو کہہ رہی تھی: کیا میں تمھیں اس کا بتاؤں جو اس کی کفالت کرے؟ پھر ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس

تَحۡزَنَ ۬ؕ وَقَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّیۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا ۬ۚ

لوٹا دیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کھائے، اور تو نے ایک شخص کو قتل کیا تو ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی۔ اور ہم نے تجھے خوب آزمایا۔

مبعوث فرمایا، لہٰذا اس پر تیری ہی تعریف ہے۔

تفسیر آیات: 36-40

قبولیتِ دعا کی بشارت اور سابقہ احسانات کی یاد دہانی: یہ اس بات کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے جو دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمالیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ سابقہ نعمتیں بھی یاد دلائیں کہ ان کی والدہ جب انھیں دودھ پلاتی تھی تو وہ فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتی تھی کہ وہ انھیں قتل ہی نہ کر دیں کیونکہ موسیٰ کی ولادت اس سال ہوئی تھی جس میں وہ بچوں کو قتل کر رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کے لیے ایک تابوت بنایا تھا، دودھ پلانے کے بعد آپ کو اس میں رکھ دیتیں اور تابوت کو دریائے نیل میں چھوڑ دیتیں جبکہ اسے رسی کے ساتھ اپنے گھر کے ساتھ باندھا ہوا تھا، اسی طرح ایک بار آپ گئیں تاکہ تابوت کو اس کے ساتھ باندھ دیں مگر تابوت آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور دریا کی لہریں اسے بہا کر لے گئیں اور اس کی وجہ سے آپ بے حد حزن و ملال میں مبتلا ہو گئیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِیۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِهَا﴾ (القصص 10:28) ''اور موسیٰ کی ماں کا دل (صبر و ثبات سے) خالی ہو گیا، اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ وہ اس (قصے) کو ظاہر کر دیتیں۔'' پھر دریا کی لہریں تابوت کو فرعون کے محل کے پاس لے گئیں، ﴿فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِیَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ﴾ (القصص 8:28) ''تو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور (ان کے لیے) موجب غم ہو۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ فیصلہ تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ، جس کی بادشاہت عظیم اور جس کی قدرت کاملہ ہے، نے فیصلہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون ہی کے بستر پر پرورش پائیں، اس کے گھر کھائیں پئیں اور فرعون اور اس کی بیوی اس سے محبت کریں، اسی لیے فرمایا: ﴿یَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّیۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلۡقَیۡتُ عَلَیۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّیۡ ۚ۬﴾ ''میرا اور اس

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿40﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿41﴾

پھر تو اہل مدین میں کئی سال ٹھہرا رہا، پھر اے موسیٰ! تو تقدیر الٰہی کے مطابق (یہاں) آیا ﴿40﴾ اور میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے خاص طور پر بنایا ﴿41﴾

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿42﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿43﴾

تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا ﴿42﴾ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، بلاشبہ وہ سرکش ہو گیا ہے ﴿43﴾ چنانچہ

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿44﴾

تم دونوں اس سے نرم بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے ﴿44﴾

کا دشمن اسے پکڑ لے گا اور (موسیٰ علیہ السلام) میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لیے کہ تم پر مہربانی کی جائے۔)'' یعنی میں نے تمھارے دشمن کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ تم سے محبت کرے۔ سلمہ بن کُہیل بیان کرتے ہیں کہ ﴿ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کے دل میں تمھاری محبت ڈال دی۔[1] ﴿ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿39﴾﴾ ''اور اس لیے کہ تم میری آنکھ کے سامنے پرورش پاؤ۔'' ابو عمران جَونی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی آنکھ کے سامنے پرورش پائی۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا ﴾ ''جب تمھاری بہن (فرعون کے ہاں) گئی اور کہنے لگی کہ میں تمھیں ایسی شخصیت بتاؤں جو اس کو پالے تو (اس طریق سے) ہم نے تم کو تمھاری ماں کی طرف لوٹایا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔'' موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے گھر میں تھے تو انھیں دودھ پلانے کے لیے کئی دائیاں بلائی گئیں مگر آپ نے ان کا دودھ پینے سے انکار کر دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (القصص 12:28) ''اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر دودھ پلانے والیوں (کے دودھ) کو حرام کر دیا تھا۔'' تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن اس وقت آئیں اور کہنے لگیں: ﴿ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○﴾ (القصص 12:28) ''کیا میں تمھیں ایک ایسے گھر والوں کا پتا بتاؤں جو خیر خواہی سے تمھارے لیے اس بچے کو پالیں اور اس کی پرورش کریں۔'' یعنی کیا میں تمھیں ایسے گھر کا پتا بتاؤں جو اجرت لے کر اس بچے کو دودھ پلا دیں گے، موسیٰ علیہ السلام کی بہن موسیٰ کو اپنے ساتھ لے گئیں، فرعون کے گھر والے بھی اس کے ساتھ تھے، موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اپنا دودھ پیش کیا تو انھوں نے اسے پینا شروع کر دیا، یہ دیکھ کر فرعون کے گھر والے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے معاملہ طے کر لیا کہ وہ اجرت لے کر موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائیں، موسیٰ کی والدہ کو اپنے اس بیٹے کی وجہ سے دنیا ہی میں بڑی سعادت، رفعت اور عظمت نصیب ہو گئی تھی اور آخرت میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہو گا وہ اس سے کہیں بلند و بالا ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ ﴾ ''سو ہم نے تم کو تمھاری ماں کی طرف لوٹا دیا

[1] تفسیر الطبری:202/16 و تفسیر ابن أبی حاتم:2422/7. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2422/7.

تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ رنج نہ کریں۔'' تمھاری جدائی کی وجہ سے، ﴿ وَقَتَلْتَ نَفْسًا ﴾ ''اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا۔'' یعنی قبطی کو، ﴿ فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ﴾ ''تو ہم نے تم کو غم سے نجات بخشی۔'' یہ غم موسیٰ علیہ السلام کو اس وجہ سے تھا کہ آل فرعون نے آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تو آپ وہاں سے بھاگ کر مدین میں پانی کے مقام پر پہنچ گئے تھے اور پھر تمام قصہ سننے کے بعد مدین کے اس مرد صالح نے آپ سے کہا تھا: ﴿ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 25:28)
''خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ گئے ہو۔''

بقیہ: تفسیر آیات: 40 و 41

موسیٰ علیہ السلام کا نبوت کے لیے انتخاب: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ وہ فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف کی وجہ سے بھاگ کر اہل مدین کے ہاں مقیم ہو گئے تھے۔ اور پھر وہاں اپنے سسر کی بکریاں چراتے رہے حتی کہ وہ مدت پوری ہو گئی جو آپس میں طے کی تھی اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق ایک اندازے پر پہنچ گئے۔ اور تمام امور اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے قبضہ و اختیار میں ہیں اور وہی اپنے بندوں کو اور دیگر ساری مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق توفیق عطا فرما دیتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ ﴾ ''پھر اے موسیٰ! تم اندازے پر آ پہنچے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ وقت مقررہ پر۔[1] عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قابلیتِ رسالت و نبوت کے اندازے پر۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ ﴾ ''اور میں نے تم کو اپنے (کام کے) لیے بنایا ہے۔'' یعنی میں نے اپنی مرضی و مشیت سے اپنے رسول کے طور پر تمھارا انتخاب کر لیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [اِلْتَقٰی آدَمُ وَمُوسٰی، فَقَالَ مُوسٰی لِآدَمَ: أَنْتَ الَّذِی أَشْقَیْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ لَهُ آدَمُ: أَنْتَ الَّذِی اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهِ، وَاصْطَفَاكَ لِنَفْسِهِ، وَأَنْزَلَ عَلَیْكَ التَّوْرَاةَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَوَجَدْتَّهَا كُتِبَ عَلَیَّ قَبْلَ أَنْ یَّخْلُقَنِی؟ قَالَ: نَعَمْ، فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰی] ''آدم و موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے کہا: (کیا) آپ نے سب لوگوں کو شقاوت میں مبتلا کر دیا اور جنت سے نکلوا دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا: (کیا) اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لیے اور اپنے لیے تمھارا انتخاب کیا اور تم پر تورات کو نازل فرمایا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے تورات میں نہیں دیکھا کہ اس بات کو تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میرے پیدا فرمانے سے بھی پہلے لکھ دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں، تو اس طرح حضرت آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''[3]

---

[1] تفسیر الطبری: 210/16. [2] تفسیر عبدالرزاق: 372/2، رقم: 1813. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ ﴾ (طٰہٰ 41:20)، حدیث: 4736.

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿45﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ

ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک ہم تو ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرے ﴿45﴾ اس (اللہ) نے فرمایا: تم دونوں مت

اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿46﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا

ڈرو، بلاشبہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سنتا اور دیکھتا ہوں ﴿46﴾ لہٰذا تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو: بے شک ہم تیرے رب کے رسول

تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿47﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ

ہیں، چنانچہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج، اور انھیں مت ستا، یقیناً ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لائے ہیں، اور جو ہدایت کی

اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿48﴾

اتباع کرے اس پر سلامتی ہے ﴿47﴾ بلاشبہ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ یقیناً اس پر عذاب ہے جو (حق کی) تکذیب کرے اور پھر جائے ﴿48﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ ﴾ ''تم اور تمھارا بھائی (دونوں) ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔'' یعنی میرے دلائل و براہین اور معجزات کے ساتھ جاؤ، ﴿ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿42﴾ ﴾ ''اور تم دونوں میری یاد میں کمزور نہ پڑنا۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تاخیر نہ کرنا۔[1] مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کمزوری نہ دکھانا۔[2] مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ترک نہ کریں بلکہ فرعون کے سامنے جاتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرتے رہیں تاکہ ذکر الٰہی فرعون کے مقابلے کے لیے معاون ثابت ہو اور اس سے انھیں قوت و طاقت نصیب ہو۔ ﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿43﴾ ﴾ ''دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے۔'' اس نے بغاوت، سرکشی، ظلم و استبداد اور نافرمانی کو اختیار کر رکھا ہے۔ ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿44﴾ ﴾ ''پھر اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔'' یہ آیت کریمہ عظیم الشان نصیحت پر مشتمل ہے، دیکھیے فرعون ظلم و استبداد اور سرکشی و بغاوت میں حد سے بڑھا ہوا تھا، موسیٰ اس وقت سارے انسانوں میں سب سے پسندیدہ اور اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ فرعون سے مخاطب ہوتے وقت لب و لہجہ نرم رکھیں اور اسے ملائمت و شائستگی کے ساتھ دعوت دیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ ﴾ (النحل 125:16) ''(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلائیں اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے بحث کریں۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿44﴾ ﴾ ''شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔'' شاید وہ اپنی گمراہی و ضلالت سے باز آئے یا اپنے رب سے ڈر کر اس کی اطاعت شروع کر دے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ○ ﴾ (الفرقان 62:25) ''(یہ باتیں) اس شخص کے لیے جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے۔ (سوچنے اور سمجھنے کی ہیں۔)'' التذکر یہ ہے کہ ممنوع کاموں سے رجوع کر لیا جائے اور خشیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔

[1] تفسیر الطبری: 211/16. [2] تفسیر الطبری: 212,211/16.

تفسیر آیات:45-48

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا فرعون سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کا انھیں ثابت قدم رکھنا: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے اور فرعون کا شکوہ کرتے ہوئے کہا: ﴿ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴾ ''یقیناً ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا زیادہ سرکش ہو جائے۔'' دونوں کا مقصد یہ تھا کہ فرعون ان پر ظلم کرے گا یا انھیں کوئی ایسی سزا دے گا جس کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ اَنْ يَّطْغٰى ﴾ کے معنی زیادتی کرنے کے ہیں۔[1] ﴿ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴾ ''اللہ نے فرمایا کہ ڈرو مت بلاشبہ میں تمھارے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا ہوں۔'' یعنی فرعون سے مت ڈرو، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، تمھاری اور فرعون کی بات سنتا ہوں اور تم دونوں کو اور اسے دیکھتا ہوں، تمھاری کوئی بات بھی مجھ سے مخفی نہیں اور خوب جان لو کہ فرعون کی پیشانی میرے ہاتھ میں ہے، میں تمھارے ساتھ ہوں، تمھاری حفاظت کروں گا اور تمھیں اپنی نصرت و تائید سے نوازوں گا۔

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے سامنے وعظ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ ''تحقیق ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔'' یعنی تیرے پروردگار کی طرف سے ہمارے پاس دلیل اور معجزہ موجود ہے۔ ﴿ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴾ ''اور جو (راہِ) ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہو۔'' یعنی اگر تو ہدایت کی بات کو مان لے تو تیرے لیے بھی سلامتی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہرقل عظیم روم کو خط لکھا تو آپ کے مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا: [بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُّحَمَّدٍ (رَّسُولِ اللّٰهِ) إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ] ''شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے عظیم روم کے نام، جو (راہِ) ہدایت کی پیروی کرے اس کے لیے سلامتی ہے، امابعد: میں تمھیں دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ سلامتی پالو گے، اللہ تعالیٰ تمھیں دوگنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔''[2]

اسی طرح موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے بھی فرعون سے کہا تھا: ﴿ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴾ ''اور جو (راہِ) ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہو۔ بلاشبہ ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور پھرے اس کے لیے یقیناً عذاب (تیار) ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے وحی معصوم کے ذریعے سے ہمیں یہ بتایا ہے کہ عذاب صرف اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلائے اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے جیسا کہ ارشاد باری

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2424/7 و تفسیر القرطبی: 201/11. [2] صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی......؟ حدیث: 7 البتہ قوسین والے الفاظ حدیث: 4553 کے مطابق ہیں۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿49﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿50﴾

اس (فرعون) نے کہا: اے موسیٰ! پس تم دونوں کا رب کون ہے؟﴿49﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی شکل وصورت

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿51﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ

دی، پھر ہدایت دی﴿50﴾ اس (فرعون) نے کہا: پس اگلی امتوں کا کیا حال ہے؟﴿51﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب

وَلَا يَنْسَى ﴿52﴾

(لوح محفوظ) میں ہے، میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے﴿52﴾

تعالیٰ ہے: ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝﴾ (النّٰزعٰت79:37-39) ’’پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا تو بلاشبہ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝﴾ (الّیل92:14-16) ’’سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا، اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بد بخت ہے جس نے جھٹلایا اور پھرا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۝﴾ (القیٰمة75:31,32) ’’تو اس (عاقبت نااندیش) نے نہ تو (کلام اللہ کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور پھر گیا۔‘‘ یعنی دل سے جھٹلایا اور فعل کے ساتھ منہ پھیر لیا۔

تفسیر آیات: 49-52

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی گفتگو: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے صانع وخالق، ہر چیز کے معبود، رب اور مالک کے وجود کا انکار کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿49﴾﴾ ’’اے موسیٰ! تو تمھارا پروردگار کون ہے؟‘‘ یعنی جس نے تمھیں مبعوث کیا اور رسول بنا کر بھیجا ہے میں تو اسے جانتا نہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے علاوہ تمھارا کوئی اور معبود بھی ہے۔ ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿50﴾﴾ ’’اس نے کہا: ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی، پھر (سیدھی) راہ دکھائی۔‘‘ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا۔[1] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس نے انسان کو انسان، گدھے کو گدھا اور بکری کو بکری بنایا۔[2] لیث بن ابوسلیم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی۔[3] ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جس نے ہر جاندار کو مناسب انداز میں پیدا فرمایا۔[4] سعید بن جبیر نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس نے مخلوق میں ہر چیز کو وہ کچھ دے دیا جو اس کے لیے موزوں تھا۔ انسان کو حیوان کے وجود کا کوئی حصہ نہیں دیا، کسی مویشی کو کتے کے جسم کا کوئی حصہ نہیں دیا اور کتے کو بکری کے جسم کا حصہ نہیں لگایا اور ہر چیز کو نکاح کے لیے وہ چیز دے دی جو اس کے مناسب حال تھی اور ہر چیز کو اس کے لیے تیار کر دیا، افعال خلق، رزق اور نکاح کے اعتبار سے کوئی چیز ان

① تفسیر الطبری:16/215. ② تفسیر ابن أبی حاتم:7/2424. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:7/2425 و تفسیر الطبری: 16/215. ④ تفسیر الطبری:16/216.

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا

وہ ذات جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور تمھارے چلنے کے لیے اس میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس کے

بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿53﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي

ذریعے سے کئی اقسام کی مختلف نباتات نکالیں ﴿53﴾ تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں

النُّهٰى ﴿54﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿55﴾ وَلَقَدْ 2 ع 30 11

ہیں ﴿54﴾ ہم نے تمھیں اسی (زمین) سے پیدا کیا اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے، اور اسی میں سے تمھیں ایک بار پھر نکالیں گے ﴿55﴾ اور بلاشبہ ہم نے

اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿56﴾

اس (فرعون) کو اپنی سب نشانیاں دکھا دیں، پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ﴿56﴾

(افعال و معاملات) کی مالک نہیں ہے۔ ①بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿50﴾ ﴾ اس طرح ہے جیسے یہ آیت ہے: ﴿ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴾ (الأعلى 87:3) ”اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا، پھر (اس کو) رستہ بتایا۔“ یعنی اندازہ مقرر فرما دیا اور پھر مخلوق کی اس کی طرف رہنمائی فرما دی۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے اعمال، عمریں اور رزق لکھ دیے اور پھر تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمائے ہوئے اندازوں کے مطابق چل رہی ہیں اور اس سے سر مو انحراف نہیں کر سکتیں، کوئی بھی اس اندازے سے باہر نکل ہی نہیں سکتا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جواب دیا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا، ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور ہر مخلوق کو اپنے ارادے کے مطابق پیدا فرمایا ہے۔

﴿ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿51﴾ ﴾ ”کہا: پس پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟“ اس آیت کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ بتایا کہ اس اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا جو ساری مخلوقات کا رازق ہے جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا اور جس نے ہر چیز کو راہ دکھائی ہے تو فرعون نے دلیل کے طور پر پہلی جماعتوں کو پیش کیا اور کہا کہ اگر تمھاری بات صحیح ہے تو پھر ان پہلی جماعتوں کا کیا ہے جنھوں نے اے موسیٰ! تمھارے رب کی عبادت نہیں کی تھی بلکہ وہ کسی اور خدا کے پجاری تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی تو اللہ تعالیٰ کو ان کا خوب علم ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب لوح محفوظ میں ان کے جو اعمال لکھے ہوئے ہیں وہ ان کے مطابق انھیں بدلہ دے گا: ﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿52﴾ ﴾ ”میرا پروردگار نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔“ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، چھوٹی بڑی کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں اور نہ وہ کسی چیز کو بھولتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا علم بے پایاں ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات

① تفسير ابن أبي حاتم :2425/7.

پاک کی شان یہ ہے کہ وہ قطعاً کسی چیز کو نہیں بھولتا۔ مخلوق کے علم میں دو طرح کا نقص ہے، ایک تو وہ ہر چیز کا احاطہ نہیں کر سکتا اور دوسرا یہ کہ علم کے بعد نسیان لاحق ہو جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہے۔

تفسیر آیات: 53-56

موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا تتمہ: یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حصہ ہی ہے، فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾ ”جس نے ہر شے کو اس کی شکل وصورت بخشی، پھر اس نے ہدایت دی۔“ پھر درمیان میں جملہ معترضہ آ گیا اور اب پھر موسیٰ علیہ السلام کے جواب کے باقی حصے کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا ﴾ ”وہ (وہی تو ہے) جس نے تم لوگوں کے لیے زمین کو فرش بنایا۔“ بعض نے اسے ﴿ مِهٰدًا ﴾ بھی پڑھا ہے۔ (اور یہی معروف قراءت ہے۔) یعنی زمین کو اس نے تمھارے لیے جائے قرار بنادیا جس میں تم رہتے سہتے، چلتے پھرتے، سوتے اور جس کی پشت پر سفر کرتے ہو: ﴿ وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا ﴾ ”اور اس میں تمھارے لیے رستے جاری کیے۔“ ایسے رستے جاری کر دیے جن پر تم چلتے پھرتے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 21:31) ”اور ہم نے اس میں کشادہ رستے بنائے تاکہ لوگ راہ پائیں۔“ ﴿ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴾ ”اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس سے انواع واقسام کی مختلف روئیدگیاں نکالیں“ یعنی انواع واقسام کی نباتات، فصلیں اور پھل پیدا کیے جن میں سے بعض کھٹے، بعض میٹھے اور بعض کڑوے ہیں۔ ﴿ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ ﴾ ”(کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔“ یعنی کچھ تو تمھارے کھانے اور پھل ہیں اور کچھ سبز اور خشک چارے تمھارے جانوروں کی خوراک کے لیے ہیں۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴾ ”بے شک ان باتوں میں عقل والوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔“ صحیح سالم عقل والوں کے لیے ان باتوں میں بہت سے دلائل وبراہین اور نشانات ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ ”اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں ہم تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمھیں دوسری دفعہ نکالیں گے۔“ یعنی زمین سے تمھاری ابتدا ہوئی ہے، تمھارے باپ آدم کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا گیا تھا اور مرنے کے بعد پھر تم کو اسی زمین میں لوٹایا جانا ہے اور پھر اسی سے تمھیں دوبارہ نکالیں گے: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:52) ”جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔“ یہ آیت کریمہ حسب ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:25) ”اس نے کہا: اسی میں تمھارا جینا ہو گا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔“

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿57﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ

کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اسی لیے آیا ہے کہ اپنے جادو سے ہمیں ہماری سرزمین سے نکال دے؟﴿57﴾ چنانچہ ہم تیرے پاس (مقابل)

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿58﴾ قَالَ

اس جیسا ہی جادو لائیں گے، لہٰذا تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ ٹھہرا، نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تو، ایک ہموار جگہ میں﴿58﴾ اس

مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿59﴾

(موسیٰ) نے کہا: تمھارا وعدہ زینت (جشن) کا دن ہے، اور یہ کہ لوگ دن چڑھے اکٹھے کیے جائیں﴿59﴾

فرعون تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿56﴾ ﴾ ”اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں مگر وہ تکذیب اور انکار ہی کرتا رہا۔“ فرعون کو تمام دلائل و براہین اور نشانیاں دکھا دی گئیں جنھیں اس نے خوب دیکھا مگر وہ تکذیب، انکار، کفر، فساد اور سرکشی کی روش پر ہی قائم رہا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ ﴾ (النمل 14:27) ”اور انھوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا تھا، جبکہ ان کے نفس (دل) ان کو مان چکے تھے۔“

تفسیر آیات: 57-59

فرعون نے معجزات کو جادو قرار دیا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب سب سے بڑا معجزہ دکھایا، یعنی جب اپنی لاٹھی کو پھینکا اور اس نے ایک بہت زبردست سانپ کا روپ دھار لیا اور ہاتھ کو بغل سے نکالا تو وہ کسی خرابی کے بغیر چمک رہا تھا تو فرعون نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور تم ہمارے پاس کیا اس لیے آئے ہو کہ ہم پر جادو کر دو اور اس جادو سے لوگوں پر تسلط حاصل کر لو تاکہ وہ تمھاری پیروی کریں اور پھر ہمارے مقابلے میں تمھارے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہو جائے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا، ہمارے پاس بھی تمھارے جادو جیسا جادو موجود ہے، لہٰذا تم اپنے جادو پر غرور نہ کرو۔ ﴿ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا ﴾ ”پس ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو۔“ یعنی ایک دن مقرر کر لو جس میں ہم اور تم جمع ہوں اور پھر ایک مقرر جگہ پر اور متعین وقت میں ہم ایک دوسرے کے جادو کا مقابلہ کریں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ ﴾ ”تمھارے لیے یوم زینت کا وعدہ ہے۔“ یہ ان کی عید نوروز کا دن تھا جس میں سب لوگ اپنے اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر جمع ہو جایا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا انتخاب اس لیے فرمایا تاکہ سب لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی قدرت، اللہ تعالیٰ کے نبی کے معجزے اور اس بات کا مشاہدہ کر لیں کہ جادوگر حضرات انبیائے کرام کے معجزات کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿59﴾ ﴾ ”اور یہ کہ لوگ (اس دن) چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں“ تاکہ سارا معاملہ بالکل ظاہر، روشن اور واضح ہو جائے، حضرات انبیائے کرام کی شان یہی ہوتی ہے کہ ان کا ہر کام واضح اور روشن ہوتا ہے، اس میں نہ کوئی چیز مخفی ہوتی ہے اور نہ مصنوعی، اس لیے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مقابلہ رات کو ہوگا بلکہ فرمایا کہ مقابلہ دن کے اجالے میں ہوگا۔

فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿60﴾ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى

چنانچہ فرعون (محل میں) واپس آیا، پھر اپنی ساری چالیں جمع کیں، پھر (میدان میں) آ گیا ﴿60﴾ موسیٰ نے ان سے کہا: تمھارے لیے ہلاکت ہو! تم اللہ پر

اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ﴿61﴾ فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ

جھوٹ نہ گھڑو، ورنہ وہ عذاب سے تمھیں تباہ کر دے گا اور جس نے جھوٹ گھڑا یقیناً وہ ناکام رہا ﴿61﴾ پھر انھوں نے آپس میں اپنے معاملے

بَيۡنَهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوٰى ﴿62﴾ قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ

میں باہم اختلاف کیا اور رازداری سے مشورہ کیا ﴿62﴾ وہ بولے: بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تمھیں

مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ﴿63﴾ فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ

تمھاری سرزمین سے نکال دیں اور تمھارا عمدہ نظام لے جائیں (تباہ و برباد کر دیں) ﴿63﴾ لہٰذا اپنی تدبیریں پختہ کر لو، پھر صف باندھ کر آ جاؤ اور بلاشبہ جو

ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿64﴾

(آج) غالب رہا وہ کامیاب ٹھہرا ﴿64﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ دن یوم عاشوراء تھا۔[1] سدی، قتادہ اور ابن زید سے روایت ہے کہ یہ ان کی عید کا دن تھا۔[2] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ ان کے بازار کا دن تھا۔[3] اور ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اس جیسے دن میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری سے ثابت ہے۔[4] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ﴿مَكَانًا سُوًى ﴿58﴾﴾ کے معنی ایک ہموار میدان کے ہیں جس میں کوئی نشیب و فراز نہ ہوتا کہ سب لوگ مقابلہ صاف صاف دیکھ سکیں اور کسی سے بھی کوئی بات اوجھل نہ ہو۔[5]

تفسیر آیات: 60-64

دونوں گروہوں کا اجتماع: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جب فرعون اور موسیٰ علیہ السلام نے آپس میں معاہدہ کر کے خاص وقت اور مخصوص جگہ کا تعین کر لیا تو فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے ملک کے شہروں میں سے جادوگروں کو جمع کرنا شروع کر دیا اور اس دور میں جادو کا بے حد چرچا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِيۡ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ۝﴾ (یونس 79:10) ”اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل فن جادوگروں کو میرے پاس لے آؤ۔“ پھر سب لوگ بھی جمع ہو گئے۔ ﴿لِمِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝﴾ (الشعرآء 38:26) ”ایک مقررہ دن کی میعاد پر۔“ یہ عید کا دن تھا، فرعون اپنے تخت پر بیٹھ گیا، اعیان حکومت قطار در قطار اس کے پاس بیٹھ گئے، جب ساری رعایا دائیں بائیں کھڑی ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا پر سہارا لیے تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام بھی تھے، تمام جادوگر فرعون کے سامنے صفوں میں کھڑے ہو گئے

[1] الدر المنثور: 540/4. [2] تفسیر الطبری: 222/16. [3] تفسیر الطبری: 222/16 والدر المنثور: 540/4. [4] دیکھیے صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿وَجٰوَزۡنَا بِبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡبَحۡرَ﴾ ...... (یونس 90:10) ......، حدیث: 4680 و 2004.
[5] تفسیر الطبری: 221/16.

اور فرعون انھیں ترغیب دے رہا تھا کہ آج تم اپنے فن کے خوب خوب جوہر دکھانا، جادوگر بھی بڑے انعام و اکرام کی خواہش کا اظہار کر رہے تھے اور فرعون ان سے وعدے کر رہا تھا۔

جادوگروں نے کہا: ﴿ اَئِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ○ قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ اِذًا لَّمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ○ ﴾ (الشعرآء 42,41:26) ''اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ بھی عطا ہوگا؟ فرعون نے کہا: ہاں، اور تم مقربوں میں بھی داخل کر لیے جاؤ گے۔'' اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ ''موسیٰ نے ان سے فرمایا: ہائے تمھاری کم بختی! اللہ پر جھوٹ نہ باندھو'' یعنی اپنے کرتبوں کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے ایسی چیزیں نہ بناؤ جن کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو، لوگ سمجھنے لگیں کہ یہ جاندار ہیں، حالانکہ وہ جاندار نہیں ہیں اور اس طرح تم اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے لگو گے۔ ﴿ فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ﴾ ''کیونکہ وہ تمھیں عذاب سے فنا کر دے گا۔'' یعنی عبرت ناک سزا دے کر وہ تمھیں اس طرح ہلاک کر دے گا کہ تمھارا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ ﴿ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ ﴾ ''اور یقیناً جس نے افترا کیا وہ نامراد رہا تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے لگے۔'' اس کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں کہ وہ آپس ہی میں اختلاف کرنے لگے، کسی نے یہ کہا کہ یہ کسی جادوگر کا کلام نہیں بلکہ یہ تو نبی کا کلام ہے اور کسی نے کہا کہ نہیں یہ جادوگر ہے، اسی طرح کی کچھ اور باتیں بھی کی گئیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَسَرُّوا النَّجۡوٰى ﴿٦٢﴾ ﴾ ''اور چپکے چپکے سرگوشی کرنے لگے۔'' یعنی آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے کہنے لگے، ﴿ اِنۡ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ ﴾ ''یہ دونوں جادوگر ہیں۔'' یہ بعض عرب کی لغت کے مطابق ہے جبکہ یہ قراءت انھی کے بیان کردہ اِعراب کے مطابق ہے اور بعض نے اسے اس طرح پڑھا ہے: [إِنَّ هٰذَيْنِ لَسٰحِرَانِ] اور یہ مشہور لغت ہے۔ پہلی قراءت کے جواب میں علمائے نحو نے کافی مفصل بحث کی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ الغرض! جادوگروں نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ شخص اور اس کا بھائی۔ یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام۔ دونوں ماہر جادوگر ہیں اور جادو کے فن کو خوب جانتے ہیں اور آج ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تم پر اور تمھاری قوم پر غالب آجائیں تاکہ سب لوگوں پر تسلط جما لیں، لوگ ان کی پیروی کرنے لگیں، وہ دونوں فرعون اور اس کے لشکروں سے لڑائی کر کے ان پر کامیابی حاصل کر لیں اور تم سب کو تمھاری زمین سے باہر نکال دیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ﴿٦٣﴾ ﴾ ''اور وہ دونوں تمھارے عمدہ طریقے کو ختم کر دیں۔'' یعنی اپنے اس جادو کے ساتھ وہ تمھارے مذہب کو نیست و نابود کر دیں، جادو ہی کی وجہ سے ان کی تعظیم کی جاتی تھی اور اس کی وجہ سے وہ مال کماتے تھے، لہٰذا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہ دونوں غالب آگئے تو وہ تم سب کو تباہ کر دیں گے اور تمھیں تمھاری زمین سے نکال دیں گے، دونوں خود زمین کے مالک بن جائیں گے اور بلا شرکتِ غیرے دونوں حکومت پر قبضہ جما لیں گے۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ تمھارے شائستہ مذہب کو نابود کر دیں جس پر تم ہو۔[1] ﴿ فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ ﴾ ''پس تم

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2427/7.

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى ﴿65﴾ قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا‌ ۚ فَاِذَا

(ان جادوگروں نے) کہا: اے موسیٰ! یا تو تو ڈال یا ہم ہی ہوں پہلے ڈالنے والے؟﴿65﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: بلکہ تمھی ڈالو، پھر ناگہاں ان کے جادو کی وجہ

حِبَالُهُمۡ وَعِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ﴿66﴾ فَاَوۡجَسَ فِىۡ نَفۡسِهٖ

سے موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں بلاشبہ دوڑ رہی ہیں﴿66﴾ پھر موسیٰ نے اپنے نفس میں خوف محسوس کیا﴿67﴾ ہم نے کہا:

خِيۡفَةً مُّوۡسٰى ﴿67﴾ قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى ﴿68﴾ وَاَلۡقِ مَا فِىۡ يَمِيۡنِكَ تَلۡقَفۡ مَا

خوف نہ کھا، بے شک تو ہی غالب رہے گا﴿68﴾ اور جو (لاٹھی) تیرے دائیں ہاتھ میں ہے اسے ڈال دے، وہ اس کو نگل جائے گی جو کچھ انھوں نے بنایا

صَنَعُوۡا‌ ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا كَيۡدُ سٰحِرٍ‌ ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى ﴿69﴾ فَاُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا

ہے، بس انھوں نے تو جادوگر کا فریب بنایا ہے، اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا﴿69﴾ چنانچہ جادوگر بے اختیار سجدے میں گر گئے، اور

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوۡنَ وَمُوۡسٰى ﴿70﴾

کہنے لگے: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے﴿70﴾

اپنی (جادو کی) ساری تدبیریں اکٹھی کر لو، پھر قطار باندھ کر آؤ۔'' یعنی تم سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ تمھارے ہاتھوں میں ہے اسے سب یکبار پھینک دو تاکہ لوگوں کی آنکھیں چندھیا جائیں اور اس طرح تم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر غالب آ جاؤ۔ ﴿ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿64﴾ ﴾ ''اور آج جو غالب رہا یقیناً وہی کامیاب ہوا۔'' یعنی ہم میں اور موسیٰ علیہ السلام میں سے جو غالب رہا تو وہ کامیاب ہوا، اگر ہم غالب آ گئے تو فرعون نے ہم سے بہت بڑے انعام واکرام کا وعدہ کیا ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام غالب آ گئے تو وہ عظیم حکومت کے مالک بن جائیں گے۔

تفسیر آیات:65-70

موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب جادوگر اور موسیٰ علیہ السلام ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئے تو جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿ اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى ﴿65﴾ قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا‌ ۚ ﴾ ''یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو، اور یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: نہیں تم ہی ڈالو۔'' یعنی پہلے تم ڈالو تاکہ ہم یہ دیکھیں کہ تم کیا جادو کرتے ہو اور تاکہ لوگوں کے سامنے تمھارا کرتب واضح ہو جائے۔ ﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَعِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ﴿66﴾ ﴾ ''(جب انھوں نے اپنی چیزیں ڈالیں) تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے اس (موسیٰ علیہ السلام) کے خیال میں ایسی لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔'' دوسری آیت میں ہے کہ جب انھوں نے اپنی چیزیں ڈالیں تو: ﴿ وَقَالُوۡا بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 44:26) ''اور وہ کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ضرور غالب رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ۝ ﴾ (الأعراف 116:7) ''انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور (دلوں کو) خوفزدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو لائے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَعِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ﴿66﴾ ﴾ ''تو وہ ناگہاں رسیاں اور لاٹھیاں ان

کے جادو کی وجہ سے اس (موسیٰ علیہ السلام) کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔'' جادوگروں کا ایک جمِ غفیر اور جماعت کثیر تھی، ان میں سے ہر ایک نے لاٹھی اور رسی پھینکی حتی کہ محسوس ہوتا تھا کہ سارا میدان سانپوں سے بھر گیا ہے اور وہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھ رہے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ۝۶۷﴾ ''تو (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔'' موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کے بارے میں یہ خوف ہوا کہ وہ ان کے جادو کی وجہ سے کہیں فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں اور موسیٰ علیہ السلام کے اپنی لاٹھی کے پھینکنے سے پہلے کہیں دھوکا نہ کھا جائیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل فرمائی: ﴿وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ط﴾ ''جو چیز (لاٹھی) تمھارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو کہ جو کچھ انھوں نے بنایا ہے اس کو نگل جائے گی۔'' کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ایک ایسا عظیم الشان اور ہولناک سانپ بن گئی تھی جس کے پاؤں بھی تھے، گردن، سر اور داڑھیں بھی، اس نے ان لاٹھیوں اور رسیوں میں سے ایک ایک کا پیچھا کیا اور ان سب کو نگل لیا، جادوگروں اور دیگر سب لوگوں نے بھی دن کے اجالے میں صاف صاف یہ منظر دیکھا اور اس سے معجزہ نمودار، برہان واضح اور حق غالب آ گیا اور جادو مغلوب اور باطل قرار پا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ط وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ۝۶۹﴾ ''بلاشبہ جو کچھ انھوں نے بنایا ہے (یہ تو) جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں سے بھی آئے فلاح نہیں پائے گا۔''

جادوگر ایمان لے آئے: جادوگروں نے جب یہ منظر دیکھا تو انھیں علم الیقین حاصل ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے یہ جادو کی شعبدہ بازی اور حیلہ سازی نہیں کیونکہ انھیں جادو کے تمام فنون، طریقوں اور وجوہ کا علم تھا، انھیں یقین کامل حاصل ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام بلاشبہ حق پر ہیں کیونکہ اس طرح کا کام تو وہی سرانجام دے سکتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز سے فرماتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، اس یقین کامل کے حصول کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام جادوگر اللہ رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے: ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝﴾ (الأعراف7:121,122) ''ہم تمام جہانوں کے مالک پر ایمان لائے، جو موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کا مالک ہے۔'' اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر کا قول ہے کہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں جادوگر تھے مگر دن کے آخری حصے میں شہداء اور نیکوکار۔[1]

جادوگروں کی تعداد: ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ جادوگر ستر آدمی تھے جو صبح کے وقت جادوگر مگر شام کو شہداء تھے۔[2] ابن ابو حاتم ہی نے اوزاعی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جادوگر جب سجدہ ریز ہوئے تو جنت کو ان کے سامنے کر دیا گیا حتی کہ وہ جنت کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔[3] سعید بن جبیر سے بھی روایت ہے کہ حالت سجدہ

---

① تفسیر الطبری:235/16 و تفسیر عبد الرزاق:373/2، رقم: 1819. ② تفسیر ابن أبی حاتم:2428/7. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:2428/7.

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ

فرعون نے کہا: کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لائے ہو؟ یقیناً یہ تمھارا بڑا ہی تو ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا، لہٰذا میں تمھارے ہاتھ

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

اور پاؤں ایک دوسرے کی مخالف سمتوں سے ضرور کٹواؤں گا، اور تمھیں کھجور کے تنوں پر ضرور سولی دوں گا، اور تمھیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم

اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿71﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ

میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے ﴿71﴾ وہ کہنے لگے: ہم تجھے کبھی ترجیح نہیں دیں گے اُن واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آچکے اور نہ اس

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿72﴾ ؕ اِنَّآ اٰمَنَّا

ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا، پس تو جو کر سکتا ہے کر گزر، بس تو تو اس دنیاوی زندگی ہی کا فیصلہ کرے گا ﴿72﴾ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے

بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿73﴾ الثلثة

ہیں تاکہ وہ ہمیں بخش دے ہماری خطائیں اور وہ جادو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا، اور اللہ بہت بہتر اور وہی باقی رہنے والا ہے ﴿73﴾

میں انھیں جنت میں ان کے مقامات دکھا دیے گئے، عکرمہ اور قاسم بن ابو بزّہ کا بھی یہی قول ہے۔ ①

تفسیر آیات: 71-73

فرعون کی جادوگروں کو سرزنش: اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفر، عناد، سرکشی اور حق کے مقابلے میں باطل پر ہٹ دھرمی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اس نے ایسے زبردست معجزے اور ایسی عظیم الشان نشانی کو دیکھا، نیز اس نے یہ بھی دیکھا کہ جن لوگوں کو اپنی تائید وحمایت میں وہ میدان میں لے کر آیا تھا وہ تو سب لوگوں کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں اور وہ مکمل طور پر مغلوب اور ناکام و نامراد ہو گیا ہے تو اس نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ شروع کر دیا اور جادوگروں کو دبانے کے لیے اس نے اپنے جاہ ومنصب کو استعمال کرنا شروع کر دیا اور جادوگروں کو سرزنش کرتے ہوئے کہنے لگا: ﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ﴾ ''تم اس پر ایمان لے آئے ہو!'' یعنی تم لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی ہے، ﴿قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ﴾ ''پیشتر اس کے کہ میں تمھیں اجازت دوں۔'' میں نے تو ابھی تمھیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لے آؤ۔ میرے بارے میں تم فتنے میں مبتلا ہو گئے ہو۔ فرعون نے یہ ایک ایسی بات کہی تھی جس کے بارے میں اسے بھی علم تھا اور جادوگروں کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی یہ معلوم تھا کہ یہ بے ہودہ بات اور جھوٹ ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ﴾ ''بے شک وہ تمھارا بڑا (استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔'' یعنی تم نے تو جادو موسیٰ علیہ السلام ہی سے سیکھا ہے اور تم نے میرے اور میری رعایا کے بارے میں ایکا کر لیا تھا تاکہ تم موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب قرار دلاسکو جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 123:7) ''بے شک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو، سو

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2428/7 والدر المنثور: 200/3.

عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لو گے۔'' پھر اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا: ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ''لہٰذا میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں (جانبِ) خلاف سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا۔'' یعنی تمھارا مثلہ کر دوں گا، تمھیں قتل کر دوں گا اور تمھیں ذلیل کر دوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ سزائیں سب سے پہلے فرعون ہی نے دی تھیں۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝۷۱﴾ ''اور (اس وقت) تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے!'' یعنی تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ میں اور میری قوم ضلالت پر ہیں اور تم موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے ہمراہ ہدایت پر ہو لیکن عنقریب تم جان لو گے کہ عذاب کسے حاصل ہوتا ہے اور اس میں مبتلا کون رہتا ہے۔ فرعون نے انھیں جب یہ دھمکیاں دیں تو اللہ تعالیٰ کے رستے میں انھیں اپنی جانیں بہت حقیر معلوم ہونے لگیں۔ ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ ''انھوں نے کہا کہ جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں ان پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔'' یعنی ہمیں جو ہدایت اور یقین حاصل ہو گیا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔ ﴿وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾ ''اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ قسم ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کا ﴿الْبَيِّنٰتِ﴾ پر عطف ہو، معنی یہ ہوں گے کہ انھوں نے کہا کہ ہم اپنے اس پیدا کرنے والے پر تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا اور ہماری تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا، وہی ذات گرامی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے حضور عجز و انکسار کا اظہار کیا جائے۔

﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ ''پس تو نے جو حکم دینا ہو دے دے۔'' یعنی تم جو چاہو کر لو اور جو کچھ تمھارے بس میں ہو اسے کر گزرو۔ ﴿اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۷۲﴾ ''تو (جو) حکم دے سکتا ہے وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں (دے سکتا) ہے۔'' تمھیں صرف اسی دنیا میں تسلط حاصل ہے اور یہ دنیا ختم ہو جانے والی ہے جبکہ ہماری رغبت آخرت میں ہے جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ ﴿اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا﴾ ''بلاشبہ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔'' یعنی ہم سے جو گناہ بھی سرزد ہوئے، خصوصاً ﴿مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ﴾ ''اس جادوگری سے (درگزر فرمائے) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا۔'' حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے نبی کے معجزات کے خلاف ہے۔

اور ابن ابو حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس غلام پکڑے اور انھیں حکم دیا کہ وہ ''فرما'' میں جادو سیکھیں اور ان کے اساتذہ سے کہا کہ انھیں ایسا جادو سکھا دو جسے روئے زمین پر کوئی نہیں جانتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ انھیں لوگوں میں سے تھے جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے اور جنھوں نے

[1] تفسیر الطبری: 32/9.

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿74﴾ وَمَنْ

بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر حاضر ہوگا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے۔جس میں نہ تو وہ مرے گا اور نہ جیے گا﴿74﴾ اور جو اس کے حضور

يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿75﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

مومن (بن کر) حاضر ہوگا، جبکہ اس نے نیک عمل کیے ہوں، تو انھی (لوگوں) کے درجے بلند ہیں﴿75﴾ (یعنی) سدا رہنے والے باغات ہیں جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿76﴾ ع 3/22/12

نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی اس کی جزا ہے جو (گناہوں سے) پاک ہوا﴿76﴾

یہ کہا تھا کہ ﴿اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ﴾ ’’ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور اسے بھی جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کرایا۔‘‘[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[2] ﴿وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿73﴾﴾ ’’اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔‘‘ یعنی اللہ ہمارے لیے تجھ سے بہتر ہے اور وہ باقی رہنے والا بھی ہے، تو نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والا ثواب دائمی ہے۔ ظاہر ہے فرعون ملعون نے یہ بات سن کر انھیں سزا دینے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس کی طرف سے اگرچہ یہ سزا تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے لیے باعث رحمت بنا دیا۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ سلف کا قول ہے کہ یہ لوگ صبح کے وقت جادوگر تھے مگر شام کے وقت شہداء تھے۔[3]

تفسیر آیات: 74-76

جادوگروں کا فرعون کے سامنے وعظ: سیاقِ کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں نے فرعون کو جو وعظ کیا یہ اسی کا باقی حصہ ہے۔ اس میں جادوگروں نے فرعون کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور اس کے دائمی و سرمدی عذاب سے ڈراتے اور اس کے ابدی ثواب کی رغبت دلاتے ہوئے کہا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا﴾ ’’یقیناً جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گناہ گار ہو کر آئے گا‘‘، یعنی قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے پاس آئے اور وہ مجرم ہو، ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿74﴾﴾ ’’تو بلا شک وشبہ اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جیے گا۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۚ﴾ (فاطر 36:35) ’’نہ ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے کہ وہ مر جائیں اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر ایک ناشکرے کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ؕ﴾ (الأعلى 87:11-13) ’’اور (بے خوف) بد بخت پہلو تہی کرے گا جو (قیامت کو) بڑی (تیز) آگ میں داخل ہوگا، پھر وہاں نہ مرے گا نہ جیے گا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝﴾ (الزخرف 43:77) ’’اور پکاریں گے کہ اے مالک!

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2428/7. [2] تفسیر الطبري: 237/16 مختصرًا. [3] تفسیر الطبري: 235/16.

آپ کا پروردگار ہمارے بارے میں (موت کا) فیصلہ فرما دے، وہ کہے گا کہ تم یقیناً (ہمیشہ اس حالت میں) رہو گے۔‘‘

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا، فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ، وَلٰكِنْ نَّاسٌ ...... تُصِيبُهُمُ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ، فَيُمِيتُهُمْ إِمَاتَةً حَتّٰى إِذَا صَارُوا فَحْمًا، أُذِنَ فِي الشَّفَاعَةِ، فَجِيءَ بِهِمْ ضَبَائِرَ ، ضَبَائِرَ، ضَبَائِرَ، (فَبُثُّوا) عَلٰى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! أَفِيضُوا عَلَيْهِمْ، فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ تَكُونُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ] ’’اہل دوزخ جو دوزخ ہی میں رہنے والے ہوں گے وہ اس میں نہ مریں گے، نہ جئیں گے، البتہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے تو دوزخ کی آگ انھیں مار دے گی حتی کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے تو ان کے بارے میں شفاعت کی اجازت دی جائے گی، پھر انھیں اس طرح لایا جائے گا کہ وہ گروہ در گروہ ہوں گے اور انھیں جنت کی نہروں پر پھیلا دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے اہل جنت! ان پر پانی ڈالو تو وہ اس طرح اگیں گے جیسے سیلاب کی گزرگاہ میں نرم و نازک سی نباتات اگتی ہے۔‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے اس تشبیہ کو سننے کے بعد قوم میں سے ایک شخص نے کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اہل بادیہ سے ہو۔[1] اسی طرح امام مسلم نے بھی صحیح میں اس روایت کو بیان فرمایا ہے۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ’’اور جو اس کے روبرو ایمان دار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے۔‘‘ یعنی جو قیامت کے دن اپنے رب سے اس طرح ملاقات کرے کہ اس کا دل ایمان سے لبریز ہو اور پھر اس نے اپنے قول و عمل سے اپنے ضمیر کی تصدیق بھی کی ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿75﴾﴾ ’’تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں۔‘‘ یعنی ان کے لیے جنت ہوگی جس میں بلند و بالا درجات، پرامن بالا خانے اور پاکیزہ و نفیس مکانات ہوں گے۔

امام احمد نے عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْجَنَّةُ مِائَةُ دَرَجَةٍ، مَّا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ ...... كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ، وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَاهَا دَرَجَةً، وَّمِنْهَا تَخْرُجُ الْأَنْهَارُ الْأَرْبَعَةُ، وَالْعَرْشُ مِنْ فَوْقِهَا، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ] ’’جنت کے سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان...... اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اس سے چار نہریں نکلتی ہیں، عرش اس کے اوپر ہے، لہٰذا تم جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔‘‘[3]

صحیحین میں ہے کہ [إِنَّ أَهْلَ عِلِّيِّينَ لَيَرَوْنَ مَنْ فَوْقَهُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ (الْغَابِرَ) فِي أُفُقِ السَّمَآءِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ] ’’اہل علیین اپنے سے اوپر لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے افق پر دور کے ستارے کو

---

[1] مسند أحمد:11/3، البتہ قوسین والا لفظ صحیح مسلم کے مطابق ہے۔ [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب إثبات الشفاعة ......، حدیث:185. [3] مسند أحمد:316/5 وجامع الترمذي، صفة الجنة ، باب ماجاء فی صفة درجات الجنة ، حدیث:2531.

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ۵ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کو میرے بندے نکال لے چل، پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا، جبکہ تجھے نہ تو پکڑے

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ⑰ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ

جانے کا خوف ہوگا اور نہ (ڈوبنے کا) ڈر ⑰ بعد ازاں فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا پیچھا کیا تو انھیں سمندر (کے پانی) نے ڈھانپ لیا جیسے

مَا غَشِيَهُمْ ؕ ⑱ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ⑲

ڈھانپنے کا حق تھا ⑱ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور (سیدھی) راہ نہ دکھائی ⑲

دیکھتے ہو۔ یہ ان کے درجات میں فرق کی وجہ سے ہوگا۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو انبیاء کے مقامات ہوں گے، فرمایا: [بَلٰى، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! رِجَالٌ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ] ''کیوں نہیں، بلکہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ ان لوگوں کے مقامات ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔''[1] سنن کی روایت میں ہے: [وَإِنَّ أَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ لَمِنْهُمْ، وَأَنْعَمَا] ''ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی انھی لوگوں میں سے ہوں گے، زہے نصیب۔''[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ''ہمیشہ رہنے کے باغ۔'' یعنی جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ﴿ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ⑮ ﴾ سے بدل ہے۔ ﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ⑯ ﴾ ''جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔'' یعنی جس نے میل کچیل، گندگی اور شرک سے اپنے آپ کو پاک کر لیا، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی اور حضرات انبیائے کرام جس خبر و طلب کو لے کر آئے، ان تمام امور میں ان کی پیروی کی۔

تفسیر آیات: 77-79

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب فرعون نے بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دے دیا کہ وہ ان سب کو لے کر رات کے وقت نکل جائیں اور انھیں فرعون کے قبضے سے نکال لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کی دیگر کئی سورتوں میں تفصیل بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر چلے گئے حتی کہ جب صبح ہوئی تو ان میں سے کوئی فرد بشر بھی وہاں موجود نہ تھا، فرعون یہ دیکھ کر شدید غضب ناک ہوا اور اس نے شہروں میں اپنے نقیب روانہ کر دیے تاکہ وہ مختلف شہروں اور قصبوں سے فرعون کے لیے لشکر

---

[1] [الغابر] کے سوا قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 26/3 و 50/3 کے مطابق جبکہ باقی حدیث صحیح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة ......، حدیث: 3256 و صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب ترائی أهل الجنة ......، حدیث: 2831 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ [2] سنن أبي داود، الحروف......، باب: (1)، حدیث: 3987 و جامع الترمذي، المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ......، حدیث: 3658.

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

اے بنی اسرائیل! یقیناً ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی، اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب (تورات دینے) کا وعدہ کیا، اور ہم نے تم

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿80﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ

پر من اور سلویٰ نازل کیا ﴿80﴾ ہم نے تمھیں جن پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے ان سے کھاؤ، اور تم اس میں سرکشی نہ کرو کہ تم پر میرا غضب

فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿81﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ

اترے، اور جس پر میرا غضب اترا تو یقیناً وہ تباہ ہو گیا ﴿81﴾ اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اس کے لیے جو توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿82﴾

عمل کرے، پھر ہدایت پر رہے ﴿82﴾

اکٹھے کریں۔ فرعون نے کہا تھا: ﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:54،55) ''بلاشبہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہیں اور یقیناً یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں۔''

فرعون نے جب اپنے تمام لاؤلشکر کو جمع کر لیا تو وہ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ ﴿ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:60) ''تو انھوں نے سورج نکلتے (صبح کو) ان کا تعاقب کیا۔'' یعنی طلوع شمس کے وقت، ﴿ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ ﴾ (الشعرآء 26:61) ''پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں'' اور ہر ایک فریق نے دوسرے کو دیکھ لیا، ﴿ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:61،62) ''تو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑ لیے گئے! موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: ہرگز نہیں! میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور رستہ بتائے گا۔''

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر کھڑے ہو گئے، سمندر آگے تھا اور فرعون پیچھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل فرمائی: ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ ﴾ ''پس ان کے لیے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بنا دو۔'' موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں اپنی لاٹھی ماری اور کہا کہ اللہ کے حکم سے مجھ پر پھٹ جا تو دریا اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا، ﴿ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:63) ''تو وہ پھٹ گیا، پھر ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا، گویا بہت بڑا پہاڑ (ہے۔)'' گویا ایک بہت بڑا پہاڑ ہے، اللہ تعالیٰ نے دریا کی زمین پر ہوا کو بھیج دیا حتی کہ دریا کا پیندہ بھی سطح زمین کی طرح خشک ہو گیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا ﴾ ''پس ان کے لیے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بنا دو جبکہ تم کو نہ تو پکڑے جانے کا خوف ہو گا۔'' یعنی فرعون کے پکڑنے کا۔ ﴿ وَّلَا تَخْشٰى ﴿77﴾ ﴾ ''اور نہ ڈرو گے'' کہ دریا تمھاری قوم کو غرق کر دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿78﴾ ﴾ ''پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تو دریا سے ڈھانپ لیا ان کو جس چیز نے بھی ڈھانپا۔'' یعنی انھیں ڈھانپ لیا جس چیز نے

بھی ڈھانپ لیا اور وہ مشہور و معروف ہی ہے، یعنی دریا کی موجوں نے ڈھانپ لیا۔ مشہور و معروف معاملے میں اس طرح کا اسلوبِ بیان اختیار کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝ ﴾ (النجم53:53,54) ''اور اسی نے الٹی ہوئی بستی کو دے پٹکا، پھر ان پر چھایا جو چھایا۔'' فرعون اپنے لشکر کے آگے آگے تھا وہ انھیں لے کر دریا میں داخل ہو گیا، اس نے ان سب کو گمراہ کر دیا اور رشد و ہدایت کے رستے کی طرف نہ آنے دیا، اسی طرح: ﴿ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ ﴾ (ہود11:98) ''وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہو گا، پس وہ ان کو آگ میں داخل کر دے گا اور وہ برا گھاٹ ہے جس پر آیا جائے۔''

تفسیر آیات:80-82

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی ان عظیم الشان نعمتوں اور بڑے بڑے احسانات کا تذکرہ فرمایا ہے جن سے اس نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا اور وہ یہ کہ اس نے انھیں ان کے دشمن فرعون سے نجات بخشی اور ان کی آنکھوں کو اس طرح ٹھنڈک بخشی کہ ان کے سامنے فرعون اور اس کے سارے لشکر کو ایک ہی وقت میں غرق کر دیا جبکہ وہ یہ سارا منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:50) ''اور ہم نے فرعون کی آل اولاد کو غرق کر دیا اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر کامیابی عطا فرمائی تھی تو آپ نے فرمایا: [نَحْنُ أَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْهُمْ فَصُومُوهُ] ''موسیٰ (علیہ السلام) کے ہم زیادہ حق دار ہیں، لہٰذا مسلمانو! تم بھی روزہ رکھا کرو۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سے کوہِ طور کی دائیں جانب کا وعدہ فرمایا، اسی پہاڑ پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اسی پر انھوں نے دیدار باری تعالیٰ کا سوال کیا تھا اور اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے انھیں تورات عطا فرمائی تھی۔ اسی اثنا میں جبکہ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لائے ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ان کی عدم موجودگی میں گائے کے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی جیسا کہ چند اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قصے کو بیان فرمایا ہے۔ جہاں تک من وسلوٰی کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں سورۂ بقرہ اور دیگر کئی سورتوں میں بحث کی جا چکی ہے۔[2] منّ حلوے کی صورت کی ایک چیز تھی جو ان پر آسمان سے برستی تھی اور سلوٰی پرندے تھے جو ان پر گرتے تھے اور وہ ان دونوں چیزوں کو بقدر ضرورت لے لیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ خاص لطف و کرم اور احسان تھا، اسی وجہ سے فرمایا: ﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ ...... ﴾ (طٰہٰ20:77-79)، حدیث:4737 وصحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث:1130. [2] دیکھیے البقرة، آیت:57 کے ذیل میں۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿83﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ

اور اے موسیٰ! کون سی چیز تجھے تیری قوم سے جلدی لے آئی؟ ﴿83﴾ اس نے کہا: وہ لوگ میرے پیچھے ہیں، اور اے میرے رب! میں نے تیری طرف

لِتَرْضٰى ﴿84﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿85﴾ فَرَجَعَ

جلدی کی، تاکہ تو راضی ہو جائے ﴿84﴾ اللہ نے فرمایا: چنانچہ بے شک ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا، اور انھیں سامری نے گمراہ

مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬

کر دیا ﴿85﴾ تو موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضب ناک (اور) غمگین لوٹا (اور) کہنے لگا: اے میری قوم! کیا تمھارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہ کیا تھا؟ کیا

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

پھر تم پر عہد طویل ہو گیا تھا یا تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے رب کا غضب اترے، تو تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی ﴿86﴾ وہ کہنے لگے: ہم نے

مَّوْعِدِيْ ﴿86﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ

تیرے وعدے کی اپنے اختیار سے خلاف ورزی نہیں کی، لیکن ہم پر قوم (فرعون) کے زیب و زینت کے بوجھ لاد دیے گئے تھے تو ہم نے وہ (آگ

الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿87﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

میں) پھینک دیے، پس اسی طرح سامری نے بھی (زیور) پھینکے ﴿87﴾ پھر اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا (بنایا) جو محض جسم تھا، جس کی آواز گائے

فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿88﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۬ وَّلَا

کی سی تھی، پھر وہ (لوگ) کہنے لگے: یہی ہے تمھارا الٰہ اور موسیٰ کا الٰہ۔ تو وہ تو بھول گیا ﴿88﴾ پس بھلا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ بلاشبہ وہ (بچھڑا) ان کی کسی

4 ع 13 13 يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿89﴾

بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے کسی نفع و نقصان کا مالک ہے ﴿89﴾

﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ﴾ ''(اور حکم دیا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں انھی میں سے کھاؤ اور اس میں حد سے نہ نکلو کہ تم پر میرا غضب نازل ہو۔'' یعنی یہ رزق کھاؤ جو میں نے تمھیں عطا فرمایا ہے اور اس میں حد سے نہ نکلنا کہ بلا ضرورت اسے جمع کرنے لگ جاؤ اور اس طرح میرے حکم کی مخالفت کرو اور اگر ایسا کرو گے تو تم پر میرا غضب نازل ہو گا، ﴿وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿81﴾﴾ ''اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو یقیناً وہ ہلاک ہو گیا۔'' علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ بد بخت ہو گیا۔[1]

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو بخشتا ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿82﴾﴾ ''اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر ہدایت یاب ہو تو اس کو میں یقیناً بخش دینے والا ہوں۔'' یعنی جو بھی میرے حضور توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہوں، خواہ اس نے کیسا ہی گناہ کیا ہو حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی توبہ کو بھی قبول فرمایا تھا جنھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ فرمان الٰہی: ﴿تَابَ﴾ کے معنی ہیں کہ جو کفر یا شرک یا معصیت یا نفاق

[1] تفسیر الطبری: 241/16.

سے باز آ جائے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاٰمَنَ ﴾ ''اور وہ ایمان لائے۔'' یعنی دل کے ساتھ، ﴿ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ ''اور عمل نیک کرے۔'' اپنے اعضاء کے ساتھ، ﴿ ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ ﴾ ''پھر ہدایت یاب ہو۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پھر شک نہ کرے۔[1]

اور امام قتادہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ پھر موت تک اسلام کے دامن سے وابستہ رہے۔[2] ﴿ ثُمَّ ﴾ ''پھر'' یہاں خبر کی خبر پر ترتیب کے لیے ہے جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ میں ہے: ﴿ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿ؕ﴾ ﴾ (البلد 90:17) ''پھر ان لوگوں میں بھی (داخل) ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت اور (لوگوں پر) شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے۔''

تفسیر آیات: 83-89

موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق جانا اور بنی اسرائیل کا بچھڑے کی پوجا کرنا: فرعون کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر چلے ﴿ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 7:138,139) ''تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں کے لیے مجاور تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے: موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد کیا جانے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا تھا اور پھر اس میں دس راتوں کا اور اضافہ فرما دیا اور اس طرح یہ پوری چالیس راتیں ہوگئیں جن میں رات دن روزہ رکھنے کا حکم تھا۔ موسیٰ علیہ السلام حکم ملنے پر جلدی سے کوہ طور پر آ گئے اور بنی اسرائیل میں اپنے بھائی ہارون کو اپنا نائب بنا کر چھوڑ آئے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِيْ ﴾ ''اور اے موسیٰ! تجھے اپنی قوم سے جلد کیا چیز لے آئی؟ کہا: وہ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں۔'' اور وہ بھی جلدی ہی کوہ طور پر پہنچ جائیں گے، ﴿ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ ﴾ ''اور اے میرے پروردگار! میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو۔'' یعنی تاکہ تو مجھ سے زیادہ خوش ہو جائے۔ ﴿ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ ﴾ ''فرمایا کہ بلاشبہ ہم نے تمھاری قوم کو تمھارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا کہ ان کے بعد بنی اسرائیل میں کیا حادثہ رونما ہوا ہے اور انھوں نے کس طرح اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ہے جو سامری نے ان کے لیے بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مدت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تختیاں لکھ دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي

---

[1] تفسیر الطبری: 242/16. [2] تفسیر الطبری: 242/16.

الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (الأعراف 145:7) ''اور ہم نے اس (موسیٰ علیہ السلام) کے لیے (تورات کی) تختیوں میں (زندگی کے) ہر معاملے کے بارے میں نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق تفصیل لکھ کر دے دی ہے، چنانچہ تو ان (ہدایات) کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی اچھی اچھی باتوں پر کاربند رہیں، جلدی ہی میں تمھیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔'' یعنی میری اطاعت سے نکلنے اور میرے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام دکھاؤں گا۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ ﴾ ''پھر موسیٰ (علیہ السلام) غضبناک غمزدہ اپنی قوم کے پاس واپس آگئے۔'' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا کہ ان کی قوم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ہے تو وہ انتہائی غصے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس آگئے، موسیٰ علیہ السلام تو اپنی قوم کا خاص خیال رکھتے تھے، انھی کی خاطر انھیں تورات ملی تھی جس میں ان کی شریعت کے احکام درج تھے لیکن ان لوگوں نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی تھی، حالانکہ ہر صاحب عقل و ہوش یہ جانتا ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ عمل سراسر باطل اور ان کی حماقت و بے وقوفی کی دلیل تھا، اس لیے فرمایا: ﴿ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ ﴾ ''غضبناک غمزدہ۔'' أسف شدت غضب کو کہتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ ﴾ کے معنی ہیں گھبرائے ہوئے۔[1] قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ ﴿ اَسِفًا ۚ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی قوم نے آپ کے بعد جو کیا آپ اس پر بے حد غمزدہ تھے۔[2]

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ ﴾ ''(اور) کہنے لگے: اے میری قوم! کیا تمھارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟'' یعنی کیا اس نے میری زبانی تم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تمھیں دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی اور اچھے انجام سے نوازا جائے گا جیسا کہ تم نے اس کی طرف سے آنے والی فتح و نصرت کا مشاہدہ بھی کر لیا کہ تمھارے دشمن کو اس نے تباہ کر کے تمھیں کامیاب و کامران کر دیا، علاوہ ازیں اس نے اور بھی بے شمار نعمتوں سے تمھیں سرفراز فرمایا: ﴿ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ ﴾ ''کیا پھر (میری جدائی کی) مدت تم پر دراز ہو گئی؟'' اس کے انتظار میں جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو بھول گئے جو اس نے تمھیں عطا فرمائیں، حالانکہ اس پر کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا، ﴿ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''بلکہ تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو۔'' أم یہاں بل کے معنی میں ہے اور یہ کلام اول سے صرفِ نظر کر کے کلام ثانی کی طرف مائل ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، گویا معنی یہ ہوئے بلکہ اپنے اس کرتوت سے تم نے گویا ارادہ یہ کیا ہے کہ تم پر تمھارے رب کی طرف سے غضب نازل ہو جائے، ﴿ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴾ ''پس تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی۔'' ﴿ قَالُوْا ﴾ ''وہ کہنے لگے'' یعنی بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی اس سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کے جواب میں کہا: ﴿ مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا ﴾ ''ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کی'' اور پھر انھوں نے فرسودہ عذر پیش کرنے شروع کر دیے اور کہا کہ وہ قبطیوں کے ان زیورات

---

[1] تفسیر الهواری للإباضی:304/2 (CD). [2] تفسیر الطبری:244/16.

سے بچنا چاہتے تھے جوان کے پاس تھے اور جو انھوں نے قبطیوں سے مصر سے نکلتے وقت مستعار لیے تھے، ﴿ فَقَذَفْنٰهَا ﴾ ''تو انھیں ہم نے (اپنے اوپر سے) اتار پھینکا۔''

سدی نے ابو مالک سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہارون علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ ان تمام زیورات کو اکٹھا کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیں اور انھیں پگھلا کر ایک پتھر کی طرح بنا دیں اور پھر جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں تو اس کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں مگر یہ سامری آیا اور اس نے اس پر مٹی کی وہ مٹھی ڈال دی جو اس نے فرشتے (کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے) سے لی تھی اور ہارون علیہ السلام سے اس نے درخواست کی کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سامری کی اس کے بارے میں دعا قبول فرما لے، ہارون علیہ السلام نے دعا فرما دی جبکہ سامری کے ارادے کے بارے میں انھیں کوئی علم نہ تھا، یہ دعا ہو گئی تو سامری نے کہا: اے اللہ! میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اس سے گائے کا ایک بچھڑا بن جائے، پس ایک بچھڑا بن گیا جس کی گائے کی سی آواز تھی اور یہ سب کچھ امتحان و آزمائش اور استدراج و مہلت کے طور پر تھا، اس لیے فرمایا: ﴿ فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ﴾ ''پھر اسی طرح سامری نے ڈال دیا تو اس نے ان کے لیے ایک بچھڑے کا دھڑ نکالا، جو ڈکراتا تھا۔''[1]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بچھڑا بنانے کے بعد سامری نے ان سے کہا: ﴿ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۵ ﴾ ''یہی تمھارا معبود ہے اور یہی موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود ہے۔'' اور وہ اس پر جم کر بیٹھ گئے اور اس بچھڑے سے اس قدر شدید محبت کرنے لگے کہ کسی اور چیز سے انھوں نے اس طرح محبت نہ کی تھی۔ ﴿ فَنَسِيَ ۝ ﴾ ''مگر وہ بھول گیا۔'' یعنی سامری بھول گیا اور اس نے دین اسلام کو ترک کر دیا۔[2] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تردید کرتے ہوئے، انھیں سرزنش کرتے ہوئے اور ان کی ذلت و رسوائی اور حماقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۵ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ ﴾ ''کیا پس یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔'' یعنی کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اگر یہ اس بچھڑے سے کوئی سوال کریں تو وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ ہی دنیا و آخرت کے کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار رکھتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کی قسم! اس کی آواز کی بھی حقیقت یہ تھی کہ جب ہوا اس کی دبر سے داخل ہو کر منہ سے خارج ہوتی تو ایک آواز سی پیدا ہو جاتی تھی۔[3]

امام حسن بصری سے مروی حدیث فتون میں ہے کہ اس بچھڑے کا نام بہموت تھا۔[4] ان جاہلوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو عذر پیش کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے ازراہ پرہیزگاری قبطیوں کے زیورات کو تو اتار پھینکا مگر اس بچھڑے کی عبادت

---

① السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله عزوجل: ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۵ ﴾ (طٰهٰ 40:20)، حديث الفتون:403/6، حديث:11326 نحوه. ② تاريخ الطبری، ذكر نسب موسٰى بن عمران وأخباره......: 299/1. ③ السنن الكبرٰى للنسائی، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۵ ﴾، حديث الفتون:403/6، حديث:11326. ④ تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر، ترجمة همام بن الوليد الدمشقی:118,117/67، رقم:8308 کسی اور سیاق کے ساتھ۔

وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ

اور بلاشبہ اس سے پہلے ہارون نے ان سے کہا تھا: اے میری قوم! یقیناً اس (بچھڑے) کے ساتھ تم آزمائے گئے ہو، اور یقیناً تمھارا رب رحمٰن ہے، لہٰذا

فَاتَّبِعُوۡنِیۡ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ ۝٩٠ قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ عٰكِفِيۡنَ حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا مُوۡسٰى ۝٩١

تم میری اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۝٩٠ وہ کہنے لگے: ہم تو ہمیشہ اس پر مجاور (بن کر بیٹھ) رہیں گے حتی کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئے ۝٩١

قَالَ يٰهٰرُوۡنُ مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا ۝٩٢ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِیۡ ۝٩٣ قَالَ

اس نے (موسیٰ) کہا: اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکے رکھا جب تو نے انھیں دیکھا کہ وہ بھٹک گئے ہیں ۝٩٢ کہ تو نے میری اتباع نہ کی؟ تو کیا تو

يَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡيَتِیۡ وَلَا بِرَاۡسِیۡ ۚ اِنِّیۡ خَشِيۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَيۡنَ بَنِیۡۤ

نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ ۝٩٣ اس (ہارون) نے کہا: اے میرے ماں جائے! میری ڈاڑھی اور میرا سر نہ پکڑ۔ یقیناً میں ڈرا کہ تو کہے گا: تو نے بنی

اِسۡرَآءِيۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ ۝٩٤

اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا۝٩٤

شروع کر دی، یعنی ایک چھوٹے کام سے پرہیز کیا اور ایک بہت بڑے سنگین جرم کا ارتکاب شروع کر دیا جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ عراق کے ایک شخص نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کپڑے کو مچھر کا خون لگ جائے تو کیا اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان عراقیوں کو دیکھو رسول اللہ ﷺ کے نواسے (حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے سے تو دریغ نہ کیا مگر مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہے ہیں![1]

تفسیر آیات: 91,90

ہارون علیہ السلام کی بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے ممانعت: اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے منع کیا اور فرمایا کہ یہ ان کی آزمائش ہے۔ ان کا پروردگار تو وہ رحمان ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرا دیا، وہ عرش کا مالک بڑی شان والا ہے اور جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ ﴿فَاتَّبِعُوۡنِیۡ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ ۝٩٠﴾ ”تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔“ یعنی جو میں تمھیں حکم دیتا ہوں اسے بجالاؤ اور جس سے تمھیں منع کرتا ہوں اس سے باز آجاؤ۔ ﴿قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ عٰكِفِيۡنَ حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا مُوۡسٰى ۝٩١﴾ ”وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس پر مجاور (بنے) رہیں گے۔“ یعنی ہم اس وقت تک اس کی عبادت کو ترک نہیں کریں گے جب تک اس کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی بات کو نہیں سن لیتے، الغرض! اس سلسلے میں انھوں نے ہارون علیہ السلام کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ آپ سے لڑائی بھی کی اور قریب تھا کہ آپ کو قتل ہی کر دیتے۔

تفسیر آیات: 94-92

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد……، حديث: 5994 نحوه وجامع الترمذي، المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي بن أبي طالب ……، حديث: 3770.

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿95﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

اس (موسیٰ) نے کہا: اے سامری! پس تیرا کیا معاملہ ہے؟﴿95﴾ اس (سامری) نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہ دیکھی، چنانچہ میں نے

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿96﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ

(مٹی کی) ایک مٹھی رسول (جبریل کے گھوڑے) کے نقش قدم سے بھرلی اور وہ اس میں ڈال دی، اور اسی طرح میرے نفس نے (اسے) میرے لیے خوشنما بنا

فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ

دیا﴿96﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: تو تو چلا جا، یقیناً تیرے لیے زندگی بھر یہی ہے کہ تو کہتا رہے: (مجھے) نہ چھونا، اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ ہے،

الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿97﴾ اِنَّمَآ

جس کی خلاف ورزی تجھ سے ہرگز نہیں کی جائے گی۔ اور تو اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو مجاور بنا رہا، البتہ ہم اسے ضرور جلا دیں گے، پھر یقیناً

اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿98﴾

(اس کی راکھ) اڑا کر سمندر میں بکھیر دیں گے﴿97﴾ بس تمھارا معبود تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے﴿98﴾

موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی گفتگو: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے پاس کوہ طور سے واپس آئے اور انھوں نے دیکھا کہ ان کی قوم کس قدر سنگین جرم میں مبتلا ہو چکی ہے تو وہ غم و غصے سے بھر گئے اور انھوں نے ان الٰہی تختیوں کو پھینک دیا جو ان کے ہاتھ میں تھیں اور اپنے بھائی کے سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا، اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ قبل ازیں سورۂ اعراف میں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] اور وہاں ہم نے یہ حدیث بھی بیان کی ہے: [لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ] ''سنی سنائی بات دیکھی ہوئی چیز کی طرح نہیں ہو سکتی۔''[2] موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ملامت کرتے ہوئے کہا: ﴿مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿92﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ﴾ ''جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا کہ میری پیروی نہ کرو۔'' یعنی جیسے ہی یہ واقعہ رونما ہوا تھا تم فوراً آ کر مجھے بتا دیتے، ﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿93﴾﴾ ''تو بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف کیا؟''

موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا: ﴿اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○﴾ (الأعراف 142:7) ''میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو اور (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستے پر نہ چلنا۔'' ﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ﴾ ''کہنے لگے: اے میری ماں جائے!'' ہارون علیہ السلام نے ماں کا ذکر کر کے موسیٰ علیہ السلام کو نرم کرنا چاہا تھا، حالانکہ وہ ان کے حقیقی بھائی تھے کیونکہ ماں کا ذکر انھیں زیادہ نرم کرنے اور محبت و شفقت کرنے کا سبب تھا، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ﴾ ''اے میری ماں جائے! میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے۔'' ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیان کیا کہ ان کے پیچھے رہ جانے کا یہ عذر تھا اور اس وجہ سے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو آ کر اس سنگین واقعے کے بارے میں خبر نہ دی، انھوں نے کہا: ﴿اِنِّيْ خَشِيْتُ﴾ ''بلاشبہ میں تو (اس سے) ڈرا''

[1] دیکھیے الأعراف، آیت: 150 کے ذیل میں۔ [2] مسند أحمد: 271/1.

کہ اگر میں نے آپ کے پیچھے آ کر آپ کو اس واقعے کے بارے میں بتایا تو کہیں آپ یہ نہ کہنے لگیں کہ آپ نے انھیں اکیلا کیوں چھوڑا اور ان میں تفرقہ کیوں ڈال دیا: ﴿ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴾ ''اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔'' یعنی میں نے تمھیں اپنا نائب بناتے وقت جو حکم دیا تھا تم نے اسے ملحوظ کیوں نہ رکھا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہارون علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے مطیع و فرماں بردار تھے۔[1]

تفسیر آیات: 95-98

سامری نے بچھڑا کس طرح بنایا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا: تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تمھیں کیا ہوا کہ تم نے یہ کام کیا۔ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سامری اہل ''باجَرما'' میں سے تھا اور اس کا تعلق ایک ایسی قوم سے تھا جو گائے کی پجاری تھی، اس وجہ سے گائے کی محبت اس کے دل میں رچی بسی ہوئی تھی، اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا، اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔[2] قتادہ کا قول ہے کہ یہ ''سامرا'' نامی ایک بستی کا رہنے والا تھا۔[3] ﴿ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ ﴾ ''اس نے کہا: میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔'' یعنی میں نے جبریل علیہ السلام کو اس وقت دیکھا جب وہ فرعون کو ہلاک کرنے کے لیے آئے تھے۔ ﴿ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ﴾ ''تو میں نے فرشتے کے نقشِ پا سے (مٹی کی) ایک مٹھی بھر لی۔'' یعنی ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نشانات سے جیسا کہ بہت سے یا اکثر مفسرین کے ہاں یہی بات مشہور ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جبریل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ﴿ قَبْضَةً ﴾ مٹھی بھر کو کہتے ہیں، نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سامری کے ہاتھ میں جو مٹی کی مٹھی تھی وہ اس نے بنی اسرائیل کے زیورات پر ڈال دی تو اس سے ایک بچھڑا بن گیا اور اس کے قالب سے گائے کی سی آواز نکل رہی تھی اور یہ آواز اس میں ہوا کے داخل اور خارج ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔[4] اس لیے اس نے کہا کہ ﴿ فَنَبَذْتُهَا ﴾ ''پھر میں نے اس کو (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دیا۔'' دوسرے لوگوں کے ساتھ میں نے بھی اسے ڈال دیا۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴾ ''اور اسی طرح میرے لیے میرے جی نے (اس کام کو) مزین کیا۔'' یعنی میرے جی نے اسے اچھا اور خوش کن کر کے میرے سامنے پیش کیا۔

سامری کی سزا اور بچھڑے کو جلانا: ﴿ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ﴾ ''اس (موسیٰ) نے کہا: تو تو، جا تجھ کو (دنیا کی) زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا رہے: (مجھ کو) نہ چھونا۔'' یعنی جیسے تو نے فرشتے کے نقشِ پا سے وہ چیز پکڑ کر ہاتھ میں لے لی جو تجھے نہیں لینی چاہیے تھی، ایسے ہی مکافاتِ عمل کے طور پر دنیا میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہتا پھرے گا: ﴿ لَا مِسَاسَ ﴾

---

[1] تفسير الطبرى:252/16. [2] تاريخ الطبرى، ذكر نسب موسى بن عمران وأخباره......:299,298/1. [3] تفسير الطبرى:256/16. [4] تفسير الطبرى:255/16 و تفسير ابن أبى حاتم:2433/7.

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ ۚ وَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ۖۚ ﴿99﴾ مَنۡ اَعۡرَضَ

اسی طرح ہم آپ کو وہ احوال سناتے ہیں جو (پہلے) گزر چکے، اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) دیا ﴿99﴾ جس نے اس سے اعراض

عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ۙ ﴿100﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا ۙ ﴿101﴾

کیا تو یقیناً وہ یوم قیامت ایک بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا ﴿100﴾ وہ اس (تکلیف) میں ہمیشہ رہیں گے اور یوم قیامت ان کے لیے بوجھ اٹھانا برا ہوگا ﴿101﴾

''نہ چھونا۔'' یعنی نہ تو لوگوں کو ہاتھ لگائے گا اور نہ وہ تجھے ہاتھ لگائیں گے۔ ﴿ وَ اِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا ﴾ ''اور بے شک تیرے لیے ایک (اور) وعدہ ہے۔'' جس کا تعلق قیامت کے دن کے عذاب سے ہے، ﴿ لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ ﴾ ''جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا۔'' اور جس سے کوئی مفر نہ ہوگا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ﴿ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪ ﴾ یہ ان کے لیے سزا تھی اور سامری کے پیروکار آج بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہاتھ نہ لگانا۔ ①

فرمان الٰہی: ﴿ وَ اِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ ﴾ کے بارے میں حسن، قتادہ اور ابونہیک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تیرے لیے ایک اور وعدہ ہے جس سے تو کہیں چھپ نہیں سکے گا۔ ② اور فرمایا: ﴿ وَانۡظُرۡ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا ؕ ﴾ ''اور جس معبود کا تو مجاور تھا، اس کو دیکھ۔'' یعنی جس بچھڑے کی تو عبادت کرتا رہا اسے ہم جلا دیں گے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ﴿98﴾ ﴾ ''صرف اور صرف تمھارا معبود اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ بچھڑا تمھارا معبود نہیں ہے بلکہ تمھارا معبود تو وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس کے سوا کوئی اور مستحق عبادت نہیں ہے، ہر چیز اس کی محتاج اور غلام ہے۔ فرمان الٰہی: ﴿ وَسِعَ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ﴿98﴾ ﴾ میں علمًا تمیز کی وجہ سے حالت نصب میں ہے، یعنی وہ ہر چیز کا عالم ہے۔ ﴿ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ۝ ﴾ (الطلاق 12:65) ''اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَحۡصٰى كُلَّ شَىۡءٍ عَدَدًا ۝ ﴾ (الجن 28:72) ''اور اس نے ہر ایک چیز گن رکھی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ ﴾ (سبا 3:34) ''ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۝ ﴾ (ہود 6:11) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ واضح کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔''

تفسیر آیات: 99-101

① تفسیر الطبری: 256/16 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2433/7. ② تفسیر الطبری: 257/16.

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿102﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

جس دن صور میں پھونکا جائے گا، اور ہم اس دن مجرم اکٹھے کریں گے اس حال میں کہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے ﴿102﴾ وہ باہم چپکے چپکے کہتے

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿103﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ

ہوں گے: تم (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر صرف دس دن ﴿103﴾ ہم کو خوب معلوم ہے جو وہ کہیں گے، جبکہ ان میں بہترین رائے والا کہے گا: تم تو

5 ع 15 14 لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿104﴾ ع

صرف ایک دن ٹھہرے تھے ﴿104﴾

قرآن اللہ کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ جیسے ہم نے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور اس کے لشکروں کے ساتھ واقعہ واضح طور پر بلا کم و کاست سنایا ہے اسی طرح گزشتہ قوموں کے حالات و واقعات بھی ہم آپ کو بلا کم و کاست سناتے ہیں، ﴿وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿99﴾﴾ ”اور تحقیق ہم نے آپ کو اپنے پاس سے نصیحت (کی کتاب) عطا فرمائی ہے۔“ کتاب نصیحت سے مراد ایسا قرآن عظیم ہے کہ ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ”اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔“

یہ ایسی کتاب ہے کہ سید الاولین والآخرین، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ سے پہلے جس قدر بھی انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے، ان میں سے کسی نبی کو بھی ایسی کتاب نہیں دی گئی تھی۔ نہ ہی کوئی ایسی کتاب دی گئی جو اس سے زیادہ کامل اور ماضی و مستقبل کے حالات کی زیادہ جامع ہو اور جس میں روز قیامت لوگوں کے فیصلوں کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ﴾ ”جو شخص اس سے اعراض کرے گا۔“ یعنی جو شخص اس کی تکذیب کرے گا اور اس کے اوامر و نواہی کی اتباع سے اعراض کرے گا اور اس کے بجائے ہدایت کو کسی اور جگہ سے تلاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر کے جہنم رسید کر دے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿100﴾﴾ ”جو شخص اس سے اعراض کرے گا تو یقیناً وہ قیامت کے دن (گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا۔“ وزر کے معنی گناہ ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾ (هود 11:17) ”اور جو کوئی فرقوں میں سے اس کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔“ یہ حکم عام ہے اور عرب و عجم اور اہل کتاب وغیر اہل کتاب ہر اس شخص کے لیے ہے جس تک قرآن پہنچ جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ (الأنعام 6:19) ”تاکہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔“

ہر شخص جس تک قرآن پہنچ جائے تو قرآن اس کے لیے نذیر اور داعی ہے جو اس کی اتباع کرے گا ہدایت پا لے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا اور اس سے منہ موڑے گا تو وہ بدبخت دنیا میں گمراہ ہو گا اور قیامت کے دن اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا، اسی لیے فرمایا: ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿100﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ﴾ ”جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ

قیامت کے دن (گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا (ایسے لوگ) ہمیشہ اس (عذاب) میں (مبتلا) رہیں گے۔'' اور اس سے کبھی نجات اور خلاصی حاصل نہیں کرسکیں گے، ﴿وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴾ ''اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لیے برا ہوگا۔'' یعنی ان کا بوجھ بدترین بوجھ ہوگا۔

تفسیر آیات:102-104

صور میں پھونکا جانا اور قیامت کا دن: حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صور کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:[قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيهِ] ''یہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔''[1] اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث صور میں ہے کہ [إِنَّهٗ قَرْنٌ عَظِيمٌ ، اَلدَّائِرَةُ مِنْهُ بِقَدْرِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَنْفُخُ فِيهِ إِسْرَافِيلُ عليه السلام] ''یہ ایک بہت بڑا سینگ ہوگا جس کا دائرہ آسمانوں اور زمین کے بقدر ہوگا اور اس میں اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔''[2] حدیث میں ہے کہ [كَيْفَ أَنْعَمُ وَقَدِ الْتَقَمَ صَاحِبُ الْقَرْنِ الْقَرْنَ وَحَنٰى جَبْهَتَهٗ، وَأَصْغٰى سَمْعَهٗ يَنْتَظِرُ أَنْ يُّؤْمَرَ أَنْ يَّنْفُخَ فَيَنْفُخُ] ''میں کیسے مطمئن ہوجاؤں جبکہ سینگ پر مقرر فرشتے نے سینگ کو منہ میں لے لیا ہے، اپنی پیشانی کو جھکا دیا ہے اور کان لگا لیے ہیں اور اس انتظار میں ہے کہ اسے صور میں پھونکنے کا کب اذن ملے اور وہ اس میں پھونکے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس حال میں ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا:[قُولُوا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا] ''کہو: ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے، اللہ ہی پر ہم نے بھروسا کیا۔''[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴾ ''ہم گناہ گاروں کو اس دن اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ (ان کی آنکھیں) نیلی نیلی ہوں گی۔'' یعنی شدید ہولناکی کی وجہ سے ان کی آنکھیں نیلی ہوجائیں گی۔ ﴿يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ﴾ ''(تو) وہ آپس میں سرگوشیاں کریں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ آپس میں سرگوشیاں کریں گے۔[4] ایک دوسرے سے کہیں گے: ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴾ ''تم (دنیا میں) صرف دس دن رہے ہو۔'' یعنی دنیا میں تمھارے قیام کی مدت دس دن کے قریب تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''جو باتیں یہ کریں گے ہم خوب جانتے ہیں۔'' یعنی ہم ان کی آپس کی سرگوشیوں کو خوب جانتے ہوں گے۔

﴿اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً﴾ ''اس وقت ان میں سب سے اچھے طریقے والا (عاقل وہوش مند) کہے گا۔'' یعنی ان میں جو عاقل کامل ہوگا وہ یہ کہے گا: ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴾ ''(نہیں بلکہ) تم تو صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔'' کیونکہ آخرت کے دن انھیں دنیا کی مدت بہت ہی کم معلوم ہوگی کیونکہ ساری دنیا، خواہ اس کے اوقات مکرر ہوں اور دن راتیں اور دنیا کی

---

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن ، باب ومن سورۃ الزمر، حدیث:3244 عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ [2] ان الفاظ سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ بالفاظ دیگر دیکھیے الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث الصور: 48 و کتاب العظمۃ لأبی الشیخ الأصفہانی:822,82/13، حدیث: 386 مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الزمر، حدیث:3243. [4] تفسیر الطبری:261/16.

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿105﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿106﴾

اور وہ آپ سے پہاڑوں کی بابت سوال کرتے ہیں، پس آپ کہہ دیجیے: میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا ﴿105﴾ پھر وہ اس (زمین) کو چٹیل میدان

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿107﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ

(بنا) چھوڑے گا ﴿106﴾ آپ اس میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے اور نہ ابھری جگہ ﴿107﴾ اس دن سب لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے، اس (کی اتباع)

الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿108﴾

سے کوئی کجی نہیں ہوگی اور سب آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہو جائیں گی، پھر آپ آہٹ (اور خفی آواز) کے سوا کچھ نہ سنیں گے ﴿108﴾

ساعتیں دوگنا ہو جائیں، تب بھی آخرت میں یوں محسوس ہوں گی، گویا وہ ایک دن ہے، اس وجہ سے کافر قیامت کے دن دنیا کی زندگی کی مدت کو بہت کم سمجھیں گے اور اس سے ان کی غرض یہ ہوگی کہ دنیا کی مدت کی کمی کی وجہ سے اپنے خلاف دلیل کو رد کر سکیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الروم 30:55,56) ”اور جس روز قیامت برپا ہوگی گناہ گار قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے، اسی طرح وہ (رستے سے) الٹے جاتے تھے اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے ہو اور یہ قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے۔“ پھر فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ...... ﴾ الآية (فاطر 35:37) ”کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ نصیحت حاصل کر سکتا تھا اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا!......“ اور فرمایا: ﴿ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ○ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ○ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:112-114) ”تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے، پس شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔ (اللہ) فرمائے گا: (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے کاش! تم جانتے ہوتے۔“ یہاں تمھارا دنیا میں رہنا بہت ہی کم تھا، کاش! تم اسے جان لیتے تو باقی رہنے والی آخرت کو ختم ہو جانے والی دنیا پر ترجیح نہ دیتے لیکن تم نے بہت ہی برا طرز عمل اختیار کیا اور حاضر اور فانی کو دائم اور باقی سے مقدم قرار دے دیا تھا۔

تفسیر آیات:105-108

پہاڑوں کو بکھیر اور زمین کو ہموار کر دیا جائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ ﴾ ”اور آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔“ یعنی قیامت کے دن باقی رہیں گے یا ختم ہو جائیں گے؟ ﴿ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿105﴾ ﴾ ”پس کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ان کو اکھاڑ پھینکے گا۔“ انھیں ان کی جگہ سے ہٹا دے گا، مٹا دے گا اور انھیں چلا دے گا۔ ﴿ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿106﴾ ﴾ ”پھر زمین کو ہموار میدان کر چھوڑے گا۔“ قاع زمین کے ہموار میدان کو کہتے ہیں اور

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿109﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

اس دن سفارش کوئی نفع نہ دے گی مگر صرف اس کی جسے رحمٰن اجازت دے گا اور اس کی بات پسند کرے گا ﴿109﴾ جو کچھ ان کے آگے اور ان کے

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿110﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ

پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے، اور وہ (لوگ) اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ﴿110﴾ اور سب چہرے حَیٌّ قَیُّوْم (اللہ) کے آگے جھک جائیں

خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿111﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

گے، اور یقیناً وہ ناکام ہوا جس نے ظلم (شرک) کا بوجھ اٹھایا ﴿111﴾ اور جو شخص نیک عمل کرے، جبکہ وہ مومن ہو تو وہ نہ ظلم و زیادتی (بے انصافی) کا خوف

وَّلَا هَضْمًا ﴿112﴾

کھائے گا اور نہ حق تلفی کا ﴿112﴾

صفصف کے بھی یہی معنی ہیں، اسے تاکید کے لیے لایا گیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ صفصف اس میدان کو کہتے ہیں جس میں کوئی نباتات نہ ہو لیکن پہلے معنی زیادہ بہتر ہیں، گو دوسرے معنی بھی اسے مستلزم ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿107﴾ ﴾ ''جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی۔)'' اس دن زمین میں کوئی وادی، ٹیلہ یا کوئی اونچی نیچی جگہ نظر نہ آئے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ سلف کا یہی قول ہے۔[1]

لوگ پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑیں گے: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ ﴾ ''اس روز سب لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اس کے لیے کوئی کجی نہ ہوگی۔'' یعنی اس دن جب وہ یہ ہولناک حالات دیکھیں گے تو پکارنے والے کی آواز پر فوراً لبیک کہیں گے اور جہاں بھی انھیں حکم دیا جائے گا فوراً لپکیں گے، اگر دنیا میں یہ سمع وطاعت ہوتی تو اس سے انھیں فائدہ حاصل ہوتا مگر آج انھیں اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ﴾ (مریم 38:19) ''وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے تو کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے!'' اور فرمایا: ﴿ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ ﴾ (القمر 8:54) ''بلانے والے کی طرف دوڑتے جاتے ہوں گے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ ﴾ ''اور رحمٰن کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آوازیں خاموش ہو جائیں گی۔ سدی کا بھی یہی قول ہے۔[2] ﴿ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿108﴾ ﴾ ''تو تم آہٹ (آواز خفی) کے سوا کچھ نہ سنو گے۔'' سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آواز سے مراد قدموں کی آہٹ ہے۔[3] عکرمہ، مجاہد، ضحاک، ربیع بن انس، قتادہ اور ابن زید وغیرہم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد آواز خفی ہے۔[5] عکرمہ اور ضحاک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد آوازوں کی پستی اور قدموں کی آہٹ ہے۔[6]

[1] تفسير الطبري: 264،263/16 وتفسير ابن أبي حاتم: 2435/7. [2] تفسير الطبري: 265/16. [3] تفسير الطبري: 265/16. [4] تفسير الطبري: 266,265/16. [5] تفسير الطبري: 265/16. [6] الدر المنثور: 551/4.

تفسیر آیات:109-112

شفاعت اور جزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَئِذٍ ﴾ ”اس روز“ یعنی روز قیامت۔ ﴿ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ ﴾ ”(کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی۔“ یعنی اس کے ہاں، ﴿ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ ﴾ ”مگر اس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ (البقرة 255:2) ”کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴾ (النجم 26:53) ”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴾ (الأنبياء 28:21) ”اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ (سبا 23:34) ”اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔“ اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴾ (النبا 38:78) ”جس دن روح (الامین) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو (اللہ) رحمٰن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔“

صحیح بخاری و مسلم میں کئی سندوں سے مروی یہ حدیث ہے کہ سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(آتِي تَحْتَ الْعَرْشِ) وَأَخِرُّ لِلّٰهِ سَاجِدًا، وَيَفْتَحُ عَلَيَّ بِمَحَامِدَ لَا أُحْصِيهَا الْآنَ]، [فَيَدَعُنِي مَاشَاءَ (اللّٰهُ أَنْ يَدَعَنِي) ثُمَّ يُقَالُ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ...... وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ...... فَيَحُدُّلِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ......] ”میں عرش الٰہی کے نیچے آ کر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، مجھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ایسے کلمات القا کیے جائیں گے جنھیں میں اب بیان نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اسی حالت میں رکھے گا، پھر فرمائے گا: محمد (ﷺ!) اپنے سر کو اٹھائیں......اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی، سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی......، پھر اللہ تعالیٰ میرے لیے (سفارش کے مرحلوں کی) حد بندی فرما دے گا تو میں انھیں جنت میں داخل کراؤں گا اور پھر لوٹ آؤں گا......“ آپ نے چار مرتبہ واپسی کا ذکر فرمایا ہے۔[1] صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ.

---

[1] حافظ ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ کی ترتیب نہیں ملی، البتہ پہلے حصے کے بجائے صحیح البخاري، التوحيد، باب كلام الرب تعالى ......، حدیث: 7510 میں اس طرح [وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَاتَحْضُرُنِيَ الْآنَ......وَأَخِرُّلَهُ سَاجِدًا......] عن أنس ﷺ اور قوسین والے الفاظ کتاب السنة لابن أبي عاصم، حدیث: 811 عن أبي هريرة ﷺ میں ہیں، اسی طرح دوسرا حصہ صحيح البخاري، التفسير، باب قول الله تعالى: ﴿ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ﴾ (البقرة 31:2)، حدیث: 4476 وصحیح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حدیث: (322)-193 میں جبکہ قوسین والا جملہ بھی صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴾...... (القيمة 23,22:75)، حدیث: 7440 عن أنس ﷺ میں ہے۔

حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:[أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ إِيمَانٍ، فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا، ثُمَّ يَقُولُ: أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ نِصْفُ مِثْقَالٍ مِّنْ إِيمَانٍ،أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً، مَّنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنٰى أَدْنٰى أَدْنٰى مِثْقَالِ ذَرَّةٍ مِّنْ إِيمَانٍ] ”جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دو جس کے دل میں ایک دانے کے برابر ایمان ہو تو اس فرمان کے بعد بہت سی مخلوق کو نکال دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دو جس کے دل میں نصف دانے کے برابر ایمان ہو، جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دو جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو، جس کے دل میں ادنیٰ سے ادنیٰ ذرے کے برابر بھی ایمان ہو۔“ مکمل حدیث دیکھیے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ ”جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ اس کو جانتا ہے۔“ یعنی ساری مخلوقات کا اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝١١٠ ﴾ ”اور وہ (اپنے) علم سے اس (اللہ کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ ﴾(البقرۃ 2:255) ”اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں، جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے۔)“

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ ﴾ ”اور اسی زندہ و قائم کے روبرو منہ نیچے ہو جائیں گے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات اس زبردست و زندہ رہنے والے کے سامنے عجز و انکسار کے ساتھ جھک جائیں گی۔[2] ﴿ لِلْحَيِّ ﴾ جو فوت نہیں ہوتا، ﴿ الْقَيُّوْمِ ۭ ﴾ جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور کبھی نہیں سوتا۔ وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، ہر چیز کی تدبیر و حفاظت فرماتا ہے، وہ اپنی ذات پاک میں کامل ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے اور صرف اسی کے سہارے قائم ہے۔

ظالم نامراد ہوگا: ﴿ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝١١١ ﴾ ”اور جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا وہ نامراد رہا۔“ یعنی قیامت کے دن، اللہ تعالیٰ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کر دے گا حتی کہ بغیر سینگوں کے بکری کا بھی سینگوں والی بکری سے بدلہ دلوا دے گا جیسا کہ حدیث میں ہے:[فَيَقُولُ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي!لَا يُجَاوِزُنِي (الْيَوْمَ ظُلْمُ) ظَالِمٍ، فَيُنْصِفُ الْخَلْقَ بَعْضَهُمْ مِّنْ بَعْضٍ، حَتّٰى إِنَّهُ لَيُنْصِفُ الشَّاةَ الْجَمَّاءَ مِنَ الْعَضْبَاءِ بِنَطْحَةٍ نَّطَحَهَا] ”اللہ عزوجل فرمائے گا: مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم! آج کسی ظالم کا ظلم مجھ سے گزر نہیں سکے گا (انصاف ہوگا)، پھر وہ لوگوں کو ایک دوسرے سے پورا پورا حق دلوائے گا، یہاں تک کہ بغیر سینگوں والی بکری کا بھی سینگوں والی بکری سے اسے سینگ مارنے کا بدلہ دلوائے گا۔“[3] صحیح حدیث میں ہے:

---

[1] جملہ کتب احادیث سے حافظ ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ کی ترتیب نہیں ملی، البتہ یہ الفاظ دیکھیے صحیح البخاری، الإیمان، باب زیادة الإیمان و نقصانه......، حدیث: 44 عن أنس رضی اللہ عنہ و 7439 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ و 7510 عن أنس رضی اللہ عنہ و صحیح مسلم، الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث: 183 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ و (326)-193 عن أنس رضی اللہ عنہ۔ [2] تفسیر الطبری: 268/16 و الدر المنثور: 552/4۔ [3] المعجم الکبیر للطبرانی: 95/2، حدیث: 1421 و مجمع الزوائد، البعث، باب ماجاء فی القصاص: 353/10، حدیث: 18414 عن ثوبان رضی اللہ عنہ اور قوسین والے الفاظ مسند الفردوس: 269/5، حدیث: 8153 کے مطابق ہیں، البتہ حدیث ضعیف ہے۔ مزید دیکھیے السلسلة الضعیفة: حدیث: 1401۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا اور ہم نے اس میں پھیر پھیر کر کئی پہلوؤں سے (اپنی) وعید بیان کی تاکہ وہ تقوی اپنائیں یا وہ ان

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿113﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

کے لیے نصیحت پیدا کرے ﴿113﴾ پس ثابت وسچا بادشاہ اللہ بلند وبالا ہے، اور (اے نبی!) آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کریں قبل اس کے کہ آپ

يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿114﴾

کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور کہیے: اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر ﴿114﴾

[إِيَّاكُم وَالظُّلم ، فَإِنَّ الظُّلمَ ظُلُماتٌ يَّومَ القِيامَةِ] ”ظلم سے بچو، بے شک ظلم قیامت کے دن ظلمتوں کا سبب بن جائے گا۔“[1] وہ شخص مکمل ناکام و نامراد ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے ملے اور وہ اس کے ساتھ شرک کرنے والا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمٰن 31:13) ”یقیناً شرک تو بہت بڑا ظلم ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿112﴾ ﴾ ”اور جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔“ اللہ تعالیٰ نے پہلے ظالموں اور ان کی وعید کا ذکر کیا اور اب متقین اور ان کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان پر نہ ظلم کیا جائے گا اور نہ انھیں کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، یعنی نہ ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن، قتادہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا یہی قول ہے۔[2] ظلم کے معنی زیادتی ہے اور وہ یہ کہ کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ لاد دیا جائے اور هضم کے معنی کمی کے ہیں اور وہ یہ کہ اس کی اپنی نیکیوں کا ثواب کم کر دیا جائے اور یہ دونوں باتیں ہی نہیں ہوں گی۔

تفسیر آیات: 114,113

قرآن کے نزول کا مقصد: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آخرت کا دن یقیناً آنے والا ہے جس میں اعمال کے مطابق اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا تو اس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کو بشیر و نذیر بنا کر مبین و فصیح عربی زبان میں نازل فرمایا ہے جس میں کوئی ابہام اور کمی نہیں ہے، ﴿ وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ ”اور اس میں ہم نے طرح طرح کے ڈراوے بیان کر دیے ہیں تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں۔“ اور گناہوں، حرام امور اور بے حیائی کے کاموں کو ترک کر دیں، ﴿ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿113﴾ ﴾ ”یا وہ ان کے لیے نصیحت پیدا کر دے۔“ اور انھیں اطاعت بجالانے اور نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ ﴾ ”تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے عالی قدر ہے۔“ پاک اور مقدس ہے وہ سچا بادشاہ جو خود بھی حق ہے جس کا وعدہ بھی حق ہے جس کی وعید بھی حق ہے جس کے رسول بھی حق ہیں، جنت بھی حق ہے، جہنم بھی حق ہے اور جس کی ہر چیز حق ہے۔ اس ذات پاک کا یہ عدل ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک وہ رسولوں کو بھیج کر

---

① صحيح البخاري، المظالم، باب: الظلم ظلمات يوم القيامة، حديث:2447 وصحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظلم، حديث:2578 ومسند أحمد:106/2 واللفظ له عن ابن عمر رضي الله عنهما. ② تفسير الطبري:271,270/16.

ع 6 11 15 وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿115﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور البتہ ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم صمیم نہ پایا﴿115﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿116﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ

کرو تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا﴿116﴾ پھر ہم نے کہا: اے آدم! بے شک یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے،

وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿117﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا

کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ تو مشقت میں پڑ جائے﴿117﴾ بے شک تیرے لیے (یہاں اہتمام) ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا رہے گا اور نہ

تَعْرٰى ﴿118﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿119﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ

ننگا ہوگا﴿118﴾ اور بے شک تجھے نہ پیاس لگے گی اور نہ تجھے دھوپ لگے گی﴿119﴾ پھر شیطان نے اس کی طرف وسوسہ ڈالا، اس نے کہا: اے آدم! کیا میں

يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿120﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا

تجھے سدا جینے کا درخت اور بادشاہی نہ بتاؤں جو پرانی نہ ہو؟﴿120﴾ چنانچہ ان دونوں نے اس میں سے (پھل) کھایا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر

سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿121﴾ صلے

ہو گئیں، اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے، اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا﴿121﴾ پھر اسے اس کے رب نے

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿122﴾

برگزیدہ کیا، تو اس کی توبہ قبول کی اور (اسے) ہدایت دی﴿122﴾

ڈرانہ دے اور مخلوق پر حجت تمام نہ کر دے تا کہ کسی کے پاس کوئی حجت اور شبہ باقی نہ رہے۔

نزول قرآن کے وقت اسے پڑھنے میں جلدی نہ کریں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ز ﴾ ”اور قرآن کی جو آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لیے جلدی نہ کیا کریں۔“ اسی طرح سورۂ قیامہ میں بھی فرمایا ہے: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ صلے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ ﴾ (القیٰمۃ 75:16-19) ”اور (اے محمد!) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں کہ اس کو جلد یاد کر لیں، اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے جب ہم وحی پڑھا کریں تو آپ (اس کو سنا کریں اور) پھر اسی طرح پڑھا کریں، پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔“

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی وجہ سے شدت محسوس فرمایا کرتے تھے اور آپ اسے جلد جلد پڑھنے کے لیے زبان (اور ہونٹوں) کو حرکت دیتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان آیات: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ ﴾ (القیٰمۃ 75:16) کو نازل فرمایا۔[1] یعنی جبریل علیہ السلام جب آپ کے پاس وحی لے کر آتے اور جوں ہی جبریل ایک آیت پڑھتے

[1] صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی......؟ حدیث: 5 و 4929 و صحیح مسلم، الصلاۃ، باب الاستماع للقراءۃ، حدیث:448.

تو قرآن مجید کو جلد حفظ کر لینے کے شدید شوق کی وجہ سے آپ بھی اسے جلد جلد پڑھنے لگ جاتے تو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی آسان اور سہل کام کی طرف آپ کی رہنمائی فرما دی تاکہ نزول قرآن مجید کی وجہ سے آپ مشقت میں مبتلا نہ ہوں، فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیمۃ 75:16,17) ''اور (اے محمد! ﷺ) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں کہ اس کو جلد یاد کر لیں، اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔'' یعنی یہ ہمارے ذمے ہے کہ اس قرآن کو ہم آپ کے سینے میں جمع کر دیں اور پھر آپ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور اس میں سے کچھ بھی نہ بھولیں۔ ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾ (القیمۃ 75:18,19) ''چنانچہ جب ہم وحی پڑھا کریں تو آپ (اس کو سنا کریں اور) پھر اس طرح پڑھا کریں، پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ ''اور قرآن کی وحی جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لیے جلدی نہ کیا کریں۔'' بلکہ خاموشی سے جبریل کی تلاوت کو سنا کریں اور جب جبریل تلاوت سے فارغ ہو جائیں تو پھر ان کے بعد آپ پڑھیں: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝﴾ ''اور کہیے کہ میرے پروردگار! مجھے اور زیادہ علم دے۔'' یعنی مجھے اپنے پاس سے اور زیادہ علم عطا فرما۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تاحیات آپ ﷺ کے علم میں اضافہ ہوتا رہا۔

تفسیر آیات:115-122

قصۂ آدم وابلیس: امام ابن ابوحاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انسان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سے عہد لیا گیا تھا مگر یہ اسے بھول گیا۔ علی بن ابوطلحہ نے بھی آپ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [1] مجاہد اور حسن کہتے ہیں: اس لیے کہ اس نے عہد کو ترک کر دیا تھا۔ [2] ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توقیر وتکریم اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انھیں جو فضیلت دی، اس کا ذکر فرمایا ہے۔ قصۂ آدم وابلیس قبل ازیں سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر اور سورۂ کہف میں بیان ہو چکا ہے، نیز آگے سورۂ صٓ کے آخر میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔ [3] یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ توقیر وتکریم کے طور پر ان کے آگے سجدہ کریں، نیز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ابلیس کی آدم واولادِ آدم سے عداوت زمانۂ قدیم ہی سے چلی آ رہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝﴾ ''تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا، ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے، پس یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نکلوا نہ دے اور تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔''

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2437/7 و تفسیر الطبری:274/16. [2] تفسیر الطبری:273/16 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2437/7. [3] دیکھیے البقرۃ2:30-38 والأعراف:117-25 والحجر:2815-44 والکہف 50:18 وصٓ:7138-85.

حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی کا نام حوا تھا۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ابلیس سے بچو کہیں وہ کوشش کر کے تمھیں جنت سے نہ نکلوا دے ورنہ تم طلب رزق کے لیے محنت ومشقت میں پڑ جاؤ گے بلکہ یہاں جنت میں تمھیں بغیر کسی کُلفت ومَشَقَّت کے عیش وآرام کی زندگی میسر ہے، ﴿ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴾ ”بے شک یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے۔“

یہاں بھوک اور ننگ کو ملا کر بیان کیا گیا ہے کیونکہ بھوک باطن کی ذلت ہے جبکہ ننگ ظاہر کی ذلت ہے، ﴿ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴾ ”اور یہ کہ نہ تم یہاں پیاسے رہو اور نہ دھوپ لگے۔“ یہ دونوں چیزیں بھی ایک دوسرے کے مقابل کی ہیں کہ پیاس باطن کی گرمی ہے اور دھوپ ظاہر کی گرمی ہے۔

ارشادالٰہی ہے: ﴿ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴾ ”تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔“ قبل ازیں یہ بیان ہو چکا ہے کہ شیطان مردود نے دھوکا دے کر ان کو معصیت کی طرف کھینچ ہی لیا۔﴿ وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّى لَكُمَا لَمِنَ النَّٰصِحِينَ ﴾ (الأعراف 21:7) ”اور اس نے ان سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں تو تمھارا خیر خواہ ہوں۔“ قبل ازیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا علیہما السلام سے یہ فرمایا تھا کہ وہ جنت کے تمام پھلوں کو کھائیں مگر جنت کے ایک معین درخت کے قریب نہ جائیں لیکن ابلیس دونوں کو مسلسل بہکاتا رہا حتی کہ انھوں نے اس درخت کے پھل کو کھا لیا اور یہ شجرِ خلد تھا، یعنی وہ درخت کہ جس کا پھل کھانے والا خلد اور دوام حاصل کر لیتا ہے۔حدیث میں بھی شجرِ خلد کا ذکر آیا ہے۔امام ابوداود طَیالسی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ مَّا يَقْطَعُهَا ، وَهِيَ شَجَرَةُ الْخُلْدِ] ”جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اگر سو سال تک بھی اس کے سائے میں چلتا رہے تو وہ کبھی ختم نہ ہو اور یہ شجرِ خلد ہے۔“[1] اسے امام احمد نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

ارشادالٰہی ہے: ﴿ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْءَٰتُهُمَا ﴾ ”تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔“ ابن ابوحاتم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ رَجُلًا طُوَالًا كَثِيرَ شَعْرِ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ نَخْلَةٌ سَحُوقٌ، فَلَمَّا ذَاقَ الشَّجَرَةَ سَقَطَ عَنْهُ لِبَاسُهُ ، فَأَوَّلُ مَا بَدَا مِنْهُ عَوْرَتُهُ ، فَلَمَّا نَظَرَ إِلٰى عَوْرَتِهِ جَعَلَ يَشْتَدُّ فِي الْجَنَّةِ فَأَخَذَتْ شَعْرَهُ شَجَرَةٌ

[1] مسند أبي داود الطيالسي بتحقيق الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي:279,278/4، حديث:2670. [2] مسند أحمد:455/2 حدیث کے آخری الفاظ:[وهي شجرة الخلد] صحیح نہیں ہیں، ان کو ابوضحاک روایت کرنے میں متفرد ہیں اور وہ مجہول راوی ہیں، واللّٰہ تعالٰی أعلم.

فَنَازَعَهَا، فَنَادَاهُ الرَّحْمٰنُ: يَا آدَمُ! مِنِّي تَفِرُّ؟ فَلَمَّا سَمِعَ كَلَامَ الرَّحْمٰنِ ،قَالَ : يَا رَبِّ !لَا، وَلٰكِنِ اسْتِحْيَاءً، أَرَأَيْتَ ! إِنْ تُبْتُ وَرَجَعْتُ ، أَعَائِدٌ إِلَى الْجَنَّةِ ؟ قَالَ: نَعَمْ]

''آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیدا فرمایا کہ وہ طویل قد کے آدمی تھے، ان کے سر کے بال گھنے تھے گویا وہ بلند کھجور ہیں، جب انھوں نے درخت کو چکھا تو ان کا لباس اتر گیا، چنانچہ سب سے پہلے شرم گاہ سے لباس اترا۔ جب انھوں نے شرم گاہ کو دیکھا تو جنت میں بھاگنا شروع کر دیا اور ان کے بال ایک درخت سے اٹک گئے، انھوں نے انھیں چھڑانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں آواز دی: اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ جب آدم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تو عرض کی: اے میرے رب! (میں تجھ سے بھاگتا) نہیں لیکن مجھے حیا آتی ہے اگر میں توبہ کرلوں اور رجوع کرلوں تو کیا میں واپس جنت میں لوٹ جاؤں گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں۔'' یہ معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ﴾ (البقرۃ 2:37) ''پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان پر مہربانی فرمائی۔''① یہ روایت امام حسن اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان منقطع ہے، یعنی حسن نے اسے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا، نیز اس کا مرفوع ہونا بھی محل نظر ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ﴾ ''اور وہ دونوں اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ وہ دونوں پتوں سے کپڑوں کی طرح اپنے تن بدن کو ڈھانپنے لگے، قتادہ اور سدی کا بھی قول ہے۔②

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۝۱۲۱ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰی ۝۱۲۲﴾ ''اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے، پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [حَاجَّ مُوسٰى آدَمَ، فَقَالَ لَهُ: أَنْتَ الَّذِي أَخْرَجْتَ النَّاسَ مِنَ الْجَنَّةِ بِذَنْبِكَ فَأَشْقَيْتَهُمْ، قَالَ آدَمُ: يَا مُوسٰى! أَنْتَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِكَلَامِهِ، أَتَلُومُنِي عَلٰى أَمْرٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي، أَوْ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي؟ـ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ــ فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى] ''موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے جھگڑا کیا اور ان سے کہا کہ آپ نے گناہ کے ساتھ لوگوں کو جنت سے نکلوا کر مشقت میں ڈال دیا تھا! آدم علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام وکلام کے ساتھ منتخب کیا، کیا آپ مجھے ایسے کلام کی وجہ سے ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی پہلے میرے لیے لکھ دیا تھا یا آپ نے یہ فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی پہلے میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

① تفسیر ابن أبی حاتم:1452,1451/5 و المستدرك للحاكم، التفسير، باب من سورة البقرة:262/2 ، حدیث:3038، البتہ مستدرک میں [أَرَأَيْتَ......] سے لے کر آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم:1453,1452/5.

قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ

اس (اللہ) نے فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ، تمھارے بعض، بعض کے دشمن ہیں، پھر جب تمھارے پاس میری ہدایت پہنچے تو جس نے

هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقٰى ﴿123﴾ وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا

میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا﴿123﴾ اور جس نے میری یاد سے اعراض کیا تو بلاشبہ اس کے لیے گزران تنگ ہوگا،

وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى ﴿124﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِىۡۤ اَعۡمٰى وَقَدۡ كُنۡتُ بَصِيۡرًا ﴿125﴾ قَالَ

اور روزِ قیامت ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے﴿124﴾ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ جبکہ میں تو (دنیا میں) دیکھنے والا

كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى ﴿126﴾

تھا﴿125﴾ ارشاد ہوگا: اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تو نے وہ بھلا دیں، اور اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا﴿126﴾

تو آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''[1] یہ حدیث صحیحین اور مسانید وغیرہ میں کئی طریق سے مروی ہے۔[2]

تفسیر آیات:126-123

حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اتارا جانا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام، حوا اور ابلیس سے فرمایا کہ تم سب کے سب جنت سے نکل جاؤ، اس کے بارے میں سورۂ بقرہ میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔[3] ﴿ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ﴾ ''تم میں بعض، بعض کے دشمن ہیں۔'' یعنی آدم و اولادِ آدم اور ابلیس اور اس کی ذریت کی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی ہوگی۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى ﴾ ''پھر اگر میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت آئے۔'' ابو عالیہ کہتے ہیں کہ ہدایت سے یہاں انبیاء، رسول اور بیان مراد ہے۔[4] ﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقٰى ﴿123﴾ ﴾ ''تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں تکلیف میں پڑے گا۔[5]

وحی الٰہی سے اعراض کی دنیا و آخرت میں سزا: ارشاد باری ہے: ﴿ وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ ﴾ ''اور جو میری نصیحت سے اعراض کرے گا۔'' یعنی میرے حکم کی نافرمانی کرے اور جو میں نے اپنے رسولوں پر نازل کیا ہے اس سے منہ پھیرے گا اور اسے بھول جائے گا اور ہدایت کو کسی اور جگہ سے تلاش کرے گا۔ ﴿ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا ﴾ ''تو اس کی گزران تنگ ہو جائے گی۔'' یعنی دنیا میں تنگ ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں اس کو اطمینان اور انشراح صدر حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا سینہ اپنی

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى ﴾ (طٰہٰ 117:20)، حديث:4738. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب وفاة موسىٰ......، حديث:3409 والتوحيد، باب ماجاء في قوله عزوجل: ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ﴾ (النسآء 164:4)، حديث:7515 وصحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم وموسىٰ صلى الله عليهما وسلم، حديث:2652 ومسند أحمد: 287/2. [3] دیکھیے البقرۃ:302-38. [4] تفسير الطبري: 352/1. [5] تفسير الطبري: 279/16.

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِیۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ یُؤۡمِنۡۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ

اور جو حد سے بڑھ گیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا، ہم اس کو اسی طرح سزا دیں گے۔ اور یقیناً آخرت کا عذاب شدید تر اور بہت

وَاَبۡقٰی ﴿127﴾

باقی رہنے والا ہے ﴿127﴾

ضلالت کی وجہ سے تنگ ہو کر حرج میں مبتلا ہو جاتا ہے، گو بظاہر خوش وخرم ہو، جو چاہے لباس پہنے جو چاہے کھائے اور جہاں چاہے رہے کیونکہ اس کا دل جب تک یقین و ہدایت کے لیے خالص نہ ہوگا، وہ قلق و حیرت اور شک میں رہے گا اور گذران تنگ ہونے کے یہی معنی ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّنَحۡشُرُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَعۡمٰی ﴿124﴾ ﴾ ''اور قیامت کو ہم اسے اندھا (کر کے) اٹھائیں گے۔'' مجاہد، ابو صالح اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ روز قیامت اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔[1] عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے سوا اسے کوئی چیز نظر نہ آئے گی۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَنَحۡشُرُهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡیًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا ؕ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 97:17) ''اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ، اندھے، گونگے اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' اسی لیے وہ کہے گا: ﴿ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِیۡۤ اَعۡمٰی وَقَدۡ كُنۡتُ بَصِیۡرًا ﴿125﴾ ﴾ ''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا؟'' یعنی دنیا میں۔ ﴿ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الۡیَوۡمَ تُنۡسٰی ﴿126﴾ ﴾ ''اللہ فرمائے گا: ایسے ہی (چاہیے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دیں گے۔'' یعنی جب تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے منہ پھیر لیا، انھیں یاد نہ رکھا بلکہ انھیں بھلا دیا، ان سے اعراض کیا اور ان سے غفلت برتی تو آج تجھ سے بھی اسی طرح معاملہ کیا جائے گا کہ گویا تجھے بھلا دیا جائے گا۔ ﴿ فَالۡیَوۡمَ نَنۡسٰىهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ یَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ ﴾ (الأعراف 51:7) ''تو جس طرح یہ لوگ اپنی اس دن کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے، اسی طرح آج ہم بھی انھیں بھلا دیں گے۔'' کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہی ہوتی ہے لیکن یاد رہے قرآن مجید کے الفاظ کو بھول جانا جبکہ اس کا مفہوم یاد ہو اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جاتا ہو تو وہ اس خاص وعید میں داخل نہیں ہے، اگرچہ اس کے بارے میں دوسری نوعیت کی وعید موجود ہے کیونکہ قرآن مجید کو یاد کر کے بھلا دینے کے بارے میں سنت میں سخت ممانعت اور شدید وعید موجود ہے۔[3]

تفسیر آیت:127

حد سے نکل جانے والوں کے لیے شدید عذاب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ حد سے نکل جائیں اور اللہ تعالیٰ کی

[1] تفسیر الطبری:284/16. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2440/7. [3] اس بارے میں کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ

کیا پھر (اس چیز نے) ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، جن کے مساکن (بستیوں) میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں،

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿128﴾ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا

بے شک اس میں البتہ عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں﴿128﴾ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی سے (طے) نہ ہو چکی ہوتی، اور میعاد

وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿129﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

مقرر بھی (نہ ہوتی) تو (انھیں عذاب) چمٹ کے رہتا﴿129﴾ لہٰذا جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے، اور طلوع شمس سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿130﴾

اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے، اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی تسبیح کیجیے، اور دن کے (دونوں) حصوں میں بھی، تاکہ آپ راضی ہو جائیں﴿130﴾

آیات کی تکذیب کریں تو انھیں دنیا و آخرت میں ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں: ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ○﴾ (الرعد 13:34) ''ان کو دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔'' اور اسی طرح یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿127﴾﴾ ''اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔'' دنیا کے عذاب کی نسبت آخرت کا عذاب زیادہ دردناک بھی ہوگا اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی ہوگا اور یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ مبتلا رہیں گے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی لعان کرنے والے جوڑے کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا تھا: [أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ] ''بے شک دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔''[1]

تفسیر آیات:128-130

سابقہ امتوں کی تباہی باعث عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَهْدِ ﴾ ''کیا پھر (یہ بات) موجب ہدایت نہ ہوئی۔'' ان لوگوں کے لیے جو آپ کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کرنے والے ہیں، اے محمد (ﷺ!) کہ ہم نے ان سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والی کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا کہ اب ان کا کوئی نام و نشان تک باقی نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی آنکھ رونے والی ہے جیسا کہ یہ خود ان کے خالی مکانات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جنھیں وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور یہ ان میں چلتے پھرتے ہیں۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿128﴾﴾ ''بلاشبہ عقل والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' یعنی ان لوگوں کے لیے جن کی عقل صحیح اور جن کی دانش مستقیم ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ○﴾ (الحج 22:46) ''کیا پھر وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل (ایسے) ہوتے تاکہ ان سے سمجھ سکتے

[1] صحیح مسلم، اللعان، حدیث:1493 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سن سکتے۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔'' ﴿ اَوَ لَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ﴾ (السجدة 26:32) ''کیا ان کو اس (امر) سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو جن کے مقامات سکونت میں یہ چلتے پھرتے ہیں ہلاک کر دیا۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿129﴾ ﴾ ''اور اگر ایک بات آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے صادر اور (جزائے اعمال کے لیے) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو (نزول) عذاب لازم ہو جاتا۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات پہلے سے صادر نہ ہو چکی ہوتی کہ وہ حجت تمام ہونے اور اس میعاد مقرر کے پورا ہونے کے بعد ہی کسی کو عذاب دیا کرتا ہے جو اس نے ان کی تکذیب کرنے والوں کے لیے مقرر کر رکھی ہوتی ہے تو ان کے پاس اچانک عذاب آ جاتا۔

صبر اور نماز پنجگانہ کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ ﴾ ''پس جو کچھ یہ کہتے ہیں اس پر صبر کریں۔'' یعنی یہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر صبر کریں۔ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ ﴾ ''اور سورج کے نکلنے سے پہلے پروردگار کی تسبیح وتحمید کیا کریں۔'' یعنی نماز فجر ادا کریں۔ ﴿ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ﴾ ''اور اس کے غروب ہونے سے پہلے (بھی۔)'' یعنی نماز عصر ادا کریں جیسا کہ صحیحین میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا: [إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا] ''تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو کہ اس کے دیکھنے میں تم کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے، پس اگر ہو سکے کہ طلوعِ آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب سے پہلے نماز ادا کرنے سے مغلوب نہ ہو جاؤ تو ایسا ضرور کرو۔'' یعنی یہ نمازیں ضرور بروقت ادا کرو، پھر آپ نے اس مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تلاوت بھی فرمائی۔[1]

امام احمد نے عُمارہ بن رُؤَیبہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ [لَنْ يَّلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا] ''وہ شخص ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس نے سورج کے طلوع و غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھی۔''[2] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ ﴾ ''اور رات کی ساعات میں بھی اس کی تسبیح کیا کریں۔'' یعنی رات کی

---

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، حديث: 554 و573 و صحيح مسلم، المساجد......، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حديث: 633. ملحوظہ: بعض روایات میں سورۂ طٰہٰ کی آیت کے بجائے سورۂ قٓ، آیت: 39 کا ذکر ہے جو اسی مفہوم میں ہے۔ [2] مسند أحمد: 136/4. [3] صحيح مسلم، المساجد......، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حديث: 634.

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬

اور (اے نبی!) ان چیزوں کی طرف آپ اپنی نگاہیں نہ اٹھائیں جو چیزیں زندگانی دنیا کی آرائش کی ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿131﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ

رکھی ہیں، تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں، اور آپ کے رب کا رزق بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے ﴿131﴾ اور اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیجیے

عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿132﴾

اور (خود بھی) اس پر قائم رہیے، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں، اور (بہترین) انجام تو (اہل) تقویٰ کے لیے ہے ﴿132﴾

گھڑیوں میں نماز تہجد پڑھا کریں اور بعض ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد مغرب وعشاء کی نماز ہے۔ ﴿وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ ''اور دن کے کناروں میں بھی۔'' ﴿وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ کے الفاظ ﴿اٰنَآئِ الَّيْلِ﴾ کے مقابلے میں لائے گئے ہیں۔ ﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿130﴾﴾ ''تاکہ آپ خوش ہو جائیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ﴾ (الضحٰی 5:93) ''اور آپ کو، آپ کا پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔''

صحیح حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُولُ:......يَاأَهْلَ الْجَنَّةِ ! فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا ! وَسَعْدَيْكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَّضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى (يَارَبِّ!)، وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالُوا: يَارَبِّ ! وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي، فَلَاأَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا]

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:......اے اہل جنت! تو وہ عرض کریں گے: لبيك و سعديك اے ہمارے پروردگار! اللہ فرمائے گا: کیا تم خوش ہو؟ تو وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم کیونکر خوش نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرما دیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو بھی نہیں دیا، اللہ فرمائے گا: میں تمھیں اس سے بھی بہتر دیتا ہوں۔ وہ عرض کریں گے: ہمارے پروردگار! اس سے بہتر کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمھیں اپنی خوشنودی سے سرفراز کرتا ہوں اور آج کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔''[1]

دوسری حدیث میں ہے: [يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَوْعِدًا يُّرِيدُ أَنْ يُّنْجِزَكُمُوهُ، فَيَقُولُونَ: وَمَا هُوَ أَلَمْ يُبَيِّضْ وُجُوهَنَا، أَلَمْ يُثَقِّلْ مَوَازِينَنَا، وَيُزَحْزِحْنَا عَنِ النَّارِ، وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ؟ فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ، قَالَ: فَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، فَوَاللّٰهِ ! مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِّنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ] ''اے اہل جنت! اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا اور وہ چاہتا ہے کہ اسے پورا فرما دے۔ وہ عرض کریں گے: کون سا وعدہ۔ کیا اس نے ہمارے چہروں کو منور نہیں فرما دیا، ہمارے میزانوں کو بھاری نہیں کر دیا، ہمیں جہنم سے دور کر کے جنت میں داخل نہیں فرما دیا، اسی دوران میں حجاب کو دور کر

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب صفة الجنة والنار......، حدیث:6549 و7518 قوسین والا جملہ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب إحلال الرضوان علی أهل الجنة......، حدیث:2829 عن أبی سعید ﷺ میں بھی ہے۔

دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے فیض یاب ہوں گے، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے زیادہ اچھی چیز انھیں عطا نہیں فرمائی ہوگی۔''[1] اور ''زیادہ'' سے یہی مراد ہے۔ یہ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط ...... ﴾ الآیۃ (یونس 26:10) ''جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور (مزید برآں) اور بھی......۔''

تفسیر آیات: 132,131

دولت مندوں کے ساز وسامان کو نہ دیکھیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ ان دنیاداروں اور سرمایہ داروں اور ان جیسے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں خوش حالی عطا کی ہے کیونکہ دنیا کی یہ سج دھج عارضی وفانی اور دنیا کی یہ نعمتیں زوال پذیر ہو جانے والی ہیں اور ہم نے انھیں یہ محض آزمائش کی خاطر دی ہیں اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بہت کم ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾ سے مراد اغنیاء ہیں۔[2] لیکن اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے آپ کو سرفراز فرمایا ہے وہ ان کو دی گئی دنیوی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾ (الحجر 88,87:15) ''اور البتہ تحقیق ہم نے آپ کو سات (آیتیں) جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں (سورۂ فاتحہ) اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔ اور ہم نے کفار کی کئی جماعتوں کو جو (فوائد دنیاوی سے) متمتع کیا ہے آپ ان کی طرف (رغبت سے) اپنی دونوں آنکھیں نہ اٹھائیں۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے آخرت میں جو نعمتیں تیار فرما رکھی ہیں وہ اس قدر عظیم الشان ہیں کہ ان کی تعریف وتوصیف کو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ ﴾ (الضحیٰ 5:93) ''اور آپ کو آپ کا پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کی عطا فرمائی ہوئی روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس اس خیمے میں گئے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات سے ایلا کے بعد علیحدگی اختیار فرمائی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ کھجور کی چٹائی پر تکیہ لگائے استراحت فرما رہے تھے اور گھر میں چھال کا ڈھیر اور کچا چمڑہ لٹکنے کے سوا اور کچھ نہ تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر زار و قطار رونے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا يُبْكِيكَ؟ يَا عُمَرُ!] ''عمر! روتے کیوں ہو؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! قیصر وکسریٰ کے پاس دنیا کی کیسی کیسی نعمتیں ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے سردار ہیں؟ آپ نے فرمایا: [أَوَفِي شَكٍّ أَنْتَ؟ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا] ''ابن خطاب! کیا تمھیں کوئی شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حصے کی ساری اچھی چیزیں انھیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں۔''[3]

---

[1] مسند أحمد کی مختلف روایات میں یہ الفاظ مذکور ہیں، دیکھیے 333,332/4 و16,15/6 عن صهيب رضی اللہ عنہ۔ [2] تفسير الطبري: 81/14. [3] ملخص از صحیح البخاري، المظالم، باب الغرفة والعلية المشرفة......، حديث: 2468 و 4913 و5191 وصحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء......، حديث: 1479 ومسند أحمد: 140,139/3.

17547

رسول اللہ ﷺ قدرت کے باوجود دنیا میں سب سے زیادہ زاہد تھے، آپ کے پاس جب بھی دنیا کا مال آتا تو آپ اسے فوراً بندگانِ الٰہی میں تقسیم فرما دیتے اور اپنے کل کے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔

امام ابن ابوحاتم نے ابوسعید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَّا يَفْتَحُ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا] ''مجھے تمھارے بارے میں سب سے زیادہ خوف دنیا کی اس چمک کا ہے جو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کھول دے گا۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دنیا کی چمک سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: [بَرَكَاتُ الْأَرْضِ] ''زمین کی برکتیں۔''[1] قتادہ وسدی نے کہا ہے: ﴿ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ سے مراد دنیا کی زندگی کی زینت ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں: ﴿ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی آزمائش کریں۔[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ ''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کریں اور اس پر قائم رہیں۔'' یعنی انھیں نماز کا پابند بنا کر عذاب الٰہی سے بچالیں اور خود بھی اس کی پابندی کریں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم 6:66) ''اے مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔'' امام ابن ابوحاتم نے زید بن اسلم کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ میں اور یَرْفَأ (غلام کا نام) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس رات بسر کرتے تھے، آپ رات کو اٹھ کر ایک خاص وقت میں نماز پڑھا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ نہ اٹھتے تو ہم کہتے کہ آج آپ حسب معمول قیام نہیں فرمائیں گے اور جب بیدار ہوتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرلیا کرتے تھے اور پھر اس وقت اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے: ﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ ''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو۔''[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ ﴾ ''ہم آپ سے روزی کے خواستگار نہیں بلکہ ہم آپ کو روزی دیتے ہیں۔'' یعنی جب آپ نماز قائم کریں گے تو آپ کے پاس ایسی ایسی جگہ سے رزق آئے گا جو آپ کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق 3,2:65) ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، وہ اس کے لیے مخلصی (کی صورت) پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم وگمان بھی نہ ہو۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 51:56-58) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ یقیناً اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔'' اس لیے یہاں فرمایا: ﴿ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2442/7. [2] تفسیر الطبری: 292/16. [3] تفسیر الطبری: 293/16 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2442/7. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 2442/7.

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿133﴾

اور انھوں نے کہا: وہ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا؟ کیا ان کے پاس پہلے صحیفوں میں واضح دلیل نہیں آچکی؟ ﴿133﴾

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

اور اگر بلاشبہ ہم انھیں اس (رسول) سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ لوگ کہتے: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿134﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری آیات کی پیروی کرتے ﴿134﴾ آپ کہہ دیجیے: ہر ایک (انجام کار کا) منتظر ہے، لہٰذا تم بھی انتظار کرو، تم

8 ع 7 17 الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿135﴾ ع

جلد ہی جان لو گے کہ راہِ راست والے کون ہیں اور ہدایت یافتہ کون ہیں ﴿135﴾

نَرْزُقُكَ ؕ ”ہم تم سے روزی کے خواست گار نہیں بلکہ ہم آپ کو روزی دیتے ہیں۔“

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَاابْنَ آدَمَ! تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَّأَسُدَّ فَقْرَكَ، وَإِنْ (لَّمْ) تَفْعَلْ مَلَأْتُ (صَدْرَكَ) شُغْلًا وَّلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ] ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا، میں تیرے سینے کو دولت سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا (میری عبادت کے لیے فارغ نہ ہوا) تو میں تیرے سینے کو مصروفیات سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔“①

ابن ماجہ ہی میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ، فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ، وَمَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ، جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ] ”جس شخص کا مقصود دنیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام کو منتشر کر دیتا ہے اور اس کے فقر کو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کر دیتا ہے اور دنیا سے اس قدر ملتی ہے جو اس کے لیے لکھ دی گئی ہو اور جس کی نیت میں آخرت (کی کامیابی) ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام کو مجتمع کر دیتا ہے، اس کے دل کو غنا سے بھر دیتا ہے اور دنیا ذلیل و رسوا ہو کر اس کے پاس چلی آتی ہے۔“②

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿132﴾ ”اور (نیک) انجام (اہل) تقویٰ کا ہے۔“ دنیا و آخرت میں اچھا انجام اہل تقویٰ ہی کا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ كَأَنَّا فِي دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ، وَّأُتِينَا بِرُطَبٍ مِّنْ رُّطَبِ ابْنِ طَابٍ، فَأَوَّلْتُ: أَنَّ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِي الْآخِرَةِ، وَأَنَّ دِينَنَا قَدْ طَابَ] ”میں نے رات کو خواب

① جامع الترمذی، صفة القيامة......، باب أحاديث: ابتلينا بالضراء......، حديث:2466 و اللفظ له، البتہ دونوں قوسین والے الفاظ سنن ابن ماجه، الزهد، باب الهم بالدنيا، حديث:4107 میں ہیں۔ ② سنن ابن ماجه، الزهد، باب الهم بالدنيا، حديث:4105 .

میں دیکھا، گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر ہیں اور ہمارے پاس ابن طاب کے باغ کی کھجوریں لائی گئی ہیں، میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں سربلندی اور آخرت میں اچھا انجام ہمیں ہی حاصل ہوگا اور ہمارا دین بے حد پاکیزہ ہے۔''[1]

تفسیر آیات:133-135

قرآن مجید ایک نشانی ہے: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ (پیغمبر) اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لائے۔'' یعنی محمد ﷺ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں لائے جو ان کے رسول اللہ ہونے کی صداقت کی دلیل ہوتی، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝﴾ ''کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی نشانی نہیں آئی؟'' یعنی قرآن عظیم جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، حالانکہ آپ نبی امی ہیں نہ اچھی طرح لکھنا جانتے ہیں اور نہ آپ نے اہل کتاب کی کتابوں کو پڑھا ہے، اس کے باوجود قرآن مجید میں بہت ہی پہلے زمانے کے لوگوں کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور وہ سابقہ صحیح کتابوں میں بیان کیے گئے حالات کے عین مطابق ہیں، قرآن مجید ان سب کتابوں پر مشتمل ہے، ان میں موجود صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان غلط باتوں کی نشاندہی کرتا ہے جو انسانوں نے از راہ کذب و افترا ان میں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں، یہ آیت درج ذیل آیات کی طرح ہے: ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (العنکبوت29:50,51) ''اور (کافر) کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں، کہہ دیجیے: نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مومن لوگوں کے لیے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔''

صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''ہر نبی کو ایسی نشانیاں دی گئیں جن پر انسان ایمان لائے تھے اور مجھے جو نشانی دی گئی ہے وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میں سب سے زیادہ کثیر امت والا نبی ہوں گا۔''[2]

آنحضور ﷺ کو جو نشانیاں عطا فرمائی گئیں، ان میں سب سے عظیم نشانی کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے قرآن مجید

---

[1] صحیح مسلم، الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ ......، حدیث: 2270 و سنن أبی داود، الأدب، باب فی الرؤیا، حدیث: 5025 عن أنس رضی اللہ عنہ و اللفظ له. [2] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی......؟ حدیث: 4981 و صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد ﷺ ......، حدیث: 152 عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ.

ورنہ آپ کو بے حد وحساب معجزات عطا فرمائے گئے تھے جیسا کہ اپنے مقامات پر اور اپنے موضوع کی کتب میں ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا ﴾ ”اور اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پیشتر کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا؟“ یعنی اگر اس رسول کریم ﷺ کے ان کی طرف بھیجنے اور اس کتاب عظیم کے ان کی طرف نازل کرنے سے قبل ان تکذیب کرنے والوں کو ہم ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے: ﴿ رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا ﴾ ”اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا؟“ تاکہ ہم اس پر ایمان لے آتے اور اس کی پیروی کرتے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝۱۳۴ ﴾ ”کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام (واحکام) کی پیروی کرتے۔“ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ تکذیب کرنے والے بے حد معاند اور ہٹ دھرم ہیں، یہ ایمان نہیں لائیں گے، ﴿ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 97:10) ”جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:155-157) ”اور (اے کفر کرنے والو!) یہ برکت والی کتاب بھی ہمی نے اتاری ہے، پس اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے (اور اس لیے اتاری ہے) کہ (تم یوں نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتابیں اتری ہیں اور ہم ان کے پڑھنے سے (معذور اور) بے خبر تھے یا (یہ نہ) کہو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں کی نسبت کہیں سیدھے رستے پر ہوتے، سو تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے پھرے، جو لوگ ہماری آیتوں سے پھرتے ہیں، اس پھرنے کے سبب ہم ان کو برے عذاب کی سزا دیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ ﴾ (فاطر 35:42) ”اور یہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو یہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ ﴾ (الأنعام 6:109) ”اور یہ لوگ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ”کہہ دیجیے (اے محمد ﷺ!)“ ان لوگوں سے جو آپ کی تکذیب و مخالفت کرتے اور

اپنے کفر وعناد پر اصرار کرتے ہیں کہ ﴿ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ ﴾ ''سب (نتائج اعمال کے) منتظر ہیں۔'' ہم بھی اور تم بھی، ﴿ فَتَرَبَّصُوۡا ۚ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ ﴾ ''سو تم بھی منتظر رہو، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ (دین کے) سیدھے رستے پر (چلنے والے) کون ہیں۔'' ﴿ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ ﴾ کے معنی سیدھے رستے کے ہیں۔ ﴿ وَمَنِ اهۡتَدٰی ○ ﴾ ''اور راہ پانے والے کون ہیں (ہم یا تم؟)'' حق اور رشد و ہدایت کے رستے پر کون ہیں؟ اور یہ فرمان باری تعالیٰ (حسب ذیل) فرمان کی طرح ہے: ﴿ وَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ حِیۡنَ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ مَنۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ○ ﴾ (الفرقان 42:25) ''اور عنقریب جب وہ عذاب دیکھیں گے جان لیں گے کہ (سیدھے) راستے سے سب سے بڑھ کر گمراہ کون ہے؟'' اور جیسا کہ فرمایا: ﴿ سَیَعۡلَمُوۡنَ غَدًا مَّنِ الۡکَذَّابُ الۡاَشِرُ ○ ﴾ (القمر 26:54) ''ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔''

سورۂ طٰہٰ کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّۃُ.

اور اب سورۂ انبیاء کی تفسیر شروع ہوگی۔ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ.

تفسیر سُوْرَۃُ اَنْبِیَاء

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے، جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کر رہے ہیں ① ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس جو بھی نئی

رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ

نصیحت آتی ہے اسے وہ کھیلتے کودتے (ہنسی مذاق ہی میں) سنتے ہیں ② ان کے دل غافل ہیں، اور ان ظالموں نے چپکے چپکے مشورہ کیا کہ یہ (رسول) تم

ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ

جیسا ایک بشر ہی تو ہے، کیا پھر تم دیکھتے بھالتے (اس کے) جادو میں پھنستے ہو؟ ③ اس (رسول) نے کہا: میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات جانتا

الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ

ہے، اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ④ بلکہ انھوں نے کہا: یہ پراگندہ خواب ہیں، بلکہ اس نے جھوٹ گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ شاعر ہے، پس

هُوَ شَاعِرٌ ۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ

اسے ہمارے پاس کوئی (ایسی) نشانی لانی چاہیے جیسے پہلے رسول بھیجے گئے تھے ⑤ ان سے پہلے کوئی بستی بھی جسے ہم نے ہلاک کیا، ایمان نہیں لائی

اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

تھی، کیا پھر یہ ایمان لائیں گے؟ ⑥

فضیلت: امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء یہ ابتدائی نہایت فصیح سورتیں ہیں اور قدیم سے میری یاد کردہ سورتوں میں سے ہیں۔[1]

تفسیر آیات:1-6

قیامت سر پر ہے اور لوگ غافل ہیں: اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ قیامت قریب ہے اور لوگ غفلت میں پڑے ہوئے

① صحیح البخاري، التفسیر، سورة الأنبیاء، حدیث:4739.

ہیں، یعنی اس کے لیے عمل اور اس کی تیاری نہیں کر رہے ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۱ ﴾ ”وہ غفلت میں (پڑے اس سے) اعراض کر رہے ہیں۔“ اور غفلت سے مراد دنیا ہے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ (النحل 1:16) ”اللہ کا حکم (عذاب) آ ہی پہنچا لہٰذا اس کے لیے جلدی مت کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا...... ﴾ الآیة (القمر 54:1,2) ”قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کر لیتے ہیں......“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اس وحی کی طرف کان نہیں لگاتے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔ یہ خطاب قریش اور ان جیسے دیگر کفار سے ہے، فرمایا: ﴿ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۲ ﴾ ”ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے پروردگار کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ تم اہل کتاب سے اس بارے میں پوچھتے ہو جو ان کے پاس ہے، حالانکہ انھوں نے اس میں تحریف کر دی، اسے بدل دیا اور اس میں کمی بیشی کر دی ہے جبکہ تمھاری کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں میں سے جدید ترین کتاب ہے، تم اسے بالکل اصلی اور خالص حالت میں پڑھتے ہو، اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں ہے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے تقریباً اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ [2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ﴾ ”اور ظالم لوگ (آپس میں) خفیہ مشورے کرتے ہیں۔“ اور خفیہ طور پر اپنی ان باتوں میں کہتے ہیں: ﴿ هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ ”یہ (شخص کچھ بھی) نہیں مگر تمھارے جیسا انسان ہے۔“ یہ باتیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کرتے تھے اور آپ کے نبی ہونے کو وہ بعید سمجھتے تھے کیونکہ آپ ان جیسے انسان تھے لہٰذا ان کے بجائے آپ کو وحی الٰہی کے لیے مختص کیوں کیا گیا؟ اسی لیے کہا: ﴿ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۳ ﴾ ”تو تم آنکھوں دیکھتے جادو (کی لپیٹ) میں کیوں آتے ہو؟“ یعنی کیا تم ان کی پیروی کرتے ہو؟ تمھاری مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص جانتے بوجھتے جادو میں مبتلا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کذب و افترا کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ ”(پیغمبر نے) کہا کہ جو بات آسمان اور زمین میں (کہی جاتی) ہے میرا پروردگار اسے جانتا ہے۔“ یعنی جو یہ جانتا ہے اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں، اس نے اس قرآن کو نازل فرمایا ہے جو اگلے پچھلے تمام لوگوں کی خبروں پر مشتمل ہے اور جس کی کوئی بھی مثال پیش نہیں کر سکتا، البتہ اس کی مثال وہ ذات گرامی ہی پیش کر سکتی ہے جو آسمانوں اور زمین کی تمام خفیہ باتوں سے آگاہ ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۴ ﴾ ”اور وہی خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔“

[1] السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورة الأنبیاء:407/6 ، حدیث:11332. [2] صحیح البخاری، الشهادات، باب لایسأل أهل الشرك عن الشهادة وغیرها......، حدیث:2685 وتفسیر ابن أبی حاتم:154/1 والدر المنثور:160/1.

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

(اے نبی!) آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے، پس اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ

کتاب) سے پوچھ لو⑦ اور ہم نے ان (نبیوں) کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے⑧ پھر ہم نے

فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨

ان (رسولوں) سے (کیا ہوا) وعدہ سچا کر دکھایا، پھر ہم نے ان کو اور جسے ہم نے چاہا نجات دی، اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا⑨

یعنی تمھاری باتوں کو سنتا اور تمھارے حالات کو جانتا ہے، اس میں ان کے لیے شدید وعید اور سرزنش ہے۔

کفار کا قرآن اور رسول کے بارے میں نظریہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ ﴾ ”بلکہ (ظالم) کہنے لگے کہ یہ (قرآن) خوابوں کی پریشان باتیں ہیں (نہیں) بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔“ یہ کفار کی ہٹ دھرمی، الحاد اور قرآن مجید کے بارے میں ان کی اختلاف والی باتوں کا ذکر ہے، نیز اس میں ان کی حیرت و ضلالت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کبھی تو وہ اسے جادو قرار دیتے، کبھی اسے شعر کہتے، کبھی پریشان خوابوں سے تعبیر کرتے اور کبھی اسے اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں کہا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 48:17) ”دیکھیے انھوں نے کس کس طرح آپ کے لیے مثالیں بیان کی ہیں، سو یہ گمراہ ہو رہے ہیں اور رستہ نہیں پا سکتے۔“

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ ﴾ ”تو جیسے پہلے پیغمبر نشانیاں دے کر بھیجے گئے تھے (اسی طرح) یہ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائے۔“ ان کا اشارہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات کی طرف تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 59:17) ”اور ہمیں نشانیوں کے بھیجنے سے مانع یہی ہے کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی۔“ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ ﴾ ”ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا وہ ایمان نہیں لائی تھیں، تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے؟“ یعنی ہم نے جس بستی کی طرف بھی رسول بھیجا انھیں نشانیاں بھی دیں اس کے باوجود بستیوں والے نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے بلکہ انھوں نے تکذیب ہی کی تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا تو کیا یہ لوگ اگر نشانیاں دیکھ لیں تو ایمان لے آئیں گے؟ نہیں! یہ لوگ بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے بلکہ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10: 97،96) ”یقیناً وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اور اگرچہ ان کے پاس ہر نشانی آ جائے، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب بھی دیکھ لیں۔“

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر ظاہر ہونے والی روشن نشانیوں، براہین قاطعہ اور ایسے واضح دلائل کا مشاہدہ کیا جو بالکل ظاہر، روشن اور قطعی تھے اور سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کے مقابلے میں بے حد جاندار اور شان دار تھے مگر اس کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے۔

تفسیر آیات:7-9

تمام پیغمبر بشر تھے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے انسانوں کے رسول ہونے کا انکار کیا تھا، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ﴾ ''اور ہم نے آپ سے پہلے مرد ہی (پیغمبر بنا کر) بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔'' یعنی سابقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر تھے اور مرد تھے، ان میں سے کوئی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ ﴾ (یوسف 109:12) ''اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 9:46) ''کہہ دیجیے: میں رسولوں میں سے انوکھا نہیں ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے بشر کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز ﴾ (التغابن 6:64) ''کیا بشر ہمارے ہادی بنتے ہیں؟'' اسی لیے فرمایا: ﴿ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦ ﴾ ''اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔'' یعنی سابقہ امتوں، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر تمام قوموں کے اہل علم سے پوچھ لو کہ ان کی طرف جو پیغمبر آئے تھے کیا وہ بشر تھے یا فرشتے۔ یقیناً وہ بشر ہی تھے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم ہے کہ اس نے انھی میں سے پیغمبر بھیجے تھے تاکہ ان سے آسانی سے دین و شریعت کے احکام اخذ کیے جاسکیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ﴾ ''اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔'' بلکہ وہ ایسے جسم والے تھے جو کھانا کھاتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ ﴾ (الفرقان 20:25) ''اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔'' یعنی تمام پیغمبر بھی انسان ہی تھے، وہ بھی انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور کسبِ معاش اور تجارت کے لیے بازاروں میں آتے جاتے تھے اور یہ بات نہ ان کے لیے نقصان دہ تھی اور نہ کسر شان کا سبب جیسا کہ مشرکوں نے کہا تھا: ﴿ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ ﴾ الآية (الفرقان 8,7:25) ''یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ وہ ڈرانے والا ہوتا، یا اس کی طرف خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا......''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ﴾ ''اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔'' یعنی دنیا میں۔ بلکہ وہ اپنی زندگی کے پورا

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ ع 1/10/1

بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے، اس میں تمھارا ہی ذکر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟⑩ اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تہس نہس

كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا

کردیں جو ظالم تھیں، اور ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں⑪ پھر جب انھوں نے ہمارے عذاب (کی آہٹ) کو محسوس کیا تو وہ لوگ وہاں

يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬

سے بھاگنے لگے⑫ (ان سے کہا گیا:) مت بھاگو، اور لوٹ جاؤ جہاں تمھیں سامان عیش وعشرت دیا گیا تھا اور اپنے مکانات ومحلات کی طرف، تاکہ تم

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ

سے سوال کیا جائے⑬ وہ کہنے لگے: ہائے ہماری کم بختی! بے شک ہم ہی ظالم تھے⑭ پھر یہی رہی ان کی پکار، حتی کہ ہم نے انھیں کٹے ہوئے

حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮

(اور) بجھے ہوئے بنادیا⑮

ہونے کے بعد فوت ہوجایا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ﴾ (الأنبیآء 21:34) ”اور اے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا۔“

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ اختصاص و امتیاز حاصل تھا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی، ان پر فرشتے اللہ تعالیٰ کے وہ احکام لے کر نازل ہوتے تھے جو مخلوق کے لیے اوامر و نواہی پر مشتمل تھے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ﴾ ”پھر ہم نے ان سے (اپنا) وعدہ سچا کر دیا۔“ وہ وعدہ جو ان کے رب نے ان سے کیا تھا کہ وہ ظالموں کو ضرور ہلاک کر دے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، اس لیے فرمایا: ﴿فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ﴾ ”تو ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات دی۔“ یعنی ان کی اتباع کرنے والے مومنوں کو۔ ﴿وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨﴾ ”اور ہم نے حد سے نکل جانے والوں کو ہلاک کر دیا۔“ یعنی انبیائے کرام کے لائے ہوئے دین و شریعت کی تکذیب کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

تفسیر آیات:10-15

فضیلت قرآن: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی فضیلت کو بیان کرتے اور اس کی قدر و منزلت کو پہچاننے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ﴾ ”البتہ تحقیق ہم نے تمھاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارا ذکر ہے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس میں تمھارا شرف ہے۔[1] ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩﴾ ”کیا تم نہیں سمجھتے؟“ اس نعمت کو اور اسے قبول نہیں کرتے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝﴾ (الزخرف 43:44) ”اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے البتہ نصیحت ہے اور (لوگو!) تم سے عنقریب پرسش ہوگی۔“

ظالموں کو کیسے ہلاک کیا گیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً﴾ ”اور ہم نے

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2446/8.

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کھیل تماشا کرتے ہوئے پیدا نہیں کیا⑯ اگر ہم (یوں ہی) کھیل بنانا چاہتے تو اپنے پاس ہی

مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا

سے اسے بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہوتے⑰ بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، پھر یکا یک وہ (باطل) ملیا میٹ

هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ⑱ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ

ہو جاتا ہے اور تمھارے لیے ان باتوں کی وجہ سے ہلاکت ہے جو تم (اللہ کے بارے میں) بیان کرتے ہو⑱ اور اسی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ⑲ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا

میں ہیں، اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت کرنے سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے (اکتاتے) ہیں⑲ وہ رات اور دن اس کی تسبیح

يَفْتُرُوْنَ ⑳

کرتے ہیں، سست نہیں پڑتے⑳

بہت سی بستیوں کو جو ستم گار تھیں ہلاک کر مارا۔'' کلمہ ﴿ كَمْ ﴾ تکثیر، یعنی کثرتِ تعداد بتانے کے لیے ہے جیسا کہ اس آیت: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:17) ''اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا۔'' میں بھی ﴿ كَمْ ﴾ تکثیر کے لیے ہے جیسا کہ اس آیت میں کأین تکثیر کے لیے ہے: ﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾ (الحج 45:22) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا وہ نافرمان تھیں، لہٰذا وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ ﴾ ''اور ہم نے ان کے بعد اور لوگ پیدا کر دیے۔'' یعنی ان کے بعد ایک اور امت پیدا کر دی۔ ﴿ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ﴾ ''پس جب انھوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا۔'' اور انھوں نے یقین کر لیا کہ اب عذاب یقیناً آنے ہی والا ہے جیسا کہ ان کے نبی نے ان سے وعدہ کیا تھا، ﴿ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ ﴾ ''تو اچانک وہ ان (بستیوں) سے بھاگنے لگے۔'' تو ان سے کہا گیا: ﴿ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ ﴾ ''مت بھاگو اور ان کی طرف واپس ہو جاؤ جن میں تمھیں آسائشیں دی گئی تھیں اور اپنے گھروں کی طرف۔'' ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کہا جائے گا کہ عذاب کے نازل ہونے سے ڈر کر مت بھاگو اور نعمتوں، عیش ونشاط اور اپنی ان اعلیٰ رہائش گاہوں کی طرف لوٹ جاؤ جن میں تم زندگی بسر کر رہے تھے، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ان سے ازراہ مذاق کہا جائے گا۔[1] ﴿ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ ﴾ ''تاکہ تم سے پوچھا جائے'' کہ تم نعمتوں کا کس قدر شکر ادا کرتے تھے۔ ﴿ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ ﴾ ''کہنے لگے: ہائے ہماری شامت! بے شک ہم ظالم تھے۔'' اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے مگر اس وقت اعتراف ان کے لیے کچھ فائدہ مند ثابت نہ ہوگا۔ ﴿ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮ ﴾ ''تو

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2446/8.

ان کی پکار ہمیشہ یہی رہی، یہاں تک کہ ہم نے انھیں کٹے ہوئے، بجھے ہوئے بنا دیا۔" یعنی وہ اسی طرح کی باتیں اور اپنے ظلم کا اعتراف کرتے رہے حتی کہ ہم نے انھیں کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا حتی کہ ان کی حرکات وسکنات اور ان کی آوازیں بھی ختم ہو کر رہ گئیں۔

تفسیر آیات:16-20

کائنات کو عدل وحکمت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے کائنات کو حق اور عدل وانصاف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴾ (النجم 31:53) "تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔" اس نے اس کائنات کو بے مقصد یا محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴾ (ص 27:38) "اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (کائنات) ان کے درمیان میں ہے، اس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا۔ یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں، چنانچہ کافروں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے۔"

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَوْ أَرَدْنَا أَن نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا ﴾ "اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھیل بنائیں تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے۔" ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اپنے پاس سے ان چیزوں کو بنا لیتے اور جنت اور دوزخ، موت وبعثت اور حساب کتاب کو نہ بناتے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِن كُنَّا فَاعِلِينَ ⑰ ﴾ "اگر ہم (ایسا) کرنے والے ہوتے۔" قتادہ، سدی، ابراہیم نخعی اور مغیرہ بن مِقْسَم کہتے ہیں، یعنی ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔[2] مجاہد کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں بھی ﴿ إِنْ ﴾ آیا ہے، وہ انکار کے معنی میں ہے۔[3] ﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ ﴾ "(نہیں) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں۔" یعنی ہم حق کو واضح کر دیتے ہیں اور باطل کو نیست ونابود کر دیتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ ﴾ "تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے، پھر وہ (جھوٹ) اسی وقت نابود ہو جاتا ہے" ختم ہو جاتا ہے اور مضمحل ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ⑱ ﴾ "اور جو (باتیں) تم بیان کرتے ہو ان سے تمھاری ہی خرابی ہے۔" اے لوگو! جو اس بات کے قائل ہو کہ اللہ کے لیے اولاد ہے، یہ محض تمھاری افترا پردازی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتے تو اس کے بندے ہیں اور ان کی شان یہ ہے کہ وہ دن رات اسی کی اطاعت وبندگی میں مصروف رہتے ہیں۔

ہر چیز اللہ ہی کی مملوک ہے: ﴿ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ ﴾ "اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے (مملوک اور اسی کا مال) ہیں اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے

---

[1] تفسیر الطبری: 15/17. [2] تفسیر الطبری: 14/17 وتفسیر البغوی: 285/3. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2448/8.

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿21﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا

کیا انھوں نے زمین میں سے ایسے معبود بنا لیے ہیں جو (مردوں کو) اٹھا کھڑا کریں گے؟﴿21﴾ اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور معبود

اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿22﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ

ہوتے تو ضرور یہ دونوں تباہ ہو جاتے، پس اللہ، عرش کا رب ان باتوں سے پاک ہے جو وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں﴿22﴾ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کی

وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿23﴾

بابت اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا، جبکہ ان (لوگوں) سے باز پرس کی جائے گی﴿23﴾

تکبر نہیں کرتے۔'' یعنی عار محسوس نہیں کرتے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ ﴾(النسآء 4:172) ''مسیح ہرگز اس سے عار نہ رکھے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿19﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿20﴾ ﴾ ''اور نہ وہ تھکتے ہیں، رات اور دن (اس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں (اور) نہ وہ سستی کرتے ہیں۔'' یعنی رات دن کام میں لگے رہتے ہیں، پھر نہ وہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں۔ اور کام سے ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی ہے اور وہ رات دن کام کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ﴾(التحریم 66:6) ''اللہ تعالیٰ انھیں جو حکم فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 21-23

جھوٹے خداؤں کی تردید: جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ''بھلا لوگوں نے (جو) زمین سے (بعض کو) معبود بنا لیا ہے (تو کیا) وہ (ان کو مرنے کے بعد) زندہ کر دیں گے؟'' یعنی کیا مردوں کو زندہ کریں گے اور انھیں زمین سے اٹھائیں گے، وہ تو اس طرح کی کسی بات کی قدرت نہیں رکھتے تو ان لوگوں نے انھیں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کیوں شروع کر دی؟ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر اس کے سوا دوسرے معبودوں کا بھی وجود ہوتا تو آسمانوں اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا، چنانچہ فرمایا: ﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ ﴾ ''اگر ان (آسمانوں اور زمین) میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں (زمین و آسمان) درہم برہم ہو جاتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ﴾(المؤمنون 23:91) ''اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی معبود ہے، ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر چل دیتا اور البتہ بعض ان کے بعض پر چڑھائی کرتے۔ یہ لوگ جو کچھ (اللہ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔''

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ

کیا انھوں نے اس (اللہ) کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم اپنی دلیل لاؤ، یہ (توحید ہی) میرے ساتھیوں کا ذکر ہے اور مجھ سے پہلوں کا بھی

قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿24﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

ذکر تھا، بلکہ ان میں سے اکثر حق کا علم نہیں رکھتے، پھر وہ (اس سے) اعراض کر رہے ہیں﴿24﴾ اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿25﴾

یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو﴿25﴾

اور یہاں فرمایا: ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''پس جو باتیں یہ لوگ بیان کرتے ہیں، اللہ مالکِ عرش ان سے پاک ہے۔'' یعنی یہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا بیٹا یا اس کا کوئی شریک ہے تو اس کی ذات گرامی ان کے اس کذب و افترا سے پاک اور بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''وہ جو کام کرتا ہے اس سے اس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔'' یعنی وہ حاکم ہے اس کی عظمت و جلال، کبریائی، علم و حکمت اور عدل و لطف کے باعث اس کے حکم کو نہ کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ اس پر اعتراض کر سکتا ہے جبکہ وہ اپنی مخلوق سے ان کے اعمال کے بارے میں ضرور پرسش کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:92,93) ''آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔'' اور فرمانِ مذکور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ﴾ (المؤمنون 23:88) ''اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی۔''

تفسیر آیات: 25,24

اللہ ہی معبود برحق ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ ﴾ ''کیا ان لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں؟ کہہ دیجیے'' اے محمد (ﷺ!): ﴿ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ ﴾ ''(اس بات پر) اپنی دلیل پیش کرو۔'' یعنی جو تم کہتے ہو۔ ﴿ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ ﴾ ''یہ ان کا ذکر ہے جو میرے ساتھ ہیں۔'' یعنی قرآن مجید، ﴿ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ ﴾ ''اور جو مجھ سے پہلے ہیں ان کا بھی (یہی ذکر ہے۔)'' یعنی سابقہ آسمانی کتابیں بھی اس کے خلاف ہیں جو تم کہتے اور گمان کرتے ہو کیونکہ ہر وہ کتاب جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بھی نبی پر نازل فرمایا وہ یہ بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں لیکن مشرکو! تم حق کو نہیں جانتے ہو، اسی لیے اس سے منہ پھیر رہے ہو، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿25﴾ ﴾ ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:45) ''اور (اے محمد ﷺ!) جو اپنے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿26﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ

اور انھوں نے کہا: رحمٰن نے اولاد بنائی ہے۔ وہ (اس سے) پاک ہے، بلکہ وہ (فرشتے) تو (اللہ کے) معزز و مکرم بندے ہیں ﴿26﴾ وہ بات کرنے میں اس

بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ

سے سبقت نہیں کرتے، اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں ﴿27﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے، اور وہ صرف اس کی سفارش

ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿28﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ

کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں ﴿28﴾ اور ان میں سے جو یہ کہے کہ بے شک اللہ کے سوا میں بھی

فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ ع 2/19/2

معبود ہوں تو اسے ہم اس (بات) کا بدلہ جہنم دیں گے، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿29﴾

ان کے احوال دریافت کرلیں، کیا ہم نے (اللہ) رحمان کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 36:16) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

ہر نبی نے، جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی دعوت دی اور فطرت بھی اسی بات کی شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنی چاہیے جبکہ مشرکوں کے پاس غیر اللہ کی پرستش کی کوئی دلیل نہیں ہے، ان کی ساری دلیلیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطل ہیں، اسی وجہ سے یہ غضب الٰہی کے مستحق ہیں اور آخرت میں ان کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔

تفسیر آیات: 26-29

فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینے والوں کی تردید: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جن کا یہ گمان تھا کہ فرشتے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اولاد ہیں جیسا کہ بعض عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿26﴾ ﴾ ''وہ پاک ہے بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کی بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ (اس کے) عزت والے بندے ہیں۔'' یعنی فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے نزدیک قابل عزت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں عظیم الشان مکانات اور بلند ترین مقامات سے سرفراز فرما رکھا ہے اور وہ اپنے قول وفعل اور ہر طرح سے اس کی حد درجہ اطاعت بجالاتے ہیں، ﴿ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''وہ بات کرنے میں اس (اللہ) سے سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔'' کسی بھی کام میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ اس کے کسی بھی حکم کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ اس کی اطاعت کے لیے فوراً سرگرم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس سے ان کی کوئی بات بھی مخفی نہیں ہے، ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ ''جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ جانتا ہے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾ ''اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کرتے مگر اسی شخص کے

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ

کیا کافروں نے نہیں دیکھا (غور کیا) کہ بے شک آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے ان دونوں کو الگ الگ کر دیا،

الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿30﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪

اور ہم نے پانی سے ہر زندہ شے بنائی، کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے؟ ﴿30﴾ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے، تاکہ وہ ان کے ساتھ

وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿31﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا

جھکنے (نہ) پائے، اور ہم نے اس میں کھلی راہیں رکھیں، تاکہ وہ (لوگ) راہ پائیں ﴿31﴾ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا، جبکہ

مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿32﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ

وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں ﴿32﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿33﴾

کیا، سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں ﴿33﴾

لیے جس کو اللہ پسند کرے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ﴾ (البقرة 2:255) ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کرے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ﴾ (سبا 34:23) ''اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے کوئی) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿28﴾ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں۔'' ﴿ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿29﴾﴾ ''تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔'' یعنی ان میں سے جو بھی ایسی بات کہے، یعنی یہ شرط ہے اور شرط کا وقوع پذیر ہونا لازم نہیں ہوتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖۗ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ○﴾ (الزخرف 43:81) ''کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے لیے اولاد ہوتو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔'' یا جیسے یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○﴾ (الزمر 39:65) ''اگر تم نے شرک کیا تو تمھارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

تفسیر آیات:30-33

اللہ کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ ہی نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور تمام مخلوقات پر اسی کا غلبہ وتسلط ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت کاملہ اور عظیم الشان بادشاہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا ﴾ ''کیا کافروں نے نہیں دیکھا؟'' یعنی اس کی الوہیت کا انکار کرنے والوں اور اس کے ساتھ غیر کی پوجا کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اور اس ذات گرامی کے قبضہ واختیار میں کائنات کی تدبیر ہے، پھر اس کے ساتھ کسی غیر کی پوجا

کیوں کی جائے اور کسی اور کو اس کا شریک کیوں ٹھہرایا جائے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا: ﴿ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا ﴾ ''بلاشبہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے۔'' یعنی ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور ابتدائے آفرینش کے وقت باہم ملے جلے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور سات آسمان بنا دیے اور سات ہی زمینیں بنا دیں، آسمان دنیا اور زمین کو ہوا کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ کر دیا، آسمان سے بارش برسانا اور زمین سے نباتات اگانا شروع فرما دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں، پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟'' یعنی وہ تمام مخلوقات کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے کہ پیدا ہو کر کس طرح آہستہ آہستہ پروان چڑھتی ہیں اور کائنات کی یہ تمام چیزیں اس صانع، فاعل، مختار اور قادر مطلق کے وجود کی دلیل ہیں۔

فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

''ہر چیز میں اس کے لیے نشانی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ذات پاک وحدہ لاشریک ہے۔''

﴿ كَانَتَا رَتْقًا ﴾ کا مفہوم: سفیان ثوری نے اپنے والد سے اور انھوں نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ رات پہلے تھی یا دن۔ انھوں نے فرمایا دیکھو جب آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ان کے درمیان تاریکی ہی تو تھی، اس سے معلوم ہوا کہ رات دن سے پہلے تھی۔[1] ابن ابو حاتم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان کے پاس آ کر ایک شخص نے اس آیت کریمہ: ﴿ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ ﴾ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس شیخ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو اور جو جواب دیں مجھے بھی آ کر بتاؤ تو اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ہاں! آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے، آسمان ملا ہوا تھا اور اس سے بارش نہیں برستی تھی اور زمین بھی ملی ہوئی تھی اور اس سے نباتات نہیں اگتی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے مخلوق کو پیدا فرما دیا تو آسمان کو جدا کر دیا تا کہ اس سے بارش برسے اور زمین کو جدا کر دیا تا کہ نباتات اگے۔ اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس واپس جا کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جواب کے بارے میں بتایا تو انھوں نے فرمایا: ہاں! اب معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو واقعی قرآن کا علم ہے، انھوں نے بالکل سچ فرمایا، واقعی بات اسی طرح ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے تفسیر قرآن کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جرأت سے تعجب ہوتا تھا لیکن ان کی یہ تفسیر سن کر مجھے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو واقعی قرآن کا علم ہے۔[2] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ آسمان اور زمین آپس میں چمٹے ہوئے تھے، آسمان کو اوپر اٹھا دیا گیا اور اس سے زمین کو ظاہر کر دیا گیا تو یہی ان دونوں کا جدا جدا کرنا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔[3] حسن وقتادہ کا قول ہے کہ دونوں اکٹھے تھے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ہوا کے ساتھ جدا جدا کر دیا۔[4]

---

① تفسیر الطبری:27/17 والدر المنثور:569/4. ② تفسیر ابن أبی حاتم:2450/8. ③ الدرالمنثور:570/4. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:2451/8.

جنت میں داخلے کا جامع پیکج: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط ﴾ ''اور ہم نے تمام جاندار چیزیں پانی سے بنائیں۔'' یعنی تمام جان دار چیزوں کی اصل پانی ہے۔ امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں جب آپ کے دیدار سے فیض یاب ہوتا ہوں تو میرا جی خوش ہو جاتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، آپ مجھے ہر چیز کے بارے میں بتادیں۔ آپ نے فرمایا: [كُلُّ شَيْءٍ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ] ''ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔'' میں نے عرض کی: مجھے ایک ایسا کام بتادیں کہ میں اس کے کرنے سے جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: [أَفْشِ السَّلَامَ، وَأَطْعِمِ الطَّعَامَ، وَصِلِ الْأَرْحَامَ، وَقُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، ثُمَّ ادْخُلِ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ] ''سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو قیام کرو جب لوگ سو رہے ہوں اور پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔''[1] اس حدیث کی سند صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، البتہ اس میں ایک راوی ابو میمونہ سنن کے رجال میں سے ہے، ان کا نام سلیم ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ ان کی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ ﴾ ''اور ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے۔'' یعنی ہم نے پہاڑوں کے ساتھ زمین کو قرار دیا اور اسے بوجھل بنا دیا تاکہ ہلنے جلنے نہ لگے کیونکہ اس کے ہلنے جلنے سے اس کے رہنے والوں کو قرار نصیب نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے کہ ایک چوتھائی حصے کے سوا باقی ساری زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، ایک چوتھائی حصہ پانی سے باہر ہوا اور دھوپ میں ہے تاکہ زمین کے بسنے والے آسمان اور اس میں ودیعت کی ہوئی روشن نشانیوں، حکمتوں اور علامتوں کا مشاہدہ کر سکیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ص ﴾ ''کہ وہ انھیں ہلا (نہ) دے۔''

پہاڑوں میں کشادہ راہیں: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا ﴾ ''اور ہم نے اس میں کشادہ رستے بنائے۔'' یعنی پہاڑوں میں گھاٹیاں بنا دیں۔ جن میں چل کر لوگ ایک علاقے سے دوسرے علاقے اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ مشاہدے کی بات ہے کہ بہت سے ملکوں کے درمیان پہاڑ حائل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے درمیان راستہ بنایا ہوتا ہے تاکہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ آ جا سکیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ ''تاکہ لوگ راہ پائیں۔''

آسمان قبے کی طرح ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ﴾ ''اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔'' یعنی آسمان کو زمین کے اوپر چھت بنا دیا آسمان اس طرح ہے جیسے زمین پر قبہ ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِأَيْدٍ وَّإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾ (الذّٰريٰت 47:51) ''اور آسمان کو ہم نے اپنی طاقت سے بنایا اور بلاشبہ ہم بہت وسعت والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴾ (الشّمس 5:91) ''اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم! جس نے اسے بنایا۔'' ﴿ أَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا إِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴾ (قٓ 6:50) ''کیا پھر انھوں نے اپنے

---

[1] مسند أحمد: 295/2.

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿34﴾ كُلُّ نَفْسٍ

اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر اگر آپ مر جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟﴿34﴾ ہر نفس موت کو

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿35﴾

چکھنے والا ہے۔ اور ہم تمھیں پرکھنے کے لیے برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں، اور تمھیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے﴿35﴾

اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیونکر بنایا اور (کیونکر) سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔'' بنانے سے مراد قبہ نصب کرنا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ] ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔''① یعنی پانچ ستونوں پر اور ستون خیموں ہی کے لیے ہوتے ہیں جیسا کہ عربوں کے ہاں معمول ہے۔ ﴿مَّحْفُوْظًا ۚ﴾ بلند اور محفوظ تاکہ اس تک پہنچا نہ جا سکے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ محفوظ کے معنی بلند ہیں۔②

شمس وقمر میں غور وفکر: فرمان الٰہی ہے: ﴿وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿32﴾﴾ ''اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○﴾ (یوسف 105:12) ''اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، جن پر وہ اس حال میں گزرتے ہیں کہ ان سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔'' یعنی فکر نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کس قدر وسیع وعریض اور بلند پیدا فرمایا ہے اور پھر انھیں کیسے کیسے کواکب وثوابت اور سیاروں کے ساتھ مزین فرمایا ہے جن میں سب سے نمایاں سورج ہے جو دن رات میں سارے فلک کو عبور کر کے اس قدر طویل مسافت طے کرتا ہے کہ اس کے اندازے کو صرف وہی جانتا ہے جس نے اسے مسخر کیا اور چلایا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض دیگر نشانیوں کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو بنایا۔'' یعنی رات میں اندھیرا اور سکون پیدا فرما دیا اور دن کو منور اور مانوس بنا دیا اور پھر کبھی دن لمبا اور رات چھوٹی ہوتی ہے اور کبھی رات لمبی اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔ ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ﴾ ''اور سورج اور چاند کو بنایا'' کہ ان میں سے ہر ایک کی خاص روشنی، اپنا مدار، علیحدہ زمانہ اور مخصوص حرکات وسکنات ہیں، اور دوسرا ان تمام امور میں اس سے جدا ہے۔ ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿33﴾﴾ ''(یہ سورج، چاند اور ستارے) سب (اپنے اپنے) مدار میں تیرتے ہیں۔'' یعنی گھوم رہے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سب اس طرح گھوم رہے ہیں جس طرح چرخے میں تکلا گھومتا ہے۔③ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾ (الأنعام 96:6) ''وہ (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذریعۂ) حساب بنایا ہے، یہ اس (اللہ) نہایت غالب (اور) خوب علم والے کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں۔''

تفسیر آیات: 35,34

① صحيح البخاري، الإيمان، باب: دعاء كم إيمانكم......، حديث: 8 عن ابن عمر رضي الله عنهما. ② تفسير الطبري: 30/17.
③ تفسير ابن أبي حاتم: 2452/8.

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کو مذاق ہی کا نشانہ بناتے ہیں (کہتے ہیں:) کیا یہی ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر (اہانت سے) کرتا

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿36﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا

ہے؟ حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں ﴿36﴾ انسان جلد بازی (کے خمیر) سے تخلیق کیا گیا ہے، میں تمھیں اپنی نشانیاں جلد دکھاؤں گا، پس تم

تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿37﴾

مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو ﴿37﴾

دنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا۔'' یعنی دنیا میں۔ بلکہ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿ۚ﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿ۚ﴾﴾ (الرحمٰن 27,26:55) ''جو (مخلوق) اس (زمین) پر ہے سب کو فنا ہونا ہے، اور آپ کے پروردگار کا جلال وعظمت والا چہرہ ہی باقی رہے گا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿اَفَاۡئِنْ مِّتَّ﴾ ''پس بھلا اگر آپ فوت ہو جائیں؟'' اے محمد (ﷺ!) ﴿فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿34﴾﴾ ''تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟'' یعنی یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں گے، لہٰذا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ایک نے ایک نہ ایک دن فوت ہو جانا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ ''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے درج ذیل دو شعر پڑھے اور ان سے استشہاد کیا:

تَمَنّٰى رِجَالٌ أَنْ أَمُوتَ وَإِنْ أَمُتْ ... فَتِلْكَ سَبِيلٌ لَّسْتُ فِيهَا بِأَوْحَدِ

''کچھ لوگوں کی تمنا ہے کہ میں مرجاؤں اور اگر میں مرجاؤں تو یہ کوئی ایسا رستہ نہیں جس پر میں اکیلا ہی چلنے والا ہوں۔''

فَقُلْ لِّلَّذِي يَبْغِي خِلَافَ الَّذِي مَضٰى ... تَهَيَّأْ لِأُخْرٰى مِثْلِهَا فَكَأَنْ قَدِ

''جو شخص مروجہ قانون کے خلاف چاہتا ہے اس سے یہ کہہ دو کہ تم اس جیسی دوسری صورت حال کے لیے تیار ہو جاؤ کیونکہ وہ حالت آنے والی ہے۔'' [1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ﴾ ''اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔'' یعنی ہم کبھی تمھیں مصائب میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور کبھی نعمتیں دے کر آزمائش کرتے ہیں اور ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ شکر کون کرتا ہے اور کفرانِ نعمت کو کون اختیار کرتا ہے، صبر کون کرتا ہے اور نا امیدی کا مظاہرہ کون کرتا ہے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَنَبْلُوْكُمْ﴾ کے معنی ہیں کہ ہم تمھیں مبتلا کرتے ہیں ﴿بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ﴾ ''سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر۔'' یعنی سختی اور نرمی کے ساتھ، صحت اور بیماری کے ساتھ،

[1] سیر أعلام النبلاء، ترجمة الإمام الشافعي: 72/10 .

دولت مندی اور فقیری کے ساتھ، حلال وحرام کے ساتھ، طاعت ومعصیت کے ساتھ اور ہدایت وضلالت کے ساتھ۔ [1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''اور تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔'' پھر ہم تمھارے اعمال کے مطابق تمھیں بدلہ دیں گے۔

تفسیر آیات: 37,36

مشرکین کا نبی ﷺ کے ساتھ استہزا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ ''اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں۔'' یعنی کفار قریش، جیسے ابوجہل اور اس جیسے دیگر کفار ﴿ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ﴾ ''تو وہ صرف آپ ہی سے استہزا کرتے ہیں۔'' آپ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ﴾ ''یہی وہ شخص ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے؟'' یعنی کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمھارے معبودوں کو گالیاں دیتا اور تمھارے عقل مندوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ ''حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔'' یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ استہزا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ○ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ○ ﴾ (الفرقان 25:41,42) ''اور یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ہنسی ہی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اگر ہم اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہم کو بہکا دیتا (اور ان سے پھیر دیتا) اور (یہ لوگ) عنقریب معلوم کر لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ سیدھے رستے سے کون زیادہ بہکا ہوا ہے۔''

انسان عجلت پسند ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ﴾ ''انسان جلد بازی (کے خمیر) سے بنایا گیا ہے۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:11) ''اور انسان بہت جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔'' یعنی اپنے امور میں جلد باز ہے۔ یہاں انسان کی جلد بازی کے بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ استہزا کرنے والوں کا ذکر ہوا تو دلوں میں یہ خیال آیا کہ ان سے فوراً انتقام لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ﴾ ''انسان جلد بازی (کے خمیر) سے بنایا گیا ہے۔'' لیکن اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دے دیتا ہے اور جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا، یعنی پہلے مہلت دیے رکھتا ہے، پھر اس کے بعد تاخیر نہیں کرتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ ﴾ ''میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا۔'' یعنی میں اپنے نافرمان لوگوں سے کس طرح انتقام لیتا ہوں، ان کے بارے میں کس طرح فیصلہ کرتا ہوں اور ان پر مجھے کس طرح قبضہ وتسلط حاصل ہے؟ ﴿ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴾ ''سو مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔''

[1] تفسیر الطبری: 34/17 وتفسیر ابن أبي حاتم: 2452/8.

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿38﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ

اور وہ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو یہ (عذاب یا قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا؟ ﴿38﴾ کاش! کافر اس وقت کو جان لیں جب وہ اپنے

لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿39﴾ بَلْ

چہروں سے آگ نہیں ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے، اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی ﴿39﴾ بلکہ وہ (قیامت) اچانک ہی انھیں آلے گی، سو وہ ان

تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿40﴾

کے ہوش کھو دے گی، پھر وہ اسے ٹال نہ سکیں گے اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی ﴿40﴾

تفسیر آیات: 38-40

مشرکوں کا عذاب کو جلد طلب کرنا: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ تکذیب وانکار اور کفر وعناد کی وجہ سے اور عذاب کو بعید سمجھنے کی وجہ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿38﴾﴾ ”اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا۔“ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ ”اے کاش! کافر اس وقت کو جانیں جب وہ اپنے چہروں پر سے (دوزخ کی) آگ کو ہٹا نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے۔“ یعنی اگر انھیں یقین ہو کہ قیامت واقعی آنے والی ہے تو یہ عذاب کے لیے کبھی بھی جلدی نہ کریں اور اگر یہ لوگ اس وقت کو جان لیں جب عذابِ الٰہی انھیں اوپر سے ڈھانپ لے گا اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ان کو اپنی گرفت میں لے لے گا، ﴿لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ (الزمر 39:16) ”ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے (بھی آگ کے) سائبان ہوں گے۔“ اور فرمایا: ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ (الأعراف 7:41) ”ایسے لوگوں کے لیے (نیچے) بچھونا بھی (آتش) جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اسی کا۔)“

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ ”جب وہ اپنے چہروں سے (دوزخ کی) آگ کو روک نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے۔“ اور فرمایا: ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ (إبراهيم 14:50) ”ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانک رہی ہوگی۔“ یعنی تمام اطراف سے عذاب ان کا احاطہ کر رہا ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿39﴾﴾ ”اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔“ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ (الرعد 13:34) ”اور ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔“ ارشاد الٰہی ہے: ﴿بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً﴾ ”بلکہ ان پر ناگہاں آ واقع ہوگی۔“ یعنی آگ ان پر اچانک آ واقع ہوگی، ﴿فَتَبْهَتُهُمْ﴾ ”تو ان کے ہوش کھو دے گی۔“ یعنی ان کو خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا کر دے گی تو وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں اس کے لیے فرماں بردار ہو جائیں گے اور انھیں کچھ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کیا کریں۔ ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا﴾ ”پھر نہ تو وہ اس کو ہٹا سکیں گے۔“ اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی حیلہ اور تدبیر نہ ہوگی، ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿40﴾﴾ ”اور نہ ان کو

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور (اے نبی!) بلاشبہ آپ سے پہلے بھی رسولوں سے استہزا کیا گیا، پھر جن لوگوں نے ان (رسولوں) سے تمسخر کیا انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا

ع 3 12 3 يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿41﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ط بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿41﴾ کہہ دیجیے: رات اور دن میں کون تمھاری نگہبانی کرتا ہے رحمٰن (کے عذاب) سے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض

مُّعْرِضُوْنَ ﴿42﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ط لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ

کرنے والے ہیں ﴿42﴾ کیا ہمارے سوا ان کے کوئی (اور) معبود ہیں جو انھیں ہم سے بچاتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی جانوں کی بھی مدد کی طاقت نہیں

مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿43﴾

رکھتے، اور نہ وہ ہم (ہمارے عذاب) ہی سے محفوظ ہیں ﴿43﴾

مہلت دی جائے گی۔'' یعنی نہ لمحہ بھر ہی کے لیے اسے ان سے مؤخر کیا جائے گا۔

تفسیر آیات: 41-43

استہزا کرنے والے کے لیے سابقہ لوگوں سے عبرت: مشرکین نے استہزا اور تکذیب کی صورت میں جو ایذا پہنچائی، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿41﴾ ﴾ ''اور البتہ تحقیق آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ استہزا ہوتا رہا ہے تو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو اسی (عذاب) نے جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے آ گھیرا۔'' یعنی جس عذاب کے آنے کو وہ بعید سمجھتے تھے، اسی عذاب نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:34) ''اور البتہ تحقیق آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر جھٹلائے گئے تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں اور البتہ تحقیق آپ کو پیغمبروں (کے احوال) کی خبریں پہنچ چکی ہیں (لہٰذا آپ بھی صبر سے کام لیں۔)''

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ رات دن ان کی حفاظت فرماتا ہے اور اپنی ان آنکھوں کے ساتھ ان کی نگہداشت فرماتا ہے جو سوتی ہی نہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ط ﴾ ''کہہ دیجیے: رات اور دن میں اللہ سے تمھاری کون حفاظت کر سکتا ہے؟'' یعنی رحمان کے بغیر تمھاری اور کون حفاظت کر سکتا ہے؟

فرمان الٰہی ہے: ﴿ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''بلکہ وہ اپنے پروردگار کی یاد سے اعراض کرنے والے ہیں۔'' یعنی اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ اس کی نشانیوں اور اس کی نعمتوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ط ﴾ ''کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں جو ان کو (مصائب سے) بچاتے ہیں؟'' استفہام انکاری ہے جو زجر و توبیخ اور سرزنش کے طور پر ہے، یعنی کیا ہمارے سوا ان کے کوئی اور معبود ہیں جو ان کی حفاظت کر

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ

بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے باپ دادا کو فائدہ دیا حتی کہ ان پر (مدت) عمر لمبی ہوگئی، کیا پھر وہ نہیں دیکھتے کہ بے شک ہم زمین کو اس کے اطراف

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ

سے گھٹاتے آتے ہیں (کفر سست رہا ہے)، کیا پھر بھی وہی غالب آنے والے ہیں ﴿44﴾ کہہ دیجیے: بس میں تو تمھیں وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں، اور

الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿45﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ

بہرے پکار کو نہیں سنتے جب وہ ڈرائے جائیں ﴿45﴾ اور البتہ اگر انھیں آپ کے رب کے عذاب کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی چھو جائے تو وہ ضرور کہیں

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿46﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ

گے: ہائے ہماری کم بختی! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے ﴿46﴾ اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اور اگر رائی کے

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿47﴾

دانے کے برابر بھی (عمل) ہوگا تو ہم اسے (تولنے کے لیے) لے آئیں گے، اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں ﴿47﴾

سکیں اور انھیں آلام و مصائب سے بچا سکیں؟ نہیں بات اس طرح نہیں جس طرح یہ وہم و گمان کیے ہوئے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ”وہ آپ اپنی مدد تو کر ہی نہیں سکیں گے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انھوں نے جن معبودانِ باطلہ کو اپنا سہارا بنا رکھا ہے وہ تو آپ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے کسی اور کی مدد کیا کریں گے؟ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿43﴾ ﴾ ”اور نہ ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جاتا ہے۔“ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ پناہ نہیں دیے جائیں گے۔[1]

تفسیر آیات:44-47

مشرکین کی فریب خوردگی: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس ضلالت و گمراہی میں یہ مبتلا ہیں اس پر اسی بات نے انھیں فریب خوردہ کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں انھیں مال و دولت سے نوازا گیا اور انھیں طویل عمریں عطا کی گئیں جس کی وجہ سے انھوں نے یہ گمان کیا کہ وہ حق پر ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ ﴾ ”کیا پھر یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 27:46) ”اور بلاشبہ تمھارے اردگرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور پھیر پھیر کر آیات بیان کیں تاکہ وہ رجوع کریں۔“

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے کفر پر اسلام کا غلبہ مراد ہے۔[2] معنی یہ ہیں کہ کیا یہ لوگ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرمائی، تکذیب کرنے والی امتوں کو ہلاک کر دیا، ظالموں کی بستیوں کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالا اور اپنے مومن بندوں کو سرفرازی عطا فرمائی، اسی لیے فرمایا:

① تفسیر الطبری: 41/17. ② تفسیر الطبری: 226/13 و تفسیر عبد الرزاق: 386/2، رقم: 1864.

﴿ اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴾ ''تو کیا یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں؟'' نہیں بلکہ یہ مغلوب، گھٹیا، خائب وخاسر اور ذلیل ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُكُمۡ بِالۡوَحۡیِ ﴾ ''کہہ دیجیے: میں تو تمھیں صرف وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں۔'' یعنی میں نے تمھیں اللہ تعالیٰ کی جس سزا اور عذاب سے ڈرایا ہے تو یہ اس وحی الٰہی پر مبنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے لیکن یہ اس کے کچھ کام نہیں آ سکتی جس کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت سے محروم کر دیا اور جس کے کانوں اور دل پر اس نے مہر لگا دی ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا یَسۡمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنۡذَرُوۡنَ ﴾ ''اور بہروں کو جب ڈرایا جائے تو وہ پکار کو نہیں سنتے۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَلَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ نَفۡحَةٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوۡلُنَّ یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴾ ''اور البتہ اگر ان کو آپ کے پروردگار کا تھوڑا سا عذاب بھی پہنچے تو کہنے لگیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! بے شک ہم ظالم تھے۔'' یعنی ان لوگوں کو اگر تھوڑا سا عذابِ الٰہی بھی پہنچے تو فوراً اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہنے لگیں گے کہ دنیا میں یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔

﴿ الۡمَوَازِیۡنَ ﴾ **کا مفہوم:** ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَنَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡـًٔا ﴾ ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔'' یعنی قیامت کے دن ہم میزانِ عدل قائم کریں گے یہاں اگرچہ موازین جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن اکثر ائمہ کا قول ہے کہ میزان ایک ہو گا لیکن جمع کا ﴿ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡـًٔا ؕ وَاِنۡ كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَیۡنَا بِهَا ؕ وَكَفٰی بِنَا حٰسِبِیۡنَ ﴾ ''تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہو گا تو ہم اس کو لا موجود کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔'' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا یَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ﴾ (الکہف 18 : 49) ''اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفۡهَا وَیُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:40) ''یقیناً اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہو گی تو اسی کو دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بخشے گا۔'' حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِیۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ یَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:16) ''میرے بیٹے! یقیناً اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو، پھر ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں تو اللہ اس کو (قیامت کے دن) لا موجود کرے گا، کچھ شک نہیں کہ اللہ نہایت باریک بین (اور) خوب خبردار ہے۔''

پسندیدہ ترین کلمے: صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ] ''دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، اور میزان میں بھاری ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہیں'' (اور وہ یہ ہیں:) [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ ،سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ] ''پاکی (بیان کرتا ہوں)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾ الَّذِيْنَ

اور یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان (تورات) اور روشنی عنایت کی اور (ان) متقین کے لیے نصیحت (دی) ﴿48﴾ جو اپنے

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿49﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ

رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے بھی ڈرنے والے ہیں ﴿49﴾ اور یہ (قرآن) بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے

اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿50﴾ ع

نازل کیا ہے، کیا پھر تم اس کے منکر ہو؟ ﴿50﴾

اللہ کی اس کی تعریف کے ساتھ، پاکی (بیان کرتا ہوں) نہایت عظیم اللہ تعالیٰ کی۔“[1]

خائن ملازم سے حسن سلوک: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص آپ کے سامنے بیٹھا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے دو غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، خیانت اور نافرمانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے میں انھیں مارتا اور گالیاں دیتا ہوں تو میرا ان سے یہ معاملہ کس طرح ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: [يُحْسَبُ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ، فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَّكَ عَلَيْهِمْ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَّا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمُ اقْتُصَّ لَهُمْ مِّنْكَ الْفَضْلُ الَّذِي بَقِيَ قِبَلَكَ] ”ان کی خیانت، نافرمانی اور تکذیب اور تیری ان کو سزا کا حساب لگایا جائے گا، اگر تیری طرف سے ان کو دی گئی سزا ان کے گناہوں سے کم ہوئی تو سزا سے بڑھے ہوئے ان کے گناہوں کی وجہ سے تجھے ان پر فضیلت حاصل ہوگی اور اگر تیری طرف سے انھیں دی گئی سزا ان کے گناہوں کے بقدر ہوئی تو حساب برابر ہوگا، نہ تیرا کوئی حق ہوگا اور نہ ان کی کوئی گرفت ہوگی اور اگر تیری طرف سے انھیں دی گئی سزا ان کے گناہوں سے زیادہ ہوئی تو اس زیادہ سزا کا تجھ سے بدلہ دلایا جائے گا۔“ یہ فرمان نبوی سن کر اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے زار و قطار رونا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا لَهُ، أَمَا يَقْرَأُ كِتَابَ اللّٰهِ: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿47﴾ ﴾] ”اسے کیا ہے؟ کیا یہ اللہ کی کتاب کی یہ آیت نہیں پڑھتا: ”اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو لا موجود کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔“ یہ سن کر اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) مجھے ان غلاموں کے آزاد کر دینے سے بہتر کوئی بات معلوم نہیں ہوتی، اس لیے میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں۔[2]

---

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب إذا قال: والله لا أتكلم اليوم……، حديث:6682 و صحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل التهليل……، حديث:2694. [2] مسند أحمد:281,280/6 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنبياء، حديث:3165.

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ

اور بلاشبہ اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی دانائی دی تھی اور ہم اسے خوب جاننے والے تھے ﴿51﴾ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾ قَالَ

کہا: یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے لیے تم مجاور (بنے بیٹھے) ہو؟ ﴿52﴾ وہ کہنے لگے: ہم نے اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ﴿53﴾ اس

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ

(ابراہیم) نے کہا: بلاشبہ تم اور تمھارے باپ دادا کھلی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہو ﴿54﴾ انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے یا تو کھیلنے والوں

اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى

میں سے ہے؟ ﴿55﴾ اس (ابراہیم) نے کہا: بلکہ تمھارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انھیں پیدا کیا اور میں اس پر (تمھارے سامنے) گواہی

ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾

دینے والوں میں سے ہوں ﴿56﴾

تفسیر آیات: 48-50

تورات اور قرآن کا نزول: قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ اور ان دونوں کی کتابوں کا یکجا ذکر فرمایا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی کتاب عطا کی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ فرقان سے مراد کتاب ہے۔[1] ابو صالح کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورات ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں اس سے مراد تورات میں بیان کردہ حلال و حرام کے ضابطے اور وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں فرق بیان فرمایا ہے۔[3] اس سلسلے میں جامع قول یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابیں حق و باطل، ہدایت و ضلالت، نیکی و بدی اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے پر مشتمل ہیں، نیز یہ اس بات پر مشتمل ہیں جس سے دلوں میں نور، ہدایت، خوف، انابت اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے، اس لیے فرمایا: ﴿الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾﴾ ''(ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سراسر) روشنی اور نصیحت (کی کتاب عطا کی) پرہیز گاروں کے لیے۔'' پھر پرہیز گاروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ ''جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿33﴾﴾ (قٓ 50:33) ''جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿12﴾﴾ (الملك 67:12) ''یقیناً جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔''

﴿وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿49﴾﴾ ''اور وہ قیامت سے ڈرنے والے ہیں۔'' اور ہر وقت اس سے ڈرتے رہتے

[1] تفسیر الطبری: 46,45/17. [2] الدر المنثور: 576/4. [3] تفسیر الطبری: 46/17.

ہیں، پھر فرمایا: ﴿ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ﴾ ''اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔'' یعنی قرآن عظیم جس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے اور بڑے دانا اور خوبیوں والے اللہ کا اتارا ہوا ہے۔ ﴿ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿50﴾ ﴾ ''تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟'' یعنی کیا تم اس کتاب سے انکار کرتے ہو، حالانکہ وہ حد درجہ واضح اور روشن کتاب ہے۔

تفسیر آیات: 51-56

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ نے انھیں پہلے ہی سے، یعنی بچپن ہی سے حق کا الہام فرمایا اور اپنی قوم کے خلاف حجت عطا فرمائی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ﴾ (الأنعام 6:83) ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔'' مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو اس سے پہلے ہی رشد و ہدایت عطا فرمادی تھی۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ ﴾ ''اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے'' کہ وہ اس بات کے اہل ہیں، پھر فرمایا: ﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿52﴾ ﴾ ''جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے تم مجاور ہو۔'' یعنی جن کی عبادت کو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ ﴿ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾ ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے ہوئے پایا ہے۔'' ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ تھی کہ ان کے گمراہ آباء و اجداد بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾ ﴾ ''(ابراہیم نے کہا کہ) البتہ تحقیق تم بھی (گمراہ ہو) اور تمھارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔'' یعنی تمھارے آباء و اجداد کے بارے میں بھی یہ کہا جائے گا جن کو تم بطور حجت و دلیل پیش کرتے ہو جو تمھارے بارے میں کہا جارہا ہے، یعنی تم بھی اور وہ بھی سب گمراہی میں مبتلا ہو، صراط مستقیم پر نہیں ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب انھیں بے وقوف قرار دیا، ان کے آباء و اجداد کو گمراہ اور ان کے معبودانِ باطلہ کو حقیر قرار دیا تو ﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ ﴾ ''وہ بولے: کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟'' یعنی یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو کیا کھیل کی باتیں ہیں یا واقعی تم کوئی حق بات لائے ہو کیونکہ یہ باتیں تو آپ سے پہلے ہم نے نہیں سنی تھیں۔ ﴿ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ﴾ ''(ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ تمھارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔'' یعنی تمھارا پروردگار وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے آسمانوں کو، زمین کو اور ان میں موجود مخلوقات کو پیدا فرمایا، الغرض! تمام اشیاء کا وہی خالق ہے۔ ﴿ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''اور میں اس (بات) پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔'' اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود اور پروردگار نہیں ہے۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿57﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا

اور اللہ کی قسم! تمھارے پیٹھ پھیر کر چلے جانے کے بعد میں ضرور بالضرور تمھارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا ﴿57﴾ پھر اس نے ان کے بڑے

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿58﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ

(بت) کے سوا ان (سب) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ﴿58﴾ وہ کہنے لگے: کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (حال) کیا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿59﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿60﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى

ہے؟ بلاشبہ وہ ضرور ظالموں میں سے ہے ﴿59﴾ (بعض) کہنے لگے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے ﴿60﴾ انھوں نے

اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿61﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿62﴾

کہا: پھر تم اسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لے آؤ، تاکہ وہ گواہ رہیں ﴿61﴾ انھوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (کام)

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿63﴾

کیا ہے؟ ﴿62﴾ اس (ابراہیم) نے کہا: (نہیں) بلکہ یہ (کام) ان کے اس بڑے نے کیا ہے، پس تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں ﴿63﴾

تفسیر آیات: 57-63

ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ دیا: ابراہیم نے قسم کھائی اور اپنی قوم کے بعض لوگوں کو سنا بھی دی کہ وہ ان کے بتوں کے خلاف ضرور ایک خفیہ چال چلیں گے اور جب وہ اپنی عید کے لیے چلے جائیں گے تو ان کے بعد ان کے بتوں کو ضرور توڑ پھوڑ دیں گے، ان کا عید کا ایک تہوار تھا، جسے منانے کے لیے وہ شہر سے باہر جایا کرتے تھے۔ ابو اسحاق نے ابو احوص سے اور انھوں نے عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ جب عید منانے کے لیے شہر سے باہر جانے لگے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھی آئے اور کہنے لگے: کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں بیمار ہوں جبکہ آپ نے ان سے کل ہی تو یہ فرمایا تھا: ﴿ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿57﴾ ﴾ ''اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمھارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔'' اور کچھ لوگوں نے آپ کی اس بات کو سن لیا تھا۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا ﴾ ''پھر اس نے ان کو (توڑ کر) ریزہ ریزہ کر دیا۔'' یعنی تمام کے تمام بتوں کو توڑ دیا اور ریزہ ریزہ کر دیا ﴿ اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ ﴾ ''مگر ان کے ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا۔)'' یعنی ان کے نزدیک جو سب سے بڑا بت تھا، صرف اسے نہ توڑا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 93:37) ''پھر ان کو دائیں ہاتھ سے مارتا (اور توڑتا) ہوا ان پر پل پڑا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿58﴾ ﴾ ''تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔'' بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے بڑے بت کے ہاتھ پر کلہاڑا رکھ دیا تاکہ وہ یہ خیال کریں کہ اس بڑے بت نے غیرت میں آ کر چھوٹے بتوں کو پاش پاش کر دیا ہے اور اس نے اس بات سے نفرت کی ہے کہ اس کے ساتھ ان چھوٹے چھوٹے بتوں کی بھی پوجا کی جائے، اس لیے

[1] الدر المنثور: 577/4.

اس نے انھیں توڑ دیا ہے۔ ﴿ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿59﴾ ﴾ ''کہنے لگے: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (معاملہ) کس نے کیا؟ یقیناً وہ تو ظالموں میں سے ہے۔'' یعنی جب وہ واپس آئے اور انھوں نے اس توہین و تذلیل کو دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کی کی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ یہ بت معبود نہیں ہو سکتے، نیز وہ اس بات کی بھی دلیل تھی کہ ان بتوں کے پوجنے والے عقل سے عاری ہیں۔ ﴿ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿59﴾ ﴾ ''کہنے لگے: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (معاملہ) کس نے کیا؟ یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے۔'' یعنی بتوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنے میں۔ ﴿ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿60﴾ ﴾ ''لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے، اسے ابراہیم کہتے ہیں۔'' یہ ان لوگوں نے کہا تھا جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو سن لیا تھا کہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا تھا کہ آپ ان کے بتوں کے خلاف ضرور ایک خفیہ چال چلیں گے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿61﴾ ﴾ ''وہ بولے کہ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔'' یعنی ایک بہت بڑے مجمع میں انھیں سب لوگوں کے سامنے لاؤ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی بڑا مقصد یہی تھا کہ آپ اس بہت بڑے مجمع میں یہ بیان فرما دیں کہ ان بتوں کی عبادت جہالت کی کثرت اور عقل کی قلت کی دلیل ہے کیونکہ بت تو اپنی کسی تکلیف کو دور نہیں کر سکتے اور نہ اپنے لیے کسی نفع کے مالک ہیں تو یہ نفع و نقصان کے لیے ان سے رجوع کیوں کرتے ہیں۔ ﴿ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿62﴾ ﴾ ''وہ کہنے لگے: اے ابراہیم! بھلا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ تو نے کیا ہے؟'' ﴿ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ﴾ ''(ابراہیم نے) کہا: بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا۔)'' آپ کا اشارہ اس بڑے بت کی طرف تھا جسے آپ نے چھوڑ دیا تھا اور توڑا نہیں تھا۔ ﴿ فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''پس اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اس لیے فرمایا تاکہ وہ جلدی سے جواب دیتے ہوئے یہ اعتراف کر لیں کہ یہ بت تو بولتے ہی نہیں اور یہ بت ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تو جمادات میں سے ہونے کی وجہ سے کوئی حس و حرکت ہی نہیں کر سکتا۔

ابراہیم علیہ السلام کے تین توریے: صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ إِبْرَاهِيمَ۔ علیہ السلام۔ لَمْ يَكْذِبْ غَيْرَ ثَلَاثٍ: ثِنْتَيْنِ فِي ذَاتِ اللّٰهِ، قَوْلُهُ: ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ﴾ وَقَوْلُهُ: ﴿ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:89)۔ قَالَ۔: وَبَيْنَا هُوَ يَسِيرُ فِي أَرْضِ جَبَّارٍ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ، وَمَعَهُ سَارَةُ إِذْ نَزَلَ مَنْزِلًا، فَأَتَى الْجَبَّارَ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ نَزَلَ هٰهُنَا بِأَرْضِكَ رَجُلٌ مَّعَهُ امْرَأَةٌ أَحْسَنُ النَّاسِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَجَاءَ، فَقَالَ: مَاهٰذِهِ الْمَرْأَةُ مِنْكَ؟ قَالَ: هِيَ أُخْتِي، قَالَ: فَاذْهَبْ فَأَرْسِلْ بِهَا إِلَيَّ، فَانْطَلَقَ إِلٰى سَارَةَ فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَقَدسَأَلَنِي عَنْكِ، فَأَخْبَرْتُهُ: أَنَّكِ أُخْتِي، فَلَا تُكَذِّبِينِي عِنْدَهُ، فَإِنَّكِ أُخْتِي فِي كِتَابِ اللّٰهِ، وَإِنَّهُ لَيْسَ فِي الْأَرْضِ مُسْلِمٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ. فَانْطَلَقَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَلَمَّا أَنْ دَخَلَتْ عَلَيْهِ

فَرَآهَا أَهْوٰى إِلَيْهَا فَتَنَاوَلَهَا فَأُخِذَ أَخْذًا شَدِيدًا، فَقَالَ: أُدْعِي اللّٰهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ، فَدَعَتْ لَهُ فَأُرْسِلَ، فَأَهْوٰى إِلَيْهَا فَتَنَاوَلَهَا، فَأُخِذَ بِمِثْلِهَا أَوْ أَشَدَّ، فَفَعَلَ ذٰلِكَ الثَّالِثَةَ فَأُخِذَ. فَذَكَرَ مِثْلَ الْمَرَّتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، فَقَالَ: أُدْعِي اللّٰهَ فَلَا أَضُرُّكِ، فَدَعَتْ لَهُ فَأُرْسِلَ، ثُمَّ دَعَا أَدْنٰى حُجَّابِهِ فَقَالَ: إِنَّكَ لَمْ تَأْتِنِي بِإِنْسَانٍ، وَلٰكِنَّكَ أَتَيْتَنِي بِشَيْطَانٍ، أَخْرِجْهَا وَأَعْطِهَا هَاجَرَ، فَأُخْرِجَتْ وَأُعْطِيَتْ هَاجَرَ، فَأَقْبَلَتْ، فَلَمَّا أَحَسَّ إِبْرَاهِيمُ بِمَجِيئِهَا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهِ، وَقَالَ: مَهْيَمْ؟ قَالَتْ: كَفَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ الْفَاجِرِ، وَأَخْدَمَنِي هَاجَرَ]

’’ابراہیم علیہ السلام نے تین بار کے سوا کبھی خلاف واقعہ بات نہیں کہی، ان میں سے دو بار کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تھا: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ ’’بلکہ یہ ان کے ان بڑے (بت) نے کیا (ہوگا۔)‘‘ اور ﴿اِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ (الصّٰفّٰت 37:89) ’’بلا شبہ میں بیمار ہوں۔‘‘ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک جابر بادشاہ کی زمین میں چل رہے تھے اور حضرت سارہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں، آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو اس جابر بادشاہ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی زمین میں ایک شخص نے پڑاؤ ڈالا ہے اور اس کے پاس ایک ایسی عورت ہے جو سب لوگوں سے خوبصورت ہے۔ اس نے آپ کی طرف پیغام بھیجا، آپ اس کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے پوچھا کہ یہ عورت تمھاری کیا لگتی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ اس نے کہا: جاؤ اور اسے میرے پاس بھیج دو۔ آپ حضرت سارہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس جابر بادشاہ نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتایا کہ تم میری بہن ہو، لہٰذا اس کے پاس میری تکذیب نہ کرنا کیونکہ اللہ کی کتاب میں تو میری بہن ہے (دینی بہن) اور اس سرزمین میں میرے اور تمھارے علاوہ دوسرا کوئی مسلمان نہیں ہے، اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام انھیں لے گئے، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی، جب حضرت سارہ اس (ظالم بادشاہ) کے پاس گئیں اور اس نے آپ کو دیکھا تو آپ کی طرف مائل ہوا اور اس نے آپ کو پکڑنا چاہا تو وہ بہت شدت کے ساتھ جکڑا گیا۔ اس نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کرو، میں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ نے اس کے لیے دعا کی تو وہ چھوٹ گیا مگر وہ پھر پکڑنے کے لیے آپ کی طرف لپکا تو پہلے ہی کی طرح یا اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ جکڑا گیا اور پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا اور وہ پکڑا گیا اور اس کی تفصیل بھی پہلی دو بار کی طرح بیان فرمائی، بہر حال اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر، میں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، حضرت سارہ نے دعا کی تو وہ چھوٹ گیا، پھر اس نے اپنے قریب ترین دربان کو بلایا اور کہا کہ تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں بلکہ شیطان کو لے آئے ہو،[1] اسے یہاں سے نکال دو اور اسے ہاجرہ دے دو۔ حضرت سارہ کو وہاں سے نکال دیا گیا اور آپ کو (خدمت کے لیے) ہاجرہ دے دی گئی۔ اس کے بعد آپ واپس تشریف لے

---

(1) یہاں شیطان سے مراد بڑا سرکش جن ہے۔ اسلام سے پہلے لوگ جنات کو بہت عظیم سمجھتے تھے اور تمام خوارقِ عادت واقعات کو جنات کا تصرف قرار دیتے تھے، اس فاجر وکافر بادشاہ کے ساتھ جو جکڑے جانے اور مرگی کا دورہ پڑنے کا واقعہ پیش آیا اس کی وجہ سے اس نے یہ خلاف عادت واقعہ سارہ کی طرف منسوب کیا اور اسی تناظر میں انھیں بڑا جن قرار دیا اور تعظیماً خدمت کے لیے ہاجر دے دی۔ (فتح الباری: 475/6، حدیث:3358) بنابریں ایک طرف شیطان کہنے اور دوسری طرف بطور ہدیہ خادمہ دینے میں جو تعارض تھا وہ حل ہو گیا۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿64﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ

پھر وہ اپنے نفسوں میں (سوچتے ہوئے) لوٹے تو (باہم) کہنے لگے: بے شک تم ہی ظالم ہو﴿64﴾ پھر وہ (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کے بل اوندھے

عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿65﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا

ہو رہے (اور کہا:) بلاشبہ تو جانتا ہے کہ یہ (بت) بولتے نہیں﴿65﴾ اس (ابراہیم) نے کہا: کیا پھر تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھیں کچھ نفع نہیں

وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿66﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾

دے سکتے اور نہ تمھیں نقصان دے سکتے ہیں؟﴿66﴾ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟﴿67﴾

آ ئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آپ کی آمد کو محسوس کیا تو انھوں نے نماز کو موقوف کر دیا اور فرمایا: کیا خبر ہے؟ حضرت سارہ نے جواب دیا کہ اس کافر و فاجر کے مکر کو اللہ تعالیٰ نے روک دیا اور خدمت کے لیے اس نے مجھے ہاجرہ دی ہے۔'' محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب حدیث کو بیان کرتے تو وہ فرماتے: اے آسمان کے پانی کے بیٹو! (اے اہل عرب!) یہ ہیں وہ ہاجر[1] جو تمھاری ماں ہیں۔[2]

تفسیر آیات: 64-67

بتوں کی عاجزی کے بارے میں قوم کا اعتراف: اللہ تعالیٰ نے قوم ابراہیم کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان سے مذکورہ باتیں کیں تو ﴿فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ ''انھوں نے اپنے نفسوں کی طرف (غور کرنے کے لیے) رجوع کیا۔'' اور اپنے بتوں کی حفاظت و نگہداشت نہ کرنے پر اپنے آپ کو ملامت کی۔ ﴿فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿64﴾﴾ ''تو وہ (آپس میں) کہنے لگے: بے شک تم ہی ظالم ہو۔'' یعنی انھیں تنہا چھوڑ گئے کہ ان کے پاس کوئی محافظ نہ تھا۔ ﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ﴾ ''پھر اپنے سروں پر الٹے کر دیے گئے۔'' زمین کی طرف دیکھتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿65﴾﴾ ''یقیناً آپ تو جانتے ہیں یہ بولتے نہیں۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ اس وقت یہ لوگ درحقیقت بدترین قسم کی حیرت میں مبتلا تھے، اسی وجہ سے انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تو بولتے ہی نہیں۔[3] لہٰذا آپ ہم سے یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو، جب انھوں نے اس کا اعتراف کر لیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿66﴾﴾ ''کیا پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تمھیں کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔'' یعنی جب یہ بت بول نہیں سکتے، نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے تو

---

① اسے ہی اردو میں ہاجرہ پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔ ② ملخص از صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالی: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (النسآء 4:125)......، حدیث: 3358، 2217، 6950 وصحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل إبراهیم الخلیل ﷺ، حدیث: 2371 وسنن أبی داود، الطلاق، باب فی الرجل یقول لامرأته یا أختی، حدیث: 2212 والسنن الکبری للنسائی، المناقب، سارة ﷺ: 97,98/5، حدیث: 8373، 8374 البتہ ابن کثیر کے مطابق الفاظ نہیں ملے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2455/8 لیکن یہاں......غیرة سوء ''قوم نے بہت غیرت محسوس کی ہے'' کے الفاظ ہیں۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿68﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى

انھوں نے کہا: اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو تو اس (ابراہیم) کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو ﴿68﴾ ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی

اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿70﴾

اور سلامتی والی ہو جا ﴿69﴾ اور انھوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ فریب کا ارادہ کیا تو ہم نے انھیں انتہائی خسارے والے بنا دیا ﴿70﴾

پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ ﴿ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ ﴾ ”تف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان پر۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“ یعنی کیا تم غور نہیں کرتے کہ تم کیسی ضلالت اور کس قدر غلیظ قسم کے کفر میں مبتلا ہو کہ ایسی ضلالت اور ایسے کفر کو کوئی جاہل، ظالم اور فاجر ہی اختیار کر سکتا ہے، الغرض! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر حجت کو پوری طرح تمام کر دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ ...... ﴾ الآیة (الأنعام 6:83) ”اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی......۔“

تفسیر آیات: 68-70

آتش نمرود کا گلزار ہونا: جب ان کی حجت ناکام ہو گئی، ان کا عجز نمایاں ہو گیا، حق ظاہر ہو گیا اور باطل نابود ہو گیا تو انھوں نے اپنی حکومت کی طاقت و قوت کو استعمال کرنا شروع کر دیا اور کہا: ﴿ حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿68﴾ ﴾ ”اگر تمھیں (اس سے اپنے معبودوں کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔“ اور پھر اس کے لیے انھوں نے بہت زیادہ ایندھن جمع کیا۔ سدی کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی عورت بیمار ہوتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر وہ صحت یاب ہو گئی تو وہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی جانے والی اس آگ میں ایندھن جھونکے گی، پھر انھوں نے اس ایندھن کو ایک بہت بڑے گڑھے میں جمع کر کے اس میں آگ لگا دی جس کے شعلے بہت ہی بلند ہو گئے حتی کہ آج تک کبھی اس طرح کی آگ نہیں جلائی گئی تھی اور پھر انھوں نے فارس کے ایک کُردی اَعرابی کے اشارے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ایک پلڑے میں رکھا۔ شعیب جبائی کہتے ہیں کہ اس کا نام ہیزن تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین ہی میں دھنستا چلا جائے گا۔ انھوں نے جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ”میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔“ [1]

جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اس وقت کہا جب انھیں آگ میں ڈالا گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کہا جب لوگوں نے یہ کہا تھا: ﴿ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ ﴾ (آل عمرٰن 3:173) ”یقیناً کفار نے تمھارے (مقابلے کے) لیے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے کہ ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے: ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت

[1] تفسیر الطبری: 58,57/17.

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ط

اور ہم نے اسے (ابراہیم) اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے اہلِ عالم کے لیے برکت رکھی تھی ﴿71﴾ اور ہم نے

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ط وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿72﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

اسے اسحٰق بخشا، اور یعقوب مزید (دیا)، اور ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا ﴿72﴾ اور ہم نے انھیں امام بنایا، وہ ہمارے حکم سے (لوگوں کو)

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ج وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿73﴾ لاج

راہ ہدایت بتاتے تھے اور ہم نے ان پر نیکیاں کرنے، نماز قائم رکھنے اور زکاۃ دینے کی وحی کی، اور وہ ہمارے عبادت گزار (بندے)

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ط

تھے ﴿73﴾ اور ہم نے لوط کو حکم (نبوت) اور علم دیا اور ہم نے اسے اس بستی سے نجات دی وہ (جس کے باشندے) بدکاریاں کرتے تھے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿74﴾ لا وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ط اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ ع

بلاشبہ وہ بہت برے (اور) نافرمان لوگ تھے ﴿74﴾ اور ہم نے اس (لوط) کو اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ صالحین میں سے تھا ﴿75﴾

اچھا کارساز ہے۔''[1]

سعید بن جبیر نے کہا جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو بارش کے خازن فرشتے نے کہنا شروع کیا کہ مجھے کب بارش برسانے کا حکم ہوتا ہے کہ میں اسے برسا دوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے کہیں تیز رفتار تھا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾﴾ ''اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجبِ) سلامتی (بن جا۔)'' تو زمین میں جو بھی آگ تھی وہ بجھ گئی۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو عالیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ﴿بَرْدًا﴾ کے ساتھ ﴿وَّسَلٰمًا﴾ نہ فرمایا ہوتا تو آگ اس قدر شدید سرد ہو جاتی کہ اس کی شدید سردی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف ہوتی۔[3] قتادہ کہتے ہیں کہ اس دن چھپکلی (یا اس کی نسل کے اس سے بڑے ایک جانور) کے سوا ہر جانور نے آگ بجھانے کی کوشش کی۔ زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اس کا نام فُوَيْسِق رکھا۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿70﴾﴾ ''اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا تھا مگر ہم نے انھی کو انتہائی خسارے والا کر دیا۔'' یعنی مغلوب اور خائب و خاسر کر دیا کیونکہ انھوں نے اللہ کے نبی کے ساتھ مکر کرنا چاہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیروں کو خاک میں ملا دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو گلزار بنا دیا اور وہ سب مغلوب اور خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔

تفسیر آیات: 71-75

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ ......﴾ (آل عمرٰن 3:173)، حدیث: 4564,4563 .
[2] تفسیر الطبری 58/17 و الدر المنثور 579/4 . [3] تفسیر الطبری 59/17 و الدر المنثور 580/4 . [4] تفسیر الطبری: 60/17.

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی لوط علیہ السلام کے ہمراہ شام کی طرف ہجرت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کی آگ سے محفوظ رکھا اور پھر ان کے درمیان سے آپ کو صحیح سلامت نکال کر شام کی مقدس سرزمین کی طرف ہجرت کی توفیق عطا فرما دی۔ ﴿ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ ﴾ ''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیے اور مستزاد برآں یعقوب۔'' عطاء اور مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ نَافِلَةً ؕ ﴾ کے معنی عَطِیّہ کے ہیں۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور حکم بن عُیَینہ کا قول ہے کہ ﴿ نَافِلَةً ؕ ﴾ کے معنی اولاد کی اولاد ہیں۔[2] یعنی یعقوب اسحاق کے بیٹے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ ﴾ (ھود 11:71) ''تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔'' عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف ایک بیٹے کی دعا کی تھی: ﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:100) ''اے میرے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو۔)''[3] تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نہ صرف اسحاق عطا فرمائے بلکہ مزید برآں یعقوب بھی عطا فرمائے۔ ﴿ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝۷۲ ﴾ ''اور ہم نے سب کو نیک صالح بنایا۔'' یعنی یہ سب اہل خیر و صلاح تھے۔ ﴿ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً ﴾ ''اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا۔'' جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ ﴿ يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ ''ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ کے دین کی دعوت دیتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ ﴾ ''اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے کی وحی بھیجی۔'' خیرات کے بعد نماز اور زکاۃ کا ذکر عام پر خاص کے عطف کے قبیل سے ہے۔ ﴿ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝۷۳ ﴾ ''اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔'' یعنی جو وہ لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے خود بھی اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ لوط بن ہاران بن آزر ہیں، آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، ان کی اتباع کی اور ان کے ساتھ ہجرت بھی کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ ﴾ (العنکبوت 29:26) ''پس ان پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم) کہنے لگے کہ میں یقیناً اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کو دانائی اور علم بخشا، ان کی طرف وحی نازل فرمائی اور نبوت سے سرفراز فرما کر سَدُوم اور گردونواح کی بستیوں کی طرف بھیجا مگر ان لوگوں نے آپ کی مخالفت اور تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تباہ و برباد اور ہلاک کر ڈالا جیسا کہ قرآن عزیز میں ان کے واقعے کو کئی ایک جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝۷۴ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵ ﴾ ''اور ہم نے اسے اس بستی سے، جہاں کے لوگ ناپاک کام کیا کرتے تھے، بچا نکالا، بے شک وہ برے اور بدکردار لوگ تھے اور انھیں (لوط علیہ السلام)

[1] تفسیر الطبری: 64,63/17. [2] تفسیر الطبری: 63/17 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2457/8. [3] تفسیر الطبری: 63/17.

وَنُوحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ﴿76﴾

اور نوح کو بھی (یاد کریں) جب اس سے پہلے اس نے (ہمیں) پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی، پھر ہم نے اسے اور اس کے اہل (مومنوں) کو بہت

وَنَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ

بڑے غم سے نجات دی﴿76﴾ اور ہم نے اس کی اس قوم کے خلاف مدد کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ برے لوگ تھے، سو ہم نے

اَجۡمَعِيۡنَ ﴿77﴾

ان سب کو غرق کر دیا﴿77﴾

اپنی رحمت (کے محل) میں داخل کیا، کچھ شک نہیں کہ وہ نیکو کاروں میں سے تھے۔‘‘

تفسیر آیات: 77,76

نوح اور ان کی قوم کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول نوح علیہ السلام کی دعا کو اس وقت شرفِ قبولیت سے نوازا جب ان کی قوم نے تکذیب کی اور انھوں نے اپنی قوم کے بارے میں بددعا کی: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ۝﴾ (القمر 10:54) ’’تو انھوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں (ان سے) تو ہی انتقام لے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ يُضِلُّوۡا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾ (نوح 27,26:71) ’’اور (پھر) نوح نے کہا: میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے یقیناً اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے ہی بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔‘‘ اور بیان فرمایا: ﴿اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ﴾ ’’جب (اس سے) پیشتر انھوں نے ہمیں پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور ان کے اہل کو نجات دی۔‘‘ یعنی جو ان کے ساتھ ایمان لے آئے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ وَمَنۡ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۝﴾ (ھود 40:11) ’’اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو (کشتی میں سوار کر لو) اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔‘‘

فرمان الٰہی ہے: ﴿مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ﴿76﴾﴾ ’’بہت بڑے غم سے۔‘‘ یعنی شدت، تکذیب اور ایذا سے، حضرت نوح علیہ السلام نے ان میں ساڑھے نو سو سال گزارے تھے، انھیں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی مگر ان میں بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے وہ کافر لوگ ہمیشہ آپ کو تکلیف پہنچانے کے درپے رہتے اور نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن آپ کی مخالفت ہی کی وصیت کرتے رہتے تھے۔ ﴿وَنَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿77﴾﴾ ’’اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ان کے خلاف ہم نے اس (نوح) کی مدد کی، بے شک وہ برے لوگ تھے، سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔‘‘ یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کو نجات بخشی اور ان کی مدد فرمائی اور ان کی تکذیب کرنے والے سب کے سب لوگوں کو ہلاک کر دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی روئے زمین پر باقی نہ چھوڑا جیسا کہ ان کے نبی نے ان کے بارے

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا

اور (یاد کریں) داود اور سلیمان کو جب وہ دونوں اس کھیتی کی بابت فیصلہ کر رہے تھے جسے رات کو (ایک) قوم کی بکریاں چر گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلے

لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿78﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ

کے شاہد تھے ﴿78﴾ پھر ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا، اور ہر ایک کو ہم نے حکم (نبوت) اور علم دیا، اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مسخر

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿79﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ

کیے تھے، وہ تسبیح کرتے تھے، اور (یہ) ہم ہی کرنے والے تھے ﴿79﴾ اور ہم نے اسے تمھارے لیے زرہ بنانا سکھایا تھا، تاکہ تمھاری لڑائی (کی تکلیف)

مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿80﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى

سے تمھیں بچائے، تو کیا تم شکر کرنے والے ہو؟ ﴿80﴾ اور (ہم نے) سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا (مسخر کردی)، وہ اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف

الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿81﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ

چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، اور ہم ہی ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ﴿81﴾ اور کئی شیطان بھی (تابع کیے تھے) جو اس کے لیے (سمندر میں)

يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿82﴾

غوطہ لگاتے، اور اس کے علاوہ بھی کئی کام کرتے تھے اور ہم ہی ان کے نگران تھے ﴿82﴾

میں بددعا کی تھی۔

تفسیر آیات:78-82

حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کا ذکر: ابواسحاق نے مُرّہ سے، انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہاں جس کھیتی کا ذکر ہے اس سے مراد انگوروں کی کھیتی ہے جس کے خوشے بہت ہی جھکے ہوئے تھے۔[1] شریح کا بھی یہی قول ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نَفَش کے معنی چرنے کے ہیں۔[3] شریح، زہری اور قتادہ کا قول ہے کہ نفش رات کے وقت چرنے کو کہتے ہیں۔[4] قتادہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ دن کے وقت چرنے کو ھَمَل کہتے ہیں۔[5] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ﴾ ”اور داود اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں ایک قوم کی بکریاں رات کو چر گئی (اور اسے روند گئی) تھیں“ کے بارے میں ابن جریر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انگور کے خوشے پیدا ہوئے تھے مگر بکریوں نے انھیں خراب کر دیا تھا تو داود علیہ السلام نے بکریوں کے بارے فیصلہ کیا کہ یہ انگوروں کے مالک کو دے دی جائیں، سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! اس کے علاوہ بھی فیصلہ ہو سکتا ہے، انھوں نے فرمایا: وہ کیا؟ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: انگور بکریوں کے مالک کو دے دیے جائیں، وہ ان کی حفاظت کرے حتی کہ وہ اس طرح ہو جائیں جس طرح پہلے تھے اور بکریاں انگوروں کے مالک کو دے دی جائیں حتی

[1] تفسیر البغوی:298/3 و تفسیر الطبری:67/17. [2] تفسیر الطبری:67/17. [3] تفسیر الطبری:70/17 والدر المنثور:585/4. [4] تفسیر الطبری:70,69/17. [5] تفسیر الطبری:70/17.

کہ جب انگور اس طرح ہو جائیں جیسے پہلے تھے تو بکریاں ان کے مالک کو واپس کر دی جائیں۔ یہی معنی ہیں اس ارشادِ باری تعالیٰ کے: ﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ ﴾ ''تو ہم نے وہ (فیصلہ کرنے کا طریق) سلیمان کو سمجھا دیا۔'' عوفی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[1]

قاضی کی فہم وفراست: فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ ﴾ ''تو ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (حکمت ونبوت) اور علم بخشا تھا۔'' ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایاس بن معاویہ کو جب قاضی مقرر کیا گیا تو ان کے پاس حسن بصری آئے تو ایاس رونے لگے، حسن نے پوچھا کہ آپ روتے کیوں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: اے ابوسعید! مجھے قاضیوں کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ جو قاضی اجتہاد سے کام لے اور غلطی کرے تو وہ جہنم رسید ہوگا اور جو شخص خواہش نفس کی طرف مائل ہو جائے تو وہ بھی جہنم رسید ہوگا اور جو شخص اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے داود و سلیمان علیہما السلام اور دیگر انبیائے کرام کے جو واقعات بیان کیے ہیں ان سے لوگوں کی اس بات کی تردید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿78﴾ ﴾ ''اور داود اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں ایک قوم کی بکریاں رات کو چر گئی (اور اسے روند گئی) تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی تو تعریف فرمائی ہے لیکن داود علیہ السلام کی مذمت نہیں کی، پھر حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکام کے لیے تین شرطیں عائد کی ہیں: (1) وہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کر کے ان کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت، یعنی دنیوی منفعت حاصل نہیں کریں گے۔ (2) خواہشات نفسانی کی پیروی نہیں کریں گے۔ (3) اور فیصلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈریں گے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ﴾ (صٓ 38:26) ''اے داود! ہم نے آپ کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے، آپ لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں کیونکہ وہ تمھیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ﴾ (المآئدة 5:44) ''تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔'' ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ ﴾ (المآئدة 5:44) ''اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچنا۔''[2]

مسئلہ اجتہاد: تمام انبیائے کرام علیہم السلام معصوم اور اللہ کی طرف سے تائید یافتہ تھے۔ اس بات میں محقق علمائے سلف وخلف میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ انبیائے کرام کے علاوہ باقی لوگوں کے بارے میں صحیح بخاری میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ) فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ] ''جب

[1] تفسیر الطبری: 17/67,68. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 8/2458 والدر المنثور: 4/586,587.

حاکم اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جب وہ اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔''[1] اس حدیث میں اس بات کی تردید ہے کہ قاضی جب اجتہاد کرے اور اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو وہ آگ میں جائے گا، (جیسا کہ ایاس بن معاویہ کی روایت اوپر گزر چکی ہے) قرآن کریم میں مذکورہ کھیتی کے فیصلے والے قصے کے قریب قریب وہ قصہ بھی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بَيْنَمَا امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَانِ لَهُمَا، جَاءَ الذِّئْبُ فَأَخَذَ أَحَدَ الِابْنَيْنِ (فَتَحَاكَمَتَا) إِلَى دَاوُدَ، فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى، فَخَرَجَتَا، فَدَعَاهُمَا سُلَيْمَانُ، فَقَالَ: هَاتُوا السِّكِّينَ أَشُقُّهُ (بَيْنَكُمَا)، فَقَالَتِ الصُّغْرَى: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، هُوَ ابْنُهَا لَا تَشُقَّهُ ، فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى] ''دو عورتوں کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے، ایک بھیڑیا آیا اور اس نے دونوں لڑکوں میں سے ایک لڑکا اٹھا لیا تو دونوں داود علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے چلی گئیں تو انھوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، دونوں فیصلہ کرانے کے بعد باہر نکلیں تو سلیمان علیہ السلام نے دونوں کو بلایا اور فرمایا کہ چھری لاؤ تاکہ میں اس بیٹے کو کاٹ کر دونوں میں تقسیم کر دوں، یہ سن کر چھوٹی نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، بیٹا اس کا ہے، اسے نہ کاٹو تو یہ سن کر سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔''[2]

امام نسائی رحمہ اللہ نے کتاب القضا میں اس حدیث پر باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے: بَابُ الْحَاكِمِ يُوهِمُ خِلَافَ الْحُكْمِ لِيَتَعَلَّمَ الْحَقَّ ''حاکم کا حق معلوم کرنے کے لیے فیصلے کے خلاف اظہار کرنا۔''[3]

داود علیہ السلام ایک خوش الحان قاری: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ﴾ ''اور ہم نے پہاڑوں کو داود کے تابع کر دیا تھا کہ وہ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (فرماں بردار کر دیا تھا۔)'' اس لیے کہ داود علیہ السلام اپنی کتاب زبور کی جب تلاوت فرماتے تو بہت خوش الحانی کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے اور جب آپ ترنم سے تلاوت فرماتے تو ہوا میں پرندے رک جاتے اور آپ کے ساتھ تلاوت میں شامل ہو جاتے تھے، نیز پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تلاوت میں شامل ہو جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا جبکہ رات کو وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، ان کی آواز بھی بہت ہی اچھی تھی، آپ ٹھہر کر ان کی تلاوت کی سماعت فرماتے رہے اور پھر فرمایا: [لَقَدْ (أُوتِيَ هٰذَا) مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيرِ

---

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد......، حديث:7352 وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد......، حديث:1716 والسنن الكبرى للنسائي، القضاء، باب ثواب الإصابة في الحكم بعد الاجتهاد......:461/3 ، حديث:5920 واللفظ له، البتہ قوسین والے الفاظ مسند أبي عوانة، الأحكام، باب ما للحاكم من الأجر إذا اجتهد......: 168/4 میں ہیں۔ ملحوظہ: حدیث مبارکہ: [إذا اجتهد الحاكم......] المصباح المنير (عربی) کے دوسرے ایڈیشن میں رہ گئی ہے۔ [2] مسند أحمد: 322/2 و340 اور پہلی قوسین والا لفظ صحيح البخاري، الفرائض، باب إذا ادّعت المرأة ابنًا، حديث: 6769 اور دوسری قوسین والا لفظ صحيح مسلم، الأقضية، باب اختلاف المجتهدين، حديث:1720 میں ہے۔ [3] السنن الكبرى للنسائي، القضاء، باب التوسعة للحاكم في أن يقول للشيء الذي لا يفعله، أفعل ليستبين له الحق: 472/3، حديث:5958.

آلِ دَاوُدَ] ''اس شخص کو آلِ داود جیسی خوش الحانی بخشی گئی ہے۔'' عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ میری تلاوت کی سماعت فرما رہے ہیں تو میں خوب بنا سنوار کر تلاوت کرتا۔ ①

داود علیہ السلام اور زرہ کی صنعتکاری: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ ﴾ ''اور ہم نے تمھارے لیے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تا کہ وہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے۔'' یعنی انھیں زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان سے پہلے زرہیں صاف تختیوں کی صورت میں تھیں، سب سے پہلے داود علیہ السلام نے ان کی کڑیاں بنائی تھیں۔ ② جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ﴾ (سبأ 34:10،11) ''اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو۔'' یعنی کڑی کو زیادہ کشادہ نہ کرو تا کہ کیل تنگ نہ ہو جائیں اور کیلوں کو سخت نہ کرو تا کہ کڑی تنگ نہ ہو جائے، اسی لیے ﴿ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ ﴾ ''تا کہ تمھیں لڑائی (کے ضرر) سے بچائے۔'' یعنی جنگ میں تمھاری حفاظت کے کام آئے۔ ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ ﴾ ''پس کیا تم شکر کرو گے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا جن سے اس نے تمھیں سرفراز فرمایا ہے اور اس نے ان کے لیے اپنے بندے داود علیہ السلام کو الہام فرمایا اور اس نے انھیں تمھارے لیے بنایا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کی بے مثال سلطنت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور (ہم نے تیز) ہوا سلیمان کے لیے (تابع فرمان کر دی) تھی جو ان کے حکم سے اس ملک (شام) میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں۔'' حضرت سلیمان علیہ السلام کا لکڑی کا ایک بہت بڑا تخت تھا جس پر امور مملکت سے متعلق تمام اشیاء گھوڑے، اونٹ، خیمے اور لشکر رکھ دیے جاتے تھے، پھر آپ ہوا کو حکم دیتے کہ وہ اسے اٹھائے تو وہ اس کے نیچے سے داخل ہو کر اسے اٹھا لیتی، اوپر لے جاتی اور اسے لے کر چلنا شروع کر دیتی اور اوپر سے گرمی سے بچانے کے لیے پرندوں کے جھنڈ سایہ فگن ہو جایا کرتے تھے اور اس طرح جہاں آپ جانا چاہتے تشریف لے جاتے، منزل مقصود پر پہنچ کر ہوا اس تخت کو زمین پر اتار دیتی اور اس سے ساز و سامان اور لشکر کو اتار دیا جاتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ ﴾ (صٓ 38:36) ''پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تو ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ ﴾ (سبأ 34:12) ''اور (ہم نے) ہوا سلیمان کے لیے (تابع کر دی تھی)، اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی۔''

---

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن، حديث:5048 مختصرًا وصحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن، حديث: 793 وسنن النسائي، الافتتاح، باب تزيين القرآن بالصوت، حديث:1022 والسنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب من جهربها إذا كان من حوله لايتأذى بقراءته:3/12، قوسین والے الفاظ نسائی کے مطابق ہیں، بخاری وغیرہ میں [أُوتِيتَ] مخاطب کا صیغہ ہے۔ ② تفسير الطبري: 17/72 .

وَاَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿83﴾ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ

اور (یاد کریں) ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے، اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿83﴾

فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا

سو ہم نے اس کی دعا قبول کی پھر جو بھی تکلیف اسے تھی اس کو ہم نے دور کر دیا اور ہم نے اسے اس کے اہل و عیال بھی دیے، اور اپنی طرف سے

وَذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ ﴿84﴾

مہربانی کے لیے ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی عطا کیے، اور عبادت گزاروں کی نصیحت کے لیے ﴿84﴾

سلیمان علیہ السلام کے غوطہ خور اور انجینئر: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمِنَ الشَّيٰطِيۡنِ مَنۡ يَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ ﴾ ''اور دیووں (کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان) میں سے بعض ان کے لیے غوطے مارتے تھے۔'' یعنی پانی میں غوطہ مار کر موتی اور جواہرات نکالتے تھے ﴿ وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِكَ ﴾ ''اور اس کے سوا دوسرے کام بھی کرتے تھے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ۝ ﴾ (صٓ 38:37,38) ''اور دیووں کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَكُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِيۡنَ ﴿82﴾ ﴾ ''اور ہم ان کے نگہبان تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرماتا تھا تاکہ شیاطین آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں بلکہ ان میں سے ہر ایک آپ کے قبضہ و تسلط میں تھا، کوئی بھی آپ کے قریب آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا بلکہ آپ ان کے بارے میں جو چاہتے فیصلہ فرماتے، جس کو چاہتے چھوڑ دیتے اور جس کو چاہتے اپنی قید میں رکھتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ۝ ﴾ (صٓ 38:38) ''اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔''

تفسیر آیات: 84,83

ذکرِ ایوب علیہ السلام: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و اولاد اور اپنے جسم و جان کے بارے میں آزمائش کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کے پاس بہت زیادہ چوپائے، مویشی، بہت بڑی کھیتی، کثیر اولاد اور نفیس مکانات تھے مگر آزمائش میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ سارا اہل و مال جاتا رہا حتی کہ جسمانی آزمائش میں بھی مبتلا ہو گئے اور شہر کے ایک کونے میں تنہائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے، ایک اپنی بیوی کے سوا اور کوئی خبر گیری کرنے والا نہ تھا، صرف وہی نیک بخت تھیں جو خدمت بجا لاتی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مجبوراً لوگوں کے کام کاج بھی کرنے لگیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ (ثُمَّ الصَّالِحُونَ ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ] ''لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیائے کرام علیہم السلام پر آتی ہیں، پھر نیک لوگوں پر اور پھر ان لوگوں پر جو درجہ بدرجہ ان کے زیادہ قریب ہوں۔''[1] اس حدیث

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: 245,244/24، حدیث: 626 و مسند أحمد: 172/1، قوسین والے الفاظ طبرانی اور باقی حدیث مسند احمد کے مطابق ہے۔

میں ہے:[يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى (قَدْرِ) دِينِهٖ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهٖ صَلَابَةٌ زِيدَ فِي بَلَائِهٖ] ''آدمی کی آزمائش اس کے دین کے بقدر کی جاتی ہے، اگر اس کے دین میں پختگی ہو تو آزمائش میں اور اضافہ کر دیا جاتا ہے۔''[1]

صبر کا مظاہرہ: اللہ تعالیٰ کے نبی ایوب علیہ السلام حد درجہ صابر تھے حتی کہ صبر ایوب ضرب المثل ہے۔ یزید بن میسرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایوب علیہ السلام کی آزمائش کی اور ان کا اہل و مال اور اولاد سب کچھ چھن گیا اور کچھ بھی باقی نہ رہا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا خوب احسن انداز میں ذکر کیا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے رب الارباب! میں تیری ہی تعریف کرتا ہوں، تو نے مجھ پر احسان فرمایا، مجھے مال واولاد سے نوازا حتی کہ دل کے ہر ہر حصے میں مال واولاد کی محبت رچ بس گئی تھی، اب جبکہ تو نے یہ سارا مال واولاد واپس لے لیا، ان کی محبت سے میرا دل خالی کر دیا ہے تو اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے، تو نے میرے ساتھ جو کیا ہے اگر میرے دشمن ابلیس کو اس کا علم ہو جائے تو وہ مجھ سے حسد کرنے لگے۔ ابلیس کو حضرت ایوب علیہ السلام کی اس بات سے بہت پریشانی ہوئی۔ ایوب علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں یہ بھی عرض کی: اے اللہ! تو نے مجھے مال واولاد عطا فرمایا لیکن میرے دروازے پر کبھی کوئی ایسا شخص کھڑا نہیں ہوا جس پر میں نے ظلم کیا ہو اور تجھے بھی اس بات کا خوب علم ہے، میرے لیے بستر بچھایا جاتا تو میں اپنے جی میں کہتا: اے میری جان! تجھے بستروں پر آرام کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا تو میں تیری رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے بستر ترک کر دیا کرتا تھا۔ اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[2]

ابن ابوحاتم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَمَّا عَافَى اللّٰهُ أَيُّوبَ أَمْطَرَ عَلَيْهِ جَرَادًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ يَأْخُذُهُ بِيَدِهٖ وَيَجْعَلُهُ فِي ثَوْبِهٖ، فَقِيلَ لَهُ: يَا أَيُّوبُ ! أَمَا تَشْبَعُ ؟ قَالَ: (يَا رَبِّ!) وَمَنْ يَّشْبَعُ مِنْ(فَضْلِكَ وَ) رَحْمَتِكَ] ''اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو جب عافیت عطا فرمادی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سونے کی مکڑی (ٹڈی) کی بارش نازل فرمائی، آپ انھیں ہاتھ سے پکڑ پکڑ کر کپڑے میں جمع کرنے لگے، آپ سے کہا گیا: اے ایوب! کیا آپ سیر نہیں ہوئے؟ آپ نے عرض کی: اے اللہ! آپ کے فضل اور رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے؟''[3] اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے[4] جو دوسری جگہ آ رہی ہے۔[5]

صبر کا پھل: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ﴾ ''اور ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور ان کے ساتھ اتنے ہی مزید

---

[1] مسند أحمد:172/1و180 . [2] حلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني:272/5، رقم:7095 وتفسير ابن أبي حاتم: 2459/8 والدر المنثور:589/4. [3] تفسير ابن أبي حاتم:2461/8 [فَضْلِكَ] کا اضافہ اس میں ہے جبکہ ابن کثیر میں نہیں ہے اسی طرح [يَارَبِّ!] مسند أحمد:304/2 میں ہے۔ [4] صحيح البخاري، الغسل، باب من اغتسل عريانا وحده في خلوة ......، حديث:279 وصحيح مسلم، الحيض، باب جواز الاغتسال عريانا في الخلوة، حديث:339 امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ایوب علیہما السلام کے غسل کے واقعات کو ایک ہی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے جبکہ صحیح مسلم میں اسی سند سے صرف حضرت موسیٰ کا واقعہ موجود ہے حضرت ایوب کا نہیں۔ اسی بنا پر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔ [5] دیکھیے صٓ، آیات:41-44 کے ذیل میں۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿85﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو (یادکریں) یہ سب صابر تھے ﴿85﴾ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کیا،

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿86﴾

بے شک وہ صالحین میں سے تھے ﴿86﴾

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ

اور (یادکریں) مچھلی والے (یونس) کو، جب وہ (اپنی قوم سے) ناراض ہوکر چلا گیا تھا سو اس نے سمجھا تھا کہ ہم اس پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے، پھر اس

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿87﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

نے (ہمیں) اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بلاشبہ میں ہی ظالموں میں سے ہوں ﴿87﴾ پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی،

مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾

اور ہم نے اسے غم سے نجات دی، اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں ﴿88﴾

(بخشے۔)'' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بعینہ ان کے وہی بال بچے لوٹا دیے گئے تھے۔ عوفی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد سے اسی طرح روایت ہے اور حسن ا رقتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] مجاہد کہتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا تھا کہ اے ایوب! تمھارا بال بچہ جنت میں ہے، اگر چاہو تو ہم انھی کو عطا فرما دیتے ہیں، حضرت ایوب نے جواب دیا: اے اللہ! انھیں جنت ہی میں رہنے دو، پس انھیں جنت میں رہنے دیا گیا اور دنیا میں ان کے بدلے میں اور بال بچے عطا فرما دیے گئے۔[3] ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ''اپنی مہربانی سے۔'' یعنی ہم نے اپنی طرف سے رحمت کرتے ہوئے ان کے ساتھ ایسا کیا۔ ﴿وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿84﴾﴾ ''اور عبادت کرنے والوں کے لیے (یہ) نصیحت ہے۔'' یعنی اس بارے میں ہم نے انھیں اسوہ بنا دیا تا کہ آزمائش میں مبتلا ہونے والے یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہماری نظروں میں کمتر ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آنے والی تقدیر اور آزمائش میں صبر ایوب کو پیش نظر رکھیں اور اس بات کو کبھی بھی فراموش نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے پُر ہے۔

تفسیر آیات: 86,85

اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر: اسماعیل سے مراد حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں اور آپ کا ذکر قبل ازیں سورۂ مریم میں گزر چکا ہے۔[4] اس طرح ادریس علیہ السلام کا ذکر بھی سورۂ مریم میں ہو چکا ہے۔[5] ذوالکفل کے بارے میں کلام کے سیاق سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے کیونکہ انبیائے کرام کے ساتھ ملا کر ان کا تذکرہ نبی ہونے کی بنا پر ہے جبکہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں بلکہ ایک صالح شخص، عادل بادشاہ اور منصف حکمران تھے جبکہ

[1] تفسیر الطبری: 95/17. [2] تفسیر الطبری: 96,95/17. [3] الدر المنثور: 591/4 وتفسیر الطبری: 95/17. [4] دیکھیے مریم، آیات: 55,54. [5] دیکھیے مریم، آیات: 57,56.

امام ابن جریر نے اس بارے میں توقف سے کام لیا ہے اور کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

تفسیر آیات: 88,87

یونس علیہ السلام کا ذکر: اس قصے کو اس مقام کے علاوہ سورۂ صافات اور سورۂ قلم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[2] یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نینویٰ نامی ایک بستی کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا اور یہ سرزمین مَوصِل کی ایک بستی تھی، آپ نے انھیں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی مگر انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے کفر پر اصرار کیا، حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہوکر ان کے پاس سے چلے گئے اور وعدہ کر گئے کہ تین دن بعد اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے گا۔ جب ان لوگوں کو یہ بات ثابت ہوگئی اور وہ سمجھ گئے کہ نبی جھوٹ نہیں بولا کرتے تو وہ اپنے بچوں، چوپایوں اور مویشیوں کو لے کر صحرا کی طرف نکل گئے، انھوں نے ماؤں اور ان کے بچوں کو الگ الگ کر دیا اور پھر عزوجل کے حضور الحاح وزاری کی، اونٹ اور ان کے بچے بلبلانے لگے، گائیں اور ان کے بچے ڈکرانے لگے اور بھیڑ بکریاں اور ان کے بچے ممیانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ﴾ (یونس 98:10) ''تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا، ہاں یونس کی قوم! کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔''

یونس علیہ السلام کا کشتی میں سوار ہونا: یونس علیہ السلام جا کر کچھ لوگوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو گئے، وہ کشتی ڈگمگانے لگی اور لوگوں کو غرق ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو انھوں نے قرعہ اندازی کی کہ ایک آدمی کو کشتی سے نکال دیں تاکہ اس کا بوجھ ہلکا ہو جائے، قرعے میں یونس علیہ السلام کا نام نکلا مگر انھوں نے آپ کو کشتی سے نکالنے سے انکار کر دیا، انھوں نے دوبارہ قرعہ اندازی کی تو پھر بھی آپ کا نام نکلا حتی کہ جب تیسری بار قرعہ اندازی کی تو پھر بھی آپ ہی کا نام نکلا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 141:37) ''پس قرعہ ڈالا تو وہ مغلوب ہو گیا۔''

مچھلی کا نگلنا: قرعہ ان کے نام نکل آیا، یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام کھڑے ہو گئے، انھوں نے کپڑے اتارے اور دریا میں چھلانگ لگا دی اور بقول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بحر اخضر[3] سے ایک مچھلی کو بھیجا جو دریاؤں کے پانی کو پھاڑتی ہوئی

---

① تفسیر الطبری:100/17 . ② دیکھیے الصّٰفّٰت، آیات:139-148 و القلم، آیات:48-50 . ③ بحرِ محیط یا بحرِ اخضر: یہاں بحر اخضر سے مراد بحر محیط ہے جس میں بحیرۂ روم بھی شامل ہے۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں: ''دنیا کے تمام بحور، سوائے بحیرۂ خزر (کیسپین) کے بحرِ محیط سے نکلے ہیں۔ ارسطو نے اپنے رسالے بیت الذّھب میں اس کا نام ''اوقیانوس'' لکھا۔ دوسرے اسے بحرِ اخضر کا نام دیتے ہیں۔ اس سمندر نے دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے۔ مشرق میں بحرِ ہند، بحیرۂ چین، بحر فارس (خلیج فارس)، بحر یمن (بحیرۂ عرب)، بحرِ زنج (بحرِ ہند) اس میں شامل ہیں۔ اس کا دوسرا حصہ بحر مغرب (بحیرۂ روم) ہے جو بلاد بربر (المغرب)، اندلس، افریقیہ، مصر، شام اور قسطنطنیہ کے مابین گھرا ہُوا ہے۔ بحرِ مغرب کے دیگر نام بحر اندلس، بحر اسکندریہ، بحر شام، بحر قسطنطنیہ، بحر افرنج (موجودہ بحر اوقیانوس) اور بحیرۂ رُوم ہیں۔''

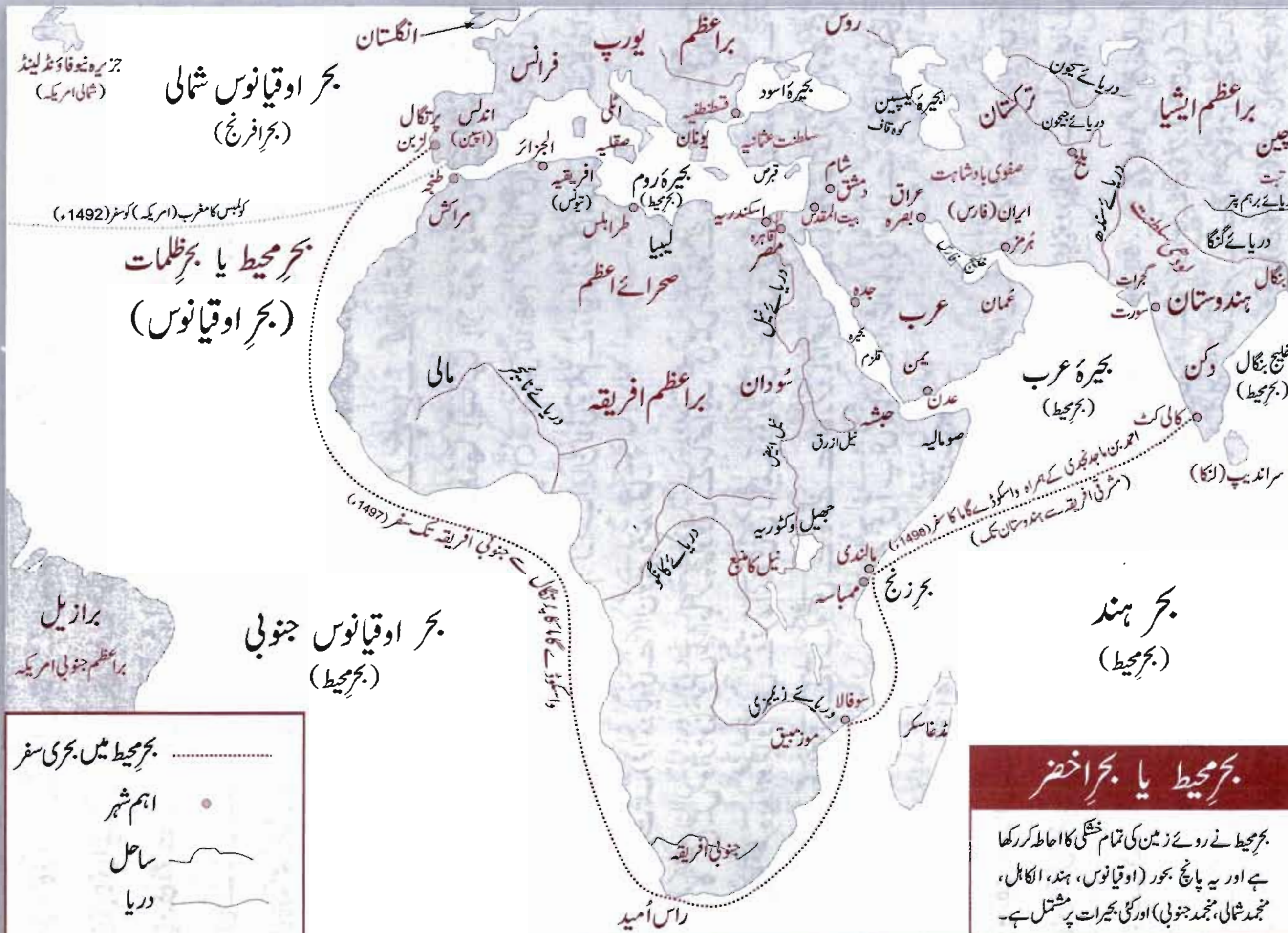

بحرِ محیط یا بحرِ اخضر

بحرِ محیط نے روئے زمین کی تمام خشکی کا احاطہ کر رکھا ہے اور یہ پانچ بحور (اوقیانوس، ہند، الکاہل، منجمد شمالی، منجمد جنوبی) اور کئی بحیرات پر مشتمل ہے۔

پہنچی اوراس نے اس وقت یونس علیہ السلام کو نگل لیا جب انھوں نے کشتی سے چھلانگ لگائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کی طرف وحی نازل فرمائی تھی کہ تو نے یونس کے گوشت کو نہیں کھانا اوران کی ہڈی کو نقصان نہیں پہنچانا کیونکہ یونس تیرے لیے رزق نہیں ہے بلکہ تیرا پیٹ اس کے لیے محض قید خانہ ہے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَذَا النُّوْنِ ﴾ یعنی مچھلی والے (کو یاد کرو۔) اسی لیے ذَا کی النون کی طرف اضافت صحیح ہے۔[2] فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ ''جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہوکر) غصے کی حالت میں چل دیے تو اس نے خیال کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔'' یعنی مچھلی کے پیٹ میں ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور دیگر مفسرین سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن جریر نے بھی اس قول کو اختیار کیا اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے: ﴿ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ ﴾ (الطلاق 65:7) ''اور جس کے رزق میں تنگی ہو جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے تو وہ اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔''[3]

یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ میں تسبیح: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''آخر اندھیروں میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے بے شک میں قصوروار ہوں۔''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، دریا کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا تھا، اسی وجہ سے یہاں ظُلُمات جمع کا لفظ لایا گیا ہے۔[4] ابن عباس رضی اللہ عنہما، عمرو بن میمون، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، ضحاک، حسن اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5] سالم بن ابوجعد کہتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، اور پھر دریا کا اندھیرا تھا۔[6] ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ مچھلی دریا کو چیرتی ہوئی انھیں لے کر پیندے میں چلی گئی، یونس علیہ السلام نے دریا کے پیندے میں کنکریوں کی تسبیح کی آواز سنی تو انھوں نے بھی یہ تسبیح پڑھنا شروع کر دی: ﴿ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں۔''[7] عوف اعرابی نے کہا ہے کہ یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو انھوں نے خیال کیا شاید وہ فوت ہوگئے ہیں، پھر انھوں نے اپنے دونوں پاؤں کو ہلایا، جب وہ

« (معجم البلدان: 1/344-345) یاد رہے ارسطو نے دنیا کے عظیم تر سمندر (بحرِ محیط) کا نام اوقیانوس (Okeanos) رکھا تھا جسے انگریزی میں Ocean (بحر) کہا گیا، تاہم آج کل ''اوقیانوس'' صرف اس سمندر کو کہا جاتا ہے جسے عرب ''بحرِ ظلمات'' کا نام دیتے تھے جو یورپ اور افریقہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اور ان دنوں یورپی زبانوں میں اسے Atlantic Ocean (بحرِ اوقیانوس) کا نام دیا جاتا ہے جبکہ عرب اسے المحيط الأطلنطي کہتے ہیں۔ (محسن فارانی) ① ملخص از تفسیر ابن أبي حاتم: 8/2464,2463 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔
② ذُو کی اضافت ایسے اسم کی طرف ہوتی ہے جو جنس پر دال ہو، النون بمعنی ''الحوت'' ہے جو جنس پر دال ہے، اسی لیے یہاں ذَا کی اضافت اس کی طرف درست ہے۔ ③ تفسیر الطبری: 17/103-105. ④ تفسیر القرطبي: 11/333. ⑤ تفسیر الطبری: 17/105,106. ⑥ تفسیر الطبری: 17/106. ⑦ تفسیر ابن أبي حاتم: 10/3228 و تفسیر القرطبي: 11/333.

ہلنے لگے تو انھوں نے اپنی جگہ سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہوئے عرض کی: اے میرے رب! میں نے ایسی جگہ سجدہ کیا ہے، جہاں آج تک کسی نے سجدہ نہیں کیا تھا۔ [1]

مشکلات میں یہ دعا کریں: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ ﴾ ''تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی۔'' یعنی انھیں مچھلی کے پیٹ اور مختلف اندھیروں سے باہر نکال دیا۔ ﴿ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔'' جب وہ شدائد و مشکلات میں مبتلا ہوں اور ہماری طرف رجوع کر کے ہم سے دعا کریں، خصوصاً جب مشکل حالات میں یہ دعا کریں۔ سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اس دعا کی ترغیب دی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں مسجد میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو میں نے آپ کو سلام کیا، انھوں نے آنکھیں بھر کر مجھے دیکھا مگر میرے سلام کا جواب نہ دیا، میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی: امیر المومنین! کیا اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا ہوگئی ہے؟ میں نے دوبارہ یہ عرض کی، آپ نے فرمایا: نہیں، کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں کوئی بات نہیں، البتہ میں ابھی ابھی مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، میں نے انھیں سلام کیا، انھوں نے مجھے آنکھیں بھر کر دیکھا مگر میرے سلام کا جواب نہ دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیج کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ آپ نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔ انھوں نے جواب دیا: نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، سعد کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیوں نہیں! حتی کہ انھوں نے بھی قسم کھائی اور میں نے بھی قسم کھائی، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بات یاد آئی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کی اور کہا: ہاں، آپ کا ابھی ابھی میرے پاس سے گزر ہوا تھا اور میں اس وقت اپنے دل میں ایک بات سوچ رہا تھا جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، اللہ کی قسم! میں جب بھی اس بات کو یاد کرتا ہوں تو میری آنکھوں اور دل پر پردہ چھا جاتا ہے۔

سعد کہتے ہیں: میں نے عرض کی کہ میں وہ بات بتاتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر فرمایا، پھر ایک اعرابی آیا اور اس نے آپ کو مشغول کر دیا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے، میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا، جب مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کاشانۂ نبوت کے اندر تشریف لے جائیں گے تو میں نے زمین پر اپنا پاؤں مارا، رسول اللہ ﷺ نے میری طرف التفات کرتے ہوئے فرمایا: [مَنْ هٰذَا، أَبُو إِسْحَاقَ؟] ''کون ہیں، ابو اسحق ہیں'' میں نے عرض کی: ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: [فَمَهْ؟] ''کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کی: نہیں اللہ کی قسم! کوئی بات نہیں، البتہ آپ نے دعا کا ذکر فرمایا تھا، پھر وہ اعرابی آ گیا اور اس نے آپ کو مشغول کر دیا۔ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، دَعْوَةُ ذِي النُّونِ، إِذْ هُوَ فِي بَطْنِ الْحُوتِ: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖۗ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ فَإِنَّهُ لَمْ يَدْعُ

[1] تفسیر الطبری: 107,106/17.

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿89﴾ فَاسْتَجَبْنَا

اور (یاد کریں) زکریا کو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا تھا: اے میرے رب! تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور تو ہی بہترین وارث ہے ﴿89﴾ پھر ہم نے اس

لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

کی دعا قبول کی، اور ہم نے اسے یحییٰ عطا کیا، اور ہم نے اس کے لیے اس کی بیوی کو درست کر دیا، بے شک وہ (انبیاء علیہم السلام) نیکیوں میں جلدی کرتے

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿90﴾

اور ہمیں رغبت اور ڈر سے پکارتے تھے، اور وہ ہمارے لیے ہی عجز و انکسار کرنے والے تھے ﴿90﴾

بِهَا مُسْلِمٌ رَّبَّهٗ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ لَهٗ] ”ہاں، مچھلی والے پیغمبر کی دعا جو انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی: ”تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں۔“ جو مسلمان اپنے رب سے کسی بھی چیز کے بارے میں یہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔“[1] اسے امام ترمذی نے اور نسائی نے عمل الیوم والليلة میں روایت کیا ہے۔[2]

ابن ابو حاتم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ دَعَا بِدُعَاءِ يُونُسَ اسْتُجِيبَ لَهٗ] ”جس نے یونس علیہ السلام کی دعا مانگی اس کے لیے قبول کی جائے گی۔“ ابوسعید کہتے ہیں کہ آپ کا اشارہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾﴾ ”اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“[3]

تفسیر آیات: 90,89

زکریا و یحییٰ علیہما السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انھیں بیٹا عطا فرمائے جو ان کے بعد نبی ہو، یہ قصہ سورۂ مریم کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، نیز سورۂ آلِ عمران میں بھی،[4] یہاں قدرے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ﴾ ”جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔“ یعنی اپنی قوم سے چھپ کر ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا﴾ ”میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ“ کہ میرا کوئی بیٹا اور وارث ہی نہ ہو جو میرے بعد لوگوں میں میرا جانشین قرار پائے۔ ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿89﴾﴾ ”اور تو تو سب سے بہتر وارث ہے۔“ یہ سوال کے مناسب حال دعا اور ثنا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ﴾ ”تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو یحییٰ بخشا اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ آپ کی بیوی بانجھ اور اولاد نہیں جنتی تھی مگر اللہ کے حکم سے اب ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔[5]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ ”بلاشبہ یہ لوگ خیر و بھلائی (کے کاموں) میں جلدی کرتے

[1] مسند أحمد: 170/1. [2] جامع الترمذي، الدعوات، باب في دعوة ذي النون......، حديث: 3505 و السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ذكر دعوة ذي النون: 168/6، حديث: 10492,10491. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2465/8. [4] دیکھیے مریم، آیات: 1-15 و آل عمران، آیات: 37-41. [5] تفسير الطبري: 109/17.

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً

اور اس عورت کو (یاد کریں) جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی، اور اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو اہل

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿91﴾

عالم کے لیے (عظیم) نشانی بنا دیا﴿91﴾

تھے۔" یعنی نیک اعمال سرانجام دیتے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے تھے۔ ﴿وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا﴾ "اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے۔" ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے اس کی امید میں اور ہمارے عذاب کے خوف سے وہ ہمیں پکارتے تھے۔[1] ﴿وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿90﴾﴾ "اور ہمارے آگے عاجزی کرنے والے تھے۔" علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا ہے اس کی وہ تصدیق کیا کرتے تھے۔[2] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سچے مومن تھے۔[3] ابو عالیہ کہتے ہیں کہ وہ ہم سے ڈرتے تھے۔[4] ابو سنان کہتے ہیں کہ خشوع اس خوف کو کہتے ہیں جو ہمیشہ دل میں رہے اور اس سے کبھی بھی الگ نہ ہو۔[5] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿خٰشِعِيْنَ ﴿90﴾﴾ کے معنی عاجزی کرنے والے ہیں،[6] حسن، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے کہ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کے آگے عجز وانکسار کرنے والے ہیں۔[7] یہ تمام اقوال قریب المعنی ہیں۔

تفسیر آیت : 91

عیسیٰ اور مریم صدیقہ علیہما السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کو زکریا اور ان کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کے قصے کے ساتھ ملا کر اس طرح بیان فرماتا ہے کہ پہلے زکریا علیہ السلام کے قصے کو بیان کرتا ہے اور پھر اس کے بعد مریم کے قصے کو کیونکہ ان دونوں قصوں کا آپس میں گہرا ربط ہے، اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کے قصے میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بے حد بوڑھے انسان اور ان کی بے حد بڑھیا اور بانجھ بیوی کے ہاں بیٹا پیدا فرمایا، حالانکہ ان کے ہاں تو عالم شباب میں بھی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی، پھر اس کے بعد قصۂ مریم کو بیان کیا ہے اور وہ اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے کہ اس میں محض ایک عورت سے مرد کے ملاپ کے بغیر بچے کے پیدا کرنے کا ذکر ہے۔ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں اور پھر یہاں بھی ان دونوں واقعات کو ایک دوسرے کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ "اور ان کو (بھی یاد کرو) جنھوں نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔" یعنی مریم علیہا السلام کو جیسا کہ سورۂ تحریم میں فرمایا: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾ (التحریم 12:66) "اور عمران کی بیٹی مریم جنھوں نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔"

---

① تفسیر الثوری:204/1 (CD). ② تفسیر الطبری:372/1. ③ تفسیر الطبری:372/1. ④ تفسیر الطبری:372/1.
⑤ تفسیر البغوی:315/3 عن مجاهد والدرالمنثور:601/4. ⑥ الدرالمنثور:601/4. ⑦ تفسیر البغوی:315/3 والدر المنثور:601/4.

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿92﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ

بلاشبہ یہ تمھارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس تم میری ہی عبادت کرو ﴿92﴾ اور انھوں نے اپنا معاملہ باہم ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا،

ع 6/6 كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿93﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا

(بالآخر) سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿93﴾ پس جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی اور

لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿94﴾

بے شک ہم اس کے لیے (اس کے اعمال) لکھنے والے ہیں ﴿94﴾

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿91﴾ ﴾ ”اور ہم نے ان کو اور ان کے بیٹے کو جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔“ اس بات کی نشانی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہے پیدا فرما سکتا ہے۔ ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (یٰسٓ 82:36) ”اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“ اور یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (مریم 21:19) ”اور تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے (اپنی طرف سے) نشانی بنائیں۔“

تفسیر آیات: 92-94

سب لوگ ایک امت ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ ﴾ ”بلاشبہ یہ تمھاری جماعت ایک ہی جماعت ہے“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم سب کا دین ایک ہے۔[1] امام حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لیے بیان فرما دیا ہے کہ انھوں نے کن باتوں سے اجتناب کرنا ہے اور کن کو بجا لانا ہے اور پھر جو یہ فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ ﴾ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم سب کا طریقہ ایک ہے۔[2] ﴿ هٰذِهٖٓ ﴾، ﴿ اِنَّ ﴾ کا اسم اور ﴿ اُمَّتُكُمْ ﴾، ﴿ اِنَّ ﴾ کی خبر ہے، یعنی یہ ہے تمھاری وہ شریعت جسے میں نے تمھارے سامنے واضح اور صاف صاف طور پر بیان فرما دیا ہے۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ ﴾ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿92﴾ ﴾ ”اور میں تمھارا پروردگار ہوں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ ﴾ (المؤمنون 23:51,52) ”اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے خوب واقف ہوں اور یہ تمھاری جماعت (حقیقت میں) ایک ہی جماعت ہے اور میں تمھارا پروردگار ہوں سو مجھ ہی سے ڈرو۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ”انبیاء علاتی بھائیوں (جو ایک

[1] تفسیر الطبری: 112/17 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2466/8 و الدر المنثور: 602/4 و مجموعة الفتاوٰی لابن تیمیة: 327/14.

[2] مجموعة الفتاوٰی لابن تیمیة: 327/14.

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿95﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

اور ہر بستی جسے ہم نے ہلاک کیا ہے اس پر لازم ہے کہ بلاشبہ وہ (اس کے باشندے دنیا کی طرف) نہیں لوٹیں گے ﴿95﴾ حتی کہ جب یاجوج اور ماجوج

وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿96﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ

کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے (دوڑتے) آئیں گے ﴿96﴾ اور سچا وعدہ (یوم قیامت) قریب آپہنچے گا، تب کافروں کی آنکھیں کھلی

كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿97﴾

کی کھلی رہ جائیں گی، (اور وہ کہیں گے:) ہائے ہماری کم بختی! یقیناً ہم اس (وعدے) سے غفلت میں رہے، بلکہ ہم ہی ظالم تھے ﴿97﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ''انبیاء علاتی بھائیوں (جو ایک باپ اور مختلف ماؤں کی اولاد ہوں) کی طرح ہیں کہ ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور دین ایک ہے۔''[1] انبیائے کرام کی تمام متنوع شریعتوں سے مقصود اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ﴾ (المآئدۃ 48:5) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''اور (یہ) لوگ اپنے معاملے میں باہم متفرق ہو گئے۔'' یعنی امتوں نے اپنے رسولوں سے اختلاف کیا، ان میں سے کچھ لوگوں نے ان کی تصدیق اور کچھ نے تکذیب کی، اسی لیے فرمایا: ﴿كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿93﴾﴾ ''سب ہماری ہی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔'' یعنی قیامت کے دن اور پھر ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی، اگر اس نے اچھا عمل کیا تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر برا عمل کیا تو بری سزا ملے گی، اسی لیے فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا۔'' یعنی اس کا دل تصدیق کرے گا اور وہ نیک عمل کرے گا، ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ﴾ ''تو اس کی کوشش رایگاں نہ جائے گی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ﴾ (الکھف 30:18) ''یقیناً ہم نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

اس کی سعی، یعنی اس کے عمل کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی جزا دی جائے گی اور اس پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿94﴾﴾ ''اور بلاشبہ ہم اس کے لیے (اعمال) لکھ رہے ہیں۔'' یعنی اس کے تمام اعمال لکھ لیے جائیں گے اور ان میں سے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر آیات:95-97

جو فوت ہو گیا وہ دنیا میں کبھی نہیں آئے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿95﴾﴾ ''اور لازم ہے اس بستی (والوں) پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ بے شک وہ رجوع نہیں کریں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ بات مقدر کر دی گئی ہے کہ جس بستی کے لوگوں کو بھی ہلاک کر دیا جائے وہ قیامت تک دوبارہ کبھی دنیا میں نہیں آئیں

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا﴾ (مریم 16:19) ...... حدیث:3443 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسٰی علیہ السلام، حدیث:2365 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ.

گے،ابن عباس رضی اللہ عنہما،ابوجعفر باقر،قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر سے اسی طرح مروی ہے۔[1]

یاجوج وماجوج کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ﴾ ''یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں۔''قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یاجوج وماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور ان کا تعلق نوح اور اولادِ یافث،یعنی ترکوں کے باپ سے ہے۔[2] ترک انھی میں سے ایک گروہ ہیں،انھیں اس دیوار کے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا جسے ذوالقرنین نے بنایا تھا اور کہا: ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ﴾ (الکہف 18:98,99) ''یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے،پس جب میرے پروردگار کا وعدہ آپہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے(اس روز) ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ (روئے زمین پر پھیل کر) ایک دوسرے میں گھس جائیں۔''

اور اسی آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝﴾ ''یہاں تک کہ یاجوج وماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے۔''یعنی فساد مچانے کے لیے جلدی کر رہے ہوں گے۔ ﴿حَدَبٍ﴾ بلند زمین کو کہتے ہیں،یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما،عکرمہ،ابوصالح اور ثوری وغیرہم کا قول ہے۔[3] یعنی دیوار سے باہر نکلتے وقت ان کی یہ کیفیت ہوگی اور منظر نگاری اس طرح احسن انداز میں کی گئی ہے کہ یہ بات سننے والا،گویا اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝﴾ (فاطر 35:14) ''اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔''یعنی یہ خبر اس ذات پاک نے دی ہے جو عالم ما کان وما یکون ہے اور آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور جس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں۔

ابن جریر نے عبید اللہ بن ابو یزید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کچھ بچوں کو دیکھا جو کھیلتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر کود رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یاجوج وماجوج بھی اسی طرح کودتے پھلانگتے ہوئے نکلیں گے۔[4]

قیامت سے پہلے چند علامات کا ظہور: یاجوج وماجوج کے خروج کا ذکر متعدد احادیث میں آیا ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

پہلی حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

[(تُفْتَحُ) يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ فَيَخْرُجُونَ عَلَى النَّاسِ، كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝﴾ فَيَغْشَوْنَ الْأَرْضَ، وَيَنْحَازُ الْمُسْلِمُونَ عَنْهُمْ إِلٰى مَدَائِنِهِمْ وَحُصُونِهِمْ، وَيَضُمُّونَ إِلَيْهِمْ مَّوَاشِيَهُمْ وَيَشْرَبُونَ مِيَاهَ الْأَرْضِ، حَتّٰى إِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَمُرُّ بِالنَّهْرِ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهِ حَتّٰى يَتْرُكُوهُ يَبَسًا، حَتّٰى إِنَّ مَنْ بَعْدَهُمْ لَيَمُرُّ بِذٰلِكَ النَّهْرِ

[1] تفسیر الطبری:17/114 وتفسیر ابن أبی حاتم:8/2467 . [2] دیکھیے تفسیر ابن کثیر (مفصل)،الکہف،آیات: 92,96 کے ذیل میں۔ [3] تفسیر الطبری:17/120. [4] تفسیر الطبری:17/116 .

فَيَقُولُ: قَدْ كَانَ هٰهُنَا مَاءٌ مَّرَّةً، حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا أَحَدٌ فِي حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ، قَالَ قَائِلُهُمْ: هٰؤُلَاءِ أَهْلُ الْأَرْضِ قَدْ فَرَغْنَا مِنْهُمْ، بَقِيَ أَهْلُ السَّمَاءِ، قَالَ: ثُمَّ يَهُزُّ أَحَدُهُمْ حَرْبَتَهٗ، ثُمَّ يَرْمِي بِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَتَرْجِعُ إِلَيْهِ (مُخْضَبَّةً) دَمًا لِّلْبَلَاءِ وَالْفِتْنَةِ، فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، بَعَثَ اللّٰهُ دُودًا فِي أَعْنَاقِهِمْ كَنَغَفِ الْجَرَادِ الَّذِي يَخْرُجُ فِي أَعْنَاقِهِمْ فَيُصْبِحُونَ مَوْتٰى، لَا يُسْمَعُ لَهُمْ حِسًّا، فَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ: أَلَا رَجُلٌ يَّشْرِي لَنَا نَفْسَهٗ فَيَنْظُرَ مَا فَعَلَ هٰذَا الْعَدُوُّ؟ قَالَ: فَيَتَجَرَّدُ رَجُلٌ مِّنْهُمْ لِذٰلِكَ مُحْتَسِبًا لِّنَفْسِهٖ قَدْ أَوْطَنَهَا عَلٰى أَنَّهٗ مَقْتُولٌ، فَيَنْزِلُ فَيَجِدُهُمْ مَّوْتٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، فَيُنَادِي: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! أَلَا أَبْشِرُوا، فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَفَاكُمْ عَدُوَّكُمْ، فَيَخْرُجُونَ مِنْ مَّدَائِنِهِمْ وَحُصُونِهِمْ، وَيُسَرِّحُونَ مَوَاشِيَهُمْ، فَمَايَكُونُ لَهَا رَعْيٌ إِلَّا لُحُومُهُمْ، فَتَشْكَرُ عَنْهُ كَأَحْسَنِ مَا(شَكِرَتْ) عَنْ شَيْءٍ مِّنَ النَّبَاتِ أَصَابَتْهُ قَطُّ]

''یاجوج وماجوج کو کھولا جائے گا تو وہ اسی طرح نکل کر لوگوں کے پاس آئیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے۔'' وہ زمین کو ڈھانپ لیں گے، مسلمان ان سے چھپ کر اپنے شہروں اور قلعوں میں بند ہو جائیں گے اور اپنے جانوروں کو بھی اپنے پاس روک لیں گے، یاجوج وماجوج زمین کے پانیوں کو پی جائیں گے حتی کہ یہ لوگ جب کسی نہر کے پاس سے گزریں گے تو اس کا سارا پانی پی جائیں گے اور اسے خشک کر دیں گے یہاں تک کہ ان کے بعد وہاں سے گزرنے والا کہے گا کہ یہاں بھی کبھی پانی ہوا کرتا تھا!

پھر جب انسانوں میں سے کوئی نہیں بچے گا سوائے ان کے جو شہروں اور قلعوں میں بند ہوں گے تو یاجوج وماجوج میں سے ایک شخص کہے گا کہ ان زمین والوں کا کام تو ہم نے تمام کر دیا، اب آسمان والے باقی رہ گئے ہیں، پھر ان میں سے ایک اپنے نیزے کو ہلائے گا اور اسے آسمان کی طرف اچھال دے گا اور پھر وہ نیزہ جب اس کی طرف واپس آئے گا تو ازراہ ابتلا وفتنہ وہ خون آلود لوٹے گا، وہ اپنی اسی حالت میں مدہوش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں پر ایک کیڑے کو بھیج دے گا جو ٹڈی کی طرح ہوگا اور اس کیڑے کی وجہ سے یہ سب مر جائیں گے اور ان کی طرف سے کوئی ذرہ بھر آواز بھی سنائی نہ دے گی۔ مسلمان کہیں گے کوئی شخص ہے جو جان کی بازی لگا کر یہ معلوم کر آئے کہ یہ دشمن کس حال میں ہے تو ایک شخص حصول ثواب کی نیت سے اور اپنے آپ کو شہادت پر آمادہ کرتے ہوئے تیار ہو جائے گا، وہ ان کے پاس پہنچے گا تو دیکھے گا کہ یہ سب مر کر ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑے ہیں، وہ اعلان کرے گا کہ اے مسلمانو! تمھارے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے دشمن کو نیست ونابود کر دیا ہے، مسلمان یہ اعلان سن کر اپنے شہروں اور قلعوں سے باہر نکل آئیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی باہر چرانے لگیں گے اور مویشی ان کے گوشت کو کھائیں گے، اس سے ان جانوروں کے تھن دودھ سے اس طرح بھر جائیں گے جیسا کہ کسی اچھی سے اچھی نباتات کے کھانے سے ان کے تھن دودھ سے بھرتے ہیں۔''[1] اسے ابن ماجہ نے

---

[1] مسند أحمد: 77/3 پہلی قوسین والے لفظ کے بجائے بعض نسخوں میں [يُفْتَحُ] ہے جبکہ دوسری اور تیسری قوسین والے الفاظ سنن ابن ماجه، الفتن، باب فتنة الدجال......، حديث: 4079 میں ہیں۔

بھی بیان کیا ہے۔[1]

دوسری حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے نوّاس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا اور اس کے ذکر میں آواز کو پست و بالا کیا حتی کہ ہم نے خیال کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے پس جب ہم آپ کے پاس آئے تو آپ نے اس بات کو ہمارے چہروں سے بھانپ لیا اور آپ نے اس کے بارے میں ہم سے پوچھا تو ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے دجال کا ذکر فرمایا اور اس میں آواز کو پست و بالا فرمایا تو ہم نے خیال کیا شاید وہ (پاس والی) کھجوروں کے جھنڈ میں ہے تو آپ نے فرمایا:

[غَيْرُ الدَّجَّالِ (أَخْوَفُنِي) عَلَيْكُمْ فَإِنْ يَّخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ، فَأَنَا حَجِيجُهُ دُونَكُمْ، وَإِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ، فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ، وَاللّٰهُ خَلِيفَتِي عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ، إِنَّهُ شَابٌّ جَعْدٌ قَطَطٌ، عَيْنُهُ طَافِيَةٌ، وَّإِنَّهُ يَخْرُجُ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ، فَعَاثَ يَمِينًا وَّشِمَالًا، يَّاعِبَادَ اللّٰهِ! اُثْبُتُوا، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا لَبْثُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: أَرْبَعِينَ يَوْمًا، يَّوْمٌ كَسَنَةٍ، وَّيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَّيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَّسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي هُوَ كَسَنَةٍ، (أَتَكْفِينَا) فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ؟ قَالَ:لَا، اُقْدُرُوا لَهُ قَدْرَهُ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَا إِسْرَاعُهُ فِي الْأَرْضِ؟قَالَ: كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ، قَالَ: فَيَمُرُّ بِالْحَيِّ فَيَدْعُوهُمْ فَيَسْتَجِيبُونَ لَهُ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ، وَالْأَرْضَ فَتُنْبِتُ، وَتَرُوحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ، وَهِيَ أَطْوَلُ مَا كَانَتْ ذُرًى، وَّأَمَدُّهُ خَوَاصِرَ، وَأَسْبَغُهُ ضُرُوعًا، وَّيَمُرُّ بِالْحَيِّ فَيَدْعُوهُمْ (فَيَرُدُّونَ) عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَتَتْبَعُهُ أَمْوَالُهُمْ فَيُصْبِحُونَ مُمْحِلِينَ، لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ أَمْوَالِهِمْ شَيْءٌ، وَّيَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كُنُوزَكِ،فَتَتْبَعُهُ كُنُوزُهَا كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ، قَالَ: وَيَأْمُرُ بِرَجُلٍ فَيُقْتَلُ، فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ، ثُمَّ يَدْعُوهُ فَيُقْبِلُ إِلَيْهِ، يَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ.

قَالَ: (فَبَيْنَمَا) هُوَ عَلٰى ذٰلِكَ، إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ، فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ، وَاضِعًا يَّدَهُ عَلٰى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ، فَيَتْبَعُهُ فَيُدْرِكُهُ فَيَقْتُلُهُ عِنْدَ بَابِ لُدٍّالشَّرْقِيِّ۔ قَالَ:۔ فَبَيْنَا هُمْ كَذٰلِكَ، إِذْ أَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا مِّنْ عِبَادِي لَا يَدَانِ لَكَ بِقِتَالِهِمْ، فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ، فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴾ فَيَرْغَبُ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَيُرْسِلُ (اللّٰهُ) عَلَيْهِمْ نَغَفًا فِي رِقَابِهِمْ، فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ، فَيَهْبِطُ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ بَيْتًا إِلَّا قَدْ مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتَنُهُمْ، فَيَرْغَبُ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَيُرْسِلُ(اللّٰهُ)عَلَيْهِمْ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

---

[1] سنن ابن ماجه، الفتن، باب فتنة الدجال......، حديث:4079.

قَالَ ابْنُ جَابِرٍ: فَحَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ السَّكْسَكِيُّ عَنْ كَعْبٍ أَوْ غَيْرِهِ قَالَ: فَتَطْرَحُهُمْ بِالْمَهْبِلِ، قَالَ ابْنُ جَابِرٍ: فَقُلْتُ: يَا أَبَا يَزِيدَ! وَأَيْنَ بِالْمَهْبِلِ؟ قَالَ: مَطْلَعُ الشَّمْسِ، قَالَ: وَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَطَرًا، لَّا يَكُنُّ مِنْهُ (بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ)، أَرْبَعِينَ يَوْمًا، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ، وَيُقَالُ لِلْأَرْضِ: أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ وَرُدِّي بَرَكَتَكِ، قَالَ: فَيَوْمَئِذٍ يَّأْكُلُ النَّفَرُ مِنَ الرُّمَّانَةِ فَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا، وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ، حَتّٰى أَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ، وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ تَكْفِي الْفَخِذَ، وَالشَّاةَ مِنَ الْغَنَمِ تَكْفِي أَهْلَ الْبَيْتِ، قَالَ: فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ رِيحًا طَيِّبَةً تَحْتَ آبَاطِهِمْ، فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُسْلِمٍ، أَوْقَالَ: كُلِّ مُؤْمِنٍ، وَّيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ، يَتَهَارَجُونَ تَهَارُجَ الْحَمِيرِ، وَعَلَيْهِمْ۔ أَوْقَالَ: وَعَلَيْهِ۔ تَقُومُ السَّاعَةُ]

''دجال کے علاوہ کسی اور بات سے میں تمھارے بارے میں زیادہ ڈرتا ہوں، دجال نے اگر میری موجودگی میں خروج کیا تو تمھاری طرف سے بھی میں اس پر دلیل کے ساتھ غالب آجاؤں گا اور اگر اس نے میری عدم موجودگی میں تم میں خروج کیا تو پھر ہر شخص اپنی طرف سے اس کے ساتھ مقابلہ کرے اور ہر مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ ہی میرا خلیفہ ہے۔ بلا شبہ دجال گھنگریالے بالوں والا جوان ہوگا، اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی ہوگی، وہ شام و عراق کے درمیان ایک رستے پر خروج کرے گا اور دائیں بائیں فساد برپا کرے گا، اے بندگان الٰہی! تم ثابت قدم رہنا''! ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کتنا عرصہ ٹھہرے گا؟ آپ نے فرمایا: ''چالیس دن، ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی تمام دن تمھارے دنوں کی طرح ہوں گے۔''

ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ہمیں ایک دن رات کی نمازیں کفایت کریں گی؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں تم نے نماز کے وقت کا اندازہ لگانا ہوگا'' ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! زمین میں اس کی تیزی کی رفتار کیا ہوگی؟ فرمایا: ''اس تیز بارش کی طرح جسے پیچھے سے ہوا دھکیل رہی ہو، فرمایا: وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے گا، انھیں اپنی طرف دعوت دے گا اور وہ اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے، وہ آسمان کو حکم دے گا تو بارش برسنے لگے گی اور زمین سے فصلیں اگنے لگیں گی، لوگوں کے مویشی شام کے وقت جب ان کے پاس واپس آئیں گے تو ان کی کوہان پہلے سے بڑی ہوگی، ان کے پستان دودھ سے پہلے کی نسبت زیادہ بھرے ہوں گے اور ان کے پہلو (سیر ہونے کی وجہ سے) باہر نکلے ہوں گے اور کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے گا، انھیں بھی اپنی طرف دعوت دے گا مگر وہ اس کی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیں گے تو ان کے مال اس کے پیچھے لگ جائیں گے اور وہ خشک سالی کا شکار ہو جائیں گے، ان کے پاس کچھ مال باقی نہ رہے گا، وہ بے آباد زمین کے پاس سے گزرے گا تو اس سے کہے گا: اپنے خزانے باہر نکال دے تو اس کے خزانے اس کے پیچھے اس طرح چلنے لگیں گے جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کے پیچھے چلتی ہیں، آپ نے فرمایا: وہ حکم دے گا اور ایک آدمی قتل کر دیا جائے گا، وہ اسے تلوار کے ساتھ مارے گا اور برابر دو ٹکڑوں میں کاٹ دے گا، گویا کہ تیر نشانے پر مارا گیا ہو، پھر وہ اسے بلائے

گا تو وہ ہنستا مسکراتا ہوا اس کی طرف آئے گا، لوگ انھی حالات سے دوچار ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو مبعوث فرمائے گا، وہ دمشق کے مشرقی جانب سفید مینار کے پاس اتریں گے، انھوں نے گیرو رنگ کی دو چادریں زیب تن کی ہوں گی، اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوں گے، آپ دجال کا پیچھا کریں گے، اسے پالیں گے اور ''لد'' مقام کے مشرقی دروازے کے پاس قتل کر دیں گے۔''

آپ نے فرمایا: ''لوگ انھی حالات سے دوچار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائے گا کہ میں نے اپنے کچھ ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ جن سے لڑنے کی آپ میں تاب نہیں ہے، لہٰذا آپ میرے بندوں کو کوہ طور کی طرف لے جا کر محفوظ کر لیں، اس وقت اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو نکالے گا اور ان کے بارے میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝96﴾ ''اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے۔'' عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا داخل کر دے گا جس کی وجہ سے وہ سب کے سب اس طرح مر جائیں گے جیسے ایک ہی شخص مرا ہو، اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب میدانی علاقے میں اتریں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں کوئی ایک گھر بھی ایسا نہیں ہے جو ان کی چربی اور بدبو سے محفوظ ہو تو عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیج دے گا جن کی گردنیں خراسانی نسل کے اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گی، وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔''

ابن جابر نے کہا کہ مجھ سے عطاء بن یزید سَکسَکی نے کعب یا کسی اور راوی سے بیان کیا کہ وہ انھیں ''مَھبِل'' نامی ایک مقام پر پھینک دیں گے۔ ابن جابر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ابو یزید! ''مَھبِل'' نامی یہ مقام کہاں ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اللہ تعالیٰ چالیس روز تک ایسی بارش نازل فرمائے گا جو ہر پکے کچے گھر پر برسے گی، اس بارش سے اللہ تعالیٰ زمین کو دھو کر آئینے کی طرح شفاف بنا دے گا اور پھر زمین سے کہا جائے گا: اپنے پھل کو اگا اور اپنی برکت کو واپس لے آ۔ آپ نے فرمایا: اس دن ایک جماعت کے لیے کھانے کے لیے ایک انار کافی ہوگا اور وہ اس کے چھلکے کے سائے میں آرام کر سکیں گے اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت کے لیے بھی کافی ہوگا اور گائے کا دودھ ایک بڑے قبیلے کے لیے کافی ہوگا اور بکری کا دودھ ایک گھر والوں کے لیے کافی ہوگا، آپ نے فرمایا: لوگ انھی حالات میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا کو بھیجے گا جو ان کی بغلوں کے نیچے سے داخل ہو جائے گی اور ہر ایک مسلمان کی روح کو قبض کر لے گی۔ یا آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ وہ ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گی۔ اور پھر بدترین قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے جو زمین پر گدھوں کی طرح جنسی عمل کریں گے اور پھر انھی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نہیں امام مسلم نے بیان کیا ہے۔[2] دیگر اہل سنن نے بھی اس حدیث

[1] مسند أحمد: 182,181/4 اور تمام قوسوں والے الفاظ صحیح مسلم، الفتن، باب ذکر الدجال، حدیث: 2937 میں ہیں۔

[2] صحیح مسلم، الفتن، باب ذکر الدجال، حدیث: 2937.

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط أَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُونَ ﴿98﴾ لَوْ

بے شک تم اور جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو ﴿98﴾ اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو اس میں

كَانَ هٰؤُلَاءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ط وَكُلٌّ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿99﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّهُمْ فِيهَا

داخل نہ ہوتے، اور وہ سب ہمیشہ اس (جہنم) میں رہیں گے ﴿99﴾ اس میں ان کے لیے چیخنا چلانا ہوگا، اور وہ اس میں (کچھ) نہ سن پائیں گے ﴿100﴾

لَا يَسْمَعُونَ ﴿100﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى لا أُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿101﴾ لَا يَسْمَعُونَ

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے ﴿101﴾ وہ اس کی آہٹ (بھی) نہ سنیں

حَسِيسَهَا ج وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خٰلِدُونَ ﴿102﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ

گے، اور وہ ان (نعمتوں) میں ہمیشہ رہیں گے جو ان کے دل چاہیں گے ﴿102﴾ بڑی گھبراہٹ انھیں غمناک نہیں کرے گی، اور فرشتے ان سے (یہ کہہ کر)

وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿103﴾

ملیں گے: یہ ہے تمھارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿103﴾

کوئی سندوں سے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے غریب حسن صحیح قرار دیا ہے۔[1]

تیسری حدیث: امام احمد نے ابن حَرملہ سے اور انھوں نے اپنی خالہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور بچھو کے ڈسنے کی وجہ سے اس وقت آپ نے اپنی انگلی پر پٹی باندھی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: [إِنَّكُمْ تَقُولُونَ: لَاعَدُوًّا (لَّكُم) لَا تَزَالُونَ تُقَاتِلُونَ عَدُوًّا حَتّٰى يَأْتِيَ يَأْجُوجُ وَ مَأْجُوجُ ، عِرَاضَ الْوُجُوهِ، صِغَارَ الْعُيُونِ، صُهْبَ الشِّعَافِ، مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُونَ ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ] ''تم کہتے ہو کہ تمھارا کوئی دشمن نہیں مگر تم تو خود دشمن سے ہمیشہ لڑتے رہو گے حتی کہ یاجوج وماجوج آجائیں گے جن کے چہرے چوڑے ہوں گے، آنکھیں چھوٹی ہوں گی، ان کے سر کے بال بھورے رنگ کے ہوں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے، ان کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے چوڑی ڈھالیں ہوں۔''[2] امام ابن ابو حاتم نے اسے محمد بن عمرو سے انھوں نے خالد بن عبداللہ بن حَرملہ مدلجی سے انھوں نے اپنی خالہ سے اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے بالکل اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

حدیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بیت اللہ کا حج کریں گے۔[4] امام احمد نے ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَيُحَجَّنَّ هٰذَا الْبَيْتُ وَلَيُعْتَمَرَنَّ بَعْدَ خُرُوجِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ] ''یاجوج وماجوج کے خروج

[1] سنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، حديث:4321 مختصراً و جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في فتنة الدجال، حديث:2240 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب ما يجير من الدجال:235/6، حديث: 10783 مختصرًا۔ [2] مسند أحمد:271/5، البتہ بعض محققین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد:) 19/37 اور قوسین والا لفظ تفسير ابن أبي حاتم:2467/8 میں ہے۔ [3] تفسیر ابن أبي حاتم:2467/8 البتہ ابن ابو حاتم کے مطبوعہ نسخے میں ابن حرملہ، حذیفہ سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ [4] صحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر الإخبار بأن عيسى ابن مريم يحج البيت العتيق بعد قتله الدجال:232/15، حديث:6820 و مسند أحمد:240/2.

کے بعد بھی بیت اللہ کا حج وعمرہ کیا جائے گا۔''① اس روایت کو امام مسلم نے نہیں، صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔②

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ﴾ ''اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا۔'' یعنی جب یہ ہولناک واقعات، یہ زلزلے اور یہ خوفناک حالات ہوں گے تو قیامت قریب آ جائے گی اور جب قیامت برپا ہو گی تو کافر کہیں گے کہ یہ بہت مشکل دن ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''تو ناگہاں کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' ان بڑے بڑے امور کی ہولناکیوں کے دیکھنے کی وجہ سے کہنے لگیں گے: ﴿ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ﴾ ''ہائے ہماری شامت! ہم اس (حال) سے غفلت میں رہے۔'' یعنی دنیا میں۔ ﴿ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''بلکہ ہم (اپنے حق میں) ظالم تھے۔'' یعنی وہ اعتراف کریں گے کہ انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا مگر ان کا یہ اعتراف اس وقت ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

تفسیر آیات: 98-103

مشرکین اور ان کے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں: اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے مشرکین قریش اور ان کے ہم مذہب بتوں کے پجاریوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ ''(کافرو!) یقیناً اس روز تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ حَصَبُ ﴾ کے معنی ایندھن کے ہیں۔③ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ (البقرۃ 2:24) ''اور جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿ حَصَبُ ﴾ کا لفظ حبشی زبان میں حطب (ایندھن) کے معنی میں ہے۔④ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ نے بھی اس کے معنی ایندھن ہی بیان کیے ہیں۔⑤ ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جسے دوزخ میں پھینکا جائے گا۔⑥

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ﴾ ''(اور) تم (سب) اس میں داخل ہو جانے والے ہو، اگر یہ لوگ (درحقیقت) معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے۔'' یعنی اگر یہ بت اور شریک جنھیں تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنا رکھا تھا صحیح معبود ہوتے تو آج دوزخ میں داخل نہ ہوتے۔ ﴿ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ ''سب اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔'' یعنی عابد اور ان کے معبودان باطلہ سب کے سب جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ جلتے اور سڑتے رہیں گے۔ ﴿ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ ﴾ ''وہاں ان کے لیے چیخنا چلانا ہوگا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ ﴾ (ھود 11:106) ''اس میں ان کے لیے چلانا اور دھاڑنا ہوگا۔'' ﴿ زَفِيْرٌ ﴾ ان کے سانسوں کے باہر نکلنے کی آواز ہو گی اور ﴿ وَّشَهِيْقٌ ۝ ﴾ (ھود 11:106) ان کے سانسوں کے اندر جانے کی آواز۔ ﴿ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ اس میں (کچھ) نہ سن سکیں گے۔''

سعادت مندوں کا حال: فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ﴾ ''جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے

① مسند أحمد:3/28. ② صحيح البخاري، الحج، باب قول الله تعالى: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ......﴾، حديث:1593.
③ تفسير الطبري:17/124. ④ الدر المنثور:4/608. ⑤ تفسير الطبري:17/124. ⑥ تفسير الطبري:17/124.

بھلائی مقرر ہو چکی ہے۔'' عکرمہ نے کہا ہے کہ یہاں بھلائی سے مراد رحمت ہے۔ دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد سعادت ہے۔[1] ﴿ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾ ''وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے پہلے اہل دوزخ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی وجہ سے ان کے عذاب کا ذکر کیا اور اب ان سعادت مندوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لائے تھے اور یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش نصیبی مقرر ہو چکی ہے اور جنھوں نے دنیا میں اعمال صالحہ کیے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس 10:26) ''جن لوگوں نے نیکیاں کیں ان کے لیے بھلائی ہے اور (اس کے علاوہ) مزید بھی۔'' اور فرمایا: ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴾ (الرحمٰن 55:60) ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

جیسے انھوں نے دنیا میں عمل اچھا کیا تھا ایسے ہی آخرت میں اللہ تعالیٰ انھیں اجر و ثواب بھی اچھا عطا فرمائے گا، انھیں عذاب سے نجات بھی دے گا اور بے پایاں اجر و ثواب سے بھی نوازے گا۔ فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ﴾ ''وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ (یہاں تک کہ) اس کی آوازیں بھی نہیں سنیں گے۔'' آواز سے مراد جہنم میں جسموں کے جلنے کی آواز ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور جس چیز کو ان کے جی چاہیں گے اس میں (ملے گی اور ہر طرح کے عیش اور لطف میں) ہمیشہ رہیں گے۔'' بری اور ناپسندیدہ چیزوں سے اللہ تعالیٰ انھیں محفوظ رکھے گا اور پسندیدہ و محبوب چیزیں عطا فرمائے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیات معبودوں کے استثنا کے لیے نازل ہوئی ہیں، مثلاً: عزیر اور مسیح علیہما السلام کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حجاج بن محمد اعور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴾ سے مستثنیٰ کے لیے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ...... ﴾ اور اس سے مراد فرشتے، عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر ایسے معبود ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ عکرمہ، حسن اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔[2]

محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے کتاب ''السیرۃ'' میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں ولید بن مغیرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ نضر بن حارث بھی آ کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اس وقت مسجد میں قریش کے اور بھی کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو فرمائی، نضر بن حارث اس وقت آپ کے سامنے تھا، آپ نے اس سے مخاطب ہو کر گفتگو فرمائی حتی کہ اسے لاجواب کر دیا اور پھر آپ نے ان تمام قریشیوں کے سامنے ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴾ سے لے کر ﴿ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ تک آیات کریمہ بھی تلاوت فرمائیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ ادھر عبداللہ بن زِبَعْرٰی سہمی آیا اور وہ بھی قریشیوں کے ساتھ بیٹھ گیا، ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زِبَعْرٰی سے کہا: اللہ کی قسم! نضر بن حارث، ابن عبدالمطلب کے پاس ابھی کھڑا تھا اور بیٹھا نہ تھا

---

[1] تفسیر الطبری: 129/17. [2] تفسیر الطبری: 128,127/17.

کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ ہم اور ہمارے یہ تمام معبود جن کی ہم عبادت کرتے ہیں یہ جہنم کا ایندھن ہیں، عبداللہ بن زِبَعرٰی نے یہ سن کر کہا کہ اگر میری محمد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو جاتی تو میں ان سے اس موضوع پر بحث کرتا۔ جاؤ محمد ﷺ سے یہ پوچھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو ہم تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور نصرانی مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ کیا فرشتے، عزیر اور مسیح بھی جہنم میں جائیں گے۔ ولید اور اس کے ساتھ مجلس میں موجود دیگر لوگوں نے عبداللہ بن زِبَعرٰی کی یہ بات سن کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور انھوں نے خیال کیا کہ اپنی اس دلیل کے ساتھ یہ غالب آ گیا ہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کی اس بات کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّعْبَدَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ، إِنَّهُمْ إِنَّمَا يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِينَ، وَمَنْ أَمَرَتْهُمْ بِعِبَادَتِهِ] ''وہ معبود جو اس بات کو پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی بھی عبادت کی جائے تو وہ اپنے عابد کے ساتھ ہوگا، یہ لوگ شیاطین کی اور جس کی عبادت کا شیاطین نے انھیں حکم دیا تھا اس کی عبادت کرتے تھے۔''

بہرحال ان کے اس اعتراض کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿101﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿102﴾ ﴾ ''جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی پہلے مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے (یہاں تک کہ) اس کی آواز بھی نہیں سنیں گے اور جس چیز کو ان کے جی چاہیں گے اس میں (ہر طرح کے عیش اور لطف میں) ہمیشہ رہیں گے۔'' یعنی عیسیٰ ابن مریم، عزیر علیہم السلام اور وہ علماء و مشائخ جن کی انھوں نے عبادت کی جو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار و فرماں بردار تھے مگر گمراہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بجائے انھیں اپنے معبود بنا لیا تھا، نیز یہ آیت کریمہ اس بارے میں بھی نازل ہوئی جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وہ ان کے بقول اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ﴿﴾ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ﴿﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿﴾ وَ مَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿﴾ ﴾ (الأنبیآء 21:26-29) ''اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنا رکھی ہے (حالانکہ) وہ پاک ہے (اس کی کوئی اولاد نہیں) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں، اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہے اور وہ اس کے پاس (کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جسے وہ پسند کرے اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

عبداللہ بن زِبَعرٰی نے جو یہ ذکر کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بھی پوجا کی جاتی ہے اور ولید اور اس کے ساتھیوں نے اس کی اس

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط

جس دن ہم آسمان کو لکھے ہوئے کاغذ کے لپیٹنے کی طرح لپیٹ دیں گے، جس طرح ہم نے پہلی تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ

وَعْدًا عَلَيْنَا ط اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿104﴾

کریں گے۔ (یہ) وعدہ ہمارے ذمے ہے، بے شک ہم اسے (پورا) کرنے والے ہیں ﴿104﴾

بات کی خوب داد دی تھی تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ○ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ط مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ○ وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ﴾ (الزخرف 43:57-61) ”اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا تو تمھاری قوم کے لوگ اسی سے چلا اٹھے اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ۔) انھوں نے تو اس (عیسیٰ) کی مثال تم سے صرف جھگڑنے کے لیے بیان کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو، وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو مثال (اپنی قدرت کا نمونہ) بنا دیا اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمھاری جگہ زمین میں رہتے اور وہ (عیسیٰ) تو قیامت کی نشانی ہیں پس اس میں شک نہ کرو۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مردوں کے زندہ کرنے اور بیماروں کے صحت یاب کرنے کے جن معجزات کا ظہور ہوا وہ قیامت کے یقینی ہونے پر بطور دلیل کافی ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ ﴾ (الزخرف 43:61) ”پس اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو، یہ سیدھا رستہ ہے۔“[1]

اور ابن زِبَعْرٰی نے جو بات کی ہے، یہ بہت غلط بات ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ تو اہل مکہ سے ان کی بے جان بتوں کی عبادت کے تناظر میں خطاب کے طور پر نازل ہوئی ہے اور بتوں کے پجاریوں سے زجر و توبیخ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ اس روز تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوں گے، مسیح و عزیر اور ان جیسے دیگر لوگوں پر اس آیت کو چسپاں نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے نیک عمل کیے اور جو اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ﴾ ”ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا۔“ کہا گیا ہے کہ بھاری خوف سے مراد موت کا خوف ہے، اسے عبدالرزاق نے یحییٰ بن ربیعہ سے اور انھوں نے عطاء سے روایت کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بھاری خوف سے مراد صور کا پھونکا جانا ہے۔ یہ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[2] ابوسنان سعید بن سنان شیبانی کا بھی یہی قول ہے اور امام ابن جریر نے بھی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[3] ﴿ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط

[1] السيرة النبوية لابن هشام، ذكر مالقي رسول الله ﷺ من قومه من الأذى، مقالة ابن الزبعرى، وما أنزل الله فيه: 359,360/1 وتفسير الطبري: 127,128/17. [2] تفسير الطبري: 130/17. [3] تفسير الطبري: 131/17.

هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ''اور فرشتے ان سے ملیں گے (اور کہیں گے کہ) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔'' یعنی جس دن وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو فرشتے قیامت کے دن کی انھیں بشارت دیتے ہوئے کہیں گے کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، لہٰذا تم ایسی امید رکھو جو تمھارے لیے خوشی اور مسرت کا سبب ہوگی۔

تفسیر آیت:104

روزِ قیامت آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ ﴾ ''جس دن ہم آسمان کو لکھے ہوئے کاغذ کے لپیٹنے کے مانند لپیٹ دیں گے۔'' ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖۗ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (الزمر 39:67) ''اور انھوں نے اللہ کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے (اور) وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے نافع سے انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الْأَرَضِينَ) وَتَكُونُ السَّمٰوَاتُ بِيَمِينِهِ] ''بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمینوں کو پکڑ لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں (لپٹے) ہوں گے۔'' یہ روایت مسلم میں نہیں، صرف بخاری میں ہے۔[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ ﴾ ''لکھے ہوئے کاغذ کے لپیٹنے کی طرح (لپیٹنا)۔'' سجلّ سے مراد کتاب ہے، سدی نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ سجل سے مراد وہ فرشتہ ہے جسے اعمال ناموں پر مقرر کیا گیا ہے، جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال نامے کو سجل کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے تو وہ اسے قیامت کے دن تک لپیٹ دیتا ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح روایت کے مطابق سجل نامۂ اعمال ہی ہے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مجاہد، قتادہ اور کئی ایک دیگر ائمہ سے بھی یہ منقول ہے۔ ابن جریر نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔[3] لغت کے اعتبار سے بھی یہی بات معروف ہے تو اس اعتبار سے معنی کلام یہ ہوں گے کہ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے نامۂ اعمال نے اعمال کو لپیٹا ہوتا ہے، یعنی اس معنی کے اعتبار سے کتاب بمعنی مکتوب ہے جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:103) ''پس جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے پہلو کے بل لٹا دیا۔'' میں ﴿ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ ﴾ علی الجبین کے معنی میں ہے اور لغت میں اس کی بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ ﴾ ''جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح لوٹائیں گے (یہ) وعدہ (ہے جس کا پورا کرنا) ہم پر لازم ہے۔ یقیناً ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں۔''

---

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ ﴾ (صٓ 38:75)، حدیث:7412 قوسین والا لفظ، حدیث:7414 کے مطابق قدرے مختلف سیاق سے ہے۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2469/8. [3] تفسیر الطبری:132/17.

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿105﴾

اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے ﴿105﴾ بلاشبہ اس میں (ہمارے)

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿106﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿107﴾

عبادت گزار بندوں کے لیے ایک اطلاع ہے ﴿106﴾ اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے ﴿107﴾

یعنی اس طرح اس دن ہر صورت میں ہو کر رہے گا جس دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو دوبارہ اس طرح پیدا کرے گا جس طرح اس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا تھا، وہ ان کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور یہ ہر صورت میں وقوع پذیر ہونے والا ہے کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور نہ وعدے کو بدلتا ہے کیونکہ وہ اپنے وعدے کے پورا کرنے پر قادر ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ ”یقیناً ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں۔“

روز محشر سب لوگ عریاں ہوں گے: امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وعظ فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: [إِنَّكُمْ مَّحْشُورُونَ إِلَى اللّٰهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿104﴾ ﴾] ”تم سب اللہ عزوجل کے ہاں اس طرح جمع کیے جاؤ گے کہ برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون ہو گے ”جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا تھا، اس طرح لوٹائیں گے (یہ) وعدہ (ہے جسے پورا کرنا) لازم ہے۔ یقیناً ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں۔“[1] پھر انھوں نے ساری حدیث ذکر فرمائی ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔

تفسیر آیات:105-107

زمین کے وارث نیک لوگ ہوں گے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے حتمی طور پر یہ فیصلہ فرما رکھا ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو دنیا و آخرت کی سعادت اور دنیا و آخرت میں زمین کی وراثت عطا فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 128:7) ”زمین تو اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور آخر انجام تو پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ﴾ (المؤمن 51:40) ”ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی۔)“ اور فرمایا: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ (النور 55:24) ”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم و پائیدار کرے گا۔“

[1] مسند أحمد:235/1 وصحيح البخاري، التفسير، باب ﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ ﴾ (الأنبياء 104:21)، حديث:4740 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب فناء الدنيا......، حديث:2860.

﴿ الزَّبُوۡرِ ﴾ کا مفہوم: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بات شرعی اور قدری کتب میں لکھی ہوئی ہے اور یہ یقینی طور پر واقع ہو کر رہے گی، اس لیے فرمایا: ﴿ وَ لَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّکۡرِ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے نصیحت (کی کتاب تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا۔'' اعمش کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہاں زبور سے مراد تورات، انجیل اور قرآن ہیں۔ ① مجاہد کہتے ہیں کہ زبور کے معنی کتاب کے ہیں۔ ② ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی، حسن، قتادہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ زبور سے مراد وہ کتاب ہے جسے داود پر نازل کیا گیا تھا اور ذکر سے مراد تورات ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ زبور سے مراد کتب ہیں اور ذکر سے مراد وہ ام الکتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ③ زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد پہلی کتاب (لوح محفوظ) ہے۔ ثوری کہتے ہیں کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت: ﴿ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُہَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ ﴾ ''بلاشبہ میرے نیکوکار بندے زمین کے وارث ہوں گے'' میں زمین سے مراد ارض جنت ہے۔ ④ ابو عالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ، سدی، ابو صالح، ربیع بن انس اور ثوری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ⑤

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ فِیۡ ہٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ ﴾ ''بلاشبہ عبادت کرنے والے لوگوں کے لیے اسی میں (اللہ کے حکموں کی) تبلیغ ہے۔'' یعنی یہ قرآن جسے ہم نے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اس میں عبادت کرنے والے لوگوں کے لیے منفعت و کفایت ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کی جس طرح اس نے حکم دیا اور پسند فرمایا اور جنھوں نے شیطان کی بات اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کو ترجیح دی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾ ﴾ ''اور (اے محمد!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے، پس جو شخص اس رحمت کو قبول کر لے اور اس نعمت کا شکر بجالائے وہ دنیا و آخرت کی سعادت مندیوں اور کامرانیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے گا اور جو اس رحمت کو قبول کرنے سے انکار کر دے گا، وہ دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿ۙ۲۸﴾ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾ ﴾ (ابراھیم 14:28،29) ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا، (وہ گھر) دوزخ (ہے سب ناشکرے) اس میں داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

---

① تفسیر الطبری :136/17. ② تفسیر الطبری :136/17 والدر المنثور :612/4. ③ تفسیر الطبری :136/17 وتفسیر القرطبی :349/11. ④ تفسیر الطبری :138/17 وتفسیر ابن أبی حاتم :2471/8. ⑤ تفسیر الطبری :138/17 وتفسیر ابن أبی حاتم :2471/8 وتفسیر الرازی :229/22.

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿108﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

کہہ دیجیے: میری طرف تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بس تمھارا معبود ایک ہی ہے، پھر کیا تم مسلمان ہو؟ ﴿108﴾ پھر اگر وہ پھریں تو کہہ دیجیے: میں نے

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿109﴾ اِنَّهٗ

تمھیں یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے، اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا بعید ہے ﴿109﴾ بے شک وہ (اللہ) پکار کر کہی

يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿110﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ

ہوئی بات کو بھی جانتا ہے، اور جو تم چھپاتے ہو، اس کو بھی جانتا ہے ﴿110﴾ اور میں نہیں جانتا شاید یہ (تاخیرِ عذاب) تمھارے لیے آزمائش اور ایک وقت

وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿111﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى

تک فائدہ ہے ﴿111﴾ (رسول نے) کہا: اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما، اور ہمارا رب نہایت مہربان ہے، جو باتیں تم بیان کرتے ہو ان پر

مَا تَصِفُوْنَ ﴿112﴾ ع — النصف 7 19 7

وہی مدد مانگے جانے کے لائق ہے ﴿112﴾

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ”کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرہ پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے، گرانی کے سبب ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔“

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آپ مشرکوں کے لیے بددعا فرمائیں، آپ نے فرمایا: [إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَّإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً] ”مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ ① یہ حدیث صرف صحیح مسلم میں ہے، بخاری میں نہیں۔

امام احمد نے عمرو بن ابوقُرّہ کندی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو وہاں بیان کیا کرتے تھے، ایک بار حذیفہ رضی اللہ عنہ، سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: حذیفہ! رسول اللہ ﷺ تو ناراضی کی حالت میں بھی بیان فرماتے اور خوشی کی کیفیت میں بھی بیان فرماتے تھے یقیناً تجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: [أَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي سَبَبْتُهُ سَبَّةً فِي غَضَبِي أَوْ لَعَنْتُهُ لَعْنَةً فَإِنَّمَا أَنَا مِنْ وَّلَدِ آدَمَ، أَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُونَ، وَإِنَّمَا بَعَثَنِي رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، فَاجْعَلْهَا صَلَاةً عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ”ناراضی کی حالت میں اگر میں نے اپنی امت کے کسی شخص کو برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت بھیج دی ہو تو میں بھی اولادِ آدم میں سے ایک شخص ہوں جس طرح وہ ناراض ہوتے ہیں میں بھی اسی طرح ناراض ہوتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ (اے اللہ!) میری اس لعنت کو میری امت کے اس شخص کے لیے قیامت کے دن رحمت بنا دینا۔“ ②

① صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، حديث: 2599. ② مسند أحمد: 437/5.

امام ابوداود نے اسے از احمد بن یونس از زائدہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ ①

اگر کہا جائے کہ جو شخص آپ کے ساتھ کفر کرے تو اسے کیا رحمت حاصل ہوئی۔ تو اس کے جواب میں ہم وہ بات عرض کریں گے جو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھے تو اس کے حق میں دنیا و آخرت میں رحمت لکھ دی جائے گی اور جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان نہ لائے تو اس کے لیے رحمت یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں زمین میں دھنسا دیے جانے یا آسمان سے پتھروں کی بارش کی صورت میں اس طرح کے عذاب سے محفوظ رہے گا، جیسے عذاب سابقہ امتوں پر آئے تھے۔ ②

تفسیر آیات:108-112

وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ مشرکوں سے یہ کہہ دیں: ﴿ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ ”یقیناً مجھ پر (اللہ کی طرف سے) یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا معبود اللہ واحد ہے تو کیا تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو؟“ یعنی اس بات کی اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار اور فرمانبردار بن جاؤ۔ ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ ”پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں“ یعنی جو آپ نے انھیں دعوت دی ہے، اسے قبول نہ کریں۔ ﴿ فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ ﴾ ”تو کہہ دیں کہ میں نے تم سب کو یکساں (احکام الٰہی سے) آگاہ کر دیا ہے۔“ یعنی میں نے تمھیں بتا دیا ہے کہ میرا تمھارے خلاف اعلان جنگ ہے جیسا کہ تم میرے خلاف اعلان جنگ کر رہے ہو، میں تم سے بری ہوں اور تم مجھ سے بری ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 41:10) ”اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیں کہ میرے لیے میرے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل، تم اس چیز سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَآءٍ ۭ ﴾ (الأنفال 58:8) ”اور اگر آپ کو کسی قوم کی دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انھیں کی طرف پھینک دیں (اور) برابر (کا جواب دیں۔)“ یعنی عہد پھینک دینے کے بارے میں آپ کو اور انھیں یکساں طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ عہد ختم کر دیا گیا ہے، اسی طرح فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ ﴾ ”پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں تو کہہ دیں کہ میں نے تم سب کو یکساں (احکام الٰہی سے) آگاہ کر دیا ہے۔“ یعنی میں نے تمھیں یہ معلوم کرا دیا ہے کہ میں تم سے بری ہوں اور تم مجھ سے بری ہو۔

قیامت کے وقت کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ ”اور مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ عنقریب (آنے والی) ہے یا (اس کا وقت) دور ہے۔“ یعنی وہ یقینی طور پر واقع تو ہونے والی ہے لیکن یہ مجھے علم نہیں کہ وہ عنقریب واقع ہونے والی ہے یا اس کا وقوع ابھی دور ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ يَعْلَمُ

① سنن أبي داود، السنة، باب في النهي عن سب أصحاب رسول اللهﷺ، حديث:4659. ② تفسير الطبري :141/17.

الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿110﴾ ''جو بات پکار کر کی جائے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو اس سے بھی واقف ہے۔''یعنی اللہ تعالیٰ غیب کی ساری باتوں کو جانتا ہے، وہ بندوں کی ظاہر اور چھپی ساری باتوں سے خوب آگاہ ہے، وہ ظواہر وضمائر اور سری و مخفی تمام امور سے واقف ہے اور وہ اپنے بندوں کے تمام اعمال کو جانتا ہے، خواہ وہ انھوں نے دن کے اجالوں میں کیے ہوں یا رات کی تاریکیوں میں اور پھر چھوٹے بڑے تمام اعمال کا بدلہ بھی دے گا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿111﴾ ''اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمھارے لیے آزمائش ہو اور ایک مدت تک (تم اس سے) فائدہ (اٹھاتے ہو۔)''یعنی میں نہیں جانتا شاید یہ ایک مدت تک تمھارے لیے آزمائش اور فائدہ اٹھانا ہو۔ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ شاید اس کے مؤخر ہونے میں تمھارے لیے آزمائش اور ایک مدت مقرر تک فائدہ اٹھانا ہو۔[1] عوفی نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

میدان جنگ میں کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ ﴿ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ ''(پیغمبر نے) کہا کہ اے میرے پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔''یعنی ہمارے اور حق کی تکذیب کرنے والی ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام (یہ) حسب ذیل دعا فرمایا کرتے تھے: ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ○﴾ (الأعراف 7:89) ''اے ہمارے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا کا حکم دیا گیا ہے۔[3] مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان جنگ میں تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے: ﴿ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ ''اے میرے پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔''[4] فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿112﴾ ''اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے، اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو، مدد مانگی جاتی ہے۔''یعنی جو تم کہتے اور کذب وافترا سے کام لیتے اور طرح طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہو ان سب میں تمھارے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جاتی ہے۔

سورۂ انبیاء کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] تفسير الطبري: 142/17. [2] تفسير الطبري: 143/17 عن عطاء الخراساني، عن ابن عباس رضي الله عنهما. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2471/8. [4] مجموعة الفتاوى لابن تيمية: 265/15.

تفسیر سُورَۂ حَجّ

یہ مکی سورت ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ① یَوۡمَ تَرَوۡنَہَا تَذۡہَلُ کُلُّ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی (ہولناک) چیز ہے① جس دن تم اسے دیکھو گے (یہ حال ہوگا) کہ ہر دودھ پلانے

مُرۡضِعَۃٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَہَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا

والی اسے بھول جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی، اور آپ لوگوں کو نشے میں (مدہوش) دیکھیں گے، حالانکہ وہ

ہُمۡ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیۡدٌ ②

نشے میں نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب (بڑا ہی) شدید ہوگا②

تفسیر آیات:2,1

قیامت کی ہولناکیاں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کا تقویٰ اختیار کریں، نیز اس مقام پر اس نے قیامت کی ہولناکیوں، زلزلوں اور اس کے حالات کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا ۙ﴿۱﴾ وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَہَا ۙ﴿۲﴾ ﴾ (الزلزال 2,1:99) ”جب زمین پورے زور سے ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے (اندر کے) بوجھ نکال ڈالے گی۔“ اور فرمایا: ﴿ وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃً ﴿ۙ۱۴﴾ فَیَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ﴿ۙ۱۵﴾ ...... ﴾ الآیۃ (الحاقۃ 15,14:69) ”اور زمین اور پہاڑ دونوں اُٹھائے جائیں گے، پس ایک بار کی چوٹ سے دونوں کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے تو اس روز واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی ......۔“ اور اس جیسی چند آیات۔ اور فرمایا: ﴿ اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾ ...... ﴾ الآیۃ (الواقعۃ 5,4:56) ”جب زمین (بھونچال سے) نہایت بری طرح ہلا دی جائے گی اور پہاڑ (توڑ پھوڑ کر) ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے......۔“

کچھ ائمہ نے کہا ہے کہ یہ زلزلہ دنیا کی عمر کے آخری لمحے اور قیامت کے حالات کے ابتدائی لمحے میں ہوگا۔ ابن جریر نے ﴿ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ① ﴾ ”بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی (ہولناک) چیز ہے“ کے بارے میں علقمہ کا

قول ذکر کیا ہے کہ یہ زلزلہ قیامت سے پہلے ہوگا۔[1] کچھ دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ ہولناکیاں، زلزلے، خوفناک باتیں اور مصیبتیں قیامت کے دن اس وقت پیش آئیں گی جب لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اوران حضرات نے درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

امام احمد رحمہ اللہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے آگے پیچھے چل رہے تھے۔ آپ نے بلند آواز سے ان دو آیتوں کی تلاوت فرمائی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝﴾ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ (اے مخاطب!) جس دن تو اس کو دیکھے گا (اُس دن یہ حال ہوگا کہ) ہر دودھ پلانے والی اسے بھول جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا مگر وہ نشے میں نہیں ہوں گے اور (بلکہ عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) لیکن اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔'' جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان آیات کو سنا تو وہ اپنی سواریوں کو جلدی جلدی دوڑانے لگے اور انھیں معلوم ہوا کہ آپ کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔ جب تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

[أَتَدْرُونَ أَيَّ يَوْمٍ ذَاكَ؟ قَالَ: ذَاكَ يَوْمُ يُنَادَى آدَمُ، فَيُنَادِيهِ رَبُّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: يَا آدَمُ!اِبْعَثْ بَعْثًا إِلَى النَّارِ، فَيَقُولُ: يَارَبِّ! وَمَابَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعُ مِئَةٍ وَّتِسْعَةٌ وَّتِسْعِينَ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ،فَأَبْلَسَ أَصْحَابُهُ حَتّٰى مَا أَوْضَحُوا بِضَاحِكَةٍ، فَلَمَّا رَأٰى ذٰلِكَ، قَالَ: اِعْمَلُوا وَأَبْشِرُوا، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّكُمْ لَمَعَ خَلِيقَتَيْنِ مَا كَانَتَا مَعَ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا كَثَّرَتَاهُ، يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَمَنْ هَلَكَ مِنْ بَنِي آدَمَ وَبَنِي إِبْلِيسَ، قَالَ: فَسُرِّيَ عَنِ الْقَوْمِ بَعْضُ الَّذِي يَجِدُونَ، فَقَالَ: اِعْمَلُوا وَأَبْشِرُوا، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا أَنْتُمْ فِي النَّاسِ إِلَّا كَالشَّامَةِ فِي جَنْبِ الْبَعِيرِ أَوِ الرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الدَّابَّةِ]

''کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہوگا؟ یہ وہ دن ہوگا جس میں آدم علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور آپ کا رب تبارک وتعالیٰ آپ سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: اے آدم! دوزخ کی طرف جانے والوں (کی تعداد) کو بھیج دو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے پروردگار! دوزخ میں جانے والوں کی تعداد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں! یہ سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دہشت اور خوف کی وجہ سے خاموش ہو گئے اور انھوں نے منہ بند کر لیے، آپ نے ان کی جب یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا: تم عمل کیے جاؤ اور خوش ہو جاؤ، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! یقیناً تم دو ایسی مخلوقوں کے ساتھ ہو گے کہ انھیں جس کے ساتھ بھی ملایا جائے وہ ان کی تعداد بڑھا دیں گی (جہنمیوں کی تعداد

---

[1] تفسير الطبري :145/17.

اس طرح زیادہ ہوگی) اور وہ ہیں (1) یاجوج و ماجوج اور (2) اولادِ آدم میں سے (کفر پر) ہلاک ہونے والے اور اولادِ ابلیس۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ فرمان سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دہشت ختم ہوگئی۔ آپ نے پھر فرمایا: عمل کرو اور خوش ہوجاؤ، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تم لوگوں کے مقابلے میں اس طرح ہو جیسے اونٹ کے پہلو میں تل کا نشان ہو یا جیسے کسی جانور کے ہاتھ (اگلی ٹانگ) پر کوئی نشان ہو۔''[1] امام ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ نے بھی اپنی اپنی کتاب کی كتاب التفسير میں اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

اس حدیث کا ایک دوسرا طریق: امام ترمذی رحمہ اللہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیاتِ کریمہ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمۡۚ﴾ سے لے کر ﴿وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٞ ۝٢﴾ تک نبیٔ اکرم ﷺ پر جب نازل ہوئیں تو آپ سفر میں تھے، آپ نے فرمایا:

[أَتَدْرُونَ أَيَّ يَوْمٍ ذٰلِكَ؟ فَقَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ذٰلِكَ يَوْمُ يَقُولُ اللّٰهُ لِآدَمَ: اِبْعَثْ بَعْثَ النَّارِ، فَقَالَ: يَارَبِّ! وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: تِسْعُ مِائَةٍ وَّتِسْعَةٌ وَّ تِسْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَأَنْشَأَ الْمُسْلِمُونَ يَبْكُونَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، فَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ إِلَّا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهَا جَاهِلِيَّةٌ، قَالَ: فَيُؤْخَذُ الْعَدَدُ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ، فَإِنْ تَمَّتْ وَإِلَّا كَمُلَتْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ، وَمَا مَثَلُكُمْ وَالْأُمَمِ إِلَّا كَمَثَلِ الرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الدَّابَّةِ أَوْ كَالشَّامَةِ فِي جَنْبِ الْبَعِيرِ، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرُوا، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرُوا، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرُوا......]

''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہوگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ جہنم میں جانے والوں (کی تعداد) کو بھیج دو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! جہنم میں جانے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: نو سو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں، چنانچہ یہ سن کر مسلمانوں نے رونا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''افراط و تفریط کو چھوڑ کر راہِ اعتدال اختیار کرو اور درست اعمال بجالاتے رہو، ہر نبوت سے پہلے دورِ جاہلیت ہوتا ہے، لہٰذا اس تعداد کو دورِ جاہلیت سے لیا جائے گا۔ اگر تعداد پوری ہوگئی تو صحیح ورنہ منافقوں سے اس تعداد کو مکمل کیا جائے گا۔ تمھاری مثال اور سابقہ امتوں کی مثال ایسے ہے جیسے جانور کے ہاتھ پر تل ہو یا جیسے اونٹ کے پہلو میں کوئی نشان ہو، پھر آپ نے فرمایا: مجھے اُمید ہے کہ تم اہلِ جنت کا ایک چوتھائی حصہ ہوگے۔ یہ سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے اُمید ہے تم اہلِ جنت کا ایک تہائی حصہ ہوگے۔ یہ سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف حصہ ہوگے

① مسند أحمد:435/4. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الحج، حديث:3169 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله: ﴿وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ﴾......: 410/6، حديث:11340.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ اکبر کہا......۔''[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:[يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، فَيُنَادٰى بِصَوْتٍ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ، قَالَ: يَا رَبِّ! وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ۔ أُرَاهُ قَالَ۔ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ، فَحِينَئِذٍ تَضَعُ الْحَامِلُ حَمْلَهَا وَيَشِيبُ الْوَلِيدُ ﴿ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② ﴾ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ حَتّٰى تَغَيَّرَتْ وُجُوهُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ وَمِنْكُمْ وَاحِدٌ، ثُمَّ أَنْتُمْ فِي النَّاسِ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جَنْبِ الثَّوْرِ الْأَبْيَضِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جَنْبِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا]

''اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائے گا: اے آدم! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار میں بار بار حاضر ہوں اور تمام تر سعادت تیری ہی طرف سے ہے، پھر انھیں بلند آواز سے کہا جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تجھے یہ حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم جانے والوں (کی تعداد) کو نکال بھیجو، وہ عرض کریں گے: اے میرے رب! جہنم جانے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نوسوننانوے، اور یہ وہ وقت ہوگا جب حمل والی اپنے حمل کو گرادے گی اور جب بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ ''اور آپ لوگوں کو نشے میں دیکھیں گے مگر وہ نشے میں نہیں ہوں گے (بلکہ عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) اور لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔'' لوگوں کو یہ بات بہت گراں محسوس ہوئی حتی کہ ان کے چہروں کے رنگ بدل گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: یاجوج وماجوج میں سے نوسوننانوے ہوں گے اور تم میں سے ایک، تم لوگوں کے مقابلے میں اس طرح ہو گے جیسے سفید رنگ کے بیل کے پہلو میں ایک سیاہ بال ہو یا جیسے سیاہ رنگ کے بیل کے پہلو میں ایک سفید بال ہو، مجھے اُمید ہے کہ تم اہل جنت میں سے ایک چوتھائی ہو گے۔ یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: تم اہل جنت میں سے ایک تہائی ہو گے۔ ہم نے اللہ اکبر کہا، آپ نے پھر فرمایا کہ تم اہلِ جنت کے نصف کے برابر ہو گے تو ہم نے اللہ اکبر کہا۔''[2] امام بخاری نے اس جگہ کے علاوہ بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[3] اسی طرح امام مسلم اور امام نسائی نے اسے اپنی کتاب کی کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے۔[4]

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الحج، حديث:3168 . ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى ﴾ (الحج2:22)، حديث:4741 . ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب: ﴿ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴾......، حديث:6530 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ④ صحيح مسلم، الإيمان، باب قوله: [يقول الله لآدم: أخرج......]، حديث: 222 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى...... ﴾: 409/6، حديث:11339 .

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں علم کے بغیر بحث کرتے ہیں، اور وہ ہر سرکش شیطان کی اتباع کرتے ہیں ③ اس کی بابت

اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

لکھ دیا گیا کہ بے شک جو کوئی اس سے دوستی کرے گا تو وہ یقیناً اسے گمراہ کرے گا اور اس کی دوزخ کے عذاب کی طرف رہنمائی کرے گا ④

قیامت کے ہولناک حالات و واقعات کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں جنھیں کسی دوسرے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① ﴾ ''یقیناً قیامت کا زلزلہ ایک بہت بڑی (ہولناک) چیز ہے۔'' یعنی یہ ایک عظیم امر، بہت بڑی مصیبت، اچانک پیش آ جانے والی گھبراہٹ، ہولناک حادثہ اور عجیب و غریب واقعہ ہوگا جس کے لیے یہاں زلزلے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور زلزلہ وہ ہوتا ہے جس سے دلوں پر رعب و گھبراہٹ اور خوف طاری ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○ ﴾ (الأحزاب 11:33) ''وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔'' پھر فرمایا: ﴿ يَوْمَ تَرَوْنَهَا ﴾ ''(اے مخاطب!) جس دن تو اس کو دیکھے گا۔'' یہ ضمیر شان ہے، اسی لیے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ ﴾ ''(اُس دن یہ حال ہوگا کہ) ہر دودھ پلانے والی عورت اسے بھول جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا۔'' یعنی وہ اس دن کی شدید ہولناکیوں کی وجہ سے اپنے ان بچوں کو بھی بھول جائیں گی جو انھیں لوگوں میں سے زیادہ عزیز ہوں گے اور جن سے انھیں سب سے زیادہ محبت و شفقت ہوگی لیکن اس کے باوجود وہ حالتِ رضاعت میں بھی انھیں بھول جائیں گی، اسی لیے یہاں ﴿ كُلُّ مُرْضِعَةٍ ﴾ کے الفاظ ارشاد فرمائے، كُلُّ مُرْضِعٍ کے الفاظ نہیں۔ [1] ﴿ عَمَّآ اَرْضَعَتْ ﴾ ''اس کو جسے اس نے دودھ پلایا۔'' یعنی دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی۔ ﴿ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا ﴾ ''اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی۔'' یعنی شدید ہولناکیوں کی وجہ سے حمل تمام ہونے سے پہلے ہی ساقط ہو جائیں گے۔ ﴿ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى ﴾ ''اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا۔'' اسے [سَکْرٰی] بھی پڑھا گیا ہے، یعنی لوگ اس وقت جس شدید امر میں مبتلا ہوں گے اس کی سنگینی اور ہولناکی کی وجہ سے ان کی عقلیں مدہوش ہو جائیں گی، ان کے ذہن ماؤف ہو جائیں گے اور دیکھنے والا سمجھے گا کہ وہ نشے میں ہیں۔ ﴿ وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② ﴾ ''مگر وہ نشے میں نہیں ہوں گے (بلکہ عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) اور لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔''

تفسیر آیات: 4,3

① دودھ پیتے بچے کی ماں کو، خواہ وہ فی الوقت دودھ پلا رہی ہو یا نہ، مُرْضِعٌ کہتے ہیں جبکہ مُرْضِعَةٌ فقط اس عورت کو کہتے ہیں جو فی الحال بچے کو دودھ پلا رہی ہو، یعنی مرضع اسم ہے اور مرضعة صفت ہے۔ اور یہی فرق حائض اور حائضہ وغیرہ میں ہے۔ (لسان العرب، مختار الصحاح) یہاں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہوتی ہے بالخصوص جب وہ دودھ پلا رہی ہو لیکن اس دن کی ہولناکی اور دہشت اتنی شدید ہوگی کہ وہ عورت جو دودھ پلا رہی ہے وہ بھی اپنے اس بچے سے غافل ہو جائے گی۔ مُرْضِعٌ کے بجائے مُرْضِعَةٌ کہنے میں یہی حکمت ہے۔ و اللہ أعلم.

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

اے لوگو! اگر تم (دوبارہ جی) اٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو (تمھیں علم ہونا چاہیے کہ) بلاشبہ ہم نے ہی تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے،

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ

پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو واضح شکل وصورت اور غیر واضح شکل وصورت والا ہوتا ہے، تاکہ ہم تمھارے

وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

لیے (اپنی قدرت وحکمت) واضح کریں، اور ہم جس (نطفے) کے متعلق چاہیں اسے مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہراتے ہیں، پھر تمھیں ایک

اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

بچے کی صورت میں نکالتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، اور تم میں سے کوئی فوت کر دیا جاتا ہے اور تم میں سے کوئی ناکارہ ترین عمر کی طرف

مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

لوٹایا جاتا ہے، تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانے، اور آپ زمین بنجر اور خشک پڑی دیکھتے ہیں، پھر جب ہم نے اس پر پانی نازل کیا

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ

تو وہ لہلہا اٹھی، اور پھولی، اور اس نے ہر طرح کی خوشنما نباتات نکالیں⑤ یہ (سب کچھ) اس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے، اور بے شک

يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ

وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور بے شک وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے⑥ اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ⑦

بے شک اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں (پڑے) ہیں⑦

شیطان کے پیروکاروں کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی ہے جو بعث بعد الموت کی تکذیب کرے، مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر جس دین وشریعت کو نازل فرمایا اس سے اعراض کرے اور اپنے قول، انکار اور کفر میں ہر سرکش شیطان انس وجن کی پیروی کرے جیسا کہ ان اہل بدعت و ضلالت کا حال ہے جو حق سے اعراض کرتے اور باطل کی پیروی کرتے ہیں۔ اس حق مبین کو ترک کر دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور ان ائمۂ ضلالت کی پیروی کرتے ہیں جو اپنی خواہشات وآراء پر مبنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان جیسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ﴾ ”اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ (کی شان) میں (صحیح) علم (ودانش) کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں جس کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے۔“ مجاہد کہتے ہیں: یعنی شیطان کے بارے میں قدرتی طور پر یہ لکھ دیا گیا ہے۔[1] ﴿اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ﴾ ”کہ بلاشبہ جو اُسے دوست رکھے گا“ یعنی اس کی

① تفسير الطبري: 153/17 عن قتادة رحمه الله.

اتباع اور تقلید کرے گا۔ ﴿فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④﴾ ''تو یقیناً وہ اسے گمراہ کر دے گا اور دوزخ کے عذاب کا رستہ دکھائے گا۔'' یعنی اسے دنیا میں گمراہ کر دے گا اور آخرت میں جہنم کے عذاب کی طرف لے جائے گا جو بے حد گرم، دردناک، قلق واضطراب میں مبتلا کر دینے اور خوف و دہشت طاری کر دینے والا ہو گا۔ سدی نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔[2]

تفسیر آیات:5-7

انسان و جنات کی تخلیق سے بعث بعد الموت کے دلائل: اللہ تعالیٰ نے جب ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو بعث بعد الموت کے مخالف اور قیامت کے منکر ہیں تو اب اس نے قیامت کے برپا کر دینے کے بارے میں اپنی قدرت کی ایک ایسی دلیل کا ذکر فرمایا ہے جس کا اس کے خلق کی ابتدا کرنے سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے: ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ﴾ ''اے لوگو! اگر تم کو (مرنے کے بعد جی) اُٹھنے میں کچھ شک ہو۔'' یعنی قیامت کے اس دن کے بارے میں جب روحیں اور جسم اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ ''پس بلاشبہ ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) مٹی سے پیدا کیا تھا۔'' یعنی اصل میں اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کیونکہ تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو اس نے مٹی ہی سے پیدا فرمایا تھا، ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ ''پھر نطفے سے'' اور پھر اس کی نسل خلاصے سے (یعنی) حقیر پانی سے پیدا کی۔

رحم میں نطفے اور جنین کے ارتقائی مراحل: ﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ﴾ ''پھر جمے ہوئے خون سے، پھر (گوشت کے) لوتھڑے سے۔'' جب نطفہ عورت کے رحم میں قرار پا جاتا ہے تو چالیس دن تک وہ اسی حالت میں رہتا ہے اور پھر اس کے ساتھ کچھ اور چیزوں کو ملا دیا جاتا ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرخ رنگ کے خون کے لوتھڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور چالیس دن تک اسی طرح خون کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے اور پھر یہی تبدیل ہو کر بوٹی بن جاتی ہے، یعنی گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا جس میں کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی، پھر بعد میں اس میں سر، دو ہاتھ، سینہ، پیٹ، دو رانیں، دو پاؤں اور دیگر تمام اعضاء کی صورتیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ شکلوں اور صورتوں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی حمل ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی شکلوں اور صورتوں کے بننے کے بعد اسقاط حمل ہو جاتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ ''پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی۔'' جیسا کہ تم خود دیکھتے ہو ﴿لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''تاکہ تم پر ہم (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔''

یعنی کبھی یوں ہوتا ہے کہ حمل پیٹ میں برقرار رہتا ہے اور عورت اسے ساقط نہیں کرتی اور اسے نہیں گراتی جیسا کہ امام مجاہد نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سِقط کبھی مخلوق ہوتا ہے اور کبھی غیر مخلوق۔[3] اور جب بوٹی بننے کے بعد اس پر چالیس دن گزر

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2474/8 وتفسیر القرآن للسمعانی: 418/3. [2] تفسیر الطبری: 152/17. [3] تفسیر الطبری: 154/17.

جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے مطابق اسے خوب صورت یا بدصورت اور مذکر یا مؤنث بنا دیتا، اس کے رزق اور اجل کو لکھ دیتا ہے اور یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ بد بخت ہو گا یا نیک بخت۔

جیسا کہ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا اور آپ صادق مصدوق ہیں: [إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَّأَرْبَعِينَ لَيْلَةً]، [ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكًا]، [وَّيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ (ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ)] ''تم میں سے ایک کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن اور چالیس راتوں تک جمع کر کے رکھا جاتا ہے، پھر وہ چالیس راتوں تک گوشت کا لوتھڑا بنا رہتا ہے، پھر اسی طرح چالیس راتوں تک وہ بوٹی بنا رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتے کو بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے، اس کے رزق، عمل اور عمر کے لکھنے کا، نیز اس بات کا کہ وہ بد بخت ہے یا خوش بخت اور پھر اس میں روح کو پھونک دیا جاتا ہے۔''[1]

انسان بچپن سے بڑھاپے کی طرف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ﴾ ''پھر ہم تمھیں (مکمل) بچہ (بنا کر) نکالتے ہیں۔'' جو بدن، کان، آنکھ، حواس، گرفت اور عقل کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اسے قوت عطا فرماتا جاتا ہے اور ماں باپ رات اور دن کی گھڑیوں میں ہر وقت اس سے محبت وشفقت کا مظاہرہ کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ ﴾ ''تاکہ پھر تم اپنی جوانی کو پہنچو'' اور وہ بھرپور اور مکمل طاقت ور ہو جاتے ہیں، انسان عنفوانِ شباب کو پہنچ جاتا اور حسن وجمال کا پیکر نظر آنے لگتا ہے۔ ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى ﴾ ''اور تم میں سے کوئی (قبل از پیری) مار دیا جاتا ہے۔'' یعنی قوت وشباب ہی کے دور میں۔ ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ﴾ ''اور تم میں سے کوئی (شیخ فانی ہو جاتا اور بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔'' یعنی پیری، بڑھاپے، ضعفِ قوت وعقل وفہم اور ضعفِ فکر ودانش کی طرف لوٹایا جاتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ ﴾ ''تاکہ وہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ○ ﴾ (الروم54:30) ''اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو (ابتدا میں) کمزور (حالت میں) پیدا کیا، پھر اس نے کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی، پھر اس نے طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ خوب جاننے والا، بڑا قدرت والا ہے۔''

---

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، التوحید، باب قوله تعالى: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت37:171)، حدیث:7454 اور دوسرا حصہ بھی صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته......، حدیث:3332 کے مطابق ہے جبکہ تیسرا حصہ صحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمي......، حدیث:2643 کے مطابق ہے، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، حدیث:3332 کے ہیں۔

نباتات سے ایک دوسری مثال: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً ﴾ ”اور (اے دیکھنے والے!) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک پڑی ہوتی ہے۔“ مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ ایک دوسری دلیل ہے کہ وہ مردوں کو بھی اسی طرح زندہ کر سکتا ہے جس طرح وہ خشک زمین کو زندہ کر دیتا ہے، ﴿ هَامِدَةً ﴾ سے مراد وہ بنجر زمین ہے جس میں کچھ بھی پیدا نہ ہوتا ہو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی چٹیل اور خشک زمین کے ہیں۔[1] سدی کا قول ہے کہ اس کے معنی مردہ زمین کے ہیں۔ ﴿ فَإِذَآ أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنۢبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيجٍ ۝٥ ﴾ ”پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اُگاتی ہے۔“ یعنی جب اللہ تعالیٰ اس پر بارش کو نازل فرماتا ہے تو ﴿ وَرَبَتْ ﴾ یعنی نباتات کے ساتھ حرکت کرنے لگتی اور مردہ ہو جانے کے بعد زندہ ہو جاتی ہے۔ ﴿ وَرَبَتْ ﴾ اور ابھرنے لگتی ہے اور رنگ رنگ کے پھلوں اور فصلوں کو اگانے لگتی ہے جن کے رنگ، ذائقے، خوشبوئیں، شکلیں اور خصوصیات مختلف ہوتی ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَأَنۢبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيجٍ ۝٥ ﴾ ”اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اُگاتی ہے۔“ جن کی شکلیں خوب صورت اور خوشبوئیں بہت عمدہ اور پاکیزہ ہوتی ہیں۔

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ ”یہ سب کچھ اس لیے کہ اللہ ہی (قادر مطلق ہے جو) برحق ہے۔“ اور وہ خالق و مدبّر اور جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ ﴿ وَأَنَّهُۥ يُحْيِ الْمَوْتَىٰ ﴾ ”اور یقیناً وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔“ جس طرح کہ اس نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے انواع و اقسام کے پھلوں اور فصلوں کو پیدا فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِىٓ أَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتَىٰٓ ۚ إِنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:39) ”یقیناً وہ ذات جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:82) ”اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“

﴿ وَأَنَّ السَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِى الْقُبُورِ ۝٧ ﴾ ”اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اُٹھائے گا۔“ انھیں دوبارہ زندہ کر دے گا جبکہ وہ اپنی قبروں میں بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے، عدم کے بعد انھیں دوبارہ وجود بخش دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِىَ خَلْقَهُۥ ۖ قَالَ مَن يُحْيِ الْعِظَٰمَ وَهِىَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ أَنشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِى جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَآ أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:78-80) ”اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا: (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دیجیے: اُن کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے، (وہی) جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی، پھر یکایک تم اس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر اُن) سے آگ نکالتے ہو۔“ اسی مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2475/8.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِيَ

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے بحث کرتے ہیں ⑧ (تکبر کی وجہ سے حق سے)

عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

پہلو تہی کرتے ہوئے، تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بہکائے، اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور یومِ قیامت ہم اسے جلانے والا عذاب

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ ع 1/10/8

چکھائیں گے ⑨ (کہا جائے گا:) یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ⑩

تفسیر آیات:8-10

بدعتیوں اور گمراہوں کے سرداروں کا حال: اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کریمہ: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ ﴾ (الحج 3:22) ”اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ (کی شان) میں علم (ودانش) کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں۔“ میں گمراہوں، جاہلوں اور مقلدوں کے حال کو بیان کیا اور اب داعیانِ ضلالت اور سردارانِ کفر و بدعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ﴾ ”اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ (کی شان) میں بغیر علم (ودانش) کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے جھگڑتا ہے۔“ یعنی نہ اس کے پاس صحیح عقل ہے اور نہ صحیح وصریح نقل بلکہ محض رائے اور خواہش کی وجہ سے جھگڑتا ہے۔

اور فرمایا: ﴿ ثَانِيَ عِطْفِهٖ ﴾ ”(اور تکبر کی وجہ سے) پہلو تہی کرتے ہوئے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اسے حق کی طرف دعوت دی جائے تو وہ از راہ تکبر حق سے منہ موڑ لیتا ہے۔[1] مجاہد، قتادہ اور مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنی گردن کو موڑ لیتا ہے۔[2] یعنی جب اسے حق کی طرف دعوت دی جائے تو وہ اس سے اعراض کرتا اور تکبر سے اپنی گردن کو موڑ لیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ ...... ﴾ الآیۃ (الذّٰریٰت 51:38,39) ”اور موسیٰ (کے حال) میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے ان کو فرعون کی طرف کھلے معجزے کے ساتھ بھیجا تو اس نے اپنی قوت کے سبب روگردانی کی......“ اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ ﴾ (النسآء 4:61) ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف آنے سے کتراتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ﴾ (المنفقون 63:5) ”اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ، رسول اللہ تمھارے لیے مغفرت مانگیں تو (نفی میں) اپنے سر ہلا دیتے ہیں اور آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔“

[1] تفسیر الطبری:17/159,160. [2] تفسیر الطبری:17/159 وتفسیر ابن أبی حاتم:8/2476.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

اور لوگوں میں سے کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے (شک) پر، پھر اگر اسے بھلائی مل گئی تو اس پر مطمئن ہو گیا، اور اگر اسے کوئی آزمائش آ پڑی

فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا

تو اپنے چہرے کے بل پلٹ جاتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت میں خسارہ اٹھایا، یہی کھلا خسارہ ہے⑪ وہ اللہ کے سوا اسے پکارتا ہے جو اسے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ

نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ اسے نفع دے سکتا ہے۔ یہی دور کی گمراہی ہے ⑫ وہ اسے پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب

ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

ہے، بلاشبہ وہ برا کارساز ہے اور بلاشبہ وہ برا ساتھی ہے ⑬

لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ...... ﴾ الآیۃ(لقمٰن 31:18) ’’اور (از راہ غرور) تو لوگوں سے بے رخی نہ کر......۔‘‘ یعنی غرور کرتے ہوئے لوگوں سے اعراض نہ کرنا۔ جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا ...... ﴾ الآیۃ (لقمٰن 31:7) ’’اور جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتے ہوئے پھر جاتا ہے......۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ’’تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے گمراہ کر دے۔‘‘ یا تو اس سے معاندین مراد ہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کو ہم نے اس قدر گھٹیا اخلاق پر اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ ہم اسے ان لوگوں میں سے بنا دیں جو اللہ کے رستے سے گمراہ کرتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ﴾ ’’اس کے لیے دنیا میں ذلت ہے۔‘‘ یعنی جس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہوئے غرور اور تکبر کا اظہار کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اسے دنیا میں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دے گا اور آخرت سے پہلے اسے دنیا ہی میں سزا دے دے گا کیونکہ دنیا ہی اس کا مقصود و مطلوب اور مبلغ علم ہے۔ ﴿ وَنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨ ﴾ ’’اور ہم قیامت کے دن اسے عذاب (آتش) سوزاں (کا مزہ) چکھائیں گے۔‘‘ ﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ ﴾ ’’(اے سرکش!) یہ اس (کفر) کی سزا ہے، جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔‘‘ یہ زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ ﴾ ’’اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۖ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ؕ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ○ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ○ ﴾ (الدخان 44:47-50) ’’(حکم دیا جائے گا کہ) اس کو پکڑ لو اور کھینچتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ، پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو، (اب مزہ) چکھ! تو بڑی عزت والا (اور) سردار تھا، بلاشبہ یہی وہ (دوزخ) ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔‘‘

تفسیر آیات: 11-13

کنارے پر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کے معنی: مجاہد، قتادہ اور دیگر کئی اہل علم نے ﴿ حَرْفٍ ۚ ﴾ کے معنی شک کے بیان

کیے ہیں۔① کچھ اہلِ علم نے اس کے معنی کنارے کے بیان کیے ہیں، اسی سے حَرْفُ الْجَبَلِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی پہاڑ کے کنارے کے ہیں۔② اس صورت میں آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین میں ایک کنارے سے داخل ہوتا ہے، اگر دین میں اپنی پسند کی چیزیں پائے تو برقرار رہتا ہے ورنہ دین کو چھوڑ دیتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: ایک آدمی مدینہ میں آتا تھا اگر وہاں اس کی بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا اور اس کے گھوڑوں کی نسل کی بھی افزائش ہوتی تو وہ کہتا کہ اسلام ایک اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے ہاں بیٹا پیدا نہ ہوتا اور اس کے گھوڑوں کی نسل کی افزائش نہ ہوتی تو وہ کہتا کہ یہ ایک برا دین ہے۔③

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے ایک شخص جب مدینہ آتا (مدینہ ان دنوں وبا کی زد میں تھا) اور اگر یہاں وہ تندرست رہتا، اس کی گھوڑی ایک خوب صورت بچے کو جنم دیتی اور اس کی بیوی بیٹے کو جنم دیتی تو وہ خوش وخرم ہو کر مطمئن ہو جاتا اور کہتا کہ جب سے میں نے اس دین کو اختیار کیا ہے خیر و بھلائی کو ہی دیکھا ہے۔ ﴿ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ﴾ ”اور اگر کوئی آفت آ پڑے۔“ فتنے کا لفظ بلا اور آفت کے معنی میں ہے، یعنی اگر وہ مدینہ کے بخار میں مبتلا ہو جائے، اس کی بیوی کے ہاں لڑکی پیدا ہو اور اسے صدقہ ملنے میں تاخیر ہو جائے تو اس کے پاس شیطان آ کر کہتا کہ واللہ! جب سے تو نے اس دین کو اختیار کیا ہے تجھے برے حالات ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہی فتنہ ہے۔④ قتادہ، ضحاک، ابن جریج اور کئی ایک ائمۂ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح فرمایا ہے۔⑤ اور مجاہد نے ﴿ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ﴾ ”تو منہ کے بل پلٹ جائے“ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پھر کافر ہو جاتا ہے۔⑥

اور فرمایا: ﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ﴾ ”اُس نے دنیا میں بھی نقصان اُٹھایا اور آخرت میں بھی۔“ دنیا میں بھی اس نے کچھ حاصل نہ کیا اور آخرت میں بھی اللہ عظیم کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے وہ حد درجے کی شقاوت اور رسوا کر دینے والے عذاب میں مبتلا ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ ﴾ ”یہی تو صریح نقصان ہے۔“ یہ عظیم ترین خسارہ اور انتہائی ناکام و نامراد سودا ہے۔ ﴿ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ﴾ ”یہ اللہ کے سوا اُسے پکارتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچائے اور نہ فائدہ دے۔“ یعنی یہ بتوں سے فریاد کرتا، مدد مانگتا اور رزق طلب کرتا ہے، حالانکہ یہ نفع و نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ﴾ ”یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے (بلکہ) ایسے شخص کو پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے۔“ یعنی آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس کا نقصان زیادہ ہے اور آخرت میں بھی اس کا یقینی طور پر نقصان ہی نقصان ہوگا۔ ﴿ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬ ﴾ ”بلاشبہ ایسا کارساز بھی برا اور ایسا دوست بھی برا ہے۔“ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ بت کی طرف اشارہ ہے۔⑦

---

① تفسیر الطبری:162,161/17. ② تفسیر القرطبی:17/12. ③ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ (الحج22:11) ......، حدیث:4742. ④ تفسیر الطبری:161/17. ⑤ تفسیر الطبری: 162,161/17. ⑥ تفسیر الطبری:161/17. ⑦ تفسیر الطبری:164/17.

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، بے شک

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭

اللہ جو چاہے وہی کرتا ہے ⑭

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ

جو یہ سمجھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں ہرگز اس (رسول) کی مدد نہ کرے گا تو چاہیے کہ وہ آسمان تک رسی دراز کرے، پھر اسے کاٹ ڈالے اور

لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ

دیکھے کہ کیا اس کی تدبیر اس کے غصے کو لے جاتی ہے ⑮ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو واضح آیات کی صورت میں نازل کیا ہے اور

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯

بے شک اللہ جسے چاہے اسے ہدایت دیتا ہے ⑯

یعنی اللہ کو چھوڑ کر یہ جو اس بت کو پکارتا ہے تو یہ بت بہت برا دوست اور بہت برا مددگار ہے اور بہت برا ساتھی اور بہت برا ہم نشین ہے۔

تفسیر آیت: 14

نیک لوگوں کا بدلہ: اللہ تعالیٰ نے پہلے بدبخت اہلِ ضلالت کا ذکر کیا اور اب سعادت مند، ابرار و نیکوکار لوگوں کا ذکر فرما رہا ہے جو دل و جان سے ایمان لائے اور اعمال صالحہ کے ساتھ اپنے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کی۔ انھوں نے ہر طرح کے اعمال صالحہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تمام برے کاموں کو ترک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان اطاعت گزار و فرماں بردار بندوں کو بہشت بریں کے بلند و بالا درجات سے سرفراز فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ضلالت و شقاوت کو گمراہ کر دیا اور اپنے ان پاکباز و پاک زاد بندوں کو ہدایت سے سرفراز فرمایا، اس لیے کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔''

تفسیر آیات: 16,15

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یقیناً فتح و نصرت عطا فرمائے گا: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں مدد نہیں فرمائے گا، ﴿ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ ﴾ ''تو اس کو چاہیے کہ اوپر کی طرف (اپنے گھر کی چھت میں) ایک رسی باندھے، پھر (اس سے اپنا) گلا گھونٹ لے۔''[1] مجاہد، عکرمہ، عطاء، ابو جوزاء اور قتادہ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے۔[2] آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جو

---

① تفسير الطبری:166/17 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الحج:386/2، حديث:3453. ② تفسير الطبری:17/165-168.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ

بے شک جو لوگ ایمان لائے ، اور جو یہودی ہوئے ، اور صابی (بے دین) اور نصاریٰ اور مجوسی اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا،

اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

بے شک اللہ ان کے مابین یوم قیامت فیصلہ کرے گا، یقیناً اللہ ہر شے پر شاہد ہے ⑰

شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر محمد ﷺ، اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے دین اسلام کی مدد نہیں فرمائے گا تو اسے چاہیے کہ اگر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو سکتا ہو تو وہ خودکشی کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے پیغمبر کو یقیناً فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ﴾ (المؤمن 51:40) ”بلاشبہ ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جب گواہ کھڑے ہوں گے۔“

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮ ﴾ ”پھر دیکھے کہ آیا یہ تدبیر اس کے غصے کو دور کر دیتی ہے۔“ سدی کہتے ہیں، یعنی محمد ﷺ کے بارے میں اسے جو غصہ ہے۔ عطاء خراسانی کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پھر وہ دیکھے کہ اس کے سینے میں جو غم و غصہ ہے کیا وہ اس طرح کرنے سے دور ہو جائے گا۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیات (کی شکل) میں اتارا ہے۔“ یعنی لفظ و معنی کے اعتبار سے یہ آیات بالکل روشن، واضح اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔ ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯ ﴾ ”اور بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“ وہ جسے چاہتا گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور اس میں اس کی حکمت تامّہ اور حجت قاطعہ کارفرما ہوتی ہے۔ ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبیاء 23:21) ”وہ جو کام کرتا ہے اس سے نہیں پوچھا جا سکتا اور (جو کام لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔“ یعنی اس کی حکمت، رحمت، عدل، علم، غلبہ اور عظمت کی وجہ سے اس کے حکم کو ٹالا نہیں جا سکتا اور وہ اپنے بندوں سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر آیت: 17

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرقوں میں فیصلہ فرمائے گا: اللہ تعالیٰ مختلف ادیان سے وابستہ لوگوں، یعنی مومنوں، یہودیوں، صابیوں۔ صابیوں سے مراد کون لوگ ہیں؟ نیز ان کے بارے میں اختلاف کو قبل ازیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکوں کے بارے میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایمان لانے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا جبکہ کفر کرنے والوں کو جہنم رسید کرے گا، اس لیے کہ وہ ذات پاک ان کے افعال کی گواہ، ان کے اقوال کا ریکارڈ رکھنے والی اور ان کی مخفی باتوں اور دلوں کی دھڑکنوں کو

① دیکھیے البقرۃ، آیت: 62 کے تحت عنوان: ”صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟“

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ

وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ (بھی۔) اور بہت سوں پر اس کا عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جسے اللہ ذلیل کرے تو اسے کوئی عزت دینے

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿18﴾ السجدة

والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہے کرتا ہے ﴿18﴾

جاننے والی ہے۔

تفسیر آیت:18

ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صرف اسی وحدہ لاشریک کی ذات پاک ہی مستحق عبادت ہے اور اس کی عظمت کے باعث خوشی یا ناخوشی سے ہر چیز اسے سجدہ کرتی ہے اور ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسبِ حال ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۝ ﴾ (النحل 48:16) ”کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) ڈھلتے ہیں (یعنی) اللہ کے آگے عجز و انکسار کرتے ہوئے سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یقیناً اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔“ یعنی آسمانوں کے فرشتے اور دیگر تمام جہانوں میں بسنے والی مخلوقات، مثلاً: انسان، جن، چوپائے اور پرندے وغیرہ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ...... ﴾ الآية (بنیٓ إسرآء یل 44:17) ”اور مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے......۔“

سورج بھی ہر روز عرش تلے سجدہ کرتا ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ ﴾ ”اور سورج اور چاند اور ستارے“ ان کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی پوجا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا فرمایا، مسخر کیا اور یہ سب اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہیں، اس لیے: ﴿ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ ﴾ (حٰمٓ السجدة 37:41) ”تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان (چیزوں) کو پیدا کیا ہے۔“ صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَبَاذَرٍّ! هَلْ تَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟] ، [قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَأْذِنُ...... وَيُوشِكُ...... فَيُقَالُ لَهَا: اِرْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ] ”اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے...... اور قریب ہے...... کہ (ایک دن) اس سے کہا جائے کہ

جہاں سے آیا ہے وہاں لوٹ جا۔‘‘[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! رات میں نے خواب میں دیکھا، گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں جب میں نے سجدہ کیا تو میرے سجدہ کرنے کی وجہ سے درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ درخت سجدے میں کہہ رہا تھا: [اَللّٰھُمَّ! اُكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَّضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَّاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَّتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ] ’’اے اللہ! تو اس سجدے کو قبول فرما اور اس کا ثواب اپنے ہاں لکھ دے اور اس کے سبب سے تو گناہوں کا بوجھ مجھ سے دور کر دے اور اس سجدے کو تو میرے لیے اپنے ہاں ذخیرہ بنا دے اور تو اس سجدے کو میری طرف سے ایسے ہی قبول فرما لے جیسے تو نے اپنے بندے داود علیہ السلام سے قبول فرمایا تھا۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ کی تلاوت فرمائی، پھر سجدہ کیا تو میں نے سنا کہ آپ سجدے میں وہی کلمات کہہ رہے تھے جن کے بارے میں اس شخص نے بتایا تھا کہ اس نے درخت سے حالتِ سجدہ میں یہ الفاظ سنے ہیں۔ اس کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2]

اور فرمایا: ﴿ وَ الدَّوَآبُّ ﴾ ’’اور (سارے) حیوانات‘‘ حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانوں کی پشتوں کو منبر بنانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: [فَرُبَّ مَرْكُوبَةٍ خَيْرٌ مِّنْ رَّاكِبِهَا، هِيَ أَكْثَرُ ذِكْرًا لِّلّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ] ’’ہوسکتا ہے کہ بہت سی سواریاں اپنے سوار سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والی ہوں۔‘‘[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ط ﴾ ’’اور بہت سے لوگوں میں سے بھی۔‘‘ یعنی خوشی سے، اپنے اختیار سے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے اسے سجدہ کرتے ہیں۔ ﴿ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط ﴾ ’’اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔‘‘ یعنی ایسے لوگ جو غرور و تکبر کے باعث اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ﴿ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿18﴾ ﴾ ’’اور جس شخص کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔‘‘

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اِعْتَزَلَ

---

[1] پہلا حصہ صحيح مسلم، الإيمان، باب الزمن الذي......، حديث: (401)-159 اور دوسرا حصہ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر......، حديث: 3199 کے مطابق ہے۔ ملحوظہ: ابن کثیر کی ترتیب سے ذکر کردہ الفاظ صحیحین میں کہیں نہیں ملے۔ [2] جامع الترمذي، الجمعة، باب ما جاء ما يقول في سجود القرآن؟ حديث: 579 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب سجود القرآن، حديث: 1053 و صحيح ابن حبان، الصلاة، ذكر ما يدعو المرء في سجود التلاوة ......: 474,473/6، حديث: 2768. [3] مسند أحمد: 440/3 و مجمع الزوائد، الأدب، باب النهي عن اتخاذ الدواب كراسي: 200,199/8، حديث: 13225 و المعجم الكبير للطبراني: 193/20 عن معاذ بن أنس رضی اللہ عنہ، البتہ یہ حدیث ضعیف ہے، مزید دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 407-404/24.

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ

یہ دو جھگڑنے والے (گروہ) ہیں جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، چنانچہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ⑲ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ⑳ ؕ

جائیں گے، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا پانی انڈیلا جائے گا⑲ اس سے وہ سب کچھ گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور (ان کی) کھالیں

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ㉑ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ

بھی⑳ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے㉑ اور وہ جب بھی مارے غم کے اس سے باہر نکلنے کا ارادہ کریں گے، اسی میں لوٹا

ع 2/12/9 وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ㉒ ۧ

دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا:) بے شک جلانے والا عذاب چکھو!㉒

الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ: يَاوَيْلَهُ! أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ، فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ] ”جب ابن آدم سجدے کی آیت کو پڑھتا اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر رونا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور اس کے لیے جنت ہے اور مجھے بھی سجدے کا حکم دیا گیا مگر میں نے انکار کیا اور میرے لیے جہنم ہے!“[1]

اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے عقبہ بن عامر کی روایت کو بیان کیا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا سورۂ حج کو دو سجدوں کی وجہ سے باقی تمام سورتوں پر فضیلت حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا:[نَعَمْ! وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا] ”ہاں! تو جو یہ دو سجدے نہ کرے وہ انھیں نہ پڑھے۔“[2] اس کو امام ابوداود اور امام ترمذی نے (بھی) روایت کیا ہے۔[3]

امام ابوداود نے ”المراسیل“ میں خالد بن معدان رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ عَلَى الْقُرْآنِ بِسَجْدَتَيْنِ] ”سورۂ حج کو قرآن (کی دیگر تمام سورتوں) پر دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔“[4] امام ابوداود فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسند میں بھی بیان کی گئی ہے، یعنی ایک اور سند سے لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابوبکر اسماعیلی نے ابوجہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابِیَہ میں سورۂ حج میں دو سجدے کیے اور فرمایا: اس سورت کو دو سجدوں کی وجہ

① صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر......، حديث: 81 . ② مسند أحمد:151/4، یہ الفاظ: [ومن لم يسجدهما فلا يقرأهما] ضعیف ہیں۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):504,503/28 . ③ سنن أبي داود، سجود القرآن، باب تفريع أبواب السجود......، حديث: 1402 وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في السجدة في الحج، حديث: 578 مزید دیکھیے هداية الرواة، الصلاة:456/1، حديث: 988 . ④ المراسيل، باب ما جاء في السجود، حديث: 78 ومسند أحمد:151/4 والسنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب سجدتي الحج:317/2 اور تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح سنن أبي داود (مفصل) للألباني، الصلاة، باب تفريع أبواب السجود، وكم سجدة في القرآن؟ 148-145/5 والموسوعة الحديثية (مسند أحمد):595-593/28.

سے فضیلت حاصل ہے۔[1] امام ابوداود اور ابن ماجہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قرآن مجید میں پندرہ سجدے پڑھائے تھے ان میں سے تین مفصل سورتوں میں اور دو سورۂ حج میں۔[2] یہ تمام شواہد ایک دوسرے کے لیے باعث تقویت ہیں۔

تفسیر آیات: 19-22

سببِ نزول: صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت: ﴿ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ﴾ ''یہ دو جھگڑنے والے اپنے پروردگار (کے بارے) میں جھگڑتے ہیں۔'' حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں اور عتبہ اور اس کے دونوں ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ بدر میں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوئے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں اسے بیان کیا ہے۔[3] پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑے کے لیے کھڑا ہوں گا۔ قیس کہتے ہیں کہ انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جنھوں نے بدر کے دن ایک دوسرے سے مقابلہ کیا تھا، یعنی علی، حمزہ اور عبیدہ، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ اسے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[4]

ابن ابو نجیح نے مجاہد سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس میں کافر و مومن کی مثال کو بیان کیا گیا ہے جن کا بعثت کے بارے میں جھگڑا ہے۔[5] نیز ایک دوسری روایت کے مطابق مجاہد اور عطاء سے اس آیت کریمہ کے بارے میں مروی ہے کہ یہ مومنوں اور کافروں کے بارے میں ہے۔[6] مجاہد اور عطاء کا یہ قول تمام اقوال پر مشتمل ہے، اس میں غزوۂ بدر کا قصہ بھی آ جاتا ہے اور دیگر تمام قصص و واقعات بھی کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت چاہتے ہیں جبکہ کافر نورِ ایمان کو بجھا دینا، حق کو مغلوب اور باطل کو غالب کرنا چاہتے ہیں، ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[7] اور یہ ایک اچھا قول ہے۔

کفار کی سزا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ﴾ ''تو جو کافر ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے۔'' یعنی ان کے لیے آگ کے ٹکڑے الگ کیے جائیں گے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ انھیں تانبے کے کپڑے پہنائے جائیں گے، تانبا ایک ایسی چیز ہے کہ اسے جب گرم کیا جائے تو اس کی حرارت سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔[8] ﴿ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ ﴾ ''اور ان

① السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب سجدتي الحج: 317/2 . ② سنن أبي داود، سجود القرآن، باب تفريع أبواب السجود......؟ حديث: 1401 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب عدد سجود القرآن، حديث: 1057. یہ حدیث ضعیف ہے، دیکھیے تمام المنة للألباني، باب سجود التلاوة، ص: 268,267. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ﴾ (الحج 22:19) ، حديث: 4743. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ﴾ (الحج 22:19)، حديث: 4744. ⑤ تفسير الطبري: 174/17 وتفسير ابن أبي حاتم: 2480/8. ⑥ تفسير الطبري: 173/17. ⑦ تفسير الطبري: 174/17. ⑧ تفسير القرطبي: 26/12 وتفسير ابن أبي حاتم: 2481/8.

کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اس سے ان کے پیٹوں کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی۔'' یعنی جب ان کے سروں پر سخت گرم اور کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا تو اس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور ان کی کھالیں گل جائیں گی۔

ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الْحَمِيمَ لَيُصَبُّ عَلٰى رُؤُوسِهِمْ، فَيَنْفُذُ الْجُمْجُمَةَ حَتّٰى يَخْلُصَ إِلٰى جَوْفِهِ، فَيَسْلُتُ مَا فِي جَوْفِهِ حَتّٰى يَبْلُغَ قَدَمَيْهِ وَهِيَ الصَّهْرُ، ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ] ''بلاشبہ جب کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو وہ کھوپڑیوں سے ہوتا ہوا اس کے پیٹ کے اندر پہنچ جائے گا تو وہ پیٹ کے اندر کی تمام چیزوں کو اکٹھا کر کے اس کے دونوں پاؤں تک لے جائے گا۔ اور صہر کے یہی معنی ہیں، پھر اسے پہلی حالت میں لوٹا دیا جائے گا۔''[1] اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2] امام ابن ابوحاتم نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3] پھر ابن ابوحاتم نے عبداللہ بن سَرِیّ سے روایت کیا ہے کہ اس کے پاس فرشتہ آئے گا جس نے شدت حرارت کی وجہ سے برتن کو دو چمٹوں کے ساتھ اُٹھایا ہوا ہو گا، جب وہ برتن کو اس کے منہ کے قریب کرے گا تو یہ اس سے نفرت کرے گا، پھر فرشتہ ہتھوڑا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے گا جس سے اس کا دماغ پھٹ جائے گا' پھر وہ اس کے دماغ پر اس برتن کو انڈیل دے گا تو وہ گرم پانی دماغ سے ہو کر اس کے پیٹ تک پہنچ جائے گا' پس اس ارشاد باری تعالیٰ کے یہ معنی ہیں: ﴿يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾﴾ ''اس سے ان کے پیٹوں کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی۔''[4] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾﴾ ''اور اُن (کے مارنے ٹھوکنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ کافروں کو لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جائے گا جس سے ان کا ایک ایک عضو ٹوٹ جائے گا اور وہ موت کو پکاریں گے۔[5]

اور فرمایا: ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ﴾ ''جب وہ چاہیں گے کہ اسی رنج و تکلیف کی وجہ سے اس (دوزخ) سے نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔'' اعمش نے ابوظبیان سے اور انھوں نے سلیمان سے روایت کیا ہے کہ آگ سیاہ اور سخت کالی ہو گی، اس کے شرارے یا انگارے میں چمک نہیں ہو گی، پھر انھوں نے اسی آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ﴾ ''جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (و تکلیف کی وجہ) سے (دوزخ سے) نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾﴾ ''اور (کہا جائے گا کہ) جلنے کے عذاب (کے مزے) کو چکھتے رہو۔'' اسی طرح ہے[6] جیسا کہ یہ ہے: ﴿وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ

---

[1] تفسير الطبري:175/17 . [2] جامع الترمذي، صفة جهنم، باب ماجاء في صفة شراب أهل النار، حديث:2582 ومسند أحمد:374/2 والمستدرك للحاكم، التفسير،تفسير سورة الحج:387/2، حديث:3458. ملحوظہ: دیکھیے السلسلة الصحيحة:1382/7 ، حديث:3470، والموسوعة الحديثية (مسند أحمد):453,452/14. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2481/8 . [4] تفسير ابن أبي حاتم :2481/8 عن السدي . [5] الدر المنثور:629/4 اور ''وہ موت کو پکاریں گے۔'' یہ جملہ تفسير الطبري:177/17 میں سعید بن جبیر سے ہے۔ [6] تفسير الطبري:178/17 .

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یقیناً اللہ ان کو(ایسے) باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں انھیں

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿23﴾ وَهُدُوا

سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا﴿23﴾ اور (دنیا میں) انھیں پاکیزہ بات (توحید) کی ہدایت دی گئی،

إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿24﴾

اور قابل تعریف (اللہ کی) راہ دکھائی گئی ﴿24﴾

النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝﴾ (السجدة 20:32) ''اور ان سے کہا جائے گا کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے، اس (کے مزے) کو چکھو۔'' معنی کلام یہ ہیں کہ انھیں قولاً اور فعلاً دونوں طرح عذاب دے کر ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔

تفسیر آیات: 24,23

مومنوں کی جزا: اللہ تعالیٰ نے پہلے اہلِ دوزخ کے حال کو بیان فرمایا۔ ہم ان کے حال میں مبتلا ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ کہ انھیں کس طرح عذاب اور سزا دی جائے گی، جلنے کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پہنائی جائیں گی اور جہنم کی آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور اب اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے حال کو بیان فرمایا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرمادے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ''جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے بلاشبہ اللہ ان کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی بہشتوں کے اطراف واکناف میں اور ان کے درختوں اور محلوں کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں اور وہ جہاں چاہیں گے اور جس طرف چاہیں گے ان کے رُخ کو تبدیل کر سکیں گے۔

سونے چاندی کے کنگن اور ریشم کا لباس: ﴿يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ط﴾ ''وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔'' یعنی ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوَضُوءُ] ''مومن کو وہاں تک زیور پہنایا جائے گا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچے گا۔''[1]

اور فرمایا: ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿23﴾﴾ ''وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔'' یعنی جہنمیوں کے آگ کے لباس کے

[1] صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے جبکہ اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ الفاظ: فَغَسَلَ يَدَيْهِ حَتّٰى بَلَغَ إِبْطَهُ...... أَشَيْءٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: مُنْتَهَى الْحِلْيَةِ ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بغل تک اپنے ہاتھوں کو دھویا...... (پھران سے پوچھا گیا:) کیا اس کے متعلق آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: زیور (پہنائے جانے) کی حد (وہاں تک ہوگی جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا رہا۔)'' صحيح البخاري، اللباس، باب نقض الصور، حديث: 5953، البتہ صحيح مسلم، الطهارة، باب تبلغ الحلية......، حديث: 250 میں یہ الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صراحت کے ساتھ مرفوعاً ثابت ہیں۔

مقابلے میں انھیں ریشمی لباس پہنایا جائے گا جو اطلس اور سندس کے ریشم سے بنا ہوگا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ز وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ○ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ○﴾ (الدهر 22,21:76) ''اُن (کے بدنوں) پر باریک سبز اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا پروردگار اُنھیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا، یہ تمھارا صلہ ہے اور تمھاری کوشش (اللہ کے ہاں) مقبول ہوئی۔''

صحیح حدیث میں ہے: [لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ (وَلَا الدِّيبَاجَ فِي الدُّنْيَا) فَإِنَّهُ مَنْ لَبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ] ''دنیا میں ریشم اور دیباج نہ پہنو کیونکہ جس نے اسے دنیا میں پہنا وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔''[1] عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا وہ جنت میں داخل ہی نہیں ہوگا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿23﴾﴾ ''اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔''[2]

مومنوں کا روز قیامت خیر مقدم اور بہشت بریں میں داخلہ: اور فرمایا: ﴿وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ﴾ ''اور (دنیا میں) ان کو پاکیزہ بات (توحید) کی ہدایت کی گئی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ○﴾ (إبراهيم 23:14) ''اور جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے وہ بہشتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ اُن میں رہیں گے، وہاں ان کی (ملاقات کی) دعا ''سلام'' ہوگی۔'' اور فرمایا: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ۭ﴾ (الرعد 4,23:13) ''اور فرشتے (بہشت کے) ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے:) تم پر رحمت ہو (یہ) تمھاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ○ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ○﴾ (الواقعة 26,25:56) ''وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات، مگر یہ کہنا: سلام ہے سلام ہے۔'' یعنی انھیں ایک ایسی جگہ عطا کی جائے گی جہاں وہ پاکیزہ کلام ہی سماعت فرمائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ○ۙ﴾ (الفرقان 75:25) ''اور وہاں ان کا دعا و سلام کے ساتھ استقبال ہوگا۔'' وہ دوزخیوں سے ایسے کلام کے ساتھ مخاطب ہوں گے جس میں ان کے لیے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش ہوگی اور وہ ان سے کہیں گے: ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○﴾ (الحج 22:22) ''اور جلنے کے عذاب (کے مزے) کو چکھتے رہو۔''

اور اس کا فرمان ہے: ﴿وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿24﴾﴾ ''اور (اللہ) تعریف کیے ہوئے کی راہ بتائی گئی۔'' یعنی ایسی جگہ کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی جس میں وہ اپنے رب تعالیٰ کے احسانات و انعامات پر اور جو اس نے ان کو ہدایت دی ہے

[1] صحیح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم لبس الحرير......، حدیث:(11)-2069 عن عمر رضی اللہ عنہ جبکہ قوسین والے الفاظ کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ صحیح البخاري، الأطعمة، باب الأكل في إناء مفضض، حدیث:5426 و صحیح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال ......، حدیث:(5)-2067 عن حذیفة رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [2] مسند أحمد:37/1 .

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے (سب) لوگوں کے لیے بنایا ہے،

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ

اس میں مقیم اور بادیہ نشین (باہر سے آنے والے) برابر ہیں، اور جو اس میں ظلم کے ساتھ کج روی کا ارادہ کرے ہم اسے نہایت دردناک

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿25﴾ ع 3/3/10

عذاب چکھائیں گے ﴿25﴾

اس پر اس کی حمد بیان کریں گے۔ حدیث صحیح میں ہے: [يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالتَّحْمِيدَ، كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفَسَ] ''اہل جنت کو تسبیح و تحمید اس طرح القا کی جائے گی جس طرح ان کے سانس کی آمد و شد جاری ہوگی۔''[1] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کریمہ: ﴿ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾ میں طیب سے مراد قرآن مجید ہے۔[2] بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔[3] اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مسنون اذکار ہیں۔[4] اور صراط حمید سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انھیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی گئی۔[5] اور ان تمام اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے، لہٰذا ان میں کوئی تضاد نہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیت:25

اللہ کے رستے اور مسجد حرام سے روکنے والوں کے لیے وعید: اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے مومنوں کو مسجد حرام میں آنے اور مناسک ادا کرنے سے روک دیا تھا اور دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس مسجد کے متولی ہیں، حالانکہ ﴿ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ...... ﴾ الآية (الأنفال 34:8) ''اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف پرہیزگار ہیں......'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ...... ﴾ الآية (البقرة 217:2) ''(اے محمد!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے: ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (سے روکنا) اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک سب سے بڑا (گناہ) ہے......''

---

[1] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في صفات الجنة وأهلها......، حديث:2835 ومسند أحمد:354/3 عن جابر بن عبدالله ﷺ. [2] تفسير القرطبي:31,30/12. [3] تفسير الطبري:179/17 وتفسير ابن أبي حاتم: 2483/8 وتفسير البغوي:332/3. [4] تفسير الطبري: 179/17. [5] تفسير القرطبي: 31/12 وتفسير الطبري: 179/17.

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ”بے شک جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں۔“ یعنی کافروں کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اللہ کے رستے سے اور مسجد حرام میں جانے سے بھی روکتے ہیں، یعنی وہ مسجد حرام میں آنے والے مومنوں کو اس سے روکتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں مومن ہی اسی مسجد محترم کے سب سے زیادہ حق دار ہیں، اس آیت کی ترکیب اسی طرح ہے جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں ہے: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد 28:13) ”جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں، آگاہ رہو! کہ اللہ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔“ یعنی مومنوں کی نشانی یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی سے انھیں اطمینان اور سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

مکہ کے گھروں کو کرائے پر دینے کا مسئلہ: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ؕ ﴾ ”جسے ہم نے لوگوں کے لیے یکساں (عبادت گاہ) بنایا ہے، خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے۔“ یعنی کافر لوگوں کو مسجد حرام کے پاس پہنچنے سے روکتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے شرعاً سب لوگوں کے لیے یکساں بنا دیا ہے اور اس میں وہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور اسی یکسانیت میں سے یہ بھی ہے کہ مکہ کے گھروں اور مکانوں میں رہنے کے اعتبار سے بھی سب لوگ برابر ہیں جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ سَوَآءَ ِۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ؕ ﴾ ”برابر ہے مقیم اس میں اور باہر سے آنے والے۔“ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اہلِ مکہ اور دیگر سب لوگ برابر ہیں۔[1] مجاہد نے کہا ہے کہ مکہ کے گھروں میں اہل مکہ اور دیگر سب لوگ برابر ہیں۔[2] ابو صالح، عبدالرحمٰن بن سابط اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[3] عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مسجد حرام میں اہلِ مکہ و دیگر سب لوگ برابر ہیں۔[4]

اس مسئلے کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کے مابین مسجد خیف میں اختلاف ہو گیا تھا جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اس وقت وہاں تشریف فرما تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ مکہ کے گھر ذاتی ملکیت میں لیے جا سکتے ہیں، وہ بطورِ وراثت تقسیم ہو سکتے ہیں اور انھیں کرائے پر بھی دیا جا سکتا ہے۔[5] اور انھوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کل آپ مکہ میں اپنے گھر میں قیام فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: [وَهَلْ تَرَكَ (لَنَا) عَقِیلٌ مِّنْ رِّبَاعٍ]، [لَّا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ] ”کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر رہنے دیا ہے؟ (پھر آپ نے فرمایا:) مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں

---

[1] تفسیر الطبری:180/17 . [2] تفسیر الطبری:180/17 . [3] تفسیر الطبری:180/17 . [4] تفسیر عبدالرزاق: 400/2، رقم:1907 و تفسیر الطبری:180/17 . [5] تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمة محمد بن إدریس الشافعی: 265/54 و مختصر الفتاوی المصریة لأبی عبد اللّٰه محمد بن علی الحنبلی:617/1 .

ہوسکتا۔‘‘ [1] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسری دلیل یہ بیان فرمائی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں صفوان بن امیہ سے ایک گھر خریدا تھا اور چار ہزار درہم میں خریدے ہوئے اس مکان کو انھوں نے جیل خانہ بنا دیا تھا۔ طاؤس اور عمرو بن دینار کا بھی مکہ کے گھروں کے بارے میں یہی موقف ہے۔ [2]

اس کے برعکس امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مکہ کے گھروں کو نہ تو بطورِ وراثت تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ انھیں کرائے پر دیا جا سکتا ہے، سلف میں سے بھی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، مجاہد اور عطاء سے بھی یہی منقول ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کیا جسے امام ابن ماجہ نے علقمہ بن نَضلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی وفات تک مکہ کے گھروں کو ’’سوائب‘‘ کے نام سے پکارا جاتا تھا کہ جو ضرورت مند ہو وہ ان میں سکونت اختیار کرے اور جسے خود ضرورت نہ ہو وہ ان میں دوسروں کو رہائش فراہم کر دے۔ [3]

عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مکہ کے گھروں کو بیچنا اور کرائے پر دینا حلال نہیں ہے۔ [4] انھوں نے ابن جریج سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ عطاء حرم میں کرائے سے منع کرتے تھے اور انھوں نے مجھے یہ خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مکہ کے گھروں میں دروازے لگانے سے منع کرتے تھے تاکہ حجاج گھروں کے صحنوں میں قیام کر سکیں۔ سب سے پہلے سہیل بن عمرو نے اپنے گھر کا دروازہ لگایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: امیر المؤمنین! مجھے مہلت دیجیے، میں تاجر آدمی ہوں، میں نے گھر میں دو دروازے اس لیے لگائے ہیں تاکہ اپنے سامان کو محفوظ رکھ سکوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ [5] عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہلِ مکہ! اپنے گھروں میں دروازے نہ لگاؤ تاکہ باہر سے آنے والا جہاں چاہے قیام کر سکے۔ [6] انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں معمر نے اس شخص سے خبر دی ہے جس نے عطاء سے سنا تھا کہ وہ ﴿ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ ﴾ ’’اس میں مقیم اور باہر سے آنے والے برابر ہیں‘‘ کے بارے میں فرماتے تھے کہ لوگ مکہ میں جہاں چاہیں رہیں۔ [7] اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت بیان کی ہے کہ جو شخص مکہ کے گھروں کا کرایہ کھائے

---

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، الحج، باب توریث دور مکة ......، حدیث: 1588، البتہ قوسین والا لفظ بخاری ہی کی حدیث: 4282 میں ہے جبکہ دوسرا حصہ صحیح البخاری، الفرائض، باب: [لا یرث المسلم الکافر......]، حدیث:6764 و صحیح مسلم، الفرائض، باب: [لا یرث المسلم الکافر......]، حدیث:1614 میں ہے۔ [2] صحیح البخاری، الخصومات، باب الربط والحبس فی الحرم، قبل الحدیث:2423 والمصنف لابن أبی شیبة، البیوع والأقضیة، باب فی العربان فی البیع: 7/5، حدیث:23191 . [3] سنن ابن ماجه، المناسك، باب أجر بیوت مكة، حدیث:3107 ، یہ حدیث ضعیف ہے۔ [4] المصنف لعبد الرزاق، المناسك، باب الكراء ......:148/5، حدیث: 9214 . [5] المصنف لعبدالرزاق، المناسك، باب الكراء فی الحرم......147,146/5، حدیث:9210 . [6] المصنف لعبدالرزاق، المناسك، باب الكراء ......:147/5، حدیث:9211 . [7] المصنف لعبدالرزاق، المناسك، باب الكراء......:147/5، حدیث:9211 .

وہ گویا آگ کھاتا ہے۔[1] امام احمد رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں معتدل موقف اختیار کیا (جیسا کہ آپ کے بیٹے صالح نے آپ سے روایت کیا ہے) کہ مکہ کے گھروں کو ملکیت میں لیا اور بطور وراثت تقسیم تو کیا جا سکتا ہے لیکن انھیں کرائے پر نہیں دیا جا سکتا۔اور اس طرح تمام دلائل پر عمل ہو جاتا ہے۔وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

حرم میں کفر وکج روی کرنے والے کے لیے وعید: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''اور جو اس میں ظلم سے کج روی (وکفر) کا ارادہ کرے اس کو ہم درد دینے والا عذاب چکھائیں گے۔'' بعض عربی دان مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں حرف ''با'' زائد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ ﴾ (المؤمنون 20:23) ''روغن اگاتا ہے۔'' میں ''با'' زائد ہے کیونکہ یہ اصل میں تُنْبِتُ الدُّهْنَ ہے، اسی طرح: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ ﴾ ''اور جو اس میں کج روی چاہتا ہے۔'' میں دراصل اِلْحَادًا ہے۔[2] معنی یہ ہیں کہ جو شخص اس میں کبیرہ گناہوں کے بدترین جرم کا ارادہ کرے، ﴿ بِظُلْمٍ ﴾ اور ایسا وہ قصد وارادہ سے کرے اور اسے معلوم ہو کہ واقعی وہ گناہ ہی کر رہا ہے کسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا جیسا کہ ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے کہ اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ ایسا قصد وارادہ سے کر رہا ہو۔[3]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ظلم کا لفظ یہاں شرک کے معنی میں ہے۔[4] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ظلم کے یہاں یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حرم میں برائی اور قتل جیسے جن افعال کو حرام قرار دیا ہے انھیں حلال سمجھنے لگو اور اس پر ظلم کرنے لگو جس نے تم پر کوئی ظلم نہیں کیا، اسے قتل کرو جس نے تمھیں قتل نہیں کیا۔اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب واجب ہوگا۔[5] مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں ظلم برے عمل سے تعبیر ہے۔[6]

اور یہ حرم کی خصوصیت ہے کہ یہاں شرک کے ظاہر کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے جب وہ قصد وارادہ سے اس کا ارتکاب کر رہا ہو جیسا کہ امام ابن ابوحاتم نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور وہ حرم میں شرارت سے کفر وکج روی کے اختیار کرنے کا ارادہ ہی کرے تو اللہ تعالیٰ اِسے دردناک عذاب کا مزہ چکھا دے گا۔[7] اس کو امام احمد نے (بھی) روایت کیا ہے۔[8] اس حدیث کی سند صحیح اور شرطِ بخاری کے مطابق ہے لیکن مرفوع کی نسبت یہ موقوف زیادہ صحیح ہے، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ خادم کو حرم میں گالی دینا یا اس سے بڑھ کر کوئی اور بات کہنا بھی ظلم ہے۔[9]

---

① سنن الدارقطني، الحج: 299,298/2، حدیث: 2761، اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے السلسلة الضعيفة: 208/5، حدیث: 2186 . ② تفسير القرطبي: 35/12 وتفسير الطبري: 182/17 . ③ تفسير الطبري: 185/17 . ④ تفسير الطبري: 184/17 . ⑤ تفسير الطبري: 184/17 . ⑥ تفسير الطبري: 184/17 . ⑦ تفسير الطبري: 185/17 وتفسير ابن أبي حاتم: 2483/8 . ⑧ مسند أحمد: 428/1 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة آل عمران: 388/2، حدیث: 3461 ومسند أبي يعلى الموصلي: 263,262/9، حدیث: 5384 . ⑨ تفسير ابن أبي حاتم: 2484/8 .

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ

اور (یاد کریں) جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ مقرر کر دی (اور اسے حکم دیا) کہ تو میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کر اور طواف کرنے

وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿26﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ

والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع، سجدے کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک رکھ ﴿26﴾ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل

ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿27﴾

(چل کر) اور ہر لاغر سواری پر (سوار ہو کر) آئیں گے جو ہر دور دراز رستے سے آئیں گی ﴿27﴾

حبیب بن ابو ثابت کا قول ہے کہ یہاں الحاد سے مراد مکہ مکرمہ میں ذخیرہ اندوزی کرنا ہے۔[1] کئی اور ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن اُنَیس کے بارے میں نازل ہوئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے انھیں دو آدمیوں کے ساتھ بھیجا تھا جن میں سے ایک مہاجر اور دوسرا انصاری تھا، انھوں نے اپنے انساب پر فخر کرنا شروع کر دیا تو عبداللہ بن انیس نے غصے میں آ کر انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ میں بھاگ گیا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ﴾ ”اور جو اس میں ظلم سے کج روی (و کفر) کرنا چاہے۔“[2] یعنی جو الحاد اور ارتداد اختیار کر کے یہاں آئے۔ یہ آثار اگرچہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ چیزیں الحاد میں شامل ہیں لیکن الحاد کا لفظ اس سے زیادہ عموم کا حامل ہے بلکہ اس میں ان سے بھی زیادہ سخت باتوں کی طرف تنبیہ ہے۔ یہی قصہ ہے کہ ہاتھی والوں نے جب بیت اللہ کی تخریب کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تباہی و بربادی کے لیے ابابیل بھیج دیے تھے ﴿تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝﴾ (الفیل 105:4,5) ”جو ان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے تو ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوسا۔“ یعنی انھیں تباہ و برباد کر کے ہر اس شخص کے لیے نمونۂ عبرت بنا دیا جو یہاں کے بارے میں برا ارادہ کرے، اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَغْزُو (هٰذَا الْبَيْتَ جَيْشٌ) حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ خُسِفَ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ] ”ایک لشکر بیت اللہ پر چڑھائی کے لیے آئے گا اور جب وہ مقام بیداء میں پہنچے گا تو اسی لشکر میں شامل پہلے سے لے کر آخری انسان تک سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔“[3]

تفسیر آیات: 27,26

تعمیر کعبہ اور اعلانِ حج: اس مقام پر قریش کے ان لوگوں کو زجر و توبیخ اور سرزنش بھی کی گئی ہے جنھوں نے اس مبارک جگہ پر بھی غیر اللہ کی عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جسے روزِ اول ہی سے اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت اور عبادت کے

① تفسیر الطبری: 185/17 . ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2484/8 و عمدۃ القاری، قبل الحدیث: 1588 عن مقاتل اس کی سند ضعیف ہے۔ ③ صحیح البخاری، البیوع، باب ماذکر فی الأسواق......، حدیث: 2118 وصحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر الخبر المدحض......: 156,155/15، حدیث: 6755 عن عائشۃ رضی اللہ عنہا واللفظ لہ جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الفتن ......، باب الخسف بالجیش الذی یؤم البیت، حدیث: 2883 عن حفصۃ رضی اللہ عنہا میں ہیں۔

لیے بنایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ کی جگہ مقرر فرما دی تھی، یعنی ان کی رہنمائی فرمائی، یہ کام ان کے سپرد کر دیا اور انھیں تعمیر کعبہ کا حکم دے دیا تھا۔ اسی آیت کریمہ سے ان بہت سے لوگوں کا استدلال ہے جنھوں نے یہ کہا ہے کہ بیت اللہ کے بانی اول حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور آپ سے پہلے کسی اور نے اسے تعمیر نہیں کیا تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا: [اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ، قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَیٌّ؟ قَالَ: اَلْمَسْجِدُ الْأَقْصٰی، قُلْتُ: کَمْ کَانَ بَیْنَهُمَا؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً] ”مسجد حرام، (ابوذر نے) کہا: میں نے عرض کی: پھر کون سی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کی: دونوں میں کتنا وقفہ ہے؟ فرمایا: چالیس سال۔“[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (ال عمرٰن 3:96,97) ”بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا ہے، وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت ہے اور جہانوں کے لیے موجب ہدایت ہے، اس میں کھلی نشانیاں ہیں اور ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا، اس نے امن پا لیا اور لوگوں پر اللہ نے جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے اس پر حج فرض کیا ہے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی اہلِ عالم سے بے نیاز ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝﴾ (البقرة 2 : 125) ”اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ تم دونوں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔“

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا ﴾ ”کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنا۔“ یعنی اس گھر کو صرف میرے نام پر بنا، ﴿ وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ ﴾ ”اور میرے گھر کو صاف رکھا کر۔“ قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ اسے شرک سے پاک رکھو،[2] ﴿ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۲۶﴾ ”طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں کے لیے۔“ یعنی اس گھر کو ان لوگوں کے لیے خالص کر دو جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے ہیں، طواف کرنے والا تو معروف ہی ہے اور طواف ایک ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس عبادت کو کسی اور جگہ ادا نہیں کیا جا سکتا اور ﴿ وَالْقَآىِٕمِيْنَ ﴾ سے نماز میں قیام کرنے والے مراد ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۲۶﴾ ”اور رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں کے لیے۔“ طواف کو نماز کے ساتھ ملا کر اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب:10، حدیث:3366 و صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حدیث:520 . [2] تفسیر الطبری:188,187/17.

دونوں عبادتیں بیت اللہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں۔ اکثر و بیشتر حالات میں بیت اللہ کا طواف کیا جاتا اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے الا یہ کہ جہت قبلہ مشتبہ ہو یا حالتِ جنگ ہو یا حالتِ سفر میں نفل نماز ادا کی جا رہی ہو۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اور فرمایا: ﴿ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾ ''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔'' یعنی لوگوں میں حج کا اعلان کر دو اور انھیں اس گھر کے حج کی دعوت دو جس کے بنانے کا ہم نے تجھے حکم دیا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! میں لوگوں تک اس بات کو کیسے پہنچاؤں جبکہ ان تک میری آواز نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اعلان کر دو پہنچا ہم دیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے مقام پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! تمھارے رب نے ایک گھر بنایا ہے، تم اس کا حج کرو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے جب یہ اعلان فرمایا تو پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز تمام زمین کے اطراف واکناف تک پہنچ گئی حتی کہ ان لوگوں کو بھی سنائی دی گئی جو ابھی تک رحموں اور پشتوں میں تھے اور جس جس حجر، مدر اور شجر نے اس آواز کو سنا اس نے اس کا جواب دیا اور قیامت تک آنے والے ہر اس شخص نے بھی اس کا جواب دیا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حج کو مقدر کر رکھا تھا اور کہا: لَبَّيْكَ، اللّٰهُمَّ! لَبَّيْكَ. یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور دیگر کئی ایک ائمۂ سلف کے اس سلسلے میں اقوال کا خلاصہ ہے۔ ان تمام اقوال کو ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اور فرمایا: ﴿ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ ﴾ ''تیرے پاس پیدل اور دُبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو کر چلے آئیں گے۔'' اس آیت کریمہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جنھوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جسے استطاعت ہو تو اس کے لیے سواری استعمال کرنے کی نسبت پیدل حج کرنا افضل ہے کیونکہ اس آیت میں پیدل آنے والوں کا پہلے ذکر کیا ہے اور یہ ان کے اہتمام، ان کی قوت و ہمت اور ان کے عزم و ارادہ کی پختگی کی دلیل ہے۔ وکیع نے ابو عُمَیس سے، انھوں نے ابو حَلْحَلَہ سے، انھوں نے محمد بن کعب سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے مجھے کسی بات کا غم نہیں سوائے اس کے کہ میں پیدل حج کرنا چاہتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَاْتُوْكَ رِجَالًا ﴾ ''تیرے پاس پیدل چلے آئیں۔''[2] اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کے پیشِ نظر سوار ہو کر حج کرنا افضل ہے کیونکہ آپ نے کمال قوت کے باوجود حج کے لیے سواری کو استعمال فرمایا تھا۔

اور فرمایا: ﴿ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝۲۷ ﴾ ''جو دور دراز رستوں سے (سوار ہو کر) چلے آئیں۔'' ﴿ فَجٍّ ﴾ کے معنی رستے کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا ...... ﴾ الآية (الأنبیآء 31:21) ''اور ہم نے اس میں کشادہ رستے بنائے......'' اور ﴿ عَمِيْقٍ ۝۲۷ ﴾ کے معنی دور دراز کے ہیں۔ یہ مجاہد، عطاء، سدی، قتادہ، مقاتل بن

---

① تفسير الطبری:189/17 وتفسير ابن أبي حاتم:2488,2487/8 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الحج: 389,388/2، حديث:3464 . ② تفسير القرطبی :39/12 وأحكام القرآن للجصاص:303/3 .

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

تاکہ وہ اپنے منافع کے لیے حاضر ہوں، اور معلوم ایام میں (ذبح کرتے وقت) ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انھیں دیے

مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿28﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ

ہیں، پھر تم (خود بھی) ان کا گوشت کھاؤ اور ہر لاچار فاقہ کش فقیر کو کھلاؤ ﴿28﴾ پھر چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں، اور چاہیے کہ اپنی نذریں پوری

وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿29﴾

کریں، اور چاہیے کہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں ﴿29﴾

حیان، ثوری اور دیگر ائمہ کا قول ہے۔[1] یہ آیت کریمہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ دعا کی تھی: ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ (إبراهيم14:37) ''تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔'' روئے زمین کا کوئی مسلمان ایسا نہیں جو کعبۃ اللہ کے دیدار اور طواف کا مشتاق نہ ہو، اطراف و اکناف عالم سے آنے والوں کا یہاں تانتا بندھا رہتا ہے۔

تفسیر آیات: 29,28

حج میں دونوں جہانوں کے فائدے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت: ﴿لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ ''تاکہ اپنے فائدوں کے لیے حاضر ہوں'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان سے دنیا و آخرت کے فائدے مراد ہیں۔ آخرت کا فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور دنیا کے فائدے یہ ہیں کہ اس سے اونٹوں، قربانی کے دیگر جانوروں اور تجارتوں کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔[2] مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کے فائدے مراد ہیں۔[3] جیسا کہ فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط﴾ (البقرة 2:198) ''اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعۂ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔''

عشرۂ ذوالحجہ اور اس کی دوسرے دنوں پر فضیلت: اس کے بعد فرمایا: ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ﴾ ''اور (قربانی کے) ایام معلوم میں چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو دیے ہیں۔'' شعبہ و ہشیم نے ابو بشر سے، انھوں نے سعید سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ سے دس دن مراد ہیں۔[4] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلق مگر صیغۂ جزم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، مجاہد، قتادہ، عطاء، سعید بن جبیر، حسن، ضحاک، عطاء خراسانی اور ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ أَفْضَلُ

① تفسير الطبرى:192/17 و تفسير ابن أبي حاتم:2488/8 . ② تفسير ابن أبي حاتم:2488/8 . ③ تفسير الطبرى: 193/17 . ④ صحيح البخارى، العيدين، باب فضل العمل فى أيام التشريق......، قبل الحديث: 969 . ⑤ تفسير الطبرى:194/17 و تفسير الرازى:29/23 .

مِنْهَا فِي هٰذِهِ، قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ] ''ان دنوں کی نسبت دوسرے دنوں میں کوئی عمل افضل نہیں ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں الّا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان اور اپنا مال لے کر اللہ کے رستے میں نکل جائے، پھر ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہ آئے۔''①

امام احمد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ، وَلَا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنَ الْعَمَلِ فِيهِنَّ، مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ وَالتَّحْمِيدِ] ''ان دس دنوں سے بڑھ کر اور کوئی دن نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ عظمت والے ہوں اور جن میں عمل اس کے ہاں زیادہ محبوب ہوں، لہٰذا ان دنوں میں لا إله إلا الله، الله أكبر اور الحمد لله کثرت سے پڑھا کرو۔''② امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ان دس دنوں میں بازاروں میں نکل جاتے، تکبیریں پڑھتے اور ان کو تکبیریں پڑھتے ہوئے سن کر دوسرے لوگ بھی تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔③ ان دس دنوں میں یوم عرفہ بھی شامل ہے جس کے بارے میں صحیح مسلم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ] ''مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ یہ گزشتہ اور آئندہ سال (کے گناہوں) کا کفارہ بن جائے گا۔''④ ان دس دنوں میں یوم نحر بھی ہے جو حج اکبر کا دن ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام دنوں سے عظیم دن ہے۔⑤

قربانی کا گوشت خود کھانا اور محتاجوں کو کھلانا: فرمان الٰہی ہے: ﴿عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ''جو اللہ نے ان کو چوپائے مویشی دیے ہیں۔'' چوپائے مویشیوں سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام کی آیت: ﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ (الأنعام 144,143:6) ''آٹھ قسمیں ہیں......'' میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴾ ''اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ۔'' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت ہے کہ جب آپ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا تو آپ کے حکم سے ہر اونٹ کے گوشت سے ایک ایک بوٹی جمع کر کے اسے پکایا گیا، پھر آپ نے گوشت کھایا اور شوربہ نوش فرمایا۔⑥

ہُشَیم نے حُصَین سے اور انھوں نے مجاہد سے آیت: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ ''اس میں سے تم خود بھی کھاؤ'' کے بارے میں

① صحيح البخاري، العيدين، باب فضل العمل في أيام التشريق......، حديث: 969 . ② مسند أحمد: 75/2. ③ صحيح البخاري، العيدين، باب فضل العمل في أيام التشريق......، قبل الحديث: 969 . ④ صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام......، حديث:(196)-1162 . ⑤ مسند أحمد: 350/4 وصحيح ابن حبان: 51/7، حديث: 2811 و المستدرك للحاكم: 221/4، حديث: 7522 عن عبدالله بن قُرط رضي الله عنه . ⑥ صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: 1218 .

روایت کیا ہے کہ یہ ایسے ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْاؕ ﴾ (المآئدة 2:5) ''اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو۔'' اور جس طرح یہ فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ (الجمعة 10:62) ''پھر جب نماز ہو چکے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔''[1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔[2] اور فرمایا: ﴿ الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴾ ''فقیر درماندہ۔'' عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مجبور و مضطر فقیر ہے جس کا فقر نمایاں ہو، یعنی فقیر تو ہو مگر وہ مانگتا نہ ہو۔[3] مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ہاتھ نہ پھیلاتا ہو۔[4] ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ ﴾ ''پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد احرام اتارنا، سر منڈانا، سلے ہوئے کپڑوں کو پہننا اور ناخن وغیرہ تراشنا ہے۔[5] عطاء اور مجاہد نے بھی آپ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[6] علاوہ ازیں عکرمہ اور محمد بن کعب قرظی کا بھی یہی قول ہے۔[7] پھر فرمایا: ﴿ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ ﴾ ''اور نذریں پوری کریں۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جن اونٹوں کے نحر کرنے کی نذریں مانی تھیں اب اپنی ان نذروں کو پورا کریں۔[8]

ان آخری اعمال کے ساتھ حج مکمل ہو جاتا ہے: ﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ ''اور خانۂ قدیم (بیت اللہ) کا طواف کریں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ طواف ہے جو نحر کے دن واجب ہے۔[9] ابن ابوحاتم نے ابوحمزہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا: کیا آپ نے سورۂ حج میں یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھا ہے: ﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ ''اور چاہیے کہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں۔'' (اس سے معلوم ہوا کہ) مناسکِ حج میں سب سے آخری عمل یہ ہے کہ بیت اللہ کا طواف کیا جائے۔[10] رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا کہ یوم نحر کو جب آپ منٰی میں واپس تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلے رمی کی اور جمرہ کو سات کنکریاں ماریں، پھر ہدی کے اونٹوں کو نحر کیا، سر مبارک منڈایا، پھر مکہ مکرمہ میں واپس تشریف لائے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔[11] صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے، البتہ حائضہ عورت سے تخفیف کر دی گئی ہے۔[12]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ ''خانۂ قدیم (بیت اللہ۔)'' اور طواف حجر کے پیچھے سے کریں کیونکہ یہ

---

① تفسیر الطبری:195/17. ② تفسیر الطبری:194/17. ③ تفسیر الطبری:196/17 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2489/8. ④ تفسیر الطبری:196/17 تفسیر ابن کثیر میں لَا یَسْبُطُ ہے جبکہ طبری میں لَا نہیں ہے۔ ⑤ تفسیر الطبری: 198/17. ⑥ تفسیر الطبری:198,197/17. ⑦ تفسیر الطبری:197/17. ⑧ تفسیر الطبری:198/17. ⑨ تفسیر الطبری:200/17 عن الحسن والدر المنثور:643/4 عن مجاهد. ⑩ تفسیر ابن أبی حاتم:2490/8. ⑪ تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح مسلم، الحج، باب بیان أن السنة یوم النحر أن یرمی......، حدیث:1305 وسنن أبی داود، المناسك، باب فی رمی الجمار، حدیث:1966-2000 وصحیح ابن حبان:195,194/9، حدیث:3882-3888. ⑫ صحیح البخاری، الحج، باب طواف الوداع، حدیث:1755 وصحیح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ......، حدیث:1328.

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

یہی (حکم) ہے، اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے ہاں اس کے لیے بہت بہتر ہے اور تمھارے لیے چوپائے حلال

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ⑳ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ

کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جا چکے ہیں، لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے بچو، اور جھوٹی بات سے بھی بچو⑳ اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ نہ

غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ㉛

کسی دور دراز جگہ لے جا پھینکے ㉛

بھی اس عمارت میں شامل تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، اگرچہ قریش نے اسے اس وقت بیت اللہ سے خارج کر دیا تھا جب خرچہ کم ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر کے پیچھے سے طواف کیا اور فرمایا کہ یہ بھی بیت اللہ میں شامل ہے۔[1] آپ نے دونوں شامی رکنوں کا استلام نہیں کیا تھا کیونکہ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استوار کی گئی پرانی بنیادوں پر نہیں بنایا گیا تھا۔ قتادہ نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے اس آیت کریمہ: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ㉙﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بیت اللہ کو خانۂ قدیم اس لیے کہا گیا کہ یہ وہ سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔[2] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[3] عکرمہ سے روایت ہے کہ اسے ''بیت عتیق'' کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اسے نوح علیہ السلام کے زمانے میں غرق ہونے سے بچایا گیا تھا۔[4] خُصَیف کہتے ہیں کہ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کبھی کوئی جبار و سرکش اس پر غالب نہیں آ سکتا۔[5]

تفسیر آیات: 31,30

گناہوں سے اجتناب کا اجر و ثواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ادائے مناسک کے سلسلے میں ہم نے ان اعمال کا حکم دیا ہے، پھر ان پر بے پایاں اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے۔'' اور گناہوں اور حرام کاموں سے اجتناب کرے اور ان کے ارتکاب کو بہت بڑا سمجھے۔ ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ﴾ ''تو یہ اس کے پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔'' اور اسے اسی وجہ سے خیر کثیر اور ثواب جزیل ملے گا جس طرح اطاعت و نیکی کے کاموں پر ثواب کثیر اور اجر جزیل ملتا ہے، اسی طرح محرمات کے ترک کرنے اور ممنوع کاموں

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 10، حديث: 3368 والمصنف لعبد الرزاق، باب الرجل يطوف...... 57/5، حديث: 8985 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ابن حبان نے 123/9 میں ذكر الخبر الدال على أن الحِجر من البيت کے عنوان سے فصل قائم کی ہے۔ ② الكشاف للزمخشري: 153/3 وتفسير ابن أبي حاتم: 2490/8 . ③ تفسير الطبري: 199/17 . ④ تفسير ابن أبي حاتم: 2490/8 عن سعيد بن جبير رحمہ اللہ . ⑤ روح المعاني: 218,217/10 عن ابن أبي نجيح وقتادة رحمہما اللہ .

سے اجتناب کرنے کی وجہ سے بھی اجر وثواب ملتا ہے۔

کون سے مویشی حلال ہیں؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور تمھارے لیے مویشی حلال کردیے گئے ہیں، سوائے ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں۔'' یعنی ہم نے تمھارے لیے تمام مویشیوں کو حلال قرار دے دیا ہے، البتہ: ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ...... ﴾ الآية (المآئدة 103:5) ''اللہ نے نہ تو کسی کو بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام......'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''سوائے ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں۔'' یعنی مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کے جو تمھارے لیے حرام قرار دیے گئے ہیں، علاوہ ازیں: ﴿ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ...... ﴾ الآية (المآئدة 3:5) ''اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے، (یہ سب حرام ہیں) اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے......'' یہ تفسیر ابن جریر نے بھی بیان کی اور اسے انھوں نے امام قتادہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔[1]

شرک اور جھوٹ سے اجتناب کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ ''لہٰذا تم بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی اجتناب کرو۔'' یہاں مِن بیان جنس کے لیے ہے، یعنی پلیدی سے بچو جو کہ بت ہیں اور یہاں جھوٹی بات کو بھی اللہ کے ساتھ شرک کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ میں بھی ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الأعراف 33:7) ''کہہ دیجیے! میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو، ظاہر ہوں یا پوشیدہ، حرام قرار دیا ہے اور گناہ کو اور ناحق ظلم کو بھی اور یہ بھی کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں۔'' جھوٹی گواہی بھی اسی قبیل سے ہے۔

صحیحین میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا أُنَبِّئُكُم بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟۔ ثَلَاثًا۔ قُلْنَا: بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَقَالَ: أَلَا! وَقَوْلُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ] ''کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟'' تین مرتبہ فرمایا: ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، فرمایا: ''(1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے کہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: (3) خبردار رہو! اور جھوٹی بات بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، آگاہ رہو! اور

[1] تفسير الطبرى:202/17 .

جھوٹی شہادت بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔'' آپ مسلسل اسے ارشاد فرماتے رہے حتی کہ ہم نے کہا: اے کاش! اب آپ سکوت فرمالیں۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے خُرَیم بن فاتِک اسدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوکر فرمانے لگے: [عَدَلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ الْإِشْرَاكَ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ﴾] ''جھوٹی گواہی اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ﴾ ''پس تم بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے بھی بچو، اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ نہ کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے۔''[2] اور فرمایا: ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ﴾ ''صرف ایک اللہ کے ہوکر۔'' اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، باطل سے انحراف اور حق کا قصد کرتے ہوئے، اسی لیے فرمایا: ﴿غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ﴾ ''نہ کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے۔''

مشرک کی مثال: پھر اللہ تعالیٰ نے مشرک کی ضلالت، ہلاکت اور ہدایت سے دوری کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝﴾ ''اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اُڑا کر پھینک دے'' کہ جہاں گرنے والا تباہ و برباد ہو جائے اور پرندے اسے کھا کر ہوا میں اڑ جائیں، اسی لیے حدیث براء میں آیا ہے کہ جب موت کے فرشتے کافر کی روح قبض کرکے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے ہی نہیں جاتے بلکہ وہاں سے اسے پھینک دیا جاتا ہے۔[3] پھر آپ نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث قبل ازیں سورۂ ابراہیم کی تفسیر میں بیان کی جاچکی ہے۔[4]

ایک اور مثال: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے لیے سورۂ انعام میں ایک اور مثال اس طرح بیان فرمائی ہے: ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الأنعام 71:6) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کرے نہ بُرا

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث:5976 جبکہ ''آپ مسلسل اسے ارشاد فرماتے رہے حتی کہ ہم نے کہا:......'' آخر تک صحيح البخاري، حديث:2654 میں ہے۔ و صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 87 . [2] مسند أحمد:321/4 و جامع الترمذي، الشهادات، باب ماجاء في شهادة الزور، حديث:2299 و سنن أبي داود، القضاء، باب في شهادة الزور، حديث: 3599 و سنن ابن ماجه، الشهادات، باب شهادة الزور، حديث:2372، البتہ حدیث ضعیف ہے۔ [3] مسند أحمد:288,287/4. [4] دیکھیے إبراهيم، آیت: 27 کے تحت عنوان: ''مومن کی دنیا و آخرت میں قول ثابت کے ساتھ مضبوطی''

ذٰلِكَ ۗ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآٮِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿32﴾ لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى

یہی (حکم) ہے، اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے، تو بلاشبہ یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے ﴿32﴾ تمھارے لیے ان (چوپایوں) میں

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿33﴾ ع 4/8/11

ایک مقرر وقت تک منافع ہیں، پھر ان کے حلال (ذبح) ہونے کی جگہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے پاس ہے ﴿33﴾

اور جب ہم کو اللہ نے سیدھا رستہ دکھایا تو (کیا) اس کے بعد ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران (ہو رہا ہو اور) اس کے کچھ رفیق ہوں جو اس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ، کہہ دیجیے: رستہ تو وہی ہے جو اللہ نے بنایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرماں بردار ہوں۔''

تفسیر آیات: 33,32

قربانی کے جانور کے جواز وعدم جواز کی صورتیں اور شعائر اللہ کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآٮِٕرَ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے۔'' یعنی اس کے احکام کی اطاعت بجا لائے۔ ﴿ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿32﴾ ﴾ ''تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے۔'' اور اونٹوں اور قربانی کے دیگر جانوروں کی تعظیم بھی اسی قبیل سے ہے۔ حَکَم نے مِقْسَم سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان جانوروں کی تعظیم یہ ہے کہ انھیں موٹا کیا جائے اور خوش نما بنایا جائے۔ [1] ابواُمامہ بن سہل کا بیان ہے کہ ہم مدینہ میں قربانی کے جانور کو موٹا کیا کرتے تھے اور دیگر تمام مسلمان بھی اپنی قربانیوں کو موٹا کیا کرتے تھے۔ [2] سنن ابن ماجہ میں ابورافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بڑے موٹے سینگوں والے چتکبرے خصی مینڈھوں کی قربانی دی۔ [3] اور اسی طرح اس کو ابوداود اور ابن ماجہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے چتکبرے خصی مینڈھوں کی قربانی دی۔ [4] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانوروں کی) آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں اور ایسے جانوروں کی قربانی نہ کریں جن کے کان آگے سے کٹے ہوئے ہوں یا پیچھے سے یا جس کا کان لمبائی میں کٹا ہوا ہو یا جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔ [5] مُقَابَلہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو۔ مُدَابَرَہ اسے کہتے ہیں جس کا کان

---

① تفسیر الطبری: 206,205/17. ② صحیح البخاری، الأضاحی، باب أضحیة النبی ﷺ......، قبل الحدیث: 5553.
③ سنن ابن ماجہ، الأضاحی، باب أضاحی رسول اللہ ﷺ، حدیث: 3122 عن عائشة و أبی ہریرة ﷺ ابن ماجہ میں یہ روایت ابو رافع سے نہیں ہے، البتہ مسند أحمد: 8/6 میں ابورافع سے ان سے ملتے جلتے الفاظ مروی ہیں اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تصنیف جامع المسانید والسنن: 21/14 میں کہا ہے کہ اسے روایت کرنے میں امام احمد اکیلے ہیں۔ ④ سنن أبی داود، الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، حدیث: 2795 و سنن ابن ماجہ، الأضاحی، باب أضاحی رسول اللہ ﷺ، حدیث: 3120 ابن ماجہ میں یہ الفاظ جابر کے بجائے انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہیں۔ ⑤ مسند أحمد: 80/1 و سنن أبی داود، الضحایا، باب مایکرہ من الضحایا، حدیث: 2804 و جامع الترمذی، الأضاحی، باب مایکرہ من الأضاحی، حدیث: 1498 و سنن النسائی، الضحایا، باب المقابلة و ھی ما قطع طرف أذنھا، حدیث: 4377 و سنن ابن ماجہ، الأضاحی، باب مایکرہ أن یضحی بہ، حدیث: 3143,3142. ملحوظہ: [أن نستشرف العین و الأذن] کے علاوہ باقی الفاظ بعض محققین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

پیچھے سے کٹا ہوا ہو۔ شَرقاء اسے کہتے ہیں جس کا کان لمبائی کے رخ کٹا ہوا ہو۔ یہ امام شافعی و اصمعی کا قول ہے، اور خَرقاء اس جانور کو کہتے ہیں جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔ وَاللّٰہُ أَعلَمُ۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَربَعٌ لَّا (تَجُوزُ) فِي الْأَضَاحِي: اَلعَورَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلَعُهَا، وَالْكَسِيرَةُ الَّتِي لَا تُنْقِي] ''چار قسم کے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے: (1) وہ بھینگا جانور جس کا بھینگا پن نمایاں ہو (2) وہ بیمار جس کی بیماری نمایاں ہو (3) وہ لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو (4) اور وہ معمر جانور جو بہت لاغر ہو۔'' اس کو امام احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔[1]

اونٹوں کے فائدے: ﴿ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ ﴾ ''ان میں تمھارے لیے فائدے ہیں۔'' یعنی تم اونٹوں کے دودھ، اون اور بالوں سے فائدے اُٹھا سکتے ہو اور ان پر سواری بھی کر سکتے ہو۔ ﴿ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ''ایک مقررہ وقت تک۔'' مِقسَم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ''تمھارے لیے ان (چوپایوں) میں ایک مقررہ وقت تک فائدے ہیں'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب تک اونٹ کو قربانی کے لیے وقف نہ کیا جائے اس وقت تک اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔[2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، خواہ اسے قربانی کے لیے متعین ہی کیوں نہ کر دیا گیا ہو، بشرطیکہ اس سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہو جیسا کہ صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ کو چلا کر لے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: [...... اِركَبهَا، قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: اِركَبهَا (وَيحَكَ)] ''......اس پر سوار ہو جاؤ۔'' اس نے عرض کی: یہ قربانی کا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم پر افسوس! اس پر سوار ہو جاؤ۔''[3] یہ الفاظ آپ نے دوسری یا تیسری بار ارشاد فرمائے تھے۔ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِركَبهَا بِالْمَعرُوفِ إِذَا أُلْجِئتَ إِلَيهَا] ''جب تمھیں ضرورت ہو تو پھر دستور کے مطابق اس پر سوار ہو جاؤ۔''[4]

اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾ ﴾ ''پھر ان کے حلال (ذبح) ہونے کی جگہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے

---

① مسند أحمد: 284/4 و سنن أبي داود، الضحايا، باب مايكره من الضحايا، حديث: 2802 و جامع الترمذي، الأضاحي، باب مالايجوز من الأضاحي، حديث: 1497 و سنن النسائي، الضحايا، باب العجفاء، حديث: 4376 و سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب مايكره أن يضحى به، حديث: 3144 و اللفظ له، البتہ قوسین والا لفظ سنن ابوداود میں ہے۔ ② تفسير الطبري: 207/17. ③ صحيح البخاري، الحج، باب ركوب البدن، حديث: 1689 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ اس سے مختلف ہیں جبکہ قوسین والا لفظ صحيح البخاري، الوصايا، باب هل ينتفع الواقف بوقفه؟......، حديث: 2754 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہے۔ و صحيح مسلم، الحج، باب جواز ركوب البدنة ......، حديث: 1323. ④ صحيح مسلم، الحج، باب جواز ركوب البدنة......، حديث: 1324.

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ

اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ (ذبح کے وقت) ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انھیں دیے، پھر (سمجھ لو کہ)

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿34﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے، لہٰذا تم اسی کی فرمانبرداری کرو، اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجیے ﴿34﴾ وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جو صابر ہیں اس (تکلیف) پر جو انھیں پہنچے اور جو نماز قائم کرنے والے ہیں، اور ہم نے انھیں جو رزق دیا وہ اس میں

يُنْفِقُوْنَ ﴿35﴾

سے خرچ کرتے ہیں ﴿35﴾

پاس ہے۔" یعنی قربانی کے پہنچنے کا آخری مقام خانۂ قدیم، یعنی کعبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ (المآئدة 95:5) "(اور یہ جانور) بطور قربانی کعبہ میں پہنچایا جائے۔" اور فرمایا: ﴿وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ﴾ (الفتح 25:48) "اور قربانیوں کو (بھی روکا) کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں۔"

تفسیر آیات: 35,34

قربانی کا حکم تمام امتوں کے لیے تھا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر ان کے خون بہانے کا حکم تمام امتوں میں رہا ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ نسك کے معنی عید کے ہیں۔[1] عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ ذبح کرنے کے معنی میں ہے۔[2] زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مکہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی امت کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ قربانی کے جانور کو لے جا کر ذبح کرے۔[3] ﴿لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ﴾ "تاکہ جو مویشی چوپائے اللہ نے اُن کو دیے ہیں (اُن کے ذبح کرنے کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لیں۔" جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھے لائے گئے، آپ نے اللہ کا نام لیا، اللہ اکبر پڑھا اور ان کے پہلوؤں پر پاؤں رکھا۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ﴾ "سو تمھارا معبود ایک ہی ہے تو اس کے فرماں بردار ہو جاؤ۔" یعنی تمھارا معبود ایک ہے، گو انبیائے کرام کی شریعتیں مختلف تھیں اور بعض سے بعض منسوخ ہوتی رہیں، بہر حال تمام انبیائے کرام نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی کی دعوت دی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2492/8. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2492/8. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2492/8. [4] صحيح البخاري، الأضاحي، باب من ذبح الأضاحي بيده، حديث: 5558 وصحيح مسلم، الأضاحي، باب استحباب استحسان الضحية......، حديث: 1966.

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

اور قربانی کے اونٹ بھی جنھیں ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے، تمھارے لیے ان میں بہت بھلائی ہے، لہٰذا (نحر کے وقت) جب

صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ

وہ پاؤں بندھے کھڑے ہوں تو تم ان پر اللہ کا نام ذکر کرو، پھر جب ان کے پہلو (زمین پر) گر جائیں تو تم ان کا گوشت کھاؤ اور قناعت پسند اور سوالی

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿36﴾

(محتاج) کو بھی کھلاؤ، اسی طرح ہم نے چوپائے تمھارے تابع کر دیے تاکہ تم شکر کرو ﴿36﴾

اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الأنبيآء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف بھی یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم میری ہی عبادت کرو۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ﴾ ''تو اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ۔'' اس کے حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دو اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت بجا لاؤ۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿34﴾﴾ ''اور آپ عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی مطمئن لوگ ہیں۔[1] ثوری کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ: ﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿34﴾﴾ سے مراد مطمئن، اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے والے اور اس کے سامنے سر جھکانے والے لوگ ہیں۔[2] لیکن اس کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو اس کے بعد ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ﴿الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب (اُن پر) مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز (آداب سے) قائم کرتے ہیں۔'' اور جن فرائض کے ادا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب قرار دیا ہے انھیں پورا کر کے اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرتے ہیں، ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿35﴾﴾ ''اور جو (مال) ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں جو پاکیزہ رزق عطا فرمایا ہے اسے وہ اہل وعیال، رشتہ داروں، فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کرتے ہیں، یعنی مخلوق سے بھی حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی بھی حفاظت کرتے ہیں جبکہ منافقین کے حالات ان کے بالکل برعکس ہیں جیسا کہ سورۂ براءت کی تفسیر میں قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔[3]

تفسیر آیت: 36

اونٹ نحر کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسی نے ان کے لیے اونٹ کو بھی پیدا فرمایا اور اسے بھی اپنے شعائر میں سے قرار دیا ہے اور ان جانوروں میں سے بنا دیا ہے جن کو بیت حرام کی طرف قربانی کے لیے لے جایا جاتا ہے بلکہ اس کی قربانی افضل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

① تفسير الطبري:212/17. ② تفسير الثوري:213/1 مختصراً (CD). ③ دیکھیے التوبۃ، آیات: 59,58 و67 و73 و86 کے ذیل میں۔

﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ (المآئدة5:2) ”اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت الحرام کو جا رہے ہوں۔“

ابن جریج نے عطاء سے اس آیت کریمہ: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ”اور قربانی کے اونٹ جنھیں ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر بنایا ہے“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ گائے اور اونٹ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں۔[1] ابن عمر، سعید بن مسیّب اور حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] مجاہد کہتے ہیں کہ بدن کا لفظ اونٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[3] ایک قول کے مطابق گائے کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔[4]

اونٹ اور گائے کی قربانی میں کتنے افراد شرکت کر سکتے ہیں؟ جمہور علماء کے نزدیک اونٹ اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کر سکتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ کی قربانی میں سات اور گائے کی قربانی میں بھی سات شریک ہو جائیں۔[5]

اور فرمایا: ﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ ”ان میں تمھارے لیے خیر و برکت ہے۔“ یعنی آخرت میں ثواب ملے گا۔ ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ﴾ ”تو (قربانی کرنے کے وقت) کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔“

جانور ذبح کرتے وقت مسنون دعا: مُطّلِب بن عبداللہ بن خطب نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ کے ساتھ نماز عید الاضحیٰ ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کی خدمت میں ایک مینڈھا پیش کیا گیا جسے آپ نے ذبح فرمایا اور ذبح کرتے ہوئے یہ کہا: [بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ! هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي] ”اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے اور میری امت کے ہر اس فرد کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔“ اس کو امام احمد، امام ابوداود اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔[6]

دوسری دعا: محمد بن اسحاق نے یزید بن ابو حبیب سے، انھوں نے ابوعیاش سے اور انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھوں کی قربانی دی اور جب انھیں زمین پر لٹایا تو یہ دعا پڑھی: [إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ، اَللّٰهُمَّ! مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّأُمَّتِهِ،

---

[1] تفسير الطبري:214/17. [2] تفسير ابن أبي حاتم:2493/8. [3] تفسير ابن أبي حاتم:2493/8 والسنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب لا محل للهدى ......:231/5 عن سعيد. [4] تفسير ابن أبي حاتم:2494/8 عن عطاء. [5] صحيح مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك في الهدى، وإجزاء البدنة ......، حديث:(315)-1318. [6] مسند أحمد: 356/3 وسنن أبي داود، الضحايا، باب في الشاة يضحى ......، حديث: 2810 وجامع الترمذي، الأضاحي، باب مايقول إذا ذبح؟ حديث:1521.

بِسۡمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ] ''میں نے اکیلے رب کی طرف یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور میری عبادت (قربانی) اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی طرف سے ہے اور تیرے ہی لیے ہے، محمد (ﷺ) اور امت محمد کی طرف سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ بہت بڑا ہے۔''①

تیسری دعا: علی بن حسین نے ابورافع سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کے لیے دو موٹے تازے سینگوں والے چتکبرے مینڈھے خریدا کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے، پھر ان دو مینڈھوں میں سے ایک کو آپ کے پاس لایا جاتا جبکہ آپ ابھی عیدگاہ ہی میں تشریف فرما ہوتے تھے، آپ چھری کے ساتھ بنفس نفیس اسے ذبح فرماتے اور ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! هٰذَا عَنۡ أُمَّتِي جَمِيعًا مَّنۡ شَهِدَ لَكَ بِالتَّوۡحِيدِ وَشَهِدَ لِي بِالۡبَلَاغِ] ''اے اللہ! اس قربانی کو میری امت کے ہر اس فرد کی طرف سے قبول فرما لے جو تیرے لیے توحید کی گواہی دے اور میرے لیے اس بات کی گواہی دے کہ (میں نے تیرے دین کو لوگوں تک) پہنچا دیا ہے۔''

چوتھی دعا: پھر دوسرے مینڈھے کو آپ کی خدمت میں لایا جاتا تو اسے بھی آپ بنفس نفیس ذبح فرماتے اور ذبح کرتے وقت یہ کلمات ادا فرماتے تھے: [هٰذَا عَنۡ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ] ''(اے اللہ!) اسے محمد (ﷺ) اور آل محمد کی طرف سے قبول فرما لے۔'' پھر آپ ان دونوں مینڈھوں کا گوشت مسکینوں کو کھلاتے، خود بھی تناول فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلاتے تھے۔②

پانچویں دعا: اعمش نے ابوظبیان سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿فَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا صَوَآفَّ﴾ ''تو قربانی کے وقت کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اونٹ کو تین پاؤں پر کھڑا کرے، بائیں ہاتھ کو باندھ دے اور یہ دعا پڑھے: [بِسۡمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ، (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)، اَللّٰهُمَّ! مِنۡكَ وَلَكَ] ''اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی طرف سے ہے اور تیرے ہی لیے ہے۔''③ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: اسے کھڑا کر لو اور باندھ کر نحر کرو۔ ابوالقاسم ﷺ کی سنت یہ ہے۔④

① سنن أبي داود، الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، حديث:2795 وسنن ابن ماجه، الأضاحي، باب أضاحي رسول اللهﷺ، حديث:3121. ② مسند أحمد:392,391/6 وسنن ابن ماجه، الأضاحي، باب أضاحي رسول اللهﷺ، حديث:3122 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الحج:391/2، حديث:3478 اس کی سند منقطع ہے، البتہ البانی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ میں اسے صحیح کہا ہے۔ ③ المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الحج:389/2، حديث:3466 والسنن الكبرٰى للبيهقي، الحج، باب نحر الإبل قياما...... :237/5 واللفظ له اور قوسین والا جملہ تفسير الطبري:216/17 میں ہے۔ ④ صحيح البخاري، الحج، باب نحر الإبل مقيدة، حديث:1713 وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب نحر الإبل ......، حديث:1320.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا ﴾ ''پھر جب پہلو کے بل گر پڑیں۔'' ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ جب زمین پر گر پڑیں۔[1] ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔[2] مقاتل بن حیان کا بھی یہی قول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ جب وہ مر جائیں۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کے قول سے بھی یہی مراد ہے کیونکہ اونٹ کے گوشت کو اس وقت تک کھانا جائز نہیں جب تک نحر کرنے کے بعد وہ مر نہ جائے اور اس کی حرکت ٹھنڈی نہ ہو جائے۔ جانور کو احسن طریقے سے ذبح کیا جائے: ایک مرفوع حدیث میں ہے: [لَا تُعَجِّلُوا الْأَنْفُسَ أَنْ تَزْهَقَ] ''روحوں کو (جانوروں کے جسموں سے) نکالنے کے لیے جلدی نہ کرو۔''[4]

ثوری نے اپنی جامع میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ اور اس کی تائید شدّاد بن اوس سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ] ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو فرض قرار دیا ہے حتی کہ جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور اپنی چھری کو تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحے کو آرام پہنچایا کرو۔''[5]

زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت مردار کے حکم میں ہوگا: ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَاقُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ، فَهِيَ مَيْتَةٌ] ''جو (گوشت کا ٹکڑا) جانور سے اس وقت کاٹا گیا ہو جب وہ ابھی زندہ ہو تو وہ مردار ہے۔'' اس کو امام احمد اور ابوداود نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے روایت کرنے کے بعد صحیح کہا ہے۔[6]

قربانی کا گوشت فقراء کو کھلانا: اور فرمایا: ﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ ﴾ ''تو ان میں سے کھاؤ اور قناعت کرنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔'' یہ امر اباحت ہے۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ الْقَانِعَ ﴾ سے مراد وہ شخص ہے جسے گھر بیٹھے ہوئے آپ جو دے دیں وہ اسی سے مستغنی ہو جائے اور ﴿ وَالْمُعْتَرَّ ؕ ﴾ سے مراد وہ ہے جو آپ کے سامنے آئے، آپ کی طرف جھانکے تاکہ آپ اسے گوشت دے دیں مگر وہ سوال نہ کرے۔[7] مجاہد اور محمد بن کعب قرظی کا بھی یہی قول ہے۔[8] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ الْقَانِعَ ﴾ سے

---

[1] تفسير الطبرى:219/17. [2] تفسير ابن أبي حاتم:2495/8. [3] تفسير الطبرى:219/17. [4] السنن الكبرى للبيهقى، الضحايا، باب الذكاة فى المقدور......:278/9 وسنن الدارقطنى، الأشربة وغيرها:282/4، حديث:4709 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ والمصنف لعبد الرزاق:495/4 و إرواء الغليل:176/8، حديث:2542 یہ حدیث دارقطنی میں مرفوعاً لیکن ضعیف ہے جبکہ سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔ [5] صحيح مسلم، الصيد والذبائح......، باب الأمر بإحسان الذبح ......، حديث:1955. [6] مسند أحمد:218/5 وسنن أبي داود، الصيد، باب إذا قطع من الصيد قطعة، حديث:2858 وجامع الترمذى، الصيد، باب ماجاء ما قطع من الحى......، حديث:1480 - [7] تفسير الطبرى:220/17. [8] تفسير الطبرى:221,220/17.

مراد سوال نہ کرنے والا اور ﴿ وَ الْمُعْتَرَّ ﴾ سے مراد سائل ہے۔[1] قتادہ، ابراہیم نخعی اور ایک روایت کے مطابق مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔[2] ایک قول اس کے برعکس بھی ہے۔[3] اس آیت کریمہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جن کا یہ مذہب ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا جائے، ایک حصہ اپنے کھانے کے لیے، ایک حصہ دوست واحباب کے تحفے کے لیے اور ایک حصہ فقراء پر صدقہ کرنے کے لیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ﴾ ''تو ان میں سے کھاؤ اور قناعت کرنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔''[4]

قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنا اور کھال سے فائدہ اٹھانا: حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: [(إِنِّی كُنْتُ) نَهَيْتُكُمْ عَنِ (ادِّخَارِ) لُحُومِ الْأَضَاحِي فَوْقَ ثَلَاثٍ، (فَكُلُوا) فَأَمْسِكُوا مَا بَدَا لَكُمْ] ''میں نے تمھیں قربانیوں کے گوشت کو تین دن سے زیادہ کے لیے جمع کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب تم کھا سکتے ہو اور جب تک چاہو اسے ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔''[5] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَتَصَدَّقُوا] ''پس تم کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔''[6] ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا] ''تم کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ بھی کرو۔''[7] قربانی کے جانوروں کی کھالوں کے بارے میں مسند احمد میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: [فَكُلُوا وَتَصَدَّقُوا، وَاسْتَمْتِعُوا بِجُلُودِهَا، وَلَا تَبِيعُوهَا] ''پس کھاؤ، صدقہ کرو اور ان کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ مگر انھیں فروخت نہ کرو۔''[8]

نماز عید سے قبل قربانی کرنے کی ممانعت: براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ، فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ] ''اس دن سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ہم نماز (عید) پڑھیں گے، پھر لوٹ کر قربانی کریں گے۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کے مطابق عمل کیا اور جس نے نماز سے پہلے جانور کو ذبح کر لیا تو اس نے اہل خانہ کے لیے گوشت پیش کیا ہے، اس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں۔''[9] اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی

---

[1] تفسیر الطبری:220/17۔ [2] تفسیر الطبری:221/17۔ [3] تفسیر الطبری:221/17۔ [4] لیکن یہ آیت اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی۔ (صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ) [5] صحیح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه عزوجل فی زیارة قبر أمه، حدیث:977 جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ سنن النسائی، الأشربة، باب الإذن فی شیء منها، حدیث:5654، دوسری قوسین والے لفظ کے بجائے مسند أحمد:452/1 میں [أَنْ تَحْبِسُوا] عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور تیسری قوسین والا لفظ صحیح ابن حبان، الأشربة، ذکر البیان بأن إباحة......:212/12، حدیث:5390 عن بریدة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [6] صحیح مسلم، الأضاحی، باب بیان ماکان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی......، حدیث:1971 عن عائشة رضی اللہ عنہا۔ [7] صحیح البخاری، الأشربة، باب مایؤکل من لحوم الأضاحی......، حدیث:5569 وصحیح مسلم، الأضاحی، باب بیان ماکان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی......، حدیث:1973 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ [8] مسند أحمد:15/4، اس کی سند ضعیف ہے۔ [9] صحیح البخاری، الأضاحی، باب سنة الأضحیة......، حدیث:5545 وصحیح مسلم، الأضاحی، باب وقتها، حدیث:(7)-1961۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

اللہ تک ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت ہرگز نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون لیکن اس تک تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان (چوپایوں) کو

سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿37﴾

تمھارے تابع کر دیا تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی، اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجیے ﴿37﴾

ہیں: [وَأَنْ لَّا تَذْبَحُوا حَتّٰى يَذْبَحَ الْإِمَامُ] ''اس وقت تک تم ذبح نہ کرو جب تک امام ذبح نہ کرے۔''[1]

جانور قربان کرنے کے کتنے دن ہیں؟ قربانی کے جانور کو قربانی کے دن ذبح کیا جا سکتا ہے اور اس کے تین دن بعد کے ایام تشریق میں بھی، کیونکہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا ذَبْحٌ] ''تمام ایام تشریق میں (قربانی کے جانوروں کو) ذبح کیا جا سکتا ہے۔''[2] اس کو امام احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

اور فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿36﴾﴾ ''اس طرح ہم نے ان کو تمھارے زیر فرمان کر دیا ہے تا کہ تم شکر کرو۔'' یعنی جانوروں کو اسی لیے ہم نے تمھارے زیر فرمان کر دیا ہے تا کہ اگر تم چاہو تو ان پر سواری کر لو، چاہو تو ان کا دودھ دھو لو اور اگر چاہو تو انھیں ذبح کر لو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ 36:71-73) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں، ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے، پھر یہ ان کے مالک (بن گئے) ہیں اور ہم نے انھیں ان کے قابو میں کر دیا تو کوئی ان میں سے ان کی سواریاں ہیں اور کسی کو یہ کھاتے ہیں اور ان میں ان کے لیے (اور) فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا یہ شکر نہیں کریں گے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿36﴾﴾ ''اس طرح ہم نے ان کو تمھارے زیر فرمان کر دیا ہے تا کہ تم شکر کرو۔''

تفسیر آیت: 37

قربانیوں سے مقصود اخلاص و تقویٰ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تمھارے لیے قربانی کے ان جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تا کہ بوقت ذبح تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ وہ خالق و رازق ہے، اسے قربانی کے جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا اور وہ ذاتِ اقدس اپنے سوا سب سے بے نیاز ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ جب اپنے معبودوں کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تو وہ ان کے سامنے گوشت رکھ دیا کرتے تھے اور ان پر ان کا خون چھڑک دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے

[1] صحیح مسلم، الأضاحی، باب سنّ الأضحیة، حدیث: 1964 اس میں مذکورہ الفاظ نہیں بلکہ اس طرح ہیں: [وَلَا يَنْحَرُوا حَتّٰى يَنْحَرَ النَّبِيُّ] عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ [2] السنن الکبرٰی للبیهقی، الضحایا، باب من قال: الأضحی جائز......: 296/9 وسنن الدار قطنی، الأشربة باب الذبائح ......: 283/4، حدیث: 4711۔ [3] مسند أحمد: 82/4 وصحیح ابن حبان، الحج، ذکر وقوف الحاج......: 166/9، حدیث: 3854۔

فرمایا ہے: ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا ﴾ ''اللہ تک نہ ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون۔'' ابن ابوحاتم نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اہلِ جاہلیت بیت اللہ کو اونٹوں کے گوشت اور خون سے لت پت کر دیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ بیت اللہ پر قربانی کے جانوروں کے خون کے چھینٹے ماریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ ﴾ ''اللہ تک نہ ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس تک تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔''[1] یعنی وہ پرہیزگاری کو قبول کرتا اور اس کی جزا عطا فرماتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی آیا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ] ''بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں اور تمھارے عملوں کو دیکھتا ہے۔''[2]

﴿ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ ﴾ ''اسی طرح اللہ نے اُن کو تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے۔'' یعنی اونٹوں کو تمھارے لیے اس لیے مسخر کر دیا ہے: ﴿ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ ﴾ ''تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت بخشی۔'' اور اس کی تعظیم بجالاؤ کہ اس نے تمھیں اپنے پسندیدہ دین و شریعت کی ہدایت بخشی ہے اور جو چیزیں اس کے نزدیک ناقابلِ قبول و ناپسند ہیں ان سے اس نے تمھیں منع فرما دیا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) آپ نیکوکاروں کو خوش خبری سنا دیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ ان لوگوں کو خوش خبری سنا دیں جو نیک اعمال بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرتے، اس کی شریعت کی اتباع کرتے اور رسول اللہ ﷺ نے ان تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس دین کو پہنچایا ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کافی ہے: قربانی سنت مستحبہ ہے اور تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی ہی کافی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں دس سال قیام فرمایا اور آپ ان سالوں میں قربانی کرتے رہے۔[3] ابوایوب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آدمی اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دیا کرتا تھا، لوگ اسی قربانی کے گوشت کو خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے حتی کہ لوگوں نے فخر کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا اور صورت حال یہ ہوگئی جسے تم دیکھ رہے ہو۔[4] اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے، نیز امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[5] عبداللہ بن ہشام اپنے تمام اہلِ خانہ کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دیا کرتے تھے۔[6]

قربانی کے جانور کی عمر: قربانی کے جانور کی عمر کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

① تفسير ابن أبي حاتم: 2495/8. ② صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم ظلم المسلم......، حديث: (34)-2564. ③ جامع الترمذي، الأضاحي، باب الدليل على أن الأضحية سنة، حديث: 1507. ④ جامع الترمذي، الأضاحي، باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت، حديث: 1505. ⑤ سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب من ضحى بشاة عن أهله، حديث: 3147. ⑥ صحيح البخاري، الأحكام، باب بيعة الصغير، حديث: 7210.

ع 5 / 5 / 12

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿38﴾

یقیناً اللہ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے، بے شک اللہ ہر خائن (اور) ناشکرے کو پسند نہیں کرتا ﴿38﴾

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴿39﴾ الَّذِيْنَ

جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے ﴿39﴾ وہ لوگ

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا

سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ خانقاہیں اور گرجے اور (یہودی) عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے اور اللہ

اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿40﴾

ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، خوب غالب ہے ﴿40﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِّنَ الضَّأْنِ] ''صرف دو دانت والا جانور ہی ذبح کرو، البتہ اگر مشکل ہو جائے تو پھر چھ ماہ کا بھیڑ کا بچہ ذبح کر سکتے ہو۔''[1]

تفسیر آیت: 38

مومنوں کے دفاع کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں سے جو اس کی ذات پاک پر توکل کریں گے اور اسی کی طرف رجوع کریں گے، ان سے شریروں کے شر اور فاجروں کے مکر و فریب کو ہٹاتا رہے گا، ان کی حفاظت فرمائے گا اور انھیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ ﴾ (الزمر 36:39) ''کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ ﴾ (الطلاق 3:65) ''اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اس کو کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، یقیناً اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿38﴾ ﴾ ''بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے، کفرانِ نعمت کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند نہیں کرتا جن کی عادت خیانت اور ناشکری کی ہو، یعنی جو خیانت کریں اور اپنے عہد و پیمان اور قول و قرار کو پورا نہ کریں۔ کفر نعمتوں کے انکار کو کہتے ہیں، یعنی وہ نعمتوں کا اعتراف کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کی روش کو اختیار کریں۔

تفسیر آیات: 40,39

قتال کی اجازت اور جہاد کے بارے میں پہلی آیت: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب محمد ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکال دیا گیا تھا۔[2] مجاہد، ضحاک اور کئی ایک

[1] صحيح مسلم، الأضاحي، باب سن الأضحية، حديث: 1963. [2] تفسير الطبري: 226/17.

ائمۂ سلف، مثلاً: ابن عباس رضی اللہ عنہما، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان، قتادہ رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ وہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکال دیا ہے: ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (البقرة 156:2) یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴾ ”جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا، اور اللہ یقیناً ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔“[2] ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس آیت کے نزول کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ یقیناً قتال ہو گا۔[3] امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سب سے پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[4] اسے امام ترمذی ونسائی نے بھی اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسير میں بیان کیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[5]

اور فرمایا: ﴿ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴾ ”اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔“ یعنی وہ قتال کے بغیر بھی اپنے مومن بندوں کی مدد پر قادر ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی اطاعت میں محنت وکوشش کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚۛ ذٰلِكَ ؕۛ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۠ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۚ۝ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝﴾ (محمد 47:4-6) ”جب تم (جہاد میں) کافروں سے ملو تو ان کی گردنیں مار دو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں) اُن کو مضبوطی سے بیڑیوں میں قید کر لو، پھر اس کے بعد ان پر یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے یہاں تک کہ لڑائی ہتھیار ڈال دے یہ (حکم) اور اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑا کر) کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ عنقریب ان کو سیدھے راستے پر چلائے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا اور ان کو بہشت میں جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے داخل کرے گا۔“

اور فرمایا: ﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ﴾

[1] تفسير الطبري:228,227/17 و صحيح ابن حبان، السير، ذكر الخبر المدحض......:8/11، حديث:4710 و تفسير ابن أبي حاتم:2496/8. [2] تفسير الطبري:227,226/17. [3] تفسير الطبري:227/17 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة الحج، حديث:3171. [4] مسند أحمد:216/1. [5] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة الحج، حديث:3171 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ ...... ﴾: 411/6، حديث:11345، البتہ ترمذی میں هِيَ أَوَّلُ آيَةٍ نَزَلَتْ نہیں ہے۔

﴿ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○﴾ (التوبة 15,14:9) ''ان سے (خوب) لڑو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں عذاب دے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا (ٹھنڈک) بخشے گا اور وہ ان کے دلوں سے غصہ لے جائے گا اور اللہ جس پر چاہے مہربانی فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ○﴾ (محمد 31:47) ''اور ہم تم لوگوں کو ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ جو تم میں لڑائی کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو معلوم کریں اور تمھارے حالات جانچ لیں۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝﴾ ''اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا فرما دیا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم اس وقت دیا جو اس کے لیے بہت ہی زیادہ موزوں تھا کیونکہ مسلمان جب مکہ میں تھے تو مشرکوں کی تعداد ان سے زیادہ تھی۔ اگر مسلمانوں کو اس وقت قتال کا حکم دیا جاتا جب ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی تو یہ ان کے لیے بہت مشکل ہوتا۔ اہلِ یثرب نے جب لیلۂ عقبہ میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی، ان کی تعداد اسی (80) سے کچھ زیادہ تھی تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا ہم اس وادی، یعنی وادی خس کے لوگوں پر منیٰ کی راتوں میں حملہ کر کے انھیں قتل نہ کر دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔''[2] لیکن جب مشرکوں نے سرکشی اختیار کی، رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں سے نکال دیا اور آپ کے صحابہ کو منتشر کر دیا، ان میں سے کچھ لوگ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور کچھ نے مدینہ کی راہ لی، پھر جب مدینہ میں انھیں قرار نصیب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ بھی وہاں جلوہ افروز ہو گئے اور شمع رسالت کے جاں نثار پروانے بھی وہاں جمع ہو گئے اور آپ کی نصرت و اعانت کے لیے ہمہ وقت تیار اور مدینہ ان کے لیے دار الاسلام اور ایک مرکز اور ٹھکانا بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے جہاد کا حکم دے دیا اور اس سلسلے میں نازل ہونے والی یہ پہلی آیت تھی: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ ''جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ انھیں اپنے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا۔''

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ محمد ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کو مکہ سے مدینہ کی طرف ناحق نکال دیا گیا تھا۔[3] ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ ﴾ ''صرف ان کے یہ کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔'' انھوں نے اپنی قوم کا کچھ بھی نہ بگاڑا تھا، ان کا کوئی بھی تو قصور نہ تھا، سوائے اس کے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے۔ حقیقت امر کے اعتبار سے یہ استثنا منقطع ہے ورنہ مشرکوں کے ہاں تو یہ بہت بڑا گناہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ

[1] تفسیر الطبری: 226/17. [2] دلائل النبوۃ للأصفهاني: 1/306-310 مطولاً۔ [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 2496/8.

﴿ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ط ...... ﴾ الآية (الممتحنة 1:60) ''یہ کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو، پیغمبر کو اور تمھیں جلاوطن کرتے ہیں......۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ﴾ ''اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا۔'' یعنی اگر ایک قوم کو دوسری قوم سے نہ ہٹاتا اور اسباب و وسائل پیدا فرما کر کچھ لوگوں کی شرارتوں کو دوسروں سے دور نہ کرتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور طاقتور کمزوروں کو ہلاک کر دیتے۔

مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کا بیان: ﴿ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ ﴾ ''بلاشبہ وہ (راہبوں کی) خانقاہیں گرادی جاتیں۔'' ﴿ صَوَامِعُ ﴾ سے مراد راہبوں کے چھوٹے عبادت کدے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابوالعالیہ، عکرمہ، ضحاک اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد صابیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔[2] اور آپ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس سے مجوسیوں کے صوامع مراد ہیں۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو رستے پر ہوں۔ ﴿ وَبِيَعٌ ﴾ ''اور (عیسائیوں کے) گرجے۔'' یہ صومعوں سے بڑے ہوتے ہیں اور ان میں عبادت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، عیسائیوں کے گرجوں کو بھی بیع کہا جاتا ہے[3] یہ ابوالعالیہ، قتادہ، ضحاک، ابن صخر، مقاتل بن حیان، خُصیف اور دیگر ائمہ کا قول ہے۔[4] ابن جبیر نے مجاہد وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے یہودیوں کے کنیسے مراد ہیں۔[5]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّصَلَوٰتٌ ﴾ ''اور (یہودیوں کے) عبادت خانے۔'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد کنیسے ہیں۔[6] عکرمہ، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد یہودیوں کے کنیسے ہیں اور وہ انھیں ﴿ صَلَوٰتٌ ﴾ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[7] ابوالعالیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ ﴿ صَلَوٰتٌ ﴾ سے مراد صابیوں کے عبادت خانے ہیں۔[8] ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ صَلَوٰتٌ ﴾ سے مراد اہل کتاب اور اہلِ اسلام کی وہ مسجدیں ہیں جو رستوں پر بنی ہوں۔[9] اور ﴿ وَّمَسٰجِدُ ﴾ سے مسلمانوں کی مسجدیں مراد ہیں۔

اور فرمایا: ﴿ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط ﴾ ''جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے۔'' کہا گیا ہے کہ ﴿ يُذْكَرُ فِيْهَا ﴾ میں ضمیر مساجد کی طرف عائد ہے، اس لیے کہ مذکورہ اشیاء میں سے یہ اقرب ہے۔[10] ضحاک کہتے ہیں کہ ان تمام عبادت خانوں ہی میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔[11] ابن جریر کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ راہبوں کے صومعے، عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے کنیسے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں گرائی جا چکی ہوتیں جن میں اللہ کا بہت ساذکر کیا جاتا ہے

---

① تفسیر الطبری:231,230/17 و تفسیر القرطبی:71/12. ② تفسیر الطبری:231/17 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2497/8. ③ تفسیر الطبری:231/17. ④ تفسیر الطبری:231/17. ⑤ تفسیر الطبری:232,231/17 و تفسیر ابن أبی حاتم:2497/8. ⑥ تفسیر الطبری:232/17. ⑦ تفسیر الطبری:232/17 و تفسیر ابن أبی حاتم:2497/8. ⑧ تفسیر الطبری:232/17 و تفسیر ابن أبی حاتم:2497/8. ⑨ تفسیر الطبری:233/17. ⑩ تفسیر القرطبی: 72/12. ⑪ تفسیر الطبری:233/17.

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور تمام

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿41﴾

امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے﴿41﴾

کیونکہ کلامِ عرب میں یہ اسلوب مستعمل اور معروف ہے۔① بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں اقل سے اکثر کی طرف ترقی ہے حتی کہ بات مساجد تک پہنچ گئی جو دیگر عبادت خانوں کی نسبت زیادہ آباد ہیں اور جن میں عبادت کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان کا قصد وارادہ بھی صحیح ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ ﴾ ''اور جو شخص اس (کے دین) کی مدد کرے گا، اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ﴾ (محمد 47:7،8) ''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم ثابت رکھے گا اور جو کافر ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے اور وہ ان کے اعمال برباد کردے گا۔''

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿40﴾ ﴾ ''بے شک اللہ بہت قوت والا، نہایت غالب ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو توانائی اور غلبے کے ساتھ موصوف قرار دیا ہے، اس نے اپنی قوت وتوانائی کے ساتھ ہی ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا اندازہ مقرر فرمایا ہے اور اس کے غلبے کا یہ عالم ہے کہ اس پر کوئی تسلط حاصل نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس پر غالب آسکتا ہے بلکہ ہر چیز اس کے سامنے عاجز ودرماندہ اور فقیر ہے تو قوی وعزیز ذات جس کی مددگار ہو تو وہ منصور وفتح یاب اور اس کا دشمن مقہور اور ناکام ونامراد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور البتہ تحقیق اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ وہی (مظفرو) فتح یاب ہیں اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے، بے شک اللہ قوی، بڑا زبردست ہے۔''

تفسیر آیت:41

غلبہ واقتدار کے وقت مسلمانوں کے فرائض: ابن ابوحاتم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا

① تفسیر الطبری : 234/17.

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿42﴾ وَقَوْمُ

اور (اے نبی!) اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو بلاشبہ ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود نے بھی (اپنے اپنے انبیاء کو) جھٹلایا ﴿42﴾ اور قوم

اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿43﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ

ابراہیم اور قوم لوط نے بھی ﴿43﴾ اور مدین والوں نے بھی، اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا، چنانچہ (پہلے تو) میں نے کافروں کو ڈھیل دی،

لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿44﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا

پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، چنانچہ میرا عذاب کیسا تھا! ﴿44﴾ چنانچہ کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انھیں ہلاک کر دیا جبکہ وہ ظالم تھیں،

وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿45﴾

تو وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر، اور (کتنے ہی) کنویں بے کار، اور (کتنے ہی) مضبوط محل (ویران پڑے ہوئے ہیں!) ﴿45﴾ کیا پھر وہ

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ

زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے، یا کان (ہوتے) جن سے وہ سنتے، پس بے شک قصہ یہ ہے

بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿46﴾

کہ (ان کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ﴿46﴾

کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔'' ہمیں ہمارے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، اس کے سوا ہمارا اور کوئی قصور نہ تھا کہ ہم کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے، پھر ہمیں زمین میں دسترس عطا کر دی گئی تو ہم نے نماز قائم کی، زکاۃ ادا کی، نیک کاموں کا حکم دیا اور برے کاموں سے منع کیا اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے، الغرض! یہ آیت کریمہ میرے اور میرے رفقاء کے بارے میں ہے۔[1]

ابوالعالیہ نے بھی کہا ہے کہ یہ آیت اصحاب محمد ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] صباح بن سوادہ کندی کہتے ہیں کہ میں نے سنا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خطبہ دیتے ہوئے اس آیت کو پڑھا: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ الآیۃ پھر فرمایا کہ یہ آیت صرف حاکم ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ حاکم اور رعایا سب کے لیے ہے، میں تمھیں بتاتا ہوں کہ حاکم اور رعایا کے کیا حقوق وفرائض ہیں۔ تمھارا حاکم پر یہ حق ہے کہ تم سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پابندی کروائے، تم میں سے ایک دوسرے کے حقوق دلائے اور مقدور بھر کوشش کر کے تمھاری رہنمائی اس رستے کی طرف کرے جو سب سے سچا اور سیدھا رستہ ہے اور تمھارا فرض ہے کہ تم اپنے حاکم کی جبر واکراہ کے بغیر اطاعت بجالاؤ اور خفیہ وعلانیہ طور پر اس کی مخالفت نہ کرو۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ یہ آیت حسبِ ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ......﴾ الآیۃ (النور 55:24) ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انھیں ضرور زمین میں خلافت دے گا......'' اور فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿41﴾﴾ ''اور

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2497,2496/8۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2498/8۔

سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ﴾ (القصص 83:28) ''اور اچھا انجام تو متقین ہی کے لیے ہے۔'' زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ﴿ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے جو اعمال کیے ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں انھیں اجر و ثواب ملے گا۔[1]

تفسیر آیات:42-46

جھٹلانے والوں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے قوم کی تکذیب و مخالفت پر اپنے نبی محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى ﴾ ''اور (اے نبی!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اُن سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود نے بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایا اور قوم ابراہیم اور قوم لوط نے بھی اور مدین والوں نے بھی اور موسیٰ کو بھی تو جھٹلایا گیا۔'' حالانکہ وہ روشن نشانیاں اور واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ ﴿ فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ ﴾ ''لیکن میں کافروں کو مہلت دیتا رہا، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، چنانچہ میرا عذاب کیسا (سخت) تھا!'' یعنی دیکھو کہ میں نے انھیں کیسی کیسی سزائیں اور کیسے کیسے عذاب دیے تھے۔ صحیحین میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب پکڑتا ہے تو پھر اسے (زمین پر) نہیں چھوڑتا۔'' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ ﴾ (ھود 102:11) ''اور (اے نبی!) آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے، بے شک اس کی پکڑ نہایت دکھ دینے والی، بہت سخت ہے۔''[2]

ظالم اور نافرمان بستیوں کی تباہی: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ﴾ ''پس کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا کیونکہ وہ نافرمان تھیں۔'' یعنی اپنے رسولوں کو جھٹلاتی تھیں، ﴿ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾ ''سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں۔'' ضحاک کہتے ہیں کہ عروش کے معنی چھتیں ہیں۔[3] یعنی ان کے مکانات تباہ و برباد ہو گئے۔ ﴿ وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ ﴾ ''اور (کتنے ہی) کنویں بیکار ہیں'' جن سے اب نہ کوئی پانی پیتا اور نہ کوئی وہاں آتا ہے جبکہ وہاں آنے جانے والوں کا کبھی تانتا بندھا ہوتا تھا۔ ﴿ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ ﴾ ''اور (کتنے ہی) مضبوط محل (ویران پڑے) ہیں۔'' عکرمہ کہتے ہیں کہ ﴿ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ ﴾ کے معنی چونا گچ محل ہیں۔[4] حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ابوملیح اور ضحاک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5] کچھ دیگر اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس کے معنی بلند و بالا

---

① تفسیر ابن أبی حاتم:2498/8. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ...... ﴾ (ھود 102:11) ......، حدیث:4686 و صحیح مسلم، البر والصلة......، باب تحریم الظلم، حدیث:2583.

③ تفسیر الطبری:236/17. ④ تفسیر الطبری:238,237/17. ⑤ تفسیر الطبری:238/17 و تفسیر البغوی:344/3.

عمارت کے ہیں۔[1] بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس کے معنی مضبوط عمارت کے ہیں۔[2] ان تمام اقوال کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں اوران میں کوئی تضاد نہیں اور مفہوم یہ ہے کہ عمارتوں کی مضبوطی، پختگی اور بلندی بھی عذابِ الٰہی سے اپنے باسیوں کو بچا نہ سکی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾ ...... الآية (النسآء 4:78) ''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمھیں پا لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو......۔''

بطورِ عبرت کھنڈرات کی سیر وسیاحت کرنا: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا پھر وہ زمین میں چلے پھرے نہیں؟'' یعنی اپنے جسموں کے ساتھ اور ان پر غور وفکر کرتے ہوئے اور دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے بس یہی بات کافی ہے جیسا کہ ابن ابودنیا نے کتاب التفکر و الاعتبار میں لکھا ہے کہ بعض حکماء نے کہا ہے کہ اپنے دل کو مواعظ کے ساتھ زندہ کرو، غور وفکر کے ساتھ منور کرو، زہد کے ساتھ مار دو، یقین کے ساتھ قوت بخشو، موت کے ساتھ ذلیل کر دو، فنا کے ساتھ مقدر کر دو، اسے دنیا کے دکھ دکھاؤ، زمانے کے حملے سے ڈراؤ، گردشِ ایام کا خوف دلاؤ، گزرے ہوئے لوگوں کے حالات سناؤ، پہلے لوگوں پر جو عذاب آئے وہ یاد دلاؤ، ان کے گھروں کے کھنڈرات کی سیر کراؤ اور دیکھو کہ انھوں نے کیا کیا، کہاں رہے اور کیسے چل بسے تھے! یعنی دیکھو کہ تکذیب کرنے والی امتوں کو کیسی کیسی سزائیں اور کیسے کیسے عذاب دیے گئے تھے۔ ﴿ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ﴾ ''پس ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے، یا کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سن سکتے۔'' یعنی ان کے ساتھ عبرت حاصل کر سکتے۔ ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝46 ﴾ ''پس بے شک ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔'' یعنی بصارت کا اندھا پن کوئی بڑا اندھا پن نہیں ہے بلکہ بڑا اندھا پن بصیرت کا اندھا پن ہے، خواہ قوتِ باصرہ صحیح سلامت ہو کیونکہ ایسی آنکھیں نہ عبرت حاصل کرتی ہیں اور نہ حالات معلوم کرنا چاہتی ہیں۔ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن (سارہ) اندلسی شَنتَرِی متوفی 517ھ نے کیا خوب کہا ہے۔

يَا مَنْ يَّصِيخُ إِلَى دَاعِي الشَّقَاءِ وَقَدْ ... نَادَى بِهِ النَّاعِيَانِ الشَّيْبُ وَالْكِبَرُ

''اے وہ شخص جو شقاوت کے داعی کو پکار رہا ہے اور اسے موت کی اطلاع دینے والی دو چیزیں، یعنی سفید بال اور بڑھاپا بھی پکار رہے ہیں۔''

إِنْ كُنْتَ لَا تَسْمَعُ الذِّكْرَى فَفِيمَ تُرَى ... فِي رَأْسِكَ الْوَاعِيَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ

''اگر تم نصیحت کی بات کو نہیں سنتے ہو تو تمھارے سر میں یاد رکھنے والی یہ دو چیزیں کان اور آنکھیں کیوں نظر آ رہی ہیں؟''

لَيْسَ الْأَصَمُّ وَلَا الْأَعْمَى سِوَى رَجُلٍ ... لَّمْ يَهْدِهِ الْهَادِيَانِ الْعَيْنُ وَالْأَثَرُ

---

[1] تفسير البغوى: 344/3. [2] تفسير البغوى: 344/3 و تفسير القرطبى: 75,74/12 و تفسير الطبرى: 238/17.

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ وَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ

اور وہ آپ سے جلد عذاب مانگتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا اور بلاشبہ آپ کے رب کے ہاں ایک دن تمھاری گنتی

كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿47﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَمۡلَيۡتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ

کے حساب سے ایک ہزار برس کی طرح ہے ﴿47﴾ اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ میں نے انھیں ڈھیل دی جبکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا،

6 ع 10 13 اَخَذۡتُهَا ۚ وَاِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ﴿48﴾

اور میری ہی طرف (سب کی) واپسی ہے ﴿48﴾

''اس شخص کے سوا اور کوئی بہرا اور نابینا نہیں ہے جسے دو ہدایت دینے والی (یعنی) آنکھ اور مأثور بات (حدیث) ہدایت نہ دیں۔''

لَا الدَّهۡرُ يَبۡقٰى وَلَا الدُّنۡيَا وَلَا الۡفَلَكُ الۡ أَعۡلٰى وَلَا النَّيِّرَانِ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ

''زمانہ، دنیا، بلند و بالا آسمان اور شمس و قمر جیسے منور سیارے ان میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے گا (سب چیزیں فنا پذیر ہو جائیں گی۔)''

لَيَرۡحَلَنَّ عَنِ الدُّنۡيَا وَإِنۡ كَرِهَا فِرَاقَهَا الثَّاوِيَانِ الۡبَدۡوُ وَالۡحَضَرُ

''دنیا سے ایک نہ ایک دن ضرور چل بسنا ہے، خواہ یہاں رہنے والے شہری اور دیہاتی اس کے فراق کو نا گوار ہی سمجھیں۔''

تفسیر آیات: 48,47

کفار کا مطالبۂ عذاب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيۡهِ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ﴾ ''اور وہ (لوگ) آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔'' یعنی یہ کفار و ملحدین اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور یوم آخرت کی تکذیب کرنے والے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَاِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝﴾ (الأنفال 32:8) ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' اور فرمایا: ﴿وَقَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ ۝﴾ (ص 16:38) ''اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔'' ﴿وَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ ؕ﴾ ''اور اللہ اپنے وعدے کے ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔'' یعنی اس نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے گا، اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا اور اپنے دوستوں کو اکرام و انعام سے نوازے گا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿47﴾﴾ ''اور بے شک آپ کے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمھاری گنتی کے حساب سے ہزار برس کے برابر ہے۔'' یعنی وہ جلدی نہیں کرتا، مخلوق کے نزدیک ہزار برس

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿49﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تو بس تمھیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿49﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿50﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

کیے، ان کے لیے مغفرت اور عزت کا رزق ہے ﴿50﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں (ہمیں) عاجز کرنے کی کوشش کی،

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿51﴾

وہی دوزخ والے ہیں ﴿51﴾

کی مقدار اس کے نزدیک اس کے حکم کی نسبت سے ایک دن کی طرح ہے کیونکہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ انتقام لینے پر قادر ہے اور کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی، خواہ اسے کتنی ہی مہلت دے دی جائے، اسی لیے اس کے بعد اس نے فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿48﴾﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو مہلت دی، حالانکہ وہ نافرمان تھیں، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' ابن ابوحاتم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ (الْأَغْنِيَاءِ) بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ] ''فقیر مسلمان دولت مندوں سے نصف دن (یعنی) پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''[1] اس حدیث کو امام ترمذی ونسائی نے بروایت ثوری، محمد بن عمرو بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

امام ابوداود نے اپنی ''سنن'' کی کتاب الملاحم کے آخر میں سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَّا تَعْجِزَ أُمَّتِي عِنْدَ رَبِّهَا أَنْ يُّؤَخِّرَهُمْ نِصْفَ يَوْمٍ] ''مجھے امید ہے کہ میری امت اپنے رب کے پاس اس وقت عاجز نہیں آئے گی جب وہ انھیں نصف دن کے لیے مؤخر کر دے گا۔'' سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نصف دن سے کیا مراد ہے تو انھوں نے جواب دیا: پانچ سو سال۔[3]

تفسیر آیات: 49-51

نیک اور بدلوگوں کی جزاوسزا: جب کفار نے نبی اکرم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ جلد عذاب لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿49﴾﴾ ''(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تو بس تمھیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے مجھے عذاب شدید سے پہلے تمھاری طرف نذیر بنا کر

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:2499/8 عن صفوان بن سليم. ② جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء أن فقراء المهاجرين ......، حديث: 2354 و السنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ......﴾: 412/6، حديث:11348، البتہ قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، الزهد، باب منزلة الفقراء، حديث:4122 میں ہے۔ مزید دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):328/13و363/22 ومسند أبي يعلى:411/10، حديث:6018. ③ سنن أبي داود، الملاحم، باب قيام الساعة، حديث:4350 ومسند أحمد:170/1.

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ

اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا جب وہ تلاوت کرتا تو شیطان اس کی تلاوت میں (اپنی طرف سے کچھ) ڈال دیتا، پھر اللہ اسے

اُمۡنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ

زائل کر دیتا جو شیطان نے (وسوسہ) ڈالا ہوتا، پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کر دیتا، اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے (52) تاکہ جو (وسوسہ)

حَكِیۡمٌ ۙ﴿52﴾ لِّیَجۡعَلَ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ

شیطان نے ڈالا ہے اللہ (اس کو) ان لوگوں کے لیے فتنہ بنا دے جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اور ان کے دل سخت ہیں، اور بے شک ظالم

وَّالۡقَاسِیَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿53﴾ وَّلِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا

تو دور کی مخالفت میں (پڑے) ہیں (53) اور تاکہ وہ لوگ جان لیں جنھیں علم دیا گیا ہے کہ بے شک یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے،

الۡعِلۡمَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَیُؤۡمِنُوۡا بِهٖ فَتُخۡبِتَ لَهٗ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ

چنانچہ وہ اس پر ایمان لائیں پھر ان کے دل اس (حق) کے لیے جھک جائیں، اور بے شک اللہ ایمان لانے والے لوگوں کو ضرور صراط مستقیم

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿54﴾

کی طرف ہدایت دینے والا ہے (54)

بھیجا ہے، تمھارا حساب میرے ذمے قطعاً نہیں ہے بلکہ تمھارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمھارے لیے جلد عذاب لے آئے اور اگر چاہے تو اسے مؤخر کر دے اور اگر چاہے تو اپنی جناب میں توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرما لے اور اگر چاہے تو اسے گمراہ کر دے جس کے مقدر میں اس نے شقاوت کو لکھ رکھا ہے۔ وہ جو چاہے، جو ارادہ فرمائے اور جو پسند کر لے اسے کر گزرتا ہے۔ ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ۝﴾ (الرعد 41:13) ''کوئی اس کا حکم رد کرنے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' ﴿اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿49﴾ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''پس میں تم کو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں تو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے۔'' یعنی ان کے دل ایمان لائے، پھر اپنے اعمال کے ساتھ انھوں نے ایمان کی تصدیق کی، ﴿لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِیۡمٌ ﴿50﴾﴾ ''اُن کے لیے بخشش اور عزت کا رزق ہے۔'' یعنی ان کے لیے سابقہ گناہوں کی بخشش ہے اور تھوڑی نیکیوں کی بھی بہت اچھی اور زیادہ جزا دی جائے گی۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی ﴿رِزۡقٌ كَرِیۡمٌ ﴿50﴾﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہاں ان سے مراد جنت ہے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِیۡنَ سَعَوۡا فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں (کے جھٹلانے) میں عاجز کرنے کی کوشش کی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کی اتباع سے لوگوں کو روکتے ہیں۔[2] عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

(1) تفسیر ابن أبي حاتم: 2500,2499/8. (2) تفسیر الطبري: 243/17 وتفسیر ابن أبي حاتم: 2500/8.

﴿ مُعْجِزِيْنَ ﴾ کے معنی روکنے والے ہیں۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ مُعْجِزِيْنَ ﴾ کے معنی ذلیل کرنے والے ہیں۔[2] ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ ''وہ اہل دوزخ ہیں۔'' جحیم اس آگ کو کہتے ہیں جو بہت گرم، دردناک اور جس کا عذاب بہت شدید ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴾ (النحل 16:88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا، ہم انھیں عذاب پر عذاب زیادہ دیں گے، اس لیے کہ وہ فساد کیا کرتے تھے۔''

تفسیر آیات:52-54

شیطان کی وسوسہ اندازیاں اور قصۂ غرانیق: بہت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں قصۂ غرانیق ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے بہت سے مہاجرین سرزمین حبشہ سے یہ گمان کر کے واپس آ گئے تھے کہ مشرکین قریش مسلمان ہو گئے ہیں مگر اس قصے کے سارے طرق مرسل ہیں، میں نے اس قصے کی ایک بھی مرفوع اور صحیح سند نہیں دیکھی۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ﴾ کا مفہوم: امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ﴾ ''اس کی آرزو میں'' کی تفسیر میں کہا ہے، یعنی جب وہ بات کرتے تو شیطان ان کی بات میں وسوسہ ڈال دیتا اور اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے کو باطل کر دیتا تھا۔[4] علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر روایت کی ہے کہ جب وہ بات کرتے تو شیطان ان کی بات میں وسوسہ پیدا کر دیتا تھا۔[5] مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں آرزو کرنے سے مراد بات کہنا ہے۔[6] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ﴿ اُمْنِيَّتِهٖ ﴾ کی قراءت [إِلَّا أَمَانِيَّ] ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ یہ باتیں کہتے تو ہیں مگر انھیں لکھتے نہیں۔ بغوی اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ﴿ تَمَنّٰٓى ﴾ کے یہاں معنی یہ ہیں کہ جب وہ اللہ کی کتاب کو پڑھتے اور اس کی

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2500/8. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2500/8. [3] حضرت نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن 486,485/4 میں اس قصے کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''اس میں کچھ بھی کسی طرح بھی صحیح ثابت نہیں۔'' امام بزار رحمہ اللہ نے کشف الأستار، التفسیر، سورة النجم: 72/3، حدیث: 2263 میں کہا کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے متعلق ہمارے علم میں نہیں ہے کہ وہ محمد ﷺ سے متصل سند کے ساتھ مروی ہو اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ قصہ از روئے علم روایت ثابت نہیں ہے اور امام الائمہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ قصہ زندیقوں کا بنایا ہوا ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر الرازی: 53,52/23 میں کہا کہ یہ قصہ باطل اور موضوع ہے، اس کا قائل ہونا جائز نہیں ہے۔ قاضی عیاض الشفا، فصل فی عصمة النبی علیه السلام فی أقواله و أفعاله: 750/2 میں لکھتے ہیں: لَمْ يُخَرِّجْهُ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الصِّحَّةِ وَلَا رَوَاهُ ثِقَةٌ بِسَنَدٍ سَلِيمٍ. ''اہل صحت میں سے کسی نے اسے بیان نہیں کیا اور نہ کسی ثقہ نے اسے صحیح اور متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔'' اسی طرح دیگر علماء، مثلاً: علامہ عینی نے عمدة القاری، قبل الحدیث: 4741 میں اور امام خطیب شربینی نے تفسیر السراج المنیر میں اور علامہ سہیلی نے الروض الأنف، قصة الغرانیق: 154,153/2 میں پرزور الفاظ میں اس قصے کی تردید کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: سیرت المصطفیٰ ﷺ از مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ: 382-378/2 (مترجم) مزید دیکھیے الکافی الشاف لابن حجر، الحج، ص: 193، حدیث: 713 و أحکام القرآن لابن العربی، الحج: 226,225/3. [4] صحیح البخاری، التفسیر، سورة الحج، قبل الحدیث: 4741. [5] تفسیر الطبری: 249/17. [6] تفسیر الطبری: 249/17.

تلاوت کرتے تو شیطان ان کی تلاوت میں وسوسہ ڈال دیتا تھا۔ ①

ضحاک کہتے ہیں کہ ﴿ اِذَا تَمَنّٰۤى ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ جب بھی تلاوت کرتے۔ ② ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تفسیر کے اعتبار سے یہ قول زیادہ مناسب ہے۔ ③

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ﴾ ''تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا اللہ اس کو دور کر دیتا۔'' ازروئے لغت نسخ کے حقیقی معنی زائل اور رفع کرنے کے ہیں۔ ④ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے کو باطل کر دیتا ہے۔ ⑤ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ بہت علم والا ہے۔'' جو امور وحوادث رونما ہوتے ہیں وہ ان سب کو جانتا ہے اور کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ ﴿ حَكِيْمٌ ﴿52﴾ ﴾ ''بڑی حکمت والا (ہے۔)'' وہ اپنی تقدیر اور خلق وامر میں حکیم ہے اور ان تمام امور میں اسی کی حکمت تامہ اور حجت بالغہ کارفرما ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ ''تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے کو بیمار دل لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے۔'' یہاں بیماری سے مراد شک، شرک اور کفرو نفاق کی بیماری ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ ان بیمار لوگوں سے مراد منافق ہیں اور ﴿ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''اور ان کے سخت دل'' سے مراد مشرک ہیں۔ ⑥

اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿53﴾ ﴾ ''اور بے شک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں (پڑے ہوئے) ہیں۔'' یعنی وہ ضلالت، مخالفت اور حق وصواب سے بعید عناد میں مبتلا ہیں۔ ﴿ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ ﴾ ''اور تاکہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ بے شک یہ (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے، پھر وہ اس پر ایمان لائیں۔'' یعنی وہ لوگ جان لیں جن کو وہ علم نافع عطا ہوا ہے جس کے ساتھ وہ حق و باطل میں فرق کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں کہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے وہ تمھارے رب کی طرف سے حق ہے، اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا اور اس کی حفاظت وصیانت کا ذمہ اُٹھایا ہے تاکہ اس کے ساتھ کچھ اور نہ مل جائے اور یہ ایک ایسی پرحکمت کتاب ہے کہ ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ بڑی دانا، قابل تعریف ہستی (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔''

فرمایا: ﴿ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ ﴾ ''تو وہ اس پر ایمان لائیں۔'' یعنی اس کی تصدیق بھی کریں اور اطاعت بھی۔ ﴿ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى

① تفسير البغوى:347/3 وتفسير الطبرى:249/17. ② تفسير الطبرى:249/17. ③ تفسير الطبرى:249/17.
④ دیکھیے تاج العروس، مادة: نسخ. ⑤ تفسير الطبرى:250/17. ⑥ تفسير الطبرى:251/17.

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ

اور کافر اس (قرآن) کی بابت ہمیشہ شک میں رہیں گے حتی کہ ان پر اچانک قیامت آجائے، یا ان پر نہایت بانجھ (ہر خیر سے خالی)

يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿55﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ

دن کا عذاب آجائے ﴿55﴾ اس دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی، وہ ان کے مابین فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿56﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ

نے نیک عمل کیے وہ نعمتوں والے باغوں میں ہوں گے ﴿56﴾ اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، تو وہی ہیں جن کے لیے

لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿57﴾ ع 7/9/14

رسوا کن عذاب ہے ﴿57﴾

﴿صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿54﴾﴾ ''تا کہ وہ لوگ جان لیں جنھیں علم دیا گیا ہے کہ بے شک یہ (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے، پھر ان کے دل اس (حق) کے آگے جھک جائیں جو لوگ ایمان لائے ہیں یقیناً اللہ ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں، دنیا میں ان کی حق اور اسے قبول کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور باطل کی مخالفت اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق بخشتا ہے اور آخرت میں انھیں اس صراط مستقیم کی ہدایت فرمادے گا جو انھیں جنت کے بلند و بالا درجات تک پہنچادے گا اور عذاب الیم اور جہنم کی ہولناکیوں سے دور لے جائے گا۔

تفسیر آیات: 55-57

کفار ہمیشہ شک و تردد میں مبتلا رہیں گے: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ اس قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا رہیں گے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔[1] اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[2] ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ''یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آجائے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس میں ﴿بَغْتَةً﴾ کے معنی اچانک کے ہیں۔[3] قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے سے سرکشی اختیار کرتی ہے تو وہ اسے اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو اس وقت پکڑا ہے جب وہ نشے میں مدہوش ہو اور نعمتوں کی وجہ سے غرور میں ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بارے میں غافل نہ ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے غافل تو صرف فاسق لوگ ہی ہوتے ہیں۔[4] ﴿اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿55﴾﴾ ''یا اُن پر نہایت بانجھ (منحوس) دن کا عذاب واقع ہو۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے۔[5] جبکہ عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ ﴿يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿55﴾﴾ اس دن کو کہتے ہیں جس کی رات نہ ہو۔[6] ضحاک اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔[7]

① تفسیر الطبری:252/17 . ② تفسیر الطبری:252/17 . ③ تفسیر القرطبی:87/12 عن النحاس. ④ الدر المنثور:192/3. ⑤ تفسیر الطبری:253/17 . ⑥ تفسیر البغوی:348/3 و تفسیر الطبری:253/17 و تفسیر ابن أبی حاتم:2503/8 . ⑦ تفسیر الطبری:253/17 و تفسیر البغوی:348/3.

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا

اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر وہ قتل کیے گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور انھیں اچھا رزق دے گا اور بلاشبہ اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے

حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿58﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

والا ہے ﴿58﴾ وہ انھیں اس مقام میں ضرور داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے، اور بے شک اللہ بڑا جاننے والا، خوب بردبار ہے ﴿59﴾ (بات) یہی

لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿59﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

ہے، اور جو شخص بدلہ لے مثل اس کے جتنی اسے تکلیف دی گئی، پھر اگر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ بہت

اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿60﴾

معاف کرنے والا، نہایت مغفرت والا ہے ﴿60﴾

اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ ﴾ ”اس روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی (اور) وہ ان کے مابین فیصلہ کرے گا۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ (الفاتحة 4:1) ”بدلے کے دن کا مالک ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان26:25) ”اس دن سچی بادشاہی رحمٰن ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا۔“ ﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ”پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔“ یعنی جن کے دل ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور اپنے علم کے مطابق عمل کیا اور اس طرح ان کے دلوں، باتوں اور عملوں میں ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔ ﴿ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿56﴾ ﴾ ”(وہ) نعمتوں والے باغوں میں ہوں گے۔“ یعنی وہ ایسی ابدی وسرمدی نعمتوں میں ہوں گے جو کبھی ختم نہ ہوں گی اور جن پر کبھی زوال نہ آئے گا۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ ”اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔“ یعنی جن کے دلوں نے حق کا کفر وانکار کیا، اس کی تکذیب کی، رسولوں کی مخالفت کی اور ان کی اتباع سے انکار کیا۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿57﴾ ﴾ ”تو وہی ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔“ حق سے اعراض کر کے تکبر وغرور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمن60:40) ”جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“

تفسیر آیات: 58-60

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کے لیے اجر عظیم: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کی راہ میں اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے ہجرت کریں، اپنے وطنوں، اہل وعیال اور دوستوں کو چھوڑ دیں، اپنے شہروں کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اللہ کے دین کی نصرت کے لیے ترک کر دیں اور پھر اللہ کے رستے میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائیں یا اپنے بستروں پر طبعی موت مر جائیں تو وہ اجر جزیل اور ثنائے جمیل حاصل کریں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ ﴾ (النسآء 100:4) ”اور جو شخص

اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر اپنے گھر سے نکل جائے، پھر اس کو موت آ پکڑے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔" فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ "اللہ اُن کو ضرور اچھی روزی دے گا۔" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انھیں جنت کا ایسا رزق عطا فرمائے گا جو اُن کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا باعث ہو گا۔

﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ﴾ "اور بے شک اللہ ہی بہتر رزق دینے والا ہے، وہ ان کو اس مقام میں ضرور داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے۔" یعنی جنت میں جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۥ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ ﴾ (الواقعة 56:88,89) "پھر اگر وہ (مردہ اللہ کے) مقربوں میں سے ہے تو (اس کے لیے) راحت، خوشبو اور نعمتوں والا باغ ہے۔" یعنی اسے راحت و آرام، رزق اور نعمت کے باغ حاصل ہوں گے جیسا کہ یہاں فرمایا: ﴿ لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ "اللہ ضرور اُن کو اچھا رزق دے گا۔" پھر فرمایا: ﴿ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۞ ﴾ "وہ ان کو اس مقام میں ضرور داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ خوب جاننے والا، بڑا بردبار ہے۔" یعنی وہ جانتا ہے کہ اس کے رستے میں ہجرت و جہاد کون کرتا ہے اور کون اس کا مستحق ہے۔ ﴿ حَلِيْمٌ ۞ ﴾ "بردبار" یعنی وہ ان کے ہجرت کرنے اور اس کی ذات پر توکل کرنے کی وجہ سے ان سے درگزر کرتا اور ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے رستے میں مارا جائے، خواہ وہ مہاجر ہو یا نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ (اٰل عمرٰن 3:169) "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، ان کو مردہ نہ خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور انھیں ان کے رب کے ہاں سے رزق دیا جاتا ہے۔"

اللہ کی راہ میں مرنے والے کے لیے رزق کریم اور اجر عظیم: اس بارے میں بہت سی احادیث بھی وارد ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] اور جو شخص اللہ کے رستے میں فوت ہو جائے، خواہ وہ مہاجر ہو یا نہ ہو تو اس کے بارے میں اس آیت کریمہ اور بہت سی صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر عظیم احسانات فرماتا ہے۔ ابن ابو حاتم نے شرحبیل بن سمط سے روایت کیا ہے کہ سرزمین روم کے ایک قلعے پر ہمارا پڑاؤ بہت طول اختیار کر گیا تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [مَنْ مَّاتَ مُرَابِطًا، أَجْرَى اللّٰهُ عَلَيْهِ مِثْلَ ذٰلِكَ الْأَجْرِ، وَأَجْرٰى عَلَيْهِ الرِّزْقَ وَأَمِنَ الْفَتَّانِينَ، وَاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ، ﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۞ ﴾] "جو شخص سرحد پر پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے مثل اجر و ثواب جاری کر دے گا، اسے رزق بھی عطا فرمائے گا اور فتنہ پروروں سے اسے محفوظ

[1] دیکھیے اٰل عمرٰن، آیت: 169 کے تحت عنوان: "شہداء کی فضیلت"

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اوردن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ خوب سننے والا،

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿61﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ

بہت دیکھنے والا ہے ﴿61﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور بلاشبہ جسے وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہی باطل ہے اور بلاشبہ

الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿62﴾

اللہ ہی بلند تر، بہت بڑا ہے ﴿62﴾

بھی رکھے گا، اگر چا ہو تو یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھ لو: ''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر مارے گئے یا مر گئے، اللہ انھیں ضرور اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے، وہ ان کو اس مقام میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ خوب جاننے والا، نہایت بردبار ہے۔''[1]

ابن ابو حاتم ہی نے عبدالرحمٰن بن جَحْدَم خولانی سے روایت کیا ہے کہ وہ فضالہ بن عبید کے ساتھ بحر میں دو جنازوں میں شریک ہوئے، ان میں سے ایک شخص منجنیق (کا پتھر) لگنے سے اور دوسرا طبعی موت فوت ہوا تھا۔ فضالہ بن عبید اس شخص کی قبر کے پاس بیٹھ گئے جو طبعی موت فوت ہوا تھا تو ان کی خدمت میں عرض کی گئی کہ آپ نے شہید کو چھوڑ دیا اور ان کے پاس نہیں بیٹھے۔ انھوں نے جواب دیا: مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میں ان میں سے کس قبر سے اٹھایا جاؤں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ﴾ ''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر مارے گئے یا مر گئے، اللہ انھیں ضرور بہترین رزق دے گا۔''[2] اے بندے! جب تجھے ایسے مقام میں داخل کر دیا جائے جسے تو پسند کرتا ہے، پھر تجھے اچھی روزی دی جائے تو تجھے اور کیا چاہیے، واللہ! مجھے اس بات کی قطعاً پروا نہیں کہ ان میں سے کس قبر سے مجھے اُٹھایا جائے۔

اور فرمایا: ﴿ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ﴾ ''بات (یہی ہے) اور جو شخص ویسا ہی بدلہ لے جیسا اس کے ساتھ کیا گیا۔'' مقاتل بن حیان اور ابن جریج نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک سریے کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس کی محرم کے مہینے میں مشرکوں سے مڈبھیڑ ہوگئی تھی، مسلمانوں نے ان سے کہا کہ وہ محرم کے مہینے میں لڑائی نہ کریں مگر انھوں نے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے تو جواب میں مسلمانوں نے بھی ان سے لڑائی کی تو اللہ تعالیٰ نے

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2503/8، مزید دیکھیے سنن النسائي، الجهاد، باب فضل الرباط، حديث: 3170,3169 وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب فضل الرباط في سبيل الله، حديث: 2767 ومسند أحمد: 404/2 و157/4 وصحيح ابن حبان، السير، ذكر البيان بأن المرابط ......: 485/10، حديث: 4626، البتہ تفسیر ابن ابو حاتم سمیت تمام حوالوں میں ابن کثیر کا ذکر کردہ سیاق نہیں ہے جبکہ اقرء وا إن شئتم سے لے کر آخر تک صرف ابن ابو حاتم میں ہے۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2503/8 وتفسير الطبري: 255/17 والجهاد لابن المبارك، ص: 62.

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے (مردہ زمین پر) پانی نازل کیا، پھر اس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ نہایت باریک

ع 8 7 15 لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿63﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿64﴾ ع

بین، بہت باخبر ہے ﴿63﴾ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز، لائق حمد ہے ﴿64﴾ کیا آپ نے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ

نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے تمھارے تابع فرمان کر دیا جو کچھ زمین میں ہے، اور کشتیاں جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں، اور وہ آسمان

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

کو تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر (نہ) گرے۔ بے شک اللہ لوگوں کے لیے البتہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا، بہت رحم

رَّحِيْمٌ ﴿65﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿66﴾

کرنے والا ہے ﴿65﴾ اور وہی ہے جس نے تمھیں زندہ کیا، پھر وہ تمھیں مارے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا، بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ﴿66﴾

مشرکوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نواز دیا۔[1] ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿60﴾﴾ ''بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔''

تفسیر آیات: 62,61

اللہ ہی دنیا کا خالق و متصرف ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے اور اسی کو ان کے بارے میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (اٰل عمرٰن 3:26,27) ''کہہ دیجیے: اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے، تو ہی بے جان سے جان دار پیدا کرتا اور تو ہی جان دار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔''

اِیلاج کے معنی رات کے دن میں اور دن کے رات میں ایک کے دوسرے میں داخل کرنے کے ہیں، کبھی رات لمبی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے جیسا کہ موسم سرما میں اور کبھی دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے جیسا کہ موسم گرما میں۔

اور فرمایا: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿61﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ تو بہت سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' وہ اپنے بندوں کے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 8/2503,2504 و تفسیر الطبري: 17/256.

اقوال کو سنتا اور انھیں دیکھتا ہے، بندوں کے حالات و حرکات و سکنات میں سے کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ جب اس نے یہ بیان فرمایا کہ کائنات میں اسی کا تصرف و اختیار کار فرما ہے اور وہ ایسا حاکم ہے کہ کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتا تو اس کے بعد یہ فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے۔'' وہی معبود برحق ہے اور اسی کی ذات پاک اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ وہ عظیم الشان سلطنت کا مالک ہے، اس نے جو چاہا وہی ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا، ہر چیز اس کی محتاج اور اس کے سامنے عاجز و درماندہ ہے۔ ﴿ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ ﴾ ''اور بلاشک و شبہ جس چیز کو (کافر) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔'' اصنام و انداد، بت اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے وہ باطل ہے کیونکہ وہ نفع و نقصان کی مالک نہیں ہے۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ ''اور بلاشبہ اللہ ہی رفیع الشان بہت بڑا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ ﴾ (البقرة 2:255) ''اور وہ بلند تر، نہایت عظمت والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ ﴾ (الرعد 13:9) ''سب سے بڑا، نہایت بلند ہے۔'' ہر چیز اس کے غلبہ و تسلط اور عظمت کے ماتحت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں کیونکہ وہ اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم نہیں، وہ اس قدر عالی مرتبت ہے کہ اس سے کوئی بلند نہیں، وہ اس قدر بزرگ ہے کہ اس سے کوئی بڑا نہیں، وہ ظالموں اور سرکشوں کی باتوں سے مقدس، منزہ، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

تفسیر آیات: 63-66

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظیم بادشاہت کی نشانی ہے کہ وہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی اور خشک، بنجر، سیاہ اور ویران زمین پر بارش برسا دیتی ہیں۔ ﴿ فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ﴾ (الحج 22:5) ''پس جب ہم نے اس پر پانی نازل کیا تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ﴾ ''تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔''

حرفِ ''فا'' یہاں تعقیب کے لیے ہے اور ہر چیز کی تعقیب اس کے حسبِ حال ہوا کرتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ﴾ (المؤمنون 23:14) ''پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی۔'' صحیحین سے ثابت ہے کہ ہر دو چیزوں کے مابین چالیس دن کا وقفہ ہوتا ہے۔[1] حالانکہ اسے بھی حرف تعقیب ''فا'' کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ یہاں بھی ''فا'' استعمال کیا گیا ہے: ﴿ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ﴾ ''تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔'' یعنی خشک اور بنجر ہونے کے بعد سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ بعض اہلِ حجاز سے ذکر کیا گیا ہے کہ بارش کے بعد زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة……، حديث:3208 وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي، في بطن أمه……، حديث:2643 عن ابن مسعود ﷺ.

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴾ ''بے شک اللہ نہایت باریک بین، خوب خبردار ہے۔'' زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے دانے کو، خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں، وہ ہر ہر دانے تک بقدرِ ضرورت پانی پہنچا دیتا ہے جس سے دانا اُگ آتا ہے جیسا کہ لقمان نے بھی کہا تھا: ﴿ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:16) ''اے میرے بیٹے! بے شک اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں اور زمین میں کہیں بھی ہو تو اللہ اس کو نکال لائے گا، بلاشبہ اللہ نہایت باریک بین، خوب خبردار ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...... ﴾ الآية (النمل 27:25) ''یہ کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزیں نکالتا ہے......۔''

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 6:59) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (یونس 10:61) ''اور آپ کے پروردگار سے ذرہ بھر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی (چیز) اس سے چھوٹی ہے نہ بڑی مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے۔'' تمام اشیاء اسی کی ملکیت ہیں، وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے جبکہ ہر چیز اس کی محتاج اور غلام ہے۔

زمین و آسمان کی ہر شے انسان کی مطیع و فرماں بردار ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ جتنی چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ نے تمھارے لیے مسخر کر دیں۔'' یعنی حیوانات، جمادات، فصلیں اور پھل سب تمھارے لیے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ...... ﴾ الآية (الجاثية 45:13) ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمھارے تابع کر دیا......۔'' اور یہ اس کا تم پر بہت بڑا فضل و کرم اور احسان ہے۔ ﴿ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ ﴾ ''اور کشتیاں (بھی) جو اسی کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق و تدبیر کے ساتھ کشتیاں اپنے سواروں کے ساتھ پاکیزہ ہوا کے نرم جھونکوں سے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندروں اور ان کی تلاطم خیز موجوں میں چلتی ہیں اور ان کشتیوں میں سفر کرنے والے مسافر جس قدر چاہتے ہیں سامانِ تجارت ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں لاتے اور لے جاتے ہیں اور حسبِ ضرورت اور اپنی مرضی و مشیت کے مطابق ایک علاقے کی چیزیں دوسرے علاقے میں، جہاں وہ نہیں ہیں لے جاتے ہیں اور وہاں کی چیزیں یہاں لے آتے ہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ

ہر امت کے لیے ہم نے طریق عبادت مقرر کیا ہے، وہ اس پر عمل پیرا ہیں، لہٰذا وہ اس امر میں آپ سے ہرگز جھگڑا نہ کریں، اور آپ اپنے رب کی

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿67﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿68﴾ اَللّٰهُ

طرف دعوت دیں، یقیناً آپ راہ راست پر ہیں ﴿67﴾ اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیجیے: تم جو عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿68﴾

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿69﴾

اللہ ہی یوم قیامت تمھارے مابین ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿69﴾

﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ ﴾ ”اور وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پر (نہ) گر پڑے۔“ یعنی اگر اللہ چاہتا تو آسمان کو زمین پر گرنے کی اجازت دے دیتا اور اس سے زمین کی ہر چیز ہلاک ہو جاتی مگر اس نے اپنے لطف و کرم اور اپنی قدرت کے ساتھ آسمان کو تھاما ہوا ہے اور وہ اس کی اجازت کے بغیر نہیں گر سکتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿65﴾ ﴾ ”بے شک اللہ لوگوں پر نہایت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ حالانکہ لوگ ظلم کرتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ﴾ (الرعد 6:13) ”اور یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں کے ظلم کے باوجود انھیں معاف کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار سخت عذاب دینے والا ہے۔“

زندگی اور موت کا مالک اللہ ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿66﴾ ﴾ ”اور وہی تو ہے جس نے تم کو حیات بخشی، پھر تمھیں مارے گا، پھر تمھیں زندہ بھی کرے گا اور انسان تو بڑا ہی ناشکرا ہے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ﴾ (البقرة 28:2) ”تم اللہ سے کیسے کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تم کو جان بخشی، پھر وہی تم کو مارے گا، پھر وہی تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“ اور فرمایا: ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ (الجاثية 26:45) ”کہہ دیجیے! اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے، پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے، پھر تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ﴾ (المؤمن 11:40) ”وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا۔“

معنی کلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے کس طرح شریک بناتے اور اس کے ساتھ غیروں کی کیونکر پوجا کرتے ہو، حالانکہ خلق، رزق اور تصرف صرف اسی کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۫ ﴾ ”اور وہی تو ہے جس نے تم کو زندہ کیا۔“ یعنی اس نے تمھیں پیدا فرمایا اور وجود بخشا جبکہ تمھارا کوئی ذکر تک مذکور نہ تھا۔ ﴿ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ ﴾ ”پھر تم کو مارے گا، پھر تمھیں زندہ کرے گا۔“ یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿66﴾ ﴾ ”بلاشبہ انسان تو (بڑا

ہی) ناشکرا ہے۔''

تفسیر آیات :67-69

ہر امت کے لیے ایک شریعت ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے ہر قوم کے لیے ایک شریعت مقرر فرما دی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر نبی کی امت کے لیے ایک شریعت ہے، نیز فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں دراصل مَنْسَك اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان کسی اچھے یا برے کام کے لیے بار بار آئے جائے۔ مناسک حج کو بھی اسی لیے مناسک کہا جاتا ہے کہ انھیں ادا کرنے کے لیے لوگ بار بار جاتے ہیں۔[1] اگر اس سے مراد یہ ہو جیسا کہ امام ابن جریر نے کہا کہ ہم نے ہر نبی کی امت کے لیے ایک شریعت مقرر کر دی ہے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان مشرکوں کو اس بارے میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ ہر امت کے لیے ایک شریعت ہے تو اس سے مراد قدری طریقے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ (البقرة 148:2) ''اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت منہ) پھیرتا ہے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿هُمْ نَاسِكُوْهُ﴾ ''جس پر وہ چلتے ہیں۔'' یعنی جسے انھوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جن کے لیے شریعت اور طریقے مقرر کیے گئے ہیں، یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور ارادے سے ایسا کر رہے ہیں۔ ان کے جھگڑے سے آپ متأثر نہ ہوں اور نہ ان کا جھگڑا آپ کو اس راہ حق سے دور لے جائے جس پر آپ گامزن ہیں، اسی لیے اللہ نے آپ سے فرمایا: ﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''اور آپ (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں، بے شک آپ سیدھے رستے پر ہیں۔'' یعنی ایسے واضح اور سیدھے رستے پر جو مقصود تک پہنچانے والا ہے جیسا کہ یہ آیت کریمہ ہے: ﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾ (القصص 87:28) ''اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے، بعد اس کے کہ وہ آپ پر نازل ہو چکی ہیں، روک نہ دیں اور آپ انھیں اپنے پروردگار کی طرف بلائیں۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیجیے: تم جو عمل کرتے ہو اللہ ان سے خوب واقف ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (یونس 41:10) ''اور اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہہ دیجیے: میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم اس سے بری ہو جو میں عمل کرتا اور میں اس سے بری ہوں جو تم عمل کرتے ہو۔''

اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''تم جو عمل کرتے ہو اللہ ان سے خوب واقف ہے۔'' یہ شدید وعید اور بہت

---

[1] تفسیر الطبری: 259/17۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ

کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، بلاشبہ یہ (سب کچھ) کتاب (لوحِ محفوظ) میں (درج) ہے،

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿70﴾

بے شک یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ﴿70﴾

بڑی سرزنش ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ......﴾ الآية (الأحقاف 8:46) ''وہ اس (گفتگو) کو خوب جانتا ہے جو تم اس (قرآن) کے بارے میں کرتے ہو، وہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ کافی ہے......'' اسی لیے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿69﴾﴾ ''جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ ہی تمھارے مابین قیامت کے روز ان کا فیصلہ فرمائے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ﴾ (الشورٰی 15:42) ''تو (اے محمد!) آپ اسی (دین) کی طرف (سب کو) بلائیں اور ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور کہہ دیجیے: جو کتاب بھی اللہ نے نازل فرمائی ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں۔''

تفسیر آیت:70

اللہ تعالیٰ کو تخلیق کائنات سے پہلے بھی اس کے متعلق پورا پورا علم تھا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے بارے میں اپنے کمال علم کا ذکر فرمایا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ ان سب کا اس طرح احاطہ کیے ہوئے ہے کہ اس سے آسمان اور زمین کی کوئی ذرہ بھر یا اس سے چھوٹی یا بڑی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی علم تھا اور یہ سب کچھ اس نے اپنی کتاب لوح محفوظ میں لکھ رکھا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ] ''اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیر آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھی اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔''[1]

اور سنن میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ، فَقَالَ (لَهُ): اُكْتُبْ، قَالَ: مَا أَكْتُبُ؟]، [ثُمَّ قَالَ: اُكْتُبْ، فَجَرٰى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ، اس نے کہا: میں کیا لکھوں؟ پھر فرمایا: لکھ دے تو قلم نے اسی وقت وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا تھا۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم و موسٰى صلى الله عليهما وسلم ، حديث:2653. [2] پہلا حصہ جامع الترمذي، القدر، باب إعظام أمر الإيمان بالقدر، حديث:2155 جبکہ قوسین والا لفظ ترمذی ہی کی حدیث:3319 اور سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث:4700 میں اور دوسرا حصہ مسند أحمد:317/5 عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ میں ہے۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

اور وہ (مشرک) اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور جس کا انھیں کچھ علم نہیں، اور

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿71﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ

(ان) ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں ﴿71﴾ اور جب ان پر ہماری کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو آپ ان کافروں کے چہروں پر

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ

ناگواری پہچانتے ہیں، لگتا ہے کہ وہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں، کہہ دیجیے: کیا پھر میں تمھیں

ع 9/8/16 اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿72﴾ ع

اس سے زیادہ بدتر کی خبر دوں؟ (وہ) آگ ہے، جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے، اور بری ہے وہ لوٹنے کی جگہ ﴿72﴾

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿70﴾ ﴾ ”بلاشبہ یہ (سب کچھ) کتاب (لوح محفوظ) میں (لکھا ہوا) ہے، بے شک یہ (سب) اللہ پر بالکل آسان ہے۔“

تفسیر آیات: 72,71

مشرکین کا غیر اللہ کی عبادت کرنا: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ جہالت اور کفر کا ثبوت دیتے ہوئے اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی اس نے کوئی حجت اور برہان نازل نہیں فرمائی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 117:23) ”اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو یقیناً اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، کچھ شک نہیں کہ کافر کامیابی نہیں پائیں گے۔“ اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ ﴾ ”جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور جس کا انھیں کچھ علم نہیں۔“ یعنی انھوں نے جو اختلاف کیا اور جو بہتان طرازیاں کی ہیں ان کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اسے انھوں نے اپنے آباء واجداد سے بلا دلیل وحجت اخذ کیا ہے، دراصل اس بات کا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا اور اسے مزین کر کے دکھایا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿71﴾ ﴾ ”اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔“ یعنی ان کا کوئی حامی وناصر نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انھیں بچا سکے، پھر فرمایا: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ﴾ ”اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جائیں۔“ یعنی جب انھیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں قرآن مجید کی آیات اور واضح دلائل و براہین پڑھ کر سنائے جاتے ہیں جو اس بات کے سچے گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے تمام انبیائے کرام سچے اور برحق ہیں تو ﴿ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ ﴾ ”قریب ہوتے ہیں کہ جو لوگ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں، ان پر حملہ کر دیں۔“ یعنی جو لوگ قرآن مجید کے دلائل صحیحہ کو ان کے خلاف بطور حجت پیش کرتے ہیں، قریب ہے کہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے یہ لوگ انھیں تکلیف پہنچائیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، لہٰذا تم اسے غور سے سنو، بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں پیدا کر سکتے

يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ

اگرچہ وہ (سارے بھی) اس کے لیے جمع ہو جائیں، اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے تو وہ اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب و مطلوب

مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿73﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ

(عابد و معبود دونوں) کمزور ہیں ﴿73﴾ انھوں نے اللہ کی قدر (اس طرح) نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے، بے شک اللہ بہت قوت

عَزِيْزٌ ﴿74﴾

والا، نہایت غالب ہے ﴿74﴾

﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجیے!'' اے محمد (ﷺ!) ان لوگوں سے: ﴿ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ ﴾ ''میں تم کو اس سے بھی بری چیز بتاؤں؟ (وہ دوزخ کی) آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے۔'' یعنی دوزخ کی آگ، اس کا عذاب اور اس کی سزا اس سے کہیں زیادہ سخت، زیادہ مشکل اور زیادہ دردناک وخوفناک ہے جس سے تم اللہ کے دوستوں، یعنی مومنوں کو دنیا میں ڈراتے ہو اور تمھاری ان بداعمالیوں کی وجہ سے آخرت کا عذاب کہیں زیادہ شدید اور خوفناک ہوگا۔ ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿72﴾ ﴾ ''اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی دوزخ بدترین مقام، جگہ، ٹھکانا اور منزل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ ﴾ (الفرقان 66:25) ''اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

تفسیر آیات: 74,73

بت حقیر اور ان کے پجاری احمق ہیں: اللہ تعالیٰ نے بتوں کی حقارت اور ان کے پجاریوں کی حماقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ ﴾ ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔'' اس چیز کی جس کی جاہل اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے عبادت کرتے ہیں۔ ﴿ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ ﴾ ''لہٰذا تم اسے غور سے سنو۔'' خاموش ہو جاؤ اور اسے سمجھو۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ ﴾ ''جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اگرچہ وہ (سب) اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔'' یعنی اگر تمام اصنام و انداد اور معبودانِ باطلہ جمع ہو کر ایک مکھی بھی بنانے کی کوشش کریں تو انھیں اس کی قدرت و استطاعت نہیں ہوگی جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) [وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ خَلَقَ خَلْقًا كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوا مِثْلَ خَلْقِي ذَرَّةً أَوْ ذُبَابَةً أَوْ حَبَّةً] ''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو میری تخلیق کی ہوئی مخلوق کی طرح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہ لوگ میری طرح ایک ذرہ یا ایک مکھی یا ایک دانہ ہی پیدا کر کے دکھائیں۔''[1] امام بخاری و مسلم نے اسے بطریق عمارہ از ابوزرعہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس طرح روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ

[1] مسند أحمد: 391/2.

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿75﴾ يَعْلَمُ

اللہ فرشتوں میں سے کچھ پیغام رساں چن لیتا ہے اور لوگوں میں سے (بھی)، یقیناً اللہ بہت سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿75﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿76﴾

ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں ﴿76﴾

ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوا حَبَّةً، وَّلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً، (أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً)] ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو میری تخلیق کی ہوئی مخلوق کی طرح پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ان میں ذرہ بھر بھی تاب ہے تو یہ ایک دانہ پیدا کر کے دکھا دیں (یا) وہ ایک ذرہ پیدا کر کے دکھا دیں یا ایک جو کا دانہ ہی پیدا کر کے دکھا دیں۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ﴾ ''اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے۔'' یعنی یہ لوگ اس سے عاجز ہیں کہ ایک مکھی پیدا کر سکیں بلکہ ان کی عاجزی و ناتوانی تو اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ کہ مکھی اگر ان کی کسی چیز کو لے کر اُڑ جائے تو یہ اس سے چھڑا نہیں سکتے، حالانکہ مکھی خود اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کمزور ترین اور حقیر ترین مخلوق ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿73﴾﴾ ''طالب اور مطلوب (عابد اور معبود دونوں) کمزور ہیں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طالب سے مراد صنم اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔[2] ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[3] اور سیاق کلام سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ سدی وغیرہ کا قول یہ ہے کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبود ہے۔[4] پھر فرمایا: ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ﴾ ''انھوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت کو نہیں پہچانا کہ اس کے ساتھ انھوں نے ایسی چیزوں کی عبادت شروع کر دی ہے جو مکھی جیسی ضعیف و ناتواں چیز کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿74﴾﴾ ''بلاشبہ اللہ بہت قوی، نہایت غالب ہے۔'' وہ ایسا زبردست ہے کہ اس نے اپنی قدرت وقوت کے ساتھ ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ......﴾ الآية (الروم 27:30) ''اور وہی ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے (دوبارہ) لوٹائے گا اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے......'' ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝﴾ (البروج 13,12:85) ''بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے، وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی لوٹائے گا۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝﴾ (الذّٰريٰت 58:51) ''بلاشبہ اللہ ہی تو رزق دینے والا، بڑا زور آور، نہایت مضبوط ہے۔'' ﴿عَزِيْزٌ ﴿74﴾﴾ ''نہایت غالب۔'' جس نے ہر چیز کو عاجز کر کے اس پر غلبہ وتسلط حاصل کر رکھا

① صحيح البخاري، اللباس، باب نقض الصور، حديث:5953 اور قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان......، حديث:2111 میں ہیں۔ ② تفسير الطبري:265/17 و تفسير البغوي:351/3۔
③ تفسير الطبري:265/17۔ ④ تفسير ابن أبي حاتم:2505/8 نحوه و تفسير البغوي:351/3 عن الضحاك۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو، اور اپنے رب کی عبادت کرو، اور بھلائی (کے کام) کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ ⑦⑦ اور تم اللہ کی

تُفْلِحُوْنَ ۩ ⑦⑦ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي

راہ میں (اس طرح) جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمھیں (اپنے دین کے لیے) چن لیا ہے، اور اس نے دین میں

الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ

تمھارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کے دین کی (اتباع کرو)، اسی (اللہ) نے پہلے بھی تمھارا نام مسلمان رکھا تھا اور

وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا

اس (قرآن) میں بھی (تمھارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر شہادت دینے والا ہو اور تم لوگوں پر شہادت دینے والے ہو، لہٰذا تم نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ⑦⑧ ع 10/6/17

قائم کرو، اور زکاۃ دو اور اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے تھامو، وہی تمھارا کارساز ہے، پس (وہ) اچھا کارساز اور اچھا مددگار ہے ⑦⑧

ہے اور اس کی عظمت اور بادشاہت کی وجہ سے نہ اس کے حکم کو ٹالا جا سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے اور وہی یکتا و غالب ہے۔

تفسیر آیات: 76,75

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں اور انسانوں سے پیغام پہنچانے والوں کا انتخاب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے شرعی اور قدری امور کے لیے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کا انتخاب کرتا ہے اور ابلاغ رسالت کے لیے انسانوں میں سے انتخاب فرماتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ⑦⑤﴾ ”بے شک اللہ بہت سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔“ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا، ان کے احوال کو دیکھتا اور اس بات کو خوب جانتا ہے کہ ان میں سے پیغام پہنچانے کے لیے کون مستحق ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾ (الأنعام 124:6) ”اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت (کا کام) کسے سونپے۔“ اور فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑦⑥﴾ ”جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ جانتا ہے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔“ یعنی وہ جانتا ہے کہ جس پیغام کے ساتھ اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا ہے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، اس سے ان کی کوئی بات بھی مخفی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ ○ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ○﴾ (الجن 28-26:72) ”(وہی) غیب جاننے والا ہے اور کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا، مگر جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے تاکہ معلوم فرمائے کہ انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے ہیں اور اس نے ان کے گرد و پیش کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اس نے ایک ایک چیز گن رکھی ہے۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے پیغمبروں کا نگہبان ہے، ان سے جو کہا جاتا ہے وہ اس کا گواہ ہے اور وہ اپنے پیغمبروں کا حافظ و ناصر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ...... ﴾ الآية (المآئدة5 : 67) ''اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیے گئے ہیں وہ لوگوں تک پہنچا دیجیے اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا......۔''

تفسیر آیات: 78,77

عبادت اور جہاد کا حکم: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے [1] جس میں وہ پوچھتے ہیں: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا سورۂ حج کو اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ، وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا] ''ہاں، جو شخص یہ دو سجدے نہ کرے وہ ان (آیاتِ سجدہ) کو نہ پڑھے۔'' [2] ﴿ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ ﴾ ''اور تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔'' یعنی اپنے مالوں کے ساتھ، زبانوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ...... ﴾ الآية (ال عمرٰن 3:102) ''اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے......۔''

اور فرمایا: ﴿ هُوَ اجْتَبَاكُمْ ﴾ ''اس نے تمھیں چن لیا ہے۔'' اے امت محمد (ﷺ!) اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں سے تمھیں منتخب کیا ہے، اس نے تمھیں فضل و شرف عطا کیا ہے اور اپنے رسول اکرم اور شرع اکمل کے لیے تمھیں مخصوص فرمایا ہے۔ ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ ﴾ ''اور اس نے دین میں تمھارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

شریعت محمدیہ کی رخصتیں: یعنی تم پر ذمہ داری کا کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالا جس کے اُٹھانے کی تمھیں طاقت ہی نہ ہو، تم پر کسی ایسی چیز کو لازم نہیں ٹھہرایا جو تمھیں مشقت میں ڈال دے مگر اس سے نکلنے کے لیے کشادگی اور رستہ بھی مقرر فرما دیا ہے، مثلاً: نماز جو شہادتین کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے، حضر میں اگر اس کی چار رکعتیں ہیں تو سفر میں قصر کی صورت میں دو رکعتیں کر دی ہیں [3] اور حالت خوف میں بعض ائمہ کے نزدیک اس کی صرف ایک رکعت ہے، چنانچہ حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، [4] نیز اسے پیادہ وسوار اور قبلہ رخ وغیر قبلہ رخ ہر طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ [5] جیسا کہ حالتِ سفر میں نفل نماز کو بھی قبلہ وغیر قبلہ ہر طرف منہ کر کے ادا کیا جا سکتا ہے، [6] اسی طرح بیماری کے عذر کی وجہ سے قیام بھی ساقط ہو جاتا ہے، مریض کو اجازت ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لے، [7] اسی طرح دیگر تمام فرائض و واجبات

---

[1] دیکھیے الحج، آیت: 18 کے تحت عنوان: ''ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے'' [2] جامع الترمذی، الصلاۃ، باب ماجاء فی السجدۃ فی الحج، حدیث: 578 وسنن أبی داود، سجود القرآن، باب تفریع أبواب......: 1402 ومسند أحمد: 151/4، ملحوظہ: [ومن لم یسجدهما فلا یقرأهما] ضعیف ہے۔ [3] صحیح مسلم، کتاب وباب صلاۃ المسافرین وقصرها، حدیث: 685 عن عائشة رضی اللہ عنہا. [4] صحیح مسلم، کتاب وباب صلاۃ المسافرین وقصرها، حدیث: 687 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. [5] دیکھیے البقرۃ، آیت: 239 کے ذیل میں۔ [6] صحیح البخاری، التقصیر، باب صلاۃ التطوع علی الدواب......، حدیث: 1093 عن عامر بن ربیعة رضی اللہ عنہ و 1094 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ. [7] صحیح البخاری، التقصیر، باب إذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب......، حدیث: 1117 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ.

میں بھی شریعت نے رخصتیں اور سہولتیں دے دیں، اسی وجہ سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے: [بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ] ”مجھے آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے۔“ [1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کو یمن (کے دومختلف علاقوں) کا امیر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا تھا: [يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا] ”آسانیاں کرنا اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالنا، بشارتیں سنانا اور نفرت نہ دلانا۔“ [2] اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں حرج کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں کسی تنگی میں نہیں ڈالا۔ [3]

﴿ مِلَّةَ ﴾ کے منصوب ہونے کی وجہ: اور اس کا فرمان ہے: ﴿ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ”(اور تم) اپنے باپ ابراہیم کے دین (کی اتباع کرو۔)“ ابن جریر کہتے ہیں کہ ﴿ مِلَّةَ ﴾ (آیت کے اس حصے:) ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی اس نے تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی بلکہ اس نے تمھیں وسعت دی ہے جیسا کہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین میں وسعت تھی۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ اِلزموا فعل امر مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہو (اس لیے کہ ﴿ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ ﴾ سے پہلے ﴿ ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴾ امر کے صیغے ہیں، گویا یوں کہا گیا ہے: اِرْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَالْزَمُوا مِلَّةَ أَبِيكُمْ) یعنی ملت ابراہیم کو لازم پکڑ لو۔ [4] اس معنی کو اس آیت کریمہ میں بھی بیان کیا گیا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾...... الآية (الأنعام 162:6) ”کہہ دیں کہ بے شک مجھے میرے پروردگار نے سیدھا رستہ دکھا دیا، دین صحیح کی طرف جو طریقہ ہے ابراہیم کا جو ایک (اللہ) کا پرستار تھا......“

﴿ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ کا مفہوم: ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۥ ﴾ ”اس نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔“ امام عبداللہ بن مبارک نے ابن جریج سے، انھوں نے عطاء سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ [5] مجاہد، عطاء، ضحاک، سدی، مُقاتِل بن حیان اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ [6] مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۥ مِنْ قَبْلُ ﴾ سابقہ کتابوں میں اور قرآن مجید میں بھی تمھارا نام مسلمان رکھا ہے، ﴿ وَفِيْ هٰذَا ﴾ ”اور اس کتاب میں بھی۔“ یعنی قرآن مجید میں۔ [7] دیگر ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ ”اس نے تم کو چن لیا ہے اور اس نے دین میں تمھارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے

① مسند أحمد: 266/5 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ دیکھیے السلسلة الصحيحة: 1022/6، حديث: 2924. ② صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع......، حديث: 3038 وصحيح مسلم، الجهاد، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير، حديث: 1733. ③ تفسير الطبري: 268/17. ④ تفسير الطبري: 270/17. ⑤ تفسير الطبري: 271/17. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 2507/8 وتفسير الطبري: 271/17. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم: 2507/8 وتفسير الطبري: 272/17 وتفسير القرطبي: 101/12.

اور یہی ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے اس کا تذکرہ اور اس کی تعریف گزشتہ زمانوں میں اپنی ان کتابوں میں بھی کی تھی جنھیں اس نے اپنے انبیائے کرام پر نازل فرمایا تھا اور جنھیں علماء و مشائخ پڑھتے رہتے ہیں: ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ ﴾ ”اسی نے پہلے (پہلی کتابوں میں) بھی تمھارا نام مسلمان رکھا تھا۔“ یعنی قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں میں۔ ﴿ وَ فِيْ هٰذَا ﴾ ”اور اس (کتاب) میں بھی۔“ یعنی قرآن مجید میں بھی وہی نام رکھا۔

امام نسائی نے اس آیت کی تفسیر میں حارث اشعری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ، قَالَ رَجُلٌ: يَّا رَسُولَ اللّٰهِ! وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى؟ قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى، فَادْعُوا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّتِي سَمَّاكُمُ اللّٰهُ بِهَا الْمُسْلِمِينَ، الْمُؤْمِنِينَ، عِبَادَاللّٰهِ] ”جس نے جاہلیت کی دعوت دی وہ جہنم میں گھٹنوں کے بل گرنے والوں میں ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کی: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی اس دعوت کے ساتھ دعوت دو جس میں اس نے تمھیں مسلمان، مومن اور عباد اللہ کے نام سے پکارا ہے۔“[1]

امت محمدیہ پہلی امتوں کی گواہی دے گی: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ ﴾ ”تاکہ پیغمبر تمھارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے بارے میں شاہد ہو۔“ یعنی ہم نے تمھیں اسی طرح معتدل، عادل، پسندیدہ اور ایک ایسی امت بنایا ہے کہ تمام امتوں کے بارے میں تم سے گواہی لی جائے گی تاکہ قیامت کے دن تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد بن جاؤ، اس لیے کہ قیامت کے دن تمام امتیں امت محمدیہ کی سیادت اور فضیلت کا اعتراف کریں گی، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن اس امت کی یہ شہادت تسلیم کی جائے گی کہ تمام انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے بارے میں شاہد ہوں گے کہ انھوں نے بھی اس امت تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیا تھا۔

اور فرمایا: ﴿ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ ”لہٰذا تم نماز پڑھو اور زکاۃ دو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں عظیم الشان نعمت سے نوازا ہے تو اس کا شکر ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرو اور وہ اس طرح کہ اس نے تم پر جو فرض قرار دیا ہے اسے ادا کرو جسے واجب ٹھہرایا ہے اس کی اطاعت بجا لاؤ جسے حرام قرار دیا ہے اسے ترک کر دو اور ان امور میں سب سے اہم نماز پڑھنا اور زکاۃ دینا ہے۔ زکاۃ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاحب ثروت لوگوں پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ

---

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ ...... ﴾: 412/6، حديث: 11349 و مسند أحمد: 202/4 و صحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر تشبيه المصطفىٰ ﷺ عيسى ابن مريم......: 126/14، حديث: 6233.

اپنے مال میں سے بہت تھوڑا سا حصہ سال میں ایک بار ضعیفوں اور محتاجوں کو دیں جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اس کا بیان سورۂ توبہ کی آیت زکاۃ میں گزر چکا ہے۔[1] ﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور اللہ (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرو، اسی کی ذات پاک پر توکل اور اسی سے تائید و حمایت حاصل کرو۔ ﴿ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ ﴾ ''وہی تمھارا کارساز ہے۔'' وہی حافظ و ناصر اور دشمنوں کے مقابلے میں تمھیں کامیابی عطا فرمانے والا ہے۔ ﴿ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿78﴾ ﴾ ''اور وہ بہترین کارساز اور خوب مددگار ہے۔'' یعنی وہ بہترین دوست ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرمانے والا بہترین مددگار ہے۔

سورۂ حج کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ، وَشَرُفَ وَ كَرُمَ وَرَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ.

---

[1] دیکھیے التوبة، آیت: 60 کے ذیل میں۔

تفسیر سورۂ مومنون

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿1﴾ الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴿2﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ

مومن یقیناً فلاح پا گئے ﴿1﴾ وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں ﴿2﴾ اور وہ جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں ﴿3﴾ اور

مُعۡرِضُوۡنَ ﴿3﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ﴿4﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿5﴾ اِلَّا عَلٰۤی

وہ جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں ﴿4﴾ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿5﴾ سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں)

اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴿6﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

کے جن کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں ﴿6﴾ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ)

هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿7﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿8﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِهِمۡ

تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں ﴿7﴾ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿8﴾ اور

یُحَافِظُوۡنَ ﴿9﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿10﴾ الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ط هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿11﴾ وقف لازم

وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿9﴾ یہی لوگ وارث ہیں ﴿10﴾ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿11﴾

تفسیر آیات:1-11

مومنوں کی صفات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿1﴾﴾ ”بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے۔“ یعنی کامیاب و کامران ہو گئے اور انھوں نے سعادت و فلاح کو حاصل کر لیا اور مومن وہ ہیں جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہیں:

عجز و نیاز کے پیکر: ﴿الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴿2﴾﴾ ”جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرنے والے ہیں۔“ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿خٰشِعُوۡنَ ﴿2﴾﴾ کے معنی ہیں ڈرنے والے اور سکون اختیار کرنے والے۔[1] مجاہد، حسن، قتادہ اور زہری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خشوع دل

① تفسیر الطبری: 6/18. ② تفسیر الطبری: 18/4-6.

کے عجز وانکسار کا نام ہے۔[1] ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔[2] حسن بصری فرماتے ہیں کہ خشوع ان کے دلوں میں تھا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور پہلوؤں کو جھکا لیا۔[3] نماز میں خشوع اسے حاصل ہو سکتا ہے جس کا دل نماز کے لیے فارغ ہو چکا ہو، ماسوا سے منقطع ہو کر نماز ہی میں مشغول ہو گیا ہو اور نماز کو دوسرے کاموں پر ترجیح دیتا ہو تو اسی صورت میں نماز اس کے لیے راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ثابت ہوتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے جسے امام احمد اور نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [حُبِّبَ إِلَيَّ النِّسَاءُ، وَالطِّيبُ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ] ”مجھے خوشبو اور عورتوں سے محبت ہے اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے۔“[4]

لغویات سے پرہیز: اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۞﴾ ”اور وہ جو بے ہودہ باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔“ یعنی باطل سے اور یہ لفظ شرک، گناہوں اور ایسے تمام اقوال وافعال پر مشتمل ہے جو بے فائدہ ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۞﴾ (الفرقان 72:25) ”اور جب ان کا بے ہودہ چیزوں سے گزر ہو تو وہ عزت ووقار سے گزرتے ہیں۔“ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آیا ہے، اس لیے اس نے انھیں لغو اور باطل امور سے بچالیا ہے۔[5]

مال وجان کا تزکیہ کرنے والے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۞﴾ ”اور جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں۔“ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ زکاۃ سے یہاں مالوں کی زکاۃ مراد ہے، حالانکہ یہ آیت مکی ہے جبکہ زکاۃ 2 ھ میں مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں زکاۃ مخصوص نصاب کے ساتھ فرض ہوئی تھی ورنہ اصل میں زکاۃ مکہ مکرمہ میں بھی واجب تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں فرمایا جو کہ مکی سورت ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الأنعام 141:6) ”اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔“ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ زکاۃ سے یہاں نفس کو شرک کے میل کچیل سے پاک کرنا مراد ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۞ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۞﴾ (الشمس 10,9:91) ”جس نے (اپنے) نفس (روح) کو پاک رکھا، یقیناً وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا، بلاشبہ وہ خسارے میں رہا۔“ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں دونوں باتیں مراد ہوں، نفوس کا تزکیہ بھی اور مالوں کی زکاۃ بھی کیونکہ اموال کی زکاۃ بھی نفوس کی زکاۃ میں شامل ہے اور مومن کامل وہ ہے جو ان میں سے ہر قسم کی زکاۃ ادا کرتا ہو۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

فحاشی کے منکر: اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۞ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۞ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۞﴾ ”اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا جن (لونڈیوں) کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ تو بلاشبہ (ان کی بابت) انھیں کوئی ملامت نہیں، پھر جو ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔“ یعنی مومن وہ ہیں جو

---

① تفسير الطبري:5/18. ② تفسير الطبري:5/18. ③ تفسير الطبري:5/18. ④ مسند أحمد:128/3 وسنن النسائي، عشرة النساء، باب حب النساء، حديث:3392 واللفظ له، حدیث حسن ہے۔ ⑤ تفسير الطبري:111/20.

حرام کاموں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زنا اور لواطت کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے وہ ان کا ارتکاب نہیں کرتے اور سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال قرار دیا ہے تو اس پر کوئی ملامت نہیں اور حلال سے استفادے میں کوئی حرج نہیں، اسی لیے فرمایا: انھیں ملامت نہیں۔ اور جو بیویوں اور کنیزوں کے سوا اوروں کے طالب ہوں۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾ ''تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔''

وعدوں کے پاس دار اور امین لوگ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ جو اپنی امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھنے والے ہیں۔'' یعنی جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت نہیں کرتے بلکہ اسے اس کے مالک کو ادا کر دیتے ہیں اور جب وہ کوئی عہد و پیمان کریں تو اسے پورا کرتے ہیں، ان کی صفات منافقوں کی صفات کے برعکس ہیں کیونکہ منافقوں کے بارے میں تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (2) اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے (3) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''[1]

بندگی کے محافظ: اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی انھیں ان کے اوقات مقررہ میں ادا کرتے ہیں جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا] ''نماز وقت پر ادا کرنا۔'' میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: [ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ] ''پھر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا'' پھر کون سا؟ فرمایا: [اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''اللہ کے رستے میں جہاد کرنا۔''[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز کے اوقات کی بہت حفاظت کرتے ہیں اور نماز میں رکوع و سجود کا بھی پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔[3]

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر مومنوں کی ان صفات حمیدہ کا آغاز بھی نماز سے کیا اور اس کا اختتام بھی نماز پر کیا، یہ نماز کی افضلیت کی دلیل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ، وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ] ''سیدھے رستے پر رہو، تم ہرگز طاقت نہیں رکھ سکو گے اور خوب جان لو کہ تمھارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے۔''[4]

فردوس بریں کے وارث: اللہ تعالیٰ نے جب مومنوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ ان صفات حمیدہ سے اتصاف پذیر ہیں

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 59 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، حديث: 5970 وصحيح مسلم، الإيمان بالله......، حديث: 85. [3] زاد المسير لابن الجوزي: 21/1 والدر المنثور: 9/5. [4] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب المحافظة على الوضوء، حديث: 277 ومسند أحمد: 282/5 عن ثوبان رضي الله عنه.

اوران نیک افعال کو بجالاتے ہیں تو فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ ”یہی لوگ وارث ہیں (یعنی) جو فردوس کے وارث ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ (فَاسْئَلُوهُ) الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَ مِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ] ”جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے اور اسی کے اوپر رحمان کا عرش ہے، اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔“[1]

ابن ابو حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا لَهُ مَنْزِلَانِ: مَنْزِلٌ فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْزِلٌ فِي النَّارِ، فَإِذَامَاتَ، فَدَخَلَ النَّارَ، وَرِثَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنْزِلَهُ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ ﴾] ”تم میں سے ہر شخص کے لیے دو مقام ہیں: ایک مقام جنت میں اور دوسرا جہنم میں اگر وہ مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہوگا تو اس کے جنت والے مقام کے اہل جنت وارث ہوں گے۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ ﴾ ”یہی لوگ وارث ہوں گے۔“[2]

﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ ﴾ ”یہی لوگ وارث ہیں۔“ ابن جریج نے لیث سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مومن کافروں کے گھروں کے وارث بن جائیں گے کیونکہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جب مومنوں نے فریضۂ عبادت ادا کیا اور کافروں نے اپنے فرض کو ترک کر دیا تو مومنوں نے کافروں کے جنت میں اس حصے کو بھی حاصل کر لیا جو اطاعت بجالانے کی صورت میں کافروں کو ملنا تھا۔[3] بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ بات ہے جو صحیح مسلم میں ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے اور ان کی اپنے والد سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاسٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ بِذُنُوبٍ أَمْثَالِ الْجِبَالِ، فَيَغْفِرُهَا اللّٰهُ لَهُمْ، وَيَضَعُهَا عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى] ”قیامت کے دن کچھ مسلمان پہاڑوں جیسے گناہ لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے ان گناہوں کو معاف فرما دے گا اور انھیں یہود و نصاریٰ پر رکھ دے گا۔“[4] ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، دَفَعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ يَّهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا، فَيَقُولُ: هٰذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ] ”جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے سپرد ایک یہودی یا عیسائی کر دے گا اور فرمائے گا کہ یہ ہے جہنم سے تیری رہائی (کا بدلہ۔)“[5] حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابو بردہ سے تین بار قسم لی کہ اس اللہ کی قسم کھاؤ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تمھارے باپ نے تمھیں اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا تھا۔ ابو بردہ نے قسم کھائی۔[6] یہ آیت اس طرح ہے جیسے درج ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿ تِلْكَ

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (هود 7:11)......، حدیث:7423 اور قوسین والا لفظ بخاری ہی کی حدیث:2790 عن أبي هريرة رضي الله عنه میں ہے۔ [2] سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة، حديث:4341. [3] تفسير الطبري:10/18. [4] صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة......، حديث:(51)-2767. [5] صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة......، حديث:2767 عن أبي موسٰى رضي الله عنه. [6] صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة......، حديث:(50)-2767.

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ⑫ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے ⑫ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ قرار گاہ (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا ⑬ پھر ہم نے نطفے کو خون

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا

کی پھٹکی بنایا، پھر ہم نے پھٹکی کو لوتھڑے میں ڈھالا، پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے

الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ⑭ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ

اسے ایک اور ہی صورت میں بنادیا، چنانچہ بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے عمدہ بنانے والا ہے ⑭ پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے

ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ⑮ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ⑯

ہو⑮ پھر یقیناً تم یوم قیامت (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے ⑯

الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ○ ﴾ (مریم 63:19) ''یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو مالک بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔'' اور اس قول کی طرح: ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف 72:43) ''اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنادیے گئے ہو ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے رہے۔''

تفسیر آیات:12-16

انسان کی تخلیق کے تدریجی مراحل: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی کے خلاصے سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو بدبودار سیاہ کیچڑ تھی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آدم کو طین کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے، اس لیے کہ وہ مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا گیا تھا۔[2] اور یہ بات معنی کے اعتبار سے نمایاں اور سیاق کلام سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ آدم علیہ السلام کو چپکتے گارے سے پیدا کیا گیا تھا جسے قرآن مجید میں کہیں ﴿ طِيْنٍ لَّازِبٍ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 11:37) ''لیس دار (چپکتی) مٹی۔'' اور کہیں ﴿ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ ﴾ (الحجر 26:15) ''کھنکھناتی مٹی (سے اور) سڑے ہوئے گارے میں سے ہے۔'' اور وہ مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ○ ﴾ (الروم 20:30) ''اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اچانک تم انسان ہو جو جابجا پھیل رہے ہو۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْأَرْضِ، جَاءَ مِنْهُمُ الْأَبْيَضُ، وَالْأَحْمَرُ، وَالْأَسْوَدُ، وَ بَيْنَ ذٰلِكَ، وَالْخَبِيثُ، وَالطَّيِّبُ، وَالسَّهْلُ، وَالْحَزْنُ، وَبَيْنَ ذٰلِكَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو (مٹی کی) ایک مٹھی سے پیدا فرمایا جسے اس نے ساری زمین سے اکٹھا کیا تھا تو اسی زمین کے مطابق بنو آدم پیدا ہوئے کہ ان میں سے کچھ کا رنگ سرخ ہے کچھ کا سفید، کچھ کا سیاہ اور کچھ کا بین بین، ان میں سے کچھ برے، کچھ اچھے، کچھ نرم اور کچھ سخت جبکہ کچھ درمیانے

① تفسیر الطبری: 12/18. ② تفسیر الطبری: 11/18.

ہیں۔‘‘[1] اس حدیث کو امام ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

انسان کی تخلیق کے مراحل: ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً ﴾ ’’پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا دیا۔‘‘ ﴿ جَعَلْنٰهُ ﴾ میں ضمیر جنس انسان کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ﴾ (السجدة 32:7,8) ’’اور اس نے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا، پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے جوہر سے چلائی۔‘‘ یعنی کمزور (پانی) سے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ﴾ (المرسلت 77:20,21) ’’کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔‘‘ یعنی اس کے لیے رحم کو تیار کیا اور بنایا گیا۔ ﴿ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ ﴾ (المرسلت 77:22,23) ’’ایک وقت معین تک، پھر ہم نے اندازہ لگایا بعد ازاں کیا ہی خوب اندازہ لگانے والے ہیں۔‘‘ یعنی ہم نے اسے ایک معلوم مدت اور معین وقت تک رحم میں رکھا حتی کہ یہ مستحکم ہو گیا اور ایک حال سے دوسرے حال اور ایک صفت سے دوسری صفت میں بدلتا رہا، اس لیے یہاں فرمایا: ﴿ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ﴾ ’’پھر ہم نے نطفے کو جما ہوا خون بنایا۔‘‘ پھر نطفے، یعنی اس اچھلنے والے پانی کو جو مرد کی پشت اور عورت کی سینے کی ہڈیوں میں سے نکلتا ہے اسے سرخ رنگ کی مستطیل شکل کا لوتھڑا بنا دیا۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ خون ہوتا ہے۔ ﴿ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ﴾ ’’پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو لوتھڑے میں ڈھالا۔‘‘ یہ گوشت کی بوٹی جیسا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس کی نہ کوئی شکل ہوتی ہے اور نہ کوئی صورت۔ ﴿ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا ﴾ ’’پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں۔‘‘ اور اسے شکل وصورت دے کر اس میں ایک سر، دو ہاتھ، دو پاؤں اور ان کی ہڈیاں، اعصاب اور رگیں پیدا فرما دیں۔

﴿ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ﴾ ’’پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔‘‘ جو ہڈیوں کو چھپا دیتا اور انھیں مضبوط وطاقت ور بنا دیتا ہے۔ ﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ ﴾ ’’پھر ہم نے اس کو ایک اور ہی صورت میں بنا دیا۔‘‘ پھر اس میں ہم نے روح کو پھونکا جس سے وہ حرکت کرنے لگا اور ایک نئی صورت بن گیا جو سننے والا اور دیکھنے والا تھا جس میں ادراک، حرکت اور اضطراب تھا۔

﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ﴾ ’’چنانچہ اللہ جو سب سے عمدہ بنانے والا ہے بڑا ہی بابرکت ہے۔‘‘

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ہم اسے ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل کرتے رہتے ہیں حتی کہ وہ بچہ بن کر نکل آتا ہے، پھر وہ بچے کی حیثیت سے پروان چڑھتا ہے حتی کہ بالغ ہو جاتا ہے، پھر جوان ہو جاتا ہے، ادھیڑ عمر کو پہنچ جاتا ہے اور پھر بوڑھا اور بہت بوڑھا ہو جاتا ہے۔[3] امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا اور آپ صادق ومصدوق ہیں:

---

[1] مسند أحمد: 400/4. [2] سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث:4693 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2955. [3] تفسير القرطبي: 202/2 وتفسير الطبري: 15/18 والدار المنثور: 12/5.

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ⑰

اور بلاشبہ ہم نے تمھارے اوپر سات تہ بہ تہ آسمان پیدا کیے، اور ہم (اپنی) مخلوق سے غافل نہیں ہیں ⑰

[إِنَّ أَحَدَكُم يُجمَعُ خَلقُهُ فِي بَطنِ أُمِّهِ، فِي أَربَعِينَ يَومًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضغَةً مِّثلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرسَلُ إِلَيهِ المَلَكُ فَيَنفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤمَرُ بِأَربَعِ كَلِمَاتٍ: رِّزقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَم سَعِيدٌ، فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُم لَيَعمَلُ بِعَمَلِ أَهلِ الجَنَّةِ، حَتّٰى مَا يَكُونُ بَينَهُ وَبَينَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسبِقُ عَلَيهِ الكِتَابُ، فَيُختَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهلِ النَّارِ، فَيَدخُلُهَا، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعمَلُ بِعَمَلِ أَهلِ النَّارِ،حَتّٰى مَا يَكُونُ بَينَهُ وَبَينَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسبِقُ عَلَيهِ الكِتَابُ، فَيُختَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهلِ الجَنَّةِ فَيَدخُلُهَا]

''بے شک تم میں سے ایک کی پیدائش کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفے کے طور پر جمع رکھا جاتا ہے، پھر اسی طرح اسے لوتھڑا رکھا جاتا ہے، پھر اسی طرح اسے بوٹی رکھا جاتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور فرشتے کو چار باتوں (کے لکھنے) کا حکم دیا جاتا ہے: اس کے رزق، اس کی موت، اس کے عمل اور اس بات کا کہ وہ بدبخت ہے یا سعادت مند۔ پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر کتاب سبقت لے جاتی ہے اور اس کا خاتمہ جہنمیوں کے کسی عمل پر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر کتاب اس سے سبقت لے جاتی ہے اور اس کا خاتمہ جنتیوں کے کسی عمل پر ہو جاتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''[1] اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور فرمایا: ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ⑭ ﴾ ''چنانچہ اللہ جو سب سے عمدہ بنانے والا ہے بڑا بابرکت ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جب اپنی اس قدرت کاملہ اور اپنے اس لطف و کرم کا ذکر فرمایا کہ وہ اس نطفے کو ایک حال سے دوسرے حال اور ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل کرتا رہتا ہے حتی کہ یہ اس کی قدرت کا شاہکار بن کر جیتے جاگتے انسان کے روپ میں دنیا میں آ جاتا ہے تو اس کے بعد فرمایا: ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ⑭ ﴾ ''چنانچہ اللہ جو سب سے عمدہ بنانے والا ہے بڑا بابرکت ہے۔''

اور پھر فرمایا: ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ⑮ ﴾ ''پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو۔'' یعنی عدم سے وجود میں آنے کے بعد، پھر تم موت کا شکار ہو جاتے ہو۔ ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ⑯ ﴾ ''پھر یقیناً تم یوم قیامت (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے۔'' یعنی یہ تمھاری دوسری نشأت ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ﴾ (العنکبوت 20:29) ''پھر اللہ ہی اسے دوسری بار پیدا کرے گا۔'' یعنی آخرت کے دن اور روحوں کے جسموں کی طرف لوٹ آنے کے

① مسند أحمد: 382/1. ② صحيح البخاري، القدر، باب:1، حديث:6594 و صحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي، في بطن أمه......، حديث:2643.

دن، پھر اس دن ساری مخلوقات کا حساب لیا جائے گا اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، اچھے عمل کا اچھا بدلہ اور برے عمل کا برا بدلہ۔

تفسیر آیت :17

آسمانوں کی پیدائش بھی نشانی ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا ذکر فرمانے کے بعد ساتوں آسمانوں کی پیدائش کا ذکر شروع فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور بھی بہت سے مقامات پر آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا تخلیقِ انسان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 57:40) ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑا (کام) ہے۔'' اسی طرح سورۂ سجدہ کے آغاز میں بھی جسے رسول اللہ ﷺ جمعے کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تھے، آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر فرمایا، پھر اس بات کا کہ اس نے انسان کو حقیر پانی کے جوہر سے پیدا فرمایا ہے، اس سورۂ مبارکہ میں آخرت اور جزا وسزا کا بھی بیان ہے۔[1] اور ان تمام امور کا تعلق مقاصد سے ہے۔

﴿ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ﴾ ''سات آسمان تہ در تہ۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ سبع طرائق سے مراد سات آسمان ہیں۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 44:17) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہیں، سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ ﴾ (نوح 15:71) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان اوپر کیسے بنائے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَيۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ۝ ﴾ (الطلاق 12:65) ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اتنی ہی زمینیں بھی، ان کے درمیان (اللہ کا) حکم اترتا رہتا ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بلاشبہ اللہ (اپنے) علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کیے اور ہم (اپنی) خلقت سے غافل نہیں ہیں۔'' یعنی وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل یا اس سے خارج ہوتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا یا اس پر چڑھتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے، خواہ تم کہیں بھی ہو اور وہ تمھارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے نہ کوئی آسمان کسی دوسرے آسمان کو اور نہ کوئی زمین کسی دوسری زمین کو چھپا سکتی ہے، وہ ہر پہاڑ کے بارے میں جانتا ہے کہ اس کی تہ میں کیا چھپا ہوا ہے، وہ ہر دریا اور سمندر کے بارے میں جانتا ہے کہ اس کے پیندے میں کیا ہے، وہ تمام پہاڑوں، ٹیلوں، ریت کے ذروں، دریاؤں اور سمندروں، جنگلوں اور درختوں کی تعداد کو جانتا ہے، ﴿ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا

① دیکھیے السجدۃ، آیات: 4-9 کے تحت۔ ② الدر المنثور: 13/5 و تفسیر الطبری: 17/18 عن ابن زید و تفسیر القرطبی: 111/12 عن أبی عبیدۃ.

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿18﴾

اور ہم نے آسمان سے ایک (خاص) اندازے سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا، اور بلاشبہ ہم اسے لے جانے پر بھی یقیناً قادر ہیں ﴿18﴾

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا

پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے سے تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات اُگائے، ان میں تمھارے لیے بہت سے (لذیذ) پھل ہیں اور ان

تَاْكُلُوْنَ ﴿19﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿20﴾

میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ﴿19﴾ اور وہ درخت (زیتون) جو طور سیناء میں پیدا ہوتا ہے، وہ کھانے والوں کے لیے تیل اور سالن لیے اگتا ہے ﴿20﴾ اور بلاشبہ

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

تمھارے لیے چوپایوں میں ضرور (سامان) عبرت ہے، ہم تمھیں اس میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں (دودھ) ہے، اور تمھارے لیے ان میں

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿21﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿22﴾

کثیر منافع ہیں، اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ﴿21﴾ اور ان (چوپایوں) پر اور کشتیوں پر تم سوار بھی کیے جاتے ہو ﴿22﴾

يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (الأنعام 6:59) ”اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جسے وہ جانتا نہ ہو اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔“

تفسیر آیات: 18-22

بارش، نباتات، درخت اور چوپائے اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی ان گنت اور بے شمار نعمتوں کے ضمن میں فرما رہا ہے کہ اس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے بارش کا پانی نازل فرمایا، یعنی بقدر ضرورت، نہ اس قدر زیادہ کہ اس سے زمین اور آبادیاں تباہ ہو جائیں اور نہ اس قدر کم کہ اس سے فصلوں اور پھلوں کی ضرورت ہی پوری نہ ہو بلکہ اس نے اس قدر نازل فرمایا کہ اس سے فصلوں کو سیراب کرنے، خود پینے اور جانوروں کو پلانے کے علاوہ دیگر مقاصد پورے ہو سکیں حتی کہ وہ زمینیں جن میں زراعت کے لیے زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے مگر وہ موسلا دھار بارش کو برداشت نہیں کر سکتیں، ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ دوسرے علاقوں سے پانی بہا کر لے آتا ہے جیسا کہ مصر کی زمین ہے، اسے بنجر زمین کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیل کے پانی کو لے آتا ہے جو اپنے ساتھ سرخ مٹی لے کر آتا ہے، اس مٹی کو بارش کے زمانے میں وہ حبشہ کی زمین سے بہا کر لے آتا ہے اور نیل کا پانی جب مصر میں پہنچتا ہے تو وہ یہاں سرخ مٹی کی تہ بھی بچھا دیتا ہے اور مصر کی زمین کو سیراب بھی کر دیتا ہے تاکہ یہاں کے لوگ اپنی زمینوں کو کاشت کر سکیں ورنہ یہاں کی زمین بنجر اور اس میں ریت کا عنصر غالب تھا، پاک ہے وہ ذات جو لطیف و خبیر اور رحیم و غفور ہے۔

پانی کو قابل استعمال بنانا: اور فرمایا: ﴿ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ﴾ ”پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرا دیا۔“ یعنی آسمان سے جب پانی برستا ہے تو زمین میں جمع ہو جاتا ہے اور زمین میں ہم نے یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ دانے اور کھجور کی گٹھلیاں اس سے پانی پی سکیں اور اپنی غذا حاصل کر سکیں۔ ﴿ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿18﴾ ﴾ ”اور بلاشبہ ہم اسے نابود کر دینے پر بھی قادر

ہیں۔‘‘یعنی اگر ہم چاہیں کہ بارش نہ برسے تو ہم ایسا کر سکتے ہیں اور اگر ہم چاہیں کہ بارش تمھارے بجائے پہاڑوں، جنگلوں اور صحراؤں میں برسے تو ہم ایسا کر سکتے ہیں اور اگر ہم چاہیں کہ پانی اس قدر کڑوا ہو جائے کہ وہ پینے اور آب پاشی کے قابل نہ رہے تو ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ پانی زمین کے اندر داخل نہ ہو بلکہ اس کی سطح ہی پر بہتا رہے تو ہم ایسا کر سکتے ہیں اور اگر ہم چاہیں کہ زمین میں داخل ہونے والا پانی اس قدر گہرائی میں چلا جائے کہ تمھاری وہاں تک دسترس نہ ہو اور تم اس پانی سے فائدہ نہ اٹھا سکو تو ہم ایسا کر سکتے ہیں مگر یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اس کی رحمت ہے کہ وہ بادلوں سے شیریں و فرحت بخش اور ٹھنڈا اور صاف شفاف پانی نازل فرماتا ہے، پھر اسے زمین میں ٹھہراتا اور چشمے بنا کر چلا دیتا ہے، پھر وہ چشموں اور نہروں کو رواں دواں کر دیتا ہے اور ان سے فصلوں اور پھل دار درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور تم اس پانی کو پیتے ہو، اپنے جانوروں اور مویشیوں کو پلاتے ہو اور اس سے غسل کر کے نظافت اور طہارت حاصل کرتے ہو۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ ’’پھر ہم نے اس کے ذریعے سے تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات اگائے۔‘‘ یعنی آسمان سے نازل کیے جانے والے باران رحمت کے ساتھ ہم نے تمھارے لیے حسین و جمیل اور سرسبز و شاداب باغات پیدا کر دیے۔ اور فرمایا: ﴿مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ ’’کھجوروں اور انگوروں کے۔‘‘ کھجوروں اور انگوروں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ اہل حجاز ان کو بہت پسند کرتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر علاقوں کے لوگوں کے لیے بھی ان کی پسند کے بہت سے پھل پیدا فرمائے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم الشان نعمتیں ہیں کہ لوگ ان کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتے۔ اور فرمایا: ﴿لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ﴾ ’’ان میں تمھارے لیے بہت سے (لذیذ) پھل ہیں۔‘‘ یعنی تمام انواع و اقسام کے پھل جیسا کہ فرمایا: ﴿يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ (النحل 11:16) ’’وہ اسی (پانی) سے تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے۔)‘‘ اور فرمایا: ﴿وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ ’’اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔‘‘ گویا اس کا ایک مقدر عبارت پر عطف ہے اور وہ یہ کہ تم ان پھلوں کے حسن و جمال کی طرف اور ان کے پکنے کی طرف دیکھتے ہو اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔‘‘

﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ﴾ ’’اور وہ درخت (زیتون) جو طور سیناء میں پیدا ہوتا ہے۔‘‘ یعنی زیتون کا درخت اور طور کے معنی پہاڑ کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت ہوں اور اگر درخت نہ ہوں تو پھر اسے طور نہیں بلکہ جبل کہا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ اور طور سیناء سے مراد طور سینین ہے اور یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا تھا اور اس پہاڑ اور اس کے گرد و نواح کے پہاڑوں پر زیتون کے درخت اگتے ہیں۔ اور فرمایا: ﴿تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾ ’’وہ کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن لیے اگتا ہے۔‘‘ بعض نے کہا ہے کہ حرف ’’با‘‘ زائد ہے اور اصل میں تَنْبُتُ الدُّهْنَ تھا جیسا کہ عرب کہتے ہیں: أَلْقَى فُلَانٌ بِيَدِهِ، یعنی يَدَهُ اور جنھوں نے حرف

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿23﴾

اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، تو کیا

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ

تم ڈرتے نہیں؟﴿23﴾ چنانچہ اس کی قوم کے سردار، جنھوں نے کفر کیا، کہنے لگے: یہ تو تم جیسا ہی بشر ہے، وہ چاہتا ہے کہ تم پر فضیلت پائے اور اگر اللہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ

چاہتا تو (آسمان سے) فرشتے ضرور نازل کرتا، ہم نے اپنے پہلے باپ دادا میں یہ (توحید) نہیں سنی﴿24﴾ یہ ایک آدمی ہی تو ہے جسے جنون لاحق ہے، لہٰذا

جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿25﴾

تم ایک وقت تک اس کی بابت انتظار کرو﴿25﴾

''با'' کو زائد قرار نہیں دیا ان کے قول کے مطابق اس کے معنی تَخْرُجُ بِالدُّهْنِ یا تَأْتِي بِالدُّهْنِ ہیں، یعنی ان سے تیل نکلتا ہے۔[1] اور ﴿ وَصِبْغٍ ﴾ کے معنی سالن کے ہیں، یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[2] ﴿ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿20﴾ ﴾ ''کھانے والوں کے لیے'' یعنی اس میں روغن اور رنگ ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

عبد بن حمید نے اپنی مسند اور تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِئْتَدِمُوا بِالزَّيْتِ وَادَّهِنُوا بِهِ، فَإِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ] ''زیتون کو سالن بناؤ اور بطور تیل استعمال کرو کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔''[3] اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

چوپائے قدرت کی نشانی ہیں: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿21﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''اور بلاشبہ تمھارے لیے چوپایوں میں ضرور عبرت ہے کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اس سے ہم تمھیں (دودھ) پلاتے ہیں اور تمھارے لیے ان میں (اور بھی) بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار بھی کیے جاتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے ان فوائد کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے چوپایوں میں رکھے ہیں اور وہ یہ کہ گوبر اور خون کے درمیان سے کشید ہو کر نکلنے والے دودھ کو لوگ پیتے ہیں، ان کے گوشت کھاتے ہیں، ان کی اونوں اور بالوں سے لباس تیار کرتے ہیں، ان کی پشتوں پر سوار ہوتے ہیں اور ان پر ساز و سامان لاد کر دور دراز علاقوں میں لے جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (النحل 7:16) ''اور وہ تمھارے بوجھ اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم زحمت شاقہ کے بغیر پہنچ نہیں سکتے، کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار نہایت شفقت والا، بڑا مہربان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ

---

[1] تفسير الطبري : 20/18 وتفسير القرطبي: 116,115/12. [2] الدر المنثور : 14/5. [3] مسند عبد بن حميد: 16/1، حديث: 13. [4] جامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في أكل الزيت، حديث: 1851 وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الزيت، حديث: 3319.

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿26﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا

نوح نے کہا: اے میرے رب! میری مدد کر کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا﴿26﴾ چنانچہ ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ

کے مطابق کشتی بنا، پھر جب ہمارا حکم آجائے اور تنور ابل پڑے تو اس میں ہر قسم کے جوڑے سے دو (نر اور مادہ) اور اپنے اہل وعیال داخل (سوار) کر لے،

عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿27﴾ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ

سوائے اس کے جس کے متعلق ان میں سے (ہمارا) قول پہلے ہی آچکا، اور تو مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا، بلاشبہ وہ غرق کردیے جائیں

اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَی الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿28﴾

گے﴿27﴾ پھر جب تو اور تیرے ساتھی اطمینان سے کشتی پر سوار ہو چکیں تو کہہ: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی﴿28﴾ اور

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿29﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ

کہہ: اے میرے رب! تو مجھے بابرکت اتارنا، اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے﴿29﴾ بے شک اس (واقعے) میں بھی نشانیاں ہیں، اور بلاشبہ ہم ہی

كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿30﴾

آزمانے والے ہیں﴿30﴾

یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ○ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ○﴾ (یٰسٓ 36:71-73) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں ان میں ہم نے ان کے لیے چوپائے بھی پیدا کردیے، پھر وہ ان کے مالک (بن گئے) ہیں؟ اور ہم نے انھیں ان کے تابع کردیا، چنانچہ کوئی ان میں سے ان کی سواریاں ہیں اور ان میں سے کچھ کو وہ کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان میں (طرح طرح کے) فوائد اور مشروبات ہیں، کیا پھر وہ شکر نہیں کرتے؟''

تفسیر آیات: 23-25

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے جب نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں، اس کے حکم کی مخالفت کرنے والوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے انتقام، اس کی سخت گرفت اور اس کے شدید عذاب سے ڈرائیں۔ ﴿فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿23﴾﴾ ''تو اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم ڈرتے نہیں؟'' کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے ڈرتے نہیں ہو؟ قوم کے اکابر اور سرداروں نے جواب دیا: ﴿مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ﴾ ''یہ تو تم جیسا ہی آدمی ہے، وہ چاہتا ہے کہ تم پر فضیلت پائے۔'' چاہتا ہے کہ اسے تم پر فوقیت حاصل ہو اور اپنے آپ کو تم سے بڑا ثابت کرنے کے لیے اس نے نبوت کا دعویٰ کردیا ہے، حالانکہ یہ تم جیسا آدمی ہی ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں چھوڑ کر اسے نبی بنادیا؟ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً ۚۖ﴾ ''اور

اگر اللہ چاہتا تو (آسمان سے) فرشتے ضرور اتار دیتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اگر کسی کو نبی بنا کر بھیجنا چاہتا تو وہ کسی فرشتے کو یہ کام سپرد کر دیتا۔ انسان کو اس نے نبی بنایا ہو، یہ ہم نے آج تک نہیں سنا، یعنی ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ گزشتہ زمانوں میں ہمارے آباء و اجداد کے دور میں بھی ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو نبی بنا کر بھیجا ہو۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ ﴾ ''یہ ایک آدمی ہی تو ہے جسے دیوانگی کا عارضہ ہے۔'' یعنی یہ جنون ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لیے اسے منتخب کیا اور تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿25﴾ ﴾ ''لہٰذا تم ایک وقت تک اس کی بابت انتظار کرو۔'' اس کے بارے میں حوادث زمانہ کا انتظار کرو اور کچھ مدت تک صبر کرلو حتی کہ اس سے آرام پا جاؤ۔

تفسیر آیات: 26-30

نزولِ عذاب اور مومنوں کے لیے نجات: اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس کی قوم کے خلاف اس کی مدد فرمائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (القمر 54:10) ''تب اس نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (ان کے مقابلے میں) میں کمزور ہوں تو ان سے بدلہ لے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿26﴾ ﴾ ''میرے پروردگار! انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔'' تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ آپ ایک مضبوط و مستحکم کشتی بنائیں اور اس میں تمام حیوانات، نباتات اور پھلوں وغیرہ میں سے نر اور مادہ کا ایک ایک جوڑا اٹھائیں اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کریں۔ ﴿ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ﴾ ''سوائے ان کے جن کی نسبت ان میں سے ہمارا حکم پہلے ہی آچکا ہے۔'' یعنی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ وہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کے گھر والوں میں سے ایمان نہیں لائے تھے، مثلاً: ان کا بیٹا اور ان کی بیوی۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''اور آپ ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہیں، وہ بلاشبہ ڈبو دیے جائیں گے۔'' یعنی جب زبردست طوفان نازل ہو تو پھر اپنی قوم پر نرمی و شفقت کا مظاہرہ نہ کرنا اور یہ سوال نہ کرنا کہ انھیں مہلت دے دی جائے اور شاید کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ انھیں ان کے کفر و سرکشی کی وجہ سے غرق کر دیا جائے گا۔ باقی قصہ سورۂ ہود میں قبل ازیں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے،[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ اور فرمایا: ﴿ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''پھر جب تو اور تیرے ساتھی (اطمینان سے) کشتی میں بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ (الزخرف 43:12-14) ''اور وہ جس نے تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم

[1] دیکھیے ھود، آیات: 37-49 کے ذیل میں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿31﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

پھر ہم نے ان کے بعد ایک دوسری امت پیدا کی ﴿31﴾ پھر ہم نے ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا

2 ع 10 2 مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿32﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟﴿32﴾ اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا، جنھوں نے کفر کیا اور (ہماری) آخرت کی ملاقات

وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

جھٹلائی، اور ہم نے انھیں دنیاوی زندگی میں خوشحالی دی تھی کہ یہ تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے، وہ اس میں سے کھاتا ہے جس میں سے تم کھاتے ہو،

يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿33﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ

اور وہ اس میں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو﴿33﴾ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم اس وقت خسارہ پانے والے ہوگے﴿34﴾ کیا

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿34﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ

وہ تمھیں وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو بلاشبہ تم (زندہ) نکالے جاؤ گے﴿35﴾ دور ہے، دور ہے وہ جو تم وعدہ

مُّخْرَجُوْنَ ﴿35﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿36﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ

دیے جاتے ہو!﴿36﴾ یہ ہماری دنیاوی زندگی ہی تو (سب کچھ) ہے (جس میں) ہم مرتے اور زندہ رہتے ہیں، اور ہم (دوبارہ) اٹھائے جانے والے

وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿37﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ

نہیں﴿37﴾ وہ ایک شخص ہی تو ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں﴿38﴾ اس (رسول) نے کہا: اے میرے رب!

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿38﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿39﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿40﴾

تو میری مدد فرما اس لیے کہ انھوں نے میری تکذیب کی﴿39﴾ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ تھوڑی مدت میں وہ (اپنے کیے پر) ضرور نادم ہوں گے﴿40﴾ پھر انھیں

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾

واقعی چنگھاڑ نے آ پکڑا، پھر ہم نے انھیں خس و خاشاک کر دیا، چنانچہ دوری ظالم لوگوں کے لیے ہے﴿41﴾

سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو، جب تم اس پر بیٹھ جاؤ، پھر اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور تم کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور یقیناً ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' نوح علیہ السلام نے ارشاد باری تعالیٰ کی پوری پوری تعمیل کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ﴾ (ھود 11:41) ''اور انھوں نے کہا: اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ کہ اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔'' نوح علیہ السلام نے کشتی کے چلنے کی ابتدا اور انتہا کے وقت یاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿29﴾﴾ ''اور کہہ: اے میرے پروردگار! ہم کو مبارک جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ﴾ ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں۔'' اس قصے میں۔ یعنی مومنوں کو نجات دینے اور کافروں کو ہلاک کرنے میں، انبیائے کرام کی صداقت کی نشانیاں اور روشن دلائل ہیں اور اس بات کی بھی دلیل

ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے اور وہ جو چاہے اسے کرنے پر قادر بھی ہے اور وہ ہر چیز کے بارے میں جانتا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ ہم ہی امتحان لینے والے ہیں۔'' یعنی ہم نے تو رسولوں کو بھیج کر اپنے بندوں کی آزمائش کرنی ہی تھی۔

تفسیر آیات: 31-41

عاد یا ثمود کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے قوم نوح کے بعد ایک اور جماعت پیدا فرما دی۔ ایک قول کے مطابق اس جماعت سے مراد قوم عاد ہے کیونکہ قوم نوح کے بعد یہی لوگ تھے اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد قوم ثمود ہے کیونکہ ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ ﴾ ''پھر انھیں حق کے ساتھ چنگھاڑ نے آ پکڑا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انھی میں سے ایک رسول بھیجا جس نے انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی مگر انھوں نے ان کی تکذیب ومخالفت کی اور ان کی اتباع سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ان کی اتباع کیوں کریں، وہ تو ہمارے جیسے بشر ہیں اور اس طرح انھوں نے ایک بشری رسول کی اتباع سے انکار کر دیا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا بھی انکار کر دیا، نیز انھوں نے جسموں کے دوبارہ اٹھائے جانے کا بھی انکار کر دیا اور کہا: ﴿ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا وہ تمھیں وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (زندہ) نکالے جاؤ گے، جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید، بہت بعید ہے۔'' یعنی بہت زیادہ بعید ہے۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ ''وہ ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے۔'' یعنی یہ جو تمھارے پاس پیغام، ڈر اور آخرت کی خبریں لے کر آیا ہے تو ان سب باتوں میں یہ جھوٹا ہے۔ ﴿ وَمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ ﴾ ''اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ اس (پیغمبر) نے کہا کہ اے میرے پروردگار! انھوں نے میری تکذیب کی، اس لیے تو میری مدد کر۔'' یعنی رسول نے اپنی قوم کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا اور ﴿ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ ﴾ ''فرمایا: بلاشبہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ ضرور پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔'' یعنی آپ کی مخالفت اور آپ جو دین لے کر آئے ہیں اس سے دشمنی کرنے کی وجہ سے عنقریب انھیں ندامت وپشیمانی حاصل ہوگی۔

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ ﴾ ''پھر انھیں حق کے ساتھ چنگھاڑ نے آ پکڑا۔'' اور اپنے کفر اور سرکشی کی وجہ سے وہ اسی بات کے مستحق تھے اور ظاہر ہے کہ زور کی آواز کے ساتھ بہت ٹھنڈی، زوردار اور جڑ سے اکھاڑ دینے والی بادصرصر بھی تھی۔ ﴿ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ...... ﴾ الآية (الأحقاف 25:46) ''ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے وہ تباہ کر دے گی، پھر وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا وہاں کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا......'' اور فرمایا: ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ﴾ ''تو ہم نے انھیں کوڑا کر ڈالا۔'' ہم نے انھیں تباہ وبرباد کر کے خس وخاشاک کے سیلاب کی طرح کر دیا

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿42﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿43﴾

پھر ہم نے ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں ﴿42﴾ کوئی بھی امت اپنے مقرر وقت سے آگے نہیں نکل سکتی اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے ﴿43﴾ پھر ہم لگاتار اپنے

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

رسول بھیجتے رہے، جب بھی کسی امت کے پاس ان کا رسول آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی، پھر ہم ایک کے پیچھے دوسری قوم کو (ہلاک) کرتے رہے،

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿44﴾

اور ہم نے انھیں افسانے بنا دیا، چنانچہ ان لوگوں کے لیے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿44﴾

اور وہ بے حد حقیر اور بے وقعت چیز ہوتی ہے کہ کسی کام نہیں آ سکتی۔ ﴿فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾﴾ ''پس ظالموں کے لیے لعنت ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ○﴾ (الزخرف 76:43) ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔'' یعنی اپنے کفر، فساد اور رسول اللہ کی مخالفت کی وجہ سے وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے لیکن سامعین کو اپنے رسول کی تکذیب سے لازماً ڈرنا چاہیے۔

تفسیر آیات:42-44

کچھ امتوں کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿42﴾﴾ یعنی پھر ہم نے ان کے بعد دوسری امتیں اور دوسرے لوگ پیدا کر دیے۔ ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿43﴾﴾ ''کوئی بھی امت اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے جا سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔'' بلکہ ان کا مؤاخذہ اسی وقت کے حساب سے ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی کتاب محفوظ میں مقدر فرما دیا ہے اور جسے وہ ان کے امت کے بعد امت، قرن کے بعد قرن، نسل کے بعد نسل اور سلف کے بعد خلف ہونے سے قبل ہی جانتا ہے۔ ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ﴾ ''پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے بعد آتے رہے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ﴾ (النحل 36:16) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر جماعت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں بعض ایسے ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔''

اور فرمایا: ﴿كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ﴾ ''جب بھی کسی امت کے پاس ان کا پیغمبر آیا تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا۔'' یعنی ان کے جمہور اور اکثر لوگوں نے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○﴾ (یٰس 30:36) ''بندوں پر افسوس! کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا مگر اس سے تمسخر کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا﴾ ''تو ہم بھی بعض کو بعض کے پیچھے لاتے رہے۔'' یعنی ہلاک کرتے اور ان پر عذاب نازل کرتے رہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ﴾ (بنی إسرآء یل 17:17) ''اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی امتوں کو

[1] تفسیر الطبری: 31/18.

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿45﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ بھیجا﴿45﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، پھر انھوں نے تکبر کیا

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿46﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿47﴾

اور وہ سرکش لوگ تھے﴿46﴾ چنانچہ وہ کہنے لگے: کیا ہم اپنی ہی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لائیں، جبکہ ان دونوں کی قوم ہماری غلام (ماتحت) ہے﴿47﴾

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿48﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿49﴾

پھر انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، تو وہ ہلاک شدگان میں سے ہو گئے﴿48﴾ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، تاکہ وہ (لوگ) ہدایت پائیں﴿49﴾

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿50﴾ ع 3/18/3

اور ہم نے (عیسیٰ) ابن مریم اور اس کی ماں کو عظیم نشانی بنایا اور ایک سکون اور جاری چشمے والی بلند جگہ پر ان دونوں کو ٹھکانا دیا﴿50﴾

ہلاک کر ڈالا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ﴾ ''اور ہم نے انھیں افسانے بنا دیا۔'' یعنی ہم نے انھیں لوگوں کے لیے افسانے اور قصے کہانیاں بنا دیا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ﴾ (سبا 34:19) ''چنانچہ ہم نے انھیں افسانے بنا ڈالا اور انھیں مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔''

تفسیر آیات: 45-49

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون کو معجزات، دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا مگر فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی اطاعت و اتباع سے انکار کر دیا اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کی بات کو کیسے تسلیم کر لیں جیسا کہ سابقہ قوموں نے بھی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بشر ہونے کا انکار کیا تھا، ان تمام کافر قوموں کے اور انبیاء کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کا انکار کرنے والے لوگوں کے دل ایک جیسے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون، اس کے سرداروں اور اس کی ساری قوم کو ایک ہی دن ہلاک کر دیا تھا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی کتاب تورات کو نازل فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر و نواہی تھے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات فرعون اور قبطیوں کو اپنی سخت گرفت میں لے کر ہلاک کرنے کے بعد نازل فرمائی تھی اور نزول تورات کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اس طرح کسی امت کو ہلاک نہیں کیا بلکہ مومنوں کو حکم دیا کہ وہ کافروں سے جہاد کریں۔ تورات کے نزول کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾ (القصص 28:43) ''اور بے شک ہم نے پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرت اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

تفسیر آیت: 50

عیسیٰ و مریم علیہما السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے عبد و رسول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو لوگوں کے لیے نشانی

اور اس بات کی ایک مضبوط دلیل بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ویسے ہی قادر ہے جیسے وہ چاہے۔ اپنی مشیت کے مطابق اس نے آدم علیہ السلام کو باپ اور ماں کے بغیر پیدا فرمایا، حواء کو اس نے نر سے مادہ کے بغیر پیدا فرمایا اور عیسیٰ کو مادہ سے نر کے بغیر پیدا فرمایا اور باقی لوگوں کو نر اور مادہ سے پیدا فرمایا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝۵۰ ﴾ ''اور ایک پر سکون اور جاری چشمے والے ٹیلے پر ان دونوں کو ٹھکانا دیا۔'' ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ رَبْوَةٍ ﴾ زمین سے مرتفع اور اونچی جگہ کو کہتے ہیں، کاشت کاری کے لیے ایسی جگہ بہت بہتر ہوتی ہے۔[1] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

﴿ ذَاتِ قَرَارٍ ﴾ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ وہ زمین سر سبز و شاداب تھی۔ ﴿ وَّمَعِيْنٍ ۝۵۰ ﴾ اور وہاں کا پانی بھی پاک تھا۔[2] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔[3] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ رَبْوَةٍ ﴾ ہموار زمین کو کہتے ہیں۔[4] اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ﴿ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝۵۰ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس میں پانی برابر پہنچتا تھا اور مجاہد و قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ وَّمَعِيْنٍ ۝۵۰ ﴾ کے معنی جاری پانی کے ہیں۔[5]

ابن ابوحاتم نے سعید بن مسیّب سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس زمین سے مراد دمشق ہے۔[6] اور انھوں نے کہا ہے کہ عبداللہ بن سلام، حسن، زید بن اسلم اور خالد بن معدان اور اہل علم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[7] ابن ابوحاتم نے عکرمہ کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس زمین سے مراد دمشق ہے۔[8] لیث بن ابوسلیم نے اس آیت کے بارے میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ نے دمشق اور اس کے گرد و نواح کے علاقے میں پناہ لی تھی۔[9] جبکہ عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے فلسطین کا شہر رملہ مراد ہے۔[10] اس سلسلے میں سب سے بہتر قول وہ معلوم ہوتا ہے جسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مَعِيْنٍ ﴾ کے معنی جاری پانی ہیں اور اسی سے مراد وہی چشمہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ ﴾ (مریم 24:19) ''تحقیق تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔''[11]

ضحاک اور قتادہ کا قول بھی یہی ہے کہ اس آیت میں مذکور سرزمین سے مراد بیت المقدس ہے۔[12] اور یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت کریمہ: ﴿ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝۵۰ ﴾ میں بیت المقدس ہی مراد لیا گیا ہے اور اصول تفسیر یہ ہے کہ قرآن کا ایک مقام دوسرے مقام کی تفسیر بیان کرتا ہے اور تفسیر کا سب سے بہترین اسلوب و انداز بھی یہی ہے، پھر اس کے

---

① تفسیر القرطبی:316,315/3 و أحکام القرآن لابن العربی:241/3 والدر المنثور:17/5 و تفسیر البغوی:367/3۔ ② تفسیر الطبری:37,36/18 و الدر المنثور:17/5۔ ③ تفسیر الطبری:37/18۔ ④ تفسیر الطبری:36/18۔ ⑤ تفسیر الطبری:36/18۔ ⑥ تفسیر الطبری:35/18۔ ⑦ تفسیر القرطبی:126/12 و تفسیر البغوی:367/3۔ ⑧ تفسیر القرطبی:126/12۔ ⑨ الدر المنثور:17/5۔ ⑩ تفسیر عبدالرزاق:417/2، رقم،1972 و تفسیر الطبری:35/18۔ ⑪ تفسیر الطبری:36/18۔ ⑫ تفسیر الطبری:37/18۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۭ 51

(فرمایا:) اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں 51 اور بلاشبہ یہ تمھارا دین

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ 52 فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

ایک ہی دین ہے، اور میں تمھارا رب ہوں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو 52 پھر انھوں نے اپنا معاملہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، ہر فرقے کے پاس جو کچھ

زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ 53 فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ 54

ہے وہ اسی پر شاداں و فرحاں ہے 53 چنانچہ (اے نبی!) آپ انھیں ان کی غفلت میں ایک (مقرر) وقت تک چھوڑ دیں 54 کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک ہم

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ 55 ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ

جو بھی ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کیے جا رہے ہیں 55 (تو) کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں نہیں) بلکہ، وہ (اصل حقیقت کا)

بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ 56

شعور نہیں رکھتے 56

بعد تفسیر سے احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اس کے بعد آثار صحابۂ کرام کو دیکھا جاتا ہے۔

تفسیر آیات: 51-56

اکل حلال اور عمل صالح کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں علیہم السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ حلال کھائیں اور اعمال صالحہ بجالائیں، یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اکل حلال عمل صالح کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔ تمام انبیائے کرام نے اس ارشاد باری تعالیٰ کی مکمل تعمیل فرمائی تھی۔ قول و عمل اور رہنمائی و نصیحت کے اعتبار سے انھوں نے ہر خیر و بھلائی کو پیش نظر رکھا تھا: اللہ تعالیٰ انھیں اپنے تمام بندوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک فرماتے ہیں: ﴿ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ ”تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ۔“ میں پاکیزہ چیزوں سے مراد رزق حلال ہے۔ صحیح (بخاری) میں ہے: [مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ! كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ] ”ہر ایک نبی نے بکریاں چرائی ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: آپ نے بھی؟ فرمایا: ہاں، میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا۔“[1] صحیح (بخاری) میں ہے: [وَ إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ] ”یقیناً اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔“[2]

صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد میں ہے اور یہ الفاظ مسند احمد ہی کے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَبِهِ الْمُرْسَلِينَ،

① صحيح البخاري، الإجارة، باب رعى الغنم على قراريط، حديث: 2262 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب الصناعات، حديث: 2149 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ② صحيح البخاري، البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده، حديث: 2072 عن المقدام رضي الله عنه.

فَقَالَ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴾ وَقَالَ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ (البقرۃ 2:172) ثُمَّ ذَكَرَ: اَلرَّجُلُ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ثُمَّ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَّمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَّمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَّغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ] ''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے، جو اس نے پیغمبروں کو حکم دیا تھا اور وہ یہ ہے: ''اے پیغمبرو! تم پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو عمل کرتے ہو میں ان سے خوب واقف ہوں۔'' اور مومنوں سے فرمایا: ''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ۔'' پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں۔ اور اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا اور وہ حرام ہی کے ساتھ پروان چڑھا ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف دراز کر کے کہتا ہے: یا رب! یا رب! تو اس شخص کی دعا کیسے قبول کی جائے گی؟''[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[2]

تمام انبیائے کرام کا دین توحید ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''اور یہ تمھاری ملت یقیناً ایک ہی ملت وشریعت ہے۔'' یعنی اے گروہ انبیاء! تم سب کا دین بھی ایک اور ملت بھی ایک ہے اور وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف دعوت دینا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴾ ''اور میں تمھارا پروردگار ہوں، پس تم مجھ ہی سے ڈرو۔'' اس کے بارے میں بحث قبل ازیں سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہے۔[3] اور اس کا یہ فرمان: ﴿ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ ﴾ ''پھر انھوں نے اپنے معاملے کو آپس میں متفرق کر کے جدا جدا کر دیا۔'' یعنی ان امتوں نے جن کی طرف انبیائے کرام کو بھیجا گیا تھا۔ ﴿ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾ ''جو چیز جس فرقے کے پاس ہے وہ اس سے خوش ہے۔'' یعنی جس گمراہی میں وہ مبتلا ہیں وہ اس سے خوش ہیں کیونکہ بزعم خود وہ ہدایت پر ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ ﴾ ''سو آپ انھیں ان کی غفلت میں چھوڑ دیں۔'' یعنی ان کی سرکشی وضلالت میں، ﴿ حَتّٰی حِیْنٍ ﴾ ''ایک مدت تک۔'' یعنی ان کی تباہی و ہلاکت کے وقت تک جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا ۝ ﴾ (الطارق 86:17) ''تو آپ کافروں کو ذرا ان کے حال پر چھوڑ دیں۔'' اور فرمایا: ﴿ ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:3) ''(اے محمد!) انھیں چھوڑ دیجیے، وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور جھوٹی امید انھیں غفلت میں ڈالے رکھے، پھر جلد انھیں معلوم ہو جائے گا۔''

[1] مسند أحمد: 328/2 . [2] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب قبول الصدقة، من الکسب الطیب......، حدیث: 1015 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ البقرۃ، حدیث: 2989 . [3] دیکھیے الأنبیاء، آیت: 92 کے ذیل میں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿58﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں﴿57﴾ اور جو لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں﴿58﴾ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ

کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے﴿59﴾ اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں، تو اس طرح کہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں کہ بے شک

اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿60﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿61﴾

وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں﴿60﴾ یہی لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہ ان میں باہم سبقت کرنے والے ہیں﴿61﴾

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿55﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کے مال اور بیٹوں میں اضافہ کیے جا رہے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ (اصل حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے۔'' یعنی کیا یہ فریب خوردہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے مال و دولت سے انھیں اس لیے نوازا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ بہت معزز ہیں۔ ہرگز نہیں، بات اس طرح نہیں جس طرح یہ کہتے ہیں: ﴿ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ ﴾ (سبا 35:34) ''ہم تم سے مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔'' ان کی یہ بات غلط اور ان کی امید ناکام ہے کیونکہ ہم نے تو انھیں مال و دولت دے کر استدراج کے طور پر مہلت دے رکھی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''(نہیں) بلکہ وہ (اصل حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ...... ﴾ الآية (التوبة 55:9) ''پس آپ ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کریں، بس اللہ تو چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی ہی میں ان کو عذاب دے......'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ ﴾ (آل عمرٰن 178:3) ''ہم صرف ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ ...... ﴾ الآية (القلم 45,44:68) ''سو چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے، ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے (تباہی کی طرف) لے جائیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو مہلت دیے جاتا ہوں......'' اور فرمایا: ﴿ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ○ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ○ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ○ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ○ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ○ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ○ ﴾ (المدثر 74:11-16) ''مجھے اور اسے تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے مال کثیر دیا اور ہر وقت اس کے پاس حاضر رہنے والے بیٹے (دیے) اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی، پھر ابھی خواہش رکھتا ہے کہ میں (اسے) مزید دوں، ہرگز نہیں! وہ ہماری بات سے سخت عناد رکھتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ ...... ﴾ الآية (سبا 37:34) ''اور تمھارا مال اور تمھاری اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دے۔ ہاں، (ہمارا مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور عمل نیک کرتا رہا......'' اس مضمون کی اور

بھی بہت سی آیات ہیں۔

تفسیر آیات:57-61

اہل خیر کی صفات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴾ ''بے شک جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنی نیکی، ایمان اور عمل صالح کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں کہ وہ انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں نہ لے لے۔ امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ مومن نیکی کے باوجود ڈرتا ہے اور کافر برائی کے باوجود بے خوف ہوتا ہے۔[1] ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی اس کی کونی اور شرعی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ ...... ﴾ الآیة (التحریم 12:66) ''اور اس نے اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی......۔'' یعنی ان کا ایمان تھا کہ جو کچھ ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے احکام ایسے امور ہیں جنھیں اس کی ذات پاک پسند فرماتی ہے اور نواہی وہ امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کو حد درجہ ناپسند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو حالات و واقعات بیان فرمائے ہیں وہ بالکل سچ ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔'' یعنی وہ غیر اللہ کی پوجا نہیں کرتے بلکہ وہ اسی کی توحید کے قائل اور اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اور بے نیاز ہے، اس کی بیوی ہے اور نہ بیٹا، اس کا کوئی نظیر ہے اور نہ ہم سر۔

نیکی کرنے کے باوجود اللہ کا ڈر: ﴿ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں تو اس طرح کہ ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انھیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی وہ دیتے ہیں مگر ساتھ ہی ڈرتے بھی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا دیا ہوا قبول ہی نہ ہو کیونکہ انھیں خدشہ رہتا ہے کہ شاید انھوں نے دینے کی شرائط کو پورا ہی نہ کیا ہو اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور احتیاط کی وجہ سے ہے جیسا کہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ﴿ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴾ سے کیا وہ شخص مراد ہے جو چوری کرتا، زنا کرتا، شراب پیتا اور اللہ عزوجل سے ڈرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: [لَا، یَا بِنْتَ أَبِی بَكْرٍ!، یَا بِنْتَ الصِّدِّیقِ!، وَلٰكِنَّهُ الَّذِی یُصَلِّی وَیَصُومُ وَیَتَصَدَّقُ وَهُوَ یَخَافُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ] ''نہیں، اے بنت ابوبکر! اے بنت صدیق! بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا، روزہ رکھتا، صدقہ کرتا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔''[2]

اسی طرح اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ اور ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: [لَا، یَا بِنْتَ الصِّدِّیقِ!

[1] تفسیر البغوی:368/2 وتفسیر الطبری:43/18. [2] مسند أحمد:159/6.

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿62﴾ بَلْ

اور ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب (نامۂ اعمال) ہے جو (ہر شخص کا حال) ٹھیک ٹھیک بولے گی،

قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿63﴾ حَتّٰٓى

اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿62﴾ بلکہ ان (کفار) کے دل اس (قرآن) سے جہالت وغفلت میں ہیں، اور اس کے علاوہ بھی ان کے کئی (برے) اعمال ہیں،

اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿64﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا

جنھیں وہ کرنے والے ہیں ﴿63﴾ حتی کہ جب ہم ان کے خوشحال (عیاش) لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت وہ چیخ وپکار کریں گے ﴿64﴾ (کہا جائے

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿65﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿66﴾

گا:) آج مت چیخو، یقیناً تم ہماری طرف سے مدد نہیں کیے جاؤ گے ﴿65﴾ تحقیق میری آیات تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتے

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿67﴾

تھے ﴿66﴾ تکبر کرتے ہوئے، (اور) رات کو باتیں کرتے ہوئے اس کے بارے میں تم بیہودہ گوئی کرتے تھے ﴿67﴾

وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ، وَيَتَصَدَّقُونَ وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ: ﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿61﴾﴾] ''نہیں، اے بنت صدیق! بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، صدقہ کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اعمال قبول ہی نہ ہوں۔'' یہی لوگ ہیں کہ جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں اور وہ ان کے لیے سبقت کرنے والے ہیں۔''[1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب قرظی اور امام حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح فرمایا ہے۔[2]

تفسیر آیات:62-67

اللہ تعالیٰ کا عدل اور مشرکین کی قلابازیاں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے دنیا میں اپنے بندوں کے لیے جو شریعت مقرر فرما رکھی ہے، وہ مبنی بر عدل ہے اور وہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا کہ جسے برداشت کرنے اور جس کے مطابق عمل کرنے کا اسے مقدور ہی نہ ہو، پھر وہ روز قیامت ان سب کے اعمال کا حساب لے گا۔ ان کے تمام اعمال کو بلا کم وکاست اس نے کتاب مسطور میں لکھ رکھا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ﴾ ''اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب (نامۂ اعمال) ہے جو (ہر شخص کا حال) ٹھیک ٹھیک بولے گی۔'' یعنی کتاب اعمال، ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿62﴾﴾ ''اور ان (لوگوں) پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی ان کی کسی نیکی کو کم نہیں کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے قریش کے کفار ومشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ﴾ ''مگر ان کے دل غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں۔'' اور ضلالت میں مبتلا ہیں ﴿مِّنْ هٰذَا﴾ ''اس (قرآن) سے۔'' یعنی اس قرآن کی طرف سے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المؤمنين، حديث:3175 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب التوقي على العمل، حديث:4198. [2] تفسير الطبري:45,44/18.

پر نازل فرمایا ہے۔ ﴿ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ۝۶۳ ﴾ ”اور اس (غفلت) کے علاوہ بھی ان کے کئی (برے) اعمال ہیں جنھیں وہ کرنے والے ہیں۔“ حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شرک کے سوا بھی ان کے کئی برے اعمال ہیں جنھیں یہ ضرور کرتے ہیں۔ [1] مجاہد، حسن اور کچھ ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [2] اور کچھ دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ دیگر برے اعمال بھی ان کے مقدر میں لکھ دیے گئے ہیں جنھیں اپنی موت سے پہلے یہ ضرور انجام دیں گے تاکہ عذاب کے مستحق قرار پاسکیں، مُقاتل بن حَیّان، سُدّی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [3] اور بظاہر اس کے معنی قوی اور حسن معلوم ہوتے ہیں۔

ہم نے قبل ازیں یہ حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کی ہے [4]: [فَوَالَّذِی لَا إِلٰهَ غَیْرُهُ! (وَإِنَّ الرَّجُلَ) لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتّٰی مَایَكُونُ بَیْنَهُ وَبَیْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْكِتَابُ، فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَیَدْخُلُهَا] ”اس ذات اقدس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر کتاب اس سے سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل دوزخ کا سا کوئی عمل کر کے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔“ [5]

اور فرمایا: ﴿ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَؕ۝۶۴ ﴾ ”حتی کہ جب ہم ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو پکڑیں گے تو وہ اس وقت چیخ وپکار کریں گے۔“ یعنی جب ان کے دنیا میں آسودہ اور خوش حال لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کا عذاب آ گیا تو انھوں نے چیخنا چلانا اور فریاد کرنا شروع کر دیا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا۝ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًاۙ ﴾ (المزمّل 73:11,12) ”اور مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو جو دولت مند ہیں تنہا چھوڑ دیجیے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیں۔ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ۝ ﴾ (صٓ 38:3) ”اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا تو وہ (عذاب کے وقت) فریاد کرنے لگے اور وہ خلاصی کا وقت نہ تھا۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿ لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ۝۶۵ ﴾ ”آج مت تلملاؤ، یقیناً ہماری طرف سے تمھیں کچھ مدد نہیں ملے گی۔“ یعنی تم پر جو عذاب نازل ہوا، خواہ تم چیخ وپکار کرو یا نہ کرو آج تمھیں اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے اور عذاب تمھارے لیے لازم ہو چکا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سب سے بڑے گناہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤی

---

[1] الدرالمنثور:5/23. [2] تفسیر الطبری:18/47,48 وتفسیر القرطبی:12/134,135. [3] تفسیر الطبری:18/47,48.
[4] دیکھیے المؤمنون، آیات:12-16 کے ذیل میں عنوان: ”انسان کی تخلیق کے تدریجی مراحل“ [5] صحیح البخاری، القدر، باب:1، حدیث:6594 وصحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن أمه……، حدیث:2643 واللفظ له، البتہ قوسین والا جملہ بخاری کے مذکورہ حوالے میں ہے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿68﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا

کیا پھر انھوں نے قرآن میں تدبر نہیں کیا، یا پھر ان کے پاس وہ چیز آگئی جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟﴿68﴾ یا انھوں نے اپنے

رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿69﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ

رسول کو نہیں پہچانا، لہٰذا وہ اس کے منکر ہیں؟﴿69﴾ یا وہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟ (نہیں نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا ہے، اور ان کے اکثر

وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿70﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں ﴿70﴾ اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں، سب تباہ و برباد ہو جائیں بلکہ

وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿71﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ

ہم ان کے پاس ان کے لیے نصیحت لائے ہیں، پس وہ اپنی ہی نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں ﴿71﴾ کیا آپ ان سے اجرت کا سوال کرتے ہیں،

خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿72﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى

چنانچہ آپ کے رب کی اجرت زیادہ بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے ﴿72﴾ اور بلاشبہ آپ انھیں صراطِ مستقیم (اسلام) کی طرف بلاتے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿73﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿74﴾ رکوع

ہیں ﴿73﴾ اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ یقیناً صراطِ مستقیم سے ہٹ رہے ہیں ﴿74﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور انھیں لاحق تکلیفیں

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿75﴾

دور کر دیں تو پھر بھی وہ برابر اپنی سرکشی پر بھٹکتے ہوئے اڑے رہیں ﴿75﴾

﴿اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿66﴾﴾ ''یقیناً میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر الٹے پھر جاتے تھے۔'' یعنی جب تمھیں بلایا جاتا تو تم انکار کر دیتے اور جب تمھیں طلب کیا جاتا تو تم نہیں آتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ○﴾ (المؤمن 12:40) ''یہ (عذاب) تمھیں اس لیے ہے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تم تسلیم کرتے تھے، اب حکم تو اللہ ہی کا ہے جو بلند و بالا، بہت بڑا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿67﴾﴾ ''تکبر کرتے ہوئے اس (قرآن) کے ساتھ افسانہ گوئی کرتے ہوئے تم بے ہودہ بکتے تھے۔'' یعنی بیت اللہ پر وہ فخر کرتے اور عقیدہ یہ رکھتے کہ وہ بیت اللہ کے متولی ہیں، حالانکہ وہ بیت اللہ کے متولی نہ تھے جیسا کہ امام نسائی نے اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قصے کہانیاں بیان کرنے کو اس وقت مکروہ قرار دیا گیا جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿67﴾﴾ ''تکبر کرتے ہوئے اس (قرآن) کے ساتھ افسانہ گوئی کرتے ہوئے تم بے ہودہ بکتے تھے۔'' یعنی یہ بیت اللہ کی وجہ سے سرکشی کرتے ہیں اور قصے کہانیاں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں، گویا وہ تکبر اور غرور کا اظہار کرتے، بیت اللہ میں قصے کہانیاں بیان کرتے اور بکواس کرتے تھے اور اسے آباد نہیں کرتے تھے۔[1]

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة المؤمنون: 412/6، حديث: 11351.

تفسیر آیات:68-75

مشرکین کی تردید اور مذمت: اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کے نہ سمجھنے، اس پر تدبر نہ کرنے اور اس سے اعراض کرنے کی وجہ سے مشرکین کی تردید فرمائی ہے کیونکہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص انھی لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا تھا، پھر اس سے بڑھ کر اکمل اور اشرف کتاب کسی اور رسول پر نازل نہیں کی گئی، خصوصاً ان کے وہ آباء واجداد جو زمانۂ جاہلیت میں مر گئے تھے، انھیں اس طرح کی کوئی کتاب نہیں پہنچی اور نہ ان کے پاس اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہی کوئی آیا تھا، لہٰذا ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو قبول کرتے جس سے اس نے انھیں نوازا تھا، اس کا شکر ادا کرتے، اسے سمجھنے کی کوشش کرتے اور اپنی زندگی کے دن اور راتیں، صبحیں اور شامیں اس کتاب کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے ہوئے گزارتے جیسا کہ ان میں سے ان نُجَباء نے کیا جو مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اور جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت کو اختیار کر لیا تھا۔

﴿ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ﴾ ''کیا پھر انھوں نے کلام (قرآن) میں غور نہیں کیا؟'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن میں غور کرتے تو واللہ! اس میں ایسی چیزیں پاتے جو انھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکتیں لیکن یہ تو متشابہات کے پیچھے لگ گئے جس کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۞ ﴾ ''یا انھوں نے اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانا؟ سو وہ اس کے منکر ہیں؟'' کیا یہ لوگ محمد ﷺ اور آپ کی صداقت وامانت اور اس پاکبازی وعفت مآبی کو نہیں جانتے؟ جس میں ان کے سامنے آپ نے نشأت وارتقا کی منزلیں طے فرمائی ہیں کیا یہ لوگ ان باتوں کا انکار کر سکتے ہیں؟ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبشہ نجاشی سے کہا تھا: اے بادشاہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک ایسے رسول کو مبعوث فرمایا ہے جن کے نسب اور جن کی صداقت وامانت کو ہم خوب جانتے ہیں۔[2] اسی طرح مغیرہ بن شعبہ نے نائب کسریٰ سے بھی اس وقت یہی بات کہی تھی، جب اس نے آپ لوگوں کو طلب کیا تھا۔ اسی طرح ابو سفیان صخر بن حرب نے شاہِ روم ہرقل سے بھی کہا تھا جب اس نے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں سے نبی ﷺ کی صفات، نسب، صداقت اور امانت کے بارے میں پوچھا تھا اور اس وقت ابو سفیان اور اس کے ساتھی دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود انھیں آپ کی صداقت وامانت کا اعتراف کرنا پڑا اور اس کے بغیر ان کے لیے کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔[3]

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ط ﴾ ''یا وہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے بارے میں مشرکین کی اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھوں نے قرآن اپنی طرف سے بنا لیا اور از خود گھڑ لیا ہے یا یہ کہ (نعوذ باللہ) آپ مجنوں ہیں اور آپ کو کچھ معلوم نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں

---

[1] الدر المنثور: 25/5. [2] مسند أحمد: 202/1 وصحيح ابن خزيمة، الزكاة، باب ذكر البيان أن فرض الزكاة كان قبل الهجرة......: 13/4 والسيرة النبوية لابن هشام، إرسال قريش إلى الحبشة في طلب المهاجرين إليها......: 336,335/1. [3] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......؟ حديث: 7.

فرمایا ہے کہ ان کی اس طرح کی باتوں کو تو خود ان کے اپنے دل بھی تسلیم نہیں کرتے اور وہ مانتے ہیں کہ قرآن کے بارے میں جو یہ کہتے ہیں، وہ سب باطل ہے کیونکہ ان کے پاس تو اللہ تعالیٰ کا ایسا پاکیزہ کلام آیا ہے کہ جس کے مقابلے کی ان میں طاقت نہیں، حالانکہ قرآن نے انھیں بھی اور سارے اہل زمین کو بھی چیلنج کیا ہے کہ وہ اس جیسا کلام پیش کریں مگر وہ ایسا نہ کر سکے اور ابد الآباد تک کبھی بھی ایسا کلام پیش نہیں کر سکیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿٧٠﴾ ﴾ ''نہیں بلکہ وہ ان کے پاس حق لائے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ حالیہ ہو، یعنی وہ ان کے پاس اس حال میں حق کو لے کر آتے ہیں کہ ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ خبریہ مستأنفہ ہو۔ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ.

حق خواہشوں کے پیچھے نہیں چلتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ ﴾ ''اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں۔'' مجاہد، ابو صالح اور سدی نے کہا ہے کہ حق سے مراد اللہ عزوجل کی ذات گرامی ہے۔[1] مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے نفسوں کی خواہشوں کے پیچھے چلے اور ان کی خواہشوں کے مطابق احکام شریعت نازل فرمائے تو آسمان و زمین اور جو ان میں ہیں وہ سب ان کی خراب خواہشوں کی وجہ سے درہم برہم ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے بھی کہا تھا: ﴿ لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ○ ﴾ (الزخرف 31:43) ''یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟'' پھر اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿ اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ ﴾ (الزخرف 32:43) ''کیا وہ (لوگ) آپ کے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟'' اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِكُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّىۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَكۡتُمۡ خَشۡيَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ○ ﴾ (بنيٓ إسرآء يل 100:17) ''کہہ دیجیے: اگر تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم انھیں خرچ ہو جانے کے خوف سے بند کر رکھتے اور انسان نہایت بخیل ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ فَاِذًا لَّا يُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِيۡرًا ۙ ﴾ (النسآء 53:4) ''کیا (وہ سمجھتے ہیں کہ) ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے، پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو (کھجور کی گٹھلی کے) دھاگے برابر بھی نہ دیں گے۔'' ان سب آیات سے بندوں کا عجز اور ان کی آراء و خواہشات کا مختلف ہونا واضح ہوتا ہے جبکہ اللہ رب ذوالجلال کی ذات پاک اپنی تمام صفات میں، اپنے تمام اقوال و افعال میں اور مخلوق کے لیے اپنی شریعت و تقدیر و تدبیر میں کامل ہے، وہ ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ کوئی پروردگار، پھر فرمایا: ﴿ بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ ﴾ ''بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت (کی کتاب) لائے ہیں'' یعنی قرآن مجید۔ ﴿ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿٧١﴾ ﴾ ''وہ اپنی ہی (کتاب) نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔''

[1] تفسير الطبري:56/18 و تفسير القرطبي:140/2.

نبی اجرت کا طلبگار نہیں ہوتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا ﴾ ''کیا آپ ان سے اجرت کا سوال کرتے ہیں؟'' حسن فرماتے ہیں کہ ﴿ خَرۡجًا ﴾ کے معنی اجرت کے ہیں۔[1] اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی مال کے ہیں۔[2]

﴿ فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيۡرٌ ﴾ ''تو آپ کے پروردگار کا صلہ بہت اچھا ہے۔'' یعنی ہدایت کی طرف دعوت دینے پر آپ ان سے اجرت، مال یا کچھ بھی نہیں مانگتے بلکہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے بے پایاں اجر وثواب کے امیدوار ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۚ ﴾ (سبا 47:34) ''کہہ دیجیے: میں نے تم سے جو کچھ صلہ مانگا ہو تو وہ تمھارے ہی لیے ہے، میرا صلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ۝ ﴾ (ص 86:38) ''آپ کہہ دیں: میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ ﴾ (الشوریٰ 23:42) ''کہہ دیں کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر محبت کا قرابت داری کی وجہ سے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ يَّسۡعٰی قَالَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا يَسۡـَٔلُكُمۡ اَجۡرًا ﴾ (یٰس 21,20:36) ''اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا: اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو۔ تم ان کی پیروی کرو جو تم سے صلہ نہیں مانگتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّكَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝73 وَاِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوۡنَ ۝74 ﴾ ''اور بے شک آپ تو ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاتے ہیں، اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ (سیدھے) رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔''

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ [أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَتَاهُ فِيمَا يَرَى النَّائِمُ مَلَكَان، فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رِجْلَيْهِ، وَالْآخَرُ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقَالَ الَّذِی عِنْدَ رِجْلَيْهِ لِلَّذِی عِنْدَ رَأْسِهِ: اِضْرِبْ مَثَلَ هٰذَا وَمَثَلَ أُمَّتِهِ، فَقَالَ: إِنَّ مَثَلَهُ وَمَثَلَ أُمَّتِهِ كَمَثَلِ قَوْمٍ سَفْرٍ، اِنْتَهَوْا إِلٰى رَأْسِ مَفَازَةٍ، فَلَمْ يَكُنْ مَّعَهُمْ مِّنَ الزَّادِ مَا يَقْطَعُونَ بِهِ الْمَفَازَةَ، وَلَا مَا يَرْجِعُونَ بِهِ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ، إِذْ أَتَاهُمْ رَجُلٌ فِی حُلَّةٍ حِبَرَةٍ، فَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ وَرَدْتُّ بِكُمْ رِيَاضًا مُّعْشِبَةً، وَّحِيَاضًا رُّوَاءً، أَتَتَّبِعُونِی؟ فَقَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَانْطَلَقَ بِهِمْ، فَأَوْرَدَهُمْ رِيَاضًا مُّعْشِبَةً، وَّحِيَاضًا رُّوَاءً، فَأَكَلُوا وَشَرِبُوا وَسَمِنُوا، فَقَالَ لَهُمْ: أَلَمْ أَلْقَكُمْ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ، فَجَعَلْتُمْ لِی إِنْ وَرَدْتُّ بِكُمْ رِيَاضًا مُّعْشِبَةً، وَّحِيَاضًا رُّوَاءً، أَنْ تَتَّبِعُونِی؟ فَقَالُوا: بَلٰى! قَالَ: فَإِنَّ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ رِيَاضًا أَعْشَبَ مِنْ هٰذِهِ، وَحِيَاضًا هِیَ أَرْوٰى مِنْ هٰذِهِ، فَاتَّبِعُونِی قَالَ: فَقَالَتْ طَائِفَةٌ: صَدَقَ وَاللّٰهِ! لَنَتَّبِعَنَّهُ، وَقَالَتْ طَائِفَةٌ: قَدْ رَضِينَا بِهٰذَا نُقِيمُ عَلَيْهِ]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواب میں دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک آپ کے دونوں پاؤں کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا آپ کے سر مبارک کے پاس۔ جو پاؤں کے پاس تھا اس نے سر کے پاس والے فرشتے سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کی

[1] تفسیر الطبری: 57/18. [2] الدر المنثور: 25/5.

امت کی مثال بیان کرو۔ اس نے کہا کہ آپ کی اور آپ کی امت کی مثال ایسے ہے جیسے کچھ لوگ سفر میں ہوں اور وہ ایک جنگل کے کنارے پہنچ گئے ہوں، ان کے پاس نہ اس قدر زادراہ ہو جس سے اس جنگل کو طے کر لیں اور نہ اتنا زادراہ کہ وہ اس سے واپس جا سکیں۔ وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ ان کے پاس دھاری دار حلہ زیب تن کیے ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یہ بتاؤ کہ اگر میں تمھیں سرسبز و شاداب باغات اور پانی سے لبریز حوضوں کے پاس لے چلوں تو کیا تم میرے پیچھے آؤ گے۔ انھوں نے کہا: ہاں، تو وہ انھیں لے کر سرسبز و شاداب باغات اور پانی سے لبریز حوضوں کے پاس لے گیا، انھوں نے کھایا پیا اور خوب فربہ ہو گئے تو اس نے ان سے کہا: کیا میں نے تم کو اس حال میں نہیں پایا تھا اور تم نے اس شرط پر میری پیروی کی تھی کہ میں تم کو سرسبز و شاداب باغات اور پانی سے بھرے حوضوں کی طرف لے جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا: ہاں، تو انھوں نے فرمایا کہ تمھارے آگے ان سے بھی کہیں زیادہ سرسبز و شاداب اور پر بہار باغات اور ان سے زیادہ سیراب کر دینے والے حوض ہیں، لہٰذا میری بات مانو۔ کچھ لوگوں نے تو یہ کہا: واللہ! یہ بالکل سچ فرما رہے ہیں، ہم ضرور آپ کی پیروی کریں گے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم بس اسی پر خوش ہیں اور یہیں مقیم رہیں گے۔''[1]

کفار کے حالات کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝74﴾ ''اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ سیدھے رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ گم گشتہ راہ اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ عرب نَكَبَ فُلَانٌ عَنِ الطَّرِيقِ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی رستے سے بھٹک جائے۔ ﴿وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝75﴾ ''اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو تکلیفیں ان کو پہنچ رہی ہیں دور کر دیں تو پھر بھی وہ اپنی سرکشی پر اڑے ہوئے بھٹکتے پھریں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی سختی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر وہ ان کی تکلیف کو دور فرما دے اور انھیں قرآن کا فہم عطا فرما دے تو پھر بھی یہ نہیں مانیں گے بلکہ اپنے، کفر، سرکشی اور فساد پر ہی قائم رہیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾ (الأنفال 23:8) ''اور اگر اللہ ان میں بھلائی پاتا تو انھیں ضرور سننے کی توفیق بخشتا اور اگر انھیں سماعت دیتا تو پھر بھی وہ اعراض کرتے ہوئے پھر جاتے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝﴾ (الأنعام 6:27-29) ''اور کاش! آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب یہ آتش (جہنم کے کنارے) پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے کہ اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں اور ہم اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں گے اور مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ ان کے لیے اس نے وہ ظاہر کر دیا جسے اس

---

[1] مسند أحمد: 267/1 و كشف الأستار: 131/3، حديث: 2407 و مجمع الزوائد، علامات النبوة، باب في مثله ومثل من أطاعه ﷺ: 466/8 و المستدرك للحاكم: 397/4، حديث: 8200 اس کی سند ضعیف ہے۔

وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ فَمَا اسۡتَكَانُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَمَا يَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿76﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا

اور بلاشبہ ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا تھا، پھر نہ انھوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی اور نہ وہ گڑگڑائے ﴿76﴾ حتی کہ جب ہم نے ان پر سخت

ذَا عَذَابٍ شَدِيۡدٍ اِذَا هُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿77﴾ ع وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ 4 ع 27 4

عذاب کا دروازہ کھول دیا تو وہ اس میں ناامید ہوگئے ﴿77﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے، تم قلیل ہی شکر

وَالۡاَفۡـئِدَةَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿78﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿79﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ

کرتے ہو ﴿78﴾ اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا، اور اسی کی طرف تمھیں اکٹھا کیا جائے گا ﴿79﴾ اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور رات

يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿80﴾ بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ

اور دن کا اختلاف اسی کا (پیدا کیا ہوا) ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ ﴿80﴾ بلکہ انھوں نے وہی کچھ کہا جو (ان سے) پہلوں نے کہا تھا ﴿81﴾ انھوں نے کہا: کیا جب

الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿81﴾ قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿82﴾ لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَاٰبَآؤُنَا

ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے، تو کیا ہمیں یقیناً (زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا؟ ﴿82﴾ بلاشبہ اس بات کا ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے آباء واجداد سے

هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿83﴾

وعدہ ہوتا آیا ہے، یہ تو محض پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ﴿83﴾

سے پہلے وہ چھپاتے تھے اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں، کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد پھر) نہیں اٹھائے جائیں گے۔'' اس کا تعلق اس باب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے جو نہیں ہوگا اور اگر ہوگا تو کیسے ہوگا، ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس کے لیے ﴿لَوْ﴾ استعمال کیا گیا ہے وہ کبھی بھی وقوع پذیر نہیں ہوگی۔

تفسیر آیات: 76-83

نزولِ عذاب کے وقت عاجزی کیوں نہ اختیار کی؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے انھیں عذاب میں بھی پکڑا تھا۔'' اور مصائب وشدائد کے ساتھ آزمائش کی۔ ﴿فَمَا اسۡتَكَانُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَمَا يَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿76﴾﴾ ''پھر نہ انھوں نے اللہ کے آگے عاجزی کی اور نہ وہ گڑگڑائے۔'' یعنی وہ اپنے کفر اور مخالفت سے باز نہ آئے بلکہ سرکشی وضلالت ہی میں مبتلا رہے۔ ﴿فَمَا اسۡتَكَانُوۡا﴾ ''تو انھوں نے عاجزی نہ کی۔'' ﴿وَمَا يَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿76﴾﴾ ''اور نہ وہ گڑگڑائے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَوۡلَاۤ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَلٰـكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ○﴾ (الأنعام 43:6) ''تو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی؟ مگر ان کے تو دل ہی سخت ہوگئے تھے اور جو کام وہ کرتے تھے شیطان ان کو آراستہ کر دکھاتا تھا۔'' ابن ابوحاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی: اے محمد! میں آپ کو اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اب تو ہم نے اون اور خون کھالیا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ فَمَا اسۡتَكَانُوۡا ﴾ [1] اور امام نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ [2] اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے کہ قریش کی نافرمانی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بددعا کرتے ہوئے فرمایا: [اَللّٰهُمَّ! أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ] ''اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد ایسے سات سالوں سے فرما جس طرح یوسف علیہ السلام کے دور کے سات سال تھے۔'' [3] اور فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيۡدٍ اِذَا هُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿77﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ ہم نے ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھول دیا تو وہ وہاں ناامید ہوگئے۔'' یعنی جب ان کے پاس اللہ کا امر آ گیا اور اچانک قیامت آ گئی اور اللہ تعالیٰ کا عذاب اس قدر شدت سے آیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا تو اس سے وہ ہر خیر اور ہر راحت سے مایوس ہوگئے اور ان کی ساری امیدیں ٹوٹ ٹوٹ گئیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور عظیم قدرتوں کی یاددہانی: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ دل سے مراد وہ عقل و فہم ہے جس کے ساتھ وہ اشیاء کا ادراک کرتے اور کائنات میں موجود ان نشانیوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ فاعل مختار ہے جو چاہے کرے۔ ﴿ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿78﴾ ﴾ ''تم کم شکرگزاری کرتے ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں جن نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان پر تم اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کم شکر کرتے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ حرص بھی کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت اور زبردست بادشاہت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا، پھر مختلف جنسوں، بولیوں اور صفتوں کے ساتھ انھیں اطراف واکنافِ عالم میں پھیلا دیا، پھر اگلے پچھلے سب کو قیامت کے ایک معلوم دن میں جمع کرے گا اور ان میں سے کسی چھوٹے بڑے، مرد عورت اور جلیل حقیر کو نہیں چھوڑے گا، انھیں اسی طرح دوبارہ جمع کرے گا جس طرح اس نے ان سب کو پہلی دفعہ پیدا فرمایا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيۡ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ ﴾ ''اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور فوت کرتا ہے۔'' یعنی بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دے گا اور زندہ امتوں کو موت دے گا۔ ﴿ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ ﴾ ''اور رات اور دن کا بدلتے رہنا اسی کے تصرف میں ہے۔'' یعنی رات دن اسی کے حکم سے مسخر ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے چل رہا ہے، دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آ جا رہے ہیں اور اکتاتے نہیں اور نہ مقرر وقت سے زیادہ دونوں میں فرق آ سکتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا الشَّمۡسُ يَنۡۢبَغِيۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّيۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ ﴾ (یٰسٓ 40:36) ''نہ تو سورج سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے۔'' ﴿ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿80﴾ ﴾ ''تو کیا تم سمجھتے نہیں؟'' کیا تم میں عقل نہیں ہے جو اس عزیز علیم کی ذات پاک کی طرف تمھاری رہنمائی کرے جو ہر چیز پر غالب اور ہر چیز جس کے سامنے سرنگوں اور

---

[1] تفسیر الطبری:58/18. [2] السنن الکبری للنسائی، التفسیر، سورۃ المؤمنون:413/6، حدیث:11352. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب سورۃ الروم، حدیث:4774 وصحیح مسلم، صفات المنافقین وأحکامھم، باب الدخان، حدیث:2798 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿84﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا

(اے نبی!) آپ (ان سے) پوچھیں: اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) کس کی ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے؟﴿84﴾ وہ ضرور کہیں گے: اللہ ہی کی ہے، کہہ دیجیے:

تَذَكَّرُوْنَ ﴿85﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿86﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟﴿85﴾ آپ پوچھیں: ساتوں آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟﴿86﴾ وہ ضرور کہیں گے: (یہ) اللہ ہی کے ہیں، کہہ

لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿87﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ

دیجیے: کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟﴿87﴾ آپ (پھر) پوچھیں: کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز کی بادشاہی، جبکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کسی کو پناہ نہیں دی

عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿88﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿89﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ

جا سکتی، اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ؟)﴿88﴾ وہ ضرور کہیں گے: (بادشاہی) اللہ ہی کی ہے، کہہ دیجیے: پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے؟﴿89﴾ بلکہ ہم ان کے پاس

بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿90﴾

حق لائے ہیں اور بلاشبہ وہ ہی جھوٹے ہیں﴿90﴾

عاجز و درماندہ ہے۔

مشرکین کا بعث بعد الموت سے انکار: اللہ تعالیٰ نے بعثت کے منکرین جو تکذیب کرنے والے سابقہ لوگوں سے مشابہت رکھتے ہیں، کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿81﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿82﴾﴾ ”بلکہ انھوں نے وہی کچھ کہا جو ان سے پہلوں نے کہا تھا۔ انھوں نے کہا: جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم (پھر زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے؟“ یعنی مٹی میں مل جانے اور بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو یہ لوگ محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿83﴾﴾ ”البتہ تحقیق اسی بات کا وعدہ ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی ہوتا چلا آیا ہے، یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“ ان کا مقصد یہ تھا کہ دوبارہ پیدا ہونا محال ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی کے بارے میں کہتے کہ آپ نے یہ باتیں اگلے لوگوں کی کتابوں سے سیکھی ہیں۔ منکرین کا یہ انکار اور ان کی یہ تکذیب اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ کہتے ہیں: ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴾ (النّٰزعٰت 79:11-14) ”بھلا جب ہم گلی سڑی ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کیے جائیں گے) کہتے ہیں کہ اس وقت لوٹنا تو خسارے والا ہے، وہ (قیامت) تو صرف ایک (خوفناک) ڈانٹ ہو گی، اس وقت وہ (سب) ایک دم میدان (حشر) میں (آ جمع) ہوں گے۔“ اور فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝﴾ (یٰسٓ 36:77-79) ”کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا؟ پھر یکایک وہ جھگڑالو ہو گیا اور اس نے ہمارے بارے میں ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ

بوسیدہ ہو جائیں گی؟ کہہ دیجیے: ان کو وہ (اللہ) زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔''

تفسیر آیات: 84-90

مشرکین توحید ربوبیت کے قائل تھے: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی وحدانیت اور اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ صرف اسی نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا، صرف اسی کا تصرف کارفرما ہے اور صرف اسی کی ذات پاک کو ساری کائنات کی بادشاہت زیبا ہے اور یہ سب کچھ بیان کر کے اس نے درحقیقت یہ رہنمائی کی ہے کہ اس کی ذات پاک کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور کی عبادت کی جاسکتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ ان مشرکین سے جو اس کی ربوبیت کا تو اعتراف کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر اللہ کی پوجا بھی کرتے ہیں، یہ کہہ دیں کہ عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، مگر مشرکین نے الوہیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور غیر اللہ کی عبات کی، حالانکہ انھیں اس بات کا اعتراف بھی تھا کہ اللہ کے سوا جن کی یہ عبادت کر رہے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، کسی چیز کے بھی مالک نہیں اور نہ کسی چیز کو فنا کر سکتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ انھیں اللہ کے قریب کر دیں۔ ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط ﴾ (الزمر 39:3) ''ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ ﴾ ''آپ (ان سے) کہہ دیں: (اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ) کس کی ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے؟'' یعنی یہ بتاؤ کہ زمین کا مالک کون ہے۔ اسے اور اس میں موجود حیوانات، نباتات، ثمرات اور دیگر تمام مخلوقات کو کس نے پیدا فرمایا ہے۔ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿84﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط ...... ﴾ ''اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی کی ہے۔'' یعنی آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کریں گے کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے تو ﴿ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''کہہ دیں کہ پھر تم سوچتے کیوں نہیں ہو'' کہ عبادت تو اسی کی ہونی چاہیے جو خالق و رازق ہو نہ کہ کسی اور کی۔ ﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿86﴾ ﴾ ''آپ (ان سے) پوچھیں کہ کون سات آسمانوں کا مالک ہے اور (کون) عرش عظیم کا مالک ہے۔'' کون ہے جس نے عالم علوی اور اس میں موجود روشن ستارے اور سیارے اور اس کی اطراف و اکناف میں ہر جگہ موجود اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار و فرماں بردار فرشتے پیدا فرمائے؟ پھر یہ بتاؤ کہ عرش عظیم جو تمام مخلوقات کی چھت ہے اس کا مالک کون ہے۔ یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿86﴾ ﴾ اور اس سورت کے آخر میں فرمایا: ﴿ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:116) عظیم کے معنی بڑے اور کریم کے معنی حسین و جمیل کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عرش معلیٰ میں یہ دونوں خوبیاں موجود ہیں کہ وہ بے حد و حساب وسیع و عریض، بے پناہ بلند و بالا اور بے حد حسین و جمیل ہے، اسی لیے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ عرش معلیٰ سرخ رنگ کے یاقوت

سے بنا ہوا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمھارے پروردگار کے ہاں رات دن نہیں ہے، عرش کا نور ذات پاک کے چہرۂ اقدس کے نور کی وجہ سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ ”وہ ضرور کہیں گے: یہ (چیزیں) اللہ ہی کی ہیں، کہہ دیں کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟“ یعنی جب تم خود یہ اعتراف کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک ہے تو پھر تم اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں اور اس بات سے ڈرتے نہیں کہ تم جب غیر اللہ کی پوجا کرتے اور غیروں کو اس کا شریک بناتے ہو تو وہ تمھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔

﴿ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ”کہہ دیں کہ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ ﴾ (هود 56:11) ”(زمین پر) چلنے پھرنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جسے اس نے پیشانی سے نہ پکڑ رکھا ہو۔“ یعنی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا ہی تصرف کارفرما ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے: [لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!......] ”نہیں، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے......“[1] اور جب آپ قسم میں زور پیدا کرنا چاہتے تو فرماتے: [لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ] ”نہیں اس ذات پاک کی قسم! جو دلوں کو پھیرنے والا ہے۔“[2] پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی خالق و مالک اور متصرف ہے۔ ﴿ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ”اور وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی اگر تم (کسی اور کو) جانتے ہو (تو بتاؤ)“ عربوں میں یہ رواج تھا کہ ان کا کوئی سردار اگر کسی شخص کو پناہ دے دیتا تو اس کے اس پناہ دینے کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی تھی اور اس سے کم حیثیت کا کوئی سردار اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا تھا تاکہ اس پر بڑائی کا اظہار نہ کیا جا سکے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ﴾ ”اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی۔“ وہ عظیم سردار ہے کہ اس سے بڑا سردار کوئی نہیں۔ اس نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا اور اسی کا امر کارفرما ہے۔ کوئی اس کے فیصلے کو بدل نہیں سکتا اور نہ کوئی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے فیصلے کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ اس نے جو چاہا وہی ہوا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبياء 23:21) ”وہ جو کچھ کرتا ہے اس کی بابت اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا جبکہ ان لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔“

یعنی وہ جو کام کرتا ہے تو اس کی عظمت، کبریائی، غلبہ وتسلط اور حکمت وعدل کے باعث کوئی اس سے پرسش نہیں کر سکتا جبکہ مخلوق سے ان کے اعمال کے مطابق پرسش ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 93,92:15) ”پس آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے، ان

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبيﷺ؟ حديث: 6632. [2] صحيح البخاري، القدر، باب يحول بين المرء و قلبه، حديث: 6617.

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ

اللہ نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے (اگر ہوتا) تو ہر معبود اس چیز کو، جو اس نے پیدا کی، لے جاتا، اور بلاشبہ ان میں

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿91﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى

سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں﴿91﴾ وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے، چنانچہ وہ کہیں اعلیٰ ہے

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿92﴾ ع — ع 5 5

اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں﴿92﴾

کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔ ’’﴿ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ ﴾ ’’وہ ضرور کہیں گے کہ (ایسی بادشاہی تو) اللہ ہی کی ہے۔‘‘ یعنی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ سید عظیم جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ ﴿ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿89﴾ ﴾ ’’کہہ دیں: پھر تم پر جادو کہاں سے کیا جاتا ہے؟‘‘ یعنی جب تمھیں اس بات کا علم ہے اور تم اعتراف بھی کرتے ہو کہ خالق و مالک اللہ ہے تو پھر تمھاری عقلیں کہاں چلی جاتی ہیں کہ تم اس ذات پاک کے ساتھ غیروں کی بھی پوجا شروع کر دیتے ہو۔ ﴿ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ ’’بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں۔‘‘ یعنی اس بات کو معلوم کرا دیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کے صحیح واضح اور قطعی دلائل بھی پیش کر دیے ہیں۔ ﴿ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿90﴾ ﴾ ’’اور بلاشبہ وہی جھوٹے ہیں۔‘‘ غیر اللہ کی عبادت کرنے میں کیونکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 117:23) ’’اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے، کچھ شک نہیں کہ کافر کامیابی نہیں پائیں گے۔‘‘ مشرکین نے جس افترا پردازی اور ضلالت کو اختیار کر رکھا ہے تو اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اپنے نادان اور جاہل آباء و اجداد اور اسلاف کی پیروی کی وجہ سے کر رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ کہا کرتے ہیں: ﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 23:43) ’’بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم انھی کے پیچھے چلتے ہیں۔‘‘

تفسیر آیات: 92,91

اللہ کا کوئی شریک نہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اس بات سے پاک قرار دیا ہے کہ اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بادشاہت، تصرف اور عبادت میں اس کا کوئی شریک ہو۔ ارشاد ہے: ﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ ﴾ ’’اللہ نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (اگر ایسا ہوتا) تو ہر معبود جو اس نے پیدا کیا لے جاتا اور بلاشبہ ان میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔‘‘ یعنی اگر اس بات کو بفرضِ

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿93﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿94﴾

کہہ دیجیے: اے میرے رب! اگر تو مجھے دکھائے جو انھیں وعدہ دیا جاتا ہے ﴿93﴾ (تو) اے میرے رب! تو مجھے ظالم لوگوں میں (شامل) نہ کرنا ﴿94﴾ اور بلاشبہ

وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿95﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ط

ہم اس بات پر کہ آپ کو دکھائیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں، ضرور قادر ہیں ﴿95﴾ برائی کو اس طریقے سے دفع کیجیے جو احسن ہو، ہم اسے خوب

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿96﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿97﴾

جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿96﴾ اور آپ کہیں: اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں ﴿97﴾ اور اے میرے رب! میں

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿98﴾

(اس سے بھی) تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں ﴿98﴾

محال مان بھی لیا جائے کہ معبود متعدد ہیں تو ان میں سے ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر چل دیتا اور اس سے کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا جبکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام بے حد مضبوط و مستحکم اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔ عالم علوی، عالم سفلی کے ساتھ بے حد کمال طریقے سے منسلک ہے۔ ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط﴾ (الملك 3:67) ”اے انسان! تو رحمان کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں دیکھے گا؟“ پھر ان معبودوں میں سے ہر ایک دوسرے کی مخالفت کرتا، دوسرے پر غالب آ جانے کی کوشش کرتا اور دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ اس آیت کریمہ کے یہ معنی متکلمین نے بیان کیے اور انھوں اسے دلیل تمانع (ایسی چیز کی دلیل جو کبھی ممکن نہ ہو) سے تعبیر کیا ہے، یعنی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کائنات کے صانع دو یا دو سے زیادہ ہیں تو ان میں سے ایک جسم کو متحرک کرنا چاہتا اور دوسرے کی مرضی یہ ہوتی ہے کہ یہ ساکن رہے اور دونوں میں سے اگر ہر ایک کی مراد پوری نہ ہوتی تو دونوں عاجز ہوتے مگر ذات واجب الوجود عاجز نہیں ہوتی اور دونوں کی مراد کا پورا ہونا بھی محال ہے کیونکہ اس میں تضاد ہے اور یہ محال اور تضاد متعدد معبودوں کو فرض کرنے کی صورت میں ہے اور ان میں سے اگر ایک کی مراد پوری ہو جائے اور دوسرے کی پوری نہ ہو تو غالب واجب اور دوسرا مغلوب ممکن الوجود ہو گا کیونکہ ذات واجب الوجود کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ مقہور و مغلوب ہو، اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿91﴾﴾ ”اور بلاشبہ ان میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔“ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے یا کسی کے شریک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور حد سے بڑھ جانے والوں کی ان باتوں کہ اس کی اولاد اور ساتھی ہے، سے پاک ہے، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ”وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔“ مخلوقات کی نظروں سے جو غائب ہے یا جسے وہ دیکھ رہے ہیں وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے۔ ﴿فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿92﴾﴾ ”چنانچہ وہ کہیں اعلیٰ ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔“ ظالم اور وجود باری تعالیٰ کے منکر لوگ جو کہتے ہیں، اللہ عزوجل کی ذات پاک اس سے مقدس و منزہ ہے۔

تفسیر آیات: 93-98

آلام ومصائب کے وقت دعا کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو حکم دیا ہے کہ مصیبت کے وقت یہ دعا کریں: ﴿ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! جس (عذاب) کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے اگر تو (میری زندگی میں) مجھے دکھائے۔'' یعنی اگر تو میری موجودگی میں انھیں سزا دے تو مجھے ان میں سے نہ کیجیے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد و ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے: [وَإِذَا أَرَدْتَّ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي (إِلَيْكَ) غَيْرَ مَفْتُونٍ] ''اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھ کو تو اس آزمائش میں ڈالے بغیر ہی اپنے پاس بلا لیجیے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴾ ''اور بلاشبہ ہم اس بات پر کہ آپ کو دکھائیں جس کا وعدہ ہم ان سے کر رہے ہیں ضرور قادر ہیں۔'' یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ تمام آزمائشیں، مصیبتیں اور تکلیفیں دکھا دیں جو ہم ان پر نازل کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے میل جول کی صورت میں اس تریاق نافع کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ بری بات کے جواب میں بھی اچھی بات کہو، اس طرح آپ بری بات کہنے والے کے دل کو جیت لیں گے اور اس کے نتیجے میں اس کی عداوت دوستی میں اور اس کا بغض محبت میں بدل جائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ﴾ ''برائی کو اس طریقے سے دفع کیجیے جو احسن ہو۔'' اور جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34,35) ''اور آپ (برائی کو) ایسی بات سے ٹالیے جو احسن ہو تو (ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے) یکایک وہ شخص جس میں اور تم میں دشمنی تھی، (ایسا ہو جائے گا جیسے) گویا کہ وہ جگری دوست ہے اور یہ (خصلت) انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔'' یعنی یہ وصیت یا خصلت یا یہ صفت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں، حالانکہ ان کی طرف سے برا سلوک ہوتا ہے مگر برائی کے مقابلے میں حسن سلوک کی توفیق انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا و آخرت میں بڑے صاحب نصیب ہیں۔

اور فرمایا: ﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴾ ''اور کہہ دیجیے: اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ شیطانوں سے پناہ مانگی جائے کیونکہ ان کے مقابلے میں کوئی حیلہ کارگر ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ وہ حسن سلوک ہی سے رام ہو سکتے ہیں۔ تعوذ پر گفتگو کے ضمن میں ہم قبل ازیں یہ بیان کر آئے ہیں[2] کہ رسول اللہ ﷺ تعوذ کے لیے یہ کلمات پڑھا کرتے تھے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''میں سننے والے اور جاننے والے اللہ کی پناہ لیتا ہوں مردود شیطان سے، (یعنی) اس کے تکبر سے اور اس کے پھونکے ہوئے

---

① مسند أحمد: 243/5 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة ص، حديث: 3235 اور قوسین والا لفظ جامع الترمذي: 3233 اور مسند أحمد: 368/1 میں ہے۔ ② دیکھیے الفاتحة، عنوان: ''استعاذہ تلاوت سے پہلے ضروری ہے'' کے ذیل میں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿99﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا

حتی کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے واپس بھیج ﴿99﴾ تاکہ میں اس (دنیا) میں، جسے میں چھوڑ آیا ہوں، نیک

تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿100﴾

عمل کروں، ہرگز نہیں! بے شک یہ ایک بات ہے جو وہ کہنے والا ہے۔ اور ان کے آگے پردہ ہے اس دن تک جب وہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے ﴿100﴾

بے ہودہ خیالات سے اور اس کے وسوسوں سے۔" ﴿وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿98﴾﴾[1] "اور اے میرے پروردگار! میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔" یعنی میرے کسی بھی معاملے میں وہ آ موجود ہوں۔ یعنی میرے کسی بھی معاملے میں وہ آ موجود ہوں، اسی لیے حکم ہے کہ کھانے پینے، مباشرت کرنے، جانور ذبح کرنے اور دیگر تمام امور کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تاکہ شیطان کو بھگا دیا جائے۔ امام ابوداود نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَدَمِ......وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْغَرَقِ...... وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ] "اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں (کسی عمارت وغیرہ کے نیچے) دب کر مرنے سے ......اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ڈوب کر مرنے سے ......اور بے حد بڑھاپے سے اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ بوقت موت شیطان میرے ہوش وحواس گم کر دے۔"[2]

تفسیر آیات: 100,99

کفار کی بوقت موت تمنا: اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت کی کافروں یا اس کے حکم کی اطاعت میں کوتاہی کرنے والوں کی حالت کو بیان کیا ہے کہ اس وقت وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ انھیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ زندگی میں کی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کر لیں: ﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿99﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ﴾ "اے میرے پروردگار! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے تاکہ میں اس (دنیا) میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں، ہرگز نہیں۔" جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○﴾ (المنفقون 11,10:63) "اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس (وقت) سے پیشتر خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی ایک کی موت آ جائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مدت تک مزید مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا، اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دے گا اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔" اور فرمایا: ﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ

[1] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة، حديث: 242 وسنن أبي داود، الصلاة، باب من رأى الاستفتاح......، حديث: 775 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. [2] سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستعاذة، حديث: 1552 وسنن النسائي، الاستعاذة، باب الاستعاذة من التردي......، حديث: 5533 عن كعب بن عمرو أبي اليَسَر رضي الله عنه.

دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴾ (إبراهيم 14:44) ''اور (اے نبی!) لوگوں کو اس دن سے آگاہ کردو جب ان پر عذاب آجائے گا تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کرتا کہ ہم تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں (تو جواب ملے گا) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تمھیں کوئی زوال نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ﴾ الآية (الأعراف 7:53) ''جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے، وہ بول اٹھیں گے کہ بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے، بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ ہمارے حق میں سفارش کریں یا ہم (دنیا میں) پھر لوٹا دیے جائیں تو جو عمل (بد) ہم (پہلے) کرتے تھے (وہ نہ کریں) ان کے سوا اور (نیک) عمل کریں......'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝﴾ (السجدة 32:12) ''اور کاش! آپ دیکھیں کہ جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے) کہ ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، لہٰذا ہمیں (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ ہم نیک عمل کریں، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 6:27,28) ''کاش! آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب یہ آتش (دوزخ کے کنارے) پر کھڑے کیے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تا کہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی ہرگز تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔ ہاں، یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے۔ اور اگر وہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں، کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴾ (الشورٰی 42:44) ''اور آپ ظالموں کو دیکھیں کہ جب وہ (دوزخ کا) عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی سبیل ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝﴾ (المؤمن 40:11,12) ''وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا، ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟ (فرمایا جائے گا: نہیں) اس لیے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تسلیم کر لیتے تھے اب حکم تو اللہ ہی کا ہے جو بلند و بالا، بہت بڑا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝﴾

(فاطر 37:35) ''اور وہ اس میں چلائیں گے (اور کہیں گے) کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے، (اب) ہم نیک عمل کریں گے نہ کہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے (اللہ فرمائے گا:) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا حاصل کر لیتا، اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تو تم (عذاب کے مزے) چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان تمام آیات کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ سوال کریں گے کہ انھیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے مگر موت کے وقت یا قیامت کے دن جب یہ سب جبار کے ہاں پیش ہوں گے یا جب جہنم رسید ہوں گے اور دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس وقت ان کی یہ خواہش پوری نہیں کی جائے گی۔ یہاں فرمایا: ﴿ كَلَّا ۗ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۗ ﴾ ''ہرگز نہیں! یہ ایک بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا۔)'' ﴿ كَلَّا ۗ ﴾ حرفِ زجر و توبیخ ہے، یعنی اس کے مطالبے کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ ﴿ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۗ ﴾ ''یقیناً یہ ایک (ایسی) بات ہے جسے وہ (زبان سے) کہہ رہا ہوگا۔'' یعنی جو یہ سوال کر رہا ہوگا کہ اسے ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ نیک عمل کرے تو یہ محض اس کی زبان کی بات ہوگی جس کے مطابق عمل نہیں ہوگا کیونکہ اگر اسے دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو وہ پھر بھی نیک عمل نہیں کرے گا کیونکہ وہ یہ جھوٹ بول رہا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 28:6) ''اور اگر انھیں واپس بھیج دیا جائے تو بھی وہی کام کریں گے جن سے انھیں روکا گیا تھا، اور کچھ شک نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ واللہ! وہ یہ تمنا نہیں کرے گا کہ اپنے اہل وعیال اور خاندان کی طرف واپس جائے اور نہ یہ خواہش کرے گا کہ وہ دنیا جمع کر کے اپنی خواہشات کو پورا کرے بلکہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں واپس آ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو دنیا میں پہلے ہی ایسے عمل کرتا ہے کافر جس کی تمنا دوزخ کا عذاب دیکھ کر کرے گا۔

برزخ اور اس کا عذاب: ﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ ''اور ان کے آگے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔'' ابوصالح وغیرہ نے کہا ہے کہ ﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ ﴾ کے معنی ان کے آگے کے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان پردہ ہے۔[1] محمد بن کعب کا قول ہے کہ برزخ دنیا و آخرت کے بین بین ہے نہ وہ اہل دنیا کے ساتھ ہے کہ کھائیں پئیں اور نہ اہل آخرت کے ساتھ کہ انھیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے۔[2] ابوصخر کہتے ہیں کہ برزخ سے مراد قبر ہے کہ اہل قبور نہ دنیا میں ہیں اور نہ آخرت میں، قیامت کے دن تک وہ اپنی قبروں ہی میں مقیم رہیں گے۔[3] ﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ ﴾ ''اور ان کے آگے ایک پردہ ہے۔'' ان ظالموں کو عذاب برزخ کے ساتھ سرزنش کی جا رہی ہے جن کے پاس موت آ جاتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ ﴾ (الجاثية 10:45) ''ان کے سامنے دوزخ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 17:14) ''اور اس کے آگے سخت عذاب ہوگا۔''

---

① الدرالمنثور:29/5. ② الدرالمنثور:29/5. ③ الدرالمنثور:29/5.

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿101﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ

پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن نہ ان میں رشتے داریاں رہیں گی اور نہ وہ باہم سوال کریں گے ﴿101﴾ پھر جس کے پلڑے

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿102﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

بھاری ہو گئے تو وہی فلاح پانے والے ہیں ﴿102﴾ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوگئے تو وہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا،

اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿103﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿104﴾

وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ﴿103﴾ آگ ان کے چہرے جھلس دے گی، اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے ﴿104﴾

﴿ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿100﴾ ﴾ ''اس دن تک جب وہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن تک عذاب جاری رہے گا جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ [فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّباً] ''اسے زمین کے اندر ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا۔''[1]

تفسیر آیات:101-104

نفخ صور اور وزنِ اعمال: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب صور میں نفخۂ نشور پھونکا جائے گا اور لوگ اپنی قبروں سے باہر آ جائیں گے تو ﴿ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿101﴾ ﴾ ''نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' یعنی اس دن نہ تو قرابتیں کام آئیں گی اور نہ کوئی والد اپنی اولاد کا پرسان حال ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ﴾ (المعارج 70:10،11) ''اور نہ کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو پوچھے گا، حالانکہ وہ انھیں دکھلا بھی دیے جائیں گے۔'' یعنی کوئی قرابت دار کسی قرابت دار کا پرسان حال نہ ہوگا، حالانکہ وہ اسے دیکھ رہا ہوگا، خواہ اس پر اتنے بوجھ ہوں جو اس کی کمر کو دوہرا کر کے رکھ دیں اور خواہ وہ دنیا میں اسے کتنا ہی عزیز کیوں نہ تھا مگر اب وہ اس کی طرف ذرہ بھر التفات نہیں کرے گا اور نہ مچھر کے پر کے برابر اس کے بوجھ کو اٹھائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ ﴾ (عبس 80:34-36) ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے (دور) بھاگے گا اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹے سے (بھی۔)''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے تمام لوگوں کو جمع کرے گا اور پھر ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرے گا کہ لوگو! جس پر ظلم ہوا ہو وہ آئے اور اپنا حق وصول کر لے تو اس وقت ہر شخص خوش ہوگا کہ اس کے والد یا بیٹے یا بیوی پر حق ہے، خواہ وہ حق کتنا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اس طرح ہوتی ہے: ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿101﴾ ﴾ ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[2] اور فرمایا: ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿102﴾ ﴾ ''پھر جس کے پلڑے بھاری ہو گئے تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' یعنی جن کی نیکیاں برائیوں

---

[1] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر، حديث:1071 وصحيح ابن حبان، الجنائز، ذكر الإخبار عن اسم الملكين ......:7/386 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ [2] تفسير البغوي:1/624 وتفسير الطبري:18/71۔

اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿105﴾ قَالُوۡا رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا

(کہا جائے گا:) کیا تم پر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں، پھر تم ان کو جھٹلا دیا کرتے تھے؟ ﴿105﴾ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر

شِقۡوَتُنَا وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ ﴿106﴾ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴿107﴾

غالب آگئی، اور (واقعی) ہم لوگ گمراہ تھے ﴿106﴾ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال، پھر اگر ہم لوٹیں (دوبارہ وہی کریں) تو بلاشبہ ہم ظالم ہوں گے ﴿107﴾

سے بڑھ جائیں۔ خواہ ایک نیکی ہی بڑھ جائے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ [1]

﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿102﴾ ﴾ ''پس یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' یعنی وہ کامیاب ہوں گے، جہنم سے نجات پا جائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے جس چیز کو طلب کیا تھا اس کے حصول میں کامیاب ہوں گے اور جس شر سے یہ بھاگے تھے اسی سے نجات پا جائیں گے۔ ﴿ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ﴾ ''اور جن کے پلڑے ہلکے ہو گئے۔'' یعنی ان کی برائیاں، نیکیوں سے زیادہ وزنی ہوں گی۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ﴾ ''تو وہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا۔'' یعنی انھوں نے نقصان اٹھایا اور وہ خائب و خاسر ہو گئے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فِىۡ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿103﴾ ﴾ ''ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔'' یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور اس سے کبھی ہل نہ سکیں گے۔ ﴿ تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ﴾ ''آگ ان کے مونہوں کو جھلس دے گی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّتَغۡشٰى وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ۙ ﴾ (إبراهيم 14:50) ''اور آگ ان کے مونہوں کو ڈھانپ رہی ہوگی۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوۡ يَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا حِيۡنَ لَا يَكُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ﴾ (الأنبياء 21:39) ''اے کاش! کافر اس وقت کو جانیں جب وہ اپنے مونہوں پر سے (دوزخ کی) آگ کو ہٹا نہیں سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں پر سے۔'' ﴿ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ ﴿104﴾ ﴾ ''اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ كٰلِحُوۡنَ ﴾ کے معنی ہیں تیوری چڑھائے ہوں گے۔ [2]

تفسیر آیات: 105-107

دوزخیوں کو سرزنش: اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو ان کے کفر، گناہ، محرمات کے ارتکاب اور ان بڑی بڑی باتوں کی وجہ سے جنھوں نے انھیں تباہ و برباد کر دیا تھا، سرزنش کرتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿105﴾ ﴾ ''کیا تم پر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں، پھر تم ان کو جھٹلا دیا کرتے تھے۔'' یعنی میں نے تمھاری طرف رسول بھیجے، کتابیں نازل کیں، تمھارے شکوک و شبہات کو دور کر دیا حتی کہ تمھارے پاس کوئی دلیل بھی باقی نہ بچی جسے تم اپنے موقف کی تائید میں پیش کر سکو جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ ﴾ (النساء 4:165) ''تاکہ پیغمبروں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کو الزام دینے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:15) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور یہ بھی فرمایا: ﴿ كُلَّمَاۤ

[1] الدر المنثور: 130/3. [2] تفسیر الطبری: 73/18.

قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿108﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡ عِبَادِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا

اللہ فرمائے گا: اسی (جہنم) میں ذلیل و خوار (پڑے) رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو ﴿108﴾ بے شک میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو کہتے تھے: اے

فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿109﴾ فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِيًّا حَتّٰۤى اَنۡسَوۡكُمۡ

ہمارے رب! ہم ایمان لائے، لہٰذا تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم کر، اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿109﴾ پھر تم نے انھیں ہنسی مذاق

ذِكۡرِىۡ وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ﴿110﴾ اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ

بنا لیا تھا، حتی کہ انھوں نے تمھیں میری یاد بھلا دی تھی، اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے ﴿110﴾ بلاشبہ میں نے آج انھیں ان کے صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ

الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿111﴾

بے شک وہی کامیاب ہیں ﴿111﴾

اُلۡقِىَ فِيۡهَا فَوۡجٌ سَاَلَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَذِيۡرٌ ○ قَالُوۡا بَلٰى قَدۡ جَآءَنَا نَذِيۡرٌ ۙ فَكَذَّبۡنَا وَقُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ ۖۚ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ كَبِيۡرٍ ○ وَقَالُوۡا لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِىۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ○ فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ ۚ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ○﴾ (الملك 67:8-11) ”جب اس میں کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ضرور ڈرانے والا ہمارے پاس آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی، تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو اور کہیں گے: اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے تو انھوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا، پس دوزخیوں کے لیے دوری ہے۔“

اس لیے وہ کہیں گے: ﴿رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ ﴿106﴾﴾ ”اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری کم بختی غالب ہوگئی اور (واقعی) ہم گمراہ لوگ تھے۔“ یعنی ہم پر حجت قائم ہوگئی تھی لیکن ہم بد بخت تھے، اسی لیے ہم نے دلیل و حجت کو تسلیم نہ کیا، اس لیے ہم راہ راست سے بھٹک گئے اور ہمیں توفیق نہ ملی کہ اسے تسلیم کر لیتے، پھر کہیں گے: ﴿رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴿107﴾﴾ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دے، پھر اگر ہم لوٹیں (دوبارہ وہی کریں) تو بلاشبہ ہم ظالم ہوں گے۔“ یعنی ہمیں دنیا میں لوٹا دے اور اگر ہم نے پھر پہلے جیسے کام رکھے تو پھر ہم ظالم اور مستحق عذاب ہوں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ○ ذٰلِكُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ كَفَرۡتُمۡ ۚ وَاِنۡ يُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ فَالۡحُكۡمُ لِلّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡكَبِيۡرِ ○﴾ (المؤمن 40:11,12) ”سو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، پھر کیا (اس عذاب سے) نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟ تمھیں یہ (عذاب) اس لیے ہے کہ بلاشبہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تسلیم کرتے تھے اب تو حکم اللہ ہی کا ہے جو بلند و بالا، بہت بڑا ہے۔“ یعنی دوزخ سے نکلنے کی اب کوئی سبیل نہیں، اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے جبکہ مومن اللہ کو وحدہ لاشریک مانتے تھے۔

تفسیر آیات: 108-111

اللہ تعالیٰ کا جواب: جب کفار یہ سوال کریں گے کہ انھیں جہنم سے نکال کر ایک بار پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرمائیں گے: ﴿ اخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا ﴾ ''اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو۔'' یعنی حقیر وفقیر اور ذلیل ورسوا ہو کر اب جہنم ہی میں رہو۔ ﴿ وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾ ﴾ ''اور مجھ سے بات نہ کرو۔'' یعنی دوبارہ ایسا سوال بھی نہ کرنا کیونکہ تمھارے لیے میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ ﴿ اخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾ ﴾ کے بارے میں عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کفار کی بات ختم ہو جائے گی تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب ہوگا۔[1] ابن ابوحاتم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دوزخی جہنم کے داروغے مالک کو بلاتے رہیں گے مگر وہ چالیس سال تک تو ان کو کوئی جواب ہی نہیں دے گا، پھر جب جواب دے گا تو یہ کہے گا: ﴿ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:77) ''تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔'' تو ان کی یہ پکار بے کار ثابت ہوگی اور اللہ تو مالک سے بھی اوپر ہے بلکہ وہ تو مالک کا پروردگار ہے، پھر وہ رب تعالیٰ کو پکارتے ہوئے کہیں گے: ﴿ رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَیۡنَا شِقۡوَتُنَا وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّیۡنَ ۝ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:106,107) ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر بھی ہماری کم بختی غالب ہوگئی اور (واقعی) ہم لوگ گمراہ تھے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس میں سے نکال دے اگر ہم پھر (ایسے کام) کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔'' تمام دنیا کی جس قدر عمر ہوگی اس سے دو گنے عرصے تک اللہ تعالیٰ سکوت فرمائے گا، پھر ان کو جواب دیتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ اخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾ ﴾ ''اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔'' اس کے بعد واللہ! وہ زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکیں گے، بس جہنم میں چلاتے اور دھاڑتے رہیں گے اور ان کی آوازیں گدھے کی آوازوں جیسی ہوں گی، پہلے چلائیں گے، پھر دھاڑیں گے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں ان کے کیے ہوئے گناہ اور مومن بندوں اور اللہ کے دوستوں کے ساتھ کیے ہوئے ان کے مذاق کو یاد دلاتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِیًّا ﴾ ''بے شک میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو کہتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، لہٰذا تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے پھر تم ان سے تمسخر کرتے تھے۔'' وہ جب مجھے پکارتے اور میرے حضور آہ وزاری کیا کرتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ﴿ حَتّٰۤی اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِیۡ ﴾ ''یہاں تک کہ انھوں نے تمھیں میری یاد بھلوادی۔'' یعنی ان کے ساتھ بغض میں تم اس حد تک چلے گئے کہ میرے معاملے کو بھی بھول گئے۔ ﴿ وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ ﴾ ''اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔'' ان کے اعمال اور ان کی عبادت کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا كَانُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَضۡحَكُوۡنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوۡا بِهِمۡ یَتَغَامَزُوۡنَ ۝ ﴾ (المطففین 83:29,30) ''بلاشبہ گناہ گار (دنیا میں) مومنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب وہ ان (مسلمانوں) کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔'' یعنی ان کا مذاق اڑاتے ہوئے اشارے کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے

[1] تفسیر الطبری: 79/18. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2509/8.

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ

اللہ فرمائے گا: زمین میں تم کتنے سال رہے؟ ﴿112﴾ وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ رہے، گنتی کرنے والوں سے پوچھ

الْعَآدِّيْنَ ﴿113﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿114﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا

لیجیے﴿113﴾ اللہ فرمائے گا: (واقعی) تم تھوڑا سا وقت ہی رہے، کاش! تم (یہ بات دنیا میں) جانتے ہوتے﴿114﴾ کیا تم نے سمجھا تھا کہ ہم نے

خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿115﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

تمھیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آ ؤ گے ﴿115﴾ چنانچہ بلند و بالا اللہ حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی

هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿116﴾

معبود نہیں، وہ معزز و مکرم عرش کا رب ہے﴿116﴾

اپنے دوستوں اور نیک بندوں کو جس جزا سے نوازا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ﴾ ”بلاشبہ آج میں نے انھیں ان کے صبر کا بدلہ دے دیا۔“ یعنی اس صبر کا جو انھوں نے تمھاری ایذا رسانیوں اور تمھارے ہنسی اڑانے پر کیا تھا۔ ﴿اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿111﴾﴾ ”بے شک وہی کامیاب ہیں۔“ میں نے انھیں کامیاب بنا کر سعادت، سلامتی، جنت دے کر اور جہنم سے نجات عطا فرمادی ہے۔

تفسیر آیات:112-116

زندگانیٔ دنیا کی کل مدت: ان لوگوں نے اپنی دنیا کی مختصر سی زندگی کو جو ضائع کر دیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں صرف نہ کیا تو اللہ تعالیٰ انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمائے گا کہ اگر یہ لوگ دنیا کی قلیل سی مدت میں صبر کرتے تو یہ بھی اسی طرح کامیاب ہو جاتے جس طرح ان کے دوست اور متقی لوگ کامیاب ہوئے ہیں۔ ﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿112﴾﴾ ”اللہ فرمائے گا: تم زمین مین کتنے سال رہے۔“ یعنی دنیا میں تمھاری اقامت کی مدت کتنی تھی؟ ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿113﴾﴾ ”وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا روز کا بھی کچھ حصہ رہے تھے، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔“ یعنی شمار کرنے والے اور حساب کرنے والے۔ ﴿قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ”اللہ فرمائے گا: وہاں تم (بہت ہی) کم رہے۔“ تو دنیائے فانی کو ابدی اور سرمدی آخرت پر ترجیح نہ دیتے اور اپنے لیے یہ برا تصرف اختیار نہ کرتے اور نہ اس قلیل سی مدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے مستحق ٹھہرتے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت پر صبر کرتے جس طرح مومنوں نے کیا تھا تو تم بھی کامیاب ہو جاتے جس طرح مومن کامیاب ہوگئے ہیں۔

ابن ابو حاتم نے صفوان سے روایت کیا ہے اور انھوں نے ایفع بن عبدالکلاعی سے سنا جبکہ وہ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

[إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا أَدْخَلَ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلَ النَّارِ النَّارَ وَقَالَ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ؟ قَالُوا: لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، قَالَ: لَنِعْمَ مَا اتَّجَرْتُمْ فِي يَوْمٍ أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، رَحْمَتِي وَرِضْوَانِي وَ

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو صرف اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، بے شک

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿117﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿118﴾ ع 6/26/6

کافر فلاح نہیں پائیں گے ﴿117﴾ اور آپ کہیں: اے میرے رب! میری مغفرت فرما، اور (مجھ پر) رحم فرما، اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿118﴾

جَنَّتِي امْكُثُوا فِيهَا خَالِدِينَ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا أَهْلَ النَّارِ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ؟ قَالُوا: لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، فَيَقُولُ: بِئْسَ مَا اتَّجَرْتُمْ فِي يَوْمٍ أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، نَارِي وَسُخْطِي امْكُثُوا فِيهَا خَالِدِينَ مُخَلَّدِينَ]

''بے شک اللہ تعالیٰ جب اہل جنت کو جنت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں داخل کر دے گا تو وہ فرمائے گا کہ اے اہل جنت! تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم وہاں ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے۔ اللہ فرمائے گا کہ وہ بہت اچھی تجارت ہے جو تم نے ایک روز یا ایک روز سے بھی کم عرصے میں کی تھی اور اس طرح تم نے میری رحمت، میری خوشنودی اور میری جنت کو حاصل کر لیا، لہٰذا اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں رہو گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے دوزخیو! تم زمین میں کتنے برس رہے تھے؟ وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم عرصہ رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ بہت بری تجارت ہے جو تم نے ایک روز یا ایک روز سے بھی کم مدت میں کی تھی اور اس طرح تم نے میری دوزخ اور میری ناراضی کو حاصل کر لیا، لہٰذا اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ ہی میں رہو گے۔''[1]

اللہ نے بندوں کو بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ﴾ ''کیا پھر تم نے سمجھا تھا کہ ہم نے تمھیں بے فائدہ پیدا کیا ہے۔'' یعنی کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم بے فائدہ پیدا کیے گئے ہو اور جس طرح تمھاری تخلیق میں تمھارا کوئی قصد وارادہ نہیں، اسی طرح تم گمان کرتے ہو کہ اس میں ہماری کوئی حکمت بھی کارفرما نہیں۔ عبث کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ تم کھیل کود میں زندگی بسر کر دو جس طرح کہ جانوروں کی زندگی ہے اور انھیں کوئی ثواب وعذاب نہ ہوگا، حالانکہ ہم نے تمھیں اپنی عبادت اور اپنے احکام کی بجا آوری کے لیے پیدا کیا ہے۔ ﴿ وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿115﴾ ﴾ ''اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔'' یعنی تم یہ بھی خیال کرتے ہو کہ آخرت میں تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿36﴾ ﴾ (القیمۃ 36:75) ''تو کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی بے کار (بغیر حساب کتاب) چھوڑ دیا جائے گا۔'' یعنی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔

اور فرمایا: ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ ﴾ ''سو بلند و بالا اللہ، سچا بادشاہ ہے۔'' یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ کسی چیز کو بے فائدہ پیدا فرمائے کیونکہ اس سچے بادشاہ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿116﴾ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش بزرگ کا رب ہے۔'' عرش کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ تمام مخلوقات کی چھت ہے اور اس کی صفت

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2511/8 وأسد الغابة، ترجمة أيفع بن عبدالكلاعي: 343/1.

بیان کی ہے کہ وہ کریم، یعنی شکل وصورت کے اعتبار سے بے حد حسین وجمیل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ ﴾ (الشعرآء 7:26) ''ہم نے اس میں ہر قسم کی نفیس چیزیں اگائی ہیں۔''

تفسیر آیات:118,117

شرک ظلم عظیم ہے: اللہ تعالیٰ نے برے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو کسی غیر کو اس کا شریک بنائے اور غیر اللہ کی عبادت کرے اور خبردار فرمایا کہ جس نے اللہ کے ساتھ ساجھی بنایا ﴿ لَا بُرْهَانَ لَهٗ ﴾ یعنی اس کے پاس اپنی بات کی کوئی دلیل نہیں، پس فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ ﴾ ''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔'' یہ جملہ معترضہ ہے اور جواب شرط یہ ہے: ﴿ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ ﴾ ''تو اس کا حساب بس اس کے رب کے پاس ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی اس سے حساب لے گا اور فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ کافر کامیابی نہیں پائیں گے۔'' یعنی اس کے ہاں قیامت کے دن کافروں کے لیے فلاح ونجات نہ ہوگی۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) آپ کہیں: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور (مجھ پر) رحم فرما اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہوئے انھیں یہ دعا سکھائی ہے۔ ''مغفرت'' کا لفظ جب مطلق استعمال ہو تو اس کے معنی گناہ کے مٹا دینے اور اسے لوگوں سے چھپا دینے کے ہوتے ہیں اور ''رحمت'' کے یہاں معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ صحیح اقوال وافعال کے بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۂ مومنون کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔

تفسیر سورۂ نور

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَفَرَضۡنٰهَا وَاَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ①

(یہ) ایک سورت ہے، ہم نے اسے نازل کیا اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا ہے، اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کیں، تاکہ تم نصیحت

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ وَّلَا تَاۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا

حاصل کرو① چنانچہ زانیہ عورت اور زانی مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے

رَاۡفَةٌ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِۚ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا

دین (پر عمل کرنے) کے معاملے میں تمھیں ان دونوں (زانی اور زانیہ) پر قطعاً ترس نہیں آنا چاہیے اور مومنوں میں سے ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے

طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ②

وقت موجود ہونا چاہیے②

تفسیر آیات:2,1

سورۂ نور کی اہمیت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا﴾ ''(یہ ایک) سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا۔'' اس کا یہ معنی نہیں کہ دوسری سورتوں کو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا بلکہ اس سورت کے ساتھ خاص اہتمام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ [وَفَرَّضۡنَاهَا] ''اور ہم نے اُس (کے احکام) کو بیان کر دیا۔'' مجاہد و قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس میں حلال و حرام، امر و نہی اور حدود کو بیان کر دیا ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اسے ﴿فَرَضۡنٰهَا﴾ پڑھا ہے تو ان کی قراءت کے مطابق اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اس کے احکام تم پر اور تمھارے بعد آنے والے لوگوں پر فرض قرار دے دیے ہیں۔[2] ﴿وَاَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ ''اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل کیں۔'' جو بالکل غیر مبہم اور واضح ہیں۔

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2516/8. ② صحيح البخاري، التفسير، سورة النور، قبل الحديث: 4745.

﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①﴾ ”تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

زنا کی حد کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ”پس بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو تم سو دُرّے مارو۔“ اس آیت کریمہ میں زانی کی حد کو بیان کیا گیا ہے اور اس مسئلے میں تفصیل ہے کہ زانی یا تو کنوارا ہوگا، یعنی اس نے شادی نہیں کی ہوگی یا وہ محصن ہوگا، محصن سے مراد وہ ہے جس نے نکاح صحیح میں مباشرت کی ہو اور وہ آزاد، بالغ اور عاقل ہو، اگر وہ کنوارا غیر شادی شدہ ہو تو اس کی حد سو دُرّے ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے، علاوہ ازیں اسے اپنے شہر سے جلا وطن بھی کر دیا جائے گا جیسا کہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ان دو اعرابیوں کے بارے میں روایت ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرا یہ بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا ہے تو میں نے اپنے بیٹے کے فدیے میں اسے ایک سو بکری اور ایک باندی دی ہے، میں نے جب اہل علم سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ میرے بیٹے کی سزا ایک سو دُرّے اور ایک سال کے لیے جلا وطنی ہے اور اس عورت کی سزا رجم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، اَلْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ تَغْرِيبُ عَامٍ، (وَّ) اغْدُ يَاأُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا] ”اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کا فیصلہ ضرور کتاب اللہ کے مطابق کروں گا، باندی اور بکریاں تجھے واپس مل جائیں گی اور تیرے بیٹے کو ایک سو دُرّوں اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ملے گی۔ اے اُنیس!۔ خاندان اسلم کا ایک شخص۔ تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دو۔“ اُنیس اس عورت کے پاس گئے تو اس نے اعتراف کر لیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔[1]

کنوارے اور شادی شدہ زانی مرد و زن کی سزا: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ زانی اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا جلا وطنی کے ساتھ ایک سو دُرّے ہے اور اگر وہ محصن ہو، یعنی اس نے نکاح صحیح میں مباشرت کی ہو اور وہ آزاد، بالغ اور عاقل ہو تو اس کی سزا رجم ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: اما بعد، اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر آیت رجم کو بھی نازل فرمایا تھا جسے ہم نے پڑھا اور یاد رکھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا، مجھے ڈر ہے کہ امتدادِ زمانہ کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ ہم تو کتاب اللہ میں آیتِ رجم کو نہیں پاتے تو وہ ایک ایسے فریضے کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ کتاب اللہ کے مطابق رجم کی سزا اس شخص کے

---

① صحیح البخاري، الشروط، باب الشروط التي لا تحل في الحدود، حدیث:2725,2724، البتہ قوسین والا حرف بخاری ہی کی حدیث: 2314, 2315 میں ہے۔ وصحیح مسلم، الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنا، حدیث: 1698,1697 .

لیے برحق ہے جو شادی شدہ مردوں اور عورتوں میں سے زنا کرے، بشرطیکہ شہادت موجود ہو یا حمل ظاہر ہو جائے یا (مجرم اپنے جرم کا) اعتراف کر لے۔[1] اسے امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں امام مالک رحمہ اللہ کی طویل حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے اور یہ اس طویل حدیث کا کچھ حصہ ہے جو ہمارے مقصود سے متعلق ہے۔[2]

حدود نافذ کرنے میں ترس نہ کھاؤ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ ﴾ ''اور اللہ کی شرع (کے معاملے) میں تمھیں ان دونوں پر ہرگز ترس نہ آئے۔'' یہاں اللہ کے دین سے مراد اللہ کا حکم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے حکم کے نافذ کرتے وقت تمھیں ان دونوں پر رحم اور ترس نہیں آنا چاہیے۔ ممانعت اقامت حد کے وقت طبعی نرمی و ترس کی نہیں ہے بلکہ وہ ترس ممنوع ہے جو حاکم کو ترکِ حد پر آمادہ کرے تو حاکم کے لیے ایسا ترس اور ایسی نرمی جائز نہیں ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اقامت حدود کا معاملہ جب سلطان کے پاس آئے تو حدود کو قائم کر دیا جائے اور انھیں معطل نہ کیا جائے۔[3] سعید بن جبیر اور عطاء بن ابو رباح سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] حدیث میں آیا ہے: [تَعَافَوُا الْحُدُودَ فِيمَا بَيْنَكُمْ، فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ] ''آپس میں حدود کو معاف کر دو اور جب میرے پاس حد کا کوئی معاملہ آئے گا تو حد (کو نافذ کرنا) یقیناً واجب ہو جائے گا۔''[5]

اور فرمایا: ﴿ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ ''اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔'' تو زنا کرنے والے پر حد قائم کر دو اور اسے کوڑے مارو مگر بہت زیادہ سختی کے ساتھ نہ مارو کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ اس طرح کا کام کرنے والے دوسرے لوگ اس سے باز آ جائیں۔ مسند میں بعض صحابہ کے بارے میں ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بکری ذبح کرتے ہوئے رحم آ جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: [وَلَكَ فِي ذٰلِكَ أَجْرٌ] ''تمھیں اس کا بھی ثواب ملے گا۔''[6]

لوگوں کی موجودگی میں حد قائم کرو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ''اور چاہیے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔'' جب زنا کرنے والے جوڑے کو لوگوں کی موجودگی میں کوڑے مارے جائیں گے تو یہ ڈانٹ ڈپٹ کے لیے زیادہ بلیغ اور (گناہ) چھوڑنے میں زیادہ مفید ہوگی کیونکہ لوگوں کی موجودگی میں ان کے لیے زجر و توبیخ اور ذلت و رسوائی ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد باری تعالیٰ:

---

[1] الموطأ للإمام مالك، الحدود، باب ماجاء فی الرجم: 348/2، حدیث: 1583 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مختصرًا. [2] صحیح البخاری، الحدود، باب الاعتراف بالزنا، حدیث: 6830،6829 وصحیح مسلم، الحدود، باب رجم الثیب فی الزنا، حدیث: 1691 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2518/8. [4] تفسیر الطبری: 89/18 وتفسیر البغوی: 379/3. [5] سنن أبی داود، الحدود، باب یعفی عن الحدود مالم تبلغ السلطان، حدیث: 4376 وسنن النسائی، قطع السارق، باب ما یکون حرزا ومالایکون، حدیث: 4890 عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ. [6] مسند أحمد: 436/3 عن قرة بن إیاس رضی اللہ عنہ، ملحوظ: مجموعہ کتب حدیث میں یہ الفاظ [ولك فی ذلك أجر] اس سیاق میں نہیں ملے، البتہ مذکورہ حوالے میں یہ الفاظ ہیں: [وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ] ''اگر تو بکری پر رحم کرے گا تو اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔''

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ؗ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ

زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی اور مومنوں پر یہ (زنا کار سے نکاح)

ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③

حرام ٹھہرایا گیا ہے③

﴿ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ② ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ انھیں علانیہ طور پر سزا دی جائے۔[1]

تفسیر آیت:3

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زانی بدکار عورت یا مشرک عورت ہی سے وطی کرتا ہے، یعنی اس کے ارادۂ زنا کے بارے میں اس کی بات کو یا تو زانی اور نافرمان عورت ہی مانتی ہے یا مشرک عورت جو زنا کو حرام نہیں سمجھتی، اسی طرح ﴿ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾ ''اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک (مرد) ہی۔'' یعنی زانی عورت سے زانی اور عاصی مرد ہی وطی کرتا ہے یا وہ مشرک جو اسے حرام نہیں سمجھتا۔ ﴿ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③ ﴾ ''اور یہ (بدکار سے نکاح کرنا) مومنوں پر حرام ٹھہرایا گیا ہے۔'' یعنی زانی عورتوں سے نکاح کرنا یا عفت مآب اور پاک دامن عورتوں کو بدکار مردوں کے نکاح میں دے دینا مومنوں پر حرام ہے۔ قتادہ اور مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے بدکار عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے۔[2] یہ آیت کریمہ حسب ذیل آیت کی طرح ہے: ﴿ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ ﴾ (النسآء 4:25) ''بشرطیکہ وہ پاک دامن ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ خفیہ آشنا بنانے والی ہوں۔'' نیز حسب ذیل آیت کی طرح: ﴿ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَ لَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ ...... ﴾ الآیة (المآئدۃ 5:5) ''نکاح میں لانے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنا بنانے والے......۔''

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومنوں میں سے ایک شخص نے اُمّ مہزول نامی ایک عورت سے تعلقات استوار کرنے کے بارے میں اجازت چاہی اور یہ ایک ایسی عورت تھی جو اس شرط پر بدکاری کرتی تھی کہ بدکاری کرنے والا اس پر خرچ کرتا رہے، اس مومن نے یا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے ساتھ تعلقات کے بارے میں اجازت طلب کی تھی یا اس نے اس کی صورت حال کو بیان کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی: ﴿ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③ ﴾ ''زنا کرنے والی عورت کو زنا کرنے والے یا مشرک (مرد) کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ (بدکار سے نکاح کرنا) مومنوں پر حرام ٹھہرایا گیا ہے۔''[3]

ابن ابو حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا یَنْکِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا

---

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2519/8۔ ② الدر المنثور: 38/5 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2523/8 و2527۔ ③ مسند أحمد: 159/2 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾: 415/6، حدیث: 11359.

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے ، تو تم انھیں اسّی کوڑے مارو ، اور تم ان کی

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

شہادت (گواہی) کبھی قبول نہ کرو ، اور یہی لوگ نافرمان ہیں ④ مگر اس کے بعد جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کرلی،

وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے⑤

مِثْلَهٗ]" وہ زانی جسے کوڑے لگ چکے ہوں اپنے جیسی کسی عورت سے شادی کرے گا۔"[1] امام ابوداود نے بھی اپنی سنن میں اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:5,4

حد قذف کا بیان: اس آیت کریمہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص پرہیز گار، یعنی آزاد، بالغ اور پاکباز عورت پر بدکاری کا عیب لگائے تو اسے دُرّے مارے جائیں، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی پرہیز گار مرد پر ایسا الزام لگائے تو اسے بھی دُرّے مارے جائیں گے، البتہ اگر بہتان لگانے والا شخص اپنی بات کی تصدیق کے لیے گواہ پیش کر دے تو اس پر سے حد ساقط ہوجائے گی، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ ﴾ " پھر وہ چار گواہ نہ لائیں تو تم انھیں اسّی دُرّے مارو اور تم کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔" اگر بہتان لگانے والا اپنی بات کی تائید میں گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر اس پر تین باتیں واجب قرار دے دی گئی ہیں: (1) اسے اسّی دُرّے مارے جائیں (2) اس کی شہادت کو ہمیشہ کے لیے مردود قرار دیا جائے اور (3) اسے بدکردار قرار دیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور لوگوں کے نزدیک بھی عادل نہیں ہوگا۔

بہتان بازی کرنے والے کی توبہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ ﴾ " مگر اس کے بعد جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کرلی تو بلاشبہ اللہ (بھی) بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔" اس استثنا کا تعلق دوسرے اور تیسرے جملے سے ہے کیونکہ دُرّے مارنے کے حکم پر تو عمل ہو چکا، خواہ وہ توبہ کرے یا اپنے بہتان پر اصرار کرے، اس کے بعد اس کے لیے بلا اختلاف کوئی حکم نہیں ہے اگر وہ توبہ کرے تو اس کی شہادت مقبول ہوگی اور اس سے فسق کا حکم ختم ہو جائے گا جیسا کہ سید التابعین حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور سلف کی ایک جماعت سے وضاحت کے ساتھ مروی ہے۔[3]

شعبی اور ضحّاک کا قول یہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی اِلّا یہ کہ وہ خود یہ اعتراف کرلے کہ اس نے یہ

① تفسیر ابن أبی حاتم : 2524/8 . ② سنن أبی داود، النکاح، باب فی قوله تعالٰی : ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ﴾ ، حدیث : 2052 . ③ تفسیر الطبری : 105-102/18 .

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم

شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ

کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے⑥ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو⑦ اور عورت سے سزا

الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ⑧

کو (یہ شے) ٹالتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں سے ہے⑧ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند)

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو⑨ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو جھوٹوں کو سزا ملتی) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ بہت

وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع 1 10 7

توبہ قبول کرنے والا اور خوب حکمت والا ہے⑩

بات از راہ بہتان کہی تھی تو پھر اس کی شہادت مقبول ہوگی۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:10-6

لعان کا بیان: اس آیت کریمہ میں میاں بیوی کے لیے کشادگی، نجات اور (مصیبت سے) نکلنے کا رستہ ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور اس کے لیے گواہ پیش کرنا مشکل ہو تو وہ حکم الٰہی کے مطابق اپنی بیوی سے لعان کرے، لعان کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو امام کے پاس لائے اور اپنے بہتان کا دعویٰ کرے تو چار گواہوں کے مقابلے میں امام اس سے چار قسمیں لے لے۔ ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥﴾ ''بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔'' یعنی اپنے اس بہتان میں جو زنا کے طور پر اس نے اپنی بیوی پر لگایا ہے۔ ﴿وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦﴾ ''اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔'' جب وہ اس طرح پانچ قسمیں اٹھا لے گا تو اس سے اس کی بیوی بائنہ ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جائے گی، اسے اس کا مہر دینا ہوگا اور اس کی بیوی پر زنا کی حد قائم کی جائے گی اور اس سے یہ حد ساقط نہیں ہوگی الا یہ کہ وہ بھی لعان کرے اور اللہ تعالیٰ کی چار قسمیں کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے، یعنی اس نے یہ بہتان باندھا ہے۔ ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨﴾ ''اور پانچویں دفعہ یہ (کہے) کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ ''اور یہ چیز (چار بار اللہ کی قسم) عورت سے سزا کو ٹال دے گی'' یعنی حد کو۔ ﴿اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨﴾ ''کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں دفعہ یہ (کہے) کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت)

① تفسیر الطبری:101/18و106و تفسیر ابن أبی حاتم:2531/8.

پر اللہ کا غضب ہو۔'' غضب کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں کوئی شخص اپنی بیوی کو اسی وقت ذلیل و رسوا کرتا اور اس پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے جب وہ سچا ہو اور الزام لگانے میں معذور ہو اور یہ عورت بھی جانتی ہو کہ وہ اس الزام لگانے میں سچا ہے، اس لیے اس کے بارے میں پانچویں قسم یہ قرار دی گئی کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو اور مغضوب علیہ وہ ہوتا ہے جو حق بات کو جاننے کے باوجود اس سے اعراض کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے ساتھ اپنے لطف و کرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے تنگی سے نکلنے کے لیے رستہ بنا دیا اور مشکل کو آسان فرما دیا ہے۔ ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی۔'' تو تم حرج میں مبتلا ہو جاتے اور بہت سے امور و معاملات میں تمھیں بڑی مشکل پیش آتی۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ﴾ ''اور یہ کہ بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے، خواہ وہ پکی سچی قسموں کے بعد ہو۔ ﴿حَكِيْمٌ ۝۱۰﴾ ''خوب حکمت والا ہے'' اپنی نازل کردہ شریعت میں اور ان تمام اوامر و نواہی میں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے تقاضے کے مطابق عمل، اس کے سبب نزول اور جن صحابہ کے بارے میں یہ نازل ہوئی، اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

آیتِ لعان کا سبب نزول: امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ﴾ (النور 4:24) ''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے تو تم انھیں اسی (80) کوڑے مارو اور تم ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔'' تو سید الانصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آیت کریمہ اسی طرح نازل ہوئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَامَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَلَا تَسْمَعُونَ إِلٰى مَا يَقُولُ سَيِّدُكُمْ؟] ''اے گروہ انصار! کیا تم سن رہے ہو کہ تمھارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! انھیں ملامت نہ کریں، یہ بہت غیور آدمی ہیں، انھوں نے ہمیشہ باکرہ عورتوں سے شادی کی ہے اور شدت غیرت کی وجہ سے اپنی کسی بیوی کو کبھی طلاق ہی نہیں دی کہ ہم میں سے کسی شخص نے یہ جرأت کی ہو کہ وہ ان کی بیوی سے شادی کر لے۔ سعد نے عرض کی: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کریمہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نازل ہوئی) ہے لیکن مجھے اس بات سے تعجب ہے کہ اگر میں اس کمینی عورت کو دیکھوں کہ اس کی رانوں کے درمیان ایک شخص بیٹھا ہوا ہو تو جب تک چار گواہ نہ لے آؤں مجھے اسے ڈرانے دھمکانے اور دور ہٹانے کا کوئی حق ہی نہیں ہے، اللہ کی قسم! جب تک میں چار گواہ لے کر آؤں گا وہ تو اپنی ضرورت پوری کر کے جا چکا ہوگا۔

راوی کا بیان ہے کہ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہلال بن امیہ آئے۔ اور یہ ان تین میں سے ایک تھے جن کی (غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی) توبہ قبول کر لی گئی تھی۔ وہ اپنی زمین سے عشاء کے وقت اپنے گھر میں آئے اور انھوں نے اپنی بیوی

کے پاس ایک مرد کو دیکھا، انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا مگر وہ طیش میں نہ آئے حتی کہ جب صبح ہو گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں عشاء کے وقت اپنی بیوی کے پاس آیا تو میں نے اس کے پاس ایک مرد کو پایا، میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے انھیں باتیں کرتے ہوئے سنا، رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور یہ آپ کو بہت ناگوار محسوس ہوئی، اتنے میں انصار بھی جمع ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ سعد نے جو بات کی تھی اس کی وجہ سے ہم آزمائش میں مبتلا ہو گئے ہیں، اب رسول اللہ ﷺ ہلال بن امیہ کو ماریں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے، یہ سن کر ہلال نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے اس مشکل سے نکلنے کی کوئی صورت ضرور پیدا فرما دے گا، ہلال نے یہ بھی عرض کی: اللہ کے رسول! میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے جو بات کی ہے وہ آپ کو بہت ناگوار محسوس ہوئی ہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ میں بالکل سچا ہوں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا ارادہ یہ تھا کہ اسے مارنے کا حکم دیں، اچانک اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرما دی، آپ پر جب وحی نازل ہوتی تو صحابۂ کرام اسے آپ کے چہرۂ اقدس کے تأثرات سے پہچان لیا کرتے تھے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ سے الگ ہو گئے حتی کہ آپ وحی سے فارغ ہو گئے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ﴾ ''اور جو لوگ اپنی عورتوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے علاوہ کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت (اس طرح) ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھائے۔'' رسول اللہ ﷺ کی نزول وحی کی یہ کیفیت جب ختم ہوگئی تو آپ نے فرمایا: [أَبْشِرْ يَا هِلَالُ! قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكَ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا] ''ہلال! تمھارے لیے یہ خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے کشادگی اور مشکل سے نکلنے کا رستہ بنا دیا ہے۔'' ہلال نے عرض کی: مجھے اپنے رب تعالیٰ سے یہی امید تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَرْسِلُوا إِلَيْهَا] ''اس عورت کی طرف پیغام بھیجو (اور اسے بلاؤ۔)'' انھوں نے اسے پیغام بھیجا تو وہ آئی اور رسول اللہ ﷺ نے ہلال اور اسے دونوں کو آیاتِ لعان پڑھ کر سنائیں، انھیں نصیحت کی اور فرمایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے بہت سخت ہے، ہلال نے عرض کی: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں اس کے بارے میں بالکل سچ کہتا ہوں، اس کے جواب میں اس عورت نے کہا کہ ہلال نے جھوٹ بولا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَاعِنُوا بَيْنَهُمَا] ''ان دونوں کے مابین لعان کرا دو۔'' ہلال سے کہا گیا: تم قسم کھاؤ تو اس نے چار بار قسم کھا کر کہا کہ وہ سچا ہے، جب پانچویں قسم کا وقت آیا تو ہلال سے کہا گیا: ہلال! اللہ سے ڈر جاؤ، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے اور یہ پانچویں قسم تم پر عذاب کو واجب قرار دے دے گی۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے اس کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جیسا کہ اس کی وجہ سے اسی نے مجھے کوڑے بھی نہیں لگوائے، اس کے بعد انھوں نے پانچویں قسم کھائی کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر اس عورت سے کہا گیا کہ تم اللہ کی چار قسمیں کھاؤ کہ یہ جھوٹا ہے اور پانچویں قسم کے وقت اس

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ

بے شک جو لوگ (ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان گھڑ لائے وہ تمھی میں سے ایک گروہ ہیں، تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے، ان

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪

میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں سے وہ شخص جس نے اس (گناہ) کا بڑا بوجھ اٹھایا، اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ⑪

سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر جاؤ، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے اور یہ پانچویں قسم تمھارے لیے عذابِ آخرت کو واجب قرار دے دے گی، کچھ دیر کے لیے وہ رکی اور اس نے اعترافِ جرم کا ارادہ کر لیا لیکن پھر کہنے لگی کہ اللہ کی قسم! میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی اور اس نے پانچویں قسم بھی کھالی کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو، (اس طرح لعان کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ فرمایا کہ اس کے بیٹے کو باپ کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور اس (عورت) پر اس (کے بیٹے) کی وجہ سے الزام نہ لگایا جائے اور نہ اس کے بیٹے پر الزام لگایا جائے جس نے اس عورت یا اس کے بیٹے پر الزام لگایا تو اسے حد لگائی جائے گی۔

آپ نے فیصلہ فرمایا: اب ہلال کے ذمے اس عورت کی رہائش اور خوراک نہیں ہے کیونکہ دونوں میں طلاق اور وفات کے بغیر جدائی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: [إِنْ جَاءَتْ بِهِ أُصَيْهِبَ، أُرَيْسِحَ، حَمْشَ السَّاقَيْنِ، فَهُوَ لِهِلَالٍ، وَّإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا، جُمَالِيًّا، خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ، سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ، فَهُوَ لِلَّذِي رُمِيَتْ بِهِ] ''اگر اس نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کا رنگ زرد، سرخی مائل اور جو باریک سرین اور باریک پنڈلیوں والا ہو تو وہ ہلال کا بیٹا ہو گا اور اگر اس نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کا رنگ گندمی، بال گھنگریالے، اعضا بڑے اور چوڑے، سرین موٹے اور پنڈلیاں بھری ہوئی ہوں تو وہ اس کا ہو گا جس (سے بدکاری کا اس) پر الزام لگایا گیا ہے۔'' پھر اس عورت نے واقعی ایسے بچے کو جنم دیا جس کا رنگ گندمی، بال گھنگریالے، اعضا بڑے اور چوڑے، سرین موٹے اور پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَوْلَا الْأَيْمَانُ، لَكَانَ لِي وَ لَهَا شَأْنٌ] ''اگر اس نے قسمیں نہ کھائی ہوتیں تو میں اس کے ساتھ خاص سلوک کرتا۔'' عِکرِمہ بیان کرتے ہیں کہ پیدا ہونے والا یہ بچہ جب بڑا ہوا تو یہ اپنے شہر کا امیر تھا اور باپ کے بجائے ماں کی طرف منسوب کر کے بلایا جاتا تھا۔① اسی طرح امام ابوداود نے بھی اس حدیث کو قدرے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔② صحاح اور دیگر کتب میں اس حدیث کے بہت سے شواہد بھی موجود ہیں۔③

تفسیر آیت: 11

واقعۂ اِفک: یہ دس آیات کریمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب بہتان باز اور افترا پرداز منافقوں نے آپ پر سراسر جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ اور اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ

① مسند أحمد :1/238،239. ② سنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث:2256. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ (النور 24:8)، حديث:4747.

واقعۂ افک

غزوۂ بنو مُصطلق (خزاعہ کی شاخ)

غزوۂ مُریسیع (شعبان 5ھ)

﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ ”بے شک وہ لوگ جو گھڑ لائے ہیں جھوٹ (بہتان) ایک گروہ ہے تم ہی میں سے، نہ گمان کرو تم اسے برا اپنے لیے بلکہ وہ بہتر ہے تمہارے لیے، واسطے ہر ایک شخص کے ان میں سے (سزا ہے اس کی) وہ جو کمایا اس نے گناہ سے، اور وہ شخص جس نے اٹھایا بڑا بوجھ اس (گناہ) کا ان میں سے، اس کے لیے عذاب عظیم ہے۔“

﴿ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴾

”اور جب سنا تم نے اس کو کیوں نہیں، کہا تم نے نہیں لائق ہمارے یہ کہ کلام کریں ہم ساتھ اس بات کے، پاک ہے تو (اے اللہ!) یہ تو بہتان ہے بہت ہی بڑا۔“

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ﴾

”بلاشبہ وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں یہ کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے، ان کے لیے عذاب ہے نہایت دردناک دنیا میں اور آخرت میں۔“ (النور 24 : 11, 16, 19)

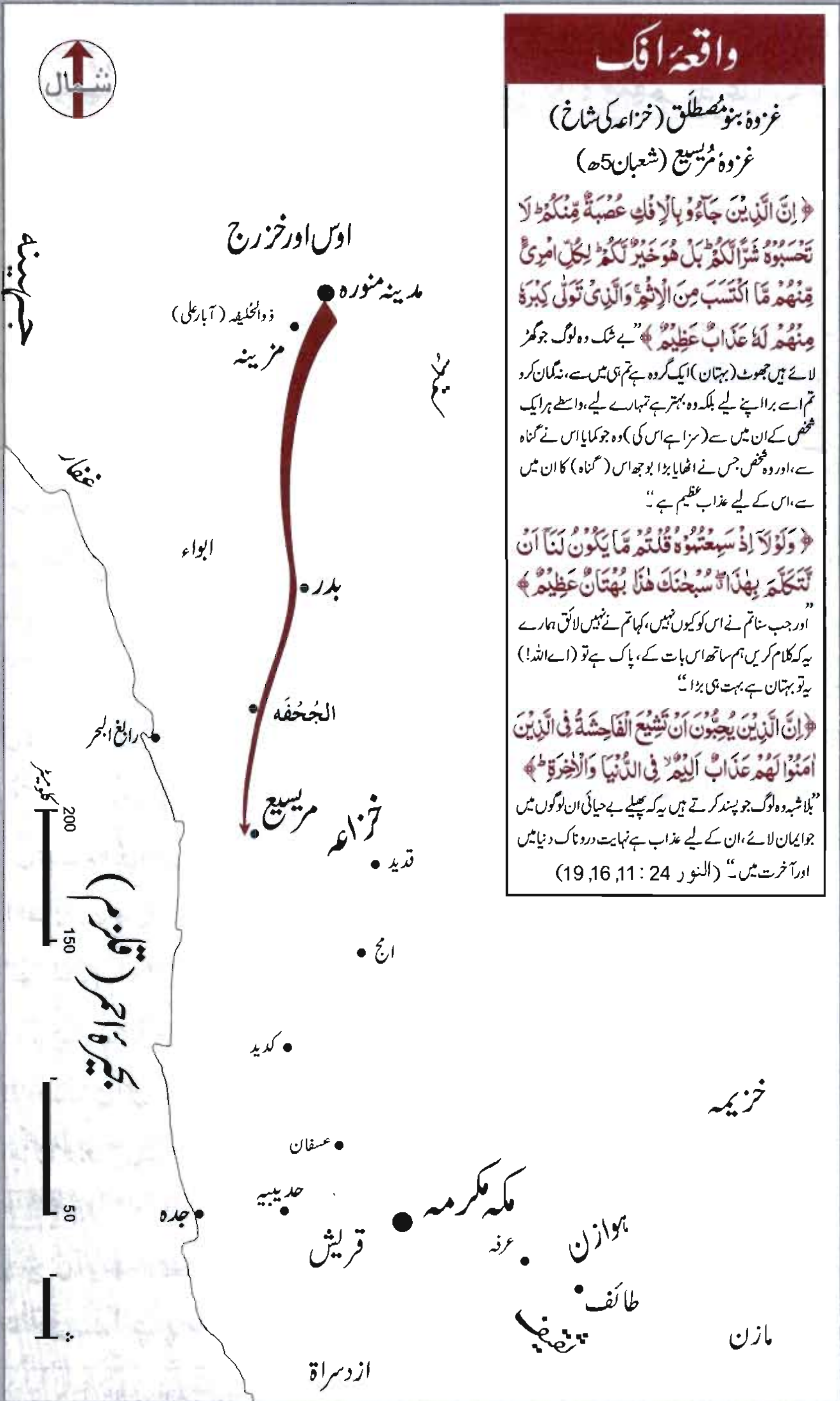

وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ کے لیے غیرت کے طور پر ان آیات کریمہ کو نازل فرما دیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کی براءت اور رسول اللہ ﷺ کی ناموس کی حفاظت کے طور پر ان آیات کریمہ کو نازل فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ﴾ ''بے شک جو لوگ (عائشہ ؓ پر) بہتان گھڑ لائے وہ تمھی میں سے ایک جماعت ہیں۔'' یعنی بہتان باندھنے والا کوئی ایک یا دو شخص نہیں بلکہ ایک جماعت ہے، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی ابن سلول اس جماعت کا سرغنہ اور اس لعنت میں پیش پیش تھا، وہ اس بہتان کو بنا سنوار کر پیش کرتا حتی کہ بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو کر یہ بات کہنے لگے، کچھ دیگر نے کہا کہ ایسا ممکن ہے، قریباً ایک ماہ تک اس طرح کی چہ میگوئیاں ہوتی رہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی براءت میں یہ آیات کریمہ نازل فرما دیں۔ اس واقعے کی تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے۔[1]

امام احمد ؒ نے زہری سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کے اس واقعے کے بارے میں مجھ سے بیان کیا کہ جب بہتان بازوں نے آپ پر بہتان باندھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی براءت میں قرآن نازل فرما دیا تھا، ان سب لوگوں نے اس واقعے کا کچھ کچھ حصہ بیان کیا اور بعض، بعض کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والے اور زیادہ صحیح طریقے سے بیان کرنے والے تھے، میں نے ان میں سے ہر ایک کی بیان کردہ اس حدیث کو یاد رکھا ہے جو انھوں نے مجھ سے بیان کی اور ان میں سے بعض کی حدیث بعض دیگر کی تصدیق کرتی ہے، ان سب نے ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کر لیا کرتے تھے جس کا قرعہ نکلتا تو اسے رسول اللہ ﷺ سفر میں اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے، اسی طرح ایک غزوے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے قرعہ اندازی فرمائی تو میرے نام کا قرعہ نکل آیا، لہٰذا میں اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی تھی۔

یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے ہودج میں اٹھایا اور اسی میں بٹھایا جاتا تھا۔ (ہم سفر پر روانہ ہو گئے۔) رسول اللہ ﷺ جب اس غزوے سے فارغ ہو کر واپس تشریف لا رہے تھے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تھے تو ایک رات آپ نے کوچ کا حکم دیا اور آپ نے جب کوچ کا حکم دیا تو میں کھڑی ہو گئی حتی کہ لشکر سے الگ ہو گئی اور جب اپنی حاجت پوری کرنے کے بعد واپس مڑی اور میں نے اپنے سینے کو چھوا تو معلوم ہوا کہ میرا موتیوں کا ہار ٹوٹ گیا ہے تو میں واپس جا کر اپنے ہار کو تلاش کرنے لگی، اسی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی۔ وہ لوگ جو میرے ہودج کو اٹھایا کرتے تھے آئے اور انھوں نے ہودج اٹھایا اور اسے میرے اونٹ پر رکھ دیا جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے سمجھا کہ میں ہودج میں ہوں۔ خواتین اس وقت دبلی پتلی ہوتی تھیں اور ان کے جسموں پر گوشت نہ ہوتا تھا کیونکہ وہ بہت سادہ کھانا کھایا کرتی تھیں، اس لیے

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب : ﴿ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ ...... ﴾ (النور 24:12، 13)، حدیث : 4750 و صحیح مسلم، التوبۃ، باب فی حدیث الإفك......، حدیث: 2770 .

ان لوگوں نے ہودج کے ہلکا ہونے کی وجہ سے یہ محسوس نہیں کیا کہ میں اس میں موجود نہیں ہوں اور میں ابھی نوعمر لڑکی تھی، انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل دیے۔ مجھے قافلے کی روانگی کے بعد اپنا ہار ملا، پھر میں جب پڑاؤ کی جگہ واپس آئی تو وہاں نہ کوئی بلانے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا (وہاں اس وقت کوئی بھی موجود نہ تھا)، میں نے اسی جگہ کا قصد کیا جہاں میں تھی اور یہ خیال کیا کہ لوگ جب مجھے گم پائیں گے تو میری طرف واپس آئیں گے۔ میں اسی جگہ بیٹھی ہوئی تھی کہ نیند کا غلبہ ہوا اور میں سوگئی۔

صفوان بن مُعَطَّل سُلَمی ذَکوانی لشکر کے پیچھے پیچھے ہوتے تھے، وہ صبح کے وقت میری جگہ کے قریب پہنچ گئے اور انھوں نے دیکھا کہ ایک انسان سویا ہوا ہے لیکن وہ جب میرے قریب آئے تو انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا، انھوں نے جب مجھے دیکھا تو ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (البقرۃ 156:2) ”بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ پڑھا تو ان کے اس پڑھنے کی وجہ سے میں بیدار ہوگئی اور میں نے اپنی اوڑھنی کے ساتھ اپنے چہرے کو چھپالیا۔ اللہ کی قسم! انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی اور میں نے نہیں سنا کہ انھوں نے سوائے ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ ...... ﴾ کے کوئی اور بات کی ہوحتی کہ انھوں نے اپنا اونٹ بٹھا دیا تو میں اس پر سوار ہوگئی اور وہ اپنی سواری کو چلانے لگے اور ہم لشکر کے پاس اس وقت پہنچ گئے جب دوپہر کی گرمی کی شدت کی وجہ سے اس نے پڑاؤ ڈال دیا تھا۔

بہتان بازوں کا ٹولا: میرے بارے میں (اس واقعے کی وجہ سے) جس نے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوگیا اور ان میں سے جس نے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ ہم مدینہ میں جب واپس آئے تو واپسی کے بعد میں قریباً ایک مہینے تک بیمار رہی اور ان دنوں لوگ بہتان طرازوں کے اس بہتان کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے مگر مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہ تھا، البتہ اس بیماری کے دنوں میں یہ بات میرے لیے باعث تشویش تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس لطف و کرم کو نہیں دیکھتی تھی جس کا میرے بیمار ہونے پر آپ مظاہرہ فرمایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے، سلام کہتے اور فرماتے: [كَيْفَ تِيكُمْ؟] ”کیا حال ہے؟“ اس سے مجھے شک گزرتا لیکن اس شر کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ تھا (جو ان لوگوں نے پھیلا رکھا تھا) حتی کہ بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد میں ایک رات رفع حاجت کے لیے باہر نکلی اور میرے ساتھ اُم مِسطح بھی تھیں۔ ہم مناصع [1] کی طرف گئیں، قضائے حاجت کے لیے ہم وہیں جایا کرتی تھیں اور ان دنوں اس مقصد کے لیے ہم صرف رات ہی کو باہر نکلا کرتی تھیں، یہ اپنے گھروں کے قریب بیت الخلا بنانے سے پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت تک ہمارا معاملہ پہلے عرب لوگوں جیسا تھا کہ ہم رفع حاجت کے لیے باہر جنگل میں جایا کرتے تھے اور گھروں میں بیت الخلا سے ہم تکلیف محسوس کرتے تھے، بہر حال میں اور اُم مِسطح باہر نکلیں۔ اُم مِسطح ابورُہم بن مطلب بن عبد مناف کی بیٹی تھیں اور ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کے

[1] مناصع، بقیع کے گرد و نواح میں معروف کشادہ جگہیں تھیں۔

بیٹے کا نام مسطح بن اُثاثہ بن عبّاد بن مطلب تھا۔ بہر حال فراغت کے بعد میں اور بنت ابورُہم ، یعنی اُمِ مسطح جب واپس آ رہی تھیں تو وہ اپنی چادر کی وجہ سے پھسل گئیں اور کہنے لگیں: مِسطح کا برا ہو۔ میں نے یہ الفاظ سننے کے بعد ان سے کہا کہ آپ نے بہت بری بات کی ہے کہ ایک ایسے شخص کو گالی دی ہے جسے غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہے۔ اس نے جواب دیا: اے لڑکی! آپ نے سنا نہیں جو اس نے کہا ہے۔ میں نے کہا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ تو اس نے مجھے بہتان بازوں کی بات کے بارے میں بتایا، یہ بات سن کر میری بیماری میں پھر اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر آئی تو رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے، آپ نے سلام کیا اور فرمایا: [كَيْفَ تِيكُمْ؟] ''کیا حال ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اجازت ہو تو میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔ میں درحقیقت اپنے والدین سے صحیح صورت حال معلوم کرنا چاہتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرما دی۔ میں والدین کے گھر گئی تو میں نے اپنی والدہ سے کہا: امی جان! لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: بیٹی! غم نہ کرو، اللہ کی قسم! ایسا کم ہی ہوا ہے کہ ایک خوبصورت عورت ایک شخص کے نکاح میں ہو، وہ اس سے محبت کرتا ہو اور اس عورت کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ باتیں نہ بنائیں، میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا (اب بھی یہ سوکنوں کی بات ہے) جبکہ لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں۔ صبح تک اس ساری رات میں روتی رہی، نہ آنسو رکتے تھے اور نہ نیند آتی تھی، صبح ہوئی تو میں پھر بھی روتی رہی اور وحی بھی رکی ہوئی تھی۔

محمد ﷺ عالم الغیب ہوتے تو تحقیق نہ کرتے: رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابوطالب اور اسامہ بن زید کو بلایا اور اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں مشورہ فرمایا تو اسامہ بن زید نے آپ کی بیوی کی براءت اور ان سے محبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں اور ہم ان کے بارے میں خیر ہی جانتے ہیں۔ علی بن ابوطالب نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کوئی تنگی تو نہیں رکھی، ان کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں، اگر آپ باندی سے پوچھ لیں تو وہ آپ کو سچی بات بتا دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا: [أَيْ بَرِيرَةُ! هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَّرِيبُكِ مِنْ عَائِشَةَ؟] ''بریرہ! تم نے عائشہ کی کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو تمھیں شک میں مبتلا کرتی ہو؟'' بریرہ نے جواب دیا: اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے ان کی طرف سے کبھی بھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے ان پر عیب لگا سکوں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ وہ کم عمر ہیں، آٹا رکھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر اسے کھا جاتی ہے۔

اس دن رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر عبداللہ بن ابی ابن سلول کی شرارتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: [يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! مَنْ يَّعْذِرُنِي مِنْ رَّجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي؟ فَوَاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا، وَّلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَّا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا، وَّمَا كَانَ يَدْخُلُ عَلٰى أَهْلِي إِلَّا مَعِي] ''اے مسلمانوں کی جماعت! کون ہے جو مجھے اس شخص کے شر سے نجات دے جس کی ایذا رسانی میرے گھر والوں تک پہنچ چکی ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے

اپنی بیوی میں خیر و بھلائی ہی دیکھی ہے اور انھوں نے ایک ایسے شخص کا نام لیا ہے جس کے بارے میں میں یہ جانتا ہوں کہ وہ بہت بھلا اور نیک آدمی ہے، وہ میرے گھر میں جب بھی آیا تو میرے ساتھ ہی آیا ہے (اکیلا کبھی نہیں آیا۔)''

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سن کر سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس کے شر سے میں آپ کو بچاتا ہوں، اس کا تعلق اگر خاندانِ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیتے ہیں اور اگر اس کا تعلق ہمارے خزرجی بھائیوں سے ہے تو پھر آپ جو حکم فرمائیں ہم آپ کے فرمان کی اطاعت بجالائیں گے۔ یہ سن کر سردارِ خزرج سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، وہ ایک نیک انسان تھے مگر خاندانی حمیّت میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے سعد بن معاذ سے کہا: اللہ کی قسم! تم اسے قتل نہیں کر سکتے اور نہ تمھیں اسے قتل کرنے کی طاقت ہے۔ اُسید بن حُضَیر جو سعد بن معاذ کے برادر عم زاد تھے، سعد بن عُبادہ سے کہنے لگے: تم جھوٹ کہتے ہو، اللہ کی قسم! ہم اسے ضرور قتل کر سکتے ہیں، تم منافق ہو اور ایک منافق کی طرف سے جھگڑتے ہو، اس سے اوس و خزرج کے دونوں خاندان بھڑک اٹھے حتی کہ انھوں نے مرنے مارنے کا ارادہ کر لیا اور رسول اللہ ﷺ ابھی تک منبر پر جلوہ افروز تھے، رسول اللہ ﷺ انھیں خاموش کراتے رہے حتی کہ وہ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی سکوت فرمالیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ یہ سارا دن بھی میں نے روتے ہوئے گزارا، نہ آنسو رکتے تھے اور نہ نیند آتی تھی، پھر رات کو بھی میں روتی رہی، نہ آنسو رکتے تھے اور نہ نیند آتی تھی، میرے والدین یہ خیال کرنے لگے کہ اس قدر کثرت کے ساتھ رونے سے میرا جگر پھٹ جائے گا، میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اسے اجازت دے دی تو اس نے بھی میرے پاس بیٹھ کر رونا شروع کر دیا، اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے، آپ نے سلام کیا، پھر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب سے یہ بات کہی گئی تھی آپ میرے پاس بیٹھے نہیں تھے اور ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا لیکن آپ پر میرے بارے میں کوئی وحی بھی نازل نہ ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ جب تشریف فرما ہوئے تو آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور فرمایا: [أَمَّا بَعْدُ: يَاعَائِشَةُ! فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ ثُمَّ تُوبِي إِلَيْهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبٍ ثُمَّ تَابَ، تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ] ''امابعد: اے عائشہ! مجھے تمھارے بارے میں یہ بات پہنچی ہے اگر تو بری ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بری قرار دے دے گا اور اگر تجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرو، بلاشبہ بندہ جب گناہ کا اعتراف کر لے اور پھر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات مکمل فرمالی تو میرے آنسو رک گئے حتی کہ میں آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کرتی تھی، میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا جواب

دیں جو انھوں نے کہی ہے، انھوں نے فرمایا: واللہ! مجھے نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا عرض کروں۔ میں نے اپنی امی سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں تو انھوں نے بھی یہی فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی، قرآن مجید بھی زیادہ نہیں پڑھتی تھی، میں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! بے شک مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ تم نے اس بات کو سنا اور یہ تمھارے دلوں میں بیٹھ گئی اور تم نے اسے سچا سمجھ لیا ہے اگر میں تم لوگوں سے یہ کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں اس بات کا اعتراف کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو تم میری تصدیق کرو گے۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ میں اپنی اور تمھاری مثال اس طرح پاتی ہوں جس طرح یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا: ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ ﴾ (یوسف 12:18) ”لہٰذا صبر ہی بہتر ہے اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پھر میں اٹھ کھڑی ہوئی اور جا کر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور اللہ کی قسم! اس وقت میں یہ جانتی تھی کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ضرور بری قرار دے گا لیکن اللہ کی قسم! میرا یہ گمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میری شان میں وحی نازل فرما دے گا جس کی تلاوت کی جائے گی، میں اپنے آپ کو اس سے بہت کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسا کلام نازل فرما دے گا جس کی تلاوت کی جائے گی، مجھے امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا خواب دیکھ لیں گے جس میں اللہ تعالیٰ مجھے بری قرار دے دے گا، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی تک اسی مجلس میں جلوہ افروز تھے اور گھر کے افراد میں سے بھی کوئی شخص ابھی تک باہر نہیں گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرما دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت: آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے نزول کے وقت طاری ہوا کرتی تھی کہ سردی کے موسم میں بھی جبین مبارک سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے گرنے لگتے اور یہ اس قول کے ثقل کے باعث ہوتا جسے آپ پر نازل کیا جاتا تھا، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور پہلا جملہ آپ نے یہ فرمایا: [أُبْشِرِي يَاعَائِشَةُ! أَمَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَدْ بَرَّأَكِ] ”اے عائشہ! خوش ہو جا، اللہ تعالیٰ نے تجھے بری قرار دے دیا ہے۔“ میری امی نے کہا: اٹھ کر آپ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کا شکر ادا نہیں کروں گی کہ اسی ذات پاک نے میری براءت نازل فرمائی ہے، اللہ عزوجل نے اس وقت ﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ ﴾ سے ﴿ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾ (النور 24:20) تک دس آیات نازل فرمائی تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسطح پر اپنا مال خرچ کیا کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کا قرابت دار بھی تھا اور فقیر بھی، میری براءت میں ان آیات کے نزول کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مسطح نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات کہی تھی، اس لیے اللہ کی قسم! اب میں اس پر کبھی خرچ نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ

اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (النور22:24) ''اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یہ آیت کریمہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے تو انھوں نے مسطح کو اسی طرح خرچ دینا شروع کر دیا جس طرح پہلے دیا کرتے تھے اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں اسے کبھی بھی بند نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ زینب بنت جحش سے بھی میرے بارے میں پوچھا اور فرمایا: [يَا زَيْنَبُ! مَاذَا عَلِمْتِ أَوْ رَأَيْتِ؟][1] ''اے زینب! تو کیا جانتی ہے یا تو نے کیا دیکھا ہے؟'' تو انھوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی تھی، اللہ کی قسم! میں نے خیر و بھلائی ہی کو جانا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ازواج مطہرات میں سے زینب ہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے تقوے کی وجہ سے انھیں محفوظ رکھا، ان کی بہن حمنہ بنت جحش ان (زینب بنت جحش) کا دفاع کرتی تھی اور وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگئی۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ یہ ہے وہ خبر جو ہمیں ان لوگوں کے بارے میں پہنچی ہے۔[2] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بھی بروایت زہری صحیحین میں بیان کیا ہے۔[3] ابن اسحاق نے بھی بروایت زہری اسی طرح بیان کیا ہے۔[4] انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔[5] اور مجھ سے عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری نے عمرہ (بنت عبدالرحمن) سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مذکورہ بالا روایت کے مطابق بیان کیا ہے۔[6] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ ﴾ ''بے شک جو لوگ (عائشہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان گھڑ لائے۔'' افک کے معنی جھوٹ، بہتان اور افترا پردازی کے ہیں۔ ﴿ عُصْبَةٌ ﴾ ''(تمھی میں سے) ایک جماعت۔'' ﴿ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ ﴾ ''تم اسے اپنے حق میں برا نہ سمجھنا'' اے آل ابوبکر! ﴿ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ ﴾ ''بلکہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے۔'' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا میں ذکر جمیل اور آخرت میں رفع درجات کا سبب ہے اور اس میں ان کے شرف کا اظہار بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر اہمیت دی کہ ان کی براءت کو اس قرآن عظیم میں نازل فرمادیا: ﴿ اِنَّ

① یہ الفاظ صحیح البخاری کے حسب ذیل حوالے کے مطابق ہیں۔ ② مسند أحمد :194/6-197 . ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ ...... ﴾ (النور24:13,12)، حديث: 4750 وصحيح مسلم، التوبة، باب في حديث الإفك ......، حديث : 2770 . ④ السيرة النبوية لابن هشام، خبرالإفك في غزوة بني المصطلق : 309/3-316 . ⑤ السيرة النبوية لابن هشام، خبرالإفك......:310,309/3. ⑥ السيرة النبوية لابن هشام، خبرالإفك ......:310,309/3 وتفسير الطبري :123/18 .

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ

جب تم نے یہ (جھوٹ) سنا تو کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور (کیوں نہ)

مُّبِيْنٌ ⑫ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ

کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے ⑫ وہ اس (الزام) پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ پھر جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی لوگ اللہ کے

عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬

ہاں جھوٹے ہیں ⑬

يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط ﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا، نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب ان کے پاس مرض الوفات میں گئے تو فرمایا: آپ کے لیے خیر ہے کہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کا حرم محترم ہیں۔ (رسول اللہ ﷺ کو آپ سے بہت محبت تھی) نبی ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ خاتون سے شادی نہیں کی، پھر آپ کی براءت کو تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمایا تھا۔ [1]

سب سے بڑا بہتان طراز لعنتی: ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ ﴾ ''ان میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا۔'' یعنی ہر اس شخص کے لیے جس نے اس معاملے میں گفتگو کی اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر اسے عذاب ہوگا۔ ﴿ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ ﴾ ''اور جس نے ان میں سے اس (بہتان) کا بڑا بوجھ اٹھایا۔'' اس کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ جس نے اس بہتان کی ابتدا کی ہے اور دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ جس شخص نے اس واقعے کو گھڑا، اس بہتان کو تراشا اور لوگوں میں اسے پھیلانے کی کوشش کی، ﴿ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪ ﴾ ''اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' اس بہتان طرازی کی وجہ سے۔ اور وہ عبداللہ بن اُبَیّ ابن سلول تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل ورسوا کرے اور اس پر لعنت فرمائے۔

تفسیر آیات: 13,12

بہتان کے پھیلانے پر مومنوں کی سرزنش: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قصے میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی بھی سرزنش کی ہے کہ ان میں سے بعض نے اس بری گفتگو میں حصہ لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَوْلَآ ﴾ ''کیوں نہیں'' ﴿ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ﴾ ''جب تم نے وہ (جھوٹ) سنا'' جس میں ام المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا گیا تھا، ﴿ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ ﴾ ''تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیا؟'' اور اسے اپنے نفسوں پر قیاس کیوں نہ کیا؟ اگر اس طرح کی بات ان کے شایان شان نہیں تو ام المومنین تو اس سے بطریق اولیٰ بری اور پاک ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوایوب

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ ...... ﴾ (النور16:24)، حدیث: 4753 قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 277/1 میں ہیں۔

خالد بن زید انصاری اور ان کی بیوی رضی اللہ عنہما کی بات کو اسوہ ونمونہ بنا لینے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

امام محمد بن اسحاق بن یسار نے روایت کیا ہے کہ ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی ام ایوب نے کہا: ابو ایوب! تو نے سنا ہے کہ لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔ اس نے کہا: ہاں، یہ سب کچھ جھوٹ ہے، ام ایوب! بتا تو ایسا کام کر سکتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں ایسا کام نہیں کر سکتی، ابو ایوب نے کہا: تو (پھر سن) اللہ کی قسم! عائشہ رضی اللہ عنہا تجھ سے بہت بہتر ہیں۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس برائی کے بارے میں بہتان بازوں نے جو کچھ کہا اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ط ﴾ (النور 11:24) ''بے شک جو لوگ بہتان گھڑ لائے وہ تمھی میں سے ایک جماعت ہیں۔'' اس سے مراد حسان اور ان کے ساتھی ہیں جنھوں نے بہتان بازی کی باتیں کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا لا ...... ﴾ الآیۃ ''جب تم نے وہ (جھوٹ) سنا تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں نہ اپنے دلوں میں نیک گمان کیا......'' جیسا کہ ابو ایوب اور ان کی بیوی نے نیک گمان کیا تھا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا لا ﴾ یعنی مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا کہ ام المؤمنین تو نبی اکرم ﷺ کی اہلیہ محترمہ ہیں اور آپ کے بہت قریب ہیں۔ اس نیک گمان کا تعلق تو باطن سے ہے اور پھر ﴿ وَّ قَالُوْا ﴾ ''اور (کیوں نہ) کہا'' اپنی زبانوں سے۔ ﴿ هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ⑫ ﴾ ''یہ صریح بہتان ہے۔''

واقعۂ افک کے ''صریح بہتان'' ہونے کے عقلی دلائل: یہ ام المؤمنین کے بارے میں کھلم کھلا جھوٹ ہے، اس لیے کہ جس طرح واقعہ پیش آیا وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے کیونکہ ام المؤمنین صفوان بن مُعَطَّل کی سواری پر سوار ہو کر دن کو دوپہر کے وقت آئیں اور سارا لشکر اس وقت دیکھ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ اس وقت خود بنفس نفیس لشکر میں تشریف فرما تھے، اگر معاملہ ذرہ بھر بھی شک وشبہ والا ہوتا تو وہ دونوں اس طرح دن دہاڑے سوار ہو کر نہ آتے اور نہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے آتے، اگر معاملہ ذرّہ بھر بھی مشکوک ہوتا تو دونوں اپنے آپ کو مخفی ومستور رکھنے کی کوشش کرتے۔

ان سب باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہتان طرازوں کی یہ ساری باتیں جو انھوں نے ام المؤمنین کے بارے میں کی ہیں بہتان اور سفید جھوٹ پر مبنی ہیں، یہ محض فسق وفجور اور مسلمانوں کے معاشرے میں فحاشی پھیلانے کی ناپاک سازش ہے جو سراسر خسارے کا سودا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ج ﴾ ''وہ اس (الزام) پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟'' جو ان کی بات کے سچے ہونے کی گواہی دیتے، ﴿ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬ ﴾ ''پھر جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔'' یعنی اللہ کے حکم میں یہ لوگ کاذب اور فاسق وفاجر ہیں۔

[1] تفسیر الطبری: 128/18.

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ

اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم جن باتوں میں پڑ گئے تھے اس پر تمھیں بہت بڑا عذاب آلیتا⑭ جب تم

عَظِيْمٌ ⑭ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا

اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لیتے تھے اور اپنے مونہوں سے (وہ بات) کہہ رہے تھے جس کا تمھیں علم نہ تھا، اور تم اسے معمولی

وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮

سمجھ رہے تھے، جبکہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی بات ہے⑮

تفسیر آیات: 15,14

اللہ نے اپنے فضل سے بہتان باندھنے والوں کو توبہ کی توفیق بخشی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔'' اے عائشہ کے بارے میں باتیں بنانے والو! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تمھاری توبہ اور انابت کو قبول کر لیا اور ایمان کی وجہ سے آخرت میں تم کو معاف فرما دیا ہے، ﴿لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑭﴾ ''تو تم جن باتوں میں پڑ گئے تھے اس پر تمھیں عذاب عظیم آلیتا۔'' یعنی بہتان باندھنے کی وجہ سے۔ بہتان باندھنے والوں میں سے جس کے پاس ایمان تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی وجہ سے اسے توبہ کی توفیق عطا فرما دی، مثلاً: مسطح، حسان اور زینب بنت جَحْش کی بہن حَمنہ بنت جحش۔ اور جن منافقوں نے اس بہتان میں حصہ لیا، مثلاً: عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی تو وہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں کیونکہ وہ اس بہتان کے مقابلے میں ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے، اسی طرح جب بھی کسی معین فعل کے بارے میں کوئی وعید وارد ہو اور وہ مطلق ہو تو وہ توبہ یا کسی ایسے عمل صالح کے نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہوگی جو اس کے ہم وزن یا اس سے زیادہ ہو۔

پھر فرمایا: ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ﴾ ''جب تم اپنی زبانوں سے اس (بات) کو ایک دوسرے سے لیتے تھے۔'' مجاہد اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم میں سے بعض، بعض سے اس واقعے کو ذکر کرتے تھے۔[1] اور کہتے تھے کہ میں نے فلاں سے یہ واقعہ سنا ہے، فلاں نے اس طرح کہا ہے، بعض لوگوں نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ بعض نے اسے اس طرح پڑھا ہے: [إِذْ تَلِقُونَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ] ''جب تم اپنی زبانوں سے اس (جھوٹ) کو مسلسل پھیلا رہے تھے۔'' صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ان الفاظ کو اسی طرح پڑھا کرتی تھیں۔[2] اور فرمایا کرتی تھیں کہ یہ وَلْقُ الْكَذِبِ سے ہے جس کے معنی اس جھوٹ کے ہوتے ہیں جسے بولنے والا مسلسل بولتا رہے۔ عرب کہتے ہیں: وَلَقَ فُلَانٌ فِي السَّيْرِ ''وہ مسلسل سفر کرتا رہا۔'' اور یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی مسلسل چلتا ہے۔[3] البتہ پہلی قراءت ﴿تَلَقَّوْنَهٗ﴾ زیادہ مشہور ہے

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ......﴾ (النور24:14)، قبل الحدیث:4751 و تفسیر الطبری:132,131/18 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2548/8. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ ......﴾ (النور24:15)، حدیث:4752 . ③ تفسیر الطبری: 131,130/18. حافظ ابن حجر نے اس کا ضبط ''واؤ'' اور ''لام'' کے زبر کے ساتھ الوَلَقُ الكَذِبِ لکھا ہے۔ فتح الباری:439/7، تحت الحدیث:4144 .

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯

اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہا: یہ ہمارے لائق نہیں کہ ہم اس کے متعلق بولیں (یا اللہ!) تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے⑯ اللہ

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ

تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو دوبارہ کبھی بھی اس جیسی بات نہ کرنا⑰ اور اللہ تمھارے لیے (اپنی) آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ بڑا

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱

جاننے والا، خوب حکمت والا ہے⑱

اور جمہور کی بھی یہی قراءت ہے جبکہ دوسری قراءت [تَلِقُونَهٗ] ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ ''اور تم اپنے مونہوں سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمھیں کچھ بھی علم نہ تھا۔'' یعنی تم ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمھیں کچھ علم ہی نہ تھا، پھر فرمایا: ﴿ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮ ﴾ ''اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے جبکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی۔'' یعنی تم ام المؤمنین کے بارے میں جو بات کر رہے تھے تو اسے ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھتے تھے۔ ام المؤمنین اگر نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ نہ ہوتیں تو پھر بھی یہ کوئی ہلکی اور معمولی بات نہ تھی مگر وہ تو نبی امی، خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ﷺ کی حرم محترم ہیں! اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑی بات ہے کہ اس کے رسول کی بیوی کے بارے میں ایسی بات کی جائے، اللہ تعالیٰ کو اس سے غیرت آتی ہے۔ حَاشَا وَ کَلَّا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی بیوی کو بھی ایسا نہیں بنایا تو تمام انبیائے کرام کی بیویوں کی سردار اور دنیا و آخرت میں علی الاطلاق ساری اولاد آدم کے سردار کی بیوی ایسی کیسے ہو سکتی ہیں؟ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮ ﴾ ''اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے جبکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی۔'' صحیح بخاری و مسلم میں ہے: [إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ]، [لَا يَرٰى أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ]، [يَهْوِي بِهَا فِي النَّارِ، أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ] ''بلاشبہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا ایک کلمہ کہہ دیتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ کہاں تک پہنچے گا مگر وہ اس ایک کلمے کی وجہ سے جہنم میں اس فاصلے سے بھی زیادہ دور چلا جاتا ہے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔''② اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا] ''وہ اس کلمے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔''③

تفسیر آیات: 16-18

① صحیح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ ...... ﴾ (النور 24:15)، حديث: 4752. ② پہلا حصہ صحیح البخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان......، حديث: 6478 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، دوسرا حصہ المعجم الكبير للطبراني: 367/1، حديث: 1129 عن بلال بن الحارث المزني رضی اللہ عنہ اور تیسرا حصہ صحیح مسلم، الزهد، باب حفظ اللسان، حديث: (50)-2988 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ③ صحیح البخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان......، حديث: 6478 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی پھیلے ، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲

اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے⑲

بہتان طرازوں کی دوبارہ سرزنش: پہلے یہ سرزنش کی گئی کہ اس بات کو سن کر تم نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ اور اب دوبارہ یہ سرزنش کی جا رہی ہے کہ جب یہ بات دنیا کی بہترین عورت کے بارے میں کہی گئی جو کسی طرح بھی درست نہ تھی تو زیادہ مناسب یہی تھا کہ ان کے بارے میں نیک گمان کیا جاتا اور دل میں اس کے سوا اور کوئی بات لائی ہی نہ جاتی اور اگر دل میں کوئی وسوسہ یا خیال آتا بھی تو زبان سے اس کا اظہار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ] ”بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے ان خیالات کو معاف فرما دیا ہے جو دل میں پیدا ہوں، جب تک ان کے بارے میں زبان سے کہا نہ جائے یا ان کے مطابق عمل نہ کر لیا جائے۔“①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ڰ ﴾ ”اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات کریں۔“ یعنی ہمیں یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ ہم یہ بات زبان پر لائیں یا کسی سے اس کا ذکر کریں۔ ﴿ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯ ﴾ ”(اے پروردگار!) تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے کہ اس طرح کی بات اس کے رسول کی بیوی اور اس کے خلیل کے حرم کے بارے میں کی جائے۔

پھر فرمایا: ﴿ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا ﴾ ”اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔“ اللہ تعالیٰ تمھیں منع فرماتا اور ڈانٹ پلاتا ہے کہ مستقبل میں پھر کبھی دوبارہ ایسا کام نہ کرنا۔ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰ ﴾ ”اگر تم مومن ہو۔“ اگر تمھارا اللہ تعالیٰ اور اس کے دین پر ایمان ہے اور تم اس کے رسول ﷺ کی تعظیم بجا لاتے ہو تو پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا۔ اور اگر کوئی شخص کافر ہے تو اس کی بات دوسری ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ ﴾ ”اور اللہ تمھارے (سمجھانے کے) لیے آیتیں کھول کر بیان فرماتا ہے۔“ یعنی وہ شرعی احکام اور قدری حکمتیں تمھارے سمجھانے کی خاطر واضح طور پر بیان فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱ ﴾ ”اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔“ وہ جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے لیے کون سی چیز بہتر ہے اور وہ اپنی شریعت وتقدیر میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت:19

مومنوں میں بے حیائی پھیلانے والوں کی گوشمالی: یہ تیسری سرزنش ہے اس شخص کے لیے جو کوئی بری بات سنے اور وہ اس

① صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره......، حديث: 5269 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس......، حديث: (202)-127 واللفظ له عن أبي هريرة ﷺ.

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو اللہ بہتان لگانے والوں کو فوراً عذاب دیتا) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ نہایت شفقت کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا

لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ

ہے⑳ اے ایمان والو! تم شیطان کے قدموں کی اتباع نہ کرو، اور جو کوئی شیطان کے قدموں کی اتباع کرتا ہے، تو بلاشبہ وہ (شیطان) تو بے حیائی اور

وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ

برے کام ہی کا حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک کبھی بھی پاک نہ ہوتا، لیکن اللہ جسے چاہے پاک کرتا

اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ㉑ (النصف، ع 2/10، 8)

ہے، اور اللہ خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے㉑

کے ذہن میں بیٹھ جائے اور وہ اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے، حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے اور اس طرح کی باتوں کو اسے نہیں پھیلانا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا ﴾ ”بلاشبہ جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا میں دکھ دینے والا عذاب ہے۔“ کیونکہ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کی طرف سے بری باتوں کا ظہور ہو، تب ان کے لیے دنیا میں حد کی صورت میں اور آخرت میں سزا کے طور پر (جہنم کا دکھ دینے والا) عذاب ہوگا۔ ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲ ﴾ ”اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ لہٰذا اپنے تمام امور و معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹا دو، رشد و بھلائی پا لو گے۔

دوسروں کے عیب تلاش کرنے والا ذلیل و خوار ہوتا ہے: امام احمد رحمہ اللہ نے ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے: [لَا تُؤْذُوا عِبَادَاللّٰهِ، وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ، وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ طَلَبَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، طَلَبَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، حَتّٰى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ] ”اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ، نہ انھیں طعنہ دو اور نہ ان کے عیوب تلاش کرو کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب تلاش کرے گا یہاں تک کہ اسے اس کے گھر میں بھی رسوا کر دے گا۔“[1]

تفسیر آیات: 21,20

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی یاد دہانی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑳ ﴾ ”اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو اللہ بہتان لگانے والوں کو فوراً عذاب دیتا) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ نہایت مہربان، بڑا رحیم ہے۔“ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر دوسرا معاملہ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے جس نے اس معاملے میں توبہ کر لی اس کو اس نے معاف فرما دیا اور کچھ لوگوں پر حد قائم کر کے انھیں پاک کر دیا، پھر فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ ”اے مومنو! شیطان کے قدموں کی اتباع نہ کرو۔“

[1] مسند أحمد: 279/5.

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ

اور تم میں سے فضل اور وسعت والے، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی مدد) دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿22﴾

کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿22﴾

﴿ خُطُوٰتِ ﴾ کا مفہوم: ﴿ خُطُوٰتِ ﴾ سے مراد شیطان کے طریقے، رستے اور وہ باتیں ہیں جن کا وہ حکم دے۔ ﴿ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ ﴾ ''اور جو شخص شیطان کے قدموں کی اتباع کرتا ہے تو بلاشبہ وہ (شیطان) تو بے حیائی اور برے کام ہی کا حکم دیتا ہے۔'' یہ بہت فصیح، بلیغ، مختصر اور بے حد خوبصورت عبارت میں شیطان کی پیروی سے نفرت دلائی جا رہی ہے اور اس کی اتباع سے ڈرایا جا رہا ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ ﴾ سے مراد شیطان کا عمل ہے۔[1] عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد شیطان کے وسوسے ہیں۔[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ہر کام ﴿ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ ﴾ میں سے ہے۔[3] ابومجلز کا کہنا ہے کہ گناہوں کی نذر ماننا شیطان کے قدموں پر چلنا ہے۔[4]

پھر فرمایا: ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ ﴾ ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک (شخص) بھی تم میں سے کبھی پاک نہ ہوتا۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ توبہ اور اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا نہ فرماتا اور نفسوں کو شرک اور فسق و فجور سے پاک نہ فرماتا اور ہر شخص کو گھٹیا اخلاق سے بچنے کی توفیق عطا نہ فرماتا تو کسی شخص کو بھی نفس کی پاکیزگی اور خیر و بھلائی حاصل نہ ہوتی۔ ﴿ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ ﴾ ''مگر اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔'' یعنی اپنی مخلوق میں سے اور جس کو چاہتا گمراہ کر دیتا اور گمراہی اور سرکشی کی ہلاکتوں میں تباہ کر دیتا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾ ''اور اللہ خوب سننے والا ہے۔'' یعنی اللہ خوب سننے والا ہے اپنے بندوں کے اقوال کو۔ ﴿ عَلِيْمٌ ﴿21﴾ ﴾ ''بہت جاننے والا ہے'' کہ ان میں سے ہدایت کا مستحق کون ہے اور کون گمراہی کا مستحق ہے۔

تفسیر آیت:22

اہل فضل کو جود و سخا کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَاْتَلِ ﴾ ''اور وہ قسم نہ کھائیں۔'' یہ لفظ اَلْاَلِیَّۃ سے ہے جس کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ ﴿ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ ﴾ ''جو (لوگ) تم میں صاحب فضل اور صاحبِ وسعت ہیں۔'' یعنی وہ لوگ جو صاحب حیثیت ہیں، صدقہ اور احسان کرنے والے اور صاحب مال ہیں۔ ﴿ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ ﴾ ''اس بات سے کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (کچھ خرچ وغیرہ) دیں۔'' یعنی تم قسم نہ کھاؤ کہ تم اپنے محتاج رشتہ داروں اور مہاجروں سے صلہ رحمی نہیں کرو گے۔ صلہ رحمی کے سلسلے میں یہ حد

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2552/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2552/8. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2552/8. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 2552/8.

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

بلاشبہ جولوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی، اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب

عَظِيْمٌ ﴿23﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿24﴾ يَوْمَئِذٍ

ہے ﴿23﴾ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے خلاف، ان اعمال کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ﴿24﴾ اس دن اللہ انھیں پورا

يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿25﴾

پورا، ان (کے حساب کتاب) کا ٹھیک بدلہ دے گا (جس کے وہ مستحق ہیں) اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی واضح حق ہے ﴿25﴾

درجے کی نرمی اور شفقت کی ترغیب دی گئی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ﴾ ''اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔'' اس برائی اور تکلیف سے جو انھوں نے پہنچائی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، اس کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی مخلوق کے ساتھ حد درجہ حلم اور لطف و کرم کا اظہار ہے۔ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ انھوں نے قسم کھالی تھی کہ اب وہ مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کریں گے، اس لیے کہ وہ بھی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والوں میں شامل ہے جیسا کہ قبل ازیں حدیث بیان کی جا چکی ہے۔[1] جب اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرمائی تو مومنوں کو فرحت و مسرت اور قرار نصیب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بہتان میں حصہ لینے والے مومنوں کی توبہ کو قبول فرما لیا اور ان میں سے بعض پر حد بھی قائم کی گئی تو اب اللہ تعالیٰ نے۔ وَلَهُ الْفَضْلُ وَالْمِنَّةُ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے رشتہ دار مسطح بن اُثاثہ پر شفقت کریں کیونکہ وہ آپ کی خالہ کا بیٹا تھا اور حد درجہ مسکین آدمی تھا اور اس کے پاس کچھ بھی مال نہ تھا، لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی اس پر خرچ کیا کرتے تھے، وہ مہاجرین میں سے تھا، اس سے بھی زبان کی لغزش ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرما لیا اور اس پر حد بھی قائم کی گئی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نیکی کے کاموں میں بہت معروف تھے، رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں پر آپ کے بہت احسانات تھے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں یہ جملہ بھی آیا: ﴿ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے؟'' کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہوتی ہے جس طرح تم اس کو معاف کرو گے جو تم پر زیادتی کرے اسی طرح ہم تمھیں معاف کر دیں گے اور جس طرح تم درگزر کرو گے، اسی طرح ہم تم سے درگزر کریں گے۔ اس آیت کریمہ کو سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں بخش دے، پھر آپ نے حسب معمول مسطح کو خرچ دینا شروع کر دیا اور اپنے اس قول کہ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی اس کو فائدہ نہیں دوں گا، کے مقابلے میں کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے خرچ کو کبھی بند نہیں کروں گا۔ اور اپنے اس طرح کے کارناموں ہی کی وجہ سے آپ صدیق کہلائے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْ بِنْتِهِ.

[1] دیکھیے النور، آیت: 11 کے ذیل میں عنوان: ''واقعۂ اِفک''

تفسیر آیات:23-25

پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو پاک دامن، برے کاموں سے بے خبر ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ہر پرہیز گار عورت کی نسبت امہات المومنین زیادہ حق دار ہیں کہ وہ اس آیت میں داخل ہوں بالخصوص جبکہ ان آیات کے نزول کا سبب ہی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ تمام علماء رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اگر کوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے یا آپ پر اس طرح کا کوئی بہتان لگائے جس کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کا مخالف ہے، دیگر تمام امہات المؤمنین کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ...... ﴾ الآیۃ ''وہ دنیا اور آخرت (دونوں) میں لعنت کیے گئے......'' اسی طرح جس طرح یہ فرمان ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ﴾ (الأحزاب 57:33) ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والوں کے لیے نازل ہوئی تھی اور آج بھی اگر کوئی مسلمان عورتوں کے بارے میں اس طرح کی شنیع حرکت کرے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلی (عورت) ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[1]

سات تباہ کن چیزیں: امام ابن ابوحاتم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ! قِيلَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَمَاهُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ] ''سات تباہ کر دینے والی باتوں سے اجتناب کرو! عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! وہ کون سی ہیں؟ فرمایا: (1) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (2) جادو کرنا (3) کسی ایسی جان کو قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو مگر حق کے ساتھ (4) سود کھانا (5) یتیم کا مال کھانا (6) جنگ کے دن منہ پھیرنا اور (7) پاک دامن، (بری باتوں سے) بے خبر، ایمان دار عورتوں پر تہمت لگانا۔''[2] اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں سب ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔'' ابن ابوحاتم

---

[1] تفسیر الطبری:139/18. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2556/8. [3] صحیح البخاری، الوصایا، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ...... ﴾ (النسآء 10:4)، حدیث: 2766 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الکبائر وأکبرھا، حدیث: 89.

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿26﴾ ع 3/6/9

عورتوں کے لیے، یہ (پاکیزہ) لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو وہ (خبیث لوگ ان کی بابت) کہتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بہت اچھا رزق ہے ﴿26﴾

نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مشرکین جب یہ دیکھیں گے کہ جنت میں نمازی ہی داخل ہو رہے ہیں تو وہ کہیں گے کہ آؤ ہم اپنی بداعمالیوں کا انکار کر دیں، پس وہ انکار کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا، پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات بھی چھپا نہ سکیں گے۔[1]

ابن ابو حاتم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ اس قدر ہنسے کہ داڑھیں نمایاں ہوگئیں، پھر آپ نے فرمایا: [تَدْرُونَ مِمَّا أَضْحَكُ؟ قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مِنْ مُّجَادَلَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ: يَارَبِّ! أَلَمْ تُجِرْنِي مِنَ الظُّلْمِ؟ فَيَقُولُ: بَلٰى! فَيَقُولُ: لَا أُجِيزُ عَلَيَّ شَاهِدًا إِلَّا مِنْ نَّفْسِي، فَيُقَالُ: كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ، وَبِالْكِرَامِ عَلَيْكَ شَهِيدًا، فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيهِ، وَيُقَالُ لِأَرْكَانِهِ: اِنْطِقِي، فَتَنْطِقُ بِعَمَلِهِ، ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَلَامِ، فَيَقُولُ: بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا، فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ] ''تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن بندے کے رب تعالیٰ سے جھگڑنے کی وجہ سے (ہنس رہا ہوں۔) بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا تو مجھے ظلم سے پناہ نہیں دے چکا ہے؟ (تو نے وعدہ کیا ہے کہ ظلم نہیں کروں گا۔) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں! بندہ کہے گا کہ میں اپنے بارے میں اپنے نفس کے سوا اور کسی کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتا تو کہا جائے گا: آج تیرا نفس اور معزز (لکھنے والے) فرشتے تجھ پر گواہ کافی ہیں، پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے جسم کے اعضاء سے کہا جائے گا کہ تم بات کرو تو وہ بات کر کے اس کے اعمال کے بارے میں بتائیں گے، پھر (ان کے بات کرنے کے سلسلے کو منقطع کر دیا جائے گا اور) بندے کو بات کرنے کی اجازت دی جائے گی تو وہ کہے گا کہ تمھارے لیے دوری اور پھٹکار ہو، پس تمھاری ہی وجہ سے تو میں یہ سب کچھ کرتا تھا۔''[2] اور اس کو امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ﴾ ''اس دن اللہ ان کو (ان کے اعمال کا) پورا پورا (اور) ٹھیک بدلہ دے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں دین سے مراد حساب ہے اور قرآن مجید میں جتنی دفعہ بھی دین کا لفظ استعمال ہوا ہے حساب ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، بعض ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[4] ﴿وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2558/8. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2559/8. [3] صحيح مسلم، الزهد، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حديث: 2969 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الانفطار: 508/6، حديث: 11653. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 2560,2559/8 وتفسير الطبري: 141/18.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو حتی کہ تم اجازت لے لو، اور ان گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمھارے

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ

لیے بہت بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿27﴾ پھر اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتی کہ تمھیں اجازت دے دی جائے

لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿28﴾

اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ، یہ تمھارے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے، اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے﴿28﴾

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جہاں رہائش نہ ہو (اور) ان میں تمھارے لیے کوئی فائدہ ہو اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے

مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿29﴾

ہو اور جو تم چھپاتے ہو﴿29﴾

﴿ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿25﴾ ﴾ ”اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ برحق ہے (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے۔“ یعنی اس کا وعدہ، وعید اور حساب سب کچھ عدل پر مبنی ہے جس میں ظلم کی قطعًا کوئی آمیزش نہیں۔

تفسیر آیت:26

عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہیں کیونکہ یہ سب سے پاکباز انسان کی بیوی ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ ناپاک باتیں ناپاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور ناپاک مرد ہی ناپاک باتوں کے لیے ہوتے ہیں اور پاک باتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد ہی پاک باتوں کے لیے ہوتے ہیں، نیز انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ آیت کریمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بہتان باندھنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، شعبی، حسن بن ابوالحسن بصری، حبیب بن ابوثابت اور ضحاک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[3]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بری بات برے لوگوں ہی کو زیب دیتی ہے اور پاکیزہ بات پاک لوگوں کے شایانِ شان ہے تو اس قاعدے کے مطابق منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو بات منسوب کی ہے، اس کے زیادہ حق دار وہ خود ہیں اور ان کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عفت و پاک دامنی اور پاکیزگی و طہارت کی زیادہ حق دار ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اُولٰٓىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ ﴾ ”یہ (پاک لوگ) ان باتوں سے بری ہیں جو وہ (خبیث لوگ ان کی بابت) کہتے ہیں۔“

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔[4] تو اس تفسیر کے مطابق ان لوگوں

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:2563,2562/8 وتفسیر الطبري:142/18. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:2564-2560/8 وتفسیر الطبري:144-142/18. [3] تفسیر الطبري:144/18. [4] تفسیر الطبري:144/18.

نے جو کہا ہے وہ لازمی طور پر انھی کی طرف لوٹتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بنایا ہے، اس لیے کہ وہ پاک ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر پاک سے پاک انسان سے بھی زیادہ پاکباز ہیں۔ اگر خدانخواستہ عائشہ رضی اللہ عنہا ناپاک ہوتیں تو وہ شرعاً اور قدرتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آنے کے لیے قطعاً موزوں نہ ہوتیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ''یہ (پاک لوگ) ان باتوں سے بری ہیں جو وہ (خبیث لوگ ان کی بابت) کہتے ہیں۔'' یعنی وہ ان بہتان باندھنے والے دشمنوں کی باتوں سے بہت بعید ہیں۔ ﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ ''ان کے لیے بخشش ہے۔'' ان کی طرف اس جھوٹی بات کے منسوب کرنے کی وجہ سے۔ ﴿ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿26﴾ ﴾ ''اور عزت والی روزی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں نعمتوں سے بھری ہوئی بہشتوں میں۔ اس آیت کریمہ میں وعدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی جنت میں ہوگی۔

تفسیر آیات: 27-29

گھروں میں داخلے اور اجازت کے آداب: یہ وہ شرعی آداب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو گھروں میں جانے کی اجازت طلب کرنے کے بارے میں سکھائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھروں کے سوا دوسرے لوگوں کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں، یعنی داخل ہونے سے پہلے اجازت لیں اور داخل ہونے کے بعد سلام کہیں۔ اجازت تین بار طلب کی جائے اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ واپس چلے جائیں جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین بار اجازت طلب کی جب انھیں اجازت نہ ملی تو وہ واپس چلے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز سنی تھی کہ اجازت طلب کر رہے تھے! انھیں اندر آنے کی اجازت دے دو۔ انھیں تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ چلے گئے ہیں، پھر بعد میں جب آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ واپس کیوں چلے گئے تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے تین بار اجازت طلب کی تھی، جب اجازت نہ ملی تو میں واپس چلا گیا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ] ''جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو وہ واپس چلا جائے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمھیں اس بات کی گواہی پیش کرنا ہوگی ورنہ میں تمھیں سزا دوں گا۔ وہ انصار کی ایک جماعت کے پاس چلے گئے اور ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات بیان کی تو انھوں نے کہا کہ اس بات کی گواہی تو ہم میں سے عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹا شخص بھی دے سکتا ہے تو ان کے ساتھ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس فرمانِ نبوی کے بارے میں بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بازاروں میں خرید و فروخت کی وجہ سے میں اس فرمان کو سن نہ سکا۔ [1]

---

[1] ماخوذ از صحیح البخاری، الاستئذان، باب التسليم والاستئذان ثلاثا، حديث:6245 والبيوع، باب الخروج في التجارة......،حديث :2062 و صحيح مسلم، الآداب، باب الاستئذان، حديث :(33-36)-2153 عن أبي سعيد الخدري و عبيد بن عمير رضی اللہ عنہم.

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ یا ان کے علاوہ کسی اور سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب فرمائی اور فرمایا: [اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ] ''تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت۔'' انھوں نے جواب میں عرض کی: [وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ] ''آپ پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔'' لیکن اس قدر آہستہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا حتی کہ آپ نے تین بار سلام کیا اور سعد نے تینوں بار جواب دیا مگر اس قدر آہستہ آواز میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے جانے لگے تو سعد بھی آپ کے پیچھے ہو گئے اور انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے جب سلام فرمایا تو میں نے اسے اپنے کانوں سے سنا اور جواب بھی دیا مگر آہستہ آواز میں، میرا مقصد یہ تھا کہ آپ میرے لیے سلامتی اور برکت کی زیادہ دعا فرما دیں، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ گھر لے آئے اور انھوں نے آپ کی خدمت میں مُنقّٰی (خشک انگور) پیش کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا اور جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے یہ دعا فرمائی: [أَکَلَ طَعَامَکُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ، وَأَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُونَ] ''نیک لوگ تمھارا کھانا کھائیں، فرشتے تمھارے لیے رحمت کی دعا کریں اور روزے دار تمھارے ہاں روزہ افطار کریں۔''[1]

اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ وہ دروازے کے بالکل سامنے کھڑا نہ ہو بلکہ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو کیونکہ امام ابوداود نے عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے گھر کے دروازے کے پاس تشریف لاتے تو آپ دروازے کے بالکل سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں جانب تشریف فرما ہوتے اور فرماتے: [اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ] ''تم پر سلامتی ہو، تم پر سلامتی ہو۔''[2] اور یہ اس لیے کہ ان دنوں دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ اس حدیث کے روایت کرنے میں امام ابوداود متفرد ہیں۔

صحیحین میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَیْکَ بِغَیْرِ إِذْنٍ فَخَذَفْتَہُ بِحَصَاۃٍ فَفَقَأْتَ عَیْنَہُ]، [مَا کَانَ عَلَیْکَ مِنْ جُنَاحٍ] ''اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر تمھارے گھر میں جھانکے اور تم کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔''[3]

محدثین کی ایک جماعت نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنے باپ کے ذمے قرض کے بارے میں حاضر ہوا اور میں نے دروازے پر دستک دی تو آپ نے فرمایا: [مَنْ ذَا؟] ''کون؟'' میں نے

---

[1] مسند أحمد: 138/3. [2] سنن أبي داود، الأدب، باب كم مرة يسلّم الرجل في الاستئذان؟ حديث: 5186. [3] پہلا حصہ صحيح البخاري، الديات، باب من اطلع في بيت قوم ففقؤوا عينهٗ فلا دية له، حديث: 6902 اور دوسرا حصہ صحيح مسلم، الآداب، باب تحريم النظر في بيت غيره، حديث: (44)-2158 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

عرض کی: [أَنَا] میں، تو آپ نے فرمایا: [أَنَا أَنَا] ''میں میں۔'' گویا آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔[1] (''میں'' کے بجائے اپنا نام بتانا چاہیے۔) آپ نے اسے ناپسند اس لیے فرمایا کہ آدمی جب تک اپنا نام یا اپنی کنیت نہ بتائے جس کے ساتھ وہ مشہور ہو، معلوم نہیں ہوتا کہ اجازت مانگنے والا کون ہے، کیونکہ اپنے بارے میں ''میں'' تو ہر شخص کہہ سکتا ہے، اس سے وہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا جس کی خاطر اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ میں ﴿تَسْتَاْنِسُوْا﴾ کے معنی ہیں کہ تم اجازت طلب کر لو۔[2] دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے کَلَدَہ بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ صفوان بن امیہ نے انھیں فتح مکہ کے موقع پر لِبَأ (پیوسی/ربوہلی، یعنی مادہ جانور کا گاڑھا دودھ جو بچے کی پیدائش کے بعد تین، چار دن تک نکلتا ہے)، جَدایہ (ہرن کے بچے کا گوشت) اور ضَغابیس (ککڑیاں) کے ساتھ بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وادی کے بالائی علاقے میں تھے۔ وہ کہتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا، میں نے نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: [اِرْجِعْ، فَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ (أَ) أَدْخُلُ؟] ''واپس جاؤ اور کہو: السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' یہ صفوان کے مسلمان ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔[4] اس کو ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[5]

ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابورباح سے سنا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کر رہے تھے کہ انھوں نے فرمایا کہ تین آیات کا لوگوں نے انکار کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحُجرات 49:13) ''بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' اور لوگ کہتے ہیں کہ زیادہ عزت والا وہ ہے جس کا گھر زیادہ بڑا ہو۔ اور اجازت طلب کرنے کا تو لوگوں نے انکار ہی کر دیا ہے، میں نے عرض کی: کیا میں اپنی ان یتیم بہنوں سے بھی اجازت لوں جو میری حفاظت میں پرورش پا رہی ہیں اور میرے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے اپنے سوال کو دہرایا (تاکہ مجھے رخصت مل جائے مگر) آپ نے انکار فرما دیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تم انھیں عریاں دیکھو۔ میں نے جواب دیا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: پھر اجازت طلب کرو، میں نے

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب: إذا قال: من ذا؟ فقال: أنا، حديث: 6250 وصحيح مسلم، الآداب، باب كراهة قول المستأذن: أنا......، حديث: (39,38)-2155 وسنن أبي داود، الأدب، باب الرجل يستأذن......، حديث: 5187 وجامع الترمذي، الاستئذان، باب ماجاء في التسليم قبل الاستئذان، حديث: 2711 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب الكراهية في أن يقول: أنا: 90/6، حديث: 10160 وسنن ابن ماجه، الأدب، باب الاستئذان، حديث: 3709. [2] تفسير الطبري: 146/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2566/8. [3] تفسير الطبري: 18/146-149 وتفسير ابن أبي حاتم: 2567,2566/8. [4] مسند أحمد: 414/3، البتہ قوسین والاحرف جامع الترمذي، الاستئذان، باب ماجاء في التسليم......، حديث: 2710 میں ہے۔ [5] سنن أبي داود، الأدب، باب كيف الاستئذان؟ حديث: 5176 وجامع الترمذي، الاستئذان، باب ماجاء في التسليم قبل الاستئذان، حديث: 2710 والسنن الكبرى للنسائي، الأطعمة، باب الضّغابيس: 169/4، حديث: 6735.

بھی اپنی بات کو پھر دہرایا تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ میں نے جواب دیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پھر ان سے اجازت لے کر اندر جاؤ۔ ①

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابن طاؤس نے اپنے والد سے خبر دی کہ مجھے یہ بات سب سے زیادہ ناپسند ہے کہ میں اپنی کسی محرم خاتون کو عریاں دیکھوں، اس مسئلے میں وہ بہت سختی کرتے تھے۔ ابن جریج نے زہری سے روایت کیا ہے کہ میں نے ہزیل بن شرحبیل اَودِی اعمیٰ سے سنا کہ انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے سنا کہ اپنی ماؤں کے پاس جانے سے قبل بھی اجازت طلب کرو۔ ②

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا کہ آدمی اپنی بیوی کے ہاں جانے سے قبل بھی اجازت طلب کرے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ ③ اور یہ عدم وجوب پر محمول ہے ورنہ افضل یہ ہے کہ اپنی آمد کے بارے میں اسے بھی معلوم کرا دے اور اس کے پاس اچانک نہ جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسی حالت میں ہو جس میں دیکھنا اسے پسند نہ ہو۔ ابوجعفر بن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب کے بھتیجے سے اور انھوں نے زینب رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ جب اپنے کسی کام سے فارغ ہو کر گھر آتے تو دروازے پر پہنچ کر گلا صاف کرتے اور تھوکتے کیونکہ وہ اس بات کو ناپسند فرماتے کہ ہمارے پاس اچانک آ جائیں اور ہمیں کسی ناپسندیدہ حالت میں دیکھیں۔ ④ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

مقاتل بن حیان ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ ”اے مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم اجازت لے لو اور ان گھر والوں کو سلام کرو۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنے کسی ساتھی سے ملتا تو اسے سلام نہیں کیا کرتا تھا بلکہ یہ کہتا تھا: صبح بخیر، شام بخیر، اس وقت لوگوں کا آپس میں ملاقات کے وقت یہی سلام تھا اور جب کسی کے گھر میں جاتا تو اندر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب نہیں کیا کرتا تھا بلکہ اچانک اندر داخل ہو جاتا اور کہتا کہ میں آ گیا ہوں۔ یہ صورت حال گھر والوں کو ناگوار محسوس ہوتی تھی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ مصروف ہو، اللہ تعالیٰ نے ان ساری عادات کو بدل کر ایسے احکام دے دیے جن میں ستر پوشی اور عفت ہے، پاکیزگی اور ہر قسم کے میل کچیل سے صفائی اور طہارت کا اہتمام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ ”اے مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم اجازت لے لو اور ان گھر والوں کو سلام کرو۔“ ⑤ مقاتل نے جو بات کی ہے بہت اچھی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ

① تفسير الطبري: 148/18 اس واقعے میں تین آیات کا ذکر آیا ہے جبکہ تفصیل میں دو کی طرف اشارہ ہے جبکہ تیسری سورۂ نساء کی آیت:8 ہے جیسا کہ تفسير ابن أبي حاتم: 2632/8 میں ہے۔ ② تفسير الطبري: 149,148/18. ③ تفسير الطبري: 149/18. ④ تفسير الطبري: 149/18 ومسند أحمد: 381/1 وسنن ابن ماجه، الطب، باب تعليق التمائم، حديث: 3530. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 2566,2565/8.

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

(اے نبی!) آپ مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے، جو

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿30﴾

کچھ وہ کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿30﴾

﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' یعنی اجازت طلب کرنا بہتر ہے کیونکہ اس طرح دونوں کو خبر ہو جاتی ہے، اجازت طلب کرنے والے کو بھی اور گھر والوں کو بھی۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ ﴾ ''پس اگر تم اس (گھر) میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک تمھیں اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو۔'' ورنہ اجازت کے بغیر کسی کی ملکیت میں تصرف لازم آتا ہے اور یہ گھر کے مالک کی مرضی ہے کہ وہ چاہے تو اجازت دے اور اگر چاہے تو اجازت نہ دے۔ ﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ ﴾ ''اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ، یہ تمھارے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے۔'' یعنی اجازت سے قبل یا اس کے بعد اگر تم کو لوٹا دیں تو لوٹ جایا کرو اور اس صورت میں تمھارا لوٹ جانا ہی تمھارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿28﴾ ﴾ ''اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔''

قتادہ کا قول ہے کہ ایک مہاجر نے کہا کہ میں ساری عمر اس طلب میں رہا کہ اس آیت کریمہ پر عمل کروں مگر ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے کسی بھائی سے اجازت طلب کی ہو اور اس نے مجھے کہا ہو کہ لوٹ جاؤ اور میں رشک کرتے ہوئے لوٹ جاؤں کہ مجھے اس آیت کریمہ پر عمل کا موقع مل گیا ہے۔[1] سعید بن جبیر کہتے ہیں: ﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ﴾ ''اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ۔'' یعنی لوگوں کے دروازوں پر کھڑے نہ رہا کرو۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ ﴾ ''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم کسی ایسے مکان میں جاؤ جس میں کوئی نہ بستا ہو۔'' یہ آیت کریمہ پہلی آیت سے خاص ہے کہ ایسے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز ہے جن میں کوئی نہ ہو اور ان میں تمھارا فائدہ ہو، مثلاً: ایسا گھر جو مہمانوں کے لیے خاص ہو تو ایسے گھروں میں داخلے کے لیے پہلی مرتبہ کی اجازت ہی کافی ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی فرمایا ہے کہ پہلے حکم ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ﴾ کے عموم کو منسوخ کر دیا گیا اور اس کا استثنا یہ ذکر کیا گیا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ ﴾۔[3] عکرمہ اور حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4]

تفسیر آیت: 30

نظر نیچی رکھنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ محرمات سے اپنی نظر نیچی رکھیں اور صرف انھی کی

[1] تفسیر الطبری: 151/18. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2568/8. [3] تفسیر الطبری: 154/18. [4] تفسیر الطبری: 154/18.

طرف دیکھیں جن کی طرف دیکھنے کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ اگر قصد وارادہ کے بغیر کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو فورًا اپنی نظر کو اس سے ہٹا لے جیسا کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے حکم دیا کہ میں اپنی نظر کو ہٹالوں۔① صحیح بخاری میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ (عَلَى الطُّرُقَاتِ)] ''رستوں پر بیٹھنے سے اجتناب کرو۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بعض دفعہ گفتگو کے لیے مجلسوں میں بیٹھنا ضروری ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: [(إِنْ أَبَيْتُمْ) فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ] ''اگر تم انکار کرتے ہو تو رستے کو اس کا حق دو۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! رستے کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: [غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذٰى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ] ''نظر نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔''②

چھ چیزوں کی ضمانت کی وجہ سے جنت میں داخلے کی ضمانت: ابوالقاسم بغوی رحمہ اللہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [اُكْفُلُوا لِي بِسِتٍّ أَكْفُلْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: إِذَا حَدَّثَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَكْذِبْ، وَإِذَا وَعَدَ فَلَا يُخْلِفْ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ فَلَا يَخُنْ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ] ''تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: (1) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے (2) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی نہ کرے (3) اور جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے (4) اپنی نظر نیچی رکھو (5) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو (6) اور اپنے ہاتھوں کو روکو۔''③

نظر چونکہ فساد قلب کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے اسی طرح آنکھوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ یہ شرم گاہوں کی حفاظت کا سبب بنتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ ''(اے نبی!) آپ مومنوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔'' شرم گاہ کی حفاظت سے کبھی یہ مقصود ہوتا ہے کہ اسے زنا سے روکا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ (المؤمنون 5:23) ''اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

---

① صحيح مسلم، الآداب، باب نظر الفجاءة، حديث: 2159. ② صحيح البخارى، الاستئذان، باب قول الله تعالى: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا......﴾ (النور24:27-29)، حديث: 6229 وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب النهى عن الجلوس فى الطرقات......، حديث: 2121، البتہ پہلے قوسین والے الفاظ صحيح البخارى، المظالم، باب أفنية الدور والجلوس فيها......، حديث: 2465 اور دوسرے قوسین والے الفاظ سنن أبى داود، الأدب، باب فى الجلوس بالطرقات، حديث: 4815 کے مطابق ہیں۔ ③ معجم الصحابة للبغوى: 384/3، 385 رقم: 1318 والمعجم الكبير للطبرانى: 262/8، حديث: 8018 واللفظ له مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة: 454/3، حديث: 1470 و30/4، حديث: 1525.

اور کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسے دیکھا نہ جائے جیسا کہ مسند احمد اور سنن کی حدیث میں ہے :[اِحۡفَظۡ عَوۡرَتَكَ إِلَّا مِنۡ زَوۡجَتِكَ أَوۡمَا مَلَكَتۡ يَمِينُكَ]''اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو مگر اپنی بیوی یا کنیز سے۔''①

﴿ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ﴾ ''یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی (کی بات) ہے۔'' یعنی یہ ان کے دلوں کے لیے بڑی پاکیزگی اور دین کی بڑی حفاظت کی بات ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی نظر کی حفاظت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے نور بصیرت عطا فرماتا ہے، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نور قلب عطا فرماتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴾ ''اور جو کچھ وہ کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ○﴾ (المؤمن 19:40) ''وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اس کو بھی جو (ان کے) سینے چھپاتے ہیں۔''

آنکھ، زبان، کان اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں: صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[(كُتِبَ) عَلَى ابۡنِ آدَمَ حَظُّهُ مِنَ الزِّنَا، أَدۡرَكَ ذٰلِكَ لَامَحَالَةَ، فَزِنَا الۡعَيۡنَيۡنِ:النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ: النُّطۡقُ، (وَالۡأُذُنَانِ زِنَاهُمَا: اَلۡإِسۡتِمَاعُ وَزِنَا الۡيَدَيۡنِ: الۡبَطۡشُ وَزِنَا الرِّجۡلَيۡنِ: الۡمَشۡيُ)وَالنَّفۡسُ تَمَنّٰى وَتَشۡتَهِي وَالۡفَرۡجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوۡيُكَذِّبُهٗ]''ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ ضرور پالیتا ہے، آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا گفتگو کرنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تعلیقاً روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اسے دوسری سند کے ساتھ اسی طرح مسنداً روایت کیا ہے جو (تفسیر میں) مذکور ہے۔③

بہت سے سلف نے کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنے سے بھی اپنی نظر کی حفاظت کرے۔ ابن ابو الدنیا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[كُلُّ عَيۡنٍ بَاكِيَةٌ يَّوۡمَ الۡقِيَامَةِ إِلَّا عَيۡنًا غَضَّتۡ عَنۡ مَّحَارِمِ اللّٰهِ، وَعَيۡنًا سَهِرَتۡ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَعَيۡنًا خَرَجَ مِنۡهَا مِثۡلُ رَأۡسِ الذُّبَابِ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ]''قیامت کے دن ہر آنکھ روئے گی، سوائے اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور سے نیچی ہوگئی اور وہ آنکھ جو اللہ

---

① مسند أحمد :4,3/5 وسنن أبي داود، الحمام، باب في التعري، حديث :4017 و جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في حفظ العورة، حديث:2769 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب التستر عند الجماع، حديث:1920 والسنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب نظر المرأة إلى عورة زوجها:313/5، حديث 8972 عن معاوية بن حَيۡدَة القُشَيري رضی اللہ عنہ. ② صحيح البخاري، القدر، باب: و حرم على قرية......، حديث :6612 وصحيح مسلم، القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنى......، حديث:2657 و اللفظ له. اور دونوں قوسوں والے الفاظ دیکھیے صحيح مسلم، القدر، باب قدر على ابن آدم......،حديث:(21)-2657 و مسند أحمد:536/2 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ إِلَّا اللَّمَمَ ﴾ (النجم32:53):474,473/6، حديث:11544. ③ ملحوظہ: بعض نسخوں میں تَقَدَّمَ کے بجائے ذُكِرَ ہے اور ذُكِرَ ہی درست ہے اور ترجمہ بھی اسی کے مطابق ہے کیونکہ تَقَدَّمَ کی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ مذکورہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جبکہ یہ حدیث اسی مقام پر پہلی دفعہ آئی ہے۔ ہاں، اس کے بعد النجم، آیت:32 کے ذیل میں مکمل حدیث وارد ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اوراپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا

مگر جو (ازخود) اس میں سے ظاہر ہو اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں، مگر اپنے خاوندوں

لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ

پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے (سوتیلے) بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے

اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ

بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے

غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ

والے نوکر چاکر مردوں پر یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں (کی چیزوں) سے واقف نہ ہوں اور وہ اپنے پاؤں (زور زور سے) زمین

بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ

پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے وہ (لوگوں کو) معلوم ہوجائے، اور اے مومنو! تم مجموعی طور

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿31﴾

پر اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿31﴾

کے رستے میں بیدار رہی اور وہ آنکھ جس سے اللہ تعالیٰ کے خوف کے باعث مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آئے۔''[1]

تفسیر آیت: 31

پردے کے احکام: یہ حکم اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو دیا، ان کے شوہروں اور اپنے مومن بندوں کو غیرت دلائی اور مومن عورتوں کو زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کی صفات اور مشرک عورتوں کے افعال سے ممتاز کرنے کے لیے پردے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مُقاتل بن حَیّان بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے۔وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ کہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اسماء بنت مرشدہ بنو حارثہ میں اپنے کھجوروں کے باغ میں تھیں اور عورتیں ان کے پاس چادر اوڑھے بغیر ہی آنے لگیں جس سے ان کے پاؤں کی پازیبیں، ان کے سینے اور ان کی مینڈھیاں ننگی ہوگئیں، اسماء نے کہا کہ یہ کتنی بری بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ ''اور آپ مومن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔''[2] اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

[1] الدر المنثور: 74/5 و الترغیب والترهیب للمنذری، الجهاد، باب الترغیب فی الحراسة...... : 251/2، حدیث: 12 و حلیة الأولیاء، ترجمة صفوان بن سلیم: 191,190/3 و السلسلة الضعیفة 65/4، حدیث: 1562، حدیث ضعیف ہے۔

[2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2573/8۔

﴿ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ میں ہے کہ وہ اپنی نگاہیں ان چیزوں سے نیچی رکھیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام قرار دے دیا ہے، یعنی اپنے شوہروں کے علاوہ دیگر مردوں کی طرف نہ دیکھیں۔ بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ عورتوں کے لیے اجنبی مردوں کی طرف شہوت کے بغیر دیکھنا جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت حبشیوں کی طرف دیکھ رہے تھے جب عید کے دن وہ مسجد میں اپنے نیزوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے سے ان کو دیکھ رہی تھیں اور آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان سے اوٹ بنے ہوئے تھے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (دیکھتے دیکھتے) اکتا گئیں اور واپس چلی گئیں۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ ''اور وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔'' سعید بن جبیر کہتے ہیں: یعنی بے حیائیوں سے بچیں۔ ② ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی ہر وہ آیت جس میں شرم گاہوں کی حفاظت کا ذکر ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ زنا سے حفاظت کریں، البتہ اس آیت میں شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ انھیں کوئی نہ دیکھے۔ ③

﴿ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ کا مفہوم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ ''اور اپنی خوبصورتی کو ظاہر نہ کریں مگر جو (خود بخود) اس میں سے ظاہر ہو جائے۔'' یعنی اجنبیوں کے سامنے اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جس کا چھپانا ممکن نہ ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد چادر اور کپڑے ہیں۔ ④ یعنی عرب کی عورتیں اوڑھنی اوڑھ لیا کرتی تھیں اور اس کے نیچے پہنے ہوئے کپڑے نظر آتے تھے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس طرح کپڑوں کو چھپانا ممکن نہیں ہے اور اس کی نظیر عورتوں کے کپڑوں میں سے چادر ہے جس کا چھپانا ممکن نہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح حسن، ابن سیرین، ابوجوزاء، ابراہیم نخعی اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی کہا ہے۔ ⑤

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ ''اور چاہیے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔'' اوڑھنیوں کو اپنے سینوں پر اوڑھ لیا کریں اور اپنے سینوں کو چھپا لیں تاکہ زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کے طور طریقوں کی مخالفت کر سکیں کیونکہ زمانۂ جاہلیت کی عورتیں پردے کا اس طرح اہتمام نہیں کرتی تھیں بلکہ ان میں سے کوئی عورت جب مردوں کے پاس سے گزرتی تو وہ اپنے سینے کو کھول کر گزرتی اور اسے قطعاً نہ چھپاتی تھی، بسا اوقات وہ اپنی گردن، بالوں کی مینڈھیوں اور کانوں کی بالیوں تک کو بھی ننگا کر لیتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو حکم دے دیا کہ وہ پردے کا اہتمام کریں اور اپنے آپ کو چھپا کر رکھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ ﴾ (الأحزاب 59:33) ''اے پیغمبر! اپنی

① ماخوذ از صحیح البخاري، العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید، حدیث: 950۔ ② تفسیر ابن أبي حاتم: 2573/8۔ ③ تفسیر الطبري: 155/18۔ ④ تفسیر الطبري: 157,156/18 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2574/8 ⑤ تفسیر ابن أبي حاتم: 2574/8۔

بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے آپ کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں، یہ امر اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں ایذا نہ پہنچائی جائے۔‘‘

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ ’’اور وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔‘‘ خُمُرٌ، خِمَارٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد ہر وہ کپڑا ہے جس سے سر کو ڈھانپا جائے جنھیں لوگ آج کل اوڑھنی کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ ﴾ کے معنی ہیں وہ باندھ لیں، ﴿ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ ’’اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں۔‘‘ تاکہ سینے اور چھاتی کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلی مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ ’’اور چاہیے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔‘‘ انھوں نے اپنی چادروں کو چیر کر ان کی اوڑھنیاں بنالیں۔[2] صَفِیّہ بنت شَیْبَہ سے بھی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ جب یہ آیت: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ نازل ہوئی تو انھوں نے اپنی چادروں کو لیا اور دونوں کناروں سے چیر کر ان کی اوڑھنیاں بنالیں۔[3]

جن لوگوں کے سامنے عورت اظہار زینت کر سکتی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ ﴾ ’’اور اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر۔‘‘ یہ سب لوگ عورت کے محرم ہیں اور ان کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے لیکن (جاہلی طرز کا) اظہار محاسن جائز نہیں۔ ابن المنذر نے روایت کیا ہے کہ عکرمہ نے یہ ساری آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا کہ اس میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیونکہ ان کے بیٹوں کے ذکر سے ان کا ذکر از خود ہو گیا لیکن اسے چچا اور ماموں کے پاس اوڑھنی اتارنی نہیں چاہیے۔[4] جہاں تک عورت کے شوہر کا تعلق ہے تو یہ سب حکم شوہر ہی کی وجہ سے تو دیا گیا ہے، بہر صورت عورت اپنے شوہر کے سامنے اس قدر اظہار زیب و زینت کر سکتی ہے جس قدر کسی دوسرے کے سامنے نہیں کر سکتی۔

اور فرمایا: ﴿ أَوْ نِسَائِهِنَّ ﴾ ’’یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر۔‘‘ یعنی مسلمان عورتوں کے سامنے بھی اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہیں مگر ذمیّوں کی عورتوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں تاکہ وہ اپنے مردوں کے سامنے جا کر بیان نہ کریں، اگرچہ ممانعت تمام عورتوں کے سامنے ہے مگر ذمیّوں کی عورتوں کے سامنے اظہار زینت کی زیادہ شدید ممانعت ہے کیونکہ ان کے

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2576,2575/8 و الدرالمنثور:76/5 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ (النور24:31)، حدیث:4758 . [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ (النور24:31)، حدیث:4759 . [4] المصنف لابن أبی شیبة، النكاح، باب ماقالوا فی الرجل ینظر إلی شعر جدته......:13/4، حدیث:17287 .

سامنے کوئی رکاوٹ نہیں جبکہ مسلمان عورتیں جانتی ہیں کہ مردوں کے سامنے عورتوں کے حسن و جمال کو بیان کرنا حرام ہے، لہٰذا وہ اس سے رک جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا] ''کوئی عورت کسی عورت کے جسم کے ساتھ جسم کو نہ لگائے کہ وہ اس کی اپنے شوہر کے سامنے اس طرح تعریف کرنے لگے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہو۔'' اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ ①

اور فرمایا: ﴿ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ ''یا ان پر جن کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ (لونڈیاں۔)'' ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشرک عورتوں میں سے جوان کی لونڈیاں ہوں تو ان کے سامنے بھی اظہار زینت جائز ہے گو وہ مشرک ہیں لیکن ان کی لونڈیاں ہیں۔ ② سعید بن مسیّب کا بھی یہی خیال ہے۔ ③ ﴿ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ﴾ ''یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے خدام مردوں پر۔'' جیسے مزدور اور خدام ہیں جو کفو نہیں ہوتے، ان میں عقل بھی نہیں ہوتی، عورتوں کے پاس جانے کی ان میں ہمت بھی نہیں ہوتی اور عورتوں کی ان میں خواہش بھی نہیں ہوتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بے خبر ہے جس میں شہوت نہ ہو۔ ④

عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مخنث (ہیجڑا) ہے جس کے آلۂ تناسل میں انتشار پیدا نہ ہوتا ہو۔ ⑤ کئی ایک ائمۂ سلف سے اسی طرح منقول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مخنث رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آتا جاتا تھا اور اسے ان لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا جن میں عورتوں کی خواہش نہ ہو، ایک بار نبی اکرم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو آپ نے اسے ایک عورت کی یہ تعریف کرتے ہوئے سنا کہ جب وہ آتی ہے تو اس کے جسم کے چار حصے ہوتے ہیں اور جب جاتی ہے تو اس کے جسم کے آٹھ حصے ہو جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا أَرٰى هٰذَا يَعْرِفُ مَاهٰهُنَا؟ لَا يَدْخُلَنَّ عَلَيْكُنَّ] ''کیا میں اسے نہیں دیکھ رہا ہوں کہ یہ جانتا ہے کہ یہاں کیا ہے؟ (آیندہ) یہ تمھارے پاس ہرگز نہ آئے۔'' ⑥ پس اسے نکال دیا اور یہ بیداء میں رہتا تھا، ہر جمعہ کے دن کھانا لینے کے لیے آ جایا کرتا تھا۔ ⑦

اور فرمایا: ﴿ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ﴾ ''یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کی چھپی باتوں سے واقف نہ ہوں۔'' یعنی کم عمری کی وجہ سے وہ عورتوں کے حالات، ان کے پردے کی چیزوں، ان کے نرم کلام، ان کی چال اور ان کی حرکات و سکنات کو سمجھتے نہ ہوں۔ اگر بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ وہ ان چیزوں کو سمجھتا نہ ہو تو اس کے عورتوں کے پاس آنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر بچہ بالغ یا قریب البلوغت ہو، ان چیزوں کو جانتا پہچانتا اور بدصورت اور خوب صورت عورت میں تمیز کر سکتا ہو تو

① صحیح البخاری، النکاح، باب: لاتباشر المرأة المرأة......، حدیث :5241 اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ ② تفسیر الطبری: 161/18 . ③ الدر المنثور: 77/5. ④ تفسیر ابن أبی حاتم :2578/8 و تفسیر الطبری: 162/18. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 2579/8 و تفسیر الطبری: 164/18. ⑥ صحیح مسلم، السلام، باب منع المخنث من الدخول علی النساء الأجانب، حدیث: 2181 . ⑦ سنن أبی داود، اللباس، باب فی قوله تعالی: ﴿ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ ﴾ (النور24:31)، حدیث : 4109 .

اسے عورتوں کے پاس نہ آنے دیا جائے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ] ''عورتوں کے پاس جانے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔'' عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! عورت کے غیر محرم سسرالی رشتے داروں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: [اَلْحَمْوُ: الْمَوْتُ] ''عورت کے غیر محرم سسرالی رشتے دار موت ہیں۔''①

عورت کے لیے رستے میں چلنے کے آداب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ...... ﴾ الآیۃ ''اور وہ اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں......'' زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ عورت جب رستے میں چلتی اور اس نے پاؤں میں پازیب پہنی ہوتی جس کی آواز سنائی نہ دیتی تو وہ اپنے پاؤں کو زمین پر مارتی جس سے مردوں کو پازیب کی چھنک معلوم ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا، اسی طرح عورت کی زینت کی کوئی چیز اگر مستور ہو اور وہ کوئی ایسی حرکت کرے جس سے اس کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے تو وہ بھی ﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ ﴾ کے اس حکم کے پیش نظر ممنوع ہے، اسی طرح عورت کے لیے گھر سے نکلتے وقت ایسی خوشبو اور عطر استعمال کرنا بھی ممنوع ہے جس کی خوشبو مردوں تک پہنچے اور وہ اسے سونگھیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ، وَّالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ، فَهِيَ كَذَا وَكَذَا] ''ہر آنکھ بدکار ہے اور عورت جب عطر استعمال کر کے (مردوں کی) مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ بھی ایسی ویسی ہے۔'' یعنی وہ بھی بدکار ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب سے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔② یاد رہے اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔③

علاوہ ازیں عورتوں کے لیے رستے کے درمیان میں چلنا بھی ممنوع ہے کیونکہ اس طرح بھی انھیں اظہار زیب و زینت کا موقع ملتا ہے۔ امام ابوداود نے ابواسید انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے مسجد کے باہر رسول اللہ ﷺ کو اس وقت ارشاد فرماتے ہوئے سنا جبکہ مرد حضرات عورتوں کے ساتھ درمیان رستے میں گھل مل گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: [اِسْتَأْخِرْنَ، فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيقَ، عَلَيْكُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِيقِ] ''پیچھے ہٹ جاؤ، تمھیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ رستے کے درمیان چلو، تمھیں رستے کے کناروں پر چلنا چاہیے۔'' آپ کے اس فرمان کے بعد عورت دیوار کے ساتھ لگ کر چلتی تھی حتی کہ دیوار کے ساتھ لگ کر چلنے کی وجہ سے اس کا کپڑا دیوار کے ساتھ اٹک جاتا تھا۔④

---

① صحيح البخاري، النكاح، باب لايخلون رجل بامرأة......، حديث:5232 وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية......، حديث: 2172 عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ. ② جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية خروج المرأة......، حديث: 2786. ③ سنن أبي داود، الترجل، باب في طيب المرأة للخروج، حديث:4173 والسنن الكبرى للنسائي، الزينة، باب مايكره للنساء من الطيب:430/5، حديث: 9422. ④ سنن أبي داود، الأدب، باب في مشي النساء......، حديث:5272.

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

اور تم اپنے بے نکاح مردوں، عورتوں کے نکاح کر دو اور (ان کے بھی) جو تمھارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں، اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿32﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

انھیں غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿32﴾ اور جو لوگ نکاح (کی طاقت) نہیں پاتے انھیں پاک دامن رہنا چاہیے، حتی کہ اللہ اپنے

نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ

فضل سے انھیں غنی کر دے، اور جن (لونڈیوں یا غلاموں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں مکاتبت کرنا (آزادی کی تحریر لکھانا) چاہیں، اگر تمھیں ان

اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ

میں کوئی بھلائی معلوم ہو تو تم ان سے مکاتبت کر لو اور تم انھیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمھیں دیا ہے اور تمھاری لونڈیاں اگر پاک دامن

اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ

رہنا چاہیں تو تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرنے کی خاطر انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انھیں مجبور کرے تو بے شک ان کے مجبور کیے جانے

الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿33﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ

کے بعد اللہ (ان کے لیے) غفور رحیم ہے ﴿33﴾ اور بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف کھول کر بیان کرنے والی آیات، اور ان لوگوں کے کچھ حالات و واقعات بھی

4 ع 8 10 اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿34﴾ ع

جو تم سے پہلے گزر چکے، اور متقین کے لیے نصیحت نازل کی ﴿34﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿31﴾﴾ ”اور اے مومنو! تم سارے ہی اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان صفات جمیلہ اور اخلاق جلیلہ کے اختیار کرنے کا جو حکم دیا ہے اسے بجالاؤ اور جاہلیت کی رذیل صفات و اخلاق کو ترک کر دو کیونکہ ہر طرح کی فلاح و کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے اور جس سے منع فرمایا ہے اسے فوراً ترک کر دیا جائے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى هُوَالْمُسْتَعَانُ .

تفسیر آیات: 32-34

نکاح کا حکم: یہ آیات کریمہ بہت سے محکم احکام اور قطعی اوامر پر مشتمل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ”اور تم اپنے بے نکاحوں کے نکاح کر دو۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ] ”اے گروہِ جواناں! تم میں سے جس شخص کو نکاح کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے، اس سے نظر زیادہ نیچی رہتی اور شرم گاہ کی زیادہ حفاظت ہو جاتی ہے اور جسے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے، روزہ اس کی شہوت کو کچل دے گا۔“ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

بیان کیا ہے۔[1]

سنن میں کئی ایک طرق سے یہ روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تَزَوَّجُوا تَوَالَدُوا تَنَاسَلُوا، فَإِنِّي مُبَاهٍ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''شادی کرو، نسل کو پروان چڑھاؤ اور بڑھاؤ، پس بلاشبہ میں تمھاری وجہ سے روز قیامت امتوں پر فخر کروں گا۔''[2]

﴿الْأَيَامٰى﴾ کا مطلب: أَيَامٰى، أَيِّم کی جمع ہے، أَيِّم اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اس مرد کو کہا جاتا ہے جس کی بیوی نہ ہو، شادی کرنے کے بعد جدائی اختیار کی ہو یا شادی کی ہی نہ ہو۔ اسے جوہری نے اہل لغت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کہا جاتا ہے: رَجُلٌ أَيِّمٌ اور اِمْرَأَةٌ أَيِّمٌ.[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں درحقیقت شادی کی ترغیب دی ہے، آزاد اور غلام سب لوگوں کو شادی کا حکم دیا ہے اور شادی کرنے کی وجہ سے خوش حالی کا وعدہ فرمایا ہے۔[4] ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نکاح کے ساتھ خوش حالی کو تلاش کرو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا۔''[5] امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[6]

اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے حق دار: اور لیث از محمد بن عجلان از سعید المقبری ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَوْنُهُمْ: اَلْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ، وَ(الْغَازِي) فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''تین آدمیوں کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے: (1) وہ مکاتب جو (اپنی غلامی کی) قیمت ادا کرنا چاہتا ہے (2) وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ عفت و پاکدامنی کا حصول ہے (3) اللہ کے رستے

---

① صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة......، حديث:5066 و صحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح......، حديث:1400 واللفظ له. ② ملحوظہ: یہ الفاظ سنن میں ہمیں نہیں ملے، البتہ اس سے ملتے جلتے الفاظ كشف الخفاء و مزيل الإلباس للعجلوني:380/1، حديث:1021 اور المقاصد الحسنة للسخاوي، حديث:350 میں ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں، ضعيف الجامع الصغير، حديث:2484 و موسوعة الأحاديث والآثار الضعيفة والموضوعة:585/3، حديث:8350، البتہ سنن أبي داود، النكاح، باب النهي عن تزويج......، حديث:2050 کے یہ الفاظ صحیح ہیں: [تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ] ''بہت محبت کرنے والی اور بہت بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو، بلاشبہ میں تمھاری کثرت سے دیگر امتوں پر فخر کرنے والا ہوں۔'' مزید دیکھیے مسند أحمد:158/3 و السنن الكبرى للبيهقي، النكاح، باب استحباب التزوج......: 81/7. ③ الصحاح :1518/4، مادة: أَيِّم. ④ تفسير الطبري :167/18. ⑤ تفسير الطبري:167/18. ⑥ تفسير البغوي 411,410/3 و تفسير ابن أبي حاتم : 868/3.

میں جہاد کرنے والا غازی۔'' اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [1]

نبیٔ اکرم ﷺ نے اس شخص کی بھی شادی کرادی تھی جس کے پاس ایک چادر کے سوا اور کچھ نہ تھا اور اسے لوہے کی ایک انگوٹھی بھی میسر نہ آسکی تھی، اس کے باوجود آپ نے ایک عورت کے ساتھ اس کی شادی کرادی اور اس کا مہر یہ مقرر کیا کہ اسے جتنا قرآن مجید یاد ہے وہ اپنی بیوی کو بھی سکھا دے۔ [2] اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم یہی ہے کہ وہ شادی کرنے والے کو اس قدر رزق ضرور عطا فرما دیتا ہے جو اس کے لیے اور اس کی بیوی کے لیے کافی ہو۔

شادی کی طاقت نہ رکھنے والے کے لیے عفت و پاک دامنی کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور وہ لوگ جو نکاح (کی طاقت) نہیں پاتے انھیں چاہیے کہ وہ پاک دامنی اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو حکم دیا ہے جو نکاح کرنے پر قادر نہ ہو کہ وہ حرام کاری سے اجتناب کرے اور عفت و پاک دامنی کو اختیار کیے رکھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ] ''اے گروہِ جواناں! تم میں سے جسے نکاح کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے، یہ نظر کو زیادہ جھکا دینے والی اور شرم گاہ کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے، روزہ اس کی شہوت کو کچل دے گا۔'' [3]

یہ آیت کریمہ مطلق ہے جبکہ سورۂ نساء کی حسبِ ذیل آیت خاص ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَي الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ﴾ (النسآء 4:25) ''اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو مومن لونڈیوں ہی سے جن کے مالک بنے ہیں تمھارے دائیں ہاتھ (وہ نکاح کر لے) اور اللہ تمھارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو تو ان (لونڈیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو اور انھیں دستور

---

[1] مسند أحمد: 251/2 و 437 و جامع الترمذی، فضائل الجهاد، باب ما جاء فی المجاهد......، حدیث: 1655 و سنن النسائی، النکاح، باب معونة الله الناکح الذی......، حدیث: 3220 و اللفظ له. مگر قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، العتق، باب المکاتب، حدیث: 2518 میں ہے۔ [2] ماخوذ از صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب القراءة عن ظهر القلب، حدیث: 5030 و صحیح مسلم، النکاح، باب الصداق و جواز کونه تعلیم قرآن و خاتم حدید ......، حدیث: 1425-(77,76). [3] صحیح البخاری، النکاح، باب من لم یستطع الباءة فلیصم، حدیث: 5066 و صحیح مسلم، النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه......، حدیث: 1400 و اللفظ له عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

کے مطابق ان کے مہر بھی ادا کرو، بشرطیکہ وہ پاک دامن ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ چھپے یار بنانے والی ہوں، پھر جب وہ نکاح میں آ جائیں اور اس کے بعد بدکاری کریں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں پر ہے، یہ (لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت) تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جسے گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو تمھارے لیے بہتر ہے۔'' یعنی اگر تم لونڈیوں سے نکاح کرنے سے صبر کر لو تو یہ تمھارے لیے بہت اچھا ہوگا کیونکہ اس طرح جو اولاد پیدا ہوگی وہ بھی غلام ہوگی۔ ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ ﴾ (النسآء 4:25) ''اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

عکرمہ نے ﴿ وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا ﴾ ''اور وہ لوگ جو نکاح (کی طاقت) نہیں پاتے انھیں چاہیے کہ وہ پاک دامنی اختیار کیے رہیں'' کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی عورت کو دیکھتا ہے تو وہ خواہش کرنے لگتا ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر اس کی بیوی ہے تو وہ اس کے پاس جا کر اس سے اپنی حاجت پوری کر لے اور اگر اس کی بیوی نہ ہو تو وہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت دیکھے حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے غنی کر دے۔[1]

غلاموں سے مکاتبت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ۖ ﴾ ''اور وہ (غلام یا لونڈیاں) جو تم سے مکاتبت (آزادی کی تحریر) طلب کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی معلوم کر لو تو تم ان سے مکاتبت کر لو۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے مالکوں کو حکم دیا ہے کہ ان کے غلام اگر ان سے مکاتبت کا مطالبہ کریں تو ان سے مکاتبت کر لو، بشرطیکہ غلام کے پاس کمائی کا ذریعہ ہو جس کے ساتھ کما کر وہ اپنے آقا کو حسبِ شرائط مال ادا کر سکے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ رَوح نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا: جب مجھے یہ معلوم ہو کہ غلام کے پاس مال ہے تو کیا میرے لیے اس سے مکاتبت کرنا واجب ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک تو یہ واجب ہی ہے۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا کہ آپ اسے کسی سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: نہیں، پھر انھوں نے مجھے بتایا کہ موسیٰ بن انس نے انھیں خبر دی کہ سیرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کے بارے میں سوال کیا اور وہ کثیر المال تھا مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ ان سے مکاتبت کر لو مگر انھوں نے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دُرّے کے ساتھ مارا اور قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ۖ ﴾ ''اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی معلوم کر لو تو تم ان سے مکاتبت کر لو۔'' تو انھوں نے مکاتبت کر لی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اسی طرح تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔[2]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2582/8. [2] صحیح البخاري، المکاتب، باب المکاتب ونجومه......، قبل الحدیث: 2560.

عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ہمیں ابن جریج نے خبر دی کہ میں نے عطاء سے کہا: جب مجھے معلوم ہو کہ اس کے پاس مال ہے تو کیا میرے لیے واجب ہے کہ میں اس سے مکاتبت کروں۔ انھوں نے جواب دیا: میرے نزدیک تو یہ واجب ہے۔① ابن جریر نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیرین نے مکاتبت کا ارادہ کیا مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں توقف تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس سے ضرور مکاتبت کر لو۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ﴾ ''اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی معلوم کر لو۔'' بعض نے کہا ہے کہ یہاں خیر سے مراد امانت ہے۔③ بعض نے کہا کہ اس سے مراد صدق ہے۔④ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مال ہے۔⑤ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد ذریعۂ کمائی ہے۔⑥ ﴿ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''اور اللہ نے جو مال تمھیں دیا ہے، اس میں سے تم انھیں بھی دو۔'' یعنی ان کا وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اموالِ زکاۃ میں فرض قرار دیا ہے۔ یہ حسن، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور ان کے والد زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان کا قول ہے۔⑦ اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔⑧ ابراہیم نخعی کا اس کے بارے میں قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غلام کے آقا اور دیگر لوگوں کو اس پر خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔⑨ بُریدہ بن حُصَیب اسلمی اور قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔⑩ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ گردنوں کے آزاد کرانے میں تعاون کریں۔⑪

لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ﴾ ''اور تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔'' زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں اگر کسی کے پاس لونڈی ہوتی تو وہ اسے بدکاری کے لیے بھیج دیتا اور ہر وقت اس سے ٹیکس وصول کرتا رہتا تھا۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرما دیا۔ اس آیت کریمہ کے سببِ نزول کے بارے میں سلف وخلف میں سے بہت سے مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ عبداللہ بن اُبَی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔⑫ اس کے پاس بہت سی لونڈیاں تھیں اور وہ ان سے ٹیکس وصول کرنے کے لیے انھیں بدکاری پر مجبور کرتا تھا، نیز اس کا یہ بھی مقصد تھا کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہو اور ان پر بھی اسے حکومت کرنے کا موقع ملے۔

آثار و روایات: حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں امام زہری کی روایت بیان کی ہے کہ

① المصنف لعبد الرزاق، المكاتب، باب وجوب الكتاب......: 371/8، حديث: 55576 . ② تفسير الطبري: 168/18. ③ تفسير الطبري: 170/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2585,2584/8 . ④ تفسير الطبري: 170/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2584/8 . ⑤ تفسير الطبري: 171,170/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2585,2584/8 . ⑥ تفسير الطبري: 169/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2585-2583/8 . ⑦ تفسير الطبري: 175/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2588/8. ⑧ تفسير الطبري: 176/18. ⑨ تفسير الطبري: 175/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2586/8 وتفسير البغوي: 413/3 . ⑩ تفسير ابن أبي حاتم: 2586/8. ⑪ تفسير ابن أبي حاتم: 2586/8 . ⑫ تفسير الطبري: 178,176/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2590,2589/8

عبداللہ بن ابی ابن سلول کی ایک لونڈی تھی جس کا نام مُعاذہ تھا، وہ اسے بدکاری پر مجبور کیا کرتا تھا، جب اسلام آیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور تم اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد تلاش کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بے چاریوں) کے مجبور کیے جانے کے بعد یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''[1] اعمش نے ابوسفیان سے اور انھوں نے جابر سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی ابن سلول کی لونڈی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کا نام مُسیکہ تھا، وہ اسے بدکاری پر مجبور کرتا اور وہ اچھی عورت تھی، اس لیے وہ بدکاری سے انکار کر دیتی تھی تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور تم اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد تلاش کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بے چاریوں) کے مجبور کیے جانے کے بعد یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''[2]

مقاتل بن حَیّان نے کہا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے ــ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ــ کہ یہ آیت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی دو لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے، ان میں سے ایک کا نام مُسیکہ تھا وہ ایک انصاری کی لونڈی تھی، اُمَیمہ اُم مُسیکہ، عبداللہ بن اُبی کی لونڈی تھی، مُعاذہ اور اَرْوٰی بھی اسی طرح لونڈیاں تھیں۔ مُسیکہ اور اس کی ماں نبی ٔاکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انھوں نے اس بات کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمادی: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ﴾ ''اور تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ﴾ ''اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔'' یہ اس لیے فرمایا کہ اکثر و بیشتر وہ پاک دامن ہی رہنا چاہتی تھیں، اس لیے یہاں یہ مفہوم مراد نہیں ہے کہ اگر وہ پاک دامن نہ رہنا چاہیں تو پھر تم انھیں بدکاری پر مجبور کر سکتے ہو۔

کن کی کمائی ناپاک ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''تاکہ تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرو۔'' دنیاوی فوائد سے مراد ان کا ٹیکس، مہر اور ان کی اولاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سینگی (پچھنے) لگانے والے کی کمائی[4]

---

① كشف الأستار، التفسير:61/3، حديث: 2240 . ② السنن الكبرٰى للنسائى، التفسير، باب قوله تعالٰى: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ﴾ :419/6، حديث:11365 وتفسير الطبرى:177/18 وتفسير ابن أبى حاتم: 2589/8 .

③ تفسير ابن أبى حاتم: 2590/8 . ④ سنن ابن ماجه، التجارات، باب كسب الحجام، حديث:2165 عن أبى مسعود عقبة بن عمرو رضی اللہ عنہ اسی طرح اس بارے میں [شَرُّ الْكَسْبِ...... كَسْبُ الْحَجَّامِ] ''بری کمائی پچھنے لگانے والے کی کمائی ہے۔'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (صحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب تحريم ثمن الكلب......، حديث:1568 عن رافع بن خديج رضی اللہ عنہ.) مگر یہ ممانعت حرام کے حکم میں نہیں بلکہ جواز مع الکراہت کے باب سے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگانے والے کو اجرت دی تھی۔ مزید تفصیل کے لیے شروحات دیکھیے صحيح البخارى، الإجارة، باب خراج الحجام، حديث: 2278-2280.

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال (یوں ہے) جیسے ایک طاق ہو، جس میں چراغ ہو، چراغ ایک شیشے (کی قندیل) میں ہو، شیشہ جیسے

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

چمکتا ستارہ ہو، وہ (چراغ) ایک مبارک درخت زیتون (کے تیل) سے جلایا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، یوں لگے جیسے اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

گا اگر چہ اسے آگ نے نہ چھوا ہو، (وہ) نور علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿35﴾

کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿35﴾

(سے منع فرمایا ہے اور) بدکار عورت کے مہر اور کاہن کی مٹھائی سے (بھی) منع فرمایا ہے۔[1] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ، وَّمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ، وَّكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ] ''کتے کی قیمت ناپاک ہے، بدکار عورت کی کمائی ناپاک ہے اور پچھنے لگانے والے کی کمائی ناپاک ہے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿33﴾﴾ ''اور جو انھیں مجبور کرے گا تو ان (بے چاریوں) کے مجبور کیے جانے کے بعد بلا شبہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[3] ابن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ انھیں بخشنے والا، مہربان ہے اور ان کا گناہ اسے ہوگا جو ان کو مجبور کرے گا۔[4] مجاہد، عطاء خراسانی، اعمش اور قتادہ کا بھی قول اسی طرح ہے۔[5]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے تمھاری طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں۔'' یعنی قرآن مجید کی آیات واضح اور روشن ہیں۔ ﴿وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور کچھ حال ان لوگوں کا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔'' یعنی سابقہ امتوں کی خبریں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی وجہ سے نازل ہونے والے عذاب کو بیان کیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۟﴾ (الزخرف 56:43) ''پھر ہم نے انھیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے (عبرت کی) مثال (بنا دیا۔)'' ﴿وَمَوْعِظَةً﴾ ''اور نصیحت'' کہ جو گناہوں اور حرام کاموں کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ ﴿لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿34﴾﴾ ''پرہیز گاروں

[1] صحیح البخاری، البیوع، باب ثمن الکلب، حدیث: 2237 وصحیح مسلم، المساقاۃ، باب تحریم ثمن الکلب......، حدیث: 1567. [2] صحیح مسلم، المساقاۃ، باب تحریم ثمن الکلب......، حدیث:(41)-1568 عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ. [3] دیکھیے النور، آیت: 33 کے ذیل میں عنوان: ''آثار وروایات'' [4] تفسیر الطبری: 178/18 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2591/8. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 2592,2591/8 وتفسیر الطبری: 178,177/18.

کے لیے۔'' یعنی ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے اور اس کا خوف رکھتے ہیں۔

تفسیر آیت:35

اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے'' کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین والوں کا ہادی ہے۔① ابن جریج کے بقول مجاہد رحمہ اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی اور ان کے نجوم اور ان کے شمس وقمر کی تدبیر فرماتا ہے۔②

سدی کہتے ہیں کہ اسی کے نور سے آسمان اور زمین جگمگا رہے ہیں۔③ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: [اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ...... أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ......] ''اے اللہ! تیرے ہی لیے سب تعریف ہے، تو ہی آسمانوں اور زمین اور ان مخلوقات کو جو ان میں ہیں، قائم رکھنے والا ہے اور تیرے ہی لیے سب تعریف ہے...... تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے......۔''④ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمھارے رب کے ہاں رات دن نہیں ہے، آسمانوں اور زمین کا نور اس کے چہرۂ اقدس کے نور سے ہے۔⑤

﴿ مَثَلُ نُوْرِهٖ ﴾ ''اس کے نور کی مثال۔'' اس ضمیر کے بارے میں دو قول ہیں: (1) یہ اللہ عزوجل کی طرف عائد ہے، یعنی قلب مومن میں اس کی ہدایت کی مثال اس طرح ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔⑥ (2) ضمیر مومن کی طرف عائد ہے جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ مومن کے اس نور کی مثال جو اس کے دل میں ہے، ایک طاق کی طرح ہے، گویا مومن کے دل کو اور جس ہدایت سے اسے سرفراز کیا گیا اور اپنے لیے قرآن سے جس رہنمائی کو وہ حاصل کر رہا ہے ایک طاق سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ (هود 11:17) ''تو بھلا جو اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اور اس کے بعد ایک گواہ بھی اس (اللہ) کی طرف سے آجائے (وہ قرآن کا انکار کر سکتا ہے؟)''

قلب مومن کو صاف شفاف ہونے کے اعتبار سے صاف شفاف جوہری شیشے کی قندیل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور قرآن اور شریعت سے جو وہ ہدایت حاصل کرتا ہے، اسے ایسے عمدہ، صاف، چمک دار اور معتدل تیل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس میں

---

① تفسیر الطبری:180/18 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2593/8. ② تفسیر الطبری:180/18. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2593/8. ④ صحیح البخاری، التهجد، باب التهجد باللیل......، حدیث: 1120 و صحیح مسلم، صلاة المسافرین وقصرها، باب صلاة النبی ﷺ......، حدیث: 769. ⑤ المعجم الکبیر للطبرانی:179/9، حدیث:8886 و کتاب العظمة لأبی الشیخ الأصفهانی: 477/2 و حلیة الأولیاء، ترجمة عبدالله بن مسعود: 187/1 ملحوظہ: تفسیر ابن کثیر عربی میں [نور العرش] کے الفاظ ہیں جو ہمیں نہیں ملے، اس لیے ترجمہ مراجع کے مطابق کیا گیا ہے۔ ⑥ تفسیر الطبری:182/18.

کوئی میل یا ملاوٹ نہ ہو۔ ﴿ كَمِشْكٰوةٍ ﴾ ''گویا ایک طاق ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، محمد بن کعب اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ مشکوٰۃ قندیل میں چراغ رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ ① اور یہی مشہور بات ہے، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ﴾ ''جس میں ایک چراغ ہے۔'' یعنی وہ دیا جو روشنی دیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مشکوٰۃ گھر کے طاق کو کہتے ہیں۔ ②

اللہ تعالیٰ نے یہ اپنی اطاعت کی مثال بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو نور کے نام سے موسوم فرمایا ہے، پھر اس اطاعت کے مختلف نام رکھے ہیں۔ ③ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿ مِصْبَاحٌ ﴾ کے معنی نور ہیں اور اس سے مراد قرآن اور سینے کا ایمان ہے۔ ④ سدی کہتے ہیں کہ ﴿ مِصْبَاحٌ ﴾ کے معنی چراغ کے ہیں۔ ⑤ ﴿ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ﴾ ''(وہ) چراغ شیشے (کی قندیل) میں ہے۔'' یعنی یہ روشنی ایک صاف شفاف قندیل میں چمک رہی ہے۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ قلب مومن کی مثال ہے۔ ⑥ ﴿ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ﴾ ''وہ شیشہ (کی قندیل) گویا کہ وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔'' بعض نے اسے دال کے ضمہ کے ساتھ، ہمزہ کے بغیر، یعنی دُرِی پڑھا ہے، گویا وہ دُرّ موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے۔ بعض قراء نے اسے دُرِّیءٌ و دِرِّیءٌ پڑھا ہے۔ ⑦ یعنی دال کے کسرہ اور ضمہ اور ہمزہ کے ساتھ، یعنی دَرْءٌ سے، جس کے معنی دور ہٹا دینے کے ہوتے ہیں اور یہ اس لیے کہ ستارے کو جب پھینک دیا جائے تو اس وقت دیگر حالات کی نسبت وہ زیادہ چمکتا ہے اور جن ستاروں کو پہچانا نہ جا سکے عرب انھیں دَرَارِیٌّ کہتے ہیں۔

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ﴿ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ﴾ کے معنی چمکدار ستارے کے ہیں۔ ⑧ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی چمکدار، روشن اور بڑے ستارے کے ہیں۔ ⑨ ﴿ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ ''وہ (چراغ) ایک مبارک درخت سے جلایا جاتا ہے۔'' یعنی اس میں زیتون کے مبارک درخت کا تیل ڈالا جاتا ہے۔ ﴿ زَيْتُوْنَةٍ ﴾ ''زیتون۔'' یہ بدل یا عطف بیان ہے۔

﴿ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ﴾ کا مفہوم: ﴿ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ﴾ ''نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف۔'' یعنی وہ نہ اس کے مشرقی حصے میں ہے، لہٰذا دن کے ابتدائی حصے میں اس تک دھوپ نہیں پہنچتی اور نہ اس کے غربی حصے میں ہے کہ غروب سے قبل اس کا سایہ سکڑ جائے بلکہ یہ ایک ایسی درمیانی جگہ میں ہے کہ ابتدا سے لے کر آخر وقت تک سارا دن سورج اس پر چمکتا ہے جس کی وجہ سے اس کا تیل صاف شفاف، معتدل اور چمکدار ہوتا ہے۔

ابن ابوحاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ﴾ ''زیتون جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صحرا کا درخت ہے جس پر کسی درخت یا پہاڑ یا غار کا سایہ نہ ہو اور نہ اسے

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2595/8 و تفسیر الطبری: 183/18 و 186۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2596/8 و تفسیر الطبری: 185/18۔ ③ تفسیر الطبری: 185/18۔ ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 2596/8۔ ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 2596/8۔ ⑥ تفسیر الطبری: 184/18 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2595/8۔ ⑦ تفسیر الطبری: 187/18۔ ⑧ تفسیر ابن أبی حاتم: 2598/8۔ ⑨ تفسیر ابن أبی حاتم: 2598/8۔

کوئی چیز چھپائے ہوئے ہو، ایسا درخت تیل کے لیے بہترین ہوتا ہے۔[1] مجاہد ﴿ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ﴾ ''زیتون جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مشرق کی طرف نہیں ہے کہ غروب آفتاب کے وقت اسے دھوپ نہ پہنچے اور نہ مغرب کی جانب ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت اسے دھوپ نہ پہنچے، اس لیے وہ مشرقی بھی ہے اور مغربی بھی کہ طلوع سے لے کر غروب تک ہر وقت اسے دھوپ پہنچتی ہے۔[2] سعید بن جبیر نے ﴿ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ ﴾ ''زیتون جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، قریب ہے کہ اس (زیتون) کا تیل (خود بخود) روشن ہو جائے۔'' اس کے بارے میں کہا ہے کہ ایسا تیل سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ مزید کہا کہ جسے سورج کے طلوع ہوتے وقت مشرق کی طرف سے دھوپ ملے اور سورج کے غروب ہوتے وقت مغرب کی طرف سے دھوپ ملے، یعنی صبح شام اسے دھوپ ملے تو ایسے درخت کو مشرقی یا مغربی نہیں کہا جا سکتا۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ﴾ ''قریب ہے کہ اس (زیتون) کا تیل روشن ہو جائے، خواہ آگ اسے نہ چھوئے۔'' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ تیل کی چمک دمک روشنی کر دے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ﴾ ''روشنی پر روشنی ہے۔'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد بندے کا ایمان اور عمل ہے۔[5] سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد آگ کی روشنی اور تیل کی روشنی ہے کہ یہ دونوں جب جمع ہوں تو چمکنے لگیں، ان میں سے ایک دوسری کے بغیر چمک نہیں سکتی، اسی طرح نور قرآن اور نور ایمان جمع ہو کر جگمگانے لگتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی چمک دوسرے کی رہینِ منت ہے۔[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ جس کو منتخب فرماتا ہے اپنی ہدایت کی طرف اس کی رہنمائی فرماتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ، ثُمَّ أَلْقَى عَلَيْهِمْ مِّنْ نُّورِهِ يَوْمَئِذٍ، فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ نُّورِهِ يَوْمَئِذٍ، اِهْتَدٰى، وَمَنْ أَخْطَأَهُ، ضَلَّ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا، پھر اسی دن ان پر اپنا نور ڈالا جسے اس دن وہ نور حاصل ہو گیا وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جسے وہ نور حاصل نہیں ہو سکا وہ گمراہ ہو گیا۔'' اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے علم کے مطابق قلم خشک ہو گیا ہے۔[7]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2600/8. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2601/8. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2601/8. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 2602/8. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 2603/8. [6] تفسير ابن أبي حاتم: 2603/8. [7] مسند أحمد: 176/2.

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿ۙ36﴾

یہ (چراغ اور قندیلیں) ان گھروں میں ہیں (جن کی بابت) اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے (اور) وہ وہاں

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ

صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں ﴿36﴾ وہ لوگ جنھیں تجارت اور خرید وفروخت، اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے سے غافل نہیں کرتی،

یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿٭ۙ37﴾ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ

وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گے ﴿37﴾ (وہ یہ کام کرتے ہیں) تاکہ اللہ انھیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دے اور

فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿38﴾

انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ﴿38﴾

لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جب اس نور ہدایت کی یہ مثال بیان فرمائی جسے اس نے مومن کے دل میں پیدا فرمایا ہے تو اس نے اس آیت کریمہ کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ وہ یہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور ضلالت کا مستحق کون۔

تفسیر آیات:36-38

مساجد کے فضائل وآداب: اللہ تعالیٰ نے جب قلب مومن اور اس میں موجود ہدایت وعلم کی مثال اس چراغ سے بیان فرمائی جو صاف شفاف قندیل میں ہو اور وہ چراغ پاکیزہ تیل سے جل رہا ہو تو یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا مقام مساجد ہیں جو زمین کے ٹکڑوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ ہیں اور مسجدیں اللہ کے گھر ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی اور اس کی توحید کا اقرار کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ﴾ ''(وہ قندیلیں) ان گھروں میں ہیں (جن کے بارے میں) اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان مسجدوں کو میل کچیل اور ایسے بے ہودہ اقوال وافعال سے پاک رکھا جائے جو ان کے شایان شان نہ ہوں جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں لغو کاموں سے منع فرمایا ہے۔[1] عکرمہ، ابوصالح، ضحاک، نافع بن جبیر، ابوبکر بن سلیمان بن ابوخیثمہ، سفیان بن حسین اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2]

مساجد کی تعمیر، احترام، تعظیم، تطہیر اور انھیں معطر رکھنے کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ وارد ہیں اور یہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہیں اور میں نے بحمد اللہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ ان میں سے کچھ احادیث کو یہاں بیان کرنے کی سعادت بھی حاصل کی جارہی ہے۔ وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا...... يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ، بَنَى اللّٰهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ] ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنائے تو اللہ تعالیٰ

---

[1] تفسیر الطبری: 192/18 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2604/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2604/8.

اس کے لیے اسی طرح جنت میں گھر بنائے گا۔‘‘[1]

اور امام ابن ماجہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا يُّذْكَرُ فِيهِ اسْمُ اللّٰهِ، بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ] ’’جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ذکر کے لیے مسجد بنائے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر بنائے گا۔‘‘[2] اور امام نسائی نے بھی اسی طرح اسے روایت کیا ہے۔[3]

اس موضوع کی بہت سی احادیث ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم محلوں میں مسجدیں بنائیں، انھیں پاک صاف رکھیں اور خوشبو سے معطر کریں۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام نسائی کے سوا دیگر اہل سنن نے اسے روایت کیا ہے۔[4] مسند احمد اور ابوداود میں سمرہ بن جُندُب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ لوگوں کے لیے ایسی مسجد بناؤ جو انھیں چھپالے اور اسے سرخ یا زرد رنگ میں نہ رنگو تا کہ لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔[6]

امام ابوداود نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَاأُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ] ’’مجھے مسجدوں کو چونا گچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مسجدوں کو اس طرح مزین کروں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا تھا۔[7]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ] ’’قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں فخر کرنے لگیں گے۔‘‘ اس کو امام احمد اور اہل سنن نے سوائے ترمذی کے روایت کیا ہے۔[8] حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں اپنے گم شدہ اونٹ کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ کون ہے جو سرخ اونٹ کے بارے میں بتائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَاوَجَدْتَ، إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهٗ] ’’(اللہ کرے) تو نہ پائے، مسجدیں انھی کاموں کے لیے ہیں جن کے لیے انھیں بنایا گیا ہے۔‘‘[9]

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب من بنى مسجدا، حديث:450 و صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل بناء المساجد......، حديث : 533 . [2] سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب من بنى لله مسجدا، حديث : 735 . [3] سنن النسائي، المساجد، باب الفضل في بناء المساجد، حديث : 689 عن عمرو بن عبسة رضي الله عنه . [4] مسند أحمد : 279/6 و سنن أبي داود، الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، حديث : 455 وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر في تطييب المساجد، حديث: 594 وسنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب تطهير المساجد......، حديث:759,758 . [5] مسند أحمد:17/5 وسنن أبي داود، الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، حديث:456. [6] صحيح البخاري، الصلاة، باب بنيان المسجد، قبل الحديث : 446 . [7] سنن أبي داود، الصلاة، باب في بناء المساجد، حديث : 448 . [8] مسند أحمد:134/3 وسنن أبي داود، الصلاة، باب في بناء المساجد، حديث : 449 وسنن النسائي، المساجد، باب المباهاة في المساجد، حديث : 690 وسنن ابن ماجه، المساجد......، باب تشييد المساجد، حديث : 739 . [9] صحيح مسلم، المساجد......، باب النهي عن نشد الضالة......، حديث:569 .

مسجد میں تجارت جائز ہے نہ گم شدہ چیز کا اعلان: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا رَأَيْتُمْ مَّنْ يَّبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقُولُوا: لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مَّنْ يَّنْشُدُ فِيهِ ضَالَّةً، فَقُولُوا: لَا رَدَّاللّٰهُ عَلَيْكَ] ''جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے سنو تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمھاری اس چیز کو نہ لوٹائے۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سائب بن یزید کندی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے میری طرف کنکری پھینکی، میں نے دیکھا تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے، فرمانے لگے: جاؤ ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے کر آؤ، میں ان دونوں کو آپ کے پاس لے آیا تو آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ یا آپ نے یہ فرمایا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم طائف سے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تم دونوں کو سزا دیتا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہو![2] امام نسائی رحمہ اللہ نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک شخص کی آواز کو سنا تو فرمایا: تم جانتے ہو اس وقت کہاں ہو؟[3] یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ ابویعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو مسجد میں عود سلگایا کرتے تھے۔[4] اس حدیث کی سند حسن ہے اس میں کوئی علت نہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔

پچیس گنا زیادہ ثواب حاصل کیجیے: صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَ فِي سُوقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِينَ ضِعْفًا وَّذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا (رُفِعَ) لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَادَامَ فِي مُصَلَّاهُ، اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ] ''آدمی کو باجماعت نماز ادا کرنے کا گھر یا بازار میں نماز ادا کرنے کی نسبت پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ آدمی جب وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد کی طرف چل پڑے اور نماز ہی کے قصد وارادہ سے چلے تو ہر قدم کے عوض اس کے لیے ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور وہ جب نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں جب تک وہ نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے اور کہتے ہیں: اے اللہ! اس پر رحمت بھیج! اے اللہ! اس پر رحم فرما اور وہ نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے جب تک نماز کا

[1] جامع الترمذی، البیوع، باب النھی عن البیع......، حدیث:1321۔ [2] صحیح البخاری، الصلاۃ، باب رفع الصوت فی المسجد، حدیث:470۔ [3] دیکھیے تحفۃ الأشراف:7/175، حدیث:10382 جبکہ نسائی میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ [4] مسند أبی یعلی الموصلی:1/170، حدیث:190۔

انتظار کرتا رہتا ہے۔‘‘[1]

اور سنن میں ہے: [بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ’’اندھیروں میں مسجدوں کی طرف چل کر جانے والوں کو خوش خبری سنا دو کہ انھیں روز قیامت مکمل نور حاصل ہوگا۔‘‘[2]

مسجد میں داخل ہونے کی دعا: مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے مستحب ہے کہ پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے۔[3] اور یہ کہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ، وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ، وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ، مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ] ’’میں عظمت و جلال والے اللہ اور اس کے کریم چہرے اور اس کی قدیم سلطنت کی پناہ پکڑتا ہوں شیطان مردود سے۔‘‘ آپ نے فرمایا: جب یہ کلمات کہہ لیے جائیں تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص سارا دن مجھ سے محفوظ ہوگیا۔[4] امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ ابوحُمَید یا ابواُسَید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ! افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، وَإِذَا خَرَجَ، فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ] ’’جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ (یہ) کہے: اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو (یہ) کہے: اے اللہ! بلاشبہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔‘‘[5] اس کو امام نسائی نے بھی ابوحمید اور ابواسید سے مقروناً روایت کیا ہے۔[6]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ! افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، وَإِذَا خَرَجَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ! اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ] ’’تم میں سے کوئی جب مسجد میں داخل ہو تو وہ نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور (یہ) کہے: اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے نکلے تو پھر نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور (یہ) کہے: اے اللہ! شیطان مردود سے میری حفاظت فرما۔‘‘ اس کو امام ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں

[1] صحیح البخاری، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، حدیث:647 اور قوسین والا لفظ صحیح مسلم، المساجد......، باب فضل الصلاة المکتوبة فی جماعة......، بعد الحدیث :661 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [2] سنن أبی داود، الصلاة، باب ماجاء فی المشی إلی الصلاة فی الظلم، حدیث:561 و جامع الترمذی، الصلاة، باب ماجاء فی فضل العشاء والفجر فی الجماعة، حدیث:223 عن بریدة رضی اللہ عنہ و سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب المشی إلی الصلاة، حدیث:781 عن أنس رضی اللہ عنہ۔ [3] صحیح البخاری، الصلاة، باب التیمن فی دخول المسجد وغیره......، قبل الحدیث : 426۔ [4] بخاری میں ہمیں یہ حدیث نہیں ملی، البتہ سنن أبی داود، الصلاة، باب ما یقول الرجل عند دخوله المسجد؟ حدیث:466 میں ہے۔ [5] صحیح مسلم، صلاة المسافرین......، باب ما یقول إذا دخل المسجد؟ حدیث: 713۔ [6] سنن النسائی، المساجد، باب القول عند دخول المسجد......، حدیث :730۔

بھی بیان کیا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ﴾ ''اور اس میں اس (اللہ) کا نام ذکر کیا جائے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (الأعراف 31:7) ''اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔'' ﴿ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (الأعراف 29:7) اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو اور خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اسی کو پکارو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ﴾ (الجن 18:72) ''اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کے لیے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ﴾ ''اور اس میں اس (اللہ) کا نام ذکر کیا جائے'' کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کی جائے۔[2] اور فرمایا: ﴿ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾ ''(اور) وہ ان (گھروں) میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔'' غدو اور آصال کے معنی صبح شام کے ہیں۔ آصال، اصیل کی جمع ہے، اصیل دن کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔

تاجر ہوشیار باش! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ ''(یعنی ایسے) مرد جنھیں اللہ کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (المنفقون 9:63) ''اے مومنو! تمھیں تمھارے مال اور تمھاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ (الجمعة 9:62) ''اے مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (نماز) کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت ترک کر دو۔''

ان آیات میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں کو دنیا، اس کی زیب و زینت، خرید وفروخت اور نفع کمانے کی لذت ان کے رب کے ذکر سے غافل نہ کر دے کیونکہ وہی تو ان کا خالق و رازق ہے اور وہ خود بھی یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے اور جو کچھ ان کے پاس موجود ہے اس کی نسبت وہ بدرجہا نفع بخش ہے کیونکہ ان کے پاس جو کچھ ہے اس نے بالآخر ختم ہو جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ ''جنھیں اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔'' یعنی وہ اپنی چاہت اور پسند سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس

[1] سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد، حديث: 773 وصحيح ابن خزيمة، أبواب الأذان والإقامة، باب السلام على النبيﷺ ومسألة الله فتح أبواب الرحمة عند دخول المسجد: 231/1، حديث: 452 وصحيح ابن حبان، الصلاة، ذكر ما يقول المرء عند دخول المسجد يريد الصلاة؟ 396,395/5، حديث: 2047. [2] تفسير الطبري: 194/18.

کی چاہت کو ترجیح دیتے ہیں۔

سالم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ بازار میں تھے اور نماز کا وقت ہو گیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی دکانیں بند کر دیں اور سب مسجد میں چلے گئے، یہ دیکھ کر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انھی لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے: ﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ...... ﴾ الآیۃ ''جنھیں اللہ کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت......۔'' اس کو ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کے ذکر سے مراد فرض نماز ہے۔[2] مقاتل بن حیان اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[3] سدی کہتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے مراد نماز باجماعت ادا کرنا ہے۔[4] مُقاتِل بن حَیّان نے کہا ہے کہ خرید و فروخت انھیں نماز میں حاضر ہونے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، وہ نمازوں کے اوقات کی بھی حفاظت کرتے ہیں اور نمازوں میں ان امور کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں جن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔[5]

﴿ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ ﴾ ''وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ پلٹ جائیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن سے جس میں دل اور آنکھیں اوپر چڑھ جائیں گی، ڈرتے ہیں کہ اس دن کی گھبراہٹ بہت شدید اور ہولناکیاں بہت سخت ہوں گی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٨﴾ ﴾ (المؤمن 18:40) ''اور آپ انھیں قریب آنے والے دن سے ڈرائیں جبکہ دل غم سے بھر کر گلوں کے قریب آ رہے ہوں گے اور ظالموں کا کوئی دلی دوست نہیں ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔''

اور فرمایا: ﴿ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ ﴾ (إبراهيم 42:14) ''وہ صرف انھیں اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾ ﴾ (الدهر 12-8:76) ''اور وہ کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تمھیں صرف اللہ کی خاطر کھلاتے ہیں، نہ تم سے کسی عوض کے خواستگار ہیں اور نہ شکرگزاری کے (طلب گار۔) ہم اپنے پروردگار سے چہرے بگاڑ دینے والے نہایت سخت دن کا خوف کھاتے ہیں۔ پھر اللہ نے انھیں اس دن کے شر سے بچا لیا اور انھیں

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2607/8 وتفسير الطبرى: 195/18. [2] تفسير الطبرى: 196/18 وتفسير ابن أبي حاتم: 2608/8. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2608/8 . [4] تفسيرابن أبي حاتم: 2609/8 . [5] تفسير ابن أبي حاتم: 2609/8 .

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ کَسَرَابٍۭ بِقِیۡعَةٍ یَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل میدان میں ریت کی طرح ہیں، پیاسا اس (ریت) کو پانی سمجھتا رہا، حتی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس

یَجِدۡهُ شَیۡـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ فَوَفّٰٮهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿39﴾ اَوۡ کَظُلُمٰتٍ فِیۡ

نے وہاں کچھ بھی نہ پایا، اور اللہ کو اپنے پاس پایا، پھر اللہ نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿39﴾ یا (کافروں کے اعمال) گہرے

بَحۡرٍ لُّجِّیٍّ یَّغۡشٰهُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ

سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں، جسے ایک موج ڈھانپتی ہو، اس کے اوپر ایک اور موج ہو، اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اوپر تلے اندھیرے (ہی

5/6/11 اِذَاۤ اَخۡرَجَ یَدَهٗ لَمۡ یَکَدۡ یَرٰٮهَا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ﴿40﴾ ع

اندھیرے) ہوں، جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا نہیں کہ اسے دیکھ سکے، اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں ﴿40﴾

تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائی اور ان کے صبر کے عوض انھیں بہشت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) کا بدلہ عطا فرمایا۔‘‘ اور یہاں ارشاد فرمایا ہے: ﴿لِیَجۡزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا﴾ ’’تاکہ اللہ انھیں ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے۔‘‘ یعنی ان لوگوں کی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرماتا اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ ﴿وَیَزِیۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ﴾ ’’اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے۔‘‘ یعنی ان کی نیکی کو قبول فرما کر اس کا کئی گنا زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا، جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفۡهَا وَیُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝﴾ (النسآء 4:40) ’’بلاشبہ اللہ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی (کی) ہوگی تو وہ اسے دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَهَا وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ۝﴾ (الأنعام 6:160) ’’جو کوئی (اللہ کے حضور) ایک نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے ویسا دس گنا (ثواب) ہے اور جو ایک برائی لائے گا تو اسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ ۪ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝﴾ (البقرة 2:245) ’’کون ہے وہ جو اللہ کو قرض حسنہ دے، پھر وہ اسے اس کے لیے کئی گنا زیادہ بڑھا دے اور اللہ ہی (روزی کو) تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ (البقرة 2:261) ’’اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿38﴾﴾ ’’اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔‘‘

تفسیر آیات: 40,39

کفار کی دو قسموں کی مثالیں: یہ دو مثالیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کی دو قسموں کے لیے بیان فرمائی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی ابتدا میں منافقوں کی دو قسموں کے لیے ناری اور آبی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔[1] اور جیسا کہ دلوں میں راسخ

[1] دیکھیے البقرة، آیات :17-20 کے ذیل میں۔

ہونے والے علم و ہدایت کی ناری و آبی دو مثالیں سورۂ رعد میں بیان فرمائی ہیں۔[1] ان میں سے ہر ایک کی مثال کے بارے میں ہم نے اپنے اپنے مقام پر قبل ازیں گفتگو کی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

یہاں جو دو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے پہلی مثال ان کفار کی ہے جو اپنے کفر کے داعی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے کچھ اعمال و اعتقادات بھی ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں، ان کی مثال اس سراب کی سی ہے جو زمین کے میدانی علاقوں میں دور سے یوں نظر آتا ہے گویا پانی سے بھرا ہوا سمندر ہو۔ قِیعَةٌ، قَاعٌ کی جمع ہے جس طرح جِیرَةٌ، جَارٌ کی جمع ہے اور قاع ، قِیعَان کا واحد بھی ہے جیسا کہ جار اور جیران ہے اور اس سے مراد ایسی زمین ہے جو ہموار، کشادہ اور پھیلی ہوئی ہو، ایسی زمین ہی میں سراب نظر آتا ہے اور یہ نصف النہار کے بعد ہوتا ہے۔ اور ''آل'' وہ ہے جو دن کے ابتدائی حصے میں اس طرح نظر آتا ہے، گویا آسمان و زمین کے درمیان پانی ہو۔

جب سراب کو وہ شخص دیکھتا ہے جسے پانی کی ضرورت ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ پانی ہے تو وہ اس کا قصد کرتا ہے تاکہ وہاں جا کر پانی پی لے مگر جب وہاں پہنچتا ہے ﴿لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا﴾ ''تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔'' اسی طرح کافر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اچھا کام کیا ہے اور کچھ حاصل کرلیا ہے مگر جب روز قیامت وہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا اور اس کے افعال کے بارے میں اس سے باز پرس فرمائے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس کا کوئی عمل ذرا بھر بھی قبول نہیں ہوا اور وہ اس لیے کہ اس نے وہ عمل یا تو اخلاص کے ساتھ نہیں کیا تھا یا شریعت کے مطابق نہیں کیا تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝﴾ (الفرقان 23:25) ''اور انھوں نے جو کوئی (نیک) عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتا ہوا پراگندہ گرد و غبار بنا دیں گے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝﴾ ''اور اس نے اللہ کو اپنے پاس پایا، پھر اس (اللہ) نے اسے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' ابی بن کعب، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

صحیحین میں ہے کہ قیامت کے دن یہودیوں سے کہا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بکتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تو کسی کو اپنا بیٹا ہی نہیں بنایا۔ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے: ہمارے رب! ہمیں بہت پیاس لگی ہے، تو ہمیں پانی پلا دے تو انھیں اشارہ کیا جائے گا کہ کیا ادھر نہیں چلتے۔[3] آگ کو ان کے لیے سراب بنا دیا جائے گا، اس کا بعض، بعض کو توڑ پھوڑ رہا ہوگا، وہ اس کی طرف چلیں گے مگر اس میں گر جائیں گے۔[4]

---

① دیکھیے الرعد، آیت : 17 کے ذیل میں۔ ② تفسیر الطبری : 200,199/18 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2613-2611/8 .

③ تفسیر ابن کثیر میں [فَيُقَالُ: أَلَا تَرِدُونَ؟] ''تو انھیں کہا جائے گا کہ کیا تم نہیں دیکھتے'' کے الفاظ ہیں لیکن ہم نے ترجمہ مراجع کے مطابق کیا ہے۔ ④ صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (النسآء 40:4)......، حدیث: 4581 و صحیح مسلم، الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث: 183 عن أبي سعید الخدري رضی اللہ عنہ .

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، اور (فضا میں) پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی، ہر ایک نے

قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿41﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اپنی نماز (عبادت) اور اپنی تسبیح جان لی ہے، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿41﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی،

وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿42﴾

اور اللہ ہی کی طرف (سب کی) واپسی ہے ﴿42﴾

یہ جہل مرکب (خلاف واقع کسی شے کا پختہ اعتقاد رکھنا) کافروں کی مثال ہے اور جہل بسیط (ایسی شے سے ناواقف رہنا جس کا علم ہونا چاہیے) یعنی ائمۂ کفر کے مقلدوں، بہروں، گونگوں اور بے وقوف کافروں کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ﴾ ''یا (ان کے اعمال) نہایت گہرے سمندر میں اندھیروں کے مانند ہیں۔'' قتادہ نے کہا ہے کہ ﴿ لُجِّيٍّ ﴾ کے معنی عمیق کے ہیں۔[1] ﴿ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ ﴾ ''اسے ایک لہر ڈھانپتی ہو (اور) اس کے اوپر ایک اور لہر (آ رہی) ہو (اور) اس کے اوپر بادل ہو، (غرض اندھیرے ہی) اندھیرے ہوں جن میں سے بعض، بعض کے اوپر ہوں جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا نہیں کہ اسے دیکھ سکے۔'' یعنی سخت تاریکی کی وجہ سے اسے دیکھ نہ سکتا ہو۔ یہ ایسے کافر کے دل کی مثال ہے جو جاہل بسیط اور مقلد ہو اور اس کے حال کو نہ جانتا ہو جو اس کا قائد ہے اور نہ یہ جانتا ہو کہ وہ کہاں جا رہا ہے جیسا کہ مثال کے طور پر جاہل سے کہا جاتا ہے کہ تو کہاں جا رہا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ ان کے ساتھ اور جب اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ ﴾ ''(غرض اندھیرے ہی) اندھیرے ہوں جن میں سے بعض، بعض کے اوپر ہوں'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کافر پانچ قسم کے اندھیروں میں مبتلا ہے: اس کی بات اندھیرا ہے، اس کا عمل اندھیرا ہے، اس کا اندر آنا اندھیرا ہے، اس کا باہر جانا اندھیرا ہے اور قیامت کے دن اس کا ٹھکانا اندھیروں، یعنی آگ میں ہوگا۔[2] سدی اور ربیع بن انس نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[3]

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿40﴾ ﴾ ''اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں ہے۔'' یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا نہ فرمائے وہ تباہ و برباد، جاہل اور کافر ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ ...... ﴾ الآية (الأعراف 186:7) ''جسے اللہ گمراہ کرے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں......'' اس کے برعکس مومنوں کے لیے اس نے فرمایا تھا: ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ (النور 35:24) ''اللہ اپنے نور کی طرف جسے

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2613/8 وتفسير الطبري: 201/18. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2614/8 وتفسير الطبري: 201/18. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2615,2614/8.

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ ہی بادل چلاتا ہے، پھر وہ انھیں باہم ملاتا ہے، پھر انھیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان (بادلوں)

يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ

کے درمیان میں سے مینہ نکلتا ہے اور وہ اس آسمان کے اندر کے پہاڑوں سے اولے برساتا ہے، پھر وہ انھیں (اس پر) پہنچاتا ہے جس پر وہ چاہتا ہے،

يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿43﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ

اور جس سے چاہے پھیر دیتا ہے، لگتا ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں (کی روشنی) کو اچک لے جائے گی﴿43﴾ اللہ ہی رات اور دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿44﴾

بلا شبہ ان (نشانیوں) میں اہل نظر کے لیے (سامانِ) عبرت ہے﴿44﴾

چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' ہم عظمت وجلال کے مالک اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں میں نور، ہمارے دائیں طرف نور اور ہمارے بائیں طرف نور پیدا فرما دے اور ہمارے لیے نور میں اضافہ فرما دے۔

تفسیر آیات: 42,41

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز، یعنی فرشتے، انسان، جن، حیوان حتی کہ جمادات بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ ﴾(بنیٓ إسرآءیل 44:17) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے (سب) اسی کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حوصلے والا، بہت بخشنے والا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ ﴾ ''اور پر پھیلائے ہوئے پرندے (بھی۔)'' یعنی پرندے بھی اڑتے ہوئے اپنے رب تعالیٰ کی تسبیح کرتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں تسبیح الہام فرمائی اور ان کی رہنمائی فرمائی ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ کیا کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ ﴾ ''ہر ایک (مخلوق) نے اپنی نماز (عبادت) اور تسبیح جان لی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی اپنی عبادت کے طریقے اور رستے کی طرف رہنمائی فرما دی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اسے یہ سب باتیں معلوم ہیں اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں، اس لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿41﴾ ﴾ ''اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، وہی حاکم ومتصرف اور الٰہ ومعبود ہے، عبادت اسی کی ہے اور اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿42﴾ ﴾ ''اور اللہ ہی کی طرف واپسی ہے۔'' یعنی قیامت کے دن، پھر اس دن جو وہ چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ ﴾(النجم 31:53) ''تاکہ جن لوگوں نے برے

کام کیے انھیں اُن کے اعمال کی سزا دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں انھیں اچھائی کے ساتھ جزا دے۔'' وہ خالق و مالک ہے، دنیا و آخرت میں اسی کی حکومت ہے اور دنیا و آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔

تفسیر آیات:44,43

بادلوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تنبیہ کا نمایاں پہلو: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت کے ساتھ بادلوں کو چلاتا ہے اور جب انھیں پیدا فرماتا ہے تو ابتدا میں وہ بہت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور اِزْجاء کے یہی معنی ہیں۔ ﴿ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ﴾ ''پھر وہ اس (کے ٹکڑوں) کو آپس میں ملا دیتا ہے۔'' یعنی الگ الگ ہونے کے بعد انھیں جمع کر دیتا ہے۔ ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا﴾ ''پھر وہ اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔'' یعنی وہ باہم اوپر نیچے تہوں کی صورت میں مل جاتے ہیں۔ ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ ''چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس (بادل) کے درمیان سے مینہ نکلتا (برستا) ہے۔'' یعنی اس کے درمیان سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے اسے [خَلَلِهٖ] پڑھا ہے۔[1] عُبَید بن عُمَیر لَیثی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ غبار اڑانے والی ہوا بھیجتا ہے جو زمین پر جھاڑو دے دیتی ہے، پھر اٹھانے والی ہوا بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھا لیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ جمع کرنے والی ہوا بھیجتا ہے جو منتشر بادلوں کو جمع کر دیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ بارآور ہوا بھیجتا ہے جو بادلوں سے بارش برساتی ہے۔ اسے ابن ابوحاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ﴾ ''اور وہ آسمان سے ان (اولوں کے) پہاڑوں میں سے جو اس میں ہیں، کچھ اولے نازل کرتا ہے۔'' بعض نحویوں نے کہا ہے کہ اس جملے میں پہلا لفظ ﴿مِنَ﴾ ابتدائے غایت کے لیے ہے، دوسرا تبعیض کے لیے اور تیسرا بیانِ جنس کے لیے۔ یہ توضیح ان مفسرین کے مذہب کے مطابق ہے جن کا یہ قول ہے کہ ﴿مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ﴾ کے معنی یہ ہیں: آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ اولے نازل فرماتا ہے اور جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ پہاڑ بادلوں سے کنایہ ہے تو ان کے نزدیک بھی دوسرا ﴿مِنْ﴾ ابتدائے غایت ہی کے لیے ہے لیکن یہ پہلے ﴿مِنَ﴾ سے بدل ہے۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔

ژالہ باری اور اس کے نقصانات: ﴿فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ﴾ ''پھر وہ انھیں جس پر چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے اور جس سے وہ چاہتا ہے ان (اولوں) کو پھیر دیتا ہے۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد بارش اور اولے ہوں جنھیں وہ آسمان سے رحمت کے طور پر نازل فرماتا ہے اور (اس کے ساتھ ساتھ) جن سے چاہتا ہے بارش کو روک دیتا ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ اولوں کو جس کے لیے چاہے بطور عذاب نازل فرما دے کیونکہ ان سے پھل، فصلیں اور درخت ضائع ہو جاتے ہیں اور رحمت فرماتے ہوئے جن سے چاہے انھیں ہٹا دے۔

---

[1] تفسیر الطبری:205/18. [2] وتفسیر ابن أبی حاتم:2617/8 وتفسیر الطبری:204/18. [3] تفسیر القرطبی: 289/12 والکشّاف:246/3.

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى

اور اللہ نے (زمین پر) چلنے پھرنے والا ہر جاندار پانی سے پیدا کیا، پھر ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے، اور ان میں

رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

سے کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے، اور ان میں سے کوئی چار (پاؤں) پر چلتا ہے، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بلاشبہ اللہ ہر شے پر

قَدِيْرٌ ﴿45﴾

خوب قادر ہے﴿45﴾

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿46﴾

بلاشبہ ہم نے کھول کر بیان کرنے والی آیات نازل کیں، اور اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے﴿46﴾

﴿ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿43﴾ ﴾ ''قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں (کی روشنی) کو لے جائے۔'' یعنی جب آنکھیں اسے مسلسل دیکھیں تو قریب ہے کہ بجلی کی شدید چمک ان کی بینائی کو ختم کر دے۔ ﴿ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ ﴾ ''اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔'' ان میں تصرف فرماتا ہے اور ایک کی لمبائی کو کم کر کے دوسرے کی لمبائی میں اضافہ کر دیتا ہے حتی کہ رات دن برابر ہو جاتے ہیں اور پھر ایک کی لمبائی کو کم کر کے دوسرے کی لمبائی میں اضافہ کر دیتا ہے اور اس طرح ان میں سے لمبا چھوٹا اور چھوٹا لمبا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے امر، غلبے، عزت اور علم کے ساتھ ان امور میں تصرف فرماتا ہے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿44﴾ ﴾ ''بے شک اہل بصارت کے لیے اس میں یقیناً بڑی عبرت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کی نشانی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿190﴾ ﴾ (ال عمرٰن 3:190) ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیت:45

جانوروں کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت: اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت کاملہ اور عظیم سلطنت کا ذکر فرمایا جو انواع و اقسام کی مخلوقات کی تخلیق میں کارفرما ہے کہ اس نے ایک ہی پانی کے ساتھ مختلف شکلوں، رنگوں اور مختلف حرکات و سکنات والی بے شمار مخلوقات پیدا فرمادی ہیں۔ ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ ﴾ ''پھر ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے۔'' مثلاً: سانپ اور اس طرح کی دیگر مخلوقات۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ ﴾ ''اور ان میں سے کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے۔'' مثلاً: انسان اور پرندے۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ ﴾ ''اور ان میں سے کوئی چار (پاؤں) پر چلتا ہے۔'' مثلاً: مویشی جانور اور دیگر تمام حیوانات، اسی لیے فرمایا: ﴿ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ ﴾ ''اللہ جو چاہتا ہے وہی پیدا کرتا ہے۔'' اپنی قدرت کے ساتھ کیونکہ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿45﴾ ﴾ ''بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ

اور وہ (منافق) کہتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور ہم نے اطاعت کی، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق (اطاعت سے) پھر

اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

جاتا ہے، اور وہ لوگ مومن ہی نہیں ﴿47﴾ اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے، تو اچانک ان

مُّعْرِضُوْنَ ﴿48﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿49﴾ ؕ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا

میں سے ایک فریق منہ موڑ لیتا ہے ﴿48﴾ اور اگر ان کے لیے حق (فائدہ) ہو تو وہ اس کی طرف فرمانبردار ہو کر چلے آتے ہیں ﴿49﴾ کیا ان کے دلوں میں (نفاق

اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿50﴾ ع اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ

الثلثۃ ع 6 10 12

کا) مرض ہے یا وہ شک میں پڑے ہیں یا خوف کھاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے۔ (نہیں) بلکہ وہ لوگ خود ہی ظالم ہیں ﴿50﴾ بس

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ

مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے، تو وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿51﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ

اطاعت کی، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿51﴾ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿52﴾

کرے، تو وہی لوگ کامیاب ہیں ﴿52﴾

تفسیر آیت: 46

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اس قرآن میں بہت سے احکام، بہت سی حکمتیں اور بہت سی روشن اور محکم مثالیں بیان فرمائی ہیں اور وہ انھیں سمجھنے اور ان پر غور کرنے کے لیے عقل مندوں کی رہنمائی فرماتا رہتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿46﴾ ﴾ ''اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

تفسیر آیات: 47-52

منافقوں کے حیلے اور مومنوں کا حال: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور کہ وہ اپنی زبانوں سے یہ کہتے ہیں: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ ﴾ ''ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے (ان کا) حکم مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فرقہ پھر جاتا ہے۔'' اور جو وہ باتیں کرتے ہیں ان کے اعمال ان کے خلاف ہیں، یعنی جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾ ﴾ ''اور وہ لوگ صاحب ایمان ہی نہیں ہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (رسول اللہ) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔'' یعنی جب ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس ہدایت کی اتباع کریں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے تو وہ اس سے اعراض کرتے

اوراتباع کے بجائے تکبر اور غرور کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ ﴾ (النسآء 4:60، 61) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت کی طرف لے جائیں، حالانکہ وہ حکم دیے گئے تھے کہ اس کے ساتھ کفر کریں اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کرکے (بھلائی کے رستے سے) دور پھینک دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھتے ہیں آپ سے اعراض کرتے ہوئے رکے جاتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اگر ان کے لیے حق ہو تو اس کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں۔'' یعنی اگر معاملہ ان کے حق میں ہو، ان کے خلاف نہ ہو تو بات سنتے اور اطاعت بجالاتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ ﴿ مُذْعِنِيْنَ ۝ ﴾ کے یہی معنی ہیں۔ اور جب معاملہ ان کے خلاف ہو تو یہ اس سے اعراض کرتے اور ناحق بات کی طرف دعوت دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بجائے کسی اور سے فیصلہ کرالیں تاکہ اپنے باطل کو رواج دے سکیں تو پہلی صورت میں بات کو مان لینا اس وجہ سے نہیں کہ یہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ محض اس لیے کہ یہ ان کی خواہش کے مطابق ہے یہی وجہ ہے کہ جب حق ان کے قصد وارادہ کے خلاف ہو تو یہ حق سے اعراض کرکے باطل کو اختیار کرلیتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ ''کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟'' یعنی ان کے دلوں میں یا تو لازمی طور پر بیماری ہے یا دین کے بارے میں یہ شک میں مبتلا ہیں یا یہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول فیصلے میں ان پر ظلم کریں گے، بہر حال ان میں سے کوئی بات بھی ہو خالص کفر ہے، اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو اور اس کی عادات واطوار کو خوب جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔'' یعنی یہ لوگ خود ہی ظالم اور بدکار ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں یہ جس ظلم وستم کا وہم وگمان رکھتے ہیں وہ اس سے پاک ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کے بارے میں فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات پر لبیک کہتے اور کتاب اللہ وسنتِ رسول کے سوا کسی اور دین کو چاہتے ہی نہیں: ﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ ﴾ ''مومنوں کی تو صرف یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا۔'' یعنی وہ سمع وطاعت بجالاتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ فلاح پانے والے ہیں، فلاح کے معنی ہیں مطلوب کو پالینا اور خوفناک چیز سے محفوظ رہنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

اور انھوں نے اپنی پکی پکی اللہ کی قسمیں کھائیں، کہ اگر آپ انھیں حکم دیں گے تو وہ (جہاد پر) ضرور نکلیں گے، کہہ دیجیے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمھاری)

مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿53﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

اطاعت معروف ہے، بلاشبہ جو عمل تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿53﴾ کہہ دیجیے: اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى

پھر و گے تو اس رسول کے ذمے صرف وہ ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے اور تمھارے ذمے صرف وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا، اور اگر تم اس (رسول) کی

الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿54﴾

اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول کے ذمے صرف کھلا کھلا پہنچا دینا ہے ﴿54﴾

امام قتادہ رحمہ اللہ نے ﴿ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ ﴾ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ ہم سے عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جو بدری صحابی اور انصار کے سرداروں میں سے ایک تھے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے بھانجے جنادہ بن ابوامیہ سے کہا کہ میں تمھیں تمھارے حقوق و فرائض کی بابت نہ بتاؤں۔ انھوں نے عرض کی: ضرور فرمائیں، آپ نے فرمایا: تمھیں تنگ دستی و خوش حالی، پسند و ناپسند کی حالت میں اور اس وقت بھی جب تم پر دوسروں کو ترجیح دی جا رہی ہو، سمع و طاعت کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اپنی زبان عدل کے ساتھ قائم رکھنی چاہیے، تمھیں حکمرانوں کے ساتھ جھگڑنا نہیں چاہیے، سوائے اس صورت کے کہ وہ تمھیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں، یعنی اگر تم کو کسی ایسی بات کا حکم دیا جائے جو کتاب اللہ کے خلاف ہو تو تمھیں کتاب اللہ ہی کی پیروی کرنی چاہیے۔ [1]

قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اسلام نہیں، جماعت کے بغیر کوئی خیر و بھلائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، خلیفۃ المسلمین اور عام مومنوں کی ہمیشہ ہمدردی و خیر خواہی کرنی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی سربلندی لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے، نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے اور ان کی اطاعت بجالانے میں ہے جنھیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حاکم بنا دے۔ [2]

اس بارے میں بے شمار احادیث و آثار ہیں کہ کتاب اللہ، سنت رسول، خلفائے راشدین اور حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق حکم دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے۔'' ان تمام امور میں جن کے بجالانے کا وہ حکم دیں اور جن کے ارتکاب سے وہ منع فرمائیں، ﴿ وَيَخْشَ اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرے''

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2623/8۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2624,2623/8۔

اپنے سابقہ گناہوں سے، ﴿ وَيَتَّقْهِ ﴾ ''اور اس کا تقویٰ اختیار کرے''مستقبل میں، ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ ''تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔''یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو ہر خیر و بھلائی کے ساتھ کامیاب ہو گئے اور دنیا و آخرت کے ہر شر سے محفوظ ہو گئے۔

تفسیر آیات: 54,53

جھوٹی قسمیں منافقوں کی ڈھال ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان منافقین کا ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اگر آپ نے انھیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو وہ ضرور نکلیں گے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ تم قسمیں مت کھاؤ۔'' ﴿ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ﴾ ''(تمھاری) اطاعت معروف ہے۔'' کہا گیا ہے کہ ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ تمھاری فرماں برداری معروف ہے، یعنی تمھاری فرماں برداری کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ محض زبانی جمع خرچ ہے جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں اور تم جب بھی قسمیں کھاتے ہو، جھوٹ بولتے ہو، جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ...... ﴾ الآیة (التوبة 96:9) ''یہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ......''

اور فرمایا: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ...... ﴾ الآیة (المنفقون 2:63) ''انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے......'' یعنی جھوٹ بولنا ان کی عادت بن چکا ہے حتی کہ جن باتوں کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں ان کے بارے میں بھی جھوٹ بولتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ ﴾ (الحشر 12,11:59) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے منافقت کی، وہ اپنے ان بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کافر ہوئے، کہتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کیے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ ضرور نکل چلیں گے اور تمھارے بارے میں کسی کا کہا کبھی نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں، البتہ اگر وہ نکالے گئے تو وہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر وہ ان کی مدد کریں گے تو بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر وہ (کہیں سے بھی) مدد نہیں کیے جائیں گے۔''

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول (اللہ) کے حکم پر چلو۔''یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی اتباع کرو، ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ ''پھر اگر تم پھر گئے''یعنی اگر تم رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑ لو گے اور وہ تمھارے پاس جس دین و شریعت کو لائے ہیں اسے ترک کر دو گے، ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ ﴾ ''تو اس رسول کے ذمے صرف وہ ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے۔''یعنی پیغام پہنچا دینا اور امانت ادا کر دینا، ﴿ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ﴾ ''اور تمھارے ذمے صرف وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا۔''یعنی پیغام حق کو قبول کرنا، اس کی تعظیم بجالانا اور اس کے تقاضوں کے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف

خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو

الْفٰسِقُوْنَ ﴿55﴾

وہی لوگ فاسق ہیں ﴿55﴾

مطابق عمل کرنا، ﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ ﴾ ''اور اگر تم ان کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔'' کیونکہ آپ کی دعوت صراطِ مستقیم ہی کی دعوت ہے۔ ﴿ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ ...... ﴾ الآیة (الشوریٰ 53:42) ''اللہ کے راستے کی طرف جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کے لیے ہے......''

﴿ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿54﴾ ﴾ ''اور رسول کے ذمے تو صرف صاف صاف (اللہ کے احکام کا) پہنچا دینا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ ﴾ (الرعد 40:13) ''چنانچہ آپ کا کام تو صرف (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ ڛ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ ﴾ (الغاشیة 22,21:88) ''پس آپ نصیحت کریں، یقیناً آپ تو نصیحت ہی کرنے والے ہیں، آپ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں۔''

تفسیر آیت:55

اللہ تعالیٰ کا مومنوں سے حکومت کا وعدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی امت کو زمین میں خلفاء، یعنی لوگوں کے امام اور حکمران بنا دے گا کہ علاقوں کی فلاح و بہبود انھی کی وجہ سے ہوگی، بندگانِ الٰہی ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور خوف کے بعد انھیں لوگوں میں امن اور اقتدار عطا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ سارے وعدے پورے فرما دیے تھے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل مکہ، خیبر، بحرین، سارا جزیرۂ عرب اور سارا ملک یمن فتح ہو گیا تھا۔ آپ نے ہَجَر کے مجوسیوں اور شام کے بعض علاقوں سے جزیہ بھی وصول فرمایا، ہِرَقل شاہ روم، مُقَوقِس [1] شاہ مصر و اسکندریہ، شاہانِ عُمّان اور اصحمہ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَأَكْرَمَهُ کے بعد بادشاہ بننے والے نجاشی حبشہ نے آپ کی طرف تحائف ارسال کیے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب وفات پا گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اسی عزت و شوکت کو پسند کر لیا جو آپ کے لیے اپنے ہاں تیار فرما رکھی ہے تو آپ کے بعد آپ کے اس مشن کے علمبردار آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنے۔ آپ نے

[1] عام طور پر اسے ''مُقَوقَس'' پڑھا جاتا ہے جبکہ صحیح ''مُقَوقِس'' ہے، دیکھیے تاج العروس 422،421/8، مادہ: قفس۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے حالات پر قابو پایا، جزیرۂ عرب کو مطیع کیا اور اسلامی لشکروں میں سے ایک لشکر کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بلادِ فارس کی طرف روانہ فرمایا۔ انھوں نے یہاں کے بہت سے علاقوں کو فتح کیا اور بہت سے کافروں کو قتل کیا۔ آپ نے دوسرا لشکر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ارضِ شام کی طرف بھیجا اور تیسرا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بلادِ مصر کی طرف ارسال فرمایا۔ آپ کے عہد میں شام کی طرف جانے والے لشکر اسلام نے بصریٰ، دِمَشق، بلادِ حَوْران اور ان کے گردونواح کے علاقوں کو فتح کرلیا تھا، پھر آپ وفات پا گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جس عزت وشوکت کو اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے اس کے لیے آپ کو پسند فرما لیا۔

مشرق سے مغرب تک مسلمانوں کی حکومت: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ عظیم الشان احسان فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ الہام فرما دیا کہ وہ اپنے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر فرما دیں، آپ کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کا پورا پورا حق ادا فرما دیا حتی کہ قوت، سیرت اور کمالِ عدل کے اعتبار سے چشمِ فلک نے انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد آپ جیسی کوئی دوسری شخصیت نہ دیکھی ہوگی۔ آپ کے عہد مبارک میں بلادِ شام کے تمام علاقوں، دیار مصر کے تمام علاقوں اور اقلیم فارس کے اکثر علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ آپ نے کسریٰ کی شان وشوکت کو خاک میں ملا دیا اور اسے اپنی مملکت کے آخری کنارے تک پیچھے دھکیل دیا۔ قیصر کی حکومت کو بھی آپ نے خاک میں ملا دیا، بلادِ شام کو اس کے ہاتھوں سے چھین لیا حتی کہ وہ قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کسریٰ وقیصر کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جیسا کہ اللہ کے رسول، آپ پر رب تعالیٰ کی طرف سے درود وسلام ہوں، نے اس کی خبر دی اور اس کے بارے میں وعدہ فرمایا تھا۔[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اسلامی پرچم زمین کے مشرق ومغرب کے آخری کناروں تک لہرانے لگا۔ اسلامی سرحدیں بلادِ مغرب، اَنْدُلُس، قُبْرُص اور بلادِ قَیْرَوان اور بلادِ سَبْتَہ تک پھیل گئیں اور بحر محیط تک کا علاقہ مسلمانوں نے فتح کرلیا، کسریٰ بادشاہ قتل ہوگیا اور اس کی بادشاہت کا مکمل خاتمہ ہوگیا، عراق، خراسان اور اہواز کے علاقے بھی فتح ہوئے۔ ترکوں کے ساتھ مسلمانوں کی بڑی زبردست جنگ ہوئی جس میں بہت سے ترک مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بادشاہ اعظم خاقان کو ذلیل ورسوا کر دیا حتی کہ دنیا کے مشرق ومغرب سے خراج امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچنے لگا اور یہ سب آپ کی قرآن مجید کی تلاوت، تعلیم اور اس کی حفاظت پر امت کو جمع کرنے کی برکت کا نتیجہ تھا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَازُوِيَ لِي مِنْهَا] ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا اور میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور زمین کو جہاں تک سمیٹ کر مجھے دکھایا گیا وہاں تک یقیناً میری امت کی حکومت پہنچے گی۔“[2]

[1] دیکھیے صحیح البخاری، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث:3618 و صحیح مسلم، الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يمرالرجل......، حدیث: 2918. [2] صحیح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة......، حدیث: 2889 عن ثوبان رضی اللہ عنہ.

اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول نے ہم سے جو وعدے فرمائے وہ سب سچے وعدے تھے،ان سب وعدوں کو پورا ہوتے ہوئے ہم نے خود دیکھ لیا، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات پاک پر اور اپنے رسول پر ایمان کی توفیق بخشے اور اپنے ان تمام انعامات واحسانات کا اس طرح شکر ادا کرنے کی توفیق بخشے جس سے وہ راضی ہو جائے۔

ربیع بن انس نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ ...... ﴾ الآية ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت عطا کرے گا جس طرح اس نے ان لوگوں کو خلافت دی تھی جو ان سے پہلے تھے اور البتہ وہ ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے ضرور مضبوط کرے گا اور البتہ وہ ضرور انھیں ان کے خوف (کی حالت) کے بعد امن میں بدل دے گا......'' کے بارے میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قریباً دس برس تک مکہ مکرمہ میں خفیہ طور پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک اور اس کی عبادت کی دعوت دیتے رہے۔ اس دور میں مسلمان خوف زدہ تھے اور انھیں ابھی جہاد کا حکم بھی نہیں ملا تھا حتی کہ مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم مل گیا، مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں جہاد کا حکم بھی دے دیا مگر ابھی تک مسلمان خوف زدہ تھے اور صبح وشام ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہی حالت رہی، پھر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خوف زدہ رہیں گے؟ کبھی ایسا دن نہیں آئے گا کہ ہم امن میں ہوں اور ہتھیار اتار دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَنْ تَغْبُرُوا إِلَّا يَسِيرًا حَتّٰى يَجْلِسَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ فِي الْمَلَإِ الْعَظِيمِ مُحْتَبِيًا لَّيْسَتْ فِيهِ حَدِيدَةٌ] ''تھوڑا عرصہ ہی یہ صورت رہے گی حتی کہ تم ایک بہت بڑی جماعت میں گوٹ مار کر بیٹھو گے اور اس میں کوئی آہنی ہتھیار تک نہ ہوگا۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جزیرۂ عرب پر غلبہ عطا فرما دیا۔ مسلمان امن میں ہو گئے اور انھوں نے ہتھیار اتار دیے، پھر اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نبی ﷺ کو اپنے پاس بلایا تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی وہ امن میں تھے حتی کہ وہ اختلاف اور انتشار میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر خوف طاری کر دیا اور انھوں نے دربان اور چوکیدار مقرر کر لیے، انھوں نے اپنے آپ کو بدلا تو ان کے حالات بدل دیے گئے۔ [1]

بعض سلف کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت برحق ہے اور اس کا کتاب اللہ میں ذکر ہے، پھر اپنے اس قول کی تائید میں انھوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ [2]

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2629/8 و تفسیر الطبری: 212/18 و المستدرك للحاكم، التفسیر، تفسیر سورة النور: 401/2، حدیث: 3512 و الأحادیث المختارة: 3/352-354، حدیث: 1146,1145. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 2627/8.

براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ہم شدید خوف کی حالت میں تھے۔[1] یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسے درج ذیل آیت ہے: ﴿ وَاذْكُرُوٓا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ ﴾ (الأنفال 26:8) ''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین (مکہ) میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں (بے خانماں نہ کردیں) تو اس نے تمھیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمھیں تقویت بخشی اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔''

اور فرمایا: ﴿ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ﴾ ''جس طرح اس نے ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے خلافت دی تھی۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ...... ﴾ الآية (الأعراف 129:7) ''امید ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تمھیں زمین میں خلیفہ بنادے گا......'' اور فرمایا: ﴿ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ○ ﴾ (القصص 6,5:28) ''اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ زمین (مصر) میں کمزور کردیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ہم انھیں پیشوا بنائیں اور ہم انھیں (ملک کا) وارث کریں اور ہم زمین (مصر) میں انھیں قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان (کمزوروں کے ہاتھ) سے وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک مسلمان: اور فرمایا: ﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ﴾ ''اور البتہ وہ ضرور ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و مضبوط کردے گا۔'' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا تھا جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے: [أَتَعْرِفُ الْحِيرَةَ؟] ''کیا تم حیرہ کو جانتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی کہ میں اسے جانتا نہیں لیکن اس کے بارے میں سن رکھا ہے، آپ نے فرمایا: [فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى تَخْرُجَ الظَّعِينَةُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْبَيْتِ فِي غَيْرِ جِوَارِ أَحَدٍ وَّلَيُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور مکمل فرمادے گا حتی کہ ہودج میں سوار ایک عورت حیرہ سے سفر کرکے آئے گی اور کسی کی پناہ کے بغیر وہ بیت اللہ کا طواف کرے گی، اور تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو بھی ضرور فتح کرلو گے۔'' میں نے عرض کی: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، كِسْرَى بْنُ هُرْمُزَ وَلَيُبْذَلَنَّ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ] ''ہاں، کسریٰ بن ہرمز اور مال کی اس قدر فراوانی ہوجائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔''

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2628/8.

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہودج میں سوار ایک عورت حیرہ سے چل کر تن تنہا آئی اور کسی کی پناہ کے بغیر اس نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور میں خود ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کیا تھا۔ اور اس پاک ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیسری بات بھی ضرور پوری ہو کر رہے گی کیونکہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔[1]

اللہ اور بندوں کے حقوق: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾ ''وہ میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بنائیں گے۔'' امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ ایک بار میں گدھے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا اور میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی، آپ نے فرمایا: [يَامُعَاذُ!] ''اے معاذ!'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں دل و جان سے حاضر ہوں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر آپ کچھ وقت تک چلے اور فرمایا: [يَامُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!] ''اے معاذ بن جبل!'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں دل و جان سے حاضر ہوں۔ حضرت معاذ نے کہا کہ پھر آپ کچھ وقت تک چلے اور فرمایا: [يَامُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!] ''اے معاذ بن جبل!'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں دل و جان سے حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: [هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟] ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: [فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا] ''بے شک اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں۔'' حضرت معاذ بیان کرتے ہیں کہ آپ کچھ دیر تک چلے، پھر فرمایا: [يَامُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!] ''اے معاذ بن جبل!'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں دل و جان سے حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: [فَهَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ؟] ''کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ یہ کام کریں؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: [فَإِنَّ حَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ] ''بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔''[2] اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔[3]

ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿55﴾ ﴾ ''اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔'' یعنی جو اس کے بعد میری اطاعت سے باہر ہو جائے تو وہ اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا اور اپنے رب کے حکم سے باہر ہو جانا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

---

[1] صحیح البخاری، المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام، حدیث: 3595 و مسند أحمد: 257/4 و اللفظ لہ۔
[2] مسند أحمد: 242/5۔ [3] صحیح البخاری، اللباس، باب إرداف الرجل خلف الرجل، حدیث: 5967 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات......، حدیث: 30۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿56﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور تم نماز قائم کرو، اور زکاۃ دو، اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿56﴾ اور کافروں کی بابت آپ یہ خیال نہ کریں کہ وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز

7 ع 7 13 مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿57﴾ ع

کر دینے والے ہیں، اور ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور بلاشبہ وہ (واپسی کی) بری جگہ ہے ﴿57﴾

اللہ تعالیٰ کے احکام کو سب سے زیادہ بجالانے والے اور اس کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس اطاعت وفرماں برداری کے بقدر انھیں اپنی نصرت وحمایت سے سرفراز فرمایا، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے کلمے کو مشرق ومغرب میں بلند کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں انھیں زبردست تائید وحمایت سے نوازا اور انھیں تمام علاقوں اور ان کے باشندوں کا حاکم بنا دیا۔ ان کے بعد کے لوگوں نے جب احکامِ الٰہی میں کوتاہی شروع کر دی تو اسی حساب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تائید ونصرت بھی کم ہوگئی، البتہ صحیحین میں کئی سندوں سے مروی رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث موجود ہے کہ آپ نے فرمایا: [لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ (وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)] ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ہونے کی وجہ سے غالب رہے گا، انھیں ذلیل ورسوا کرنے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا قیامت کے دن تک انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''①

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ] ''حتی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے گا اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔''② ایک اور روایت میں ہے کہ [حَتّٰى يُقَاتِلُوا الدَّجَّالَ] ''حتی کہ وہ دجال سے لڑائی کریں گے۔''③ ایک اور روایت میں ہے: [حَتّٰى يَنْزِلَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَهُمْ ظَاهِرُونَ] ''حتی کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہو جائیں گے اور وہ غالب ہی ہوں گے۔''④ یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 57,56

نماز، زکاۃ اور اطاعت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اقامت صلاۃ جو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے اور

① صحیح البخاری، المناقب، باب: 28 ، حدیث:3640 عن مغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ و3641 عن معاویة رضی اللہ عنہ وصحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لاتزال طائفة من أمتی......]، حدیث :1920 عن ثوبان رضی اللہ عنہ واللفظ له جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، المناقب، باب:28، حدیث :3641 عن معاویة رضی اللہ عنہ وصحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لاتزال طائفة......]، حدیث :1923 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ ② صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لاتزال طائفة من أمتی......]، حدیث :1920 عن ثوبان رضی اللہ عنہ. ③ مسند أحمد :434/4 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ.

④ بعینہ یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے البتہ مسند أبی یعلی الموصلی:60,59/4، حدیث:2078 عن جابر رضی اللہ عنہ میں اس طرح کے الفاظ ہیں: [لَا تَزَالُ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَنْزِلَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ......] جبکہ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ اور اس کی سند میں ضعف تو ہے مگر اس کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الإیمان، باب نزول عیسی ابن مریم حاکما......، حدیث:156.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! جن (غلاموں اور لونڈیوں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں اور (ان لڑکوں اور لڑکیوں کو) جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، (انھیں)

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ

چاہیے کہ تم سے تین بار اجازت مانگیں (پھر گھر میں داخل ہوں)، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، (یہ) تین

الْعِشَآءِ ۛ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ

(وقت) تمھارے لیے پردے (کے) ہیں، ان (اوقات) کے بعد (بلا اجازت آنے سے) نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے، تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت

بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿58﴾ وَاِذَا بَلَغَ

آیا جایا ہی کرتے ہو، اللہ اسی طرح تمھارے لیے (اپنی) آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿58﴾ اور جب تم میں سے

الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

لڑکے (اور لڑکیاں) بلوغت کی حد کو پہنچ جائیں تو انھیں چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح اجازت مانگیں جس طرح ان سے پہلے (ان کے بڑے) اجازت مانگتے

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿59﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا

رہے ہیں، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿59﴾ اور (گھروں میں) بیٹھ رہنے والی

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ

(عمر رسیدہ) عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں، تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (پردہ داری کے) کپڑے اتار دیں، جبکہ وہ (اپنی) زیب و زینت ظاہر

يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿60﴾

کرنے والی نہ ہوں اور ان کا اس سے بھی بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے، اور اللہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿60﴾

ادائے زکاۃ جو کمزور و فقیر لوگوں پر احسان ہے، کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ان کاموں کو بجا لاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں، یعنی ان کے بارے میں آپ جو حکم دیں اس کے مطابق کام کریں اور جس بات سے آپ منع فرما دیں اس سے سختی سے اجتناب کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کی وجہ سے ان پر رحم فرمائے اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں جو لوگ یہ کام کریں گے اللہ تعالیٰ ان پر یقیناً رحم فرمائے گا جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ﴾ (التوبة 9:71) ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ﴾ یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ یہ گمان نہ کریں کہ ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''جنھوں نے کفر کیا''، جنھوں نے آپ کی مخالفت اور تکذیب کی ہے، ﴿مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ﴾ ''(ہم کو) زمین میں عاجز کر دینے والے ہیں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کو مغلوب نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر غالب و قادر ہے اور وہ انھیں شدید ترین عذاب دے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ﴾ ''اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔'' یعنی آخرت میں یہ جہنم رسید ہوں گے، ﴿وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿57﴾﴾ ''اور بلاشبہ وہ واپسی کا برا ٹھکانا ہے۔'' کافروں کا انجام اور ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔

تفسیر آیات:58-60

غلاموں اور بچوں کے اجازت طلب کرنے کے اوقات: ان آیات کریمہ میں قریبی لوگوں کے ایک دوسرے سے اجازت طلب کرنے کا حکم ہے۔ سورۂ مبارکہ کے آغاز میں جس اجازت کے طلب کرنے کا حکم ہے وہ اجنبی لوگوں کے بارے میں ہے۔①

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ ان کے خادم، غلام اور نابالغ بچے بھی ان سے تین اوقات میں اجازت لیا کریں: (1) صبح کی نماز سے پہلے، اس لیے کہ اس وقت لوگ اپنے بستروں میں سوئے ہوتے ہیں۔ (2) ﴿وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ﴾ ''اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیتے ہو۔'' یعنی قیلولہ کے وقت کیونکہ اس وقت انسان اپنے کپڑے اتار کر اپنی بیوی کے ساتھ بھی لیٹ سکتا ہے۔ (3) ﴿وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ ''اور عشاء کی نماز کے بعد'' کیونکہ یہ سونے کا وقت ہے۔ خادموں اور بچوں کو حکم ہے کہ وہ ان اوقات میں اہل خانہ کے ہاں اجازت لیے بغیر اچانک نہ آ جایا کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ﴾ ''(یہ) تین (وقت) تمھارے لیے پردے (کے) ہیں ان (اوقات) کے بعد (بلا اجازت آنے پر) نہ تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ ان پر۔''

یعنی اگر وہ ان اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں تمھارے پاس آئیں تو انھیں آنے دینے کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے اگرچہ وہ کوئی ناپسندیدہ چیز بھی دیکھ لیں کیونکہ انھیں آنے کی تم نے اجازت دے رکھی ہے اور وہ خدمت وغیرہ کے لیے تمھارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں اور آنے جانے والوں کے لیے معافی ہے جو دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ یہ آیت کریمہ محکم ہے اور ہرگز منسوخ نہیں ہے لیکن اس کے مطابق لوگوں کا عمل بہت کم ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی لوگوں کے اس طرز عمل پر تنقید کی تھی۔②

امام ابوداود نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آیت اِذن پر اکثر لوگ (کماحقہ) ایمان نہیں لائے، حالانکہ میں اپنی اس لونڈی کو حکم دیتا ہوں کہ وہ ان اوقات میں اجازت لے کر آیا کرے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عطاء نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ وہ اپنی باندی کو یہ حکم دیتے تھے۔③

ثوری نے موسیٰ بن ابوعائشہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام شعبی سے آیت کریمہ: ﴿لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ''چاہیے کہ تم سے اجازت طلب کریں وہ لوگ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، میں نے عرض کی کہ لوگ اس کے مطابق عمل نہیں کرتے تو انھوں نے

---

① دیکھیے النور، آیات: 27-29 کے ذیل میں عنوان: ''گھروں میں داخلے اور اجازت کے آداب'' ② تفسیر ابن أبي حاتم: 2632/8 . ③ سنن أبي داود، الأدب، باب في الاستئذان في العورات الثلاث، حديث: 5191 .

جواب میں فرمایا: اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔ ①

پھر فرمایا: ﴿ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اور جب تم میں سے بچے بلوغت کی حد کو پہنچ جائیں تو انھیں بھی (اسی طرح) اجازت لینی چاہیے جس طرح ان سے پہلے (ان کے بڑے) اجازت حاصل کرتے رہے ہیں۔'' یعنی وہی بچے جو پردے کے ان تین اوقات میں اجازت لیتے رہے ہیں بالغ ہونے کے بعد وہ صرف انھی تین اوقات ہی میں نہیں بلکہ ہر وقت اجازت لے کر اندر آئیں، یعنی یہ حکم اجنبی لوگوں کے حوالے سے اور ان کیفیتوں کے بارے میں ہے جب آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ جب بھی آئیں تو اجازت لے کر آئیں، خواہ ان تین اوقات میں سے کوئی وقت نہ بھی ہو، ان کے لیے ہر حال میں اجازت لینا ضروری ہے۔

زیادہ بوڑھی عورتیں پردہ نہ بھی کریں تو گناہ نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ ''اور (گھروں میں) بیٹھ رہنے والی (عمر رسیدہ) عورتیں۔'' سعید بن جبیر، مُقاتل بن حَیّان، ضَحّاک اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور اب وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہی ہوں۔ ② ﴿ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ﴾ ''جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں۔'' یعنی اب ان میں شادی کی کوئی رغبت نہیں رہی۔ ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ﴾ ''تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (پردہ داری کے) کپڑے اتار دیں جبکہ وہ (اپنی) زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔'' یعنی ان کے لیے پردے کی اس طرح پابندی نہیں ہے جس طرح دیگر عورتوں کے لیے ہے۔

امام ابوداود نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ (النور 24:31) ''اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں'' کے عمومی حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور حسب ذیل آیت (پہلی آیت کے عمومی حکم کی ناسخ ہے اور) اس سے مستثنیٰ ہے: ﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ...... ﴾ الآیۃ ''اور (گھروں میں) بیٹھ رہنے والی (عمر رسیدہ) عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں......۔'' ③ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ ﴾ ''تو ان پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے (پردہ داری کے) کپڑے اتار دیں'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کپڑوں سے مراد اوڑھنی یا چادر ہے۔ ④ ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم، مجاہد، سعید بن جبیر، ابوشعثاء، ابراہیم نخعی، حسن، قتادہ، زہری، اوزاعی رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ ⑤

سعید بن جبیر نے ﴿ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ﴾ ''زیب و زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ اوڑھنی یا چادر اتار دینے سے ان کا مقصود زیب و زینت کا اظہار نہ ہو۔ ⑥ اور فرمایا: ﴿ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ﴾ ''اور

① تفسير الطبرى: 216/18 و تفسير ابن أبى حاتم: 2633/8. ② تفسير ابن أبى حاتم: 2640,2639/8. ③ سنن أبى داود، اللباس، باب فى قوله تعالى: ﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ ...... ﴾ (النور 24:31)، حديث: 4111. ④ تفسير الطبرى: 221/18. ⑤ تفسير ابن أبى حاتم: 2641,2640/8 و تفسير الطبرى: 222,221/18. ⑥ تفسير ابن أبى حاتم: 2642/8.

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے ہی پر حرج ہے اور نہ مریض پر ہی کوئی حرج ہے اور نہ خود تمھی پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں

اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں یا اپنی ماؤں کے گھروں کے یا اپنے بھائیوں کے گھروں یا اپنی بہنوں کے گھروں یا اپنے چچاؤں

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ

کے گھروں یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں یا اپنے ماموؤں کے گھروں یا اپنی خالاؤں کے گھروں یا (ان گھروں سے) جن کی چابیوں

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ

کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے، (اس میں بھی) تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب تم

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ

گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو، (یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت (اور) پاکیزہ تحفہ ہے، اسی طرح اللہ تمھارے لیے

8 ع 4 14 كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ع ﴿61﴾

آیات بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھو ﴿61﴾

یہ کہ وہ اس سے بھی بچیں (تو یہ) ان کے حق میں بہت بہتر ہے۔'' یعنی اگرچہ ان کے لیے کپڑے اتار کر سر ننگا کرنا جائز تو ہے مگر بہتر اور افضل یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿60﴾ ''اور اللہ خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔''

تفسیر آیت:61

قریبی رشتہ داروں کے گھروں سے کھانا کھانا: اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ لوگ نابینا آدمی کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے کیونکہ وہ کھانے اور اس کی اچھی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ کھانے والا کوئی دوسرا شخص اچھی چیزوں کو اس سے پہلے کھا لے، اسی طرح وہ لنگڑے آدمی کے ساتھ کھانا کھانے میں بھی حرج سمجھتے تھے کیونکہ اس کے لیے صحیح طور پر بیٹھنا ممکن نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے والا اس سے زیادہ کھا لیتا ہے، اسی طرح مریض انسان بھی دوسرے لوگوں کی طرح صحیح طور پر نہیں کھا سکتا، لہٰذا وہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج محسوس کرتے تھے تاکہ ان پر ظلم نہ ہو تو اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی اجازت عطا فرما دی، یہ سعید بن جبیر اور مِقْسَم کا قول ہے۔[1]

ضحاک کا قول ہے کہ بعثت سے پہلے لوگ اس طرح کے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے ایک تو اس لیے کہ وہ ان سے نفرت کرتے تھے اور دوسرے اس لیے کہ وہ ان سے زیادہ نہ کھا لیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا۔[2]

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2643/8۔ ② تفسیر الطبری: 223/18 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2644,2643/8۔

عبدالرزاق نے مجاہد سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ ...... ﴾ الآیة ''نہ تو اندھے پر کچھ حرج ہے......'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بعض لوگ کسی نابینے یا لنگڑے یا مریض کو اپنے باپ یا اپنے بھائی یا اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا اپنی خالہ وغیرہ کے گھر میں لے جایا کرتے تھے تو یہ لوگ اس میں حرج محسوس کرتے اور کہتے کہ یہ ہمیں اپنے گھروں کے بجائے دوسروں کے گھروں میں لے جاتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں اس کی رخصت دے دی گئی۔[1] سدی کہتے ہیں کہ اس آیت: ﴿ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ ﴾ ''اور نہ خود تمھی پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ'' کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ یا بھائی یا بیٹے کے گھر میں جاتا تو خاتون خانہ اسے کھانے کے لیے کچھ دیتی تو یہ اس لیے نہ کھاتا کہ صاحب خانہ گھر میں موجود نہیں ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ ﴾ ''تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ'' کو نازل فرمایا تھا۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ ﴾ ''اور نہ خود تمھی پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ۔'' یہ بات تو معلوم ہی ہے لیکن اس کا ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ لفظی طور پر دوسروں کا اس پر عطف ڈالا جا سکے اور مابعد کے حکم میں برابری پیدا کر دی جائے۔ بیٹوں کے گھروں کا بھی یہی حکم ہے۔ ان کے گھروں سے کھانے کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ بیٹے کا مال باپ کے مال کے قائم مقام ہوتا ہے۔ مسند اور سنن میں کئی سندوں سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ] ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔''[3]

﴿ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ ﴾ ''یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان (گھروں) سے جن کی کنجیوں کے تم مالک بنے ہو۔'' اس کا مفہوم واضح ہے۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ قرابت داروں کا نان ونفقہ آپس میں ایک دوسرے پر واجب ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی ﴿ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ ﴾ ''یا ان (گھروں) سے جن کی کنجیوں کے تم مالک بنے ہو'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے خادم اور غلام وغیرہ مراد ہے کہ اس کے پاس جو کھانا رکھا گیا ہو تو دستور کے

---

[1] تفسیر عبدالرزاق: 448,447/2، رقم: 2066 و تفسیر الطبری: 224/18. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2646/8.
[3] سنن ابن ماجه، التجارات، باب ماللرجل من مال......، حدیث: 2292 و سنن أبی داود، البیوع، باب الرجل یأكل من مال ولده، حدیث: 3530 و مسند أحمد: 204/2 عن عبدالله بن عمرو بن العاص ﷺ.

مطابق اس سے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ①

زہری نے عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر جایا کرتے تھے اور جاتے وقت اپنے گھروں کی چابیاں اپنے غلاموں اور ملازموں کو دے دیتے تھے اور کہتے کہ ہم نے تمھارے لیے اس بات کو حلال قرار دے دیا ہے کہ تم بوقت ضرورت کھا سکتے ہو، خدام و غلام جواب دیتے کہ یہ حلال نہیں کہ ہم کھائیں کیونکہ انھوں نے بادل نخواستہ اس کی اجازت دی ہے، ہم تو محض امین ہیں، تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ﴿ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ ﴾ ”یا ان (گھروں) سے جن کی چابیوں کے تم مالک بنے ہو“ کے الفاظ نازل فرما دیے۔ ②

﴿ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ ﴾ ”یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے۔“ یعنی اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے دوست احباب کے گھروں سے کھاؤ جب تمھیں یہ معلوم ہو کہ تمھارا ان کے گھروں سے کھانا ان پر گراں نہیں گزرے گا اور نہ وہ اسے ناپسند کریں گے۔ ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ ﴾ ”(اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔“ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ (النسآء 29:4) ”اے مومنو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔“ تو مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق کھائیں اور کھانا سب سے افضل مال ہے، لہٰذا کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی کے ہاں کھانا کھائے تو لوگ ایک دوسرے کے ہاں کھانا کھانے سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ ﴾ ”اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے ہی پر کوئی حرج ہے اور نہ مریض ہی پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم ہی پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان (گھروں) سے جن کی چابیوں کے تم مالک بنے ہو یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے۔“ اسی طرح وہ اس بات کو بھی ناپسند کرتے اور اس میں حرج سمجھتے تھے کہ کوئی اکیلا ہی کھانا کھائے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا انسان شریک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کی رخصت عطا کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ ﴾ ”(اور اس کا بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا جدا جدا۔“ ③

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2647/8۔ ② کشف الأستار، التفسیر، باب سورۃ النور: 62,61/3، حدیث: 2241 وتفسیر ابن أبي حاتم: 2647,2646/8۔ ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 2648/8 وتفسیر الطبري: 223/18 و228۔

قتادہ کہتے ہیں کہ بنو کنانہ کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں اس بات کو بہت عار سمجھتے تھے کہ ان میں سے کوئی شخص اکیلا کھانا کھائے حتی کہ ایک بھوکا شخص اونٹ کو چلاتا تاکہ وہ کسی ایسے انسان کو پا سکے جسے اپنے ساتھ کھلائے اور پلائے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمادیا کہ ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ط ﴾ ''(اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔''[1] اللہ تعالیٰ نے رخصت عطا فرمادی ہے کہ اگر انسان چاہے تو وہ اکیلا بھی کھانا کھا سکتا ہے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر بھی، گو لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا زیادہ بابرکت اور افضل ہے۔

مل جل کر کھانے میں برکت ہے: امام احمد نے وحشی بن حرب سے، انھوں نے اپنے باپ اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم کھانا کھاتے ہیں مگر سیر نہیں ہوتے، آپ نے فرمایا: [فَلَعَلَّكُمْ تَأْكُلُونَ مُتَفَرِّقِينَ؟ اِجْتَمِعُوا عَلٰی طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ] ''تم لوگ شاید جدا جدا کھاتے ہو؟ اکٹھے کھانا کھایا کرو اور اللہ تعالیٰ کے نام سے کھایا کرو، اس سے تمھارے کھانے میں برکت ہوگی۔''[2] اس کو امام ابوداود اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3] اور امام ابن ماجہ ہی نے سالم سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُوا جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ] ''تم سب مل کر کھاؤ اور جدا جدا نہ کھایا کرو، برکت مل جل کر ہی کھانے میں ہے۔''[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں (گھر والوں) کو سلام کیا کرو۔'' سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ اور زہری کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔[5] ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے ابوزبیر نے خبر دی کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ جب اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انھیں سلام کیا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے، آپ سلام کہنے کو واجب سمجھتے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے زیاد نے ابن طاؤس سے خبر دی کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی اپنے گھر میں داخل ہو تو وہ سلام کیا کرے۔[6]

مجاہد کہتے ہیں کہ جب مسجد میں جاؤ تو کہو: اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ ''اللہ کے رسول پر سلام۔'' جب گھر والوں کے پاس جاؤ تو انھیں سلام کیا کرو اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ جہاں کوئی نہ ہو تو کہو: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ ''ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔''[7] اسے اس بات کا حکم ہے کہ وہ اس طرح سلام کرے، نیز ہم سے بیان کیا گیا

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2649/8. [2] مسند أحمد: 501/3. [3] سنن أبي داود، الأطعمة، باب في الاجتماع على الطعام، حديث: 3764 وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الاجتماع على الطعام، حديث: 3286. [4] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الاجتماع على الطعام، حديث: 3287. [5] تفسير الطبري: 229/18 و231 وتفسير ابن أبي حاتم: 2649/8 و2651. [6] تفسير الطبري: 229/18. [7] تفسير ابن أبي حاتم: 2650/8 وتفسير عبدالرزاق: 449/2، رقم: 2073.

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ

بس مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے

يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

بغیر (وہاں سے) چلے نہیں جاتے، (اے نبی!) بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں،

وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں،

لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿62﴾

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿62﴾

ہے کہ اس صورت میں فرشتے اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔[1] اور فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿61﴾﴾ ''اس طرح اللہ تمھارے لیے (اپنی) آیتیں کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔'' اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ کریمہ میں شریعت کے مضبوط ومحکم احکام کو بیان فرمایا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس طرف بھی توجہ مبذول کروائی کہ وہ اپنے بندوں کے لیے صاف شفاف آیات کو بیان فرماتا ہے تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں اور ان آیات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

تفسیر آیت: 62

مل جل کر کرنے والے کام سے جانے کے لیے اجازت طلب کرنا: یہ ادب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو سکھایا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اندر داخل ہونے کے وقت اجازت طلب کرنے کا حکم دیا تھا ایسے ہی جاتے وقت بھی اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے خصوصاً جبکہ مومن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی ایسے معاملے میں شامل ہوں جو اجتماعی طور پر کرنے والا ہو، مثلاً: نماز جمعہ یا نماز عید یا نماز باجماعت یا کسی مشورے وغیرہ کی مجلس۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس طرح کی صورت میں وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کیے بغیر نہ جائیں اور جو لوگ یہ طرز عمل اختیار کریں گے وہی کامل مومن ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ کو حکم دیا ہے کہ اس طرح کے موقع پر اگر کوئی مومن آپ سے اجازت طلب کرے اور آپ چاہیں تو اسے اجازت عطا فرما دیں: ﴿فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ﴾ ''تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں۔'' امام ابوداود رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا انْتَهٰى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّقُومَ فَلْيُسَلِّمْ، فَلَيْسَتِ الْأُولٰى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ] ''جب تم میں سے کوئی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اور جب مجلس سے اٹھنا چاہے تو سلام کرے۔ پہلی دفعہ سلام کرنا آخری سلام سے زیادہ ضروری نہیں ہے۔''[2] اسی طرح اس کو ترمذی اور نسائی

① تفسير ابن أبي حاتم: 2651/8 . ② سنن أبي داود، الأدب، باب في السلام إذا قام من المجلس، حديث: 5208 .

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ

تم رسول کے بلانے کو باہم ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ ٹھہراؤ، یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں،

یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ

لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (اللہ اور اس کے رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں

اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿63﴾

دردناک عذاب آلے ﴿63﴾

نے روایت کیا اور ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔[1]

تفسیر آیت:63

نبیٔ اکرم ﷺ سے مخاطب ہوتے وقت ادب کی تلقین: ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے تھے: اے محمد! اے ابوالقاسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے آپ سے اس طرح نام لے کر مخاطب ہونے سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ تم ان سے مخاطب ہوتے ہوئے: اے اللہ کے نبی! اے اللہ کے رسول! کہو۔[2] مجاہد اور سعید بن جبیر نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[3] قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے ادب واحترام اور آپ کی تعظیم وتکریم کو ملحوظ رکھا جائے۔[4] مقاتل بن حیان نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ﴾ ’’تم پیغمبر کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ ٹھہراؤ‘‘ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم اُن کو بلاؤ تو اُن کو ’’یا محمد‘‘ کہہ کر نہ بلاؤ اور اے عبداللہ کے بیٹے کہہ کر بھی نہ بلاؤ بلکہ ادب واحترام کے ساتھ آپ کو اے اللہ کے نبی! اے اللہ کے رسول! کہہ کر بلاؤ۔[5]

اس ارشاد باری تعالیٰ کے مفہوم کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عقیدہ نہ رکھو کہ آپ کی دعا دوسرے انسانوں کی دعا کی طرح ہے کیونکہ آپ کی دعا تو بارگاہِ الٰہی میں فوراً قبول ہو جاتی ہے، لہٰذا ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمھارے بارے میں بددعا کر دیں اور تم ہلاک ہو جاؤ۔ اس قول کو ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری اور عَطِیّہ عَوۡفی سے روایت کیا ہے۔[6] وَاللّٰہُ أَعۡلَمُ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ﴾ ’’بے شک اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں۔‘‘ مُقاتِل بن حَیّان کا قول ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں، ان پر جمعہ کے دن

① جامع الترمذی، الاستئذان، باب ماجاء فی التسليم عندالقيام وعندالقعود، حديث: 2706 والسنن الكبرى للنسائی، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا قام: 100/6، حديث: 10201. ② تفسير ابن أبی حاتم: 2655,2654/18. ③ تفسير ابن أبی حاتم: 2655/8 و تفسير الطبری: 235/18. ④ تفسير ابن أبی حاتم: 2655/8. ⑤ تفسير ابن أبی حاتم: 2655/8. ⑥ تفسير ابن أبی حاتم: 2655/8.

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ

خبردار! بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، یقیناً وہ اس (روش) کو جانتا ہے جس پر تم ہو، اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے

9 ع 3 15 فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿64﴾

جائیں گے تو وہ انھیں خبر دے گا جو انھوں نے عمل کیے، اور اللہ ہر شے کو خوب جانتا ہے ﴿64﴾

آگ سے دور ہو جاؤ! مگر تم مجھ پر غالب آ کر آگ میں کودرہے ہو۔"[1] اس کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت: 64

جس طریق پر تم ہو اللہ اسے جانتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، چھپی اور ظاہر باتوں کو جاننے والا ہے اور وہ جانتا ہے کہ بندے اپنی ظاہری و باطنی حالتوں میں کس طرح کے کام کرتے ہیں۔ پس فرمایا: ﴿قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ﴾ "یقیناً وہ اس (طریق) کو جانتا ہے جس پر تم ہو۔" قَدْ تحقیق کے لیے آتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے فرمایا: ﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ﴾ (النور 63:24) "بے شک اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں۔" اور فرمایا: ﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ ......﴾ الآیة (الأحزاب 18:33) "بے شک اللہ تم میں سے انھیں جانتا ہے جو (جہاد میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں......" اور فرمایا: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ ......﴾ الآیة (المجادلة 1:58) "(اے پیغمبر!) جو عورت آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث و جدال کرتی تھی بے شک اللہ نے اس کی التجا سن لی......" اور فرمایا: ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 33:6) "(اے نبی!) تحقیق ہم کو معلوم ہے کہ ان (کافروں) کی باتیں یقیناً آپ کو رنج پہنچاتی ہیں، پس یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔" اور فرمایا: ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ ......﴾ الآیة (البقرة 144:2) "(اے محمد!) بے شک ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں......"

ان تمام آیات کریمہ میں تحقیق فعل کے لیے حرف قد کو استعمال کیا گیا ہے جس طرح مؤذن تحقیق و ثبوت کے اظہار کے لیے تکبیر میں کہتا ہے: [قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ] "بے شک نماز کھڑی ہوگئی، تحقیق نماز کھڑی ہوگئی۔"[3] پس اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ﴾ "یقیناً وہ اس (روش) کو جانتا ہے جس پر تم ہو" کے معنی یہ ہوئے کہ جس طریق پر تم ہو بے شک وہ اس کو جانتا اور دیکھتا ہے اور اس سے ذرہ بھر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ۙ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ۙ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝﴾ (الشعرآء 26:217-220)

---

[1] مسند أحمد: 312/2، البتہ قوسین والا لفظ صحیح مسلم، الفضائل، باب شفقته ﷺ علی أمته......، حدیث: 2285 عن جابر رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [2] صحیح البخاري، الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصي، حدیث: 6483 وصحیح مسلم، الفضائل، باب شفقته ﷺ علی أمته......، حدیث: (18)-2284۔ [3] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حدیث: 499۔

آپ کی گفتگو، یعنی خطبہ جمعہ سننا بہت گراں ہوتا تھا تو وہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی آڑ میں مسجد سے باہر نکل جایا کرتے تھے، حالانکہ جمعہ کے دن خطبہ شروع ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر مسجد سے باہر نکلنا جائز نہ تھا، ان میں سے اگر کوئی باہر جانا چاہتا تو وہ انگلی کے اشارے کے ساتھ نبیٔ اکرم ﷺ سے اجازت طلب کرتا اور آپ اسے اجازت دے دیتے، اسے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کے خطبہ ارشاد فرمانے کے دوران میں بات کرنے سے اس کا جمعہ باطل ہوجاتا تھا۔[1] سدی کہتے ہیں کہ جب مومن کسی معاملے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جمع ہوتے تو منافقین ایک دوسرے کی اوٹ میں باہر نکل کر آپ کی نظروں سے اوجھل ہوجایا کرتے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ﴾ ''تو جو لوگ ان (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرنا چاہیے۔'' رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مراد آپ کا رستہ، منہاج، طریقہ، سنت اور شریعت ہے۔ اقوال و اعمال کے پرکھنے اور جانچنے کے لیے آپ کے ارشادات و اعمال کسوٹی ہیں جو اقوال و اعمال آپ کی سنت کے مطابق ہوں گے وہ مقبول اور جو خلاف ہوں گے وہ مردود ہیں، خواہ ان کا کہنے والا یا کرنے والا کوئی بھی ہو جیسا کہ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ] ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[3]

لہٰذا جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی ظاہری یا باطنی طور پر مخالفت کریں تو انھیں اس سے ڈرنا چاہیے: ﴿اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ ''کہ (ایسا نہ ہو کہ) انھیں کوئی آزمائش آپڑے۔'' ان کے دلوں پر کفر یا نفاق یا بدعت کی وجہ سے کوئی آفت و مصیبت پڑجائے۔ ﴿اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝63﴾ ''یا انھیں دردناک عذاب آلے۔'' یعنی دنیا میں قتل یا حد یا سزائے قید وغیرہ کی صورت میں جیسا کہ امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَثَلِي (وَ مَثَلُكُمْ) كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي يَقَعْنَ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا وَجَعَلَ يَحْجِزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيهَا، قَالَ: فَذٰلِكُمْ مَّثَلِي وَمَثَلُكُمْ، أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ: هَلُمَّ عَنِ النَّارِ! هَلُمَّ عَنِ النَّارِ! فَتَغْلِبُونِي تَقْتَحِمُونَ فِيهَا] ''میری اور تمھاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اپنے گرد و پیش کو روشن کر دیا تو یہ پتنگے اور آگ میں گرنے والے حشرات الارض (مچھر وغیرہ) اس میں گرنا شروع ہوگئے اور اس شخص نے ان کو آگ سے دور ہٹانا شروع کیا مگر وہ اس پر غالب آکر آگ میں گرنے لگے، آپ نے فرمایا: یہ ہے میری اور تمھاری مثال! میں تمھیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے دور ہٹا رہا ہوں (کہ لوگو!) آگ سے دور ہو جاؤ!

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم : 2656/8 یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] تفسیر ابن أبي حاتم : 2656/8 یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب إذا اجتهد العامل ......، قبل الحديث:7351,7350 اور دیکھیے حدیث: 2697 وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام ......، حديث:(18)-1718 عن عائشة رضی اللہ عنہا۔

''اور آپ (اللہ) غالب (اور) بڑے مہربان پر بھروسا کریں جو آپ کو جب آپ (تہجد کے وقت) اٹھتے ہیں دیکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں بھی آپ کی نقل وحرکت کو (دیکھتا ہے)، بے شک وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (یونس 61:10) ''اور آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اس کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو، جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو، ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور آپ کے پروردگار سے ذرّہ برابر بھی کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ بڑی مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ ﴾ (الرعد 33:13) ''تو بھلا وہ (اللہ) جو ہر نفس (کے اعمال) پر نگران (ونگہبان) ہے جو اس نے کمائے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام اچھے اور برے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ ...... ﴾ الآية (ھود 5:11) ''خبردار! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تب بھی) اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں......'' اور فرمایا: ﴿ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ ﴾ (الرعد 10:13) ''جو کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (ھود 6:11) ''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ واضح کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے خشکی اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کھلی کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات واحادیث مبارکہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ ﴾ ''اور جس روز وہ (لوگ) اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔'' یعنی جس دن مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ قیامت کا دن ہے۔ ﴿ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ ﴾ ''تو جو عمل وہ کرتے رہے وہ انھیں بتادے گا۔'' یعنی انھوں نے دنیا میں عظیم یا حقیر، چھوٹے یا بڑے جو عمل بھی کیے ہوں گے وہ ان کے بارے میں

انھیں بتادے گا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ (القيمة 13:75) ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا، سب بتادیا جائے گا۔''

اور فرمایا: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾ (الكهف 49:18) ''اور (ہر ایک کا اعمال) نامہ (سامنے) رکھ دیا جائے گا، پھر آپ گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ وہ ان کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! کیسا ہے یہ (ہمارا اعمال) نامہ جو کسی چھوٹے اور بڑے عمل کو نہیں چھوڑ رہا، اس نے تو سب کچھ ہی شمار کر رکھا ہے اور انھوں نے جو عمل کیے تھے حاضر پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور جس روز وہ (لوگ) اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو عمل وہ کرتے رہے وہ ان کو بتادے گا اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

سورۂ نور کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

تفسیر سُورۂ فُرقان

یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ ① الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا، تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے① وہی ذات جس کے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور اس نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا،

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ②

پھر اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا②

تفسیر آیات:2،1

اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسول کریم ﷺ پر قرآن عظیم کو نازل فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ ﴾ (الکہف 18:1،2) ''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی (بلکہ ٹھیک اور) سیدھی (بغیر افراط وتفریط کے اتاری) تاکہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے جو اس (اللہ) کی طرف سے (آنے والا) ہے ڈرائے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوش خبری سنائے کہ ان کے لیے نیک بدلہ (بہشت) ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ ﴾ ''وہ بہت ہی بابرکت ہے۔'' یہ باب تفاعل ہے اور اس میں مستقل، ثابت اور دائمی برکت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ﴿ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ ﴾ ''جس نے فرقان (قرآن) نازل فرمایا۔'' نَزَّلَ باب فَعَّلَ ہے جس میں تکرار اور کثرت کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ

قَبۡلُ ؕ﴾ (النسآء 4:136) ’’اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور وہ کتاب جو اس سے پہلے نازل کی تھی۔‘‘

سابقہ کتابوں کو یکبار ہی نازل کر دیا جاتا تھا جبکہ قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے، جدا جدا تفصیل کے ساتھ، آیات کے بعد آیات، احکام کے بعد احکام اور سورتوں کے بعد سورتوں کی صورت میں نازل کیا گیا ہے۔ اور قرآن کا اس طریقے پر نازل کیا جانا زیادہ بلیغ ہے اور یہ جس پر نازل کیا گیا ہے اس کے ساتھ شدتِ اہتمام واعتناء (کی دلیل) ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ○ وَلَا یَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئۡنٰکَ بِالۡحَقِّ وَاَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا ﴿ؕ۳۳﴾﴾ (الفرقان 25:32،33) ’’اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر یہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اسی طرح (آہستہ آہستہ) اس لیے (اتارا گیا) کہ اس سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں اور (اسی واسطے) ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیا ہے اور وہ (کافر) لوگ جب آپ کے پاس کوئی مثال (اعتراض کی بات) لاتے ہیں تو ہم آپ کے پاس (اس کا) ٹھیک ٹھیک (جواب) اور بہترین توجیہ و بیان بھیج دیتے ہیں۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ یہاں قرآن مجید کو فرقان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہ حق و باطل، ہدایت وضلالت، برائی و بھلائی اور حلال وحرام میں فرق کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَلٰی عَبۡدِہٖ ’’اپنے بندے پر۔‘‘ یہ صفتِ مدح وثنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عبودیت کی طرف اضافت فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ کی زندگی کے سب سے اشرف واقعۂ معراج کا ذکر کرتے ہوئے بھی اسی صفت سے تذکرہ فرمایا: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا ......﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:1) ’’پاک ہے وہ جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا......۔‘‘ آپ کی دعوت الی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بھی اسی صفت کو بیان فرمایا: ﴿وَّاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ یَدۡعُوۡہُ کَادُوۡا یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِ لِبَدًا ﴿ؕ۱۹﴾﴾ (الجن 72:19) ’’اور یہ کہ بلاشبہ جب اللہ کا بندہ اللہ کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑیں۔‘‘ اور اسی طرح آپ پر کتاب کے نازل کرنے اور فرشتے کے نازل ہونے کے سلسلے میں بھی اسی صفت کا ذکر فرمایا گیا: تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ ’’بہت ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کے لیے ڈرانے والا بنے۔‘‘ اور فرمایا: لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ یعنی اس مفصل، عظیم الشان، روشن اور ایسی محکم کتاب کے نزول کے لیے آپ کی ذات گرامی کو بطور خاص منتخب فرمایا گیا جس کی صفت یہ ہے: ﴿لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ○﴾ (حمٓ السجدة 41:42) ’’اس پر جھوٹ کا دخل ہی نہیں ہوسکتا، نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے (اور یہ) بڑے دانا (اور) بہت خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔‘‘

اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے فرقان عظیم بنا دیا ہے اور آپ کو تمام کائنات انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ

اور لوگوں نے اس کے سوا (اور) معبود بنا لیے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، اور وہ تو (خود) پیدا کیے گئے ہیں، اور وہ خود اپنے کسی نفع اور نقصان کے

لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③

مالک نہیں ہیں، اور نہ موت و حیات کے مالک ہیں، اور نہ (دوبارہ جی) اٹھنے ہی کے (مالک ہیں) ③

آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے: [بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ''مجھے احمر و اسود کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔''[1] آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي ...... وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ (عَامَّةً)] ''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں ...... اور ہر نبی کو خاص اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن میں سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''[2]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ...... ﴾ الآية (الأعراف 7:158) ''(اے محمد!) آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں......'' یعنی جس نے مجھے بھیجا ہے وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہی موت و حیات کا فیصلہ فرماتا ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا: الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ''وہ ذات کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اس کی ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور اس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو بیٹے اور شریک سے پاک قرار دیا اور فرمایا: خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ② ''اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ٹھہرایا۔'' یعنی اس ذات پاک کے سوا ہر چیز مخلوق اور مربوب (پروردہ) ہے، وہ ہر چیز کا خالق، پروردگار، بادشاہ اور معبود ہے اور ہر چیز اس کے غلبے، تدبیر، تسخیر اور تقدیر کے ماتحت ہے۔

تفسیر آیت: 3

مشرکین کی بیوقوفی کا بیان: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیا ہے، حالانکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، تمام امور کا مالک ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا مگر مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو اپنا معبود قرار دے دیا ہے جو مچھر کا پر بنانے کی قدرت نہیں رکھتے، وہ تو خود مخلوق ہیں، وہ اپنے لیے بھی نفع و نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے، اپنی عبادت کرنے والوں کو نفع و نقصان

[1] صحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث:521 عن جابر بن عبدالله ﷺ ومسند أحمد: 145/5 واللفظ له عن أبي ذر ﷺ. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي ﷺ: [جعلت لي الأرض......]، حديث: 438 جبکہ قوسین والا لفظ صحيح البخاري، التيمم، باب:1، حديث: 335 عن جابر بن عبدالله ﷺ میں ہے۔ وصحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث:523 عن أبي هريرة ﷺ.

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ

اور کافر لوگوں نے کہا: یہ (قرآن) تو نرا جھوٹ ہے جسے وہ (نبی) خود گھڑ لایا ہے، اور اس (کے گھڑنے) میں اور لوگوں نے اس کی مدد کی

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④ۛۚ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى

ہے۔ (اے نبی!) وہ تو بلاشبہ ظلم و زیادتی اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں ④ اور انھوں نے کہا: یہ اگلوں کے افسانے ہیں (جو) اس نے اپنے لیے

عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑤ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

لکھوائے ہیں، اور وہ صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں ⑤ کہہ دیجیے: اسے اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے،

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑥

بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے⑥

کس طرح پہنچا سکیں گے؟ ﴿وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③﴾ ”اور نہ کسی کی موت کے مالک ہیں اور نہ زندگی کے اور نہ (مرکر) اٹھانے کے۔“ ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، وہی موت و حیات کا مالک ہے اور وہی روز قیامت اگلی پچھلی ساری مخلوق کو دوبارہ زندہ کر دے گا کیونکہ ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ﴾ (لقمٰن 28:31) ”اور تمھیں پیدا کرنا اور تمھیں (دوبارہ) اٹھانا (اللہ کے نزدیک) ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا۔“ اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ○﴾ (القمر 50:54) ”اور ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک کلمہ ہی ہوتا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ○ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ○ؕ﴾ (النّٰزعٰت 14,13:79) ”چنانچہ وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی، تب لوگ ایک دم کھلے میدان میں (آ جمع) ہوں گے۔“ اور فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ○﴾ (الصّٰٓفّٰت 19:37) ”پھر وہ تو بس ایک زبردست ڈانٹ ہوگی سو یہ اس وقت (زندہ ہو کر) دیکھنے لگیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ○﴾ (یٰسٓ 53:36) ”وہ تو صرف ایک زور کی چیخ ہوگی، پھر وہ سب کے سب ہمارے روبرو آ حاضر ہوں گے۔“

پس اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار اور صرف اسی کی ذات گرامی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اس ذات اقدس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ باپ اور نہ ہی کوئی اس کا ہم مرتبہ، ہم سر، ہم پلہ، وزیر یا نظیر ہے، وہ ذات پاک یکتا و بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

تفسیر آیات: 6-4

قرآن مجید کے بارے میں کفار کی باتیں: اللہ تعالیٰ نے جاہلوں اور کافروں کی کم عقلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ قرآن مجید کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ﴾ ”یہ (قرآن) تو نرا جھوٹ ہے جسے وہ (مدعی رسالت) خود گھڑ لایا ہے۔“ یعنی یہ لوگ ازراہ کذب و افترا کہتے ہیں کہ اس قرآن مجید کو نبی ﷺ نے از خود بنایا ہے۔

﴿ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ﴾ ''اور دوسرے لوگوں نے اس (کے گھڑنے) میں اس کی مدد کی ہے۔'' یعنی آپ نے اس قرآن کے بنانے میں دوسرے لوگوں سے بھی مدد لی ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۝﴾ ''پس یقیناً (اے نبی!) انھوں نے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔'' یعنی ان کی یہ بات باطل اور جھوٹ ہے اور وہ خود بھی یہ جانتے ہیں کہ ان کی یہ بات باطل ہے اور وہ اپنے جھوٹ کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

﴿ وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنھیں اس نے (اپنے لیے) لکھوایا ہے۔'' یعنی اس نے پہلی کتابوں سے لکھ کر اس کتاب کو بنایا ہے۔ ﴿ فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝﴾ ''تو وہ صبح وشام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔'' یہ ساری باتیں وہ بے وقوفی اور کذب و بہتان کے طور پر کہا کرتے تھے اور ان میں سے ہر شخص جانتا بھی تھا کہ ان کی یہ ساری باتیں باطل ہیں کیونکہ یہ بات تو تواتر کے ساتھ معلوم تھی کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی چیز کو لکھا ہی نہ تھا، نہ ابتدائی عمر میں اور نہ آخری عمر میں، آپ نے انھی لوگوں میں پرورش پائی تھی۔ چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز ہونے تک آپ انھی میں رہے تھے، وہ لوگ آپ کے آنے جانے کو، صدق وامانت کو، نیکی وتقویٰ کو اور کذب وفسق وفجور اور دیگر تمام اخلاقِ رذیلہ سے آپ کے اجتناب کو خوب اچھی طرح جانتے تھے حتی کہ وہ لوگ بچپن سے لے کر بعثت تک آپ کو امین کے نام سے پکارتے رہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ راست باز اور نیکوکار ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا تو وہ آپ کے دشمن بن گئے اور آپ کے بارے میں ایسی باتیں کیں جن کے بارے میں ہر عقل مند جانتا ہے کہ آپ ان سے بری ہیں۔ اپنی ان بہتان طرازیوں کی وجہ سے یہ لوگ خود بھی حیران تھے، اس لیے کبھی آپ کو ساحر، کبھی شاعر، کبھی مجنون اور کبھی کذاب قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کی بہتان بازیوں اور افترا پردازیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝﴾ (الفرقان 25:9)

''(اے پیغمبر!) دیکھیے! انھوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں، وہ گمراہ ہو گئے ہیں، لہٰذا وہ راہ راست نہیں پا سکتے۔''

اور ان کے کذب وافترا کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''کہہ دیجیے! اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔'' یعنی اس نے اس قرآن کو نازل فرمایا ہے جو پہلے اور پچھلے لوگوں کے حالات پر مشتمل ہے اور اس نے ماضی یا مستقبل کی جو خبریں بھی بیان کی ہیں وہ بالکل حق سچ اور خارج میں واقع کے مطابق ہیں اور اس قرآن کو اس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ﴿ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ ﴾ جو آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور تمام پوشیدہ باتوں کو بھی ظاہر باتوں ہی کی طرح جانتا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ ''بے شک وہ نہایت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں دعوت دی ہے کہ وہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس نے بیان فرمایا ہے کہ اس کی رحمت بہت وسیع اور اس کا حلم عظیم الشان ہے جو اس کی جناب میں توبہ کرے وہ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ

اور انھوں نے کہا: اس رسول کو کیا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کی طرف فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو

مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ⑦ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ

اس کے ہمراہ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا؟ ⑦ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈالا جاتا، یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ (پھل)

مِنْهَا ط وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ⑧ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

کھاتا اور ظالموں نے (مومنوں سے) کہا: تم تو بس ایک جادو مارے شخص ہی کی اتباع کرتے ہو ⑧ دیکھیے! انھوں نے آپ کے

ع 1 16 الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ⑨ ع تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ

لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں، پس وہ بہک گئے ہیں، لہٰذا وہ راہ نہیں پاسکتے ⑨ وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جو اگر چاہے تو

خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لا وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩

آپ کے لیے اس سے بہتر (چیزیں) بنادے، (یعنی) ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور آپ کے لیے محلات بنادے ⑩

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ قف وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ⑪ ج اِذَا

لیکن انھوں نے قیامت کو جھٹلایا، اور ہم نے اس شخص کے لیے جو قیامت کو جھٹلائے، دہکتا جہنم تیار کر رکھا ہے ⑪ جب وہ ان

رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ⑫ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا

(مجرموں) کو دور دراز جگہ سے دیکھے گا تو وہ اس کا غضبناک ہونا اور چیخنا چلانا سنیں گے ⑫ اور جب وہ زنجیروں میں جکڑے

مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا

اس کی کسی تنگ جگہ میں جھونکے جائیں گے، تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے ⑬ (کہا جائے گا:) تم آج ایک ہلاکت کو مت پکارو،

وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭

بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو ⑭

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے کذب و افترا، فجور و بہتان، کفر و عناد اور رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں غلط باتیں کہنے کے باوجود ان لوگوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اپنی ان باتوں سے توبہ کریں اور شرک و کفر کو ترک کر کے اسلام اور ہدایت کو اختیار کریں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ م وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ (المآئدة 74,73:5) ''یقیناً وہ لوگ (بھی) کافر ہوئے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں انھیں ضرور درد دینے والا عذاب ملے گا، پھر کیا وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے؟ اور اللہ تو بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ

وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿ (البروج 85 :10) ''یقیناً جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب بھی ہے۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کو دیکھو کہ جن لوگوں نے اس کے اولیاء کو قتل کیا وہ انھیں بھی توبہ اور رحمت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

تفسیر آیات :7-14

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں کی باتیں: اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ضد، ہٹ دھرمی، عناد اور حجت و دلیل کے بغیر تکذیب حق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے کہا: ﴿ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ ﴾ ''اس پیغمبر کو کیا ہے جو کھانا کھاتا ہے؟'' ان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح ہم کھانا کھاتے ہیں اسی طرح یہ بھی کھانا کھاتا ہے، جس طرح ہمیں کھانے کی ضرورت ہے اسی طرح اسے بھی کھانے کی ضرورت ہے، ﴿ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط ﴾ ''اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟'' یعنی تجارت اور خرید و فروخت کے لیے بازاروں میں بھی آتا جاتا ہے۔ ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ ﴾ ''اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا جو اس کے ساتھ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا جو اس بات کی گواہی دیتا کہ آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ﴿ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43 :53) ''پھر اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے صفیں باندھے ہوئے اس کے ساتھ آتے؟'' ان لوگوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح ان کے دل آپس میں ملتے جلتے تھے، اس لیے انھوں نے بھی کہا: ﴿ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ ﴾ ''یا اس کی طرف (آسمان سے) کوئی خزانہ اتارا جاتا۔'' جس کو یہ خرچ کرتا، ﴿ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط ﴾ ''یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے (پھل) کھاتا۔'' اور جہاں جہاں یہ جاتا اس کا باغ بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے پیغمبر کو اس طرح کی چیزیں عطا فرما دینا بہت آسان ہے مگر اپنی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ کے سبب اس نے ایسا نہیں کیا۔ ﴿ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ﴾ ''اور ظالموں نے (مومنوں سے) کہا: تم تو بس ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا ﴾ ''(اے پیغمبر!) دیکھیے! انھوں نے آپ کے بارے میں کس طرح کی مثالیں بیان کیں؟ سو وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔'' اور افترا پردازی اور بہتان بازی سے کام لیتے ہوئے آپ کو ساحر، مسحور، مجنون، کذاب اور شاعر کہنے لگے، حالانکہ ان کی یہ ساری باتیں باطل ہیں، ہر وہ شخص جس میں ادنیٰ سا فہم و عقل ہو وہ بھی جانتا ہے کہ ان کی یہ ساری باتیں کذب و افترا پر مبنی ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَضَلُّوْا ﴾ ''وہ بہک گئے ہیں۔'' یعنی وہ ہدایت کے رستے سے بھٹک گئے، ﴿ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ ''چنانچہ وہ رستہ نہیں پا سکتے۔'' کیونکہ جو شخص بھی حق اور ہدایت کے رستے سے دور ہو جائے وہ جہاں بھی جائے

گمراہ ہے کیونکہ حق تو ایک ہے، اس کا منہج بھی ایک ہے اور حق ہی حق کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو جو یہ کہتے ہیں آپ کو اس سے بھی افضل اور احسن چیزیں عطا فرما سکتا ہے۔ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ﴾ ''وہ ذات بہت بابرکت ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دے۔'' مجاہد کہتے ہیں: وہ دنیا ہی میں آپ کو اس سے بہتر چیزوں سے نواز دے۔ قریش پتھروں سے بنے ہوئے ہر گھر کو، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا قصر کہا کرتے تھے۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ﴾ ''لیکن انھوں نے قیامت ہی کو جھٹلا دیا۔'' یعنی یہ لوگ ایسی باتیں تکذیب و عناد کے طور پر کہتے ہیں، ان کا مقصد بصیرت اور رہنمائی حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ قیامت کے دن کی تکذیب کی وجہ سے یہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ﴿وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ⑪﴾ ''اور ہم نے اس شخص کے لیے جو قیامت کو جھٹلائے، بھڑکتا دوزخ تیار کر رکھا ہے۔'' جس میں دردناک عذاب ہوگا اور جس کی آگ کی شدید اور ناقابل برداشت حرارت ہوگی۔ ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ﴾ ''جس وقت وہ ان (مجرموں) کو دور سے دیکھے گا۔'' یعنی جہنم (دیکھے گا) مقام محشر میں، ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ⑫﴾ ''تو وہ اس کے جوش (غضب) اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔'' جو ان پر ناراضی کی وجہ سے چیخے چلائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۙ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ﴾ (الملك 67:7،8) ''جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیخنا چلانا سنیں گے اور وہ جوش مارے گا، گویا غیظ و غضب سے پھٹ پڑے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں پر جوش غضب کے باعث یوں معلوم ہوگا، گویا اس کے بعض حصے بعض سے جدا ہو رہے ہوں۔

امام ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا تو دوزخ کے بعض حصے بعض سے سمٹ اور سکڑ جائیں گے، اللہ رحمان فرمائے گا: تجھے کیا ہوا؟ دوزخ جواب دے گا کہ یہ شخص مجھ سے پناہ مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے اس بندے کو چھوڑ دو، اسی طرح ایک اور شخص کو جب دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا تو وہ کہے گا: اے میرے رب! تیرے بارے میں میرا یہ گمان تو نہ تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرا کیا گمان تھا؟ وہ جواب دے گا کہ میرا تو یہ گمان تھا کہ تیری رحمت مجھے ڈھانپ لے گی، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے کو چھوڑ دو، ایک اور شخص کو دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا تو دوزخ چیختے چلاتے ہوئے اس کی طرف اس طرح لپکے گا جیسے خچر جَو کی طرف لپکتا ہے اور وہ اس طرح جوش مارے گا کہ اس سے ہر انسان کا دل دہل جائے گا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ②

امام عبدالرزاق نے عُبَید بن عُمَیر سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ⑫﴾ ''تو وہ اس کے جوش

① تفسیر الطبری: 246/18 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2666/8. ② تفسیر الطبری: 247/18.

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً

کہہ دیجیے: کیا یہ (عذاب) زیادہ بہتر ہے یا ابدی جنت جس کا متقین کو وعدہ دیا گیا ہے؟ وہ ان کے لیے جزا اور واپسی کی جگہ ہے⑮

وَّمَصِيْرًا ⑮ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯

اس میں ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے، ہمیشہ (وہاں) رہنے والے، یہ آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو قابل درخواست ہے⑯

(غضب) اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ دوزخ جوشِ غضب سے اس قدر شدت کے ساتھ چیخے چلائے گا جس سے ہر ملک مقرب اور نبی مرسل چہرے کے بل گر جائے گا اور اس کا جسم کانپ رہا ہوگا حتی کہ ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی گھٹنوں کے بل ہو کر عرض کریں گے: اے اللہ! آج میں صرف اپنے بارے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔[1]

﴿وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ﴾ ''اور جب وہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے۔'' قتادہ نے ابوایوب سے اور انھوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ تنگ جگہ میں انھیں اس طرح جکڑ دیا جائے گا جس طرح نیزے میں انی جکڑی ہوتی ہے۔[2]

اور فرمایا: ﴿مُّقَرَّنِيْنَ﴾ ''زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔'' کے بارے میں ابوصالح کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں پیچھے کی طرف سے ہاتھ بندھے ہوئے۔[3] ﴿دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬﴾ ''تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔'' ثبور کے معنی ہلاکت، خرابی، حسرت اور خسارے کے ہیں (تو ان سے کہا جائے گا:) ﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا......﴾ الآیۃ ''تم آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو......''

تفسیر آیات: 16,15

دوزخ بہتر ہے یا جنت؟ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) یہ ہم نے ان بدبختوں کا حال بیان کیا ہے جو اوندھے منہ دوزخ میں گرائے جائیں گے اور دوزخ درشت چہرے، جوشِ غضب اور چیختے چلاتے ہوئے ان سے ملے گا اور انھیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کے تنگ مقامات میں پھینک دیا جائے گا کہ نہ کوئی حرکت کر سکیں گے، نہ کوئی مدد طلب کر سکیں گے اور نہ اپنے آپ کو کسی طرح چھڑا سکیں گے، تو بتائیے! کیا یہ دوزخ بہتر ہے یا وہ جنت خلد جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے وعدہ فرمایا ہے جسے اس نے ان کے لیے تیار فرمایا ہے اور دنیا میں اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو ان کا بدلہ اور ٹھکانا بنا دیا ہے اور انجام کار نے انھیں اس جنت میں پہنچا دیا ہے۔

﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ﴾ ''وہاں جو وہ چاہیں گے ان کے لیے (میسر) ہوگا۔'' کھانے پینے، پہننے، رہنے سہنے، اعلیٰ سواریوں اور خوش نما مناظر کے تمام لذت بخش سامان انھیں فراہم ہوں گے، علاوہ ازیں انھیں وہاں ایسی ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا جنھیں کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی بھی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان

① تفسیر عبدالرزاق: 452/2، رقم: 2079 و تفسیر الطبری: 247/18. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2668/8. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2669/8.

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

اور جس دن اللہ انھیں اور ان کو جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، جمع کرے گا پھر (ان سے) پوچھے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ

عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ⑰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ

خود ہی راہ سے بھٹک گئے تھے؟ ⑰ وہ کہیں گے: تو پاک ہے! ہمارے لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کارساز بنائیں، بلکہ تو نے انھیں سامان زندگی دیا،

اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا

اور ان کے باپ دادا کو بھی، حتی کہ وہ (تیرا) ذکر بھول گئے، اور وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے ⑱ (اللہ فرمائے گا: اے کافرو!) پس تحقیق انھوں نے تو

الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ⑱ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ

تمھیں جو تم کہتے تھے جھٹلا دیا، لہٰذا (اب) نہ تم (اپنے آپ سے عذاب) ٹالنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ (کسی سے) مدد (لے سکتے ہو)، اور تم میں سے جو شخص

صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲

ظلم (شرک) کرے گا تو اسے ہم بہت بڑا عذاب چکھائیں گے ⑲

بھی پیدا نہیں ہوسکتا، پھر انھیں وہاں ہمیشہ ہمیشہ کی ابدی، دائمی اور سرمدی زندگی میسر ہوگی جو کبھی ختم اور زوال پذیر نہ ہوگی اور نہ اہل جنت ہی وہاں سے نقل مکانی کرنا چاہیں گے، یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے فرمایا اور یہ وہ جنت ہے جس کا اس نے ان پر احسان فرمایا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯﴾ ''آپ کے رب کے ذمے واجب الادا وعدہ ہے۔'' یعنی یہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ امام ابو جعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بعض علمائے عربیت سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯﴾ ''واجب الادا وعدہ۔'' کہتے ہی ایسے وعدے کو ہیں جسے پورا کرنا واجب ہے۔[1]

اس سورۂ مبارکہ کے اس مقام پر پہلے دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے، پھر اہل جنت کے حال کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ صافات میں اہل جنت کے حالات اور جنت کی رعنائی و زیبائی کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۙ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۭ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۚ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ ۝ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَاۗلِّيْنَ ۙ فَهُمْ عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:62-70) ''بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا تھوہر کا درخت؟ بلاشبہ ہم نے اسے ظالموں کے لیے عذاب بنا رکھا ہے۔ یقیناً وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ میں اگتا ہے، اس کے خوشے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر، سو وہ اس میں سے کھانے والے اور اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہیں، پھر یقیناً انھیں اس (کھانے) کے ساتھ کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا، پھر یقیناً انھیں دوزخ کی طرف لوٹنا ہوگا، بلاشبہ انھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ ہی پایا، سو وہ انھی کے قدموں کے نشانات کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 17-19

[1] تفسیر الطبری: 250/18.

مشرکوں کے معبودوں کا روز قیامت اظہار براءت: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے کفار کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جنھوں نے فرشتوں وغیرہ کی عبادت کی تو ان کا کیا حال ہوگا، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جس دن (اللہ) انھیں اور ان کو جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں جمع کرے گا۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے ہیں۔[1] اور وہ فرمائے گا: ﴿ فَيَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِيۡ هٰۤؤُلَآءِ...... ﴾ الآیۃ ''پھر (ان سے) کہے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا......؟'' اللہ تبارک وتعالیٰ معبودوں سے فرمائے گا: کیا تم لوگوں نے ان کو دعوت دی تھی کہ میرے سوا تمھاری پوجا کریں یا تمھاری طرف سے دعوت کے بغیر انھوں نے از خود ہی تمھاری پوجا شروع کر دی تھی؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِيۡ وَاُمِّيَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَيۡسَ لِيۡ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِيۡ نَفۡسِيۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِيۡ نَفۡسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ○ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِيۡ بِهٖۤ...... ﴾ الآیۃ (المآئدۃ 5:116,117) ''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو، تو وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے، مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھ کو معلوم ہے (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا، بے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے، میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا......۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں قیامت کے دن ان کے معبودوں کے جواب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ يَنۡۢبَغِيۡ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِكَ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ﴾ ''وہ کہیں گے: تو پاک ہے، ہمیں یہ بات شایاں نہ تھی کہ تیرے سوا (اوروں کو) دوست بناتے۔'' اکثر قراء نے آیت کریمہ: ﴿ نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِكَ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ﴾ میں ﴿ نَّتَّخِذَ ﴾ کو مفتوح (نون کے فتحہ کے ساتھ فعل معلوم) پڑھا ہے۔ ہمارے لیے، ان کے لیے اور ساری مخلوق میں سے کسی کے لیے بھی یہ بات جائز نہیں کہ تیری ذات پاک کے سوا کسی اور کی عبادت کریں، ہم نے انھیں قطعاً اس بات کی دعوت نہیں دی تھی کہ وہ ہماری پوجا کریں بلکہ ہمارے حکم اور ہماری مرضی کے خلاف انھوں نے از خود ہی ایسا کیا تھا، ہم ان سے اور ان کی پوجا سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ يَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِيَّاكُمۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ ○ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ...... ﴾ الآیۃ (سبأ 34:40,41) ''اور جس دن وہ ان سب (مشرکوں) کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہی وہ لوگ ہیں جو تمھاری پوجا کرتے تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے......۔''

اور کئی دوسرے قرائے کرام نے ﴿ نَّتَّخِذَ ﴾ کو [مَا كَانَ يَنۡبَغِي لَنَا أَنۡ نُّتَّخَذَ مِنۡ دُونِكَ مِنۡ أَوۡلِيَاءَ] (نون کے

[1] تفسیر الطبری: 250/18.

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ

اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، بلاشبہ وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے، اور

فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳

ہم نے تمھیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا، کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب (سب کچھ) خوب دیکھ رہا ہے ⑳

ضمہ کے ساتھ بھی) پڑھا ہے۔ ① تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ہمیں یہ بات شایاں نہ تھی کہ تیرے سوا ہم دوست بنائے جاتے اور کسی کو یہ بات زیب ہی نہیں دیتی کہ وہ ہماری پوجا کرے کیونکہ ہم بھی تو تیرے بندے اور تیری بارگاہ کے فقیر ہیں۔ [نُتَّخَذَ] پڑھنے کی صورت میں بھی قریب قریب وہی معنی ہیں جو پہلی صورت میں ہیں۔ ﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ﴾ ''اور لیکن تو نے ہی انھیں اور ان کے باپ دادا کو فائدہ (سامان زندگی) دیا۔'' ان کی عمر دراز ہوگئی اور وہ تیری یاد کو بھول گئے، یعنی وہ اس بات کو بھول گئے جو تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ان کی طرف نازل فرمائی تھی کہ وہ صرف تیری اکیلے ہی کی عبادت کریں۔ ﴿وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ⑱﴾ ''اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿بُوْرًا ⑱﴾ کے معنی ہلاک ہونے والے لوگوں کے ہیں۔ ② امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿بُوْرًا ⑱﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو۔ ③

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ﴾ ''تو (کافرو!) انھوں نے تو یقیناً تمھیں جھٹلا دیا ان (باتوں) میں جو تم کہتے تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کی تم نے پوجا کی تھی انھوں نے تمھاری اس بات کو جھٹلا دیا کہ وہ تمھارے دوست ہیں اور وہ تمھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دینے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○﴾ (الأحقاف 46:5,6) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے (شخص) کو اللہ کے سوا پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور جبکہ وہ ان کی پکار سے بھی غافل ہیں۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کرنے والے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ﴾ ''پس نہ تم (عذاب کے) ہٹانے کی استطاعت رکھتے ہو اور نہ مدد کرنے کی۔'' یعنی انھیں نہ تو اپنے آپ سے عذاب کو دور ہٹانے کی قدرت ہوگی اور نہ اپنے لیے کہیں سے کوئی مدد ہی حاصل کرسکیں گے۔ ﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ﴾ ''اور جو کوئی بھی تم میں سے ظلم کرے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا، ﴿نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲﴾ ''ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔''

تفسیر آیت:20

① تفسیر القرطبي:11,10/13 و تفسیر الطبري:252/18. ② تفسیر الطبري:251/18. ③ تفسیر الطبري:252/18 و تفسیر ابن أبي حاتم:2673/8.

سابقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر تھے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام جن کو اس نے مبعوث فرمایا تھا وہ کھانا کھاتے تھے اور غذا حاصل کرنے کے لیے وہ بھی محتاج تھے، رزق کمانے اور خرید و فروخت کے لیے وہ بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور یہ بات ان کے اور ان کے عظیم منصب کے منافی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خوبصورت علامات، جمیل صفات، پسندیدہ اقوال، کامل اعمال، محیر العقول معجزات اور ایسے قوی دلائل سے سرفراز فرمایا تھا جن سے ہر صاحب عقل سلیم و بصیرت مستقیم استدلال کرسکتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام لائے ہیں وہ بالکل حق اور سچ ہے۔ اس کی نظیر حسب ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ (یوسف 109:12) ''اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے تھے (اور) ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔'' نیز حسب ذیل آیت کریمہ بھی اسی طرح کی ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ...... ﴾ الآية (الأنبيآء 8:21) ''اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں......''

﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ ﴾ ''اور ہم نے تمھارے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنایا، کیا تم صبر کرتے ہو (یا نہیں؟)'' ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ تمھاری آزمائش کی ہے تاکہ ہم معلوم کرلیں کہ فرماں بردار کون ہے اور نافرمان کون، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴾ ''کیا تم صبر کرتے ہو (یا نہیں؟) اور آپ کا پروردگار تو خوب دیکھنے والا ہے۔'' اور وہ اس بات کو جانتا ہے کہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اسے نبوت و رسالت سے نوازا جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (الأنعام 124:6) ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔'' اور اس بات کو بھی وہ خوب جانتا ہے کہ پیغمبروں کے بھیجے جانے کے بعد کون اس بات کا مستحق ہے کہ اسے ہدایت عطا فرمائی جائے اور کون اس بات کا سزاوار ہے کہ اسے ہدایت سے محروم رکھا جائے۔

﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ ﴾ ''اور ہم نے تمھارے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنایا، کیا تم صبر کرتے ہو (یا نہیں؟)'' کے بارے میں محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو تمام دنیا کو اپنے پیغمبروں کے ساتھ کردوں اور کوئی بھی ان کی مخالفت کرنے والا نہ ہو لیکن میں نے یہ چاہا کہ لوگوں کی پیغمبروں کے ساتھ اور پیغمبروں کی لوگوں کے ساتھ آزمائش کروں۔[1] صحیح مسلم میں عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ] ''میں تیری آزمائش کروں اور تیرے ساتھ (لوگوں کی بھی) آزمائش کروں۔''[2]

اور صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ آپ چاہیں تو نبی اور

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2676/8. [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا......، حديث: 2865.

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا

اوران لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے: ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے؟ بلاشبہ انھوں نے اپنے نفسوں

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿21﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ

میں تکبر کیا اور بہت بڑی سرکشی کی ﴿21﴾ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی بشارت نہیں ہوگی، اور وہ (فرشتے) کہیں گے: (تم

وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿22﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿23﴾

پر جنت) ممنوع و حرام کر دی گئی ہے ﴿22﴾ اور انھوں نے جو (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے تو ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو اڑتا ہوا پراگندہ گرد و غبار بنا دیں

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿24﴾

گے ﴿23﴾ جنتی لوگ اس دن بہترین ٹھکانے اور بہت اچھی آرام گاہ میں ہوں گے ﴿24﴾

بادشاہ بن جائیں یا عبد اور رسول بن جائیں تو آپ نے عبد اور رسول ہونے کو اختیار فرمایا۔[1]

تفسیر آیات: 21-24

کفار کی ہٹ دھرمی: اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہٹ دھرمی اور عناد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے؟'' تاکہ ہم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے اور وہ ہمیں بتاتے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ انھوں نے یہ بھی کہا تھا: ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ (بنی إسرآءیل 92:17) ''یا آپ اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لائیں۔'' اور یہاں انھوں نے کہا: ﴿اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾ ''یا ہم (آنکھ سے) اپنے پروردگار کو دیکھتے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے: ﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿21﴾﴾ ''البتہ تحقیق انھوں نے اپنے دلوں میں تکبر کیا اور انھوں نے بہت بڑی سرکشی کی۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى...... الآية﴾ (الأنعام 111:6) ''اور بلاشبہ اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے......۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿22﴾﴾ ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گناہ گاروں کے لیے خوشی کی بات نہیں ہوگی اور وہ (فرشتے) کہیں گے: (بہشت تم پر) ممنوع ہے، حرام کر دی گئی ہے۔'' یعنی جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو وہ ان کے لیے کوئی اچھا دن نہ ہوگا، اس دن ان کے لیے خوشی کی کوئی بات نہ ہوگی۔ اس دن سے مراد ان کی موت کا دن بھی ہو سکتا ہے جب فرشتے ان کو دوزخ اور اللہ جبار کے غضب کی بشارت دیتے ہیں اور کافر کے جسم سے روح نکالتے وقت کہتے ہیں کہ اے خبیث روح! جو خبیث جسم میں تھی تو نکل آ دوزخ کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ دھوئیں کی طرف، تو روح نکلنے سے انکار کر دیتی اور جسم میں پھیل جاتی ہے اور فرشتے اسے باہر نکالنے کے لیے مارتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ

[1] مسند أحمد: 231/2 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

﴿ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴾ ...... الآیة (الأنفال 50:8) ''اور کاش! آپ اس وقت دیکھیں جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں جنھوں نے کفر کیا، وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں......۔''

اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 93:6) ''اور کاش! آپ ان ظالم (مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لیے) اپنے ہاتھ بڑھانے والے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تم ذلت کے عذاب کا بدلہ دیے جاؤ گے، اس لیے کہ تم اللہ پر ناحق (باتیں) کہتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گناہ گاروں کے لیے کوئی خوشی (کی بات) نہیں ہوگی۔'' اس کے برعکس بوقت موت مومنوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ انھیں نعمتوں، خوشیوں اور مسرتوں کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْۤ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:30-32) ''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے یقیناً ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور نہ تم غم کھاؤ اور تم خوش ہو جاؤ اس جنت کے ساتھ جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی (تمھارے رفیق ہیں) اور اس میں تمھارے لیے جو تمھارے جی چاہیں اور جو چیز تم طلب کرو گے تمھارے لیے اس میں (موجود) ہوگی، (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے بطور مہمانی ہے۔''

براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتہ (ملک الموت) مومن کی روح سے کہتا ہے: [أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ (كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ) أُخْرُجِي ...... بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ] ''نکل آ، اے پاک جسم کے اندر پاک جان جو اسے آباد کیے ہوئے تھی! نکل آ!...... راحت وآرام اور رزق وسرور دینے والے رب کی طرف جو (تجھ سے) ناراض ہونے والا نہیں ہے۔''[1]

کچھ دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى ...... ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے (اس دن گناہ گاروں کو) کوئی خوشی نہیں ہوگی......۔'' سے مراد قیامت کا دن ہے، یہ مجاہد اور ضحاک وغیرہ کا بھی قول ہے۔[2] اور دونوں

---

① مسند أحمد: 365,364/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب عرض مقعد المیت......، حدیث: 2872 میں ہیں۔ جبکہ حضرت براء سے مروی حدیث بالفاظ دیگر مسند أحمد: 288,287/4 میں ہے۔ ② تفسیر ابن أبي حاتم: 2677,2676/8.

اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ فرشتے موت اور قیامت کے ان دونوں دنوں میں مومنوں اور کافروں کے سامنے نمودار ہوتے ہیں، مومنوں کو رحمت اور رضوان کی بشارت دیتے ہیں اور کافروں کو یہ خبر دیتے ہیں کہ ان کے لیے گھاٹا اور خسارہ ہوگا اور اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہ ہوگی۔ ﴿وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا﴾ ''وہ (فرشتے) کہیں گے: (بہشت تم پر) ممنوع ہے، حرام کردی گئی ہے۔'' یعنی فرشتے کافروں سے کہیں گے کہ آج حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں کامیابی عطا فرمائے۔ حِجر کے اصل معنی منع کر دینے اور روک دینے کے ہیں حَجَرَ الْقَاضِي عَلٰى فُلَانٍ کا محاورہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب قاضی کسی کو مال میں تصرف کرنے سے روک دے، خواہ وہ دیوالیہ ہونے کی وجہ سے روکے یا سفاہت یا صغرسنی کی وجہ سے۔ بیت الحرام کے پاس مقام حِجر کا نام حِجر اس وجہ سے ہے کہ وہ طواف کرنے والوں کو اس کے اندر طواف کرنے سے منع کرتا ہے، اس لیے اس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے، عقل کو بھی حِجر کہتے ہیں کیونکہ وہ عقل مند کو ناشائستہ باتوں سے منع کرتی ہے، الغرض! ﴿وَيَقُولُونَ﴾ کی ضمیر فرشتوں کی طرف عائد ہے۔ یہ مجاہد، عکرمہ، حسن، ضحاک، قتادہ، عَطِیّہ عوفی، عطاء خُراسانی، خُصَیف اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[1] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2]

ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اس کا تعلق مشرکوں کی بات سے ہے۔[3] ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے۔'' تو فرشتوں سے پناہ مانگیں گے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی پر کوئی مصیبت یا سختی نازل ہوتی تو وہ کہتے تھے: حِجرًا مَّحْجُورًا ''(کاش! کوئی ہمارے اور ان کے درمیان) مضبوط آڑ بنا دے۔'' یہ قول بھی اگرچہ درست ہے لیکن سیاق کلام کے حوالے سے یہ بعید ہے خصوصاً جبکہ جمہور ائمۂ تفسیر کا قول اس کے خلاف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ﴾ ''اور انھوں نے جو کوئی (نیک) بھی عمل کیے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے۔'' یعنی قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اچھے اور برے تمام اعمال کا حساب لے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان مشرکوں کو ان کے اعمال سے کچھ حاصل نہ ہوگا جن کے بارے میں انھوں نے گمان کر رکھا ہے کہ یہ اعمال ان کے لیے نجات کا سبب ہوں گے کیونکہ ان کے یہ اعمال شرعی شرائط کے مطابق نہیں ہوں گے، یعنی ان کے ہاں اخلاص اور اتباع شریعت کی شرائط مفقود ہوں گی، ہر عمل جو خالص اور شریعت کے مطابق نہ ہو تو وہ باطل ہے اور کفار کے اعمال ان دو میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتے بلکہ ان میں اخلاص بھی نہیں ہوتا اور شریعت کی مطابقت بھی نہیں ہوتی، لہٰذا ان کے اعمال اس وقت قبولیت سے بہت بعید ہوں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُورًا﴾ ''اور انھوں نے جو کوئی (نیک) بھی عمل کیے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے، پھر ہم انھیں اُڑتی خاک کر دیں گے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُورًا﴾ کے بارے میں سفیان ثوری نے ابواسحاق سے، انھوں نے حارث سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس ﴿هَبَآءً مَّنْثُورًا﴾ سے مراد سورج کی شعاع ہے جبکہ وہ طاق

[1] تفسير ابن أبي حاتم : 2677/8 . [2] تفسير الطبري : 5/19 . [3] تفسير الطبري : 5/19 .

میں داخل ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ قول کئی سندوں سے مروی ہے۔① اسی طرح یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سُدِّی اور ضحّاک وغیرہ سے بھی مروی ہے۔②

حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس شعاع کو کہتے ہیں جو طاق میں ہو کہ اگر اسے کوئی پکڑنا چاہے تو پکڑ نہیں سکتا۔③

ابوالاحوص نے ابواسحاق سے، انھوں نے حارث سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ سے مراد جانوروں کے قدموں سے اٹھنے والا گرد وغبار ہے۔④ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ قول مروی ہے، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔⑤

قتادہ کہتے ہیں کہ تم نے خشک درخت کو دیکھا ہے جبکہ ہوا اسے اڑاتی ہے، اس کے خشک پتوں کو ﴿ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ کہتے ہیں۔⑥ یعلی بن عبید سے مروی ہے کہ ﴿ هَبَآءً ﴾ سے مراد راکھ ہے جب اسے ہوا اڑاتی پھرے۔ بہر حال ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کفار کے اعمال اس طرح کی حقیر، گھٹیا اور متفرق چیز کی طرح ہوں گے کہ جسے پکڑا نہ جا سکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ ...... ﴾ الآیة (إبراهيم 14:18) ''جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ اس پر زور کی ہوا چلے......۔''

اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ ﴾ (البقرة 2:264) ''اے مومنو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان جتانے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا جو لوگوں کو دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس (کے مال) کی مثال اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برس کر اسے صاف کر ڈالے (اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے ان اعمال کا جو وہ کرتے رہے کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا ...... ﴾ (النور 24:39) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں جیسے چٹیل میدان میں اس (ریت) کو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔''

اہل جنت کا ٹھکانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴾ ''اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی خوب ہوگا۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ

① تفسير ابن أبي حاتم:2679/8 و تفسير الطبري:7/19۔ ② تفسير الطبري:7,6/19 و تفسير ابن أبي حاتم:2679/8 .
③ تفسير الطبري:6/19 . ④ تفسير ابن أبي حاتم:2679/8 . ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:2679/8 . ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:2679/8 .

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿25﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ

اور جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائے گا، اور فرشتے لگا تار اتارے جائیں گے ﴿25﴾ اس دن حقیقی بادشاہی رحمٰن ہی کی ہوگی، اور وہ دن کافروں

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿26﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ

پر بہت سخت ہوگا ﴿26﴾ اور جس دن (ہر) ظالم اپنے دونوں ہاتھ (دانتوں سے) کاٹ کھائے گا (اور) کہے گا: اے کاش! میں رسول کے ساتھ راہ اختیار کرتا ﴿27﴾

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿27﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿28﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ

ہائے میری کم بختی! کاش! میں فلاں (شخص) کو دوست نہ بناتا ﴿28﴾ بلاشبہ اس نے میرے پاس ذکر (قرآن) آجانے کے بعد مجھے (اس سے) بہکا دیا اور

اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿29﴾

شیطان انسان کو (مصیبت میں) بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ہے ﴿29﴾

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ ﴾ (الحشر 20:59) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں ہو سکتے، اہل بہشت ہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔'' اس لیے کہ اہل جنت بلند و بالا درجات اور پرامن بالا خانوں سے سرفراز کیے جائیں گے، وہ ایسے مقام امن میں فروکش ہوں گے جو بہت پاکیزہ اور جس کا منظر بہت حسین و دلفریب ہوگا۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿76﴾ ﴾ (الفرقان 76:25) ''اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے۔'' جبکہ دوزخی دوزخ کے سب سے نچلے درجوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حسرتوں، ندامتوں اور انواع و اقسام کی سزاؤں اور عذابوں میں ہوں گے۔ ﴿ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ ﴾ (الفرقان 66:25) ''بے شک وہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔'' یعنی دیکھنے کے اعتبار سے بھی یہ مقام بہت برا ہوگا اور رہنے کے اعتبار سے بھی انتہائی ناپسندیدہ، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿24﴾ ''اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی خوب ہوگا۔'' یعنی اعمال صالحہ کی وجہ سے اہل جنت ان نعمتوں سے سرفراز اور اس پاکیزہ مقام و مرتبہ سے شادکام ہوں گے جبکہ اہل دوزخ کا کوئی ایک عمل بھی ایسا نہ ہوگا جو ان کے لیے جنت میں داخل ہونے اور دوزخ سے نجات پا جانے کا سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند بندوں کے حالات کو بیان فرما کر بدبختوں کے حالات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے ہاں قطعی طور پر کوئی اچھی بات نہ ہوگی۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حساب سے نصف النہار کے وقت فارغ ہو جائے گا اور اس وقت اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیے جائیں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿24﴾ ''اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی خوب ہوگا۔''[1] عکرمہ کہتے ہیں کہ مجھے اس گھڑی کا علم ہے جب اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں داخل ہوں گے، یہ وہ گھڑی ہوگی جس کے حساب سے دنیا میں دوپہر کے وقت سورج خوب بلند ہو جاتا ہے اور لوگ قیلولہ کرنے کے لیے اپنے

① تفسير ابن أبي حاتم: 2681/8.

گھر والوں کے پاس آ جاتے ہیں، اس وقت اہل دوزخ، دوزخ میں ہوں گے اور اہل جنت کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا، جہاں وہ محو استراحت ہوں گے اور انھیں مچھلی کے کباب کھلائے جائیں گے جس سے سب سیر ہو جائیں گے، یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىِٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا﴾ ”اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی خوب ہوگا۔“[1]

تفسیر آیات:25-29

قیامت کے دن کی سنگینیاں: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ہولناکیوں اور اس دن پیش آنے والے بڑے بڑے واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں سے ابر کے ساتھ آسمان کا لپیٹ جانا بھی ہے، ابر سے مراد عظیم الشان نور کے وہ سائبان ہیں جو نظروں کو چندھیا دیں گے اور اس دن آسمانوں کے فرشتوں کا نازل ہونا ہے جو میدان حشر میں چاروں طرف سے مخلوقات کو گھیر لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لیے جلوہ افروز ہوگا۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ آیت اس طرح ہے جیسے حسب ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ...﴾ الآیة (البقرة 2:210) ”کیا وہ لوگ اب اسی بات کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے چلا آئے اور فرشتے بھی......“[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ ...﴾ الآیة ”اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی......“ جیسا کہ فرمایا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 40:16) ”آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔“

صحیح حدیث میں ہے: [يَطْوِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ السَّمَاوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ (أَنَا الدَّيَّانُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟) أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟ ثُمَّ يَطْوِي الْأَرَضِينَ بِشِمَالِهِ] ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ لے گا، پھر ان کو دائیں ہاتھ کے ساتھ پکڑ لے گا اور فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، میں ہوں حاکم، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں سرکش؟ کہاں ہیں متکبر؟ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ[3] کے

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2681/8. [2] تفسير الطبري: 9/19 و تفسير ابن أبي حاتم: 2682/8. [3] یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے بائیں ہاتھ کا اطلاق کیا گیا ہے جبکہ اکثر احادیث میں دائیں کے مقابلے میں [بِيَدِهِ الْأُخْرٰى] ”اپنے دوسرے ہاتھ سے“ کے الفاظ منقول ہیں، نیز احادیث میں [كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ] ”اور اس کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔“ کی صراحت بھی موجود ہے۔ (صحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل، حديث: 1827) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بیہقی کے حوالے سے [بِشِمَالِهِ] کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لفظ ثقات کی مخالفت کی وجہ سے منکر ہے کیونکہ [بِشِمَالِهِ] کہنے میں عمر بن حمزہ متفرد ہے (اور وہ ضعیف ہے) جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع اور عبیداللہ بن مقسم نے [بِشِمَالِهِ] کے بغیر روایت کیا ہے۔ اور حافظ ہی نے امام قرطبی سے اس کی یہ توجیہ بھی نقل کی ہے کہ یہاں کسی راوی نے مخلوق کے اعتبار سے دائیں کے مقابلے میں سمجھانے کے لیے دوسرے ہاتھ پر شمال کا اطلاق کر دیا ہے۔ الغرض یا تو یہ دیگر ثقات کی مخالفت کی وجہ سے منکر اور ضعیف ہے اس بنا پر اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا اطلاق درست ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ توقیفی ہیں اور اگر اسے صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر امام قرطبی والی توجیہ کو مدنظر رکھا جائے یا یہ مفہوم لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا بایاں ہاتھ بھی نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے اور [كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ] کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ یہاں بائیں ہاتھ کو بھی نقص وعیب سے پاک قرار دینے کی تاکید کی گئی ہو۔ واللّٰه أعلم دیکھیے: منهج الحافظ ابن حجر العسقلاني في العقيدة: 879/2-883.

ساتھ لپیٹ لے گا۔‘‘[1]

اور فرمایا: ﴿ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴾ ’’اور وہ دن کافروں پر نہایت سخت ہوگا۔‘‘ کیونکہ یہ عدل وانصاف کرنے اور فیصلے کرنے کا دن ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ○ ﴾ (المدثر 10,9:74) ’’وہ دن سخت دشوار دن ہوگا، کافروں پر آسان نہ ہوگا۔‘‘ یہ تو کافروں کا حال ہوگا جبکہ مومنوں کا اس دن یہ حال ہوگا: ﴿ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ...... ﴾ الآیة (الأنبیاء 103:21) ’’انھیں (اس دن) بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی......‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴾ ’’اور جس دن (ناعاقبت اندیش) ظالم اپنے دونوں ہاتھوں پر کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا۔‘‘ اللہ تعالیٰ اس ظالم کی ندامت کے بارے میں بیان فرما رہے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے رستے کو چھوڑ دیا تھا اور اس دین حق سے منہ موڑ لیا تھا جسے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر تشریف لائے تھے اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے رستے کو چھوڑ کر دوسروں کے رستے کو اختیار کیا تھا، قیامت کے دن یہ ظالم ندامت کا اظہار کرے گا مگر اس دن ندامت وحسرت کا اظہار کچھ کام نہ آئے گا اور یہ حسرت وافسوس کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا۔ یہ آیت کریمہ عُقْبَہ بن ابو مُعَیط کے بارے میں نازل ہوئی ہو یا کسی دوسرے بدبخت کے بارے میں۔[2] مگر اس کا حکم عام ہے اور سب ظالموں کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ ﴾ (الأحزاب 67,66:33) ’’جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹائے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم اللہ کی فرماں برداری کرتے اور رسول (اللہ) کا حکم مانتے اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہمیں رستے سے گمراہ کر دیا۔‘‘

ہر ظالم قیامت کے دن حد درجہ ندامت کا اظہار کرے گا، اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا اور کہے گا: ﴿ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴾ ’’اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔‘‘ یعنی اس کو جس نے اسے ہدایت سے دور ہٹا دیا تھا اور وہ اسے گمراہی کے رستے کی طرف لے گیا تھا۔ یہ آیت کریمہ سب ظالموں کے لیے ہے، خواہ وہ امیہ بن خلف ہو یا اس کا بھائی اُبی بن خلف یا ان کے علاوہ دیگر ظالم۔[3] ﴿ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ﴾ ’’البتہ تحقیق اس نے مجھے (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔‘‘ کتاب نصیحت سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی میرے پاس قرآن مجید کے پہنچ جانے

---

[1] صحیح مسلم، صفة المنافقین......، باب صفة القیامة والجنة والنار، حدیث: 2788 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ...... ﴾ (الزمر 67:39)، حدیث: 4812 عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ و قبل الحدیث: 7481 میں ہیں۔ [2] تفسیر الطبری: 11/19. [3] تفسیر الطبری: 11/19.

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿30﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ

اور رسول کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو متروک بنادیا (پس پشت ڈال دیا) تھا﴿30﴾ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن

عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿31﴾

مجرموں میں سے بنائے، اور آپ کا رب ہادی اور مددگار کافی ہے﴿31﴾

کے بعد اس نے مجھے اس سے بہکا دیا۔ ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿29﴾﴾ ''اور شیطان انسان کو بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے۔'' اسے دغا دے کر حق سے دور ہٹا دیتا ہے اور اسے باطل کے لیے استعمال کرتا اور باطل ہی کے اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

تفسیر آیات: 31,30

رسول اللہ ﷺ مخالفین کا شکوہ کریں گے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و رسول محمد صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ ﴿يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿30﴾﴾ ''اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑا ہوا ٹھہرا لیا تھا۔'' اس لیے کہ مشرک قرآن نہیں سنتے تھے بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ......﴾ الآية (حٰمٓ السجدة 41:26)

''اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کرو......۔''

جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو مشرکین کثرت سے شور و غوغا مچا دیا کرتے تھے تاکہ اسے سن نہ سکیں، یہ قرآن مجید کو چھوڑنے کی ایک صورت ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ قرآن مجید پر ایمان نہ لایا جائے اور اس کی تصدیق نہ کی جائے۔ قرآن مجید پر غور و فکر اور تدبر نہ کرنا بھی اسے چھوڑنے کی ایک صورت ہے، اس کے مطابق عمل نہ کرنا، اس کے احکام کی اطاعت نہ بجا لانا اور اس کے نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی اسے چھوڑنے کی ایک صورت ہے، قرآن سے اعراض کر کے شعر یا قول یا موسیقی یا لہو و لعب یا قصے کہانیوں یا قرآن کے بتائے ہوئے رستے کے علاوہ کسی دوسرے رستے کو اختیار کرنا بھی اسے چھوڑنے ہی کی ایک صورت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں جو کریم و منّان اور ہر چیز پر قادر ہے کہ وہ ہمیں اپنی ناراضی کے کاموں سے بچائے اور اپنی رضا کے کاموں میں ہمیں لگائے کہ ہم اس کی پاک کتاب کو حفظ کریں، اسے سمجھیں اور دن رات اس کے مطابق اس طرح عمل کریں جس سے وہ خوش ہوتا اور اسے پسند فرماتا ہو۔ إِنَّهٗ كَرِيْمٌ وَّهَّابٌ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے گناہ گاروں میں سے ہر پیغمبر کے دشمن بنا دیے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) جس طرح آپ کو اپنی قوم سے سابقہ پیش آیا کہ انھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی طرح سابقہ امتوں کا بھی یہی حال تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں میں سے ہر پیغمبر کے دشمن بنا دیے ہیں جو لوگوں کو ضلالت اور کفر کی طرف دعوت دیا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ

اور کافروں نے کہا: اس پر یہ قرآن ایک ہی بار اکٹھا کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے نازل کیا) ہے، تاکہ ہم اس سے آپ کا دل مضبوط

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿32﴾ وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ

کریں، اور ہم نے اسے خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے ﴿32﴾ اور وہ (کافر) جب آپ کے پاس کوئی مثال (اعتراض) لے کر آئیں تو ہم (جواب میں) آپ کو حق

وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿33﴾ اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ

اور (اس کی) بہت اچھی توجیہ و تفسیر بتا دیتے ہیں ﴿33﴾ جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے، وہی لوگ بدترین مکان والے اور

مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿34﴾ ع

گمراہ ترین راہ والے ہیں ﴿34﴾

بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ○ وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ○ (الأنعام 6:112،113) ''اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کے دشمن بنا دیا، وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پر فریب باتیں القا کرتے رہتے تھے اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے، چنانچہ آپ انھیں اور جو کچھ یہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دیں اور (وہ ایسے کام) اس لیے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کی باتوں کی طرف مائل ہو جائیں اور تاکہ وہ اس جھوٹ سے راضی ہوں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔''

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَكَفٰی بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴿31﴾ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔'' اس کے لیے جو اس کے رسول کی اتباع کرے، اس کی کتاب پر ایمان لائے، اس کی تصدیق اور اتباع کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا ہادی اور ناصر ہے۔ ﴿ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴿31﴾ ﴾ اس لیے فرمایا کہ مشرکین قرآن کی اتباع سے لوگوں کو اس لیے روکتے تھے تاکہ کوئی اس کے ساتھ ہدایت حاصل نہ کرے اور ان کا طریقہ قرآن کے طریقے پر غالب آجائے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ ﴾ ...... ''اور اسی طرح ہم نے گناہ گاروں میں سے ہر پیغمبر کے دشمن بنا دیے......۔''

تفسیر آیات: 32-34

قرآن مجید کے تدریجاً اتارنے میں حکمت: اللہ تعالیٰ نے کفار کے کثرت کے ساتھ اعتراضات، ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور لایعنی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ ﴾ ''اس پر قرآن ایک ہی دفعہ اکٹھا کیوں نہیں اتارا گیا؟'' یعنی یہ کتاب جو اس رسول پر نازل کی گئی ہے یہ ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتاری گئی جیسا کہ تورات، انجیل، زبور اور دیگر آسمانی کتابیں ایک ہی دفعہ نازل کی گئی تھیں تو اس کا اللہ تعالیٰ نے جواب یہ دیا ہے کہ

اس قرآن کو حالات و واقعات اور جن احکام کی ضرورت تھی ان کے مطابق تیئیس (23) برس میں آہستہ آہستہ اس لیے اتارا گیا ہے تا کہ اس سے مومنوں کے دلوں کو قائم رکھا جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ...... ﴾ الآیة (بنیٓ إسرآء یل 106:17) ''اور ہم نے اس قرآن کو جز جز (کر کے نازل) کیا ہے......'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴾ ''تا کہ ہم اس سے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور (اسی واسطے) ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسی لیے ہم نے اس کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کی خوب خوب تفسیر کر دی ہے۔[2]

﴿ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ ﴾ ''اور یہ لوگ آپ کے پاس کوئی مثال (اعتراض) نہیں لاتے۔'' اور جو حجت اور شبہ کرتے ہیں، ﴿ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴾ ''مگر ہم آپ کے پاس (اس کا) صحیح صحیح (جواب) اور بہترین توجیہ لاتے ہیں۔'' یعنی حق کے مقابلے میں یہ جو بات بھی پیش کرتے ہیں اس کا ہم جواب بھیج دیتے ہیں جبکہ قرآن خود بھی حق ہے اور ان کافروں کی باتوں کی نسبت زیادہ روشن، زیادہ واضح اور زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سارا قرآن ایک دفعہ لیلۃ القدر میں آسمان دنیا پر نازل کر دیا گیا تھا، پھر اس کے بعد بیس (20) سالوں میں اس کا نزول مکمل ہوا۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴾ ''اور یہ لوگ آپ کے پاس جو (اعتراض کی) بات لاتے ہیں تو ہم (اس کا) صحیح صحیح (جواب) اور بہترین توجیہ آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴾ (بنیٓ اسرآء یل 106:17) ''اور ہم نے اس قرآن کو جز جز (کر کے نازل) کیا ہے تا کہ آپ اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے آہستہ آہستہ اتارا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کا بدترین حال ہوگا اور ان بدترین حالات میں بہت بری صورتوں کے ساتھ انھیں جہنم رسید کر دیا جائے گا، ﴿ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ ''جو لوگ اپنے چہروں کے بل دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے، ان کا ٹھکانا بھی بدترین ہے اور وہ رستے کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) روز قیامت کافر کو چہرے کے بل کس طرح چلایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلٰى رِجْلَيْهِ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُّمْشِيَهُ عَلٰى وَجْهِهِ (يَوْمَ الْقِيَامَةِ)] ''بلا شبہ جس ذات پاک نے اسے پاؤں کے بل چلایا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2691/8. [2] تفسير الطبري: 16/19. [3] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً ﴾ (الفرقان 62:25): 421/6، حديث: 11372.

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿35﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو مددگار بنایا﴿35﴾ پھر ہم نے کہا: تم دونوں اس قوم کی طرف جاؤ جنھوں نے

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿36﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر ہم نے انھیں بالکل ہی ہلاک کر کے رکھ دیا﴿36﴾ اور قوم نوح کو بھی، جب اس نے رسولوں کی تکذیب کی، ہم نے انھیں غرق

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿37﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ

کر دیا، اور ہم نے انھیں لوگوں کے لیے نشانِ (عبرت) بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے﴿37﴾ اور قوم عاد اور ثمود اور

وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿38﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا

کنویں والے اور ان کے درمیان (دیگر) بہت سی قوموں کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا)﴿38﴾ اور ہر ایک کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں، اور سب کو بالکل

تَتْبِيْرًا ﴿39﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ

تباہ و برباد کر دیا﴿39﴾ اور بلاشبہ یہ لوگ اس (قوم کی) بستی پر سے تو گزرتے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی گئی، کیا پھر وہ اسے دیکھتے نہیں رہے؟ بلکہ

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿40﴾

وہ (دوبارہ جی) اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے تھے﴿40﴾

اسے چہرے کے بل چلائے۔''①

تفسیر آیات:35-40

مشرکینِ قریش کو ڈراوا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کی تکذیب کرنے والے آپ کی قوم کے مشرکین اور دیگر مخالفین کو اپنے اس سخت عقاب وعذاب سے ڈرایا ہے جسے پیغمبروں کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں پر اس نے نازل فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مبعوث فرمایا اور ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا کر ان کے ساتھ ملا دیا تھا مگر فرعون اور اس کے شاگردوں نے اللہ تعالیٰ کے ان دونوں نبیوں کی تکذیب کی تو ﴿ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ﴾ (محمد 10:47) ''اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح کی (سزائیں) ان کافروں کے لیے ہیں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے ساتھ بھی کیا جب انھوں نے اللہ کے رسول نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی اور جو کسی ایک رسول کی تکذیب کرے اس نے گویا تمام رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ رسول ہونے کے اعتبار سے کسی میں کوئی فرق نہیں، اگر بالفرض اللہ تعالیٰ ان کی طرف تمام رسولوں کو بھیج دیتا تو یہ لوگ تمام کی تکذیب کر دیتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَوْمَ

① صحيح البخاري، الرقاق، باب الحشر، حديث: 6523 وصحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب يحشر الكافر على وجهه، حديث: 2806 ومسند أحمد: 229/3 عن أنس رضی اللہ عنہ واللفظ له . لیکن قوسین والا جملہ صحیحین کے مذکورہ حوالے میں ہے۔

﴿ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ ﴾ ''اور نوح کی قوم کو بھی جب انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' حالانکہ ان کی طرف ایک ہی پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا جو انھیں ساڑھے نوسو برس تک اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اور اس کے عذاب سے ڈراتے رہے، ﴿ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾ (ھود 40:11) ''اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔'' اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان سارے کافروں کو غرق کر دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا اور کشتی میں سوار ہونے والوں کے سوا روئے زمین پر کسی انسان کو بھی باقی نہ رہنے دیا۔ ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ ﴾ ''اور ہم نے انھیں لوگوں کے لیے (عبرت کا) نشان بنا دیا۔'' تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاۗءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝ ﴾ (الحآقۃ 69:11،12) ''جب پانی طغیانی پر آیا تو یقیناً ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا تاکہ اس کو تمھارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔'' یعنی ہم نے تمھارے لیے کشتیوں کو باقی رکھا ہے جن پر تم دریاؤں کی موجوں میں سوار ہوتے ہو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمھیں غرق ہونے سے بچایا اور ان لوگوں کی اولاد میں سے بنایا جو نوح علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے اور جنھوں نے ان کی تصدیق کی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ ﴾ ''اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں کو بھی (ہلاک کر دیا۔)'' عاد وثمود کا قصہ قبل ازیں سورۂ اعراف اور کئی دیگر سورتوں میں بیان ہو چکا ہے،[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں اور کنویں والوں سے مراد، ابن جریج کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کے مطابق، ثمود کی بستیوں میں سے ایک بستی کے لوگ ہیں۔[2] جبکہ ثوری نے ابوبکر[3] سے اور انھوں نے عِکرِمہ سے روایت کیا ہے کہ رسّ ایک کنواں تھا اور اس میں انھوں نے اپنے نبی کو دفن کر دیا تھا۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ ﴾ ''اور ان کے درمیان دیگر بہت سی جماعتوں کو بھی (ہلاک کر دیا۔)'' یعنی جن لوگوں کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان کے درمیان ہم نے اور بھی بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ ﴾ ''اور ہر ایک (قوم) کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے مثالیں بیان کیں۔'' اور ان کے سامنے دلائل و براہین کو واضح کر دیا تھا اور بقول قتادہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کے تمام عذر ختم کر دیے تھے۔[5]

﴿ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے (نہ ماننے پر) سب کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔'' یعنی انھیں مکمل طور پر ہلاک کر دیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:17) ''اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر ڈالا۔'' قرن سے مراد امت ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:42) ''پھر ان کے بعد ہم نے دوسری امتیں پیدا کیں۔'' بعض نے قرن کی تحدید ایک سو بیس سال سے کی ہے، بعض نے

[1] دیکھیے الأعراف، آیات: 65-73 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 19/19. [3] تفسیر ابن کثیر کے تمام نسخوں میں ابوبکیر ہے لیکن درست ابوبکر ہے۔ [4] تفسیر الطبری: 19/19 و تفسیر القرطبی: 32/13. [5] تفسیر الطبری: 21/19.

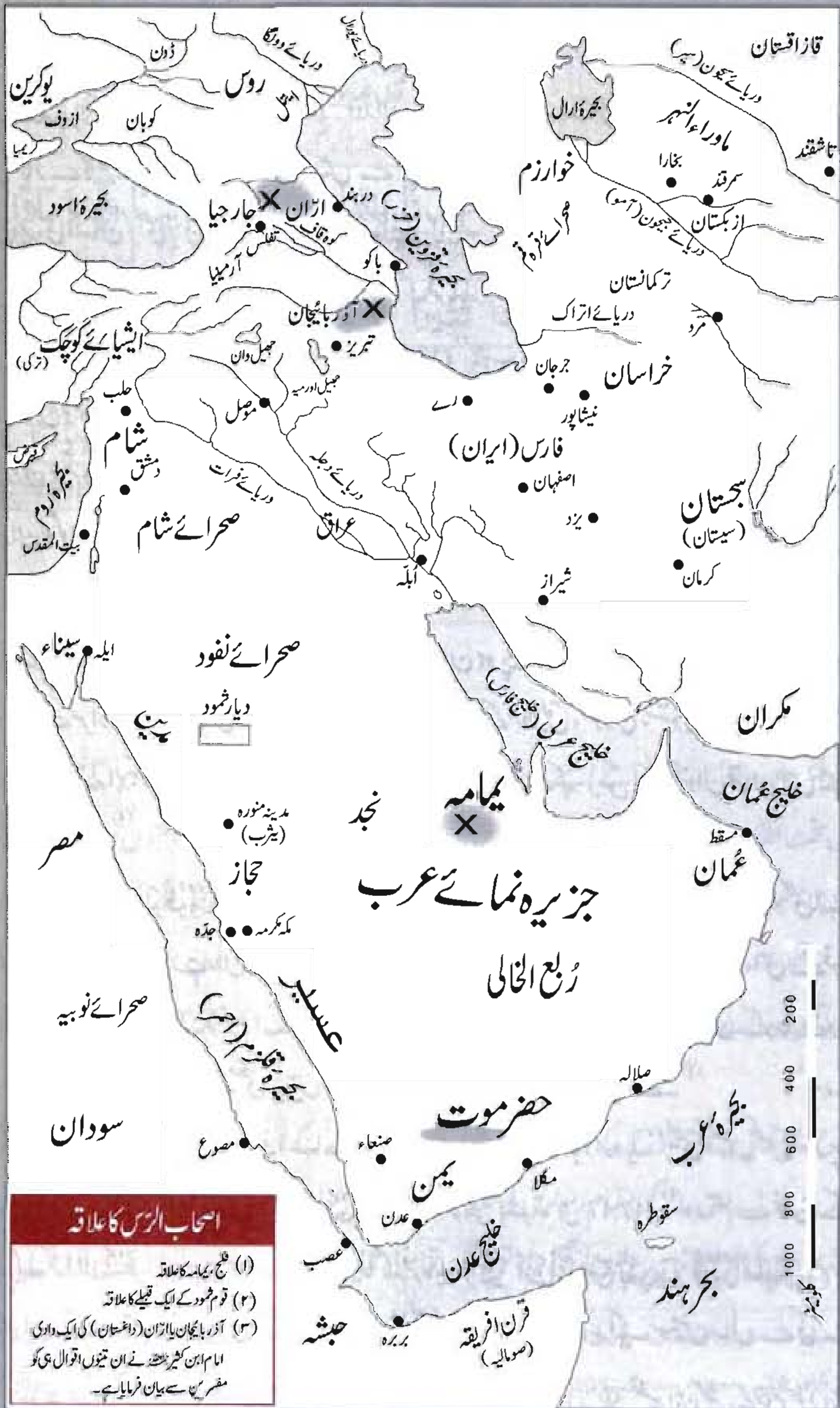

اصحاب الرس کا علاقہ
(۱) فلج، یمامہ کا علاقہ
(۲) قوم ثمود کے ایک قبیلے کا علاقہ
(۳) آذر بائیجان یا ازان (داغستان) کی ایک وادی
امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان تینوں اقوال ہی کو مفسرین سے بیان فرمایا ہے۔
جزیرہ نمائے عرب
یمامہ
نجد
حجاز
مدینہ منورہ (یثرب)
مکہ مکرمہ
جدّہ
عسیر
حضرموت
یمن
صنعاء
عدن
ربع الخالی
عمان
مسقط
خلیج عمان
مکران
صحرائے نفود
دیار ثمود
مصر
سودان
صحرائے نوبیہ
حبشہ
قرن افریقہ (صومالیہ)
خلیج عدن
بحر ہند
بحیرۂ عرب
سقوطرہ
صلالہ
مکلا
بربرہ
مصوع
سیناء
ایلہ
صحرائے شام
شام
دمشق
حلب
بیت المقدس
عراق
موصل
ابلّہ
دریائے فرات
دریائے دجلہ
ایشیائے کوچک (ترکی)
بحیرۂ اسود
یوکرین
ازوف
کوبان
روس
ڈون
جارجیا
ازان
دربند
باکو
آرمینیا
تفلس
آذربائیجان
تبریز
جھیل وان
جھیل اورمیہ
خراسان
جرجان
نیشاپور
فارس (ایران)
اصفہان
یزد
شیراز
کرمان
سجستان (سیستان)
خوارزم
بحیرۂ ارال
ماوراء النہر
بخارا
سمرقند
ازبکستان
ترکمانستان
تاشقند
قازاقستان
مرو
دریائے اتراک
200
400
600
800
1000

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿41﴾ اِنْ كَادَ

اور (اے نبی!) جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو ہنسی مذاق کا نشانہ بناتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہی ہے وہ جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ﴿41﴾

لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

بے شک وہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکانے ہی لگا تھا اگر ہم ان (معبودوں کی عبادت) پر جمے نہ رہتے، اور جلد وہ جان لیں گے جب عذاب

مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿42﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿43﴾ اَمْ تَحْسَبُ

دیکھیں گے کہ سب سے زیادہ بے راہ کون ہے ﴿42﴾ کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے؟ کیا پھر آپ اس کے ذمہ دار بنتے

اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿44﴾

ہیں ﴿43﴾ یا آپ سمجھتے ہیں کہ بے شک ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گم راہ ہیں ﴿44﴾

سو سال، بعض نے اسّی سال اور بعض نے چالیس سال کی مدت کو ایک قرن قرار دیا ہے، علاوہ ازیں اس کے بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں۔ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرن ایک زمانے میں رہنے والے لوگوں کو کہتے ہیں جب وہ چل بسیں اور ان کے بعد نئی نسل آ جائے تو وہ دوسری قرن ہوگی جیسا کہ صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے: [خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ......] ''تم (مسلمانوں) میں سے بہتر میرے دور کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے ملتے ہوں گے، پھر وہ جو ان سے ملتے ہوں گے......'' دیکھیے مکمل حدیث۔[1]

﴿ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ ﴾ ''اور البتہ تحقیق یہ (کافر) لوگ اس بستی پر سے تو گزرتے ہیں جس پر بری طرح مینہ برسایا گیا تھا۔'' یعنی قوم لوط کی بستی سدوم جسے اللہ تعالیٰ نے اوندھے منہ الٹا دیا، پھر اوپر سے پتھروں کی بارش برسا دی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ (الشعرآء 173:26) ''اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا، چنانچہ ڈرائے گئے لوگوں پر (برسائی گئی) بدترین بارش تھی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۙ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:137-138) ''اور بلاشبہ تم صبح کو ان (تباہ شدہ بستیوں) پر سے گزرتے ہو اور رات کو بھی تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴾ (الحجر 15:76) ''اور بے شک وہ (شہراب تک) سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (الحجر 15:79) ''اور یہ دونوں شہر کھلے رستے پر (موجود) ہیں۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ ﴾ ''کیا پھر وہ اس (بستی) کو دیکھتے نہیں رہے ہیں؟'' کہ عبرت حاصل کریں اس عذاب سے جو پیغمبر کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی وجہ سے اس شہر کے لوگوں پر آیا تھا۔ ﴿ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿40﴾ ﴾ ''بلکہ جو (تو مرنے کے بعد دوبارہ جی) اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے۔'' یعنی اس شہر کے پاس سے گزرنے

[1] صحیح البخاري، الشهادات، باب لايشهد على شهادة جور......، حديث: 2651 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة......، حديث :2535 عن عمران بن حصين ﷺ.

والے کا فر عبرت حاصل نہیں کرتے کیونکہ وہ قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے۔

تفسیر آیات: 41-44

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کافروں کا استہزا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مشرکین جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو استہزا کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ...... ﴾ الآیة(الأنبیآء 36:21) ”اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ ہی سے استہزا کرتے ہیں......“ یعنی کفار آپ پر عیب لگاتے اور آپ میں نقص نکالتے تھے اور اب یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ ﴾ ”اور یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ہنسی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔“ اور یہ ملعون لوگ ایسی بات از راہ توہین و تنقیص کہا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ...... ﴾ الآیة(الأنعام 10:6) ”اور البتہ تحقیق آپ سے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا......“

﴿ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ﴾ ”وہ ضرور ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا ہی دیتا۔“ یعنی اگر ہم صبر وثبات کا مظاہرہ نہ کرتے اور اپنے معبودوں پر جمے نہ رہتے تو اس نے ہمیں ضرور بتوں کی عبادت سے دور ہٹا دینا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ...... ﴾ الآیة ”اور وہ عنقریب معلوم کرلیں گے جب عذاب دیکھیں گے......“

خواہش نفس کو معبود بنانا: پھر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے شقاوت اور ضلالت کو لکھ دے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ﴿ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ ﴾ ”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے؟“ یعنی جس چیز کو وہ مستحسن سمجھے اور اپنی خواہش نفس کے مطابق اچھا جانے تو وہی اس کا دین و مذہب ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ٘ ...... ﴾ الآیة(فاطر 8:35) ”سو بھلا جس شخص کو اس کے برے اعمال آراستہ کرکے دکھائے جائیں تو وہ انھیں عمدہ سمجھنے لگے (کیا وہ نیکوکار آدمی جیسا ہوسکتا ہے؟) پس بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے......“

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ ﴾ ”تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں؟“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں آدمی ایک طویل زمانے تک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا تھا اور جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر کو دیکھتا تو اس کی عبادت شروع کر دیتا اور پہلے کو چھوڑ دیتا تھا۔[1] پھر فرمایا: ﴿ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ ...... ﴾ ”یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں......“ یعنی یہ تو چوپایوں سے بھی بدتر ہیں

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2699/8.

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ

کیا آپ نے اپنے رب (کی قدرت) کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کیسے پھیلایا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا دیتا، پھر ہم نے سورج کو اس

دَلِيْلًا ﴿45﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿46﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ

(سائے) پر رہنما بنایا﴿45﴾ پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا﴿46﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمھارے لیے رات کو لباس اور نیند کو (ذریعۂ)

سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿47﴾

آرام بنایا، اور اس نے دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا﴿47﴾

کیونکہ چوپائے تو وہ کام سرانجام دے رہے ہیں جس کے لیے انھیں پیدا کیا گیا ہے اور یہ لوگ اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ غیر اللہ کی عبادت کرتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، حالانکہ ان کی طرف رسولوں کو بھیج کر حجت کو تمام کر دیا گیا ہے۔

تفسیر آیات:45-47

باری تعالیٰ کے وجود اور قدرت کے دلائل: اب اللہ تعالیٰ نے ان دلائل کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے جو اس کے وجود پاک اور اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نے مختلف اور متضاد اشیاء کو پیدا فرمایا ہے۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ ﴾ ”بھلا آپ نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ اس نے سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا) دیا۔“ ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم، ابو العالیہ، ابو مالک، مسروق، مجاہد، سعید بن جبیر، نخعی، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس سے طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت مراد ہے۔[1]

﴿ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ﴾ ”اور اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن بنا دیتا۔“ کہ ہمیشہ ایک ہی جگہ رہتا اور کبھی زائل نہ ہوتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا ...... ﴾ (القصص 28:71-73) ”کہہ دیجیے! دیکھو تو! اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ رات (کی تاریکی) کر دے......“ ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿45﴾ ﴾ ”پھر ہم نے سورج کو اس کا رہنما بنا دیا“ کہ اگر سورج طلوع نہ ہوتا تو سایہ نہ پہچانا جاتا کیونکہ چیز اپنی ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ قتادہ اور سُدّی کہتے ہیں کہ دلیل کے معنی یہ ہیں کہ سورج اس کے پیچھے پیچھے آتا ہے حتی کہ مکمل طور پر اس پر آجاتا ہے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿46﴾ ﴾ ”پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا۔“ یعنی سائے کو آسانی کے ساتھ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ سُدّی کہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ اس کو سمیٹ لیتے ہیں حتی کہ زمین میں سایہ باقی نہیں رہتا اور وہ صرف چھت یا درخت کے نیچے ہوتا ہے، حالانکہ اوپر سورج موجود ہوتا ہے۔[3] ایوب بن موسیٰ کہتے ہیں: ﴿ قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿46﴾ ﴾ کے معنی ہیں آہستہ آہستہ سمیٹنا۔[4] اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا ﴾ ”اور وہی تو (اللہ) ہے جس نے رات کو

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2701/8 وتفسیر الطبری: 25,24/19. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2702/8. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2703/8. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 2703/8.

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿48﴾

اور وہی (اللہ) ہے جس نے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں چلائیں، اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا﴿48﴾ تاکہ ہم اس

لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿49﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ

سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور ہم اپنی مخلوق میں سے بہت سے مویشیوں اور انسانوں کو وہ (پانی) پلائیں﴿49﴾ اور بلاشبہ ہم نے اس کو ان کے سامنے بار بار

لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿50﴾

بیان کیا، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں، پھر بھی اکثر لوگ ناشکری کیے بغیر نہیں رہتے﴿50﴾

تمھارے لیے پردہ بنایا۔'' جو وجود کو ڈھانپ لیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴾ (الّیل 92:1)
''رات کی قسم! جب وہ چھا جائے۔''

﴿ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا ﴾ ''اور نیند کو آرام بنایا۔'' جو جسموں کی راحت کے لیے حرکت کو قطع کر دیتی ہے۔ اعضاء و جوارح دن کے وقت کثرت حرکت کی وجہ سے تھک جاتے ہیں جب رات آتی اور چھا جاتی ہے اور حرکات ساکن ہو جاتی ہیں تو اعضا و جوارح بھی راحت اور سکون حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ رات کو نیند آ جاتی ہے اور اس کے جسم اور روح دونوں کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ ﴿ وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿47﴾ ﴾ ''اور اس نے دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ٹھہرایا۔'' کہ اس میں لوگ اپنی روزی کمانے، کام کاج کرنے اور دیگر امور کے سرانجام دینے کے لیے پھیل جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ...... ﴾ الآیۃ (القصص 28:73) ''اور اس نے اپنی رحمت ہی سے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو......۔''

تفسیر آیات: 48-50

پانی نعمت رب جلیل ہے: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور عظیم سلطنت کا اظہار ہے کہ وہ ہواؤں کو خوش خبری سنانے والی بنا کر بھیجتا ہے کہ ان کے بعد بادل آنے والے ہیں۔ ہواؤں کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے کچھ وہ ہیں جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں، کچھ وہ ہیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں، کچھ وہ ہیں جو بادلوں کو چلاتی ہیں، کچھ وہ ہیں جو بادلوں کے آنے کی خوش خبری سناتی ہیں، کچھ وہ ہیں جو زمین میں جھاڑو دیتی ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں تاکہ بارش برس سکے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿48﴾ ﴾ ''اور ہم نے آسمان سے پاک (اور نتھرا ہوا) پانی اتارا۔'' طَهُوْرٌ کا لفظ سَحُوْرٌ (سحری کا کھانا پینا) اور وَقُوْد (ایندھن) جیسے الفاظ کی طرح ہے، یعنی یہ پاکیزگی حاصل کرنے کا آلہ ہے۔

ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم بُضاعہ کے کنویں سے وضو کر لیں اور یہ ایک ایسا کنواں تھا جس میں بدبودار چیزوں اور کتوں کے گوشت کو پھینکا جاتا تھا؟ آپ نے فرمایا: [اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَّا يُنَجِّسُهٗ

شَیْءٌ] ''یقیناً پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔''[1] اس حدیث کو امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام احمد رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[2] نیز اسے امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[3]

اور ارشاد فرمایا: ﴿ لِنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ﴾ ''تاکہ ہم اس سے شہر مردہ (زمین افتادہ) کو زندہ کر دیں۔'' یعنی ایسی زمین جو بارش کے طویل انتظار کی وجہ سے بنجر ہو چکی تھی اور اس میں کوئی نبات وغیرہ نہ تھی لیکن جب اس پر بارش برسی تو وہ زندہ ہو گئی اور انواع واقسام کے پھل پھول اس میں بہار دکھانے لگ گئے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ...... ﴾ الآیة (الحج 22:5) ''پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے......'' ﴿ وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا۝۴۹ ﴾ ''اور (تاکہ) ہم اپنی مخلوق میں سے بہت سے مویشیوں اور انسانوں کو وہ (پانی) پلائیں۔'' یعنی اس پانی کو حیوان بھی اور انسان بھی پیتے ہیں اور انسانوں کو اس پانی کی اپنے پینے کے لیے اور اپنی فصلوں اور پھلوں کے لیے شدید ضرورت ہوتی ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا...... ﴾ الآیة (الشوریٰ 42:28) ''اور وہی ہے جو ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے......'' اور جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَانْظُرْ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ...... ﴾ الآیة (الروم 30:50) ''پس آپ اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھیں کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے (بنجر ہونے) کے بعد زندہ کرتا ہے......''

اور فرمایا: ﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے اس (قرآن کی آیتوں) کو طرح طرح سے ان (لوگوں) کے درمیان بیان کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔'' یعنی زمین کے ایک حصے پر بارش برسا دی اور دوسرے حصے پر بارش نہ برسائی، ایک زمین کے اوپر سے بادل گزرتے ہیں اور دوسری زمین پر پہنچ جاتے ہیں، وہاں برستے ہیں اور جل تھل ایک ہو جاتے ہیں اور دوسری زمین پر بارش کے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرتا، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ اور حکمت قاطعہ کارفرما ہے۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ٘ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۝۵۰ ﴾ ''اور ہم نے اس (قرآن کی آیتوں) کو طرح طرح سے لوگوں میں بیان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں مگر بہت سے لوگوں نے انکار کے سوا کچھ قبول نہ کیا۔''[4] تاکہ وہ یہ نصیحت حاصل کریں کہ جس اللہ نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو اور ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کر دے یا وہ نصیحت پکڑے

---

① سنن أبي داود، الطهارة، باب ماجاء في بئر بضاعة، حديث: 67,66 . ② الأم للشافعي، الطهارة باب الماء الذي ينجس......: 15/1 ومسند أحمد: 16,15/3و31. ③ سنن أبي داود، الطهارة، باب ماجاء في بئر بضاعة، حديث: 66 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء أن الماء لا ينجسه شيء، حديث : 66 وسنن النسائي، المياه، باب ذكر بئر بضاعة، حديث: 328,327 . ④ تفسير الطبري: 29/19 وتفسير ابن أبي حاتم: 2706/8 .

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿51﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیجتے ﴿51﴾ چنانچہ آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان سے بذریعہ قرآن بڑے زور کا جہاد

كَبِيْرًا ﴿52﴾ وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ

کریں ﴿52﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے دو سمندر ملائے، یہ بہت لذیذ و شیریں ہے (پیاس بجھانے والا)، اور یہ بہت کڑوا کھاری ہے، اور اس نے ان

بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿53﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا

دونوں کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط آڑ رکھی ﴿53﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے پانی (منی) سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے نسبی اور سسرالی رشتے

وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿54﴾

ٹھہرائے۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے ﴿54﴾

جو بارش سے محروم کر دیا گیا ہے کہ اس کی محرومی کا سبب اس کا کوئی گناہ ہے اور وہ اس سے باز آجائے۔

اور فرمایا: ﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿50﴾﴾ ’’مگر بہت سے لوگوں نے انکار کے سوا کچھ قبول نہ کیا۔‘‘ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کے طلوع ہونے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی ہے۔[1] عکرمہ کی یہ بات صحیح مسلم کی اس حدیث کی طرح ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا جبکہ رات کو بارش ہوئی تھی: [(أَ) تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ] ’’تم جانتے ہو کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے صبح کی کہ کچھ مجھ پر ایمان لانے والے اور کچھ میرا انکار کرنے والے، جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش نازل ہوئی ہے تو یہ میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں اور ستاروں کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور جنھوں نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارے کے طلوع ہونے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرے ساتھ کفر کرنے والے اور ستارے پر ایمان لانے والے ہیں۔‘‘[2]

تفسیر آیات: 51-54

رسول اللہ ﷺ کی رسالت عالمگیر ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿51﴾﴾ ’’اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔‘‘ جو انھیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیتا لیکن اے محمد (ﷺ!) یہ

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2707/8. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية......، حديث: 4147 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، حديث: 71 واللفظ له عن زيد بن خالد الجهني رضی اللہ عنہ، البتہ قوسین والا حرف بخاری کے مذکورہ حوالے میں ہے۔

خصوصیت ہم نے صرف آپ کو بخشی ہے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی طرف ہم نے آپ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور آپ کو حکم دیا ہے کہ ان لوگوں تک قرآن پہنچا دیں۔ ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ (الأنعام 19:6) ''تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے سب کو ڈراؤں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (هود 17:11) ''اور جو کوئی ان گروہوں میں سے اس کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ (الأنعام 92:6) ''تاکہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الأعراف 158:7) ''(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (اس کا رسول) ہوں۔''

صحیحین میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) [بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ''مجھے سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[1] اور انھی دونوں کتابوں میں ہے: [وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ''ہر نبی کو بطور خاص انھی کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔''[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ ﴾ ''چنانچہ آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان سے بذریعہ قرآن جہاد کریں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، یعنی قرآن مجید کے حکم کے مطابق[3] ﴿ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴾ ''بڑے زور کا جہاد۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ (التوبة 73:9) ''اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے آپ لڑیں......۔''

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ﴾ ''اور وہی (اللہ) ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا، یہ (پانی) شیریں ہے پیاس بجھانے والا، اور یہ کھارا ہے بہت کڑوا۔'' یعنی اس نے میٹھے اور نمکین دونوں قسم کے پانی کو پیدا فرمایا ہے۔ نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے تو یہ گویا بحر شیریں، عذب فرات اور آب زُلال ہے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔[4] اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[5] اور اس معنی میں کوئی شک بھی نہیں ہے کیونکہ وجود میں کوئی ایسا بحر ساکن نہیں جو عذب فرات ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے امر واقع کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ اپنی نعمتوں کی طرف اپنے بندوں کی توجہ مبذول کرا سکے اور وہ اس کا شکر ادا کریں تو میٹھے دریا سے مراد یہی دریا ہے جو لوگوں کے ہاں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر علاقے میں نہروں اور چشموں کی صورت میں لوگوں کی اپنی اور ان کی زمینوں کی ضرورت و حاجت کے مطابق جاری کر رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ﴾ ''اور یہ کھارا ہے بہت کڑوا۔'' یعنی نمکین، کڑوا اور کھاری ہے جسے حلق سے

---

[1] صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث :521 و مسند أحمد :304/3 و اللفظ له عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جبکہ صحیح بخاری میں بیان کردہ الفاظ آگے آ رہے ہیں اور صحیح مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں: [وَبُعِثْتُ إِلٰى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ]. [2] صحيح البخاري، التيمم، باب:1، حديث :335 و صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث:521. [3] تفسير الطبري:30/19. [4] تفسير ابن أبي حاتم:2709/8. [5] تفسير الطبري:33/19.

نہیں گزارا جا سکتا جیسا کہ مشرق و مغرب کے مشہور سمندروں کا پانی ہے، مثلاً: بحر مُحیط (بحرِ اوقیانوس)، بحیرۂ قُلزُم، بحر یمن (بحیرۂ عرب)، بحر بصرہ (خلیج فارس)، بحر فارس (بحیرۂ عمان)، بحیرۂ چین، بحر ہند، بحیرۂ روم، بحیرۂ خزر (قزوین یا کیسپین) اور اس طرح کے دیگر (بند) سمندر جو ساکن ہیں رواں دواں نہیں، البتہ موسم گرما اور تیز ہواؤں کے چلنے کے وقت ان میں موجیں تلاطم خیز ہو جاتی ہیں اور ان میں سے بعض میں مد و جزر بھی ہوتا ہے، ہر مہینے کے شروع میں مد ہوتا ہے اور سمندر میں خوب طغیانی ہوتی ہے جب مہینہ کم ہونا شروع ہوتا ہے تو جزر شروع ہو جاتا ہے حتی کہ سمندر اپنی پہلی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ جب اگلے مہینے کا چاند طلوع ہوتا ہے تو چودھویں رات تک مد رہتا ہے، پھر جزر شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے، جو قدرت کاملہ کا مالک ہے، سمندر کے مد و جزر کی یہ عادت بنا دی ہے، ان تمام ساکن سمندروں کو اللہ تعالیٰ نے نمکین پیدا فرمایا ہے تاکہ ان کی وجہ سے ہوا میں تعفن پیدا ہو کر وجود کائنات خراب نہ ہو جائے اور ان میں مرنے والے جانوروں کی وجہ سے زمین کی فضا خراب نہ ہو، ان کا پانی نمکین ہے، لہٰذا ان کی ہوا صحیح اور ان میں مرنے والے جانور پاک ہیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا: کیا ہم سمندر کے پانی کے ساتھ وضو کر لیں۔ تو آپ نے فرمایا: [هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ، اَلْحِلُّ مَيْتَتُهُ] "اس کا پانی پاک ہے اور اس میں مرا ہوا جانور حلال ہے۔" اس حدیث کو امام مالک، شافعی، احمد اور اہل سنن نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا ﴾ "اور اس نے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور (مضبوط) اوٹ بنا دی۔" یعنی میٹھے اور نمکین پانی کے درمیان۔ ﴿ بَرْزَخًا ﴾ کے معنی آڑ کے ہیں اور اس سے مراد خشک زمین ہے۔ ﴿ وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ سے مراد مضبوط اوٹ ہے تاکہ ایک پانی دوسرے میں مل نہ سکے جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:19-21) "اس نے دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں میں ایک آڑ ہے وہ دونوں (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے، پھر تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" اور فرمایا: ﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (النمل 27:61) "(کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے بیچ میں نہریں بنائیں اور اس کے لیے اس نے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے بیچ میں اوٹ بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں اکثر دانش نہیں رکھتے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا ﴾ "اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا۔" یعنی اس

[1] الموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الطهور للوضوء :6/1، حديث: 45 و الأم للشافعي، الطهارة:7/1 و مسند أحمد:361/2 و جامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في ماء البحر أنه طهور، حديث :69 و سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث :83 و سنن النسائي، الطهارة، باب: في ماء البحر، حديث: 59 و سنن ابن ماجه، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث:386 عن أبي هريرة‌رضی اللہ عنہ .

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿55﴾

اور وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور کافر تو اپنے رب کے مقابل (شیطان کا) مددگار

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿56﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ

ہے﴿55﴾اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿56﴾ کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا مگر جو یہ

يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿57﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى

چاہے کہ اپنے رب کی طرف راہ پکڑے (وہ اسے مان لے)﴿57﴾اور آپ اس زندہ (اللہ) پر توکل کیجیے جو مرے گا نہیں، اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔

بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿58﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ

اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کو کافی ہے﴿58﴾وہ ذات جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿59﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا

دنوں میں، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، (وہی) رحمٰن ہے، لہٰذا کسی باخبر سے اس کی شان پوچھ لیں﴿59﴾اور جب ان سے کہا جائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے

5 ع 16 3 السجدة 7 لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿60﴾ ۩

ہیں: کیا ہے رحمٰن؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ اور اس (تبلیغ) نے ان کو نفرت میں زیادہ کر دیا﴿60﴾

نے انسان کو کمزور نطفے سے پیدا کیا، اس کے اعضاء کو ٹھیک کیا اور اس کی قامت کو معتدل بنایا اور پھر اسے مرد اور عورت کی صورت میں جس طرح چاہا کامل خلقت کے ساتھ پیدا فرما دیا۔ ﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ﴾ ''پھر اس کے نسبی اور سسرالی رشتے ٹھہرائے۔'' یعنی ابتدا میں تو وہ صاحب نسب پیدا ہوتا ہے اور جب شادی کرتا ہے تو داماد بن جاتا ہے، پھر اس کے داماد اور سسرالی رشتے دار بن جاتے ہیں اور یہ سب رشتے دار اسی حقیر پانی سے پیدا ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿54﴾﴾ ''اور آپ کا پروردگار بڑی قدرت رکھتا ہے۔''

تفسیر آیات: 55-60

مشرکین کی جہالت: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے سوا ایسے بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو نفع ونقصان کے قطعاً مالک نہیں ہیں، ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی دلیل و حجت بھی نہیں ہے بلکہ محض اپنی آراء اور خواہشات سے انھوں نے ان بتوں کی پوجا شروع کر دی ہے، وہ بتوں سے دوستی کرتے اور ان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں سے دشمنی رکھتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿55﴾﴾ ''اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (شیطان کا) مددگار ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی جماعت کے مقابلے میں شیطان کے رستے میں معاون و مددگار ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ 36:74,75) ''اور انھوں نے اللہ کے سوا کوئی معبود بنا لیے ہیں تاکہ ان کی مدد کی جائے، وہ (معبود) ان کی مدد کی (ہرگز) طاقت نہیں رکھتے اور وہ (مشرکین) تو

خود ان کے حاضر کیے گئے لشکر (حمایتی) ہیں۔‘‘ یعنی ان کے یہ معبودانِ باطلہ جنھیں انھوں نے اللہ کے سوا اختیار کر رکھا ہے ان کے لیے کسی بھی قسم کی نصرت کے مالک نہیں ہیں اور یہ جاہل لوگ ان بتوں کے لشکر ہیں جو حاضر ہو کر ان کی طرف سے جنگ کرتے ہیں، ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں لیکن دنیا و آخرت میں اچھا انجام اور فتح و نصرت اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں ہی کے لیے ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا﴾ ’’اور کافر تو اپنے رب کے مقابل (شیطان کا) مددگار رہے۔‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے شیطان اس سے بہت زور مرواتا اور اس کی مدد کرتا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ بشیر و نذیر ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ سے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ’’اور ہم نے (اے محمد!) آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘ مومنوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور کافروں کے لیے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے کو آپ جنت کی بشارت سنانے والے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ ﴿ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ ’’کہہ دیجیے! میں تم سے اس (کام) کی اجرت نہیں مانگتا۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے پہنچانے، جنت کی بشارت سنانے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرانے کی میں تم سے کوئی مالی اجرت نہیں مانگتا بلکہ میں یہ کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے سرانجام دیتا ہوں۔ ﴿ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴾ (التکویر 28:81) ’’اس شخص کے لیے جو تم میں سے چاہے کہ سیدھا رہے۔‘‘ ﴿ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ ’’ہاں، جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف (جانے کا) رستہ اختیار کر لے۔‘‘ یعنی اس طریقے، رستے اور منہج کو اختیار کر لے جو میں لے کر آیا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ پر توکل کا حکم: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ ’’اور آپ اس (اللہ) زندہ پر بھروسا کریں جو (کبھی) نہیں مرے گا۔‘‘ یعنی اپنے تمام امور و معاملات میں اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل اور بھروسا کریں جو زندہ ہے اور کبھی بھی فوت نہیں ہوگا اور جس کی شان یہ ہے: ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (الحدید 3:57) ’’وہی (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہی تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے۔‘‘

وہ دائم، باقی، سرمدی اور ابدی ہے، وہ حی قیوم ہے، وہ ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے، اسی ذات پاک کو اپنا ملجا و ماویٰ بنالیں کیونکہ اسی ذات گرامی پر توکل کیا جا سکتا ہے، اسی کی طرف پریشانیوں میں رجوع کیا جا سکتا ہے، وہ کفایت کرنے والا، تائید و حمایت اور فتح و نصرت سے سرفراز فرمانے والا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ﴾ (المآئدۃ 67:5) ’’اے پیغمبر! جو (ارشادات) اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ اللہ کے پیغام پہنچانے میں

[1] تفسیر الطبری: 34/19.

قاصر رہے (پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا......۔''

اور فرمایا: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ﴾ ''اور آپ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔'' یعنی اس کی حمد کو تسبیح کے ساتھ ملا کر بیان کریں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ تسبیح کے لیے یہ کلمات ادا فرمایا کرتے تھے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ] ''اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم تیری تسبیح تیری حمد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔''[1] یعنی عبادت اور توکل کو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص کر دو جیسا کہ فرمایا: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ ﴾ (المزمّل 73:9) ''(وہی) مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنا لیجیے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ (ھود 11:123) ''پس آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسا کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ (الملك 67:29) ''کہہ دیجیے: وہ (اللہ) رحمان ہے ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿58﴾ ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبر رکھنے کو کافی ہے۔'' اپنے مکمل علم کی وجہ سے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اور نہ کوئی ذرہ بھر چیز اس سے مخفی رہ سکتی ہے۔ ﴿ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ...... ﴾ الآیۃ ''جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا......۔'' یعنی وہ زندہ ہے کبھی فوت نہیں ہوگا، وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور پروردگار ہے، اسی نے اپنی قدرت وقوت کے ساتھ بلند و بالا اور وسیع وعریض سات آسمانوں کو اور زیریں و گنجان سات زمینوں کو پیدا فرمایا۔ ﴿ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''چھ دنوں میں پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔'' یعنی وہی معاملے کی تدبیر کرتا اور حق کا فیصلہ کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿59﴾ ﴾ ''پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہی رحمان ہے، لہٰذا اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کر لیں۔'' یعنی اس کا حال کسی ایسے شخص سے پوچھیں جو اس کے بارے میں باخبر ہو اور جانتا ہو۔ پس اس کی اتباع اور اقتدا کرو اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے عبد و رسول محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی زیادہ علم رکھنے والا اور زیادہ باخبر نہیں ہے۔ آپ دنیا و آخرت میں علی الاطلاق تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں، آپ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے، لہٰذا آپ نے جو بھی فرمایا وہ حق ہے جو بھی حکم دیا وہ سچ ہے، آپ ہی وہ امام محکم ہیں کہ اپنے تنازعات کے فیصلے کے لیے لوگوں کا آپ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جو بات آپ کے اقوال و افعال کے مطابق ہو وہی حق ہے اور جو بات آپ کے اقوال و افعال کے خلاف ہو وہ مردود ہے، خواہ اس کا کہنے والا اور کرنے والا کوئی بھی ہو جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ ...... ﴾ (النسآء 4:59) ''پھر اگر کسی بات میں تم باہم اختلاف کرو......۔''

---

[1] صحیح البخاری، الأذان، باب الدعاء فی الرکوع، حدیث: 794 وصحیح مسلم، الصلاة، باب ما یقال فی الرکوع والسجود؟ حدیث: 484 عن عائشة ﷺ.

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿61﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے آسمان میں ستارے بنائے اور اس میں چراغ (سورج) اور روشن چاند بنایا﴿61﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے ایک

جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿62﴾

دوسرے کے پیچھے آنے والے رات اور دن بنائے، اس شخص (کی نصیحت) کے لیے جو نصیحت پکڑنا چاہے یا شکر کرنا چاہے﴿62﴾

اور فرمایا: ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (الشوریٰ 10:42) ”اور (دین کی) جس بات میں بھی تم نے اختلاف کیا تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ﴾ (الأنعام 115:6) ”اور آپ کے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے۔“ یعنی خبر کے اعتبار سے اس کی باتیں سچی ہیں اور اوامر ونواہی کے اعتبار سے مبنی بر انصاف ہیں، اسی لیے تو فرمایا: ﴿ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿59﴾﴾ ”تو اس کا حال آپ کسی باخبر سے دریافت کرلیں۔“

مشرکین کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کو سجدہ کرتے ہیں: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ﴾ ”اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہے؟“ یعنی ہم رحمان کو نہیں جانتے۔ کفار اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو رحمان کے نام سے موسوم کیا جائے جیسا کہ انھوں نے حدیبیہ کے دن بھی اس بات کا انکار کردیا تھا جب نبی ﷺ نے کاتب سے یہ فرمایا تھا: [اُكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ] ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔“ تو کفار نے کہا کہ ہم رحمان اور رحیم کو نہیں جانتے، اس لیے اسی طرح لکھو جس طرح پہلے یہ لکھا کرتے تھے کہ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ۔[1]

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 110:17) ”کہہ دیجیے: تم (اللہ کو) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اسی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں۔“ یعنی وہ اللہ بھی ہے اور رحمان بھی اور اس آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ﴾ ”اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہے۔“ یعنی ہم رحمان کو نہیں جانتے، نہیں مانتے۔ ﴿ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا ﴾ ”کیا جس کے لیے آپ ہمیں کہتے ہیں ہم اس کو سجدہ کریں؟“ محض آپ کے کہہ دینے کی وجہ سے۔ ﴿ وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿60﴾﴾ ”اور اس نے انھیں نفرت میں زیادہ کردیا۔“ جبکہ مومن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جو رحمان ورحیم ہے، اسی کی الوہیت کے قائل ہیں، اسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ علمائے کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ سورۂ فرقان کا یہ سجدہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنے والے اور سننے والے کو ضرور کرنا چاہیے جیسا کہ اپنی جگہ پر اس مسئلے کی تفصیل موجود ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 62,61

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث: 1784 ومسند أحمد: 268/3 عن أنس رضي الله عنه.

اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی تمجید وتعظیم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں میں خوب صورت برج بنائے۔ مجاہد، سعید بن جبیر، ابوصالح، حسن اور قتادہ کے اقوال کے مطابق برجوں سے مراد بڑے بڑے کواکب ہیں۔[1]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ......﴾ الآیة (الملک 67:5) ''اور البتہ تحقیق ہم نے قریب کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی......۔'' اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا﴾ ''(اور اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ بنایا۔'' اس سے مراد چمکتا دمکتا ہوا سورج ہے جو وجود کائنات میں چراغ کے مانند ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾ (النبا 78:13) ''اور ہم نے (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا۔'' ﴿وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا﴾ ''اور چمکتا ہوا چاند (بھی بنایا۔)'' جس کی روشنی سورج کی روشنی کی طرح نہیں ہے بلکہ اور ہی طرح کی روشنی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ (یونس 10:5) ''وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝﴾ (نوح 71:15،16) ''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے سات آسمان تہ بہ تہ کیسے بنائے ہیں اور اس نے چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے (جانے) والا بنایا۔'' ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے آتا جاتا ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں اور ان کا تعاقب جاری وساری رہتا ہے کبھی بھی نہیں رکتا، جب دن ختم ہو جاتا ہے تو رات چھا جاتی ہے اور جب رات ختم ہو جاتی ہے تو دن کی جلوہ فرمائیاں شروع ہو جاتی ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ......﴾ الآیة (إبراهيم 14:33) ''اور سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر کر دیا جو مسلسل چل رہے ہیں......۔'' اور فرمایا: ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ......﴾ الآیة (الأعراف 7:54) ''وہی رات کو دن سے ڈھانپتا ہے طلب کرتی ہے رات اس کو جلدی جلدی......۔'' اور فرمایا: ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ ......﴾ (یٰسٓ 36: 40) ''نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے......۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ ''(یہ باتیں) اس شخص کے لیے جو غور کرنا چاہے یا شکرگزاری کا ارادہ کرے (سوچنے اور سمجھنے کے لیے ہیں۔)'' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس طرح بنایا ہے کہ یہ وقت مقررہ پر ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں تاکہ بندے اوقات مقررہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور جو رات کے وقت کام نہ کر سکے وہ دن میں اسے مکمل کر لے اور جو دن کے وقت کام نہ کر سکے، وہ رات کے وقت اسے سرانجام دے لے۔

---

[1] تفسير الطبرى: 39/19 وتفسير البغوى: 454/3.

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿63﴾

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (وقار اور عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کریں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے ﴿63﴾ اور وہ

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿64﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ

جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں ﴿64﴾ اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے، بلاشبہ اس کا

جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿65﴾ ۖ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿66﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا

عذاب دائمی چمٹنے والا ہے ﴿65﴾ بے شک وہ (جہنم) ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بری جگہ ہے ﴿66﴾ اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے

لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿67﴾

ہیں اور نہ تنگی (بخیلی) ہی، اور ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے ﴿67﴾

صحیح حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ] ''بے شک اللہ عزوجل رات کے وقت اپنے ہاتھ کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کو گناہ کرنے والا توبہ کرے اور وہ دن کے وقت اپنے ہاتھ کو پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔''[1] مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ ﴿خِلْفَةً﴾ ''ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے'' کے معنی ہیں کہ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، رات اپنی سیاہی کے ساتھ اور دن اپنی روشنی کے ساتھ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔[2]

تفسیر آیات:63-67

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صفات: اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کی یہ صفات ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ ''وہ جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔'' یعنی سکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں، غرور اور تکبر کے ساتھ نہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ......﴾ الآية (لقمٰن 31:18) ''اور تو زمین میں اکڑ کر نہ چلنا......'' اللہ تعالیٰ کے بندے زمین میں تکبر کے ساتھ اور اکڑ کر نہیں چلتے اور نہ وہ غرور کے ساتھ اتراتے ہوئے چلتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مریضوں کی طرح تصنع اور ریا کاری کے ساتھ چلتے ہیں۔ سید ولد آدم ﷺ جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا گویا اونچی جگہ سے نیچے آ رہے ہوں اور زمین گویا آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہو، اس لیے ھون سے یہاں سکینت اور وقار مراد ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا(أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ)فَلَاتَأْتُوهَاوَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا] ''جب تم نماز کے لیے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ اس طرح آؤ کہ تم نے سکینت کو اختیار کر رکھا ہو، پس نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو تم سے رہ جائے اسے مکمل کر لو۔''[3]

[1] صحيح مسلم، التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب......، حديث :2759 عن أبي موسٰى ﷺ. [2] تفسير ابن أبي حاتم:2718/8 وتفسير الطبري :40/19. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب قول الرجل: فاتتنا الصلاة ، حديث:635 وصحيح مسلم، المساجد......، باب استحباب إتيان الصلاة......، حديث:(152)-602 واللفظ له عن أبي هريرة ﷺ و603 عن أبي قتادة الأنصاري ﷺ جبکہ قوسین والے الفاظ بھی مذکورہ حوالوں میں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ ''اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کریں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے۔'' یعنی جب جاہل لوگ جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے ان سے بری بات کرتے ہیں تو وہ جواب میں اسی طرح کی بری باتیں نہیں کرتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور اچھی بات ہی کہتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جیسے کوئی جاہل شدید جہالت کا ثبوت دیتا تو آپ اسی قدر زیادہ حلم کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ...... ﴾ الآية(القصص : 55:28) ''اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں......۔''

امام احمد نے نعمان بن مُقرِّن مُزَنی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی دوسرے شخص کو گالی دی تو جس کو گالی دی گئی تھی اس نے جواب میں یہ کہنا شروع کر دیا تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: [أَمَا! إِنَّ مَلَكًا بَيْنَكُمَا يَذُبُّ عَنْكَ كُلَّمَا يَشْتُمُكَ هٰذَا، قَالَ لَهٗ: بَلْ أَنْتَ وَأَنْتَ أَحَقُّ بِهِ، وَإِذَا قَالَ لَهٗ: عَلَيْكَ السَّلَامُ، قَالَ: لَا، بَلْ لَّكَ أَنْتَ، أَنْتَ أَحَقُّ بِهِ] ''سنو! یقیناً تمھاری طرف سے ایک فرشتہ دفاع کر رہا ہے، جب بھی وہ تمھیں گالی دیتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تم ہی اس گالی کے مصداق ہو بلکہ تم اس کے زیادہ حق دار ہو اور جب تم یہ کہتے ہو کہ تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو تو فرشتہ کہتا ہے کہ اس پر نہیں بلکہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ کی سلامتی کے اس کی نسبت تم زیادہ حق دار ہو۔''[1] اس حدیث کی سند حسن ہے مگر ائمۂ محدثین نے اسے بیان نہیں کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کی رات بہترین رات ہوتی ہے، فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴾ ''اور وہ جو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کر کے اور (عجز و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنی رات رب تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں بسر کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ ﴾ (الذّٰریٰت 18,17:51) ''وہ رات کے تھوڑے حصے میں سوتے ہیں اور اوقاتِ سحر میں بخشش مانگا کرتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ...... ﴾ (السجدة 16:32) ''ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں......۔''
اور فرمایا: ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ط...... ﴾ الآية(الزمر 9:39) ''(بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہو کر عبادت کرنے والا ہو اور آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہو......؟'' اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴾ ''اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! دوزخ کے عذاب کو ہم سے پھیر دے، بلاشبہ اس کا عذاب ہمیشہ چمٹنے والا ہے۔'' اور وہ ہمیشہ چمٹا رہنے والا ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴾ سے

[1] مسند أحمد: 445/5.

وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ

اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور وہ کسی نفس کو بھی جسے (مارنا) اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، ناحق قتل نہیں کرتے اور

وَلَا یَزۡنُوۡنَ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿68﴾ یُّضٰعَفۡ لَہُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَیَخۡلُدۡ فِیۡہٖ

وہ زنا نہیں کرتے، اور جو کوئی یہ کام کرے گا، وہ گناہ کی سزا پائے گا ﴿68﴾ یوم قیامت اس کا عذاب دگنا کردیا جائے گا، اور وہ اس میں

مُہَانًا ﴿69﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ

ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گا ﴿69﴾ مگر جس نے توبہ کی اور وہ ایمان لایا اور نیک عمل کیے، تو انھی لوگوں کی برائیوں کو اللہ اچھائیوں سے بدل

وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿70﴾ وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ﴿71﴾ ع 17 رکوع 4

دے گا، اور اللہ غفور (اور) رحیم ہے ﴿70﴾ اور جو توبہ کرے، اور نیک کام کرے، تو بلاشبہ وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے جیسے توبہ کرنے کا حق ہے ﴿71﴾

مراد ہر وہ چیز ہے جو ابن آدم کو لاحق ہو، پھر وہ زائل ہو جائے تو وہ غرام نہیں ہے بلکہ غرام وہ ہے جو اس وقت تک باقی رہے جب تک آسمان اور زمین باقی رہے گا۔[1] سلیمان تیمی کا بھی یہی قول ہے۔[2]

﴿اِنَّہَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿66﴾﴾ ”بے شک وہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔“ یعنی دیکھنے کے اعتبار سے بھی وہ بہت بری جگہ ہے اور رہنے کے اعتبار سے بھی وہ بہت بری جگہ ہے۔ اور فرمایا: ﴿وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا...... ﴾ الآیۃ ”اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ وہ تنگی کرتے ہیں......“ یعنی خرچ کرنے میں وہ اسراف سے کام نہیں لیتے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کریں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں کہ اہل وعیال پر خرچ کرنے میں کوتاہی کریں اور ان کی ضرورت کے مطابق ان پر خرچ نہ کریں بلکہ وہ اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتے ہیں اور سب سے بہتر کام وہی ہوتا ہے جس میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیا جائے، نہ اسراف کا مظاہرہ کیا جائے اور نہ بخل سے کام لیا جائے۔ ﴿وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴿67﴾﴾ ”اور (ان کا خرچ) اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔“ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ......﴾ الآیۃ (بنیٓ إسرآء یل 29:17) ”اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (بہت تنگ) رکھو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہ) اور نہ بالکل کھول ہی دو......“

تفسیر آیات:68-71

شرک، قتل اور زنا سے اجتناب: امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَكَ، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ (خَشْیَةَ) أَنْ یَّطْعَمَ مَعَكَ، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِیلَةِ جَارِكَ] ”یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے، عرض کی: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کرو کہ وہ بھی تمھارے ساتھ کھائے گا، عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرو۔“ عبداللہ بیان کرتے ہیں

[1] تفسیر ابن أبي حاتم :2724/8. [2] تفسیر ابن أبي حاتم :2724/8.

کہ اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے: ﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ...... ﴾ الآیة ''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ......''[1] امام نسائی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] نیز اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ کچھ مشرکوں نے قتل بھی بہت کیے اور بدکاری بھی بہت کی، پھر انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ جو فرماتے ہیں اور جس کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت خوب ہے، لہٰذا آپ یہ فرمائیں کہ ہم نے جو برے کام کیے ہیں ان کا کفارہ کیا ہے۔ تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ...... ﴾ ''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہیں پکارتے ......'' نیز یہ آیت کریمہ بھی نازل ہوئی: ﴿ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ...... ﴾ (الزمر 53:39) ''(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) آپ کہہ دیجیے: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے......''[4]

﴿ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴾ ''اور جو بھی یہ کام کرے گا وہ سخت گناہ (کی سزا) سے ملے گا۔'' عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ أثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔[5] عکرمہ کا بھی یہی قول ہے کہ ﴿ یَلْقَ اَثَامًا ﴾ میں أثام جہنم کی وہ وادیاں ہیں جن میں زانیوں کو عذاب دیا جائے گا۔[6] سعید بن جبیر اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[7] سدی کہتے ہیں کہ ﴿ یَلْقَ اَثَامًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اسے سزا ملے گی۔[8]

یہ معنی آیت کے ظاہری الفاظ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں، اسی لیے بعد کے الفاظ میں اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ﴿ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ ''قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔'' یعنی اسے بار بار اور بہت سخت عذاب دیا جائے گا۔ ﴿ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴾ ''اور وہ ہمیشہ اس میں ذلت و خواری سے رہے گا۔'' اس میں حقیر و ذلیل ہو کر رہے گا۔ ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ﴾ ''مگر جس نے توبہ کی اور وہ ایمان لایا اور اس نے اچھے کام کیے۔'' یعنی ان برے اعمال کی سزا وہ ہے جو بیان کی گئی ہے (اسے ملے گی) ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ ''مگر جس نے توبہ کی۔'' یعنی دنیا میں ان تمام گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے گا (اسے سزا نہیں ملے گی۔) یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ بھی صحیح ہے اور اس آیت میں اور سورۂ نساء کی حسبِ ذیل آیت میں کوئی تعارض

---

[1] مسند أحمد:431/1 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ...... ﴾ (الفرقان 68:25)......، حدیث:4761 میں ہے۔ [2] السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ ...... ﴾ (الفرقان 62:25):421,420/6، حدیث:11368. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ...... ﴾ (الفرقان 68:25)......، حدیث:4761 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الشرك......، حدیث:(142)-86. [4] تفسیر الطبری:53,52/19. [5] تفسیر الطبری:57/19. [6] تفسیر الطبری:57/19. [7] تفسیر ابن أبی حاتم:2730/8 و تفسیر الطبری:57/19. [8] تفسیر ابن أبی حاتم:2730/8.

نہیں ہے۔﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا...... ﴾(النسآء 4:93) ”اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے......۔“
یہ آیت کریمہ اگرچہ مدنی ہے مگر یہ مطلق ہے اور اسے اسی شخص پر محمول کیا جائے گا جو توبہ نہ کرے کیونکہ یہ توبہ کے ساتھ مقید ہے، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ...... ﴾ الآية (النسآء 4:48) ”یقیناً اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا دوسرے گناہوں میں جسے چاہے معاف کردے......۔“

رسول اللہ ﷺ کی سنتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے جیسا کہ وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے جب سو قتل کرنے کے بعد توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو بھی قبول فرما لیا تھا[1]، اسی طرح اور بھی بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔﴿ فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿70﴾ ﴾ ”تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: [إِنِّي لَأَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِّنَ النَّارِ، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، يُؤْتٰى بِرَجُلٍ فَيَقُولُ: نَحُّوا كِبَارَ ذُنُوبِهٖ، وَسَلُوهُ عَنْ صِغَارِهَا، قَالَ: فَيُقَالُ لَهٗ: عَمِلْتَ كَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، وَعَمِلْتَ كَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا (فَيَقُولُ: نَعَمْ، لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُّنْكِرَ......فَيُقَالُ لَهٗ: فَإِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً، فَيَقُولُ: يَارَبِّ! قَدْ عَمِلْتُ أَشْيَاءَ لَا أَرَاهَا هٰهُنَا)] ”میں اس شخص کو جانتا ہوں جو دوزخ سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا، ایک شخص کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے بڑے گناہوں سے چشم پوشی کرو اور چھوٹے گناہوں کے بارے میں اس سے پوچھو۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے تھے اور فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے تھے، وہ کہے گا: ہاں، اور وہ اپنے کسی گناہ کا انکار نہ کر سکے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تجھے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی دی جا رہی ہے تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو ایسے بھی بہت سے گناہ کیے تھے جنھیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۔“ راوی کا بیان ہے کہ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس قدر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نمایاں ہوگئیں۔[2] اس روایت کو امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے،[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان نہیں کیا۔

امام ابن ابوحاتم نے ابوجابر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے مکحول کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک بہت ہی بوڑھے شخص

---

① اس واقعے کی تفصیل تفسیر ابن کثیر میں النساء، آیت:100 اور الزمر، آیت: 53 کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔ اور دیکھیے صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 54 ، حديث:3470 و صحيح مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل وإن كثر قتله، حديث:2766 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ۔ ② مسند أحمد :170/5، البتہ قوسین والا حصہ صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث: 190 کے مطابق ہے۔ ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة......، حديث :190.

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿72﴾ وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ

اور وہ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے، اور جب کسی بیہودہ کام سے ان کا گزر ہو تو وہ عزت ووقار سے گزر جاتے ہیں﴿72﴾ اور وہ کہ جب انھیں ان کے رب کی

رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿73﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے﴿73﴾ اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿74﴾

بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا﴿74﴾

جن کے ابرو آنکھوں پر گر چکے تھے آئے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے بہت غلطیاں اور بہت گناہ کیے ہیں، کوئی چھوٹی بڑی ظلم وزیادتی ایسی نہیں جس کا میں نے ارتکاب نہ کیا ہو بلکہ میں نے تو اس قدر کثرت کے ساتھ گناہ کیے ہیں کہ اگر انھیں تمام اہل زمین پر تقسیم کر دیا جائے تو وہ انھیں تباہ و برباد کر دیں تو کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: [أَسْلَمْتَ] ''تم مسلمان ہو؟'' اس نے عرض کی: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: [فَإِنَّ اللّٰهَ غَافِرٌ لَّكَ مَا كُنْتَ كَذٰلِكَ، وَمُبَدِّلٌ سَيِّئَاتِكَ حَسَنَاتٍ] ''یقیناً اللہ تمھیں جیسے تم تھے، بخش دے گا اور تمھارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری غداریاں اور بدکاریاں؟ آپ نے فرمایا: [وَغَدَرَاتُكَ وَفَجَرَاتُكَ] ''تمھاری غداریوں اور بدکاریوں کو بھی۔'' آدمی یہ سن کر جب واپس جانے لگا تو وہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتا جا رہا تھا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت عام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص کسی بھی جلیل یا حقیر، چھوٹے یا بڑے گناہ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو ضرور قبول فرمالے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿71﴾ ﴾ ''اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو بے شک وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے توبہ کرنا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ...... ﴾ الآية (النسآء 4:110) ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرلے......'' اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ...... ﴾ الآية (التوبة 9:104) ''کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے......'' اور یہ بھی فرمایا: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ...... ﴾ الآية (الزمر 39:53) '' (اے پیغمبر! آپ) کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں......'' یعنی اس کے لیے جو اس کے حضور توبہ کرے۔

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2736,2735/8 اور شواہد کے لیے دیکھیے مسند أحمد: 385/4 عن عمرو بن عبسة ؓ والمعجم الكبير للطبراني: 54,53/7، حديث: 6361 عن سلمة بن نفيل ؓ۔

تفسیر آیات:72-74

بندگان الٰہی کی کچھ اور صفات: بندگان الٰہی کی یہ بھی صفات ہیں کہ وہ جھوٹی گواہی بھی نہیں دیتے۔ یہاں لفظ زُور استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی کذب، فسق، کفر، لغو اور باطل کے ہیں۔ عمرو بن قیس کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ برائی اور بے حیائی کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔[1] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، زُور کے معنی کسی کی طرف جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرنا ہے جیسا کہ صحیحین میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟] ''کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔'' یہ آپ نے تین بار فرمایا، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: [(اَلشِّرْكُ) بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ] ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔'' آپ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے، پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: [أَلَا! وَقَوْلُ الزُّورِ، (وَشَهَادَةُ الزُّورِ)] ''خبردار! سن لو جھوٹی بات، (خبردار! سن لو) جھوٹی گواہی۔ (اکبر الکبائر میں سے ہے۔)'' آپ نے بار بار یہ بات ارشاد فرمائی حتی کہ ہم نے کہا: کاش آپ سکوت فرما لیں![2]

سیاق کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ﴿لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ جھوٹی گواہی کے لیے حاضر نہیں ہوتے، اس لیے فرمایا: ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿72﴾﴾ ''اور جب ان کا بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزر ہو تو عزت و وقار سے گزرتے ہیں۔'' یعنی وہ جھوٹی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے اور جب کبھی اتفاق سے انھیں کسی ایسی مجلس کے پاس سے گزرنے کا موقع ملے تو شائستگی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں اور اپنے دامن کو ذرہ بھر آلودہ نہیں ہونے دیتے، اسی وجہ سے فرمایا: ﴿مَرُّوْا كِرَامًا ﴿72﴾﴾ ''عزت و وقار سے گزرتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿73﴾﴾ ''اور وہ کہ جب انھیں پروردگار کی آیات کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو اس پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور وفکر سے سنتے ہیں۔)'' یہ بھی مومنین کی صفات میں سے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ﴾ (الأنفال 2:8) ''جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔'' اس کے برخلاف کافر جب اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتا ہے تو وہ اس سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ اپنی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا کرتا

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم :2738/8 . [2] صحیح البخاری، الشهادات، باب ما قیل فی شهادة الزور......، حدیث: 2654 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الکبائر و أکبرها، حدیث : 87، البتہ پہلی اور دوسری قوسوں والے الفاظ صحیح البخاری، الشهادات، باب ما قیل فی شهادة الزور......، حدیث: 2653 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الکبائر وأکبرها، حدیث: 88 عن أنس رضی اللہ عنہ .

ہے بلکہ وہ اپنے کفر، سرکشی، جہالت اور ضلالت ہی میں مبتلا رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبة 9:124,125) ''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض (استہزا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے، سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو اس نے ایمان زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں پلیدی پر پلیدی زیادہ کی۔'' ﴿ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ﴿73﴾ ﴾ ''تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے۔'' جبکہ کافر اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتا ہے تو آیات اس پر کچھ اثر نہیں کرتیں، اس لیے وہ اپنی حالت ہی پر برقرار رہتا ہے، گویا وہ بہرا اور اندھا ہے، اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ﴾ ''اور وہ جو (اللہ سے) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔'' یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ ان کی پشت سے ایسی اولاد پیدا ہو جو اس وحدہ لاشریک کی اطاعت وعبادت کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی اولاد ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق عمل کرے تاکہ دنیا وآخرت میں انھیں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے جبیر بن نفیر سے روایت کیا ہے، وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم مقداد بن اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک شخص گزرا اور کہنے لگا کہ مبارک ہیں یہ دونوں آنکھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے فیض یاب ہوئی تھیں، اے کاش! ہم بھی وہ دیکھتے جو آپ نے دیکھا اور ہم بھی وہ مشاہدہ کرتے جو آپ نے مشاہدہ کیا، اس سے مقداد ناراض ہو گئے تو مجھے تعجب ہوا کیونکہ اس شخص نے تو اچھی بات کہی تھی، پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ آدمی کو اس بات پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے کہ وہ اس موقع پر حاضر ہونے کی تمنا کرے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے غائب رکھا ہے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ اگر وہ اس موقع پر حاضر ہوتا تو اس کا طرزِ عمل کیا ہوتا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے ایسے لوگ بھی حاضر ہوئے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اوندھے منہ جہنم رسید کر دیا کیونکہ انھوں نے آپ کی تصدیق نہ کی اور آپ کی نبوت ورسالت کو قبول نہیں کیا تھا، کیا تم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے جب سے تمھیں پیدا فرمایا ہے تم اپنے رب تعالیٰ کو پہچانتے ہو اور تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے پاس جس دین وشریعت کو لائے ہیں تم اس کی تصدیق کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کر کے تمھیں بچا لیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور جاہلیت میں ایسے حالات میں مبعوث کیا گیا تھا کہ ان سے زیادہ شدید حالات میں کسی نبی کی بعثت عمل میں نہ آئی تھی، اس دور

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2742/8 وتفسیر الطبري: 66/19.

أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿75﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط

انھی لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے میں (جنت کے) بالا خانے جزا میں دیے جائیں گے، اور وہاں دعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال ہوگا ﴿75﴾ وہ ہمیشہ

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿76﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ج فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

وہاں رہیں گے، وہ (بہشت) بہت اچھا مستقر اور مقام ہوگا ﴿76﴾ کہہ دیجیے: اگر تمھاری دعا و التجا نہ ہوتی تو میرا رب تمھاری پروا نہ کرتا، تم (حق کو) جھٹلا چکے

يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿77﴾

ہو، لہٰذا وہ (عذاب تمھیں) عنقریب لازم ہو کر رہے گا ﴿77﴾

میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بتوں کی عبادت سے افضل کوئی دین نہیں ہے۔ آپ ایسے دین فرقان کے ساتھ تشریف لائے جس نے حق و باطل میں فرق کر دیا، جس نے باپ اور بیٹے میں فرق کر دیا، اگر آدمی اپنے والد یا بیٹے یا بھائی کو دیکھتا کہ وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کے قفل کو ایمان کے لیے کھول دیا ہے تو وہ جانتا تھا کہ اس کا وہ باپ یا بیٹا یا بھائی جس نے ایمان کو قبول نہیں کیا مرنے کے بعد جہنم رسید ہوگا، اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں کہ اس کا پیارا دوزخ میں جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾ ''اور وہ جو (اللہ سے) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔''[1] اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر اسے کتب ستہ میں بیان نہیں کیا گیا۔

اور اس کا فرمان ہے: ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿74﴾﴾ ''اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، سُدّی، قتادہ اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ایسے امام بنا دے کہ خیر میں ہماری اقتدا کی جائے۔[2] دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ہدایت کرنے والے، ہدایت یافتہ اور خیر و بھلائی کے داعی بنا دے، انھوں نے اس بات کو پسند کیا کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اسی طرح ان کی اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ان کی ہدایت کا دوسروں تک بھی نفع پہنچے کیونکہ یہ بات کثرت ثواب اور حسن انجام کا سبب بنتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ] ''جب ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو تین کے سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں: (1) صدقہ جاریہ (2) یا وہ علم جس کے ساتھ اس کے بعد نفع حاصل کیا جا رہا ہو یا (3) ایسا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔''[3]

تفسیر آیات: 75-77

اللہ کے بندوں کی جزا اور اہل مکہ کے لیے وعید: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی صفات جمیلہ اور اقوال و افعال جلیلہ کا

---

① مسند أحمد: 3,2/6. ② تفسير ابن أبي حاتم: 2743/8 و تفسير الطبرى: 68/19. ③ صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب……، حديث: 1631.

ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ أُولَٰٓئِكَ ﴾ ''یہی لوگ۔'' جو ان صفات کے مالک ہیں۔ ﴿ يُجْزَوْنَ ﴾ ''بدلہ دیے جائیں گے۔'' قیامت کے دن۔ ﴿ الْغُرْفَةَ ﴾ ''بالا خانے۔'' اور یہاں غرفہ سے مراد جنت ہے۔ اور یہ قول ابوجعفر باقر، سعید بن جُبیر، ضَحّاک اور سُدِّی کا ہے۔[1] ان بالا خانوں کو ان کی بلندی کی وجہ سے غرفہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

﴿ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ ''ان کے صبر کے بدلے میں۔'' یعنی صبر کے ساتھ ان تمام امور کو انجام دینے کی وجہ سے۔ ﴿ وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿75﴾ ﴾ ''اور وہاں دعا و سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔'' یعنی جنت میں انھیں اکرام و احترام سے نوازا اور دعا و سلام کے ساتھ سرفراز جائے گا، ان کے لیے سلامتی ہوگی، ان کے اوپر بھی سلامتی ہوگی، فرشتے جنت کے ہر دروازے سے ان کے پاس آتے ہوئے کہیں گے کہ تم پر رحمت اور سلامتی ہو، یہ تمھاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر خوب گھر ہے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' یعنی جنت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقیم رہیں گے وہاں سے کہیں نہیں جائیں گے، فوت بھی نہیں ہوں گے، کسی اور جگہ منتقل بھی نہیں ہوں گے، جنت کے بجائے کوئی اور ٹھکانا بدلنا بھی نہیں چاہیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ...... ﴾ الآية (هود 11:108) ''اور جو نیک بخت بنائے گئے ہوں گے تو وہ بہشت میں (داخل کیے جائیں گے) اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں......۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿76﴾ ﴾ ''وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے۔'' منظر کے اعتبار سے بے حد حسین و جمیل اور مقام و منزل کے اعتبار سے بہت پاکیزہ و پوتّر ہے، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ ﴾ ''کہہ دیجیے: میرا پروردگار بھی تمھاری کچھ پروا نہ کرتا۔'' اگر تم اس کی عبادت نہ کرتے تو اسے بھی تمھاری کچھ پروا نہیں، اس نے تو ساری مخلوق کو پیدا ہی اس لیے فرمایا ہے کہ وہ اس کی عبادت کرے، اسے وحدہ لاشریک مانے اور صبح و شام اس کی تسبیح و تقدیس کے ترانے گائے۔ ﴿ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ ﴾ ''پس تم نے (حق کی) یقیناً تکذیب کی ہے۔'' اے کافرو! ﴿ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿77﴾ ﴾ ''سو وہ (سزا تمھارے لیے) جلد لازم ہوگی۔'' یعنی تمھاری یہ تکذیب دنیا و آخرت میں تمھاری ہلاکت اور تباہی و بربادی کا سبب بنے گی۔ غزوۂ بدر کے دن کفار کی تباہی و بربادی اور ہلاکت بھی اسی میں داخل ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، محمد بن کعب قرظی، مجاہد، ضَحّاک، قتادہ اور سُدِّی وغیرہ نے بیان فرمایا ہے۔[2] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿77﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ سزا قیامت کے دن لازم ہوگی۔[3] اور ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ کفار کے لیے یہ سزا دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

سورۂ فرقان کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2743/8 وتفسير الطبري: 69/19. [2] تفسير الطبري: 72/19 وتفسير ابن أبي حاتم: 2746/8. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2746/8.

تفسیر سُورۂ شُعَراء

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ

طٰسٓمّٓ ① یہ واضح کتاب کی آیات ہیں ② (اے نبی!) شاید اس (غم) سے کہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ خود کو ہلاک ہی کرلیں گے ③ اگر ہم چاہیں تو

نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ

ان پر آسمان سے کوئی نشانی اتار دیں، پھر اس کے آگے ان کی گردنیں جھکی ہی رہ جائیں ④ اور رحمٰن کے پاس سے جو بھی کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اس

الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

سے اعراض کرلیتے ہیں ⑤ چنانچہ یقیناً وہ جھٹلا چکے، لہٰذا جلد ان کے پاس اس کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ⑥ کیا انھوں نے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی ہی عمدہ چیزیں اگائی ہیں ⑦ بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ ع 1/9/5

نہیں ⑧ اور بے شک آپ کا رب، وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا ⑨

امام مالک رحمہ اللہ سے مروی تفسیر میں اس کا نام سورۃ الجامعۃ ہے۔

تفسیر آیات:1-9

کفار کا قرآن مجید سے اعراض: بعض سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات سے متعلق بحث ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر آئے ہیں، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② ﴾ ”یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔“ مبین کے معنی بَیِّن، واضح اور روشن کے ہیں جو حق و باطل اور ہدایت و گمراہی میں فرق کر دے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ ﴾ ”(اے پیغمبر!) شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔“ اس رنج و غم کی وجہ سے ﴿ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ ﴾ ”کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“ یہ رسول اللہ ﷺ کو ایمان نہ لانے والے کفار کی وجہ سے تسلی دی گئی

ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ﴾ (فاطر8:35) ''تو ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کا دم نہ نکل جائے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ ﴾ (الکھف6:18) ''(اے پیغمبر!) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے رنج کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔'' مجاہد، عکرمہ، قتادہ، عطیہ، ضحاک، حسن اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ ﴾ کے معنی ہیں کہ شاید آپ اپنے آپ کو قتل کر دیں گے۔[1]

پھر فرمایا: ﴿ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝4 ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں، پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔'' یعنی اگر ہم چاہیں تو ان پر ایسی نشانی اتار دیں جو انھیں زبردستی ایمان لانے پر مجبور کر دے لیکن ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص مجبوراً نہیں بلکہ اپنے اختیار سے ایمان لائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یونس 99:10) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مومن ہو جائیں؟'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً ...... ﴾ الآیة (ھود 118:11) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا......'' پس اس نے اپنی تقدیر کو نافذ کر دیا، اس کی حکمت جاری وساری ہوگئی اور اس کی حجت بالغہ مخلوق پر اس طرح قائم ہوگی کہ اس نے ان کی طرف رسول بھیجے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔

پھر فرمایا: ﴿ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝5 ﴾ ''اور ان کے پاس (اللہ) رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔'' یعنی جب بھی ان کے پاس آسمان سے کوئی کتاب نازل ہوئی تو ان میں سے اکثر لوگوں نے اس سے منہ پھیر لیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ کتنی ہی خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ (یٰس 30:36) ''بندوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا مگر اس سے تمسخر کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ...... ﴾ الآیة (المؤمنون 44:23) ''پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے، جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے......'' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: ﴿ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝6 ﴾ ''سو یہ تو یقیناً جھٹلا چکے، عنقریب ان کے پاس (اس چیز کی) خبریں آئیں گی جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔'' یعنی ان کے پاس جب حق آیا تو انھوں نے اسے جھٹلایا اور اپنے اس جھٹلانے کا انجام یہ لوگ کچھ وقت بعد معلوم کریں گے۔ ﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2748/8.

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ

اور (یاد کریں) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ تو ظالم قوم کے پاس جا⑩ (یعنی) قوم فرعون کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں؟⑪ اس نے کہا: اے

رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ⑫ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى

میرے رب! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے⑫ اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی، لہٰذا تو ہارون کی طرف بھی (وحی)

هٰرُوْنَ ⑬ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ⑭ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا

بھیج⑬ اور ان کا میرے ذمے ایک گناہ (جرم) ہے، لہٰذا مجھے خوف آتا ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے⑭ فرمایا: ہرگز نہیں! چنانچہ تم دونوں ہماری نشانیوں

مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا

کے ساتھ جاؤ، یقیناً ہم تمھارے ساتھ ہیں، سننے والے ہیں⑮ چنانچہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، پھر اس سے کہو: بلاشبہ ہم رب العالمین کے رسول

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ⑰ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ⑱

ہیں⑯ یہ کہ بنی اسرائیل کو (آزاد کر کے) ہمارے ساتھ بھیج دے⑰ فرعون نے کہا: کیا ہم نے اپنے پاس بچپن میں تیری پرورش نہیں کی اور تو ہمارے

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ⑲ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ

درمیان اپنی عمر کے کئی برس نہیں رہا؟⑱ اور تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا، اور تو ناشکروں میں سے ہے⑲ اس نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جبکہ

الضَّآلِّيْنَ ⑳ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ㉑

میں بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے تھا⑳ پھر جب میں تم سے ڈرا تو میں تم سے بھاگ گیا، پھر میرے رب نے مجھے حکم بخشا اور اس نے مجھے رسولوں

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ㉒

میں سے بنایا㉑ اور (کیا یہی ہے) وہ احسان جو تو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے㉒

ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴾ (الشعرآء 26:227) ’’اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی لوٹنے کی جگہ وہ لوٹ کر جائیں گے۔‘‘

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم سلطنت، اپنے جلال و قدرت اور اپنی عظمت شان کی طرف ان لوگوں کو توجہ دلائی ہے جنھوں نے اس کے رسول کی مخالفت اور اس کی کتاب کی تکذیب کی جرأت کی، فرمایا کہ وہ عظیم الشان غلبے اور قدرت کا مالک ہے، اسی نے زمین کو پیدا کیا اور اسی نے اس میں سے فصلوں، پھلوں اور حیوانوں جیسی کتنی ہی نفیس چیزوں کو پیدا فرمایا ہے۔ سفیان ثوری نے ایک شخص سے اور انھوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ لوگ بھی زمین ہی کی نبات ہیں، ان میں سے جو جنت میں داخل ہو گیا وہ کریم اور جو دوزخ میں داخل ہو گیا وہ لئیم ہے۔[1] ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ ﴾ ’’کچھ شک نہیں کہ اس میں (اللہ کی قدرت کی عظیم) نشانی ہے۔‘‘ یعنی اس میں اشیاء کے پیدا کرنے والے کی قدرت کی نشانی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور آسمان کو بلند کر دیا اور اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسولوں کی اور اس کی کتابوں کی تکذیب

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2750/8.

کرتے، اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت کرتے اور اس کی نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ ''اور یقیناً آپ کا پروردگار غالب ہے۔'' یعنی زبردست اور غالب ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے۔ ﴿ الرَّحِيْمُ ﴾ ''نہایت مہربان ہے'' یعنی اپنی مخلوق پر رحم فرماتا ہے، نافرمانی کرنے والے کو جلد سزا نہیں دیتا بلکہ اسے مہلت دیتا ہے اور پھر جب اسے پکڑتا ہے تو اس طرح جیسے کوئی قوی اور غالب پکڑتا ہے۔ ابوالعالیہ، قتادہ، ربیع بن انس اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ اپنے انتقام، اپنے حکم کی مخالفت کرنے والوں اور اپنے سوا غیروں کی پوجا کرنے والوں سے بدلہ لینے میں بہت قوی ہے۔[1] اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ وہ ان پر بے حد مہربان ہے جو اس کی جناب میں توبہ کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[2]

تفسیر آیات: 10-22

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے عبد و رسول اور کلیم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو اس وقت دیا جب انھیں طور کی دائیں جانب سے پکارا، ہم کلامی کے شرف سے نوازا، سرگوشی کی، رسالت و نبوت سے نوازا اور فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کا حکم دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ؕ⑫ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۚ⑭ ﴾ ''کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ (یعنی) قوم فرعون کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں؟ اس نے کہا کہ میرے پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی لٰہذا تو ہارون کی طرف (وحی) بھیج (کہ میرے ساتھ چلے) اور ان کا مجھ پر ایک گناہ (قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے، سو میں اس سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ہی ڈالیں۔'' یہ موسیٰ علیہ السلام کے کچھ عذر تھے جن کی بابت انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انھیں دور فرما دے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ذکر فرمایا: ﴿ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ وَيَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۪ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ هٰرُوْنَ اَخِي ۙ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ ۙ وَاَشْرِكْهُ فِيْۤ اَمْرِيْ ۙ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۙ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ؕ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ○ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ○ ﴾ (طٰہٰ 20:25-36) ''اس نے کہا: میرے پروردگار! میرے (اس کام کے) لیے میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے (تاکہ) وہ میری بات سمجھ لیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے لیے وزیر (مددگار) بنا دے (یعنی) میرے بھائی ہارون کو، اس سے میری پشت مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے تاکہ ہم تیری بہت سی تسبیح کریں اور تجھے کثرت سے یاد کریں، بلاشبہ تو ہی ہمیں (ہر حال میں) خوب دیکھ رہا ہے۔ فرمایا: اے موسیٰ! تجھے تیرا سوال یقیناً دے دیا گیا۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۚ⑭ ﴾ ''اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے، سو میں اس

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2751/8۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2751/8۔

سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ہی ڈالیں۔‘‘یعنی اس قبطی کے قتل کی وجہ سے جو موسیٰ علیہ السلام کے بلاد مصر سے خروج کا سبب بنا تھا۔
﴿ قَالَ كَلَّا ۚ ﴾ ’’فرمایا: ہرگز نہیں۔‘‘یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ ان میں سے کسی بھی چیز سے نہ ڈرو جیسا کہ فرمایا:
﴿ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ○ ﴾
(القصص 35:28) ’’عنقریب ہم تمھارے بھائی سے تمھارا بازو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کے لیے غلبہ کر دیں گے، پھر وہ تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے، (تم جاؤ) ہماری نشانیوں کے ساتھ (اور) تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی غالب رہو گے۔‘‘ ﴿ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮ ﴾ ’’چنانچہ تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، یقیناً ہم تمھارے ساتھ سننے والے ہیں۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ○ ﴾ (طٰہٰ 46:20) ’’یقیناً میں تمھارے ساتھ ہوں (اور) سنتا اور دیکھتا ہوں۔‘‘یعنی اپنی حفاظت اور تائید و نصرت کے ساتھ میں تمھارے ساتھ ہوں، ﴿ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴾ ’’تو دونوں فرعون کے پاس جاؤ، پھر کہو کہ بلاشبہ ہم تمام جہانوں کے مالک کے بھیجے ہوئے ہیں۔‘‘ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ﴾ (طٰہٰ 47:20) ’’بلاشبہ ہم دونوں (آپ کی طرف) آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔‘‘
﴿ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ⑰ ﴾ ’’یہ (اس لیے آئے ہیں) کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔‘‘یعنی انھیں اپنی قید سے آزاد کر دے، ان پر اپنا قبضہ و تسلط ختم کر دے اور انھیں سزائیں دینا ترک کر دے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندے اور اس کی مخلص جماعت ہیں مگر تو نے انھیں ذلیل و رسوا کر دینے والے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جب موسیٰ نے یہ فرمایا تو فرعون نے سن کر آپ (موسیٰ علیہ السلام) سے منہ موڑ لیا اور پھر حقارت آمیز نظروں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:
﴿ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا ...... ﴾ الآیة ’’کیا ہم نے تمھیں اس حال میں نہیں پالا تھا کہ تم بچے تھے......‘‘یعنی موسیٰ تم تو وہ ہو کہ ہم نے تمھاری اپنے گھر میں اور اپنے بستر پر پرورش کی تھی، تمھیں کھانا دیا اور سالہا سال تک تم پر احسان کیا تھا اور اب تم اس احسان کا یہ بدلہ دے رہے ہو کہ ہمارے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور ہمارے احسان کو فراموش کر دیا، اس لیے فرمایا:
﴿ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ⑲ ﴾ ’’اور تم ناشکروں میں سے ہو۔‘‘یعنی احسان کا انکار کرنے والوں میں سے ہو، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے اور ابن جریر نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[1]
﴿ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ⑳ ﴾ ’’اس (موسیٰ) نے کہا: (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں خطا کاروں میں سے تھا۔‘‘یعنی اس واقعے کا تعلق وحی و تنزیل اور نبوت و رسالت سے پہلے کے دور سے ہے۔ ﴿ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ㉑ ﴾ ’’تو جب مجھے تم سے ڈر لگا تو میں تم میں سے بھاگ گیا، پھر میرے رب نے مجھے حکم (نبوت و علم) عطا کیا اور مجھے پیغمبروں میں سے بنا دیا۔‘‘یعنی پہلا دور ختم ہو گیا اور اب نیا دور شروع ہوا ہے اور اب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرو گے تو سلامت

[1] تفسیر الطبری: 84,83/19 .

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿23﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ

فرعون نے کہا: اور رب العالمین کیا ہے؟ ﴿23﴾ اس نے کہا: وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، ان کا رب ہے، اگر تم یقین کرنے

مُّوْقِنِيْنَ ﴿24﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿25﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿26﴾ قَالَ

والے ہو ﴿24﴾ اس نے اپنے اردگرد والوں (درباریوں) سے کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ﴿25﴾ موسیٰ نے کہا: (وہ) تمھارا اور تمھارے اگلے آباء واجداد کا رب

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿27﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ

ہے ﴿26﴾ اس نے کہا: بلاشبہ تمھارا یہ رسول، جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، یقیناً دیوانہ ہے ﴿27﴾ اس نے کہا: (وہ) مشرق ومغرب اور جو کچھ ان دونوں کے

كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿28﴾

درمیان ہے ان کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿28﴾

رہو گے اور اگر اس کی مخالفت کرو گے تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿22﴾ ﴾ ''اور (کیا) یہی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔'' یعنی میرے ساتھ احسان کیا اور میری پرورش کی اور اس کے بالمقابل میری قوم بنی اسرائیل کے ساتھ بدسلوکی کی انتہا کر دی کہ انھیں غلام اور خادم بنا کر محنت ومشقت کے کاموں پر لگا دیا، تو کیا ان کے ایک آدمی کے ساتھ احسان پوری قوم کے ساتھ بدسلوکی کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ یعنی میری قوم کے ساتھ بدسلوکی اور انھیں ذلیل ورسوا کرنے کی جو انتہا کر دی ہے اس کے مقابلے میں میرے ساتھ کیے ہوئے احسان کی کوئی حیثیت نہیں۔

تفسیر آیات: 23-28

پروردگار عالم کے متعلق فرعون کا توہین آمیز انداز: اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفر، تمرد، سرکشی اور انکار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ سے کہا: ﴿ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''اور تمام جہانوں کا رب کیا ہے؟'' کیونکہ وہ اپنی قوم سے کہا کرتا تھا: ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ﴾ (القصص 38:28) ''میں اپنے سوا کسی کو تمھارا خدا نہیں جانتا۔'' ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ﴾ (الزخرف 54:43) ''غرض! اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی اور انھوں نے اس کی بات مان لی۔'' انھوں نے کائنات کے پیدا فرمانے والے اللہ جل وعلا کا انکار کر دیا اور یہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا کہ فرعون کے سوا کوئی پروردگار نہیں ہے، جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: ﴿ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (الزخرف 46:43) ''بلاشبہ میں تمام جہانوں کے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔'' تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ کون ہے جس کو تو میرے سوا رب العالمین مانتا ہے؟ علمائے سلف اور ائمۂ خلف نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے حتی کہ سدی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیات کے مانند ہے: ﴿ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ ﴾ (طٰهٰ 50,49:20) ''اس نے کہا: اے موسیٰ! تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی، پھر راہ دکھائی۔''[1]

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2756/8.

منطقیوں کے ایک شبہے کا ازالہ: جن اہل منطق وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ فرعون کا یہ سوال ماہیت کے بارے میں تھا تو ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ اسے تو پروردگار عالم کے وجود ہی کا اقرار نہ تھا کہ وہ اس کی ماہیت کے بارے میں سوال کرتا، وہ تو سرے ہی سے وجود باری تعالیٰ کا منکر تھا گو دلائل و براہین کے ساتھ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کر دیا گیا تھا، الغرض! فرعون نے جب رب العالمین کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تو: ﴿ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ ''کہا: جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔'' یعنی وہ ان سب چیزوں کا خالق و مالک ہے اور اس کا تصرف ان میں کارفرما ہے، وہی معبود برحق ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا، اسی نے عالم عُلوی اور اس کے روشن و منور ثوابت اور سیاروں کو پیدا کیا ہے اور اسی نے عالم سِفلی اور اس کے دریاؤں، سمندروں، صحراؤں، پہاڑوں، درختوں، حیوانوں، نباتات، پھلوں، ہواؤں اور پرندوں کو پیدا فرمایا اور یہ ساری مخلوقات اس کی غلام اور اس کے سامنے عاجز و درماندہ ہیں۔ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''بشرطیکہ تم یقین کرنے والے ہو۔'' یعنی بشرطیکہ تمھارے پاس یقین کرنے والے دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر فرعون نے اپنے گردوپیش بیٹھے ہوئے سرداروں اور روسائے حکومت کی طرف دیکھا اور تکبر، استہزاء اور موسیٰ کی تکذیب کرتے ہوئے کہنے لگا: ﴿ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''کیا تم غور سے سنتے نہیں؟'' یعنی کیا تمھیں اس بات سے تعجب نہیں ہو رہا جو موسیٰ کہہ رہا ہے کہ تمھارا اللہ میرے سوا کوئی اور ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿26﴾ ﴾ ''(وہ) تمھارا اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔'' یعنی وہ تمھارا بھی خالق ہے اور تمھارے پہلے باپ دادا کا بھی وہی خالق ہے جو فرعون اور اس کے زمانے سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

﴿ قَالَ ﴾ ''اس (فرعون) نے کہا'' اپنی قوم سے: ﴿ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿27﴾ ﴾ ''یقیناً تمھارا یہ پیغمبر جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، ضرور پاگل ہے۔'' یعنی اس میں عقل نہیں جو اس نے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ میرے سوا کوئی اور بھی رب ہے۔ ﴿ قَالَ ﴾ ''اس (موسیٰ) نے کہا'' ان لوگوں سے جن کو فرعون نے شبہے میں مبتلا کر دیا تھا: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''جو مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا رب ہے بشرطیکہ تم سمجھتے ہو۔'' یعنی رب العالمین وہ ہے جس نے مشرق کو مشرق بنا دیا ہے کہ اس سے کواکب طلوع ہوتے ہیں اور اس نے مغرب کو مغرب بنا دیا ہے کہ اس میں کواکب، ثوابت و سیارے غروب ہوتے ہیں اور پھر اس نے ان سب کے نظام کو اپنی قدرت کے ساتھ مسخر فرما دیا ہے تو یہ فرعون جو اس بات کا دعوے دار ہے کہ وہ تمھارا رب اور معبود ہے، اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو اس نظام قدرت کے برعکس مشرق کو مغرب اور مغرب کو مشرق بنا کر دکھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿29﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ

اس نے کہا: البتہ اگر تو نے میرے سوا کوئی اور معبود پکڑا تو میں ضرور تجھے قیدیوں میں سے کر دوں گا﴿29﴾ موسیٰ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح

مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ

شے (دلیل) لاؤں (تب بھی؟)﴿30﴾ اس نے کہا: اگر تو سچوں میں سے ہے تو وہ تو لے ہی آ﴿31﴾ چنانچہ موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو آناً فاناً وہ واضح اژدہا بن

مُّبِيْنٌ ﴿32﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿33﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا 2 ع 24 6

گیا﴿32﴾ اور اس نے اپنا ہاتھ (بغل میں سے) کھینچ نکالا تو اس وقت وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکتا) تھا﴿33﴾ فرعون نے اپنے اردگرد موجود سرداروں

لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿35﴾ قَالُوْٓا

سے کہا: بلاشبہ یہ ضرور ماہر جادوگر ہے﴿34﴾ وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تمھیں تمھاری زمین سے نکال دے، لہٰذا تم کیا مشورہ دیتے ہو﴿35﴾ انھوں نے کہا:

اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿36﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿37﴾

اسے اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے، اور شہروں میں (جادوگروں کو) اکٹھا کرنے والے بھیج دے﴿36﴾ (کہ) وہ ہر ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں﴿37﴾

الْمَغْرِبِ...... ﴾ الآیۃ(البقرۃ 2:258) ”بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی، ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، وہ بولا کہ میں بھی زندہ کرسکتا اور مار سکتا ہوں، ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے لے آ......“ بہر حال فرعون جب مغلوب ہو گیا اور اس کی دلیل ٹوٹ گئی تو وہ اپنے جاہ وقوت اور حکومت کے استعمال پر اتر آیا اور اس نے خیال کیا کہ قوت کے استعمال سے اسے نفع اور موسیٰ کو نقصان ہوگا، ان واقعات وحالات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: (دیکھیے آیات:29-37)

تفسیر آیات: 29-37

موسیٰ علیہ السلام کے کچھ معجزے: جب بیان اور عقل کے ساتھ فرعون پر حجت تمام ہو گئی تو اس نے اپنی طاقت وقوت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو مغلوب کرنا چاہا اور اس نے سوچا کہ طاقت وقوت کے استعمال کی دھمکی کے بعد موسیٰ کوئی بات نہ کر سکیں گے، اس لیے اس نے کہا: ﴿لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿29﴾﴾ ”البتہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمھیں ضرور قید کیے ہوئے لوگوں میں سے کر دوں گا۔“ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾﴾ ”خواہ میں تیرے پاس کوئی روشن چیز لاؤں۔“ یعنی اگر میں قطعی اور واضح برہان اور معجزہ دکھاؤں تو؟ ﴿قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿32﴾﴾ ”فرعون نے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو اسے لاؤ، پس انھوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ اس وقت واضح اژدہا بن گئی۔“ یعنی موسیٰ کی لاٹھی نے واضح اور نمایاں طور پر ایک بہت بڑے اژدہے کی شکل اختیار کر لی جس کے پاؤں بھی تھے، بہت بڑا منہ تھا اور بے حد خوفناک شکل تھی۔ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ﴾ ”اور اس نے اپنا ہاتھ (جو) نکالا۔“ یعنی اپنے گریبان سے، ﴿فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿33﴾﴾ ”تو اسی دم دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکتا نظر آنے لگا)

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿38﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿39﴾ لَعَلَّنَا

چنانچہ جادوگر ایک مقرر دن کو (خاص) وقت پر جمع کر لیے گئے ﴿38﴾ اور لوگوں سے کہا گیا: کیا تم بھی جمع ہو گے؟ ﴿39﴾ تاکہ اگر وہ (جادوگر) غالب

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿40﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا

آئیں تو ہم ان جادوگروں کی اتباع کریں ﴿40﴾ پھر جب جادوگر آئے تو وہ فرعون سے کہنے لگے: اگر ہم ہی غالب آئے تو کیا ہمارے لیے

اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿41﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿42﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا

کوئی صلہ ہوگا؟ ﴿41﴾ فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک تب تم (میرے) مقربین میں سے ہو گے ﴿42﴾ موسیٰ نے ان سے کہا: جو کچھ تم ڈالنے

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿43﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾

والے ہو، ڈال دو ﴿43﴾ تب انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے: عزتِ فرعون کی قسم! بلاشبہ ہم ہی غالب ہیں ﴿44﴾ پھر موسیٰ

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿45﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿46﴾ قَالُوْٓا

نے اپنا عصا ڈالا تو وہ فوراً ہی اسے نگلنے لگا جو وہ جھوٹ موٹ گھڑ رہے تھے ﴿45﴾ چنانچہ جادوگر (بے اختیار) سجدے میں گر پڑے ﴿46﴾ وہ

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿48﴾

کہنے لگے: ہم رب العالمین پر ایمان لائے ﴿47﴾ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ﴿48﴾

تھا۔'' جو یوں چمک رہا تھا گویا چاند کا ٹکڑا ہو۔

فرعون کی چال: اس قدر عظیم الشان معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون نے ازراہِ شقاوت و بدبختی موسیٰ کی تکذیب کرتے اور آپ سے دشمنی رکھتے ہوئے فوراً اپنے گرد و پیش بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾ ﴾ ''یقیناً یہ تو کامل فن جادوگر ہے۔'' یعنی بڑا افاضل اور ماہر جادوگر ہے، فرعون نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ تو جادو ہے معجزہ نہیں، پھر اس نے اپنے سرداروں کو بھی موسیٰ کی مخالفت اور آپ کے ساتھ کفر پر برانگیختہ کرتے ہوئے کہا: ﴿ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ ''چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو کے زور سے تمھارے ملک سے نکال دے تو تمھاری کیا رائے ہے؟'' یعنی اس جادو کے ساتھ وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے اعوان و انصار اور پیروکار زیادہ ہو جائیں، پھر وہ تمھاری حکومت پر غالب آجائیں اور تم سے تمھارے ان علاقوں کو چھین لیں، لہٰذا تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ﴿ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿36﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿37﴾ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ تو اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیج دے (کہ) وہ ہر بڑے ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔'' یعنی موسیٰ اور ان کے بھائی کو کچھ وقت کے لیے مہلت دے دیجیے اور اس اثنا میں اپنے ملک کے تمام چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں سے ان کے مقابلے کے لیے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر لیجیے جو جادو کے اس جیسے کرتب دکھائیں جیسے موسیٰ نے دکھائے ہیں، اس طرح تم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آجاؤ گے اور تمھیں فتح و نصرت حاصل ہو جائے گی، فرعون نے اپنے سرداروں کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تدبیر کا نتیجہ تھا کہ لوگ ایک میدان میں جمع ہوں، پھر دن کے اجالے میں اللہ تعالیٰ کی

نشانیاں اور اس کے دلائل و براہین سب لوگوں کے سامنے واضح ہو جائیں۔

تفسیر آیات:38-48

① **موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ:** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور قبطیوں کے اس عملی مناظرے کا سورۂ اعراف، سورۂ طٰہٰ [1] اور اب اس سورت میں ذکر فرمایا ہے۔ قبطیوں نے پروگرام بنایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے اور کفر و ایمان میں جب بھی مقابلہ ہوا تو ایمان ہی غالب آیا۔ ﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ○ ﴾ (الأنبيآء 21:18) ''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے، سو جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان سے تمھاری ہی خرابی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ...... ﴾ الآية (بنیٓ إسرآء یل 17:81) ''اور کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا......''

جب وہ سارے جادوگر آ گئے جنھیں بلاد مصر کے اطراف و اکناف سے جمع کیا گیا تھا، یہ جادوگر اپنے زمانے کے سب سے بڑے ماہر جادوگر اور بہت پختہ کار شعبدہ باز تھے، ان کی صحیح تعداد تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اتنی بات یقینی ہے کہ جادوگروں کی ایک بہت کثیر تعداد اور ان کا ایک عظیم جم غفیر تھا اور مقابلہ دیکھنے کے لیے لوگ بھی بہت کثیر تعداد میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ وہاں آئے اور ان میں سے کسی نے کہا: ﴿ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿40﴾ ﴾ ''تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کے پیروکار ہو جائیں۔'' انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم حق کی پیروی کریں گے، خواہ اس کا اظہار جادوگروں کی طرف سے ہو یا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کیونکہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر ہی ہوتی ہے۔ ﴿ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ ﴾ ''پھر جب جادوگر آ گئے۔'' یعنی فرعون کے دربار میں آئے اور کورنش بجا لائے، فرعون نے بھی اپنے خدم و حشم، امراء و وزراء، رؤساء اور فوجوں کو جمع کر رکھا تھا، جادوگروں نے فرعون کے سامنے کھڑے ہو کر مطالبہ کیا کہ اگر وہ غالب آ گئے تو انھیں انعام و اکرام سے نوازا جائے ﴿ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿41﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''اگر ہم غالب ہوئے تو واقعی ہمارے لیے بھی صلہ ہو گا؟ فرعون نے کہا: ہاں، اور یقیناً تم اس وقت ضرور مقربوں میں سے ہو گے۔'' یعنی تمھارے انعام و اکرام کے مطالبے سے بڑھ کر تمھیں اپنے مقربین اور ہم نشینوں میں بھی داخل کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ سب مناظرے کی جگہ پر آ گئے اور ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ○ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ؕ ﴾ (طٰہٰ 20:65,66) ''بولے کہ موسیٰ! یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں، موسیٰ نے کہا: بلکہ تم ہی ڈالو۔'' اور یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے فرمایا گیا کہ موسیٰ نے ان سے کہا: ﴿ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿43﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''جو تم ڈالنا چاہتے ہو ڈالو تو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے: فرعون کی عزت کی

[1] دیکھیے الأعراف، آیات:113-122 و طٰہٰ، آیات:60-70 کے ذیل میں۔

قسم! ہم ضرور غالب رہیں گے۔'' جادوگروں کی یہ بات اسی طرح تھی جیسے جاہل عوام جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں کی برکت سے یہ کام ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (الأعراف 116:7) ''انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر) انھیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو لے کر آئے۔'' اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: ﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 20:66-69) ''تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے جو اس کے خیال میں (یوں) ڈالا گیا کہ حقیقتاً وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔ پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا: خوف نہ کرو، بلاشبہ تم ہی غالب ہو اور جو (لاٹھی) تمھارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو کہ جو کچھ انھوں نے بنایا ہے اس کو نگل جائے گی۔ سوائے اس کے نہیں جو کچھ انھوں نے بنایا ہے (یہ تو) جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں سے بھی آئے فلاح نہیں پائے گا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝45 ﴾ ''پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ ان (چیزوں) کو جو وہ جھوٹ بنا رہے تھے نگلنے لگی۔'' یعنی اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو ہر جگہ سے اکٹھا کر کے جمع کر لیا اور پھر سب کو نگل لیا اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:118-122) ''تو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ (فرعونی) کرتے تھے باطل ہو گیا اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر واپس ہوئے اور (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے (اور) کہنے لگے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔''

بلاشبہ یہ ایک عظیم الشان معاملہ تھا اور ہر قسم کے عذر اور بہانے کو ختم کرنے کے لیے قاطع برہان اور زبردست حجت تھی کہ فرعون نے جن لوگوں سے نصرت و اعانت طلب کی اور غالب آنے کے لیے جنھیں ہر قسم کی ترغیب دی وہ مغلوب اور مطیع ہو گئے، فوراً موسیٰ پر ایمان لے آئے اور اس اللہ رب العالمین کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے جس نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حق اور عظیم الشان معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ فرعون کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ اس طرح کی شکست فاش کی دنیا نے کوئی مثال نہ دیکھی ہو گی مگر فرعون بڑا بے غیرت اور ضدی تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ وہ ضد، عناد اور باطل دعوے پر اتر آیا اور جادوگروں کو دھمکیاں دیتے ہوئے کہنے لگا: ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ ﴾ (الشعرآء 26:49) ''بے شک یہ تمھارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے۔'' اور سورۂ اعراف میں ہے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ ...... ﴾ الآية (الأعراف 7:123) ''بے شک یہ فریب ہے جو تم نے (مل کر) شہر میں کیا ہے......''

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ

فرعون نے کہا: میرے اجازت دینے سے پہلے تم نے اسے مان لیا، بے شک وہ تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے، لہٰذا جلد تم جان

تَعْلَمُوْنَ ۥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿49﴾ قَالُوْا

لوگے، میں ضرور تمھارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو ضرور سولی چڑھاؤں گا﴿49﴾ وہ کہنے لگے: کوئی حرج نہیں،

لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿50﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ

بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں﴿50﴾ بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے گا، اس لیے کہ ہم

3 ع 18 7 الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿51﴾ ط ع

پہلے ایمان لانے والے ہیں﴿51﴾

تفسیر آیات: 49-51

فرعون اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے والے جادوگروں کی گفتگو: فرعون نے جادوگروں کو ڈانٹ پلائی مگر اس سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا، اس نے انھیں سرزنش کی مگر اس سے ان کے ایمان اور تسلیم و رضا میں اضافہ ہی ہوا، اس لیے کہ اب ان کے دلوں سے کفر کا یہ پردہ ہٹ چکا تھا اور ان کے سامنے حق واضح ہو گیا تھا جس سے ان کی قوم جاہل تھی اور وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کمال دکھایا ہے کسی انسان سے اس طرح کا کام سرزد نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تائید و حمایت سے نوازا ہو اور اپنے رب تعالیٰ کے پاس سے جو یہ لایا ہو اس کی صداقت کی اسے حجت و دلیل بنا دیا ہو، اس لیے فرعون نے ان سے کہا: ﴿ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ﴾ ''(کیا) اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟'' یعنی تم نے یہ جو کام کیا ہے تمھیں اس کی مجھ سے اجازت طلب کرنی چاہیے تھی، میری اجازت کے بغیر تمھیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا، اگر میں تمھیں اجازت دیتا تو تم یہ کام کرتے اور اگر میں تمھیں منع کر دیتا تو تم نہ کرتے کیونکہ حاکم مطاع تو میں ہی ہوں۔ ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ﴾ ''بے شک یہ تمھارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے۔'' یہ فرعون کی ہٹ دھرمی تھی، ہر کوئی جانتا تھا کہ اس کی یہ بات باطل ہے کیونکہ آج کے دن سے پہلے ان جادوگروں کی موسیٰ علیہ السلام سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی تو موسیٰ علیہ السلام ان کے بڑے کیسے ہو سکتے تھے جس نے انھیں جادو سکھایا ہو؟ کوئی عقل مند آدمی ایسی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

پھر فرعون نے جب انھیں ہاتھ پاؤں کاٹنے اور پھانسی دینے کی دھمکی دی تو انھوں نے کہا: ﴿ لَا ضَيْرَ ۫﴾ ''کچھ نقصان نہیں ۔''، یعنی اس میں کوئی حرج نہیں، نہ اس سے ہمیں کوئی نقصان ہو گا اور نہ ہمیں اس کی کوئی پروا ہے۔ ﴿ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿50﴾ ﴾ ''یقیناً ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''، یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور وہ اچھے عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا اور جو سلوک تو ہمارے ساتھ کرے گا وہ اس سے مخفی نہیں ہے، وہ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿52﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل چل، بلاشبہ تمھارا تعاقب کیا جائے گا﴿52﴾ پھر فرعون نے شہروں میں اکٹھا

حٰشِرِيْنَ ﴿53﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿54﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿55﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

کرنے والے بھیجے﴿53﴾ (یہ پیغام دے کر کہ) بے شک یہ (بنی اسرائیل) تھوڑی سی جماعت ہے﴿54﴾ اور بلاشبہ وہ ہمیں غصہ دلانے والے ہیں﴿55﴾ اور بلاشبہ ہم

حٰذِرُوْنَ ﴿56﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿57﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿58﴾ كَذٰلِكَ ط وَاَوْرَثْنٰهَا

ہر وقت چوکنے رہنے والے ہیں﴿56﴾ چنانچہ ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکالا﴿57﴾ اور خزانوں اور بہترین قیام گاہوں سے﴿58﴾ اسی طرح

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾

ہوا، اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا﴿59﴾

ہمیں اس کی پوری پوری جزا دے گا، اسی وجہ سے انھوں نے کہا: ﴿ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ ﴾ ”یقیناً ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا۔“ یعنی وہ گناہ جس کا ہم نے ارتکاب کیا اور جس جادو کرنے پر تو نے ہمیں مجبور کیا، ﴿ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿51﴾ ﴾ ”یہ کہ ہم ہی پہلے ایمان لانے والے ہیں۔“ یعنی ہم اپنی قوم قبط میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، فرعون نے ان سب کو قتل کرا دیا تھا۔

تفسیر آیات:52-59

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج: موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں طویل عرصہ قیام فرمایا اور فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے تمام دلائل و براہین کو قائم کر دیا مگر انھوں نے عناد اور انکار کی روش کو اختیار کیے رکھا اور اب ان کے لیے عذاب کے علاوہ اور کوئی صورت باقی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دے دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر رات کو مصر سے نکل جائیں اور انھیں وہاں لے جائیں جہاں انھیں حکم دیا جائے، موسیٰ نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کیا اور بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے جب بہت سے زیورات مستعار لے لیے تو موسیٰ انھیں لے کر نکل پڑے اور جیسا کہ کئی ایک مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ آپ چاند طلوع ہونے کے وقت نکلے تھے مگر مجاہد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اس رات چاند کو گرہن لگا ہوا تھا۔[1] وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

کیا تم اس بڑھیا سے بھی زیادہ عاجز ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں پوچھا تو بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا نے آپ کو قبر کے بارے میں بتایا۔ آپ نے ان کے تابوت کو بھی اپنے ساتھ اٹھا لیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی اٹھایا تھا، یوسف علیہ السلام نے اس بات کی وصیت فرمائی تھی کہ بنی اسرائیل جب یہاں سے نکلیں تو آپ کے تابوت کو بھی ساتھ لے جائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا جسد مبارک فلسطین لے جانے کا حوالہ ایک حدیث سے بھی ملتا ہے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی (دیہاتی) کے پاس گئے۔ اس دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] تفسیر الطبری:97/19.

خدمت کی تو آپ نے اس سے کہا: [تَعَاهَدْنَا] ''ہمارے پاس بھی آنا۔'' ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [مَا حَاجَتُكَ] ''تم اپنی کسی حاجت کا سوال کر سکتے ہو؟'' وہ کہنے لگا: ایک اونٹنی کجاوے کے ساتھ اور دودھ والی بکریاں جنھیں میرے گھر والے دوہتے رہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَعَجَزْتَ أَنْ تَكُونَ مِثْلَ عَجُوزِ بَنِي إِسْرَائِيلَ؟] ''کیا تم اس بات سے بھی عاجز ہو کہ بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسے ہو جاؤ؟'' صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ مُوسٰى لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَّسِيرَ بِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَضَلَّ الطَّرِيقَ، فَقَالَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ: مَا هٰذَا؟ فَقَالَ لَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ: نَحْنُ نُحَدِّثُكَ أَنَّ يُوسُفَ عليه السلام لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَخَذَ عَلَيْنَا مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ أَلَّا نَخْرُجَ مِنْ مِّصْرَ حَتّٰى نَنْقُلَ تَابُوتَهُ مَعَنَا. فَقَالَ لَهُمْ مُّوسٰى: فَأَيُّكُمْ يَدْرِي أَيْنَ قَبْرُ يُوسُفَ؟ قَالُوا: مَايَعْلَمُهُ إِلَّا عَجُوزٌ لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، فَقَالَ لَهَا: دُلِّينِي عَلٰى قَبْرِ يُوسُفَ. فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ !لَا أَفْعَلُ حَتّٰى تُعْطِيَنِي حُكْمِي. قَالَ لَهَا: وَمَا حُكْمُكِ؟ قَالَتْ: حُكْمِي أَنْ أَكُونَ مَعَكَ فِي الْجَنَّةِ. فَكَأَنَّهُ ثَقُلَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ: فَقِيلَ لَهُ: أَعْطِهَا حُكْمَهَا. قَالَ فَانْطَلَقَتْ مَعَهُمْ إِلٰى بُحَيْرَةٍ - مُّسْتَنْقَعِ مَاءٍ - فَقَالَ لَهُمْ: أَنْضِبُوا هٰذَا الْمَاءَ. فَلَمَّا أَنْضَبُوهُ قَالَتِ: احْتَضِرُوا. فَلَمَّا احْتَضَرُوا اسْتَخْرَجُوا قَبْرَ يُوسُفَ. فَلَمَّا احْتَمَلُوهُ إِذَا الطَّرِيقُ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ]

''حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے تو وہ راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: یہ کیا ہوا؟ ان کے علماء کہنے لگے ہم آپ کو اس کے بارے میں بتاتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے ہم (بنی اسرائیل) سے پکا عہد لیا تھا کہ جب تم مصر سے جانے لگو تو میرا وجود بھی ساتھ ہی لے جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: آپ کی قبر کا کس کو علم ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اسے بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلا بھیجا، (وہ آپ کے پاس آئی تو) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کی قبر کی طرف ہماری رہنمائی کرو۔ وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! نہیں، ایسے نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ تم میرا مطالبہ پورا کرو۔ آپ نے پوچھا: تیرا مطالبہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگی: میں جنت میں آپ کے ساتھ جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مطالبے کو اچھا نہ سمجھا، پس آپ سے کہا گیا کہ اس کا مطالبہ قبول کر لیجیے! چنانچہ وہ آپ کو ایک بحیرہ (پانی کی جگہ) پر لے گئی، جہاں اکثر پانی جمع رہتا تھا، وہ کہنے لگی: اس پانی کو سوتو۔ لوگوں نے اس پانی کو سوت ڈالا، پھر کہنے لگی اس جگہ کو کھودو، جب انھوں نے کھودا تو یوسف علیہ السلام کی قبر نکالی۔ جب انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسد کو اٹھایا تو راستہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا۔''[1]

[1] السلسلة الصحيحة: 623,622/1، حدیث: 313 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الشعرآء: 405,404/2، حدیث: 3523 وتفسير الطبري: 97/19 وصحيح ابن حبان: 500/2 ومسند أبي يعلى الموصلي: 236/13 ومجمع الزوائد: 267/10. البتہ یہ روایت المصباح المنیر (عربی) میں نہیں ہے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿60﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿61﴾ قَالَ كَلَّا

چنانچہ سورج نکلتے ہی انھوں (فرعونیوں) نے ان کا پیچھا کیا﴿60﴾ پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو اصحاب موسیٰ کہنے لگے: یقیناً ہم تو پکڑے

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿62﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

گئے﴿61﴾ موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں! بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا﴿62﴾ تب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا

كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿63﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿64﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ

سمندر پر مار، تو وہ پھٹ گیا، پھر (سمندر کا) ہر ٹکڑا بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا﴿63﴾ اور ہم وہاں دوسروں (فرعونیوں) کو قریب لے آئے﴿64﴾ اور ہم نے

اَجْمَعِيْنَ ﴿65﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿66﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿67﴾

موسیٰ اور جو اس کے ہمراہ تھے، سب کو بچا لیا﴿65﴾ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا﴿66﴾ بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر مومن نہیں ہیں﴿67﴾ اور

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿68﴾ ع 4 17 8

بے شک آپ کا رب، وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا﴿68﴾

صبح ہوئی تو بنی اسرائیل کے علاقے میں کوئی پکارنے والا اور جواب دینے والا، یعنی کوئی بشر نہ تھا۔ فرعون اس صورت حال سے سخت ناراض ہوا اور اس سے بنی اسرائیل کے بارے میں اس کے غضب میں اور شدت آ گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بنا دیا تھا، اس نے جلدی سے شہروں میں نقیب روانہ کر دیے۔ ﴿ حٰشِرِيْنَ ﴿53﴾ ﴾ سے مراد لشکروں اور فوجوں کو جمع کرنے والے ہیں جیسا کہ نقیب اور دربان وغیرہ ہوتے ہیں اور پھر فرعون کہنے لگا کہ ﴿ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ﴾ "بے شک یہ لوگ"، یعنی بنی اسرائیل ﴿ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿54﴾ ﴾ "تھوڑی سی جماعت ہے۔" ﴿ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ "اور بلاشبہ وہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں۔" ہر وقت وہ ایسی بات ہی کرتے ہیں جس سے ہمارے غصے میں اضافہ ہوتا ہے۔ ﴿ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿56﴾ ﴾ "اور بے شک ہم سب یقیناً چوکنے رہنے والے ہیں۔" یعنی ہم ہر وقت اس کی سرکشی سے ڈرتے رہتے ہیں۔ سلف کی ایک جماعت نے اسے: [وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَذِرُونَ] پڑھا ہے، یعنی ہم ہتھیاروں کے ساتھ تیار ہیں۔ اور میں ان کی جڑ کاٹ دینا چاہتا ہوں مگر وہ خود اس انجام سے دوچار ہو گیا جو وہ بنی اسرائیل کے لیے تیار کر رہا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿57﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿58﴾ ﴾ "تو ہم نے انھیں باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور نفیس مکانات سے۔" یعنی نعمتوں سے بھرے ہوئے مقامات سے نکل کر وہ جہنم رسید ہو گئے اور ان بلند و بالا مکانات، سرسبز و شاداب باغات، رواں دواں نہروں، طرح طرح کے اموال و ارزاق اور زبردست حکومت و بادشاہت کو دنیا ہی میں چھوڑ گئے۔ ﴿ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾ ﴾ "ایسے ہی ہوا اور ہم نے ان کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا۔" جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ ...... ﴾ الآیة (الأعراف 137:7) "اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اس سرزمین (شام) کے مشرق و مغرب کا وارث کر دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی......۔" اور فرمایا: ﴿ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ

الْوٰرِثِیْنَ ۙ وَ نُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ○ ﴾ (القصص 28:5,6)

''اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ زمین (مصر) میں کمزور کردیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور انھیں پیشوا بنائیں اور انھیں (ملک کا) وارث بنائیں اور ملک میں انھیں قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

تفسیر آیات: 60-68

فرعون اور اس کی قوم کی غرقابی: کئی ایک مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ فرعون لشکر ہائے جرار اور اپنی حکومت کے تمام ارباب حل وعقد، یعنی امراء، وزراء، کبراء و رؤساء کے ساتھ نکلا، ﴿ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ۝۶۰ ﴾ ''تو انھوں نے سورج نکلتے وقت ان کا تعاقب کیا۔'' یعنی طلوع آفتاب کے وقت ان کے پاس پہنچ گئے۔ ﴿ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ ﴾ ''پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسری کو دیکھا'' اور ہر جماعت نے دوسرے کو دیکھ لیا تو اس وقت ﴿ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝۶۱ ﴾ ''موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو یقیناً پکڑے گئے۔'' کیونکہ وہ بحر قلزم کے ساحل تک پہنچ گئے تھے اور اب آگے دریا تھا اور پیچھے فرعون اور اس کا لشکر، اس لیے انھوں نے کہا: ﴿ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝۶۱ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝۶۲ ﴾ ''ہم تو یقیناً پکڑے گئے، موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں، میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ مجھے ضرور رستہ بتائے گا۔'' یعنی ایسی کوئی چیز تم تک نہ پہنچ سکے گی جس سے تم ڈرتے ہو کیونکہ اس بات کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں یہاں لے آؤں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ہارون علیہ السلام موسیٰ کی قوم کے مقدمہ میں تھے اور یوشع بن نون بھی ان کے ساتھ تھے اور آل فرعون کے ایمان لانے والوں میں سے ایک شخص اور خود موسیٰ علیہ السلام لشکر کے پیچھے تھے۔ کئی ایک مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ساحل پر آکر کھڑے ہوگئے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں۔ یوشع بن نون یا آل فرعون میں سے ایمان لانے والے نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: یا نبی اللہ! کیا آپ کے رب نے یہ حکم دیا تھا کہ یہاں پر لے آؤ! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ہاں، اب فرعون اور اس کے لشکر اور قریب آگئے تھے اور بہت تھوڑا فاصلہ درمیان میں رہ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا پر ماریں، آپ نے ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل میں لاٹھی کو دریا پر مارا اور فرمایا: اللہ کے حکم سے پھٹ جا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۝۶۳ ﴾ ''تو وہ پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا کہ گویا بڑا پہاڑ ہے۔'' بقول ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، محمد بن کعب، ضحاک، قتادہ وغیرہم رحمہم اللہ ﴿ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۝۶۳ ﴾ کے معنی بڑے پہاڑ کے مانند ہیں۔[1] عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ اس کے معنی دو پہاڑوں کے درمیان راستے کے ہیں۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دریا میں بارہ رستے، یعنی ہر قبیلے کے لیے ایک رستہ تھا۔[3] سدی نے یہ بھی بیان کیا

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2773/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2774/8. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2773/8 عن أبی مسعود الجریری.

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿70﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا

اوران (کفار) کوابراہیم کی خبر سنایئے ﴿69﴾ جب اس نے اپنے باپ اوراپنی قوم سے کہا: تم کیا پوجتے ہو؟ ﴿70﴾ وہ کہنے لگے: ہم بت پوجتے ہیں، پس ہم

فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿71﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿72﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿73﴾

(ہمیشہ) انھی کے مجاور رہیں گے ﴿71﴾ ابراہیم نے کہا: کیا وہ تمھیں سنتے ہیں جب تم انھیں پکارتے ہو؟ ﴿72﴾ یا وہ تمھیں نفع دیتے ہیں یا ضرر پہنچاتے ہیں؟ ﴿73﴾

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿74﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿75﴾

انھوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، وہ اسی طرح کرتے تھے ﴿74﴾ ابراہیم نے کہا: کیا بھلا دیکھا تم نے جن کو تم پوجتے آرہے ہو؟ ﴿75﴾ تم

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿76﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿77﴾

اور تمھارے اگلے باپ دادا؟ ﴿76﴾ تو بلاشبہ وہ میرے دشمن ہیں، سوائے رب العالمین کے ﴿77﴾

ہے کہ دیواروں میں روشن دان بھی تھے جن سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہے تھے اور پانی یوں کھڑا تھا جیسے دیواریں ہوں۔[1] اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھی بھیج دیا جس سے دریا کا پینda خشک ہو کر اس طرح ہو گیا جیسے سطح زمین ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴾ (طٰہٰ 20:77) ''پھر ان کے لیے دریا میں لاٹھی مار کر خشک رستہ بنا دو، پھر تم کو نہ تو (فرعون کے) آ پکڑنے کا خوف ہو گا اور نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿64﴾ ﴾ ''اور دوسروں کو وہاں ہم نے قریب کر دیا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء خراسانی، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ فرعون اور اس کے لشکروں کو ہم نے دریا کے قریب کر دیا۔[2] ﴿ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿65﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿66﴾ ﴾ ''اور موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں سب کو تو بچا لیا، پھر دوسروں کو ڈبو دیا۔'' یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور ان کے دین کی اتباع کرنے والے تمام لوگوں کو بچا لیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ہلاک نہ ہوا اور فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کر دیا کہ ان میں کوئی ایک بھی نہ بچا،[3] پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ ﴾ ''بے شک اس میں نشانی ہے۔'' یعنی اس قصے میں جو عجائبات ہیں اور مومن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید کا ذکر ہے، اس میں نشانی بلکہ حجت قاطعہ اور حکمت بالغہ ہے۔ ﴿ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿67﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿68﴾ ﴾ ''لیکن ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ اور یقیناً آپ کا پروردگار انتہائی غالب، خوب مہربان ہے۔'' اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔[4]

تفسیر آیات: 69-77

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قوم سے مکالمہ: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد ورسول اور خلیل، امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی امت کو ان کا حال پڑھ کر سنا دیں تاکہ وہ اخلاص،

① تفسیر الطبری: 100/19. ② تفسیر الطبری: 101/19. ③ فرعون کی غرقابی کا نقشہ دیکھیے یونس، آیات: 90-92 کے ذیل میں۔ ④ دیکھیے الشعرآء، آیات: 9,8 کے ذیل میں۔

توکل، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور شرک و مشرکین سے اظہار براءت میں ان کے نقش قدم پر چلیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے بڑھاپے تک رشد و ہدایت سے سرفراز رکھا تھا، انھوں نے جیسے ہی شعور کی آنکھیں کھولیں تو اپنی قوم کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے زبردست مخالفت کی۔ ﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟'' یعنی یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پرستش پر تم ڈٹے ہوئے ہو؟ ﴿ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿71﴾ ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں، سو ہم ان کے لیے ہی مجاور رہیں گے۔'' یعنی ہم ان کی پوجا کرنے اور ان کے پکارنے پر قائم ہیں۔ ﴿ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿72﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿73﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿74﴾ ﴾ ''ابراہیم نے کہا کہ جب تم انھیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمھاری (آواز) سنتے ہیں یا تمھیں کچھ فائدہ دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انھوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔'' یعنی انھوں نے اعتراف کیا کہ ان کے بت اس طرح کا کوئی کام نہیں کر سکتے مگر انھوں نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے، لہٰذا وہ بھی انھی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿75﴾ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿76﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿77﴾ ﴾ ''تو کیا تم نے دیکھا کہ جنھیں تم پوجتے رہے ہو، تم بھی اور تمھارے پہلے باپ دادا بھی، پس بے شک وہ میرے دشمن ہیں مگر (اللہ) رب العالمین (میرا دوست ہے۔)'' یعنی اگر ان بتوں میں کوئی تاثیر ہے تو وہ مجھے نقصان پہنچالیں کیونکہ میں ان کا دشمن ہوں، مجھے ان کی کوئی پروا اور کوئی فکر نہیں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ...... ﴾ الآية (یونس 71:10)

''پس تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر اپنا معاملہ (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) پکا کر لو......''

ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (ھود 11:54-56) ''میں تو اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جنھیں تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، اللہ کے سوا تم سب مل کر میرے بارے میں تدبیر (کرنی چاہو تو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میں اللہ پر، جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو بھی چلنے پھرنے والا جاندار ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔''

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے معبودانِ باطلہ سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ وَ كَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ ...... ﴾ الآية (الأنعام 6:81) ''بھلا میں ان چیزوں سے جنھیں تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جبکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو......'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿78﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿79﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿80﴾

جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے ﴿78﴾ اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے ﴿79﴾ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے ﴿80﴾

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿81﴾ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿82﴾

اور وہی مجھے موت دے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا ﴿81﴾ اور وہی جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز قیامت میری خطائیں بخش دے گا ﴿82﴾

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ ...... ﴾ الآیۃ (الممتحنۃ 4:60) ''یقیناً تمھارے لیے بہترین نمونہ ابراہیم اور ان لوگوں میں ہے جو اس کے ساتھ تھے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: بے شک ہم تم سے اور ان سے بری ہیں جن کی تم سوائے اللہ کے عبادت کرتے ہو، ہم نے تم سے کفر کیا، ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا ہے، حتی کہ تم اللہ اکیلے پر ایمان لے آؤ......'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ○ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف 43:26-28) ''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ ہاں، جس نے مجھے پیدا کیا، پس بلاشبہ وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا اور اس نے اس (کلمہ توحید) کو اپنے پیچھے باقی رہنے والا کلمہ کر دیا تا کہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔'' کلمے سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔

تفسیر آیات: 78-82

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تو اس ذات گرامی کی عبادت کرتا ہوں: ﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿78﴾ ﴾ ''جس نے مجھے پیدا کیا ہے سو وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے۔'' یعنی وہ خالق جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرما دیا، مخلوقات کو اپنی طرف راہ دکھائی اور ہر چیز اس کے مقرر کردہ اندازے کے مطابق چل رہی ہے، وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرما دے اور جسے چاہے گمراہی میں مبتلا کر دے۔ ﴿ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿79﴾ ﴾ ''اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔'' یعنی وہی میرا خالق اور رازق ہے، اسی نے آسمانی اور زمینی اسباب کو مسخر اور آسان بنا دیا ہے، اسی نے بادلوں کو چلایا، بارانِ رحمت کو نازل فرمایا، زمین کو زندگی عطا فرمائی اور اس سے انواع و اقسام کے تمام پھلوں کو پیدا فرما کر اپنے بندوں کے رزق کے قابل بنا دیا، آسمان سے شیریں اور صاف شفاف پانی کو نازل فرما کر ان بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو جو اس نے پیدا فرمائے، پلا دیا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿80﴾ ﴾ ''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے۔'' دیکھیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اپنی طرف کی، اگرچہ بیماری بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قضا و قدر کے مطابق ہوتی ہے لیکن بارگاہِ الٰہی کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اپنی طرف کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نمازی کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ کہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ ﴾

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿83﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿84﴾

اے میرے رب! مجھے حکمت عطا فرما، اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا﴿83﴾ اور بعد والوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ﴿84﴾ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿85﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿86﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ

میں سے کر دے﴿85﴾ اور میرے باپ کو بخش دے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا﴿86﴾ اور جس دن وہ (لوگ دوبارہ) اٹھائے جائیں گے، مجھے رسوا نہ

يُبْعَثُوْنَ ﴿87﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿88﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿89﴾

کرنا﴿87﴾ جس دن نہ مال کوئی نفع دے گا اور نہ اولاد ہی﴿88﴾ الا یہ کہ کوئی اللہ کے پاس (شرک و بدعت سے پاک) صحیح سالم دل کے ساتھ حاضر ہو﴿89﴾

(الفاتحة 1:5-7) ''ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔ نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔'' اس دعا میں انعام اور ہدایت کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے مگر ادب کے پیش نظر غضب کے فاعل کو حذف کر دیا گیا اور ضلالت کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی جیسا کہ جنوں نے کہا تھا: ﴿ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ (الجن 72:10) ''اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔'' اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿80﴾ ﴾ ''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے۔'' یعنی جب میں کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے شفا دینے پر کوئی اور قادر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی ایسے اسباب مہیا فرما دیتا ہے جو شفا کا باعث بنتے ہیں۔ ﴿ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿81﴾ ﴾ ''اور وہ جو مجھے مارے گا (اور) پھر زندہ کرے گا۔'' یعنی وہی زندگی بخشتا اور مارتا ہے، موت و حیات پر اس کے سوا کوئی قادر نہیں، وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ ﴿ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿82﴾ ﴾ ''اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔'' یعنی دنیا و آخرت میں گناہوں کے بخشنے پر بھی اس کے سوا کوئی قادر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو بخش بھی کون سکتا ہے اور وہ جو چاہے اسے کر گزرتا ہے۔

تفسیر آیات: 83-89

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی اپنے اور اپنے باپ کے لیے دعا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ آپ کو حکم عطا فرما دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حکم سے یہاں مراد علم ہے۔[1] ﴿ وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿83﴾ ﴾ ''اور مجھے نیکوکاروں میں شامل کر۔'' یعنی دنیا و آخرت میں مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما دے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات فرمایا تھا: [اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى] ''اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ (انبیاء و صالحین) کے ساتھ ملا دے۔''[2] آپ نے یہ الفاظ تین بار ادا فرمائے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿84﴾ ﴾ ''اور پچھلے لوگوں میں میری سچی

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2781/8. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته......، حديث: 4437.

ناموری کر دے۔'' یعنی میرے بعد میرا ذکر جمیل جاری رہے، مجھے یاد کیا جائے اور نیک کاموں میں میری اقتدا کی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:108-110) ''اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کے لیے یہ بات چھوڑ دی (تاکہ) ابراہیم پر سلام ہو، نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاجْعَلْنِي مِن وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ ﴾ ''اور مجھے نعمت کی بہشت کے وارثوں میں سے کر۔'' یعنی دنیا میں مجھ پر یہ انعام فرما کہ میرے بعد میرا ذکر جمیل باقی رہے اور آخرت میں یہ انعام فرما کہ نعمت کی بہشت کے وارثوں میں سے بنا دے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ ﴾ ''اور میرے باپ کو بخش دے کہ بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ ﴾ (ابراھیم 14:41) ''اے ہمارے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔'' بعد میں اپنے باپ کے لیے دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رجوع فرما لیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:114) ''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بہت زیادہ آہ و زاری کرنے والے اور بردبار تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے کہ ابراہیم کے اپنے باپ کے لیے استغفار کو تم نے اپنے لیے اسوہ قرار نہیں دینا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ﴾ (الممتحنۃ 60:4) ''یقیناً تمھارے لیے بہترین نمونہ ابراہیم اور ان لوگوں میں ہے جو اس کے ساتھ تھے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: بے شک ہم تم سے اور ان سے بری ہیں جن کی تم سوائے اللہ کے عبادت کرتے ہو، ہم نے تم سے کفر کیا، ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا ہے، حتی کہ تم اللہ اکیلے پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (تمھارے لیے نمونہ نہیں) کہ میں تیرے لیے بخشش کی دعا ضرور کروں گا اور میں تیرے لیے اللہ سے کسی چیز (کے دلوانے) کا مالک نہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ ﴾ ''اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا۔'' یعنی قیامت کے دن جب اگلے پچھلے سارے لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے، مجھے ذلت و رسوائی سے بچانا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَرٰى أَبَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ الْغَبَرَةُ وَالْقَتَرَةُ] ''ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ کو دیکھیں

گے کہ اس پر غبار اور ذلت چھائی ہوگی۔‘‘[1] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ، فَيَقُولُ: يَارَبِّ! إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَّا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ، فَيَقُولُ اللّٰهُ: إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ] ’’ابراہیم اپنے باپ سے ملیں گے تو کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام قرار دے رکھا ہے۔‘‘[2] اس آیت کی تفسیر میں تو امام بخاری نے اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے اور احادیث الانبیاء میں اس روایت کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

[يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلَى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَّغَبَرَةٌ، فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ: أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ: لَا تَعْصِنِي، فَيَقُولُ أَبُوهُ: فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ، فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ: يَا رَبِّ! إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَن لَّا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ، فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ؟ فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا إِبْرَاهِيمُ! مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ، فَيَنْظُرُ، فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُّلْتَطِخٍ، فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ]

’’ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر کو ملیں گے کہ آزر کے چہرے پر ذلت و رسوائی اور غبار ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو؟ تو آپ کا باپ جواب دے گا کہ آج میں تمھاری نافرمانی نہیں کروں گا، ابراہیم عرض کریں گے کہ اے پروردگار! تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تو روز قیامت مجھے رسوا نہیں کرے گا تو تیری رحمت سے کوسوں دور میرے اس باپ کی رسوائی سے بڑھ کر (میری) اور کیا رسوائی ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام قرار دے رکھا ہے، پھر کہا جائے گا کہ اے ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو، آپ دیکھیں گے کہ ایک بجو ہے، جو اپنی غلاظت میں لتھڑا ہوا ہے، پس اسے پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔‘‘[3]
امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے سنن کبریٰ کی کتاب التفسیر میں بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴾ ’’جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔‘‘ یعنی اس دن نہ مال انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا، خواہ وہ زمین بھر کر سونا ہی بطور فدیہ کیوں نہ دے اور نہ بیٹے ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکیں گے بلکہ اگر وہ روئے زمین کے سارے انسانوں کو بطور فدیہ دینا چاہے تو پھر بھی عذاب الٰہی سے بچ نہ سکے گا، اس دن تو صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت اور شرک اور مشرکین سے اظہار براءت ہی کام آئے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ ’’ہاں، جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ (الشعرآء 26:87)، حديث: 4768 . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ (الشعرآء 26:87)، حديث: 4769 . [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ (النسآء 4:125) ......، حديث: 3350 . [4] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ :422/6، حديث: 11375.

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿90﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿91﴾ وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

اور جنت متقین کے قریب کی جائے گی﴿90﴾ اور دوزخ کو گمراہوں کے لیے ظاہر ونمایاں کر دیا جائے گا﴿91﴾ اور ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ جنھیں تم

تَعْبُدُوْنَ ﴿92﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿93﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ

پوجتے تھے﴿92﴾ اللہ کے سوا؟ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا وہ بدلہ لے سکتے ہیں؟﴿93﴾ پھر وہ اور (سب) گمراہ اس جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں

وَ الْغَاوٗنَ ﴿94﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿95﴾ قَالُوْا وَ هُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿96﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ

گے﴿94﴾ اور ابلیس کے سارے لشکر بھی﴿95﴾ وہ کہیں گے جبکہ وہ وہاں جھگڑ رہے ہوں گے:﴿96﴾ اللہ کی قسم! یقیناً ہم ہی کھلی گمراہی میں تھے﴿97﴾ جبکہ ہم تمھیں

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿97﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿98﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿99﴾ فَمَا لَنَا مِنْ

رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے﴿98﴾ اور ہمیں تو (انھی بڑے) مجرموں ہی نے بہکایا تھا﴿99﴾ تو (اب) ہمارے لیے کوئی سفارشی نہیں ہے﴿100﴾ اور نہ کوئی

شَافِعِيْنَ ﴿100﴾ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿101﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿102﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

مخلص دوست﴿101﴾ کاش! پھر ہم ایک بار (دنیا میں) لوٹیں تو ہم مومنوں میں سے ہو جائیں﴿102﴾ بے شک اس میں عظیم نشانی ہے۔ اور ان کے اکثر ایمان

لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾ ع 5 36 9

لانے والے نہیں ہیں﴿103﴾ اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا﴿104﴾

گا۔)'' پاک دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک کے میل کچیل سے پاک ہو۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جسے یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ قبروں میں مدفون لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔[1] سعید بن میسّب کہتے ہیں کہ قلب سلیم سے صحیح دل مراد ہے۔[2] اور وہ مومن کا دل ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ (البقرة 2:10) ''ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے۔'' ابوعثمان نیساپوری کہتے ہیں کہ قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو بدعت سے سالم اور سنت پر مطمئن ہو۔[3]

تفسیر آیات: 90-104

قیامت کے دن پرہیز گاروں اور گمراہوں کا انجام: ﴿وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ﴾ ''اور جنت قریب کردی جائے گی۔'' یعنی اسے جنتیوں کے قریب کر دیا جائے گا جو کہ دیکھنے والوں کے لیے بہت مزین اور خوش نما ہوگی اور اسے دیکھنے والے وہ متقی اور پرہیز گار لوگ ہوں گے جنھوں نے دنیا میں رہ کر جنت کی رغبت کی اور اس کے حصول کے لیے عمل کیے تھے۔ ﴿وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿91﴾﴾ ''اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لایا جائے گا۔'' یعنی ظاہر اور نمایاں کیا جائے گا اور اس سے ایک گردن نکلے گی جو اس قدر زور سے سانس لے گی کہ اس سے دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور دوزخیوں سے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا جائے گا: ﴿اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿92﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿93﴾﴾ ''جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا خود بدلہ لے سکتے ہیں؟'' یعنی یہ اصنام و انداد اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم

[1] تفسير الطبري: 108/19 وتفسير ابن أبي حاتم: 2783/8. [2] تفسير البغوي: 471/3. [3] تفسير البغوي: 471/3.

نے پوجا کی تھی یہ معبود نہیں ہیں، نہ آج یہ تمھارے کچھ کام آسکتے ہیں اور نہ اپنے آپ سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ آج تم بھی اور تمھارے معبودان باطلہ بھی سب دوزخ کا ایندھن ہیں اور تم سب جہنم رسید ہونے والے ہو۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴾ ''تو وہ اور گمراہ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔'' مجاہد نے کہا کہ وہ اس میں الٹے لٹکا دیے جائیں گے۔[1] دیگر ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ وہ اس میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے۔ اس میں حرف ''کاف'' مکرر ہے جیسا کہ صرصر میں ''صاد'' مکرر ہے، مراد یہ ہے کہ کفار اور ان کے ان سرداروں کو جنھوں نے انھیں شرک کی دعوت دی تھی جہنم میں انھیں ایک دوسرے کے اوپر گرا دیا جائے گا۔ ﴿ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴾ ''اور شیطان کے لشکر سب کے سب (جہنم میں داخل ہوں گے۔)'' یعنی ان کو سب سے آخر میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

﴿ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''وہاں وہ آپس میں جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ اللہ کی قسم! ہم تو صریح گمراہی میں تھے جبکہ تمھیں (اللہ) رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔'' یعنی کمزور بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمھارے پیروکار تھے، کیا آج ہماری طرف سے تم جہنم کا کچھ عذاب بھگت لو گے۔ اور پھر خود اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اللہ کی قسم! ہم تو صریح گمراہی میں تھے جبکہ تمھیں (اللہ) رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔'' یعنی تمھارے حکم کی اس طرح اطاعت کرتے تھے جس طرح اللہ رب العالمین کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اور رب العالمین کے ساتھ ہم تمھاری بھی عبادت کرتے تھے۔ ﴿ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ ''اور ہم کو ان گناہ گاروں ہی نے گمراہ کیا تھا۔'' اور ان مجرموں ہی نے ہمیں اس کی دعوت دی تھی۔ ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴾ ''تو آج نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے۔'' جیسا کہ وہ کہیں گے: ﴿ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ﴾ (الأعراف 7:53) ''بھلا آج ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں کہ ہماری سفارش کریں یا ہم (دنیا میں) پھر لوٹا دیے جائیں کہ جو عمل بد ہم پہلے کرتے تھے (وہ نہ کریں بلکہ) ان کے سوا اور نیک عمل کریں۔'' اسی طرح یہ بھی کہیں گے: ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴾ ''تو آج نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے اور نہ گرم جوش دوست۔'' ﴿ صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴾ کے معنی قریبی دوست کے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''کاش! ہمیں دنیا میں پھر جانا ہو تو ہم مومنوں میں ہو جائیں۔'' یعنی وہ یہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! انھیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ اپنے رب کی اطاعت بجا لائیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اگر انھیں دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو پھر یہ اسی بات کی طرف لوٹ آئیں گے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور یہ بالکل جھوٹے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سورۂ ص میں بھی دوزخیوں کے جھگڑے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴾ (صٓ 38:64) ''بے شک یہ اہل دوزخ کا جھگڑنا برحق ہے۔'' پھر فرمایا:

[1] تفسیر الطبری: 109/19.

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿105﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿106﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا﴿105﴾ جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟﴿106﴾ بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول

اَمِيْنٌ ﴿107﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿108﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

ہوں﴿107﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿108﴾ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے﴿109﴾ لہٰذا تم

الْعٰلَمِيْنَ ﴿109﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿110﴾

اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿110﴾

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿111﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿112﴾

انھوں نے کہا: کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں، حالانکہ تیری پیروی تو رذیل لوگوں نے کی ہے﴿111﴾ نوح نے کہا: اور مجھے کیا معلوم جو وہ عمل کرتے

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿113﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿114﴾ اِنْ اَنَا

رہے ہیں﴿112﴾ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے اگر تم کچھ شعور رکھتے ہو﴿113﴾ اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں﴿114﴾ میں تو

اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿115﴾

کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں﴿115﴾

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ ﴾ ''بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں۔'' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم سے جھگڑنے اور ان پر توحید کے دلائل قائم کر دینے میں بڑی واضح اور روشن نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ﴿ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾ ﴾ ''اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں اور یقیناً آپ کا پروردگار انتہائی غالب، خوب مہربان ہے۔''

تفسیر آیات:105-110

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے، بتوں کی پوجا پاٹ شروع ہونے کے بعد یہ پہلے رسول تھے جنھیں اہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مبعوث فرمایا تاکہ وہ اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع کریں اور اس کے برے انجام سے ڈرائیں مگر قوم نے آپ کی تکذیب کی اور وہ بتوں کی عبادت کے خبیث کام پر ہی لگی رہی۔ انھوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی جو تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے تمام انبیاء کی تکذیب قرار دیا اور اسی لیے فرمایا: ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿105﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿106﴾ ﴾ ''قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔'' یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کے سوا غیروں کی پوجا کرتے ہو، ﴿ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿107﴾ ﴾ ''میں تو تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں۔'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارا پیغمبر ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس کے پہنچانے میں امین ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات بلا کم و کاست تم تک پہنچا رہا ہوں۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿108﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿116﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿117﴾

وہ بولے: اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو، تو ضرور سنگسار کیے گئے لوگوں میں سے ہوگا﴿116﴾ نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلایا

فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي

ہے﴿117﴾ لہٰذا تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما، اور مجھے اور جو میرے ہمراہ مومن ہیں ان کو نجات دے﴿118﴾ چنانچہ ہم نے اسے اور جو (لوگ) بھری

الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿119﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿120﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

کشتی میں اس کے ساتھ تھے ان کو نجات دی﴿119﴾ پھر اس کے بعد ہم نے باقی سب غرق کر دیے﴿120﴾ بے شک اس میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿121﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿122﴾

مومن نہیں﴿121﴾ اور بلاشبہ آپ کا رب، وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا﴿122﴾

﴿ الْعٰلَمِيْنَ ﴿109﴾ ﴾ ”تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کام کا تم سے صلہ بھی نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اللہ رب العالمین ہی پر ہے۔“ تمھیں نصیحت کرنے پر میں تم سے کوئی صلہ (معاوضہ) نہیں مانگتا بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ ہی سے ثواب کا طلب گار ہوں۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿110﴾ ﴾ ”پس اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔“ تمھارے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ میں راست باز اور ہمدرد و خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جس پیغام کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے اسے پہنچانے میں امانت دار ہوں۔

تفسیر آیات: 111-115

قوم نوح کا جواب: قوم نوح نے جواب دیا کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے نہ تمھاری پیروی کریں گے اور نہ تم پر ایمان لانے والے ان گھٹیا لوگوں کو اپنے لیے نمونہ قرار دیں گے جنھوں نے تمھاری اتباع و تصدیق کی ہے کیونکہ وہ تو ہمارے کمین لوگ ہیں، اسی وجہ سے ﴿ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿111﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿112﴾ ﴾ ”وہ بولے کہ کیا ہم تم کو مان لیں، حالانکہ تمھارے پیرو تو رذیل لوگ ہوتے ہیں۔ نوح نے کہا کہ مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کچھ کرتے تھے۔“ یعنی اگر یہ لوگ میری اتباع کرتے ہیں تو مجھ پر کیا لازم ہے؟ یعنی وہ جو کام بھی کرتے ہوں مجھ پر لازم نہیں ہے کہ میں اس کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لوں، میرے لیے صرف یہی کافی ہے کہ میں ان کی اس بات کو قبول کر لوں کہ وہ میری تصدیق کرتے ہیں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دوں۔ ﴿ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿113﴾ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿114﴾ ﴾ ”ان کا حسابِ (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے، کاش! تم سمجھو اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔“ معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح نے ان سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان لوگوں کو دور ہٹا دیں، پھر وہ آپ کی اتباع کریں گے مگر آپ نے اپنے ان مومن ساتھیوں کو دور ہٹانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿114﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿115﴾ ﴾ ”اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں، میں تو صرف واضح ڈرانے والا ہوں۔“ یعنی مجھے نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے، جو میری اطاعت، اتباع اور تصدیق کرے، وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، خواہ وہ صاحبِ حیثیت ہو یا ادنیٰ درجے کا،

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿123﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿124﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

(قوم) عاد نے رسولوں کو جھٹلایا﴿123﴾ جب ان کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟﴿124﴾ بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول

اَمِيْنٌ ﴿125﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿126﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

ہوں﴿125﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿126﴾ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے﴿127﴾

عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿127﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿128﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ

کیا تم ہر اونچی جگہ پر بطور کھیل تماشا یادگاریں بناتے ہو؟﴿128﴾ اور تم مضبوط محل بناتے ہو، شاید تم ہمیشہ (یہیں) رہو گے﴿129﴾ اور جب تم (کسی پر) ہاتھ ڈالتے

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿129﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿130﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿131﴾

ہو تو سرکش بن کر ہی ہاتھ ڈالتے ہو﴿130﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿131﴾ اور تم اس ذات سے ڈرو جس نے تمھیں ان چیزوں میں بڑھایا

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿132﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿133﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿134﴾

(امداد دی) ہے جو تم جانتے ہو﴿132﴾ اس نے تمھیں بڑھایا ہے مویشیوں اور بیٹوں میں﴿133﴾ اور باغوں اور چشموں میں﴿134﴾ بلاشبہ میں تم پر یوم عظیم کے

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿135﴾

عذاب سے ڈرتا ہوں﴿135﴾

بڑا ہو یا چھوٹا۔

تفسیر آیات:116-122

قوم کی دھمکی، نوح علیہ السلام کی بددعا اور قوم کی ہلاکت: جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ایک طویل عرصہ گزار لیا اور انھیں رات دن، چھپ چھپ کر اور علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی مگر جیسے جیسے آپ انھیں دعوت دیتے ان کے کفر میں مزید سختی پیدا ہو جاتی اور وہ پہلے سے بڑھ کر شدت کے ساتھ مخالفت شروع کرتے اور آخر کار کہنے لگے: ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿116﴾﴾ ''اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو البتہ ضرور سنگسار کیے ہوئے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔'' یعنی اگر تم ہمیں اپنے دین کی طرف دعوت دینے سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمھیں سنگسار کر دیں گے۔ اس موقع پر نوح علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا، نوح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: ﴿رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿117﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾﴾ ''اے میرے پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا، سو تو میرے اور ان کے درمیان (ایک کھلا) فیصلہ کر دے، اور مجھے اور جو میرے ہمراہ مومن ہیں انھیں نجات دے دے۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (القمر 54:10) ''تو انھوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (یا الٰہی!) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو ان سے بدلہ لے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿119﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿120﴾﴾ ''پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں سوار تھے ان کو بچا لیا، پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا۔'' ﴿الْمَشْحُوْنِ ﴿119﴾﴾ کے معنی بھری ہوئی کے ہیں۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی

کشتی سازوسامان اور ہر چیز کے اس جوڑے کے ساتھ بھری ہوئی تھی جسے انھوں نے اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا تھا۔آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والے سب لوگوں کو بچا لیا اور آپ کے ساتھ کفر کرنے والوں اور آپ کی مخالفت کرنے والے سب لوگوں کو غرق کر دیا تھا۔﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿121﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿122﴾ ﴾ ''بے شک اس میں نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور آپ کا پروردگار انتہائی غالب، خوب مہربان ہے۔''

تفسیر آیات:123-135

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے بھی اپنی قوم عاد کو دعوت دی، آپ کی قوم سرزمین احقاف میں رہتی تھی، احقاف حضرموت کے قریب بلاد یمن سے ملے ہوئے ریت کے پہاڑ تھے، ان کا زمانہ قوم نوح کے بعد ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں فرمایا: ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ ﴾ (الأعراف 69:7) ''اور یاد تو کرو جب اس نے تمھیں قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تمھیں قد و قامت میں زیادہ پھیلاؤ دیا۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جسمانی طور پر بہت طاقت و قوت عطا فرمائی تھی، ان کے قد بہت طویل تھے، رزق کی خوب فراوانی تھی، ہر طرح کے مال و دولت، باغوں، نہروں، فصلوں، پھلوں اور بیٹوں سے انھیں نوازا گیا تھا، اس کے باوجود وہ غیر اللہ کی پوجا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھی میں سے ایک شخص ہود علیہ السلام کو رسول اور بشیر و نذیر بنا کر ان کی طرف مبعوث فرمایا، انھوں نے انھیں اللہ وحدہ لا شریک کی دعوت دی اور اس کی مخالفت و نافرمانی کی وجہ سے اس کے عذاب سے انھیں ڈرایا اور حضرت نوح علیہ السلام کی طرح انھیں خوب سمجھایا اور فرمایا: ﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿128﴾ ﴾ ''بھلا تم ہر اونچی جگہ پر عبث و بے جا عمارتیں بناتے ہو؟'' ﴿ رِيْعٍ ﴾ کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشہور راستوں کے قریب اونچی جگہ کو ﴿ رِيْعٍ ﴾ کہتے ہیں، اس طرح کی جگہ پر وہ مضبوط و مستحکم اور عالی شان عمارت بنایا کرتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً ﴾ ''بھلا تم ہر اونچی جگہ پر عمارتیں بناتے ہو؟'' یعنی نشانی کے طور پر ایک مشہور عمارت بنا دیتے ہو، ﴿ تَعْبَثُوْنَ ﴿128﴾ ﴾ فضول کام کرتے ہو، تمھیں اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ محض لہو و لعب اور اظہارِ قوت کے طور پر تم یہ کام کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے نبی نے انھیں اس کام سے اس لیے منع فرمایا کہ اس میں تضییع اوقات تھا، بلا فائدہ جسموں کو محنت و مشقت میں مبتلا کرنا اور ایسی مشغولیت اختیار کرنا جس کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ تھا، اس لیے فرمایا: ﴿ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿129﴾ ۚ ﴾ ''اور تم مضبوط محل بناتے ہو شاید کہ تم ہمیشہ رہو گے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ مَصَانِعَ ﴾ سے مراد بڑے بڑے محل اور ہمیشہ قائم رہنے والی عمارتیں ہیں۔[1] اور ﴿ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿129﴾ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ تم یہ محل اس لیے

[1] تفسیر الطبری: 117/19.

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿136﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿137﴾

انھوں نے کہا: ہمارے لیے برابر ہے، خواہ تو وعظ ونصیحت کرے یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہو﴿136﴾ یہ تو پہلوں ہی کی عادت ہے﴿137﴾ اور ہم عذاب

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿138﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

دیے جانے والے نہیں﴿138﴾ پھر انھوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿140﴾ ع 7 18 11

تھے﴿139﴾ اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا﴿140﴾

بناتے ہو کہ تم ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے، حالانکہ یہ بات تمھیں حاصل نہیں ہے بلکہ تمھاری دنیا کی زندگی بھی ایک نہ ایک دن اسی طرح ختم ہو جائے گی جس طرح کہ پہلے لوگوں کی زندگی ختم ہو گئی تھی۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿130﴾ ﴾ ''اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو۔'' یعنی اس میں ان کی قوت، سختی اور شدت کا ذکر فرمایا ہے۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿131﴾ ﴾ ''پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' یعنی اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنے رسول کی اطاعت بجالاؤ، پھر انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں یاد دلائیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں سرفراز فرمایا تھا: ﴿ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿132﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿133﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿134﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿135﴾ ﴾ ''اور اس سے ڈرو جس نے تمھیں ان چیزوں سے بڑھایا جنھیں تم جانتے ہو، اس نے تمھیں مویشیوں اور بیٹوں سے بڑھایا اور باغوں اور چشموں سے۔ بے شک میں تمھارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔'' یعنی اگر تم نے تکذیب اور مخالفت کی روش کو اپنائے رکھا۔ الغرض! اللہ کے نبی نے ترغیب وترہیب ہر دو طرح سے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی مگر انھوں نے اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔

تفسیر آیات:136-140

قوم ہود کا جواب اور ان پر عذاب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہود علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو ڈرایا، ترغیب وترہیب کے ساتھ ہر طرح سمجھایا اور ان کے سامنے حق کو بالکل واضح اور نمایاں کر دیا تو انھوں نے ہود علیہ السلام کو یہ جواب دیا: ﴿ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿136﴾ ﴾ ''وہ کہنے لگے: خواہ تم نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے۔'' یعنی ہم اپنی روش سے کبھی بھی باز نہیں آئیں گے۔ ﴿ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (ھود 11:53) ''اور ہم صرف تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔'' اور معاملہ ہے بھی اسی طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 2:6) ''جو لوگ کافر ہیں انھیں آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' اور فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:96) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' قوم ہود نے مزید یہ بھی کہا: ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ

﴿ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ ''یہ تو بس پہلے لوگوں کے طریق ہیں۔''بعض ائمہ نے اسے:[إِنْ هٰذَا إِلَّا خَلْقُ الْأَوَّلِينَ] بھی پڑھا ہے، یعنی خلق کی خاء کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، (بروایت عوفی) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، علقمہ اور مجاہد رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہمارے پاس جو لائے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔[1] جیسا کہ مشرکین قریش نے بھی کہا تھا: ﴿ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴾ (الفرقان 5:25) ''اور انھوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اس نے ان کو لکھ لیا ہے تو وہ صبح وشام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔'' اور (اس سے پہلی آیت میں) فرمایا: ﴿ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (الفرقان 5,4:25) ''اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنالی ہیں اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (النحل 24:16) ''اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ تو پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں۔'' دوسرے مفسرین نے اسے: ﴿ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ پڑھا ہے، یعنی خا اور لام دونوں کے ضمہ کے ساتھ۔ اور اس سے ان کی مراد اپنا دین اور اپنے طور اطوار تھے، یعنی ان کا دین وہی ہے جو ان کے اگلے آباء واجداد کا دین تھا اور وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے آباء واجداد کے متبع اور انھی کے پیچھے چلنے والے ہیں، ہم بھی اسی طرح زندہ ہیں جس طرح وہ زندہ تھے اور اسی طرح مر جائیں گے جس طرح وہ مر گئے تھے، نہ قبروں سے دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ کوئی روز قیامت ہے، اس لیے تو انھوں نے کہا تھا: ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾ ''اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ﴾ ''تو انھوں نے ہود کو جھٹلایا، سو ہم نے انھیں ہلاک کر ڈالا۔'' انھوں نے اللہ کے نبی ہود علیہ السلام کی تکذیب، مخالفت اور دشمنی کو جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا، اور انھیں کس طرح ہلاک کیا، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے کہ انھیں تیز آندھی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا تھا، ایسی آندھی جو بہت شدید تیز رفتار بھی تھی اور بے حد و حساب ٹھنڈی بھی، یعنی ان کی ہلاکت کا سبب ان کی جنس عمل سے مطابقت رکھتا تھا، وہ بڑے سرکش اور جابر لوگ تھے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی چیز کے ساتھ ہلاک کیا جو ان سے بھی زیادہ طاقتور اور تیز تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ (الفجر 7,6:89) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ جو ارم (کہلاتے) تھے، ستونوں والے۔'' اس سے عاد اولی مراد ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴾ (النجم 50:53) ''اور یہ کہ اسی نے عاد اولی کو ہلاک کر ڈالا۔'' اور یہ لوگ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے تھے، ﴿ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ (الفجر 7:89) ''ستونوں والے۔'' جو ستونوں میں رہتے تھے، جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ

[1] تفسیر الطبری: 120,119/19.

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿141﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿142﴾ اِنِّيْ لَكُمْ

(قوم) ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿141﴾ جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ ﴿142﴾ بلاشبہ میں تمھارے

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿143﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿144﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ

لیے امانت دار رسول ہوں ﴿143﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿144﴾ اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿145﴾

تو رب العالمین کے ذمے ہے ﴿145﴾

ارم شہر کا نام ہے تو انھوں نے اسے کعب اور وہب کے کلام اور اسرائیلیات سے لیا ہے جبکہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴾ (الفجر 8:89) ''(وہ) جو شہروں میں (کوئی) ان جیسا پیدا نہیں کیا گیا۔'' یعنی قوت، شدت اور طاقت کے اعتبار سے اس قبیلے جیسے لوگ پیدا نہیں ہوئے۔ اگر ارم سے مراد شہر ہوتا تو پھر یوں کہا جاتا: اَلَّتِي لَمْ يُبْنَ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ''(وہ) جو تمام شہروں میں ایسا کوئی (شہر) نہیں بنایا گیا تھا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴾ (حٰمٓ السجدة 15:41) ''جو عاد تھے انھوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جس نے انھیں پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ﴾ (الحآقة 7,6:69) ''اور رہے عاد تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔ اللہ نے اس کو ان پر مکمل سات راتیں اور آٹھ دن مسلط کر دیا تھا۔'' ﴿ حُسُوْمًا ﴾ کے معنی ہیں کامل، یعنی کامل سات رات اور آٹھ دن تک تیز آندھی کو ان پر چلائے رکھا۔ ﴿ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴾ (الحآقة 7:69) ''تو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے پڑے دیکھے گا جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔'' یعنی ان کے دھڑ تو باقی تھے مگر سر نہ تھے، اس لیے کہ آندھی انھیں اٹھا کر فضا میں لے جاتی اور پھر وہاں سے انھیں سر کے بل پٹخ دیتی جس سے ان کا دماغ پھٹ جاتا اور سر ٹوٹ جاتا تھا اور وہ اس طرح مرے پڑے تھے گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہوں۔ انھوں نے پہاڑوں اور غاروں میں قلعے بنا رکھے تھے اور نصف پنڈلیوں تک زمین میں اپنے بچاؤ کے لیے گڑھے کھود رکھے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے ان کی یہ تدبیریں ان کے کچھ کام نہ آئیں کیونکہ ﴿ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ﴾ (نوح 4:71) ''یقیناً جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے تو وہ مؤخر نہیں کیا جاتا۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ...... ﴾ الآیة ''تو انھوں نے ہود کو جھٹلایا، سو ہم نے انھیں ہلاک کر ڈالا......۔''

تفسیر آیات:141-145

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيْنَ ﴿146﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿147﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿148﴾

کیا تمھیں یہاں کی چیزوں میں پرامن چھوڑ دیا جائے گا﴿146﴾ (یعنی) باغوں اور چشموں میں﴿147﴾ اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم و نازک

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿149﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿150﴾ وَلَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿151﴾

ہیں﴿148﴾ اور تم اتراتے ہوئے پہاڑوں سے گھر تراشتے ہو﴿149﴾ چنانچہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿150﴾ اور تم حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی اطاعت

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿152﴾

نہ کرو﴿151﴾ جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے﴿152﴾

قوم ثمود اور صالح علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے عبد و رسول صالح علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انھیں ان کی قوم ثمود کی طرف بھیجا۔ ثمود عرب تھے اور شہر حجر کے رہنے والے تھے۔ یہ شہر وادی قُریٰ اور بلاد شام کے درمیان تھا اور بہت مشہور و معروف تھا۔ ہم نے قبل ازیں سورۂ اعراف کی تفسیر میں ان احادیث مبارکہ کو بیان کیا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب شام کے غزوے کا ارادہ فرمایا تو ثمود کے علاقے سے گزرے تھے مگر آپ تبوک تک پہنچ کر ہی واپس آگئے تھے تا کہ غزوۂ شام کے لیے تیاری فرما سکیں۔[1] ثمود کا دور قوم عاد کے بعد اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دور سے پہلے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی صالح علیہ السلام نے انھیں دعوت دی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں جو پیغام ملے اس کی اطاعت کریں مگر انھوں نے انکار کر دیا اور ان کی تکذیب و مخالفت شروع کر دی، حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ وہ ان سے دعوت کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے اجر و ثواب کے طلب گار ہیں، پھر انھوں نے انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمایا: (دیکھیے آیات: 146-152)

تفسیر آیات: 146-152

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاددہانی: حضرت صالح علیہ السلام نے انھیں وعظ و نصیحت کرتے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ اس نے انھیں انواع و اقسام کے رزق سے نوازا، خوفناک چیزوں سے بچا کر امن عطا فرمایا، باغات کو اگایا، نہروں اور چشموں کو چلایا اور ان کے لیے فصلوں اور پھلوں کو پکایا، اسی وجہ سے فرمایا: ﴿ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿148﴾ ﴾ ''اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں۔'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو خوشے پک کر کمال کو پہنچے ہوں وہ هضیم ہوتے ہیں۔[2] اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی سرسبز و شاداب کے ہیں۔[3] اسماعیل بن ابوخالد نے عمرو بن ابوعمرو۔ ان کی صحابۂ کرام سے ملاقات ثابت ہے۔ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ خوشے جب پک کر جھک جائیں تو انھیں هضیم کہتے ہیں۔ اسے ابن ابوحاتم نے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابوصالح سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا

---

① دیکھیے الأعراف، تفسیر آیت: 73 کے ذیل میں اور ان کے علاقے کا نقشہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ ② تفسیر الطبری: 122/19.

③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2801/9. ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 2801/9.

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿153﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

انھوں نے کہا: بس تو سحر زدہ لوگوں میں سے ہے ﴿153﴾ تو ہماری طرح ایک بشر ہی تو ہے، لہٰذا اگر تو سچوں میں سے ہے تو کوئی نشانی (معجزہ) لے آ ﴿154﴾ صالح

الصّٰدِقِيْنَ ﴿154﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ ﴿155﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

نے کہا: یہ اونٹنی (معجزہ) ہے، (ایک دن) اس کی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمھاری پینے کی باری ہے ﴿155﴾ اور اسے بری نیت سے نہ چھونا ورنہ تمھیں

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿156﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۙ ﴿157﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ

بہت بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا ﴿156﴾ چنانچہ انھوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں، پھر وہ نادم ہوئے ﴿157﴾ تو انھیں عذاب نے آ پکڑا، بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿158﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿159﴾ ع 8/19 12

عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ﴿158﴾ اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا ﴿159﴾

﴿ فٰرِهِيْنَ ﴿149﴾ ﴾ ''اور تم پہاڑوں سے گھر تراشتے ہوا تراتے ہوئے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے ﴿ فٰرِهِيْنَ ﴿149﴾ ﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ تم اس کام کے بہت ماہر ہو۔[1] اور آپ سے ایک دوسری روایت میں اس کے معنی ہیں کہ فخر و غرور کے طور پر۔ مجاہد اور مفسرین کی ایک جماعت نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد بھی نہیں کیونکہ وہ فخر و غرور کے ساتھ اور کسی ضرورت و حاجت کے بغیر پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے اور پہاڑوں کے تراشنے اور گھروں میں نقش و نگار بنانے کے وہ بہت ماہر بھی تھے جیسا کہ ان کے گھروں اور مکانوں کو دیکھنے سے معلوم بھی ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿150﴾ ﴾ ''تم اللہ سے ڈرو اور میرے کہے پر چلو۔'' اور اس بات کو قبول کر لو جس سے تمھیں دنیا و آخرت میں نفع حاصل ہو اور وہ یہ کہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا فرمایا اور طرح طرح کے رزق سے نوازا ہے تا کہ تم اس کی عبادت کرو، اس کی توحید کو اختیار کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔ ﴿ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿151﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿152﴾ ﴾ ''اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔'' یعنی تم اپنے ان سرداروں اور بڑے لوگوں کی بات نہ مانو جو شرک و کفر اور مخالفت حق کی دعوت دیتے ہیں۔

تفسیر آیات:153-159

ثمود کا جواب، نشانی کا مطالبہ اور عذاب کی آمد: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی تو انھوں نے جواب دیا: ﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿153﴾ ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ تم تو بس جادو زدہ ہو۔'' مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ ﴿ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿153﴾ ﴾ کے معنی مسحور، یعنی سحر زدہ کے ہیں۔[3] پھر انھوں نے کہا: ﴿ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ ﴾ ''تم اور کچھ نہیں صرف ہماری طرح کے آدمی ہی تو ہو۔'' یعنی ہمیں چھوڑ کر تمھاری طرف وحی کس طرح بھیجی گئی؟

① تفسیر الطبری: 123/19. ② تفسیر الطبری: 124/19. ③ تفسیر الطبری: 125/19.

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿160﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ لُوْطٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿161﴾ إِنِّيْ لَكُمْ

قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلایا﴿160﴾ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟﴿161﴾ بلاشبہ میں تمھارے

رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿162﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿163﴾ وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

لیے امانت دار رسول ہوں﴿162﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿163﴾ اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر

إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿164﴾

تو رب العالمین کے ذمے ہے﴿164﴾

جس طرح کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ءَ أُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ○ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ○﴾ (القمر 26,25:54) ''کیا ہم سب میں سے صرف اسی پر یہ نصیحت نازل کی گئی؟ بلکہ یہ جھوٹا، خود پسند ہے۔ عنقریب وہ کل ہی جان لیں گے کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔''

پھر انھوں نے مطالبہ کیا کہ وہ کوئی نشانی لائیں تاکہ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وہ پیغام لائے ہیں وہ سچ ہے، ان سب نے جمع ہو کر مطالبہ کیا کہ وہ پہاڑ کی چٹان سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکال کر دکھائیں، انھوں نے ایک چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس چٹان سے نکال دو، وہ اونٹنی اس طرح کی صفات کی حامل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نبی صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے پختہ عہد و پیمان لیے کہ اگر انھوں نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا تو پھر وہ ضرور ایمان لائیں گے۔ ان کی تصدیق اور اتباع کریں گے۔ انھوں نے عہد و پیمان کر لیے تو اللہ تعالیٰ کے نبی صالح علیہ السلام نے اٹھ کر نماز شروع کر دی اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے مطالبے کو پورا فرما دے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول فرما لیا اور جس چٹان کی طرف انھوں نے اشارہ کیا تھا، وہ پھٹ گئی اور اس سے اسی طرح کی دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکل آئی جس طرح کی اونٹنی انھوں نے طلب کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانی دیکھ کر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے مگر اکثر اپنے کفر ہی پر قائم رہے۔ ﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿155﴾﴾ ''اس (صالح) نے کہا: (دیکھو) یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمھاری باری۔'' یعنی ایک دن وہ پانی پیے گی اور ایک دن تم پانی پیو گے، ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿156﴾﴾ ''اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا کہ تمھیں بہت بڑے دن کا عذاب آ پکڑے۔'' اللہ تعالیٰ کے نبی نے انھیں ڈرایا کہ اگر انھوں نے اونٹنی کو کوئی تکلیف دی تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ کچھ عرصے تک اونٹنی پانی پیتی اور چارہ کھاتی رہی اور لوگ اس کا دودھ دوہتے، اسے پیتے اور اس سے سیراب ہوتے رہے، جب طویل عرصہ گزر گیا اور ان کی بدبختی کا وقت آ گیا تو انھوں نے اس اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ﴿فَعَقَرُوْهَا فَأَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿157﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ﴾ ''تو انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پھر نادم ہوئے، سو انھیں عذاب نے آ پکڑا۔'' اور ان کی زمین پر بہت زبردست زلزلہ طاری ہو گیا اور ایک زبردست چیخ پیدا ہوئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور انھیں ایسی صورت حال پیش آئی جو ان کے وہم و گمان میں

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿165﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ

کیا تم (جنسی تسکین کی خاطر) جہان کے مردوں کے پاس آتے ہو؟﴿165﴾ اور تم اپنی بیویاں چھوڑ دیتے ہو جنھیں تمھارے رب نے تمھارے لیے پیدا کیا ہے،

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿166﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿167﴾

بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو﴿166﴾ انھوں نے کہا: اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تو نکالے جانے والوں میں سے ہوگا﴿167﴾ لوط نے کہا: بے شک میں

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿168﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿169﴾ فَنَجَّيْنٰهُ

تمھارے (خلاف فطرت) عمل سے دشمنی رکھنے والوں میں سے ہوں﴿168﴾ اے میرے رب! تو مجھے اور میرے اہل کو اس عمل (کے وبال) سے نجات دے جو

وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿170﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿171﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿172﴾ وَاَمْطَرْنَا

وہ کرتے ہیں﴿169﴾ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے سب اہل کو نجات دی﴿170﴾ سوائے ایک بڑھیا کے (جو) پیچھے رہنے والوں میں سے تھی﴿171﴾ پھر ہم نے

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿173﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

دوسروں کو ہلاک کر دیا﴿172﴾ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) سخت بارش برسائی، چنانچہ ڈرائے گئے لوگوں پر (برسائی گئی) بدترین بارش تھی﴿173﴾ بے شک اس میں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿174﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿175﴾ ع 9/16/13

عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے﴿174﴾ اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا﴿175﴾

بھی نہ تھی اور وہ اپنے گھروں میں مرے پڑے رہ گئے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿158﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿159﴾ ﴾ ”بے شک اس میں نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور آپ کا پروردگار نہایت غالب، خوب مہربان ہے۔“

تفسیر آیات:160-164

لوط علیہ السلام کی دعوت: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ لوط علیہ السلام کا سلسلہ نسب لوط بن ہاران بن آزر ہے، آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں ایک بہت بڑی امت کی طرف مبعوث فرمایا تھا جو سدوم اور اس کے گردو پیش رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام بستیوں کو تباہ و برباد کر کے ان کی جگہ ایک بدبودار اور آلودہ سمندر (بحیرۂ مردار Dead Sea) جاری کر دیا جو کہ مشہور ہے اور بلاد غور میں بیت المقدس کے پہاڑوں کے پیچھے کی طرف ہے اور بلاد غور اور بلاد کرک وشوبک کے درمیان ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور اپنے رسول کی اطاعت کریں جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے لذت حاصل کرنے کی اس بدترین بے حیائی کا ارتکاب نہ کرو جس کا تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے ارتکاب نہیں کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (دیکھیے آیات:165-175)

تفسیر آیات:165-175

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿176﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿177﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

اصحاب اَیکہ نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿176﴾ جب ان سے شعیب نے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿177﴾ بے شک میں تمھارے لیے

اَمِیْنٌ ﴿178﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿179﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ

امانت دار رسول ہوں ﴿178﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿179﴾ اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا،

الْعٰلَمِیْنَ ﴿180﴾

میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے ﴿180﴾

قوم کی بے حیائی کی تردید، ان کا جواب اور ان پر عذاب: جب اللہ تعالیٰ کے نبی نے انھیں فحاشی، بدکاری و بے حیائی اور امرد پرستی سے منع فرمایا اور ان کی رہنمائی فرمائی کہ وہ عورتوں سے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پیدا فرمایا ہے جنسی خواہش کی تکمیل کریں تو ان کا جواب یہ تھا: ﴿لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ﴾ ''اے لوط! اگر تم باز نہ آؤ گے۔'' اس چیز سے جو ہمارے پاس لائے ہو ﴿لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿167﴾﴾ ''تو شہر بدر کر دیے جاؤ گے۔'' یعنی ہم تمھیں اپنے ہاں سے نکال دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ۝﴾ (النمل 56:27) ''تو ان کی قوم کے لوگوں کا اس کے سوا کچھ جواب نہ تھا کہ لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو، یقیناً یہ لوگ تو پاک بننا چاہتے ہیں۔'' آپ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ اس فحاشی و بے حیائی سے باز نہیں آئیں گے بلکہ اپنی اس گمراہی میں مبتلا رہیں گے تو آپ نے ان سے اظہار براءت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿168﴾﴾ ''بے شک میں تو تمھارے کام سے سخت دشمنی رکھنے والوں سے ہوں۔'' کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ تمھارے کرتوت سے میں خوش نہیں ہوں، اس لیے میں تم سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بددعا کی: ﴿رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿169﴾﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال) سے نجات دے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿170﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿171﴾﴾ ''سو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو سب کو نجات دی مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہنے والوں سے تھی۔'' یہ آپ کی بیوی تھی۔ یہ بدترین بڑھیا تھی جو پیچھے رہ گئی اور قوم کے لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوگئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ حجر[1] میں ذکر کیا ہے کہ اس نے لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کے سوا دیگر تمام گھر والوں کو لے کر رات کو اپنی بستی سے نکل جائیں اور جب اپنی قوم پر نازل ہونے والی چیخ کو سنیں تو پیچھے پلٹ کر نہ دیکھیں، انھوں نے حکم الٰہی کی اطاعت کی، پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور آگے ہی بڑھتے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ساری قوم پر تہ بہ تہ کھنگر کے پتھروں کی بارش کی صورت میں عذاب نازل فرمایا، اسی لیے فرمایا: ﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿172﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿173﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿174﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

[1] دیکھیے الأعراف، آیت: 83، ہود، آیت: 81 اور الحجر، آیات: 60-65.

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿181﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿182﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

تم ماپ پورا پورا کرو، اور خسارہ دینے والوں سے نہ بنو ﴿181﴾ اور تم بالکل سیدھی ترازو سے تولو ﴿182﴾ اور تم لوگوں کو ان کی اشیاء

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿183﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿184﴾

کم نہ دو، اور نہ تم زمین میں فساد کرتے ہوئے دوڑو ﴿183﴾ اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمھیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا ﴿184﴾

﴿لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿175﴾﴾ ''پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان پر ایک زبردست مینہ برسایا، سو جو مینہ ان لوگوں پر برسا جو ڈرائے گئے تھے وہ برا تھا، بے شک اس میں نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور آپ کا پروردگار خوب غالب، نہایت مہربان ہے۔''

تفسیر آیات:176-180

شعیب علیہ السلام کی اصحاب اَیکہ کو نصیحت: صحیح قول کے مطابق اصحاب اَیکہ سے مراد اہل مدین ہیں، شعیب علیہ السلام کا تعلق بھی انھی سے تھا، آپ کے لیے ان کے بھائی کے الفاظ اس لیے استعمال نہیں کیے گئے کیونکہ ان لوگوں کی یہاں بَن کی عبادت کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ بَن ایک درخت ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جھنڈ کی طرح گھنے درخت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اس لیے جب یہ فرمایا: ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿176﴾﴾ ''بن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' تو یہ نہیں کہا: [إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ شُعَيْبٌ] ''جب ان سے ان کے بھائی شعیب نے کہا۔'' بلکہ صرف یہ فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ﴾ ''جب ان سے شعیب نے کہا۔'' جس سبب کی وجہ سے ان کی نسبت بَن کی طرف کی گئی ہے، شعیب علیہ السلام سے اس نسبت کو قطع کرنے کی غرض سے یہاں انھیں ان کا بھائی قرار نہیں دیا گیا گو وہ نسبی طور پر ان کے بھائی ہی تھے، کچھ لوگ جو اس نکتے کو نہیں سمجھ سکتے انھوں نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب ایکہ، اصحاب مدین نہیں ہیں، نیز ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب کو دو امتوں کی طرف بھیجا تھا، اس طرح کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ کو تین امتوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ﴾ ''بَن والے۔'' ان لوگوں سے مراد قوم شعیب ہے، یہ اسحاق بن بشر کا قول ہے۔[1] جو یبر کے علاوہ دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین دونوں ایک ہی ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی قوم کے نام ہیں اور ان دونوں کے ہر جگہ ایک جیسے کام بتائے گئے ہیں، شعیب نے ان سے بھی یہی کہا کہ ناپ تول پورا دیا کرو جیسا کہ آپ نے اصحاب مدین سے بھی یہی فرمایا تھا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ ایک ہی امت کے دو نام ہیں۔

تفسیر آیات:181-184

ناپ تول پورا دینے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ ناپ تول پورا دیا کرو اور اس میں کمی نہ کیا کرو، چنانچہ فرمایا: ﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ

---

[1] الدر المنثور: 174/5.

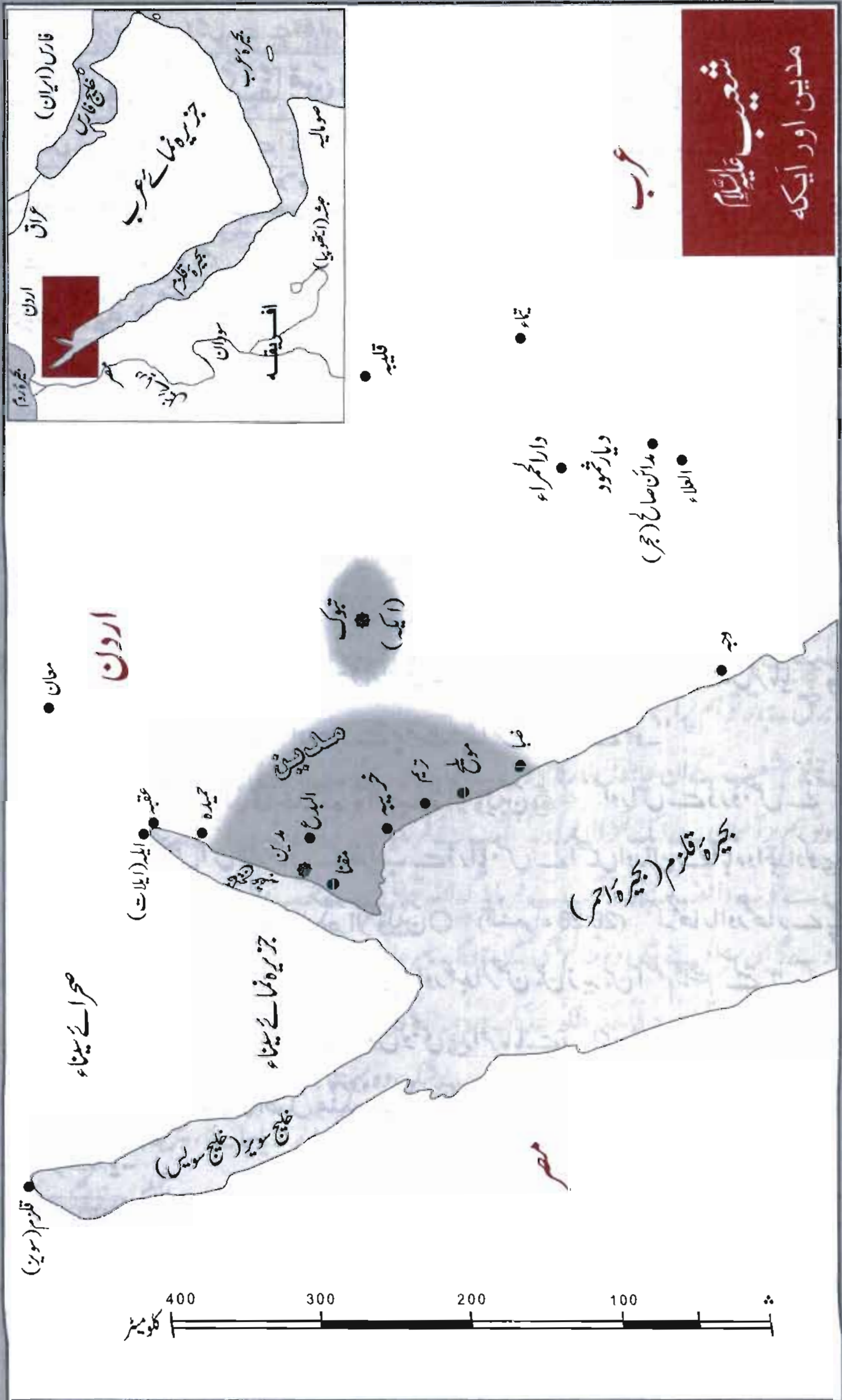
شعیب علیہ السلام
مدین اور ایکہ
عرب
اردن
مصر
معان
تیماء
تبوک
(ایکہ)
مدین
البدع
عقبہ
حمیدہ
دیار ثمود
مدائن صالح (حجر)
العلا
جزیرہ نمائے سیناء
صحرائے سیناء
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
خلیج سویز (خلیج سویس)
قلزم (سویز)
جزیرہ نمائے عرب
خلیج فارس
فارس (ایران)
عراق
صومالیہ
افریقہ
سوڈان
400
300
200
100
0
کلومیٹر

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿185﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ

انھوں نے کہا: بس تو سحر زدہ (لوگوں) میں سے ہے﴿185﴾ اور تو ہماری طرح بشر ہی تو ہے، اور ہم تجھے بلاشبہ جھوٹوں میں خیال کرتے ہیں﴿186﴾

الْكٰذِبِيْنَ ﴿186﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿187﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ

لہٰذا اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے﴿187﴾ شعیب نے کہا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو﴿188﴾ چنانچہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿188﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿189﴾

انھوں نے اسے (شعیب کو) جھٹلایا، تو انھیں سائے والے دن کے عذاب نے آن پکڑا، بے شک وہ بہت بڑے دن کا عذاب تھا﴿189﴾ بلاشبہ

ع 10/16/14 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿190﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿191﴾

اس میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے﴿190﴾ اور بے شک آپ کا رب، وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا﴿191﴾

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿181﴾﴾ ''ماپ پورا دو اور کم دینے والوں میں سے نہ بنو۔'' یعنی جب لوگوں کو ماپ دینا ہو تو پورا پورا ماپ دیا کرو اور اس میں کمی نہ کیا کرو جس طرح تم ماپ پورا پورا لیتے ہو اسی طرح دیا بھی پورا پورا کرو۔ ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿182﴾﴾ ''اور سیدھے ترازو سے تولا کرو۔'' اور قسطاس سے مراد ترازو (کنڈا) ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ ''اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔'' یعنی دیتے ہوئے لوگوں کے اموال میں کمی نہ کیا کرو۔ ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿183﴾﴾ ''اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔'' یعنی راہزنی نہ کیا کرو جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ (الأعراف 7:86) ''اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ تم ڈراتے ہو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿184﴾﴾ ''اور اس سے ڈرو جس نے تمھیں اور پہلی خلقت کو پیدا کیا۔'' آپ نے انھیں اس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جس نے انھیں اور ان کے آباء و اجداد کو پیدا فرمایا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا: ﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○﴾ (الشعرآء 26:26) ''کہ تمھارا اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سدی، سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ﴿وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿184﴾﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی پیدا فرمایا ہے،[1] ابن زید رحمہ اللہ نے یہاں قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا بھی حوالہ دیا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ﴾ (یٰسٓ 36:62) ''اور البتہ تحقیق اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا۔''[2]

تفسیر آیات:185-191

قوم شعیب کا جواب اور ان پر عذاب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قوم نے شعیب کو اسی طرح جواب دیا جس طرح قوم ثمود نے اپنے رسول کو جواب دیا تھا کیونکہ ان کے دل ایک ہی طرح کے تھے، بہرحال قوم شعیب نے جواب دیا: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ

[1] تفسیر الطبری: 132/19 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2813/9 نحوہ۔ [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2813/9 عن سفیان۔

﴿مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿185﴾﴾ ''یقیناً تم تو جادو زدہ میں سے لگتے ہو۔'' علاوہ ازیں انھوں نے یہ بھی کہا: ﴿وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿186﴾﴾ ''اور تم (اور کچھ) نہیں، مگر ہم ہی جیسے آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔'' یعنی تم جھوٹ کہتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تمھیں رسول بنا کر نہیں بھیجا، ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿187﴾﴾ ''پس اگر سچوں سے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔'' ضحاک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم پر آسمان کے ایک حصے کو گرا دو۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی آسمان کے ٹکڑے کے ہیں۔[2] سدی کہتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ آسمان سے عذاب لے آؤ۔[3] ان کی یہ بات قریش کی اس بات جیسی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:90-92) ''اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دو یا تمھارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات بھی بیان فرمائی ہے: ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ......﴾ الآیة (الأنفال 8:32) ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے......۔''

اسی طرح قوم شعیب کے ان جاہلوں اور کافروں نے کہا: ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿187﴾﴾ ''اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔'' آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿188﴾﴾ ''جو کام تم کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔'' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوب واقف ہے، اگر تم اس کے مستحق ہو تو وہ تمھیں ضرور یہ سزا دے گا اور سزا دینے میں وہ ظالم بھی نہیں ہوگا۔ بہرحال جیسا کہ انھوں نے مطالبہ کیا انھیں پوری پوری سزا مل گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿189﴾﴾ ''تو ان لوگوں نے انھیں جھٹلایا، پس سائبان کے عذاب نے انھیں آ پکڑا۔ بے شک وہ بہت بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔'' یعنی یہ اس طرح کا عذاب تھا جس طرح کا انھوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ان پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دیا جائے، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں سزا یہ دی کہ سات دن تک انھیں بے حد شدید گرمی میں مبتلا کر دیا کہ کوئی چیز بھی انھیں اس سے بچا نہیں رہی تھی، پھر ایک بادل آ کر ان کے سروں پر سایہ فگن ہو گیا اور وہ گرمی سے بچنے کے لیے اس بادل کے سائے میں جا کر کھڑے ہو گئے اور جب وہ سب کے سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کے بہت زبردست شعلوں اور انگاروں کی بارش برسا دی، زمین پر

---

[1] تفسیر الطبری: 133/19 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2814/9. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2814/9 والدر المنثور: 174/5. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2814/9.

زلزلہ طاری ہو گیا اور پھر ایک بہت زوردار چیخ بھی آئی جس کی وجہ سے ان کے جسموں سے روحیں نکل گئیں، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''بے شک وہ بہت بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے قوم شعیب کی تباہی و ہلاکت کا قرآن مجید کے تین مقامات پر ذکر فرمایا ہے اور ہر مقام کے سیاق کے مطابق ان کی تباہی کی کیفیت بیان کی گئی ہے، سورۂ اعراف میں فرمایا ہے کہ ان کو بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، اس لیے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ﴾ (الأعراف 7:88) ''اے شعیب! یا تو ہم تمھیں اور جو لوگ تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں انھیں اپنے شہر سے ضرور نکال دیں گے یا تم ضرور بالضرور ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔'' انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی اور ان کے ساتھیوں کو ڈرایا دھمکایا تو انھیں بھونچال نے آ پکڑا اور سورۂ ہود میں فرمایا کہ انھیں چنگھاڑ نے آ دبوچا: ﴿ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ﴾ (ہود 11:94) ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا انھیں چنگھاڑ نے آ دبوچا۔'' یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا: ﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ ﴾ (ہود 11:87) ''کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم انھیں ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔'' یہ انھوں نے مذاق اڑاتے اور شیخی بگھارتے ہوئے کہا تھا، لہٰذا مناسب یہی تھا کہ انھیں ایک ایسی چنگھاڑ آ دبوچے جو انھیں خاموش کر دے، پس ظالموں کو ایک چنگھاڑ نے آ دبوچا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور یہاں انھوں نے از راہِ ضد، ہٹ دھرمی اور دشمنی کے یہ کہا: ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ ''پس تو ہم پر آسمان سے کچھ ٹکڑے گرا دے۔'' تو اس مناسبت سے ان کو وہی عذاب دیا گیا جس کے وقوع پذیر ہونے کو وہ بعید سمجھتے تھے۔ فرمایا: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''پس سائبان کے عذاب نے انھیں آ پکڑا۔ بے شک وہ بہت بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔''

محمد بن جریر نے یزید باہلی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سخت گرمی میں مبتلا کر دیا جس کی وجہ سے وہ بہت بے چین ہو گئے کیونکہ سخت گرمی اور اس کی وجہ سے ان کا دم گھٹنے لگا تھا، وہ گرمی سے بچنے کے لیے گھروں کے اندر گئے مگر گھروں کے اندر بھی وہ بہت شدید گرمی محسوس کرنے لگے اور وہاں بھی ان کا دم گھٹنے لگا تو وہ گھروں سے نکل کر جنگل کی طرف آ گئے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیج دیا جو سورج کی دھوپ کے آگے سائبان کی طرح تھا، اس کے سائے میں انھوں نے جب ٹھنڈک اور فرحت محسوس کی تو ایک دوسرے کو بلایا اور جب وہ سب کے سب اس سائبان کے نیچے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کی بارش برسا دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سائبان کے دن کے عذاب سے یہی مراد ہے۔ بلاشبہ یہ بہت بڑے عذاب کا دن تھا۔[1] ﴿ اِنَّ فِيْ

[1] تفسير الطبرى: 134/19 .

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿192﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿193﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے ﴿192﴾ روح الامین (جبریل) اسے لے کر نازل ہوا ﴿193﴾ آپ کے دل پر، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿194﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿195﴾

سے ہوں ﴿194﴾ فصیح عربی زبان میں ﴿195﴾

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿196﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿197﴾

اور بلاشبہ وہ (قرآن کا ذکر) پہلی کتابوں میں بھی ہے ﴿196﴾ کیا ان کے لیے یہ ایک نشانی (کافی) نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء بھی اس (قرآن یا صاحب قرآن)

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿198﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿199﴾

کو جانتے ہیں ﴿197﴾ اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر نازل کرتے ﴿198﴾ پھر وہ اسے ان پر پڑھتا، (تو بھی) وہ اس پر ایمان نہ لاتے ﴿199﴾

﴿ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿190﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿191﴾ ﴾ ''اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور بے شک آپ کا پروردگار خوب غالب، نہایت مہربان ہے۔'' وہ کافروں سے انتقام لینے پر خوب غالب ہے اور اپنے مومن بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

تفسیر آیات: 192-195

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے جسے اس نے اپنے عبد اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے کہ ﴿ اِنَّهٗ ﴾ اور یہ قرآن جس کا اس سورت کے شروع میں ذکر ہو چکا ہے۔ ﴿ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ ...... ﴾ الآية (الشعرآء 26:5) ''اوران کے پاس (اللہ) رحمان کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی جو نئی ہو......۔'' ﴿ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿192﴾ ﴾ ''یقیناً پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔'' اسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر بذریعہ وحی نازل فرمایا ہے ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿193﴾ ﴾ ''جسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔'' اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ کئی ائمہ سلف، مثلاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب، قتادہ، عطیہ عوفی، سدی، ضحاک، زہری اور ابن جریج رحمہ اللہ نے کہا ہے۔[1] اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں، امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ...... ﴾ الآية (البقرة 2:97) ''کہہ دیجیے کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مرجانا چاہیے) اس نے تو صرف (ایسی کتاب) اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے......۔''[2] ﴿ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ یعنی اے محمد! (ﷺ اس نے) آپ کے دل پر (القا کیا ہے) اس حال میں کہ یہ ہر عیب اور ہر قسم کی کمی بیشی سے پاک ہے۔ ﴿ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿194﴾ ﴾ ''تاکہ آپ ڈرانے والوں سے ہو جائیں۔'' یعنی اس قرآن کی مخالفت اور تکذیب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اور اس پر

---

[1] تفسیر الطبری: 19/136,137 و تفسیر ابن أبی حاتم: 9/2817. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 9/2818 نحوہ.

ایمان لانے اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو بشارت سناؤ۔ ﴿ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝۱۹۵ ﴾ ''(اور اتارا بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے۔)'' یعنی یہ قرآن جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اسے آپ ہی کی فصیح و بلیغ، کامل اور جامع زبان عربی میں نازل کیا ہے تاکہ یہ صاف، واضح اور ظاہر ہو، ہر قسم کے عذر کو ختم کر دے، حجت کو تمام اور دلیل کو قائم کر دے۔

تفسیر آیات:196-199

قرآن مجید کا ذکر پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کا ذکر پہلے لوگوں کی ان کتابوں میں بھی موجود ہے جو ان کے انبیائے کرام سے منقول ہیں اور جنھوں نے قدیم و جدید ہر دور میں اس کتاب کی بشارت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام سے عہد و پیمان بھی لیا تھا اور اس عہد و پیمان کے مطابق ہی سابقہ انبیاء میں سے سب سے آخری نبی نے اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہوئے انھیں حضرت احمد ﷺ کی بشارت دی تھی: ﴿ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط ﴾ (الصّف 61:6) ''اور وہ وقت بھی یاد کرو جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں۔''

الزُّبُر کا لفظ زبور کی جمع ہے اور اس کے معنی کتب کے ہیں، زبور اس کتاب کا نام بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا داود علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ ﴾ (القمر 54:52) ''اور جو کچھ انھوں نے کیا (ان کے) اعمال ناموں میں (درج) ہے۔'' یعنی فرشتوں کے صحیفوں میں ان کے ذمے لکھا ہوا ہے، پھر فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۱۹۷ ﴾ ''کیا ان کے لیے یہ نشانی نہیں کہ علمائے بنی اسرائیل اس (قرآن یا رسول) کو جانتے ہیں۔'' یعنی کیا یہ بات ان کے لیے شاہد صادق کے طور پر کافی نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل بھی اس کتاب کا ذکر اپنی ان کتابوں میں موجود پاتے ہیں جنھیں وہ پڑھتے رہتے ہیں اور اس سے مراد بنی اسرائیل کے وہ عادل علماء ہیں جو ان صفات کا اعتراف کرتے ہیں جو ان کی کتابوں میں محمد ﷺ، آپ کی بعثت اور آپ کی امت کے بارے میں موجود پائی ہیں جیسا کہ ان میں سے ایمان لانے والوں نے اس کے بارے میں بتایا ہے، مثلاً: عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ...... ﴾ الآية (الأعراف 7:157) ''وہ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں......۔''

قریش کا شدید کفر: اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید سے قریش کے شدید کفر و عناد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر اسے کسی ایسے عجمی پر نازل کر دیا جاتا جو عربی زبان کا ایک لفظ بھی نہ جانتا ہوتا اور اس پر اس کتاب کو اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت کے

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿200﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿201﴾

اسی طرح ہم نے اس (تکذیب) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے ﴿200﴾ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں ﴿201﴾ پس وہ

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿202﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿203﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

ان پر اچانک آپڑے گا جبکہ انھیں خبر تک نہ ہوگی ﴿202﴾ پھر وہ کہیں گے: کیا ہمیں (کچھ) مہلت مل سکتی ہے؟ ﴿203﴾ تو کیا وہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی

يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿204﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿205﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿206﴾

مچا رہے ہیں؟ ﴿204﴾ بھلا آپ دیکھیں تو! اگر ہم انھیں کئی برس (دنیا کا) فائدہ دیں ﴿205﴾ پھر وہ (عذاب) ان پر آجائے جس سے انھیں ڈرایا دھمکایا جا رہا

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿207﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿208﴾ ذِكْرٰى

ہے ﴿206﴾ تو جس (سامانِ عیش) سے وہ مزے اڑا رہے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے گا ﴿207﴾ اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا، تو (پہلے) اس کے لیے ڈرانے

وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿209﴾

والے (بھیجے) تھے ﴿208﴾ یاد دہانی کے لیے، اور ہم ظالم نہیں ہیں ﴿209﴾

ساتھ نازل کر دیا جاتا تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿198﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿199﴾ ﴾ ”اور اگر ہم اسے کسی غیر اہل زبان پر نازل کرتے اور وہ اسے ان پر پڑھتا تو یہ اسے کبھی نہ مانتے۔“ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:14,15) ”اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں مخمور ہوگئی ہیں بلکہ ہم جادوزدہ لوگ ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:111) ”اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے اور لیکن ان کے اکثر نادان ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:96,97) ”جن لوگوں کے بارے میں آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) قرار دیا جا چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔“

تفسیر آیات:200-209

جب تک عذاب نہ دیکھ لیں تکذیب کرنے والے ایمان نہیں لائیں گے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی طرح ہم نے تکذیب، کفر، انکار اور عناد کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ ”وہ اس کو نہیں مانیں گے۔“ یعنی اس حق کو، ﴿ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿201﴾ ﴾ ”جب تک درد دینے والا عذاب نہ دیکھ لیں۔“ لیکن اس وقت کی معذرت

سے ظالموں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ ان پر لعنت برسے گی اور ان کا ٹھکانا بدترین ہوگا، ﴿ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ﴾ ''تو وہ ان پر نا گہاں آ واقع ہوگا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک آ جائے گا، ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور انھیں خبر بھی نہ ہوگی، پس وہ اس وقت کہیں گے: کیا ہمیں مہلت ملے گی؟'' یعنی جب عذاب کو دیکھیں گے تو تمنا کرنے لگیں گے: اے کاش! انھیں تھوڑی سی مہلت دے دی جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق عمل کر سکیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ ﴾ (إبراهيم 44:14) ''اور لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جب ان پر عذاب آ جائے گا، تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مدت مہلت عطا کرتا کہ ہم تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور تیرے پیغمبروں کے پیچھے چلیں (تو جواب ملے گا) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تمھیں (اس حال سے جس میں تم ہو) کوئی زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہوگا۔'' ہر ظالم و فاجر جب اپنی سزا کو دیکھے گا تو شدید ندامت کا اظہار کرے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے بارے میں یہ دعا کی: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 88:10) ''اے ہمارے پروردگار! یقیناً تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال و زر دے رکھا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تا کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں، اے ہمارے پروردگار! ان کے مال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں۔'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا ﴾ (یونس 89:10) ''تمھاری دعا قبول کر لی گئی۔'' اس بددعا نے فرعون پر اپنا اثر دکھایا اور وہ اس وقت تک ایمان نہ لایا جب تک اس نے عذاب الیم نہ دیکھ لیا ﴿ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ (یونس 90,91:10) ''یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آ پکڑا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا جس (اللہ) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرماں برداروں میں ہوں (جواب ملا کہ) کیا اب ایمان لاتا ہے، حالانکہ تو پہلے یقیناً نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 84,85:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو ان کے ایمان نے انھیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا، (یہ) اللہ کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں کے بارے میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ کر رہ گئے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ﴾ ”تو کیا یہ ہمارے عذاب کو جلدی طلب کر رہے ہیں؟“ یہ ان کا انکار اور ان کے لیے سرزنش ہے کیونکہ یہ لوگ ازراہ تکذیب و انکار اپنے رسول سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آؤ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:53,54) ”اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اگر ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر عذاب آ بھی گیا ہوتا اور وہ (کسی وقت میں) ان پر ضرور ناگہاں آ کر رہے گا اور ان کو معلوم بھی نہ ہوگا۔ یہ تم سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور بلاشبہ دوزخ تو کافروں کو گھیرنے والا ہے۔“ پھر فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَاۗءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ ﴾ ”بھلا دیکھیں تو اگر ہم انھیں برسوں فائدے دیتے رہیں، پھر ان پر وہ (عذاب) آ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو یہ جو فائدے دیے گئے ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔“ یعنی اگر ہم انھیں کچھ عرصے کے لیے مہلت دے دیں، خواہ وہ عرصہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، پھر ان کے پاس اللہ کا عذاب آ جائے تو دنیا کی کون سی نعمت اس وقت ان کے کام آئے گی؟ ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:46) ”جب وہ اس کو دیکھیں گے تو (ایسا خیال کریں گے کہ) گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔“ اور فرمایا: ﴿ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:96) ”ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش! اسے ہزار برس عمر دی جائے مگر (اتنی لمبی) عمر اس کو مل بھی جائے تو اسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ ﴾ (الّیل 92:11) ”اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔“ اس لیے یہاں فرمایا: ﴿ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ ﴾ ”تو جو فائدے یہ اٹھاتے رہے، ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔“

دنیا کی حقیقت: اور صحیح حدیث میں ہے: [يُؤْتٰى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا، مِنْ أَهْلِ النَّارِ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً: ثُمَّ يُقَالُ: يَاابْنَ آدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّبِكَ نَعِيمٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللّٰهِ يَارَبِّ! وَيُؤْتٰى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا، مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ،فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ! يَا ابْنَ آدَمَ!هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللّٰهِ! يَارَبِّ! مَامَرَّبِي بُؤْسٌ قَطُّ، وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ] ”قیامت کے دن اہل جہنم میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ خوشحال تھا تو اسے دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے کبھی خیر و بھلائی کو دیکھا ہے؟ کیا تجھ پر کبھی ناز و نعمت کا دور دورہ رہا ہے؟ تو وہ جواب دے گا: نہیں، اللہ کی قسم! اے میرے رب! پھر اہل جنت میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ پریشان حال تھا، اسے جنت میں ایک دفعہ غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی یا کبھی تجھے کوئی دکھ پہنچا ہے؟ وہ جواب

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿210﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿211﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿212﴾

اور شیاطین اس (قرآن) کو لے کر نازل نہیں ہوئے ﴿210﴾ اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتے ہیں ﴿211﴾ بلاشبہ وہ تو اس کے سننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں ﴿212﴾

دے گا: نہیں، اللہ کی قسم! اے میرے پروردگار! مجھے کبھی کوئی تکلیف پہنچی تھی اور نہ ہی میں نے کسی پریشانی کو دیکھا ہے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں اپنے عدل کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس نے کسی بھی امت کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے عذر ختم کر دینے، اسے ڈرانے، اس کی طرف رسولوں کے بھیجنے اور ان پر حجت تمام کر دینے کے بعد ہلاک کیا ہے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿208﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿209﴾ ﴾ ''اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کے لیے کئی ڈرانے والے (پہلے بھیج دیے) تھے یاددہانی کے لیے اور ہم ظالم نہیں ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:15) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:59) ''اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک ان کے مرکز میں پیغمبر نہ بھیج لے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں۔''

تفسیر آیات:210-212

قرآن جبریل لے کر نازل ہوئے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عالی رتبہ کتاب کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہے، اسے روح الامین لے کر نازل ہوئے ہیں جو مؤید من اللہ ہیں، ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿210﴾ ﴾ ''اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے۔'' پھر ذکر فرمایا کہ شیطانوں کے لیے اسے لے کر نازل ہونا تو تین وجہ سے ممنوع ہے: یہ انھیں لائق ہی نہیں ہے، نہ وہ اس کے اہل ہیں اور نہ انھیں اس کی طلب ہے کیونکہ ان کی سرشت میں تو فتنہ وفساد برپا کرنا اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہے جبکہ قرآن مجید میں نیکی کا حکم دیا گیا اور برائی سے منع کیا گیا ہے، پھر قرآن نور، سراپا ہدایت اور برہان عظیم ہے، اس کے اور شیطانوں کے درمیان بہت عظیم فرق ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ ﴾ ''یہ کام ان کے لائق ہی نہیں۔'' ﴿ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿211﴾ ﴾ ''اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔'' یعنی اگر یہ کام انھیں سونپ بھی دیا جائے تو انھیں اس کی طاقت ہی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحیح مسلم، صفات المنافقين......، باب صبغ أنعم أهل الدنيا.........، حديث:2807 و مسند أحمد:203/3 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، البتہ امام ابن کثیر کے بیان کردہ الفاظ اس سے مختلف ہیں اور وہ ہمیں نہیں ملے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ﴿213﴾ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ

پس (اے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکاریں ورنہ آپ عذاب پانے والوں میں ہوں گے ﴿213﴾ اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو

الْاَقْرَبِیْنَ ﴿214﴾ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿215﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ

ڈرائیں ﴿214﴾ اور جو مومنوں میں سے آپ کی اتباع کریں، ان کے لیے اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں ﴿215﴾ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ

فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿216﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿217﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ

دیجیے: بلاشبہ تم جو کچھ کر رہے ہو، میں اس سے بری ہوں ﴿216﴾ اور آپ (اللہ) نہایت غالب، بڑے مہربان پر توکل رکھیں ﴿217﴾ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ

حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿218﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿219﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿220﴾

(اکیلے نماز میں) قیام کرتے ہیں ﴿218﴾ اور آپ کی نقل وحرکت کو سجدہ کرنے والوں میں بھی (دیکھتا ہے) ﴿219﴾ بلاشبہ وہی خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿220﴾

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ﴾ (الحشر 21:59) ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے (دبا اور) پھٹا جاتا ہے۔''

پھر فرمایا کہ اگر قرآن ان کے لائق بھی ہو اور اس کے اٹھانے اور اسے آگے پہنچانے کی استطاعت بھی رکھتے ہوں تو پھر بھی یہ قرآن تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ نزول قرآن کے وقت قرآن سننے میں انھیں دور کر دیا جاتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ پر نزول قرآن کے زمانے میں آسمان کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھر دیا گیا تھا، لہٰذا کوئی شیطان قرآن کے کسی ایک حرف کو بھی نہ سن سکا تھا تاکہ قرآن میں کوئی شبہ پیدا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا انتظام اپنے بندوں پر رحمت، اپنی شریعت کی حفاظت اور اپنی کتاب اور اپنے رسول کی تائید وحمایت کے لیے فرمایا تھا، اس لیے فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿212﴾ ﴾ ''بے شک وہ (آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات) سے الگ کیے ہوئے ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اس صورت حال کو دیکھ کر کہا تھا: ﴿ وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۙ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ ﴾ (الجنّ 72:8-10) ''اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا اور یہ کہ (پہلے) ہم اس کے بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے انگارا گھات میں لگا ہوا تیار پاتا ہے اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ اس سے اہل زمین کے شر کا ارادہ کیا گیا یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔''

تفسیر آیات:213-220

قریبی رشتے داروں کو ڈرانے کا حکم: اللہ وحدہ لاشریک نے اپنی عبادت کا حکم دیا، شرک کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی، پھر آپ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر ان میں سے کوئی بھی نجات نہ پا سکے گا، نیز اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مخلوق میں سے جو بھی آپ کی نافرمانی کرے آپ اس سے

براءت کا اظہار کر دیں، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''پھر اگر لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے: میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔'' یہ آپ کو خصوصیت سے اپنے رشتے داروں کو ڈرانے کا حکم عمومی طور پر ڈرانے اور متنبہ کرنے کے حکم کے منافی نہیں ہے بلکہ اسی کا ایک حصہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (یٰس 36:6) ''تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا تھا، لہٰذا وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (الأنعام 6:92) ''کہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ......﴾ (الأنعام 6:51) ''اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرا جو خوف رکھتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے روبرو اکٹھے کیے جائیں۔'' اور فرمایا: ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ (مریم 19:97) ''تا کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچا دیں اور سخت جھگڑالو وں کو ڈرائیں۔'' اور فرمایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام 6:19) ''تا کہ اس کے ذریعے سے تمھیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے ڈراؤں۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (ھود 11:17) ''اور جو کوئی ان فرقوں میں سے اس سے منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔''

اور صحیح مسلم میں حدیث ہے: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس امت میں سے جو یہودی اور عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر اس حال میں مرے کہ مجھ پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''[1] اس آیت کریمہ کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں، ہم ان میں سے بعض کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''اور اپنے قریب کے رشتے داروں کو ڈرائیں۔'' نازل فرمائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کے پاس تشریف لے آئے اور پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی: [يَاصَبَاحَاهُ!] تو لوگ آپ کے آس پاس جمع ہو گئے، کچھ لوگ تو خود آئے اور کچھ نے اپنے قاصد بھیج دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَابَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ! يَا بَنِي فِهْرٍ! يَّا بَنِي لُؤَيٍّ! أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ، تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، صَدَّقْتُمُونِي؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ] ''اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر! اے بنی لوی! دیکھو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے؟ سب نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: میں تمھیں عذاب شدید سے ڈراتا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: تم ہمیشہ کے لیے برباد ہو جاؤ، کیا تم نے ہمیں صرف اس لیے جمع کیا

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا.........، حديث: 153 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

تھا؟اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ تبت نازل فرمائی تھی: ﴿ تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ ﴾ (اللھب 111:1) ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔''① اور اس کو امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

اور امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب آیت کریمہ: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: [یَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ! یَا صَفِیَّةُ بِنْتُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! یَابَنِی عَبْدِالْمُطَّلِبِ! لَاأَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا، سَلُونِی مِنْ مَّالِی مَا شِئْتُمْ] ''اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے بنی عبدالمطلب! میں تمھارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔''③ اس کو امام مسلم ہی نے روایت کیا ہے بخاری نے نہیں۔④

اور امام احمد رحمہ اللہ ہی نے قبیصہ بن مخارق اور زہیر بن عمرو سے روایت کیا ہے، دونوں نے کہا کہ جب آیت: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ نازل ہوئی تو آپ پہاڑ کی ایک چٹان پر سب سے اونچے پتھر پر کھڑے ہوگئے اور آپ نے اعلان کرنا شروع فرمایا: [یَابَنِی عَبْدِ مَنَافٍ، إِنَّمَا أَنَا نَذِیرٌ، إِنَّمَا مَثَلِی وَمَثَلُكُمْ! كَرَجُلٍ رَّأَى الْعَدُوَّ فَذَهَبَ یَرْبَأُ أَهْلَهُ فَخَشِیَ أَنْ یَّسْبِقُوهُ، فَجَعَلَ یُنَادِی وَیَهْتِفُ: یَا صَبَاحَاهُ] ''اے بنی عبد مناف! میں صرف ڈرانے والا ہوں، میری اور تمھاری مثال اس شخص کے مانند ہے جس نے دشمن کو دیکھ لیا ہو تو اس نے جا کر اپنے گھر والوں کو خبردار کرنا شروع کر دیا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہیں دشمن اس سے پہلے ہی نہ پہنچ جائے، اس لیے اس نے پکار پکار کر یہ اعلان کرنا شروع کر دیا: یا صباحاہ!''⑤ اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔⑥

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴾ ''اور (اللہ) سب پر غالب، نہایت مہربان پر بھروسا کریں۔'' اپنے تمام امور میں کیونکہ وہی آپ کا مؤید، حافظ، ناصر، کامیابی عطا فرمانے والا اور آپ کے کلمے کو بلند کرنے والا ہے۔ ﴿ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴾ ''جو آپ کو جب آپ (تہجد کے وقت) اٹھتے ہیں دیکھتا ہے۔'' یعنی آپ کے ساتھ خصوصی اعتنا برتتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا ﴾ (الطور 52:48) ''اور آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہیں آپ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴾ سے مراد یہ ہے

---

① مسند أحمد: 307/1. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ ...... ﴾ (سبا 34:46)، حدیث: 4801 و صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله تعالٰی: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾، حدیث: 208 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة تبت یدا، حدیث: 3363 و السنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورة المسد: 526/6، حدیث: 11714. ③ مسند أحمد: 187/6. ④ صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله تعالٰی: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾، حدیث: 205. ⑤ مسند أحمد: 60/5. ⑥ صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله تعالٰی: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾، حدیث: 207 و السنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾: 423/6، حدیث: 11379.

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿221﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿222﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ

کیا میں تمھیں بتاؤں کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں؟﴿221﴾ وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے، گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں﴿222﴾ جو (شیطانوں کی طرف) کان لگاتے

وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿223﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿224﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿225﴾

ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں﴿223﴾ اور شاعروں کی پیروی گمراہ (لوگ) ہی کرتے ہیں﴿224﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بلاشبہ وہ (خیال کی) ہر وادی میں

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿226﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

بھٹکتے پھرتے ہیں﴿225﴾ اور بلاشبہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں، جو کرتے نہیں﴿226﴾ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور اللہ کا

11 ع 36 15 وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿227﴾

بکثرت ذکر کیا، اور جب ان پر ظلم ہوا تو اس کے بعد انھوں نے بدلہ لیا، اور ظالم لوگ جلد جان لیں گے کہ کون سی پلٹنے کی (خوفناک) جگہ وہ پلٹیں گے﴿227﴾

کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ ① عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کے قیام، رکوع اور سجود کو دیکھتا ہے۔ ② حسن کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب آپ تنہائی میں نماز پڑھتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا ہے۔ ③ ضحاک کہتے ہیں کہ ﴿ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿218﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جب آپ اپنے بستر یا اپنی مجلس سے اٹھتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا ہے۔ ④ اور قتادہ کہتے ہیں کہ ﴿ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿218﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کو کھڑے، بیٹھے اور ہر حال میں دیکھتا ہے۔ ⑤ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿219﴾ ﴾ ''اور نمازیوں میں آپ کے پھرنے کو بھی۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھتا ہے اور نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بھی۔ ⑥ عکرمہ، عطاء خراسانی اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ ⑦ اور فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿220﴾ ﴾ ''بے شک وہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کی تمام حرکات و سکنات کو جاننے والا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ...... ﴾ الآية (یونس 10:61) ''اور آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں یا قرآن میں سے کچھ بھی پڑھتے ہیں یا تم لوگ کوئی اور کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو، ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں......''

تفسیر آیات: 221-227

مشرکین کی افترا پردازی کی تردید: اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جنھوں نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جس قرآن کو لے کر آئے ہیں وہ حق نہیں ہے بلکہ اسے آپ نے از خود اپنی طرف سے بنایا ہے یا کسی جن نے آپ کو سکھایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں اپنے رسول ﷺ کو ان کی باتوں اور افترا پردازیوں سے پاک قرار دیا

① تفسير القرطبي: 144/13. ② تفسير الطبري: 151/19. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 2828/9. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 2828/9. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 2828/9. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 2829/9. ⑦ تفسير الطبري: 152,151/19.

اور فرمایا کہ آپ جس قرآن کو لے کر آئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے اور یہ اس کی وحی و تنزیل ہے، اسے ایک کریم، امین اور عظیم فرشتہ لے کر نازل ہوا ہے، یہ شیاطین کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہے کیونکہ انھیں تو قرآن عظیم جیسی کتاب سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے وہ تو اپنے جیسے جھوٹے لوگوں اور کاہنوں وغیرہ پر نازل ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿221﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿222﴾﴾ ’’اچھا میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ ہر جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں۔‘‘ ﴿اَفَّاكٍ﴾ کے معنی ہیں جو بات کرنے میں بے حد جھوٹا ہو اور ﴿اَثِيْمٍ ﴿222﴾﴾ اسے کہتے ہیں جو اپنے افعال میں فاجر و فاسق ہو تو اس طرح کے فاجر و فاسق اور جھوٹے کاہنوں پر شیطان نازل ہوتے ہیں کیونکہ شیطان بھی انھیں کی طرح کاذب و فاسق ہیں۔

﴿يُلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ ’’وہ سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں۔‘‘ یعنی آسمان سے بات کو چرا لیتے ہیں، علم غیب کی کوئی بات سنتے ہیں اور اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا لیتے ہیں، پھر انھیں اپنے انسان دوستوں (کاہنوں) کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں، وہ کاہن لوگوں سے ان باتوں کو بیان کرتے تو وہ آسمان سے سنی ہوئی اس ایک سچی بات کی وجہ سے انھیں سچا سمجھتے ہیں جیسا کہ اس صحیح حدیث میں ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا کہ کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِشَيْءٍ] ’’وہ کچھ نہیں ہیں۔‘‘ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بسا اوقات وہ بات کرتے ہیں اور وہ بات صحیح ہوتی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيُقَرْقِرُهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ كَقَرْقَرَةِ الدَّجَاجَةِ، فَيَخْلِطُونَ فِيهِ أَكْثَرَ مِنْ مِّائَةِ كَذْبَةٍ] ’’یہ سچی بات وہ ہوتی ہے جو جن نے آسمان سے سنی ہوتی ہے اور وہ اسے اپنے دوست (کاہن) کے کان میں اس طرح ڈال دیتا ہے جس طرح مرغی کُڑکُڑاتی ہے اور وہ اس کے ساتھ سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا لیتے ہیں۔‘‘[1]

اور امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِّقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟۔ قَالُوا لِلَّذِي، قَالَ: اَلْحَقَّ، وَهُوَالْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُوالسَّمْعِ هٰكَذَابَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ۔ وَّصَفَهُ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ، ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ، حَتّٰى يُلْقِيَهَاعَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِأَوِالْكَاهِنِ، فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا، وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ، فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ، فَيُقَالُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب قراءة الفاجر والمنافق......، حديث: 7561 و صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، حديث: (123)-2228.

لَنَا يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا؟ كَذَا وَ كَذَا: فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ]

''جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت میں اپنے پروں کو اس طرح پھڑ پھڑاتے ہیں جس طرح پتھر پر زنجیر لگ رہی ہو، جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ حق فرمایا ہے اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ بات چوری کرنے والا اس (بات) کو سن لیتا ہے اور بات چرانے والے شیاطین ایک دوسرے کے اوپر اس طرح ہوتے ہیں۔ سفیان نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اسے اس طرح بیان کیا کہ انھوں نے ہاتھ کو موڑا (مائل کیا) اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھا۔ وہ سنی ہوئی بات کو نیچے والے تک پہنچا دیتا ہے اور وہ اسے اپنے سے نیچے والے تک پہنچا دیتا ہے حتی کہ وہ اسے جادوگر یا کاہن کی زبان پر ڈال دیتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ نیچے کے شیطان تک بات پہنچانے سے قبل شہاب ثاقب اسے دبوچ لیتا ہے اور کبھی شہاب ثاقب کی گرفت میں آنے سے پہلے وہ اسے کاہن تک پہنچا دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا لیتا ہے، پس کہا جاتا ہے اس نے فلاں فلاں دن وہ بات نہیں کہی تھی، یعنی اس ایک کلمے کی وجہ سے جو آسمان سے سنا گیا ہوتا ہے اسے سچا سمجھا جاتا ہے۔''[1] اس روایت کو صرف امام بخاری نے بیان فرمایا ہے امام مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْمَلَائِكَةُ تَحَدَّثُ فِي الْعَنَانِ۔ وَالْعَنَانُ: الْغَمَامُ۔ بِالْأَمْرِ يَكُونُ فِي الْأَرْضِ فَتَسْمَعُ الشَّيَاطِينُ الْكَلِمَةَ فَتَقُرُّهَا فِي آذَانِ الْكَاهِنِ كَمَا تُقَرُّ الْقَارُورَةُ فَيَزِيدُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ] ''بے شک فرشتے بادل میں اس امر کے بارے میں باتیں کرتے ہیں جو زمین میں رونما ہونے والا ہوتا ہے، شیاطین فرشتوں کی ان باتوں کو سن لیتے ہیں اور انھیں کاہن کے کان میں ڈال دیتے ہیں جس طرح کہ شیشی میں کوئی چیز ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس میں سو جھوٹ کا اضافہ کر دیتے ہیں۔''[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے کی تردید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿224﴾﴾ ''اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کفار گمراہ انسانوں اور جنوں کی پیروی کرتے ہیں۔[3] مجاہد اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] عکرمہ کہتے ہیں کہ دو شاعر تھے جو ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتے تھے، کچھ لوگ ایک کی مدد کرتے اور کچھ لوگ دوسرے کی مدد کیا کرتے تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿224﴾﴾ ''اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔''[5] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿225﴾﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ......﴾ (سبا 34:23)، حديث: 4800. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده......، حديث: 3288. [3] تفسير الطبري: 156/19. [4] تفسير الطبري: 156,155/19. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 2832/9.

میں سر مارتے پھرتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر لغو کام میں مبتلا رہتے ہیں۔[1] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر طرح کی باتوں میں مصروف رہتے ہیں۔[2] مجاہد وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

﴿ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''اور بلاشبہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو شخص تھے ان میں سے ایک انصار میں سے تھا اور دوسرا کسی اور قوم سے تھا، دونوں ایک دوسرے کی ہجو کر رہے تھے، ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے گمراہ لوگ بھی تھے، اُنھیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرما دیں۔ ﴿ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں اور بلاشبہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔''[4] مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے کاہن اور شاعر نہیں ہیں کیونکہ کئی وجوہ سے آپ ان سے بالکل مختلف ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (یٰس 69:36) ''اور ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ اسے شایاں ہے۔ یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الحاقۃ 69:40-43) ''کہ یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا قول ہے لیکن تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔''

شعرائے اسلام اس سے مستثنیٰ ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔'' محمد بن اسحاق نے یزید بن عبداللہ بن قسیط سے اور انھوں نے تمیم داری کے آزاد کردہ غلام ابوالحسن سالم براد سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴾ تو حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت نازل فرمائی تو اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ہم شاعر ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی آیت تلاوت فرمائی: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔'' آپ نے فرمایا: [أَنْتُمْ] ''یہ لوگ تم ہو۔'' ﴿ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ ''اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہے۔'' فرمایا: [أَنْتُمْ] ''یہ لوگ تم ہو۔'' ﴿ وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ ﴾ ''اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا۔'' فرمایا: [أَنْتُمْ] ''یہ لوگ تم ہو۔'' اسے ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے بروایت ابن اسحاق

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2833/9. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2833/9. [3] تفسیر الطبري: 156/19 وتفسیر ابن أبي حاتم: 2833/9. [4] تفسیر الطبري: 155/19.

بیان کیا ہے۔①لیکن یہ سورت مکی ہے تو ان آیات کے نزول کا سبب انصار کے شعراء کس طرح ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا بات محل نظر ہے اور اس سلسلے میں جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ مرسل اور نا قابل اعتماد ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اس استثناء میں شعرائے انصار اور دیگر شعراء شامل ہیں حتی کہ زمانہ جاہلیت کے وہ شعراء بھی اس میں داخل ہیں جو پہلے اسلام اور مسلمانوں کی مذمت کیا کرتے تھے مگر بعد میں انھوں نے توبہ کر کے اس سے رجوع کر لیا اور نیک عمل شروع کر دیے اور اپنی پچھلی بری باتوں کے مقابلے میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، اس لیے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ پہلی باتوں کی تلافی کے طور پر اب انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی تعریف شروع کر دی تھی جیسا کہ عبداللہ بن زبعری نے مشرف بہ اسلام ہوتے وقت کہا تھا:

يَارَسُولَ الْمَلِيكِ إِنَّ لِسَانِي رَاتِقٌ مَّا فَتَقْتُ إِذْ أَنَا بُورٌ
إِذْ أُبَارِي الشَّيْطَانَ فِي سَنَنِ الْغَيِّ وَمَنْ مَّالَ مَيْلَهُ مَثْبُورٌ

”اے مالک (اللہ) کے رسول! بلاشبہ میری زبان اس نقصان کی تلافی کر رہی ہے جو میں نے خود کیا تھا (جس ردائے پاکیزہ کو میں نے رخنہ رخنہ کیا تھا میری زبان ہی اسے پیوند لگا رہی ہے) میں سرکشی کے راستے پر شیطان کے پہلو بہ پہلو تھا اور جو اس کے جھکاؤ کے ساتھ جھک گیا وہ ہلاک ہو گیا۔“②

اسی طرح ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی نبی اکرم ﷺ کا سخت دشمن تھا یہ آپ کا برادر عم زاد ہونے کے باوجود آپ کی بہت ہجو کیا کرتا تھا لیکن یہ مسلمان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اس کی نظر میں محبوب نہ تھا، پہلے یہ آپ کی ہجو کیا کرتا تھا اب اس نے آپ کی مدح میں شعر کہنا شروع کر دیے تھے، پہلے سخت دشمن تھا اور اب دلی دوست بن گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ﴾ ”اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اب انھوں نے ان کافروں کی تردید شروع کر دی ہے جو مومنوں کی ہجو کیا کرتے تھے۔③ مجاہد، قتادہ اور دیگر ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔④ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان سے فرماتے: [اُهْجُهُمْ أَوْقَالَ: هَاجِهِمْ وَجِبْرِيلُ مَعَكَ] ”کافروں کی ہجو کرو۔ یا آپ نے یہ فرمایا: ان کی ہجو کرو، جبریل تمھارے ساتھ ہیں۔“⑤

امام احمد نے کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے شعراء کے بارے میں نازل فرمایا ہے جو نازل فرمایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَلِسَانِهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَكَأَنَّ مَا تَرْمُونَهُمْ بِهِ نَضْحُ النَّبْلِ] ”بے شک مومن اپنی تلوار اور اپنی زبان کے ساتھ جہاد کرتا

① تفسير الطبري: 157/19 و تفسير ابن أبي حاتم: 2836,2835/9. ② السيرة النبوية لابن هشام، ذكر الأسباب الموجبة المسير إلى مكة......:61/4. ③ تفسير الطبري:158/19. ④ تفسير الطبري:159,158/19. ⑤ صحيح البخاري، الأدب، باب هجاء المشركين، حديث:6153 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حديث: 2486 عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ.

ہے، اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ان کی جو ہجو کرتے ہو تو یہ ایسے ہے جیسے ان پر تیر اندازی کی جارہی ہو۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿227﴾﴾ ''اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون سی جگہ لوٹ کر جائیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ......﴾ الآیة (المؤمن 52:40) ''جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی ......'' اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''اپنے آپ کو ظلم کرنے سے بچاؤ کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن جائے گا۔''[2] قتادہ بن دعامہ اس مذکورہ آیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں ظالم سے شعراء اور غیر شعراء سبھی مراد ہیں۔

سورۂ شعراء کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

---

[1] مسند أحمد:387/6. [2] صحيح البخاري، المظالم، باب: الظلم ظلمات يوم القيامة، حديث:2447 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2578 ومسند أحمد:106/2 واللفظ له عن ابن عمر رضی اللہ عنہما.

تفسیر سُورَۂ نَمل

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ① ھُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ② الَّذِیۡنَ

طٰسٓ، یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیات ہیں ① (یہ) ہدایت اور بشارت ہے (ان) مومنوں کے لیے ② جو نماز قائم کرتے ہیں،

یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ③ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ

اور زکاۃ دیتے ہیں، اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ③ بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال

بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمۡ اَعۡمَالَھُمۡ فَھُمۡ یَعۡمَھُوۡنَ ④ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَھُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ

پرکشش بنا دیے ہیں، لہٰذا وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ④ وہی لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہی زیادہ خسارے

الثلثۃ وَ ھُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ھُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ⑤ وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ⑥

میں ہوں گے ⑤ اور (اے نبی!) بلاشبہ آپ کو تو ایک کمال حکمت والے، خوب جاننے والے کی طرف سے یہ قرآن سکھایا جاتا ہے ⑥

تفسیر آیات:1-6

قرآن مجید مومنوں کے لیے ہدایت وبشارت ہے: بعض سورتوں کے آغاز میں جو حروف مقطعات ہیں ان کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہوچکی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ① ھُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ② ﴾ ”یہ قرآن اور کتاب روشن کی آیتیں ہیں، مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہیں۔“ یعنی قرآن سے ہدایت اور بشارت اسے حاصل ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے، اس کی اتباع اور تصدیق کرے، اس کے مطابق عمل کرے، فرض نماز کا اہتمام کرے اور زکاۃ ادا کرے، آخرت، بعث بعد الموت، اچھے اور برے اعمال کی جزا وسزا اور جنت اور دوزخ پر ایمان رکھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ ھُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ھُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِھِمۡ وَقۡرٌ وَّ ھُوَ عَلَیۡھِمۡ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 44:41) ”کہہ دیجیے: جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہراپن) ہے اور ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ

(وہ وقت یاد کریں) جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، میں ابھی تمھارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا سلگتا انگارا لاؤں گا، تاکہ تم

تَصْطَلُوْنَ ⑦ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

تاپو⑦ چنانچہ جب موسیٰ اس (آگ) کے پاس پہنچا تو اسے آواز دی گئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ (نور) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے، اور اللہ

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ

رب العالمین پاک ہے⑧ اے موسیٰ! بلاشبہ وہ میں ہی اللہ ہوں، نہایت غالب، خوب حکمت والا⑨ اور اپنا عصا ڈال دے، چنانچہ جب (موسیٰ نے عصا ڈالا

كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ

اور) اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر پلٹا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! مت ڈر، بلاشبہ میرے

الْمُرْسَلُوْنَ ⑩ۖ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪ وَاَدْخِلْ

حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے⑩ مگر جس نے ظلم کیا، پھر اس نے برائی کے بعد (برے اعمال کو) بدل کر نیکی کی، تو بلاشبہ میں بڑا بخشن ہار، نہایت مہربان

يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۣ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

ہوں⑪ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر، وہ سفید (چمکتا ہوا) بے عیب نکلے گا، یہ ان نو نشانیوں (معجزات) میں سے ہے (جن کے ساتھ تمھیں) فرعون

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑬ۚ وَجَحَدُوْا

اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا گیا ہے۔) بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں⑫ پھر جب ان کے پاس ہمارے واضح روشن معجزات پہنچے تو انھوں نے کہا: یہ تو کھلا

بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ⑭ع ع 1/14/16

جادو ہے⑬ اور انھوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا، جبکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ پھر دیکھیے فسادیوں کا انجام کیسا ہوا؟⑭

(گرانی کے سبب) ان کو دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔''

اور فرمایا: ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ (مریم 19:97) ''تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچا دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' یعنی اس کی تکذیب کرتے اور اس کے وقوع کو بعید سمجھتے ہیں۔ ﴿زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④﴾ ''ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے آراستہ کر دیے ہیں تو وہ سرگرداں ہو رہے ہیں۔'' یعنی جس حالت میں وہ ہیں اسے ہم نے ان کی نگاہ میں اچھا بنا دیا ہے، ان کی سرکشی کو بڑھا دیا ہے اور وہ اپنی گمراہی میں حیران و پریشان ہیں اور یہ سزا ہے اس بات کی کہ انھوں نے آخرت کی تکذیب کی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الأنعام 6:110) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے تو جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔'' ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْعَذَابِ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے۔'' دنیا و آخرت میں۔ ﴿وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤﴾

’’اور آخرت میں بھی وہی سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔‘‘ یعنی اہل محشر میں اپنے آپ کو اور اپنے مالوں کو گھاٹے میں ڈالنے والے ان کے سوا اور کوئی نہیں ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥ ﴾ ’’اور بے شک آپ کو قرآن (اللہ) بڑی حکمت والے، خوب جاننے والے کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔‘‘ جو اپنے امر و نہی میں بڑا حکیم اور چھوٹے بڑے تمام امور کو خوب جاننے والا ہے، اس کی خبر سراپا صدق اور اس کا حکم مکمل عدل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ ﴾ (الأنعام 115:6) ’’اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔‘‘

تفسیر آیات:7-14

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا انجام: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا اور آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح انھیں منتخب فرمایا، ہم کلامی کے شرف سے نوازا، ان سے سرگوشیاں کیں، انھیں فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا، کفر کیا اور از راہِ تکبر و غرور ان کی اطاعت و اتباع سے انکار کر دیا تھا۔ فرمایا: ﴿ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ ﴾ ’’جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا۔‘‘ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ اپنے گھر والوں کے ساتھ جا رہے تھے مگر راستہ بھول گئے کیونکہ رات کا وقت تھا اور رات بھی اندھیری تھی، پھر انھوں نے طور کی طرف آگ دیکھی جو بھڑک رہی اور شعلے مار رہی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا: ﴿ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦ ﴾ ’’بے شک میں نے آگ دیکھی ہے میں وہاں سے (رستے کا) پتا لاتا ہوں یا سلگتا ہوا انگارا تمھارے پاس لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔‘‘ اور اس سے گرمی حاصل کرو اور معاملہ ایسے ہی ہوا جیسے انھوں نے کہا تھا، آپ واپس آئے تو آپ کے پاس ایک عظیم الشان خبر تھی اور وہاں سے آپ زبردست نور بھی لے کر آئے تھے، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ ﴾ ’’تو جب موسیٰ (علیہ السلام) اس کے پاس آئے تو ندا دی گئی کہ اسے جو آگ میں ہے اور اسے جو آگ کے ارد گرد ہے برکت دی گئی ہے۔‘‘

موسیٰ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے بہت زبردست اور عظیم الشان منظر دیکھا کہ آگ سبز درخت سے بھڑک رہی اور شعلے مار رہی ہے، آگ کے بھڑکنے اور شعلے مارنے میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اس سے اس درخت کی سرسبزی و شادابی میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے، پھر انھوں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ اس آگ کی روشنی آسمان کی بلندیوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ نے فرمایا کہ حقیقت میں یہ آگ نہیں تھی بلکہ نور برس رہا تھا۔ [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کا نور تھا۔ [2] موسیٰ علیہ السلام اس عظیم الشان منظر کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کر رہے تھے کہ دریں اثنا ﴿ نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ ﴾ ’’ندا دی گئی کہ وہ جو آگ میں ہے اسے برکت دی گئی ہے۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما

① تفسیر الطبری:163/19. ② تفسیر الطبری:163/19.

فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بہت مقدس ہے۔[1] ﴿ وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ ''اور وہ جو آگ کے ارد گرد ہے۔'' یعنی فرشتوں میں سے جو وہاں موجود ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔[2] ﴿ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧ ﴾ ''اور اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے پاک ہے۔'' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، مخلوق میں سے کوئی اس کے مشابہ نہیں ہے، کوئی چیز اس کی مصنوعات کا احاطہ نہیں کر سکتی، وہ عالی مرتبہ اور جلیل القدر اپنی تمام مخلوقات سے جدا ہے، زمین و آسمان اس کا گھیراؤ نہیں کر سکتے، وہ احد و صمد اور مخلوقات کی مماثلت سے پاک ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ ﴾ ''اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں نہایت غالب، بڑا دانا۔'' اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلا دیا کہ وہ ذات جو ان سے مخاطب اور ہم کلام ہے وہ اللہ رب العالمین ہے جو ہر چیز پر غالب اور اپنے تمام اقوال و افعال میں حکیم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی لاٹھی ڈال دیں تاکہ آپ کے سامنے واضح دلیل ظاہر ہو جائے کہ وہ فاعل مختار اور ہر چیز پر قادر ہے۔ موسیٰ نے اپنے ہاتھ سے جب اس لاٹھی کو ڈالا تو وہ فوراً ایک بہت بڑے اور خوفناک اژدہا کی صورت میں بدل گئی جو بہت بڑا اور انتہائی تیز رفتار تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ ﴾ ''پھر جب اسے دیکھا تو اس طرح ہل رہی تھی گویا سانپ ہے۔'' جانّ سانپوں کی ایک ایسی قسم ہے جو سانپوں میں سے سب سے سریع الحرکت ہوتی ہے۔ موسیٰ نے جب اسے دیکھا تو ﴿ وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ﴾ ''وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔'' شدید خوف کی وجہ سے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩ ﴾ ''اے موسیٰ! ڈرو مت، ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔'' یعنی تم نے جو دیکھا ہے اس سے ڈرو مت، میں تو تمھیں رسول کے طور پر منتخب کرنا اور ایک معزز نبی بنانا چاہتا ہوں۔

﴿ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪ ﴾ ''ہاں، جس نے ظلم کیا، پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو یقیناً میں بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہوں۔'' یہ استثنا منقطع ہے۔ اس میں انسانوں کے لیے عظیم بشارت ہے کہ جو کوئی برا کام کرے، پھر اس سے باز آ جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ○ ﴾ (طٰهٰ 20:82) ''اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے رستے پر چلے، اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (النسآء 4:110) ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان پائے گا۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

بعد ازاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ﴾ ''اور

[1] تفسير الطبرى: 163/19 . [2] تفسير الطبرى: 165,164/19 وتفسير ابن أبى حاتم: 2847,2846/9 .

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ

اور بلاشبہ ہم نے داود اور سلیمان کو (خاص) علم دیا تھا، اور ان دونوں نے کہا: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے

عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ

بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ⑮ اور داود کا وارث سلیمان بنا اور اس نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی

الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ

ہے، اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے، بلاشبہ یہ تو صاف صاف (اللہ کا) فضل ہے ⑯ اور سلیمان کے پاس اس کے سارے لشکر، جنوں،

جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑰ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ

انسانوں اور پرندوں میں سے جمع کیے گئے، پھر وہ الگ الگ تقسیم کیے جاتے تھے ⑰ حتی کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے،

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ

تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! تم اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور اس کے لشکر تمھیں کچل نہ ڈالیں، جبکہ وہ (اس کا)

لَا يَشْعُرُوْنَ ⑱ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

شعور بھی نہ رکھتے ہوں ⑱ چنانچہ سلیمان اس (چیونٹی) کی بات پر مسکرا کر ہنس دیے اور کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں

الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ

تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کی ہے، اور اس بات کی بھی کہ میں ایسے نیک کام کروں جو تو

فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ⑲

پسند کرے، اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر ⑲

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، بے عیب سفید نکلے گا۔'' یہ دوسری نشانی اور واضح دلیل ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے فاعل مختار ہونے کی اور اس کی صداقت کی جس کے لیے یہ معجزہ بنایا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ کو اپنی قمیص کے گریبان میں داخل کریں جب وہ اسے اس میں داخل کر کے باہر نکالیں گے تو وہ اس طرح سفید چمکدار ہوگا گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہے اور بجلی کی طرح جگمگا رہا ہوگا۔ ﴿فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ﴾ ''نو معجزوں میں۔'' یعنی یہ دو معجزے ان نو معجزوں میں داخل ہیں جن کے ساتھ میں تمھاری تائید کروں گا اور جنھیں تمھاری نبوت کی دلیل بنا دوں گا، ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫﴾ ''فرعون اور اس کی قوم کی طرف، بے شک وہ بدکردار لوگ ہیں۔'' یہ وہی نو نشانیاں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 101:17) ''اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو کھلی نشانیاں دیں۔'' اور ان نو نشانیوں کی تفصیل اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔ [1]

[1] دیکھیے عنوان: ''موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیاں''

﴿ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً ﴾ ''پھر جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں پہنچیں۔'' ﴿ مُبْصِرَةً ﴾ کے معنی روشن، واضح اور ظاہر کے ہیں۔ ﴿ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''وہ کہنے لگے: یہ تو صریح جادو ہے۔'' اور اپنے جادو کے ساتھ انھوں نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا مگر وہ مغلوب اور ذلیل ورسوا ہو گئے، ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا ﴾ ''اور ان سے انکار کیا۔'' بظاہر انکار کیا لیکن ﴿ وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ﴾ ''ان کے دل مان چکے تھے۔'' یعنی دلوں میں انھوں نے مان لیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے لیکن انھوں نے انکار کیا اور عناد اور دشمنی کی روش کو اختیار کیا ﴿ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ ''بے انصافی اور غرور کی وجہ سے۔'' کیونکہ ظلم کی ملعون عادت ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی اور تکبر وغرور کی وجہ سے انھوں نے حق کی اتباع نہ کی۔

﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ''سو دیکھیے کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا!'' یعنی اے محمد (ﷺ!) دیکھیں کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ تمام کے تمام لوگوں کو ایک صبح غرق کر دیا اور اس قصے کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ محمد ﷺ کی تکذیب کرنے والو! اور آپ کے لائے ہوئے دین وشریعت کا انکار کرنے والو! ڈر جاؤ، کہیں تمھارا بھی وہ انجام نہ ہو جو ان لوگوں کا ہوا تھا کیونکہ تم تو اس انجام کے زیادہ مستحق ہو، اس لیے کہ محمد ﷺ موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ اشرف واعظم ہیں اور آپ کے دلائل و براہین موسیٰ علیہ السلام کے دلائل سے زیادہ واضح اور قوی ہیں، پھر ان دلائل و براہین کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق کریمانہ عطا فرمائے، سابقہ انبیاء علیہم السلام نے آپ کے بارے میں بشارتیں دیں اور آپ کے بارے میں ان سے عہد و پیمان بھی لیے تھے۔ عَلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ.

تفسیر آیات:15-19

داود و سلیمان علیہما السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں اور نبیوں داود اور ان کے بیٹے سلیمان علیہما السلام کو زبردست نعمتوں، عظیم الشان نوازشوں اور خوب صورت صفات سے نوازا تھا، انھیں دنیا کی حکومت و بادشاہت اور دین میں نبوت ورسالت عطا فرمائی اور اس طرح انھیں دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے سرفراز فرما دیا تھا، اسی لیے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے داود اور سلیمان کو علم بخشا اور انھوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ ''اور سلیمان داود کے وارث بنے۔'' بادشاہت اور نبوت میں، یہاں مال کی وراثت مراد نہیں ہے کیونکہ اگر مقصود مالی وراثت ہوتی تو پھر داود علیہ السلام کی تمام اولاد میں سے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا بطور خاص ذکر نہ کیا جاتا، ان کی باقی اولاد کا بھی ذکر کیا جاتا۔ یاد رہے! حضرت داود کی تو ایک سو بیویاں تھیں، بہرحال یہاں مراد ملک و نبوت کی وراثت ہے کیونکہ انبیاء کا مال ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [(نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ) لَا نُورَثُ مَاتَرَكْنَا(هُ) فَهُوَ صَدَقَةٌ] ''ہم گروہ انبیاء کا مال بطور

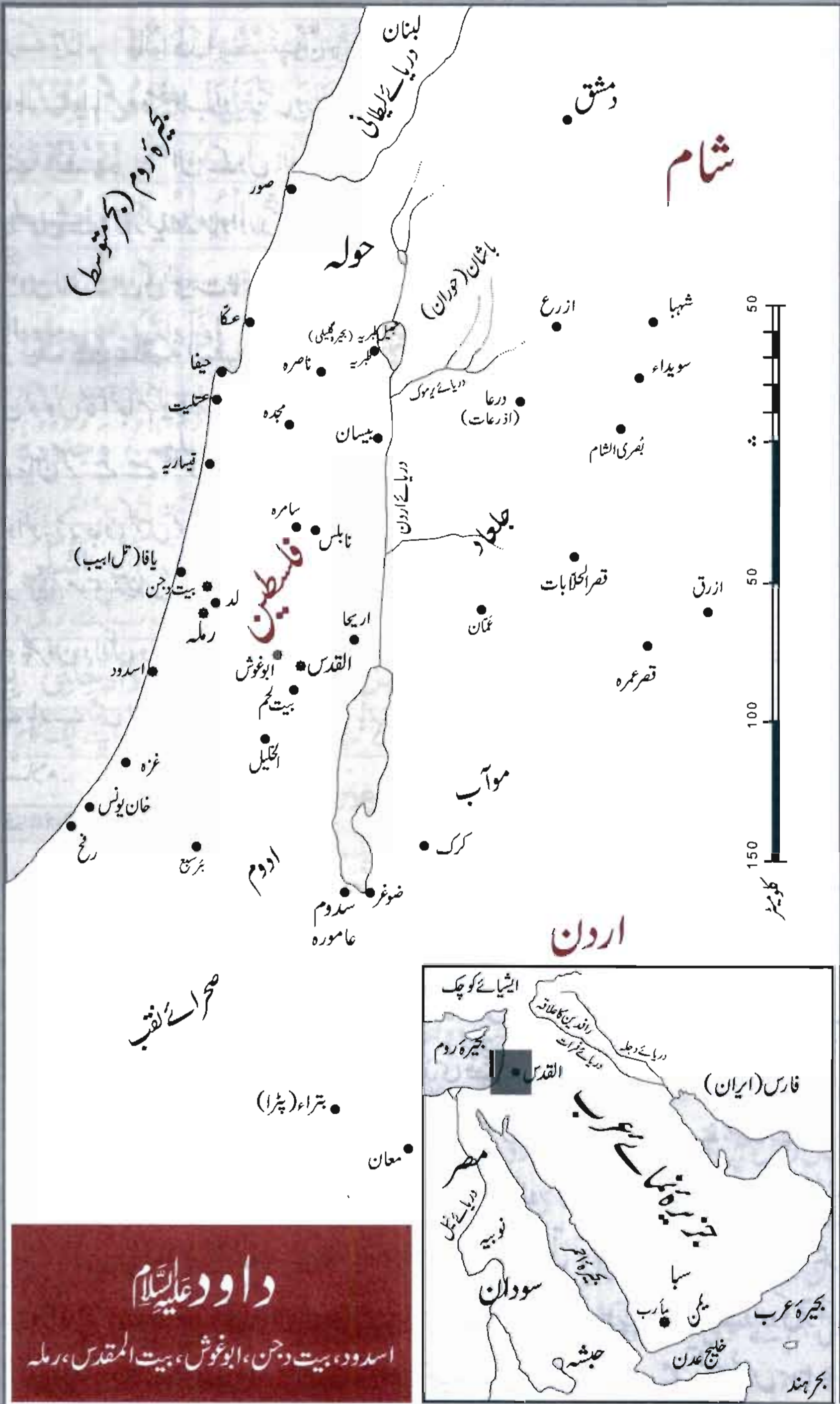

لبنان
دریائے لیطانی
دمشق
شام
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
صور
حولہ
باشان (حوران)
ازرع
شہبا
عکا
بحیرۂ طبریہ (بحیرۂ گلیلی)
طبریہ
ناصرہ
حیفا
دریائے یرموک
سویداء
عتلیت
مجدہ
درعا
(اذرعات)
بیسان
بُصری الشام
قیساریہ
دریائے اردن
سامرہ
نابلس
جلعاد
یافا (تل ابیب)
بیت دجن
فلسطین
لد
قصر الحلابات
ازرق
رملہ
اریحا
عمّان
ابوغوش
القدس
اسدود
قصر عمرہ
بیت لحم
الخلیل
غزہ
موآب
خان یونس
رفح
بئر سبع
کرک
ادوم
ضوغر
سدوم
عامورہ
اردن
کلومیٹر
صحرائے نقب
بتراء (پٹرا)
معان
ایشیائے کوچک
رافدین کا علاقہ
دریائے دجلہ
دریائے فرات
بحیرۂ روم
القدس
فارس (ایران)
جزیرہ نمائے عرب
مصر
دریائے نیل
نوبیہ
سوڈان
بحیرۂ احمر
سبا
یمن
مأرب
بحیرۂ عرب
خلیج عدن
حبشہ
بحر ہند
داود علیہ السلام
اسدود، بیت دجن، ابوغوش، بیت المقدس، رملہ

وراثت تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ہم نے جو مال چھوڑا ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔''①

حضرت سلیمان نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''اے لوگو! ہمیں (اللہ کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز ہمیں عنایت فرمائی گئی ہے۔''یعنی جنوں اور پرندوں کو ان کے تابع فرمان کر دیا گیا ہے، آپ پرندوں اور حیوانوں کی بولی بھی جانتے تھے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشادات کی روشنی میں ہمارے محدود علم کے مطابق آپ کے علاوہ اور کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ چیز عطا نہیں فرمائی تھی، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ سکھا دیا تھا کہ فضا میں اڑتے ہوئے پرندے اور مختلف قسم کے حیوانات کیا باتیں کرتے ہیں، اسی لیے آپ نے فرمایا: ﴿ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''ہمیں اللہ کی طرف سے جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز ہمیں عنایت فرمائی گئی ہے۔''یعنی ہر وہ چیز جس کی حکومت کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾ ''بے شک یہ اس کا صریح فضل ہے۔'' یہ اس کا ہم پر بہت نمایاں اور ظاہر فضل وکرم ہے۔

﴿ وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ ﴾ ''اور سلیمان کے لیے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے۔ پھر وہ قسم وار تقسیم کیے جاتے تھے۔'' حضرت سلیمان کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور آپ ان کے جلو میں بڑی شان وشوکت سے نکلے، انسانوں کے لشکر آپ کے سب سے زیادہ قریب تھے، پھر ان کے بعد جنوں کا مرتبہ تھا اور پرندوں کا مقام آپ کے سر کے اوپر ہوتا تھا اور اگر گرمی کا موسم ہوتا تو وہ اپنے پروں کو آپ کے سر کے اوپر سائبان بنا دیتے تھے۔ ﴿ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ ﴾ ''پھر وہ قسم وار تقسیم کیے جاتے تھے۔'' تاکہ ہر کوئی اپنے مقام و مرتبہ پر رہے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپ نے ہر صف پر نگہبان بھی مقرر کر رکھے تھے جو اول سے آخر تک کی ترتیب کی پابندی کراتے تھے اور اس طرح چلتے ہوئے کوئی ایک دوسرے سے پیش قدمی نہیں کر سکتا تھا جیسا کہ آج کل بھی بادشاہ کرتے ہیں۔②

اور فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ﴾ ''یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے۔''یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کے ساتھ جب چیونٹیوں کی وادی میں سے گزرے ﴿ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ ''تو ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ

① صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ، حديث: 3712 عن أبي بكر رضی اللہ عنہ وصحيح مسلم، الجهاد، باب قول النبي ﷺ: [لا نورث......]، حديث: 1758 عن عائشة رضی اللہ عنہا جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 463/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہیں اور [ہ] مسند أحمد: 262/2 میں ہے۔ لیکن اس میں [نحن] کے بجائے [إنا] ہے۔ اور حافظ ابن حجر فتح الباري، حدیث: 6730 کے تحت [نحن] کے بارے میں لکھتے ہیں: اور جو اصولیوں اور دیگر مؤلفین کی کتابوں میں الفاظ: [نحن معاشر الأنبياء] عام ہو گئے ہیں تو ان کا ائمہ کے ایک گروہ نے انکار کیا ہے اور وہ انکار خاص طور پر [نحن] سے متعلق ہے۔

② تفسير الطبري: 173/19 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿20﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ

اور اس نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا: کیا بات ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں (کیا وہ موجود ہے) یا وہ غیر حاضروں میں ہے ﴿20﴾ (یہی بات ہے تو) میں

عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿21﴾

اسے ضرور سخت سزا دوں گا، یا اسے ذبح ہی کر دوں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لائے ﴿21﴾

ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمھیں کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔'' حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی اس بات کو سن اور سمجھ لیا۔ ﴿ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ﴾ ''تو وہ (سلیمان) اس کی بات سے خوش ہو کر مسکرائے اور کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عنایت کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے۔'' یعنی تو مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جن سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھے پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں بھی سکھا دیں اور میرے والدین کو جو تو نے اسلام اور ایمان کی نعمتوں سے نوازا ہے، ان کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرما، پھر ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن سے تو خوش ہو جائے۔ ﴿ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿19﴾ ﴾ ''اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔'' یعنی جب تو مجھے فوت کرے تو اپنے نیک بندوں اور اپنے دوستوں میں داخل فرما دینا۔

تفسیر آیات: 21,20

ہد ہد کی غیر حاضری: مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمۂ تفسیر سے روایت کیا ہے کہ یہ ہد ہد انجینئر تھا، سلیمان علیہ السلام جب جنگلوں اور صحراؤں میں ہوتے تو یہ پانی کی نشاندہی کرتا تھا۔ [1] یہ زمین کی گہرائیوں میں پانی کو اسی طرح دیکھ لیا کرتا تھا جیسے انسان زمین کے باہر کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ ہد ہد یہ بھی بتا دیا کرتا تھا کہ پانی زمین کے اندر کتنی گہرائی میں ہے، جب یہ نشان دہی کر دیتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کو حکم دیتے کہ وہ زمین کھودیں اور اس طرح ان کے کھودنے سے پانی نکل آیا کرتا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دن ایک جنگل میں پڑاؤ ڈالا تو انھوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تاکہ ہد ہد کو دیکھیں مگر وہ نظر نہ آیا، ﴿ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿20﴾ ﴾ ''تو کہا: کیا بات ہے کہ مجھے ہد ہد نظر نہیں آ رہا ہے (کیا وہ موجود ہے) یا کہیں غائب ہو گیا ہے۔'' [2] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن یہ بات بیان فرمائی، اس وقت حاضرین میں نافع بن ازرق نامی ایک خارجی بھی تھا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بہت اعتراضات کرتا رہتا تھا۔ یہ سن کر کہنے لگا: ابن عباس! رک جائیں، آج آپ مغلوب ہو گئے ہیں، آج میرے سوال کا آپ سے جواب نہ بن پڑے گا، آپ نے فرمایا:

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2860/9. [2] تفسیر الطبری: 176/19 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2860/9.

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿22﴾

ابھی کوئی زیادہ دیر نہیں ٹھہرا تھا کہ (ہدہد آ گیا اور) اس نے کہا: میں نے (وہ کچھ) جان لیا ہے جس کے بارے میں آپ نہیں جانتے، اور میں آپ کے پاس

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿23﴾ وَجَدْتُّهَا

سبا سے ایک سچی خبر لایا ہوں ﴿22﴾ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکومت کرتی ہے، اور اسے (ضرورت کی) ہر چیز عطا کی گئی ہے، اور اس کا تخت

وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

عظیم الشان ہے ﴿23﴾ میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے پرکشش

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿24﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ

بنا دیے ہیں، پھر انھیں راہ (حق) سے روک دیا ہے، چنانچہ وہ ہدایت نہیں پاتے ﴿24﴾ یہ کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزیں

وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿25﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿26﴾ السجدة

السجدة 8

نکالتا ہے، اور وہ (سب کچھ) جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو ﴿25﴾ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بہت بڑے عرش کا مالک ہے ﴿26﴾

کیا سوال ہے؟ اس نے کہا کہ آپ بیان کر رہے ہیں کہ ہدہد زمین کی گہرائیوں میں پانی دیکھ لیتا ہے، مگر بچہ جال میں دانہ رکھ کر اس جال پر مٹی ڈال دیتا ہے، ہدہد دانہ پکڑنے کے لیے آتا ہے تو اس جال میں پھنس جاتا ہے اور بچہ اسے شکار کر لیتا ہے (اگر اسے جال نظر نہیں آتا تو زمین کی گہرائیوں میں پانی کیسے نظر آئے گا؟) آپ نے فرمایا کہ اس کا یہ سوال اس قابل نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ یہ کہے گا کہ میں نے سوال کیا مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا جواب نہ دے سکے تو میں اس کے سوال کا جواب نہ دیتا، پھر آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم پر افسوس ہے کہ تمھیں یہ معلوم نہیں کہ جب تقدیر غالب آ جائے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے اور کوئی تدبیر کام نہیں آتی، یہ جواب سن کر نافع نے آپ سے کہا: اللہ کی قسم! قرآن کی کسی بات کے بارے میں، میں آپ سے کبھی بھی جھگڑا نہیں کروں گا۔ ①

اور فرمایا: ﴿لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ ''میں ضرور اس (ہدہد) کو سخت سزا دوں گا۔'' اعمش نے منہال بن عمرو سے انھوں نے سعید سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سخت سزا سے مراد پروں کو اکھاڑ دینا ہے۔ ② عبداللہ بن شداد کا قول ہے کہ اس سے مراد پروں کو اکھاڑ کر اسے دھوپ میں ڈال دینا ہے۔ ③ دیگر کئی ایک ائمۂ سلف سے بھی یہی منقول ہے کہ اس سے مراد پروں کو اکھاڑ کر پھینک دینا ہے تاکہ اسے کیڑے اور چیونٹیاں کھا جائیں۔ ④ ﴿اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ﴾ ''یا ضرور اسے ذبح کر ڈالوں گا۔'' یعنی قتل کر دوں گا ﴿اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿21﴾﴾ ''یا وہ میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) صریح دلیل پیش کرے۔'' یعنی واضح عذر پیش کرے۔ سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن شداد نے بیان کیا ہے کہ جب ہدہد آیا تو پرندوں نے اس سے پوچھا: تم پیچھے کیوں رہ گئے۔ سلیمان علیہ السلام نے تو تمھارے خون کی نذر مان لی ہے؟ اس

① تفسیر القرطبي:13/177,178 و تفسیر ابن أبي حاتم:9/2859,2860. ② تفسیر الطبري:19/177. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:9/2862. ④ تفسیر ابن أبي حاتم:9/2862.

نے کہا: کیا کوئی استثنا کی صورت بھی انھوں نے رکھی ہے؟ پرندوں نے بتایا: ہاں، انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) صریح دلیل پیش کرے، یہ سن کر ہدہد کہنے لگا: تب تو میں نجات پا گیا۔[1]

تفسیر آیات: 22-26

ہدہد سلیمان علیہ السلام کے دربار میں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴾ یعنی ابھی کوئی زیادہ مدت نہیں گزری تھی، پھر ہدہد آموجود ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا: ﴿ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ﴾ ''مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں۔'' یعنی مجھے ایک ایسی بات معلوم ہوئی ہے جو آپ کو اور آپ کے لشکروں کو بھی معلوم نہیں ہو سکی۔ ﴿ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴾ ''اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔'' یعنی ایسی خبر جو یقین کی حد تک سچی ہے۔ سبا کے لوگ حِمیَری تھے اور یہی یمن کے بادشاہ تھے۔

پھر ہدہد نے بتایا: ﴿ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ﴾ ''میں نے ایک عورت کو پایا کہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے۔'' حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس عورت سے مراد بلقیس بنت شراحیل ہے جو سبا کی ملکہ تھی۔[2] ﴿ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''اور اسے (ضرورت کی) ہر چیز دی گئی ہے۔'' یعنی اسے دنیا کا ہر وہ ساز و سامان میسر ہے جس کی کسی بھی حکمران کو ضرورت ہوتی ہے۔ ﴿ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔'' یعنی اس کا وہ تخت جس پر وہ بیٹھی ہے بہت عظیم الشان اور سونے اور انواع و اقسام کے موتیوں اور جواہر سے مرصع ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ تخت ایک بہت عظیم الشان، بلند و بالا اور مضبوط و مستحکم محل میں رکھا ہوا تھا اور اس محل میں تین سو ساٹھ روشن دان مشرق کی طرف اور تین سو ساٹھ مغرب کی طرف تھے۔ اسے اس انداز سے تعمیر کیا گیا تھا کہ ہر روز دھوپ ایک روشن دان سے داخل ہوتی اور پھر اس کے بالمقابل روشن دان سے (غروب کے وقت) دھوپ ختم ہو جاتی، جبکہ سبا کے لوگ صبح و شام سورج کو سجدہ کیا کرتے تھے، اسی لیے ہدہد نے کہا: ﴿ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ ''میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور شیطان نے ان کے اعمال انھیں آراستہ کر دکھائے ہیں، سو ان کو رستے سے روک رکھا ہے۔'' یعنی حق کے رستے سے، ﴿ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ ''پس وہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتے۔''

اور فرمایا: ﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ﴾ ''کہ اللہ کو کیوں سجدہ نہ کریں۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ ﴿ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ﴾ ''اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے پر کشش بنا دیے ہیں، پھر انھیں راہ (حق) سے روک دیا ہے، چنانچہ وہ ہدایت نہیں پاتے، یہ کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں۔'' یعنی وہ راہ حق کو

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2863/9 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2865/9 .

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿27﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ

سلیمان نے کہا: ہم جلد ہی دیکھیں گے آیا تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے﴿27﴾ میرا یہ خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے، پھر ان سے ہٹ

اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿28﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ

(کر بیٹھ) جا، سو دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں﴿28﴾ ملکہ سبا نے کہا: اے سردارو! بلاشبہ میری طرف ایک گرامی نامہ ڈالا گیا ہے﴿29﴾ بے شک وہ سلیمان کی

اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿29﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿30﴾

طرف سے ہے، اور بے شک اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے﴿30﴾ یہ کہ تم میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو،

2 ع 17 17 اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿31﴾

اور فرماں بردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ﴿31﴾

نہیں جانتے اور راہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نجوم وکواکب کے بجائے، اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 41:37) ’’اور اسی کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں، تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اگر واقعی تم اسی کی عبادت کرتے ہو تو تم اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔‘‘ اس کا فرمان ہے: ﴿الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ’’جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔‘‘ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ آسمان اور زمین کی چھپی چیز کو جانتا ہے۔[1] عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿25﴾﴾ ’’اور وہ تمھارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے۔‘‘ یعنی بندے اپنے جن اقوال وافعال کو پوشیدہ رکھتے یا ظاہر کرتے ہیں وہ سب کو جانتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ○﴾ (الرعد 13:10) ’’کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿26﴾﴾ ’’اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔‘‘ یعنی اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے کہ مخلوقات میں سے اس کے عرش عظیم سے بڑھ کر کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ ہدہد جب خیر کا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کی ذات پاک کے لیے سجدے کا داعی ثابت ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے اسے قتل کرنے سے منع کر دیا جیسا کہ امام احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ[3] سے روایت کیا ہے کہ [أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِّنَ الدَّوَابِّ: اَلنَّمْلَةِ، وَالنَّحْلَةِ، وَالْهُدْهُدِ وَالصُّرَدِ] ’’بے شک

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2868/9. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 2869,2868/9 وتفسیر الطبري: 183,182/19. ③ مذکورہ ائمہ نے یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے۔

نبی ﷺ نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا ہے: (1) چیونٹی (2) شہد کی مکھی (3) ہدہد اور (4) لٹورا۔"[1] اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

تفسیر آیات: 27-31

سلیمان علیہ السلام کا نامۂ گرامی بلقیس کے نام: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہدہد نے جب اہل سبا اور ان کی ملکہ کی سلیمان علیہ السلام کو خبر دی تو انھوں نے فرمایا: ﴿ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ "ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔" یعنی تو اپنی اس خبر میں سچا ہے یا تو نے یہ جھوٹی بات بنالی ہے تاکہ اس وعید سے بچ سکے جس کا میں نے تیرے بارے میں اعلان کیا ہے۔ ﴿ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ "میرا یہ خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے، پھر ان سے ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔" حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس اور اس کی قوم کے نام ایک خط لکھا اور وہ ہدہد کو دے دیا، ہدہد نے اس خط کو لے لیا، ایک قول کے مطابق ہدہد نے پرندوں کی عادت کے مطابق اسے اپنے پروں میں لے لیا اور دوسرے قول کے مطابق اسے اپنی چونچ کے ساتھ پکڑ لیا، ان کے علاقے میں چلا گیا اور بلقیس کے محل میں اس کے خلوت کدے کے روشن دان سے اس کے سامنے خط گرا دیا اور ادب سے ایک طرف ہٹ گیا، بلقیس یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوگئی، پھر اس نے خط پکڑا، اسے کھولا اور پڑھا، اس میں یہ مضمون لکھا ہوا تھا: ﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ "بے شک یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک یہ اللہ کے نام سے ہے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ (بعد اس کے) یہ کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔" یہ خط پڑھ کر اس نے اپنی حکومت و مملکت کے امراء، وزراء اور تمام بڑے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝ ﴾ "سردارو! میری طرف ایک نامۂ گرامی ڈالا گیا ہے۔" اس نامے کو گرامی اس نے اس لیے قرار دیا کہ اس نے یہ عجیب معاملہ دیکھا تھا کہ اسے ایک پرندہ لے کر آیا تھا جس نے اسے اس کے سامنے ڈال دیا تھا، پھر ادب سے ایک طرف ہٹ گیا اور یہ بات دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے بس میں نہیں۔

اور ملکہ نے تمام درباریوں کو خط پڑھ کر سنایا: ﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ "بے شک یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک یہ اللہ کے نام سے ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (بعد اس کے) یہ کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔" درباریوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ نامۂ گرامی اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور ان میں ان کے مقابلے کی تاب نہیں ہے۔ یہ مکتوب

[1] مسند أحمد: 332/1 و سنن أبي داود، الأدب، باب في قتل الذرّ، حديث: 5267 و سنن ابن ماجه، الصيد، باب ماينهى عن قتله، حديث: 3224 .

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿32﴾ قَالُوْا نَحْنُ

ملکہ سبا نے کہا: اے سردارو! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، کسی معاملے کا قطعی فیصلہ میں اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود

اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿33﴾ قَالَتْ اِنَّ

نہ ہو(اور مجھے مشورہ نہ دو)﴿32﴾ انھوں نے کہا: ہم قوت والے اور سخت جنگجو ہیں، اور (فیصلے کا) تمام اختیار آپ کے پاس ہے، آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کیا حکم

الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿34﴾

دیتی ہیں ﴿33﴾ اس نے کہا: بلاشبہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کرتے اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، اور یہ بھی

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿35﴾

اسی طرح کریں گے ﴿34﴾ اور بے شک میں ان کی طرف کوئی ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں قاصد کیا (جواب) لے کر لوٹتے ہیں؟ ﴿35﴾

گرامی حد درجہ مختصر اور فصیح و بلیغ تھا۔ بہت ہی آسان اور احسن عبارت میں مفہوم ادا کیا گیا تھا۔ ﴿ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ ﴾ کے قتادہ نے یہ معنی کیے ہیں کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔[1] ﴿ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''اور مطیع و فرماں بردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔'' عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آنے سے انکار نہ کرو اور نہ تکبر کرو بلکہ فرماں بردار ہو کر فوراً چلے آؤ۔[2]

تفسیر آیات:32-35

بلقیس کا درباریوں سے مشورہ: بلقیس نے جب انھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا تو ان سے اس پیش آمدہ معاملے میں مشورہ کیا اور کہا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿32﴾ ﴾ ''اے سردارو! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، جب تک تم میرے پاس حاضر نہ ہو میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں۔'' یعنی جب تک تم حاضر ہو کر مشورہ نہ دو اس وقت تک میں کوئی فیصلہ نہیں کیا کرتی۔ ﴿ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ ﴾ ''وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگجو ہیں۔'' یعنی اگر تم ان سے جنگ کرنا چاہتی ہو تو ہم بھی منہ موڑنے والے نہیں ہیں، اس کے باوجود سارا معاملہ آپ کے اختیار میں ہے، آپ جو حکم دیں ہم اطاعت بجا لائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بلقیس نے کہا: ﴿ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ ﴾ ''بے شک بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿34﴾ ﴾ ''اور اسی طرح یہ بھی کریں گے۔''[3] پھر اس نے صلح جوئی، امن و سلامتی، دھوکے اور تصنع کے پہلو کو اختیار کرنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ﴿ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ ''بلاشبہ میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔'' یعنی میں اس

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2874/9. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2874/9. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 2877/9 وتفسیر الطبري: 188/19.

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ

چنانچہ جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا، تو سلیمان نے کہا: کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرنا چاہتے ہو، مجھے اللہ نے جو دیا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے

بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿36﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا

جو اس نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم خود ہی اپنے ہدیے کے ساتھ خوش رہو ﴿36﴾ تو ان کی طرف لوٹ جا، اب ہم ضرور ان پر ایسے لشکروں سے چڑھائی کریں

وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿37﴾

گے کہ ان (تمھارے لوگوں) میں ان کے خلاف لڑنے کی طاقت نہ ہوگی، اور ہم ضرور انھیں ذلیل کر کے وہاں سے نکال دیں گے، اور وہ خوار ہوں گے ﴿37﴾

کے شایان شان کوئی تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ اس کے بعد اس کا کیا جواب ہوگا، ہوسکتا ہے کہ وہ تحفہ قبول کر کے ہمارے بارے میں اپنا ارادہ بدل لے یا ہم پر کوئی خراج مقرر کر دے جسے ہم ہر سال ادا کر دیا کریں گے تاکہ وہ ہم سے جنگ وجدال نہ کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور اس سے راضی ہو، یہ حالت اسلام اور حالت شرک میں کس قدر عقل مند تھی! اسے علم تھا کہ تحفے کا لوگوں پر خوش گوار اثر پڑتا ہے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ تحفہ قبول کر لے تو وہ ایک بادشاہ ہوگا، لہٰذا اس سے جنگ کرو اور اگر وہ تحفہ قبول نہ کرے تو وہ ایک نبی ہوگا، پس ان کی اطاعت کرو۔[2]

تفسیر آیات: 37,36

بلقیس کا تحفہ اور سلیمان علیہ السلام کا جواب: سلف میں سے کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس نے سونے، ہیرے اور جواہرات کی صورت میں بہت عظیم الشان تحفہ ارسال کیا تھا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے کوئی اہمیت نہ دی بلکہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، آپ نے اعراض فرمایا اور ان سے خفا ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ ﴾ ''کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو؟'' یعنی تم مجھے مال کا لالچ دینا چاہتے ہو تاکہ میں تمھیں حالت شرک میں رہنے دوں اور تمھارے ملک کو بھی کچھ نہ کہوں! ﴿ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ ﴾ ''تو جو کچھ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تمھیں دیا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بادشاہت، مال و دولت اور لشکر ہائے جرار مجھے عطا فرمائے ہیں، وہ تمھاری حکومت و دولت سے بدرجہا بہتر ہیں۔ ﴿ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿36﴾ ﴾ ''بلکہ اپنے تحفے سے تم ہی خوش ہوتے ہوگے۔'' تم تحفے تحائف لے کر مطیع و منقاد ہو جاتے ہو مگر میں تو صرف تمھاری طرف سے اسلام ہی قبول کروں گا یا پھر تلوار سے تمھارے خلاف جہاد کروں گا۔ ﴿ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ ﴾ ''ان کے پاس واپس جاؤ'' اور ان کا تحفہ انھیں واپس کر دو۔ ﴿ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا ﴾ ''پس ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی۔'' وہ ان لشکروں سے ہرگز نہ لڑ سکیں گے۔ ﴿ وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''اور ہم ان کو وہاں سے بے عزت کر کے ضرور نکال

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2879/9 . [2] تفسیر الطبری: 190/19 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2877/9-2879 .

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿38﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ

اس (سلیمان) نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ہے جو ان کے میرے پاس مطیع ہو کر آنے سے پہلے اس (ملکۂ سبا) کا تخت میرے پاس لے

الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿39﴾ قَالَ

آئے ﴿38﴾ جنوں میں سے ایک دیو (طاقت ور جن) نے کہا: وہ میں آپ کو لا دیتا ہوں، اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، اور بلاشبہ میں اس کی طاقت

الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ

رکھتا ہوں، امانت دار بھی ہوں ﴿39﴾ اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ آپ کی پلک جھپکنے سے بھی پہلے وہ تخت میں آپ کو لا دیتا ہوں، پھر جب

مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ

سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو کوئی شکر

فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿40﴾

کرے تو بس وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے، اور جو کوئی ناشکری کرے تو بلاشبہ میرا رب بڑا بے پروا، نہایت فیاض ہے ﴿40﴾

دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔'' یعنی انھیں ذلیل و رسوا کر کے ہم انھیں ان کے ملک سے نکال دیں گے۔ جب بلقیس کے قاصد اس کے تحفے کو لے کر واپس آگئے اور انھوں نے سلیمان علیہ السلام کا پیغام بھی پہنچا دیا تو بلقیس اور اس کی قوم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کو اختیار کر لیا اور ذلیل و رسوا ہو کر اپنے تمام لاؤ لشکر سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف چل دی تاکہ ان کی تعظیم بجا لائے اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب ان کی آمد کا علم ہوا تو آپ بہت خوش ہوئے۔

تفسیر آیات: 38-40

ایک لحظہ میں بلقیس کے تخت کی حاضری: محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا جواب لے کر جب قاصد بلقیس کے پاس واپس گئے تو اس نے آپ کا جواب سن کر کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ ہم اپنی تدبیروں اور چالوں سے بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اس نے دوبارہ حضرت سلیمان کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ میں اپنی قوم کے حکمرانوں کے ساتھ آپ کے پاس آ رہی ہوں تاکہ دیکھوں کہ آپ کا کیا معاملہ ہے اور آپ کس دین کی دعوت دیتے ہیں، پھر اس نے اپنے شاہی تخت کے متعلق حکم دیا جس پر وہ بیٹھتی تھی اور وہ سونے کا بنا ہوا اور یاقوت، زبرجد اور موتیوں سے سجا ہوا تھا، چنانچہ اس کو سات کمروں میں چھپا دیا گیا جبکہ ایک کمرہ دوسرے کے اندر تھا، پھر ان کے دروازوں پر تالے لگا دیے گئے اور اس نے جن لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑا تھا ان سے کہا کہ میری حکومت کے اس تخت کی حفاظت کرنا، کسی انسان کو اس کے پاس نہ جانے دینا اور میری واپسی تک کسی کو نہ دکھانا، پھر وہ شاہان یمن کے بارہ سرداروں کی معیت میں حضرت سلیمان کی طرف روانہ ہوئی، ہر سردار کے ماتحت کئی ہزار لوگ تھے۔

اُدھر حضرت سلیمان جن روانہ کر دیتے تھے جو ہر دن اور رات کی رپورٹ دے دیا کرتے تھے کہ وہ کہاں تک پہنچ گئی ہے حتی

کہ جب وہ بالکل قریب پہنچ گئی تو حضرت سلیمان نے اپنے ماتحت جنوں اور انسانوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۝۳۸ ﴾ ”اے سردارو! کوئی تم میں سے ایسا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ فرماں بردار ہوکر میرے پاس آئیں، اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لے آئے۔“[1] ﴿ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ ”جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا۔“ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ ایک دیو پیکر جن تھا۔[2] ابو صالح کہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ ہو۔[3] ﴿ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ﴾ ”قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں گا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی اس مجلس سے اٹھیں، میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔[4] سدی اور دیگر ائمہ نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فیصلے فرمانے، امور حکومت چلانے اور خوراک وغیرہ کے لیے دن کے آغاز سے لے کر زوال آفتاب تک لوگوں کے لیے دربار لگایا کرتے تھے۔[5]

﴿ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۝۳۹ ﴾ ”اور بلاشبہ میں اس پر یقیناً پوری قوت رکھنے والا، امانت دار ہوں۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس کے اٹھانے کی طاقت بھی ہے اور میں اس کے موتیوں اور جواہرات کے بارے میں امانت کا بھی ثبوت دوں گا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس اس سے بھی جلدی لایا جائے۔[6] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی عظیم الشان سلطنت بخشی تھی! اور اس طرح کے لشکر ہائے جرار آپ کے تابع فرمان کر دیے تھے جو کسی اور کو عطا نہیں کیے گئے اور نہ آپ کے بعد کسی اور کو عطا کیے جائیں گے۔ آپ اس بات کو بلقیس اور اس کی قوم کے سامنے اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر واضح کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ یہ بہت زبردست خرقِ عادت بات تھی کہ بلقیس اور اس کے وفد کی آمد سے قبل اس کے ملک سے اس کے تخت کو لایا جائے جبکہ اس نے اسے کئی کمروں کے اندر، تالے لگوا کر رکھا اور اس کی حفاظت کے لیے بہت سے چوکیداروں کو مقرر کر دیا تھا، بہر حال سلیمان علیہ السلام نے جب یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تخت اس سے بھی جلدی لایا جائے تو ﴿ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ ”ایک شخص جس کو کتاب (الٰہی) کا علم تھا کہنے لگا۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا کاتب آصف تھا۔[7] محمد بن اسحاق نے بھی یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ یہ آصف بن برخیا تھا جو ایک سچا شخص تھا اور اسم اعظم جانتا تھا۔[8] قتادہ کہتے ہیں کہ یہ انسانوں میں سے ایک مومن تھا اور اس کا نام آصف تھا۔[9] ﴿ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ﴾ ”میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے پہلے

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2883/9 و تفسیر الطبری: 195,194/19. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2884/9 و تفسیر الطبری: 197/19. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2884/9. ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 2884/9. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 2884/9 عن زهیر بن محمد. ⑥ تفسیر البغوی: 505/3 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2885/9. ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم: 2885/9 و تفسیر البغوی: 505/3. ⑧ تفسیر ابن أبی حاتم: 2886/9 و تفسیر البغوی: 505/3. ⑨ تفسیر ابن أبی حاتم: 2886/9.

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿41﴾ فَلَمَّا

سلیمان نے کہا: تم اس کے لیے اس کے تخت کی شکل بدل دو، ہم دیکھتے ہیں آیا وہ راہ پاتی ہے یا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے ﴿41﴾ پھر جب

جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا

وہ آئی تو کہا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ بولی: گویا کہ یہ وہی ہے، اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم ہو چکا تھا اور ہم تابعدار بن گئے تھے ﴿42﴾ اور اسے

مُسْلِمِيْنَ ﴿42﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ

(عبادت الٰہی سے) اس چیز نے روک رکھا تھا جس کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھی، کیونکہ وہ کافر قوم میں سے تھی ﴿43﴾ اس سے کہا گیا: تو محل میں داخل

كٰفِرِيْنَ ﴿43﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ

ہو جا، پھر جب اس نے اس کو دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا، اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے (کپڑا) اٹھا لیا، سلیمان نے کہا: بلاشبہ یہ تو شیشوں سے جڑا صاف

سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ

محل ہے، اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک (اب تک سورج کی عبادت کر کے) میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب

3 ع 13 18 وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿44﴾ ع

العالمین کی فرماں بردار ہو گئی ہوں ﴿44﴾

اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔'' یعنی بس آنکھ اٹھائیں اور اسے دیکھ لیں، یعنی جونہی آپ آنکھ جھپکیں گے وہ آپ کے سامنے موجود ہوگا، پھر اس نے کھڑے ہو کر وضو کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس نے یہ کہا: یَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ! [1] جب سلیمان علیہ السلام اور آپ کے اہل دربار نے اسے دیکھا تو ﴿قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۗ﴾ ''کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔'' یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جن سے اس نے مجھے سرفراز فرمایا ہے، ﴿لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ ''تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ﴾ (حٰم السجدة 46:41) ''جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے اور جو برے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا۔'' اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۙ﴾ (الروم 44:30) ''اور جس نے نیک عمل کیے تو ایسے لوگ اپنے ہی لیے راہ سنوارتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿40﴾﴾ ''اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بڑا بے پروا، نہایت کرم والا ہے۔'' خواہ کوئی اس کی عبادت نہ بھی کرے کیونکہ اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾ (إبراهيم 8:14) ''اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو بلاشبہ اللہ بڑا بے نیاز، خوب قابل تعریف ہے۔'' اور صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[1] تفسیر الطبری:198/19 و تفسیر ابن أبی حاتم:2886/9.

[يَاعِبَادِي! لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّا زَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَّاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا،......يَاعِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ، ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا، فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ]

''اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے، انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ متقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا، اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے، انسان اور جن تم میں سب سے بدکار انسان کے دل جیسے ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی......اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہیں جنھیں میں تمھارے لیے شمار کر کے رکھتا ہوں، پھر تمھیں ان کی پوری پوری جزا دوں گا، پس جو شخص کوئی خیر و بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔''[1]

تفسیر آیات:41-44

بلقیس کا امتحان: جب بلقیس کی آمد سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اس کا تخت لایا گیا تو آپ نے حکم دیا اس میں کچھ تبدیلی کر دی جائے تاکہ آپ اس کا امتحان لے سکیں کہ اس تخت کو دیکھ کر اس کے بارے میں کیا کہتی ہے، کیا یہ اس کا تخت ہے یا اس کا تخت نہیں ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: ﴿ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝41 ﴾ ''تم اس کے لیے اس کے تخت (کی شکل) کو بدل دو، ہم دیکھیں کہ کیا وہ (پہچاننے کی) راہ پاتی ہے یا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تخت کے موتی اور پائے اتار دیے گئے۔[2] مجاہد کہتے ہیں کہ آپ نے حکم دیا کہ جہاں سرخ رنگ ہے، وہاں زرد رنگ کر دیا جائے اور جہاں زرد ہے، اسے سرخ رنگ سے بدل دیا جائے اور جہاں سبز رنگ ہے، اسے بھی سرخ کر دیا جائے، الغرض! اس کی ہر چیز میں تبدیلی کر دی گئی۔[3]

عکرمہ کہتے ہیں کہ تخت میں انھوں نے کمی بیشی کر دی۔[4] قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے نیچے کے حصے کو اوپر اور اگلے حصے کو پیچھے کر دیا گیا اور اس میں کمی بیشی کر دی گئی۔[5] ﴿ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ ﴾ ''پھر جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی اس طرح کا ہے۔'' یعنی تخت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا جبکہ اس کی صورت بدل دی گئی اور اس میں کمی بیشی کر دی گئی تھی مگر بلقیس میں پختگی اور عقل تھی، اس میں دانش اور احتیاط تھی، لہٰذا اس نے فوراً یہ نہیں کہا کہ یہ اس کا تخت ہے کیونکہ اس کا تخت وہاں سے بہت بعید مسافت پر تھا اور نہ اس نے یہ کہا کہ اس کا تخت نہیں ہے کیونکہ گو اس میں بہت تبدیلی کر دی گئی تھی لیکن اس کے تخت کے آثار و صفات اور نشانات اس میں موجود تھے، اس لیے اس نے جواب دیا: ﴿ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ ﴾

[1] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحریم الظلم، حدیث: 2577 عن أبي ذر رضی اللہ عنہ ۔ [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2890/9 وتفسیر الطبري: 202/19 بالفاظ دیگر۔ [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 2890/9. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 2890/9. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 2890/9.

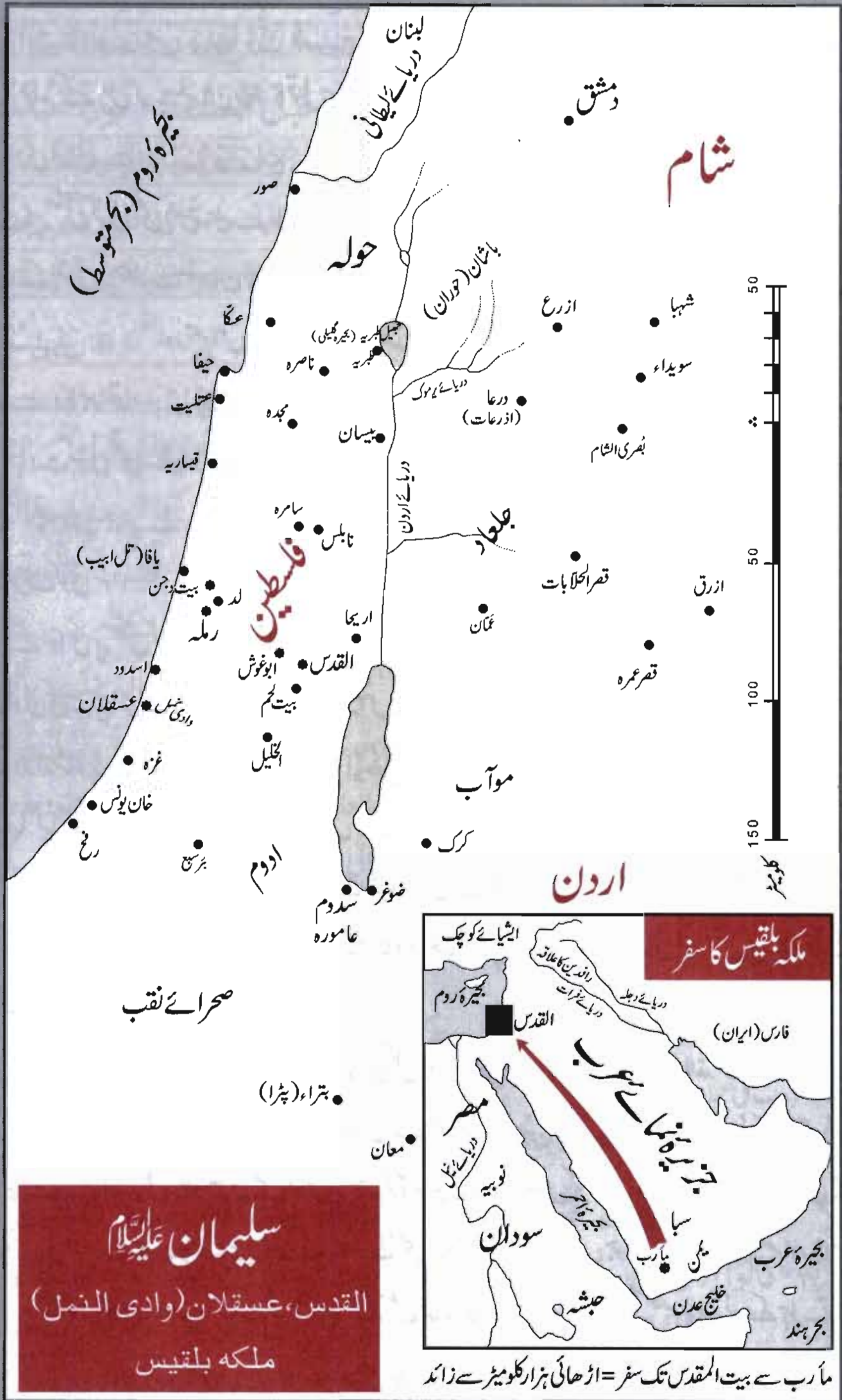

لبنان
دریائے لیطانی
دمشق
شام
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
صور
حولہ
باشان (حوران)
عکا
بحیرہ طبریہ (بحیرہ گلیل)
طبریہ
ناصرہ
حیفا
عتلیت
مجدہ
بیسان
دریائے یرموک
درعا (اذرعات)
ازرع
شہبا
سویداء
بُصری الشام
قیساریہ
دریائے اردن
سامرہ
نابلس
جلعاد
فلسطین
یافا (تل ابیب)
بیت دجن
لد
رملہ
قصر الحلابات
ازرق
عمّان
اریحا
القدس
ابوغوش
بیت لحم
اسدود
عسقلان
وادی نمل
قصر عمرہ
الخلیل
غزہ
خان یونس
رفح
موآب
بئر سبع
ادوم
کرک
صوغر
سدوم
عامورہ
اردن
50
50
100
150
کلومیٹر
صحرائے نقب
بتراء (پٹرا)
معان
ملکہ بلقیس کا سفر
ایشیائے کوچک
بحیرۂ روم
القدس
رافدین کا علاقہ
دریائے فرات
دریائے دجلہ
فارس (ایران)
جزیرہ نمائے عرب
مصر
دریائے نیل
نوبیہ
سوڈان
بحیرۂ احمر
سبا
مآرب
یمن
بحیرۂ عرب
حبشہ
خلیج عدن
بحر ہند
مآرب سے بیت المقدس تک سفر = اڑھائی ہزار کلومیٹر سے زائد
سلیمان علیہ السلام
القدس، عسقلان (وادی النمل)
ملکہ بلقیس

''یہ تو گویا (ہو بہو) وہی ہے۔'' یعنی اس طرح کا ہے اور اس سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس کا یہ جواب حد درجہ ذہانت و فطانت پر مبنی تھا۔ ﴿ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور ہم اس سے پہلے ہی علم دے دیے گئے تھے اور ہم فرماں بردار تھے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا قول ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور وہ جو اللہ کے سوا (اور کی) پرستش کرتی تھی (سلیمان نے) اس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں کی قوم میں سے تھی۔'' مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے بقول یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے کلام کا باقی حصہ ہے۔[2] یعنی سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور ہم اس سے پہلے ہی علم دے دیے گئے تھے اور ہم فرماں بردار تھے۔'' یعنی اس ملکہ کو اکیلے اللہ کی عبادت سے روکا ہوا تھا، ﴿ مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴾ ''اس چیز نے جس کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھی، یقیناً وہ کافروں کی قوم میں سے تھی۔'' یہ مجاہد، سعید اور حسن کا قول ہے۔[3] اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔[4] پھر ابن جریر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ وَصَدَّهَا ﴾ کی ضمیر سلیمان کی طرف یا اللہ عزوجل کی طرف لوٹتی ہو اور مقدر عبارت اس طرح ہوگی کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کو روکا ﴿ مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''وہ جو اللہ کے سوا کی پرستش کرتی تھی۔'' یعنی اسے غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا کیونکہ وہ کافروں میں سے تھی۔ میں کہتا ہوں کہ مجاہد کے قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے محل میں داخل ہونے کے بعد اسلام کا اظہار کیا تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ ﴾ ''اس سے کہا گیا کہ محل میں چلیے جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اس نے (کپڑا اٹھا کر) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔'' سلیمان علیہ السلام کے حکم سے شیطانوں نے شیشے کا ایک بہت عظیم الشان محل بنایا اور فرش کے نیچے پانی جاری کر دیا تھا اور جسے اس کے بارے میں علم نہ ہوتا وہ سمجھتا کہ پانی ہے، حالانکہ پانی اور فرش پر چلنے والے کے مابین شیشہ ہوتا تھا۔

ملکہ بلقیس کا شیش محل: عربی زبان میں صرح کے معنی محل اور ہر اونچی عمارت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون ملعون کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا تھا: ﴿ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴾ (المؤمن 36:40) ''میرے لیے ایک محل بناؤ تاکہ میں (اس پر چڑھ کر آسمان کے) راستوں کو پہنچ جاؤں۔'' ''صرح'' یمن میں ایک محل کا نام بھی ہے جس کی عمارت بہت بلند ہے۔ اور مُمَرّد کے معنی ایسی عمارت کے ہیں جو بہت مضبوط و مستحکم اور ملائم ہو۔ ﴿ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ ﴾ ''شیشوں کا (بنا ہوا۔)'' تَمرِیدُ الْبِنَاءِ کے معنی عمارت کو ملائم مگر مضبوط و مستحکم بنانے کے ہوتے ہیں۔ مارد

---

[1] تفسیر الطبری: 203/19. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2892/9. [3] تفسیر الطبری: 204/19. [4] تفسیر الطبری: 204/19 و تفسیر القرطبی: 208/13.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ

اور بلاشبہ ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو، تو اسی وقت وہ لوگ دو فریق (مومن اور کافر) ہو کر جھگڑنے لگے ⑮ صالح

یَخْتَصِمُوْنَ ﴿45﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ

نے کہا: اے میری قوم! تم بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب) کیوں جلدی طلب کرتے ہو؟ تم اللہ سے مغفرت کیوں نہیں طلب کرتے تاکہ تم پر رحم

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿46﴾ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

کیا جائے؟ ⑯ انھوں نے کہا: ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں، صالح نے کہا: تمھاری نحوست و مصیبت تو اللہ کے پاس (اس کے اختیار

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿47﴾

میں) ہے بلکہ تم لوگ تو آزمائے جا رہے ہو ⑰

دُومۃ الجَنْدَل میں ایک قلعے کا نام ہے۔ الغرض! حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس ملکہ کے لیے شیشے کا ایک بہت عظیم الشان اور نفیس محل بنوایا تھا تاکہ اسے اپنی عظمت و شوکت دکھائیں، جب اس نے ان محیر العقول نعمتوں کو دیکھا جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرما رکھا تھا پھر آپ کی عظمت و شان کو ملاحظہ کیا تو اس کے سامنے آپ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر اور ایک عظیم المرتبت بادشاہ ہیں۔ اس نے اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا اور اسلام قبول کر لیا اور کہا: ﴿ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ﴾ "میرے پروردگار! بلاشبہ میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی" کہ میں کفر و شرک میں مبتلا رہی اور میں اور میری قوم اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کی عبادت کرتی رہی۔ ﴿ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿44﴾ ﴾ "اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔" اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے میں سلیمان علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ٹھیک اندازہ مقرر فرمایا ہے۔

تفسیر آیات: 45-47

صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم ثمود: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا تو انھوں نے اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی ﴿ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ "تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔" مجاہد کہتے ہیں کہ ان دو فریقوں سے مراد مومن اور کافر ہیں۔[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:
﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 7:75,76) "تو ان کی قوم میں سے سردار جو متکبر تھے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے: بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انھوں نے کہا: جو چیز دے کر وہ بھیجے گئے ہیں

[1] تفسیر الطبری: 208/19 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2898/9.

ہم اس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں تو سرداران مغرور کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اسے نہیں مانتے۔''

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ﴾ ''(صالح نے) کہا کہ اے میری قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو۔'' یعنی عذاب کے آنے کی کیوں دعا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کیوں طلب نہیں کرتے؟ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿46﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ﴾ ''اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔'' یعنی ہم نے آپ کے اور آپ کی پیروی کرنے والوں کے چہروں پر کوئی خیر و بھلائی نہیں دیکھی۔ ان بدبختوں کا یہ حال تھا کہ ان میں سے کسی کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی تو کہتے کہ یہ صالح اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ان کی وجہ سے بدشگونی لیتے تھے۔ [1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ﴾ (الأعراف 131:7) ''تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔ دیکھو! ان کی بدشگونی اللہ کے ہاں ہے اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (النسآء 78:4) ''اور ان لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچتا ہے تو (اے محمد ﷺ! آپ سے) کہتے ہیں کہ یہ (گزند) آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچا) ہے۔ کہہ دیجیے: (رنج و راحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔'' یعنی اسی کی قضاء و قدر کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ جب ان کے پاس رسول آئے، ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۞ ﴾ (یٰس 19,18:36) ''وہ بولے کہ ہم تم کو نامبارک دیکھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمھیں سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہم سے دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا، انھوں نے کہا کہ تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہے۔ کیا اگر تم نصیحت کیے جاؤ (تو یہ نحوست ہے؟) بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو حد سے تجاوز کر گئے ہو۔'' اور ان لوگوں نے صالح علیہ السلام سے کہا: ﴿ اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''ہم آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کی وجہ سے شگونِ بد لیتے ہیں، (صالح نے) کہا کہ تمھاری بدشگونی اللہ کی طرف سے ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ ہی تمھیں اس کی سزا دے گا۔ ﴿ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿47﴾ ﴾ ''بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جا رہی ہے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھاری آزمائش کی جا رہی ہے کہ تم اطاعت کرتے ہو یا نافرمانی۔ [2] لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم گمراہی میں مبتلا ہو اور آزمائش کے طور پر تم کو مہلت دی گئی ہے۔

---

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2899/9. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2899/9.

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿48﴾ قَالُوْا

اور اس شہر میں نو سر غنے تھے، وہ زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ﴿48﴾ انھوں نے کہا: تم آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور

تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا

صالح اور اس کے اہل خانہ پر شب خون ماریں گے، پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے،

لَصٰدِقُوْنَ ﴿49﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿50﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور بلاشبہ ہم سچے ہیں ﴿49﴾ اور انھوں نے ایک چال چلی، اور ہم نے بھی تدبیر کی، اور وہ شعور بھی نہ رکھتے تھے ﴿50﴾ پھر آپ دیکھیں! ان کی چال کا انجام کیا ہوا،

مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿51﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ

بلاشبہ ہم نے ان (نو سرغنوں) کو اور ان کی سب قوم کو تباہ و برباد کر دیا ﴿51﴾ چنانچہ یہ ہیں ان کے گھر خالی (اجڑے اور ویران) پڑے ہوئے، اس لیے کہ انھوں نے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿52﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿53﴾

ظلم کیا، بلاشبہ اس میں نشان (عبرت) ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں ﴿52﴾ اور ہم نے انھیں نجات دی جو ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے تھے ﴿53﴾

تفسیر آیات: 48-53

فساد کرنے والے گروہ کی چال اور قوم ثمود کا انجام: اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے سرکشوں اور ان سرداروں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قوم کو ضلالت، کفر اور صالح علیہ السلام کی تکذیب کی دعوت دیتے تھے اور ان کا کفر اور ظلم یہاں تک پہنچ گیا کہ انھوں نے اونٹنی کو تو مار دیا اور یہ بھی ارادہ کیا کہ رات کو صالح علیہ السلام پر شب خون ماریں اور انھیں اچانک قتل کر دیں، پھر ان کے دوستوں اور رشتے داروں سے کہیں کہ انھیں تو اس واقعے کے بارے میں قطعاً علم نہیں اور وہ بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ ''اور شہر میں تھے'' یعنی شہر ثمود میں۔ ﴿ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ''نو شخص جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔'' اور یہ نو آدمی قوم ثمود پر غالب تھے کیونکہ یہ ان کے سردار اور بڑے لوگ تھے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھی لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا۔[1] یعنی اونٹنی کا قتل ان لوگوں کی رائے اور مشورے سے ہوا تھا، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴾ (القمر 29:54) ''تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا، پس اس نے دست درازی کی، پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ﴾ (الشمس 12:91) ''جب اُن میں سے ایک نہایت بد بخت اُٹھا۔''

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمیں یحییٰ بن ربیعہ صنعانی نے یہ خبر دی کہ میں نے عطاء بن ابو رباح کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا: ﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ''اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔'' اس آیت میں مذکور لوگوں کا فساد یہ تھا کہ وہ درہموں کو کاٹ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2900/9 و تفسیر الطبري: 210/19.

لیتے تھے۔[1] یعنی ان میں سے کچھ لے لیتے تھے، گویا کہ ان کے ہاں بھی عربوں کی طرح لین دین میں درہموں کی تعداد کا نظام رائج تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید سے اور انھوں نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ سونے اور چاندی (درہم و دینار) کو کاٹ لینا بھی فساد فی الأرض ہے۔[2] الغرض! ان کافروں اور فاسقوں میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ یہ زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتے تھے۔ ان کے فتنہ و فساد کی کچھ صورتیں یہ تھیں جو ان ائمۂ کرام نے بیان فرمائی ہیں اور کچھ اور صورتیں بھی تھیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ ''کہنے لگے کہ اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے۔'' یعنی قسم کھا کر اس بات کا عہد و پیمان کرو کہ ہم میں سے جس شخص کی بھی آج رات صالح علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو وہ انھیں قتل کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے خلاف ایک تدبیر کی اور سارا وبال انھی پر ڈال دیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انھوں نے بہت زور شور سے قسمیں کھائیں کہ وہ آپ کو ہلاک کر دیں گے مگر وہ آپ تک نہ پہنچ سکے، اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کی ساری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔[3]

امام عبدالرحمٰن بن زید نے کہا ہے کہ جب انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ (ھود 11:65) ''اپنے گھروں میں تین دن (مزید) فائدے اُٹھا لو، یہ ایسا وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔'' انھوں نے کہا کہ صالح کا گمان یہ ہے کہ وہ تین دن کے بعد ہمارا کام تمام کر دے گا ہم اس کا اور اس کے گھر والوں کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دیتے ہیں۔

صالح علیہ السلام کی حجر میں گھاٹی کے پاس ایک مسجد تھی جس میں آپ نماز ادا فرمایا کرتے تھے، وہ لوگ رات کو غار میں چلے گئے اور کہنے لگے کہ وہ رات کو جب نماز پڑھنے کے لیے آئیں گے تو ہم انھیں قتل کر دیں گے اور ان کے قتل کے بعد واپس آ کر ان کے گھر والوں کو بھی قتل کر دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے ان پر ایک چٹان بھیج دی، وہ ڈرے کہ یہ چٹان کہیں انھیں کچل ہی نہ ڈالے، انھوں نے جلدی سے بچاؤ کی صورت اختیار کرنا چاہی مگر چٹان گری تو اس سے غار کا منہ بند ہو گیا اور اب ان کی قوم کو ان کے بارے میں کوئی علم نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں اور نہ انھیں یہ معلوم تھا کہ ان کی قوم کا کیا حشر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان نو اشخاص کو یہاں غار میں عذاب میں مبتلا کر دیا اور قوم کے باقی لوگوں پر ان کے گھروں میں عذاب بھیج دیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کو نجات عطا فرمائی، یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد امام عبدالرحمٰن بن زید نے یہ آیات پڑھیں: ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ ﴿49﴾ ''کہنے لگے کہ اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے کہ ہم اس کے

[1] تفسیر عبدالرزاق :480/2، رقم:2171. [2] الموطأ للإمام مالك، البيوع، باب بيع الذهب بالفضة......، حديث : 1368. [3] تفسير ابن أبي حاتم :2901/9.

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿54﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

اور (یاد کریں) لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی (بدکاری) کرتے ہو جبکہ تم دیکھتے ہو (کہ یہ بے حیائی ہے)﴿54﴾ کیا تم شہوت رانی کے

الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿55﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

لیے (اپنی) عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو؟ بلکہ تم تو نادان لوگ ہو﴿55﴾ پھر اس کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ انھوں نے کہا:

قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿56﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ تو بڑے پاک صاف بنتے ہیں﴿56﴾ پھر ہم نے اسے اور اس کے اہل خانہ کو نجات دی، سوائے اس کی

وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿57﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

بیوی کے، ہم نے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی﴿57﴾ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) سخت بارش برسائی، تو ڈرائے گئے لوگوں

4 ع 14 19 الْمُنْذَرِيْنَ ﴿58﴾ ع

پر (پتھروں کی) بدترین بارش برسائی گئی تھی﴿58﴾

گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور بلا شبہ ہم سچے ہیں۔'' (اور ابن ابی حاتم میں حسب ذیل آیات کی تلاوت کا بھی ذکر ہے:)

﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿50﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿51﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿52﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿53﴾ ﴾ ''اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی، چنانچہ دیکھیے کہ ان کی چال کا انجام کیا ہوا، ہم نے انھیں اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا، سو یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں، جو لوگ دانش رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانی ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے، ہم نے ان کو نجات دی۔''[1]

تفسیر آیات: 54-58

لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو ایسی فحاشی کی وجہ سے جس کا ان سے پہلے کسی انسان نے ارتکاب نہیں کیا تھا، عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ آپ کی قوم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے لذت حاصل کرتی تھی۔ اور یہ زبردست فحاشی ہے کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے اپنی جنسی ضرورت پوری کریں۔ آپ نے قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿54﴾ ﴾ ''کیا تم بے حیائی کرتے ہو جبکہ تم دیکھتے ہو؟'' یعنی تم ایک دوسرے کے سامنے اپنی مجلسوں میں بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو۔ ﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ ''کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت (حاصل کرنے) کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت برتتے ہو۔'' تم طبعاً اور شرعاً کچھ نہیں جانتے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

[1] تفسیر الطبری: 212/19 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2903/9. ملحوظہ: تفسیر ابن کثیر کے تمام نسخوں میں عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے ان بندوں پر سلام ہے جنھیں اس نے چن لیا، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں لوگ شریک

يُشْرِكُوْنَ ط ﴿59﴾

ٹھہراتے ہیں؟﴿59﴾

اَزْوَاجِكُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ○﴾ (الشعرآء 26:165,166) ''کیا تم اہلِ عالم میں سے لڑکوں کے پاس آتے ہو اور تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔'' ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿56﴾﴾ ''تو اس کی قوم کا اس کے سوا کچھ جواب نہ تھا کہ انھوں نے کہا: لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو، یقیناً یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔'' یعنی تم جو کام کرتے ہو یہ اس سے بڑے اہتمام سے بچتے ہیں اور اس کارگزاری پر تمھارے برقرار رہنے کو بھی درست نہیں سمجھتے، لہٰذا انھیں اپنے ہاں سے نکال دو، وہ تمھارے علاقوں میں تمھارے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہیں، بنا بریں انھوں نے ان کو نکال دینے کا پختہ ارادہ کر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کفار کے لیے بھی اس جیسی (سزائیں) ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ز قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿57﴾﴾ ''تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دی سوائے ان کی بیوی کے ہم نے اس کے بارے میں فیصلہ کیا تھا (کہ وہ) پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔'' یعنی اپنی قوم کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو جائے گی کیونکہ وہ ان کے دین اور ان کے طریقے کی مؤید تھی اور ان کے قبیح افعال کو پسند کرتی تھی۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتا دیتی تھی تاکہ وہ ان کے پاس آ جائیں۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ان فواحش کا ارتکاب کرتی تھی (بلکہ وہ ان سے بچی ہوئی تھی) اللہ کے نبی کے اکرام کی بنا پر نہ کہ اپنی کرامت و عزت کی بنا پر۔ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ﴾ ''اور ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا۔'' جو پتھر کی پے در پے ایسی کنکریوں کی صورت میں تھا جن پر تمھارے پروردگار کے ہاں سے نشان لگے ہوئے تھے اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿58﴾﴾ یعنی ان لوگوں پر مینہ برسا تھا جن پر حجت قائم ہو گئی تھی اور انھیں عذاب الٰہی سے ڈرا دیا گیا تھا مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت اور تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو اپنے ہاں سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا۔

تفسیر آیت:59

اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسولوں پر سلام بھیجنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کہیں: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ یعنی سب طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان گنت اور بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور اس لیے بھی کہ اس کی ذات پاک صفات عُلیا اور اسمائے حسنیٰ سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں پر سلام بھیجیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے، ان بندوں سے مرسلین و انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں۔ عبدالرحمٰن

بن زید بن اسلم وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں سے انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں۔[1] اور یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۚ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:180-182) ''یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آپ کا پروردگار جو عزت والا ہے اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام، سب طرح کی تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔''

ثوری اور سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔[2] اللہ ان تمام سے راضی ہو۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] اور ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہیں تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بالاولیٰ ان بندوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہوا ہے۔ ﴿ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ''بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ (اس کا) شریک بناتے ہیں۔'' یہ مشرکین کے اللہ کے ساتھ دیگر معبودانِ باطلہ کی عبادت کرنے کے بارے میں استفہامِ انکار ہے۔

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2906/9. [2] تفسیر الطبری: 4/20 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2906/9. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2906/9 وتفسیر الطبری: 4/20.

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ

(کیا یہ معبودانِ باطلہ بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر ہم نے اس سے ایسے

ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

پررونق باغ اگائے جن کے درخت اگانے کی تمھیں قدرت نہ تھی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بلکہ (یہ) وہ لوگ ہیں جو (غیر اللہ کو اللہ کے)

يَّعْدِلُوْنَ ؕ ﴿60﴾

برابر ٹھہراتے ہیں ﴿60﴾

تفسیر آیت:60

توحید کے چند ایک دلائل: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان شروع فرمایا ہے کہ صرف اور صرف وہی خالق، رازق اور مدبر ہے، اس کے سوا اور کسی کے اختیار میں یہ امور نہیں ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ ''بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟'' یعنی کس نے ان بلند و بالا اور صاف وشفاف آسمانوں کو پیدا فرمایا اور انھیں روشن اور چمکدار ستاروں اور گردش کرنے والے افلاک سے مزین کیا، پھر اس نے زمین کو پیدا فرما کر اس کی موٹی تہ بچھا دی اور اس میں اس نے پہاڑوں، ٹیلوں، میدانوں، غاروں، جنگلوں، صحراؤں، فصلوں، درختوں، پھلوں، دریاؤں، سمندروں، اور مختلف قسموں، شکلوں اور رنگوں کے جانوروں وغیرہ کو پیدا فرمایا؟

﴿ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ''اور (کس نے) تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا؟'' اور اسے بندوں کے لیے رزق بنایا؟ ﴿ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ﴾ ''پھر ہم نے اس سے سرسبز باغ اُگائے۔'' جن کے منظر بہت حسین اور جن کی شکلیں بہت خوب صورت ہیں۔ ﴿ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ﴾ ''تمھارا کام تو نہ تھا کہ تم اس کے درختوں کو اُگاتے۔'' تم تو درختوں کے اگانے پر قادر نہ تھے، قادر تو وہ خالق و رازق ہے جو مستقل طور پر خالق و رازق ہے اور ان صفات میں منفرد ہے۔ اس کے سوا کوئی بت یا کوئی شریک اس پر قادر نہیں ہے۔ اور خود مشرکین کو بھی اس کا اعتراف تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (الزخرف 87:43) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (العنکبوت 63:29) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا، پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد (کس نے) زندہ کیا؟ تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔'' یعنی وہ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ سارے کام اللہ وحدہ لاشریک ہی کے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی بھی پوجا کرتے ہیں جن کے بارے میں انھیں اعتراف ہے کہ وہ نہ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو رزق دے سکتے ہیں، لہٰذا جس نے اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا اور جو ساری مخلوقات کا رازق ہے، وہی اس بات کا مستحق ہے کہ عبادت بھی صرف اسی ذات پاک کی کی جائے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ ''تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود بھی ہے؟'' یعنی کیا اللہ کے ساتھ کوئی

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ

(کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جس نے زمین ٹھہرنے کے لائق بنائی، اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لیے اس نے پہاڑ بنائے، اور دو

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾

سمندروں کے درمیان آڑ رکھی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) الٰہ ہے؟ (نہیں!) بلکہ ان کے اکثر علم نہیں رکھتے ﴿61﴾

اور معبود بھی ہے کہ جس کی عبادت کی جائے جبکہ تمھارے سامنے بلکہ ہر عقل مند کے سامنے یہ واضح ہو چکا ہے اور تم خود اس کا اعتراف بھی کرتے ہو کہ صرف وہی خالق اور رازق ہے، پھر فرمایا: ﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿60﴾ ﴾ ''بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (اللہ کے) ہمسر ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے برابر اور مثل قرار دیتے ہیں۔

تفسیر آیت:61

زمین بہترین قرار گاہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا ﴾ ''بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایا؟'' کس نے زمین کو قرار بخشا اور اسے ساکن و ثابت بنا دیا ہے کہ اب وہ حرکت کرتی ہے نہ ڈگمگاتی ہے؟ کیونکہ اگر اس میں حرکت اور جنبش ہوتی تو زندگی خوش گوار نہ ہوتی، اسی لیے اس نے اسے اپنے فضل و رحمت سے بستر اور بچھونے کی طرح بنا دیا کہ ساکت و ساکن ہے اور اس میں حرکت و جنبش نہیں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ (المؤمن 64:40) ''اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔''

زمین میں دریاؤں کا جال: ﴿ وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا ﴾ ''اور اس کے بیچ میں دریا بنائے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں شیریں اور پاکیزہ پانی کے دریا جاری و ساری کر دیے، انھیں زمین کے بیچ ہی سے نکالا اور زمین ہی میں رواں دواں کر دیا، پھر ان میں سے کچھ دریا بڑے، کچھ چھوٹے اور کچھ درمیانے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دریاؤں کو اپنے بندوں اور ان کے ملکوں اور علاقوں کی مصلحتوں کے مطابق مشرق سے مغرب کو یا جنوب سے شمال کو جاری کر دیا ہے جیسا کہ اپنے بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے زمین کے اطراف و اکناف میں پھیلا دیا اور ان کی ضرورتوں کے مطابق اس نے رزق کا بھی اہتمام فرما دیا ہے۔ ﴿ وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ ﴾ ''اور اس کے لیے پہاڑ بنائے۔'' اسی نے زمین میں بلند و بالا پہاڑ پیدا فرما دیے ہیں جو زمین کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں تاکہ یہ ڈگمگا نہ سکے۔ ﴿ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ﴾ ''اور دو سمندروں کے بیچ میں اوٹ بنائی۔'' یعنی اس نے میٹھے اور نمکین پانیوں کے درمیان اوٹ بنا دی جس کی وجہ سے پانی ایک دوسرے میں مل کر خراب نہیں ہوتے کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کے پانی کو اس کی مخصوص صفت کے ساتھ باقی رکھا جائے تاکہ مقصود حاصل ہو سکے۔

شیریں دریا سے مراد وہ ہیں جو لوگوں کے مابین رواں دواں ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ ان کا آبِ رواں شیریں ہوتا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں کے پینے کے کام آئے اور اس سے فصلوں اور پھلوں کی آبپاشی کا کام بھی کیا جا سکے اور نمکین دریاؤں سے مراد وہ سمندر ہیں جو ہر طرف سے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ ان کا پانی کھاری اور کڑوا ہوتا کہ ان کی ہوا کی وجہ سے فضا خراب نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ

(کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جو مجبور و لاچار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے، اور وہ اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے، اور وہ تمھیں زمین میں

اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾

جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿62﴾

وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ (الفرقان 53:25) ”اور وہی تو ہے جس نے دو سمندروں کو ملا دیا، یہ (ایک کا پانی) شیریں ہے بہت میٹھا اور یہ (دوسرے کا) کھارا ہے نہایت کڑوا اور اس نے (ہی) ان دونوں کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط اوٹ بنا دی۔“

اسی لیے فرمایا: ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود بھی ہے؟“ جس نے یہ کام کیا ہو یا دوسرے قول کے مطابق جس کی عبادت کی جائے، یہ دونوں معنی ہی لازم و ملزوم اور صحیح ہیں۔ ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾ ﴾ ”(ہرگز نہیں) بلکہ ان کے اکثر علم نہیں رکھتے۔“ یعنی اس کے علاوہ ان بتوں کی پوجا پاٹ میں۔

تفسیر آیت: 62

مشکل کشا اور حاجت روا: اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ شدائد کے وقت اسی سے دعا کی جائے اور مشکلات کے ازالے کی اسی سے اُمید رکھی جائے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 67:17) ”اور جب تمھیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جنھیں تم پکارا کرتے ہو سب اُس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۚ ﴾ (النحل 53:16) ”پھر جب تمھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہو۔“

اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾ ”بھلا کون بے قرار کی (التجا) قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے۔“ یعنی کون ہے کہ مجبور و مضطر اور لاچار و بے قرار جس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کون ہے جو تکلیف میں مبتلا لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بَلْهُجَيم کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کس کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

[أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ، الَّذِي إِنْ مَّسَّكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ، كَشَفَ عَنْكَ، وَالَّذِي إِنْ ضَلَلْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ فَدَعَوْتَهُ، رَدَّ عَلَيْكَ، وَالَّذِي إِنْ أَصَابَتْكَ سَنَةٌ فَدَعَوْتَهُ، أَنْبَتَ عَلَيْكَ، قَالَ: قُلْتُ: فَأَوْصِنِي، قَالَ: لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا، وَّلَا تَزْهَدَنَّ فِي الْمَعْرُوفِ، وَلَوْأَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ، وَلَوْأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ الْمُسْتَسْقِي، وَاتَّزِرْ إِلٰى نِصْفِ السَّاقِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ، فَإِنَّ إِسْبَالَ الْإِزَارِ مِنَ الْمَخِيلَةِ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ]

”میں اس اللہ وحدہ کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ آپ کو اگر کوئی تکلیف پہنچے اور آپ اس سے دعا کریں تو وہ آپ کی تکلیف

کو دور فرما دے اور اگر آپ کسی جنگل میں اپنی سواری گم کر بیٹھیں اور اس سے دعا کریں تو وہ آپ کی سواری آپ کو ملا دے اور وہ کہ اگر آپ قحط سالی میں مبتلا ہوں اور اس سے دعا کریں تو وہ ہریالی وشادابی پیدا فرما دے، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی کہ مجھے وصیت فرمائیے، آپ نے فرمایا: کسی کو گالی نہ دو، نیکی میں کوتاہی نہ کرو، خواہ یہ نیکی اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو یا پانی پینے والے کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنا ہی کیوں نہ ہو، اپنے تہبند کو نصف پنڈلی تک رکھو، اگر یہ نہ کر سکو تو ٹخنوں کے اوپر تک رکھو، تہبند کو ٹخنوں کے نیچے لٹکانے سے اجتناب کرو کیونکہ تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔'' [1]

ایک مجاہد فی سبیل اللہ کا قصہ: حافظ ابن عساکر نے فاطمہ بنت حسن ام احمد عجلیہ کے حالات میں ذکر فرمایا ہے کہ ایک جنگ میں کافروں نے مسلمانوں کو شکست دے دی تو ایک مسلمان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا، میدان میں اڑ گیا، وہ مسلمان شخص سخی اور بہت نیک تھا، اس نے گھوڑے سے کہا: کیا بات ہے؟ میں نے تو تجھے اسی طرح کے دن کے لیے تیار کیا تھا۔ گھوڑے کو اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی عطا فرمائی اور اس نے کہا: میں کوتاہی کیوں نہ کروں آپ میرا چارا سائسوں (جانوروں کے نگرانوں) کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ مجھ پر ظلم کرتے اور مجھے کھانے کو بہت کم دیتے تھے؟ اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر عہد کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں تجھے اپنی نگرانی میں کھلایا کروں گا، یہ سن کر گھوڑا چل پڑا اور گھوڑے کا مالک دشمنوں سے نجات پا گیا اور اس کے بعد وہ ہمیشہ گھوڑے کو اپنی نگرانی ہی میں کھلایا کرتا تھا اور اس کا یہ معاملہ لوگوں میں خاصا مشہور ہو گیا اور لوگ اس کے پاس آنے لگے تاکہ یہ بات خود اس کی زبانی سنیں حتی کہ رومی بادشاہ تک یہ خبر پہنچی، اس نے کوشش کی کہ کسی طرح اس شخص کو اپنے ملک میں بلا لے، اس نے ایک مرتد شخص کو اس کے پاس بھیجا، جب وہ اس کے پاس آیا تو اس نے بظاہر تاثر یہ دیا کہ اب اس کی اور اس کی قوم کی اسلام کے بارے میں نیت بہت اچھی ہے حتی کہ اسے اپنے اعتماد میں لے لیا اور دونوں ایک دن باہر نکلے اور دریا کے ساحل پر چلنے لگے۔ شاہِ روم کے بھیجے ہوئے آدمی نے خفیہ طور پر ایک شخص سے پروگرام طے کر رکھا تھا کہ وہ بھی وہاں پہنچ جائے تاکہ دونوں مل کر اسے گرفتار کر لیں۔ جب دونوں نے اسے گھیرے میں لے لیا تاکہ اسے پکڑ کر گرفتار کر لیں تو اس نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور دعا کی: اے اللہ! اس شخص نے مجھے تیرے نام پر دھوکا دیا ہے، لہٰذا تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچا لے۔ اس شخص کا بیان ہے کہ اس کی اس دعا کے بعد دو درندے نمودار ہوئے، انھوں نے ان دونوں آدمیوں کو پکڑ لیا اور یہ شخص صحیح سلامت اپنے گھر واپس آ گیا۔ [2]

زمین میں خلافت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ﴾ ''اور وہ تمھیں زمین میں جانشین بناتا ہے۔'' یعنی وہ پہلی صدی کے لوگوں کو بعد کی صدی کے لوگوں کو اور سلف کا خلف کو جانشین بناتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ

---

[1] مسند أحمد: 64/5 عن جابر بن سليم الهجيمي اس سے پہلی روایت میں یہی نام مذکور ہے، اس لیے اس روایت میں بھی عن رجل سے یہی مراد ہیں۔ [2] تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر، ترجمة فاطمة بنت الحسن أم أحمد العجلية: 9،8/74.

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

(کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جو تمھیں خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے بشارت والی ہوائیں بھیجتا ہے؟

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿63﴾

کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ اللہ ان سے بلند و بالا ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں ﴿63﴾

﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾ (الأنعام 133:6) ”اگر چاہے تو تمھیں لے جائے اور تمھارے بعد جسے چاہے (تمھارا) جانشین بنا دے جیسا کہ اس نے تمھیں بھی دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ (الأنعام 165:6) ”اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تمھیں (اپنا) نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ ﴾ (البقرۃ 30:2) ”اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

یعنی زمین میں ایک ایسی قوم پیدا کرنے والا ہوں جو ایک دوسرے کی جانشین ہوگی جیسا کہ ہم نے قبل ازیں اس کی تفصیل بیان کی ہے، اسی طرح اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ﴾ ”اور وہ تمھیں زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے۔“ یعنی کون ہے جو ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو جانشین بناتا ہے، اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی وقت میں پیدا فرما دیتا اور بعض کو بعض کی اولاد میں سے نہ بناتا بلکہ سب کو اسی طرح پیدا فرما دیتا جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور اگر وہ چاہتا تو بعض کو بعض کی اولاد میں سے تو بنا دیتا لیکن کسی کو فوت نہ کرتا اور بالآخر سب کو ایک ہی دفعہ فوت کر لیتا، اگر ایسی صورت ہوتی تو زمین تنگ ہو جاتی، لوگوں کی معیشت تنگ ہو جاتی، بعض، بعض سے نقصان اٹھاتے لیکن حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ سب انسانوں کو ایک ہی جان سے پیدا فرمائے، پھر ان کی تعداد کو کثیر کر کے انھیں زمین میں پھیلا دے اور انھیں صدیوں کے بعد صدیوں اور امتوں کے بعد امتوں میں تقسیم فرما دے حتی کہ مدت پوری ہو جائے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا اندازہ مقرر فرما رکھا ہے اور جیسے اس نے ایک ایک بندے کا شمار کر رکھا ہے، پھر ایک دن وہ قیامت برپا کرے گا اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق اچھا یا برا بدلہ عطا فرمائے گا، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”بھلا کون بے قرار کی (التجا) قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون اس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تمھیں زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود بھی ہے؟“ یعنی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے جس کو ان باتوں کی قدرت ہو یا کیا اس کے بعد اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جس کی عبادت کی جا سکے جبکہ یہ معلوم ہے کہ ان تمام امور کو سرانجام دینے والا صرف اللہ وحدہ لاشریک

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

(کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا، اور وہ جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿64﴾

کوئی (اور) الٰہ ہے؟ کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے آؤ ﴿64﴾

ہی ہے! ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾ ﴾ ''مگر بہت ہی کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' یعنی لوگ ایسا بہت کم غور کرتے ہیں جو ان کی حق کی طرف رہنمائی کرے اور انھیں صراط مستقیم کی نشان دہی کرے۔

تفسیر آیت:63

ستاروں کے فوائد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ ''بھلا کون تمھیں خشکی اور تری کے اندھیروں میں رستہ بتاتا ہے۔'' اور آسمانوں اور زمین میں پیدا کیے ہوئے نشانات کے ساتھ تمھاری رہنمائی فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:16) ''اور (رستوں میں) نشانات بنا دیے اور لوگ ستاروں سے بھی رستے معلوم کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ ﴾ (الأنعام 97:6) ''اور وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان سے رستے معلوم کرو۔'' ﴿ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ﴾ ''اور کون ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے (بارش سے پہلے) خوش خبری دینے والیاں بنا کر بھیجتا ہے۔'' یعنی اس بادل سے پہلے جس میں بارش ہوتی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ اپنے قحط زدہ اور مایوس بندوں پر برسا دیتا ہے ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود بھی ہے؟ یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ (کی شان) اس سے بلند ہے۔''

تفسیر آیت:64

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے دلائل: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وحکمت کے ساتھ مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝ ﴾ (البروج 13,12:85) ''بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے، وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی لوٹائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔''

﴿ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''اور کون تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟'' (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) کہ آسمان سے بارش نازل کرتا اور زمین سے برکتوں کو پیدا فرماتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ ﴾ (الطارق 12,11:86) ''آسمان کی قسم! جو بار بار بارش برسانے والا ہے اور زمین کی قسم! جو پھٹنے والی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ ﴾ (الحديد 4:57)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿65﴾ بَلِ ادّٰرَكَ

کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب (کی بات) نہیں جانتا، اور وہ (خودساختہ معبود) تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ (قبروں سے) کب

عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿66﴾ ع

اٹھائے جائیں گے ﴿65﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم ختم ہو چکا، بلکہ وہ آخرت کے متعلق شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں ﴿66﴾

''جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے، سب اسے معلوم ہے۔''

اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کے بابرکت پانی کو نازل فرماتا ہے، پھر اسے چشمے بنا کر زمین میں جاری کر دیتا ہے اور اس سے مختلف قسم کی فصلیں، پھل اور گلہائے رنگارنگ پیدا فرماتا ہے، ﴿ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:54) ''(کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چار پایوں کو بھی چراؤ، بے شک ان (باتوں) میں عقل والوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود بھی ہے؟'' یعنی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جس نے یہ کام کیا ہو اور دوسرے قول کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہو سکتا ہے جس کی عبادت کی جائے؟ ﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿64﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: (مشرکو!) اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔'' یعنی اگر تم دیگر معبودوں کی عبادت کے دعوے میں سچے ہو تو اپنے اس دعوے کی دلیل پیش کرو اور معلوم ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:117) ''اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہوگا، کچھ شک نہیں کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔''

تفسیر آیات: 66,65

عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو یہ بات بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین میں اور کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّا اللّٰهُ ؕ ﴾ میں استثنا منقطع ہے، یعنی اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی اسے نہیں جانتا، غیب جاننا صرف اسی ذات وحدہ لاشریک کا خاصہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ﴾ (الأنعام 6:59) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:34) ''یقیناً اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی رحموں کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی، بے شک اللہ ہی خوب جاننے والا، بڑا

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿67﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ

اور کافروں نے کہا: کیا جب ہم اور ہمارے آباء واجداد مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں (پھر قبروں سے) نکالا جائے گا؟﴿67﴾ بلاشبہ ہمیں اور اس سے پہلے

وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿68﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

ہمارے آباء واجداد کو بھی یہ وعدے دیے جاتے رہے ہیں، لیکن یہ تو محض پہلے لوگوں کے افسانے ہیں﴿68﴾ کہہ دیجیے: تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿69﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿70﴾

مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟﴿69﴾ اور (اے نبی!) آپ ان پر غم نہ کریں اور نہ ہی جو وہ مکر وفریب کر رہے ہیں (اس پر) تنگ دل ہوں﴿70﴾

خبردار ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿65﴾ ﴾ ''اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کرکے) اُٹھائے جائیں گے۔'' یعنی آسمانوں اور زمین میں بسنے والی مخلوق میں سے کوئی بھی قیامت کے وقت کو نہیں جانتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ ﴾ (الأعراف 187:7) ''وہ آسمانوں اور زمین میں بہت بھاری ہے اور اچانک تم پر آجائے گی۔'' یعنی اس کا علم آسمان اور زمین والوں کے لیے بہت بھاری ہے، ﴿ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ ﴾ ''بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم منتہی ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں۔'' یعنی ان کا علم ختم ہو گیا ہے اور وہ اس کے وقت کے جاننے سے عاجز وقاصر ہیں۔ بعض نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ قیامت کے بارے میں ان کا علم ایک جیسا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جب جبریل نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: [مَا الْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ] ''اس بارے میں مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔''[1] یعنی اس کے بارے میں مسئول اور سائل کا علم ایک جیسا ہے کہ دونوں ہی اسے جاننے سے عاجز وقاصر ہیں۔

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ ﴾ ''بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں۔'' هُمْ ضمیر کا مرجع جنس ہے اور مراد اس سے کافر ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ز بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ ﴾ (الكهف 48:18) ''اور وہ سب آپ کے پروردگار کے سامنے صف باندھے ہوئے پیش کیے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے کہ) جس طرح ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح آج) تم ہمارے پاس آئے لیکن تم نے تو یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمھارے لیے (قیامت کا) کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا۔'' یعنی تم میں سے کافروں نے یہ گمان کر رکھا تھا، اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ ﴾ ''بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں۔'' اس کے وجود اور وقوع پذیر ہونے کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، ﴿ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿66﴾ ﴾ ''بلکہ وہ اس سے اندھے (ہو رہے) ہیں۔'' یعنی قیامت کے بارے میں وہ بہت بڑی جہالت اور بہت بڑے اندھے پن میں مبتلا ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبيﷺ عن الإيمان......، حديث : 50 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام......، حديث: 9,8 عن أبي هريرةﷺ .

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿71﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ

اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو یہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟﴿71﴾ آپ کہہ دیجیے: جو عذاب تم جلدی طلب کرتے، ہوسکتا ہے (اس میں سے) کچھ

الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿72﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾

تمھارے قریب آلگا ہو﴿72﴾ اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر بہت فضل (فرمانے) والا ہے، اور لیکن ان کے اکثر شکر نہیں کرتے﴿73﴾ اور بلاشبہ آپ

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿74﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ

کا رب (وہ باتیں) جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں﴿74﴾ اور آسمان و زمین میں غائب کوئی چیز ایسی نہیں جو

وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿75﴾

کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) نہ ہو﴿75﴾

تفسیر آیات: 67-70

کفار کا بعث بعد الموت کو بعید سمجھنا اور اس کی تردید: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مشرکین اور منکرین بعثت نے جسموں کے بوسیدہ ہڈیاں بلکہ مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے کو بہت بعید سمجھا ہے اور وہ کہا کرتے تھے: ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ''البتہ تحقیق اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادا بھی یہ وعدہ دیے گئے تھے۔'' یعنی ہم اور ہمارے باپ دادا اس طرح کی باتیں سنتے چلے آئے ہیں لیکن ان کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوگا ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿68﴾﴾ ''(کہاں کا اُٹھنا اور کیسی قیامت) یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔'' یعنی یہ جسموں کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا وعدہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، لوگوں نے اسے اپنے سے پہلے لوگوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے جبکہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور قیامت کے برپا نہ ہونے کے بارے میں ان کے گمان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے!'' ﴿سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿69﴾﴾ ''زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا!'' یعنی جنھوں نے رسولوں کی اور قیامت کے بارے میں ان کے بیان کیے ہوئے ارشادات کی تکذیب کی، ان پر کس طرح اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور ان کے درمیان میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو کس طرح نجات عطا فرمائی؟ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرات انبیائے کرام بھی سچے تھے اور انھوں نے جس پیغام کو پیش فرمایا وہ بھی سچا تھا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور آپ اُن (کے حال) پر غم نہ کریں۔'' جو آپ کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کر رہے ہیں، ان پر غم کرنا اور نہ اس قدر افسوس کرنا کہ آپ کا دم ہی نکل جائے۔ ﴿وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿70﴾﴾ ''اور نہ ان چالوں سے جو یہ کر رہے ہیں تنگ دل ہونا۔'' آپ کو نقصان پہنچانے اور آپ کے لائے ہوئے دین کی تردید کرنے میں جو یہ چالیں چل رہے ہیں، ان سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی تائید اور نصرت سے سرفراز فرمائے گا اور ان کی مخالفت اور دشمنی کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ کے دین کو مشرق و مغرب میں سربلندی عطا فرمائے گا۔

تفسیر آیات:71-75

منکرینِ قیامت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مشرکین قیامت کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتے ہوئے یہ سوال کیا کرتے تھے: ﴿ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿71﴾ ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلۡ ﴾ ''(اے محمد ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے!'' ﴿ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ رَدِفَ لَكُمۡ بَعۡضُ الَّذِىۡ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿72﴾ ﴾ ''کہ جس (عذاب) کے لیے تم جلدی کر رہے ہو شاید اس میں سے کچھ تمھارے نزدیک آ پہنچا ہو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس عذاب کے لیے تم جلدی کر رہے ہو شاید اس میں سے کچھ تمھارے نزدیک آ ہی گیا ہو یا وہ عنقریب تمھارے نزدیک آ ہی جائے گا۔[1] مجاہد، ضحاک، عطاء خراسانی، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[2] اور یہی مراد ہے اس ارشاد باری تعالیٰ سے: ﴿ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 51:17) ''اور وہ پوچھیں گے کہ ایسا کب ہوگا۔ آپ کہہ دیں: شاید کہ وہ قریب ہی ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ يَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 54:29) ''وہ آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور بلاشبہ دوزخ تو کافروں کو گھیر لینے والا ہے۔'' ﴿ رَدِفَ لَكُمۡ ﴾ پر لام اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ عَجَّلَ لَکُمۡ کے معنی میں ہے جیسا کہ امام مجاہد نے اس ﴿ قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ رَدِفَ لَكُمۡ ﴾ کے بارے میں یہی کہا ہے۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ ''اور بلاشبہ آپ کا پروردگار تو لوگوں پر بڑے فضل والا ہے'' کہ وہ ان پر اپنی نعمتوں کو پورا فرماتا ہے، حالانکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور ان میں سے کم ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوں۔ ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿74﴾ ﴾ ''اور جو باتیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بلاشبہ آپ کا پروردگار ان (سب) کو یقیناً جانتا ہے۔'' وہ پوشیدہ باتوں اور دلوں کے رازوں کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح ظاہر باتوں کو جانتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ ﴾ (الرعد 10:13) ''کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا اسے پکار کر کہے یا رات (کے اندھیرے) میں چھپنے والا ہو یا دن (کی روشنی) میں (کھلم کھلا) چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 7:20) ''وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ ﴾ (ہود 5:11) ''آگاہ رہو! جس وقت یہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تب بھی) وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے اور یقیناً وہی غیب اور حاضر کو جاننے والا

---

[1] تفسیر الطبری: 13/20 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2917/9 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2917/9 و تفسیر الطبری: 13/20 .
[3] تفسیر الطبری: 13/20 .

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿76﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں﴿76﴾اور بلاشبہ یہ (قرآن) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿77﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿78﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى

ہے﴿77﴾بے شک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا، اور وہ نہایت غالب ہے، بہت علم والا ہے﴿78﴾پس (اے نبی!) آپ اللہ پر توکل

اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿79﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿80﴾

کریں، بلاشبہ آپ واضح حق پر ہیں﴿79﴾بلاشبہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں، جبکہ وہ پیٹھ کے بل پھر جائیں﴿80﴾اور نہ

وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿81﴾

آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہِ ہدایت پر لا سکتے ہیں، آپ تو بس انھیں ہی سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، تو وہی فرماں بردار ہیں﴿81﴾

ہے جبکہ غیب وہ ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہو اور ظاہر وہ ہے جس کا بندوں نے مشاہدہ کیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿75﴾ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ زمین و آسمان میں کوئی مخفی یا ظاہری شے نہیں ہے جسے وہ نہ جانتا ہو۔[1] اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (الحج 22:70) ”کیا آپ نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اسے جانتا ہے، یقیناً یہ (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، بے شک یہ سب اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔“ کی طرح ہے۔

تفسیر آیات: 76-81

قرآن بنی اسرائیل کے اختلاف کو بیان کرتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے بارے میں بیان فرمایا ہے جو ہدایت، بیان اور فرقان پر مشتمل ہے کہ یہ حاملین تورات وانجیل بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، بیان کر دیتی ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان میں اختلاف ہے کہ یہودیوں نے تو ان کے بارے میں شرمناک افترا پردازی سے کام لیا جبکہ عیسائیوں نے ان کے بارے میں بے حد غلو کیا جبکہ قرآن مجید نے ان کے بارے میں ایک ایسے درمیانے موقف کو اختیار کیا ہے جو حق و عدل پر مبنی ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے مرسلین و انبیائے کرام میں سے ایک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴾ (مریم 19:34) ”یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔“

اور فرمایا: ﴿ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿77﴾ ﴾ ”اور بے شک یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“ یعنی اس پر ایمان لانے والوں کے دلوں کے لیے ہدایت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ان کے لیے باعث رحمت ہے، پھر فرمایا: ﴿ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿78﴾ ﴾ ”یقیناً آپ کا پروردگار (قیامت کے روز) اُن میں اپنے حکم سے

[1] تفسیر الطبری:15/20 وتفسیر ابن أبی حاتم:2919/9.

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا

اور جب ان پر (قربِ قیامت کے وعدے کی) بات پوری ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، وہ ان سے کلام کرے گا کہ

6 ع 16 2 بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿82﴾

بے شک یہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے ﴿82﴾

فیصلہ کر دے گا اور وہ نہایت غالب، خوب علم والا ہے۔'' یعنی اپنے انتقام لینے میں وہ غالب ہے اور اپنے بندوں کے افعال اور اقوال کو خوب جانتا ہے۔

توکل کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''پس آپ اللہ پر بھروسا کریں۔'' اپنے تمام امور میں۔ اور اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیں، ﴿ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿79﴾ ﴾ ''بے شک آپ تو حق صریح پر ہیں۔'' یعنی آپ حق صریح پر ہیں، خواہ وہ لوگ آپ کی مخالفت ہی کیوں نہ کریں جن پر بدبختی لکھ دی گئی ہے۔ اور جن کے بارے میں آپ کے رب کا حکم قرار دیا جا چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آ جائے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ آپ مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے۔'' یعنی انھیں کوئی بات نہیں سنا سکتے جو انھیں نفع دے سکے، اسی طرح ان لوگوں کے دلوں پر پردے ہیں اور ان کے کانوں میں کفر کا بوجھ ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿80﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿81﴾ ﴾ ''اور نہ آپ بہروں کو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہیں اور نہ اندھوں کو گمراہی سے (آپ) رستہ دکھا سکتے ہیں آپ تو انھی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہ فرماں بردار ہیں۔'' آپ کی بات کو تو وہ سنے گا جو بڑا سمیع و بصیر ہو۔ اور نافع سمع و بصر وہ ہوتی ہے جو دل اور بصیرت میں ہو، اللہ کے آگے جھکنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی جو پیغام نازل فرمایا ہے اس کی اطاعت کرنے والا ہو۔

تفسیر آیت:82

زمین سے ایک جانور کا نکلنا: آخر زمانے میں زمین سے یہ جانور اس وقت نکلے گا جب لوگ خراب ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدل دیں گے اور دین حق میں تبدیلی کر دیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالے گا۔ ایک قول کے مطابق یہ جانور مکہ سے اور دوسرے قول کے مطابق کسی دوسری جگہ سے نکلے گا جیسا کہ اس کی تفصیل، ان شاء اللہ تعالیٰ، آگے آ رہی ہے، یہ جانور لوگوں سے کلام کرے گا، ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور قتادہ کا قول ہے، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ یہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کلام کرے گا۔[1] اس جانور کے بارے میں بہت سی احادیث و آثار وارد ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ:

(1) امام احمد رحمہ اللہ نے حذیفہ بن اَسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ایک بالا خانے سے متوجہ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2926/9.

ہوئے جبکہ ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا:[لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَرَوْنَ عَشْرَ آيَاتٍ: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا، وَالدُّخَانُ، وَالدَّابَّةُ، وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَخُرُوجُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَالدَّجَّالُ، وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تَسُوقُ، أَوْ تَحْشُرُ النَّاسَ، تَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا]''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو:(1) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا(2) دھواں(3) زمین کا جانور(4) یاجوج و ماجوج کا خروج(5) عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا خروج(6) دجال اور زمین میں دھنسنے کے تین واقعات:(7) مغرب میں زمین میں دھنسنے کا واقعہ(8) مشرق میں زمین میں دھنسنے کا واقعہ(9) جزیرۃ العرب میں زمین میں دھنسنے کا واقعہ اور (10) ایک آگ جو عدن کے زیریں علاقے سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ لوگوں کو جمع کرے گی اور انھی کے ساتھ رات گزارے گی جہاں وہ رات گزاریں گے اور انھی کے ساتھ دوپہر کرے گی جہاں وہ دوپہر کریں گے۔''[1] اور اسی طرح امام مسلم اور اہل سنن نے اسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2] امام مسلم نے اسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔[3] فَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

(2) امام مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ایک حدیث کو یاد رکھا ہے جسے ابھی تک نہیں بھولا اور وہ یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[إِنَّ أَوَّلَ الْآيَاتِ خُرُوجًا، طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا، وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى، وَّأَيُّهُمَا مَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْأُخْرٰى عَلٰى إِثْرِهَا قَرِيبٌ]''قیامت کی اولین نشانیاں یہ ہیں: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، چاشت کے وقت جانور کا لوگوں کے سامنے نکلنا، ان میں سے جو نشانی پہلے ظاہر ہوئی تو دوسری بھی اس کے فوراً بعد ظاہر ہو جائے گی۔''[4]

(3) امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سِتًّا:طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا،أَوِالدُّخَانَ، أَوِالدَّجَّالَ، أَوِالدَّابَّةَ أَوْخَاصَّةَ أَحَدِكُمْ، أَوْ أَمْرَ الْعَامَّةِ] ''چھ باتوں کے ظاہر ہونے سے پہلے پہلے جلدی سے نیک اعمال کر لو!(اور وہ چھ باتیں یہ ہیں):(1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور(2) دھواں(3) دجال(4) جانور(5) موت(6) قیامت۔''[5] امام مسلم ہی نے اسے بیان کیا ہے(امام بخاری نے نہیں۔)

[1] مسند أحمد: 7/4. [2] صحیح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعة، حدیث: 2901 و جامع الترمذی، الفتن، باب ماجاء فی الخسف، حدیث: 2183 و سنن أبی داود، الملاحم، باب أمارات الساعة، حدیث: 4311 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الآیات، حدیث: 4055 والسنن الکبرٰی للنسائی: 456/6، حدیث: 11482. [3] صحیح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعة، حدیث: 2901.
[4] صحیح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب فی خروج الدجال......، حدیث: 2941. [5] صحیح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب فی بقیة من أحادیث الدجال، حدیث: 2947.

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿83﴾ حَتّٰٓى

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ اکٹھا کریں گے، جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، پھر ان کی درجہ بندی کی جائے گی ﴿83﴾ حتی کہ جب وہ

اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ

سب (میدان محشر میں) آپہنچیں گے تو اللہ فرمائے گا: کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا، جبکہ تم نے علم سے ان کا احاطہ نہ کیا تھا، یا تم کیا کرتے رہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿84﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿85﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا

تھے؟ ﴿84﴾ اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر (وعدۂ عذاب کی) بات پوری ہو جائے گی، تو وہ (کچھ بھی) نہیں بول سکیں گے ﴿85﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ

جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿86﴾

ہم نے رات بنائی، تا کہ وہ اس میں آرام و سکون کریں اور دن کو روشن (بنایا۔) بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿86﴾

(4) امام ابوداود طیالسی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَخْرُجُ دَابَّةُ الْأَرْضِ مَعَهَا عَصَا مُوسٰى وَخَاتَمُ سُلَيْمَانَ، تَخْطِمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْعَصَا، وَتُجْلِي وَجْهَ الْمُؤْمِنِ بِالْخَاتَمِ، حَتّٰى يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَى الْخِوَانِ يُعْرَفُ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكَافِرِ] ”زمین کا جانور نکلے گا تو اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، وہ کافر کی ناک پر عصا مارے گا اور مومن کے چہرے کو انگوٹھی سے روشن کر دے گا حتی کہ لوگ ایک دسترخوان پر جمع ہوں گے، مومن اور کافر پہچانے جائیں گے۔“[1]

ابن جریج نے ابن زبیر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جانور کا حلیہ اس طرح بیان کیا کہ اس کا سر بیل کے سر جیسا، اس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھوں جیسی، اس کے کان ہاتھی کے کانوں جیسے، اس کے سینگ بارہ سنگے کے سینگوں جیسے، اس کی گردن شتر مرغ کی گردن جیسی، اس کا سینہ شیر کے سینے جیسا، اس کا رنگ چیتے کے رنگ جیسا، اس کا پہلو بلے کے پہلو جیسا، اس کی دم مینڈھے کی دم جیسی اور اس کی ٹانگیں اونٹ کی ٹانگوں جیسی ہوں گی، اس کے ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا، جب وہ جانور نکلے گا تو اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی بھی ہوگی، وہ ہر مومن کے چہرے پر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ سفید نکتہ لگا دے گا، یہ نکتہ پھیل جائے گا حتی کہ اس کی وجہ سے مومن کا چہرہ چمک اُٹھے گا اور ہر کافر کے چہرے پر وہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے ساتھ سیاہ نکتہ لگا دے گا اور وہ نکتہ اس قدر پھیل جائے گا کہ اس سے کافر کا چہرہ کالا سیاہ ہو جائے گا حتی کہ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہوئے کہیں گے کہ اے مومن! یہ چیز کتنے کی ہے، اے کافر! اس چیز کی کتنی قیمت ہے؟ حتی کہ گھر والے دسترخوان پر بیٹھیں گے تو وہ پہچانتے ہوں گے کہ ان کے گھر کا کون سا فرد مومن ہے اور کون سا فرد کافر ہے، پھر یہ جانور ان سے یہ بھی کہے گا کہ اے فلاں شخص! تجھے بشارت ہو کہ تو اہل جنت میں سے ہے اور اے فلاں! تو اہلِ دوزخ میں سے ہے، اسی جانور کی طرف اس ارشاد باری تعالیٰ میں اشارہ ہے: ﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً

[1] مسند أبي داود الطيالسي: 293,292/4، في ترجمة أوس بن خالد، حديث: 2687 ومسند أحمد: 295/2 والسلسلة الضعيفة: 233/3، حديث: 1108، اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے منکر کہا ہے۔

مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿82﴾ ''اور جب ان پر (عذاب کی) بات واقع ہوگی تو ہم ان کے لیے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا کہ بے شک یہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔''[1]

تفسیر آیات:83-86

قیامت کے دن ظالموں کا جمع کیا جانا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ظالموں کو اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کو اس کے سامنے جمع کیا جائے گا تا کہ وہ سرزنش، ڈانٹ ڈپٹ اور ذلیل و رسوا کرتے ہوئے ان سے یہ پوچھے کہ انھوں نے دنیا میں کیا اعمال کیے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا ﴾ ''اور جس روز ہم ہر امت میں سے ایک گروہ جمع کریں گے۔'' یعنی ہر قوم اور ہر قرن میں سے ایک جماعت کو جمع کریں گے ﴿ مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا ﴾ ''جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 22:37) ''جو لوگ ظلم کرتے تھے اُن کو اور ان کے جوڑوں کو اور جنھیں وہ پوجا کرتے تھے (سب کو) جمع کر لو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ ﴾ (التكوير 7:81) ''اور جب روحیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی۔'' اور فرمایا: ﴿ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿83﴾ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ روک دیے جائیں گے،[2] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں ہانکا جائے گا۔[3] ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ (سب) آ جائیں گے۔'' اور انھیں سوال و جواب کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔ ﴿ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿84﴾ ﴾ ''تو (اللہ) فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا، حالانکہ تم نے (اپنے) علم سے اُن پر احاطہ تو کیا ہی نہ تھا، بھلا تم کیا کرتے تھے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اعتقاد اور اعمال کے بارے میں پوچھے گا لیکن وہ اہل سعادت میں سے نہیں ہوں گے بلکہ ایسے ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ﴾ (القيٰمة 32,31:75) ''تو اس (عاقبت نااندیش) نے نہ تو (اللہ کے کلام کی) تصدیق کی، نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔''

اس دن ان پر حجت تمام ہو چکی ہوگی اور ان کے پاس کوئی عذر بھی نہ ہوگا کہ بارگاہ الٰہی میں معذرت کر سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ ﴾ (المرسلٰت 36,35:77) ''یہ (وہ) دن ہے کہ (لوگ) بول نہیں سکیں گے اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ معذرت کر سکیں۔'' اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''اور ان کے ظلم کے سبب ان پر قول (عذاب) واقع ہو جائے گا تو وہ بول بھی نہ سکیں گے۔'' یعنی وہ حیران و پریشان ہو جائیں گے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا کیونکہ دنیاوی زندگی میں

[1] تفسير القرطبي: 236/13 وتفسير ابن أبي حاتم: 2924/9. [2] تفسير الطبري: 21/20 وتفسير ابن أبي حاتم: 2927/9. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2927/9.

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے (سب) گھبرا جائیں گے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، اور

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿87﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

(یہ) سب عاجز ہو کر اللہ کے حضور جائیں گے ﴿87﴾ اور آپ پہاڑوں کو دیکھیں گے تو ان کو جامد (اپنی جگہ جمے ہوئے) سمجھیں گے، جبکہ وہ بادلوں کے چلنے کی

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿88﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

طرح چل رہے ہوں گے، یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو پختہ اور مضبوط بنایا، بے شک وہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو ﴿88﴾ جو شخص نیکی لائے

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿89﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ

گا، تو اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر (بدلہ) ہوگا، اور وہ اس دن ہر گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے ﴿89﴾ اور جو شخص برائی لائے گا تو ان کے چہرے

وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿90﴾

آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے (اور کہا جائے گا:) تم بس اسی کا بدلہ پاؤ گے جو تم عمل کرتے تھے ﴿90﴾

انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور اب انھیں اس ذات گرامی کے پاس پہنچا دیا گیا ہے جو عالم الغیب والشہادہ ہے اور جس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت، اپنی عظیم بادشاہت، اپنی بلند شان اور اپنی ذات پاک کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس کی اطاعت واجب جس کے احکام کے سامنے سر اطاعت جھکا دینا فرض اور جس کے رسولوں کی اطاعت کرنا لازم ہے کہ وہ ایسے حق کو لے کر دنیا میں تشریف لائے جسے قبول کیے بغیر چارہ کار ہی نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو (اس لیے) بنایا ہے کہ اس میں آرام کریں۔'' یعنی رات کے اندھیرے میں آرام کریں جس کے سبب ان کی حرکات اور ان کے سانس پُرسکون ہو جاتے اور وہ دن کے وقت کے کاموں کی تھکاوٹ سے راحت حاصل کر لیتے ہیں۔ ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ﴾ ''اور دن کو روشن (بنایا ہے۔)'' ﴿مُبْصِرًا ؕ﴾ کے معنی روشن اور چمک دار کے ہیں اور اس کے سبب وہ امور معیشت، معاملات کسب، سفروں اور تجارتوں اور اپنی دیگر ضروریات میں تصرف کرتے ہیں۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿86﴾﴾ ''بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے البتہ نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 87-90

قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور نیکی و برائی کا بدلہ: اللہ تعالیٰ نے صور میں پھونکے جانے کے دن کی ہولناکیوں کو بیان فرمایا ہے اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [قَرْنٌ يُّنْفَخُ فِيهِ] ''وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔''[1] اور حدیث صور میں ہے کہ اس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونکیں گے، پہلے اس میں ایسی پھونک ماری جائے گی جس سے

[1] جامع الترمذی، صفة القيامة......، باب ماجاء فی شأن الصور، حدیث: 2430 عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ.

گھبراہٹ طاری ہو جائے گی، پھونک بہت طویل ہوگی اور دنیا کی عمر کے اس آخری حصے میں ہوگی [1] جب بدترین لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ [2] اس پھونک کی آواز سے آسمانوں اور زمین کے سب لوگ گھبرا اُٹھیں گے۔ ﴿ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔'' اور وہ شہدا ہوں گے، وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یہ کیا حدیث ہے جو آپ بیان کرتے ہیں کہ قیامت فلاں وقت برپا ہوگی۔ انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: سبحان اللہ یا یہ کہا: لا الہ الا اللہ یا اسی طرح کا کوئی اور کلمہ کہا، پھر کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ کسی سے کچھ بھی بیان نہیں کروں گا۔ میں نے تو یہ بیان کیا تھا کہ تم عنقریب تھوڑے عرصے بعد ایک عظیم امر دیکھو گے اور وہ یہ کہ بیت اللہ کو خراب کر دیا جائے گا اور یہ یہ واقعات رونما ہوں گے، پھر کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

[يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ، لَا أَدْرِي: أَرْبَعِينَ يَوْمًا، أَوْ أَرْبَعِينَ شَهْرًا أَوْ أَرْبَعِينَ عَامًا، فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ، فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ، ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِينَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيحًا بَارِدَةً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ، فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ، حَتّٰى لَوْأَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَبِدِ جَبَلٍ لَّدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ، حَتّٰى تَقْبِضَهُ، قَالَ: سَمِعْتُهَا مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : فَيَبْقٰى شِرَارُالنَّاسِ فِي خِفَّةِ الطَّيْرِ وَأَحْلَامِ السِّبَاعِ، لَا يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا وَّلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُولُ : أَلَا تَسْتَجِيبُونَ؟ فَيَقُولُونَ: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَيَأْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، وَهُمْ فِي ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ، حَسَنٌ عَيْشُهُمْ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ، فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغٰى لِيتًا وَّرَفَعَ لِيتًا، قَالَ:وَأَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهُ رَجُلٌ يَّلُوطُ حَوْضَ إِبِلِهِ، قَالَ: فَيَصْعَقُ، وَيَصْعَقُ النَّاسُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ أَوْ قَالَ: يُنْزِلُ اللّٰهُ۔ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ أَوِالظِّلُّ۔ نُعْمَانُ الشَّاكُّ۔ فَتَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُونَ، ثُمَّ يُقَالُ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلٰى رَبِّكُمْ ﴿ وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ۙ ﴾ (الصّٰفّٰت 24:37) قَالَ: ثُمَّ يُقَالُ : أَخْرِجُوا بَعْثَ النَّارِ، فَيُقَالُ: مِنْ كَمْ؟ فَيُقَالُ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ، تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ، قَالَ: فَذٰلِكَ يَوْمَ ﴿ يَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِيۡبَا ۖ ۟ ﴾ (المزمل 17:73) وَذٰلِكَ ﴿ يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ ﴾ (القلم 42:68)]

''میری امت میں دجال نکلے گا اور وہ چالیس تک رہے گا لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے چالیس دن فرمایا یا چالیس مہینے

① المعجم الكبير للطبراني: 355/9، حديث: 9761 و كتاب العظمة لأبي الشيخ الأصفهاني، صفة إسرافيل عليه السلام......: 820/3-851 . ② صحيح البخاري، الفتن، باب ظهور الفتن، حديث : 7067 عن ابن مسعود رضي الله عنه و صحيح مسلم، الإمارة، باب قوله تعالى : [لا تزال طائفة من أمتي......]، حديث: 1924 عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما .

یا چالیس سال۔ پس اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بھیج دیں گے، ان کی شکل وصورت ایسی ہوگی گویا وہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں، وہ دجال کو تلاش کر کے ہلاک کر دیں گے، پھر لوگ سات سال اس طرح بسر کریں گے کہ کوئی دو آدمی ایسے نہیں ہوں گے جن میں عداوت ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس کی وجہ سے روئے زمین پر کوئی ایک شخص بھی ایسا باقی نہیں بچے گا جس کے دل میں ذرہ بھر خیر یا ایمان ہوحتی کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کے اندر داخل ہوا تو وہ ہوا بھی پہاڑ کے اندر داخل ہو کر اس کی روح قبض کر لے گی، راوی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی بیان فرماتے ہوئے سنا کہ ایسے بدترین لوگ رہ جائیں گے، جو شرارتوں کی طرف پرندوں کی سی تیزی کے ساتھ چلیں گے اور ایک دوسرے سے دشمنی اور ظلم کرنے کے اعتبار سے درندوں کی طرح ہوں گے۔ جو نہ نیکی کو پہچانتے ہوں گے اور نہ برائی کو برا جانتے ہوں گے، شیطان ان کے پاس آئے گا اور کہے گا: کیا تم میری بات مانو گے؟

وہ جواب دیں گے: کیا حکم ہے؟ تو شیطان انھیں بتوں کی پوجا کا حکم دے گا، اس حالت میں ان کے پاس رزق پہنچ رہا ہوگا اور ان کی معیشت اچھی ہوگی، پھر صور میں پھونکا جائے گا تو اسے جو بھی سنے گا وہ اپنی گردن کو ایک طرف جھکا دے گا اور اسے اوپر اٹھا دے گا۔ اور سب سے پہلے جو اس کی آواز سنے گا، وہ ایک ایسا شخص ہوگا جو اپنے اونٹ کے حوض کو درست کر رہا ہوگا، وہ آواز سن کر بے ہوش ہو جائے گا۔ دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو طل یا ظل کی طرح ہوگی۔ اس حدیث کی سند کے ایک راوی نعمان بن سالم کو شک ہے کہ آپ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمایا تھا۔[1] اس سے لوگوں کے جسم اُگنے لگیں گے، پھر صور میں ایک بار اور پھونکا جائے گا اور لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے، پھر کہا جائے گا: اے لوگو! اپنے رب کے پاس چلو: ''اور اُن کو ٹھہرائے رکھو کہ اُن سے (کچھ) پوچھنا ہے۔'' پھر کہا جائے گا کہ جہنم کا حصہ نکالو، پوچھا جائے گا: کتنا؟ تو جواب دیا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، آپ نے فرمایا: یہی وہ دن ہے: ''جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔'' اور یہی وہ دن ہے: ''جس دن پنڈلی سے (کپڑا) کھولا جائے گا۔''[2]

اس حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں: [ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغَى لِيتًا وَّرَفَعَ لِيتًا] ''پھر صور میں پھونکا جائے گا تو اسے جو بھی سنے گا، وہ اپنی گردن کو ایک طرف جھکا دے گا اور اسے اوپر اٹھا دے گا۔'' ان میں لفظ لیت کے معنی سطح گردن کے ہیں، یعنی وہ گردن کو جھکا دے گا تا کہ آسمان سے آنے والی اس آواز کو اچھی طرح سے سن لے، یہ نفخۂ فزع ہوگا، پھر اس کے بعد نفخۂ موت ہوگا، پھر اس کے بعد اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا نفخہ ہوگا، یعنی قبروں

---

① قاضی عیاض نے اپنی کتاب إکمال المعلم بفوائد. مسلم میں لکھا ہے کہ ان دو لفظوں الطل اور الظل جن میں راوی کو اشتباہ ہوا ہے ان میں سے الطل، طا مہملہ کے ساتھ زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ ایک دوسری حدیث کے مطابق ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَاءً مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ كَمَنِيِّ الرِّجَالِ ''پھر اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے مردوں کی منی کی طرح بارش برسائے گا۔'' المستدرك للحاكم: 599,598/4، حديث: 8772 والضعفاء للعقيلي: 314/2 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. ② صحيح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب في خروج الدجال......، حديث: 2940 .

سے تمام مخلوق کے اُٹھنے کا نفخہ، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴾ ''اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔'' اسے فعل پر مد اور بغیر مد کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔[1] ﴿ دٰخِرِيْنَ ﴾ کے معنی عاجز اور مطیع کے ہیں، کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہ کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 52:17) ''جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے۔'' اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ ﴾ (الروم 25:30) ''پھر جب وہ تمھیں زمین میں سے (نکلنے کے لیے) ایک ہی بار آواز دے گا تو تم جھٹ نکل آؤ گے۔''

اور حدیث صور میں ہے کہ تیسرے نفخے کے وقت اللہ تعالیٰ حکم دے گا اور روحوں کو صور کے سوراخ میں رکھ دیا جائے گا، پھر اسرافیل اس میں پھونک ماریں گے جبکہ جسم اپنی قبروں اور اپنی جگہوں میں اُگ پڑیں گے، پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو روحیں اڑنے لگیں گی، مومنوں کی روحیں منور ہوں گی اور کافروں کی روحیں کالی سیاہ تو اس وقت اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں چلی جائے تو تمام روحیں اپنے اپنے جسموں میں چلی جائیں گی اور روحیں جسموں میں اس طرح سرایت کریں گی جس طرح ڈسے ہوئے کے جسم میں زہر سرایت کر جاتا ہے، پھر مٹی جھاڑتے ہوئے وہ اپنی قبروں سے اُٹھیں گے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ ﴾ (المعارج 43:70) ''اس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی گاڑے ہوئے نشان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ ﴾ ''اور آپ پہاڑوں کو دیکھیں گے تو انھیں جمے ہوئے گمان کریں گے، حالانکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے۔'' یعنی تم دیکھو گے کہ وہ گویا اسی طرح ثابت اور باقی ہیں جیسے پہلے تھے جبکہ یہ بادل کی طرح اُڑ رہے ہوں گے، یعنی اپنی جگہ سے زائل ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ ﴾ (الطور 10,9:52) ''جس دن آسمان کپکپا کر لرزنے لگے اور پہاڑ بہت چلنے لگیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ ﴾ (طٰه 20:105-107) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے: اللہ انھیں اڑا کر بکھیر دے گا، پھر وہ اس (زمین) کو ہموار میدان کر چھوڑے گا جس میں نہ آپ کجی دیکھیں گے نہ ٹیلا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ ﴾ (الکهف 47:18) ''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلی دیکھیں گے۔''

اور فرمایا: ﴿ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ ﴾ ''(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔'' یعنی وہ اپنی

[1] تفسیر الطبری: 26/20. [2] کتاب العظمة لأبی الشیخ الأصفهانی، باب صفة إسرافیل ﷺ:......3/841,842.

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ

(آپ کہہ دیجیے:) بس مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت بخشی ہے، اور ہر شے اسی کے لیے ہے، اور

أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿91﴾ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ

مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں ﴿91﴾ اور یہ کہ میں قرآن پڑھوں، پھر جس نے ہدایت پائی تو بس وہ اپنی ہی ذات کے لیے ہدایت

وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿92﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ

پاتا ہے، اور جو گمراہ ہوا تو آپ کہہ دیجیے: میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں ﴿92﴾ اور کہہ دیجیے: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جلد ہی تمھیں اپنی

7 ع 11 3 فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿93﴾

نشانیاں دکھائے گا، پھر تم انھیں پہچان لوگے، اور جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو آپ کا رب اس سے غافل نہیں ﴿93﴾

عظیم قدرت کے ساتھ یہ کام سرانجام دے گا ﴿الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ﴾ ''جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔'' یعنی اس نے جو بھی پیدا فرمایا اسے مضبوط بنایا ہے اور اس میں جن حکمتوں کو چاہا ودیعت فرما دیا۔ ﴿إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿88﴾﴾ ''بے شک وہ اس سے خوب خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے اچھے اور برے تمام اعمال کو جانتا ہے، پھر وہ عنقریب انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ بھی عطا فرمائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس دن سعادت مندوں اور بدبختوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ﴾ ''جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس سے بہت بہتر (بدلہ تیار) ہے۔'' قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں نیکی سے اخلاص مراد ہے۔[1] دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو نیکی لے کر آئے گا اسے دس گنا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔[2] ﴿وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿89﴾﴾ ''اور وہ اس روز گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ (الأنبياء 21:103) ''انھیں (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا۔'' اور فرمایا: ﴿أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:40) ''سو بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن و امان سے آئے؟'' اور فرمایا: ﴿وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۝﴾ (سبا 34:37) ''اور وہ بالا خانوں میں امن سے ہوں گے۔''

اور اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ﴾ ''اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔'' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس برائیوں کے ساتھ آئے اور اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہو یا اس کی برائیاں اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوں تو اسے اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿90﴾﴾ ''تم کو تو انھی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔''

تفسیر آیات: 91-93

[1] تفسیر الطبری: 29/20. [2] دیکھیے الأنعام، آیت: 106.

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیں: ﴿ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ٘ ﴾ ''مجھ کو یہی ارشاد ہوا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی اور ہر چیز اسی کی ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ﴾ (یونس 104:10) ''(اے پیغمبر!) کہہ دیں کہ لوگو اگر تمھیں میرے دین میں (کسی طرح کا) شک ہو تو (یاد رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں فوت کرتا ہے۔'' اس آیت کریمہ میں ربوبیت کی شہر مکہ کی طرف اضافت بر سبیل تشریف واعتنا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِۙ۝ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ١ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۠۝ ﴾ (قریش 4,3:106) ''(لوگوں کو) چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے اُن کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔''

﴿ الَّذِیْ حَرَّمَهَا ﴾ ''جس نے اسے حرمت دی۔'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کے محترم قرار دینے کی وجہ سے شرعاً اور قدرۃً محترم بن گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: [إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ...... لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا] ''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا پس وہ اللہ تعالیٰ کے محترم قرار دینے کی وجہ سے قیامت کے دن تک محترم ہے...... اس کے کانٹے کو نہ کاٹا جائے، اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے اور نہ اس کے لقطے کو اٹھایا جائے۔ البتہ جو اس کے بارے میں اعلان کرنا چاہے (وہ اسے اٹھا سکتا ہے) اور نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے۔''[1] یہ حدیث صحاح، حسان اور مسانید میں بہت سے طرق سے مروی ہے[2] جن کی وجہ سے یہ حدیث قطعی الثبوت بن گئی ہے جیسا کہ کتاب الأحکام میں اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ٘ ﴾ ''اور ہر چیز اسی کی ہے۔'' یہ خاص پر عام کے عطف کے قبیل سے ہے، یعنی وہ اس شہر کا مالک ہے اور ہر چیز کا رب اور مالک بھی وہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ﴿ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَۙ۝۹۱ ﴾ ''اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں۔'' یعنی موحدین، مخلصین، اس کے حکم کے فرماں برداروں

① صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إثم الغادر للبر والفاجر، حديث: 3189 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة و تحريم صيدها......، حديث : 1353 . ② صحيح ابن حبان، الحج، باب ذكر الزجر عن اختلاء شوك حرم الله جل وعلا......: 28/9 عن أبي هريرة رضي الله عنه وصحيح ابن خزيمة، أبواب الفريضة في السفر، باب ذكر خبر احتج به......: 77,76/2، حديث : 958 عن أنس رضي الله عنه ومسند أحمد: 316,315/1 عن ابن عباس رضي الله عنهما ومسند أبي عوانة، الأحكام، باب الخبر الناهي عن لقطة الحاج: 187/4، حديث: 6462,6461 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

اور اس کے اطاعت گزاروں میں سے بن جاؤں ﴿ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ﴾ ”اور یہ بھی کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔“ یعنی لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنادوں اور ان تک اسے پہنچادوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○ ﴾ (آل عمران 3:58) ”(اے محمد!) یہ ہم آپ پر (اللہ کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں تلاوت کرتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ ﴾ (القصص 28:3) ”(اے محمد!) ہم آپ پر موسیٰ اور فرعون کی کچھ خبریں ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں۔“ یعنی میں تو قرآن مجید کا پہنچانے والا اور اس کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے والا ہوں۔ ﴿ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ ﴾ ”پس جو شخص راہ راست اختیار کرتا ہے تو اپنی ہی ذات کے لیے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔“ اور اللہ تعالیٰ کے وہ رسول میرے لیے اسوہ ہیں جنھوں نے اپنی قوموں کو ڈرایا تھا اور وہ اسی فرض کو ادا کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے جو پیغام حق کے پہنچانے کے لیے ان پر عائد تھا، انھوں نے اپنے عہد کو وفا کر دیا تھا اور ان کی امتوں کا حساب اللہ کے سپرد ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ ﴾ (الرعد 13:40) ”تو آپ کے ذمے (ہمارے احکام کو) صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿ؕ﴾ ﴾ (ھود 11:12) ”(اے محمد!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہ تمھیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم انھیں پہچان لو گے۔“ یعنی سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر حجت تمام نہ کردے اور اسے ڈرا نہ دے، اسی لیے فرمایا: ﴿ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ ﴾ ”وہ تمھیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم انھیں پہچان لو گے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:53) ”ہم عنقریب انھیں اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یقیناً وہ (قرآن) حق ہے۔“

﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ ﴾ ”اور جو کام تم کرتے ہو آپ کا پروردگار ان سے ہرگز بے خبر نہیں۔“ بلکہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ ان دو شعروں کو پڑھا کرتے تھے جو ان کے اپنے یا کسی دوسرے شاعر کے ہیں:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ ... خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيبٌ

”جب تم کبھی خلوت میں ہو تو یہ نہ کہو کہ میں خلوت میں ہوں بلکہ یہ کہو کہ مجھ پر ایک نگہبان بھی ہے۔“

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفَلُ سَاعَةً ... وَّلَا أَنَّ مَا يُخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيبُ

”اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ گمان نہ کرو کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہے، اللہ تعالیٰ سے جس چیز کو مخفی رکھا جائے وہ اس سے کبھی بھی چھپ نہیں سکتی۔“

سورۂ نمل کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

تفسیر سُورۂ قصص

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

طٰسٓمّٓ ① یہ واضح کتاب کی آیات ہیں② ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں③

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً

بے شک فرعون نے زمین (مصر) میں سرکشی کی، اور اس نے اہل مصر کے کئی گروہ بنا دیے، ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو ضعیف جان کر اس نے

مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ

دبا رکھا تھا، وہ ان کے بیٹے ذبح کرتا اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھتا، بلاشبہ وہ فسادیوں میں سے تھا④ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں

نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ

زمین میں ضعیف جان (کر دبا) لیا گیا تھا، اور انھیں پیشوا بنائیں، اور انھیں (ملک مصر کے) وارث بنائیں⑤ اور (یہ کہ) ہم انھیں زمین (شام و فلسطین) میں

لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥

اقتدار بخشیں، اور ہم فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان (کمزور لوگوں کے ہاتھوں) سے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے⑥

امام احمد رحمہ اللہ نے معدیکرب سے روایت کیا ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمیں تقریباً دوصد آیات پر مبنی ﴿طٰسٓمّٓ ①﴾ سنائیں، انھوں نے فرمایا: یہ مجھے یاد نہیں ہے، لہٰذا تم اس شخصیت کی طرف رجوع کرو جنھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سیکھ کر یاد کیا ہے، یعنی خَبّاب بن اَرَت رضی اللہ عنہ سے اسے سنو، ہم خَبّاب بن اَرَت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے ہمیں یہ سورۂ مبارکہ سنائی۔[1]

[1] مسند أحمد: 419/1 جبکہ المعجم الكبير للطبرانی: 55/4، حدیث: 3614، میں ﴿طٰسٓمّٓ ①﴾ الشعراء کے الفاظ ہیں، نیز سورۂ شعراء کی آیات دوسو سے متجاوز ہیں جبکہ سورۂ قصص کی آیات اٹھاسی (88) ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہاں ﴿طٰسٓمّٓ ①﴾ سے مراد سورۂ شعراء ہے، بہرحال یہ روایت ضعیف ہے۔

تفسیر آیات:1-6

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حالات: حروف مقطعات کے بارے میں قبل ازیں بحث ہو چکی ہے۔ ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② ﴾ ”یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔“ یعنی ایسی کتاب کی جو واضح اور روشن ہے، امور و معاملات کے حقائق اور علم ما کان و مایکون کو کھلم کھلا بیان کرنے والی ہے۔ اور اس کا فرمان ہے: ﴿ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ ﴾ ”(اے محمد!) ہم آپ پر موسیٰ اور فرعون کے صحیح صحیح حالات تلاوت کرتے ہیں۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ﴾ (یوسف 12:3) ”(اے پیغمبر!) ہم آپ سے ایک نہایت اچھا قصہ بیان کرتے ہیں۔“ اور تمام واقعے کو اس طرح بیان کریں گے کہ گویا آپ وہاں موجود تھے اور یہ واقعہ آپ کا گویا چشم دید ہے، پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ”بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی۔“ یعنی اس نے تکبر، غرور اور سرکشی کو اختیار کر رکھا تھا۔ ﴿ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا ﴾ ”اور اس نے وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا۔“ یعنی وہ لوگوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کر کے ہر ایک قسم سے اپنی مرضی و مشیت کے مطابق کام لیتا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ ﴾ ”اس نے ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا۔“ یعنی بنی اسرائیل کو جبکہ وہ اپنے زمانے کے بہترین لوگ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر اس جابر اور سرکش بادشاہ کو مسلط کر دیا تھا جو انھیں بہت گھٹیا کاموں کے لیے استعمال کرتا تھا اور اپنے اور اپنی رعیت کے کاموں میں انھیں رات دن مشغول رکھتا تھا اور اس کے باوجود وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا اور یہ سب کچھ وہ ان کی توہین و تذلیل کے پیش نظر اور اس خدشے کی وجہ سے کرتا تھا تاکہ ان میں وہ لڑکا زندہ نہ بچے جس سے وہ اور اس کے کارکنانِ حکومت ڈرتے تھے کہ وہ ان کی ہلاکت کا سبب ہوگا اور اس کے ہاتھوں ان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اور فرعون نے اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے پیدا ہونے والے تمام لڑکوں کو قتل کر دیا جائے مگر تقدیر کے مقابلے میں کوئی تدبیر کام نہیں آتی اور جب اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی اور ہر چیز کے وقت کے بارے میں لکھا ہوا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥ ﴾ ”اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں ہم اُن پر احسان کریں اور انھیں ہم پیشوا بنائیں اور ہم انھیں (ملک کا) وارث بنا دیں اور انھیں زمین میں قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ہم وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اسی طرح کیا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:137) ”اور ہم نے ان لوگوں کو

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تو اسے دودھ پلا، پھر جب تو اس کے بارے میں ڈرے تو اسے دریا میں ڈال دینا، اور نہ ڈرنا اور نہ غم کھانا،

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑦ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا

بے شک ہم اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں، اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں⑦ چنانچہ فرعون کے گھر والوں نے اسے (دریا سے)

وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ

اٹھا لیا، تاکہ وہ ان کے لیے دشمن اور باعث غم بنے، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر خطا کار تھے⑧ اور فرعون کی بیوی نے کہا: (یہ تو)

عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨

میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں، اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے⑨

جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے، اس زمین (شام) کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث بنا دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے آپ کے پروردگار کا وعدۂ نیک پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کر دیا'' اور فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۞ ﴾ (الشعرآء 26:59) ''اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (چیزوں) کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔''

فرعون نے اپنی طاقت وقوت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام سے نجات پانے کا ارادہ کیا تھا مگر اُس عظیم بادشاہ کی قدرت کے مقابلے میں وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا جس کے قدری حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے بلکہ اسی کا حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر غالب آ کر رہی کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام ہی کے ہاتھوں سے ہلاک ہو گا۔

تفسیر آیات:7-9

موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف تدبیر کے بارے میں وحی: مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے جب بہت کثیر تعداد میں بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کرا دیے تو قبطیوں کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اس طرح بنی اسرائیل تو ختم ہو جائیں گے اور ان کے بجائے محنت و مشقت کے سارے کام انھیں خود کرنا پڑیں گے، اس بات کا انھوں نے فرعون سے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہی صورت حال برقرار رہی کہ بوڑھے مر جائیں اور بچے قتل کر دیے جائیں تو ان کی عورتوں کے لیے تو ان اعمال شاقہ کو سرانجام دینا ممکن نہ ہو گا جو ان کے مرد کیا کرتے تھے تو یہ سارے کام ہمیں خود کرنا پڑیں گے، یہ بات سن کر فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے ایک سال قتل کر دیے جائیں اور ایک سال قتل نہ کیے جائیں، پس ہارون علیہ السلام کی ولادت اس سال ہوئی جس میں بچوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اس سال ہوئی جس میں بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ فرعون نے اس کام کے لیے کچھ آدمی مقرر کر رکھے تھے اور دائیوں کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ وہ عورتوں کی نگرانی کریں اور جسے حاملہ دیکھیں اس کا نام لکھ لیں، ولادت کے وقت قبطی عورتیں بھی موجود ہوتی تھیں، بنی اسرائیل کی کوئی عورت اگر لڑکی کو جنم دیتی تو وہ چلی جاتیں اور اگر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ اطلاع دے دیتیں، پھر جلاد ہاتھوں میں تیز چھریاں پکڑے ہوئے آ جاتے اور وہ بچے کو ذبح

کر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو ہر قسم کی بھلائی اور اچھائی سے دور رکھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب حمل قرار پایا تو ان کے حمل کے آثار اس طرح نمایاں نہ تھے جس طرح دیگر حاملہ عورتوں کے آثار نمایاں ہوتے ہیں حتی کہ ان کے حاملہ ہونے کے بارے میں دائیوں کو بھی علم نہ ہو سکا لیکن جب انھوں نے لڑکے کو جنم دیا تو انھیں بے حد تشویش اور شدید خوف لاحق ہوا جبکہ اس لڑکے سے انھیں بہت زیادہ محبت بھی تھی، موسیٰ علیہ السلام کو جو بھی دیکھتا وہ آپ سے شدید محبت کرنے لگتا اور آپ سے محبت کرنے والا طبعًا اور شرعًا بے پناہ سعادت مند تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ﴾ (طٰهٰ 39:20) ''اور میں نے آپ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی۔''

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں: موسیٰ کی والدہ کو جب شدید گھبراہٹ اور خوف لاحق ہوا تو ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی جیسا کہ اسی نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ تو اس کو دودھ پلا جب تجھے اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ رنج کرنا، بلاشبہ ہم اس کو تیرے پاس لوٹانے والے ہیں اور (پھر) اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔''

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا گھر دریائے نیل کے کنارے پر تھا، انھوں نے ایک تابوت لیا، اس میں ایک پنگوڑا بنا دیا، بچے کو دودھ پلانا شروع کیا اور اگر کوئی ایسا شخص ان کے گھر میں آتا جس سے ڈر ہوتا تو آپ فوراً اسے تابوت میں رکھ دیتیں، اسے دریا میں چلا دیتیں اور اسے انھوں نے ایک رسی سے باندھ رکھا ہوتا تھا۔ ایک دن ان کے گھر میں ایک ایسا شخص آیا جس سے ڈر تھا، انھوں نے اسے تابوت میں رکھ دیا اور تابوت کو دریا میں چھوڑ دیا مگر اسے رسی سے باندھنا بھول گئیں جس کی وجہ سے تابوت نے پانی پر تیرنا شروع کر دیا حتی کہ تابوت فرعون کے محل کے پاس سے گزرا جسے لڑکیوں نے اٹھا لیا اور وہ اسے فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں اور جانتی نہیں تھیں کہ اس میں کیا ہے اور وہ ڈر گئی تھیں کہ اگر انھوں نے فرعون کی بیوی کی اجازت کے بغیر اسے از خود کھول لیا تو کہیں کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں، بہر حال جب اس تابوت کو کھولا گیا تو اس میں ایک ایسا بچہ نظر آیا جو اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ حسین وجمیل اور رعنا وزیبا تھا، فرعون کی بیوی نے جب اس بچے کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اس کی محبت ڈال دی اور یہ اس کی خوش بختی کی بات تھی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ اس عورت کو خوش بخت اور اس کے خاوند کو بد بخت بنا دیا جائے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ﴾ ''تو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا اس لیے کہ (نتیجہ یہ ہونا تھا کہ) وہ ان کا دشمن اور (ان کے لیے موجب) غم ہو۔''

محمد بن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ لام یہاں لامِ عاقبت ہے۔[1] لامِ تعلیل نہیں ہے کیونکہ بچے کو اٹھانے سے ان کا یہ ارادہ

[1] تفسیر الطبری: 40/20 و تفسیر القرطبی: 252/13 اور لامِ عاقبت کا مفہوم سمجھنے کے لیے ترجمے میں پہلی قوسین والے الفاظ ملاحظہ کیجیے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا

اور موسیٰ کی ماں کا دل (صبر وقرار سے) خالی ہو گیا، بے شک قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر کر دیتی، اگر ہم نے اس کا دل مضبوط نہ کر دیا ہوتا، تاکہ وہ (ہمارے

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿10﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ

وعدے پر) یقین کرنے والوں میں سے ہو﴿10﴾ اور موسیٰ کی ماں نے اس کی بہن سے کہا: تو اس کے پیچھے پیچھے جا، پھر وہ (گئی تو) اسے دور سے دیکھتی رہی،

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿11﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ

جبکہ وہ (فرعونی) بے خبر تھے﴿11﴾ اور ہم نے موسیٰ پر دائیوں (کے دودھ) کو پہلے ہی سے حرام کر دیا تھا، پھر موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تمھیں ایک گھر والے

بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿12﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

کا بتاؤں جو تمھارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟﴿12﴾ چنانچہ ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اس کی آنکھیں

وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾ ع

ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائے اور تاکہ وہ جان لے کہ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے﴿13﴾

نہ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے جو یہ بات کہی ہے، ظاہر الفاظ کا یہی تقاضا ہے لیکن جب سیاق وسباق کے معنی کی طرف دیکھا جائے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لامِ تعلیل ہی ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو اٹھانے کے لیے انھیں مقرر کر دیا تھا تاکہ اسے ان کے لیے دشمن اور (موجب) غم بنا دے اور اس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ان کے بچاؤ اور احتیاط کو باطل کرنے کے لیے یہ صورت زیادہ مؤثر ثابت ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ﴿8﴾ ﴾ ''بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ ﴾ ''اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ) میری اور تمھاری (دونوں کی) آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔'' یعنی فرعون نے جب اسے دیکھا تو اس خوف کی وجہ سے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا کہ کہیں یہ بنی اسرائیل کا بچہ نہ ہو تو فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے اس سے جھگڑنا اور بچے کا دفاع کرنا اور بچے کو پیار کر کے دکھانا شروع کر دیا، اس نے کہا: ﴿ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ ﴾ ''یہ میری اور تمھاری (دونوں کی) آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔'' فرعون نے کہا کہ یہ تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہرگز نہیں ہے اور امر واقع میں بھی ایسا ہی ہوا کہ آگے چل کر اس بچے کے سبب اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کو تو ہدایت نصیب فرما دی جبکہ فرعون کو اس کے ہاتھوں ہلاک کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ ﴾ ''شاید کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے۔'' اور اسے اس سے واقعی فائدہ پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے سبب دنیا میں ہدایت عطا فرما دی اور آخرت میں جنت میں بسا دیا، ﴿ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾ ''یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔'' فرعون کی بیوی نے اسے متبنّٰی بنانے کا ارادہ کیا کیونکہ اس کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿9﴾ ﴾ ''اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔'' یعنی وہ نہیں جانتے تھے کہ انھوں نے جو اس بچے کو اٹھا لیا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس قدر عظیم الشان حکمت بالغہ اور حجتِ قاطعہ ہے۔

تفسیر آیات:10-13

موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا شدید غم اور بچے کی واپسی :اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان کا بچہ دریا میں چلا گیا تو ان کا دل بے قرار ہو گیا۔ ﴿ فٰرِغًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ دل موسیٰ علیہ السلام کے سوا دنیا کی ہر چیز سے خالی ہو گیا، یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابوعبیدہ، ضحاک، حسن بصری، قتادہ اور دیگر ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا ہے۔[1] ﴿ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ ﴾ ''قریب تھا کہ وہ اس (بات) کو ظاہر کر دیتیں۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ انھیں صبر وقرار عطا نہ فرماتا تو قریب تھا کہ وہ شدید غم وحزن اور افسوس کے باعث اسی بات کو ظاہر کر دیتیں کہ ان کا بیٹا دریا میں بہ گیا ہے اور وہ ساری صورت حال بیان کر دیتیں۔ ﴿ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ﴾ ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم ان کے دل کو مضبوط کر دیتے (تو وہ بیان کر دیتیں) تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو اور اس نے اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے جا۔'' موسیٰ کی ماں نے اپنی بیٹی کو حکم دیا جو بڑی عمر کی تھی اور اس قابل تھی کہ جو اس سے کہا جائے اسے یاد رکھے، بہرحال اس سے کہا: ﴿ قُصِّيْهِ ﴾ ''اس کے پیچھے پیچھے جا۔'' اس کے حالات سے باخبر رہنا اور شہر کے مختلف علاقوں میں اس کے بارے میں پھیلنے والی خبروں کو معلوم کرنا، پس وہ اس مقصد کی خاطر گھر سے باہر نکل آئی، ﴿ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ ﴾ ''تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک طرف سے دیکھتی رہی۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دور سے دیکھتی رہی۔[3] اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ تجاہلِ عارفانہ سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔[4]

موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے محل میں پہنچ گئے، فرعون کی بیوی نے (موسیٰ علیہ السلام سے) محبت کی اور فرعون سے جان بخشی کروالی تو محل میں موجود دودھ پلانے والی تمام عورتوں کو بلایا گیا مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا اور سب کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تو وہ بازار میں چلے گئے تاکہ کسی ایسی عورت کو تلاش کر لیں جس کا یہ بچہ دودھ پی لے، موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب لوگوں کے ہاتھوں میں اس بچے کو دیکھا تو اسے پہچان لیا، البتہ اس بات کا اظہار نہ کیا اور نہ وہ لوگ خود ہی سمجھ سکے کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی بہن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر دائیوں (کے دودھ) کو حرام کر دیا تھا۔'' اس سے مراد حرمتِ قدری ہے اور یہ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو عزت وکرامت حاصل تھی اور اس میں دوسری حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ آپ اپنی ماں کے سوا کسی اور عورت کا دودھ پئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو آپ کی ماں کے پاس آپ کی واپسی کا سبب بنانا چاہتا تھا تاکہ آپ کی ماں ہی آپ کو دودھ پلائے اور اللہ تعالیٰ آپ کی ماں کے ہر قسم کے خوف کو دور کر کے انھیں امن وچین بھی عطا فرمانا چاہتا تھا۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ اس بارے میں حیران و پریشان ہیں کہ بچہ کس عورت کا دودھ پیے گا، ﴿ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ

① تفسیر الطبری:45,44/20 وتفسیر ابن أبی حاتم :2946/9۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم :2948/9 وتفسیر الطبری: 49/20۔ ③ تفسیر الطبری:48/20 وتفسیر ابن أبی حاتم :2948/9۔ ④ تفسیر ابن أبی حاتم:2949/9 وتفسیر الطبری : 49/20۔

لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ''تو اس (موسیٰ علیہ السلام کی بہن) نے کہا: کیا میں تمھیں ایسے گھر والے بتاؤں جو تمھارے لیے اس (بچے) کو پالیں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اس نے یہ بات کہی تو انھوں نے لڑکی کو پکڑ لیا اور اس کے بارے میں شک میں پڑ گئے اور کہنے لگے کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ اس کے بارے میں خیر خواہی و شفقت سے کام لیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ اس لیے کہ وہ بادشاہ کی خوشی اور منفعت کے خواہش مند ہیں، یہ جواب سن کر انھوں نے لڑکی کو چھوڑ دیا،[1] بہر حال اس جواب سے وہ ان کی گرفت اور ایذا سے بچ گئی اور یہ لوگ اس کے ساتھ اس کے گھر کی طرف چل دیے اور جب اس کی ماں کے پاس پہنچے تو ماں نے بچے کے منہ میں اپنا پستان داخل کیا تو بچے نے اسے قبول کر لیا، اس سے ان سب لوگوں کو بے حد خوشی ہوئی، ان میں سے ایک شخص نے جا کر فرعون کی بیوی کو یہ خوش خبری سنا دی تو فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف پیغام بھیج کر انھیں اپنے پاس بلایا، ان سے حسن سلوک کا معاملہ کیا اور بہت سا مال بھی دے دیا جبکہ اسے علم نہ تھا کہ یہی خاتون اس بچے کی حقیقی ماں ہیں، انھوں نے حسن سلوک کا یہ معاملہ اس لیے کیا تھا کہ بچے نے ان کے دودھ کو پینا قبول کر لیا تھا، آسیہ نے ان سے کہا کہ تم ہمارے پاس ہی قیام کرو اور بچے کو دودھ پلاؤ مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرا شوہر بھی ہے اور دوسرے بچے بھی، لہٰذا میرے لیے آپ کے ہاں قیام کرنا ممکن نہیں ہے، البتہ اگر آپ پسند کریں تو میں اپنے گھر میں بچے کو دودھ پلاتی رہوں گی، فرعون کی بیوی نے اس بات سے اتفاق کر لیا اور اس نے تحفہ، تحائف، لباس اور احسان جزیل کا سلسلہ شروع کر دیا، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے بچے کو لے کر خوشی خوشی واپس آ گئیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن میں بدل دیا تھا اور عزت و جاہ اور بے پناہ مال جو عطا فرمایا وہ اس پر مستزاد تھا۔ اس غم اور خوشی کا وقفہ بہت قلیل، یعنی صرف ایک دن اور رات کے بقدر تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سارا نظام ہے، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ جو اس سے ڈر جائے وہ اس کے ہر غم و فکر کو دور کر کے تنگی کے بعد اسے کشادگی عطا فرما دیتا ہے، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُهَا ﴾ ''تو ہم نے (اس طریق سے) ان کو ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔'' یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ، ﴿ وَلَا تَحۡزَنَ ﴾ ''اور وہ غم نہ کھائیں۔'' موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے۔ ﴿ وَلِتَعۡلَمَ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ ''اور تاکہ وہ جان لیں کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔'' جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ انھیں واپس پہنچا دے گا اور بعد میں رسول بھی بنا دے گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام واپس مل گئے تو اس سے انھیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی بنیں گے پس انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں طبعاً اور شرعاً کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ﴾ ''اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے'' کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کیا حکمتیں اور دنیا و آخرت میں ان کے انجام کتنے اچھے ہیں، بسا اوقات ایک کام ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا انجام بہت ہی بہتر اور قابلِ ستائش ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا

[1] تفسیر الطبری: 51,50/20 عن السدی و ابن جریج رحمہما اللہ.

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ⑭

اور جب وہ (موسیٰ) اپنی جوانی کو پہنچا اور (عقل و شعور میں کامل اور) پورا طاقتور ہو گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم دیا، اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫

طرح جزا دیتے ہیں⑭ اور وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جبکہ اہل شہر غفلت میں تھے، پھر اس نے شہر میں دو آدمیوں کو باہم لڑتے پایا، یہ (ایک تو) اس

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى

کے اپنے گروہ میں سے تھا اور یہ (دوسرا) اس کے دشمنوں میں سے تھا، پھر جو اس کے اپنے گروہ میں سے تھا اس نے موسیٰ سے اس شخص کے خلاف مدد

الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ

مانگی جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، چنانچہ موسیٰ نے اسے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا (پھر) کہا: یہ (قتل) شیطان کا عمل ہے، بلاشبہ وہ گمراہ کرنے

اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ

والا کھلا دشمن ہے⑮ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، لہٰذا تو میری مغفرت فرما، چنانچہ اللہ نے اسے بخش

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑯ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا

دیا، بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے⑯ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے، لہٰذا میں مجرموں کا مددگار ہرگز

لِّلْمُجْرِمِيْنَ ⑰

نہیں بنوں گا⑰

شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:216) ''اور عجب نہیں کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:19) ''سو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائیاں (پیدا) کر دے۔''

تفسیر آیات: 14-17

موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی کو مار دینا: اللہ تعالیٰ نے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور بچپن کا ذکر کیا اور اب آپ کے امورِ جوانی کا ذکر فرمایا ہے کہ جب آپ بھرپور جوان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و علم سے سرفراز فرمایا، امام مجاہد کا قول ہے کہ یہاں حکمت و علم سے مراد نبوت ہے۔[1] ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ⑭ ﴾ ''اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جس سے وہ نبوت اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے شرف تک پہنچ گئے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ رکھا تھا اور وہ یہ کہ انھوں نے جب ایک قبطی کو مار دیا تو یہ واقعہ مصر سے نکل کر مدین جانے کا سبب بن گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ ''اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2952/9 عن السدی رحمہ اللہ.

فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُہٗ ؕ قَالَ

پھر موسیٰ نے شہر میں ڈرتے ڈرتے (ہر طرف سے خطرے کے) انتظار میں صبح کی، تو اچانک (دیکھا کہ) وہ شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی، اسے مدد

لَہٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿18﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ ہُوَ عَدُوٌّ لَّہُمَا ۙ قَالَ

کے لیے پکار رہا ہے، موسیٰ نے اس سے کہا: بلاشبہ تو تو صاف گمراہ شخص ہے ﴿18﴾ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑے جو ان دونوں کا دشمن تھا

یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ کَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ

تو وہ (اسرائیلی) بول اٹھا: اے موسیٰ! کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، تو یہی چاہتا ہے کہ زمین میں بڑا متکبر و سرکش

جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا تُرِیۡدُ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿19﴾

ہے، اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو ﴿19﴾

غفلت میں تھے۔'' ابن جریج نے عطاء خراسانی سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت تھا۔① ابن مُنکَدِر نے عطاء بن یسار سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ نصف النہار کا وقت تھا۔② سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

﴿ فَوَجَدَ فِیۡہَا رَجُلَیۡنِ یَقۡتَتِلٰنِ ۫﴾ ''تو اس نے پایا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے تھے۔'' آپس میں جھگڑا کر رہے اور ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔ ﴿ ہٰذَا مِنۡ شِیۡعَتِہٖ ﴾ ''یہ تو اس (موسیٰ) کی قوم کا ہے۔'' یعنی اسرائیلی ہے۔ ﴿ وَ ہٰذَا مِنۡ عَدُوِّہٖ ۚ﴾ ''اور یہ (دوسرا) ان کے دشمنوں میں سے ہے۔'' یعنی قبطی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق کا یہی قول ہے۔③ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی، موسیٰ نے فرصت، یعنی لوگوں کی بے خبری کو غنیمت جانا، ﴿ فَوَکَزَہٗ مُوۡسٰی فَقَضٰی عَلَیۡہِ ۫﴾ ''سو انھوں نے اس کو مُکّا (گھونسا) مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ فَوَکَزَہٗ ﴾ کے معنی ہیں کہ انھوں نے اسے مُکّا (گھونسا) مارا۔④ ﴿ فَقَضٰی عَلَیۡہِ ۫﴾ ''تو اس کا کام تمام کر دیا۔'' یعنی وہ فوراً مر گیا۔ ﴿ قَالَ ﴾ ''(تو) کہنے لگے'' یعنی موسیٰ علیہ السلام، ﴿ ہٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿15﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَہٗ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿16﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ ﴾ ''یہ تو شیطان کا کام ہے، بے شک وہ (انسان کا) دشمن، صریح بہکانے والا ہے، بولے کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو تو مجھے بخش دے، پس اللہ نے اسے بخش دیا، بے شک وہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے، کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے۔'' اور مجھے عزت و جاہ اور نعمت سے نوازا ہے ﴿ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿17﴾﴾ ''تو میں (آئندہ) کبھی گناہ گاروں کا مددگار نہ بنوں گا۔'' یعنی ان کا جو تیری ذات پاک کا کفر کرتے اور تیرے احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 19,18

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2953/9 و تفسیر الطبری: 55,54/20۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2953/9 و تفسیر الطبری: 55,54/20۔ ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2954/9 و تفسیر الطبری: 56,55/20۔ ④ تفسیر الطبری: 57/20۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا (اور) اس نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ سردار تیرے خلاف مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر ڈالیں، لہٰذا تو

فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿20﴾

نکل جا، بے شک میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں ﴿20﴾

2 ع 8 5 فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿21﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ

تو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے، (پکڑے جانے کے) انتظار میں نکلا، (اور) اس نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے ظالم قوم سے نجات دے ﴿21﴾ اور جب اس

تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿22﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ

نے مدین کا رخ کیا تو کہا: امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ کی ہدایت دے گا ﴿22﴾ اور جب وہ مدین کے پانی (کنویں) پر پہنچا تو اس پر اس نے لوگوں کا ایک

وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ

گروہ پایا، وہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے تھے، اور ان کے علاوہ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے جانور) روک رہی ہیں، موسیٰ نے کہا: تمھارا کیا معاملہ ہے؟ ان

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿23﴾

دونوں نے کہا: ہم پانی نہیں پلاتیں، حتیٰ کہ چرواہے (پانی پلا کر اپنے مویشی) واپس لے جائیں، جبکہ ہمارا باپ بڑا بوڑھا ہے ﴿23﴾ چنانچہ اس نے ان دونوں کی

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿24﴾

خاطر پانی پلایا، پھر وہ (پیچھے) سائے کی طرف ہٹ آیا، پھر کہا: اے میرے رب! بے شک تو میری طرف جو بھی خیر نازل کرے، میں اس کا محتاج ہوں ﴿24﴾

قتل کے راز کا افشاء: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو قتل کر دیا ﴿فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا﴾ ”تو اس نے شہر میں ڈرتے ڈرتے صبح کی۔“ یعنی اس فعل سے ڈرتے ہوئے جو آپ سے سرزد ہو گیا تھا۔ ﴿يَّتَرَقَّبُ﴾ ”انتظار کرتے ہوئے۔“ آپ اس فعل کے ردعمل کا جائزہ لے رہے تھے، آپ ایک راستے پر گزر رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ وہی شخص جو کل ایک قبطی سے لڑ رہا تھا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی تھی، آج ایک دوسرے شخص سے لڑ رہا ہے، موسیٰ علیہ السلام جب اس شخص کے پاس سے گزرے تو اس نے اس دوسرے شخص کے خلاف بھی موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿18﴾﴾ ”یقیناً تو تو صریح گمراہ ہے۔“ یعنی تیری گمراہی ظاہر اور تیرا شر بہت زیادہ ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا مگر اسرائیلی نے اپنی کمزوری و ناتوانی اور ذلت و درماندگی کے باعث یہ سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام اسے پکڑنے کا قصد کر رہے ہیں، اس لیے اس نے اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا: ﴿يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ﴾ ”اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ جس طرح تو نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا اس طرح تو مجھے بھی مار ڈالے۔“ کیونکہ اس واقعے کو موسیٰ علیہ السلام اور اس اسرائیلی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا، قبطی نے جب اس بات کو سنا تو اس کے منہ سے اسے اچک لیا، پھر بھاگ کر فرعون کے گھر پہنچ گیا اور اسے یہ بات پہنچا دی، فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو شدید ناراض ہوا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا، موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں اس نے آدمی روانہ کر دیے تاکہ وہ آپ کو پکڑ کر فرعون کے

پاس پیش کردیں۔

تفسیر آیت:20

موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے صلاح مشورے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ ﴾ ''اور ایک شخص آیا۔'' اللہ تعالیٰ نے وصف رجولیت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، اس لیے کہ اس نے فرعون کے بھیجے ہوئے لوگوں کے مخالف ایک ایسا راستہ اختیار کیا تھا جو مختصر تھا، لہٰذا وہ ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ﴾ ''بلاشبہ (شہر کے) رئیس تیرے بارے میں صلاح مشورہ کررہے ہیں تاکہ وہ تجھے مار ڈالیں سو تو (یہاں سے) نکل جا، بے شک میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں۔''

تفسیر آیات:21-24

موسیٰ علیہ السلام مدین میں: جب اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا کہ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت آپ کے بارے میں ارادہ کررہے ہیں تو آپ تن تنہا مصر سے نکل گئے، آپ کو اس طرح کی غریب الوطنی کا پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا کیونکہ آپ نے تو خوش حالی کی زندگی بسر کی تھی اور ناز و نعم میں پلے بڑھے تھے۔ ﴿ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''پس وہ (موسیٰ) وہاں سے ڈرتے سہمتے، انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے اور (دعا کرتے ہوئے) کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔'' یعنی فرعون اور اس کے سرداروں سے۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے گھوڑے پر سوار ایک فرشتے کو بھیج دیا جس نے راستے کے بارے میں آپ کی رہنمائی کی۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ﴾ ''اور جب اس نے مدین کی طرف رخ کیا۔'' یعنی مدین کی طرف جانے والے رستے کو اختیار کرلیا تو خوش ہوئے اور ﴿ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ﴾ ''کہنے لگے: ہوسکتا ہے کہ میرا پروردگار میری سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کرے۔'' یعنی ایسا رستہ جو سب سے زیادہ سیدھا ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس اُمید کو پورا کردیا اور واقعی ایسا رستہ بتایا جو دنیا و آخرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ سیدھا بلکہ صراط مستقیم تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہادی اور مہدی بنادیا۔ ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ ﴾ ''اور جب مدین کے پانی (کے کنویں) پر پہنچے۔'' یعنی جب مدین میں وہاں کے پانی کے پاس پہنچ گئے اور وہ ایک کنواں تھا جس سے بکریوں کے چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔

﴿ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ ﴾ ''اس نے اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے ہیں اور اس نے ان سے الگ دو عورتوں کو پایا جو (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی تھیں۔'' یعنی وہ اپنی بکریوں کو روکے ہوئے ہیں تاکہ چرواہوں کی بکریوں کے ساتھ مل کر ان کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہوں، موسیٰ علیہ السلام نے جب انھیں دیکھا تو اُنھیں ان پر بہت ترس آیا تو ﴿ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ط ﴾ ''موسیٰ نے (ان سے) کہا: تمھارا کیا معاملہ ہے؟'' یعنی کیا بات ہے تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلاتی ہو؟ ﴿ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ﴾ ''وہ دونوں بولیں:

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ

پھر ان دونوں میں سے ایک (لڑکی) شرم و حیا سے چلتی اس کے پاس آئی، اس نے کہا: بے شک میرے والد تجھے بلاتے ہیں تاکہ وہ تجھے اس کی مزدوری

لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ

دیں جو تو نے ہماری خاطر پانی پلایا ہے، پھر جب موسیٰ اس کے پاس آیا اور اسے سارا قصہ سنایا تو اس نے کہا: تو مت ڈر، تو نے اس ظالم قوم سے نجات

الظّٰلِمِيْنَ ﴿25﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿26﴾

پالی ہے ﴿25﴾ ان دونوں میں سے ایک (لڑکی) نے کہا: میرے ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجیے، بلاشبہ بہترین شخص، جسے آپ ملازم رکھیں، وہی ہوسکتا ہے جو

قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ

طاقتور ہو، امانت دار ہو ﴿26﴾ اس نے (موسیٰ سے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کر دوں کہ تو آٹھ

اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ

سال میری نوکری کرے، پھر اگر تو دس سال پورے کرے تو تیری طرف سے ہوگا، اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر سختی کروں، ان شاء اللہ یقیناً تو مجھے نیک

الصّٰلِحِيْنَ ﴿27﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ

لوگوں میں سے پائے گا ﴿27﴾ موسیٰ نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان (معاہدہ) ہے، میں دو مدتوں میں سے جو بھی پوری کر لوں تو (اس کے بعد) مجھ پر

ع 3/7/6 عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿28﴾

کوئی زیادتی نہ ہو، اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے ﴿28﴾

جب تک چرواہے (اپنے چوپاؤں کو) واپس نہ لے جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں۔'' یعنی ہم چرواہوں کے فارغ ہونے کے بعد ہی اپنی بکریوں کو پانی پلاتی ہیں، ﴿وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿23﴾﴾ ''اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔'' اور ہم اس مجبوری کی وجہ سے خود بکریوں کو پانی پلاتی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسَقٰى لَهُمَا﴾ ''تو اس (موسیٰ) نے ان دونوں کے لیے (بکریوں کو) پانی پلایا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿24﴾﴾ ''پھر سائے کی طرف پلٹ کر آیا اور کہنے لگا: اے میرے پروردگار! میں اس کا محتاج ہوں جو تو میری طرف بھلائی سے نازل فرمائے۔'' حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آپ درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔[1] عطاء بن سائب کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دعا: ﴿رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿24﴾﴾ مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا ان میں سے ایک عورت کو بھی سنا دی تھی۔[2]

تفسیر آیات: 25-28

موسیٰ علیہ السلام ان دو عورتوں کے والد کے پاس: اس دن دونوں عورتیں جب بکریوں کو جلد واپس لا کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ان کے جلد واپس آنے پر تعجب ہوا اور اس نے ان سے پوچھا تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر دیا، تب اس

① تفسیر الطبری: 72/20 ۔ ② تفسیر الطبری: 73/20 ۔

نے ان میں سے ایک کو بھیجا تاکہ اسے اپنے باپ کے پاس بلا لائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ﴾ ''پھر اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک حیا سے چلتی ہوئی آئی'' جس طرح شریف خواتین چلتی ہیں جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے اپنی چادر کے پلو کے ساتھ پردہ کر رکھا تھا۔[1] اور ابن ابو حاتم نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ شرماتی اور لجاتی ہوئی آئی اور چہرے کو کپڑے سے چھپا رکھا تھا، وہ کوئی جری عورت اور اندر باہر زیادہ آنے جانے والی نہ تھی۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔[2] اس روایت میں سَلْفَعُ کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی بیان کرتے ہوئے امام لغت علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ مردوں میں سَلْفَعُ اس کو کہتے ہیں جو بہت جسارت والا ہو اور عورتوں میں سے اسے کہتے ہیں جو جری اور بہادر ہو اور اونٹوں میں سے اسے کہتے ہیں جو بہت توانا و طاقتور ہو۔[3]

﴿قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا﴾ ''کہنے لگی: تجھے میرے والد بلاتے ہیں کہ تو نے جو ہمارے لیے پانی پلایا تھا اس کی یقیناً تجھے اجرت دیں۔'' اس نے بات کرتے ہوئے یہ مؤدبانہ اسلوب اختیار کیا، اس نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ میرے والد تجھے بلاتے ہیں تاکہ بات شک وشبہ والی نہ ہو بلکہ یہ کہا کہ میرے والد تجھے بلاتے ہیں کہ تو نے جو ہمارے لیے پانی پلایا تھا اس کی تجھے اجرت دیں۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ﴾ ''پھر جب وہ اس کے پاس آیا اور اس سے (اپنا) ماجرا بیان کیا۔'' جس کی وجہ سے وہ اپنے شہر سے نکلنے پر مجبور ہو گیا تھا، ﴿قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿25﴾﴾ ''اس نے کہا: کچھ خوف نہ کر تو ظالم لوگوں سے بچ گیا ہے۔'' اب اطمینان اختیار کر اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھ تو ان لوگوں کے ملک سے باہر آ گیا ہے اور ہمارا یہ علاقہ ان کی قلمرو سے باہر ہے، لہٰذا یہاں ان کا حکم نہیں چلتا، اس لیے انھوں نے کہا: ﴿نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿25﴾﴾ ''تو ظالم لوگوں سے بچ گیا ہے۔''

طاقت ور اور امانت دار ملازم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿26﴾﴾ ''ایک (لڑکی) نے دونوں میں سے کہا: اے میرے ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجیے بلاشبہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا، امانت دار (ہو۔)'' یعنی اس شخص کی دونوں بیٹیوں میں سے ایک نے یہ کہا تھا، کہا گیا ہے کہ یہ وہی لڑکی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گئی تھی، اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے بکریاں چرانے کے لیے نوکر رکھ لیں۔ حضرت عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، قاضی شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق اور دیگر کئی مفسرین رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جب اس نے یہ کہا: ﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿26﴾﴾ ''یقیناً بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا، امانت دار (ہو۔)'' تو اس نے کہا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ طاقتور اور امانت دار ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ اس کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ کنویں کا وہ پتھر جسے دس

---

[1] تفسير الطبري: 74/20 وتفسير ابن أبي حاتم: 2964/9. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2965/9. [3] الصحاح، مادة: سلفع.

آدمی مل کر اٹھاتے ہیں وہ اس اکیلے ہی نے اٹھالیا تھا اور امانت کا یہ حال ہے کہ میں جب اس کے ساتھ واپس آئی تو اس کے آگے آگے چل رہی تھی، اس نے کہا کہ تو میرے پیچھے ہوجا اور اگر میں رستہ بھول جاؤں تو کنکری مار کر مجھے مطلع کر دینا تو مجھے معلوم ہوجائے گا کہ صحیح رستہ کون سا ہے۔ ①

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص بڑے صاحب فراست گزرے ہیں: (1) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جنھوں نے فراست اور بصیرت سے کام لے کر اپنے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ (2) وہ عزیز مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اپنی بیوی سے کہا تھا: ﴿ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ ﴾ (یوسف 21:12) ''اس کو عزت و اکرام سے رکھو۔'' اور (3) یہ لڑکی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے باپ سے کہا: ﴿ يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝26 ﴾ ''اے میرے ابا جان! اس کو اجرت پر رکھ لیجیے کیونکہ بہترین شخص جسے آپ اجرت پر رکھیں وہ ہے (جو) توانا، امانت دار (ہو۔)'' ②

مشروط نکاح: ﴿ قَالَ اِنِّیْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَيْنِ ﴾ ''اس نے (موسیٰ سے) کہا: بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تجھ سے بیاہ دوں۔'' یعنی اس بزرگ اور معمر شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو میری بکریاں چرا اور میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تیرے نکاح میں دے دوں گا۔ اور فرمایا: ﴿ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ ﴾ ''اس (عہد) پر کہ تو آٹھ برس میری ملازمت کر، پس اگر دس سال پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے (احسان) ہے۔'' یعنی بشرطیکہ تو آٹھ برس میری بکریاں چرا اور اگر تو دو سال مزید چرا دے تو یہ تیری طرف سے احسان ہوگا ورنہ آٹھ سال ہی کافی ہیں، ﴿ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝27 ﴾ ''اور میں تجھ پر تکلیف ڈالنی نہیں چاہتا، تو مجھے ان شاء اللہ نیک لوگوں میں پائے گا۔'' میں تجھے مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا، نہ کوئی تکلیف دینا چاہتا ہوں اور نہ تجھ سے کوئی لڑائی جھگڑا کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا یہ جواب دیا: ﴿ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِیْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝28 ﴾ ''موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں اور تجھ میں یہ (پختہ عہد) ہوا، میں جونسی مدت (چاہوں) پوری کر دوں، پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور ہم جو کہتے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خسر سے کہا کہ معاملہ اسی طرح ہے جیسے آپ نے فرمایا کہ آپ مجھ سے آٹھ سال خدمت لیں گے اور اگر میں دس سال پورے کر دوں تو یہ میری طرف سے ہوگا۔ یعنی جب ان میں سے کم مدت کو میں پورا کر دوں تو میں بریٔ الذمہ ہو جاؤں گا اور شرط کو پورا کر دوں گا، ﴿ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ ﴾ ''میں جونسی مدت (چاہوں) پوری کروں، پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔'' مجھے

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 2967/9 و تفسير الطبري: 78/20. ② المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة يوسف عليه السلام: 345/2، حديث: 3320 و المصنف لابن أبي شيبة، المغازي، باب ماجاء في خلافة عمربن الخطاب رضي الله عنه: 435/7، حديث: 37047.

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ

پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا تو اس نے کوہ طور کی ایک جانب سے آگ دیکھی، اس نے اپنے گھر والوں سے

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿29﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا

کہا: تم (یہیں) ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے تمھارے پاس کوئی خبر یا آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم تاپ سکو﴿29﴾ پھر

نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ

جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اسے وادی کے دائیں کنارے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ، سب

اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿30﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ

جہانوں کا رب ہوں﴿30﴾ اور یہ (بھی کہا گیا:) کہ تو اپنا عصا ڈال دے، پھر جب موسیٰ نے عصا کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے تو وہ پیٹھ پھیر

یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ قف اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿31﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ

کر پلٹا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! تو آگے بڑھ اور نہ ڈر، بلاشبہ تو امن والوں میں سے ہے﴿31﴾ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں

بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی

ڈال، (پھر نکال تو) وہ (سفید) چمکتا ہوا بے عیب نکلے گا، اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنا بازو اپنی طرف ملا لے، چنانچہ تیرے رب کی طرف سے یہ دونوں

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿32﴾

معجزے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف (بھیجنے کے لیے) ہیں، بلاشبہ وہ نافرمان لوگ ہیں﴿32﴾

کسی تنگی میں مبتلا نہ کیا جائے، کامل مدت کو پورا کرنا گو مباح تھا لیکن دوسری طرف سے اس میں زیادہ فضیلت تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ﴾ (البقرۃ 2:203) ”اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو دنوں میں (چل دے) تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جو بہت کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے اور انھوں نے آپ سے سفر میں روزے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا: [إِنْ شِئْتَ فَصُمْ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ] ”اگر تم چاہو تو روزہ رکھو اور اگر چاہو تو توڑ دو۔“ [1] جبکہ دوسری دلیل سے ثابت ہے کہ روزہ رکھنا راجح ہے، اسی طرح دوسری دلیل سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کامل مدت، یعنی دس سال تک بکریاں چرانے کا فریضہ انجام دیا تھا۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حیرہ کے ایک یہودی نے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کس مدت تک بکریاں چرائی تھیں۔ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں، البتہ میں جب عربوں کے بڑے عالم کے پاس جاؤں گا تو ان

[1] صحیح البخاري، الصوم، باب الصوم في السفر والإفطار، حدیث: 1943 و صحیح مسلم، الصیام، باب التخییر في الصوم والفطر في السفر، حدیث: 1121. [2] صحیح البخاري، الشهادات، باب، حدیث: 2684 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما معنًى.

سے پوچھوں گا، چنانچہ میں جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سے یہ سوال پوچھا، آپ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس مدت کو پورا کیا تھا جو دونوں میں سے زیادہ تھی کیونکہ اللہ کے رسول جب کوئی بات کرتے ہیں تو اسے احسن و اکمل انداز میں پورا فرماتے ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 29-32

موسیٰ علیہ السلام کی مصر واپسی اور رستے میں نبوت و معجزات کا ملنا: اس سے پہلی آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس مدت کو پورا فرمایا جس میں زیادہ وفا اور نیکی تھی، یعنی جو دونوں میں سے زیادہ کامل و اکمل تھی اور یہ بات اس آیت کریمہ کے ان الفاظ سے بھی معلوم ہو رہی ہے: ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ﴾ ''پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی۔'' یعنی وہ مدت جو ان دونوں میں سے اکمل تھی، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ﴾ ''اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے۔'' ائمہ تفسیر نے بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے شہر اور اپنے لوگوں کے پاس جانے کا بہت شوق پیدا ہو گیا تھا اور آپ نے ارادہ کیا کہ فرعون اور اس کی قوم سے خفیہ طور پر اپنے شہر اور اپنے لوگوں کی زیارت کر آئیں، آپ نے اپنی بیوی اور ان بکریوں کو ساتھ لیا جو آپ کے خسر نے آپ کو دی تھیں، آپ ان کے ساتھ ایک ایسی رات میں سفر کر رہے تھے جس میں بارش بھی ہو رہی تھی اور جو بہت اندھیری اور ٹھنڈی بھی تھی، آپ نے رستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور جب بھی اپنے چقماق کو رگڑتے تو اس سے کوئی روشنی پیدا نہ ہوتی، آپ کو اس سے بہت تعجب ہوا اور اسی کیفیت میں: ﴿اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا﴾ ''اس نے طور کی طرف سے آگ کو دیکھا۔'' یعنی دور سے آگ چمکتی ہوئی نظر آئی تو ﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ ''وہ اپنی بیوی سے کہنے لگے کہ تم (یہاں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔'' اور میں اس کے پاس جاتا ہوں ﴿لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ ''شاید میں وہاں سے تمھارے پاس (رستے کا) کچھ خبر لاؤں۔'' اس لیے کہ آپ رستہ بھول گئے تھے، ﴿اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹﴾ ''یا آگ کا انگارہ (لے کر آؤں) تاکہ تم تاپو۔'' اور سردی سے بچ جاؤ۔

آگ لینے گئے تو اپنے رب سے ہم کلام ہو گئے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ﴾ ''پھر جب وہ اس کے پاس آیا تو وادی کے دائیں کنارے سے آواز دی گئی۔'' یعنی میدان کی اس جانب سے جو ان کے دائیں طرف اور مغرب کی طرف سے پہاڑ کے ساتھ ملی ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ﴾ (القصص 28:44) ''اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف (خاص) معاملے کی وحی کی تو آپ (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آگ لینے کا قصد قبلے کی طرف کیا تھا اور جبل غربی اس کی دائیں طرف تھا اور اس نے دیکھا کہ آگ ایک سبز درخت میں پہاڑ کی جڑوں میں اس طرف بھڑک رہی ہے جو وادی کے ساتھ

[1] صحیح البخاري، الشهادات، باب، حديث: 2684 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

ملی ہوئی ہے، وہ اس معاملے کو کھڑا حیرت زدہ ہو کر دیکھ رہا تھا کہ رب تعالیٰ نے اسے آواز دی: ﴿ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ ﴾ ''وادی کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے۔'' اور وہ آواز یہ تھی: ﴿ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ''کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں تو اللہ رب العالمین ہوں۔'' یعنی تجھ سے مخاطب ہو کر جو ہم کلام ہے وہ اللہ رب العالمین ہے، وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی پروردگار ہے، وہ اپنی ذات وصفات اور اپنے اقوال وافعال میں اپنی مخلوقات کی مشابہت سے مقدس، منزہ اور پاک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ﴾ ''اور یہ کہ تو اپنی لاٹھی ڈال دے۔'' جو تیرے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ لاٹھی اس وقت آپ کے ہاتھ میں تھی: ﴿ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 20:17,18) ''اور اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، اس پر میں سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی مقاصد ہیں۔'' معنی یہ ہیں کہ یہ لاٹھی جسے تو اچھی طرح جانتا ہے اسے ڈال دے۔ ﴿ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 20:20) ''پس جب اس نے اس کو ڈال دیا تو وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا۔''

اس سے موسیٰ علیہ السلام کو خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اس سے وہی ذات پاک مخاطب اور ہم کلام ہے جو جب کسی چیز سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں اس کا بیان قبل ازیں گزر چکا ہے۔[1] اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا ﴾ ''پھر جب اس نے اس (لاٹھی) کو دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے، گویا سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیا۔'' موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس کی حرکت بہت تیز ہے، جسم اور پاؤں بہت بڑے بڑے ہیں، منہ کھلا ہوا ہے، بڑی بڑی داڑھیں باہر نکلی ہوئی ہیں اور معلوم یوں ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی پہاڑ کی چٹان کے پاس سے گزرے تو اسے نگل جائے اور اگر کوئی چٹان گرے تو اس کے منہ میں پڑ جائے اور وہ اس طرح مضطرب ومتحرک تھا، گویا وادی میں اٹکھیلیاں کر رہا ہو، موسیٰ علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا ﴿ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ﴾ ''(تو) پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔'' آپ پیچھے مڑ کر اس لیے نہیں دیکھ رہے تھے کیونکہ انسان اس طرح کے خوفناک سانپ کو دیکھ کر بھاگتے ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا: ﴿ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ ﴾ ''اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں سے ہو۔'' تو موسیٰ علیہ السلام واپس آ کر اپنی پہلی جگہ پر کھڑے ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ﴾ ''تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا۔'' یعنی جب تم اپنا ہاتھ اپنے دامن کے گریبان میں ڈال کر باہر نکالو گے تو وہ اس طرح چمک دمک رہا ہو گا جس طرح چودھویں رات کا چاند ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ﴾ ''بغیر کسی عیب کے۔'' یعنی وہ برص وغیرہ کی وجہ سے سفید نہیں ہو گا۔

---

[1] دیکھیے طٰہٰ، آیات :17-21 کے تحت عنوان: ''موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بننا''

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿33﴾ وَ اَخِیۡ هٰرُوۡنُ هُوَ

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص قتل کر دیا تھا، لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ﴿33﴾ اور میرا بھائی

اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿34﴾

ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے، لہٰذا تو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کرے، بلاشبہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ وَ نَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا ۚ

مجھے جھٹلائیں گے ﴿34﴾ اللہ نے فرمایا: ہم تیرے بھائی کے ذریعے سے تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے، پھر وہ تم دونوں تک

بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿35﴾

نہیں پہنچ سکیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ (جاؤ)، تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی، غالب رہیں گے ﴿35﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ اضۡمُمۡ اِلَیۡکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّهۡبِ ﴾ ''اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو کو اپنی طرف ملا لے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ الرَّهۡبِ ﴾ کے معنی گھبراہٹ کے ہیں۔[1] قتادہ نے اس کے معنی ''رعب'' کے بیان کیے ہیں۔[2] موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب انھیں کسی چیز سے ڈر محسوس ہو تو وہ خوف دور کرنے کے لیے اپنے بازو کو سکیڑ لیں، اس سے ان کا سارا خوف دور ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو اپنے دل پر رکھے گا تو اس کا خوف دور ہو جائے گا یا کم ہو جائے گا۔ اِنۡ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَبِهِ الثِّقَةُ۔

اور فرمایا: ﴿ فَذٰنِکَ بُرۡهَانٰنِ مِنۡ رَّبِّکَ ﴾ ''پس یہ دو دلیلیں تیرے پروردگار کی طرف سے ہیں۔'' یعنی لاٹھی کے ڈالنے سے اس کا تیز حرکت کرنے والا سانپ بن جانا اور ہاتھ گریبان میں ڈالنے کے بعد نکالنے سے اس کا کسی عیب کے بغیر چمکنے لگ جانا۔ یہ دو قطعی اور واضح دلیلیں ہیں اللہ تعالیٰ فاعل مختار کی قدرت کی اور اس شخص کی نبوت کے صحیح ہونے کی جس کے ہاتھ پر اس نے ان خرق عادت امور کو جاری فرما دیا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ ؕ ﴾ '' فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف'' یعنی فرعون اور اس کے پیروکاروں اور رؤساء و کبراء کی طرف ﴿ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿32﴾ ﴾ ''بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں'' جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور ہو چکے اور اس کے حکم اور اس کے دین کی مخالفت کر رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 33-35

موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی ہارون کے بارے میں سوال: اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ آپ اس فرعون کے پاس جائیں جس کے خوف اور سطوت کی وجہ سے آپ دیار مصر سے نکل بھاگے تھے تو ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا ﴾ ''اس (موسیٰ) نے کہا: اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو مار دیا تھا۔'' یعنی وہ قبطی جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے، ﴿ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿33﴾ ﴾ ''سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار (نہ) ڈالیں۔'' یعنی مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ جب مجھے

[1] تفسیر الطبری: 90/20 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2975/9۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2975/9 وتفسیر الطبری: 91/20۔

دیکھیں گے تو مار ڈالیں گے۔ ﴿ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا ﴾ ''اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) وہ باعتبار زبان کے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، اس لیے کہ انھوں نے آگ کے انگارے کو منہ میں ڈال لیا تھا، جب انھیں آگ کے انگارے اور کھجور یا موتی میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا، اس لیے انھیں زبان سے الفاظ ادا کرنے میں دشواری محسوس ہوتی تھی[1] اور اسی وجہ سے انھوں نے کہا: ﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۠ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ هٰرُوْنَ اَخِي ۙ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۙ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۙ ﴾ (طٰہٰ 20:27-32) ''اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھ لیں اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (مددگار) مقرر فرما (یعنی) میرے بھائی ہارون کو، اس سے میری پشت مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر۔'' جو اس عظیم ذمہ داری میں، جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے، میرا مونس ہو۔ ذمہ داری سے مراد اس متکبر، جبار اور سرکش بادشاہ کے سامنے نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: ﴿ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً ﴾ ''اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) وہ باعتبار زبان کے مجھ سے زیادہ فصیح ہے، پس تو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج۔'' ﴿ رِدْاً ﴾ کے معنی وزیر، مددگار کے ہیں۔ اور میرے کام کو تقویت پہنچانے والا ہو اور میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو بات کروں وہ اس میں میری تصدیق کرے کیونکہ ایک انسان کی بات کی نسبت دو انسانوں کی بات انسانی نفوس پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، انھوں نے مزید کہا: ﴿ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ ﴾ ''بے شک مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔''

موسیٰ علیہ السلام کے وزیر: محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ﴿ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ﴾ ''(تو اس کو میرے ساتھ) مددگار بنا (کر بھیج) کہ وہ میری تصدیق کرے'' کا مطلب ہے کہ جو میں ان سے بات کروں، وہ اسے ان کے سامنے کھول کر بیان کر دے کیونکہ جو بات وہ سمجھتا ہے وہ لوگ نہیں سمجھتے۔[2] جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ ﴾ ''ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کریں گے۔'' یعنی تمھارے معاملے کو طاقت پہنچائیں گے اور تمھارے پہلو کو تمھارے اس بھائی کے ساتھ قوی کر دیں گے جس کے بارے میں تم نے سوال کیا ہے کہ اسے بھی تمھارے ساتھ نبی بنا دیا جائے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:36) ''اے موسیٰ! تحقیق تجھے تیرا سوال دے دیا گیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ ﴾ (مریم 19:53) ''اور ہم نے اسے اپنی مہربانی سے اس کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔''

بعض سلف نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر جو احسان کیا اس سے بڑھ کر کسی بھائی نے اپنے بھائی پر

---

[1] موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی بات مشہور ہے لیکن یہ بلا دلیل ہے۔ [2] تفسیر الطبری: 92/20 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2977/9.

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا

پھر جب موسیٰ ہماری کھلی نشانیوں کے ساتھ ان کے پاس پہنچا تو وہ بولے: یہ تو بس گھڑا ہوا جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے آباء واجداد میں تو یہ

فِيْٓ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿36﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ

(باتیں کبھی) نہیں سنیں ﴿36﴾ اور موسیٰ نے کہا: میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا اور جس کا آخرت کا انجام بہتر

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿37﴾

ہوگا، بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے ﴿37﴾

احسان نہ کیا ہوگا، انھوں نے سفارش کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہارون کو بھی ان کے ساتھ نبوت ورسالت سے سرفراز فرما دیا اور انھیں بھی حکم دیا کہ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جائیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝ ﴾ (الأحزاب 69:33) ''اور وہ (موسیٰ) اللہ کے نزدیک بہت آبرو والے تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ ﴾ ''اور ہم تم دونوں کے لیے غلبہ کر دیں گے، پھر ہماری نشانیوں کے سبب وہ تم دونوں تک پہنچ نہ سکیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے پہنچانے کے سبب وہ تم دونوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ (المآئدة 67:5) ''اے پیغمبر! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے (سب لوگوں کو) پہنچا دیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ اللہ کا پیغام پہنچانے سے قاصر رہے (پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ ﴾ (الأحزاب 39:33) ''اور جو لوگ اللہ کے پیغامات (جوں کے توں) پہنچاتے اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے اور اللہ ہی حساب کرنے والا کافی ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے جو حامی وناصر اور معین ومددگار ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں کو یہ بتا دیا تھا کہ دنیا وآخرت میں اچھا انجام ان کا اور ان کی پیروی کرنے والوں ہی کا ہوگا، فرمایا: ﴿ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ ''اور تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی غالب رہیں گے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (المجادلة 21:58) ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ بڑا زور آور، نہایت زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن 52,51:40) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیاوی زندگی میں ضرور مدد کرتے ہیں اور جس

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى

اور فرعون نے کہا: اے سردارو! میں تو اپنے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں جانتا، لہٰذا اے ہامان! تو میرے لیے گارے (کی اینٹوں) کو آگ دے، پھر

الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿38﴾

میرے لیے ایک محل بنا تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں، اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں﴿38﴾ اور اس (فرعون)

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿39﴾

نے اور اس کے لشکروں نے زمین (مصر) میں ناحق تکبر کیا، اور انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ بے شک انھیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا﴿39﴾ چنانچہ ہم

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿40﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ

نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا، اور ہم نے انھیں سمندر میں پھینک دیا، تو دیکھو ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا!﴿40﴾ اور ہم نے انھیں (لوگوں کو) آگ

اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿41﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

کی طرف بلانے والے سرغنے بنا دیا، اور یومِ قیامت ان کی (کوئی) مدد نہیں کی جائے گی﴿41﴾ اور ہم نے اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگا دی، اور

لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿42﴾ ع 4/14 7

یومِ قیامت وہ دور کیے گئے بدحالوں میں سے ہوں گے﴿42﴾

دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی) اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی اور انھی کے لیے لعنت ہوگی اور انھی کے لیے برا گھر ہوگا۔"

تفسیر آیات: 37,36

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں: ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کے فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس آنے اور ان محیر العقول معجزات اور قوی و مضبوط دلائل پیش کرنے کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لیے عطا فرمائے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے احکام کی اتباع کی جو بھی دعوت دیں تو یہ معجزات و دلائل ان کے پیغام کی صحت کی تائید و تصدیق کریں، فرعون اور اس کے درباریوں نے جب ان معجزات اور دلائل و براہین کو دیکھا تو انھیں یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں مگر وہ اپنے کفر اور سرکشی کی وجہ سے عناد اور دشمنی پر اتر آئے اور یہ ان کی سرکشی، تکبر اور اتباعِ حق سے انکار ہی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے کہا: ﴿ مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى ﴾ "یہ تو ایک گھڑے ہوئے جادو کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

یعنی یہ اس کا بنایا اور خود گھڑا ہوا جادو ہے، انھوں نے حیلہ سازیوں اور اپنی حکومت و اقتدار کے بل بوتے پر موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اس میں کہاں کامیاب ہو سکتے تھے، بہر حال انھوں نے کہا: ﴿ وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿36﴾ ﴾ "اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے پہلے باپ دادا میں تو (کبھی) سنیں نہیں۔" ان کا اشارہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف تھا، یعنی انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد میں سے تو کسی کو بھی اس دین پر نہیں پایا اور ہم نے لوگوں کو

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے، دیگر معبودوں کو ساجھی بناتے ہوئے دیکھا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ ﴾ ''میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت کے ساتھ آیا۔'' کہ وہ میں ہوں یا تم، پھر مجھ میں اور تم میں وہ عنقریب فیصلہ فرما دے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ﴾ ''اور اس کو بھی جس کے لیے آخرت کا انجام (بہتر) ہوگا۔'' اور جسے وہ فتح و نصرت اور تائید و حمایت سے سرفراز فرمائے گا۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے۔

تفسیر آیات: 38-42

فرعون کا تکبر اور انجام: اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفر، سرکشی اور اس کے خدائی کے جھوٹے دعوے کا ذکر کیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ﴾ (الزخرف 43:54) ''سو اس نے اپنی قوم (کی عقل) کو ہلکا کر دیا تو انھوں نے اس کی بات مان لی۔'' اس نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ اس کی خدائی کو تسلیم کر لیں، ان کم عقلوں اور بے وقوفوں نے اس کی بات کو تسلیم کر لیا۔ اس نے ان سے کہا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ﴾ ''اے سردارو! میں تمھارے لیے اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ہمیں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:23-26) ''سو اس نے (لوگوں کو) اکٹھا کیا، پھر پکارا، پس کہنے لگا کہ میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا، پس جو شخص (اللہ سے) ڈرتا ہے اس کے لیے اس قصے میں یقیناً عبرت ہے۔'' یعنی اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور بلند آواز سے انھیں پکار کر کہا کہ میں ہی تمھارا رب اعلیٰ ہوں، انھوں نے اس کی اس بات پر سمع و طاعت کا اظہار کر دیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سے ایسا زبردست انتقام لیا جسے دنیا و آخرت میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی باعثِ عبرت بنا دیا۔ اس بدبخت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہہ دیا تھا: ﴿ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:29) ''اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور قید کیے ہوئے لوگوں میں (شامل) کر دوں گا۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے یہ بھی کہا: ﴿ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ﴾ ''تو اے ہامان! میرے لیے گارے کو آگ لگا (کر اینٹیں پکا دے)، پھر ایک (اونچا) محل بنا دے تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کی طرف جھانکوں۔''

فرعون کا انجینئر: یعنی فرعون نے اپنے وزیر، رعیت کے نگران اور حکومت کے مشیر، ہامان کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے گارے کو آگ لگائے اور ایک مضبوط و مستحکم اور بلند و بالا محل بنانے کے لیے اینٹیں پکائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت

کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰهَامٰنُ ابۡنِ لِیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ۙ﴿ اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوۡسٰی وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیۡلِ ؕ وَ مَا كَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِیۡ تَبَابٍ ﴾ (المؤمن 40:36،37) ''اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک محل بناؤ تا کہ میں (اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کے رستوں پر، پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور میں تو اسے یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی تدبیر تباہی ہی میں تو تھی۔''

فرعون نے ایک ایسا محل بنوایا کہ دنیا میں اس سے زیادہ اونچا اور کوئی محل نہ تھا اور اس طرح وہ اپنی قوم کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتا تھا کہ فرعون کے بجائے معبود کوئی اور ہے، اسی لیے اس نے کہا: ﴿ وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ ﴿۳۸﴾ ﴾ ''اور یقیناً میں تو اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔'' اس بات میں جو وہ یہ کہتا ہے کہ میرے سوا رب کوئی اور ہے، اس نے موسیٰ علیہ السلام کی اس وجہ سے تکذیب نہیں کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں رسول بنا کر بھیجا ہے کیونکہ وہ تو ذات باری تعالیٰ کے وجود کا معترف ہی نہ تھا، اسی وجہ سے اس نے کہا تھا: ﴿ وَ مَا رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ؕ﴾ ﴾ (الشعرآء 26:23) ''رب العالمین کیا چیز ہے؟'' اور یہ کہا: ﴿ لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰـهًا غَیۡرِیۡ لَاَجۡعَلَنَّكَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِیۡنَ ﴾ (الشعرآء 26:29) ''اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور قید کیے ہوئے لوگوں میں (شامل) کر دوں گا۔'' نیز اس نے یہ بھی کہا جیسا کہ یہاں اس مقام پر مذکور ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ مَا عَلِمۡتُ لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرِیۡ ۚ ﴾ ''اے سردارو! میں تمھارے لیے اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔'' یہ ابن جریر کا قول ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اسۡتَكۡبَرَ هُوَ وَ جُنُوۡدُهٗ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اِلَیۡنَا لَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ﴾ ''اور اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انھوں نے گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔'' یعنی انھوں نے سرکشی اور بغاوت کی روش اختیار کی، زمین میں فتنہ وفساد برپا کر دیا اور اس عقیدے کو اختیار کیا کہ کوئی قیامت اور آخرت نہ ہوگی، ﴿ فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍ ﴿ۚۙ﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ﴿ؕ﴾ ﴾ (الفجر 89:13،14) ''تو آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، بے شک آپ کا پروردگار تاک میں ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَاَخَذۡنٰهُ وَ جُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ فِی الۡیَمِّ ۚ ﴾ ''تو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھر ہم نے انھیں دریا میں ڈال دیا۔'' یعنی ان سب کو صبح کے وقت اس طرح دریا میں غرق کر دیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ بچ سکا ﴿ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾ وَ جَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ ۚ ﴾ ''سو آپ دیکھ لیں کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔''

کوئی کسی کا حامی وناصر نہ ہوگا: یعنی ان لوگوں کو جو انبیاء کی تکذیب اور ذات باری تعالیٰ کے انکار کے سلسلے میں ان کے نقش

---

[1] تفسیر الطبری: 95/20.

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى

اور بلاشبہ ہم نے پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل اور ہدایت اور رحمت کی کتاب دی،

وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿43﴾

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿43﴾

قدم پر چلتے اور ان کے طریقے کو اختیار کیے ہوئے تھے، ﴿وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿41﴾﴾ ''اور قیامت کے دن وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔'' اور اس طرح انھوں نے دنیا کی رسوائی اور آخرت کی ذلت دونوں کو جمع کر لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَهۡلَكۡنٰهُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ۝﴾ (محمد 13:47) ''ہم نے ان کا ستیاناس کر دیا، پھر کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿وَاَتۡبَعۡنٰهُمۡ فِيۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا لَعۡنَةً﴾ ''اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں بھی اپنے انبیائے کرام، انبیاء و مرسلین کے پیروکاروں اور اپنے مومن بندوں کی زبانی ملعون قرار دیا ہے، اسی طرح ﴿وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ هُمۡ مِّنَ الۡمَقۡبُوۡحِيۡنَ ﴿42﴾﴾ ''اور قیامت کے روز بھی وہ بدحالوں میں سے ہوں گے۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حسب ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿وَاُتۡبِعُوۡا فِيۡ هٰذِهٖ لَعۡنَةً وَّيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ۝﴾ (ہود 99:11) ''اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) بہت برا ہے وہ عطیہ جو کسی کو دیا جائے۔''[1]

تفسیر آیت:43

موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنی ان نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن سے اس نے اپنے عبد و رسول موسیٰ کو نوازا تھا۔ عَلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ أَفۡضَلُ الصَّلَاةِ وَالتَّسۡلِيۡمِ۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے درباریوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا، ﴿مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰى﴾ ''بعد اس کے کہ ہم نے پہلی امتوں کو ہلاک کیا۔'' یعنی تورات نازل کرنے کے بعد اس نے کسی امت کو عذاب عام میں مبتلا نہیں کیا بلکہ مومنوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے دشمنوں اور مشرکوں سے جنگ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ۝ فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً۝﴾ (الحاقة 10،9:69) ''اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور الٹ جانے والی بستیوں (میں رہنے والوں) نے گناہ کا ارتکاب کیا، پس انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اس نے بھی ان کو بڑی سخت گرفت میں پکڑا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً﴾ ''جو لوگوں کے لیے بصیرت اور ہدایت اور رحمت ہے۔'' یعنی جو اندھے پن اور سرکشی سے بچنے کے لیے بصیرت، راہ حق کے لیے ہدایت اور رحمت، یعنی عمل صالح کے لیے رہنمائی

[1] تفسیر الطبری: 98/20۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿44﴾

اور (اے نبی!) جب ہم نے موسیٰ پر امر (خاص) کی وحی کی تو آپ (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے، اور نہ آپ (اس واقعے کے) حاضرین میں تھے ﴿44﴾ اور لیکن

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

ہم نے کئی امتیں پیدا کیں، پھر ان پر (مدت) حیات لمبی ہوگئی، اور آپ اہل مدین میں نہیں رہتے تھے کہ ان پر ہماری آیات تلاوت کرتے، اور لیکن ہم ہی

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿45﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً

رسول بھیجنے والے تھے ﴿45﴾ اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا، اور لیکن یہ (وحی تو) آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے،

مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿46﴾ وَلَوْلَآ اَنْ

تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿46﴾ اور اگر (یہ) نہ ہوتا کہ جو ان کے

تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا، پھر ہم

فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾

تیری آیات کی اتباع کرتے اور ہم مومنوں میں سے ہو جاتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے) ﴿47﴾

فراہم کرتی ہے، ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿43﴾﴾ ''شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں۔'' تاکہ لوگ اس کے ساتھ نصیحت پکڑیں اور اس کے سبب ہدایت حاصل کرلیں۔

تفسیر آیات: 44-47

محمد ﷺ کی نبوت کی برہان کی نشاندہی: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی صداقت کی دلیل بھی بیان فرمائی ہے کہ آپ نے ماضی کی غیب کی خبریں اس طرح صحیح صحیح بیان فرمائی ہیں، گویا آپ نے انھیں خود دیکھا اور سنا ہو، حالانکہ آپ امی ہیں، کسی کتاب کو آپ نے کبھی نہیں پڑھا، نشو و نما بھی آپ نے ایسی قوم میں پائی ہے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا تھا: ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○﴾ (آل عمرٰن 3:44) ''اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا سرپرست کون بنے تو آپ ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ہی آپ ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔'' یعنی آپ اس موقع پر حاضر نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان واقعات سے آپ کو وحی کے ذریعے سے مطلع فرما دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے نوح علیہ السلام کو نجات عطا فرما دی اور ان کی قوم کو غرق کر دیا تھا تو فرمایا: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○﴾ (ھود 11:49) ''یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں سے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ آپ ہی انھیں جانتے تھے اور نہ

آپ کی قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو آپ صبر کریں، بے شک اچھا انجام پرہیز گاروں ہی کے لیے ہے۔'' پھر اسی سورۂ ہود کے آخری حصے میں فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ ﴾ (ہود 100:11) ''یہ (پرانی) بستیوں کی چند خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں۔''

اور یہاں موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو اول سے آخر تک بیان کرنے کے بعد اور اس بات کو بیان کرنے کے بعد کہ ان کی طرف وحی اور ہم کلامی کی ابتدا کس طرح ہوئی، بیان فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِىِّ اِذۡ قَضَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسَى الۡاَمۡرَ ﴾ ''اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف (خاص) معاملے کی وحی کی تو آپ (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس وقت آپ پہاڑ کی اس مغربی جانب نہیں تھے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اس درخت سے کلام کیا تھا جو وادی کے کنارے کی مشرقی جانب تھا، ﴿ وَمَا كُنۡتَ مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴾ ''اور نہ آپ (اس واقعے کے وقت) حاضر ہونے والوں میں سے تھے۔'' لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سارے واقعے سے آپ کو وحی کے ذریعے سے مطلع فرما دیا ہے تاکہ آپ کا یہ واقعہ بیان کرنا حجت و برہان ہو، کیونکہ اس واقعہ پر اب کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو حجت تمام کی اور اس نے سابقہ انبیاء کی طرف جو وحی کی تھی، وہ سب باتیں فراموش ہو چکی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمَا كُنۡتَ ثَاوِيًا فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ تَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا ﴾ ''اور نہ آپ مدین والوں میں رہنے والے تھے کہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے۔'' یعنی آپ اہل مدین میں مقیم تھے اور نہ انھیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے مگر آپ نے مدین کی طرف بھیجے جانے والے نبی شعیب کے سارے حالات بیان کر دیے کہ انھوں نے اپنی قوم کو کیا دعوت دی اور ان کی قوم نے انھیں کیا جواب دیا تھا۔ ﴿ وَلٰـكِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ﴾ ''اور لیکن ہم ہی تو (پیغمبر) بھیجنے والے ہیں۔'' یعنی یہ سارے واقعات ہم نے آپ کی طرف وحی کیے ہیں اور آپ کو تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ﴿ وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الطُّوۡرِ اِذۡ نَادَيۡنَا ﴾ ''اور نہ آپ (اس وقت) طور کی جانب تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی۔''

قتادہ فرماتے ہیں: ﴿ وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الطُّوۡرِ اِذۡ نَادَيۡنَا ﴾ ''اور نہ آپ (اس وقت) طور کی جانب تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی۔'' یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی تھی۔ اور یہ آیت کریمہ اس آیت کے مشابہ ہے: ﴿ وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِىِّ اِذۡ قَضَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسَى الۡاَمۡرَ ﴾ (القصص 42:28) ''اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف (خاص) معاملے کی وحی بھیجی تو آپ (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے۔''[1] اور اس زیر نظر آیت کریمہ میں ایک دوسرے صیغے کے ساتھ جو اس (پہلے) سے خاص ہے، یعنی آواز دینے کا بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذۡ نَادٰى رَبُّكَ مُوۡسٰٓى ﴾ (الشعرآء 10:26) ''اور جب آپ کے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِذۡ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ﴾ (النّٰزعٰت 16:79) ''جب ان کے پروردگار نے ان کو پاک میدان (یعنی) طوٰی میں پکارا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنَادَيۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰهُ

[1] تفسير الطبري: 99/20 وتفسير ابن أبي حاتم: 2982/9.

نَجِیًّا ○﴾(مریم 52:19) ’’اور ہم نے ان کو طور کی دائیں طرف پکارا اور باتیں کرنے کے لیے نزدیک کرلیا۔‘‘

اور اس کا ارشاد ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ’’اور لیکن (آپ کا بھیجا جانا) آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمت ہے۔‘‘ یعنی آپ ان میں سے کسی چیز کو بھی دیکھ تو نہیں رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں سے بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرمایا ہے، یہ آپ پر اور دیگر بندگانِ الٰہی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اظہار ہے کہ اس نے ان تمام باتوں سے آپ کو مطلع فرما دیا اور آپ کو لوگوں کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا، ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾﴾ ’’تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں۔‘‘ تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس دین کو لائے ہیں اس کے مطابق عمل کر کے یہ لوگ ہدایت پا جائیں۔

﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ ’’اور (اے پیغمبر! ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ) ایسا نہ ہو کہ اگر ان (اعمال) کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت واقع ہوتی تو وہ (یہ) کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا۔‘‘ اور ہم نے آپ کو ان کی طرف اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور ان کے کفر کی وجہ سے جب عذاب آئے تو ان کے پاس کوئی عذر نہ ہو اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے پاس تو کوئی رسول اور کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب قرآن مجید کے نزول کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ﴾ (الأنعام 6:156,157) ’’(اور یہ کتاب اس لیے اتاری ہے) کہ (تم یوں نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتابیں اتاری گئیں اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے (معذور اور) بے خبر تھے یا (یہ نہ) کہو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت والے ہوتے، سو تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آ چکی ہے۔‘‘

اور فرمایا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ (النسآء 4:165) ’’(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ ۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○﴾ (المآئدة 5:19) ’’اے اہل کتاب! پیغمبروں کے موقوف ہو جانے کے بعد تمھارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری یا ڈرانے والا نہیں آیا سو (اب) تمھارے پاس خوش خبری اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ط

پھر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق (قرآن) آ گیا تو وہ کہنے لگے: اسے ویسے معجزے کیوں نہیں دیے گئے جیسے موسیٰ کو دیے گئے تھے؟ کیا وہ

اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ج قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وقفة وَقَالُوْٓا اِنَّا

(ان معجزات کا) انکار نہیں کر چکے جو اس سے پہلے موسیٰ کو دیے گئے تھے؟ انھوں نے کہا: (یہ) دونوں (تورات اور قرآن) جادو ایک دوسرے کی مدد کرتے

بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ

ہیں، اور انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم ہر ایک کے منکر ہیں﴿48﴾ کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو (ان) دونوں سے زیادہ

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿49﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ط وَمَنْ

ہدایت والی ہو، تاکہ میں بھی اس کی اتباع کروں﴿49﴾ پھر اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لیجیے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں،

اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بلاشبہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں

ع 5/8/8 الظّٰلِمِيْنَ ﴿50﴾ ع وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿51﴾ ط

دیتا﴿50﴾ اور البتہ تحقیق ہم انھیں لگاتار (اپنی ہدایت و نصیحت کی) باتیں پہنچاتے رہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں﴿51﴾

تفسیر آیات: 48-51

کفار کی ہٹ دھرمی اور ان کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ اتمام حجت سے پہلے انھیں عذاب دے دیتا تو وہ بطور حجت کہتے کہ ان کے پاس تو کوئی رسول ہی نہیں آیا اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول محمد ﷺ کی زبانی حق آ گیا تو انھوں نے ضد، ہٹ دھرمی، کفر، جہالت اور الحاد کے طور پر کہا: ﴿ لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ط اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ﴾ ''کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو دی گئیں تھیں، ویسی اس کو کیوں نہیں دی گئیں، کیا وہ ان (معجزات) کا انکار نہیں کر چکے جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھیں؟'' ان کا اشارہ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، ان بہت سی نشانیوں کی طرف تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھیں، مثلاً: لاٹھی کا سانپ بننا، ید بیضاء، طوفان، مکڑی، جوئیں، مینڈک، خون، فصلوں اور پھلوں میں کمی جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے تنگی کا باعث تھیں۔ اور دریا کا پھٹنا، بادل کا سایہ فگن ہونا اور من و سلوٰی کا نازل ہونا اور دیگر بہت سی روشن نشانیاں اور زبردست معجزات جنھیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جاری فرمایا تھا تاکہ وہ فرعون اور اس کے درباریوں کے خلاف موسیٰ علیہ السلام کی حجت و برہان ثابت ہوں مگر اس کے باوجود فرعون اور اس کے درباری ایمان نہ لائے بلکہ انھوں نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ساتھ کفر کیا اور ان سے کہا: ﴿ اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (یونس 78:10) ''کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ جس (راہ) پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اس سے ہمیں پھیر دے اور (اس) سرزمین میں تم دونوں ہی کو سرداری مل جائے؟ اور ہم تم دونوں پر ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ○ ﴾ (المؤمنون

(48:23) ''تو انھوں نے دونوں کی تکذیب کی سو وہ ہلاک کیے گئے لوگوں میں سے ہو گئے۔''

سرکش لوگ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ﴾ ''کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ دیے گئے تھے، انھوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟'' موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی عظیم الشان نشانیاں دیکھ کر بھی کیا انسانوں نے کفر نہیں کیا تھا؟ انھوں نے کفر کیا اور ﴿ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ ''کہنے لگے کہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار جادوگر ہیں اور بولے کہ بلاشبہ ہم ہر ایک کے منکر ہیں۔'' یعنی ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں کے درمیان شدید تلازم وتصاحب اور قربت کی وجہ سے ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر کو بھی مستلزم ہے۔

موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر جادوگر ہونے کا الزام: مجاہد بن جبر کہتے ہیں کہ یہودیوں نے قریش سے کہا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر قرار دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ ﴾ ''کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ دیے گئے تھے انھوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار جادوگر ہیں۔'' ﴿ تَظٰهَرَا ۫ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ موسیٰ و ہارون دونوں ایک دوسرے کے موافق، معاون و مددگار اور ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے ہیں۔[1] سعید بن جبیر اور ابورزین نے بھی کہا ہے کہ دونوں جادوگروں [سَاحِرَانِ] سے ان کا اشارہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی طرف تھا اور یہ ایک اچھا اور قوی قول ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔[2]

الزام تراشی کا جواب: اور جنھوں نے اسے ﴿ سِحْرٰنِ ﴾ پڑھا ہے، مثلاً: علی ابن ابوطلحہ اور عوفی نے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے تو انھوں نے اس سے تورات اور قرآن مجید مراد لیا ہے۔[3] کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ ذکر فرمائے ہیں: ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ ﴾ ''کہہ دیجیے: تم اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت والی ہو میں اس کی پیروی کروں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر تورات اور قرآن مجید کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ﴾ (الأنعام 92,91:6) ''آپ کہہ دیں کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اسے کس نے نازل کیا تھا۔ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کرتے ہو، ان (کے کچھ حصوں) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو اور تم وہ (باتیں) سکھائے گئے ہو جنھیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا، کہہ دیجیے: (اس کتاب کو) اللہ (ہی نے نازل کیا)، پھر ان کو چھوڑ دیجیے وہ اپنی بے ہودہ گوئی

---

[1] تفسیر الطبری: 103,102/20۔ [2] تفسیر الطبری: 104/20 اور یہ [سَاحِرَانِ] والی قراءت، قراءتِ حفص کے علاوہ ہے۔
[3] تفسیر الطبری: 104/20 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2986/9۔

میں کھیلتے رہیں اور (ویسی ہی) یہ کتاب بابرکت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔'' اور پھر سورت کے آخری حصے میں فرمایا: ﴿ ثُمَّ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ وَتَفۡصِيۡلًا لِّـكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:154) ''(ہاں) پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تا کہ اس پر جو نیکوکار ہے نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان ہے اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تا کہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان رکھیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:155) ''اور (اے کفر کرنے والو!) یہ برکت والی کتاب بھی ہم نے اتاری ہے، پس اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تا کہ تم پر مہربانی کی جائے۔''

پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی فصیح اور جامع کتاب: اور جنوں نے کہا تھا: ﴿ اِنَّا سَمِعۡنَا كِتٰبًا اُنۡزِلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ ﴾ (الأحقاف 46:30) ''بلاشبہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرنے والی ہے۔'' اور ورقہ بن نوفل نے کہا تھا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔[1] عقل منداس بات کو خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر کتابیں اپنے انبیاء پر نازل فرمائی ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ کامل، جامع، فصیح، عظیم اور اشرف کتاب وہ ہے جسے اس نے اپنے محبوب پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے، یعنی قرآن مجید اور قرآن مجید کے بعد شرف وفضیلت کے اعتبار سے اس کتاب کا درجہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، اس کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰٮةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ ﴾ (المآئدة 5:44) ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اسی کے مطابق وہ انبیاء جو (اللہ کے) فرماں بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اسی پر گواہ تھے۔''

انجیل کو تو تورات کے تتمے کے طور پر نازل کیا گیا تھا، نیز اس لیے کہ وہ ایسی بعض چیزوں کو حلال قرار دے دے جنھیں بنی اسرائیل کے لیے حرام قرار دے دیا گیا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِكِتٰبٍ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ هُوَ اَهۡدٰى مِنۡهُمَاۤ اَتَّبِعۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝49 ﴾ ''کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت والی ہو تا کہ میں بھی اسی کی پیروی کروں۔'' یعنی تم کوئی ایسی کتاب لے آؤ جس کے ساتھ حق کا دفاع اور باطل کا مقابلہ کر سکو۔

خواہشوں کی پیروی گمراہی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكَ ﴾ ''پھر اگر یہ آپ کی بات قبول نہ

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿ وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مُوۡسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا ...... ﴾ (مريم 19:51)، حديث: 3392 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي......، حديث: 160 عن عائشة رضي الله عنها.

الَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿52﴾ وَاِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ قَالُوۡۤا

وہ لوگ جنھیں ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی، وہی اس پر ایمان لاتے ہیں﴿52﴾اور جب ان پر (قرآن) تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم

اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿53﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ

اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے﴿53﴾ان لوگوں کو ان کا دوبار اجر دیا جائے گا

مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿54﴾

کیونکہ انھوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں﴿54﴾اور جب وہ بیہودہ

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۫ سَلٰمٌ

بات سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں، تمھیں سلام ہو، ہم

عَلَيۡكُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِى الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿55﴾

جاہلوں کو نہیں چاہتے﴿55﴾

کریں۔'' یعنی آپ نے ان سے جو بات کی ہے اس کا جواب نہ دے سکیں اور حق کو قبول نہ کریں ﴿فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يَتَّبِعُوۡنَ اَهۡوَآءَهُمۡ ؕ﴾ ''تو آپ جان لیں کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔'' اور ان کے پاس کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے۔ ﴿وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔'' اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿50﴾﴾ ''بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' ﴿وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے لگا تار ان لوگوں کے لیے اپنا کلام بھیجا۔''

مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کے لیے بات کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔[1] اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کے سامنے بات کو بیان کر دیا ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے انھیں یہ بتا دیا ہے کہ گزشتہ لوگوں کا کیا حال ہوا تھا اور ان کے ساتھ وہ کیا کرنے والا ہے۔ ﴿لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿51﴾ؕ﴾ ''تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''[3] امام مجاہد وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ: ﴿وَصَّلۡنَا لَهُمُ﴾ میں قریش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[4]

تفسیر آیات: 52-55

اہل کتاب کے مومن: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علماء اور اولیاء کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ﴾ (البقرة

[1] تفسير الطبري: 108/20 وتفسير ابن أبي حاتم: 2987/9. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 2987/9. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2988/9. [4] تفسير الطبري: 108/20 وتفسير ابن أبي حاتم: 2988/9.

121:2) ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسے اس کے پڑھنے کا حق ہے، یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا ﴾ (آل عمران 199:3) ”اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو آپ پر نازل کی گئی اور اس پر جو ان پر نازل کی گئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرنے والے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ○ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 107:17، 108) ”بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا، جب ان کے سامنے اسے پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور (پورا) کیا ہوا تھا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ﴾ (المآئدة 82:5، 83) ”اور دوستی کے لحاظ سے آپ مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو ضرور پائیں گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر بھی نہیں کرتے اور جب وہ اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے پچھلے) پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل کی گئی تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی ہوتی ہیں، اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا، وہ (اللہ کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔“

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ آیات کریمہ ان ستر علماء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنھیں نجاشی نے بھیجا تھا، جب وہ نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی، آپ نے جب اس سورۂ مبارکہ کو ختم کیا تو انھوں نے رونا شروع کر دیا اور وہ سب مسلمان ہو گئے تھے اور یہ آیات بھی انھیں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿53﴾ ﴾ ”وہ لوگ جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی، وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے فرماں بردار تھے۔“ یعنی ہم اس قرآن سے پہلے بھی مسلمان موحد، مخلص اور اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿54﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿55﴾ ﴾ ”یہ لوگ ہیں جنھیں دگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ صبر کرتے رہے ہیں وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور

کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں سلام ہے تم پر ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔'' [1]
یعنی یہ لوگ جو اس صفت سے متصف ہیں کہ پہلی کتاب پر ایمان لائے، پھر اس دوسری کتاب قرآن مجید پر بھی ایمان لائے تو انھیں اس ایمان کی وجہ سے دگنا بدلہ دیا جائے گا ﴿ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ ''کیونکہ وہ صبر کرتے رہے۔'' یعنی صبر کے ساتھ اتباع حق کرتے رہے جبکہ اس طرح کی بات انسانی نفوس کے لیے بہت شدید ہوتی ہے۔

دگنا اجر حاصل کرنے والے ایمان دار: اور صحیحین میں عامر شعبی کی ابو بردہ سے اور ان کی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ يُّؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ: رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ ثُمَّ (آمَنَ بِي)، وَعَبْدٌ مَّمْلُوكٌ أَدَّى حَقَّ اللّٰهِ وَ(حَقَّ مَوَالِيهِ)، وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ (فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا......ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا......)] ''تین قسم کے لوگ ہیں جن کو دگنا بدلہ دیا جائے گا: (1) اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا، پھر میرے ساتھ بھی ایمان لایا (2) وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے مالکان کا حق بھی ادا کرتا ہے اور (3) وہ انسان جس کے پاس لونڈی تھی، چنانچہ اس نے اسے اچھی طرح ادب سکھایا......، پھر اسے آزاد کیا، پھر اس سے نکاح کر لیا......۔'' [2]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پاس تھا کہ آپ نے ایک بہت اچھی اور خوب صورت بات بیان فرمائی، آپ نے منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی فرمایا: [مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ، وَلَهُ مَالَنَا وَعَلَيْهِ مَا عَلَيْنَا، وَمَنْ أَسْلَمَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَلَهُ أَجْرُهُ، وَلَهُ مَالَنَا وَعَلَيْهِ مَا عَلَيْنَا] ''دونوں کتابوں والوں میں سے جو اسلام قبول کر لے اسے دگنا بدلہ ملے گا، اس کے حقوق وفرائض ہمارے حقوق وفرائض ہی کی طرح ہوں گے اور مشرکین میں سے جو شخص اسلام قبول کرے تو اسے ایک اجر ملے گا اور اس کے حقوق وفرائض ہمارے حقوق وفرائض ہی کی طرح ہوں گے۔'' [3] اور فرمایا: ﴿ وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ﴾ ''اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں۔'' یعنی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ ''اور جو (مال) ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں جو رزقِ حلال عطا فرمایا ہے اس میں سے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر خرچ کرتے ہیں، اہل وعیال اور قریبی رشتہ داروں کے لیے جو واجب ہے اسے خرچ کرتے ہیں، زکاۃ جو واجب ہے اسے بھی ادا کرتے ہیں اور صدقات وخیرات جو مستحب اور نفل ہیں، انھیں بھی ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ ﴾ ''اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔'' کیونکہ وہ بے ہودہ لوگوں سے قطعاً میل جول اور اختلاط پسند نہیں کرتے جیسا کہ

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 2988/9. [2] پہلی دو قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، النكاح، باب اتخاذ السراري......، حديث: 5083 اور تیسری قوسین والے الفاظ بھی صحيح البخاري، العلم، باب تعليم الرجل أمته وأهله، حديث: 97 میں ہیں جبکہ باقی صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا......، حديث: 154 کے مطابق ہیں۔ [3] مسند أحمد: 259/5.

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾

(اے نبی!) بے شک جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے﴿56﴾ وہ

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى

(مشرکین مکہ) کہتے ہیں: اگر ہم نے تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کی تو ہمیں ہماری زمین سے اچک لیا جائے گا، کیا ہم نے انھیں پر امن حرم میں جگہ نہیں

اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾

دی جس کی طرف ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطور رزق کھینچ کر لائے جاتے ہیں؟ اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے﴿57﴾

فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ ﴾ (الفرقان 72:25) ''اور جب وہ بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزت ووقار سے گزرتے ہیں۔''

﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿55﴾ ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال، تم پر سلام، ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔'' یعنی جب کوئی بیوقوف ان سے بے وقوفی کا معاملہ کرتا ہے اور ایسی گفتگو کرتا ہے جس کا جواب دینا مناسب نہیں ہوتا تو یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اس کی گفتگو کی طرح بے ہودہ گفتگو نہیں کرتے بلکہ یہ ہمیشہ ایسی گفتگو ہی کرتے ہیں جس میں پھولوں کی خوشبو ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ یہ کہا کرتے ہیں: ﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿55﴾ ﴾ ''ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال، تم پر سلام، ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں۔'' یعنی ہم جاہلوں کے رستے پر چلنا نہیں چاہتے اور نہ اسے پسند ہی کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 57,56

اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ ''(اے محمد!) جس کو آپ چاہیں، اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔'' یعنی ہدایت دینا آپ کے قبضۂ اختیار میں نہیں، آپ کا کام پیغام حق پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور اس میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت دامغہ کارفرما ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ ﴾ (البقرۃ 272:2) ''(اے محمد!) آپ لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی، اگرچہ آپ حرص بھی کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور ان تمام آیات کی نسبت یہ آیت کریمہ خاص ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''(اے محمد!) آپ جس کو چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور گمراہی کا مستحق کون۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] ابوطالب آپ کی تائید وحمایت کرتا تھا، آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا اور آپ سے شدید محبت کرتا تھا لیکن اس کی یہ محبت طبعی تھی شرعی نہیں تھی، جب اس کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ایمان لانے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی مگر تقدیر غالب آ گئی اور اسے آپ کے ہاتھ سے اچک لیا گیا اور وہ اپنے کفر ہی پر برقرار رہا اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کارفرما تھی۔

ابوطالب کس دین پر فوت ہوئے؟ امام زہری نے کہا ہے کہ مجھ سے سعید بن مسیب نے اپنے والد مسیّب بن حزن مخزومی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت وہاں ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ بھی موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [یَاعَمِّ! قُلْ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَاللّٰهِ] ''چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، یہ ایک کلمہ جس کی بنیاد پر میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے جھگڑ سکوں گا۔'' ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ نے کہا: ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ اپنی بات پیش کرتے رہے اور یہ دونوں بھی اپنی بات پر لڑتے رہے حتی کہ اس نے آخری الفاظ یہ کہے کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور اس نے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَاللّٰهِ! لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَالَمْ أُنْهَ عَنْكَ] ''اللہ کی قسم! جب تک مجھے منع نہیں کر دیا جاتا، میں تمھارے لیے بخشش مانگتا رہوں گا۔'' تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۝﴾ (التوبة 113:9) ''پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو اس کے بعد ان کے لیے بخشش مانگیں، گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔'' اور ابوطالب کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''(اے محمد!) بے شک آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔'' امام بخاری و مسلم نے اسے بروایت امام زہری بیان کیا ہے۔[2]

ایمان نہ لانے کے لیے اہل مکہ کا عذر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور انھوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی سرزمین سے اچک لیے جائیں۔'' اس آیت

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (القصص 56:28)، حديث:4772 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على صحة إسلام من حضره الموت......، حديث: 24 عن المسيب بن حزن رضی اللہ عنہ. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (القصص 56:28)، حديث:4772 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على صحة إسلام من حضره الموت......، حديث: 24.

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں جو گزران زندگی (اپنے سامان زیست) پر اِتراتی تھیں، سو ان کے یہ گھر (اجڑے پڑے) ہیں، ان کے بعد بہت

اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿58﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ

تھوڑے ہی آباد ہوئے، اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہوئے ﴿58﴾ اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں حتی کہ وہ ان کی کسی بڑی بستی میں کوئی

اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿59﴾

رسول بھیجتا ہے، وہ ان پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے، اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر (اسی وقت) جبکہ ان کے باشندے ظالم ہوں ﴿59﴾

کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار نے ہدایت کی پیروی نہ کرنے کے بارے میں یہ عذر پیش کیا کہ ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کی اور اپنے گرد و پیش کے مشرک عرب قبائل کی مخالفت کی تو ہمیں یہ ڈر ہے کہ وہ ہمیں ایذا پہنچائیں گے، ہم سے لڑائی کریں گے اور ہم جہاں کہیں بھی ہوئے وہ ہمیں اچک لیں گے، اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا ﴾ ''کیا ہم نے انھیں با امن حرم میں جگہ نہیں دی؟'' یعنی انھوں نے ہدایت قبول نہ کرنے کے بارے میں جو عذر پیش کیا ہے یہ جھوٹ اور باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں اس امن والے شہر اور اس حرم معظم میں جگہ دی ہے جو اپنی تاسیس کے روز اول ہی سے پر امن ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کفر اور شرک کی حالت میں تو یہ حرم ان کے لیے امن کا مقام ہو اور اس وقت ان کے لیے مقام امن نہ ہو جب یہ مسلمان اور حق کی پیروی کرنے والے ہوں؟ ﴿ يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''جس کی طرف ہر قسم کے پھل پہنچائے جاتے ہیں۔'' یعنی طائف اور گرد و پیش کے علاقوں کے تمام پھل اور تجارت کے دیگر سارے ساز و سامان یہاں پہنچائے جاتے ہیں، ﴿ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾ ﴾ ''(اور یہ) رزق ہماری طرف سے ہے اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔'' اسی لیے یہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 59,58

بستیوں کو حجت قائم کرنے کے بعد ہلاک کیا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ سے تعریض کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ ﴾ ''اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخیٔ) معیشت پر اترا گئی تھیں۔'' اور جنھوں نے بغاوت و سرکشی اور کفران نعمت کی روش کو اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ ﴾ (النحل 113,112:16) ''اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو (ہر طرح) امن و چین والی تھی، ہر جگہ سے اس کا رزق وافر چلا آتا تھا مگر اس (بستی والوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس (پہنا کر ناشکری کا مزہ) چکھا دیا اور بلاشبہ ان کے پاس انھی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انھوں نے اس کو جھٹلایا سو ان کو

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط

اور تمھیں جو بھی چیز دی گئی ہے وہ دنیاوی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور زیادہ دیر پا ہے، کیا پھر تم عقل

ع 10 اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿60﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ

نہیں رکھتے؟ ﴿60﴾ تو بھلا وہ شخص جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا، پھر وہ اس (وعدے) کو پانے والا ہے، کیا اس شخص جیسا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کا بہت

الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿61﴾

فائدہ دیا، پھر وہ قیامت کے دن (عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوگا؟ ﴿61﴾

عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔" اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ط﴾ "سو یہ ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد بہت تھوڑے آباد کیے گئے۔" یعنی ان کے مکانات تباہ و برباد ہو چکے ہیں اور اب صرف ان کے کھنڈرات نظر آ رہے ہیں۔

﴿وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿58﴾﴾ "اور (ان کے پیچھے) ہم ہی (ان کے) وارث ہیں۔" یعنی ان کے گھر ویران اور خراب ہو چکے ہیں اور اب ان میں کوئی نہیں بستا، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے عدل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرتے ہوئے اسے ہلاک نہیں کرتا، وہ جس کو بھی ہلاک کرتا ہے حجت پوری کرنے کے بعد اسے ہلاک کرتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ﴾ "آپ کا پروردگار (اس وقت تک) بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک ان کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے۔" یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی امی محمد ﷺ ہیں جنھیں ام القریٰ میں مبعوث کر کے عرب وعجم کے تمام علاقوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ط﴾ (الأنعام 92:6) "تاکہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیں۔"

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الأعراف 158:7) "(اے محمد!) آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾ (هود 17:11) "اور جو کوئی فرقوں میں سے اس سے کفر کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔" اور اس سلسلے میں مکمل دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ط كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ○﴾ (بنیٓ إسرآء يل 58:17) "اور (کفر کرنے والوں کی) کوئی بستی نہیں مگر قیامت کے دن سے پہلے ہم اسے ہلاک کرنے والے ہیں یا اسے عذاب دینے والے ہیں یہ کتاب (تقدیر) میں لکھا ہوا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ قیامت سے پہلے ہر بستی کو ہلاک کر دے گا اور فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○﴾ (بنیٓ إسرآء يل 15:17) "اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب دینے والے نہیں۔" نبی امی محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو اللہ تعالیٰ نے تمام بستیوں کے لیے قرار دے دیا ہے کیونکہ آپ کی بعثت ام القریٰ میں ہے اور دیگر تمام بستیاں اپنی اسی اصل کی طرف راجع ہیں اور صحیحین میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ

نے فرمایا:[بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ''مجھے احمر واسود کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[1] یہی وجہ ہے کہ آپ پر نبوت و رسالت کو ختم کر دیا گیا اور آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں ہے بلکہ آپ کی شریعت قیامت کے دن تک باقی رہے گی۔

تفسیر آیات: 61,60

فانی دنیا کے پرستار اور آخرت کے خریدار برابر نہیں ہو سکتے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ دنیا، اس کی زیب و زینت اور اس کی سج دھج اس کے مقابلے میں بہت حقیر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دار آخرت میں اپنے نیک بندوں کے لیے تیار فرما رکھا ہے، اس لیے کہ جنت کی نعمتیں بہت عظیم الشان بھی ہیں اور ابدی و سرمدی بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط﴾ (النحل 96:16) ''جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ (آل عمران 198:3) ''اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ نیکو کاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝﴾ (الأعلى 87:16,17) ''بلکہ تم (لوگ تو) دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(وَاللّٰهِ!) مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا كَمَا يَغْمِسُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ (فَلْيَنْظُرْ بِمَاذَا تَرْجِعُ)] ''اللہ کی قسم! دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں اسی طرح ہے جیسے تم میں کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈبوئے تو وہ دیکھے کہ اس کی انگلی کے ساتھ کتنا پانی اس کے پاس آتا ہے۔''[2]

اور اس کا فرمان ہے: ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ ''تو کیا تم سمجھتے نہیں؟'' یعنی کیا وہ شخص عقل سے کام نہیں لیتا جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝﴾ ''سو بھلا وہ شخص جسے ہم نے انتہائی اچھا وعدہ دیا، پس وہ اسے ملنے والا ہے (تو کیا وہ) اس شخص کا سا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کے فائدے سے بہرہ مند کیا، پھر قیامت کے روز وہ (ہمارے روبرو) حاضر کیے جانے والوں میں سے ہو۔'' یعنی جو شخص مومن ہو اور اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہو کہ اسے یقیناً وہ اجر و ثواب مل کر رہے گا کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو کافر اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے وعدے اور وعید کی تکذیب کرنے والا ہو اور وہ دنیاوی زندگی میں بس چند روز تک فائدہ اٹھانے والا ہو؟ ﴿ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝﴾ ''پھر وہ قیامت کے روز (ہمارے روبرو) حاضر کیے جانے والوں میں سے ہو۔''

---

[1] صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حدیث :521 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے، البتہ حافظ ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ من وعن مسند أحمد: 304/3 میں ہیں۔ [2] مسند البزار، مسند المستورد بن شداد الفهری: 387/8، حدیث: 3460 جبکہ پہلی قوسین والا لفظ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامة، حدیث: 2858 اور دوسری قوسین والے الفاظ جامع الترمذی، الزهد، باب منه، حدیث: [ما الدنیا فی الآخرة..........]، حدیث: 2323 عن المستورد بن شداد رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿62﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ

اور جس دن اللہ انھیں پکارے گا، پھر وہ کہے گا: میرے وہ شریک کہاں ہیں جنھیں تم میرا شریک سمجھتے تھے؟﴿62﴾ وہ لوگ جن پر حکم (عذاب) ثابت ہو چکا،

الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا

کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے گمراہ کیا، ہم نے انھیں ایسے گمراہ کیا جیسے ہم (خود) گمراہ ہوئے تھے، ہم تیرے سامنے

إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿63﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ

اظہار براءت کرتے ہیں کہ وہ ہماری عبادت کیا ہی نہیں کرتے تھے﴿63﴾ اور (ان سے) کہا جائے گا: تم اپنے شریکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ انھیں پکاریں گے تو وہ

لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿64﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿65﴾ فَعَمِيَتْ

انھیں جواب نہیں دیں گے، اور وہ (سب) عذاب دیکھ لیں گے، کاش! وہ ہدایت پر چلتے ہوتے﴿64﴾ اور جس دن اللہ انھیں پکارے گا، تو وہ کہے گا: تم نے

عَلَيْهِمُ الْأَنبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿66﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ

رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟﴿65﴾ پھر اس دن ان پر خبریں پیچیدہ ہو جائیں گی، اور وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے﴿66﴾ البتہ جس نے توبہ کی اور

أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿67﴾

ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا﴿67﴾

امام مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قیامت کے روز عذاب دیے جائیں گے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے، دوسرے قول کے مطابق یہ حضرت حمزہ و علی رضی اللہ عنہما اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ دونوں قول امام مجاہد سے مروی ہیں۔[1] لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مومن کے بارے میں فرمایا ہے جو جنت کے بلند و بالا درجات میں ہوگا اور وہ دنیا کے اپنے ایک ساتھی کو دیکھے گا کہ وہ جہنم کے نچلے طبقوں میں ہوگا۔ وہ مومن کہے گا: ﴿وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ﴾ (الصّٰفّٰت 57:37) ”اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں سے ہوتا جو (عذاب میں) حاضر کیے گئے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ (الصّٰفّٰت 158:37) ”اور البتہ تحقیق جنات جانتے ہیں کہ وہ ضرور اللہ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔“

تفسیر آیات: 62-67

مشرکین اور ان کے شرکاء کا ایک دوسرے سے اظہار براءت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ کافروں اور مشرکوں کو روز قیامت ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمائے گا: ﴿أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿62﴾﴾ ”میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم (شریک) گمان کرتے تھے؟“ یعنی وہ اصنام و انداد اور وہ معبودان باطلہ کہاں ہیں جن کی تم دنیا میں پوجا کیا کرتے تھے؟ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا خود بدلہ لے سکتے ہیں؟ یہ بات ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے طور پر ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا

---

[1] تفسير الطبري: 120,119/20.

فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿ (الأنعام 94:6) ''اور جس طرح ہم نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، ایسے ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے اور جو (مال ومتاع) ہم نے تمھیں عطا فرمایا تھا، وہ سب تم اپنی پیٹھوں پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تم دعویٰ کرتے تھے کہ بے شک وہ تمھارے (معاملات میں) شریک ہیں (آج) یقیناً تمھارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور وہ تم سے گم ہو گئے جن کے بارے میں تم گمان کیا کرتے تھے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ ''تو جن لوگوں پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے۔'' یعنی شیاطین، سرکش لوگ اور کفر کے داعی۔ ﴿ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے گمراہ کیا تھا اور جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے اسی طرح انھیں بھی گمراہ کیا تھا (اب) ہم تیرے سامنے ان سے اظہار براءت کرتے ہیں، یہ صرف ہمیں نہیں پوجتے تھے۔'' وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ انھوں نے انھیں گمراہ کیا تھا اور انھوں نے ان کی پیروی کی تھی، پھر وہ ان کی پوجا سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿ۙ﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿ (مريم 82,81:19) ''اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے مددگار رہوں، ہرگز نہیں وہ (معبودانِ باطلہ) عنقریب ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿ (الأحقاف 6,5:46) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔''

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿ۙ﴾ (العنكبوت 25:29) ''تم نے اللہ کے سوا دنیاوی زندگی میں باہم دوستی کی وجہ سے بتوں کو (معبود) ٹھہرا لیا، پھر قیامت کے دن تمھارا بعض، بعض کا انکار کرے گا اور تمھارا بعض، بعض پر لعنت کرے گا اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمھارے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿ (البقرة 167,166:2) ''اس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزار ہو جائیں گے اور

(دونوں) عذاب (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے (آپس کے) تعلقات منقطع ہو جائیں گے، (یہ حالت دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش! ہمارے لیے ایک بار واپسی ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہو جائیں، اسی طرح اللہ ان کے اعمال ان پر حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ آتش (دوزخ) سے نکل نہیں سکیں گے۔''

اور اسی لیے فرمایا: ﴿ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ﴾ ''اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ۔'' تاکہ وہ تمھیں اس مشکل سے بچائیں جس میں تم مبتلا ہو جیسا کہ تم نے دنیا میں ان سے یہ امید قائم کر رکھی تھی۔ ﴿ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ﴾ ''تو وہ انھیں پکاریں گے اور وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے اور (جب) عذاب کو دیکھ لیں گے۔'' اور انھیں یقین ہو جائے گا کہ وہ بہر حال جہنم رسید ہونے والے ہیں ﴿ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴾ ''(تو تمنا کریں گے کہ) کاش! وہ ہدایت پر چلتے ہوتے۔'' یعنی جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اس خواہش کا اظہار کریں گے کہ اے کاش! وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ ﴾ (الكهف 18:52,53)

''اور جس دن اللہ فرمائے گا کہ (اب) میرے شریکوں کو جن کی نسبت تم گمان (الوہیّت) رکھتے تھے بلاؤ تو وہ ان کو بلائیں گے مگر وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے بیچ میں ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے۔ اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔''

قیامت کے دن رسولوں کے بارے میں ان کا موقف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''اور جس روز وہ (اللہ) انھیں پکارے گا اور کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا۔'' پہلی پکار توحید کے سوال کے بارے میں ہوگی اور اس میں نبوتوں کا اثبات بھی ہے کہ جنھیں تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا تم نے انھیں کیا جواب دیا، ان کے ساتھ تمھارا معاملہ کیسا تھا۔ جیسا کہ بندے سے قبر میں پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا نبی کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ مومن گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور کافر کہے گا: مجھے معلوم نہیں۔[1]

قیامت کے دن بھی اس کے پاس خاموشی اختیار کرنے کے سوا کوئی جواب نہ ہوگا کیونکہ جس شخص نے ان حقائق سے دنیا میں آنکھیں بند کرلیں، وہ آخرت میں اندھا بھی ہوگا اور رستے سے زیادہ بھٹکا ہوا بھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ ''تو اس روز ان پر خبریں تاریک ہو جائیں گی، سو وہ آپس میں کچھ بھی پوچھ نہ سکیں گے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دلائل و براہین ان سے مخفی رہ جائیں گے اور وہ انساب کے بارے میں بھی کوئی پوچھ گچھ نہ کرسکیں گے۔[2] ﴿ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ ''لیکن جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل

[1] سنن أبي داود، السنة، باب المسألة في القبر وعذاب القبر، حديث: 4753 عن البراء بن عازب ﷺ. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 9/3000 و تفسير الطبري: 20/121.

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرلیتا ہے۔ ان (لوگوں) کے لیے کوئی اختیار نہیں، اللہ پاک ہے اور ان سے کہیں

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿68﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿69﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ

اعلیٰ ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں﴿68﴾ اور آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں﴿69﴾ اور وہی اللہ ہے،

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿70﴾

اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں تمام حمد اسی کے لیے ہے، اور حاکمیت و فرمانروائی بھی اسی کی ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے﴿70﴾

کیا۔'' یعنی دنیا میں، ﴿فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿67﴾﴾ ''تو ہوسکتا ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہو جائے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ جب عسٰی کا لفظ استعمال فرمائیں تو وہ یقین ہی کے معنی میں ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ لوگ یقیناً فلاح پا جائیں گے۔

تفسیر آیات: 70-68

خلق، علم اور اختیارات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ خلق اور اختیار اسی کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہے، اس میں نہ کوئی اس سے تنازعہ کرسکتا ہے اور نہ اس کے فیصلوں کو بدل سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ﴾ ''اور آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) برگزیدہ کرلیتا ہے۔'' پس جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اچھے اور برے تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں اور ان سب کا مرجع اسی کی طرف ہے۔ ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ﴾ ''ان کے لیے کوئی اختیار نہیں ہے۔'' صحیح قول کے مطابق ﴿مَا﴾ نفی کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ﴾ (الأحزاب 36:33) ''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کردیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو۔'' پھر فرمایا: ﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿69﴾﴾ ''اور ان کے سینے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں آپ کا پروردگار اسے جانتا ہے۔'' یعنی آپ کا رب سینوں کی مخفی باتوں، ان کے بھیدوں اور اسرار کو جانتا ہے جیسا کہ وہ تمام مخلوقات کے ظاہری حالات سے آگاہ ہے، ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ○﴾ (الرعد 10:13) ''کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر کہے یا جو شخص رات کو چھپنے والا ہو اور دن (کی روشنی) میں (کھلم کھلا) چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔''

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ ''اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' وہ الوہیت میں منفرد ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی رب ہے کہ جسے چاہے پیدا کرے اور جسے چاہے برگزیدہ کرے۔ ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز﴾ ''دنیا اور آخرت میں سب تعریف اسی کے لیے ہے۔'' یعنی وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں وہ اپنے عدل و حکمت کے ساتھ قابل ستائش ہے، ﴿وَلَهُ الْحُكْمُ﴾ ''اور اسی کا حکم ہے'' کہ اس کے تسلط، غلبے، حکمت

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: دیکھو تو! اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لیے رات ہی (طاری) کردے تو اللہ کے سوا کون الٰہ ہے جو

يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿71﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ النَّهَارَ سَرۡمَدًا اِلٰى

تمھیں روشنی (دن) لادے؟ کیا پھر تم سنتے نہیں؟ ﴿71﴾ کہہ دیجیے: دیکھو تو! اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لیے دن ہی (طاری)

يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِلَيۡلٍ تَسۡكُنُوۡنَ فِيۡهِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿72﴾ وَمِنۡ

کر دے تو اللہ کے سوا کون الٰہ ہے جو تمھیں رات لادے کہ تم اس میں آرام کر سکو؟ کیا پھر تم دیکھتے نہیں؟ ﴿72﴾ اور اس نے اپنی

رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ

رحمت ہی سے تمھارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو، اور تاکہ تم (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو،

تَشۡكُرُوۡنَ ﴿73﴾

اور شاید کہ تم شکر کرو ﴿73﴾

اور رحمت کی وجہ سے اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ ﴿ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿70﴾ ﴾ ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' یعنی تم سب کے سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے گا اور تمام اعمال میں سے کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہ رہے گی۔

تفسیر آیات: 71-73

رات اور دن اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کی توحید کے دلائل ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے رات اور دن کو ان کے لیے مسخر فرما دیا ہے کہ ان کے بغیر ان کے لیے چارۂ کار ہی نہیں ہے، نیز اس نے بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ رات کو قیامت کے دن تک دائمی اور سرمدی بنا دیتا تو یہ بات ان کے لیے نقصان دہ ہوتی اور وہ اس سے اکتا جاتے، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ ؕ ﴾ ''تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں روشنی لا دے؟'' جس میں تم دیکھ سکو اور جس کے سبب تم زندگی سے مانوس ہو جاؤ، ﴿ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿71﴾ ﴾ ''تو کیا تم سنتے نہیں؟'' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ قیامت تک دن کو سرمدی اور دائمی بنا دیتا تو اس سے بھی انھیں نقصان پہنچتا، ان کے جسم تھک جاتے اور حرکات اور اشغال کی کثرت کی وجہ سے اکتا جاتے، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِلَيۡلٍ تَسۡكُنُوۡنَ فِيۡهِ ؕ ﴾ ''تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں رات لا دے جس میں تم آرام کرو۔'' حرکات و سکنات اور کام کاج چھوڑ کر آرام کرو، ﴿ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿72﴾ وَمِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ﴾ ''تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور اس نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا۔'' یعنی اس نے رات کو بھی پیدا فرمایا ہے اور دن کو بھی، ﴿ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ ﴾ ''تاکہ تم اس میں آرام کرو۔'' یعنی رات میں۔ ﴿ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ﴾ ''اور (اس میں) اس کا فضل تلاش کرو۔'' یعنی دن میں سفر کر کے، ایک سے دوسری جگہ آجا کر اور حرکات و سکنات اور کام کاج کے ذریعے سے اس کا فضل تلاش کرو، یہاں لف و نشر کو ملحوظ رکھا گیا

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿74﴾ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ

اور جس دن اللہ انھیں پکارے گا، پھر وہ کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جنھیں تم (میرا شریک) سمجھتے تھے؟﴿74﴾ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکالیں

أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوٓا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا

گے، پھر ہم کہیں گے: تم (میرے ساتھ شرک کرنے پر) اپنی دلیل لاؤ، پھر وہ جان لیں گے کہ بے شک سچی بات اللہ ہی کی ہے، اور ان سے گم ہو جائے گا جو

7 ع 15 10 يَفْتَرُونَ ﴿75﴾ ع

کچھ وہ جھوٹ گھڑتے تھے﴿75﴾

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَآ إِنَّ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر اس نے ان پر ظلم کیا، اور ہم نے اسے اس قدر خزانے دیے تھے کہ بلاشبہ اس کی

مَفَاتِحَهُ لَتَنُوٓأُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ ۚ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ

چابیاں ایک طاقتور (مردوں کی) جماعت پر بھاری ہوتی تھیں، (یاد کرو) جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تو اترا مت، بے شک

لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿76﴾ وَابْتَغِ فِيمَآ آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ

اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿76﴾ اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، تو اس سے آخرت کا گھر تلاش کر، اور تو دنیا میں بھی اپنا

مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ

حصہ مت بھول، اور تو (لوگوں سے) ایسے احسان کر جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، اور تو زمین میں فساد نہ کر، بے شک

اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿77﴾

اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا﴿77﴾

ہے۔ ﴿ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿73﴾ ﴾ ''اور تاکہ تم شکر کرو۔'' یعنی رات دن میں مختلف قسم کی عبادتوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اگر کوئی شخص رات کو آرام نہ کر سکے تو وہ دن کو آرام کر کے اس کی تلافی کر سکتا ہے اور اگر کوئی دن کو کام نہ کر سکے تو وہ رات کو کام کر کے اسے مکمل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۝ ﴾ (الفرقان 62:25) ''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنایا (یہ باتیں) اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا وہ شکر گزاری کا ارادہ کرے۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

تفسیر آیات: 75,74

مشرکین کو زجر و توبیخ: یہ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ان لوگوں کے لیے دوسری پکار ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کی پوجا کرتے تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن انھیں تمام مخلوقات کے سامنے پکار کر فرمائے گا: ﴿ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿74﴾ ﴾ ''میرے وہ شریک کہاں ہیں جنھیں تم (شریک) گمان کرتے تھے؟'' یعنی جنھیں تم نے دنیا میں میرا شریک بنا رکھا تھا آج وہ کہاں ہیں؟ ﴿ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ﴾ ''اور ہم ہر ایک امت میں سے گواہ

نکال لیں گے۔'' امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں گواہ کا لفظ رسول کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔[1] ﴿ فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾ ''پھر ہم کہیں گے: تم اپنی دلیل لاؤ۔'' اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ اللہ تعالیٰ کے شریک بھی ہیں۔ ﴿ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ ﴾ ''تو وہ جان لیں گے کہ سچی بات اللہ ہی کی ہے'' کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ان کا یہ جواب کسی جبر واکراہ کا نتیجہ نہیں ہوگا۔ ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ''اور جو کچھ وہ جھوٹ باندھتے تھے ان سے گم ہو جائے گا۔'' یعنی ان کا کذب وافترا اس دن ختم ہو جائے گا اور وہ ان کے کسی کام نہ آسکے گا۔

تفسیر آیات: 77,76

قارون کا ذکر اور قوم کی اسے نصیحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ﴾ ''بلاشبہ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔'' تو یہ قارون موسیٰ کے چچا کا بیٹا تھا۔[2] ابراہیم نخعی، عبداللہ بن حارث بن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار، ابن جریج اور دیگر ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔[3] ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کا سلسلہ نسب یہ تھا: قارون بن یَصہر بن قاہث۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن قاہث۔[4] اور فرمایا: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ﴾ ''اور ہم نے اس کو خزانوں سے اس قدر دیا تھا کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت پر (اٹھانی) مشکل ہوتیں۔'' یعنی کنجیاں اس قدر کثیر تعداد میں تھیں کہ وہ ایک طاقتور جماعت کو بھی اٹھانی مشکل تھیں۔ اعمش نے خیثمہ سے روایت کیا ہے کہ قارون کے خزانوں کی کنجیاں چمڑے کی بنی ہوئی تھیں، ہر کنجی ایک انگلی کے برابر ہوتی تھی اور ہر خزانے کی کنجی الگ الگ ہوتی تھی، جب وہ سوار ہو کر باہر نکلتا تو اس کی یہ کنجیاں ساٹھ سفید رنگ کے خچروں پر لاد دی جاتی تھیں۔[5] اس کے علاوہ اور بھی کئی کچھ کہا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴾ ''جب اس کی قوم نے اسے کہا کہ اترائیے مت کیونکہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' یعنی اس کی قوم کے نیک لوگوں نے اسے وعظ ونصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے اس مال ودولت پر فخر اور غرور نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ فخر وغرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ الْفَرِحِيْنَ ﴾ کے معنٰی اکڑنے والے ہیں۔[6] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فخر وغرور کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔[7]

اور فرمایا: ﴿ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ ''اور جو تجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے، اس میں سے آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ جو بے حساب مال

---

[1] تفسير الطبري: 127/20. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 3005/9. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 3005/9 وتفسير الطبري: 129/20. [4] تفسير الطبري: 128/20. [5] تفسير الطبري: 130/20. [6] تفسير الطبري: 135/20. [7] تفسير الطبري: 135/20.

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

قارون نے کہا: مجھے تو یہ (مال) محض اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ بے شک اللہ نے اس سے

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

پہلے ایسے بہت سے لوگ ہلاک کر دیے تھے جو قوت میں اس سے زیادہ تھے اور لاؤ لشکر میں بڑھ کر تھے، اور مجرموں سے ان کے

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿78﴾

گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا﴿78﴾

اور عظیم الشان نعمتیں عطا فرمائی ہیں، انھیں اپنے رب کی اطاعت اور اس کے تقرب کے حصول کے لیے خرچ کر اور مختلف قسم کے اچھے اچھے کام سرانجام دے تاکہ تجھے دنیا و آخرت کا ثواب مل سکے، ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا﴾ ”اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے، لباس، رہائش اور شادی بیاہ کے جن کاموں کو جائز قرار دیا، انھیں ضرور اختیار کیجیے کیونکہ تمھارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری بیوی اور بچوں کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے، پس ہر حق دار کو اس کا حق ادا کریں۔

﴿وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ﴾ ”اور احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا۔“ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے تم بھی اس کی مخلوق سے احسان کرو، تمھارا مقصود و مطلوب اس مال و دولت کے ساتھ زمین میں فساد برپا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے برا سلوک کرنا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿77﴾﴾ ”بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

تفسیر آیت: 78

متکبر و مغرور قارون: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب قارون کو اس کی قوم نے یہ نصیحت کی اور نیکی کی طرف اسے توجہ دلائی تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ﴾ ”اس نے کہا: یقیناً میں وہ (مال) اس علم کی بنیاد پر دیا گیا ہوں جو میرے پاس ہے۔“ یعنی مجھے تمھاری ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مال اس لیے دیا ہے کہ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور اسے مجھ سے محبت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ ؕ﴾ (الزمر 49:39) ”پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے نعمت بخشتے ہیں تو کہتا ہے: یہ تو مجھے (میرے) علم (و دانش) کی بدولت دی گئی ہے۔“ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ نعمت مجھے اس لیے ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ ۙ﴾ (حٰمٓ السجدة 50:41) ”اور اگر ہم اسے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہے اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا (حق) ہے۔“ یعنی میں اس کا مستحق تھا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ

پھر وہ اپنے پورے کرّ وفر کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا (تو) جو لوگ دنیاوی زندگی چاہتے تھے، کہنے لگے: کاش! ہمارے لیے بھی اس کے مثل ہوتا جو

مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿79﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ

قارون کو دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ بڑے نصیبے والا ہے ﴿79﴾ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا، انھوں نے کہا: افسوس تم پر! اس شخص کے لیے اللہ کا ثواب بہت بہتر

اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿80﴾

ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، اور یہ بات صبر کرنے والوں ہی کو سکھائی جاتی ہے ﴿80﴾

امام عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے ﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ﴾ کی بہت خوب تفسیر بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی نہ ہوتا اور اسے میری فضیلت معلوم نہ ہوتی تو وہ مجھے یہ مال عطا نہ فرماتا اور پھر انھوں نے یہ الفاظ پڑھے: ﴿اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ﴾ ”کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے کئی امتوں سے جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں ہلاک کر ڈالیں۔“[1] کم علم لوگ جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی فراوانی عطا فرما دی ہو تو وہ اسی طرح کہا کرتے ہیں کہ اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے یہ مال عطا نہ فرماتا۔

تفسیر آیات: 80,79

قارون کا ٹھاٹھ کے ساتھ نکلنا اور قوم کی خواہش: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دن قارون بڑی آرائش و زیبائش اور بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ نکلا، اس نے اور اس کے خدم و حشم نے بہت فاخرانہ لباس پہن رکھے تھے اور وہ بہت اعلیٰ سواریوں پر سوار تھے، اسے جب دنیا کے طلب گاروں اور دنیوی جاہ و حشمت کے چاہنے والوں نے دیکھا تو وہ اس خواہش کا اظہار کرنے لگے کہ اے کاش! انھیں یہ دنیوی مال و دولت نصیب ہو جو قارون کو ملی ہے، وہ کہنے لگے: ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿79﴾﴾ ”اے کاش! ہمارے لیے اس جیسا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے۔“ یعنی اسے دنیوی مال سے بہت وافر حصہ ملا ہوا ہے، جب اہل علم نے ان لوگوں کی بات کو سنا تو انھوں نے کہا: ﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ﴾ ”تم پر افسوس! اللہ کا ثواب اس شخص کے لیے کہیں بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے اچھا عمل کیا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن اور صالح بندوں کو آخرت میں جو جزا عطا فرمائے گا وہ اس مال و دولت سے کہیں بہتر ہوگی جسے تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ، فَاقْرَؤُوْا إِنْ شِئْتُمْ] ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ تیار کیا ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہیں کسی کان نے سنا نہیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل

[1] تفسیر الطبری: 138/20.

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کے لیے (اس کے حامیوں کی) کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد

اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿81﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ

کرتی اور نہ وہ بدلہ لینے والوں میں تھا﴿81﴾ اور جنھوں نے کل اس کے مقام و مرتبہ کی تمنا کی تھی، وہ (صبح اٹھ کر) کہنے لگے: ہائے شامت! اللہ اپنے بندوں

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ

میں سے جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کرتا ہے، اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا،

8 ع 7 11 عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿82﴾ ع

ہائے شامت! کافر فلاح نہیں پاتے﴿82﴾

میں اس کا کوئی تصور آ سکتا ہے اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (السجدة 32:17) ''پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے، اس عمل کی جزا کے لیے جو وہ کیا کرتے تھے۔''[1] ﴿ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿80﴾ ﴾ ''اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔'' سدی نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جنت صرف صابر لوگوں ہی کو ملے گی، انھوں نے گویا اسے اہل علم ہی کے کلام کا باقی حصہ قرار دیا ہے۔[2] جبکہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ایسی بات صرف وہ لوگ ہی کہہ سکتے ہیں جنھوں نے صبر کو اختیار کرتے ہوئے دنیا کی محبت کو ترک کر دیا ہے اور جو آخرت کے طلب گار ہوں، انھوں نے گویا اسے اہل علم کی بات سے ایک الگ جملہ بتاتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ کا فرمان قرار دیا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 82,81

قارون کا اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسنا: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ قارون ایک دن بڑے کروفر، بڑے غرور و تکبر اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا، صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے جسے سالم نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [(بَيْنَمَا) رَجُلٌ يَّجُرُّ إِزَارَهُ، خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''ایک شخص اپنے تہ بند کو گھسیٹتے ہوئے جا رہا تھا کہ اسے اللہ نے زمین میں دھنسا دیا، پس وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔''[4] پھر سالم نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة......، حديث: 3244 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب صفة الجنة، حديث: 2824 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 3016/9. [3] تفسير الطبري: 141/20. [4] صحيح البخاري، اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، حديث: 5790 وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم التبختر في المشي......، حديث: (50,49)-2088 عن أبي هريرة رضي الله عنه جبکہ قوسین والا لفظ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 54، حديث: 3485 میں ہے۔

روایت کیا ہے۔[1]

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بَيْنَا رَجُلٌ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خَرَجَ فِي بُرْدَيْنِ أَخْضَرَيْنِ، يَخْتَالُ فِيهِمَا، أَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَأَخَذَتْهُ، وَإِنَّهُ لَيَتَجَلْجَلُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص دو سبز رنگ کی چادروں میں اتراتا ہوا نکلا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو اس نے اسے پکڑ لیا اور بلاشبہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔''[2] اس حدیث کو صرف امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

اور فرمایا: ﴿فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾ ''پھر اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوئی جو اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لینے والوں میں سے ہوا۔'' یعنی اس کا مال، اس کی جماعت اور اس کے خدم وحشم اس کے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کر سکے، وہ خود بھی کوئی بدلہ نہ لے سکا، یعنی وہ نہ خود اپنے آپ کو بچا سکا اور نہ کوئی اور اس کے کام آ سکا۔

اس کے دھنسنے سے قوم کا نصیحت حاصل کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ﴾ ''اور وہ لوگ جنھوں نے کل اس کے رتبے کی تمنا کی تھی صبح کہنے لگے۔'' یعنی ان لوگوں نے جنھوں نے اسے ٹھاٹھ باٹھ میں دیکھا تھا اور یہ کہا تھا: ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ ''اے کاش! ہمارے لیے اس جیسا ہوتا جیسے قارون دیا گیا ہے وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے۔'' اور جب اسے زمین میں دھنسا دیا گیا تو وہی لوگ کہنے لگے: ﴿وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ﴾ ''ہائے شامت! اللہ ہی تو اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔'' یعنی مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صاحب مال سے خوش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ کے تحت کسی کو عطا فرما دیتا ہے اور کسی کو محروم کر دیتا ہے، کسی کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے اور کسی کے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور کسی کے رزق کے پلڑے کو جھکا دیتا ہے اور کسی کے پلڑے کو اوپر اٹھا دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الْمَالَ مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ، وَلَا يُعْطِي الْإِيمَانَ إِلَّا مَنْ يُّحِبُّ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے اخلاق کو بھی تم میں اسی طرح تقسیم کیا ہے جیسا کہ اس نے تمھارے رزق کو تم میں تقسیم فرما دیا ہے، مال تو اللہ تعالیٰ اسے بھی عطا فرماتا ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے اور جسے وہ پسند نہیں فرماتا لیکن ایمان صرف اسی کو عطا فرماتا ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے۔''[3]

---

[1] صحیح البخاری، اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، حديث: 5790. [2] مسند أحمد: 40/3. [3] المستدرك للحاكم، الإيمان: 34,33/1، حديث: 95,94 والمعجم الكبير للطبراني من اسمه عبداللّٰه: 203/9، حديث: 8990 والسلسلة الصحيحة: 482/6، حديث: 2714.

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ

وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں ہی کے

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿83﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

لیے ہے ﴿83﴾ جو کوئی نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہت بہتر (بدلہ) ہوگا، اور جو کوئی برائی لائے گا تو برے عمل کرنے

فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿84﴾

والوں کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے ﴿84﴾

﴿لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ﴾ ''اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا لطف واحسان ہمارے شامل حال نہ ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا جس طرح اس نے قارون کو دھنسایا ہے کیونکہ ہم نے بھی اسی کی طرح ہو جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، ﴿وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿82﴾﴾ ''ہائے خرابی! کافر کامیاب نہیں ہو سکتے۔'' ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ قارون کافر تھا اور کافر دنیا و آخرت میں نجات نہیں پا سکتے۔

﴿وَيْكَاَنَّ﴾ کے معانی: ﴿وَيْكَاَنَّ﴾ کے معنی کے بارے میں علمائے نحو میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں: وَيْلَكَ اِعْلَمْ اَنَّ ''ہائے تمھاری شامت! تم (اس بات کو) جان لو کہ بے شک......!'' مگر مخفف کر کے اسے وَيْكَ بنا دیا گیا۔ اور أَنَّ کے الف کا مفتوح ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں سے اِعْلَمْ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے معنی یہ ہیں: اَلَمْ تَرَأَنَّ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک......۔ یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی وَیْ کَأَنَّ ہے جبکہ حرف وَیْ تعجب یا تنبیہ کے لیے ہے اور کَأَنَّ ''میرا گمان ہے، میرا خیال ہے''[2] کے معنی میں ہے۔

تفسیر آیات: 84,83

آخرت کی نعمتیں عجز وانکسار کرنے والے مومنوں کے لیے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ آخرت کا گھر اور اس کی ابدی وسرمدی اور غیر فانی نعمتوں کو اس نے اپنے ان مومن بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو عجز وانکسار سے کام لیتے ہیں اور ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر نہ تو ظلم و جبر کرتے ہیں اور نہ زمین میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں جیسا کہ عکرمہ نے بھی کہا ہے کہ عُلُوّ کے معنی ظلم و جبر کے ہیں۔[3] ابن جریج کہتے ہیں: ﴿لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ زمین میں شیخی نہیں بگھارتے اور ظلم و جبر سے کام نہیں لیتے ﴿وَلَا فَسَادًا ؕ﴾ اور نہ گناہوں کے ذریعے سے فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔[4]

امام ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آدمی کو جب یہ بہت اچھا لگے کہ اس کے جوتے کا تسمہ اس کے بھائی کے جوتے کے تسمے سے زیادہ اچھا ہو تو یہ بات بھی اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا

① تفسیر الطبری: 147,146/20۔ ② تفسیر الطبری: 147/20۔ ③ تفسیر الطبری: 149/20۔ ④ تفسیر الطبری: 149/20۔

اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی

بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے آپ پر قرآن فرض (نازل) کیا، یقیناً وہ آپ کو (اچھے) انجام تک پہنچانے والا ہے، کہہ دیجیے: میرا رب خوب جانتا ہے کہ

وَ مَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿85﴾ وَ مَا کُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ یُّلۡقٰۤی اِلَیۡکَ الۡکِتٰبُ اِلَّا

کون ہدایت کے ساتھ آیا اور کون کھلی گمراہی میں ہے﴿85﴾ اور آپ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ کی طرف (یہ) کتاب وحی کی جائے گی مگر یہ آپ کے

رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ ظَهِیۡرًا لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿86﴾ وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعۡدَ

رب کی رحمت ہی سے (وحی کی گئی) ہے، لہٰذا آپ کافروں کے مددگار ہرگز نہ ہوں﴿86﴾ اور وہ (کافر) آپ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں

اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَیۡکَ وَ ادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ وَ لَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿87﴾ وَ لَا تَدۡعُ مَعَ

اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف اتاری گئیں اور آپ (انھیں) اپنے رب کی طرف بلائیں، اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں﴿87﴾ اور آپ اللہ کے

اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ لَهُ الۡحُکۡمُ وقف لازم

ساتھ کسی اور الٰہ کو مت پکاریں، اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے، اسی کی حاکمیت و فرمانروائی

وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿88﴾ ع الثلثة 6 12

ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے﴿88﴾

﴿یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿83﴾﴾ ''اور جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور نیک انجام تو پرہیز گاروں ہی کا ہے'' میں داخل ہے۔[1] لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ اس کے ساتھ دوسروں پر فخر و غرور کا اظہار کرے تو ظاہر ہے کہ یہ مذموم ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَّلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ] ''بے شک میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو حتی کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔''[2] اگر کوئی محض تجمل کے لیے اختیار کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میری چادر خوب صورت ہو اور میرا جوتا خوب صورت ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے۔ آپ نے فرمایا: [(لَا) إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ] ''نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے اور وہ خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ﴾ ''جو شخص نیکی لائے۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا ۚ﴾ ''تو اس کے لیے اس سے بہتر (صلہ موجود) ہے'' کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب بندے کی نیکی سے زیادہ بہتر ہوگا

① تفسیر الطبری: 149/20. ② صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا أهل الجنة وأهل النار، حدیث: (64)-2865 عن عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ. ③ صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم الکبر وبیانه، حدیث: 91 اور قوسین والا لفظ مسند أحمد: 399/1 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور یہ اس کے فضل و کرم کا تقاضا ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴾ ''اور جو برائی لائے گا تو جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو صرف اسی کا بدلہ ملے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔'' جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فِى النَّارِ ؕ هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝ ﴾ (النمل 27:90) ''اور جو برائی لائے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے، تم کو تو انھی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔'' یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و عدل کا مقام ہے۔

تفسیر آیات: 85-88

تبلیغ اور توحید کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کا پیغام پہنچائیں اور انھیں قرآن مجید پڑھ کر سنائیں، نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ عنقریب آپ کو قیامت کے دن کی طرف لوٹا دے گا اور اس بار نبوت کے بارے میں آپ سے پوچھے گا جو آپ کے سپرد کیا گیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِىۡ فَرَضَ عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ ﴾ ''(اے پیغمبر!) جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو (آپ کے) لوٹنے کی جگہ لوٹانے والا ہے۔'' یعنی جس نے آپ پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ آپ اسے لوگوں کو پہنچا دیں، وہ قیامت کے دن آپ سے اس بارے میں دریافت کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:6) ''تو جن لوگوں کی طرف (پیغمبر) بھیجے گئے ہم ان سے بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوۡمَ يَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ ﴾ (المآئدة 5:109) ''(وہ دن یاد رکھنے کے لائق ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ کیا جواب دیے گئے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجِاۡىۡٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ (الزمر 39:69) ''اور پیغمبر اور گواہ لائے جائیں گے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کو مکہ میں لوٹا دے گا۔[1] امام نسائی نے بھی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اور امام ابن جریر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[3] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ ﴿ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ میں اسی طرح لوٹا دے گا جس طرح اس نے آپ کو یہاں سے نکالا تھا۔[4] محمد بن اسحاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ ﴾ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی جائے پیدائش مکہ کی طرف لوٹا دے گا۔[5] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ مَعَادٍ ؕ ﴾ کی تفسیر میں یہ بھی

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ اِنَّ الَّذِىۡ فَرَضَ عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ ﴾ (القصص 28:85)، حدیث: 4773. [2] السنن الکبری للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿ اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا ؕ ﴾ (القصص 28:57): 6/425، حدیث: 11386. [3] تفسیر الطبری: 20/152. [4] تفسیر الطبری: 20/152. [5] تفسیر الطبری: 20/152.

فرمایا ہے کہ اس سے مراد ''موت'' ہے۔[1] کبھی یہ فرمایا کہ اس سے مراد ''قیامت'' کا دن ہے۔[2] اور کبھی یہ فرمایا کہ اس سے مراد ''جنت'' ہے[3] جو جن وانس تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کی جزا ہے۔ آپ علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اکمل، افصح اور اشرف ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵﴾ ''کہہ دیں: میرا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اسے بھی جو صریح گمراہی میں ہے۔'' یعنی اے محمد! اپنی قوم کے مشرکین اور ان کی پیروی کرنے والوں سے کہہ دیں جو آپ کی مخالفت اور تکذیب کرتے ہیں کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ تم ہدایت یافتہ ہو یا میں اور تم عنقریب یہ بھی جان لو گے کہ آخرت میں انجام کس کا اچھا ہوگا اور دنیا و آخرت میں فتح و نصرت کس کو نصیب ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا ہے کہ اس نے آپ کو مبعوث فرما کر خود آپ پر اور دیگر انسانوں پر کتنی عظیم الشان نعمت فرمائی ہے۔ ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ ''اور آپ امید نہ کرتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب نازل کی جائے گی۔''

یعنی وحی کے نازل ہونے سے پہلے آپ کو یہ گمان نہ تھا کہ آپ پر وحی نازل کی جائے گی، ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''مگر آپ کے پروردگار کی مہربانی سے (نازل ہوئی۔)'' یعنی آپ پر جو وحی نازل کی گئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر اور آپ کے سبب دیگر تمام انسانوں پر رحمت ہے اور اس نے جب آپ کو اس عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمایا ہے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶﴾ ''تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہوں۔'' بلکہ انھیں چھوڑ دیں اور ان کی مخالفت کریں۔ ﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ﴾ ''اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں بعد اس کے کہ وہ آپ پر نازل کی جا چکی ہیں۔'' اس بات سے آپ متاثر نہ ہوں کہ وہ آپ کی مخالفت کرتے اور لوگوں کو آپ کے رستے سے روکتے ہیں، آپ ان کی قطعاً پروا نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کے کلمے کو سربلندی عطا فرمائے گا، آپ کے دین کی تائید و حمایت فرما کر اسے دیگر تمام ادیان پر غالب کر دے گا۔ ﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾ ''اور آپ اپنے پروردگار کی طرف بلائیں۔''

یعنی اپنے رب تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دیتے رہیں ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۸۷﴾ ''اور آپ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اور آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکاریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں'' اس لیے کہ اسی کی ذات پاک اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے کیونکہ الوہیت اسی کی عظمت کے شایان شان ہے۔ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ ''اس کے چہرے کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ اسی کی ذات پاک دائم اور باقی ہے اور وہ زندہ اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے، ساری مخلوقات مر جائیں گی مگر اس کی ذات پاک کے لیے موت نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿كُلُّ

---

[1] تفسیر الطبری: 152/20. [2] تفسیر الطبری: 151/20. [3] تفسیر الطبری: 151,150/20.

مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ (الرحمٰن 55:26,27) ''ہر ایک (مخلوق) جو اس (زمین) پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور آپ کے پروردگار ہی کا چہرہ جو صاحب جلال وعظمت ہے، باقی رہے گا۔'' اس آیت کریمہ میں ﴿وَجْهُ﴾ کا لفظ ذات پاک سے تعبیر ہے، اسی طرح اس آیت: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ میں بھی لفظ وَجْهُ ذات پاک سے تعبیر ہے۔ صحیح بخاری میں بطریق ابوسلمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ، كَلِمَةُ لَبِيدٍ] ''سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہو، وہ ہے جو لبید نے کہی ہے

أَلَا! كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

''خبردار! سن لو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ ''اسی کا حکم ہے۔'' ملک بھی اسی کا ہے اور تصرف بھی اسی کا، اس کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کرسکتا ﴿وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن، پھر وہ تمھیں تمھارے اعمال کے مطابق جزا دے گا، اعمال اچھے ہوئے تو اچھی جزا اور اگر برے ہوئے تو بری سزا۔

سورۂ قصص کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

① صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب أیام الجاهلیة، حدیث :3841 وصحیح مسلم، الشعر، باب: فی إنشاد الأشعار......، حدیث:(3)-2256 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ .

تفسیر سُورَۂ عَنْکَبُوت

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ

الٓمّٓ ① کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا② اور البتہ تحقیق ہم نے

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③

ان لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے تھے، پھر اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنھوں نے سچ بولا، اور وہ ضرور ظاہر کرے گا ان کو جو جھوٹے ہیں③ کیا

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④

جو لوگ برے عمل کرتے ہیں انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے۔ بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں④

تفسیر آیات:1-4

مومنوں کی آزمائش اور اس کا مقصد: حروف مقطعات کے بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② ﴾ ''کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔'' اس میں استفہام انکاری ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کی ان کے ایمان کے مطابق ضرور آزمائش کرے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی آیا ہے: [(أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً) اَلْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الصَّالِحُونَ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ مِنَ النَّاسِ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صَلَابَةٌ، زِيدَ فِي بَلَائِهِ] ''سب سے سخت آزمائش انبیائے کرام کی ہوتی ہے، پھر صالحین کی اور پھر اس کی جو ان کے زیادہ مشابہ ہوگا، آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے، اگر اس کے دین میں مضبوطی ہو تو اس کی آزمائش میں بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔''[1] یہ آیت درج ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في الصبر على البلاء، حديث:2398 و مسند أحمد :172/1 عن سعد بن أبي وقاص ﷺ جبکہ قوسین والے الفاظ المستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، باب ذكر مناقب أبي ذر الغفاري ﷺ: 343/3 ومسند أحمد : 369/6 عن فاطمة ﷺ میں ہیں۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤ وَمَنْ جَاهَدَ

جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو (وہ جان لے کہ) بلاشبہ اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے، اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے⑤ اور

فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو شخص جہاد کرے تو بس وہ اپنے ہی فائدے کے لیے جہاد کرتا ہے، بے شک اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے⑥ اور جو لوگ ایمان لائے

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑦

اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم ان سے ان کی برائیاں ضرور مٹا دیں گے اور جو عمل وہ کرتے رہے، ہم انھیں ضرور ان کی بہترین جزا دیں گے⑦

يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (آل عمرٰن 3:142) ’’یا تم نے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنھوں نے جہاد کیا اور (یہ کہ) وہ صبر کرنے والوں کو جان لے۔‘‘ اور اس کی مثل سورۂ توبہ میں بھی آیت ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں یوں فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾ (البقرۃ 2:214) ’’کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ یوں ہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو ان لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں جو پہلے گزر رے، ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے، پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ آگاہ رہو! یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔‘‘ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③ ﴾ ’’اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی یقیناً آزمایا تھا (اور انھیں بھی آزمائیں گے)، سو اللہ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جنھوں نے سچ بولا اور ان لوگوں کو بھی ضرور جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔‘‘ یعنی اس سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو معلوم کرے گا جو دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور ان کو بھی جان لے گا جو دعوائے ایمان میں جھوٹے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو جانتا ہے جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا اور وہ یہ بھی جانتا ہے جو نہیں ہوا، اگر وہ ہوتا تو کس طرح ہوتا۔ اور تمام ائمۂ سنت کا اس بات پر اجماع ہے، اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین ﴿ اِلَّا لِنَعْلَمَ ﴾ (البقرۃ 2:143) ’’مگر یہ کہ ہم معلوم کریں‘‘ جیسے الفاظ کے معنی یہ کرتے ہیں: ’’تاکہ ہم دیکھ لیں‘‘، کیونکہ رؤیت کا تعلق تو اس چیز سے ہوتا ہے جو موجود ہو جبکہ علم، رؤیت کی نسبت عام ہے کیونکہ اس کا معدوم اور موجود دونوں سے تعلق ہوتا ہے۔

برے لوگ اللہ تعالیٰ کے قابو سے نکل نہیں سکتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④ ﴾ ’’کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں، یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں

[1] دیکھیے آیت: 16۔

گے؟ وہ جو فیصلہ کرتے ہیں بہت برا ہے۔'' یعنی جو لوگ دائرہ ایمان میں داخل نہیں ہوئے، وہ بھی یہ خیال نہ کریں کہ وہ فتنہ اور امتحان سے بچ جائیں گے کیونکہ انھیں تو ایسی سزا اور ایسا عذاب ملے گا جو دنیا کی آزمائش کی نسبت بہت زیادہ سخت ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ط ﴾ ''یا ان لوگوں نے جو برے کام کرتے ہیں، یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے۔'' یعنی وہ ہمیں پیچھے چھوڑ دیں گے۔ ﴿ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④ ﴾ ''وہ جو فیصلہ کرتے ہیں بہت برا ہے۔''

تفسیر آیات:5-7

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی امید پوری فرمادے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ ﴾ ''جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو۔'' یعنی اسے امید ہو کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، اس کے لیے وہ نیک عمل کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب جزیل کی امید رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی امید کو پورا فرمادے گا اور اس کے عمل کا اسے پورا پورا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور ایسا یقیناً ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور تمام کائنات کو دیکھتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ط وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤ ﴾ ''جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ط ﴾ ''اور جو شخص محنت کرتا ہے تو اپنے (فائدے کے) لیے ہی محنت کرتا ہے۔'' یہ اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ﴾ (حٰم السجدة 46:41) ''جو نیک عمل کرے گا تو اپنے لیے۔'' یعنی جس شخص نے نیک عمل کیا تو اس کے عمل کا فائدہ اسی کو ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال سے بے نیاز ہے۔ اگر تمام انسان اپنے میں سے سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار انسان جیسے ہو جائیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ ﴾ ''اور جو شخص محنت کرتا ہے تو اپنے (فائدے کے) لیے ہی محنت کرتا ہے (اور) یقیناً اللہ تو سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہونے کے باوصف اور ان کے ساتھ لطف و احسان کرنے کے باوجود، وہ ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ سرانجام دینے والوں کو بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا اور وہ یہ کہ ان کے گناہوں کو دور فرمادے گا اور ان کے اچھے اعمال کا انھیں اس سے بھی اچھا بدلہ عطا فرمائے گا جو وہ عمل کرتے رہے، وہ قلیل نیکی کو بھی قبول فرمائے گا اور ان کے اچھے اعمال کا انھیں بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا اور برائی کا اتنا ہی بدلہ دے گا جتنی برائی ہوگی یا اسے معاف فرمادے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ ﴾ (النسآء 40:4) ''اللہ کسی کی بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی کی ہوگی تو اس کو دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' اور یہاں یہ فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے نیک سلوک کرنے کی وصیت کی، اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس

فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کا تجھے علم نہیں تو ان دونوں کی اطاعت نہ کرنا، میری ہی طرف تمھیں لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے ⑧ اور جو لوگ ایمان

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑨

لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم انھیں نیک لوگوں میں ضرور داخل کریں گے ⑨

اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑦﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم ضرور ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا ضرور اچھا بدلہ دیں گے۔''

تفسیر آیات:9,8

والدین سے حسن سلوک کا حکم مگر......: اللہ تعالیٰ نے توحید کے ساتھ مضبوطی سے وابستگی کے بعد اپنے بندوں کو اپنے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے کیونکہ والدین انسان کے وجود کا سبب ہیں، لہٰذا انسان کے لیے فرض ہے کہ وہ ان کے ساتھ بے حد حسن سلوک کرے، والد نے اس کی ضروریات کے لیے خرچ کیا اور والدہ نے اسے محبت وشفقت سے پروان چڑھایا، اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ﴾ (بنیٓ إسرآء يل 24,23:17) ''اور آپ کے پروردگار نے فیصلہ سنا دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکو اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو اور ان دونوں کے لیے عاجزی کا بازو نیازمندی سے جھکائے رکھو اور کہو: اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔''

والدین کے احسان کے مقابلے میں ان کے ساتھ شفقت ورحمت اور احسان کی وصیت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی ارشاد فرمایا: ﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ ﴾ ''اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی حقیقت کی تجھے واقفیت نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔'' یعنی جب والدین مشرک ہوں اور ان کی خواہش ہو کہ آپ ان کے دین کی پیروی کریں تو اس صورت میں اپنے آپ کو ان (کے حکم کی اتباع) سے بچائے رکھیں، اس سلسلے میں ان کی بات نہ مانیں۔ تم سب کو روز قیامت میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صبر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہنے کی جزا دوں گا اور تجھے تیرے والدین کی جماعت میں نہیں بلکہ نیک لوگوں کی جماعت میں اٹھاؤں گا، گو دنیا میں تو اپنے والدین ہی کے سب سے زیادہ قریب تھا لیکن قیامت کے دن آدمی کو اس شخص کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس کے ساتھ اسے دینی محبت ہوگی، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب اللہ کی راہ میں انھیں ایذا دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب

اللّٰهِ ؕ وَلَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

کے مانند ٹھہراتے ہیں، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آجائے تو وہ ضرور کہیں گے: بے شک ہم تمھارے ساتھ تھے، کیا جو کچھ جہان والوں کے

بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪

سینوں میں ہے اللہ اُسے خوب جاننے والا نہیں؟⑩ اور اللہ انھیں ضرور ظاہر کرے گا جو ایمان لائے اور وہ منافقوں کو بھی ضرور ظاہر کرے گا⑪

الصّٰلِحِيْنَ ⑨﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ہم انھیں ضرور نیک لوگوں میں داخل کریں گے۔“

امام ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت سعد سے روایت کیا ہے کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں، پھر انھوں نے اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ میری والدہ ام سعد نے مجھے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں نیکی کا حکم نہیں دیا۔ اللہ کی قسم! میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی حتی کہ مر جاؤں گی یا تم کفر اختیار کر لو گے، سعد نے بیان کیا کہ میری والدہ کو جب گھر والے کھانا کھلانا چاہتے تو وہ زبردستی اس کے منہ کو کھلواتے تھے، اس موقع پر میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ...... ﴾ الآية

”اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک (کرنے) کا حکم دیا ہے (اے مخاطب!) اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنا جس کی حقیقت سے تجھے واقفیت نہیں تو تو ان کا کہنا نہ مان......“[1] اس حدیث کو امام احمد، مسلم، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔[2] اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

تفسیر آیات: 11,10

منافقین کی عادات: اللہ تعالیٰ نے تکذیب کرنے والے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے جو اپنی زبانوں سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے، جب انھیں دنیا میں کوئی آزمائش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ان (مسلمانوں) سے ناراضی کی وجہ سے ہے، اس لیے وہ اسلام سے دور ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب ان کو اللہ (کے رستے) میں کوئی ایذا دی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو (یوں) بناتے (سمجھتے) ہیں جیسے اللہ کا عذاب۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی آزمائش یہ ہے کہ جب اسے اللہ کے رستے میں

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة العنكبوت، حديث:3189 . [2] مسند أحمد :181/1 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب الأنفال، حديث:(34)-1748 و سنن أبي داود، الجهاد، باب في النفل، حديث: 2740 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ ﴾ (الأعراف 199:7):349,348/6، حديث:11196، البتہ امام مسلم، ابوداود اور نسائی نے اسے قدرے مختصر بیان کیا ہے۔

کوئی ایذا پہنچتی ہے تو وہ دین سے مرتد ہو جاتا ہے۔[1] دیگر علمائے سلف نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ یہ آیت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴾ (الحج 22:11,12) ''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اگر اس کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل الٹا پھر جاتا ہے، اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی تو نقصان صریح ہے، یہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچائے اور نہ فائدہ دے سکے، یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ ﴾ ''اور البتہ اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے مدد آجائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ بلا شبہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں۔'' یعنی اے محمد! اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے فتح و نصرت اور مالِ غنیمت حاصل ہو تو یہ لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ ہم بھی تمھارے ساتھ ہیں، یعنی ہم بھی تمھارے دینی بھائی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ ﴾ (النسآء 4:141) ''وہ (منافق) جو تمھاری بابت انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر اللہ کی طرف سے تمھارے لیے فتح ہو تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کے لیے کچھ حصہ (کامیابی) ہو تو (ان سے) کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور تمھیں مسلمانوں (کے ہاتھ) سے بچایا نہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴾ (المآئدة 5:52) ''سو قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو جائیں گے۔'' اور یہاں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ ﴾ ''اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے مدد آئے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو یقیناً تمھارے ساتھ تھے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ ﴾ ''کیا اللہ اس سے خوب واقف نہیں جو اہل عالم کے سینوں میں ہے؟'' یعنی کیا اللہ تعالیٰ اسے جانتا نہیں جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اور جسے یہ اپنے ضمیروں میں چھپائے ہوئے ہیں، خواہ تمھارے سامنے انھوں نے اپنی موافقت کا اظہار ہی کیوں نہ کیا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ ﴾ ''اور اللہ ان کو ضرور معلوم کرے گا جو (سچے) مومن ہیں اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو رنج و راحت کے ساتھ ضرور آزمائے گا تا کہ مومنوں اور منافقوں میں تمیز ہو جائے

[1] تفسیر الطبری : 162,161/20۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہمارے راستے کی پیروی کرو، اور ہم تمھارے گناہ اٹھالیں گے، حالانکہ وہ ان کے گناہوں

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫

میں سے کچھ بھی نہیں اٹھائیں گے، بے شک وہ جھوٹے ہیں⑫ اور یقیناً وہ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ ضرور اٹھائیں گے، اور جو

وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع 1 13 13

کچھ وہ جھوٹ گھڑتے رہے، روزِ قیامت ان کے متعلق ان سے ضرور پوچھا جائے گا⑬

اور جو شخص رنج وراحت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو وہ درحقیقت اپنے فائدے کے لیے اطاعت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ ۝ ﴾ (محمد 31:47) ''اور البتہ ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ جو تم میں لڑائی کرنے والے اور صبر کرنے والے ہیں ان کو معلوم کریں اور ہم تمھارے حالات بھی جانچ لیں۔'' غزوۂ احد میں پیش آنے والے امتحان وآزمائش کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ...... ﴾ الآية (آل عمرٰن 179:3) ''جب تک اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے گا مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں چھوڑے (رہنے دے) گا......''

تفسیر آیات: 13,12

دوسروں کے گناہ اپنے ذمے لینے کے بارے میں کافروں کی جرأت: اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے ان سے کہا جو ان میں سے ایمان لائے اور ہدایت کی پیروی کرنے لگے تھے کہ دین اسلام کو چھوڑ کر ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ اور ہمارے رستے کی پیروی شروع کردو ﴿ وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ ﴾ ''اور ہم تمھارے گناہ اپنے ذمے لے لیں گے۔'' یعنی اگر اس کی وجہ سے تمھیں گناہ ہوگا تو وہ ہماری گردن پر جیسا کہ کہا جاتا ہے:

تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ ﴾ ''حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، کچھ شک نہیں کہ وہ البتہ جھوٹے ہیں۔'' اپنی اس بات میں کہ یہ ان کے گناہ اپنے ذمے لے لیں گے کیونکہ اس دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ ﴾ (فاطر 18:35) ''اور اگر کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنے بوجھ (بٹانے) کی طرف بلائے گا تو اس میں سے کچھ بھی اٹھایا نہ جائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ ﴾ (المعارج 11,10:70) ''اور کوئی گہرا دوست کسی گہرے دوست کا پرسان نہ ہوگا (حالانکہ) وہ انھیں دکھلا دیے

جائیں گے (ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔)'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ﴾ ''اور وہ البتہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔'' یہ داعیان کفر وضلالت کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ وہ روز قیامت اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسرے لوگوں کے بوجھ بھی کیونکہ انھوں نے ان لوگوں کو گمراہ کیا تھا اور ان کے بوجھوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ ...... ﴾ الآية (النحل 25:16) ''تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جنھیں وہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں......۔''

صحیح حدیث میں ہے: [مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنِ (اتَّبَعَهُ) لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَّمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنِ (اتَّبَعَهُ) لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا] ''جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے، اسے ان لوگوں کے اجر وثواب کے مثل اجر ملے گا جو اس کی اتباع کریں گے اور اتباع کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی طرف دعوت دے، اسے ان لوگوں کے گناہوں کے مثل گناہ ہوگا جو اس گمراہی پر عمل کریں گے اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔''[1]

اسی طرح صحیح (بخاری) میں ہے: [لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا، لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ] ''جو شخص بھی ظلم سے قتل کیا جائے گا تو اس کے گناہ میں سے آدم کے پہلے بیٹے کو بھی حصہ ملے گا کیونکہ اس نے قتل کا طریقہ جاری کیا ہے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ﴾ ''اور جو بہتان یہ باندھتے رہے قیامت کے دن ان کے متعلق ان سے البتہ ضرور پرسش ہوگی۔'' کیونکہ یہ جھوٹ بولتے اور افترا پردازی سے کام لیتے رہے۔ امام ابن ابو حاتم نے یہاں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ پہنچا دیا جس کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا گیا تھا، آپ نے فرمایا:

[إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يُقْسِمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: وَعِزَّتِي! لَا يَجُوزُنِي الْيَوْمَ ظُلْمٌ، ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ، فَيَقُولُ: أَيْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ؟ فَيَأْتِي تَتْبَعُهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ أَمْثَالُ الْجِبَالِ فَيَشْخَصُ النَّاسُ إِلَيْهَا أَبْصَارَهُمْ حَتّٰى يَقُومَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ يَأْمُرُ الْمُنَادِيَ، فَيُنَادِي: مَنْ كَانَتْ لَهُ تِبَاعَةٌ أَوْظُلَامَةٌ عِنْدَ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، فَهَلُمَّ، فَيُقْبِلُونَ حَتّٰى يَجْتَمِعُوا قِيَامًا بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ، فَيَقُولُ الرَّحْمٰنُ:

① صحیح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة......، حدیث: 2674 البتہ دونوں قوسوں والے الفاظ سنن ابن ماجه، السنة، باب من سن سنة......، حدیث: 206عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ ② صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3335 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين......،باب بيان إثم من سن القتل، حديث: 1677 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

اِقْضُوا عَنْ عَبْدِي، فَيَقُولُونَ: كَيْفَ نَقْضِي عَنْهُ؟ فَيَقُولُ لَهُمْ: خُذُوا لَهُمْ مِّنْ حَسَنَاتِهِ فَلَا يَزَالُونَ يَأْخُذُونَ مِنْهَا حَتّٰى لَا يَبْقٰى لَهُ حَسَنَةٌ ، وَقَدْ بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ الظُّلَامَاتِ، فَيَقُولُ: اِقْضُوا عَنْ عَبْدِي، فَيَقُولُونَ: لَمْ يَبْقَ لَهُ حَسَنَةٌ، فَيَقُولُ: خُذُوا مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ فَاحْمِلُوهَا عَلَيْهِ]

''اپنے آپ کو ظلم سے بچاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ روز قیامت قسم کھائے گا، چنانچہ ارشاد فرمائے گا: مجھے اپنی عزت (وجلال) کی قسم! آج ظلم مجھ سے بچ نہ سکے گا، پھر ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا کہ فلاں بن فلاں کہاں ہے، وہ آئے گا تو اس کے پیچھے پہاڑوں جیسی نیکیاں آ رہی ہوں گی، لوگ آنکھیں اٹھا اٹھا کر ان کی طرف دیکھیں گے حتی کہ وہ اللہ عزوجل کے سامنے کھڑا ہو جائے گا تو وہ منادی کو حکم دے گا اور وہ یہ اعلان کرے گا کہ جس کا فلاں بن فلاں پر کوئی حق ہے یا اس نے کسی پر ظلم کیا ہے تو وہ آ جائے، لوگ آ کر جمع ہوتے جائیں گے اور رحمان عزوجل کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے، رحمان فرمائے گا: میرے بندے کی طرف سے ادا کر دو، وہ کہیں گے کہ ہم اس کی طرف سے کیسے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی نیکیاں لے کر ان کو دے دو، (فرشتے) اس کی نیکیاں لے کر ان (حق داروں) کو دینا شروع کر دیں گے حتی کہ اس کی نیکیاں نہ بچیں گی جبکہ مظلوم ابھی باقی ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کی طرف سے ادا کرو۔ تو فرشتے کہیں گے کہ اس کی تو ایک نیکی بھی نہیں بچی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان حق داروں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دو، پھر نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کریمہ سے استدلال فرمایا: ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿13﴾﴾ ''اور یقیناً وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی، اور جو بہتان وہ باندھتے رہے قیامت کے دن ان کے متعلق ان سے ضرور پرسش ہوگی۔''[1]

اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو صحیح مسلم میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَّأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكَاةٍ، وَّيَأْتِي قَدْشَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ، أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ] ''یقیناً میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکاۃ سمیت حاضر ہوگا جبکہ اس نے کسی کو گالی دی ہے، کسی پر بہتان باندھا ہے، کسی کا مال کھایا ہے، کسی کا خون بہایا ہے اور کسی کو مارا ہے، چنانچہ اس (مظلوم) کو اس کی نیکیوں میں سے کچھ دیا جائے گا اور اس کو بھی اس کی نیکیوں میں سے (دیا جائے گا۔) پس اگر اس عائد شدہ حقوق کی مکمل ادائیگی ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان (مظلومین) کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے، پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔''[2]

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3040,3039/9 و الدر المنثور: 272/5. ② صحیح مسلم، البر والصلة و الأدب، باب تحریم الظلم، حدیث: 2581 .

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ

اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، تو وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار سال رہا، پھر انھیں طوفان نے اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ ظالم

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮

تھے⑭ پھر ہم نے اسے اور کشتی والوں کو نجات دی، اور ہم نے اس (کشتی) کو دنیا والوں کے لیے عظیم نشانی بنا دیا⑮

تفسیر آیات: 15,14

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد ورسول محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ طویل مدت تک اپنی قوم کو رات دن، خفیہ اور علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے مگر قوم حق سے اعراض کرتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرتی رہی اور ان کی تکذیب کرتی رہی اور ان پر بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭﴾ ''تو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہے، پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے اس حال میں آ پکڑا کہ وہ ظالم تھے۔'' اس طویل مدت تک تبلیغ و انذار کے باوجود قوم نوح راہِ راست پر نہ آئی تو اے محمد! آپ بھی اپنی قوم کے کفر کی وجہ سے غم نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے، سارا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ ......﴾ الآیۃ (یونس 10:96,97) ''جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے بلاشبہ وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں......'' اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کو غلبہ عطا فرمائے گا، آپ کو اپنی نصرت و تائید سے سرفراز فرمائے گا، آپ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر دے گا اور انھیں پست سے پست کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جب مبعوث کیا گیا تو اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی، آپ اپنی قوم میں نوسو پچاس سال تک رہے، پھر طوفان کے بعد آپ ساٹھ برس تک زندہ رہے حتی کہ دوبارہ پھر لوگوں کی کثرت ہوگئی اور وہ زمین میں پھیل گئے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ﴾ ''پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی۔'' یعنی ان لوگوں کو جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، اس کا سورۂ ہود میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے۔[2] اور اس کی وہاں تفسیر بھی بیان کی جا چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور فرمایا: ﴿وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮﴾ ''اور ہم نے کشتی کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔'' یعنی اس کشتی کو یا تو ہم نے بعینہٖ باقی رکھا جیسا کہ امام قتادہ کا قول ہے کہ وہ کشتی اسلام کے ابتدائی دور تک کوہ جودی پر موجود تھی یا اس کے معنی یہ ہیں کہ کشتی کی نوع کو ہم نے لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا ہے اور

① المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين......، باب ذكر نوح النبي ﷺ: 546,545/2، حديث: 4005 والمصنف لابن أبي شيبة، التاريخ: 34/7، حديث: 33907. ② دیکھیے ہود، آیات: 36-48 کے ذیل میں عنوان: ''قوم کے انجام کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی''

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯

اور (ہم نے) ابراہیم کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم جانتے ہو تو یہ تمھارے

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ

لیے بہت بہتر ہے⑯ تم تو اللہ کے سوا بتوں ہی کی عبادت کرتے ہو، اور تم جھوٹ گھڑتے ہو، بلاشبہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت

دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ

کرتے ہو وہ تمھارے لیے رزق کا اختیار نہیں رکھتے، لہٰذا تم اللہ کے ہاں رزق تلاش کرو، اور تم اسی کی عبادت کرو اور تم اسی کا شکر

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

کرو، تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے⑰ اور اگر تم جھٹلاؤ تو یقیناً تم سے پہلے کئی امتوں نے جھٹلایا ہے، اور رسول کا کام تو صرف

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱

کھلا کھلا پہنچا دینا ہے⑱

وہ انھیں مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلاتی ہے کہ اس نے انھیں طوفان سے کس طرح نجات بخشی تھی۔ ① جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:41-44) ''اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ان کے لیے ویسی ہی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پھر نہ تو ان کا کوئی فریادرس ہو اور نہ وہ بچائے جائیں مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ایک مدت تک کے فائدے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝ ﴾ (الحاقۃ 69:11،12) ''جب پانی طغیانی پر آیا تو بلاشبہ ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا تاکہ اسے تمھارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮ ﴾ ''پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔'' یہ شخص سے جنس کی طرف تدریج ہے ② جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ﴾ (الملک 67:5) ''البتہ تحقیق اور ہم نے قریب کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور انھیں شیطانوں کو مارنے کا آلہ بنایا۔'' یعنی ان ستاروں میں سے ایک نوع کو ہم نے شیطانوں کو مارنے کا آلہ بنایا، اس لیے کہ جن ستاروں کے ساتھ شیطانوں کو مارا جاتا ہے وہ آسمان کی زینت والے ستارے نہیں ہیں، اسی طرح فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ﴾

① تفسیر الطبری: 20/166. ② یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً ﴾ (الحاقۃ 69:12) ''تاکہ ہم اسے تمھارے لیے نصیحت بنائیں'' جبکہ یہاں فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮ ﴾ ''اور اسے ہم نے جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا'' تو یہ شخص (خصوص) سے جنس (عموم) کی طرف تدریج ہے۔

﴿ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:12، 13) ''اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے، پھر اسے ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔'' اور اس کی قرآن میں مثالیں بہت ہیں۔

تفسیر آیات:16-18

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام، جو امام الموحدین تھے، کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کریں، صرف اسی کا تقویٰ اختیار کریں، صرف اسی وحدہ لاشریک ہی سے رزق طلب کریں اور صرف اسی کا شکر بجا لائیں کیونکہ تمام نعمتیں اس نے عطا فرمائیں ہیں، اس کے سوا اور کوئی نعمتیں عطا فرمانے والا نہیں ہے تو اس بات کا مستحق بھی وہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے، بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ ﴾ یعنی اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرو اور صرف اسی سے ڈرو۔ ﴿ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ ﴾ ''اگر تم جانتے ہو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' یعنی جب تم ایسا کرو گے تو یہ دنیا و آخرت میں تمھارے لیے بہتر ہوگا اور دنیا و آخرت کی خرابی کو وہ تم سے دور فرما دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بت جن کی تم پوجا کرتے ہو یہ تو کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، تم نے خود کچھ نام گھڑے اور ان کے ساتھ اپنے معبودانِ باطلہ کو موسوم کر لیا ہے ورنہ وہ تو تمھاری طرح مخلوق ہی ہیں، عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔[1] مجاہد اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[2] اور والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان بتوں کو تم خود تراشتے ہو۔[3] اور یہ تمھیں رزق دینے کی قطعاً قدرت نہیں رکھتے ﴿ فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ ﴾ ''پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو۔'' اس میں رزق عطا کرنے کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک کے ساتھ نہایت شدت کے ساتھ محدود و محصور کر دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝ ﴾ (الفاتحة 1:5) ''(اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ رَبِّ ابۡنِ لِىۡ عِنۡدَكَ بَيۡتًا فِى الۡجَـنَّةِ ﴾ (التّحریم 66:11) ''اے میرے پروردگار! میرے لیے بہشت میں اپنے پاس ہی ایک گھر بنا۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ ﴾ ''پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو۔'' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ہاں سے رزق طلب نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے ﴿ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ ﴾ ''اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو۔'' یعنی اسی کا رزق کھاؤ، اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور اسی کی عطا کردہ نعمتوں پر اسی ذات پاک کا شکر بجا لاؤ۔ ﴿ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ ﴾ ''اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن، پھر وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ عطا فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ ﴾ ''اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو یقیناً تم سے

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 9/3044. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 9/3044. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 9/3044.

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑲ قُلْ سِيْرُوْا

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ مخلوق کو پہلی بار کیسے پیدا کرتا ہے، پھر وہ اسے لوٹائے گا، بلاشبہ یہ اللہ پر بہت آسان ہے ⑲ کہہ دیجیے:

فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو اس نے مخلوق پہلی بار کیسے پیدا کی؟ پھر اللہ ہی (اسے) دوسری بار پیدا کرے گا، بلاشبہ اللہ ہر شے پر

شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۚ⑳ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ㉑ وَمَآ اَنْتُمْ

خوب قادر ہے ⑳ وہ جسے چاہے عذاب دے گا اور جس پر چاہے رحم کرے گا، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ㉑ اور تم (اللہ کو) نہ

ع 2 14 بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ؑ㉒ وَالَّذِيْنَ

زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں، اور تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ㉒ اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِىْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ㉓

اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، وہی لوگ میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں، اور انھی کے لیے دردناک عذاب ہے ㉓

پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں۔'' یعنی تمھیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کی وجہ سے ان امتوں پر کیسے کیسے عبرت ناک عذاب نازل ہوئے تھے۔ ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱﴾ ''اور پیغمبر کے ذمے کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔'' یعنی رسول کا فرض یہ ہے کہ وہ تم تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیں، پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرمائے، لہٰذا تم کوشش کرو کہ سعادت مندوں میں سے بن جاؤ، امام قتادہ نے فرمایا ہے کہ اس فرمان: ﴿وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔① یعنی ان کے قول کے مطابق یہ جملہ پہلے کلام سے الگ اور یہاں سے لے کر ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ (العنکبوت 24:29) تک معترضہ ہے، امام ابن جریر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔② جبکہ سیاق سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قول ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس ساری گفتگو کے بعد ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ (العنکبوت 24:29) سے اثبات آخرت کے لیے ان کے خلاف استدلال کیا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 19-23

حیات بعد الممات کے دلائل: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ ان کی قوم آخرت کی منکر تھی، انھوں نے اس کے بارے میں اپنی قوم کی رہنمائی اس طرح فرمائی کہ دیکھو ایک وقت تھا کہ تمھارا کوئی ذکر نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں پیدا فرمایا اور تمھیں دیکھنے اور سننے والے انسان بنا دیا۔ جس ذات پاک نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا فرمایا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمھیں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا فرمائے، یہ اس کے لیے بہت آسان ہے کچھ مشکل نہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رہنمائی کرتے ہوئے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ ان نشانیوں سے عبرت حاصل کرو جو اللہ تعالیٰ نے اس

① تفسیر ابن أبی حاتم: 3045/9 . ② تفسیر الطبری: 171/20 .

کائنات میں پیدا فرمائی ہیں، دیکھو اس نے آسمانوں کو پیدا فرمایا اور ان میں روشن نجوم جو سیار و غیر سیار ہیں، کو پیدا فرمایا، زمینوں کو اور ان میں میدانوں، پہاڑوں، وادیوں، جنگلوں، صحراؤں، درختوں، نہروں، پھلوں، دریاؤں اور سمندروں کو پیدا فرمادیا، الغرض! کائنات کی ایک ایک چیز اپنے پیدا کرنے والے کے وجود کی شہادت دے رہی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ پیدا ہوجاتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَوَ لَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ ﴾ ''کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ خلقت کو پہلی بار کس طرح پیدا کرتا ہے، پھر وہی اس کو لوٹائے گا، بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِىۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ ؕ ﴾ (الروم 30:27) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۰﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا، پھر اللہ ہی دوسری دفعہ پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ ﴾ ''وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے۔'' یعنی وہ حاکم متصرف ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرمالے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، کوئی اس کے فیصلے کو بدل نہیں سکتا، وہ جو کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جاسکتا جبکہ سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا، سب مخلوق اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے، اس کا ہر کام سراپا عدل ہے کیونکہ وہ ایسا مالک ہے جو ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے اہل سنن نے روایت کیا ہے: [لَوْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَذَّبَ أَهْلَ سَمٰوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَّهُمْ] ''اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ انھیں عذاب دینے کے باوجود بھی ظالم نہیں ہوگا۔''[1] اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ﴾ ''وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور اس کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ز ﴾ ''اور تم (اس کو) نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو نہ آسمان میں۔'' یعنی آسمانوں اور زمین والوں میں سے اسے کوئی عاجز نہیں کرسکتا، وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، ہر چیز اس سے خائف اور اس کی محتاج ہے جبکہ وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے ﴿ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ ﴾ ''اور نہ اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار اور جن لوگوں نے اللہ

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4699 وسنن ابن ماجه، السنة، باب في القدر، حديث: 77 عن أُبيّ بن كعب ﷺ موقوفاً وزيد بن ثابت ﷺ مرفوعاً.

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ

پھر ابراہیم کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ انھوں نے کہا: اسے قتل کر دو یا اسے جلا دو، پھر اللہ نے اسے آگ سے نجات دی، بے شک اس میں ایمان لانے

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿24﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿24﴾ اور ابراہیم نے کہا: تم نے اللہ کے سوا جن بتوں کو معبود ٹھہرالیا ہے، تو یہ محض تمھاری آپس کی دنیا کی دوستی کی وجہ

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ

سے ہے، پھر روزِ قیامت تم میں سے ایک دوسرے کا انکار کرے گا، اور تم میں سے ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا، اور تمھارا ٹھکانا آگ ہے، اور تمھارے

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿25﴾ ۖ وقف لازم

لیے کوئی مدد کرنے والے نہ ہوں گے ﴿25﴾

کی آیتوں سے اور اس کے ملنے سے انکار کیا۔'' یعنی ملاقات سے انکار کیا اور آخرت کے ساتھ کفر کیا ﴿ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ ﴾ ''یہی لوگ میری رحمت سے ناامید ہیں۔'' کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، ﴿ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿23﴾ ﴾ ''اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' یعنی ان کے لیے دنیا و آخرت میں ایسا عذاب ہوگا جو بے حد دکھ اور درد دینے والا ہوگا۔

تفسیر آیات: 25,24

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کفر، عناد، ہٹ دھرمی اور باطل کے ساتھ حق کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رشد و ہدایت پر مبنی کلام کو سننے کے بعد ﴿ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ ﴾ ''کہنے لگے کہ اسے مار ڈالو یا جلا دو۔'' اس لیے کہ ان پر برہان قائم ہو چکی تھی اور حجت غالب آگئی تھی مگر انھوں نے اسے قبول کرنے کے بجائے اپنی طاقت و قوت کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا: ﴿ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:97,98) ''وہ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک عمارت بناؤ، پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو، غرض انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی تو ہم نے انھی کو زیر کر دیا۔'' انھوں نے ایک طویل مدت تک بہت زبردست ایندھن جمع کیا، اس کے گرد دیوار بنا دی، پھر اس میں آگ لگا دی، آگ کے شعلوں نے آسمان سے باتیں کرنا شروع کر دیں، دنیا کی تاریخ میں ایسی زبردست آگ پہلے کبھی نہ جلائی گئی تھی، پھر انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر منجنیق کے ایک پلڑے میں رکھ کر آگ میں ڈال دیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو آپ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا اور آپ وہاں کئی دن رہنے کے بعد سلامتی کے ساتھ باہر نکل آئے، اسی طرح کے ابتلا اور دیگر امتحانوں میں کامیابی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا اور آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر دیا، اس کی خاطر آتشِ نمرود میں چھلانگ لگا دی، اس کی رضا کے لیے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اپنا مال انھوں نے مہمانوں کے لیے وقف کر دیا، آپ کے انھی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے تمام اہل ادیان آپ کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اور ارشاد باری تعالیٰ

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيۡ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿26﴾ وَوَهَبۡنَا

پھر ابراہیم پر لوط ایمان لایا، اور ابراہیم نے کہا: بے شک میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بلاشبہ وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا

لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَجَعَلۡنَا فِيۡ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِى الدُّنۡيَا ۚ

ہے﴿26﴾ اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب دیے اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی، اور ہم نے اسے اس کا اجر دنیا میں بھی دیا، اور بلاشبہ وہ

وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿27﴾

آخرت میں صالح لوگوں میں سے ہوگا﴿27﴾

ہے: ﴿ فَاَنۡجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ ﴾ ''اللہ نے اس کو آگ سے بچالیا۔'' یعنی آگ کو آپ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا کر آپ کو اس سے محفوظ رکھا۔ ﴿ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿24﴾ ﴾ ''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، بلاشبہ ان کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔''

فقط دنیا کی خاطر تعلقات کا انجام: ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے بتوں کی عاجزی کو بیان فرمایا: ﴿ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ ﴾ ''اور (ابراہیم نے) کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیاوی زندگی میں باہم دوستی کے لیے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پوجا کی وجہ سے اپنی قوم کو ڈانٹتے اور ان کے اس کرتوت پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے یہ کام اس لیے شروع کیا ہے تاکہ دنیاوی زندگی میں ایک دوسرے سے محبت کے اظہار کے لیے تم سب بتوں کی پوجا پر جمع ہو جاؤ، ﴿ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ﴾ ''پھر قیامت کے دن۔'' صورت حال اس کے بالکل برعکس ہوگی اور یہ محبت اور دوستی، بغض اور دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی، پھر: ﴿ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ بِبَعۡضٍ ﴾ ''ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے۔'' اپنے آپس کے تعلقات سے منکر ہو جاؤ گے۔ ﴿ وَّيَلۡعَنُ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ۫ ﴾ ''اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔'' پیروکار اپنے پیشواؤں پر اور پیشوا اپنے پیروکاروں پر لعنت بھیجیں گے۔ ﴿ كُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّةٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا ؕ ﴾ (الأعراف 38:7) ''جب بھی ایک جماعت (وہاں) داخل ہوگی تو اپنے جیسی (دوسری جماعت) پر لعنت کرے گی۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ۠ ﴾ (الزخرف 67:43) ''جو (آپس میں) دوست ہیں اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے۔)'' اور یہاں فرمایا: ﴿ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ بِبَعۡضٍ وَّيَلۡعَنُ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ۫ وَّمَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿25﴾ ﴾ یعنی قیامت کے دن کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا، کوئی مددگار نہ ہوگا جو تمھاری مدد کرے اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا جو تمھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے، یہ کافروں کا حال ہے جبکہ مومنوں کا حال اس کے الٹ ہوگا۔

تفسیر آیات: 27,26

حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان وہجرت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہما السلام پر ایمان لے آئے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام آپ کے بھتیجے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے: لوط بن ہاران

بن آزر، یعنی آپ کی قوم میں سے ان کے سوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ اس آیت کریمہ اور اس حدیث میں تطبیق کس طرح ہوگی جو صحیح بخاری میں ہے اور جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب ایک جبار شخص کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت سارہ کے بارے میں پوچھا کہ یہ آپ کی کیا لگتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا یہ میری بہن ہیں، پھر آپ نے حضرت سارہ کے پاس آ کر ان سے کہا: میں نے اس شخص سے کہا ہے کہ آپ میری بہن ہیں تو میری تکذیب نہ کرنا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور آپ کے سوا کوئی مومن نہیں تو دینی اعتبار سے تو میری بہن بھی ہے۔[1] آپ کی اس سے مراد یہ تھی کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمھارے سوا کوئی اور جوڑا مومن نہیں ہے۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

آپ کی قوم میں سے لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے، انھوں نے آپ کے ساتھ بلاد شام کی طرف ہجرت کی، پھر انھیں آپ کی زندگی ہی میں اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر مبعوث کر دیا گیا، اہل سدوم اس خرابی میں مبتلا تھے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور آیندہ بھی ہوگا۔[3] ﴿وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ﴾ ''اور کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت لوط علیہ السلام کا قول ہو کیونکہ قریب ترین مرجع آپ ہی ہیں۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہو، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے کہ ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ﴾ کا کنایہ آپ ہی سے ہے اور ﴿لَهٗ﴾ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔[4] یعنی آپ کی قوم میں سے لوط علیہ السلام ہی ایمان لائے، پھر ان کے بارے میں بتایا گیا کہ اپنی قوم میں سے صرف انھوں نے ہجرت کو پسند فرمایا تاکہ دین کا اظہار کیا جائے اور اسے غلبہ حاصل ہو، اس لیے انھوں نے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲۶﴾ ''بے شک وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی غلبہ وعزت اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں ہی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اپنے اقوال، افعال اور قدری وشرعی احکام میں حکیم ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ دونوں ہی نے کوفہ کی بستی کوثٰی سے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔[5]

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق و یعقوب عطا فرمائے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ﴾ ''اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ۝﴾ (مریم 49:19) ''پھر جب ابراہیم، ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے،

---

[1] صحیح البخاری، البیوع، باب شراء المملوك......، حدیث: 2217 وصحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل إبراهیم الخلیل ﷺ، حدیث: 2371 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ. [2] یا روئے زمین سے مراد وہ خاص بستی ہے جہاں ابراہیم اور سارہ علیہما السلام موجود تھے اور ان کے ہمراہ لوط علیہ السلام نہیں تھے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری: 452/6. [3] دیکھیے ہود، آیات: 80-83 کے ذیل میں عنوان: ''حضرت لوط کی عاجزی، قوت کی تمنا اور فرشتوں کا آپ کو حقیقت سے مطلع کرنا'' وتفسیر الطبری: 120,119/12. [4] تفسیر الطبری: 175/20 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3050/9. [5] تفسیر الطبری: 174/20 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3050/9.

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ ۫ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ

اور (ہم نے بھیجا) لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: بے شک تم ایسی فحاشی (بدکاری) پر اتر آئے ہو جو تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی

الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿28﴾ اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَ تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ ۬ۙ وَ تَاۡتُوۡنَ فِیۡ نَادِیۡکُمُ

نہیں کی ﴿28﴾ کیا تم لوگ مردوں کے پاس (جنسی تسکین کے لیے) آتے ہو، اور تم راستے کاٹتے ہو، اور تم اپنی مجلسوں میں برے کام (بے حیائی) کرتے

الۡمُنۡکَرَ ؕ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتِنَا بِعَذَابِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ

ہو؟ پھر ان کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ انھوں نے کہا: اگر تو سچوں میں سے ہے تو اللہ کا عذاب لے آ ﴿29﴾ لوط نے کہا: اے میرے رب! فسادی

3 ع 8 15 الصّٰدِقِیۡنَ ﴿29﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿30﴾

لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما ﴿30﴾

الگ ہو گیا تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور سب کو پیغمبر بنایا۔'' یعنی جب انھوں نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے صالح اور نبی بیٹا عطا فرما کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی، پھر ان کے ہاں صالح و نبی بیٹا پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح ذکر فرمایا ہے: ﴿وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ ؕ وَيَعۡقُوۡبَ نَافِلَةً ؕ﴾ (الأنبیآء 72:21) ''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیے اور مستزاد برآں یعقوب۔'' اور فرمایا: ﴿فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ۝﴾ (ھود 71:11) ''پھر ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔'' یعنی تمھاری زندگی ہی میں تمھارے اس بیٹے کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو تمھاری آنکھوں کے لیے باعث ٹھنڈک ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلۡنَا فِيۡ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ﴾ ''اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر کر دی۔)'' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے ساتھ ساتھ اس عظیم الشان خلعت سے سرفراز فرمایا کہ آپ کو تمام لوگوں کا امام بنا دیا اور آپ کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب کو مقرر کر دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو نبی بھی آیا وہ آپ کی اولاد ہی سے آیا، تمام انبیائے بنی اسرائیل، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہی کی اولاد میں سے ہیں حتی کہ ان میں سے جب آخری نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام آئے تو انھوں نے اپنی قوم کو نبی عربی، قریشی ہاشمی، علی الاطلاق خاتم الرسل اور دنیا و آخرت میں تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت سنائی جنھیں اللہ تعالیٰ نے خالص عربوں اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد سے منتخب فرمایا تھا اور آپ کے سوا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے اور کوئی نبی نہیں ہوا۔ عَلَيۡهِ أَفۡضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ۔

اور فرمایا: ﴿وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِي الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿27﴾﴾ ''اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عنایت کیا اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت کی سعادتیں اور کامرانیاں عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں خوش گوار، فراخ رزق، کشادہ اور بابرکت گھر، شیریں پانی کا کنواں، خوبصورت اور نیک بیوی، ثنائے جمیلہ اور ذکر حسن عطا فرمایا اور ہر ایک آپ سے محبت کرتا اور آپ کی طرف اپنا انتساب کرتا

ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور دیگر مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔[1] پھر اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کو اختیار کیے رکھا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴾ (النجم 37:53) ''اور ابراہیم (کے صحیفوں میں) جنھوں نے (حق رسالت وطاعت) پورا کیا۔'' انھوں نے اپنے رب تعالیٰ کی پوری پوری اطاعت کی اور ان تمام امور کو پورا کر دکھایا جن کا انھیں حکم دیا گیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عنایت کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:120-122) ''بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک امت تھا، اللہ کا فرماں بردار، ایک اللہ کی طرف ہو جانے والا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا، اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے رستے کی طرف ہدایت دی۔ اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور بے شک وہ آخرت میں بھی یقیناً نیک لوگوں میں سے ہے۔''

تفسیر آیات: 28-30

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کی برائیوں کی تردید کی، خصوصاً ان کے اس بدترین فعل کی زبردست تردید کی کہ وہ مردوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کیا کرتے تھے اور ان سے پہلے کے انسانوں میں سے کسی نے اس بدترین برائی کا ارتکاب نہ کیا تھا اور اس قبیح عادت کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے، اس کے رسول کی تکذیب کرتے اور رستے کو قطع کرتے تھے، یعنی لوگوں کے رستے پر جا کر کھڑے ہو جاتے اور راہ چلتے لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا کرتے تھے، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ ﴾ ''اور تم اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔'' وہ اپنی مجلسوں میں بے ہودہ اقوال و افعال کرتے تھے اور ان میں سے کوئی کسی کو منع نہیں کرتا تھا۔ بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں سر عام ایک دوسرے کے ساتھ جنسی عمل کیا کرتے تھے، یہ امام مجاہد کا قول ہے۔[2] اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ آپس میں با آواز ہوا خارج کر کے ہنسنا شروع کر دیتے تھے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور قاسم رحمہ اللہ کا قول ہے۔[3] اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مینڈھے اور مرغے لڑایا کرتے تھے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ سارے کام ہی کیا کرتے تھے اور وہ اس سے بھی بدتر تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ ''تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا: اگر تم سچوں سے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔'' یہ ان کے کفر،

---

[1] تفسير الطبري: 176,175/20 و تفسير ابن أبي حاتم: 3052/9. [2] تفسير الطبري: 178/20 و تفسير ابن أبي حاتم: 3055/9. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 3055/9 و تفسير الطبري: 177/20.

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ

اور جب ہمارے قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو انھوں نے کہا: بے شک ہم اس بستی (سدوم) والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں،

اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿31﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

بلاشبہ اس بستی والے ظالم ہیں ﴿31﴾ ابراہیم نے کہا: بے شک اس میں تو لوط بھی ہے، انھوں نے کہا: ہم خوب جانتے ہیں جو کوئی اس میں ہے، یقیناً ہم

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿32﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ

اسے اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی ﴿32﴾ اور جب ہمارے قاصد لوط کے پاس آئے تو

بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا

وہ ان (کے آنے) کی وجہ سے غم زدہ ہوا، اور ان کی وجہ سے (اس کا) سینہ تنگ ہوا، اور فرشتوں نے کہا: تو مت ڈر اور مت غم کھا، بلاشبہ ہم تجھے اور تیرے گھر

امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿33﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ

والوں کو نجات دینے والے ہیں، سوائے تیری بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ﴿33﴾ بے شک ہم اس بستی والوں پر ان کے فسق کی وجہ سے،

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿34﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿35﴾

آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں ﴿34﴾ اور بلاشبہ ہم نے اس بستی کو ان لوگوں کے لیے (بطور) کھلی نشانی چھوڑ رکھا ہے جو عقل رکھتے ہیں ﴿35﴾

استہزا اور عناد کی انتہا تھی کہ انھوں نے یہ بات کی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نبی نے ان کے خلاف مدد طلب کرتے ہوئے یہ دعا کی:

﴿رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿30﴾﴾ ”اے میرے پروردگار! (ان) مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔“

تفسیر آیات: 31-35

حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے پاس فرشتوں کی آمد: جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کے لیے فرشتے بھیج دیے۔ یہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کے روپ میں آئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا مگر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ یہ کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھا رہے ہے تو انھوں نے انھیں اجنبی سمجھتے ہوئے ان سے خوف محسوس کیا تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے انس ومحبت کی باتیں شروع کر دیں اور آپ کو آپ کی بیوی حضرت سارہ کے بطن سے جنم لینے والے ایک نیک بیٹے کی خوش خبری بھی سنائی، حضرت سارہ بھی اس وقت وہاں موجود تھیں، انھوں نے یہ بات سن کر تعجب کا اظہار کیا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ ہود اور حجر میں بیان ہو چکا ہے۔[1] بہر حال جب انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت سنا دی تو اس کے بعد انھوں نے آپ کو یہ اطلاع بھی دے دی کہ انھیں قوم لوط کی تباہی وہلاکت کے لیے بھیجا گیا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دفاع کرنا شروع کر دیا تا کہ انھیں مہلت دے دی جائے اور شاید اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرما دے اور جب فرشتوں نے آپ کو یہ بتایا کہ ہم تو اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں تو ﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ

[1] دیکھیے ہود، آیات: 71-73 والحجر، آیات: 53-56۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا

اور (ہم نے) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا تو اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اور یوم آخرت کی امید رکھو، اور تم

فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿36﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿37﴾

زمین میں فساد کرتے نہ پھرو ﴿36﴾ پھر انھوں نے اسے جھٹلایا، تو انھیں زلزلے نے آن پکڑا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿37﴾

اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿32﴾ ''ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ یقیناً اس میں تو لوط بھی ہیں، وہ کہنے لگے کہ جو لوگ وہاں رہتے ہیں ہمیں سب معلوم ہیں، ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز ان کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔'' یعنی وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں ہوگی کیونکہ کفر و سرکشی میں وہ ان کی ہمنوا تھی، پھر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے رخصت ہو گئے اور خوب صورت نوجوانوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آگئے، حضرت لوط علیہ السلام نے جب انھیں دیکھا تو ﴿سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ ''وہ ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوا اور ان کی وجہ سے (اس کا) سینہ تنگ ہوا۔'' یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی وجہ سے غم لاحق ہو گیا کہ اگر آپ نے انھیں مہمان بنالیا تو خدشہ ہے کہ قوم ان سے بدسلوکی کرے اور اگر مہمان نہ بنایا تو پھر بھی ان کے بارے میں خطرہ ہے کہ لوگ ان سے برا سلوک کریں گے۔

اس وقت لوط علیہ السلام کو ان آنے والے مہمانوں کی حقیقت حال کا علم نہ تھا۔ ﴿وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿33﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿34﴾﴾ ''اور فرشتوں نے کہا: کچھ خوف نہ کیجیے اور نہ رنج کیجیے، ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی، ہم اس بستی کے رہنے والوں پر اس سبب سے کہ یہ نافرمانی کرتے ہیں، آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔'' حضرت جبریل علیہ السلام ان کی بستیوں کو زمین سے اکھاڑ کر آسمان کی بلندی تک لے گئے اور انھیں وہاں سے الٹا کر پھینک دیا، پھر ان پر اللہ تعالیٰ نے پے در پے پتھر برسا دیے جن پر تمھارے پروردگار کے ہاں سے نشان لگے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کی جگہ ایک خبیث بحیرۂ مردار بنا کر ان لوگوں کو قیامت تک نمونہ عبرت بنا دیا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿35﴾﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی کو ان لوگوں کے لیے (بطور) کھلی نشانی چھوڑ رکھا ہے جو عقل رکھتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۙ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت: 37:137,138) ''اور بے شک تم صبح کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

تفسیر آیات: 37,36

حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم اہل مدین کو ڈرایا، انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور عاد اور ثمود (کو بھی ہم نے ہلاک کیا) اور یہ بات تمھارے لیے ان کے (تباہ شدہ) گھروں سے یقیناً واضح ہو چکی ہے، اور شیطان نے ان کے اعمال ان

عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿38﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

کے لیے مزین کر دیے تھے، پھر اس نے انھیں سیدھی راہ سے روک دیا، حالانکہ وہ سمجھ بوجھ والے تھے ﴿38﴾ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (بھی ہلاک

مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿39﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ

کر دیا) اور بلاشبہ ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر بھی انھوں نے زمین میں تکبر کیا، اور وہ (عذاب سے بچ کر) نکل جانے والے نہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

تھے ﴿39﴾ پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑا، چنانچہ ان میں سے کوئی تو وہ تھے جن پر ہم نے پتھروں بھری آندھی بھیجی، اور ان میں سے کوئی وہ تھے

خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

جنھیں چنگھاڑ نے آن پکڑا، اور ان میں سے کوئی وہ تھے جنھیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور ان میں سے کوئی وہ تھے جنھیں ہم نے غرق کر دیا، اور اللہ

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿40﴾

ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ﴿40﴾

عذاب، اس کی ناراضی اور اس کی گرفت سے ڈر جاؤ، آپ نے فرمایا: ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور یومِ آخرت کی امید رکھو۔'' امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آخرت کے دن سے ڈرو۔[1] اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (الأحزاب 33:21) ''جو اللہ کی (ملاقات) اور آخرت کے دن کی توقع رکھتے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿36﴾﴾ ''اور تم زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔'' انھوں نے اپنی قوم کو زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنے اور اہل زمین پر ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ وہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے اور رہزنی کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر بھی کیا کرتے تھے۔ ان جرائم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک ایسے زبردست زلزلے سے ہلاک کر دیا جس نے ان کے علاقوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا، نیز ان پر ایک ایسی خوفناک چیخ بھیجی گئی جس سے ان کے دل حلق میں آ گئے تھے، یہ وہ سائبان کے دن کا عذاب تھا جس نے جسموں سے روحوں کو نکال دیا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ قبل ازیں سورۂ اعراف، ہود اور شعراء میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔[2] ﴿فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿37﴾﴾ ''پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں مرے پڑے تھے۔[3] دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ وہ مردہ حالت میں ایک دوسرے کے اوپر گرے

[1] تفسیر الطبری: 182/20۔ [2] دیکھیے الأعراف، آیت: 84 وھود، آیات: 85,84 والشعرآء، آیات: 177-183۔

[3] تفسیر الطبری: 182/20۔

ہوئے تھے۔ ①

تفسیر آیات: 38-40

اپنے رسولوں کی تکذیب کرنے والی قومیں: ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کس طرح تباہ و برباد کیا۔ ان پر کیسے کیسے عذاب نازل کیے اور کس طرح ان سے انتقام لیا۔ عاد، یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے لوگ سرزمین احقاف میں رہتے تھے، یہ ایک بستی تھی جو یمن کے شہر حضر موت کے قریب تھی اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے لوگ حجر کے قریب وادی قُریٰ کے رہنے والے تھے۔ عرب ان دونوں قوموں کے علاقوں سے خوب آگاہ تھے کیونکہ کثرت کے ساتھ ان علاقوں سے گزرتے رہتے تھے۔ قارون وہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت ہی زیادہ مال عطا فرما رکھا تھا حتی کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ہی بہت بھاری تھیں۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا، یہ اور اس کا وزیر ہامان دونوں قبطی النسل تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے والے تھے۔ ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ﴾ ''تو ہم نے سب کو ان کے گناہ کے سبب پکڑ لیا۔'' اور اس کے مناسب حال سزا دی: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا﴾ ''پھر ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا۔'' اور یہ عاد تھے جنھوں نے کہا تھا کہ ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نہایت شدید سرد بادِ صرصر بھیج دی جس کی رفتار بہت تیز تھی، وہ زمین سے پتھر اٹھا کر ان پر برسا رہی تھی، ان کے مکانات کو تباہ و برباد کر رہی تھی، وہ ایک ایک کو زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندی تک لے جاتی اور وہاں سے سر کے بل الٹا کر گرا دیتی جس سے گرنے والے کا سر پھٹ کر بھیجا باہر آجاتا اور اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا اور بالآخر وہ یوں گرے پڑے تھے گویا کھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہوں۔

نافرمان قوموں پر عذاب کی مختلف صورتیں: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ﴾ ''اور کچھ ان میں ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آ پکڑا۔'' اور وہ قوم ثمود کے لوگ تھے جن پر حجت تمام ہوگئی تھی اور اس اونٹنی کی وجہ سے دلیل ان کے سامنے بالکل ظاہر ہوگئی تھی جو ان کے مطالبے کے عین مطابق پہاڑ کی چٹان سے نمودار ہوئی تھی مگر اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے بلکہ سرکشی اور کفر کی روش پر قائم ہی رہے اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ڈرانا دھمکانا بھی شروع کر دیا کہ وہ انھیں اپنے علاقے سے نکال دیں گے اور پتھر مار مار کر سنگسار کر دیں گے، ان کی ان بداعمالیوں کے سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ایک ایسی چنگھاڑ نے آ پکڑا جس نے ان کی آوازوں اور حرکتوں کو بند کر دیا: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ ''اور ان میں کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔'' اور وہ قارون تھا جس نے سرکشی، بغاوت اور کفر کی روش اختیار کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی، زمین میں اکڑ کر چلنے لگا، بے پناہ غرور کا اظہار کر کے اترانے لگا اور اپنے آپ پر بڑا فخر کرنے لگا، وہ گمان کرتا تھا کہ زمین میں اس سے بہتر اور کوئی انسان نہیں ہے،

① تفسیر الطبری: 182/20.

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ

ان لوگوں کی مثال، جنھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنائے، مکڑی کی سی ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا، اور بے شک گھروں

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

وقف لازم

میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے، کاش! وہ جانتے ہوتے ﴿41﴾ بلاشبہ اللہ جانتا ہے ان چیزوں کو جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے

مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿42﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ

ہیں اور وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿42﴾ اور یہ مثالیں ہم لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے بیان کرتے ہیں، اور انھیں

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿43﴾

بس علم والے ہی سمجھتے ہیں ﴿43﴾

بہر حال جب اس نے بہت ہی غرور اور فخر کے ساتھ چلنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین ہی میں دھنستا چلا جائے گا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ﴾ ''اور ان میں کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا۔'' اور وہ فرعون، اس کا وزیر ہامان اور ان کے وہ لشکر تھے جنھیں صبح کے ایک ہی لمحے میں غرق کر دیا گیا اور ان میں کوئی ایک بھی باقی نہ بچا تھا۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ ''اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اس میں ان پر قطعاً کوئی ظلم نہیں کیا، ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿40﴾﴾ ''اور لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں انھی کی اپنی بداعمالیوں کے موافق سزا دی ہے۔

تفسیر آیات: 41-43

مشرکین کے معبودوں کی مثال مکڑی کے گھر کی ہے: مشرکین نے اللہ کے سوا جو معبودان باطلہ بنا رکھے ہیں جن سے وہ فتح و نصرت اور رزق کی امید رکھتے اور شدید مشکلات کے ازالے کے لیے جن کے دامن سے وابستہ ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ضعف و ناتوانی میں مکڑی کے گھر کی طرح ہیں، یعنی ان معبودان باطلہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو مکڑی کے گھر سے وابستہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ مکڑی کا گھر اس کے کچھ کام نہ آسکے گا، اگر انھیں اپنے اس حال کا علم ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دوست نہ بنائیں، ان مشرکوں کے برعکس ایک مسلم و مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے وابستہ ہوتا ہے، اس نے گویا ایک ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں تھام لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں، کیونکہ وہ رسی بہت ہی مضبوط اور طاقتور ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش کی ہے جو اس کی ذات پاک کے ساتھ شرک کرتے اور غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو جانتا ہے، وہ ان معبودان باطلہ کو بھی جانتا ہے جن کو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک قرار دے رکھا ہے، وہ ان کے اعمال کی انھیں پوری پوری سزا دے گا کہ وہ ذات پاک حکیم و علیم ہے، پھر فرمایا: ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿43﴾﴾ ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں، اور انھیں تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔'' یعنی ان مثالوں کو صرف وہی

4 ع 14 16 خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع

اللہ نے زمین اور آسمان حق کے ساتھ پیدا کیے ہیں، بلاشبہ اس میں مومنوں کے لیے عظیم نشانی ہے ﴿۴۴﴾

لوگ سمجھتے اور ان پر غور کرتے ہیں جن کو علم میں رسوخ اور کمال حاصل ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے عمرو بن مرہ سے روایت کیا ہے کہ میں جب کتاب اللہ کی کسی ایسی آیت کے پاس سے گزرتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو اس سے میں غمگین ہو جاتا ہوں کیونکہ میں نے یہ ارشاد باری تعالیٰ سنا ہے: ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔“[1]

تفسیر آیت:44

تخلیق کائنات اور اس کا سبب: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، انھیں بے مقصد یا محض لہو ولعب کے طور پر پیدا نہیں فرمایا ﴿لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾﴾ (طٰهٰ 15:20) ”تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے۔“ اور فرمایا: ﴿لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ﴿۳۱﴾﴾ (النجم 31:53) ”(اور اس نے خلقت کو اس لیے پیدا کیا ہے) کہ جن لوگوں نے برے کام کیے وہ ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔“ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ”کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لیے اس میں نشانی ہے۔“ یعنی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا، اسی کی تدبیر کارفرما ہے اور الوہیت صرف اسی کی ذات پاک کے شایان شان ہے۔

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 3064/9.

اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ

(اے نبی!) اس کتاب کی تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اور نماز قائم کیجیے، یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے،

وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ ﴿45﴾

اور بلاشبہ اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو﴿45﴾

وَ لَا تُجَادِلُوۡۤا اَہۡلَ الۡکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ٭ۖ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ وَ قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا

اور تم اہل کتاب سے احسن انداز ہی سے بحث وتکرار کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں، اور تم (ان سے) کہو: ہم اس (کتاب) پر ایمان

بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَ اِلٰـہُنَا وَ اِلٰـہُکُمۡ وَاحِدٌ وَّ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿46﴾

لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی، اور (جو) تمھاری طرف نازل کی گئی، اور ہمارا معبود اور تمھارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں﴿46﴾

تفسیر آیت:45

تبلیغ، تلاوت اور نماز کا حکم: پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اپنے مومن بندوں کو تلاوت قرآن کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ تلاوت سے مراد قرآن مجید کو پڑھنا اور اسے لوگوں تک پہنچانا ہے۔ ﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ﴾ ''اور نماز قائم کریں، کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑا (اچھا کام) ہے۔'' یعنی نماز دو چیزوں پر مشتمل ہے، یہ بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے، یعنی باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا انسان کو بے حیائی اور بری باتوں کے ترک کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو وہ چوری کرتا ہے، آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُولُ] ''بے شک جو تو کہہ رہا ہے (کہ وہ نماز پڑھتا ہے) یہ عمل اسے (چوری کرنے سے) روک دے گا۔''[1]

نماز اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہے اور نماز کا بڑا مطلوب ومقصود ذکر الٰہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ﴾ ''اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑا (کام) ہے۔'' یعنی یہ پہلے کام سے بھی زیادہ بڑا کام ہے۔ ﴿ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ ﴿45﴾﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے تمام اعمال واقوال کو خوب جانتا ہے۔ ابو العالیہ نے اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ نماز میں تین خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ جس نماز میں یہ تین خوبیاں نہ ہوں وہ نماز ہی نہیں ہے: (1) اخلاص (2) اللہ تعالیٰ کا ڈر (3) ذکر الٰہی، اخلاص نمازی کو اچھی باتوں کا حکم دے گا، اللہ تعالیٰ کا ڈر اسے بری باتوں سے روکے گا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر قرآن ہے اور وہ بھی اسے معروف کام کا حکم دے گا اور منکر سے منع کرے گا۔[2] ابن عون انصاری کہتے ہیں کہ جب تم حالتِ نماز میں ہو تو تم مصروف ہی مصروف ہو اور نماز

[1] مسند أحمد: 447/2 وصحيح ابن حبان، الصلاة، ذكر استحباب الإكثار للمرء من قيام الليل رجاء ترك المحظورات: 300/6، حديث: 2560. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 3066/9.

نے تمھیں برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روک دیا ہے اور اس طرح تم اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور ذکر الٰہی دیگر سب کاموں سے بڑا کام ہے۔ ①

تفسیر آیت:46

اہل کتاب سے جھگڑا: اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ اہل کتاب کو بھی دین میں بصیرت حاصل ہو تو وہ ان سے نہایت اچھے طریقے سے جھگڑا کرے تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾ (النحل 125:16) ''اے پیغمبر! آپ لوگوں کو دانش اور اچھی نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلائیں اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے بحث کریں جو اس کے رستے سے بھٹک گیا آپ کا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت ان سے فرمایا تھا: ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ ﴾ (طٰهٰ 44:20) ''پھر تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ﴾ ''ہاں، جو ان میں سے بے انصافی کریں (ان کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو۔)'' یعنی جو راہِ راست سے بھٹک جائیں، دلیل واضح سے اندھے ہو جائیں، عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں تو پھر مجادلہ کے بجائے مقاتلہ کیا جائے تاکہ انھیں غلط عقائد و اعمال سے منع کیا جاسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (الحدید 25:57) ''البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور اس لیے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ ان کو معلوم کرے، بے شک اللہ نہایت قوی، خوب غالب ہے۔'' حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ جو شخص کتاب اللہ کی مخالفت کرے ہم تلوار کے ساتھ اس کی گردن اڑا دیں۔ ②

اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ﴾ ''اور آپ کہہ دیں کہ جو (کتاب) ہم پر اتری اور جو (کتاب) تم پر اتری، ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی جب وہ ایسی خبر دیں جس کے صدق و کذب کے بارے میں ہمیں علم نہ ہو تو ہم نہ اس کی تکذیب کریں گے کیونکہ احتمال ہے کہ وہ بات سچ ہو اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے کیونکہ یہ احتمال بھی ہے کہ وہ باطل ہو، ہمارا اس پر ایمان مجمل اور ایک شرط کے ساتھ معلق ہو گا اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ بات واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہو اور اس میں کوئی تحریف یا تاویل نہ کی گئی ہو۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

① تفسیر الطبری: 193/20 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3066/9۔ ② اس کا حوالہ ہمیں نہیں مل سکا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ

اور (اے نبی! جیسے پہلے نبیوں پر کتابیں نازل کیں) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف (یہ) کتاب نازل کی ہے، تو اس (قرآن) پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنھیں

هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿47﴾ وَمَا كُنْتَ

ہم نے (اس سے پہلے) کتاب دی، اور ان (اہل مکہ) میں سے بھی بعض اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ہماری آیات کا انکار تو کافر ہی کرتے ہیں﴿47﴾ اور آپ

تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿48﴾ بَلْ

اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تب تو باطل پرست یقیناً شک کر سکتے

هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿49﴾

تھے﴿48﴾ بلکہ یہ قرآن تو واضح آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جنھیں علم دیا گیا، اور ظالم لوگ ہی ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں﴿49﴾

سے روایت کیا ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَقُولُوا: ﴿اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ......﴾ الآية] ''تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور یہ کہو: ''ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور تمھاری طرف نازل کیا گیا......''[1] اس حدیث کو صرف امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے روایت نہیں کیا اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو، حالانکہ تمھاری کتاب جو تمھارے رسول پر نازل کی گئی ہے وہ تازہ ترین کتاب ہے، تم اس کی تلاوت کرتے ہو اور یہ بالکل خالص ہے، اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہیں، اس کتاب نے تمھیں یہ بھی بتایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف و تبدیلی کر دی تھی، انھوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں۔ یہ علم جو تمھارے پاس آچکا ہے کیا یہ تمھیں اہل کتاب سے پوچھنے سے منع نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! ہم نے تو ان میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں دیکھا جو تم سے اس کے بارے میں سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حُمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ مدینہ میں قریش کی ایک جماعت سے گفتگو فرما رہے تھے، گفتگو میں جب کعب الاحبار کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اگرچہ اہل کتاب میں سے جو بیان کرنے والے ہیں اُن میں سے سب سے سچے ہیں، اس کے باوجود ہم نے ان میں بھی کذب پایا ہے۔[3] اس کے

① صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ: [لاتسألوا أهل الكتاب عن شيء]، حديث: 7362 البتہ امام ابن کثیر نے آیت ذکر نہیں کی۔ ② صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ: [لاتسألوا أهل الكتاب عن شيء]، حديث: 7363 ۔ ③ صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ: [لاتسألوا أهل الكتاب عن شيء]، حديث: 7361۔

معنی یہ ہیں کہ ان سے قصد و ارادہ کے بغیر لغوی طور پر کذب کا صدور ہوتا ہے کیونکہ وہ ایسے صحیفوں سے بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتے ہیں جبکہ ان میں بہت سی موضوع اور مکذوب چیزیں بھی ہیں کیونکہ ان کی امت میں اس طرح کے پختہ حفاظ نہیں تھے جس طرح ہماری اس عظیم امت میں ہیں لیکن قرب زمانہ اور اس سب کچھ کے باوجود اس امت میں بھی اس قدر احادیث وضع کی گئی ہیں جنھیں اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یا پھر وہ لوگ جانتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کا علم عطا فرما دیا ہو، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

تفسیر آیات: 47-49

قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کی دلیل: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محمد (ﷺ!) جس طرح ہم نے آپ سے پہلے رسولوں پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی اس کتاب کو نازل کیا ہے۔[1] امام ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ قول بہت اچھا ہے اور اس کی مناسبت اور ربط بہت عمدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ﴾ ''تو جن لوگوں کو ہم نے کتابیں دی تھیں وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔'' یعنی ان کے علماء واذکیاء، مثلاً، عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور ان جیسے دیگر لوگوں نے قرآن مجید کو لیا اور اس کی اس طرح تلاوت کی جس طرح تلاوت کرنے کا حق تھا۔ ﴿وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ ''اور بعض ان (مشرک) لوگوں میں سے بھی (ہیں جو) اس پر ایمان لے آتے ہیں۔'' یعنی قریش اور دیگر عرب قبائل کے لوگ ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿47﴾﴾ ''اور ہماری آیتوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو (ازلی) کافر ہیں۔'' یعنی اس کتاب کی تکذیب اور اس کے حق ہونے کا انکار وہ کرتے ہیں جو حق کو باطل کے ساتھ چھپاتے ہیں، گویا وہ سورج کی روشنی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اسے کیسے چھپایا جا سکتا ہے؟

پھر فرمایا: ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ﴾ ''اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس قرآن کے لانے سے پہلے آپ نے اپنی قوم میں ایک عمر گزاری ہے اور آپ نہ کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی لکھ سکتے تھے اور آپ کی قوم کا ہر فرد اور دیگر لوگ بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ آپ اُمی ہیں، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور سابقہ کتابوں میں بھی آپ کے بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ...... الآية (الأعراف 157:7) ''وہ جو (محمد) رسول اللہ کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں......'' رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اسی طرح رہے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے،

[1] تفسیر الطبری: 6/21.

آپ نے اپنے دست مبارک سے کبھی ایک سطر بلکہ ایک حرف بھی نہیں لکھا تھا، آپ نے کاتب مقرر فرما رکھے تھے جو آپ کے سامنے آپ پر نازل ہونے والی وحی کو لکھتے، نیز وہ مختلف حکمرانوں کے نام آپ کے مکتوبات شریفہ کو بھی لکھا کرتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ ''ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔'' یعنی اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو بعض جاہل لوگ شک کرتے اور کہتے کہ آپ نے سابقہ انبیاء کرام کی کتابوں سے سیکھ لیا ہے اور لطف کی بات یہ کہ انھوں نے ایسا کہہ بھی دیا، حالانکہ انھیں اچھی طرح علم تھا کہ آپ اُمی نبی ہیں، آپ تو لکھنا جانتے ہی نہیں: ﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ ﴾ (الفرقان 5:25) ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوالی ہیں، پھر وہ صبح و شام آپ کو لکھوائی جاتی ہیں۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (الفرقان 6:25) ''آپ کہہ دیں کہ اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ نہایت بخشنے والا، خوب مہربان ہے۔'' اور یہاں ارشاد فرمایا: ﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ ﴾ ''بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) ہیں۔'' یعنی یہ قرآن ایسی روشن اور واضح آیات پر مشتمل ہے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن میں جو حکم دیا گیا، جس بات سے منع کیا گیا اور جو خبر دی گئی وہ سب حق اور سچ ہے، پھر اس قرآن کو علماء حفظ کر لیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حفظ، تلاوت اور تفسیر کو بہت آسان کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ ﴾ (القمر 17:54) ''اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَامِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''نبیوں میں سے ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جن پر لوگ ایمان لاتے رہے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمایا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''①

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: [إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ، وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَّا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهُ نَائِمًا وَّيَقْظَانَ] ''یقیناً میں نے آپ کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ میں آپ کی آزمائش کروں اور آپ کے ذریعے سے (لوگوں کی بھی) آزمائش کروں اور میں نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو نہیں سکے گا اور آپ اسے سوتے جاگتے پڑھیں گے۔''② یعنی اگر کوئی ایسی جگہ پانی سے ڈھل جائے جس میں

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي وأول ما نزل؟ حديث :4981 وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمدﷺ،حديث:152عن أبي هريرةؓ. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث:2865 .

وَقَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ

انھوں نے کہا: اس پر اس کے رب کی طرف سے معجزے کیوں نہیں اتارے گئے؟ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: بس معجزے تو اللہ کے پاس ہیں، اور میں تو

مُّبِيْنٌ ﴿50﴾ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

محض ایک کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں﴿50﴾ کیا انھیں (یہ نشانی) کافی نہیں کہ بے شک ہم نے آپ پر (یہ) کتاب نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بلاشبہ

ع 5 7 1 لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي

اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں﴿51﴾ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے، آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿52﴾

اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اسے جانتا ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور انھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، وہی خسارہ پانے والے ہیں﴿52﴾

قرآن لکھا ہو تو اس جگہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ایک دوسری حدیث میں ہے: [لَوْ كَانَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ مَّامَسَّتْهُ النَّارُ] ''اگر قرآن کسی کھال میں ہو تو اسے آگ نہیں چھوئے گی۔''[1] کیونکہ قرآن تو سینوں میں محفوظ ہے اور زبانوں سے اس کی تلاوت کرنا بہت آسان ہے، دلوں پر نگہبان ہے، الفاظ اور معانی کے اعتبار سے معجزہ ہے، اسی لیے سابقہ کتابوں میں اس امت کی نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی انجیلیں (قرآن) ان کے سینوں میں محفوظ ہوں گی۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴿49﴾﴾ ''اور ہماری آیتوں (کو ماننے) سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔'' یعنی ظالم لوگ ہی اس کتاب کی تکذیب کرتے، اس کی شان کو کم کرتے اور اس کی تردید کرتے ہیں، ظالموں سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرتے، ہٹ دھرمی کرتے اور حق کو جاننے کے باوجود اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾ (یونس 10:96،97) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) صادر ہو چکا وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں حتی کہ دردناک عذاب بھی دیکھ لیں۔''

تفسیر آیات: 50-52

مشرکین کے نشانیوں کے مطالبے پر سرزنش: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نشانیاں طلب کیں، یعنی ایسی نشانیاں جو ان کی رہنمائی کریں کہ محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اونٹنی کی نشانی پیش کی تھی، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیں۔'' اے محمد (ﷺ!) ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔'' نشانیوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہو کہ تم ہدایت پا جاؤ گے تو وہ تمھارے مطالبے کو ضرور قبول فرما لے گا کیونکہ کوئی بھی نشانی دکھا

[1] مسند أحمد: 155/4 عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ اور انھی سے مذکورہ بالا مقام پر [مَا احْتَرَقَ] کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ [2] المعجم الكبير للطبراني: 89/10 وضعيف الجامع الصغير للألباني، حديث: 3473.

دینا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ نشانیاں طلب کرنے سے تمھارا مقصود تو محض ہٹ دھرمی اور امتحان ہی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ تمھارے اس مطالبے کو تسلیم نہیں فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝﴾ (بنی إسرآءیل 59:17) ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوت کی) کھلی نشانی دی تو انھوں نے اس (اونٹنی) پر ظلم کیا اور ہم صرف ڈرانے کے لیے نشانیاں بھیجتے ہیں۔''

اور فرمایا ﴿ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝50﴾ ''اور میں تو صرف کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔'' یعنی مجھے تو کھلم کھلا نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے اور میری ذمہ داری یہ ہے کہ میں تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دوں اور ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝﴾ (الکھف 17:18) ''جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ بتانے والا دوست نہ پائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ﴾ (البقرۃ 272:2) ''اے محمد (ﷺ!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت اور بے وقوفی کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے ایسی نشانیاں طلب کی ہیں جو محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی سچائی کی دلیل ہوں، حالانکہ آپ ان کے پاس ایک ایسی عالی رتبہ کتاب لے کر آئے ہیں کہ جس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، پھر یہ کتاب تمام معجزات سے بڑا معجزہ ہے۔ بڑے بڑے فُصَحاء اور بُلَغاء اس جیسی کتاب لانے سے عاجز آگئے بلکہ وہ اس جیسی دس سورتیں بھی بنا کر پیش نہ کر سکے، دس سورتیں تو بہت دور کی بات ہے وہ تو قرآن کی سورتوں جیسی ایک سورت بھی بنا کر پیش نہ کر سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''کیا ان لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔'' یعنی کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر ایسی عظیم الشان کتاب نازل کی ہے جس میں پہلے لوگوں کے واقعات، بعد میں آنے والے لوگوں کے حالات اور ان کے آپس کے معاملات کے فیصلے ہیں جبکہ آپ ایک اُمی انسان ہیں اور لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے اور نہ اہل کتاب میں سے کسی سے آپ کا میل جول ہے کہ پہلے صحیفوں میں سے ایسی خبروں کو چن کر لے آئیں جو ان کے اختلاف کی صورت میں بتا دیں کہ حق کیا ہے، پھر ان کے سامنے واضح، روشن اور جلی حق کو پیش کر دیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰۗؤُا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ۭ﴾ (الشعرآء 197:26) ''کیا ان کے لیے یہ ایک نشانی نہ تھی کہ علمائے بنی اسرائیل اس بات کو جانتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝﴾ (طٰہٰ 133:20) ''اور انھوں نے کہا: یہ (پیغمبر) اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لائے، کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً

اور یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں، اور اگر (عذاب کا) وقت مقرر نہ ہوتا تو انھیں عذاب ضرور آلیتا، اور یقیناً وہ انھیں اچانک ہی

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿53﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿54﴾ يَوْمَ

آلے گا، اور انھیں خبر تک نہ ہوگی﴿53﴾ یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں، اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے﴿54﴾ اس دن،

يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿55﴾

ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے، عذاب انھیں ڈھانپ لے گا اور اللہ فرمائے گا: جو کچھ تم کرتے تھے اس (کے مزے) کو چکھو﴿55﴾

نہیں آئی جو پہلی کتابوں میں ہے؟''

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا وَقَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَيَّ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَبَعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''نبیوں میں سے ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جن پر لوگ ایمان لاتے رہے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمایا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''[1] اسے بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ مومن لوگوں کے لیے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔'' یعنی اس قرآن میں رحمت ہے، حق کا بیان، باطل کا ازالہ اور تکذیب کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں پر نازل ہونے والے عذابوں کا تذکرہ مومنوں کے لیے باعث نصیحت ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔'' یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ تم کس طرح تکذیب کرتے ہو اور یہ بھی خوب جانتا ہے کہ میں تمھیں کس کس طرح اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے تمھاری طرف مبعوث فرمایا ہے اور اگر میں جھوٹا ہوتا تو وہ یقیناً مجھ سے انتقام لیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحآقّة 69:44-47) ''اور اگر یہ (پیغمبر) ہماری نسبت کوئی بات گھڑ کر لگا دیتے تو ہم ان کو دائیں ہاتھ سے ضرور پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی رگ گردن ضرور کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی ایک بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں جو بات بھی پہنچائی ہے میں اس میں سچا ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس نے واضح معجزات اور قطعی دلائل کے ساتھ میری مدد فرمائی ہے۔ ﴿ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''جو چیز آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ (سب) جانتا ہے۔'' اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں، ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا

[1] مسند أحمد: 341/2 و صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب: كيف نزل الوحي وأول مانزل؟......، حديث: 4981 و صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ......، حديث: 152.

بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿52﴾ ’’اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ کا انکار کیا، وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔‘‘ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دے گا کیونکہ انھوں نے حق کی تکذیب اور باطل کی اتباع کی ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلایا ہے، حالانکہ ان کی صداقت کے دلائل موجود ہیں، پھر یہ کسی دلیل کے بغیر طاغوتوں اور بتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جو حکیم و علیم ہے وہ روز قیامت ان کے ان اعمال کی انھیں ضرور سزا دے گا۔

تفسیر آیات: 53-55

مشرکین کا عذاب کے لیے جلدی کرنا: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت کو واضح کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر جلد واقع ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر ان کے بارے میں فرمایا ہے:

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الأنفال 8:32) ’’اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب لے آ۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ ﴾ ’’اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں، اگر ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا تو ان پر عذاب ضرور آ جاتا۔‘‘ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک عذاب کو مؤخر کرنے کا فیصلہ نہ فرمایا ہوتا تو جس طرح یہ جلدی چاہتے ہیں عذاب ان کے پاس بہت جلد اور بہت تیزی کے ساتھ آ چکا ہوتا، پھر فرمایا: ﴿ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً ﴾ ’’اور یقیناً وہ ان پر اچانک آ کر رہے گا۔‘‘ یعنی ان کے پاس اچانک عذاب آ جائے گا، ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿53﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿54﴾ ﴾ ’’اور ان کو معلوم بھی نہ ہوگا، یہ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں، حالانکہ دوزخ تو یقیناً کافروں کو گھیرنے والی ہے۔‘‘ یعنی یہ عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور عذاب ان پر یقینی طور پر واقع ہو کر رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ﴾ ’’جس دن عذاب انھیں ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانک لے گا۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ (الأعراف 7:41) ’’ایسے لوگوں کے لیے (نیچے) بچھونا بھی (آتش) جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اسی کا۔)‘‘ اور فرمایا: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ (الزمر 39:16) ’’ان کے لیے ان کے اوپر سے آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی سائبان ہوں گے۔‘‘ اور فرمایا: لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ ...... الآية (الأنبياء 21:39) ’’اے کاش! کافر اس وقت کو جانیں جب وہ اپنے چہروں سے (دوزخ کی) آگ کو روک نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے......‘‘ ہر طرف سے آگ نے ان کو ڈھانپ رکھا ہوگا، ظاہری عذاب کی یہ شدید ترین صورت ہوگی۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ ’’اور وہ (اللہ) فرمائے گا کہ جو کام تم کیا کرتے تھے

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿56﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! بلاشبہ میری زمین وسیع ہے، تو تم میری ہی عبادت کرو﴿56﴾ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے، پھر تم ہماری ہی

الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا

طرف لوٹائے جاؤ گے﴿57﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم انھیں جنت کے بالا خانوں میں ضرور جگہ دیں گے، ان کے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿58﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى

نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، (نیک) عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے﴿58﴾ جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿59﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ

پر توکل کرتے ہیں﴿59﴾ اور کتنے ہی (زمین پر) چلنے پھرنے والے جاندار ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ انھیں اور تمھیں بھی رزق دیتا ہے،

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿60﴾

اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿60﴾

(اب ان کا مزہ) چکھو۔'' یہ ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش نفسوں کے لیے ایک معنوی عذاب ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ؁ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ؁ ﴾ (القمر 49,48:54) ''اس روز وہ اپنے چہروں کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے، اب آگ کے چھونے (کے مزے) کو چکھو، ہم نے ہر چیز اندازۂ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؀ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ؀ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ؀ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؀ ﴾ (الطور 16-13:52) ''جس دن ان کو آتش کی طرف دھکے دے دے کر دھکیلا جائے گا، (کہا جائے گا:) یہی وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے ہی نہیں؟ اس میں داخل ہو جاؤ، پھر صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے، تمھیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو کام تم کیا کرتے تھے۔''

تفسیر آیات: 60-56

ہجرت کی طرف اشارہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ جس علاقے میں ان کے لیے اقامت دین کی استطاعت نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر کے اللہ تعالیٰ کی اس کشادہ زمین میں کسی ایسی جگہ چلے جائیں، جہاں ان کے لیے اقامت دین ممکن ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کر کے اس کی اس طرح عبادت کر سکیں جس طرح اس نے حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿56﴾ ﴾ ''اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! بے شک میری زمین فراخ ہے، سو تم میری ہی عبادت کرو۔'' یہی وجہ ہے کہ مکہ میں کمزور مسلمانوں کے لیے جب زمین تنگ ہوگئی تو وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تاکہ وہاں اپنے دین کو محفوظ رکھ سکیں، حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمہ اللہ نے ان کی بہترین مہمان نوازی کی، انھیں ٹھکانا دیا، تائید و حمایت کی اور انھیں اپنے ملک کے تمام شہروں میں آنے جانے کی کھلی

اجازت دے دی، پھر بعد میں رسول اللہ ﷺ اور باقی صحابۂ کرام نے یثرب کی طرف ہجرت کی جو بعد میں مدینہ منورہ کے نام سے مشہور ہوا۔

عمدہ رزق اور اچھے بدلے کا وعدہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۵۷ ﴾ ''ہر متنفس موت (کے مزے) کو چکھنے والا ہے، پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمھیں پالے گی، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو حکم دیا ہے وہی تمھارے لیے بہتر ہے موت سے تو کوئی چارہ ہی نہیں، پھر تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوگی وہ اسے بہترین جزا عطا فرمائے گا اور پورے پورے اجر و ثواب سے نوازے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم انھیں بہشت کے اونچے اونچے محلات میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی ہم انھیں جنت میں بلند و بالا محلات میں بسائیں گے جن کے نیچے صاف شفاف پانی، لذت بخش شراب، عسل مُصَفّٰی اور خالص دودھ کی نہریں جاری و ساری ہوں گی، وہ ان نہروں کو جس طرح چاہیں گے استعمال کریں گے اور جہاں چاہیں گے انھیں لے جاسکیں گے، ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''ہمیشہ ان میں رہیں گے۔'' یعنی ان میں ابدالآباد تک رہیں گے اور کبھی یہاں سے نقل مکانی نہ کرنا چاہیں گے۔ ﴿ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۵۸ ﴾ ''یہ (نیک) عمل کرنے والوں کا خوب بدلہ ہے۔'' یعنی جنت کے یہ اونچے اونچے محلات مومنوں کے اعمال کی بہت اچھی جزا ہیں۔ ﴿ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾ ''جو صبر کرتے رہے۔'' یعنی جنھوں نے اپنے دین پر صبر کیا، اللہ کی راہ میں ہجرت کی، دشمنوں کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول، اس کے اجر و ثواب کی امید اور اس کے وعدوں کی تصدیق کے لیے اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب کو چھوڑ دیا تھا۔

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے ابو معانق اشعری از ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُّرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا، (أَعَدَّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى) لِمَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَطَابَ الْكَلَامَ، وَتَابَعَ الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ، وَقَامَ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ] ''بے شک جنت میں کچھ ایسے محلات بھی ہوں گے جن کے باہر سے اندر اور اندر سے باہر دیکھا جا سکے گا، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے تیار فرمائے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں، پاکیزہ گفتگو کرتے ہیں، نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں اور رات کو اس وقت نماز پڑھتے ہیں جب لوگ سوئے ہوتے ہیں۔''[1]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3077/9 اور قوسین والے الفاظ صحيح ابن حبان، البر والإحسان، ذكر وصف الغرف التي أعدها الله تعالى......: 266/2، حديث: 509 میں ہیں۔ اور دیکھیے جامع الترمذي، حديث: 1984 وصحيح ابن حبان: 20/2 اور المستدرك للحاكم: 153/1۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى

اور بلاشبہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے اور (کس نے) سورج اور چاند خدمت پر لگائے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! پھر

يُؤْفَكُوْنَ ﴿61﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

وہ کہاں بہکائے جاتے ہیں﴿61﴾ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے، اور کسی کے لیے تنگ کر دیتا ہے، بلاشبہ اللہ ہر چیز کو

عَلِيْمٌ ﴿62﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا

خوب جانتا ہے﴿62﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر کس نے زمین کی موت (ویرانی) کے بعد اس پانی سے اسے

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿63﴾ ع 6/12/2

زندہ (تروتازہ) کیا، تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! تو آپ کہہ دیجیے: ''الحمدللہ'' لیکن ان کے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے﴿63﴾

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿59﴾ ﴾ ''اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں۔'' یعنی دین و دنیا کے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر توکل کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کا رزق زمین کے کسی خاص حصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا رزق ساری مخلوق کے لیے عام ہے، خواہ وہ کوئی بھی مخلوق ہو اور کہیں بھی ہو، یہی وجہ ہے کہ مہاجرین جہاں ہجرت کر کے گئے وہاں انھیں کثرت کے ساتھ وسیع اور زیادہ پاکیزہ رزق میسر آیا اور وہ تھوڑے عرصے کے بعد ہی تمام علاقوں اور ملکوں کے حکمران بن گئے، اسی لیے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ﴾ ''اور بہت سے چلنے پھرنے والے جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔'' یعنی اسے جمع کرنے اور حاصل کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے اور نہ کل کے لیے کچھ ذخیرہ ہی کرتے ہیں۔ ﴿ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ﴾ ''اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تمھیں بھی۔'' یعنی ان کی ضعف و ناتوانی کے باوجود اللہ تعالیٰ انھیں رزق پہنچاتا اور حصول رزق کو ان کے لیے آسان بنا دیتا ہے، ہر مخلوق تک اس کے حسب حال رزق پہنچا دیتا ہے حتی کہ زمین کی گہرائیوں میں رہنے والی چیونٹیوں، ہوا میں اڑنے والے پرندوں اور پانی میں تیرنے والی مچھلیوں کو ان کا رزق پہنچا دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (هود 6:11) ''اور زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے اور وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿60﴾ ﴾ ''اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔'' وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا اور ان کی حرکات و سکنات کو جانتا ہے۔

تفسیر آیات: 63-61

توحید کے مسائل: اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ذکر فرمایا ہے کہ یہ مشرکین جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں یہ بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ آسمانوں، زمین اور شمس و قمر کو اسی نے پیدا فرمایا اور رات دن

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م

اور یہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور بلاشبہ دارِ آخرت (کی زندگی) ہی (اصل) زندگی ہے، کاش! لوگ جانتے ہوتے ﴿64﴾ پھر جب وہ

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿64﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ

(مشرکین) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اطاعت وفرماں برداری کو اسی (اللہ) کے لیے خاص کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿65﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا وقفة

نجات دیتا ہے تو فوراً وہ شرک کرنے لگتے ہیں ﴿65﴾ تاکہ وہ اس (نعمت) کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دی، اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں، پھر جلد وہ (اس کا

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾

انجام) جان لیں گے ﴿66﴾

کو اسی نے زیر فرمان کیا ہے، اپنے بندوں کا وہی خالق ورازق اور وہی ان کی عمروں کا تعین فرمانے والا ہے، اسی نے انھیں مختلف بنایا اور ان کے رزق میں بھی کمی بیشی کر دی، یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی دولت مند ہے اور کوئی فقیر، وہ خوب جانتا ہے کہ ہر ایک کے مناسب حال کیا ہے، ان میں سے کون دولت کا مستحق ہے اور کون فقر کا، صرف اسی نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا، اسی نے ان کی تدبیر کی، پھر جب صورت حال یہ ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور کی عبادت کیوں کی جائے؟ کسی اور پر بھروسا کیوں کیا جائے؟ جس طرح وہ ملکیت میں واحد ہے اسی طرح عبادت بھی اسی اکیلے کی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر مقام الوہیت کو توحید ربوبیت کے اعتراف کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ اور مشرکین بھی توحید ربوبیت کا اقرار کیا کرتے تھے جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہتے تھے: [لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ......، إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَامَلَكَ] ''ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں...... سوائے اس شریک کے جسے تو نے اپنا بنا لیا ہو، تو اس شریک کا بھی مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 64-66

دنیا کا مال ومنال زوال پذیر ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ دنیا حقیر، زوال پذیر اور جلد ختم ہو جانے والی ہے، اسے بقا اور دوام حاصل نہیں ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ محض کھیل اور تماشا ہے ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م﴾ ''اور بلاشبہ اخروی گھر ہی (اصل) زندگی (کا مقام) ہے۔'' یعنی دائمی اور سچی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جو کبھی زوال پذیر نہ ہوگی، کبھی ختم نہ ہوگی بلکہ ابدالآباد تک جاری رہے گی، ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿64﴾﴾ ''کاش! یہ (لوگ) جانتے ہوتے۔'' تو باقی کو فانی پر ترجیح دیتے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت وہ بھی اللہ وحدہ لاشریک ہی کو پکارتے ہیں، کاش! یہ ہمیشہ اللہ ہی کو پکارتے ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ ''پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہوتے ہیں۔'' جیسا کہ

[1] صحيح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، حديث: 1185 عن ابن عباس رضي الله عنهما.

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے حرم (مکہ) کو پرامن بنایا ہے، جبکہ لوگ اس کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں۔ کیا پھر وہ باطل پر ایمان

وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿67﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا

لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں﴿67﴾ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا، یا جب حق اس کے پاس آیا تو اس

جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

نے اسے جھٹلا دیا؟ کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟﴿68﴾ اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں، اور

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿69﴾ ع 7/6/3

یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے﴿69﴾

فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 67:17) ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمھیں (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان ہے ہی نافرمان۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿65﴾ ﴾ ''پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف (ڈوبنے سے) نجات دیتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔'' ﴿ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ﴾ ''تاکہ جو ہم نے ان کو بخشا ہے اس کی ناشکری کریں اور فائدہ اٹھائیں۔'' ﴿ لِيَكْفُرُوْا ﴾ کے لام کو بہت سے اہل عربیت وتفسیر اور علمائے اصول لام عاقبت کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ مقصود تو نہیں ہوتا لیکن ان کی نسبت سے صورت حال یقیناً اسی طرح کی ہوتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اسی بات کو ان کے لیے مقرر کر دینے کی نسبت سے یہ لام تعلیل ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم ﴿ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ ﴾ (القصص 8:28) کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 69-67

حرم مقام امن ہے: حرم کے مقام امن ہونے میں اللہ کی احسان مندی اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کی تلقین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کی توجہ اپنے اس عظیم الشان احسان کی طرف مبذول کرائی ہے کہ اس نے انھیں اپنے اس حرم محترم میں رہنے کی توفیق عطا فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لیے یکساں عبادت گاہ بنا دیا ہے، خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے اور جو بھی اس میں داخل ہو وہ امن میں ہو جاتا ہے جبکہ گردوپیش کے علاقوں میں بدو ایک دوسرے کو مار ڈالتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاۗءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾ (قریش 106:1-4) ''قریش کو مانوس کرنے کی وجہ سے، ان کو سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کی وجہ سے، پس انھیں چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی

[1] دیکھیے القصص، آیت: 8 کے ذیل میں۔

عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔" ﴿ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ﴿67﴾ ﴾ "کیا یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔" یعنی کیا اس عظیم الشان نعمت کا یہ شکر ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ شرک کرنا اور اس کے ساتھ بتوں اور شریکوں کی پوجا کرنا شروع کر دی! ﴿ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴾ (إبراهيم 28:14) "انھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔" اور اللہ تعالیٰ کے نبی، عبد اور رسول حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا، حالانکہ ان کے شایانِ شان تو یہ بات تھی کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی خالص عبادت کرتے، اس کے ساتھ شرک نہ کرتے اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے اور آپ کی تعظیم وتوقیر بجالاتے مگر انھوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کے ساتھ لڑائی کی، آپ کو مکہ سے نکال دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی نعمتوں کو چھین لیا اور ان کے بہت سے سرکردہ لوگ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں کو عزت وشوکت حاصل ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ فتح کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور مشرکینِ مکہ کی گردنیں ذلیل ورسوا ہو کر جھک گئیں۔

پھر فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ﴾ "اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ (بہتان) باندھے یا جب حق اس کے پاس آئے تو اس کی تکذیب کرے۔" اس شخص سے بڑھ کر کسی کو سخت عذاب نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی نازل کی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کوئی وحی نازل نہ کی ہو یا جو یہ کہے کہ میں بھی اس طرح کی وحی نازل کر سکتا ہوں جس طرح کی وحی اللہ نے نازل کی ہے، اسی طرح اس سے بڑھ کر بھی کسی کو سخت عذاب نہ ہوگا جو حق بات آجانے کے بعد اس کی تکذیب کرے، ان میں سے پہلا شخص بہتان باندھنے والا اور دوسرا تکذیب کرنے والا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿68﴾ ﴾ "کیا جہنم میں کافروں کے لیے کوئی جگہ (ٹھکانا) نہیں ہے؟" پھر ارشاد فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا ﴾ "اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی۔" یعنی رسول اکرم ﷺ، آپ کے صحابۂ کرام اور قیامت کے دن تک آپ کے پیروکار، ﴿ لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ "ہم انھیں ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے۔" یعنی انھیں دنیا وآخرت میں اپنے رستے دکھا دیں گے۔

امام ابن ابوحاتم نے عباس ہمدانی سے انھوں نے ابواحمد۔ جو عکا کے رہنے والے ہیں۔ سے اس آیت کریمہ: ﴿ لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو لوگ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں ان باتوں کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں جن کا انھیں علم نہیں ہوتا، احمد بن ابوالحواری کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان دارانی سے جب عباس ہمدانی کا یہ قول بیان کیا تو انھیں یہ قول بہت اچھا لگا اور انھوں نے کہا کہ جس شخص کو کوئی اچھا الہام ہو تو اسے اس وقت تک اس کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہیے جب تک وہ کتاب وسنت کی اس کے بارے میں کوئی دلیل نہ معلوم کرے، پھر جب اسے دلیل معلوم ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی چاہیے کہ اس کا الہام کتاب وسنت کے

مطابق ہے۔[1] اور فرمایا: ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ "اور یقیناً اللہ تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔" امام ابن ابوحاتم نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا قول ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم اس سے اچھا سلوک کرو جو تم سے برا سلوک کرے، احسان یہ نہیں کہ تم اس سے اچھا سلوک کرو جو تم سے اچھا سلوک کرے۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

سورۂ عنکبوت کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر ابن أبی حاتم: 3084/9. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 3085/9، البتہ تفسیر ابن ابوحاتم کے نسخوں میں یہ قول رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے جبکہ بعد کے اکثر مفسرین نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ ہی کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ بہرحال انقطاع واضح ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر سُوْرَۂ رُوْم

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③ فِيْ بِضْعِ

الٓمّٓ ① رومی مغلوب ہو گئے ② قریب ترین سرزمین (شام و فلسطین) میں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے ③

سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ

چند برسوں میں، اقتدار و اختیار اللہ ہی کے لیے ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اس (غلبے والے) دن مومن بھی (اپنی فتح پر) خوش ہوں گے ④

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اللہ کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے، اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے ⑤ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦

خلاف نہیں کرتا، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ⑥ وہ دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں، اور وہ آخرت سے تو بالکل ہی غافل ہیں ⑦

تفسیر آیات:1-7

رومیوں کے غلبے کی پیش گوئی: یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب ایرانی بادشاہ سابور ملک شام اور اس سے متصل الجزیرہ کے علاقوں اور اقصائے روم تک کے علاقوں پر غالب آ گیا تھا۔ اس نے شاہِ روم ہرقل کو قسطنطنیہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا اور اس نے طویل مدت تک روم کا محاصرہ کیے رکھا لیکن بعد میں پھر ہرقل کو تسلط و غلبہ حاصل ہُوا جیسا کہ اس کا ذکر آ گے آئے گا۔[1]

پہلی حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ﴾ ''الٓمّٓ (اہل) روم مغلوب ہو گئے، قریب ترین زمین میں'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ رومی مغلوب ہو گئے اور غالب بھی آ گئے۔ انھوں نے مزید بیان فرمایا کہ مشرکین اس بات کو پسند کرتے تھے کہ ایرانی رومیوں پر غالب آ جائیں کیونکہ وہ بت پرست

① دیکھیے اسی سورت میں عنوان: ''قیصر، کسریٰ پر کس طرح غالب آیا؟''

تھے جبکہ مسلمان اس بات کو پسند کرتے تھے کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ اس بات کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَمَا! إِنَّهُمْ سَيَغْلِبُونَ] ''خبردار! وہ (رومی) عنقریب غالب آ جائیں گے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے اس بات کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ ہمارے اور اپنے لیے ایک مدت مقرر کریں (کہ وہ کب غالب آئیں گے)، پھر اگر ہم غالب آ گئے (شرط جیت گئے) تو ہمیں یہ انعام ملے گا اور اگر آپ غالب آ گئے تو آپ کو یہ انعام ملے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پانچ سال کی مدت کا تعین کر دیا مگر اس مدت میں رومی غالب نہ آئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [أَلَا جَعَلْتَهَا إِلَى دُونَ (قَالَ: أُرَاهُ قَالَ:) الْعَشْرِ؟] ''آپ نے (راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے آپ نے فرمایا:) دس سال سے کچھ کم مدت طے کیوں نہیں کی؟''

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ بضع کا لفظ دس سے کم عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پھر بعد میں واقعی رومی غالب آ گئے اور یہی معنی ہیں ان آیات کریمہ کے: ﴿ الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑤ ﴾ ''الٓمّٓ (اہل) روم مغلوب ہو گئے، قریب ترین زمین میں۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے چند ہی سالوں میں، پہلے بھی اور پیچھے بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے اللہ کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ نہایت غالب، بڑا مہربان ہے۔''[1] اسی طرح اسے امام ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[2]

دوسری حدیث: امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے نیار بن مُکرم اسلمی سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ ﴾ تو ایرانی رومیوں پر غالب تھے اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہو جائے کیونکہ یہ دونوں (مسلمان اور رومی) کتاب والے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑤ ﴾ ''اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے اللہ کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ نہایت غالب، بڑا مہربان ہے۔'' اور قریش اس بات کو پسند کرتے تھے کہ ایرانی غالب آ جائیں کیونکہ یہ دونوں اہل کتاب نہیں تھے اور نہ ہی ان کا دوبارہ زندہ کیے جانے ہی پر ایمان تھا۔ جب ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ کی گلیوں، بازاروں میں ان کی تلاوت شروع کر دی تو قریش کے کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ اسی کو اپنے اور تمھارے درمیان طے کرتے ہیں، تمھارے نبی کا دعویٰ ہے کہ

① مسند أحمد :276/1. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الروم، حديث:3193 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الروم :426/6، حديث :11389.

چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے تو کیا اس بات پر ہم آپ سے شرط نہ لگا لیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ لیکن یاد رہے یہ بات شرط کے حرام ہونے سے قبل کی ہے۔

الغرض! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مشرکین نے آپس میں شرط رکھ لی، پھر انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ﴿ بِضْعِ ﴾ کا لفظ تو تین سے نو تک کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ لہٰذا آپ ان میں سے کسی ایک متوسط کا نام لے کر اسے متعین کر دیں! تاہم اس طرح چھ سال کی مدت کا تعین کر لیا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ چھ سال گزر گئے اور رومی غالب نہ آئے تو انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بطور شرط رکھے ہوئے مال کو لے لیا، پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور چھ سال کی مدت کے تعین کی وجہ سے مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ﴿ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے تھے، بہر حال ساتویں سال رومیوں کے غلبے کو دیکھ کر بہت سے لوگ قرآن مجید کی اس پیش گوئی کی صداقت کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بیان کیا اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔

اب ہم ان آیات کریمہ کے الفاظ کے بارے میں بحث کرتے ہیں: ﴿ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ ﴾ حروف مقطعات کے بارے میں کئی سورتوں کے آغاز خصوصاً سورۂ بقرہ کی ابتدا میں بیان کیا جا چکا ہے۔

رومی کون ہیں؟ جہاں تک رومیوں کا تعلق ہے تو وہ عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں، یعنی یہ بنی اسرائیل کے چچا زاد بھائی ہیں، انھیں بنو اصفر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ یونانیوں کے دین پر تھے۔ اور یونانی یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور ترکوں کے چچا زاد بھائی ہیں۔ یہ لوگ سات کواکبِ سیارگاں کی عبادت کرتے تھے جنھیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ قطبِ شمالی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ انھوں نے دمشق کی بنیاد رکھی اور وہاں معبد تعمیر کیا تھا جس میں شمالی جانب کئی محراب بنائے گئے تھے۔ رومی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے قریباً تین سو سال بعد اپنے دین پر تھے۔

امانت کبیرہ یا خیانت کبیرہ......؟ رومیوں میں سے جو شام اور الجزیرہ کا بادشاہ بنا وہ قیصر کہلایا، ان میں سے سب سے پہلے جس بادشاہ نے عیسائیت کو اختیار کیا، وہ قسطنطین بن قسطس تھا، اور اس کی ماں کا نام مریم ہیلانیہ شدقانیہ تھا۔ اور اس کا تعلق سرزمین حران سے تھا اور وہ قسطنطین سے بھی پہلے دین عیسائیت میں داخل ہو چکی تھی اور اسی نے اس کو عیسائیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ پہلے فلسفی تھا، اس نے ماں کی بات کو تسلیم کر لیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے تَقِیّہ کے طور پر تسلیم کیا تھا، عیسائی اس کی وجہ سے متحد و مجتمع ہوئے اور انھوں نے اسی کے دور میں عبداللہ بن اَریوس کے ساتھ مناظرہ کیا تھا اور انھوں نے آپس میں بہت زیادہ اختلاف کا اظہار کیا کہ ان کا کسی نکتے پر بھی اتفاق نہیں تھا، البتہ ان کی جماعت میں سے تین سو اٹھارہ پادری جمع ہوئے اور انھوں نے قسطنطین کے لیے عقیدہ وضع کیا اور اسی عقیدے کو یہ لوگ ''امانت کبیرہ''[2] سے موسوم کرتے ہیں، حالانکہ

---

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الروم، حدیث: 3194۔ [2] تفصیل کے لیے دیکھیے النسآء، آیت: 171 کے ذیل میں عنوان: ''عیسائیوں کے فرقے''

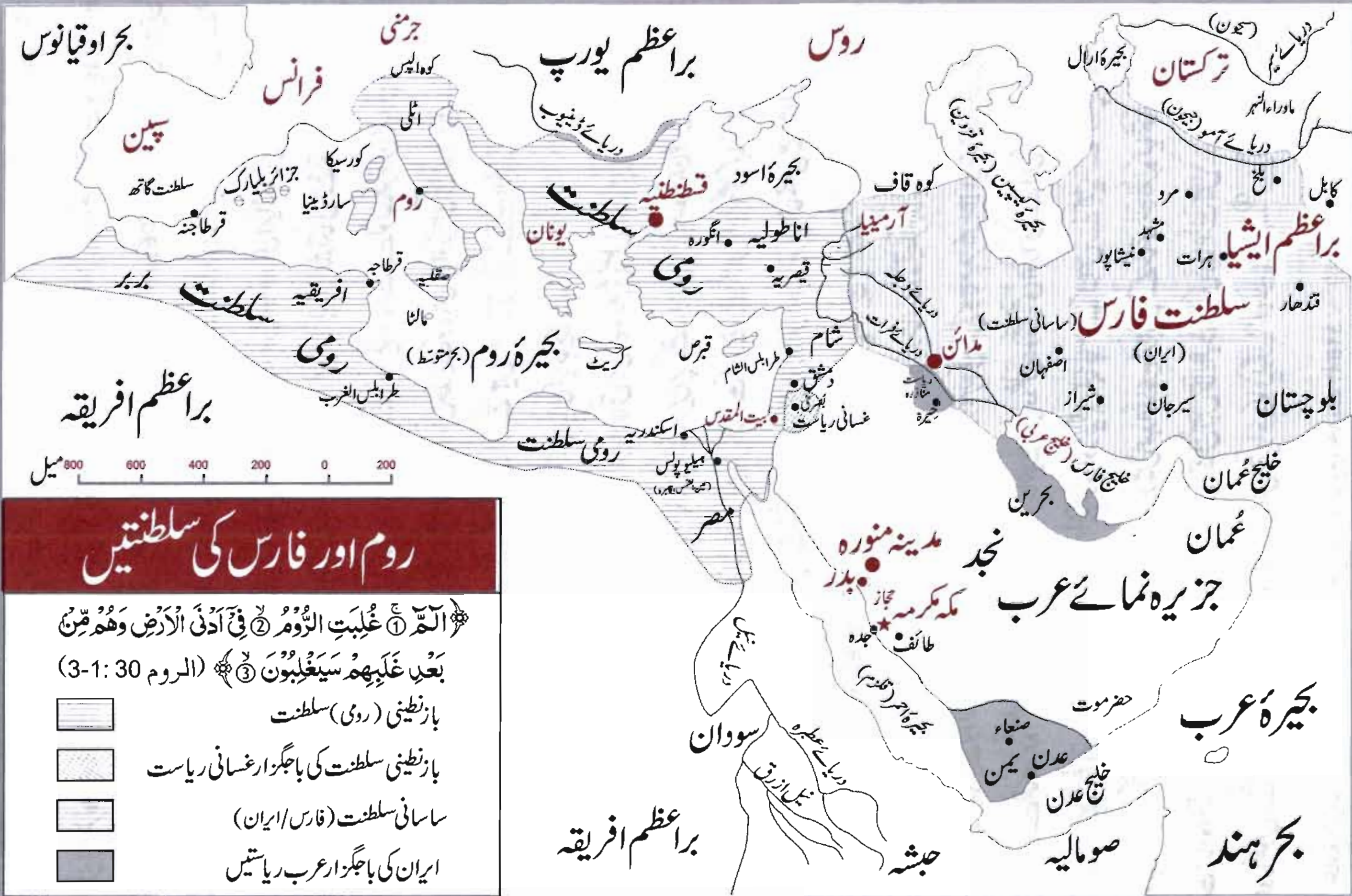
روم اور فارس کی سلطنتیں
﴿الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③﴾ (الروم 30 :1-3)
بازنطینی (رومی) سلطنت
بازنطینی سلطنت کی باجگزار غسانی ریاست
ساسانی سلطنت (فارس/ایران)
ایران کی باجگزار عرب ریاستیں
800 600 400 200 0 200 میل
بحر اوقیانوس
جرمنی
فرانس
براعظم یورپ
روس
ترکستان
بحیرۂ ارال
اسپین
کوہ ایلپس
اٹلی
دریائے ڈینیوب
جزائر بلیارک
کورسیکا
سارڈینیا
روم
سلطنت گاتھ
قرطاجنہ
قسطنطنیہ
بحیرۂ اسود
کوہ قاف
آرمینیا
اناطولیہ
انگورہ
یونان
رومی سلطنت
قیصریہ
قرطاجہ
صقلیہ
افریقیہ
مالٹا
بربر
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
کریٹ
قبرص
طرابلس الشام
شام
دمشق
بصریٰ
غسانی ریاست
بیت المقدس
اسکندریہ
ہیلیوپولس
مصر
طرابلس الغرب
براعظم افریقہ
دریائے دجلہ
دریائے فرات
مدائن
حیرہ
سلطنت فارس (ساسانی سلطنت)
(ایران)
اصفہان
شیراز
سیرجان
بلوچستان
قندھار
براعظم ایشیا
ہرات
نیشاپور
مشہد
مرو
بلخ
کابل
ماوراء النہر
دریائے آمو (جیحون)
دریائے سیحون
بحیرۂ کیسپین
(خلیج عرب)
خلیج فارس
بحرین
خلیج عُمان
عُمان
نجد
مدینہ منورہ
بدر
حجاز
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
جزیرہ نمائے عرب
حضرموت
بحیرۂ احمر
صنعاء
یمن
عدن
خلیج عدن
بحیرۂ عرب
بحر ہند
صومالیہ
حبشہ
سوڈان
دریائے نیل
نیل ازرق
دریائے عطبرہ
براعظم افریقہ

یہ نہایت گھٹیا خیانت ہے۔ انھی پادریوں نے قسطنطین کے لیے قوانین بھی وضع کیے اور کتب احکام مرتب کیں جن میں حرام و حلال اور ضرورت کے دیگر مسائل بیان کیے گئے تھے۔

عیسائیوں کی عیدیں اور ان کے کئی ایک فرقے: الغرض! انھوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔ اس میں انھوں نے اپنی طرف سے بہت سے اضافے بھی کیے اور بہت سی چیزوں کو اس سے نکال بھی دیا، انھوں نے (بیت المقدس کے) مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی، ہفتے کے دن کے بجائے اتوار کا دن اختیار کر لیا، صلیب کی پوجا شروع کر دی، خنزیر کو حلال قرار دے دیا، اپنے طور پر کئی عیدیں ایجاد کر لیں، مثلاً: عید صلیب، عید قُدَّاس، عید غِطَاس، شعانین اور باعوث وغیرہ۔[1] قسطنطین کے لیے انھوں نے ایک دروازہ بنا دیا کیونکہ اس وقت ان سب میں سے اس کا مقام بڑا تھا، پھر بتارکہ کا درجہ تھا، پھر مَطارِنہ کا، پھر اُسقُفوں کا، پھر قسیسین کا، پھر شَمامِسہ کا، اس طرح انھوں نے رہبانیت کی بدعت کو بھی ایجاد کیا، بادشاہ نے ان کے لیے کنیسے اور معبد بنوا دیے اور اس نے اس شہر کی بنیاد بھی رکھی جو اس کی طرف منسوب ہے، یعنی قسطنطنیہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دور میں بارہ ہزار کنیسے بنوائے تھے، نیز اس نے بیت اللحم بھی بنوایا جس کے تین محراب تھے اور اس کی ماں نے قُمامہ بنوایا، عیسائیوں کا یہ فرقہ مَلکِیّہ کہلاتا ہے، یعنی وہ فرقہ جو بادشاہ کے دین پر ہے۔

ان کے بعد فرقۂ یعقوبیہ پیدا ہوا، یہ لوگ یعقوب اِسکاف کے پیروکار تھے، پھر نَسْطُورِیّہ فرقہ پیدا ہوا جو نسطورا کے ماننے والے تھے۔ الغرض! عیسائیوں کے بہت سے فرقے اور بہت سی جماعتیں ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: [اِفْتَرَقُوا عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِینَ (فِرْقَةً)] ''یہ لوگ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔''[2] بہر حال ان لوگوں نے نصرانیت کو اختیار کیے رکھا، جب کوئی قیصر فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قیصر لے لیتا حتی کہ ان کا آخری قیصر ہرقل تھا جو بہت عقل مند، انتہائی بارعب اور مدبر بادشاہ، بہت عمیق غور و فکر کرنے والا اور صائب الرائے شخص تھا اور بہت عظیم اور بے حد وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا مگر کسریٰ جو ایران اور دیگر تمام ممالک، مثلاً: عراق، خراسان، رَے اور تمام عجمی ممالک کا بادشاہ تھا، وہ اس کا دشمن ہو گیا، اس کا نام سابور تھا جو بہت طاقت ور اور مضبوط تھا اور اس کی مملکت قیصر کی مملکت سے بھی بڑی تھی، اس میں عجم کی سرداری اور فارسیوں کی حماقت جمع تھی اور وہ لوگ مجوس تھے جو آگ کی پوجا کرتے تھے۔

قیصر، کسریٰ پر کس طرح غالب آیا؟ قبل ازیں عکرمہ کی روایت کو بیان کیا جا چکا ہے کہ کسریٰ نے قیصر کی طرف اپنے کمانڈر اور لشکر بھیجے جنھوں نے اس سے لڑائی کی اور زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ کسریٰ نے خود اپنی فوجوں کی قیادت کی تھی،

---

[1] قُدَّاس: نصاریٰ کے ہاں روٹی اور شراب پر مخصوص الفاظ کے ساتھ دُعا پڑھنا، غِطَاس: نصرانیوں کے ہاں بچے کی مقدس پانی (معمودیہ) سے تطہیر کی تقریب۔ شَعَانین: نصاریٰ کی عیدِ فصح سے پہلے آنے والے اتوار کے دن عید جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے بیت المقدس میں داخل ہونے کی یاد منائی جاتی ہے۔ باعوث: نصرانیوں کے ہاں بارش کے لیے دُعا کی تقریب۔ [2] سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث: 4597 و مسند أحمد: 102/4 عن معاوية رضی اللہ عنہ اور قوسین والا لفظ سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث: 4596 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

انھوں نے قیصر کو مغلوب کر دیا، اس کے سارے شہروں پر قبضہ کر لیا حتی کہ قیصر کے پاس صرف قسطنطنیہ کا شہر رہ گیا، کسریٰ نے اس شہر کا بھی طویل عرصے تک محاصرہ کیے رکھا اور قیصر کو بہت مشکل میں مبتلا کر دیا، نصاریٰ اس شہر کی بے حد تعظیم کرتے تھے، کسریٰ طویل محاصرے کے باوجود اس شہر کو فتح نہ کر سکا، شہر کی مضبوطی کی وجہ سے اسے فتح کرنا اُس کے لیے ممکن نہ ہوا کیونکہ اس شہر کا نصف حصہ خشکی کی طرف اور نصف دریا کی طرف تھا۔ دریا کی طرف سے ان کو اشیائے خورد و نوش اور مدد مل جاتی تھی، جب محاصرہ بہت طویل ہو گیا تو قیصر نے ایک تدبیر اختیار کی اور کسریٰ کو دھوکا دینے کا ایک پروگرام بنایا اور وہ یہ کہ اس نے کسریٰ کو پیشکش کی کہ تم میرے ملک سے چلے جاؤ اور اس کے عوض جس قدر چاہو مال لے کر صلح کر لو، کسریٰ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور قیصر سے بے حد و حساب مال و دولت کا مطالبہ کیا، اس نے اس قدر سونے، جواہرات کا خزانہ، پوشاکوں، لونڈیوں، خادموں اور دیگر انواع و اقسام کے مال و دولت کا مطالبہ کیا کہ جسے دنیا کا کوئی بادشاہ بھی پورا نہ کر سکتا تھا۔ قیصر نے اس کے مطالبے کو مان لیا اور تاثر یہ دیا کہ اس کے پاس یہ سب کچھ موجود ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہا ہے اور اس کے اس مطالبے کے سلسلے میں اس نے اس کی عقل کا کم ہونا سمجھ لیا تھا، حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ کسریٰ نے اس قدر زبردست مال و دولت کا مطالبہ کیا تھا کہ اکیلے قیصر کے لیے اسے پورا کرنا تو کجا قیصر و کسریٰ دونوں مل کر اس کے عُشرِ عَشِیر کو بھی جمع نہیں کر سکتے تھے۔ قیصر نے کسریٰ سے کہا کہ وہ اسے مہلت دے تاکہ وہ بلاد شام اور اپنے ملک کے دوسرے علاقوں میں جا کر اپنے خزانوں، ذخیروں اور گوداموں سے مطلوبہ اشیاء کو جمع کر سکے، کسریٰ نے اسے قسطنطنیہ سے نکلنے کی اجازت دے دی۔

قیصر نے جب شہر قسطنطنیہ سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنی ملت کو جمع کیا اور کہا کہ میں ایک اہم مشن کے لیے جسے میں نے خوب سوچ سمجھ کر ترتیب دیا ہے، اپنی فوج کے ایک دستے کے ساتھ باہر نکل رہا ہوں، اگر ایک سال سے پہلے میں لوٹ آیا تو میں ہی تمھارا بادشاہ ہوں اور اگر ایک سال سے پہلے نہ لوٹوں تو تمھیں اختیار ہے کہ اگر چاہو تو میری بیعت کو باقی رکھو اور اگر چاہو تو میرے علاوہ کسی اور کو اپنا بادشاہ بنا لو، انھوں نے جواب دیا کہ جب تک آپ زندہ ہیں آپ ہی ہمارے بادشاہ ہیں، خواہ آپ دس سال تک غائب رہیں، بہرحال جب وہ قسطنطنیہ سے نکلا تو وہ متوسط درجے کے ایک گھڑ سوار لشکر کی حفاظت میں نکلا اور کسریٰ اس کی واپسی کے انتظار میں قسطنطنیہ ہی کے پاس خیمہ زن رہا۔

ادھر قیصر تیز رفتار سواریوں پر سوار ہو کر بہت جلد ایران پہنچ گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے قتل و غارت کا بازار خوب گرم کیا، مردوں خصوصاً جنگ کے قابل لوگوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا حتی کہ وہ لوگوں کو قتل کرتے کرتے مدائن تک پہنچ گیا جو کسریٰ کا دارالحکومت تھا، اس نے وہاں کے سب لوگوں کو قتل کر دیا، ان کے سارے مال و دولت کو چھین لیا، عورتوں اور حرم سراؤں کو قیدی بنا لیا، کسریٰ کے بیٹے کے سر کو مونڈ کر اسے گدھے پر سوار کرایا اور اسے اس کی قوم کے دیگر قیدیوں کے ساتھ نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ کسریٰ کی طرف بھیج دیا اور اسے لکھا کہ یہ ہے وہ جس کا تم نے مطالبہ کیا تھا، لہٰذا اسے لے لو، جب کسریٰ کے پاس یہ خبر پہنچی تو اسے ایسا شدید ترین غم لاحق ہوا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اس سے روم کے بارے میں

اس کی دشمنی میں اور اضافہ ہوگیا اور اس نے ہر ممکن طریقے سے محاصرے کو مضبوط کرنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکا اور جب وہ عاجز و قاصر آ گیا تو اس نے دریائے جیحون کی طرف سے آنے والے راستے پر قبضے کا پروگرام بنایا کیونکہ اس راستے کے بغیر قیصر کے لیے قسطنطنیہ تک پہنچنے کا اور کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

قیصر کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے ایسی زبردست چال چلی کہ ایسی چال آج تک کسی نے نہ چلی تھی اور وہ یہ کہ اس نے اپنے لشکر اور اس مال واسباب کو جو اس کے ہمراہ تھا، دریا کے دہانے پر روک دیا اور خود کچھ لشکر کے ہمراہ روانہ ہوگیا اور اس نے حکم دیا کہ پتوں اور اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی مینگنیوں سے بھرے ہوئے بورے جانوروں پر لاد دیے جائیں اور وہ بالائی علاقے کی طرف جاتے ہوئے پانی سے ایک دن کی مسافت کے فاصلے سے گزرا، اس نے حکم دیا کہ ان بھرے ہوئے بوروں کو دریا میں گرا دیا جائے اور جب یہ بورے کسریٰ اور اس کے لشکر کے پاس سے گزرے تو انھوں نے سمجھا کہ وہ یہاں سے دریا میں داخل ہوئے ہیں، لہٰذا انھوں نے ان کی تلاش میں ادھر کا رخ کیا اور اس طرح دریا کا دہانہ شہ سواروں سے خالی ہوگیا اور قیصر نے اس طرف کا رخ کیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ جلدی کریں اور برق رفتاری سے دریا کو عبور کر لیں اور اس طرح وہ کسریٰ اور اس کے لشکر سے بچ کر قسطنطنیہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے، نصاریٰ کے نزدیک یہ بہت اہمیت کا حامل دن تھا۔

کسریٰ اور اس کا لشکر حیران وششدر رہ گیا، انھیں کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں، وہ قیصر کے ملک پر قبضہ نہ کر سکے جبکہ رومیوں نے ان کے ملک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا، ان کے مال و دولت کو چھین لیا تھا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا تھا اور اس طرح رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے اور ایرانیوں کے رومیوں کو مغلوب کرنے کے نو سال بعد پانسہ پلٹا تھا۔

ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والا وہ معرکہ جس میں رومی مغلوب ہو گئے تھے اَذرِعات اور بصریٰ کے مابین پیش آیا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور دیگر اہل علم نے بیان کیا ہے۔[1] اور یہ شام کا وہ علاقہ ہے جو حجاز کے ساتھ ملتا ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ یہ واقعہ الجزیرہ میں پیش آیا تھا اور یہ روم کا ایران کے سب سے قریب علاقہ ہے۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ ﴾ ''(اس سے) پہلے بھی اور (اس کے) بعد بھی اللہ ہی کے لیے حکم ہے۔'' یعنی اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم جاری وساری رہے گا۔ جب قبل اور بعد کو اضافت یا نسبت سے قطع کر دیا جائے اور ان دونوں کا مضاف الیہ محذوف مگر نیت میں موجود ہو تو یہ مبنی علی الضم (ـُ) ہوتے ہیں (ان پر تنوین کے بغیر پیش آتا ہے۔) ﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے (یعنی) اللہ کی مدد سے۔'' جو رومیوں، یعنی شام کے بادشاہ قیصر کے ساتھیوں کو ایرانیوں، یعنی کسریٰ کے ساتھیوں پر جو کہ مجوسی ہیں حاصل ہوگی۔ رومیوں کو ایرانیوں پر نصرت غزوۂ بدر کے دن حاصل ہوئی تھی اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ثوری، سُدی اور بہت سے علماء کا قول ہے اور اس حدیث میں ہے جسے امام ترمذی، ابن جریر، ابن ابو حاتم اور بزار نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے

[1] تفسير الطبري:27-22/21 وتفسير ابن أبي حاتم:3087/9 .

بیان کیا ہے کہ جب بدر کا دن تھا تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے اور اس سے مومنوں کو بہت خوشی ہوئی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ ''اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے (یعنی) اللہ کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ نہایت غالب، بڑا مہربان ہے۔''[1]

امام ابن ابو حاتم نے زبیر کلابی سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایرانیوں کا رومیوں پر غلبہ دیکھا، پھر رومیوں کا ایرانیوں پر غلبہ دیکھا، پھر دیکھا کہ مسلمانوں نے ایرانیوں اور رومیوں دونوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور یہ سارے واقعات پندرہ سال کے اندر رونما ہوئے تھے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ ''اور وہ نہایت غالب ہے۔'' اپنے دشمنوں پر فتح پانے اور ان سے انتقام لینے میں، ﴿ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ ''بڑا مہربان ہے۔'' اپنے مومن بندوں پر۔ ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ﴾ ''(یہ) اللہ کا وعدہ (ہے) اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) یہ خبر جو ہم نے آپ کو دی ہے کہ ہم رومیوں کو ایرانیوں پر غالب کر دیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے اور سچی خبر ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی، لہٰذا ایسا ضرور ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ لڑائی کرنے والی دو جماعتوں میں سے جو حق کے زیادہ قریب ہو وہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ان کے انجام کو اچھا کر دیتا ہے۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' یعنی وہ اس کائنات میں کارفرما اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے محکم اور عدل کے مطابق جاری افعال کو نہیں جانتے۔

دنیا داری میں سپیشلسٹ اور دینی امور میں صفر! اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ ''یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت (کی طرف) سے غافل ہیں۔'' یعنی اکثر لوگوں کو دنیا، دنیا کی دولت، اس کے حالات اور دنیا میں موجود اشیاء کا تو علم ہے اور وہ دنیا کمانے اور اس کے حاصل کرنے میں تو بڑے ماہر اور عقل مند ہیں مگر امورِ دین اور آخرت میں نفع دینے والے کاموں سے اس قدر غافل ہیں کہ انھیں اس کی قطعاً کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واللہ! کئی شخص دنیا داری میں اس قدر ماہر ہوتے ہیں کہ وہ اگر چاہیں تو ناخن پر درہم رکھ کر اس کا وزن بتا دیں مگر انھیں اچھے طریقے سے نماز پڑھنی نہیں آتی۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ بالا آیت کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کافر دنیا اور اس کے ساز و سامان کے بارے میں تو بہت کچھ جانتے ہیں مگر امور دین کے بارے میں یہ جاہل ہیں۔[4]

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الروم، حديث :3192 و تفسير الطبري:26/21 و تفسير ابن أبي حاتم:3087,3086/9 . ② تفسير ابن أبي حاتم:3087/9 . ③ تفسير ابن أبي حاتم:3088/9 . ④ تفسير الطبري: 29/21 .

اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ

کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور وفکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ اور مقرر وقت

مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور بلاشبہ اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات ہی کے منکر ہیں⑧ کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں، پھر وہ دیکھتے کہ ان

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا

لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ تھے، اور انھوں نے زمین کو (اس سے زیادہ) جوتا بویا اور جتنا اُنھوں

الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ

نے زمین کو آباد کیا تھا اتنا انھوں نے آباد نہیں کیا ہے، اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، پھر اللہ (ایسا) نہ تھا کہ ان پر ظلم

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ⑨ۭ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ

کرتا، اور لیکن وہ (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے⑨ پھر جن لوگوں نے برے کام کیے تھے ان کا انجام بھی برا ہی ہوا، اس لیے کہ انھوں نے اللہ

1 ع 10 4 اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ۧ

کی آیتوں کو جھٹلایا تھا، اور وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے⑩

تفسیر آیات: 8-10

توحید کے دلائل: اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ اس کی مخلوقات کے بارے میں غور کیا جائے کیونکہ وہ اس ذات پاک کے معبود ہونے کی دلیل ہیں، نیز اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ صرف اسی نے انھیں پیدا فرمایا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود اور پروردگار نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ ﴾ ''کیا انھوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا؟'' یعنی انھوں نے کیا اس بارے میں کبھی غور وفکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم علوی وسفلی اور ان کے مابین انواع واقسام کی مخلوقات اور مختلف اجناس کی بے شمار اشیاء کو پیدا فرمایا ہے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ یہ کائنات عبث اور باطل نہیں پیدا کی گئی بلکہ اسے حق کے ساتھ اور ایک مدت مقررہ، یعنی روز قیامت تک کے لیے پیدا کیا گیا ہے، ﴿ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧ ﴾ ''اور یقیناً بہت سے لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے رسول سچے اور انھوں نے اس کی طرف سے جو پیغام پہنچایا وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی اس طرح مدد بھی فرمائی کہ ان کے ساتھ کفر کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور ایمان لانے والوں کو نجات عطا فرما دی۔ ﴿ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟'' اگر یہ لوگ اپنے فہم، عقل اور نظر وفکر سے کام لیتے اور گزشتہ لوگوں کے حالات کو سنتے ﴿ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴾ ''تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا، وہ ان سے قوت میں زیادہ سخت تھے۔''

اقوام رفتہ مال و منال میں کہیں بڑھ کر تھیں: یعنی گزشتہ اقوام اور سابقہ صدیوں کے لوگ تم سے زور وقوت میں کہیں بڑھ کر تھے، اے لوگو! جن کی طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا ہے، ان کے اموال واولاد بھی تم سے زیادہ تھے، ان کے مقابلے میں تمھیں تو دنیوی اموال واسباب کا عشر عشیر بھی نہیں ملا، انھیں دنیا میں اس طرح دسترس دی گئی تھی جو تمھیں نہیں دی گئی، انھیں بہت طویل عمریں بھی عطا کی گئی تھیں، لہٰذا انھوں نے تمھاری نسبت دنیا کو زیادہ آباد کیے رکھا اور دنیا سے زیادہ فائدہ اٹھایا لیکن ان کے پاس ان کے رسول جب روشن دلائل لے کر آئے تو وہ اپنی اس دنیا ہی پر نازاں تھے جو انھیں دی گئی تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا، پھر انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ تھا، ان کے اموال واولاد بھی انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکے، ذرہ بھر بھی عذاب کو ان سے ٹال نہ سکے اور عذاب میں مبتلا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''بلکہ وہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔'' یعنی یہ عذاب انھیں اپنی ہی طرف سے پہنچا ہے، اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ استہزا کیا، لہٰذا یہ عذاب انھیں ان کے اپنے گناہوں اور اپنی تکذیب کے سبب پہنچا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْۤاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ ''پھر جن لوگوں نے برائی کی ان کا انجام بہت ہی برا ہوا، اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:110) ''اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (تو یہ پھر بھی نہ لائیں گے) اور اُن کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ ﴾ (الصف 61:5) ''پس جب ان لوگوں نے کج روی کی تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ ﴾ (المآئدۃ 5:49) ''پھر اگر وہ پھر جائیں تو آپ جان لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب اُن پر مصیبت نازل کرے۔'' بنابریں ﴿ السُّوْۤاٰۤى ﴾، ﴿ اَسَآءُوا ﴾ کا مفعول ہو کر منصوب ہوگا۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ﴿ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْۤاٰۤى ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ برائی ان کا انجام ہوئی، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے، اس معنی کی رو سے ﴿ السُّوْۤاٰۤى ﴾، ﴿ كَانَ ﴾ کی خبر ہو کر منصوب ہوگا۔[1] یہ امام ابن جریر رحمہ اللہ کی توجیہ ہے اور اسے انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔[2] امام ابن ابو حاتم نے بھی اسے ان دونوں سے اور ضحاک بن مزاحم سے روایت کیا ہے اور ﴿ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ کے الفاظ سے بھی بظاہر اسی طرح معلوم ہو رہا ہے۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

---

① ملحوظہ: ﴿ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْۤاٰۤى ﴾ کی نحوی ترکیب کا اضافہ تفسیر ابن کثیر کے مفصل نسخے سے کیا گیا ہے۔

② تفسير الطبري: 32,31/21 و تفسير ابن أبي حاتم: 3088/9. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 3088/9.

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ

اللہ ہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے لوٹائے گا، پھر اسی کی طرف تمھیں لوٹایا جائے گا⑪ اور جس دن قیامت قائم ہوگی (تو)

الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬ وَيَوْمَ

مجرم لوگ سخت مایوس ہوں گے⑫ اور ان کے شریکوں (معبودوں) میں سے کوئی ان کا سفارشی نہیں ہوگا اور وہ خود بھی اپنے شریکوں کے منکر

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ

ہوجائیں گے⑬ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن لوگ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوجائیں گے⑭ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں

رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓىِٕكَ فِي

نے نیک عمل کیے، تو وہ باغ (بہشت) میں خوش وخرم ہوں گے⑮ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، تو وہ

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯

عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے⑯

تفسیر آیات: 11-16

خلقت کی دوبارہ آفرینش اور مجرموں کی مایوسی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ ”اللہ ہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے لوٹائے گا۔“ یعنی جس طرح وہ اسے پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے، اسی طرح اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قدرت حاصل ہے، ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪﴾ ”پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“ یعنی قیامت کے دن جب وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا، پھر فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫﴾ ”اور جس دن قیامت برپا ہوگی، گناہ گار ناامید ہوجائیں گے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی یہی بیان کیے ہیں کہ گناہ گار ناامید ہوجائیں گے۔[1] اور امام مجاہد نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ گناہ گار ذلیل ورسوا ہوجائیں گے اور دوسری روایت کے مطابق گناہ گار افسردہ وغمگین ہوجائیں گے۔[2]

سفارش اور خود ساختہ شریک: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا﴾ ”اور ان کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا۔“ یعنی ان کے وہ معبود ان کی سفارش نہیں کریں گے جن کی اللہ کے سوا یہ عبادت کیا کرتے تھے، وہ ان کا انکار کر دیں گے اور اس وقت ان کے ساتھ دھوکا کریں گے جب انھیں ان کی شدید ضرورت ہوگی، پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭﴾ ”اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز وہ (کافر اور مومن) الگ الگ ہوجائیں گے۔“ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جدائی کا یہ وہ وقت ہوگا کہ جس کے بعد یہ کبھی جمع نہ ہوں گے۔[3] یعنی جب ایک کو علیین تک بلند کر دیا جائے گا اور دوسرے کو جہنم میں بہت ہی پست مقام کی طرف دھکیل دیا جائے گا تو یہ ان کی

[1] تفسير ابن أبي حاتم:3088/9 . [2] تفسير الطبري:33/21 و تفسير ابن أبي حاتم:3089,3088/9. [3] تفسير الطبري:34/21 و تفسير ابن أبي حاتم:3089/9.

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿17﴾ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

پس تم اللہ کی تسبیح (پاکی بیان) کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو﴿17﴾ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے تمام حمد ہے، اور (تسبیح کرو) پچھلے پہر اور

وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿18﴾ يُخۡرِجُ الۡحَيَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَيِّ وَيُحۡيِ

جب تم ظہر کے وقت میں داخل ہو﴿18﴾ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور وہی زمین کو اس کے مردہ (ویران) ہونے کے

ع 2 9 5 الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿19﴾

بعد زندہ (آباد) کرتا ہے، اور اسی طرح تمھیں بھی (زمین سے) نکالا جائے گا﴿19﴾

آخری ملاقات ہوگی، اسی لیے فرمایا: ﴿فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِيۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ ﴿15﴾﴾ ''پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو وہ (بہشت کے عالی شان) باغ میں خوش وخرم ہوں گے۔'' امام مجاہد و قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿يُّحۡبَرُوۡنَ ﴿15﴾﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ناز و نعم میں عیش کریں گے۔[1]

تفسیر آیات:17-19

نماز پنجگانہ کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی تسبیح بیان فرما کر اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی ہے کہ وہ بھی ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کریں، یہ اوقات بھی اس کے کمالِ قدرت اور عظمتِ سلطنت پر دلالت کرتے ہیں، اوقات سے مراد ایک تو وقت شام ہے جب رات اپنے اندھیرے کے ساتھ چھا جاتی ہے اور دوسرا وقت صبح ہے، جب دن اپنے اجالے کے ساتھ جگمگا اٹھتا ہے، پھر تسبیح کی مناسبت سے تحمید کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی تعریف ہے۔'' یعنی آسمانوں اور زمین میں اس نے جو پیدا فرمایا، اس کی وجہ سے وہ قابل تعریف ہے، پھر فرمایا: ﴿وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿18﴾﴾ ''اور تیسرے پہر بھی اور جب تم ظہر کرو (اُس وقت بھی نماز پڑھا کرو۔)'' عشاء سے مراد شدید تاریکی ہے جبکہ ظہر شدید روشنی کا وقت ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے تاریکی کو پیدا فرمایا اور روشنی کو بھی جو صبح کو رات کے اندھیرے سے پھاڑ کر نکالنے والا اور رات کو پرسکون بنانے والا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۙ﴿3﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىهَا ۙ﴿4﴾﴾ (الشمس 4,3:91) ''اور (قسم ہے) دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کر دے اور رات کی جب وہ اس (سورج) کو چھپا لے۔'' اور فرمایا: ﴿وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ۙ﴿1﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿2﴾﴾ (اللیل 2,1:92) ''رات کی قسم جب (دن کو) چھپا لے اور دن کی (قسم) جب چمک اٹھے۔''

اور فرمایا: ﴿وَالضُّحٰى ۙ﴿1﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿2﴾﴾ (الضحیٰ 2,1:93) ''چڑھتے دن کی قسم اور رات کی جب وہ چھا جائے۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُخۡرِجُ الۡحَيَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَيِّ﴾ ''وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔'' یعنی اسے اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ متضاد

[1] تفسیر الطبری: 35,34/21 و تفسیر ابن أبي حاتم: 3089/9.

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ⑳ وَمِنْ

اور (یہ) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم بشر ہو (جو ہر طرف) پھیل رہے ہو⑳ اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں

اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً

سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت

وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ㉑

پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں㉑

اشیاء کو پیدا فرماتا ہے اور مذکورہ بالا آیات کریمہ جن کا حوالہ دیا گیا، سب اسی اسلوب کی ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء اور ان کے اضداد کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ خلق کے بارے میں اسے کمالِ قدرت حاصل ہے، اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ وہ ذات پاک اس بات پر قادر ہے کہ وہ نبات سے دانہ اور دانے سے نبات پیدا فرمائے، انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈا بنائے، انسان سے نطفہ اور نطفے سے انسان پیدا فرمادے اور مومن سے کافر اور کافر سے مومن کو وجود بخشے۔

زمین کی روئیدگی: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ ﴾ ''اور وہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ښ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ○ ﴾ (یٰسٓ 34,33:36) ''اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اُگایا، پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے کئی باغ (پیدا) کیے اور اس میں چشمے جاری کر دیے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ ﴾ (الحج 22:5-7) ''اور (اے دیکھنے والے!) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے)، پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اُگاتی ہے، ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ ہی (قادر مطلق ہے جو) برحق ہے اور یہ کہ وہی مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں ضرور اُٹھائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 57:7) ''اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (مینہ) سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اُٹھا لاتی ہیں تو ہم انھیں ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں،

پھر اُن سے پانی اتارتے ہیں، پھر اس (مینہ) سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو (زمین سے زندہ کر کے باہر) نکال لیں گے، (یہ آیات اس لیے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ ''اور اسی طرح تم (دوبارہ زمین میں سے) نکالے جاؤ گے۔''

تفسیر آیات: 21,20

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ ﴾ ''اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے۔'' جو اس کی عظمت اور کمال قدرت کی دلیل ہے کہ اس نے تمھارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ ﴿ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴾ ''پھر اب تم انسان ہو کر (جا بجا) پھیل رہے ہو۔'' یعنی تمھاری اصل مٹی اور حقیر پانی ہے، پھر اس سے صورت بنائی گئی اور وہ اس طرح کہ پہلے لوتھڑا، پھر بوٹی بنی، پھر اس میں ایسی ہڈیاں بن گئیں جن کی شکل انسان کی شکل جیسی تھی، پھر ان ہڈیوں پر اللہ تعالیٰ نے گوشت چڑھا دیا، پھر اس میں روح پھونک دی اور وہ سننے اور دیکھنے والا انسان بن گیا، پھر وہ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آیا کہ چھوٹا بچہ تھا جس کی قوت اور حرکت بہت ضعیف تھی، پھر جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی گئی، اس کی قوت وحرکت مکمل ہوتی چلی گئی حتی کہ وہ اس حال کو پہنچ جاتا ہے کہ شہر اور قلعے بنانے لگتا اور اطراف و اکناف عالم میں سفر کرنے لگتا ہے حتی کہ سفر کے لیے دریاؤں اور سمندروں کی موجوں پر سوار ہونے لگتا ہے، پھر پوری دنیا میں گھومنے پھرنے لگتا ہے اور ادھر ادھر سے مال جمع کرنے لگ جاتا ہے، پھر اس میں غور وفکر، سوچ بچار اور علم ورائے کی پختگی بھی ہوتی ہے جسے ہر انسان دنیا و آخرت کے امور میں اپنے اپنے انداز سے کام میں لاتا ہے، پس پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو وجود بخشا، زمین میں بسایا، تمام مظاہر قدرت کو ان کے تابع فرمان کر دیا اور انھیں رزق کمانے اور دولت حاصل کرنے کے لیے مختلف فنون سکھا دیے، پھر علم وفکر، حسن وقبح، دولت مندی وفقیری اور سعادت مندی وبدبختی کے اعتبار سے ان کو ایک دوسرے سے مختلف بنا دیا، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴾ ''اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم انسان ہو کر (جا بجا) پھیل رہے ہو۔''

ایک ہی خمیر سے مختلف رنگ ونسل کے لوگوں کی تخلیق: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْأَرْضِ، جَاءَ مِنْهُمُ الْأَبْيَضُ وَالْأَحْمَرُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ، وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ، وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ، وَبَيْنَ ذٰلِكَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو (مٹی کی) ایک مٹھی سے پیدا فرمایا جسے تمام زمین سے لیا تھا تو انسان زمین کے مطابق پیدا ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کا رنگ سفید، بعض کا سرخ، بعض کا سیاہ اور بعض کا اس کے درمیان ہے، اسی طرح بعض ان میں سے ناپاک ہیں اور بعض پاک، بعض نرم ہیں اور بعض سخت اور کچھ اس کے درمیان۔''[1] اسے

[1] مسند أحمد :400/4.

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے، بلاشبہ اس میں علم والوں کے لیے عظیم

لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿22﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

نشانیاں ہیں﴿22﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمھارا رات اور دن کو سونا اور تمھارا اس کے فضل کو تلاش کرنا، بے شک اس میں ان لوگوں کے

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿23﴾

لیے عظیم نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں﴿23﴾

امام ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح بھی قرار دیا ہے۔[1]

میاں بیوی کی ایک ہی جنس سے پیدائش: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ ''اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھی سے بیویاں پیدا کیں۔'' یعنی اس نے تمھاری جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ وہ تمھاری بیویاں بن جائیں ﴿ لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا ﴾ ''تاکہ تم ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ﴾ (الأعراف 189:7) ''وہی (اللہ ہی تو) ہے جس نے تمھیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ وہ اس سے راحت حاصل کرے۔'' اس سے مراد حضرت حواء علیہا السلام ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی چھوٹی اور بائیں پسلی سے پیدا فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ سارے انسانوں کو مرد ہی بنا دیتا اور ان کی عورتیں کسی دوسری جنس، مثلاً: جنوں یا حیوانوں سے بنا دیتا تو ان کے اور ان کی بیویوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہیں ہو سکتی تھی جو موجودہ صورت میں ہے بلکہ بیویوں کے غیر جنس سے ہونے کی صورت میں آپس میں نفرت پیدا ہو جاتی تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر بے حد و حساب رحمت ہے کہ اس نے ان کی بیویاں ان کی اپنی جنس ہی سے بنائیں، پھر ان میں مَوَدَّت اور رحمت پیدا فرما دی، مودت کے معنی محبت اور رحمت کے معنی شفقت کے ہیں، مرد عورت کو اس لیے اپنے پاس رکھتا ہے کہ اسے اس سے محبت ہوتی ہے یا وہ اسے اس شفقت کی وجہ سے تھامتا ہے کہ اس سے اس کی اولاد پیدا ہوئی ہوتی ہے یا اس لیے کہ وہ ضرورت مند ہوتی ہے کہ مرد اس پر خرچ کرے یا اس لیے کہ دونوں میں باہم الفت ہوتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ''جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے یقیناً ان (باتوں) میں بہت سی نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیات: 23,22

کرۂ ارضی پر رنگا رنگ مخلوق اور بولیاں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ ﴾ ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے۔'' جو اس کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں ﴿ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا۔'' یعنی

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث :4693 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث :2955.

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ

اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمھیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے، اور وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے، پھر اس سے

بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿24﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ

زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اسے زندہ کرتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں ﴿24﴾ اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں

وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿25﴾

میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمھیں زمین میں سے ایک ہی بار پکارے گا تو تم یکا یک (باہر) نکل آؤ گے ﴿25﴾

بلند و بالا، وسیع و عریض اور صاف شفاف آسمانوں، ان کے کواکب و نجوم، ستاروں اور سیاروں کی روشنی، زمین اور اس کی پستی و کثافت، پھر اس کے پہاڑوں، وادیوں، دریاؤں، سمندروں، جنگلوں، حیوانوں اور درختوں کے پیدا کرنے میں بھی اس کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ﴿وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ﴾ ''اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔'' یعنی تمھاری زبانیں الگ الگ ہیں، کچھ لوگ عربی بولتے ہیں اور یہ تتر (تاتار منگول، منگولیا کے باشندے) ہیں۔ کچھ گرج (گرجی / گرجستانی، جارجین) ہیں اور کچھ رومی (سلطنت روم کے باشندے)، کچھ افرنگ (یورپ کے باشندے) ہیں اور کچھ بربر (مرّاکش، الجزائر اور تیونس کے باشندے)، کچھ تکرُور (افریقی ملک سینگال میں رہنے والی قوم) ہیں اور کچھ حبش (حبشی، ایتھوپیا کے باشندے یا افریقہ کے باشندے)، کچھ ہنود (ہند کے رہنے والے) ہیں اور کچھ عجم، کچھ صقالبہ (روم/قسطنطنیہ کے شمالی پہاڑی علاقوں میں بلاد خزر (جنوبی روس) کے مغرب میں آباد قوم، یوکرینی، رومانی، بلغاری اور سرب وغیرہ) ہیں اور کچھ خزر (بحیرۂ قزوین / بحیرۂ کیسپین کے شمال مغرب (روس میں آباد قوم)، کچھ ارمن (آرمینیا (کوہ قاف) کے باشندے) ہیں اور کچھ کُرد (شمالی عراق، مغربی ایران اور جنوب مشرقی ترکی میں آباد قوم)، ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی بولی ہے، علاوہ ازیں انسانوں کی اور بھی بہت سی مختلف زبانیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اسی طرح انسانوں کے رنگ اور شکلیں صورتیں بھی مختلف ہیں، تمام اہل زمین بلکہ تمام اہل دنیا جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے، اس وقت سے لے کر قیامت تک ایسے ہیں کہ ہر ایک کی دو آنکھیں اور دو ابرو، ایک ناک، ایک پیشانی اور ایک منہ اور دو رخسار ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہے بلکہ دونوں میں ضرور فرق ہوگا ہیئت کے اعتبار سے یا شکل و صورت کے لحاظ سے یا انداز گفتگو کے سبب سے، دونوں میں تفاوت ضرور ہوگا، خواہ ظاہری طور پر ہو یا باطنی طور پر اور غور کرنے سے یہ فرق صاف معلوم ہو جاتا ہے۔

ہر چہرے کو اپنے اسلوب و انداز سے بنایا گیا ہے جو کسی دوسرے چہرے کے مشابہ نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگ خوب صورتی یا بدصورتی کے کسی ایک وصف میں موافق ہو جائیں تو یقیناً اس کی دوسری صفات و خصوصیات کے اعتبار سے ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿22﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اہل دانش کے لیے یقیناً ان (باتوں) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے تمھارا

رات اور دن میں سونا اور اس کے فضل سے (حصہ) تلاش کرنا (بھی) ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم میں سونے کی صفت پیدا فرما دی ہے کہ رات یا دن میں سو جاتے ہو اور نیند سے تمھیں راحت وسکون حاصل ہوتا اور اکتاہٹ وتھکاوٹ دور ہو جاتی ہے، پھر اس نے تمھیں توفیق عطا فرمائی کہ خصوصاً دن کے وقت تم زمین میں پھیل جاتے، حصول رزق کے اسباب کو بروئے کار لاتے اور سفر بھی کرتے ہو اور یہ صورت نیند کی صورت سے مختلف ہے۔ ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴾ ''جو لوگ سنتے ہیں ان کے لیے ان (باتوں) میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیات: 25,24

بجلیاں کوندنا بھی نشانی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ ﴾ ''اور اسی کے نشانات (وتصرفات) میں سے ہے۔'' جو اس کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں، ﴿ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ ''وہ تم کو خوف اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے۔'' یعنی کبھی تو تم بجلی کے بعد برسنے والی تباہ کن بارشوں اور نقصان پہنچانے والی کڑک سے ڈرتے ہو اور کبھی بجلی کی چمک سے تم یہ امید کرنے لگ جاتے ہو کہ اس کے بعد وہ بارش برسے گی جس کی تمھیں ضرورت ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اور وہ آسمان سے پانی اتارتا (مینہ برساتا) ہے، پھر اس (پانی) کے ذریعے سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد زندہ (وشاداب) کر دیتا ہے۔'' یعنی اس کے بعد جبکہ زمین خشک تھی، اس میں نباتات تھی نہ کچھ اس کے علاوہ، پھر جب بارش کا پانی آ جاتا ہے تو ﴿ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ○ ﴾ (الحج 5:22) ''وہ شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اُگاتی ہے۔'' اس میں عبرت بھی ہے اور آخرت اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی واضح دلیل بھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾ ''بلاشبہ عقل والوں کے لیے ان (باتوں) میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ﴾ ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ (الحج 65:22) ''اور وہ آسمان کو تھامے رہتا ہے کہ زمین پر (نہ) گر پڑے مگر اس کے حکم سے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ﴾ (فاطر 41:35) ''اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ہٹ (نہ) جائیں۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ جب کوئی پکی قسم کھانا چاہتے تو اس کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں! یعنی یہ اسی کے حکم سے قائم اور ثابت ہیں اور اسی نے ان کو مسخر کر رکھا ہے، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو اور زمین کے ساتھ آسمانوں کو بھی بدل دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے پکارنے سے مردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے باہر نکل آئیں گے، اسی لیے ارشاد فرمایا: ﴿ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴾ ''پھر جب وہ تمھیں زمین میں سے (نکلنے کے لیے) ایک ہی دفعہ آواز دے گا تو تم جھٹ

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿26﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

اور آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں، اسی کی ملکیت ہیں، سب اسی کے فرماں بردار ہیں﴿26﴾ اور وہی (اللہ) ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿27﴾ ع

اسے لوٹائے گا، اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے، اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی صفت اعلیٰ ہے، اور وہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے﴿27﴾

نکل پڑو گے۔" جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (بنی إسرآء یل 52:17) "جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کے ساتھ جواب دو گے اور تم خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔" اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ ﴾ (النّٰزعٰت 14,13:79) "پس وہ (واقعہ) تو صرف ایک ہی ڈانٹ ہوگی تو یکایک وہ (سب) ایک کھلے میدان (حشر) میں (آ جمع) ہوں گے۔" اور فرمایا: ﴿ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴾ (یٰسٓ 53:36) "بس وہ ایک ہی زور کی آواز ہوگی جس سے وہ یکایک ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔"

تفسیر آیات: 27,26

نوری اور ناری سب پروردگار کے تابع فرماں ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ "اور آسمانوں اور زمین میں جتنے (فرشتے اور انسان وغیرہ) ہیں، سب اُسی کے (مملوک) ہیں۔" یعنی اس کی ملکیت اور اسی کے غلام ہیں۔ ﴿ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿26﴾ ﴾ "(اور) تمام اسی کے فرماں بردار ہیں۔" اس کے سامنے عاجز و درماندہ اور خوشی یا ناخوشی سے اسی کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ ﴾ "اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اسے بہت آسان ہے۔" ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اَهْوَنُ ﴾ کے معنی ہیں کہ یہ اس کو زیادہ آسان ہے۔[1] اور مجاہد فرماتے ہیں کہ دوبارہ پیدا کرنا اسے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے جبکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا بھی اس کے لیے بہت ہی آسان ہے۔[2] عکرمہ اور دیگر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[3]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لَنْ يُّعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا، وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ، لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِّي كُفُوًا أَحَدٌ] "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی، حالانکہ یہ بات

[1] تفسیر الطبری: 43/21 وتفسیر ابن أبي حاتم: 3090/9. [2] تفسیر الطبری: 43/21. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 3090/9 وتفسیر الطبری: 44,43/21.

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ

اس نے تمھارے (سمجھانے کے) لیے خودتمھی میں سے ایک مثال بیان کی ہے کہ ہم نے تمھیں جو رزق دیا ہے، کیا اس میں جن کے تمھارے دائیں ہاتھ

مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

مالک ہوئے ہیں شریک ہو سکتے ہیں کہ تم اس میں برابر ہو جاؤ۔ تم ان سے ایسے ڈرتے ہو جیسے اپنے (ہمسر) لوگوں سے۔ اسی طرح ہم (اپنی) آیات ان

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿28﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ

لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو عقل کرتے ہیں ﴿28﴾ بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا انھوں نے بغیر علم کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی، پھر جسے

يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿29﴾

اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور ان کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں ہیں ﴿29﴾

بالکل اسے زیب نہ دیتی تھی، اس نے مجھے گالی دی، حالانکہ یہ بات بھی اسے زیب نہ دیتی تھی، اس کا میری تکذیب کرنا اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہرگز مجھے اس طرح دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی بار پیدا کیا تھا، حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا اسے لوٹانے (دوبارہ پیدا کرنے) کی نسبت زیادہ آسان تو نہیں ہے اور اس کا مجھے گالی دینا اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنالی ہے، حالانکہ میں ایک اور بے نیاز ہوں نہ کسی کا باپ ہوں اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔''[1] اسے (امام مسلم نے نہیں) صرف امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اونچی صفت اسی کے لیے ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حسب ذیل آیت کی طرح ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ﴾ (الشوریٰ 42:11) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''[2] امام قتادہ کہتے ہیں کہ اس کی مَثَل، یعنی صفت اور شان یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی پروردگار ہے۔[3]

تفسیر آیات: 29,28

تفہیمِ توحید کی ایک عمدہ مثال: اللہ تعالیٰ نے یہ مثال ان لوگوں کے لیے بیان فرمائی ہے جو اس کی ذات پاک کے ساتھ شرک کرتے، اس کے ساتھ غیروں کی پوجا کرتے اور اس کے شریک ٹھہراتے ہیں، حالانکہ وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ وہ تمام اصنام و انداد جنھیں انھوں نے شریک بنا رکھا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے غلام اور اسی کے مملوک ہیں جیسا کہ مشرکین حج کے تلبیے میں کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو نے اپنا شریک بنالیا، تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔''[4]

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب : 1، حديث : 4974 . ② تفسير الطبري: 45/21 وتفسير ابن أبي حاتم: 3090/9.
③ تفسير الطبري: 45/21 وتفسير ابن أبي حاتم: 3090/9. ④ صحيح مسلم، الحج، باب التلبية...... ، حديث: 1185 عن ابن عباس رضي الله عنهما .

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ ''اس نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک مثال بیان فرمائی۔'' جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو اور اسے آپس میں سمجھ بھی رہے ہو۔ ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ ''ہم نے تمھیں جو رزق دیا ہے، کیا اس میں جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے ہیں شریک ہو سکتے ہیں کہ تم اس میں برابر ہو جاؤ۔'' یعنی تم میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کا غلام اس کے مال میں شریک ہو کر اس کے برابر ہو جائے۔ ﴿تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ ''تم ان سے (اسی طرح) ڈرتے ہو جس طرح تم اپنے (ہمسر) لوگوں سے ڈرتے ہو'' یعنی تم ان سے ڈرتے ہو کہ وہ تمھارے مال تقسیم کر کے اس میں سے حصہ لے لیں گے۔ ابو مجلز نے کہا ہے کہ اپنے غلام سے تم نہیں ڈرتے کہ وہ تمھارے مال میں تمھارا شریک بن جائے گا، کیونکہ اس بات کا اسے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ تمھارا شریک بنے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا بھی کوئی شریک نہیں ہے۔[1] معنی یہ ہیں کہ تم تو اس بات سے نفرت کرتے ہو کہ تمھارا غلام تمھارا شریک بنے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کے شریک کیسے بناتے ہو!

مشرکین کا تلبیہ: امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین تلبیہ اس طرح پڑھا کرتے تھے: لَبَّيْكَ، اللّٰهُمَّ! لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ''حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو نے اپنا شریک بنا لیا ہو، تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ ''بھلا جن (لونڈیوں یا غلاموں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے، وہ اُس (مال) میں جو ہم نے تمھیں عطا فرمایا ہے، تمھارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو (اور کیا) تم ان سے (اسی طرح) ڈرتے ہو جس طرح تم اپنے لوگوں سے ڈرتے ہو؟''[2]

اس مثال سے یہ تنبیہ کرنا مقصود تھا کہ جب تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تمھارے غلام اور لونڈیاں تمھارے مال میں تمھارے شریک اور تمھارے برابر ہوں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہ کسی کی شراکت کو گوارا نہ فرمائے کیونکہ وہ ہر قسم کے شریک سے بری اور پاک ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ ''اسی طرح ہم عقل والوں کے لیے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔'' پھر فرمایا کہ مشرکین نے سفاہت و جہالت سے غیر اللہ کی پوجا کی۔ ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ﴾ ''بلکہ جنھوں نے ظلم کیا وہ (مشرکین) بغیر سمجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔'' یعنی علم کے بغیر شریکوں کی عبادت کرتے ہیں، ﴿فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ''پس اسے کون

---

[1] تفسیر الطبری :47/21. [2] المعجم الکبیر للطبرانی :20/12، حدیث :12348 اور ہیثمی نے مجمع الزوائد، الحج، باب الإهلال والتلبية :223/3، حدیث:5363 پر لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ''حماد بن شعیب'' ضعیف ہے۔ البتہ آیت کی شان نزول کے بغیر یہ حدیث صحیح مسلم، الحج، باب التلبية......، حدیث : 1185 میں آئی ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ

پس (اے نبی!) آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کے لیے سیدھا رکھیں، اللہ کی فطرت (اختیار کرو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی

ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا

نہیں ہو سکتی، یہی سیدھا دین ہے، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿30﴾ اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے (دین پر قائم رہو)، اور تم اس سے ڈرتے رہو،

الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿31﴾ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ

اور نماز قائم کرو، اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ ﴿31﴾ (یعنی) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور وہ کئی گروہ ہو گئے، ہر گروہ کے پاس جو

بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿32﴾

کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے ﴿32﴾

ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ گمراہ کرے؟'' اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ضلالت کو لکھ دیا ہے تو انھیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿29﴾﴾ ''اور اُن کا کوئی مددگار نہیں۔'' یعنی کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انھیں بچا سکے اور کوئی نہیں جو اس کی گرفت سے انھیں چھڑا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہو کر رہتا ہے اور وہ جو نہ چاہے، وہ ہو ہی نہیں سکتا۔

تفسیر آیات:30-32

توحید ہی پر قائم رہنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے چہرے کو سیدھا رکھو اور اسی دین حنیف اور ملتِ ابراہیم پر قائم رہو جس کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی ہے اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے حد درجہ مکمل فرما دیا ہے، اس دین کو اختیار کرنے سے تم اپنی اس فطرت سلیم کو اختیار کرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت اور اپنی توحید پر پیدا فرمایا ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں آیت کریمہ: ﴿وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚ﴾ (الأعراف 172:7) ''اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ ٹھہرایا (ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے: کیوں نہیں!'' کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے[1] اور حدیث میں ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) [إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ ...... أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ] ''بلاشبہ میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا...... شیطان ان کے پاس آئے، پھر انھیں ان کے دین سے ہٹا دیا۔''[2] اور عنقریب ہم احادیث کے حوالے سے بیان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کو دینِ اسلام پر پیدا فرمایا تھا، پھر بعض لوگ فاسد دینوں، مثلاً: یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت میں مبتلا ہو گئے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اللہ کی تخلیق میں تغیر و تبدیلی نہیں (ہو سکتی۔)'' بعض نے کہا ہے

---

[1] دیکھیے الأعراف، آیت:172 کے ذیل میں عنوان: ''اولاد آدم سے لیے گئے عہد کا بیان'' [2] صحیح مسلم، الجنة وصفة......، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا......، حديث:2865 عن عياض بن حمار ﷛.

کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تبدیلی نہ کرو کہ لوگوں کو اس فطرت سے ہٹا دو جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا فرمایا تھا۔ اسی معنی کے اعتبار سے خبر گویا طلب وامر کے معنی میں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ ﴾ (آل عمرٰن 97:3) ''اور جو شخص اس (مبارک گھر) میں داخل ہوا اس نے امن پالیا۔''

یہ اچھے اور صحیح معنی ہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ خبر ہی ہے اور معنی یہ ہیں کہ فطرت میں مستقیم جبلت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو برابر پیدا فرمایا ہے کہ ہر شخص اسی فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے اور اس اعتبار سے لوگوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، ضحاک اور ابن زید نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔[1] اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ﴿ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ﴾ کے معنی اللہ کے دین کے بیان کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ ﴿ خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴾ (الشعرآء 137:26) کے معنی پہلے لوگوں کے دین کے ہیں اور فطرت سے مراد ''اسلام'' ہے، پھر آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ مَّوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟] ثُمَّ يَقُولُ: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙۗ ﴾ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ جانور بچے کو پورا پورا (صحیح سالم) جنم دیتا ہے، کیا تم ان میں سے کسی بچے کو کان کٹا ہوا محسوس کرتے ہو؟ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے: ''اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہی سیدھا دین ہے۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙۗ ﴾ ''یہی سیدھا دین ہے۔'' یعنی شریعت اور فطرت سلیم کو تھام لینا ہی سیدھا اور مستقیم دین ہے۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙۗ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' اکثر لوگ نہیں جانتے جس کی وجہ سے وہ دین مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں اور جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی گو آپ (کتنی ہی) خواہش کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 116:6) ''اور اگر آپ ان بہت سوں کا کہا مان لیں گے جو زمین پر (آباد) ہیں (گمراہ ہیں) تو وہ آپ کو اللہ کا رستہ بھلا دیں گے، وہ محض

---

[1] تفسیر الطبری: 50,49/21 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3091/9. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (الروم 30:30)......، حدیث: 4775. [3] صحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة......، حدیث: 2658.

خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل پچو لگاتے ہیں۔“

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ﴾ ”(مومنو) اُسی (اللہ) کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔“ ابن زید اور ابن جریج نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ اس کی طرف رجوع کیے رکھو۔[1] ﴿ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ﴾ ”اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو۔“ کہ نماز پڑھنا بہت بڑی اطاعت ہے، ﴿ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ (31) ”اور مشرکوں میں سے نہ ہونا۔“ بلکہ موحدین اور ان مخلصین میں سے ہو جانا جو اسی ذات اقدس کی عبادت کرتے اور اس کے سوا کسی اور کی خوشنودی کے طلب گار نہیں ہوتے۔ امام ابن جریر نے یزید بن ابومریم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اس امت کو راہ راست پر رکھنے کے لیے کیا معیار ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین باتیں اور وہی امت کی نجات کی ضامن ہیں: (1) اخلاص اور یہی وہ فطرت ہے: ﴿ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ﴾ ”اللہ کی فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔“ (2) نماز اور یہی ملت ہے اور (3) طاعت اور یہی عصمت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر فرمایا: آپ نے بالکل سچ کہا ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ (32) ”(اور نہ) اُن لوگوں میں (ہونا) جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور (خود) فرقے فرقے ہو گئے، ہر فرقہ اسی پر خوش ہے جو ان کے پاس ہے۔“ یعنی تم ان مشرکوں میں سے نہ ہونا جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، یعنی انھوں نے اس میں تبدیلی کر دی تھی اور دین کے بعض احکام کو مانتے اور بعض کا انکار کر دیتے تھے، بعض نے اسے: [فَارَقُوا دِينَهُمْ] بھی پڑھا ہے۔[3] یعنی انھوں نے اپنے دین کو ترک کر کے پس پشت ڈال دیا تھا، اہل اسلام کے سوا دیگر تمام لوگوں، مثلاً: یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں، بت پرستوں اور دیگر تمام باطل ادیان سے وابستہ لوگوں کا یہی طرز عمل ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ ﴾ (الأنعام 159:6) ”بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی فرقے بن گئے اُن سے آپ کو کوئی سروکار نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر جو کچھ وہ کرتے رہے وہ ان (سب) کو بتائے گا۔“

ہم سے پہلے ادیان والے اختلاف کر کے کئی باطل آراء وافکار میں مبتلا ہو گئے اور کئی فرقوں میں بٹ گئے، ان میں سے ہر ایک فرقہ گمان کرتا تھا کہ وہی حق پر ہے، افسوس کہ ہماری اُمت بھی کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئی اور ان میں سے ایک فرقے کے سوا باقی سب فرقے گمراہ ہیں، صرف اہل سنت والجماعت حق پر ہیں اور ان سے مراد (موجودہ دور کے اہل شرک و بدعت نہیں بلکہ) وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہیں اور جن کا عمل صدر اول کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین

[1] تفسير الطبري: 51/21. [2] تفسير الطبري: 48/21. [3] تفسير القرطبي: 32/14.

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے انھیں رحمت (کا

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿33﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا وقفة فَسَوْفَ

مزہ) چکھاتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں ﴿33﴾ تاکہ وہ اس چیز (نعمت) کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دی، تو تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿35﴾

فائدہ اٹھالو، پھر جلد تم جان لوگے ﴿34﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ وہ ان کے شرک کرنے کو (صحیح) بتاتی ہو ﴿35﴾ اور جب ہم لوگوں کو

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

(اپنی) رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، اور اگر ان کے ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کمائی کی وجہ سے کوئی مصیبت انھیں آلے تو وہ

اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿36﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ

فوراً ناامید ہو جاتے ہیں ﴿36﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کر دیتا

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿37﴾

ہے۔ بلاشبہ اس (فراخی وتنگی) میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿37﴾

اور ائمۂ مسلمین کے عمل کے مطابق ہو جیسا کہ امام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ ان مختلف فرقوں میں سے نجات یافتہ کون سا ہے تو آپ نے فرمایا: [مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي] ''وہ (جس کا عمل اس دین کے مطابق ہو) جس پر آج میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔''[1]

تفسیر آیات: 33-37

انسان توحید سے شرک اور خوشی سے ناامیدی کی طرف پلٹتا رہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ اضطراری حالت میں تو اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارتے ہیں اور جب وہ انھیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ اختیاری حالت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کے ساتھ غیر اللہ کی پوجا شروع کر دیتے ہیں، ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ﴾ ''تاکہ جو ہم نے انھیں بخشا ہے اس کی ناشکری کریں۔'' بعض کے نزدیک یہ لامِ عاقبت اور بعض کے نزدیک لامِ تعلیل ہے لیکن تعلیل اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾﴾ ''عنقریب تم (اس کا انجام) جان لوگے۔'' بعض نے کہا ہے کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی گلی کا چوکیدار بھی ڈانٹ پلائے تو میں اس سے ڈر جاؤں گا اور یہاں تو سرزنش کرنے والا وہ قادر مطلق ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی تردید

[1] المستدرك للحاكم، العلم، فصل: فى توقير العالم :129/1 و جامع الترمذى، الإيمان، باب ماجاء فى افتراق هذه الأمة، حديث :2641 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ والسلسلة الصحيحة :414-404/1، تحت الحديث :204.

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫

پس آپ قرابت دار کو اس کا حق دیں، اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ چاہتے ہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿38﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ

والے ہیں﴿38﴾ اور تم سود پر جو (قرض) دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں (شامل ہوکر) بڑھے، تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا، اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے

اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿39﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دیتے ہو، تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں﴿39﴾ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر اس نے تمھیں

خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ

رزق دیا، پھر وہ تمھیں مارے گا، پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا، کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان (کاموں) میں سے کچھ کر سکے؟ اللہ ان کے

مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿40﴾ ع 4 13 7

شریک ٹھہرانے سے پاک اور اعلیٰ ہے﴿40﴾

کرتے ہوئے فرمایا جنھوں نے کسی دلیل، حجت اور برہان کے بغیر غیر اللہ کی پوجا شروع کر دی تھی کہ ﴿ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ ”کیا ہم نے ان پر کوئی (ایسی) دلیل نازل کی ہے کہ وہ ان کے شرک کرنے کو (صحیح) بتاتی ہو۔“ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ان کے پاس ایسی کوئی شے نہیں ہے۔

پھر فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿36﴾ ﴾ ”اور جب ہم لوگوں کو (اپنی) رحمت (کا مزا) چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے عملوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں کوئی برائی پہنچے تو ناامید ہو کر رہ جاتے ہیں۔“ یہ عام انسانوں کے طرز عمل کی تردید اور اس پر انکار ہے کہ انھیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں سوائے ان کے جنھیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور سلامتی کی توفیق عطا فرمائے ورنہ عام لوگ یہی کہتے ہیں: ﴿ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ ﴾ (ھود 11:10) ”(آہا) سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ خوشیاں منانے والا، فخر کرنے والا ہے۔“ یعنی اپنے جی میں خوش ہوتا اور دوسروں پر فخر کرتا ہے اور جب اسے کوئی سختی پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا اور کہتا ہے کہ آئندہ اسے کوئی خیر و بھلائی حاصل نہیں ہوگی۔

مومن کا معاملہ بڑا تعجب خیز ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ ﴾ (ھود 11:11) ”ہاں، جنھوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے۔“ یعنی جنھوں نے مشکلات میں صبر کیا اور آسودگی و خوش حالی میں نیک عمل کیے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [عَجَبًا لِّلْمُؤْمِنِ، لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهُ (قَضَاءً) إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ] ”مومن کا معاملہ بہت تعجب انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو بھی فیصلہ فرمائے، وہ اس کے حق میں بہتر ہے، اگر اسے خوشی حاصل ہو تو شکر کرتا ہے اور شکر کرنا اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا

ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور صبر کرنا اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے۔''①

اور اس کا ارشاد ہے: ﴿ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے ور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔'' یعنی وہ متصرف و مختار ہے اور اس کا ہر کام مبنی بر حکمت وعدل ہے، وہ کچھ لوگوں کو فراخ اور وسیع رزق عطا فرماتا ہے اور کچھ لوگوں کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیات: 38-40

صلہ رحمی کا حکم اور سود کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ﴾ ''پس اہل قرابت اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو۔'' ان سے نیکی اور صلہ رحمی کرتے رہو، ﴿ الْمِسْكِیْنَ ﴾ سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اپنے خرچ کے لیے کچھ نہ ہو یا اس کی ضرورت کے مطابق نہ ہو اور ﴿ وَابْنَ السَّبِیْلِ ﴾ سے مراد وہ مسافر ہے جو خرچ اور ضروریاتِ سفر کے لیے محتاج ہو۔ ﴿ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ﴾ ''یہ ان کے حق میں بہتر ہے جو لوگ اللہ کا چہرہ چاہتے ہیں۔'' یعنی روز قیامت اللہ تعالیٰ کے دیدار کے طالب ہیں اور یہ مطلوب و مقصود کی آخری حد ہے۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' یعنی دنیا و آخرت میں، پھر فرمایا: ﴿ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک (اُس میں) افزائش نہیں ہوتی۔'' یعنی جو شخص کسی کو عطیہ دے اور اس کی خواہش یہ ہے کہ لوگ اسے اس سے زیادہ عطیہ دیں تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، شعبی اور محمد بن کعب قرظی نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔②

دوگنا چوگنا نفع حاصل کرنے والے: ﴿ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو تم زکاۃ دیتے ہو (اور اس سے) اللہ کا چہرہ طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو کئی گنا) بڑھانے والے ہیں۔'' انھیں اللہ تعالیٰ دوگنا چوگنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: [مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ (بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ)، إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمٰنُ بِيَمِينِهِ فَيُرَبِّيهَا (لِصَاحِبِهِ) كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ أَوْ فَصِيلَهُ، حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ أَوْ أَعْظَمَ] ''جو شخص پاک کمائی سے کھجور کے برابر بھی خرچ کرے تو رحمان اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر اس خرچ کرنے والے کے لیے اسے (اس طرح) پروان چڑھاتا ہے جس طرح کہ تم میں سے

① پہلا حصہ مسند أحمد :24/5 جبکہ قوسین والا لفظ مسند أبي یعلی :221/7، حدیث :4218 عن أنس رضی اللہ عنہ۔ اور دوسرا حصہ صحیح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث : 2999 عن صهيب رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ ② تفسیر الطبری: 55,54/21 و تفسیر ابن أبي حاتم : 3092,3091/9.

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا

خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے فساد ظاہر ہو گیا ہے، تا کہ اللہ انھیں ان کے بعض اعمال (کا مزہ) چکھائے، جو انھوں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿41﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ

نے کیے، تا کہ وہ (ہدایت کی طرف) رجوع کریں﴿41﴾ آپ کہہ دیجیے: تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جو ان سے پہلے

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿42﴾

تھے؟ ان کے اکثر مشرک ہی تھے﴿42﴾

کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کو پالتا پوستا ہے حتی کہ وہ (کھجور) پہاڑ کی طرح یا اس سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔''[1]

پیدائش، رزق اور موت وحیات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ﴾ ''اللہ ہی تو ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا۔'' یعنی وہی خالق و رازق ہے، وہ انسان کو اس کی ماں کے پیٹ سے عریاں نکالتا ہے کہ اسے نہ علم ہوتا ہے اور نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ اس میں کوئی قوت و طاقت ہوتی ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ آرائش و زیبائش، لباس، مال، جائیداد اور دولت سب چیزوں سے سرفراز فرما دیتا ہے، ﴿ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ﴾ ''پھر وہ تمھیں مارے گا۔'' یعنی اس زندگی کے بعد، ﴿ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾ ''پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ''بھلا تمھارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں (بھی) کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان میں سے کوئی بھی اس طرح کا کوئی کام نہیں کر سکتا بلکہ خلق و رزق اور موت و حیات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، پھر وہ روز قیامت سب کو اٹھائے گا، اسی لیے اس سب کچھ کے بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿40﴾ ﴾ ''وہ پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی اللہ عزوجل کی ذات گرامی اس بات سے مقدس، منزہ اور بہت عظیم ہے کہ اس کا کوئی شریک یا نظیر یا مساوی یا اولاد یا والد ہو بلکہ وہ یکتا و یگانہ ہے، بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر بھی نہیں۔

تفسیر آیات: 42,41

گناہوں کے دنیا میں اثرات ونتائج: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ضحاک، سدی اور کئی دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں بَرّ سے مراد جنگلات اور بحر سے مراد شہر اور بستیاں ہیں۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ سے دوسری روایت کے مطابق بحر سے مراد وہ شہر اور بستیاں ہیں جو دریا کے کنارے آباد ہوں۔[3] دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ بر و بحر سے مراد وہی بر و

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب......، حديث :1410 و صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة......، حديث : (63,64)-1014عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، واللفظ له، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مطابق ہیں۔

[2] تفسير الطبري: 59,58/21 . [3] تفسير ابن أبي حاتم: 3092/9 و تفسير الطبري: 58/21 .

بحر ہیں جو معروف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ [1] زید بن رفیع کہتے ہیں کہ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ﴾ ”فساد ظاہر ہو گیا۔“ کا مفہوم یہ ہے کہ خشکی میں بارش نہ ہونے کے نتیجے میں قحط کا پیدا ہونا اور بحر میں بارش نہ ہونے سے وہاں کے جانوروں کا اندھا ہو جانا۔ اسے ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ [2] نیز انھوں نے کہا ہے کہ ہم سے محمد بن عبداللہ بن یزید مقری نے، انھوں نے سفیان سے، انھوں نے حُمید بن قیس اعرج سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ خشکی میں فساد کے پھیلنے سے مراد انسانوں کا قتل اور تری میں فساد سے مراد کشتیوں کا غصب کر لینا ہے۔ [3]

پہلے قول کے مطابق آیت کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ فصلوں اور پھلوں میں کمی گناہوں کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ زمین کو فتنہ و فساد سے بھرتا ہے کیونکہ زمین و آسمان کی درستی اطاعت الٰہی پر موقوف ہے۔ [4] اسی لیے اس حدیث میں آیا ہے جسے امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: [حَدٌّ (يُقَامُ) فِي الْأَرْضِ، خَيْرٌ لِّأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ يُّمْطَرُوا أَرْبَعِينَ صَبَاحًا] ”ایک حد کا زمین میں قائم کرنا، اہل زمین کے لیے چالیس دنوں کی بارش سے زیادہ بہتر ہے۔“ [5] اس کا سبب یہ ہے کہ جب حدود قائم کی جائیں تو بہت سے لوگ محرمات کے ارتکاب سے باز آ جاتے ہیں اور جب معاصی اور محرمات کو ترک کر دیا جائے تو یہ آسمانوں اور زمین سے برکتوں کے حصول کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام آخری زمانے میں نازل ہوں گے اور وہ اس وقت ہماری شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلے فرمائیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور اسلام یا تلوار کے سوا کچھ قبول نہیں کریں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ اس زمانے میں دجال اور اس کے پیروکاروں کو ہلاک کر دے گا اور یاجوج و ماجوج کو بھی ختم کر دے گا تو زمین سے کہا جائے گا کہ تو اپنی برکت کو نکال دے تو (اتنے بڑے بڑے انار ہوں گے کہ) ایک انار کو لوگوں کی جماعتیں مل کر کھائیں گی اور اس کے چھلکے کے ساتھ سایہ حاصل کر سکیں گی اور ایک بکری کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کے لیے کافی ہو گا۔ [6] اور یہ سب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنفیذ کی برکت کے باعث ہو گا، جب بھی عدل و انصاف قائم کر دیا جائے تو خیر و برکت کی کثرت ہو جاتی ہے، اسی لیے صحیح حدیث میں ہے: [......وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ] ”...... بدکار انسان سے (جب مرجاتا ہے) بندے، شہر، درخت اور جانور سبھی راحت محسوس کرتے ہیں۔“ [7]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابو قَحذَم سے روایت کیا ہے کہ زیاد یا ابن زیاد کے دور میں ایک شخص کو ایک تھیلی ملی جس میں

---

① تفسیر الطبری:60,59/21 . ② تفسیر ابن أبی حاتم:3092/9 . ③ تفسیر ابن أبی حاتم:3092/9 . ④ تفسیر الطبری:182/1 عن الربیع . ⑤ سنن ابن ماجه، الحدود، باب إقامة الحدود، حدیث :2538 و سنن النسائی، قطع السارق، باب الترغیب فی إقامة الحد، حدیث :4908، البتہ قوسین والا لفظ مسند أحمد :362/2 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ملحوظہ :سنن ابوداود میں یہ حدیث نہیں ہے۔ ⑥ صحیح مسلم، الفتن، باب ذکر الدجال، حدیث :2937 و مسند أحمد :182/4 عن النوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ . ⑦ صحیح البخاری، الرقاق، باب سکرات الموت، حدیث :6512 و صحیح مسلم، الجنائز، باب ماجاء فی مستریح و مستراح منه، حدیث :950 عن أبی قتادة رضی اللہ عنہ .

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿43﴾

پس آپ اپنا رخ درست دین کی طرف سیدھا رکھیں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس کے لیے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں ہے، اس دن وہ (مومن اور

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿44﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کافر) الگ الگ ہو جائیں گے ﴿43﴾ جس شخص نے کفر کیا، تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا، اور جنھوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے ہی لیے راہ ہموار کر رہے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿45﴾

ہیں ﴿44﴾ تاکہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، بلاشبہ اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿45﴾

(گندم کے) کچھ دانے تھے اور وہ دانے (حجم میں) کھجور کی گٹھلیوں کی طرح تھے اور اس تھیلی پر یہ تحریر تھی: یہ فصل اس دور کی ہے جس میں عدل وانصاف کے ساتھ معاملہ کیا جاتا تھا۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا ﴾ ”تاکہ اللہ انھیں اُن کے بعض اعمال (کا مزا) چکھائے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی آزمائش اور ان کے اعمال کی سزا کے طور پر انھیں مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کر دے، ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿41﴾ ﴾ ”تاکہ وہ باز آجائیں۔“ یعنی اپنے گناہوں سے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 168:7) ”اور ہم نے ان کی آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے آزمائش کی تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔“

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿42﴾ ﴾ ”آپ کہہ دیں: زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو! جو لوگ (تم سے) پہلے ہوئے ہیں اُن کا کیسا انجام ہوا ہے؟ اُن میں زیادہ تر مشرک ہی تھے۔“ یعنی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تکذیب اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے تم سے پہلے لوگوں پر کیسے کیسے عذاب نازل ہوئے تھے!

تفسیر آیات: 43-45

دین پر استقامت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اطاعت پر استقامت اور نیکیوں کی طرف سبقت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ﴾ ”تو آپ اپنے چہرے کو سیدھی راہ پر سیدھا کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آپہنچے جسے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں۔“ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ جب وہ اسے برپا کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو اسے کوئی ٹال نہ سکے گا۔ ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿43﴾ ﴾ ”اس روز وہ جدا جدا ہو جائیں گے۔“ اور ان میں سے ایک گروہ جنت میں اور دوسرا جہنم میں جائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿44﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ ﴾ ”جس شخص نے کفر کیا تو اس کا کفر اُسی پر

[1] مسند أحمد: 296/2.

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے، اور تا کہ وہ تمھیں اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائے، اور تا کہ اس کے حکم سے

وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿46﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

کشتیاں چلیں، اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تا کہ تم شکر کرو﴿46﴾ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، پھر وہ ان کے

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿47﴾

پاس روشن دلائل لے کر آئے (مگر انھوں نے انھیں جھٹلایا)، پھر جن لوگوں نے جرم کیے تھے ہم نے ان سے انتقام لیا، اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے﴿47﴾

ہے اور جس نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے ہی لیے (فلاح کا راستہ) سنوارتے ہیں تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ انھیں اپنے فضل سے بدلہ دے۔'' اور بدلہ بھی بہت زیادہ عطا فرمائے گا، ایک نیکی کا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ جس قدر چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''بے شک وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔'' لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ان سے بھی عدل فرمائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

تفسیر آیات: 47,46

اللہ کی نشانیوں میں سے ہوائیں بھی ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق پر اس کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے خوش خبری سنانے کے لیے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بارش کے آنے کی خوش خبری دیتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ وَ لِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ ''تا کہ تمھیں اپنی رحمت (کے مزے) چکھائے۔'' رحمت سے مراد بارش ہے جس سے وہ بندوں اور زمینوں کو زندہ کر دیتا ہے، ﴿ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ ﴾ ''اور تا کہ اسی کے حکم سے کشتیاں چلیں۔'' یعنی دریاؤں اور سمندروں میں اور اللہ تعالیٰ انھیں ہوا کے ساتھ چلاتا ہے، ﴿ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور تا کہ تم اس کے فضل سے (روزی) تلاش کرو۔'' یعنی تجارت، خرید و فروخت اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک سفر کرنے کی صورت میں۔ ﴿ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿46﴾ ﴾ ''اور تا کہ تم شکر کرو۔'' یعنی تا کہ تم ان بے حد و حساب، ظاہری اور باطنی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جن سے اس نے تمھیں نوازا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبر ان کی قوموں کی طرف بھیجے تو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے ان لوگوں سے بدلہ لیا جنھوں نے جرم کیا۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے بہت سے اور دیگر لوگوں نے آپ کی تکذیب کی ہے تو سابقہ رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی تھی، گو وہ اپنی امتوں کے پاس بہت واضح دلائل لے کر آئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تکذیب و مخالفت کرنے والوں سے خود انتقام لیا اور مومنوں کو نجات عطا فرما دی تھی۔ ﴿ وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿47﴾ ﴾ ''اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔'' یعنی از راہِ فضل و کرم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر مومنوں کی مدد کو واجب قرار دے رکھا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ

اللہ وہ ذات ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادل اٹھاتی بھڑکاتی ہیں، پھر اللہ اسے آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے، اور وہ اسے ٹکڑے

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ

کر دیتا ہے، پھر آپ بارش دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے نکلتی ہے، پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے بارش برساتا ہے تو اس وقت وہ

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿48﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿49﴾ فَانْظُرْ

خوش ہو جاتے ہیں (48) اور اگرچہ ان پر بارش برسائے جانے سے قبل، اس (بارش کی خوشی) سے پہلے وہ ناامید ہو رہے تھے (49) پس آپ اللہ کی رحمت کے

اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى

آثار کی طرف دیکھیں، وہ زمین کو اس کی موت (ویرانی) کے بعد کیسے زندہ (آباد) کرتا ہے، بے شک وہ ضرور مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿50﴾ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿51﴾

پر خوب قادر ہے (50) اور اگر ہم (تند و تیز) ہوا بھیج دیں، پھر وہ اس (کھیتی) کو زرد پڑتی دیکھیں، تو اس کے بعد وہ ضرور ناشکری کرنے لگتے ہیں (51)

الرَّحْمَةَ ﴾ (الأنعام 6:54) ''تمھارے پروردگار نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔''

تفسیر آیات: 48-51

زمین کو زندہ کرنا بعث بعد الموت کی دلیل ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ اس بادل کو کس طرح پیدا فرماتا ہے جس سے پانی نازل ہوتا ہے، ارشاد ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا ﴾ ''اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔'' یعنی دریاؤں اور سمندروں کی موجوں سے سحاب کو اٹھاتی ہیں جیسا کہ کئی ایک اہل علم نے ذکر کیا ہے۔ یا وہاں سے اٹھاتی ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ چاہے، ﴿ فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ ﴾ ''پھر وہ اسے جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے۔'' یعنی اسے پھیلا دیتا، زیادہ کر دیتا اور اسے بڑھا دیتا ہے اور تھوڑے بادلوں کو زیادہ بنا دیتا ہے۔ ابتدا میں ایک بدلی پیدا فرماتا ہے جو آنکھ سے ایک ڈھال کی طرح نظر آتی ہے، پھر اسے اس طرح پھیلا دیتا ہے کہ افق کے سارے کنارے بھر جاتے ہیں اور کبھی وہ بادلوں کو دریاؤں اور سمندروں کی طرف سے اس طرح اٹھاتا ہے کہ وہ پانی سے بھرے ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:57) ''اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (مینہ) سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں تو ہم اسے ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں، پھر اس (بادل) سے پانی اتارتے ہیں، پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو (زمین سے زندہ کر کے) نکال لیں گے، (یہ آیات اس لیے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''

اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا ﴾

''اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ اسے جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور (تہ بہ تہ) ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔'' مجاہد، ابو عمرو بن علاء، مَطَر وَرّاق اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ كِسَفًا ﴾ کے معنی ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔[1] اور کئی دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی تہ بہ تہ کے ہیں جیسا کہ امام ضحاک کا قول ہے۔ کچھ اور لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایسے بادل ہیں جو پانی کی کثرت کی وجہ سے سیاہ معلوم ہوتے ہوں اور بوجھل اور بھاری ہونے کی وجہ سے زمین سے قریب دکھائی دیتے ہوں۔ ﴿ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ ﴾ ''پس تو مینہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے بیچ میں سے نکلنے لگتا ہے۔'' یعنی تم بارش کو دیکھتے ہو جو بادلوں سے پانی کے قطروں کی صورت میں برستی ہے۔

﴿ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ﴿48﴾ ﴾ ''پھر جب وہ اسے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے برسا دیتا ہے تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں۔'' کیونکہ انھیں اس کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا وہ اس کے نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿49﴾ ﴾ ''اور یقیناً وہ (لوگ) اس (مینہ) سے پیشتر کہ وہ ان پر اتارا جائے، البتہ پہلے ہی نا اُمید ہو رہے تھے۔'' آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ جنھیں بارش نصیب ہوتی ہے، اس کے نزول سے پہلے مایوس اور ناامید تھے، خشک سالی کے بعد نازل ہونے والی بارش بہت خوش کن ہوتی ہے، یعنی لوگ بارش کے نازل ہونے سے پہلے بھی اس کے ضرورت مند تھے اور بارش کے نازل ہونے سے پہلے وقتاً فوقتاً جب بارش رکی رہی تو یہ اس کا انتظار کرتے رہے، ایک مدت تک بارش نہ ہوئی، یہ اس کا انتظار کرتے رہے، بارش کے نازل ہونے میں تاخیر ہو گئی، پھر مایوسی و ناامیدی کے بعد بارش نازل ہوئی تو خشک و بنجر زمین سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اُگانے لگتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط ﴾ ''تو (اے دیکھنے والے!) اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔'' رحمت کی نشانیوں سے مراد بارش ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس طرف توجہ مبذول فرمائی ہے کہ جس طرح وہ مردہ زمین کو زندہ فرما دیتا ہے اسی طرح وہ مردہ انسان کو بھی دوبارہ زندہ فرما دے گا۔ ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ ﴾ ''بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔'' یعنی جس نے مردہ زمین کو زندگی عطا فرما دی، وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿50﴾ ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

پھر ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿51﴾ ﴾ ''اور اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں کہ وہ (اس کے سبب) کھیتی کو دیکھیں (کہ) زرد (ہو گئی) ہے تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے لگ جائیں۔'' یعنی اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو اس کھیتی کو خشک کر دے جسے انھوں نے کاشت کیا ہو اور وہ اُگ کر بڑی ہو گئی ہو اور اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی ہو، پھر وہ اسے دیکھیں کہ وہ تو خشک ہو کر خراب ہونا شروع ہو گئی ہے تو وہ اس صورت حال کو دیکھ کر ناشکری اور سابقہ نعمتوں کا انکار کرنے لگ

[1] تفسير الطبري: 64/21 و201/15 و تفسير ابن أبي حاتم: 3094/9.

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿52﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ

تو (اے نبی!) بلاشبہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں ﴿52﴾ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی

عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿53﴾ ع 5 13 8

گمراہی سے ہدایت کی طرف لاسکتے ہیں، آپ تو صرف انھیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، تو وہی فرماں بردار ہیں ﴿53﴾

جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ ﴾ (الواقعة 56:63-67) ''سو بھلا دیکھو تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو تو کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں، پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ (کہ ہائے) ہم تو (مفت) تاوان میں ڈال دیے گئے بلکہ ہم ہیں ہی بے نصیب۔''

تفسیر آیات: 53,52

کفار مُردوں کی طرح ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جیسے یہ آپ کی قدرت وطاقت میں نہیں کہ آپ مردوں کو ان کی قبروں میں سنائیں اور نہ یہ کہ آپ بہروں کو اپنی بات سنا سکیں، خصوصاً جبکہ انھوں نے آپ سے منہ بھی پھیر رکھا ہو، اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ حق سے اندھوں کو ہدایت دے سکیں اور انھیں گمراہی وضلالت سے ہٹا کر راہ ہدایت پر لا سکیں کیونکہ یہ سارا معاملہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو اپنی قدرت کے ساتھ مردوں کو زندوں کی آوازیں سنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو اس کا ذرہ بھر اختیار نہیں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿53﴾ ﴾ ''آپ تو اُنھی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں، سو وہی فرماں بردار ہیں۔'' یعنی یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والے، اس کے حکم پر لبیک کہنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جو حق کو سنتے اور اس کی اتباع کرتے ہیں، یہ مومنوں کا حال ہے جبکہ پہلی کافروں کی مثال تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:36) ''بات یہ ہے کہ (حق کو) قبول تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے بھی ہیں اور مردوں کو تو اللہ (قیامت ہی کو) اٹھائے گا، پھر وہ اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

اسی آیت کریمہ: ﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾ ''پس بے شک آپ مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے۔'' سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے استدلال کیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو (نبی ﷺ کے الفاظ نقل کرنے میں) اس روایت میں وہم ہو گیا ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کفار مقتولوں سے تین دن بعد گفتگو فرمائی تھی جنھیں بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا تھا، آپ نے انھیں سخت سرزنش کی تھی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کیسے ان سے خطاب کر رہے ہیں، حالانکہ وہ بلاشبہ گل سڑ کے بدبودار ہو چکے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھیں کمزوری (کی حالت) سے پیدا کیا، پھر اس نے کمزوری کے بعد قوت دی، پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور

قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿54﴾

بڑھاپا دیا، وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، اور وہ خوب جاننے والا، بڑا قدرت والا ہے ﴿54﴾

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا

اور جس دن قیامت قائم ہوگی، مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) گھڑی بھر کے سوا نہیں ٹھہرے، اسی طرح وہ (دنیا میں) بہکے رہے ﴿55﴾ اور جن لوگوں

يُؤْفَكُوْنَ ﴿55﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ

کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے: البتہ تحقیق تم تو، جیسا کہ اللہ کی کتاب (لوحِ محفوظ) میں ہے، (دوبارہ) اٹھانے کے دن (قیامت) تک ٹھہرے

الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿56﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ

رہے، چنانچہ یہی (دوبارہ) اٹھنے کا دن ہے، اور لیکن تم تو (اسے حق) نہیں جانتے تھے ﴿56﴾ تو جن لوگوں نے ظلم و زیادتی کی اس دن ان کی معذرت (انھیں)

ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿57﴾

کوئی نفع نہ دے گی، اور نہ ان سے (اپنے رب کو) راضی کرنے کے لیے کہا جائے گا ﴿57﴾

لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ (وَلٰكِنْ لَّا يُجِيبُونَ)] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان سے جو کہہ رہا ہوں، اسے تم ان کی نسبت زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔''[1] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اس فرمان کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُونَ الْآنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُولُ لَهُمْ حَقٌّ] ''انھیں اب یہ خوب معلوم ہوگیا ہے کہ میں ان سے جو کہا کرتا تھا، وہی بات حق ہے۔''[2] اور امام قتادہ نے بیان فرمایا ہے کہ اس وقت ڈانٹ ڈپٹ، سرزنش اور سزا کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا تھا حتی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ بالا فرمان سن لیا۔[3]

تفسیر آیت: 54

انسانی زندگی کے مراحل: انسان اپنی زندگی کے جن مختلف مراحل سے گزرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا ہے کہ انسان کی اصل تخلیق مٹی سے ہے، مٹی سے نطفہ، پھر لوتھڑا، پھر بوٹی بنا دی جاتی ہے، پھر ہڈیاں پیدا کر دی جاتیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا جاتا ہے، پھر اسی میں روح پھونک دی جاتی ہے، پھر جب وہ شکم مادر سے باہر آتا ہے تو انتہائی کمزور ونحیف اور کمزور

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب قتل أبی جھل، حدیث: 3976 عن زید بن سھل أبی طلحة الأنصاری رضی اللہ عنہ وصحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار علیه......، حدیث: 2874 عن أنس رضی اللہ عنہ واللفظ له، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، حدیث: 1370 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [2] صحیح البخاری، الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، حدیث: 1371 و صحیح مسلم، الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء أهله علیه، حدیث: 932. [3] صحیح البخاری، المغازی، باب قتل أبی جھل، حدیث: 3976.

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ

اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال بیان کردی ہے، اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لائیں تو جن لوگوں

الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿58﴾ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ

نے کفر کیا وہ ضرور کہیں گے: تم تو نرے جھوٹے ہو ﴿58﴾ اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے، مہر لگا دیتا ہے ﴿59﴾

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿59﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿60﴾ ع 7/6

پس آپ صبر کیجیے: بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور آپ کو وہ لوگ ہلکا (بے صبر) نہ کردیں جو یقین نہیں رکھتے ﴿60﴾

قوتوں والا ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ پروان چڑھ کر بچہ بن جاتا ہے، پھر نوخیز، پھر نوجوان بن جاتا ہے اور کمزوری کے بعد طاقت کے یہی معنی ہیں، پھر انسان کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے اور کہولت وشیخوخت سے گزرتے ہوئے بڑھاپے کی آخری حدوں کو چھونے لگتا ہے اور طاقت کے بعد کمزوری کے یہی معنی ہیں کیونکہ بڑھاپے میں ہمت، حرکت اور گرفت میں کمزوری ہو جاتی ہے، بال سفید ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی صفات میں تبدیلی رونما ہونا شروع ہو جاتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ﴾ ''پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا بنا دیا۔'' یعنی وہ جو چاہتا کرتا اور اپنے بندوں میں جس طرح چاہتا تصرف فرماتا ہے، ﴿وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿54﴾﴾ ''اور وہ خوب جاننے والا، بڑا صاحب قدرت ہے۔''

تفسیر آیات: 55-57

دنیا و آخرت میں کفار کی جہالت: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں کفار کی جہالت کے بارے میں بیان فرمایا ہے، دنیا میں انھوں نے جہالت سے بتوں کی جو عبادت کی، سو کی، آخرت میں بھی ان سے بہت بڑی جہالت کا اظہار ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی ہی رہے تھے اور ان کا مقصود یہ ہوگا کہ ان پر حجت قائم نہیں ہوئی اور انھیں مہلت ہی نہیں دی گئی کہ وہ اپنا عذر پیش کر سکیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿55﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ز﴾ ''اسی طرح وہ (رستے سے) بہکائے جاتے تھے اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا، وہ کہیں گے کہ یقیناً اللہ کی کتاب (لوح محفوظ) کے مطابق تم اٹھائے جانے کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔'' یعنی مومن علماء آخرت میں ان کی تردید کریں گے جیسے وہ دنیا میں ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کرتے رہے تھے، جب کافر قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ تو ایک ہی گھڑی رہے تھے تو مومن ان سے کہیں گے: ﴿لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ز﴾ ''یقیناً اللہ کی کتاب (لوح محفوظ) کے مطابق تم اٹھائے جانے کے دن تک رہے ہو۔'' یعنی جس دن تم پیدا کیے گئے تھے، اس دن سے لے کر دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک، ﴿وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿56﴾﴾ ''اور لیکن تم (اس حق کو) نہیں جانتے تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَیَوْمَىِٕذٍ﴾ ''تو اس روز'' یعنی روز قیامت، ﴿لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿57﴾﴾ ''ظالم لوگوں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی۔'' اور نہ انھیں دنیا کی

طرف دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 24:41) ’’اور اگر وہ معافی طلب کریں گے تو معاف کیے گئے لوگوں میں سے نہ ہوں گے۔‘‘

تفسیر آیات: 58-60

قرآن مجید میں بیان کی گئی مثالیں اور کافروں کا ان پر یقین نہ کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ﴾ ’’اور البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے۔‘‘ یعنی ہم نے لوگوں کے لیے حق کو بیان کر کے بالکل واضح کر دیا ہے اور قرآن مجید میں لوگوں کے لیے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ حق کو معلوم کر کے اس کی اتباع شروع کر دیں۔ ﴿ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴾ ’’اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی نشانی لائیں تو یہ کافر کہہ دیں گے کہ تم تو نرے جھوٹے ہو۔‘‘ یعنی یہ لوگ اگر کوئی بھی نشانی دیکھیں، خواہ وہ ان کے اپنے مطالبے کے مطابق ہو یا کسی اور کے مطالبے کے مطابق ہو، یہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اسے سحر اور باطل خیال کریں گے جیسا کہ چاند دو ٹکڑے ہونے کے موقع پر انھوں نے کہا تھا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ (یونس 97,96:10) ’’جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، بلاشبہ وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔‘‘ اسی طرح یہاں فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ ’’اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے، پس صبر کریں، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔‘‘ یعنی ان کی مخالفت اور دشمنی پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا اور دنیا و آخرت میں انجام آپ کا اور آپ کے پیروکاروں کا اچھا ہو گا۔ ﴿ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ ’’اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے، وہ آپ کو ہلکا (متزلزل) نہ کر دیں۔‘‘ آپ اپنے اسی دین پر ثابت رہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے کیونکہ یہ دین بلاشک و شبہ حق ہے، آپ اس سے اعراض نہ کریں کیونکہ اس کے سوا اور کہیں ہدایت ہے ہی نہیں کہ اس کی پیروی کی جائے بلکہ سارے کا سارا حق صرف اور صرف اسی دین میں منحصر ہے۔

اس سورۂ شریفہ کو نماز فجر میں پڑھنے کا استحباب: امام احمد رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں صبح کی نماز پڑھائی اس میں سورۂ روم کی تلاوت فرمائی تو آپ ایک آیت کی قراءت میں متردد ہو گئے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أَنَّ أَقْوَامًا مِّنْكُمْ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الْوُضُوءَ، فَمَنْ شَهِدَ الصَّلَاةَ مَعَنَا فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ] ’’ہمیں قرآن میں اشتباہ ہونے لگتا ہے اور وہ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں مگر وہ اچھی طرح وضو نہیں کرتے، لہٰذا تم میں سے جو شخص ہمارے ساتھ

نماز میں حاضر ہو تو اسے اچھی طرح وضو کرنا چاہیے۔''[1] اس حدیث کی سند حسن اور متن بہت خوب ہے، اس میں عجب راز اور عجیب وغریب خبر بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ مقتدیوں کے وضو کے نقص سے امام متاثر ہوتا ہے، گویا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ وابستہ ہے۔

سورۂ روم کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] مسند أحمد: 472/3 وسنن النسائی، الافتتاح، باب القراءة فی الصبح بالروم، حدیث:948 عن الأغر ﷺ.

تفسیر سُورۂ لُقْمٰن

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

الٓمّٓ ① یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں ② (جو) نیکو کاروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں ③ جو لوگ نماز قائم

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ

کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں، اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر

رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

ہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں⑤

تفسیر آیات:1-5

نیک لوگوں کے اوصاف: اس سورۂ مبارکہ کے ابتدائی حصے سے متعلق زیادہ تر بحث سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس قرآن مجید کو نیکو کاروں کے لیے ہدایت، شفا اور رحمت بنایا ہے اور نیکو کاروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے شریعت کی اتباع کرتے ہوئے نیک عمل کیے، انھوں نے فرض نمازوں کو بھی ان کے حدود واوقات کی پابندی کے ساتھ قائم کیا، پھر مؤکدہ وغیر مؤکدہ نوافل کو بھی ادا کیا، اپنے اوپر فرض زکاۃ کو اس کے مستحق لوگوں تک پہنچایا اور اعزہ واقارب سے صلہ رحمی کرتے ہوئے ان پر صدقہ وخیرات بھی کیا، انھوں نے یقین کیا کہ آخرت میں انھیں ان کے ان اعمال صالحہ کا اچھا بدلہ ملے گا۔ اس لیے اس اچھے بدلے اور بہترین اجر وثواب کے حصول کے لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کی اور انھوں نے نہ تو ریا کاری سے کام لیا اور نہ لوگوں سے کسی صلہ وستائش کی تمنا کی۔ الغرض! یہ ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ”یہی اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔“ یعنی یہ لوگ بصیرت، واضح دلیل، جلی اور کشادہ رستے پر ہیں، ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ ﴾ ”اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“ یعنی دنیا وآخرت میں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو دلفریب (غافل کر دینے والا) کلام خریدتے ہیں تاکہ وہ علم کے بغیر اللہ کی راہ (دین) سے گمراہ کریں اور اس کا مذاق

وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا

اڑائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے⑥ اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتے ہوئے پلٹ جاتا ہے

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦

جیسے اس نے وہ سنی ہی نہیں، گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بہرا پن ہو، چنانچہ آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے⑦

تفسیر آیات:7,6

بے ہودہ حکایتوں کا مشغلہ بدبختوں کی عادت ہے: اللہ تعالیٰ نے پہلے سعادت مند لوگوں کا حال بیان فرمایا اور سعادت مند لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہدایت حاصل کرتے اور اسے سن کر فیض یاب ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○﴾ (الزمر 23:39) ''اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ملتی جلتی کتاب دہرائی جاتی ہے جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعے سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''

موسیقی اور موسیقار: اب اللہ تعالیٰ نے ان بدبختوں کا حال بیان کرنا شروع فرمایا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کو سن کر اس سے نفع حاصل کرنے کے بجائے گانوں کے سننے اور آلاتِ موسیقی سے دل بہلانے کو ترجیح دی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور لوگوں میں بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے گمراہ کرے۔'' کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: وہ ذات جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! ﴿ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ﴾ سے مراد موسیقی ہے اور اس بات کو انھوں نے تین بار دہرایا۔[1] اور امام قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اس نے مال کے ساتھ نہ خریدا ہو بلکہ اسے اچھا جانا ہو تو یہ بھی اس کا خریدنا ہی ہے۔ آدمی کی ضلالت و گمراہی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سچی اور حق باتوں کے بجائے جھوٹی حکایتوں کو ترجیح دے۔[2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں خریدنے سے مراد گانے بجانے والی لونڈیوں کو خریدنا ہے۔[3] امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد ہر وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رستے کی اتباع سے روکے۔[4]

① تفسیر الطبری:74/21. ② تفسیر الطبری:74/21 . ③ تفسیر الطبری:75/21 . ④ تفسیر الطبری:77/21 .

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے پُرنعمت باغ ہیں ⑧ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، (یہ) اللہ کا سچا وعدہ

حَقًّا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۹﴾

ہے، اور وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ⑨

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ﴾ ’’تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے گمراہ کرے۔‘‘ یعنی ایسا وہ اس لیے کرتا ہے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کر سکے۔ ﴿ وَّ یَتَّخِذَہَا ہُزُوًا ؕ ﴾ ’’اور اس نے اسے استہزا بنالیا۔‘‘ امام مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے رستے کو مذاق بنالے اور اس سے استہزا کرے۔[1] اور فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۶﴾ ﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔‘‘ یعنی جس طرح انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رستے کا مذاق اڑایا، اسی طرح انھیں بھی روز قیامت، ہمیشہ جاری رہنے والے دائمی عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل ورسوا کیا جائے گا، پھر ارشاد فرمایا: ﴿ وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا کَاَنَّ فِیۡۤ اُذُنَیۡہِ وَقۡرًا ۚ ﴾ ’’اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتے ہوئے پھر جاتا ہے، گویا اُن کو سنا ہی نہیں جیسے اس کے دونوں کانوں میں ثقل ہے۔‘‘

یعنی یہ شخص جو لہو ولعب اور موسیقی میں مشغول ہے اسے جب قرآنی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ ان سے منہ پھیر لیتا، اعراض کرتا، پشت کے بل ہو جاتا اور بہرا بن جاتا ہے، حالانکہ جسمانی طور پر وہ بہرا نہیں ہے، گویا اس نے انھیں سنا ہی نہیں کیونکہ وہ انھیں سن کر تکلیف محسوس کرتا ہے کیونکہ ان سے وہ فائدہ اٹھاتا اور نہ ان کی کوئی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ﴿ فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۷﴾ ﴾ ’’تو آپ اس کو درد دینے والے عذاب کی خوش خبری سنادیں۔‘‘ قیامت کے دن اسے دردناک عذاب ہوگا جو اس کو اسی طرح تکلیف پہنچائے گا جس طرح اللہ کی کتاب اور اس کی آیات کے سننے سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔

تفسیر آیات:9,8

مومنوں کے اچھے انجام کا ذکر: ان آیات کریمہ میں نیکوکار اور سعادت مند لوگوں کے آخرت میں اچھے انجام کا ذکر ہے، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائے، اس کے پیغمبروں کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے تابع نیک اعمال کیے، ﴿ لَہُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾ ﴾ ’’ان کے لیے نعمت کے باغ ہیں‘‘ جن میں وہ کھانے پینے کی انواع واقسام کی چیزوں، پہننے کی قیمتی پوشاکوں، عظیم الشان محلات، اعلیٰ سواریوں، خوب صورت عورتوں، فرحت بخش نظاروں اور سننے کی پاکیزہ چیزوں اور مسرت ولذت بخش طرح طرح کی ایسی نعمتوں سے شادکام ہوں گے جن کا کسی کے دل میں تصور بھی نہیں آسکتا، پھر وہ نعمتوں کے ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ اور ابدالآباد تک مقیم رہیں گے، یہاں سے کبھی سفر نہ کریں گے اور نہ وہ یہاں سے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3096/9 و تفسیر الطبری: 77/21.

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا

اس (اللہ) نے ستونوں کے بغیر آسمان پیدا کیے، تم انھیں دیکھتے ہو، اور اس نے زمین میں (اونچے اونچے) پہاڑ جما دیے، تاکہ زمین تمھیں ساتھ لیے

مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩ هٰذَا

ہلنے جلنے (نہ) لگے، اور اس نے اس میں ہر قسم کے چوپائے پھیلائے، اور ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس (زمین) میں ہر قسم کی نفیس

خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪ ع 1/11/10

اور عمدہ چیزیں اگائیں ⑩ یہ تو ہے اللہ کی مخلوق، پھر مجھے دکھاؤ کہ اوروں نے اس (اللہ) کے سوا کیا تخلیق کیا ہے (کچھ بھی نہیں) بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ⑪

نقل مکانی ہی کرنا چاہیں گے۔ ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ ﴾ ''اللہ کا وعدہ سچا ہے۔'' یعنی ایسا بہر صورت ہونے والا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ کرم فرمانے والا، احسان فرمانے والا اور جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے اور پھر وہ ہر چیز کے کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ ''اور وہ نہایت غالب ہے۔'' جس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے اور ہر چیز جس کی اطاعت گزار ہے، ﴿ الْحَكِيْمُ ⑨ ﴾ ''حکمت والا ہے'' یعنی وہ اپنے تمام اقوال وافعال میں حکیم ہے اور اس نے اپنی حکمتِ بالغہ کے ساتھ قرآن مجید کو مومنوں کے لیے ہدایت بنا دیا ہے۔ ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''آپ کہہ دیں کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ (بہراپن) ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا پن ہے (گرانی کے سبب) ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنيّ إسرآء يل 82:17) ''اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو بس خسارے ہی کا اضافہ کرتا ہے۔''

تفسیر آیات: 11،10

توحید کے دلائل: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنی عظیم قدرت کے ساتھ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کو پیدا فرمایا ہے۔ ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ ﴾ ''اسی نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا کیا۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے نظر آنے والے یا نظر نہ آنے والے کوئی ستون نہیں ہیں۔[1] ﴿ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ ﴾ ''اور اس نے زمین میں (مضبوط) پہاڑ گاڑ دیے۔'' یعنی پہاڑوں نے زمین کو بہت بھاری اور ثقیل بنا دیا ہے تاکہ زمین تم کو لے کر پانی پر ہلنے نہ لگے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ﴾ ''کہ تمھارے ساتھ ہلنے لگے۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ ﴾ ''اور اس میں ہر طرح کے چلنے پھرنے والے جاندار پھیلا

[1] تفسير الطبري: 79/21.

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر، اور جو کوئی شکر کرے تو یقیناً وہ اپنی ہی ذات کے لیے شکر کرتا ہے، اور جس نے ناشکری کی

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

تو بلاشبہ اللہ بے پرواہ ہے، تعریف کیا ہوا ہے ﴿۱۲﴾

دیے۔'' یعنی اس میں اس نے تمام انواع واقسام کے حیوانات پیدا فرما دیے ہیں جن کی شکلوں اور رنگوں کی تعداد کو ان کے پیدا کرنے والے کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ بات بیان فرمائی کہ وہ خالق ہے تو اس نے اپنے (حسب ذیل) فرمان کی بدولت اس طرف بھی توجہ مبذول کرا دی کہ رازق بھی وہی ہے۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور ہم نے ہی آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے ہی (اُس سے) اس میں (غلوں کی) ہر عمدہ قسم کی نفیس چیزیں اُگائیں۔'' ہر قسم کی نباتات جو خوشنما و نفیس ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انسان بھی زمین کی نباتات میں سے ہے، ان میں سے جو جنت میں داخل ہو گیا وہ کریم ہے اور جو جہنم رسید ہوا وہ لئیم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ﴾ ''یہ تو اللہ کی تخلیق ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں، زمین اور ان کے مابین کی تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل، اس کی مخلوق اور اسی کی تقدیر ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے، کائنات کے پیدا فرمانے میں اس کا کوئی شریک نہیں، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ ''تو مجھے دکھاؤ کہ جو لوگ اس (اللہ) کے سوا ہیں انھوں نے کیا پیدا کیا ہے؟'' یعنی جن بتوں اور شریکوں کی تم عبادت کرتے اور جنھیں تم پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے کیا پیدا کیا ہے، ﴿بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾﴾ ''حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور اس کے سوا غیر اللہ کی پوجا کرنے والے جہالت اور اندھے پن کی ایسی واضح اور صریح گمراہی میں مبتلا ہیں جو قطعاً مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیت: 12

کیا لقمان پیغمبر تھے؟ لقمان کے بارے میں ائمۂ سلف میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ایک صالح انسان۔ اکثر لوگوں کا قول یہ ہے کہ وہ نبی نہیں بلکہ ایک نیک انسان تھے۔ امام سفیان ثوری نے اشعث سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لقمان ایک حبشی غلام اور نجار تھے۔[1] اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ لقمان کی بابت آپ کو کیا معلوم ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ چھوٹے قد کے تھے، ان کی ناک چپٹی تھی اور ان کا نُوبہ برادری سے تعلق تھا۔[2] یحییٰ بن سعید انصاری نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ لقمان کا تعلق مصر کے سیاہ رنگ کے لوگوں سے تھا اور ان کے بڑے بڑے ہونٹ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکمت و دانائی

① تفسير الطبري: 82/21. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3097/9.

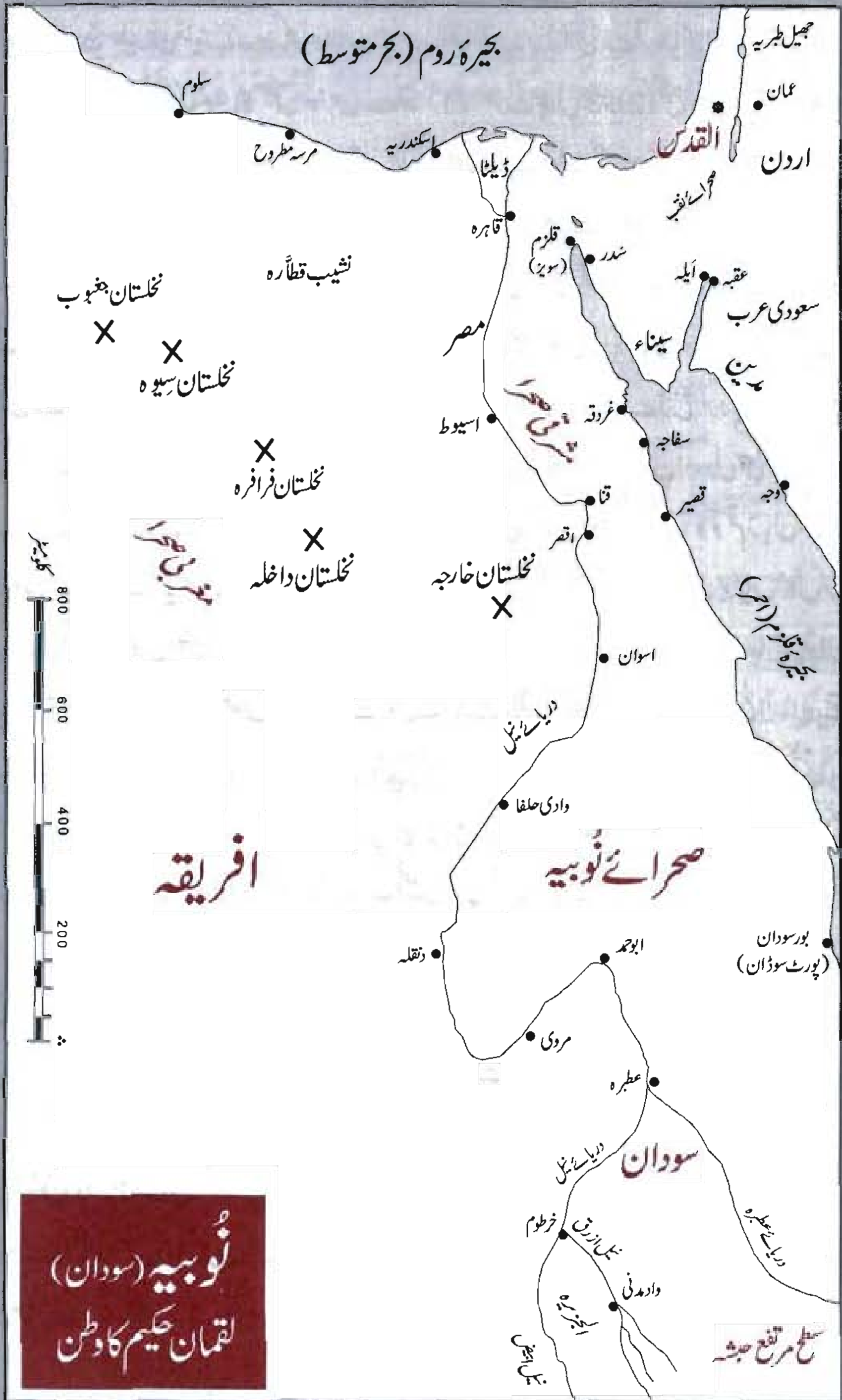

نُوبیہ (سودان)
لقمان حکیم کا وطن

عطا فرمار کھی تھی، البتہ وہ نبی نہیں تھے۔ [1] اور امام اوزاعی کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن حَرمَلہ نے بیان کیا کہ ایک سیاہ رنگ کا آدمی آیا جو حضرت سعید بن مسیّب سے کچھ سوالات پوچھ رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ اس وجہ سے غم نہ کریں کہ آپ کا رنگ سیاہ ہے، تین بہترین انسانوں کا تعلق سوڈان سے تھا: (1) حضرت بلال رضی اللہ عنہ (2) مِہجع، مولیٰ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (3) اور حضرت لقمان حکیم جو سیاہ رنگ اور نوبہ کے باشندے تھے اور ان کے ہونٹ بھی بڑے بڑے تھے۔ [2]

لقمان کی دانائی: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے خالد رَبَعی سے روایت کیا ہے کہ حضرت لقمان ایک حبشی غلام اور پیشہ کے اعتبار سے بڑھئی تھے، ان کے آقا نے ایک بار ان سے کہا کہ ہمارے لیے اس بکری کو ذبح کردو، انھوں نے اسے ذبح کر دیا، آقا نے کہا کہ اس کے گوشت میں سے دو ایسی بوٹیاں نکال کر لے آؤ جو سب سے بہتر ہوں تو وہ زبان اور دل نکال کر لے آئے، پھر کچھ عرصہ بعد ان کے آقا نے ان سے کہا: ہمارے لیے اس بکری کو ذبح کردو، انھوں نے اسے ذبح کر دیا تو آقا نے ان سے کہا اس کے گوشت میں سے دو ایسی بوٹیاں نکال کر لے آؤ جو سب سے بدتر ہوں تو پھر بھی وہ زبان اور دل ہی نکال کر لے آئے، ان کے آقا نے ان سے کہا: میں نے جب تمھیں یہ حکم دیا کہ اس کی دو بہترین بوٹیاں نکال کر لے آؤ تو تم زبان اور دل نکال کر لے آئے تھے اور جب میں نے یہ حکم دیا کہ اس کی دو بدترین بوٹیاں نکال کر لے آؤ تو پھر بھی تم یہی بوٹیاں نکال کر لائے۔ لقمان نے جواب دیا کہ اگر یہ دونوں اچھے ہو جائیں تو ان سے زیادہ اچھا کوئی نہیں اور اگر یہ دونوں برے ہو جائیں تو ان سے زیادہ برا کوئی نہیں۔ [3] شعبہ نے حکم سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ لقمان نبی نہیں بلکہ ایک صالح انسان تھے۔ [4]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے لقمان کو دانائی بخشی۔'' حکمت سے مراد فہم، علم اور خوابوں کی تعبیر میں مہارت ہے۔ ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ﴾ ''کہ اللہ کا شکر کرو۔'' یعنی ہم نے انھیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہم جنس اور ہم عصر لوگوں میں سے انھیں جس فضل و شرف سے نوازا ہے، اس پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں، پھر فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ﴾ ''اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی (فائدے کے) لیے شکر کرتا ہے۔'' یعنی شکر کا نفع اور ثواب شکر کرنے والوں ہی کو حاصل ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴾ (الروم 44:30) ''اور جس نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے نفسوں کے لیے ہی (فلاح کا راستہ) ہموار کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۱۲ ﴾ ''اور جس نے نافرمانی کی تو یقیناً اللہ بھی بہت بے پروا (اور) سزاوار حمد (و ثنا) ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں سے بے نیاز ہے اور اس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، خواہ روئے زمین کے تمام کے تمام رہنے والے ناشکرے ہو جائیں کیونکہ وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں۔

---

① تفسير ابن أبي حاتم :3097/9 وتفسير الطبري:82/21 . ② تفسير الطبري :82/21 . ③ تفسير الطبري:82/21 .
④ تفسير الطبري :81/21 .

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ

اور (یاد کریں) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا: اے میرے (پیارے) بیٹے! تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا،

عَظِيْمٌ ⑬ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ

بے شک شرک تو بہت بڑا ظلم ہے⑬ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری

فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ

پر کمزوری کے باوجود اٹھائے رکھا، اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے، (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر کر (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ

تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا

کر آنا ہے⑭ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا، اور دنیا میں بھلے طریقے سے

مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

ان دونوں سے اچھا سلوک کر، اور اس شخص کے طریقے کی اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمھاری واپسی ہے، پھر میں تمھیں

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮

بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے⑮

تفسیر آیات:13-15

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس وصیت کو ذکر فرمایا ہے جو حضرت لقمان رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ یاد رہے حضرت لقمان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: لقمان بن عَنقاء بن سَدُون اور امام سُہَیلی رحمہ اللہ کے بیان کردہ قول کے مطابق آپ کے بیٹے کا نام ثاران تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کا بہت اچھے الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکمت و دانائی سے نوازا تھا اور انھوں نے یہ وصیت اپنے بیٹے کو کی تھی اور باپ ہی اپنے بیٹے سے سب لوگوں سے زیادہ شفقت اور محبت کا سلوک کر سکتا ہے اور بیٹا ہی اس بات کا سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے کہ باپ اپنے علم کے مطابق اسے سب سے بہتر چیز عطا کرے، اسی لیے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے یہ وصیت فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے، پھر انھوں نے اسے شرک سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬ ﴾ ''بے شک شرک تو بہت بڑا ظلم ہے۔''

جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (الأنعام 82:6) ''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا۔'' تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت شاق گزری اور انھوں نے عرض کیا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہ کیا ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّهُ لَيْسَ بِذَاكَ، أَلَا تَسْمَعُ إِلٰى قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِهِ] ''اس سے یہ مراد نہیں ہے، کیا تم نے لقمان کا اپنے بیٹے کے لیے یہ قول نہیں سنا: ﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ

لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ ’’میرے (پیارے) بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یقیناً شرک تو بہت بڑا ظلم ہے۔‘‘[1] اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اللہ وحدہ لاشریک نے اپنی عبادت کی وصیت کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بھی وصیت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 23:17) ’’اور آپ کے پروردگار نے فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔‘‘

ماں، جہد و مشقت کی چکی میں: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر ان دونوں (اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم) کو ملا کر بیان فرمایا ہے جیسا کہ یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ ﴾ ’’اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا۔‘‘ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بچے کی وجہ سے کمزوری کی مشقت ہے۔[3] اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ ﴾ کے معنی محنت پر محنت کے ہیں۔[4] اور عطاء خراسانی کا قول ہے کہ اس کے معنی کمزوری پر کمزوری کے ہیں۔[5]

اور فرمایا: ﴿ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ ﴾ ’’اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔‘‘ یعنی ولادت کے بعد بچے کو دو سال دودھ پلانا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ ﴾ (البقرۃ 233:2) ’’اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم) اُس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔‘‘ اور اسی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ ﴾ (الأحقاف 15:46) ’’اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھڑوانا تیس مہینوں میں ہوتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے والدہ کی تربیت، محنت و مشقت اور اس کی رات دن کی بیداری کا اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ اولاد کو یاد دلایا جائے کہ اس کی ماں نے اس کے ساتھ کیا کیا احسانات کیے ہیں! جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ۭ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 24:17) ’’اور کہہ دیجیے: میرے پروردگار! ان دونوں پر (اس طرح) رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا۔‘‘ اور یہاں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ ﴾ ’’کہ تو میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔‘‘ اور میں تمھیں اس کی بہترین جزا عطا کروں گا۔

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 13:31)، حدیث: 4776 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ . [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب صدق الإیمان وإخلاصه، حدیث: 124 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ .

[3] تفسیر ابن أبی حاتم: 3098/9 و تفسیر الطبری: 84/21. [4] تفسیر الطبری: 84/21. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 3098/9 .

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي

اے میرے (پیارے) بیٹے! بے شک اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین

الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

کے اندر کہیں بھی ہو، تو اللہ اسے نکال لائے گا، بلاشبہ اللہ نہایت باریک بین، بہت باخبر ہے ⑯ اے میرے (پیارے)

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ

بیٹے! تو نماز قائم کر، اور نیکی کا حکم دے، اور برائی سے منع کر، اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کاموں

خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱

میں سے ہے ⑰ اور تو لوگوں سے بے رخی نہ کر، اور زمین پر اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ ہر مغرور، ڈینگیں مارنے والے کو

2 ع 8 11 وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲

پسند نہیں کرتا ⑱ اور تو اپنی چال درمیانی رکھ، اور اپنی آواز دھیمی رکھ، بلاشبہ سب آوازوں سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے ⑲

ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ ’’اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی (ایسی چیز) کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو تو ان دونوں کا کہنا نہ ماننا۔‘‘ یعنی اگر وہ اس بات کی شدید تمنا و حرص بھی کریں کہ تو ان کے دین کی پیروی کرے تو ان کی اس بات کو قبول نہ کرنا لیکن اس بات کی وجہ سے دنیا کے کاموں میں ان کا ساتھ دینے سے نہ رکنا بلکہ ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور اُن سے بہت اچھا سلوک کرنا۔ ﴿ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ﴾ ’’اور جو شخص میری طرف رجوع کرے تو اس کے رستے کی پیروی کرنا۔‘‘ یعنی مومنوں کے رستے پر چلتے رہنا۔ ﴿ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮ ﴾ ’’پھر تم کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو، میں تم کو آگاہ کر دوں گا۔‘‘

میں اپنا مذہب ہرگز نہیں چھوڑوں گا: امام طبرانی نے کتاب العشرۃ میں روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ میرے بارے میں نازل ہوئی ہے، میں اپنی والدہ کا بہت فرماں بردار تھا، میں جب مسلمان ہو گیا تو میری والدہ نے کہا: سعد! یہ تم نے نئی بات کیا شروع کر دی ہے، تم اپنے اس نئے دین کو چھوڑ دو ورنہ میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی حتی کہ مر جاؤں گی، پھر میرے مرنے کی وجہ سے لوگ تم کو طعنہ دیا کریں گے اور تم سے کہا کریں گے کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو، میں نے کہا: اماں جان! ایسا نہ کریں کیونکہ میں کسی بھی وجہ سے اپنے اس دین کو ترک نہیں کروں گا، ایک دن رات گزر گئی، انھوں نے کچھ نہ کھایا اور ان کی حالت بہت خراب ہو گئی، میں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو میں نے عرض کی: اماں جان! اچھی طرح جان لیں اگر آپ میں سو جان بھی ہو اور باری باری ایک ایک جان نکل جائے تو میں پھر بھی اپنے دین کو ترک نہیں کروں گا، اب آپ کی مرضی ہے کہ

کھائیں یا نہ کھائیں! چنانچہ میری یہ بات سن کر انھوں نے کھانا شروع کر دیا۔[1]

تفسیر آیات:16-19

اولاد کے لیے نصیحتیں: یہ بہت مفید نصیحتیں ہیں جو لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو کی تھیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ سب لوگ ان کے مطابق عمل کریں، فرمایا: ﴿ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ ﴾ ''میرے بیٹے! اگر (کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو۔'' خواہ کوئی ظلم یا کوئی گناہ اور غلطی رائی کے دانے کے برابر بھی ہو۔ بعض لوگوں نے اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ ﴿ اِنَّهَآ ﴾ کی ضمیر شان یا قصہ کی ضمیر ہو اور اس صورت میں انھوں نے ﴿ مِثْقَالَ ﴾ کو مرفوع پڑھنا جائز ٹھہرایا ہے لیکن پہلی بات زیادہ بہتر ہے۔[2]

میزان عدل کا قیام: ﴿ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ ﴾ ''اللہ اس کو (قیامت کے دن) لے آئے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس وقت حاضر کر دے گا جب وہ انصاف کے لیے ترازو قائم فرمائے گا اور تمام اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، اعمال اگر اچھے ہوئے تو اچھی جزا عطا فرمائے گا اور اگر برے ہوئے تو ان کی سزا دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْــــًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 47:21) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کریں گے، تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ﴾ (الزلزال 8,7:99) ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔'' خواہ یہ ذرہ بھر عمل پتھر کی کسی گمنام چٹان میں مخفی ہو یا آسمانوں یا زمینوں کے کسی کونے گوشے میں چھپا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور حاضر کرے گا کیونکہ کوئی مخفی چیز اس سے چھپی ہوئی ہرگز نہیں رہ سکتی، آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ذرہ اس سے چھپ نہیں سکتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ نہایت باریک بین، خوب خبردار ہے۔'' وہ اپنے علم کے اعتبار سے

---

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة العنکبوت، حدیث: 3189 اور تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب الأنفال، حدیث: (34)-1748 وسنن أبی داود، الجهاد، باب فی النفل، حدیث: 2740 و مسند أحمد: 186,185/1 و مسند البزار: 348,347/3، حدیث: 1149 و مسند أبی داود الطیالسی: 168/1، حدیث: 205 وتاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر، ترجمة سعد بن مالك أبی وقاص: 226/22 اور امام طبرانی کے حوالے سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ [2] تفسیر القرطبی: 67/14 وتفسیر الطبری: 87,86/21 . اور ﴿ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ ﴾ کی ترکیب ملاحظہ فرمائیے: ﴿ اِنَّ ﴾ حرف مشبہ بالفعل ناصبہ ﴿ هَا ﴾ ضمیر منصوب جو راجع ہے الخطيئة کی طرف وہ اس کا اسم ہے۔ ﴿ اِنْ ﴾ حرف شرط، ﴿ تَكُ ﴾ فعل مضارع مجزوم اصل میں تَكُنْ ہے ''نون'' تخفیف کی وجہ سے حذف ہوا ہے، ﴿ تَكُ ﴾ کا اسم ضمیر مستتر ہے جو الخطيئة کی طرف راجع ہے اور ﴿ مِثْقَالَ ﴾ اس کی خبر منصوب ہے۔ اور اگر ﴿ اِنَّهَآ ﴾ کی ضمیر، ضمیر شان ہو تو اس صورت میں ﴿ مِثْقَالَ ﴾، ﴿ تَكُ ﴾ کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، بہرحال حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی صورت راجح ہے۔

باریک بین ہے، اس سے اشیا مخفی نہیں رہ سکتیں، خواہ وہ کتنی چھوٹی، کتنی باریک اور کتنی ہی چھپی ہوئی کیوں نہ ہوں اور وہ اس قدر باخبر ہے کہ سیاہ اندھیری رات میں چیونٹی کے چلنے کی آواز کو بھی جانتا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ ''میرے بیٹے! نماز قائم کرتے رہنا۔'' یعنی نماز کے حدود، فرائض اور اس کے اوقات کا پورا پورا خیال رکھنا، ﴿ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ''اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا۔'' یعنی اپنی طاقت اور مقدور کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہنا، ﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ﴾ ''اور جو (مصیبت) تجھے پہنچے اس پر صبر کرنا۔'' یعنی جو شخص نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے اسے لوگوں کی طرف سے یقیناً ایذا پہنچائی جاتی ہے، لہٰذا انھوں نے اپنے بیٹے کو لوگوں کی طرف سے پہنچائی جانے والی ایذا پر صبر کرنے کا حکم دیا، ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿17﴾ ﴾ ''بے شک یہ (باتیں) بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔'' یعنی لوگوں کی طرف سے مصیبت پر صبر وہ کر سکے گا جس میں ہمت ہوگی، ﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ﴾ ''اور (ازراہ غرور) لوگوں سے بے رخی نہ کر۔''

ہنستے مسکراتے رہو اور تکبر نہ کرو: یعنی جب تم لوگوں سے بات کرو یا وہ تم سے بات کریں تو تکبر کرتے اور انھیں حقیر سمجھتے ہوئے ان سے منہ نہ پھیرو بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو اور کشادہ پیشانی کے ساتھ ان سے پیش آؤ جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [وَلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ...... وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ، (فَإِنَّهَا) مِنَ الْمَخِيلَةِ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ] ''(کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جان) اور خواہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی ہی سے ملے اور تیری ملاقات اس سے کشادہ روئی سے ہو...... اور اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے اجتناب کر کیونکہ یہ تکبر ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔''[1] اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا۔'' یعنی زمین میں چلتے ہوئے فخر، تکبر، غرور اور سرکشی کا مظاہرہ نہ کرنا ورنہ اللہ تعالیٰ تمھیں ناپسند فرمائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿18﴾ ﴾ ''یقیناً اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔'' یعنی جو اپنے آپ پر غرور کرنے والا اور دوسروں پر فخر کرنے والا ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 37:17) ''اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔'' جیسا کہ اپنے مقام پر قبل ازیں اس کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔[2]

چال میں اعتدال کا حکم: ﴿ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ ﴾ ''اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا۔'' یعنی میانہ چال چلنا، نہ بہت سست اور نہ بے حد تیز بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان، ﴿ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ﴾ ''اور (بولتے وقت) اپنی آواز نیچی

---

[1] مسند أحمد: 64/5 جبکہ قوسین والا لفظ اور بقیہ روایت سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء فی إسبال الإزار، حدیث: 4084 عن جابر بن سلیم ﷺ میں بھی ہے۔ [2] دیکھیے بنیٓ إسرآء یل، آیت: 37 کے ذیل میں۔

رکھنا۔‘‘ یعنی کلام کرتے ہوئے مبالغہ نہ کرنا اور نہ بات کرتے وقت آواز بہت اونچی کرو کہ جس میں کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ: ﴿ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴾ ’’کچھ شک نہیں کہ سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔‘‘

مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔[1] یعنی جو شخص بہت بلند آواز سے بات کرے گا تو آواز کی اس بلندی کی وجہ سے وہ گدھوں کے مشابہ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت ناپسندیدہ بھی ہے۔ بلند آواز کے ساتھ بات کرنے کو گدھوں کی آواز کے ساتھ تشبیہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ حرام اور حد درجہ مذموم ہے (چونکہ یہ ایک مذموم اور حرام کام ہے، لہٰذا ہمیں اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہیے) اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [(لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ)، اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ] ’’ہمارے لیے (اس) بری مثال (کو اختیار کرنا درست) نہیں کہ جو شخص اپنے ہبہ کو واپس لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اسے چاٹ لے۔‘‘[2]

لقمان حکیم کی نصیحتیں: یہ نصیحتیں بے حد مفید ہیں، ان کی افادیت ہی کی وجہ سے لقمان حکیم کی ان وصیتوں کو قرآن عظیم میں بیان کیا گیا ہے۔ لقمان حکیم سے حکمت و نصیحت کی بہت سی باتیں مروی ہیں، ان میں سے چند ایک بطور مثال بیان کی جاتی ہیں: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ خبر دی: [أَنَّ لُقْمَانَ الْحَكِيمَ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا اسْتُودِعَ شَيْئًا حَفِظَهُ] ’’لقمان حکیم کہا کرتے تھے کہ جب کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔‘‘[3]

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ : يَا بُنَيَّ! إِيَّاكَ وَالتَّقَنُّعَ فَإِنَّهَا مَخْوفَةٌ بِاللَّيْلِ مَذَلَّةٌ بِالنَّهَارِ] ’’لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! تکلف کے ساتھ قناعت سے اجتناب کرو کیونکہ یہ رات کے خوف وخطر اور دن میں ذلیل ہونے کا سبب ہے۔‘‘[4] سری بن یحییٰ سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! حکمت و دانش نے مسکینوں کو بادشاہوں کی مجلس میں بٹھا دیا ہے۔[5] عون بن عبداللہ سے مروی ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! جب تم قوم کی مجلس میں آؤ تو انھیں سلام کہو، پھر ایک کونے میں بیٹھ جاؤ، اس وقت تک بات نہ کرو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ انھوں نے گفتگو شروع کر دی ہے، اگر وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں تو تم اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو اور اگر وہ کسی اور موضوع پر گفتگو

---

[1] تفسیر الطبری:93,92/21. [2] صحیح البخاری، الهبة، باب: لا يحل لأحد أن يرجع في هبته......، حديث:2622 وصحیح مسلم، الهبات، باب تحريم الرجوع في الصدقة......، حديث :1622 البتہ قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ و سنن النسائی، الهبة، باب ذكر الاختلاف لخبر عبدالله بن عباس فيه، حديث :3728 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ واللفظ له.
[3] مسند أحمد :87/2. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:3098/9 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة لقمان: 411/2 واللفظ له. [5] الزهد لابن حنبل، حديث:539، ص :104 میں سُدی بن یحییٰ ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تمھارے مطیع و تابع فرماں کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی

نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى

ظاہری اور چھپی نعمتیں پوری کر دی ہیں، اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ⑳

وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑳ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں: ہم تو اسی (طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ㉑

باپ دادا کو پایا، کیا اگرچہ شیطان انھیں عذاب جہنم کی طرف بلاتا رہا ہو تب بھی؟ ㉑

کریں تو ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے دوسرے لوگوں کی مجلس کو اختیار کر لو۔ ①

تفسیر آیات: 21,20

نعمتوں کے ساتھ یاد دہانی: ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی توجہ اپنی ان نعمتوں کی طرف مبذول فرمائی ہے جن سے وہ دنیا و آخرت میں انھیں سرفراز فرماتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی چیزوں کو ان کے کام میں لگا دیا ہے، ستاروں اور سیاروں سے وہ رات دن روشنی حاصل کرتے ہیں، آسمانوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے بادل، بارش، اولے اور برف بھی پیدا فرمائی ہے اور خود آسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے، پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے جائے قرار بنا دیا اور اس میں انہار، اشجار، فصلیں اور اثمار پیدا فرما دیے، اللہ تعالیٰ نے ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ ان باطنی نعمتوں سے بھی اپنے بندوں کو نوازا ہے کہ ان کے شکوک و شبہات کے دور کرنے کے لیے اس نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور کتابوں کو نازل فرمایا۔

افسوس! ان ظاہری و باطنی نعمتوں کے باوجود تمام لوگ ایمان نہ لائے بلکہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسولوں کے بارے میں جھگڑا شروع کر دیا، جبکہ ان کا یہ سارا جھگڑا علم کے بغیر تھا، ان کے پاس نہ تو عقلی طور پر کوئی درست دلیل و برہان تھی اور نہ نقلی طور پر کسی آسمانی کتاب کی کوئی صحیح دلیل تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑳ ﴾ ”اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن۔“ کتاب منیر کے معنی واضح اور روشن کتاب کے ہیں۔

تقلید آباء چھوڑ کر شریعت کی پیروی کا حکم: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ﴾ ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں ان جھگڑا کرنے والوں سے (کہا جاتا ہے:) ﴿ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ ”جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی

① شعب الإيمان للبيهقي، فصل من هذا الباب مجانبة الفسقة والمبتدعة...... :58/7، حديث :9449.

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ

اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو بلاشبہ اس نے مضبوط کڑا تھام لیا، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے

وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿22﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

پاس ہے﴿22﴾ اور (اے نبی!) جس کسی نے کفر کیا تو اس کا کفر آپ کو غم میں نہ ڈالے، (بالآخر) ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے، پھر ہم انھیں

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿23﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ

بتائیں گے جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے﴿23﴾ ہم انھیں تھوڑا سا فائدہ دیتے ہیں، پھر ہم انھیں

نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿24﴾

سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے﴿24﴾

پیروی کرو۔'' یعنی اسی شریعت مطہرہ کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔ ﴿ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ ﴾ ''تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔'' یعنی اپنے آباء واجداد کی اتباع کے بغیر، ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○ ﴾ (البقرة 2:170) ''بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں؟'' یعنی اپنے آباء واجداد کے طرز عمل سے استدلال کرنے والو! اگر تمھارے اجداد گمراہی پر ہوں تو تمھارا کیا خیال ہے، تم پھر بھی ان کی پیروی کیے جاؤ گے؟ اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿21﴾ ﴾ ''بھلا اگرچہ شیطان اُن کو دہکتے ہوئے جہنم (کے عذاب) کی طرف بلاتا ہو (تب بھی؟)''

تفسیر آیات: 22-24

اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور اخلاص عمل: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں بیان فرمایا ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنا دے، یعنی عمل اسی کے لیے اخلاص کے ساتھ کرے، اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور اس کی شریعت کی اتباع کرے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ''اور وہ نیکوکار (بھی) ہو۔'' یعنی جس چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے اس کی اتباع کی صورت میں نیک عمل کرے اور جس سے اسے منع کر دیا گیا ہے اسے ترک کر دے، ﴿ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ ﴾ ''تو تحقیق اس نے (دین اسلام کا) مضبوط کڑا پکڑ لیا۔'' یعنی اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ پختہ عہد لے لیا کہ وہ اسے عذاب نہیں دے گا۔

﴿ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿22﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ ﴾ ''اور (سب) کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے اور جو کفر کرے تو اس کا کفر آپ کو غمناک نہ کر دے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اور آپ کے لائے ہوئے دین کے ساتھ ان کا کفر کرنا آپ کو غمگین نہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ان کے بارے میں نافذ ہو کر رہنے والی ہے اور بالآخر ان سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹنا ہے تو وہ ان کے اعمال کے بارے میں انھیں بتائے گا، پھر ان کے مطابق

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! آپ کہہ دیجیے: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿25﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿26﴾

لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے﴿25﴾ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بے شک اللہ ہی بے نیاز، تعریف کیا ہوا ہے ﴿26﴾

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ

اور بلاشبہ اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر کی روشنائی بن جائے اور اس کے بعد سات سمندر (اس میں مزید روشنائی شامل کریں)

مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿27﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ

تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں، بے شک اللہ نہایت غالب، بہت حکمت والا ہے﴿27﴾ تمھیں پیدا کرنا اور تمھیں (دوبارہ) اٹھانا (اللہ کے نزدیک) ایسا ہی

وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿28﴾

ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا، بلاشبہ اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿28﴾

ہی انھیں بدلہ بھی دے گا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿23﴾ ﴾ ”بے شک اللہ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔“ کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے، پھر فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ﴾ ”ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے۔“ یعنی دنیا میں، ﴿ ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿24﴾ ﴾ ”پھر ہم انھیں عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔“ یعنی ایسے عذاب کی طرف جو بہت ہولناک، خوفناک اور نفوس انسانی کو اذیت ناک مصیبتوں میں مبتلا کر دینے والا ہوگا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 70,69:10) ”یقیناً جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لیے) جو فائدے ہیں، دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو سخت عذاب (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر کیا کرتے تھے۔“

تفسیر آیات: 26,25

مشرکین کا اعتراف کہ اللہ خالق ہے: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اس کے باوجود یہ ان شریکوں کی پوجا کرتے ہیں جو خود یہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ ﴾ ”اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، تو بول اُٹھیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی کے لیے تعریف ہے“ کہ تمھارے اس اعتراف کی وجہ سے تم پر حجت پوری ہوگئی ہے، ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿25﴾ ﴾ ”لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔“ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ”جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے۔“ اللہ ہی نے اسے پیدا فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ

﴿ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾ ''بے شک اللہ بے پروا، لائقِ حمد (وثنا) ہے۔'' وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے جبکہ ہر چیز اس کی محتاج ہے، اس نے جو بھی پیدا فرمایا اس بنا پر وہ قابلِ ستائش ہے، پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کی وجہ سے وہ آسمانوں اور زمین میں لائقِ حمد وثنا ہے۔ الغرض! وہ اپنے تمام کاموں میں ستائش اور تحسین کا مستحق ہے۔

تفسیر آیات: 28,27

اللہ تعالیٰ کی صفات بے شمار بھی ہیں اور غیر فانی بھی: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت وکبریائی، جلالت، اسمائے حسنی، صفات علیا اور ان کلماتِ تامہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور جن کی انتہا کا کسی بشر کو علم ہی نہیں، شمار کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ سید البشر، خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: [لَا أُحصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ] ''اے اللہ! میں تیری ثناء بیان نہیں کر سکتا، تیری ذات پاک اسی طرح ہے، جیسے تو نے خود اپنی حمد وثنا بیان فرمائی ہے۔''[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ﴾ ''اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں)، تو اللہ کی باتیں (اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں۔''

یعنی اگر زمین کے تمام درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور سمندر کی سیاہی بنالی جائے، پھر سات اور سمندروں کی بھی سیاہی بنا لی جائے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ان کلمات کو لکھنا شروع کر دیا جائے جو اس کی عظمت، صفات اور جلالت پر دلالت کرتے ہیں تو قلمیں ٹوٹ جائیں گی، سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا، خواہ ان کے ساتھ سات اور سمندروں کے پانی کو بھی سیاہی بنالیا جائے اور یاد رہے کہ یہاں سات کا عدد مبالغے کے طور پر ہے، اس سے حصر مقصود نہیں ہے اور نہ ہی اس کے یہ معنی ہیں کہ سات سمندر موجود ہیں جنھوں نے دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے جیسا کہ ان اسرائیلی روایات کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے جن کی تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب، لہٰذا بات درحقیقت یہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (الکہف 109:18) ''کہہ دیں کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں، سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں۔''

تو یہاں ﴿ بِمِثْلِهٖ ﴾ سے مراد اس جیسا صرف ایک اور سمندر مراد نہیں ہے بلکہ اس جیسا ایک اور، پھر ایک اور، پھر بے شمار اور ان گنت سمندر مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے کلمات کا کوئی شمار نہیں ہے، اس لیے انھیں کسی طرح بھی مکمل طور پر لکھنا ممکن ہی نہیں ہے، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''بے شک اللہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔'' وہ ذات

[1] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، حدیث: 486 عن عائشة رضي الله عنها.

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا

كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿29﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

ہے، ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا، اور بے شک جو تم عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿29﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے، اور

3 ع 11 12 وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿30﴾ ع

بے شک اس کے سوا جسے وہ پکارتے ہیں باطل ہے اور بلاشبہ اللہ ہی بلند مرتبہ، بہت بڑا ہے ﴿30﴾

پاک غالب ہے کہ اس نے کائنات کی ہر چیز کو مغلوب اور مقہور کر رکھا ہے، وہ جو ارادہ فرمائے کوئی اسے اس سے روک نہیں سکتا، وہ جو فیصلہ فرمائے کوئی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ اس کے فیصلے کو ٹال سکتا ہے، وہ اپنی تخلیق، امر، اقوال، افعال، اپنی شریعت اور اپنے تمام احوال میں حکیم و دانا ہے۔

﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ﴾ ''(اللہ کے لیے) تمھارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔'' یعنی اس نے جو تمام انسانوں کو پیدا فرمایا، پھر روز قیامت ان سب کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا تو اس کی قدرت کے سامنے یہ ایسے ہے جیسے اس نے ایک انسان کو پیدا فرمایا اور اسے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا ہو، مقصود یہ ہے کہ اس ذات پاک کے لیے کوئی کام کرنا مشکل نہیں، سب کام اس کے لیے بہت آسان ہیں کیونکہ ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○﴾ (یٰس 82:36) ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ○﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک کلمہ ہوتا ہے۔'' یعنی وہ کسی چیز کو جب ایک ہی بار حکم دیتا ہے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے، وہ بار بار حکم دینے اور تاکید کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۭ﴾ (النّٰزعٰت 14,13:79) ''پس وہ صرف ایک ڈانٹ ہو گی، تو اس وقت وہ (سب) میدان (حشر) میں (آ جمع) ہوں گے۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿28﴾﴾ ''بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' وہ ان سب کے اقوال کو سننے والا اور ان کے افعال کو دیکھنے والا ہے اور وہ سب کے اقوال و افعال کو اسی طرح سنتا اور دیکھتا ہے جیسے ایک شخص کے اقوال و افعال کو سننا اور دیکھنا ہو۔ یعنی اسے سب لوگوں پر اسی طرح قدرت اور دسترس حاصل ہے جیسے کسی ایک انسان پر قدرت و دسترس ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ﴾ ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا، ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اُٹھانے) کی طرح ہے۔''

تفسیر آیات: 30,29

اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت سے ﴿ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ ﴾ ''رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔'' یعنی رات کا حصہ لے کر اسے دن میں داخل کر دیتا ہے جس کی وجہ سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہونا شروع

ہو جاتی ہے اور یہ موسم گرما میں ہوتا ہے اور سب سے لمبا دن اسی موسم میں آتا ہے، پھر دن چھوٹا اور رات بڑی ہونی شروع ہو جاتی ہے اور یہ موسم سرما میں ہوتا ہے اور سب سے لمبی رات بھی اسی موسم میں ہوتی ہے۔ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''اور اسی نے سورج اور چاند کو (تمھارے لیے) مسخر کر رکھا ہے، ہر ایک وقت مقررہ تک چل رہا ہے۔'' اس بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ انھیں ایک محدود وقت تک کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ انھیں روز قیامت تک مسخر کر دیا گیا ہے اور یہ دونوں قول ہی صحیح ہیں۔ پہلے قول کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَا أَبَا ذَرٍّ! هَلْ تَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟ قَالَ: قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ]، [قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَأْذِنَ فَيُؤْذَنُ لَهَا، وَيُوشِكُ...... فَيُقَالُ لَهَا: اِرْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ] ''اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں چلا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: سورج چلا جاتا ہے اور جا کر عرشِ الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا ہے، پھر اپنے رب سے (واپسی کے لیے) اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور قریب ہے کہ (ایک دن)...... اس سے یہ بھی کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آئے ہو وہاں واپس چلے جاؤ۔''[1]

اور ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورج ایسی ندی کی طرح ہے جو دن کے وقت آسمان میں اپنے مدار میں چلتی ہو اور جب غروب ہو جائے تو رات کے وقت زمین کے نیچے اپنے مدار میں چلنے لگے حتی کہ پھر اپنے مشرق سے طلوع ہو جائے، چاند کی صورت حال بھی اسی طرح ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[2]

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ (الحج 70:22) ''کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، اللہ اسے جانتا ہے۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا اور وہ ان کو جانتا بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق 12:65) ''اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمینیں بھی اتنی ہی، اس کے درمیان اس کا حکم اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بلاشبہ اللہ نے (اپنے) علم سے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ کی ذات برحق ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنی نشانیوں کو اس لیے ظاہر فرماتا ہے

[1] پہلا حصہ صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان الزمن الذی لا یقبل فیه الإیمان، حدیث: [401](250)-159 اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر......، حدیث: 3199 میں ہے۔ [2] کتاب العظمة لأبی الشیخ الأصفهانی: 1151,1150/4، حدیث: 631,630.

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک سمندر میں اللہ کے فضل سے کشتیاں چلتی ہیں، تاکہ وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے، اس میں بلاشبہ ہر بڑے صابر

لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿31﴾ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ

شاکر کے لیے نشانیاں ہیں﴿31﴾ اور جب (سمندر میں) سائبانوں کے مانند کوئی موج انھیں ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اطاعت وفرماں برداری کو اسی (اللہ) کے

الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ

لیے خاص کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو ان میں سے چند میانہ رو (ہی عہد پر قائم رہتے) ہیں، اور ہر

خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿32﴾

عہد توڑنے والا ناشکرا ہی ہماری آیات کا انکار کرتا ہے﴿32﴾

تاکہ تم ان سے یہ سمجھ سکو کہ اس کی ذات پاک برحق ہے۔ یعنی وہ معبود برحق یقینی طور پر حق ہے اور اس کے سوا باقی سب کچھ لغو اور باطل ہے، وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے جبکہ ہر چیز اس کی محتاج ہے، آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی مخلوق اور مملوک ہے، اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی ذرے کو بھی نہیں ہلا سکتا، اگر تمام اہل زمین مل کر بھی ایک مکھی بنانا چاہیں تو ہرگز نہیں بنا سکیں گے، اسی لیے تو اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿30﴾ ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ کی ذات برحق ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ باطل ہیں اور یہ کہ اللہ ہی عالی رتبہ، گرامی قدر ہے۔'' اس کی ذات پاک اس قدر بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے کہ اس سے کوئی بالا نہیں بلکہ وہی سب سے بڑا ہے، اس سے کوئی بڑا نہیں، اس کی نسبت ہر چیز حقیر وفقیر ہے۔

تفسیر آیات: 32,31

ارض وسما میں قدرت الٰہی کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اسی نے دریا کو مسخر کر دیا ہے تاکہ اس کے لطف وکرم اور اس کے حکم کے ساتھ اس میں کشتیاں چلیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو چلتی ہوئی کشتیوں کو اٹھا لینے کی پانی میں قوت نہ ہوتی، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ ﴾ ''تاکہ وہ تم کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔'' یعنی اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے۔ ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿31﴾ ﴾ ''یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں۔'' یعنی اس کے لیے جو مشکلات میں صبر کرے اور آسودگیوں اور خوش حالیوں میں شکر کرے، پھر فرمایا: ﴿ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ ﴾ ''اور جب اُن کو (دریا کی) لہریں سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔'' اور وہ یوں معلوم ہوتی ہیں جیسے پہاڑ یا بادل ہوں، ﴿ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ ﴾ ''تو اللہ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ (بنی إسرآء یل 67:17) ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو، سب اُس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اور ڈرو اس دن سے جب کوئی باپ اپنی اولاد کے کام نہ آئے گا، اور نہ اولاد اپنے باپ کے

هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪وقفة

کچھ کام آئے گی، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پس دنیاوی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے، اور کوئی دھوکے باز تمھیں

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿33﴾

اللہ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈالے ﴿33﴾

اعراض کر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 65:29) ''پھر جب یہ (مشرکین) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے پکارتے ہیں لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔''

﴿ مُّقْتَصِدٌ ﴾ اور ﴿ خَتَّارٍ ﴾ کا مفہوم: پھر فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ﴾ ''پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو بعض ہی میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔'' امام مجاہد نے ﴿ مُّقْتَصِدٌ ﴾ کے معنی کافر اور منکر کے بیان کیے ہیں۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 65:29) ''پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے، تو جھٹ شرک کرنے لگتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿32﴾ ﴾ ''اور ہماری نشانیوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو عہد شکن (اور) ناشکرے ہیں۔'' ﴿ خَتَّارٍ ﴾ کے معنی غدار کے ہیں۔ یہ امام مجاہد، حسن، قتادہ، مالک اور زید بن اسلم کا قول ہے۔[2] اور غدار وہ ہوتا ہے جو ہر دفعہ نقضِ عہد کرے اور ''ختر'' غداری کی انتہائی صورت کو کہتے ہیں اور ﴿ كَفُوْرٍ ﴿32﴾ ﴾ اسے کہتے ہیں جو نعمتوں کا انکار کرے، ان کا شکر ادا نہ کرے بلکہ انھیں بھلا دے اور یاد نہ رکھے۔

تفسیر آیت:33

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور قیامت سے خوف کھانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈراتے اور تقویٰ و خشیت کے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ ﴾ ''(کہ اس دن) نہ تو باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آئے گا'' یعنی اگر باپ چاہے کہ اپنے آپ کو اپنی اولاد کے فدیے میں دے دے تو اس کی اس بات کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اسی طرح اگر کوئی اولاد چاہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے باپ کے فدیے میں دے دے اور اس کے باپ کو جہنم سے نجات مل جائے تو اس سے اس فدیے کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪وقفة ﴾ ''پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' یعنی دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو کر

[1] تفسیر الطبری:102/21 و تفسیر ابن أبی حاتم:3101/9. [2] تفسیر الطبری:103,102/21.

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ

بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو (ماؤں کے) پیٹوں میں

وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ

ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک

4 ع 4 13 اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿34﴾ ع

اللہ خوب جاننے والا، خوب باخبر ہے ﴿34﴾

تم آخرت سے غافل نہ ہو جاؤ، ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿33﴾﴾ ”اور نہ فریب دینے والا تمھیں اللہ کے بارے میں (کسی طرح کا) فریب دے۔“ ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿33﴾﴾ میں ﴿الْغَرُوْرُ ﴿33﴾﴾ سے مراد شیطان ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور قتادہ کا قول ہے۔[1]

شیطان انسان کو فریب دیتا، اس سے وعدے کرتا اور اسے ایسی اُمیدیں دلاتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾ (النسآء 120:4) ”وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور اُمیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے، وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔“

کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا: وہب بن منبہ کا قول ہے کہ عزیر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے جب اپنی قوم کی آزمائش کو دیکھا تو اس سے مجھے اس قدر شدید حزن اور غم لاحق ہوا کہ میری نیند اُڑ گئی تو میں نے اپنے رب تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کی، نماز پڑھی اور روزے رکھنے شروع کر دیے، اسی الحاح وزاری کے عالم میں میں رو رہا تھا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے یہ بتائیں کہ کیا صدیقین کی روحیں ظالموں کے لیے اور باپ اپنے بیٹوں کے لیے شفاعت کریں گے۔ فرشتے نے جواب دیا: قیامت کا دن فیصلوں کا دن ہوگا، وہ ایسی زبردست بادشاہت کا دن ہوگا جس میں کسی کے لیے کوئی رخصت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہ کر سکے گا، اس دن اولاد کا باپ سے اور باپ کا اولاد سے مؤاخذہ نہیں ہوگا، نہ بھائی کے بارے میں بھائی سے اور آقا کے بارے میں غلام سے باز پرس ہوگی، کسی کے بارے میں کسی کو خیال نہیں ہوگا، کسی کو کسی کا غم نہ ہوگا، کوئی کسی پر رحم نہیں کھائے گا، ہر ایک اپنے بارے میں تھر تھر کانپ رہا ہوگا، کسی انسان کا کسی دوسرے انسان سے قطعی مؤاخذہ نہیں ہوگا، ہر شخص اپنے غم میں مبتلا ہوگا، ہر انسان اپنے انجام کے خوف سے رو رہا اور اپنے بوجھ کو اُٹھائے ہوئے ہوگا، بوجھ اٹھانے میں کوئی اس کے ساتھ شامل نہ ہوگا۔

تفسیر آیت:34

عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے: اس آیت کریمہ میں غیب کی ان کنجیوں کا ذکر ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے

[1] تفسیر الطبری :104/21.

صرف اپنے ہی پاس رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بغیر کسی کو ان کا علم نہیں ہوسکتا، مثلاً: قیامت کے وقت کا علم نہ کسی نبی مرسل کو اور نہ کسی ملک مقرب کو معلوم ہے۔﴿ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ﴾(الأعراف 187:7) ''وہی اسے اس کے وقت ہی پر ظاہر کرے گا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب نازل ہوگی لیکن جب اس کے بارے میں حکم دے دیا جاتا ہے تو ان فرشتوں کو معلوم ہو جاتا ہے جن کی بارش کے نظام کے بارے میں ڈیوٹی لگائی گئی ہے یا اسے معلوم ہو جاتا ہے اپنی مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ جسے بتانا چاہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ حاملہ کے پیٹ میں کیا پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس کے نر یا مادہ، بدبخت یا خوش بخت ہونے کے بارے میں حکم دے دیتا ہے تو ان فرشتوں کو علم ہو جاتا ہے جو اسی نظام کے ساتھ متعین ہیں یا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے معلوم کروا دے۔ اسی طرح کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل اپنی دنیا یا آخرت میں کیا کام کرے گا، ﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ﴾ ''اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔'' اپنے شہر میں مرے گا یا اللہ تعالیٰ کی زمین کے کسی دوسرے شہر میں اسے موت آئے گی، کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔ یہ آیت کریمہ اس آیت سے مشابہ ہے: ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی گیلی یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' حدیث میں مذکورہ بالا پانچ چیزوں کو مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیوں) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

غیب کی کنجیاں: امام احمد رحمہ اللہ نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [خَمْسٌ لَّا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾] ''پانچ چیزیں ایسی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا: ''یقیناً اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو رحموں (ماؤں کے پیٹوں) میں ہے (کہ نر ہے یا مادہ) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا، بے شک اللہ ہی بڑا جاننے والا، خوب خبردار ہے۔''[1] حدیث کی سند صحیح ہے مگر دیگر ائمہ نے اسے بیان نہیں کیا۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما: امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَّا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ

[1] مسند أحمد: 353/5.

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿34﴾]

''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا: ''بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو پیٹوں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا، بے شک اللہ ہی بڑا جاننے والا، خوب خبردار ہے۔''[1] اس حدیث کو امام مسلم نے تو نہیں، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب الاستسقاء میں روایت کیا ہے۔[2] اور انھوں نے کتاب التفسیر میں اسے ایک دوسرے طریق سے بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: [مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ﴾] ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں: پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ''بلاشبہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔''[3] اس حدیث کو بیان کرنے میں (کتب ستہ کے مصنفین میں سے) امام بخاری رحمہ اللہ اکیلے ہیں۔

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایمان کی تعریف: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے (باہر بیٹھے ہوئے) تھے کہ ایک آدمی چلتا ہوا آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[اَلْإِيمَانُ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَلِقَائِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ، قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: اَلْإِسْلَامُ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ : اَلْإِحْسَانُ : أَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلٰكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا: إِذَا وَلَدَتِ الْمَرْأَةُ رَبَّتَهَا، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُؤُسَ النَّاسِ، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، فِي خَمْسٍ لَّا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ ﴾ ...... فَقَالَ : رُدُّوهُ عَلَيَّ...... هٰذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ]

''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور اس کی ملاقات پر ایمان لاؤ اور آخرت میں (دوبارہ جی) اُٹھنے پر بھی ایمان لاؤ، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو، فرض زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح

[1] مسند أحمد :24/2. [2] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب : لا يدري متى يجيء المطر......، حديث :1039 .

[3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ﴾ (لقمٰن 31:34)، حديث :4778 .

عبادت کرو، گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے تو وہ تمھیں ضرور دیکھ رہا ہے، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: جس سے یہ سوال پوچھا گیا ہے، اسے اس کے بارے میں سوال پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں ہے لیکن میں تم سے کچھ علامات قیامت ضرور بیان کر دیتا ہوں (مثلاً) جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دینے لگے تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے، اور جب برہنہ پاؤں اور عریاں جسم والے، لوگوں کے سردار ہوں گے تو یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قیامت کا علم تو ان پانچ باتوں میں سے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ...... ﴾ الآیة (پھر وہ شخص چلا گیا تو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے میرے پاس واپس بلاؤ، (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اسے واپس بلانا چاہا تو دیکھا کہ وہاں کوئی شخص بھی نہیں ہے، آپ نے فرمایا:) یہ جبریل علیہ السلام تھے اور اس لیے آئے تھے تاکہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں۔''[1] اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الإیمان میں بھی روایت کیا ہے، نیز امام مسلم نے اسے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔[2] ہم نے اس حدیث کے بارے میں صحیح بخاری کی شرح کے آغاز میں گفتگو کی ہے اور وہاں اس سلسلے میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی وہ مفصل روایت بھی بیان کی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[3]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ ﴾ ''اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ کچھ ایسی اشیاء ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی پاس رکھا ہے اور کسی بھی ملک مقرب یا نبی مرسل کو ان کے بارے میں مطلع نہیں فرمایا، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ﴾ ''یقیناً اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے۔'' کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کس سال کے کس مہینے میں آئے گی، رات کو آئے گی یا دن کو،[4] ﴿ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ ﴾ ''اور وہی مینہ برساتا ہے۔'' کسی کو علم نہیں کہ بارش کب آئے گی، رات کو آئے گی یا دن کو، ﴿ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ ﴾ ''اور وہی جانتا ہے جو رحموں میں ہے'' اس کے سوا حاملہ کے پیٹ کی چیزوں کو کوئی نہیں جانتا کہ وہ نر ہے یا مادہ، سرخ ہے یا سیاہ یا وہ کیا ہے، ﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ ﴾ ''اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا۔'' وہ نہیں جانتا کہ اچھا کام کرے گا یا برا۔ اے ابن آدم! تجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تو کب مرے گا، شاید تو کل ہی مر جائے، شاید تجھے کل کوئی تکلیف پہنچے، تجھے ان باتوں کا قطعاً کوئی علم نہیں ہے، ﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ ﴾ ''اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔'' کوئی انسان نہیں جانتا کہ اسے کہاں موت آئے گی، زمین میں اس کی قبر کہاں بنے گی،

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ﴾ (لقمٰن 31:34)، حدیث: 4777. [2] صحیح البخاری، الإیمان، باب سؤال جبریل النبیﷺ عن الإیمان والإسلام......، حدیث: 50 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان الإیمان والإسلام والإحسان......، حدیث: 8. [3] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان الإیمان......، حدیث: 8. [4] البتہ حدیث میں جمعے کے دن قیامت واقع ہونے کا تذکرہ ملتا ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل یوم الجمعة، حدیث: (18)-854 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

بحر میں یا بر میں، کسی میدانی علاقے میں یا پہاڑی علاقے میں۔[1]

انسان جائے وفات تک کیسے پہنچتا ہے؟ اور حدیث میں آیا ہے:[إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ قَبْضَ عَبْدٍ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً] ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی کسی سرزمین میں روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس علاقے سے اس کی کوئی ضرورت وحاجت وابستہ کر دیتا ہے۔''[2] اور حافظ ابوالقاسم طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں، مسند اُسامہ بن زید میں بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے:[(مَا جَعَلَ اللّٰهُ) مِيتَةَ عَبْدٍ بِأَرْضٍ (إِلَّا) جَعَلَ لَهُ بِهَا حَاجَةً] ''اللہ تعالیٰ جس زمین میں بھی اپنے کسی بندے کی موت کو مقرر کر دیتا ہے تو اس زمین میں اس کی کوئی حاجت وضرورت متعین فرما دیتا ہے۔''[3]

سورۂ لقمان کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

---

① تفسیر الطبری:105/21 . ② المستدرك للحاكم، الإيمان:42/1، حديث:127 وصحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر الإخبار بأن الله جل وعلا......:19/14، حديث:6151. ③ المعجم الكبير للطبراني:344/20، حديث:808 جبکہ دونوں قوسوں والے الفاظ کے لیے دیکھیے المصنف لعبدالرزاق:457/11، حديث:20996 ومسند أحمد:227/5 عن مَطَر بن عُكامِس رضی اللہ عنہ .

تفسیر سُوْرَۂ سَجْدَہ

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ

الٓمّٓ ① اس میں کوئی شک نہیں کہ (اس) کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے ② کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے خود گھڑ لیا ہے، (نہیں)

هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③

بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پائیں ③

سورۂ سجدہ کی فضیلت: امام بخاری رحمہ اللہ نے الجامع الصحیح کی کتاب الجمعة میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر میں الٓمّٓ، تَنْزِيلُ السجدة اور ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ (الدهر 76:1) کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔[1] اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[2] اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم الٓمّٓ، تَنْزِيلُ السجدة اور ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (الملك 67:1) پڑھے بغیر نہیں سویا کرتے تھے۔[3] اس حدیث کو صرف امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

تفسیر آیات:1-3

قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں: حروف مقطعات کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ②﴾ ''اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔'' یعنی اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③﴾ ''کیا لوگ کہتے ہیں کہ

① صحيح البخاري، الجمعة، باب مايقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة، حديث :891. ② صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في يوم الجمعة، حديث :880. ③ مسند أحمد :340/3.

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، اس کے سوا نہ تمھارا

الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ

کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارشی، کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟④ وہی آسمان سے زمین تک (سارے) معاملے کی تدبیر کرتا ہے، پھر

السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

ایک دن میں، جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے، وہ (معاملہ) اسی کی طرف چڑھتا ہے⑤ وہ (مدبر ہی) چھپے اور ظاہر

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑥

کا جاننے والا، نہایت غالب، خوب رحم کرنے والا ہے⑥

پیغمبر نے اس کو از خود بنا لیا ہے (نہیں) بلکہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ (سیدھی) راہ پر آجائیں۔'' یعنی حق کی اتباع کریں۔

تفسیر آیات:4-6

اللہ تعالیٰ ہی خالق اور کائنات کا منتظم ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس نے آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر قائم ہوا، اس کی تفسیر پہلے بیان کی جا چکی ہے۔[1]

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ﴾ ''اس کے سوا تمھارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔'' بلکہ تمام امور کا وہی مالک ہے، تمام اشیاء کا وہی خالق ہے، تمام اشیاء کا وہی منتظم ہے، تمام اشیاء پر وہی قادر ہے، اس کے سوا مخلوق کا کوئی کارساز نہیں اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا بھی نہیں۔ ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④﴾ ''کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟'' یعنی اس کے سوا غیروں کی پوجا کرنے والو اور اس کے سوا دوسروں پر بھروسا کرنے والو! سن لو وہ ذات پاک اور منزہ ہے کہ اس کا کوئی نظیر یا شریک یا وزیر یا ہمسر یا عدیل ہو، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی پروردگار۔

ارشاد باری ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ﴾ ''وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے، پھر وہ (کام کا معاملہ) اس کی طرف چڑھتا ہے۔'' یعنی اس کا امر آسمانوں کی بلندیوں سے، ساتویں زمین کی انتہائی پستیوں تک نازل ہوتا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۠﴾ (الطلاق 65:12) ''اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں، ان میں (اللہ کے) حکم اترتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے یقیناً ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' اعمال آسمانِ دنیا سے اوپر اس کے دیوان تک پہنچائے جاتے ہیں، زمین سے لے کر آسمان دنیا تک کی مسافت پانچ سو

[1] دیکھیے الأعراف، آیت:54 کے ذیل میں عنوان: ''کائنات کی چھ دن میں تخلیق''

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ

جس نے ہر چیز کو اچھے طریقے سے پیدا کیا، اوراس نے تخلیقِ انسان کی ابتدا مٹی سے کی ⑦ پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے

سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

جو ہر (نطفے) سے چلائی⑧ پھر اس (کے اعضاء) کو درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی، اور اس نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨

بنائے، تم کم ہی شکر کرتے ہو⑨

سال کی ہے جبکہ آسمان کی اپنی موٹائی بھی پانچ سو سال کی ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ فرشتہ نزول کے وقت پانچ سو سال کی مسافت طے کرتا ہے اور چڑھنے کے وقت بھی پانچ سو سال کی مسافت طے کرتا ہے لیکن یہ طویل مسافت وہ چشم زدن میں طے کر لیتا ہے۔[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑥ ﴾ ''ایک دن میں جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی، یہی تو پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، نہایت غالب، بڑا رحم والا (اللہ) ہے۔'' یعنی وہی ان تمام امور کا منتظم ہے، وہ اپنے بندوں کے اعمال سے آگاہ ہے، جلیل وحقیر اور صغیر وکبیر تمام اعمال اس کی طرف پہنچائے جاتے ہیں، وہ ذات پاک غالب ہے اور اس نے ہر چیز کو مغلوب ومقہور کر رکھا ہے، بندے اور گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی ہیں اور وہ اپنے مومن بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے۔ وہ اپنی رحمت میں غالب ہے اور اپنے غلبہ وعزت میں رحم فرمانے والا ہے اور یہی اس ذات پاک کا کمال ہے کہ وہ رحمت کے ساتھ غالب ہے اور عزت وغلبے کے ساتھ وہ رحیم ہے اور اس کی رحمت کسی کمزوری وناتوانی کے سبب بھی نہیں۔

تفسیر آیات:7-9

تخلیق انسان کے مراحل: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کی ذات گرامی وہ ہے جس نے ہر چیز کو بے حد خوب صورت انداز میں پیدا فرمایا ہے اور ہر چیز کو نہایت مضبوط ومستحکم بنایا ہے۔ امام مالک نے زید بن اسلم سے ﴿ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴾ ''جس نے ہر چیز کو بہت اچھا بنایا جسے اس نے پیدا کیا'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کا مطلب ہے: ''ہر چیز کی تخلیق کو بہت اچھا بنایا'' گویا انھوں نے اسے مقدم ومؤخر کے قبیل سے بنایا (﴿ خَلَقَهٗ ﴾ کا مقام ﴿ كُلَّ ﴾ سے پہلے) ہے۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦ ﴾ ''اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔'' یعنی اس نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ ﴿ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑧ ﴾ ''پھر اس کی نسل خلاصے سے (یعنی) حقیر پانی سے پیدا کی۔''

[1] تفسیر الطبری:111,110/21.

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩

اوران لوگوں (کافروں) نے کہا: کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ضرور ہم نئی پیدائش میں (ظاہر) ہوں گے؟ (نہیں!) بلکہ وہ تو اپنے رب کی

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع 1 11 14

ملاقات ہی کے منکر ہیں⑩ کہہ دیجیے: تمھیں موت کا فرشتہ فوت کرتا ہے، جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے⑪

پھر انسانوں میں توالد و تناسل کا سلسلہ اسی نطفے سے جاری ہے جو مرد کی پشت سے اور عورت کے سینے سے خارج ہوتا ہے۔ ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ﴾ ''پھر اس کو درست کیا۔'' یعنی اس نے جب آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا تو انھیں نہایت توازن اور اعتدال کے ساتھ بنایا۔ ﴿وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ﴾ ''اور اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔'' یعنی عقلیں پیدا فرمادیں۔ ﴿قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨﴾ ''مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو۔'' ان قوتوں کی وجہ سے جن سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں سرفراز فرمایا ہے۔ وہ انتہائی سعادت منداور خوش بخت انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان قوتوں کو اس کی طاعت و بندگی کے لیے استعمال کرے۔

تفسیر آیات: 11,10

منکرین بعث کی تردید: اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کے منکر مشرکین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ﴾ ''کیا جب ہم زمین میں ملیامیٹ ہو جائیں گے؟'' یعنی جب ہمارے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور ہمارے جسموں کے ذرے خاک میں بکھر جائیں گے۔ ﴿ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ﴾ ''تو کیا بلاشبہ ہم از سر نو پیدا ہوں گے؟'' یعنی کیا اس حال کے بعد ہم دوبارہ پیدا ہوں گے؟ وہ اسے بہت بعید سمجھتے تھے، حالانکہ یہ بات ان کی عاجزی و ناتوانی کے حوالے سے تو بعید ہو سکتی ہے مگر اس ذات پاک کے لیے کچھ بعید نہیں جس نے انھیں پیدا کیا اور عدم سے وجود بخشا اور جس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩﴾ ''حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے جانے ہی کے قائل نہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾ ''کہہ دیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمھیں فوت کر لیتا ہے۔'' اس آیت کریمہ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک معین فرشتہ ہے جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جسے سورۂ ابراہیم کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] بعض آثار میں اس معین فرشتے کا نام عزرائیل بیان کیا گیا ہے اور مشہور بات بھی یہی ہے کہ اس فرشتے کا نام عزرائیل ہے۔[2] امام قتادہ اور دیگر کئی

---

① دیکھیے إبراهیم، آیت: 27 کے ذیل میں، عنوان: ''مومن کی دنیا و آخرت میں قول ثابت کے ساتھ مضبوطی'' ② كتاب العظمة للأصفهاني، صفة ملك الموت......:909,908/3، حديث:443 والديباج على صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى ﷺ، تحت الحديث:(157)-2372 لیکن مرفوع صحیح حدیثوں میں اس فرشتے کو ملک الموت ہی کہا گیا ہے جبکہ عزرائیل کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا

اور کاش! آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکائے (پیش) ہوں گے، (وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ

لیا، لہٰذا ہمیں واپس بھیج کہ ہم نیک عمل کریں، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں⑫ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے، اور

الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ

لیکن میری طرف سے بات ثابت ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے ضرور بھروں گا⑬ پس تم (عذاب) چکھو اس لیے کہ تم نے اپنے

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭

اس دن کی ملاقات بھلائے رکھی، بے شک (آج) ہم نے بھی تمھیں بھلا دیا، اور جو (برے) عمل تم کرتے تھے، ان کی وجہ سے تم ہمیشہ کا عذاب چکھو⑭

ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ اس فرشتے کے بہت سے معاون فرشتے بھی ہیں۔[1] حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ ملک الموت کے معاونین سارے جسم سے روحوں کو کھینچ لیتے ہیں حتی کہ روح جب گلے میں آجاتی ہے تو ملک الموت اسے پکڑ لیتا ہے۔[2] امام مجاہد کہتے ہیں کہ ملک الموت کے لیے زمین کو اس طرح سمیٹا گیا ہے جیسے وہ ایک تھال ہو اور وہ جب چاہے اس میں سے روح کو قبض کر لیتا ہے۔[3] ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪﴾ ''پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن جب تمھیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تاکہ تمھیں تمھارے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

تفسیر آیات:12-14

روز قیامت مشرکین کا برا حال: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن مشرکین کے حال وقال کو بیان فرمایا ہے کہ جب وہ دوبارہ زندہ کیے جانے کو دیکھیں گے اور اللہ عزوجل کے سامنے حقیر وفقیر، ذلیل ورسوا اور خجالت وشرمندگی کی وجہ سے سر جھکا کر کھڑے ہوں گے تو کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔'' یعنی ہم اب آپ کی بات سنیں گے اور آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ (مریم 38:19) ''وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے!'' اسی طرح جب وہ جہنم رسید ہوں گے تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○﴾ (الملك 10:67) ''(اور کہیں گے) اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔'' اسی طرح یہ لوگ بھی کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے۔'' یعنی دنیا میں۔ ﴿نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫﴾ ''(تاکہ) ہم نیک عمل کریں، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔''

یعنی ہم نے دیکھ لیا اور ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تیرا وعدہ سچا ہے، تیری ملاقات برحق ہے اور رب تعالیٰ کو تو معلوم ہوگا کہ اگر

① تفسیر الطبری:21/117,118. ② حسب ذیل حوالے میں اس کا کچھ اشارہ ملتا ہے المصنف لعبد الرزاق:3/581، حدیث:6737. ③ کتاب العظمة للأصفهانی:3/893 ، حدیث:433 وتفسیر الطبری:21/118.

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ

ہماری آیتوں پر تو صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انھیں ان کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں، اور وہ اپنے رب کی

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ⑮ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز

السجدة ٩

حمد کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے ⑮ ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⑯ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ

پکارتے ہیں، اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں ⑯ پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے بدلے میں ان کے لیے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑰

آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں ⑰

وہ انھیں دوبارہ دنیا میں لوٹا بھی دے تو وہ اسی طرح کافر رہوں گے جیسے پہلے کافر تھے، اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کریں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:27) ''اور اگر آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب یہ آتش (دوزخ کے کنارے) پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے کہ اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں اور اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا ﴾ ''اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ ﴾ (یونس 10:99) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔'' ﴿ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬ ﴾ ''اور لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے ضرور بھروں گا۔'' یعنی جنوں اور انسانوں کی دونوں جماعتوں سے کچھ لوگ جہنم رسید ہوں گے اور جہنم میں جانے سے کوئی انھیں بچا نہ سکے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی صفات کاملہ کے واسطے سے جہنم سے پناہ چاہتے ہیں۔ ﴿ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ ﴾ ''سو (اب آگ کے مزے) چکھو، اس لیے کہ تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا۔'' یعنی دوزخیوں کو سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہا جائے گا کہ اس عذاب کا مزا چکھو کیونکہ تم اس دن کی تکذیب کرتے تھے، اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتے تھے اور تم نے اس دن کو بھلا رکھا تھا۔ ﴿ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ﴾ ''بے شک (آج) ہم نے تمھیں بھلا دیا ہے۔'' یعنی تم سے اس طرح معاملہ کریں گے جیسے کسی بھول جانے والے کا معاملہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تو بھولنے سے پاک ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہ سکتی، لہٰذا یہ مقابلہ کے قبیل سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ (الجاثية 45:34) ''جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا، اسی طرح آج ہم تمھیں بھلا دیں گے۔''

﴿ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو کام تم کرتے تھے اس کی وجہ سے ہمیشہ کے عذاب (کے مزے) چکھتے رہو۔'' یعنی اپنے کفر و تکذیب کے سبب اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے عذاب کے مزے چکھو، جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر بھی فرمایا ہے: ﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝ ﴾ (النبا 78:24-30) ''وہاں نہ ٹھنڈک (کا مزہ) چکھیں گے نہ کوئی مشروب مگر گرم پانی اور بہتی پیپ (یہ) بدلہ ہے پورا پورا، یہ لوگ حساب (آخرت) کی امید ہی نہیں رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو ہر طرح جھٹلاتے رہتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے، پس (اب مزہ) چکھو، سو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔''

تفسیر آیات:15-17

اہل ایمان کا حال اور ان کی جزا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا ﴾ ''ہماری آیتوں پر تو بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں۔'' یعنی ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ﴿ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا ﴾ ''جب ان کو ان آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں۔'' یعنی انھیں سنتے اور قولی و عملی طور پر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ ﴿ وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے۔'' یعنی آیات کی اتباع و اطاعت سے تکبر نہیں کرتے جیسا کہ جاہل، کافر اور فاجر لوگ کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 40:60) ''جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' پھر فرمایا: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ﴾ ''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔'' یعنی وہ رات کو نیند ترک کر کے قیام کرتے ہیں۔ امام مجاہد اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رات کا قیام ہے۔[1] امام ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے نماز عشا اور نماز فجر باجماعت ادا کرنا مراد ہے۔ ﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز ﴾ ''وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اور اجر و ثواب کی امید سے۔ ﴿ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنے تک محدود اور دوسروں سے متعلق ہر طرح کے اعمال صالحہ بجالاتے ہیں، ان پاکباز و پاک نہاد لوگوں میں سب سے مقدم دنیا و آخرت میں ان کے سید اور قابلِ فخر حضرت محمد ﷺ ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، راستے میں چلتے چلتے ایک دن میں آپ کے بہت قریب ہو گیا، میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! مجھے ایک ایسا عمل بتا دیں جو جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے، آپ نے فرمایا:

[لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ عَظِيمٍ، وَّإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلٰى مَنْ يَّسَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَّتُقِيمُ

[1] تفسير الطبري: 122/21.

الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَّالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ، وَعَمُودِهِ، وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى، يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، وعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ؟ فَقُلْتُ لَهُ: بَلٰى ، يَانَبِيَّ اللّٰهِ! فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ، فَقَالَ: كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا، فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَامُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ- أَوْقَالَ: عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ- إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ]

’’تم نے ایک بہت بڑی بات پوچھی ہے لیکن اس کے لیے بہت آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اسے آسان بنادے اور وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تجھے نیکی کے دروازوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کو مٹا دیتا ہے اور رات کو آدمی کا نماز ادا کرنا، پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ’’ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کرتے ہوئے پکارتے ہیں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں، پس کوئی نفس اسے نہیں جانتا جو (بطور) ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے‘‘ پھر فرمایا: کیا میں تجھے اصل معاملہ، اس کے ستونوں اور اس کے کوہان کی بلندی کے بارے میں نہ بتاؤں؟

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: اصل معاملہ تو اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے، پھر فرمایا: کیا میں تجھے ان سب کے قوام و بنیاد کے بارے میں نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ لیا، پھر فرمایا: اپنی اس زبان کو قابو میں رکھ، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم جو گفتگو کرتے ہیں کیا اس پر بھی ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے، یہ زبانوں کی لغو اور لایعنی باتیں ہی تو ہوں گی جو لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں گرا دیں گی۔‘‘[1] اسے امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی اپنی اپنی سنن میں بیان کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[2]

---

① مسند أحمد:231/5. ② جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في حرمة الصلاة، حديث:2616 والسنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالٰى: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ...... ﴾:428/6، حديث:11394 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب كف اللسان في الفتنة، حديث:3973.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝17﴾ ''پس کوئی متنفس اسے نہیں جانتا جو ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' یعنی کوئی شخص ان چیزوں کی عظمت کو نہیں جانتا جو بہشتوں میں ان کے لیے ابدی و سرمدی نعمتوں کی صورت میں چھپا کر رکھی گئی ہیں اور ان زبردست لذتوں کی شکل میں جن سے کوئی مطلع نہیں ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس طرح ان لوگوں نے نیک اعمال چھپ چھپ کر کیے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لیے ایسی نعمتوں کو چھپا رکھا ہے جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی انسان کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آیا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَعْدَدْتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَّأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ] ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (ایسی ایسی) نعمتیں تیار کی ہیں جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آیا۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ﴾ ''پس کوئی متنفس اسے نہیں جانتا جو ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔''[2] اسے امام مسلم و ترمذی نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: [وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًا مِّنْ بَلْهِ مَا أُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ] ''اور جو تمھیں معلوم کروایا گیا ہے اس کے علاوہ ذخیرہ (نعمت) کے متعلق کسی دل میں تصور تک نہیں آیا۔''[4] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ يَنْعَمُ لَا يَبْأَسُ، لَا تَبْلٰى ثِيَابُهُ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُ، فِي الْجَنَّةِ مَا لَا عَيْنٌ رَّأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ] ''جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ ناز و نعم میں ہوگا اور کبھی بدحال نہ ہوگا، اس کے کپڑے کبھی بوسیدہ نہ ہوں گے، اس کا شباب کبھی ختم نہ ہوگا، جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا۔''[5] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 3107/9. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ﴾ (السجدة 32:17)، حدیث: 4779. [3] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب صفة الجنة، حدیث: 2824 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة السجدة، حدیث: 3197. [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ﴾ (السجدة 32:17)، حدیث: 4780 وصحیح مسلم، الجنة وصفة......، باب صفة الجنة، حدیث: 2824. [5] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب فی دوام نعیم أهل الجنة......، حدیث: 2836 ومسند أحمد: 370/2 واللفظ له.

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کیا پھر مومن ایسے ہوسکتا ہے جیسے فاسق، وہ (کبھی) برابر نہیں ہوسکتے ⑱ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، تو ان کے

فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ز نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ

لیے رہنے کے باغات ہیں، ان اعمال کے بدلے میں مہمانی ہے جو وہ کیا کرتے تھے ⑲ اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا

كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ

آگ ہے، جب بھی وہ ارادہ کریں گے کہ وہ اس سے نکلیں تو انھیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ اس آگ کا عذاب

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑳ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ

چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے ⑳ اور ہم (آخرت کے) بڑے عذاب سے پہلے انھیں (دنیا کا) چھوٹا عذاب ضرور چکھائیں گے شاید وہ (ہماری

يَرْجِعُوْنَ ㉑ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ

طرف) رجوع کریں ㉑ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے

2 ع 11 15 الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ㉒ ع

اعراض کیا، یقیناً ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں ㉒

تفسیر آیات:18-22

مومن اور فاسق برابر نہیں ہوسکتے: اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل و کرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت فیصلہ فرماتے ہوئے اس شخص کو جو اس کی آیات پر ایمان رکھتا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرتا تھا، اس کے برابر قرار نہیں دے گا جو فاسق، یعنی اپنے رب کی اطاعت سے خارج اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلاتا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾ (الجاثیة 45:21) ”جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ان کی زندگی اور موت یکساں ہوگی؟ یہ جو فیصلے کرتے ہیں برے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ ﴾ (ص 38:28) ”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کیا انھیں ہم ان کی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟“

اور فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ۝ ﴾ (الحشر 59:20) ”اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت ہی تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔“ اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱ ﴾ ”سو بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو نافرمان ہو؟ وہ برابر نہیں ہوسکتے۔“ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ عطاء بن یسار اور سدی وغیرہ سے روایت

ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابو طالب اور عقبہ بن ابو مُعَیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] اسی لیے ان دونوں کے بارے میں الگ الگ فیصلہ فرمایا: ﴿ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔'' یعنی ان کے دلوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کی، پھر ان کے تقاضوں کے مطابق انھوں نے عمل بھی کیے۔ ﴿ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ﴾ ''تو ان (کے رہنے) کے لیے باغ ہیں۔'' ان میں ان کی رہائش گاہیں، محلات اور بلند و بالا کمرے ہیں، یعنی ضیافت وکرامت ﴿ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''ان کے کاموں کی جزا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا ﴾ ''اور لیکن جنھوں نے نافرمانی کی۔'' یعنی جنھوں نے اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت ترک کر دی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں تو اسی میں لوٹا دیے جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾ (الحج 22:22) ''جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (وتکلیف کی وجہ سے دوزخ) سے نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کے عذاب (کے مزے) کو چکھتے رہو۔'' فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہاتھ بندھے ہوں گے، پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی، اوپر جہنم کی آگ کے شعلے ہوں گے، فرشتے انھیں ہتھوڑے مار رہے ہوں گے۔[2] ﴿ وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ ''اور ان سے کہا جائے گا کہ جس آتش (دوزخ) کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے (اسے) چکھو۔'' یعنی زجر وتوبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر یہ کہا جائے گا۔ اور فرمایا: ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ﴾ ''اور ہم ان کو ضرور قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب (کا بھی مزہ) چکھائیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عذاب دنیا سے مراد دنیا کے مصائب، بیماریاں، آفتیں اور وہ آزمائشیں مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مبتلا کرتا رہتا ہے تاکہ وہ اس کے حضور توبہ کر لیں۔[3] اُبی بن کعب، ابو العالیہ، حسن، ابراہیم نخعی، ضحاک، علقمہ، عطیہ، مجاہد، قتادہ، عبد الکریم جزری اور خُصیف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ﴾ ''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی جائے، پھر وہ اس سے اعراض کرے!'' یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کے ساتھ نصیحت کی ہو اور انھیں اس کے سامنے واضح طور پر بیان فرما دیا ہو لیکن اس نے انھیں ترک کر دیا، ان کا انکار کر دیا، اس سے اعراض کیا اور انھیں بھلا دیا ہو، گویا وہ انھیں جانتا ہی نہ ہو۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو کیونکہ جو اس کے ذکر سے اعراض کرتا ہے وہ بہت زیادہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے، شدید محتاجی کو اختیار کر لیتا ہے اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو

---

[1] تفسیر الطبری: 129/21. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2482/8. [3] تفسیر الطبری: 130/21. [4] تفسیر الطبری: 131,130/21.

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پس (اے نبی!) آپ اس کی ملاقات کے متعلق شک میں نہ رہیں، اور ہم نے اس (تورات) کو بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ ﴿23﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

کے لیے ہدایت بنایا﴿23﴾ اور جب انھوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں کچھ ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری

يُوْقِنُوْنَ ﴿24﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿25﴾

آیات پر یقین رکھتے تھے﴿24﴾ بلاشبہ آپ کا رب ہی روز قیامت ان کے مابین اس کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے﴿25﴾

سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''یقیناً ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔'' یعنی جو لوگ ایسا کریں گے ہم ان سے شدید انتقام لیں گے۔

تفسیر آیات: 23-25

موسیٰ کی کتاب اور بنی اسرائیل کی امامت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو کتاب، یعنی تورات عطا فرمائی تھی۔ ﴿ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ ﴾ ''تو تم ان کے ملنے سے شک میں نہ ہونا'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شب معراج کی ملاقات ہے۔[1] پھر انھوں نے ابوالعالیہ ریاحی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ مجھ سے تمھارے نبی کے برادر عم زاد، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي مُوسٰى رَجُلًا آدَمَ طُوَالًا جَعْدًا كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسٰى رَجُلًا مَّرْبُوعًا مَّرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبْطَ الرَّأْسِ، وَرَأَيْتُ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ فِي آيَاتٍ أَرَاهُنَّ اللّٰهُ إِيَّاهُ ﴿ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ ﴾] ''معراج کی رات میں نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ گندمی رنگ، طویل القامت اور گھنگریالے بالوں والے شخص تھے، گویا ان کا تعلق شنوءہ کے لوگوں سے ہے اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ میانے قد، سرخ وسفید رنگت اور لمبے بالوں والے تھے اور میں نے جہنم کے داروغے اور دجال کو بھی دیکھا'' اسی طرح آپ نے اور بھی بہت سی نشانیوں کا ذکر فرمایا جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے دکھائی تھیں۔ ﴿ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ ﴾ ''تو ان کے ملنے سے شک میں نہ ہونا۔''[2] بے شک آپ نے موسیٰ کو دیکھا اور معراج کی رات آپ نے موسیٰ سے ملاقات کی تھی۔[3]

اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنٰهُ ﴾ ''اور ہم نے اس کو بنایا'' یعنی اس کتاب کو جو ہم نے موسیٰ کو عطا فرمائی تھی۔ ﴿ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿23﴾ ﴾ ''بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ ہدایت۔'' جیسا کہ اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴿2﴾ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:2) ''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا یہ کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔''

[1] تفسیر الطبری:21/135. [2] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدکم: آمین والملائکۃ......، حدیث: 3239 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ، حدیث:165. [3] تفسیر الطبری:21/135.

اَوَ لَمۡ یَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰكِنِهِمۡ ؕ

کیا ان پر واضح نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتیں ہلاک کر دیں جن کے گھروں میں (اب) وہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں عظیم

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿26﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ

نشانیاں ہیں، کیا پھر وہ سنتے نہیں ﴿26﴾ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہالے جاتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے سے

فَنُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا تَاۡكُلُ مِنۡهُ اَنۡعَامُهُمۡ وَاَنۡفُسُهُمۡ ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿27﴾

کھیتی نکالتے ہیں، اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، کیا پھر وہ دیکھتے نہیں ﴿27﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ۟ وَكَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿24﴾﴾ ’’اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جب انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔‘‘ یعنی جب وہ صبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے، اس کے حرام کردہ امور سے اجتناب کرتے، اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے اور پیغمبر جس دین و شریعت کو لائے تھے اس کی اتباع کرتے رہے تو ان میں سے پیشوا بھی بنا دیے گئے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حق کی ہدایت کرتے، خیر و بھلائی کی دعوت دیتے، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے، پھر جب انھوں نے دین میں تبدیلی کر دی، اس میں تحریف کر دی اور اس میں تاویل شروع کر دی تو ان سے یہ مقام سلب ہو گیا، ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ کلمات کو اپنی جگہ سے بدلنے لگے۔ پس نہ ان کا عمل صالح رہا اور نہ عقیدہ صحیح، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ۟﴾ ’’اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے، جب انھوں نے صبر کیا۔‘‘ امام قتادہ اور سفیان فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا سے صبر کر لیا تھا۔[1]

اسی طرح حسن بن صالح کا بھی یہی قول ہے۔ امام سفیان کا قول ہے کہ یہ لوگ اسی طرح تھے اور کوئی شخص اس وقت تک امام اور مقتدا بن نہیں سکتا جب تک وہ دنیا سے صرفِ نظر نہ کر لے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۚ۝ وَاٰتَیۡنٰهُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فِیۡمَا كَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۝﴾ (الجاثية 45:16,17) ’’اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (ہدایت) اور حکومت اور نبوت بخشی اور پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں اور اہل عالم پر فضیلت دی اور ان کو دین کے بارے میں دلیلیں عطا کیں، پس انھوں نے جو بھی اختلاف کیا علم آ جانے کے بعد آپس کی ضد سے کیا، بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے فیصلہ فرمائے گا۔‘‘ جیسا کہ یہاں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفۡصِلُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ

[1] تفسیر الطبری: 21/136.

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿25﴾ ”بلاشبہ آپ کا پروردگار جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے ان میں قیامت کے روز فیصلہ فرمائے گا۔“ یعنی جن اعتقادات و اعمال میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر آیات: 27,26

سابقہ لوگوں سے عبرت حاصل کرو: اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: کیا انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والے لوگوں کو اس سے ہدایت نہیں ہوئی کہ اس نے انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والوں، ان کے پیش کردہ سیدھے رستوں کی مخالفت کرنے والوں کو ہلاک کر دیا تھا، ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا بلکہ ان لوگوں کا کوئی نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝﴾ (مریم 98:19) ”بھلا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا (کہیں) ان کی بھنک سنتے ہیں؟“ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ﴾ ”جن کی رہائش گاہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔“ یعنی یہ تکذیب کرنے والے ان لوگوں کے مقامات سکونت میں چلتے پھرتے ہیں جنھوں نے تکذیب کی تھی مگر وہ ان مقامات میں رہنے والوں میں سے اب کسی کو نہیں دیکھتے، وہ یہاں سے چل بسے ہیں۔ ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ﴾ (الأعراف 92:7) ”گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ﴾ (النمل 52:27) ”تو یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝﴾ (الحج 46,45:22) ”پس بہت سی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے تباہ کر ڈالا کیونکہ وہ نافرمان تھیں، سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور بہت سے کنویں بے کار اور بہت سے محل ویران پڑے ہیں، تو کیا وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سن سکتے۔ پس بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔“

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ﴾ ”بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں۔“ یعنی ان لوگوں کے چل بسنے، ان کے تباہ و برباد ہو جانے اور انبیاء کی تکذیب کے سبب ان پر نازل ہونے والے عذابوں میں اور حضرات انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں میں نشانیاں ہیں، عبرتیں، نصیحتیں اور بہت قوی دلائل ہیں۔ ﴿اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿26﴾﴾ ”تو کیا یہ سنتے نہیں؟“ یعنی سابقہ لوگوں کے حالات اور یہ بات کہ ان پر کیا گزری تھی!

مردہ زمین کی شادابی بعث بعد الموت کی دلیل ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ﴾ ”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے ساتھ اپنے اس لطف و احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ آسمان یا بادل سے پانی نازل فرماتا ہے۔ یہی پانی نہروں میں ہوتا ہے اور یہی پانی

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿28﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) یہ فیصلہ کب ہوگا؟ ﴿28﴾ کہہ دیجیے: فیصلے کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا

اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿29﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿30﴾ ع

3 ع 8 16

اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی ﴿29﴾ چنانچہ آپ ان سے اعراض کریں، اور انتظار کریں، بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں ﴿30﴾

پہاڑوں سے میدانی علاقوں میں پہنچ جاتا ہے، پھر اس سے بوقت ضرورت زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے، اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ ﴾ ''بنجر زمین کی طرف۔'' یعنی وہ زمین جس میں کوئی نباتات نہ ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ ﴾ (الکھف 8:18) ''اور بلاشبہ یقیناً ہم جو چیز زمین پر ہے، اس کو (نابود کر کے) بنجر میدان کر دیں گے۔'' یعنی ایسا خشک میدان جس میں کوئی چیز نہ اگے، اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں، پھر اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ بھی (کھاتے ہیں) تو یہ دیکھتے کیوں نہیں؟'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ﴾ (عبس 25,24:80) ''تو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے، بے شک ہم ہی نے پانی برسایا۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''تو کیا یہ دیکھتے نہیں؟''

تفسیر آیات: 28-30

کفار کا عذاب کے لیے جلدی کرنا اور ان کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر جلد واقع ہو جائے اور وہ جلد غضب وعقاب الٰہی میں مبتلا ہو جائیں، یہ اس لیے کہ دراصل وہ عذاب الٰہی کے منکر تھے اور از راہ تکذیب ومخالفت ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ ہمارے خلاف کب فتح پائیں گے؟ جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ آپ ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کا انتقام لے گا تو یہ بتائیں کہ ایسا کب ہوگا۔ ہم تو آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھتے ہیں کہ عاجزی و درماندگی کے ساتھ چھپ چھپ کر رہ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ فیصلے کے دن۔'' یعنی جب دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کا عذاب اور غضب تم پر نازل ہوگا۔ ﴿ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''کافروں کو ان کا ایمان لانا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 84,83:40) ''پھر جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں

لے کر آئے تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا، سو جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے ہم نے انکار کیا۔"

جو شخص یہ کہے کہ اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے تو وہ بہت دور کی کوڑی لاتا اور فاش غلطی کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ فتح مکہ کے دن تو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کردہ لوگوں کے اسلام کو قبول فرما لیا تھا جن کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، اگر اس آیت سے فتح مکہ مراد ہوتی تو آپ ان کے اسلام کو قبول نہ فرماتے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ ﴾ "آپ کہہ دیں کہ فیصلے کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔" یہاں فتح کا لفظ فیصلہ کے معنی میں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 118:26) "تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے۔" اور فرمایا: ﴿ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (سبا 26:34) "کہہ دیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا، بڑے علم والا ہے۔" اور فرمایا: ﴿ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ ﴾ (إبراهيم 15:14) "اور انھوں نے (اللہ سے اپنی) فتح چاہی اور ہر سرکش، ضدی نامراد رہ گیا۔" اور فرمایا: ﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ ﴾ (البقرة 89:2) "اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔" اور فرمایا: ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ ﴾ (الأنفال 19:8) "(کافرو) اگر تم فتح چاہتے ہو تو یقیناً تمھارے پاس فتح آ چکی۔" پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝ ﴾ "تو آپ ان سے اعراض کریں اور انتظار فرمائیں، یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔" یعنی آپ ان مشرکین سے منہ پھیر لیں اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا اسے پہنچا دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 106:6) "جو حکم آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس آتا ہے اسی کی پیروی کریں، اس (پروردگار) کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کشی کریں۔" یعنی انتظار کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے بہر صورت پورا فرمائے گا اور مخالفین کے مقابلے میں آپ کو فتح و نصرت سے نوازے گا کیونکہ وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ﴿ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝ ﴾ "بے شک یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔" یعنی آپ انتظار کر رہے ہیں اور وہ بھی انتظار کر رہے ہیں اور آپ کے حق میں مصیبتوں کے منتظر ہیں۔ ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ ﴾ (الطور 30:52) "کیا کافر کہتے ہیں: (یہ) شاعر؟ ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں۔" ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کے پہنچانے کے لیے اٹھائی گئی مشقتوں پر صبر کے صلے میں آپ نصرت و تائید باری تعالیٰ سے شاد کام ہوں گے اور آپ کے صحابۂ

کرام کے بارے میں یہ لوگ جس چیز کے منتظر ہیں عذاب الٰہی کی صورت میں یہ خود اس سے دوچار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر تباہی و بربادی آ کر رہے گی۔ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

سورۂ سجدہ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سُوۡرَۂ اَحۡزَاب

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۱﴾

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیے، اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ① اور اس کی

وَّاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ

اتباع کیجیے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ② اور آپ اللہ پر توکل

وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۳﴾

کیجیے، اور اللہ بطور کارساز کافی ہے ③

تفسیر آیات:1-3

اللہ تعالیٰ پر توکل اور کفار کے مقابلے میں ڈٹ جانے کا حکم: یہ اعلیٰ کے ذریعے سے ادنیٰ کو تنبیہ ہے، اللہ تعالیٰ نے جب اپنے عبد و رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے تو دوسروں کے لیے، جو یقیناً آپ سے ادنیٰ ہیں، اس حکم کی پابندی بطریق اولیٰ لازم ہوگی، طلق بن حبیب کا قول ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی کو ترک کر دیں۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ ﴾ ”اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا۔“ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کافروں اور منافقوں کی نہ بات سنیں اور نہ ان سے مشورہ کریں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۱﴾ ﴾ ”بے شک اللہ جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ ذات پاک ہی مستحق ہے کہ آپ اس کی اطاعت کریں اور اس کے احکام کے مطابق عمل کریں۔ وہ ذات پاک تمام امور کے انجام سے خوب باخبر ہے اور اپنے تمام اقوال و افعال میں حکیم و دانا ہے، اسی لیے اس

① تفسیر ابن أبی حاتم: 98/1.

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَکُمُ الّٰٓـیِٴۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ

اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہو، انھیں اس (اللہ) نے تمھاری مائیں نہیں بنایا، اور نہ اس نے

اُمَّهٰتِکُمۡ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَکُمۡ اَبۡنَآءَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ قَوۡلُکُمۡ بِاَفۡوَاهِکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوۡلُ الۡحَقَّ

تمھارے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو تمھارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے، یہ تو تمھارے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں، اور اللہ حق (بات) کہتا ہے، اور وہی

وَهُوَ یَهۡدِی السَّبِیۡلَ ④ اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ

(سیدھے) راستے کی ہدایت دیتا ہے④ ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر

فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَمَوَالِیۡکُمۡ ؕ وَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ فِیۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ وَلٰکِنۡ مَّا

اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں، اور اس معاملے میں تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں

تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ⑤

اور لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کرلیں (تو وہ گناہ ہے)، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے⑤

نے فرمایا ہے: ﴿وَّاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ﴾ ''اور جو (کتاب) آپ کو آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، اس کی پیروی کیے جانا۔'' یعنی قرآن وسنت کی پیروی کرنا، ﴿اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ②﴾ ''بے شک اللہ تمھارے سب عملوں سے خوب خبردار ہے۔'' اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، لہٰذا اپنے تمام معاملات اور تمام حالات میں اس کی ذات پاک پر بھروسا کریں۔ ﴿وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیۡلًا ③﴾ ''اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' یعنی جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے اور اس کی طرف رجوع کرے تو وہ اس کے لیے کارساز کافی ہے۔

تفسیر آیات: 5,4

منہ بولے بیٹے کی رسم کا ابطال: اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں معنوی مقصود بیان فرمانے سے قبل تمہید باندھتے ہوئے ایک معروف اور حسی چیز کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس طرح ایک شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح کسی کی بیوی جسے وہ ظہار کے طور پر أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے'' کہہ دے، اس کی ماں نہیں ہوسکتی اور اسی طرح لے پالک جسے وہ بیٹا بنالے، اس کا بیٹا نہیں ہوسکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَکُمُ الّٰٓـیِٴۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِکُمۡ ۚ﴾ ''اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے اور نہ تمھاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمھاری مائیں بنایا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّهٰتُهُمۡ اِلَّا الّٰٓـیِٴۡ وَلَدۡنَهُمۡ ؕ﴾ (المجادلة 2:58) ''وہ ان کی مائیں نہیں (ہوجاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا ہے۔'' ﴿وَمَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَکُمۡ اَبۡنَآءَکُمۡ ؕ﴾ ''اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے بیٹے بنایا۔'' نفی سے یہی بات مقصود ہے۔ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، نبی کریم ﷺ نے انھیں نبوت سے پہلے اپنا متبنّٰی بنالیا تھا جس کی وجہ سے انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا

کہ اس الحاق اور اس نسبت کو ختم کر دیا جائے، اسی وجہ سے فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ﴾ ''اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے بیٹے بنایا۔'' جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے درمیان میں فرمایا: ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾ (الأحزاب 40:33) ''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ﴾ ''یہ (سب) تمھارے مونہوں کی باتیں ہیں۔'' یعنی تمھارا اپنے لے پالک کو بیٹا قرار دینا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ حقیقی بیٹا ہو کیونکہ وہ تو کسی دوسرے شخص کی پشت سے پیدا ہوا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اس کے دو باپ ہوں جیسا کہ یہ ممکن نہیں کہ کسی انسان کے دو دل ہوں۔ ﴿ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ ﴾ ''اور اللہ تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی (سیدھے) رستے کی رہنمائی کرتا ہے۔'' سعید بن جبیر کا قول ہے کہ سچی بات سے مراد عدل و انصاف پر مبنی بات ہے۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ سیدھے رستے سے مراد صراط مستقیم ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ نے حسن اور زہیر کے واسطے سے قابوس بن ابوظبیان سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد نے ان سے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ﴾ کے کیا معنی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے ایک بات کو محسوس فرمالیا، منافقوں نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ آپ کے دو دل ہیں ایک دل تمھارے ساتھ ہے اور ایک دل ان کے ساتھ ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی: ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ﴾ ''اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے۔''① اور اسی طرح امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور حسن قرار دیا ہے۔② ابن جریر اور ابن ابوحاتم نے بھی اسے بروایت زہیر اسی طرح بیان کیا ہے۔③

متبنّٰی کو اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب کیا جائے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''(مومنو!) لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔'' ابتدائے اسلام میں لے پالکوں کی بطور بیٹا اجنبی کی طرف نسبت کرنے کا جواز تھا، اس آیت کریمہ میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لے پالکوں کے نسب کو ان کے اپنے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کیا جائے، یہی بات عدل و انصاف اور نیکی وتقویٰ پر مبنی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہم زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارا کرتے تھے حتی کہ قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ

① مسند أحمد: 268،267/1، اس کی سند ضعیف ہے۔ ② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، حدیث: 3199. ③ تفسیر الطبری: 142/21 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3112/9.

﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''(مومنو!) لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔''[1] اور اسے امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[2] محرمات کے ساتھ خلوت اور دیگر تمام امور میں وہ ان کے ساتھ بیٹوں جیسا معاملہ ہی کیا کرتے تھے اسی وجہ سے سہلہ بنت سہیل زوجۂ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سالم کو بیٹا کہہ کر بلایا کرتے تھے مگر اب اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرما دیا ہے اور اب جب وہ میرے پاس آتا ہے تو میں دیکھتی ہوں کہ ابوحذیفہ اسے ناگوار محسوس کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَرْضِعِيهِ تَحْرُمِي عَلَيْهِ] ''تم اسے دودھ پلا دو، اس سے تم اس کے لیے حرام ہو جاؤ گی۔''[3]

اور اللہ تعالیٰ نے جب متبنّٰی کے حکم کو منسوخ کر دیا تو متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کو بھی جائز قرار دے دیا اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ط﴾ (الأحزاب 37:33) ''تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے) کے بارے میں جب وہ (لے پالک) ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں (اور پھر طلاق دے دیں) کچھ تنگی نہ رہے۔'' اور آیت تحریم میں ارشاد فرمایا: ﴿وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا﴾ (النسآء 23:4) ''اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی (تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔)'' یہ وضاحت کر کے کہ تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں، اس بات سے احتراز کیا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کر سکتے ہو کیونکہ وہ تمھاری صلب سے نہیں ہے جبکہ رضاعی بیٹے کو شرعاً صلبی بیٹے کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔[4] صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: [حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ] ''ان رضاعی رشتوں کو بھی حرام قرار دو جو نسب کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں۔''[5]

یاد رہے! کسی دوسرے کے بچے کو عزت اور پیار سے بیٹا کہنے کی اس آیت میں ممانعت نہیں ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد اور ترمذی کے سوا دیگر اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں، یعنی بنی

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الأحزاب 5:33)، حديث: 4782.
[2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل زيد بن حارثة......، حديث: 2425 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، حديث: 3209 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ﴾: 429/6، حديث: 11397. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين......، حديث :5088 وصحيح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الكبير، حديث: (27)-1453 عن عائشة ؓ واللفظ له. [4] یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام ہے، البتہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی یوں ہے: [اَلرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ] ''رضاعت کی وجہ سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جنھیں ولادت نے حرام قرار دیا ہے۔'' دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 5099 وصحيح مسلم، حديث: 1444 عن عائشة ؓ. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها، حديث :5111 وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: (4)-1445 عن عائشة ؓ.

عبدالمطلب کے کچھ لڑکوں کو رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنی گدھیوں پر سوار کر کے پہلے بھیج دیا، بھیجتے وقت آپ ہماری رانوں پر آہستہ آہستہ ہتھیلیاں مار رہے تھے اور فرما رہے تھے: [أُبَيْنِيَّ !لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ] ''اے میرے چھوٹے بیٹو! جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے جمرات کو کنکریاں نہ مارنا۔'' (1) ابوعبید وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو لفظ [أُبَيْنِيَّ] آیا ہے، یہ بَنِيَّ کی تصغیر ہے۔ (2) اور یہ مذکورہ مسئلے پر واضح دلیل ہے، اس لیے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع 10 ہجری کا ہے اور ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ ''(مومنو!) لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو۔'' یہ آیت کریمہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو غزوۂ موتہ میں 8 ہجری میں شہید ہوئے تھے۔ صحیح مسلم میں بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے [يَا بُنَيَّ] ''اے میرے بیٹے!'' (3) کہہ کر مخاطب فرمایا۔ اسے امام ابوداود اور امام ترمذی نے بھی بیان کیا ہے۔ (4)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ﴾ ''پس اگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمھارے بھائی اور دوست ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو بشرطیکہ وہ معلوم ہوں اور اگر وہ معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمھارے بھائی اور دوست ہیں۔ یعنی اگر ان کا نسب معلوم نہ ہو تو اس کے بجائے وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا: [أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا] ''آپ ہمارے بھائی اور دوست ہیں'' آپ نے یہ بات اس دن فرمائی جب آپ عمرۃ القضاء کے سال مکہ سے نکلے تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آپ کو پیچھے سے اے چچا جان! اے چچا جان! کہہ کر آواز دی تھی اور اس بچی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لے لیا تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے چچا کی بیٹی کو لے لو تو آپ نے بچی کو اٹھا لیا اور اسی بچی کا کفیل بننے کے بارے میں حضرت علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم نے جھگڑا کیا اور ہر ایک نے اپنے کفیل بننے کی دلیل دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس بچی کا میں زیادہ حق دار ہوں کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ، یعنی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا میری بیوی ہے۔ یہ دلائل سننے کے بعد نبی ﷺ نے اس بچی کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں کر دیا اور فرمایا: [اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ] ''خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے۔'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي] ''شکل وصورت اور اخلاق

---

(1) مسند أحمد: 234/1 وسنن أبي داود، المناسك، باب التعجيل من جمع، حديث: 1940 وسنن النسائي، مناسك الحج، باب النهي عن جمرة العقبة قبل طلوع الشمس، حديث: 3066 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب من تقدم من جمع......، حديث: 3025. (2) دیکھیے لسان العرب: 91/14 ابوعبیدہ کہتے ہیں: هُوَ تَصْغِيرُ بَنِيَّ جَمْعُ ابْنٍ مُضَافًا إِلَى النَّفْسِ. ''أُبَيْنِيَّ بَنِيَّ کی تصغیر ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے اور ابن کی جمع ہے۔'' (3) صحيح مسلم، الآداب، باب جواز قوله لغير ابنه: يا بني!......، حديث: 2151. (4) سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل يقول لابن غيره: يا بني! حديث: 4964 وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في يا بني! حديث: 2831.

میں تم میرے مشابہ ہو۔‘‘ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا] ’’تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔‘‘ ①

اس حدیث سے بہت سے احکام معلوم ہوتے ہیں جن میں سب سے احسن حکم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایا، پھر ان جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر ایک کو خوش بھی کر دیا اور زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا] ’’تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔‘‘ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ﴾ ’’تو دین میں وہ تمھارے بھائی اور دوست ہیں۔‘‘

پھر فرمایا: ﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ﴾ ’’اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی ہو، اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔‘‘ یعنی جب پوری کوشش کرنے کے باوجود غلطی سے بعض کو غیر حقیقی باپ کی طرف منسوب کر دو تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی غلطیوں کو معاف کر دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ جب کوئی غلطی یا بھول چوک ہو جائے تو اس طرح دعا کر لیا کرو: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ (البقرة 2:286) ’’اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔‘‘ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ ایسے کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [قَدْ فَعَلْتُ] ’’یقیناً میں نے ایسا کر دیا۔‘‘ یعنی معاف کر دیا۔ ②

اور صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ] ’’جب کوئی حاکم فیصلہ کرنے میں خوب کوشش واجتہاد کرے، پھر وہ حق کو پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ فیصلہ کرنے میں کوشش کرے، پھر اسے غلطی لگے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔‘‘ ③ اور دوسری حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِيَ الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ] ’’بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا، نسیان اور اس بات کو معاف فرما دیا ہے جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو۔‘‘ ④ اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵ ﴾ ’’اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی ہو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور البتہ تمھارے دلوں نے جس بات کا عزم کر لیا اس پر مؤاخذہ ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔‘‘ یعنی گناہ اسے ہوگا جو باطل بات کو قصد وارادہ سے کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ ...... ﴾ الآية (المآئدة 5:89) ’’اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھارا مؤاخذہ نہیں کرے گا......۔‘‘

① صحيح البخاري، الصلح، باب: كيف يكتب: هذا ماصالح فلان بن فلان و فلان بن فلان......، حديث:2699 اور صحيح مسلم، الجهاد، باب صلح الحديبية، حديث:1783 میں مختصراً ہے۔ ② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس والخواطر بالقلب......، حديث :126 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. ③ صحيح البخاري، الاعتصام ......، باب أجر الحاكم إذا اجتهد......، حديث:7352 ملحوظہ: حافظ ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ المنتقى لابن الجارود، ص :331، حديث: 996 میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، مزید دیکھیے مسند أبي عوانة :4/168، حديث: 6397. ④ سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث : 2045 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

نبی مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، اور رشتے دار اللہ کی کتاب کی رو سے

اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى

(دوسرے) مومنین اور مہاجرین کی نسبت آپس میں (ترکے کے) زیادہ حقدار ہیں، مگر تم اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی کرنا چاہو (تو کرسکتے

اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥

ہو)، یہ کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے ⑥

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب کو نازل فرمایا، آپ پر جو وحی نازل کی گئی اس میں آیت رجم بھی تھی (جس کے مطابق) رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم یہ آیت بھی پڑھا کرتے تھے کہ اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو کیونکہ یہ کفر ہے کہ تم اپنے باپوں سے اپنی نسبت کو توڑ لو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَا تُطْرُونِي كَمَا أُطْرِيَ ابْنُ مَرْيَمَ وَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا: عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ وَرُبَّمَا قَالَ مَعْمَرٌ۔ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ] ''تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ آرائی سے کام نہ لینا جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے بارے میں غلو سے کام لیا گیا، پس میں بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔'' معمر۔اس حدیث کی سند کے ایک راوی۔ نے بسا اوقات یہ الفاظ استعمال کیے کہ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے بارے میں غلو کیا تھا۔[1]

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے:[اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ] ''لوگوں میں دو خصلتیں کفار کی عادات واطوار میں سے ہیں: (1) نسب میں طعن (2) میت پر نوحہ کرنا۔''[2]

تفسیر آیت:6

پیغمبر مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر کس قدر شفیق

① مسند أحمد:47/1 و صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا﴾ (مريم19:16)، حديث: 3445. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر على الطعن في النسب والنياحة، حديث: 67 عن أبي هريرة رضي الله عنه و مسند أحمد:496/2. ملحوظہ: مسند احمد میں ابن کثیر کے الفاظ سے حدیث: [ثَلَاثٌ فِي النَّاسِ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ] ہمیں نہیں ملی، البتہ اس سے ملتے جلتے الفاظ مسند أحمد:262/2 میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ جبکہ مسند أحمد:343/5 و صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، حديث: 934 میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:[أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ] ''چار باتیں میری امت میں امور جاہلیت میں سے ہیں جن کو یہ لوگ نہیں چھوڑیں گے: (1) حسب پر فخر کرنا (2) نسب میں طعن کرنا (3) ستاروں کے ذریعے سے بارش طلب کرنا (4) اور نوحہ کرنا۔'' واللفظ لمسلم.

اور ہمدرد وخیر خواہ ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرار دیا کہ پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں، لہٰذا وہ جو فیصلہ فرمائیں، وہ ان کے لیے اپنے اختیار سے مقدم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ (النسآء 4:65) ''سو آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے نفسوں میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔'' اور صحیح بخاری میں ہے: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ (مِنْ نَّفْسِهِ)، (وَمَالِهِ)]، [(وَالِدِهِ) وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی جان، مال، اس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''[1]

صحیح بخاری ہی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! اپنی جان کے سوا آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: [لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَّفْسِكَ] ''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (اس وقت تک تو کامل مومن نہیں) جب تک میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: اللہ کی قسم! اب آپ مجھے ہر چیز سے حتی کہ اپنی جان سے بھی عزیز تر ہیں، پھر آپ نے فرمایا: ''اب اے عمر! (تیرا ایمان کامل ہے۔)''[2] اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔''

اور امام بخاری نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اِقْرَءُوا، إِنْ شِئْتُمْ: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ تَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا، فَإِنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي وَأَنَا مَوْلَاهُ] ''ہر مومن پر دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ حق میں رکھتا ہوں، اگر چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔'' پس جو مومن مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے، خواہ وہ جو بھی ہوں اور اگر وہ قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ جائے تو میرے پاس آئے، میں اس کا ولی ہوں۔''[3]

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، الإیمان، باب حب الرسول من الإیمان، حدیث: 14 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ، پہلی اور دوسری قوسین والے الفاظ دیکھیے صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب محبة رسول الله أکثرمن ......، حدیث: (70)-44 عن أنس ومسند أحمد: 336/4 اور المعجم الکبیر للطبرانی: 75/7، حدیث: 6416 عن أبی لیلی الأنصاری میں جبکہ دوسرا حصہ صحیح البخاری، الإیمان، باب حب الرسول من الإیمان، حدیث: 15 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہے اور [وَالِدِهِ] تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے۔ [2] صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب: کیف کانت یمین النبی ﷺ؟ حدیث: 6632 عن عبدالله بن هشام رضی اللہ عنہ. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى ...... ﴾ (الأحزاب 33:6)، حدیث: 4781 .

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى

اور (اے نبی! یاد کریں) جب ہم نے تمام نبیوں سے ان کا عہد لیا، اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ

ابۡنِ مَرۡيَمَ ۖ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ۝7 لِّيَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِيۡنَ عَنۡ صِدۡقِهِمۡ ۚ

ابن مریم سے بھی، اور ان سے ہم نے پختہ عہد لیا⑦ تاکہ اللہ سچوں سے ان کی سچائی کے متعلق پوچھے، اور اس نے کافروں

1 ع 8 17 وَاَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۝8 ع

کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے⑧

اس حدیث کو (ان الفاظ کے ساتھ) امام بخاری نے روایت کیا ہے (جبکہ صحیح مسلم میں ان سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔)[1] نیز انھوں نے اسے کتاب التفسیر کے علاوہ کتاب الاستقراض میں بھی بیان فرمایا ہے۔[2]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن امت کی مائیں ہیں: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ ﴾ ''اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔'' یعنی حرمت واحترام، عزت واکرام اور تعظیم کے اعتبار سے لیکن ان کے ساتھ خلوت جائز نہیں ہے اور اس بات پر بھی اجماعِ امت ہے کہ ازواج مطہرات کے مائیں ہونے کے باوجود ان کی بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ ''اور رشتے دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حق دار ہیں۔'' کتاب اللہ سے یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے۔ ﴿ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ ﴾ ''مومنوں اور مہاجرین سے۔'' یعنی مہاجرین وانصار کی نسبت رشتے دار وراثت کے زیادہ حق دار ہیں۔ پہلے حلف اور مواخات کی صورت میں وراثت کا جو حق حاصل تھا، اس آیت کریمہ نے اسے منسوخ کر دیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمۂ تفسیر نے بیان فرمایا ہے کہ اس اخوت کی وجہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین قائم فرمادی تھی، مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث قرار پاتا تھا اور قریبی رشتے داروں کو وارث نہیں سمجھا جاتا تھا۔ سعید بن جبیر اور دیگر بہت سے ائمۂ سلف وخلف کا بھی یہی قول ہے۔[3]

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ ﴾ ''مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو۔'' یعنی وراثت تو ختم ہوگئی۔ ہاں، البتہ دوستوں کی مدد، ان سے نیکی، میل ملاپ، احسان اور ان کے حق میں وصیت اب بھی کی جاسکتی ہے۔ ﴿ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ۝6 ﴾ ''یہ (حکم) کتاب (قرآن) میں لکھ دیا گیا ہے۔'' یعنی یہ حکم کہ رشتے دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا حکم ہے جو مقدر ہے اور اس کتاب اول میں لکھا ہوا ہے جس میں کوئی

① صحيح مسلم، الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، حديث:1619 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ② صحيح البخاري، الاستقراض، باب الصلاة على من ترك دينا، حديث:2399 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ③ صحيح البخاري، الكفالة، باب قول الله عزوجل: [وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُم نَصِيبَهُمْ]، حديث :2292 و المنتقى لابن الجارود، باب ماجاء في المواريث، ص:318، حديث:953.

تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، یہ امام مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر کا قول ہے۔[1] گو اللہ تعالیٰ نے حکمت بالغہ کے تحت ایک وقت اس کے برعکس حکم کو بھی مشروع کر دیا تھا اور اسے معلوم تھا کہ وہ ایک وقت اس حکم کو منسوخ قرار دے کر اسے اپنی ازلی تقدیر اور قدری وشرعی قضا کے مطابق کر دے گا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:8,7

انبیائے کرام سے عہد و پیمان: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے پانچوں اولوالعزم اور دیگر تمام انبیائے کرام سے بھی یہ پختہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کریں گے، اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیں گے اور اس کے آخری پیغمبر کی نصرت وحمایت کریں گے اور ان کے ساتھ تعاون کریں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ﴾ (ال عمرٰن 3:81) ’’اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا، اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا۔ انھوں نے کہا: (ہاں) ہم نے اقرار کیا، اللہ نے فرمایا کہ تم اس عہد و پیمان کے گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔‘‘ رسولوں کو مبعوث فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد و میثاق لیا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد بھی لیا ہے جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے اور ان میں سے ان پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، ان اولوالعزم پیغمبروں کا درج ذیل آیت کریمہ میں بھی ذکر ہے: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ ﴾ (الشوریٰ 42:13) ’’اس نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (اور وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔‘‘ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے طرفین اور وسط کا ذکر فرمایا، یعنی سلسلۂ رسالت کے فاتح نوح (جن سے رسالت کی ابتدا ہوئی) کا اور سلسلۂ رسالت کے خاتم محمد ﷺ اور ان کا جوان دونوں کے درمیان بالترتیب گزرے ہیں (ابراہیم، پھر ان کے بعد موسیٰ اور پھر ان کے بعد عیسیٰ) اور یہ وہ وصیت تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے کرام سے عہد و میثاق لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ ’’اور جب ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔‘‘ اس آیت کریمہ کا آغاز خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے ذکر سے فرمایا کیونکہ آپ کو دیگر

[1] تفسیر الطبری: 151,150/21.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر

رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ⑨ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ

بھیجے جنھیں تم نے دیکھا نہیں، اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے⑨ جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور تمھارے نیچے

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

(کی طرف) سے چڑھ آئے، اور جب آنکھیں (خوف و ہراس کی وجہ سے اصل جگہ سے) ہٹ گئیں، اور کلیجے حلقوں کو پہنچ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں

الظُّنُوْنَا ⑩

طرح طرح کے گمان کرنے لگے⑩

تمام انبیائے کرام پر شرف وفضل حاصل ہے، پھر باقی انبیائے کرام کا ان کی ترتیب وجودی کے مطابق ذکر فرمایا صَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْھِمْ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میثاق کے معنی پختہ عہد و پیمان کے ہیں۔[1]

﴿ لِيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ﴾ ''تاکہ سچ کہنے والوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے۔'' مجاہد فرماتے ہیں: ان لوگوں سے جو رسولوں کی طرف سے آگے پہنچانے والے ہیں۔[2] اور فرمایا: ﴿ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور اس نے کافروں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی مختلف امتوں کے کافروں کے لیے، ﴿ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑧ ﴾ یعنی دردناک عذاب، مگر ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دیا تھا، اپنی امتوں کی ہمدردی و خیر خواہی کی تھی اور انھوں نے ان کے سامنے اس واضح اور روشن حق کو کھول کھول کر بیان فرما دیا تھا جس میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ گو جاہلوں، دشمنوں، دین سے خارج ہو جانے والوں اور ظالموں نے ان کی تکذیب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے جس دین کو پیش فرمایا وہ حق تھا اور جنھوں نے ان کی مخالفت کی وہ گمراہی وضلالت پر تھے جیسا کہ اہل جنت کہیں گے: ﴿ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ ﴾ (الأعراف 43:7) ''البتہ تحقیق ہمارے پروردگار کے رسول حق سچ لے کر آئے تھے۔''

تفسیر آیات: 10,9

غزوۂ احزاب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر اپنی نعمت اور اپنے فضل و کرم کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان کے ان دشمنوں کو دور ہٹا کر انھیں شکست فاش دی جو مختلف جماعتوں کی صورت میں ان پر حملہ آور ہوئے تھے اور یہ غزوۂ خندق کی بات ہے اور صحیح اور مشہور قول کے مطابق یہ غزوہ شوال 5 ہجری میں ہوا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ 4 ہجری میں ہوا تھا۔[3] ان سب جماعتوں کا مل کر مدینے پر حملہ آور ہونے کا سبب یہ تھا کہ یہودی قبیلے بنو نضیر کے وہ سردار جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا، ان میں سے سلّام بن ابی الحُقَیق، سلّام بن مِشْکَم اور کنانہ بن ربیع مکہ جا کر سردارانِ

① تفسیر الطبری: 152/21. ② تفسیر الطبری: 152/21. ③ صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الأحزاب……، قبل الحدیث: 4097.

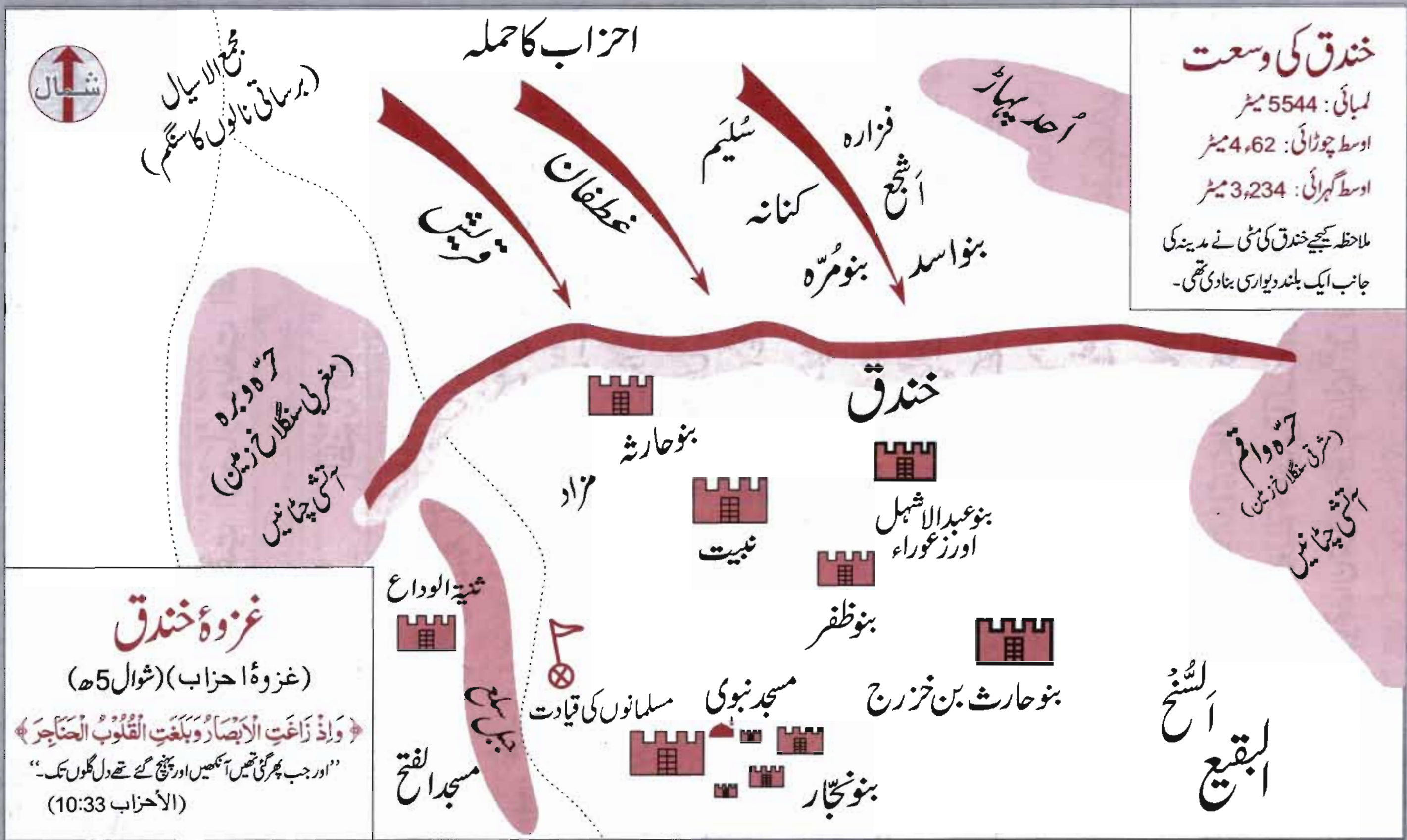
شمال
مجمع الاسیال
(برساتی نالوں کا سنگم)
احزاب کا حملہ
قریش
غطفان
سُلیم
کنانہ
فزارہ
اَشجع
بنو مُرّہ
بنو اسد
اُحد پہاڑ
خندق کی وسعت
لمبائی: 5544 میٹر
اوسط چوڑائی: 4,62 میٹر
اوسط گہرائی: 3,234 میٹر
ملاحظہ کیجیے خندق کی مٹی نے مدینہ کی جانب ایک بلند دیوار سی بنادی تھی۔
حرّہ وبرہ
(مغربی سنگلاخ زمین)
آتشی چٹانیں
خندق
حرّہ واقم
(شرقی سنگلاخ زمین)
آتشی چٹانیں
بنو حارثہ
مزاد
نبیت
بنو عبدالاشہل
اور زعوراء
بنو ظفر
بنو حارث بن خزرج
ثنیۃ الوداع
جبل سلع
مسجد الفتح
مسلمانوں کی قیادت
مسجد نبوی
بنو نجّار
اَلسُّنح
البقیع
غزوۂ خندق
(غزوۂ احزاب)(شوال 5ھ)
﴿ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ ﴾
''اور جب پھرگئی تھیں آنکھیں اور پہنچ گئے تھے دل گلوں تک۔''
(الأحزاب 10:33)

قریش سے ملے اور انھیں نبیٔ اکرم ﷺ سے جنگ کرنے پر اکسایا اور اپنی طرف سے نصرت و اعانت کا پورا پورا وعدہ کیا، سردارانِ قریش نے ان کی بات کو قبول کر لیا، پھر وہ لوگ بنوغطفان کی طرف گئے، ان سے بھی یہی بات کہی اور وہ بھی مان گئے، سب نے مدینہ پر چڑھائی کا پروگرام بنالیا، قریش اپنے لاؤ لشکر سمیت نکلے، اس وقت ابوسفیان صخر بن حرب ان کا قائد تھا اور بنوغطفان کا سربراہ عیینہ بن حصن بن بدر تھا۔[1] اور مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے والے ان تمام لوگوں کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی، رسول اللہ ﷺ کو جب ان کی آمد کے بارے میں معلوم ہوا، تو آپ نے مدینہ کے گرد مشرقی جانب خندق کھودنے کا حکم دے دیا، جس کا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا، مسلمانوں نے خوب محنت و کوشش کے ساتھ خندق کھودی، خندق کھودنے اور اس کی مٹی منتقل کرنے میں رسول اللہ ﷺ بھی صحابۂ کرام کے ساتھ شامل تھے، خندق کھودنے کے دوران میں بھی بہت سی روشن نشانیوں اور واضح معجزات کا ظہور ہوا۔

مشرکین نے آکر احد پہاڑ کے قریب مدینہ کی مشرقی جانب پڑاؤ ڈال دیا اور ان میں سے کچھ جماعتوں نے مدینہ کے بالائی جانب بھی ڈیرے ڈال دیے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: ﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ ''جب وہ تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے کی طرف سے تم پر (چڑھ) آئے۔'' رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ جو مسلمان تھے وہ ان لوگوں کے مقابلے کے لیے نکلے، اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار اور دوسرے قول کے مطابق تین ہزار سات سو تھی، انھوں نے اپنی پشت کوہ سِلع کی طرف کی اور چہرے دشمن کی طرف تھے، خندق کھودی ہوئی تھی لیکن اس میں پانی نہ تھا، البتہ پیادہ اور سوار لوگوں کے لیے رکاوٹ تھی۔ عورتوں اور بچوں کو مدینہ میں قلعوں اور بلند گھروں میں رکھا گیا تھا۔ یہود کے ایک قبیلے بنوقریظہ کا قلعہ مدینہ کی مشرقی جانب تھا اور انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے معاہدہ کر رکھا تھا اور اس قبیلے میں آٹھ سو کے قریب جنگجو تھے، بنونضیر کا سربراہ حُیَی بن اخطب ان کے پاس گیا اور وہ انھیں مسلسل اکساتا رہا حتی کہ انھوں نے معاہدہ توڑ دیا اور یہ بھی رسول ﷺ کے خلاف لڑائی کے لیے آنے والی جماعتوں میں شامل ہو گئے جس کی وجہ سے مصیبت میں اضافہ ہو گیا، معاملہ شدید ہو گیا اور صورت حال بہت سنگین ہو گئی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی بیان فرمایا ہے: ﴿ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ ﴾ ''وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔''

ان جماعتوں نے قریباً ایک ماہ تک نبیٔ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کا محاصرہ کیے رکھا لیکن مسلمانوں تک پہنچ نہ سکے اور نہ ہی لڑائی ہوئی، البتہ عمرو بن عبدودّ العامری، جو زمانۂ جاہلیت کے بہت بہادروں اور شہسواروں میں سے تھا، چند گھڑسواروں کے ساتھ خندق عبور کر کے مسلمانوں کی ایک طرف پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے گھڑسواروں کو پکارا، کہا جاتا ہے کہ کوئی بھی مبارزت کے لیے نہ نکلا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو وہ اس کے مقابلے میں نکلے، دونوں نے کچھ وقت تک ایک دوسرے کا مقابلہ کیا اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عبدودّ

[1] دیکھیے عون المعبود، الخراج والفيء والإمارة، باب في خبر النضير، تحت الحديث: 3005,3004 .

کو قتل کر دیا اور اس کا قتل ہونا مسلمانوں کی فتح و نصرت کی علامت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ان جماعتوں پر بہت زبردست اور تیز آندھی بھیج دی حتی کہ ان کا خیمہ بچا نہ کوئی اور چیز، آگ جلا سکتے تھے اور نہ قرار ہی پکڑ سکتے تھے اور بالآخر خائب و خاسر ہو کر بھاگ جانے پر مجبور ہو گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا ﴾ ''مومنو! اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو (جو اس نے تم پر اس وقت کی) جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو چڑھ) آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ یہ بادِ صبا تھی۔[1] اور اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا: [نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ] ''میری باد صبا کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور عاد کو دبور (مغربی ہوا) کے ذریعے سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔''[2]

اور فرمایا: ﴿ وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ ''اور (ایسے) لشکر (نازل کیے) جن کو تم نے نہیں دیکھا۔'' ان سے مراد فرشتے ہیں جنھوں نے کافروں کے پاؤں کو ڈگمگا دیا اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا، ہر قبیلے کا سردار چلانے لگا: اے بنی فلاں! میری طرف آؤ، وہ اس کے پاس جمع ہوتے تو وہ کہتا کہ بھاگ چلو، بھاگ چلو، اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ابراہیم تیمی سے روایت کیا ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے پاس تھے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیتا تو آپ کے ساتھ مل کر خوب جہاد کرتا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم ایسا کرتے۔ ہم احزاب کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہمیں بہت تیز آندھی اور سخت سردی نے آلیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَا رَجُلٌ يَّأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ، جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟] ''کیا کوئی شخص ہے جو دشمن کی خبر میرے پاس لائے (اور اس قربانی کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت میرا ساتھ نصیب فرمائے گا؟'' تو ہم خاموش رہے ہم میں سے کسی نے آپ کو جواب نہ دیا، آپ نے پھر فرمایا: [أَلَا رَجُلٌ يَّأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ، جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟] ''کیا کوئی شخص ہے جو دشمن کی خبر میرے پاس لائے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو میرا ساتھ نصیب فرمائے گا۔'' تو ہم خاموش رہے، ہم میں سے کسی نے آپ کو جواب نہ دیا، آپ نے پھر فرمایا: [أَلَا رَجُلٌ يَّأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ، جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟] ''کیا کوئی شخص ہے جو دشمن کی خبر ہمارے پاس لائے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو میرا ساتھ نصیب فرمائے گا۔'' پس ہم خاموش رہے ہم میں سے کسی نے آپ کو جواب نہ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قُمْ يَا حُذَيْفَةُ! فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ] ''اے حذیفہ! اٹھو اور ہمارے پاس

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 3117، 3116/9. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في قوله: [وهو الذي يرسل الرياح نشرا بين يدي رحمته]، حديث: 3205 وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب في ريح الصبا والدبور، حديث: 900 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. یاد رہے کہ [نُشْرًا] ابوعبیدہ، ابوعمرو اور اہل حرمین کی قراءت میں ہے۔

دشمن کی خبر لاؤ۔'' جب آپ نے میرا نام لے کر مجھے حکم دیا تو اب اٹھنے کے سوا چارہ نہ تھا، آپ نے فرمایا: [اِذْهَبْ، فَأْتِنِی بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَیَّ] ''جاؤ میرے پاس دشمن کی خبر لاؤ لیکن انھیں مجھ سے نہ ڈراؤ۔'' حضرت حذیفہ نے بیان کیا کہ پھر جب میں اس حکم کے بعد روانہ ہو گیا اور اس طرح جا رہا تھا گویا میں حمام میں چل رہا ہوں حتی کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا تو میں نے دیکھا کہ ابوسفیان آگ کی طرف پشت کر کے آگ تاپ رہا ہے، میں نے کمان میں تیر کسا، پھر میں نے ارادہ کیا کہ اسے تیر مار دوں مگر مجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد آ گیا: [لَا تَذْعَرْهُمْ عَلَیَّ] ''کہ انھیں مجھ سے نہ ڈراؤ۔'' اگر میں تیر مار دیتا تو تیر نشانے پر لگتا مگر میں اسی طرح چلتے ہوئے واپس آ گیا گویا میں حمام میں چل رہا ہوں اور اس طرح میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا مگر جب میں اپنے کام سے فارغ ہو کر اپنے ٹھکانے پر واپس آیا تو مجھے بہت سردی لگنے لگ گئی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی اس مبارک عَبا کا کچھ حصہ مجھے بھی اوڑھا دیا جسے آپ نے زیب تن فرما رکھا تھا اور جس میں آپ نماز ادا فرمایا کرتے تھے، میں اسے اوڑھے ہوئے صبح تک سویا رہا اور جب صبح ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قُمْ، یَا نَوْمَانُ!] ''اے بہت سونے والے! اٹھو۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ ''جب وہ تمھارے اوپر سے آئے۔'' یعنی ان جماعتوں کے لوگ۔ ﴿ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ ''اور تمھارے نیچے کی طرف سے (تم پر چڑھ آئے۔)'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ اس سے مراد بنوقریظہ ہیں۔ ﴿ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ﴾ ''اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے۔'' یعنی خوف اور گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے، ﴿ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ ﴾ ''اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔'' ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کے بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مومن گردشِ زمانہ میں آ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا کرے گا۔ امام محمد بن اسحاق نے اس آیت کریمہ کے تحت کہا ہے کہ مومن ہر طرح کے گمان میں مبتلا ہو گئے اور نفاق پھوٹ پڑا تھا حتی کہ بنوعمرو بن عوف کے ایک شخص مُعَتِّب بن قُشیر نے یہاں تک کہہ دیا کہ محمد ﷺ ہم سے وعدہ کیا کرتے تھے کہ ہم کسریٰ و قیصر کے خزانوں کو کھائیں گے مگر اب صورت حال یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی رفع حاجت کے لیے بھی باہر نہیں جا سکتا۔[2]

امام حسن بصری نے ﴿ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ ﴾ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ لوگ مختلف گمانوں میں مبتلا ہو گئے۔ منافقوں نے گمان کیا کہ اب محمد ﷺ اور صحابۂ کرام کا نام و نشان مٹ جائے گا جبکہ مومنوں کو یہ یقین کامل تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے وعدے سچے ہیں، اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام ادیان پر ضرور غلبہ عطا فرمائے گا، خواہ مشرکین اسے پسند نہ کریں۔[3]

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے خندق کے دن کہا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی دعا ہے

---

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب غزوة الأحزاب، حدیث:1788 . [2] السیرة النبویة لابن هشام، من اجتمع إلی یهود من منافقی الأنصار: 522/2 . [3] تفسیر الطبری: 159/21 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3119/9.

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ

وہاں مومن آزمائے گئے اور شدت سے ہلا مارے گئے ⑪ اور جب منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

نے ہم سے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکے فریب کا⑫ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہل یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) کوئی

يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ

قیام گاہ نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو، اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا، وہ کہتے تھے: بے شک ہمارے گھر کھلے پڑے (غیر محفوظ) ہیں،

اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬

حالانکہ وہ کھلے (غیر محفوظ) نہیں تھے، وہ تو صرف (جنگ سے) فرار چاہتے تھے⑬

جسے ہم مانگیں، یقیناً دل گلوں تک پہنچ گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، یہ دعا کرو: [اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَّوْعَاتِنَا] ''اے اللہ! تو ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمارے ڈر اور خوف کو امن سے بدل دے۔''[1] راوی کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد آپ کے دشمنوں کے چہروں پر ہوا کے تھپیڑے لگنے لگے اور انھیں زنّاٹے کی آندھی سے شکست دے دی گئی۔ اور اسی طرح اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے ابو عامر عقدی سے بھی بیان کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 11-13

غزوۂ احزاب میں مومنوں کی آزمائش اور منافقوں کی باتیں: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس حالت کو بیان فرمایا ہے جب بہت سی جماعتوں نے مدینہ کے گرد پڑاؤ ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے مسلمان حد درجہ مشکل اور تنگی میں گھر گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی انھی کے ساتھ تھے۔ بہر حال مسلمانوں کی بہت سخت آزمائش ہوئی اور وہ سخت طور پر ہلائے گئے، اس وقت نفاق بھی ظاہر ہو گیا اور جن لوگوں میں نفاق کا مرض تھا ان کے دل کی باتیں ان کی زبانوں پر آ گئیں: ﴿ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ ﴾ ''اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔'' اس وقت منافق کا نفاق ظاہر ہو گیا اور جس کے دل میں شک و شبہ تھا اس کا حال پتلا ہو گیا اور ایمان کی کمزوری اور صورت حال کی تنگی اور شدت کے باعث ان کے دلوں میں آنے والے وسوسے زبانوں پر آ گئے، ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جن کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

﴿ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ ﴾ ''اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہل یثرب۔''

یثرب سے مدینہ مراد ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [قَدْ أُرِيتُ (فِي الْمَنَامِ) دَارَ هِجْرَتِكُمْ رَأَيْتُ سَبْخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ]، [فَذَهَبَ وَهَلِي......أَنَّهَا......هَجَرُ فَإِذَاهِيَ......يَثْرِبُ] ''تحقیق خواب میں مجھے تمھارا دار ہجرت

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3117,3116/9 یہ حدیث شواہد کی بنا پر صحیح ہے، دیکھیے السلسلة الصحيحة: 30,29/5، حدیث: 2018. ② مسند أحمد: 3/3 عن أبي سعيد رضي الله عنه.

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ

اور اگر اس (مدینہ) کے اطراف سے ان پر (کفار کے) لشکر داخل کیے جاتے، پھر ان سے فتنہ وفساد (خانہ جنگی یا شرک) کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ

اِلَّا يَسِيْرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

(فوراً) اس میں کود پڑتے، اور اس (شرکت فتنہ) میں بس تھوڑا ہی توقف کرتے ⑭ اور بلاشبہ اس سے پہلے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں

مَسْـُٔوْلًا ⑮ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ

پھیریں گے، اور اللہ کے عہد کی پوچھ گچھ تو ہونی ہے ⑮ آپ کہہ دیجیے: اگر تم موت سے یا قتل ہونے سے بھاگو تو تمھارا بھاگنا تمھیں ہرگز نفع نہیں دے

اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ

گا، اور تب تم بہت کم فائدہ اٹھاؤ گے ⑯ کہہ دیجیے: کون ہے جو تمھیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمھارے ساتھ کسی سختی کا ارادہ کرے یا وہ تم پر رحمت کا ارادہ

رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰

کرے؟ اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار ⑰

دکھایا گیا، میں نے دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان کھجوروں والی شوریلی زمین دیکھی تو مجھے خیال ہوا...... کہ یہ...... ہجر کی زمین ہے، سو یہ تو یثرب تھا۔‘‘[1] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ [فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ] ’’سو یہ تو مدینہ تھا۔‘‘[2]

یثرب کی وجہ تسمیہ اور مختلف نام: بیان کیا جاتا ہے کہ یثرب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ نام عمالقہ کے ایک ایسے شخص کی وجہ سے ہے جس نے یہاں پڑاؤ ڈالا تھا اور اس کا نام یثرب بن عَبِیل بن مَہلاَ ئِیل بن عَوص بن عِملاق بن لاوَذ بن ارم بن سام بن نوح بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سہیلی کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم سے مروی ہے کہ اس شہر کے تورات میں گیارہ نام مذکور ہیں: (1) مدینہ (2) طابہ (3) طیبہ (4) مسکینہ (5) جابرہ (6) محبہ (7) مُحبُوبہ (8) قاصِمہ (9) مَجبُورہ (10) عَذراء (11) مَرحومہ۔

اور فرمایا: ﴿لَا مُقَامَ لَكُمْ﴾ ’’یہاں تمھارے ٹھہرنے کا مقام نہیں۔‘‘ یعنی نبی ﷺ کے پاس مورچوں میں تمھارے ٹھہرنے کا مقام نہیں ہے۔ ﴿فَارْجِعُوْا﴾ ’’تو لوٹ چلو۔‘‘ اپنے گھروں اور مقامات کی طرف۔ ﴿وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ﴾ ’’اور ایک گروہ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگنے لگا۔‘‘ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد بنو حارثہ ہیں جنھوں نے کہا کہ ہمیں اپنے گھروں کے بارے میں چوروں کا ڈر ہے۔[3] دیگر کئی ایک اہل علم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ بات اوس بن قیظی (اور اس کی قوم) نے کہی تھی۔[4] یعنی انھوں نے اپنے گھروں کو واپس جانے کے لیے یہ عذر پیش کیا کہ ان کے گھر کھلے پڑے ہیں، وہاں کوئی نہیں جو دشمن سے ان کی حفاظت کر سکے، لہٰذا انھیں

---

[1] پہلا حصہ صحیح البخاري، الکفالة، باب جوار أبي بکر في عهد رسول اللهﷺ وعقده، حدیث: 2297 عن عائشةؓ جبکہ توسین والا لفظ السنن الکبرٰی للنسائي، التعبیر: 390,389/4، حدیث: 7650 عن أبي موسٰیؓ میں ہے اور دوسرا حصہ السنن الکبرٰی للنسائي، التعبیر: 390,389/4 عن أبي موسٰیؓ کے مطابق ہے۔ [2] السنن الکبرٰی للنسائي، التعبیر: 390/4، حدیث: 7650 عن أبي موسٰیؓ۔ [3] تفسیر الطبري: 164/21۔ [4] تفسیر الطبري: 164/21۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَاۚ وَلَا يَاْتُوْنَ

بے شک اللہ انھیں جانتا ہے جو تم میں سے (جہاد میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور انھیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہمارے پاس آجاؤ، اور وہ

الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑱ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ

جنگ میں کم ہی آتے ہیں ⑱ اس حال میں کہ وہ تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں، چنانچہ جب خوف (کا وقت) آئے تو آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ

تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ

آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، ان کی آنکھیں (اس طرح) گھومتی ہیں جیسے وہ شخص جس پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب خطرہ دور ہو جائے تو مال

بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ

(غنیمت) کے انتہائی حریص بن کر تیز زبانوں کے ساتھ تمھارے بارے میں زبان درازی کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں، تو اللہ نے ان

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ⑲

کے اعمال ضائع کر دیے، اور یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے ⑲

دشمنوں کا ڈر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ ﴾ ''حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے۔'' جس طرح یہ کہتے تھے، ﴿ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬ ﴾ ''وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔'' یعنی میدان جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

تفسیر آیات: 17-14

منافقوں کی بہانے خوریاں: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ ﴿ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴾ (الأحزاب 33:13) ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے، وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے کہ اگر دشمن ان پر مدینہ کی ہر جانب اور ہر علاقے سے آداخل ہوں، پھر ان سے فتنے کے لیے کہا جائے، یعنی کفر میں داخل ہونے کے لیے تو وہ بہت جلد کفر میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ یہ ایمان کی حفاظت نہیں کرتے، معمولی سا خوف اور گھبراہٹ ہو تو اس (ایمان) سے وابستگی کو ترک کر دیں گے۔ امام قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید اور ابن جریر نے اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے۔[1] اور یہ ان منافقین کی حد درجہ مذمت ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ اقرار کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور نہ میدان جنگ سے بھاگیں گے۔ ﴿ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ⑮ ﴾ ''اور اللہ سے (جو) اقرار کیا جاتا ہے، اس کی پرسش ہوگی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے اس عہد و اقرار کے بارے میں ضرور پرسش فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کا فرار ہونا ان کی موت کو ٹال نہیں سکتا اور نہ ان کی عمر کو طول دے سکتا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کا میدان سے فرار ہونا ان کی جلد اور اچانک پکڑ کا سبب بن جائے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ ﴾ ''اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ دیے جاؤ گے۔'' یعنی فرار کے بعد بھی۔ ﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ﴾ (النسآء 4:77) ''کہہ دیں کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کے لیے (نجاتِ) آخرت ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ

[1] تفسير الطبري: 165/21.

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي

وہ سمجھتے ہیں کہ (ابھی تک) لشکر گئے نہیں، اور اگر یہ لشکر چڑھ آئیں تو وہ تمنا کرتے ہیں کاش! وہ صحرا نشین دیہاتیوں میں جا بسے ہوتے اور (وہاں) تمھاری

الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝20 ع 2/12/18

خبریں دریافت کیا کرتے، اور اگر وہ تم میں موجود ہوتے تو وہ (دشمن سے) لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے ⑳

﴿يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اگر اللہ تمھارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے یا اگر تم پر مہربانی کرنا چاہے (تو کون اس کو ہٹا سکتا ہے) اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو نہ اپنا دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔'' ان کے لیے اور نہ دوسروں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بچانے والا ہے اور نہ فریاد سننے والا۔

تفسیر آیات: 19,18

لالچی لوگ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو میدان جنگ میں جانے سے دوسروں کو روکتے اور اپنے ساتھیوں، رشتے داروں اور دوستوں سے کہتے ہیں: ﴿هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ﴾ ''ہمارے پاس چلے آؤ۔'' یعنی جس طرح سایوں اور پھلوں میں ہم رہ رہے ہیں، تم بھی اس طرح رہو سہو اور جنگ میں شرکت نہ کرو اور یہ لوگ ﴿وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑱ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ﴾ ''لڑائی میں نہیں آتے مگر کم (یہ اس لیے کہ) تمھارے بارے میں بخل کرتے ہیں۔'' یعنی تمھارے ساتھ محبت و شفقت میں بخل کرتے ہیں اور بقول سُدّی مال غنیمت میں بخل سے کام لیتے ہیں۔[1] ﴿فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ﴾ ''پھر جب ڈر (کا وقت) آئے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (اسی طرح) پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آ رہی ہو۔'' یعنی خوف اور گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے جیسے یہ حال ہوتا ہے، ان بزدلوں کا جنگ کے خوف کی وجہ سے یہی حال ہے، ﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾ ''پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں سے تمھارے بارے میں زبان درازی کریں۔'' یعنی جب امن کی حالت ہوتی ہے تو بہت فصیح و بلیغ اور اونچی باتیں کرتے ہیں اور شجاعت و جواں مردی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، حالانکہ ان کی یہ ساری باتیں جھوٹی ہوتی ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿سَلَقُوْكُمْ﴾ کے معنی بیان کیے ہیں کہ وہ تمھارا استقبال کریں گے۔[2] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ غنیمت کے وقت یہ لوگ حد درجہ بزدل اور اس کی تقسیم کے اعتبار سے یہ بہت برے ثابت ہوتے ہیں اور مسلسل کہتے رہتے ہیں کہ ہمیں دو، ہمیں دو، ہم بھی تمھارے ساتھ جنگ میں شریک تھے لیکن جنگ کے وقت یہ لوگ سب سے زیادہ بزدل اور حق کو سب سے زیادہ نیچا دکھانے والے ثابت ہوتے ہیں۔[3] اور اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ خیر و بھلائی کے بارے میں حد درجہ بخیل ہیں، یعنی ان میں کوئی خیر نہیں کیونکہ یہ

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3121/9. ② تفسیر الطبری: 170/21. ③ تفسیر الطبری: 170/21.

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ

البتہ تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے، اور

كَثِیْرًا ﴿21﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ

کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے﴿21﴾ اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ﴿22﴾

کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس (چیز) نے ان کے ایمان اور فرماں برداری کو اور زیادہ کر دیا﴿22﴾

بزدل ہیں اور جھوٹے بھی اور ان میں کوئی خیر و بھلائی بھی نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿19﴾ ﴾ ”یہ لوگ (حقیقت میں) ایمان لائے ہی نہ تھے تو اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیے اور یہ اللہ پر بہت آسان تھا۔“

تفسیر آیت: 20

بزدلی کی انتہا: بزدلی و دُوں ہمتی اور خوف کی قبیح صفات ہی کے قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ ﴿ یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا ۚ ﴾ ”وہ خیال کرتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں۔“ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کے قریب ہی ہیں، اور وہ دوبارہ آرہے ہیں: ﴿ وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ ﴾ ”اور اگر لشکر آجائیں تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش! گنواروں میں جا رہیں (اور) تمھاری خبریں پوچھا کریں۔“ یعنی یہ چاہتے ہیں کہ جب فوجیں حملہ آور ہوں تو یہ تمھارے ساتھ مدینہ میں موجود ہی نہ ہوں بلکہ جنگل میں جا بسیں اور وہاں سے تمھارے بارے میں یہ معلوم کرتے رہیں کہ دشمن کے ساتھ تمھاری جنگ کیسی رہی۔ ﴿ وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا ﴿20﴾ ﴾ ”اور اگر تمھارے درمیان ہوں تو لڑائی نہ کریں مگر بہت ہی کم۔“ یعنی اگر یہ تمھارے درمیان موجود ہوں تو بزدلی و دُوں ہمتی کی کثرت اور یقین کی کمزوری کی وجہ سے لڑائی میں بہت کم شرکت کریں گے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ان منافقین کا خوب علم ہے۔

تفسیر آیات: 22,21

اتباع رسول کا حکم: یہ آیت کریمہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اپنے اقوال، افعال، احوال اور ہر اعتبار سے اسوۂ حسنہ ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے صبر و ثبات، عزیمت و استقامت، جہاد اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کے انتظار کو اپنے لیے نمونۂ عمل قرار دیں ــ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَیْهِ دَائِمًا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ــ جنگ احزاب کے موقع پر قلق و اضطراب اور خوف و گھبراہٹ کا اظہار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ ”بے شک رسول اللہ (کی زندگی) میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔“ یعنی تم نے آپ کی پیروی کیوں نہ کی اور آپ کے شمائل و عادات کو اپنے لیے اُسوہ کیوں نہ قرار دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿21﴾ ﴾ ”اس شخص کے لیے جسے اللہ (سے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ

مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے)، اور

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿23﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ

ان میں سے بعض منتظر ہیں، اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ﴿23﴾ تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿24﴾ ۚ

دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ یقیناً اللہ بہت مغفرت والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿24﴾

ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔“

احزاب کے دن مومنوں کا موقف: پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ان مومن اور اپنے وعدوں کی تصدیق کرنے والے بندوں کا ذکر فرمایا ہے، دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کو جس نے ان کا مقدر بنا دیا ہے، پس ان کے بارے میں اس نے فرمایا: ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫﴾ ”اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کی مراد درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے تھی: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۗ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○﴾ (البقرة 2:214) ”کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو تم سے پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں۔ ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیے گئے، یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ خبردار! اللہ کی مدد عنقریب (آیا چاہتی) ہے۔“[1] یعنی انھوں نے کہا کہ یہ وہی ابتلا و آزمائش اور امتحان ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہم سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، ﴿وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫﴾ ”اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔“

پھر فرمایا: ﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿22﴾﴾ ”اور اس چیز نے ان کو ایمان اور فرمانبرداری ہی میں زیادہ کیا۔“ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے مختلف حالات کی وجہ سے ان کے ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ جمہور ائمہ کا قول ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ ہم نے صحیح بخاری کی شرح کے آغاز میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿22﴾﴾ ”اور اس نے ان کو ایمان اور اطاعت میں زیادہ کر دیا ہے۔“ یعنی اس حال، اس تنگی اور اس شدت نے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے احکام کی اطاعت میں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری میں مزید بڑھا دیا۔

[1] تفسیر الطبری: 174,173/21.

تفسیر آیات: 24,23

عہد و پیمان کی پاس داری کی وجہ سے مومنوں کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں جب یہ ذکر فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اس عہد و پیمان کو توڑ ڈالا کہ وہ میدان جنگ سے فرار نہیں ہوں گے تو اب اس نے مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کردیا: ﴿ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ﴾ ”جو عہد واقرار انھوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے اپنی نذر کو پورا کرلیا۔“ بعض نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اپنی مقررہ مدت کو پورا کردیا، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی عہد و پیمان کے ہیں، یہ معنی بھی پہلے کی طرف راجع ہے۔[1] ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾ ”اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کررہے ہیں اور انھوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔“ یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو نہ بدلا اور نہ توڑا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ جب ہم نے قرآن مجید کو لکھنا شروع کیا تو میں نے سورۂ احزاب کی ایک آیت کو مفقود پایا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے اور میں اسے آپ سے سنا کرتا تھا۔ یہ آیت کریمہ مجھے صرف خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ملی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ ﴾ ”مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انھوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کردکھایا۔“[2] اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے روایت نہیں کیا، امام احمد رحمہ اللہ نے اسے اپنی مسند میں اور امام ترمذی و نسائی نے اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

اور امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم خیال کرتے تھے کہ یہ آیت کریمہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ ﴾۔[4] اس حدیث کے بیان کرنے میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ متفرد ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے روایت نہیں کیا اور دوسرے طرق سے اس کے کئی شواہد بھی موجود ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ ......﴾ (الأحزاب 23:33)، قبل الحديث : 4783 . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ ......﴾ (الأحزاب23:33)، حديث: 4784. [3] مسند أحمد: 188/5 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3104 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ ﴾: 430/6، حديث: 11401. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ ﴾ (الأحزاب23:33)، حديث: 4783.

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکے تھے اور یہ بات ان پر بہت گراں گزرتی تھی اور وہ کہا کرتے تھے کہ یہ پہلی جنگ تھی جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی تھی مگر میں اس میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا۔ اگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی جنگ میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی تو اللہ عزوجل دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ ڈر گئے کہ اس کے علاوہ کوئی اور بات کہیں، بہر حال وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک ہوئے، میدان جنگ میں ان کی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: اے ابوعمرو! کہاں جا رہے ہو؟ انس (جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی) کہنے لگے: کیا ہی خوب ہے جنت کی خوشبو جو مجھے احد پہاڑ (کی طرف) سے آ رہی ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دشمنوں سے خوب لڑائی کی حتی کہ شہید ہو گئے، شہادت کے بعد ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی (80) سے زیادہ زخم تھے، ان کی بہن اور میری پھوپھی رُبَیِّع بنت نضر نے کہا کہ میں نے اپنے بھائی کو ان کی انگلیوں کے پوروں سے پہچانا تھا، راوی کا بیان ہے کہ صحابۂ کرام یہ خیال کرتے تھے کہ یہ آیت کریمہ انس بن نضر اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے: ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿23﴾ ﴾ ”مومنوں میں کتنے ہی ایسے ہیں کہ جو عہد و اقرار انھوں نے اللہ سے کیا تھا، اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا۔“ [1] اور اسے امام مسلم، امام ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

اور ابن جریر نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [طَلْحَةُ مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ] ”طلحہ بھی ان لوگوں میں سے ہے، جنھوں نے اپنی نذر کو پورا کیا۔“ [3] اسی وجہ سے امام مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ﴾ کے معنی عہد و پیمان کے ہیں۔ [4] ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ ﴾ ”اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں۔“ کسی ایسے دن کا جب لڑائی ہو اور وہ بھی شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائیں۔ [5] اور امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے صدق و وفا کے ساتھ جان دے دی ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس طرح کی موت کا انتظار کر رہے ہیں اور بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا۔ [6] قتادہ اور ابن زید کا قول بھی اسی طرح ہے۔ [7] جبکہ بعض نے ﴿ نَحْبَهٗ ﴾ کے معنی نذر کے کیے ہیں۔ [8]

---

① مسند أحمد: 194/3. ② صحيح مسلم، الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، حديث: 1903 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، حديث: 3200 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ﴾: 430/6، حديث: 11403. ③ تفسير الطبري: 178,177/21 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، حديث: 3202 و سنن ابن ماجه، المقدمة، فضل طلحة بن عبيدالله رضي الله عنه، حديث: 126. ④ تفسير الطبري: 176/21. ⑤ تفسير الطبري: 175/21. ⑥ تفسير الطبري: 176/21. ⑦ تفسير الطبري: 176/21. ⑧ تفسير الطبري: 175/21.

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ

اور (غزوۂ احزاب میں) اللہ نے کافروں کو ان کے (ناکامی کے) غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی نہ پا سکے، اور (اس) لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿25﴾

ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے ﴿25﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿23﴾﴾ ''اور انھوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔'' یعنی انھوں نے اپنے عہد کو نہیں بدلا اور وفا کو غداری سے تبدیل نہیں کیا بلکہ وہ اس عہد پر قائم دائم رہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اور ان منافقوں کی طرح اسے توڑا نہیں جنھوں نے کہا تھا: ﴿اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿13﴾﴾ ''یقیناً ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے، وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔'' اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ﴾ ''حالانکہ پہلے اللہ سے اقرار کر چکے تھے کہ پیٹھیں نہیں پھیریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا (چاہے تو) ان پر مہربانی کرے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کو خوف اور گھبراہٹ کے ساتھ آزمائے گا تاکہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور پاک و ناپاک دونوں کا معاملہ بالفعل ظاہر اور نمایاں ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے لیکن وہ مخلوق کو اپنے علم کی بنیاد پر عذاب نہیں دیتا تاوقتیکہ وہ اس کے مطابق عمل نہ کریں جو وہ ان کے بارے میں جانتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ○﴾ (محمد 31:47) ''اور ہم تم لوگوں کو ضرور آزمائیں گے تاکہ جو تم میں لڑائی کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو معلوم کریں اور تمھارے حالات جانچ لیں۔'' یہ کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے کے بعد اس کا علم ہے، گو اللہ تعالیٰ کو اس کے وقوع پذیر ہونے سے قبل بھی اس کا علم حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ (آل عمرٰن 179:3) ''(لوگو) جب تک اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا اور اللہ تم کو غیب (کی باتوں) سے بھی مطلع نہیں کرے گا۔''

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ ''تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے۔'' اس لیے کہ انھوں نے صبر و ثبات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کیا اور اس کی پوری پوری حفاظت کی۔ ﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ ''اور منافقوں کو عذاب دے۔'' منافقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور اس کے احکام کی مخالفت کی اور اس کی وجہ سے وہ عقاب و عذاب کے مستحق قرار پائے، البتہ دنیا میں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہیں کہ اگر وہ چاہے تو ان کو اپنے انھی اعمال پر برقرار رکھے حتی کہ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے پاس

آئیں گے تو وہ انھیں عذاب دے گا اور اگر وہ چاہے تو ان پر رجوع فرمائے اور ان کی رہنمائی فرمادے کہ وہ نفاق کو ترک کریں اور گناہ اور نافرمانی کو چھوڑ کر ایمان اور عمل صالح کو اختیار فرمالیں اور جبکہ مخلوق پر اللہ کی رحمت و مہربانی اس کے غیض وغضب پر غالب ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تفسیر آیت:25

اللہ تعالیٰ نے فوجیں خائب وخاسر لوٹا دیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے مدینے پر حملہ آور ہونے والی کافروں اور مشرکوں کی جماعتوں کو مدینے سے بھگا دیا اور ان پر زناٹے کی آندھی اور آسمانی لشکروں کو بھیج کر انھیں خائب وخاسر کر دیا، اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث نہ فرمایا ہوتا تو وہ اس آندھی کو اس نامبارک آندھی سے زیادہ مہلک بنا دیتا جسے اس نے قوم عاد کی تباہی و بربادی کے لیے بھیجا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ﴾ (الأنفال 33:8) ''اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک آپ ان میں تھے، انھیں عذاب دیتا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان پر تند و تیز ہوا کو مسلط کر کے ہوس و ہوا کے سبب بننے والے ان کے شیرازے کو منتشر کر دیا، حالانکہ ان کا تعلق مختلف قبائل اور متعدد جماعتوں سے تھا، اس لیے مناسب یہی تھا کہ ان پر ایسی تند و تیز ہوا کو بھیجا جائے جو ان کی جماعتوں کو منتشر کر دے اور غیض و غضب کی آگ میں جلتے ہوئے انھیں خائب و خاسر لوٹا دے اور فتح و غنیمت کی صورت میں انھیں نہ دنیا میں کوئی خیر و بھلائی حاصل ہو اور نہ آخرت میں، آخرت میں تو ان پر ان کے ان تمام گناہوں کا بوجھ لادا جائے گا جو انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی اور آپ کو شہید کر دینے اور آپ کے لشکر کو ختم کر دینے کے ناپاک ارادوں کی صورت میں کیے تھے۔ جو شخص کسی کام کا ارادہ کر لے اور اپنے اس ارادے کو عمل سے سچا کر دے تو وہ درحقیقت اس کام کے کرنے والے ہی کی طرح ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ﴾ ''اور اللہ مومنوں کو لڑائی میں کافی ہوا۔'' یعنی مومنوں کو کافروں کے ساتھ لڑنے اور انھیں دعوت مبارزت دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ہی انھیں ان کے شہر سے بھگا دیا، وہ اکیلا ہی ان کے لیے کافی ثابت ہوا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اپنے لشکر کو عزت و سربلندی عطا فرمائی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَعَزَّ جُنْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ (صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَهَزَمَ) الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ] ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس نے اپنے لشکر کو عزت و سربلندی عطا فرمائی، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا، اس اکیلے نے گروہوں کو شکست دے دی، پس اس کے بعد کوئی شے نہیں ہے۔''[1]

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الأحزاب، حدیث: 4114 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فی الأدعیۃ، حدیث: 2724 عن أبی ھریرۃ ؓ جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، العمرۃ، باب مایقول إذا رجع من الحج......؟ حدیث: 1797 و صحیح مسلم، الحج، باب مایقول إذا رجع من سفر الحج......؟ حدیث: 1344 عن عبداللہ بن عمر ؓ میں ہیں۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کافروں کی مدد کی تھی انھیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم ان (بنوقریظہ)

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿26﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ

کے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے تھے ﴿26﴾ اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے مالوں اور اس زمین کا

تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿27﴾ ع 3/7/19

وارث بنا دیا جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا، اور اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے ﴿27﴾

اسے امام بخاری و مسلم رحمہ اللہ نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ اور صحیحین ہی میں عبداللہ بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان جماعتوں کے بارے میں بددعا کی تھی: [اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اِهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ! اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ] "اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے، جلد حساب لینے والے، جماعتوں کو شکست دے، اے اللہ! انھیں شکست دے دے اور ان کے پاؤں ڈگمگا دے۔"[1]

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ ﴾ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اب مومنوں اور قریش کے مابین جنگ نہیں ہوگی۔ بعد میں فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ مشرکوں نے مومنوں سے جنگ نہیں کی بلکہ مومنوں نے مشرکوں سے ان کے علاقوں میں جا کر جنگ کی تھی جیسا کہ امام احمد نے سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے موقع پر فرمایا تھا: [اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَا] "اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے، وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔"[2] اور اسی طرح اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[3] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿25﴾ ﴾ "اور اللہ بڑا طاقت ور، نہایت زبردست ہے" کہ اس نے اپنی قوت و طاقت کے ساتھ انھیں ناکام و نامراد لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی حاصل نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت اور سربلندی عطا فرمائی، اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا اور اپنے رسول اور عبد محمد ﷺ کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیات: 27,26

غزوۂ بنوقریظہ: قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے[4] کہ جب مختلف جماعتوں اور لشکروں نے حملہ آور ہونے کے لیے مدینہ میں پڑاؤ ڈال دیا تو بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کو توڑ دیا اور یہ حُیَی بن اخطب نضری ملعون کی سفارت کاری کا نتیجہ تھا، وہ ان کے قلعے میں داخل ہو کر ان کے سردار کعب بن اسد کو مسلسل اکساتا رہا حتی کہ اس نے معاہدہ توڑ

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة، حديث: 2933 وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب استحباب الدعاء بالنصر عند لقاء العدو، حديث: 1742 واللفظ له. ② مسند أحمد: 262/4. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، حديث: 4110. ④ دیکھیے الأحزاب، آیات: 10,9 کے ذیل میں، عنوان: "غزوۂ احزاب"

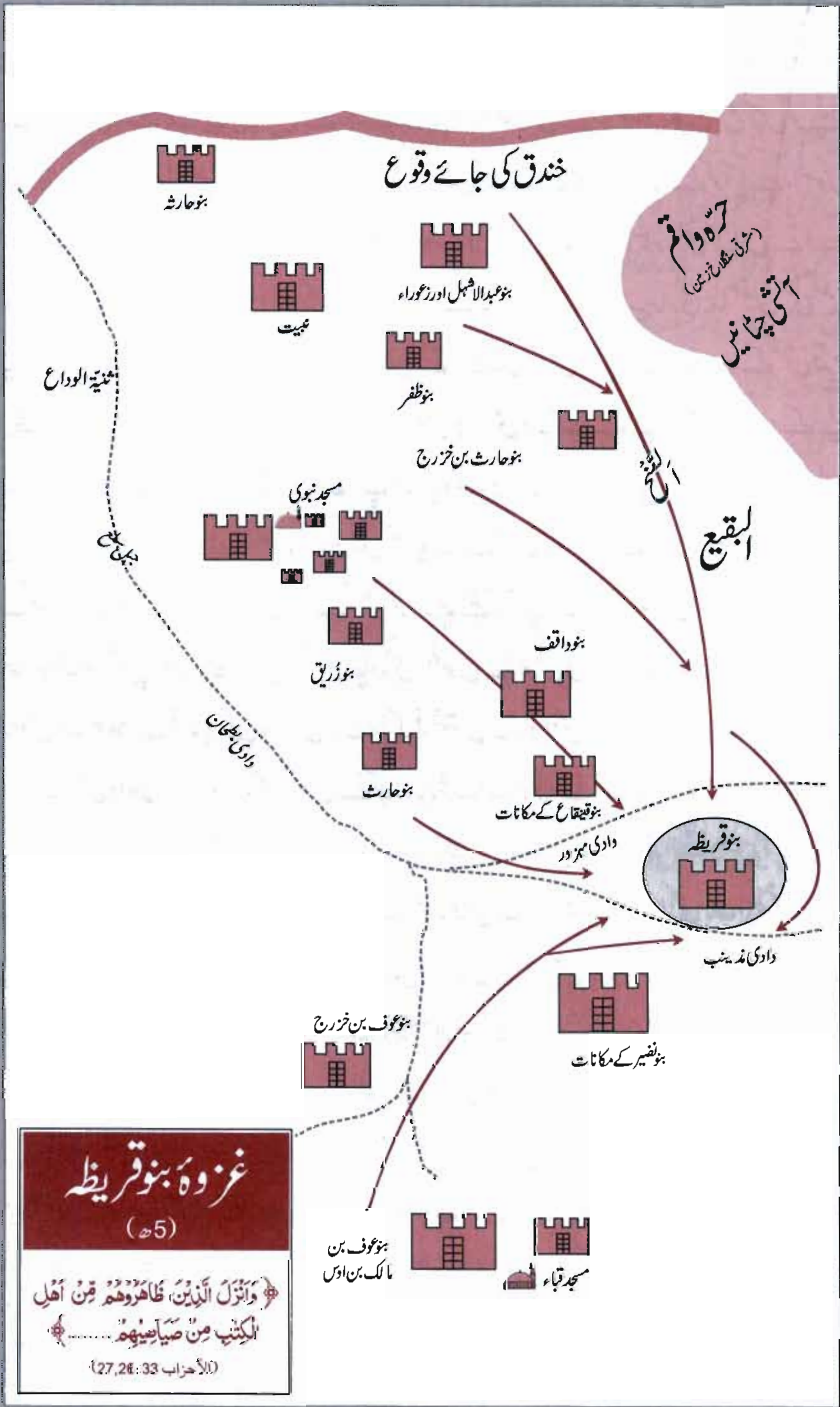
خندق کی جائے وقوع
بنوحارثہ
بنوعبدالاشہل اور زعوراء
عبیت
بنوظفر
ثنیۃ الوداع
بنوحارث بن خزرج
مسجد نبوی
جبل سلع
حرّہ واقم
(مشرقی سنگلاخ زمین)
آتشی چٹانیں
البقیع
بنوواقف
بنوزریق
وادی بطحان
بنوحارث
بنوقینقاع کے مکانات
وادی مہزور
بنوقریظہ
وادی مذینب
بنوعوف بن خزرج
بنونضیر کے مکانات
بنوعوف بن مالک بن اوس
مسجد قباء
غزوۂ بنوقریظہ
(5ھ)
﴿وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ ....﴾
(الأحزاب 33:26,27)

دیا، حُیَی نے اس سے جو باتیں کیں، ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ اس نے اس سے کہا کہ تجھ پر افسوس! میں تو تیرے پاس زمانے بھر کی عزت لے آیا ہوں، میں تیرے پاس قریش اور اس کے احابیش [1] اور غطفان اور ان کے پیروکاروں کو لے آیا ہوں اور یہ سب لوگ اس وقت تک یہاں رہیں گے، جب تک محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع نہیں کر لیتے، کعب نے اسے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! تو میرے پاس زمانے کی عزت نہیں بلکہ زمانے بھر کی ذلت لے کر آیا ہے، افسوس تجھ پر اے حُیَی! تو بلاشبہ منحوس ہے، لہٰذا ہمیں اپنے سے الگ رکھو لیکن وہ کعب کو مسلسل سبز باغ دکھاتا رہا حتی کہ اس نے اسے اپنی رائے سے پھیر دیا اور اس نے اس کا ساتھ دینے کی ہامی بھر لی، البتہ اس سے یہ شرط منوالی کہ اگر یہ ساری جماعتیں چلی گئیں اور وہ کچھ نہ کر سکیں تو یہ واپس نہیں جائے گا بلکہ بنو قریظہ کے ساتھ ان کے قلعے میں داخل ہو جائے گا اور ان کے نقش قدم پر چلے گا، بہر حال بنو قریظہ نے جب معاہدہ توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو یہ آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ایک بہت بری خبر تھی جو بہت گراں گزری، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تائید و نصرت سے سرفراز فرما دیا اور دشمنوں کو ذلیل وخوار اور ناکام و نامراد لوٹا دیا اور رسول اللہ ﷺ مؤیّد و منصور مدینہ میں تشریف لے آئے، لوگوں نے ہتھیار اتار دیے۔ رسول اللہ ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر اس محاصرے کی مشقت کی وجہ سے غسل کر رہے تھے کہ آپ کے پاس جبریل نمودار ہوئے، انھوں نے ریشم کا عمامہ باندھا ہوا تھا اور خچر پر سوار تھے جس پر ریشم کی چادر تھی، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، انھوں نے کہا کہ فرشتوں نے تو ابھی تک اپنے ہتھیار نہیں اتارے اور میں ان لوگوں کا پیچھا کر کے ابھی واپس آ رہا ہوں، پھر انھوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ بنو قریظہ کی طرف چلیں اور ایک روایت میں ہے کہ جبریل نے آپ سے کہا: [عَذِيرَكَ مِنْ مُّقَاتِلٍ أَوَضَعْتُمُ السِّلَاحَ] ''کوئی لڑنے والا لے آیئے جو آپ کی طرف سے عذر پیش کرے [2] کیا آپ نے اسلحہ رکھ دیا ہے؟'' لیکن ہم نے ابھی تک اسلحہ نہیں اتارا، لہٰذا آپ بھی ان لوگوں کی طرف چلیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَيْنَ] ''کہاں؟'' جبریل نے جواب دیا: بنو قریظہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان پر زلزلہ طاری کر دوں، رسول اللہ ﷺ تیار ہو گئے، لوگوں کو بھی بنو قریظہ کی طرف چلنے کا حکم دیا، ان کا علاقہ مدینہ سے چند میل کی مسافت پر تھا، روانگی نماز ظہر کے بعد تھی اور آپ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: [لَا يُصَلِّيَنَّ

[1] أَحَابِيش أُحْبُوش کی جمع ہے، اس سے مراد مختلف الجنس لوگوں کی جماعت ہے جبکہ أَحَابِيشُ قُرَيش سے مراد قریش، کنانہ اور خزاعہ کے لوگ ہیں جنھوں نے زیریں مکہ میں حُبْشِی پہاڑ کے قریب جمع ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا معاہدہ کیا تھا۔ [2] عَذِير، عَاذِر ''عذر پیش کرنے والا'' اور نَصِير ''مددگار'' کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں عَذِير، عَاذِر کے معنی میں ہے اور عَذِيرَكَ مِنْ مُّقَاتِلٍ کے معنی ہیں: ''کوئی لڑنے والا شخص لے آیئے جو آپ کی طرف سے اس کوتاہی پر کوئی عذر پیش کرے۔'' مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ ایسا شخص جس کا کام قتال کرنا ہو اور سلسلۂ قتال ابھی ختم نہ ہوا اور وہ اسلحہ اتار کے رکھ دے اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔ اس معنی میں یہ ترکیب اس وقت استعمال ہوتی ہے جب مخاطب کے پاس اپنے کیے پر کوئی عذر نہ ہو۔ دیکھیے النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير: 197/3، و فتح الباری: 470/8، حدیث: 4750 کے ذیل میں۔

أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ] ”ہر شخص نماز عصر بنوقریظہ ہی میں ادا کرے۔“ [1]

لوگ بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوگئے اور رستے میں نماز عصر کا وقت ہوگیا تو بعض لوگوں نے رستے میں نماز پڑھ لی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ جلدی چلو اور دوسروں نے کہا کہ ہم تو نماز بنوقریظہ ہی میں ادا کریں گے، آپ نے ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ملامت نہ کی، رسول اللہ ﷺ بھی ان لوگوں کے پیچھے تشریف لے آئے اور آپ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، پرچم حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو دیا، رسول اللہ ﷺ نے پچیس راتوں تک بنوقریظہ کا محاصرہ کیے رکھا اور جب محاصرہ طویل ہونے کی وجہ سے انھوں نے تکلیف محسوس کی تو وہ اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اوس قبیلے کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ اسے تسلیم کرلیں گے۔ بنوقریظہ زمانۂ جاہلیت میں اوس کے حلیف تھے، اس لیے ان کا خیال تھا کہ وہ ان سے حسن سلوک سے کام لیں گے جیسا کہ عبداللہ بن اُبَی ابن سلول نے اپنے حلیف بنوقینقاع سے اچھا سلوک کیا تھا اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سفارش کی تھی کہ ان کو معاف کردیا جائے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ سعد بن معاذ بھی ابن اُبَی کی طرح ان کے ساتھ یہی سلوک کریں گے، ان کو معلوم نہ تھا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر سعد رضی اللہ عنہ کے بازو کے درمیان کی ایک رگ میں تیر لگ گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی رگ پر داغ لگوادیا تھا اور انھیں مسجد میں ایک قبہ میں ٹھہرا دیا تھا تاکہ قریب سے ان کی عیادت کی جاسکے، سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی: ”اے اللہ! اگر قریش سے کوئی جنگ باقی ہے تو مجھے اس کے لیے باقی رکھنا اور اگر ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم ہوگئی ہے تو اس زخم کو جاری کردے اور اس وقت تک مجھے فوت نہ کرنا جب تک بنوقریظہ کے بارے میں میری آنکھ ٹھنڈی نہ ہوجائے۔“ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا اور اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ انھوں نے ازخود اپنی خوشی سے یہ مطالبہ کیا کہ سعد ان کے بارے میں فیصلہ فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدینہ سے طلب فرمایا تاکہ وہ ان کے بارے میں فیصلہ کریں، جب گدھے پر سوار ہوکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو اوس نے ان سے چمٹتے ہوئے کہنا شروع کردیا: اے سعد! وہ آپ کے حلیف ہیں، ان سے حسن سلوک سے کام لینا۔ انھوں نے حضرت سعد کو ان کے بارے میں نرم دل اور شفیق بنانے کی بہت کوشش کی مگر حضرت سعد خاموش تھے اور ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہے تھے اور جب انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کثرت سے یہ تقاضا کیا کہ وہ نرمی وشفقت سے کام لیں تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب سعد کے لیے وقت آگیا ہے کہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت انھیں اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹا سکے، اس سے انھیں یہ معلوم ہوگیا کہ سعد انھیں باقی نہیں چھوڑیں گے، جب سعد رضی اللہ عنہ اس خیمہ کے قریب پہنچے جس میں رسول اللہ ﷺ فروکش تھے تو

[1] صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب صلاة الطالب والمطلوب......، حديث: 946 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، المبادرة بالغزو وتقديم أهم الأمرين......، حديث:1770 عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما. ملحوظہ: صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں [العصر] کے بجائے [الظهر] ہے جبکہ بخاری میں [العصر] ہے اور اسی پر اہل مغازی کا اتفاق ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام سے بھی [العصر] مروی ہے، لہٰذا یہی راجح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ] ''اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔''① مسلمان ان کی طرف اٹھ کر گئے اور انھوں نے نہایت تعظیم اور اکرام واحترام کے ساتھ انھیں ان کی شایان شان جگہ پر (جو ان کے لیے بنائی گئی تھی) اتارا تا کہ ان کے بارے میں اپنا فیصلہ زیادہ مؤثر انداز میں نافذ کر دیں۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:[إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلٰى حُكْمِكَ (أُحْكُمْ فِيهِمْ)] ''یہ لوگ (یہودیوں کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے) تمھیں منصف ماننے پر راضی ہو گئے ہیں۔تم ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔'' سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، انھوں نے عرض کی: میرا فیصلہ اس پر بھی نافذ ہوگا جو اس خیمہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، انھوں نے عرض کی: ان لوگوں پر بھی نافذ ہوگا جو یہاں ہیں؟ انھوں نے یہ کہتے ہوئے اس جانب اشارہ کیا جس جانب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور یہ بات کہتے ہوئے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت وشوکت اور اکرام واحترام کے باعث اپنا چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا: ہاں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے تمام جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے مال واولاد کو اپنے قبضے میں لے لیا جائے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ (مِنْ فَوْقِ سَبْعَةِ أَرْقِعَةٍ)] ''بلاشبہ تو نے تو ان کے بارے میں وہ فیصلہ کیا ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:[لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ] ''سعد تو نے وہ فیصلہ کیا ہے جو (اللہ) بادشاہ کا فیصلہ ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خندقیں کھودی گئیں اور انھیں پیچھے کی طرف ہاتھ باندھے ہوئے لایا گیا اور ان کی گردنیں اڑا دی گئیں، ان مارے جانے والوں کی تعداد سات سو سے آٹھ سو کے درمیان تھی اور ان لڑکوں کو جن کے ابھی زیر ناف بال نہیں اگے تھے، عورتوں اور مالوں کے ساتھ غلام بنالیا گیا۔② یہ تمام واقعات اپنے دلائل واحادیث کے

---

① یہ قیام تعظیماً نہیں تھا بلکہ زخمی ہونے کی وجہ سے سعد رضی اللہ عنہ کو سواری سے اترنے میں مدد دینے کے لیے تھا۔اس کی دلیل [فَأَنْزِلُوهُ] ''انھیں اتاریں'' کے صریح الفاظ ہیں، چنانچہ مسند أحمد:142/6 میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث ہے:[قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ فَأَنْزِلُوهُ] ''اپنے سردار کی طرف اٹھو اور انھیں (سواری سے) اتارو۔'' نیز یہ خطاب سعد رضی اللہ عنہ کے قبیلے والوں سے تھا۔عام حکم نہیں تھا جیسا کہ صحیح البخاری، المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب......، حدیث:4121 میں ہے: قَالَ لِلْأَنْصَارِ آپ نے انصار سے فرمایا۔ بنابریں اس حدیث سے قیام تعظیمی کے جواز کی دلیل لینا درست نہیں۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری:51/11، تحت الحدیث:6262 و مرقاة المفاتیح:473/8، تحت الحدیث:4695. ② صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب إذا نزل العدو علی حکم رجل، حدیث :3043 و صحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب جواز قتال من نقض العهد......، حدیث:1768عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ. اور تفصیل کے لیے دیکھیے مسند أحمد142,141/6 و صحیح ابن حبان، إخباره ﷺ عن مناقب الصحابة......، ذکر وصف دعاء سعد بن معاذ......: 501-498/15، حدیث: 7028 والمصنف لعبد الرزاق، وقعة الأحزاب وبنی قریظة:372-367/5، حدیث:9737 والمعجم الکبیر للطبرانی:79/19، حدیث:160و تفسیر الطبری:184-181/21. ملحوظہ:[من فوق سبعة أرقعة] کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری: 412/7، المغازی، حدیث:4121 کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ روایت ابن اسحاق، علقمہ بن وقاص کی مراسیل میں سے ہے۔

ساتھ تفصیلاً ثابت ہیں۔ اور اس کی تفصیل میں نے سیرت کے موضوع پر تحریر کردہ مختصر و جامع کتاب میں درج کر دی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃُ.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ ﴾ ''اور ان لوگوں کو جنھوں نے ان کی مدد کی تھی، اتار دیا۔'' یعنی جنھوں نے قریش و غطفان کے لشکروں سے تعاون کیا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے میں ان کی مدد کی تھی۔ ﴿ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ ''اہل کتاب میں سے۔'' یعنی بنو قریظہ جو یہودی تھے اور بنی اسرائیل کے بعض قبائل سے تھے، ان کے آباء و اجداد تو زمانۂ قدیم سے حجاز میں اس لیے آکر بس گئے تھے کہ جب وہ نبی اُمّی تشریف لائیں جن کا تذکرہ انھوں نے تورات و انجیل میں دیکھا تھا تو یہ ان کی اتباع کریں۔ ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ﴾ (البقرۃ 89:2) ''پھر جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی، تو اس سے کافر ہو گئے۔'' ان پر اللہ کی لعنت ہو!

﴿ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ ﴾ ''ان کے قلعوں سے۔'' مجاہد، عِکرِمہ، عطاء، قتادہ، سُدّی اور بہت سے ائمۂ سلف کا قول ہے کہ ﴿ صَيَاصِيْهِمْ ﴾ کے معنی ان کے قلعے ہیں۔ [1] ﴿ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾ ''اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔'' رعب سے یہاں خوف مراد ہے کیونکہ ان لوگوں نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے تعاون و امداد دی تھی جبکہ وہ لوگ جو حالات کو قریب سے معلوم کرتے ہوں ان کی طرح نہیں ہوتے جو حالات سے واقف نہیں ہوتے۔ انھوں نے مسلمانوں کو خوف میں مبتلا کر دیا اور انھیں قتل کر دینے کا ارادہ کیا تا کہ دنیا میں انھیں غلبہ حاصل ہو جائے مگر صورت حال اس کے برعکس ہو گئی، ان کی سب تدبیریں الٹی ہو گئیں، انھوں نے دنیا میں معزز ہونے کا پروگرام بنایا تھا مگر ذلیل و رسوا ہو گئے، انھوں نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا ارادہ کیا تھا مگر خود مٹ گئے، پھر آخرت کی شقاوت اس پر مستزاد، الغرض! انھوں نے سراسر خسارے کا سودا کیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴾ ''کتنوں کو تم قتل کرتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے۔'' جن لوگوں کو قتل کیا گیا وہ جنگجو تھے اور جنھیں قیدی بنایا گیا وہ چھوٹے بچے اور عورتیں تھیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے عَطِیّہ قُرَظی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا کیونکہ صحابۂ کرام کو میری بلوغت کے بارے میں شک تھا، نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ یہ دیکھیں کہ میرے زیر ناف بال اگے ہیں یا نہیں، انھوں نے جب دیکھا تو وہ ابھی نہیں اگے تھے، لہٰذا انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور قیدیوں میں شامل کر دیا۔ [2] اسی طرح اسے اہل سنن نے بیان کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ [3] اور امام نسائی نے بھی اسے بروایت عطیہ

---

[1] تفسیر الطبری: 186,185/21. [2] مسند أحمد: 383/4. [3] جامع الترمذی، السیر، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، حدیث: 1584 و سنن أبی داود، الحدود، باب فی الغلام یصیب الحد، حدیث: 4405,4404 و سنن النسائی، الطلاق، باب متی یقع طلاق الصبی؟ حدیث: 3460,3459 و سنن ابن ماجه، الحدود، باب من لا یجب علیه الحد، حدیث: 2542,2541.

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَهَا فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیوی) فائدہ دوں اور تمھیں بڑے اچھے

وَ اُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا ﴿28﴾ وَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

طریقے سے رخصت کردوں ﴿28﴾ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو، تو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے

لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿29﴾

بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ﴿29﴾

بیان کیا ہے۔ [1]

﴿ وَ اَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَ دِیَارَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ ﴾ ”اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو وارث بنا دیا۔“ یعنی جب تم نے انھیں قتل کر دیا تو ان کے مال و جائیداد کا تم کو وارث بنا دیا۔ ﴿ وَ اَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا ؕ ﴾ ”اور اس زمین کا بھی جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا۔“ اس سے مراد خیبر[2] اور ایک قول کے مطابق مکہ ہے۔[3] اسے امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے اور ایک اور قول کے مطابق اس سے فارس اور روم کی زمین ہے۔[4] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ سارے علاقے ہو سکتے ہیں۔[5] ﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ﴿27﴾ ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔“

تفسیر آیات: 29,28

ازواج مطہرات کو آپ ﷺ کے عقد میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار: یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو اختیار دے دیں کہ اگر وہ چاہیں تو آپ کو چھوڑ کر کسی اور شخص کے پاس چلی جائیں جس سے ان کو دنیا اور اس کا ساز و سامان حاصل ہو جائے اور اگر وہ چاہیں تو اس تنگ حالی میں آپ کے پاس رہ کر صبر کریں، اس صورت میں اللہ تعالیٰ انھیں بے حد اجر و ثواب سے سرفراز فرمائے گا۔ اس اختیار کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو اپنے لیے پسند فرمایا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی سعادت دونوں سے سرفراز فرما دیا تھا، امام بخاری نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیویوں کو اختیار دے دینے کا حکم دیا تو آپ ان کے پاس تشریف لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مجھ سے گفتگو فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا: [إِنِّي ذَاكِرٌ لَّكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ تَسْتَعْجِلِي حَتّٰى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ] ”میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، جواب دینے میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے بھی مشورہ کر لینا۔“ آپ اس بات کو خوب جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم کبھی بھی

---

[1] السنن الكبرى للنسائي، السير، باب حد الإدراك: 185/5، حديث: 8621,8620. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 3126/9 وتفسير الطبري: 187,186/21. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 3126/9 وتفسير الطبري: 186/21. [4] تفسير الطبري: 186/21 و تفسير ابن أبي حاتم: 3126/9. [5] تفسير الطبري: 187/21.

نہیں دے سکتے تھے، پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ﴾ ''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دیں۔'' اور آپ نے پوری دو آیتیں تلاوت فرمائیں، یہ سن کر میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی: میں کس بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر (جنت) کی طلب گار ہوں۔ ①

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو معلق بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی ﷺ کی دیگر بیویوں نے بھی یہی جواب دیا جو جواب میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ ②

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دے دیا تھا مگر ہم نے آپ ہی کا انتخاب کیا تو آپ نے اسے کوئی چیز (طلاق وغیرہ) شمار نہیں کی۔ ③ امام بخاری و مسلم نے اسے بروایت اعمش بیان کیا ہے۔ ④

اور امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، اس وقت بہت سے لوگ آپ کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور نبی ﷺ اپنے گھر کے اندر تشریف فرما تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت نہ ملی، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے اجازت طلب کی مگر انھیں بھی اجازت نہ ملی، پھر تھوڑی ہی دیر بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اجازت مل گئی، دونوں اندر چلے گئے اور انھوں نے دیکھا کہ نبیٔ اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس آپ کی بیویاں بھی موجود ہیں مگر رسول اللہ ﷺ خاموش ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بات کرتا ہوں شاید آپ ہنس پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر بنت زید، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی، اب مجھ سے خرچ کا سوال کرے تو میں اس کی گردن دبا دوں گا، یہ سن کر نبیٔ اکرم ﷺ اس قدر ہنسے کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، آپ نے فرمایا: [هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرٰى، يَسْأَلْنَنِي النَّفَقَةَ] ''یہ میری بیویاں بھی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں میرے پاس نفقہ طلب کرنے کے لیے جمع ہیں۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ کو مارنے کے لیے کھڑے ہوئے اور دونوں اپنی صاحبزادیوں سے کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگ رہی ہو جو آپ کے پاس موجود ہی نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو مارنے سے منع فرما دیا اور ازواج مطہرات نے بھی کہا کہ اس کے بعد آئندہ ہم کبھی بھی رسول اللہ ﷺ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ کے پاس موجود ہی نہ ہو، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اختیار سے متعلق یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں۔

اور اس بارے میں آپ نے سب سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: [إِنِّي ذَاكِرٌ لَّكِ أَمْرًا، مَّآ أُحِبُّ أَنْ

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ﴾ ...... (الأحزاب 28:33)......، حديث: 4785. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ...... (الأحزاب 29:33) ......، حديث: 4786. ③ مسند أحمد: 145/6 . ④ صحيح البخاري، الطلاق، باب من خير أزواجه......، حديث: 5262 وصحيح مسلم، الطلاق، باب بيان أن تخييره امرأته......، حديث: 1477.

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے ،اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا، اور اللہ کے لیے

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝30

یہ نہایت آسان ہے ۝30

تَسْتَعْجِلِي فِيهِ حَتّٰى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ] ''میں تم سے ایک بات کہتا ہوں لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کیے بغیر جلدی سے جواب دے دو۔'' انھوں نے عرض کی: کیا بات ہے؟ تو آپ نے اس آیت کریمہ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ...... ﴾ کی تلاوت فرمادی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اپنے لیے اللہ اور اس کے رسول ہی کو پسند کرتی ہوں اور آپ سے گزارش یہ ہے کہ اپنی بیویوں میں سے کسی سے میرے انتخاب کا ذکر نہ کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّفًا وَّلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُّيَسِّرًا، لَّا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ عَمَّا اخْتَرْتِ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا] ''اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے تو معلم اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اگر کسی نے تمھارے انتخاب کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں اسے بتادوں گا۔''[1] اسے صرف امام مسلم نے ہی بیان کیا ہے، بخاری نے نہیں، جبکہ امام مسلم اور امام نسائی نے اس کو بروایت زکریا بن اسحٰق مکی بیان کیا ہے۔[2]

عکرمہ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کے حبالۂ عقد میں نو(9) ازواج مطہرات تھیں جن میں سے یہ پانچ خاندان قریش سے تھیں: (1) عائشہ (2) حفصہ (3) ام حبیبہ (4) سَوْدَہ اور (5) ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور ان کے علاوہ (6) صَفِیَّہ بنت حُیَی تھیں ان کا تعلق قبیلۂ بنونضیر سے تھا، (7) میمونہ بنت حارث تھیں جن کا تعلق قبیلۂ ہلال سے تھا، (8) زینب بنت جحش تھیں جو بنواسد سے تھیں اور (9) جویریہ بنت حارث تھیں جو بنومصطلق سے تھیں۔[3] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ وَأَرْضَاهُنَّ.

تفسیر آیت:30

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن عام عورتوں جیسی نہیں ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرلیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ بدستور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہی رہیں تو اس موقع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مناسب سمجھا کہ انھیں یہ بھی بتادیا جائے کہ دیگر تمام عورتوں کی نسبت ان کے لیے یہ حکم خاص ہے کہ ان میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ حرکت کرے گی اس کو دونی سزا دی جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں ناشائستہ حرکت سے مراد سرکشی اور بدخلقی ہے۔[4] بہرحال یہ جملہ شرطیہ ہے اور شرط واقع

[1] مسند أحمد:328/3. [2] صحيح مسلم، الطلاق، باب بيان أن تخييره امرأته......، حديث:1478 والسنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء:384,383/5، حديث:9208. [3] تفسير الطبري:189/21. [4] زاد المسير:204/6 وتفسير البغوي:635/3.

ہونے کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (الزمر 65:39) ''اور البتہ تحقیق (اے محمد!) آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں، یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 89:6) ''اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 81:43) ''کہہ دیں کہ اگر اللہ کے لیے اولاد ہوتو میں (سب سے پہلے اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ ﴾ (الزمر 4:39) ''اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا، وہ پاک ہے وہی تو اللہ یکتا، نہایت زبردست ہے۔''

ازواج مطہرات کا مقام و مرتبہ جب بہت بلند تھا تو مناسب ہے کہ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی سزا بھی بہت سخت ہو تا کہ ان کے بلند و بالا مقام و مرتبہ کی حفاظت کی جا سکے، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ ﴾ ''تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ حرکت کرے گی، اس کو دونی سزا دی جائے گی۔'' امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ ﴾ سے مراد دنیا و آخرت میں دونی سزا دی جائے گی۔[1] ابن ابونجیح اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ﴿ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ۝30 ﴾ ''اور یہ (بات) اللہ کو آسان ہے۔''

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 3129/9 و تفسیر عبدالرزاق: 37/3، رقم: 2335 عن قتادة.

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے اور نیک عمل کرے تو ہم اسے اس کا اجر دوگنا دیں گے، اور اس

لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿31﴾

کے لیے ہم نے اچھا رزق تیار کر رکھا ہے﴿31﴾

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم متقی و پرہیز گار رہو تو (کسی بھی غیر محرم سے) آہستگی و نرمی سے بات نہ کیا کرو کیونکہ وہ شخص جس کے

قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿32﴾ ۚ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ

الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ

زیب و زینت کی نمائش کے مانند (اپنی) زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو، اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اے

عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿33﴾ ۚ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ

اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کر دے، اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے﴿33﴾ اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور سنت

اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿34﴾ ع 4/7 1

(کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں وہ یاد کرو، یقیناً اللہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے﴿34﴾

تفسیر آیت: 31

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے انعامات: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل و فضل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ”اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور ان کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دے گی ﴿نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿31﴾﴾ ”اس کو ہم دونا ثواب دیں گے اور اس کے لیے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔“ یعنی جنت میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلیٰ علیین کے درجات ہی میں ہوں گی اور تمام مخلوقات کے درجات کے اوپر مقام وسیلہ میں ہوں گی جو جنت کا وہ درجہ ہے جو عرش الٰہی سے قریب ترین ہے۔

تفسیر آیات: 32-34

امہات المومنین رضی اللہ عنہن دیگر خواتین کے لیے اسوہ ہیں: یہ وہ آداب ہیں جن کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو حکم دیا اور امت کی عورتیں اس سلسلے میں ان کی تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اس طرح اختیار کریں جس طرح اس نے انھیں حکم دیا ہے تو کوئی دوسری عورت ان جیسی نہیں ہو سکتی اور نہ فضیلت اور مقام و مرتبہ میں ان تک پہنچ سکتی ہے، پھر فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ ”تو تم

(کسی اجنبی شخص سے) بات کرنے میں نرمی نہ کیا کرو۔'' سُدّی وغیرہ نے کہا ہے کہ ﴿ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ ﴾ سے مراد اس وقت نرم نرم باتیں کرنا ہے جب اجنبی مردان سے مخاطب ہوں۔[1] اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ ﴾ ''تا کہ وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے (اس سے) کوئی طمع (نہ) کرلے۔'' ﴿ مَرَضٌ ﴾ سے مراد پوشیدہ شرارت ہے۔ ﴿ وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿ۚ۳۲﴾ ﴾ ''اور دستور کے مطابق بات کیا کرو۔'' ابن زید کہتے ہیں کہ ایسی بات جو نیکی کے اعتبار سے اچھی، خوب صورت اور دستور کے مطابق ہو۔[2] اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اجنبی مردوں سے اس انداز سے کلام کریں جس میں نرمی نہ ہو، یعنی کوئی عورت اجنبی مردوں سے اس انداز سے گفتگو نہ کرے جس طرح وہ اپنے شوہر سے کرتی ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ ﴾ ''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔'' یعنی اپنے گھروں ہی میں رہو اور ضرورت کے بغیر گھروں سے باہر نہ نکلو، شرعی ضرورتوں میں سے مسجد میں نماز ادا کرنا بھی ہے، بشرطیکہ اس کی شرائط کو پورا کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَمۡنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ لِّيَخۡرُجۡنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ] ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں (میں جانے) سے منع نہ کرو، لیکن انھیں زیب وزینت کے بغیر نکلنا چاہیے۔''[3] اور ایک روایت میں ہے: [وَبُيُوتُهُنَّ خَيۡرٌ لَّهُنَّ] ''اور ان کے گھر ہی ان کے لیے بہت بہتر ہیں۔''[4]

اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی ﴾ ''اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ عورت نکل کر مردوں کے آگے چلنا شروع کر دیتی تھی، یہی زمانۂ جاہلیت کا اظہار زیب وزینت ہے۔[5] امام قتادہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی ﴾ سے مراد ہے کہ اگر وہ گھروں سے نکل کر ناز وادا کے ساتھ لچکے کھاتے اور اِٹھلاتے ہوئے چلیں تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرمایا دیا ہے۔[6] اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس آیت: ﴿ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ عورت اپنے دوپٹے کو سر پر لٹکا لے اور اپنے ہار، اپنے جھمکے اور اپنے گلے کو نہ چھپائے بلکہ ان سب چیزوں کو نمایاں کردے، یہی اظہار زیب وزینت ہے۔[7] خطاب اگرچہ براہ راست ازواج مطہرات سے ہے لیکن یہ حکم عام ہے اور سب مسلمان عورتوں کے لیے ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ ﴾ ''اور نماز پڑھتی رہو اور زکاۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتی رہو۔'' پہلے انھیں برائی سے منع کیا گیا اور اب انھیں نیکی کا حکم دیتے ہوئے نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کی تلقین کی جارہی ہے، نماز اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے اور زکاۃ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان ہے۔ ﴿ وَ اَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ ﴾ ''اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتی رہو۔'' یہ عام کے خاص پر عطف

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:3130/9 وتفسیر الطبری:5/22. [2] تفسیر الطبری:5/22. [3] سنن أبی داود، الصلاة، باب ماجاء فی خروج النساء......، حدیث: 565 عن أبی هریرة ﷺ. [4] سنن أبی داود، الصلاة، باب ماجاء فی خروج النساء، حدیث :567 و مسند أحمد:76/2 عن ابن عمر ﷺ. [5] تفسیر عبدالرزاق :38/3، رقم:2340. [6] تفسیر الطبری :6/22. [7] تفسیر ابن أبی حاتم :2642/8.

کے باب سے ہے۔

ازواج مطہرات اہل بیت میں سے ہیں: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾ ''اے (پیغمبر کے) اہل بیت! اللہ صرف چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے۔'' یہ آیت کریمہ نص ہے کہ ازواج مطہرات بھی نبی ﷺ کے اہل بیت میں شامل ہیں کیونکہ ازواج مطہرات ہی اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب ہیں جبکہ توسع اور عموم کے طور پر دیگر خواتین بھی اس میں داخل ہیں، یعنی ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ بہت سی احادیث آئی ہیں جو اس آیت کے عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بازار میں اس آیت کریمہ: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾ کو بلند آواز سے پڑھتے، پھر فرماتے کہ یہ آیت بطور خاص نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] اور اسی طرح ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس آیت کریمہ: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت بطور خاص نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] عکرمہ کہتے ہیں کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ یہ آیت کریمہ نبیٔ اکرم ﷺ کی بیویوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[3]

اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب تو ازواج مطہرات ہی ہیں لیکن توسع اور عموم کے طور پر دیگر اہل بیت بھی اس میں شامل ہیں۔ ابن جریر نے صَفِیَّہ بنت شَیْبَہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نکلے اور آپ نے سیاہ بالوں کی بنی ہوئی چادر اوڑھی ہوئی تھی پس حسن رضی اللہ عنہ آگئے اور آپ نے انھیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے انھیں بھی اس چادر میں داخل کر لیا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ نے انھیں بھی اس چادر میں داخل کر لیا، پھر علی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے انھیں بھی داخل کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾ کی تلاوت فرمائی۔[4] اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[5]

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں یزید بن حیان سے روایت کیا ہے کہ میں، حصین بن سَبْرہ اور عمر بن مسلم، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ہم ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ حُصَین نے ان سے عرض کی: زید! آپ نے تو خیر کثیر کو حاصل کیا ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، آپ کے ارشادات کو سنا، آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی اور آپ کے پیچھے نمازیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا، زید! آپ نے تو بلاشبہ خیر کثیر کو حاصل کیا ہے، زید! ہمیں بھی کوئی ایسی بات سنائیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، انھوں نے جواب دیا: میرے بھتیجے! اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور طویل عرصہ گزر گیا ہے، اس

---

[1] تفسير الطبرى:13/22. [2] تفسير ابن أبى حاتم:3132/9. [3] تفسير ابن أبى حاتم:3132/9. [4] تفسير الطبرى:9/22. [5] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي ﷺ، حديث:2424.

لیے میں بعض احادیث کو بھول گیا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کی تھیں، لہٰذا میں تم سے جو حدیث بیان کروں (وہ مجھے یاد ہونی چاہیے) اسے قبول کرلو اور جو بیان نہ کروں، اس کے بارے میں مجھے مجبور نہ کیا کرو، پھر انھوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ خُم نامی ایک چشمے پر خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، وعظ و نصیحت کی، پھر فرمایا: [أَمَّا بَعْدُ، أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ] ''حمد و ثنا کے بعد لوگو! خبردار آگاہ رہو، میں بشر ہوں، ممکن ہے کہ عنقریب میرے پاس میرے رب کا قاصد پیغام لے کر آ جائے اور میں لبیک کہہ دوں، میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے پہلی چیز تو اللہ کی کتاب ہے، اس میں ہدایت اور نور ہے پس اللہ کی کتاب کو لے لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔'' آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف آمادہ کیا اور اس کی بہت ترغیب دی، پھر فرمایا: [وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي] ''اور (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں، اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں، اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں۔'' تو حصین نے پوچھا: زید! اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی بیویاں بھی اہل بیت میں سے ہیں لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے علاوہ صدقہ حرام ہے۔ زید نے پوچھا: وہ کون لوگ ہیں جن پر آپ کے علاوہ صدقہ حرام ہے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ان سب لوگوں پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے؟ زید نے جواب دیا: ہاں۔ [1] یہ زید بن ارقم کی تفسیر ہے، مرفوع روایت نہیں ہے۔

کتاب و سنت پر عمل کا حکم: جو شخص بھی قرآن مجید میں تدبر کرے گا تو اسے اس بارے میں ذرہ بھر شک نہیں ہوگا کہ ازواج مطہرات اس آیت: ﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾ میں داخل ہیں کیونکہ کلام کا سیاق انھی کے بارے میں ہے، اسی لیے اس سب کچھ کے بعد فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ ''اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت (کی باتیں سنائی جاتی ہیں) ان کو یاد رکھو۔'' یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ تمھارے گھروں میں اپنے رسول ﷺ پر جس کتاب و حکمت کو نازل فرما رہا ہے اس کے مطابق عمل کرو۔ امام قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے یہی معنی کیے ہیں۔ [2] اس نعمت کو یاد کرو جو عام لوگوں میں سے بطور خاص صرف تمھارے حصے میں آئی ہیں اور وہ یہ کہ تمام لوگوں میں سے صرف تمھارے گھر ہی ایسے ہیں جن میں وحی نازل ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ

---

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، حديث: 2408. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 3133/9 و تفسیر الطبري: 13/22.

بنت صدیق رضی اللہ عنہا دیگر ازواج کی نسبت اس نعمت کی سب سے زیادہ مستحق، اس غنیمت کی سب سے زیادہ حصے دار اور اس بے پایاں رحمت کے سب سے زیادہ لائق تھیں کہ آپ کے سوا کسی دوسری خاتون کے بستر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی جیسا کہ خود رسول اللہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری باکرہ خاتون سے شادی نہیں کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کے ساتھ آپ کے بستر میں نہیں سویا تھا، لہٰذا یہ بات بہت مناسب تھی کہ آپ کو اس اعزاز سے سرفراز فرمایا جاتا اور اس بلند مرتبے سے نوازا جاتا لیکن جب دیگر ازواج مطہرات بھی اہل بیت ہی میں سے ہیں تو اس قرابت کی وجہ سے وہ بھی اس نام کی مستحق قرار پائیں۔

ابن ابوحاتم نے ابوجمیلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلیفہ بنے، وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے ان پر حملہ آور ہو کر اپنے خنجر سے وار کر دیا، حُصَین کا خیال ہے کہ جس شخص نے ان پر حملہ کیا وہ بنو اسد کا ایک شخص تھا، حسن رضی اللہ عنہ حملے کے وقت سجدے کی حالت میں تھے اور لوگوں کا خیال ہے کہ نیزہ آپ کے سرین پر لگا تھا جس کی وجہ سے آپ کئی مہینے بیمار رہے، پھر صحت یاب ہو گئے تو منبر پر بیٹھے اور فرمایا: اے اہل عراق! ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ہم تمھارے حکمران بھی ہیں اور مہمان بھی اور ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ ﴾ آپ بار بار اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے رہے حتی کہ مسجد میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو زار و قطار رو نہ رہا ہو۔[1]

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ ﴾ ''بے شک اللہ بڑا باریک بین، نہایت باخبر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم ہی سے تم اس بلند مقام و مرتبہ تک پہنچی ہو اور اسے تمھارے بارے میں خوب معلوم ہے کہ تم اس کی اہل بھی ہو، اسی وجہ سے اس نے تمھیں یہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا اور اسے تمھارے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمھیں ایسے گھروں میں رکھا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی آیات و حکمت کی تلاوت ہوتی ہے، لہٰذا تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ اور اس کی حمد و ثنا کرتے رہا کرو۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ ﴾ ''بے شک اللہ بڑا باریک بین، نہایت باخبر ہے۔'' تمھارے ساتھ اس نے لطف و کرم کا معاملہ فرمایا کہ تمھیں ایسے گھروں میں پہنچا دیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی آیات و حکمت کی تلاوت ہوتی ہے۔ حکمت سے مراد سنت ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں خوب باخبر ہے کہ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیویوں کے طور پر تمھارا انتخاب فرمایا ہے۔[2] اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ: ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ازواج مطہرات پر بطور احسان ذکر فرمایا ہے۔[3] عطیہ عوفی نے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 3132/9. [2] تفسير الطبري: 13/22. [3] تفسير الطبري: 13/22.

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر

وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ

عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿35﴾

سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ﴿35﴾

اس کے استخراج کے اعتبار سے لطیف اور اس کے مقام کے اعتبار سے خبیر ہے۔[1] اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا، پھر کہا ہے کہ ربیع بن انس نے قتادہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت:35

بخشش اور اجر عظیم کے مستحق لوگ: امام احمد نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: کیا بات ہے ہمارا قرآن مجید میں اس طرح ذکر نہیں ہوتا جس طرح مردوں کا ذکر ہوتا ہے؟ ایک دن اچانک میں نے یہ دیکھا کہ آپ منبر پر اعلان فرما رہے تھے، میں اس وقت اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی، میں نے بال سمیٹے اور اپنے گھر کے حجرے کی طرف نکلی اور میں نے آپ کے اعلان کو سننے کے لیے کان لگا دیے، آپ منبر کے پاس فرما رہے تھے: [يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ...... ''لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ......﴾ ''][3] اور اسی طرح اسے امام نسائی اور ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

یہ آیت کریمہ: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے، ایمان خاص ہے، اسلام عام ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوتا ہے: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ﴾ (الحجرات 49:14) ''دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو: ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔'' اور صحیحین کی حدیث میں ہے: [لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ] ''زانی جس وقت زنا کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔''[5] یعنی اس سے ایمان سلب کر لیا جاتا ہے لیکن اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس

[1] تفسير الطبري: 88/21 عن قتادة. [2] تفسير الطبري: 396/7. [3] مسند أحمد: 305/6. [4] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾: 431/6، حديث: 11405 و تفسير الطبري: 15/22. [5] صحيح البخاري، المظالم، باب النهبى بغير إذن صاحبه......، حديث: 2475 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي......، حديث: 57 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کافر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام عام اور ایمان خاص ہے جیسا کہ ہم نے شرح بخاری کے آغاز میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور فرمایا: ﴿وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ﴾ ''اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں۔'' قنوت کے معنی سکون کے ساتھ اطاعت کرنے کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَيَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ﴾ (الزمر 9:39) ''(بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے اوقات میں سجدے کرتے ہوئے اور کھڑے ہوکر طاعت وعبادت کرتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ○﴾ (الروم 26:30) ''اور آسمانوں اور زمین میں جتنے (فرشتے اور انسان وغیرہ) ہیں، اسی کے (مملوک) ہیں (اور) تمام اس کے فرماں بردار ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ○﴾ (اٰل عمرٰن 43:3) ''اے مریم! اپنے پروردگار کی فرماں برداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا۔'' اور فرمایا: ﴿وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ○﴾ (البقرة 238:2) ''اور اللہ کے لیے فرماں بردار ہوکر کھڑے رہو۔'' اسلام کے بعد ایک بلند مرتبہ ہے اور وہ ایمان ہے اور اطاعت، اسلام وایمان ہی کا ثمر ہے۔

﴿وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ ''اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں۔'' راست بازی کا تعلق اقوال سے ہے۔ بے شک سچ بولنا بھی بہت قابل ستائش عادت ہے، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ثابت ہے کہ انھوں نے زندگی بھر کبھی بھی زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سچ بولنا ایمان کی علامت ہے جیسا کہ جھوٹ بولنا نفاق کی نشانی ہے۔ جس شخص نے سچ بولا وہ نجات پا گیا۔ حدیث میں ہے: [عَلَيۡكُم بِالصِّدۡقِ، فَإِنَّ الصِّدۡقَ يَهۡدِى إِلَى الۡبِرِّ وَإِنَّ الۡبِرَّ يَهۡدِى إِلَى الۡجَنَّةِ، وَ(لَا) يَزَالُ الرَّجُلُ يَصۡدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدۡقَ حَتّٰى يُكۡتَبَ عِنۡدَ اللّٰهِ صِدِّيقًا، وَّإِيَّاكُم وَالۡكَذِبَ، فَإِنَّ الۡكَذِبَ يَهۡدِى إِلَى الۡفُجُورِ، وَإِنَّ الۡفُجُورَ يَهۡدِى إِلَى النَّارِ وَ(لَا) يَزَالُ الرَّجُلُ يَكۡذِبُ وَيَتَحَرَّى الۡكَذِبَ حَتّٰى يُكۡتَبَ عِنۡدَاللّٰهِ كَذَّابًا] ''سچ کو اختیار کرو پس بے شک سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کو تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بہت سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے اجتناب کرو پس بے شک جھوٹ برائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور برائی جہنم میں لے جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کو تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''[1] سچ کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ○﴾ (التوبة 119:9) ومانهى عن الكذب، حديث: 6094 وصحيح مسلم، البروالصلةوالأدب، باب قبح الكذب وحسن الصدق، حديث:(105) -2607 واللفظ له. جبکہ دونوں قوسوں والے الفاظ مسند أحمد: 410/1 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ ﴾ ’’اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔‘‘ یہ ثابت قدم لوگوں کی صفت ہے اور اس سے مراد مصائب پر صبر کرنا اور اس بات کو جان لینا ہے کہ جو مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ بہر صورت رونما ہونے والا ہے اور اسے صبر و ثبات کے ساتھ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور صبر وہ ہے جو صدمۂ اولیٰ کے وقت کیا جائے، یعنی صدمے کے آغاز میں صبر کرنا بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے، پھر بعد میں آسان ہوتا جاتا ہے اور وہ بھی صدق و ثبات کی علامت ہے۔

﴿ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ ﴾ ’’اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں۔‘‘ خشوع کے معنی سکون، طمانینت، تحمل، وقار اور تواضع کے ہیں۔ اور اس کا سبب اللہ کا خوف اور اس کی نگہبانی کا تصور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: [أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ] ’’اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔‘‘[1]

﴿ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ ﴾ ’’اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں۔‘‘ صدقہ ان محتاج اور کمزور لوگوں سے احسان ہے جو کما نہیں سکتے اور جن کے لیے کوئی کمانے والا بھی نہ ہو تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لاتے اور لوگوں کی طرف احسان کرتے ہوئے اپنے زائد مال انھیں دے دیتے ہیں۔ صحیحین میں حدیث ہے: [سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ......وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ، مَاتُنْفِقُ يَمِينُهٗ] ’’سات شخص ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنا سایہ فراہم کرے گا جب اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (ان سات سعادت مند لوگوں میں آپ نے اس شخص کا ذکر بھی فرمایا) جو صدقہ کرتا اور اسے اس قدر مخفی رکھتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے۔‘‘[2] اور ایک دوسری حدیث میں ہے: [وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ] ’’اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔‘‘[3] صدقہ کی ترغیب کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

﴿ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ ﴾ ’’اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں۔‘‘ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے: [وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ] ’’اور جسم کی زکاۃ روزہ ہے۔‘‘[4] یعنی روزہ جسم کو طبعی اور شرعی لحاظ سے نکمی اور ملاوٹ شدہ

---

① صحيح البخاری، الإيمان، باب سؤال جبريل النبیﷺ عن الإيمان والإسلام......، حديث :50 عن أبی هريرة ﷺ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام......، حديث: 8 عن عمرﷺ. ملحوظہ: حافظ ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ [أُعْبُدِاللّٰهَ] ایک اور روایت کے سیاق میں آتے ہیں، دیکھیے مسند أحمد: 132/2عن ابن عمرﷺ. ② صحيح البخاری، الزكاة، باب الصدقة باليمين، حديث: 1423 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031 عن أبی هريرةﷺ. ③ جامع الترمذی، السفر، باب ماذكر فی فضل الصلاة، حديث :614 عن كعب بن عجرةﷺ و سنن ابن ماجه، الفتن، باب كف اللسان فی الفتنة، حديث:3973 عن معاذ بن جبلﷺ. ④ سنن ابن ماجه، الصيام، باب فی الصوم زكاة الجسد، حديث:1745 عن أبی هريرة ﷺ، حدیث ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة:497/3 حديث:1329.

چیزوں سے پاک صاف کر دیتا ہے جیسا کہ سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ جو شخص رمضان کے اور ہر مہینے کے تین روزے رکھ لے وہ ﴿ وَالصَّآىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ ﴾ میں داخل ہو جاتا ہے۔[1] روزہ شہوت توڑنے میں سب سے زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ] ''اے گروہ جواناں! تم میں سے جس کو استطاعت ہو وہ شادی کر لے، یہ نظر کو بہت نیچے رکھنے اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کا سبب ہے اور جسے استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے، کیونکہ وہ اس کے لیے شہوت کو کچلنے کا سبب ہے۔''[2] اسی لیے مناسب تھا کہ اس کے بعد یہ ذکر کیا جاتا: ﴿ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ ﴾ ''اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔'' یعنی وہ حرام اور گناہ کے کاموں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور صرف مباح صورت ہی کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ ﴾ (المعارج 70:29-31) ''اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا جن (لونڈیوں) کے مالک بنے ہیں ان کے دائیں ہاتھ تو بلاشبہ (ان کے پاس جانے پر) انھیں کچھ ملامت نہیں اور جو لوگ ان کے سوا اور کے طلب گار ہوں، سو وہ حد سے نکل جانے والے ہیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ﴾ ''اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔'' امام ابن ابو حاتم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا اسْتَيْقَظَ الرَّجُلُ مِنَ اللَّيْلِ وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ كُتِبَا (لَيْلَتَهُمَا) مِنَ الذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذَّاكِرَاتِ] ''جب کوئی شخص رات کو بیدار ہو جائے اور اپنی بیوی کو بیدار کرے اور دونوں (اس رات) دو (دو) رکعت نماز پڑھ لیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں میں لکھ دیے جاتے ہیں۔''[3] امام ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بروایت ابوسعید و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے اس فرمان کو اسی طرح بیان کیا ہے۔[4]

اور امام احمد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے رستے میں چل رہے تھے کہ آپ جمدان پہاڑ پر تشریف لے آئے اور فرمایا: [هٰذَا جُمْدَانُ، سِيرُوا! سَبَقَ الْمُفَرِّدُونَ، قَالُوا: وَمَا الْمُفَرِّدُونَ؟ قَالَ: الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذَّاكِرَاتُ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ! قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ! قَالُوا:

---

[1] الدرالمنثور: 380/5. [2] صحیح البخاری، النکاح، باب قول النبی ﷺ: [من استطاع منکم الباءة......]، حدیث: 5065 و صحیح مسلم، النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه......، حدیث: (3)-1400 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

[3] تفسیر ابن أبی حاتم: 3134/9. [4] سنن أبی داود، الوتر، باب الحث علی قیام اللیل، حدیث: 1451 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فیمن أیقظ أهله اللیل، حدیث: 1335 و اللفظ له. جبکہ قوسین والا لفظ السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ﴾: 432/6، حدیث: 11406 میں ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی

اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿36﴾

اختیار (باقی) رہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا﴿36﴾

وَالْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: وَالْمُقَصِّرِينَ!] ''یہ جمدان ہے، تم چلتے رہو مفرِّ دین سبقت لے گئے، صحابہ نے عرض کی: یہ مفرِّ دین[1] کون ہیں؟ فرمایا: اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! (سر کے بال) منڈوانے والوں کو بخشدے، صحابہ نے عرض کی: اور بال کٹوانے والوں کو بھی۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ! (سر کے بال) منڈوانے والوں کو بخش دے، صحابہ نے عرض کی: اور بال کٹوانے والوں کو بھی۔ آپ نے فرمایا: اور بال کٹوانے والوں کو بھی بخش دے۔''[2] اس روایت کو اس طرح بیان کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ متفرد ہیں اور اس کا پہلا حصہ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

اور فرمایا: ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿35﴾﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ نے ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'' یہ ان سب مذکورہ بالا لوگوں کے بارے میں خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے لیے بخشش اور ان کے لیے اجر عظیم، یعنی جنت کو تیار فرما رکھا ہے۔

تفسیر آیت:36

شانِ نزول: امام احمد نے ابوبرزہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ جُلَیبِیب نامی ایک شخص عورتوں کے پاس آتا، ان کے پاس سے گزرتا اور ان سے دل لگی کی باتیں کیا کرتا تھا، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو آئندہ تمھارے پاس جُلَیبِیب نہ آئے، اگر وہ آیا تو میں سخت سزا دوں گا۔ انصار میں یہ دستور تھا کہ ان میں سے کسی کے پاس اگر کوئی بغیر شوہر کے[4] (کنواری، بیوہ اور مطلقہ) عورت ہوتی تو وہ اس وقت تک اس کی شادی نہ کرتا جب تک یہ معلوم نہ کر لیتا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی حاجت ہے یا نہیں۔ نبی ﷺ نے ایک انصاری سے کہا: [زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ] ''اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے دے دو'' اس نے عرض کی: بسر و چشم اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: [إِنِّي لَسْتُ أُرِيدُهَا لِنَفْسِي] ''یقیناً میں یہ رشتہ اپنے لیے نہیں چاہتا۔'' تو اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کس کے لیے چاہتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لِجُلَيْبِيبٍ] ''جُلَیبِیب کے لیے۔'' اس نے

[1] مُفرِّد، لغوی اعتبار سے اس تنہا سفر کرنے والے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اپنی سواری کے سوا اور کوئی بھی نہ ہو جبکہ حدیث کے لحاظ سے اس کے معنی حدیث میں مذکور ہیں۔ [2] مسند أحمد :411/2. [3] صحيح مسلم، الذكر والدعاء......، باب الحث على ذكر الله تعالى، حديث :2676. اور جُمدان مکہ مکرمہ کے راستے میں ینبع اور عیص کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ [4] أَيِّم ہر اس عورت کو کہتے ہیں جو فی الوقت کسی کے نکاح میں نہ ہو، خواہ پہلے اس کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، یعنی کنواری، بیوہ اور مطلقہ سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر اس مرد کو بھی أَيِّم کہتے ہیں جس کے نکاح میں فی الوقت کوئی عورت نہ ہو۔

عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں بیٹی کی ماں سے مشورہ کرتا ہوں، وہ اس کی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا: رسول اللہ ﷺ تمھاری بیٹی کا رشتہ طلب فرماتے ہیں، اس نے بھی جواب میں یہی کہا کہ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر! اس آدمی نے کہا: مگر رسول اللہ ﷺ یہ رشتہ اپنے لیے طلب نہیں فرمارہے بلکہ جلیبیب کے لیے طلب فرمارہے ہیں۔ اس نے کہا: کیا جُلَیبِیب؟ اونہوں! کیا جُلَیبِیب؟ اونہوں! کیا جُلَیبِیب؟ اونہوں! نہیں، اللہ کی قسم! ہم جُلَیبِیب کو یہ رشتہ نہیں دیں گے، جب اس انصاری نے کھڑے ہو کر جانے کا ارادہ کیا تاکہ رسول اللہ ﷺ کو بتادے کہ اس کی بیوی نے کیا کہا ہے تو اس کی بیٹی نے کہا کہ تم سے میرا رشتہ کس نے مانگا ہے۔ اس کی ماں نے اسے بتایا تو اس نے کہا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کے حکم کو ٹال رہے ہو؟ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سپرد کردو، آپ مجھے ضائع نہیں فرمائیں گے، اس بیٹی کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اس بیٹی کو لے لیں اور جُلَیبِیب کے ساتھ اس کی شادی کردیں۔

اس اثنا میں رسول اللہ ﷺ ایک غزوے کے لیے تشریف لے گئے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت اور غنیمت سے سرفراز فرمایا تو آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: [هَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟] ''کیا تم اپنے کسی ساتھی کو گم پاتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: فلاں فلاں گم ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُنْظُرُوا! هَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟] ''پھر دیکھو! کیا تم اپنے کسی اور ساتھی کو گم پاتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: نہیں۔ آپ نے فرمایا: [لٰكِنِّي أَفْقِدُ جُلَيْبِيبًا......فَاطْلُبُوهُ فِي الْقَتْلٰى] ''لیکن میں جُلَیبِیب کو گم پاتا ہوں، لہٰذا اسے مقتولوں میں تلاش کرو۔'' انھوں نے تلاش کیا تو اس کی لاش مل گئی اور اس کے ساتھ ان سات کافروں کی لاشیں بھی ملیں جن کو اس نے قتل کردیا تھا، پھر کافروں نے اسے بھی شہید کردیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو بتایا کہ اے اللہ کے رسول! اس کی لاش مل گئی ہے اور اس کے ساتھ ان سات کافروں کی لاشیں بھی پڑی ہیں جن کو اس نے قتل کیا تھا، پھر کفار نے اسے بھی شہید کردیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی میت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: [قَتَلَ سَبْعَةً وَّ قَتَلُوهُ، هٰذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، هٰذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ] ''اس نے سات کافروں کو قتل کیا اور کافروں نے اسے شہید کردیا، یہ میرا اور میں اس کا ہوں، یہ میرا اور میں اس کا ہوں۔'' آپ نے یہ دو کلمات دو یا تین بار فرمائے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے بازوؤں پر اٹھالیا، پھر اس کی قبر کھودی گئی، اس کی میت کو چارپائی پر نہیں رکھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے مبارک بازو ہی اس کی چارپائی تھے، پھر رسول اللہ ﷺ ہی نے اسے اس کی قبر میں اتارا اور اسے غسل بھی نہیں دیا گیا تھا۔ ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں ایسی اور کوئی عورت نہ تھی جس کو اس سے زیادہ پیغام نکاح دینے والے ہوں۔ اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ نے ثابت سے بیان کیا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے لیے کیا دعا فرمائی تھی؟ آپ نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی تھی: [اَللّٰهُمَّ صُبَّ عَلَيْهَا الْخَيْرَ صَبًّا، وَّلَا تَجْعَلْ عَيْشَهَا كَدًّا كَدًّا] ''اے اللہ! اس پر خیر و بھلائی کی بارش نازل فرمادے اور اس کی زندگی کو مکدر نہ بنانا۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور پھر انصار میں ایسی اور کوئی عورت نہ تھی جس کو اس سے زیادہ پیغامِ نکاح دینے والے ہوں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس طویل روایت کو

اسی طرح بیان کیا ہے۔[1] امام مسلم اور نسائی نے اپنی کتابوں کی کتاب الفضائل میں ان کی شہادت کا واقعہ بیان کیا ہے۔[2] حافظ ابو عمر بن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستیعاب'' میں بیان کیا ہے کہ جب اس بیٹی نے پس پردہ اپنے والدین سے یہ کہا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کے حکم کو ٹالتے ہو؟ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ ''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔''[3] طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نماز عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اس سے منع کر دیا اور ساتھ ہی اس آیت کریمہ: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ کی تلاوت فرما دی۔[4] پس یہ آیت کریمہ عام ہے اور تمام امور

---

① مسند أحمد:422/4. ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل جليبيب رضی اللہ عنہ، حديث :2472 و السنن الكبرى للنسائي، المناقب، باب جليبيب رضی اللہ عنہ:68/5، حديث:8246. ③ الاستيعاب، باب الإفراد في الجيم على هامش الإصابة:256/1 لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: انس بن مالک اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیت مذکورہ کے سبب نزول میں یہ واقعہ مجھے موصولاً کہیں نہیں ملا۔ الإصابة:601،600/1، رقم:1182. ④ تفسير ابن أبي حاتم :3135،3134/9 والمصنف لعبد الرزاق:433/2، حديث:3975. عصر کے بعد نوافل کے متعلق وارد نہی مطلق نہیں ہے بلکہ بعض دلائل اسے مقید کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عصر کے بعد سورج غروب ہونے کے قریب نماز پڑھنا ممنوع ہے مطلقاً منع نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ [أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ] ''بے شک نبی ﷺ عصر کے بعد نماز سے روکتے تھے الا یہ کہ سورج ابھی بلند ہو۔'' (سنن أبي داود، التطوع، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة، حديث:1274). اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت کا تعلق غروب آفتاب کے قریب نماز پڑھنے سے ہے، اس سے قبل جائز ہے۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَتَحَرّٰى أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا] ''کوئی شخص طلوع شمس اور اس کے غروب کے وقت نماز پڑھنے کی کوشش نہ کرے۔'' (صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهى......، حديث: 828) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ منع کا حکم غروب آفتاب کے قریب نماز پڑھنے کے ساتھ مقید ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَغِيبَ] ''......اور جب سورج کا کنارہ غائب ہو جائے تو پھر نماز کو غروب آفتاب تک مؤخر کر دو......۔'' (صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، حديث:829) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین اوقات میں ہمیں نماز پڑھنے اور مردے دفنانے سے روکا کرتے تھے (ان میں سے ایک یہ ہے): [وَحِينَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتّٰى تَغْرُبَ] ''اور جب سورج غروب کے قریب ہو جائے تو غروب ہونے تک (نماز نہ پڑھو۔)'' (صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، حديث: 831) اسی طرح سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحيحة، حديث:200 میں ابن حزم رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے، وہ فرماتے ہیں: لَمْ يَنْهَ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ ''آپ ﷺ نے غروب آفتاب کے قریب ہی نماز پڑھنے سے روکا تھا۔'' (المحلى لابن حزم، حكم الركعتين بعد العصر: 4/3) اسی طرح کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی عصر کے بعد نوافل پڑھنا ثابت ہیں جس کی تفصیل ذیل میں دیے گئے مراجع سے دیکھی جا سکتی ہے۔ شرح صحيح مسلم للنووي، تحت الحديث: 829 وعون المعبود، تحت الحديث:1270-1272 والسلسلة الصحيحة:387/1، حديث:200 والمحلى لابن حزم :23/3-31. هذا ما عندنا والله اعلم بالصواب۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ

اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا تھا اور آپ نے بھی انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ج

اپنے پاس رکھ، اور اللہ سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ط فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ

ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے

لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ط

کر دیا، تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کر لیں، اور اللہ کا حکم

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿37﴾

تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے ﴿37﴾

سے متعلق ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کسی چیز کا حکم دے دیں تو پھر کسی کو اس کی مخالفت کا حق حاصل نہیں ہے، پھر کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے، پھر کسی کی رائے یا قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ ﴾ (النسآء 65:4) ”سو آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔“ اسی وجہ سے اس کی خلاف ورزی کی شدید تر دید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿36﴾ ﴾ ”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو یقیناً وہ صریح گمراہ ہو گیا۔“ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ﴾ (النور 63:24) ”تو جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب آ پہنچے۔“

تفسیر آیت: 37

حضرت زید اور زینب رضی اللہ عنہما کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ﴿ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ اور اس سے مراد وہی ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اتباع رسول ﷺ کی توفیق عطا فرما کر احسان فرمایا: ﴿ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ ﴾ ”اور آپ نے (بھی) اس پر احسان کیا۔“ کہ غلامی سے آزاد کر دیا اور وہ بڑی شان والے، جلیل القدر اور نبی ﷺ کے حبیب تھے، انھیں رسول اللہ ﷺ کا محبوب کہا جاتا تھا جیسا کہ ان کے بیٹے اسامہ کو محبوب ابن محبوب کہا جاتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

انھیں جس سَرِیّے میں بھی بھیجا تو اس کا امیر انھی کو بنایا، اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو آپ انھیں اپنا خلیفہ بنادیتے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کردی تھی۔ یاد رہے حضرت زینب کی والدہ اُمَیمہ بنت عبدالمطلب ہیں اور زید نے انھیں دس دینار ساٹھ درہم، دوپٹہ، چادر، زرہ، پچاس مد کھانا اور دس مد کھجوریں بطور حق مہر دیں، یہ مقاتل بن حیان کا بیان ہے، سو زینب ان کے پاس قریباً ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصے تک رہیں، پھر دونوں میں اختلاف پیدا ہوگیا، زید نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر ان کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ﴿ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ ''اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ ﴾ ''اور آپ اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔'' ابن جریر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اگر محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اس کتاب میں سے کچھ چھپانا ہوتا جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کے ذریعے سے نازل فرمایا ہے تو آپ اس آیت: ﴿ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ ﴾ کو چھپالیتے۔[2]

﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ ''پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی (اور پھر طلاق دے دی) تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا۔'' ﴿ وَطَرًا ﴾ کے معنی حاجت وضرورت کے ہیں، یعنی وہ جب اس سے فارغ ہوگئے اور انھوں نے اس سے جدائی اختیار کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا اور اس نکاح کا ولی خود اللہ عزوجل تھا، بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ اسے ولی، عقد، مہر اور انسانی گواہوں کے بغیر اپنے نکاح میں لے لیں۔

امام احمد نے ثابت سے اور انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ [اِذْهَبْ فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ] ''جاؤ اور اس کے پاس میرا ذکر کرو۔'' وہ چلے گئے حتی کہ ان کے پاس پہنچ گئے اور وہ اس وقت آٹا گوندھ رہی تھیں، زید کہتے ہیں کہ جب میں نے انھیں دیکھا تو میرے سینے میں ان کی دھاک بیٹھ گئی حتی کہ میں ان کی طرف دیکھ نہ سکا اور میں نے (دل میں) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یاد فرمایا ہے، فوراً میں نے ان کی طرف اپنی پشت کرلی اور واپس مڑتے ہوئے میں نے کہا: زینب تمھارے لیے خوش خبری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے، آپ ﷺ تمھیں یاد فرماتے ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں کروں گی جب تک اپنے رب تعالیٰ سے مشورہ نہ کرلوں، وہ اپنی مسجد کی طرف گئیں، ادھر قرآن نازل ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں اجازت کے بغیر تشریف لے آئے، مجھے یاد ہے کہ زینب جب رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور آپ نے ہمیں دعوت ولیمہ میں روٹی اور گوشت کھلایا تو لوگ کھانے سے فارغ ہوکر چلے گئے، البتہ کچھ لوگ کھانے کے بعد بھی گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے،

---

[1] مسند أحمد: 227/6. [2] تفسير الطبري: 18/22.

رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے، میں بھی آپ کے پیچھے تھا، آپ نے ازواج مطہرات کے حجروں میں جا کر انھیں سلام کیا اور وہ پوچھ رہی تھیں: اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی اہلیہ کو کیسا پایا؟ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے آپ کو بتایا یا کسی اور نے کہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ تشریف لے آئے اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے، میں بھی اندر داخل ہونے لگا مگر میرے اور آپ کے درمیان پردہ کر دیا گیا، حجاب سے متعلق حکم نازل کر دیا گیا اور لوگوں کو یہ نصیحت کر دی گئی کہ ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ ﴾ (الأحزاب 53:33) ”پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو۔ اور لیکن جب تم بلائے جاؤ تو داخل ہو جاؤ، پھر جب تم کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں دل لگا کے مت بیٹھے رہو بلاشبہ تمھاری یہ بات نبی کو ایذا دیتی ہے تو وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔“ [1] اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ تمھاری شادی تمھارے گھر والوں نے کی مگر میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کی ہے۔ [3]

سورۂ نور میں ہم محمد بن عبداللہ بن جحش کی یہ روایت بیان کر آئے ہیں [4] کہ زینب اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے باہم ایک دوسرے پر فخر کیا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں تو وہ ہوں کہ جس کی شادی آسمان سے نازل ہوئی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں وہ ہوں جن کی پاک دامنی کا حکم آسمان سے نازل ہوا، یہ جواب سن کر زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا اعتراف کر لیا۔ [5]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ﴾ ”تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں (اور پھر طلاق دے دیں) کچھ تنگی نہ رہے۔“ یعنی ہم نے آپ کے لیے زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا جائز قرار دے دیا ہے اور یہ ہم نے اس لیے جائز قرار دیا ہے تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے قبل زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اور انھیں اس دور کے رواج

---

① مسند أحمد:196,195/3. ② صحيح مسلم، النكاح، باب زواج زينب بنت جحش......، حديث:1428 و سنن النسائي، النكاح، باب صلاة المرأة إذا خطبت......، حديث:3253 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ﴾:433/6، حديث:11411,11410. ③ صحيح البخاري، التوحيد، باب: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي الْمَاۗءِ ﴾ (هود 7:11) ......، حديث:7420 . ④ المصباح المنیر میں یہ روایت نہیں ہے، البتہ (مفصل) ابن کثیر سورۂ نور، آیت : 11 کے ذیل میں ہے۔ ⑤ تفسير الطبرى:19/22,117/17.

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا

اور نبی کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی، ان لوگوں (انبیاء) میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے،

مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿38﴾

اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے ﴿38﴾

کے مطابق زید بن محمد کہا جاتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو ختم کر دیا اور فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (الأحزاب 33:4,5) ''اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے بیٹے بنایا، یہ تمھارے مونہوں کی باتیں ہیں، اور اللہ حق کہتا ہے اور وہ (سیدھے) راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ (مومنو!) لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپ کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کر دی جبکہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی تھی، اس حکم کی مزید تاکید اس آیت کریمہ میں فرمائی جس میں محرمات کا ذکر ہے: ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ (النسآء 4:23) ''اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی (حرام کر دی گئی ہیں۔)'' اس میں صلبی بیٹوں کی وضاحت اسی لیے کی گئی ہے تاکہ منہ بولے بیٹوں سے احتراز کیا جا سکے کیونکہ اس بات کا ان میں بہت رواج تھا۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿37﴾ ﴾ ''اور اللہ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔'' یعنی یہ امر جو واقع ہوا، اس کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما رکھا تھا اور یہ بہر صورت وقوع پذیر ہونے والا تھا، یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ زینب رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہو جائیں گی۔

تفسیر آیت: 38

اللہ کے فیصلے میں کوئی تنگی نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ ﴾ ''پیغمبر پر اس کام میں کچھ تنگی نہیں جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے۔'' جس کام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال قرار دے دیا ہے اور انھیں حکم دے دیا ہے کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیں، ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ ''جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور رہا ہے۔'' یعنی آپ سے پہلے سابقہ انبیائے کرام کے لیے بھی یہی حکم تھا اللہ اپنے نبیوں کو کوئی ایسا حکم نہیں دیتا جس میں ان کے لیے تنگی ہو، یہ درحقیقت ان منافقین کی تردید ہے جو اس وہم میں مبتلا تھے کہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید کی بیوی سے جو شادی کی ہے تو اس میں نقص ہے۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿38﴾ ﴾ ''اور اللہ کا حکم ٹھہر چکا تھا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جس امر کا فیصلہ فرما رکھا تھا وہ یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والا تھا، اسے وقوع پذیر ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا کہ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔

اَلَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخۡشَوۡنَهٗ وَلَا يَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ﴿39﴾

وہ (انبیاء) جو اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے﴿39﴾

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿40﴾ ع

محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے﴿40﴾

5 ع 6 2

تفسیر آیات: 40,39

اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والوں کی تعریف: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے: ﴿اَلَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ﴾ ”جو اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے ہیں۔“ اس کی مخلوق کی طرف اور اس طرح وہ امانت کو ادا کر دیتے ہیں۔ ﴿وَيَخۡشَوۡنَهٗ﴾ ”اور وہ اس سے ڈرتے ہیں۔“ یعنی صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے، لہٰذا انھیں کسی کی بھی سطوت اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے سے روک نہیں سکتی۔ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ﴿39﴾﴾ ”اور اللہ ہی حساب کرنے کو کافی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ناصر و مددگار کافی ہے۔

اور اس مقام پر بلکہ دیگر تمام مقامات پر بھی تمام لوگوں کے سردار حضرت محمد ﷺ ہیں جنھوں نے پیغام کو مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کلمے، ان کے دین اور ان کی شریعت کو تمام ادیان و شرائع سے سر بلند فرما دیا ہے، آپ سے قبل ہر نبی کو بطور خاص ان کی اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کو عرب و عجم کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا﴾ (الأعراف 158:7) ”(اے محمد!) کہہ دیں کہ لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“ پھر آپ کے بعد آپ کی امت تبلیغ دین کے منصب کی وارث بنی اور امت میں سے تبلیغ دین کے فریضے کو ادا کرنے میں سب سے اعلیٰ مقام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا جنھوں نے رات دن، حضر سفر، خفیہ اور علانیہ طور پر کیے ہوئے آپ کے تمام اقوال، افعال اور حالات کو لوگوں تک اس طرح پہنچا دیا جس طرح آپ نے انھیں حکم دیا تھا۔ فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَأَرۡضَاهُمۡ ۔ پھر اس وقت سے لے کر ہمارے زمانے تک ہر دور میں بعد میں آنے والے لوگ اپنے اسلاف کے اس مقدس مشن کے وارث بنتے چلے آئے ہیں کہ ہدایت یافتہ لوگ ان کی روشنی میں ان کے نقش قدم پر چلتے اور توفیق پانے والے انھی کے اسلوب و انداز میں تبلیغ دین کے فرض سے عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں۔ ہم کرم کرنے اور احسان فرمانے والے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی انھی اسلاف کا جانشین بنا دے۔

رسول اللہ ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ﴾ ”محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔“ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد زید بن محمد کہنے سے منع کر دیا گیا،

یعنی محمد ﷺ ان کے والد نہیں بلکہ انھوں نے تو اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ نبی ﷺ کی نرینہ اولاد میں سے تو کوئی بھی بلوغت کی عمر کو پہنچا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے قاسم، طیب اور طاہر بیٹے عطا ضرور فرمائے تھے مگر وہ چھوٹی عمر ہی میں فوت ہو گئے تھے، اسی طرح ماریہ قِبطیّہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا ابراہیم عطا فرمایا اور وہ بھی شیر خوارگی کی عمر میں وفات پا گیا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے زینب، رُقیّہ، اُم کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن چار بیٹیاں بھی عطا فرمائی تھیں، ان میں سے تین تو آپ کی حیات طیّبہ ہی میں فوت ہو گئی تھیں، البتہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے صدمۂ جانکاہ سے دوچار ہوئیں اور آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔

آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴾ ”بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ ﴾ (الأنعام 124:6) ”اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔“ یہ آیت کریمہ نص ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور جب کوئی نبی نہیں تو کوئی رسول بالا ولیٰ نہیں کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت کی نسبت خاص ہے، اس لیے کہ ہر رسول نبی بھی ضرور ہوتا ہے لیکن ہر نبی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے بارے میں بہت سی متواتر احادیث ثابت ہیں جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہیں، مثلاً: امام احمد نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَثَلِي فِي النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا فَأَحْسَنَهَا وَأَكْمَلَهَا وَتَرَكَ فِيهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ لَّمْ يَضَعْهَا، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِالْبُنْيَانِ وَيَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَقُولُونَ: لَوْتَمَّ مَوْضِعُ هٰذِهِ اللَّبِنَةِ، فَأَنَا فِي النَّبِيِّينَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ] ”نبیوں میں میری مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا، اسے بہت ہی خوب صورت اور مکمل بنایا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اور اسے وہاں نہ رکھا، لوگوں نے اس گھر کو دیکھنے کے لیے تانتا باندھ لیا اور وہ اس کی خوب صورتی پر تعجب کرنے اور کہنے لگے: اگر اس اینٹ کی جگہ بھی مکمل ہو جاتی تو کیا خوب تھا تو نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ میں ہوں۔“ [1] اور اسی طرح امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اسے حسن صحیح (غریب) قرار دیا ہے۔ [2]

آخری نبی ﷺ: امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے: [إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ، فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ] ”بے شک رسالت و نبوت منقطع ہو گئی ہے، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ ہی کوئی نبی۔“ راوی کا بیان ہے کہ لوگوں پر یہ بات بہت شاق گزری تو آپ نے فرمایا: [وَلٰكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ] ”البتہ مبشرات (باقی ہیں۔)“ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مبشرات سے کیا مراد ہے؟

[1] مسند أحمد: 137/5. [2] جامع الترمذي، المناقب، باب: [سلوا اللّٰه لي الوسيلة......]، حديث: 3613.

آپ نے فرمایا:[رُؤْيَا الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ] ''مسلمان آدمی کا خواب جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔''[1] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا اور اسے صحیح غریب قرار دیا ہے۔[2]

قصر نبوت کی تکمیل: امام ابوداود طیالسی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَكَانَ مَنْ دَخَلَهَا وَنَظَرَ إِلَيْهَا، قَالَ: مَا أَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ هٰذِهِ اللَّبِنَةِ، فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ، خُتِمَ بِيَ الْأَنْبِيَاءُ] ''میری اور انبیاء کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے مکمل اور احسن بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص اس گھر میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا تو کہتا کہ گھر تو بہت خوب صورت ہے مگر اینٹ کی جگہ خالی ہے تو وہ اینٹ کی جگہ میں ہوں، میرے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا گیا ہے۔''[3] اسے امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح غریب قرار دیا ہے۔[4]

رسالت و نبوت کا انقطاع: امام احمد نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَثَلِي وَمَثَلُ النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا فَأَتَمَّهَا إِلَّا لَبِنَةً وَّاحِدَةً فَجِئْتُ أَنَا فَأَتْمَمْتُ تِلْكَ اللَّبِنَةَ] ''میری اور نبیوں کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے مکمل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کی جگہ کو پُر کر دیا۔''[5] اسے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے (بخاری نے نہیں۔)[6]

سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[(إِنَّ) مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ ابْتَنٰى بُيُوتًا فَأَحْسَنَهَا وَأَكْمَلَهَا وَأَجْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِيَةٍ مِّنْ زَوَايَاهَا فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ وَيُعْجِبُهُمُ الْبُنْيَانُ فَيَقُولُونَ: أَلَّا وَضَعْتَ هَاهُنَا لَبِنَةً فَيَتِمُّ بُنْيَانُكَ؟...... فَكُنْتُ أَنَا اللَّبِنَةَ] ''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے گھر بنائے اور وہ بہت مکمل اور حسین وجمیل بنائے مگر ان کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، لوگوں نے ان گھروں کو دیکھنا شروع کر دیا اور وہ عمارت انھیں بہت بھلی معلوم ہونے لگی مگر انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہاں بھی ایک اینٹ کیوں نہ رکھ دی تاکہ تمھاری عمارت مکمل ہو جاتی...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہوں۔''[7] اسے امام

[1] مسند أحمد:267/3 . [2] جامع الترمذي، الرؤيا، باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات، حديث: 2272.

[3] مسند أبي داود الطيالسي، ماروى سعيد بن مينا عن جابر :333/3، حديث: 1894. [4] صحيح البخاري، المناقب، باب خاتم النبيين ﷺ، حديث :3534 و صحيح مسلم، الفضائل، باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، حديث: 2287 و جامع الترمذي، الأمثال، باب ماجاء في مثل النبي ﷺ ......، حديث:2862. [5] مسند أحمد :9/3 . [6] صحيح مسلم، الفضائل، باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، حديث :(22)-2286 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [7] مسند أحمد: 312/2 البتہ قوسین والا لفظ صحيح البخاري کے آمدہ حوالے میں ہے۔

بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

عالمی و آخری نبوت: امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ (الْغَنَائِمُ) وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَّمَسْجِدًا وَّأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ] ''مجھے چھ باتوں میں تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: (1) مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں (2) رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے (3) میرے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دے دیا گیا ہے (4) زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا ہے (5) مجھے ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے (6) اور میرے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔''[2] اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

خاتم المرسلین ﷺ: امام احمد نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَثَلِي وَمَثَلُ النَّبِيِّينَ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا فَأَتَمَّهَا إِلَّا لَبِنَةً وَّاحِدَةً، فَجِئْتُ أَنَا فَأَتْمَمْتُ تِلْكَ اللَّبِنَةَ] ''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے مکمل کر دیا مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کی جگہ کو مکمل کر دیا۔''[4] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[5]

باب نبوت کی بندش: جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَّأَنَا أَحْمَدُ، وَّأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهٗ أَحَدٌ] ''بے شک میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو میرے بعد جمع کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' اسے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[6] اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت متواترہ میں یہ خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب، افترا پرداز، دجال، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے، خواہ وہ کیسے ہی خرق عادت امور اور کیسی ہی شعبدہ بازیاں دکھائے، مختلف انواع واقسام کے

---

① صحيح البخاری، المناقب، باب خاتم النبيين ﷺ، حديث: 3535 و صحيح مسلم، الفضائل، باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، حديث: 2286. ② صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 523 قوسین والا لفظ حدیث: 521 میں ہے۔ ③ جامع الترمذی، السير، باب ماجاء فی الغنيمة، حديث: 1553 وسنن ابن ماجه، التيمم، باب ماجاء فی التيمم، حديث: 567 مختصراً. ④ مسند أحمد: 9/3. ⑤ صحيح مسلم، الفضائل، باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، حديث: (23)-2287. ⑥ صحيح البخاری، المناقب، باب ماجاء فی أسماء رسول الله ﷺ......، حديث: 3532 و صحيح مسلم، الفضائل، باب أسمائه ﷺ، حديث: (125)-2354 واللفظ له ومسند أحمد: 80/4.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا ﴿41﴾ وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ﴿42﴾ هُوَ الَّذِىۡ

اے ایمان والو! تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو﴿41﴾ اور تم صبح وشام اس کی تسبیح کرو﴿42﴾ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (رحمت کی دعا کرتے

يُصَلِّىۡ عَلَيۡكُمۡ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ‌ؕ وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا ﴿43﴾

ہیں) تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائے، اور اللہ مومنوں پر بہت رحم کرنے والا ہے﴿43﴾ جس دن وہ اس سے ملیں گے تو ان کی دعا

تَحِيَّتُهُمۡ يَوۡمَ يَلۡقَوۡنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَاَعَدَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَرِيۡمًا ﴿44﴾

ہوگی ''سلام'' اور اللہ نے ان کے لیے عمدہ و پاکیزہ اجر و ثواب تیار کیا ہے﴿44﴾

جادو اور طلسمات کا مظاہرہ کرے، اہل عقل کے نزدیک یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی اور مسیلمۂ کذّاب کے ہاتھ پر ایسے فاسد احوال اور بارد و بے کار اقوال جاری فرما دیے تھے جن سے ہر عقل مند اور صاحب فہم وبصیرت نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے یہ دونوں شخص کاذب اور گمراہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے، ان کذاب مدعیانِ نبوت میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے امور پیدا فرما دیتا ہے جس سے علماء اور مومن یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا جھوٹا دعوے دار ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ حد درجہ لطف وکرم کا معاملہ ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت نہ تو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور نہ برائی سے منع کرتے ہیں، کبھی اتفاق سے ایسا ہو تو الگ بات ہے یا پھر اپنے خاص مقاصد کی خاطر انھوں نے کبھی ایسا کیا ہو گا ورنہ اپنے اقوال اور افعال میں اکثر وبیشتر یہ افترا پرداز اور فاسق وفاجر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ ؕ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ۙ﴾ (الشعرآء 26:221,222) ''اچھا میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں، ہر افترا پرداز، نہایت گناہ گار پر اترتے ہیں۔'' اس کے برعکس حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کا قول وفعل حد درجہ نیکی، راست بازی، رشد و بھلائی اور استقامت وعدل پر مبنی ہوتا ہے، وہ ہمیشہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع فرماتے ہیں، پھر وہ اپنی نبوت کی تائید وحمایت میں معجزات، واضح دلائل اور روشن براہین بھی پیش فرماتے ہیں۔ فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيۡهِمۡ دَائِمًا مُّسۡتَمِرًّا مَّادَامَتِ الۡاَرۡضُ وَالسَّمٰوَاتُ.

تفسیر آیات: 41-44

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی فضیلت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کریں کیونکہ اس نے انھیں انواع واقسام کی نعمتوں اور احسانات سے سرفراز فرمایا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی وجہ سے انھیں بے حدوحساب اجر وثواب اور بہت خوبصورت ٹھکانا بھی ملے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن بسر سے روایت کیا ہے کہ دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنۡ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ] ''جس کی عمر طویل اور اس کا عمل اچھا ہو۔'' دوسرے نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اسلام کے احکام تو بہت سے ہیں، مجھے ایک ایسی

بات فرمادیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا یَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ] ''تمھاری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔''[1] اس حدیث کا دوسرا حصہ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[3]

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَامِنْ قَوْمٍ جَلَسُوا مَجْلِسًا لَّمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيهِ إِلَّا رَأَوْهُ حَسْرَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جو بھی قوم کسی مجلس میں بیٹھی اور پھر اس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس ان کے لیے قیامت کے دن موجب حسرت ہوگی۔''[4] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ ''اللہ کا بہت ذکر کیا کرو۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو فریضہ بھی عائد کیا ہے، اس کی ایک معلوم حد مقرر فرمادی ہے اور معذوروں کو عذر کی حالت میں معذور قرار دیا ہے مگر ذکر کی اللہ تعالیٰ نے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور نہ کسی کو معذور قرار دیا ہے سوائے اس کے جو مغلوب ہو جانے کی وجہ سے ذکر ترک کر دے، پس ارشاد فرمایا: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ (النسآء 103:4) ''پس کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرو۔'' یعنی رات اور دن میں، بر و بحر میں، سفر و حضر میں، تونگری و فقر میں، بیماری و صحت میں، خفیہ اور علانیہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور پھر فرمایا: ﴿وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ ''اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔'' جب تم ایسا کرو گے تو وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجیں گے۔[5] اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب کے بارے میں بہت ہی زیادہ آیات، احادیث اور اقوال موجود ہیں اور اس آیت کریمہ میں بھی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور امام نسائی، معمری اور دیگر کئی ائمہ نے رات اور دن کی گھڑیوں سے متعلق اذکار کے موضوع پر مستقل کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ ''اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔'' بکرۃ کے معنی صبح اور أصیل کے معنی شام کے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○﴾ (الروم 18,17:30) ''سو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو تو اللہ کی تسبیح کرو اور آسمانوں اور زمین میں تعریف اسی کے لیے ہے۔ اور سہ پہر کو بھی اور جب تم ظہر کرو (تب بھی تسبیح کرو۔)'' اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ﴾ ''وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔'' یہ ذکر کا شوق اور رغبت پیدا کی جا رہی ہے کہ تم اس کا ذکر کیا کرو وہ تمھیں یاد کیا کرے گا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا: ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا

[1] مسند أحمد: 190/4. [2] ملحوظ: پہلا حصہ بھی جامع الترمذی، الزهد، باب منه أيّ الناس خير......؟ حديث: 2330 عن نفيع بن الحارث بن كَلدة أبي بكرة الثقفي رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [3] جامع الترمذی، الدعوات، باب ماجاء فی فضل الذكر ......، حديث: 3375 و سنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الذكر، حديث: 3793. [4] مسند أحمد: 224/2. [5] تفسير الطبری: 23,22/22.

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۞﴾ (البقرۃ 2:151,152) ''جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمھی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتے، تمھیں پاک کرتے اور کتاب (قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور وہ (ایسی باتیں) سکھاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے، سوتم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور میری ناشکری نہ کرنا۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: [(مَنْ) ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ، ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَ(مَنْ) ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ] ''جس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا میں اسے اپنے جی میں یاد کروں گا اور جس نے مجھے جماعت میں یاد کیا میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کروں گا۔''[1] اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پاس اپنے بندے کی تعریف فرماتا ہے۔ اسے امام بخاری نے ابو العالیہ سے بیان کیا ہے۔[2] اور ابو جعفر رازی نے ربیع بن انس سے بھی یہی معنی بیان کیے ہیں۔ دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلاۃ کے معنی اپنے بندے پر رحمت نازل فرمانا ہے۔[3] جبکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

فرشتوں کی نسبت سے صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگوں کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۞ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ ......﴾ (المؤمن 40:7-9) ''جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں وہ (فرشتے) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہیں تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے رستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے، اے ہمارے پروردگار! ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں، (ان کو بھی) بے شک تو نہایت غالب، حکمت والا ہے اور ان کو برائیوں سے بچائے رکھ......''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ﴾ ''تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔'' یعنی تم پر رحمت فرمانے، فرشتوں کے پاس تعریف کرنے اور فرشتوں کے تمھارے لیے دعا کرنے کے سبب وہ تمھیں

---

[1] صحیح البخاري، التوحید، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ﴾ (آل عمرٰن 3:28) ......، حدیث:7405 وصحیح مسلم، الذکر والدعاء......، باب الحث علی ذکر اللہ تعالٰی، حدیث:2675 جبکہ دونوں قوسوں والا لفظ مسند أحمد:2/405 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ﴾ (الأحزاب 33:56)، قبل الحدیث :4797 . [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 9/3139 ملخصًا.

﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴾ ﴿43﴾ جہالت اور ضلالت کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت اور یقین کی روشنی کی طرف لے آئے گا۔ ''اور اللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔'' یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس نے انھیں اس حق کی طرف ہدایت سے سرفراز فرمایا جس سے دوسرے لوگ جاہل رہے، اس رستے کی بصیرت عطا فرمائی جس سے دیگر لوگ، کفر و بدعت کے داعی اور ان کے اندھے پیروکار بھٹک گئے تھے اور آخرت میں ان پر اس کی رحمت یہ ہوگی کہ وہ انھیں بہت بڑے خوف سے امن میں رکھے گا اور اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ان کا استقبال کر کے حصول جنت کی کامیابی اور آتش جہنم سے نجات کی بشارت سنائیں گے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ اپنے ان بندوں سے اسے پیار ہے اور وہ اپنی رحمت و شفقت سے انھیں نوازے گا۔ امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دفعہ) اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ گزر رہے تھے کہ رستے میں ایک چھوٹا بچہ پڑا ہوا تھا، جب اس کی ماں نے ان لوگوں کو دیکھا تو اسے خدشہ لاحق ہوا کہ اس کا بچہ کچل نہ دیا جائے، اس لیے وہ دوڑتی بھاگتی آئی اور کہہ رہی تھی: میرا بچہ! میرا بچہ! اور جلدی سے اس نے اپنے بچے کو اٹھا لیا، صحابۂ کرام نے عرض کی! اے اللہ کے رسول! یہ ماں اپنے لخت جگر کو آگ میں پھینکنا تو گوارا نہیں کر سکتی؟[1] راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سب لوگوں کو خاموش کرایا اور فرمایا: [وَلَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَا يُلْقِي حَبِيبَهُ فِي النَّارِ] ''اور نہیں اللہ بھی اپنے پیارے بندے کو آگ میں نہیں پھینکے گا۔''[2] اس حدیث کی سند صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، البتہ اصحاب کتب ستہ میں سے کسی نے اسے بیان نہیں کیا لیکن صحیح بخاری میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں میں سے ایک عورت کو دیکھا جس نے اپنے لخت جگر کو سینے کے ساتھ چمٹایا ہوا تھا اور وہ اسے دودھ پلا رہی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَتَرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ] ''کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟'' صحابۂ کرام نے عرض کی: جی نہیں! اس حال میں کہ وہ قدرت رکھتی ہو (کبھی ایسا نہیں کرے گی۔) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا] ''اللہ کی قسم! یہ عورت اپنے بچے پر جس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اس سے بدرجہا اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔''[3]

---

[1] مسند أحمد کے بعض نسخوں میں [ولاء اللّٰه] آیا ہے جو کہ درست نہیں، دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 75/19.
[2] مسند أحمد: 104/3. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث: 5999 وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى……، حديث: 2754 صحیح بخاری و مسلم کے مذکورہ حوالوں میں ہے کہ قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا تھا، چنانچہ وہ اپنے گم گشتہ بچے کی تلاش میں جس بچے کو بھی دیکھتی اس کو اٹھاتی، اپنی چھاتی سے لگاتی اور اسے دودھ پلاتی، تفسیر ابن کثیر میں صحیح بخاری کے اقتباس میں صَبِيًّا کے ساتھ لَهَا کا اضافہ ہے جو کہ درست نہیں، البتہ اسماعیلی کی روایت میں صراحت ہے کہ اس عورت کو اپنا بچہ مل گیا تھا، اس کے لفظ ہیں: إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا أَخَذَتْهُ فَأَرْضَعَتْهُ فَوَجَدَتْ صَبِيًّا فَأَخَذَتْ فَأَلْزَمَتْهُ بَطْنَهَا. حافظ ابن حجر اس کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث کے سیاق سے پتا چلتا ہے کہ اس (قیدی) عورت کا بچہ گم ہو گیا تھا اور وہ اپنے پستانوں میں دودھ اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے کسی مضرت سے ڈرتی تھی، اس لیے وہ جو بچہ پاتی اسے دودھ پلاتی تا کہ اس سے دودھ کا بوجھ ہلکا ہو جائے تو جب اس نے اپنا لخت جگر پا لیا تو اس کو پکڑا اور اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ دیکھیے فتح الباري: 430/10، تحت الحديث: 5999.

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ﴿45﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ

اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے ﴿45﴾ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور

وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا ﴿46﴾ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَضۡلًا كَبِيۡرًا ﴿47﴾ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ

روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) ﴿46﴾ اور مومنوں کو اس بات کی بشارت دے دیجیے کہ بے شک ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے ﴿47﴾ اور کافروں

وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَدَعۡ اَذٰىهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿48﴾

اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا رسانی نظر انداز کر دیجیے، اور اللہ پر توکل کیجیے، اور اللہ کارساز کافی ہے ﴿48﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَحِيَّتُهُمۡ يَوۡمَ يَلۡقَوۡنَهٗ سَلٰمٌ ﴾ ''جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا۔'' ﴿ تَحِيَّتُهُمۡ يَوۡمَ يَلۡقَوۡنَهٗ ﴾ سے مراد ہے کہ جس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں سلام کہے گا۔ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ. جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: ﴿ سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ ○ ﴾ (یٰس 58:36) ''پروردگار مہربان کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔'' امام قتادہ کا خیال ہے کہ اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ آخرت کے دن جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو سلام کہہ رہے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ ﴾ (یونس 10:10) ''(جب وہ) ان میں (ان کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے: اللہ تو پاک ہے! اور آپس میں ان کی دعا سلام علیکم ہوگی اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی تعریف (اور اس کا شکر) ہے۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَعَدَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَرِيۡمًا ﴿44﴾ ﴾ ''اور اس نے ان کے لیے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی جنت اور اس میں کھانے پینے کی چیزوں، لباسوں، رہائشوں، نکاحوں، لذتوں اور دل فریب نظاروں کی ایسی ایسی بے مثال اور باکمال نعمتیں ہیں کہ اس طرح کی نعمتیں کبھی کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کبھی کسی کان نے سنی نہیں، دیکھنا سننا تو دور کی بات! کسی انسان کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آ سکتا۔

تفسیر آیات: 45-48

رسول اللہ ﷺ کی صفات جمیلہ: امام احمد نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملا اور میں نے عرض کی: مجھے بتائیے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت لکھی ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا: ضرور اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کی صفات کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، مثلاً: تورات میں آپ کے بارے میں لکھا ہوا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ﴿45﴾ ﴾ ''اے پیغمبر! ہم نے بلاشبہ آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔'' اور ان پڑھوں کے لیے ذریعۂ حفاظت بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ بدخو، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معافی و درگزر سے کام لیتے اور بخش دیتے ہیں، اس وقت تک اللہ تعالیٰ انھیں دنیا سے نہیں بلائے گا جب تک وہ ان کے ذریعے سے کج روملت کو سیدھا نہیں کر دیتا کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنا شروع کر دیں

تو اللہ تعالیٰ اس کلمے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردے میں بند دلوں کو کھول دے گا۔ [1] اسے امام بخاری نے بھی کتاب البیوع اور کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے۔ [2]

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے بنی اسرائیل میں سے شَعیا نامی ایک نبی کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تم اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ، میں اپنی وحی کے ساتھ تمھاری زبان کو قوت گویائی عطا کر دوں گا اور میں ان پڑھ لوگوں میں اپنے ایک نبی امی کو مبعوث کروں گا جو نہ تند خو، نہ سنگ دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا، اگر وہ جلتے ہوئے چراغ کے پاس سے گزرے تو اس قدر شائستگی کے ساتھ کہ چراغ بجھنے نہ پائے۔ اگر وہ سرکنڈوں پر بھی چلے تو اس کے قدموں کی آہٹ سنائی نہ دے، میں اسے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا، وہ بے ہودہ بات نہیں کرے گا، اس کے ذریعے سے میں اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردے میں بند دلوں کو کھول دوں گا، میں اسے ہر خوب صورت کام کی توفیق عطا کروں گا، ہر خلق کریم سے اسے سرفراز کر دوں گا، سکینت کو اس کا لباس، نیکی کو اس کا شعار، تقویٰ کو اس کا ضمیر، حکمت کو اس کی گفتگو، صدق و وفا کو اس کی طبیعت، عفو و نیکی کو اس کا خلق، حق کو اس کی شریعت، عدل کو اس کی سیرت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کی ملت بنا دوں گا، احمد اس کا نام ہوگا اس کے ذریعے سے ضلالت کے بعد ہدایت دے دوں گا۔ جہالت کے بعد علم دے دوں گا، گمنامی کے بعد سربلندی عطا کر دوں گا نا معلوم ہونے کے بعد پہچان کرا دوں گا، قلت کے بعد کثرت کر دوں گا، محتاجی کے بعد غنی کر دوں گا، تفرقہ کے بعد جمع کر دوں گا، اور ان کے ذریعے سے متفرق امتوں، مختلف دلوں اور پراگندہ خواہشات میں الفت اور ہم آہنگی پیدا کر دوں گا اور ان کے ذریعے سے میں بے شمار لوگوں کو تباہی و ہلاکت سے محفوظ کر دوں گا، ان کی امت کو سب سے بہتر امت بنا دوں گا جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے اور اس امت کے لوگ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے اور وہ موحد، مومن، مخلص اور میرے رسولوں کے لائے ہوئے دین و شریعت کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ میں ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دوں گا کہ وہ اپنی مسجدوں، مجلسوں اور آنے جانے کے راستوں میں میری تسبیح، تحمید، ثنا، تکبیر اور توحید کے ترانے گائیں گے، وہ کھڑے اور بیٹھے ہوئے نماز پڑھیں گے، وہ صفیں باندھ کر اور بھاری تعداد میں چل کر اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اور ہزاروں کی تعداد میں میری رضا کے حصول کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں گے، وہ اپنے چہروں اور ہاتھ پاؤں کو پاک صاف رکھیں گے، اپنے کپڑوں کو نصف پنڈلیوں تک رکھیں گے، ان کی قربانیاں ان کے خون ہوں گے، ان کی انجیلیں (کتابیں) ان کے سینوں میں ہوں گی، وہ رات کو عبادت گزار اور دن کو شیر ہوں گے، میں ان (ﷺ) کے اہل بیت اور اولاد میں سے سابقین، صدیقین، شہداء اور صالحین پیدا کروں گا، ان کے بعد ان کی امت کے لوگ حق کے ساتھ ہدایت کریں گے اور اس کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے جو ان کی مدد کرے گا میں اسے

[1] مسند أحمد :174/2. [2] صحيح البخاري ، البيوع، باب كراهية السخب في السوق، حديث:2125 والتفسير، باب: ﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾ (الفتح48:8)، حديث:4838.

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحۡتُمُ ٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوهُنَّ مِن قَبۡلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں چھونے سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو تمھاری طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم

لَكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٖ تَعۡتَدُّونَهَاۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحٗا جَمِيلٗا ﴿49﴾

اس (عدت) کو شمار کرو، پس تم انھیں کوئی فائدہ دو اور اچھے طریقے سے رخصت کر دو ﴿49﴾

عزت عطا کروں گا جو ان کے لیے دعا کرے گا میں اس کی تائید کروں گا جو ان کی مخالفت کریں گے یا ان پر سرکشی کریں گے یا ان کے ہاتھوں سے کچھ چھیننا چاہیں گے میں بری گردش میں ان لوگوں کو مبتلا کر دوں گا۔ میں انھیں اپنے نبی کے وارث اور رب کی طرف دعوت دینے والے بنا دوں گا، وہ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے، نماز قائم کریں گے، زکاۃ ادا کریں گے، وعدے کو پورا کریں گے اور انھی پر میں اس خیر و بھلائی کو ختم کر دوں گا جس کا ان کے پہلے شخص سے میں نے آغاز کیا تھا، یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں میں اس سے سرفراز کر دوں اور میں تو فضل عظیم کا مالک ہوں۔[1]

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ ﴿ شَاهِدًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی، یعنی اس بات کی گواہی دینے والے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور روز قیامت لوگوں کے اعمال کی گواہی دینے والے ہیں۔ ﴿ وَجِئۡنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدٗا ﴾ (النسآء 41:4) ''اور ہم آپ کو ان لوگوں کا (حال بتانے کے لیے) گواہ طلب کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدٗاۗ ﴾ (البقرۃ 143:2) ''تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا ﴿45﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ آپ مومنوں کے لیے بے پایاں اجر و ثواب کی بشارت سنانے والے ہیں اور کافروں کو جہنم کے خوفناک عذاب سے ڈرانے والے ہیں، ﴿ وَدَاعِيًا إِلَى ٱللَّهِ بِإِذۡنِهِۦ ﴾ یعنی اللہ کے حکم سے اللہ کی مخلوق کو اپنے رب کی عبادت کی دعوت دینے والے ہیں، ﴿ وَسِرَاجٗا مُّنِيرٗا ﴿46﴾ ﴾ ''اور چراغ روشن۔'' یعنی آپ جس پیغام حق کو لے کر آئے ہیں، اس کے بارے میں آپ کا معاملہ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور منور ہے کہ کسی معاند کے سوا اور کوئی اس کا انکار کر ہی نہیں سکتا۔ ﴿ وَلَا تُطِعِ ٱلۡكَٰفِرِينَ وَٱلۡمُنَٰفِقِينَ وَدَعۡ أَذَىٰهُمۡ ﴾ ''اور آپ کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مانیے اور ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کیجیے۔'' یعنی کافر اور منافق لوگ جو بات کہتے ہیں اسے نہ سنیں اور نہ مانیں ﴿ وَدَعۡ أَذَىٰهُمۡ ﴾ یعنی ان سے درگزر اور تجاوز کریں، ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، ان کے لیے یہی کافی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلٗا ﴿48﴾ ﴾ ''اور آپ اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔''

تفسیر آیت: 49

جن عورتوں کے پاس جانے سے پہلے انھیں طلاق دے دی گئی ہو: اس آیت کریمہ میں بہت سے احکام بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: یہ کہ محض عقد ہی پر لفظ نکاح کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس بارے میں قرآن مجید میں اس سے زیادہ صریح کوئی دوسری

[1] المعجم الكبير للطبراني: 89/10، حديث: 10046 و تفسير الطبري: 35,34/15 و تفسير ابن أبي حاتم: 3140/9، حدیث ضعیف ہے۔

آیت نہیں ہے، یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دخول سے قبل بھی عورت کو طلاق دینا جائز ہے۔

﴿اَلْمُؤْمِنٰتِ﴾ کا لفظ اکثر و بیشتر حالات کے اعتبار سے ہے ورنہ بالاتفاق اس مسئلے میں مومنہ اور کتابی عورت کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیب، حسن بصری، علی بن حسین زین العابدین اور سلف کی ایک جماعت نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ طلاق تب ہی واقع ہوتی ہے جب پہلے نکاح ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾ ''جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے پھر ان کو طلاق دے دو۔'' نکاح کے بعد طلاق کو ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق دینا نہ صحیح ہے اور نہ نکاح سے قبل طلاق واقع ہوتی ہے۔[1] ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ میں جس عورت سے شادی کروں تو اسے طلاق ہے تو اس کی اس بات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ ......﴾ الآیة ''مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو طلاق دے دو......''[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس میں طلاق کو نکاح کے بعد ذکر کیا گیا ہے؟[3]

اس سلسلے میں عمرو بن شعیب کی اپنے والد سے اور ان کی اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے ایک حدیث بھی ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ] ''(اس صورت میں) ابن آدم اس عورت کو طلاق نہیں دے سکتا جس کا وہ مالک ہی نہیں ہے۔''[4] اسے امام احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[5] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سب سے احسن روایت ہے جو اس باب میں مروی ہے اسی طرح امام ابن ماجہ نے بھی حضرت علی اور مِسْوَر بن مَخْرَمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ] ''نکاح سے قبل کوئی (بھی) طلاق نہیں۔''[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ ''تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔'' اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ عورت کو جب دخول سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں ہے، لہٰذا اگر وہ چاہے تو فوراً نکاح کر سکتی ہے، البتہ وہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو کیونکہ اسے چار ماہ دس دن کی عدت گزارنا ہوگی، خواہ اس کے ساتھ دخول نہ بھی کیا گیا ہو اور اس بات پر بھی تمام علماء کا اجماع ہے۔ ﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ﴾

---

[1] تفسير البغوى:648/3. [2] تفسير ابن أبى حاتم :3142/10 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخارى، الطلاق، باب: لاطلاق قبل نكاح......، بعد الحديث :5268 . [4] مسند أحمد :190/2 . [5] مسند أحمد :190/2 و جامع الترمذى، الطلاق واللعان، باب ماجاء لا طلاق قبل النكاح، حديث:1181 و سنن أبى داود، الطلاق، باب فى الطلاق قبل النكاح، حديث:2190 و سنن ابن ماجه، الطلاق، باب لا طلاق قبل النكاح، حديث:2047. [6] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب لاطلاق قبل النكاح، حديث :2048 .

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے، اور وہ (کنیزیں) بھی آپ کے دائیں ہاتھ

يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ

جن کے مالک ہیں ان (کنیزوں) میں سے جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دیں، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں، اور آپ کے

خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ

ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی، جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، اور مومن عورت بھی، اگر وہ اپنے آپ کو نبی کے لیے

النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا

ہبہ (وقف) کر دے، اگر نبی چاہے تو اس سے نکاح کر لے، یہ (اجازت) مومنوں کے علاوہ خاص آپ کے لیے ہے، ہم یقیناً جانتے ہیں جو کچھ ہم نے

فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ

ان (مومنوں) پر ان کی بیویوں اور جن (لونڈیوں) کے مالک ہوئے ہیں ان کے دائیں ہاتھ (ان) کے بارے میں فرض کیا ہے، (آپ کے لیے ازواج کی یہ

حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿50﴾

حلت اس لیے ہے) کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿50﴾

﴿ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿49﴾ ﴾ ”پس ان کو کچھ فائدہ دو اور اچھی طرح سے رخصت کر دو۔“ متعہ کا لفظ یہاں پر عام ہے۔ وہ مقرر کردہ حق مہر کا نصف بھی ہو سکتا ہے یا پھر اس سے مراد خاص متعہ ہے اگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ﴾ (البقرۃ 2:237) ”اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو، حالانکہ مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا۔“ اور فرمایا: ﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (البقرۃ 2:236) ”اور اگر تم عورتوں کو ان کے چھونے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق، نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔“ صحیح بخاری میں سہل بن سعد اور ابو اسید رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمیمہ بنت شراحیل سے شادی کی اور جب اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا تو اس نے گویا اسے ناپسند کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابو اسید کو حکم دیا کہ وہ اسے رخصت کر دیں اور اسے سفید کتان کے دو کپڑے دے دیں۔[1] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو پھر اس کا حق نصف مہر ہے اور اگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو پھر طلاق دینے والا اپنی تنگ دستی اور خوش حالی کے مطابق اسے خرچ دے اور اچھی طرح رخصت کرنے

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب من طلق وهل يواجه الرجل......؟ حديث: 5257,5256 .

کے یہی معنی ہیں۔ ①

تفسیر آیت:50

ان عورتوں کا بیان جو نبی ﷺ کے لیے حلال کردی گئی تھیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوکر فرمایا ہے کہ آپ کے لیے ان عورتوں کو حلال قرار دے دیا گیا ہے جن کو آپ نے ان کے مہر دے دیے ہوں، أجور سے یہاں مہر مراد ہیں جیسا کہ مجاہد اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے کہا ہے۔ ② نبی ﷺ کی بیویوں کا مہر ساڑھے بارہ اُوقیہ چاندی ہوتا تھا، اس وجہ سے تمام ازواج مطہرات کو پانچ سو درہم مہر ملا، البتہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کو نجاشی نے آپ کی طرف سے چار سو دینار مہر دے دیا تھا اور صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا آپ نے خیبر کے قیدیوں میں سے اپنے لیے انتخاب فرمایا تھا، پھر آپ نے انھیں آزاد کردیا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر مقرر کردیا، اسی طرح خاندان مصطلق کی خاتون جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی کتابت آپ نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو ادا کی اور ان سے شادی کرلی تھی۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ أَجْمَعِينَ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ ﴾ ''اور جن (لونڈیوں) کا مالک آپ کا دایاں ہاتھ بنا ہے جو اللہ نے آپ کو بطور (مال) غنیمت دلوائی ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان لونڈیوں کو بھی حلال کردیا ہے جو آپ نے مال غنیمت میں حاصل کی ہوں جیسا کہ صفیہ و جویریہ رضی اللہ عنہما آپ کی لونڈیاں تھیں، آپ نے انھیں آزاد کرکے ان سے شادی کرلی تھی، اسی طرح ریحانہ بنت شمعون نضریہ رضی اللہ عنہا اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا، جو آپ کے صاحبزادے ابراہیم کی والدہ تھی، آپ کی لونڈیاں تھیں، ﴿ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ ...... ﴾ الآیۃ ''اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھی کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں......'' یہ طریقہ افراط و تفریط کے مابین مبنی بر اعتدال ہے کیونکہ عیسائی کسی عورت سے شادی نہیں کرتے جب تک کہ آدمی اور عورت کے درمیان سات یا اس سے بھی زیادہ دادے حائل نہ ہوں جبکہ یہودی بھتیجی یا بھانجی سے بھی شادی کرلیتے ہیں لیکن اس کامل و طاہر شریعت نے نصاریٰ کے افراط کو ختم کردیا، چچا اور پھوپھی کی بیٹی اور ماموں اور خالہ کی بیٹی سے نکاح کو حلال قرار دے دیا اور یہود کی اس تفریط کو بھی حرام قرار دے دیا جس کے مطابق انھوں نے بھتیجی اور بھانجی سے بھی نکاح کو جائز قرار دے رکھا تھا کیونکہ یہ بہت ہی غلیظ اور بدترین حرکت تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ ﴾ میں مذکر کے الفاظ شرف کی وجہ سے واحد اور مؤنث کے الفاظ ان کے ناقص ہونے کی وجہ سے جمع لائے گئے ہیں جیسا کہ ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ ﴾ (النحل 16:48) اور ﴿ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (البقرۃ 2:257) اور ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ﴾ (الأنعام 6:1) کے علاوہ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے ﴿ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ﴾ کو [وَالّٰتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ]

① تفسیر الطبری:22/25 . ② تفسیر الطبری:22/26 .

(واؤ عاطفہ کے ساتھ) پڑھا ہے۔ ①

اور فرمایا: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ......﴾ الآیۃ ''اور کوئی مومن عورت اگر اپنا آپ پیغمبر کو ہبہ کر دے (مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) بشرطیکہ پیغمبر بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (تو وہ بھی حلال ہے یہ اجازت) صرف آپ کے لیے ہے......'' یعنی اے نبی! آپ کے لیے وہ مومن عورت بھی حلال ہے جو اپنا آپ، آپ کو بخش دے اور وہ مہر لیے بغیر آپ سے شادی کرنا چاہے، اگر آپ چاہیں تو اس سے شادی کر لیں، اس آیت میں دو شرطیں مسلسل آئی ہیں۔ ②

امام احمد نے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنا نفس آپ کو بخش دیا اور یہ کہہ کر وہ طویل وقت تک کھڑی رہی، ایک شخص اٹھا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو ضرورت نہیں تو اس سے میری شادی کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا إِيَّاهُ؟] ''کیا تمھارے پاس اسے مہر دینے کے لیے کچھ ہے؟'' اس نے عرض کی: میرے پاس تو صرف میری یہ چادر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِزَارَكَ جَلَسْتَ لَا إِزَارَ لَكَ، فَالْتَمِسْ شَيْئًا] ''اگر تم نے اپنی چادر اسے دے دی تو خود بیٹھ رہو گے اور تمھارے پاس کوئی چادر نہ ہو گی، لہٰذا کوئی اور چیز تلاش کرو'' اس نے عرض کی: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: [اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ!] ''تلاش کرو۔ خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو!'' اس نے کوشش کی مگر اسے کوئی چیز نہ ملی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: [هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟] ''کیا تمھیں قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں! مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، اس نے سورتوں کے نام لیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: [قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ] ''تمھیں جو قرآن یاد ہے، اس کے بدلے میں، میں نے تمھارا اس عورت سے نکاح کر دیا'' مہر کے طور پر قرآن مجید کی جو سورتیں تمھیں یاد ہیں وہ اسے بھی یاد کرا دو۔ ③ بخاری و مسلم نے اسے بروایت مالک بیان کیا ہے۔ ④ ابن ابو حاتم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس عورت نے اپنا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا تھا اس کا نام خولہ بنت حکیم تھا۔ ⑤

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ان عورتوں سے غیرت کھایا کرتی تھی جو اپنا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کہ کیا کوئی عورت اپنا آپ بخش سکتی ہے! اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

① تفسير الطبری:27/22 . ② پہلی شرط: ''اگر مومن عورت اپنے آپ کو ہبہ کر دے'' دوسری شرط: ''اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔'' ③ مسند أحمد:336/5 . ④ صحيح البخاری، النكاح، باب: السلطان ولی لقول النبیﷺ: [زوجناكها بمامعك من القرآن]، حديث:5135 و صحيح مسلم، النكاح، باب الصداق و جواز كونه تعليم قرآن و خاتم حديد ......، حديث:1425. ⑤ تفسير ابن أبی حاتم:3143/10 و صحيح البخاری، النكاح، باب: هل للمرأة أن تهب نفسها لأحد؟ حديث:5113.

﴿ تُرۡجِىۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـــْٔوِىۡۤ اِلَيۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابۡتَغَيۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكَ ؕ ﴾ (الأحزاب 1:33) ''اور آپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ ان میں سے جس بیوی کو چاہیں مؤخر کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دے دیں اور جس کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہو اگر اس کو پھر اپنے پاس طلب کر لیں تو آپ پر کچھ گناہ نہیں۔'' تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی خواہش کو بہت جلد پورا فرما دیتا ہے۔[1] ابن ابوحاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی عورت نہ تھی جس نے اپنا آپ نبی اکرم ﷺ کو بخش دیا ہو۔[2] اسے ابن جریر نے یونس بن بُکیر سے بھی روایت کیا ہے کہ جن خواتین نے اپنا آپ رسول اللہ ﷺ کو بخشا آپ نے ان میں سے کسی ایک کو بھی قبول نہیں فرمایا تھا۔[3] اگرچہ یہ آپ کے لیے مباح تھا اور آپ کے ساتھ یہ حکم خاص تھا لیکن یہ آپ کی مرضی پر موقوف تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنۡ اَرَادَ النَّبِىُّ اَنۡ يَّسۡتَـنۡكِحَهَا ﴾ ''بشرطیکہ پیغمبر بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں۔'' ﴿ خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ ﴾ ''(یہ اجازت اے محمد!) خاص آپ ہی کے لیے ہے مسلمانوں کے علاوہ۔'' یعنی بخشی ہوئی عورت آپ کے سوا اور کسی کے لیے حلال نہیں، لہٰذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی مرد کو بخش دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں جب تک اسے بطور مہر کچھ دے نہ دے۔[4] مجاہد، شعبی اور دیگر ائمہ تفسیر نے بھی یہی کہا ہے۔[5] یعنی جب کوئی عورت اپنا نفس کسی مرد کے سپرد کر دے اور وہ جب اس کے ساتھ دخول کرے تو اس پر مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بِرْوَع بنت واشق کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا جب اس نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا تھا اور جب اس کا شوہر فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اسے مہر مثل دیا جائے۔[6] نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے آپ کو سپرد کر دینے والی عورت کے لیے (خاوند کی) موت اور دخول حق مہر کے تعین اور مہر مثل کے ثبوت کے لیے یکساں ہیں لیکن نبی ﷺ اگر کسی مفوضہ عورت سے دخول بھی فرمالیں تو بھی آپ پر کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ آپ کے لیے مہر، ولی اور گواہوں کے بغیر بھی نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصے سے معلوم ہوتا ہے، اسی لیے امام قتادہ نے ﴿ خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نبی ﷺ کے سوا، ولی اور مہر کے بغیر اپنا آپ کسی مرد کو بخش دے۔[7]

﴿ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِىۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ ﴾ ''ہم نے ان کی بیویوں اور جن کے مالک بنے ہیں ان کے دائیں ہاتھ کے بارے میں جو (مہر واجب الادا) مقرر کر دیا ہے یقیناً ہم کو معلوم ہے۔'' اُبی بن کعب، مجاہد، حسن، قتادہ

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ تُرۡجِىۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـــْٔوِىۡۤ ...... ﴾ (الأحزاب33:51)......، حدیث:4788 وصحیح مسلم، النکاح، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، حدیث: 1464. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:3144/10 والمعجم الکبیر للطبرانی:296/11، حدیث:11787 والسنن الکبریٰ للبیهقی، النکاح، باب ما أبیح......:55/7. [3] تفسیر الطبری :29/22. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:3144/10. [5] تفسیر الطبری :28,27/22. [6] سنن أبی داود، النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا......، حدیث :2116 و 2114 و سنن ابن ماجه، النکاح، باب الرجل یتزوج ولا یفرض لها فیموت علی ذلك، حدیث:1891. [7] تفسیر الطبری:28/22.

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں مؤخر کریں (چھوڑ دیں) اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جنھیں آپ نے الگ کر دیا ہے، ان میں سے جسے بھی

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ

آپ (اپنے پاس رکھنا) چاہیں، تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں، یہ (اختیار) اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور وہ غمگین نہ ہوں

اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿51﴾

اور جو کچھ بھی آپ انھیں دیں وہ سب اس پر راضی ہوں، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، نہایت بردبار ہے ﴿51﴾

اور ابن جریر اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے ان کے لیے چار تک آزاد عورتوں کو محدود کر دیا ہے۔[1] لیکن لونڈیاں جس قدر چاہیں رکھ سکتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ امت کے لیے نکاح کے بارے میں ہم نے ولی، مہر اور گواہوں کی شرطوں کو مقرر کیا ہے مگر آپ کے لیے رخصت ہے اور ان میں سے کوئی شرط آپ کے لیے واجب نہیں ہے۔ ﴿ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿50﴾ ﴾ ''(یہ اس لیے کہا گیا ہے) کہ آپ پر کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تفسیر آیت : 51

نبی ﷺ کے لیے اختیار: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ ان عورتوں سے غیرت محسوس کرتی تھیں جنھوں نے اپنا آپ رسول اللہ ﷺ کو بخش دیا تھا، وہ کہا کرتی تھیں کیا عورت کو حیا نہیں آتی کہ وہ اپنے نفس کو مہر کے بغیر پیش کر دے! اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ ...... ﴾ الآیة ''ان میں سے جس (بیوی) کو چاہیں مؤخر کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دے دیں......'' تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش کو بہت جلد پورا فرما دیتا ہے۔[2] قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ ﴿ تُرْجِيْ ﴾ کے معنی ہیں کہ مؤخر کر دیں ﴿ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ﴾ ''ان میں سے جسے چاہیں۔'' یعنی اپنا آپ رسول اللہ ﷺ کو بخشنے والی عورتوں میں سے۔ ﴿ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ ﴾ ''اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں۔'' یعنی جسے آپ چاہیں قبول کر لیں اور جسے چاہیں رد کر دیں اور جسے ایک بار رد کر دیں اس کے بارے میں بھی اختیار ہے کہ اگر چاہیں تو اسے پھر اپنے پاس بلا لیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ﴾ ''اور جس کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہو اگر اس کو پھر اپنے پاس طلب کر لیں تو آپ پر کچھ گناہ نہیں۔''

کچھ دیگر اصحاب تفسیر نے کہا ہے کہ ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ...... ﴾ الآیة سے مراد یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے لیے باری مقرر نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، ان میں سے جس کو چاہیں پہلے طلب کر لیں اور جسے چاہیں بعد میں طلب کر لیں جس سے

[1] تفسير الطبري :30/22 . [2] مسند أحمد :158/6 . [3] دیکھیے الأحزاب، آیت : 50 کے ذیل میں۔

چاہیں مجامعت کریں اور جس سے چاہیں مجامعت نہ کریں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ، ابورزین، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور دیگر کئی ائمہ سے اسی طرح مروی ہے۔① لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کے لیے باری مقرر فرما رکھی تھی۔ فقہائے شافعیہ اور دیگر کا مذہب ہے کہ آپ پر باری مقرر کرنا واجب نہ تھا اور انھوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت: ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ﴾ کے نازل ہونے کے بعد ہم میں سے جس کا دن ہوتا تھا اس عورت سے اجازت لے لیا کرتے تھے، حدیث کی راویہ (معاذہ) کہتی ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا جواب دیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں کہا کرتی تھی کہ اگر اس کا حق مجھے ہے تو اے اللہ کے رسول! میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ پر کسی کو ترجیح دوں۔② یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد عدم وجوب تقسیم ہے اور پہلی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آیت اپنا آپ بخشنے والی عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اسی وجہ سے ابن جریر نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ یہ آیت عام ہے، اپنا آپ بخش دینے والی عورتوں کے بارے میں بھی ہے اور ان بیویوں کے بارے میں بھی جو آپ کے پاس تھیں کہ آپ کو ان کے بارے میں باری کی تقسیم و عدم تقسیم کا اختیار ہے۔③ اور ابن جریر کی اختیار کردہ یہ بات بہت اچھی، عمدہ اور قوی ہے اور اس سے تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَ يَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ ﴾ ”یہ (اجازت) زیادہ قرین قیاس ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم ناک نہ ہوں اور جو کچھ آپ ان کو دیں اسے لے کر سب خوش رہیں۔“ یعنی جب انھیں یہ معلوم ہوگا کہ تقسیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے تنگی کو دور فرما دیا ہے اور اگر آپ چاہیں تو باری مقرر فرمائیں اور اگر چاہیں تو مقرر نہ فرمائیں جس طرح بھی آپ کر لیں کوئی حرج نہیں اور اگر آپ ان کے لیے باریاں مقرر فرماتے ہیں تو یہ آپ کا اختیار ہے، آپ پر واجب نہیں ہے تو یہ جان کر انھیں فرحت و مسرت ہوگی اور وہ اسے آپ کے حسن اخلاق اور احسان پر محمول کریں گی کہ اختیار کے باوجود آپ نے ان کے لیے باریاں مقرر کر کے عدل و انصاف کا مظاہرہ فرمایا ہے۔

اور فرمایا: ﴿ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ ﴾ ”اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے۔“ یعنی دل میں جو بعض کی طرف زیادہ میلان ہے اور جسے ختم کرنا ممکن نہیں جیسا کہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باریاں عدل و انصاف کے ساتھ مقرر فرما دیا کرتے تھے اور اس کے باوجود آپ یہ دعا کیا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! هٰذَا فِعْلِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ] ”اے اللہ! یہ میرا فعل ہے، اس کے بارے میں جس کا میں مالک ہوں اور اس کے بارے میں مجھے ملامت نہ فرما جس کا تو مالک ہے اور میں مالک

① تفسير الطبری :32,31/22 . ② صحيح البخاری، التفسير، باب قوله:﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ...... ﴾ (الأحزاب 51:33) ......، حديث:4789. ③ تفسير الطبری :33,32/22 .

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

اوران کے بعد آپ کے لیے (اور) عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ (جائز ہے) کہ آپ ان (موجودہ بیویوں) کی جگہ اور بیویاں بدل لیں اگرچہ ان کا حسن آپ کو

ع 6 12 3 اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿52﴾

اچھا لگے، سوائے ان (لونڈیوں) کے جن کا مالک آپ کا دایاں ہاتھ بنا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب نگہبان ہے ﴿52﴾

نہیں۔''[1] اس حدیث کو اہل سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے [فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ] ''تو اس کے بارے میں مجھے ملامت نہ فرما جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں۔'' کے بعد کہا ہے کہ اس سے مراد ''دلی محبت'' ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔[3] پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ الفاظ اسی لیے ذکر فرمائے ہیں: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿51﴾﴾ ''اور اللہ بڑا جاننے والا، نہایت بردبار ہے۔'' یعنی وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا اور بردباری و بخشش کا معاملہ فرماتا ہے۔

تفسیر آیت:52

رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کرنے کا بدلہ: کئی علمائے تفسیر، مثلاً: ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، قتادہ، ابن زید اور ابن جریر رحمہم اللہ وغیرہ[4] نے ذکر فرمایا ہے کہ ازواج مطہرات کو جب اختیار دیا گیا اور انھوں نے دنیوی مال و منال کے بجائے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو اپنے لیے اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس حسن عمل سے خوش ہو کر ان کی جزا کے طور پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا ہے۔ جب انھوں نے حسن انتخاب کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو اپنے لیے پسند کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جزا یہ دی کہ اپنے رسول ﷺ کو انھی ازواج پر اکتفا کرنے کا حکم دے دیا اور ان کے لیے دیگر عورتوں سے شادی کرنے یا انھیں چھوڑ کر اور عورتیں کرنے کو حرام قرار دے دیا، خواہ ان کا حسن آپ کو کیسا ہی اچھا لگے، البتہ باندیوں اور لونڈیوں کے سلسلے میں اجازت کو برقرار رکھا لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے تنگی کو رفع کرتے ہوئے، اس آیت کے حکم کو منسوخ فرما دیا اور دیگر عورتوں سے شادی کو جائز قرار دے دیا، یہ الگ بات ہے کہ ان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی اور عورت سے شادی نہ کی تاکہ رسول اللہ ﷺ کا ان پر احسان برقرار رہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال سے قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے عورتوں کو حلال قرار دے دیا تھا۔[5] اور اسے امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔[6]

---

① مسند أحمد:144/6. ② جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر، حديث:1140 وسنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث:2134 وسنن النسائي، عشرة النساء، باب ميل الرجل إلى بعض نسائه......، حديث:3395 و سنن ابن ماجه، النكاح، باب القسمة بين النساء، حديث:1971، حديث ضعيف ہے۔ ③ سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث :2134 . ④ تفسير الطبري:36/22-41. ⑤ مسند أحمد :41/6 . ⑥ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، حديث:3216 و سنن النسائي، النكاح، باب ما افترض الله عزوجل على رسوله......، حديث:3206.

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ

اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو الا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، نہ یہ کہ (وہاں جاکر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے

اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ

رہو، اور لیکن جب تمھیں دعوت دی جائے تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، اور (وہیں) باتوں میں نہ لگے رہو، بلاشبہ تمھاری یہ

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ

روش نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہے، سو وہ تم سے شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا، اور جب تم ان (ازواج نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے

مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ

کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو، اور نہ

اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

یہ (جائز ہے) کہ تم اس (کی وفات) کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے (53) اگر تم کوئی

عَظِیْمًا ﴿53﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿54﴾

چیز ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (54)

دیگر علمائے تفسیر نے کہا ہے کہ اس آیت: ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جب ہم نے ان عورتوں کی تفصیل بیان کر دی جن کو آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ یعنی وہ بیویاں جن سے مہر دے کر نکاح کیا ہے، باندیاں، چچا اور پھوپھی کی بیٹیاں، ماموں اور خالہ کی بیٹیاں اور اپنا آپ رسول اللہ ﷺ کو بخش دینے والی عورتیں حلال ہیں جبکہ ان کے سوا دیگر عورتیں حلال نہیں ہیں۔[1] ایک روایت کے مطابق ابی بن کعب اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مومن مہاجر عورتوں کے سوا دیگر عورتوں سے نکاح سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ﴾ ”(اے پیغمبر!) ان کے سوا اور عورتیں آپ کے لیے جائز نہیں اور نہ یہ کہ ان بیویوں کو چھوڑ کر اور بیویاں کر لیں، خواہ ان کا حسن آپ کو کیسا ہی اچھا لگے مگر وہ جن (لونڈیوں) کا مالک آپ کا دایاں ہاتھ بنا ہے (کے بارے میں آپ کو اختیار ہے۔)“ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مومن عورتوں اور اس مومن عورت کو حلال قرار دیا جو اپنا آپ رسول اللہ ﷺ کو بخش دے اور اسلام کے سوا ہر دین کی عورت کو آپ کے لیے حرام قرار دے دیا۔ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ ...... الآیة (المآئدة 5:5) ”اور جو شخص ایمان کا منکر ہوا، تو یقیناً اس کے عمل ضائع ہو گئے ......“[2]

ابن جریر نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ یہ ان تمام اقسام کی عورتوں کے لیے بھی ہے جن کا مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہوا

① تفسیر الطبری: 37,36/22 . ② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، حدیث:3215 حدیث ضعیف ہے۔

ہے اوران عورتوں کے لیے بھی ہے جو آپ کی عصمت میں تھیں۔[1] اور جن کی تعداد نو تھی۔ ابن جریر کی یہ بات بہت عمدہ ہے اور بہت سے سلف نے بھی اس آیت سے یہی معنی مراد لیے ہیں اور دونوں کے قول میں کوئی تضاد بھی نہیں، دونوں معنی ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ ﴾ ''اور نہ یہ (جائز ہے) کہ ان بیویوں کو چھوڑ کر اور بیویاں کر لیں، خواہ ان کا حسن آپ کو کیسا ہی اچھا لگے۔'' ان کے علاوہ اور عورتوں سے شادی سے منع کر دیا اور اس بات سے بھی کہ آپ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کے بجائے کسی اور عورت سے شادی کر لیں، البتہ لونڈیوں کے بارے میں جواز کو برقرار رکھا گیا۔

تفسیر آیات: 54,53

کاشانۂ نبوی میں داخلے کے آداب اور حکمِ حجاب: یہ آیت حجاب ہے اور اس میں بہت سے شرعی احکام و آداب بیان کیے گئے ہیں، یہ آیت بھی ان آیات کریمہ میں سے ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول کے موافق نازل ہوئی تھیں جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل کی تین باتوں میں موافقت کی، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کاش! آپ مقام ابرہیم کو جائے نماز بنالیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمادیا: ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ (البقرة 125:2) ''اور (جس) مقام (پر) ابراہیم (کھڑے ہوئے تھے اس) کو نماز کی جگہ بنالو!'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کی ازواج مطہرات کے پاس نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ انھیں پردے کا حکم دے دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل فرمادیا، میں نے ازواج مطہرات سے کہا جب وہ حمیت و غیرت میں آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکٹھی ہوگئیں۔ ﴿ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ ﴾ (التحریم 5:66) ''اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمھارے بدلے میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے۔'' تو یہ الفاظ بھی آیت میں اسی طرح نازل ہوگئے۔[2] مسلم کی ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کا بھی ذکر ہے اور یہ چوتھا واقعہ ہے۔[3]

اور امام بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، لہٰذا کاش! آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل فرمادیا۔[4] امام بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ نے لوگوں کی دعوت کی، انھوں نے کھانا کھالیا تو باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونے کے لیے تیار ہوئے مگر وہ لوگ کھڑے نہ ہوئے، جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے

---

[1] تفسير الطبري: 41/22. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب ماجاء في القبلة......، حديث:402 و صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل عمر رضي الله عنه، حديث:2399. [3] صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل عمر رضي الله عنه، حديث: 2399. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ ﴾ (البقرة 125:2)......، حديث:4483.

ہو گئے، جب آپ کھڑے ہوئے تو کچھ لوگ آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے مگر تین شخص بیٹھے رہے، نبی ﷺ نے اندر تشریف لے جانا چاہا مگر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پھر بالآخر وہ کھڑے ہو کر چل پڑے، میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں، آپ آئے اور اندر تشریف لے گئے، میں نے بھی اندر داخل ہونا چاہا مگر میرے اور آپ کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمادیا: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا...... ﴾ الآیة ''مومنو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے، اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے اور لیکن جب تم (کھانے پر) بلائے جاؤ تو آ جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ......۔''[1] امام بخاری نے اسے ایک اور مقام پر بھی روایت کیا ہے۔[2] امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

بعد ازاں امام بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی خوشی میں روٹی اور گوشت کی دعوت کی، کھانے کی دعوت دینے کے لیے مجھے بھیجا گیا، لوگ آتے، کھانا کھاتے اور چلے جاتے، پھر کچھ اور لوگ آتے، کھانا کھاتے اور چلے جاتے حتی کہ کوئی آدمی بھی ایسا نہ رہا جس کو میں کھانے کے لیے بلا سکوں، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب کوئی نہیں رہا جسے کھانے کے لیے میں بلاؤں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِرْفَعُوا طَعَامَكُمْ] ''کھانا اٹھا لو۔'' تین لوگ اللہ کے نبی کے گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، نبی ﷺ گھر سے نکل کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا: [اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کی: اور آپ پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے اہل کو کیسا پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔ آپ تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے، آپ نے تمام ازواج مطہرات کو اسی طرح سلام کیا جس طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا تھا اور سب نے اس طرح جواب دیا جس طرح عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تھا، پھر نبی ﷺ واپس تشریف لے آئے مگر وہ تین شخص ابھی تک باتوں میں لگے ہوئے تھے، نبی اکرم ﷺ بہت حیا دار تھے، آپ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے، نہیں معلوم کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی یا کسی اور نے کہ اب وہ لوگ چلے گئے ہیں، آپ واپس تشریف لے آئے حتی کہ جب آپ کا ایک قدم مبارک دروازے کے اندر کی طرف اور دوسرا باہر کی طرف تھا تو میرے اور آپ کے مابین پردہ لٹکا دیا گیا اور آپ پر آیتِ حجاب کو نازل کر دیا گیا۔[4] اصحاب کتب ستہ میں

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ...... ﴾ (الأحزاب 53:33)، حديث: 4791. ② صحيح البخاري، الاستئذان، باب آية الحجاب، حديث: 6239 و6271. ③ صحيح مسلم، النكاح، باب زواج زينب بنت جحش......، حديث: (92)-1428 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ...... ﴾: 436,435/6، حديث: 11420. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ...... ﴾ (الأحزاب 53:33)، حديث: 4793.

سے صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، البتہ امام نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم و اللیلة میں اسے روایت کیا ہے۔[1]

پھر فرمایا: ﴿ لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِيِّ ﴾ ''پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو۔'' یہ مومنوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل ہونے کی ممانعت ہے۔ زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں لوگ اجازت کے بغیر گھروں میں داخل ہو جایا کرتے تھے لیکن غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اجازت لینے کا حکم دے دیا اور یہ درحقیقت اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ] ''(گھروں میں اجنبی) عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو۔''[2] پھر اللہ تعالیٰ نے استثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰىهُ ۙ ﴾ ''مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے، اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔'' مجاہد اور قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ کھانے کے پکنے اور تیار ہونے کا تمھیں انتظار نہ کرنا پڑے۔[3] یعنی کھانا جب پکایا جا رہا ہو تو تم گھات نہ لگاؤ کہ جب وہ تیار ہونے کے قریب ہو تو تم داخل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسند کرتے ہوئے اس کی مذمت فرمائی ہے اور یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ طفیلی بننا حرام ہے، عرب اس کو ضَیْفَن کہتے ہیں۔ امام خطیب بغدادی نے طفیلیوں کی مذمت میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے[4] جس میں ان کے بہت سے واقعات لکھے ہیں جن کا ذکر یہاں موجب طوالت ہوگا، پھر فرمایا: ﴿ وَلٰكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا ﴾ ''اور لیکن جب تم (کھانے پر) بلائے جاؤ تو آ جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ۔''

صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُجِبْ، عُرُسًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ] ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دعوت دے تو اسے وہ دعوت قبول کر لینی چاہیے، خواہ وہ شادی کی دعوت ہو یا کوئی اور۔''[5] اور اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ ؕ ﴾ ''اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو۔'' جیسا کہ ان تین لوگوں نے بہت لمبی باتیں کرنا شروع کر دی تھیں اور وہ اپنے آپ کو بھول گئے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بہت گراں محسوس ہو رہی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ ؗ ﴾ ''بلاشبہ یہ (بات) پیغمبر کو ایذا دیتی تھی تو وہ تم سے شرماتے تھے۔'' کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر کے گھر میں تمھارا اجازت کے بغیر داخل

---

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب: مايقول صبيحة بنائه......: 76,75/6، حديث:10101. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذومحرم......، حديث:5232 و صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، حديث:2172 عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ. [3] تفسير الطبري: 43,42/22. [4] اس کتاب کا نام التطفيل وحكايات الطفيليين و نوادرهم وأخبارهم ہے۔ اسے بسام بن عبدالوہاب الجابی کی تحقیق سے دار ابن حزم (لبنان) نے شائع کیا ہے۔ [5] صحيح البخاري، النكاح، باب حق إجابة الوليمة......، حديث:5173 و صحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث:(100)-1429 ، اللفظ له.

ہونا ان پر شاق گزرتا اور ان کے لیے باعث تکلیف تھا لیکن وہ شدت حیا کی وجہ سے لوگوں کو اس سے منع کرنے کو ناپسند فرماتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کا حکم نازل فرما دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾ ''اور اللہ حق کہنے سے شرم نہیں کرتا۔'' اسی لیے اس نے تم کو اس سے منع کر دیا اور ڈانٹ دیا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ ''اور جب ان (پیغمبر کی بیویوں) سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔'' یعنی جس طرح تمھیں ان کے پاس جانے سے منع کر دیا ہے، اسی طرح ان کی طرف دیکھنے کی بھی قطعی ممانعت ہے، خواہ تمھیں ان سے کوئی چیز لینے کی ضرورت بھی ہو تو پھر بھی ان کی طرف نہ دیکھو اور اپنی ضرورت کی چیز پس پردہ مانگ لیا کرو۔

نبی ﷺ کو ایذا رسانی کی ممانعت اور ازواج مطہرات کا مسلمانوں پر حرام ہونا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ ﴾ ''اور تم کو شایاں نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ کا کام) ہے۔'' ابن ابوحاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ نبی ﷺ کے بعد آپ کی بعض بیویوں سے نکاح کر لے گا، ایک شخص نے سفیان سے پوچھا: کیا اس کا ارادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا تھا، انھوں نے جواب دیا کہ لوگوں نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔[1] مقاتل بن حیان اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[2] اس نے اپنی سند کے ساتھ سُدی سے روایت کیا ہے کہ یہ ارادہ کرنے والا شخص طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھا حتی کہ اس کی حرمت میں یہ حکم نازل ہو گیا۔[3] اسی وجہ سے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن بیویوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے، کسی بھی دوسرے شخص کے لیے آپ کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام ہے، اس لیے کہ وہ دنیا و آخرت میں آپ کی ازواج مطہرات ہیں، پھر وہ مومنوں کی مائیں بھی ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔[4] اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا، اس بارے میں سختی کی اور اس پر یہ وعید کی ہے کہ ﴿ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ ﴾ ''بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ کا کام) ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ﴾ ''اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اس کو مخفی رکھو تو یقیناً اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔'' یعنی جس چیز کو بھی تم اپنے دلوں میں چھپاؤ گے اور جو بھی تمھارے مخفی دلی راز ہوں گے، اللہ تعالیٰ انھیں خوب جانتا ہے کہ اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ ﴿ يَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ ﴾ (المؤمن

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3150/10 . [2] تفسیر الطبري: 50/22 وتفسیر ابن أبي حاتم: 3150/10. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 3150/10 . [4] دیکھیے الأحزاب، آیت: 6 کے ذیل میں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ

عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں، اور اپنے بھائیوں، اور اپنے بھتیجوں، اور اپنے بھانجوں، اور اپنی عورتوں، اور

وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

جن (لونڈیوں) کے مالک ہوئے ہیں ان کے دائیں ہاتھ (ان کے سامنے آنے میں) کوئی گناہ نہیں، اور (اے عورتو!) تم اللہ

كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿55﴾

سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿55﴾

(19:40) ''وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینے چھپائے ہوئے ہیں (ان کو بھی۔)''

تفسیر آیت: 55

عورت کے وہ قریبی رشتہ دار جن سے پردہ نہیں: جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کو اجنبی مردوں سے پردے کا حکم دیا تو اب ان قریبی رشتے داروں کا ذکر ہو رہا ہے جن سے پردہ نہیں ہے جیسا کہ سورۂ نور کی درج ذیل آیت میں بھی انھیں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے: ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ﴾ (النور 31:24) ''اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کیا کرو مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈیوں غلاموں کے سوا، نیز ان زیردست مردوں کے (سوا) جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے (سوا) جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں۔'' سورۂ نور کی آیت میں سورۂ احزاب کی اس آیت کی نسبت کی زیادہ چیزیں مذکور ہیں اور اس آیت کی تفسیر اور اس کے بارے میں گفتگو قبل ازیں ہو چکی ہے۔[1] لہٰذا یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

ابن جریر نے شعبی اور عکرمہ سے آیت کریمہ: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ﴾ ''عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں سے (پردہ نہ کرنے میں) کچھ گناہ نہیں۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ میں نے پوچھا کہ یہاں چچا اور ماموں کا ذکر کیوں نہیں ہے! تو انھوں نے جواب دیا: اس لیے کہ وہ اپنے بیٹوں کے پاس اس کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہیں، شعبی وعکرمہ نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ کوئی عورت اپنے ماموں یا چچا کے پاس اوڑھنی سر سے اتارے۔[2] ﴿وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ﴾ ''نہ اپنی (قسم کی) عورتوں سے۔'' یعنی مومن عورتوں سے بھی پردہ نہیں ہے۔ ﴿وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ ''اور نہ ان سے جن کے مالک بنے ہیں ان کے دائیں ہاتھ۔'' یعنی اپنے غلاموں سے۔ سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ اس سے صرف لونڈیاں مراد

[1] دیکھیے النور، آیت: 31 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 52/22 .

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ

بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت و درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو

وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿56﴾

اور خوب خوب سلام بھیجو ﴿56﴾

ہیں غلام نہیں، اسے ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ ﴿وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿55﴾﴾ ''اور (اے عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' یعنی اس سے خلوت میں بھی ڈرو اور جلوت میں بھی کیونکہ وہ ہر چیز سے واقف ہے، اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں، لہٰذا ایسے نگہبان سے ہر وقت ڈرتی رہو۔

تفسیر آیت:56

نبی ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو العالیہ کا قول ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلاۃ کے معنی فرشتوں کے پاس آپ ﷺ کی تعریف کرنا کے ہیں، فرشتوں کی صلاۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿يُصَلُّوْنَ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ برکت کی دعائیں کرتے ہیں۔ [2] امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو العالیہ اور ابن عباس کے قول کو اسی طرح معلق بیان فرمایا ہے۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا ہے کہ سفیان ثوری اور کئی ایک اہل علم سے مروی ہے کہ رب تعالیٰ کی صلاۃ کے معنی رحمت اور فرشتوں کی صلاۃ کے معنی استغفار کے ہیں۔ [3] رسول اللہ ﷺ کی بہت سی متواتر احادیث میں درود بھیجنے کا حکم اور اس کی کیفیت کا ذکر ہے ہم ان میں سے کچھ کے تذکرے کی سعادت حاصل کریں گے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

درود سے متعلق کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایات: امام بخاری نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں کعب بن عجرہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام بھیجنے کو تو ہم نے جان لیا ہے، تو درود کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا: کہو: [اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ] ''اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی ہے، بے شک تو ہی لائق حمد و ثنا، بڑائی بزرگی کا مالک ہے، اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی ہے، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے۔'' [4]

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ﴾ (الأحزاب 33:56) ......، قبل الحديث: 4797. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ﴾ (الأحزاب 56:33)......، قبل الحديث: 4797. [3] جامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في فضل الصلاة على النبيﷺ، قبل الحديث: 486. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ﴾ (الأحزاب 36:53) ......، حديث:4797.

امام احمد نے ابن ابولیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن عُجرہ مجھ سے ملے اور انھوں نے کہا: کیا میں تجھے ایک ہدیہ نہ دوں؟ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے جان لیا یا پہچان لیا ہے کہ آپ پر سلام کیسے ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر درود کیسے ہے۔ پس آپ نے فرمایا: تم کہو:[اَللّٰهُمَّ ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ] ''اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی، بے شک تو ہی لائق حمد وثنا، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے۔ اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے۔''[1] اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں مختلف اسانید کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔[2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو ہے آپ پر سلام مگر ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ آپ نے فرمایا:[قُولُوا: اَللّٰهُمَّ ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ] ''تم کہو: اے اللہ! اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی، محمد اور آل محمد ﷺ پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر برکت نازل فرمائی۔'' ابوصالح نے لیث سے اس طرح روایت کیا ہے کہ [عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ] ''محمد اور آل محمد ﷺ پر (برکت نازل فرما) جس طرح تو نے آل ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر برکت نازل فرمائی۔'' انھوں نے کہا کہ ہم سے ابراہیم بن حمزہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے ابن ابوحازم اور دراوردی نے یزید سے، جو ابن الہاد ہے، روایت کیا ہے، انھوں نے کہا:[كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ] ''جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی، محمد اور آل محمد ﷺ پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی۔''[3] اسے نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے

① مسند أحمد:241/4 . ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب:10، حديث:3370 و جامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في صفة الصلاة على النبي ﷺ، حديث:483 و سنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ، حديث: 976 و سنن النسائي، السهو، نوع آخر، حديث:1290 واللفظ له و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الصلاة على النبي ﷺ، حديث: 904. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ (الأحزاب 56:33) ...، حديث:4798. ④ سنن النسائي، السهو، نوع آخر، حديث:1294 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الصلاة على النبي ﷺ، حديث:903.

رسول! ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ] ”اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد ﷺ اور آپ کی ازواج واولاد پر جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما محمد ﷺ اور آپ کی ازواج واولاد پر جس طرح تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے۔“ ① اس حدیث کو امام ترمذی کے سوا باقی پانچوں محدثین نے روایت کیا ہے۔ ②

ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت: امام مسلم نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے، تو بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے تو ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں؟ رسول اللہ ﷺ (یہ سن کر) خاموش رہے حتی کہ ہم نے خواہش کی کہ کاش وہ آپ سے سوال نہ کرتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم کہو: [اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، وَّالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ] ”اے اللہ! تو محمد وآل محمد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما محمد ﷺ وآل محمد ﷺ پر جس طرح تو نے جہانوں میں آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے اور سلام بھیجنے کا طریقہ تو تم نے معلوم کر ہی لیا ہے۔“ اسے ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن جریر نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ③

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد نے فضالہ بن عُبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا، اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کی اور نہ ہی نبی ﷺ پر درود پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [عَجِلَ هٰذَا] ”اس شخص نے جلدی کی ہے“ پھر آپ نے اسے بلایا اور اس سے یا کسی اور کو مخاطب کر کے فرمایا: [إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ (بِتَمْجِيدِ رَبِّهٖ) وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ لِيَدْعُوْ بَعْدُ بِمَاشَاءَ] ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے، پھر اس کے بعد جو چاہے دعا

① مسند أحمد:424/5 . ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب:10، حديث:3369 و صحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ ، حديث: 407 و سنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، حديث: 979 و سنن النسائي، السهو، نوع آخر، حديث:1295و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الصلاة على النبي ﷺ، حديث: 905. ③ صحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، حديث:405 و سنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ ، حديث: 980 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، حديث:3220 و سنن النسائي، السهو ، باب الأمر بالصلاة على النبي ﷺ، حديث:1286و تفسير الطبري:54/22.

کرے۔''[1] اسے ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔[2] اور اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[3]

نبی ﷺ پر درود بھیجنے کی فضیلت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب دو تہائی رات ختم ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: [يَاأَيُّهَاالنَّاسُ !اُذْكُرُوا اللّٰهَ، اُذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَ تِ الرَّاجِفَةُ، تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ] ''اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو، اللہ کا ذکر کرو، بھونچال طاری کر دینے والی (قیامت) آ گئی، اس کے پیچھے ایک اور بھونچال طاری کر دینے والی (قیامت) آ رہی ہے، موت اپنی ساری بے ہوشیوں کے ساتھ آ رہی ہے، موت اپنی ساری بے ہوشیوں کے ساتھ آ رہی ہے۔'' اُبی نے کہا کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں تو کتنا درود پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: [مَاشِئْتَ] ''جتنا چاہو۔'' میں نے عرض کی: چوتھا حصہ؟ آپ نے فرمایا: [مَاشِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ] ''جتنا چاہو اور اگر زیادہ پڑھو تو تمھارے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کی: نصف؟ آپ نے فرمایا: [مَاشِئْتَ وَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ] ''جتنا چاہو اور اگر زیادہ پڑھو تو تمھارے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کی: دو تہائی؟ آپ نے فرمایا: [مَاشِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ] ''جتنا چاہو اور اگر زیادہ پڑھو تو تمھارے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کی: میں اپنی ساری دعا میں آپ پر درود ہی پڑھتا رہوں گا؟ تو آپ نے فرمایا: [إِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُلَكَ ذَنْبُكَ] ''تب تو تمھارے غم وفکر دور کر دیے جائیں گے اور تمھارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''[4] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے چہرۂ اقدس سے مسرت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے چہرۂ اقدس پر مسرت کے آثار دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ أَتَانِي مَلَكٌ، فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ ! أَمَايُرْضِيكَ أَنَّ رَبَّكَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ: إِنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْكَ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَّلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا؟ قَالَ: بَلٰى!] ''میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا ہے: اے محمد! کیا آپ اس بات پر خوش نہیں کہ آپ کے پروردگار عزّ وجلّ نے فرمایا ہے کہ آپ کی امت میں سے جو بھی آپ پر ایک بار درود بھیجے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک بار سلام بھیجے گا تو میں دس مرتبہ اس پر سلامتی نازل کروں گا، آپ نے

① مسند أحمد :18/6 واللفظ له، البتہ قوسین والے الفاظ ابوداود کے مطابق ہیں۔ ② سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، حديث: 1481 وجامع الترمذي، الدعوات، باب في إيجاب الدعاء بتقديم الحمد......، حديث: 3476 و سنن النسائي، السهو، باب التمجيد والصلاة على النبي ﷺ......، حديث: 1285. ③ صحيح ابن خزيمة، الأذان والإقامة، باب الصلاة على النبي ﷺ...... :351/1، حديث: 710,709 و صحيح ابن حبان، الصلاة، ذكر البيان بأن المرء مأمور بالصلاة على النبي ﷺ......:290/5، حديث: 1960. ④ جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في الترغيب في ذكر الله وذكر الموت......، حديث :2457 .

فرمایا: کیوں نہیں! (اس سے بہت خوش ہوں۔)‘‘[1] اسے نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بہت ہشاش بشاش تھے اور آپ کے چہرۂ اقدس سے مسرت کے آثار نمایاں ہورہے تھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج آپ بہت خوش وخرم ہیں اور خوشی ومسرت کے آثار چہرۂ اقدس پر جھلک رہے ہیں؟ فرمایا: [أَجَلْ، أَتَانِي آتٍ مِّنْ رَّبِّي عَزَّوَجَلَّ، فَقَالَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ صَلَاةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا عَشْرَحَسَنَاتٍ وَّمَحَا عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ وَّرَفَعَ لَهُ عَشْرَدَرَجَاتٍ وَّرَدَّعَلَيْهِ مِثْلَهَا] ’’ہاں، میرے پاس میرے رب عزوجل کی طرف سے آنے والا ایک آیا اور اس نے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دے گا، اس کے دس گناہ معاف کردے گا اور اس کے دس درجات بلند کردے گا اور اس پر اسی طرح درود بھیجے گا۔‘‘[3] اس حدیث کی سند جید ہے، دیگر ائمۂ محدثین نے اسے بیان نہیں کیا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت: امام مسلم، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا] ’’جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر اس کے بدلے میں دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔‘‘[4] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس باب میں عبدالرحمٰن بن عوف، عامر بن ربیعہ، عمار، ابوطلحہ، انس اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْبَخِيلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ، ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ] ’’وہ شخص بخیل ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا، پھر اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔‘‘[5] اور ابوسعید (عبدالرحمٰن بن عبداللہ مولیٰ بنی ہاشم) کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: [فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ] ’’تو اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔‘‘ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔[6]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت: امام ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ

---

[1] مسند أحمد :4/30. [2] السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ثواب الصلاة على النبيﷺ :6/21 حديث: 9888. [3] مسند أحمد: 4/29 مزید دیکھیے صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 2/291 ، حديث: 1661 و شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم النبيﷺ......: 2/212 ، حديث: 1561. [4] صحيح مسلم، الصلاة ، باب الصلاة على النبيﷺ ......، حديث: 408 و سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1530 جبکہ قوسین والا لفظ جامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في فضل الصلاة......، حديث: 485 میں ہے۔ و سنن النسائي، السهو، باب الفضل في الصلاة على النبيﷺ ، حديث: 1297. [5] مسند أحمد: 1/201 . [6] جامع الترمذي، الدعوات، باب: [رغم أنف رجل ذكرت عنده......]، حديث: 3546.

أَنْ يُّغْفَرَلَهٗ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهٗ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ] ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ داخل ہوا اور اس کی بخشش ہوئے بغیر گزر گیا اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس کے پاس اس کے ماں باپ بوڑھے ہو گئے اور وہ اسے جنت میں داخل نہ کرا سکے۔''[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

درود شریف پڑھنے کے متعدد مواقع

بہت سے اوقات میں درود شریف پڑھنے کا حکم آیا ہے، مثلاً:

اذان کے بعد درود شریف: اذان کے بعد درود شریف پڑھنا جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[إِذَا سَمِعْتُمْ مُّؤَذِّنًا فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا (اللّٰهَ) لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَاتَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِاللّٰهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَاهُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ] ''جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کرو، وہ جنت کا وہ مقام ہے جو بندگانِ الٰہی میں سے صرف ایک ہی بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا پس جس نے میرے لیے وسیلے کا سوال کیا، اس کے لیے میری شفاعت ثابت ہو جائے گی۔''[2] اسے امام مسلم، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت درود شریف: مسجد میں داخل اور خارج ہوتے وقت بھی درود پڑھنا چاہیے، امام احمد نے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجتے، پھر یہ دعا پڑھتے:[اَللّٰهُمَّ! اِغْفِرْلِي ذُنُوبِي، وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ] ''اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔'' اور جب آپ مسجد سے باہر تشریف لے جاتے تو پھر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجتے، پھر یہ دعا پڑھتے:[اَللّٰهُمَّ! اِغْفِرْلِي ذُنُوبِي، وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ] ''اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔''[4]

---

① جامع الترمذی، الدعوات، باب:[رغم أنف رجل ذكرت عنده......]، حديث: 3545، مزید دیکھیے مسند أحمد: 254/2. ② مسند أحمد: 168/2 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول......، حديث: 384 میں ہے۔ ③ صحیح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن......، حديث: 384 وسنن أبی داود، الصلاة، باب مايقول إذا سمع المؤذن، حديث: 523 وجامع الترمذی، المناقب، باب:[سلوا اللّٰه لی الوسيلة......]، حديث: 3614 وسنن النسائی، الأذان، باب الصلاة على النبي ﷺ، حديث: 679. ④ مسند أحمد: 283,282/6، مزید دیکھیے جامع الترمذی، الصلاة، باب ماجاء مايقول عند دخوله المسجد، حديث: 315,314.

نمازِ جنازہ میں درود شریف: نمازِ جنازہ میں بھی نبی ﷺ پر درود پڑھا جاتا ہے سنت یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، دوسری تکبیر کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھا جائے، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا کی جائے اور چوتھی تکبیر کے بعد کہا جائے: [اَللّٰهُمَّ! لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ] ''اے اللہ! تو ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس (کی وفات) کے بعد ہمیں فتنہ و آزمائش میں مبتلا نہ کرنا۔''① امام شافعی رحمہ اللہ نے ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے یہ خبر دی کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے، پھر پہلی تکبیر کے بعد سِرّی طور پر سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور اخلاص کے ساتھ جنازے کی دعائیں پڑھے، تکبیرات میں کچھ نہ پڑھے، پھر سِرّی طور پر سلام پھیر دے۔② امام نسائی نے بھی اسے انھی ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ سنت یہ ہے، پھر اس روایت کو ذکر کیا ہے۔③ صحابی کا یہ کہنا کہ سنت یہ ہے، صحیح قول کے مطابق یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

دعا میں درود شریف: مستحب یہ ہے کہ دعا کے آخر میں درود شریف پڑھا جائے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان موقوف رہتی اور اس وقت تک اوپر نہیں چڑھتی، جب تک تم اپنے نبی ﷺ پر درود نہ پڑھ لو۔ اسے معاذ بن حارث نے ابوقرہ سے، انھوں نے سعید بن مسیّب سے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے۔④

دعائے قنوت میں درود شریف: ان سب مقامات سے زیادہ تاکید درود پڑھنے کی دعائے قنوت میں ہے امام احمد، اہل سنن، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر میں پڑھنے کے لیے مجھے دعا کے یہ کلمات سکھائے: [اَللّٰهُمَّ! اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي

---

① چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل مختصر دعا کرنا بھی موقوفاً ثابت ہے جیسا کہ ابویعفور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ انھوں نے جنازے پر چار تکبیریں کہیں، پھر کچھ ٹھہرے، یعنی دعا کرنے لگے۔ پھر فرمایا: تمھارا خیال تھا کہ میں پانچ تکبیریں کہوں گا۔ انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ فرمانے لگے کیونکہ رسول اللہ ﷺ (جنازے پر) چار تکبیریں ہی کہا کرتے تھے۔ مسند البزار:277/8، حدیث:3342 و السنن الكبرى للبيهقي، الجنائز، جماع أبواب التكبير على الجنائز......:35/4 لیکن اس موقع پر مفسر رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ ہی ضروری نہیں کیونکہ روایت میں ان کی تخصیص نہیں۔ اور یہ الفاظ جنازے کی دوسری دعاؤں میں ذکر ہوئے ہیں۔ دیکھیے الموطأ للإمام مالك، الجنائز، باب مايقول المصلي على الجنازة:78/1، حديث :544 عن أبي هريرة موقوفاً. ان سے ملتے جلتے مرفوع الفاظ دیکھیے سنن أبي داود، الجنائز، حديث:3201 و سنن ابن ماجه، الجنائز، حديث:1498. ② الأم للشافعي، الجنائز، باب الصلاة على الجنازة والتكبير...... :141/2، رقم:589 مزید دیکھیے السنن الكبرى للبيهقي، الجنائز، باب القراءة في صلاة الجنازة:39/4. ③ سنن النسائي، الجنائز، باب الدعاء، حديث:1991 . ④ جامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ، حديث: 484 موقوفًا. تفصیل کے لیے دیکھیے السلسلة الصحيحة:54/5، حديث:2035 و صحيح الجامع الصغير:832/2 و العلل المتناهية:358/2 اور دعا یہ الفاظ سے پہلے اور حمد و ثنا کے بعد درود پڑھنے کے متعلق چند صفحات قبل دیکھیے عنوان: ''فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت''

فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّمَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَايَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، (وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ) تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ] ''اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے، ان کے زمرے میں تو مجھے بھی ہدایت دے اور مجھے بھی ان لوگوں کے زمرے میں (دنیا و آخرت کی) عافیت دے جن کو تو نے عافیت دی ہے اور جن لوگوں کا تو کارساز بنا ہے، ان (کے زمرے) میں تو میرا بھی کارساز بن جا اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے، اس میں برکت دے اور جو تو نے میرے لیے مقدر کیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا، اس لیے کہ بے شک تیرا حکم سب پر چلتا ہے اور تیرے اوپر کسی کا حکم نہیں چلتا، جس کا تو مددگار بن گیا وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا اور جس کو تو نے اپنا دشمن قرار دے دیا وہ کبھی عزت نہیں پاتا،[1] تو ہی برکت والا ہے، اے ہمارے پروردگار! اور تو ہی سب سے بلند و بالا ہے۔'' امام نسائی نے سنن میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں: [وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ] ''اور اللہ تعالیٰ محمد ﷺ پر رحمت نازل فرمائے۔''[2]

جمعے کے دن درود شریف: جمعے کے دن اور جمعے کی رات کثرت سے درود پڑھنا بھی مستحب ہے۔ امام احمد نے اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَّعْرُوضَةٌ عَلَيَّ] ''تمھارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے، اس دن آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن فوت کیے گئے، اسی دن صور میں پھونکا جائے گا اور اسی دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے، پس تم اس دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو، بے شک تمھارا درود مجھ پر پیش کر دیا جائے گا۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ بوسیدہ ہو جائیں گے تو آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔''[3] اس حدیث کو امام ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[4] اور امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دار قطنی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام نووی نے بھی الأذکار میں اسے صحیح کہا ہے۔[5]

---

① مسند أحمد: 199/1 وسنن أبي داود، الوتر، باب القنوت في الوتر، حديث: 1425 وجامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في القنوت في الوتر، حديث: 464 وسنن النسائي، قيام الليل......، باب الدعاء في الوتر، حديث: 1747،1746 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في القنوت في الوتر، حديث: 1178 وصحيح ابن خزيمة، ذكر الوتر وما فيه من السنن، باب ذكر الدليل على أن النبيﷺ إنما أوتر......: 152،151/2، حديث: 1095 وصحيح ابن حبان، الرقائق، باب ذكر الزجر عما يريب المرء......: 499،498/2، حديث: 722 والمستدرك للحاكم: 172/3، حديث: 4801،4800 جبکہ قوسین والے الفاظ ابوداود کے مذکورہ حوالے میں دیکھیے۔ ② سنن النسائي، قيام الليل......، باب الدعاء في الوتر، حديث: 1747 یہ حدیث ضعیف ہے۔ ③ مسند أحمد: 8/4. ④ سنن أبي داود، الصلاة، باب فضل يوم الجمعة......، حديث: 1047 وسنن النسائي، الجمعة، إكثار الصلاة على النبيﷺ......، حديث 1375. ⑤ صحيح ابن خزيمة، الجمعة، باب فضل الصلاة على النبيﷺ......: 118/3، حديث: 1733 وصحيح ابن حبان، الرقائق، ذكر البيان بأن صلاة من صلى على المصطفىﷺ......: 191/3، حديث: 910.

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ

بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے، اور ان کے لیے رسوا کن

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا

عذاب تیار کیا ہے ﴿57﴾ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا پہنچائیں جبکہ انھوں نے کوئی جرم نہ کیا ہو تو یقیناً ان لوگوں

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿58﴾ ع 7 6 4

نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھایا﴿58﴾

تفسیر آیات: 58,57

اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والا دنیا و آخرت میں ملعون ہے: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کی ہے جو اس کے احکام کی مخالفت، اس کے محرمات کا ارتکاب کرے اور اس پر اصرار کر کے اسے ایذا دے اور اس کے رسول پر عیب یا نقص کا الزام لگا کر اسے ایذا دے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ عکرمہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو رنج پہنچاتے ہیں۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ یہ آیت مصوروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1]

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ] ''اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ زمانے کو گالی دیتا ہے اور میں ہی زمانہ ہوں کہ اس کے رات دن کو بدلتا ہوں۔''[2] اس کا مفہوم یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے: ہائے زمانے کی بربادی! ہمارے ساتھ اس نے یہ یہ کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو زمانے کی طرف منسوب کرتے اور اسے گالی دیا کرتے تھے، حالانکہ ان کا فاعل اللہ عزوجل ہے، لہٰذا اس سے منع کر دیا گیا۔[3] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ پر صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب سے شادی کرنے کی وجہ سے طعن کیا تھا۔[4] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے اور ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو کسی بھی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دے اور جس نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی جیسا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

---

① تفسير الطبرى:55/22. ② صحيح البخارى، التفسير، باب: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثية45:24)، حديث: 4826 وصحيح مسلم، الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهى عن سبّ الدهر، حديث: (2)-2246 واللفظ له. ③ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ جاہلیت ان پر مختلف حالات لانے والے کو گالیاں دیتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ انقلابات لانے والا زمانہ ہے اس بنا پر اسے گالیاں دیتے تھے، اور حقیقت میں انقلابات لانے والا اللہ تعالیٰ ہے جبکہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دہر تو میں ہوں، یعنی جسے تم انقلابات لانے والا سمجھتے ہو وہ تو میں ہوں۔ ④ تفسير الطبرى :55/22 .

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، یہ (بات اس کے) زیادہ قریب ہے کہ

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿59﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ

وہ پہچان لی جائیں تو انھیں ایذا نہ پہنچائی جائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿59﴾ اگر منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے

وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ

اور مدینے میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ آپ کے قرب و جوار، اس (مدینے) میں تھوڑی

اِلَّا قَلِيْلًا ۛۚ ﴿60﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿61﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ

مدت ہی رہ سکیں گے ﴿60﴾ وہ ملعون و مردود ہیں، جہاں بھی وہ پائے جائیں پکڑ لیے جائیں گے اور بری طرح قتل کر دیے جائیں گے ﴿61﴾ ان لوگوں میں بھی

خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿62﴾ ربع

جو پہلے گزر چکے ہیں اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے، اور آپ اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ﴿62﴾

مومنوں کو ایذا دینے والوں کے لیے وعید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا﴾ ''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انھوں نے نہ کیا ہو ایذا دیں۔'' یعنی ان کی طرف ایسی بات منسوب کریں جن سے وہ بری ہوں اور جسے انھوں نے نہ کیا ہو۔ ﴿فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿58﴾﴾ ''تو انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔'' یعنی یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی طرف عیب و نقص کے طور پر کوئی ایسی بات منسوب کی جائے جو انھوں نے کی ہی نہ ہو، اس وعید کے زیادہ تر مصداق تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے والے لوگ ہیں، پھر وہ رافضی جو حضرات صحابۂ کرام کی تنقیص کرتے اور ان کی طرف ایسے عیوب کو منسوب کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بری قرار دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں جو بیان فرمایا ہے، یہ لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات اس کے الٹ بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اور بھی مختلف انداز سے مدح و ستائش کی ہے مگر یہ جاہل اور غبی انھیں گالیاں دیتے، ان کی تنقیص کرتے اور ان کے بارے میں وہ کچھ ذکر کرتے ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں اور جسے انھوں نے کبھی کیا ہی نہیں۔

حقیقت میں ان رافضیوں کے دل ٹیڑھے ہیں یہ اچھے لوگوں کی مذمت کرتے اور برے لوگوں کی تعریف کرتے ہیں۔ امام ابوداود نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! غیبت کیا ہے؟ فرمایا: [ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ] ''تمھارا اپنے بھائی کا (اس طرح) ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو۔'' عرض کی گئی کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو جسے میں کہہ رہا ہوں؟ آپ نے فرمایا: [فَإِنْ كَانَ فِيهِ مَاتَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ مَاتَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ] ''اگر وہ بات اس میں موجود ہو جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس

پر بہتان لگایا۔‘‘[1] امام ترمذی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 59-62

پردے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مومن عورتوں کو، خصوصاً اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو ان کے عزت و شرف کی بنا پر، یہ حکم دے دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا کچھ حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ وہ زمانۂ جاہلیت کی عورتوں اور باندیوں سے ممتاز ہو جائیں۔ جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو دوپٹے کے اوپر ہوتی ہے اور یہ ابن مسعود، عبیدہ، قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاء خراسانی اور کئی ایک اہل علم کا قول ہے۔[3] اور یہ آج کل اوپر اوڑھی جانے والی چادر کے قائم مقام ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ جِلباب ایسی چادر کو کہتے ہیں جس سے جسم کو ڈھانپ لیا جائے۔[4] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ بوقت ضرورت اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو وہ اپنے چہروں کو اپنے سروں کے اوپر سے چادر کے ساتھ ڈھانپ لیا کریں اور ایک آنکھ ننگی کر لیا کریں۔[5] محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عَبِیدہ سلمانی سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ﴾ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اپنے چہرے اور سر کو چھپا لیا اور اپنی بائیں آنکھ کو ننگا کر لیا۔[6] ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ﴾ ’’یہ (امر) زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ پہچان لی جائیں، پھر انھیں کوئی تکلیف نہ دی جائے۔‘‘ یعنی جب وہ ایسا کریں گی تو معلوم ہوگا کہ وہ آزاد اور شریف عورتیں ہیں، نہ وہ لونڈیاں ہیں اور نہ بدکردار۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ ’’اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔‘‘ یعنی زمانۂ جاہلیت میں جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا کیونکہ اس وقت انھیں اس کا علم نہ تھا۔

شریر منافقوں کے لیے سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ: پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔ اور یاد رہے منافقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان ظاہر کرتے اور کفر کو چھپاتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ’’اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے۔‘‘ عکرمہ نے کہا ہے کہ یہاں ان سے مراد زانی لوگ ہیں۔[7] ﴿وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ ’’اور جو مدینہ (کے شہر) میں بری بری خبریں اڑایا کرتے ہیں۔‘‘ یعنی جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ دشمن آ گئے، جنگیں آ گئیں، حالانکہ یہ لوگ ایسی خبریں محض کذب و افترا کے طور پر اڑایا کرتے ہیں، اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آئے اور انھوں نے حق کی طرف

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث: 4874. ② جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الغيبة، حديث: 1934 مزید دیکھیے صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الغيبة، حديث: 2589. ③ تفسير القرطبي: 244,243/14 وتفسير الطبري: 57/22. ④ الصحاح، مادة: جلب. ⑤ تفسير الطبري: 57/22 یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابوصالح ہے جس میں ضعف ہے، نیز علی بن ابوطلحہ کا ابن عباس سے سماع ثابت نہیں ہے جبکہ المصنف، لابن أبي شيبة: 541/3 میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت آئی ہے۔ ⑥ تفسير الطبري: 57/22. ⑦ تفسير الطبري: 58/22.

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، آپ کو کیا خبر، شاید قیامت قریب ہی ہو؟⑥③ بلاشبہ

قَرِيْبًا ﴿63﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿64﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ

اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے خوب بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے⑥④ وہ اس میں ہمیشہ ابد تک رہیں گے، وہ (اپنا) کوئی دوست اور

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۚ﴿65﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا

کوئی مددگار نہ پائیں گے⑥⑤ جس دن آگ میں ان کے چہرے الٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی،

الرَّسُوْلَا ﴿66﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿67﴾ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ

اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی⑥⑥ اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی، تو انھوں

ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿68﴾ ع 8 10 5

نے ہمیں گمراہ کر دیا⑥⑦ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت (اور زیادہ) لعنت کر⑥⑧

رجوع نہ کیا تو ﴿ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ﴾ ''ضرور ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔① اور قتادہ کہتے ہیں: ﴿ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم آپ کو ان کے خلاف بھڑکا دیں گے۔② اور سدی کہتے ہیں کہ ہم آپ کو ان کے بارے میں معلوم کرا دیں گے۔ ﴿ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ ﴾ ''پھر وہاں آپ کے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے۔'' یعنی مدینہ میں۔ ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿60﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ﴾ ''مگر تھوڑے دن (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے۔'' یعنی مدینہ میں ان کی مدت اقامت بہت قلیل ہوگی، اور یہ راندھے اور پھٹکارے ہوئے بھی ہوں گے۔ ﴿ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا ﴾ ''جہاں بھی پائے گئے پکڑے گئے۔'' اپنی ذلت وقلت کی وجہ سے، ﴿ وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿61﴾ ''اور قتل کیے جائیں گے خوب قتل کیا جانا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ''جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کے بارے میں بھی اللہ کی یہی عادت رہی ہے۔'' یعنی منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب وہ اپنے نفاق اور کفر کے باعث سرکشی اختیار کرتے ہیں اور اس سے باز نہیں آتے تو اہل ایمان کو ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کو مغلوب کر دیتے ہیں، ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿62﴾ ''اور آپ اللہ کی عادت میں ہرگز تغیر وتبدل نہ پائیں گے۔'' یعنی اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی عادت میں کوئی تغیر وتبدل رونما نہیں ہوتا۔

تفسیر آیات: 63-68

قیامت کے دن کا علم اللہ ہی کو ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ انھیں قیامت کا علم نہیں ہے، خواہ لوگ ان سے اس بارے میں دریافت بھی کریں، اس سلسلے میں معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا

① تفسير الطبری: 59/22. ② تفسير الطبری: 60/22.

جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں بھی فرمایا ہے۔[1] اور وہ مکی سورت ہے اور یہ مدنی ہے، الغرض! اس کا علم اس ذات پاک کو ہے جو اسے قائم فرمائے گا، البتہ اس نے یہ ضرور فرما دیا ہے کہ قیامت عنقریب آنے والی ہے۔ ﴿ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی آ گئی ہو؟'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ (القمر 54:1) ''قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ﴾ (الأنبياء 21:1) ''لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) اعراض کیے جا رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ (النحل 16:1) ''اللہ کا حکم (عذاب، گویا) آ ہی پہنچا، پس (اے کافرو!) اس کے لیے جلدی مت کرو۔''

کفار پر لعنت، ہمیشہ کے لیے جہنم اور حسرت: پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے۔'' یعنی اس نے انھیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ ﴿ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴾ ''اور اس نے ان کے لیے (جہنم کی) آگ تیار کر رکھی ہے۔'' یعنی آخرت میں۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ ''اس میں ابد الآباد رہیں گے۔'' یعنی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اس سے کبھی بھی نکل نہ سکیں گے۔ ﴿ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ ''نہ کسی کو دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔'' ان کے لیے کوئی فریاد رس اور مددگار نہ ہوگا جو انھیں اس عذاب سے بچا سکے۔

پھر فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴾ ''جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹے پلٹے جائیں گے، کہیں گے: اے کاش! ہم اللہ کی فرماں برداری کرتے اور رسول اللہ کا حکم مانتے۔'' یعنی انھیں چہروں کے بل دوزخ کی آگ میں گھسیٹا جائے گا اور ان کے چہروں کو جہنم میں الٹا دیا جائے گا، پھر وہ اس تمنا کا اظہار کریں گے کہ کاش! وہ دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے میدانِ حشر میں ان کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ○ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ○ ﴾ (الفرقان 25:27-29) ''اور جس دن (عاقبت نااندیش) ظالم اپنے دونوں ہاتھوں پر کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکایا اور شیطان انسان کو عین وقت پر دغا دینے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ ﴾ (الحجر 15:2) ''کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے کہ اے کاش! وہ مسلمان ہوتے۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ اس حالت میں بھی تمنا کریں گے کہ اے کاش! وہ دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔

[1] دیکھیے الأعراف، آیت: 187 کے ذیل میں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی، پھر اللہ نے اسے اس (جھوٹی بات) سے بری کر دیا جو انھوں نے کہی تھی،

عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ ﴿69﴾

اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے رتبے والا تھا ﴿69﴾

﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿67﴾ ﴾ ''اور کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہم کو رستے سے گمراہ کر دیا۔'' طاؤس کہتے ہیں کہ ﴿ سَادَتَنَا ﴾ سے مراد اشراف ہیں اور ﴿ كُبَرَآءَنَا ﴾ سے مراد علماء ہیں۔ ﴿ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے۔'' ایک تو ان کے کفر کی وجہ سے اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ ابو القاسم طبرانی نے ابو رافع سے ان لوگوں کے نام کے ضمن میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں شامل تھے، حجاج بن عمرو بن غزیہ کا ذکر بھی کیا ہے، یہ (دشمن سے) مقابلے کے وقت یہ کہہ کر ابھارا کرتے تھے: اے گروہ انصار! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ رب تعالیٰ سے ملاقات کے وقت یہ کہو:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿67﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿68﴾ ﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہم کو رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔''[1]

تفسیر آیت: 69

یہودیوں کی موسیٰ علیہ السلام پر افترا پردازی: امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث الانبیاء میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ مُوسٰى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا لَّا يُرَى مِنْ جِلْدِهٖ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِّنْهُ، فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَقَالَ: مَا يَسْتَتِرُ هٰذَا التَّسَتُّرَ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهٖ، إِمَّا بَرَصٌ وَّإِمَّا أُدْرَةٌ وَّإِمَّا آفَةٌ، وَّإِنَّ اللّٰهَ أَرَادَ أَنْ يُّبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوا لِمُوسٰى، فَخَلَا يَوْمًا وَّحْدَهُ فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلٰى ثِيَابِهٖ لِيَأْخُذَهَا وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهٖ فَأَخَذَ مُوسٰى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ يَقُولُ: ثَوْبِي حَجَرُ! ثَوْبِي حَجَرُ! حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى مَلَإٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُولُونَ، وَقَامَ الْحَجَرُ وَأَخَذَ بِثَوْبِهٖ فَلَبِسَهُ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ فَوَاللّٰهِ إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِّنْ أَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿69﴾ ﴾]

[1] المعجم الكبير للطبراني: 3/224,223، حديث: 3210.

''بے شک موسیٰ علیہ السلام بہت باحیا اور باپردہ انسان تھے، حیا کی وجہ سے وہ اپنے جسم کو چھپا کر رکھتے تھے اور ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا مگر بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے انھیں ایذا دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس قدر پردہ پوشی سے کام اس لیے لیتے ہیں کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے، برص ہے، ان کے خصیے پھولے ہوئے ہیں یا وہ کسی اور آفت میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں سے بے عیب قرار دیں۔ ایک دن وہ خلوت میں تھے، انھوں نے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے اور غسل کرنا شروع کر دیا، جب غسل سے فارغ ہوئے تو وہ اپنے کپڑے پکڑنے لگے مگر وہ پتھر (جس پر کپڑے رکھے ہوئے تھے) کپڑوں کے ساتھ دوڑ پڑا، موسیٰ نے اپنے عصا کو پکڑا اور پتھر کے پیچھے ہو لیے اور فرمانے لگے: پتھر میرے کپڑے! پتھر میرے کپڑے! پتھر دوڑ کر بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس جارکا، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جب برہنہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو بہت ہی احسن انداز میں پیدا فرمایا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں بے عیب ثابت کر دیا، پتھر ٹھہر گیا، موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے کر زیب تن فرما لیے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے۔ اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشانات پڑ گئے، آپ نے فرمایا کہ اسی واقعہ کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے: ''مومنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو (عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو اللہ نے ان کو بے عیب ثابت کیا اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔''[1] یہ حدیث صرف صحیح بخاری میں ہے، مسلم میں نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن کچھ مال وغیرہ تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا کہ اس تقسیم میں اللہ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے دشمن! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھاری یہ بات ضرور بتاؤں گا، پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دی تو یہ سن کر آپ کا چہرہ اقدس گلنار ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: [رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى مُوسٰى، لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ] ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ انھیں تو اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔''[2] اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

﴿ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴾ ''اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔'' یعنی انھیں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں وجاہت اور جاہ و منصب حاصل تھا۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں مستجاب الدعوات تھے۔[4] بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انھیں جو عظیم وجاہت حاصل تھی اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون کے بارے میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی ان کے ساتھ نبی بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول فرما لیا تھا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ ﴾ (مریم 53:19) ''اور ہم نے اپنی مہربانی سے ان کو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔''

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 28، حديث: 3404. [2] مسند أحمد: 380/1. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 28، حديث: 3405 وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام......، حديث: 1062. [4] تفسير البغوي: 666/3.

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ⑦⓪ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ٹھیک ٹھیک بات کہا کرو⑦⓪ وہ تمھارے عمل درست کر دے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا، اور

وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ⑦①

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی⑦①

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا

بلاشبہ ہم نے (اپنی) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے

وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ⑦② لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ

ڈر گئے، اور وہ (امانت) انسان نے اٹھالی، یقیناً وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے⑦② (ہم نے یہ امانت اس لیے اٹھوائی) کہ اللہ منافق مردوں

الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ

اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے، اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر رحم فرمائے، اور اللہ بہت

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑦③ ع ۹ ۵ ۶

بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے⑦③

تفسیر آیات: 71,70

مومنوں کو تقوے اور صدق کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے تقوے کو اختیار کریں، اس کی اس طرح عبادت کریں، گویا اسے دیکھ رہے ہوں، ﴿ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ⑦⓪ ﴾ ''اور سیدھی بات کہا کرو۔'' ایسی سیدھی بات جس میں کوئی کجی اور انحراف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ جب وہ ایسا کریں گے تو وہ انھیں اس کا اجر وثواب عطا فرمائے گا، ان کے اعمال کو درست فرما دے گا، انھیں اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے گا، ان کے سابقہ گناہوں کو معاف فرما دے گا اور مستقبل میں سرزد ہونے والے گناہوں سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے گا، پھر فرمایا: ﴿ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ⑦① ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک بہت بڑی مراد پائے گا۔'' اور وہ یہ کہ اسے آتش دوزخ سے بچا لیا جائے گا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز کر دیا جائے گا۔

تفسیر آیات: 73,72

انسان کا بارِ امانت اٹھانا: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ امانت سے مراد طاعت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کرنے سے پہلے پیش کیا تھا مگر انھوں نے اس بار کے اٹھانے کی اپنے آپ میں طاقت نہ پائی تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تھا مگر انھوں نے اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں پائی تو اس میں جو کچھ ہے کیا اس کے ساتھ تم اسے اٹھا سکتے ہو؟ انھوں نے عرض کی: اے میرے رب! اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اگر تم نیکی کرو گے تو اچھی جزا ملے گی اور برائی کرو گے تو سزا ملے

گی تو آدم علیہ السلام نے اسے لے کر اٹھا لیا، اسی لیے فرمایا: ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝﴾ ''اور انسان نے اس کو اٹھا لیا، بے شک وہ (انسان اس امانت میں خیانت کرنے والا) بڑا ظالم، بڑا جاہل تھا۔''[1]

اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ اگر وہ انھیں ادا کریں گے تو انھیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اگر وہ انھیں ضائع کر دیں گے تو انھیں عذاب دے گا مگر انھوں نے اس بار امانت کے اٹھانے کو ناپسند کیا اور وہ اس سے ڈر گئے کہ اللہ کے دین کی تعظیم کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز و قاصر نہ رہ جائیں، اسے جب آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اسے قبول کر لیا اور یہی معنی اس ارشاد باری تعالیٰ کے ہیں: ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝﴾ ''اور انسان نے اس کو اٹھا لیا، بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔'' یعنی ''جھول'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم سے غفلت ہے۔[2] مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک، حسن بصری اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے بھی یہی کہا ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں۔[3] کچھ دیگر لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے مراد طاعت ہے۔[4] اعمش نے ابو ضحیٰ سے اور انھوں نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بھی امانت ہے کہ عورت کو اپنی شرم گاہ کے بارے میں امین ٹھہرایا گیا ہے۔[5] قتادہ کا قول ہے کہ امانت سے مراد دین، فرائض اور حدود ہیں۔[6] امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ امانت سے مراد تین چیزیں ہیں: (1) نماز (2) روزہ (3) غسل جنابت۔

ان تمام اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ سب اس نکتے پر متفق ہیں کہ اس سے مراد ذمہ داری کا بوجھ اور اوامر و نواہی کو ان کی شرائط کے ساتھ قبول کرنا ہے اور وہ یہ کہ اگر اس نے اس امانت کو پورا کیا تو اسے اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور اگر اس نے اسے پورا نہ کیا تو اسے سزا ملے گی، پس انسان نے اپنے ضعف، جہالت اور ظلم کے باوصف اسے قبول کر لیا۔ ہاں، البتہ جسے اللہ توفیق دے وہی اس بار امانت سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ وَبِاللّٰهِ الْمُسْتَعَانُ.

امانت سے متعلق وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک کو میں نے دیکھ لیا ہے اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں آپ نے ہمیں بیان فرمایا: امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں نازل ہوئی تھی، پھر قرآن نازل ہوا، لوگوں نے قرآن سے بھی معلوم کر لیا اور سنت سے بھی معلوم کر لیا کہ امانت کی کس قدر اہمیت ہے، پھر آپ نے ہم سے امانت کے اٹھا لیے جانے کے بارے میں بیان فرمایا، آپ نے بیان فرمایا: [يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً، فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ، كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلٰى رِجْلِكَ تَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَّلَيْسَ فِيهِ

[1] تفسير الطبری: 67/22. [2] تفسير الطبری: 67/22. [3] تفسير الطبری: 66/22. [4] تفسير الطبری: 67/22.
[5] تفسير الطبری: 68/22. [6] تفسير الطبری: 69,68/22.

شَيءٌ......فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ، لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَّجُلًا أَمِينًا حَتّٰى يُقَالَ لِلرَّجُلِ: مَا أَجْلَدَهُ وَأَظْرَفَهُ وَأَعْقَلَهُ! وَمَا فِي قَلْبِهِ حَبَّةٌ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيمَانٍ] ’’آدمی سور ہا ہوگا کہ امانت اس کے دل سے کھینچ لی جائے گی تو اس کا نشان داغ کی طرح ہوگا، پھر وہ سوئے گا تو (باقی) امانت (بھی) اس کے دل سے کھینچ لی جائے گی، سو چھالے کی طرح اس کا نشان باقی رہ جائے گا، اس انگارے کی طرح جسے تم نے اپنے پاؤں پر ڈال دیا ہو (جس سے چھالا پڑ جائے) اسے تم پھولا ہوا دیکھتے ہو مگر اس میں کوئی چیز نہیں ہوتی ...... کہ لوگ خرید و فروخت کرنے لگیں گے مگر کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو امانت کو ادا کرنے والا ہو حتی کہ کہا جانے لگے گا کہ فلاں خاندان میں ایک امانت دار شخص ہے یہاں تک بھی کہا جانے لگے گا کہ فلاں شخص کس قدر بہادر، کس قدر ہنس مکھ اور کس قدر عقل مند ہے، مگر اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔‘‘ ایک وقت تھا کہ میں اس بات کی پروا نہیں کرتا تھا کہ میں نے کس سے خرید و فروخت کی ہے کیونکہ اگر خرید و فروخت کرنے والا مسلمان ہے تو اس کا دین اسے میری طرف لوٹا دے گا اور اگر وہ عیسائی یا یہودی ہے تو اس کا ولی اسے میرے پاس لوٹا دے گا، مگر آج میں تم میں سے صرف فلاں اور فلاں ہی سے خرید و فروخت کرتا ہوں۔ [1] صحیحین میں یہ حدیث بروایت اعمش ہے۔ [2]

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيْكَ مَافَاتَكَ مِنَ الدُّنْيَا: حِفْظُ أَمَانَةٍ، وَّصِدْقُ حَدِيثٍ، وَّحُسْنُ خَلِيقَةٍ، وَّعِفَّةٌ فِي طُعْمَةٍ] ’’جب تم میں چار چیزیں موجود ہوں تو پھر دنیا کی کسی بھی چیز کے موجود نہ ہونے کا تمھیں کوئی غم نہیں ہونا چاہیے: (1) حفظ امانت (2) سچ بولنا (3) حسن خلق اور (4) حلال کھانا۔‘‘ [3]

بارِ امانت اٹھانے کا نتیجہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ ﴾ ’’تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔‘‘ یعنی بنی آدم پر اس امانت، شرعی ذمہ داریوں کا بوجھ اس لیے ڈالا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے منافق مردوں اور عورتوں کو عذاب دے اور منافق وہ ہیں جو اہل ایمان کے خوف کی وجہ سے ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اور کافروں کی اتباع کرنے کی خاطر کفر کو چھپاتے ہیں۔ ﴿ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ ﴾ ’’اور مشرک مرد اور مشرک عورتیں۔‘‘ یعنی وہ لوگ جو ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے اور اس کے رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ’’اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی کرے۔‘‘ اور ان مومنوں پر رحم فرمائے جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے

---

[1] مسند أحمد: 383/5 . [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب رفع الأمانة، حديث: 6497 و صحيح مسلم، الإيمان، باب رفع الأمانة والإيمان من بعض القلوب......، حديث: 143. [3] مسند أحمد: 177/2 بعض نے اگرچہ اسے سنداً ضعیف کہا ہے لیکن حدیث حسن ہے دیکھیے السلسلة الصحيحة: 361/2، حديث: 733، و صحيح الجامع الصغير: 212/1، حديث: 873 اور الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 233/11، حديث: 6652.

رسولوں پر ایمان رکھتے اور اس کی طاعت بجا لاتے ہیں۔﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿73﴾ ﴾ ’’اور اللہ تو بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔‘‘

تفسیر سورۂ احزاب مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تحقیق و تخریج کے

مصادر و مراجع

اسم الکتاب	اسم المصنف	المطبعة	مقام	تاریخ الطبع
آداب الصحبة	لأبی عبدالرحمٰن السّلمی	دارالصحابة للتراث (C.D)	طنطا مصر	1410ھ 1990م
الإتقان	للإمام جلال الدین أبی الفضل عبدالرحمٰن السیوطی (849-911ھ)	دار المعرفة	بیروت لبنان	
الأحادیث الطوال	للحافظ سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
الأحادیث المختارة	لأبی عبداللّٰہ محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلی المقدسی(567-643ھ)	دارخضر	بیروت لبنان	1421ھ 2001م
أحکام القرآن	للإمام أبی بکر محمد بن عبداللّٰہ المعروف بابن العربی (468-543ھ)	دارالکتب العربی	بیروت لبنان	1421ھ 2000م
الأدب المفرد	للإمام أبی عبداللّٰہ محمد بن إسماعیل البخاری (194-256ھ)	المکتبة الإسلامیة	الأُردن	1423ھ 2003م
الأدب المفرد	//	مکتبة المعارف	الریاض	1419ھ 1998م
إرشاد الساری	للإمام شهاب الدین أبی العباس أحمد بن محمد الشافعی القسطلانی (المتوفی 923ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1416ھ 1996م

إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت	1405ھ 1985م
الاستذكار	لأبی عمر يوسف بن عبدالله بن عبدالبر النمری الأندلسی (368-463ھ)	دار الوعی	حلب القاهرة	1414ھ 1993م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبی الحسن علی بن محمد الجَزَری (المتوفی 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	
الإسراء والمعراج	لمحمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المكتبة الإسلامية	عمان (اردن)	1421ھ 2000م
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
إكمال المُعلم بفوائد مسلم	للإمام الحافظ أبی الفضل عياض بن موسی بن عياض اليحصبی (المتوفی 544ھ)	دار الوفاء	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبی عبدالله محمد بن إدريس الشافعی القرشی (المتوفی 204ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
بائبل،قرآن اورسائنس(اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاہور پاکستان	1999م
البحر الزخار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبی بكر أحمد بن عمرو بن عبدالخالق العتكی البزّار (المتوفی 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومكتبة العلوم والحكم	بيروت	1409ھ 1988م
البداية والنهاية	لأبی الفداء الحافظ ابن كثير الدِّمشقی (المتوفی 774ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البيان فی عدّ آی القرآن	لأبی عمرو عثمان بن سعيد الأموی الدانی (371-444ھ)	مركز المخطوطات	الكويت	1414ھ 1994م
تاج العروس	الإمام محب الدين أبی فيض السيد محمد مرتضی الحسينی الزبيدی (المتوفی 1205ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م

تاریخ ابن خلدون	لعبد الرحمٰن بن خلدون (732-808ھ 1332-1406م)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1413ھ 1992م
تاریخ بغداد	للحافظ أبی بکر أحمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ)	دارالفکر	بیروت لبنان	1418ھ 1998م
تاریخ دمشق	للإمام الحافظ أبی القاسم علی بن الحسن الدمشقی الشافعی المعروف بابن عساکر (499-571ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1421ھ 2001م
تاریخ الطبری	لأبی جعفر محمد بن جریر الطبری (المتوفی310ھ)	مطبعة الاستقامة	القاهرة	1358ھ 1939م
التاریخ الکبیر	للإمام أبی عبداللّٰہ محمد بن إسماعیل بن إبراهیم الجعفی(194-256ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1414ھ 1993م
تحفة الأحوذی	للإمام الحافظ أبی العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم المبارکفوری (المتوفی1353ھ)	دارالفکر	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
تحفة الأخیار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی(239-321ھ)	داربلنسیة	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدین أبی الحجاج یوسف المزی (654-742ھ)	دارالغرب الإسلامی	بیروت	1999م
التخویف من النار	للأبی الفرج عبدالرحمٰن بن أحمد بن رجب الحنبلی (المتوفی795ھ)	مکتبة دارالبیان (C.D)	دمشق	1399ھ
تذکرة الحفاظ	للإمام شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی748ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1419ھ 1998م
الترغیب والترهیب	للإمام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (المتوفی656ھ)	دارالحدیث	القاهرة	1407ھ 1987م

تغليق التعليق	لأحمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی (852ھ)	المكتب الإسلامی	بیروت دمشق	1470ھ 1999م
تفسیر البغوی	للإمام أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (المتوفی 516ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسیر البیضاوی	للإمام ناصر الدین أبی الخیر عبداللّٰه بن عمر بن محمد الشیرازی الشافعی البیضاوی (المتوفی 691ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1418ھ 1998م
تفسیر الثوری	لسفیان بن سعید بن مسروق الثوری أبو عبداللّٰه (المتوفی 161ھ)	دارالکتب العلمیة (C.D)	بیروت لبنان	1403ھ
تفسیر ابن أبی حاتم	للإمام الحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدریس الرازی ابن أبی حاتم (المتوفی 327ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة الریاض	1417ھ 1997م
تفسیر الرازی	للإمام فخر الدین الرازی (المتوفی 606ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسیر السمعانی	للإمام أبی المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التمیمی المروزی الشافعی (426-489ھ)	دار الوطن	الریاض	1418ھ 1997م
تفسیر الطبری	لأبی جعفر محمد بن جریر الطبَری (المتوفی 310ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسیر عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی211ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1419ھ 1999م
تفسیر القرطبی	لأبی عبداللّٰه محمد بن أحمد الأنصاری القُرطبی (المتوفی 671ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1413ھ 1993م
تفسیر الماوردی	لأبی الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری (364-450ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1412ھ 1992م

تفسير معاني القرآن	للنحاس (المتوفى 338ھ)	جامعة أم القرى (C.D)	مكة المكرمة	1409ھ
تلخيص الحبير	للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
تمام المنة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ)	دار الراية	الرياض السعودية	1417ھ
التمهيد	للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبداللّٰه بن محمد بن عبدالبر النمرى الأندلسى (368-463ھ)	مكتبة السوادى	جدة	1387ھ 1967م
تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة	لأبي الحسن على بن محمد بن عراق الكنانى (907-963ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1401ھ 1981م
تنوير المقباس	للإمام السيد حبر الأمة عبداللّٰه بن عباس الهاشمى القرشى ﷺ (المتوفى 68ھ)	مطبعة الأمير	قم ايران	
جامع الترمذى	للإمام الحافظ أبي عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذى (200-279ھ)	دارالسلام	الرياض السعوديه	1420ھ 1999م
جامع المسانيد والسنن	للإمام عماد الدين أبي الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشى الدمشقى الشافعى (700-774ھ)	دار الفكر	بيروت	1420ھ 2000م
حلية الأولياء	للإمام الحافظ أبي نُعَيم أحمد بن عبداللّٰه الأصفهانى الشافعى (المتوفى 430ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
الدر المنثور فى التفسير المأثور	للإمام جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبي بكر السيوطى (المتوفى 911ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1421ھ 2000م
دلائل النبوة	لأبي بكر أحمد بن الحسين بن على البيهقى (384-458ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1405ھ 1985م

الدِّیباج	للحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی (849-911ھ)	شرکۃ دار الأرقم بن أبی الأرقم	بیروت لبنان	
الرحیق المختوم (اردو)	للشیخ صفی الرحمٰن مبارکفوری (1361-1427ھ/1942-2006م)	المکتبۃ السلفیۃ	لاھور باکستان	1416ھ 1995م
روح المعانی	للعلامۃ أبی الفضل شھاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی (المتوفی 127ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1417ھ 1997م
الزھد	للإمام أحمد بن حنبل (164-241ھ)	دارالکتاب العربی	بیروت لبنان	1425ھ 2004م
زاد المسیر	للإمام أبی الفَرَج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی597ھ)	دار الکتب العلمیۃ	الریاض	1414ھ 1994م
زاد المعاد	للإمام شمس الدین أبی عبداللّٰہ محمد بن أبی بکر الزرعی الدمشقی المشھور بابن قیم الجوزیۃ (691-751ھ)	مؤسسۃ الرسالۃ	دمشق بیروت	1415ھ 1995م
سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی1420ھ)	مکتبۃ المعارف	الریاض السعودیۃ	1415ھ 1995م
سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	// // //	//	//	1420ھ 2000م
سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الکتب العلمیۃ	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بھرام التمیمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الکتب العلمیۃ	بیروت لبنان	1417ھ 1996م

سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن سعید بن منصور	للحافظ سعید بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصمیعی	الریاض السعودیة	1420ھ 2000م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی (384-458ھ)	إدارة تألیفات أشرفیة	ملتان باکستان	1414ھ 1993م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه محمد بن یزید الربعی ابن ماجه القزوینی (209-273ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی (215-303ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
السیرة النبویة	لولی الدین أبی زید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحیم الحضرمی الأشبیلی المالکی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مکتبة المعارف	الریاض السعودیة	1418ھ 1998م
السیرة النبویة	لابن إسحاق (المتوفی 151ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1424ھ 2004م
السیرة النبویة	لأبی محمد عبدالملک بن هشام بن أیوب الحِمیَری (المتوفی 218ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
شرح السنة	للإمام الحافظ محی السنة أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (436-516ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت	1403ھ 1983م
شرح معانی الآثار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1407ھ 1987م

شرح العقيدة الطحاوية	للعلامة ابن أبى العز الحنفى، بتحقيق و مراجعة جماعة من العلماء وتخريج محمد ناصر الدين الألبانى	المكتب الإسلامى	بيروت	
شرح النووى	لمحى الدين أبوزكريا يحى بن شرف بن مرى الحزامى الحورانى الشافعى (المتوفى 676ھ)	مؤسسة قرطبة	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
شعب الإيمان	للإمام أبى بكر أحمد بن الحسين البيهقى (384-458ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
الصحاح	لأبى نصر إسماعيل بن حماد الجوهرى الفارابى المتوفى (398ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1419ھ 1999م
صحيح البخارى	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى الجعفى (194-256ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419ھ 1999م
صحيح الترغيب والترهيب	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ-1999م)	مكتبة المعارف	الرياض	1421ھ 2000م
صحيح الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ1999م)	المكتب الإسلامى	بيروت لبنان	1408ھ 1988م
صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان الفارسى	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1414ھ 1993م
صحيح ابن خزيمة	للإمام أبى بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة السلمى النيسابورى (المتوفى 311ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت لبنان	1412ھ 1992م
صحيح سنن أبى داود	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ 1999م)	مؤسسة غراس	الكويت	1423ھ 2002م
صحيح مسلم	للإمام أبى الحسين مسلم بن الحجاج القشيرى النيسابورى (204-261ھ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1419ھ 1998م

ضعيف الجامع الصغير وزيادته	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى1420ھ-1999م)	المكتب الإسلامی	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
ضعيف سنن ابن ماجه	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى1420ھ۔1999م)	المكتب الإسلامی	بيروت	1415ھ 1994م
الطبقات الكبرىٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منيع (المتوفى 230ھ)	دار صادر	بيروت	1418ھ 1998م
علل الحديث	للإمام ابن أبی حاتم الرازی (240-327ھ)	المكتبة الأثرية	شيخوبوره پاكستان	
عمدة القاری	للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبی محمد محمود بن أحمد العينی (المتوفى855ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
عون المعبود	للعلامة أبی الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادی	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
فتح الباری	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار نشر الكتب الإسلامية	لاهور پاكستان	1401ھ 1981م
فتح البيان	لأبی الطيب صديق بن حسن بن علی الحسينی القنوجی البخاری (المتوفى1307ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
فضائل القرآن	لأبی عبيد القاسم بن سلام الهروی (157-224ھ)	دار ابن كثير	دمشق بيروت	1420ھ 1999م
الكامل فی ضعفاء الرجال	للإمام الحافظ أبی أحمد عبدالله بن عدی الجرجانی (المتوفى365ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
كتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخريج السنة	لأبی بكر عمرو بن أبی عاصم الضحاك بن مخلد الشيبانی المتوفى (287ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م

كتاب الزهد	للإمام الشيخ عبد اللّٰه بن المبارك المروزى (المتوفى 181ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب العرش	لأبى عبداللّٰه محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى (المتوفى 748ھ)	مكتبة أضواء السلف ومكتبة الإمام البخارى	الرياض السعودية مصر	1420ھ 1999م
كتاب العظمة	لأبى محمد عبداللّٰه بن محمد بن جعفر بن حيّان (274-369ھ)	دار العاصمة	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
الكشاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخْشرى (المتوفى 528ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
كشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1399ھ 1979م
كشف الظنون	للمؤرخ الكامل مصطفى بن عبداللّٰه المشهور بحاجى خليفة (1017-1067ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	
اللآلى المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن بن الكمال السيوطى (849-911ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (المتوفى 807ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
مجموعة الفتاوى	لشيخ الإسلام تقى الدين أحمد بن تيمية الحرّانى (المتوفى 728ھ)	مكتبة العبيكان	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
المحرر الوجيز	لغالب بن عطية الأندلسى (المتوفى 546ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م

المحلی	لأبی محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم المتوفی (456ھ)	دارالجیل دارالآفاق الجدیدة	بیروت	
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدین أبی الفضل أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	مؤسسة الکتب الثقافیة	بیروت لبنان	1412ھ 1992م
مختصر سنن أبی داود	عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللّٰه بن سلامة بن سعد زکی الدین أبومحمد المنذری الشامی المصری (المتوفی 656ھ)	مکتبة السنة المحمدیة مکتبة ابن تیمیة	القاهرة	1423ھ 2002م
مختصر قیام اللیل	للشیخ أبی عبداللّٰه محمد بن نصر المروزی (المتوفی 294ھ)	مکتبة المنار	الأُردن	1413ھ 1993م
المراسیل	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1418ھ 1998م
المستدرك	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن عبداللّٰه الحاکم النیسابوری (المتوفی 405ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودیة	1420ھ 2000م
مسند أحمد (طبع میمنیة)	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی (164-241ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق	1403ھ 1983م
مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی (164-241ھ)	بیت الأفکار الدولیة	الریاض السعودیة	1419ھ 1998م
مسند ابن الجعد	لأبی الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری (214-317ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م

مسند أبی داود الطَّیالَسی	لسلیمان بن داود بن الجارود (المتوفی 204ھ)	هجر	أمبابة	1419ھ 1999م
مسند الربیع	للإمام الربیع بن حبیب	مکتبة الثقافة الدینیة	......	......
المسند الضعیف	للإمام أبی جعفر محمد بن عمرو بن وهبی بن حماد العقیلی (المتوفی 322ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودیة	1422ھ 2001م
مسند أبی عوانة	للإمام أبی عوانة یعقوب بن إسحاق الأسفرائینی (المتوفی 316ھ)	دار المعرفة	بیروت لبنان	1419ھ 1998م
مسند أبی یعلی المَوصلی	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن المثنی التمِیمی (210-307ھ)	دار الثقافة العربیة	بیروت دمشق	1412ھ 1992م
المصنف	للإمام الحافظ أبی بکر عبدالله بن محمد بن أبی شیبة (المتوفی 235ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت دمشق	1416ھ 1995م
المصنف	للحافظ الکبیر أبی بکر عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی 211ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق	1403ھ 1983م
المطالب العالیة	للحافظ ابن حجر أحمد بن علی العسقلانی (773-852ھ)	دار المعرفة	بیروت دمشق	1414ھ 1993م
المعجم الأوسط	لأبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدین أبی عبدالله یاقوت بن عبدالله الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	بیروت	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبدالله بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (المتوفی 773ھ)	مکتبة دار البیان	الکویت	1421ھ 2000م

المعجم الكبير	للحافظ أبى القاسم سليمان بن أحمد الطبرانى (260-360ھ)	مكتبة العلوم والحكم	موصل	1420ھ 2000م
معجم ما استعجم	لعبداللّٰه بن عبدالعزيز البكرى الأندلسى (المتوفى 487ھ)	عالم الكتب	بيروت	1403ھ 1983م
المغنى	للإمام موفق الدين أبى محمد عبداللّٰه بن أحمد بن قدامة (المتوفى 620ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
المقاصد الحسنة	للشيخ محمد عبدالرحمن السخاوي (831-902ھ)	دارالكتاب العربى	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
المنتقى	لأبى محمد عبداللّٰه بن على بن الجارود النيسابورى رحمه الله (المتوفى 307ھ)	المكتبة الأثرية	شيخوبوره باكستان	
منهاج السنة النبوية	لأبى العباس تقى الدين أحمد بن عبدالحليم ابن تيمية الحرانى الدمشقى (المتوفى 728ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
منهج الحافظ ابن حجر العسقلانى فى العقيدة من خلال كتابه (فتح البارى)	محمد اسحاق كندو	مكتبة الرشد	الرياض	1419ھ 1998م
موسوعة الأحاديث والآثار الضعيفة والموضوعة	على حسن على الحلبى، الدكتور إبراهيم طه القيسى، الدكتور حمدى محمد مراد	مكتبة المعارف	الرياض	1419ھ 1999م
الموسوعة الحديثية (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبداللّٰه بن عبدالمحسن التركى	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
الموضوعات	لأبى الفرَج عبدالرحمٰن بن على بن الجوزى القرشى (510-597ھ)	مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1407ھ 1987م

الموطأ	للإمام مالك بن أنس	دارالمعرفة	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
النجوم الزاهرة فی ملوك مصر و القاهرة	لجمال الدين أبی المحاسن يوسف بن تغری بُردی (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
نوادر الأصول فی معرفة أحاديث الرسول	لأبی عبدالله محمد الحكيم الترمذی	دارصادر	بيروت	
نيل الأوطار	للشيخ محمد بن علی بن محمد الشوكانی (1172-1250ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	دار ابن القيم ودار ابن عفان	القاهرة	1422ھ 2001م

المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

سورۂ فاتحہ —— سورۂ آل عمران

امام ابو الفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱-۷۷۴ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبد الجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق و نظرثانی:

شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دار السلام

دار السلام
DARUSSALAM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

المِصْباح المُنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابنِ کثیر (اُردو)

قرآنِ مجید صحیح احادیث اور آثارِ سلف کی روشنی میں

5

بسم الله الرحمن الرحيم

المِصباحُ المُنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیرِ ابنِ کثیر (اُردو)

قرآنِ مجید، صحیح احادیث اور آثارِ سلف کی روشنی میں

5

سورۂ سبا ـــــ سورۂ نجم

امام ابوالفدا عمادالدین حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ ـ ۷۷۴ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تخریج، تحقیق و نظرِثانی: شعبۂ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام، لاہور

DARUSSALAM

دارالسلام
DARUSSALAM
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

- الریاض۔العلیا فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 • سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ۔ موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 • خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ • ہوسٹن فون: 7220419 713 001 • نیویارک فون: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس ومرکزی شوروم)

- 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7240024-7232400-7111023-7110081 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569

- غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0322-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042-5084895 موبائل: 0321-4212174

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی

فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

الدمشقي، ابي الفداء الحافظ اسماعيل ابن كثير

المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير – الجزء الخامس. /

ابي الفداء الحافظ اسماعيل ابن كثير الدمشقي - الرياض، ١٤٣٠ هـ

ص: ٦٥٠ مقاس: ١٧×٢٤ سم

ردمك: ٥-٠٨٩-٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (النص باللغة الاردية)

١ – القرآن – التفسير بالماثور أ. العنوان

ديوي ٢٢٧,٣٢ ٨٥/ ١٤٣٠

رقم الإيداع: ٨٥/ ١٤٣٠

ردمك: ٥-٠٨٩-٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨

اجمالی فہرست

ارشادِ باری تعالیٰ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور سب مِل کر مضبوطی سے اللہ کی رَسّی کو تھامے رہو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔
(آل عمران 103:3)

فرمانِ نبوی

فَإِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ فَتَمَسَّكُوا بِهِ فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا وَلَنْ تَهْلِكُوا بَعْدَهُ أَبَدًا

پس یقیناً یہ قرآن رَسّی ہے، اس کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور دُوسرا تمہارے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اِسے مضبوطی سے تھام لو پس اس کے ہوتے ہوئے یقیناً تم کبھی نہ گمراہ ہوگے اور نہ ہلاک ہوگے۔ (صحیح ابن حبان: 122)

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ‏ ‏ ‏ ‏ نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

فہرست

صفحہ	آیات	عنوانات
		سورۂ زخرف

تفسیر
سُورَۃ سَبَا

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَھُوَ الۡحَکِیۡمُ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور آخرت میں بھی حمد اسی کے لیے ہے، اور وہ نہایت

الۡخَبِیۡرُ ① یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡھَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡھَا ؕ

حکمت والا، خوب باخبر ہے① وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں

وَھُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ②

چڑھتا ہے، اور وہ نہایت رحم کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے②

تفسیر آیات: 2،1

سب طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ دنیا و آخرت میں حمدِ مطلق کا مستحق صرف وہی ہے کیونکہ دنیا و آخرت میں حقیقی منعم اور فضل و کرم سے نوازنے والا بھی ہے اور حاکمِ مطلق بھی وہی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَھُوَ اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاُوۡلٰی وَالۡاٰخِرَۃِ ۫ وَلَہُ الۡحُکۡمُ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ ﴾ (القصص 70:28) ''اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کے لیے فرماں روائی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' اور یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ ''تمام تعریفیں اُس اللہ ہی کے لیے ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔'' سب مخلوقات اس کے مملوک اور غلام ہیں اور ان میں صرف اسی کا غلبہ و تصرف کارفرما ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَالۡاُوۡلٰی ۝ ﴾ (الّیل 13:92) ''اور یقیناً آخرت اور دنیا (دونوں ہی) ہماری ہیں۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ ﴾ ''اور آخرت میں بھی اس کی تعریف ہے۔'' یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معبود بھی وہی ہے اور محمود بھی۔

علم غیب صرف اللہ ہی جانتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَھُوَ الۡحَکِیۡمُ ﴾ ''اور وہ حکمت والا ہے۔'' اپنے تمام اقوال و افعال اور شرع و قدر میں، ﴿ الۡخَبِیۡرُ ① ﴾ ''خبر رکھنے والا ہے۔'' یعنی اس سے کوئی چیز مخفی ہے نہ غائب۔

امام مالک رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے بارے میں خبردار ہے اور

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ

اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، کہہ دیجیے: کیوں نہیں! میرے عالم الغیب رب کی قسم! بلاشبہ وہ تم پر ضرور آئے گی، آسمانوں میں اور نہ

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ

زمین میں، ذرہ برابر کوئی چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی، اور اس (ذرے) سے کوئی چھوٹی اور بڑی چیز ایسی نہیں جو واضح کتاب (لوح محفوظ) میں (درج)

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ ③ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

نہ ہو③ تاکہ اللہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے④ اور

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤

جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں (ہمیں) عاجز کرنے کی کوشش کی، انھی لوگوں کے لیے سخت ترین، دردناک عذاب ہے⑤ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ

وہ دیکھتے (یقین رکھتے) ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے، اور وہ غالب، تعریف والے (اللہ) کے

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥

راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے⑥

اپنے امر میں حکیم ہے۔[1] اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾ ''جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے، سب اس کو معلوم ہے۔'' حتی کہ زمین کے ذرات پر نازل ہونے والے بارش کے قطرات اور زمین میں بوئے جانے والے دانوں کی تعداد کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان بوئے جانے والے دانوں سے کتنے دانے پیدا ہوں گے اور ان کی کیفیات وصفات کیا ہوں گی، ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ﴾ ''اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے (وہ سب اس کو معلوم ہے۔)'' آسمان سے نازل ہونے والی بارش اور رزق کو اور آسمان پر چڑھنے والے اعمال صالحہ اور اس کے علاوہ کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②﴾ ''اور وہ مہربان (اور) بخشنے والا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اس لیے نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والوں اور اپنے پر بھروسا کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

تفسیر آیات:3-6

روز قیامت ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا: یہ ان تین آیات میں سے ایک ہے، اور اس مفہوم کی چوتھی آیت نہیں ہے، جن میں اس چیز کا بیان ہے کہ جب اہل کفر وعناد نے آخرت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کو اپنے عظیم رب کی قسم کھا کر بیان کریں۔ ان میں سے پہلی سورۂ یونس کی درج ذیل آیت ہے: ﴿وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝﴾ (یونس 53:10) ''اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا وہ (قیامت کے دن کا عذاب) واقعی سچ ہے؟ کہہ دیجیے: ہاں! اللہ کی قسم! بے شک وہ سچ ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکو گے۔'' اور دوسری آیت یہ ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ

[1] تفسير الطبرى: 73/22 عن قتادة رحمه الله.

لَتَاْتِيَنَّكُمْ ﴾ ''اور کافر کہتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی ہم پر نہیں آئے گی، کہہ دیجیے: کیوں نہیں! میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔'' اور تیسری سورۂ تغابن کی حسب ذیل آیت ہے: ﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ (التغابن 64:7) ''جو لوگ کافر ہیں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے، کہہ دیجیے: ہاں ہاں! میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں بتائے جائیں گے اور یہ (بات) اللہ پر بہت آسان ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے: کیوں نہیں! وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کچھ صفات کا یہاں ذکر فرمایا ہے جن سے قیامت کے آنے کی مزید توثیق و تاکید ہو جاتی ہے، چنانچہ فرمایا ہے: ﴿ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ ''(وہ پروردگار) غیب کا جاننے والا (ہے) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز اس سے چھوٹی یا بڑی نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ ﴾ کے معنی ہیں کہ اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔[1] یعنی سب کچھ اس کے علم میں ہے، اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں، ہڈیاں خواہ گل سڑ کر بکھر جائیں، ذرہ ذرہ ہو جائیں، وہ جانتا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور ان کے ذرات کہاں کہاں بکھرے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کا اسی طرح اعادہ فرمائے گا جس طرح اس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا کیونکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پیدا کرنے اور قیامت برپا کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ ﴾ ''اس لیے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے انھیں بدلہ دے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ اور جنھوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رستے سے روکنے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے کی کوشش کی ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا ہے۔'' تاکہ وہ سعادت مند مومنوں کو خوش و خرم رکھے اور بد بخت کافروں کو عذاب دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ (الحشر 59:20) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ ﴾ (صٓ 38:28) ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے کیا انھیں ہم ان کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ﴾ ''اور جن کو علم دیا گیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جو (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے۔'' پہلی بات پر عطف کی یہ

---

[1] تفسیر الطبری: 75/22.

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ

اور کافروں نے کہا: کیا ہم تمھیں ایک ایسا شخص بتائیں جو تمھیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ہی پارہ پارہ کردیے جاؤ گے تو بے شک

خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

تم البتہ ازسرنو پیدا کیے جاؤ گے؟ ⑦ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے یا اسے جنون (لاحق) ہے؟ (قطعاً نہیں!) بلکہ جو لوگ آخرت پر

فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ⑧ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

ایمان نہیں رکھتے (وہ) عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہیں⑧ کیا پھر انھوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان و زمین کی طرف نہیں

وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

دیکھا؟ اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں، بلاشبہ اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے

لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۧ ⑨ ع 1/9/7

کے لیے ضرور ایک نشانی ہے⑨

دوسری حکمت بیان کی جارہی ہے کہ رسولوں پر نازل کیے جانے والے دین وشریعت پر ایمان لانے والے جب قیامت کے برپا ہونے اور نیکوکاروں اور بدکاروں کے انجام کو دیکھیں گے جو انھیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کی روشنی میں دنیا ہی میں معلوم تھا اور اب جب اسے یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو پکار اٹھیں گے: ﴿ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ ﴾ (الأعراف 43:7) ''بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔'' یہ بھی کہا جائے گا: ﴿ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ ﴾ (یٰس 52:36) ''یہ وہی تو ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔'' اور ﴿ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ ﴾ (الروم 56:30) ''اللہ کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے ہو اور یہ قیامت ہی کا دن ہے۔'' ﴿ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥ ﴾ ''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جو (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور نہایت غالب (اور) لائق تعریف (اللہ) کا رستہ بتاتا ہے۔'' ﴿ الْعَزِيْزِ ﴾ وہ ذات جو اس قدر غالب ہو کہ اسے کوئی مغلوب نہ کر سکے اور نہ اس کے حکم کو ٹال سکے بلکہ اس نے ہر چیز پر تسلط جما کر اسے مغلوب ومقہور کر رکھا ہو۔ اور ﴿ الْحَمِيْدِ ⑥ ﴾ وہ ذات اقدس جو اپنے تمام اقوال وافعال اور شرع وقدر میں قابل تعریف ہو۔ اور اللہ جل وعلا بلاشبہ تمام امور میں قابل ستائش ہے۔

تفسیر آیات:7-9

کفار کا حیات بعد الممات کا انکار اور اس پر ان کی تردید: اللہ عزوجل نے ان آیات کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ کفار اور ملحدین قیامت کے برپا ہونے کا انکار کرتے اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی خبر دینے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ ﴾ ''اور کافروں نے کہا کہ بھلا ہم تمھیں وہ آدمی بتائیں جو تمھیں خبر دیتا ہے کہ جب تم (مرکر) بالکل پارہ پارہ کردیے جاؤ گے۔''

یعنی تمھارے جسم کے ذرات خاک میں مل جائیں گے ﴿ اِنَّكُمۡ ﴾ ''بے شک تم''اس حالت کے بعد ﴿ لَفِيۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۝ ﴾ ''نئے سرے سے پیدا ہوگے''یعنی دوبارہ زندہ کر دیے جاؤ گے اور تم کھاؤ پیو گے۔ اور وہ یہ بات جو کر رہے ہیں تو یہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو رسول اللہ ﷺ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف کذب و افترا پر مبنی اس بات کو منسوب کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی ہے یا وہ جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کر رہے لیکن ایک دیوانے اور مجنون شخص کی طرح ان پر معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے، اسی لیے ان کفار نے کہا: ﴿ اَفۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ ﴾ ''کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے جنون (لاحق) ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ بَلِ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ فِي الۡعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الۡبَعِيۡدِ ۝ ﴾ ''(قطعاً نہیں!) بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور پرلے درجے کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔''یعنی بات اس طرح نہیں جو یہ کہتے ہیں کیونکہ حضرت محمد ﷺ تو صادق، نیکوکار اور ہادیٔ برحق ہیں جس بات کو پیش فرماتے ہیں وہ حق ہے اور یہ کافر ہی کاذب، جاہل اور نادان ہیں ﴿ فِي الۡعَذَابِ ﴾ ''عذاب میں (مبتلا) ہیں۔''یعنی اس کفر میں جس کی وجہ سے یہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائیں گے ﴿ وَالضَّلٰلِ الۡبَعِيۡدِ ۝ ﴾ ''اور پرلے درجے کی گمراہی میں (پڑے) ہیں۔'' آخرت میں یہ عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا میں حق و ہدایت سے دور ہو کر پرلے درجے کی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

اس جواب کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں اپنی قدرت کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ﴾ ''کیا پھر انھوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان و زمین کی طرف نہیں دیکھا؟''یعنی یہ جہاں بھی جائیں اور جس طرف کا بھی رخ کریں آسمان کو اپنے اوپر اور زمین کو اپنے نیچے پائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ۝ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 51:47,48) ''اور آسمانوں کو ہم ہی نے قوت سے بنایا اور بلاشبہ ہم بہت وسعت والے ہیں اور زمین کو ہم ہی نے بچھایا تو (دیکھو!) ہم کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَيۡهِمۡ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔''یعنی اگر ہم چاہیں تو ان کے ظلم اور ان پر اپنی قدرت کی وجہ سے ہم ایسا کر دیں لیکن عفو و درگزر اور حلم و بردباری کی وجہ سے ہم نے ان کی سزا کو مؤخر کر دیا ہے، پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ۝ ﴾ ''بلاشبہ اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ایک نشانی ہے۔''معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مُّنِيۡبٍ ۝ ﴾ کے معنی توبہ کرنے والے کے ہیں۔[1] اور قتادہ ہی سے روایت ہے کہ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والے کے ہیں۔[2] یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی طرف دیکھنے والے ذہین و فطین اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہر انسان کے لیے انسانوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی دلیل موجود ہے،

① تفسیر الطبری: 80/22. ② فضائل القرآن لأبي عبيد، ص:163.

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىۡ مَعَهٗ وَالطَّيۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ

اور یقیناً ہم نے داود کو اپنی طرف سے فضیلت عطا کی، (ہم نے حکم دیا:) اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح دہراؤ، اور (اے) پرندو! (تم بھی) اور ہم نے اس

الۡحَدِيۡدَ ۙ⑩ اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِى السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ

کے لیے لوہا نرم کر دیا⑩ کہ تو کامل کشادہ (زرہیں) بنا اور کڑیاں جوڑنے میں (مناسب) اندازہ رکھ، اور تم (سب) نیک عمل کرو، تم جو کرتے ہو بلاشبہ

اِنِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ⑪

اسے میں خوب دیکھنے والا ہوں ⑪

یعنی جو ذات پاک ان بلند و بالا آسمانوں اور اس وسیع و عریض اور پست زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ بلاشبہ اس بات پر بھی قدرت تامہ رکھتا ہے کہ جسموں کو دوبارہ پیدا کر دے اور خاک میں بکھری ہوئی ہڈیوں کے ذرات میں دوبارہ جان پیدا کر دے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَوَلَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى ۚ ﴾ (یٰسٓ 81:36) ''کیا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے (انسان) پیدا کرے؟ کیوں نہیں!'' اور فرمایا: ﴿ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ ﴾ (المؤمن 57:40) ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بہت بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

تفسیر آیات: 11,10

حضرت داود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت داود علیہ السلام کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا، ان آیات کریمہ میں ان کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا بے حد فضل و کرم فرمایا، انھیں نبوت اور بادشاہت سے سرفراز کیا اور ایسے لشکر عطا فرمائے جن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور جن کے پاس ساز و سامان بھی بہت تھا، اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت خوب صورت آواز بھی عطا فرمائی تھی کہ جب وہ خوش الحانی کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے تو بلند و بالا پہاڑ اور مضبوط و مستحکم چٹانیں بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی تھیں حتی کہ فضا میں اڑنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے والے پرندے بھی رک جاتے اور مختلف بولیوں میں ان کے ساتھ گفتگو شروع کر دیتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز کو سنا جبکہ وہ رات کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، آپ نے کھڑے ہو کر ان کی قراءت کو سننا شروع کر دیا، پھر فرمایا: [لَقَدْ أُوتِيَ هٰذَا مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ علیہ السلام] ''اس شخص کو تو آل داود کی سی خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔''[1] ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں نے کسی طبلے، باجے یا کسی تانت کی آواز نہیں سنی جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سے زیادہ خوب صورت ہو۔[2] اور ﴿ اَوِّبِىۡ ﴾ کے معنی ہیں: تسبیح بیان کرو، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے۔[3] تأویب کے لغوی معنی لوٹانے کے ہیں، پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا گیا تھا

① تفسیر الطبری: 80/22. ② سنن النسائی، الافتتاح، باب تزیین القرآن بالصوت، حدیث: 1022. ③ تفسیر الطبری: 81,80/22.

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ

اور ہوا کو سلیمان کے (تابع کیا)، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ (کی مسافت) تھا اور اس کا شام کا چلنا بھی ایک ماہ (کی مسافت) تھا، اور ہم نے اس کے لیے

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ

پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہادیا، اور بعض جن (اس کے تابع کر دیے) جو اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، اور ان میں سے جو

اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ

ہمارے حکم سے سرکشی کرتا تو ہم اسے خوب بھڑکتی آگ کا عذاب چکھاتے ⑫ جو وہ (سلیمان) چاہتا وہ (جن) اس کے لیے وہی بنا دیتے، عالی شان

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ

عمارتیں اور مجسمے اور حوضوں جیسے (بڑے بڑے) لگن اور ایک ہی جگہ (چولہوں پر) جمی ہوئی دیگیں، اے آل داود! شکرانے کے طور پر (نیک) عمل کرو، اور

مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬

میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں⑬

کہ داود علیہ السلام کی آواز سن کر وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ پڑھیں۔

﴿ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑩ ﴾ ''اور ان کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔'' امام حسن بصری، قتادہ، اعمش اور دیگر کئی علماء رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ انھیں اس بات کی ضرورت نہ ہوتی تھی کہ وہ لوہے کو آگ میں داخل کریں یا اسے ہتھوڑے کے ساتھ کوٹیں بلکہ اسے ہاتھ سے اسی طرح استعمال میں لے آتے تھے جیسے ہاتھ سے دھاگوں کو بٹ لیا جاتا ہے۔ ① اس لیے ارشاد فرمایا: ﴿ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ ﴾ ''کہ کامل کشادہ (زرہیں) بناؤ۔'' ﴿ سٰبِغٰتٍ ﴾ زرہوں کو کہتے ہیں، امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں سب سے پہلے حضرت داود علیہ السلام ہی نے زرہیں بنائی تھیں، ان سے پہلے لوہے کی صرف تختیاں استعمال کی جاتی تھیں۔ ② ﴿ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ﴾ ''اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو۔'' زرہوں کی صنعت سکھانے کے سلسلے میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی داود علیہ السلام کے لیے رہنمائی تھی اور امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اس قدر آہستہ نہ ٹھونکو کہ وہ حلقے میں ہلتا رہے اور نہ اس قدر زور سے ٹھونکو کہ وہ اسے پھاڑ دے بلکہ اسے ایک محتاط اندازے کے ساتھ ٹھونکو۔ ③ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ﴾ میں ''سرد'' سے مراد لوہے کے حلقے ہیں ④ اور بعض نے کہا ہے کہ درع مسرودۃ اس صورت میں کہا جاتا ہے، جب اس کے حلقوں میں کیل لگائے گئے ہوں اور انھوں نے شاعر کے درج ذیل شعر کو بطور استشہاد پیش کیا ہے:

وَ عَلَيْهِمَا مَسْرُوْدَتَانِ قَضَاهُمَا دَاوٗدُ أَوْ صَنَعَ السَّوَابِغَ تُبَّعُ

''ان دونوں پر کیلوں اور میخوں سے ٹھونکی ہوئی دو زرہیں ہیں جنھیں داود نے بنایا ہے یا شاید ان زرہوں کو تبع (یمن کے بادشاہ) نے بنایا ہے۔'' ⑤

① تفسیر الطبری: 82/22 و تفسیر القرطبی: 266/14. ② تفسیر الطبری: 82/22. ③ تفسیر الطبری: 83/22.
④ تفسیر الطبری: 83/22. ⑤ تفسیر الطبری: 83/22.

اورفرمایا: ﴿ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ ﴾ ''اور تم سب نیک عمل کرو۔'' ان نعمتوں کے سلسلے میں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں نوازا ہے۔ ﴿ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ⑪ ﴾ ''جو عمل تم کرتے ہو بلاشبہ اسے میں خوب دیکھنے والا ہوں۔'' تمھارا نگہبان ہوں، تمھارے اعمال واقوال کو دیکھنے والا ہوں اور تمھاری کوئی بات بھی مجھ سے مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 13,12

حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم: حضرت داود علیہ السلام پر اپنے انعامات کے ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اپنے ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جن سے اس نے ان کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کو نوازا تھا اور وہ یہ کہ ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی، امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کے وقت دمشق سے اپنے تخت پر سفر شروع کرتے اور دوپہر کا کھانا اصطخر میں تناول فرماتے، پھر اصطخر سے سفر شروع کرتے تو رات کابل میں بسر فرماتے۔[①] یاد رہے کہ دمشق اور اصطخر کے درمیان اور اصطخر اور کابل کے درمیان تیز رفتار سواری ہو تو پورے ایک ایک مہینے کی مسافت ہے۔[②]

﴿ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ ﴾ ''اور اس کے لیے ہم نے (پہاڑوں سے) تانبے کا چشمہ بہا دیا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، عطاء خراسانی، قتادہ، سدی، مالک از زید بن اسلم، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ قِطر کے معنی تانبے کے ہیں۔[③] قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ چشمہ یمن میں تھا۔[④] اب لوگ جس قدر بھی تانبا استعمال کرتے ہیں، اس کا تعلق اسی تانبے سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے نکالا تھا۔ ﴿ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ ﴾ ''اور جنوں میں سے ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے اور سلیمان علیہ السلام جن عمارتوں کو بنوانا چاہتے وہ ان کی خواہش کے مطابق بنا دیتے تھے اور دیگر کئی کام بھی سرانجام دیتے تھے۔ ﴿ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا ﴾ ''اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے سرکشی کرتا۔'' یعنی حکم عدولی اور نافرمانی کرتا ﴿ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫ ﴾ ''تو ہم اسے خوب بھڑکتی آگ کا عذاب چکھاتے۔'' سعیر کے معنی آگ کے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ ﴾ ''وہ (سلیمان) جو کچھ چاہتا یہ (جن) اس کے لیے وہی بناتے، عالی شان عمارتیں اور مجسمے۔'' ﴿ مَحَارِيْبَ ﴾ سے مراد خوبصورت عمارت ہے، سکونت کے لیے قلعے چونکہ سب سے اشرف ونمایاں ہوتے ہیں، جبکہ ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد رہائشی مکانات ہیں۔[⑤] عطیہ عوفی، ضحاک اور سدی کا قول ہے کہ ﴿ تَمَاثِيْلَ ﴾ کے معنی تصویریں ہیں۔[⑥] اور فرمایا: ﴿ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ ﴾ ''اور (بڑے بڑے)

---

① تفسیر الطبری: 85/22. ② اصطخر سے دمشق اور اصطخر سے کابل دونوں کا فضائی فاصلہ قریباً سترہ سترہ سو (1700) کلومیٹر ہے۔ اصطخر ساسانی سلطنت کا پہلا دارالحکومت تھا۔ اب اس کے کھنڈر ایران کے صوبہ فارس کے دارالحکومت شیراز کے شمال مشرق میں 66 کلومیٹر کے فاصلے پر پائے جاتے ہیں۔ ③ تفسیر الطبری: 85/22 و تفسیر القرطبی: 270/14. ④ تفسیر الطبری: 85/22.
⑤ تفسیر الطبری: 86/22. ⑥ تفسیر الطبری: 87/22 و تفسیر الماوردی: 438/4.

حوضوں کی طرح ٹب اور ایک ہی جگہ جمی ہوئی دیگیں۔'' جواب، جابیۃ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ حوض ہے جس میں پانی جمع کیا جائے اور القدور الراسیات سے مراد دیگیں ہیں جو اپنی جگہ ہی پر رہیں اور اتنی بڑی ہوں کہ انھیں ان کی جگہ سے ہلایا اور ہٹایا نہ جا سکے۔ مجاہد، ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ①

﴿ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ ﴾ ''اے داود کی اولاد! شکرانے کے طور پر (نیک) عمل کرو۔'' یعنی ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں دین اور دنیا کی جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان پر شکر ادا کرو۔ ﴿ شُكْرًا ؕ ﴾ غیر فعل سے مصدر ہے، یا مفعول لہٗ ہے، دونوں صورتوں میں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شکر فعل کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور قول و نیت کے ساتھ بھی، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

أَفَادَتْكُمُ النَّعْمَآءُ مِنِّي ثَلَاثَةً   يَدِي وَلِسَانِي وَالضَّمِيرَ الْمُحَجَّبَا

''تمھارے احسانات نے میری طرف سے تمھیں تین چیزوں کا فائدہ دیا ہے، یعنی میرے ہاتھ، میری زبان اور میرے پوشیدہ دل کا (کہ ان تینوں سے میں تمھارا شکر گزار رہوں۔)''

ابوعبدالرحمٰن حُبُلی کہتے ہیں کہ نماز شکر ہے، روزہ شکر ہے، ہر نیکی جسے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے شکر ہے اور افضل شکر حمد ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ ②

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَحَبَّ الصِّيَامِ إِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَأَحَبَّ الصَّلَاةِ إِلَى اللّٰهِ صَلَاةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَكَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَّ يُفْطِرُ يَوْمًا (وَّلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى)] ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ روزے داود علیہ السلام کے روزے ہیں اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داود علیہ السلام کی نماز ہے، وہ آدھی رات سوتے اور (رات کا) تیسرا حصہ قیام کرتے، پھر اس (رات) کا چھٹا حصہ سو جاتے تھے، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے اور میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے سے بھاگتے نہیں تھے۔'' ③

ابن ابوحاتم نے فضیل سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ داود علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں جبکہ شکر ادا کرنا بھی تو تیری نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا جب تمھیں یہ معلوم ہو گیا کہ تمام نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں۔ ④ ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬ ﴾ ''اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بہت ہی تھوڑے ہیں۔'' اور یہ امر واقع کو بیان کیا گیا ہے۔

---

① تفسير الطبرى: 89/22. ② تفسير الطبرى: 89/22. ③ صحيح البخارى، التهجد، باب من نام عند السحر، حديث:1131 و صحيح مسلم، الصيام، باب النهى عن صوم الدهر لمن تضرر به......، حديث: (189)-1159 و اللفظ له جبکہ قوسین والے الفاظ صحيح البخارى، الصوم، باب صوم داود علیہ السلام، حديث:1979 و صحيح مسلم، الصيام، باب النهى عن صوم الدهر......، حديث: (187)-1159 عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما میں ہیں۔ ④ الدر المنثور: 430/5.

فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ‌ۚ

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ (نافذ) کیا تو ان (جنوں) کو زمین کے کیڑے (دیمک) کے سوا کسی چیز نے بھی سلیمان کی موت کی اطلاع نہ دی،

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ﴿14﴾

وہ اس کی لاٹھی کو کھاتا رہا، پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ اس رسوا کن عذاب (مشقت) میں مبتلا نہ رہتے ﴿14﴾

لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِىۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ‌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ

سبا (قوم) کے لیے ان کی بستی میں یقیناً ایک عظیم نشانی تھی، دائیں اور بائیں طرف دو باغ تھے، (ہم نے کہا:) تم اپنے رب کے رزق سے کھاؤ، اور اس کا

وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿15﴾ فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنٰهُمۡ

شکر ادا کرو، (یہ) پاکیزہ شہر ہے، اور رب بڑا بخشنے والا ہے ﴿15﴾ پھر انھوں نے (جب ہدایت سے) منہ موڑا تو ہم نے ان پر بند (ڈیم) کا سیلاب بھیج دیا، اور

بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَىۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ﴿16﴾ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ

ان کے دونوں باغوں کے بدلے میں ہم نے انھیں دو ایسے باغ دیے جو بدمزہ پھل، (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیریوں والے تھے ﴿16﴾ یہ ہم نے انھیں ان کی

وَهَلۡ نُجٰزِىۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ﴿17﴾

ناشکری کی سزا دی، اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں ﴿17﴾

تفسیر آیت: 14

سلیمان علیہ السلام کی وفات کی روشنی میں مسئلہ علم غیب: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ اس نے کس طرح ان کی موت سے ان جنوں کو بے خبر رکھا جو سخت مشقت کے کام سرانجام دینے کے لیے ان کے تابع فرمان تھے۔ سلیمان علیہ السلام اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ مِنۡسَاَةٌ کے معنی لاٹھی ہی کے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1] اور آپ قریباً ایک سال کی طویل مدت تک عصا کے ساتھ ٹیک لگائے رہے، جب عصا کو گھن نے کھا لیا تو عصا کمزور ہو کر زمین پر گر گیا اور اس سے معلوم ہوا کہ آپ تو بہت مدت قبل وفات پا گئے تھے اور اس سے جنوں اور انسانوں کے سامنے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ وہ غیب نہیں جانتے اور ان کا جو یہ وہم ہے جس میں انھوں نے دوسرے لوگوں کو بھی مبتلا کر رکھا ہے یہ بالکل غلط ہے کیونکہ وہ قطعاً غیب نہیں جانتے اور یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ‌ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ﴿14﴾﴾ ''ان (جنوں) کو زمین کے کیڑے (دیمک) کے سوا کسی چیز نے بھی اس (سلیمان) کی موت کی اطلاع نہ دی، وہ اس کے عصا کو کھاتا رہا، پھر جب وہ گر پڑا تب جنوں نے جان لیا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔'' اور لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ جو کہتے تھے کہ وہ غیب جانتے ہیں تو یہ جھوٹ بولتے تھے (کیونکہ اگر یہ غیب جانتے ہوتے تو سلیمان علیہ السلام کی وفات طویل عرصے تک ان سے مخفی نہ رہتی۔)

[1] تفسیر الطبری: 22/90.

تفسیر آیات:15-17

قوم سبا کا کفرانِ نعمت اور ان کی سزا: سبا یمن کے بادشاہ اور وہاں کے رہائشی تھے، قومِ تُبّع کا تعلق انھی سے ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والی ملکہ بلقیس بھی سبا کی رہنے والی تھی۔ قوم سبا کو پھلوں کی بہتات اور رزق کی فراوانی حاصل تھی اور انھیں اپنے علاقے میں ہی خوشحالی اور عیش و عشرت کی زندگی میسر تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طرف کئی رسولوں کو مبعوث فرمایا جنھوں نے انھیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھائیں، اس کا شکر بجالائیں، اس کی توحید کے گیت گائیں اور اس کی بندگی کو اختیار کریں، کچھ عرصہ یہ لوگ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے لیکن پھر انھوں نے اس سے منہ موڑ لیا تو انھیں یہ سزا دی گئی کہ ایک بہت بڑا اسیلاب بھیج کر ان کا شیرازہ منتشر کر دیا گیا جیسا کہ عنقریب اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ إن شاء اللّٰہ.

ابن جریر نے فروہ بن مُسَیک غُطَیفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سبا کے بارے میں بتائیں کہ وہ کسی جگہ کا نام ہے یا عورت کا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَیۡسَ بِأَرۡضٍ وَّلَا امۡرَأَۃٍ وَّلٰکِنَّہٗ رَجُلٌ وَّلَدَ عَشۡرَۃً مِّنَ الۡعَرَبِ، فَتَیَامَنَ مِنۡھُمۡ سِتَّۃٌ وَّتَشَاءَمَ مِنۡھُمۡ أَرۡبَعَۃٌ، فَأَمَّا الَّذِینَ تَشَاءَمُوا: فَلَخۡمٌ وَّجُذَامٌ وَّغَسَّانُ وَعَامِلَۃُ، وَأَمَّا الَّذِینَ تَیَامَنُوا فَالۡأَزۡدُ وَالۡأَشۡعَرُونَ وَحِمۡیَرُ وَکِنۡدَۃُ وَمَذۡحِجٌ وَّأَنۡمَارُ، فَقَالَ رَجُلٌ یَّارَسُولَ اللّٰہِ! وَمَا أَنۡمَارُ؟ قَالَ: اَلَّذِینَ مِنۡھُمۡ خَثۡعَمُ وَ بَجِیلَۃُ] ’’وہ کسی جگہ یا عورت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ عربوں میں سے ایک آدمی کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ یمن میں اور چار شام میں آباد ہو گئے تھے۔ شام میں آباد ہونے والے لخم، جُذام، عاملہ اور غسان تھے اور یمن میں آباد ہونے والے کندہ، اشعری، ازد، مَذحج، حِمیَر اور انمار تھے۔ اس شخص نے عرض کی: انمار کون؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انمار وہ ہیں جن سے خثعم اور بجیلہ خاندان تعلق رکھتے ہیں۔‘‘[1] اسے امام ترمذی نے جامع میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[2]

علمائے نسب، جن میں امام محمد بن اسحاق بھی شامل ہیں، کہتے ہیں کہ سبا کا نام عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے، اسے سبا نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہی وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے عربوں میں لوگوں کو قیدی بنایا تھا۔ اسے رائش بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے جنگ میں مال غنیمت حاصل کیا تھا، اس نے اپنی قوم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور عرب مال کو ریش اور ریاش بھی کہتے ہیں۔ قحطان کے بارے میں تین اقوال ہیں: (1) یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے ہے اور تین واسطوں سے اس کا ان کے ساتھ نسب ملتا ہے۔ (2) یہ عابر کی نسل سے ہے اور عابر سے مراد حضرت ہود علیہ السلام ہیں اور ہود علیہ السلام سے بھی ان کا تین واسطوں سے نسب ملتا ہے۔ (3) یہ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہے اور ان سے بھی آپ کا نسب تین واسطوں سے ملتا ہے۔ حافظ ابوعمر بن عبد البر نمری رحمہ اللہ نے اسے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب

---

[1] تفسیر الطبری: 94/22. [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ سبا، حدیث: 3222.

الإنباہ علی ذکر أصول القبائل الرواۃ میں بیان فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان:[كَانَ رَجُلًا مِّنَ الْعَرَبِ] ''وہ عربوں میں سے ایک شخص تھا۔''① کے معنی ہیں کہ وہ ان عرب عاربہ میں سے تھا جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے پہلے تھے اور جن کا تعلق سام بن نوح کی نسل سے تھا، تیسرے قول کے مطابق اس کا تعلق حضرت خلیل علیہ السلام کی نسل سے تھا لیکن یہ بات اہل نسب کے ہاں مشہور نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاندان اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے، آپ نے فرمایا:[اِرْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ! فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا] ''اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کرو، تمھارا باپ بھی تیر انداز تھا۔''② اسلم ایک انصاری قبیلہ ہے اور اوس وخزرج دونوں انصاری قبائل غسان، یعنی سبا کے عرب یمن میں سے ہیں، جب سبا کے لوگ شدید سیلاب کی وجہ سے مختلف علاقوں میں پھیل گئے تو یہ یثرب میں آ بسے تھے، ان میں سے ایک جماعت نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، انھیں غسان پانی کے اس چشمے کی وجہ سے کہا گیا جس کے پاس انھوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ غسان نامی پانی کا یہ چشمہ یمن میں تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مشلّل کے قریب تھا جیسا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

إِمَّا سَأَلْتَ فَإِنَّا مَعْشَرٌ نُّجُبٌ ۔۔۔ اَلْأَزْدُ نِسْبَتُنَا وَالْمَآءُ غَسَّانُ

''اگر تم نے ہمارے بارے میں پوچھا ہے تو ہم بہت معزز لوگ ہیں، ہماری نسبت ازدی ہے اور ہمارے پانی (کے چشمے) کا نام غسّان ہے۔''③

آپ نے جو یہ فرمایا:[وَلَدَ عَشْرَةً مِّنَ الْعَرَبِ] یعنی عرب یمن کے یہ دس قبائل ان کی نسل سے ہیں جو قبائل عرب کی اصل ہیں، اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اس کی صُلب سے پیدا ہوئے ہیں کہ ان کے اور اس (عبدشمس بن یشجب) کے مابین کم وبیش دو یا تین واسطے ہیں جیسا کہ کتب نسب میں اس کی تفصیل موجود ہے اور آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا:[فَتَيَامَنَ مِنْهُمْ سِتَّةٌ وَّتَشَاءَمَ مِنْهُمْ أَرْبَعَةٌ] ''ان میں سے چھ یمن میں اور چار شام میں بس گئے۔'' تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید سیلاب بھیجا تو ان میں سے کچھ تو اپنے علاقے ہی میں رہے اور کچھ وہاں سے چلے گئے اور دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے۔

وادئ مآرب اور شدید سیلاب: اس وادی میں پانی دو پہاڑوں کے درمیان سے آتا تھا، علاوہ ازیں یہاں سیلابوں، بارشوں اور وادیوں سے آنے والا پانی بھی جمع ہو جاتا تھا۔ قدیم بادشاہوں نے یہاں ایک عظیم اور بہت مضبوط ڈیم بنا دیا تھا حتی کہ پانی کی سطح بلند ہو کر ان دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئی، انھوں نے یہاں بہت سے درخت بھی اُگا دیے جن میں بہت

① المعجم الكبير للطبراني: 245/22 ، حديث: 639 ومجمع الزوائد ، التفسير، سورة سبا: 94/7، حديث: 11287.
② صحيح البخاري ، المناقب، باب نسبة اليمن إلى إسمٰعيل......، حديث: 3507 عن سلمة بن الأكوع ﷺ.
③ مروج الذهب ، ذكر ملوك الشام من اليمن: 116/2.

قوم سبا (یمن)

﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ﴾

"سبا (قوم) کے لیے ان کی بستی میں یقیناً ایک عظیم نشانی تھی۔" (سبا 15:34)

● وادئ مارب

خوبصورت اور بڑی کثرت سے پھل لگنے لگے جیسا کہ کئی ایک ائمۂ سلف نے، جن میں امام قتادہ رحمہ اللہ بھی ہیں، یہ ذکر کیا ہے کہ عورت اپنے سر پر ایک خالی ٹوکرا رکھ کر جب ان درختوں کے نیچے چلتی تو پکے ہوئے پھل اس قدر کثرت سے گرتے کہ ٹوکرا بھر جاتا اور پھلوں کو خود توڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی تھی، اس سے اندازہ لگائیے کہ پھل کس قدر کثرت سے ہوتے اور کتنی عمدگی کے ساتھ پکتے تھے۔ ① یہ ڈیم مأرب نامی جگہ میں تھا جس میں اور صنعاء میں تین مراحل کا فاصلہ تھا اور یہ سد مأرب کے نام سے معروف تھا۔ کچھ دیگر ائمۂ سلف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس شہر میں مکھی، مچھر، پسو اور اس طرح کے دیگر موذی جانور نہ تھے کیونکہ ہوا معتدل اور موسم خوشگوار تھا اور اللہ تعالیٰ کی یہ سب عنایات ان کے شامل حال اس لیے تھیں تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کریں اور اس کی بندگی میں اپنی زندگی صرف کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِيۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ ﴾ ''(قوم) سبا کے لیے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی۔'' اور پھر اس نشانی کی وضاحت اس طرح فرمائی: ﴿ جَنَّتٰنِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّشِمَالٍ ۬ ﴾ ''(یعنی) دو باغ ایک دائیں طرف اور (ایک) بائیں طرف۔'' یعنی دونوں پہاڑوں کی طرف دو باغ تھے اور ان کے درمیان شہر تھا ﴿ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۱۵﴾ ﴾ ''اپنے پروردگار کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو (یہاں تمھارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) رب غفار۔'' یعنی اگر تم اس کی توحید کو اختیار کیے رکھو گے تو وہ تمھیں بخش دے گا۔ ﴿ فَاَعۡرَضُوۡا ﴾ ''تو انھوں نے منہ پھیر لیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی عبادت اور اس کی نعمتوں کی شکرگزاری سے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انھوں نے سورج کی پوجا شروع کر دی جیسا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی تھی: ﴿ وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ ○ اِنِّيۡ وَجَدۡتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ وَاُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَيۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ ○ وَجَدۡتُّهَا وَقَوۡمَهَا يَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ فَهُمۡ لَا يَهۡتَدُوۡنَ ○ ﴾ (النمل 27:22-24) ''اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں، میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور ہر چیز اسے میسر ہے اور اس کا ایک بڑا تخت بھی ہے، میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال انھیں آراستہ کر دکھائے ہیں اور ان کو رستے سے روک رکھا ہے پس وہ رستے پر نہیں آتے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ ﴾ ''پس ہم نے ان پر بند (ڈیم) کا سیلاب چھوڑ دیا۔'' عرم سے مراد پانی ہے اور یہ اسم کی اپنی صفت کی طرف اضافت کے باب سے ہے جیسا کہ مسجد الجامع اور سعید کرز کہا جاتا ہے، یہ سُہَیلی نے بیان کیا ہے۔ جبکہ کئی ایک ائمۂ تفسیر نے، جن میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہب بن منبہ، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ بطور خاص قابل ذکر ہیں، یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انھیں سیلاب کی صورت میں سزا دینے کا ارادہ فرمایا تو ڈیم پر زمین کا ایک جانور بھیج دیا، جسے چوہا کہا جاتا ہے، اس نے ڈیم میں سوراخ کر دیا۔ ② وہب بن منبہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ان

① تفسیر الطبری: 95/22. ② تفسیر الطبری: 98,97/22.

لوگوں کی کتابوں میں بھی یہ لکھا ہوا تھا کہ اس ڈیم کی تباہی کا سبب چوہا ہوگا، لہٰذا کچھ عرصے تک وہ وہاں بلیاں رکھتے رہے لیکن جب تقدیر آ گئی تو چوہے بلیوں پر غالب آ گئے، وہ ڈیم کے اندر داخل ہو گئے، انھوں نے اس میں سوراخ کر دیا اور وہ اس کو ان پر لے گرے۔ ①

امام قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ چوہے سے مراد چھچھوندر ہے جس نے ڈیم کے نچلے حصے میں سوراخ کر دیے تھے جس کی وجہ سے اس کی دیواریں کمزور ہو گئیں اور جب سیلاب کے دن آئے اور سیلاب کا پانی زور سے ڈیم کی دیواروں کے ساتھ ٹکرایا تو وہ گر گئیں اور وادی کے زیریں حصے میں زوردار سیلاب آ گیا جس کی زد میں جو بھی عمارتیں یا درخت وغیرہ آئے، سب تباہ و برباد ہو گئے۔ ② اور جب پانی خشک ہوا تو دونوں پہاڑوں کے دائیں اور بائیں طرف کے تمام درخت خشک ہو گئے اور گل سڑ چکے تھے اور وہ درخت جو کبھی بڑے ثمر بار، پر بہار اور سرسبز و شاداب تھے، اب اس طرح تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ ﴾ ”اور انھیں ان کے باغوں کے بدلے دو کسیلے (بدمزہ) میوے والے باغ دیے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، عطاء خراسانی، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پیلو کے درخت اور ان کے بدمزہ پھل ہیں۔ ③ ﴿ وَّاَثْلٍ ﴾ ”اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا۔“ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ اَثْلٍ ﴾ کے معنی جھاؤ کے ہیں۔ ④ کچھ دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایک ایسا درخت ہے جو جھاؤ کے مشابہ ہے۔ ⑤ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ببول (کیکر) کا درخت ہے۔ ⑥ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

﴿ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ⑯ ﴾ ”اور تھوڑی سی بیریاں۔“ تباہ و برباد کیے جانے والے درختوں کے بدلے میں ملنے والے درختوں میں سب سے بہتر بیری کے درخت تھے، اسی وجہ سے ان کا یہاں بطور خاص ذکر کیا گیا ہے، بہرحال ان دو باغوں کا حشر یہ ہوا کہ ان کے عمدہ و شیریں پھلوں، حسین و جمیل نظاروں، ٹھنڈے اور گھنے سایوں اور ان میں رواں دواں نہروں کو پیلو، جھاؤ اور بیری کے ایسے درختوں سے بدل دیا گیا جن میں کانٹے زیادہ اور پھل کم ہوتے ہیں اور یہ سب ان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک، حق کی تکذیب اور باطل کی طرف مائل ہو جانے کی وجہ سے تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ⑰ ﴾ ”یہ ہم نے انھیں ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکرے ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔“ یعنی ہم نے انھیں ان کے کفر کی سزا دی۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافر ہی کو سزا دی جاتی ہے۔ ⑦ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ عظیم نے سچ فرمایا ہے کہ کافر اور ناشکرے ہی کو اس کے فعل کے مثل سزا دی جاتی ہے۔ ⑧

---

① تفسیر القرطبی : 285/14 . ② تفسیر الطبری : 98/22 و تفسیر القرطبی : 285/14. ③ تفسیر الطبری : 99/22 . ④ تفسیر الطبری : 100/22 . ⑤ تفسیر القرطبی : 288,287/14 . ⑥ تفسیر القرطبی : 287/14 .
⑦ تفسیر القرطبی : 288/14 و تفسیر الطبری : 101/22 مختصراً. ⑧ تفسیر القرطبی : 288/14 .

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا

اور ہم نے ان (اہل سبا) کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، کئی بستیاں باہم متصل (سرِ راہ آباد) رکھی تھیں، اور ان میں ہم نے

السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ⑱ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا

چلنے (آنے جانے) کی منزلیں مقرر کردی تھیں، (ہم نے کہا:) تم ان میں راتوں اور دنوں کو امن سے سفر کرو⑱ پھر انھوں نے کہا: اے ہمارے رب!

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ہمارے سفروں میں دوری پیدا کردے، اور انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، چنانچہ ہم نے انھیں افسانے بنا ڈالا اور انھیں مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا،

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑲

بلاشبہ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے عظیم نشانیاں ہیں⑲

تفسیر آیات: 19,18

سبا کی تجارت اور اس کا خاتمہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس نعمت، شادکامی، خوش وخرم زندگی، ترقی یافتہ علاقے، پرامن مقامات اور ان کی ان شاد وآباد بستیوں کا ذکر کیا ہے جن کا وسیع پیمانے پر جال بچھا ہوا تھا، پھر انھیں بہت سے درختوں، فصلوں اور پھلوں سے بھی نواز دیا گیا تھا، خوش حالی وفراوانی کا اس قدر دور دورہ تھا کہ مسافر کو کسی قسم کے زادِ راہ اور پانی کو اپنے ہمراہ لے جانے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ وہ جہاں بھی پڑاؤ ڈالتا، اسے پانی اور پھل میسر آجاتے تھے۔ ایک بستی میں اگر وہ دوپہر گزارتا تو رات ہونے تک وہ دوسری بستی میں پہنچ جاتا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ﴾ ''اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (متصل بستیاں) بنادیں۔'' مجاہد، حسن، سعید بن جبیر، مالک از زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک، سدی، ابن زید اور دیگر بہت سے ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ان سے شام کی بستیاں مراد ہیں، یعنی جب وہ یمن سے شام کی طرف سفر کرتے تو ان کے رستے میں مبارک اور مسلسل بستیوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔[1]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان بابرکت بستیوں سے مراد بیت المقدس ہے۔[2] ﴿ قُرًى ظَاهِرَةً ﴾ ''ایک دوسرے کے متصل دیہات۔'' جو بہت نمایاں اور واضح تھے، مسافر انھیں جانتے پہچانتے تھے، اگر وہ ان میں سے کسی ایک بستی میں دوپہر گزارتے تو رات ہونے تک دوسری بستی میں پہنچ جایا کرتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ ﴾ ''اور ان میں ہم نے آمد و رفت کی منزلیں مقرر کردی تھیں۔'' یعنی ان میں فاصلہ مسافروں کی ضرورت کے مطابق رکھا تھا۔ ﴿ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴾ ''تم ان میں رات دن بے خوف وخطر چلتے رہو۔'' یعنی دن ہو یا رات ہر وقت سفر پُر امن ہے۔ ﴿ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''تو انھوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں میں بُعد (اور طول پیدا) کردے اور (اس سے) انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔'' کچھ لوگوں نے ان الفاظ کو [بَعِّدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا]

① تفسیر الطبری: 103,102/22 وتفسیر القرطبی: 289/14. ② تفسیر الطبری: 102/22.

بھی پڑھا ہے، یعنی انھوں نے اس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمۃ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ [1] اور انھوں نے ایسے صحراؤں اور جنگلوں کو پسند کیا جن میں سفر کے لیے انھیں زادِ راہ اور سواریوں کی ضرورت ہوتی، نیز گرم موسموں اور پرخطر راستوں میں سفر کو پسند کیا ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ﴾ ''تو ہم نے انھیں مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے افسانے بنا دیا۔'' یعنی ہم نے انھیں نیست و نابود کر کے قصے کہانیوں اور افسانوں کا موضوع بنا دیا اور لوگ ان کے حالات بیان کرنے لگے کہ ان کی اجتماعیت و الفت اور خوش حالی و فراوانی کی زندگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے کس طرح انھیں ان کی ناقدری و ناشکری کی سزا دی اور کس طرح ان کے شیرازے کو منتشر کر دیا اور وہ مختلف شہروں اور علاقوں میں تتر بتر ہو کر رہ گئے، اسی لیے لوگوں کے منتشر ہونے کے موقع پر عربوں نے کہنا شروع کر دیا: تَفَرَّقُوا أَيْدِي سَبَأٍ اسی طرح أَيَادِي سَبَأٍ اور تَفَرَّقُوا شَذَرَ مَذَرَ ان سب ضرب الامثال کا مطلب یہ ہے کہ فلاں لوگ سبا کے لوگوں کی طرح منتشر اور متفرق ہو گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۱۹ ﴾ ''یقیناً اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں۔'' یعنی ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جس ناراضی اور عذاب میں مبتلا ہونا پڑا اور کفر اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے نعمتوں اور خوش حالیوں کے بجائے سزا کا مستحق بننا پڑا، اس میں ہر اس بندے کے لیے عبرت کا سامان ہے جو مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر بجا لائے۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [عَجِبْتُ مِنْ قَضَاءِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ حَمِدَ رَبَّهُ وَشَكَرَ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ حَمِدَ رَبَّهُ وَصَبَرَ، اَلْمُؤْمِنُ يُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى فِي اللُّقْمَةِ يَرْفَعُهَا إِلٰى فِي امْرَأَتِهِ] ''میں نے مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر بہت تعجب کیا ہے کہ اگر اسے کوئی خیر پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا اور شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف و مصیبت پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کا مظاہرہ کرتا ہے، مومن کو ہر چیز پر اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے حتی کہ اس لقمہ پر بھی جسے وہ اپنی بیوی کے منہ تک پہنچاتا ہے۔'' [2] اور امام نسائی رحمۃ اللہ نے بھی عمل الیوم و اللیلۃ میں روایت کیا ہے۔ [3] اور اس حدیث کا صحیحین میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ شاہد بھی ہے: [عَجَبًا (لِّلْمُؤْمِنِ لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهُ شَيْئًا إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ) وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ] ''مرد مومن کا معاملہ بہت ہی تعجب خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ بات مومن کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر اسے خوشی و مسرت حاصل ہو تو شکر ادا کرتا ہے اور یہ شکر ادا کرنا اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر

---

[1] تفسیر الطبری: 104/22 و تفسیر القرطبی: 291,290/14 . [2] مسند أحمد: 173/1. [3] السنن الکبرٰی للنسائی، عمل الیوم واللیلة، باب ما یقول إذا أصابته مصیبة ؟263/6، حدیث: 10906 .

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑳ وَمَا كَانَ

اور ابلیس نے ان پر اپنا خیال یقیناً سچ کر دکھایا، چنانچہ سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے سب نے اسی کی اتباع کی⑳ اور اس (ابلیس) کا ان

لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ

پر کوئی زور نہ تھا مگر اس لیے کہ ہم جان لیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس سے (الگ ہو کر) جو آخرت کے متعلق شک میں ہے؟ اور آپ کا

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ㉑ ع 2 12 8

رب ہر چیز پر خوب نگہبان ہے㉑

اسے کوئی تکلیف و مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر کرنا اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''①

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑲ ﴾ ''یقیناً اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں۔'' قتادہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ مطرف کہا کرتے تھے: کیا خوب ہے وہ صابر و شاکر بندہ کہ جب اسے دیا جائے تو وہ شکر بجالائے اور جب اسے تکلیف میں مبتلا کر دیا جائے تو وہ صبر کرے۔②

تفسیر آیات: 21,20

ابلیس نے کفار کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا: اللہ تعالیٰ نے جب سبا کا قصہ ذکر کیا اور قوم سبا کے بارے میں بیان فرمایا کہ انھوں نے نفسانی خواہشات اور شیطان کی پیروی کی تو اب انھی جیسے دیگر لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جنھوں نے ابلیس اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور رشد و ہدایت کی مخالفت کی: ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ﴾ ''اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ یہ آیت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: ﴿ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 62:17) ''دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی ضرور جڑ کاٹ دوں گا۔'' اور کہا: ﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 17:7) ''پھر میں ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے (غرض ہر طرف سے) ان کے پاس ضرور آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔'' اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی آیات ہیں۔③

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ ''اور اس کا ان پر کوئی زور نہ تھا۔'' کے بارے

① صحیح مسلم، الزھد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: 2999، جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 24/5 میں ہیں۔ نوٹ: صحیح بخاری میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ ② تفسیر الطبري: 106/22 . ③ تفسیر الطبري: 107/22 عن ابن زید رحمہ اللہ.

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: انھیں پکارو جنھیں تم نے اللہ کے سوا (معبود) خیال کیا تھا، وہ آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے، اور

فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿22﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ) کا مددگار ہی ہے﴿22﴾ اور اس کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش نفع دے گی

عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا

جسے اللہ اجازت دے گا، حتی کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جاتی ہے تو (باہم) کہتے ہیں: تمھارے رب نے کیا کہا ہے؟ وہ کہتے ہیں:

الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿23﴾

حق (سچ کہا) اور وہ بہت بلند، بہت بڑا ہے﴿23﴾

میں فرماتے ہیں کہ سلطان کے معنی حجت کے ہیں۔ ﴿ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ ﴾ ''مگر اس کے لیے کہ ہم جان لیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس سے (الگ ہو کر) جو آخرت کے متعلق شک میں ہے۔'' یعنی ہم نے اسے ان پر اس لیے مسلط کیا تاکہ ان لوگوں کا معاملہ ظاہر ہو جائے جو آخرت کے قائم ہونے، اس میں حساب کتاب کے ہونے اور جزا و سزا ملنے پر ایمان رکھتے ہیں، پھر اس وجہ سے دنیا میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت احسن انداز میں کرتے ہیں اور اس سے ان لوگوں کا معاملہ بھی واضح ہو جائے جو آخرت کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔ ﴿ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿21﴾ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار ہر چیز پر خوب نگہبان ہے۔'' یعنی اس کی نگہبانی میں ابلیس کے پیروکار گمراہ ہو گئے اور اسی کی حفاظت و نگہبانی کے ساتھ مومن اور انبیائے کرام علیہم السلام کے پیروکار گمراہی سے محفوظ رہے۔

تفسیر آیات: 23,22

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی و درماندگی: اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اکیلا، واحد معبود، یکتا و بے نیاز ہے، جس کا کوئی نظیر اور شریک نہیں، حکم بھی اسی وحدہ لا شریک کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں، کوئی تنازع کرنے والا نہیں اور کوئی اس کی مخالفت کرنے والا نہیں، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ ﴾ ''کہہ دیجیے: جنھیں تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو انھیں بلاؤ۔'' یعنی ان معبودان باطلہ کو جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ ﴿ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''وہ آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴾ (فاطر 13:35) ''اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جتنا بھی اختیار نہیں رکھتے۔'' ﴿ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ ﴾ ''اور نہ ان کا دونوں میں کوئی حصہ ہے۔'' یعنی وہ نہ تو مستقل طور پر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ شراکت کے طور پر ﴿ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿22﴾ ﴾ ''اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ) کا مددگار ہی ہے۔'' یعنی ان شریکوں میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار بھی نہیں ہے جس سے وہ امور و معاملات میں مدد لے سکے بلکہ تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کی غلام ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿ وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ﴾ ''اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلالت اور کبریائی کی وجہ سے کسی کو بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی چیز کے بارے میں سفارش کی جرأت نہ ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ﴾ (البقرۃ 2:255) ''کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں (کسی کی) سفارش کر سکے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡـًٔا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰهُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡضٰی ۝ ﴾ (النجم 53:26) ''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی وَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡیَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 21:28) ''اور وہ (اس کے پاس) صرف اس کی سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

صحیحین میں کئی ایک سندوں سے رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ساری اولاد آدم کے سردار ہیں اور مقام محمود پر فائز ہونے کے وقت آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑے سفارشی ہوں گے اور ساری مخلوق کے لیے یہ سفارش فرمائیں گے کہ اللہ رب ذوالجلال والإکرام ان کا فیصلہ فرما دیں۔ آپ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: [وَقَعۡتُ لَهٗ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنۡ يَّدَعَنِي، ثُمَّ يُقَالُ لِي: اِرۡفَعۡ مُحَمَّدُ! قُلۡ يُسۡمَعۡ وَسَلۡ تُعۡطَهٗ وَاشۡفَعۡ تُشَفَّعۡ فَأَحۡمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيهَا] ''اور میں اس (اللہ) کے لیے سجدے میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے چھوڑ دے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: محمد (ﷺ!) سر اٹھائیں اور کہیں! سنا جائے گا اور مانگیں! وہ آپ کو عطا کیا جائے گا اور سفارش کریں! آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، پھر میں اپنے پروردگار کی حمد وثنا ان کلمات کے ساتھ کروں گا جنھیں وہ مجھے سکھائے گا۔''①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو وہ (باہم) کہتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ حق (فرمایا ہے۔)'' یہ بھی عظمت کے اعتبار سے ایک بہت بلند مقام ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے جب کلام فرماتا ہے تو آسمانوں والے اس کا کلام سن لیتے ہیں اور سنتے ہوئے ہیبت کی وجہ سے اس طرح لرزنے لگتے ہیں کہ ان پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مسروق اور دیگر ائمہ نے اس کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔② ﴿ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ ﴾ یعنی ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے۔

ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم، ابو عبدالرحمٰن السُّلَمی، شعبی، ابراہیم نخعی، ضحاک، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ نے اس ارشاد باری تعالیٰ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ﴿ فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ ﴾ کے معنی یہ ہیں: گھبراہٹ کو ان کے دلوں سے دور کر دیا جاتا ہے۔③ بعض

① صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى : ﴿ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَيَّ ﴾ (صٓ 38:75)، حديث: 7410 و صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث: 193 عن أنس رضي الله عنه. ② تفسير الطبري: 110/22. ③ تفسير الطبري: 113,110,109/22 و تفسير القرطبي: 295/14.

سلف نے [فُرِّغَ] بھی پڑھا ہے۔ [1] اور ایک مرفوع روایت میں بھی یہ قراءت آئی ہے۔ [2] اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں اور جب یہ بات ہوتی ہے تو پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ تو حاملین عرش فرشتے اپنے ساتھ والوں کو یہ بتاتے ہیں اور وہ اپنے سے نیچے کے فرشتوں کو بتاتے ہیں حتی کہ وہ خبر آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَالُوا الْحَقَّ ﴾ ''وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ حق فرمایا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہوتا ہے وہ کسی بھی کمی بیشی کے بغیر اسے بتا دیتے ہیں، ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ ''اور وہ عالی مرتبہ (اور) گرامی قدر ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِّقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا۔لِلَّذِي قَالَ۔: الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ، وَمُسْتَرِقُوا السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ۔ وَصَفَهُ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَفَهَا وَ بَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ حَتّٰى يُلْقِيَهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ، فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُّلْقِيَهَا وَ رُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُّدْرِكَهُ، فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ، فَيُقَالُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا؟ فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ]

''جب اللہ تعالیٰ آسمانوں میں کسی امر کے بارے میں فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے جھکتے ہوئے اپنے پروں کو جھٹکنے لگتے ہیں اور اس طرح آواز آتی ہے جیسے پتھر پر زنجیر کو مارنے کی آواز ہو اور جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ کو دور کر دیا جاتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں: تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی رتبہ وگرامی قدر ہے۔ اسے بات کو چرانے والا بھی سن لیتا ہے اور بات کو چرانے والے ایک دوسرے کے اوپر اس طرح ہیں، سفیان نے اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو ٹیڑھا کر دیا، اور اپنی انگلیوں کو کھول دیا، وہ بات کو سن لیتا ہے اور اسے اپنے سے نیچے والے تک پہنچا دیتا ہے، پھر وہ اسے اپنے سے نیچے والے تک پہنچا دیتا ہے حتی کہ وہ اسے ساحر یا کاہن کی زبان پر ڈال دیتا ہے اور بسا اوقات اسے بات ڈالنے سے قبل ہی شہاب لگ جاتا ہے اور کئی دفعہ شہاب لگنے سے قبل وہ اسے آگے پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ ساحر یا کاہن اس ایک بات کے ساتھ سو جھوٹ اور بھی ملا لیتا ہے اور کہا جاتا ہے

[1] تفسير القرطبي: 298/14 وتفسير الطبري: 113/22 میں فُرِغَ ''ر'' مخفف کے ساتھ ہے۔ [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ ...... ﴾ ......، حديث: 7481 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ

کہہ دیجیے: تمھیں آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ (ہی)، اور بلا شبہ ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں (24) کہہ دیجیے:

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿24﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿25﴾ قُلْ يَجْمَعُ

جو ہم نے جرم کیا تم سے اس کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا اور نہ ہم سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو (25) کہہ دیجیے: ہمارا رب ہم سب

بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿26﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ

کو جمع کرے گا، پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا، خوب جاننے والا ہے (26) کہہ دیجیے: تم مجھے وہ (معبود)

اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿27﴾

دکھاؤ جنھیں تم نے شریک ٹھہرا کر اس (اللہ) کے ساتھ ملا دیا ہے، (ایسا) ہرگز نہیں! بلکہ وہی اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے (27)

کہ کیا اس نے فلاں فلاں دن ہمیں وہ بات نہیں بتائی تھی؟ پس اس ایک بات کی وجہ سے جو آسمان سے سنی گئی ہوتی ہے اسے سچا قرار دیا جاتا ہے۔''[1] اس روایت کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے امام مسلم نے نہیں، البتہ اسے امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 24-27

کسی بھی معاملے میں اللہ کا کوئی شریک نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صرف اسی نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا، صرف وہی اپنی ساری مخلوقات کو رزق عطا فرماتا ہے اور الوہیت میں بھی وہی واحد و یکتا ہے۔ مشرکین اعتراف کرتے تھے کہ آسمان و زمین سے اس کے سوا کوئی انھیں رزق نہیں دیتا، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو آسمان سے بارش نازل فرما کر زمین سے فصلوں کو پیدا فرماتا ہو جس طرح وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں، اسی طرح انھیں یہ حقیقت بھی معلوم ہونی چاہیے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''اور بے شک ہم یا تم یا تو سیدھے رستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں۔'' یہ لف ونشر مرتب کے باب سے ہے جس کی رو سے ہدایت کا تعلق ﴿اِنَّآ﴾ سے اور ضلال کا تعلق ﴿اِيَّاكُمْ﴾ سے بنتا ہے۔ یعنی دو فریقوں میں سے ایک باطل پر ہے اور دوسرا حق پر ہے، یہ نہیں ہوسکتا تم اور ہم دونوں ہدایت پر ہوں یا گمراہی پر، بلکہ ہم میں سے ایک حق کو پہنچا ہے، جبکہ ہم نے دلائل قائم کر کے اللہ کی توحید کو ثابت کیا ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تم لوگ جس شرک پر ہو وہ باطل ہے۔ امام قتادہ کہتے ہیں کہ اصحاب محمد ﷺ نے یہ بات مشرکین سے کہی تھی کہ اللہ کی قسم! ہم اور تم ایک ہی بات پر نہیں ہیں بلکہ ہم دونوں میں سے ایک فریق ہی ہدایت پر ہوسکتا ہے۔[3] عکرمہ اور زیاد بن ابو مریم نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں اور تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔[4]

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿حَتّٰى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا﴾ ...... (سبا 34 : 23)، حديث: 4800.
② سنن أبي داود، الحروف والقراءات، باب، حديث: 3989 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة سبا، حديث: 3223، و سنن ابن ماجه، السنة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث: 194. ③ تفسير الطبري: 114/22.
④ تفسير الطبري: 114/22.

ہر کوئی اپنے اعمال کا جواب دے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلۡ لَّا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّاۤ اَجۡرَمۡنَا وَلَا نُسۡـَٔلُ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ ”کہہ دیجیے: جو ہم نے جرم کیا تم سے اس کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا اور نہ ہم سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو۔“ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان سے اظہار براءت کیا جا رہا ہے، یعنی نہ تمھارا ہم سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہمارا تم سے کوئی تعلق، ہم تو تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ اس کی توحید کو اختیار کرو اور صرف اور صرف اس کی عبادت کرو اگر تم ہماری اس دعوت کو قبول کر لو گے تو پھر تم ہمارے اور ہم تمھارے اور اگر تم اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرو تو ہم تم سے بری اور تم ہم سے بیزار جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ ۚ اَنۡـتُمۡ بَرِيۡٓـــٴُـوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡۤءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ ﴾ (یونس 41:10) ”اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیں کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم اس سے بری ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم عمل کرتے ہو۔“ اور فرمایا: ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۝ ﴾ (الکفرون 109:1-6) ”(اے پیغمبر! ان منکرانِ اسلام سے) کہہ دیجیے کہ اے کافرو! جنھیں تم پوجتے ہو انھیں میں نہیں پوجتا اور جس (اللہ) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت کرنے والے نہیں اور (میں پھر کہتا ہوں کہ) جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں، تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔“

ارشاد ربانی ہے: ﴿ قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا ﴾ ”کہہ دیں کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا۔“ یعنی قیامت کے دن وہ تمام مخلوقات کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا، پھر وہ ہمارے مابین عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا، اگر عمل اچھا ہوا تو اچھی جزا عطا فرمائے گا اور اگر عمل برا ہوا تو بری سزا دے گا اور اس دن تم جان لو گے کہ عزت، نصرت اور ابدی سعادت کن لوگوں کو حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَـئِذٍ يَّتَفَرَّقُوۡنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الۡاٰخِرَةِ فَاُولٰٓـئِكَ فِى الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ۝ ﴾ (الروم 30:14-16) ”اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز لوگ (کافر اور مومن) الگ الگ ہو جائیں گے، پھر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ (بہشت کے) باغ میں خوش حال ہوں گے اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا وہ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔“ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَهُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِيۡمُ ﴾ ”اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ یعنی وہ حاکم عادل اور امور کے حقائق کا علم رکھنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلۡ اَرُوۡنِىَ الَّذِيۡنَ اَلۡحَقۡتُمۡ بِهٖ شُرَكَآءَ ﴾ ”آپ کہہ دیں: مجھے وہ (معبود) تو دکھاؤ جنھیں تم نے اس (اللہ) کا شریک بنا کر اس کے ساتھ ملا دیا ہے۔“ یعنی تم مجھے وہ معبودانِ باطلہ تو دکھاؤ جنھیں تم نے اللہ کا شریک اور ہم سر بنا رکھا ہے، ﴿ كَلَّا‌ ﴾ ”ہرگز (ایسا کوئی) نہیں۔“ یعنی کوئی اس کا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے﴿28﴾ اور وہ کہتے ہیں:

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿29﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ

اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟﴿29﴾ کہہ دیجیے: تمھارے لیے ایک ایسے دن کا وعدہ ہے کہ نہ تم اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے اور نہ

سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿30﴾ ع

تم آگے بڑھ سکو گے﴿30﴾

ہم مثل، ساجھی، شریک اور برابری کرنے والا نہیں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ بَلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ ”بلکہ وہی (اکیلا) اللہ ہے۔“ جو واحد و یکتا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں، ﴿ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿27﴾ ﴾ ”نہایت غالب، خوب حکمت والا۔“ یعنی وہ غالب ہے جس نے ہر چیز کو مغلوب و مقہور کر رکھا ہے اور وہ اپنے افعال و اقوال اور شرع و قدر میں حکمت والا ہے اور مشرکین اس کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ ان سے مقدس و منزہ، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 28-30

نبی ﷺ کی عالمگیر بعثت: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ ”اور (اے محمد!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“ یعنی تمام مکلّف مخلوقات کی طرف آپ کو مبعوث فرمایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الأعراف 158:7) ”(اے محمد!) کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا (بھیجا ہوا اس کا) رسول ہوں۔“ اور فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 1:25) ”وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔“ ﴿ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ یعنی جو آپ کی اطاعت کرے اس کے لیے آپ جنت کی بشارت سنانے والے ہیں اور جو آپ کی نافرمانی کرے اسے آپ آتش دوزخ سے ڈرانے والے ہیں، ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ ﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ”اور بہت سے آدمی گو آپ (کتنی ہی) خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (الأنعام 116:6) ”اور اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کی بات مان لیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔“ محمد بن کعب قرظی نے آیت کریمہ: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے اور امام قتادہ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام عرب و عجم کی طرف بھیجا ہے، آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے بھی۔[1]

[1] تفسير الطبري: 117/22.

صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ (مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ) قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ مِّنْ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں: (1) میری ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے (2) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، میری امت سے کوئی شخص بھی جہاں نماز کو پائے وہ وہاں نماز پڑھ لے (3) میرے لیے غنیمت کو حلال قرار دے دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے حلال نہ تھی (4) مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے اور (5) ہر نبی کو بطور خاص ان کی قوم ہی کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[1] صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[وَبُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ''مجھے ہر سیاہ وسرخ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔'' مجاہد نے کہا ہے کہ اس سے مراد جن وانس ہیں۔[2] اور دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد عرب وعجم ہیں اور یہ دونوں معنی ہی صحیح ہیں۔

کفار کا قیامت کے وقت کے بارے میں سوال اور اس کا جواب: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے وقت کو بعید سمجھتے ہیں: ﴿ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۲۹ ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو وہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا؟'' یہ آیت اسی طرح ہے جس طرح یہ آیت ہے: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ...... ﴾ الآية (الشوریٰ 18:42) ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے......۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ۝۳۰ ﴾ ''کہہ دیں کہ ایک ایسے دن کا وعدہ ہے جس سے نہ تم ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے اور نہ تم آگے بڑھ سکو گے۔'' یعنی تمھارے لیے ایک مقررہ اور طے شدہ میعاد مقرر ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی اور جب وہ گھڑی آ جائے گی تو اس میں ذرہ بھر تقدیم و تاخیر نہیں کی جائے گی جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ ﴾ (نوح 4:71) ''بلاشبہ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آتا ہے تو وہ مؤخر نہیں کیا جاتا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ۝ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ۝ ﴾ (ھود 105,104:11) ''اور ہم ایک وقت معین تک اس (کے لانے) میں تاخیر کر رہے ہیں، (جب) وہ دن آ جائے گا تو کوئی متنفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہیں سکے گا، پھر ان میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔''

---

[1] صحيح البخاري، التيمم، باب:1، حديث: 335 وصحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 521 جبکہ قوسین والا جملہ صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي ﷺ:[جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا]، حديث: 438 میں ہے۔ [2] مسند أحمد: 145/5 عن أبي ذر رضی اللہ عنہ.

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَلَا بِالَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِؕ وَلَوۡ تَرٰٓى

اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان (کتابوں) پر جو اس سے پہلے آئیں،

اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۖۚ يَرۡجِعُ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضِ اۨلۡقَوۡلَ ۚ

اور (اے نبی!) کاش آپ دیکھیں! جب ظالم لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے، جبکہ ان کا بعض بعض کی بات رد کر رہا

يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا لَوۡلَاۤ اَنۡتُمۡ لَكُنَّا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿31﴾ قَالَ

ہوگا تو جو لوگ (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو تکبر کرتے تھے: اگر تم نہ ہوتے تو یقیناً ہم مومن ہوتے ﴿31﴾ وہ

الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡۤا اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰكُمۡ عَنِ الۡهُدٰى بَعۡدَ

لوگ جو تکبر کرتے تھے ان لوگوں سے کہیں گے جو کمزور سمجھے جاتے تھے: کیا ہم نے تمھیں ہدایت سے روکا تھا جب وہ تمھارے پاس آگئی

اِذۡ جَآءَكُمۡ بَلۡ كُنۡتُمۡ مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿32﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا

تھی؟ بلکہ تم (خود ہی) مجرم تھے ﴿32﴾ اور وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے ان لوگوں سے کہیں گے جو تکبر کرتے تھے: (نہیں!) بلکہ (تمھاری) رات

بَلۡ مَكۡرُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجۡعَلَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا ؕ

اور دن کی چالوں ہی نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے لیے شریک ٹھہرائیں، اور وہ

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ وَجَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِىۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ

(سب دل میں) ندامت چھپائیں گے جب عذاب دیکھیں گے، اور ہم ان لوگوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کیا،

هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿33﴾

انھیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے ﴿33﴾

تفسیر آیات: 31-33

کفار کا دنیا میں انکارِ حق پر اتفاق اور روزِ قیامت آپس میں جھگڑا: اللہ تعالیٰ نے کفار کی بغاوت و سرکشی، عناد اور قرآن کریم اور قیامت کے متعلق بتائی ہوئی اس کی خبروں کے بارے میں عدم ایمان پر اصرار کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَلَا بِالَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِؕ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا کہ ہم نہ تو اس (قرآن) پر ایمان لائیں گے اور نہ ان (کتابوں) پر جو اس سے پہلے آئیں۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے اور ذلت و خواری کی حالت میں اس کے سامنے کھڑے ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يَرۡجِعُ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضِ اۨلۡقَوۡلَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا﴾ ''ان کا بعض بعض کی بات کا رد کر رہا ہوگا، جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ کہیں گے۔'' یعنی پیروی کرنے والے ﴿لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا﴾ ''ان لوگوں سے جو تکبر کرتے تھے۔'' یعنی اپنے قائدین اور سرداروں سے کہ ﴿لَوۡلَاۤ اَنۡتُمۡ لَكُنَّا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿31﴾﴾ ''اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے۔'' یعنی اگر تم ہمیں نہ روکتے تو ہم رسولوں کی اتباع کرتے اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت پر ایمان لے آتے تو قائدین و

سردار، یعنی بڑے لوگ ان سے کہیں گے: ﴿ أَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ إِذْ جَآءَكُمْ ﴾ ''بھلا ہم نے تمھیں ہدایت اختیار کرنے سے روک دیا تھا جب وہ تمھارے پاس آ چکی تھی؟'' یعنی ہم نے اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کیا کہ تمھیں دعوت دی اور تم نے کسی دلیل و برہان کے بغیر ہماری اتباع شروع کر دی تھی اور ان دلائل و براہین کی تم نے مخالفت کی جو انبیائے کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے اور اپنی خواہش اور اپنے اختیار سے تم نے ایسا کیا تھا، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ ''بلکہ تم ہی مجرم تھے اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے: (نہیں) بلکہ (تمھاری) دن رات کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا۔)'' یعنی دن رات تم ہمارے ساتھ چالیں چلتے تھے، ہمیں مبتلائے فریب کرتے، جھوٹی امیدیں دلاتے اور ہمیں یہ بتاتے تھے کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں جبکہ تمھاری یہ ساری باتیں باطل، جھوٹ اور فریب پر مبنی تھیں۔ قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں: ﴿ بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم دن رات چالیں چلتے تھے۔[1] مالک نے زید بن اسلم سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

﴿ إِذْ تَأْمُرُوْنَنَآ أَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ أَنْدَادًا ﴾ ''جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں۔'' یعنی اس کی نظیر اور اس کے ساتھ اوروں کو معبود بنالیں اور تم ہمیں گمراہ کرنے کے لیے طرح طرح کے شکوک و شبہات پیش کیا کرتے تھے، ﴿ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ﴾ ''اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو ندامت چھپائیں گے۔'' یعنی سردار اور ان کی اتباع کرنے والے تمام لوگ اپنے اعمال پر نادم اور پشیمان ہوں گے۔

﴿ وَجَعَلْنَا الْأَغْلٰلَ فِيْٓ أَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''اور ہم ان لوگوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کیا۔'' اور زنجیروں کے ساتھ ان کے ہاتھوں کو گردنوں کے ساتھ باندھ دیں گے، ﴿ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ ﴾ ''بس جو عمل وہ کرتے تھے انھیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا۔'' یعنی ہم تم میں سے ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے، بڑے لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق عذاب ہوگا اور ان کی پیروی کرنے والے لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق۔ ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الأعراف 38:7) ''وہ (اللہ) فرمائے گا کہ (تم میں سے) ہر ایک کے لیے دگنا (عذاب) ہے مگر تم نہیں جانتے۔''

ابن ابوحاتم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ جَهَنَّمَ لَمَّا سِيقَ إِلَيْهَا أَهْلُهَا، تَلَقَّتْهُمْ، فَلَفَحَتْهُمْ لَفْحَةً لَّمْ تَدَعْ لَحْمًا عَلٰى عَظْمٍ إِلَّا أَلْقَتْهُ عَلَى الْعُرْقُوبِ] ''بے شک جہنم کی طرف جب جہنمیوں کو لایا جائے گا تو جہنم کے شعلے ان کا استقبال کریں گے، پھر آگ کا ایک جھونکا انھیں اس طرح لپیٹ میں لے لے گا جس سے ان کے جسم کا سارا گوشت گل کر ان کی ایڑیوں پر گر جائے گا۔''[2]

---

[1] تفسير الطبري: 119/22 و الدر المنثور: 446/5. [2] المعجم الأوسط للطبراني: 197/1، حديث: 280 یہ حدیث ضعیف ہے۔ مزید دیکھیے الترغيب والترهيب، صفة الجنة والنار، فصل في تفاوتهم في العذاب وذكر أهونهم عذابا: 488/4، حديث: 87 و مجمع الزوائد، صفة النار، باب تلقى النار أهلها: 389/10، حديث: 18586.

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿34﴾

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا (رسول) بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا: بلاشبہ جس چیز کے ساتھ تمھیں بھیجا گیا ہے، ہم اس کا انکار

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿35﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ

کرتے ہیں﴿34﴾ اور انھوں نے کہا: ہم (تم سے) مال اور اولاد میں زیادہ ہیں، اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا﴿35﴾ آپ کہہ دیجیے: بلاشبہ میرا رب جس کے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾ ع وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ ع 4/6/10

لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کرتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے﴿36﴾ اور تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایسے نہیں جو تمھیں

اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ

درجے میں ہمارے قریب کر دیں، مگر (مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا دگنا بدلہ ہے،

الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

اور وہ بالا خانوں میں امن سے رہیں گے﴿37﴾ اور جو لوگ ہمیں عاجز کرنے کے لیے ہماری آیتوں (کو جھٹلانے) میں کوشش کرتے ہیں وہی لوگ عذاب

اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿38﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

میں حاضر کیے جائیں گے﴿38﴾ کہہ دیجیے: بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے جس کے

وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿39﴾

لیے (چاہے)، اور تم کوئی چیز بھی خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا عوض دیتا ہے، اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے﴿39﴾

تفسیر آیات: 34-39

امرائے وقت کی انبیائے کرام علیہم السلام سے محاذ آرائی: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں کہ اس نے جس نبی کو بھی کسی بستی میں بھیجا تو بستی کے خوش حال لوگوں نے تو اس نبی کی تکذیب کی مگر کمزور لوگوں نے اتباع کی جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا: ﴿ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۭ ﴾ (الشعرآء 111:26) ”کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں، حالانکہ تیرے پیروکار تو کمی کمین لوگ ہیں۔“ اور کہا: ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ ﴾ (هود 27:11) ”اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے کمی کمین لوگوں نے بے سوچے سمجھے تیری پیروی کی۔“ اور قوم صالح کے متکبر امراء نے کہا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 76,75:7) ”ان لوگوں سے جو کمزور سمجھے جاتے تھے، ان میں سے جو ایمان لے آئے تھے۔ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ کیا واقعی صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ انھوں نے کہا: (ہاں) بلاشبہ ہم اس چیز پر ایمان لانے والے ہیں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے۔ جن لوگوں نے تکبر کیا، کہنے لگے: بے شک ہم اس چیز کا انکار کرنے والے ہیں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ (الأنعام 53:6) ''اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے کہ وہ (انھیں دیکھ کر) کہیں: کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے؟ (اللہ نے فرمایا:) بھلا اللہ شکر کرنے والوں سے خوب واقف نہیں؟'' اور فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ أَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ط (الأنعام 123:6) ''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے لوگوں کو مجرم بنا دیا کہ وہ اس میں مکاریاں کرتے رہیں۔'' اور فرمایا: وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ (بنیٓ إسرآءیل 16:17) ''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متکبر امراء کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اس بستی پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے، تب ہم اسے مکمل طور پر تباہ کر ڈالتے ہیں۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَآ أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ ''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا۔'' یعنی کوئی نبی یا رسول إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ''مگر اس کے خوش حال لوگوں نے کہا۔'' یعنی ان لوگوں نے جنھیں ہم نے نعمت، حشمت، ثروت اور ریاست عطا کی تھی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے ان کے جابر لوگ اور قائدین شر مراد ہیں۔[1] إِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ ''جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو، بلاشبہ ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔'' ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی اتباع کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان خوش حال اور تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے: وَقَالُوْا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ ''اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم (تم سے) مال واولاد میں زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔'' انھوں نے اموال واولاد کی کثرت پر فخر کیا اور یہ عقیدہ رکھا کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت اور ان کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں تو انھیں مال واولاد کثرت سے نوازے، پھر آخرت میں انھیں عذاب دے، حالانکہ ان کا یہ خام خیال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَيَحْسَبُوْنَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ط بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (المؤمنون 23:55، 56) ''کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بے شک ہم جو بھی ان کے مال واولاد میں اضافہ کیے جا رہے ہیں (تو) کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں، (نہیں نہیں) بلکہ وہ (اصل حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے۔'' اور فرمایا: فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ط إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبة 55:9) ''چنانچہ ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔'' اور فرمایا: ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيْدَ ۝ كَلَّا ط إِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَأُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ (المدثر 74:11-17) ''مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور میں نے اس کے لیے مال پھیلا دیا اور (ہر وقت اس کے پاس) حاضر رہنے والے بیٹے (دیے) اور میں نے اسے ہر طرح کی وسعت دی، ابھی خواہش رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں، ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ ہماری آیتوں کا

[1] تفسیر الطبري: 120/22 و 79/25 والدر المنثور: 447/5.

دشمن ہے، میں اسے عنقریب ایک دشوار گزار گھاٹی پر چڑھاؤں گا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ان دو باغوں والے کا واقعہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس کے پاس مال، پھل اور اولاد تھی مگر ان میں سے کوئی چیز بھی اس کے کام نہ آئی بلکہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اسے ان تمام چیزوں سے محروم کر دیا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ﴾ ’’کہہ دیں کہ میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔‘‘ یعنی مال تو وہ اسے بھی دیتا ہے جسے پسند کرتا ہے یا جسے وہ پسند نہیں کرتا، جسے چاہتا ہے وہ فقیر بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غنی کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ اس کی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ کے تحت ہوتا ہے۔ ﴿وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ’’لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘

پھر فرمایا: ﴿وَمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُکُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی﴾ ’’اور تمھارا مال اور اولاد ایسی چیزیں نہیں کہ تمھیں ہمارا مقرب بنا دیں۔‘‘ یعنی اگر ہم نے تمھیں اولاد اور مال دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ہمیں تم سے محبت اور خصوصی تعلق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ إِنَّمَا يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ] ’’بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔‘‘[1] اسے امام مسلم اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اسی لیے فرمایا: ﴿اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ’’ہاں! (ہمارا مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا۔‘‘ یعنی ایمان اور عمل صالح ہی ایسی چیزیں ہیں جو تمھیں ہمارا مقرب بنا سکتی ہیں، ﴿فَاُولٰٓئِکَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا﴾ ’’چنانچہ ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلہ ملے گا۔‘‘ یعنی نیکی کا بدلہ دس سے لے کر سات سو گنا تک دیا جائے گا۔ ﴿وَهُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ’’اور وہ بالا خانوں میں امن وسکون سے رہیں گے۔‘‘ یعنی وہ جنت کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مکانات میں ہر ڈر، خوف، ایذا اور شر سے محفوظ ہو کر سکونت پذیر ہوں گے۔

امام ابن ابو حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يُّرٰى ظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا فَقَامَ إِلَيْهِ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ؟ قَالَ: هِيَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى لِلّٰهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ] ’’بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہوں گے جن کا بیرونی منظر اندر کی جانب سے اور اندرونی منظر باہر کی جانب سے نظر آتا ہوگا، ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کس کے لیے ہوں گے؟ فرمایا: اس کے لیے جو پاکیزہ گفتگو کرے، کھانا کھلائے، روزہ رکھنے کو معمول بنالے اور رات کو اس وقت نماز پڑھے جب لوگ سو رہے ہوں۔‘‘[3] ﴿وَالَّذِیۡنَ یَسۡعَوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ﴾ ’’اور جو

---

[1] مسند أحمد: 539/2. [2] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم ظلم المسلم......، حديث: 2564-(33) و سنن ابن ماجه، الزهد، باب القناعة، حديث: 4143. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 3077/9 عن أبي مالك الأشعري رضي الله عنه و جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في صفة غرف الجنة، حديث: 2527 و اللفظ له عن علی رضی اللہ عنہ، مزید دیکھیے مسند أحمد: 156,155/1.

لوگ (ہمیں) عاجز کرنے کے لیے ہماری آیتوں (کی مخالفت) میں کوشش کرتے ہیں۔'' یعنی جو اللہ کے رستے سے، اس کے رسولوں کی اتباع سے اور اس کی آیات کی تصدیق سے روکتے ہیں، ﴿ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴾ ''وہی لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔'' یعنی ایسے سب لوگوں کو ان کے برے اعمال کے مطابق سزا دی جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ﴾ ''کہہ دیں کہ میرا پروردگار (اپنے بندوں میں سے) جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔'' یعنی اپنی حکمت و مصلحت سے جسے چاہتا ہے مال کثیر عطا فرما دیتا ہے اور جس کے رزق کو چاہتا ہے بے حد تنگ کر دیتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی حکمت و مصلحت کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴾ (بنی إسرآء یل 17:21) ''دیکھیں ہم نے کس طرح ان کے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔'' یعنی جس طرح دنیا میں ان میں فرق ہے کہ ان میں سے کوئی نان جویں تک کو ترسنے والا فقیر ہے اور کوئی بے شمار مال و دولت والا امیر، اسی طرح آخرت میں بھی ان میں سے کچھ لوگ جنت کے ارفع و اعلیٰ درجات میں بلند پایہ بالا خانوں میں سکونت پذیر ہوں گے اور کچھ جہنم کے سب سے نچلے طبقوں میں غوطے کھا رہے ہوں گے اور دنیا میں سب سے زیادہ پاکیزہ تو وہ شخص ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَّقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ] ''بے شک کامیاب ہے وہ شخص جو مسلمان ہوا اور اُسے بقدرِ کفایت رزق مل جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہو، اس پر قناعت بھی عطا فرما دے۔'' اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ①

﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ ''اور تم جو چیز خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا (تمھیں) عوض دیتا ہے۔'' یعنی جو چیز بھی تم خرچ کرو گے، جہاں اس نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے تمھارے لیے مباح قرار دیا ہے تو وہ تمھیں دنیا ہی میں اس کا بدل عطا فرمائے گا اور آخرت میں اس کی بہترین جزا اور بے پایاں اجر و ثواب سے نوازے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: [أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ] ''(اے ابن آدم!) تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔'' ② ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر روز دو فرشتے صبح کرتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: [اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَّيَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا] ''اے اللہ! جو مال کو خرچ کرنے والا ہے اسے اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! جو مال کو روک کر رکھتا ہے اس کے مال کو تباہ و برباد کر دے۔'' ③ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: [أَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا] ''بلال! خرچ کرو اور صاحب عرش سے فقر کا خوف نہ کرو۔'' ④

① صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ، حدیث: 1054 عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (ھود 11:7)، حدیث: 4684 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی النفقۃ......، حدیث: 993 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ. ③ صحیح البخاری، الزکاۃ، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ...... ﴾ (اللیل 92: 5-10)، حدیث: 1442 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فی المنفق والممسک، حدیث: 1010 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ. ④ المعجم الکبیر للطبرانی: 191,192/10، حدیث: 10300.

وَیَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿40﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر وہ فرشتوں سے کہے گا: کیا یہی لوگ تمھاری عبادت کیا کرتے تھے؟ ﴿40﴾ وہ کہیں گے:

اَنۡتَ وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ بَلۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ اَکۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿41﴾ فَالۡیَوۡمَ

تو پاک ہے،تو ہی ان کے ماسوا ہمارا کارساز ہے، بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے اکثر انھی پر ایمان رکھتے تھے﴿41﴾ چنانچہ

لَا یَمۡلِکُ بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ نَّفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیۡ

(کہا جائے گا:) آج تمھارا کوئی بھی کسی کے لیے کسی نفع و نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا، اور ہم ان ظالموں (مشرکوں) سے کہیں گے: اس

کُنۡتُمۡ بِهَا تُکَذِّبُوۡنَ ﴿42﴾

آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے﴿42﴾

تفسیر آیات: 40-42

قیامت کے دن فرشتوں کا اپنی پوجا کرنے والوں سے اعلان براءت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے مشرکین کو ڈانٹ پلائے گا، پھر ان کے سامنے ان فرشتوں سے بھی پوچھے گا جن کے بارے میں مشرکین یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کی صورتوں میں ہیں اور وہ ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے: ﴿ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿40﴾ ﴾ ”کیا یہی لوگ ہیں جو صرف تمھاری پوجا کرتے تھے۔“ یعنی کیا تم نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ تمھاری عبادت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں فرمایا ہے: ﴿ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ هٰۤؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿17﴾ ﴾ (الفرقان 25:17) ”کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راستے سے بھٹک گئے تھے۔“ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی فرمائیں گے: ﴿ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَکَ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ ٭ بِحَقٍّ ؕ ﴾ (المآئدۃ 5:116) ”کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو دو معبود مقرر کر لو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے میرے لیے (جائز) نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔“ اسی طرح فرشتے بھی کہیں گے: ﴿ سُبۡحٰنَکَ ﴾ ”پاک ہے تو۔“ تو اس بات سے بہت بلند اور پاک ہے کہ تیرے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہو۔ ﴿ اَنۡتَ وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ ﴾ ”تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے ماسوا۔“ یعنی ہم تو تیرے بندے ہیں اور تیرے سامنے ان لوگوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، ﴿ بَلۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ ﴾ ”بلکہ یہ جنات کی پوجا کرتے تھے۔“ یعنی شیطانوں کی کیونکہ انھوں نے ان کے لیے بتوں کی عبادت کو مزین کر کے انھیں گمراہ کر دیا تھا، ﴿ اَکۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿41﴾ ﴾ ”ان میں سے اکثر انھی پر ایمان رکھتے تھے۔“ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ﴿117﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ ﴾ (النسآء 4:117,118) ”وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں، اور در اصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں۔ اللہ نے اس پر لعنت کی ہے۔“

وَ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّصُدَّكُمۡ عَمَّا

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں (تو) وہ کہتے ہیں: یہ ایک ایسا آدمی ہی تو ہے جو چاہتا ہے کہ تمھیں ان (معبودوں) سے روک دے

كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُكُمۡ ۚ وَقَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكٌ مُّفۡتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ

جن کی تمھارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے، اور وہ کہتے ہیں: یہ (قرآن) ایک گھڑا ہوا جھوٹ ہی تو ہے، اور جب ان کافر لوگوں کے پاس حق آیا تو

لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿43﴾ وَمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ يَّدۡرُسُوۡنَهَا وَمَاۤ

انھوں نے اس کے بارے میں کہا: یہ تو کھلا جادو ہی ہے ﴿43﴾ اور ہم نے ان (مشرکین عرب) کو کوئی کتابیں نہیں دی تھیں کہ وہ انھیں پڑھتے ہوں، اور ہم نے

اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِيۡرٍ ؕ ﴿44﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ

آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا (بھی) نہیں بھیجا ﴿44﴾ اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا جبکہ یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی

5 ع 9 11 مَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ فَكَذَّبُوۡا رُسُلِىۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿45﴾

نہیں پہنچتے جو ہم نے ان کو دیا تھا، پس انھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو کیسا ہوا (ان پر) میرا (عبرتناک) عذاب؟ ﴿45﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَالۡيَوۡمَ لَا يَمۡلِكُ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ نَّفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ ﴾ ''چنانچہ آج تمھارا کوئی بھی کسی کے لیے کسی نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔'' یعنی آج تمھیں ان مشرکوں اور بتوں کی عبادت سے، جسے تم نے آج کے دن کی مشکلات سے بچنے کے لیے انجام دیا تھا، کوئی نفع حاصل نہ ہوگا اور یہ جن سے تم نفع کی امید رکھتے تھے آج تمھارے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ ﴿ وَنَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ﴾ ''اور ہم ان ظالموں سے کہیں گے۔'' یعنی مشرکوں سے: ﴿ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿42﴾ ﴾ ''اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے۔'' یعنی یہ ہم ان سے سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہیں گے۔

تفسیر آیات: 43-45

انبیاء کے بارے میں کافروں کی باتیں اور ان کی تردید: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ سنگین سزا اور دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے کیونکہ انھیں جب اس کی واضح اور روشن آیات، رسول اللہ ﷺ کی زبانی تازہ تازہ سنائی جاتی ہیں تو ﴿ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّصُدَّكُمۡ عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُكُمۡ ۚ ﴾ ''وہ کہتے ہیں: یہ ایک ایسا شخص ہی تو ہے جو چاہتا ہے کہ جن چیزوں کی تمھارے باپ دادا پرستش کیا کرتے تھے ان سے تمھیں روک دے۔'' اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ ان کے آباء واجداد کا دین ہی حق ہے اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس جو دین لے کر آئے ہیں وہ باطل ہے، ان پر اور ان کے آباء واجداد پر اللہ کی لعنت ہو۔ ﴿ وَقَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكٌ مُّفۡتَرًى ؕ ﴾ ''اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ ایک گھڑا گھڑایا جھوٹ ہی تو ہے۔'' یعنی قرآن مجید، ﴿ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿43﴾ ﴾ ''اور کافروں کے پاس جب حق آیا تو اس کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہی تو ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ يَّدۡرُسُوۡنَهَا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِيۡرٍ ﴿44﴾ ﴾ ''اور ہم نے نہ تو ان (مشرکوں) کو کتابیں دیں کہ جنھیں وہ پڑھتے ہوں اور نہ ہم نے

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫

کہہ دیجیے: بس میں تو تمھیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک (ہوکر) کھڑے ہو جاؤ، پھر تم غور و فکر کرو، تمھارے

مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿46﴾

ساتھی (نبی) میں کوئی دیوانگی (کی بات) نہیں، وہ تو صرف تمھیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے ﴿46﴾

آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا بھیجا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے عربوں پر قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب نازل نہیں فرمائی اور نہ محمد ﷺ سے پہلے ان کی طرف کسی نبی ہی کو مبعوث فرمایا ہے گویا وہ اس کی خواہش ضرور رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آجائے یا ہم پر کوئی کتاب نازل کر دی جائے تو ہم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ ہدایت یافتہ ثابت ہوں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرما کر اپنے نبی کو ان کی طرف مبعوث فرما دیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی، اس کا انکار کیا اور اس سے معاندانہ سلوک کیا۔

پھر فرمایا: ﴿ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ ﴾ ''اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی تکذیب کی تھی۔'' یعنی سابقہ امتوں نے، ﴿ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ ﴾ ''اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا تھا یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ قوت ہے جو انھیں دنیا میں دی گئی تھی۔[1] قتادہ، سُدّی اور ابن زید رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 26:46) ''اور یقیناً ہم نے انھیں اس چیز کی قدرت دی تھی جس کی تمھیں قدرت نہیں دی اور ہم نے انھیں کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے، تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں نے انھیں کوئی فائدہ نہ دیا، جبکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے اور انھیں اس (عذاب) نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً ﴾ (المؤمن 82:40) ''کیا پس وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا؟ وہ ان سے کہیں زیادہ اور زور و قوت میں کہیں بڑھ کر تھے۔'' یہ سب چیزیں ان سے اللہ کے عذاب کو نہ ٹال سکیں بلکہ انبیائے کرام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں تباہ و برباد کر دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿45﴾ ﴾ ''تو انھوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا، سو میرا عذاب کیسا ہوا؟'' یعنی دیکھو کہ میرا عذاب اور میری طرف سے آنے والی سزا کتنی شدید تھی اور میں نے کس طرح سے اپنے رسولوں کی مدد کی۔

تفسیر آیت:46

نبی اکرم ﷺ پر جنون کے الزام کا فیصلہ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد (ﷺ!) ان کافروں سے کہہ دیں جو آپ کو

[1] تفسیر الطبري : 125/22. [2] تفسیر الطبري : 125/22.

مجنون کہتے ہیں: ﴿ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ ﴾ ''سوائے اس کے نہیں میں تمھیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔'' یعنی ایک ہی بات کا حکم دیتا ہوں ﴿ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ۟ مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ﴾ ''کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو کہ تمھارے ساتھی کو کوئی جنون ہے۔'' یعنی کسی ہوس وحرص اور عصبیت کے بغیر خالص اللہ عزوجل کے لیے کھڑے ہو جاؤ، پھر ایک دوسرے سے پوچھو: کیا محمد ﷺ کو جنون ہے؟ نہیں! انھیں کوئی جنون نہیں، لہٰذا تمھیں چاہیے کہ آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کرو ﴿ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ﴾ ''پھر غور کرو۔'' تم میں سے ہر شخص کو محمد ﷺ کے بارے میں غور کرنا چاہیے اور اگر اسے کوئی دشواری پیش آئے تو دوسروں سے پوچھ لے اور خود بھی خوب غور و فکر کر لے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ۟ مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ﴾ ''کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو کہ تمھارے ساتھی کو کوئی جنون ہے۔'' مجاہد، محمد بن کعب، سدی، قتادہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے یہی مفہوم بیان کیا ہے اور اس آیت سے واقعی یہ مفہوم مراد ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّـكُمۡ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ ﴾ ''وہ تو تمھیں سخت عذاب (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور آپ نے قریش کو طلب کرتے ہوئے فرمایا: [يَاصَبَاحَاهُ!][2] جب قریش جمع ہو گئے تو انھوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ يُصَبِّحُكُمْ أَوْيُمَسِّيكُمْ أَمَا كُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي؟] ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن صبح یا شام کے وقت تم پر حملہ آور ہو رہا ہے تو کیا تم کو یقین آ جائے گا؟'' سب نے کہا: کیوں نہیں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ] ''میں تمھیں عذاب شدید سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔'' ابولہب نے کہا: تم پر افسوس کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا، اسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ ﴾ (اللهب 1:111) ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں۔''[3] اس سارے واقعے کی تفصیل آیت کریمہ: ﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴾ (الشعرآء 214:26) کی تفسیر میں قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[4]

---

[1] تفسير الطبری : 126/22 وتفسير القرطبی : 311/14. [2] یاصباحاه کے ساتھ اہل عرب اس وقت فریاد کرتے تھے جب انھیں کسی حملہ آور ہونے والے کے مقابلے یا لوٹ مار کرنے والے سے دفاع کے لیے مدد کی ضرورت ہوتی تھی، چونکہ زیادہ تر وہ صبح کے وقت حملہ کرتے تھے اور انھوں نے حملے والے دن کو یوم الصباح کا نام دے رکھا تھا، گویا یاصباحاه پکارنے والا یہ دہائی دے رہا ہوتا ہے: ہمیں دشمن نے آلیا (ہماری مدد کو پہنچو۔) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب رات ہو جاتی تو جنگجو لڑائی بند کر دیتے اور اپنے پڑاؤ کی جگہ لوٹ جاتے، پھر جب دن ہوتا تو اپنے محاذ کی طرف واپس آتے اور یاصباحاه کا نعرہ بلند کرتے، گویا کہہ رہے ہوتے: صبح ہو گئی لڑائی کے لیے پھر تیار ہو جاؤ۔ دیکھیے النهاية لابن الأثير :7,6/3 ، مادة: "صبح" [3] صحيح البخاری، التفسير، باب: ﴿ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّـكُمۡ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ ﴾ (سبا 46:34)، حدیث: 4801. [4] دیکھیے الشعرآء، آیت: 214 کے ذیل میں عنوان: ''قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم''

قُلْ مَاسَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

آپ کہہ دیجیے: میں نے تم سے جو کوئی صلہ مانگا ہو تو وہ تمھارے ہی لیے ہے، میرا صلہ تو اللہ کے ذمے ہے، اور وہ ہر شے پر شاہد ہے ⁴⁷ کہہ دیجیے: بلاشبہ

شَهِيْدٌ ⁴⁷ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ⁴⁸ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ

میرا رب ہی (پیغمبر پر) حق بات ڈالتا ہے، (وہ) چھپی باتیں خوب جانتا ہے ⁴⁸ آپ کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھرے

الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ⁴⁹ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا

گا ⁴⁹ کہہ دیجیے: اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بلاشبہ میرے بہکنے کا وبال مجھی پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی وجہ سے ہے جو میرا رب میری

يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ⁵⁰

طرف کرتا ہے، بے شک وہ خوب سننے والا، نہایت قریب ہے ⁵⁰

تفسیر آیات: 47-50

میں تم سے تبلیغ دین کا کوئی صلہ نہیں مانگتا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ مشرکین سے یہ کہہ دیں: ﴿ مَاسَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ ﴾ ”میں نے تم سے جو بھی صلہ مانگا ہو تو وہ تمھارے لیے ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچا دینے، تمھاری ہمدردی و خیر خواہی کرنے اور تمھیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دینے کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا ﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ ﴾ ”میرا صلہ تو اللہ کے ذمے ہے۔“ یعنی میں اللہ تعالیٰ ہی سے اس کے اجر و ثواب کا طالب ہوں ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⁴⁷ ﴾ ”اور وہ ہر چیز پر شاہد ہے۔“ یعنی وہ ان تمام امور کو جانتا ہے جو میں اس کے بارے میں تمھیں بتا رہا ہوں اور یہ کہہ رہا ہوں کہ اس نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور جو تمھارے حالات ہیں وہ ان سب سے باخبر ہے۔ ﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ⁴⁸ ﴾ ”کہہ دیں کہ میرا پروردگار حق بات ڈالتا ہے (اور وہ) غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ (المؤمن 15:40) ”اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح (وحی) ڈالتا ہے۔“ یعنی زمین میں رہنے والے اپنے بندوں میں سے وہ جس کی طرف چاہتا ہے فرشتے کو بھیج دیتا ہے اور وہ تمام مخفی باتوں کو جاننے والا ہے اس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ ﴿ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ⁴⁹ ﴾ ”کہہ دیں کہ حق آ چکا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا اور نہ دوبارہ ابھرے گا۔“ یعنی اللہ کی طرف سے حق اور عظیم شریعت آ چکی ہے اور باطل چلا گیا اور نیست و نابود ہو گیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ ﴾ (الأنبیاء 18:21) ”نہیں بلکہ ہم حق کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، پھر باطل اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔“ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن جب مسجد حرام میں تشریف لائے اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کعبہ کے اردگرد بت رکھے ہوئے ہیں تو آپ دست مبارک میں پکڑی ہوئی کمان کے ساتھ بتوں کو گرا رہے تھے اور ساتھ ہی ان آیات کی تلاوت بھی فرما رہے تھے: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 81:17) ”اور کہہ دیں کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔“ اور ﴿ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿51﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا

اور کاش! آپ دیکھیں جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے، تو وہ (بھاگ کر) بچ نہ سکیں گے اور وہ قریب ہی کی جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے ﴿51﴾ اور وہ کہیں

بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿52﴾ ۚ ۖ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ

گے: ہم (اب) اس پر ایمان لائے ہیں، اور ان کے لیے (اتنی) دور کی جگہ سے (ایمان کا) حصول کہاں (ممکن) ہوگا! ﴿52﴾ حالانکہ یقیناً انھوں نے اس سے پہلے

وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿53﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا

(دنیا میں) اس کا انکار کیا تھا، اور وہ دور کی جگہ سے بن دیکھے ہی (اٹکل کے تیر) پھینکتے رہے ﴿53﴾ اور ان کے اور ان چیزوں کے درمیان جنھیں وہ چاہتے ہیں، آڑ

فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿54﴾ ع 6 9 12

حائل کردی جائے گی، جیسے اس سے پہلے ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بلاشبہ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو تردد میں ڈالنے والا ہے ﴿54﴾

﴿وَمَا يُعِيْدُ ﴿49﴾﴾ ''کہہ دیں کہ حق آچکا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا اور نہ دوبارہ ابھرے گا۔'' امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے اس حدیث کو اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ ①

اور فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ﴾ ''کہہ دیں کہ اگر میں گمراہ ہوں تو میری گمراہی کا ضرر مجھی پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس کی وجہ سے ہے جو میرا پروردگار میری طرف وحی بھیجتا ہے۔'' یعنی ساری کی ساری خیر اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس وحی اور واضح حق کو نازل فرمایا ہے اس میں ہدایت بھی ہے، واضح بیان بھی اور رشد و بھلائی بھی تو اس کے باوجود جو گمراہ ہوتا ہے وہ از خود گمراہی کو اختیار کرتا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب اس عورت کی بابت مسئلہ پوچھا گیا جس نے حق مہر مقرر کرنے کا اختیار اپنے خاوند کو دے دیا تھا (اور خاوند فوت ہو گیا تھا) تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں، اگر درست ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ ② ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿50﴾﴾ ''بے شک وہ خوب سننے والا، نہایت نزدیک ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرمانے والا ہے۔ امام نسائی نے یہاں ابوموسیٰ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے جو صحیحین میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا (قَرِيبًا) (مُّجِيبًا)] ''تم کسی بہرے اور غائب کو تو نہیں پکارتے بلکہ اس ذات پاک سے دعا کرتے ہو جو سمیع، قریب اور مجیب ہے۔'' ③

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ ......﴾ (بنی إسرآء یل 17:81)، حدیث: 4720 و صحیح مسلم، الجهاد ......، باب إزالة الأصنام من حول الكعبة، حدیث: 1780و 1781 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی إسرآء یل، حدیث: 3138 و السنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله: ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿49﴾﴾: 438/6، حدیث: 11428. ② سنن أبی داود، النكاح، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات، حدیث: 2116 و صحیح ابن حبان، النكاح، باب الصداق: 411,410/9، حدیث: 4101 و مسند أحمد: 448,447/1. ③ السنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿50﴾﴾: 438/6، حدیث: 11427 و صحیح البخاری، القدر، ◄◄

تفسیر آیات: 51-54

روز قیامت کفار ایمان لانے کی خواہش کریں گے لیکن.......: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) اگر آپ اس وقت ان تکذیب کرنے والوں کو دیکھیں جو قیامت کے دن گھبرائے ہوئے ہوں گے مگران کے لیے کوئی جائے فرار اور کوئی ملجا و ماویٰ نہیں ہوگا، ﴿ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ ﴾ ’’اور نزدیک ہی کی جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے۔‘‘ یعنی انھیں بھاگنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا جائے گا بلکہ فوراً پکڑ لیا جائے گا۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جونہی وہ اپنی قبروں سے باہر نکلیں گے تو انھیں فوراً جکڑ لیا جائے گا، ① ﴿ وَّقَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ ﴾ ’’اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔‘‘ یعنی روز قیامت وہ کہیں گے کہ ہم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ﴾ (السجدة 12:32) ’’اور کاش! آپ دیکھیں جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہمیں (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ ہم نیک عمل کریں، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔‘‘ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ۖۚ ﴾ ’’اور ان کے لیے (اتنی) دور کی جگہ سے (ایمان کا) حصول کہاں (ممکن) ہوگا!‘‘ یعنی اب انھیں ایمان کی کیسے توفیق ہوسکتی ہے جب وہ ایمان کی قبولیت کے وقت سے ہی بہت دور ہو کر اب آخرت میں پہنچ چکے ہیں، جو ابتلا کا نہیں بلکہ جزا کا گھر ہے۔ اگر وہ دنیا میں ایمان لے آتے تو وہ ان کے لیے نفع بخش ہوتا لیکن اب ان کے آخرت میں آجانے کے بعد ایمان کی قبولیت کی کوئی سبیل نہیں جیسے دور سے کوئی انسان کسی چیز کو نہیں پکڑ سکتا اسی طرح اب یہ لوگ ایمان کو حاصل نہیں کر سکتے۔ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ ﴾ کے معنی ہیں کہ یہ لوگ اب اسے کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ ② زہری کہتے ہیں کہ ﴿ التَّنَاوُشُ ﴾ کے معنی ہیں ایمان کو لے لینا جبکہ وہ آخرت میں ہوں گے اور دنیا میں مدت ختم ہوگئی ہوگی۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے معاملے کو ایسی جگہ سے طلب کیا ہے جہاں سے اسے حاصل ہی نہیں کیا جا سکتا، گویا انھوں نے ایمان کو بہت دور سے لینے کی کوشش کی ہے۔ ③

﴿ وَّقَدۡ كَفَرُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ ﴾ ’’حالانکہ انھوں نے اس سے پہلے اس کا انکار کیا تھا۔‘‘ تو اب آخرت میں ان کو ایمان کیسے حاصل ہوسکتا ہے، حالانکہ انھوں نے دنیا میں حق کا انکار اور رسولوں کی تکذیب کی، ﴿ وَيَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ﴾ ’’اور بن دیکھے دور ہی سے (اٹکل پچو کے تیر) چلاتے رہے۔‘‘ امام مالک نے زید بن اسلم سے ﴿ وَيَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ ﴾ کے معنی گمان کے کیے ہیں، یہ ایسے ہے جیسے کہ فرمایا: ﴿ رَجۡمًۢا بِالۡغَيۡبِ ۚ ﴾ (الکهف 22:18) ’’بن دیکھے (نشانے کے لیے) پتھر چلانا۔‘‘

◄◄ باب لا حول ولا قوة إلا بالله، حدیث: 6610 واللفظ له جبکہ پہلی قوسین والا لفظ صحیح مسلم، الذکر والدعاء......، باب استحباب خفض الصوت بالذكر إلا في المواضع......، حدیث: 2704 میں اور دوسری قوسین والا لفظ مسند أحمد: 403/4 میں ہے۔ ① تفسیر الطبری: 130/22 . ② الدر المنثور: 454/5. ③ تفسیر الماوردی: 459/4.

کہ کبھی تو وہ آپ کو شاعر کہتے ، کبھی کاہن ، کبھی ساحر ، کبھی مجنون اور کبھی اس طرح کی دیگر باطل باتیں او بعث بعد الموت حشر نشر اور آخرت کی تکذیب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: ﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ۝ ﴾ (الجاثية 32:45) ''ہم تو اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا۔'' قتادہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ظن کے تیر چلاتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ بعث بعد الموت نہیں ہے اور نہ جنت اور دوزخ ہی کا کوئی وجود ہے۔ ① ﴿ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ ﴾ ''اور ان کے اور ان چیزوں کے درمیان جنھیں وہ چاہتے ہیں آڑ حائل کر دی جائے گی۔'' حسن بصری اور ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایمان ہے۔ ② سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد توبہ ہے۔ ③ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ④ مجاہد کہتے ہیں کہ خواہش کی چیزوں سے مراد مال و دولت اور اہل و عیال ہیں۔ ⑤ حضرت ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ربیع بن انس رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ ⑥ اور صحیح بات یہ ہے کہ دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ دنیا میں ان کی خواہشوں میں اور آخرت کی چاہتوں میں پردہ حائل کر دیا گیا مگر ان کی آخرت کی خواہشوں کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ ﴿ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ ''جیسا کہ پہلے ان کے ہم جنسوں سے کیا گیا۔'' یعنی جیسا کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کے ساتھ ہوا تھا کہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو انھوں نے خواہش کی کہ اے کاش! وہ ایمان لے آتے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ۝ ﴾ (المؤمن 85,84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جنھیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، ان سب کا ہم انکار کرتے ہیں، پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے انھیں کوئی فائدہ نہ دیا، اللہ کا یہی طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزرا اور کافر اس وقت سخت نقصان میں رہ گئے۔'' ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴾ ''بے شک وہ بھی الجھن میں ڈالنے والے شک میں (پڑے ہوئے) تھے۔'' یعنی دنیا میں شک و ریب میں مبتلا تھے، لہٰذا عذاب دیکھنے کے وقت ان کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شک و ریب سے بچو کیونکہ جو شخص حالتِ شک میں فوت ہوا اسے شک ہی پر اٹھایا جائے گا اور جو شخص یقین کی حالت میں فوت ہوا تو اسے یقین کی حالت پر اٹھایا جائے گا۔ ⑦

تفسیر سورۂ سبا اختتام پذیر ہوئی۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالَى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ.

---

① تفسير الطبرى: 134/22. ② تفسير الطبرى: 135,134/22. ③ تفسير الماوردى: 460/4 و الدر المنثور: 454/5. ④ تفسير الطبرى: 135,134/22. ⑤ تفسير الطبرى: 135/22 . ⑥ صحيح البخارى، التفسير، سورة سبا، قبل الحديث: 4800. ⑦ الدر المنثور: 457/5.

تفسیر سُوۡرَۃُ فَاطِر

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓـئِكَةِ رُسُلًا اُولِىۡۤ اَجۡنِحَةٍ مَّثۡنٰى وَثُلٰثَ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے

وَرُبٰعَ ؕ يَزِيۡدُ فِى الۡخَـلۡقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ①

ہیں، وہ جو چاہے (اپنی) مخلوق میں زیادہ کرتا ہے، بلاشبہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ①

تفسیر آیت:1

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ کا کیا مفہوم ہے حتی کہ میرے پاس دو دیہاتی آئے جن کا ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا تھا، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ أَنَا فَطَرْتُهَا یعنی میں نے اسے شروع کیا تھا۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ کے معنی ہیں: آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔[2] ضحاک کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ کے الفاظ آئے ہیں، وہ آسمانوں اور زمین کے خالق کے معنی میں ہیں۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ جَاعِلِ الۡمَلٰٓـئِكَةِ رُسُلًا ﴾ ''(وہ) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے۔'' یعنی اپنے اور اپنے انبیاء کے درمیان۔ ﴿ اُولِىۡۤ اَجۡنِحَةٍ ﴾ ''پروں والے۔'' جن کے ساتھ وہ اڑتے ہیں تاکہ وہاں وہ جلد پہنچ جائیں، جہاں پہنچنے کا انھیں حکم دیا گیا ہوتا ہے۔ ﴿ مَّثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ ﴾ ''دو دو اور تین تین اور چار چار۔'' یعنی ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے دو دو پر ہیں، کچھ ایسے جن کے تین تین اور کچھ ایسے جن کے چار چار پر ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے ان سے بھی زیادہ پر ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔[4] اور ہر دو پروں کے مابین اس طرح فاصلہ ہے جس طرح مشرق و مغرب میں

① تفسير القرطبي :319/14 وتفسير الطبري :211/7. ② تفسير ابن أبي حاتم :3170/10. ③ تفسير ابن أبي حاتم : 3170/10. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى ۚ ﴾ (النجم 9:53)، حديث: 4856 وصحيح مسلم، الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: ﴿ وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰى ۙ ﴾ (النجم 13:53)، حديث: 174 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

اللہ لوگوں کے لیے (اپنی) رحمت سے جو کھول دے تو کوئی اسے بند کرنے والا نہیں، اور جسے وہ بند کر دے تو اس کے بعد کوئی اسے بھیجنے (کھولنے) والا نہیں،

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

اور وہ غالب، خوب حکمت والا ہے②

ہے۔① اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① ﴾ ''وہ (اپنی) مخلوقات میں جو چاہتا ہے، بڑھاتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' سدی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جس قدر چاہتا ہے، پروں میں اضافہ فرما دیتا ہے۔②

تفسیر آیت:2

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کوئی روکنے والا نہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ جو چاہے صرف وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا، وہ جو عطا فرمائے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے روک لے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے وَرّاد مولیٰ مغیرہ بن شعبہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا ہو وہ مجھے لکھ کر بھیج دیں، حضرت مغیرہ نے مجھے بلایا اور یہ لکھوایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ آپ نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ! لَامَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ] ''اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں، اس کا (سارا) ملک ہے اور اسی کی (سب) تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو تو عطا فرمائے، اس کو کوئی منع کرنے والا نہیں اور جو تو نہ دے، اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت (تیری گرفت سے) نہیں بچا سکتی۔'' اور میں نے یہ بھی سنا کہ آپ نے فضول گفتگو، کثرتِ سوال، مال کے ضائع کرنے، بچیوں کے زندہ درگور کرنے، ماؤں کی نافرمانی کرنے اور (کسی کا حق) روکنے اور (ناحق) مانگنے سے منع فرمایا ہے۔③ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی مختلف طرق سے روایت کیا ہے۔④

اور صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ کلمات پڑھا کرتے تھے: [(سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ !)، رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ (السَّمَآءِ) وَمِلْءَ الْأَرْضِ، وَمِلْءَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، أَحَقُّ مَاقَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ، اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ

① مسند أحمد :407/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم :3170/10. ③ مسند أحمد :251,250/4 یاد رہے یہاں یہ الفاظ دو علیحدہ علیحدہ سندوں سے بیان ہوئے ہیں۔ ④ صحیح البخاري، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب مایکره من کثرة السؤال......، حدیث:7292 وصحیح مسلم، المساجد......، باب استحباب الذکر......، حدیث:(138)-593 والأقضیة، باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة، حدیث:593 بعد الحدیث:(11)-1715.

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ

اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دے؟ اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں،

وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟③

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو تحقیق آپ سے پہلے (بھی) کئی رسول جھٹلائے گئے ہیں، اور سب امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں④ اے لوگو!

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، چنانچہ تمھیں دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے، اور تمھیں بڑا دھوکے باز (شیطان بھی) اللہ کے بارے میں دھوکے میں نہ

لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ ۭ

ڈالے⑤ بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے، لہٰذا تم اسے دشمن ہی جانو، بس وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنم والوں میں سے ہو جائیں⑥

لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ] ''اللہ نے اس شخص کی (تعریف) سن لی (اور قبول کر لی) جس نے اس کی تعریف کی، اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے آسمان اور زمین کو بھر دینے کے بقدر اور (ان کے بعد) ہر اس چیز کے بھر دینے کے بقدر جس کو تو (بھرنا) چاہے، حمد وثنا اور بزرگی کے مالک، جو کسی بندے نے (حمد بیان کرتے ہوئے) کہا تو اس سے زیادہ کا مستحق ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں، اے اللہ! جو تو عطا فرمائے، اسے کوئی منع کرنے والا نہیں اور جو تو منع فرمادے، اسے کوئی دینے والا نہیں اور (تیرے عذاب وگرفت سے) کسی دولت مند کو اس کی دولت نہیں بچا سکتی۔''① یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ ﴾ (یونس 10:107) ''اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے، تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔'' اس آیت کریمہ کی نظیر اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

تفسیر آیت: 3

توحید کی دلیل: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توحید عبادت کے استدلال کی طرف راہنمائی فرمائی ہے کہ جس طرح پیدا فرمانا اور رزق دینا اسی کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح عبادت بھی صرف اسی کی ذات گرامی کی ہونی چاہیے اور بتوں اور شریکوں میں سے کسی کو اس کا ساجھی نہیں بنانا چاہیے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔'' یعنی اس بیان اور اس واضح برہان کے بعد تم کہاں بہکے ہو اور تعجب ہے کہ اس کے بعد بھی تم شریکوں اور بتوں کی پوجا کرتے ہو! وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

① صحیح مسلم، الصلاة، باب مایقول إذا رفع رأسه من الركوع، حدیث: 477 . پہلی قوسین والے الفاظ دیکھیے اسی باب کے تحت حدیث: (202)-476، اور دوسری قوسین والا لفظ بھی حدیث: (204)-476 عن ابن أبی أوفی ﷺ میں ہے۔

تفسیر آیات:4-6

رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی کہ سابقہ انبیاء کی بھی تکذیب کی گئی تھی: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) اگر یہ مشرکین آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ انھیں جس توحید کی دعوت دیتے ہیں، یہ اس کی مخالفت کرتے ہیں تو سابقہ انبیائے کرام آپ کے لیے اسوہ ہیں، وہ بھی اپنی قوموں کے پاس دلائل اور براہین لے کر آئے تھے اور انھوں نے بھی اپنی اپنی قوموں کو توحید کا حکم دیا تھا مگر ان کی قوموں نے ان کی مخالفت اور تکذیب کی تھی ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ﴾ ''اور (سب) کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے'' اور ہم انھیں اس کی پوری پوری جزا دیں گے۔

قیامت آکر رہے گی: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ ''لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔'' یعنی آخرت ہر صورت میں برپا ہونے والی ہے، ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ ''تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' یعنی دنیا کی یہ زندگی جو اُس زندگی کے مقابلے میں بہت ہی گھٹیا ہے جو خیر عظیم پر مشتمل ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور اپنے رسولوں کے پیروکاروں کے لیے تیار فرما رکھا ہے، لہٰذا اس فانی دنیا کی دل فریبیوں میں کھو کر ابدی و سرمدی زندگی سے غافل نہ ہو جاؤ، ﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾ ''اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمھیں اللہ کے بارے میں فریب دے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس فریب دینے والے سے مراد شیطان ہے۔[1] یعنی شیطان تمھیں فتنے میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی اتباع اور اس کی باتوں کی تصدیق سے دور نہ ہٹا دے کیونکہ وہ بے حد دھوکے باز، جھوٹا اور افترا پرداز ہے، یہ آیت کریمہ سورۂ لقمان کی آخری سے پہلی اس آیت کی طرح ہے: ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾ (لقمٰن 33:31) ''پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمھیں اللہ کے بارے میں (کسی طرح کا) فریب دے۔''

اپنے ازلی دشمن کو پہچانیے! پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی ابن آدم سے عداوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾ ''بلاشبہ شیطان تمھارا دشمن ہے سو تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔'' یعنی وہ تمھارے ساتھ دشمنی رکھتا ہے تم بھی اسے اپنا شدید دشمن سمجھو اور اس کی ہر بات کی مخالفت اور تکذیب کرو کیونکہ وہ تمھیں دھوکا دینا چاہتا ہے۔ ﴿ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ ''وہ تو صرف اپنے (پیرووں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔'' یعنی اس کا مقصد تمھیں گمراہ کرنا ہے تاکہ اس کے ساتھ تم بھی دوزخ کے عذاب میں داخل ہو جاؤ، پس یہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے جو طاقت ور اور غالب ہے، یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شیطان کا دشمن بنا دے، کتاب اللہ کی اتباع کی توفیق عطا فرما دے اور اپنے رسول ﷺ کے نقش قدم پر چلا دے۔ وہ ہر چیز پر قادر اور دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمانے والا ہے، یہ آیت کریمہ حسبِ ذیل آیت کے مانند ہے: ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ

[1] تفسیر الطبری: 140/22.

اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے⑦ کیا

كَبِيۡرٌ ۧ ⑦ اَفَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِيۡ ع 1/7/13

پھر وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل پر کشش بنا دیا گیا، سو وہ اسے اچھا دیکھتا ہے (ہدایت یافتہ شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟) چنانچہ بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ

مَنۡ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ ⑧

کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، لہٰذا آپ کی جان ان پر افسوس کرتے ہوئے نہ جاتی رہے، یقیناً اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں⑧

وَاللّٰهُ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحۡيَيۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ

اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، وہ بادل اٹھاتی ہیں تو ہم اسے مردہ شہر کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے سے زمین کو

بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ ⑨ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا ؕ

اس کے مردہ (بنجر) ہو جانے کے بعد زندہ کرتے ہیں، اسی طرح (انسانوں کا) دوبارہ جی اٹھنا ہے⑨ جو شخص عزت چاہتا ہے، پس عزت تو ساری کی

اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَمۡكُرُوۡنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمۡ

ساری اللہ ہی کے لیے ہے، اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عمل صالح انھیں اوپر اٹھاتا ہے، اور جو لوگ بری چالیں چلتے ہیں ان کے لیے

عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَمَكۡرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوۡرُ ⑩ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ

سخت عذاب ہے، اور انھی لوگوں کی چال ہی برباد ہو کے رہے گی⑩ اور اللہ ہی نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر اس نے تمھیں جوڑے

جَعَلَكُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ

جوڑے بنایا، اور جو بھی مادہ حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی ہے اسے اس کا علم ہوتا ہے اور بڑی عمر والے کو عمر دی جاتی ہے یا اس کی عمر کم کی جاتی ہے (وہ) ایک

وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ⑪

کتاب (لوح محفوظ) میں (درج) ہے، بلاشبہ یہ (بات) اللہ پر نہایت آسان ہے⑪

بِئۡسَ لِلظّٰلِمِيۡنَ بَدَلًا ○﴾ (الکہف 50:18) ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا، اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہوگیا، پھر کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں اور شیطان کی دوستی ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔''

تفسیر آیات: 8,7

روز قیامت کافر اور مومن کا بدلہ: اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ ذکر فرمایا کہ شیطان کے پیروکاروں کا ٹھکانا دوزخ ہے، پھر یہ ذکر فرمایا کہ کافروں کے لیے شدید عذاب ہے کیونکہ انھوں نے شیطان کی اطاعت اور رب رحمان کی نافرمانی کی تھی اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ ﴾ ''اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لیے بخشش ہے'' ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کی ﴿ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ⑦ ﴾ ''اور بہت بڑا ثواب ہے'' ان کے اعمال صالحہ کا۔ ﴿ اَفَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ

﴿ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ﴾ ''پس بھلا جس شخص کو اس کے اعمالِ بد آراستہ کر کے دکھائے جائیں، پھر وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے؟'' جیسا کہ کفار و فجار کے اعمال تو برے ہیں مگر وہ گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں تو کیا جو شخص اس طرح ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر رکھا ہو تو اس کے لیے تمھارا کوئی حیلہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے؟ اس کے بارے میں کوئی حیلہ کارگر ثابت نہیں ہو سکتا۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''پھر بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' یعنی یہ سب کچھ اس کی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ ﴿ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ﴾ ''تو ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کا دم نکل نہ جائے۔'' یعنی آپ اس پر افسوس نہ کریں اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر میں حکیم ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے ہدایت عطا فرما دے کیونکہ یہ سب کچھ اس کی غالب حجت اور مکمل علم کے مطابق ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧ ﴾ ''یہ جو کچھ کرتے ہیں بلا شبہ اللہ اس سے واقف ہے۔''

تفسیر آیات: 9-11

مرنے کے بعد زندہ ہونے کی دلیل: اللہ تعالیٰ نے آخرت کے بارے میں زمین کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دینے سے بکثرت استدلال فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ حج کی ابتداء میں بندوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں کہ زمین مردہ اور بنجر ہوتی ہے، اس میں نباتات نہیں ہوتی، پھر جب اللہ تعالیٰ بادلوں کو بھیج کر ایسی زمین پر بارانِ رحمت نازل فرما دیتا ہے تو ﴿ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ ﴾ (الحج 5:22) ''وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ جب مردہ جسموں کو ان کی قبروں سے اٹھانا چاہے گا تو عرش کے نیچے سے ساری زمین پر بارش نازل فرمائے گا جس سے قبروں سے مردہ جسم اس طرح زندہ ہو کر اٹھیں گے جس طرح زمین میں دانہ اگتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: [كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَبْلٰى وَيَأْكُلُهُ التُّرَابُ، إِلَّا عَجَبَ الذَّنَبِ، مِنْهُ خُلِقَ وَفِيهِ يُرَكَّبُ] ''دمچی کے سوا ابن آدم کا سارا جسم بوسیدہ ہو جائے گا اور اسے مٹی کھا جائے گی، اسی سے اسے پیدا کیا گیا تھا اور اسی سے اس کے جسم کو دوبارہ جوڑا جائے گا۔''[1] اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨ ﴾ ''اسی طرح (مردوں کو جی) اٹھنا ہو گا۔'' ابورزین کی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا؟ اور مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَا مَرَرْتَ بِوَادِي أَهْلِكَ (مُمْحِلًا؟) قَالَ: بَلٰى! قَالَ: أَمَا مَرَرْتَ بِهٖ يَهْتَزُّ خَضِرًا؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلٰى! ...... قَالَ: فَكَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى] ''کیا تم کبھی اپنی قوم کی وادی کے پاس سے نہیں گزرے جو بنجر ہو چکی ہوتی ہے؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! (تو آپ نے) فرمایا: پھر جب تم (دوبارہ) اس کے پاس سے گزرتے ہو تو وہ سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: جی ہاں! ...... (تو رسول اللہ ﷺ نے)

---

① دیکھیے صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ...... ﴾ (النبا 18:78)، حدیث: 4935 وصحیح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب ما بین النفختین، حدیث: (142) - 2955 ومسند أحمد: 428/2 و اللفظ له عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

فرمایا: پس اسی طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو بھی زندہ فرما دے گا۔‘‘①

دنیا وآخرت میں عزت کے طلب گار کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعًا ؕ﴾ ’’جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت تو سب اللہ ہی کی ہے۔‘‘ یعنی جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ وہ دنیا وآخرت میں معزز ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو لازم پکڑنا چاہیے، اس سے اسے گوہر مقصود مل جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کا مالک ہے اور عزت ساری اسی کی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِیۡنَ یَتَّخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَہُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۳۹﴾ؕ﴾ (النسآء 139:4) ’’جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ تو عزت تو سب اللہ ہی کی ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَلَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُہُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ؕ﴾ (یونس 65:10) ’’اور آپ کو ان کی بات غمگین نہ کرے، بے شک عزت سب اللہ کے لیے ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَلِرَسُوۡلِہٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ (المنفقون 8:63) ’’اور (حالانکہ) عزت تو اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔‘‘ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ ﴾ ’’جو شخص عزت کا طلب گار ہے‘‘ بتوں کی عبادت کر کے، تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ عزت تو سب اللہ ہی کی ہے۔② امام قتادہ کہتے ہیں کہ جو شخص عزت کا طلب گار ہو تو وہ اس بات کو کبھی بھی فراموش نہ کرے کہ عزت تو سب اللہ ہی کی ہے، لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے عزت حاصل کرنی چاہیے۔③

عمل صالح اللہ تعالیٰ کی طرف بلند ہوتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ ﴾ ’’اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں۔‘‘ یعنی ذکر، تلاوت اور دعا جیسا کہ کئی ایک ائمۂ سلف نے فرمایا ہے۔ ابن جریر نے مُخارِق بن سُلَیم سے روایت کیا ہے کہ ہم سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ہم تم سے کوئی حدیث بیان کریں تو کتاب اللہ سے اس کی تصدیق بھی پیش کر دیں گے، جب کوئی مسلمان یہ کلمات کہتا ہے: سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ ’’اللہ پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ۔ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ بابرکت ہے۔‘‘ تو فرشتہ ان کلمات کو لے کر اپنے پر کے نیچے کر لیتا ہے، پھر انھیں لے کر آسمان کی طرف چڑھ جاتا ہے اور وہ جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ ان کلمات کے کہنے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں حتی کہ وہ کلمات کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے، پھر کتاب اللہ سے تصدیق کے طور پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ ؕ﴾ ’’اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتے ہیں۔‘‘④

① مسند أحمد: 11/4 حدیث ضعیف ہے۔ مزید دیکھیے کتاب السنة لابن أبی عاصم، ص: 299,298، حدیث: 639 اور قوسین والا لفظ بھی مسند أحمد: 11/4 میں حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک اور سند سے مروی ہے۔ ② تفسیر الطبری: 144,143/22. ③ تفسیر الطبری: 144/22. ④ تفسیر الطبری: 144/22.

امام احمد رحمہ اللہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلَّذِینَ یَذْکُرُونَ مِنْ جَلَالِ اللّٰہِ مِنْ تَسْبِیحِہٖ وَتَحْمِیدِہٖ وَتَکْبِیرِہٖ وَتَھْلِیلِہٖ یَتَعَاطَفْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ، لَھُنَّ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ یُذَکِّرْنَ بِصَاحِبِھِنَّ، أَلَا یُحِبُّ أَحَدُکُمْ أَنْ لَّا یَزَالَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ شَیْءٌ یُّذَکِّرُ بِہٖ؟] ''جولوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی وجہ سے اس کا ذکر کرتے ہوئے تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰہِ)، تکبیر (اَللّٰہُ أَکْبَرُ)، تحمید (اَلْحَمْدُلِلّٰہِ) اور تہلیل (لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ) پڑھتے ہیں تو یہ کلمات عرش الٰہی کا طواف کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کی آواز شہد کی مکھیوں کی آواز جیسی ہوتی ہے اور وہ ان کلمات کے کہنے والے کو بھی یاد کرتے ہیں تو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اللہ کے ہاں کوئی چیز اس کی یاد دلاتی رہے۔''① اور اسی طرح اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ ﴾ ''اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پاکیزہ کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کو ادا کرنا ہے تو جو شخص فرائض ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اٹھا لیتا اور اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر تو کرے مگر فرائض ادا نہ کرے تو اس کے کلام کو اس کے عمل کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور وہی اس کا زیادہ مستحق ہوگا۔③

﴿ وَالَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ ﴾ ''اور جو لوگ برے برے مکر کرتے ہیں۔'' مجاہد، سعید بن جبیر اور شہر بن حوشب کا قول ہے کہ ان سے مراد اعمال میں ریاکاری کرنے والے ہیں۔④ یعنی وہ لوگوں کے ساتھ مکر کرتے ہوئے یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان سے سخت نفرت ہے کیونکہ وہ تو ریاکاری کے لیے عمل کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ ھُوَ یَبُوْرُ ⑩ ﴾ ''ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر تباہ و برباد ہو جائے گا۔'' یعنی ان کا مکر فاسد اور باطل ہو جائے گا اور اہل عقل و بصیرت کے لیے عنقریب ان کی ملمع سازی ظاہر ہو جائے گی کیونکہ جو شخص کسی بھی بات کو چھپائے، اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے کے نشانات اور زبان کی ہفوات سے ظاہر فرما دیتا ہے، اور جو شخص کسی بھی بات کو چھپائے، اللہ تعالیٰ اس کی چادر اسے پہنا دے گا، اگر اچھی بات ہوئی تو اچھی چادر اور اگر بری بات ہوئی تو بری چادر، ریاکاری کا معاملہ کسی بے وقوف شخص ہی سے مخفی رہ سکتا ہے، صاحب فراست مومنوں سے کبھی بھی مخفی نہیں رہ سکتا بلکہ عنقریب واضح ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو عالم الغیب ہے، اس سے کوئی خفیہ معاملہ مخفی رہ ہی نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ خالق اور علام الغیوب ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ﴾ ''اور اللہ ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے۔'' یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے فرمائی، پھر اس کی نسل خلاصے سے، یعنی حقیر پانی سے پیدا کی ﴿ ثُمَّ جَعَلَکُمْ اَزْوَاجًا ؕ ﴾ ''پھر تم کو جوڑا جوڑا بنا دیا۔'' یعنی اس نے تم کو مرد اور عورت بنا دیا

① مسند أحمد: 268/4. ② سنن ابن ماجہ، الأدب، باب فضل التسبیح، حدیث: 3809. ③ تفسیر الطبري: 145/22. ④ تفسیر الطبري: 146/22.

اور اپنے لطف ورحمت سے تمھاری ہی جنس سے تمھارے لیے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ ﴿ وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ ﴾ ''اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ (بچہ) جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔'' یہ سب کچھ اس کے علم میں ہوتا ہے اور اس سے کوئی چیز بھی تو مخفی نہیں بلکہ ﴿ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ○ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اور اس بارے میں گفتگو قبل ازیں حسب ذیل آیت کریمہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے: ﴿ اَللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَمَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ ؕ وَکُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ ○ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡکَبِیۡرُ الۡمُتَعَالِ ○ ﴾ (الرعد 9,8:13) ''اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ (اپنے پیٹ میں) اٹھائے پھرتی ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف ہے) اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے، وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، (سب سے) بزرگ (اور) عالی مرتبہ ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ ؕ ﴾ ''اور نہ کسی عمر پانے والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔'' یعنی بعض نطفوں کو جو طویل عمر عطا کی جاتی ہے، وہ اس کے علم میں اور اس کے پاس تقدیر میں لکھی ہوتی ہے۔ ﴿ وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ ﴾ ''ہ'' ضمیر جنس کی طرف عائد ہے نہ کہ اس شخص کی طرف جس کو (طویل) عمر دی گئی ہے کیونکہ طویل عمر (جس کو عطا کی جائے وہ) اللہ کی کتاب اور اس کے علم میں ہے، وہ عمر کم نہیں کی جاتی۔ اس آیت کریمہ کے بارے میں بطریق عوفی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس شخص کے لیے بھی طویل عمر اور درازی حیات کا فیصلہ کر دیا گیا ہو تو وہ اس عمر تک ضرور پہنچ کر رہتا ہے جس کا اس کے بارے میں فیصلہ کیا گیا ہوتا ہے اور جو فیصلہ کیا گیا ہوتا ہے، وہ اس سے زیادہ عمر نہیں پا سکتا اور جس کے لیے کم عمر اور کم زندگی کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ہے وہ جب اس عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا گویا اس کا ہر قسم کا معاملہ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے، یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ⑪ ﴾ ''اور نہ کسی عمر پانے والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔'' یعنی یہ سب کچھ اللہ کے پاس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔[2] ضحاک بن مُزاحم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ ﴿ وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ ﴾ کے معنی یہ ہیں: جو بھی اس کی عمر لکھ دی جاتی ہے اور ﴿ وَلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ پھر وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتی رہتی ہے۔ سال کے بعد ایک سال، مہینے کے بعد ایک مہینہ، جمعے کے بعد ایک جمعہ، دن کے بعد ایک دن اور گھنٹے کے بعد ایک گھنٹے کے حساب سے کم ہوتی رہتی ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس کتاب میں لکھا ہوا ہے، اسے ابن جریر نے ابو مالک سے نقل کیا ہے۔[3] سدی اور عطاء خراسانی کا بھی یہی مذہب ہے۔

---

① دیکھیے الرعد، آیات: 9,8 کے تحت عنوان: ''عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے'' ② تفسیر الطبری: 147,146/22. ③ تفسیر الطبری: 147/22 مختصرًا.

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ

اور دو دریا برابر نہیں، یہ (ایک) میٹھا خوب میٹھا پینے میں خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) کھارا سخت کڑوا ہے، اور ہر ایک میں سے تم تازہ

تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا

گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جنھیں تم پہنتے ہو، اور آپ اس (دریا) میں پانی کو پھاڑ کر چلنے والی کشتیاں دیکھیں گے،

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫

تاکہ تم اس (اللہ) کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو ⑫

امام نسائی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُّبْسَطَ (لَهٗ) فِي رِزْقِهٖ أَوْ يُنْسَأَ (لَهٗ) فِي أَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ] ”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق کو کشادہ کر دیا جائے اور اس کی عمر کو دراز کر دیا جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔“① اسے امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔② ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪ ﴾ ”بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔“ تمام مخلوق کے بارے میں یہ علم اور یہ تفصیل اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے کیونکہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور اس سے کوئی چیز بھی تو مخفی نہیں۔

تفسیر آیت:12

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے مختلف اشیاء کے پیدا فرمانے کے بارے میں اپنی عظیم الشان قدرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے دو دریا پیدا فرمائے ہیں جن میں سے ایک میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے اور اس سے مراد یہ چھوٹی بڑی نہریں ہیں جو حسب ضرورت ملکوں شہروں، آبادیوں، جنگلوں اور صحراؤں میں رواں دواں ہیں اور ان کا پانی میٹھا ہے جو پینے والوں کے لیے بڑا خوشگوار ہے۔ ﴿ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ ﴾ ”اور یہ (دوسرا) کھارا ہے سخت کڑوا۔“ اور اس سے مراد وہ سمندر ہے جو ساکن ہے اور جس میں بڑے بڑے بحری جہاز چلتے ہیں اور ان کا پانی نمکین، کھارا اور کڑوا ہوتا ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا ﴾ ”اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو۔“ یعنی مچھلی کا۔ ﴿ وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ ﴾ ”اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو۔“ جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55 : 23,22) ”ان دونوں (دریاؤں) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“

① السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ ...... ﴾ :438/6، حدیث: 1429، البتہ دونوں قوسوں والے الفاظ بخاری کے آمدہ حوالے میں ہیں۔ ② صحیح البخاری، البیوع، باب من أحب البسط فی الرزق، حدیث : 2067 و صحیح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم......، حدیث:2557 و سنن أبی داود، الزکاة، باب فی صلة الرحم، حدیث:1693.

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ

وہ رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے، ہر ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے، یہی اللہ

لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ

تمھارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اور جنھیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کی باریک جھلی جتنا بھی اختیار نہیں رکھتے⑬ اگر تم انھیں پکارو تو وہ

قِطْمِيْرٍ ⑬ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تمھاری پکار نہیں سنیں گے، اور اگر وہ سن بھی لیں تو وہ تمھیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمھارے (اس) شرک کا انکار کر دیں گے، اور

يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ⑭ ع — الربع 2، 7، 14

کوئی آپ کو خوب باخبر (اللہ) کے مانند خبر نہیں دے گا⑭

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ﴾ ''اور آپ اس (دریا) میں کشتیوں کو دیکھتے ہیں کہ (پانی کو) پھاڑتی چلی آتی ہیں'' اور وہ اسے اپنے اگلے حصے کے ساتھ پھاڑتی ہیں اور اس سے مراد کشتی کا وہ اگلا حصہ ہے جو پرندے کی چونچ جیسا ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہوا کشتیوں کو پھاڑ دیتی ہے اور وہ بڑی بڑی کشتیوں ہی کو پھاڑتی ہے۔① ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو'' ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک تجارت کی غرض سے کیے جانے والے سفروں کے ذریعے سے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫﴾ ''اور تاکہ تم شکر کرو۔'' یعنی تم اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ سمندر جیسی عظیم ترین مخلوق کو اس نے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے، تم جس طرح چاہو اس میں تصرف کر سکتے ہو، جس طرف ارادہ کرو اس میں جا سکتے ہو، اسے ذرہ بھر انکار کی مجال نہیں بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اس نے اپنی قدرت کے ساتھ تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے اور یہ سب کچھ اس کے فضل اور اس کی رحمت کا کرشمہ ہے۔

تفسیر آیات: 14,13

مشرکین کے معبود کسی چیز کے مالک نہیں: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت اور عظیم الشان سلطنت کی دلیل ہے کہ اس نے رات کو اس کے اندھیرے سمیت اور دن کو اس کی روشنی کے ساتھ مسخر کر رکھا ہے، دن کے طول میں سے کچھ حصہ لے کر رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے آہستہ آہستہ دن رات دونوں معتدل ہو جاتے ہیں، پھر رات سے کچھ حصہ لے کر دن میں داخل کر دیتا ہے جس سے دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور موسم سرما و گرما میں دونوں اسی طرح ایک دوسرے کو کاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ ''اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے۔'' یعنی تمام نجوم و کواکب، ستارے اور سیارے اور دیگر تمام اجرام فلکی اپنی روشنیوں سمیت مسخر ہیں اور یہ سب کے سب ایک معین مقدار کے ساتھ ایک طے شدہ اور تحریر شدہ رستے پر چل رہے ہیں اور یہ سب اندازے اس اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں جو غالب اور علم والا ہے۔

① صحیح البخاری، البیوع، باب التجارۃ فی البحر، قبل الحدیث: 2063.

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑮ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

اے لوگو! تم (سب) اللہ ہی کے محتاج ہو، اور اللہ ہی بالکل بے نیاز، قابل تعریف ہے⑮ اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے (فنا کردے) اور

وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑯ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ

(تمھاری جگہ) ایک نئی مخلوق لے آئے⑯ اور اللہ کے لیے یہ (بات) کچھ مشکل نہیں⑰ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے

وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ

گا، اور اگر کوئی بوجھ لدا شخص اپنا بوجھ اٹھانے کو بلائے گا تو اس (کے بوجھ میں) سے کچھ بھی اٹھایا نہ جائے گا اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہو، بس آپ تو

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ

انھی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں، اور جو پاک ہوا تو وہ اپنے ہی لیے پاک ہوتا ہے،

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱

اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے⑱

﴿ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ﴾ ''ہر ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے۔'' یعنی قیامت تک ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ﴾ ''یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے'' جس کے یہ سارے کام ہیں اور وہ رب عظیم ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو۔'' یعنی تمھارے تمام اصنام و انداد جن کو تم نے اپنے زعم میں ملائکہ مقربین کی صورتوں کے مطابق بنا رکھا ہے ﴿ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ⑬ ﴾ ''وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی تو مالک نہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، عکرمہ، عطاء، عطیہ عوفی، حسن، قتادہ اور دیگر کئی ائمہ نے فرمایا ہے کہ ﴿ قِطْمِيْرٍ ⑬ ﴾ کے معنی اس چھلکے کے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔[1] یعنی وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی آسمانوں اور زمین کی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ ﴾ ''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمھاری پکار نہ سنیں۔'' یعنی یہ معبودان باطلہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، یہ تمھاری پکار کو نہیں سن سکتے کیونکہ یہ جماد اور بے روح ہیں۔ ﴿ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ ﴾ ''اور اگر وہ سن بھی لیں تو وہ تمھیں جواب نہیں دے سکتے۔'' یعنی جو تم ان سے تقاضا کرتے ہو وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ ﴾ ''اور قیامت کے روز تمھارے شرک سے انکار کر دیں گے۔'' یعنی تم سے براءت کا اظہار کر دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 6,5:46) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے، جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتا؟ جبکہ وہ ان کی پکار سے غافل ہیں اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ

[1] تفسير الطبری : 150/22.

ضِـدًّا ﴿ (مریم 19:81,82) ''اوران لوگوں نے اللہ کے سوااور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و) مدد ہوں۔ ہرگز نہیں! وہ (معبودان باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اوران کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴾ ''اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔'' یعنی امور کے عواقب وانجام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرح تمھیں کوئی اور خبر نہیں دے سکے گا کیونکہ وہ تو ہر چیز سے باخبر ہے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اپنی ہی ذات پاک کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اسی نے ان امور کے بارے میں خبر دی ہے جو لامحالہ وقوع پذیر ہونے والے ہیں۔ [1]

تفسیر آیات:15-18

سب لوگ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی ذات پاک کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے جبکہ تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے سامنے عاجز ودر ماندہ ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ''لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو۔'' تم سب اپنی تمام حرکات وسکنات میں اس کے محتاج ہو جبکہ وہ ذات پاک تم سب سے بے نیاز ہے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾ ''اور اللہ ہی بے پروا، حمد (وثنا) کے لائق ہے۔'' یعنی صرف وہ وحدہ لاشریک ہی بے نیاز ہے اور اپنے تمام افعال، اقوال، تقدیر اور شریعت میں حمد وثنا کے لائق ہے ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ ''اگر چاہے تو تم کو لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے۔'' یعنی اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو نیست ونابود کر دے اور تمھارے سوا اور لوگوں کو لے آئے اور یہ اس کے لیے کوئی مشکل یا محال نہیں ہے ﴿ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴾ ''اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔''

قیامت کو ہر شخص اپنا بوجھ اٹھائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا (نفس) کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا ﴾ ''اور اگر کوئی بوجھ میں دبا ہوا (نفس) اپنا بوجھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے۔'' یعنی اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دب چکا ہو اور کسی کو بلائے کہ وہ اس کے گناہوں کا سارا یا کچھ بوجھ اٹھا لے ﴿ لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ ''تو اس (کے بوجھ) میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا اگرچہ وہ قرابت دار ہی ہو۔'' یعنی اگرچہ اس کا قریبی رشتہ دار ہو، خواہ وہ اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس وقت ہر ایک پر نفسا نفسی کی کیفیت طاری ہوگی۔

﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ''(اے پیغمبر!) آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز (بالالتزام) پڑھتے ہیں۔'' یعنی آپ جس پیغام کو لائے ہیں، اس سے وہ اہل بصیرت ودانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس نے انھیں جو حکم دیا ہے اسے پورا کرتے

[1] تفسیر الطبری : 151/22 .

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ⑲ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ⑳ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ㉑

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں (ہو سکتے) ⑲ اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی ⑳ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ ㉑ اور نہ زندے اور نہ مردے برابر

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ

ہو سکتے ہیں، بے شک اللہ جسے چاہے سنوا دیتا ہے، اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں ㉒ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ㉓

مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ㉒ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ㉓ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ

بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا

اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ㉔ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

(آیا) ہو ㉔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان لوگوں نے بھی تو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے ہوئے، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں

3 ع 12 15 بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ㉕ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ㉖

اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ㉕ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنھوں نے کفر کیا، پس (دیکھو) میرا عذاب کیسا (عبرتناک) تھا؟ ㉖

ہیں۔ ﴿ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ ﴾ ’’اور جو شخص پاک ہوتا ہے تو وہ اپنے ہی لیے پاک ہوتا ہے۔‘‘ یعنی جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی پہنچتا ہے۔ ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱ ﴾ ’’اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘ یعنی اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے اور وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا، اگر اچھا عمل کیا تو اچھا بدلہ اور اگر برا عمل کیا تو برا بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات: 19-26

مومن اور کافر برابر نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح یہ مختلف اور متضاد اشیاء برابر نہیں ہو سکتیں، مثلاً: نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے بلکہ دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے اور جس طرح اندھیرا اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح زندے اور مردے بھی برابر نہیں ہو سکتے، یہ مثال اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے لیے بیان فرمائی ہے کہ مومن اس طرح ہیں جیسے زندہ انسان ہوں اور کافر اس طرح ہیں جیسے مردہ انسان۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ ﴾ (الأنعام 6:122) ’’بھلا وہ شخص جو (پہلے) مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہو اور اس سے نکل ہی نہ سکے؟‘‘ اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ ﴾ (ھود 11:24) ’’دونوں فریقوں (کافر و مومن) کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور ایک دیکھتا اور سنتا، بھلا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟‘‘ مومن دیکھتا، سنتا اور دنیا و آخرت میں صراط مستقیم پر روشنی میں چلتا ہے حتی کہ وہ ایسے باغہائے بہشت میں پہنچ جائے گا جن میں گھنے سائے اور ٹھنڈے میٹھے چشمے ہوں گے جبکہ کافر اندھا، بہرا اور اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے کہ ان سے کبھی نکل نہ سکے گا بلکہ وہ دنیا و آخرت میں اپنی سرکشی و گمراہی میں حیران و ششدر

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس کے ذریعے سے ایسے پھل نکالے جن کے رنگ مختلف

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿27﴾ وَمِنَ النَّاسِ

ہیں، اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ گھاٹیاں ہیں، ان کے رنگ مختلف ہیں، اور بہت گہری سیاہ (بھی)﴿27﴾ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں

وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

اور چوپایوں میں سے بھی (ایسے ہیں کہ) ان کے رنگ مختلف ہیں، بس اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں، بلاشبہ اللہ

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿28﴾

نہایت غالب، بہت بخشنے والا ہے﴿28﴾

رہے گا حتی کہ وہ جہنم کی گرمی، دوزخ کی لپٹ، کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں پہنچ جائے گا جو نہ ٹھنڈا ہے اور نہ خوش نما۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ ''بلاشبہ اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے۔'' یعنی وہ دلیل کے سننے، اسے قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿22﴾ ﴾ ''اور تم ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے'' جس طرح مردے، یعنی کفار مرنے اور قبروں میں جانے کے بعد ہدایت اور اس کی طرف دعوت سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، اسی طرح ان مشرکین کے بارے میں، جن کے مقدر میں حقارت لکھ دی گئی ہے، آپ کا کوئی حیلہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ آپ انھیں ہدایت دے سکتے ہیں، ﴿ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿23﴾ ﴾ ''آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی آپ کے ذمے پہنچا دینا اور ڈرا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت عطا فرما دے۔

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' یعنی مومنوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور کافروں کے لیے ڈرانے والا، ﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿24﴾ ﴾ ''اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔'' یعنی انسانوں کی جتنی بھی امتیں گزری ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سب میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں اور اس طرح ان سب کے عذر دور کر دیے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ؀ ﴾ (الرعد 7:13) ''(اے محمد!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر ایک قوم کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو، تو ان میں سے بعض ایسے تھے جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔'' اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو جو

لوگ ان سے پہلے تھے تحقیق وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں، ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے۔'' نشانیوں سے مراد واضح معجزات اور قطعی دلائل ہیں، ﴿ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴾ ''اور صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر۔'' زبر سے مراد صحیفے اور کتاب منیر سے مراد واضح اور روشن کتابیں ہیں۔ ﴿ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا۔'' یعنی اس سب کچھ کے باوجود جب ان لوگوں نے پیغمبر کی تعلیمات کی تکذیب کی تو میں نے انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، ﴿ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴾ ''پھر (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا ہوا۔'' یعنی دیکھو کہ میں نے انھیں اپنے جس عذاب کی گرفت میں لیا تھا وہ کتنا زبردست، ہولناک اور خطرناک تھا! وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 28,27

اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ایک ہی چیز سے مختلف اور متنوع قسم کی اشیاء کو پیدا فرماتا ہے اور وہ چیز پانی ہے جسے وہ آسمان سے نازل فرماتا ہے اور وہ اس کے ساتھ پیلے، سرخ، سبز اور دیگر مختلف رنگوں کے پھل پیدا فرماتا ہے جیسا کہ ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک ہی پانی سے پیدا ہونے والے ان پھلوں کے رنگ، ذائقے اور خوشبوئیں ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں جیسا کہ ایک اور آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿ وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ (الرعد 4:13) ''اور زمین میں کئی طرح کے ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگوروں کے باغات اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت، بعض کی بہت سی شاخیں ہیں اور بعض کی اتنی نہیں ہوتیں، پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے اور ہم بعض پھلوں کو بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں اور اس میں سمجھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا ﴾ ''اور پہاڑوں میں طرح طرح کی سفید اور سرخ دھاریاں ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔'' یعنی اسی طرح اس نے پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے پیدا فرمائے ہیں جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان میں سے بعض سفید اور بعض سرخ ہیں اور بعض میں مختلف رنگوں کے قطعات ہیں ﴿ جُدَدٌ ﴾ جُدَّةٌ کی جمع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ جُدَدٌ ﴾ کے معنی دھاریاں ہیں۔ [1] ابو مالک، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ [2] اور بعض کالے سیاہ ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ ﴿ غَرَابِيْبُ ﴾ ان پہاڑوں کو کہتے ہیں جو لمبے اور سیاہ ہوں۔ [3] ابو مالک، عطاء خراسانی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ [4] ابن جریر کہتے ہیں کہ عرب جب کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا چاہیں کہ وہ کالی سیاہ ہے تو اس کے لیے وہ أَسْوَدُ غَرَابِيبُ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ [5]

---

[1] تفسیر روح المعانی: 280/12. [2] تفسیر الطبری: 157/22 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3180,3179/10. [3] الکشاف: 609/3. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 3180,3179/10 وتفسیر عبدالرزاق: 70/3، رقم: 2442. [5] تفسیر الطبری: 157/22.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ﴾ ”اور انسانوں اور جانوروں اور چوپاؤں کے بھی اسی طرح مختلف قسم کے رنگ ہیں۔“ یعنی اسی طرح انسانوں اور جانوروں کے بھی مختلف رنگ ہیں۔ دوابّ ان سب جانوروں کو کہتے ہیں جو اپنے پاؤں پر چلیں اور أنعام چوپاؤں کو کہتے ہیں یہ گویا خاص کے عام پر عطف کے باب سے ہے، مقصود یہ ہے کہ انسانوں، جانوروں اور چوپاؤں کے بھی مختلف رنگ ہیں، مثلاً: بَرۡبَرۡ (مراکش، الجزائر اور تیونس کے باشندے) حبشی (سوڈان کی ایک نسل) اور سسلی بے حد کالے ہیں، صقالبہ (روم / قسطنطنیہ کے شمالی پہاڑی علاقوں اور بلاد خزر (جنوبی روس) کے مغرب میں آباد قوم یوکرینی، رومانی، بلغاری اور سرب وغیرہ) اور رومی لوگ حد درجہ سفید ہیں۔ عرب ان دونوں کے بین بین ہیں جبکہ ہندوستان کے لوگ ان سے بھی کم سفید ہیں، اسی وجہ سے ایک اور آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَاَلۡوَانِكُمۡ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡعٰلِمِيۡنَ ۝ ﴾ (الروم 22:30) ”اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا بے شک اہل دانش کے لیے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔“ اسی طرح جانور اور چوپائے بھی مختلف رنگوں کے ہیں حتی کہ ایک جنس یا ایک نوع کے جانوروں کے رنگ بھی مختلف ہیں بلکہ بسا اوقات ایک ہی جانور میں بھی مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحۡسَنُ الۡخَالِقِينَ.

اسی لیے ان سب باتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ ﴾ ”اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔“ یعنی جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے قدر شناس علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ جس قدر اس عظیم وقدیر اور علیم ذات، جو صفاتِ کمال سے موصوف اور اسمائے حسنیٰ کے ساتھ منعوت ہے، کی معرفت حاصل ہوگی اور اس کے بارے میں زیادہ علم حاصل ہوگا، اسی قدر دل میں اس کی خشیت بھی زیادہ ہوگی۔

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے عالم وہ ہے جو اس کا کسی کو شریک نہ بنائے، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے، اس کی وصیت کو یاد رکھے اور اسے یقین ہو کہ وہ اپنے رب سے ملنے والا ہے جو اس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ خشیت سے مراد وہ جذبہ ہے جو تمھارے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتا ہے، اس چیز سے رغبت رکھے جس کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے اور اس چیز سے بے نیاز ہو جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہو، پھر امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ۝۲۸ ﴾ ”اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں، بے شک اللہ غالب، بڑا بخشنے والا ہے۔“ [2]

---

[1] تفسير الطبري :158/22 و تفسير ابن أبي حاتم :3180/10. [2] الدر المنثور :470/5 و تفسير ابن أبي حاتم :3180/10.

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ

وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿29﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط

ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہوگی (29) تاکہ وہ (اللہ) انھیں ان کے اجر پورے دے، اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے، بے شک

إِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿30﴾

وہ بہت بخشنے والا، نہایت قدر دان ہے (30)

وَالَّذِيْٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ط إِنَّ اللّٰهَ

اور (اے نبی!) ہم نے جو کتاب آپ کی طرف وحی کی وہی حق ہے، ان (کتب) کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہیں، بے شک اللہ اپنے

بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿31﴾

بندوں سے خوب باخبر، (انھیں) خوب دیکھنے والا ہے (31)

علماء کی تین قسمیں: سفیان ثوری نے ابوحیّان تیمی سے اور انھوں نے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں: (1) عالم باللہ بھی ہو اور عالم بامر اللہ بھی (2) عالم باللہ تو ہو مگر عالم بامر اللہ نہ ہو اور (3) عالم بامر اللہ تو ہو مگر عالم باللہ نہ ہو۔ عالم باللہ اور عالم بامر اللہ سے مراد وہ عالم ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور حدود و فرائض کو جانتا ہو، جو عالم باللہ تو ہو مگر عالم بامر اللہ نہ ہو تو اس سے مراد وہ ہے جو اللہ سے تو ڈرتا ہو مگر حدود و فرائض کو نہ جانتا ہو اور جو عالم بامر اللہ تو ہو مگر عالم باللہ نہ ہو تو اس سے مراد وہ عالم ہے جو حدود و فرائض کو تو جانتا ہو مگر اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتا ہو۔ [1]

تفسیر آیات: 30,29

مسلمان ہی آخرت کے تاجر ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں کے بارے میں فرمایا ہے جو اس کی کتاب کی تلاوت کرتے، اس پر ایمان رکھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے نماز قائم کرتے اور رات دن کے مشروع اوقات میں خفیہ اور علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں ﴿ يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿29﴾ ﴾ ''وہ اس تجارت (کے فائدے) کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کے امیدوار ہیں جو انھیں یقیناً حاصل ہو کر رہے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط ﴾ ''تاکہ وہ (اللہ) انھیں ان کے پورے پورے اجر دے اور اپنے فضل سے انھیں زیادہ بھی دے۔'' یعنی ان کے عمل کا انھیں نہ صرف پورا پورا بدلہ دے گا بلکہ اس قدر زیادہ دے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ ﴿ إِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿30﴾ ﴾ ''یقیناً وہ تو بڑا بخشنے والا، نہایت قدر دان ہے۔'' یعنی ان کے گناہوں کو بخشنے والا اور ان کے تھوڑے عمل کا بھی قدر دان ہے۔

تفسیر آیت: 31

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 3180/10.

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض

وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِیۡرُ ﴿32﴾

ان میں میانہ رو ہیں، اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں، یہی بہت بڑا فضل ہے ﴿32﴾

قرآن مجید اللہ کی سچی کتاب ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ ﴾ ''اور وہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) جو قرآن ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے ﴿ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ ؕ ﴾ ''وہی حق ہے، ان کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں۔'' یعنی سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جیسا کہ سابقہ کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے، لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اللہ رب العالمین کی نازل کردہ ہے، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿31﴾ ﴾ ''بے شک اللہ اپنے بندوں سے خبردار (اور ان کو) دیکھنے والا ہے۔'' یعنی وہ ان کے بارے میں باخبر ہے کہ ان میں سے کون مستحق ہے کہ اسے دوسروں کی نسبت فضل وشرف سے نوازا جائے، اسی لیے اس نے انبیاء اور رسولوں کو تمام انسانوں پر فضیلت دی، نبیوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت دی اور ان میں سے بعض کے درجات کو بلند کر دیا، پھر اس نے محمد ﷺ کا مقام ومرتبہ سب سے بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ کر دیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَیۡهِمۡ أَجۡمَعِیۡنَ .

تفسیر آیت:32

قرآن مجید کے وارثوں کی تین قسمیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اس کتاب عظیم کو قائم کرنے والا ہم نے اس امت میں سے اپنے ان بندوں کو بنایا ہے جن کو ہم نے برگزیدہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں: ﴿ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ ﴾ ''تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں'' اور وہ بعض واجبات کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے اور بعض محرمات کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ ﴿ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ ﴾ ''اور کچھ ان میں سے میانہ رَو ہیں۔'' اور وہ واجبات کو ادا کرتے اور محرمات کو ترک کرتے ہیں لیکن بعض مستحبات کو بھی ترک کر دیتے اور بعض مکروہات کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ ﴿ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور کچھ ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں'' اور وہ واجبات کے ساتھ مستحبات کو بھی سرانجام دیتے ہیں اور نہ صرف محرمات ومکروہات بلکہ بعض مباحات کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اس سے امت محمدیہ کے لوگ مراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر اس کتاب کا وارث بنا دیا ہے جسے اس نے نازل فرمایا تو ان میں سے جو ظالم ہے اسے بخش دیا جائے گا، میانہ رو سے آسان حساب لیا جائے گا اور سبقت کرنے والوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔[1] امام ابوالقاسم طبرانی

[1] تفسیر الطبری: 160/22 .

نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي] ''میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہوگی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے اور میانہ رو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف حضرت محمد ﷺ کی شفاعت کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔① کئی ایک ائمہ سلف سے مروی ہے کہ اس امت کے برگزیدہ لوگوں میں سے ظالم وہ ہیں جن میں کچھ کجی اور کوتاہی ہوگی، کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ ان ظالموں کا تعلق اس امت سے نہیں اور نہ ان کا تعلق اس کتاب کا وارث بننے والے برگزیدہ لوگوں سے ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا تعلق بھی اس امت سے ہے۔

علماء کی فضیلت: علماء اس نعمت سے فیض یاب ہونے کے اعتبار سے سب سے زیادہ قابل رشک اور اس رحمت سے سرفراز کیے جانے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے قیس بن کثیر سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ مدینہ کا ایک شخص حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق آیا تو انھوں نے پوچھا: بھائی! یہاں کیسے تشریف لائے؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان فرماتے ہیں، انھوں نے پوچھا: آپ تجارت کے لیے تو نہیں آئے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، انھوں نے پوچھا: آپ کسی اور ضرورت سے تو نہیں آئے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، انھوں نے پھر پوچھا: آپ صرف اس حدیث کے لیے آئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

[مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَّطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا، سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِّطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّهُ لَيَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، (وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ) لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ]

''جو شخص طلب علم کے لیے کسی رستے پر چلا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے رستے پر چلا دے گا اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے (اس کے قدموں کے نیچے) اپنے پر بچھاتے ہیں اور بلاشبہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے حتی کہ پانی میں مچھلیاں عالم کی مغفرت کے لیے دعا کرتی ہیں، عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے، بے شک علماء ہی انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور بے شک انبیاء نے دینار یا درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ انھوں نے علم کا وارث بنایا ہے، پس جس نے اسے لے لیا، اس نے وافر حصہ لے لیا۔''② اسے امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ

---

① المعجم الكبير للطبراني :189/11، حديث: 11454 مزید دیکھیے سنن أبي داود، السنة، باب في الشفاعة، حديث: 4739 و جامع الترمذي، صفة القيامة......، باب منه [حديث شفاعتي......]، حديث: 2435 عن أنس رضی اللہ عنہ مختصرًا. ② مسند أحمد: 196/5 جبکہ قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه......،

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿33﴾

ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، وہاں انھیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا﴿33﴾

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿34﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا

اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا، بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا، خوب قدر دان ہے﴿34﴾ جس نے

دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿35﴾

اپنے فضل سے ہمیں ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا، اس میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، اور اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی﴿35﴾

نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 33-35

علمائے ربانی فردوسِ بریں میں: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کے بارے میں فرمایا ہے جنھیں رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب کا وارث بنایا گیا کہ انھیں قیامت کے دن بہشت جاوداں کا ٹھکانا عطا کیا جائے گا، یعنی ایسے باغہائے بہشت کا جن میں وہ قیامت کے دن اس وقت داخل ہوں گے، جب وہ اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کے لیے آئیں گے، ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ﴾ ''وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔'' جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوَضُوءُ] ''مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔''[2] ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿33﴾﴾ ''اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔'' دنیا میں ریشم کو ان کے لیے ممنوع قرار دیا گیا تھا مگر آخرت میں ان کے لیے مباح ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ لَّبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ] ''جس نے دنیا میں ریشم پہنا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا۔''[3] آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: [هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ] ''یہ ان (کافروں) کے لیے دنیا میں اور تمھارے لیے آخرت میں ہے۔''[4] ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ﴾ ''اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم دور کیا۔'' قابلِ احتراز واجتناب چیز سے ڈرنے کو حزن کہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے ان تمام غموں اور فکروں کو دور کر دیا جن سے ہم ڈرتے اور خوف کھاتے تھے۔

« حدیث:2682 میں ہیں۔ یاد رہے مدینہ منورہ سے دمشق کا فاصلہ تقریباً 1300 کلومیٹر ہے۔ ① سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث:3641 وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه......، حديث:2682 وسنن ابن ماجه، السنة، باب فضل العلماء......، حديث: 223. ② صحيح مسلم، الطهارة، باب تبلغ الحلية......، حديث: 250. ③ صحيح البخاري، اللباس، باب لبس الحرير للرجال ......، حديث:5834 عن عمر رضي الله عنه وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم لبس الحرير......، حديث: 2074 عن أبي أمامة رضي الله عنه. ④ صحيح البخاري، اللباس، باب لبس الحرير للرجال......، حديث:5831 وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة......، حديث: 2067-(4).

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، ان کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے اس (جہنم) کا عذاب ہلکا کیا

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿36﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ

جائے گا، ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں﴿36﴾ اور وہ اس (جہنم) میں چلائیں گے (اور کہیں گے:) اے ہمارے رب! تو ہمیں (اس سے) نکال،

اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ

(اب) ہم نیک عمل کریں گے نہ کہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے، (اللہ فرمائے گا:) کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا

مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿37﴾ ع 4 ع 11 16

تو نصیحت حاصل کر لیتا؟ اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، اب تم (عذاب کا مزہ) چکھو، پس ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں﴿37﴾

جنت میں داخلہ رحمت الٰہی کا مرہون منت ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی اہل علم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کثیر گناہوں کو معاف فرما دے گا اور ان کی تھوڑی نیکیوں کی بھی قدر دانی فرمائے گا۔ ﴿ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ ﴾ ''جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا۔'' وہ کہیں گے کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہمیں یہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ورنہ ہمارے اعمال ایسے نہ تھے کہ ہم اس مقام کو حاصل کر سکتے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَنْ يُّدْخِلَ أَحَدًا (مِّنْكُمْ) عَمَلُهُ الْجَنَّةَ، قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِفَضْلٍ وَّرَحْمَةٍ] ''تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کر سکے گا، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ (کا عمل) بھی (آپ کو جنت میں داخل) نہیں (کر سکے گا؟) فرمایا: میں بھی نہیں، الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل کے ساتھ مجھے ڈھانپ لے۔''[1] ﴿ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿35﴾ ﴾ ''یہاں نہ تو ہمیں رنج پہنچے گا اور نہ ہمیں تکان ہی ہوگی۔'' یعنی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور تکان نہیں ہوگی۔ ﴿ نَصَبٌ ﴾ اور ﴿ لُغُوْبٌ ﴿35﴾ ﴾ میں سے ہر ایک تھکاوٹ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، دونوں کی نفی سے مقصود یہ ہے کہ اہل جنت کو نہ تو بدنوں کی تھکاوٹ محسوس ہوگی اور نہ روحوں کی۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. وہ چونکہ دنیا میں اپنے بدنوں کو اللہ کی عبادت میں تھکاتے تھے، اس لیے جنت میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ان سے تکلیف ساقط ہو جائے گی اور وہ دائمی اور ابدی راحت میں ہوں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ ﴾ (الحآقّة 69:24) ''جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو، اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔''

تفسیر آیات: 37،36

کافروں کی سزا اور جہنم میں ان کا حال: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند بندوں کا حال بیان فرمایا تو اب بدبخت

[1] صحیح البخاري، المرض، باب تمني المريض......، حديث: 5673، البتہ قوسین والا لفظ صحیح مسلم، صفات المنافقين......، باب لن يدخل أحد الجنة......، حديث: (75)-2816 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔

لوگوں کا حال بیان کرنا شروع کیا ہے: ﴿ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَهُمۡ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡهِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے، نہ ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ مر جائیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی ﴾ (الأعلى 87:13) ''وہاں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔'' صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا، فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ] ''وہ دوزخی جو دوزخ ہی کے رہنے والے ہوں گے تو بلاشبہ وہ اس میں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہ سکیں گے۔''[1] اور فرمایا: ﴿ وَنَادَوۡا یٰمٰلِکُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ مّٰکِثُوۡنَ ﴾ (الزخرف 43:77) ''اور پکاریں گے: اے مالک! آپ کا پروردگار ہمیں موت دے دے، وہ کہے گا: بے شک تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔'' اس حالت میں موت کو راحت سمجھیں گے لیکن انھیں کسی طرح بھی موت نہیں آئے گی۔

﴿ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡهِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا وَلَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمۡ مِّنۡ عَذَابِهَا ؕ ﴾ ''نہ ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ۚۖ لَا یُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَهُمۡ فِیۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ۚ ﴾ (الزخرف 43:74,75) ''بے شک گناہ گار ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے، جو ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِیۡرًا ﴾ (بنی إسرآء یل 17:97) ''جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لیے) اور بھڑکا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِیۡدَکُمۡ اِلَّا عَذَابًا ﴾ (النبا 78:30) ''سو (اب مزہ) چکھو، پس ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔''

پھر فرمایا: ﴿ کَذٰلِكَ نَجۡزِیۡ کُلَّ کَفُوۡرٍ ﴾ ''ہم ہر ایک ناشکرے کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' یعنی یہ بدلہ ہے ہر اس شخص کا جو اپنے رب کا ناشکرا اور حق کو جھٹلانے والا ہو۔ ﴿ وَهُمۡ یَصۡطَرِخُوۡنَ فِیۡهَا ۚ ﴾ ''اور وہ اس میں چلائیں گے۔'' یعنی بلند آواز سے چیخیں چلائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے: ﴿ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ؕ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کیا کریں گے، نہ کہ وہ جو ہم (پہلے) کرتے تھے۔'' یعنی وہ درخواست کریں گے کہ انھیں ایک بار پھر دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنے پہلے عملوں سے ہٹ کر عمل کریں اور اللہ رب ذوالجلال کو معلوم ہے کہ اگر وہ انھیں دنیا میں واپس بھیج دے تو یہ پھر وہی عمل کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا ہے اور یہ بالکل جھوٹے ہیں، لہٰذا وہ ان کے اس سوال کو پورا نہیں فرمائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کہیں گے: ﴿ هَلۡ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ۚ ﴾ (الشورٰی 42:44) ''کیا (دنیا میں) واپسی کا کوئی راستہ ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِکُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ کَفَرۡتُمۡ ۚ وَاِنۡ یُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ ﴾ (المؤمن 40:12) ''یہ اس لیے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا، تو تسلیم کر لیتے تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری درخواست کو قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ تم اس طرح کے تھے اور اگر تم دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیے جاؤ تو تم پھر وہی عمل کرنے لگو جن سے تمھیں منع کیا گیا تھا، اسی

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار، حديث : 185 عن أبي سعيد الخدري ﷺ.

لیے یہاں فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ﴾ ''کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا۔'' یعنی تم کیا دنیا میں اتنی عمر تک زندہ نہیں رہے کہ اگر تم حق کے ساتھ نفع حاصل کرنا چاہتے تو اس مدت عمر میں ضرور نفع حاصل کر لیتے۔

عذر بہانے ختم ہونے کی عمر: امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلٰی عَبْدٍ أَحْيَاهُ حَتّٰی بَلَغَ سِتِّينَ أَوْ سَبْعِينَ سَنَةً، لَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی إِلَيْهِ، لَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی إِلَيْهِ] ''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے عذر کو ختم کر دیا ہے، جسے زندگی عطا فرمائی حتی کہ وہ ساٹھ یا ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا، یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عذر کو ختم کر دیا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عذر کو ختم کر دیا ہے۔''① اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح اپنی صحیح کی کتاب الرقاق میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلٰی امْرِئٍ أَخَّرَ أَجَلَهٗ حَتّٰی بَلَّغَهٗ سِتِّينَ سَنَةً] ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے عذر کو ختم کر دیا ہے جس کی موت میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ اسے ساٹھ سال تک پہنچا دیا۔''② اور ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ عَمَّرَهُ اللّٰهُ سِتِّينَ سَنَةً، فَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ] ''اللہ تعالیٰ جس شخص کو ساٹھ سال عمر عطا فرما دے تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے اعتبار سے اس کے عذر کو ختم کر دیا۔''③ اور امام احمد نے بھی اسے روایت کیا جبکہ نسائی نے اسے کتاب الرقاق میں بیان کیا ہے۔④ جب ساٹھ سال وہ عمر ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے عذروں کو ختم اور ان کے بہانوں کو دور کر دیتا ہے تو یہی وجہ ہے کہ اس امت کے اکثر لوگوں کی عمر ساٹھ سال ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَی السَّبْعِينَ وَأَقَلُّهُمْ مَّنْ يَّجُوزُ ذٰلِكَ] ''میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوں گی اور اس سے تجاوز کرنے والے لوگ بہت کم ہوں گے۔''⑤ ترمذی اور ابن ماجہ دونوں نے اسے کتاب الزہد میں بیان کیا ہے۔⑥

﴿ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ﴾ ''اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ابو جعفر باقر، قتادہ اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اس ڈرانے والے سے مراد بڑھاپا ہے۔⑦ سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابن زید نے یہاں اس آیت کو بھی پڑھا: ﴿ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴾ (النجم 56:53) ''یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں۔''⑧ صحیح روایت کے مطابق قتادہ سے بھی یہی قول مروی

① مسند أحمد: 275/2. ② صحيح البخاري، الرقاق، باب من بلغ ستين سنة......، حديث: 6419. ③ تفسير الطبري: 170/22. ④ مسند أحمد: 417/2 واللفظ له، جبکہ نسائی میں یہ روایت نہیں ملی۔ ⑤ صحيح ابن حبان، الجنائز، فصل في أعمار هذه الأمة: 246/7، حديث: 2980. ⑥ جامع الترمذي، الدعوات، باب: [أعمار أمتي بين الستين......] حديث: 3550 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الأمل والأجل، حديث: 4236، البتہ یہ روایت ترمذی میں کتاب الزہد کے بجائے کتاب الدعوات میں ہے۔ ⑦ تفسير ابن أبي حاتم: 3185/10 وتفسير البغوي: 699/3. ⑧ تفسير الطبري: 171/22 وتفسير ابن أبي حاتم: 3185/10.

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿38﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

بلاشبہ اللہ آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں جانتا ہے، بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے﴿38﴾وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں جانشین

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

بنایا، پھر جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا، اور کافروں کو ان کا کفران کے رب کے ہاں ناراضی ہی میں زیادہ کرتا ہے، اور کافروں کو

اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿39﴾

ان کا کفر نقصان ہی میں زیادہ کرتا ہے﴿39﴾

ہے جیسا کہ شیبان نے ان سے روایت کیا ہے کہ عمر اور رسولوں کو ان کے خلاف بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔[1] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] اور بظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ○ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف 43:77,78) ''اور پکاریں گے: اے مالک! آپ کا پروردگار ہمیں موت دے دے، وہ کہے گا: بے شک تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے، البتہ تحقیق ہم تمھارے پاس حق لے کر پہنچے لیکن تم میں سے اکثر حق سے ناخوش ہوتے رہے۔'' یعنی رسولوں کی زبانی ہم نے تمھارے سامنے حق واضح کر دیا تھا مگر تم نے انکار اور مخالفت ہی کی روش کو اختیار کیے رکھا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:15) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور فرمایا: ﴿ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ○ ﴾ (الملك 67:8,9) ''جب بھی اس میں (ان کی) کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ضرور ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے (اسے) جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی، تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو۔'' ﴿ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿37﴾ ﴾ ''تو (اب مزے) چکھو پس ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' یعنی مدت عمل میں انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے اب آتش دوزخ کے مزے چکھو پس آج تمھارا کوئی حامی و ناصر نہیں ہے جو اس عذاب، اس سزا اور جہنم کی بیڑیوں سے تمھیں بچا سکے۔

تفسیر آیات: 39,38

اللہ تعالیٰ ہی زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، وہ دلوں کے بھیدوں اور ضمیروں کے اندرونی رازوں سے آگاہ ہے اور ہر انسان کو وہ اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلوں کا) جانشین بنایا۔'' یعنی

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 3185/10. [2] تفسیر الطبری: 171/22.

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ

آپ کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو اپنے جن شریکوں (معبودوں) کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ انھوں نے زمین سے کیا کچھ پیدا کیا ہے یا ان کا

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ

آسمانوں (کی پیدائش) میں کوئی حصہ ہے؟ یا ہم نے انھیں کوئی کتاب دی ہے تو وہ اس کی کسی واضح دلیل پر (قائم) ہیں؟ بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کو محض

بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿40﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ

پُرفریب وعدہ دیتے ہیں﴿40﴾ بلاشبہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے (کہیں) وہ دونوں (اپنی جگہ سے) ہٹ نہ جائیں، اور فی الواقع اگر وہ ہٹ

اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿41﴾

جائیں تو اس کے بعد انھیں کوئی بھی تھام نہیں سکے گا، بلاشبہ وہ بڑا حلم والا، بہت بخشنے والا ہے﴿41﴾

ایک قوم اپنے سے پہلی قوم اور ایک نسل اپنے سے پہلی نسل کی جانشین بنتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''اور تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے۔'' (النمل 62:27) ﴿ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ ﴾ ''تو جس نے کفر کیا اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے۔'' یعنی اس کا وبال اسی پر لوٹے گا، کسی اور پر نہیں۔ ﴿ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ ﴾ ''اور کافروں کے حق میں ان کے کفر سے پروردگار کے ہاں ناخوشی ہی بڑھتی ہے۔'' یعنی جیسے وہ کفر پر قائم رہتے ہیں، ایسے ہی ان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جیسے وہ کفر پر قائم رہتے ہیں، ایسے ہی وہ روز قیامت اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے خسارے کا سبب ہوں گے، جبکہ اس کے برعکس مومنوں میں سے جب کسی کی عمر طویل اور عمل صالح ہوتا ہے، ایسے ہی جنت میں اس کا درجہ و مرتبہ بلند اور اس کا اجر و ثواب زیادہ ہوتا ہے اور اللہ رب العالمین اس سے محبت فرماتا ہے۔

تفسیر آیات: 41,40

شریکوں کا عجز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ وہ مشرکوں سے یہ کہہ دیں: ﴿ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''بھلا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا، جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟'' یعنی بتوں اور شریکوں کو۔ ﴿ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ ﴾ ''مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے زمین سے کون سی چیز پیدا کی ہے یا (بتاؤ کہ) آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے۔'' یعنی وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں! ﴿ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ ﴾ ''یا ہم نے انھیں کوئی کتاب دی ہے، تو وہ اس کی سند رکھتے ہیں؟'' یعنی شرک اور کفر کی جو یہ باتیں کہتے ہیں کیا ہم نے اس کی ان پر کوئی کتاب نازل کی ہے؟ حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ﴿ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿40﴾ ﴾ یعنی ظالم جو ایک دوسرے کو وعدہ دیتے ہیں محض فریب ہے اور انھوں نے اس سلسلے میں اپنی خواہشات، آراء اور تمناؤں کی پیروی کی ہے جو سراسر فریب، باطل اور جھوٹ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عظیم قدرت کا ذکر فرمایا ہے جس کے ساتھ آسمان اور زمین قائم ہیں اور جس کے ساتھ

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ‌ۚ

اور انھوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ضرور ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے، پھر جب ان

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ ﴿42﴾ اسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّئِ‌ؕ

کے پاس ڈرانے والا آیا تو اس (کی آمد) نے ان کو (حق سے) نفرت ہی میں زیادہ کیا ﴿42﴾ زمین میں تکبر کرنے اور بری چال کی وجہ سے، اور بری چال اس

وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ‌ ؕ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ‌ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ

کے چلنے والے ہی کو گھیرتی ہے، پھر وہ پہلے لوگوں کے (بارے میں اللہ کے) طریقے کا انتظار ہی تو کرتے ہیں، چنانچہ آپ اللہ کا طریقہ بدلتا ہرگز نہ پائیں

اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿43﴾

گے، اور آپ اللہ کا طریقہ ٹلتا ہرگز نہ پائیں گے ﴿43﴾

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں قوت ماسکہ (تھام کر رکھنے کی قوت) پیدا فرمادی ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ ﴾ ''بلاشبہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل (نہ) جائیں۔'' یعنی اپنی اپنی جگہ سے ہل نہ جائیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ‌ ؕ ﴾ (الحج 65:22) ''اور وہ آسمان کو (اس طرح) تھامے رکھتا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر زمین پر نہیں گرسکتا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ‌ ؕ ﴾ (الروم 25:30) ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔'' ﴿ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ؕ ﴾ ''اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس (اللہ) کے بعد کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے۔'' یعنی اس کے سوا انھیں قائم ودائم رکھنے پر کوئی اور قادر نہیں ہے، اس کے باوجود بردبار اور بخشنے والا بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو کفر اور نافرمانی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو بردباری سے کام لیتے ہوئے انھیں مہلت دیے رکھتا ہے اور فوراً اپنی گرفت میں نہیں لیتا اور دوسروں کی پردہ پوشی کرتا اور انھیں معاف فرمادیتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿41﴾ ﴾ ''بے شک وہ بڑا بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔''

تفسیر آیات: 43,42

رسول کی آمد کے لیے کفار کی تمنا: اللہ تعالیٰ نے قریش اور عربوں کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے رسول کی بعثت سے قبل بہت سخت قسمیں کھا کر کہا تھا: ﴿ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ‌ۚ ﴾ ''البتہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو ضرور وہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے۔'' یعنی ان تمام امتوں سے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا۔ یہ ضحاک وغیرہ کا قول ہے۔[1] یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا ۖ وَاِنۡ كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۙ ○ اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهۡدٰى مِنۡهُمۡ‌ۚ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ‌ ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنۡهَا‌ ؕ ﴾ (الأنعام 157,156:6) ''(اور اس لیے اتاری ہے) تاکہ تم یوں (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتاب اتاری گئی تھی اور بے شک

---

[1] تفسیر الطبری: 125/8 عن السدی رحمہ اللہ۔

اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَكَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ

کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ وہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جوان سے پہلے تھے جبکہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے، اور اللہ (ایسا) نہیں کہ اسے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعۡجِزَهٗ مِنۡ شَىۡءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيۡمًا قَدِيۡرًا ﴿44﴾

کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں عاجز کر دے، بلاشبہ وہ خوب جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿44﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو اس وجہ سے پکڑتا جو انھوں

وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ وَّلٰـكِنۡ يُّؤَخِّرُهُمۡ اِلٰٓى

نے کمایا تو وہ اس (زمین) کی پشت پر چلنے والا کوئی جاندار نہ چھوڑتا، لیکن وہ انھیں ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے

ع 5 8 17 اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيۡرًا ﴿45﴾

گا (تو وہی انھیں سزا دے گا) یقیناً اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ﴿45﴾

ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے (معذور اور) بے خبر تھے یا (یہ نہ) کہو کہ بلاشبہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان (لوگوں) کی نسبت کہیں زیادہ سیدھے رستے پر ہوتے، تو تحقیق تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے، تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے؟" جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنۡ كَانُوۡا لَيَقُوۡلُوۡنَ ۙ لَوۡ اَنَّ عِنۡدَنَا ذِكۡرًا مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۙ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۞ فَكَفَرُوۡا بِهٖ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۞ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:167-170) "اور بے شک یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی نصیحت (کی کوئی کتاب) ہوتی تو ہم ضرور اللہ کے خالص بندے ہوتے، لیکن (اب) اس سے کفر کرتے ہیں سو عنقریب ان کو (اس کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا۔" اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ ﴾ "پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آیا۔" یعنی محمد ﷺ اس کتاب عظیم، یعنی قرآن مبین کے ساتھ جو ان پر نازل کیا گیا تو ﴿ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ﴿42﴾ ﴾ "اس نے ان کی (حق سے) نفرت میں اور اضافہ کر دیا۔" یعنی اس سے ان کے کفر میں اضافہ ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: ﴿ اسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ ﴾ "(انھوں نے) زمین میں غرور کرنا (اختیار کیا۔)" یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کی اتباع سے غرور کیا ﴿ وَمَكۡرَ السَّيِّیٴِ ؕ ﴾ "اور بری چال چلنا (اختیار کیا۔)" یعنی اللہ تعالیٰ کے رستے سے لوگوں کو روکنے میں بری چال چلے ﴿ وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّـئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ ﴾ "اور بری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے۔" یعنی اس کا وبال انھیں پر پڑے گا، دوسروں پر نہیں ﴿ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ ﴾ "سو نہیں وہ انتظار کرتے مگر (اللہ کے) طریقے کا (جو) پہلے لوگوں کے (بارے میں تھا۔)" یعنی اس سزا کے جو اللہ نے ان کو رسولوں کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے دی تھی، یہ منتظر ہیں۔ ﴿ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ ﴾ "پس آپ اللہ کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پائیں گے۔" یعنی اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں بلکہ وہ ہر تکذیب کرنے والے کے بارے میں جاری ہے۔ ﴿ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿43﴾ ﴾ "اور آپ اللہ کا طریقہ ہرگز نہ ٹلتا پائیں گے۔" یعنی ﴿ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ ﴾ (الرعد 11:13) "اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی (عذاب) کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ پھر نہیں سکتی" اللہ کے سوا کوئی اسے ان سے دور نہیں کر سکتا۔ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ.

تفسیر آیات: 45,44

انبیائے کرام کی تکذیب کے برے نتائج: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ان تکذیب کرنے والوں سے کہہ دیں جن کے پاس آپ پیغام الٰہی لے کر آئے ہیں کہ زمین میں چلو اور دیکھو کہ پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کس طرح تباہ و برباد کیا، اور اسی طرح کا عذاب ان کافروں کو ہوگا، ان کے مکان خالی ہو گئے ہیں، کمال قوت اور ساز و سامان کی کثرت کی صورت میں جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں، وہ ان سے محروم کر دیے گئے ہیں، اموال و اولاد کی کثرت ان کے کچھ کام نہ آئی اور نہ ان سے اللہ کے عذاب کو ٹال سکی کیونکہ اللہ تعالیٰ جب آسمانوں اور زمین میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اسے کوئی چیز اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے روک نہیں سکتی۔ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيۡمًا قَدِيۡرًا ﴾ ''بے شک وہ بڑا علم والا، نہایت قدرت والا ہے۔'' وہ تمام کائنات کا علم رکھتا ہے اور ساری کائنات پر اسے قدرت حاصل ہے۔

مواخذے میں تاخیر کی حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ ﴾ ''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا، تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔'' یعنی اگر وہ ان کو ان کے تمام گناہوں کے سبب پکڑنا چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگوں کو، ان کے جانوروں اور رزق کو تباہ کر دیتا۔ سعید بن جبیر اور سدی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بارش کے پانی سے محروم کر دیتا جس کی وجہ سے تمام جاندار چیزیں مر جاتیں۔[1] ﴿ وَلٰكِنۡ يُّؤَخِّرُهُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ﴾ ''لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیے جاتا ہے۔'' یعنی اس نے ان کو روز قیامت تک مہلت دے رکھی ہے، پھر اس دن وہ ان کا حساب لے گا اور ہر انسان کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں کو ثواب عطا فرمائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب دے گا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيۡرًا ﴾ ''پھر جب ان کا مقرر وعدہ آ گیا تو بے شک اللہ تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

سورۂ فاطر کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَ لِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ.

---

[1] دیکھیے تفسیر القرطبی: 361/14.

تفسیر سورۂ یٰسٓ

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ④

یٰسٓ ① قسم ہے قرآن حکیم کی ② بلاشبہ آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں ③ راہ راست پر ہیں ④ (یہ قرآن) نہایت غالب، خوب رحم کرنے والے (اللہ)

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥

کا اتارا ہوا ہے ⑤ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے، لہٰذا وہ (دین سے) غافل ہیں ⑥ بلاشبہ ان کی اکثریت پر (اللہ کا)

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦

قول ثابت ہو گیا ہے، چنانچہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑦

تفسیر آیات:1-7

رسول اللہ ﷺ ہادیٔ اعظم: حروف مقطعات کے بارے میں قبل ازیں سورۂ بقرہ کی ابتدا میں بحث گزر چکی ہے۔ ﴿ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② ﴾ ’’حکمت والے قرآن کی قسم ہے!‘‘، یعنی اس قرآن محکم کی قسم! جس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے ﴿ اِنَّكَ ﴾ ’’بے شک آپ‘‘ اے محمد ﷺ! ﴿ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ④ ﴾ ’’پیغمبروں میں سے ہیں، سیدھے رستے پر۔‘‘، یعنی سیدھے رستے، دین اور شریعتِ مستقیم پر ہیں، ﴿ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤ ﴾ ’’یہ (سب پر) بڑے غالب، نہایت مہربان کا نازل کیا ہوا ہے۔‘‘، یعنی یہ رستہ، طریقہ اور دین جسے آپ لائے ہیں اللہ رب العالمین نے اپنے مومن بندوں کے لیے نازل فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ ﴾ (الشوریٰ 42: 53,52) ’’اور بے شک (اے محمد!) آپ سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس اللہ کے رستے کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے۔ خبردار (رہو!) سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں (اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔)‘‘

﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ ﴾ ’’تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا کو ڈرایا نہیں گیا تھا، پس وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘ ان سے مراد عرب ہیں کہ ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا اور یہاں اکیلے عربوں کا ذکر دوسروں کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ بعض افراد کا ذکر عموم کی نفی نہیں کیا کرتا، قبل ازیں آیت کریمہ: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ

بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں اور وہ (ان کی) ٹھوڑیوں تک ہیں، لہٰذا وہ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں⑧ اور ہم نے ان کے آگے

اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

ایک دیوار بنادی، اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار، پھر ہم نے ان (کی آنکھوں) کو ڈھانک دیا، لہٰذا وہ دیکھ نہیں سکتے⑨ اور ان پر برابر ہے، خواہ آپ

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ

انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے⑩ بس آپ تو صرف اس شخص کو ڈراتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بن دیکھے

بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا

ڈرے، لہٰذا آپ اسے مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیجیے⑪ بلاشبہ ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے، اور جو (اعمال) وہ آگے بھیج چکے انھیں، ہم

ع 1 12 18 وَاٰثَارَهُمْ ۗ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⑫

لکھ رہے ہیں اور ان کے آثار (نشاناتِ قدم) کو بھی، اور ہم نے ہر شے کو واضح کتاب میں محفوظ کر رکھا ہے⑫

النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الأعراف 7:158) ”(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) پیغمبر ہوں۔“ کی تفسیر میں ان آیات کریمہ اور احادیث متواترہ کا ذکر کیا جا چکا ہے جو آپ کی عالمگیر بعثت کے بارے میں ہیں۔① ﴿ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ ﴾ ”البتہ تحقیق ان میں سے اکثر پر (اللہ کی) بات ثابت ہو چکی ہے۔“ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے اکثر پر عذاب واجب ہو چکا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ام الکتاب میں ان کے بارے میں حتمی فیصلہ فرما دیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ ﴾ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے اور اس کے رسولوں کی تصدیق بھی نہیں کریں گے۔②

تفسیر آیات :8-12

بدبختوں کا حال: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بدبخت لوگ جن کے مقدر میں بدبختی لکھ دی گئی ہے ان کا ہدایت کی طرف پہنچنا ایسے ہے جیسے وہ شخص ہو جس کی گردن میں طوق ڈال دیا گیا ہو اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے باندھ دیا گیا ہو اور وہ سر کو اٹھائے تو اس کا سر اوپر کو اٹھا رہ جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ ﴾ ”تو وہ سر اوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں۔“ مقمح اسے کہتے ہیں جس نے اوپر کی طرف سر اٹھایا ہوا ہو، جیسا کہ ام زرع نے اپنی گفتگو میں کہا تھا: وَأَشْرَبُ فَأَتَقَمَّحُ یعنی میں پیتی ہوں تو سیر ہو جاتی ہوں اور سیر ہو کر فخر سے اپنے سر کو اٹھا لیتی ہوں۔③ اور ہاتھوں کے ذکر کے بجائے گردن میں طوق کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے گو یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما

① دیکھیے الأعراف، آیت: 158 کے ذیل میں عنوان: ”حضور سرور کائنات ﷺ کی عالمگیر نبوت“ ② تفسیر الطبری: 180/22.
③ صحیح البخاری، النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل، حدیث: 5189 و السنن الکبرٰی للنسائی، عشرة النساء، باب شکر المرأة لزوجها: 355,354/5، حدیث: 9138 عن عائشة رضی اللہ عنہا.

سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں، پس وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں، تو وہ سر اوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں۔'' اس آیت کی طرح ہے: ﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ ﴾ (بنيٓ إسرآء يل 17:29) ''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں گے وہ انھیں بھلائی کے لیے پھیلا نہیں سکیں گے۔ ① مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان کے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھے ہوئے ہوں گے اور وہ ہر خیر سے روک دیے گئے ہوں گے۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا ﴾ ''اور ہم نے ان کے آگے ایک آڑ بنادی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ ایسی آڑ جس نے انھیں حق سے روک رکھا ہے۔ ③ ﴿ وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا ﴾ ''اور ایک آڑ ان کے پیچھے بھی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس نے انھیں حق سے روک رکھا ہے اور وہ حیران و پریشان پھر رہے ہیں۔ ④ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ ⑤ ﴿ فَاَغْشَيْنٰهُمْ ﴾ ''پھر ہم نے انھیں ڈھانپ لیا ہے۔'' یعنی ہم نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا ہے تاکہ وہ حق کو دیکھ نہ سکیں۔ ﴿ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ ''تو یہ دیکھتے نہیں۔'' یعنی نہ خیر و بھلائی سے نفع حاصل کرسکتے ہیں اور نہ خیر و بھلائی کی ہدایت پاسکتے ہیں۔ ابن جریر نے کہا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اسے [فَأَعْشَيْنَاهُمْ] عین مہملہ کے ساتھ عَشَا سے مشتق پڑھا کرتے تھے جو آنکھ کی ایک بیماری ہے۔ ⑥ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیوار ان کے اور اسلام و ایمان کے درمیان بنائی ہے کہ وہ اسلام و ایمان تک پہنچ ہی نہیں سکتے، پھر انھوں نے یہ آیت: ﴿ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اور ان پر برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' پڑھی اور بعد میں یہ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:96،97) ''یقیناً جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پاچکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آجائے حتی کہ وہ عذاب الیم دیکھ لیں۔'' آیات پڑھیں، پھر فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ اسلام و ایمان سے روک دے اسے اس کی قبولیت کی استطاعت ہی نہیں ہوسکتی۔ ⑦ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ ابوجہل نے لاف زنی کی تھی کہ اگر میں محمد ﷺ کو دیکھ لوں تو یہ کروں، وہ کروں، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ لوگ کہتے: ابوجہل دیکھو! یہ محمد ﷺ ہیں تو وہ کہتا: وہ کہاں ہے، وہ کہاں ہے؟ وہ آپ کو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اسے ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے۔ ⑧

① تفسير الطبري: 181/22. ② تفسير الطبري: 181/22، 182. ③ تفسير الطبري: 182/22. ④ تفسير الطبري: 182/22. ⑤ تفسير الطبري: 182/22. ⑥ تفسير الطبري: 183/22. ⑦ تفسير الطبري: 182/22. ⑧ تفسير الطبري: 183/22.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ ''اور ان پر برابر ہے، خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر گمراہی کی مہر لگا دی ہے، لہٰذا ان کے لیے ڈرانا مفید نہیں اور نہ وہ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی نظیر سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔[1] اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ۝ ﴾ (یونس 10: 97,96) ''یقیناً جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے حتی کہ وہ عذاب الیم دیکھ لیں۔''

﴿ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ ﴾ ''بس آپ تو صرف اسی شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے۔'' یعنی آپ کی نصیحت سے وہ مومن ہی فائدہ اٹھائیں گے جو نصیحت، یعنی قرآن عظیم کی اتباع کرتے ہیں ﴿ وَخَشِيَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ ﴾ ''اور اللہ سے بن دیکھے ڈرے'' کہ جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا اور کوئی اسے دیکھتا نہ ہو اور اسے یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے مطلع اور اس کے فعل سے باخبر ہے، ﴿ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّاَجۡرٍ كَرِيۡمٍ ﴾ ''پس آپ اسے مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت سنا دیں۔'' یعنی گناہوں کی مغفرت اور بہت خوبصورت اور بے پایاں اجر و ثواب کی بشارت۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ۝ ﴾ (الملك 67:12) ''بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡيِ الۡمَوۡتٰى ﴾ ''بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے۔'' یعنی قیامت کے دن، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ان کفار کے دلوں کو زندہ فرما دے جو ضلالت و گمراہی کے باعث مردہ ہو چکے ہیں اور انھیں حق کی ہدایت عطا فرما دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کی سختی ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحۡيِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ ﴾ (الحديد 57:17) ''جان رکھو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، یقیناً ہم نے تمھارے لیے (اپنی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ ﴾ ''اور ہم لکھ رہے ہیں جو کچھ وہ آگے بھیج چکے اور ان کے آثار (نشانات قدم) کو بھی۔'' یعنی ہم ان کے اعمال کو بھی لکھ لیتے ہیں جو انھوں نے خود سرانجام دیے اور ان کے ان نشانات کو بھی جو انھوں نے اپنے بعد پیچھے چھوڑے، ہم انھیں ان کا بدلہ دیں گے، اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا بدلہ اور اگر برے ہوئے تو برا بدلہ جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَّمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ] ''جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسے

[1] دیکھیے البقرة، آیت: 6 کے ذیل میں۔

اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی جو اس کے بعد اسی کے مطابق عمل کریں گے لیکن عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اسے اس کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی جو اس کے بعد اس کے مطابق عمل کریں گے لیکن ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔'' امام مسلم نے اس حدیث کو جریر بن عبداللہ بَجَلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس سے متعلق خاندان مضر کے مفلس اور قلاش لوگوں کا واقعہ بھی ہے۔① اور امام ابن ابو حاتم نے بھی اس حدیث کو جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی سے مفصل واقعہ کے ساتھ روایت کیا ہے، پھر انھوں نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ﴾② اور امام مسلم نے اس حدیث کو ایک اور طریق سے بھی روایت کیا ہے۔③

اور اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْعِلْمٍ يُّنْتَفَعُ بِهِ، أَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَّدْعُولَهٗ] ''جب انسان فوت ہوتا ہے تو تین کے سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں: (1) صدقہ جو اس کے بعد بھی جاری رہنے والا ہو (2) اور وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور (3) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔''④ اور سفیان ثوری نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ میں نے مجاہد سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ﴾ کے بارے میں سنا ہے کہ اس سے مراد وہ ضلالت ہے جس کا انھوں نے بعد میں آنے والوں کو وارث بنایا۔⑤

ابن ابو نجیح وغیرہ نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مَا قَدَّمُوْا ﴾ ''جو کچھ وہ آگے بھیج چکے'' سے مراد اعمال ہیں۔ ﴿ وَاٰثَارَهُمْ ﴾ ''اور ان کے آثار (نشانِ قدم) بھی۔'' یعنی ان کے قدموں کے نشانات۔⑥ حسن وقتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد ان کے قدموں کے نشانات ہیں۔⑦ اور امام قتادہ کہتے ہیں کہ اے ابن آدم! اگر اللہ تعالیٰ سے تیرا کوئی معاملہ مخفی ہوتا تو تیرے قدموں کے یہ نشانات مخفی ہوتے جنھیں ہوائیں مٹا دیتی ہیں۔⑧ لیکن ابن آدم کے ہر عمل اور اس کے نشان کو حتی کہ قدم کے نشان کو بھی محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اٹھا ہے یا اس کی نافرمانی میں، لہٰذا کوشش کرو کہ تمھارا نقش قدم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لکھا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسجد نبوی کے ارد گرد کے کچھ علاقے خالی ہوئے تو بنو سلمہ کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا: [إِنَّهٗ بَلَغَنِي أَنَّكُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَنْتَقِلُوا قُرْبَ الْمَسْجِدِ؟ قَالُوا: نَعَمْ، يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَدْ أَرَدْنَا ذٰلِكَ، فَقَالَ: يَا بَنِي سَلِمَةَ!

① صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة......، حديث: 1017. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3191,3190/10. ③ صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة......، حديث: (6800)15-1017، بعد الحديث: (14)-2673. ④ صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان......، حديث: 1631. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 3190/10 والدر المنثور: 489/5. ⑥ تفسير الطبري: 185,184/22. ⑦ تفسير الطبري: 186/22. ⑧ تفسير الطبري: 186/22.

دِيَارَكُمْ! تُكْتَبْ آثَارُكُمْ، دِيَارَكُمْ! تُكْتَبْ آثَارُكُمْ]''مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کر رہے ہو؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! ہمارا یہ ارادہ ہے۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنوسلمہ! تم اپنے گھروں میں ہی رہو، تمھارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں، تم اپنے گھروں ہی میں رہو، تمھارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔'' ① اسے امام مسلم نے بھی جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ②

اور امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں ایک شخص فوت ہوا تو نبی ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھایا اور فرمایا:[يَالَيْتَهُ! مَاتَ فِي غَيْرِ مَوْلِدِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ النَّاسِ: لِمَ؟ يَارَسُولَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا تُوُفِّيَ فِي غَيْرِ مَوْلِدِهِ، قِيسَ لَهُ مِنْ مَّوْلِدِهِ إِلٰى مُنْقَطَعِ أَثَرِهِ فِي الْجَنَّةِ]''اے کاش! یہ اپنی جائے پیدائش کے علاوہ کسی اور جگہ فوت ہوتا، ایک آدمی نے عرض کی: کیوں؟ اے اللہ کے رسول! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جب اپنی جائے پیدائش کے علاوہ کسی اور جگہ فوت ہوتا ہے تو جنت میں اس کی جائے پیدائش سے لے کر اس کے قدم کے آخری نشان تک کی جگہ کی پیائش کی جاتی ہے۔'' ③ اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ④

اور ابن جریر نے ثابت سے روایت کیا ہے کہ میں انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا میں نے تیز چلنا شروع کیا تو انھوں نے میرے ہاتھ کو پکڑ لیا، پھر ہم آہستہ چلے، پھر جب ہم نے نماز ادا کر لی تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا، میں نے تیز چلنا شروع کیا تو انھوں نے فرمایا: انس! تمھیں معلوم نہیں کہ قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔ ⑤ اس میں اور پہلے قول میں کوئی تضاد نہیں بلکہ اس میں بطریق اولیٰ تنبیہ و دلالت ہے کہ جب قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں تو خیر و شر کے وہ نشانات جن میں لوگوں کو نمونہ بنا لیا گیا ہو، بالاولیٰ لکھے جائیں گے۔وَاللّٰهُ أَعْلَم.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''اور ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن میں محفوظ کر رکھا ہے۔'' یعنی تمام کائنات کو کتاب مسطور اور لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔امام مبین سے یہاں ''ام الکتاب'' مراد ہے اور یہ مجاہد، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے۔ ⑥ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ﴾ (بنی إسرآء یل 71:17) میں بھی ''امام'' سے مراد ان کی کتاب اعمال ہے جو ان کے اچھے یا برے عملوں کی شاہد ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ (الزمر 69:39) ''اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ لائے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ

① مسند أحمد:333,332/3 . ② صحيح مسلم، المساجد......، باب فضل كثرة الخطا......، حديث:665 .
③ مسند أحمد:177/2 . ④ السنن الكبرى للنسائي، الجنائز، باب الموت بغير مولده:602/1، حديث:1958 و سنن النسائي، الجنائز، باب الموت بغير مولده، حديث:1833 و سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء فيمن مات غريبًا، حديث:1614 . ⑤ تفسير الطبري:185/22 . ⑥ تفسير الطبري:186/22 .

وقف لازم

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ⑬ اِذۡ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ

اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجیے جب ان کے پاس (اللہ کے) بھیجے ہوئے آئے⑬ جب ہم نے ان کی طرف دو (رسول) بھیجے تو انھوں

فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ⑭ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا

نے انھیں جھٹلایا، پھر ہم نے (انھیں) تیسرے کے ساتھ تقویت دی، تب انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے (رسول) ہیں⑭ وہ کہنے لگے: تم

وَمَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَيۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَكۡذِبُوۡنَ ⑮ قَالُوۡا رَبُّنَا يَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ

ہم جیسے بشر ہی تو ہو، اور رحمٰن نے (تم پر) کوئی چیز (بھی تو) نازل نہیں کی، تم تو نرا جھوٹ بولتے ہو⑮ انھوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمھاری

لَمُرۡسَلُوۡنَ ⑯ وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ⑰

ہی طرف بھیجے گئے ہیں⑯ اور ہمارے ذمے تو صرف کھول کر پہنچا دینا ہے⑰

اَحَدًا ○ ﴾ (الكهف 49:18) ''اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی تو آپ گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے، ہماری شامت! اس کتاب کو کیا ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو مگر اس نے اسے شمار کر رکھا ہے اور جو عمل انھوں نے کیے ہوں گے حاضر پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔''

تفسیر آیات: 13-17

اصحاب القریہ کی پیغمبروں کے ساتھ بدسلوکی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ ﴾ یعنی اے محمد (ﷺ!) اپنی قوم کے ان لوگوں سے جنھوں نے آپ کی تکذیب کی ہے بیان کیجیے: ﴿ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ⑬ ﴾ ''بستی والوں کی ایک مثال جب اس میں کئی رسول آئے۔'' ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ انھیں ابن عباس رضی اللہ عنہما، کعب احبار اور وہب بن منبہ کی روایات پہنچی ہیں کہ یہ انطاکیہ کا شہر تھا جس میں انطیخس بن انطیخس بن انطیخس (انتیوکس/Antiochus) نامی ایک بادشاہ رہتا تھا جو بتوں کی پوجا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسول بھیجے جن کے نام صادق، صدوق اور شلوم تھے مگر بادشاہ نے ان کی تکذیب کی۔ [1] بریدہ بن حُصَیب، عکرمہ، قتادہ اور زہری رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ یہ شہر انطاکیہ تھا۔ [2] مگر بعض ائمہ نے اس کے انطاکیہ ہونے میں اشکال کا اظہار کیا ہے جیسا کہ قصے کی تفصیل بیان کرنے کے بعد ہم ذکر کریں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذۡ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا ﴾ ''جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے تو انھوں نے انھیں جھٹلایا۔'' یعنی فوراً تکذیب کر دی۔ ﴿ فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ ﴾ ''پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی۔'' یعنی ہم نے ان کی

---

[1] تفسير الطبري: 187/22 طبری کے طبع شدہ نسخے میں ''صدوق، شلوم اور انطیخس'' کے بجائے ''مصدوق، سلوم اور انطیخس'' ہے جبکہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے دیگر نسخوں اور قرطبی وغیرہ میں ''صدوق، شلوم اور انطیخس'' ہی ہے۔ [2] تفسير الطبري: 186/22 تفسير ابن أبي حاتم: 3191/10.

تائید وحمایت کے لیے ایک تیسرے رسول کو بھیج دیا۔ ابن جریج نے مصعب بن سلیمان سے اور انھوں نے شعیب جبائی سے روایت کیا ہے کہ پہلے دو رسولوں کا نام شمعون اور یوحنا تھا اور تیسرے کا نام بولص[1] تھا اور بستی کا نام انطاکیہ تھا۔ ﴿ فَقَالُوْٓا ﴾ ''تو انھوں نے کہا'' ان بستی کے لوگوں سے: ﴿ اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ⑭ ﴾ ''بلاشبہ ہم تمھاری طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجے گئے ہیں۔'' یعنی ہم تمھارے پروردگار اور خالق کی طرف سے پیغمبر ہیں اور اس نے تمھیں حکم دیا ہے کہ صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔[2] اور قتادہ بن دعامہ نے گمان کیا ہے کہ یہ اہل انطاکیہ کی طرف مسیح علیہ السلام کے قاصد تھے۔[3]

کیا رسول بشر نہیں ہو سکتے؟ ﴿ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ ''وہ بولے کہ تم (اور کچھ) نہیں ہو مگر ہماری طرح کے آدمی۔'' یعنی تمھاری طرف کیسے وحی کی گئی جبکہ تم تو آدمی ہو اور ہم بھی آدمی ہیں تو پھر ہماری طرف وحی کیوں نہ بھیجی گئی جس طرح تمھاری طرف بھیجی ہے؟ اگر تم پیغمبر ہوتے تو ضرور فرشتے ہوتے۔ تکذیب کرنے والی بہت سی امتوں نے اسی قسم کے شبہات پیش کیے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ان کی اس بات کی خبر دی ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ﴾ (التغابن 6:64) ''یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آتے تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمیں راہ دکھائیں گے۔'' یعنی انھوں نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (إبراهيم 10:14) ''وہ بولے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو، تمھارا یہ ارادہ ہے کہ جن چیزوں کو ہمارے بڑے پوجتے رہے ہیں، ان (کے پوجنے) سے ہمیں روک دو تو (اچھا) ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل لاؤ (معجزہ دکھاؤ۔)'' اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 34:23) ''اور البتہ اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو اس وقت تم البتہ گھاٹے میں پڑ گئے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 94:17) ''اور لوگوں کو نہیں منع کیا (اس سے) کہ وہ ایمان لائیں جب ان کے پاس ہدایت آ گئی مگر اس بات نے کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔'' اور اسی طرح ان لوگوں نے بھی کہا: ﴿ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ⑮ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ⑯ ﴾ ''کہ تم (اور کچھ) نہیں ہو مگر ہماری ہی طرح کے آدمی اور اللہ نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی، تم محض جھوٹ بولتے ہو، انھوں نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمھاری ہی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجے گئے ہیں۔'' یعنی تینوں رسولوں نے انھیں یہ جواب دیا کہ اللہ جانتا ہے کہ ہم اس کی طرف سے تمھاری طرف بھیجے ہوئے رسول ہیں اور اگر

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 3192/10، البتہ بعض ''بولص'' کے بجائے ''بولس'' سین کے ساتھ لکھتے ہیں جیسا کہ روح المعاني: 330/12 وغیرہ میں ہے۔ ② تفسير ابن أبي حاتم: 3191/10. ③ تفسير الطبري: 186/22.

قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ‌ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ

وہ کہنے لگے: ہم تو تمھیں منحوس خیال کرتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمھیں ضرور سنگسار کردیں گے اور تمھیں ہماری طرف سے ضرور دردناک

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ⑱ قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ‌ؕ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ‌ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ

سزا پہنچے گی⑱ انھوں نے کہا: تمھاری نحوست تو تمھارے ساتھ ہی ہے، کیا اگر تمھیں نصیحت کی جائے (تو یہ نحوست ہے؟ ہرگز نہیں!) بلکہ تم لوگ

قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ⑲

ہی حد سے بڑھنے والے ہو⑲

ہم جھوٹ بول رہے ہوں تو وہ ہم سے شدید ترین انتقام لے سکتا ہے لیکن ہم سچے رسول ہیں، اس لیے وہ ہمیں عزت عطا فرمائے گا اور تمھارے خلاف ہمیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا، پھر تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں اچھا انجام کس کا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ شَهِيۡدًا‌ۚ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَكَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ۝ ﴾ (العنکبوت 52:29) ''کہہ دیں کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے وہ جانتا ہے اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ سے انکار کیا، وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' ﴿ وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ⑰ ﴾ ''اور ہمارے ذمے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔'' یعنی ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم تم تک وہ پیغام پہنچا دیں جس کے ساتھ ہمیں تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، اگر تم اسے مان لو گے تو اس میں تمھاری دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی ہے اور اگر اسے نہیں مانو گے تو اس کے انجام کو بھی عنقریب جان لو گے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 19,18

انبیائے کرام علیہم السلام کو دھمکی دینا: یہ بات سن کر ان گاؤں والوں نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں سے کہا: ﴿ اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ‌ۚ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے تمھیں نامبارک خیال کیا ہے۔'' ہم نے اپنی زندگی میں تمھارے چہروں پر کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی، قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہمیں شر پہنچا تو وہ آپ کی وجہ سے ہوگا۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے جیسا آدمی جب بھی کسی بستی میں داخل ہوا تو اس کے باشندوں پر عذاب نازل ہو گیا۔ ﴿ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ ﴾ ''البتہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمھیں ضرور سنگسار کردیں گے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ ہم تمھیں پتھروں کے ساتھ سنگسار کردیں گے۔[2] ﴿ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ⑱ ﴾ ''اور البتہ تمھیں ہم سے ضرور دردناک سزا پہنچے گی۔'' یعنی ہم تمھیں شدید سزا دیں گے تو ان کے رسولوں نے انھیں جواب دیا: ﴿ طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ‌ؕ ﴾ ''تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہے۔'' یعنی تمھاری نحوست تم پر لوٹائی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ‌ۚ

① تفسیر الطبری: 188/22. ② تفسیر الطبری: 188/22.

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿20﴾ اتَّبِعُوْا

اور شہر کے پرلے سرے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم رسولوں کی پیروی کرو ﴿20﴾ تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی صلہ نہیں

مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿21﴾

مانگتے جبکہ وہ (خود) ہدایت یافتہ ہیں ﴿21﴾

﴿وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الأعراف 131:7) ’’پھر جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے: یہ ہمارے ہی لیے ہے اور اگر انھیں بدحالی آلیتی تو اسے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست ٹھہراتے خبردار! یقیناً ان کی نحوست تو اللہ کے ہاں ہے۔‘‘ قوم صالح نے کہا تھا: ﴿اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (النمل 47:27) ’’ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ صالح نے کہا: تمھاری نحوست تو اللہ کے پاس (اس کے اختیار میں) ہے۔‘‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (النسآء 78:4) ’’اور ان لوگوں کو اگر کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ (گزند) آپ کی وجہ سے ہے، کہہ دیں کہ (رنج و راحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے، پس کیا حال ہے ان لوگوں کا جو بات سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے!‘‘ ﴿اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿19﴾﴾ ’’کیا اگر تم نصیحت کیے جاؤ (تو یہ نحوست ہے؟) بلکہ تم لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہو۔‘‘ یعنی کیا اس وجہ سے کہ ہم نے تم کو نصیحت کی اور تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کرو، اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرو تو اس کے جواب میں تم نے ہمیں ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکیاں دینا شروع کر دیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم تمھیں اللہ کے بارے میں نصیحت کریں تو مزید تم ہمارے ساتھ بدشگونی پکڑتے ہو اور یہ اس لیے ہے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔ ①

تفسیر آیات: 21,20

حبیب نجار کی اپنی قوم کو دعوت: ابن اسحاق نے کہا ہے کہ انھیں ابن عباس رضی اللہ عنہما، کعب احبار اور وہب بن منبہ سے روایت پہنچی ہے کہ ان بستی والوں نے جب اپنے رسولوں کے قتل کا ارادہ کیا تو شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا تاکہ اپنی قوم کے خلاف ان کی مدد کرے، اس آدمی کا نام حبیب تھا، وہ ریشم کا کام کرتا تھا اور وہ جذام کے مرض میں مبتلا ایک مریض آدمی تھا لیکن صدقہ بہت کرتا تھا حتی کہ اپنی آدھی کمائی صدقہ کر دیا کرتا تھا اور وہ ایک سلیم الفطرت انسان تھا۔ ② اور شبیب بن بشر نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ یٰسٓ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ حبیب نجار تھا اور اسے اس کی قوم نے قتل کر دیا تھا۔ ③ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿20﴾﴾ ’’کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو۔‘‘ اس

① تفسير الطبري: 189/22. ② تفسير الطبري: 190/22. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 3192/10.

وَمَا لِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿22﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً

اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿22﴾ کیا میں اس (اللہ) کے

اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡـًٔا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿23﴾ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ

سوا (دوسروں کو) معبود بنالوں؟ اگر رحمٰن مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت میرے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے ﴿23﴾

ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿24﴾ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿25﴾

یقیناً میں اس وقت کھلی گمراہی میں ہوں گا ﴿24﴾ بلاشبہ میں تمھارے رب پر ایمان لایا ہوں، لہٰذا تم میری بات سنو ﴿25﴾

نے اپنی قوم کو ان پیغمبروں کی اتباع کی ترغیب دی جوان کے پاس آئے تھے۔ ﴿اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا﴾ ''ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے۔'' تبلیغ رسالت پر اور وہ جو تمھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں تو اس میں وہ راہ راست پر ہیں۔

تفسیر آیات: 22-25

﴿وَمَا لِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ﴾ ''اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔'' یعنی مجھے اس سے کون سی چیز منع کرتی ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ ﴿وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿22﴾﴾ ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن پھر وہ تمھیں تمھارے اعمال کا بدلہ دے گا، اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ ﴿ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً﴾ ''کیا میں اس کے سوا ایسے معبود بناؤں؟'' یہ استفہام انکاری ہے جو زجر و توبیخ کے لیے ہے۔ ﴿اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡـًٔا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿23﴾﴾ ''اگر رحمان میرے بارے میں نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکیں گے۔'' یعنی یہ معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، یہ کسی بھی چیز کے مالک نہیں، اگر اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کسی بھی برائی کا ارادہ فرمائے، ﴿فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ (الأنعام 6:17) ''تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں۔'' یہ بت کسی تکلیف یا برائی کو دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ یہ مجھے کسی تکلیف سے بچا سکتے ہیں ﴿اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿24﴾﴾ ''یقیناً تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہوگیا۔'' یعنی اگر میں نے اللہ کے سوا انھیں معبود بنالیا تو میں گمراہی میں مبتلا ہوگیا۔

اور فرمایا: ﴿اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿25﴾﴾ ''بے شک میں تمھارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں، تو میری بات سنو۔'' ابن اسحاق کو ابن عباس رضی اللہ عنہما، کعب اور وہب سے یہ روایت پہنچی کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمھارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں جس کے ساتھ تم کفر کر رہے ہو تو میری بات سنو۔[1] اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کا یہ خطاب رسولوں سے ہو

[1] تفسیر الطبری: 192/22.

قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِىۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿26﴾ بِمَا غَفَرَ لِىۡ رَبِّىۡ وَجَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿27﴾

کہا گیا: تو جنت میں داخل ہو جا، اس نے کہا: کاش! میری قوم جان لے ﴿26﴾ (یہ بات) کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور اس نے مجھے معزز لوگوں

وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ﴿28﴾ اِنۡ كَانَتۡ

میں (شامل) کر دیا ہے ﴿27﴾ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نازل نہیں کی اور نہ ہم نازل ہی کرنے والے تھے ﴿28﴾ وہ تو صرف

اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿29﴾

ایک (ہولناک) چیخ تھی، پھر یکا یک وہ سب بجھ کر رہ گئے ﴿29﴾

اور معنی یہ ہو کہ میں تمھارے اس پروردگار پر ایمان لایا ہوں جس نے تمھیں مبعوث فرمایا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے پاس میرے بارے میں اس کی گواہی دینا، ابن جریر نے اس قول کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نے اپنی اس بات کے ذریعے سے پیغمبروں کو مخاطب کیا اور ان سے کہا کہ میری بات سنو تا کہ تم اس کی میرے حق میں اللہ تعالیٰ کے پاس گواہی دے سکو اور وہ بات یہ ہے کہ میں تمھارے پروردگار کے ساتھ ایمان لایا ہوں اور میں نے تمھاری پیروی کو اختیار کر لیا ہے۔[1] ابن جریر کا بیان کردہ یہ قول معنی کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ.

ابن اسحاق نے اس روایت کے مطابق کہا ہے جو انھیں ابن عباس رضی اللہ عنہما، کعب اور وہب سے پہنچی ہے کہ جب اس نے یہ بات کی تو قوم کے سب لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے شہید کر دیا اور اس کا دفاع کرنے والا کوئی ایک شخص بھی نہ تھا۔[2] اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ قوم کے لوگوں نے اسے پتھروں کے ساتھ مارنا شروع کر دیا اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما دے، وہ جانتے نہیں ہیں۔ قوم کے لوگ اسے مسلسل پتھر مارتے رہے حتی کہ شہید کر دیا اور وہ آخر دم تک اسی طرح کہتا رہا۔[3] رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

تفسیر آیات: 26-29

کاش! میری قوم جان لے: محمد بن اسحاق نے اپنے بعض اصحاب سے اور انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اسے اپنے پاؤں تلے اس طرح کچلا کہ اس کی انتڑیاں دبر کے رستے سے خارج ہو گئیں۔[4] اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: ﴿ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ﴾ ''بہشت میں داخل ہو جا۔'' تو وہ بہشت میں داخل ہو گیا جس میں اسے رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے دنیا کی بیماری اور غم و فکر دور فرما دیا ہے۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ حبیب نجار سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا، اس لیے کہ وہ شہید ہوا اور اس کے لیے جنت واجب ہو گئی تھی، جب اس نے جنت میں اجر و ثواب دیکھا تو: ﴿قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِىۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿26﴾﴾ ''کہنے لگا: کاش! میری قوم جان لے۔''[5] اور قتادہ کہتے ہیں کہ مومن سے ہمدرد و خیر خواہ بن کر ہی ملاقات کرو،

---

[1] تفسیر الطبری: 192/22. [2] تفسیر الطبری: 193,192/22. [3] تفسیر الطبری: 192/22. [4] تفسیر الطبری: 193/22. [5] تفسیر الطبری: 194,193/22 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3193,3192/10.

اسے دھوکا دینے والے بن کر اس سے ملاقات نہ کرو۔ حبیب نجار نے جب اس اعزاز و اکرام کو دیکھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے سرفراز فرمایا تو ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ ﴾ ''کہنے لگا: کاش! میری قوم (اس کو) جان لے کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور اس نے مجھے عزت والوں میں سے کر دیا۔'' اللہ کی قسم! اس نے اس تمنا کا اظہار کیا کہ اے کاش! اس کی قوم بھی اسے جان لے جس اعزاز و اکرام سے اللہ تعالیٰ نے اسے سرفراز فرمایا اور اس پر نعمتوں کا ہجوم کر دیا۔ ① اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس نے زندگی میں اپنی قوم کی ہمدردی و خیر خواہی کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 20:36) اور فوت ہونے کے بعد کہا: ﴿ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ ﴾ اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

اور سفیان ثوری نے عاصم احول سے اور انھوں نے ابومجلز سے ﴿ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بخشا اور عزت والوں میں کیا ہے کہ میں اپنے رب پر ایمان لایا اور میں نے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔ ② بہر حال اس کا اس سے مقصود یہ تھا کہ اے کاش! اس کی قوم کے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس بے پایاں اجر و ثواب اور کن ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے تو یہ چیز انھیں رسولوں کی اتباع کی طرف کھینچ لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور اس سے خوش ہو جائے۔ وہ اپنی قوم کی ہدایت کا کس قدر خواہش مند تھا!

ابن ابوحاتم نے عبدالملک، یعنی ابن عمیر سے روایت کیا ہے کہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے اپنی قوم کی طرف بھیج دیں تاکہ میں انھیں اسلام کی دعوت دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَّقْتُلُوكَ] ''یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔'' انھوں نے عرض کی کہ (وہ میرا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ) اگر وہ مجھے سویا ہوا پائیں تو بیدار نہیں کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِنْطَلِقْ] ''چلے جاؤ۔'' تو وہ چلے گئے اور لات و عزّیٰ کے پاس سے گزرے تو کہنے لگے کہ کل ایسی صورت حال ہوگی جو تیرے لیے بہت بری ہوگی، اس سے ثقیف کے لوگ ناراض ہو گئے تو انھوں نے کہا کہ اے گروہ ثقیف! لات کوئی لات اور عزّیٰ کوئی عزّیٰ نہیں ہے، اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے، اے گروہ احلاف! عزّیٰ کوئی عزّیٰ اور لات کوئی لات نہیں، اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے، یہ بات انھوں نے تین بار کہی تو ایک شخص نے انھیں تیر مارا جو ان کے بازو کے درمیان ایک رگ میں لگا اور وہ شہید ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر جب معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: [هٰذَا مَثَلُهُ كَمَثَلِ صَاحِبِ يٰسٓ ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ ﴾] ''عروہ کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس کا سورۂ یٰسٓ میں ذکر ہے: ''اس نے کہا: کاش! میری قوم جان لے کہ اللہ نے مجھے بخش دیا اور اس نے مجھے عزت والوں میں سے کر دیا۔'' ③

---

① تفسیر الطبری: 193/22. ② تفسیر الطبری: 194/22. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 3191/10 والمستدرك

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ۝۲۸﴾ ”اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب اس کی قوم نے اسے شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہوتے ہوئے اس قوم سے انتقام لیا کیونکہ انھوں نے اس کے پیغمبروں کی تکذیب کی اور اس کے ایک ولی کو شہید کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے انھیں ہلاک کرنے کے لیے کوئی لشکر نازل نہ فرمایا اور نہ اسے انھیں ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کے نازل کرنے کی ضرورت ہی تھی بلکہ معاملہ اس سے زیادہ آسان تھا۔
ابن اسحاق نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت: ﴿وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ۝۲۸﴾ کے بارے میں فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں جماعتیں بھیج کر تباہ نہیں کیا کیونکہ ہمارے لیے انھیں تباہ کرنا بہت آسان تھا۔ ﴿اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ۝۲۹﴾ ”وہ تو صرف ایک چنگھاڑ ہی تو تھی سو وہ (اس سے) ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔“ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو اور اہل انطاکیہ کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ وہ صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔[1] ﴿وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ۝۲۸﴾ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم جب قوموں کو ہلاک کرتے ہیں تو ان پر فرشتے نازل نہیں کرتے بلکہ ان پر کوئی ایسا عذاب نازل کر دیتے ہیں جو ان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ﴿وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ہم نے ان کے لیے کوئی دوسرا پیغام نہیں بھیجا، یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ واللہ! اس کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کو ڈانٹا تک نہیں بلکہ ﴿اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ۝۲۹﴾ ”وہ تو صرف ایک چنگھاڑ ہی تو تھی سو وہ ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔“[3] ابن جریر کہتے ہیں کہ پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں کیونکہ رسالت کو جُند (لشکر) کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا۔[4]
مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جبریل علیہ السلام کو بھیجا تو انھوں نے ان کے شہر کے دروازے کی دونوں دہلیزوں کو پکڑ لیا، پھر ایک بہت خوفناک چیخ ماری جس سے وہ سب کے سب یک دم بجھ کر رہ گئے اور کسی ایک جسم میں بھی حرکت کرنے کے لیے روح باقی نہ تھی۔ بہت سے سلف کے حوالے سے یہ بات قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی[5] اور اس کی طرف آنے والے یہ تین شخص مسیح ابن مریم علیہما السلام کے بھیجے ہوئے تھے جیسا کہ امام قتادہ وغیرہ سے یہ بات صراحت کے ساتھ منقول ہے۔[6] لیکن ان کے سوا متاخر مفسرین میں سے کسی اور نے یہ بات ذکر نہیں کی اور یہ کئی وجوہ سے

» للحاکم، معرفة الصحابة، باب ذكر عروة بن مسعود الثقفي ﷺ:616,615/3، حديث: 6579 و المعجم الكبير للطبراني: 148,147/17، حديث: 374 یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیے السلسلة الضعيفة: 146,145/4، حدیث: 1642 البتہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَقْتُلُوكَ] سے .... بیدار نہیں کرتے“ تک کے الفاظ تفسير ابن أبي حاتم کے بجائے المستدرك اور المعجم الكبير کے مذکورہ حوالوں میں ہیں۔ ① تفسير الطبري: 4,3/23. ② تفسير الطبري: 4,3/23. ③ تفسیر الطبری: 3/23. ④ تفسیر الطبری: 4/23. ⑤ اسی سورت میں دیکھیے، آیات: 13-17 کے ذیل میں عنوان: ”اصحاب القریہ کی پیغمبروں کے ساتھ بدسلوکی“ ⑥ تفسير الطبري: 186/22.

ہے بھی محلِ نظر، مثلاً:

(أ) اس قصے سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین شخص اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، حضرت مسیح علیہ السلام کے قاصد نہیں تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ○ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ○ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:14-17) ''جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے (انھیں) تقویت دی تو انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے: تم ہم جیسے بشر ہی تو ہو، اور رحمٰن نے (تم پر) کوئی چیز (بھی تو) نہیں اتاری، تم تو نرا جھوٹ بولتے ہو۔ انھوں نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمھاری ہی طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔'' اگر یہ حواری ہوتے تو وہ ایسے مناسب الفاظ استعمال کرتے جن سے معلوم ہوتا کہ وہ مسیح علیہ السلام کے قاصد ہیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ. پھر اگر وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قاصد ہوتے تو ان کے بارے میں وہ لوگ یہ نہ کہتے: ﴿ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ ﴾ (یٰسٓ 36:15) ''تم اور کچھ نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی ہو۔''

(ب) اہل انطاکیہ مسیح علیہ السلام کے قاصدوں پر ایمان لے آئے تھے اور یہ پہلا شہر تھا جس کے باشندے مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، یہی وجہ ہے کہ انطاکیہ بھی ان چار شہروں میں سے ایک ہے جن میں عیسائیوں کے پوپ ہوتے ہیں اور وہ چار شہر ہیں: (1) قدس، کیونکہ یہ مسیح علیہ السلام کا شہر ہے۔ (2) انطاکیہ، کیونکہ وہ پہلا شہر ہے جس کے سارے باشندے مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ (3) اسکندریہ، کیونکہ اس شہر میں انھوں نے بتارِکہ، مطارنہ، اَساقِفہ، قَساوِسہ، شَمامِسہ اور رَہابین جیسے مذہبی رہنماؤں کے بارے میں فیصلہ کیا تھا، پھر (4) رومیہ، کیونکہ یہ اس شاہ قسطنطین کا شہر تھا جس نے دین عیسائیت کی بہت زیادہ نصرت واعانت کی تھی۔ اور جب اس نے قسطنطنیہ کا شہر آباد کیا تو انھوں نے پوپ کو رومیہ شہر سے یہاں منتقل کر دیا تھا جیسا کہ عیسائیت کی تاریخ پر لکھنے والے کئی اہل کتاب اور مسلمان مؤرخین نے لکھا ہے، مثلاً: سعید بن بطریق وغیرہ، لہٰذا جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انطاکیہ وہ پہلا شہر تھا جس کے لوگ مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے تو اس نبی کے لوگوں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے جب اس کے رسولوں کی تکذیب کی تو اس نے انھیں ایک ایسی چنگھاڑ کے ذریعے سے ہلاک کر دیا جس نے انھیں چشم زدن میں بجھا کر رکھ دیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

(ج) انطاکیہ کے لوگوں کا حواریوں، یعنی اصحاب مسیح علیہ السلام کے ساتھ قصہ نزول تورات کے بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور کئی ایک ائمۂ سلف نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نزول تورات کے بعد کسی قوم کو عذاب بھیج کر مکمل طور پر تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ مومنوں کو بھی مشرکوں سے جنگ کا حکم اس کے بعد دیا گیا تھا۔ بہت سے ائمۂ تفسیر نے حسب ذیل آیت کریمہ: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ﴾ (القصص 28:43) ''اور البتہ تحقیق ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔'' کے تحت اس کو بیان کیا ہے، اس تفصیل سے یہ بات

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿30﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا

ہائے افسوس بندوں پر! ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے ﴿30﴾ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے

ع 2 20 1 قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿31﴾ وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿32﴾ ع

کتنی امتیں ہلاک کردیں؟ بے شک وہ ان کے پاس نہیں لوٹیں گی ﴿31﴾ اور سارے کے سارے (لوگ) ہی ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے ﴿32﴾

واضح ہوگئی کہ قرآن مجید میں یہاں جس بستی کا ذکر ہے، یہ انطاکیہ کے علاوہ کوئی اور بستی تھی جیسا کہ کئی ایک ائمۂ سلف نے ذکر کیا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ اگر اس بستی کا نام بھی انطاکیہ ہی ہے تو وہ مشہور ومعروف انطاکیہ شہر کے علاوہ کوئی اور ہے کیونکہ یہ بات ثابت نہیں کہ عیسائیوں یا غیر عیسائیوں کی کسی انطاکیہ بستی کو تباہ کیا گیا ہو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:30-32

تکذیب کرنے والوں پر افسوس: علی بن ابوطلحہ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ﴾ کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ بندوں پر افسوس ہے۔ ① اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بندے اپنے نفسوں پر افسوس کریں گے کہ انھوں نے اللہ کے حکم کو ضائع کردیا اور اللہ کی جناب میں کوتاہی کی، بعض قراءتوں میں یہ بھی ہے: [یَا حَسْرَةَ الْعِبَادِ عَلٰى أَنْفُسِهَا] ② اس کے معنی یہ ہیں کہ بندے جب قیامت کے دن عذاب دیکھیں گے تو حسرت وندامت کا اظہار کریں گے کہ انھوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کیوں کی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کیوں کی۔ وہ دنیا میں اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرنے والے تھے ﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿30﴾﴾ ''ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔'' اس کی تکذیب کرتے، اس کا مذاق اڑاتے اور اس حق کا انکار کرتے تھے جس کے ساتھ رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔

عقیدۂ تناسخ ③ کی تردید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿31﴾﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کردیں بے شک وہ ان کے پاس نہیں لوٹیں گے۔'' یعنی کیا انھوں نے ان لوگوں سے نصیحت حاصل نہیں کی جنھوں نے ان سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کردیا تھا اور وہ اس دنیا میں دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے اور نہ بات اس طرح ہے جیسا کہ ان میں سے بہت سے جاہل اور فاجر وفاسق لوگ کہتے ہیں: ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا﴾ (المؤمنون 23:37) ''یہ ہماری دنیاوی زندگی ہی تو ہے کہ (اسی میں) ہم مرتے اور زندہ رہتے ہیں۔'' یہ دہریہ لوگ دور اور تسلسل کے قائل ہیں اور جاہل لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ

① تفسیر الطبری: 5/23. ② تفسیر الطبری: 4/23. ③ یہ ''نسخ'' سے مشتق ہے، یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا۔ عقیدۂ تناسخ یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح کا جسم سے نکل کر کسی دوسرے بدن میں منتقل ہوجانا، یہ نُصَیرِیَہ اور دُرُوز (اسماعیلی فرقہ) کے عقائد میں سے ہے۔ (معجم لغة الفقهاء، ص: 147 وموسوعة الأديان، الدروز، ص: 243-245.) اور ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ (الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة لعبد القادر شيبة الحمد، من عقائد الهندوس، ص: 63)

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿33﴾ وَجَعَلْنَا

اوران کے لیے مردہ زمین ایک (عظیم) نشانی ہے، ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اس سے (اناج کا) دانہ نکالا، پھر وہ اسی سے کھاتے ہیں﴿33﴾اور ہم نے

فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿34﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا

اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے، اور ہم نے ان میں چشمے جاری کیے﴿34﴾ تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور وہ (پھل) ان

عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿35﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

کے ہاتھوں نے نہیں بنائے، پھر کیا وہ شکر نہیں کرتے؟﴿35﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے، ان چیزوں کے بھی جنھیں زمین

وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾

اگاتی ہے اور خود ان (انسانوں) کے اپنے بھی، اور ان کے بھی جنھیں وہ نہیں جانتے﴿36﴾

وہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں واپس آجاتے ہیں جیسا کہ پہلے دنیا میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کردیں، بے شک وہ ان کے پاس نہیں لوٹیں گے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ''اور سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔'' یعنی تمام سابقہ اور آئندہ امتوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کے لیے پیش کیا جائے گا اور ان کے اچھے اور برے اعمال کا انھیں بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ ﴾(هود 11:111) ''اور بلاشبہ آپ کا پروردگار ضرور ہر ایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔''

تفسیر آیات: 33-36

خالق کائنات کا وجود اور حیات بعد الممات کا ثبوت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ ﴾ ''اور ایک نشانی ان کے لیے۔'' یعنی اس جہان کے پیدا کرنے والے کے وجود، اس کی قدرت کاملہ اور مردوں کو زندہ کردینے کی ایک دلیل: ﴿ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ ﴾ ''مردہ زمین ہے'' کہ جب وہ بنجر اور بے آباد ہوتی ہے اور اس میں کوئی نباتات نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس پر باران رحمت نازل فرماتا ہے اور وہ شاداب ہوجاتی، ابھرنے لگتی اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ''کہ ہم نے اسے زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا، پھر وہ اسی سے کھاتے ہیں۔'' یعنی اسے ہم نے ان کے لیے اور ان کے چوپایوں کے لیے رزق بنادیا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿34﴾ ﴾ ''اور اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کردیے۔'' یعنی ان میں ہم نے ان مقامات پر نہریں رواں دواں کردیں جہاں ان کی ضرورت تھی تاکہ وہ ان کے پھلوں کو کھائیں، جب اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے ان کے لیے فصلیں پیدا فرمائی ہیں تو اب اس کے ساتھ انواع واقسام کے پھلوں کا بھی ذکر فرمادیا ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿37﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ

اوران کے لیے ایک نشانی رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ نکالتے ہیں، پھر (دن ختم ہونے پر) یکا یک وہ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں ﴿37﴾ اور سورج

لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿38﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ

اپنے ٹھکانے (پر پہنچنے) کے لیے رواں دواں رہتا ہے، یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے (اللہ) کا اندازہ ہے ﴿38﴾ اور چاند کی ہم نے (اٹھائیس) منزلیں

كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿39﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ

مقرر کر رکھی ہیں حتی کہ وہ کھجور کے خوشے کی پرانی ٹیڑھی ڈنڈی کی طرح ہو جاتا ہے ﴿39﴾ نہ سورج کے یہ لائق ہے کہ وہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے

النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿40﴾

پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیرتا پھرتا ہے ﴿40﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ ﴾ ”اور وہ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنائے۔“ یعنی یہ سب کچھ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث ہے، یہ ان کی سعی و کاوش اور طاقت و قوت کی وجہ سے نہیں ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ ”پھر کیا وہ شکر نہیں کرتے؟“ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ان بے شمار اور ان گنت نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے تو یہ اس کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے، ابن جریر کے سوا دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ احتمال ہے کہ ما نافیہ ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ما موصولہ ہو[2] لیکن ابن جریر نے پورے وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ یہ ما بمعنی الذی، یعنی ما موصولہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ تا کہ یہ ان کے پھل کھائیں اور اس کے پھل جو ان کے ہاتھوں نے محنت کی ہے۔ یعنی باغات کو اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے اور ان پر محنت کی ہے، انھوں نے کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بھی یہ اس طرح ہے: ﴿ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿35﴾ ﴾[3]

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ ﴾ ”وہ ذات پاک ہے، جس نے سب کے سب جوڑے بنائے، ان چیزوں کے بھی جنھیں زمین اگاتی ہے۔“ یعنی فصلوں، پھلوں اور تمام نباتات کے اس نے جوڑے بنائے ہیں ﴿ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ”اور خود ان کے“ بھی جوڑے بنائے اور مرد اور عورت کو بنا دیا ﴿ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾ ﴾ ”اور ان کے بھی جنھیں وہ نہیں جانتے۔“ یعنی مختلف مخلوقات جن کے بارے میں وہ نہیں جانتے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾ (الذّٰریٰت 49:51) ”اور ہم نے ہر (جاندار) چیز سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

تفسیر آیات: 37-40

اللہ تعالیٰ کی قدرت، لیل و نہار اور شمس و قمر جیسی عظیم الشان نشانیاں: اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی عظیم الشان

[1] تفسیر القرطبی: 25/15. [2] تفسیر القرطبی: 25/15. [3] تفسیر الطبری: 7,6/23.

قدرت کی یہ بھی نشانیاں ہیں کہ اس نے رات اور دن کو پیدا فرمایا، ان میں سے ایک کو تاریک اور دوسرے کو منور بنایا، پھر دونوں کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا کہ رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے اور دن چلا جاتا ہے تو رات آجاتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ﴾ (الأعراف 7:54) ''وہ دن کو رات سے اس طرح ڈھانپتا ہے کہ وہ (رات) جلدی سے اس (دن) کو آلیتی ہے۔'' اور اللہ عزوجل نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ ﴾ ''اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں۔'' یعنی دن کو کھینچ لیتے ہیں، وہ چلا جاتا ہے اور رات آجاتی ہے ﴿ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''تو پھر (دن ختم ہونے پر) یکایک وہ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں۔'' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ] ''جب ادھر سے رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزے دار نے روزہ افطار کرلیا۔'' (1) آیت سے بھی بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿38﴾ ﴾ ''اور سورج اپنے ٹھکانے (پر پہنچنے) کے لیے رواں دواں رہتا ہے، یہ (اللہ) نہایت غالب (اور) خوب جاننے والے کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔'' مستقر کے معنی کے بارے میں دو قول ہیں: (1) اس سے مراد اس کا مکانی مستقر ہے اور وہ عرش کے نیچے اس جانب ہے جو زمین سے ملتی ہے اور وہ جہاں بھی ہو تو یہ بھی اور دیگر ساری مخلوقات بھی عرش کے نیچے ہی ہیں کیونکہ عرش ساری مخلوقات کی چھت ہے اور کروی شکل میں نہیں ہے جیسا کہ بہت سے ہیئت دانوں کا خیال ہے بلکہ وہ قبہ ہے جس کے پائے ہیں جنھیں فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اور وہ سارے جہان کے اوپر ہے، سورج جب دوپہر کے وقت قبۂ فلک میں (عین سر پر) ہوتا ہے تو اس وقت وہ عرش کے قریب ترین ہوتا ہے اور اس مقام کے بالمقابل جب وہ مدار چہارم میں گردش کرتا ہے تو وہ نصف رات کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت وہ عرش سے بعید ترین ہوتا ہے، اسی وقت وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

امام بخاری نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں غروب آفتاب کے وقت نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس مسجد میں تھا، آپ نے فرمایا: [يَا أَبَا ذَرٍّ! أَتَدْرِي أَيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿38﴾ ﴾] ''اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: سورج چلا جاتا ہے حتی کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔'' اور یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿38﴾ ﴾ ''اور سورج اپنے ٹھکانے (پر پہنچنے) کے لیے رواں دواں ہے، یہ (اللہ) نہایت غالب (اور)

---

(1) صحيح البخاري، الصوم، باب : متى يحل فطر الصائم؟ حديث:1954 وصحيح مسلم، الصيام، باب بيان انقضاء الصوم......، حديث:1100 عن عمر رضي الله عنه.

خوب جاننے والے کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔"① اور اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ﴾ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: [مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ] "اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔"②

(2) سورج کے مستقر سے مراد اس کے چلنے کی انتہا ہے اور وہ روز قیامت ہے کہ اس دن اس کا چلنا ختم ہو جائے گا، اس کی حرکت ختم ہو جائے گی اور اسے لپیٹ لیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی دنیا کی بساط بھی لپیٹ دی جائے گی اور یہ ہے اس کا زمانی مستقر۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ مستقر سے مراد اس کا وہ وقت اور مقررہ مدت ہے جس سے یہ تجاوز نہ کر سکے گا۔③ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ یہ سورج موسم گرما میں طلوع ہونے والی اپنی جگہوں کی طرف ایک مدت تک منتقل ہوتا رہتا ہے جس میں اضافہ نہیں ہو سکتا، پھر یہ موسم سرما میں طلوع ہونے والی اپنی جگہوں کی طرف ایک مدت تک منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس میں بھی اضافہ نہیں ہو سکتا، یہ قول عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا ہے۔④

ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اسے اس طرح بھی پڑھا ہے: [وَالشَّمْسُ تَجْرِی لَا مُسْتَقَرَّلَهَا] یعنی اس کے لیے کوئی قرار اور سکون نہیں بلکہ یہ رات دن چلتا رہتا ہے۔⑤ اور چلنے سے اکتاتا ہے نہ رکتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ﴾ (إبراهيم 14: 33) "اور تمھارے لیے سورج اور چاند مسخر کیے جو مسلسل چل رہے ہیں۔" کہ قیامت تک نہ اکتائیں گے اور نہ چلنے سے رکیں گے۔ ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴾ "یہ (اللہ) نہایت غالب (اور) خوب جاننے والے کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔" اس غالب ہستی کا جس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اس کے فیصلے کو ٹالا جا سکتا ہے اور اس ہستی کا جو اس کی تمام حرکات وسکنات سے آگاہ ہے اور اس نے ایسے طریقے سے اس کے وقت اور اس کے اندازے کو مقرر فرمایا ہے کہ جس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ ﴾ (الأنعام 6:96) "وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو سکون کا باعث بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ (بنایا) یہ سب نہایت غالب، خوب علم والے کا اندازہ ہے۔" اسی طرح سورۂ حٰم سجدہ کی ایک آیت بھی انھی الفاظ: ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41: 12) پر ختم ہوتی ہے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ ﴾ "اور چاند کی ہم نے (اٹھائیس) منزلیں مقرر کر دیں۔" یعنی وہ ایک اور انداز ے سے چلتا ہے جس سے مہینوں کے گزرنے کا اندازہ لگایا جاتا ہے جبکہ سورج کے چلنے سے

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ...... ﴾ (يٰسٓ 36:38)، حديث: 4802. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ...... ﴾ (يٰسٓ 36:38)، حديث: 4803. ③ تفسير الطبري: 8/23. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 3195/10. ⑤ تفسير القرطبي: 28/15.

رات اور دن کا پتا چلتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ﴾ (البقرة 2:189) ''(اے محمد ﷺ!) لوگ آپ سے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دیں کہ وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات مقررہ ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ﴾ (یونس 10:5) ''وہی تو ہے جس نے سورج کو نہایت روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو۔'' اور فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا۝﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:12) ''اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی تو محو (بے نور) کردی اور دن کی نشانی روشن بنائی تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل (روزی) تلاش کرو اور برسوں کا شمار اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز خوب تفصیل سے بیان کردی ہے۔''

سورج کی اس نے خاص روشنی اور چاند کا اپنا خاص نور بنایا اور دونوں کی رفتار میں فرق کردیا، سورج ہر روز طلوع اور اس کے آخر میں ایک جیسی روشنی ہی پر غروب ہوتا ہے لیکن اس کے موسم گرما و سرما میں طلوع ہونے کی جگہیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اسی کے سبب دن لمبا اور رات چھوٹی ہوتی ہے، پھر رات لمبی اور دن چھوٹا ہوجاتا ہے، سورج کی بادشاہت دن کے وقت رکھی کہ یہ دن کا ستارہ ہے اور چاند کی اس نے منزلیں مقرر فرمادی ہیں کہ وہ ہر مہینے کی پہلی رات جب طلوع ہوتا ہے تو کمزور اور کم روشنی والا ہوتا ہے، پھر دوسری رات اس کی روشنی میں اضافہ اور مقام اونچا ہوجاتا ہے، پھر وہ جیسے جیسے اونچا ہوتا جاتا ہے، اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے حتی کہ چودھویں رات اس کی روشنی بالکل مکمل ہوجاتی ہے اور پھر کم ہونا شروع ہوجاتا ہے حتی کہ مہینے کے آخر تک کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہوجاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عرجون کھجور کی اصل شاخ کو کہتے ہیں۔ ①

چاند کے حساب سے راتوں کے متعدد نام: عرب ہر تین راتوں کا نام چاند کے اعتبار سے رکھتے ہیں، پہلی تین راتوں کو ''غُرَر''، پھر اگلی تین راتوں کو ''نُفَل''، پھر ''تُسَع'' کیونکہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے، اس کے بعد ''عُشَر'' کیونکہ ان کی پہلی رات دسویں رات ہوتی ہے، اس کے بعد ''بِیض'' کیونکہ ان میں چاند کی روشنی ان کے آخر تک ہوتی ہے، اس کے بعد ''دُرَع'' جو درعاء کی جمع ہے کیونکہ ان کی پہلی رات سیاہ ہوتی ہے، ان میں سے پہلی رات میں چاند دیر سے طلوع ہوتا ہے شَاةٌ دَرْعَاء اس بکری کو کہتے ہیں جس کا سر سیاہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد کی تین راتوں کو ''ظُلَم''، پھر اس کے بعد کی تین راتوں کو ''حَنادِس''، پھر تین کو ''دَآدِی'' پھر تین کو ''محاق'' کہتے ہیں کیونکہ ان میں چاند کی روشنی غائب ہوتی ہے۔ ابو عبید (قاسم بن سلام) تسع اور عشر ناموں کا انکار کرتے تھے۔ کتاب الغریب المصنف میں بھی اسی طرح ہے۔

① تفسير الطبرى: 9/23.

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿41﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ

اوران کے لیے ایک نشانی (یہ) ہے کہ بے شک ہم نے ان کی نسل کو (نوح کی) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا﴿41﴾ اور ہم نے ان کے لیے ویسی ہی (اور

مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿42﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

چیزیں) پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں﴿42﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انھیں غرق کر دیں، پھر نہ تو کوئی ان کی فریاد سننے والا ہوگا اور نہ وہ چھڑائے ہی

يُنْقَذُوْنَ ﴿43﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿44﴾

جاسکیں گے﴿43﴾ مگر (ان کی نجات) ہماری رحمت ہی سے ہے اور ایک مدت تک فائدہ (اٹھانے کے لیے) ہے﴿44﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾ ''نہ تو سورج کے لیے لائق ہے کہ چاند کو جا پکڑے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک حد مقرر ہے جس سے وہ نہ تجاوز کر سکتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہ سکتا ہے، جب ایک کی بادشاہی کا وقت آتا ہے تو دوسرا چلا جاتا ہے اور جب دوسرے کی بادشاہی کا وقت چلا جاتا ہے تو پہلا آجاتا ہے۔[1] عکرمہ نے اس آیت: ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی بادشاہت کا وقت مقرر ہے، سورج کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ رات کو طلوع ہو سکے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ ''اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ جب رات ہو تو اس وقت تک دوسری رات آنہیں سکتی جب تک دن نہ ہو جائے، سورج کی بادشاہت دن کے وقت ہے اور چاند کی بادشاہت رات کے وقت۔[2] ضحاک کہتے ہیں کہ رات یہاں سے جا نہیں سکتی جب تک دن وہاں سے آنہ جائے اور یہ کہتے ہوئے انھوں نے ہاتھوں سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔[3] اور مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے چلے آتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے کھینچ لیا جاتا ہے۔[4] اس کے معنی یہ ہیں کہ رات اور دن میں کوئی وقفہ نہیں بلکہ مہلت اور کسی تاخیر کے بغیر دونوں ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں کیونکہ دونوں ایک دستور کے مطابق چل رہے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے چلے آتے ہیں۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿40﴾﴾ ''اور وہ سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔'' یعنی رات اور دن، سورج اور چاند یہ سب فلک آسمان میں گردش کر رہے ہیں، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ضحاک، حسن، قتادہ اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ کا قول ہے۔[5] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک ائمۂ سلف فرماتے ہیں کہ یہ اس طرح گردش کر رہے ہیں جس طرح چرخا گھومتا ہے۔[6]

تفسیر آیات: 41-44

کشتی کی سواری بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے لیے اس کی قدرت کی ایک یہ نشانی بھی ہے کہ اس نے دریا اور سمندر کو ان کے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ ان کی کشتیوں کو اٹھا سکے، ان میں سے سب سے پہلی کشتی تو نوح علیہ السلام کی تھی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بچا لیا تھا اور ان

---

[1] تفسیر الطبری:11/23 عن قتادة. [2] تفسیر عبدالرزاق :84,83/3 ، رقم: 2482. [3] تفسیر ابن أبی حاتم : 3196/10. [4] تفسیر ابن أبی حاتم :3195/10. [5] تفسیر الطبری :12,11/23. [6] تفسیر الطبری :11/23.

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿45﴾ وَمَا تَأْتِيهِم

اور جب ان سے کہا جاتا ہے: اس (عذاب) سے بچو جو تمھارے سامنے (دنیا میں) اور جو تمھارے پیچھے (آخرت میں) ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے﴿45﴾ اور ان

مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿46﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا

کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو وہ اس سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں﴿46﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے: اللہ نے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ

تمھیں جو رزق دیا ہے تم اس میں سے خرچ کرو (تو) وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿47﴾

چاہتا تو کھلا دیتا؟ تم تو کھلی گمراہی میں ہو﴿47﴾

کے سوا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی اور روئے زمین پر باقی نہیں بچا تھا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ”اور ایک نشانی ان کے لیے یہ (بھی) ہے کہ یقیناً ہم نے ان کی اولاد کو سوار کیا۔“ یعنی ان کے آباء کو ﴿فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ﴾ ”بھری ہوئی کشتی میں۔“ یعنی اس کشتی میں جو ساز وسامان اور حیوانات سے بھری ہوئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر قسم کے جانداروں میں سے جوڑا جوڑا، ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ کو کشتی پر سوار کر لیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَشْحُون کے معنی بوجھل کے ہیں۔[1] سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[2] ضحاک، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ﴾ ”اور ہم نے ان کے لیے ایسی ہی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔“ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں جو ریگستان کے جہاز ہیں اور ان سے وہ سواری اور بار برداری کا کام لیتے ہیں۔[4] ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ویسی ہی اور چیزوں سے کیا مراد ہے، ہم نے عرض کی: ہم نہیں جانتے، فرمایا: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جو نوح علیہ السلام کے بعد انھی کی کشتی کی طرح بنائی گئی ہیں۔[5] اور ابو مالک، ضحاک، قتادہ، ابوصالح اور سدی کا بھی یہی قول ہے کہ اس آیت کریمہ میں ﴿مِّثْلِهِ﴾ سے مراد کشتیاں ہی ہیں۔[6] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ﴾ ”اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں۔“ یعنی ان لوگوں کو جو کشتیوں میں سوار ہیں ﴿فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ﴾ ”پھر نہ تو کوئی ان کا فریادرس ہو۔“ جو اس مشکل میں ان کی فریادرسی کر سکے ﴿وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ﴾ ”اور نہ وہ چھڑائے جا سکیں۔“ اس مشکل سے جس میں وہ مبتلا ہو چکے ہوں ﴿إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا﴾ ”مگر یہ ہماری رحمت ہے“ کہ ہم تمھیں بر و بحر میں چلاتے اور ایک وقت مقررہ تک سلامت رکھتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ﴾ ”اور ایک مدت تک کے فائدے ہیں۔“ اس

[1] تفسیر الطبری: 113/19. [2] تفسیر الطبری: 114/19 و 12/23. [3] تفسیر الطبری: 13/23. [4] تفسیر الطبری: 14/23. [5] تفسیر الطبری: 13/23. [6] تفسیر الطبری: 14،13/23.

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ

اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿48﴾ وہ تو صرف ایک (ہولناک) چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو انھیں آ پکڑے گی جبکہ وہ (آپس میں)

وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿49﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿50﴾ ع 3 18 2

جھگڑ رہے ہوں گے ﴿49﴾ پھر نہ تو وہ کسی وصیت کرنے کی طاقت رکھیں گے اور نہ اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ ہی سکیں گے ﴿50﴾

معلوم وقت تک جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھا ہے۔

تفسیر آیات: 45-47

مشرکین کی گمراہی: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی سرکشی وضلالت، اپنے سابقہ گناہوں سے نہ ڈرنے اور قیامت کے دن پیش آنے والے واقعات کے بارے میں فکر مند نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ﴾ ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو تمھارے آگے اور جو تمھارے پیچھے ہے اس سے بچو۔“ مجاہد نے کہا کہ اس سے مراد گناہ ہیں۔ [1] اور کچھ دیگر لوگوں نے اس کے برعکس مراد لیا ہے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿45﴾﴾ ”تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“ یعنی شاید اللہ تعالیٰ تمھارے اس ڈرنے کی وجہ سے تم پر رحم فرمائے اور تمھیں اپنے عذاب سے بچالے اور مقدر کلام اس طرح ہے کہ وہ اس بات کا جواب نہیں دیں گے بلکہ اس سے اعراض کریں گے اور اسے بیان کرنے کے لیے اللہ عزوجل نے اس بات پر اکتفا فرمایا: ﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ ”اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی۔“ توحید اور رسولوں کی صداقت کی نشانی ﴿اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿46﴾﴾ ”مگر اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔“ یعنی اس پر غور نہیں کرتے، اسے قبول نہیں کرتے اور اس سے نفع حاصل نہیں کرتے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔“ یعنی جب انھیں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو فقیر اور محتاج مسلمانوں پر خرچ کرنے کا کہا جاتا ہے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ ”تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں۔“ یعنی وہ مال خرچ کرنے کے متعلق حکم دینے والے مومنوں سے فقیر مومنوں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ﴾ ”بھلا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو کھلا دیتا؟“ یعنی جن لوگوں پر خرچ کرنے کے بارے میں تم نے ہمیں حکم دیا ہے اگر اللہ چاہتا تو انھیں غنی کر دیتا اور انھیں اپنے رزق سے عطا فرما دیتا، لہٰذا ہم بھی ان سے اللہ تعالیٰ کی ان کے بارے میں مشیت کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔ ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿47﴾﴾ ”تم تو کھلی گمراہی میں ہو۔“ جو ہمیں ان پر خرچ کرنے کا کہہ رہے ہو۔

تفسیر آیات: 48-50

کفار کا یوم بعثت کو محال سمجھنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار قیامت کے برپا ہونے کو محال سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ

---

[1] تفسیر الطبری: 16/23.

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿51﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا

اور (جب) صور پھونکا جائے گا تو یکا یک وہ (اپنی) قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف تیزی سے دوڑیں گے﴿51﴾ وہ کہیں گے: ہائے ہماری

مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ سکتة هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿52﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً

بربادی! کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھادیا؟ یہی تو ہے جو رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا﴿52﴾ وہ تو بس ایک (ہولناک) چیخ

وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿53﴾ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ

ہوگی، پھر یکا یک وہ سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے﴿53﴾ چنانچہ آج کسی جان (شخص) پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمھیں صرف

اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿54﴾

اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے تھے﴿54﴾

وقف لازم

﴿مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ﴾ ''یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟'' جیسا کہ فرمایا: ﴿یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ﴾ (الشوریٰ 42 : 18) ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کو جلدی مانگتے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿49﴾﴾ ''یہ تو ایک چیخ کے منتظر ہیں جو ان کو اس حال میں کہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے آ پکڑے گی۔'' یعنی یہ ایک چنگھاڑ کے منتظر ہیں اور اس سے مراد نفخۂ فزع، یعنی پہلا نفخہ ہے۔[1] وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ صور میں جب نفخۂ فزع ہوگا تو لوگ حسب عادت بازاروں اور اپنے کاروباروں میں مصروف اور لڑائی جھگڑوں میں مشغول ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دیں گے اور وہ صور میں بہت طویل اور دراز پھونک ماریں گے جس کی وجہ سے روئے زمین کا ہر شخص ایک طرف سے گردن جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھائے گا اور آسمان کی طرف سے آواز سنے گا[2] اور پھر زمین پر موجود تمام لوگوں کو چاروں طرف سے آگ گھیر کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً﴾ ''تب نہ تو وہ وصیت کرنے کی طاقت رکھیں گے۔'' اپنی ملکیت کی چیزوں کے بارے میں کیونکہ معاملہ اس سے کہیں زیادہ اہم ہوگا ﴿وَّلَآ اِلٰٓی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿50﴾﴾ ''اور نہ وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔'' اس سے متعلق بہت سے آثار و احادیث وارد ہیں جنھیں ہم نے کسی دوسری جگہ ذکر کیا ہے،[3] پھر اس کے بعد نفخۂ صعق ہوگا جس میں زندۂ جاوید ذات گرامی کے سوا تمام زندہ چیزیں مر جائیں گی، پھر اس کے بعد نفخۂ بعث ہوگا۔

تفسیر آیات: 51-54

جب تیسری دفعہ صور میں پھونکا جائے گا: یہ تیسرا نفخہ ہے جس سے قبروں میں مدفون سب لوگ باہر نکل آئیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿51﴾﴾ ''تو یکا یک وہ قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں

---

① کتاب العظمة لأبی الشیخ الأصبهانی :3/821-823، حدیث:386 . ② صحیح مسلم، الفتن……، باب فی خروج الدجال ومکثه فی الأرض……، حدیث: 2940 وصحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر البیان بأن الساعة تقوم……:15/259، حدیث:6845. البتہ ''طویل اور دراز پھونک'' کا ذکر تفسیر الطبری : 23/18 میں ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ ③ دیکھیے النمل، آیت:87 کے ذیل میں اور الزمر، آیت: 68 کے ذیل میں، مزید دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر الأنعام، آیت: 73 کے ذیل میں۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿55﴾ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ

بے شک اہل جنت آج ایک شغل میں خوش وخرم ہوں گے﴿55﴾ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر ٹیک لگائے ہوں گے﴿56﴾ ان کے لیے

مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿56﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿57﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿58﴾

وہاں (ہر قسم کے) پھل ہوں گے اور ان کے لیے وہ ہوگا جو وہ مانگیں گے﴿57﴾ (انھیں) نہایت مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا﴿58﴾

گے۔'' نسلان تیز چلنے کو کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴾ (المعارج 43:70) ''جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے جیسے (اپنے بتوں کے) آستانوں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔'' ﴿ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ﴾ ''وہ کہیں گے: ہائے افسوس ہم پر! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے (جگا) اٹھایا؟'' خواب گاہوں سے مراد قبریں ہیں جن کے بارے میں وہ دنیا میں یہ خیال کیا کرتے تھے کہ انھیں ان سے اٹھایا نہیں جائے گا لیکن جب حشر میں لوگ یہ دیکھ لیں گے کہ ان کا خیال غلط ثابت ہوا تو کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے جگا اٹھایا ہے، اس سے عذاب قبر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ عذاب قبر بعد والے عذاب کی نسبت نیند ہی کی طرح ہوگا۔ ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ، مجاہد، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ بعث (اٹھنے) سے کچھ دیر پہلے وہ سوئیں گے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں نفخوں کے درمیان ہوگا، اس لیے وہ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے جگا اٹھایا۔[2] جب وہ یہ کہیں گے تو مومن انھیں یہ جواب دیں گے جیسا کہ کئی ایک ائمۂ سلف نے کہا ہے: ﴿ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿52﴾ ﴾ ''یہ وہی تو ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔'' حسن نے کہا ہے کہ انھیں یہ جواب فرشتے دیں گے۔ اور ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں ہی کی طرف سے یہ جواب ممکن ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿53﴾ ﴾ ''صرف ایک زور کی آواز ہی ہوگی کہ سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ ﴾ (النّٰزعٰت 14،13:79) ''پس وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی، اس وقت وہ (سب) میدان (حشر) میں (آ جمع) ہوں گے۔'' اللہ جل شانہ نے فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ ﴾ (النّحل 77:16) ''اور (اللہ کے نزدیک) قیامت کا معاملہ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہی تو ہے یا وہ اس سے بھی قریب تر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۠ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 52:17) ''جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔'' ہم تو انھیں ایک ہی حکم دیں گے جس سے سب کے سب ہمارے روبرو آ حاضر ہوں گے۔ ﴿ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ﴾ ''پس آج کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' اس کے عمل کے حوالے سے ﴿ وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿54﴾ ﴾ ''اور تم وہی بدلہ دیے جاؤ گے جو تم عمل کرتے تھے۔''

تفسیر آیات: 55-58

[1] تفسیر الطبری: 21,20/23. [2] تفسیر الطبری: 20/23.

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿59﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ

اور اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ ﴿59﴾ اے بنی آدم! کیا میں نے تمھیں (اس بات کی) تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، بلاشبہ

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿60﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ

وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿60﴾ اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ﴿61﴾ اور بلاشبہ اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ

جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿62﴾

کر دیا، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے تھے؟ ﴿62﴾

اہل جنت کا عیش ونشاط: اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن جب میدان حشر سے روانہ ہوں گے تو باغہائے بہشت میں فروکش ہوں گے اور دوسروں سے بے نیاز ہو کر عیش و نشاط کے مشغلوں، ابدی نعمتوں، کامیابیوں اور کامرانیوں سے شادکام ہوں گے۔ حسن بصری اور اسماعیل بن ابوخالد کا قول ہے کہ ﴿ فِيْ شُغُلٍ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ دوزخیوں کے عذاب کے بجائے اہل جنت عیش ونشاط کے مشغلے میں ہوں گے۔[1] مجاہد کہتے ہیں: ﴿ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴾ کے یہ معنی ہیں کہ وہ جنت کی نعمتوں سے خوش ہوں گے۔[2] قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ فٰكِهُوْنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ خوش ہوں گے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ ﴾ ''وہ اور ان کی بیویاں بھی سایوں میں (ہوں گے۔)'' یعنی جنت کے درختوں کے سایوں میں، یہ مجاہد کا قول ہے۔[5] ﴿ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''تختوں پر ٹیک لگائے ہوں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، محمد بن کعب، حسن، قتادہ، سدی اور خصیف رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ﴿ الْاَرَآىِٕكِ ﴾ ان پلنگوں کو کہتے ہیں جو مسہریوں کے نیچے ہوں۔[6] اور فرمایا: ﴿ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ﴾ ''وہاں ان کے لیے پھل ہوں گے۔'' تمام انواع واقسام میں سے ﴿ وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿57﴾ ﴾ ''اوران کے لیے وہ ہوگا جو وہ مانگیں گے۔'' یعنی لذتوں کے طرح طرح کے وہ تمام سامان ان کے لیے موجود ہوں گے جو وہ طلب کریں گے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿58﴾ ﴾ ''(انھیں) پروردگار مہربان کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔''

ابن جریج نے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا کہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہی اہل جنت کے لیے سلامتی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ایسے ہی ہے جیسے یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ﴾ (الأحزاب 33:44) ''جس روز وہ اس سے ملیں گے تو ان کی دعا ''سلام'' ہوگی۔''

تفسیر آیات: 59-62

حشر میں کافروں کی جگہ: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کو حکم دیا جائے گا

[1] تفسير الطبري: 23/23 . [2] تفسير الطبري: 24/23 . [3] تفسير عبدالرزاق: 86/3، رقم: 2492. [4] تفسير الطبري: 24/23 . [5] تفسير الطبري: 25/23 . [6] تفسير الطبري: 26/23 .

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿63﴾ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿64﴾

یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا﴿63﴾ آج کے دن اس میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے﴿64﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے، اور ان کے پیر گواہی دیں گے اس کی جو کچھ وہ کماتے تھے﴿65﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی

یَكْسِبُوْنَ ﴿65﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤی اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی یُبْصِرُوْنَ ﴿66﴾ وَ لَوْ

آنکھیں مٹا دیں، پھر وہ دوڑیں راستہ (تلاش کرنے) کو، تو وہ کیوں کر دیکھ سکیں گے!﴿66﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انھی کی جگہوں پر ان کی صورتیں مسخ کر

نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿67﴾ ع 4/17/3

دیں، پھر وہ (آگے) چلنے کی طاقت نہ رکھیں اور نہ وہ لوٹ سکیں﴿67﴾

کہ مومنوں سے الگ ہو جاؤ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ ﴾ (یونس 10: 28) ''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ○﴾ (الروم 30: 14) ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز لوگ (مومن اور کافر) الگ الگ ہو جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ یَوْمَىِٕذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ○﴾ (الروم 30:43) ''اس روز (سب) لوگ علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔'' یعنی منتشر ہو کر مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ اور فرمایا: ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ○ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ○﴾ (الصّٰفّٰت 37: 23,22) ''(اے فرشتو!) اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں کو اور (ان کو) جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، اللہ کے سوا، پھر انھیں دوزخ کی راہ دکھا دو۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿60﴾ ۙ﴾ ''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تمھیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بلاشبہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ ہوگی ان کافروں کو جنھوں نے شیطان کی اطاعت کی تھی، حالانکہ وہ ان کا واضح دشمن ہے اور انھوں نے رحمان کی نافرمانی کی، حالانکہ وہ ان کا خالق و رازق ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿61﴾ ﴾ ''اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔'' میں نے تمھیں دنیا میں شیطان کی نافرمانی کا حکم دیا تھا اور تمھیں کہا تھا کہ میری ہی عبادت کرو اور یہی سیدھا رستہ ہے مگر تم نے اس سیدھے رستے کو چھوڑ دیا اور شیطان کا حکم مانتے ہوئے اس کی پیروی کی۔ ﴿ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ ﴾ ''اور البتہ تحقیق اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا۔'' اس سے مراد بہت سی خلقت ہے جیسا کہ مجاہد، قتادہ، سدی اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔[1] اور فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿62﴾ ﴾

[1] تفسیر الطبری: 29/23.

"کیا پھر تم سمجھتے نہیں تھے؟" کیا اپنے رب کے حکم کہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، کی مخالفت اور تمھارے شیطان کی اتباع کی طرف پھرنے کے وقت تمھاری عقل کام نہیں کر رہی تھی۔

تفسیر آیات: 63-67

اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن کافروں سے زجر و توبیخ کے طور پر جہنم کو ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴿63﴾ ﴾ "یہی وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔" یعنی اس جہنم سے رسولوں نے تم ڈرایا تھا مگر تم نے ان کی تکذیب کی۔ ﴿ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴿64﴾ ﴾ "آج کے دن تم اس میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ (الطور 52: 13-15) "جس دن وہ آتش جہنم کی طرف سختی سے دھکیل دھکیل کر لے جائے جائیں گے، یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے (ذرا بتاؤ) تو کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے ہی نہیں؟"

قیامت کے دن مجرموں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿65﴾ ﴾ "آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کماتے رہے، ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے۔" یہ کفار و منافقین کا قیامت کے دن حال ہوگا جب وہ دنیا میں اپنے کیے ہوئے جرائم کا انکار کر دیں گے اور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ انھوں نے تو یہ جرائم نہیں کیے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعمال کے بارے میں اعضا سے گفتگو کرائے گا۔

امام ابن ابو حاتم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ ہنسنے لگے حتی کہ آپ کی داڑھیں نمایاں ہو گئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَتَدْرُونَ مِمَّا أَضْحَكُ؟ قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مِنْ مُّجَادَلَةِ الْعَبْدِ رَبَّهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ: يَارَبِّ! أَلَمْ تُجِرْنِي مِنَ الظُّلْمِ؟ فَيَقُولُ: بَلٰى! فَيَقُولُ: لَا أُجِيزُ عَلَيَّ شَاهِدًا إِلَّا مِنْ نَّفْسِي، فَيُقَالُ: كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ وَبِالْكِرَامِ عَلَيْكَ شَهِيدًا، فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيهِ، وَيُقَالُ لِأَرْكَانِهٖ: اِنْطِقِي، فَتَنْطِقُ بِعَمَلِهٖ ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْكَلَامِ، فَيَقُولُ: بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا، فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ]

"کیا تم جانتے ہو کہ میں کس بات پر ہنس رہا ہوں۔ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن بندے کے اپنے رب سے مباحثے (جھگڑنے) کی وجہ سے ہنس رہا ہوں۔ بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ تو اللہ فرمائے گا: کیوں نہیں! تو بندہ کہے گا کہ میں تو اپنے نفس ہی

سے شاہد کو قبول کروں گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اپنا آپ ہی شاہد (گواہ) کافی ہے اور کراما کاتبین بھی گواہ کافی ہیں، پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا سے کہا جائے گا کہ بولو تو وہ اس کے اعمال کے بارے میں بول کر بتائیں گے، پھر اسے بھی اعضا سے ہم کلام ہونے کا موقع دیا جائے گا تو وہ اپنے اعضا سے کہے گا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو، میں تمھاری ہی وجہ سے تو لڑتا جھگڑتا تھا۔'' ① اسے مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ②

اور ابن جریر نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مومن کو قیامت کے دن جب حساب کے لیے بلایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ خلوت میں اس کے سامنے اس کے اعمال پیش فرمائے گا تو مومن اعتراف کرتے ہوئے عرض کرے گا: ہاں میرے رب! میں نے یہ عمل کیا تھا، میں نے یہ عمل کیا تھا، میں نے یہ عمل کیا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور ان پر پردہ پوشی فرمائے گا، روئے زمین کی کوئی چیز اس کے کسی گناہ کو بھی دیکھ نہیں سکے گی، البتہ اس کی نیکیاں نظر آئیں گی، وہ پسند کرے گا کہ سب لوگ اس کی نیکیوں کو دیکھ لیں، اسی طرح کافر اور منافق کو بھی جب حساب کے لیے بلایا جائے گا تو رب تعالیٰ اس کے سامنے اس کے اعمال کو پیش فرمائے گا تو وہ انکار کر دے گا اور کہے گا کہ اے میرے رب! مجھے تیری عزت کی قسم! اس فرشتے نے میرے نامہ میں ایسے اعمال لکھ دیے ہیں جو میں نے کیے ہی نہیں تھے، فرشتہ جواب دے گا: کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ عمل نہیں کیا تھا؟ وہ کہے گا: نہیں، مجھے تیری عزت کی قسم اے میرے رب! میں نے یہ عمل نہیں کیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی دائیں ران بات کرے گی، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کماتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے۔'' ③

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیں، پھر یہ رستے کو (تلاش کرنے کے لیے) دوڑیں تو کہاں دیکھ سکیں گے؟'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ہدایت کے بجائے انھیں گمراہ کر دیں تو یہ کس طرح ہدایت یاب ہو سکیں گے۔ ④ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ اگر ہم انھیں اندھا کر دیں تو یہ کیسے دیکھ سکیں گے۔ ⑤ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دے اور انھیں اندھا بنا دے کہ ڈگمگاتے

① تفسیر ابن أبی حاتم: 2559/8. ② صحیح مسلم، الزهد......، باب: [الدنیا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حدیث: 2969 والسنن الكبرٰى للنسائی، التفسیر، باب سورة الانفطار: 508/6، حدیث: 11653. ③ تفسیر الطبری: 30/23. ④ تفسیر الطبری: 31/23. ⑤ تفسیر الطبری: 31/23 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3199/10.

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿68﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا

اور جس شخص کو ہم (زیادہ) عمر دیں (گویا) ہم اسے (حالت) پیدائش کی طرف لوٹا دیتے ہیں، کیا پھر وہ عقل نہیں رکھتے؟ ﴿68﴾ اور ہم نے اس (رسول) کو شعر

يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿69﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا

کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہی تھا، یہ (کلام الٰہی) تو سراسر نصیحت اور واضح قرآن ہے ﴿69﴾ تاکہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر (اللہ

وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿70﴾

کے عذاب کی) بات ثابت ہو جائے ﴿70﴾

پھریں۔ ① مجاہد، ابو صالح، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ صراط کے معنی رستے کے ہیں۔ ② ابن زید کہتے ہیں کہ صراط سے یہاں حق مراد ہے اور جب ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا ہوگا تو یہ کہاں دیکھ سکیں گے! عوفی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ یہ حق کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ ③

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو انھی کی جگہ پر ان کی صورتیں مسخ کر دیں۔'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کو ہلاک کر دیں۔ ④ اور سدی نے کہا ہے کہ ہم ان کی شکلیں بدل دیں۔ ⑤ ابو صالح نے کہا ہے کہ ہم انھیں پتھر بنا دیں، امام حسن بصری اور قتادہ نے فرمایا ہے کہ ہم انھیں ان کے پاؤں پر بٹھا دیں۔ ⑥ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿67﴾ ﴾ ''پھر وہ چلنے کی طاقت نہ رکھیں اور نہ وہ (پیچھے) لوٹ سکیں۔'' یعنی آگے پیچھے نہ ہو سکیں گے بلکہ ایک ہی جگہ جم کر رہ جائیں گے۔

تفسیر آیات: 68-70

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے بارے میں فرمایا ہے کہ جیسے جیسے اس کی عمر طویل ہوتی جاتی ہے ایسے ہی اسے قوت کے بعد ضعف اور نشاط کے بعد عاجزی و درماندگی لاحق ہوتی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴾ (الروم 30: 54) ''اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھیں کمزوری (کی حالت) سے پیدا کیا، پھر اس نے کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی، پھر اس نے طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ خوب جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ ﴾ (الحج 22: 5) ''اور بعض تم میں سے ناکارہ عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تاکہ وہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانیں۔'' اس سے مراد یہ بتانا مقصود ہے، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، کہ یہ دنیا زوال اور انتقال کا مقام ہے، یہ دوام و استقرار کی جگہ نہیں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿68﴾ ﴾ ''کیا پھر وہ عقل نہیں رکھتے؟'' یعنی کیا یہ اپنی عقلوں سے کام لیتے ہوئے غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ابتدا میں کس

① تفسیر الطبری: 31/23. ② تفسیر الطبری: 32/23. ③ تفسیر الطبری: 32/23. ④ تفسیر الطبری: 33/23.
⑤ تفسیر الماوردی: 29/5. ⑥ تفسیر الطبری: 33,32/23.

طرح پیدا فرمایا تھا، پھر کس طرح جوانی کی عمر اور جوانی سے بڑھاپے کی عمر کو پہنچا دیا تا کہ یہ جان لیں کہ انھیں کسی اور گھر کے لیے پیدا کیا گیا ہے جسے کبھی زوال نہ ہوگا، جہاں سے کبھی کوچ کرنا نہ ہوگا اور وہ گھر آخرت کا گھر ہے۔

اللہ نے اپنے رسول کو شعر گوئی نہیں سکھائی: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ﴾ ''اور ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ اس کے لائق ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے انھیں شاعری نہیں سکھائی اور نہ شاعری ان کے شایان شان ہے نہ آپ اسے پسند فرماتے ہیں اور نہ آپ کی جبلت ہی اس سے مناسبت رکھتی ہے، اسی لیے مروی ہے کہ آپ کسی شعر کو اس کے صحیح وزن کے ساتھ یاد نہیں رکھتے تھے بلکہ اگر آپ کبھی شعر پڑھتے تو اسے بے وزن کر کے پڑھتے یا پورا نہ پڑھ سکتے تھے۔

امام بیہقی نے دلائل النبوہ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عباس بن مرداس سُلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا یہ شعر تم نے کہا ہے۔

أَتَجْعَلُ نَهْبِي وَنَهْبَ الْعُبَيْدِ بَيْنَ الْأَقْرَعِ وَعُيَيْنَةَ؟

''کیا آپ نے مال غنیمت میں سے میرا اور میرے گھوڑے عبید کا حصہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کے مابین تقسیم کر دیا ہے؟''

انھوں (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے عرض کی: (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس نے یہ شعر) ایسے نہیں کہا اور اللہ کی قسم! آپ نہ شاعر ہیں اور نہ آپ کے شایان شان ہی ہے، چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: پھر کیسے ہے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اس طرح نہیں بلکہ عُيَيْنَةَ وَالْأَقْرَعِ ہے (اقرع بعد میں ہے)، آپ نے فرمایا: [اَلْكُلُّ سَوَاءٌ] ''ہر ایک برابر ہے۔'' یعنی دونوں کے معنی ایک ہی ہیں (عیینہ پہلے ذکر ہو یا اقرع۔)[1] صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر گوئی اس لیے نہیں سکھائی کہ آپ کو تو اس نے اس قرآن عظیم کی تعلیم فرمائی ہے ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''جس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، بڑے حکمت والے قابل تعریف کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔'' یعنی وہ شعر نہیں ہے جیسا کہ جاہل، کفار قریش کی ایک جماعت کہتی تھی اور نہ کہانت ہے نہ قصے کہانیاں ہے اور نہ جادو ہے جیسا کہ گمراہ اور جاہل لوگوں نے قرآن مجید کے بارے میں اس طرح کی مختلف باتیں کہی تھیں۔ نبیٔ کریم ﷺ کی تو طبیعت ہی شرعی اور طبعی طور پر شعر گوئی کا انکار کرتی تھی۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ ''یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے۔'' یعنی ہم نے آپ کو جو قرآن سکھایا ہے یہ روشن، واضح اور غور وفکر کرنے والے کے لیے جلی ہے ﴿ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا ﴾ ''تا کہ وہ اس شخص کو جو زندہ ہو ڈرائے۔'' تا کہ یہ صاف صاف اور پُر حکمت قرآن روئے زمین کے ہر زندہ شخص کو ڈرائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي، رجوع النبي ﷺ إلى الجعرانة......: 182,181/5 البتہ مذکورہ حوالے میں [اَلْكُلُّ سَوَاءٌ] کے بجائے [سَوَاءٌ هُمَا] کے الفاظ ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿71﴾

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے جو چیزیں بنائیں ان میں یقیناً ہم نے ان کے لیے چوپائے بھی پیدا کیے؟ پھر وہ ان کے مالک (بن گئے)

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿72﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

ہیں﴿71﴾ اور ہم نے انھیں ان کے تابع کر دیا، چنانچہ ان میں سے کچھ ان کی سواریاں ہیں، اور ان میں سے کچھ کو وہ کھاتے ہیں﴿72﴾ اور ان کے لیے ان (چوپایوں)

وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾

میں (اور بھی) فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں، کیا پھر وہ شکر نہیں کرتے؟﴿73﴾

بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ ﴾ (الأنعام 19:6) ”تاکہ اس کے ذریعے سے تمھیں اور جس شخص تک پہنچ سکے میں ڈراؤں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ ﴾ (هود 17:11) ”اور (ان) گروہوں میں سے جو کوئی اس (قرآن) کا انکار کرے تو آگ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔“ اور قرآن کی نصیحت سے وہ شخص فائدہ حاصل کر سکے گا جس کا دل زندہ اور جس کی بصیرت منور ہوگی جیسا کہ امام قتادہ نے فرمایا کہ جو زندہ دل اور زندہ نظر والا ہوگا۔[1] اور ضحاک نے کہا ہے کہ جو عقل مند ہوگا۔[2] ﴿ وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿70﴾ ﴾ ”اور کافروں پر (اللہ کے عذاب کی) بات ثابت ہو جائے“ کہ قرآن مومنوں کے لیے رحمت اور کافروں کے خلاف حجت ہے۔

تفسیر آیات: 71-73

چوپائے نشانی بھی ہیں اور نعمت بھی: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنے اس انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان چوپایوں کو پیدا کر کے ان کے لیے مسخر کر دیا ہے ﴿ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿71﴾ ﴾ ”تو یہ ان کے مالک ہیں۔“ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے چوپایوں کو مغلوب کر رکھا ہے اور یہ ان کے مطیع فرمان ہیں، ان سے انکار نہیں کرتے۔[3] حتی کہ اگر ایک چھوٹا بچہ بھی اونٹ کو بٹھانا چاہے تو بٹھا دے، کھڑا کرنا چاہے تو کھڑا کر دے اور اگر انھیں چلانا چاہے تو چلا دے، یہ اس کا مطیع و فرماں بردار ہے، ایک اونٹ کیا اگر سو یا اس سے بھی زیادہ اونٹوں کی قطار ہو تو سب کے سب ایک چھوٹے بچے کے چلانے سے چل پڑیں ﴿ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ”پھر کچھ ان میں سے ان کی سواریاں ہیں اور کسی کو ان میں سے وہ کھاتے ہیں۔“ یعنی کچھ ایسے ہیں جن پر یہ اپنے سفروں میں سواری کرتے ہیں اور تمام اطراف و جوانب کی طرف اپنے سامان ان پر لاد کر لے جاتے ہیں اور ان میں سے جن کو جب چاہیں ذبح کر کے کھا جائیں۔ ﴿ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ ﴾ ”اور ان میں ان کے لیے (اور) فائدے ہیں۔“ اور ان کی اون اور ریشم اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں بناتے ہو جو مدت تک کام دیتی ہیں، ﴿ وَمَشَارِبُ ﴾ ”اور پینے کی چیزیں ہیں۔“ یعنی ان کے دودھ اور دوائی کے طور پر استعمال کرنے کے لیے پیشاب وغیرہ ﴿ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾ ﴾ ”تو کیا پھر وہ شکر نہیں کرتے؟“ یعنی کیا یہ ان کے پیدا کرنے اور مسخر کرنے

[1] تفسیر الطبری: 35/23 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3200/10. [2] تفسیر الطبری: 35/23. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 3201/10 بالفاظ دیگر۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿74﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ

اور انھوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنالیے تاکہ ان کی مدد کی جائے﴿74﴾ وہ (معبود) ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے جبکہ وہ (مشرکین) تو خود ان (بتوں) کے

جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿75﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿76﴾ وقف لازم

حاضر باش لشکری (حمایتی) ہیں﴿75﴾ لہٰذا ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں، بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں﴿76﴾

والے کو وحدہ لاشریک نہیں سمجھتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے؟

تفسیر آیات: 74-76

معبودانِ باطلہ مشرکین کی نصرت کی قدرت نہیں رکھتے: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بات کی تردید کی ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبودانِ باطلہ کو اختیار کر رکھا ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں، ان کو رزق دیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ﴾ ''وہ ان کی مدد کی (ہرگز) طاقت نہیں رکھتے۔'' یعنی یہ معبودان باطلہ اپنے عابدوں کی مدد کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے کیونکہ یہ تو اس سے کمزور، قلیل، حقیر اور فروتر ہیں کہ کسی کی مدد کر سکیں، کسی کی مدد تو کجا یہ تو خود آپ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے جو ان کے بارے میں کوئی برا ارادہ کرے اس سے انتقام نہیں لے سکتے کیونکہ یہ تو جمادات ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ عقل وشعور رکھتے ہیں۔ ﴿ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿75﴾ ﴾ ''اور یہ (معبودانِ باطلہ) ان (مشرکین) کے حاضر کیے گئے لشکر ہوں گے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ حساب کے وقت حاضر کیے جائیں گے۔[1] یعنی ان بتوں کو بھی اس وقت جمع کر کے حاضر کیا جائے گا جب قیامت کے دن ان کی عبادت کرنے والوں سے حساب لیا جا رہا ہوگا تاکہ ان کے غم وفکر میں مزید اضافہ ہو جائے اور ان پر زیادہ مضبوط طریقے سے حجت قائم کی جا سکے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ﴾ ''وہ ان کی مدد کی (ہرگز) طاقت نہیں رکھتے۔'' یعنی معبودان باطلہ۔[2] ﴿ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿75﴾ ﴾ ''اور وہ (معبودانِ باطلہ) ان (مشرکین) کی فوج بنا کر حاضر کیے جائیں گے۔'' مشرکین دنیا میں اپنے معبودوں کی وجہ سے لوگوں سے ناراض ہوتے تھے، حالانکہ یہ انھیں نہ کوئی بھلائی پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی برائی کو ان سے دور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ تو بے جان بت ہیں، حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور یہ ایک اچھا قول ہے۔[3] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[4]

رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ﴾ ''تو ان کی باتیں آپ کو غم ناک نہ کر دیں۔'' یعنی ان کا آپ کی تکذیب کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا آپ کو غم میں مبتلا نہ کرے کیونکہ ﴿ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿76﴾ ﴾ ''وہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں بے شک ہم (سب) جانتے ہیں۔'' ہم ان کے تمام حالات سے آگاہ ہیں اور ان کے اعمال کا انھیں بدلہ دیں گے جبکہ اس دن ان کے سارے اعمال ان کے سامنے ہوں گے اور کسی بھی جلیل یا حقیر، چھوٹے یا بڑے عمل کو گم نہیں پائیں گے بلکہ ان کے پرانے اور نئے تمام کے تمام اعمال ان کے سامنے پیش کر دیے

[1] تفسير الطبري: 37/23. [2] تفسير الطبري: 37/23. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 3202/10. [4] تفسير الطبري: 37/23.

اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿77﴾ وَضَرَبَ

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا﴿77﴾ اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان

لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَهٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ ﴿78﴾ قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ

کی اور وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ گلی سڑی ہوں گی؟﴿78﴾ آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا

اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿79﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ

جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے﴿79﴾ وہ (اللہ) جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ بنا دی، پھر

الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿80﴾

یکایک تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو﴿80﴾

جائیں گے۔

تفسیر آیات: 77-80

حیات بعد الممات کا انکار اور اس کی تردید: مجاہد، عکرمہ، عروہ بن زبیر، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اُبی بن خلف۔ اللہ اس پر لعنت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی پکڑی ہوئی تھی وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اڑا رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے محمد! کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بوسیدہ ہڈی کو بھی دوبارہ زندہ کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَللّٰهُ يُحْيِيهِ، ثُمَّ يُمِيتُهُ، ثُمَّ يُدْخِلُكَ النَّارَ] ''اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا، پھر اسے مارے گا، پھر تجھے جہنم رسید کر دے گا۔'' اس موقع پر سورۂ یٰسٓ کی ﴿ اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ﴾ ''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا۔'' سے لے کر آخر تک کی آیات نازل ہوئی تھیں۔ ①

اور امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عاص بن وائل نے بطحاء سے ایک ہڈی کو پکڑا اور اسے ہاتھ سے توڑ دیا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں یہ جو کچھ دیکھ رہا ہوں، کیا اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ، يَبْعَثُ اللّٰهُ هٰذَا، ثُمَّ يُمِيتُكَ، ثُمَّ يُحْيِيكَ، ثُمَّ يُدْخِلُكَ نَارَ جَهَنَّمَ] ''ہاں، اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا، پھر تجھے مارے گا، پھر تجھے زندہ کرے گا، پھر تجھے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس موقع پر سورۂ یٰسٓ کی آخری آیات نازل ہوئی تھیں، ② اسے ابن جریر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ ③

یہ آیات کریمہ خواہ اُبی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہوں یا عاص بن وائل کے بارے میں یا دونوں کے بارے میں، اپنے مضمون کے اعتبار سے عام ہیں اور ہر اس شخص کے بارے میں ہیں جو بعث بعد الموت کا منکر ہو کیونکہ ﴿ اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ ﴾

① تفسیر الطبری: 38/23 اور دیکھیے صحیح السیرة النبویة للألبانی، ص: 201,200 یہ حدیث مرسل ہے۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 3203/10 و المستدرك للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة یٰس: 429/2، حدیث: 3606 مزید دیکھیے صحیح السیرة النبویة للألبانی، ص: 201. ③ تفسیر الطبری: 38/23.

میں ﴿ الْاِنْسَانُ ﴾ کا الف لام جنس کے لیے ہے اور ہر منکر بعث اس میں شامل ہے۔ ﴿ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ’’بے شک ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا، پھر وہ کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔‘‘ یعنی کیا بعثت کا انکار کرنے والے نے اس سے استدلال نہیں کیا کہ جس نے اسے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی ابتدا حقیر پانی کے خلاصے سے کی، یعنی اسے ایک حقیر، ضعیف اور بے وقعت چیز سے پیدا کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (المرسلٰت 77:20-22) ’’کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا، ایک وقت معین تک۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ﴾ (الدھر 76:2) ’’بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو نطفۂ مخلوط سے پیدا کیا۔‘‘ یعنی ایسے نطفے سے جو مختلف اخلاط سے مرکب ہے تو جس ذات پاک نے اسے اس کمزور سے نطفے سے پیدا فرمایا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اسے موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بسر[1] بن جحاش سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنی ہتھیلی پر لعابِ دہن رکھا، پھر اس پر اپنی انگلی رکھتے ہوئے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ابْنَ آدَمَ! أَنّٰى تُعْجِزُ نِي وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ مِّثْلِ هٰذِهِ، حَتّٰى إِذَا سَوَّيْتُكَ وَعَدَلْتُكَ، مَشَيْتَ بَيْنَ بُرْدَيْنِ، وَلِلْأَرْضِ مِنْكَ وَئِيدٌ، فَجَمَعْتَ وَمَنَعْتَ، حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ، قُلْتَ: أَتَصَدَّقُ، وَأَنّٰى أَوَانُ الصَّدَقَةِ؟] ’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم! تو مجھے کہاں عاجز کر سکے گا، میں نے تجھے اس طرح کی چیز سے پیدا کیا ہے حتی کہ میں نے جب تیرے اعضا کو ٹھیک کیا اور تیری قامت کو معتدل رکھا تو تو (فخر سے) اپنی چادروں میں چلنے لگا اور زمین پر تیری دھمک تھی، پھر تو نے مال جمع کیا اور خرچ نہ کیا حتی کہ جب وہ (جان) ہنسلیوں تک پہنچ گئی تو تو کہتا ہے کہ میں صدقہ کرتا ہوں مگر اب صدقے کا وقت کہاں؟‘‘[2] اور اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴾ ’’اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ گلی سڑی ہوں گی؟‘‘ یعنی اس نے اس اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اپنی عظیم الشان قدرت کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اس بات کو بعید سمجھا کہ وہ بوسیدہ جسموں اور ہڈیوں کو دوبارہ زندہ فرما سکے اور وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدم سے وجود بخشا ہے، اس طرح انسان نے جس چیز کو بعید از قیاس سمجھتے ہوئے انکار کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس سے بھی بڑی بات اس کے اپنے نفس سے سمجھا دی ہے اور فرمایا: ﴿ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴾ ’’کہہ دیں کہ اسے وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے۔‘‘ یعنی

[1] حافظ ابن حجر تقریب التہذیب: 125/1 پر لکھتے ہیں: يقال فيه: بِشر، بكسر أوله والمعجمة (بُسر کو) ’’بِشر‘‘ با کے کسرے اور (سین کے بجائے) شین کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ [2] مسند أحمد: 210/4. [3] سنن ابن ماجه، الوصايا، باب النهي عن الإمساك في الحياة......، حديث: 2707.

وہ اطراف واکنافِ زمین کی تمام ہڈیوں کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کہاں گئیں، کہاں منتشر ہوگئیں اوران کے ذرات کہاں کہاں بکھر گئے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ربعی سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ ہمیں کوئی حدیث نہ بیان کریں گے جوآپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ رَجُلًا حَضَرَهُ الْمَوْتُ، فَلَمَّا أَيِسَ مِنَ الْحَيَاةِ أَوْصٰى أَهْلَهُ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَاجْمَعُوا لِي حَطَبًا كَثِيرًا جَزْلًا ، ثُمَّ أَوْقِدُوا فِيهِ نَارًا حَتّٰى إِذَا أَكَلَتْ لَحْمِي وَخَلَصَ إِلٰى عَظْمِي فَامْتَحَشْتُ فَخُذُوهَا (ثُمَّ اسْحَقُونِي) فَاذْرُوهَا فِي الْيَمِّ، فَفَعَلُوا فَجَمَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَقَالَ لَهُ: لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ! قَالَ: فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهُ] ''ایک شخص کی موت کا وقت قریب آیا اور جب وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا تو اس نے اپنے اہل خانہ کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو بہت زیادہ ایندھن اکٹھا کرلینا، پھر اسے آگ لگا دینا (اور مجھے اس میں جلا دینا) حتی کہ جب آگ میرے گوشت کو کھا جائے اور میری ہڈیوں تک پہنچ جائے اور میں جل کر کوئلہ بن جاؤں تو اسے پکڑ کر پیس دینا اور اس کے ذرات کو سمندر میں بہا دینا، اس کے اہل خانہ نے اس کی موت کے بعد ایسا ہی کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کے ذرات کو جمع کرکے اسے دوبارہ انسان بنا کر اپنے پاس لا حاضر کیا اور اس سے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کی: تیرے خوف کی وجہ سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے اسے بخش دیا۔'' عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ یہ شخص کفن چور تھا۔ ①

صحیحین میں یہ حدیث قدرے طویل ہے اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ اسے جلا دیں، پھر اس کی ہڈیوں کو پیس لیں، پھر اس کا نصف حصہ خشکی میں اڑا دیں اور نصف حصہ کسی تیز آندھی والے دن دریا میں بہا دیں، اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا، اس میں جس قدر اس کے جسم کے ذرات تھے، اس نے جمع کردیے، اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا اور اس نے بھی اس کے تمام ذرات کو جمع کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ تو (زندہ) ہو جا تو وہ ایک آدمی کی صورت میں کھڑا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے عرض کی کہ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے تیرے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے اسی وقت معاف فرما دیا۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۝۸۰ ﴾ ''وہی جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی، پھر تم اس سے آگ جلاتے ہو۔'' یعنی جس ذات پاک نے اس درخت کو پانی سے پیدا فرمایا

---

① مسند أحمد: 395/5 جبکہ قوسین والا لفظ صحيح البخاری، أحاديث الأنبياء، باب: 54، حديث: 3478 و صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: 2757 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ② صحيح البخاری، أحاديث الأنبياء، باب: 54، حديث: 3478 و 6481 و صحيح مسلم التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: 2757 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ و (25,24)-2756 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ

کیا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے (انسان) پیدا کردے؟ کیوں نہیں! وہی تو (سب کچھ) پیدا کرنے

الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿81﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿82﴾ فَسُبْحٰنَ

والا، خوب جاننے والا ہے ﴿81﴾ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے: ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے ﴿82﴾ چنانچہ

الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾ ع 5 16 4

پاک ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿83﴾

حتی کہ وہ سرسبز و شاداب ہو کر ثمر بار ہو گیا، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ وہ خشک ہو کر ایندھن بن گیا اور اس سے آگ جلائی جانے لگی، اسی طرح وہ جو چاہے اسے کرنے پر قادر ہے، وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت رکھتا ہے، کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ امام قتادہ نے اس آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس نے اس آگ کو اس درخت سے نکالا، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں مذکور درخت سے مراد مرخ اور عفار ہیں جو سرزمین حجاز میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو شخص آگ جلانا چاہے اور اس کے پاس چقماق کا پتھر نہ ہو تو وہ ان میں سے کسی بھی درخت کی دو شاخیں لے کر ان کو ایک دوسری پر رگڑتا ہے تو ان سے آگ پیدا ہو جاتی ہے جس طرح چقماق کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] اسی لیے ضرب المثل ہے: لِكُلِّ شَجَرٍ نَّارٌ وَّاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ ''ہر درخت میں آگ ہے، البتہ مرخ اور عفار میں زیادہ ہے۔'' اور حکماء کہتے ہیں کہ عُنّاب کے سوا ہر درخت میں آگ ہے۔

تفسیر آیات: 81-83

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان قدرت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ساتوں آسمانوں کو ثوابت اور سیاروں کے ساتھ پیدا فرمایا اور ساتوں زمینوں کو ان کے پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور جنگلوں کے ساتھ وجود بخشا ہے اور اپنی اس عظیم الشان قدرت کے حوالے سے اس استدلال کی طرف اس نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ جس ذات پاک نے ان عظیم الشان اشیا کو تخلیق فرمایا ہے وہ مرنے کے بعد ان جسموں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 40: 57) ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑا (کام) ہے۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ ﴾ ''بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔'' یعنی انسانوں کو جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا، کیا وہ اس طرح ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ

[1] تفسیر الطبری: 39/23 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3203/10. [2] تفسیر البغوی: 24/4.

الْمَوْتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ (الأحقاف 46:33) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے اکتایا نہیں وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ ہاں، بلاشبہ وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ۝ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ ﴾ ''کیوں نہیں! اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا، خوب جاننے والا ہے، اس کا معاملہ تو بس یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔'' یعنی وہ کسی چیز کو صرف ایک ہی بار حکم دیتا ہے، اسے تکرار یا تاکید کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ کسی شاعر نے بھی کہا ہے:

إِذَا مَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا فَإِنَّمَا
يَقُولُ لَهُ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُونُ

''اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے ایک ہی بار فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: يَاعِبَادِي! كُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ، فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْلَكُمْ...... وَكُلُّكُمْ فَقِيرٌ إِلَّا مَنْ أَغْنَيْتُ......لِأَنِّي جَوَادٌ مَّاجِدٌ وَّاجِدٌ، أَفْعَلُ مَا أَشَاءُ، عَطَائِي كَلَامٌ وَّعَذَابِي كَلَامٌ، إِذَا أَرَدْتُّ شَيْئًا فَإِنَّمَا أَقُولُ لَهُ: كُنْ فَيَكُونُ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص گناہ گار ہے سوائے اس کے جسے میں بچا لوں تو تم مجھ سے گناہوں کی بخشش مانگو، میں تمھیں معاف فرما دوں گا...... اور تم میں سے ہر ایک فقیر ہے، سوائے اس کے جس کو میں غنی کر دوں......، بے شک میں جواد، ماجد اور واجد ہوں، میں وہ کرتا ہوں جو میں چاہتا ہوں، میں نے عطا کرنا ہو تو فرما دیتا ہوں اور عذاب دینا ہو تو پھر بھی فرما دیتا ہوں اور جب کسی بھی چیز کا ارادہ کرتا ہوں، تو بس اسے فرما دیتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ ''تو وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تمھیں لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی ہر قسم کی برائی سے منزہ، مقدس اور پاک ہے، وہ زندہ اور قائم ہے جس کے ہاتھوں میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں اور اس کی طرف سارا معاملہ لوٹتا ہے، سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور سب حکم بھی اسی کا ہے، روز قیامت تمام بندے بھی اسی کے پاس لوٹ کر جائیں گے، وہ ہر کام کرنے والے کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا، وہ عدل فرمانے والا، انعام سے نوازنے والا اور اپنے فضل وکرم سے سرفراز فرمانے والا ہے۔ ﴿ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ کے معنی اس آیت کریمہ کی طرح ہیں: ﴿ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ (المؤمنون 23: 88) ''کہہ دیں کہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے۔'' یا اس آیت کریمہ کی طرح ہیں: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ؗ ﴾ (الملك 67:1) ''وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، بابرکت ہے۔'' ملک اور ملکوت کے ایک ہی معنی ہیں جس طرح رحمت اور رحموت، رھبۃ اور رھبوت، جبر اور جبروت کے ایک ہی

[1] مسند أحمد :177/5.

معنی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ’’ملک‘‘ سے مراد عالم اجسام اور ’’ملکوت‘‘ سے مراد عالم ارواح ہے لیکن صحیح پہلی بات ہے اور جمہور مفسرین وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیام کیا تو آپ نے سات رکعتوں میں سات طویل سورتوں کی تلاوت فرمائی، آپ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ پڑھتے: [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ] پھر یہ کلمات پڑھتے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِي الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ] ’’سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جو وسیع سلطنت، عظیم اقتدار اور بڑائی و بزرگی کا مالک ہے۔‘‘ آپ کا رکوع بھی قیام کی طرح طویل اور سجدہ بھی رکوع کی طرح طویل تھا، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میرے پاؤں ٹوٹنے کے قریب تھے۔ ①

اور امام ابوداود نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیام کیا، آپ نے کھڑے ہو کر سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع فرمادی، جب کسی ایسی آیت کے پاس سے گزرتے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہوتا تو آپ ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب کسی ایسی آیت کے پاس سے گزرتے جس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے، پھر آپ نے قیام کے بقدر رکوع کیا اور رکوع میں یہ کلمات پڑھتے تھے: [سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ] ’’پاک ہے وہ ذات جو عظیم اقتدار، وسیع سلطنت اور بڑائی و بزرگی کی مالک ہے۔‘‘ پھر آپ نے قیام کے برابر سجدہ کیا اور سجدے میں بھی یہی کلمات پڑھے، پھر آپ نے (دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہو کر آل عمران کو پڑھا، پھر ایک ایک سورت پڑھی۔ ② اور اسے امام ترمذی نے شمائل میں اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

سورۂ یٰسٓ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ .

① مسند أحمد: 397,396/5 . ② سنن أبي داود، الصلاة، باب مايقول الرجل في ركوعه و سجوده، حديث: 873 . البتہ مذکورہ حوالے میں یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ یہ دعا رکوع کے بعد قیام میں پڑھنے کے بجائے رکوع میں پڑھا کرتے تھے۔
③ الشمائل المحمدية، باب ماجاء في صوم رسول الله ﷺ، حديث: 313 و سنن النسائي، التطبيق، باب نوع آخر من الذكر في الركوع، حديث: 1050 و السنن الكبرى للنسائي، التطبيق، باب: 70 نوع آخر: 240/1، حديث: 718 .

تفسیر سُوْرَۂ صٰٓفّٰت

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ② فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ③ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④

قسم ہے قطار در قطار صفیں باندھنے والوں (فرشتوں) کی ① پھر جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی ② پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی ③ بلاشبہ تمھارا معبود

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤

ایک ہی ہے ④ (وہی) رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور (اس کا بھی) جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور (تمام) مشرقوں کا رب ہے ⑤

فضیلت: امام نسائی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تخفیف کا حکم دیا کرتے تھے اور ہمیں نماز پڑھاتے ہوئے آپ صافات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس روایت کو صرف امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ ①

تفسیر آیات: 1-5

فرشتے اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① ﴾ سے مراد فرشتے ہیں۔ ﴿ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ② ﴾ اور ﴿ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ③ ﴾ سے مراد بھی فرشتے ہیں۔ ② اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سُدی، قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ ③ قتادہ کہتے ہیں کہ فرشتے آسمانوں میں صفیں باندھے ہوئے ہیں۔ ④ اور امام مسلم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ: جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ] ''ہمیں لوگوں پر تین چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے: (1) ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنا دیا گیا ہے۔ (2) اور ساری زمین کو ہمارے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے۔ (3) اور اگر ہم پانی نہ پائیں تو اس کی مٹی کو ہمارے لیے ذریعۂ طہارت بنا دیا گیا ہے۔'' ⑤

① السنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب سورة الصافات: 440/6، حديث: 11432 و مسند أحمد: 26/2 و صحيح ابن خزيمة، الإمامة في الصلاة، باب قدرقراءة الإمام الذى لا يكون تطويلا: 49/3، حديث: 1606. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3204/10. ③ تفسير القرطبي: 62,61/15. ④ تفسير الطبري: 41/23. ⑤ صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث: 522.

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۣ الْكَوَاكِبِ ۙ⑥ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ⑦ لَا يَسَّمَّعُوْنَ

بے شک ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دے کر سجایا ہے⑥ اور ہر سرکش شیطان سے (اس کی) حفاظت کے لیے⑦ (تاکہ) وہ عالم بالا کی

اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ⑧ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ⑨ اِلَّا مَنْ

(باتیں) سن نہ پائیں، اور (ان پر) ہر طرف سے (شہاب) پھینکے جاتے ہیں⑧ (انھیں) بھگانے کے لیے، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے⑨ مگر جو کوئی

خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑩

(ایک آدھ بات) اچانک اچک کر لے جائے تو نہایت چمکتا ہوا ستارہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے⑩

اور امام مسلم ہی نے، نیز ابو داود، نسائی اور ابن ماجہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؟ قُلْنَا : وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟ قَالَ: يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْمُتَقَدِّمَةَ، وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ] ''تم اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں؟ ہم نے عرض کی: فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صفیں بناتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ پہلے اگلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور وہ صف کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح بناتے ہیں۔''①

سدی وغیرہ نے کہا ہے کہ ﴿ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ② ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ فرشتے بادلوں کو ڈانٹتے اور جھڑکتے ہیں اور انھوں نے ﴿ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ③ ﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ وہ کتابوں اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے پاس لاتے ہیں۔②

اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ④ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''بے شک تمھارا ایک ہی الٰہ ہے، جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔'' اس پر قسم کھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ﴿ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ ''اور جو کچھ ان دونوں میں ہے۔'' یعنی مخلوقات، ﴿ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۭ⑤ ﴾ ''اور سورج کے طلوع ہونے کے مقامات کا بھی مالک ہے۔'' وہ مالک و متصرف ہے۔ کواکب، ثوابت اور سیاروں کو اس نے مسخر فرما رکھا ہے جو مشرق سے طلوع ہوتے اور مغرب میں غروب ہو جاتے ہیں لیکن صرف مشارق کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ مغارب پر خود بخود دلالت کر رہا ہے، اس کی صراحت اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۙ ﴾ (المعارج 40:70) ''ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کہ بلاشبہ ہم البتہ طاقت رکھتے ہیں۔'' اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ ﴾ (الرحمٰن 17:55) ''وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا

① صحيح مسلم، الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة والنهي عن الإشارة باليد......، حديث: 430 و سنن أبي داود، الصلاة، باب تسوية الصفوف، حديث: 661 و اللفظ له، البتہ یہاں [الْمُتَقَدِّمَةَ] کے بجائے [الْمُقَدَّمَةَ] ہے و سنن النسائي، الإمامة، باب حث الإمام على رص الصفوف والمقاربة بينها، حديث: 817 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب إقامة الصفوف، حديث: 992. ② تفسير الطبري: 42,41/23 و تفسير ابن أبي حاتم: 3204/10.

مالک ہے۔'' یعنی سورج اور چاند کے موسم گرما وسرما میں الگ الگ مشرق ومغرب ہیں۔

تفسیر آیات:6-10

آسمان کی تزئین وحفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے آسمانِ دنیا کو دیکھنے والوں کے لیے جو باشندگان زمین ہیں مزین فرما دیا ہے ﴿ بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ﴾ ''ستاروں کی زینت سے۔'' اسے اضافت و بدل کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہیں،[1] آسمان کے ثوابت، کواکب اور سیارے اہل زمین کے لیے روشنی فراہم کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴾ (الملك 5:67) ''اور البتہ تحقیق ہم نے قریب کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطانوں کے مارنے کا آلہ بنایا اور ان کے لیے دہکتے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (الحجر 15:16-18) ''اور البتہ تحقیق ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو سجایا اور ہر شیطان راندۂ درگاہ سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں، اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو روشن شعلہ اس کے پیچھے لپکتا ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴾ ''اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی۔'' ﴿ مَّارِدٍ ﴾ کے معنی متمرد اور سرکش کے ہیں کہ جب وہ چوری چھپے سننے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ آ جاتا ہے جو اسے جلا ڈالتا ہے، اسی لیے اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى ﴾ ''وہ (شیطان) ملاءِ اعلیٰ کی باتیں نہ سن سکیں۔'' یعنی ملاءِ اعلیٰ تک نہ پہنچ سکیں، اور ملاءِ اعلیٰ سے مراد آسمان اور ان میں رہنے والے فرشتے ہیں جب وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی وحی کردہ شرع ومقدرات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جیسا کہ اس کا ان احادیث میں ذکر ہے جو ہم قبل ازیں آیت کریمہ ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ (سبا 34:23) ''یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو (باہم) کہتے ہیں: تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ (بالکل) حق (فرمایا) اور وہ نہایت عالی مقام، بہت بڑا ہے۔'' کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ ﴿ وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴾ ''اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔'' یعنی ہر اس طرف سے جہاں سے وہ آسمان کا قصد کرتے ہیں، ﴿ دُحُوْرًا ﴾ ''وہاں سے نکال دینے کو۔'' انھیں مارا جاتا، ڈانٹ ڈپٹ پلائی جاتی اور آسمان تک پہنچنے سے روکا جاتا ہے، ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴾ ''اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔'' یعنی آخرت میں انھیں دائمی، ہمیشہ رہنے والا اور بہت دردناک عذاب ہوگا، جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴾ (الملك 5:67) ''اور ہم نے ان کے لیے دہکتے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

---

[1] یعنی زِینَۃُ مضاف اور اَلْکَوَاکِبِ مضاف الیہ ہے بِزِینَۃِ الْکَوَاکِبِ اور بدل کی صورت میں بِزِینَۃٍ یعنی تنوین کے ساتھ پڑھیں گے اور آپس میں یہ بدل مبدل منہ ہوں گے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَاؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ

پھر آپ ان سے پوچھیے: کیا انھیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا جو کچھ ہم نے پیدا کیا؟ بے شک ہم نے ان (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا⑪ بلکہ

لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۪ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۪ ⑬ وَاِذَا

آپ نے (کفار کے انکار آخرت پر) تعجب کیا جبکہ وہ ٹھٹھا کرتے ہیں⑫ اور جب انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے⑬ اور جب وہ کوئی

رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۪ ⑭ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚۖ ⑮ ءَاِذَا مِتْنَا

نشانی دیکھتے ہیں تو خوب مذاق اڑاتے ہیں⑭ اور وہ کہتے ہیں: یہ تو بالکل کھلا جادو ہے⑮ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ ⑯ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ ⑰ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ

کیا ہمیں سچ مچ (دوبارہ) اٹھایا جائے گا؟⑯ کیا ہمارے پہلے باپ دادوں کو بھی؟⑰ آپ کہہ دیجیے: ہاں! اور تم ذلیل وخوار ہو گے⑱ سو بس وہ (اٹھانا)

دٰخِرُوْنَ ۚ ⑱ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑲

تو ایک جھڑکی ہی ہوگی، تو وہ یکا یک (زندہ ہو کر) دیکھتے ہوں گے⑲

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ ﴾ ”ہاں، جو کوئی (فرشتوں کی بات کو) جھپٹ لینا چاہتا ہے۔“ یعنی ان شیطانوں میں سے جو چوری سے جھپٹ لینا چاہتا ہے اور وہ کوئی ایسی بات ہوتی ہے جسے وہ آسمان سے سن کر اپنے سے نیچے والے شیطان کو بتا دیتا ہے، بسا اوقات اسے بتانے سے پہلے ہی جلتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ جلتے ہوئے انگارے کے آنے اور اسے جلانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق نیچے والے شیطان کو بتانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور یہ دوسرا شیطان وہ بات کاہن کو بتا دیتا ہے، جیسا کہ حدیث کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔① اسی لیے فرمایا: ﴿ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑩ ﴾ ”ہاں، جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہتا ہے تو روشن انگارا اس کے پیچھے لگتا ہے۔“ ﴿ ثَاقِبٌ ⑩ ﴾ کے معنی روشن اور منور کے ہیں۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیطانوں کے لیے آسمانوں میں بیٹھنے کے لیے مقامات تھے جہاں سے وہ وحی سنتے تھے، اس وقت ستارے چلتے نہیں تھے اور شیطانوں کو مارا نہیں جاتا تھا اور جب وہ وحی سن لیتے تو زمین کی طرف اتر آتے اور سنی ہوئی ایک بات میں نو (9) اور باتیں ملا دیتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تو شیطان جب اپنی جگہ پر جانے کا قصد کرتا تو اس کے پاس انگارا آ کر اسے بھسم کر دیتا، شیطانوں نے اس کا ابلیس ملعون کے پاس ذکر کیا تو اس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ رونما ہوا ہے، واقعہ معلوم کرنے کے لیے اس نے اپنے لشکروں کو روانہ کر دیا تو انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو نخلہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان۔ وکیع نے کہا۔ یعنی بطن نخلہ میں رسول اللہ ﷺ کو کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے واپس جا کر ابلیس کو بتایا تو ابلیس

① دیکھیے الشعرآء، آیت :223 کے ذیل میں اور سبا، آیت : 23 کے ذیل میں اور صحیح البخاري، التفسیر، باب ﴿ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ...... ﴾ (سبا 34:23)، حدیث: 4800 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

نے کہا کہ ہاں یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ ①

تفسیر آیات:11-19

حیات بعد الممات کا ثبوت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان منکرین بعثت سے پوچھو کہ کن کا بنانا مشکل ہے، ان کا یا آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان فرشتوں، شیطانوں اور دیگر بڑی بڑی مخلوقات کا؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں [أَمْ مَّنْ عَدَدْنَا] ہے، وہ اقرار کرتے تھے کہ ان کی نسبت ان مخلوقات کا بنانا زیادہ مشکل ہے۔ ②

اور جب حقیقت حال یہی ہے تو پھر بعثت کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ جس چیز کا انکار کر رہے ہیں اس سے بڑی چیز خود دیکھ رہے ہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 40:57) ”آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا یقیناً لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بہت ہی کمزور چیز سے پیدا کیے گئے ہیں ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ ﴾ ”بے شک ہم نے انھیں چپکتے گارے سے بنایا ہے۔“ مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ ﴾ کے معنی اس گارے کے ہیں جو آپس میں چپک رہا ہو۔ ③ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ کا قول ہے کہ اس کے معنی لیس دار گارے کے ہیں۔ ④ اور قتادہ کہتے ہیں کہ جو ہاتھ کے ساتھ چپک جائے۔ ⑤

ارشاد باری ہے: ﴿ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ ﴾ ”ہاں، آپ نے (کفار کے انکار پر) تعجب کیا جبکہ وہ تمسخر کرتے ہیں۔“ یعنی اے محمد! آپ تو ان منکرینِ بعثت کی تکذیب سے تعجب کر رہے ہیں کیونکہ آپ تو یقین رکھتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں جس عجیب معاملے کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جسموں کے فنا ہو جانے کے بعد انھیں دوبارہ اٹھایا جانا ہے تو اس کے برخلاف یہ لوگ شدید تکذیب کرتے ہوئے آپ کی ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ تعجب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور تمسخر گمراہ لوگوں نے۔ ⑥ ﴿ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً ﴾ ”اور وہ جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں۔“ یعنی اس کی واضح دلیل، تو ﴿ يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ ﴾ ”ٹھٹھا کرتے ہیں۔“ مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ⑦ ﴿ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ﴾ ”اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔“ یعنی تم جو لائے ہو یہ تو صریح جادو ہے۔ ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰ ﴾ ”بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے، کیا ہمارے باپ دادا بھی (جو) پہلے (ہو گزرے ہیں؟)“ یعنی وہ اسے بعید سمجھتے ہوئے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ ﴿ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ⑱ ﴾ ”کہہ دیں: ہاں، اور تم ذلیل ہو گے۔“ یعنی اے محمد! ان سے کہہ دیں کہ تم مٹی اور ہڈیاں بننے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے مقابلے

---

① تفسیر الطبری: 45/23. ② تفسیر الطبری: 51/23. ③ تفسیر الطبری: 53/23 و تفسیر القرطبی: 69/15.
④ تفسیر الطبری: 52/23. ⑤ تفسیر الطبری: 53/23 و تفسیر أبی حاتم: 3206/10. ⑥ تفسیر الطبری: 54/23.
⑦ تفسیر الطبری: 54/23.

ع 1/21/5 وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑳ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ㉑ اُحْشُرُوا

اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری بدبختی! یہ تو جزا کا دن ہے ⑳ یہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے تھے ㉑ (اے فرشتو!) اکٹھا کرو ان

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ㉒ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى

لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا، اور ان کے جوڑوں کو اور (ان کو) جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے ㉒ اللہ کے سوا، پھر انھیں دوزخ کی راہ

صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ㉓ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ㉔ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ㉕ بَلْ هُمُ

دکھا دو ㉓ اور انھیں ٹھہراؤ، بلاشبہ ان سے باز پرس کی جائے گی ㉔ (کہا جائے گا:) تمھیں کیا ہوا، تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ ㉕

الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ㉖

بلکہ آج وہ (سب) فرماں بردار ہیں ㉖

میں بہت ہی حقیر ہو جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ﴾ (النمل 87:27) ''اور سب اس پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ (المؤمن 60:40) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر کتراتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔''

پھر اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑲﴾ ''سو بس وہ (اٹھانا) ایک جھڑکی ہی ہوگی تو وہ یکایک دیکھنے لگیں گے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہوگا اور وہ انھیں یکبار بلائے گا کہ وہ زمین سے نکل آئیں، تو وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ.

تفسیر آیات:20-26

قیامت کے دن کی ہولناکیاں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور اعتراف کریں گے کہ انھوں نے دنیا میں اپنے اوپر خود ظلم کیا تھا اور جب روز قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو بے حد ندامت کا اظہار کریں گے لیکن اس وقت ندامت کا انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا: ﴿وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑳﴾ ''اور کہیں گے: ہائے شامت! یہی جزا کا دن ہے۔'' فرشتے اور مومن انھیں جواب دیں گے: ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ㉑﴾ ''(کہا جائے گا:) یہی ہے فیصلے کا دن جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے۔'' یہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ میدان حشر میں کافروں کو مومنوں سے الگ کر دیں، ارشاد ہوگا: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ﴾ ''جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو اور ان کے ہم جنسوں کو جمع کر لو۔'' نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ ہم جنسوں سے مراد ان کے اشباہ و امثال ہیں۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سدی، ابو صالح، ابو العالیہ اور زید بن اسلم نے بھی اسی طرح کہا۔[2] اور شریک نے سماک سے اور انھوں نے نعمان سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ﴾ میں ہم جنسوں سے ایک جیسے

① تفسير الطبري: 56/23 عن النعمان بن بشير عن عمر رضی اللہ عنہ. ② تفسير الطبري: 57,56/23.

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿27﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿28﴾ قَالُوْا بَلْ

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم پوچھیں گے﴿27﴾ کہیں گے: بے شک تم تو ہمارے پاس دائیں (اور بائیں) طرف سے آیا کرتے تھے﴿28﴾ وہ

لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿29﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿30﴾

کہیں گے: (نہیں!) بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہیں تھے﴿29﴾ اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا، بلکہ تم خود ہی سرکشی کرنے والے تھے﴿30﴾ پھر ہم (سب)

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿31﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿32﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي

پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی، بے شک ہم (سب ہی عذاب کا مزہ) چکھنے والے ہیں﴿31﴾ چنانچہ ہم نے تمھیں گمراہ کیا، بلاشبہ ہم خود بھی گمراہ

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿33﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿34﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ

تھے﴿32﴾ پس یقیناً وہ اس دن عذاب میں مشترک ہوں گے﴿33﴾ بے شک ہم مجرموں سے ایسا ہی (سلوک) کرتے ہیں﴿34﴾ بے شک جب ان سے کہا جاتا

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿35﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿36﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے﴿35﴾ اور کہتے: کیا بھلا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر چھوڑ دیں؟﴿36﴾ بلکہ وہ تو حق لایا

وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿37﴾

ہے اور اس نے (سب) رسولوں کی تصدیق کی ہے﴿37﴾

لوگ مراد ہیں، زانی زانیوں کے ساتھ، سود خور سود خوروں کے ساتھ اور شرابی شرابیوں کے ساتھ آئیں گے۔[1] مجاہد اور سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ سے مراد ان کے ساتھی ہیں ﴿ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿22﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جن کی وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے (سب کو جمع کرلو۔)'' یعنی ان کے بتوں اور معبودانِ باطلہ کو بھی ان کے ساتھ ان کی جگہوں میں جمع کیا جائے گا۔ ﴿ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿23﴾ ﴾ ''پھر ان کو جہنم کے رستے پر چلا دو۔'' یعنی جہنم کے رستے کی طرف ان کی رہنمائی کرو، یہ آیت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 97:17) ''اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ، اندھے، گونگے اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لیے) اور بھڑکا دیں گے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''اور انھیں ٹھہرائے رکھو کہ ان سے (کچھ) پوچھنا ہے۔'' یعنی ان کو ٹھہراؤ تاکہ ان سے ان کے ان اعمال واقوال کی بابت پوچھا جائے جو دنیا میں ان سے صادر ہوئے تھے جیسا کہ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں روک لو تاکہ ان سے حساب لیا جائے۔[2] عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ میں نے عثمان بن زائدہ سے سنا، فرماتے تھے کہ آدمی سے سب سے پہلے اس کے ساتھیوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور پھر ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ان سے کہا جائے گا: ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿25﴾ ﴾

[1] تفسیر القرطبی:73/15 و تفسیر الطبری:56/23 بالفاظ دیگر۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:3208/10.

''تمھیں کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟'' جیسا کہ تم گمان کرتے تھے کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط ہے ﴿ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴾ ''بلکہ آج تو وہ فرماں بردار ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے فرماں بردار ہیں، اس کی مخالفت نہیں کریں گے اور نہ اس سے دور ہوں گے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:27-37

روزِ قیامت مشرکین کا باہمی جھگڑا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار قیامت کے دن ایک دوسرے کو ملامت کریں گے جیسا کہ وہ جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے: ﴿ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ○ ﴾ (المؤمن 40:47,48)
''تو کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جنھوں نے تکبر کیا کہ ہم تو تمھارے تابع تھے تو کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو؟ متکبر لوگ کہیں گے کہ تم (بھی اور) ہم (بھی) سب دوزخ میں ہیں۔ بے شک اللہ بندوں میں فیصلہ کر چکا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (سبا 34:31-33) ''اور کاش! (ان) ظالموں کو آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے جبکہ ان کا بعض بعض کی بات کا رد کر رہا ہوگا، جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو تکبر کرتے تھے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے، بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے: بھلا ہم نے تمھیں ہدایت سے، جب وہ تمھارے پاس آ چکی تھی روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم ہی گناہ گار تھے، اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے: (نہیں) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کے شریک بنائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (سب دل میں) ندامت چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس جو عمل وہ کرتے تھے انھی کا انھیں بدلہ ملے گا۔''

اسی طرح وہ یہاں بھی ان سے کہیں گے: ﴿ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴾ ''بے شک تم ہی ہمارے پاس دائیں سے آتے تھے۔'' ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ کہیں گے کہ تمھیں ہم پر جو غلبہ وتسلط حاصل تھا اس کی وجہ سے تم ہمیں مغلوب کر لیتے تھے کیونکہ ہم کمزور تھے اور تم طاقتور تھے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ انسان جنوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے پاس دائیں طرف سے آتے تھے، یعنی خیر کی طرف سے اور ہمیں اس سے منع کرتے اور روکتے تھے۔[2] اور

[1] زاد المسیر :6/303 . [2] تفسیر الطبری :23/60 .

سدی کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس حق کی طرف سے آتے تھے اور باطل کو ہمارے سامنے مزین کرتے تھے اور حق سے ہمیں روکتے تھے۔ ① اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ہمارے اور خیر و بھلائی کے مابین حائل ہو جاتے تھے اور تم نے ہمیں اسلام، ایمان اور اس اچھے عمل سے دور کر دیا تھا جس کے کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا۔ ② اور یزید رِشک کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ہمیں لا الہ الا اللہ سے روکتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''وہ کہیں گے بلکہ تم (خود ہی) ایمان لانے والے نہ تھے۔'' جنوں اور انسانوں میں سے قائدین اپنے پیروکاروں سے کہیں گے کہ نہیں بات اس طرح نہیں جو تم کہتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ تمھارے دل ایمان سے منکر اور کفر و نافرمانی کو قبول کرنے والے تھے ﴿ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ ''اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا۔'' یعنی ہم نے تمھیں جس چیز کی دعوت دی تھی، اس کے صحیح ہونے کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہ تھی ﴿ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴾ ''بلکہ تم (خود) ہی سرکش لوگ تھے۔'' بلکہ تم میں سرکشی تھی اور تم حق سے تجاوز کرتے تھے، اسی وجہ سے تم نے ہماری بات کو قبول کر لیا تھا اور تم نے اس حق کو ترک کر دیا تھا جسے انبیاء تمھارے پاس لائے تھے اور انھوں نے اس کے صحیح ہونے کے دلائل بھی قائم کر دیے تھے مگر تم نے ان کی مخالفت کی تھی ﴿ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴾ ''سو ہمارے بارے میں ہمارے پروردگار کی بات پوری ہوگئی، بے شک (اب) ہم (عذاب کے) مزے چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تمھیں گمراہ کیا، یقیناً ہم خود بھی گمراہ تھے۔'' بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ ہم پر اللہ کی بات حق ثابت ہوگئی، لہٰذا ہم قیامت کے دن عذاب چکھنے والے بدبختوں میں سے ہو گئے ﴿ فَاَغْوَيْنٰكُمْ ﴾ ''پس ہم نے تمھیں بھی گمراہ کیا۔'' یعنی ہم نے تمھیں گمراہی کی طرف دعوت دی ﴿ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴾ ''بے شک ہم خود بھی تو گمراہ تھے۔'' یعنی جس گمراہی میں ہم خود مبتلا تھے ہم نے تمھیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴾ ''چنانچہ یقیناً وہ اس روز عذاب میں (ایک دوسرے کے) شریک ہوں گے۔'' یعنی سب درجہ بدرجہ جہنم میں ہوں گے۔ ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ''یقیناً ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں، بلاشبہ (ان کا یہ حال تھا کہ دنیا میں) جب بھی ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے۔'' یعنی جس طرح مومن کہتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ازراہ تکبر ایسا نہیں کہتے تھے۔ ابن ابو حاتم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ] ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں حتی کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان کو بچا لیا سوائے اس کے حق کے اور اس کا

① تفسیر الطبری:60/23. ② تفسیر الطبری:60/23.

اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ﴿38﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿39﴾

بے شک تم اب دردناک عذاب (کا مزہ) ضرور چکھو گے ﴿38﴾ تمھیں بس اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے تھے ﴿39﴾ مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿40﴾ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿41﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿42﴾

(عذاب سے محفوظ رہیں گے) ﴿40﴾ انھی (لوگوں) کے لیے مقررہ روزی ہے ﴿41﴾ یعنی (جنت کے) لذیذ پھل، اور وہ لوگ معزز ہوں گے ﴿42﴾ نعمت کے باغوں

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿43﴾ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿44﴾ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿45﴾

میں ﴿43﴾ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (براجمان) ہوں گے ﴿44﴾ ان کے لیے جاری چشمے سے شراب (طہور) کا بھرا جام پھرایا جائے گا ﴿45﴾ سفید

بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿46﴾ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ﴿47﴾ وَعِنْدَهُمْ

رنگ (بالکل صاف شفاف) پینے والوں کے لیے لذت (والی ہوگی) ﴿46﴾ نہ اس سے سر چکرائے گا اور نہ وہ اس سے مدہوش ہوں گے ﴿47﴾ اور ان کے پاس

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ﴿48﴾ كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿49﴾

ہوں گی نیچی نگاہ والی، غزال چشم (خوبصورت آنکھوں والی حوریں) ﴿48﴾ گویا کہ وہ (پردوں میں) چھپائے ہوئے (شترمرغ کے) انڈے ہیں ﴿49﴾

حساب اللہ عزوجل کے ذمے ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿35﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿36﴾ ﴾ ''بلاشبہ (ان کا یہ حال تھا کہ دنیا میں) جب (بھی) ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں؟''[1] یعنی کیا ہم اس دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے اور اپنے آباء واجداد کے معبودوں کی عبادت کو ترک کر دیں؟ دیوانہ شاعر وہ (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب وتردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ ﴾ ''(نہیں) بلکہ وہ حق لائے ہیں۔'' یعنی رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس شریعت کو لے کر آئے ہیں وہ ساری کی ساری حق پر مبنی ہے، ﴿ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''اور اس نے (سب) رسولوں کی تصدیق کی ہے۔'' یعنی انھوں نے آپ کی جن پسندیدہ صفات اور صالح اعمال کا ذکر کیا تھا آپ نے انھیں سچ ثابت کر دکھایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو اسی طرح بتایا ہے جس طرح سابقہ انبیائے کرام نے اس کی خبر دی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ ''آپ سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے پیغمبروں سے بھی کہی گئی تھیں۔'' (حٰمٓ السجدة 43:41)

تفسیر آیات:38-49

مشرکین کی سزا اور مخلصین کی جزا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ﴿38﴾ ﴾

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3210/10، البتہ مذکورہ حوالے میں ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ تک ہے، نیز اس حدیث کا مرفوع حصہ صحیح مسلم، الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا إله......، حدیث:(33)-21 میں بھی ہے۔

﴿ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''بے شک تم تکلیف دینے والے عذاب کو چکھنے والے ہو اور تمھیں ویسے ہی بدلہ ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾ (العصر 103:1-3) ''زمانے کی قسم! یقیناً انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (التین 95:4-6) ''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے، پھر ہم نے اسے نیچوں سے نیچے پھینک دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ ﴾ (مریم 19:71,72) ''اور تم میں کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر (سے) گزرنا ہوگا، یہ آپ کے پروردگار کے ذمے حتمی اور طے شدہ بات ہے، پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴾ (المدثر 74:38,39) ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے، مگر دائیں طرف والے (نیک لوگ۔)''

اسی لیے اللہ جل وعلا نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ ''مگر جو اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں۔'' وہ تکلیف دینے والے عذاب کا مزہ نہیں چکھیں گے اور نہ ان سے حساب لیا جائے گا بلکہ اگر ان کے گناہ ہوئے بھی تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور ان کی نیکیوں کا انھیں دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اجر وثواب عطا فرمائے گا بلکہ جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے گا انھیں اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے روزی مقرر ہے۔'' امام قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنت ہے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَوَاكِهُ ﴾ ''پھل'' مختلف انواع واقسام کے ﴿ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴾ ''اور وہ معزز لوگ ہوں گے۔'' یعنی انھیں خادم مہیا کیے جائیں گے، عیش وعشرت کی زندگی عطا کی جائے گی اور طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا ﴿ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰي سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴾ ''نعمت کے باغوں میں، ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (بیٹھے ہوں گے۔)'' مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض، بعض کی گدی کی طرف نہیں دیکھیں گے۔[2]

﴿ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴾ ''ان پر جاری چشموں سے شراب (طہور) کا بھرا جام پھرایا جائے گا، سفید رنگ، پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت (والی ہوگی)، نہ اس سے سر چکرائے گا اور نہ مدہوش ہوں گے۔'' جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ

---

[1] تفسیر الطبري: 63/23 و تفسیر القرطبي: 77/15. [2] تفسیر القرطبي: 77/15.

﴿ وَّ اَبَارِیۡقَ ۙ۬ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ﴿ۙ﴾ لَّا یُصَدَّعُوۡنَ عَنۡہَا وَ لَا یُنۡزِفُوۡنَ ﴿ۙ﴾ ﴾ (الواقعة 56:17-19) ''ان کے پاس سدا رہنے والے لڑکے آتے جاتے ہوں گے، ساغر اور صراحیاں اور شراب کے جاری چشمے سے چھلکتے جام لیے ہوئے، وہ اس سے نہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ مدہوش ہوں گے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جنت کی شراب کو ان آفتوں سے پاک کر دیا ہے جو دنیا کی شراب میں سر درد، پیٹ درد اور عقل زائل کر دینے کی صورت میں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِکَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍۭ ﴿ۙ۴۵﴾ ﴾ ''ان پر جاری چشمے سے شراب (طہور) کا بھرا جام پھرایا جائے گا۔'' یعنی ایسی رواں دواں نہروں سے شراب پلائی جائے گی جن میں شراب کے ختم ہو جانے کا انھیں کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ جنت کی شراب کا رنگ سفید، خوبصورت اور چمک دار ہوگا، دنیا کی شراب کی طرح وہ سرخ یا سیاہ یا پیلی یا میلی اور گندی رنگت کی نہ ہوگی کہ جس سے طبع سلیم نفرت کرتی ہو۔ ﴿ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ ﴿ۚۖ۴۶﴾ ﴾ ''اور پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہوگی۔'' یعنی اس کے رنگ کی طرح اس کا ذائقہ بھی پاکیزہ ہوگا اور ذائقے کا پاکیزہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی خوشبو بھی پاک ہے جبکہ دنیا کی شراب ان تمام باتوں میں اس کے برعکس ہوتی ہے، ﴿ لَا فِیۡہَا غَوۡلٌ ﴾ ''نہ اس سے سر چکرائے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے کہ غول سے مراد پیٹ کا درد ہے۔[1] جیسا کہ دنیا کی شراب سے اس کی کثرت مائیات کی وجہ سے پیٹ میں قُولنج پیدا ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَّ لَا ہُمۡ عَنۡہَا یُنۡزَفُوۡنَ ﴿۴۷﴾ ﴾ ''اور نہ وہ اس سے مدہوش ہوں گے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے پینے سے ان کی عقلیں زائل نہیں ہوں گی۔[2] اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب، حسن، عطاء بن ابو مسلم خراسانی اور سدی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شراب میں چار خرابیاں ہوتی ہیں: (1) اس سے نشہ پیدا ہوتا ہے۔ (2) سر درد ہوتا ہے۔ (3) قے آتی ہے (4) اور پیشاب زیادہ آتا ہے۔[4] اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر فرماتے ہوئے اسے ان تمام خرابیوں سے پاک قرار دیا ہے، جیسا کہ سورۂ صافات میں ذکر فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ عِنۡدَہُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ ﴾ ''اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی۔'' یعنی وہ پاکدامن ہوں گی اور اپنے شوہروں کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں دیکھیں گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، زید بن اسلم، قتادہ اور سدی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] ﴿ عِیۡنٌ ﴿ۙ۴۸﴾ ﴾ ''اور بڑی بڑی آنکھوں والی (غزال چشم۔)'' یعنی وہ خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں گی اور خوبصورت آنکھوں سے مراد بھی یہی ہے، یعنی ان کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے حسن اور عفت کی تعریف فرمائی ہے: ﴿ وَ عِنۡدَہُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِیۡنٌ ﴿ۙ۴۸﴾ ﴾ ''اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (اور) بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی۔''

---

[1] تفسير الطبري :64/23. [2] تفسير الطبري :66/23. [3] تفسير الطبري :66/23 وتفسير ابن أبي حاتم : 3211/10. [4] تفسير ابن أبي حاتم : 3211/10 و تفسير القرطبي :79/15. [5] تفسير الطبري:67/23.

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿50﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ

وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم پوچھیں گے ﴿50﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک میں (اور دنیا میں) میرا ایک ہم نشین تھا ﴿51﴾ جو

قَرِيْنٌ ﴿51﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿52﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

کہتا تھا: کیا بھلا تو بھی (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے؟ ﴿52﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم (اٹھا

ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿53﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿54﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ

کر) بدلہ دیے جائیں گے؟ ﴿53﴾ وہ (جنتی ساتھیوں سے) کہے گا: کیا تم (جہنم میں) جھانک کر دیکھو گے؟ ﴿54﴾ پھر وہ جھانکے گا تو اسے جہنم کے درمیان میں

الْجَحِيْمِ ﴿55﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿56﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ

دیکھے گا ﴿55﴾ وہ (اس سے) کہے گا: اللہ کی قسم! یقیناً قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر ڈالتا ﴿56﴾ اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں ضرور حاضر کیے ہوؤں

الْمُحْضَرِيْنَ ﴿57﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿58﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿59﴾

(مجرموں) میں سے ہوتا ﴿57﴾ (جنتی ساتھیوں سے کہے گا:) تو کیا پس (اب) ہم مرنے والے نہیں ﴿58﴾ اپنے پہلی بار مرنے کے سوا اور نہ ہمیں عذاب ہی ہو

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿60﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿61﴾

گا ﴿59﴾ بلاشبہ یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے ﴿60﴾ عمل کرنے والوں کو تو ایسی ہی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے چاہئیں ﴿61﴾

نیز فرمایا: ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿49﴾﴾ ''گویا وہ پردوں میں چھپائے ہوئے (شتر مرغ کے) انڈے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کی لطافت کو خوبصورت رنگ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿49﴾﴾ کے معنی یہ ہیں گویا وہ محفوظ موتی ہیں۔ [1] حسن نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ وہ ہاتھوں کے لمس سے بھی محفوظ ہیں۔ [2] سدی نے کہا کہ وہ ایسے ہیں جیسے اپنے گھونسلے میں انڈا محفوظ ہوتا ہے۔ [3] سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد انڈے کے اندر والا حصہ ہے۔ [4] اور عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ باریک جھلی ہے جو اوپر کے چھلکے اور مغزِ انڈا کے درمیان ہوتی ہے۔ [5] سدی کہتے ہیں کہ وہ اس انڈے کی طرح ہوں گی جس کا اوپر سے چھلکا اتار دیا گیا ہو۔ [6] ابن جریر نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے کہ اوپر کے چھلکے کو تو پرندے کے پروں، گھونسلے کے تنکوں اور لوگوں کے ہاتھوں نے چھوا ہوتا ہے جبکہ انڈے کے اندر کے حصے کو کسی چیز نے چھوا نہیں ہوتا۔ [7] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:50-61

اہل جنت کی باہمی میل ملاقات: اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے باہم احوال پوچھیں گے کہ وہ دنیا میں کس حال میں تھے اور کن شدائد و مشکلات کو برداشت کرتے تھے۔ جب وہ اپنے تختوں پر جلوہ افروز ہو کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے اور شراب کے دور چل رہے ہوں گے تو وہ آپس میں اسی

[1] تفسير الطبرى :68/23 . [2] تفسير ابن أبى حاتم :3212/10 . [3] تفسير ابن أبى حاتم :3212/10 . [4] تفسير الطبرى :68/23. [5] تفسير ابن أبى حاتم :3212/10. [6] تفسير ابن أبى حاتم :3212/10 . [7] تفسير الطبرى :69/23.

طرح کی باتیں کریں گے اور خدام ان کے پاس انواع واقسام کے کھانے پینے اور پہننے کی ایسی نفیس ترین چیزیں جلدی جلدی لا رہے ہوں گے جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان گزرا ہوگا۔ ﴿قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ﴾ ''ایک کہنے والا ان میں سے کہے گا کہ بے شک میں (اور دنیا میں) میرا ایک ہم نشیں تھا۔'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ مشرک آدمی ہے جو دنیا میں اہل ایمان میں سے کسی کا ساتھی تھا۔[1] ﴿یَّقُوْلُ اَىِٕنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ﴾ ''(جو) کہتا تھا کہ بھلا تو بھی (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے؟'' یعنی کیا تم بھی بعث، دوبارہ جی اٹھنے، حساب اور جزا وسزا کو مانتے ہو؟ وہ یہ بات تعجب، تکذیب، کفر، سرکشی اور بعید از قیاس سمجھتے ہوئے کہتا تھا، ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ﴾ ''بھلا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم (اٹھا کر) بدلہ دیے جائیں گے؟''

مجاہد اور سدی نے کہا ہے کہ کیا ہم سے اس وقت حساب لیا جائے گا۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن کعب قرظی نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں: کیا ہمیں ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا؟[3] اور دونوں معنی ہی صحیح ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴾ ''(پھر) کہے گا کہ بھلا تم (اسے) جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟'' یعنی جنتی جنت کے اپنے ساتھیوں اور ہم نشینوں سے یہ کہے گا، ﴿فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ﴾ ''پھر (اتنے میں) وہ (خود) جھانکے گا تو اسے وسط دوزخ میں دیکھے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، خلید عصری، قتادہ، سدی اور عطاء خراسانی نے کہا ہے کہ اسے جہنم کے وسط میں دیکھے گا۔[4] اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہنم کے وسط میں اسے دیکھے گا گویا وہ آگ کا انگارا ہے جو جل رہا ہے۔[5] ﴿قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ﴾ ''وہ کہے گا: اللہ کی قسم! تو مجھے ہلاک کر ہی چکا تھا۔'' مومن اس کافر سے مخاطب ہو کر کہے گا کہ اگر میں تمھاری بات مان لیتا تو تم نے مجھے بھی ہلاک کر دینا تھا۔ ﴿وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ﴾ ''اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو (عذاب میں) حاضر کیے گئے ہیں۔'' یعنی اگر مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو میں بھی آج جہنم کے وسط میں اسی جگہ ہوتا جہاں تو ہے اور تیری طرح آج میں بھی عذاب میں حاضر کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل و کرم فرمایا اور مجھے ایمان کی ہدایت بخشی اور اس نے اپنی توحید کی طرف میری راہنمائی فرمائی: ﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ (الأعراف 43:7) ''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی تو ہم ہرگز ایسے نہ تھے کہ ہدایت پاتے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ﴾ ''تو کیا پس (اب) ہم مرنے والے نہیں، اپنے پہلی بار مرنے کے سوا اور نہ ہمیں عذاب ہی ہوگا۔'' یہ مومن کی بات ہے جو خود پر رشک کر رہا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں ہمیشہ کی زندگی عطا کی ہوگی اور اپنے اس عزت کے گھر میں اقامت عطا فرمائی ہوگی

[1] تفسیر الطبری: 70/23. [2] تفسیر الطبری: 71/23. [3] تفسیر الطبری: 71/23. [4] تفسیر الطبری: 73,72/23. [5] تفسیر الطبری: 72/23 اس میں انگارے اور جلنے کا ذکر نہیں ہے۔

جس میں موت ہو گی نہ عذاب، اس پر وہ خوشی کا اظہار کرے گا، اس لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''یقیناً یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔''

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اس حقیقت کو معلوم کر لیا تھا کہ موت ہر نعمت کو ختم کر دے گی، اس لیے وہ کہیں گے: ﴿ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ ﴾ ''تو کیا پس (اب) ہم مرنے والے نہیں، اپنے پہلی بار مرنے کے سوا اور نہ ہمیں عذاب ہی ہوگا۔'' کہا جائے گا: نہیں، تو وہ کہیں گے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''بے شک یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴾ ''ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔'' کے بارے میں ابن جریر نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس طرح کی نعمتوں اور اس طرح کی کامیابیوں کے لیے عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ دنیا میں ایسے عمل کریں تاکہ آخرت میں وہ ان سے شادکام ہوں۔[2]

دو اسرائیلیوں کا قصہ: علمائے تفسیر نے یہاں بنی اسرائیل کے ان دو آدمیوں کا قصہ ذکر کیا ہے جو آپس میں شریک تھے اور ان کا قصہ اس آیت کریمہ کے عموم میں داخل ہے، ابوجعفر بن جریر نے فرات بن ثعلبہ بہرانی سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴾ ''بے شک میں (اور دنیا میں) میرا ایک ہم نشین تھا۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے دو آدمی آپس میں شریک تھے، ان کے پاس آٹھ ہزار دینار جمع ہو گئے، ان میں سے ایک شخص کام جانتا تھا اور دوسرا کام نہیں جانتا تھا، جو شخص کام جانتا تھا اس نے دوسرے سے کہا کہ تو کام نہیں جانتا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تجھے چھوڑ دوں اور ہم اپنا سرمایہ آپس میں تقسیم کر لیں، پس اس نے سرمایہ تقسیم کر کے اسے چھوڑ دیا، پھر اس شخص نے ایک ہزار دینار کا ایک گھر خریدا جو کسی بادشاہ کی ملکیت تھا اور وہ فوت ہو گیا تھا، پھر اس نے اپنے ساتھی کو بلا کر گھر دکھایا اور کہا کہ یہ کیسا گھر ہے، میں نے اسے ایک ہزار دینار میں خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ بہت خوبصورت گھر ہے اور جب وہ اس گھر سے باہر نکل گیا تو اس نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے اس ساتھی نے ایک ہزار دینار میں یہ گھر خریدا ہے اور میں تجھ سے جنت کے ایک گھر کا سوال کرتا ہوں اور پھر اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیا، پھر اس کے ساتھی نے کچھ عرصہ بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک عورت سے شادی کی اور اسے کھانے پر بلایا جب وہ آیا تو اس نے اسے بتایا کہ میں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے، اس نے کہا: بہت خوب اور جب وہ اس کے پاس سے گیا تو کہا کہ اے میرے رب! میرے ساتھی نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے شادی کی ہے اور میں تجھ سے حور عین کا سوال کرتا ہوں اور پھر اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیا۔

پھر کچھ عرصے بعد اس نے دو ہزار دینار کے ساتھ دو باغ خریدے اور پھر اپنے ساتھی کو بلایا اور اسے یہ دو باغ دکھائے،

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 3216/10. [2] تفسیر الطبری: 74/23.

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿62﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿63﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ

کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا (دوزخ میں) تھوہر کا درخت؟﴿62﴾ بلاشبہ ہم نے اسے ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے﴿63﴾ بے شک وہ ایک درخت

فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿64﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿65﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ

ہے جو دوزخ کی تہ میں اگتا ہے﴿64﴾ اس کا پھل گویا کہ وہ شیطانوں کے سر ہیں﴿65﴾ تو بلاشبہ وہ (دوزخی) اس میں سے کھائیں گے، پھر اس سے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿66﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿67﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى

(اپنے) پیٹ بھریں گے﴿66﴾ پھر اس پر بے شک ان کے لیے (پینے کو) گرم کھولتے پانی کا آمیزہ ہوگا﴿67﴾ پھر یقیناً ان کی واپسی بھڑکتی آگ کی

الْجَحِيْمِ ﴿68﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿69﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿70﴾

طرف ہوگی﴿68﴾ بلاشبہ انھوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا﴿69﴾ تو وہ انھی کے نقش قدم پر دوڑے جاتے ہیں ﴿70﴾

اس نے کہا: یہ بہت خوبصورت باغ ہیں۔ اور جب اس کے پاس سے گیا تو اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے اس ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ خریدے ہیں اور میں تجھ سے جنت میں دو باغوں کا سوال کرتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے دو ہزار دینار صدقہ کر دیے، پھر فرشتہ آیا اور اس نے دونوں کی روح کو قبض کر لیا اور اس صدقہ کرنے والے کو اس نے ایک بے حد خوشنما اور خوبصورت گھر میں داخل کر دیا، جس میں ایک ایسی حسین وجمیل عورت تھی جب وہ نیچے کی طرف دیکھتی تو اس کے نیچے جو کچھ ہوتا اس کے حسن کی وجہ سے چمک اٹھتا اور پھر اسے ایسے دو باغوں میں داخل کر دیا جن کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، یہ دیکھ کر اس شخص نے کہا کہ یہ صورتحال اس شخص کے حالات سے کس قدر مطابقت رکھتی ہے جس کا یہ معاملہ تھا تو فرشتہ اس سے کہے گا کہ اس کے لیے بس وہی کچھ تھا اور تیرے لیے یہ گھر، یہ دو باغ اور یہ عورت ہے، وہ کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا ﴿ يَّقُوْلُ اَىِٕنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿52﴾ ﴾ ''(جو) کہتا تھا کہ بھلا تو بھی (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے؟'' اسے بتایا جائے گا کہ وہ تو جہنم میں ہے تو ﴿ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿54﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿55﴾ ﴾ ''وہ کہے گا: بھلا تم (اسے) جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟ اتنے میں وہ (خود) جھانکے گا تو اسے وسطِ دوزخ میں دیکھے گا۔'' اور اس وقت وہ کہے گا: ﴿ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿56﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿57﴾ ﴾ ''اللہ کی قسم! تو تو مجھے ہلاک کر ہی چکا تھا اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو (عذاب میں) حاضر کیے گئے ہیں۔''①

تفسیر آیات: 62-70

تھوہر کا درخت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کیا جنت کی کھانے پینے اور نکاح کی یہ نعمتیں اور دیگر لذتیں بہتر ضیافت اور عطیہ ہیں ﴿ اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿62﴾ ﴾ ''یا تھوہر کا درخت؟'' جو جہنم میں ہوگا اور اس سے مراد جنس درخت ہے جسے زقوم (تھوہر) کہا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ○ ﴾

① تفسیر الطبری: 71,70/23 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3215-3213/10 .

(المؤمنون 20:23) ''اور وہ درخت بھی (ہم ہی نے پیدا کیا) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے۔ (زیتون کا درخت) کہ کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن اگاتا ہے۔''

یعنی اس سے مراد زیتون کا کوئی خاص درخت نہیں بلکہ جنس درخت مراد ہے جسے زیتون کہتے ہیں اور اس کی تائید اس ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں تھوہر کا کوئی خاص درخت مراد نہیں بلکہ اس سے مراد جنسِ درخت ہے جسے زقوم (تھوہر) کہا جاتا ہے ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ ﴾ (الواقعة 56:51,52) ''پھر یقیناً تم اے گمراہو! جھٹلانے والو! (تم) تھوہر کے درخت سے ضرور کھانے والے ہوگے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے اسے ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ جب تھوہر کے درخت کا ذکر کیا گیا تو گمراہ لوگ فتنے میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ تمھارے صاحب نے خبر دی ہے کہ جہنم کی آگ میں درخت ہوگا، حالانکہ آگ تو درخت کو کھا جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرما دی تھی: ﴿ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ ''یقیناً وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ میں اگتا ہے۔'' یعنی اسے آگ ہی سے پیدا کیا جائے گا اور آگ ہی کی غذا سے پروان چڑھے گا۔[1] مجاہد نے ﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''بے شک ہم نے اسے ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔'' کے بارے میں فرمایا: ابوجہل لعین نے کہا کہ زقوم سے مراد کھجور اور مکھن ہے میں اسے ملا کر کھا جاؤں گا۔[2] میں کہتا ہوں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد! ہم نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ تھوہر کا درخت تو ایک آزمائش ہے جس کے ساتھ ہم لوگوں کو آزمانا چاہتے ہیں کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:60) ''اور ہم نے آپ کو (معراج میں) جو مشاہدہ کرایا، اسے لوگوں کے لیے بس ایک آزمائش ہی بنا دیا اور اس درخت (زقوم) کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی اور ہم انھیں ڈراتے ہیں تو یہ (ڈرانا) ان کی بڑی سرکشی ہی کو زیادہ کرتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ ''بے شک وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ میں اگتا ہے۔'' یعنی اس کے اگنے کی اصل جگہ جہنم کا پیندہ ہے، ﴿ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ ﴾ ''اس کا پھل گویا کہ وہ شیطانوں کے سر ہیں۔'' اس سے اس کے قبیح المنظر اور اس کے قابل نفرت ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اسے شیطانوں کے سروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی گو وہ مخاطب لوگوں کے ہاں معروف نہ تھے لیکن یہ بات تو دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ شیطانوں کی شکلیں بہت بری ہیں۔ ﴿ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ﴾ ''پس بے شک وہ (دوزخی) اسی میں سے کھائیں گے، پھر اسی سے (اپنے) پیٹ بھریں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ اس درخت سے کھائیں

[1] تفسیر الطبری: 75/23. [2] تفسیر الطبری: 75/23.

گے، حالانکہ اس جیسا بدترین اور بدشکل کوئی درخت نہ ہوگا اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا ذائقہ، اس کی بدبو اور اس کی طبیعت بدترین ہوگی لیکن وہ اسے کھانے کے لیے مجبور ہوں گے کیونکہ اس کے سوا یا اس جیسی اور کسی چیز کے سوا ان کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝ ﴾ ''اور خار دار جھاڑی کے سوا ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔'' (الغاشية 7,6:88)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ۝ ﴾ ''پھر بلا شبہ اس پر ان (کے پینے) کے لیے کھولتے پانی کا آمیزہ ہوگا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ تھوہر کھانے کے بعد پینے کے لیے انھیں گرم پانی دیا جائے گا۔[1] اور آپ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ تھوہر میں انھیں گرم پانی ملا کر دیا جائے گا۔[2] آپ کے علاوہ دیگر ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ان کے لیے گرم پانی میں لہو اور پیپ کو ملایا جائے گا، پیپ بھی وہ جو جہنمیوں کی شرم گاہوں اور آنکھوں سے بہ رہی ہوگی۔[3] امام ابن ابو حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جب دوزخیوں کو بھوک لگے گی تو وہ تھوہر کے درخت کو کھائیں گے جس سے ان کے چہروں کی کھالیں جھلس جائیں گی، ان کے پاس سے اگر کوئی گزرے گا تو وہ ان کے چہروں کی بدبو سے انھیں پہچانے گا، پھر ان پر پیاس طاری کر دی جائے گی، وہ پانی طلب کریں گے تو انھیں ایسا پانی دیا جائے گا جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا اور انتہائی گرم، جب وہ اسے اپنے مونہوں کے قریب کریں گے تو اس کی شدید حرارت کی وجہ سے ان کے چہروں کا گوشت بھن جائے گا، کھالیں جل جائیں گی اور پیٹ کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی اور جب وہ چلیں گے تو ان کی انتڑیاں بہ رہی ہوں گی اور کھالیں گر رہی ہوں گی اور پھر انھیں لوہے کے ہتھوڑوں کے ساتھ مارا جائے گا جس سے ایک ایک عضو ٹوٹ جائے گا اور وہ موت مانگنے لگیں گے۔[4] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ۝ ﴾ ''یقیناً ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے گا۔'' یعنی پھر اس فیصلے کے بعد ان سب کو شعلے مارتی ہوئی آگ، بھڑکتے ہوئے جہنم اور دہکتے ہوئے دوزخ کی طرف لوٹایا جائے گا، کبھی ایک قسم کی آگ میں جلایا جائے گا اور کبھی دوسری قسم کی آگ میں جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ۝ ﴾ (الرحمٰن 44:55) ''وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔''

اسی طرح امام قتادہ نے بھی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سورۂ رحمٰن کی اس آیت کی تلاوت کی تھی۔[5] اور یہ بہت خوبصورت اور قوی تفسیر ہے، سدی نے کہا ہے کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق یہ آیت اس طرح ہے: [ثُمَّ إِنَّ مُنْقَلَبَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ][6] اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن ابھی نصف النہار کا وقت بھی نہیں ہوگا کہ اہل جنت، جنت میں قیلولہ کریں گے اور

[1] تفسیر الطبری :77/23. [2] تفسیر الطبری :77/23. [3] تفسیر الطبری :77/23. [4] تفسیر ابن أبي حاتم : 3217/10. [5] تفسیر الطبری :77/23 و تفسیر ابن أبي حاتم: 3217/10. [6] ابن کثیر میں مَقِيلَهُمْ کے الفاظ ہیں جبکہ ابن جریر میں مُنْقَلَبَهُمْ ہیں۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿71﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿72﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہوئے ﴿71﴾ اور یقیناً ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے تھے ﴿72﴾ پھر دیکھ لیجیے ان کا انجام

2 ع 53 6

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿74﴾ ع

کیسا ہوا جنھیں ڈرایا گیا تھا؟ ﴿73﴾ سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے ﴿74﴾

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿75﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿76﴾ وَجَعَلْنَا

اور یقیناً نوح نے ہمیں پکارا تھا تو (دیکھو!) ہم کیا ہی خوب جواب دینے والے ہیں ﴿75﴾ اور ہم نے اسے اور اس کے اہل کو بہت بڑی پریشانی سے نجات دی ﴿76﴾

ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿77﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿78﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿79﴾

اور ہم نے اس کی اولاد کو باقی رہنے والے بنا دیا ﴿77﴾ اور ہم نے اس (کے ذکر خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا ﴿78﴾ نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو ﴿79﴾

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿80﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿81﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿82﴾

بلاشبہ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ﴿80﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا ﴿81﴾ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا ﴿82﴾

اہل دوزخ، دوزخ میں، پھر انھوں نے اس آیت کو پڑھا: ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴾ ''اس دن اہل جنت باعتبار ٹھکانے کے بہت بہتر ہوں گے اور باعتبار آرام گاہ کے بہت اچھے ہوں گے۔'' (الفرقان 24:25)[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿69﴾ ﴾ ''یقیناً انھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔'' یعنی ہم نے انھیں یہ سزا اس لیے دی کہ انھوں نے اپنے آباء واجداد کو گمراہ پایا تو بغیر کسی دلیل و برہان کے ان کی پیروی شروع کر دی، اس لیے فرمایا: ﴿ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''سو وہ انھی کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی چال ہے جو تیز دوڑنے کے مشابہ ہو۔[2] اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے وہ بھی بے وقوف بنے جاتے ہیں۔

تفسیر آیات: 71-74

ڈرائے گئے لوگوں کا انجام؟ اللہ جل شانہ نے بیان فرمایا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے اکثر لوگ گمراہ تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ دیگر معبودان باطلہ کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان امتوں میں رسول بھیجے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں کو اور اس کے ساتھ غیروں کی پوجا کرنے والوں کو اس (اللہ تعالیٰ) کی گرفت، اس کی سزا اور اس کے عذاب سے ڈراتے تھے مگر ان لوگوں نے سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے رسولوں کی مخالفت اور تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا اور مومنوں کو نجات دی اور انھیں فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا، اسی لیے ارشاد ربانی ہے: ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿74﴾ ﴾ ''سو دیکھ لیں جنھیں ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیسا ہوا؟ سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے۔''

[1] تفسير الطبري: 78,77/23. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 3217/10 و تفسير الطبري: 78/23.

تفسیر آیات :75-82

نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ ذکر فرمایا کہ پہلے اکثر لوگ راہِ نجات سے بھٹک گئے تھے اور اب اس نے اس کی تفصیل کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے اور اسی سلسلے میں سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ ان کی قوم نے اس کی تکذیب کی اور طویل مدت تک رہنے کے باوجود ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے، آپ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے تھے، جب ان کی مخالفت طویل اور تکذیب بہت شدید ہوگئی اور انھوں نے اپنی قوم کو جب بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○﴾ (القمر 10:54) ''تو انھوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بے شک میں بے بس ہوں، (اب) تو ہی ان سے بدلہ لے۔'' تو نوح علیہ السلام کے قوم سے ناراض ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی ان کی قوم سے شدید ناراض ہوگیا، اسی لیے اس نے فرمایا ہے:
﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴾ ''اور البتہ تحقیق نوح نے ہمیں پکارا سو (دیکھ لو کہ ہم دعا کو) کیسے اچھے قبول کرنے والے ہیں۔'' یعنی ہم نے ان کی دعا کو بہت اچھے طریقے سے قبول کیا ﴿ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''اور ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بہت بڑی پریشانی سے نجات دی۔'' بڑی پریشانی سے مراد تکذیب اور اذیت ہے۔
﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴾ ''اور ہم نے اس کی اولاد کو ہی باقی رہنے والے کردیا۔''

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد ہی باقی رہی تھی۔ [1] اور سعید بن ابوعروبہ نے قتادہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سب لوگ نوح علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ [2] امام ترمذی، ابن جریر اور ابن ابوحاتم نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: [حَامٌ وَّ سَامٌ وَّيَافِثُ] ''(اولاد سے مراد) حام، سام اور یافث ہیں۔'' [3] اور امام احمد نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [سَامٌ أَبُو الْعَرَبِ، وَ حَامٌ أَبُو الْحَبَشِ، وَ يَافِثُ أَبُو الرُّومِ] ''سام عربوں کے باپ، حام حبشیوں کے باپ اور یافث رومیوں کے باپ ہیں۔'' [4] اور اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [5] رومیوں سے مراد پہلے رومی، یعنی یونانی ہیں جو روما بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ ''اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس (کے ذکر جمیل) کو باقی چھوڑ دیا۔'' کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انھیں ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا رہے گا۔ [6] اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام انبیائے کرام ان کا ذکر خیر اور تعریف کریں گے۔ [7] امام قتادہ وسدی کا قول ہے کہ پیچھے آنے

---

[1] تفسیر الطبری: 80/23. [2] تفسیر الطبری: 80/23. [3] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة الصافات، حدیث: 3230 و تفسیر الطبری: 80/23 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3218/10، یہ حدیث ضعیف ہے۔
[4] مسند أحمد: 9/5، یہ حدیث ضعیف ہے۔ [5] جامع الترمذی، المناقب، باب مناقب فی فضل العرب، حدیث: 3931. [6] تفسیر الطبری: 81/23. [7] تفسیر الطبری: 81/23.

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿83﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿84﴾ اِذْ قَالَ

اور بے شک ابراہیم بھی اسی (نوح) کے گروہ سے ہے﴿83﴾جب وہ اپنے رب کے پاس پاک صاف دل کے ساتھ آیا﴿84﴾جب اس نے

لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿85﴾ اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿86﴾ فَمَا

اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟﴿85﴾ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟﴿86﴾

ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿87﴾

پھر رب العالمین کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے؟﴿87﴾

والوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اچھی تعریف کو باقی رکھا ہے۔[1] ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد سلام اور ثنائے حسن ہے۔ ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''تمام جہانوں میں نوح پر سلام ہو۔'' یہ اس ذکر جمیل اور ثنائے حسن کی تفسیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے باقی رکھی ہے کہ تمام جماعتیں اور امتیں ان پر سلام بھیجتی رہیں گی، ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' یعنی بندگانِ الٰہی میں سے جو شخص احسن انداز میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لائے تو ہم اسی طرح اسے اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں کہ بعد میں آنے والے لوگوں میں حسب مرتبہ اس کا ذکر جمیل جاری کر دیتے ہیں ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' یعنی تصدیق کرنے والوں، توحید کو اختیار کرنے والوں اور ایمان و یقین رکھنے والوں میں سے تھے: ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ ''پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔'' یعنی ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، ان میں سے کوئی فرد بشر باقی نہ بچا، ان کا کوئی ذکر اور نشان بھی نہ رہنے دیا اور اگر انھیں یاد کیا بھی جاتا ہے تو اسی بدترین صفت کے ساتھ کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو انھیں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔

تفسیر آیات: 83-87

ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ: علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ﴾ ''اور بے شک اسی (نوح) کی جماعت سے البتہ ابراہیم بھی ہے۔'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انھی کے دین (پر کاربند رہنے) والوں میں سے تھے۔[2] اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انھی کے طریقے اور سنت پر تھے۔[3] ﴿اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ ''جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔

ابن ابو حاتم نے عوف سے روایت کیا ہے کہ میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا کہ قلب سلیم سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا: انسان جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو ضرور

[1] تفسیر الطبری: 81/23. [2] تفسیر الطبری: 82/23. [3] تفسیر الطبری: 82/23.

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿88﴾ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِيْمٌ ﴿89﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿90﴾ فَرَاغَ

تب اس نے ایک نگاہ ستاروں پر ڈالی﴿88﴾ پھر کہا: بے شک میں تو بیمار ہوں﴿89﴾ چنانچہ وہ اس سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے﴿90﴾ پھر وہ ان کے معبودوں کی

اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿91﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿92﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا

طرف متوجہ ہوا اور کہا: کیا تم کھاتے نہیں؟﴿91﴾ تمھیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں؟﴿92﴾ پھر وہ انھیں دائیں ہاتھ سے مارتا ہوا متوجہ ہوا﴿93﴾ پھر وہ لوگ دوڑتے

بِالْيَمِيْنِ ﴿93﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿94﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿95﴾ وَاللّٰهُ

ہوئے اس کی طرف آئے﴿94﴾ اس نے کہا: کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنھیں تم خود تراشتے ہو؟﴿95﴾ حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں اور تمھارے اعمال کو پیدا کیا

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿97﴾ فَاَرَادُوْا

ہے﴿96﴾ وہ کہنے لگے: اس کے لیے ایک مکان بناؤ (اس میں آگ جلاؤ) پھر اسے دہکتی آگ میں ڈال دو﴿97﴾ پھر انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنے کا

بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿98﴾

ارادہ کیا تو ہم نے انھیں ہی نیچا دکھا دیا﴿98﴾

اٹھائے گا۔[1] اور حسن فرماتے ہیں کہ ﴿ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿84﴾ ﴾ سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو۔[2] عروہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دل ہے جو کسی پر لعنت نہ کرے۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟'' یعنی انھوں نے اپنی قوم کے بتوں کو پوجنے کی روش کا انکار کیا، اس لیے اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿86﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿87﴾ ﴾ ''کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو، بھلا پروردگارِ عالم کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اللہ کے سوا اوروں کو بھی پوجتے ہو تو تمھارا کیا خیال ہے جب تم اس سے ملاقات کرو گے تو وہ تم سے کیا سلوک کرے گا؟[4]

تفسیر آیات:88-98

بت شکنی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ (بیمار ہونے کا ذکر) اس لیے فرمایا تھا تاکہ قوم کے اپنے میلے پر چلے جانے کے بعد آپ شہر میں رہ سکیں کیونکہ قوم کے لوگوں کا اپنے میلے کے لیے شہر سے باہر چلے جانے کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے پروگرام بنایا تھا کہ ان کے معبودوں کو خالی پا کر ان کو توڑ پھوڑ ڈالیں گے، اس لیے آپ نے ان سے اس انداز میں گفتگو کی جو فی نفسہ حق تھی مگر لوگوں نے اس سے اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھا کہ آپ بیمار ہیں ﴿ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿90﴾ ﴾ ''تب وہ اس سے پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ جو شخص غور و فکر کر رہا ہو تو عرب اس کے لیے نَظَرَ فِي النُّجُوْمِ ''اس نے ستاروں کی طرف دیکھا۔'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔[5] قتادہ کے کہنے کے معنی یہ ہیں کہ حضرت

[1] تفسير القرطبي: 91/15. [2] تفسير الطبري: 83/23 عن السدي و قتادة. [3] تفسير الطبري: 83/23 وتفسير القرطبي: 91/15. [4] تفسير الطبري: 83/23. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 3219/10.

ابراہیم علیہ السلام نے اس بات پر غور وفکر کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا کہ وہ انھیں کسی طرح غافل کر دیں، پس آپ نے فرمایا: ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ ''میں تو بیمار ہوں۔'' یعنی کمزور ہوں۔

اور وہ حدیث جسے امام ابن جریر نے یہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمْ یَکْذِبْ إِبْرَاهِیمُ علیہ السلام غَیْرَ ثَلَاثِ کَذَبَاتٍ: ثِنْتَیْنِ فِی ذَاتِ اللّٰهِ (عَزَّوَجَلَّ)، قَوْلُهُ: ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾، وَقَوْلُهُ: ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا ﴾ (الأنبیآء 63:21) وَقَوْلُهُ فِی سَارَةَ: هِیَ أُخْتِی] ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین باتوں کے سوا کبھی خلاف واقع بات نہیں کی، ان میں سے دو باتیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے تھیں: (1) آپ کی یہ بات کہ ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ ''بے شک میں تو بیمار ہوں۔'' اور (2) ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا ﴾ (الأنبیآء 63:21) ''بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہے۔'' اور تیسری بات یہ تھی کہ انھوں نے حضرت سارہ کے بارے میں کہا: ''یہ میری بہن ہے۔''[1] یہ حدیث کتب صحاح اور سنن میں کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے۔[2] ان باتوں سے مراد وہ حقیقی جھوٹ نہیں جس کے بولنے والے کو مذموم قرار دیا جاتا ہے، حاشا وکلا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف کذبِ حقیقی کی نسبت کی جائے بلکہ آپ کی نسبت کذب کا لفظ مجازی طور پر استعمال کیا گیا ہے اور یہ شرعی و دینی مقصد کی خاطر کلام میں معاریض (توریہ) کے قبیل سے ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے جو یہ فرمایا: ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ ''بے شک میں تو بیمار ہوں۔'' اس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کی جو پوجا کرتے ہو تو اس وجہ سے میرا دل بیمار ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ میلے کی طرف جانے لگے تو انھوں نے ابراہیم علیہ السلام سے بھی چلنے کے لیے کہا تو آپ پشت کے بل لیٹ گئے، فرمانے لگے: ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ اور پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگے اور جب سب لوگ شہر سے باہر نکل گئے تو آپ ان کے بتوں کے پاس چلے گئے اور انھیں توڑ دیا۔ اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِیْنَ ﴾ ''تب وہ اس سے پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔'' اور جب وہ چلے گئے تو آپ جلدی سے اور مخفی طور پر بتوں کے پاس چلے گئے ﴿ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''اور کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟'' اس لیے کہ ان لوگوں نے ان بتوں کے سامنے نذر و نیاز کے طور پر کھانے رکھے ہوئے تھے تا کہ اس سے ان کے رزق میں برکت ہو جائے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے کھانوں کو دیکھا تو فرمایا: ﴿ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴾ ''تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمھیں کیا ہوا ہے، تم بولتے بھی نہیں؟'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَرَاغَ عَلَیْهِمْ

[1] تفسیر الطبری: 84/23. [2] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیآء، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ﴾ (النسآء 4:125)......، حدیث: 3358,3357 والنکاح، باب اتخاذ السراری......، حدیث: 5084 وصحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل إبراهیم الخلیل، حدیث: 2371 و سنن أبی داود، الطلاق، باب فی الرجل یقول لامرأته یا أختی، حدیث: 2212 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة الأنبیآء، حدیث: 3166 و السنن الکبرٰی للنسائی، المناقب، باب سارة رضی اللہ عنہا: 98/5، حدیث: 8375 و مسند أحمد: 404,403/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 3220/10.

﴿ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ۝۹۳ ﴾ ”پھر وہ انھیں دائیں ہاتھ سے مارتا ہوا متوجہ ہوا۔“ فراء کہتے ہیں کہ اس کے معنی مَالَ یعنی ٹوٹ پڑے، اور پل پڑے کے ہیں، یعنی دائیں ہاتھ سے ضربیں لگاتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ قتادہ اور جوہری کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: أَقْبَلَ یعنی آگے بڑھے۔ ① دائیں ہاتھ سے آپ نے اس لیے ضرب لگائی کہ اس سے ضرب کاری اور شدید لگتی ہے، آپ نے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے بت کو نہ توڑا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں، جیسا کہ قبل ازیں سورۂ انبیاء میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔ ② اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَاَقْبَلُوْۤا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ۝۹۴ ﴾ ”تو وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔“

مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے بھاگتے ہوئے آئے۔ ③ یہاں یہ قصہ مختصر مگر سورۂ انبیاء میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔ ④ بہرحال جب وہ واپس آئے تو فوراً نہ جان سکے کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ حتی کہ جب انھوں نے تحقیق کی اور معلومات حاصل کیں تو انھیں معلوم ہوا کہ یہ کام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہے اور جب وہ آپ کے پاس سرزنش کے لیے آئے تو آپ نے ان کی توبیخ کی اور ان کی خرابیاں بیان فرمائیں: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ۝۹۵ ﴾ ”کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو، جنھیں تم خود تراشتے ہو؟“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تم ایسے بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو، جنھیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور بناتے ہو؟ ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۝۹۶ ﴾ ”حالانکہ تمھیں اور جو تم کرتے ہو اسے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“ یہاں ما مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اور تمھارے عمل کو پیدا فرمایا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہو اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اور جو تم بناتے ہو، (بت وغیرہ) اس کو پیدا فرمایا ہے لیکن دونوں معنی متلازم ہیں، اور ایک کے ساتھ دوسرا معنی لازم ہے۔ لیکن ان میں سے پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب أفعال العباد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ [إِنَّ اللّٰهَ يَصْنَعُ كُلَّ صَانِعٍ وَّصَنْعَتَهُ] ”بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کرنے والے اور اس کے کام کو پیدا فرماتا ہے۔“ ⑤ اور بعض راویوں نے (اس کے بعد) ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۝۹۶ ﴾ پڑھا۔ بہرحال جب ان پر حجت قائم ہوگئی تو وہ بات کرنے کے بجائے آپ کو ہاتھوں سے پکڑنے کی طرف پھرے اور زبردستی کرتے ہوئے کہنے لگے: ﴿ ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ۝۹۷ ﴾ ”اس کے لیے ایک مکان (مقام) بناؤ، (اس میں آگ جلاؤ) اور اسے دہکتی آگ میں ڈال دو۔“ اس واقعے کی ساری تفصیل قبل ازیں سورۂ انبیاء میں بیان کی جا چکی ہے۔ ⑥ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ سے محفوظ رکھا، ان پر غالب کر دیا، اپنی حجت کو بلند کر دیا اور اپنے پیغمبر کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا، اس لیے اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ۝۹۸ ﴾

---

① تفسیر الطبری:86/23 و الصحاح للجوهري:1090/3، مادة: روغ. ② دیکھیے الأنبیآء، آیات:52-67 کے ذیل میں۔ ③ تفسیر الطبری:88/23. ④ دیکھیے الأنبیآء، آیات:59-67. ⑤ السلسلة الصحیحة:181/4، رقم:1637 و کتاب الأسماء والصفات للبیهقي: ص388. ⑥ دیکھیے الأنبیآء، آیات:68-70 کے ذیل میں۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿99﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿100﴾

اور اس نے کہا: بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، یقیناً وہ میری رہنمائی فرمائے گا﴿99﴾ اے میرے رب! مجھے (بیٹا) عطا فرما جو صالحین

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿101﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی

میں سے ہو﴿100﴾ چنانچہ ہم نے اسے بہت حلم والے لڑکے کی بشارت دی﴿101﴾ پھر جب وہ (لڑکا) اس کے ساتھ دوڑنے بھاگنے (کی عمر) کو پہنچا تو اس نے کہا:

الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِیْۤ

اے میرے پیارے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے یقیناً ذبح کر رہا ہوں، اب تو دیکھ! تیری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا:

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿102﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿103﴾ ج وَنَادَیْنٰهُ اَنْ

ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گزریں، اگر اللہ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے﴿102﴾ پھر جب دونوں مطیع ہو گئے اور

یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿104﴾ لا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿105﴾ اِنَّ هٰذَا

اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو پیشانی کی ایک جانب لٹا دیا﴿103﴾ اور ہم نے اسے پکارا: اے ابراہیم!﴿104﴾ تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا، بے شک ہم

لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿106﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿107﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿108﴾ صلے

نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں﴿105﴾ بلاشبہ یہ تو کھلی آزمائش ہی ہے﴿106﴾ اور ہم نے اس (اسمٰعیل) کے بدلے میں ایک عظیم القدر (جانور) ذبح کرنے کو

سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿109﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿110﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

دیا﴿107﴾ اور ہم نے اس (کے ذکر خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا﴿108﴾ ابراہیم پر سلام ہو﴿109﴾ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں﴿110﴾ بے شک وہ

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿111﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿112﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤی

ہمارے مومن بندوں میں سے تھا﴿111﴾ اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحٰق (بیٹے) کی بشارت دی، جو صالح لوگوں میں سے نبی ہوگا﴿112﴾ اور ہم نے اس پر اور

ع 3 39 7 اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿113﴾ ع

اسحٰق پر برکت نازل کی، اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا اور کوئی اپنے آپ پر کھلم کھلا ظلم کرنے والا ہے﴿113﴾

’’پھر انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی تو ہم نے انھی کو نیچا دکھا دیا۔‘‘

تفسیر آیات: 99-113

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور آزمائش: اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت سے نوازا اور وہ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے کہ وہ اتنی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائی تو آپ نے ہجرت کا ارادہ کر لیا اور فرمایا: ﴿اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿99﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿100﴾﴾ ’’بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں، یقیناً وہ میری رہنمائی فرمائے گا، اے پروردگار! مجھے نیکو کاروں میں سے (اولاد) عطا فرما۔‘‘ یعنی قوم اور اعزہ و اقارب کو جو چھوڑا ہے تو ان کے بدلے میں مجھے اولاد عطا فرما جو تیری اطاعت گزار ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿101﴾﴾ ’’پھر ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی

خوش خبری دی۔'' اس لڑکے سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ یہ پہلے بیٹے تھے جن کی ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی، تمام مسلمانوں اور اہل کتاب کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت اسحاق سے بڑے تھے بلکہ اہل کتاب کی نص کے مطابق اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال تھی اور جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ننانوے برس کے تھے، اہل کتاب کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دیں اور ایک دوسرے نسخے میں ہے کہ اپنے پلوٹھے بیٹے کو ذبح کر دیں اور اس کے باوجود انھوں نے اس کے بعد کذب اور بہتان سے کام لیتے ہوئے یہاں اسحاق کا لفظ داخل کر دیا۔[1] اور یہ قطعًا درست نہیں کیونکہ یہ تو ان کی اپنی کتاب کی نص کے بھی خلاف ہے، انھوں نے یہاں اسحاق کے لفظ کو اس لیے داخل کیا کہ اسحاق علیہ السلام ان کے باپ تھے، جبکہ اسماعیل علیہ السلام عربوں کے باپ تھے۔ تو انھوں نے عربوں سے حسد سے کام لیتے ہوئے اس لفظ کا اضافہ کر دیا اور ''اپنے اکلوتے'' کی اس طرح تحریف کی کہ اپنے اس بیٹے کو ذبح کر دو جس کے سوا اور کوئی اس وقت تمھارے پاس موجود نہیں ہے کیونکہ اسماعیل اور ان کی والدہ کو آپ مکہ مکرمہ میں لے گئے تھے، مگر یہ ایک سراسر باطل تاویل اور تحریف ہے کیونکہ اکلوتا اسے کہا جاتا ہے جس کے سوا کوئی اور نہ ہو اور پھر پہلا بیٹا جس قدر عزیز ہوتا ہے بعد والی اولاد اس قدر عزیز نہیں ہوتی، لہٰذا پہلے بیٹے کے ذبح کر دینے کے حکم میں زیادہ ابتلاء و آزمائش تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ﴾ ''پھر جب وہ اس کے ساتھ بھاگنے دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا۔'' یعنی بڑا ہو گیا اور پروان چڑھ گیا اور اپنے باپ کے ساتھ آنے جانے اور چلنے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اور اس کی والدہ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے اکثر بلادِ فاران میں جاتے رہتے تھے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ براق پر سوار ہو کر تشریف لاتے اور یہاں بہت جلد پہنچ جایا کرتے تھے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطاء خراسانی، زید بن اسلم اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے ﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ﴾ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اسماعیل جوان ہو گئے اور اپنے باپ کی طرح سعی وعمل کے قابل ہوئے۔[3]

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴾ ''جب وہ اس کے ساتھ بھاگنے دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو اس نے کہا: اے میرے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے یقینًا ذبح کر رہا ہوں، اب تو دیکھ! تیری کیا رائے ہے؟'' عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں اور پھر انھوں نے اپنی اس بات کی تائید میں اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی۔[4] آپ نے بیٹے کو اس لیے بتا دیا تاکہ اس کے لیے زیادہ آسانی ہو جائے، نیز آپ اس کے صبر وشجاعت اور صغرسنی کے باوجود اس کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اپنے والد کی اطاعت کے عزم وارادہ کی آزمائش کر سکیں۔ ﴿ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ﴾ ''اس نے کہا: اے میرے ابا جان!

① کتاب مقدس، پیدائش، باب:22، آیت:2۔ ② تاریخ الیعقوبی، إبراهیم:25/1 و فتح الباری:404/6، تحت الحدیث:3365. ③ تفسیر الطبری:91/23 و تفسیر ابن أبی حاتم:3221,3220/10. ④ تفسیر الطبری:93/23.

آپ کو جو حکم دیا گیا ہے کر گزریں۔'' اس حکم الٰہی کی اطاعت بجالائیں، ﴿ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ ''اگر اللہ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' یعنی میں صبر کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر وثواب کا طلب گار رہوں گا اور انھوں نے جو وعدہ کیا اسے واقعی سچ ثابت کر دکھایا صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۝ وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ۝ ﴾ (مریم 19:54,55) ''اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں، وہ وعدے کے سچے اور رسول (اور) نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں نہایت پسندیدہ (اور برگزیدہ) تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ ﴾ ''چنانچہ جب دونوں نے حکم مان لیا اور اس (باپ) نے اسے (بیٹے کو) ماتھے کی ایک جانب پر لٹا دیا۔'' یعنی جب دونوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لیے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شہادت کی موت کے لیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ اَسْلَمَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جب دونوں مطیع وفرماں بردار ہو گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانے کے لیے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اپنے باپ کی فرماں برداری کے لیے، یہ امام مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی، ابن اسحاق اور دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے۔① ﴿ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو چہرے کے بل لٹا دیا تاکہ گدی کی طرف سے ذبح کر دیں اور بوقت ذبح ان کے چہرے کو نہ دیکھیں تاکہ ان کے لیے ذبح کرنے میں آسانی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک اور قتادہ نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو چہرے کے بل لٹا دیا تھا۔②

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک کا حکم دیا گیا تو شیطان سعی کرنے کی جگہ پر آپ کے سامنے آیا اور اس نے آپ سے سبقت لے جانے کی کوشش کی مگر ابراہیم علیہ السلام شیطان سے سبقت لے گئے، پھر جبریل علیہ السلام آپ کو جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے تو شیطان آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں حتی کہ وہ چلا گیا، پھر وہ جمرہ وسطیٰ کے پاس آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں، پھر آپ نے اسماعیل علیہ السلام کو ماتھے کی ایک جانب پر لٹا دیا، اسماعیل علیہ السلام نے سفید رنگ کی قمیص پہنی ہوئی تھی، انھوں نے عرض کی ابا جان! کوئی اور کپڑا نہیں ہے جس میں آپ مجھے کفن دیں، لہٰذا میری قمیص اتار لیں تاکہ اسے میرے کفن کے لیے استعمال کر سکیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ان کی قمیص اتارنے لگے تو پیچھے سے آواز آئی: ﴿ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ ﴾ ''اے ابراہیم! تحقیق تو نے (اپنا) خواب سچ کر دکھایا۔'' ابراہیم نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو آپ کے پیچھے سینگوں

① تفسیر الطبری:23/93,94. ② تفسیر ابن أبي حاتم:10/3224 و تفسیر الطبری:23/94,95.

والا، سفید رنگ اور موٹی موٹی آنکھوں والا ایک مینڈھا کھڑا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہم لوگ قربانی کے لیے اسی قسم کے مینڈھے تلاش کیا کرتے تھے۔[1] مناسک کے باب میں اس حدیث کو مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔[2] ﴿ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ ﴾ ''اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! تو نے (اپنا) خواب سچ کر دکھایا۔'' کہ تم نے جب ذبح کرنے کے لیے اپنے بیٹے کو لٹا دیا تو اس سے تمھارے خواب کا مقصود حاصل ہو گیا۔ سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری پھیری مگر چھری نے ایک بال بھی نہ کاٹا بلکہ چھری اور اسماعیل علیہ السلام کے درمیان پیتل کا ایک تختہ حائل ہو گیا اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام کو یہ آواز دی گئی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا۔ ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ ''بے شک ہم نیکو کاروں کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' یعنی جو لوگ ہماری اطاعت کریں شدائد و مشکلات کو ہم ان سے اسی طرح دور کر دیا کرتے اور ان کے لیے آسانی و سہولت پیدا کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ ﴾ (الطلاق 65:2،3) ''اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (رنج و حزن سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور وہ اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسا رکھے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر کے رہتا ہے۔ یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

اس آیت کریمہ اور اس میں مذکور قصے سے علماء اصول کی ایک جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ حکم عملی طور پر سرانجام دیے جانے سے قبل بھی منسوخ ہو سکتا ہے اور یہ آیت کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے جبکہ معتزلہ کی ایک جماعت کا موقف اس کے خلاف ہے، حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کر دینے کا حکم دیا اور پھر اسے منسوخ کر کے فدیے کے طور پر مینڈھا بھیج دیا اور اس حکم سے مقصود یہ تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دینے کے سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صبر اور عزم کو پختہ تر کر دیا جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ ﴾ ''بلاشبہ یہ تو صریح آزمائش ہی تھی۔'' یعنی یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی کہ آپ کو اپنے لخت جگر اور نور نظر کو ذبح کر دینے کا حکم دیا گیا تو آپ اپنے رب تعالیٰ کا حکم بجا لانے کے لیے فوراً تیار ہو گئے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

---

[1] مسند أحمد:298,297/1، شواہد کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 439,438/4. [2] دیکھیے السنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب ماجاء في بدء الرمي:154,153/5 وشعب الإيمان للبيهقي، باب في المناسك، الوقوف يوم عرفة بعرفات......:465,464/3، حديث: 4077 ومسند أبي داود الطيالسي:416-414/4، حدیث:2820 والمعجم الكبير للطبراني:269,268/10، حدیث:10628 وتفسير الطبري: 95/23 وتهذيب الكمال، ترجمة أبي عاصم الغنوي:330-332، رقم:8055، ملحوظہ: تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں یہاں وَذَكَرَ تَمَامُ الْحَدِيثِ کے بجائے وَذَكَرَ هِشَامٌ الْحَدِيثَ (ہشام نے اس حدیث کو ذکر کیا) کے الفاظ ہیں جبکہ مذکورہ تمام مراجع میں ہشام راوی کا ذکر نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ہے: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴾ (النجم 53:37) ’’اور وہ ابراہیم جنھوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا۔‘‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ ’’اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک بڑی قربانی دی۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ ایک ایسا مینڈھا تھا جو جنت میں چالیس سال تک چرتا رہا تھا۔ [1]

امام احمد رحمہ اللہ نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے بنو سلیم کی ایک عورت نے خبر دی، جس نے ہمارے گھر کے اکثر لوگوں کو جنوایا تھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ اور ایک بار انھوں نے یہ کہا کہ انھوں نے عثمان سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں کیوں بلایا تھا؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [إِنِّي كُنْتُ رَأَيْتُ قَرْنَيِ الْكَبْشِ حِينَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ، فَنَسِيتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَهُمَا، فَخَمِّرْهُمَا، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ الْمُصَلِّيَ] ’’جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے مینڈھے کے دونوں سینگوں کو دیکھا تو میں تمھیں یہ کہنا بھول گیا کہ ان دونوں سینگوں کو ڈھانپ دو، پس انھیں ڈھانپ دو کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کر دے۔‘‘ [2] سفیان کہتے ہیں کہ یہ دونوں سینگ بیت اللہ میں لٹکے رہے حتی کہ ایک بار جب بیت اللہ کو آگ لگی تو یہ دونوں سینگ بھی جل گئے۔ یہ بھی اس بات کی مستقل دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ قریش میں خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ یہ دونوں سینگ وراثت میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا اور یہ سینگ اس مینڈھے کے تھے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور فدیہ قربان کیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ذبیح کون؟ سعید بن جبیر، عامر شعبی، یوسف بن مہران، مجاہد، عطاء اور دیگر کئی مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ [3] ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جن کا فدیہ دیا گیا تھا وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں جبکہ یہودیوں کا کہنا ہے کہ وہ اسحاق تھے مگر یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔ [4] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ [5] ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ [6] یوسف بن مہران کا بھی یہی قول ہے۔ [7] شعبی کہتے ہیں کہ وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اور میں نے مینڈھے کے دونوں سینگوں کو کعبہ میں دیکھا تھا۔ [8]

محمد بن اسحاق نے حسن بن دینار اور عمرو بن عبید سے اور انھوں نے حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے جس کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ [9] ابن اسحاق نے کہا ہے کہ میں نے محمد بن کعب قرظی سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام

---

[1] تفسیر الطبری :105/23 . [2] مسند أحمد :68/4 مزید دیکھیے سنن أبي داود، المناسك، باب في دخول الكعبة، حدیث:2030. [3] تفسیر الطبری :100,99/23 . [4] تفسیر الطبری :99/23 . [5] تفسیر الطبری :99/23 . [6] تفسیر الطبری :100/23. [7] تفسیر الطبری :100,99/23. [8] تفسیر الطبری :100/23. [9] تفسیر الطبری :101,100/23 .

کو اپنے دونوں بیٹوں میں سے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور کتاب اللہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے کے ذکر کے بعد جسے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، فرمایا ہے: ﴿ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴿112﴾ ﴾ ''اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے نبی ہوگا۔'' اور دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ ﴾ (ھود 11:71) ''پھر ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔''، یعنی بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی اور یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اسحاق کے ذبح کرنے کا بھی حکم دے اور پھر اس سے اولاد کی بشارت بھی سنائے، لہٰذا یقینی اور حتمی بات یہ ہے کہ جس بیٹے کے ذبح کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ [1] اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن کعب قرظی سے یہ بات بکثرت سنی تھی۔ [2]

ابن اسحاق نے بریدہ بن سفیان بن فروہ اسلمی سے اور انھوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا کہ انھوں نے امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے یہ ذکر کیا جبکہ آپ ان کے ساتھ شام میں تھے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے فرمایا کہ یہ بات مجھے پہلے معلوم نہ تھی اور میری رائے میں آپ صحیح کہہ رہے ہیں، پھر انھوں نے شام کے ایک شخص کو بلایا جو پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوگیا اور وہ ایک اچھا مسلمان ثابت ہوا تھا، اس کا تعلق یہود کے علماء میں سے تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان سے اس بارے میں پوچھا، اور محمد بن کعب کہتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس ہی تھا، حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے کے بارے میں انھیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ اس نے جواب دیا: اسماعیل، اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! یہودیوں کو بھی یہ بات معلوم ہے مگر وہ عربوں سے حسد کرتے ہیں کہ تمھارے باپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا ہو، حالانکہ انھیں یہ شرف وفضل اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا تھا مگر یہود اس کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شرف ابراہیم کے بیٹے اسحاق کو حاصل ہوا تھا کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے باپ ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کون سا بیٹا تھا، ہاں! البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹے ہی طاہر، طیب اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے۔ [3]

عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے اپنے والد گرامی (امام احمد رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ ذبیح کون ہیں اسماعیل یا اسحاق؟ انھوں نے فرمایا: اسماعیل۔ انھوں نے اسے کتاب الزہد میں ذکر کیا ہے۔ [4] اور ابن ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام ابو حاتم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صحیح بات یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، انھوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت علی، ابن عمر، ابو ہریرہ، ابو الطفیل رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب قرظی، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو صالح رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ [5] امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر

---

[1] تفسیر الطبری: 100/23 . [2] تفسیر الطبری: 101/23 . [3] تفسیر الطبری: 101/23 . [4] الزهد لابن حنبل، زهد عبيد بن عمير، رقم: 2321. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 3223/10 .

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلٰی مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ ﴿114﴾ وَ نَجَّیۡنٰهُمَا وَ قَوۡمَهُمَا مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿115﴾

اور یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا﴿114﴾اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی﴿115﴾اور ہم نے ان کی مدد

وَ نَصَرۡنٰهُمۡ فَکَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِیۡنَ ﴿116﴾ وَ اٰتَیۡنٰهُمَا الۡکِتٰبَ الۡمُسۡتَبِیۡنَ ﴿117﴾ وَ هَدَیۡنٰهُمَا الصِّرَاطَ

کی، چنانچہ وہی غالب آئے﴿116﴾اور ہم نے ان دونوں کو انتہائی واضح کتاب دی﴿117﴾اور ہم نے ان دونوں کو راہِ راست کی ہدایت دی﴿118﴾اور ہم نے ان

الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿118﴾ وَ تَرَکۡنَا عَلَیۡهِمَا فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿119﴾ سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ ﴿120﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی

دونوں (کے ذکرِ خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا﴿119﴾ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو﴿120﴾ بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں﴿121﴾بلاشبہ وہ

الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿121﴾ اِنَّهُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿122﴾

دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے﴿122﴾

میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیّب، سدی، حسن بصری، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب اور کلبی کا بھی یہی مذہب ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے، نیز ابو عمرو بن علاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

امام ابن جریر نے صنابحی سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس بات کا ذکر شروع ہو گیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام؟ انھوں نے فرمایا کہ تم نے باخبر شخص سے پوچھا ہے، ہم ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اے دو ذبیحوں کے صاحبزادے! مجھے بھی اس مال سے دیجیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر ہنسنے لگے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی: امیر المومنین! دو ذبیحوں سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ عبدالمطلب کو جب زمزم کے کھودنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس کام میں آسانی پیدا فرما دیں تو وہ اپنے ایک بیٹے کو ذبح کر دیں گے اور اس سلسلے میں جب قرعہ عبداللہ کے نام نکلا تو ان کے ماموؤں نے عبدالمطلب کو عبداللہ کو ذبح کرنے سے روک دیا اور کہا کہ اپنے بیٹے کے بجائے سو اونٹ فدیے کے طور پر قربان کر دو تو عبدالمطلب نے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ فدیے کے طور پر قربان کر دیے تھے جس کی وجہ سے عبداللہ بچ گئے تو ایک ذبیح یہ ہیں اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴿112﴾﴾ ''اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت بھی دی جو صالح لوگوں میں سے نبی ہوگا۔'' جب حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السلام کے بارے میں بشارت کا پہلے ذکر ہوا تو اب ان کے بھائی اسحاق علیہ السلام کے بارے میں بشارت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ سورۂ ہود[4] اور سورۂ حجر[5] میں بھی اس بشارت کا ذکر ہے۔ ﴿نَبِیًّا﴾ حال مقدور ہے، یعنی ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں صالح نبی پیدا ہوگا: ﴿وَبٰرَکۡنَا

① تفسیر البغوی: 36/4 . ② تفسیر البغوی: 36/4 . ③ تفسیر الطبری: 102,101/23 . ④ هود 11:71 .
⑤ الحجر 15:53 .

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿123﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿124﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ

اور بے شک الیاس بھی یقیناً رسولوں میں سے تھا﴿123﴾ جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟﴿124﴾ کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور سب سے

اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿125﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿126﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿127﴾

بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو﴿125﴾ (یعنی) اللہ کو جو تمھارا اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے؟﴿126﴾ پھر انھوں نے اسے جھٹلایا، لہٰذا یقیناً وہ

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿128﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿129﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿130﴾ اِنَّا

(سب عذاب میں) ضرور حاضر کیے جائیں گے﴿127﴾ سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے﴿128﴾ اور ہم نے اس (کے ذکرِ خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿131﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾

رکھا﴿129﴾ الیاسین (الیاس) پر سلام ہو﴿130﴾ بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں﴿131﴾ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا﴿132﴾

﴿عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿113﴾﴾ ''اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکت (نازل) کی اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا بھی ہے اور کوئی اپنے نفس پر کھلم کھلا ظلم کرنے والا بھی ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○﴾ (هود 11:48) ''کہا گیا: اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جو تجھ پر اور تیرے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی) ہیں اور کچھ جماعتیں ہوں گی جنھیں ہم فائدہ دیں گے، پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔''

تفسیر آیات: 114-122

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جن سے اس نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو نوازا تھا اور وہ یہ کہ انھیں نبوت عطا فرمائی اور انھیں اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو فرعون اور اس کی قوم کے مظالم سے نجات بخشی، فرعون اور اس کی قوم کے لوگ اسرائیلیوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے، ان کے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتے اور انھیں بہت گھٹیا کاموں کے لیے استعمال کرتے تھے لیکن اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی، فرعون اور اس کی قوم کے خلاف مدد فرمائی، ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور انھیں ان کی زمینوں، مالوں اور ان تمام مویشیوں کا وارث بنا دیا اور ہر اس چیز کا جو انھوں نے زندگی بھر جمع کیا تھا اور پھر اس سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام پر ایک عظیم الشان، واضح، جلی اور روشن کتاب بھی نازل فرمائی، یعنی تورات جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً﴾ (الأنبياء 48:21) ''اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور روشنی عطا کی۔'' اور اللہ عزوجل نے یہاں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿117﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿118﴾﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کو واضح (المطالب) کتاب عنایت کی اور ہم نے ان دونوں کو سیدھا رستہ دکھایا۔'' یعنی اقوال و افعال میں، ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا

فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ''اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان دونوں (کے ذکر خیر) کو باقی رکھا۔'' یعنی ان کے بعد ان کے ذکر جمیل اور ثنائے حسن کو باقی چھوڑا اور پھر اس کی تفسیر اس طرح فرمائی: ﴿ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ﴾ ''موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو، بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ یقیناً وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔''

تفسیر آیات:123-132

الیاس علیہ السلام کا ذکر: قتادہ اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ الیاس علیہ السلام ہی ادریس علیہ السلام ہیں۔ [1] اور ابن ابو حاتم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ الیاس علیہ السلام ہی ادریس علیہ السلام ہیں۔ [2] اور ضحاک نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ [3] اور وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ وہ الیاس بن یاسین بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران ہیں۔ [4] اللہ تعالیٰ نے انھیں حزقیل علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا تھا، اس وقت بنی اسرائیل بعل نامی ایک بت کی پوجا کرتے تھے، انھوں نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت سے منع فرمایا، اس دور کا بادشاہ پہلے تو ایمان لے آیا مگر پھر مرتد ہو گیا، بنی اسرائیل بھی اپنی ضلالت ہی میں مبتلا رہے اور ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ [5] حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تین سال تک انھیں بارش سے محروم کر دیا، پھر انھوں نے الیاس علیہ السلام سے کہا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے قحط سالی کو دور کر کے بارش نازل فرما دے، وہ ان پر ایمان لے آئیں گے، انھوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی مگر قوم نے پہلے سے بھی بڑھ کر کفر کا مظاہرہ کیا تو انھوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اب ان کی روح قبض فرما لے۔ الیسع بن اخطوب علیہ السلام نے ان کے ہاتھوں میں پرورش پائی تھی۔

الیاس علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ فلاں جگہ چلے جائیں اور ان کے پاس جو چیز آئے اس پر بلاخوف وخطر سوار ہو جائیں تو ان کے پاس آگ کا ایک گھوڑا آیا، آپ اس پر سوار ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے انھیں نور کا لباس پہنا دیا اور پر عطا فرما دیے اور انھوں نے فرشتوں کے ساتھ انسانی، آسمانی اور زمینی فرشتہ بن کر اڑنا شروع کر دیا۔ [6] وہب بن منبہ نے اہل کتاب سے اسی طرح بیان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ ﴾ ''جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں۔'' یعنی غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے تم اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ ﴿ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ ﴾ ''کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے ہو) اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی نے کہا ہے کہ بعل ان کے خدا کا نام تھا۔ [7] عکرمہ و قتادہ نے کہا ہے کہ یہ اہل یمن کی لغت ہے۔ [8] اور قتادہ سے ایک روایت ہے کہ یہ ازدِ شنوءہ کی لغت کا لفظ ہے۔ [9] اور

---

① تفسير الطبري :109/23 . ② تفسير ابن أبي حاتم :1336/4 . ③ تفسير الطبري :109/23 والدر المنثور :537/5 عن قتادة. ④ تفسير الطبري :111/23 . ⑤ تفسير الطبري :111/23 . ⑥ تفسير الطبري :111/23-113 و تفسير القرطبي :115/15 . ⑦ تفسير الطبري :110/23 . ⑧ تفسير الطبري :110/23 . ⑨ تفسير ابن أبي حاتم :3225/10 .

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿133﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿134﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿135﴾ ثُمَّ

اور بلاشبہ لوط بھی رسولوں میں سے تھا﴿133﴾ جب ہم نے اسے اور اس کے اہل سب کو نجات دی﴿134﴾ سوائے ایک بڑھیا (لوط کی اہلیہ) کے جو پیچھے رہ جانے والوں

دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿136﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿137﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿138﴾ ع 4 25 8

میں تھی﴿135﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا﴿136﴾ اور بلاشبہ تم صبح کو ان (کی تباہ شدہ بستیوں) پر سے گزرتے ہو﴿137﴾ اور رات کو بھی، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟﴿138﴾

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک بت کا نام تھا جس کی دمشق کے مغرب کی طرف بعلبک نامی شہر کے لوگ پوجا کرتے تھے۔[1] ضحاک نے بھی کہا ہے کہ یہ ایک بت تھا جس کی لوگ پوجا کرتے تھے۔[2] ﴿ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا ﴾ ''کیا تم بعل کو پکارتے ہو؟'' یعنی اس بت کی پوجا کرتے ہو ﴿ وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿125﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿126﴾ ﴾ ''اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑے دیتے ہو (یعنی) اللہ کو جو تمھارا اور تمھارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔'' یعنی مستحق عبادت تو صرف وہ وحدہٗ لاشریک ہے، ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿127﴾ ﴾ ''تو ان لوگوں نے اسے جھٹلا دیا، سو یقیناً وہ حاضر کیے جائیں گے۔'' یعنی حساب کے دن عذاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿128﴾ ﴾ ''سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے۔'' یعنی جو موحّد ہوں گے (انھیں عذاب نہ ہو گا۔) یہ کلامِ مثبت موجب سے استثناءِ منقطع ہے۔ ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿129﴾ ﴾ ''اور ان دونوں کا ذکر (خیر) پچھلوں میں (باقی) چھوڑ دیا۔'' یعنی ثناء جمیل۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿130﴾ ﴾ ''الیاسین پر سلام ہو۔'' یہ ایسے ہے جیسے اسماعیل کو اسماعین کہا جاتا ہے۔ یہ بنو اسد کی لغت ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے: میکال، میکائیل، میکائین اور ابراہیم وابراہام، اسرائیل واسرائین، اسی طرح طور سیناء اور طور سینین ایک ہی جگہ کے نام ہیں، بہر حال یہ سب نام اس طرح استعمال ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿131﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾ ﴾ ''بے شک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:133-138

قوم لوط کی ہلاکت کا ذکر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد ورسول لوط علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھیں ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا مگر ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کے اہل کو نجات دی مگر ان کی بیوی اپنی قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے انھیں مختلف سزاؤں کے ساتھ ہلاک کیا اور ان کی زمین کی جگہ بحیرہ مردار پیدا کر دیا جو انتہائی بدبودار، قبیح المنظر اور جس کا ذائقہ اور جس کی ہوا بھی انتہائی بدبودار ہے اور اسے ایک ایسے رستے کے قریب بنا دیا ہے جس کے پاس سے مسافر دن رات گزرتے ہیں، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ

---

① تفسیر الطبری:111,110/23 و تفسیر ابن أبي حاتم:3225/10. ② تفسیر الطبری:110/23. ③ دیکھیے الصّٰفّٰت، آیات 80 و 81 کے ذیل میں۔

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿139﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿140﴾ فَسَاهَمَ

اور بے شک یونس یقیناً رسولوں میں سے تھا﴿139﴾ جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا﴿140﴾ پھر (کشتی والوں نے) قرعہ ڈالا تو وہ ہارنے والوں

فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿141﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿142﴾ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ

میں سے ہوگیا﴿141﴾ تب اسے مچھلی نے نگل لیا جبکہ وہ (خود کو) ملامت کرنے والا تھا﴿142﴾ پھر اگر (یہ بات) نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے

مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿143﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿144﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ

تھا﴿143﴾ تو وہ لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن (روز قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا﴿144﴾ پھر ہم نے اسے چٹیل میدان میں

وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿145﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿146﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ

ڈال دیا جبکہ وہ بیمار تھا﴿145﴾ اور ہم نے اس پر ایک بیل دار درخت (کدو) اگا دیا﴿146﴾ اور ہم نے اسے ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف بھیجا، یا وہ (اس سے کچھ)

اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿147﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴿148﴾

زیادہ ہوں گے﴿147﴾ چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے انھیں ایک (مقرر) وقت تک فائدہ (اٹھانے کا موقع) دیا﴿148﴾

﴿ مُّصْبِحِیْنَ ﴿137﴾ وَبِالَّیْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿138﴾ ﴾ ''اور بے شک تم صبح کو بھی ان (کی تباہ شدہ بستیوں) پر سے گزرتے ہو اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟'' یعنی کیا تم اس بات سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا تھا اور تم یہ جانتے ہو کہ کافروں کو بھی اسی طرح کا عذاب ہوگا۔

تفسیر آیات:139-148

یونس علیہ السلام کا قصہ: حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ قبل ازیں سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے۔[1] اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى] ''کسی بندے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿140﴾ ﴾ ''جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف گیا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشحون کے معنی ہیں سامان سے بھری ہوئی ﴿ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿141﴾ ﴾ ''پھر (کشتی والوں نے) قرعہ ڈالا تو وہ ہارنے والوں میں سے ہوگیا۔'' یعنی وہ مغلوب ہو گئے اور وہ اس طرح کہ سمندر کی موجوں نے کشتی کو چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کی وجہ سے سب لوگ غرق ہونے کے قریب پہنچے تو انھوں نے قرعہ اندازی کی تاکہ جس کے نام قرعہ نکلے اسے سمندر میں پھینک دیا جائے اور کشتی کا بوجھ کم ہو جائے، قرعہ تین بار ڈالا گیا اور تینوں بار اللہ کے نبی یونس علیہ السلام کا نام نکلا اور کشتی والے اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ آپ کو کشتی سے اتار کر سمندر

[1] دیکھیے الأنبیآء، آیات :88,87 کے ذیل میں۔ [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿86﴾ ﴾ (الأنعام6:86)، حديث:4630 وصحيح مسلم، الفضائل، باب في ذكر يونس عليه السلام ......، حديث :2377 عن ابن عباس رضي الله عنهما.

میں پھینکیں مگر ان کے انکار کے باوجود آپ نے کپڑے اتارے اور سمندر میں چھلانگ لگا دی، ادھر اللہ تعالیٰ نے بحر اخضر کی ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ سمندروں کو چیرتی ہوئی فوراً وہاں پہنچے اور یونس علیہ السلام کو نگل لے مگر نہ ان کے گوشت کو کھائے اور نہ ان کی کسی ہڈی کو توڑے۔ ادھر یہ مچھلی آ گئی، ادھر یونس علیہ السلام نے چھلانگ لگا دی تو مچھلی نے انھیں نگل لیا اور انھیں لے کر چل دی اور سارے سمندر میں لے کر گھومتی پھرتی رہی...... مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام نے خیال کیا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں، پھر انھوں نے اپنے سر پاؤں اور اطراف کو ہلایا تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ فوت نہیں ہوئے، بلکہ زندہ ہیں تو انھوں نے کھڑے ہو کر مچھلی کے پیٹ میں نماز پڑھنا شروع کر دی اور وہاں انھوں نے جو دعائیں مانگیں ان میں ایک دعا یہ بھی تھی: ''اے میرے رب! میں نے تیرے لیے ایک ایسی جگہ مسجد بنائی ہے، جہاں تک کوئی انسان نہیں پہنچا۔'' اس بارے میں اختلاف ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنی مدت رہے۔ امام قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تین دن۔[1] امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سات دن، ابو مالک کا قول ہے کہ چالیس دن۔[2] مجاہد نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ مچھلی نے آپ کو چاشت کے وقت نگلا تھا اور شام کے وقت اگل دیا تھا۔[3] اس مدت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ ﴾ ''پھر اگر (یہ بات) نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھا تو وہ اس روز تک کہ (جس میں) لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، اس (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا۔'' اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر خوش حالی کے زمانے کے ان کے عمل نہ ہوتے جیسا کہ ضحاک بن قیس، ابو العالیہ، وہب بن منبہ، قتادہ اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[4]

اور امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[5] اُس حدیث سے، جسے ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ذکر کریں گے، یہی بات معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے: [تَعَرَّفْ (إِلَى اللّٰهِ) فِي الرَّخَاءِ، يَعْرِفُكَ فِي الشِّدَّةِ] ''تم اللہ تعالیٰ کو خوش حالی میں پہچانو، وہ تمھیں تمھاری سختی کے دنوں میں پہچانے گا۔''[6] اور یہ بھی کہا گیا ہے: ﴿ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖۗ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبياء 21:87،88) ''پھر اس نے اندھیروں میں (ہمیں) پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں، تو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور ہم نے اسے غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم :3230/10 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم :3230/10 و تفسیر الطبری :121/23 . [3] تفسیر ابن أبي حاتم :3229/10 . [4] تفسیر الطبری :119/23 و تفسیر ابن أبي حاتم :3229/10 . [5] تفسیر الطبری :119/23 .
[6] مسند أحمد :307/1، جبکہ قوسین والے الفاظ المعجم الکبیر للطبرانی :123/11، حدیث :11243 و المستدرك للحاکم ، معرفة الصحابة :541/3، حدیث :6303 میں ہے، مزید اس جملے کے علاوہ دیکھیے جامع الترمذي ، صفة القيامة، باب حدیث حنظلة......، حدیث :2516 .

ہیں۔'' یہ سعید بن جبیر وغیرہ کا قول ہے۔ ①

امام ابن ابوحاتم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مرفوع بیان کیا ہے: [أَنَّ يُونُسَ النَّبِيَّ عليه السلام حِينَ بَدَالَهُ أَنْ يَّدْعُوَ بِهٰذِهِ الْكَلِمَاتِ، وَهُوَ فِي بَطْنِ الْحُوتِ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، فَأَقْبَلَتِ الدَّعْوَةُ تَحُفُّ بِالْعَرْشِ، قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ: يَا رَبِّ! هٰذَا صَوْتٌ ضَعِيفٌ مَّعْرُوفٌ مِّنْ بِلَادٍ بَعِيدَةٍ غَرِيبَةٍ! فَقَالَ: أَمَا تَعْرِفُونَ ذٰلِكَ؟ قَالُوا: يَا رَبِّ! وَمَنْ هُوَ؟ قَالَ: عَبْدِي يُونُسُ، قَالُوا: عَبْدُكَ يُونُسُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ يُرْفَعُ لَهُ عَمَلٌ مُّتَقَبَّلٌ وَّدَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ؟ قَالُوا: يَارَبِّ! أَوَلَا تَرْحَمُ مَا كَانَ يَصْنَعُ فِي الرَّخَاءِ فَتُنَجِّيَهُ مِنَ الْبَلَاءِ؟ قَالَ: بَلٰى! فَأَمَرَ الْحُوتَ، فَطَرَحَهُ بِالْعَرَاءِ] ''اللہ کے نبی یونس علیہ السلام نے جب ان کلمات کے ساتھ دعا شروع کی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں (اپنے آپ پر) زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں'' تو دعا کے ان کلمات نے عرش کو گھیر لیا، فرشتوں نے عرض کی: اے رب! یہ کمزور سی آواز جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے جو کسی دور دراز کے اجنبی سے علاقے سے آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا تم نہیں جانتے کہ یہ کس کی آواز ہے۔'' فرشتوں نے عرض کی: اے رب! یہ کس کی آواز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے یونس کی، فرشتوں نے عرض کی: تیرا وہی بندہ یونس جن کے اعمال صالحہ اور جن کی قبول ہونے والی دعائیں ہمیشہ آپ کے پاس پہنچتی رہی ہیں؟ فرشتوں نے عرض کی کہ یا اللہ! اس کے آسودگی میں کیے گئے اعمال کے عوض تو اس پر رحم فرما کر اسے آزمائش سے نجات نہیں دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں! پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا اور اس نے آپ کو ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا۔'' ②

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ ﴾ ''پھر ہم نے انھیں چٹیل میدان میں ڈال دیا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ عراء ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ نباتات ہوں اور نہ کوئی عمارت۔ ③ ﴿ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴾ ''جبکہ وہ بیمار تھا۔'' یعنی ان کا بدن کمزور تھا۔ ﴿ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴾ ''اور ہم نے اس پر ایک بیل دار پودا (جیسے کدو وغیرہ) اگا دیا۔'' ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، وہب بن منبہ، ہلال بن یساف، عبداللہ بن طاؤس، سدی، قتادہ، ضحاک، عطاء خراسانی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿ يَقْطِيْنٍ ﴾ کے معنی کدو کے ہیں۔ ④

بعض لوگوں نے کدو کے کچھ خاص فوائد بھی ذکر کیے ہیں، مثلاً: اس کا جلدی اگنا، اس کے پتوں کے بڑے اور ملائم ہونے کی وجہ سے سایہ کرنا، مکھی کا اس کے قریب نہ آنا، اس کے پھل کا عمدہ غذا ہونا اور اس کا کچا اور پکا کر کھایا جانا اور اس کے گودے اور چھلکے دونوں کا کھایا جانا وغیرہ۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرمایا کرتے اور اس کی

---

① تفسیر الطبری: 121/23. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 3228/10 و تفسیر الطبری: 120,119/23. ③ تفسیر الطبری: 121/23. ④ تفسیر القرطبی: 129/15 و تفسیر الطبری: 124,123/23.

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿149﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ

پھران (اہل مکہ) سے پوچھیے: کیا آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہیں اوران کے لیے بیٹے؟﴿149﴾ یا ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا اوروہ حاضر تھے؟﴿150﴾

شٰهِدُوْنَ ﴿150﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿151﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿152﴾

خبردار! بلاشبہ وہ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر کہتے ہیں﴿151﴾ کہ "اللہ نے اولاد جنی" اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں﴿152﴾ کیا اس نے بیٹوں پر بیٹیوں کو پسند کیا (ترجیح دی)

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿153﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿154﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿155﴾ اَمْ لَكُمْ

ہے؟﴿153﴾ کیا ہو گیا ہے تمھیں، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟﴿154﴾ کیا پھر تم غور نہیں کرتے؟﴿155﴾ یا تمھارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟﴿156﴾ پھر تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم

سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿156﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿157﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ

سچے ہو﴿157﴾ اور انھوں نے اس (اللہ) کے اور جنوں کے درمیان رشتہ ٹھہرایا، حالانکہ بلاشبہ خود جنوں نے جان لیا کہ وہ (اللہ کے سامنے) ضرور حاضر کیے جائیں

عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿158﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿159﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿160﴾

گے﴿158﴾ اللہ ان (باتوں) سے پاک ہے جو وہ (اس کے بارے میں) بیان کرتے ہیں﴿159﴾ سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے (وہ ایسی باتیں نہیں کرتے)﴿160﴾

قاشوں (ٹکڑوں) کو برتن میں سے تلاش فرمایا کرتے تھے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴾ "اور ہم نے اسے ایک لاکھ (لوگوں) کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا یا وہ (اس سے کچھ) زیادہ ہوں گے۔" یعنی جن لوگوں کی طرف انھیں پہلے بھیجا گیا تھا مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد انھی کی طرف انھیں دوبارہ بھیجا گیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے۔ ﴿ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴾ "یا (اس سے کچھ) زیادہ ہوں گے۔" مکحول کہتے ہیں کہ ان کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اہل بصرہ میں سے بعض اہل عربیت کہتے تھے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی تعداد ایک لاکھ تھی یا تمھارے نزدیک اس سے بھی زیادہ تھی گویا تمھارے نزدیک بھی ان کی تعداد یہی تھی۔[2] ابن جریر نے یہاں وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو انھوں نے درج ذیل آیات میں اختیار کیا ہے: ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ ﴾ (البقرة 2:74) "پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے، چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت۔" ﴿ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ ﴾ (النسآء 4:77) "ایک گروہ ان میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے یا وہ اس سے بھی بڑھ کر خوفزدہ تھا۔" اور ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ ﴾ (النجم 53:9) "تو دو کمان کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا۔" سے مراد اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہے ﴿ فَاٰمَنُوْا ﴾ "تو وہ ایمان لے آئے۔" یعنی یہ سب لوگ ایمان لے آئے جن کی طرف یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، ﴿ فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ "سو ہم نے بھی انھیں (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدہ دیا ہے۔" یعنی ان لوگوں کی موت کے وقت تک جیسا کہ اللہ جل جلالہٗ نے

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، باب من ناول أوقدم إلى صاحبه......، حديث :5439 و صحيح مسلم، الأشربة، باب جواز أكل المرق واستحباب أكل اليقطين......، حديث :2041 عن أنس ﷺ. [2] تفسير الطبري :125/23 .

فرمایا ہے: ﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ﴾ (یونس 98:10) ''پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی کہ وہ (عذاب سے پہلے) ایمان لائی ہو، پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو، سوائے قومِ یونس کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیاوی زندگی میں ذلت کا عذاب ٹال دیا اور ہم نے انھیں ایک (مقرر) وقت تک فائدہ (اٹھانے) دیا۔''

تفسیر آیات:149-160

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنے والوں کی تردید: اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے تو بیٹیاں قرار دیں اور اپنے لیے پسندیدہ اولاد بیٹوں کو چاہا، یعنی اپنے لیے گویا اچھی چیز کو پسند کیا۔ ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ ﴾ (النحل 58:16) ''حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور وہ غم وغصے سے بھرا ہوتا ہے۔'' یعنی اسے یہ خبر بہت بری محسوس ہوتی ہے، اس لیے اپنے لیے وہ بیٹوں ہی کو پسند کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف ایسی چیزوں کو کیوں منسوب کرتے ہیں جنھیں خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاسْتَفْتِهِمْ ﴾ ''سو آپ ان سے پوچھیں۔'' یعنی ان کی اس روش کا انکار کرتے ہوئے ان سے یہ پوچھیے کہ ﴿ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝ ﴾ ''بھلا تمھارے پروردگار کے لیے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے؟'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ ﴾ (النجم 22,21:53) ''(مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور اس (اللہ) کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو پھر بڑی ہی بے انصافی کی تقسیم ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝ ﴾ ''یا ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا اور وہ (اس وقت) دیکھ رہے تھے؟'' یعنی انھوں نے فرشتوں کے بارے میں یہ کیسے فیصلہ کر دیا کہ وہ مؤنث ہیں، حالانکہ وہ تو ان کی تخلیق کے وقت موجود ہی نہ تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 19:43) ''اور انھوں نے فرشتوں کو، جو رحمٰن کے بندے ہیں، (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا۔ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے، ان کی شہادت ضرور لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔'' یعنی ان سے روزِ قیامت اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ﴾ ''خبردار! بے شک وہ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ گھڑ کر کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی۔'' یعنی اس نے اولاد کو جنم دیا ہے، ﴿ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ ''اور کچھ شک نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے فرشتوں کے بارے میں تین قول ذکر کیے ہیں جو حد درجہ کذب و کفر پر مبنی ہیں: (1) انھوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کی، حالانکہ اس کی ذات اولاد سے پاک ہے۔ (2) اس اولاد کو انھوں نے لڑکیاں قرار دیا اور (3) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بجائے ان کی پوجا شروع کر دی، ان میں سے ہر بات

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿161﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿162﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ

(اے مشرکو!) بے شک تم اور (وہ) جن کی تم عبادت کرتے ہو﴿161﴾ تم (ان مخلص بندوں کو) اس (اللہ) کے خلاف بہکانے والے نہیں﴿162﴾ مگر اسی کو جو جہنم

الْجَحِيْمِ ﴿163﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿164﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿165﴾ وَاِنَّا

میں جانے والا ہے﴿163﴾ (فرشتے کہتے ہیں:) ہم میں سے تو ہر ایک کا مقام مقرر ہے﴿164﴾ اور بے شک ہم (اللہ کے حضور) یقیناً صف باندھے کھڑے

لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿166﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿167﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ

رہنے والے ہیں﴿165﴾ اور بے شک ہم تو تسبیح کرنے والے ہیں﴿166﴾ اور بلاشبہ وہ (کفار) کہتے تھے﴿167﴾ اگر ہمارے پاس اگلوں کی نصیحت (کتاب) ہوتی﴿168﴾

الْاَوَّلِيْنَ ﴿168﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿169﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿170﴾

تو ہم ضرور اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوتے﴿169﴾ پھر (پیغمبر قرآن لے کر آیا تو) انھوں نے اس (قرآن) کا انکار کر دیا، لہٰذا عنقریب وہ جان لیں گے﴿170﴾

ان کے آتش جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے کافی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ﴿153﴾﴾ ”کیا اس نے بیٹوں پر بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟“ یعنی اسے کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ وہ بیٹوں کے بجائے بیٹیوں کو اپنے لیے پسند کرے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا﴾ (بنيّ إسرآء يل 40:17) ”(مشرکو!) کیا تمھارے پروردگار نے تمھیں بیٹوں کے ساتھ چن لیا اور (خود) فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ کچھ شک نہیں کہ تم بڑی (نامعقول) بات کہتے ہو۔“ اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴿154﴾﴾ ”کیا ہو گیا ہے تمھیں، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟“ یعنی کیا تم میں عقل نہیں ہے جس سے تم اپنی بات پر غور کر سکو؟ ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴿155﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ﴿156﴾﴾ ”بھلا تم غور (کیوں) نہیں کرتے یا تمھارے پاس کوئی صریح دلیل ہے؟“ یعنی تم جو کہتے ہو کیا اس کی تمھارے پاس کوئی دلیل ہے؟ ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿157﴾﴾ ”پس اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ۔“ یعنی اپنی اس بات کی کوئی دلیل پیش کرو اور وہ دلیل کسی ایسی کتاب میں سے ہونی چاہیے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا ہو اور جس سے یہ ثابت ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے کیونکہ تم جو بات کہتے ہو اس کی کوئی عقلی دلیل تو ہو نہیں سکتی بلکہ عقل تو بالکل اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی، ﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ﴾ ”اور انھوں نے اس (اللہ) کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ مقرر کیا۔“

مجاہد نے کہا کہ مشرکین نے جب یہ کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ سردار جنات کی بیٹیاں ان کی مائیں ہیں۔[1] قتادہ اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[2] اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ﴾ ”حالانکہ بلاشبہ جنوں نے بھی جان لیا۔“ جن کی طرف انھوں نے بات کو منسوب کیا ہے ﴿اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ﴿158﴾﴾ ”بلاشبہ وہ (اللہ کے سامنے) ضرور حاضر کیے جائیں گے۔“ یعنی

---

[1] تفسير الطبرى:129/23. [2] تفسير الطبرى:129/23.

جنھوں نے یہ بات کہی ہے اس کذب وافتراء کی وجہ سے انھیں قیامت کے دن عذاب کے لیے حاضر کیا جائے گا کیونکہ انھوں نے علم کے بغیر یہ باطل بات کہی تھی۔ ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ ''وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو، وہ ان ظالموں اور ملحدوں کی بات سے بہت بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔ ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ ''سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے (وہ ایسی بات نہیں کہتے۔)'' یہ کلام مثبت سے استثناء منقطع ہے الا یہ کہ ﴿ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ کی ضمیر سب لوگوں کی طرف لوٹتی ہو اور پھر ان میں سے مخلصین کو مستثنیٰ کیا گیا ہو، مخلصین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر نبی اور رسول پر نازل ہونے والے حق کی اتباع کرنے والے ہوں (تو پھر استثناء منقطع کے بجائے متصل ہے۔)

تفسیر آیات:161-170

مشرکین کی بات کو وہی قبول کرسکتا ہے جو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہو: اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴾ ''سو تم اور جنھیں تم پوجتے ہو، اس (اللہ) کے خلاف بہکانے والے نہیں، مگر اسے جو جہنم میں جانے والا ہے۔'' یعنی تمھاری اس بات اور اس ضلالت اور باطل عبادت کو صرف ایسا شخص ہی قبول کرسکتا ہے جو تم سے زیادہ گمراہ ہو اور جسے جہنم رسید ہونے کے لیے پیدا کیا گیا ہو کیونکہ ﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ (الأعراف 179:7) ''ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں، یہ لوگ (بالکل) چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔'' اس قسم کے لوگ ہیں جو دین شرک، کفر اور ضلالت کو قبول کرسکتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 9,8:51) ''(اے اہل مکہ) تم ایک مختلف بات میں (پڑے ہوئے) ہو، اس سے وہی پھیرا جاتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔'' یعنی اس بات کے ساتھ وہ گمراہ ہوتا ہے جو راہِ راست سے بھٹکا ہوا اور باطل پر اٹکا ہوا ہو۔

فرشتوں کا مقام اور صفیں باندھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا: کفار و مشرکین نے ازراہ کفر و کذب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس سے پاک قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ ''اور (فرشتے کہتے ہیں کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔'' یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے آسمانوں میں ایک مخصوص جگہ اور عبادت کے خاص مقامات ہیں جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتا۔ امام ضحاک نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کرتے تھے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا فِي سَمَاءِ الدُّنْيَا مَوْضِعُ قَدَمٍ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ أَوْ قَائِمٌ] ''آسمان دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدے یا قیام کی حالت

میں نہ ہو۔''[1] اور یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ ﴾ ''اور ہم میں سے تو ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آسمانوں میں ایک ایسا آسمان بھی ہے کہ جس میں ایک بالشت برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کسی فرشتے کی پیشانی یا قدم نہ ہوں، پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ ﴾۔[2] سعید بن جبیر نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ ﴿ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ ﴾ ''اور بے شک ہم تو البتہ (اللہ کے حضور) صف باندھے کھڑے رہنے والے ہیں۔'' یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں جیسا کہ قبل ازیں ﴿ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 1:37) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[3]

ابن ابو حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے، ابونضرہ نے کہا ہے کہ جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جاتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے کہ اپنی صفوں کو درست کرو، سیدھے کھڑے ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم (صفیں بنانے میں) فرشتوں کی سیرت کو اختیار کرو، پھر یہ آیت پڑھتے: ﴿ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ ﴾ ''اور بے شک ہم تو البتہ (اللہ کے حضور) صف باندھے کھڑے رہنے والے ہیں۔'' اے فلاں شخص! تم پیچھے ہو جاؤ، اے فلاں! تم آگے ہو جاؤ، پھر آپ آگے بڑھ کر تکبیر کہتے۔[4] صحیح مسلم میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ:جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا] ''ہمیں لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: (1) ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنا دی گئی ہیں۔ (2) ہمارے لیے ساری زمین کو مسجد اور (3) اس کی مٹی کو ہمارے لیے پاک کرنے والا بنا دیا گیا ہے۔''[5] ﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ ﴾ ''اور یقیناً ہم تو تسبیح کرنے والے ہیں۔'' یعنی ہم صفیں باندھ کر رب تعالیٰ کی تسبیح، تمجید، تقدیس اور نقائص سے تنزیہ بیان کرتے رہتے ہیں، ہم اس کے غلام، اس کے محتاج اور اس کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہیں۔

قریش کی تمنا کہ ان کے پاس کوئی کتاب نصیحت ہوتی! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ وہ (کفار) کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس اگلوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب) ہوتی تو ہم ضرور اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوتے۔''

---

[1] تفسیر الطبری :133/23 اور مسند أحمد :173/5 میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حسن درجے کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: [......مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ، إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ......] ''......آسمان میں چار انگلیوں کے بقدر بھی جگہ نہیں ہے مگر فرشتہ وہاں سجدہ کر رہا ہے......'' [2] المعجم الكبير للطبراني:214/9، حديث:9042 وشعب الإيمان للبيهقي، باب في الإيمان بالملائكة:178,177/1، حديث :159 و تفسير الطبري:135/23 وتفسير ابن أبي حاتم :3232/10 وتفسير عبدالرزاق: 107/3، رقم:2565، البتہ مذکورہ حوالوں میں ﴿ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ ﴾ کے بجائے اس کے بعد والی دو آیات: ﴿ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ ﴾ ہیں۔ [3] دیکھیے الصّٰٓفّٰت، آیت: 1 کے ذیل میں۔ [4] تفسیر ابن أبي حاتم :3233,3232/10 و تفسير الطبري :134/23 . [5] صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث :522 .

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿171﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿172﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا

اور درحقیقت ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے ان بندوں کے لیے صادر ہو چکا ہے جو رسول ہیں﴿171﴾ کہ یقیناً انھی کی ہی مدد کی جائے گی﴿172﴾ اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی

لَهُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿173﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿174﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿175﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

غالب رہے گا﴿173﴾ تو ایک مدت تک آپ ان سے منہ موڑ لیجیے﴿174﴾ اور انھیں دیکھتے رہیے (کہ ان پر عذاب آیا ہی چاہتا ہے) پھر جلد ہی وہ بھی دیکھ لیں

يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿176﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿177﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى

گے﴿175﴾ کیا پھر وہ ہمارا عذاب جلدی مانگتے ہیں؟﴿176﴾ پھر جب وہ ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی﴿177﴾ اور ان سے

حِيْنٍ ﴿178﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿179﴾

ایک مدت تک منہ موڑ لیجیے﴿178﴾ اور (انھیں) دیکھتے رہیے، جلد ہی وہ بھی دیکھ لیں گے﴿179﴾

اے محمد (ﷺ!) آپ کے آنے سے پہلے یہ لوگ تمنا کیا کرتے تھے کہ اے کاش! ان کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو انھیں اللہ تعالیٰ کا حکم یاد دلائے، پہلے لوگوں کی باتیں بتائے اور ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب لائے جیسا کہ اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۙ﴾ (فاطر 42:35) ''اور انھوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ضرور ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آیا تو اس (کی آمد) نے انھیں (حق سے) نفرت ہی میں زیادہ کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴾ (الأنعام 157,156:6) ''تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔ یا تم (یہ نہ) کہو کہ اگر بے شک ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، چنانچہ یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک واضح کتاب اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے۔ پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے منہ موڑا؟ جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں ہم انھیں جلد سخت عذاب کی صورت میں سزا دیں گے، اس لیے کہ وہ (حق سے) منہ موڑتے تھے۔'' اس لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿170﴾ ﴾ ''پھر (جب پیغمبر قرآن لے کر آیا تو) انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا عنقریب وہ جان لیں گے۔'' ان کے اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے یہ زبردست وعید اور بہت شدید سرزنش ہے۔

تفسیر آیات: 171-179

نصرت کا وعدہ اور قریش سے اعراض کا حکم: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿171﴾ ﴾

''اور البتہ تحقیق اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے ہماری بات پہلے ہی صادر ہو چکی ہے۔'' یعنی کتاب اول میں یہ بات پہلے ہی لکھی جا چکی ہے کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام میرے پیغمبروں اور ان کے پیروکاروں ہی کا ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے، بے شک اللہ زور آور، نہایت غالب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ (المؤمن 40:51) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی۔)'' اسی لیے اللہ جل جلالہ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور البتہ تحقیق اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے ہماری بات پہلے ہی صادر ہو چکی ہے کہ بے شک البتہ وہی مدد کیے جائیں گے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں۔ جیسا کہ قبل ازیں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جن قوموں نے اپنے انبیاء کی تکذیب و مخالفت کی تھی ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو کس طرح فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا تھا اور کافروں کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کس طرح نجات عطا فرمائی تھی۔[1] ﴿ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا'' اور اسی کا انجام اچھا ہوگا۔ ﴿ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ ﴾ ''تو آپ ایک مدت تک ان سے منہ موڑ لیجیے۔'' یعنی آپ کو جو ایذا دیتے ہیں اس پر صبر کریں اور ایک وقت مقرر تک انتظار کریں، ہم عنقریب تمھیں عافیت، نصرت اور کامیابی سے سرفراز کریں گے۔ ﴿ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور آپ انھیں دیکھتے رہیں، پس وہ بھی عنقریب (کفر کا انجام) دیکھ لیں گے۔'' یعنی انتظار کریں اور دیکھیں کہ تمھاری مخالفت اور تکذیب کی وجہ سے یہ کیسے کیسے عذاب اور تباہ کاریوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اسی لیے وعید اور سرزنش کے طور پر فرمایا: ﴿ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ ''تو وہ بھی عنقریب (کفر کا انجام) دیکھ لیں گے۔''

پھر فرمایا: ﴿ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا پھر ہمارا عذاب وہ جلدی مانگتے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ تمھاری تکذیب اور تمھارے ساتھ کفر کی وجہ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے ان سے سخت ناراض ہے اور وہ انھیں عنقریب سزا دے گا، اس کے باوجود یہ لوگ از راہ کفر و عناد عذاب اور سزا کے لیے جلدی کر رہے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاۗءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ ﴾ ''مگر جب وہ ان کے (گھروں کے) صحن میں آ اترے گا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری ہوگی۔'' یعنی جب ان کے علاقے میں عذاب نازل ہوگا تو ان کی ہلاکت اور تباہی و بربادی کا یہ بدترین دن ہوگا۔ سدی نے کہا ہے کہ ﴿ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ ان کے گھروں میں نازل ہوگا۔[2] ﴿ فَسَاۗءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ ﴾ ''تو ان ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بدترین ہوگی۔''

---

[1] دیکھیے آل عمران، آیت:123-126 کے ذیل میں اور الأنعام، آیت : 34 کے ذیل میں عنوان ''نبی اکرم ﷺ کے لیے تسلی''

[2] تفسیر الطبری :138/23.

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿180﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿181﴾ وَالْحَمْدُ

آپ کا رب، عزت کا مالک، ان باتوں سے پاک ہے جو وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں﴿180﴾ اور تمام رسولوں پر سلام ہے ﴿181﴾ اور سب

5 ع 44 9 لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿182﴾

تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں ﴿182﴾

صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر صبح کے وقت حملہ کیا تو اہل خیبر (زمینوں میں کام کاج کے لیے) زنبیلوں، کلہاڑیوں اور کسیوں کو لے کر نکلے جب انھوں نے محمدی لشکر کو دیکھا تو یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے: محمد! اللہ کی قسم! محمد اور لشکر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ] ''اللہ بزرگ و برتر ہے، خیبر تباہ و برباد ہو گیا، بے شک ہم جب کسی قوم کے صحن (علاقے) میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کے لیے برا دن ہوتا ہے۔''[1] یہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿178﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿179﴾ ﴾ پہلے نازل ہونے والے حکم کی تاکید ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:180-182

اللہ رب العزت کی تسبیح و تحمید اور رسولوں پر سلام: اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان ظالموں، تکذیب کرنے والوں اور حد سے بڑھ جانے والوں کی بات سے اپنی ذات کو پاک، مقدس اور بری قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ ﴾ ''آپ کا پروردگار جو صاحب عزت ہے پاک ہے۔'' وہ ایسی عزت کا مالک ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ﴿ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿180﴾ ﴾ ''ان (باتوں) سے جو وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔'' یعنی وہ ان حد سے بڑھ جانے والے افترا پردازوں کی باتوں سے پاک ہے، ﴿ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿181﴾ ﴾ ''اور (تمام) پیغمبروں پر سلام ہے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے، اس لیے کہ انھوں نے اپنے رب تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ کہا وہ صحیح، حق اور درست تھا، ﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿182﴾ ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔'' یعنی دنیا میں بھی، آخرت میں بھی، ہر حال میں اسی کے لیے تعریف ہے۔ تسبیح چونکہ نقص سے تنزیہ پر بھی مشتمل ہے، اس لیے اس مقام پر اور قرآن مجید کے دیگر بہت سے مقامات پر اسے ملا کر بیان کیا گیا ہے، بہر حال ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿180﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿181﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿182﴾ ﴾ ''وہ (مشرک) جو کچھ بیان کرتے ہیں آپ کا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے اور (تمام) پیغمبروں پر سلام ہے اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔''

سعید بن ابوعروبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا سَلَّمْتُمْ عَلَيَّ، فَسَلِّمُوا عَلَى الْمُرْسَلِينَ، فَإِنَّمَا أَنَا رَسُولٌ مِّنَ الْمُرْسَلِينَ] ''جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو تمام رسولوں پر سلام بھیجو کیونکہ

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب دعاء النبي ﷺ إلى الإسلام والنبوة......، حديث :2945 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة خيبر، حديث : 1365، بعد الحديث :1801.

میں بھی رسولوں میں سے ایک رسول ہوں۔'' [1] ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابو محمد بغوی نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسے روز قیامت پورا پورا اجر و ثواب ملے تو مجلس میں اس کی آخری بات یہ ہونی چاہیے: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ اسی طرح بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ کفارۂ مجلس کی یہ دعا ہے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوبُ إِلَيْكَ] ''پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللہ! تیری ہی تعریف کے ساتھ، میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے، میں تجھ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف ہی توبہ کرتا ہوں۔'' [2] میں نے کفارہ مجلس سے متعلق ایک مستقل جز (کتاب) کو ترتیب دیا ہے، اسے یہاں پر لکھا جائے گا۔ إن شاء اللّٰه تعالٰی. [3]

سورۂ صافات کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

---

[1] تفسیر الطبری :139/23 و تفسیر ابن أبی حاتم :3234/10 و طبقات المحدثین بأصبهان لعبدالله بن محمد بن جعفر بن حیان :11/2 (C.D). [2] سنن أبی داود، الأدب، باب فی کفارة المجلس، حدیث:4859 عن أبی برزة الأسلمی رضی اللہ عنہ و جامع الترمذی، الدعوات، باب ما یقول إذا قام من مجلسه، حدیث :3433 و مسند أحمد :369/2 و 495,494/2 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ، یہ حدیث صحیح ہے۔ یاد رہے یہ حدیث اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ان جملہ روایات کو محقق ''سامی بن محمد السلامۃ'' نے الصّٰفّٰت، آیات : 180-182 کے تحت جمع کیا ہے۔ [3] لیکن شاید اس کا اثبات نہ کر سکے کیونکہ ابن کثیر کے نسخوں میں یہ نہیں پایا جاتا۔

تفسیر سُوْرَۂ صٓ

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۟ۚ ① بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ

صٓ، قسم ہے نصیحت والے قرآن کی ①(یہ تو لاریب کتاب ہے) بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں (پڑے) ہیں ② ہم نے ان سے پہلے کتنی

مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③

ہی قومیں ہلاک کر دیں، تو (عذاب آنے پر) انھوں نے (مدد کو) پکارا جبکہ وہ فرار وخلاصی کا وقت نہ تھا③

تفسیر آیات:1-3

حروف مقطعات کے بارے میں سورۂ بقرہ کی ابتدا میں گفتگو ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں پر کیا گزری؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۟ۚ ① ﴾ ”قسم ہے نصیحت والے قرآن کی!“ یعنی قرآن ایسی باتوں پر مشتمل ہے جن میں بندوں کے لیے نصیحت اور دنیا وآخرت کا نفع ہے۔ ضحاک نے ﴿ ذِی الذِّكْرِ ۟ۚ ① ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ ﴾ (الأنبیآء 21:10) ”البتہ تحقیق ہم نے تمھاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارا ذکر ہے۔“ یعنی جس میں تمھارے لیے نصیحت ہے۔[1] امام قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، اسماعیل بن ابو خالد، ابن عیینہ، ابو حصین، ابو صالح اور سدی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ ﴿ ذِی الذِّكْرِ ۟ۚ ① ﴾ کے معنی ذو شرف، یعنی شان و مقام والے کے ہیں۔[3] اور ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ قرآن شریف ایک ایسی کتاب ہے جو تذکیر، اِعذار اور اِنذار پر مشتمل ہے۔ اس قسم کا جواب یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ ﴾ (صٓ 38:14) ”اور (ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔“ اور قتادہ کا قول ہے کہ جواب قسم یہ ہے: ﴿ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② ﴾ ”بلکہ جو لوگ کافر ہیں، وہ غرور اور مخالفت میں ہیں۔“[4] ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[5]

① تفسیر الطبری: 142/23. ② تفسیر الطبری: 142/23. ③ تفسیر الطبری: 142/23. ④ تفسیر الطبری: 143/23. ⑤ تفسیر الطبری: 143/23.

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۖۚ ④ اَجَعَلَ

اورانھوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا، اور کافروں نے کہا: یہ تو ایک جادوگر ہے بڑا جھوٹا④ کیا اس

الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا

نے سارے معبودوں کو ایک کر دیا؟ بے شک یہ تو یقیناً ایک بڑی عجیب وغریب چیز ہے⑤ اور ان کے سردار (آوازِ حق سن کر یہ کہتے ہوئے) چل دیے کہ چلو

وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۖۚ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖۚ

اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، بے شک یہ چیز ہے جو کسی غرض سے (کہی جا رہی) ہے⑥ ہم نے یہ بات کسی اور دین میں نہیں سنی، یہ تو بس گھڑی ہوئی

اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۖۚ ⑦ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ

بات ہے⑦ کیا ہم میں سے اسی پر ذکر (قرآن) اتارا گیا ہے؟ بلکہ وہ تو میرے ذکر (وحی) کے متعلق شک میں ہیں، بلکہ ابھی تک انھوں نے میرا عذاب

ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ؕ ⑧ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ

نہیں چکھا⑧ کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو نہایت غالب، خوب عطا کرنے والا ہے؟⑨ یا آسمانوں اور زمین اور ان کے

الْوَهَّابِ ۚ ⑨ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ⑩

درمیان ہر چیز کی بادشاہت انھی کے لیے ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو چاہیے کہ وہ آسمانی راستوں کے ذریعے سے (آسمان پر) چڑھ جائیں⑩ (یہ تو) یہاں کے

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ⑪

شکست خوردہ لشکروں میں سے ایک (معمولی سا) لشکر ہے⑪

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ②﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اس قرآن میں نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے والے کے لیے عبرت ہے۔ لیکن کافر اس سے نفع حاصل نہیں کرتے کیونکہ وہ تو غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر اور اس کی مخالفت اور دشمنی کر کے اس سے الگ راہ اختیار کر رہے ہیں۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ڈرایا ہے کہ سابقہ امتوں کو رسولوں کی مخالفت اور آسمانی کتابوں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کر دیا گیا تھا ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ''ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا'' جنھوں نے تکذیب کی تھی ﴿فَنَادَوْا﴾ ''تو وہ لگے فریاد کرنے۔'' یعنی جب ان کے پاس عذاب آیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف فریاد کرنا اور دہائی دینا شروع کر دی لیکن اب یہ فریاد و دہائی کسی کام کی نہ تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ؕ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝﴾ (الأنبیآء 21:13،12) ''پھر جب انھوں نے ہمارے (مقدمہ) عذاب کو محسوس کیا تو لگے اس سے بھاگنے، مت بھاگو اور جن (نعمتوں) میں تم عیش وآسائش کرتے تھے، ان کی اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ تا کہ تم سے (اس بارے میں) دریافت کیا جائے۔''

ابوداود طیالسی نے تمیمی سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③﴾ ''تو وہ (عذاب کے وقت) لگے فریاد کرنے اور وہ رہائی کا وقت نہیں تھا۔'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے

فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ فریاد کرنے، دہائی دینے یا فرار ہونے کا وقت نہیں۔ ① محمد بن کعب نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جب دنیا نے ان سے منہ پھیر لیا تو اُس وقت انھوں نے توحید کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کے سامنے توبہ کرنی شروع کر دی۔ ② قتادہ کہتے ہیں کہ جب انھوں نے عذاب کے آنے کو دیکھا تو توبہ کا ارادہ کر لیا مگر اب توبہ کا وقت نہ تھا۔ ③ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ نہ فرار کا وقت تھا اور نہ دعوتِ حق کو قبول کرنے کا، اس لیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③﴾ ''اور وہ رہائی کا وقت نہیں تھا۔'' ④ یعنی اب یہ فرار ہونے اور بھاگ جانے کا وقت نہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالَى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ.

تفسیر آیات:4-11

مشرکین کا رسالت، توحید اور قرآن سے تعجب: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رسول اللہ ﷺ کے بشیر ونذیر کی حیثیت سے مبعوث ہونے پر تعجب کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (یونس 10:2) ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری دو کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے۔ (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ﴾ ''اور انھوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ڈرانے والا آیا۔'' یعنی جو انھی کی طرح کا بشر ہے۔

﴿وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ۖ﴾ ''اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر، جھوٹا ہے۔'' ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ﴾ ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟'' یعنی کیا اس کا یہ گمان ہے کہ معبود ایک ہی ہے اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ مشرکین نے اس بات کا انکار کیا۔ ان کا برا ہو۔ اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنے پر اظہار تعجب کیا کیونکہ انھوں نے تو اپنے آباء واجداد سے بتوں کی عبادت ہی کو سیکھا تھا اور بتوں ہی کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دعوت دی کہ اپنے دلوں سے بتوں کی محبت کو نکال دو اور اللہ وحدہٗ لا شریک کی توحید کو اختیار کر لو تو انھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ﴾ ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے! اور ان میں سے سردار چل کھڑے ہوئے۔'' یعنی ان کے سردار، قائدین، رؤساء اور بڑے لوگ یہ کہتے ہوئے چل پڑے ﴿اَنِ امْشُوْا﴾ ''کہ چلو۔'' یعنی اپنے دین پر برقرار رہو ﴿وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ﴾ ''اور اپنے معبودوں (کی پوجا) پر قائم رہو۔'' اور محمد (ﷺ) تمھیں جس توحید کی دعوت دیتے ہیں، اسے قبول نہ کرو ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ⑥ۖۚ﴾ ''بے شک

① تفسیر الطبری: 145/23. ② الدر المنثور: 557/5. ③ تفسیر الطبری: 145/23. ④ تفسیر الطبری: 145/23.

یہ ایسی بات ہے جس کا ارادہ کیا جاتا ہے۔'' ابن جریر نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ تمھیں جس توحید کی دعوت دیتے ہیں، اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ وہ تم پر شرف وفضیلت حاصل کریں اور تم میں سے انھیں پیروکار مل جائیں مگر ہم ان کی اس بات کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ ①

ان آیات کریمہ کا سبب نزول: ابوجعفر بن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے تو ان کے پاس قریش کا ایک گروہ آیا جس میں ابوجہل بھی تھا۔ انھوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالی دیتا، یہ کرتا اور یہ کہتا ہے، لہٰذا آپ انھیں اپنے ہاں بلائیں اور اس سے منع کریں۔ ابوطالب نے پیغام بھیجا تو نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ اس وقت ان لوگوں کے اور ابوطالب کے درمیان صرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، ابوجہل ملعون کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ محمد (ﷺ) جب ابوطالب کے پاس بیٹھیں گے تو ہوسکتا ہے کہ ابوطالب کا دل نرم ہو جائے تو وہ فوراً کود کر اس جگہ خود بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے چچا کے پاس جگہ نہ پائی تو آپ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ ابو طالب نے کہا: بھتیجے! آپ کی قوم کے لوگ آپ کی شکایت کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ آپ ان کے خداؤں کو گالی دیتے ہیں اور آپ یہ یہ باتیں کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے آپ ﷺ کے خلاف بہت باتیں کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب کی بات سن کر فرمایا: چچا جان! میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ ایک کلمے کو اختیار کرلیں جس کے قبول کرنے کی وجہ سے سارا عرب ان کے تابع ہو جائے گا اور عجم انھیں جزیہ دینے لگ جائیں گے۔ وہ آپ کی بات اور آپ کے اس کلمے سے چونک اٹھے اور کہنے لگے کہ ایک کلمہ! آپ کے باپ کی قسم! ہم دس کلمے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ بتائیں کہ وہ کلمہ کیا ہے۔ ابوطالب نے بھی پوچھا کہ ہاں بھتیجے! بتائیں، وہ کلمہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ کلمہ ہے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ]۔ یہ سن کر وہ لوگ نفرت کرتے اور اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ﴿ أَجَعَلَ الْأٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ⑤ ﴾ ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے!'' اس موقع پر یہاں سے لے کر ﴿ بَلْ لَّمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ⑧ ﴾ تک آیات نازل ہوئی تھیں۔ یہ ابوکُریب کی روایت کے الفاظ ہیں۔ ②

امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ③

﴿ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْأٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''یہ (بات) پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں۔'' یعنی محمد (ﷺ) ہمیں جس توحید کی دعوت دیتے ہیں، ہم نے کبھی کسی پچھلے مذہب میں یہ بات نہیں سنی تھی۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں پچھلے مذہب سے مراد نصرانیت ہے اور انھوں نے کہا یہ تھا کہ اگر یہ قرآن حق ہوتا تو نصاریٰ نے

① تفسیر الطبری : 150/23. ② تفسیر الطبری : 149/23. ③ مسند أحمد : 362/1 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، سورۃ ص : 442/6، حدیث : 11436 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ ص، حدیث : 3232 مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة : 195,194/1، تحت الحديث : 92 والسيرة النبوية لمهدى رزق الله : 197,196/1.

اس کے بارے میں ہمیں خبر دی ہوتی۔[1] ﴿ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌۚ۝۷ ﴾ ”یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔“ مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ ﴿ اخْتِلَاقٌ ﴾ کے معنی جھوٹ کے ہیں۔[2] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی اٹکل پچو بیان کیے ہیں۔[3]

﴿ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ﴾ ”کیا ہم (سب) میں سے اسی پر نصیحت (کی کتاب) اتری ہے؟“ وہ اس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ ان سب میں سے قرآن کے نازل کیے جانے کے لیے محمد ﷺ ہی کا بطور خاص کیوں انتخاب کیا گیا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝ ﴾ (الزخرف 43:31) ”یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟“ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ (الزخرف 43:32) ”کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ہم نے ان کے ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے۔“ جب انھوں نے یہ بات کہی جو ان کی جہالت اور قلتِ عقل پر دلالت کرتی تھی کہ ان سب میں سے رسول اللہ ﷺ ہی پر قرآن مجید کیوں نازل کیا گیا تو اس کے بارے میں یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ۝۸ ﴾ ”بلکہ انھوں نے ابھی میرے عذاب (کے مزے) کو نہیں چکھا۔“ یعنی انھوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ یہ بات کہنے کے وقت تک انھوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب یا اس کی طرف سے کسی سزا کا مزہ نہیں چکھا تھا۔ انھوں نے یہ جو کہا ہے اور رسول ﷺ کی تکذیب کی ہے، اس کا وہ عنقریب انجام معلوم کر لیں گے جس دن ان کو جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے ملک میں تصرف کرنے والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو جو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت عطا فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے، اپنے بندوں میں سے جس کے دل پر چاہے اپنے حکم سے روح القدس کو نازل فرما دیتا ہے اور جس کے دل پر چاہے مہر لگا دیتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے مہر لگا دینے کے بعد، کوئی اسے ہدایت نہیں دے سکتا، بندے کسی چیز کے بھی مالک نہیں، ملک میں انھیں قطعاً کوئی تصرف حاصل نہیں، تصرف تو کجا وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی (کسی چیز کے) مالک نہیں ہیں۔ اسی لیے ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ۝۹ﶔ ﴾ ”کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں جو نہایت غالب، بہت عطا کرنے والا ہے؟“ یعنی وہ اس قدر غالب ہے کہ اس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا اور وہ بہت عطا فرمانے والا ہے جس کو جو چاہتا ہے، عطا فرما دیتا ہے، یہ آیت کریمہ حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مشابہ ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًاۙ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

[1] تفسير الطبري: 151/23. [2] تفسير الطبري: 153/23. [3] تفسير الطبري: 153/23.

وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ○ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ○ ﴾ (النسآء 4 :53-55)
”کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے؟ تب تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں گے۔ یا جو اللہ نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے، اس کا حسد کرتے ہیں؟ تو ہم نے خاندانِ ابراہیم کو کتاب اور دانائی عنایت فرمائی تھی اور سلطنت عظیم بھی بخشی تھی، پھر لوگوں میں سے کسی نے تو اس کتاب کو مانا اور کوئی اس سے رُکا (اور ہٹا) رہا تو ان نہ ماننے والوں (کے جلانے) کو دوزخ کی جلتی ہوئی آگ کافی ہے۔“

اور فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ○ ﴾ (بنی إسرآء یل 100:17) ”کہہ دیں کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمھارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (ان کو) بند کر رکھتے اور انسان بہت بخیل ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کفار کی اس بات کو بیان کرنے کے بعد فرمائی ہے کہ انھوں نے انسانوں میں سے رسول کی بعثت کا انکار کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم صالح کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ○ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ○ ﴾ (القمر 26,25:54) ”کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوتی ہے؟ (نہیں!) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے، ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ⑩ ﴾ ”یا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان (سب) پر انھی کی حکومت ہے؟ تو چاہیے کہ رسیاں تان کر (آسمانوں پر) چڑھ جائیں۔“ یعنی اگر انھیں یہ حکومت حاصل ہے تو وہ آسمانوں پر چڑھ جائیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اسباب سے مراد آسمان کے راستے ہیں۔[1] ضحاک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر انھیں یہ حکومت حاصل ہے تو وہ ساتویں آسمان تک چڑھ کر دکھائیں۔[2]

پھر فرمایا: ﴿ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ⑪ ﴾ ”یہاں شکست کھائے ہوئے گروہوں میں سے یہ بھی ایک لشکر ہے۔“ یعنی یہ تکذیب کرنے والے گروہ جو غرور اور مخالفت میں ہیں، یہ عنقریب شکست کھائیں گے، مغلوب ہو جائیں گے اور تباہ و برباد ہو جائیں گے جیسا کہ ان سے پہلے تکذیب کرنے والے لشکر تباہ و برباد کر دیے گئے تھے۔ یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا حسب ذیل ارشاد ہے: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ○ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ ﴾ (القمر 45,44:54) ”یا (یوں) کہتے ہیں کہ ہم انتقام لینے والی جماعت ہیں؟ عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔“ غزوۂ بدر کے دن اسی طرح ہوا تھا، پھر فرمایا: ﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ ﴾ (القمر 54: 46) ”بلکہ ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بہت تلخ ہے۔“

[1] تفسیر الطبری : 154/23 . [2] تفسیر الطبری : 154/23 .

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ⑫ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّأَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ط

ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور میخوں والے فرعون نے (حق کو) جھٹلایا⑫ اور قوم ثمود اور قوم لوط اور اصحاب اَیکہ نے بھی (جھٹلایا، واقعی) یہ (بہت بڑے

أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ⑬ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ ع وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا صَيْحَةً 1 ع 14 10

اور طاقتور) لشکر تھے⑬ (ان میں سے) ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا، لہٰذا (ان پر) میرا عذاب ثابت ہوگیا⑭ یہ لوگ تو بس ایک (ہولناک) چیخ کا انتظار

وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑯

کررہے ہیں، جس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا⑮ اور انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا (عذاب کا) حصہ یوم حساب سے پہلے جلد دے دے⑯

تفسیر آیات: 16-12

ہلاک کردہ سابقہ قوموں سے عبرت: اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی تکذیب ومخالفت کرنے کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والے عذابوں اور سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بہت سے مقامات پر ان قوموں کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ﴿ أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ⑬ ﴾ ''یہی وہ گروہ ہیں'' جو طاقت وقوت میں بھی تم سے زیادہ تھے اور مال واولاد بھی تمھاری نسبت کثیر رکھتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو ان میں سے کوئی چیز بھی انھیں عذاب الٰہی سے نہ بچاسکی، اس لیے فرمایا: ﴿ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ ﴾ ''(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔'' پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں انھیں ہلاک کردینے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ انھوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی، لہٰذا مخاطب لوگوں کو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے۔ ﴿ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮ ﴾ ''اور یہ لوگ تو صرف ایک زور کی آواز کا جس میں کچھ وقفہ نہیں ہوگا، انتظار کرتے ہیں۔'' امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا۔ ① یعنی یہ انتظار کررہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آجائے، پس اس کی علامات تو آگئی ہیں جس کی وجہ سے قیامت بھی بہت قریب ہے۔ اس زور کی آواز سے مراد وہ نفخۂ فزع ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اسے طول دے دیں، اس کو سن کر آسمانوں اور زمین والوں میں سے ہر ایک پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوجائے گی، سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑯ ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔'' اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی اس بات کی تردید فرمائی ہے جو وہ اپنے لیے جلد عذاب کا مطالبہ کررہے ہیں۔ ② لفظ قِطّ کے معنی کتاب کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی حصے کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن اور کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے جلد عذاب

① تفسير عبدالرزاق : 112/3، رقم : 2578 عن قتادة. ② تفسير القرطبي : 157/15.

اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿17﴾

(اے نبی!) جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے اور ہمارے بندے داود کو یاد کیجیے جو صاحب قوت تھا، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا⑰ بے شک

اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ﴿18﴾ وَالطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ

ہم نے پہاڑ اس کے تابع کر دیے تھے، جبکہ وہ (اس کے ساتھ) صبح وشام تسبیح کرتے رہتے تھے⑱ اور پرندے بھی (تابع کر دیے تھے) اکٹھے کیے ہوئے،

کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿19﴾ وَشَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَاٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿20﴾

سب اس کے مطیع وفرماں بردار تھے⑲ اور ہم نے اس کی بادشاہی مستحکم کر دی تھی، اور ہم نے اسے حکمت اور فیصلہ کن بات (کی صلاحیت) دی تھی⑳

مانگا تھا۔[1] قتادہ نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ جیسے انھوں نے یہ کہا تھا: ﴿اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ﴾ (الأنفال 8:32) ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب ہم پر لے آ۔''[2] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے جنت کے حصے کا جلد مطالبہ کیا، بشرطیکہ ان کے لیے جنت میں کوئی حصہ موجود ہو تاکہ وہ اسے دنیا ہی میں حاصل کرلیں، یہ بات انھوں نے جنت اور اس سے متعلق وعدوں کو بعید سمجھتے ہوئے کہی تھی۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ انھوں نے مطالبہ کیا کہ وہ جس خیر یا شر کے مستحق ہیں، وہ انھیں دنیا ہی میں مل جائے۔[3] امام ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ قول بہت بہتر ہے۔ ضحاک اور اسماعیل بن ابو خالد کے قول کا مفہوم قریباً قریباً یہی ہے، وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ.[4] مشرکین نے یہ بات چونکہ استہزا کے طور پر اور اسے بعید سمجھتے ہوئے کہی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ ان کی طرف سے ایذا رسانیوں پر صبر کا مظاہرہ کریں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ خوش خبری بھی سنا دی کہ صبر کے صلے میں عافیت، فتح ونصرت اور کامیابی وکامرانی نصیب ہوگی۔

تفسیر آیات: 17-20

حضرت داود علیہ السلام کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد ورسول علیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ صاحبِ قوت تھے۔ أید کے معنی علم وعمل میں قوت کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سُدی اور ابن زید کہتے ہیں کہ أید کے معنی قوت کے ہیں۔[5] اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی اطاعت میں قوت کے ہیں۔[6] امام قتادہ نے کہا ہے کہ داود علیہ الصلاۃ والسلام کو عبادت کی قوت اور دین کی فقاہت عطا کی گئی تھی۔[7] حدیث میں ہے کہ حضرت داود علیہ الصلاۃ والسلام ایک تہائی رات قیام فرمایا کرتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری ومسلم میں رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: [أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللّٰهِ صَلَاةُ دَاوُدَ علیہ السلام، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصۡفَ اللَّيۡلِ، وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ

① تفسير الطبرى: 160/23 وتفسير ابن أبي حاتم: 3237,3236/10. ② تفسير الطبرى: 160/23. ③ تفسير الطبرى: 161/23. ④ تفسير الطبرى: 161/23. ⑤ تفسير الطبرى: 162/23. ⑥ تفسير الطبرى: 162/23.
⑦ تفسير الطبرى: 162/23.

سُدُسَهُ، [وَكَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا وَّلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى (وَإِنَّهُ كَانَ أَوَّابًا)] ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داود علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ روزے بھی داود علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ نصف رات سوتے اور تیسرا حصہ قیام کرتے تھے اور پھر چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے اور دشمن کے مقابلے سے بھاگتے نہیں تھے اور یقیناً (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت رجوع کرنے والے تھے۔''[1] یہاں جو [أَوَّابًا] کا لفظ آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عزوجل کی طرف اپنے تمام امور و معاملات میں بہت زیادہ رجوع کرنے والا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ ﴾ ''بے شک ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا (کہ) صبح و شام ان کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کا) ذکر کرتے تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا جو طلوعِ آفتاب کے وقت اور دن کے آخری حصے میں ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰجِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ﴾ (سبا 34:10) ''اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح دہراؤ اور پرندو! (تم بھی۔)'' اسی طرح جب آپ تسبیح پڑھتے تو پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور جب آپ دہراتے تو وہ بھی دہراتے اور ہوا میں اڑتا ہوا کوئی پرندہ جب آپ کو ترنم سے زبور پڑھتے ہوئے سنتا تو وہ وہاں سے جا نہیں سکتا تھا بلکہ ہوا ہی میں کھڑے ہو کر آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتا۔ اسی طرح بلند و بالا پہاڑ بھی آپ کی تسبیح کا جواب دیتے، آپ کے ساتھ دہراتے اور آپ کی پیروی میں تسبیح کرتے۔

ابن جریر نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز ضحیٰ نہیں پڑھا کرتے تھے، میں انھیں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے پاس لے گیا اور میں نے ان سے عرض کی کہ جو بات آپ نے مجھے بتائی ہے وہ اسے بھی بتا دیں، انھوں نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، پھر آپ نے حکم دیا اور آپ کے لیے ایک ٹب میں پانی ڈالا گیا، پھر آپ نے حکم دیا اور ایک کپڑے کے ساتھ پردہ کر دیا گیا، آپ نے غسل فرمایا اور پھر گھر کے ایک کونے میں پانی چھڑکا گیا، جہاں آپ نے آٹھ رکعات نماز ادا فرمائی۔ یہ ضحیٰ کی نماز تھی، ان تمام رکعات میں قیام، رکوع، سجود اور جلوس قریباً برابر تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نکلے اور وہ کہہ رہے تھے کہ دونوں لوحوں کے مابین جو کچھ ہے، میں نے اسے پڑھا ہے مگر نماز ضحیٰ کا مجھے ﴿ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ ﴾ ''صبح و شام ان کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کا) ذکر کرتے تھے۔'' سے ابھی علم ہوا ہے، میں کہتا تھا کہ نماز اشراق کہاں ہے اور بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ یہاں اشراق سے مراد نماز چاشت

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، التہجد، باب من نام عند السحر، حدیث: 1131 و صحیح مسلم، الصیام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرر به......، حدیث: (189)-1159 اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، أحادیث الأنبیآء، باب قول الله تعالیٰ: ﴿ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ﴾ (النسآء 4:163)، حدیث: 3419 و صحیح مسلم، الصیام، باب النهي عن صوم الدهر ......، حدیث: (187)-1159 عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں ہے جبکہ قوسین والے الفاظ ہمیں نہیں ملے۔

وقف لازم

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿21﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی جب وہ دیوار پھاند کر کمرے میں آ گئے ﴿21﴾ جب وہ داود کے پاس پہنچے تو وہ ان سے ڈر گئے، انھوں نے

مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ

کہا: آپ مت ڈریں! (ہم) دو جھگڑنے والے ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، لہٰذا آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ

وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿22﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ

فرمائیں، اور بے انصافی نہ کریں، اور سیدھی راہ کی طرف ہماری رہنمائی کریں ﴿22﴾ بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور

نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿23﴾ قَالَ

میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، تو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے سپرد کر دے، اور اس نے بات چیت میں مجھے دبا لیا ہے ﴿23﴾ آپ نے فرمایا: تیری دنبی اپنی

لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ

دنبیوں میں ملانے کا کہہ کر اس نے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے، اور بلاشبہ مل جل کر کام کرنے والوں میں سے بہت سے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں، اور داود نے جان لیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے، لہٰذا

السجدة 11

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿24﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ

اس نے اپنے رب سے بخشش مانگی، اور وہ گر پڑا رکوع کرتے ہوئے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا ﴿24﴾ پھر ہم نے اس کی یہ (غلطی) بخش دی، اور بے شک اس

ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿25﴾

کے لیے ہمارے پاس بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے ﴿25﴾

ہے۔① اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ﴾ ''اور پرندوں کو بھی کہ جمع رہتے تھے۔'' یعنی ہوا میں رکے رہتے تھے، ﴿ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿19﴾﴾ ''سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔'' یعنی مطیع و فرماں بردار تھے اور ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے، سعید بن جبیر، قتادہ، مالک، زید بن اسلم اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ﴿ اَوَّابٌ ﴿19﴾﴾ کے معنی مطیع و فرماں بردار کے ہیں۔② ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ ﴾ ''اور ہم نے اس کی بادشاہی کو مستحکم کیا۔'' یعنی ان کی بادشاہت کامل تھی اور وہ تمام ساز و سامان انھیں میسر تھا جس کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے، ابن ابو نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اہل دنیا میں سے سب سے زیادہ مضبوط بادشاہت آپ کی تھی۔③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ ﴾ ''اور ہم نے اس کو حکمت عطا فرمائی۔'' مجاہد کہتے ہیں: یعنی فہم، عقل اور ذکاوت۔④ قتادہ کہتے ہیں: یعنی انھیں کتاب اللہ عطا فرمائی اور اس میں جو کچھ ہے، اس کی اتباع۔⑤ سُدی کا قول ہے کہ

① تفسیر الطبری : 164,163/23. ② تفسیر الطبری : 164/23. ③ الدر المنثور : 563/5. ④ تفسیر الماوردی : 84/5 عن شریح . ⑤ دیکھیے تفسیر الطبری : 166/23.

یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے۔[1] ﴿وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ ''اور (خصومت کی) بات کا فیصلہ (سکھایا۔)'' قاضی شُریح اور شعبی کہتے ہیں کہ ﴿وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ سے مراد ہے کہ فیصلے کے لیے گواہوں اور قسموں کا طریقہ سکھایا۔[2] قتادہ کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ یہ سکھایا کہ مدعی دو گواہ پیش کرے یا مدعا علیہ قسم پیش کرے۔ فرمایا کہ یہی ﴿وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ ہے جس کے مطابق انبیاء و مرسلین عظام علیہم السلام نے فیصلے فرمائے تھے۔ راوی کو شک ہے کہ یہاں انھوں نے انبیاء و مرسلین کے الفاظ استعمال کیے یا مومن اور صالح لوگوں کے الفاظ۔ اس امت میں بھی روزِ قیامت تک قضا کے سلسلے میں یہی احوال سامنے رہیں گے، ابوعبدالرحمٰن سلمی کا بھی یہی قول ہے۔[3] مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد معاملے کو سمجھنا اور صحیح فیصلہ کرنا ہے۔[4] صحیح بات یہ ہے کہ یہ الفاظ ان تمام معانی پر مشتمل ہیں اور مراد بھی یہی ہے اور امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔[5]

تفسیر آیات:21-25

دو جھگڑا کرنے والوں کا قصہ: مفسرین نے یہاں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو زیادہ تر اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور اس کے بارے میں نبی معصوم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے کہ جس کی اتباع کرنا واجب ہو، البتہ ابن ابوحاتم نے ایک حدیث ذکر کی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ وہ بروایت یزید رقاشی از حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے اور یہ یزید گو نیک لوگوں میں سے تھا لیکن ائمۂ حدیث کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس قصے کے صرف پڑھنے پر اکتفا کیا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ اس کا صحیح صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کیونکہ قرآن مجید حق ہے اور جو اس میں مذکور ہے، وہ بھی سب حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ ''تو وہ ان سے گھبرا گئے۔'' کیونکہ اس وقت وہ محراب (عبادت گاہ) میں تھے اور وہ ان کے گھر کی سب سے بہتر جگہ تھی اور انھوں نے حکم دے رکھا تھا کہ آج ان کے پاس کوئی نہ آئے مگر انھوں نے دیکھا کہ دو شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آ گئے ہیں اور ان سے اپنے معاملے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ﴾ ''اور گفتگو میں مجھے اس نے دبا لیا ہے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ گفتگو میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ کیونکہ عَزَّ یَعُزُّ کے معنی غالب آ جانے کے ہیں۔ ﴿وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ﴾ ''اور داود نے خیال کیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے اس کو آزمایا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿فَتَنَّاهُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کو آزمایا ہے۔[6] ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ میں ﴿رَاكِعًا﴾ کے معنی ہیں: سَاجِدًا، یعنی سجدے میں گر پڑے ﴿وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ﴾ ''اور اس نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا تو ہم نے ان کو وہ بخش دیا۔'' یعنی وہ کام جو داود علیہ السلام سے سرزد ہوئے انھیں معاف کر دیا جو اس قبیل سے تھے جس کے متعلق کہا جاتا ہے: إِنَّ حَسَنَاتِ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ ''ابرار کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔''

---

① تفسیر الطبری: 166/23. ② تفسیر الطبری: 167,166/23. ③ تفسیر الطبری: 166/23. ④ تفسیر الطبری: 166/23. ⑤ تفسیر الطبری: 167/23. ⑥ تفسیر الطبری: 173/23.

سورۂ ﴿ صٓ ﴾ کا سجدہ: سورۂ ﴿ صٓ ﴾ کا یہ سجدہ ضروری سجود میں سے نہیں ہے بلکہ یہ سجدۂ شکر ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے سورۂ ﴿ صٓ ﴾ کے سجدے کے بارے میں فرمایا کہ یہ ضروری سجود میں سے نہیں ہے، البتہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ① اسے امام بخاری، ابوداود، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ② امام نسائی نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ بے شک نبی ﷺ نے سورۂ ﴿ صٓ ﴾ میں سجدہ کیا اور فرمایا: [سَجَدَهَا دَاوُدُ تَوْبَةً وَّنَسْجُدُهَا شُكْرًا] ''داود (علیہ السلام) نے یہ سجدہ توبہ کے طور پر کیا تھا اور ہم یہ سجدہ شکر کے طور پر کرتے ہیں۔'' ③ اس حدیث کو (کتب ستہ میں سے) امام نسائی ہی نے روایت کیا ہے، البتہ اس کی سند کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں عوام رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام مجاہد سے سورۂ ﴿ صٓ ﴾ کے سجدے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے اس کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تھا تو انھوں نے فرمایا: کیا آپ ان آیات کو نہیں پڑھتے؟ ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾ (الأنعام 84:6) ''اور اس کی اولاد میں سے ہیں داود اور سلیمان۔'' ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط ﴾ (الأنعام 90:6) ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی تو تم انھیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔'' یعنی داود علیہ السلام بھی ان انبیاء میں سے ہیں جن کے بارے میں تمھارے نبی ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کی پیروی کریں، داود علیہ السلام نے سجدہ کیا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی سجدہ کیا۔ ④

امام ابوداود نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر سورۂ ﴿ صٓ ﴾ کی تلاوت فرمائی اور جب آپ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ نے منبر سے نیچے اتر کر سجدہ فرمایا، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، جب آپ نے دوسرے دن اس کی تلاوت فرمائی اور آیت سجدہ پر پہنچے، لوگ سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے مگر آپ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا هِيَ تَوْبَةُ نَبِيٍّ، وَّلٰكِنِّي رَأَيْتُكُمْ تَشَزَّنْتُمْ لِلسُّجُودِ] ''یہ تو ایک نبی کی توبہ ہے لیکن میں نے دیکھا کہ تم سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔'' تو آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور آپ نے سجدہ فرمایا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ ⑤ اس حدیث کو (کتب ستہ میں سے) صرف امام ابوداود ہی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴾ ''اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور

① مسند أحمد: 360/1. ② صحيح البخاري، سجود القرآن و سننها، باب سجدة ﴿ صٓ ﴾، حديث: 1069 و سنن أبي داود، سجود القرآن، باب السجود في ﴿ صٓ ﴾، حديث: 1409 و جامع الترمذي، الجمعة، باب ما جاء في السجدة في ﴿ صٓ ﴾، حديث: 577 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير: 342/6، حديث: 11170. ③ سنن النسائي، الافتتاح، باب سجود القرآن، السجود في ﴿ صٓ ﴾، حديث: 958. ④ صحيح البخاري، التفسير، سورة ﴿ صٓ ﴾، حديث: 4807. ⑤ سنن أبي داود، سجود القرآن، باب السجود في ﴿ صٓ ﴾، حديث: 1410.

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى

(ہم نے کہا:) اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا، اور نفسانی خواہش کی پیروی

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ

نہ کرنا کہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی، بلاشبہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے، اس لیے کہ وہ

ع 2/12/11 بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۠﴿26﴾

یوم حساب کو بھول گئے ﴿26﴾

عمدہ مقام ہے۔'' یعنی روزِ قیامت انھیں قرب حاصل ہوگا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں اپنے تقرب سے سرفراز فرمائے گا، نیز انھیں عمدہ مقام، یعنی ان کی توبہ اور اپنی مملکت میں مکمل عدل کی وجہ سے انھیں جنت میں بلند و بالا درجات نصیب ہوں گے جیسا کہ صحیح (مسلم) میں ہے: [إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّورٍ عَنْ يَّمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا] ''یقیناً عدل و انصاف کرنے والے رحمان کے دائیں ہاتھ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ (یعنی) وہ لوگ جو اپنے فیصلوں، اہل و عیال اور سپرد شدہ (دیگر معاملات) میں عدل و انصاف کیا کرتے ہیں۔''①

تفسیر آیت:26

حکام اور سلاطین کو وصیت: یہ اللہ عزوجل کی طرف سے حکمرانوں کے لیے وصیت ہے کہ وہ لوگوں میں اس حق کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس سے روگردانی نہ کریں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے رستے سے بھٹک جائیں گے اور جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کے رستے سے بھٹک جائے اور یوم حساب کو بھول جائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شدید وعید اور عذاب کی دھمکی دی ہے۔ ابن ابو حاتم نے ابراہیم ابو زرعہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس نے گذشتہ کتابیں پڑھی تھیں۔ کہ ولید بن عبدالملک نے اس سے کہا: کیا خلیفہ سے بھی حساب لیا جائے گا؟ تو نے پہلی کتاب کو بھی پڑھا ہے اور قرآن مجید کو بھی پڑھا اور سمجھا ہے۔ میں نے کہا: امیر المومنین! کیا میں بات کرسکتا ہوں؟ انھوں نے کہا: ہاں، کہو: تم اللہ تعالیٰ کی امان میں ہو۔ میں نے کہا: امیر المومنین! کیا آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں داود علیہ السلام سے بھی زیادہ معزز ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت اور خلافت عطا فرمائی تھی، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انداز سے تنبیہ فرمائی: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اے داود! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے، تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔''② عکرمہ نے کہا ہے: ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿26﴾﴾ ''ان کے لیے سخت عذاب

① صحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل......، حديث: 1827 عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ ② تاريخ الخلفاء، باب الوليد بن عبدالملك: 91/1، (C.D).

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ

اور ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بیکار پیدا نہیں کیا، یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنھوں نے کفر کیا، تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿27﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ

آگ کی ہلاکت ہے﴿27﴾ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان لوگوں کے مانند کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے

فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿28﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ

ہیں؟ یا ہم متقین کو بدکاروں کے مانند کر دیں گے؟﴿28﴾ (یہ قرآن) ایک کتاب ہے، ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا، بڑی برکت والی ہے، تاکہ وہ اس کی

وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿29﴾

آیتوں پر غور کریں اور عقل مند (اس سے) نصیحت حاصل کریں﴿29﴾

(تیار) ہے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔'' اس میں تقدیم و تاخیر ہے گویا عبارت اس طرح ہے: لَهُمْ يَوْمَ الْحِسَابِ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا ''ان کے لیے حساب کے دن شدید عذاب ہے اس وجہ سے جو انھوں نے بھلایا۔''[1] سدی کہتے ہیں کہ ان کے لیے عذاب شدید ہوگا، اس لیے کہ انھوں نے یوم حساب کے لیے عمل کو ترک کر دیا تھا۔[2] آیت کے ظاہر الفاظ کے ساتھ یہ قول زیادہ مطابق ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالَى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ.

تفسیر آیات:27-29

دنیا کے پیدا کرنے میں حکمت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے مخلوق کو عبث پیدا نہیں فرمایا بلکہ انھیں اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اسے وحدہٗ لاشریک مانیں، پھر وہ روزِ قیامت ان سب کو جمع کر کے اپنے مطیع و فرماں بردار کو ثواب عطا فرمائے گا اور کافر و نافرمان کو مبتلائے عذاب کرے گا۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ﴾ ''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو (کائنات) ان میں ہے، اس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں۔'' یعنی جو بعثت اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ان کا دین و ایمان صرف یہ دنیا ہی ہے ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿27﴾﴾ ''پس کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔'' قیامت کے دن اور بعثت کے دن ان کے لیے اس آگ کا عذاب ہوگا جو ان کے لیے تیار کی گئی ہے، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے عدل وحکمت کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ مومنوں اور کافروں سے ایک جیسا سلوک نہیں فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿28﴾﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کیا ان کو ہم ان کی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں

---

[1] تفسیر الطبری: 181/23، البتہ تفسیر ابن کثیر میں لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ يَوْمَ الْحِسَابِ...... ہے۔ [2] تفسیر الطبری: 181/23 مختصرًا.

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿30﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ

اور ہم نے داود کو سلیمان عطا کیا، (وہ) اچھا بندہ تھا، بلاشبہ وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا﴿30﴾ جب شام کے وقت اس کے سامنے اصیل تیز رو

الْجِيَادُ ﴿31﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿32﴾ وقفة

گھوڑے پیش کیے گئے﴿31﴾ تب اس نے کہا: بلاشبہ میں نے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے محبوب جانا (ترجیح دی) ہے، حتی کہ وہ (سورج) پردے میں

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿33﴾

چھپ گیا﴿32﴾ (کہا:) انھیں میرے پاس واپس لاؤ، پھر وہ (ان کی) پنڈلیوں اور گردنوں پر (ہاتھ) پھیرنے لگے﴿33﴾

کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟'' یعنی ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور جب یہ برابر نہیں ہیں تو پھر ضروری ہے کہ ایک دوسرا جہان ہو جس میں فرماں بردار کو جزا اور نافرمان کو سزا دی جائے۔ عقل سلیم اور فطرت مستقیم اس سے راہنمائی حاصل کر سکتی ہے کہ جزا و سزا کا ایک دن ضرور ہونا چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ظالم و باغی انسان کے مال و اولاد اسبابِ تعیش ہیں ان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور پھر وہ مر جاتا ہے اور مطیع و مظلوم انسان بھی اپنے دکھوں سمیت ایک دن فوت ہو جاتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ جو حکیم و علیم و عادل ہے اور جو کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، ایک ایسا دن بھی مقرر فرمائے جس میں وہ اپنے فرماں بردار اور نافرمان سے انصاف کرے اور جب اس دنیا میں ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ جزا و سزا کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اور جہان مقرر فرما رکھا ہے۔ قرآن مجید اسی طرح کے صحیح مقاصد اور عقلی و صریح مآخذ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿29﴾ ﴾ ''(یہ) کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔'' ﴿ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿29﴾ ﴾ کے معنی اہل عقل ہیں، اَلْبَاب، لُبّ کی جمع ہے اور لُبّ عقل کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات:30-33

سلیمان بن داود علیہما السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے داود کو سلیمان عطا کیا، یعنی سلیمان علیہ السلام کو نبی بنایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ (النمل 16:27) ''اور سلیمان داود کے قائم مقام ہوئے۔'' یعنی نبوت میں ورنہ ان کے تو اور بیٹے بھی تھے،[1] اس لیے کہ حضرت داود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حبالۂ عقد میں ایک سو آزاد عورتیں تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿30﴾ ﴾ ''بہت خوب بندے تھے (اور) بے شک وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔'' یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف ہے کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کرنے والے اور

[1] نیز انبیاء علیہم السلام کا ترکہ بطور ورثہ تقسیم نہیں ہوتا وہ امت کے لیے صدقہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ] ''ہم سے کوئی وارث نہیں بنتا، ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔'' صحیح البخاری، فرض الخمس، باب فرض الخمس، حدیث: 3094 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴾ یعنی جب سلیمان علیہ السلام کی مملکت وسلطنت میں ان کے سامنے اصیل اور تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ وہ گھوڑے ہوتے ہیں جو اپنے تین پاؤں اور چوتھے پاؤں کے کھر کے کنارے پر کھڑے ہوتے ہیں[1] اور جیاد کے معنی تیز رفتار کے ہیں۔[2] دیگر کئی ایک ائمۂ سلف نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[3]

امام ابو داود رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک۔ یا خیبر۔ سے واپس تشریف لائے تو ان کے (گھر) طاقچے پر پردہ تھا، ہوا چلی تو ایک طرف سے پردہ ہٹ گیا، وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیاں نظر آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ؟] ''عائشہ! یہ کیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے ان گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کپڑے سے بنے ہوئے دو پر بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا هٰذَا الَّذِي أَرٰى وَسْطَهُنَّ؟] ''یہ میں ان کے درمیان کیا دیکھ رہا ہوں؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ گھوڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَاهٰذَا الَّذِي عَلَيْهِ؟] ''یہ اس کے اوپر کیا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: یہ دو پر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَرَسٌ لَّهٗ جَنَاحَانِ؟] ''گھوڑے کے دو پر؟'' انھوں نے جواب دیا: آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایسے گھوڑے تھے جن کے پر تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسنے لگے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھ لیں۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَقَالَ اِنِّيْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴾ ''تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو کر مال کی محبت کو اختیار کیا ہے، حتی کہ وہ (سورج) پردے میں چھپ گیا۔'' کئی ایک ائمۂ سلف اور مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ آپ گھوڑوں کے مشاہدے میں اس قدر مشغول ہوئے کہ نماز عصر کا وقت ختم ہو گیا۔ اور اس سلسلے میں قطعی بات یہ ہے کہ عمداً نہیں بلکہ بھول جانے کی وجہ سے آپ کی نماز رہ گئی تھی جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مشغول ہو گئے تھے کہ آپ نمازِ عصر نہ پڑھ سکے حتی کہ آپ نے اسے غروبِ آفتاب کے بعد ادا فرمایا تھا اور یہ بات صحیحین میں کئی ایک سندوں سے ثابت ہے، مثلاً: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خندق کے دن غروبِ آفتاب کے بعد آئے اور کفارِ قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں نمازِ عصر نہیں پڑھ سکا حتی کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَاللّٰهِ! مَا صَلَّيْتُهَا] ''اللہ کی قسم! میں بھی تو اسے نہیں پڑھ سکا۔'' راوی کا بیان ہے کہ ہم وادیٔ بُطحان کی طرف چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے وضو فرمایا، ہم نے بھی وضو کیا اور آپ نے نمازِ عصر غروب آفتاب کے بعد پڑھی اور پھر اس کے بعد نماز مغرب ادا

---

① تفسیر الطبری :183/23. ② تفسیر الطبری :184,183/23. ③ تفسیر الطبری :183/23 وتفسیر البغوی :68/4.

④ سنن أبی داود، الأدب، باب اللعب بالبنات، حدیث :4932.

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿34﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ

اور بلاشبہ ہم نے سلیمان کو آزمایا، اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا، پھر اس نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا﴿34﴾اس نے کہا: اے میرے رب!

وَهَبۡ لِىۡ مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِىۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِىۡ‌ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿35﴾ فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ

مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کر کہ وہ میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، بلاشبہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے﴿35﴾چنانچہ ہم نے ہوا اس کے تابع

تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ رُخَآءً حَيۡثُ اَصَابَ ۙ﴿36﴾ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ﴿37﴾ وَّاٰخَرِيۡنَ

کر دی تھی، وہ اس کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی جہاں کا وہ ارادہ کرتا تھا﴿36﴾اور شیاطین (جنات) کو (بھی تابع کر دیا) ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے

مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ﴿38﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿39﴾ وَاِنَّ

والے کو﴿37﴾اور دوسروں کو (جو) زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے﴿38﴾یہ ہماری بخشش ہے، لہٰذا (لوگوں پر) احسان کر یا روک رکھ، کوئی حساب نہیں

3 ع 14 12 لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿40﴾ ع

ہوگا﴿39﴾اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے﴿40﴾

فرمائی۔① ﴿رُدُّوۡهَا عَلَىَّ‌ ؕ فَطَفِقَ مَسۡحًۢا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ ﴿33﴾﴾ ’’(بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لاؤ، پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔‘‘ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! تم مجھے میرے رب کی عبادت سے غافل نہیں کرو گے، یہ تمھاری زندگی کے آخری لمحات ہیں، پھر انھوں نے حکم دیا اور ان گھوڑوں کی کونچیں کاٹ دی گئیں۔② امام قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔③ اور سدی نے کہا ہے کہ آپ نے تلواروں کے ساتھ ان کی گردنوں اور ٹانگوں کو کاٹ دیا۔④ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ازراہِ محبت گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا تھا۔⑤ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ کسی حیوان کو عذاب دیں اور بلاوجہ اپنے مال کو ہلاک کر دیں، آپ انھیں دیکھنے میں مشغول ہو کر نماز عصر جو ادا نہ فرما سکے تو اس میں ان گھوڑوں کا تو کوئی گناہ نہ تھا۔⑥

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو جو ترجیح دی ہے تو یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں یہ بات جائز ہو، بالخصوص جب اس طرح کی ناراضی اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو کہ آپ ان گھوڑوں کے دیکھنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ نمازِ عصر ادا نہ فرما سکے حتی کہ اس کا وقت ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کی خاطر گھوڑوں کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھوڑوں سے بہتر چیز عطا فرما دی اور وہ ہوا تھی کہ آپ جہاں پہنچنا چاہتے، وہ آپ کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی اور اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی

---

① صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب، حدیث: 4112 وصحیح مسلم، المساجد......، باب الدلیل لمن قال: الصلاة الوسطی هی صلاة العصر، حدیث: 631. ② تفسیر الطبری: 185/23. ③ تفسیر الطبری: 185/23. ④ تفسیر الطبری: 186/23. ⑤ تفسیر الطبری: 186/23. ⑥ تفسیر الطبری: 186/23.

تھی۔ ① تو یہ ہوا گھوڑوں کی نسبت زیادہ تیز بھی تھی اور بہتر بھی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابوقتادہ اور ابو دہماء رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے جو بیت اللہ کی طرف بکثرت سفر کرتے رہتے تھے، انھوں نے بیان کیا کہ ہم اہل بادیہ میں سے ایک شخص کے پاس آئے تو اس بدوی نے ہم سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک بار) میرے ہاتھ کو تھام لیا اور مجھے وہ باتیں سکھانا شروع کیں جو اللہ عزوجل نے آپ کو سکھائی تھیں، آپ نے یہ بھی فرمایا: [إِنَّكَ لَنْ تَدَعَ شَيْئًا اتِّقَاءَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا أَعْطَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے تم جس چیز کو چھوڑ دو گے تو اللہ عزوجل تمھیں اس سے بہتر عطا فرما دے گا۔'' ②

تفسیر آیات:34-40

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا۔'' اللہ تعالیٰ نے اس دھڑ کی حقیقت کو بیان نہیں فرمایا جسے اس نے سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ڈال دیا تھا، لہٰذا ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال کر ان کی آزمائش فرمائی تھی لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ دھڑ کیا تھا۔ اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب اسرائیلیات سے ماخوذ ہے، ہم نہیں جانتے کہ اس میں سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿ ثُمَّ اَنَابَ ۝34 ﴾ ''پھر اس نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔'' یعنی اس آزمائش کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، دعا کی، اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اور ایسی حکومت طلب کی جو آپ کے بعد کسی کو شایاں نہ ہو ﴿ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝35 ﴾ ''(اور) دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو، بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔'' بعض نے کہا ہے کہ میرے بعد کسی کو شایان نہ ہو، کے معنی یہ ہیں کہ ان کے بعد کسی بھی بشر کو اس طرح کی حکومت حاصل نہ ہو اور اس آیت کریمہ سے بظاہر یہی معنی معلوم ہوتے ہیں اور اس کی تائید میں رسول اللہ ﷺ سے کئی صحیح احادیث بھی وارد ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ عِفْرِيتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ۔ أَوْقَالَ كَلِمَةً نَّحْوَهَا۔ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلَاةَ، فَأَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ، فَأَرَدْتُّ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، حَتّٰى تُصْبِحُوا وَتَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِي سُلَيْمَانَ: ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ ﴾] ''گزشتہ شب ایک سرکش جن نے مجھ پر حملہ کیا، تاکہ مجھ پر (میری) نماز قطع کر دے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر دسترس عطا فرما دی (اور میں نے اسے پکڑ لیا) اور ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں حتی کہ صبح ہو جائے اور پھر تم سب اسے دیکھو لیکن اس

① دیکھیے سباء، آیت: 12 کے ذیل میں۔ ② مسند أحمد: 78/5.

وقت مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی: ''اے میرے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔'' رَوح رحمہ اللہ ۔راوی۔ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے اسے ذلیل لوٹا دیا۔[1] اور اس کو امام مسلم اور امام نسائی رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا شروع فرمائی تو ہم نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ] ''میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' پھر آپ نے تین بار فرمایا: [أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ] ''میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجتا ہوں۔'' پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک کو اس طرح آگے بڑھایا، گویا کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ سے نماز پڑھتے ہوئے ایسے الفاظ سنے جو پہلے کبھی نہیں سنے تھے اور ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنے دستِ مبارک کو آگے کی طرف بڑھایا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ إِبْلِيسَ، جَاءَ بِشِهَابٍ مِّنْ نَّارٍ لِّيَجْعَلَهُ فِي وَجْهِي، فَقُلْتُ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قُلْتُ: أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَرَدْتُّ أَخْذَهُ، وَاللّٰهِ! لَوْلَا دَعْوَةُ أَخِينَا سُلَيْمَانَ علیہ السلام لَأَصْبَحَ مُوثَقًا يَّلْعَبُ بِهِ وِلْدَانُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک انگارا لے کر آیا تاکہ اسے میرے چہرے پر ڈال دے تو میں نے تین بار یہ کلمہ پڑھا: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ] ''میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' پھر میں نے کہا: [أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ] ''میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی مکمل لعنت بھیجتا ہوں۔'' مگر وہ تینوں بار پیچھے نہ ہٹا تو میں نے ارادہ کر لیا کہ اسے پکڑ لوں، اللہ کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ یہاں بندھا ہوتا اور اہلِ مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیل رہے ہوتے۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾ ''پھر ہم نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے، ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے لیے ناراضی کی خاطر گھوڑوں کی ٹانگیں کاٹ دیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ان سے بہتر اور تیز رفتار ہوا عطا فرما دی جس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی تھی۔[4] ﴿حَيْثُ أَصَابَ﴾ کے معنی ہیں کہ جن علاقوں میں وہ پہنچنے کا ارادہ کرتے۔

---

① صحيح البخاري، الصلاة، باب الأسير أوالغريم يربط في المسجد، حديث: 461 اور دیکھیے صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَهَبْ لِي مُلْكًا ......﴾ (ص 35:38) حديث: 4808. ② صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلاة......، حديث: 541 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي﴾ :443/6، حديث: 11440 البتہ صحیح مسلم میں ''آپ نے اسے ذلیل لوٹا دیا'' کے بجائے ''اللہ نے اسے ذلیل لوٹا دیا'' کے الفاظ ہیں۔ ③ صحيح مسلم، المساجد......، باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلاة......، حديث: 542. ④ تفسير الطبري: 190/23.

وقف لازم

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ؕ ﴿41﴾ اُرْكُضْ

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجیے، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بلاشبہ مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا پہنچائی ہے ﴿41﴾ (ہم نے کہا:) اپنا پیر (زمین پر)

بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿42﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

مار، یہ غسل کرنے اور پینے کو ٹھنڈا (پانی) ہے ﴿42﴾ اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کیے، اپنی طرف سے بطور رحمت اور (یہ)

مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿43﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا

عقل مندوں کے لیے ایک نصیحت ہے ﴿43﴾ اور (ہم نے کہا:) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑ، پھر اس کے ساتھ (قسم پوری کرنے کے لیے اپنی بیوی

وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿44﴾

کو) مار، اور قسم نہ توڑ، بے شک ہم نے اسے صابر پایا، (وہ) اچھا بندہ تھا، بلاشبہ وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا ﴿44﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿37﴾ ﴾ ''اور شیطانوں کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔'' یعنی ان میں سے کچھ ایسے تھے جو ان کے لیے زبردست عمارتیں، قلعے، مجسمے اور بڑے بڑے لگن (ٹب) جیسے تالاب اور بڑی بڑی دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں، بناتے تھے اور مشقت کے دیگر ایسے بڑے بڑے کام کرتے تھے جو انسانوں کے بس سے باہر تھے اور ان میں سے کچھ دیو ایسے تھے جو دریاؤں اور سمندروں میں غوطے مار کر موتی، جواہر اور ایسی نفیس اشیاء نکالتے تھے جو دریاؤں اور سمندروں ہی سے مل سکتی ہیں۔

﴿ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿38﴾ ﴾ ''اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔'' اور ان میں سے جو سرکشی، نافرمانی اور بغاوت اختیار کرتے اور کام کرنے سے انکار کر دیتے یا ان کے ملک میں خرابی اور سرکشی کرتے تو انھیں زنجیروں اور بیڑیوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿39﴾ ﴾ ''(ہم نے کہا:) یہ ہماری بخشش ہے، پس (چاہو تو) احسان کرو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو بغیر حساب کے۔'' یعنی ہم نے تمھیں تمھارے سوال کے مطابق یہ جو مکمل ملکیت اور کامل سلطنت بخشی ہے تو اس میں سے جسے چاہو دو اور جسے چاہو نہ دو، تم سے کچھ حساب نہیں لیا جائے گا، تم جو بھی کرو گے وہ جائز ہوگا اور جو بھی فیصلہ کرو گے وہ صحیح ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو عبد اور رسول بن جائیں۔ اور یہ وہ ہوتا ہے کہ اسے جو حکم دیا جائے اس کے مطابق عمل کرے۔ اور آپ تو قاسم تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ یا نبی اور بادشاہ بن جائیں جسے چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں محروم رکھیں، کوئی حساب یا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ تو آپ نے جبریل علیہ السلام سے مشورے کے بعد پہلا مرتبہ اختیار فرمالیا۔ [1]

[1] مسند أحمد: 231/2 و صحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر وصف مفاتيح خزائن الأرض......: 280/14، حديث: 6365 و مسند أبي يعلى: 491/10، حديث: 6105 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ ملحوظہ: تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں وقد ثبت في الصحيحين کے الفاظ ہیں جبکہ بعض میں وقد ثبت في الصحيح کے الفاظ ہیں اور ہم نے معنی دوسرے الفاظ کے مطابق کیے ہیں کیونکہ صحیحین میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

جبریل علیہ السلام نے مشورہ دیا تھا کہ آپ تواضع اختیار فرمائیں تو آپ نے پہلے مرتبے کو اختیار فرمالیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت زیادہ تھی اور آخرت میں اس کا درجہ زیادہ اونچا تھا، گو دوسرا مرتبہ، یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی دنیا و آخرت کے اعتبار سے عظیم مرتبہ تھا، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جن سے اس نے سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں نوازا تھا تو اس کے بعد فرمایا کہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اونچا مقام ہوگا ﴿ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴾ ''اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں۔

تفسیر آیات:41-44

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ: ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر فرمایا ہے اور اس آزمائش کا جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم، مال اور اولاد کو مبتلا کر دیا تھا حتی کہ دل کے سوا ان کے باقی سارے جسم میں سوئی چبھنے کی جگہ کے برابر بھی جگہ سلامت نہ رہی تھی اور نہ دنیا کے مال و اسباب میں سے کچھ باقی بچا تھا کہ مرض کے ایام میں اسے کام میں لاتے، البتہ ان کی بیوی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کے باعث ان کی محبت کی حفاظت کی۔ انھوں نے اٹھارہ برس تک لوگوں کا کام کاج کیا اور جو اجرت ملتی اسے حضرت ایوب علیہ السلام کے کھانے پینے اور خدمت میں صرف کر دیتی تھیں۔ اس آزمائش سے قبل حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس بے پناہ مال، اولاد اور دنیا کی نعمتیں موجود تھیں مگر وہ سب چھن گئیں اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ آپ کو شہر کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ڈال دیا گیا اور آپ نے یہ طویل مدت اسی پر گزاری اور آپ کی زوجہ محترمہ کے سوا قریب و بعید کے ہر شخص نے آپ کو چھوڑ دیا تھا، وہ لوگوں کے کام کاج کے سوا صبح و شام کے سارے اوقات آپ کے پاس گزارتی تھیں۔ جب طویل عرصہ گزر گیا، آزمائش شدت اختیار کر گئی، تقدیر ختم ہوگئی اور اجل مقدر مکمل ہوگئی تو ایوب علیہ السلام نے رب العالمین اور الٰہ المرسلین کے حضور تضرع اور زاری کی: ﴿ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ (الأنبیآء 83:21) ''بلاشبہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴾ ''اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (بارِالٰہا) شیطان نے مجھ کو دکھ درد اور تکلیف دے رکھی ہے۔'' کہا گیا ہے کہ نصب بدن کی تکلیف کو اور عذاب مال و اولاد کی تکلیف کو کہتے ہیں، بہر حال آپ نے دعا کی اور ارحم الراحمین نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اپنی لات زمین پر ماریں، آپ نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری فرما دیا اور حکم دیا کہ اس سے غسل کریں، آپ نے غسل کیا تو اس سے ساری جسمانی تکلیف ختم ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے زمین پر ایک دوسری جگہ پاؤں مارا تو اس سے ایک دوسرا چشمہ جاری ہوگیا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے پانی نوش فرمایا تو اس سے باطنی طور پر ساری تکلیف دور ہوگئی اور ظاہری و باطنی طور پر ہر طرح سے عافیت نصیب ہوگئی، اسی لیے فرمایا: ﴿ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴾ ''(ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں۔)''

امام ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ أَيُّوبَ علیہ الصلوٰۃ والسلام لَبِثَ بِهِ بَلَاؤُهُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَرَفَضَهُ الْقَرِيبُ وَالْبَعِيدُ، إِلَّا رَجُلَيْنِ مِنْ إِخْوَانِهِ كَانَا مِنْ أَخَصِّ إِخْوَانِهِ بِهِ، كَانَا يَغْدُوَانِ إِلَيْهِ وَيَرُوحَانِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: تَعْلَمُ وَاللّٰهِ! لَقَدْ أَذْنَبَ أَيُّوبُ ذَنْبًا مَّا أَذْنَبَهُ أَحَدٌ مِّنَ الْعَالَمِينَ، قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: مِنْ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً لَّمْ يَرْحَمْهُ اللّٰهُ فَيَكْشِفَ مَا بِهِ، فَلَمَّا رَاحَا إِلَيْهِ لَمْ يَصْبِرِ الرَّجُلُ حَتّٰى ذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ أَيُّوبُ: لَا أَدْرِي مَا تَقُولُ، غَيْرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ أَمُرُّ عَلَى الرَّجُلَيْنِ يَتَنَازَعَانِ فَيَذْكُرَانِ اللّٰهَ، فَأَرْجِعُ إِلٰى بَيْتِي فَأُكَفِّرُ عَنْهُمَا كَرَاهِيَةَ أَنْ يُّذْكَرَ اللّٰهُ إِلَّا فِي حَقٍّ، قَالَ: وَكَانَ يَخْرُجُ إِلٰى حَاجَتِهِ، فَإِذَا قَضَاهَا أَمْسَكَتِ امْرَأَتُهُ بِيَدِهِ حَتّٰى يَبْلُغَ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ أَبْطَأَ عَلَيْهَا، وَأُوحِيَ إِلٰى أَيُّوبَ فِي مَكَانِهِ أَنْ ﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ فَاسْتَبْطَأَتْهُ [فَتَلَقَّتْهُ] تَنْظُرُ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهَا قَدْ أَذْهَبَ اللّٰهُ مَا بِهِ مِنَ الْبَلَاءِ، وَهُوَ عَلٰى أَحْسَنِ مَا كَانَ، فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ: أَيْ بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ! هَلْ رَّأَيْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ هٰذَا الْمُبْتَلٰى؟ فَوَاللّٰهِ! عَلٰى ذٰلِكَ مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَشْبَهَ بِهِ مِنْكَ إِذْ كَانَ صَحِيحًا، قَالَ: فَإِنِّي أَنَا هُوَ، قَالَ: وَكَانَ لَهُ أَنْدَرَانِ: أَنْدَرٌ لِّلْقَمْحِ وَأَنْدَرٌ لِّلشَّعِيرِ، فَبَعَثَ اللّٰهُ سَحَابَتَيْنِ، فَلَمَّا كَانَتْ إِحْدَاهُمَا عَلٰى أَنْدَرِ الْقَمْحِ، أَفْرَغَتْ فِيهِ الذَّهَبَ حَتّٰى فَاضَ، وَأَفْرَغَتِ الْأُخْرٰى فِي أَنْدَرِ الشَّعِيرِ الْوَرِقَ حَتّٰى فَاضَ]

”بے شک اللہ کے نبی ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش اٹھارہ برس تک جاری رہی، نزدیک اور دور کے ہر شخص نے آپ کو چھوڑ دیا، البتہ دو شخص جو آپ کے خاص دوست تھے، وہ صبح و شام آپ کے پاس آیا کرتے تھے، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی قسم! ایوب نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جو تمام جہانوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اس نے پوچھا: وہ کیا؟ اس نے کہا کہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے ان پر نہ رحم کیا اور نہ ان کی تکلیف کو دور کیا۔ جب دونوں حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس گئے تو یہ شخص صبر نہ کر سکا اور اس نے اپنے ساتھی کی بات آپ کے سامنے بیان کر دی۔ سن کر ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ تو کیا کہہ رہا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں جب جھگڑتے ہوئے دو ایسے آدمیوں کے پاس سے گزرتا جو اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تو میں اپنے گھر جا کر ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ حق کے سوا کسی اور بات میں اللہ تعالیٰ کا (پاک) نام لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ جب حاجت کے لیے نکلتے اور حاجت سے فارغ ہو جاتے تو آپ کی زوجہ محترمہ ہاتھ تھام کر آپ کو اپنی جگہ پہنچا دیتی تھیں۔ ایک دن جب آپ کو واپسی میں دیر ہو گئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل فرما دی: ﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ ”(زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں۔)“ تاخیر کی وجہ سے آپ کی اہلیہ نے دیکھنا شروع کیا تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپ ان کی

طرف اس حال میں آ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام تکلیف کو دور فرما دیا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت شکل میں ہیں۔ انھوں نے دیکھا تو کہا: اے شخص اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے! کیا تم نے آزمائش میں مبتلا اللہ تعالیٰ کے نبی کو دیکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب وہ صحیح سلامت تھے تو میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی شخص تمھاری نسبت ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو۔ آپ نے فرمایا: میں ایوب ہوں۔ آپ کے دو کھلیان تھے، ایک گندم کا کھلیان اور دوسرا جو کا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیج دیے، ان میں سے ایک جب گندم کے کھلیان پر آیا تو اس نے اس میں سونا برسایا حتی کہ وہ بھر گیا اور دوسرے نے جو کے کھلیان پر چاندی ڈال دی حتی کہ وہ بھی بھر گیا۔‘‘ ① یہ الفاظ امام ابن جریر رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا، خَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ، فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى؟ قَالَ: بَلٰى، يَارَبِّ! وَلٰكِنْ لَّاغِنٰى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ] ’’ایوب علیہ السلام برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں گریں تو ایوب علیہ السلام نے انھیں اپنے کپڑے میں جمع کرنا شروع کر دیا، ان کے رب عزوجل نے انھیں مخاطب ہو کر فرمایا: اے ایوب! کیا میں نے تجھے اس سے بے نیاز نہیں کر دیا جو تو دیکھ رہا ہے؟ ایوب علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کی: کیوں نہیں، اے میرے رب! لیکن تیری برکت سے میں بے نیاز نہیں ہو سکتا۔‘‘ ② اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے بیان کیا ہے (امام مسلم نے نہیں۔) ③

اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ ’’اور ہم نے ان کو اہل وعیال اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بخشے، (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لیے نصیحت تھی۔‘‘ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل وعیال ہی کو ان کے لیے زندہ فرما دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی عطا فرما دیے۔ ④ ﴿ رَحْمَةً مِّنَّا ﴾ ’’ہماری طرف سے رحمت‘‘ تھی ان کے صبر وثبات، انابت، تواضع اور اظہار مسکنت کی وجہ سے ﴿ وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ ’’اور عقل والوں کے لیے نصیحت تھی‘‘ تا کہ وہ یہ جان لیں کہ صبر کا انجام کشادگی، کامیابی اور راحت ہے۔

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ﴾ ’’اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا مٹھا لو، پھر

---

① تفسير الطبري: 199/23 و تفسير ابن أبي حاتم: 2460/8. مزید دیکھیے صحيح ابن حبان، الجنائز......، باب ذكر الخبر الدال......: 157/7-159، حديث: 2898 و المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين......، ذكر أيوب بن أموص......: 582,581/2، حديث: 4115 و مختصر زوائد مسند البزار: 268/2، 269، حديث: 1849 و مسند أبي يعلى: 299/6، 300، حديث: 3617 و الأحاديث الطوال، حديث أيوب النبي ﷺ، ص: 86، حديث: 37. اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 53/1، حديث: 17. ② مسند أحمد: 314/2 و السنن الكبرى للبيهقي، الطهارة، باب التعرى إذا كان وحده: 198/1.
③ صحيح البخاري، الغسل، باب من اغتسل عريانا وحده......، حديث: 279. ④ تفسير الطبري: 199/23.

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿45﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجیے جو قوت وبصیرت والے تھے﴿45﴾ بے شک ہم نے انھیں ایک خاص وصف، آخرت کی یاد کے

ذِكْرَى الدَّارِ ﴿46﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿47﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

ساتھ چن لیا تھا﴿46﴾ اور وہ ہمارے نزدیک یقیناً برگزیدہ، نیکوکاروں میں سے تھے﴿47﴾ اور اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجیے، اور (ان میں سے) ہر ایک

وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿48﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿49﴾

نیکوکاروں میں سے تھا﴿48﴾ یہ ایک نصیحت ہے، اور بے شک متقین کے لیے بہت اچھا ٹھکانا ہے﴿49﴾

اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔'' حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیوی سے اس کے ایک کام کی وجہ سے ناراض ہو گئے تھے اور انھوں نے قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں شفا بخشی تو وہ اسے سو کوڑے ماریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں شفا عطا فرما دی تو وہ بیوی جس نے خدمت کا حق ادا کر دیا اور رحمت، شفقت اور احسان کا عظیم الشان مظاہرہ کیا تھا، وہ قطعاً اس بات کی سزاوار نہ تھی کہ اسے مارا جائے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں فتویٰ دیا کہ وہ ایک ایسا مٹھا لیں جس میں سو تنکے ہوں اور وہ ایک دفعہ مار دیں، اس سے ان کی قسم پوری ہو جائے گی، قسم توڑنے سے بچ جائیں گے اور اپنی نذر کو بھی پورا کر لیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی طرف رجوع کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی طرح مشکلات سے نکلنے کا رستہ پیدا فرما دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴿44﴾ ﴾ ''بے شک ہم نے ان کو صابر (وثابت قدم) پایا۔ بہت خوب بندے تھے، بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی ثنا اور مدح بیان فرمائی ہے کہ وہ خوب بندے تھے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ ﴾ (الطلاق 3,2:65) ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، وہ اس کے لیے (رنج ومحن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسا رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔ اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

تفسیر آیات:45-49

چند منتخب انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگانِ مرسلین اور انبیائے عابدین کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ﴿45﴾ ﴾ ''اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت والے اور صاحب نظر تھے۔'' اس سے عمل صالح، علم نافع، قوتِ عبادت اور بصیرت ودانش مراد ہے، علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اُولِي الْاَيْدِيْ ﴾ کے معنی ہیں قوت وعبادت والے اور

جَنّٰتِ عَدۡنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ ۝﴿50﴾ مُتَّكِـِٕيۡنَ فِيۡهَا يَدۡعُوۡنَ فِيۡهَا بِفَاكِهَةٍ

ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے ﴿50﴾ جبکہ وہ ان میں تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے، (اور) وہاں طرح طرح کے پھلوں اور

كَثِيۡرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿51﴾ وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ اَتۡرَابٌ ﴿52﴾ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِيَوۡمِ

مشروبات کی فرمائشیں کریں گے ﴿51﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی، ہم عمر (بیویاں) ہوں گی ﴿52﴾ (کہا جائے گا:) یہ ہے (وہ جزا) جس کا یوم حساب کے لیے تم

الۡحِسَابِ ﴿53﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ﴿54﴾

سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿53﴾ بے شک یہ ہمارا رزق (عطیہ) ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿54﴾

﴿وَالۡاَبۡصَارِ ﴿45﴾﴾ سے مراد دین میں فقاہت ہے۔ [1] قتادہ اور سدی نے کہا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو عبادت کرنے کی قوت اور دین کی بصیرت عطا فرمائی گئی تھی۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَى الدَّارِ ﴿46﴾﴾ ''بے شک ہم نے ان کو ایک (صفتِ) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا۔'' مجاہد نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں ایسا ممتاز کیا کہ وہ آخرت ہی کے لیے عمل کرتے تھے، اس کے سوا ان کا کوئی اور مقصود نہ تھا۔ [3] سدی نے بھی کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آخرت کو یاد رکھنے اور اسی کی بہتری کے لیے عمل کرنے کی وجہ سے ہم نے انھیں ممتاز کر دیا تھا۔ [4] مالک بن دینار کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور دنیا کا ذکر نکال دیا تھا اور آخرت کی محبت اور اس کے ذکر کا شوق عطا کر دیا تھا۔ [5] امام قتادہ نے کہا ہے کہ وہ لوگوں کو آخرت اور اس کے لیے عمل کی یاد دہانی کراتے رہتے تھے۔ [6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَيۡنَ الۡاَخۡيَارِ ﴿47﴾﴾ ''اور یقیناً وہ ہمارے نزدیک منتخب (اور) نیک لوگوں میں سے تھے۔'' یعنی وہ منتخب، چنیدہ اور پسندیدہ لوگوں میں سے تھے، پس وہ اخیار و مختار تھے۔ ﴿وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَذَا الۡكِفۡلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡيَارِ﴾ ''اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو، اور وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔'' ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص و واقعات سورۂ انبیاء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں۔ [7] لہٰذا اب ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ ﴿هٰذَا ذِكۡرٌ ؕ﴾ ''یہ نصیحت ہے۔'' سدی کہتے ہیں یہ قرآن عظیم اس کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے۔

تفسیر آیات: 50-54

سعادت مندوں کا عمدہ مقام: اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند مومن بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں عمدہ مقام ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿جَنّٰتِ عَدۡنٍ﴾ ''ہمیشہ رہنے کے باغ۔'' یعنی ایسے باغات جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ ﴿50﴾﴾ ''جن کے

[1] تفسیر الطبری: 202/23. [2] تفسیر الطبری: 203/23. [3] تفسیر الطبری: 204/23. [4] تفسیر الطبری: 204/23.
[5] تفسیر البغوی: 74/4. [6] تفسیر الطبری: 204/23. [7] دیکھیے الأنبیاء، آیات: 85-90 کے ذیل میں۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿55﴾ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿56﴾

یہ (معاملہ اہل خیر کا) ہے، اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے بہت برا ٹھکانا ہے﴿55﴾ (یعنی) جہنم، وہ اس میں داخل ہوں گے، چنانچہ وہ آرام کرنے کی بری جگہ

هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿57﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿58﴾ هٰذَا فَوْجٌ

ہے﴿56﴾ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ، اب وہ اس کو چکھیں﴿57﴾ اور ان کے مانند کئی قسم کے دوسرے (عذاب) ہوں گے﴿58﴾ یہ (تمھارے پیروکاروں کا) ایک

مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿59﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۫ لَا مَرْحَبًۢا

گروہ ہے جو تمھارے ساتھ گھسا چلا آتا ہے، ان کے لیے خوش آمدید نہیں، بے شک یہ آگ میں داخل ہونے والے ہیں﴿59﴾ وہ کہیں گے: بلکہ تم ہی (اس

بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿60﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا

لائق) ہو کہ تمھارے لیے خوش آمدید نہیں، تم ہی اسے ہمارے سامنے لائے ہو، تو (یہ) بہت بری قرار گاہ ہے﴿60﴾ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جو شخص

فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ ﴿61﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

ہمارے سامنے یہ (انجام) لایا ہے اس کے لیے جہنم میں عذاب دوگنا زیادہ کر دے﴿61﴾ اور وہ کہیں گے: ہمیں کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو (جہنم میں) نہیں

مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿62﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿63﴾ اِنَّ ذٰلِكَ

دیکھتے جنھیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے﴿62﴾ کیا ہم نے انھیں (دنیا میں یونہی) مذاق (کا نشانہ) بنائے رکھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی

لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿64﴾ ع 4/24/13

ہیں؟﴿63﴾ بلاشبہ یہ اہل دوزخ کا باہم جھگڑنا حق ہے﴿64﴾

دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔" ﴿الْاَبْوَابُ﴿50﴾﴾ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے گویا عبارت اس طرح ہے مُفَتَّحَةً لَّهُمْ اَبْوَابُهَا یعنی وہ جب آئیں گے تو ان کے لیے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مُتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا﴾ "ان میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔" یعنی وہ سجائے ہوئے کمروں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے جلوہ افروز ہوں گے ﴿یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ﴾ "(اور کھانے کے لیے) بہت سے میوے منگاتے رہیں گے۔" یعنی جب بھی وہ طلب کریں گے اسے پالیں گے جس چیز کا ارادہ کریں گے اسے اپنے سامنے حاضر پائیں گے ﴿وَشَرَابٍ﴿51﴾﴾ "اور (پینے کے لیے) شراب۔" یعنی جس قسم کی شراب وہ چاہیں گے، خدام ان کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ ﴿بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ۬ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ﴾ (الواقعة 56:18) "(یعنی) آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر۔" ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ "اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والیاں ہیں۔" یعنی انھوں نے اپنے شوہروں کے سوا دیگر لوگوں سے نگاہیں نیچی رکھی ہوں گی اور ان کے سوا دوسروں کی طرف وہ التفات ہی نہیں کریں گی ﴿اَتْرَابٌ﴿52﴾﴾ "ہم عمر ہوں گی۔" یعنی ہم سن و ہم عمر ہوں گی، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن کعب اور سدی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 208/23 و الدر المنثور: 594/5.

﴿ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِیَوۡمِ الۡحِسَابِ ۝٥٣ ﴾ ”یہ وہ چیزیں ہیں جن کا حساب کے دن کے لیے تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“ یعنی جنت کی جن صفات کا ہم نے ذکر کیا ہے، یہ وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیزگار بندوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ قبروں سے اٹھنے کے بعد وہ ان نعمتوں سے شادکام ہوں گے اور جہنم کی آگ سے محفوظ ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کبھی خالی ہوگی نہ زوال پذیر، اس کی کوئی انتہا ہوگی نہ وہ کبھی ختم ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ۝٥٤ ﴾ ”یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا عِنۡدَكُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ ﴾ (النحل 96:16) ”جو کچھ تمھارے پاس ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ عَطَآءً غَیۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ۝ ﴾ (هود 108:11) ”(یہ اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔“ اور فرمایا: ﴿ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝ ﴾ (الانشقاق 25:84) ”ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلۡكَ عُقۡبَى الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا ۖۗ وَّ عُقۡبَى الۡكٰفِرِیۡنَ النَّارُ ۝ ﴾ (الرعد 35:13) ”اس کے پھل ہمیشہ (قائم) رہنے والے ہیں اور اس کے سائے بھی، یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہیں اور کافروں کا انجام آگ ہے۔“ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

تفسیر آیات:55-64

بدبختوں کے انجام کا بیان: اللہ تبارک و تعالیٰ نے سعادت مندوں کے انجام کو بیان فرمانے کے بعد اب بدبختوں کے حال، انجام اور آخرت میں ان کے حساب کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِیۡنَ ﴾ ”یہ (نعمتیں تو فرماں برداروں کے لیے ہیں) اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے۔“ یعنی ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی کا انکار اور اس کے رسولوں کی مخالفت کرنے والے ہیں ﴿ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝٥٥ ﴾ ”یقیناً برا ٹھکانا ہے۔“ یعنی ان کے لیے وہ بہت ہی بری جگہ ہے، جہاں وہ لوٹ کر جائیں گے، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ جَهَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَهَا ۚ ﴾ ”(یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے۔“ اور جب وہ اس میں داخل ہوں گے تو وہ ان کو تمام اطراف سے گھیر لے گی ﴿ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ۝٥٦ هٰذَا ۙ فَلۡیَذُوۡقُوۡهُ حَمِیۡمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝٥٧ ﴾ ”پس وہ برا ٹھکانا ہے۔ یہ (ہے سزا)، تو وہ اسے چکھیں، کھولتا ہوا پانی اور پیپ (ہے۔)“ ﴿ حَمِیۡمٌ ﴾ اس کھولتے ہوئے گرم پانی کو کہتے ہیں جس کی گرمی انتہا کو پہنچ گئی ہو اور اس کے برعکس ﴿ وَّ غَسَّاقٌ ۝٥٧ ﴾ اس شدید ترین ٹھنڈی چیز کو کہتے ہیں کہ المناک شدید ٹھنڈک کے باعث ناقابل برداشت ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّ اٰخَرُ مِنۡ شَكۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ ۝٥٨ ﴾ ”اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے۔)“ یعنی اس طرح کی اور بھی بہت سی اشیاء اور ان کی اضداد ہوں گی جن کے ساتھ انھیں عذاب دیا جائے گا۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ انھیں مختلف اقسام کے عذاب دیے جائیں گے۔[1] اور دیگر ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد شدید سردی، زہر، کھولتے ہوئے گرم پانی

---

[1] تفسیر الطبری: 213/23.

کا پینا، تھوہر کا کھانا، صعود پر چڑھایا جانا اور جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں گرایا جانا وغیرہ مختلف اور متضاد اشیاء مراد ہیں جن سے انھیں عذاب دیا اور ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔

اہلِ دوزخ کا جھگڑنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴾ ''یہ ایک فوج ہے جو تمھارے ساتھ داخل ہوگی، ان کو خوشی نہ ہو، یقیناً یہ آگ میں جانے والے ہیں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا ذکر ہے جو جہنمی ایک دوسرے سے کہیں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ﴾ (الأعراف 38:7) ''جب ایک جماعت (وہاں) جا داخل ہوگی تو اپنی (مذہبی) بہن (اپنے جیسی دوسری جماعت) پر لعنت کرے گی۔'' یعنی سلام کہنے کے بجائے، وہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے، ایک دوسرے کی تکذیب کریں گے اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیں گے اور پہلے داخل ہونے والی جماعت کے بعد جہنم کے فرشتے جب دوسری جماعت کو لے کر آئیں گے تو پہلی جماعت والے ان سے کہیں گے: ﴿ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴾ ''یہ ایک فوج ہے جو تمھارے ساتھ داخل ہوگی، ان کو خوشی نہ ہو، یقیناً یہ آگ میں جانے والے ہیں۔'' کیونکہ یہ اہل دوزخ ہیں۔ ﴿ قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ ﴾ ''کہیں گے: بلکہ تم ہو، تمھارے لیے کوئی خوشی نہ ہو۔'' یعنی جہنم میں یہ داخل ہونے والے ان سے کہیں گے کہ تمھیں ہی خوشی نہ ہو کیونکہ ﴿ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ ﴾ ''تم ہی تو یہ (بلا) ہمارے سامنے لائے ہو۔'' یعنی تم ہی نے تو ہمیں اس بات کی دعوت دی تھی جس نے ہمیں اس انجام تک پہنچا دیا ہے ﴿ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴾ ''پس (یہ) برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی یہ منزل رہنے اور پلٹنے کی بری جگہ ہے ﴿ قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴾ ''وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! جو اس کو ہمارے سامنے لایا ہے، اس کو آگ میں دوگنا عذاب دے۔'' جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ○ ﴾ (الأعراف 38:7) ''پچھلی جماعت پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا تو ان کو آتش (جہنم) کا دگنا عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا مگر تم نہیں جانتے۔'' یعنی تم میں سے ہر ایک کو اس کے حسب حال عذاب دیا جائے گا۔

﴿ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ ۝ أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴾ ''اور کہیں گے: کیا سبب ہے کہ (یہاں) ہم ان شخصوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم بُروں میں شمار کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان سے ٹھٹھا کیا تھا یا (ہماری) آنکھیں ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں۔'' یہ کفار کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ جہنم میں کچھ ایسے لوگوں کو نہیں پائیں گے جنھیں وہ گمراہی پر سمجھتے تھے جبکہ خود یہ کافر اپنے آپ کو بزعمِ خویش مومن سمجھتے تھے، ان کے بارے میں وہ کہیں گے کہ وہ ہمیں جہنم میں کیوں نظر نہیں آ رہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ جہنم میں ابوجہل یہ کہے گا: کیا بات ہے مجھے یہاں بلال، عمار، صہیب اور فلاں فلاں نظر نہیں آ رہے؟[1] یہ ایک مثال ہے ورنہ تمام کفار کا یہی حال ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ

[1] تفسير الطبرى: 215/23.

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿65﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

آپ کہہ دیجیے: بس میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ایک ہے، بڑا زبردست ﴿65﴾ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ

وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴿66﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ﴿67﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ

ان دونوں کے درمیان ہے اس کا رب ہے، نہایت غالب، بہت معاف کرنے والا ﴿66﴾ کہہ دیجیے: وہ ایک بہت بڑی خبر ہے ﴿67﴾ تم اس سے اعراض

مُعْرِضُوْنَ ﴿68﴾ مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿69﴾ اِنْ یُّوْحٰۤی

کرنے والے ہو ﴿68﴾ مجھے (فرشتوں کی) بلند پایہ جماعت کا کوئی علم نہیں تھا جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے ﴿69﴾ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ بس میں تو

اِلَیَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿70﴾

صرف ایک واضح (طور پر) ڈرانے والا ہوں ﴿70﴾

مومن جہنم میں جائیں گے مگر جب کفار جہنم رسید ہوں گے اور وہاں ان مومنوں کو نہیں پائیں گے تو کہیں گے: ﴿ مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿62﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا ﴾ ''کیا سبب ہے کہ (یہاں) ہم ان شخصوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم بروں میں شمار کرتے تھے، کیا ہم نے ان سے ٹھٹھا کیا تھا۔'' یعنی دنیا میں ﴿ اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿63﴾ ﴾ ''یا (ہماری) آنکھیں ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں۔'' وہ اپنے آپ کو ایک محال چیز کے ساتھ تسلی دیں گے اور کہیں گے کہ شاید وہ ہمارے ساتھ جہنم ہی میں ہوں لیکن ان پر ہماری نظر نہ پڑی ہو۔ تو اس وقت انھیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ تو جنت کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات میں جلوہ افروز ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:44) ''اور اہل بہشت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے: جو وعدہ ہمارے پروردگار نے ہم سے کیا تھا، ہم نے تو اسے سچا پا لیا، بھلا جو وعدہ تمھارے پروردگار نے (تم سے) کیا تھا، کیا تم نے بھی اسے سچا پایا؟ وہ کہیں گے: ہاں، تو (اس وقت) ان میں ایک پکارنے والا پکارے گا کہ بے انصافوں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک: ﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:49) ''(اے مومنو!) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ، تمھیں کچھ خوف نہیں اور نہ تم کو کچھ غم و اندوہ ہو گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿64﴾ ﴾ ''بے شک یہ اہل دوزخ کا جھگڑنا برحق ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ہم نے تمھیں اہل دوزخ کے بارے میں جو یہ خبر دی ہے کہ وہ آپس میں جھگڑیں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے تو یہ برحق اور سچی خبر ہے، اس میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 65-70

رسول اللہ ﷺ کی رسالت عظیم الشان خبر ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر، شرک اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں سے کہہ دیں: ﴿ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ ﴾ ''یقیناً میں تو صرف ڈرانے

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿71﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ

(یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں﴿71﴾ چنانچہ جب میں اسے ٹھیک ٹھیک بنا دوں

رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿72﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿73﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَؕ اِسْتَكْبَرَ

اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو تم اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا﴿72﴾ تب تمام فرشتوں نے (بیک وقت) اکٹھے سجدہ کیا﴿73﴾ سوائے ابلیس

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿74﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّؕ

کے، اس نے تکبر کیا، اور وہ کافروں میں سے ہو گیا﴿74﴾ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿75﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ

اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا؟ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اونچے درجے والوں میں سے ہے؟﴿75﴾ اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے

مِنْ طِیْنٍ ﴿76﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿77﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ

پیدا کیا، اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا﴿76﴾ اللہ نے فرمایا: اب تو یہاں سے نکل جا، بے شک تو مردود ہے﴿77﴾ اور بلاشبہ تجھ پر روز جزا تک میری لعنت

الدِّیْنِ ﴿78﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿79﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿80﴾

ہے﴿78﴾ ابلیس نے کہا: اے میرے رب! اب تو مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے﴿79﴾ اللہ نے فرمایا: پس بلاشبہ تو

اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿81﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿82﴾ اِلَّا عِبَادَكَ

مہلت دیے گئے لوگوں میں سے ہے﴿80﴾ اس دن تک جس کا وقت (میرے ہاں) مقرر ہے﴿81﴾ اس نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿83﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ز وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿84﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ

کروں گا﴿82﴾ سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص و برگزیدہ ہوں﴿83﴾ فرمایا: تو حق یہی ہے اور میں حق بات ہی کہتا ہوں﴿84﴾ میں تجھ سے اور

وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿85﴾

ان سب سے جنھوں نے تیری پیروی کی جہنم کو ضرور بھر دوں گا﴿85﴾

والا ہوں۔'' اور میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتے ہو ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ''اور اللہ یکتا، بڑے زبردست کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' وہ وحدہٗ لاشریک ہی ہر چیز پر غالب اور قاہر ہے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ ''جو آسمانوں اور زمین اور جو (مخلوق) ان دونوں کے درمیان ہے، سب کا مالک ہے۔'' یعنی سب کا مالک بھی وہی ہے اور سب میں تصرف بھی اسی کا کارفرما ہے، ﴿الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ﴾ ''نہایت غالب، بڑا بخشنے والا ہے۔'' یعنی عظمت و عزت کے ساتھ ساتھ وہ بخشنے والا بھی ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ﴾ ''کہہ دیں کہ یہ ایک بڑی عظیم (الشان چیز کی) خبر ہے۔'' یعنی یہ ایک بہت زبردست اور عظیم الشان خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ﴾ ''تم اس سے اعراض کرنے والے ہو۔'' یعنی بے پروا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ﴾ ''مجھے اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ

جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا۔'' یعنی اگر میری طرف وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو مجھے ملاءِ اعلیٰ کے اختلاف کے بارے میں کیسے علم ہوتا؟ یعنی حضرت آدم علیہ السلام، ابلیس کے انھیں سجدہ کرنے سے انکار اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اس جھگڑنے کہ وہ آدم سے افضل ہے، کے بارے میں مجھے کیسے معلوم ہوتا! اور اس بارے میں وحی الٰہی یہ ہے: (دیکھیے آیات:71-85)

تفسیر آیات:71-85

قصۂ آدم و ابلیس: اس قصے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف کے آغاز، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف [1] اور یہاں سورۂ صٓ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ حکم بھی دے دیا کہ جب وہ اس کی تخلیق وتسویہ سے فارغ ہو جائے تو وہ سب اکرام، اعظام، احترام کے طور پر اور اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجا لاتے ہوئے اسے سجدہ کریں، پس ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ ابلیس ملائکہ کی جنس سے نہیں بلکہ وہ جنوں کی جنس سے تھا۔ ضرورت کے وقت اس کی طبیعت و جبلت نے اس سے خیانت کی، اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس بارے میں رب تعالیٰ سے جھگڑنے لگا اور اس نے دعویٰ کیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بہتر ہے کیونکہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے جبکہ آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے گمان میں آگ مٹی سے بہتر ہے، پس اس نے اس معاملے میں غلطی کی، اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور اس کی ذات پاک کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دور کر دیا، اس کی ناک کو خاک آلود کر دیا، اپنے بابِ رحمت، مقامِ انس اور حضرت اقدس سے دھتکار دیا اور اس کا نام ابلیس رکھ دیا جو اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور پھر ذلیل و رسوا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے زمین پر اتار دیا، اس نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اسے روزِ قیامت تک مہلت دے دی جائے تو اس حلیم و بردبار ذات پاک نے جو اپنے نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا، اسے مہلت دے دی۔ جب اسے قیامت تک مہلت مل گئی تو اس نے بغاوت وسرکشی کی روش کو اختیار کر لیا اور کہنے لگا: ﴿فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''سو (مجھے) تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا، سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔'' جیسا کہ اس نے کہا تھا ﴿اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ (بنی إسرآء یل 62:17) ''دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔'' ان مستثنیٰ لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت کریمہ میں اس طرح ذکر فرمایا ہے: ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝﴾ (بنی إسرآء یل 65:17) ''بے شک جو میرے (مخلص) بندے ہیں، ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر!) آپ کا پروردگار کارساز کافی ہے۔''

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 34 والأعراف، آیت: 11 والحجر، آیات: 28-38 و بنی إسرآء یل، آیات: 61، 62 و الکهف، آیت: 50 کے ذیل میں۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿86﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿87﴾

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، اور میں تکلف (بناوٹی کام) کرنے والوں میں سے نہیں ﴿86﴾ یہ (قرآن) جہانوں کے

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿88﴾ ع 5/24/14

لیے نصیحت ہی تو ہے ﴿87﴾ اور تم اس کی حقیقت کچھ مدت کے بعد ضرور جان لو گے ﴿88﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿84﴾ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''کہا: سچ (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے، سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔'' مفسرین کی ایک جماعت نے جن میں امام مجاہد بھی ہیں، پہلے حق کو مرفوع پڑھا ہے اور انھوں نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں حق ہوں اور حق ہی کہتا ہوں اور آپ سے دوسری روایت میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حق میری طرف سے ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔ ① اور دیگر مفسرین نے دونوں حق کو منصوب پڑھا ہے۔ سدی نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ ② میں کہتا ہوں کہ یہ آیت، اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ (السجدة 13:32) ''اور لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔'' نیز اس آیت کی طرح ہے: ﴿ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ ﴾ (بنی إسرآء یل 63:17) ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: (یہاں سے) چلا جا، پھر جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے اور (وہ) پوری سزا (ہے۔)''

تفسیر آیات :86-88

''کیوں نہ الگ تھلگ رہوں بزم تکلفات سے'': اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ان مشرکین سے کہہ دیں کہ میں اس دین کے پہنچا دینے اور تمھاری خیر خواہی کرنے کے عوض تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا جو تم دنیوی ساز و سامان میں سے مجھے دو۔ ﴿ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ○ ﴾ ''اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جس دین کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اس سے زیادہ کوئی چیز نہیں چاہتا بلکہ مجھے جس دین کے پہنچا دینے کا حکم دیا گیا تھا، میں نے اسے بلاکم و کاست پہنچا دیا ہے اور میں اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کا طلب گار ہوں۔ سفیان ثوری نے اعمش اور منصور سے، انھوں نے ابوضحیٰ سے اور انھوں نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: لوگو! جو کوئی کسی چیز کو جانتا ہو تو وہ اسے بیان کر دے اور جو نہ جانتا ہو تو وہ کہہ دے: اَللّٰهُ أَعْلَمُ ''اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔'' کیونکہ یہ بھی علم کی بات ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو تو اس کے بارے میں یہ کہہ دے کہ اَللّٰهُ أَعْلَمُ، پس اللہ عزوجل نے تمھارے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ

① تفسير الطبری: 223/23. ② تفسير الطبری: 223/23.

مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴿۸۶﴾ ”(اے پیغمبر!) کہہ دیں کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔“ اس روایت کو امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے بیان کیا ہے۔ ①

کچھ وقت کے بعد تم خود ہی جان لوگے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۸۷﴾ ﴾ ”یہ (قرآن) تو تمام (اہل) عالم کے لیے نصیحت ہے۔“ یعنی قرآن مجید انسانوں اور جنوں تمام مُکَلَّفین کے لیے نصیحت ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ (الأنعام 6:19) ”تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے، آگاہ کر دوں۔“ اور یہ آیت ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (ھود 11:17) ”اور جو کوئی اور فرقوں میں سے اس سے منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔“

﴿ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ﴿۸۸﴾ ﴾ ”اور یقیناً تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔“ یعنی اس کی خبر اور اس کی صداقت تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گی، قتادہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ موت کے بعد۔ ② اور عکرمہ نے کہا ہے کہ تمھیں اس کا حال قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا۔ ③ اور ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جو شخص فوت ہو جائے، وہ قیامت کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

سورۂ ص کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ .

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴾ (ص 38:86)، حدیث: 4809 وصحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب الدخان، حدیث: 2798 . ② تفسیر الطبری: 224/23 وتفسیر القرطبی: 231/15 . ③ تفسیر القرطبی: 231/15 .

تفسیر سُورَۂ زُمَر

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ

(یہ) اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جو نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ① بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ

ہے، لہٰذا آپ اللہ کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کیجیے ② سنو! خالص اطاعت و بندگی اللہ ہی کے لیے ہے، اور جن لوگوں نے

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ

اس کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں، (وہ کہتے ہیں:) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کر دیں، یقیناً اللہ ان کے

يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا

درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، بے شک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا، ناشکرا ہو ③ اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا

لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

بنائے تو ان میں سے جنھیں وہ پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا چن لیتا، (لیکن) وہ تو (ان باتوں سے) پاک ہے، وہ اللہ واحد ہے، بڑا زبردست ④

وقف لازم

سورۂ زمر کی فضیلت: امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ (نفلی) روزے رکھتے حتی کہ ہم کہتے کہ اب آپ کا روزہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اور آپ (نفلی) روزے چھوڑ دیتے حتی کہ ہم کہتے کہ اب آپ کا روزے رکھنے کا ارادہ نہیں ہے اور آپ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسراءیل اور زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ①

تفسیر آیات:1-4

توحید کا حکم اور شرک کی تردید: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کتاب قرآن عظیم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل

① السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الزمر: 444/6، حديث: 11444 اور دیکھیے مسند أحمد: 68/6 و صحيح ابن خزيمة، جماع أبواب صلاة التطوع بالليل، باب استحباب قراءة بني إسرآء يل والزمر......: 191/2، حديث:1163.
ملحوظہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، البتہ بعض محققین نے کہا ہے: ''اور آپ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسراءیل اور زمر کی تلاوت فرمایا کرتے'' کے علاوہ روایت صحیح ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 453,452/40، حديث: 24388.

کیا گیا ہے اور یہ کتاب بالکل سچی کتاب ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:192-195) ''اور بلاشبہ یہ (قرآن اللہ) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، جسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے، (اس نے) آپ کے دل پر (القا کیا ہے) تاکہ آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، فصیح عربی زبان میں (اتارا ہے۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:42,41) ''اور بے شک وہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہی ہے، اس کے پاس باطل نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔''

اور یہاں اللہ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ ﴾ ''(اس) کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب کی طرف سے ہے۔'' ﴿ الْعَزِيْزِ ﴾ کے معنی عالی جناب اور ﴿ الْحَكِيْمِ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ اپنے اقوال وافعال اور شرع وقدر میں حکمت والا ہے۔ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ ﴾ ''(اے پیغمبر!) بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے، لہٰذا آپ اللہ کی عبادت اس کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے کریں۔'' یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور مخلوق کو بھی اس کی دعوت دیں اور انھیں یہ بات بتائیں کہ عبادت صرف اسی ذات پاک کی ہونی چاہیے جس کا کوئی شریک، کوئی برابری کرنے والا اور کوئی ساجھی نہیں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ ﴾ ''خبردار! اللہ ہی کے لیے خالص عبادت (زیبا) ہے۔'' یعنی وہ صرف اسی عمل کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے جسے عمل کرنے والے نے صرف اسی وحدہٗ لاشریک ہی کے لیے سرانجام دیا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بتوں کے پجاریوں اور مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ ﴾ ''ہم انھیں اس لیے پوجتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کر دیں۔'' بتوں کی عبادت پر انھیں اس بات نے آمادہ کیا کہ انھوں نے پہلے تو اپنے زعم کے مطابق بتوں کو ملائکہ مقربین کی صورتوں کے مطابق بنایا، پھر انھوں نے ان بتوں کی عبادت شروع کر دی اور اسے فرشتوں کی عبادت قرار دیا تاکہ نصرت، رزق اور دنیا میں درپیش امور میں وہ ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں، پھر البتہ آخرت میں وہ اس بات کا انکار کر دیں گے۔ قتادہ، سدی اور مالک رحمہم اللہ زید بن اسلم اور ابن زید سے اس آیت کریمہ: ﴿ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ ﴾ ''مگر اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کر دیں۔'' کے معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ ہماری شفاعت کریں اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں۔[1] زمانۂ جاہلیت میں حج کے تلبیہ میں بھی یہ لوگ کہا کرتے تھے: [لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ...... إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ] ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں...... مگر ایک شریک ہے تیرا، اس کا اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔''[2]

---

[1] تفسیر الطبری: 228/23. [2] صحیح مسلم، الحج، باب التلبیة وصفتها ووقتها، حدیث: 1185 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

زمانۂ قدیم و جدید کے تمام مشرکین اسی شبہے میں مبتلا تھے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اسی کی تردید وممانعت کے لیے تشریف لائے تھے۔ انھوں نے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی تھی اور انھوں نے فرمایا تھا کہ اس بات کو مشرکین نے خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ اس کی اجازت دی اور نہ وہ اس سے خوش ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے اور اس نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ (النحل 36:16) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (بتوں کی پرستش) سے بچو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبیآء 25:21) ''اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی پیغمبر بھیجے، اُن کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری ہی عبادت کرو۔''

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ بھی مطلع فرمایا ہے کہ آسمانوں میں موجود تمام فرشتے، خواہ وہ مقربین ہوں یا دیگر سب کے سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے سامنے عجز و نیاز کرنے والے ہیں، اس کی اجازت کے بغیر وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے، سفارش بھی اس کے لیے کرتے ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے، وہ اس طرح نہیں جس طرح بادشاہوں کے دربار میں امراء ہوتے ہیں کہ وہ بادشاہوں کی اجازت کے بغیر سفارش کر دیتے ہیں، خواہ بادشاہ پسند کریں یا ناپسند، لہٰذا ﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ ﴾ (النحل 74:16) ''پس (لوگو!) اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں مت بیان کرو۔'' اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان مثالوں سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ﴾ ''یقیناً اللہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ ﴾ ''ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوقات میں فیصلہ فرما دے گا اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق صلہ دے گا۔ ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (سبا 41,40:34) ''اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہی لوگ صرف تمھاری پوجا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: تو پاک ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ کہ یہ، بلکہ یہ تو جنوں کو پوجا کرتے تھے (اور) ان میں سے اکثر انھی پر ایمان رکھتے تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ ﴾ ''بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا (اور) ناشکرا ہے۔'' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر کذب و افترا باندھنے کا قصد کرے اور اس کا دل اس کی آیات اور دلائل و براہین کو قبول کرنے سے انکار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا نہیں فرماتا، پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں جیسا کہ جاہل مشرک فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیتے ہیں اور (اللہ کے) معاندین یہود و نصاریٰ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس کے بیٹے سمجھتے ہیں، ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے، اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے،

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ

ہر ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے، سنو! وہ نہایت غالب، بہت بخشنے والا ہے⑤ اس نے تمھیں ایک ہی جان سے پیدا کیا، پھر اس نے اس سے اس کا

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۗ

جوڑا بنایا، اور اس نے تمھارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے (نر اور مادہ) اتارے (پیدا کیے)، وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے،

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ

ایک پیدائش (مرحلے) کے بعد دوسری پیدائش میں، تین قسم کے اندھیروں (پردوں) میں، یہ ہے اللہ تمھارا رب، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی

الْمُلْكُ ۗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے (بہکے) جاتے ہو؟⑥

﴿ لَاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ﴾ ''اگر اللہ (کسی کو اپنا) بیٹا بنانا چاہتا تو ان میں سے جنھیں وہ پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا منتخب کر لیتا۔'' یعنی معاملہ ان کے وہم وگمان کے خلاف ہوتا، یاد رہے کہ یہ شرط ہے، اس کا وقوع اور جواز لازم نہیں آتا، بلکہ وہ تو محال ہے، یہاں تو مقصود صرف ان کے وہم وگمان کا بطلان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 17:21) ''اگر ہم چاہتے کہ کھیل تماشا بنائیں تو اپنے پاس ہی سے بنا لیتے، اگر ہم کرنے والے ہوتے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 81:43) ''کہہ دیجیے: اگر رحمٰن (اللہ) کی کوئی اولاد ہوتو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔'' یہ سب کچھ شرط کے قبیل سے ہے اور متکلم کے مقصد کے پیش نظر امر محال کے ساتھ مشروط قرار دینا بھی جائز ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سُبْحٰنَهٗ ۖ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ ﴾ ''وہ تو پاک ہے وہی تو اللہ یکتا (اور) بڑی قوتوں والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو کیونکہ وہ تو واحد، احد، تنہا اور صمد ہے، ہر چیز اس کی غلام اور محتاج ہے اور وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے، اس نے تمام اشیاء کو مغلوب کر رکھا ہے، تمام مخلوق اس کے سامنے عاجز و درماندہ ہیں اور اللہ ان ظالموں اور منکروں کی باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

تفسیر آیات: 6,5

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کے دلائل: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں، زمین اور جو ان کے مابین چیزیں ہیں سب کا خالق ہے، وہی مالک الملک، تصرف فرمانے والا اور رات اور دن کو بدل بدل کر لانے والا ہے: ﴿ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ﴾ ''(اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔'' یعنی اس نے ان دونوں کو مسخر کر رکھا ہے، دونوں ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں اور اکتاتے نہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے دوڑا چلا

آتا ہے، ﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ﴾ (الأعراف 7:54) ”وہی رات سے دن کو ڈھانپتا ہے وہ (رات) جلدی جلدی اس (دن) کو طلب کرتی ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، سدی اور دیگر ائمۂ تفسیر سے یہی معنی مروی ہیں۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ﴾ ”اور اسی نے سورج اور چاند کو تابع کر رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے۔“ یعنی اس مدت تک جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، پھر روز قیامت یہ مدت اختتام پذیر ہو جائے گی۔ ﴿ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ ﴾ ”خبردار! وہی غالب (اور) خوب بخشنے والا ہے۔“ یعنی اپنی عزت و عظمت اور کبریائی کے ساتھ ساتھ وہ اسے بخشنے والا بھی ہے جو اس کی نافرمانی کے بعد توبہ کر لے یا اس کی طرف رجوع کرے۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ ”اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔“ یعنی اس نے تمھاری جنسوں، صنفوں، زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کے باوجود تم کو ایک شخص حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا ہے، ﴿ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ ”پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا۔“ یعنی حوا علیہا السلام کو، جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ ﴾ (النسآء 4:1) ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس نے اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور (پھر) ان دونوں سے کثرت سے مرد اور عورتیں (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ ﴾ ”اور اسی نے تمھارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے۔“ یعنی اس نے تمھارے لیے چوپایوں کی پشتوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے اور ان آٹھ جوڑوں کی سورۂ انعام میں اس طرح تفصیل مذکور ہے: آٹھ قسمیں (پیدا فرمائیں) دو بھیڑوں میں سے اور دو بکریوں میں سے (ایک نر اور ایک مادہ) اور دو اونٹوں میں سے اور دو گایوں میں سے، ② پھر فرمایا: ﴿ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ﴾ ”وہی تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے۔“ یعنی اس نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں اس طرح پیدا فرمایا، ﴿ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ ﴾ ”ایک (طرح کی) پیدائش (دوسری) پیدائش کے بعد۔“ یعنی پہلے تم نطفہ ہوتے ہو، پھر لوتھڑا، پھر بوٹی، پھر وہ گوشت، ہڈیوں، اعصاب اور رگوں کو پیدا فرماتا، پھر روح پھونک دیتا ہے تو یہ (گویا ایک تخلیق کے بعد) دوسری تخلیق ہو گئی، ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۟ؕ ﴾ (المؤمنون 23:14) ”چنانچہ اللہ جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے بڑا بابرکت ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ﴾ ”تین اندھیروں میں۔“ یعنی رحم کے اندھیرے، جھلی کے اندھیرے۔ جو بچے کے لیے حفاظت کے طور پر اس کے اوپر ایک پردے کے طور پر ہوتی ہے۔ اور پیٹ کے اندھیرے میں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابو مالک، ضحاک، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ③

① تفسیر القرطبی: 235/15 و تفسیر الطبری: 230,229/23. ② دیکھیے الأنعام، آیات: 144,143. ③ تفسیر الطبری: 234,233/23 والدر المنثور: 604,603/5.

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ

اگرتم کفر کرو گے تو اللہ یقیناً تم سے بے پرواہے، اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرتا ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تمھیں اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے، تو وہ تمھیں بتائے گا جو کچھ تم کرتے رہے، بلاشبہ وہ

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝7 وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ

سینوں کے راز خوب جانتا ہے ⑦ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسے پکارتا ہے، پھر جب وہ

اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا

اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اس سے پہلے جس کے لیے دعا کیا کرتا تھا اسے بھول جاتا ہے، اور اللہ کے لیے شریک ٹھہراتا ہے تاکہ اس کے

لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝8

راستے سے (لوگوں کو) بہکائے، آپ کہہ دیجیے: تو اپنے کفر کے ساتھ کچھ (دنیاوی) فائدہ اٹھالے، بلاشبہ تو دوزخیوں میں سے ہے ⑧

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ﴾ ''یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے۔'' جس نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کو وجود بخشا، تمھیں اور تمھارے باپ کو پیدا فرمایا، وہی پروردگار عالم ہے، ساری کائنات اسی کی ملکیت ہے اور اس میں اسی کا تصرف کارفرما ہے۔ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' اس لیے صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت ہونی چاہیے، ﴿ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝6 ﴾ ''پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو؟'' یعنی پھر تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ تمھاری عقلیں کہاں چلی جاتی ہیں؟

تفسیر آیات: 8,7

اللہ کفر سے ناراض اور شکر سے راضی ہوتا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے سوا تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 8:14) ''اگر تم اور وہ لوگ جو زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کریں تو بے شک اللہ یقیناً بے نیاز (اور) نہایت قابلِ تعریف ہے۔''

اور صحیح مسلم میں ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) [يَا عِبَادِي! لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَّانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا] ''اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے اور انسان اور جن، تم میں سے سب سے زیادہ گناہ گار کے دل جیسے ہو جائیں گے تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔''①

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا۔'' نہ وہ

① صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظلم، حديث : 2577 عن أبي ذر رضي الله عنه.

ناشکری کو پسند فرماتا ہے اور نہ اس کا حکم دیتا ہے۔ ﴿ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ﴾ ''اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرتا ہے۔'' اسے تمھارے لیے پسند بھی کرے گا اور تمھیں اپنے فضل سے اور زیادہ بھی عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔'' کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا بلکہ ہر ایک سے اس کے اپنے بارے میں ہی پوچھا جائے گا، ﴿ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ ﴾ ''پھر اپنے پروردگار کی طرف تمھارا لوٹنا ہے، پھر تم جو کچھ کرتے رہے وہ تمھیں بتائے گا، وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک کو جانتا ہے۔'' اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔

سختی میں اللہ کا ذکر اور کشادگی میں شرک: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ﴾ ''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارتا ہے اس حال میں کہ اس کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔'' یعنی بوقت ضرورت وہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے سامنے عاجزی کرتا اور اس سے مدد مانگتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:67) ''اور جب تمھیں دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو وہ سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں جنھیں تم پکارتے ہو، پھر جب وہ تمھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے (مہربانی کرتے ہوئے) کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اس سے پہلے جس (مصیبت) کے لیے پکارا کرتا تھا، اسے بھول جاتا ہے۔'' یعنی آسودگی اور خوش حالی کے دور میں اپنی التجا و فریاد کو بھول جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ ﴾ (یونس 10:12) ''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر یا بیٹھا یا کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے کسی تکلیف کی طرف جو اسے پہنچی ہو، ہمیں کبھی پکارا ہی نہیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ﴾ ''اور اللہ کے لیے کئی شریک بنالیتا ہے تاکہ (لوگوں کو) اس کے رستے سے گمراہ کرے۔'' یعنی عافیت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور اس کے لیے شریک بنانا شروع کر دیتا ہے۔ ﴿ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۞ ﴾ ''کہہ دیجیے: (اے کافرِ نعمت!) اپنی ناشکری کے ساتھ تھوڑا سا فائدہ اٹھالے، بے شک تو دوزخیوں میں سے ہے۔'' یعنی جس کی یہ حالت اور یہ طریقہ و مسلک ہو، اس سے کہہ دیں کہ اپنی ناشکری سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالے، یہ بہت شدید سرزنش اور زبردست وعید ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:30) ''کہہ دیجیے: (چند روز) فائدہ اٹھالو، پس بے شک تمھارا

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَیَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ

کیا (یہ مشرک بہتر ہے یا وہ) جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے اور قیام کرتے ہوئے عبادت و فرماں برداری کرتا ہے، جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب

هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ⑨ ع 1/9 15

کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے؟ کہہ دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، برابر ہو سکتے ہیں؟ بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں ⑨

لوٹنا دوزخ کی طرف ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمۡ قَلِیۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ○ ﴾ (لقمٰن 31:24) ''ہم انھیں تھوڑا سا فائدہ دیں گے، پھر انھیں سخت عذاب کی طرف دھکیلیں گے۔''

تفسیر آیت :9

فرماں بردار و نافرمان برابر نہیں: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کی یہ صفت ہو (کہ وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے عبادت کرتا ہے) کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرے اور اس کے شریک بنائے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کبھی برابر نہیں ہو سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ یَّتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَهُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ○ ﴾ (اٰل عمرٰن 3:113) ''وہ سب ایک جیسے نہیں، اہل کتاب میں سے ایک جماعت (اللہ کے حکم پر) قائم ہے جو رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اس کے آگے) وہ سجدہ کرتے ہیں۔'' اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا ﴾ ''(بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے عبادت کرنے والا ہے۔'' یعنی وہ اپنے سجدوں اور قیام کی حالت میں خشوع وخضوع کا اظہار کرتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ قانت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فرماں بردار ہو۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، سدی اور ابن زید کا قول ہے کہ ﴿ اٰنَآءَ الَّیۡلِ ﴾ سے مراد ''آدھی رات'' ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یَحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَیَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ ﴾ ''وہ آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔'' یعنی عبادت کی حالت میں وہ ڈرتا بھی ہے اور اُمید بھی رکھتا ہے اور عبادت میں ان دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے، لیکن زندگی میں خوف ہی غالب ہونا چاہیے، اس لیے فرمایا: ﴿ یَحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَیَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ ﴾ ''وہ آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔'' موت کے وقت اُمید کا پہلو غالب ہونا چاہیے جیسا کہ امام عبد بن حمید نے اپنی ''مسند'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لے گئے جو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا: [کَیۡفَ تَجِدُكَ؟] ''تم خود کو کیسا محسوس کرتے ہو؟'' اس نے عرض کی: میں اُمید بھی رکھتا ہوں اور ڈرتا بھی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا یَجۡتَمِعَانِ فِی قَلۡبِ عَبۡدٍ فِی مِثۡلِ هٰذَا الۡمَوۡطِنِ إِلَّا

① المعجم الكبير للطبراني :60/10، حديث :9948 . ② الأحاديث المختارة للمقدسي :20/10 وتفسير القرطبي: 239/15 .

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ

کہہ دیجیے: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈرو، جنھوں نے اس دنیا میں اچھے عمل کیے ان کے لیے بھلائی ہے،

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ

اور اللہ کی زمین وسیع ہے، بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا ⑩ آپ کہہ دیجیے: بے شک مجھے حکم دیا گیا

اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۙ⑪ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫

ہے کہ میں اللہ کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کروں ⑪ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان بن جاؤں ⑫

أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُو، وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ] ''اس جیسے موقع پر جس شخص کے دل میں بھی یہ دونوں باتیں جمع ہوں تو اللہ عزوجل اسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہو اور اس چیز سے اسے امن عطا فرما دیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہو۔''[1] اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے، امام نسائی نے عمل الیوم و اللیلۃ میں اور امام ابن ماجہ نے اسے بروایت سیّار بن حاتم از جعفر بن سلیمان روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔[2]

اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَرَأَ بِمِائَةِ آيَةٍ فِي لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوتُ لَيْلَةٍ] ''جو شخص رات کو ایک سو آیت پڑھے تو اس کے لیے رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے۔''[3] امام نسائی نے عمل الیوم و اللیلۃ میں بھی اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے۔[4] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے: بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟'' یعنی کیا یہ شخص اور وہ جس کا پہلے ذکر ہوا برابر ہو سکتے ہیں، یعنی راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے والا اور اس کے رستے سے گمراہ کرنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑨﴾ ''بے شک نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقل مند ہیں۔'' یعنی ان دونوں قسم کے لوگوں میں فرق کو صرف وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جس میں عقل ہو۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:10-12

تقویٰ، ہجرت اور اخلاصِ عبادت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنی اطاعت و تقویٰ پر رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ﴾ ''کہہ دیں کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو، تم اپنے پروردگار سے ڈرو، جنھوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے بھلائی ہے۔'' یعنی

① مسند عبد بن حميد، ص: 404، حديث: 1370 (C.D). ② جامع الترمذي، الجنائز، باب [الرجاء بالله والخوف بالذنب......]، حديث: 983 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول المريض إذا قيل له: كيف تجدك؟ 262/6، حديث: 10901 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، حديث: 4261.
③ مسند أحمد: 103/4. ④ السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب ثواب من قرأ مائة آية في ليلة: 180/6، حديث: 10553.

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ

کہہ دیجیے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو یقیناً مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے ڈر لگتا ہے⑬ کہہ دیجیے: میں اللہ کے لیے اپنی

مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ⑭ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں⑭ تو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، کہہ دیجیے: بلاشبہ خسارہ اٹھانے والے تو وہ

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑮

لوگ ہیں جنھوں نے روز قیامت اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا، خبردار! یہی کھلا خسارہ ہے⑮ ان کے لیے ان کے اوپر

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ

آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے (بھی آگ کے) سائبان ہوں گے، یہی وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، لہٰذا

بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ⑯

اے میرے بندو! تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو⑯

جنھوں نے اس دنیا کی زندگی میں اچھا عمل کیا، ان کے لیے دنیا وآخرت میں بھلائی ہے۔﴿ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ ﴾ ''اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔'' مجاہد کہتے ہیں: تم اس میں ہجرت کرو، جہاد کرو اور بتوں سے علیحدگی اختیار کرو۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ ﴾ ''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے شمار ملے گا۔'' امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں ناپ تول کر اجر وثواب نہیں دیا جائے گا بلکہ انھیں بے حد وحساب اجر وثواب عطا کیا جائے گا۔[2] سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں جنت میں بے شمار ثواب دیا جائے گا۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪ ﴾ ''کہہ دیجیے: بے شک میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں بندگی کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کروں۔'' یعنی مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے عبادت کروں۔ ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫ ﴾ ''اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔''

تفسیر آیات:13-16

اللہ کے عذاب سے ڈر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں، اس کے باوجود کہہ دیں: ﴿ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬ ﴾ ''اگر میں اپنے پروردگار کا حکم نہ مانوں تو یقیناً میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔'' بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے، یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کے معنی میں دوسرے سے بطریق اولیٰ تعریض ہے، یعنی اپنے رب کا حکم نہ ماننے کی صورت میں مجھے روز قیامت کے عذاب سے ڈر لگتا ہے تو میرے سوا دوسرے لوگوں کو اس صورت میں بالاولیٰ عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے، ﴿ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ⑭ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ ﴾ ''کہہ

[1] تفسیر الطبری: 242/23. [2] تفسیر القرطبی: 241/15 عن قتادہ. [3] تفسیر الطبری: 242/23.

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ

اور جو لوگ طاغوت کی عبادت کرنے سے بچے رہے، اور انھوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا، ان کے لیے بشارت ہے، لہٰذا آپ

فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

میرے (ان) بندوں کو بشارت دے دیں ⑰ جو غور سے بات سنتے ہیں، اور اس میں سے سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنھیں

هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱

اللہ نے ہدایت دی، اور وہی لوگ عقل والے ہیں ⑱

دیں کہ میں اپنی بندگی کو اس کے لیے (شرک سے) خالص کرتے ہوئے اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں تو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔'' یہ مشرکین کے لیے سرزنش اور ان سے اظہارِ براءت ہے۔ ﴿ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''کہہ دیں کہ بلاشبہ خسارہ اُٹھانے والے۔'' یعنی سارے کا سارا نقصان اُٹھانے والے، ﴿ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ''وہی لوگ ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا'' اور اب وہ ایک دوسرے سے الگ ہوگئے ہیں اور ان کی کبھی بھی آپس میں ملاقات نہ ہو سکے گی، خواہ یہ صورت ہو کہ ان کے گھر والے جنت میں گئے ہوں اور وہ جہنم میں یا وہ سب کے سب جہنم رسید ہوگئے ہوں، اب وہ کبھی بھی نہ آپس میں مل جل سکیں گے اور نہ انھیں کبھی کوئی خوشی حاصل ہوگی۔ ﴿ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑮ ﴾ ''خبردار! یہی صریح نقصان ہے۔'' یعنی یہ صریح، واضح اور کھلم کھلا نقصان ہے، پھر جہنم میں ان کی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ﴾ ''اُن کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے (بھی) سائبان ہوں گے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (الأعراف 41:7) ''ان (لوگوں) کے لیے (نیچے) بچھونا بھی (آتشِ) جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اسی کا) اور ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (العنکبوت 29: 55) ''اس دن اُن کو عذاب اُن کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانک لے گا اور وہ (اللہ) فرمائے گا: جو تم عمل کیا کرتے تھے (اب اُن کا مزہ) چکھو۔''

اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ ﴾ ''یہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اس جہان کی خبریں یقیناً اس لیے بیان فرماتا ہے تاکہ اس سے اپنے بندوں کو ڈرائے تاکہ وہ حرام اور گناہ کے کاموں سے باز آجائیں۔ ﴿ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ⑯ ﴾ ''(تو) اے میرے بندو! پس تم مجھی سے ڈرو۔'' یعنی میری گرفت، میری سزا اور میرے عذاب سے ڈرتے رہو۔

تفسیر آیات: 18,17

نیک لوگوں کے لیے بشارت: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ وَالَّذِيْنَ

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿19﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ

کیا پھر جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہو تو (اے نبی!) کیا آپ اسے چھڑالیں گے جو آگ (دوزخ) میں ہے؟ ⑲ لیکن جو لوگ

اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اپنے رب سے ڈر گئے ان کے لیے بالا خانے ہیں، ان کے اوپر (اور) بالا خانے بنے ہوئے ہیں، جبکہ ان کے نیچے نہریں جاری ہیں،

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿20﴾

(یہ) اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ⑳

اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا ﴾ ”اور جنھوں نے طاغوت سے اجتناب کیا کہ اس کی عبادت کریں۔“ زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [1] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ انھیں اور ان کے علاوہ ان سب لوگوں کو بھی شامل ہے جو بتوں کی عبادت سے اجتناب کریں اور رحمان کی عبادت کو اختیار کریں، انھی لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت کی زندگی میں بشارت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿17﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ ﴾ ”پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت (سنا) دیں جو بات کو سنتے اور ان میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔“ یعنی اچھی باتوں کو سمجھتے اور ان کے مطابق عمل کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرتے وقت فرمایا تھا: ﴿ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ ﴾ (الأعراف 145:7) ”پس تو اسے زور سے پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ وہ ان کی اچھی باتیں پکڑیں۔“

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ ﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی۔“ یعنی اسی صفت سے متصف وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ہدایت عطا فرمائی ہے، ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿18﴾ ﴾ ”اور یہی عقل والے ہیں۔“ یعنی جن کی عقل صحیح اور فطرت مستقیم ہے۔

تفسیر آیات: 20,19

جنت کے بالا خانے کیسے لوگوں کے منتظر ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہو کہ وہ بدبخت ہے تو کیا تم اسے ضلالت و ہلاکت سے بچا سکتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے بعد اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا کیونکہ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند بندوں کے لیے فرمایا ہے کہ ان کے لیے جنت میں عظیم الشان محلات ہوں گے ﴿ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ ﴾ ”جن کے اوپر بالا خانے بنائے ہوئے ہیں۔“ بالا خانوں کے اوپر بالا خانے ہیں جو بہت مضبوط و مستحکم، آراستہ و پیراستہ اور بلند و بالا ہیں۔ عبداللہ بن امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يُّرٰى بُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا وَظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: يَّارَسُولَ اللّٰهِ! لِمَنْ هِيَ؟ قَالَ:

---

[1] تفسير الطبري: 246/23 .

لِمَنۡ أَطَابَ الۡكَلَامَ، وَأَطۡعَمَ الطَّعَامَ، وَصَلّٰى لِلّٰهِ بِاللَّيۡلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ] ''بے شک جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ ان کا اندرونی منظر باہر سے اور بیرونی منظر اندر سے دیکھا جا سکتا ہے، ایک اعرابی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) یہ بالا خانے کن لوگوں کے لیے ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے جو پاکیزہ گفتگو کرے، کھانا کھلائے اور رات کو اس وقت اللہ کے لیے نماز پڑھے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔''① اور اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔②

اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَهۡلَ الۡجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ فِي الۡجَنَّةِ، كَمَا تَرَاءَوۡنَ الۡكَوۡكَبَ فِي السَّمَاءِ] ''اہل جنت، جنت میں بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم آسمان پر ستارہ دیکھتے ہو۔'' انھوں (ابو حازم سلمہ بن دینار الاعرج) نے کہا کہ میں نے یہ حدیث نعمان بن ابو عیاش سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو (یوں) بیان کرتے ہوئے سنا: [كَمَا تَرَاءَوۡنَ الۡكَوۡكَبَ الدُّرِّيَّ فِي الۡأُفُقِ الشَّرۡقِيِّ أَوِ الۡغَرۡبِيِّ] ''جیسے تم مشرقی یا مغربی افق پر ٹمٹماتے ستارے کو دیکھتے ہو۔''③ اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔④

اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم سے فزارہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے فلیح نے ہلال بن علی سے، انھوں نے عطاء بن یسار سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَهۡلَ الۡجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوۡنَ فِي الۡجَنَّةِ كَمَا تَرَاءَوۡنَ، أَوۡ تَرَوۡنَ الۡكَوۡكَبَ الدُّرِّيَّ الۡغَارِبَ فِي الۡأُفُقِ وَالطَّالِعَ فِي تَفَاضُلِ الدَّرَجَاتِ، قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أُولٰئِكَ النَّبِيُّونَ؟ قَالَ: بَلٰى، وَالَّذِي نَفۡسِي بِيَدِهٖ! وَأَقۡوَامٌ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوا الۡمُرۡسَلِينَ] ''اہل جنت، جنت میں (بالا خانوں والوں کو) اس طرح دیکھیں گے جیسے تم افق میں طلوع و غروب ہونے والے چمک دار ستارے کو دیکھتے ہو، یعنی اہل درجات میں فرق اس طرح ہوگا (جیسے زمین سے آسمان تک کا فرق ہے) صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا وہ انبیاء ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اور کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کے ساتھ ایمان لائے اور انھوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی۔''⑤ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔⑥

اور فرمایا: ﴿ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ﴾ ''(اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔'' یعنی جس طرح وہ چاہیں اور ارادہ

---

① مسند أحمد :156/1. ② جامع الترمذی، صفة الجنة، باب ماجاء فی صفة غرف الجنة، حديث :2527، البتہ ترمذی کے مطبوعہ نسخوں میں حسن غریب کے بجائے صرف غریب ہے۔ ③ مسند أحمد :340/5 . ④ صحیح البخاری، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حديث 6556,6555 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب ترائی أهل الجنة......، حديث 2831,2830 . ⑤ مسند أحمد :339/2. ⑥ جامع الترمذی، صفة الجنة، باب ماجاء فی ترائی أهل الجنة فی الغرف، حديث :2556 .

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اسے زمینی چشموں سے جاری کیا، پھر وہ اس کے ذریعے سے کھیتی نکالتا ہے،

زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ

جبکہ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، پھر وہ (پک کر) خشک ہو جاتی ہے، آپ اسے زرد ہوئی دیکھتے ہیں، پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، بلاشبہ اس میں

2 ع 12 16 ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿21﴾ ع اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى

عقل والوں کے لیے نصیحت ہے ﴿21﴾ کیا پھر جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، اور وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے، (وہ سخت

نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿22﴾

اور تنگ دل کافر کے برابر ہو سکتا ہے؟) چنانچہ ہلاکت ہے ان کے لیے جن کے دل اللہ کی یاد کے معاملے میں سخت ہیں، وہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿22﴾

کریں گے ان بلند و بالا محلات کے درمیان نہریں بھی رواں دواں ہوں گی۔ ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿20﴾ ﴾ ''(یہ) اللہ کا وعدہ ہے (اور) اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔'' یعنی یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ ہے جو اس نے اپنے مومن بندوں سے فرمایا ہے۔

تفسیر آیات: 22,21

دنیاوی زندگی کی مثال: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پانی کا اصل منبع آسمان ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿48﴾ ﴾ (الفرقان 25:48) ''اور ہم نے آسمان سے پاک (اور ستھرا) پانی برسایا۔''

جب وہ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تو وہ پانی زمین میں چھپ جاتا ہے، پھر زمین کے اجزاء کے اندر اللہ تعالیٰ اس پانی میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور ضروریات کے مطابق اس سے چھوٹے اور بڑے چشمے جاری فرما دیتا ہے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''پھر اسے زمین میں چشمے بنا کر چلایا۔'' سعید بن جبیر اور عامر شعبی نے کہا ہے کہ زمین کے ہر پانی کا اصل سرچشمہ آسمان ہی ہے۔[1] اور سعید بن جبیر نے یہ بھی کہا ہے کہ پانی کا اصل برف ہے، یعنی وہ برف جو پہاڑوں پر گرتی ہے، پھر پہاڑوں کے اندر جا کر قرار پکڑ لیتی ہے اور انھی پہاڑوں کے نیچے کے حصوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔[2] ﴿ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ﴾ ''پھر وہ اس سے کھیتی اُگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔'' یعنی پھر وہ آسمان سے نازل ہونے والے اور زمین میں چشموں کی صورت میں جاری ہونے والے پانی کے ساتھ رنگ رنگ کی کھیتی اُگاتا ہے جس کی شکلیں، ذائقے، خوشبوئیں اور منافع مختلف ہوتے ہیں، ﴿ ثُمَّ يَهِيْجُ ﴾ ''پھر وہ خشک ہو جاتی ہے۔'' یعنی سرسبزی و شادابی اور جوانی کے بعد وہ مرجھانے لگتی ہے، ﴿ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ﴾ ''تو آپ اسے زرد شدہ دیکھتے ہیں'' اور اس میں خشکی پیدا ہو رہی ہوتی ہے، ﴿ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ ﴾ ''پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔'' یعنی وہ خشک ہو کر ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿21﴾ ﴾ ''بے شک اس میں

---

[1] تفسیر الطبری: 247/23. [2] تفسیر الطبری: 265/26.

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایک کتاب ہے باہم ملتی جلتی، بار بار دہرائی جانے والی، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے

رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ

رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف نرم (ہو کر مائل) ہو جاتے ہیں، یہی اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس کے ذریعے سے

يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿23﴾

جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿23﴾

عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔'' یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس سے نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں کہ دنیا بھی اس کھیتی کی طرح سرسبز و شاداب اور حسین و جمیل ہوتی ہے، پھر بدصورت بڑھیا کی طرح ہو جاتی ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ جوانِ رعنا بڑا ہو کر کمزور اور شیخ فانی بن جاتا ہے، پھر ان سارے حالات کے بعد موت بھی ہے۔ سعادت مند وہ ہے جسے موت کے بعد خیر و بھلائی نصیب ہو۔ قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح بیان کی ہے جسے وہ آسمان سے نازل فرماتا، اس کے ساتھ فصلیں اور پھل اُگاتا، پھر انھیں چورا چورا کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾ (الکہف 45:18) ''اور اُن کے لیے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کیجیے (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی (زمین کی پود گھنی ہو گئی)، پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اُسے اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

اہل حق اور اہل باطل برابر نہیں: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ ''بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے؟)'' یعنی کیا وہ اور وہ شخص جو سخت دل اور حق سے دور ہو، برابر ہو سکتے ہیں؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ ﴾ (الأنعام 122:6) ''بھلا جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایسی روشنی کر دی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہے (اور) وہ اس سے نکلنے والا ہی نہیں۔''

اور اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''پس اُن کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہیں۔'' اس کے ذکر سے نرم نہیں ہوتے، نہ اس کے سامنے جھکتے ہیں، نہ کچھ یاد رکھتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿22﴾ ﴾ ''یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

تفسیر آیت: 23

قرآن مجید کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن عظیم کی، جسے اس نے اپنے رسول کریم ﷺ پر نازل کیا، تعریف

کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ﴾ ''اللہ نے نہایت اچھی بات نازل فرمائی ہے (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں) باہم ملتی جلتی (ہیں اور) بار بار دہرائی جاتی ہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ سارے کا سارا قرآن باہم ملتا جلتا اور بار بار دہرایا جاتا ہے۔ [1] اور قتادہ کہتے ہیں کہ آیت آیت سے اور حرف حرف سے ملتا جلتا ہے۔ [2] اور ضحاک کہتے ہیں کہ مثانی سے مراد ایک بات کو بار بار دہرانا ہے تاکہ لوگ اپنے رب کے فرمان کو سمجھ جائیں۔ [3] عکرمہ اور حسن نے کہا کہ اس میں اللہ نے فیصلے کو دہرایا ہے۔ [4] اور حسن نے یہ بھی کہا کہ سورت میں ایک آیت ہوتی ہے، پھر کسی دوسری سورت میں بھی اس سے ملتی جلتی کوئی آیت ہوتی ہے۔ [5] اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مَثَانِيَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے سے ملتا جلتا اور مشابہت رکھتا ہے۔ [6] بعض علماء نے کہا ہے اور امام سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ بسا اوقات قرآن مجید کے مختلف سیاق ایک ہی معنی میں ہوتے ہیں تو یہ متشابہ ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ ایک چیز ذکر کی جاتی ہے تو ساتھ ہی اس کی ضد بھی ذکر کر دی جاتی ہے، مثلاً: مومنوں کا ذکر ہوا تو پھر اس کے بعد کافروں کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے، جنت کی صفت بیان کی جاتی ہے تو ساتھ ہی جہنم کی ہولناکی بھی بیان کر دی جاتی ہے۔ الغرض اس طرح مختلف اور متضاد چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے تو یہ ﴿ مَثَانِيَ ﴾ ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝ ﴾ (الانفطار 82:13،14) ''بے شک نیکوکار نعمت (والی بہشت) میں ہوں گے اور یقیناً بدکار بھڑکتی آگ میں ہوں گے۔''

اور فرمایا: ﴿ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ ﴾ (المطففین 83:7-18) ''ہرگز نہیں! یقیناً بدکاروں کا نامۂ اعمال البتہ سجین میں ہے، اور آپ کو کس چیز نے معلوم کروایا کہ سجین کیا ہے۔ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے، اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے (یعنی) جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اس کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے نکل جانے والا، گناہ گار ہے، جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے (یہ تو) اگلے لوگوں کے افسانے ہیں، ہرگز نہیں! بلکہ جو وہ (اعمال بد) کماتے ہیں اس نے اُن کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے، ہرگز نہیں! بے شک یہ لوگ اُس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روک دیے جائیں گے، پھر بلاشبہ وہ دوزخ میں جا داخل ہوں گے، پھر (اُن سے) کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جسے تم جھٹلاتے تھے، ہرگز نہیں! یقیناً نیکوکاروں کا نامۂ اعمال البتہ علیین (بہت ہی اونچے لوگوں کے دفتر) میں ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ

---

[1] تفسیر الطبری: 250/23. [2] تفسیر الطبری: 249/23. [3] تفسیر الطبری: 76/14 مختصرًا. [4] تفسیر الطبری: 249/23. [5] تفسیر الطبری: 249/23. [6] تفسیر الطبری: 249/23 والدر المنثور: 610/5.

فِیۡهَا بِفَاکِهَةٍ کَثِیۡرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ اَتۡرَابٌ ۝ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِیَوۡمِ الۡحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ۝ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِیۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ ﴾ (صٓ 38:49-55) ''یہ نصیحت ہے اور یقیناً پرہیز گاروں کے لیے تو عمدہ مقام ہے، ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے، اُن میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور (کھانے پینے کے لیے) بہت سے پھل اور شراب منگواتے رہیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی (اور) ہم عمر (عورتیں) ہوں گی، یہ وہ (جزا) ہے جس کا حساب کے دن کے لیے تم وعدہ دیے جاتے تھے، بے شک یہ البتہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا، یہ (نعمتیں تو فرماں برداروں کے لیے ہیں) اور بلا شبہ سرکشوں کے لیے البتہ برا ٹھکانا ہے۔''

اور اس طرح کے دیگر بہت سے سیاق، یہ سب کچھ ﴿ مَّثَانِیَ ﴾ کی مثالیں ہیں۔ یعنی وہ آیات جن کے الگ الگ معنی ہوں اور جب تمام سیاق ایک معنی میں ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے ہوں تو وہ متشابہ ہے اور یاد رہے اس سے وہ متشابہ مراد نہیں جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے: ﴿ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ ﴾ (آل عمرٰن 3:7) ''جس کی بعض آیتیں محکم (واضح) ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور (کچھ) دوسری متشابہ ہیں۔'' اس آیت کریمہ میں متشابہ کا لفظ کسی اور معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اس سے ان لوگوں کی کھالوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔'' یہ نیکو کار لوگوں کی صفت ہے کہ وہ جب اللہ جبار، نگہبان، غالب اور بخشنہار کے کلام کو سنتے ہیں اور جب وہ اس پاک کلام میں وعدو وعید اور خوف و سرزنش کو سنتے ہیں تو خوف و خشیت کے باعث ان کی کھالوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ﴿ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔'' کیونکہ وہ اس کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کے اُمیدوار ہوتے ہیں اور بدکار لوگوں سے یہ کئی طرح سے مختلف ہوتے ہیں، مثلاً:

(1) یہ لوگ آیات کی تلاوت کو سنتے ہیں اور وہ شعر و شاعری نغمات اور مغنیوں کی آواز سنتے ہیں۔

(2) انھیں جب رحمان کی آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ ادب، خشیت، اُمید، محبت، فہم اور علم کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے روتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَ مَغۡفِرَةٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۝ ﴾ (الأنفال 8:2-4) ''یقیناً مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں (اور) وہ جو نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انھیں دیا اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ سچے مومن ہیں (اور) ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ

کیا پھر جو شخص روز قیامت برے عذاب سے اپنے چہرے (کی ڈھال) کے ذریعے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے (وہ جنتی کے برابر ہوسکتا ہے؟) اور ظالموں

تَكْسِبُوْنَ ﴿24﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿25﴾

سے کہا جائے گا: تم (اس کا مزہ) چکھو جو تم کماتے تھے ﴿24﴾ جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے (دین حق کو) جھٹلایا تو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کا

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾

انھیں گمان تک نہ تھا ﴿25﴾ چنانچہ اللہ نے انھیں دنیاوی زندگی میں رسوائی چکھائی، اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت بڑا ہے، کاش! وہ جانتے ہوتے ﴿26﴾

وقف لازم

(بڑے بڑے) درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ ﴾ (الفرقان 73:25) ''اور وہ کہ جب انھیں ان کے پروردگار کی آیات کے ساتھ نصیحت کی جائے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور وفکر سے سنتے ہیں۔)'' یعنی آیات الٰہی کے سننے کے وقت وہ غافل اور لا پروا نہیں ہوتے بلکہ انھیں توجہ اور دھیان سے سنتے، انھیں سمجھتے اور ان کے معانی پر تدبر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ان (آیات) کے مطابق عمل کرتے ہیں، جہالت اور محض دوسروں کی متابعت کی وجہ سے نہیں بلکہ انھیں سن کر اور سمجھ کر علیٰ وجہ البصیرت اپنے رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

(3) وہ آیاتِ الٰہی کی سماعت کے وقت ادب کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تو اس سے ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے نرم ہو جایا کرتے تھے، وہ اس موقع پر نہ تو شور وغوغا کرتے اور نہ تکلف اور تصنع سے ایسی بات کو ظاہر کرتے جو حقیقت میں ان میں موجود نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ایسے ثبات وسکون اور ادب وخشیت کا اظہار فرماتے کہ کوئی اور اس معاملہ میں ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا، اسی لیے رب تعالیٰ نے ان کی تعریفیں کیں اور وہ دنیا و آخرت میں کامیاب وکامران ہو گئے۔

امام عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ امام قتادہ رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''اس سے ان لوگوں کی کھالوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ کی یاد کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔'' اور کہا کہ یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے، اللہ عزوجل نے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کی کھالوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے آرام پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان نہیں فرمائی کہ آیات سن کر ان کی عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں اور وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں، یہ اہل بدعت کی نشانی ہے اور یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ [1]

[1] تفسیر عبدالرزاق: 130/3، رقم: 2626.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ”یہی اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“ یعنی یہ اس شخص کی صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اور جس کا طرز عمل اس کے خلاف ہو تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا۔ ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ ”اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

تفسیر آیات: 24-26

تکذیب کرنے والوں کا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ”بھلا جو شخص قیامت کے دن اپنے چہرے (کی ڈھال) سے (اپنے آپ کو) برے عذاب سے بچاتا ہے“ اسے اور اس جیسے ظالموں سے کہا جائے گا: ﴿ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ ”تم (اس کا مزہ) چکھو جو تم کماتے تھے“ کیا وہ ویسا ہو سکتا ہے جو قیامت کے دن امن وچین میں ہو؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الملک 22:67) ”تو کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل الٹا ہو کر چلتا ہے، وہ زیادہ ہدایت والا ہے یا وہ جو درست رستے پر سیدھا چلتا ہے؟“ اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴾ (القمر 48:54) ”جس روز وہ اپنے چہروں کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے (کہا جائے گا:) تم آگ کی تکلیف (کا مزہ) چکھو۔“ اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:40) ”بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن وامان سے آئے گا؟“

اور پیش نظر اس آیت کریمہ میں ان دونوں قسموں میں سے ایک ہی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ”جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آیا (جہاں سے) وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔“ یعنی انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی سابقہ قوموں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے انھیں کوئی بچانے والا نہ تھا۔

﴿ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ”چنانچہ اللہ نے انھیں دنیاوی زندگی میں رسوائی چکھائی۔“ یعنی اس تباہی و بربادی اور عذاب کے ذریعے سے جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کیا اور انھیں تباہ و برباد کر کے اپنے مومن بندوں کے دلوں کو تسکین بخشی، لہٰذا قرآن مجید کے مخاطب لوگوں کو بھی ڈرنا چاہیے کہ وہ تو اس پاک پیغمبر کی تکذیب کر رہے ہیں جو اشرف الرسل اور خاتم الانبیاء ﷺ ہیں، نیز انھیں اس عذاب شدید سے بھی ڈرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھا ہے اور وہ اس عذاب کی نسبت کہیں زیادہ ہولناک ہے جو دنیا میں لوگوں پر آیا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ”اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ لوگ جانتے ہوتے۔“

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿27﴾ قرآن عربی (زبان) میں ہے، کجی والا

غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿28﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ

نہیں، شاید وہ ڈریں ﴿28﴾ اللہ نے ایک آدمی (غلام) کی مثال بیان کی جس میں کئی باہم اختلاف رکھنے والے شریک ہیں، اور ایک دوسرا آدمی

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿29﴾

جو خالص ایک ہی شخص کا (غلام) ہے، کیا (ان) دونوں کی حالت یکساں ہوسکتی ہے؟ (نہیں) الحمد للہ! بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿29﴾

3 ع 10 17 اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿30﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿31﴾

(اے نبی!) بلاشبہ آپ بھی مرنے والے ہیں، اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں ﴿30﴾ پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے ﴿31﴾

تفسیر آیات: 31-27

شرک کی مثالیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ﴾ ''اور یقیناً ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے۔'' یعنی قرآن مجید میں ہم نے مثالیں بیان کر کے سمجھایا ہے ﴿ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔'' کیونکہ مثال سے معنی ذہنوں کے زیادہ قریب ہوجاتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ (الروم 28:30) ''اس نے تمھارے لیے تمھارے نفسوں میں سے ایک مثال بیان کی ہے۔'' یعنی جسے تم اپنے نفسوں سے جانتے ہو اور فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ ﴾ (العنکبوت 43:29) ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں تو علم والے ہی سمجھتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ﴾ ''(یہ) قرآن عربی ہے جس میں کوئی کجی (اور اختلاف) نہیں۔'' یعنی یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی عیب، انحراف اور اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ بیان، وضاحت اور برہان ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح بنایا اور نازل فرمایا ہے ﴿ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''تاکہ وہ ڈریں۔'' یعنی اس میں بیان کردہ وعیدوں سے ڈریں اور اس کے وعدوں کے مطابق عمل کریں، پھر فرمایا: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ ﴾ ''اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں ایک دوسرے سے جھگڑنے والے کئی (آدمی) شریک ہیں۔'' اور وہ اس مشترک غلام کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، ﴿ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ ﴾ ''اور ایک ایسا شخص (غلام) جو ایک ہی شخص کے لیے خاص ہے۔'' اور وہ خالص اسی کا ہے اور اس کے سوا اس کا اور کوئی مالک نہیں ﴿ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ ﴾ ''کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟'' یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئی معبودوں کی پوجا کرنے والا مشرک اور وہ مومن مخلص جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی عبادت کرتا ہو برابر نہیں ہوسکتے، بھلا مشرک کو مومن سے کیا نسبت؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں مشرک اور مومن مخلص کی مثال

بیان کی گئی ہے۔① یہ مثال بالکل ظاہر، واضح اور روشن تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ ’’تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں‘‘ جس نے ان پر حجت قائم فرمادی ہے۔ ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ’’بلکہ ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے‘‘ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات اور قریش......؟: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ ’’(اے پیغمبر!) بلاشبہ آپ بھی مرجانے والے ہیں اور بے شک وہ بھی مرجانے والے ہیں۔‘‘ یہ آیت کریمہ ان آیات میں سے ہے جن کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت استدلال کیا تھا اور جس کی وجہ سے لوگوں کو بھی آپ کی وفات کا یقین ہو گیا تھا اور اس آیت کریمہ کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جس دوسری آیت سے استدلال کیا تھا وہ یہ ہے: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:144) ’’اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) رسول ہیں، تحقیق ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر یہ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ (مرتد ہو جاؤ گے؟) اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پھر جائے گا تو وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو جزا دے گا۔‘‘

اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں یقینی طور پر اس دنیا سے منتقل کر کے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع کیا جائے گا، پھر تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اس توحید اور شرک کے بارے میں جھگڑو گے جسے تم نے دنیا میں اختیار کیا ہوا تھا تو وہ تمھارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور انصاف کے ساتھ ہی فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ انصاف فرمانے والا اور جاننے والا ہے، وہ اپنے مومن، مخلص اور مواحد بندوں کو نجات عطا فرمائے گا اور کفر وانکار اور شرک وتکذیب کرنے والوں کو عذاب دے گا۔ اس آیت کریمہ کا سیاق اگرچہ مومنوں، کافروں اور آخرت میں ان کے جھگڑے کے بارے میں ہے لیکن یہ دنیا میں تمام جھگڑنے والوں کو بھی شامل ہے کہ آخرت میں ان کے جھگڑے کو ان پر لوٹا دیا جائے گا۔

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾ ’’پھر بلاشبہ تم (سب) قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس جھگڑو گے۔‘‘ تو زبیر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا ہمارا جھگڑا پھر شروع ہو جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَعَم] ’’ہاں‘‘ تو زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: پھر تو معاملہ بہت سخت ہو گا۔②

امام احمد رحمہ اللہ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾ ’’بلاشبہ آپ مرنے والے ہیں اور بے شک وہ

① تفسير الطبري : 254/23. ② تفسير عبدالرزاق : 132/3، رقم : 2631 وتفسير ابن أبي حاتم : 3250/10 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الزمر، حديث : 3236 .

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾

پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور سچائی کو جھٹلایا جبکہ وہ اس کے پاس آگئی، کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ ﴿32﴾

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿33﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

اور جو شخص سچائی (دین حق) لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی، وہی لوگ متقی ہیں ﴿33﴾ ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ (سب کچھ) ہے

ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿34﴾ ۚۖ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ

جو وہ چاہیں گے، نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے ﴿34﴾ تاکہ اللہ ان سے وہ برائیاں دور کر دے جو انھوں نے کیں اور انھیں ان کا اجر بہترین اعمال

الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿35﴾

کے مطابق دے جو وہ کرتے رہے تھے ﴿35﴾

(بھی) مرنے والے ہیں، پھر بے شک تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔'' تو زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا گناہوں کے ساتھ ساتھ ہمارے دنیا کے جھگڑوں کو بھی ہم پر لوٹا دیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَعَمْ، لَيُكَرَّرَنَّ عَلَيْكُمْ حَتّٰى يُؤَدّٰى إِلٰى كُلِّ ذِي حَقٍّ حَقُّهُ] ''ہاں، (تمھارے جھگڑوں کو بھی) تم پر البتہ ضرور لوٹا دیا جائے گا تاکہ ہر حق دار کو اس کا حق دلا دیا جائے۔'' زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کی قسم! یہ معاملہ تو بہت سخت ہوگا۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''پھر بلا شبہ تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ سچا جھوٹے سے، مظلوم ظالم سے، ہدایت یافتہ گمراہ سے اور کمزور طاقتور سے جھگڑا کرے گا۔[3] اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑا کریں گے حتی کہ روح اپنے جسم سے جھگڑا کرے گی، روح جسم سے کہے گی کہ تو نے یہ کام کیا تھا اور جسم روح سے کہے گا کہ تو نے ہی مجھے اس کا حکم دیا اور اسے مزین کر کے دکھایا تھا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا جو ان کا فیصلہ کرتے ہوئے کہے گا کہ تم دونوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص اپاہج مگر بینا ہو اور دوسرا نابینا ہو اور وہ دونوں ایک باغ میں داخل ہو گئے ہوں، اپاہج نے اندھے سے کہا کہ میں یہاں باغ میں لگے ہوئے پھل دیکھ رہا ہوں مگر میں انھیں توڑ نہیں سکتا تو نابینا نے اس سے کہا کہ مجھ پر سوار ہو کر انھیں توڑ لو تو اپاہج نے نابینا پر سوار ہو کر توڑ لیے تو بتاؤ کہ ان دونوں میں سے کون مجرم ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ دونوں ہی مجرم ہیں، فرشتہ ان سے کہے گا کہ اپنے بارے میں تم نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے، یعنی جسم ایسے ہے جیسے سواری ہو اور روح کی مثال ایسے ہے جیسے سوار ہو۔[4]

اور امام ابن ابوحاتم نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل

① مسند أحمد : 167/1. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الزمر، حديث : 3236. ③ تفسير الطبري : 3/24. ④ الدر المنثور : 614/5.

ہوئی: ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾ ''پھر بلا شبہ تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔'' تو ہم نے عرض کی کہ ہم کن لوگوں سے جھگڑیں گے؟ ہمارے اور اہل کتاب کے مابین تو کوئی جھگڑا نہیں تو پھر ہم کن سے جھگڑیں گے؟ حتی کہ فتنہ رونما ہو گیا، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہے وہ جس کا ہمارے رب تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم اس کے بارے میں جھگڑیں گے۔ ① اور اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ②

تفسیر آیات: 32-35

جھوٹے اور سچے لوگوں کا بدلہ: اللہ عزوجل نے ان مشرکین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے افترا پردازی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی بنائے، دعویٰ کیا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا بھی بنایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی اس بات سے بہت بلند و بالا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس حق کی تکذیب بھی کی جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ أَجْمَعِینَ کی زبانی ان کے پاس آیا تھا تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ﴾ ''پس اس سے بڑھ کر کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اُس کے پاس آئے تو اسے جھٹلائے؟'' یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے باطل کی دونوں حدوں کو جمع کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا، باطل بات کو اختیار کیا اور حق کو رد کر دیا، اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟'' یعنی منکروں اور تکذیب کرنے والوں کا، پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ ﴾ ''اور جو سچائی کے ساتھ آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔'' مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور ابن زید کا قول ہے کہ سچی بات لے کر آنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ③ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی کہا ہے کہ سچی بات لے کر آنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے مسلمان۔ ④

﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ ''وہی لوگ متقی ہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی وہ لوگ جو شرک سے بچ گئے۔ ⑤ ﴿ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''وہ جو چاہیں گے اُن کے لیے ان کے پروردگار کے پاس (موجود) ہے۔'' یعنی جنت میں جو طلب کریں گے اسے موجود پائیں گے۔ ﴿ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۚ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''نیکوکاروں کا یہی بدلہ ہے تاکہ اللہ ان سے ان برائیوں کو جو انھوں نے کیں، دور کر دے اور انھیں ان نیک کاموں کا بدلہ دے جو وہ کرتے رہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3251,3250/10. ② السنن الکبری للنسائي، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾: 445/6، حدیث: 11447. ③ تفسیر الطبري: 6,5/24 و تفسیر ابن أبي حاتم: 3251/10. ④ تفسیر الطبري: 6/24. ⑤ تفسیر الطبري: 7/24.

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ اور وہ آپ کو ان (معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو (انھوں نے) اللہ کے سوا (بنا رکھے) ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کر دے

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ ﴿36﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي

تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿36﴾ اور جسے اللہ ہدایت دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ نہایت غالب، انتقام لینے والا نہیں؟ ﴿37﴾ اور اگر

انْتِقَامٍ ﴿37﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ

آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو! جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر

مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ

اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ (تمھارے باطل معبود) اس کی (پہنچائی ہوئی) تکلیف دور کر سکتے ہیں؟ یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿38﴾ قُلْ

رحمت کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دیجیے: مجھے اللہ کافی ہے، بھروسا کرنے والے اسی پر بھروسا کرتے ہیں ﴿38﴾ کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنے طریقے

يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿39﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

(اور حالت) پر عمل کرو، بے شک میں (اپنے طریقے پر) عمل کرنے والا ہوں، چنانچہ جلد تم جان لو گے ﴿39﴾ کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے،

يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿40﴾

اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب اترتا ہے ﴿40﴾

يُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ (الأحقاف 16:46) ''یہی لوگ ہیں کہ ہم ان سے وہ اچھے سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انھوں نے کیے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرماتے ہیں (اور یہی) اہل جنت میں (ہوں گے) سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا۔''

تفسیر آیات: 36-40

اللہ اپنے بندے کو کافی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ ﴾ ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟'' بعض نے ﴿ عَبْدَهٗ ؕ ﴾ کو [عباده] بھی پڑھا ہے۔[1] یعنی اللہ تعالیٰ اسے کافی ہے جو اس کی عبادت کرے اور اس کی ذات پاک پر بھروسا رکھے۔ ﴿ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ ﴾ ''اور وہ آپ کو ان لوگوں سے جو اس کے سوا ہیں (غیر اللہ سے) ڈراتے ہیں۔'' مشرکین اپنی جہالت اور ضلالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ان بتوں اور معبودوں سے ڈرایا کرتے تھے جنھیں وہ پوجا کرتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿36﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿37﴾ ﴾ ''اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ غالب (اور) بدلہ لینے والا نہیں ہے؟'' یعنی وہ مضبوط و مستحکم سہارا ہے جو اس کی جناب میں پناہ لے اور اس کے باب عالی پر جھک جائے وہ محروم نہیں رہ سکتا، وہ اس قدر غالب ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں اور

[1] تفسير القرطبي: 257/15 وتفسير الطبري: 8/24.

جو اس کی ذات پاک کے ساتھ کفر کرے، اس کے ساتھ شرک کرے اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی کرے تو اس سے بڑھ کر کوئی انتقام لینے والا بھی نہیں۔

مشرکین کا توحید ربوبیت کا اعتراف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے۔'' یعنی مشرکین بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ اللہ عزوجل ہی تمام اشیاء کا خالق ہے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی پوجا بھی کرتے تھے جو ان کے لیے نفع ونقصان کی قطعاً مالک نہ تھیں، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو! جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کسی تکلیف (پہنچانے) کا ارادہ کرے تو کیا وہ اس کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا (اگر) وہ میرے لیے مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟'' یعنی وہ تو کسی چیز کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

اور امام ابن ابوحاتم نے اسی مقام پر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ (میں ایک دن سواری پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا:) [اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، تَعَرَّفْ إِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ، يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَضُرُّوكَ، وَلَوِاجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ لَكَ، لَمْ يَنْفَعُوكَ، جَفَّتِ الصُّحُفُ وَرُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَاعْمَلْ لِلّٰهِ بِالشُّكْرِ فِي الْيَقِينِ، وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا، وَّأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا] ''اللہ (کے دین) کی حفاظت کرو وہ تمھاری حفاظت فرمائے گا، اللہ (کے دین) کی حفاظت کرو اسے اپنے سامنے پاؤ گے، اللہ تعالیٰ کو آسودگی میں پہچانو وہ سختی میں تجھے جانے گا، جب مانگو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو، جب مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرو اور خوب جان لو کہ اگر ساری امت اس بات پر جمع ہو جائے کہ تجھے کسی ایسی چیز کے ساتھ نفع پہنچائے جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے نہ لکھا ہو تو تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ سب کے سب جمع ہو جائیں کہ تجھے کسی ایسی چیز کے ساتھ نقصان پہنچائیں جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے نہیں لکھ رکھی تو وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، قلموں کو اٹھا لیا گیا ہے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو گئے اور یقین کے ساتھ شکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے عمل کرو اور خوب جان لو کہ اس چیز پر صبر کرنے میں جسے تم پسند نہ کرو بہت بہتری ہے اور یہ کہ فتح ونصرت صبر ہی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور تنگ دستی کے ساتھ کشادگی ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''[1]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم : 3251/10 مزید دیکھیے مسند أحمد :308,307/1 و جامع الترمذي، صفة القيامة، باب [حديث حنظلة......]، حديث:2516 و شعب الإيمان للبيهقي ، باب في الرجاء من الله تعالى:27/2، حديث : 1074 و كتاب السنة لابن أبي عاصم، باب في قوله ﷺ لعبدالله بن جعفر......، حديث : 315 .

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا

بلا شبہ ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر (یہ) کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، پھر جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوا، تو بس اس

يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿41﴾ ع اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ ع 4/10/1

کی گمراہی (کا وبال) اسی پر ہے، اور آپ ان کے ذمے دار نہیں ﴿41﴾ اللہ ہی موت کے وقت جانیں قبض کرتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی ہوتی، اسے اس

تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ

کی نیند میں (قبض کرتا ہے) پھر وہ اس (روح) کو روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہو، اور دوسری کو ایک مقرر وقت تک (واپس) بھیج دیتا

مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿42﴾

ہے، بلا شبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿42﴾

﴿ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ ﴾ یعنی مجھے اللہ ہی کافی ہے میں نے اسی پر بھروسا کیا اور بھروسا کرنے والے پس چاہیے کہ اسی پر بھروسا کریں جیسا کہ ہود علیہ السلام نے فرمایا تھا، جب ان کی قوم نے ان سے کہا تھا: ﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ﴾ (ہود 11:54-56) ”ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے کسی برائی (دماغی خلل) میں مبتلا کر دیا ہے، انھوں نے کہا: بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ یقیناً میں ان سے بری ہوں جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ اس (اللہ) کے سوا، لہٰذا تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو، بے شک میں اللہ پر جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے بھروسا کرتا ہوں، جو بھی (زمین پر) چلنے پھرنے والا (جاندار) ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ ﴾ ”کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرو۔“ یعنی تم اپنے طریقے کے مطابق عمل کیے جاؤ، یہ ایک تہدید اور وعید ہے۔ ﴿ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ ﴾ ”میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں۔“ یعنی اپنے طریقے اور پروگرام کے مطابق۔ ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ ﴾ ”پس عنقریب تم جان لو گے۔“ یعنی اس کا وبال اور انجام تم عنقریب معلوم کر لو گے۔ ﴿ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ ﴾ ”کس پر عذاب آتا ہے؟ (جو) اسے رسوا کرے گا۔“ یعنی دنیا میں۔ ﴿ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿40﴾ ﴾ ”اور کس پر ہمیشہ کا عذاب اترتا ہے۔“ ایسا دائمی اور ابدی عذاب جس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور یہ عذاب قیامت کے دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

تفسیر آیات: 42,41

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ ”بلا شبہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے۔“ یعنی قرآن مجید ﴿ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ ﴾ ”لوگوں (کی ہدایت) کے لیے سچائی کے ساتھ۔“ یعنی اسے تمام

مخلوقات انس وجن کے لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ اس کے ساتھ انھیں ڈرائیں۔ ﴿ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ﴾ ''پھر جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی (بھلے کے) لیے۔'' یعنی ہدایت کا نفع اسی کو ہوگا۔ ﴿ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ﴾ ''اور جو گمراہ ہوا تو وہ اسی (اپنے نقصان) پر گمراہ ہوتا ہے۔'' یعنی اس کی اس گمراہی کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے۔ ﴿ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) آپ ان پر کوئی ذمہ دار نہیں ہیں'' کہ انھیں ضرور ہدایت پر لے آئیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۟ ﴾ (ھود 12:11) ''(اے محمد!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ ﴾ (الرعد 40:13) ''پس آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کو) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہی مارتا اور زندہ کرتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ جس طرح چاہتا ہے اس کائنات میں تصرف فرماتا ہے اور وہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور بدنوں سے روحوں کو قبض کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے، اسی طرح نیند کے وقت وہ انسان پر ایک چھوٹی موت بھی طاری فرما دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 61,60:6) ''اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمھیں فوت کرتا ہے اور جو کچھ تم نے دن میں کمایا اسے جانتا ہے، پھر تمھیں اس (دن) میں اٹھا دیتا ہے تا کہ مدت مقررہ پوری کر دی جائے، پھر تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں اس کی خبر دے گا جو عمل تم کرتے تھے۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر محافظ بھیجتا ہے حتی کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو ہمارے رسول (فرشتے) اُسے فوت کرتے ہیں اور وہ (کسی طرح کی بھی) کوتاہی نہیں کرتے۔''

اس آیت میں بھی چھوٹی اور بڑی دو موتوں کا ذکر ہے اور پہلے بڑی، پھر چھوٹی موت کا ذکر کیا اور بیان فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ﴾ ''اللہ ہی جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان (روحوں) کو بھی جو مریں نہیں ان کی نیند میں (قبض کر لیتا ہے)، پھر اس نے جس پر موت کا فیصلہ کیا ہوا سے روک لیتا ہے اور باقی (روحوں) کو ایک وقت مقرر تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ روحیں ملاء اعلیٰ میں جمع ہوتی ہیں جیسا کہ اس کا اس مرفوع حدیث میں ذکر ہے جسے امام ابن مندہ وغیرہ نے روایت کیا ہے [1] اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا أَوٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى فِرَاشِهٖ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهٗ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهٖ، فَإِنَّهٗ لَا يَدْرِي مَا خَلَفَهٗ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: بِاسْمِكَ رَبِّي! وَضَعْتُ جَنْبِي، وَبِكَ أَرْفَعُهٗ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا

① الروح لابن قيم الجوزية، ص : 50 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ موقوفًا.

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿43﴾

کیا انھوں نے اللہ کے سوا سفارشی بنا رکھے ہیں؟ کہہ دیجیے: خواہ وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہوں (پھر بھی وہ سفارشی ہیں؟) ﴿43﴾

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿44﴾ وَاِذَا

کہہ دیجیے: ساری سفارش اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿44﴾ اور جب

ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ

تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ ہوتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس

دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿45﴾

وقت وہ بڑے خوش ہوتے ہیں ﴿45﴾

فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ] ''جب تم میں سے کوئی (سونے کے لیے) اپنے بستر کی طرف آئے تو اپنے بستر کو اپنی چادر کے اندرونی حصے کے ساتھ جھاڑے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اپنے پیچھے اس نے اس میں کیا چھوڑا ہے اور پھر یہ دعا پڑھے: تیرے (پاک) نام کے ساتھ اے میرے رب! میں نے اپنے پہلو کو رکھا ہے اور تیرے (حکم کے) ساتھ ہی میں اسے اٹھاؤں گا، اگر تو نے میری روح کو روک لیا تو اس پر رحم فرمانا اور اگر چھوڑ دیا تو اس کی اس طرح حفاظت فرمانا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔''①

﴿ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ﴾ ''پھر اس نے جس پر موت کا فیصلہ کیا اسے روک لیتا ہے۔'' یعنی ان روحوں کو جو مر چکی ہوتی ہیں اور دوسری روحوں کو ایک مدت مقررہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے، سُدی کہتے ہیں: یعنی ان کی باقی مدت کے لیے۔② اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ وہ مردوں کی روحوں کو روک رکھتا اور زندوں کی روحوں کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے کسی غلطی کا صدور نہیں ہوتا۔③ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''جو لوگ غور وفکر کرتے ہیں ان کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیات: 43-45

سفارش اللہ ہی کے اختیار میں ہے: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ انھوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لیے ہیں۔ اور سفارشی ان کے وہ بت اور شریک ہیں جنھیں انھوں نے از خود کسی دلیل و برہان کے بغیر اپنا سفارشی بنا لیا ہے، حالانکہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، ان میں نہ عقل ہے جس سے کام لے سکیں، نہ کان ہیں جن سے سن سکیں، نہ آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں کیونکہ یہ جمادات ہیں جن کا حیوانات سے بھی زیادہ برا حال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیں'' اے محمد (ﷺ!) ان گمان کرنے والوں سے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے سفارشی بنا رکھے ہیں اور انھیں بتا دیں

① صحیح البخاری، الدعوات، باب: 13، حدیث: 6320 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء......، باب الدعاء عند النوم، حدیث: 2714. ② تفسیر الطبری: 12/24. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 3252/10 و الدر المنثور: 617,616/5.

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ

آپ کہیے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، چھپے اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے

فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿46﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ

گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ﴿46﴾ اور اگر ان ظالموں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو وہ روز قیامت

مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

برے عذاب سے (بچنے کے لیے) اسے ضرور فدیے میں دے دیں، اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ (عذاب) ظاہر ہو جائے گا جس کا وہ گمان بھی

يَحْتَسِبُوْنَ ﴿47﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿48﴾

نہیں کرتے تھے ﴿47﴾ اور ان کے لیے ان کے عملوں کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انھیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿48﴾

کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت اسی کو نفع دے سکتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور اجازت عطا فرما دے، یعنی اس کا سب انحصار اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت پر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ ﴾ (البقرة 2:255) ''کون ہے وہ جو اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے؟'' ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''اس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔'' یعنی ان سب میں صرف اسی کا تصرف ہے۔ ﴿ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن جبکہ وہ تمھارے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ ﴾ ''اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔'' یعنی جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں ﴿ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل (توحید الٰہی سے) نفرت کرتے (تنگ پڑ جاتے) ہیں۔'' مجاہد نے کہا ہے: ﴿ اشْمَاَزَّتْ ﴾ کے معنی ہیں: تنگ ہو جاتے ہیں۔ [1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 35:37) ''بلاشبہ وہ (اس حال میں) تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے۔'' اور اتباع و اطاعت نہیں کرتے تھے، اُن کے دل خیر کو قبول نہیں کرتے تھے اور جو خیر کو قبول نہ کرے تو وہ شر کو قبول کر لیتا ہے، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ ﴾ ''اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس کے علاوہ ہیں۔'' یعنی بتوں اور شریکوں کا، یہ مجاہد کا قول ہے۔ [2] ﴿ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''(تو) اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں۔'' اور فرحت و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 46-48

دعا کا طریقہ: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی شرک سے محبت اور توحید سے نفرت کی وجہ سے مذمت کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اللہ! (اے) آسمانوں اور زمین کے

① تفسیر الطبری: 14/24. ② تفسیر الطبری: 14/24 عن السُّدّی.

پیدا کرنے والے! (اور) پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے!'' یعنی تم اس اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو پکارو جس نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اور کسی سابقہ مثال کے بغیر انھیں وجود بخشا ہے، ﴿ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ یعنی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، ﴿ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان (باتوں) کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔'' یعنی دنیا میں جن امور میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں تو ان کے قبروں سے اُٹھنے کے دن ان کے مابین فیصلہ فرمادے گا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو قیام فرماتے تو نماز کا افتتاح کس چیز کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو قیام کرتے تو اس دعا سے افتتاح فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ! فَاطِرَالسَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ! عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ! أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ] ''اے اللہ! جبرائیل و میکائیل و اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے! پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور حق کے بارے میں جو اختلاف (دنیا میں) ہو رہا ہے، اس میں اپنے حکم کے ساتھ میری رہنمائی فرما، بے شک تو جسے چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔''[1]

روز قیامت کوئی فدیہ قبول نہیں ہوگا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ ﴾ ''اور اگر ظالموں کے پاس وہ سب ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہو۔'' ظالموں سے مراد مشرکین ہیں، یعنی اگر ان کے پاس زمین کا سارا مال و متاع ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہو ﴿ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ ﴾ ''تو اسے برے عذاب سے (خلاصی پانے کے لیے) ضرور فدیے میں دے دیں'' جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ان کے لیے واجب قرار دے رکھا ہے لیکن ان سے اس کے بدلے میں کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ ساری زمین کے بقدر سونا ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔[2] پھر (یہاں) اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾ ''اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ (عذاب) ظاہر ہو جائے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے۔'' یعنی انھیں ایسا عبرت ناک عذاب دیا جائے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ﴿ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ﴾ ''اور ان کے لیے ان (اعمال) کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی جو انھوں نے کمایا۔'' یعنی دنیا میں انھوں نے جو گناہ اور حرام کام کیے تھے، ان کی سزا ان کے سامنے ہوگی، ﴿ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ ''اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑاتے تھے، وہ انھیں آگھیرے گا۔'' یعنی جس

---

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین......، باب صلاۃ النبی ﷺ ودعائه باللیل، حدیث: 770. [2] دیکھیے آل عمرٰن، آیت: 91.

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ

پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا کر دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے: بس مجھے تو

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿49﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ

یہ (میرے) علم کی بدولت دی گئی ہے، (نہیں) بلکہ وہ تو ایک آزمائش ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿49﴾ تحقیق یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿50﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ

جو ان سے پہلے ہوئے، پھر ان کے کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے ﴿50﴾ چنانچہ انھیں ان کے عملوں کی سزا ملی اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا، جلد انھیں بھی

مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿51﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ

ان کے عملوں کی سزا ملے گی، اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿51﴾ کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے، اور

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ ع 5 11 2

تنگ کرتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ﴿52﴾

عذاب کا یہ لوگ دنیا میں مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ انھیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔

تفسیر آیات: 49-52

انسان کی مختلف حالتیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ تکلیف کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور الحاح وزاری کرتا، اس کی طرف رجوع کرتا اور اس سے دعا کرتا ہے اور جب وہ اپنی نعمتوں سے سرفراز فرما دیتا ہے تو وہ بغاوت وسرکشی کو اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے: ﴿ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ ﴾ ''یہ (نعمت) تو مجھے علم ہی کی بدولت دی گئی ہے۔'' یعنی مجھے یہ اس لیے ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میں اس کا استحقاق رکھتا ہوں اور اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھے خصوصی مرتبہ حاصل نہ ہوتا تو وہ مجھے اس سے نہ نوازتا۔ امام قتادہ نے ﴿ عَلٰى عِلْمٍ ؕ ﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں: یہ (نعمت) تو مجھے اس بھلائی کی بدولت دی گئی ہے جو میرے پاس ہے۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ ﴾ ''(نہیں) بلکہ وہ آزمائش ہے۔'' یعنی بات اس طرح نہیں جو اس نے گمان کی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے اسے اس نعمت سے اس لیے نوازا ہے تاکہ اس کی آزمائش کریں کہ یہ اطاعت کرتا ہے یا نافرمانی، حالانکہ ہمیں اس کے بارے میں پہلے ہی سے یہ معلوم بھی ہے پس یہ مال و دولت اس کے لیے آزمائش ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿49﴾ ﴾ ''مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔'' اسی لیے یہ اس طرح کی باتیں کہتے اور اس طرح کے دعوے کرتے ہیں۔ ﴿ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''تحقیق ان لوگوں نے بھی یہی کہا جو ان سے پہلے تھے۔'' یعنی سابقہ امتوں نے بھی یہی بات کی، یہی گمان کیا اور یہی دعوے کیے تھے، ﴿ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿50﴾ ﴾ ''پس جو کچھ وہ کماتے تھے اُن کے کچھ کام بھی نہ آیا۔'' یعنی نہ تو ان کی بات صحیح ثابت ہوئی اور نہ ان کی جماعتیں اور ان کے مال ہی ان کے کچھ کام آئے۔ ﴿ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ ﴾ ''پس ان کو اُن

[1] تفسير الطبري : 24/16.

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ

آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم وزیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ

جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (53) وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (53) اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ اس سے

الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (54) وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی (54) اور تم اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (55) اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ

ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے جبکہ تمھیں (اس کی) خبر تک نہ ہو (55) (ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص کہے: ہائے افسوس! اس پر جو میں نے اللہ کے حق

وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ (56) اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (57) اَوْ تَقُوْلَ

(اطاعت) میں کوتاہی کی، اور بلاشبہ میں مذاق اڑانے والوں میں رہا (56) یا وہ کہے: اگر بے شک اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقیوں میں سے

حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (58) بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ

ہو جاتا (57) یا وہ جس وقت عذاب دیکھے تو یہ کہے: کاش کہ میرے لیے ایک بار لوٹنا ہو تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاؤں (58) (اللہ فرمائے گا:) کیوں نہیں!

بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (59)

تیرے پاس میری آیات آئیں تو تو نے انھیں جھٹلایا، اور تو نے تکبر کیا، اور تو کافروں میں سے تھا (59)

(عملوں) کی برائیاں پہنچیں جو انھوں نے کمائے تھے اور وہ لوگ جنھوں نے ان میں سے ظلم کیا۔'' یعنی ان مخاطب لوگوں میں سے ﴿سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ﴾ ''اُن کو ان (عملوں) کی برائیاں عنقریب پہنچیں گی جو انھوں نے کمائے۔'' جیسا کہ سابقہ لوگوں کو پہنچیں تھیں، ﴿وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (51)﴾ ''اور وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قارون کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا تھا: ﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ○﴾ (القصص 28:76-78) ''اتراؤ مت، یقیناً اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو (مال) تمھیں اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر تلاش کرو اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلاؤ اور (لوگوں پر) احسان کرو جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اور زمین میں طالب فساد نہ ہو، بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، وہ بولا: میں وہ (مال) اس علم کی بنا پر دیا گیا ہوں جو میرے پاس ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ یقیناً اللہ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں، ہلاک کر ڈالی ہیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ

﴿ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ ﴾ (سبا 35:34) ’’اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم مال اور اولاد میں (تم سے) زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ ﴾ ’’کیا اُنھوں نے نہیں جانا کہ اللہ ہی جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔‘‘ یعنی کچھ لوگوں کے لیے رزق کو کشادہ اور کچھ کے لیے تنگ کر دیتا ہے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ ’’بے شک اس میں البتہ ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔‘‘ یعنی اس میں عبرت کا بہت سا سامان اور دلائل و براہین ہیں۔

تفسیر آیات: 53-59

عذاب کے آنے سے قبل توبہ کی دعوت: یہ آیت کریمہ کافروں اور دیگر تمام نافرمانوں کے لیے توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی دعوت ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص گناہوں سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، خواہ گناہ کتنے ہی بڑے اور سمندر کی جھاگ کی طرح زیادہ کیوں نہ ہوں، توبہ کے بغیر اس بات کو کسی اور چیز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ جو شخص شرک سے توبہ نہ کرے اس کا گناہ معاف نہیں ہو سکتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے قتل کیے اور بہت کیے اور زنا کیے اور خوب کیے، پھر وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ آپ جو کہتے اور جس کی دعوت دیتے ہیں یہ بہت خوب ہے لیکن اے کاش کہ آپ یہ بھی فرما دیں کہ ہمارے سابقہ اعمال کا کفارہ کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ …… ﴾ الآیة (الفرقان 68:25) ’’اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان کو (مارنا) اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور وہ بدکاری نہیں کرتے ……‘‘

اور اسی موقع پر یہ آیت کریمہ بھی نازل فرمائی: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ’’(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیں کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔‘‘[1] امام مسلم، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] یاد رہے پہلی آیت سے مراد درج ذیل الفاظ کی طرف اشارہ ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (الفرقان 70:25) ’’مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ (الزمر 53:39)، حديث : 4810 . ② صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله……، حديث : 122 و سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المؤمن ، حديث : 4274 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا …… ﴾ الآية : 446/6، حديث : 11449.

امام احمد رحمہ اللہ نے اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا: [إِنَّهٗ عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ] ''یقیناً اس نے غیر صالح عمل کیے۔'' یعنی نوح علیہ السلام کی دعا کے باوجود ان کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے معاف نہ فرمایا اور میں نے آپ کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے بھی سنا: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ ﴾ ''(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دیں کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا، اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے'' اور وہ کوئی پروا نہیں کرتا۔ ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ ''بلاشبہ وہ تو بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔''[1] اسے امام ابوداود اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے ذریعے سے سابقہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، لہٰذا کسی بھی بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، خواہ اس کے گناہ کیسے بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور توبہ کا دروازہ بھی بے حد وحساب وسیع ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ (التوبة 104:9) ''کیا انھوں نے نہیں جانا کہ یقیناً اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (النسآء 110:4) ''اور جو کوئی برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بہت بخشنے والا (اور) خوب مہربان پائے گا۔''

اور اللہ جل وعلا نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا...... ﴾ الآية (النسآء 146,145:4) ''کچھ شک نہیں کہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ ان کے لیے کوئی مددگار ہرگز نہیں پائیں گے، سوائے ان کے جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی......۔''

اور اللہ جل جلالہ نے (عیسائیوں کے متعلق) فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ﴾ (المآئدة 73:5) ''بلاشک وشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا: اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور اگر یہ لوگ اس چیز سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو اُن میں جو کافر ہوئے ہیں انھیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔'' پھر اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (المآئدة 74:5) ''تو کیا پھر وہ اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے (گناہوں کی) معافی نہیں مانگتے؟ اور اللہ

---

① مسند أحمد: 454/6. ② سنن أبي داود، الحروف والقراءات، باب:1، حديث: 3983,3982 وجامع الترمذي، القراءات، باب ومن سورة هود، حديث: 2932,2931.

تو بخشنے والا مہربان ہے۔'' اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا...... ﴾ الآیۃ (البروج 10:85) ''بے شک وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا پھر توبہ نہ کی......''

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس جود وکرم کو تو دیکھو کہ لوگوں نے تو اس کے دوستوں کو قتل کیا اور وہ انھیں توبہ ومغفرت کی دعوت دے رہا ہے۔ اس موضوع سے متعلق بہت سی اور بھی آیات کریمہ ہیں۔ اور صحیحین میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث مروی ہے جس میں آپ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، پھر اسے ندامت ہوئی اور اس نے بنی اسرائیل کے ایک عابد سے پوچھا: کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں تو اس نے اسے بھی قتل کر کے سو کی گنتی کو پورا کر دیا، پھر اس نے ان کے ایک عالم سے پوچھا: کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تمھارے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ پھر اس نے اسے ایک بستی میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا، وہ اس بستی کی طرف جا رہا تھا کہ اسے رستے میں موت آ گئی تو رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے اس کے بارے میں جھگڑا کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ دونوں زمینوں کی پیمائش کر لو جس زمین کے وہ زیادہ قریب ہو، اسی میں سے ہے، فرشتوں نے پیمائش کی تو انھوں نے اسے اس زمین سے ایک بالشت زیادہ قریب پایا جس کی طرف وہ ہجرت کر کے جا رہا تھا، اس لیے رحمت کے فرشتوں نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ موت کے وقت وہ اپنے سینے کو اسی بستی کی طرف دھکیل رہا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیکوں کی اس بستی کو حکم دیا کہ وہ قریب ہو جائے اور اس بستی کو حکم دیا کہ وہ دور ہو جائے۔[1] ہم نے یہ حدیث بالمعنی بیان کی ہے جبکہ دوسری جگہ ہم نے اس حدیث کو اپنے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔[2]

اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ...... ﴾ الآیۃ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بھی اپنی مغفرت کی دعوت دی ہے جنھوں نے یہ کہا کہ مسیح ہی اللہ ہے، مسیح ابن اللہ ہے، عزیر ابن اللہ ہے، اللہ فقیر ہے، اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے بھی فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ﴾ (المآئدة 74:5) ''کیا پھر وہ اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے (گناہوں کی) معافی نہیں مانگتے؟ اور اللہ تو بہت بخشنے والا، خوب مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تو اسے بھی توبہ کی دعوت دی جس نے ان سب سے بڑی بات کہی تھی: ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 24:79) ''میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں۔'' اور اس نے یہ بات بھی کہی تھی: ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ ﴾ (القصص 38:28) ''میں تمھارے لیے اپنے سوا کوئی (دوسرا) معبود نہیں جانتا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبيآء، باب: 54، حديث: 3470 وصحيح مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل......، حديث: 2766. [2] دیکھیے النسآء، آیات: 97-100 کے ذیل میں۔

بھی جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں کو توبہ سے مایوس کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کرتا ہے لیکن یاد رہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا جب تک اللہ تعالیٰ بھی اس پر مہربان نہ ہو جائے۔ ①

امام طبرانی نے شُتَیر بن شَکَل سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ قرآن مجید کی سب سے عظیم الشان آیت یہ ہے: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾ (البقرة 255:2) ''ہمیشہ زندہ رہنے والے، سب کو سنبھالنے والے اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔'' خیر و شر کی سب سے جامع آیت یہ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ (النحل 90:16) ''بلاشبہ اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔'' قرآن مجید کی سب سے زیادہ فرحت بخش سورۂ زمر کی یہ آیت ہے: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا'' اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ سپرد کر دینے والی کتاب اللہ کی یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ...... ﴾ الآية (الطلاق 3,2:65) ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا......'' یہ سن کر مسروق نے ان سے کہا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ ②

مایوسی کی ممانعت کے بارے میں احادیث: امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!۔ أَوْقَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ!۔ لَوْ أَخْطَأْتُمْ حَتّٰى تَمْلَأَ خَطَايَاكُمْ مَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَغَفَرَلَكُمْ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ!۔ أَوْ وَّالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!۔ لَوْلَمْ تُخْطِئُوا، لَجَاءَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّخْطِئُونَ، ثُمَّ يَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ] ''اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!۔ یا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے!۔ اگر تم اس قدر گناہ کرو کہ تمھارے گناہوں سے آسمان و زمین کے درمیان کا یہ سارا خلا بھر جائے، پھر تم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو تو وہ تمھیں معاف فرما دے گا، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے!۔ یا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!۔ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں گے، پھر وہ انھیں معاف فرما دے گا۔'' اس روایت کو صرف امام احمد رحمہ اللہ ہی نے بیان فرمایا ہے ③ اور امام احمد ہی نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب تھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے تم سے ایک چیز کو چھپایا تھا جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، آپ نے فرمایا: [لَوْلَا أَنَّكُمْ تُذْنِبُونَ لَخَلَقَ اللّٰهُ قَوْمًا يُّذْنِبُونَ، فَيَغْفِرُلَهُمْ] ''اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرما دے گا جو

① الدر المنثور: 621/5 امام سیوطی نے ابن جریر کی طرف منسوب کیا ہے لیکن تفسیر طبری میں نہیں ملا۔ ② المعجم الكبير للطبراني: 133/9، حديث: 8659. ③ مسند أحمد: 238/3.

گناہ کریں گے، پھر وہ انھیں معاف فرما دے گا۔'' امام احمد نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے،① نیز امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔②

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو جلد توبہ کر لینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿54﴾ ﴾ ''اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تم مدد نہیں کیے جاؤ گے۔'' یعنی عذاب کے آنے سے پہلے پہلے جلدی سے توبہ اور عمل صالح کر لو۔ ﴿ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''اور اس نہایت اچھی (کتاب) کی پیروی کرو جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔'' یعنی قرآن عظیم کی۔ ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ ''اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آجائے اور تم شعور نہ رکھتے ہو۔'' یعنی تمھیں عذاب کے آجانے کا علم اور شعور بھی نہ ہو، پھر اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ﴾ ''کہ کوئی نفس کہنے لگے: ہائے افسوس! اس پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی۔'' یعنی توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف انابت میں کوتاہی کرنے والا مجرم قیامت کے دن حسرت اور افسوس کا اظہار کرے گا اور خواہش کرے گا: اے کاش! وہ محسن، مخلص اور اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرماں بردار بندوں میں سے ہوتا۔ ﴿ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''اور بے شک میں تو ہنسی مذاق کرنے والوں میں سے تھا۔'' یعنی دنیا میں میرا طرز عمل مذاق اڑانے اور استہزا کرنے والے کی طرح تھا، یقین اور تصدیق کرنے والے کی طرح نہ تھا۔ ﴿ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿57﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ ﴾ ''یا یہ کہے: اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں یقیناً پرہیز گاروں میں سے ہوتا یا جب عذاب دیکھ لے تو کہے: کاش! میرے لیے ایک بار لوٹنا ہوتو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔'' یعنی وہ خواہش کرے گا کہ اے کاش! اسے ایک بار دنیا میں پھر لوٹا دیا جائے تو وہ نیک عمل کرے گا۔ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کے کہنے سے پہلے ہی یہ بیان فرما دیا ہے کہ وہ کیا کہیں گے اور ان کے عمل سے پہلے ہی یہ بتا دیا ہے کہ وہ کیا عمل کریں گے۔ ﴿ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ○ ﴾ (فاطر 14:35) ''اور خوب باخبر (اللہ) کی طرح تمھیں کوئی خبر نہیں دے گا۔'' (جیسا کہ اس نے یہ خبر دی:) ﴿ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿56﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿57﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ ﴾ ''(ایسا نہ ہو) کہ کوئی نفس کہے: ہائے افسوس! اس پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اور بے شک میں تو مذاق کرنے والوں میں سے تھا۔ یا وہ (یہ) کہے: اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور پرہیز گاروں میں سے ہو جاتا۔ یا جب وہ عذاب دیکھے تو کہے: کاش! میرے لیے ایک بار لوٹنا ہو تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔''③

---

① مسند أحمد : 414/5. ② صحيح مسلم، التوبة، باب سقوط الذنوب......، حديث : 2748 وجامع الترمذي، الدعوات، باب [لولا أنكم تذنبون......]، حديث : 3539. ③ تفسير الطبري : 26/24.

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

اور آپ روز قیامت انھیں دیکھیں گے جنھوں نے (دنیا میں) اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے منہ کالے ہوں گے، کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں

لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿60﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿61﴾

نہیں ﴿60﴾ اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، اللہ انھیں ان کی کامیابی کے سبب نجات دے گا۔ انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿61﴾

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ أَهْلِ النَّارِ يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ اللّٰهَ هَدَانِيْ، فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ حَسْرَةً، قَالَ: وَ كُلُّ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، فَيَقُوْلُ: لَوْلَا أَنَّ اللّٰهَ هَدَانِيْ، قَالَ: فَيَكُوْنُ لَهُ شُكْرًا] ''اہل دوزخ میں سے ہر شخص جنت میں بھی اپنی جگہ دیکھے گا اور کہے گا: اے کاش! اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہدایت عطا فرما دیتا۔ یہ بات اس کے لیے باعث حسرت ہوگی۔ آپ نے فرمایا: اور اہل جنت میں سے بھی ہر شخص دوزخ میں اپنی جگہ دیکھے گا، پھر کہے گا: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا نہ فرمائی ہوتی (تو دوزخ میں میرا ٹھکانا ہوتا۔) یہ بات اس کے لیے شکر کا باعث ہوگی۔''[1] اور اسے نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2] جب مجرم لوگ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کی تمنا کریں گے اور حسرت وافسوس کا اظہار کریں گے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی تصدیق نہ کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائیں گے: ﴿ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿59﴾ ﴾ ''کیوں نہیں! میری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں مگر تو نے اُنھیں جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔'' یعنی اپنے گناہوں پر حسرت وندامت کرنے والے بندے! دنیا میں تیرے پاس میری آیتیں پہنچ گئی تھیں اور تمام دلائل و براہین تیرے سامنے واضح ہوگئے تھے مگر تو نے تکذیب کی اور ان کی اتباع کی بجائے تکبر کیا اور کافروں اور منکروں میں سے ہو گیا تھا۔

تفسیر آیات: 61,60

اللہ کو جھٹلانے والوں اور ماننے والوں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے سیاہ اور کچھ سفید ہوں گے، اہل افتراق واختلاف کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے اور اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن اور منور ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ ﴾ ''اور آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔'' یعنی جنھوں نے اللہ کا شریک اور بیٹا بنایا تو اس کذب وافترا کی وجہ سے ان کے چہرے کالے سیاہ ہو رہے ہوں گے۔ ﴿ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿60﴾ ﴾ ''کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے؟'' یعنی کیا جہنم ان کے لیے قید خانے اور ٹھکانے کے طور پر کافی نہیں ہے، وہ ان کے لیے تکبر، سرکشی اور تسلیم حق سے انکار کے سبب موجب ذلت ورسوائی ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ ﴾ ''اور اللہ ان لوگوں کو جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کی

---

[1] مسند أحمد: 512/2. [2] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (الزمر 67:39) : 447/6، حديث : 11454.

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿62﴾ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے﴿62﴾ اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں، اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، وہی

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿63﴾ ع قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ

لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں﴿63﴾ کہہ دیجیے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کے بارے میں حکم دیتے ہو کہ میں (ان کی) عبادت کروں؟﴿64﴾ اور بلاشبہ

اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿64﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ

آپ کی طرف اور ان لوگوں (نبیوں) کی طرف، جو آپ سے پہلے ہوئے، (یہ) وحی کی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضرور ضائع

لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿65﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿66﴾

ہو جائیں گے اور آپ ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے﴿65﴾ بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں﴿66﴾

کامیابی کی وجہ سے نجات دے گا۔'' یعنی اس سعادت و کامیابی کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ رکھی تھی۔ ﴿ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ ﴾ ''انھیں کوئی برائی نہیں پہنچے گی۔'' یعنی قیامت کے دن، ﴿ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿61﴾ ﴾ ''اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' یعنی بڑی گھبراہٹ کے وقت وہ غمگین نہیں ہوں گے بلکہ ہر قسم کے غم و فکر سے امن میں ہوں گے، ہر شر سے انھیں بچا لیا جائے گا اور ہر خیر و بھلائی کو وہ حاصل کر لیں گے۔

تفسیر آیات: 62-66

اللہ تعالیٰ ہی خالق و متصرف ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ تمام اشیاء کا خالق، پروردگار، مالک اور متصرف ہے اور ہر چیز اسی کی تدبیر اور اسی کے غلبہ و تسلط کے تحت ہے۔ ﴿ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ مَقَالِیْدُ ﴾ فارسی زبان میں کنجیوں کو کہتے ہیں، [1] قتادہ، ابن زید اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ [2] اور سُدّی نے کہا ہے: ﴿ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ کے معنی آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ [3] ان دونوں قولوں کے مطابق معنی یہ ہیں کہ تمام امور اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، ساری بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف بھی اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ﴾ ''اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔'' آیتوں سے مراد دلائل و براہین ہیں، ﴿ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿64﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: اے نادانو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں؟'' مفسرین نے اس آیت کریمہ کے سبب نزول کے طور پر وہ روایت ذکر کی ہے جسے امام ابن ابو حاتم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے از راہِ جہالت رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ان کے معبودوں کی عبادت کریں اور وہ آپ کے معبود کی عبادت کریں گے تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں تھیں:

[1] تفسیر الطبری: 19/25. [2] تفسیر الطبری: 30/24. [3] تفسیر الطبری: 30/24.

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ

اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے، اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی، اور آسمان بھی اس کے

بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿67﴾

دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے، وہ پاک ہے اور اس شرک سے بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿67﴾

﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿64﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿65﴾ ﴾ ”کہہ دیجیے: اے نادانو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں؟ اور (اے محمد!) یقیناً آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے تھے، یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل یقیناً ضائع ہو جائیں گے اور آپ البتہ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ یہ آیت کریمہ اس آیت کی طرح ہے: ﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 88:6) ”اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿66﴾ ﴾ ”بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔“ یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے لیے اخلاص کے ساتھ عبادت کرو، تم بھی اور وہ سب بھی جو تمھاری اتباع و تصدیق کریں۔

تفسیر آیت : 67

مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی قدر شناسی نہ کی: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ ﴾ ”اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔“ یعنی مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر شناسی نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی، اس لیے انھوں نے اس کے ساتھ غیر اللہ کی پوجا شروع کر دی، حالانکہ وہ ذات پاک اس قدر عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اسی کے قبضہ و قدرت کے تحت ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح تعظیم نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔[2] محمد بن کعب نے کہا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر شناسی کرتے جس طرح اس کی ذات پاک کے شایانِ شان ہے تو وہ اس کی تکذیب نہ کرتے۔[3] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ ان کفار کے بارے میں ہے جن کا اس بات پر ایمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان پر قدرت حاصل ہے کیونکہ جو شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اُسی طرح قدر شناسی کی جس طرح کرنی چاہیے تھی۔[4]

اس آیت کریمہ سے متعلق بہت سی احادیث بھی وارد ہیں۔ اس طرح کی آیات کے بارے میں سلف کا مذہب یہ ہے کہ

---

① تفسیر ابن أبی حاتم: 1341/4. ② تفسیر الطبری: 32/24. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 1341/4. ④ تفسیر الطبری: 32/24 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1341/4.

یہ جس طرح آئی ہیں، کسی تکییف وتحریف کے بغیران پر اسی طرح ایمان لایا جائے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ کے بارے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اوراس نے عرض کی: اے محمد (ﷺ!) ہم یہ پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل ساتوں آسمانوں کو اپنی ایک انگلی پر اٹھالے گا، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور گیلی مٹی کو ایک انگلی پر، تمام مخلوق کو ایک انگلی پر اور فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ! اس یہودی عالم کی بات سن کر اس کی تصدیق کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے حتی کہ آپ کی مبارک داڑھیں نمایاں ہوگئیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اورانھوں نے اللہ کی (اس طرح) قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن ساری کی ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں اس کے علاوہ دوسرے مقام پر بھی روایت فرمایا ہے۔[2] اسے امام احمد اور مسلم نے اور ترمذی ونسائی نے اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں بھی روایت کیا ہے۔[3]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَاوَاتِ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟] ''اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ! کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟'' اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے[4] جبکہ امام مسلم نے اسے دوسرے طریق سے بیان فرمایا ہے۔[5]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور جگہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَرْضَ وَتَكُونُ السَّمٰوَاتُ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ] ''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن زمینوں کو اپنی مٹھی میں لے لے گا، آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور وہ فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ۔'' اسے اس طرح صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے روایت فرمایا ہے[6] اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے منبر پر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ (الزمر39:67)، حديث: 4811. [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (صٓ38:75)، حديث: 7414، 7415، و7513. [3] مسند أحمد: 429/1 و صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث: 2786 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الزمر، حديث: 3238 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ 446/6، حديث: 11450. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ﴾ (الزمر39:67)، حديث: 4812. [5] صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث: 2787. [6] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (صٓ38:75)، حديث: 7412.

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے بے ہوش ہو جائے گا سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، پھر اس میں دوسری بار پھونکا جائے

اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿68﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ

گا تو وہ یکا یک کھڑے (ہو کر) دیکھنے لگیں گے ﴿68﴾ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی، اور (عملوں کی) کتاب رکھی جائے گی، اور انبیاء اور گواہ

بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿69﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

لائے جائیں گے، اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿69﴾ اور ہر شخص نے جو عمل کیا ہوگا اسے اس کا پورا پورا

ع 7/7 4 مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿70﴾ ع

اجر دیا جائے گا، اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے ﴿70﴾

بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿67﴾ ''اور انھوں نے اللہ کی (اس طرح) قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے (اور) وہ اس سے جو وہ شریک بنا رہے ہیں پاک ہے اور عالی شان ہے۔'' اور رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ کے اشارے سے ہاتھ کو آگے پیچھے کرتے ہوئے فرما رہے تھے: [يُمَجِّدُ الرَّبُّ نَفْسَهٗ: أَنَا الْجَبَّارُ، أَنَا الْمُتَكَبِّرُ، أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الْعَزِيزُ، أَنَا الْكَرِيمُ] ''اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کی (اس طرح) بزرگی بیان فرمائے گا کہ میں ہوں جبار! میں ہوں متکبر! میں ہوں بادشاہ! میں ہوں غالب اور میں ہوں کرم فرمانے والا!'' رسول اللہ ﷺ (یہ کلمات اس قدر جوش وخروش کے ساتھ بیان فرما رہے تھے) کہ منبر رسول اللہ ﷺ سمیت ہلنے لگ گیا حتی کہ ہم نے کہا کہ منبر کہیں آپ کو گرا ہی نہ دے [1] اور امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی عبید اللہ بن مِقْسَم کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس سے ملتی جلتی ایک حدیث بیان کی ہے۔ [2]

تفسیر آیات: 68-70

صور میں پھونکنے، فیصلے اور بدلے کا بیان: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت کے دن کی ہولناکیوں، اس دن کی عظیم الشان نشانیوں اور ہولناک زلزلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور (جب) صور میں پھونکا جائے گا تو جو (لوگ) آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں ہلاک ہو جائیں گے مگر وہ جس کو اللہ چاہے۔'' یہ نفخۂ ثانیہ کا ذکر ہے جو ہلاک کر دینے والا نفخہ ہوگا، اس نفخے میں آسمانوں اور زمین کے رہنے والے سب زندہ لوگ مر جائیں گے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے جیسا کہ مشہور حدیثِ صور میں وضاحت وصراحت کے ساتھ اس کا

---

① مسند أحمد : 72/2 و صحيح ابن حبان، إخباره ﷺ عن مناقب الصحابة، ذكر الإخبار عن تمجيد الله......: 322/16، حديث : 7327. ② صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة......، حديث :(25)-2788 والسنن الكبرى للنسائي، النعوت، باب الجبار :401,400/4، حديث : 7689 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر البعث، حديث : 4275 .

ذکر آیا ہے۔ ① پھر اللہ تعالیٰ باقی لوگوں کی روحوں کو قبض فرمائے گا حتی کہ سب سے آخر میں ملک الموت کی روح کو قبض فرمائے گا اور اس وقت صرف اس حی وقیوم کی ذات پاک باقی ہوگی جو سب سے اول تھا، اسی طرح بقا و دوام کے اعتبار سے بھی وہ سب سے آخر ہوگا اور فرمائے گا: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾ (المؤمن 16:40) ''آج کس کی بادشاہی ہے؟'' وہ تین بار فرمائے گا، پھر اپنے آپ کو جواب دیتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ (المؤمن 16:40) ''اللہ کی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔'' میں اکیلا ہی تھا، میں نے ہر چیز کو مغلوب کر دیا اور میں نے ہر چیز کو فنا کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اسرافیل کو زندہ کریں گے اور انھیں حکم دیں گے کہ وہ ایک بار پھر صور میں پھونکیں، یہ نفخۂ ثالثہ ہوگا جو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے لیے ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾ ''پھر دوسری دفعہ اس میں پھونکا جائے گا تو یکا یک وہ کھڑے دیکھتے ہوں گے۔'' یعنی بوسیدہ ہڈیاں بننے کے بعد وہ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور کھڑے ہو کر قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو دیکھنے لگیں گے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴾ (النّٰزعٰت 14,13:79) ''پس وہ صرف ایک ہی ڈانٹ ہوگی، تو یکا یک وہ (سب) کھلے میدان (حشر) میں ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 52:17) ''جس دن وہ تمھیں بلائے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ تعمیل کرو گے اور خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت ہی کم (مدت) رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴾ (الروم 25:30) ''اور اُسی کے نشانات میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمھیں زمین میں سے (نکلنے کے لیے) ایک ہی دفعہ پکارے گا تو اچانک تم سب نکل پڑو گے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم کہتے ہو کہ قیامت فلاں وقت قائم ہوگی؟ انھوں نے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم سے کوئی چیز بیان نہ کیا کروں، میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم تھوڑے عرصے بعد ایک امر عظیم دیکھ لو گے، پھر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے:

[يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي (فَيَمْكُثُ) فِيهِمْ أَرْبَعِينَ۔ لَا أَدْرِي: أَرْبَعِينَ يَوْمًا، أَوْ أَرْبَعِينَ سَنَةً، أَوْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، أَوْ أَرْبَعِينَ شَهْرًا۔ فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، كَأَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِيُّ، فَيَظْهَرُ، فَيُهْلِكُهُ، ثُمَّ يَلْبَثُ النَّاسُ بَعْدَهُ سِنِينَ سَبْعًا، لَّيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيحًا بَارِدَةً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ، فَلَا يَبْقٰى أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ، حَتّٰى لَوْأَنَّ أَحَدَهُمْ كَانَ فِي كَبِدِ جَبَلٍ

① دیکھیے کتاب العظمة للأصبهانی : 837-821/3، حدیث: 386 و الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث الصور: 104- 114، حدیث : 48. حدیث صور ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے شرح العقیدة الطحاویة : 232 کی تخریج میں نقل کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ صور مرسل ہے اور صحیح نہیں ہے۔ (الکامل لابن عدی : 453,452/1) تاہم اس میں مذکور بعض باتوں کی صحیح احادیث سے تائید ہوتی ہے۔

لَّدَخَلَتْ عَلَيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُهَا مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ: وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِي خِفَّةِ الطَّيْرِ وَأَحْلَامِ السِّبَاعِ، لَا يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا وَّلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا، قَالَ: فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ، فَيَقُولُ: أَلَا تَسْتَجِيبُونَ؟ فَيَأْمُرُهُمْ بِالْأَوْثَانِ فَيَعْبُدُونَهَا، وَهُمْ فِي ذٰلِكَ دَارَّةٌ أَرْزَاقُهُمْ، حَسَنٌ عَيْشُهُمْ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ، فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغٰى لَهُ، وَأَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهُ رَجُلٌ يَّلُوطُ حَوْضَهُ، فَيَصْعَقُ، ثُمَّ لَا يَبْقٰى أَحَدٌ إِلَّا صَعِقَ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ أَوْ يُنْزِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ أَوِ الظِّلُّ۔ نُعْمَانُ الشَّاكُّ۔ فَتَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرٰى، فَإِذَاهُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُونَ، قَالَ: ثُمَّ يُقَالُ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلٰى رَبِّكُمْ ﴿ **وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ** ﴾ (الصّٰفّٰت 37:24)، قَالَ: ثُمَّ يُقَالُ: أَخْرِجُوا بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: فَيُقَالُ: كَمْ؟ فَيُقَالُ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ، فَيَوْمَئِذٍ يُّبْعَثُ الْوِلْدَانُ شِيبًا، وَّيَوْمَئِذٍ يُّكْشَفُ عَنْ سَاقٍ]

''دجال میری امت میں نکلے گا اور ان میں چالیس تک رہے گا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو مبعوث فرما دیں گے، وہ گویا اس طرح ہیں جیسے عروہ بن مسعود ثقفی ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو (اللہ تعالیٰ) دجال کو ہلاک فرما دے گا، پھر اس کے بعد سات سال تک لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو آدمیوں کے مابین عداوت نہ ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا اور کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو مگر اس کی روح کو قبض کرے گی حتی کہ اگر کوئی کسی پہاڑ کی چٹان کے اندر ہوا تو وہ ہوا وہاں بھی اس پر داخل ہو جائے گی۔ عبداللہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی بیان فرماتے ہوئے سنا کہ بدترین قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں کی عادات جیسے ہوں گے،[1] نہ نیکی کو اچھا سمجھیں گے اور نہ برائی کو برا جانیں گے، راوی نے کہا کہ شیطان ان کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا تم میری بات مانو گے؟ وہ انھیں بتوں کی عبادت کا حکم دے گا تو وہ ان کی عبادت شروع کر دیں گے، اس حال میں ان کے ہاں رزق کی بھی فراوانی ہوگی اور ان کی زندگی بھی اچھی بسر ہو رہی ہوگی، پھر صور میں پھونکا جائے گا جو بھی آواز سنے گا وہ اس کی طرف کان لگا دے گا، سب سے پہلے جو شخص اس کی آواز سنے گا وہ اپنا حوض درست کر رہا ہوگا، وہ آواز سن کر ہلاک ہو جائے گا، پھر ہر شخص ہلاک ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی۔ نعمان کو شک ہے کہ آپ نے شاید یہ فرمایا کہ وہ سایہ کی طرح ہوگی۔ اس سے لوگوں کے جسم اگنے لگیں گے، پھر دوسری مرتبہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو فوراً وہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہوں گے، پھر کہا جائے گا کہ لوگو! اپنے رب کی طرف چلو ﴿ **وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ** ﴾ (الصّٰفّٰت 37:24) ''اور تم انھیں ٹھہراؤ، بلاشبہ یہ باز پرس کیے جائیں گے۔'' پھر کہا جائے گا کہ آگ کا حصہ نکالو، آپ نے فرمایا کہ کہا جائے گا: کتنا

---

[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ شرارتوں کی طرف جلدی کرنے اور نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں پرندوں کی پرواز کی طرح تیز ہوں گے اور فتنہ و فساد کرنے اور عداوت اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے میں ان کے اخلاق و عادات جنگلی درندوں کی طرح ہوں گے۔ (إكمال المعلم بفوائد مسلم، الفتن، باب في خروج الدجال و مكثه...... : 494/8، تحت الحديث : 2940).

حصہ؟ تو جواب دیا جائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے، پس یہ وہ دن ہوگا کہ بچوں کو بوڑھا کر کے اٹھایا جائے گا اور اس دن پنڈلی سے کھولا جائے گا۔''① اس حدیث کو صرف امام مسلم رحمۃ اللہ ہی نے صحیح میں روایت کیا ہے۔②

اور امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا: [مَابَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ] ''دونوں نفخوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہوگا۔'' لوگوں نے عرض کی: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! چالیس دن؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں انکار کرتا ہوں، انھوں نے کہا کہ چالیس سال؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں انکار کرتا ہوں، انھوں نے کہا کہ چالیس مہینے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں انکار کرتا ہوں، (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) [وَيَبْلٰى كُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجْبَ ذَنَبِهٖ، فِيهِ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ] ''اور ریڑھ کی ہڈی (دمچی) کے سوا انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے اور اسی سے اسے دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔''③

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ﴾ ''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی۔'' یعنی جب حق تعالیٰ جل وعلا فیصلہ فرمانے کے لیے قیامت کے دن مخلوقات کے سامنے جلوہ افروز ہوں گے تو تجلی انوار ربانی سے زمین چمک اُٹھے گی، ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ﴾ ''اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ ﴿ وُضِعَ الْكِتٰبُ ﴾ میں کتاب سے مراد کتابِ اعمال ہے۔④ ﴿ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ ﴾ ''اور پیغمبر لائے جائیں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ امتوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات ان تک پہنچا دیے تھے۔⑤ ﴿ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ ''اور گواہ۔'' یعنی وہ فرشتے جو بندوں کے اچھے اور برے اعمال کے محافظ ہیں۔ ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ ''اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔'' یعنی عدل کے ساتھ ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ ''اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ ﴾ (الأنبياء 21: 47) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے، پھر کسی نفس پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ ﴾ (النسآء 4:40) ''بلاشبہ اللہ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی (کی) ہو تو وہ اسے دگنا کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم دے گا۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ﴾ ''اور ہر نفس کو جو اس نے کیا ہوگا (اس کا

① مسند أحمد: 166/2 جبکہ قوسین والا لفظ صحيح مسلم، الفتن......، باب في خروج الدجال و مكثه في الأرض......، حديث: 2940. ② صحيح مسلم، الفتن......، باب في خروج الدجال ومكثه في الأرض ......، حديث: 2940.
③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ (الزمر39: 68)، حديث: 4814.
④ تفسير الطبري: 42/24. ⑤ تفسير الطبري: 42/24.

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے، حتی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں

خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ

گے، اور اس کے دربان ان سے کہیں گے: کیا تمھارے پاس تمھی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمھارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمھیں

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿71﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

تمھاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن کافروں پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ﴿71﴾ (انھیں) کہا جائے گا: تم جہنم کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿72﴾

دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں (تم) ہمیشہ رہو گے، چنانچہ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت برا ہے ﴿72﴾

بدلہ) پورا پورا دیا جائے گا'' خواہ عمل اچھا ہو یا برا، ﴿ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''اور وہ اسے خوب جانتا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔''

تفسیر آیات: 72,71

کفار کو جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے بدبخت کفار کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھیں بہت سختی کے ساتھ جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا اور انھیں شدید ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کی جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ ﴾ (الطور 13:52) ''جس دن وہ آتش جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جائے جائیں گے۔'' یعنی انھیں نہایت سختی کے ساتھ دھکیل کر لے جائیں گے اور پیاس کی شدت کے باعث ان کا بہت برا حال ہو رہا ہو گا جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۙ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۘ ﴾ (مریم 86,85:19) ''جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمان کی طرف بطور مہمان جمع کریں گے اور گناہ گاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانک لے جائیں گے۔'' اور اس حال میں وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہوں گے اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے چہروں کے بل چل رہے ہوں گے ﴿ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 97:17) ''اور ہم اُنھیں قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اکٹھا کریں گے، اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ (آگ) بجھنے لگے گی تو ہم ان کے لیے آگ کا بھڑکاؤ زیادہ کر دیں گے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔'' یعنی ان کے وہاں پہنچتے ہی جلدی سے جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے تاکہ انھیں جلد عذاب دیا جائے تو ان سے موکلانِ دوزخ، جو بڑے تندخو اور سخت مزاج ہیں، سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ﴾ ''کیا تمھارے پاس تمھی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے؟'' یعنی جو تمھاری ہی جنس میں

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًاؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ہوں گے، وہ جنت کی طرف گروہ در گروہ لے جائے جائیں گے، حتی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے تو اس

اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿73﴾

کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اور اس کے دربان ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے، پس تم اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ﴿73﴾

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ

اور وہ کہیں گے: سب تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم سے (کیا ہوا) اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اور ہمیں اس سرزمین (بہشت) کا وارث بنا دیا، ہم

حَيْثُ نَشَآءُۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿74﴾

جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنائیں، چنانچہ عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب بہت اچھا ہے﴿74﴾

سے تھے تاکہ تمھارے لیے ان سے بات کرنا اور رہنمائی حاصل کرنا ممکن ہو، ﴿ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ ﴾ ”جو تم پر تمھارے پروردگار کی آیتیں پڑھتے تھے۔“ اور انھوں نے تمھیں جس چیز کی دعوت دی تھی اس کے صحیح ہونے پر دلائل و براہین قائم کرتے تھے۔ ﴿ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَاؕ ﴾ ”اور وہ تمھیں تمھاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔“ یعنی آج کے اس دن کے شر سے تمھیں ڈراتے تھے تو کفار ان فرشتوں کو جواب دیں گے: ﴿ بَلٰى ﴾ ”کیوں نہیں!“ اللہ کے پیغمبر ہمارے پاس آئے تھے اور انھوں نے ہمیں ڈرایا اور ہمارے خلاف دلائل و براہین کو قائم کیا تھا۔ ﴿ وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿71﴾ ﴾ ”اور لیکن کافروں پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی تھی۔“ یعنی ہم نے ان کی تکذیب کی اور اپنی اس بدبختی کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے، ہم نے ان کی مخالفت کی اور حق کے بجائے باطل کی طرف مائل ہو گئے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے ان کے بارے ایک دوسری آیت میں بھی فرمایا ہے: ﴿ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ○ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ ﴾ (الملك 67:8-10) ”جب بھی اس میں کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو ان سے اس (دوزخ) کے داروغے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس ڈرانے والا ضرور آیا تھا پس ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا: اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی، تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو اور وہ کہیں گے: اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔“ یعنی وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرتے ہوئے ندامت کا اظہار کریں گے، ﴿ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ ﴾ (الملك 67:11) ”پھر وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے، سو دوزخیوں کے لیے دوری ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لیے دوری ہے اور یہ بہت بڑا خسارا ہے۔

اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قِيْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۚ ﴾ ”کہا جائے گا: تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہو گے۔“ اور جو بھی انھیں دیکھے گا تو ان کے حال کو معلوم کر لے گا اور ان کے بارے میں گواہی دے گا کہ وہ واقعی مستحق عذاب ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس قول کو کسی متعین قائل کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ

اسے مطلق رکھا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ساری کائنات اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل وخبیر نے ان کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا ہے وہ اسی کے مستحق ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ قِيلَ ادْخُلُوٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''کہا جائے گا: تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہو گے۔'' یعنی ہمیشہ اسی میں رہو گے اور کبھی یہاں سے نکل نہ سکو گے اور نہ اس سے تمھاری جان چھوٹے گی۔ ﴿ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ ''پس تکبر کرنے والوں کا یہ برا ٹھکانا ہے۔'' تمھارا یہ بہت برا ٹھکانا اور بہت برا انجام ہے، اس لیے کہ تم نے دنیا میں تکبر کیا، حق کی اتباع سے انکار کیا اور اسی تکبر اور انکار نے تمھیں اس حال تک پہنچا دیا ہے جو بدترین انجام ہے۔

تفسیر آیات: 74,73

گروہ در گروہ جنت میں داخلہ اور نبی ﷺ کے شرف وفضل کا ایک عظیم پہلو: اب اللہ تعالیٰ نے سعادت مند مومنوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھیں عزت واحترام کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا جائے گا ﴿ زُمَرًا ﴾ ''گروہ گروہ۔'' یعنی ایک کے بعد دوسری جماعت کو، پہلے مقربین کو، پھر ابرار کو، پھر انھیں جن کا درجہ ان کے بعد ہوگا، پھر ان کے بعد کے درجے والوں کو۔ ہر گروہ اپنے مناسب حال لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ انبیائے کرام انبیاء کے ساتھ، صدیقین صدیقین کے ساتھ، شہداء شہداء کے ساتھ، علماء علماء کے ساتھ، ہر جماعت اپنے جیسی جماعت کے ساتھ اور ہر گروہ اپنی جنس کے لوگوں کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس آئیں گے۔'' یعنی پل صراط عبور کرنے کے بعد جب وہ جنت کے دروازوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس سے قبل انھیں جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر کھڑا کیا جائے گا تاکہ اس ظلم وزیادتی کا بدلہ لیا جائے جو انھوں نے دنیا میں ایک دوسرے پر کی ہو گی حتی کہ جب انھیں پاک صاف کر دیا جائے گا تب انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔ حدیث صور میں یہ بھی آیا ہے کہ مومن جب جنت کے دروازوں تک پہنچ جائیں گے تو وہ آپس میں مشورہ کریں گے کہ کون ان کے لیے جنت میں داخل ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرے، وہ باری باری آدم، پھر نوح، پھر ابراہیم، پھر موسیٰ، پھر عیسیٰ، پھر حضرت محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيهِمْ أَجْمَعِينَ کے پاس جائیں گے جیسا کہ وہ میدان حشر میں بھی باری باری ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے تاکہ وہ سفارش کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلہ فرمانے کے لیے جلوہ افروز ہو جائے اور تاکہ ان تمام مختلف مقامات پر بھی یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانوں پر شرف وفضل عطا فرمایا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنَا أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ] ''میں جنت کے بارے میں سب سے پہلا سفارش کرنے والا ہوں گا۔''[1] مسلم ہی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: [وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ] ''اور جنت کے دروازے پر سب سے پہلے میں دستک دوں گا۔''[2] امام احمد رحمہ اللہ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب فى قول النبيﷺ: [أنا أوّل الناس يشفع......]، حديث : (332)-196. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب فى قول النبيﷺ: [أنا أوّل الناس يشفع......]، حديث : (331)-196عن أنس رضی اللہ عنہ.

نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: فَأَقُولُ: مُحَمَّدٌ، قَالَ: يَقُولُ: بِكَ أُمِرْتُ أَنْ لَّا أَفْتَحَ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ] ''میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آ کر اسے کھلواؤں گا، تو خازن پوچھے گا: تم کون ہو؟ میں کہوں گا: میں محمد ہوں، آپ نے فرمایا کہ خازن کہے گا کہ مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لیے نہ کھولوں۔''[1] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوَرُهُمْ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَبْصُقُونَ فِيهَا، وَلَا يَمْتَخِطُونَ فِيهَا، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ فِيهَا، آنِيَتُهُمْ وَأَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ، وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ، يُرٰى مُخُّ سَاقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ عَلٰى قَلْبٍ وَّاحِدٍ، يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا] ''پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی، ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند جیسی ہوں گی، وہ نہ اس میں تھوکیں گے، نہ کھنگاریں گے اور نہ بول و براز کریں گے، ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا ہوگا، ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا، ان میں سے ہر ایک کو دو دو ایسی بیویاں ملیں گی کہ حسن کی وجہ سے گوشت کے پیچھے سے ان کی پنڈلیوں کی چربی تک نظر آتی ہوگی، ان میں آپس میں کوئی اختلاف اور بغض نہ ہوگا، ان سب کے دل ایک دل جیسے ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے۔''[3] اور اسے بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

اور حافظ ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَوَّلُ زُمْرَةٍ يَّدْخُلُونَ الْجَنَّةَ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالَّذِينَ يَلُونَهُمْ عَلٰى (ضَوْءِ) أَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، لَّا يَبُولُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ، وَلَا يَمْتَخِطُونَ، أَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ، وَأَزْوَاجُهُمُ الْحُورُ الْعِينُ۔ أَخْلَاقُهُمْ عَلٰى خُلُقِ(رَجُلٍ) وَّاحِدٍ، عَلٰى صُورَةِ أَبِيهِمْ آدَمَ، سِتُّونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ] ''سب سے پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند جیسی ہوں گی اور جو ان کے بعد ہوں گے ان کی جگمگاہٹ آسمان میں سب سے زیادہ جگمگانے والے ستارے کی طرح ہوگی، وہ نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، نہ تھوکیں گے اور نہ کھنگاریں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا، ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا ہوگا، ان کی بیویاں حور عین ہوں گی، ان سب کے اخلاق ایک ہی شخص جیسے ہوں گے، ان سب کی صورت اپنے باپ

[1] مسند أحمد: 136/3. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب في قول النبي ﷺ: [أنا أول الناس يشفع في الجنة……]، حديث: 197. [3] مسند أحمد: 316/2. [4] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة……، حديث: 3245 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها……، باب في صفات الجنة وأهلها……، حديث: (17)-2834.

حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہوگی اور ان کے قد ساٹھ ہاتھ بلند ہوں گے۔'' ① اور امام بخاری و مسلم نے بھی یہ حدیث بطریق جریر روایت کی ہے۔ ②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ، هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا، تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ] ''میری امت سے ایک جماعت جنت میں داخل ہوگی جن کی تعداد ستر ہزار ہوگی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوں گے۔'' عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے، آپ نے دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ! اِجْعَلْهُ مِنْهُمْ] ''اے اللہ! اسے ان میں سے بنا دے'' پھر ایک انصاری شخص نے بھی کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ] ''اس بارے میں عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے۔'' ③ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور بغیر حساب ستر ہزار امتیوں کے جنت میں داخلے کے متعلق اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے ابن عباس، ④ جابر بن عبداللہ، ⑤ عمران بن حصین، ⑥ ابن مسعود، رفاعہ بن عرابہ جہنی اور ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہم ⑦ سے روایت کیا ہے، نیز بخاری و مسلم ہی میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا - أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ - ...... آخِذٌ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ، حَتّٰى يَدْخُلَ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمُ الْجَنَّةَ، وَوُجُوهُهُمْ عَلٰى (صُورَةِ) الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ] ''میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ اس طرح داخل ہوں گے...... کہ انھوں نے ایک دوسرے کو پکڑا ہوگا حتی کہ ان میں سے پہلا اور آخری انسان سب جنت میں داخل

① مسند أبي يعلى الموصلي: 471,470/10، حديث: 6084، البتہ پہلی قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة، حديث: 4333 کے مطابق اور دوسری قوسین والا لفظ صحيح البخاري، أحاديث الأنبيآء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3327 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب أول زمرة تدخل الجنة......، حديث: (15)-2834 میں ہے۔ ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبيآء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3327 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها ......، باب أول زمرة تدخل الجنة......، حديث: (15)-2834. ③ صحيح البخاري، اللباس، باب البرود والحبر والشملة، حديث: 5811 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة......، حديث: (369)-216 واللفظ له. ④ صحيح البخاري، الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفا بغير حساب، حديث: 6541 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب......، حديث: 220. ⑤ صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة......، حديث: 191. ⑥ صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين......، حديث: 218. ⑦ اس بارے میں حضرت ابن مسعود، رفاعہ بن عرابہ جہنی اور ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہم کی روایات صحیحین میں نہیں ہیں جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت مسند أحمد: 403/1، رفاعہ بن عرابہ جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت مسند أحمد: 16/4 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث: 4285 اور ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کی روایت المعجم الكبير للطبراني: 182,181/25 میں ہے لیکن ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کی روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے منکر کہا ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة: 849/11، حديث: 5491.

ہو جائیں گے اور ان لوگوں کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ﴿73﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے دربان ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے، اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔'' یہاں جواب مذکور نہیں ہے، محذوف عبارت گویا اس طرح ہے: یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آ جائیں گے اور یہ امور رونما ہوں گے کہ ان کے اکرام و تعظیم کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور جنت کے فرشتے بشارت، سلامتی اور تعریف کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے نہ کہ اس طرح جیسے ڈانٹ ڈپٹ اور لعن وملامت کے ساتھ موکلان دوزخ کافروں کا استقبال کریں گے، بہرحال جب یہ واقعات رونما ہوں گے تو اہل جنت سعادت مند ہو جائیں گے، خوش ہوں گے اور مسرت وشادمانی کا اظہار کریں گے اور ہر ایک اپنی نعمتوں کے بقدر خوشی ومسرت کا اظہار کرے گا۔ اور یہاں جواب حذف کر دیا گیا جس سے ذہن میں ہر طرح کی امید اور رجا پیدا ہوگئی۔ جو شخص یہ کہے کہ ﴿ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ﴾ ''اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔'' میں واوِ ثمانیہ کے لیے ہے[2] اور اس سے یہ استدلال کرے کہ جنت کے دروازے بھی آٹھ ہی ہیں تو وہ بہت دور کی کوڑی لاتا ہے کیونکہ جنت کے دروازوں کے آٹھ ہونے کا ذکر تو احادیث صحیح سے ملتا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَیْنِ مِنْ مَّالِهِ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ، دُعِیَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، وَلِلْجَنَّةِ أَبْوَابٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الرَّیَّانِ] ''جو شخص اپنے مال میں سے دو جوڑے اللہ تعالیٰ

---

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون ألفابغیر حساب، حدیث: 6543 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین......، حدیث: 219 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة......، حدیث: 3247 اور مسلم کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے۔ [2] واو کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم بعض نحویوں کے نزدیک واوِ ثمانیہ ہے۔ اور یہ وہ واو ہے کہ اس سے پہلے اعداد کے درمیان واو نہیں لاتے۔ اور جب آٹھ گنتے ہیں تو واو لاتے ہیں، مثلاً: کہتے ہیں: ستة، سبعة و ثمانیة. مقصد یہ ہوتا ہے کہ سبعة (سات) عدد تام ہے۔ اور اس کے بعد والا عدد، عدد مستانف ہے۔ بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ﴿ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ﴾ میں واو واوِ ثمانیہ ہے، اس لیے کہ جہنم کے تذکرے میں ﴿ فُتِحَتْ ﴾ (الزمر 39:71) بغیر واو کے ہے، اس لیے کہ اس کے دروازے سات ہیں، جبکہ جنت کے تذکرے میں ﴿ وَفُتِحَتْ ﴾ واو ہے، تو یہ واو واوِ ثمانیہ ہے، اس لیے کہ جنت کے دروازے آٹھ ہیں۔ اسی سے استدلال کر کے کہا جاتا ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ انھی لوگوں کا رد کرتے ہیں۔ ابن ہشام واوِ ثمانیہ کے وجود سے انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی حقیقت بھی ہوتی پھر بھی ﴿ وَفُتِحَتْ ﴾ میں واوِ ثمانیہ نہیں ہے کیونکہ اس واو سے پہلے عدد کا ذکر ہوتا ہے، جبکہ یہاں کسی عدد کا ذکر نہیں ہے۔ دیکھیے مغنی اللبیب، مبحث: الواو المفردة (ع۔و) [3] دیکھیے صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة أبواب الجنة، حدیث: 3257 عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ و صحیح مسلم، الطهارة، باب ذكر المستحب......، حدیث: 234 عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ.

کے رستے میں خرچ کر دے تو اسے جنت کے دروازوں میں سے داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی اور جنت کے مختلف دروازے ہیں، جو اہل نماز میں سے ہوا اسے باب الصلاۃ سے پکارا جائے گا اور جو اہل صدقہ میں سے ہوا اسے باب الصدقہ سے آواز دی جائے گی جو اہل جہاد میں سے ہوا اسے باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صیام میں سے ہوا اسے باب الریان سے صدا دی جائے گی۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ جس شخص کو جس دروازے سے بھی بلایا جائے اسے کوئی اور ضرورت باقی تو نہیں رہتی لیکن اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسا (سعادت مند) بھی ہوگا جسے جنت کے سارے دروازوں سے بلایا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَعَمْ، (وَأَرْجُو) أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ] ''ہاں، اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو گے۔''① اسی طرح اسے بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔②

بخاری و مسلم ہی میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ: فِيهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ، لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ] ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں: ان میں سے ایک دروازے کا نام ریان ہے، اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔''③ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَامِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ يَّتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ۔ أَوْ فَيُسْبِغُ۔ الْوُضُوءَ، ثُمَّ يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ، يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ] ''تم میں سے جو بھی وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر کہے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وہ ان میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے۔''④

جنت کے دروازوں کی وسعت اور دربان: اللہ تعالیٰ اپنے فضل عظیم کے ساتھ ہمیں بھی اہل جنت میں سے بنا دے! صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی شفاعت کے بارے میں طویل حدیث میں آیا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: [يَا مُحَمَّدُ! أَدْخِلْ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنْ أُمَّتِكَ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ، وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِي الْأَبْوَابِ الْأُخَرِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّ مَابَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَّصَارِيعِ الْجَنَّةِ إِلٰى مَابَيْنَ عِضَادَيِ الْبَابِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ، أَوْهَجَرَ وَمَكَّةَ۔ وَفِي رِوَايَةٍ۔: (مَّكَّةَ وَبُصْرٰى)] ''اے محمد! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن کے ذمہ حساب نہیں ہے، دائیں دروازے سے داخل کر دو، وہ دوسرے دروازوں میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ اس

① مسند أحمد: 268/2 جبکہ مسند احمد میں [أَرْجُو] سے پہلے [إِنِّي] کا لفظ بھی ہے۔ ② صحیح البخاري، الصوم، باب الريان للصائمين، حديث: 1897 و صحیح مسلم، الزكاة، باب فضل من ضم إلى الصدقة......، حديث: 1027.
③ صحیح البخاري، بدء الخلق، باب صفة أبواب الجنة، حديث: 3257 و صحیح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1152، البتہ اس میں آٹھ دروازوں کا ذکر نہیں ہے۔ ④ صحیح مسلم، الطهارة، باب الذكر المستحب......، حديث: 234.

ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! جنت کے کواڑوں میں سے دوکواڑوں کے مابین اس طرح فاصلہ ہوگا جس طرح مکہ اور ہجر کے درمیان یا آپ نے فرمایا کہ ہجر اور مکہ کے درمیان فاصلہ ہے، اور ایک روایت میں، مکہ اور بصری کے الفاظ ہیں۔''[1] اور صحیح مسلم میں عتبہ بن غزوان سے روایت ہے کہ انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے ذکر کیا کہ ہمارے لیے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے کواڑوں میں سے دوکواڑوں کے مابین فاصلہ چالیس سال کی مسافت کے بقدر ہوگا اور اس پر ضرور ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ گھما گھمی کی وجہ سے بھرا ہوا ہوگا۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ ﴾ ''اور اس کے دربان ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے۔'' یعنی تمھارے عمل اور قول بہت اچھے تھے تمھاری سعی و کاوش بہت پاکیزہ تھی، لہٰذا تمھاری جزا بھی بہت پاکیزہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض غزوات میں حکم دیا تھا کہ مسلمانوں میں یہ اعلان کر دیا جائے: [إِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُّسْلِمَةٌ۔ وَفِي رِوَايَةٍ۔:(مُّؤْمِنَةٌ)] ''جنت میں صرف مسلمان نفس ہی داخل ہوگا، ایک روایت میں، مومن کا لفظ ہے۔''[3] اور فرمایا: ﴿ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝۷۳ ﴾ ''پس اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔'' یعنی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے اور اس سے کبھی بھی نقل مکانی نہ کرنا چاہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے: ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ ﴾ ''اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچا کر دیا۔'' مومن جب جنت میں بے پایاں اجر و ثواب، عظیم الشان عطیات، ابدی و سرمدی نعمتوں اور بہت بڑی بادشاہت کا مشاہدہ کریں گے تو پکار اٹھیں گے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچا کر دیا۔'' یعنی اس وعدے کو جو اس نے اپنے انبیائے کرام کی زبانی ہم سے فرمایا تھا اور جیسا کہ انھوں نے دنیا میں دعائیں بھی کی تھیں: ﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:194) ''اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم سے اپنے پیغمبروں کی زبانی جس کا وعدہ کیا، وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا، کچھ شک نہیں کہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔'' اور ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ ﴾ (الأعراف 7:43) ''اور کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی تو ہم نہ تھے کہ ہدایت پاتے، بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات کے ساتھ آئے تھے۔'' اور ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:3)، حدیث : 4712 وصحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أھل الجنة منزلة فیھا، حدیث : 194 وصحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر العلة التی من أجلھا لا یشفع الأنبیآء...... :14/380-383، حدیث: 6465 واللفظ له، جبکہ قوسین والے الفاظ صحیحین کے مذکورہ حوالے میں ہیں۔

[2] صحیح مسلم، الزھد......، باب:[الدنیا سجن للمؤمن وجنة للکافر]، حدیث : (14)-2967 . [3] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان غلظ تحریم قتل الإنسان......، حدیث :111 عن أبی ھریرة ﷺ، جبکہ قوسین والا لفظ کسی اور سیاق سے تعظیم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزی : 2/621 میں ہے۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور آپ فرشتوں کو عرش کے اردگرد حلقہ بنائے دیکھیں گے جبکہ وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہوں گے، اور ان (لوگوں) کے درمیان حق

بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿75﴾ ع

ع 8 5 5

کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا: سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے ﴿75﴾

اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ○ ﴾ (فاطر 35:34,35) ’’اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا (اور) بڑا قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا، یہاں نہ تو ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور نہ ہمیں اس میں کوئی تھکاوٹ پہنچتی ہے۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿74﴾ ﴾ ’’اور اس نے ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا، ہم بہشت میں جہاں چاہیں جگہ بنا لیں، سو (اچھے) عمل کرنے والوں کا بدلہ بھی کیسا خوب ہے!‘‘ ابو العالیہ، ابو صالح، قتادہ، سدی اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہاں ارض سے مراد ارضِ جنت ہے۔ ① یہ آیت اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 21:105) ’’اور بلاشبہ ہم نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ یقیناً میرے نیکوکار بندے اس زمین کے وارث ہوں گے۔‘‘ اور اسی لیے تو وہ کہیں گے: ﴿ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ ﴾ ’’ہم بہشت میں جہاں چاہیں جگہ بنا لیں۔‘‘ یعنی ہم جہاں چاہیں رہیں، ہمارے اعمال کا یہ بہت خوب صلہ ہے۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث معراج میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ] ’’پھر مجھے جنت میں داخل کر دیا گیا تو اس میں موتیوں کے قبے تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔‘‘ ②

تفسیر آیت: 75

حمد ہی سے افتتاح اور حمد ہی پر اختتام: اللہ تعالیٰ نے پہلے اہل جنت و جہنم کے بارے میں اپنا فیصلہ ذکر فرمایا ہے، پھر اس نے ان میں سے ہر ایک کو اس جگہ پہنچا دیا جو اس کے لیے موزوں اور مناسب تھی اور وہ اپنے فیصلوں میں عادل ہے کہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، اب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ذکر شروع فرما دیا ہے کہ وہ بڑی شان والے عرش کے گرد و پیش گھیرا باندھے ہوئے ہوں گے، اپنے رب تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے، اس کی بزرگی اور تعظیم بجا لا رہے ہوں گے اور تمام نقائص و عیوب سے اس کی تقدیس و تنزیہہ کر رہے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے معاملے کا فیصلہ فرما دیا ہوگا، حکم نافذ کر دیا ہوگا اور عدل و انصاف کے ساتھ حکم جاری فرما دیا ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ ’’اور ان کے درمیان فیصلہ کیا

① تفسیر الطبری: 48/24 و تفسیر القرطبی: 287/15. ② صحیح البخاری، أحادیث الأنبیآء، باب ذکر إدریس علیه السلام……، حدیث: 3342 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ……، حدیث: 163.

جائے گا۔''یعنی تمام مخلوقات میں ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ ''انصاف کے ساتھ۔'' پھر فرمایا ہے: ﴿ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔'' یعنی اس دن ساری کائنات، خواہ وہ بولنے والی ہو یا نہ بولنے والی، اللہ رب العالمین کے فیصلے اور عدل کی وجہ سے اس کی حمد کے ترانے گا رہی ہوگی، یہی وجہ ہے کہ یہاں قول کو کسی قائل کی طرح منسوب نہیں کیا گیا بلکہ اسے مطلق رکھا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مخلوقات اس کی حمد کی گواہی دیں گی۔ امام قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حمد ہی کے ساتھ مخلوق کا افتتاح کیا اور فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (الأنعام 6:1) ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔'' اور حمد ہی کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا اختتام فرمایا ہے: ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''[1]

سورۂ زمر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] تفسیر الطبری: 49/24.

تفسیر سورۂ مؤمن

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ

حٰمٓ① اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو نہایت غالب، خوب جاننے والا ہے② گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا (دینے)

الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

والا، بڑا فضل والا ہے، اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے③

حوامیم کی فضیلت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کا خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا خلاصہ آل حم ہے یا آپ نے یہ فرمایا کہ قرآن مجید کا خلاصہ حوامیم ہیں۔[①] مِسعَر بن کِدام کا قول ہے کہ (مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ) ان سورتوں کو دلہنیں کہا جاتا تھا۔[②] یہ تمام اقوال امام ابوعبید قاسم بن سلّام رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب فضائل القرآن میں بیان فرمائے ہیں۔[③] اور حمید بن زنجویہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھر والوں کے لیے کسی جگہ کی تلاش میں ہو اور اس کا کسی ایسی جگہ سے گزر رہا ہو جہاں بارش ہو چکی ہو، وہ اس جگہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے چلتے چلتے سرسبز و شاداب اور گھنے باغات میں پہنچ جائے اور کہے کہ میں تو بارش برسنے والی پہلی جگہ ہی سے خوش ہو رہا تھا، حالانکہ یہ مقام تو اس سے بھی زیادہ خوش منظر ہے تو اس سے کہا جائے کہ پہلی بارش کی مثال قرآن مجید کی عظمت کی مثال ہے اور ان سرسبز و شاداب اور گھنے باغات کی مثال ایسے ہے جیسے قرآن مجید کی حٰمٓ سورتیں ہیں۔ اسے امام بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔[④] اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں حٰمٓ سے شروع ہونے والی سورتوں کو پڑھتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے خوش منظر اور دلفریب باغات سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔[⑤]

تفسیر آیات :1-3

حٰمٓ کی ایک اور فضیلت: حروف مقطعات کے بارے میں سورۂ بقرہ کی ابتدا میں گفتگو کی جا چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے جسے امام ابوداود و ترمذی نے اس شخص سے روایت کیا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

① فتح القدير: 550/4 و تفسير البغوى: 103/4. ② تفسير القرطبى: 288/15 و تفسير البغوى: 103/4. ③ كتاب فضائل القرآن لأبى عبيد القاسم بن سلّام، ص: 255,254 . ④ تفسير البغوى: 103/4. ⑤ تفسير البغوى: 103/4.

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ

اللہ کی آیات میں صرف کافر لوگ ہی جھگڑا کرتے ہیں، لہٰذا آپ کو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈالے④ ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان

قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا

کے بعد (دوسرے) گروہوں نے بھی (انبیاء کو) جھٹلایا، اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے گرفتار کر لیں، اور انھوں نے ناحق

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

جھگڑا کیا تاکہ اس (باطل) کے ذریعے سے حق کو پھسلا دیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، (تو دیکھ لو!) میری سزا کیسی تھی⑤ اور اسی طرح ان لوگوں پر آپ

رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ ۘ

وقف لازم

کے رب کا فیصلہ ثابت ہو گیا جنھوں نے کفر کیا، کہ بلاشبہ یہ دوزخی ہیں⑥

سے سنا کہ آپ نے فرمایا: [إِنْ بُيِّتُّمُ اللَّيْلَةَ فَقُولُوا: حٰمٓ لَا يُنْصَرُونَ] ”اگر تم پر (دشمن کی طرف سے) رات کو حملہ ہو جائے تو (شعار کے طور پر) کہو: حم، ان (دشمنوں) کی مدد نہیں کی جائے گی۔“[1] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

بخشنے میں بھی بے مثل اور عذاب دینے میں بھی لاثانی: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ﴾ ”اس کتاب کا اتارا جانا اللہ انتہائی غالب و دانا کی طرف سے ہے۔“ یہ کتاب، یعنی قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو صاحب عزت و علم ہے جس کی طرف (بدی کا) ارادہ نہیں کیا جا سکتا اور جس سے ذرات بھی مخفی نہیں ہیں گو اس کے چہرۂ اقدس کے گرد بہت دبیز پردے ہیں۔ ﴿ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ ﴾ ”گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ یعنی جو ماضی میں کیے ہوئے گناہ کو معاف فرما دیتا ہے اور مستقبل کے لیے اس شخص کی توبہ قبول فرما لیتا ہے جو اس کے سامنے توبہ کرے اور اس کے حضور جھک جائے۔ ﴿ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ﴾ ”(اور) سخت سزا (دینے) والا ہے۔“ اسے جو سرکشی و بغاوت اختیار کرے، دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرے۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کی طرح ہے: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○﴾ (الحجر 50,49:15) ”(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دیں کہ یقیناً میں بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ان دونوں صفتوں کو بہت سے مقامات پر یکجا بیان فرمایا ہے تاکہ بندہ امید و خوف کے درمیان زندگی بسر کرے۔ ﴿ ذِي الطَّوْلِ ۭ﴾ ”بڑا فضل والا ہے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ طَول کے معنی وسعت و دولت کے ہیں۔[2] معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سرفراز فرمانے والا اور انھیں ایسے ایسے عظیم الشان انعامات و احسانات سے نوازنے والا ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ﴾ (إبراهيم 34:14) ”اور اگر تم اللہ کے احسان گننے لگو تو انھیں شمار نہ

---

① سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرجل ينادي بالشعار، حديث:2597 و جامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الشعار، حديث:1682 و المصنف لعبد الرزاق :233/5، حديث:9467 و اللفظ له. ② تفسير الطبري : 53/24.

کر سکو گے۔'' اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔'' تمام صفات میں اس کا کوئی نظیر نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ ﴿ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ③ ﴾ ''اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔'' یعنی وہ مرجع و ماؤی ہے اور وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا، ﴿ وَهُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ○ ﴾ (الرعد 41:13) ''اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

تفسیر آیات :4-6

کفار کی نشانی، اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حق بیان ہونے اور دلائل و براہین کے ظاہر ہونے کے بعد وہی جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے بیان کردہ دلائل و براہین کے منکر ہیں۔ ﴿ فَلَا یَغۡرُرۡكَ تَقَلُّبُهُمۡ فِی الۡبِلَادِ ④ ﴾ ''تو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' یعنی ان کے مال و متاع اور دنیوی سج دھج کو دیکھ کر دھوکے میں مبتلا نہ ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ ۞ مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ۟ ثُمَّ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ○ ﴾ (آل عمران 3:196,197) ''(اے پیغمبر!) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکا نہ دے۔ تھوڑا سا (فائدہ اٹھانے کا) سامان ہے، پھر (آخرت میں تو) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمۡ قَلِیۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ○ ﴾ (لقمٰن 31:24) ''ہم انھیں تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے قوم کی طرف سے جھٹلائے جانے پر اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کے لیے سابقہ انبیاء اسوہ و نمونہ ہیں، ان کی امتوں نے بھی ان کی تکذیب و مخالفت کی تھی اور ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے تھے۔ ﴿ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ ﴾ ''ان سے پہلے نوح کی قوم نے (پیغمبروں کی) تکذیب کی۔'' اور حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت سے منع کرنے کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ ﴿ وَالۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۪ ﴾ ''اور ان کے بعد (دوسرے) گروہوں نے بھی۔'' یعنی ہر امت میں سے گروہوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی۔ ﴿ وَهَمَّتۡ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوۡلِهِمۡ لِیَاۡخُذُوۡهُ ﴾ ''اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں قصد کیا کہ وہ اسے پکڑ لیں۔'' یعنی انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ اپنے پیغمبر کو قتل کر دیں اور ان میں سے بعض نے واقعی اپنے پیغمبروں کو قتل کر بھی دیا۔ ﴿ وَجٰدَلُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ ﴾ ''اور انھوں نے جھوٹی باتوں (بے ہودہ شبہات) کے ساتھ جھگڑا کیا تا کہ اس کے ذریعے سے حق کو زائل کر دیں۔'' یعنی انھوں نے شبہات اس لیے پیش کیے تا کہ واضح اور روشن حق کو رد کر دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَخَذۡتُهُمۡ ۟ ﴾ ''پس میں نے انھیں پکڑ لیا۔'' یعنی ان کے بڑے بڑے گناہوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں میں نے انھیں ہلاک کر دیا۔ ﴿ فَكَیۡفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ ﴾ ''سو (دیکھ لو) میری سزا کیسی تھی!'' یعنی دیکھ لو کہ میرے عذاب نے انھیں کس طرح اپنی گرفت میں لیا اور میں نے انھیں کس قدر شدید اور المناک سزائیں دیں۔ امام قتادہ نے فرمایا کہ

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں،

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا

اور مومنوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں، (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو (اپنی) رحمت اور (اپنے) علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، لہٰذا تو ان

سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی پیروی کی، اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا⑦ اے ہمارے رب! اور انھیں ان ابدی

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧

باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کو بھی جو ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں،

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ

بے شک تو (ہر چیز پر) غالب، نہایت حکمت والا ہے⑧ اور انھیں برائیوں سے بچا، اور جسے تو نے اس دن برائیوں (کی سزا) سے بچالیا تو درحقیقت تو

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ ع

نے اس پر رحم کیا، اور یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے⑨

واللہ! اللہ تعالیٰ کا عذاب بے حد شدید تھا۔[1] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ ﴾ ''اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہوگئی ان لوگوں پر جنھوں نے کفر کیا کہ بلاشبہ وہی دوزخی ہیں۔'' یعنی جس طرح سابقہ کافر قوموں کے بارے میں عذاب کی بات پوری ہو چکی ہے اسی طرح اے محمد (ﷺ!) تمھاری تکذیب و مخالفت کرنے والوں کے بارے میں بھی یہ بات بطریق اولیٰ پوری ہو کر رہے گی کیونکہ جو تمھاری تکذیب کرے، اس کی دوسرے نبیوں کی تصدیق کا بھی اعتبار نہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 7-9

حاملین عرش اللہ کی حمد اور مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مقربین، چاروں حاملین عرش اور اس کے گردو پیش کے مقرب فرشتوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، یعنی وہ تسبیح جو نقائص کی نفی پر دلالت کرتی ہے اور وہ تحمید جو صفات مدح کے اثبات کا تقاضا کرتی ہے، ملا کر بیان کرتے ہیں، ﴿ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ ''اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔'' اس کے سامنے جھکے ہوئے عجز و انکسار کا اظہار کر رہے ہیں، ﴿ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ ﴾ ''اور ان لوگوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں جو ایمان لائے۔'' یعنی ان اہل زمین کے لیے جو غیب کے ساتھ ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ مقربین کی یہ ڈیوٹی لگا دی ہے کہ وہ اس کے مومن بندوں کے لیے غائبانہ دعا کریں۔ فرشتوں کی عادت ہے کہ وہ مومنوں کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں، اس لیے جب کوئی

[1] تفسیر الطبری: 55/28.

مومن اپنے کسی بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرے تو فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ (ابودرداء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:) [مَنْ دَعَا لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ: آمِينَ! وَلَكَ بِمِثْلٍ] ''جس نے اپنے کسی بھائی کے لیے غائبانہ دعا کی تو اس پر مقرر فرشتہ کہتا ہے: آمین! اور تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو۔''[1]

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں کی تعداد آٹھ ہے، ان میں سے چار یہ کہتے ہیں: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ، لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ] ''اے اللہ! تو اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے، سب تعریف تیرے ہی لیے ہے کہ سب کچھ جاننے کے باوجود تو درگزر فرماتا ہے۔'' اور چار فرشتے یہ کہتے ہیں: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ، لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ] ''اے اللہ! تو اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے، سب تعریف تیرے ہی لیے ہے کہ تو قدرت کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔''[2] اسی لیے اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو (اپنی) رحمت اور علم سے گھیر لیا ہے۔'' تیری رحمت تیرے بندوں کے گناہوں اور غلطیوں سے زیادہ ہے اور تیرا علم ان کے تمام اعمال واقوال اور حرکات وسکنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ﴿ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ ﴾ ''پس تو ان لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور تیرے رستے کی پیروی کی۔'' یعنی گناہ گار جب توبہ اور رجوع کر لیں، گناہوں کو ترک کر دیں اور نیکیوں کے سرانجام دینے اور برائیوں کے ترک کر دینے میں تیرے احکام کی اتباع کریں تو تو ان کو معاف فرما دے، ﴿ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦ ﴾ ''اور تو انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔'' جو بہت دردناک اور المناک عذاب ہے۔ ﴿ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اِلَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! اور تو انھیں ہمیشہ رہنے والے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوئے۔'' یعنی ان سب کو بہشتوں میں جمع فرما دے تاکہ سب کے قریب رہنے کی وجہ سے انھیں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ ﴾ (الطور 52: 21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ (جنت میں) ملا دیں گے اور ان کے لیے ان کے عمل سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔'' یعنی ہم ان سب کو مساوی مقام ومرتبہ عطا کر دیں گے تاکہ انھیں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو، بلند درجے والے کے مرتبے کو کم کر کے اسے ادنیٰ کے ساتھ نہیں ملائیں گے بلکہ ادنیٰ درجے والے پر احسان اور فضل کرتے ہوئے اسے اونچے مرتبے کے لوگوں کے ساتھ ملا دیں گے۔

① صحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب، حديث:(87)-2732.

② تفسير عبدالرزاق :342/3، رقم:3314 وتفسير الطبري :10/19 وشعب الإيمان للبيهقي، فصل في معنى قول الله عزوجل: ﴿ تَعْرُجُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ ﴾ (المعارج70: 4) :364,327/1 وكتاب العظمة لأبي الشيخ الأصبهاني:954/3، حديث: 481، البتہ ان الفاظ کی سند ضعیف ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے پکار کر کہا جائے گا: اللہ کی ناراضی و بیزاری (آج) تمھاری اپنے آپ پر ناراضی و بیزاری سے بڑھ کر تھی، جب (دنیا

اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا

میں) تمھیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے⑩ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی، اور تو نے ہمیں دو بار

بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

زندہ کیا، تو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، پھر کیا (اس عذاب سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟⑪ (فرمایا جائے گا:) تمھیں یہ (عذاب) اس وجہ سے ہے کہ

كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫ هُوَ الَّذِيْ

بلاشبہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم (اس کی توحید کا) انکار کرتے تھے، اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم (اس شرک کو) مان لیتے تھے، اب

يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ

حکم تو اللہ ہی کا ہے جو نہایت برتر اور بہت بڑا ہے⑫ وہی تو ہے جو تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، اور تمھارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے،

يُّنِيْبُ ⑬ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭

اور نصیحت تو وہی پکڑتا ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہو⑬ لہٰذا تم اللہ کے لیے بندگی خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو، اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں⑭

سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ مومن جب جنت میں داخل ہوگا تو وہ اپنے باپ، بیٹے اور بھائی کے بارے میں پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں، پس اس سے کہا جائے گا کہ وہ عمل کے اعتبار سے تمھارے طبقے کو نہیں پہنچے تو مومن کہے گا کہ میں نے عمل اپنے لیے اور ان سب کے لیے بھی کیے تھے تو اس کے بعد ان سب کو بھی اسی کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا، پھر سعید بن جبیر نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور (ان کو بھی) جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں، بے شک تو ہی بڑا غالب، نہایت حکمت والا ہے۔''①

مطرف بن عبداللہ بن شخیر نے کہا ہے کہ بندگان الٰہی میں سے مومنوں کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ فرشتے ہیں، پھر انھوں نے بطور دلیل اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! اور تو انھیں ہمیشہ رہنے والے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔'' اور مومنوں کے لیے سب سے زیادہ دھوکے باز شیاطین ہیں۔②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧ ﴾ ''بے شک تو ہی بڑا غالب، نہایت حکمت والا ہے۔'' جس کے حکم کو ٹالا نہیں جا سکتا اور نہ جس پر کوئی غالب آ سکتا ہے، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور وہ اپنے اقوال و

① تفسیر الطبری: 57/24. ② تفسیر عبدالرزاق: 140/3، رقم: 2657 و تفسیر الطبری: 58/24.

افعال اور شرع وقدر میں حکمت والا ہے۔ ﴿ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ﴾ ''اور تو انھیں برائیوں سے بچائے رکھ۔'' یعنی ان کے کرنے سے یا جو برائیاں سرزد ہو چکی ہیں ان کے وبال سے، ﴿ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ ﴾ ''اور تو جسے اس روز برائیوں سے بچالے۔'' یعنی روز قیامت، ﴿ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ﴾ ''تو بے شک تو نے اس پر مہربانی فرمائی۔'' اسے لطف وکرم سے نوازا اور اسے سزا سے بچالیا، ﴿ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ ''اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

تفسیر آیات :10-14

دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کفار کی ندامت : اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اس وقت انھیں پکار کر کہا جائے گا جب وہ آتش دوزخ کی سختیوں میں گھرے ہوں گے اور ایسے عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے جسے برداشت کرنے کی کسی میں طاقت نہ ہوگی اور وہ اپنے ہی نفسوں پر اپنے ان برے اعمال کی وجہ سے جو ان کے دوزخ میں جانے کا سبب بنے، شدید غصے اور ناراضی کا اظہار کر رہے ہوں گے، تو اس وقت فرشتے انھیں بلند آواز سے پکار کر یہ خبر دیں گے کہ جب دنیا میں تمھیں ایمان کے قبول کر لینے کی دعوت دی جاتی تھی مگر تم ایمان کو قبول کرنے کے بجائے کفر اختیار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ تم سے اس کی نسبت کہیں شدید ناراض ہوتے تھے جس قدر تم اس حالت عذاب میں اپنے آپ سے بےزار ہو رہے ہو۔ ﴿ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ ''البتہ (اس وقت) اللہ کی ناراضی تمھاری اپنے اوپر ناراضی سے زیادہ بڑی ہے جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تو تم انکار کرتے تھے۔'' اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اہل ضلالت سے ناراضی، جب دنیا میں ان کے سامنے ایمان پیش کیا جاتا تھا مگر وہ اسے ترک کر دیتے اور قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے، اس سے کہیں زیادہ تھی جتنی روز قیامت عذاب الٰہی کو دیکھ کر انھیں اپنے نفسوں سے ہوگی۔[1] امام حسن بصری، سدی، ذر بن عبداللہ ہمدانی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور امام ابن جریر طبری کا بھی یہی قول ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ﴾ ''وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا۔'' امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ابو اسحاق سے، انھوں نے ابو الاحوص سے اور انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:28) ''تم کیسے اللہ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر وہی تمھیں موت دے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، قتادہ اور ابو مالک کا بھی یہی قول ہے۔[4] اور یہی بات درست ہے جس میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں، مقصود اس سب سے یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر کفار یہ سوال کریں گے کہ انھیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:12) ''اور کاش! آپ دیکھیں

[1] تفسیر الطبری: 59/24. [2] تفسیر الطبری: 59/24. [3] تفسیر الطبری: 60/24. [4] تفسیر الطبری: 60/24.

جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے:) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس تو ہمیں (دنیا میں) واپس بھیج دے (اب) ہم نیک عمل کریں گے، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' انھیں اس وقت کوئی جواب نہیں دیا جائے گا، پھر جب وہ آگ دیکھیں گے اور پوری طرح اس کا مشاہدہ کر لیں گے اور آگ ہی پر کھڑے ہوں گے اور اس کے اندر موجود عذاب اور سزاؤں کو دیکھ لیں گے تو پہلی دفعہ سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ دنیا کی طرف واپسی کا سوال کریں گے مگر انھیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:27,28) ''اور کاش! آپ (انھیں اس وقت) دیکھیں جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے اور کہیں گے: اے کاش! ہم (پھر دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تو اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں گے اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا اور اگر وہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے انھیں منع کیا گیا، انھیں پھر کرنے لگیں، اور کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔'' جب وہ آتش دوزخ میں داخل ہو کر اس کی حرارت و تمازت کو چکھیں گے اور ہتھوڑوں اور بیڑیوں کو دیکھ لیں گے تو پھر اور بھی زیادہ شدت کے ساتھ دنیا کی طرف واپسی کے بارے میں (اس طرح) سوال کریں گے: ﴿ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ ﴾ (فاطر 35 : 37) ''اور وہ اس میں چلائیں گے (اور کہیں گے:) اے ہمارے پروردگار! ہمیں نکال لے (اب) ہم نیک عمل کریں گے نہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے۔ (اللہ فرمائے گا:) کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں نصیحت پکڑ لیتا وہ شخص جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، پس اب تم (مزے) چکھو، پس ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔'' (اور فرمایا کہ وہ کہیں گے:) ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ ﴾ (المؤمنون 23: 107,108) ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اس سے نکال دے، پھر اگر ہم لوٹے (ایسے کام کریں) تو یقیناً ہم ہی ظالم ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا: اس میں ذلیل و خوار پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔''

پیش نظر آیت کریمہ میں انھوں نے سوال کے لیے ایک لطیف انداز اختیار کیا اور اپنی بات سے پہلے تمہید بیان کی اور وہ یہ: ﴿ رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا۔'' یعنی تیری قدرت بڑی عظیم الشان ہے، تو نے ہمیں مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندگی عطا فرما دی، پھر تو نے ہم پر موت طاری کر دی، پھر ہمیں زندہ کر دیا، تو جو چاہے اس پر قادر ہے، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ بلاشبہ ہم دنیا میں ظالم تھے، ﴿ فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝11 ﴾ ''تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے؟'' یعنی کیا تو ہمارے اس سوال کو قبول فرمالے گا کہ تو ہمیں ایک بار اور دنیا میں بھیج دے اور تجھے اس بات کی پوری پوری قدرت بھی حاصل ہے تاکہ ہم دنیا میں اپنے

پہلے عمل سے مختلف عمل کریں اور اگر ہم نے دوبارہ اسی طرح عمل کیے تو بلاشبہ ہم ہی ظالم ہوں گے۔ انھیں جواب دیا جائے گا کہ اب تمھارے لیے دنیا میں واپس جانے کا کوئی رستہ نہیں، پھر اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ تمھاری عادات ہی ایسی تھیں کہ وہ حق کو قبول نہیں کرتیں بلکہ وہ اس کی نفی اور انکار کرتی تھیں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ ﴾ ''یہ (عذاب) اس لیے کہ بے شک جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تو تم انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تو تسلیم کر لیتے تھے۔'' یعنی اگر تمھیں دنیا میں بھیج دیا جائے تو تم پھر اسی طرح ہو جاؤ گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 28:6) ''اور اگر وہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تب بھی جن (کاموں) سے انھیں منع کیا گیا تھا وہی کریں گے۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝ ﴾ ''پس حکم تو اللہ ہی کا ہے جو نہایت بلند، بہت بڑا ہے۔'' وہ اپنی مخلوق پر حاکم اور ایسا عادل ہے جو ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، جس پر چاہے رحم فرماتا اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ ''وہی ہے جو تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔'' یعنی اپنی مخلوق کے سامنے اپنی قدرت کو ظاہر فرماتا ہے جس کا وہ اس کی علوی و سفلی مخلوق میں ایسی عظیم الشان نشانیوں کی صورت میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جو ان کے خالق و مالک کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ ﴿ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ ﴾ ''اور وہ تمھارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے۔'' یعنی بارش جس کے ساتھ وہ طرح طرح کی فصلوں اور پھلوں کو پیدا فرماتا ہے جن کے مختلف رنگوں، ذائقوں، خوشبوؤں اور شکلوں کا حواس کے ساتھ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، حالانکہ پانی ایک ہی تھا مگر اس نے اپنی عظیم الشان قدرت کے ساتھ مختلف اشیاء میں تفاوت اور تنوع پیدا فرما دیا۔ ﴿ وَمَا يَتَذَكَّرُ ﴾ ''اور نہیں نصیحت حاصل کرتا۔'' یعنی نصیحت پکڑتا، ان اشیاء میں غور و فکر کرتا اور ان کے ذریعے سے اپنے خالق کی عظمت پر استدلال کرتا، ﴿ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝ ﴾ ''مگر جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔'' یعنی جو بصیرت سے کام لیتا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ ''سو تم اللہ کو اس کی بندگی خالص کرتے ہوئے پکارو، اگرچہ کافر ناپسند سمجھیں۔'' یعنی خالص اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور صرف اسی کو پکارو اور مشرکین کے مسلک و مذہب کی پوری پوری مخالفت کرو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، وَلَهُ النِّعْمَةُ، وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ] ''اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ساری بادشاہت ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، کسی کام کی بھی طاقت و قوت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ

وہ بہت بلند درجوں والا، عرش کا مالک ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے وحی نازل کرتا ہے، تاکہ وہ (لوگوں کو)

يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿15﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ

ملاقات کے دن سے ڈرائے ⑮ جس دن وہ (قبروں سے) ظاہر و باہر ہوں گے، اللہ پر ان کی کوئی چیز چھپی نہ ہوگی۔ (اللہ پوچھے گا:) آج کس

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿16﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

کی بادشاہی ہے؟ (پھر خود ہی فرمائے گا:) صرف اللہ واحد و قہار کی ⑯ آج ہر نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا۔ آج کوئی ظلم نہیں

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿17﴾

ہوگا، بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے ⑰

اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اس کی عطا فرمائی ہوئی سب نعمتیں ہیں اور اس کا (ہم پر) فضل و کرم ہے اور اسی کے لیے ہی سب اچھی تعریفیں ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، (ہم تو پورے) اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کرتے ہیں، خواہ کافروں کو برا لگے۔'' اور انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ ① اسے امام مسلم، ابوداود، اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ②

صحیح مسلم میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں کے بعد ③ ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ] ''اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ساری بادشاہت ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، کسی کام کی بھی طاقت و قوت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اسی کی عطا فرمائی ہوئی سب نعمتیں ہیں، اسی کا (ہم پر) فضل و کرم ہے اور اسی کی سب سے اچھی تعریفیں ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، (ہم تو پورے) اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کرتے ہیں، خواہ کافروں کو برا لگے۔'' ④

تفسیر آیات: 15-17

وحی الٰہی کا مقصد: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و کبریائی کو بیان کرتے ہوئے اپنے عرش عظیم کی بلندی کو بیان فرمایا ہے کہ وہ تمام

① مسند أحمد: 4/4. ② صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......، حديث: 594 وسنن أبي داود، الوتر، باب مايقول الرجل إذا سلم؟ حديث: 1507,1506 وسنن النسائي، السهو، باب عدد التهليل والذكر بعد التسليم، حديث: 1341. ③ الصلوات المكتوبات ''فرض نمازوں'' کے بجائے صحیح مسلم، حدیث: (140)-594 میں الصلاة أو الصلوات ''نماز یا نمازوں'' ہے، سنن ابوداود اور نسائی میں بھی المکتوبات ''فرض'' کا لفظ نہیں ہے۔ ④ صحيح مسلم، المساجد......، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......، حديث: 594 و سنن أبي داود، الوتر، باب مايقول الرجل إذا سلم؟ حديث: 1507,1506 و سنن النسائي، السهو، باب التهليل بعدالتسليم، حديث: 1340.

مخلوقات سے اس طرح بلند ہے گویا ان کی چھت ہو جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ ﴾ (المعارج 70:3,4) ''(اور وہ) اس اللہ صاحب درجات کی طرف سے (نازل ہوگا) جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے ایسے دن میں چڑھیں گے جس کا اندازہ پچاس ہزار برس ہوگا۔'' اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا کہ سلف وخلف کی ایک جماعت کے بقول یہ مسافت عرش سے لے کر ساتویں زمین تک ہے [1] اور ان شاء اللہ یہی قول راجح ہے۔ کئی ایک اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پاک سرخ رنگ کے یاقوت کا ہے۔[2] اس کے دونوں قُطروں کے مابین پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ ''اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، اپنے حکم سے روح (وحی) ڈالتا ہے۔'' جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ ﴾ (النحل 16:2) ''وہی فرشتوں (جبرائیل) کو روح (وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے یہ کہ تم (لوگوں کو) ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو تم مجھی سے ڈرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:192-194) ''اور یقیناً یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے، آپ کے دل پر (القا کیا ہے) تاکہ آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں میں سے ہوں۔'' اسی لیے اللہ عزوجل نے یہاں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ ﴾ ''تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ ﴾ (ملاقات کا دن) قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے۔[4] کیونکہ اس دن ہر عمل کرنے والا اپنے اچھے یا برے عمل کو اپنے سامنے پالے گا۔

اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ﴾ ''جس روز وہ (قبروں سے) نکل پڑیں گے، ان کی کوئی چیز اللہ سے مخفی نہ رہے گی۔'' یعنی سب کے سب ظاہر اور نمایاں ہوں گے، کوئی چیز نہ ان کو چھپائے ہوگی، نہ ان پر سایہ کیے ہوگی اور نہ ان پر پردہ کیے ہوگی، یعنی سب یکساں طور پر اس کے علم میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ ﴾ ''آج کے دن بادشاہت کس کے لیے ہے؟ اللہ کے لیے جو اکیلا، بڑا غالب ہے۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے[5] جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا: [(أَنَا الْجَبَّارُ، أَنَا الْمُتَكَبِّرُ) ، (أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟)، (أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟)] ''میں ہوں زبردست، میں ہوں بڑائی والا، میں ہوں بادشاہ، کہاں

---

[1] دیکھیے تفسیر ابن کثیر (مفصل)، المعارج، آیت:4 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم :1497/5 و1925/6 و2005 وکتاب العظمۃ لأبی الشیخ الأصبھانی:631/2، حدیث:247. [3] اس کی دلیل ہمیں نہیں ملی۔ [4] تفسیر الطبری :64/24.
[5] دیکھیے الفرقان، آیات :25-29 کے تحت عنوان: ''قیامت کے دن کی سنگینیاں''

ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں سرکش؟ کہاں ہیں بڑائی والے؟''①

اور حدیث صور میں ہے کہ اللہ عزوجل جب اپنی تمام مخلوق کی روحوں کو قبض فرمالے گا اور اس وحدہ لاشریک لہ کے سوا اس وقت کوئی اور نہ بچے گا تو وہ فرمائے گا کہ آج کس کی بادشاہت ہے۔ تین بار فرمائے گا اور پھر اپنے آپ کو اس کا جواب دیتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ ﴾ ''اللہ کی جو اکیلا، بڑا غالب ہے۔''② یعنی وہ ذات پاک جو وحدہ لاشریک ہے، اس نے ہر چیز کو مقہور اور مغلوب کر دیا ہے، ﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰ ﴾ ''آج ہر نفس کو اس (چیز) کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا، آج (کسی کے حق میں) کوئی ظلم نہیں ہوگا، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے عدل کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرمائے گا بلکہ نیکی کا دس گنا اور برائی کا اس کے برابر ہی بدلہ دے گا، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ ﴾ ''آج (کسی کے حق میں) ظلم نہیں ہوگا۔'' جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کے بارے میں بیان کیا کہ وہ فرماتا ہے: [يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا ...... يَاعِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ، ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا، فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ] ''اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنے آپ پر ظلم حرام کر دیا اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام قرار دے دیا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ حتی کہ فرمایا۔ اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہیں جنھیں میں تمھارے لیے شمار کر رہا ہوں اور پھر تمھیں ان کا پورا پورا بدلہ بھی دوں گا، پس جو شخص خیر و بھلائی پائے تو اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کرنی چاہیے اور جو اس کے علاوہ کچھ اور پائے تو اسے اپنے آپ ہی کو ملامت کرنی چاہیے۔''③

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰ ﴾ ''بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' وہ تمام مخلوقات کا اس طرح آسانی کے ساتھ حساب لے لے گا، گویا اس نے ایک ہی انسان سے حساب لیا ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ ﴾ (لقمٰن 28:31) ''تمھارا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہی تو ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ۝ ﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہی ہوتی ہے۔''

① پہلی قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 72/2 والسنن الكبرى للنسائي، النعوت، باب المتكبر:402/4، حديث:7696، دوسری قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ مَلِكِ النَّاسِ ۝ ﴾ (الناس 2:114)، حديث: 7382 وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث:2787 عن أبي هريرة رضي الله عنه جبکہ تیسری قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث:2788 میں ہیں۔ ② الأحاديث الطوال للطبراني، حديث الصور، ص: 104-114، حديث:48. ③ صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظلم، حديث:2577.

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۵ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ

اور آپ انھیں قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرائیں جبکہ غم سے بھرے کلیجے حلقوں کو آ رہے ہوں گے، ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ

وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ⑱ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ⑲ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ

کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے ⑱ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو، اور اسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں ⑲ اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ

ع 2/11/7 وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳

کرے گا، اور وہ اس کے سوا جنھیں پکارتے ہیں، وہ کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے، بلاشبہ اللہ ہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ⑳

تفسیر آیات :18-20

قیامت کے دن کا ڈر : ﴿ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ ﴾ ''قریب آنے والا دن'' قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس دن کے قریب ہونے کی وجہ سے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝ ﴾ (النجم 53 : 58,57) ''قریب آنے والی (قیامت) قریب آگئی، اس (قیامت) کو اللہ کے سوا کوئی بھی ہٹانے والا نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ﴾ (القمر 54 :1) ''قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ﴾ (الأنبياء 21 :1) ''لوگوں کے لیے ان کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آگیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ (النحل 16 :1) ''اللہ کا حکم (عذاب) آ ہی پہنچا تو (کافرو) تم اسے جلدی طلب نہ کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (الملك 67 :27) ''سو جب وہ اسے قریب ہی دیکھ لیں گے تو جنھوں نے کفر کیا ان کے چہرے بگڑ جائیں گے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۵ ﴾ ''جب دل غم سے بھرے ہوئے گلوں کے قریب آ رہے ہوں گے۔'' امام قتادہ نے کہا ہے کہ خوف کی وجہ سے دل گلوں میں اٹک جائیں گے، نہ باہر نکلیں گے اور نہ اپنی جگہوں پر واپس جا سکیں گے۔ [1] عکرمہ، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ [2] ﴿ كٰظِمِيْنَ ۵ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ خاموش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی کلام نہ کر سکے گا۔ ﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ﴾ (النبا 78 :38) ''اس دن روح (جبریل) اور سب فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو رحمان اجازت دے گا اور وہ بات بھی درست کہے گا۔'' ابن جریج کہتے ہیں کہ ﴿ كٰظِمِيْنَ ۵ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ رو رہے ہوں گے۔ [3] ﴿ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ⑱ ﴾ ''ظالموں کے لیے کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔'' یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ان کے لیے نہ تو کوئی قریبی رشتہ دار ہوگا جو انھیں نفع دے سکے اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جو ان کے بارے میں سفارش کر سکے، ان کے آپس کے ہر طرح کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ⑲ ﴾ ''وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور (اس کو بھی)

[1] تفسير الطبري : 67/24. [2] تفسير الطبري : 67/24. [3] الدر المنثور : 652/5.

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا

کیا وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں، پھر وہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ ان سے قدرت وطاقت میں اور زمین میں

هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

(چھوڑی ہوئی) نشانیوں کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے، پھر اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں پکڑ لیا، اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا㉑ یہ

مِنْ وَّاقٍ ㉑ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ

اس لیے کہ بے شک ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آتے تھے تو انھوں نے انکار کیا، لہٰذا اللہ نے انھیں پکڑ لیا، یقیناً اللہ بڑی قوت والا،

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ㉒

سخت سزا دینے والا ہے㉒

جو (باتیں ان کے) سینے چھپاتے ہیں۔'' اس میں اللہ عزوجل نے اپنے اس مکمل علم کے بارے میں خبر دی ہے جو جلیل وحقیر، صغیر و کبیر اور دقیق ولطیف تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ڈرائے کہ اسے ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کریں جس طرح حیا کرنے کا حق ہے اور اس طرح تقویٰ اختیار کریں جس طرح اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور اس سے اس طرح معاملہ کریں جس طرح اس سے معاملہ کیا جاتا ہے جو جانتا ہو کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے کیونکہ اللہ عزوجل تو آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے، گو وہ یہ ظاہر کریں کہ وہ امانت ودیانت سے کام لے رہی ہیں اور وہ دلوں کی دھڑکنوں اور ان میں مخفی تمام رازوں تک سے آگاہ ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ ﴿ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ ﴾ سے مراد آنکھوں کے اشارے اور یہ کہنا ہے کہ میں نے دیکھا ہے، حالانکہ اس نے دیکھا نہ ہو یا یہ کہنا کہ میں نے نہیں دیکھا، حالانکہ اس نے دیکھا ہو۔ ① اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ دیکھتے ہوئے آنکھ کا ارادہ خیانت کا ہے یا نہیں۔ ② مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ③ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ⑲ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ قدرت ہونے کی صورت میں تو زنا کرے گا یا نہیں۔ ④ اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سینوں میں پیدا ہونے والے وسوسے کو بھی جانتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ؕ ﴾ ''اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔'' یعنی وہ عدل کے ساتھ حکم فرماتا ہے۔ اعمش نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ اور برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دے۔ ⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی یہ جو تفسیر بیان کی ہے اس کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ ﴾ (النجم 53:31) ''تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنھوں نے برائیاں کیں بہ سبب اس کے جو انھوں نے عمل کیے

① تفسیر القرطبی: 303/15. ② تفسیر الطبری: 68/24. ③ تفسیر الطبری: 69/24. ④ تفسیر الطبری: 68/24.
⑤ تفسیر الطبری: 68/24.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿23﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا﴿23﴾ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف، تو انھوں نے کہا: (یہ تو) جادوگر ہے بڑا جھوٹا

سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿24﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا

ہے﴿24﴾ پھر جب وہ ہماری طرف سے ان کے پاس حق لے کر آیا تو انھوں نے کہا: جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان

نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿25﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ

کی عورتوں (بیٹیوں) کو زندہ رکھو، اور کافروں کی چال تو سراسر ناکام ہی تھی﴿25﴾ اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰ کو قتل کر دوں، اور (اسے) چاہیے کہ وہ

رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿26﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى

اپنے رب کو بلا لے، بلاشبہ میں تو ڈرتا ہوں کہ وہ تمھارے دین کو بدل ڈالے گا، یا یہ کہ وہ زمین میں فساد پھیلائے گا﴿26﴾ اور موسیٰ نے کہا: بے شک میں

3 ع 7 8 اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿27﴾ ع

اپنے اور تمھارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں، ہر اس متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا﴿27﴾

اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو اچھائی کے ساتھ بدلہ دے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''اور جن کو وہ (لوگ) اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہیں۔'' یعنی بتوں اور شریکوں کو ﴿ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ ﴾ ''وہ کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔'' یعنی وہ نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ کسی چیز کا حکم دے سکتے ہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿20﴾ ﴾ ''بے شک اللہ ہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' وہ اپنی تمام مخلوق کی باتوں کو سنتا اور ان سب کو دیکھتا ہے، وہ ان میں سے جسے چاہتا ہدایت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنے ان تمام معاملات میں حاکم و عادل ہے۔

تفسیر آیات: 22,21

جھٹلانے والوں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (ﷺ!) آپ کی تکذیب کرنے والے یہ لوگ ﴿ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں؟'' کہ ﴿ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ ﴾ ''پس وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔'' یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والی امتوں کو کہ ان پر کیسے کیسے ہولناک عذاب نازل ہوئے؟ حالانکہ وہ لوگ قوت و طاقت میں بھی ان سے کہیں بڑھ کر تھے، ﴿ وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور زمین میں (چھوڑے ہوئے) نشانات کے لحاظ سے (بھی۔)'' یعنی انھوں نے زمین میں ایسی ایسی عظیم الشان عمارتیں، محلات اور قلعے بنائے تھے کہ یہ لوگ اس طرح کے نہیں بنا سکتے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ ﴾ (الأحقاف 26:46) ''اور البتہ تحقیق ہم نے انھیں اس چیز کی قدرت دی جس کی قدرت ہم نے تمھیں نہیں دی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا ﴾ (الروم 30:9) ''اور انھوں نے زمین کو جوتا بویا اور اسے اس سے زیادہ آباد کیا جتنا انھوں نے اسے آباد کیا۔'' یعنی اس عظیم قوت اور زبردست طاقت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کا گناہ انبیائے کرام کے ساتھ کفر تھا، ﴿ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿21﴾ ﴾ ''اور انھیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی

بچانے والا نہ تھا۔'' یعنی کسی نے ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہ کیا اور نہ کسی نے انھیں بچایا، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ان کے مبتلائے عذاب ہونے کا سبب ان کے وہ گناہ اور جرائم تھے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے، ارشاد فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلوں کے ساتھ آتے تھے۔'' اور واضح دلائل اور قاطع براہین پیش فرماتے تھے۔ ﴿ فَكَفَرُوْا ﴾ ''تو انھوں نے انکار کیا۔'' دلائل و براہین کے واضح اور روشن ہونے کے باوجود یہ لوگ کفر اور انکار کرتے تھے۔ ﴿ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ﴾ ''سو اللہ نے انھیں پکڑ لیا۔'' اور انھیں ہلاک کر دیا، ان پر تباہی و بربادی ڈال دی اور اسی طرح کا عذاب ان کافروں کو بھی ہوگا۔ ﴿ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ ''بلاشبہ وہ صاحب قوت، سخت سزا دینے والا ہے۔'' وہ عظیم قوت کا مالک ہے، اس کی پکڑ بہت شدید اور اس کا عذاب بہت دردناک ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

تفسیر آیات: 23-27

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: قوم کے جھٹلانے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو تسلی اور یہ بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی اور فتح و نصرت آپ ہی کو حاصل ہوگی جیسا کہ موسیٰ بن عمران کو حاصل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں روشن نشانیوں اور واضح دلائل کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ ''اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ۔'' سلطان کے معنی حجت و برہان کے ہیں۔ ﴿ اِلٰى فِرْعَوْنَ ﴾ ''فرعون کی طرف'' جو مصر میں قبطیوں کا بادشاہ تھا۔ ﴿ وَهَامٰنَ ﴾ ''اور ہامان کی طرف'' جو مملکت میں اس کا وزیر تھا۔ ﴿ وَقَارُوْنَ ﴾ ''اور قارون کی طرف'' جو اس زمانے کا سب سے بڑا مال دار شخص اور سب سے بڑا تاجر تھا۔ ﴿ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ ﴾ ''تو انھوں نے کہا: یہ تو بڑا جھوٹا جادوگر ہے۔'' یعنی انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور انھیں جادوگر، مجنون، پاگل اور دعوائے نبوت میں جھوٹا قرار دیا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 51:52,53) ''اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو بھی پیغمبر آیا تو انھوں نے کہا: یہ جادوگر یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی (بات) کی وصیت کرتے آئے ہیں (نہیں!) بلکہ وہ سارے سرکش لوگ ہی ہیں۔''

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا ﴾ ''پس جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر آیا۔'' یعنی ایسی برہان قاطع کے ساتھ جو اس بات کی دلیل تھی کہ واقعی اللہ عز و جل نے انھیں ان کی طرف مبعوث فرمایا ہے، ﴿ قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ﴾ ''تو انھوں نے کہا: جو لوگ اس کے ساتھ (اللہ پر) ایمان لائے ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو۔'' بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کی بابت یہ فرعون کا دوسرا حکم تھا جبکہ اس بارے میں اس کا پہلا حکم موسیٰ علیہ السلام کے وجود سے بچنے کے لیے یا بنی اسرائیل کو ذلیل اور ان کی تعداد کو کم کرنے یا ان دونوں باتوں کی وجہ سے تھا اور یہ دوسرا حکم بنی اسرائیل کی تعداد کو کم کرنے اور انھیں ذلیل و رسوا کرنے کی وجہ سے تھا، نیز اس لیے بھی تاکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کو اپنے

لیے منحوس سمجھیں، اسی لیے تو انھوں نے کہا تھا: ﴿ اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (الأعراف 129:7) ''تمھارے آنے سے پہلے بھی ہم اذیتیں دیے گئے اور اس کے بعد بھی کہ تو ہمارے پاس آ گیا، اس (موسیٰ) نے کہا: امید ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور (اس کی جگہ) تمھیں زمین میں خلیفہ بنا دے گا، پھر وہ دیکھے گا (کہ) تم کیسے عمل کرتے ہو۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر کے بعد دوسرا امر ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۝۲۵ ﴾ ''اور کافروں کی چال بے کار ہی تھی۔'' یعنی ان کی یہ تدبیر اور یہ قصد و ارادہ کہ بنی اسرائیل کی تعداد کو کم کر دیا جائے تاکہ وہ قبطیوں پر غالب نہ آ جائیں، ختم ہو کر رہ گیا اور پورا نہ ہو سکا۔ ﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ ﴾ ''اور فرعون بولا: مجھے چھوڑو (تاکہ) میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار کو بلا لائے۔'' اللہ تعالیٰ فرعون پر لعنت کرے، اس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے، اس نے اپنی قوم سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں تمھارے لیے اس کو قتل کر دوں، ﴿ وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ ﴾ ''اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار کو بلا لائے۔'' کیونکہ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، یہ انکار، سرکشی اور بغاوت کی انتہا تھی۔ ﴿ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ۝۲۶ ﴾ ''بے شک میں ڈرتا ہوں کہ (کہیں) وہ تمھارے دین کو (نہ) بدل دے یا زمین میں فساد (نہ) پھیلا دے۔'' فرعون ڈرتا تھا کہیں موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو گمراہ نہ کر دیں اور ان کی رسوم و عادات میں تبدیلی نہ پیدا کر دیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے: صَارَ فِرْعَوْنُ مُذَكِّرًا ''فرعون واعظ بن گیا ہے'' اور وہ لوگوں کے بارے میں ڈرتا ہے کہ موسیٰ انھیں گمراہ نہ کر دے۔ اکثر قراء نے اسے اس طرح پڑھا ہے: [أَنْ يُّبَدِّلَ دِينَكُمْ وَأَنْ يُّظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ] اور دیگر قراء نے اس طرح پڑھا ہے: ﴿ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ۝۲۶ ﴾ جبکہ بعض نے: [وَأَنْ يَّظْهَرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادُ] یعنی (أَنْ يَّظْهَرَ کی ''یا'' کے فتحہ اور الفَسَادُ کی دال کے) ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔[2] ﴿ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ۝۲۷ ﴾ ''اور موسیٰ نے کہا: بے شک میں ہر اس متکبر سے جو حساب کے دن (قیامت) پر ایمان نہیں لاتا، اپنے اور تمھارے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔'' موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب انھیں فرعون کی یہ بات پہنچی: ﴿ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى ﴾ ''مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں۔'' تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، ﴿ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ﴾ ''بے شک میں اپنے اور تمھارے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔'' اے مخاطب لوگو! ﴿ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ ﴾ ''ہر متکبر سے'' جو حق قبول کرنے سے تکبر کرنے والا مجرم ہے، ﴿ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ۝۲۷ ﴾ ''جو حساب کے دن (قیامت) پر ایمان نہیں لاتا۔'' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے اندیشہ ہوتا تو یہ دعا فرماتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ وَنَدْرَأُبِكَ فِي نُحُورِهِمْ] ''اے اللہ! ہم ان کی شراتوں سے تیری پناہ لیتے ہیں اور ہم تجھے ان

[1] تفسير الطبري: 71/24. [2] تفسير القرطبي: 305/15 وتفسير الطبري: 72/24.

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ

اور آل فرعون میں سے ایک مرد مومن، جو اپنا ایمان چھپاتا تھا، کہنے لگا: کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے جبکہ

وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا

یقیناً وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے، اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا (وبال) جھوٹ اسی پر ہے، اور اگر وہ سچا ہے تو

يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿28﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ

تمھیں اس (عذاب) کا کچھ حصہ ملے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے، یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا، بہت جھوٹا ہو ﴿28﴾ اے

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ

میری قوم! آج تمھاری ہی حکومت ہے، زمین میں (تم ہی) غالب ہو، پھر اللہ کے عذاب کے مقابلے میں کون ہماری مدد کرے گا اگر اس نے ہمیں آلیا؟

فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿29﴾

فرعون نے کہا: میں تمھیں وہی (راہ) دکھاتا ہوں جو میں (خود) دیکھتا ہوں، اور میں خیر و بھلائی ہی کے راستے کی طرف تمھاری رہنمائی کرتا ہوں ﴿29﴾

کے مقابلے میں سپر بناتے ہیں۔‘‘[1]

تفسیر آیات: 29,28

آلِ فرعون کے ایک مومن شخص کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی تائید: مشہور بات یہ ہے کہ یہ مومن شخص آل فرعون میں سے تھا، یعنی ایک قبطی تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ فرعون کے چچا کا بیٹا تھا۔[2] یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات پا گیا تھا۔[3] ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آل فرعون میں سے فرعون کی بیوی اور اس شخص کے سوا کوئی اور ایمان نہیں لایا تھا جس نے یہ کہا تھا: ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ﴾ (القصص 28:20) ’’اے موسیٰ! (شہر کے) رئیس بلاشبہ تمھارے خلاف مشورہ کر رہے ہیں تاکہ وہ تجھے مار ڈالیں۔‘‘ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[4] یہ شخص اپنی قوم قبط سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اور اس نے اپنے ایمان کو صرف اس دن ظاہر کیا جب فرعون نے کہا تھا: ﴿ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ﴾ (المؤمن 40:26) ’’مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار کو بلا لائے۔‘‘ تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ آیا اور حدیث شریف سے یہ ثابت ہے: [أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ

---

① الفاظ کی اس ترتیب کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی، البتہ ابن اثیر نے النهاية في غريب الحديث والأثر: 109/2، مادة: درأ میں [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَدْرَأُبِكَ فِي نُحُورِهِمْ] کے الفاظ ذکر کیے ہیں جبکہ اس بارے میں حسب ذیل حدیث حسن درجے کی ہے: [اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ، وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ] ’’اے اللہ! بے شک ہم تجھے ان کے مقابلے میں سپر (ڈھال) بناتے ہیں اور ہم ان کی شرارتوں سے تیری پناہ لیتے ہیں۔‘‘ دیکھیے سنن أبي داود، الوتر، باب مايقول الرجل إذا خاف قوما؟ حديث: 1537 و السنن الكبرى للنسائي، السير، باب الدعاء إذا خاف قوما: 188/5، حديث: 8631 و مسند أحمد: 415,414/4 و صحيح ابن حبان، السير، ذكر مايستعين المرء به ربه جل وعلا على قتال أعداء الله الكفرة……: 83,82/11، حديث: 4765.

② تفسير الطبري: 73/24. ③ تفسير الطبري: 73/24. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 3266/10 و تفسير القرطبي: 306/15.

عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ] ''افضل جہاد جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔'' ① اور فرعون کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہوسکتی تھی: ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾ ''کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؟'' البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے یہ بتائیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ سخت معاملہ کیا کیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابو مُعَیط آ گیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھے سے پکڑ لیا، کپڑا آپ کی گردن میں ڈال دیا اور بہت شدت کے ساتھ آپ کے گلے کو دبایا، پس اسی وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے، انھوں نے اسے کندھے سے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹا دیا اور قرآن مجید کی یہی آیت کریمہ پڑھی: ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ ﴾ ''کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے جبکہ یقیناً وہ تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔'' اسے صرف امام بخاری نے بیان کیا ہے۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ ﴾ ''جبکہ یقیناً وہ تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔'' یعنی تم ایک ایسے شخص کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور پھر تمھارے پاس وہ جو حق لے کر آیا ہے، اس کے حق وصدق پر اس نے برہان بھی قائم کر دی ہے! پھر اس نے ان سے گفتگو میں ذرا نرم انداز اختیار کرتے ہوئے کہا: ﴿ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ ﴾ ''اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو تمھیں اس (عذاب) کا کچھ حصہ ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے۔'' یعنی تمھارے پاس وہ جس پیغام کو لے کر آیا ہے اگر اس کا صحیح ہونا ظاہر نہ ہو تو عقل اور پختہ ومضبوط رائے کا تقاضا یہ ہے کہ تم اسے چھوڑ دو اور اسے ایذا نہ دو کیونکہ اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود اسے دنیا وآخرت میں اس کے جھوٹ کی سزا دے گا اور اگر وہ سچا ہوگا تو کوئی عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر آ واقع ہوگا کیونکہ وہ تم سے یہ بھی کہتا ہے کہ اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو دنیا وآخرت میں عذاب کی لپیٹ میں آ جاؤ گے، لہٰذا تمھارے نزدیک وہ سچا بھی ہوسکتا ہے، اس لیے تمھیں چاہیے کہ اس کی مخالفت نہ کرو بلکہ اسے اور اس کی قوم کو چھوڑ دو کہ وہ اپنی قوم کو اپنے دین کی دعوت دیتا رہے اور اس کی قوم کے لوگ اس کی اتباع کرتے رہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے فرعون اور اس کی قوم سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے چھوڑ دیں۔ ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

① سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث:4344 و جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء أفضل الجهاد ......، حديث:2174 و سنن النسائي، البيعة، باب فضل من تكلّم بالحق......، حديث:4214 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:4011، امام نسائی کے علاوہ باقی تینوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جبکہ امام نسائی نے طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ② صحيح البخاري، التفسير، سورة المؤمن، حديث :4815.

كَرِيْمٌ ۙ اَنْ اَدُّوْۤا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْۤ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۚ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۙ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴾ (الدخان 44:17-21) ”اور البتہ تحقیق ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اوران کے پاس ایک عالی قدر پیغمبر آئے (جنھوں نے یہ کہا) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کردو، بلاشبہ میں تمھارے لیے امانت دار پیغمبر ہوں اور یہ کہ اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، بے شک میں تمھارے پاس کھلی دلیل لایا ہوں اور بے شک میں اس (بات) سے کہ تم مجھے سنگسار کرو، اپنے اور تمھارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔“ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی قریش سے فرمایا تھا کہ وہ آپ کو چھوڑ دیں کہ آپ بندگان الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں، برا سلوک نہ کریں اور ایذا رسانی کو ترک کر کے میرے اور اپنے درمیان قرابت داری کی وجہ سے صلہ رحمی کا معاملہ کریں۔ [1] ﴿ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ ﴾ (الشورٰی 42:23) ”کہہ دیجیے: میں اس کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا مگر قرابت داری کی محبت (ضرور چاہتا ہوں۔)“ یعنی میرے اور تمھارے درمیان جو قرابت ہے اس کی وجہ سے مجھے ایذا نہ دو بلکہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دو، حدیبیہ کے دن صلح بھی اسی بنیاد پر ہوئی تھی اور اسے فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾ ”بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزرنے والا بہت جھوٹا ہے۔“ یعنی اگر یہ شخص جھوٹا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر معبوث فرمایا ہے جیسا کہ تم اسے جھوٹا سمجھتے ہو تو اس کا معاملہ بالکل واضح ہوتا جو اس کے اقوال وافعال کی وجہ سے ہر ایک کے سامنے ظاہر ہو جاتا، نیز اس کا معاملہ حد درجہ اختلاف واضطراب کا شکار ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا معاملہ تو بالکل سیدھا اور اس کا طریقہ مستقیم ہے، اگر یہ حد سے تجاوز کر جانے والا اور جھوٹے لوگوں میں سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس رشد و ہدایت سے سرفراز نہ فرماتا جس کی جھلک تمھیں اس کی ایک ایک ادا سے نظر آرہی ہے، پھر اس مرد مومن نے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے کہا کہ اگر تم اپنی اس روش سے باز نہیں آؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تم سے چھن جائیں گی اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے، ﴿ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ”اے میری قوم! آج تمھاری ہی بادشاہت ہے (اور تم ہی) زمین میں غالب ہو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں بادشاہت، قوت واقتدار کے ساتھ زمین میں غلبہ اور عظیم جاہ ومنصب کی نعمتوں سے نوازا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر بجالاؤ، اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرو اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو، ﴿ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ ﴾ ”پھر اگر ہم پر اللہ کا عذاب آگیا تو اس کے مقابلے میں ہماری مدد کون کرے گا؟“ یہ فوجیں اور یہ لشکر تمھارے کچھ کام نہ آسکیں گے اور اگر اللہ ہمیں عذاب دینا چاہے تو یہ ہم سے عذاب الٰہی کو ٹال نہیں سکیں گے۔ یہ اس مرد مومن، نیکوکار اور بھلے شخص نے کہا جو فرعون کی نسبت

[1] ماخوذ از صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ ﴾ (الشورٰی 42:23)، حدیث: 4818 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مختصرًا.

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿30﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ

اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! بلاشبہ مجھے تمھاری نسبت (دوسرے) گروہوں (سابقہ امتوں) کے دن کے مانند (عذاب) کا ڈر ہے ﴿30﴾ قوم

وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿31﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

نوح اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کے حال کے مانند جو ان کے بعد ہوئے، اور اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا ﴿31﴾ اور اے میری قوم! بے شک

يَوْمَ التَّنَادِ ﴿32﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مجھے تم پر باہمی پکار کے دن (قیامت) کا ڈر ہے ﴿32﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تو کوئی تمھیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوگا۔ اور جسے اللہ

مِنْ هَادٍ ﴿33﴾ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاۗءَكُمْ بِهٖ ۭ

گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿33﴾ اور بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے یوسف بھی تمھارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تھا، پھر تم ہمیشہ اس کے

حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ

متعلق شک میں رہے جو وہ تمھارے پاس لایا، حتی کہ جب وہ فوت ہوگیا، تو تم نے کہا: اس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا، اللہ اس شخص کو اسی

هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿34﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا

طرح گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہو ﴿34﴾ جو لوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو، (یہ رویہ)

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾

اللہ کے نزدیک اور ان لوگوں کے نزدیک جو ایمان لائے بڑی ناراضی و بیزاری کا باعث ہے، اللہ ہر متکبر، سرکش کے دل پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے ﴿35﴾

بادشاہت کا کہیں زیادہ حق دار تھا۔ فرعون اس کی تردید کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہنے لگا: ﴿مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى﴾ ''میں تمھیں وہی دکھاتا ہوں جو میں دیکھتا ہوں۔'' یعنی میں تم سے بھی وہی بات کہتا ہوں جسے میں اپنے لیے دیکھتا ہوں، فرعون یہ بات جھوٹ کہہ رہا تھا کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات ثابت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے نبوت و رسالت کے دعوے میں سچے ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَاۗىِٕرَ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 102:17) ''انھوں نے کہا: بلاشبہ یقیناً تو یہ جانتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا انھیں کسی نے نازل نہیں کیا اس حال میں کہ روشن دلائل ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ﴾ (النمل 14:27) ''اور انھوں نے بے انصافی اور غرور کی وجہ سے ان کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دل انھیں اچھی طرح مان چکے تھے۔'' فرعون نے یہ بات: ﴿مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى﴾ ''میں تمھیں وہی دکھاتا ہوں جو میں دیکھتا ہوں۔'' ازراہ کذب وافترا کہی اور اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اپنی رعیت کی خیانت کی اور ان کی ہمدردی و خیر خواہی نہ کی، اسی طرح اس نے یہ بھی غلط کہا: ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿29﴾﴾ ''اور میں تو بھلائی ہی کے راستے کی طرف تمھاری رہنمائی کرتا ہوں۔'' یعنی میں تمھیں حق، سچ اور خیر و بھلائی کے رستے کی دعوت دیتا ہوں، گو اس کی قوم نے اس کی اطاعت اور اتباع کی مگر وہ اپنی قوم سے جھوٹ بول رہا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ (ھود 11: 97) ''تو انھوں نے

فرعون ہی کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا حکم کوئی بھلائی والا نہیں تھا۔'' اور اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ○ ﴾ (طٰهٰ 79:20) ''اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھے رستے پر نہ ڈالا۔'' اور حدیث میں ہے کہ جو امام فوت ہو جس دن بھی فوت ہو اس حال میں کہ وہ اپنی رعایا سے دھوکا کرنے والا ہو تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے بھی آ رہی ہوگی۔[1] وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ.

تفسیر آیات:30-35

آلِ فرعون میں سے ایمان لانے کے بعد قوم کا درد رکھنے والا شخص: اللہ عزوجل نے آل فرعون کے اس صالح اور مومن مرد کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے ڈرایا اور فرمایا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴾ ''اے میری قوم! بلاشبہ میں تم پر گروہوں کے دن کی طرح سے ڈرتا ہوں۔'' یعنی ان امتوں کے دن کی طرح سے جنھوں نے ماضی میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تکذیب کی، مثلاً: قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور ان کے بعد انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی امتیں کہ ان پر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو کوئی اسے ٹال نہ سکا۔ ﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴾ ''اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا ہی نہیں چاہتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے گناہوں، اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب اور اس کے حکم کی مخالفت کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کو نافذ فرما دیا تھا، پھر اس مرد مومن نے کہا: ﴿ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴾ ''اور اے میری قوم! بلاشبہ میں تم پر ایک دوسرے کو پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں۔'' یعنی قیامت کے دن سے ﴿ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ﴾ ''جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے میدان سے) بھاگو گے۔'' یعنی بھاگ جانے کی کوشش کرو گے۔ ﴿ كَلَّا لَا وَزَرَ ○ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ اِۨلْمُسْتَقَرُّ ○ ﴾ (القيٰمة 12,11:75) ''ہرگز نہیں، (وہاں) کوئی پناہ گاہ نہیں ہے، اس روز آپ کے پروردگار ہی کی طرف ٹھکانا ہوگا۔'' اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ﴾ ''تمھارے لیے کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوگا۔'' یعنی اس دن ایسا کوئی نہیں ہوگا جو تمھیں اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچا سکے۔ ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ ''اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔'' جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اسے اس کے سوا اور کوئی ہدایت عطا نہیں کر سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''اور البتہ تحقیق اس سے پہلے یوسف بھی تمھارے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تھے۔'' یعنی اہل مصر کے پاس اور اللہ تعالیٰ نے انھیں موسیٰ علیہ السلام سے پہلے رسول بنا کر مبعوث فرمایا تھا، یوسف سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو عزیز اہل مصر تھے، اللہ تعالیٰ کے رسول تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی امت کو عدل و انصاف کی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا تھا، قوم نے ان کی اطاعت تو کی مگر محض ان کی وزارت اور دنیوی جاہ و منصب کی وجہ سے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ ﴾ ''پھر تم ہمیشہ اس سے شک میں رہے جو وہ تمھارے پاس لایا، یہاں تک کہ جب وہ فوت

[1] صحيح البخاري، الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، حديث:7152,7151 عن معقل رضی اللہ عنہ بالفاظ دیگر۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿36﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچوں﴿36﴾ (یعنی) آسمانوں کے راستوں تک، پھر میں موسیٰ کے

اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

معبود کی طرف جھانکوں، اور بے شک میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں، اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل پرکشش بنا دیا گیا، اور اسے (سیدھے)

4 ع 10 9 وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿37﴾ ع

راستے سے روک دیا گیا، اور فرعون کی چال تو بس تباہ و برباد ہو کر رہی﴿37﴾

ہو گیا تو تم نے کہا: اللہ اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا‘‘ یعنی تم نے ناامید ہو کر اور کفر و تکذیب کی وجہ سے یہ کہا کہ اب اللہ تعالیٰ کبھی کوئی اور پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿34﴾﴾ ’’اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا، شک کرنے والا ہو۔‘‘ یعنی تمھارے حال ہی کے مانند اس شخص کا حال ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ افعال میں حد سے نکل جانے اور دل کی تشکیک کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے گمراہ کر دے، پھر فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ ﴾ ’’جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں‘‘ یعنی حق کو باطل کے ساتھ دور کرتے ہیں اور دلائل کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کسی دلیل و حجت کے بغیر جھگڑتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے شدید ناراض ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ ﴾ ’’اللہ کے نزدیک اور ان لوگوں کے نزدیک جو ایمان لائے (جھگڑا) بڑی ناراضی کا باعث ہے۔‘‘ یعنی جس کا یہ حال ہو مومن بھی اسے ناپسند کرتے ہیں۔ ایسی کیفیت والے کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے اور اس کے بعد وہ نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں سمجھتا، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾﴾ ’’اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔‘‘ یعنی ان لوگوں کے دلوں پر جو اتباع حق سے تکبر کریں اور سرکشی اختیار کریں، ابو عمران جونی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ سرکشوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ ناحق قتل کرتے ہیں۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات :37،36

فرعون کا رب کائنات سے استہزا: اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بغاوت و سرکشی اور اس کے نبی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب و افترا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک بہت بلند و بالا محل بنائے اور اسے پختہ اینٹوں سے تعمیر کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا ﴾ (القصص 28 :38) ’’تو اے ہامان! میرے لیے مٹی کو آگ لگا (کر اینٹیں پکا دے)، پھر میرے لیے ایک اونچا محل بنا دے۔‘‘ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿36﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ ﴾ ’’تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کے رستوں پر۔‘‘ ﴿ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ ﴾ سے مراد قتادہ اور سدی کے نزدیک دروازے ہیں جبکہ ابو صالح کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمانوں کے

---

[1] الدر المنثور :234/5 و تفسير ابن أبي حاتم : 2959/9.

وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿38﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا

اور جو شخص ایمان لایا تھا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری پیروی کرو میں تمھیں بھلائی کا راستہ بتاؤں گا﴿38﴾ اے میری قوم! یہ دنیاوی

مَتَاعٌ٘ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿39﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا١ وَمَنْ

زندگی تو بس (تھوڑا سا) فائدہ اٹھانا ہے، اور بے شک آخرت ہی (ہمیشہ) رہنے کا گھر ہے﴿39﴾ جس نے کوئی برائی کی تو اسے بس اس کے برابر

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا

ہی بدلہ دیا جائے گا، اور جس نے کوئی نیک کام کیا (وہ) مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، وہاں انھیں

بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿40﴾

بے حساب رزق دیا جائے گا﴿40﴾

راستے ہیں۔[1] ﴿فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا﴾ ''پھر موسیٰ کے الٰہ کی طرف جھانک کر دیکھ لوں اور میں تو یقیناً اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔'' یہ اس کا کفر اور اس کی سرکشی تھی کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ﴾ ''اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے اعمالِ بد مزین کر دیے گئے اور وہ (سیدھے) رستے سے روک دیا گیا۔'' یعنی اپنے اس کرتوت کی وجہ سے اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی رعیت کو اس وہم میں مبتلا کر دے کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہا ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ممکن ہو جائے گی، اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ﴿37﴾﴾ ''اور فرعون کی تدبیر تو تباہی میں تھی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ خسارے میں تھی۔[2]

تفسیر آیات:38-40

مومن آل فرعون کے خطاب کی چند اور باتیں: اس مرد مومن نے اپنی اس قوم سے کہا جس نے بغاوت اور سرکشی کو اختیار کیا، دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور رب جبار اعلیٰ کو بھول گئی: ﴿یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿38﴾﴾ ''اے میری قوم! میری اتباع کرو میں تمھیں بھلائی کا رستہ بتلاؤں گا۔'' یہ بات فرعون کی اس بات کی طرح نہیں جو اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہی ہے: ﴿وَمَاۤ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ﴾ (المؤمن 29:40) ''اور میں تمھیں بھلائی کی راہ ہی بتاتا ہوں۔'' پھر اس مرد مومن نے انھیں اس دنیا سے بے رغبت ہوتے ہوئے کہا جسے انھوں نے آخرت پر ترجیح دے رکھی تھی اور اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق سے روک رکھا تھا: ﴿یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ٘﴾ ''اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو بس (تھوڑا سا) فائدہ ہے۔'' یہ قلیل، زوال پذیر اور فانی ہے، یہ عنقریب ختم ہو کر رہ جائے گی۔ ﴿وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿39﴾﴾ ''اور بلاشبہ آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے۔'' یعنی یہ ایسا گھر ہے جسے کبھی زوال نہیں ہے۔ جس سے کبھی نقل مکانی نہیں ہو گی جسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جانا ہو گا بلکہ آخرت میں تو یا جنت ہے یا جہنم، اسی لیے اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿مَنْ

[1] تفسیر القرطبی: 314/15 و تفسیر الطبری: 82/24. [2] تفسیر الطبری: 84/24.

النصف

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿41﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ

اور اے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں، اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو﴿41﴾ تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر

وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ز وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿42﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ

کروں، اور اس کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، اور میں تمھیں نہایت غالب، خوب بخشنے والے کی طرف بلاتا

اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ

ہوں﴿42﴾ یقینی بات ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو، وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں، اور بلاشبہ ہماری واپسی اللہ ہی

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿43﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ط وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ

کی طرف ہے، اور بلاشبہ حد سے بڑھنے والے ہی دوزخی ہیں﴿43﴾ لہٰذا تم عنقریب (ان باتوں کو) یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ

بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿44﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿45﴾ ج

اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بلاشبہ اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے﴿44﴾ پھر انھوں نے جو مکر و فریب کیا تھا، اللہ نے اس کی برائیوں سے اس (ایمان دار) کو بچا لیا

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ج وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ قف اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا﴿45﴾ (وہ دوزخ کی) آگ ہے جس پر انھیں صبح و شام پیش کیا جاتا ہے، اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا:)

اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿46﴾

آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو﴿46﴾

عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ج ﴾ ''جس نے کوئی برائی کی تو اس کے مثل ہی وہ بدلہ دیا جائے گا۔'' یعنی ایک برے کام کی وجہ سے اس کی طرح ایک ہی گناہ ہوگا۔ ﴿ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿40﴾ ﴾ ''اور جس نے کوئی نیک کام کیا، مرد ہو یا عورت جبکہ وہ صاحب ایمان بھی ہو تو یہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے، وہ وہاں بے شمار رزق دیے جائیں گے۔'' یعنی جزا محدود نہ ہوگی بلکہ اللہ عز و جل بے پایاں اجر و ثواب عطا فرمائے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ.

تفسیر آیات: 41-46

خطاب کا اختتام اور فریقین کا انجام: مرد مومن نے ان سے کہا کہ مجھے کیا ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور اس کے اس رسول ﷺ کی تصدیق کی جائے جسے اس نے مبعوث فرمایا ہے: ﴿ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿41﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ز ﴾ ''اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو، تم مجھے اس لیے بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس (چیز) کو اس کا شریک مقرر کروں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں۔'' یعنی میں یہ کام کسی دلیل کے بغیر محض جہالت کی بنیاد پر کروں۔ ﴿ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿42﴾ ﴾ ''اور میں تمھیں نہایت غالب، خوب بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔'' یعنی وہ اپنے غلبہ و کبریائی کے ساتھ توبہ کرنے والے

کے گناہ کو معاف فرما دیتا ہے، ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ﴾ ''(اس میں) کوئی شک نہیں کہ یقیناً جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔'' سدی اور ابن جریر فرماتے ہیں کہ ﴿ لَا جَرَمَ ﴾ کے معنی ہیں: سچ تو یہ ہے۔[1] ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: جھوٹ نہیں۔[2] اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: کیوں نہیں،[3] جن بتوں اور شریکوں کی تم مجھے دعوت دیتے ہو، ﴿ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ ﴾ ''اس کے لیے نہ دنیا اور نہ آخرت میں پکار (قبول کرنے کا مقدور) ہے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بت کے اختیار میں کچھ نہیں۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بت نفع ونقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔[5] سدی کہتے ہیں کہ وہ دنیا وآخرت میں اپنے پکارنے والے کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔[6] یہ ایسے ہے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 6,5:46) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو روزِ قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے؟ جبکہ وہ ان کی پکار ہی سے غافل ہیں، اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کرنے والے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ ﴾ (فاطر 14:35) ''اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہ سنیں گے اور اگر سن بھی لیں تو تمھیں جواب نہیں دیں گے۔''

﴿ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰهِ ﴾ ''اور بے شک ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ ﴾ ''اور بلاشبہ حد سے نکل جانے والے ہی دوزخی ہیں۔'' جہاں وہ حد سے نکل جانے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حد سے نکلنے سے مراد ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ ﴿ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ ﴾ ''تو جو (بات) میں تم سے کہتا ہوں تم اسے عنقریب (آگے چل کر) یاد کیا کرو گے'' یعنی میں نے تمھیں جس بات کا حکم دیا جس سے منع کیا جو نصیحت کی اور جو وضاحت کی، اس کی سچائی تم عنقریب معلوم کرلو گے اور پھر تم اسے یاد کرکے ندامت کا اظہار کرو گے مگر اس وقت اظہار ندامت تمھارے کچھ کام نہ آئے گا۔

﴿ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور میں اپنا معاملہ اللہ کو سونپتا ہوں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کرتا ہوں، اسی سے مدد مانگتا ہوں اور تم سے قطع تعلق کرکے دوری اختیار کرتا ہوں، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ ﴾ ''بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے، جو ہدایت کا مستحق ہوا سے وہ ہدایت عطا فرما دیتا ہے

---

① تفسیر الطبری: 87,86/24. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2280/7 و الدر المنثور: 213/4. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2280/7 و الدر المنثور: 213/4. ④ تفسیر الطبری: 86/24. ⑤ تفسیر الطبری: 87/24. ⑥ تفسیر الطبری: 87/24.

اور جو گمراہی کا مستحق ہو تو اسے وہ گمراہ کر دیتا ہے، اسی کے لیے حجت بالغہ اور حکمت تامہ ہے اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر نافذ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا﴾ ''پس اللہ نے اسے ان لوگوں کی تدبیروں کی برائیوں سے محفوظ رکھا۔'' یعنی دنیا و آخرت میں، دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے اسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات عطا فرمائی اور آخرت میں اسے جنت میں داخل فرما دیا۔

عذاب قبر کا ثبوت: ﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝45﴾ ''اور آل فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا۔'' اور وہ تھا پہلے دریا میں غرق کرنا اور پھر وہاں سے جہنم میں منتقل کر دینا، ان کی روحوں کو قیامت برپا ہونے تک صبح و شام آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے جسموں اور روحوں کو یکجا کر کے جہنم رسید کیا جائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۛ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝46﴾ ''اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔'' یعنی جو زیادہ درد اور تکلیف والا ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اہل سنت کے اس استدلال کی بہت بڑی دلیل ہے کہ قبروں کے اندر برزخی زندگی میں عذاب ہوگا: ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ﴾ ''(وہ) آگ ہے، وہ (سب) صبح و شام اس پر پیش کیے جاتے ہیں۔''

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت مکی ہے اور اس سے برزخ میں عذاب قبر پر استدلال کیا گیا ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت کیا کرتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی اس سے کوئی نیکی کرتیں تو یہودن ان سے کہتی: اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا قیامت کے دن سے پہلے قبر میں بھی عذاب ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا، وَعَمَّ ذَاكَ؟] ''نہیں، یہ کون کہتا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ اس یہودن سے میں جب بھی کوئی نیکی کرتی ہوں تو یہ کہتی ہے: اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَذَبَتْ يَهُودُ وَهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَكْذَبُ، لَا عَذَابَ دُونَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''یہودی جھوٹ کہتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ زیادہ ہی جھوٹ بولتے ہیں، قیامت کے دن کے علاوہ اور کوئی عذاب نہیں ہے۔''

پھر کچھ عرصے کے بعد ایک دن رسول اللہ ﷺ نصف النہار کے بعد تشریف لائے، آپ اپنے کپڑے کو لپیٹے ہوئے تھے، آپ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور آپ بلند آواز سے فرما رہے تھے: [أَيُّهَا النَّاسُ! أَظَلَّتْكُمُ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، أَيُّهَا النَّاسُ! لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَّضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَإِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ] ''اے لوگو! فتنے تمھیں اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ڈھانپ لیں گے، لوگو! اگر تم بھی جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ رووَ اور کم ہنسو، بنی نوع انسان! عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو، بے شک عذاب قبر حق ہے۔''[1] اس حدیث کی سند صحیح اور بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ سوال یہ ہے

[1] مسند أحمد: 81/6.

کہ اس میں تطبیق کس طرح ہوگی کہ یہ آیت تو مکی ہے اور اس میں عذاب برزخ کی دلیل موجود ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ برزخ میں روحوں کو صبح وشام آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قبروں میں اس پیش کیے جانے کی وجہ سے جسموں کو بھی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اس میں بطور خاص صرف روحوں کے پیش کیے جانے کا ذکر ہے، جہاں تک برزخ میں جسموں کے مبتلائے الم و درد ہونے کا تعلق ہے تو یہ ان صحیح احادیث سے ثابت ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں برزخ میں کفار کے عذاب کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مومن کو بھی اپنے گناہ کی وجہ سے قبر میں عذاب ہوتا ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس ایک یہودن بیٹھی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہی تھی: کیا تجھے معلوم ہے کہ تم قبروں میں فتنے میں مبتلا کیے جاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر کانپ اٹھے اور آپ نے فرمایا:[إِنَّمَا تُفْتَنُ يَهُودُ] ''صرف یہودی (قبروں میں) آزمائے جائیں گے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ چند راتیں گزری تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَشَعَرْتِ أَنَّهُ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ؟] ''کیا تجھے معلوم ہے، یہ بات مجھے وحی کی گئی کہ یقیناً تم قبروں میں فتنے میں مبتلا کیے جاؤ گے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ عذاب قبر سے پناہ طلب کیا کرتے تھے۔[1] امام مسلم نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں روحوں کو عذاب ہوتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبر میں جسموں کو بھی عذاب ہوتا ہے۔ جب خاص طور پر اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی طرف وحی نازل فرمادی تو آپ نے عذاب قبر سے پناہ مانگنا شروع کردی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ أَعْلَمُ۔ عذاب قبر کے بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔

امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ کے معنی صبح وشام کے ہیں۔ جب تک دنیا باقی رہے گی ان سے کہا جائے گا کہ اے فرعونیو! یہ ہیں تمھارے گھر، یہ ان سے ازراہ سرزنش وسزا وتذلیل کہا جائے گا۔[3] اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ آج وہ قبروں میں ہیں اور انھیں قیامت تک صبح وشام آگ کی طرف لے جایا جائے گا۔

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ، عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''بے شک تم میں سے کوئی ایک جب فوت ہوجاتا ہے تو صبح وشام اس کا ٹھکانا اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اگر اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت کا ٹھکانا اسے

① مسند أحمد :248/6. ② صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر......، حديث :584 . ③ تفسير الطبرى :90/24 .

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

اور جب وہ جہنم میں باہم جھگڑیں گے، تو جن لوگوں نے تکبر کیا تھا، ان سے کمزور لوگ کہیں گے: بلاشبہ ہم تو (دنیا میں) تمھارے تابع تھے، پھر کیا تم ہم

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿47﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ

سے آگ کا کچھ حصہ ہٹاؤ گے؟﴿47﴾ جن لوگوں نے تکبر کیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہم سب ہی اس (آگ) میں ہیں، بلاشبہ اللہ نے تو بندوں کے درمیان

قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿48﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا

فیصلہ کر دیا ہے﴿48﴾ اور وہ (سب) لوگ، جو آگ میں ہوں گے، جہنم کے دربانوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن تو ہم سے کچھ

مِّنَ الْعَذَابِ ﴿49﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ

عذاب ہلکا کر دے﴿49﴾ وہ کہیں گے: کیا تمھارے رسول تمھارے پاس کھلی نشانیاں لے کر نہیں آتے تھے؟ وہ (جواب میں) کہیں گے: کیوں نہیں!

5 ع 13 10 وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿50﴾ ع

وہ (دربان) کہیں گے: پھر تم (خود ہی) دعا کر لو، اور کافروں کی دعا تو بے کار ہی جائے گی﴿50﴾

دکھایا جاتا ہے اور اگر وہ اہل جہنم میں سے ہو تو اہل جہنم کا ٹھکانا اسے دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانا حتی کہ اللہ عزوجل تجھے قیامت کے دن اس ٹھکانے پر پہنچا دے گا۔''[1] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 47 - 50

اہل دوزخ کا باہمی جھگڑا: اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کے آپس میں لڑنے جھگڑنے کا ذکر فرمایا ہے اور فرعون اور اس کی قوم بھی انھی میں سے ہے۔ متکبرین کے پیروکار کمزور لوگ اپنے رئیسوں، سرداروں اور سربراہوں سے کہیں گے: ﴿ اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ﴾ ''یقیناً ہم تو تمھارے تابع تھے۔'' یعنی دنیا میں تم نے ہمیں جس کفر و ضلالت کی دعوت دی ہم نے اس میں تمھاری اطاعت کی۔ ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿47﴾ ﴾ ''تو کیا تم آگ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو؟'' یعنی کیا ہمارے عذاب کا کوئی حصہ تم اٹھا سکتے ہو؟ ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ ﴾ ''جو غرور کرتے تھے وہ لوگ کہیں گے: بے شک ہم سب ہی اس میں ہیں۔'' یعنی ہم تمھارے عذاب کا کوئی حصہ نہیں اٹھائیں گے، ہمارے لیے وہی سزا اور عذاب کافی ہے جس میں ہم مبتلا ہیں، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿48﴾ ﴾ ''بے شک اللہ نے تو بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔'' یعنی ہم میں سے ہر ایک جس عذاب کا مستحق ہے وہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مابین تقسیم فرما دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 38:7) ''(اللہ) فرمائے گا: (تم میں سے) ہر ایک کے لیے دگنا (عذاب) ہے مگر تم نہیں جانتے۔''

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿49﴾ ﴾ ''اور جو لوگ آگ میں (جل رہے)

---

① مسند أحمد :113/2. ② صحيح البخاري، الجنائز، باب الميت يعرض عليه مقعده بالغداة والعشي، حديث: 1379 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها……، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه……، حديث:2866.

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿51﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیاوی زندگی میں بھی ضرور کرتے ہیں اور اس دن بھی (کریں گے) جب گواہ کھڑے ہوں گے ﴿51﴾ اس دن

الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿52﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى

ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی، اور ان کے لیے لعنت ہے، اور ان کے لیے برا گھر ہے ﴿52﴾ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی، اور ہم

وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿53﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿54﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ

نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا ﴿53﴾ عقل مندوں کی ہدایت اور نصیحت کے لیے ﴿54﴾ لہٰذا (اے نبی!) آپ صبر کیجیے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور

اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿55﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اپنے گناہ کی معافی مانگیے، اور شام کو اور صبح کو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے ﴿55﴾ بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو ان

يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ

کے پاس آئی ہو، ان کے سینوں میں صرف بڑائی (کا خبط) ہے، وہ اس تک کبھی پہنچ نہیں سکیں گے، لہٰذا آپ (ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگیے، بلاشبہ وہی

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿56﴾

خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿56﴾

ہوں گے وہ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے: اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ایک روز تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے۔'' یہ بات وہ اس وجہ سے کہیں گے کہ انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول نہیں کرے گا اور اسے قطعاً نہیں سنے گا بلکہ وہ فرمائے گا: ﴿اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝﴾ (المؤمنون 23:108) ''اسی میں ذلیل و خوار پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔'' تو وہ دوزخ کے داروغوں سے سوال کریں گے اور وہ جہنمیوں کے لیے ایسے ہوں گے جیسے جیل کے جیلر ہوتے ہیں کہ وہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ کافروں سے عذاب میں تخفیف کر دے، خواہ ایک دن ہی کے لیے سہی تو جہنم کے داروغے ان کی اسی بات کا جواب دیتے ہوئے کہیں گے: ﴿اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ﴾ ''کیا تمھارے پاس تمھارے پیغمبر نشانیاں لے کر نہیں آیا کرتے تھے؟'' یعنی کیا پیغمبروں کی زبانی تمھارے خلاف، دنیا میں دلائل و براہین قائم نہیں ہو چکے تھے؟ ﴿قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ﴾ ''وہ کہیں گے: کیوں نہیں! تو وہ (فرشتے) کہیں گے کہ پھر تم (خود ہی) دعا کرو'' یعنی تم خود ہی اپنے لیے دعا کرو، ہم تمھارے لیے دعا کریں گے نہ تمھاری کوئی بات سنیں گے اور نہ ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ تمھیں جہنم سے نجات ملے، ہم تم سے بری ہیں، پھر ہم تمھیں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ تم دعا کرو یا نہ کرو برابر ہے، تمھاری دعا قبول نہیں ہوگی اور نہ تم سے عذاب میں کوئی تخفیف ہی کی جائے گی، اس لیے وہ کہیں گے: ﴿وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿50﴾﴾ ''اور کافروں کی دعا (اس روز) بے کار ہی ہوگی۔'' یعنی تمھاری دعا ضائع ہوگی اور اسے قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر آیات: 51-56

رسولوں اور مومنوں کی مدد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''بے شک ہم

اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیاوی زندگی میں بھی ضرور مدد کرتے ہیں۔'' سدی کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے کبھی کسی قوم کی طرف رسول نہیں بھیجا کہ انھوں نے اسے شہید کر دیا ہو یا مومنوں کی کسی ایسی قوم کو نہیں بھیجا جو حق کی دعوت دیتے ہوں اور انھیں شہید کر دیا گیا ہو مگر ایک صدی کے ختم ہونے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرما دیتا ہے جو ان کی مدد کرتے اور ان لوگوں سے ان کے خون کا بدلہ طلب کرتے ہیں جنھوں نے ان کا ناحق خون بہایا ہوتا ہے، اس لیے انبیاء اور مومنوں کو گو دنیا میں قتل کیا جاتا ہے مگر ان کی مدد ضرور کی جاتی ہے۔ ①

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کی ان لوگوں کے خلاف مدد کی جنھوں نے ان کی مخالفت، عداوت اور تکذیب کی، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمے کو سربلندی اور اپنے دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمایا اور حکم دے دیا تھا کہ اپنی قوم سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے جائیں۔ ② اور وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے انصار واعوان پیدا فرما دیے، پھر اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے خلاف آپ کو فتح ونصرت سے نوازا، مشرکین کو ذلیل و رسوا کیا، ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور جو بچ رہے ان میں سے بہت سے قیدی بن گئے تھے ③ جنھیں آپ زنجیروں میں جکڑ کر لے گئے تھے اور پھر آپ نے ان پر احسان فرمایا اور فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیا۔ ④ اور تھوڑا عرصہ بعد ہی اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرنے کی توفیق عطا فرما دی جس کی وجہ سے اپنے شہر حرام ومُحرَّم و مُعَظَّم و مُشَرَّف میں آنے سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی اور آپ کے وجود کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس شہر مکہ کو کفر وشرک سے پاک فرما دیا۔

اسی طرح یمن بھی فتح ہو گیا اور سارا جزیرۃ العرب آپ کے زیر فرمان ہو گیا اور لوگ فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہونا شروع ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مزید اکرام و اعزاز سے سرفراز فرمانے کے لیے اپنے پاس بلا لیا اور آپ کے صحابۂ کرام کو خلفاء بنا کر آپ کے بعد کھڑا کر دیا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچایا، بندگان الٰہی کو دعوت الی اللہ دی اور انھوں نے شہروں، ملکوں، قصبوں اور دیہاتوں بلکہ دلوں کی دنیا تک کو فتح کر لیا حتی کہ محمدی دعوت زمین میں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل گئی اور پھر یہ دین قیامت تک قائم، منصور اور غالب رہے گا، اسی لیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوۡا فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ﴿51﴾ ﴾ ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیاوی زندگی میں بھی ضرور مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔'' یعنی قیامت کے دن انھیں زیادہ بڑی اور زیادہ عظیم الشان فتح ونصرت حاصل ہوگی۔ مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ الۡاَشۡهَادُ ﴿51﴾ ﴾ سے مراد

① تفسیر ابن أبی حاتم : 3267/10 وتفسیر الطبری : 94/24. ② دیکھیے صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب هجرة النبی ﷺ وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3902 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 756,755/3 وتفسیر الطبری: 113/4، نیز بدر کے دن مرنے والے مشرکوں اور قیدیوں کی تعداد دیکھیے صحیح البخاری، المغازی، باب: 10، حدیث: 3986. ④ تفصیل دیکھیے جامع الترمذی، السیر، باب ماجاء فی قتل الأساری والفداء، حدیث: 1567 ودلائل النبوة للبیهقی، باب مافعل رسول الله ﷺ بالغنائم والأساری......: 135/3-144 وتفسیر الطبری: 57,56/10.

فرشتے ہیں۔①

﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ﴾ ”جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی۔“ یہ ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿٥١﴾ ﴾ سے بدل ہے، بعض نے یوم کو مرفوع بھی پڑھا ہے، گویا اس طرح انھوں نے ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿٥١﴾ ﴾ کی ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ کو تفسیر قرار دیا ہے اور ظالموں سے مراد مشرکین ہیں اور معذرت سے مراد یہ ہے کہ اس دن ان کا کوئی عذر یا کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، ﴿ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ ﴾ ”اور ان کے لیے لعنت ہے۔“ یعنی دوری اور رحمت الٰہی سے دھتکار ہے۔ ﴿ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ ﴾ ”اور ان کے لیے برا گھر ہے۔“ یعنی آتش دوزخ جیسا کہ سدی نے کہا ہے، پس وہ ان کے لیے بدترین ٹھکانا اور بہت بری آرام گاہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کی کامیابی کی طرف اشارہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى ﴾ ”اور البتہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی۔“ یہ اس ہدایت اور نور کی طرف اشارہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معبوث فرمایا تھا۔ ﴿ وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ ﴾ ”اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔“ یعنی انجام ان کا اچھا ہوا اور ہم نے انھیں فرعون کے شہروں، مالوں، جائیدادوں اور زمین کا وارث بنا دیا کیونکہ انھوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کی اتباع پر صبر کیا تھا اور اس کتاب میں جس کا انھیں وارث بنایا گیا، یعنی تورات میں، ﴿ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿٥٤﴾ ﴾ ”عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔“ عقل والوں سے مراد صحیح اور سلیم عقل والے ہیں۔ ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ ”لہٰذا آپ صبر کریں“ اے محمد (ﷺ!) ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ ”بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔“ اور ہم نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہم آپ کے کلمے کو بلند کر دیں گے اور آپ کو اور آپ کی اتباع کرنے والوں کو فتح ونصرت سے سرفراز کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور ہم نے آپ کو جو یہ خبر دی ہے، یہ بلا شک وشبہ بالکل سچی خبر ہے۔ ﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ﴾ ”اور اپنے گناہ کی معافی مانگیں۔“ یہ درحقیقت آپ کو استغفار کا شوق دلایا گیا ہے۔ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿٥٥﴾ ﴾ ”اور آپ صبح وشام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں۔“ ﴿ بِالْعَشِيِّ ﴾ سے مراد دن کے آخری اور رات کے ابتدائی اوقات ہیں اور ﴿ الْاِبْكَارِ ﴿٥٥﴾ ﴾ سے مراد دن کے ابتدائی اور رات کے آخری لمحات ہیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ﴾ ”بے شک جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔“ یعنی جو لوگ حق کا باطل کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں اور صحیح دلائل وبراہین کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حجت وبرہان کے بغیر محض فاسد وباطل شکوک وشبہات پیش کرتے ہیں۔ ﴿ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ﴾ ”ان کے سینوں میں بڑائی (کا خبط) ہی تو ہے، وہ اس تک پہنچنے والے بھی تو نہیں ہیں۔“ یعنی ان کے

① تفسير الطبرى: 95/24.

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾ وَمَا يَسْتَوِي

یقیناً آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے کہیں زیادہ بڑا (کام) ہے، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿57﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾

برابر نہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور نہ برائی کرنے والا (برابر ہیں) تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو ﴿58﴾ بلاشبہ قیامت

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿59﴾

یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿59﴾

دلوں میں صرف تکبر ہے جس کی وجہ سے وہ حق کی اتباع نہیں کرتے بلکہ حق لانے والوں کو بھی حقیر سمجھتے ہیں، حالانکہ حق کو مٹا دینے اور باطل کو بلند کر دینے کا ان کا ارادہ کبھی بھی پورا نہیں ہوگا کیونکہ حق تو سر بلند ہو کر رہے گا اور ان کی بات اور ان کا قصد و ارادہ نیست و نابود ہو کر رہ جائے گا۔ ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ﴾ ''پس آپ اللہ سے پناہ مانگیں۔'' ان جیسے لوگوں کے حال یا شر سے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿56﴾﴾ ''بے شک وہی نہایت سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''

تفسیر آیات: 57-59

موت کے بعد زندگی: اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن تمام مخلوقات کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے کیونکہ اس نے تو آسمانوں اور زمین کو بھی پیدا فرمایا ہے اور ان دونوں کا پیدا کرنا لوگوں کے پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے، لہٰذا جو اس پر قادر ہے وہ اس سے چھوٹی بات پر بالا ولیٰ قادر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (الأحقاف 46 : 33) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں! بلاشبہ وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' اس لیے یہ لوگ اس حجت پر تدبر اور اس دلیل پر غور و فکر نہیں کرتے جیسا کہ بہت سے عرب بھی یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے، اس کے باوجود وہ کفر و عناد کی وجہ سے آخرت کا انکار کرتے اور اسے بعید از قیاس سمجھتے تھے، اس طرح انھوں نے نسبتاً بڑی بات کا تو اعتراف کر لیا اور اس سے کم تر بات کا انکار کر دیا، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾﴾ ''اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ ایمان لانے والے نیکوکار اور نہ بدکار (برابر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ) تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' یعنی جس طرح وہ نابینا جو کچھ نہیں دیکھ سکتا اور وہ بینا جو منتہائے بصر تک سب کچھ دیکھ سکتا ہو برابر نہیں ہو سکتے بلکہ دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے، اسی طرح مومن نیکوکار اور کافر بدکار بھی برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان دونوں میں بھی

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ

اور تمھارے رب نے کہا ہے: تم مجھے پکارو، میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، وہ عنقریب

جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ع 6/10 11

ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے ۝

بہت بڑا فرق ہے۔ ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ ''تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' یعنی بہت سے لوگ ہیں جو بہت کم غور کرتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔'' یعنی قیامت تو ہر صورت آنے اور وقوع پذیر ہونے والی ہے لیکن اکثر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے وجود کی تکذیب کرتے ہیں۔

تفسیر آیت: 60

دعا کا حکم: یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو دعا کا حکم دیا اور پھر اس کی قبولیت کا ذمہ لیا جیسا کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: ''اے وہ ذات پاک! جسے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اسی سے مانگے اور کثرت سے مانگے اور اے وہ ذات پاک! جسے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ ناپسند وہ ہے جو اس سے نہ مانگے اور اے رب! تیرے سوا ایسا اور کوئی نہیں جو بے نیاز ہو اور نہ مانگے۔'' امام ثوری کے اس قول کو ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے اور اسی مفہوم کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

اَللّٰهُ يَغْضَبُ إِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ ۔۔۔ وَبُنَيُّ آدَمَ حِينَ يُسْأَلُ يَغْضَبُ

''اگر تو اللہ تعالیٰ سے مانگنا چھوڑ دے گا تو وہ ناراض ہوتا ہے، جبکہ آدم کے بیٹے سے جب مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ کعب احبار نے کہا ہے کہ اس امت کو تین ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو اس سے پہلے نبی کے علاوہ کسی امت کو عطا نہیں کی گئی تھیں: (1) اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا تو اس سے یہ فرماتا کہ تم اپنی امت کے بارے میں گواہ ہو اور تمھیں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں پر گواہ بنا دیا ہے۔ (2) نبی سے کہا جاتا تھا کہ دین کے بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے اور اس امت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ ﴾ (الحج 78:22) ''اور تم پر دین (کی کسی بات) میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔'' (3) نبی سے کہا جاتا تھا کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا کو قبول کروں گا اور اس (اللہ) نے اس امت سے فرمایا: ﴿ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ ﴾ ''تم مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔'' اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[1]

امام احمد نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ]

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 269,3268/10 وتفسیر عبدالرزاق: 411/2، رقم: 1950 وتفسیر الطبري: 273,272/17 وتفسیر القرطبي: 327/15.

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لیے رات (تاریک) بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو دکھلانے والا (روشن) بنایا، بلاشبہ اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿61﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫

ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ﴿61﴾ یہی اللہ تمھارا رب ہے، ہر شے کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکائے جاتے

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿62﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿63﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ

ہو؟ ﴿62﴾ اسی طرح وہ لوگ بہکائے جاتے رہے ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے ﴿63﴾ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے قرار گاہ اور

لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ

آسمان کو چھت بنایا، اور اس نے تمھاری صورتیں بنائیں تو بہت اچھی صورتیں بنائیں، اور اس نے تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، یہی اللہ تمھارا

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿64﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ

رب ہے، سو اللہ رب العالمین بہت بابرکت ہے ﴿64﴾ وہ زندہ ہے، اس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، لہٰذا تم اس کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿65﴾

اسی کو پکارو، سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں ﴿65﴾

”یقیناً دعا ہی تو عبادت ہے۔“ پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿60﴾ ﴾ ”تم مجھے پکارو میں تمھاری دعا قبول کروں گا، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“ [1] اور اسی طرح اسے اصحاب السنن سے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا، نیز ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے بھی بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ [2] اور اسے امام ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن جریر نے دوسرے طریق سے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ ﴾ ”بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔“ یعنی مجھ سے دعا کرنے اور میری توحید سے کتراتے ہیں، ﴿ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿60﴾ ﴾ ”عنقریب وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“ ﴿ دٰخِرِيْنَ ﴿60﴾ ﴾ کے معنی ذلیل ورسوا اور حقیر کے ہیں جیسا کہ امام احمد نے عمرو بن شعیب سے، انھوں نے ان کے باپ سے اور انھوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ، فِي صُوَرِ النَّاسِ، يَعْلُوهُمْ كُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الصَّغَارِ، حَتّٰى يَدْخُلُوا سِجْنًا فِي جَهَنَّمَ، يُقَالُ لَهُ:

① مسند أحمد: 271/4. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث :2969 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة غافر: 450/6، حديث: 11464 و سنن ابن ماجه، الدعاء، باب فضل الدعاء، حديث: 3828 و تفسير الطبري :99/24 و تفسير ابن أبي حاتم :3269/10. ③ سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، حديث : 1479 و جامع الترمذي ، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2969 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة غافر: 450/6، حديث: 11464 و تفسير الطبري :99/24.

بُولَس، فَتَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ، يُسْقَوْنَ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ، عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ] ”تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن انسانوں کی صورتوں میں چیونٹیوں کی طرح اٹھایا جائے گا، جن پر ہر قسم کی ذلت ورسوائی چھائی ہوگی حتی کہ وہ جہنم کی ایک جیل میں داخل ہوں گے جسے بولس کہا جائے گا، پس آگوں کی آگ ان پر چھائی ہوگی (اور) انھیں پینے کے لیے دوزخیوں کا لہو اور پیپ دی جائے گی۔“①

تفسیر آیات: 61-65

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر احسان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے رات بنائی جس میں وہ سکون حاصل کرتے اور دن کے وقت سامان معیشت کے حصول کے لیے دوڑ دھوپ کے بعد آرام کرتے ہیں اور اس نے ان کے لیے دن کو روشن بنا دیا ہے تا کہ سفر کر سکیں، ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آ جا سکیں اور کام کاج کر سکیں، ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝ ﴾ ”بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے وہ ان کا شکر ادا نہیں کرتے، پھر فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ ﴾ ”یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“ یعنی جس ذات نے یہ چیزیں پیدا فرمائی ہیں وہ اللہ واحد و یکتا ہے جو تمام اشیاء کا خالق ہے جس کے سوا کوئی معبود اور پروردگار نہیں۔ ﴿ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ۝ ﴾ ”پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟“ یعنی تم ان بتوں کی کیوں پوجا کرتے ہو جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ یہ خود پیدا کیے گئے اور بنائے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ۝ ﴾ ”اسی طرح وہ لوگ پھیرے جاتے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔“ یعنی جس طرح غیر اللہ کی عبادت کر کے یہ گمراہ ہو گئے ہیں اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے اور انھوں نے کسی دلیل و برہان کے بغیر محض جہالت و نفسانی خواہش سے غیر اللہ کی پوجا کی اور اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ آیات و براہین کا انکار کر دیا تھا۔

اور ارشاد گرامی ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا ﴾ ”اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے رہنے کی جگہ بنایا۔“ یعنی اس نے زمین کو تمھارے لیے قرار گاہ، بساط اور بچھونا بنا دیا ہے تا کہ تم اس میں زندگی بسر کرو، اس میں تصرف کرو، اور اس کے رستوں میں چلو پھرو اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا تا کہ زمین حرکت نہ کرے۔ ﴿ وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ﴾ ”اور آسمان کو چھت (بنایا۔)“ یعنی آسمان کو اس نے جہان کے لیے ایک مضبوط چھت بنا دیا ہے۔ ﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ ”اور تمھاری صورت بنائی، پس تمھاری صورتیں اچھی بنائیں۔“ اس نے تمھیں اچھی شکلوں میں پیدا فرمایا، اکمل صورتیں عطا کیں اور احسن تقویم بخشی۔ ﴿ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ﴾ ”اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔“ یعنی اس

① مسند أحمد :179/2.

نے تمھیں دنیا میں کھانے پینے کی اچھی اچھی چیزیں عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ دنیا کو، اس کے رہنے والوں کو اور کھانے پینے کی چیزوں کو پیدا فرمانے والا ہے، یعنی خالق بھی وہی ہے اور رازق بھی وہی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:21،22) ''اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ، وہ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس سے تمھارے کھانے کے لیے انواع واقسام کے پھل نکالے، پس تم اللہ کے لیے کسی قسم کے ہمسر نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے (بھی) ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے پیدا کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۝۶۴ ﴾ ''یہی اللہ تو تمھارا پروردگار ہے، پس اللہ تمام جہانوں کا پروردگار بہت ہی بابرکت ہے۔'' یعنی اللہ پروردگار عالم ہی بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ اور مقدس ومنزہ ہے، پھر فرمایا: ﴿ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''وہ زندہ ہے (جسے موت نہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' یعنی ازل سے لے کر ابد تک اسی کی ذات پاک زندہ ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ سے زندہ ہے، ہمیشہ ہمیشہ تک زندہ رہے گا، وہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اس کے سوا کوئی الٰہ (عبادت کے لائق) نہیں۔'' اور نہ کوئی اس کا نظیر اور نہ کوئی اس جیسا ہے۔ ﴿ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ ﴾ ''تو اسی کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارو۔'' اس کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے اور اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔ امام احمد نے ابوزبیر سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات کہا کرتے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَّا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، وَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ] ''اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، ساری بادشاہت اس کے لیے ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، کسی کام کی بھی طاقت وقوت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اسی کی عطا فرمائی ہوئی سب نعمتیں ہیں، اسی کا ہم پر فضل وکرم ہے اور اسی کے لیے ہی سب اچھی اچھی تعریفیں ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، (ہم تو پورے) اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کرتے ہیں، خواہ کافروں کو برا لگے۔'' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ [1] اور اسے امام مسلم، ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

---

[1] مسند أحمد : 4/4 . [2] صحیح مسلم، المساجد......، باب استحباب الذکر بعد الصلاة وبیان صفته، حدیث : 594 و سنن أبي داود ، الوتر، باب مایقول الرجل إذا سلم، حدیث: 1506،1507 و سنن النسائي، السهو، باب عدد التهلیل والذکر بعد التسلیم، حدیث: 1341.

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ز

آپ کہہ دیجیے: بے شک مجھے اس سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی

وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿66﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ

طرف سے واضح نشانیاں آگئیں، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کا فرماں بردار رہوں ﴿66﴾ وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر

مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ج وَ مِنْكُمْ

نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر وہ تمھیں بچے کی صورت میں نکالتا ہے، پھر تاکہ تم اپنی جوانی (کی قوتوں) کو پہنچو، پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ، اور تم

مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ج

میں سے کچھ وہ ہیں جو اس سے پہلے ہی فوت کر دیے جاتے ہیں اور تاکہ تم ایک مقررہ مدت کو پہنچو، اور تاکہ تم سمجھو ﴿67﴾ وہی تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا

ع 7/8/12 فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿68﴾ ع

ہے، پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ بس اسے کہتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے ﴿68﴾

تفسیر آیات :66 - 68

شرک کی ممانعت اور توحید کا حکم: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) آپ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ اللہ عزوجل نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی بھی بت یا شریک کی پوجا کی جائے کیونکہ اس ذات پاک نے اس بات کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ج﴾ ”وہی تو ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر وہ تمھیں بچہ بنا کر نکالتا ہے، پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔“ یعنی وہی ذات پاک ہے جو تمھیں زندگی کے ان مختلف اطوار سے گزارتی ہے اور یہ سب کچھ اسی وحدہ لاشریک کے امر و تدبیر اور تقدیر سے ہو رہا ہے۔ ﴿وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور تم میں سے کچھ وہ ہیں جو اس سے پہلے ہی فوت کر دیے جاتے ہیں۔“ یعنی اس عالم میں وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کی ماں اسے ساقط کر دیتی ہے اور کچھ بچپن میں، کچھ جوانی میں اور کچھ بڑھاپے سے قبل کہولت ہی کی عمر میں فوت ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ط وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ (الحج 22:5) ”تاکہ ہم تمھارے لیے (اپنی خالقیت) واضح کریں اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔“ اور یہاں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾﴾ ”اور تاکہ تم (موت کے) ایک وقت مقرر تک پہنچو اور تاکہ تم سمجھو۔“ ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کو یاد کرو۔ پھر فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ج﴾ ”وہی تو ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔“ یعنی موت و حیات بھی صرف اور صرف اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا اور کسی کو اس کی قطعاً قدرت نہیں ہے۔ ﴿فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿68﴾﴾ ”پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس سے کہہ دیتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔“

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿69﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں؟ وہ کہاں پھرے جارہے ہیں؟ (69) جنھوں نے کتاب (قرآن)

وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿70﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ

کو جھٹلایا اور ان (تعلیمات) کو بھی جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا، تو وہ عنقریب جان لیں گے (70) جب ان کی گردنوں میں

يُسْحَبُوْنَ ﴿71﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿72﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

طوق اور بیڑیاں ہوں گی (جن میں جکڑ کر) وہ گھسیٹے جائیں گے (71) کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے (72)

تُشْرِكُوْنَ ﴿73﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ

پھر ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ جنھیں تم شریک ٹھہراتے تھے (73) اللہ کے سوا؟ وہ کہیں گے: وہ تو ہم سے گم ہوگئے، بلکہ ہم تو اس سے

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿74﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

پہلے کسی کو بھی نہ پکارتے تھے۔ اللہ اسی طرح کافروں کو گمراہ کرتا ہے (74) (کہا جائے گا:) تمھارا یہ (انجام) اس لیے ہوا کہ تم زمین میں ناحق

وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿75﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

اتراتے تھے، اور اس لیے کہ تم اکڑتے تھے (75) (اب) تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، (تم) اس میں ہمیشہ رہو گے، چنانچہ تکبر کرنے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿76﴾

والوں کا ٹھکانا بہت برا ہے (76)

نہ کوئی اس کی مخالفت کرسکتا ہے اور نہ اسے اپنے فیصلے سے منع کرسکتا ہے بلکہ وہ جو چاہے وہ ہر صورت میں ہو کر رہتا ہے۔

تفسیر آیات: 69-76

انکار اور تکذیب کرنے والوں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) کیا آپ کو ان لوگوں پر تعجب نہیں جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے اور حق کے بارے میں باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں کہ ان کی عقلیں کس طرح انھیں ہدایت کے بجائے ضلالت کی طرف لے جارہی ہیں۔ ﴿ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ ﴾ ''وہ لوگ جنھوں نے کتاب کو اور جو کچھ ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا اس کو جھٹلایا۔'' یعنی انھوں نے ہدایت اور بیان کو جھٹلایا، ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''پس وہ عنقریب جان لیں گے۔'' یہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ان تکذیب کرنے والے لوگوں کے لیے شدید سرزنش اور سخت وعید ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ ﴾ (المرسلت 15:77) ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ ﴾ ''جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی۔'' یعنی موکلان دوزخ کے ہاتھوں ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور وہ انھیں چہروں کے بل گھسیٹ رہے ہوں گے، کبھی کھولتے ہوئے گرم پانی کی طرف اور کبھی آتش دوزخ کی طرف، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ يُسْحَبُوْنَ ﴿71﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''وہ کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے، پھر وہ آگ میں

جلائے جائیں گے۔'' جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:43,44) ''یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلاتے تھے، وہ اس (دوزخ) کے اور کھولتے ہوئے سخت گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔''

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے تھوہر کے درخت سے کھانے اور گرم پینے کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:68) ''پھر بے شک ان کا دوزخ کی طرف البتہ لوٹنا ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّاۗلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ ﴾ (الواقعة 56:41 - 56) ''اور بائیں ہاتھ والے (افسوس!) بائیں ہاتھ والے کیا (ہی عذاب میں) ہیں (دوزخ کی پیپ اور) کھولتے ہوئے پانی اور سخت گرم ہوا میں ہوں گے اور سیاہ ترین دھوئیں کے سائے میں (ہوں گے جو) نہ ٹھنڈا ہے اور نہ فرحت بخش، بلاشبہ وہ اس سے پہلے خوشحال تھے اور وہ بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر البتہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ کیا (ہم) اور ہمارے پہلے باپ دادا بھی، آپ کہہ دیجیے: بلاشبہ پہلے بھی اور پچھلے بھی، ایک معلوم دن کے مقرر وقت پر ضرور جمع کیے جائیں گے، پھر یقیناً تم اے جھٹلانے والے گمراہو! البتہ تھوہر کے درخت سے کھانے والے ہوگے، پھر اسی سے پیٹ بھرنے والے ہوگے اور اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے اور پیاسے اونٹوں کے پینے کے مانند پیو گے، جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ ﴾ (الدخان 44:43 - 50) ''بلاشبہ تھوہر کا درخت، گناہ گار کا کھانا ہے، جیسے پگھلا ہوا تانبا، وہ پیٹوں میں (اس طرح) کھولے گا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے (حکم دیا جائے گا کہ) اس کو پکڑ لو اور کھینچتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ، پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو کہ (اب مزہ) چکھ، بے شک تو (اپنے خیال میں) بڑی عزت والا، بڑا مقتدر تھا۔ بلاشبہ یہ وہی (دوزخ) ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔'' یعنی یہ بات انھیں ڈانٹ ڈپٹ، سرزنش، تحقیر، تذلیل اور استہزا کے طور پر کہی جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝73 مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا شریک ٹھہراتے تھے۔'' یعنی ان سے کہا جائے گا کہ آج کہاں ہیں وہ بت جن کی تم اللہ کے سوا

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ

لہٰذا (اے نبی!) آپ صبر کیجیے۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ پھر اگر ہم (چاہیں تو) آپ کو اس (عذاب) میں سے کچھ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿77﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ

کرتے ہیں یا ہم آپ کو (اس سے پہلے ہی) فوت کر دیں، بالآخر وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿77﴾ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول

مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

بھیجے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا، اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔ اور

اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ

کسی رسول کو یہ (اختیار) نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے سوا کوئی نشانی لے آئے، پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اس موقع پر

8 ع 10 13 هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿78﴾ ع

اہل باطل (جھوٹے لوگوں) نے خسارہ اٹھایا ﴿78﴾

پوجا کرتے تھے؟ کیا وہ آج تمھاری کوئی مدد کریں گے تو ﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ ''کہیں گے: وہ تو ہم سے گم ہو گئے۔'' یعنی وہ چلے گئے ہیں اور انھوں نے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ ﴿بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ﴾ ''بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے۔'' یعنی وہ بتوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (الأنعام 23:6) ''پھر ان کی (شرک سے) اس کے سوا کوئی معذرت نہ ہوگی یہ کہ وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہمارے پروردگار! ہم شرک کرنے والے نہیں تھے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿74﴾﴾ ''اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿75﴾ۚ﴾ ''یہ اس سبب سے ہے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہوتے تھے اور اس لیے کہ تم اتراتے تھے۔'' یہ فرشتے ان سے کہیں گے، آج تم جس حالت میں ہو، یہ تمھارے دنیا میں ناحق خوش ہونے، اترانے اور فخر و غرور کرنے کی سزا ہے، ﴿اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿76﴾﴾ ''(اب) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ (اس حال میں کہ) ہمیشہ اسی میں رہنے والے (ہوگے)، پس متکبروں کا برا ٹھکانا ہے۔'' ان کا برا ٹھکانا اور نہایت بری آرام گاہ ہے جس میں ان لوگوں کے لیے ذلت و رسوائی اور شدید عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے دلائل و براہین کو قبول کرنے کے بجائے تکبر کا اظہار کیا کرتے تھے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 78,77

صبر کا حکم اور فتح کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی قوم کے تکذیب کرنے والے لوگوں کی تکذیب پر صبر کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کے مقابلے میں آپ کی فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا اور آپ کو اور آپ کی اتباع کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمائے گا، ﴿فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿79﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا

اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لیے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو، اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو﴿79﴾اور تمھارے لیے ان

مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿80﴾

میں (اور بھی) بہت سے فائدے ہیں، اور تاکہ تم ان پر (سوار ہو کر اپنی) اس حاجت (منزل مقصود) کو پہنچو جو تمھارے دلوں میں ہو، اور تم ان پر اور کشتیوں پر

وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿81﴾

(بھی) سوار کیے جاتے ہو﴿80﴾اور وہ (اللہ) تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، پھر تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے؟﴿81﴾

﴿بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ﴾ ''پھر اگر ہم آپ کو اس میں سے دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں۔''یعنی اگر دنیا ہی میں دکھا دیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دکھا بھی دیا اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی اتباع کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اس طرح فراہم کیا کہ مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کو غزوۂ بدر میں ہلاک کر دیا اور پھر آپ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں نہ صرف مکہ مکرمہ پر بلکہ سارے جزیرۂ عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا تھا، ﴿اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿77﴾﴾ ''یا ہم آپ کو فوت کر دیں تو وہ ہماری ہی طرف لوٹ کر آئیں گے۔''یعنی آخرت میں ہم انھیں شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے، ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات آپ سے ہم نے بیان کر دیے ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء[1] میں بھی بیان فرمایا ہے کہ کچھ پیغمبروں کے حالات اور قوموں کے ساتھ ان کے واقعات کو بیان کیا ہے کہ کس طرح قوموں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی لیکن بالآخر فتح و نصرت سے حضرات انبیائے کرام ہی سرفراز ہوئے تھے۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ﴾ ''اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے بیان نہیں کیے۔'' اور ان کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے جیسا کہ سورۂ نساء میں اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور کسی پیغمبر کے لیے (اختیار) نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔''یعنی کوئی پیغمبر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اپنی قوم کے سامنے معجزات اور خرق عادت واقعات پیش نہیں کر سکتا اور جب اللہ تعالیٰ حکم دیں تو وہ ایسے واقعات و معجزات پیش کر سکتا ہے جو اس کی نبوت و رسالت کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ ''پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا۔''یعنی اس کا وہ عذاب جس نے تکذیب کرنے والوں کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ﴿قُضِیَ بِالْحَقِّ﴾ ''تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا۔''یعنی مومنوں کو نجات عطا کر دی گئی اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿78﴾﴾ ''اور اہل باطل نے وہاں خسارہ اٹھایا۔''

---

[1] دیکھیے النسآء، آیت: 164 کے ذیل میں۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ

کیا پھر وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ (تعداد میں) ان سے زیادہ اور قوت اور زمین میں

مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿82﴾ فَلَمَّا

(چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے، پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ان کے کسی کام نہ آیا﴿82﴾ پھر جب ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر ان

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

کے پاس آئے تو وہ اس (جھوٹے) علم پر اتراتے رہے جو ان کے پاس تھا، اور انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے﴿83﴾ چنانچہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿83﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ

جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ہم نے ان چیزوں کا انکار کیا جنھیں ہم اس (اللہ) کے ساتھ شریک ٹھہراتے

مُشْرِكِيْنَ ﴿84﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ

تھے﴿84﴾ پھر یہ نہ تھا کہ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، تو انھیں ان کا ایمان (لانا) نفع دیتا، یہی اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزرا، اور

9 ع 7 14 عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿85﴾ ع

اس (عذاب کے) موقع پر کافروں نے خسارہ اٹھایا﴿85﴾

تفسیر آیات: 79-81

چار پائے بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات وآیات میں سے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے چوپائے، یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں پیدا فرمائے کہ ان میں سے کچھ ان کی سواری کے کام آتے ہیں اور کچھ کو کھا لیتے ہیں، اونٹ پر سواری کی جاتی ہے، اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے، اس کا دودھ پیا جاتا ہے اور دور دراز کے علاقوں کے سفر میں اس سے بار برداری کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ گائے کے گوشت کو کھایا، اس کے دودھ کو پیا جاتا ہے اور ان سب کی اون، پشم اور بالوں سے ساز وسامان، کپڑے اور مختلف اشیاء تیار کی جاتی ہیں جیسا کہ سورۂ انعام،[1] سورۂ نحل[2] اور دیگر کئی مقامات پر اس کا ذکر گزر چکا ہے، اسی لیے اللہ عزوجل نے یہاں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿79﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿80﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ﴾ ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمھارے لیے چوپائے بنائے تا کہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور تمھارے لیے ان میں (اور بھی) بہت فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ (کہیں جانے کی) جو تمھارے دلوں میں حاجت ہو ان پر (چڑھ کر وہاں) پہنچ جاؤ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔'' یعنی آفاق وانفس کے دلائل و براہین۔ ﴿فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿81﴾﴾ ''تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کسی بھی چیز کے انکار کی قدرت نہیں رکھتے الا یہ کہ تم

---

[1] دیکھیے الأنعام، آیات :141-144 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے النحل، آیات : 5-8 کے ذیل میں۔

عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لو۔

تفسیر آیات:82-85

سابقہ لوگوں کے حال سے عبرت: اللہ تعالیٰ نے زمانۂ قدیم میں پیغمبروں کی تکذیب کرنے والی امتوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھیں کس طرح عذاب شدید نے اپنی گرفت میں لیا، حالانکہ ان کی قوتیں بہت شدید تھیں، زمین میں نشانات بنانے کے اعتبار سے بہت بڑھ کر تھے اور انھوں نے بہت سے اموال بھی جمع کر رکھے تھے مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آئی اور نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان سے کچھ بھی ٹال سکی، اس لیے کہ جب انبیائے کرام نے ان کے سامنے روشن دلائل اور قطعی براہین پیش کیے تو انھوں نے ان کی طرف التفات تک نہ کیا اور ان میں سے کسی دلیل کو بھی قبول نہ کیا اور بزعم خود اپنے علم ہی کو کافی سمجھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انھوں نے کہا تھا کہ ہم انبیاء سے زیادہ جانتے ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے اور نہ ہمیں کوئی عذاب ہوگا۔[1] اور سدی نے کہا ہے کہ از راہ جہالت وہ اپنے ہی علم پر شاداں وفرحاں تھے۔[2] انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب نے آلیا جس کے مقابلے کی ان میں تاب نہ تھی۔ ﴿ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جس کا تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آگھیرا۔'' یعنی جس چیز کی وہ تکذیب کرتے اور جس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتے تھے وہ آواقع ہوئی، ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ﴾ ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔'' یعنی انھوں نے جب عذاب الٰہی کا خود مشاہدہ کر لیا۔ ﴿ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ ''تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے تھے، اس سے ہم نے انکار کر دیا۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور بتوں کے ساتھ کفر کا اقرار تو کر لیا لیکن اس وقت جب لغزشیں معاف اور معذرتیں قبول نہیں ہوتیں جیسا کہ فرعون نے بھی غرق ہوتے وقت کہا تھا: ﴿ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ ﴾ (یونس 90:10) ''میں ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ ﴾ (یونس 91:10) ''کیا اب (ایمان لاتا ہے؟) حالانکہ یقیناً تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسدوں میں سے تھا؟'' اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرعون کے ایمان لانے کو قبول نہ کیا کیونکہ اس نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرما لیا تھا: ﴿ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ ﴾ (یونس 88:10) ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ وہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ ﴾ ''لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو (کچھ بھی) فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی عادت ہے جو اس کے بندوں (کے بارے) میں پہلے سے چلی آئی ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے

[1] تفسیر الطبری: 111/24. [2] تفسیر الطبری: 111/24.

ان سب لوگوں کے بارے میں جو عذاب دیکھ کر ایمان لائیں کہ اس وقت ان کا ایمان قبول نہیں، اسی لیے حدیث میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ] ''بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک غرغرے کی آواز شروع نہ ہو۔''① اور جب غرغرے کی آواز شروع ہو جائے، روح حلق تک پہنچ جائے اور انسان ملک الموت کو دیکھ لے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی، اسی لیے فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿85﴾﴾ ''اور وہاں کافروں نے خسارہ اٹھایا۔''

سورۂ مومن کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① جامع الترمذي، الدعوات، باب:[إن الله يقبل توبة العبد مالم يغرغر]، حديث :3537 عن ابن عمر ﷺ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، حديث:4253 عن عبدالله بن عمرو ﷺ ومسند أحمد :132/2عن ابن عمر ﷺ. ملحوظہ: ابن ماجہ نے اس حدیث کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے لیکن علامہ مزی نے تحفة الأشراف :55,54/5، حديث: 6674 کے ذیل میں لکھا ہے کہ امام ابن ماجہ کو وہم ہوا ہے، بہر صورت یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے۔ وَاللّٰه أعلم.

تفسیر سُوۡرَۃُ حٰمٓ سَجۡدَہ

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ① تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۚ ② كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ

حٰمٓ ① (یہ قرآن) بڑے مہربان، نہایت رحم کرنے والے کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ② (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی

يَّعۡلَمُوۡنَ ۙ ③ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ④ وَقَالُوۡا

ہیں، درآں حالیکہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ③ جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس

قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِىۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ

سے) اعراض کر لیا، تو وہ سنتے ہی نہیں ④ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں، اور ہمارے کانوں میں

فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ⑤

ڈاٹ ہیں، اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں ⑤

الثلاثة

تفسیر آیات:1-5

قرآن مجید کی شان اور اعراض کرنے والوں کے اقوال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حٰمٓ ۚ ① تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۚ ② ﴾ ''حٰمٓ، (یہ اللہ) رحمان ورحیم کی طرف سے اتاری ہوئی ہے'' یعنی قرآن مجید اللہ رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ ﴾ (النحل 102:16) ''کہہ دیں کہ اسے روح القدس آپ کے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۞ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ۞ ﴾ (الشعرآء 26:192-194) ''اور یہ (قرآن اللہ) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (اس نے) آپ کے دل پر (القاء کیا ہے) تاکہ آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں میں سے ہوں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ ﴾ ''ایسی کتاب جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔'' یعنی اس کے معانی واضح اور اس کے احکام مستحکم ہیں۔ ﴿ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ ''(یعنی) قرآن عربی۔'' یعنی یہ قرآن بیّن اور واضح عربی زبان میں ہے، اس کے معانی مفصل اور اس کے الفاظ واضح ہیں اور مشکل نہیں ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

کہہ دیجیے: بس میں تو تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے،

وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ⑥ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ

لہٰذا اسی کی طرف سیدھے رہو اور اسی سے بخشش مانگو، اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے ⑥ جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت

كٰفِرُوْنَ ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑧ ع 1/8/15

کے بھی منکر ہیں ⑦ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجروثواب ہے ⑧

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾ (ھود 11:1) ''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔'' یعنی لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے یہ کتاب ایک معجزہ ہے۔ ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:42) ''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔'' ﴿ لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ③ ﴾ ''اس قوم کے لیے جو علم رکھتی ہے۔'' یعنی اس بیان اور وضاحت کو راسخ علماء ہی جانتے ہیں۔ ﴿ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ ''خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔'' یعنی کبھی مومنوں کو بشارت سناتا ہے اور کبھی کافروں کو خوف دلاتا ہے۔ ﴿ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ④ ﴾ ''پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ سنتے ہی نہیں۔'' یعنی قرآن مجید کے بین اور واضح ہونے کے باوجود اکثر قریش اسے قطعاً نہیں سمجھتے۔ ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ ﴾ ''اور کہنے لگے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں'' یعنی ایسے پردوں میں ہیں جنھوں نے انھیں ڈھانپ رکھا ہے۔ ﴿ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ﴾ ''اس سے جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں (پردوں میں ہیں) اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے'' یعنی جو چیز آپ ہمارے پاس لائے ہیں اسے سننے سے ہمارے کان بہرے ہیں۔ ﴿ وَمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ﴾ ''اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔'' لہٰذا جو بات آپ کہتے ہیں، وہ ہم تک نہیں پہنچتی۔ ﴿ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ⑤ ﴾ ''تو آپ (اپنا) کام کریں بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرتے ہیں۔'' یعنی آپ اپنے طریقے کے مطابق کام کریں ہم اپنے طریقے کے مطابق کام کریں گے اور آپ کی اتباع نہیں کریں گے۔

تفسیر آیات :6-8

دعوتِ توحید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیں۔'' اے محمد! (ﷺ) تکذیب کرنے والے ان مشرکین سے۔ ﴿ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ ''بے شک میں تمھارے جیسا آدمی ہی ہوں (ہاں!) مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود (اللہ) ہے۔'' جن بتوں، شریکوں اور متفرق خداؤں کی تم پوجا کرتے ہو یہ معبود نہیں بلکہ معبود تو اللہ واحد ہے۔ ﴿ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ ﴾ ''تو سیدھے اسی کی طرف متوجہ رہو'' یعنی اس طریقے کے مطابق جس کا پیغمبروں کی زبانی اس نے تمھیں حکم دیا ہے، اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت بجا لاؤ۔ ﴿ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ ﴾ ''اور اسی سے مغفرت مانگو۔'' اپنے سابقہ گناہوں کی۔ ﴿ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ⑥ ﴾ ''اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی تباہی و بربادی اور ہلاکت

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ

آپ کہہ دیجیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا، اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ⑨ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ

رب ہے⑨ اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط پہاڑ بنائے، اور اس میں برکتیں رکھیں، اور اس میں (رہنے والوں کے لیے) اس کی

اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑩ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ

غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ کیا، محتاجوں کے لیے یکساں طور پر (یہ سارا کام) چار دنوں میں (مکمل ہوا)⑩ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا،

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ⑪ فَقَضٰىهُنَّ

تب اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے آؤ، تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں خوشی خوشی حاضر ہیں⑪ پھر (اللہ نے) انھیں دو

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

دنوں میں سات آسمان بنا دیا، اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کر دیا، اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی، اور (اس کی خوب)

بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ⑫

حفاظت کی، یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے⑫

ان کا مقدر ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ ''وہ لوگ جو زکاۃ نہیں دیتے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لا الہ الا اللہ کی گواہی نہیں دیتے۔① عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔② یہ آیت اس طرح ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ﴾ (الشمس 91:9,10) ''جس نے اس (اپنے نفس) کا تزکیہ کیا وہ یقیناً مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ یقیناً خسارے میں رہا۔'' اور فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ﴾ (الأعلى 87:14,15) ''بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا، پھر اس نے نماز پڑھی۔'' اور فرمایا: ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ۙ﴾ (النّٰزعٰت 79:18) ''پھر (اس سے) کہہ دے: کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے۔''

یہاں زکاۃ سے مراد نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا ہے اور اس کی اہم صورت نفس کو شرک سے پاک کرنا ہے۔ اور مال کی زکاۃ کو زکاۃ کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ مال کو حرام سے پاک کر دیتی ہے اور مال میں اضافہ، برکت کثرت نفع اور نیکی کے کاموں میں استعمال کی توفیق کا سبب بنتی ہے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں: اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے مالوں کی زکاۃ ادا نہیں کرتے تھے۔③ دیگر بہت سے مفسرین نے بھی اس سے یہی معنی مراد لیے ہیں اور امام ابن جریر نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔④ لیکن یہ معنی مراد لینا محل نظر ہے کیونکہ جیسا کہ بہت سے اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ زکاۃ 2 ہجری میں واجب ہوئی تھی اور یہ آیت مکی ہے، البتہ اس سلسلے میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ صدقہ وزکاۃ کا اصل حکم تو ابتدائے بعثت ہی

① تفسير الطبري : 117/24. ② تفسير الطبري : 117/24. ③ تفسير الطبري : 117/24. ④ تفسير الطبري : 117/24.

سے تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ﴾ (الأنعام 6:141) ''اور جس دن فصل کاٹو اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔'' اور جہاں تک اس کے نصاب اور مقدار کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل مدینہ منورہ میں بیان ہوئی تھی، اس طرح دونوں اقوال میں تطبیق دی جا سکتی ہے جیسے کہ طلوعِ آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز تو ابتدائے بعثت ہی سے واجب تھی، البتہ ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل جب شب معراج اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر پانچ نمازوں کو فرض قرار دیا تو اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی شروط، اس کے ارکان اور اس سے متعلق دیگر مسائل کو بھی بیان کر دیا گیا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اس کے بعد اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ﴾ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔'' امام مجاہد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ﴿ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ﴾ کے معنی ہیں: ایسا ثواب جو کبھی ختم ہی نہ ہو اور جو منقطع نہ ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ ﴾ (الكهف 18:3) ''جس میں وہ ابد الآباد رہیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ ﴾ (هود 11:108) ''یہ اللہ کی عطا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔''

تفسیر آیات:9-12

تخلیقِ کائنات کی بعض تفصیلات: اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے اللہ کے ساتھ غیر کی پوجا کی، حالانکہ ہر چیز کا خالق وہی ہے، ہر چیز پر غالب اور مقتدر بھی اسی کی ذات پاک ہے، پس اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ﴾ ''آپ کہہ دیں: کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم (بتوں کو) اس کے لیے شریک بناتے ہو۔'' یعنی اس کی نظیر اور ہم مثل قرار دے کر اس کے ساتھ تم ان کی بھی پوجا کرتے ہو۔ ﴿ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ''وہ سارے جہانوں کا رب ہے۔'' یعنی وہ جو تمام اشیاء کا خالق ہے وہی تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، اس جگہ آیت کریمہ: ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ﴾ (الحديد 57:4) ''اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔'' کی تفصیل ہے، یہاں آسمانوں اور زمین سے متعلق الگ الگ تفصیل دی گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے پہلے زمین کو پیدا فرمایا کیونکہ وہ گویا اس کائنات کی بنیاد کی طرح ہے اور عمارت کو پہلے بنیاد ہی سے شروع کیا جاتا اور پھر اسے چھت تک پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ (البقرة 2:29) ''وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمھارے لیے پیدا کیں، پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا، تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا۔'' اور جہاں تک ان آیات کریمہ کا تعلق ہے: ﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:27-33) ''بھلا تمھارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ اسی نے اسے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر اسے برابر کر دیا اور اسی نے رات تاریک بنائی اور (دن کو) دھوپ نکالی اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا، اسی نے اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارا اگایا اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا، (یہ سب کچھ) تمھارے اور تمھارے

چار پایوں کے فائدے کے لیے (کیا۔)‘‘

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کی تخلیق کے بعد پھیلایا گیا لیکن نصِ قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمانوں سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا جواب یہ دیا ہے، جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کی کہ میں قرآن مجید میں کچھ ایسی اشیاء پاتا ہوں جن میں اختلاف ہے، مثلاً: ایک آیت میں یہ ذکر ہے: ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝﴾ (المؤمنون 23:101) ’’تو اس دن نہ ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔‘‘ اور دوسری آیت میں ہے: ﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:27) ’’اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال (وجواب) کریں گے۔‘‘ اسی طرح ایک آیت میں ہے: ﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۝﴾ (النسآء 4:42) ’’اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔‘‘ اور دوسری آیت میں ہے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۝﴾ (الأنعام 6:23) ’’اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔‘‘ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے شرک کو اللہ تعالیٰ سے چھپائیں گے۔ اسی طرح ایک مقام پر ہے: ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۝ﯿ﴾ (النّٰزعٰت 79:27-30) ’’بھلا تمھارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ اس نے اسے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر اسے برابر کر دیا اور اسی نے رات تاریک بنائی اور (دن کو) دھوپ نکالی اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔‘‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو زمین سے پہلے پھیلایا گیا ہے جبکہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝﴾ ’’کہہ دیجیے: کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور تم (بتوں کو) اس کے لیے شریک بناتے ہو، وہی تو سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں (رہنے والوں کے لیے) اس کی غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ کیا محتاجوں کے لیے یکساں طور پر (یہ سارا کام) چار دنوں میں (مکمل ہوا)، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے، خواہ ناخوشی سے، انھوں نے کہا: ہم خوشی سے آئے ہیں۔‘‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمانوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾ (النسآء 4:96) ﴿عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝﴾ (النسآء 4:56) ﴿سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا۝﴾ (النسآء 4:58) گویا اللہ تعالیٰ پہلے ان صفات سے متصف تھا بعد میں وہ صفات نہ رہیں؟ اس شخص کے جواب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝﴾ (المؤمنون 23:101) کا تعلق

نفخۂ اولی سے ہے، پھر جب صور میں پھونکا جائے گا: ﴿ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ (الزمر 68:39) ”تو جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر وہ جسے اللہ چاہے۔“ اس وقت نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے اور پھر جب آخری نفخہ ہوگا تو ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال و جواب کریں گے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ اپنے شرک کو چھپائیں گے اور دوسری آیت کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اہل توحید کے گناہوں کو معاف فرما دے گا تو مشرکین کہیں گے کہ آؤ ہم بھی کہیں کہ ہم شرک نہیں کرتے تھے مگر اس وقت ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ بولیں گے تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپایا نہیں جا سکتا اور اس وقت ﴿ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ ﴾ (النسآء 42:4) ”کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ برابر کر دیا جاتا۔ اور وہ اللہ سے کوئی (بھی) بات چھپا نہیں سکیں گے۔“

اسی طرح آسمان و زمین کی تخلیق کے بارے میں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا، پھر بعد والے دو دن میں آسمان کو پیدا فرما کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور انھیں برابر کر دیا۔ پھر اس نے زمین کو پھیلا دیا۔ اور زمین کو پھیلا دینے کے معنی یہ ہیں کہ اس نے زمین سے پانی اور چارا نکالا اور پہاڑوں، صحراؤں، جمادات، ٹیلوں اور آسمان و زمین کے درمیان کی تمام چیزوں کو دو دن میں پیدا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ ﴾ ”زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔“ کے معنی یہ ہیں کہ اس نے دو دن میں زمین کو اور دو دن میں اس میں موجود تمام اشیاء کو سب کو چار دن میں پیدا فرمایا۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 96:4) ”بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو خود ان ناموں سے موسوم فرمایا ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ان صفات سے متصف ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا بھی ارادہ فرمائے اسے کر گزرتا ہے، لہٰذا قرآن مجید میں اختلاف نہ سمجھو، اس لیے کہ سارا قرآن اللہ عزوجل ہی کی طرف سے ہے۔[1] ﴿ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ ﴾ ”زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔“ یعنی اتوار اور سوموار کے دن۔ ﴿ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا ﴾ ”اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی“ یعنی اس نے زمین کو بابرکت اور خیر، بیج اور کاشت کے قابل بنا دیا اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا۔ اور اس میں معیشت اور رزق کے وہ سب سامان رکھ دیے جن کی اہل زمین کو ضرورت ہے اور اس میں ایسے مقامات رکھ دیے جن میں زراعت اور کاشت کی جاتی ہے۔ اور یہ منگل اور بدھ کے دن کیا اور اس طرح سابقہ دو دنوں کے ساتھ مل کر یہ کل چار دن ہو گئے، اس لیے فرمایا: ﴿ فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ﴾ ”سب چار دن میں اور تمام سوال کرنے والوں کے لیے یکساں۔“ یعنی ان سب کے لیے جو معلوم کرنے کے لیے اس کے بارے میں سوال کرنا چاہے۔

عکرمہ اور مجاہد نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا ﴾ ”اور اس میں (رہنے والوں کے لیے) اس کی غذاؤں

[1] صحيح البخاري، التفسير، سورة حمٓ السجدة، قبل الحديث : 4816.

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ⑬ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ

پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی چیخ (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی چیخ (عذاب) کے مانند

مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا

ہوگی ⑬ جب رسول ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے (یہ کہتے ہوئے) آئے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو، (تو) انھوں

لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ⑭ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي

نے کہا: اگر ہمارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل کرتا، لہٰذا جو کچھ دے کر تمھیں بھیجا گیا ہے ہم تو یقیناً اس کے منکر ہیں ⑭ پھر جو عاد تھے

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ

تو انھوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے: قوت میں ہم سے زیادہ سخت کون ہے۔ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ جس

خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ⑮ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

نے انھیں پیدا کیا وہ قوت میں ان سے زیادہ سخت ہے۔ اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے ⑮ چنانچہ ہم نے ان پر منحوس (ثابت ہونے

صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ

والے) دنوں میں طوفانی ہوا بھیجی تاکہ ہم انھیں دنیاوی زندگی ہی میں ذلت و رسوائی کے عذاب (کا مزہ) چکھائیں، اور بلاشبہ آخرت کا

الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑯ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى

عذاب سب سے زیادہ رسوا کن ہے، اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی ⑯ اور جو ثمود تھے، تو ہم نے ان کی رہنمائی کی تو انھوں نے ہدایت

الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑰ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ

پر اندھے پن کو پسند کیا، پھر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں رسوا کن عذاب کی چیخ نے آلیا ⑰ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ⑱ ع 2/10/16

ایمان لائے اور وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے ⑱

کا (ٹھیک) اندازہ کیا۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ ہر زمین میں کچھ ایسا سامان معیشت رکھ دیا ہے جو کسی دوسرے حصے میں موزوں نہیں، مثلاً: (خاص قسم کی) چادریں مُلکِ یمن میں، عمدہ باریک (سابوری) کپڑا سابور شہر میں اور سیاہ شالیں رے کے علاقے میں ہیں۔ ① ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور سدی نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ⑩ ﴾ ''تمام مانگنے والوں کے لیے یکساں۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے لیے جو اس کے متعلق سوال کرنا چاہیں۔ ② اور ابن زید نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یہ اس کی مراد کے موافق ہے جسے رزق کی ضرورت ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے وہ سب کچھ زمین میں رکھ دیا ہے جس کی اسے ضرورت ہو۔ ③ یہ قول اس کے مشابہ ہے جو مفسرین نے حسب ذیل آیت کریمہ کے بارے میں ذکر کیا ہے: ﴿ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ ﴾ (ابرٰھیم 34:14) ''اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔'' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

① تفسیر الطبری: 121/24. ② تفسیر الطبری: 123,122/24. ③ تفسیر الطبری: 123/24.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ ﴾ ''پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔'' دھویں سے مراد پانی سے اٹھنے والے وہ بخارات ہیں جو زمین کی تخلیق کے وقت اس سے اٹھے تھے۔ ﴿ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ﴾ ''تو اس نے اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں خوشی یا ناخوشی سے آؤ۔'' یعنی میرے حکم پر لبیک کہو اور خوشی یا ناخوشی سے میرے کام کو تسلیم کرو۔ ﴿ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ ﴾ ''ان دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔'' یعنی ہم خوشی سے آپ کے حکم پر لبیک کہتے ہیں ساتھ ان کے جو ہم میں ہیں، جن کی تخلیق کا تو ارادہ رکھتا ہے۔ فرشتوں، جنوں اور انسانوں میں سے، ہم سب تیرے مطیع ہیں۔ ﴿ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ ﴾ ''پھر دو دنوں میں سات آسمان بنائے۔'' دو دنوں میں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنا دیے، یعنی جمعرات اور جمعہ کے دن۔ ﴿ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ﴾ ''اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کر دیا۔'' یعنی ہر آسمان میں فرشتوں اور ان تمام اشیاء کو، جن کی اسے حاجت تھی، مرتب اور مقرر فرما دیا جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ﴿ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ﴾ ''اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا۔'' یعنی ایسے منور اور روشن ستاروں کے ساتھ جو اہل زمین کو نظر آتے ہیں۔ ﴿ وَحِفْظًا ﴾ ''اور (اس کی) خوب حفاظت کی۔'' یعنی اسے شیطانوں سے محفوظ کر دیا تاکہ وہ ملاء اعلیٰ کی بات کو نہ سن سکیں۔ ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ﴾ ''یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔'' یعنی اس زبردست ذات کی جو غالب ہے اور جس نے ہر چیز کو مغلوب و مقہور کر رکھا ہے اور وہ اس قدر باخبر ہے کہ مخلوقات کی تمام حرکات و سکنات سے آگاہ ہے۔

تفسیر آیات :13-18

تکذیب کرنے والوں کو سرزنش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد ﷺ! ان تکذیب کرنے والے مشرکین سے کہہ دیں جن کے پاس آپ حق لائے ہیں کہ اگر تم اس حق سے اعراض کرو جو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس لایا ہوں تو میں تمھیں تم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نازل ہونے سے ڈراتا ہوں جس طرح پیغمبروں کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں پر نازل ہوا تھا۔ ﴿ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ ﴾ ''ایسی چیخ سے (ڈرا دیا ہے) جو عاد اور ثمود کی چیخ کے مانند ہوگی۔'' یعنی اور وہ لوگ جو ان (عاد و ثمود) کے مشابہ تھے، جن کے اعمال و افعال انھی لوگوں کی طرح تھے۔ ﴿ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ ﴾ ''جب ان کے پاس پیغمبران کے آگے اور پیچھے سے آئے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ ﴾ (الأحقاف 21:46) ''اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انھوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں۔'' یعنی ان کے علاقوں کے ساتھ متصل بستیوں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے، جنت کی خوش خبری سناتے اور دوزخ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اور انھوں نے وہ دیکھ لیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں پر عذاب کو نازل کیا اور اپنے دوستوں کو طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، اس کے باوجود انھوں نے ایمان و تصدیق کو اختیار نہ کیا بلکہ تکذیب اور انکار ہی کرتے رہے اور کہنے لگے: ﴿ لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ

﴿ مَلٰٓىِٕكَةً ﴾ ”اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو ضرور فرشتے اتار دیتا۔“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجنا ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتا۔ ﴿ فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ ﴾ ”پس بے شک ہم، جو تم دے کر بھیجے گئے ہو۔“ یعنی اے رسالت کا دعویٰ کرنے والے انسانو! ﴿ كٰفِرُوْنَ ⑭ ﴾ ”انکار کرنے والے ہیں۔“ یعنی ہم تمھاری اتباع نہیں کریں گے کیونکہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ﴾ ”تو جو عاد تھے وہ ناحق زمین میں غرور کرنے لگے۔“ یعنی انھوں نے بغاوت، سرکشی اور نافرمانی کو اختیار کیا۔ ﴿ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ ﴾ ”اور کہنے لگے کہ ہم سے قوت میں بڑھ کر کون ہے؟“ انھوں نے اپنی جسمانی مضبوطی اور قوت پر غرور کیا اور خیال کیا کہ وہ اپنی اس جسمانی طاقت وقوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں گے۔ ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ ﴾ ”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انھیں پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے۔“ یعنی کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ دشمنی کے لیے کس کو مقابلے کا چیلنج دے رہے ہیں! وہ تو وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے اشیاء کو پیدا کیا، ان میں ان طاقتوں اور قوتوں کو پیدا فرمایا جن کے وہ حامل ہیں اور اس کی پکڑ بہت شدید ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 47:51) ”اور آسمانوں کو ہم ہی نے اپنی طاقت سے بنایا اور یقیناً ہم البتہ وسعت دینے والے ہیں۔“ تو انھوں نے اللہ رب جبار کو دشمنی کے لیے مقابلے کا چیلنج دیا، اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی، پس اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا ﴾ ”چنانچہ ہم نے ان پر سخت ہوا چلائی۔“

بعض نے کہا ہے کہ ریح صرصر تیز چلنے والی آندھی کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ شدید ٹھنڈی ہوا کو، بعض نے کہا ہے کہ ایسی ہوا کو جس میں آواز ہو اور حق بات یہ ہے کہ باد صرصر میں یہ ساری چیزیں موجود ہوتی ہیں کہ وہ بہت شدید بھی ہوتی ہے اور تیز بھی تاکہ ان کی سزا اسی چیز کی جنس سے ہو جس پر انھیں غرور تھا، یعنی طاقت وقوت۔ بلاشبہ وہ باد صرصر شدید ترین ٹھنڈی بھی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۝ ﴾ (الحآقّة 6:69) ”یخ بستہ نہایت تیز آندھی۔“ یعنی شدید ٹھنڈی ہوا جس میں بہت خوفناک آواز بھی تھی۔ بلاد مشرق کی ایک مشہور نہر کا نام بھی صرصر اسی لیے ہے کہ اس میں پانی کے چلنے کی آواز بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ﴿ فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ ﴾ ”منحوس دنوں میں۔“ جو مسلسل اور متواتر تھے۔ ﴿ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ﴾ (الحآقّة 7:69) ”سات رات اور آٹھ دن (ان پر چلائے رکھا ان کی) جڑ کاٹ دینے کے لیے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ ﴾ (القمر 19:54) ”دائمی نحوست والے دن میں۔“ یعنی منحوس دن میں ان پر عذاب کا آغاز ہوا اور پھر یہ نحوست ان پر سات رات اور آٹھ دن تک جاری وساری رہی حتی کہ ان سب کو ہلاک کر دیا۔ اور ان کی دنیا کی یہ ذلت ورسوائی آخرت کے عذاب کے ساتھ مل گئی، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی ﴾ ”تاکہ ہم انھیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب (کا مزہ) چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔“ یعنی عذاب آخرت ان کے لیے زیادہ شدید ذلت ورسوائی کا سبب ہوگا۔ ﴿ وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ ⑯ ﴾ ”اور وہ مدد بھی نہیں کیے جائیں گے۔“ یعنی آخرت میں ان کو کوئی مدد نہ ملے گی جیسا کہ دنیا میں بھی ان کی کوئی مدد نہ کی گئی اور ان

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑲ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ

اور جس دن اللہ کے دشمن (ہانک کر) آگ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے، تو ان کی درجہ بندی کی جائے گی⑲ حتی کہ جب وہ اس (دوزخ) کے پاس

سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑳ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ

پہنچیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی جلدیں ان عملوں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے⑳ اور وہ اپنی جلدوں سے

عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ

کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گی: ہمیں اسی اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو بلوایا، اور اسی نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، اور تم

تُرْجَعُوْنَ ㉑ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ

اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے㉑ اور تم (گناہ کرتے وقت یہ سوچ کر) چھپتے نہیں تھے کہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھارے چمڑے تمھارے خلاف

وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ㉒ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ

گواہی دیں گے، بلکہ تم سمجھتے تھے کہ بے شک اللہ تمھارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے تھے㉒ اور تمھارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے

ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ㉓ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ؕ

بارے میں کیا، اسی نے تمھیں ہلاک کیا، چنانچہ تم خسارہ پانے والوں میں سے ہوگئے㉓ پھر اگر وہ صبر کریں تو بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر وہ

وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ㉔

معافی مانگیں گے تو وہ معاف کیے گئے (لوگوں) میں سے نہ ہوں گے㉔

کے لیے کوئی بچانے والا بھی نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انھیں بچا سکے یا سزا کو ان سے ٹال سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ ﴾ ''اور جو ثمود تھے تو ہم نے انھیں سیدھا رستہ دکھایا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوالعالیہ، سعید بن جبیر، قتادہ، سدی اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کے لیے ہدایت کو واضح کر دیا تھا۔① اور ثوری کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں ہدایت کی طرف دعوت دی۔ ﴿ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ ''تو انھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو پسند کیا۔'' یعنی ہم نے ان کے لیے ان کے نبی صالح علیہ السلام کی زبانی حق کو واضح طور پر صاف صاف بیان کر دیا مگر انھوں نے ان کی مخالفت کی، تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی علیہ السلام کی صداقت کی نشانی اور علامت قرار دیا تھا۔ ﴿ فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ ﴾ ''تو رسوا کن عذاب کی کڑک نے انھیں آ پکڑا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان پر چنگھاڑ، زلزلہ، ذلت و رسوائی اور عبرت ناک سزا اور عذاب کو نازل فرما دیا تھا۔ ﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑰ ﴾ ''اس کے بدلے جو وہ کماتے تھے۔'' یعنی جو وہ تکذیب اور انکار کرتے تھے۔ ﴿ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے انھیں ہم نے بچا لیا۔'' ان کے درمیان میں سے اہل ایمان کو ہم نے بچا لیا، انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور نہ اس سے انھیں کوئی نقصان ہوا بلکہ تقویٰ اختیار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے نبی صالح علیہ السلام کے

① تفسير الطبرى: 131,130/24 وتفسير ابن أبي حاتم: 3270/10.

ساتھ نجات عطا فرما دی تھی۔

تفسیر آیات:19-24

حشر کے دن مجرموں کے اعضاء گواہی دیں گے :ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۝ ﴾ ''اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف (لے جانے کے لیے) اکٹھے کیے جائیں گے، تو ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔'' یعنی ان مشرکین کو یاد دلاؤ جب انھیں جہنم کی آگ کی طرف لے جایا جائے گا اور زبانیہ فرشتے (مؤکلانِ دوزخ) اول سے آخر تک ان سب کو ترتیب کے ساتھ جمع کر دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۝ ﴾ (مریم 86:19) ''اور ہم گناہ گاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانک لے جائیں گے۔'' ﴿ وِرْدًا ﴾ کے معنی ہیں پیاسے۔ ﴿ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا ﴾ ''یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے'' یعنی جہنم پر آ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ ﴿ شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ ''تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (دوسرے اعضاء ان کے خلاف) ان عملوں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔'' یعنی ان کے ان سب اعمال کی گواہی دیں گے جنھیں انھوں نے آگے بھیجا یا پیچھے چھوڑا اور ان میں سے ایک حرف کو بھی چھپایا نہیں جا سکے گا۔ ﴿ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ ﴾ ''اور وہ اپنے چمڑوں (اعضاء) سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟'' یعنی وہ اپنے اعضاء اور اپنے چمڑوں کو ملامت کریں گے جب وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ تو ان کے اعضاء انھیں جواب دیں گے: ﴿ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''وہ کہیں گے: ہمیں اس اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو بلوایا اور اسی نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا'' یعنی اس کے حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے، اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

حافظ ابوبکر بزار رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہنسے اور تبسم فرمانے لگے، پھر آپ نے فرمایا: [أَلَا تَسْأَلُونِي مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتُ؟] ''کیا تم مجھ سے پوچھو گے نہیں کہ میں کس وجہ سے ہنس رہا ہوں؟'' صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [عَجِبْتُ مِنْ مُّجَادَلَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ: يَارَبِّ! أَلَيْسَ وَعَدْتَّنِي أَلَّا تَظْلِمَنِي؟ قَالَ: بَلٰى، (فَيَقُولُ): فَإِنِّي لَا أَقْبَلُ عَلَيَّ (شَاهِدًا) إِلَّا مِنْ نَّفْسِي، (فَيَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى): أَوَلَيْسَ كَفٰى بِهِ شَهِيدًا وَّبِالْمَلَائِكَةِ الْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ؟ قَالَ: فَيُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ (مِرَارًا، قَالَ:) فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيهِ وَتَتَكَلَّمُ أَرْكَانُهُ بِمَا كَانَ يَعْمَلُ، فَيَقُولُ: (بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا عَنْكُنَّ كُنْتُ أُجَادِلُ)] ''میں روز قیامت بندے کے اپنے رب سے جھگڑے پر تعجب کر رہا ہوں، بندہ کہے گا کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ تو مجھ پر ظلم نہیں کرے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں! تو بندہ کہے گا: پھر میں اپنے نفس کے سوا اور کسی چیز کو اپنے خلاف بطور گواہ قبول نہیں کرتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا میں اور میرے معزز لکھنے والے فرشتے بطور گواہ کافی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ بات کئی بار ارشاد فرمائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء اس کے اعمال کے بارے میں بات کریں گے۔ بندہ

اپنے اعضاء سے کہے گا: تمھارے لیے دوری اور پھٹکار ہو، تمھارے لیے تو میں جھگڑا کر رہا تھا۔‘‘① اسے ابوبکر بزار، ابن ابو حاتم، نیز امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔②

امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کافر اور منافق کو حساب کے لیے بلایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اس کے عمل کو پیش فرمائے گا تو وہ انکار کر دے گا اور کہے گا کہ اے میرے رب! مجھے تیری عزت کی قسم! اس فرشتے نے میرے ذمے ایسے عمل لکھ دیے ہیں جو میں نے کیے ہی نہیں۔ فرشتہ کہے گا: کیا تو نے فلاں دن، فلاں جگہ، فلاں عمل نہیں کیا تھا؟ بندہ جواب دے گا کہ اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم! میں نے یہ عمل نہیں کیا تھا۔ جب وہ یہ بات کہے گا تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے خیال میں اس کے اعضاء میں سے سب سے پہلے اس کی دائیں ران بات کرے گی۔③ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ ’’اور تم اس (بات کے خوف) سے تو چھپتے نہیں تھے کہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھارے چمڑے تمھارے خلاف شہادت دیں گے۔‘‘ یعنی جب وہ گواہی دینے پر ملامت کریں گے تو ان کے اعضاء اور ان کے چمڑے ان سے کہیں گے کہ جو عمل تم کرتے تھے، انھیں ہم سے چھپاتے تو نہیں تھے بلکہ تم علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ کفر اور اس کی نافرمانی کرتے تھے اور بزعم خود تمھیں اس بات کی کوئی پروا نہ تھی، اس لیے کہ تم یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے تمام افعال کو جانتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ﴾ ’’بلکہ تم سمجھتے تھے کہ اللہ تمھارے ان بہت سارے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے تھے اور تمھارا یہی گمان جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں کیا، اسی نے تمھیں ہلاک کر دیا۔‘‘ یعنی اس ظن فاسد نے جو تم یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بہت سے اعمال کو جانتا ہی نہیں، تمھیں تمھارے رب کے پاس تباہ و برباد کر دیا۔ ﴿فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ ’’چنانچہ تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے۔‘‘ یعنی قیامت کے دن تم نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو خسارے میں ڈال دیا۔

امام احمد نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا کہ تین شخص آئے جن میں سے ایک قریشی اور دو اس کے ثقفی داماد تھے یا ان میں سے ایک ثقفی تھا اور دو قریشی اس کے داماد تھے، ان کے پیٹوں کی چربی تو بہت زیادہ تھی مگر دلوں کی سمجھ بوجھ بہت کم تھی۔ انھوں نے کچھ ایسی گفتگو کی جسے میں (پوری طرح) سن نہ سکا، ان میں سے ایک نے کہا: کیا خیال ہے کیا اللہ تعالیٰ ہماری یہ گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ اگر ہم بلند آواز سے گفتگو کریں گے تو وہ سن

① امام بزار رحمہ اللہ سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ یہ المستدرك للحاكم، الأهوال: 601/4، حديث: 8778 میں موجود ہے، البتہ پہلی اور تیسری قوسین والے الفاظ تفسیر ابن أبی حاتم کے آمدہ حوالے کے اور باقی قوسوں والے الفاظ مسند أبی یعلی: 55/7، حديث: 3975 کے مطابق ہیں۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 3271/10 وصحیح مسلم، الزهد……، باب: [الدنيا سجن للمؤمن……]، حديث: 2969 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة الانفطار: 508/6، حديث: 11653.
③ تفسیر ابن أبی حاتم: 3271/10.

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

اور ہم نے ان کے کچھ (برے) ہم نشین مقرر کر دیے تو انھوں نے ان کے اگلے اور پچھلے (تمام) اعمال خوش نما بنا کر ان کو دکھائے، آخر کار ان پر بھی

ع 3 7 17 فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿25﴾

(اللہ کے عذاب کی) وہ بات پوری ہوئی جو ان سے پہلے گزرنے والے جنوں اور انسانوں پر (پوری ہو چکی تھی کہ) بلاشبہ وہ خسارہ پانے والوں میں سے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿26﴾

تھے﴿25﴾ اور کافروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: تم اس قرآن کو مت سنو، اور (جب پڑھا جائے تو) شور وغل کرو تاکہ تم غالب آ جاؤ﴿26﴾ چنانچہ جن لوگوں

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾

نے کفر کیا، ہم انھیں ضرور سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے، اور جو بدترین عمل وہ کرتے رہے ہیں، ہم انھیں ان کا بدلہ ضرور دیں گے﴿27﴾ یہ آگ ہی

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

اللہ کے دشمنوں کی سزا ہے، ان کے لیے اسی میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ یہ سزا ہے اس (جرم) کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے﴿28﴾ اور جن

يَجْحَدُوْنَ ﴿28﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا

لوگوں نے کفر کیا، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنوں اور انسانوں میں سے وہ دونوں (فریق) دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، ہم انھیں

تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿29﴾

اپنے پاؤں تلے کریں، تاکہ وہ انتہائی پست لوگوں میں سے ہوں﴿29﴾

لے گا اور اگر آہستہ کریں گے تو نہیں سنے گا، تیسرے نے کہا اگر وہ کچھ گفتگو سن سکتا ہے تو پھر ساری سن سکتا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿22﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾ ﴾ تک آیات نازل فرما دیں۔[1] اسی طرح امام ترمذی نے بھی بیان کیا ہے۔[2] نیز اسے امام احمد، مسلم اور ترمذی نے سفیان، از اعمش، از عمارہ، از وہب بن ربیعہ بیان کیا ہے۔[3] مزید امام بخاری و مسلم نے سفیان از منصور، از مجاہد، از ابو معمر عبداللہ بن سخبرہ، از ابن مسعود روایت کیا ہے۔[4] ﴿ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ”سو اگر وہ صبر کریں گے تو بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر وہ معافی مانگیں تو وہ معاف کیے گئے لوگوں میں سے نہ ہوں گے“ یعنی خواہ وہ صبر کریں یا نہ کریں، ان کا ٹھکانا بہرحال دوزخ ہی ہے جس

① مسند أحمد :381/1 و 408. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة حٰمٓ السجدة، حديث: 3249.
③ مسند أحمد :408/1 و صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين وأحكامهم، حديث: 2775 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة حٰمٓ السجدة، حديث: 3249. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:23)، حديث: 4817 و صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين وأحكامهم، حديث: 2775.

سے وہ کبھی بھی نکل نہ سکیں گے اور اگر وہ چاہیں کہ توبہ کریں اور عذر پیش کریں تو ان کے پاس عذر نہیں ہوں گے اور نہ ان کے گناہوں کو معاف کیا جائے گا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ﴿ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ جانے کا سوال کریں تو اس کا انھیں کوئی جواب نہیں ملے گا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ○ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ○ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○ ﴾ (المؤمنون 23:106-108) ''وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری کم بختی غالب ہوگئی اور ہم ہی گمراہ لوگ تھے، اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اس سے نکال دے، پھر اگر ہم دوبارہ (ایسے کام) کریں تو بلاشبہ ہم ہی ظالم ہوں گے۔ وہ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔''[1]

تفسیر آیات :25-29

مشرکین کے ہم نشین انھیں برے اعمال خوشنما بنا کر دکھاتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اسی نے مشرکین کو گمراہ کیا ہے اور یہ اس کی مشیت، تکوین اور قدرت کے مطابق ہے اور وہ اپنے افعال میں حکیم ہے کہ اس نے اپنی حکمت کے تحت شیاطینِ انس وجن کو ان مشرکین کا قرین اور ہم نشین مقرر فرما دیا ہے۔ ﴿ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ ''تو انھوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال انھیں خوشنما بنا کر دکھائے۔'' یعنی ان ہم نشین شیطانوں نے انھیں ان کے سابقہ وآیندہ اعمال اچھے کر کے دکھائے تو یہ اپنے آپ کو محسن اور اچھے اعمال سرانجام دینے والے ہی سمجھتے رہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف 43:36,37) ''اور جو کوئی رحمٰن کے ذکر سے (اعراض کر کے) اندھا بن جائے تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ (شیاطین) انھیں رستے سے روکتے رہتے ہیں جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ ''اور ان پر بھی (اللہ کے عذاب کی) وہ بات پوری ہوگئی'' یعنی ان پر بھی عذاب الٰہی کا وعدہ اسی طرح پورا ہو گیا جیسا کہ ان جیسے افعال کرنے والے ان سے پہلے کے جنوں اور انسانوں پر پورا ہوگیا تھا۔ ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''بے شک یہ نقصان اٹھانے والے ہیں'' یعنی خسارہ اٹھانے اور تباہی وبربادی سے دوچار ہونے میں یہ اور وہ برابر ہیں۔

کفار کی قرآن نہ سننے کے بارے میں ایک دوسرے کو وصیت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ ﴾ ''اور کافر کہنے لگے کہ تم اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو'' یعنی انھوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی کہ نہ قرآن کو سنو اور نہ اس کے احکام کی اطاعت وفرماں برداری کرو۔ ﴿ وَالْغَوْا فِيْهِ ﴾ ''اور اس میں شور مچا دیا کرو۔'' جب اس کی تلاوت ہو رہی ہو تو اسے مت سنو جیسا کہ مجاہد نے کہا ہے کہ ﴿ وَالْغَوْا فِيْهِ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قرآن پڑھنے لگیں تو سیٹیاں اور تالیاں بجا کر شور مچا دیا کرو جیسا کہ قریش کیا کرتے تھے۔[2] ﴿ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿26﴾ ﴾ ''تاکہ تم غالب ہو

---

① تفسیر الطبری: 138/24. ② تفسیر الطبری: 140/24.

جاؤ۔‘‘ جاہل کفار اور ان کے مسلک پر چلنے والے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ قرآن سننے کے بجائے شور مچا دیا کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف یہ حکم دیا ہے: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ ﴾ (الأعراف 7:204) ’’اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کا بدلہ لیتے ہوئے اور قرآن کے دشمنوں اور کافروں سے انتقام لیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ ﴾ ’’سو البتہ ضرور ہم کافروں کو سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے۔‘‘ یعنی قرآن سننے کے بجائے انھوں نے جو روش اختیار کی اس کی وجہ سے انھیں عذاب شدید میں مبتلا کردیں گے۔ ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ﴾ ’’اور ان کے ان برے عملوں کی البتہ ضرور سزا دیں گے جو وہ کرتے تھے۔‘‘ یعنی ان کے بدترین اعمال اور قبیح ترین افعال کے سبب (ان کو یہ سزا ہوگی۔) ﴿ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ ﴾ ’’یہی آگ اللہ کے دشمنوں کی جزا ہے، ان کے لیے اسی میں ہمیشہ کا گھر ہے۔ یہ اس کی سزا ہے کہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جنوں اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، وہ ہمیں دکھا کہ ہم انھیں اپنے پاؤں تلے (روند) ڈالیں تاکہ وہ نہایت ذلیل ہوں۔‘‘

سفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ﴿ الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ابلیس اور آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کردیا تھا۔ [1] اور سُدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر مشرک ابلیس کو بلوائے گا اور اسے حاضر کرنے کا کہے گا جبکہ ہر صاحب کبیرہ (بڑے گناہوں کا مرتکب) ابن آدم کو طلب کرے گا۔ ہر شر خواہ وہ شرک ہو یا اس سے کم تر کوئی اور گناہ، اس کی طرف دعوت دینے والا ابلیس ہے۔ [2] اور جہاں تک آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حدیث سے ثابت ہے: [لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا، لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ] ’’جس انسان کو بھی ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے گا تو اس کے خون (ناحق) میں آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے کا حصہ بھی ہوگا کیونکہ سب سے پہلے قتل کو اسی نے ایجاد کیا تھا۔‘‘ [3]

﴿ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا ﴾ ’’ہم انھیں اپنے پاؤں تلے (روند) ڈالیں۔‘‘ یعنی انھیں عذاب کے لیے ہم سے نیچے رکھ تاکہ انھیں ہماری نسبت شدید عذاب ہو۔ ﴿ لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ ﴾ ’’تاکہ وہ نہایت ذلیل ہوں۔‘‘ یعنی جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں جیسا کہ قبل ازیں سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ پیروکار اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں گے کہ وہ ان کے قائدین کو ان کی نسبت دُگنا عذاب دے۔ ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ (الأعراف 7:38) ’’اللہ فرمائے گا کہ تم سب کو

[1] تفسير الطبرى : 142/24. [2] تفسير الطبرى: 142/24. [3] صحيح البخارى، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث :3335 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين ......، باب بيان إثم من سنّ القتل، حديث:1677عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا

بلاشبہ جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں: نہ تم ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور اس جنت سے خوش

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿30﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا﴿30﴾ ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (رفیق ہیں)، اور اس میں تمھارے لیے وہ

الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿31﴾ نُزُلًا

(سب کچھ) ہے جو تمھارے جی چاہیں گے اور اس میں تمھارے لیے وہ (سب کچھ) ہے جو تم مانگو گے﴿31﴾ (یہ) بڑے بخشن ہار، نہایت رحم کرنے والے کی

4 ع 7 18 مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿32﴾

طرف سے مہمان نوازی ہوگی﴿32﴾

دُگنا عذاب دیا جائے گا مگر تم نہیں جانتے۔''[1] یعنی ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ وہ عذاب اور وہ سزا دے گا جس کا اپنے عمل اور اپنے فساد برپا کرنے کے اعتبار سے وہ مستحق ہوگا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ○﴾ (النحل 16:88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا، ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے، اس لیے کہ وہ فساد کیا کرتے تھے۔''

تفسیر آیات:30-32

استقامت سے سرشار موحدین کے لیے خوشخبری: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اسی پر) قائم رہے'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کو خالص کیا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے ہوئے انھوں نے اسی طرح عمل کیا۔ ابن جریر نے سعید بن عمران سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کسی بھی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنایا۔[2] پھر ابن جریر نے بروایت اسود بن ہلال بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس آیت: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ گناہوں سے رکے رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اس آیت کریمہ کو صحیح جگہ پر محمول نہیں کیا، لوگوں نے کہا کہ پھر اس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر انھوں نے اس ذات پاک کے سوا کسی اور معبود کی طرف التفات نہ کیا۔[3] مجاہد، عکرمہ، سدی اور کئی ایک اہل علم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[4]

امام احمد نے سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسی بات

---

① دیکھیے الأعراف، آیت: 38 کے ذیل میں۔ ② تفسیر الطبری: 143/24. ③ تفسیر الطبری: 143/24. ④ تفسیر الطبری: 144/24.

بیان فرمادیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں، آپ ﷺ نے فرمایا:[قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ] ''تم یہ کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اسی پر قائم رہو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کو میرے بارے میں زیادہ کس چیز کا خوف ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان کے کنارے کو پکڑا اور فرمایا: [هٰذَا] ''اس کا۔''① اسی طرح اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔② امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام نسائی نے بھی سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اسلام کے بارے میں مجھے آپ ایک ایسی بات ارشاد فرمادیں کہ آپ کے بعد میں کسی اور سے نہ پوچھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ] ''تم یہ کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اسی پر قائم رہو۔'' پھر انھوں نے باقی ساری حدیث بھی بیان کی۔③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ ''ان پر فرشتے اترتے ہیں۔'' مجاہد، سدی، زید بن اسلم اور ان کے بیٹے (عبدالرحمٰن) نے فرمایا ہے کہ مراد یہ ہے کہ موت کے وقت اتریں گے اور وہ کہیں گے: ﴿ اَلَّا تَخَافُوْا ﴾ ''کہ تم خوف نہ کرو۔''④ مجاہد، عکرمہ اور زید بن اسلم کہتے ہیں کہ آخرت کے اس معاملے کا کچھ خوف نہ کرو جس سے تم دوچار ہونے والے ہو۔⑤ ﴿ وَلَا تَحْزَنُوْا ﴾ ''اور تم غم نہ کھاؤ۔'' اس اولاد، اہل و مال اور قرض کی وجہ سے جسے تم دنیا میں چھوڑ آئے ہو کیونکہ اس میں تمھارے نائب ہم ہیں۔ ﴿ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ ﴾ ''اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، خوشی مناؤ۔'' یعنی فرشتے انھیں شر کے ختم ہوجانے اور خیر کے حاصل ہوجانے کی خوش خبری سناتے ہیں جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:[اَلْمَلَائِكَةُ.........قَالُوا: أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ (كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ)، أُخْرُجِي (إِلٰى رَوْحٍ) وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ] ''فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاک روح! جو پاک جسم میں تھی اور اسے آباد کیے ہوئے تھی، راحت و رحمت، رزق و خوشبو اور ایسے رب کی طرف نکل آ جو ناراض نہیں ہے۔''⑥ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان پر فرشتے اس وقت نازل ہوں گے جب یہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ زید بن اسلم نے کہا ہے کہ فرشتے اسے موت کے وقت اور قبر میں خوش خبری سناتے ہیں اور بعث کے وقت بھی خوش خبری

① مسند أحمد :413/3. ② جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حديث: 2410 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب كف اللسان فی الفتنة، حديث: 3972. ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب جامع أوصاف الإسلام، حديث: (62)-38 والسنن الكبرى للنسائی، التفسير، باب سورة الأحقاف : 458/6، حديث: 11489. ④ تفسير الطبری : 145/24 . ⑤ تفسير الطبری : 145/24. ⑥ مسند أبی داود الطيالسی: 2/114-119، حديث: 789 والمستدرك للحاكم: 1/37,38، حديث: 107 عن البراء رضی اللہ عنہ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الموت......، حديث: 4262 والسنن الكبرى للنسائی، التفسير، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ۝ ﴾ (ص 38:58): 443/6، حديث: 11442 و مسند أحمد: 364/2 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ واللفظ له جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت......، حديث: 2872 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ اور دوسری قوسین والے الفاظ المصنف لعبد الرزاق، باب الصبر......: 564/3-567، حديث: 6702 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿33﴾

اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور کہا: بے شک میں تو فرماں برداروں

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ

میں سے ہوں ﴿33﴾ اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں، آپ (برائی کو) ایسی بات سے ٹالیے جو احسن ہو، تو (آپ دیکھیں گے) یکا یک وہ شخص کہ آپ

وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿34﴾ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ

کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، (ایسا ہو جائے گا) جیسے گرم جوش جگری دوست ہو ﴿34﴾ اور یہ (خصلت) انھی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے

اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿35﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

ہیں، اور یہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا ہو ﴿35﴾ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ ابھارے، تو اللہ کی پناہ مانگیے، یقیناً وہ

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿36﴾

خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿36﴾

سنائیں گے۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ یہ قول بہت اچھا اور تمام اقوال کا جامع قول ہے اور امر واقع بھی یہی ہے کہ فرشتے ان لوگوں کو ان تینوں مقامات پر بشارت دیتے ہیں۔ ﴿نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمھارے رفیق ہیں۔)'' یعنی بوقت موت فرشتے مومنوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں تمھارے دوست تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم تمھیں راہ راست پر رکھتے، اچھے کاموں کی ترغیب دیتے اور تمھاری حفاظت کرتے تھے، اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمھارے ساتھ ہوں گے، قبروں اور نفخۂ صور کی وحشت کے وقت تمھیں مانوس رکھیں گے اور قبروں سے اٹھنے کے وقت ہم تمھیں پر امن رکھیں گے، تمھیں پل صراط عبور کرا دیں گے اور نعمتوں سے بھری جنتوں میں پہنچا دیں گے۔ ﴿وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ﴾ ''اور وہاں تمھارے لیے وہی ہے جو تمھارا جی چاہے گا'' یعنی جنت میں تمھیں وہ سب کچھ مل جائے گا جس کو تمھارے جی چاہیں گے اور جس سے تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ ﴿وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿31﴾ۗ﴾ ''اور اس میں تمھارے لیے وہ (سب کچھ) ہے جو تم طلب کرو گے'' یعنی جو چیز بھی طلب کرو گے وہ موجود ہوگی اور تمھاری طلب و خواہش کے مطابق تمھارے سامنے حاضر ہوگی۔ ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿32﴾﴾ ''یہ نہایت بخشنے والے، خوب مہربان کی طرف سے مہمانی ہے'' یعنی یہ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے ضیافت، عطیہ اور انعام ہے جو تمھارے گناہوں کو بخشنے والا، تم پر رحم فرمانے والا اور بخشش، ستر پوشی، رحمت اور لطف و کرم کے ساتھ تم پر شفقت فرمانے والا ہے۔

تفسیر آیات :33-36

دعوت الی اللہ کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''اور اس شخص سے بات کے لحاظ سے زیادہ اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی طرف بلائے۔ ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا

﴿ وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں'' یعنی وہ جو کہہ رہا ہو، اس کے مطابق خود بھی ہدایت یافتہ ہو، اس کا نفع اپنے لیے بھی ہو اور دوسروں کے لیے بھی، یعنی لازم اور متعدی دونوں ہو، اور وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جو دوسروں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں لیکن خود نیک کام نہیں کرتے اور دوسروں کو تو برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور خود ان کاموں سے باز نہیں رہتے بلکہ یہ ایسا ہوتا ہے کہ خود بھی نیکی کرتا اور برائی سے دور رہتا ہے اور مخلوق کو خالق تبارک وتعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہ آیت کریمہ عام ہے اور ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو نیکی کی طرف دعوت دیتا ہو اور خود بھی ہدایت یافتہ ہو لیکن اس کے سب سے بڑے مصداق خود رسول اللہ ﷺ ہیں جیسا کہ محمد بن سیرین، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے۔[1] یہ بھی کہا ہے کہ اس آیت سے مراد نیک مؤذن ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: [اَلْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''قیامت کے دن مؤذن سب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔''[2] اور سنن میں مرفوع روایت ہے: [اَلْإِمَامُ ضَامِنٌ وَّالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، فَأَرْشَدَ اللّٰهُ الْأَئِمَّةَ وَغَفَرَ لِلْمُؤَذِّنِينَ] ''امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار، اللہ تعالیٰ ائمہ کو رشد و بھلائی عطا فرمائے اور مؤذنوں کو بخش دے۔''[3]

صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے اور مؤذن وغیر مؤذن سب کے لیے ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کے نزول کے وقت اذان بالکل مشروع نہ تھی کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور اذان ہجرت کے بعد مدینہ میں اس وقت شروع ہوئی تھی جب عبداللہ بن عبد ربہ انصاری رضی اللہ عنہ کو خواب آیا اور انھوں نے اپنا خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا، پھر آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اذان کے کلمات بلال رضی اللہ عنہ کو سکھا دیں کیونکہ ان کی آواز بلند ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تفصیل موجود ہے۔[4] تو معلوم ہوا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جیسا کہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور فرمایا کہ یہ شخص تو اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، اللہ تعالیٰ کا منتخب شدہ ہے، اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے، روئے زمین کے تمام لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، اس نے اپنی دعوت میں اللہ تعالیٰ کی بات کو قبول کیا اور اپنی دعوت میں اللہ تعالیٰ کی جس بات کو خود قبول کیا تھا لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی بات کو قبول کرتے ہوئے نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں، یہ شخص تو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔[5]

دعوت و تبلیغ میں حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ﴾ ''اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو

---

[1] تفسير الطبرى : 147/24 . [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عندسماعه، حديث : 387 عن معاوية بن أبى سفيان ﷺ. [3] سنن أبى داود، الصلاة، باب مايجب على المؤذن...... ، حديث : 517 وجامع الترمذى، الصلاة، باب ماجاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، حديث: 207 و مسند أحمد: 419/2 واللفظ له والسنن الكبرى للبيهقى، الصلاة، باب كراهية الإمامة : 127/3 عن أبى هريرة ﷺ. [4] دیکھیے سنن أبى داود، الصلاة، باب كيف الأذان؟ حديث : 499 وسنن ابن ماجه، الأذان والسنة فيها، باب بدء الأذان، حديث :706 و مسند أحمد : 43/4 عن عبدالله بن زيد ﷺ. [5] تفسير عبدالرزاق : 155/3، رقم : 2710.

سکتیں۔'' کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ ''آپ (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دیں جو بہت اچھا ہو'' یعنی جو تمھارے ساتھ برا سلوک کرے تو تم اس کے جواب میں حسن سلوک کا معاملہ کرو جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو تمھارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو تم اسے اس سے بڑھ کر اور کوئی سزا نہیں دے سکتے کہ تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو۔① ﴿ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ ﴾ ''پس (ایسا کرنے سے تو دیکھے گا کہ) وہ شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان دشمنی ہے (ایسا ہو گیا ہے) گویا کہ وہ گہرا دوست ہے۔'' یعنی وہ تمھارا دوست بن جائے گا کہ جب تم اس سے حسن سلوک کرو گے جو تم سے بدسلوکی کرتا ہے تو تمھارا یہ حسن سلوک اسے تمھاری دوستی، محبت اور شفقت کی طرف کھینچ لائے گا حتی کہ وہ اس طرح ہو جائے گا گویا تمھارا گرم جوش دوست ہو اور وہ تمھارے قریب ہو کر تمھارے ساتھ شفقت اور احسان کا معاملہ کرنے لگے گا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ ﴾ ''اور یہ (بات) صرف انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں'' یعنی اس وصیت کو وہی قبول کرتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے جو اس پر صبر کرتا ہے کیونکہ یہ نفوس پر بہت شاق ہے۔ ﴿ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ ﴾ ''اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں'' یعنی جنھیں دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی سے بہر وافر نصیب ہوا ہو۔ علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ غصے کے وقت صبر سے کام لیں، جہالت کے وقت حلم اور بردباری کا مظاہرہ کریں اور برے سلوک کے جواب میں عفو و درگزر کا ثبوت دیں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں شیطان سے بچا لے گا اور ان کا دشمن ان کے لیے اس طرح ہو جائے گا جیسے گرم جوش دوست ہو۔②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں'' یعنی انسانی شیطان تو احسان سے دھوکا کھا جاتا ہے مگر جنّی شیطان جب وسوسہ ڈالتا ہے تو سوائے اس کے اور کوئی حیلہ اس کے خلاف کارگر نہیں ہوتا کہ اس خالق کی پناہ مانگ لی جائے جس نے اسے تم پر مسلط کیا ہے، لہٰذا جب تم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لو گے اور اس کا سہارا لے لو گے تو وہ اسے تم سے دور کر دے گا اور اس کے مکر و فریب کو تم سے ہٹا دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو پڑھتے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِیعِ الْعَلِیمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ، مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو سننے والا اور جاننے والا ہے، مردود شیطان سے، یعنی اس کے وسوسوں، اس کے تکبر اور اس کے پیدا کردہ بے ہودہ خیالات سے۔''③ قبل ازیں ہم یہ بیان

① الدر المنثور: 471/5 . ② صحيح البخاري، التفسير، سورة حٰمٓ السجدة، قبل الحديث: 4816 و السنن الكبرى للبيهقي، النكاح، باب ما أمره الله تعالى به......: 45/7 و اللفظ له. ③ سنن أبي داود، الصلاة، باب من رأى الاستفتاح......، حديث: 775 و جامع الترمذي، الصلاة، باب مايقول......، حديث: 242 و مسند أحمد: 50/3 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه.

وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الَّيۡلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ‌ؕ لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ

اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں۔ تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، اگر واقعی تم اسی کی عبادت کرتے

الَّذِىۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ۝37 فَاِنِ اسۡتَكۡبَرُوۡا فَالَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ

ہو تو تم اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) کو پیدا کیا ہے 37 پھر اگر وہ تکبر کریں، تو (پروا نہیں کیونکہ) جو (فرشتے) آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس

يُسَبِّحُوۡنَ لَهٗ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَهُمۡ لَا يَسۡـئَمُوۡنَ ۝38 السجدة وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ السجدۃ 12

کی رات دن تسبیح کرتے ہیں، اور وہ اکتاتے نہیں 38 اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آپ زمین کو دبی ہوئی (خشک اور بنجر) دیکھتے ہیں، پھر جب ہم اس

خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ‌ؕ اِنَّ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاهَا لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى‌ؕ

پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور ابھرنے (پھلنے پھولنے) لگتی ہے، بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے اس (زمین) کو زندہ کیا، وہ مردوں کو ضرور زندہ

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝39

کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے 39

کر چکے ہیں کہ اس مقام کی قرآن مجید میں ایک نظیر تو سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے: ﴿ خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ ۝ وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ‌ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝ ﴾ (الأعراف 7:199، 200) ''(اے محمد ﷺ!) آپ عفو اختیار کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کریں اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگیں، بے شک وہ نہایت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' اور اس کی دوسری نظیر سورۂ مومنون کی یہ آیت ہے: ﴿ اِدۡفَعۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ السَّيِّئَةَ‌ؕ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَصِفُوۡنَ ۝ وَقُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيۡنِ ۝ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ يَّحۡضُرُوۡنِ ۝ ﴾ (المؤمنون 23: 96-98) ''اور برائی کو اس (طریقے) کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہو، یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔ اور کہہ دیجیے: اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے پروردگار! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔''

تفسیر آیات: 37-39

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عظیم الشان قدرت کے بارے میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک بے نظیر ہستی ہے اور اسے ہر ایسے کام پر قدرت حاصل ہے جو وہ چاہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الَّيۡلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ‌ؕ ﴾ ''اور رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' کہ اس نے رات کو اندھیرے کے ساتھ اور دن کو اجالے کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں کبھی نہیں اکتاتے، اسی طرح سورج کی روشنی اور اس کا طلوع ہونا، چاند کی چاندنی اور آسمان میں اس کی منزلوں کا اندازہ، پھر اپنے آسمان میں اس کی رفتار کا مختلف ہونا، تاکہ اس کی اور سورج کی رفتار کے اختلاف و وقوع سے رات، دن، جمعوں، مہینوں اور برسوں کی مقدار معلوم ہو، پھر اسی سے حقوق کے لازم ہونے اور عبادات و معاملات کے اوقات کا پتہ چلتا ہے۔ شمس و قمر عالم علوی و سفلی میں نظر آنے والے تمام

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ

بلاشبہ جو لوگ ہماری آیات میں کج روی وکفر کرتے ہیں، وہ ہم سے چھپے نہیں رہتے۔ کیا پھر جو شخص آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو روز قیامت

یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿40﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

امن کے ساتھ آئے گا؟ تم جو چاہو عمل کرو، تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے ﴿40﴾ بے شک جن لوگوں نے ذکر (قرآن) کو نہ مانا جب

كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴿41﴾ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ

وہ ان کے پاس آیا (تو وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے) حالانکہ بلاشبہ یہ تو ایک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے ﴿41﴾ باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے

وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿42﴾ مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ

سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ بڑی حکمت والے، تعریف کیے ہوئے کی طرف سے نازل کی گئی ہے ﴿42﴾ آپ سے بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے

مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ﴿43﴾

پہلے رسولوں سے کہا گیا، بے شک آپ کا رب معاف کر دینے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ﴿43﴾

اجرام سے زیادہ خوب صورت ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کہ یہ دونوں بھی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے دو بندے ہیں جو اسی کی ذات پاک کے تسلط وتسخیر کے تحت ہیں، پس فرمایا: ﴿ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔'' یعنی تم اس کے ساتھ شرک نہ کرو کیونکہ اگر تم اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ غیر کی عبادت بھی کرو گے تو پھر اللہ کی عبادت بھی تمھارے کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ وہ اس بات کو ہرگز معاف نہیں فرماتا کہ اس کی ذات پاک کے ساتھ شرک کیا جائے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ ''پھر اگر یہ لوگ سرکشی کریں۔'' اور صرف اور صرف اسی کی عبادت نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ غیر کی بھی پوجا کریں ﴿ فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ ''تو جو آپ کے پروردگار کے پاس ہیں'' یعنی فرشتے ﴿ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿38﴾ ﴾ ''وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ (کبھی) تھکتے ہی نہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ ○ ﴾ (الأنعام 89:6) ''اگر یہ (کفار) انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لیے) ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں۔'' ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ ﴾ ''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے'' یعنی مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ ﴿ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً ﴾ ''بلاشبہ تو زمین کو دبی ہوئی (خشک) دیکھتا ہے۔'' یعنی زمین بے آب وگیاہ ہوتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا یہ زمین مردہ ہے۔ ﴿ فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ ﴾ ''جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو شاداب ہو جاتی اور پھولنے لگتی ہے۔'' اور رنگ رنگ کی فصلوں اور پھلوں کو پیدا کرنے لگتی ہے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿39﴾ ﴾ ''بے شک جس نے اس (زمین) کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ

اگر ہم اسے عجمی (زبان کا) قرآن بنا کر بھیجتے تو وہ ضرور کہتے: اس کی آیتیں (عربی میں) کھول کر بیان کیوں نہیں کی گئیں؟ کیا (کتاب) عجمی ہے اور (رسول)

هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ

عربی؟ کہہ دیجیے: وہ ان کے لیے، جو ایمان لائے، ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان کے حق میں

عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۟ع ﴿44﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ع 5 12 19

اندھا پن ہے، یہ لوگ (جو حق بات نہیں سنتے گویا) دور دراز جگہ سے پکارے جا رہے ہوں ﴿44﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ

گیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی، تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور بلاشبہ وہ اس (قرآن) کے

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿45﴾

متعلق بے چین کر دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿45﴾

تفسیر آیات: 40-43

کج روی کرنے والوں کی سزا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا ﴾ ''بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ الحاد یہ ہے کہ کلام کو اس کے اپنے مقام کے بجائے غیر مقام پر رکھا جائے۔[1] امام قتادہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ الحاد سے مراد کفر اور عناد ہے۔[2] ﴿ لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ ﴾ ''وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔'' یہ شدید سرزنش اور زبردست وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی آیات، اسماء اور صفات میں الحاد سے کام لیتا ہے اور وہ اسے اس کی زبردست سزا دے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْۤ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ''بھلا وہ شخص جو دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن و امان سے آئے۔'' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے، پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ ﴾ ''(تو خیر) جو چاہو سو کر لو۔'' مجاہد، ضحاک اور عطاء خراسانی نے کہا ہے کہ یہ وعید ہے۔[3] یعنی اچھا برا جو عمل بھی کرو گے وہ تمھارے حالات سے آگاہ اور تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿40﴾ ﴾ ''تم جو کچھ بھی کرتے ہو، یقیناً وہ اسے دیکھ رہا ہے۔'' پھر اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ ﴾ ''بے شک جن لوگوں نے ذکر کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آیا۔'' ضحاک، سدی اور قتادہ نے کہا ہے کہ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے۔[4]

---

① تفسیر الطبری: 154/24. ② تفسیر الطبری: 154/24 یہ ابن زید کا قول ہے جبکہ اس حوالے میں قتادہ سے الحاد کے معنی تکذیب منقول ہیں، شاید تکذیب سے کفر مراد لیا گیا ہو۔ ③ تفسیر الطبری: 155/24 عن مجاهد. ④ تفسیر الطبری: 155/24 عن قتادة .

﴿ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴾ ''اور بے شک یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے۔'' یہ ایسی محفوظ و محصون کتاب ہے کہ کوئی اس جیسی کتاب پیش کرنے کا قصد نہیں کر سکتا۔ ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ﴾ ''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔'' یعنی باطل کو اس کی طرف کوئی رستہ نہیں ملتا کیونکہ یہ کتاب تو اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ ''خوب دانا، بڑی خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے'' یعنی اس ذات پاک کی طرف سے اتاری گئی ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اور اپنے تمام اوامر و نواہی میں قابل ستائش ہے اور اس کے تمام اوامر و نواہی کے اثرات و نتائج قابل تعریف ہیں، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ ''آپ سے بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو یقیناً آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا تھا۔'' قتادہ اور سدی وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ کی تکذیب میں بھی وہی کچھ کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا تھا۔ جیسے آپ کی تکذیب کی جا رہی ہے ان کی بھی تکذیب کی گئی تھی، لہٰذا جس طرح انھوں نے اپنی قوم کی طرف سے ایذا پر صبر کیا تھا آپ بھی اپنی قوم کی تکلیفوں پر صبر کریں۔ ① ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار یقیناً بخش دینے والا ہے'' اسے جو اس کے حضور توبہ کرے۔ ﴿ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''اور عذاب الیم دینے والا بھی ہے۔'' اسے جو اپنے کفر، سرکشی، عناد، اختلاف اور مخالفت پر ڈٹا رہے۔

تفسیر آیات: 45,44

قرآن کا انکار، عناد اور سرکشی ہے: جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور اس کے لفظ و معنی کی مضبوطی و استحکام کو بیان فرمایا اور یہ بھی بیان فرمایا کہ اس کے باوجود مشرکین اس پر ایمان نہیں لائے تو اس طرف بھی متنبہ فرما دیا کہ ان کا کفر عناد اور سرکشی پر مبنی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۝ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26: 199,198) ''اور اگر ہم اسے عجمیوں میں سے کسی پر اتارتے، پھر وہ اسے ان (لوگوں) پر پڑھتا، (تو بھی) وہ اس پر ایمان نہ لاتے۔'' اسی طرح اگر سارے کا سارا قرآن کسی عجمی زبان میں نازل کر دیا جاتا تو یہ سرکشی اور عناد کے طور پر کہتے: ﴿ لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ﴾ ''اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کیوں کھول کر بیان نہیں کی گئیں؟ کیا (کتاب) عجمی اور (رسول) عربی ہے۔'' یعنی کہتے کہ اسے کھول کھول کر عربوں کی زبان میں کیوں نازل نہیں کیا گیا اور اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے کہ عربی مخاطب پر ایسا عجمی کلام کیوں نازل کیا گیا ہے جسے وہ سمجھتا ہی نہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سدی اور کئی دیگر مفسرین سے اس کے یہی معنی منقول ہیں۔ ②

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ﴾ ''کہہ دیں کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے'' یعنی اے محمد! کہہ دیں کہ جو شخص ایمان لائے اس کے دل کے لیے یہ قرآن ہدایت اور اس کے سینے

---

① تفسیر الطبری: 157/24 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3273/10. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 3273/10 و تفسیر الطبری: 158,157/24.

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿46﴾

جس نے نیک عمل کیا تو اس کے اپنے ہی لیے ہے، اور جس نے برا کیا تو (اس کا) وبال اسی پر ہے۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ﴿46﴾

کے شکوک وشبہات کے لیے شفا ہے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ﴾ ''اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہراپن) ہے''یعنی جو اس میں ہے اسے نہیں سمجھتے۔ ﴿ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ ﴾ ''اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔''اس میں جو بیان ہے، وہ اس کی طرف ہدایت نہیں پاتے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:82) ''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے۔'' ﴿ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿44﴾ ﴾ ''یہ لوگ (گویا) دور جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔''مجاہد کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی جگہ سے جو ان کے دلوں سے دور ہے۔[1] ابن جریر کہتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا وہ شخص جو ان سے مخاطب ہے وہ انھیں کسی دور جگہ سے آواز دے رہا ہے تو یہ سمجھتے ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔[2] میں کہتا ہوں کہ یہ آیت کریمہ اس طرح ہے، جیسے درج ذیل آیت ہے: ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:171) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس کو پکارتا ہے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں سنتا وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ عقل نہیں رکھتے۔''

موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کرکے تسلی دینا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔''یعنی ان کی تکذیب کی گئی اور انھیں ایذا دی گئی۔ ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 46:35) ''پس (اے محمد!) جس طرح عزم و ہمت والے پیغمبر صبر کرتے رہے اسی طرح آپ بھی صبر کریں۔'' ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ ''اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ٹھہر چکی ہوتی''ایک مقررہ وقت تک، حساب کو یوم معاد تک موخر کرکے ﴿ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ ﴾ ''تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا''یعنی انھیں جلد عذاب دے دیا جاتا بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے کہ جب وہ آجائے گا تو اس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔ ﴿ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿45﴾ ﴾ ''اور بے شک وہ البتہ اس (قرآن) کے متعلق اضطراب میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں''یعنی ان کا قرآن کی تکذیب کرنا کسی بصیرت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے بارے میں بھی انھیں شک ہے اور اپنی حالت کے بارے میں بھی انھیں یقین نہیں۔ ابن جریر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں اور یہی معنی قرین صواب معلوم ہوتے ہیں۔[3]

تفسیر آیت: 46

ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ﴾ ''جو نیک کام

[1] تفسیر الطبری: 160/24. [2] تفسیر الطبری: 160/24. [3] تفسیر الطبری: 162/24.

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى

قیامت (کے آنے) کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اور جو بھی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے (سب کچھ) اللہ

وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ

کے علم میں ہے۔ اور جس دن وہ انھیں پکارے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم آپ سے عرض کر چکے ہیں (کہ آج) ہم میں سے کوئی بھی (شرک

شَهِيْدٍ ﴿47﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿48﴾

کا) گواہ نہیں ﴿47﴾ اور ان سے وہ گم ہو جائیں گے جنھیں وہ اس سے پہلے پکارا کرتے تھے، اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں ﴿48﴾

کرے گا تو وہ اس کے اپنے ہی لیے ہے'' یعنی اس کے نیک عمل کا نفع اسی کے لیے ہوگا۔ ﴿ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ ﴾ ''اور جس نے برا (کام) کیا تو (اس کا ضرر) اسی پر ہے'' یعنی برے اعمال کا وبال اسی پر لوٹے گا۔ ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿46﴾ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے'' یعنی وہ کسی کو گناہ کے بغیر سزا نہیں دیتا اور حجت قائم کرنے اور رسول کو بھیجنے کے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

تفسیر آیات:48,47

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ ﴾ ''اسی (اللہ) کی طرف قیامت کا علم لوٹایا جاتا ہے'' یعنی اس کے سوا اسے اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ سید البشر حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے، جو فرشتوں کے سرداروں میں سے ہے، اس وقت فرمایا تھا جب انھوں نے آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا کہ [مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ] ''اس کے بارے میں جس سے پوچھا گیا وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔''[1] اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿44﴾ ﴾ (النّٰزعٰت 79:44) ''آپ کے رب ہی کی طرف اس (کے علم) کی انتہا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ﴾ (الأعراف 7:187) ''اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ ﴾ ''اور نہ تو پھل اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے'' یعنی سب کچھ اس کے علم میں ہے، آسمان اور زمین میں ذرہ بھر کوئی شے بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا ﴾ (الأنعام 6:59) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اسے جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿8﴾ ﴾ (الرعد 13:8) ''اللہ ہی اس سے واقف ہے جو ہر عورت (اپنے پیٹ میں) اٹھاتی ہے اور جو رحم کم کرتے ہیں اور جو اضافہ کرتے ہیں (اس سے بھی واقف ہے) اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ......، حديث: 50 عن أبي هريرة ﷺ.

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿49﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ انتہائی مایوس، سخت ناامید ہو جاتا ہے ﴿49﴾ اور جو تکلیف اسے پہنچی ہے، اس کے بعد اگر

رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ

ہم اسے اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائیں تو وہ یقیناً کہتا ہے: یہ تو میرے ہی لیے ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے، اور اگر مجھے میرے رب کی

وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫

طرف لوٹایا گیا تو بلاشبہ اس کے پاس میرے لیے بھلائی ہی ہوگی، چنانچہ ہم ان کافروں کو ضرور بتائیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے، اور ہم انھیں سخت

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿50﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ

عذاب (کا مزہ) ضرور چکھائیں گے ﴿50﴾ اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور کنارہ کش ہو جاتا ہے، اور جب اسے تکلیف

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿51﴾

پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے ﴿51﴾

اندازہ مقرر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ (فاطر 11:35) ''اور نہ کسی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، بے شک یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔'' ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ ﴾ ''اور جس دن وہ انھیں پکارے گا (اور کہے گا) کہ میرے شریک کہاں ہیں؟'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے مشرکین سے کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کی میرے ساتھ تم پوجا کرتے تھے؟ ﴿ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿47﴾ ﴾ ''تو وہ کہیں گے کہ ہم تجھ سے عرض کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی (شرک کا) گواہ نہیں'' یعنی ہم میں سے کوئی بھی آج اس بات کی گواہی نہیں دے گا کہ تیرا کوئی شریک ہے۔ ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اور جنھیں پہلے وہ (اللہ کے سوا) پکارا کرتے تھے سب ان سے گم ہو جائیں گے۔'' وہ چلے جائیں گے اور ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ ﴿ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿48﴾ ﴾ ''اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں'' یعنی مشرکین روز قیامت یہ گمان کریں گے اور یہاں گمان کا لفظ یقین کے معنی میں ہے۔ ﴿ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿48﴾ ﴾ ''ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں'' یعنی آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ ﴾ (الکہف 53:18) ''اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے۔''

تفسیر آیات: 49-51

تنگ دستی کے بعد خوش حالی سے انسان میں تبدیلی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان اپنے رب سے مالی، جسمانی صحت اور خیر و بھلائی کے دیگر امور کے بارے میں دعا کرنے سے اکتاتا نہیں۔ اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے، خواہ وہ فقر کی

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ

آپ کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو! اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس کا انکار کرو تو اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو (حق کی) مخالفت میں دور

شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿52﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ

چلا جائے؟﴿52﴾ جلد ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق (دنیا) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے، حتی کہ ان کے لیے واضح ہو جائے گا کہ بے شک

الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿53﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ

یہ (قرآن) حق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ بے شک آپ کا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟﴿53﴾ خبردار! بے شک وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں

لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿54﴾ ع 6 10 1

ہیں۔ خبردار! بے شک وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے﴿54﴾

صورت میں ہو یا کسی اور مصیبت کی شکل میں۔ ﴿ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴾ ''تو انتہائی مایوس، سخت ناامید ہو جاتا ہے۔'' اور اس کے ذہن میں یہ خیال آنے لگتا ہے کہ اس برائی کے بعد اسے کوئی خیر و بھلائی حاصل نہیں ہوگی۔ ﴿ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ﴾ ''اور جو تکلیف اسے پہنچی ہے اس کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے ہی لیے ہے۔'' یعنی تکلیف کے بعد اگر اسے بھلائی اور رزق کی فراوانی حاصل ہو تو کہتا ہے کہ اپنے رب کے پاس میں اسی بات کا مستحق تھا۔ ﴿ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ﴾ ''اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔'' یعنی وہ قیامت کے برپا ہونے کا انکار کرتا ہے، تکبر، فخر اور کفر کرتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نعمتوں سے نوازا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ ﴾ (العلق 96:6،7) ''ہرگز نہیں! انسان تو یقیناً سرکشی کرتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ خود کو بے پروا سمجھتا ہے۔'' ﴿ وَلَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ﴾ ''اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو میرے لیے اس کے ہاں بھلائی ہی ہوگی۔'' یعنی اگر قیامت برپا بھی ہوئی تو وہاں بھی میرا رب میرے ساتھ اچھا سلوک کرے گا جس طرح اس نے اس دنیا میں میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے، یعنی یہ شخص عمل برا کرتا ہے اور یقین نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ سے امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ ''پس کافر جو عمل کیا کرتے ہیں وہ ہم ضرور انھیں بتائیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔'' عذاب اور سزا کے بارے میں جس کا یہ عمل اور عقیدہ ہو اللہ تعالیٰ نے اسے سرزنش فرمائی ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ﴾ ''اور جب ہم انسان پر احسان فرماتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے'' یعنی اطاعت سے اعراض کرتا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کرنے سے تکبر کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ ﴾ (الذّٰریٰت 51:39) ''تو اس نے اپنی قوت (کے گھمنڈ) پر منہ موڑ لیا۔'' ﴿ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴾ ''اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔'' ایک چیز کے بارے میں لمبے لمبے سوال کرنے لگتا ہے۔ کلام عریض اس کلام کو کہتے ہیں

جس کے الفاظ لمبے مگر معنی کم ہوں اور اس کے برعکس کلام وجیز اس کلام کو کہتے ہیں جو کم ہو اور مطلب واضح کرنے والا ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ یَدۡعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ ﴾ (یونس 10:12) ''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پہلو پر (لیٹے ہوئے) یا بیٹھے یا کھڑے ہوئے (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور اس طرح) گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف پہنچنے پر اس نے کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔''

تفسیر آیات:52-54

قرآن مجید کی صداقت کے دلائل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہیں (اے محمد ﷺ!)'' قرآن مجید کی تکذیب کرنے والے ان مشرکین سے: ﴿ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ ﴾ ''کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس کا انکار کرو۔'' تو پھر اس ذات پاک کے پاس تمھارا کیا حال ہوگا جس نے اپنے رسول پر اس قرآن کو نازل فرمایا ہے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾ ﴾ ''تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو (حق کی) پرلے درجے کی مخالفت میں ہو'' یعنی اس نے کفر، عناد اور حق کی مخالفت کی روش کو اختیار کر کے ہدایت سے دور رستے کو اختیار کر لیا ہو، پھر اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿ سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ﴾ ''ہم عنقریب انھیں اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے'' یعنی ہم ان کے سامنے ایسے خارجی دلائل و براہین کو ظاہر کر دیں گے جن سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ قرآن حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔

﴿ فِی الۡاٰفَاقِ ﴾ ''اطراف عالم میں۔'' فتوحات اور تمام علاقوں اور تمام ادیان پر اسلام کے غلبے کی صورت میں۔ مجاہد، حسن اور سدی نے کہا ہے کہ خود ان کی ذات میں نشانیوں سے مراد واقعۂ بدر، فتحِ مکہ اور اس طرح کے دیگر واقعات ہیں جن کا انھیں سامنا کرنا پڑا اور جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا اور باطل اور اہل باطل کو ہزیمت و شکست سے دوچار کیا۔ [1] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ انسان غور کرے کہ اسے کس قسم کے مواد اور اخلاط سے مرکب کر کے کس طرح عجیب و غریب شکل و صورت میں پیدا کیا گیا ہے! جیسا کہ علم تشریح الابدان میں اس کی تفصیل موجود ہے اور یہ چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح انسان میں اچھے اور برے مختلف قسم کے جو اخلاق رکھے گئے ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کی دلیل ہیں، نیز یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ ہی کی تقدیر متصرف ہے کہ اپنی طاقت و قوت اور حیلہ و تدبیر کے ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے سرِمو تجاوز نہیں کر سکتا۔

---

[1] تفسیر الطبری: 8,7/25 میں یہ بات سُدّی کے حوالے سے آئی ہے جبکہ مجاہد اور حسن بصری سے منقول یہ بات ہمیں نہیں ملی بلکہ الدر المنثور: 691/5 میں امام مجاہد سے ﴿ سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ ﴾ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ لوگ اپنے اسفار میں عاد و ثمود کے آثار دیکھتے تو کہتے: صَدَقَ مُحَمَّدٌ ''محمد ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔'' اور ﴿ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ﴾ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد بیماریاں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ اَوَ لَمۡ یَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ﴿53﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ (قرآن) حق ہے، (تمھیں) یہ کافی نہیں کہ بے شک آپ کا پروردگار ہر چیز کا شاہد ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال واقوال پر بطور گواہ کافی ہے اور وہ اس بات کا بھی گواہ ہے کہ محمد ﷺ ان تمام امور میں سچے ہیں جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو بتائے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ یَشۡهَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ ۚ ﴾ (النسآء 4:166) ''لیکن اللہ نے جو کتاب آپ پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے۔'' ﴿ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ ﴾ ''خبردار! یہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات سے شک میں ہیں'' یعنی قیامت کے برپا ہونے کے بارے میں انھیں شک ہے، اسی لیے اس کے بارے میں غور نہیں کرتے، نہ اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں بلکہ یہ لوگ قیامت کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور نہ اسے کوئی اہمیت دیتے ہیں، حالانکہ وہ یقیناً برپا ہونے والی ہے۔ اور اس کے وقوع پذیر ہونے میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں ہے، اور قیامت کا برپا کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے، کچھ دشوار نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿54﴾ ﴾ ''خبردار! بے شک وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' تمام مخلوقات اس کے حکم کے تحت ہیں، سب پر اسی کا قبضہ ہے، سب کچھ اس کے علم میں ہے، تمام مخلوقات میں اس کا حکم اور تصرف کارفرما ہے، جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ.

تفسیر سُوۡرَۂ شُوۡرٰی

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۞ عٓسٓقٓ ۞ كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② اللہ زبردست غالب وحکمت والا آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف، جو آپ سے پہلے تھے، اسی طرح وحی کرتا

الۡحَكِيۡمُ ③ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ④ تَكَادُ

ہے ③ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہ بلند مرتبہ، بڑی عظمت والا ہے ④ قریب ہے کہ آسمان

السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ

(اللہ کی عظمت وجلال کے باعث) اپنے اوپر سے پھٹ جائیں، اور تمام فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور اہل زمین

لِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ⑤ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ

کے لیے مغفرت مانگتے ہیں۔ خبردار! بلاشبہ اللہ ہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑤ اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا (دوسرے)

اَوۡلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ ۖ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ⑥

کارساز بنا لیے ہیں، اللہ ان پر نگران ہے، اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ⑥

تفسیر آیات :1-6

وحی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت: حروف مقطعات کے بارے میں بحث آغاز میں ہو چکی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ③﴾ ”اللہ غالب و دانا اسی طرح آپ کی طرف (مضامین اور براہین) وحی کرتا ہے اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے (وحی بھیجتا رہا ہے۔)“ یعنی جس طرح اس نے تمھاری طرف قرآن مجید نازل کیا اسی طرح اس نے تم سے پہلے انبیاء کی طرف بھی کتابوں اور صحیفوں کو نازل کیا تھا۔ ﴿اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ﴾ ”اللہ غالب ہے“ اپنا انتقام لینے میں۔ ﴿الۡحَكِيۡمُ ③﴾ ”دانا ہے“ اپنے اقوال وافعال میں۔

امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کی طرف وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَحيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ، فَيَفْصِمُ عَنِّي، وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَاقَالَ، وَأَحيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ

رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي، فَأَعِي مَايَقُولُ] ''کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ کیفیت مجھ پر سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے، پھر وہ (فرشتہ) مجھ سے اس حال میں جدا ہوتا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا ہوتا ہے میں نے اسے یاد کر لیا ہوتا ہے۔ اور کبھی فرشتہ میرے پاس ایک آدمی کی صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ پر سخت سردی والے دن وحی نازل ہوتے ہوئے آپ کو دیکھا کہ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ کی پیشانی پسینے سے شرابور تھی۔ [1] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔'' یعنی سب اسی کے بندے، مملوک اور اسی کے غلبہ و تصرف کے تحت ہیں۔ ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴾ ''وہ عالی رتبہ (اور) گرامی قدر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴾ (الرعد 13:9) ''سب سے بزرگ اور عالی رتبہ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ (سبا 34:23) ''اور وہی عالی رتبہ (اور) گرامی قدر ہے۔'' اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ﴾ ''قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، قتادہ، سدی اور کعب احبار نے کہا ہے کہ اس کی عظمت کے خوف کی وجہ سے۔ [3] ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے اور جو لوگ زمین میں ہیں، ان کے لیے معافی مانگتے رہتے ہیں۔'' جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ﴾ (المؤمن 40:7) ''جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں (فرشتے) وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ ''خبردار! بے شک اللہ ہی خوب بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ اس نے فرشتوں کی دعا کو قبول فرما لیا اور شرف پذیرائی سے نوازا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اور جن لوگوں نے اس کے سوا کارساز بنا لیے ہیں۔'' یعنی مشرکین نے۔ ﴿ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اللہ ان پر نگہبان ہے۔'' یعنی وہ ان کے اعمال کو جانتا ہے اور انھیں شمار

[1] الموطأ للإمام مالك، القرآن، باب ماجاء في القرآن : 69/1 ، حديث: 484. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......، حديث: 2 و صحيح مسلم، الفضائل، باب عرق النبي ﷺ في البرد حين يأتيه الوحي، حديث:(87)-2333. [3] تفسير الطبري: 1211/25 .

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ يَوْمَ

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف ایک عربی قرآن وحی کیا، تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گردو پیش والوں کو ڈرائیں، اور آپ

الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا بھڑکنے والی آگ میں ⑦ اور اگر اللہ

لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ

چاہتا تو یقیناً ان (سب) کو ایک ہی امت کر دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ظالموں کے لیے نہ کوئی

مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧

دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ⑧

کر کے اور گن گن کر رکھتا ہے اور ان کا وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔ ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ ﴾ ”اور آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔“ یعنی آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کارساز ہے۔

تفسیر آیات :8،7

قرآن ڈرانے اور تنبیہ کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے انبیاء کی طرف وحی نازل کی تھی اسی طرح ﴿ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ ”ہم نے آپ کے پاس قرآنِ عربی بھیجا ہے۔“ جو واضح، جلی اور روشن ہے۔ ﴿ لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى ﴾ ”تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ کے رہنے والوں کو۔“ اس سے مراد مکہ ہے، ﴿ وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ ”اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں (ان کو بھی ڈرائیں۔)“ یعنی مشرق و مغرب کے تمام علاقوں کے لوگوں کو۔ مکہ کو ام القریٰ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ تمام شہروں سے افضل ہے اور اس کی افضلیت کے بہت سے دلائل ہیں جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔ اس کی ایک مختصر مگر جامع دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن عدی بن حمراء زہری سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ مکہ کے بازار میں حزورہ کے مقام پر کھڑے تھے: [وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ] ”اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اگر مجھے تجھ سے نکال نہ دیا گیا ہوتا تو میں کبھی بھی نہ نکلتا۔“ [1] ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

﴿ وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ ﴾ ”اور تاکہ آپ (انھیں) جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں۔“ ”جمع ہونے کے دن“ سے مراد قیامت کا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا۔ ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ”جس میں

① مسند أحمد :305/4 . ② جامع الترمذي، المناقب، باب في فضل مكة، حديث :3925 و السنن الكبرى للنسائي، الحج، باب فضل مكة :479/2 ، حديث : 4252 و سنن ابن ماجه، المناسك ، باب فضل مكة ، حديث:3108.

کچھ شک نہیں۔" یعنی اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک نہیں، وہ دن یقیناً برپا ہونے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ ﴾ "(اس روز) ایک فریق بہشت میں (ہوگا) اور ایک فریق دوزخ میں۔" اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ (التغابن 9:64) "جس دن وہ تم کو اکٹھا ہونے کے دن اکٹھا کرے گا یہی ہار جیت کا دن ہے۔" یعنی اہل جنت، دوزخ والوں پر غالب ہو جائیں گے۔ اور جیسا کہ اس کے مانند یہ آیت کریمہ بھی ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ○ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ○ ﴾ (ھود 11:103-105) "ان (قصوں) میں یقیناً اس شخص کے لیے جو عذاب آخرت سے ڈرے، عبرت ہے، یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت معین تک ہی تاخیر کر رہے ہیں جس روز وہ آ جائے گا تو کوئی متنفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہیں سکے گا، پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔"

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں، آپ نے فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ؟] "کیا تم جانتے ہو، یہ دو کتابیں کیا ہیں؟" ہم نے عرض کی: نہیں، اے اللہ کے رسول! ہمیں پتہ نہیں، الا یہ کہ آپ ہمیں ان کے بارے میں بتا دیں۔ آپ نے اس کتاب کے بارے میں جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی، فرمایا: [هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِأَسْمَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ، لَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا، ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي يَسَارِهِ: هٰذَا كِتَابُ أَهْلِ النَّارِ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ، لَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا] "یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں اہل جنت کے نام اور ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں، پھر ان کے آخری (انسان) پر اسے ختم کر دیا گیا ہے اور اب ان میں کبھی بھی اضافہ یا کمی نہیں کی جائے گی، پھر رسول اللہ ﷺ نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا: یہ اہل دوزخ کی کتاب ہے، اس میں ان کے نام اور ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں، پھر ان کے آخری (انسان) پر اسے ختم کر دیا گیا ہے اور ان میں کبھی بھی اضافہ یا کمی نہیں کی جائے گی۔" رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے عرض کی کہ اگر یہ ایسا معاملہ ہے جس سے فارغ ہوا گیا ہے تو ہم عمل کس لیے کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ، وَّإِنَّ صَاحِبَ النَّارِ لَيُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ] "درست رہو اور قریب ہو جاؤ، اہل جنت کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا، خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں اور اہل دوزخ کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہوگا، خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اسے بند کر کے فرمایا: [فَرَغَ رَبُّكُمْ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْعِبَادِ] "تمھارا رب عزوجل بندوں سے فارغ ہو چکا ہے۔" پھر آپ نے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

کیا انھوں نے اس کے سوا (دوسرے) کارساز بنالیے ہیں؟ درحقیقت اللہ ہی کارساز ہے، اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ ہر چیز پر خوب قادر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۟ ⑨ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ ع 1/9/2

ہے⑨ اور (دین کی) جس چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، یہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی

تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

طرف میں رجوع کرتا ہوں⑩ (وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے جوڑے بنا دیے، اور

وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

چوپایوں کے بھی (ان کی جنس سے) جوڑے (بنائے)، وہ تمھیں اس (زمین) میں پھیلاتا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا

الْبَصِيْرُ ⑪ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

ہے⑪ اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں، وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور وہی (جس کے لیے چاہے) تنگ کر دیتا ہے،

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫

بلاشبہ وہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے⑫

اسے پھینک دیا اور فرمایا: ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ﴾ ”ایک فریق جنت میں ہوگا۔“ پھر آپ نے بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اسے پھینک دیا اور فرمایا: ﴿فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦﴾ ”ایک فریق دوزخ میں ہوگا۔“① اسی طرح اسے امام ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔②

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابونضرہ سے روایت کیا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے ایک شخص کو ابوعبداللہ کہا جاتا تھا، ان کے رفقاء ان کی زیارت کے لیے ان کے پاس گئے، انھوں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ رفقاء نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا: [خُذْ مِنْ شَارِبِكَ، ثُمَّ أَقِرَّهُ حَتّٰى تَلْقَانِي] ”اپنی مونچھیں کترا ؤ اور پھر اسی حالت پر انھیں رکھو حتی کہ مجھ سے ملاقات کرو؟“ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، یہ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا لیکن میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ قَبْضَةً بِيَمِينِهِ وَأُخْرٰى بِالْيَدِ الْأُخْرٰى، وَقَالَ: هٰذِهِ لِهٰذِهِ، وَهٰذِهِ لِهٰذِهِ، وَلَا أُبَالِي، فَلَا أَدْرِي فِي أَيِّ الْقَبْضَتَيْنِ أَنَا] ”بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ایک مٹھی پکڑی اور دوسری اپنے دوسرے ہاتھ میں اور فرمایا کہ یہ مٹھی اس (جنت) کے لیے اور یہ مٹھی اس (دوزخ) کے لیے ہے اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اور مجھے نہیں معلوم کہ میں ان میں سے کس مٹھی میں ہوں۔“③ صحاح، سنن اور مسانید میں تقدیر سے متعلق

① مسند أحمد: 167/2. ② جامع الترمذي، القدر، باب ماجاء أن الله كتب......، حديث: 2141 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ﴾: 453,452/6، حديث: 11473، مزید دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 123/11 و السلسلة الصحيحة: 504,503/2، حديث: 848. ③ مسند أحمد: 176/4.

بہت سی احادیث ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابۂ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ایک ہی جماعت کر دیتا۔'' یعنی ان سب کو یا ہدایت پر جمع کر دیتا یا گمراہی پر لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں مختلف بنادیا جس کو چاہا حق کی ہدایت سے نوازا اور جس کو چاہا اس سے محروم کر دیا اور اس میں اسی کی حکمت اور حجت بالغہ کار فرما ہے، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧ ﴾ ''لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار۔''

تفسیر آیات :9-12

اللہ تعالیٰ ہی کارساز، حاکم اور خالق ہے: اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے اس کے سوا اور معبود بنائے اور فرمایا ہے کہ وہی کارساز برحق ہے کہ عبادت صرف اسی کی ذات پاک کی ہونی چاہیے، وہ مردوں کے زندہ کرنے اور ہر چیز پر قادر ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔'' یعنی جن امور میں بھی تم اختلاف کرو اور یہ حکم تمام اشیاء کے بارے میں عام ہے۔ ﴿ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔'' یعنی اس کے بارے میں اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ فیصلہ فرمانے والا وہی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ (النسآء 4:59) ''اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔'' ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ ﴾ ''یہی اللہ میرا پروردگار ہے۔'' یعنی وہ ہر چیز کا حاکم ہے۔ ﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩ ﴾ ''میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' یعنی میں تمام امور میں صرف اسی کی ذات پاک کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

﴿ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا'' یعنی آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کا پیدا فرمانے والا ہے۔ ﴿ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ ''اسی نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کے جوڑے بنائے۔'' یعنی اس نے لطف و کرم فرماتے ہوئے تمھاری جنس سے تمھاری شکلوں کے مرد و عورت کے جوڑے بنادیے۔ ﴿ وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ ﴾ ''اور چوپایوں کے بھی جوڑے (بنائے۔)'' یعنی اس نے تمھارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ قسم کے جوڑے بنادیے۔ ﴿ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ ﴾ ''وہ تم کو اس میں پھیلاتا ہے۔'' یعنی وہ تمھیں اسی انداز سے پیدا فرماتا اور زمین میں مردوں اور عورتوں کی شکل میں پھیلاتا ہے اور یہ سلسلہ انسانوں اور حیوانوں میں مخلوق در مخلوق اور نسل در نسل چلا آتا ہے۔ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ ﴾ ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' یعنی تمام جوڑوں کو پیدا کرنے والی ذات کی طرح اور کوئی چیز نہیں کیونکہ وہ یکتا و بے نیاز ذات ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں۔ ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ ﴾ ''اور وہ خوب سننے والا، خوب

شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ

اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبی!) آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا (تاکیدی)

اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰۤى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ كَبُرَ عَلَى

حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور تم اس میں فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ۔ یہی بات تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے جس

الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ ؕ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ

کی طرف آپ انھیں بلاتے ہیں، اللہ جسے چاہے اپنے لیے چن لیتا ہے، اور ہدایت اسے دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے ⑬ اور وہ لوگ

مَنۡ يُّنِيۡبُ ⑬ وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ ؕ

اپنے پاس علم آجانے کے بعد صرف باہمی بغاوت وسرکشی کے باعث فرقہ بندی کا شکار ہوئے، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مقرر

وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ

وقت تک پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان (فرقہ بازوں) کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا، اور بلاشبہ جو لوگ ان کے بعد اس کتاب کے وارث

اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ⑭

بنائے گئے، وہ اس کے متعلق تذبذب میں ڈالنے والے شک میں ہیں ⑭

دیکھنے والا ہے۔'' ﴿ لَهٗ مَقَالِيۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔'' اس کی تفسیر سورۂ زمر میں گزر چکی ہے۔① جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں وہی متصرف اور حاکم ہے۔ ﴿ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ ﴾ ''وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔'' اور رزق کا فراخ یا تنگ کر دینا اس کی حکمت اور اس کے عدل تام پر مبنی ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ⑫ ﴾ ''بے شک وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔''

تفسیر آیات:14,13

تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے فرمایا ہے: ﴿ شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ﴾ ''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے۔'' پس اللہ تعالیٰ نے یہاں آدم علیہ السلام کے بعد آنے والے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ فرمایا ہے، پھر ان دونوں کے درمیان اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم۔ اس آیت کریمہ میں پانچوں اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر ہے جیسا کہ سورۂ احزاب کی درج ذیل آیت کریمہ میں بھی ان کا ذکر ہے: ﴿ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ﴾ (الأحزاب 33:7) ''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح

① دیکھیے الزمر، آیت: 63 کے ذیل میں۔

سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔" وہ دین جسے تمام پیغمبر لے کر آئے تھے، یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ۝ ﴾ (الأنبیآء 21:25) "اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔"

اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] "انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں الگ ہیں اور دین ان کا ایک ہے۔"[1] یعنی تمام انبیائے کرام میں قدر مشترک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے، گو ان کی شریعتیں اور ان کے طریقے مختلف ہیں جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ ﴾ (المآئدۃ 5:48) "ہم نے تم میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔"

اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ ؕ ﴾ "کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو اتفاق اور اتحاد کا حکم دیا اور انتشار و اختلاف سے انھیں منع فرمایا تھا، اس کے بعد فرمایا: ﴿ كَبُرَ عَلَى الۡمُشۡرِكِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَیۡهِ ؕ ﴾ "جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان پر دشوار گزرتی ہے۔" یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ انھیں جس توحید کی دعوت دیتے ہیں وہ ان پر بہت گراں گزرتی ہے اور یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۳﴾ ﴾ "اللہ جس کو چاہتا ہے اسے اپنی طرف چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہے۔" یعنی وہی ہے جو ہدایت کی توفیق اسے عطا فرماتا ہے جو اس کا مستحق ہو اور جو راہ ہدایت پر ضلالت و گمراہی کو ترجیح دیتا ہے تو اس کے لیے وہ گمراہی ہی لکھ دیتا ہے۔

اختلاف کا سبب: اور اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ﴾ "اور (یہ لوگ) الگ الگ نہیں ہوئے مگر علم (حق) آچکنے کے بعد۔" یعنی انھوں نے حق کے ان کے پاس پہنچنے اور حجت کے ان پر تمام ہونے کے بعد حق کی مخالفت اختیار کی اور اس کا سبب بجز سرکشی، ضد اور ہٹ دھرمی کے اور کچھ نہ تھا۔ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ﴾ "اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لیے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی۔" یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پہلے سے مقرر نہ فرمایا ہوتا کہ وہ قیامت کے دن کے حساب تک بندوں کو مہلت دے گا تو وہ دنیا ہی میں جلدی سے انھیں عذاب کی گرفت میں لے لیتا۔ اللہ جل شانہ نے آگے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ﴾ "اور بے شک جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی) کتاب کے وارث بنائے گئے۔" یعنی حق کی تکذیب کرنے والی پہلی نسل کے بعد آنے والی نسل۔ ﴿ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِیۡبٍ ﴿۱۴﴾ ﴾ "وہ اس سے

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله: ﴿ وَاذۡكُرۡ فِی الۡكِتٰبِ مَرۡیَمَ ...... ﴾ (مريم 19:16)، حديث: 3443 عن أبي هريرة ﷺ.

فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ ۚ وَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ ۚ وَقُلۡ اٰمَنۡتُ

لہٰذا آپ اسی (دین) کی طرف (سب کو) بلائیں اور ثابت قدم رہیں جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور کہہ دیجیے: اللہ

بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ؕ

نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا رب ہے اور

لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ؕ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا ۚ

تمھارا بھی رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال، ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ (روز قیامت)

وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿15﴾

ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿15﴾

اضطراب میں ڈالنے والے شک میں ہیں۔'' یعنی انھوں نے بھی یقین و ایمان کو اختیار نہیں کیا بلکہ وہ دلیل و برہان کے بغیر اپنے آباء واجداد اور اپنے اسلاف کے مقلد ہیں اور وہ حیرت، شک و شبہ اور پرلے درجے کی مخالفت میں مبتلا ہیں۔

تفسیر آیت: 15

دس (10) اوامر و احکام پر مشتمل آیت مبارکہ: یہ آیت کریمہ دس مستقل کلمات پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر ایک کلمہ مستقل حکم ہے اور پہلے سے جدا ہے۔ اہل تفسیر نے کہا ہے کہ اس آیت کی نظیر صرف آیت الکرسی ہے کہ اس میں بھی دس فصل و کلمات ہیں جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا جدا حکم رکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ ۚ﴾ ''لہٰذا اے محمد! اسی (دین) کی طرف لوگوں کو بلاتے رہنا۔'' یعنی یہ دین جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور جس کا آپ سے پہلے ان تمام انبیاء و مرسلین کو حکم دیا تھا جن کی ایسی بڑی بڑی شریعتیں تھیں جن کی اتباع کی جاتی تھی، مثلاً: اولوالعزم اور دیگر پیغمبر، پس آپ اس دین کی طرف لوگوں کو بلائیں ﴿وَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ﴾ ''اور جیسے آپ کو حکم ہوا ہے اسی پر قائم رہنا۔'' یعنی آپ بھی اور آپ کی اتباع کرنے والے بھی، اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قائم رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ ۚ﴾ ''اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔'' یعنی مشرکین کی خواہشوں کی جنھوں نے از راہ کذب و افترا بتوں کی عبادت شروع کر رکھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ ۚ﴾ ''اور کہہ دیں کہ جو کتاب بھی اللہ نے نازل فرمائی ہے، میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔'' یعنی انبیائے کرام پر آسمان سے نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں اور ہم انبیاء میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ ﴿وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ﴾ ''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں عدل کروں۔'' یعنی فیصلہ کرنے میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ؕ﴾ ''اللہ ہی ہمارا اور تمھارا پروردگار ہے۔'' یعنی وہی معبود حقیقی ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں، ہم اپنے اختیار سے اس کا اقرار کرتے ہیں اور اگر تم اپنے اختیار سے اس کا اقرار نہ بھی کرو تو کائنات کی ہر چیز اطاعت بجا لاتے ہوئے اور اپنے اختیار سے اس معبود حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَهٗ حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ

اور جو لوگ اللہ کے بارے میں،اس کو تسلیم کر لیے جانے کے بعد، جھگڑا کرتے ہیں، ان کی دلیل ان کے رب کے نزدیک باطل ہے،

رَبِّهِمۡ وَ عَلَیۡهِمۡ غَضَبٌ وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ⑯ اَللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ

اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے، اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے ⑯ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کی،

وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیۡبٌ ⑰ یَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ

اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی ہو ⑰ جو لوگ اس (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی مچاتے ہیں، اور جو لوگ

بِهَا ۚ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ

ایمان لائے وہ اس سے ڈرنے والے ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ برحق ہے۔ آگاہ رہو! بلاشبہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے

فِی السَّاعَةِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ⑱

ہیں، یقیناً وہ دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ⑱

﴿ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ ﴾ ''ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا۔)''یعنی ہم تم سے بری ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقُلۡ لِّیۡ عَمَلِیۡ وَ لَکُمۡ عَمَلُکُمۡ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ○ ﴾ (یونس 10:41) ''اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہہ دیں کہ مجھ کو میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا) تم میرے عملوں کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمھارے عملوں کا جواب دہ نہیں ہوں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا حُجَّةَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ ﴾ ''ہم میں اور تم میں کچھ بحث وتکرار نہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں: یعنی کوئی جھگڑا نہیں۔[1] سدی کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق حکم جہاد نازل ہونے سے پہلے کے دور کے ساتھ ہے۔[2] اور یہ بات قرین صواب معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اور جہاد سے متعلق آیات ہجرت کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ ﴿ اَللّٰهُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ ﴾ ''اللہ ہم (سب) کو اکٹھا کرے گا۔'' یعنی قیامت کے دن جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفۡتَحُ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَ هُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِیۡمُ ○ ﴾ (سبا 34:26) ''کہہ دیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا (اور) صاحب علم ہے۔'' ﴿ وَ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ⑮ ﴾ ''اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن اسی کے پاس لوٹ کر جانا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

تفسیر آیات:16-18

دین میں جھگڑنے والوں کو تنبیہ: جو لوگ ایمان والوں کو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَ الَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَهٗ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ (کے بارے) میں بعد اس کے کہ اسے مان لیا گیا ہو، جھگڑتے ہیں۔'' یعنی وہ ایمان لانے والوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام پر لبیک کہنے

[1] تفسیر الطبری: 25/25. [2] تفسیر الماوردی: 5/199 وزاد المسیر: 7/114.

والوں سے جھگڑتے ہیں تاکہ وہ انھیں بھی ہدایت کے اس رستے سے دور لے جائیں جسے انھوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ﴿حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ ''ان کے پروردگار کے نزدیک ان کا جھگڑا (حجت) کمزور ہے۔''یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ جھگڑا (حجت) باطل ہے۔ ﴿وَ عَلَیۡهِمۡ غَضَبٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ⑯﴾ ''اوران پر (اللہ کا) غضب اوران کے لیے سخت عذاب ہے۔''یعنی قیامت کے دن انھیں شدید عذاب ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا کہ مومنوں نے جب اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کو مان لیا تو انھوں نے مومنوں سے جھگڑا کیا تاکہ وہ انھیں ہدایت سے روک دیں اور یہ لوگ خواہش رکھتے تھے کہ اے کاش! مومن پھر جاہلیت کی طرف لوٹ آئیں۔ ① امام قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جنھوں نے مومنوں سے کہا کہ ہمارا دین تمھارے دین سے بہتر ہے، ہمارا نبی تمھارے نبی سے بہتر ہے اور ہم تم سے بہتر اور تمھاری نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ ② حالانکہ وہ ان سب باتوں میں جھوٹے تھے۔

پھر فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ﴾ ''اللہ ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی۔''یعنی جو کتابیں اس نے اپنے انبیاء پر نازل فرمائی ہیں وہ سب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی ہیں۔ ﴿وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ﴾ ''اور (عدل و انصاف کی) ترازو۔'' مجاہد وقتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عدل وانصاف ہے۔ ③ جیسا کہ فرمایا: ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ﴾ (الحدید 25:57) ''البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اوران پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۙ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ○ وَ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ○﴾ (الرحمٰن 55:7-9) ''اوراسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو وقائم کی کہ ترازو سے تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔''

پھر فرمایا: ﴿وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیۡبٌ ⑰﴾ ''اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی آ پہنچی ہو۔'' اس میں ترغیب بھی ہے، ترہیب بھی اور دنیا سے بے رغبتی بھی۔ ﴿یَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ﴾ ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔''یعنی کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ قیامت کب آئے گی؟ اور وہ یہ بات قیامت کی تکذیب کرتے، اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتے اور کفر وسرکشی کی روش اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ﴾ ''اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں۔''یعنی اس کے وقوع پذیر ہونے سے ڈرتے اور خوف محسوس کرتے ہیں۔ ﴿وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا الۡحَقُّ ؕ﴾ ''اور جانتے ہیں کہ یقیناً وہ برحق ہے۔'' اور یقیناً برپا ہونے والی ہے، لہٰذا وہ اس کی تیاری کرتے اوراس کی وجہ سے عمل کرتے ہیں۔ درجۂ تواتر تک پہنچی ہوئی سندوں سے کتب صحاح، سنن اور مسانید میں یہ حدیث مروی ہے جس کے بعض طرق کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے بہت بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ

① تفسیر الطبری: 26/25 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3275/10. ② تفسیر الطبری: 26/25. ③ تفسیر الطبری: 27/25.

ع 2/10/3

اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ⑲ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے، اور وہ خوب طاقتور، نہایت غالب ہے⑲ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اس

الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِی

کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں، اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں

الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ ⑳ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ

کوئی حصہ نہیں⑳ کیا ان کے لیے (اللہ کے سوا) شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے وہ دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟ اور اگر (وعدے کے

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ㉑ تَرَی

دن) فیصلہ کرنے کی بات نہ ہوتی، تو ان کے درمیان یقیناً (فوراً ہی) فیصلہ کر دیا جاتا، اور بلا شبہ ظالم لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے㉑ آپ ظالموں

الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ

کو دیکھیں گے وہ ان (عملوں کی سزا) سے ڈر رہے ہوں گے جو انھوں نے کمائے جبکہ وہ (سزا) ان پر آکر رہے گی، اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے

رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ㉒

نیک عمل کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ (سب کچھ) ہوگا جو وہ چاہیں گے، یہی بہت بڑا فضل ہے㉒

سے کہا جبکہ آپ اپنے ایک سفر میں تھے کہ اے محمد (ﷺ!) رسول اللہ ﷺ نے قریب اسی کی آواز میں جواب دیا: [هَاؤُمُ] ''یہ لو!'' اس نے کہا کہ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(وَیْحَكَ) إِنَّهَا كَائِنَةٌ فَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟] ''تجھ پر افسوس کہ یہ تو ہر حال میں برپا ہونے والی ہے مگر (سوال یہ ہے کہ) تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' اس نے جواب میں عرض کی: اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ] ''تمھیں اسی کا ساتھ نصیب ہوگا جس سے تمھیں محبت ہوگی۔''①

دوسری حدیث میں آپ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے: [اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ] ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔''② یہ حدیث بھی یقیناً متواتر ہے، غرضیکہ آپ نے سائل کو قیامت کے وقت کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اسے قیامت کے دن کی تیاری کا حکم دیا۔ ﴿ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ ﴾ ''خبردار! بے شک جو لوگ قیامت میں جھگڑتے ہیں۔'' یعنی اس کے وجود کے بارے میں جھگڑتے اور اس کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ

① [وَیْحَكَ......] سے پہلا حصہ جامع الترمذی، الدعوات، باب ماجاء فی فضل التوبة......، حدیث :3535 عن صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ اور مذکورہ حصہ مسند أحمد:283/3 و مسند أبی یعلی:34/6، حدیث:3277 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح البخاری، الأدب، باب ماجاء فی قول الرجل، ویلك، حدیث:6167 میں [وَیْلَكَ] آیا ہے اور [وَیْحَكَ] ہمیں نہیں ملا اور بعد والا حصہ صحیح مسلم، البر والصلة......، باب المرء مع......، حدیث:2639 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ② صحیح البخاری، الأدب، باب علامة الحب......، حدیث :6168 و صحیح مسلم، البر والصلة......، باب المرء مع من أحب، حدیث:(165)-2640 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

بَعِيۡدٍ ﴿١٨﴾ ''وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔'' یعنی واضح طور پر جہالت میں مبتلا ہیں کیونکہ جس ذات پاک نے آسمانوں اورزمین کو پیدا فرمایا وہ مردوں کے دوبارہ زندہ کردینے پر تو بالاولی قادر ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِىۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ ؕ ﴾ (الروم 30: 27) ''اور وہی (اللہ) ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔''

تفسیر آیات:19-22

دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا رزق عطا فرمانا: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے اس لطف و کرم کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ان سب کو رزق عطا فرماتا ہے اور ان میں سے کسی کو بھی فراموش نہیں کرتا، خواہ کوئی نیک ہو یا بد جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ○ ﴾ (ہود 11:6) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے وہ جہاں رہتا ہے، اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ پھر فرمایا ہے: ﴿ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے۔'' یعنی جس کو چاہتا ہے، اس کے رزق میں وسعت فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَهُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ﴿١٩﴾ ﴾ ''اور وہ قوی (اور) نہایت زبردست ہے۔'' کہ کوئی چیز اسے عاجز نہیں کرسکتی۔

﴿ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ ﴾ ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو۔'' یعنی آخرت کے لیے عمل کرتا ہو۔ ﴿ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ ﴾ ''ہم اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے۔'' یعنی وہ جس چیز کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہے ہم اسے تقویت و اعانت عطا کریں گے، اس کے عمل کو پروان چڑھائیں گے اور اس کے عمل صالح کا دس سے لے کر سات سو گنا تک اجر و ثواب عطا کریں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ﴿ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ﴿٢٠﴾ ﴾ ''اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔'' اور جس کی سعی و کوشش اسی لیے ہو کہ وہ دنیا حاصل کرلے اور آخرت کی طرف اس کی بالکل کوئی توجہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت سے تو محروم کردیتا ہے اور دنیا اگر چاہے تو عطا کردے اور اگر نہ چاہے تو نہ عطا فرمائے، گویا اسے نہ دنیا ملتی ہے اور نہ آخرت اور اس طرح کا انسان دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد ہو جاتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ سورۂ سبحان (بنی اسرائیل) کی درج ذیل آیات کے ساتھ مقید ہے: ﴿ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ○ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ○ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ وَلَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكۡبَرُ تَفۡضِيۡلًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17: 18-21) ''جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے، جس میں وہ نفرین سن کر (اور اللہ کی درگاہ سے) راندہ ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی

ذٰلِكَ الَّذِیۡ یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡہِ

یہی (فضل) ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: میں تم سے

اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ وَمَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَۃً نَّزِدۡ لَہٗ فِیۡہَا حُسۡنًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ

اس (تبلیغ رسالت) پر کسی صلے کا سوال نہیں کرتا، مگر قرابت داری کی محبت (ضرور چاہتا ہوں۔) اور جو شخص کوئی نیکی کماتا ہے تو ہم اس کے لیے اس میں

غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ ﴿23﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِكَ ؕ

بھلائی بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت قدر دان ہے ﴿23﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے۔ سو اگر اللہ چاہے تو

وَیَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ وَیُحِقُّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿24﴾

آپ کے دل پر مہر لگا دے۔ اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعے سے ثابت کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے ﴿24﴾

ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے، ہم ان کو اور ان کو سب کو تمھارے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمھارے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔ دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔''

امام ثوری نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: [بَشِّرْ هٰذِهِ الْأُمَّةَ بِالسَّنَاءِ وَالرِّفْعَةِ وَالدِّينِ وَالنَّصْرِ وَالتَّمْكِينِ فِي الْأَرْضِ، فَمَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ عَمَلَ الْآخِرَةِ لِلدُّنْيَا، لَمْ يَكُنْ لَّهُ فِي الْآخِرَةِ نَصِيبٌ] ''اس امت کو عظمت، رفعت، مذہب (اسلام)، نصرت اور زمین میں غلبے کی بشارت سنا دو، پس ان میں سے جو شخص آخرت کا عمل دنیا کے لیے کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔'' ①

بندوں کی دین سازی شرک ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمۡ لَہُمۡ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَہُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا لَمۡ یَاۡذَنۡۢ بِہِ اللّٰہُ ؕ ﴾ ''کیا ان کے وہ شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جس دین مستحکم کو مقرر کیا ہے وہ اس کی پیروی نہیں کرتے بلکہ حلال و حرام میں وہ ان ضابطوں کی پیروی کرتے ہیں جنھیں ان کے شیاطین جن و انس نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، مثلاً: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دیتے اور مردار، خون اور جوئے کو حلال سمجھتے تھے، وہ اس طرح کی بہت سی ایسی ضلالتوں اور باطل جہالتوں میں مبتلا تھے جن کی وجہ سے انھوں نے اپنے دور جاہلیت میں حلال و حرام کے ضابطے، عبادت کے باطل طریقے اور کئی طرح کی فاسد باتیں ایجاد کر رکھی تھیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ لُحَيِّ بْنِ قَمَعَةَ......يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ] ''میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیوں کو آتش (دوزخ) میں کھینچ رہا تھا۔'' ② یہ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے سائبہ کی رسم کو ایجاد کیا، یہ خزاعہ کے بادشاہوں میں سے ایک تھا، اس نے ان اشیاء کو پہلی دفعہ ایجاد کیا اور اسی نے

① مسند أحمد: 134/5. مزید دیکھیے صحیح ابن حبان، البروالإحسان، ذكر وصف إشراك المرء......: 132/2، حديث: 405. ② صحيح البخاري، المناقب، باب قصة خزاعة، حديث: 3521.

قریش کو بتوں کی عبادت پر لگا دیا تھا۔لَعَنَهُ اللّٰهُ وَ قَبَّحَهُ۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''اور اگر فیصل شدہ بات نہ ہوتی تو یقیناً ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔''یعنی اگر روز قیامت تک مہلت دینا لکھ نہ دیا گیا ہوتا تو انھیں جلد سزا دے دی جاتی۔ ﴿ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿21﴾ ﴾ ''اور بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔''جو جہنم میں ان کے لیے شدید ترین درد کا باعث ہوگا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

میدان حشر میں مشرکین کی گھبراہٹ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا ﴾ ''آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے۔''یعنی میدان حشر میں۔ ﴿ وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ﴾ ''اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔''یعنی جس عذاب سے یہ ڈرتے تھے وہ لامحالہ ان پر آن پڑے گا اور روز قیامت ان کا یہی حال ہوگا کہ یہ شدید ڈر اور خوف میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے،ان کے رب کے پاس ان کے لیے وہ کچھ ہے جو وہ چاہیں گے۔''تو مشرکین کو ان سے کیا نسبت؟ یعنی جو میدان حشر میں ذلت و رسوائی اور اپنے ظلم کے باعث خوف میں مبتلا ہوں گے، ان میں اور ان میں کیا نسبت جو بہشت کے باغوں میں ہوں گے، جہاں ان کے لیے ان کی پسند کے مطابق کھانے، پینے اور پہننے کی چیزیں میسر ہوں گی، عالی شان محلات، خوشنما مناظر، حسین و جمیل حوریں اور لذت و عیش کے ایسے سامان ہوں گے جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آیا، اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴿22﴾ ﴾ ''یہی بڑا فضل ہے۔''یعنی یہ ہے عظیم کامیابی اور کامل و اکمل و مکمل بے پایاں نعمت!

تفسیر آیات :24,23

اہل ایمان کے لیے جنت کی نعمتوں کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن اور اعمال صالحہ بجالانے والے بندوں کے لیے بہشت کے باغات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''یہی وہ (انعام) ہے جس کی اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے ہیں بشارت دیتا ہے۔''اور یہ انعام انھیں یقیناً حاصل ہو کر رہے گا، اس لیے کہ اس کی اللہ تعالیٰ نے انھیں بشارت دی ہے۔

﴿ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾ کا مفہوم: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾ ''کہہ دیں کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی وجہ سے محبت (تو چاہیے)۔''یعنی اے محمد (ﷺ!) کفار قریش کے ان مشرکین سے یہ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام پہنچانے اور تم سے ہمدردی و خیر خواہی کرنے پر میں تم سے یہ سوال نہیں کرتا کہ مجھے مال دو بلکہ میں تو تم سے صرف یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ اپنے شر کو تم مجھ سے روک لو اور مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دوں، اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو مجھے ایذا بھی نہ دو کیونکہ میرے اور تمھارے درمیان آخر قرابت تو ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا

اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور (ان کی) برائیوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے جانتا ہے ㉕ اور وہ ان لوگوں

تَفْعَلُوْنَ ﴿25﴾ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ

کی (دعا) قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور وہ انھیں اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے، اور کافروں کے لیے بہت سخت عذاب

وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿26﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ

ہے ㉖ اور اگر اللہ اپنے (تمام) بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں ضرور سرکشی کرتے، لیکن وہ اس اندازے سے (رزق) نازل کرتا ہے

وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿27﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ

جتنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے، (انھیں) خوب دیکھنے والا ہے ㉗ اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش

مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿28﴾

نازل کرتا ہے، اور وہ اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہی کارساز، تعریف کیا ہوا ہے ㉘

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو سعید بن جبیر نے کہا کہ اس سے مراد آل محمد ﷺ کی قرابت ہے، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: تم نے جواب دینے میں جلدی کی، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی قریش کی ہر شاخ کے ساتھ قرابت تھی، اس لیے حکم ہوا کہ آپ ان سے یہ فرما دیں کہ [إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِّنَ الْقَرَابَةِ] ''اور نہیں تو تم میرے اور اپنے درمیان رشتے داری کی وجہ سے صلہ رحمی کا ثبوت دو۔'' اسے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے (امام مسلم نے نہیں۔) [1] امام احمد نے اسے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ﴾ ''اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لیے اس میں حسن بڑھائیں گے۔'' یعنی جو نیک عمل کرے گا ہم اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کر دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝﴾ (النسآء 4:40)

''بے شک اللہ (کسی پر) ایک ذرے کے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿23﴾﴾ ''بے شک اللہ بخشنے والا، قدردان ہے۔'' یعنی وہ بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا اور تھوڑی سی نیکیوں کو بہت زیادہ کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا، انھیں معاف کرتا، نیکیوں کا کئی گنا زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا اور اپنے بندوں کے اعمال صالحہ کی قدردانی فرماتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر از خود قرآن بنانے کا الزام اور اس کی تردید: اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ﴾ (الشوریٰ 42:23)، حدیث: 4818. [2] مسند أحمد: 229/1.

﴿ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ ﴾ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے؟ اگر اللہ چاہے تو (اے محمد!) آپ کے دل پر مہر لگا دے۔''یعنی اگر آپ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں جیسا کہ یہ جاہل گمان کرتے ہیں، ﴿ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ ﴾ ''(تو اللہ) آپ کے دل پر مہر لگا دے۔''یعنی آپ کے دل پر مہر لگا دے اور اس نے آپ کو جو قرآن دیا ہے وہ آپ سے سلب کر لے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ۡ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ ﴾ (الحآقّة 69:44-47) ''اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنالاتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے تو تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔''یعنی ہم ان سے شدید انتقام لیتے اور کوئی انسان بھی اس بات پر قادر نہ ہوتا کہ ان سے انتقام کو روک دیتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ ﴾ ''اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے۔''یعنی وہ اپنے دلائل و براہین کے ساتھ حق کو ثابت اور واضح کر دیتا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ ''بے شک وہ سینوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔''یعنی وہ سینوں کے بھیدوں اور ان میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

تفسیر آیات:25-28

اللہ تعالیٰ توبہ اور دعا کو قبول فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب وہ اس کی طرف توبہ اور رجوع کریں تو وہ ان کی توبہ کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا اور اپنے کرم اور حلم سے انھیں معاف فرماتا، ان سے درگزر فرماتا، ان کی پردہ پوشی فرماتا اور انھیں بخش دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:110) ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو خوب بخشنے والا (اور) نہایت مہربان پائے گا۔''صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ، حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَّاحِلَتِهٖ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ] ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے جب وہ اس کے حضور توبہ کرتا ہے۔ اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری جنگل میں تھی اور وہ اس سے گم ہوگئی اور اسی پر اس کا کھانا پینا تھا، وہ اس سے مایوس ہوگیا اور ایک درخت کے پاس آکر اس کے سائے میں لیٹ گیا، وہ اپنی سواری سے مایوس ہو چکا تھا، اسی حالت میں تھا کہ اچانک سواری اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی، اس نے اس کی مہار پکڑی اور فرط مسرت سے کہنے لگا: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، فرط مسرت کے باعث اس نے غلطی سے یہ کہہ دیا۔''[1] صحیح مسلم میں یہ

[1] صحيح مسلم، التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، حديث: (7)-2747.

حدیث بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح ہے۔ ①

امام زہری رحمہ اللہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ الَّذِيۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ ﴾ ”اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔“ کے بارے میں روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ أَحَدِكُمْ يَجِدُ ضَالَّتَهٗ فِي الْمَكَانِ الَّذِي يَخَافُ أَنْ يَّقْتُلَهٗ مِنَ الْعَطَشِ] ”اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنی گم شدہ سواری کو اس جگہ پالے، جہاں اسے یہ خدشہ ہو کہ پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا۔“ ② اور ہمام بن حارث سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرتا اور پھر اس سے شادی کر لیتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، پھر انھوں نے یہی آیت کریمہ پڑھی: ﴿ وَهُوَ الَّذِيۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَعۡفُوۡا عَنِ السَّيِّاٰتِ ﴾ ”اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور قصور معاف فرما دیتا ہے۔“ ③ یعنی مستقبل میں وہ توبہ قبول فرماتا اور ماضی میں کیے ہوئے قصور معاف فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَيَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝٢٥ ﴾ ”اور جو تم کرتے ہو وہ (سب) جانتا ہے۔“ یعنی تم جو کچھ کرتے ہو، کہتے ہو وہ سب جانتا ہے اور اس کے باوجود جو توبہ کرے اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ”اور جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔“ سدی کہتے ہیں کہ ﴿ يَسۡتَجِيۡبُ ﴾ ”يَسۡتَجِيبُ لَهُمۡ“ ان کی دعا قبول کرتا ہے، کے معنی میں ہے۔ ④ اور ابن جریر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو اپنے لیے، اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کے لیے دعا کرتے ہیں، اللہ اسے قبول فرما لیتا ہے۔ ⑤ ﴿ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ ﴾ ”اور ان کو اپنے فضل سے بڑھاتا ہے۔“ یعنی وہ نہ صرف ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا بلکہ انھیں اپنے پاس سے اس سے بھی زیادہ عطا فرماتا ہے۔ قتادہ نے ابراہیم نخعی سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ ان کے بھائیوں کے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما لیتا ہے اور ﴿ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے بھائیوں کے بھائیوں کے بارے میں بھی شفاعت قبول کرے گا۔ ⑥ ﴿ وَالۡكٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۝٢٦ ﴾ ”اور جو کافر ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے مومنوں اور انھیں حاصل ہونے والے بے پایاں اجر و ثواب کا ذکر کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کا اور روز قیامت انھیں پہنچنے

---

① صحيح مسلم، التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، حديث :(3)-2744 . ② تفسير عبدالرزاق :3/162، رقم: 2738، مزید دیکھیے السنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ وَهُوَ الَّذِيۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ ﴾ : 6/453، حديث: 11475 . ③ تفسير الطبري :25/38 . ④ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ﴿ يَسۡتَجِيۡبُ ﴾ فعل کے فاعل کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے اس کا فاعل ﴿ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ﴾ بتایا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہیں کہ ایمان والوں نے اللہ کی بات قبول کر لی۔ اور بعض نے ﴿ يَسۡتَجِيۡبُ ﴾ کا فاعل ضمیر جو اللہ کی طرف راجع ہے، بتائی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعا قبول کرتا ہے۔ سُدی کی بات کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں، اس لیے وہ اس فعل کے بعد صلہ لام لائے ہیں جس سے ترتیب کلام اسی طرح بنتی ہے: يَسۡتَجِيبُ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا ”اللہ ایمان والوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔“ (ع-و) . ⑤ تفسير الطبري :25/38 . ⑥ تفسير الطبري : 25/38،39 .

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور جو بھی چلنے پھرنے والے اس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں، اور وہ جب بھی

قَدِيْرٌ ﴿29﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿30﴾ ع 10

چاہے ان کے جمع کرنے پر قادر ہے﴿29﴾ اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمھارے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (پہنچتی ہے)، اور بہت سی باتوں

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿31﴾

سے تو وہ درگزر ہی فرماتا ہے﴿30﴾ اور تم (اسے) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار﴿31﴾

والے شدید اور دردناک عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔

رزق کی عدمِ فراخی میں حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں فساد کرنے لگتے۔'' یعنی اگر انھیں ان کی ضرورت سے زیادہ رزق دیتا، تو تکبر اور فخر و غرور کے باعث وہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی اور سرکشی کرنے لگتے۔ ﴿ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿27﴾ ﴾ ''اور لیکن وہ جس قدر چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب خبردار ہے، خوب دیکھنے والا ہے۔'' یعنی وہ انھیں اس قدر رزق عطا فرماتا ہے جس میں ان کی بہتری دیکھتا ہے اور وہ اس بات کو خوب جانتا ہے تو جو دولت کا مستحق ہوتا ہے اسے دولت عطا فرما دیتا اور جو فقر کا مستحق ہوتا ہے، اسے فقیر کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا ﴾ ''اور وہی تو ہے جو ان لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے۔'' یعنی جب لوگ بارش کے نازل ہونے سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں تو وہ اس وقت بارش نازل فرماتا ہے جبکہ انھیں اس کی حاجت و ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ ﴾ (الروم 30:49) ''اور یقیناً وہ (لوگ) ان پر بارش کیے جانے سے پہلے یقیناً ناامید تھے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ ﴾ ''اور اپنی رحمت (بارش کی برکت) پھیلا دیتا ہے۔'' یعنی اس ملک اور اس علاقے کو اپنی رحمت عام سے ڈھانپ لیتا ہے۔ امام قتادہ نے کہا کہ ہمارے سامنے بیان کیا گیا کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! بارش نازل نہیں ہوئی اور لوگ مایوس ہو چکے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بارش ضرور نازل ہوگی اور پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ ﴾ ''اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔''[1] یعنی وہ اپنی مخلوق کے لیے وہ تصرف کرتا ہے جو دنیا و آخرت میں ان کے لیے نافع ہو۔ اور وہ جو بھی اندازہ مقرر فرماتا اور جو کام بھی کرتا ہے اس کے انجام کے اعتبار سے وہ قابل ستائش ہے۔

تفسیر آیات: 29-31

آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ ﴾ ''اور اسی کی

[1] تفسير الطبري: 41/25 .

وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ؕ﴿32﴾ اِنۡ يَّشَاۡ يُسۡكِنِ الرِّيۡحَ فَيَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰى

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہیں سمندر میں (چلنے والے) پہاڑوں جیسے جہاز (اور کشتیاں)﴿32﴾ اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے، پھر وہ (جہاز) سمندر کی سطح پر

ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ۙ﴿33﴾ اَوۡ يُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا كَسَبُوۡا وَيَعۡفُ عَنۡ

کھڑے رہ جائیں۔ بلاشبہ اس میں یقیناً ہر صابر شاکر کے لیے عظیم نشانیاں ہیں﴿33﴾ یا وہ (چاہے تو) انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے، اور (چاہے

كَثِيۡرٍ ۙ﴿34﴾ وَّيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿35﴾

تو) بہت سوں سے درگزر کرے﴿34﴾ اور (تاکہ) وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں﴿35﴾

نشانیوں میں سے ہے۔'' جو اس کی عظمت و عظیم قدرت اور زبردست سلطنت پر دلالت کرتی ہیں۔ ﴿ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِيۡهِمَا ﴾ ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور جو اس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں۔'' یعنی جو آسمانوں اور زمین میں پیدا فرما رکھے ہیں۔ ﴿ مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ ﴾ ''چلنے والے۔'' اور یہ لفظ فرشتوں کو بھی شامل ہے اور یہ مختلف شکلوں، رنگوں، بولیوں، طبیعتوں، جنسوں اور قسموں کے تمام انسانوں، جنوں اور باقی تمام حیوانات کو شامل ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے مختلف گوشوں میں پھیلا رکھا ہے۔ ﴿ وَهُوَ ﴾ ''اور وہ'' اس سب کچھ کے باوجود ﴿ عَلٰى جَمۡعِهِمۡ اِذَا يَشَآءُ قَدِيۡرٌ ﴿29﴾ ﴾ ''جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر خوب قادر ہے۔'' یعنی قیامت کے دن وہ اگلوں، پچھلوں اور تمام مخلوقات کو ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا جنھیں پکارنے والا آواز سنائے گا اور وہ سب نظر کے سامنے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مبنی بر عدل و حق فیصلہ فرمائے گا۔

مصیبتوں کا سبب نافرمانی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ ﴾ ''اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے (ہوتی ہے۔)'' یعنی لوگو تمھیں جو مصیبتیں بھی پہنچیں یہ تمھارے ہی گزشتہ گناہوں کا نتیجہ ہیں۔ ﴿ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ﴿30﴾ ﴾ ''اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے بہت سے گناہوں کی تمھیں سزا نہیں دیتا بلکہ تمھیں معاف کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ ﴾ (فاطر 45:35) ''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔'' اور حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(وَالَّذِي نَفۡسِي بِيَدِهٖ!) مَا يُصِيبُ (الۡمُؤۡمِنَ) مِنۡ نَّصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حَزَنٍ...... حَتَّى الشَّوۡكَةِ يُشَاكُهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ خَطَايَاهُ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مومن کو جو تکلیف، دکھ، غم اور حزن پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے...... حتی کہ چبھنے والے کانٹے کو بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''[1] اور امام احمد رحمہ اللہ نے

[1] صحيح البخاري، المرضى، باب ماجاء في كفارة المرض، حديث:5642,5641. پہلی قوسین والے الفاظ اس حدیث کے سیاق میں نہیں ملے جبکہ دوسری قوسین والا لفظ صحيح مسلم، البر والصلة......، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض أو حزن......، حديث:2573 عن أبي سعيد الخدري وأبي هريرة رضی اللہ عنہما میں ہے، اور دیکھیے مسند أحمد:303/2.

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

چنانچہ تمھیں جو بھی شے دی گئی ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا (حقیر سا) سامان ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ان لوگوں کے لیے کہیں بہتر اور بہت پائیدار

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿36﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

ہے جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا کرتے ہیں﴿36﴾ اور وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، اور جب غصہ آئے

يَغْفِرُوْنَ ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا

تو وہ معاف کر دیتے ہیں﴿37﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب (کے حکم) کو مانا اور نماز قائم کی، اور ان کا (ہر) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے، اور ہم نے

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿39﴾

انھیں جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں﴿38﴾ اور وہ لوگ کہ جب ان پر ظلم وزیادتی ہو تو وہ بس بدلہ لیتے ہیں﴿39﴾

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [مَامِنْ شَيْءٍ يُّصِيبُ الْمُؤْمِنَ فِي جَسَدِهِ يُؤْذِيهِ، إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِ] ''مومن کو اس کے جسم میں ایذا دینے والی جو چیز بھی پہنچے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''[1] اور امام احمد ہی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ، اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ] ''جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جائیں اور اس کے پاس ان کا کفارہ بننے والی کوئی چیز نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے غم و حزن میں مبتلا فرما دیتا ہے تاکہ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے۔''[2]

تفسیر آیات :32-35

سمندر کی تسخیر اور اس میں بحری جہازوں کا چلنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی زبردست قدرت اور عظیم الشان سلطنت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ اس میں اس کے حکم سے جہاز چلیں، وہ جہاز جو گویا پہاڑوں کے مانند ہیں۔ یہ مجاہد، حسن، سدی اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ جہاز سمندر میں ایسے ہیں جیسے خشکی میں پہاڑ ہیں۔[3] ﴿اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ﴾ ''اگر اللہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے۔'' یعنی اس ہوا کو جو سمندروں میں کشتیوں کو چلاتی ہے اگر وہ چاہے تو اسے ساکن کر دے اور کشتیاں حرکت بھی نہ کر سکیں بلکہ ساکن ہو کر کھڑی رہ جائیں اور کہیں بھی آ جا نہ سکیں بلکہ سطح آب پر کھڑی رہ جائیں۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿33﴾﴾ ''بے شک تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے لیے ان (باتوں) میں اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں۔'' یعنی ان کے لیے جو مشکلات میں صبر کرتے اور اس بات پر اس کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس نے ان کے لیے سمندر کو مسخر کر دیا اور اس میں ان کی ضرورت کے مطابق ہوا چلا دی اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس کی نعمتوں کی نشانیاں ہیں جو مشکلات میں صبر کرتے اور خوش حالی میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ﴿اَوْ يُوْبِقْهُنَّ

---

[1] مسند أحمد: 98/4. [2] مسند أحمد: 157/6. یہ حدیث لیث بن ابوسلیم کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے۔ [3] تفسیر الطبري: 44/25.

﴿ بِمَا كَسَبُوْا ﴾ ''یا ان کے اعمال کے سبب ان کو تباہ کر دے۔'' یعنی اگر وہ چاہے تو ان کشتیوں اور جہاز والوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دے، یعنی ان لوگوں کو جو اس پر سوار ہوتے ہیں ﴿ وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ ''اور بہت سے قصور معاف کر دے۔'' یعنی ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اگر وہ ان کے تمام گناہوں کی پاداش میں انھیں پکڑے تو سمندر میں سوار ہر شخص کو ہلاک کر دے۔

بعض علمائے تفسیر نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا ﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو نہایت تند و تیز ہوا بھیج دے جو کشتیوں کو پکڑے اور انھیں سیدھا چلنے کے بجائے دائیں یا بائیں طرف اس طرح ڈگمگا دے کہ وہ کسی مطلوب رستے اور مقصود جہت کی طرف نہ چل سکیں۔ یہ قول کشتیوں کی ہلاکت کو متضمن ہے اور پہلے جملے کے ساتھ یہ معنی مناسبت رکھتے ہیں اور وہ جملہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا ساکن کر دے اور کشتیاں کھڑی رہ جائیں یا ہوا کو اس قدر تیز کر دے کہ کشتیاں بے قابو ہو کر ادھر ادھر بھاگیں اور تباہ ہو جائیں لیکن یہ اس کا لطف و کرم اور اس کی رحمت ہے کہ وہ ہوا کو بقدر ضرورت بھیجتا ہے جیسا کہ وہ بارش کو بھی بقدر کفایت نازل فرماتا ہے کیونکہ اگر وہ بہت زیادہ بارش نازل فرما دے تو عمارتیں تباہ و برباد ہو جائیں اور اگر وہ بہت کم نازل فرمائے تو فصلیں اور پھل پیدا نہ ہوں۔ حتی کہ وہ بلاد مصر جیسے علاقوں میں دوسرے علاقوں سے نہر اور دریا کا پانی لاتا ہے کیونکہ انھیں بارش کی حاجت نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ یہاں بارش نازل فرمائے تو اس سے عمارتیں تباہ ہو جائیں اور دیواریں گر جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴾ ''اور (تاکہ) وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔'' اور وہ ہماری گرفت اور ہمارے عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے کیونکہ وہ ہماری قدرت کے تحت مقہور و مغلوب ہیں۔

تفسیر آیات :36-39

اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے مستحق لوگوں کی صفات: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی اس کی زیب و زینت اور اس کی فانی نعمتوں کے حقیر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾ ''(لوگو) تو جو مال و متاع تم کو دیا گیا ہے، وہ دنیوی زندگی کا (ناپائیدار) فائدہ ہے۔'' لہٰذا تم دنیا جس قدر بھی حاصل کر کے جمع کر لو تو اس پر غرور نہ کرو کیونکہ وہ دنیا کی زندگی کا مال و متاع ہے اور دنیا حقیر، فانی اور یقیناً بہت جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور قائم رہنے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا ثواب دنیا سے بہتر ہے کیونکہ وہ ابدی اور سرمدی ہے، لہٰذا تم فنا ہو جانے والی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح نہ دو، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے۔'' یعنی جنھوں نے صبر کیا اور دنیا کی لذتوں کو ترک کر دیا۔ ﴿ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ ''اور اپنے پروردگار ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔'' تاکہ ادائے واجبات اور ترک محرمات پر صبر کے لیے ان کی مدد کرے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ ﴾ ''اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿40﴾

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، بلاشبہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا﴿40﴾ اور البتہ

وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿41﴾ اِنَّمَا السَّبِیۡلُ عَلَی الَّذِیۡنَ

جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے، تو ایسے لوگوں پر کوئی (ملامت کی) راہ نہیں﴿41﴾ (ملامت کی) راہ تو بس ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم

یَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَیَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿42﴾ وَلَمَنۡ

کرتے اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے﴿42﴾ اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کر دے تو بلاشبہ

صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿43﴾ ع 4 14 5

یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں﴿43﴾

پرہیز کرتے ہیں۔'' گناہ اور بے حیائی کے کاموں کے بارے میں بحث قبل ازیں سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔[1] ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ ﴿37﴾﴾ ''اور جب انھیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔'' یعنی ان کا اخلاق یہ ہے کہ وہ لوگوں سے درگزر کرتے اور انھیں معاف کر دیتے ہیں، ان سے انتقام نہیں لیتے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ ہاں، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حرمات کی بے حرمتی کی جا رہی ہو تو پھر آپ ضرور انتقام لیتے تھے۔[2]

﴿وَالَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ﴾ ''اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں۔'' یعنی اس کے رسولوں کی اتباع، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کرتے ہیں۔ ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''اور نماز قائم کرتے ہیں۔'' جو اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کی جانے والی عبادات میں سب سے بڑی عبادت ہے۔ ﴿وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ﴾ ''اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔'' یعنی وہ کسی کام کا اس وقت تک قطعی فیصلہ نہیں کرتے یہاں تک کہ آپس میں مشورہ کر لیں اور جنگوں اور دیگر اہم معاملات میں ایک دوسرے کی آراء سے مدد لے لیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بھی حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ﴾ (آل عمرٰن 159:3) ''اور اپنے کاموں میں ان سے مشاورت کیا کریں۔'' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگوں اور دیگر اہم معاملات میں تسکینِ قلوب کی خاطر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر کے وار کے بعد جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم پر مشتمل چھ افراد کی ایک مشاورتی کمیٹی کو معاملے کا اختیار سونپ دیا تاکہ آپ کے بعد وہ مسلمانوں کے لیے خلیفہ کا فیصلہ کرے۔ مشاورت کے بعد اس کمیٹی اور تمام صحابہ کرام کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿38﴾﴾ ''اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے وہ اس میں سے

① دیکھیے الأعراف، آیت: 33 کے ذیل میں۔ ② صحیح البخاري، الأدب، باب قول النبي ﷺ: [یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا]، حدیث: 6126 عن عائشة رضي الله عنها.

خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ کی مخلوق میں سے جو درجہ بدرجہ ان کے زیادہ قریب ترین ہوتے ہیں، ان پر وہ خرچ کرتے ہیں۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾ ''اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم (وتعدی) ہوتو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔'' یعنی جو ان پر ظلم وزیادتی کرے، اس سے بدلہ لینے کی بھی ان میں قوت وطاقت ہے اور وہ عاجز ودرماندہ نہیں ہیں بلکہ ظالموں سے انتقام لینے کی قدرت رکھتے ہیں، اس قدرت وقوت کے باوجود وہ معاف بھی کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ (یوسف 92:12) ''آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب وملامت نہیں ہے، اللہ تم کو معاف کرے۔'' حالانکہ یوسف علیہ السلام کو قدرت تھی کہ آپ ان کا مواخذہ کرتے اور ان سے اسی طرح کا سلوک کرتے جیسا کہ انھوں نے کیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی ان اسی 80 آدمیوں کو معاف فرما دیا تھا جنھوں نے حدیبیہ کے سال جبل تنعیم سے اتر کر آپ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا مگر آپ کو جب ان پر دسترس حاصل ہوئی تو قدرت کے باوجود ان سے انتقام نہ لیا بلکہ انھیں معاف فرما دیا۔[1] اسی طرح آپ نے غورث بن حارث کو بھی اس وقت معاف فرما دیا جب آپ سو رہے تھے اور اس نے آپ کی تلوار سونت کر آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا، آپ بیدار ہو گئے اور آپ نے اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تلوار دیکھی تو اسے ڈانٹا، اس نے تلوار اپنے ہاتھ سے پھینک دی تو آپ نے اسے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا، صحابہ کرام کو بلایا، انھیں اس واقعے سے آگاہ کیا اور اس کافر غورث بن حارث کو معاف فرما دیا۔[2] اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث وآثار موجود ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:40-43

ظالم کو معاف کرنا یا اس سے بدلہ لینا: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ ''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔'' اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ﴾ (البقرة 194:2) ''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔'' نیز اس فرمان باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ﴾ (النحل 126:16) ''اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی۔'' پس اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم دیا ہے جو کہ قصاص ہے اور فضل کی ترغیب ودعوت دی ہے جو کہ معافی ہے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ﴾ (المآئدة 45:5) ''اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے، وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔''

---

[1] دیکھیے صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ (الفتح 24:48)، حديث:1808 عن أنس رضی اللہ عنہ۔ [2] دیکھیے صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث:4135،4136 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب صلاة الخوف، حديث:843 عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اللہ کے بعد اس کے لیے کوئی کارساز نہیں، اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا واپسی

يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۞44 وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ

کا کوئی راستہ ہے ۞44 اور آپ انھیں دیکھیں گے کہ وہ جہنم پر پیش کیے جائیں گے تو مارے ذلت کے جھکے جا رہے ہوں گے وہ نظریں چرا کر دیکھتے ہوں

يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

گے اور جو لوگ ایمان لائے تھے وہ کہیں گے: بے شک خسارہ پانے والے تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے روزِ قیامت اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۞45 وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ

خسارے میں ڈالا، آگاہ رہو! بلاشبہ ظالم لوگ ہی دائمی عذاب میں ہوں گے ۞45 اور اُن کے لیے اللہ کے سوا، کوئی ایسے دوست نہیں ہوں گے جو ان کی

يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ ۞46

مدد کر سکیں، اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اس کے لیے (ہدایت کا) کوئی راستہ ہی نہیں ۞46

یعنی اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہیں ہوگا جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا] ''اور اللہ تعالیٰ معاف کر دینے سے بندے کی عزت ہی میں اضافہ کرتا ہے۔''① ﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۞40 ﴾ ''اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' ظلم کرنے والوں سے مراد ظلم و تعدی کرنے والے، یعنی وہ لوگ ہیں جو برائی کی ابتداء کرنے والے ہوں، پھر فرمایا: ﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۞41 ﴾ ''اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کوئی سبیل نہیں۔'' یعنی ظلم کرنے والوں سے بدلہ لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ ﴾ ''بے شک سبیل تو۔'' یعنی حرج اور تنگی تو ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ﴾ ''ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔'' یعنی لوگوں پر ظلم میں پہل کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا ، فَعَلَى الْبَادِئْ مَالَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ] ''دو گالیاں دینے والے جو کہیں اس کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہے بشرطیکہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔''②

﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞42 ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔'' یعنی ایسا عذاب جو بہت شدید درد دینے والا ہوگا۔ محمد بن واسع سے روایت ہے کہ میں مکہ میں آیا تو خندق کے پاس نگرانی کرنے والے لوگ تھے، پس میں پکڑا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس لے جایا گیا تو اس نے مجھ سے کہا: ابو عبداللہ! اپنی حاجت بتاؤ؟ میں نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو تم بنو عدی کے بھائی جیسے بن جاؤ۔ انھوں نے پوچھا کہ بنو عدی کا بھائی کون؟ میں نے جواب دیا: علاء بن زیاد، انھوں نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو عامل مقرر کیا اور انھیں خط لکھا: اما بعد، اگر ممکن ہو کہ تم شب اس طرح

① صحیح مسلم، البر والصلة......، باب استحباب العفو والتواضع، حديث :2588 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ② صحيح مسلم، البر والصلة......، باب النهي عن السباب، حديث :2587 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

بسر کرو کہ تمھاری پشت ہلکی ہو، تمھارا پیٹ خالی ہو اور تمھارا ہاتھ مسلمانوں کے خون اور اموال سے پاک ہو تو ایسا ضرور کرو کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم پر کوئی سبیل نہیں ہوگی: ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''بے شک سبیل تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔'' تو اس نے یہ سن کر کہا کہ واللہ! اس نے سچ کہا اور خوب نصیحت کی، اس نے پھر کہا: ابو عبداللہ! تمھاری کوئی حاجت؟ میں نے جواب دیا کہ میری حاجت یہ ہے کہ مجھے میرے اہل خانہ کے پاس پہنچا دو، اس نے جواب دیا ٹھیک ہے، میں اس کا انتظام کر دیتا ہوں۔ [1] اسے ابن ابو حاتم نے بیان کیا ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے جب ظلم اور ظالموں کی مذمت بیان کی اور قصاص کا حکم دیا تو اب اس نے عفو و درگزر کی دعوت و ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ ﴾ ''اور جو صبر کرے اور معاف کر دے۔'' یعنی ایذا پر صبر کرے اور گناہ پر پردہ پوشی کرے۔ ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ ''بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔'' سعید بن جبیر کہتے ہیں، یعنی یہ ان حق امور میں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ گویا یہ ان قابل قدر اور قابل ستائش اعمال میں سے ہے جن پر بے پایاں اجر و ثواب بھی ملتا ہے اور جن کی وجہ سے اچھی تعریف بھی ہوتی ہے۔

تفسیر آیات: 44-46

قیامت کے دن ظالموں کا حال: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے، اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو وہ نہ چاہے وہ ہو نہیں سکتا، اسے کوئی کسی طرح بھی کر نہیں سکتا۔ جسے وہ ہدایت عطا فرمائے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾ (الکہف 18:17) ''اور جس کو وہ گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پائیں گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ظالموں، یعنی مشرکین کے بارے میں فرمایا: ﴿ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ﴾ ''جب وہ (دوزخ کا) عذاب دیکھیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن تو دنیا کی طرف لوٹ جانے کی تمنا کریں گے۔ ﴿ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ ''تو کہیں گے: کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی سبیل ہے؟'' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:27,28) ''کاش آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب یہ آگ (کے کنارے) پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے: اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تو اپنے پروردگار کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔ ہاں، یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں اور کچھ شک نہیں یہ جھوٹے ہیں۔'' ﴿ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ﴾ ''اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر پیش کیے جائیں گے۔'' یعنی آتش دوزخ کے

---

① المصنف لابن أبي شيبة: 245,244/7، حديث: 35714. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3280,3279/10.

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ

تم اپنے رب کا فرمان قبول کرلو اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جو (کسی طرح بھی) ٹالا نہیں جاسکتا، اس دن تمھارے لیے کوئی جائے پناہ

یَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ ﴿47﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ

نہیں ہوگی اور نہ تم سے (گناہوں کا) انکار ہی بن پڑے گا ﴿47﴾ پھر اگر وہ اعراض کریں تو (اے نبی!) ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگران (بناکر) نہیں بھیجا، آپ

اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

کے ذمے تو پہنچا دینا ہی ہے، اور بلاشبہ جب ہم انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترانے لگتا ہے۔ اور اگر انھیں ان کے کرتوتوں کی

سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿48﴾

وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے تو بلاشبہ انسان بہت ہی ناشکرا ہے ﴿48﴾

سامنے ﴿خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ﴾ ''ذلت کی وجہ سے جھکے ہوئے۔'' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ ﴿یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ ؕ﴾ ''وہ چھپی (اور نیچی) نگاہ سے دیکھ رہے ہوں گے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ جھکی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے۔[1] یعنی خوف کی وجہ سے چوری چھپے اس کی طرف دیکھ رہے ہوں گے لیکن جس سے وہ ڈرتے ہوں گے وہ تو ہر صورت میں واقع ہو کر رہے گا اور وہ بھی ان پر واقع ہوگا جو ان کے وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ ''اور مومن لوگ کہیں گے۔'' اور وہ یہ قیامت کے دن کہیں گے۔ ﴿اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ﴾ ''بے شک خسارہ اٹھانے والے۔'' یعنی بہت بڑا خسارہ ﴿الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ﴾ ''وہ لوگ ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا۔'' یعنی جنھیں روز قیامت جہنم رسید کر دیا گیا، وہ ابدی و سرمدی گھر کی لذتوں سے محروم ہوگئے، انھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور ان میں اور ان کے احباب، اصحاب، اہل وعیال اور رشتہ داروں میں جدائی ڈال دی گئی اور انھوں نے انھیں بھی خسارے میں ڈال دیا۔ ﴿اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ﴿45﴾﴾ ''خبردار! بے شک بے انصاف لوگ ہمیشہ کے عذاب میں (پڑے) رہیں گے۔'' وہ دائمی، سرمدی اور ابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے، اس سے کبھی نکل سکیں گے اور نہ خلاصی پا سکیں گے۔ ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ یَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور (اللہ کے) سوا ان کے کوئی دوست نہ ہوں گے کہ اللہ کے سوا ان کو مدد دے سکیں۔'' اور انھیں عذاب سے بچا سکیں۔ ﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِیْلٍ ﴿46﴾﴾ ''اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے (ہدایت کا) کوئی رستہ نہیں۔'' یعنی خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔

تفسیر آیات :47، 48

قیامت سے قبل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ہولناکیوں اور اس دن کے بڑے بڑے

[1] تفسیر الطبری: 54/25.

لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہے (صرف) بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے

لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ﴿49﴾ اَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجۡعَلُ مَنۡ يَّشَآءُ عَقِيۡمًا ؕ

چاہے (صرف) بیٹے عطا کرتا ہے ﴿49﴾ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ خوب

اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿50﴾

جاننے والا، بہت قدرت والا ہے ﴿50﴾

خوفناک امور کو بیان کرنے کے بعد اس سے ڈراتے اور اس کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اپنے رب کی بات قبول کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واپسی نہیں ہے۔“ اور جب وہ اس کے برپا ہونے کا حکم دے گا تو وہ چشم زدن میں آموجود ہوگا اور اسے وقوع پذیر ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ ﴿ مَا لَكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ﴿47﴾ ﴾ ”اس دن تمھارے لیے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمھارے لیے انکار کی کوئی صورت ہوگی۔“ تمھارے لیے کوئی قلعہ نہیں ہوگا جس میں تم قلعہ بند ہو جاؤ اور نہ کوئی جگہ ہوگی جو تم کو چھپائے اور تم اس میں ناقابل پہچان ہو جاؤ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہ پاک سے غائب ہو سکو بلکہ وہ تو اپنے علم، نظر اور قدرت کے ساتھ تمھارا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ ﴿ يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ ۚ﴿﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ ۨالۡمُسۡتَقَرُّ ﴿﴾ ﴾ (القيمة 75:10-12) ”اس دن انسان کہے گا: (اب) کہاں ہے بھاگنے کی جگہ؟ ہرگز نہیں، کہیں پناہ نہیں، اس روز پروردگار ہی کے پاس ٹھکانا ہے۔“ ﴿ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا ﴾ ”پھر اگر وہ اعراض کر لیں“، یعنی مشرکین۔ ﴿ فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ ﴾ ”تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔“ یعنی تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ ﴾ (البقرة 2:272) ”(اے محمد ﷺ!) آپ ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ﴿﴾ ﴾ (الرعد 13:40) ”پس بے شک آپ کا کام ہمارے احکام کا پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔“ اور یہاں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ ﴾ ”بے شک آپ کا کام تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے۔“ یعنی ہم نے تم پر صرف یہ فرض عائد کیا ہے کہ ان لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دو۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ ﴾ ”اور بے شک جب ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔“ یعنی جب اسے آسودگی اور نعمت حاصل ہوتی ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ ﴿ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ ﴾ ”اور اگر ان کو پہنچتی ہے“ یعنی لوگوں کو ﴿ سَيِّئَةٌ ۢ ﴾ ”کوئی سختی۔“ یعنی قحط سالی، عذاب، مصیبت اور شدت کی صورت میں ﴿ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿48﴾ ﴾ ”تو بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔“ کہ سابقہ نعمتوں کا انکار کر دیتا ہے اور صرف موجودہ صورت حال ہی کو پہچانتا ہے۔ اگر اسے نعمت حاصل ہو تو فخر و غرور اور تکبر کا

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ

اور یہ کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر الہام (دل میں القا) کر کے، یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتہ بھیج کر اور وہ (فرشتہ) اللہ کے حکم

بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿51﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ

سے، جو اللہ چاہے، وحی کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ بلند مرتبہ، خوب حکمت والا ہے﴿51﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) کی

مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ

وحی کی۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے

لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿52﴾ لا صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

ہدایت دیتے ہیں، اور بلاشبہ آپ سیدھے راستے ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں﴿52﴾ اس اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿53﴾ ع 5 10 6

ہے۔ آگاہ رہو! اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹتے ہیں﴿53﴾

اظہار کرتا ہے اور اگر کوئی آزمائش آئے تو مایوس و ناامید ہو کر رہ جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے فرمایا تھا: [يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ ! تَصَدَّقْنَ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ] ”اے گروہ نسواں! صدقہ کیا کرو، میں نے جہنم میں تمھیں اکثریت میں دیکھا ہے۔“ ایک عورت نے عرض کی: وہ کیوں اے اللہ کے رسول؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لِأَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ]، [لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَارَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ] ”اس لیے کہ تم شکوے شکایت زیادہ کرتی ہو اور اپنے خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔ اگر تو زندگی بھر عورت سے احسان کرتا رہے، پھر کسی دن وہ تجھ میں کوئی کمی کوتاہی دیکھ لے تو کہہ دیتی ہے کہ میں نے کبھی بھی تجھ سے کوئی خیر و بھلائی نہیں دیکھی۔“[1] اکثر عورتوں کا حال اسی طرح ہے، سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت سے سرفراز فرما دے اور وہ اہل ایمان اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں میں سے ہوں۔ مومن کی شان تو یہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ] ”اور یہ بات مومن کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں کہ اگر اسے کوئی خوشی نصیب ہو تو وہ شکر کرتا ہے، پس یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی غم لاحق ہو تو وہ صبر کرتا ہے، پھر یہ (بھی) اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔“[2]

---

(1) پہلا حصہ صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، حديث : 1462 عن أبي سعيد الخدري ﷺ و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بنقص الطاعات......، حديث: 79 عن عبدالله بن عمر ﷺ، دوسرا حصہ صحيح مسلم، كتاب و باب صلاة العيدين، حديث: (4)-885 عن جابر بن عبدالله ﷺ جبکہ تیسرا حصہ صحيح البخاري، النكاح، باب كفران العشير......، حديث: 5197 و صحيح مسلم، الكسوف، باب ماعرض على النبي ﷺ......، حديث: 907 عن عبدالله بن عباس ﷺ میں ہے۔ (2) صحيح مسلم، الزهد......، باب المؤمن أمره كله خير، حديث : 2999 عن صهيب ﷺ.

تفسیر آیات:50,49

بیٹیاں اور بیٹے عطا کرنے یا ان سے محروم رکھنے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق، مالک اور ان میں تصرف فرمانے والا ہے، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے، جو وہ عطا فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے وہ روک دے، اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور وہ جو چاہتا ہے، پیدا فرماتا ہے۔ ﴿ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا ﴾ ''جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے۔'' یعنی اسے صرف بیٹیاں ہی دیتا ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں میں لوط علیہ السلام بھی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے صرف بیٹیوں ہی سے نوازا تھا۔ ① ﴿ وَّيَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ﴾ ''اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔'' یعنی اسے صرف بیٹوں ہی سے نوازتا ہے۔ امام بغوی کہتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل علیہ السلام کو بیٹوں ہی سے نوازا اور ان کے گھر کوئی بیٹی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ② ﴿ اَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ﴾ ''یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرماتا ہے۔'' یعنی جن لوگوں کو چاہیے وہ بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرما دیتا ہے۔ امام بغوی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بیٹے بھی عطا فرمائے اور بیٹیاں بھی۔ ③ ﴿ وَيَجۡعَلُ مَنۡ يَّشَآءُ عَقِيۡمًا ﴾ ''اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔'' بقول امام بغوی جیسے حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام تھے۔ ④ گویا اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو چار قسموں میں تقسیم فرمایا ہے: (1) جن کو وہ صرف بیٹیاں عطا فرماتا ہے (2) جن کو وہ صرف بیٹے عطا فرماتا ہے (3) جن کو بیٹوں اور بیٹیوں دونوں سے نوازتا ہے اور (4) جسے نہ بیٹا دیتا ہے اور نہ بیٹی بلکہ اسے بے اولاد رکھتا ہے۔

﴿ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ ﴾ ''بے شک وہ خوب جاننے والا ہے'' کہ ان چاروں اقسام میں سے کون کس قسم کا مستحق ہے؟ ﴿ قَدِيۡرٌ ﴾ ''قدرت والا ہے۔'' لوگوں کو جو اس نے مختلف اقسام میں تقسیم فرما رکھا ہے، اس پر اسے پوری پوری قدرت حاصل ہے۔ یہ مقام اس آیت کریمہ سے مشابہت رکھتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (مریم 19:21) ''اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی بنائیں۔'' یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کہ اس نے انسانیت کو چار اقسام میں پیدا فرمایا ہے: (1) آدم علیہ السلام کو مرد و عورت کے بغیر مٹی سے بنایا۔ (2) حوا علیہا السلام کو عورت کے بغیر صرف مرد سے پیدا فرمایا۔ (3) عیسیٰ علیہ السلام کے سوا دیگر تمام انسانوں کو مرد و عورت سے پیدا فرمایا۔ (4) عیسیٰ علیہ السلام کو اس نے مرد کے بغیر عورت سے پیدا فرمایا اور اسی طرح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی تخلیق سے دلیل مکمل ہوگئی، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (مریم 19:21) ''اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی بنائیں۔'' اس مقام کا تعلق آباء سے ہے جبکہ پہلے مقام کا تعلق ابناء سے تھا اور ان میں سے ہر ایک کی چار چار اقسام ہیں، پس پاک ہے وہ ذات جو علیم و قدیر ہے۔

تفسیر آیات:51-53

وحی کی کیفیت: یہ اللہ عزوجل کی نسبت سے وحی کی مختلف کیفیات کا بیان ہے اور یہ کبھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نبی ﷺ کے دل

① تفسیر البغوی: 4/152. ② تفسیر البغوی: 4/152. ③ تفسیر البغوی: 4/153. ④ تفسیر البغوی: 4/153.

میں کوئی ایسی چیز ڈال دیتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا جیسا کہ صحیح ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا (وَأَجَلَهَا)، أَلَا! فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ] ''روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز فوت نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے رزق اور عمر کو پورا نہیں کر لیتا، خبردار! پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے رزق تلاش کرو۔''[1] ﴿ اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ ﴾ ''یا پردے کے پیچھے سے۔'' جس طرح اس نے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کی تھیں اور پھر ہم کلامی کے شرف کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے دیدار باری تعالیٰ کے لیے بھی سوال کیا مگر انھیں دنیا میں دیدار الٰہی کی سعادت حاصل نہ ہو سکی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: [مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، وَّ(أَنَّهُ) كَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا] ''اللہ تعالیٰ نے ہر شخص سے پس پردہ کلام فرمایا ہے مگر تمھارے والد سے آمنے سامنے کلام فرمایا ہے۔''[2] یاد رہے حضرت عبداللہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے لیکن اس کا تعلق عالم برزخ سے ہے اور اس آیت کا تعلق دنیا سے ہے۔ ﴿ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ ﴾ ''یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو چاہے القا کرے۔'' جیسا کہ جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے ہیں۔ ﴿ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿51﴾ ﴾ ''بے شک وہ عالی رتبہ (اور) حکمت والا ہے۔'' پس وہ بہت بلند و بالا، علم والا، خبر والا اور حکمت والا ہے۔ ﴿ وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمھاری طرف روح کی وحی کی ہے'' یعنی قرآن۔ ﴿ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ ﴾ ''نہ تو آپ کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔'' یعنی اس تفصیل کے مطابق جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ ﴿ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰهُ ﴾ ''لیکن ہم نے اس کو بنایا ہے۔'' یعنی قرآن مجید کو ﴿ نُوۡرًا نَّهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ ﴾ ''نور، اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ هُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَیۡهِمۡ عَمًی ؕ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''کہہ دیں کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔'' ﴿ وَاِنَّکَ ﴾ ''اور بے شک آپ۔'' اے محمد (ﷺ!): ﴿ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿52﴾ ﴾

---

[1] صحیح ابن حبان میں یہ حدیث نہیں ملی، البتہ اس میں: 32/8، حدیث: 3239 میں اس مفہوم کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ الفاظ شرح السنة للبغوی: 304/14، حدیث: 4112 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں جبکہ قوسین والے الفاظ جامع الأصول لابن الأثیر، الفصل الثالث: فی القدر عند الخلقة: 520/10، حدیث: 7564 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہیں، مزید برآں المعجم الکبیر للطبرانی: 166/8، حدیث: 7694 عن أبی أمامة رضی اللہ عنہ و سنن ابن ماجه، التجارات، باب الاقتصاد......، حدیث: 2144 عن جابر رضی اللہ عنہ و مسند البزار: 315,314/7، حدیث: 2914 عن حذیفة رضی اللہ عنہ میں دیکھیے۔ [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حدیث: 3010 و سنن ابن ماجه، السنة، باب فیما أنکرت الجهمیة، حدیث: 190 و اللفظ له جبکہ قوسین والا لفظ المستدرك للحاکم: 204,203/3، حدیث: 4914 میں ہے۔

’’سیدھا رستہ دکھاتے ہیں۔‘‘ صراط مستقیم سے مراد سیدھا رستہ ہے، پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ﴾ ’’اللہ کا رستہ‘‘ یعنی اس کی وہ شریعت جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ﴿الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ’’جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔‘‘ یعنی وہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار، مالک، متصرف اور ان کا وہ حاکم ہے کہ جس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ﴿اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ﴾ ’’خبردار! سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔‘‘ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں گے اور وہی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ ظالموں اور منکروں کی باتوں سے پاک، بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

سورۂ شوریٰ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

تفسیر سُوۡرَۂ زُخۡرُف

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ① وَ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ ② اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ ③ وَ اِنَّهٗ فِيۡۤ

حٰمٓ ① قسم ہے (اس) واضح کتاب کی ② بے شک ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے تا کہ تم سمجھو ③ اور بلاشبہ وہ ہمارے پاس اصل کتاب

اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ؕ ④ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ⑤

(لوح محفوظ) میں، بہت بلند مرتبہ، نہایت حکمت والا ہے ④ کیا پھر ہم تم سے اس بنا پر منہ موڑ کر ذکر ونصیحت روک لیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ⑥ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ⑦

لوگ ہو ⑤ اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے ⑥ اور ان کے پاس جو بھی نبی آتا، وہ اس سے مذاق ہی کرتے تھے ⑦ پھر ہم نے ان سے کہیں

فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ⑧

زیادہ زور آور لوگ ہلاک کر دیے، اور اگلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے ⑧

تفسیر آیات:1-8

قرآن مجید نصیحت وموعظت کی عمدہ ترین کتاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حٰمٓ ۚ ① وَ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ ②﴾ ”حٰمٓ۔ کتاب روشن کی قسم!“ یعنی ایسی کتاب کی قسم جو روشن، واضح اور جس کے الفاظ ومعانی جلی ہیں کیونکہ یہ اس لغتِ عرب میں نازل ہوئی ہے جو لوگوں کے درمیان بولی جانے والی تمام لغات سے زیادہ فصیح ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿اِنَّا جَعَلۡنٰهُ﴾ ”بے شک ہم نے اسے بنایا“ یعنی اسے نازل کیا ہے۔ ﴿قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا﴾ ”قرآن عربی“ یعنی فصیح وواضح عربی زبان میں۔ ﴿لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ ③﴾ ”تا کہ تم سمجھو۔“ اور فہم وتدبر سے کام لو جیسا کہ فرمایا: ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ؕ﴾ (الشعرآء 195:26) ”فصیح عربی زبان میں۔“

﴿وَ اِنَّهٗ فِيۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ؕ ④﴾ ”اور یقیناً یہ (قرآن) ہمارے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) میں بہت بلند مرتبہ، نہایت حکمت والا ہے۔“ ملاءِ اعلیٰ میں اس کے شرف کو اسی لیے بیان کیا تا کہ اہل زمین اس کے شرف کو پہچانیں، اس کی تعظیم بجا لائیں اور اس کی اطاعت کریں۔ ﴿وَ اِنَّهٗ﴾ ”اور بے شک یہ“ قرآن مجید ﴿فِيۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ﴾ ”اصل کتاب

میں۔''یعنی لوح محفوظ میں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔① ﴿ لَدَيۡنَا ﴾ بمعنی [عِنۡدَنَا] ہے، یعنی ہمارے پاس۔ جیسا کہ امام قتادہ وغیرہ نے کہا ہے۔② ﴿ لَعَلِيٌّ ﴾ ''البتہ نہایت بلند'' یعنی بلند مقام ومرتبہ اور شرف وفضل والی ہے جیسا کہ امام قتادہ کا قول ہے۔③ ﴿ حَكِيمٌ ۝٤ ﴾ ''نہایت حکمت والی ہے'' یعنی محکم اور ہر طرح کے التباس اور کجی سے پاک ہے اور یہ سب کچھ اس کتاب کے شرف اور اس کی فضیلت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بیان کیا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ۝ فِيۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ۝ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ﴾ (الواقعة 56: 77-80) ''بے شک یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے اسے وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں، پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ ۝ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝ بِاَيۡدِيۡ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ ﴾ (عبس 80: 11-16) ''خبردار! یہ قرآن نصیحت ہے، پس جو چاہے اسے یاد رکھے، قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں (ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو سردار (اور) نیکوکار ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ۝٥ ﴾ ''کیا پھر ہم روک لیں گے تم سے ذکر (قرآن) کو اعراض کرتے ہوئے، اس لیے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو؟'' یعنی کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم تم سے درگزر کریں گے اور تمھیں عذاب نہیں دیں گے، حالانکہ تمھیں جو حکم دیا گیا ہے اس پر تم نے عمل کیا ہی نہیں ہے (مگر تمھارا یہ خیال خام ہے۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوصالح، مجاہد اور سدی کا اس آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں یہی قول ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔④ اور قتادہ کا اس کے بارے میں قول یہ ہے کہ اللہ کی قسم! اگر یہ قرآن اس وقت اٹھا لیا جاتا جب اس امت کے ابتدائی لوگوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا تھا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وبھلائی کے ساتھ ان پر رجوع فرمایا اور تکرار کے ساتھ بیس سال یا جتنا عرصہ اس کی مرضی تھی، انھیں اس کی طرف دعوت دی۔⑤ امام قتادہ کا یہ قول بہت ہی لطیف المعنی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا یہ لطف وکرم اور اس کی رحمت ہے کہ وہ انھیں خیر وبھلائی اور قرآن مجید کی طرف دعوت دینے کو ترک نہیں فرماتا، خواہ لوگ کیسے ہی حد سے گزرنے اور اس سے اعراض کرنے والے کیوں نہ ہوں۔ اس نے بار بار اپنے بندوں کو قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا تاکہ وہ شخص ہدایت پا جائے جس کے مقدر میں اس نے ہدایت لکھ دی ہے اور اس پر حجت تمام ہو جائے جس کے بارے میں اس نے شقاوت وبدبختی کو لکھ رکھا ہے۔

قریش کی تکذیب پر نبی ﷺ کو تسلی: قریش کی تکذیب پر اللہ جل جلالہ نے اپنی نبی ﷺ کو تسلی دی اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِي الۡاَوَّلِيۡنَ ۝٦ ﴾ ''اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی پیغمبر بھیجے

---

① تفسير الماوردي: 215/5 وتفسير الرازي: 194/27. ② تفسير البغوي: 154/4. ③ تفسير الطبري: 63/25.

④ تفسير الطبري: 65,64/25. ⑤ تفسير الطبري: 65/25.

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ⑨ الَّذِيْ جَعَلَ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں: کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی کہیں گے کہ انھیں نہایت غالب، خوب جاننے والے نے پیدا

لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑩ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

کیا⑨ وہ (اللہ) جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں تمھارے لیے راستے بنائے، تاکہ تم راہ پاؤ⑩ اور وہ (اللہ) جس نے آسمان سے پانی

مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑪ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا

ایک اندازے سے نازل کیا، پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم (دوبارہ قبروں سے) نکالے جاؤ گے⑪ اور وہ جس نے

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ⑫ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ

سب جوڑے پیدا کیے اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو⑫ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو، پھر جب ان پر متوازن

رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ

ہو کر بیٹھ جاؤ تو تم اپنے رب کی نعمت یاد کرو، اور تم کہو: وہ (اللہ) پاک ہے جس نے اسے ہمارے تابع کر دیا ورنہ ہم اسے قابو میں کر لینے والے نہیں

مُقْرِنِيْنَ ⑬ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ⑭

تھے⑬ اور یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں⑭

تھے!'' یعنی پہلی قوموں میں۔ ﴿ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ ﴾ ''اور کوئی بھی پیغمبر ان کے پاس نہیں آتا مگر وہ اس سے تمسخر کرتے تھے'' یعنی اس کی تکذیب کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ ﴿ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا ﴾ ''پھر جو ان میں سخت زور والے تھے انھیں ہم نے ہلاک کر دیا'' یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور اے محمد (ﷺ!) وہ لوگ آپ کی تکذیب کرنے والے لوگوں سے زیادہ زور آور تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً ﴾ (المؤمن 40:82) ''کیا پھر وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا (حالانکہ) وہ ان سے کہیں زیادہ اور طاقتور تھے؟'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ ﴿ وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧ ﴾ ''اور اگلے لوگوں کی مثال گزر گئی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا طریقہ گزر گیا۔[1] قتادہ کا قول ہے کہ ان کی سزا گزر گئی۔[2] دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ ان کا باعث عبرت ہونا گزر گیا۔ یعنی بعد میں تکذیب کرنے والوں کے لیے ہم نے انھیں باعث عبرت بنا دیا کہ وہ بھی اسی طرح کے عذاب کی لپیٹ میں نہ آ جائیں جس طرح کے عذاب سے انھیں ہلاک کیا گیا تھا جیسا کہ اس سورت کے آخری حصہ میں فرمایا: ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:56) 'تو ہم نے انھیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے عبرت کی مثال بنا دیا۔'' جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ﴾ (المؤمن 40:85) ''یہ اللہ کی عادت ہے جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

① تفسیر الطبری: 67/25. ② تفسیر الطبری: 67/25.

(الفتح 23:48) ’’اور آپ اللہ کے طریقے میں ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے۔‘‘

تفسیر آیات :9-14

توحید خلق کے بارے میں مشرکین کا اعتراف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) اگر آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور اس کے ساتھ غیر کی پوجا کرنے والے لوگوں سے یہ پوچھیں کہ ﴿ مَنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ۙ﴾ ’’آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ انھیں نہایت غالب، خوب علم والے (اللہ) نے پیدا کیا ہے‘‘ یعنی وہ اعتراف کریں گے کہ ان کا خالق تو اللہ وحدہ لاشریک ہے، اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ بتوں اور شریکوں کی عبادت کرتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا ﴾ ’’وہ ذات جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا‘‘ یعنی ایسا بچھونا جو ثابت اور ٹھہرنے کی جگہ ہے، تم اس پر آسانی سے چلتے، کھڑے ہوتے، سوتے اور آتے جاتے ہو، حالانکہ اسے پانی کی سطح پر پیدا کیا گیا ہے، پھر اسے پہاڑوں کے ساتھ مستحکم کر دیا ہے تاکہ یہ ادھر ادھر ڈگمگانے نہ لگے۔ ﴿ وَّ جَعَلَ لَکُمۡ فِیۡهَا سُبُلًا ﴾ ’’اور اس میں تمھارے لیے رستے بنائے‘‘ یعنی پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان رستے۔ ﴿ لَّعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۚ﴾ ’’تاکہ تم راہ پاؤ‘‘ یعنی ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک علاقے سے دوسرے علاقے اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک کے رستے معلوم کرو۔ ﴿ وَ الَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ﴾ ’’اور وہ ذات جس نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا۔‘‘ جو تمھاری فصلوں، پھلوں اور تمھارے اور تمھارے مویشیوں کے پینے کے لیے کافی ہو۔ ﴿ فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّیۡتًا ۚ﴾ ’’پھر ہم نے اس سے شہرِ مردہ کو زندہ کیا۔‘‘ شہر مردہ سے مراد زمینِ مردہ ہے اور جب اس پر پانی برستا ہے تو وہ شاداب ہو جاتی، ابھرنے لگتی اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح وہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح روز قیامت مردہ جسموں کو بھی زندہ کرے گا، ارشاد فرمایا ہے: ﴿ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾ ﴾ ’’اسی طرح تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔‘‘

پھر ارشاد فرمایا: ﴿ وَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا ﴾ ’’اور وہ ذات جس نے تمام اقسام کے جوڑے پیدا کیے‘‘ یعنی اس نے زمین کے تمام انواع و اقسام کی نباتات، فصلوں، پھلوں اور پھولوں کو پیدا کیا، نیز مختلف اجناس و اقسام کے حیوانات کو بھی پیدا فرمایا ہے۔ ﴿ وَ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡفُلۡکِ ﴾ ’’اور تمھارے لیے کشتیاں بنائیں۔‘‘ فُلك سے مراد کشتیاں ہیں۔ ﴿ وَ الۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ﴾ اور چوپائے (بنائے) جن پر تم سوار ہوتے ہو۔‘‘ انھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے تابع، تمھارے لیے مسخر اور آسان کر دیا ہے تاکہ تم ان کے گوشت کھاؤ، ان کے دودھ پیو اور ان کی پشتوں پر سواری کرو، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ ﴾ ’’تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو۔‘‘ اور ان کی پیٹھوں پر چڑھ کر ان پر قابو پا لو اور آسانی کے ساتھ ان پر بیٹھ جاؤ۔ ﴿ عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ ﴾ ’’ان کی پیٹھوں پر‘‘ یعنی اس جنس کے جانوروں کی پیٹھوں پر۔ ﴿ ثُمَّ تَذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّکُمۡ ﴾ ’’پھر اپنے پروردگار کا احسان یاد کرو‘‘ جس نے ان جانوروں کو تمھارے کام میں لگا دیا ہے۔ ﴿ اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡهِ وَ تَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا کُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ ﴾ ’’جب اس پر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اسے ہمارے زیر فرمان کر دیا

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿15﴾ ؕع اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا

اور انھوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز (اولاد) ٹھہرادیا، بلاشبہ انسان تو کھلم کھلا ناشکرا ہے ⑮ کیا اس نے ان میں سے جو وہ پیدا کرتا ہے (اپنے

يَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصۡفٰىكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ ﴿16﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا

لیے تو) بیٹیاں بنالیں اور تمھیں بیٹوں سے نواز دیا؟ ⑯ اور جب ان میں سے کسی کو اس (بیٹی پیدا ہونے) کی بشارت دی جاتی ہے جس کی اس نے رحمٰن کے

ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿17﴾ اَوَمَنۡ يُّنَشَّؤُا فِى الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِى الۡخِصَامِ غَيۡرُ

لیے مثال بیان کی، تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے ⑰ کیا (وہ اللہ کی اولاد ہے؟) جس کی زیور میں پرورش کی جاتی ہے اور وہ

مُبِيۡنٍ ﴿18﴾ وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ

جھگڑے میں اپنی بات واضح نہیں کر پاتی ⑱ اور انھوں نے فرشتوں کو، جو رحمٰن کے بندے ہیں، (رحمٰن کی) بیٹیاں ٹھہرایا ہے۔ کیا وہ ان کی پیدائش کے

سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿19﴾ وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ

وقت حاضر تھے؟ ان کی شہادت ضرور لکھی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) پوچھ گچھ ہوگی ⑲ اور انھوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (جھوٹے

بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿20﴾ ؕ

معبودوں) کی عبادت نہ کرتے۔ انھیں اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ وہ تو صرف تیر تکے چلاتے ہیں ⑳

اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اسے قابو کر لیتے۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ اسے ہمارے تابع نہ کرتا تو ہم اس پر قابو نہ پا سکتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، سُدّی اور ابن زید کا قول ہے کہ ﴿ مُقۡرِنِيۡنَ ﴿13﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ ہمیں اس کی طاقت نہ تھی۔[1] ﴿ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿14﴾ ﴾ ''اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں'' یعنی فوت ہونے کے بعد اس کے پاس جانے والے ہیں اور سب سے بڑی واپسی تو اسی کی طرف ہے۔ اور یہ سفرِ دنیا کے ذریعے سے سفرِ آخرت پر تنبیہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی زادراہ کے ذریعے سے آخرت کے زادراہ پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى ﴾ (البقرة 2:197) ''اور زادراہ (رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ، بے شک بہترین زادراہ پرہیزگاری ہے۔'' اور دنیا کے لباس سے آخرت کے لباس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَرِيۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيۡرٌ ؕ ﴾ (الأعراف 7:26) ''اور (تمھارے بدن کے لیے) زینت اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے۔''

تفسیر آیات:15-20

اللہ تعالیٰ کی اولاد مقرر کرنے پر مشرکین کی تردید: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں خبر دی ہے کہ انھوں نے ازراہ کذب وافترا بعض چوپایوں کو اپنے بتوں کے نام پر وقف کر دیا اور بعض کو اللہ تعالیٰ کے نام پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں سورۂ انعام میں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَـرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا فَقَالُوۡا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعۡمِهِمۡ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمۡ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمۡ ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ○ ﴾

[1] تفسیر الطبری: 71/25.

(الأنعام 136:6) ''اور انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا کیا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے: یہ (حصہ) اللہ کے لیے ہے، اور یہ ہمارے دیوتاؤں کے لیے ہے، پھر ان کے دیوتاؤں کا جو حصہ ہے وہ تو اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان دیوتاؤں کے پاس پہنچ جاتا ہے، کس قدر برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔'' اسی طرح بیٹوں اور بیٹیوں میں سے جو کم تر، یعنی بیٹیاں ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ ﴾ (النجم 22,21:53) ''(مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو پھر بڑی ناانصافی کی ہے۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ﴾ ''اور انھوں نے اس کے بعض بندوں کو اس کا جز (اولاد) مقرر کیا۔ بے شک انسان صریح ناشکرا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ⑯ ﴾ ''کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے خود تو بیٹیاں لیں اور تمھیں بیٹوں سے نواز دیا؟'' مشرکین کے طرزِ عمل پر یہ انتہائی انکار ہے۔

پھر انکار کا تتمہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ⑰ ﴾ ''اور جب ان میں سے کسی کو اس کی خوش خبری دی جاتی ہے جس کی انھوں نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی، تو اس کا چہرہ نہایت سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے تو بیٹیاں قرار دی ہیں اور ان میں کسی کو جب بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو وہ اس سے حد درجہ نفرت کرتا ہے اور اس خوش خبری کی وجہ سے اس کے چہرے پر افسردگی پھیل جاتی ہے اور وہ شرمندگی و ندامت کی وجہ سے قوم سے چھپتا پھرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ جس چیز سے تم خود نفرت کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑱ ﴾ ''کیا وہ (اللہ کی اولاد ہے) جس کی پرورش زیور میں کی جاتی ہے اور بحث و حجت میں بات واضح کرنے والی نہیں ہے؟'' یعنی عورت ناقص ہے، جب وہ لڑکی تھی تو اس وقت اس کے اس نقص کو زیور پہنا کر مکمل کیا جاتا ہے اور اگر بحث و حجت کی ضرورت پیش آئے تو وہ بات صاف نہیں کر سکتی بلکہ وہ عاجز و ناتواں ہوتی ہے۔ اور جو اس طرح کی ہو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف، جو صاحب عظمت و شان ہے، منسوب کیا جا سکتا ہے؟ عورت تو ظاہر و باطن، یعنی صورت و معنی کے اعتبار سے ناقص ہے، لہٰذا اس کے ظاہری اور صوری نقص کو زیور وغیرہ پہنا کر مکمل کیا جاتا ہے اور معنوی نقص یہ ہے کہ بدلہ لینے کے وقت وہ ضعیف و عاجز ثابت ہوتی ہے اور بدلہ لینے کے وقت نہ تو وہ صحیح طور پر اپنے موقف کا اظہار کر سکتی ہے اور نہ جسمانی طور پر اس میں اس کی ہمت وقوت ہوتی ہے جیسا کہ کسی عرب کو جب بیٹی کی خوشخبری سنائی گئی تو اس نے کہا کہ یہ اچھی اولاد نہیں ہے، یہ کسی کی مدد رو پیٹ کر اور کسی کے ساتھ نیکی چوری چھپے ہی کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ ﴾ ''اور انھوں نے فرشتوں کو، جو رحمٰن کے بندے ہیں، (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا ہے'' یعنی فرشتوں کے بارے میں انھوں نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ ﴾ ''کیا وہ ان کی تخلیق کے وقت حاضر تھے'' یعنی کیا

انھوں نے اس وقت مشاہدہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عورتیں بنایا ہے؟ ﴿ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴾ ''ان کی شہادت ضرور لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس کی) باز پرس کی جائے گی۔''یعنی قیامت کے دن اور یہ شدید سرزنش اور بہت سخت وعید ہے۔

﴿وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ ''اور انھوں نے کہا: اگر اللہ چاہتا تو ہم ان (جھوٹے معبودوں) کو نہ پوجتے'' یعنی وہ کہتے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں ان بتوں کو پوجنے نہ دیتا جو فرشتوں کی صورت پر بنائے گئے ہیں اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اسے اس بات کا علم ہے اور اس نے ہمیں اس پر برقرار رکھا ہوا ہے اور اس طرح انھوں نے بیک وقت کئی طرح کی غلطیوں کا ارتکاب کیا، مثلاً: انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ٹھہرائی، حالانکہ اس کی ذات پاک اس سے مقدس، مُنَزَّہ اور بلند و بالا ہے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں پر ترجیحاً اپنے لیے بیٹیوں کو چن لیا ہے تو انھوں نے فرشتوں کو، جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا ہے۔ انھوں نے ان کی عبادت شروع کر دی، حالانکہ اس کی ان کے پاس نہ کوئی دلیل و برہان تھی اور نہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کی اجازت ہی دی تھی بلکہ انھوں نے محض اپنی آراء، خواہشات، اپنے آباء و اجداد کی تقلید اور اندھی جاہلیت میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کی وجہ سے اسے اختیار کیا۔ انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں اپنی تقدیر کو بطورِ دلیل پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس شرک پر قائم و برقرار رکھا ہے، حالانکہ یہ دلیل پیش کر کے بھی انھوں نے انتہائی جہالت کا ثبوت دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے اس طرزِ عمل کی زبردست تردید فرمائی ہے، اس نے جس قدر بھی انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور جس قدر کتابیں نازل فرمائیں، سب کی زبانی اپنی ذات پاک وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کا حکم دیا اور اپنے سوا ہر چیز کی عبادت سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○﴾ (النحل 36:16) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو تو ان میں بعض ایسے ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی، سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا!'' اور فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ○﴾ (الزخرف 45:43) ''اور (اے محمد!) اپنے رسولوں میں سے جنھیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، آپ ان سے دریافت کر لیں کہ کیا ہم نے (اللہ) رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔''

اور اس آیت کریمہ میں ان کی دلیل ذکر کرنے کے بعد اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ ''انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں''، یعنی اپنے قول کی صحت اور اپنی دلیل کے بارے میں انھیں کچھ علم نہیں ہے۔ ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴾ ''یہ تو صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں''، یعنی یہ لوگ جھوٹ بولتے اور جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔ امام مجاہد نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ مذکورہ امور کے بارے میں قدرت الٰہی نہیں جانتے۔ [1]

---

[1] تفسیر الطبری: 76/25.

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿21﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

یا ہم نے انھیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے، سو وہ اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں؟﴿21﴾ (نہیں) بلکہ انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم نے اپنے

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿22﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ

باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا، اور بے شک ہم تو انھی کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں﴿22﴾ اور اسی طرح آپ سے پہلے ہم نے جس بستی میں بھی

مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ

کوئی ڈرانے والا بھیجا، تو ان کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا: بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا، اور بے شک ہم تو انھی کے نقشِ قدم کی

مُّقْتَدُوْنَ ﴿23﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا

پیروی کرنے والے ہیں﴿23﴾ نبی نے کہا: اگرچہ میں تمھارے پاس اس سے زیادہ راستی کا طریقہ لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا؟ وہ کہنے لگے:

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿24﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿25﴾ ع 2 10 8 النصف

یقیناً تمھیں جس کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں﴿24﴾ چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا، پھر دیکھیے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟﴿25﴾

تفسیر آیات :21-25

مشرکین کے پاس کوئی دلیل نہیں: مشرکین نے بغیر کسی برہان، دلیل اور حجت کے غیر اللہ کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ ”یا ہم نے انھیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی“، یعنی ان کے شرک کرنے سے پہلے ﴿ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ”تو وہ اسی کو تھامنے والے ہیں؟“ یعنی ان اعمال کے لیے جن میں یہ واقع ہیں، حالانکہ بات اس طرح بالکل نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (الروم 35:30) ”کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ وہ انھیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا بتاتی ہے“، یعنی ہم نے اس طرح کی کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، پھر فرمایا: ﴿ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ”بلکہ وہ کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھی کے قدم بقدم چل رہے ہیں“، یعنی آباء واجداد کی تقلید کے سوا اپنے شرک کی ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔ اس آیت کریمہ میں ﴿ اُمَّةٍ ﴾ کا لفظ دین کے معنی میں استعمال ہوا ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۙ ﴾ (الأنبیآء 92:21) ”بلاشبہ یہ تمھارا دین ایک ہی دین ہے۔“ میں بھی یہ لفظ دین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ ﴾ ”اور بے شک ہم ان ہی کے قدم بقدم“ یعنی ان کے پیچھے چل رہے ہیں۔ ﴿ مُّهْتَدُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ”ہدایت یافتہ ہیں۔“ اور ان کا یہ دعوی قطعی طور پر بلا دلیل ہے، پھر اللہ جل جلالہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی سابقہ قوموں میں سے ان جیسے لوگ بھی یہی بات کہتے تھے، گویا ان کے دل ایک جیسے ہیں جس کی وجہ سے یہ بھی اسی طرح کی بات کہتے ہیں جس طرح کی باتیں انھوں نے کہی تھیں۔ ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ۚ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ۚ ﴾ (الذّٰریٰت 53,52:51) ”اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر بھی آتا وہ اسے جادوگر

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿26﴾ اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: بلاشبہ میں ان (بتوں) سے بری الذمہ ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو﴿26﴾ سوائے اس (اللہ) کے

فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ ﴿27﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿28﴾ بَلۡ

جس نے مجھے پیدا کیا، تو بے شک وہی جلد میری رہنمائی فرمائے گا﴿27﴾ اور ابراہیم اسی (کلمۂ توحید) کو (اپنی اولاد میں) اپنے پیچھے ایک پائندہ وتابندہ بات

مَتَّعۡتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰی جَآءَهُمُ الۡحَقُّ وَرَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ﴿29﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ

بنا گئے، تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں﴿28﴾ بلکہ میں نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو فائدہ پہنچایا، حتی کہ ان کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے

قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿30﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ

والا رسول آ گیا﴿29﴾ اور جب ان کے پاس حق آیا تو انھوں نے کہا: یہ تو جادو ہے اور بلاشبہ ہم اس کے منکر ہیں﴿30﴾ اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں

الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ﴿31﴾ اَهُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی

شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟﴿31﴾ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہمی نے دنیاوی زندگی میں ان کے

الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا ؕ

درمیان ان کی روزی تقسیم کی ہے، اور ہمی نے درجات میں انھیں ایک دوسرے پر برتری دی ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنا لیں، اور آپ

وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿32﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا

کے رب کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں﴿32﴾ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ (کافر) ہو جائیں گے تو ہم ان لوگوں

لِمَنۡ یَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیۡهَا یَظۡهَرُوۡنَ ﴿33﴾

کے لیے جو رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے﴿33﴾ اور ان کے گھروں کے

وَلِبُیُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیۡهَا یَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿34﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ

دروازے اور تخت بھی (چاندی کے بنا دیتے) جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے﴿34﴾ اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ تو بس دنیاوی زندگی کا ساز وسامان ہے۔

الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿35﴾ ع 3 10 9

اور آخرت آپ کے رب کے نزدیک متقین کے لیے ہے﴿35﴾

یا دیوانہ کہتے، کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آتے ہیں بلکہ یہ تو سرکش لوگ ہیں۔'' اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ قَرۡیَةٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿23﴾ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا: بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم یقیناً انھی کی قدم بقدم اقتدا کرنے والے ہیں۔'' پھر اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰی مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَیۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿24﴾ ﴾ ''اس نے کہا: اگرچہ میں تمھارے پاس جس راستے پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس سے کہیں سیدھا راستہ لایا ہوں، وہ

کہنے لگے کہ جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں'' یعنی جو دین آپ لے کر آئے ہیں اس کے صحیح ہونے کا اگر انھیں علم اور یقین بھی ہو جائے، پھر بھی یہ اسے تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ ان کا ارادہ برا ہے اور یہ حق اور اہل حق کی مخالفت ہی پر جمے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا'' یعنی تکذیب کرنے والی امتوں کو مختلف اقسام کے عذابوں میں مبتلا کر کے ہم نے ان سے انتقام لیا جیسا کہ ان کے واقعات میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ ''سو آپ دیکھ لیں کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا!'' یعنی وہ کس طرح تباہ و برباد ہوئے اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح نجات عطا فرمائی۔

تفسیر آیات:26-35

خلیل اللہ کا اعلانِ توحید: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عبد و رسول اور خلیل کے بارے میں بیان فرمایا ہے، جو تمام موحدین کے امام اور اپنے بعد مبعوث ہونے والے تمام انبیائے کرام کے والد ہیں اور نسب و مذہب کے اعتبار سے قریش بھی اپنے آپ کو انھی کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے بتوں کی عبادت کے بارے میں اپنے باپ اور اپنی قوم سے اظہار براءت کر دیا، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ﴾ ''جن چیزوں کو تم پوجتے ہو بے شک میں ان سے بیزار ہوں، ہاں! جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا اور اس نے اسی (توحید کی بات) کو اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا'' یعنی اس بات کو کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے اور بتوں کو ترک کر دیا جائے اور وہ یہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے جسے انھوں نے اپنی اولاد میں چھوڑا تا کہ آپ کی اولاد میں سے اس کلمے کے بارے میں وہ لوگ آپ کے نقش قدم پر چلیں جنھیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ ﴾ ''تا کہ وہ رجوع کریں'' یعنی اس کلمہ کی طرف۔ عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سدی وغیرہ نے اس آیت کریمہ: ﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ﴾ ''اور اس نے اسی (توحید کی بات) کو اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا۔'' کی تفسیر میں فرمایا کہ ان کی اولاد میں کلمۂ لا الہ الا اللہ باقی رہے گا۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد کلمۂ اسلام ہے۔[3] اس کا حاصل بھی وہی ہے جو مذکورہ جماعت مفسرین نے بیان کیا ہے۔

اہل مکہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض: اللہ جل وعلا نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ ﴾ ''بلکہ میں نے انھیں اور ان کے باپ دادا کو فائدہ پہنچایا۔'' تو ضلالت میں ان کی اپنی عمر طویل ہوگئی۔ ﴿ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٩﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف بیان کرنے والا پیغمبر آ پہنچا۔'' جو رسالت اور ڈراوے کے لحاظ سے نہایت واضح ہے۔ ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ﴾ ''اور جب ان کے پاس حق (قرآن) آیا تو کہنے لگے

[1] تفسیر الطبری: 81/25. [2] تفسیر الطبری: 82/25. [3] تفسیر الطبری: 82,81/25.

کہ یہ تو جادو ہے اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔'' یعنی انھوں نے انکار اور عناد کی روش کو اختیار کیا اور از راہ کفر و حسد و سرکشی اس کی مخالفت کی۔ ﴿ وَقَالُوْا ﴾ ''اور (یہ بھی) کہنے لگے'' اس قرآن پر اعتراض کرتے ہوئے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝ ﴾ ''یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' یعنی یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی ایسے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا جو ان کی آنکھوں میں عظیم اور کبیر ہوتا؟ دو بستیوں سے ان کی مراد مکہ اور طائف تھے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، محمد بن کعب قرظی، قتادہ، سدی اور ابن زید کا قول ہے۔[1]

اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ ان کا اشارہ ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا۔ لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ ان بستیوں میں سے کسی بھی بڑے آدمی پر یہ قرآن نازل کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ ''کیا وہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت بانٹتے ہیں؟'' یعنی اس معاملے کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ نبوت و رسالت کے مقام پر کسے فائز کرے۔ اور وہ اس مقام پر صرف اسی کو فائز کرتا ہے جو اس کی مخلوق میں سے قلب اور نفس کے اعتبار سے سب سے پاکیزہ، خاندان کے اعتبار سے سب سے زیادہ شریف اور اصل کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاک ہو، پھر اللہ عزوجل نے اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہ اس نے اپنی مخلوق میں مال، رزق، عقل، فہم اور دیگر ظاہری و باطنی قوتوں کے اعتبار سے فرق رکھا ہے، فرمایا ہے: ﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ ''ہم ہی نے ان کے درمیان دنیاوی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر دی اور ہم نے ان کے بعض کو بعض پر درجوں میں فضیلت دی۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ﴾ ''تاکہ ان کا بعض بعض کو خدمت گار بنائے۔'' کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ کاموں میں ایک دوسرے سے خدمت لیں کیونکہ ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے جیسا کہ سُدی وغیرہ کا قول ہے۔[2] پھر اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۝ ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں'' یعنی اپنی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، ان کے لیے اس مال و دولت اور دنیوی ساز و سامان سے کہیں بہتر ہے جو ان کے ہاتھوں میں ہے۔

مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی علامت نہیں: پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی گروہ بن جائیں گے۔'' یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بہت سے جاہل لوگ یہ خیال کرنے لگیں گے کہ ہمارا کسی کو مال دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں اس سے محبت ہے اور پھر وہ لوگ مال کی وجہ سے کفر پر جمع ہو جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ اور سدی کے قول کا یہی مفہوم ہے۔[3] ﴿ لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ ﴾

① تفسیر الطبری: 25/83-85. ② تفسیر الطبری: 25/86. ③ تفسیر الطبری: 25/87,88.

﴿ وَمَعَارِجَ ﴾ ''تو جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں، ہم ضرور ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی''، یعنی ان کی سیڑھیاں اور زینے بھی چاندی کے بنا دیتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، سدی اور ابن زید کا یہی قول ہے۔ [1] ﴿ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴾ ''جن پر وہ چڑھتے۔'' یعنی ان کے گھروں کی سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے۔ ﴿ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا ﴾ ''اور ان کے گھروں کے دروازے بھی'' چاندی کے بنا دیتے۔ ﴿ وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴾ ''اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں''، یعنی یہ تمام اشیاء چاندی کی بنا دیتے۔ ﴿ وَزُخۡرُفًا ﴾ ''اور (انھیں) سونے کا (بھی بنا دیتے۔)'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، سدی اور ابن زید کا قول ہے کہ زخرف کے معنی سونے کے ہیں۔ [2] پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾ ''اور یہ سب دنیاوی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہی تو ہے''، یعنی یہ ساز و سامان تو اس دنیا کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں فانی، زوال پذیر اور حقیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں کھانے پینے کی اشیاء کی صورت میں جلدی دے دیتا ہے اور آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں ان کے لیے کوئی نیکی نہ ہوگی جس کا وہ انھیں بدلہ دے۔ [3] اور دوسری حدیث میں ہے: [لَوۡ كَانَتِ الدُّنۡيَا (تَزِنُ) عِنۡدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنۡهَا شَرۡبَةَ مَاءٍ] ''اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزنی ہوتی تو وہ اس سے کبھی کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔'' [4] امام بغوی نے اس حدیث کو مسنداً بیان کیا ہے۔ [5]

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴾ ''اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔'' یعنی وہ خاص پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے، ان کے علاوہ کوئی اور اس میں ان کا شریک نہ ہو سکے گا، اسی لیے جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:۔ جب وہ آپ کے پاس اس بالا خانے میں آئے تھے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، جن دنوں آپ نے اپنی ازواج مطہرات کے پاس جانے سے قسم کھالی تھی تو انھوں نے دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر محو استراحت ہیں اور اس کی وجہ سے آپ کے پہلو پر نشان پڑ گئے، یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اے اللہ کے رسول! یہ قیصر و کسریٰ بے حد خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پسندیدہ ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَوَفِي شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ (فِي حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا)] ''اے ابن خطاب! کیا تمھیں کوئی شک ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے حصے کی اچھی چیزیں انھیں ان کی اسی دنیاوی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔'' [6] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے

---

[1] تفسیر الطبری: 88/25 و90. [2] تفسیر الطبری: 91/25 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3282/10. [3] دیکھیے صحیح مسلم، صفات المنافقین وأحکامهم، باب جزاء المؤمن بحسناته، حدیث: 2808 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ. [4] جامع الترمذی، الزهد، باب ماجاء فی هوان الدنیا......، حدیث: 2320 جبکہ قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنیا، حدیث: 4110 عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [5] تفسیر البغوی 160,159/4. [6] صحیح البخاری، المظالم، باب الغرفة والعلیة المشرفة......، حدیث: 2468 وصحیح مسلم، الطلاق، باب فی الإیلاء واعتزال النسآء......،

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿36﴾ وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ

اور جو رحمٰن کے ذکر سے اندھا (غافل) ہو جائے، تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پھر وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے﴿36﴾ اور بلاشبہ وہ

السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿37﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ

(شیاطین) انھیں (سیدھے) راستے سے روکتے ہیں، جبکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت پر ہیں﴿37﴾ یہاں تک کہ جب وہ (گمراہ شخص) ہمارے پاس

الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ﴿38﴾ وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى الۡعَذَابِ

آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا: کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی، تو تو بڑا برا ساتھی ہے﴿38﴾ اور جب تم ظلم کر چکے ہو تو آج یہ

مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿39﴾ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَمَنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿40﴾ فَاِمَّا

بات تمھیں ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو﴿39﴾ کیا پھر آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، یا اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اور (ان کو) جو کھلی

نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿41﴾ اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ

گمراہی میں ہیں؟﴿40﴾ پھر اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو بہر حال ہم ان سے انتقام لینے والے ہیں﴿41﴾ یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم

مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿42﴾ فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ‌ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿43﴾ وَاِنَّهٗ

نے ان سے وعدہ کیا ہے، تو بلاشبہ ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں﴿42﴾ لہٰذا آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھام لیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ یقیناً آپ

لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ‌ۚ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿44﴾ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ

سیدھے راستے پر ہیں﴿43﴾ اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ایک نصیحت ہے، اور جلد تم لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی﴿44﴾ اور ہم نے

اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿45﴾ ع 4/10/10

جو اپنے رسول آپ سے پہلے بھیجے تھے ان سے پوچھیے، کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود مقرر کیے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے﴿45﴾

فرمایا: [أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ؟] ”کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت؟“① اور صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا، فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ] ”اور تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ان کی پلیٹوں میں کھاؤ کیونکہ یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں۔“② دنیا کے حقیر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو یہ چیزیں دنیا ہی میں دے دی ہیں جیسا کہ امام ترمذی و ابن ماجہ نے بطریق ابو حازم، سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا (تَزِنُ) عِنْدَ

« حدیث: (30) و (34)-1479 جبکہ قوسین والا جملہ السنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب هجرة المرأة زوجها: 5/366-368، حدیث: 9157 عن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿تَبۡتَغِىۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ‌ؕ﴾...... (التحريم 66:1)، حدیث: 4913 و صحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء واعتزال النسآء......، حدیث: (31)-1479 عن عمر رضی اللہ عنہ۔ ② صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل في إناء مفضض، حديث: 5426 و صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة......، حديث: (5)-2067 عن حذيفة رضی اللہ عنہ .

اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ (أَبَدًا)]''اگر دنیا کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مچھر کے پر جتنا بھی وزن ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے کسی کافر کو کبھی پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[1]

تفسیر آیات :36-45

شیطان رحمان سے منہ موڑنے والے کا دوست ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ ﴾ ''اور جو کوئی اندھا بن جائے'' یعنی اپنے آپ کو اندھا ظاہر کرے، غافل بنائے اور منہ موڑے۔ ﴿ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ ﴾ ''اللہ کی یاد سے۔'' العشا آنکھ سے متعلق ہو تو ضعف بصارت کو کہتے ہیں مگر یہاں ضعف بصیرت مراد ہے۔ ﴿ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ ﴾ ''ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء 115:4) ''اور جو شخص، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہوگئی، پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے علاوہ رستے پر چلے تو جدھر وہ پھرتا ہے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے اور ہم اسے (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ ﴾ (الصف 5:61) ''تو جب انھوں نے کج روی کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاۗءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ (حٰمٓ السجدة 25:41) ''اور ہم نے ان کے لیے کچھ ہم نشین مقرر کر دیے تو انھوں نے ان کے اگلے اور پچھلے (برے) اعمال انھیں مزین کر دکھائے۔'' اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَنَا ﴾ ''اور یقیناً وہ (شیاطین) انھیں رستے سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر چلنے والے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا'' یعنی یہ شخص جس نے ہدایت سے تغافل کیا تو ہم ان کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیں گے جو اسے گمراہ کر کے جہنم کی طرف لے جائے گا، پھر جب وہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے پاس آئے گا تو وہ شیطان سے بیزار ہو جائے گا۔ ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝ ﴾ ''کہے گا کہ اے کاش! مجھ میں اور تجھ میں مشرق و مغرب کی دوری ہوتی، پس وہ برا ساتھی ہے۔'' بعض نے اسے [حَتّٰى إِذَا جَاءَانَا] ''یہاں تک کہ جب ہمارے پاس یہ دونوں آئیں گے'' پڑھا ہے، یعنی قرین اور مُقارَن جو ہم نشین بنا ہے اور جس کا بنا ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جب تم ظلم کر چکے ہو تو آج یہ بات تمھیں ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو۔'' یعنی تم سب کا دوزخ میں اکٹھا ہونا اور دردناک عذاب میں مبتلا ہونا، تمھیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: ﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ ''کیا آپ بہروں

---

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في هوان الدنيا......، حديث: 2320 جبکہ دونوں قوسوں والے الفاظ سنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنيا، حديث: 4110 میں ہیں، نیز امام ترمذی نے اسے صحیح غریب قرار دیا ہے۔

کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو رستہ دکھا سکتے ہیں اور جو صریح گمراہی میں ہو (اسے راہ پر لا سکتے ہیں۔)‘‘ یعنی یہ آپ کے اختیار میں نہیں، آپ کا کام پیغام کا پہنچا دینا ہے، ہدایت عطا کرنا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے، وہ حاکم عادل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے دشمنوں سے ضرور انتقام لے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴾ ’’پھر اگر ہم آپ کو (فوت کر کے) لے جائیں تو بے شک ہم ان لوگوں سے انتقام لینے والے ہیں‘‘ یعنی اگر آپ دنیا سے چلے بھی جائیں تو ہم ضرور ان سے انتقام لیں گے اور انھیں سزا دیں گے۔ ﴿ اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴾ ’’یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جن کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، پس بے شک ہم ان پر (پوری) قدرت رکھنے والے ہیں۔‘‘ یعنی ہم ان میں سے ہر بات پر قادر ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک اپنے رسول ﷺ کو اپنے پاس نہیں بلایا جب تک آپ کے دشمنوں سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کر دیا، اور ان کی پیشانیوں کا آپ کو فیصلے کا مالک نہیں بنا دیا اور ان کے قلعوں کا آپ کو مالک نہیں بنا دیا۔ سدی کا اس آیت کریمہ کے بارے میں یہی قول ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ [1]

وحی کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ‌ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴾ ’’پس آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے، اسے مضبوطی سے تھام لیں، بے شک آپ سیدھے رستے پر ہیں‘‘ یعنی اس قرآن کو مضبوطی سے تھام لیں جسے آپ کے دل پر نازل کیا گیا ہے کیونکہ یہی حق ہے جس کی طرف یہ راہ دکھاتا ہے، وہ بھی حق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس رستے پر چلاتا ہے جو سیدھا جنت اور دائمی و ابدی خیر و بھلائی کی طرف لے جاتا ہے، پھر اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ‌ۚ ﴾ ’’اور بلاشبہ یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے۔‘‘ کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث شرف ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، سدی اور ابن زید کا قول ہے۔ [2] معنی یہ ہوئے کہ یہ ان کے لیے باعث شرف ہے کہ ان کی زبان میں اتارا گیا اور وہ دیگر لوگوں کی نسبت اسے سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ سب سے زیادہ اسے تھامنے والے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے والے بھی ہوں جیسا کہ ان میں سے بہترین، پسندیدہ، مخلص ترین، مہاجرین، سابقین اولین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں کا طرز عمل تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے تذکیر و نصیحت ہے، اور ان کی تخصیص سے دوسروں کے لیے اس کے نصیحت ہونے کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں تخصیص سے دوسروں کی نفی نہیں ہوتی: ﴿ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ كِتٰبًا فِيۡهِ ذِكۡرُكُمۡ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴾ (الأنبیاء 10:21) ’’البتہ تحقیق ہم نے تمھاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارا تذکرہ ہے، کیا تم نہیں

[1] تفسیر الطبری: 97/25. [2] تفسیر الطبری: 98/25.

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِہٖ فَقَالَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿46﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کی طرف بھیجا، چنانچہ موسیٰ نے کہا: بے شک میں رب العالمین کا

فَلَمَّا جَآءَہُمۡ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا ہُمۡ مِّنۡہَا یَضۡحَکُوۡنَ ﴿47﴾ وَمَا نُرِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ اِلَّا ہِیَ اَکۡبَرُ

رسول ہوں﴿46﴾ پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آیا تو وہیں وہ ان کی ہنسی اڑانے لگے﴿47﴾ اور ہم انھیں جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ اس جیسی

مِنۡ اُخۡتِہَا ۫ وَاَخَذۡنٰہُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿48﴾ وَقَالُوۡا یٰۤاَیُّہَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا

(پہلی نشانی) سے زیادہ ہی بڑی ہوتی تھی، اور ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا تاکہ وہ (کفر سے) باز آئیں﴿48﴾ اور انھوں نے کہا: اے ساحر! تیرے رب نے

رَبَّکَ بِمَا عَہِدَ عِنۡدَکَ ۚ اِنَّنَا لَمُہۡتَدُوۡنَ ﴿49﴾ فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡہُمُ الۡعَذَابَ

جو تجھ سے (دعا قبول کرنے کا) عہد کر رکھا ہے، اس کے مطابق تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر، بے شک (اب) ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں﴿49﴾

اِذَا ہُمۡ یَنۡکُثُوۡنَ ﴿50﴾

پھر جب ہم ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہیں وہ عہد توڑ دیتے﴿50﴾

سمجھتے؟'' اور جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں بھی تخصیص سے دوسروں کی نفی نہیں ہے: ﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴾ (الشعرآء 26:214) ''اور آپ اپنے نہایت قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔'' ﴿ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿44﴾ ﴾ ''اور (لوگو!) عنقریب تم سوال کیے جاؤ گے۔'' یعنی اس قرآن کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کہاں تک اس کے مطابق عمل کیا اور کہاں تک اس پر لبیک کہا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ ﴿45﴾ ﴾ ''اور (اے محمد!) اپنے رسولوں میں سے جنھیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، ان سے دریافت کر لیں: کیا ہم نے (اللہ) رحمان کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟'' یعنی تمام پیغمبروں نے بھی اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی دعوت دی تھی جیسا کہ تم اس کی دعوت دے رہے ہو اور ان سب نے بھی شریکوں اور بتوں کی پوجا سے منع کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ ۚ ﴾ (النحل 16:36) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔'' مجاہد نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی قراءت اس طرح کیا کرتے تھے: [وَاسْئَلِ الَّذِينَ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ رُسُلَنَا].[1] قتادہ، ضحاک، سدی نے بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح بیان کیا ہے، گویا کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے، تلاوت وقراءت نہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:46-50

موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کی قوم کی طرف توحید کے ساتھ بعثت: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد ورسول موسیٰ علیہ السلام کے بارے

[1] تفسیر الطبری: 25/98,99.

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی، اس نے کہا: اے میری قوم! کیا میرے لیے مصر کی بادشاہی اور یہ نہریں نہیں جو میرے (محلات کے) نیچے بہتی

تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿51﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿52﴾ فَلَوْلَآ

ہیں؟ کیا پھر تم دیکھتے نہیں؟﴿51﴾ بلکہ میں تو اس (موسیٰ) سے کہیں بہتر ہوں جو حقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا﴿52﴾ پھر اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں

اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿53﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ

اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے صفیں باندھے آتے؟﴿53﴾ تب اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا (اور اس کی عقل ماردی) تو انھوں نے اس کی اطاعت کی۔

فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿54﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

بلاشبہ وہی لوگ فاسق تھے﴿54﴾ پھر جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا﴿55﴾ تو یوں ہم نے انھیں گئے

اَجْمَعِيْنَ ﴿55﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿56﴾ ع 5 11 11

گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے (عبرت کی) مثال (بنادیا)﴿56﴾

میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے انھیں فرعون اور اس کی قوم کے امراء، وزراء، قائدین، پیروکاروں اور قبطی و اسرائیلی رعایا کی طرف مبعوث فرمایا تاکہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی پوجا سے منع کریں۔ اور انھیں بڑے بڑے معجزات بھی عطا کیے: مثلاً: ید بیضا، عصا، پھر طوفان، ٹڈی دل، جوؤں، مینڈکوں اور خون کے عذاب اور پھر فصلوں، جانوں اور پھلوں کی کمی کی صورت میں عذاب مگر اس سب کچھ کے باوجود انھوں نے تکبر کیا اور اتباع و اطاعت سے انکار کیا اور ان معجزات کے لانے والے کی تکذیب کی اور اس کا مذاق اڑایا۔ ﴿وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ﴾ ''اور جو بھی نشانی ہم انھیں دکھاتے تھے وہ اس جیسی (پہلی نشانی) سے زیادہ بڑی ہوتی تھی۔'' اس کے باوجود وہ اپنی سرکشی، گمراہی، جہالت اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے، ان کے پاس ان میں سے جب بھی کوئی نشانی آتی تو فوراً موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے اور منت سماجت کرتے ہوئے کہتے: ﴿يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ﴾ ''اے ساحر!'' یعنی اے عالم جیسا کہ ابن جریر نے کہا ہے۔[1] اور اس زمانے کے علماء جادوگر ہی تھے اور اس زمانے میں ان کے نزدیک جادو مذموم نہ تھا، لہٰذا انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر توہین و تنقیص کے طور پر نہیں کہا تھا کیونکہ اس حالت میں تو وہ ضرورت مند تھے، اس لیے توہین و تنقیص اس حال کے مناسب نہ تھی، ان کے خیال میں یہ لفظ تعظیم کا تھا۔ بہر حال جب بھی ان میں سے کوئی نشانی آتی تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتے کہ اگر یہ مصیبت ان سے دور ہو جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے مگر ہر مرتبہ وہ عہد شکنی کرتے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى

[1] تفسير الطبرى :102/25 .

اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿ (الأعراف 7:133-135) ''تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا، کتنی کھلی نشانیاں تھیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔ اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو اس ذریعے سے جو اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے، اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تجھ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمھارے ساتھ ضرور بھیج دیں گے۔ پھر جب ہم ایک مدت کے لیے، جس تک انھیں پہنچنا تھا، ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہ عہد توڑ ڈالتے۔''

تفسیر آیات: 51-56

فرعون کا اپنی قوم سے خطاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا مواخذہ: اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے تمرّد و سرکشی اور کفر و عناد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور مصر پر اپنی حکومت پر فخر و غرور کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ﴾ ''کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے بہہ رہی ہیں۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ان کے باغات بھی تھے اور ان میں پانی کی نہریں جاری تھیں۔[1] ﴿ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ ''کیا تم دیکھتے نہیں؟'' یعنی کیا تم میری عظمت اور بادشاہت کو دیکھتے نہیں جبکہ میرے مقابلے میں موسیٰ اور اس کے ساتھی کمزور ہیں۔ یہ قول اس قول کی طرح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ۝ ﴾ (النّزعٰت 79: 23-25) ''پس اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا، پھر پکارا، چنانچہ کہنے لگا کہ تمھارا سب سے بڑا مالک میں ہوں تو اللہ نے اسے دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔''

فرعون نے مزید کہا: ﴿ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ﴾ ''بلکہ میں اس (شخص) سے جو کم تر ہے، بہتر ہوں۔'' سُدّی کہتے ہیں کہ فرعون نے کہا کہ بلکہ میں اس شخص سے زیادہ بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا۔[2] بصرہ کے بعض نحویوں نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ یہاں ﴿ اَمْ ﴾ بَلْ کے معنی میں ہے۔[3] اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرّاء نحوی نے بعض قراء سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس کی قراءت اس طرح کی ہے: [أَمَا أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِى هُوَ مَهِينٌ] ''آگاہ ہو جاؤ! میں اس کم تر سے بہتر ہوں۔''[4] ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قراءت اگر صحیح ہوتی تو اس کے معنی صحیح اور واضح ہوتے مگر یہ امصار (بڑے شہروں) کے قراء کی قراءت کے خلاف ہے۔[5] ان سب کی قراءت اس طرح ہے: ﴿ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ﴾ ''کیا میں اس کم تر سے بہتر نہیں ہوں؟'' یعنی یہ جملہ استفہامیہ ہے۔[6]

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ بہر حال فرعون ملعون کا مقصد یہ تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہے، حالانکہ یہ کہہ کر اس نے واضح اور سفید جھوٹ بولا۔ قیامت کے دن تک اس پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل لعنتیں برسیں۔ ﴿ مَهِيْنٌ ﴾ کے معنی بقول سفیان حقیر اور

---

① تفسیر الطبری: 103/25. ② تفسیر الطبری: 105/25. ③ تفسیر القرطبی: 100,99/16 وتفسیر الطبری: 104/25. ④ تفسیر القرطبی: 100/16 وتفسیر الطبری: 105,104/25. ⑤ ابن جریر کے کلام کا تتمہ یہ ہے: ''پس میں اس کے مطابق پڑھنے کو جائز قرار نہیں دیتا......: اور اس میں درست قراءت وہی ہے جس پر قرائے امصار ہیں۔ ⑥ تفسیر الطبری: 105/25.

بقول قتادہ وسدی ضعیف کے ہیں۔ [1] ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ کے پاس نہ تو بادشاہت ہے، نہ سلطنت اور نہ مال و دولت۔ [2] ﴿ وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴾ ''اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا۔'' یعنی وہ صاف اور واضح گفتگو بھی نہیں کر سکتا اور عاجز و درماندہ ہے۔ فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ مَهِيْنٌ ﴾ کہنا بہت بڑا جھوٹ تھا کیونکہ تخلیق و اخلاق و دین کے اعتبار سے مھین اور حقیر تو خود فرعون تھا جبکہ موسیٰ شریف، صادق، نیکو کار اور راشد تھے، اسی طرح اس کا ﴿ وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴾ کہنا بھی افترا پردازی تھا، گو بچپن میں زبان کو آگ کا انگارا لگنے کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی تھی مگر انھوں نے اللہ عزوجل سے یہ دعا کی تھی کہ وہ ان کی زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات کو سمجھ سکیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول فرما لیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ○ ﴾ (طٰہٰ 20:36) ''موسیٰ! جو تو نے مانگا تجھے عطا کیا جاتا ہے۔'' اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ان کی زبان میں کچھ لکنت باقی رہ گئی تھی جس کے ازالے کے لیے انھوں نے دعا نہیں کی تھی جیسا کہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ لکنت اتنی زائل ہو جائے کہ جس سے ابلاغ اور افہام آسان ہو جائے۔ تو تخلیقی اشیاء جو آدمی کا اپنا فعل نہیں، ان کی بنیاد پر کوئی الزام دیا جا سکتا اور نہ کوئی مذمت کی جا سکتی ہے اور فرعون ان باتوں کو سمجھتا تھا کیونکہ اسے کچھ عقل تو تھی، وہ ساری بات جانتا تھا لیکن وہ اپنی رعایا کو بے وقوف بنانا چاہتا تھا، اس لیے کہ وہ سب غبی اور جاہل تھے۔

﴿ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ ﴾ ''تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے؟'' ﴿ اَسْوِرَةٌ ﴾ سے مراد وہ زیور ہے جو ہاتھ میں پہنا جاتا ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔ [3] ﴿ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴾ ''یا یہ ہوتا کہ فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔'' جو خدام کی حیثیت سے اسے گھیرے ہوتے اور اس کی تصدیق کے شاہد ہوتے۔ فرعون نے ظاہری شکل کی طرف دیکھا لیکن وہ اس معنوی راز کو نہ سمجھ سکا جو اس ظاہری شکل سے بدرجہا نمایاں تھا، بشرطیکہ وہ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا، اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ﴾ ''غرض اس نے اپنی قوم (کی عقل) کو ہلکا کر دیا، تو انھوں نے اس کی بات مان لی۔'' اس نے ان کی عقلوں کو ماؤف کر دیا، انھیں گمراہی کی طرف بلایا اور انھوں نے اس کی بات کو تسلیم کر لیا۔ ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴾ ''بے شک وہ بدکار لوگ تھے۔'' پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''چنانچہ انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، پھر ان سب کو ڈبو دیا۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اٰسَفُوْنَا ﴾ کے معنی ہیں کہ انھوں نے ہمیں ناراض کیا۔ [4]

ضحاک نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے: انھوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب قرظی، قتادہ، سدی اور دیگر کئی مفسرین نے بھی اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ [5] ابن ابو حاتم نے

---

① تفسیر الطبری : 105/25. ② تفسیر الطبری : 105/25. ③ تفسیر الطبری : 106/25. ④ تفسیر القرطبی : 101/16 و تفسیر الطبری : 107/25. ⑤ تفسیر الطبری : 108,107/25.

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿57﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا

اور جب (عیسیٰ) ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم اس (خوشی) سے چلا اٹھی ﴿57﴾ اور انھوں نے کہا: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ؟) انھوں

ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿58﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ

نے آپ سے یہ مثال محض جھگڑے کے لیے بیان کی، بلکہ یہ لوگ نرے جھگڑالو ہیں ﴿58﴾ وہ (عیسیٰ) تو صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿60﴾

اسے بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنا دیا ﴿59﴾ اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو زمین میں (تمھارے) جانشین ہوتے ﴿60﴾

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ

اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی ایک نشانی ہے، لہٰذا تم اس (قیامت کے آنے) میں شک نہ کرو، اور تم میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ﴿61﴾ اور

الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿62﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ

شیطان تمھیں (راہ حق سے) ہرگز نہ روک دے، بلاشبہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿62﴾ اور جب عیسیٰ کھلی کھلی (نشانیاں) لے کر آیا تو اس نے کہا: تحقیق میں

وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿63﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ

تمھارے پاس حکمت لایا ہوں اور تاکہ میں تم پر بعض وہ باتیں واضح کردوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿63﴾

وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿64﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمھارا رب ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ﴿64﴾ پھر اٹھی (بنی اسرائیل) میں سے جماعتوں نے باہم اختلاف کیا، تو

ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿65﴾

جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لیے المناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہے ﴿65﴾

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ يُعْطِي الْعَبْدَ مَا شَاءَ وَهُوَ مُقِيمٌ عَلٰى مَعَاصِيهِ، فَإِنَّمَا ذٰلِكَ اسْتِدْرَاجٌ مِّنْهُ لَهُ، ثُمَّ تَلَا: ﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿55﴾﴾] ''جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کسی بندے کو وہ کچھ دے رہا ہے جو وہ چاہتا ہے، حالانکہ وہ بندہ گناہوں کا مرتکب ہے اور اس پر مُصر ہے، تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے ڈھیل ہوتی ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿55﴾﴾ ''چنانچہ جب انھوں نے غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، پھر ان سب کو ڈبو دیا۔''[1] طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ان کے پاس اچانک موت کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اچانک موت مومن کے لیے باعث تخفیف اور کافر کے لیے موجب حسرت ہوتی ہے، پھر انھوں نے بھی اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی۔[2] عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے انتقام کو غفلت کے ساتھ پایا ہے، ان کا

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3284/10، مزید دیکھیے المعجم الکبیر للطبراني: 331,330/17، حدیث: 913. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 3284/10.

اشارہ بھی اسی آیت کریمہ کی طرف تھا۔ ﴿ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ﴾ ''اور ہم نے انھیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے (عبرت کی) مثال بنا دیا۔'' ابومجلز کہتے ہیں کہ ﴿ سَلَفًا ﴾ ان لوگوں کے لیے جوان جیسے عمل کریں۔[1] اور انھوں نے اور مجاہد نے کہا ہے کہ ﴿ مَثَلًا ﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔[2] وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی الۡمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ وَإِلَيۡهِ الۡمَرۡجِعُ وَالۡمَآبُ.

تفسیر آیات :57-65

قریش کا حضرت عیسیٰ کی توہین وتحقیر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ: اللہ تعالیٰ نے قریش کی سرکشی، عناد، جھگڑے اور کفر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ ﴾ ''اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ کا حال بیان کیا گیا تو آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلا اٹھے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سدی، ضحاک اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ کا ذکر سن کر ہنسنے اور اس پر خوش ہونے لگے۔[3] قتادہ کا قول ہے کہ وہ بے صبرے ہو کر ہنسنے لگے۔[4] ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ وہ اعراض کرنے لگے۔[5]

اس آیت کی شان نزول محمد بن اسحاق نے سیرت میں یہ ذکر کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ نضر بن حارث آیا اور وہ بھی وہاں بیٹھ گیا، اس مجلس میں قریش کے اور بھی کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس مجلس میں جب گفتگو فرمائی تو نضر بن حارث نے اعتراض کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے لاجواب کر دیا، پھر آپ نے نضر کو اور دیگر کفار قریش کو یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی: ﴿ اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ﴾ (الأنبياء 21:98) ''(کافرو! اس روز) بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوں گے، تم اس میں وارد ہونے والے ہو۔'' پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر چل دیے اور عبداللہ بن زبعریٰ تمیمی آیا اور بیٹھ گیا تو ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! نضر بن حارث، ابن عبدالمطلب کے سامنے نہ کھڑا ہوا نہ بیٹھا، یعنی یہ اس کے سامنے لاجواب ہو گیا۔ محمد ﷺ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اور جن معبودوں کی ہم پوجا کرتے ہیں یہ سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ عبداللہ بن زبعری کہنے لگا کہ واللہ! اگر میری ان سے ملاقات ہو جائے تو میں ضرور ان سے جھگڑا کروں گا، اس نے کہا کہ محمد (ﷺ) سے ذرا یہ تو پوچھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کی پوجا کی جاتی ہے کیا وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر کی پوجا کرتے ہیں اور عیسائی ابن مریم کی پرستش کرتے ہیں تو کیا فرشتے، عزیر اور عیسیٰ ابن مریم بھی جہنم میں جائیں گے؟ ولید اور اس وقت مجلس میں بیٹھے ہوئے سب لوگ عبداللہ کی اس بات سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے سمجھا کہ اس طرح کی

---

① تفسیر القرطبي : 102/16 . ② تفسیر الطبري: 109/25 و تفسیر القرطبي : 102/16 . ③ تفسیر ابن کثیر میں ابن عباس، مجاہد، عکرمہ وغیرہ سے ﴿ يَصِدُّوۡنَ ﴾ کی تفسیر میں منقول لفظ یَضۡحَکُونَ ہے لیکن تفسیر الطبري: 112,111/25 میں ان تمام حضرات سے منقول لفظ یَضِجُّونَ ہے جس کا معنی چلانا، شور مچانا ہے۔ ④ تفسیر الطبري: 112/25 . ⑤ تفسیر القرطبي: 103/16 .

بات کے ذریعے سے تو محمد ﷺ پر عبداللہ بن زبعریٰ حجت میں غالب آ گیا کیونکہ اس کی یہ دلیل بہت مضبوط ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے پاس عبداللہ کی اس بات اور دلیل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: [كُلُّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّعْبَدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ، إِنَّهُمْ إِنَّمَا الشَّيَاطِينُ، وَمَنْ أَمَرَتْهُمْ بِعِبَادَتِهِ] ’’ہر وہ معبود جو یہ پسند کرے کہ اللہ کے سوا اس کی پوجا کی جائے تو وہ اپنے پوجا کرنے والوں کے ساتھ ہوگا کیونکہ یہ لوگ شیطانوں کی پوجا کرتے ہیں اور اس کی جس کی پوجا کا شیطانوں نے انھیں حکم دیا ہوتا ہے۔‘‘ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبياء 102,101:21) ’’جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی پہلے مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ نہیں سنیں گے، اور وہ اپنی دل پسند نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘ یعنی عیسیٰ، عزیر اور ان کے ساتھ ساتھ جن علماء و مشائخ کی پوجا کی گئی جو خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کرتے تھے اور ان کے بعد گمراہ لوگوں نے از خود انھیں معبود بنا لیا تو انھیں جہنم سے دور رکھا جائے گا اور انھوں نے جو یہ دعویٰ کیا کہ وہ تو فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبياء 21:26-29) ’’اور کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اولاد بنائی ہے، وہ پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے تو اس کے) معزز بندے ہیں۔ وہ بات کرنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے، وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں، وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے، اور وہ صرف اس کی سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا، اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں، اور ان میں سے جو یہ کہے کہ بے شک اللہ کے سوا میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔‘‘

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نے جو ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تو ان کی بھی پوجا ہوتی ہے اور ولید اور دیگر حاضرین اس کی اس دلیل اور کٹ حجتی سے بہت خوش ہوئے تھے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝57 ﴾ ’’اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم کے لوگ اس سے (خوشی سے) چلا اٹھے۔‘‘ یعنی اپنی اس بات کے ذریعے سے وہ آپ سے لوگوں کو روکنے کے لیے شور و شغب برپا کر دیتے ہیں اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝59 وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝60 وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝61 ﴾ ’’وہ تو ایسا بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے اسے (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا، اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے، جو زمین میں (تمھارے) جانشین ہوتے۔ اور وہ (عیسیٰ) قیامت کی نشانی ہیں تو

آپ کہہ دیں کہ اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔'' یعنی ہم نے اس کے ہاتھ پر مردوں کو زندہ کرنے اور بیماریوں کے ختم ہونے کے جو معجزات انھیں عطا کیے، وہ قیامت کے علم کی کافی دلیل ہیں۔ ﴿ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾ ﴾ ''تم اس میں ہرگز شک نہ کرو اور میری پیروی کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔''[1]

ابن جریر نے بروایت عوفی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿57﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس میں قوم سے مراد قریش ہے کہ جب قریش سے یہ کہا گیا: ﴿ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ أَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 21:98) ''بے شک تم اور جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔'' تو قریش کے لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ ابن مریم کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو انھوں نے کہا کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم بھی انھیں اسی طرح رب مان لیں جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنالیا تھا، تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿58﴾ ﴾ ''انھوں نے یہ مثال محض جھگڑے کے لیے بیان کی، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔''[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۭ ﴾ ''اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ)؟'' قتادہ کہتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے معبود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھے ہیں۔[3] قتادہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں اس طرح ہے کہ وہ کہنے لگے: [ءَ آلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هٰذَا؟] ''بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا یہ؟'' یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۭ ﴾ ''انھوں نے یہ (مثال) آپ سے صرف جھگڑے کے لیے بیان کی ہے۔'' یعنی انھوں نے یہ مثال محض جھگڑنے کے لیے پیش کی ہے ورنہ یہ جانتے ہیں کہ یقیناً یہ اس آیت پر وارد ہی نہیں ہے کیونکہ یہ آیت: ﴿ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ ﴾ (الأنبیآء 21:98) غیر ذوی العقول کے بارے میں ہے اور پھر یہ خطاب قریش سے ہے جو بتوں اور شریکوں کی پوجا کرتے تھے، وہ تو عیسیٰ کی پوجا ہی نہیں کرتے تھے کہ اس آیت پر اعتراض کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ بات محض جھگڑے کی خاطر تھی جسے وہ خود بھی صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ، إِلَّا أُوتُوا الْجَدَلَ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿58﴾ ﴾] ''جو بھی قوم ہدایت کے بعد گمراہ ہوئی تو انھیں جھگڑے میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ''انھوں نے آپ کے لیے یہ (مثال) صرف جھگڑنے کے لیے بیان کی ہے بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیں۔''[5] اسے امام ترمذی، ابن ماجہ اور ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ

---

① السيرة النبوية لابن هشام، ماكان يؤذى به النضر رسول الله ﷺ......:1/358-360. ② تفسير الطبرى: 25/110,111. ③ تفسير القرطبى: 16/104. ④ تفسير القرطبى: 16/104. قتادہ کی یہ روایت تفسیر الطبری: 25/112.113 میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی آئی ہے۔ ⑤ مسند أحمد: 5/252.

صرف ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ﴾ ''وہ تو صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا''، یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ﴿ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾ ﴾ ''اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کا) نمونہ بنادیا''، یعنی انھیں اپنی اس قدرت کی دلیل، حجت اور برہان بنادیا کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ ﴾ ''اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے بنادیتے'' یعنی تمھارے بدلے بنادیتے ﴿ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿60﴾ ﴾ ''فرشتے جو (تمھاری جگہ) زمین میں جانشین ہوتے۔'' سدی کہتے ہیں جو زمین میں تمھارے قائم مقام ہوتے۔ ② ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ بھی ایک دوسرے کے جانشین ہوتے جیسے تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو۔ ③ یہ قول پہلے کو مستلزم ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ تمھارے بدلے وہ زمین میں آباد ہوتے۔ ④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ ''اور بے شک البتہ وہ (عیسیٰ) قیامت کی نشانی ہے۔'' صحیح بات اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد ان کا قیامت سے پہلے نازل ہونا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ (النسآء 4:159) ''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لے آئے گا۔''، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے۔ ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴾ (النسآء 4:159) ''اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔'' اور اس معنی کی تائید اس دوسری قراءت سے بھی ہوتی ہے: [وَاِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ] ''اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی نشانی ہے''، ⑤ یعنی قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی نشانی اور دلیل ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ قیامت سے قبل عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا خروج قیامت کی نشانی ہے۔ ⑥ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ ⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے قیامت کے دن سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کے امام عادل اور حاکم منصف کے طور پر نازل ہونے کی خبر دی ہے۔ ⑧

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ﴾ ''تو (آپ کہہ دیں کہ لوگو!) اس میں ہرگز شک نہ کرو۔''، یعنی اس میں شک نہ کرو کیونکہ یہ ہر صورت میں وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ ﴿ وَاتَّبِعُوْنِ ﴾ ''اور میری پیروی کرو۔'' ان باتوں میں جن کی میں تمھیں خبر دے رہا ہوں۔ ﴿ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ ''یہی سیدھا رستہ ہے اور کہیں شیطان تمھیں (اس سے)

① جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الزخرف، حدیث: 3253 وسنن ابن ماجه، السنة، باب اجتناب البدع والجدل، حدیث: 48 وتفسیر الطبری: 113/25. ② تفسیر الطبری: 115/25. ③ تفسیر الطبری: 115/25. ④ تفسیر الطبری: 115/25. ⑤ تفسیر القرطبی: 105/16. ⑥ تفسیر الطبری: 116/25. ⑦ تفسیر القرطبی: 105/16. ⑧ دیکھیے مسند أحمد: 483,482/2 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿66﴾ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ

وہ قیامت ہی کا انتظار تو کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ پڑے جبکہ انھیں خبر تک نہ ہو ﴿66﴾ اس دن متقین کے سوا تمام جگری دوست بھی ایک

بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿67﴾ یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿68﴾ ع 6/11/12

دوسرے کے دشمن بن جائیں گے ﴿67﴾ (انھیں کہا جائے گا:) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿68﴾ (یعنی) جو لوگ ہماری

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿69﴾ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿70﴾ یُطَافُ

آیات پر ایمان لائے اور وہ فرماں بردار تھے ﴿69﴾ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تم اور تمھاری بیویاں خوش حال ہو گے ﴿70﴾ ان پر سونے کی رکابیوں اور

عَلَیۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّاَکۡوَابٍ ۚ وَفِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ

ساغروں کے دور چل رہے ہوں گے، اور اس (جنت) میں جس شے کو ان کے دل چاہیں گے اور (ان کی) آنکھیں متلذذ ہوں گی (وہ موجود ہو گی)، اور تم

وَاَنۡتُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿71﴾ وَتِلۡکَ الۡجَنَّةُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿72﴾ لَکُمۡ فِیۡهَا

اس میں ہمیشہ رہو گے ﴿71﴾ اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے رہے ﴿72﴾ اس میں تمھارے لیے بہت

فَاکِهَةٌ کَثِیۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿73﴾

سے پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے ﴿73﴾

روک نہ دے'' یعنی اتباع حق سے۔ ﴿ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿62﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِالۡحِکۡمَةِ ﴾ ''بے شک وہ تو تمھارا کھلا دشمن ہے اور جب عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ میں تمھارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں'' یعنی نبوت۔ ﴿ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡهِ ۚ ﴾ ''اور اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو تمھیں سمجھا دوں۔'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان باتوں سے مراد دینی باتیں ہیں، دنیاوی نہیں۔ اور ان کی یہ بات بہت ہی خوب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''لہٰذا تم اللہ سے ڈرو۔'' ان باتوں میں جن کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے۔ ﴿ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿63﴾ ﴾ ''اور میری اطاعت کرو۔'' ان باتوں میں جو میں تمھارے پاس لایا ہوں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿64﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے، لہٰذا تم (سب) اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔'' یعنی میں اور تم سب اللہ کے بندے اس کے محتاج اور اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے میں مشترک ہیں اور یہی وہ سیدھا رستہ ہے جو میں تمھارے پاس لایا ہوں کہ رب جل وعلا کی عبادت ہے۔ ﴿ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِهِمۡ ۚ ﴾ ''پھر انھی میں سے جماعتوں نے باہم اختلاف کیا۔'' یعنی ان کے فرقوں نے اختلاف کیا اور وہ متفرق جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے بعض اس کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حق بات بھی یہی ہے۔ بعض یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی اولاد ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ خود اللہ ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ﴿65﴾ ﴾ ''سو ظالم لوگوں کے لیے دردناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہے۔''

تفسیر آیات:66-73

قیامت اچانک آئے گی: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کیا یہ مشرکین اور رسولوں کی تکذیب کرنے والے اس بات کے منتظر ہیں کہ ﴿ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۶۶ ﴾ ''قیامت ان پر ناگہاں آموجود ہو اور انھیں خبر تک نہ ہو۔'' یعنی قیامت یقیناً وقوع پذیر ہونے والی ہے، یہ لوگ اس سے غافل ہیں، اس کی تیاری نہیں کر رہے اور پھر جب اچانک آئے گی تو انھیں خبر تک نہ ہوگی اور اس وقت وہ حد درجہ نادم اور پشیمان ہوں گے لیکن اس وقت ندامت و پشیمانی ان کے کچھ کام نہ آئے گی۔

اللہ کے سوا کسی اور کے لیے کی گئی رفاقت دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۝۶۷ ﴾ ''(سب) دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار'' یعنی ہر وہ دوستی اور رفاقت جو غیر اللہ کے لیے ہوگی قیامت کے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی اور وہ دوستی جو اللہ کے لیے ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم و دائم رہے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝ ﴾ (العنکبوت 29:25) ''بے شک تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیاوی زندگی میں باہم دوستی کے لیے، پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔''

پرہیز گاروں کے لیے روز قیامت بشارت اور جنت میں داخلہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝۶۸ ﴾ ''اے میرے بندو! آج تمھیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمناک ہو گے۔'' پھر انھیں بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝۶۹ ﴾ ''جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار ہو گئے'' یعنی ان کے دل اور ضمیر ایمان لے آئے اور ان کے ظاہری اعضا بھی اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار ہو گئے۔ معتمر بن سلیمان نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو ان میں سے ہر ایک پر گھبراہٹ طاری ہوگی، اس وقت ایک منادی یہ اعلان کرے گا: ﴿ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝۶۸ ﴾ ''اے میرے بندو! آج تمھیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمناک ہو گے۔'' تو اس سے سب لوگوں میں امید پیدا ہو جائے گی لیکن پھر اس کے بعد یہ بھی کہا جائے گا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝۶۹ ﴾ ''جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار ہو گئے'' یعنی ان کے دل اور ضمیر ایمان لے آئے اور ان کے ظاہری اعضا بھی اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار ہو گئے، تو اس اعلان کی وجہ سے مومنوں کے سوا دیگر سب لوگ مایوس ہو جائیں گے۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 121/25.

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿74﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ

بے شک مجرم لوگ عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ﴿74﴾ ان سے وہ (عذاب) ہلکا نہیں کیا جائے گا، اور وہ اس میں ناامید پڑے رہیں گے ﴿75﴾ اور ہم نے ان پر

مُبْلِسُوْنَ ﴿75﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿76﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ

ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے ﴿76﴾ اور وہ (داروغۂ جہنم کو) پکاریں گے: اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے، وہ کہے گا: بے شک تم تو ہمیشہ (اسی

لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿77﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ

عذاب میں) رہو گے ﴿77﴾ بلاشبہ ہم تمھارے پاس حق لائے تھے، اور لیکن تمھارے اکثر لوگ حق کو ناپسند ہی کرنے والے تھے ﴿78﴾ کیا انھوں (مشرکین مکہ)

اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿78﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿79﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ

نے (کسی اقدام کا) پختہ فیصلہ کرلیا ہے، تو ہم بھی قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں ﴿79﴾ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان کا راز اور ان کی سرگوشی نہیں

اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿80﴾

سنتے۔ کیوں نہیں! اور ہمارے پیغمبر (بھیجے ہوئے فرشتے) ان کے پاس ہی لکھتے رہتے ہیں ﴿80﴾

﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ ﴾ ''تم اور تمھارے جیسے لوگ جنت میں داخل ہوجاؤ۔'' یعنی تم اور تمھارے جیسے لوگوں سے کہا جائے گا: ﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ ''تم جنت میں داخل ہوجاؤ'' ﴿ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ ﴾ ''تم اور تمھارے جیسے لوگ۔'' ﴿ تُحْبَرُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''تم خوش کیے جاؤ گے۔'' کہ تم اس جنت میں نعمتوں بھری سعادت وکامرانی کی زندگی بسر کرو گے، اس کی تفسیر قبل ازیں سورۂ روم میں بیان کی جا چکی ہے۔[1] ﴿ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ ﴾ ''ان پر سونے کی رکابیوں کا دور چلے گا۔'' جو کھانے کے خاص برتن ہیں۔ ﴿ وَّاَكْوَابٍ ﴾ ''اور آبخوروں کا۔'' یہ سونے کے بنے ہوئے پینے کے برتن ہوں گے، جن کی ٹوٹیاں نہیں ہوں گی اور نہ حلقے۔ [وَفِيهَا مَا تَشْتَهِي الْأَنْفُسُ] ''اور ان میں وہ کچھ ہوگا جسے ان کے جی چاہیں گے۔'' اور بعض نے اسے ﴿ تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ ﴾ ''جس کو دل پسند کریں گے۔'' پڑھا ہے۔[2] ﴿ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ ﴾ ''اور (جسے دیکھ کر) آنکھیں لطف اندوز ہوں گی'' یعنی ایسا کھانا جس کی خوشبو اور ذائقہ بہت اچھا ہوگا، نیز وہ بہت خوش منظر ہوگا۔ ﴿ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿71﴾ ﴾ ''اور تم اسی (جنت) میں ہمیشہ رہو گے۔'' نہ اس سے نکالے جاؤ گے اور نہ اسے چھوڑ کر اس کے بجائے کسی اور جگہ جانا چاہو گے، پھر بطور احسان بتایا گیا کہ ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''اور یہ جنت جس کے تم مالک بنادیے گئے تمھارے اعمال کا صلہ ہے'' یعنی تمھارے اعمال صالحہ اس کے سبب بنے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمھارے شامل حال ہوئی، پھر تم جنت میں داخل ہونے کے قابل ہوئے، ورنہ محض اپنے نیک عمل کی بنیاد پر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا، ہاں! جنت میں داخلہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل ہی سے ممکن ہوگا۔ جنت کے مختلف درجات حقیقت میں اعمال صالحہ ہی کی بنیاد پر ہوں گے۔ ﴿ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ ﴾ ''وہاں تمھارے لیے بہت سے پھل ہوں گے۔'' تمام انواع واقسام کے مختلف پھل ہوں گے۔ ﴿ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿73﴾ ﴾ ''جن میں سے تم کھاؤ گے۔'' یعنی جنھیں پسند

---

[1] دیکھیے الروم، آیت :15 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر القرطبي : 114/16.

کرو گے اور جن کے کھانے کا ارادہ کرو گے۔ کھانے پینے کے بعد پھلوں کا ذکر اس لیے کیا گیا تا کہ نعمتیں پوری ہو جائیں اور اہل جنت پر رشک بھی پورا پورا کیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:74-80

بدبختوں کا برا انجام: سعادت مند لوگوں کے ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے بدبختوں کا ذکر شروع فرما دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿74﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ ﴾ ''اور بے شک مجرمین (کفار) ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے جو ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا'' یعنی ایک لمحے کے لیے بھی۔ ﴿ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿75﴾ ﴾ ''اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے'' یعنی وہ ہر خیر و بھلائی سے ناامید ہوں گے۔ ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿76﴾ ﴾ ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہی (اپنے آپ پر) ظلم کرنے والے تھے'' یعنی اپنے برے اعمال کے سبب، ان پر قیام حجت اور رسولوں کے آنے کے بعد انھوں نے تکذیب اور نافرمانی کی تو انھیں اس کی پوری پوری سزا دی گئی۔ ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ''اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔'' ﴿ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ ﴾ ''اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک!'' مالک جہنم کے داروغے کا نام ہے۔

امام بخاری نے حجاج بن منہال از سفیان بن عیینہ از عمرو از عطاء از صفوان بن یعلی از یعلی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ﴾ ''اور پکاریں گے کہ اے مالک! آپ کا پروردگار ہمیں موت دے دے۔''[1] یعنی وہ ہماری روحیں قبض کرے اور اس عذاب سے نجات دے جس میں ہم مبتلا ہیں مگر ان کا حال یہ ہوگا کہ ﴿ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ﴾ (فاطر 36:35) ''ان کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ۝ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰی ۝ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ۝ ﴾ (الأعلی 87:11-13) ''اور (بے خوف) بدبخت پہلو تہی کرے گا، جو (قیامت کو) بڑی (تیز) آگ میں داخل ہوگا، پھر وہاں نہ مرے گا نہ جیے گا۔'' جب وہ یہ سوال کریں گے تو مالک انھیں جواب دے گا: ﴿ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿77﴾ ﴾ ''وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔'' یعنی تم اس سے نکل نہیں سکو گے اور نہ نجات پا سکو گے، پھر ان کی بدبختی کا سبب بھی ذکر کیا کہ وہ حق کی مخالفت کرتے اور اس سے دشمنی رکھتے تھے۔

فرمایا: ﴿ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ ''یقیناً ہم تمھارے پاس حق لائے تھے۔'' یعنی ہم نے تمھارے سامنے حق کو بیان کر کے واضح کر دیا تھا اور اس کی پوری پوری تفصیل بیان کر دی تھی۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿78﴾ ﴾ ''اور لیکن تم میں سے اکثر

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:77)، حدیث: 4819.

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ﴿81﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ہی (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا﴿81﴾ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا رب، جو

الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿82﴾ فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ

عرش کا رب ہے، اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں﴿82﴾ چنانچہ آپ انھیں چھوڑ دیجیے، وہ (اپنے باطل خیالات میں) الجھے رہیں اور کھیل تماشے میں لگے

يُوۡعَدُوۡنَ ﴿83﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡعَلِيۡمُ ﴿84﴾

رہیں، حتی کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے﴿83﴾ اور وہی (اللہ) آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ اور وہ

وَتَبٰرَكَ الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۚ وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ

بہت حکمت والا، خوب جاننے والا ہے﴿84﴾ اور وہ بہت بابرکت ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس (سب)

وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿85﴾ وَلَا يَمۡلِكُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا

کی بادشاہی ہے، اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے﴿85﴾ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہیں، وہ سفارش کا اختیار

مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿86﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ

نہیں رکھتے، سوائے ان کے جنھوں نے حق کی گواہی دی، اور وہ علم بھی رکھتے ہیں﴿86﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انھیں کس نے پیدا کیا۔ تو وہ ضرور

اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿87﴾ لا وَقِيۡلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿88﴾ م فَاصۡفَحۡ وقف لازم

کہیں گے: اللہ نے! پھر وہ کہاں بہکائے جاتے ہیں؟﴿87﴾ اس (رسول) کے اس قول کی قسم ہے کہ اے میرے رب! بے شک یہ لوگ ایمان نہیں لائیں

عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿89﴾ ع 7 22 13

گے﴿88﴾ لہٰذا (اے نبی!) ان سے عفو و درگزر کیجیے اور کہہ دیجیے: سلام ہے، پھر عنقریب وہ جان لیں گے﴿89﴾

حق کو ناپسند کرنے والے تھے۔" تمھاری طبیعتیں حق قبول کرتی تھیں نہ اسے قبول کرنے پر آمادہ تھیں بلکہ وہ باطل کو مانتی اور اس کی تعظیم کرتی تھیں اور حق کی مخالفت کرتی، انکار کرتی اور اہل حق سے بغض رکھتی تھیں، لہٰذا اپنے آپ ہی کو ملامت کرو اور ندامت کا اظہار کرو لیکن اب اظہار ندامت بھی تمھارے کچھ کام نہ آئے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ ﴿79﴾﴾ "بلکہ انھوں نے ایک کام کا پختہ فیصلہ کیا تو یقیناً ہم بھی قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔" مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے بری تدبیر کا ارادہ کیا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا۔[1] مجاہد کا یہ قول اسی طرح ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَكَرُوۡا مَكۡرًا وَّمَكَرۡنَا مَكۡرًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ○﴾ (النمل 27:50) "اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔" اس لیے کہ مشرکین باطل کے ساتھ حق کو رد کرنے کے لیے کئی حیلے بہانے اختیار کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے خلاف تدبیر کی اور ان کے حیلوں، بہانوں، چالوں اور سازشوں کا وبال انھی پر ڈال دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ ؕ﴾ "کیا وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ

① تفسیر الطبری: 128/25.

باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں؟'' یعنی ان کی خفیہ اور علانیہ سب باتوں کو سنتے ہیں۔ ﴿ بَلٰی وَ رُسُلُنَا لَدَیۡهِمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾ ﴾ ''کیوں نہیں! (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں'' یعنی ہم ان کے حالات خوب جانتے ہیں اور فرشتے بھی ان کے چھوٹے بڑے سب اعمال لکھ رہے ہیں۔

تفسیر آیات:81-89

اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہہ دیں (اے محمد!)'' ﴿ اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ٭ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ ﴾ ''اگر اللہ کی اولاد ہوتو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں'' یعنی اگر بالفرض ایسا ہوتو میں اس بات پر بھی اس کی عبادت کروں گا کیونکہ میں اس کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، وہ مجھے جو بھی حکم دے میں اس کے تمام احکام کی اطاعت بجالانے والا ہوں، میں اس کی عبادت سے تکبر اور اعراض نہیں کرتا، لہٰذا اگر بالفرض ایسا ہوتو میری طرف سے بھی ایسا ہوگا، یعنی میں اس کی عبادت و بندگی بجالاتا رہوں گا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کے حق میں ممکن نہیں کہ اس کی کوئی اولاد ہو اور یاد رہے شرط سے اس کا وقوع پذیر ہونا یا اس کا جواز لازم نہیں آتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوۡ اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ○ ﴾ (الزمر 39:4) ''اگر اللہ کسی کو اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا، وہ پاک ہے، وہ تو اللہ یکتا (اور) انتہائی غالب ہے۔'' اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ﴾ ''یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، آسمانوں اور زمین کا مالک (اور) عرش کا مالک اس سے پاک ہے'' یعنی تمام اشیاء کا خالق اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو کیونکہ وہ تو یگانہ و یکتا اور احد و صمد ہے کوئی اس کی نظیر نہیں، کوئی اس کا ہمسر نہیں، لہٰذا اس کی کوئی اولاد نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا ﴾ ''آپ انھیں چھوڑ دیں (کہ وہ بے ہودہ گوئی میں) الجھے رہیں۔'' اپنی جہالت وضلالت میں۔ ﴿ وَ یَلۡعَبُوۡا ﴾ ''اور کھیلتے رہیں'' دنیا میں۔ ﴿ حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۸۳﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ جس دن کا وعدہ دیے جاتے ہیں اس سے ملیں۔'' اور وعدے کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے تو یہ عنقریب جان لیں گے کہ اس دن ان کا کیا حال ہوگا اور کس قسم کے انجام سے دوچار ہوں گے۔

رب تعالیٰ کی توحید کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ هُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ ؕ ﴾ ''اور وہ (اکیلا) آسمانوں میں معبود ہے اور (وہی) زمین میں معبود ہے'' یعنی آسمان والوں کا بھی وہی معبود ہے اور زمین والوں کا بھی وہی، آسمان و زمین دونوں کے باشندے اسی کی عبادت کرتے ہیں، سب اسی کے آگے جھکے ہوئے ہیں اور اسی کے آگے عاجز و درماندہ ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَ جَهۡرَکُمۡ وَ یَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:3) ''اور آسمان اور زمین میں وہ (ایک) اللہ ہے، تمھاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو، اس سے بھی واقف ہے'' یعنی آسمانوں اور زمینوں میں اسی کو اللہ کہا جاتا ہے۔ ﴿ وَ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا ۚ ﴾

''اور وہ بہت بابرکت ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کی بادشاہت ہے''یعنی وہی آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک اور بلا روک ٹوک تصرف فرمانے والا ہے، وہ اولاد سے پاک، بلند و بابرکت ہے، یعنی وہ ذات گرامی تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے کیونکہ وہ رب تعالیٰ عظیم ہے، تمام اشیاء کا مالک، تمام امور کو کم کرنا یا پورا کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ ''اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے''یعنی: ﴿ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ﴾ (الأعراف 187:7) ''وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔'' ﴿ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''تو وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا، اگر عمل اچھے ہوئے تو اچھی جزا اور اگر برے ہوئے تو بری سزا۔

بتوں کی شفاعت کی نفی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ ﴾ ''اور جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے''یعنی اصنام اور بت وغیرہ۔ ﴿ الشَّفَاعَةَ ﴾ ''سفارش کا''یعنی یہ ان کے لیے سفارش کی طاقت نہیں رکھتے۔ ﴿ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''مگر وہ جو حق کی گواہی دیں جبکہ وہ علم بھی رکھتے ہوں۔'' یہ استثناء منقطع ہے، یعنی جو بصیرت اور علم کے ساتھ حق کی گواہی دیں تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ان کی سفارش اس کے ہاں نفع دے سکتی ہے۔

مشرکین کا اعتراف کہ خالق صرف اللہ ہی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو البتہ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے تو پھر وہ کہاں پھرے جاتے ہیں؟''یعنی اگر آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں اور اس کے ساتھ غیروں کی پوجا کرنے والوں سے پوچھیں کہ ﴿ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ ''انھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو البتہ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے''یعنی وہ اس بات کا تو اعتراف کرتے ہیں کہ تمام اشیاء کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کے بارے میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ غیروں کی بھی پوجا کرتے ہیں جو کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ کسی چیز کی قدرت رکھتے ہیں گویا وہ حد درجہ کی جہالت اور بے وقوفی میں مبتلا ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ ''تو پھر وہ کہاں پھرے جاتے ہیں۔''

نبی ﷺ کا شکوہ اللہ تعالیٰ کے حضور: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''قسم اس (رسول) کے یہ کہنے کی کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے''یعنی محمد ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کے سامنے اپنی قوم کے ان لوگوں کا شکوہ کیا جنھوں نے آپ کی تکذیب کی تھی اور کہا کہ پروردگار! یہ ایسے لوگ ہیں کہ یہ ایمان نہیں لاتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ (الفرقان 30:25) ''اور پیغمبر کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔[1] نیز امام ابن جریر طبری نے بھی اس کی تفسیر

---

[1] تفسير الطبرى:136/25 و صحيح البخارى، التفسير، باب قوله: ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا ﴾ (الزخرف 77:43)، بعد الحديث :4819.

میں اس طرح فرمایا ہے۔[1] امام بخاری نے کہا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت [وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ] فرمائی ہے۔[2] اور مجاہد نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی بات پوری فرمائی۔[3] اور قتادہ نے کہا ہے کہ یہ تمھارے نبی ﷺ کا قول ہے جس میں آپ نے رب تعالیٰ کے پاس اپنی قوم کا شکوہ کیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ﴾ ''پس آپ ان سے منہ پھیر لیں۔''یعنی مشرکین سے۔ ﴿ وَقُلْ سَلٰمٌ ﴾ ''اور سلام کہہ دیں''،یعنی جس طرح مخاطب ہوتے ہوئے وہ لوگ بری زبان استعمال کرتے ہیں آپ اس طرح کی زبان استعمال نہ کریں بلکہ ان سے اچھے انداز میں گفتگو فرمائیں اور ان سے فعلی اور قولی ہر طرح سے درگزر فرمائیں۔ ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''پھر عنقریب وہ جان لیں گے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے سرزنش ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی ایسی گرفت میں لیا جسے کوئی ٹال نہیں سکتا تھا اور اس نے اپنے دین اور اپنے کلمے کو سربلند کیا اور پھر اس کے بعد اس نے جہاد اور کفار کے ساتھ سختی کی بھی اجازت دے دی حتی کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو گئے اور اسلام مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

سورۂ زخرف کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

---

[1] تفسير الطبرى: 135/25. [2] صحيح البخارى، التفسير، باب قوله: ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ ﴾ (الزخرف 43:77)، بعد الحديث: 4819. [3] تفسير الطبرى: 136/25. [4] تفسير الطبرى: 136/25.

تفسیر سُورۂ دُخان

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ① وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ ② اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ③ فِيۡهَا

حٰمٓ① قسم ہے واضح کتاب کی② بلاشبہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا، بے شک ہم ڈرانے والے ہیں③ اسی (رات) میں ہر محکم

يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۙ ④ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۚ ⑤ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ

معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے④ خاص ہمارے حکم سے، بے شک ہم ہی (رسول) بھیجنے والے ہیں⑤ آپ کے رب کی خاص رحمت سے، بلاشبہ وہی خوب

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۙ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ وقف لازم

سننے والا، خوب جاننے والا ہے⑥ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور (ان کا بھی) جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو⑦

مُّوۡقِنِيۡنَ ⑦ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ⑧

اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے، اور وہی مارتا ہے، وہی تمھارا اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے⑧

سورۂ دخان کی فضیلت: مسند بزار میں بروایت ابوطفیل عامر بن واثلہ از زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے فرمایا: [إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبأً فَأَخْبِرْنِي مَا هُوَ؟] ''میں نے تمھارے لیے کچھ چھپایا ہے تو مجھے بتاؤ وہ کیا ہے؟'' اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ دخان کو اس کے لیے مخفی رکھا ہوا تھا تو اس نے کہا کہ وہ دُخّ ہے، آپ نے فرمایا: [اِخْسَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ] ''تیرا برا ہو جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔[1]

تفسیر آیات:1-8

قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس نے اسے مبارک رات میں نازل فرمایا اور مبارک رات سے مراد لیلۃ القدر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۚ﴾ (القدر 1:97) ''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا'' اور یہ لیلۃ القدر رمضان کی رات تھی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ﴾ (البقرة 185:2) ''رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن نازل کیا گیا'' اس بارے میں احادیث مبارکہ ہم نے سورۂ بقرہ میں ذکر کی

① مسند البزار: 169,168/4، حدیث: 1334، دیگر کتب احادیث میں [اِخْسَهُ] کے بجائے [اِخْسَأْ] ہے۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ⑨ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ⑩ يَّغْشَى

(مگر کفار کو یقین نہیں) بلکہ وہ شک وشبہ میں پڑے کھیل رہے ہیں⑨ تو آپ اس دن کا انتظار کیجیے جب آسمان صاف دھواں لائے گا⑩ جو لوگوں کو

النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑪ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ⑫ اَنّٰى لَهُمُ

ڈھانپ لے گا (کہا جائے گا:) یہ ہے دردناک عذاب!⑪ (کافر کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب ہٹا دے بلاشبہ ہم ایمان لانے والے

الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ⑬ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ⑭ وقف لازم

ہیں⑫ ان کے لیے نصیحت کیونکر ہوگی جبکہ ان کے پاس ایک ظاہر و باہر رسول آگیا⑬ پھر وہ اس سے پھر گئے اور (بعض نے) کہا: یہ تو سکھایا پڑھایا ہے

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ⑮ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج وقف لازم

(اور بعض نے کہا:) دیوانہ ہے⑭ بے شک ہم تھوڑی دیر کے لیے عذاب دور کرنے والے ہیں، بلاشبہ تم لوٹنے والے ہو⑮ جس دن ہم بہت بڑی پکڑ

اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ⑯

پکڑیں گے، یقیناً ہم انتقام لینے والے ہیں⑯

ہیں۔[1] لہٰذا اب ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ ﴾ ”بے شک ہم تو ڈرانے والے ہیں۔“ یعنی لوگوں کو یہ معلوم کروانا چاہتے ہیں کہ شرعاً ان کے لیے نفع بخش چیز کون سی ہے اور نقصان دہ کون سی تا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④ ﴾ ”اسی (رات) میں تمام حکمت کے کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔“ یعنی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے لے کر ایک سال کے معاملات کے فیصلے فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں جن میں لوگوں کی موت، رزق اور اس نوع کے دیگر فیصلے ہوتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابو مالک، ضحاک اور کئی ایک ائمۂ سلف رحمہم اللہ سے اسی طرح مروی ہے۔[2] ﴿ حَكِيْمٍ ④ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ فیصلے ایسے محکم ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا، اسی لیے اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ ﴾ ”ہمارے ہاں سے حکم ہو کر۔“ یعنی جو کچھ بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ اس کے حکم، اس کی اجازت اور اس کے علم کے مطابق ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑤ ﴾ ”بے شک ہم ہی (پیغمبروں کو) بھیجتے ہیں۔“ یعنی لوگوں کی طرف ہم نے اپنے پیغمبر کو بھیجا ہے جو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی روشن آیات پڑھ کر سناتے ہیں کیونکہ اس وقت پیغمبر کے بھیجنے کی شدید ضرورت تھی، ﴿ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ ”یہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے، وہ تو بڑا سننے والا، نہایت جاننے والا ہے، آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب کا مالک ہے۔“ یعنی جس نے قرآن کو نازل فرمایا ہے، وہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا رب، خالق اور مالک ہے۔ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑦ ﴾ ”بشرطیکہ تم (لوگ)

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت :185 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری:140,139/25 و تفسیر ابن أبي حاتم:3287/10.

یقین کرنے والے ہو۔‘‘ یعنی تم اس بات کا یقین کرو کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کا صرف وہی خالق و مالک ہے۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧﴾ ’’اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے (وہی) تمھارا پروردگار اور تمھارے پہلے آباء واجداد کا پروردگار ہے۔‘‘ یہ آیت اس طرح ہے جیسے یہ آیت کریمہ ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠﴾ (الأعراف 158:7) ’’(اے محمد!) کہہ دیں کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔‘‘

تفسیر آیات :9-16

مشرکین کو اس دن سے ڈرانا جس میں آسمان سے دھواں نکلے گا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مشرکین ﴿فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ⑨﴾ ’’شک میں کھیل رہے ہیں۔‘‘ ان کے پاس حق یقیناً آ گیا ہے لیکن یہ لوگ اس میں شک کر رہے ہیں اور اس کی تصدیق نہیں کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ⑩﴾ ’’تو آپ اس دن کا انتظار کریں کہ (جس دن) آسمان صریح دھویں کے ساتھ آئے گا۔‘‘ مسروق سے روایت ہے کہ ابواب کندہ کے پاس سے ہم مسجد کوفہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک شخص اس آیت کریمہ کے حوالے سے بیان کر رہا اور اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ تمھیں معلوم ہے کہ اس دھویں سے کیا مراد ہے۔ یہ دھواں قیامت کے دن آئے گا اور منافقوں کے کانوں اور آنکھوں کو پکڑ لے گا اور مومنوں کو اس سے زکام کی سی شکایت ہوگی۔ مسروق کہتے ہیں کہ ہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے اور گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝﴾ (صٓ 86:38) ’’(اے پیغمبر!) کہہ دیں کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔‘‘ یہ بھی علم کی بات ہے کہ آدمی جس چیز کو نہ جانتا ہو تو اس کے بارے میں یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے، میں تمھیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں، بات یہ ہے کہ قریش نے جب اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کے لیے یوسف علیہ السلام کے دور جیسی قحط سالی کی بددعا فرمائی تو وہ بدترین قسم کی قحط سالی میں مبتلا ہو گئے حتی کہ بھوک سے ناچار ہو کر انھوں نے ہڈیوں اور مردار تک کو کھایا، پریشانی کے اس دور میں جب وہ آنکھیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تو انھیں دھواں ہی دھواں نظر آتا۔[1] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے اسے اپنے اور آسمان کے مابین دھواں سا نظر آتا۔[2]

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الدخان 44 : 12)، حديث: 4822 و صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب الدخان، حديث: 2798 واللفظ له ومسند أحمد: 431/1. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (الدخان 13:44)، حديث: 4823 وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب الدخان، حديث: (40)-2798.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ﴾ ''تو آپ اس دن کا انتظار کیجیے کہ آسمان صریح دھویں کے ساتھ آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا، یہ درد دینے والا عذاب ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! خاندان مضر کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمائیں کیونکہ یہ لوگ تباہی کے قریب پہنچ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو بارش نازل ہوگئی تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ ﴾ ''بے شک ہم تھوڑی دیر کے لیے عذاب دور کرنے والے ہیں، بلاشبہ تم دوبارہ وہی کرنے والے ہو۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا وہ ان سے روز قیامت عذاب کو دور کردے گا؟ جب قریش کو خوش حالی نصیب ہوگئی تو پھر اپنی پہلی حالت ہی کی طرف پلٹ آئے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۝ ﴾ ''جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے تو بے شک ہم انتقام لے کر چھوڑیں گے۔'' یعنی بدر کے دن۔ [1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پانچ علامتیں گزر چکی ہیں: (1) دھواں (2) رومیوں کی فتح (3) شق قمر (4) سخت پکڑ اور (5) بدر کا دن۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔ [2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، ترمذی ونسائی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے، نیز ابن جریر اور ابن ابوحاتم نے بھی اسے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [3] ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی جو یہ تفسیر بیان کی ہے کہ دھواں گزر چکا ہے، اس سے ائمۂ سلف کی ایک جماعت، مثلاً: مجاہد، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، ضحاک اور عطیہ عوفی رحمہم اللہ نے بھی اتفاق کیا ہے۔ [4] اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ [5]

ابوسَرِیحہ حذیفہ بن اَسِید غِفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالا خانے سے ہمیں جھانک کر دیکھا جبکہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: [لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى (تَرَوْا) عَشْرَ آيَاتٍ: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا، وَالدُّخَانُ، وَالدَّابَّةُ، وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَخُرُوجُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَالدَّجَّالِ، وَ(ثَلَاثَةُ) خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِعَدَنٍ (تَسُوقُ النَّاسَ) أَوْتَحْشُرُ النَّاسَ، تَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا] ''قیامت اس وقت تک

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (الدخان 11:44)، حديث : 4821 و صحيح مسلم، صفات المنافقين...... باب الدخان، حديث:(40)-2798. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴾ (الدخان 44 :16)، حديث : 4825 وصحيح مسلم، صفات المنافقين ...... باب الدخان، حديث:2798. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الدخان، حديث : 3254 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴾ :455/6، حديث: 11481 و تفسير الطبري:145,144/25. ملحوظہ: یہ روایت ہمیں مسند احمد میں نہیں ملی۔ [4] تفسير الطبري : 146/25 .
[5] تفسير الطبري:148/25.

قائم نہ ہوگی، جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو: (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (2) دھواں (3) جانور (4) یاجوج ماجوج کا نکلنا (5) عیسیٰ ابن مریم کا آنا (6) دجال (7) زمین میں زندہ دھنس جانے کے تین واقعات، ایک مشرق میں دھنسنا (8) ایک مغرب میں دھنسنا اور (9) جزیرۃ العرب میں دھنسنا (10) ایک آگ جو عدن کے زیریں علاقے کی طرف سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک لے جائے گی یا لوگوں کو اکٹھا کر دے گی وہاں رات گزارے گی جہاں وہ شب بسر کریں گے اور وہ ان کے ساتھ قیلولہ کرے (دوپہر کو سوئے) گی جہاں وہ قیلولہ کریں گے۔'' اس حدیث کو امام مسلم ہی نے روایت کیا ہے[1] (امام بخاری رحمہ اللہ نے نہیں۔)

اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صَیّاد سے فرمایا تھا: [إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِئًا] ''یقیناً میں نے تیرے لیے ایک چیز کو چھپایا ہے۔'' اس نے جواب دیا کہ وہ دُخّ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِخْسَأْ، فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ] ''تیرا برا ہو تو اپنی حد سے تجاوز نہ کر سکے گا۔''[2] راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے جی میں اس وقت اس آیت کا تصور کیا تھا: ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴾[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دھواں بھی ان باتوں میں سے ہے جن کے وقوع پذیر ہونے کا انتظار کیا جا رہا ہے، ابن صیاد کاہنوں کے طریقے پر جنوں کی زبان سے بات کرتا تھا اور یہ لوگ عبارت کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس نے دخ کہا اور اس سے اس کی مراد دخان تھا، اس سے رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اس کا مادہ شیطانی ہے، اسی لیے تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا: [إِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ] ''تیرا برا ہو تو اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکے گا۔''[4]

بہت سی مرفوع، موقوف، صحیح، حسن اور دیگر درجوں کی احادیث اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ دھواں بھی قیامت کی ان نشانیوں میں سے ہے جن کا انتظار کیا جا رہا ہے اور پھر قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴾ ''تو آپ اس دن کا انتظار کریں کہ آسمان صریح دھویں کے ساتھ آئے گا۔'' یعنی ایسا صاف اور واضح دھواں ہوگا جسے ہر کوئی دیکھ لے گا جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد وہ خیالی دھواں ہے جو کفار قریش کو شدید بھوک اور تکلیف کی وجہ سے محسوس ہوتا تھا لیکن یہ بات درست معلوم نہیں

---

① صحيح مسلم، الفتن......، باب في الآيات التي تكون قبل الساعة، حديث :2901 جبکہ قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في الخسف، حديث: 2183 میں ہیں اور باقی حدیث مسند أحمد : 7/4 کے مطابق ہے۔

② صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب كيف يعرض الإسلام على الصبي؟ حديث: 3055 وصحيح مسلم، الفتن، باب ذكر ابن صياد، حديث :2930 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما. ③ راوی کے یہ الفاظ کہ رسول اللہ نے اس وقت آیت: ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴾ کا تصور کیا تھا، صحیحین میں نہیں ملے، البتہ مسند البزار :4/168,169، حدیث: 1334 میں ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ دخان کا تصور کیا تھا، اسی طرح ہیثمی نے بھی كشف الأستار: 4/144، باب في ابن صياد، حديث: 3399 میں ذکر کیا ہے۔ والله أعلم. ④ دیکھیے صحيح البخاري، حديث :3055 وصحيح مسلم، حديث: 2930 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما.

ہوتی کیونکہ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ يَغۡشَى النَّاسَ ؕ ﴾ ”جو لوگوں پر چھا جائے گا۔“ یعنی سب لوگوں کو ڈھانپ کر اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اگر اس سے مراد محض خیالی بات ہوتی جو مشرکین مکہ ہی کے ساتھ خاص تھی تو پھر اس کے بارے میں یہ نہ کہا جاتا: ﴿ يَغۡشَى النَّاسَ ؕ ﴾ ”جو لوگوں پر چھا جائے گا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴾ ”یہ درد دینے والا عذاب ہے۔“ یعنی انھیں ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ یہ درد دینے والا عذاب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوۡمَ يُدَعُّوۡنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ۝ ﴾ (الطور 52:13، 14) ”جس دن ان کو آتش جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جایا جائے گا، (اور کہا جائے گا:) یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔“ یا وہ خود ایک دوسرے سے یہ الفاظ کہیں گے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے۔ یقیناً ہم ایمان لاتے ہیں۔“ یعنی کافر جب عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے کہ اے اللہ! اس عذاب کو ہم سے دور کر دے جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَى النَّارِ فَقَالُوۡا يٰلَيۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:27) ”اور کاش! آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب یہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے کہ اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں اور اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔“ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنۡذِرِ النَّاسَ يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ فَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:44) ”اور لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں کہ جب ان پر عذاب آ جائے گا، تو تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مدت مہلت عطا کر (تاکہ) ہم تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں (تو جواب ملے گا) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہوگا۔“ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ۝ ﴾ ”(اس وقت) ان کو نصیحت کہاں (مفید) ہوگی جبکہ ان کے پاس پیغمبر آ چکے جو کھول کھول کر بیان کر دیتے تھے، پھر وہ اس سے پھر گئے اور کہنے لگے (یہ تو) پڑھایا ہوا (اور) دیوانہ ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت انھیں نصیحت کہاں حاصل ہوگی جبکہ ہم نے ان کی طرف اپنے رسول کو بھیجا تھا جس نے ان تک ہمارے پیغام کو پہنچایا اور انھیں واضح طور پر ڈر سنایا تھا لیکن انھوں نے اس سے منہ پھیر لیا، اس کی تصدیق نہ کی بلکہ تکذیب کی اور کہا کہ اس کو کسی نے پڑھایا ہے اور یہ تو دیوانہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ يَوۡمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكۡرٰى ؕ ﴾ (الفجر 89:23) ”تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر (اب) انتباہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں مل سکے گا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ ۙ وَّقَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ

وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ کَرِیۡمٌ ﴿17﴾ اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ

اور البتہ تحقیق ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کو آزمایا، اور ان کے پاس ایک معزز رسول آیا تھا ⑰ (اس نے کہا:) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل)

اللّٰهِ ؕ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿18﴾ وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ

کو میرے حوالے کردو، بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں ⑱ اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، بلاشبہ میں

مُّبِیۡنٍ ﴿19﴾ وَاِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّکُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿20﴾ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ

تمھارے سامنے واضح دلیل پیش کرتا ہوں ⑲ اور بلاشبہ میں نے اپنے رب اور تمھارے رب کی پناہ لی ہے اس سے کہ تم مجھے سنگسار

فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿21﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿22﴾ فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّکُمۡ

کردو ⑳ اور اگر تم میری بات پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ ㉑ پھر اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بلاشبہ یہ لوگ تو مجرم ہیں ㉒

مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿23﴾ وَاتۡرُکِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿24﴾ کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ

(حکم ہوا کہ) اب میرے بندوں کو راتوں رات لے چل، یقیناً تمھارا پیچھا کیا جائے گا ㉓ اور تو سمندر کو ساکن و خشک چھوڑ جا، بلاشبہ یہ لوگ

وَّعُیُوۡنٍ ﴿25﴾ وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿26﴾ وَّنَعۡمَةٍ کَانُوۡا فِیۡهَا فٰکِهِیۡنَ ﴿27﴾ کَذٰلِکَ قف

(آل فرعون) غرق شدہ لشکر ہیں ㉔ وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے ㉕ اور کھیتیاں اور شاندار محل ㉖ اور سامان عیش جن میں وہ مزے

وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ ﴿28﴾ فَمَا بَکَتۡ عَلَیۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا کَانُوۡا

کر رہے تھے ㉗ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان (سب) کا وارث بنا دیا ㉘ پھر ان پر آسمان اور زمین نہ روئے، اور نہ

مُنۡظَرِیۡنَ ﴿29﴾ ع وَلَقَدۡ نَجَّیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُهِیۡنِ ﴿30﴾ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّهٗ ع 1 29 14

انھیں مہلت دی گئی ㉙ اور البتہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات دی ㉚ (یعنی) فرعون سے، بلاشبہ وہ بڑا ہی سرکش (اور)

کَانَ عَالِیًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿31﴾ وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰی عِلۡمٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿32﴾ وَاٰتَیۡنٰهُمۡ

حد سے گزرنے والوں میں سے تھا ㉛ اور البتہ بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو جانتے بوجھتے ہوئے جہانوں پر ترجیح دی ㉜ اور ہم نے انھیں

مِّنَ الۡاٰیٰتِ مَا فِیۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیۡنٌ ﴿33﴾

نشانیاں دی تھیں جن میں کھلی آزمائش تھی ㉝

مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴾ (سبا 34:51,52) ”اور کاش! آپ دیکھیں جب یہ گھبرا جائیں گے تو (عذاب سے) بچ نہیں سکیں گے اور نزدیک ہی سے پکڑ لیے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور (اب) اتنی دور سے ان کے لیے (ایمان کا) حصول کیسے ممکن ہے!“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا کَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿15﴾ ﴾ ”بے شک ہم تھوڑی دیر کے لیے عذاب ٹال دیتے ہیں (مگر پھر) بلاشبہ دوبارہ تم وہی (کچھ) کرنے والے ہو۔“ معنی یہ ہیں کہ اگر ہم تم سے عذاب ٹال دیں اور تمھیں دنیا میں ایک بار پھر لوٹا دیں تو تم پھر کفر اور تکذیب کی روش کو اختیار کرلو گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوۡ رَحِمۡنٰهُمۡ وَکَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ

مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 75:23) ''اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو تکلیفیں ان کو پہنچ رہی ہیں وہ دور کر دیں تو اپنی سرکشی پر اڑے رہیں (اور) بھٹکتے پھریں۔'' نیز فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 28:6) ''اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہی پھر کرنے لگیں، کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔''

﴿ اَلْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ﴾ کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ ﴾ ''جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر غزوۂ بدر سے کی ہے۔[1] اور اس جماعت کا بھی یہی قول ہے جنھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دخان کے بارے میں تفسیر سے اتفاق کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بروایت عوفی یہی مروی ہے۔[2] نیز اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] گو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہو لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سخت پکڑ سے قیامت کے دن کی پکڑ مراد ہے۔ غزوۂ بدر بھی اگرچہ کفار کے لیے ایک پکڑ تھی لیکن ابن جریر رحمہ اللہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ سخت پکڑ سے مراد بدر کا دن ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔[4] اس روایت کی سند صحیح ہے اور امام حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔[5] اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ یہ قیامت کے دن کی طرف اشارہ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 17-33

بنی اسرائیل کی نجات: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان مشرکین سے پہلے ہم نے قوم فرعون، یعنی مصر کے قبطیوں کی بھی آزمائش کی تھی ﴿ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور ان کے پاس ایک عالی قدر پیغمبر آئے۔'' یعنی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ﴿ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''(جنھوں نے) یہ (کہا) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو'' جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 47:20) ''تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ (جانے کے لیے) چھوڑ دے اور انھیں تکلیف نہ دے ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہو۔'' ﴿ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ ﴾ ''بے شک میں تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں۔'' یعنی میں تمھیں جو بات پہنچاتا ہوں اس میں امین ہوں ﴿ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَي اللّٰهِ ۚ ﴾ ''اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو۔'' یعنی اس کی آیات کی اتباع، اس کے دلائل کو تسلیم کرنے اور اس کی براہین پر ایمان لانے کے بجائے تکبر نہ کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 60:40) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے ازراہِ تکبر کنارہ کشی کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔''

---

[1] تفسیر الطبری: 146/25. [2] تفسیر القرطبی: 134/16. [3] تفسیر القرطبی: 134/16. [4] تفسیر الطبری: 152/25. [5] تفسیر الطبری: 152/25.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِّیْٓ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴾ ’’میں تمھارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں۔‘‘ یعنی واضح اور ظاہر دلیل اور اس سے مراد وہ روشن آیات اور قطعی دلائل ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ ﴿ وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴾ ’’اور اس (بات) سے کہ تم مجھے سنگسار کرو بے شک میں اپنے اور تمھارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو صالح کا قول ہے کہ اس سے زبان کی سنگ زنی، یعنی گالی گلوچ مراد ہے۔[1] اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد پتھروں سے مارنا ہے،[2] یعنی میں اس اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جس نے مجھے اور تمھیں پیدا فرمایا ہے کہ تم قول یا فعل سے میرے ساتھ کوئی برا سلوک کرو۔ ﴿ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴾ ’’اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔‘‘ میرے منہ نہ لگو، میرے اور اپنے معاملے کو چھوڑ دو حتی کہ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا، جب موسیٰ علیہ السلام کا قیام ان میں طول اختیار کر گیا اور انھوں نے ان پر اللہ تعالیٰ کے تمام دلائل کو ثابت کر دیا مگر اس سے ان کے کفر اور دشمنی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو انھوں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے ان کے بارے میں بددعا کی جو ان کے بارے میں پوری طرح نافذ ہوگئی تھی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ قَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ○ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا ﴾ (یونس 10:88,89) ’’اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال و زر دے رکھا ہے، اے ہمارے پروردگار! اس لیے کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں، اے ہمارے پروردگار! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں، جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، لہٰذا تم ثابت قدم رہنا۔‘‘ اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴾ ’’تب اس (موسیٰ) نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یقیناً یہ مجرم لوگ ہیں۔‘‘ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دے دیا کہ وہ فرعون کی اجازت، مشورے اور اذن کے بغیر بنی اسرائیل کو ان کے ہاں سے نکال کر لے جائیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴾ ’’پس میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ بے شک (فرعونیوں کی طرف سے) تمھارا پیچھا کیا جائے گا۔‘‘ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ وَ لَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰی ○ ﴾ (طٰہٰ 20:77) ’’اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ، پھر ان کے لیے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بناؤ، نہ تو تم کو پکڑے جانے کا خوف ہوگا اور نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔‘‘ اور یہاں اللہ عز وجل نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴾ ’’اور دریا کو خشک ہی چھوڑ دو (تمھارے بعد) بلاشبہ ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا۔‘‘

---

[1] تفسیر الطبری: 155/25 و تفسیر القرطبی: 135/16. [2] تفسیر الطبری: 155/25.

موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے جب دریا عبور کر لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ دریا پر عصا ماریں تاکہ وہ پہلی حالت کی طرح ہو جائے تاکہ ان کے اور فرعون کے درمیان حائل ہو جائے اور وہ ان کے پاس نہ پہنچ سکے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دے دیا کہ دریا کو اسی طرح ساکن رہنے دیں اور ساتھ انھیں خوش خبری بھی سنا دی کہ اس تمام لشکر کو ڈبو دیا جائے گا اور تمھیں نہ تو فرعون کے آ پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ دریا میں غرق ہونے کا ڈر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ط ﴾ کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ دریا کو اسی شکل وصورت میں چھوڑ کر چل دو۔ ① مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ رَهْوًا ط ﴾ کے معنی ہیں کہ اسے اسی طرح خشک رستہ رہنے دو اور اسے اپنی اصلی حالت کی طرف پلٹ جانے کا حکم نہ دو بلکہ اسے اسی طرح رہنے دو حتی کہ ان کا آخری شخص تک اس میں داخل ہو جائے۔ ② عکرمہ، ربیع بن انس، ضحاک، قتادہ، ابن زید، کعب احبار، سماک بن حرب اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ ③

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿25﴾ وَّ زُرُوْعٍ ﴾ ''وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں۔'' یعنی نہریں اور کنویں ﴿ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿26﴾ ﴾ ''اور نفیس مکان۔'' یعنی نفیس مکانات اور عالی شان محلات۔ مجاہد اور سعید بن جبیر کہتے ہیں: ﴿ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿26﴾ ﴾ سے مراد منبر ہیں۔ ④ ﴿ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔'' یعنی وہ بہت عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے جو چاہتے کھاتے اور پسندیدہ لباس پہنتے تھے، علاوہ ازیں انھیں مال ودولت کی فراوانی اور علاقے کی حکمرانی حاصل تھی مگر اس ساری عیش وعشرت، مال ودولت اور منصب واقتدار سے وہ بیک وقت محروم کر دیے گئے، انھوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور جہنم رسید ہو گئے جو کہ بدترین ٹھکانا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ قف وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان کا مالک بنا دیا۔'' اور وہ بنی اسرائیل تھے۔ ﴿ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ ﴾ ''تو پھر ان پر نہ تو آسمان اور زمین روئے۔'' یعنی ان کے اعمال اچھے نہیں تھے کہ آسمان کے دروازوں سے اوپر چڑھتے ہوں اور اب وہ ان کے نہ چڑھنے کی وجہ سے روتے ہوں اور نہ زمین ہی کے مختلف علاقوں میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کہ اب وہ ان کی عدم موجودگی کو محسوس کرتی ہو، اس لیے وہ اسی بات کے مستحق تھے کہ انھیں ذرہ بھر مہلت نہ دی جاتی، اس لیے کہ وہ کفر، جرم، سرکشی اور دشمنی کی تمام حدود سے تجاوز کر گئے تھے۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کی: اے ابو العباس! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿29﴾ ﴾ تو کیا آسمان وزمین بھی کسی پر روتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں، مخلوقات میں سے ہر ایک کے لیے آسمان میں ایک دروازہ ہے جس سے اس کا رزق نازل ہوتا اور عمل اوپر جاتا ہے، جب مومن فوت ہو جاتا ہے تو اس کا وہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے جس سے اس کا عمل اوپر جاتا اور رزق نازل ہوتا تھا اور جب وہ اس کے عمل کو اوپر آتے ہوئے نہیں دیکھتا تو رونے لگتا ہے،

① تفسير ابن أبي حاتم: 3288/10. ② تفسير الطبري: 158/25 مختصراً. ③ تفسير الطبري: 158/25. ④ تفسير الطبري: 159/25.

اسی طرح جب وہ زمین اسے نہیں دیکھتی جس پر وہ نماز ادا کیا کرتا تھا اور اللہ کا ذکر کیا کرتا تھا تو وہ زمین بھی اس پر روتی ہے، قوم فرعون کے نہ تو زمین میں نیک آثار تھے اور نہ ان کا کوئی نیک عمل ہی اوپر جاتا تھا، اس لیے ان پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین۔ [1] عوفی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [2]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿30﴾ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿31﴾ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی (یعنی) فرعون سے، بے شک وہ سرکش (اور) حد سے نکلا ہوا تھا۔'' اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے انھیں فرعون کی ذلت ورسوائی سے نجات بخشی اور مشقت کے ان سخت کاموں سے بچالیا جس میں فرعون نے انھیں لگا رکھا تھا ﴿ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا ﴾ ''فرعون سے، بے شک وہ سرکش تھا۔'' ﴿ عَالِيًا ﴾ کے معنی ہیں: متکبر، سرکش اور دشمن جیسا کہ فرمایا: ﴿ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ ﴾ (القصص 28:4) ''بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاسْتَكْبَرُوا۟ وَكَانُوا۟ قَوْمًا عَالِينَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:46) ''تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے۔'' ﴿ عَالِينَ ۝ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے تو معنی یہ ہوئے کہ فرعون اپنے معاملے میں حد سے بڑھا ہوا تھا اور فی نفسہ بہت گھٹیا رائے کا مالک تھا۔

اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدِ اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ﴿32﴾ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے دانستہ منتخب کیا۔'' مجاہد کہتے ہیں: ﴿ اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ﴿32﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ ان لوگوں میں سے ان کا انتخاب کیا جو ان کے دور میں تھے۔ [3] قتادہ کہتے ہیں کہ اپنے زمانے کے لوگوں پر انھیں فائق کر دیا تھا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہر زمانے کا ایک عالم ہوتا ہے۔ [4] بہر حال یہ آیت اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قَالَ يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ ﴾ (الأعراف 7:144) ''اس (اللہ) نے فرمایا: موسیٰ! میں نے تم کو لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔'' یعنی اپنے زمانے کے لوگوں پر انھیں ممتاز کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام سے بھی فرمایا تھا: ﴿ وَاصْطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ الْعَٰلَمِينَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:42) ''اور اس نے تجھے جہان کی عورتوں پر منتخب کیا ہے۔'' یعنی اپنے زمانے کی عورتوں میں سے وہ منتخب تھیں جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان سے افضل یا شرف وفضل میں ان کے مساوی ہیں، اسی طرح فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی، نیز آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا: [إِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ] ''بے شک عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام خواتین پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو دیگر تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔'' [5] اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ الْءَايَٰتِ ﴾ ''اور ہم نے انھیں نشانیاں دی تھیں۔'' یعنی دلائل و براہین

[1] تفسير الطبري :161/25 . [2] تفسير الطبري :162/25 . [3] تفسير الطبري :164/25. [4] تفسير الطبري : 163/25. [5] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ...... ﴾ (التحريم 12,11:66)، حديث:3411 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث:2431 عن أبي موسى رضي الله عنه.

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿34﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ﴿35﴾ فَاْتُوْا

بلاشبہ یہ لوگ تو بڑے عزم سے کہتے ہیں: ﴿34﴾ ہمیں مرنا تو بس پہلی بار ہے، اور ہمیں دوبارہ تو نہیں اٹھایا جائے گا ﴿35﴾ پھر

بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿36﴾ اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِیْنَ مِنْ

اگر تم سچے ہوتو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ ﴿36﴾ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تُبّع اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے؟ ہم نے

قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ؗ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿37﴾

انھیں ہلاک کردیا، بلاشبہ وہ مجرم تھے ﴿37﴾

اورخرق عادت امور، ﴿ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿33﴾ ﴾ ''جن میں صریح آزمائش تھی۔'' یعنی اس میں واضح اور ظاہر آزمائش تھی، ان لوگوں کے لیے جو اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہیں۔

تفسیر آیات :34-37

منکرین قیامت کی تردید: مشرکین نے بعث بعد الموت اور آخرت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ صرف یہی دنیا ہی کی زندگی ہے موت کے بعد اور کوئی زندگی نہیں اور نہ ہی موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے اور اس سلسلے میں وہ دلیل یہ دیتے تھے کہ ہمارے سابقہ آباء واجداد جب ایک بار دنیا سے چل بسے تو وہ دوبارہ واپس نہیں آئے اور اگر بعث بعد الموت حق ہے ﴿ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿36﴾ ﴾ ''تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ اگر تم سچے ہو۔'' جبکہ ان کی یہ دلیل باطل اور ان کا یہ شبہ فاسد تھا، اس لیے کہ دوبارہ جی اٹھنا تو قیامت کے دن ہوگا نہ کہ دنیا کی زندگی میں، دنیا کی زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور ظالموں کو آتش جہنم کا ایندھن بنادے گا اور اس دن تم لوگوں پر گواہ اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے اپنے اس عذاب سے ڈرایا ہے کہ جو آجائے تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا جیسا کہ ماضی میں بھی وہ ان جیسے مشرکین اور منکرین بعث بعد الموت، مثلاً: قوم تبع، یعنی اہل سبا پر آیا تو وہ اسے ٹال نہ سکے بلکہ اللہ عزوجل نے اپنا عذاب بھیج کر انھیں ہلاک کر ڈالا، ان کے شہروں کو تباہ و برباد کر دیا اور انھیں مختلف علاقوں میں تتر بتر کر دیا جیسا کہ سورۂ سبا میں بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے۔[1] اور اس سورت کا آغاز ہی مشرکین کے انکار آخرت کے ذکر سے ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مشرکین کو ان لوگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، وہ لوگ بھی عرب تھے اور قحطان سے تعلق رکھتے تھے جبکہ یہ عرب عدنان سے تعلق رکھتے ہیں۔

تُبّع کون تھا؟ حمیر یعنی اہل سبا اپنے ہر بادشاہ کو تبع کے لقب سے موسوم کرتے تھے جیسے ایران کے بادشاہ کو کسریٰ، روم کے بادشاہ کو قیصر، مصر کے کافر بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، اسی طرح مختلف علاقوں کے لوگوں نے اپنے بادشاہوں کے لیے مختلف نام تجویز کر رکھے تھے۔ اتفاق کی بات کہ ایک تبع یمن سے نکلا اور مختلف ملکوں کو فتح

---

① دیکھیے سبا، آیات :15-19 کے ذیل میں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿38﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا﴿38﴾ ہم نے یہ دونوں تو حق (ایک مقصد)

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿40﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ

ہی کے ساتھ پیدا کیے ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے﴿39﴾ بلاشبہ فیصلے کا دن ان سب کے لیے طے شدہ ہے﴿40﴾ اس دن کوئی دوست

مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿41﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا، اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی﴿41﴾ سوائے اس کے جس پر اللہ نے رحم کیا۔ بلاشبہ وہی نہایت غالب،

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿42﴾ ع 2 13 15

خوب رحم کرنے والا ہے﴿42﴾

کرتا ہوا سمرقند تک پہنچ گیا، اس کی سلطنت بہت وسیع و عظیم اور اس کی فوج بہت طاقتور ہوگئی، اس کی مملکت کی حدود بہت وسیع اور رعایا کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی، اسی بادشاہ نے حیرہ کا شہر آباد کیا تھا۔ اتفاق کی بات کہ اس کا مدینہ منورہ سے گزر ہوا اور یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے تو اس نے یہاں کے لوگوں سے بھی جنگ کا ارادہ کیا تو مدینہ کے لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا، دن کو وہ اس سے لڑائی کرتے اور رات کو مہمان نوازی، اس سے اس بادشاہ نے شرم و حیا محسوس کرتے ہوئے لڑائی کو ترک کر دیا، البتہ وہ یہاں سے دو یہودی علماء کو اپنے ساتھ لے گیا، انھوں نے از راہ ہمدردی و خیر خواہی بادشاہ کو بتایا کہ وہ اس شہر کو فتح نہیں کر سکتا کیونکہ یہاں نبی آخر الزمان ہجرت کر کے تشریف لائیں گے، وہ بادشاہ مدینہ سے واپس چلا گیا اور ان دو یہودی عالموں کو اپنے ساتھ یمن لے گیا، جب مکہ کے پاس سے اس کا گزر ہوا تو اس نے کعبہ کو منہدم کرنا چاہا تو ان یہودی عالموں نے اسے اس سے بھی منع کیا اور اس گھر کی عظمت کے بارے میں اسے آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور آخر زمانے میں مبعوث ہونے والے نبی کے ہاتھوں اس کی عظمت کو چار چاند لگ جائیں گے، یہ سن کر اس نے بھی کعبہ کی تعظیم کی، دھاری دار ریشمی کپڑوں کا غلاف پہنایا اور یمن واپس چلا گیا اور وہاں کے لوگوں کو اس نے دعوت دی کہ وہ بھی اس کے ساتھ یہودیت اختیار کر لیں۔ یمن میں ان دنوں موسیٰ علیہ السلام کا دین رائج تھا، یعنی ان لوگوں کا دین جو مسیح علیہ السلام کی بعثت سے قبل ہدایت پر تھے، یمن کے عام لوگوں نے اس کے کہنے سے یہودیت کو اختیار کر لیا۔

امام عبدالرزاق نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا أَدْرِي تُبَّعٌ نَبِيًّا كَانَ أَمْ غَيْرَ نَبِيٍّ] ''مجھے نہیں معلوم کہ تبع نبی تھا یا نہیں۔''① تمیم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عطاء بن ابورباح نے کہا کہ تبع کو گالی نہ دو

① تفسیر البغوی :181,180/4 و تفسیر ابن أبی حاتم :3289/10، البتہ کتب احادیث میں یہ روایت ان الفاظ سے منقول ہے: [مَا أَدْرِي أَتُبَّعٌ لَعِينٌ هُوَ أَمْ لَا] دیکھیے سنن أبی داود، السنة، باب فی التخییر بین الأنبیاء علیہم السلام، حدیث:4674. علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحیحة :253/5، حدیث:2217 کے تحت لکھا ہے کہ مستدرک حاکم کی روایت میں [لَعِينًا] کے بجائے [نَبِيًّا] ہے اور یہ کاتب یا پرنٹر کی غلطی ہے۔ اور یہاں درست [لَعِينًا] ہی ہے، جیسا کہ دیگر روایات میں بھی اسی طرح ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿43﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿44﴾ كَالۡمُهۡلِ ۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ﴿45﴾ كَغَلۡىِ

بے شک تھوہر کا درخت﴿43﴾ گناہ گار کا کھانا ہے﴿44﴾ پگھلے تانبے (یا تلچھٹ) کے مانند، وہ پیٹوں میں کھولے گا﴿45﴾ تیز گرم پانی کے کھولنے

الۡحَمِيۡمِ ﴿46﴾ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ﴿47﴾ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ

کی طرح﴿46﴾ (حکم ہوگا:) اسے پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے درمیان لے جاؤ﴿47﴾ پھر اس کے سر پر تیز گرم پانی کا عذاب انڈیلو﴿48﴾

الۡحَمِيۡمِ ﴿48﴾ ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ﴿49﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿50﴾

(مزہ) چکھ! بے شک تو بڑا عزت والا، بڑا تکریم والا (بنا پھرتا) تھا﴿49﴾ بلاشبہ یہی وہ (عذاب) ہے جس میں تم شک کرتے تھے﴿50﴾

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:38-42

دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی: اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل اور اپنی ذات گرامی کے لہو ولعب اور باطل سے پاک ہونے کا اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿ وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ ﴾ (صٓ 27:38) ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے اس کو خالی از مصلحت پیدا نہیں کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں سو کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔'' اور فرمایا:

﴿ اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِيۡمِ ○ ﴾ (المؤمنون 116,115:23) ''تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ حقیقی بادشاہ اللہ کی ذات بڑی ہی برتر ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرشِ بزرگ کا مالک ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِيۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿40﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ فیصلے کا دن ان سب (کے اٹھنے) کا طے شدہ وقت ہے۔'' اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوقات میں فیصلہ فرمائے گا، کافروں کو عذاب دے گا اور مومنوں کو ثواب۔ ﴿ مِيۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿40﴾ ﴾ ''ان سب (کے اٹھنے) کا طے شدہ وقت ہے۔'' یعنی اس دن وہ اگلوں اور پچھلوں سب کو جمع فرمائے گا: ﴿ يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ مَوۡلًى عَنۡ مَّوۡلًى شَيۡـًٔا ﴾ ''جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا۔'' یعنی کوئی قریبی کسی قریبی کو نفع نہیں پہنچا سکے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ○ ﴾ (المؤمنون 101:23) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو اس دن ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَسۡـَٔلُ حَمِيۡمٌ حَمِيۡمًا ۚ يُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ ؕ ﴾ (المعارج 11,10:70) ''اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا پرسان نہ ہوگا حالانکہ وہ انھیں دکھائے جائیں گے۔'' یعنی کوئی اپنے بھائی سے اس کا حال بھی نہیں پوچھے گا، حالانکہ وہ اسے بالکل اپنے سامنے دیکھ رہا ہوگا ﴿ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿41﴾ ﴾ ''اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔'' یعنی نہ تو کوئی قریبی کسی قریبی کی مدد کرے گا اور نہ انھیں باہر سے کوئی مدد ملے گی ﴿ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ

[1] تفسیر عبدالرزاق :187/3، رقم: 2822 اور دیکھیے السلسلة الصحيحة :548/5، حدیث: 2423.

﴿ اللّٰهُ ؕ﴾ ''مگر جس پر اللہ مہربانی کرے۔'' یعنی اس دن مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا اور کوئی چیز کام نہ آئے گی، ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ ''بے شک وہ نہایت غالب، بڑا مہربان ہے۔'' یعنی وہ غالب بھی ہے اور اس کی وسیع رحمت بے پایاں بھی ہے۔

تفسیر آیات :43-50

قیامت کے دن مشرکین کے لیے عذاب: اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے جس میں وہ کافروں اور منکروں کو مبتلا کرے گا کہ ﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ ﴾ ''بلاشبہ تھوہر کا درخت گناہ گار کا کھانا ہے۔'' یعنی اس کا جو اپنے قول و فعل میں گناہ گار ہے اور اس سے مراد کافر ہے اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ ابوجہل کی طرف اشارہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوجہل بھی اس آیت میں داخل ہے لیکن یہ صرف اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ ایک شخص کو یہ پڑھا رہے تھے: ﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ ﴾ تو اس نے کہا: طَعَامُ الْيَتِيْمِ تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کہو کہ تھوہر کا درخت فاجر کا کھانا ہے۔[1] یعنی اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی کھانا نہ ہوگا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اگر اس کا ایک قطرہ زمین پر گر جائے تو اہل زمین کی زندگی خراب ہو جائے۔[2] قبل ازیں اس مفہوم کی ایک مرفوع حدیث بھی بیان کی جا چکی ہے۔[3]

﴿ كَالْمُهْلِ ۚ﴾ یعنی زیتون کی تلچھٹ کی طرح ﴿ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ ﴾ ''پیٹوں میں (اسی طرح) کھولے گا، جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔'' یعنی حرارت و تمازت کے باعث گرم پانی کی طرح کھولے گا۔ ﴿ خُذُوْهُ ﴾ ''(حکم دیا جائے گا کہ) اس کو پکڑ لو۔'' یعنی کافر کو اور (منہال بن عمرو سے) منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دوزخ کے فرشتوں سے یہ فرمائیں گے کہ اس کافر کو پکڑ لو تو ستر ہزار فرشتے اسے جلدی سے اپنی گرفت میں لے لیں گے۔[4] ﴿ فَاعْتِلُوْهُ ﴾ ''پھر اسے کھینچو۔'' یعنی اسے پشت کے بل خوب زور سے گھسیٹو، مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ ﴾ کے معنی ہیں کہ اسے پکڑ و اور دھکا دے دو،[5] ﴿ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ ''دوزخ کے درمیان میں۔'' یعنی جہنم کے درمیان میں لے جاؤ، ﴿ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ﴾ ''پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا کچھ عذاب انڈیل دو۔'' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ ﴾ (الحج 22: 20,19) ''ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اس سے ان کے پیٹوں کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی۔'' فرشتہ اسے لوہے کے ہتھوڑے کے

---

① تفسیر الطبری :168/25 . ② تفسیر الطبری :169/25 مزید دیکھیے جامع الترمذی، صفة جهنم، باب ماجاء فی صفة شراب أهل النار، حديث:2585 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة النار، حديث:4325 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ.
③ دیکھیے الصّٰٓفّٰت، آیات :62-66 کے ذیل میں مفصل تفسیر ابن کثیر جبکہ المصباح المنير میں یہ روایت ذکر نہیں کی گئی، اسی طرح دیکھیے المصباح المنیر، ال عمرٰن، آیت:102 کے تحت۔ ④ التخويف من النار لابن رجب الحنبلي، ص :162(C.D) .
⑤ تفسیر الطبری :173/25.

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿51﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿52﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ

بے شک متقین سکھ چین کی جگہ ہوں گے ﴿51﴾ باغات اور چشموں میں ﴿52﴾ وہ باریک اور موٹا ریشم پہنیں گے، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ﴿53﴾

وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿53﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿54﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ

اسی طرح ہوگا۔ اور ہم غزال چشم (بڑی بڑی آنکھوں والی) حوروں کو ان کی بیویاں بنا دیں گے ﴿54﴾ وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کا پھل طلب

فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿55﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ

کریں گے ﴿55﴾ وہاں وہ موت (کا مزہ) نہ چکھیں گے، سوائے پہلی موت کے اور وہ (اللہ) انھیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا ﴿56﴾ (یہ)

عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿56﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿57﴾ فَإِنَّمَا

آپ کے رب کا فضل ہوگا۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿57﴾ بس (اے نبی!) ہم نے تو اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے،

3 ع 17 16 يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿58﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿59﴾

تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿58﴾ لہٰذا (اب) آپ انتظار کیجیے۔ بلاشبہ وہ بھی منتظر ہیں ﴿59﴾

ساتھ مارے گا جس سے اس کا دماغ پھٹ جائے گا، پھر اس کے سر پر گرم کھولتا ہوا پانی انڈیل دیا جائے گا جو اس کے بدن میں اتر جائے گا جو اس کے پیٹ کی انتڑیوں وغیرہ کو پگھلا دے گا اور اس کے ٹخنوں میں سے نکل جائیں گی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!

﴿ذُقْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿49﴾﴾ ''(اب مزہ) چکھ بے شک تو بڑی عزت والا (اور) سردار ہے۔'' یعنی فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم اس سے ڈانٹ ڈپٹ اور ذلت ورسوائی کے طور پر یہ بھی کہو، ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تو نہ عزت والا ہے اور نہ سردار۔ ① ﴿إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿50﴾﴾ ''بے شک یہ وہی (دوزخ) ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۝﴾ (الطور52:13-15) ''جس دن وہ آتش جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جائے جائیں گے، یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر ہی نہیں آتا۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿50﴾﴾ ''بے شک یہ وہی (دوزخ) ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔''

تفسیر آیات :51-59

پرہیز گاروں کے لیے جنت کی نعمتیں: بدبختوں اور بدنصیبوں کے حال کے بعد اب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خوش بختوں اور سعادت مندوں کا ذکر فرمایا ہے اور اسی وجہ سے قرآن مجید کا نام ''مثانی'' رکھا گیا ہے جس میں مضامین کو دوہرا کر بیان کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ﴾ ''بے شک پرہیز گار لوگ۔'' یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3290/10.

﴿ فِيۡ مَقَامٍ اَمِيۡنٍ ﴾ ''پر امن مقام میں ہوں گے۔'' یعنی آخرت میں جنت میں ہوں گے اور اس میں موت یا نکالے جانے کے خوف سے امن میں ہوں گے، نیز وہ ہر غم وفکر، گھبراہٹ اور پریشانی، تکلیف وتھکاوٹ، شیطان اور اس کے مکرو فریب اور تمام آفات ومصائب سے محفوظ ہوں گے۔ ﴿ فِيۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴾ ''باغوں اور چشموں میں۔'' یعنی ان لوگوں کے مقابلے میں جن کو تھوہر کا درخت کھانے اور گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا، یہ لوگ جنت کے باغات اور چشموں سے شادکام ہوں گے۔ ﴿ يَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ ﴾ ''وہ ریشم کا باریک لباس پہنیں گے۔'' اعلیٰ قسم کا ریشم جسے وہ قمیصوں کے لیے استعمال کریں گے۔ ﴿ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ ﴾ ''اور دبیز ریشم۔'' جس میں بہت چمک دمک اور سج دھج ہوگی جسے وہ زیب وزینت کے طور پر استعمال کریں گے، ان چیزوں کی طرح جنھیں لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ ﴿ مُّتَقٰبِلِيۡنَ ﴾ ''ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔'' یعنی وہ تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے اور ایک دوسرے کے سامنے اس طرح بیٹھے ہوں گے کہ کسی کی طرف کسی کی پشت نہ ہوگی۔

﴿ كَذٰلِكَ ۟ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ ﴾ ''(وہاں) اس طرح (کا حال ہوگا) اور ہم انھیں غزال چشم حوروں سے بیاہ دیں گے۔'' یعنی ان مذکورہ انعامات کے ساتھ ساتھ ایسی خوبصورت حوریں بھی عنایت کریں گے جن کی آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی بالکل واضح ہوگی اور آنکھیں بھی موٹی ہوں گی جن کی یہ خوبی ہوگی ﴿ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ﴾ (الرحمٰن 56:55) ''انھیں اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔'' اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَاَنَّهُنَّ الۡيَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ ﴾ (الرحمٰن 58:55) ''گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔'' ﴿ هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ﴾ (الرحمٰن 60:55) ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَدۡعُوۡنَ فِيۡهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيۡنَ ﴾ ''وہاں مطمئن ہو کر ہر قسم کے پھل منگوائیں گے (اور کھائیں گے۔)'' یعنی جس انواع واقسام کے بھی پھل وہ طلب کریں گے ان کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں گے اور انھیں پھلوں کے ختم ہو جانے یا ان سے روک دیے جانے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہوگا بلکہ جب بھی وہ ارادہ کریں گے اسی وقت ان کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں گے، ﴿ لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰى ﴾ ''وہاں وہ موت (کا مزہ) نہ چکھیں گے، سوائے پہلی موت کے۔'' یہ استثنا نفی کی تاکید کرتا ہے، یعنی استثنا منقطع ہے، معنی یہ ہیں کہ وہ جنت میں کبھی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ (فِي صُورَةِ) كَبْشٍ أَمْلَحَ ؛فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ...... فَيُذْبَحُ...... ثُمَّ يُقَالُ:) يَاأَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، وَيَاأَهْلَ النَّارِ! خُلُودٌ فَلَامَوْتَ] ''موت کو چتکبرے مینڈھے کی صورت میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا......، پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا......، پھر کہا جائے گا اے جنت والو! تم اب ہمیشہ ہمیشہ رہو گے اور کبھی موت نہیں آئے گی اور اے اہل دوزخ! تم بھی اب ہمیشہ ہمیشہ رہو گے اور کبھی

موت نہیں آئے گی۔‘‘ ① یہ حدیث قبل ازیں سورۂ مریم میں بھی بیان کی جا چکی ہے۔ ②

امام عبدالرزاق نے ابوسعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [یُنَادِی مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا] ’’ایک پکارنے والا صدا لگائے گا: بے شک اب تم تندرست رہو گے، سو کبھی بھی بیمار نہیں ہو گے یقیناً تم زندہ رہو گے، پس کبھی بھی نہیں مرو گے، بلاشبہ تم سدا جوان رہو گے، بعد ازاں کبھی بھی بوڑھے نہ ہو گے، کوئی شک نہیں کہ تم عیش و عشرت کی زندگی بسر کرو گے، پھر کبھی بھی پریشانی نہیں دیکھو گے۔‘‘ ③ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ④

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ دَخَلَ الْجَنَّةَ ، يَنْعَمُ فِيهَا لَا يَبْؤُسُ، وَيَحْيٰ فَلَا يَمُوتُ، لَا تَبْلٰى ثِيَابُهٗ، وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهٗ] ’’جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے، وہ جنت میں داخل ہو گا، اس میں ہمیشہ خوش و خرم رہے گا اور کبھی پریشان حال نہ ہو گا، زندہ رہے گا اور کبھی فوت نہیں ہو گا، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کا شباب کبھی ختم ہو گا۔‘‘ ⑤

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿56﴾﴾ ’’اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچائے گا۔‘‘ یعنی ان عظیم الشان ابدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ وہ انھیں دوزخ کے دردناک عذاب سے بھی بچائے اور محفوظ رکھے گا جس سے انھیں مطلوب حاصل ہو جائے گا اور جس عذاب سے انھیں ڈرایا گیا تھا اس سے نجات مل جائے گی، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿57﴾﴾ ’’یہ آپ کے پروردگار کا فضل ہے، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔‘‘ یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(اِعْمَلُوا) قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، وَاعْلَمُوا (فَإِنَّهٗ لَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ أَحَدًا عَمَلُهٗ)، قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَلَا أَنْتَ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ] ’’عمل کرو، میانہ روی اختیار کرو اور صحیح صحیح عمل کرو، جان لو کہ کسی کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اور آپ بھی نہیں؟ فرمایا: میں بھی نہیں، الا

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله عزوجل: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ (مریم 19:39)، حدیث:4730 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ جبکہ پہلی قوسین والا جملہ السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾: 394,393/6، حدیث: 11317 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور دوسری قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب النار یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفاء ، حدیث:2849 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ. ② دیکھیے مریم، آیت : 39 کے ذیل میں عنوان: ’’موت کا خاتمہ‘‘ ③ تفسیر عبدالرزاق:137/3، رقم:2648. ④ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب فی دوام نعیم أهل الجنة......، حدیث : 2837 واللفظ له. ⑤ المعجم الأوسط للطبرانی : 22,21/9، حدیث:8041 مزید دیکھیے صحیح مسلم، الجنة و صفة نعیمها......، باب فی دوام نعیم أهل الجنة......، حدیث:2836.

یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل کے ساتھ ڈھانپ لے۔''①

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿58﴾ ﴾ ''پس بے شک ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔'' یعنی اس قرآن کو جسے ہم نے نازل کیا ہے، آسان، واضح، روشن اور نمایاں کر دیا ہے ﴿ بِلِسَانِكَ ﴾ ''آپ کی زبان میں۔'' جو تمام زبانوں سے زیادہ فصیح، روشن، شیریں اور بلند پایہ زبان ہے تاکہ وہ اس قرآن کو سمجھ اور سیکھ سکیں۔ قرآن مجید کے اس قدر واضح اور بین ہونے کے باوجود بعض لوگوں نے کفر، مخالفت اور دشمنی کا مظاہرہ کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تسلی دیتے ہوئے، فتح ونصرت کا وعدہ فرماتے ہوئے اور تکذیب کرنے والوں کو تباہی و بربادی کی وعید سناتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَارۡتَقِبۡ اِنَّهُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿59﴾ ﴾ ''پس آپ بھی انتظار کریں یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔'' اور یہ عنقریب جان لیں گے کہ دنیا و آخرت میں کس کو فتح ونصرت اور سربلندی و سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ اے محمد (ﷺ!) دنیا و آخرت کی کامیابیاں اور کامرانیاں تو آپ کے لیے آپ کے بھائیوں انبیاء و مرسلین کے لیے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے مومنوں ہی کے لیے ہیں جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ○ ﴾ (المجادلة 21:58) ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ زور آور، بڑا زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ○ یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ الظّٰلِمِیۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ○ ﴾ (المؤمن 52,51:40) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی)، جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔''

سورۂ دخان کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ وَبِهِ التَّوۡفِیقُ وَالۡعِصۡمَةُ.

① صحیح البخاری، الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث:6464,6463 وصحیح مسلم، صفات المنافقین وأحکامهم، باب لن یدخل أحد......، حدیث:(76)-2816 عن أبی هریرة ﷺ و اللفظ له جبکہ پہلی قوسین والا لفظ اس سیاق میں نہیں ملا اور دوسری قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، صفات المنافقین وأحکامهم، باب لن یدخل أحد......، حدیث:2818 عن عائشة ﷺ کے مطابق ہیں۔

تفسیر سُورَۂ جَاثِیَہ

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ① تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ② اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ

حٰمٓ① اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو بڑا زبردست، نہایت حکمت والا ہے② بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں مومنوں کے لیے واقعی نشانیاں

لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ③ وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَمَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ④ وَاخۡتِلَافِ

ہیں③ اور تمھاری پیدائش میں، اور ان چلنے پھرنے والوں میں جو وہ پھیلاتا ہے، ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں④ اور رات اور دن

الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ

کے آنے جانے میں، اور اس رزق (پانی) میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ذریعے سے زمین کو، اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، زندہ کیا،

بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ⑤

اور ہواؤں کے (رخ) بدلنے میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں⑤

تفسیر آیات :1-5

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کی طرف راہنمائی: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس کی نعمتوں، اس کی عظیم الشان قدرت جس کے ساتھ اس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان انواع و اقسام کی مخلوقات، مثلاً: فرشتے، جن، انسان، حیوان، پرندے، درندے، کیڑے مکوڑے اور انواع و اقسام کی دریائی اور سمندری مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے، نیز رات دن کی گردش اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے پر غور کرے کہ وہ کبھی یکجا نہیں ہو سکتے کہ ان میں سے ایک اپنے اندھیرے اور دوسرا اجالے میں ممتاز ہے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بوقت ضرورت بادلوں سے بارش نازل فرمائی اور اسے رزق کے نام سے موسوم فرمایا کیونکہ اس سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ ﴿ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ﴾ ''پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا۔'' یعنی اس کے بعد کہ وہ بنجر تھی، اس میں نباتات تھیں اور نہ کوئی اور چیز۔ ﴿ وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ ﴾ ''اور ہواؤں کے بدلنے (میں)'' کہ وہ کبھی جنوب کی طرف چلتی ہیں کبھی شمال کی طرف، کبھی باد صرصر چلتی ہے اور کبھی باد صبا، کبھی بڑی ہوائیں چلتی ہیں اور کبھی بحری، کبھی رات کو چلتی ہیں اور کبھی دن کو، کچھ ہوائیں بارش کے لیے چلتی ہیں اور کچھ پودوں کو بارآور کرنے کے لیے، کچھ روحوں کی غذا کے لیے اور کچھ بانجھ ہوتی ہیں کہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ

یہ اللہ کی آیات ہیں، ہم آپ پر حق کے ساتھ ان کی تلاوت کرتے ہیں، پھر اللہ اور اس کی آیات کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں

يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ⑦ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ

گے؟ ⑥ ہر سخت جھوٹے، گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے ⑦ جو اللہ کی آیات سنتا ہے جبکہ وہ اس پر تلاوت کی جاتی ہیں، پھر وہ تکبر کرتے

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑧ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا

ہوئے (اپنی بات پر) اڑ جاتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں، تو (اے نبی!) آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے ⑧ اور جب اس

اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑨ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ

نے ہماری کچھ آیات جان لیں تو انھیں مذاق بنا لیا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے ⑨ ان کے آگے جہنم ہے، اور جو کچھ انھوں

عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑩

نے کمایا ہے ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ وہ (دیوتا کام آئیں گے) جنھیں انھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا لیا، اور ان کے لیے بہت بڑا

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑪ ع 1 11 17

عذاب ہے ⑩ یہ (قرآن) تو ہدایت ہے، اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے ⑪

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا ہے: ﴿ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③ ﴾ ''البتہ ایمان والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿ يُّوْقِنُوْنَ ④ ﴾ ''یقین کرنے والوں (کے لیے نشانیاں ہیں۔)'' اور پھر فرمایا: ﴿ يَّعْقِلُوْنَ ⑤ ﴾ ''عقل والوں (کے لیے نشانیاں ہیں۔)'' تو یہ حالتِ شریف سے اشرف اور اعلیٰ کی طرف ترقی ہے اور یہ آیات سورۂ بقرہ کی اس آیت کے مشابہ ہیں: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ مَّاۗءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ 2:164) ''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لیے رواں ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ نے آسمان سے برسایا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیا اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلا دیے اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، یقیناً عقل مندوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیات :6-11

جھوٹے گناہ گار کی علامات اور سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ ﴾ ''یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔'' یعنی قرآن مجید اور اس میں بیان کردہ دلائل و براہین، ﴿ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ ﴾ ''جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں۔'' یعنی یہ ذات برحق کی طرف سے حق و سچ پر مبنی ہیں، لہٰذا اگر وہ ان کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے اور ان کو تسلیم نہیں کریں گے تو پھر

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو تمھارے تابع کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تا کہ تم شکر کرو ⑫

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿12﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اس نے اپنی طرف سے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب تمھارے تابع کر دیا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں

مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿13﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ

ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں ⑬ (اے نبی!) آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ ان لوگوں سے عفوو درگزر کریں جو اللہ کے ایام کی امید نہیں

لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿14﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

رکھتے، تا کہ اللہ کچھ لوگوں کو ان (اعمال) کی سزا دے جو وہ کماتے رہے ⑭ جس نے نیک عمل کیا تو اپنے (فائدے کے) لیے ہی کیا، اور جس نے برا

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿15﴾

کیا تو (اس کا وبال) اسی پر ہے، پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ⑮

اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے بعد اور کس بات پر ایمان لائیں گے، پھر فرمایا: ﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿7﴾ ﴾ ''ہر نہایت جھوٹے گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی جو بات کرنے میں سخت جھوٹا، بہت قسمیں کھانے والا اور ذلیل و رسوا ہے اور اپنے فعل کے اعتبار سے سخت گناہ گار اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا منکر ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا ﴾ ''اللہ کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کو سن تو لیتا ہے (مگر) پھر غرور سے ضد کرتا ہے۔'' یعنی از راہ تکبر و غرور کفر اور انکار کا اظہار کرتا ہے، ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ﴾ یعنی گویا ان کو سنا ہی نہیں ﴿ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿8﴾ ﴾ ''سو اسے دکھ دینے والے عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔'' یعنی اسے بتا دیں کہ قیامت کے دن اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت دردناک عذاب ہوگا۔ ﴿ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ ﴾ ''اور جب ہماری کچھ آیتیں اسے معلوم ہوتی ہیں تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔'' یعنی جب وہ قرآن کے کسی حصے کو یاد کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ کفر کرتا اور اسے ہنسی مذاق بنا لیتا ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿9﴾ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے'' اس لیے کہ انھوں نے قرآن مجید کے ساتھ ہنسی مذاق کیا تو اس کے مقابلے میں انھیں ذلیل و رسوا کر دینے والا عذاب دیا جائے گا۔ صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ دشمن کے علاقے کی طرف سفر کرنے سے منع فرمایا تا کہ دشمن قرآن مجید کی توہین نہ کر سکے۔ ①

پھر روز قیامت اسے حاصل ہونے والے عذاب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ ﴾ ''ان کے سامنے دوزخ ہے۔'' یعنی جو لوگ بھی اسی طرح کی حرکت کریں گے روز قیامت جہنم رسید ہوں گے، ﴿ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا ﴾ ''اور جو کام وہ کرتے ہیں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔'' یعنی ان کے اموال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ

① صحيح مسلم، الإمارة، باب النهى أن يسافر بالمصحف......، حديث: (93)-1869 .

آ ئیں گے، ﴿ وَلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اور نہ وہ (کام آ ئیں گے) جن کو انھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا۔''یعنی ان کے وہ معبودانِ باطلہ بھی ان کے کچھ کام نہ آ ئیں گے، اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ پوجا کرتے تھے، ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔'' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ هٰذَا هُدًى ﴾ ''یہ (سراسر) ہدایت (کی کتاب) ہے۔''یعنی قرآن مجید۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴾ ''اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں ان کے لیے (اللہ کی) سخت سزا سے دردناک عذاب ہے۔''یعنی انتہائی المناک اور بے حد دردناک عذاب۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى أَعْلَمُ.

تفسیر آیات :12-15

تسخیر دریا وغیرہ میں بھی نشانی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے دریا کو بھی مسخر کر دیا ہے ﴿ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ ﴾ ''تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں۔''یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے دریا کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کشتیوں کو اٹھالے۔ ﴿ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور تا کہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو'' تجارتوں اور کاروبار کی صورت میں، ﴿ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''اور تا کہ تم شکر کرو'' ان منافع پر جو دور دراز کے علاقوں اور بعید شہروں سے تمھیں حاصل ہوتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمھارے کام میں لگا دیا۔''یعنی کواکب، پہاڑ، دریا، نہریں اور دیگر وہ تمام چیزیں جن سے تم مستفید ہوتے ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و احسان کی وجہ سے تمھارے لیے مسخر کر دی گئی ہیں، ﴿ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ ''سب کو اپنی طرف سے۔''یعنی ان سب چیزوں کو اس وحدہ لاشریک نے اپنے حکم سے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴾ (النحل 16:53) ''اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں (سب) اللہ کی طرف سے ہیں، پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو۔''

ابن جریر نے بروایت عوفی، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ ''اور اس نے اپنی طرف سے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب تمھارے تابع کر دیا۔'' کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس میں یہ نام اسی کے اسماء میں سے ایک ہے اور یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے، اس میں اس سے جھگڑا کرنے والے کوئی جھگڑا نہیں کر سکتے اور یقین کر لو کہ یہ سب کچھ اسی طرح ہے۔[1] ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ''یقیناً جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں البتہ (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔''

مشرکین کی ایذا پر صبر کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ ﴾

---

[1] تفسیر الطبری : 187/25.

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی ، اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ، اور ہم نے انھیں جہانوں پر

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ⑯ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا

فضیلت دی ⑯ اور ہم نے انھیں دین کی بابت واضح واضح (نشانیاں) دیں، پھر انھوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی، محض آپس کی

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

بغاوت و عداوت سے، اختلاف کیا۔ بے شک آپ کا رب روز قیامت ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑰ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

کرتے رہے ہیں ⑰ پھر ہم نے (اے نبی!) آپ کو دین کے (واضح) راستے پر لگا دیا، لہٰذا آپ اس کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑱ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاِنَّ

کی پیروی نہ کریں جو علم نہیں رکھتے ⑱ بلاشبہ وہ اللہ (کے عذاب) سے آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔ اور بے شک ظالم لوگ ایک

الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑲ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ

دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ متقین کا دوست ہے ⑲ یہ (قرآن اس میں) لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل ہیں اور ان لوگوں کے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ⑳

لیے ہدایت اور رحمت ہے جو یقین رکھتے ہیں ⑳

”(اے نبی!) مومنوں سے کہہ دیں کہ جو لوگ اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے، ان سے عفو و درگزر کریں۔“ یعنی ان سے درگزر کریں اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذا کو برداشت کریں۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ مسلمان مشرکین اور اہل کتاب کی ایذا رسانی پر صبر کریں تاکہ اس سے ایک طرح ان کی تالیفِ قلب ہو لیکن جب وہ دشمنی میں بڑھتے ہی گئے تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ان سے اپنا دفاع اور جہاد کرنا مشروع قرار دے دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

مجاہد فرماتے ہیں: ﴿لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پروا نہیں کرتے۔[2]

﴿لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭﴾ ”تاکہ وہ ان لوگوں کو اس کا بدلہ دے جو وہ کماتے رہے۔“ یعنی جب وہ ان سے دنیا میں درگزر کریں گے تو ان کے برے اعمال کی وجہ سے آخرت میں اللہ تعالیٰ ان سے جنگ کرے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮﴾ ”جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اپنے لیے اور جو کوئی برے عمل کرے گا تو (اس کا وبال) اسی پر ہوگا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“ یعنی قیامت کے دن تم لوٹ کر اسی کے پاس جاؤ گے اور اپنے اعمال کے ساتھ اسی کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور وہ تمھیں تمھارے اچھے

① تفسير الطبري: 188,187/25. ② تفسير الطبري: 188/25.

برے اعمال کا بدلہ دے گا۔ وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَعۡلَمُ.

تفسیر آیات:16-20

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر فضل: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جن کے ساتھ اس نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا کہ اس نے ان پر کتابیں نازل فرمائیں، انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اور انھیں بادشاہت سے سرفراز کیا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (ہدایت) اور حکومت اور نبوت بخشی اور انھیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں۔'' یعنی کھانے اور پینے کی چیزیں، ﴿ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۟ۚ ﴾ ''اور ہم نے ان کو اہل عالم پر فضیلت بخشی۔'' یعنی ان کے زمانے کے لوگوں پر، ﴿ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ ﴾ ''اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں واضح دلیلیں عطا کیں۔'' یعنی قطعی دلائل و براہین دیے جن کی وجہ سے ان پر حجت تمام ہوگئی مگر حجت تمام ہونے کے بعد انھوں نے اختلاف کیا اور یہ ان کی ایک دوسرے پر بغاوت کے سبب تھا۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار'' اے محمد ﷺ! ﴿ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۟ ﴾ ''بلاشبہ آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔'' یعنی اپنے مبنی بر عدل وانصاف حکم کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

بنی اسرائیل کے طریقے پر چلنے کی ممانعت: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خبردار کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے رستے پر نہ چلے اور نہ ان کے اسلوب و انداز کو اختیار کرے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا ﴾ ''پھر ہم نے آپ کو (دین کے) معاملے میں ایک کھلے رستے پر قائم کر دیا، لہٰذا آپ اسی رستے کی پیروی کریں۔'' یعنی: ﴿ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:106) ''جو حکم آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس آتا ہے اسی کی پیروی کریں، اس (پروردگار) کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کرلیں۔''

اور یہاں اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۟ ﴾ ''اور آپ ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلیں جو جانتے نہیں۔'' کیونکہ ﴿ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ ﴾ ''بے شک وہ اللہ (کے عذاب) سے ہرگز آپ کے کسی کام نہیں آئیں گے اور کوئی شک نہیں کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔'' اور ان کی ایک دوسرے سے دوستی بھی ان کے کچھ کام نہ آئے گی بلکہ اس سے بھی ان کے نقصان اور تباہی و بربادی میں اضافہ ہی ہوگا، ﴿ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ۟ ﴾ ''اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔'' اور وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے جبکہ کافروں کے دوست شیطان ہیں اور وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ هٰذَا بَصَآىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۟ ﴾ ''یہ (قرآن اس میں) لوگوں کے لیے کھلی نشانیاں ہیں اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں کے مانند کردیں گے جو ایمان لائے اور

الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿21﴾ ع وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ 2 ع 10 18

انھوں نے نیک عمل کیے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿21﴾ اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق وعدل کے

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿22﴾ اَفَرَءَیْتَ

ساتھ پیدا کیا، تاکہ ہر شخص کو اس کے بدلے میں ٹھیک ٹھیک جزا دی جائے جو اس نے کمایا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿22﴾ کیا پھر آپ

مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ

نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے گمراہ کر دیا جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس کے کانوں اور اس

وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿23﴾

کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ ﴿23﴾

تفسیر آیات :21-23

مومن اور کافر کی موت وحیات برابر نہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مومن اور کافر برابر نہیں ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ ﴾ (الحشر 20:59) ”اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔“ اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ ﴾ ”جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں؟“ یعنی جنھوں نے برے اعمال کمائے ہیں کیا ان کا یہ گمان ہے: ﴿ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ ﴾ ”یہ کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (اور) ان کی زندگی اور موت یکساں ہوگی؟“ یعنی ہم دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ یکساں سلوک کریں گے؟ ﴿ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ”یہ جو فیصلہ کرتے ہیں برا ہے۔“ یعنی انھوں نے ہمارے اور ہمارے عدل کے بارے میں جو یہ گمان کیا ہے وہ برا ہے کہ ہم ابرار اور فجار کے ساتھ دنیا و آخرت میں یکساں سلوک کریں گے۔ امام طبرانی نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک رات قیام کیا تو ساری رات صبح تک صرف اسی ایک آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے رہے: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ ﴾ ”جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔“[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ”یہ جو فیصلہ کرتے ہیں برا ہے۔“ پھر فرمایا: ﴿ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ”اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اپنے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: 50/2، حدیث: 1250.

وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا یُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا

اور انھوں نے کہا: بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں، اور ہمیں بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿24﴾ وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ

اور انھیں اس کا کوئی علم نہیں، وہ تو بس گمان کرتے ہیں ﴿24﴾ اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو واضح ہوتی

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُ

ہیں تو ان کی دلیل بس یہی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لاؤ ﴿25﴾ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے:

یُحۡیِیۡكُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُكُمۡ ثُمَّ یَجۡمَعُكُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ

اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے، پھر وہی تمھیں مارتا ہے، پھر وہی تمھیں روز قیامت جمع کرے گا، جس میں کوئی شک نہیں اور

النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿26﴾ ع 3 5 19

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿26﴾

ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

خواہشات کے پجاری: پھر اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ ''تو بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟'' یعنی وہ اپنی خواہشِ نفس ہی کی پیروی کرتا ہے، جس چیز کو اس کا نفس اچھا سمجھے وہ کرتا ہے اور جس کو اس کا نفس برا سمجھے اسے چھوڑ دیتا ہے، ﴿ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ ﴾ ''اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا اس لیے کہ اسے علم ہے کہ یہ اسی بات کا مستحق ہے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس علم کے پہنچ جانے اور اس پر حجت تمام ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے، یہ دوسرے معنی پہلے کو بھی مستلزم ہیں جبکہ پہلے معنی دوسرے کو مستلزم نہیں ہیں، ﴿ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط ﴾ ''اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔'' جس کی وجہ سے یہ وہ بات نہیں سن سکتا جو اس کے لیے نفع بخش ہو اور نہ ایسی کوئی چیز یاد رکھ سکتا ہے جس سے یہ ہدایت حاصل کرے اور نہ کسی دلیل کو دیکھ سکتا ہے جس سے یہ روشنی حاصل کرے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿23﴾ ﴾ ''پھر اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے؟ تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ط وَیَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ○ ﴾ (الأعراف 186:7) ''جس شخص کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے وہ اپنی سرکشی میں سرگردان پھرتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 24-26

کافر کا عقیدہ، دلیل اور اس کی تردید: اللہ تعالیٰ نے دہریہ کافر اور انکارِ آخرت میں ان کی ہم نوائی کرنے والے مشرکینِ عرب کا قول ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف

دنیا ہی کی ہے، ہم (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں۔'' یعنی صرف یہی ایک جہان ہے جس میں کچھ لوگ مرجاتے ہیں اور کچھ زندہ ہوجاتے ہیں، آخرت اور قیامت کوئی چیز نہیں ہے آخرت کے منکر مشرکینِ عرب بھی یہی بات کہتے تھے اور فلاسفۂ الٰہیہ بھی یہی کہتے ہیں جو بداءت اور رجعت (اللہ کے پہلی بار پیدا کرنے اور دوبارہ پیدا کرنے) کے منکر ہیں، فلاسفۂ دہریہ (دوریہ) کا بھی یہی قول ہے اور وہ اس کائنات کے بنانے والے ہی کے منکر ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر چھتیس ہزار سال بعد ہر چیز دوبارہ اپنی پہلی شکل وصورت میں لوٹ آتی ہے اور ان کا گمان ہے کہ ایسا بے شمار مرتبہ ہو چکا ہے، ان لوگوں نے معقول کی بھی مخالفت کی ہے اور منقول کی بھی تکذیب کی ہے، اسی لیے تو انھوں نے کہا: ﴿ وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ ﴾ ''اور ہمیں تو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔'' ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ ﴾ ''اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں، وہ تو صرف گمان سے کام لیتے ہیں۔'' یعنی وہ وہم اور خام خیالی میں مبتلا ہیں۔

رہی وہ حدیث جسے شیخین، ابوداود اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِيَ الْأَمْرُ (أُقَلِّبُ لَيْلَهُ وَنَهَارَهُ)] ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ زمانہ تو میں ہوں، میرے ہاتھ میں سب معاملہ ہے اور میں ہی اس کے لیل ونہار کو بدلتا ہوں۔''[1] اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ، فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ] ''زمانے کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔''[2] امام شافعی، ابوعبید اور دیگر کئی ائمہ نے اس حدیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عربوں کو زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی سختی یا بلا یا مصیبت پہنچتی تو وہ کہتے: ہائے زمانے کی خرابی! وہ ان افعال کو زمانے کی طرف منسوب کرتے اور اسے گالی دیتے، حالانکہ ان تمام افعال کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے تو گویا وہ اللہ عزوجل کو گالی دیتے کیونکہ ان کا فاعل درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی لیے اس اعتبار سے زمانے کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی وہ زمانہ ہے جو وہ مراد لیتے تھے اور جس کی طرف افعال کو منسوب کرتے تھے اس حدیث کی تفسیر میں جو کہا گیا ہے اس میں سب سے اچھا قول یہی ہے اور یہی مراد ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. امام ابن حزم رحمہ اللہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ظاہریہ کی یہ غلطی ہے کہ انھوں نے اس حدیث کے ظاہر الفاظ کے پیش نظر [دھر] کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے شمار کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ﴾ ''اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ ﴾ (الجاثیة 45:24)، حدیث: 4826 و صحیح مسلم، الألفاظ من الأدب ......، باب النھی عن سب الدھر، حدیث: (2)-2246 جبکہ قوسین والے الفاظ بھی صحیح مسلم، الألفاظ من الأدب......، باب النھی عن سب الدھر، حدیث: (3)-2246 میں ہیں، و سنن أبی داود، الأدب، باب فی الرجل یسب الدھر، حدیث: 5274 و السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَقَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا ﴾: 457/6، حدیث: 11487. [2] صحیح مسلم، الألفاظ من الأدب......، باب النھی عن سب الدھر، حدیث: (5)-2246 عن أبی ھریرة رضی اللہ عنہ.

وَ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ يَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿27﴾

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن باطل پرست خسارے میں رہیں گے ﴿27﴾ اور

وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدۡعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ

آپ ہر امت گھٹنوں کے بل (گری) دیکھیں گے، ہر امت اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلائی جائے گی (انھیں کہا جائے گا:) آج تمھیں ان (اعمال)

مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿28﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنۡطِقُ عَلَيۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ

کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے ﴿28﴾ (کہا جائے گا:) یہ ہماری کتاب ہے، یہ تمھارے متعلق سچ سچ بولتی ہے۔ بلاشبہ ہم لکھواتے تھے

مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿29﴾

جو تم عمل کرتے رہے تھے ﴿29﴾

پڑھی جاتی ہیں۔'' یعنی جب ان کے سامنے استدلال کیا جاتا اور حق کو واضح کر دیا جاتا ہے کہ فنا ہو جانے اور اجزاء کے منتشر ہو جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ جسموں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ﴿ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿25﴾ ﴾ ''ان کی صرف یہی حجت ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔'' یعنی اگر تمھاری یہ بات سچی ہے تو پھر انھیں زندہ کر دکھاؤ، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ﴾ ''کہہ دیں کہ اللہ ہی تمھیں زندگی بخشتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے۔'' یعنی جیسا کہ تم مشاہدہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ ہی تمھیں عدم سے وجود بخشتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ﴾ (البقرة 28:2) ''(کافرو!) تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تم کو جان بخشی، پھر (وہی) تم کو مارے گا، پھر (وہی) تم کو زندہ کرے گا۔'' یعنی جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بطریق اَولیٰ قادر ہے۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ ؕ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ﴾ ''پھر تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں۔'' یعنی وہ تم کو قیامت کے دن میں جمع کرے گا، دنیا میں تمھیں دوبارہ نہیں بھیجے گا کہ تم یہ کہہ سکو: ﴿ ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿25﴾ ﴾ ''اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ يَوۡمَ يَجۡمَعُكُمۡ لِيَوۡمِ الۡجَمۡعِ ﴾ (التغابن 9:64) ''جس دن وہ تم کو جمع ہونے (قیامت) کے دن اکٹھا کرے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ لِاَيِّ يَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ؕ لِيَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۚ ﴾ (المرسلٰت 13,12:77) ''بھلا (ان امور میں) تاخیر کس دن کے لیے کی گئی؟ فیصلے کے دن کے لیے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ؕ ﴾ (ھود 104:11) ''اور ہم اس (کے لانے) میں ایک وقت معین کے لیے تاخیر کر رہے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ﴾ ''پھر تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں۔'' یعنی اس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ﴿ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿26﴾ ﴾ ''اور لیکن بہت

سے لوگ نہیں جانتے۔‘‘اسی لیے وہ آخرت کا انکار کرتے اور جسموں کے دوبارہ جی اٹھنے کو محال سمجھتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۙ‏ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ؕ ﴾ (المعارج 70:6,7) ’’یقیناً وہ (لوگ تو) اس کو دور دیکھتے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔‘‘یعنی کفار اس دن کے وقوع پذیر ہونے کو بہت بعید سمجھتے ہیں جبکہ مومن اس دن کو بہت قریب اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے برپا کرنے کو بہت آسان سمجھتے ہیں۔

تفسیر آیات :27-29

قیامت کے دن کے ہولناک مناظر: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک اور دنیا و آخرت میں ان کا حاکم ہے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَٮِٕذٍ يَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ ﴾ ’’اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز اہل باطل خسارے میں پڑ جائیں گے۔‘‘اور اہل باطل سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے اور ان روشن نشانیوں اور واضح دلائل کا انکار کرنے والے ہیں جنھیں اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۟ ﴾ ’’اور آپ ہر امت کو گھٹنوں کے بل (گری ہوئی) دیکھیں گے۔‘‘یعنی شدت وعظمت کی وجہ سے وہ اپنے گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ صورت حال اس وقت ہوگی جب جہنم کو لایا جائے گا اور وہ سانس لے گی جس کی وجہ سے ہر شخص گھٹنوں کے بل گر جائے گا حتی کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی، اور وہ پکار اٹھیں گے: نفسی، نفسی، نفسی، اے اللہ! آج میں تجھ سے صرف اپنے ہی نفس کے بارے میں سوال کرتا ہوں۔ [1] حتی کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے: اے اللہ! آج میں تجھ سے صرف اپنے ہی بارے میں سوال کرتا ہوں، اپنی والدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں بھی سوال نہیں کرتا جس نے مجھے جنم دیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُّ اُمَّةٍ تُدۡعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ ﴾ ’’ہر جماعت اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِاۡىۡٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ (الزمر 39:69) ’’اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے۔‘‘اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ ﴾ ’’جو کچھ تم کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔‘‘یعنی تمھارے اچھے یا برے اعمال کے مطابق تمھیں بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَٮِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ‏ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰى نَفۡسِهٖ بَصِيۡرَةٌ ۙ‏ وَّلَوۡ اَلۡقٰى مَعَاذِيۡرَهٗ ؕ ﴾ (القیٰمة 75:13-15) ’’اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے (سب) بتا دیے جائیں گے، بلکہ انسان اپنے نفس پر خوب گواہ ہے اور اگر چہ وہ اپنی معذرتیں پیش کرے۔‘‘اسی لیے اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنۡطِقُ عَلَيۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ ﴾ ’’یہ ہماری کتاب تمھارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی۔‘‘یعنی کمی بیشی کے بغیر تمھارے تمام اعمال پیش کر دے گی، جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰٮهَا ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿﴾ (الکهف 18:49) ’’اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر)

[1] المصنف لابن أبي شيبة، ذكر النار، ماذكر فيما أعد لأهل النار وشدته: 7/77، حديث: 34151.

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، تو ان کا رب انھیں اپنی رحمت (جنت) میں داخل کرے گا۔ یہی واضح کامیابی

هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝30 وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

ہے ۝30 اور ہاں! جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا پھر تم پر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ تو تم نے تکبر

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝31 وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ

کیا، اور تم مجرم لوگ تھے ۝31 اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو

لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ

تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے؟ ہمیں (قیامت کا) یونہی خیال سا آتا ہے، اور ہم (اس پر) یقین نہیں کر سکتے ۝32 اور

بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝32 وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ان کے سامنے ان کے اعمال کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انھیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ۝33 اور

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝33 وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ

(ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمھیں بھول جائیں گے جیسے تم اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے، اور تمھارا ٹھکانا آگ ہے،

النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝34 ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا

اور تمھارا مددگار کوئی نہیں ۝34 یہ اس لیے کہ بے شک تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنا لیا، اور تمھیں دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال

وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝35

دیا تھا، لہٰذا آج وہ اس (آگ) سے نہیں نکالے جائیں گے، اور نہ ان سے اللہ کو راضی کرنے کا مطالبہ ہی کیا جائے گا ۝35 چنانچہ تمام

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝36 وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں کا رب ہے، اور زمین کا رب ہے، جہانوں کا رب ہے ۝36 اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝37 ع 4/11/20

لیے بڑائی ہے، اور وہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ۝37

رکھی جائے گی تو آپ گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ کسی چھوٹی (بات) کو چھوڑتی ہے اور نہ کسی بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں چھوڑتی) مگر اسے اس نے لکھ رکھا ہے اور جو عمل انھوں نے کیے ہوں گے، (سب کو) حاضر پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝29 ﴾ "جو کچھ تم کیا کرتے تھے، یقیناً ہم لکھواتے تھے۔" یعنی ہم کراماً کاتبین کو حکم دیتے تھے کہ وہ تمھارے اعمال لکھتے جائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے اعمال کو لکھتے ہیں اور پھر انھیں لے کر آسمانوں پر چڑھ جاتے ہیں تو دیوان اعمال کے فرشتے کراماً کاتبین کے ہاتھوں کے لکھے

ہوئے ان اعمال کا، ان کے ان اعمال کے ساتھ تقابل کرتے ہیں جو ہر لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے ظاہر کر دیے گئے تھے اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے پیدا فرمانے سے قبل ازل ہی سے ان کے بارے میں لکھ دیا تھا تو فرشتے دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہیں، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''جو کچھ تم کیا کرتے تھے، یقیناً ہم لکھواتے تھے۔''

تفسیر آیات: 30-37

روز قیامت اللہ تعالیٰ کا مجرمین کے ساتھ مکالمہ: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اپنی مخلوق کے بارے میں اپنے فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''پھر لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔'' یعنی ان کے دل ایمان لائے اور ان کے اعضا نے صالح اعمال کیے، یعنی ایسے اعمال جو خالص اور شریعت کے مطابق ہوں ﴿ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ﴾ ''تو ان کا پروردگار انھیں اپنی رحمت (کے باغ) میں داخل کرے گا۔'' اس سے مراد جنت ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا ہے: [أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ] ''تو میری رحمت ہے تیرے ساتھ میں جس پر چاہوں رحم کروں۔''[1] ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾ ''یہی صریح کامیابی ہے۔'' یعنی روشن اور واضح کامیابی۔

پھر فرمایا: ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ ''اور لیکن جنھوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا کہ) بھلا میری آیتیں تم پر پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، مگر تم نے تکبر کیا۔'' یہ انھیں زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہا جائے گا کہ کیا تمھیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ مگر تم نے ان کی اتباع کے بجائے تکبر کیا اور انھیں سننے سے اعراض کیا، ﴿ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور تم نافرمان لوگ تھے۔'' اپنے افعال کے اعتبار سے تم مجرم تھے اور تمھارے دل تکذیب سے بھرے ہوئے تھے۔ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا ﴾ ''اور جب کہا جاتا تھا کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں۔'' یعنی جب مومن تم سے یہ بات کہتے تھے ﴿ قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ﴾ ''تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے۔'' یعنی ہم اسے نہیں پہچانتے، ﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ﴾ ''ہم (اس کو) محض ظن ہی خیال کرتے ہیں۔'' یعنی اس کے وقوع پذیر ہونے کو ہم ایک مرجوح تَوَهُّم سمجھتے ہیں۔ ﴿ وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم (اس کا) ہرگز یقین کرنے والے نہیں'' کہ واقعی قیامت برپا ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا ﴾ ''اور ان کے اعمال کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی۔'' یعنی ان کے برے اعمال کی سزا ان پر واضح ہو جائے گی، ﴿ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا۔'' یعنی عذاب اور سزا، ﴿ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ ''اور

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴾ (ق 50:30)، حديث: 4850 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث: 2846 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اپنی اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اسی طرح آج ہم (بھی) تمھیں بھلا دیں گے۔'' یعنی آتش دوزخ میں تمھارے ساتھ اس طرح معاملہ کریں گے جیسے کوئی بھول گیا ہو، اس لیے کہ تم نے اس دن کے لیے کوئی عمل نہیں کیا تھا کیونکہ تم اس کے وقوع پذیر ہونے کو سچ نہیں سمجھتے تھے، ﴿ وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۴ ﴾ ''اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی تمھارا مددگار نہیں۔''

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے بندے سے فرمائے گا: [أَلَمْ أُكْرِمْكَ؟ (أَلَمْ) أُسَوِّدْكَ؟ أَلَمْ أُزَوِّجْكَ؟ وَأُسَخِّرْلَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ، وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟ فَيَقُولُ: بَلٰى، يَارَبِّ!فَيَقُولُ: أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ؟ قَالَ: فَيَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ: (فَالْيَوْمَ) أُنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي] ''کیا میں نے تیری عزت نہیں کی تھی؟ کیا میں نے تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ اور (کیا) میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ کو مسخر (نہیں) کر دیا تھا؟ اور (کیا) میں نے تجھے (ایسے نہیں) چھوڑ دیا تھا کہ تو سرداری کرتا تھا اور حکم روائی کرتا تھا؟ بندہ عرض کرے گا: کیوں نہیں! اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یقین تھا کہ بے شک تو مجھ سے ملاقات کرے گا؟ آپ نے فرمایا: بندہ جواب دے گا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: آج میں بھی تجھے بھلاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا رکھا تھا۔'' یعنی ہم نے تمھیں یہ سزا اس لیے دی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ دلائل و براہین کا مذاق اڑایا کرتے تھے، ﴿ وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ ﴾ ''اور دنیاوی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔'' اور تم دنیا ہی پر مطمئن ہو کر خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا ﴾ ''سو آج یہ (لوگ) نہ اس سے نکالے جائیں گے۔'' یعنی دوزخ کی آگ سے، ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۳۵ ﴾ ''اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔'' یعنی ان سے راضی کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ بغیر حساب و شمار کے ان کو عذاب دیا جائے گا جس طرح کہ مومنوں کی ایک جماعت کو عذاب اور حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ مومنوں اور کافروں کے بارے میں اپنے فیصلے کے ذکر کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۶ ﴾ ''پس اللہ ہی کو ہر طرح کی تعریف سزاوار ہے جو آسمانوں کا مالک اور زمین کا مالک (اور) تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔'' یعنی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب کا مالک ہے۔ ﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے۔'' یعنی آسمان و زمین میں اس کی سلطنت ہے اور وہ عظمت و شان کا مالک ہے، ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی اور اس کی محتاج ہے۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ

[1] صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن......]، حديث: 2968 جبکہ قوسین والے الفاظ صحيح ابن حبان، السير، ذكر منافسة خزنة الجنان......: 499/10، حديث: 4642 عن أبي هريرة ؓ میں ہیں۔

نَّازَعَنِی وَاحِدًا مِّنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِی النَّارِ]''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے، جو کوئی ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا تو میں اسے (جہنم کی) آگ میں پھینک دوں گا۔''① امام مسلم نے بھی اسے (مختلف الفاظ میں) بیان کیا ہے۔② ﴿ وَهُوَ الْعَزِيزُ ﴾ ''اور وہ نہایت غالب ہے'' کہ اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا اور نہ روکا جا سکتا ہے، ﴿ الْحَكِيمُ ﴿37﴾ ﴾ ''خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ اپنے اقوال، افعال اور شریعت میں حکمت والا ہے، عالی رتبہ اور پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

سورۂ جاثیہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

① سنن أبی داود، اللباس، باب ماجاء فی الکبر، حدیث:4090 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب البراءة من الکبر......، حدیث:4174 عن أبی هریرة ﷺ. ② صحیح مسلم، البر والصلة......، باب تحریم الکبر، حدیث:2620.

تفسیر
سُوْرَۂ اَحقاف

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

حٰمٓ ① (اس) کتاب کا نزول اللہ غالب و حکمت والے کی طرف سے ہے ② ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور (اس کو) جو کچھ ان

بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③

دونوں کے درمیان ہے، صحیح صحیح (غرض و غایت) اور مقررہ مدت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ان چیزوں سے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ

اعراض کر رہے ہیں جن سے انھیں ڈرایا گیا ہے ③ آپ کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو! جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ

فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④

انھوں نے زمین میں سے کیا چیز پیدا کی ہے۔ یا ان کا آسمانوں میں کوئی حصہ ہے۔ اس (قرآن) سے پہلے کی (نازل شدہ) کوئی کتاب

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

یا علمی اثاثہ میرے پاس لاؤ، اگر تم سچے ہو ④ اور اس سے زیادہ گمراہ کون شخص ہے جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا ہے جو اسے قیامت تک

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا

جواب نہیں دے سکتا؟ جبکہ وہ ان کی پکار ہی سے غافل ہیں ⑤ اور جب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن

بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥

ہوں گے، اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے ⑥

تفسیر آیات:1-6

قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے عبد و رسول محمد ﷺ پر قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس عزت کے ساتھ موصوف قرار دیا ہے جس کی طلب نہیں ہو سکتی اور اپنے آپ کو اقوال و افعال میں حکمت کے ساتھ موصوف قرار دیا ہے اور پھر ذکر فرمایا ہے: ﴿ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ ”ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے

مبنی برحکمت پیدا کیا ہے۔''عبث اور باطل طریقے سے پیدا نہیں کیا، ﴿ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ''اور ایک وقت مقرر تک کے لیے۔'' جو طے شدہ مدت متعین ہے کہ اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ ﴿ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ۳ ﴾ ''اور کافروں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے اس سے منہ پھیرنے والے ہیں۔'' یعنی غفلت و بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف کتاب کو نازل کیا اور اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے مگر یہ لوگ ان سب سے منہ پھیر رہے ہیں اور انھیں عنقریب اس کا انجام معلوم ہوجائے گا۔

مشرکین کی تردید: پھر فرمایا: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیں'' ان مشرکین اور غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں سے: ﴿ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ ''بھلا تم بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے تو دکھاؤ کہ انھوں نے زمین میں سے کون سی چیز پیدا کی ہے؟'' یعنی زمین کی اس جگہ کی نشاندہی کرو جو انھوں نے پیدا کی ہو، ﴿ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ ''یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے۔'' یعنی آسمانوں اور زمین میں ان کی ذرہ بھر شرکت نہیں ہے بلکہ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، ملکیت بھی ساری اللہ عزوجل کی ہے اور تصرف بھی صرف اسی کا کارفرما ہے تو پھر تم اس کے ساتھ غیر کی پوجا کیوں کرتے اور اس کے ساتھ شرک کیوں کرتے ہو؟ تمھاری اس طرف کس نے رہنمائی کی ہے؟ تمھیں اس کی کس نے دعوت دی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کا حکم دیا ہے؟ یا اسے تم نے از خود گھڑ لیا ہے؟ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ ﴾ ''تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ۔'' یعنی ان کتابوں میں سے کوئی کتاب لاؤ جو انبیائے کرام پر نازل کی گئی تھیں، جس میں تمھیں ان بتوں کی عبادت کا حکم دیا گیا ہو، ﴿ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ ﴾ ''یا علم (انبیاء میں) سے کچھ (منقول) چلا آتا ہو (تو اسے پیش کرو۔)'' جو اس مسلک کی دلیل ہو جسے تم نے اختیار کر رکھا ہے، ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۴ ﴾ ''اگر تم سچے ہو۔'' یعنی تمھارے پاس اس کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں ہے، اسی لیے کئی قراء نے اسے [أَوْ أَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ] پڑھا ہے، [1] یعنی یا کوئی ایسا علم صحیح جسے تم اپنے سے پہلے کسی سے نقل کرو جیسا کہ امام مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: یا کسی سے دلیل پیش کرو جو علم کو نقل کرتا ہو۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ۵ ﴾ ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو قیامت کے دن تک اسے جواب نہ دے سکے اور وہ ان کی پکار ہی سے (بےخبر) غافل ہیں۔'' یعنی اس سے بڑھ کر اور کوئی گمراہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو پکارے اور ان سے وہ مانگے جس کی قیامت تک انھیں استطاعت نہ ہو بلکہ وہ جو کہہ رہے ہوں یہ تو اس سے ہی غافل ہوں، نہ سنتے ہوں، نہ دیکھتے ہوں اور نہ پکڑتے ہوں کیونکہ یہ تو جمادات ہیں، پتھر ہیں، سننے سمجھنے سے محروم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۶ ﴾ ''اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا

---

[1] تفسیر الطبری: 4/26. [2] تفسیر الطبری: 5/26.

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ، اس حق (قرآن) کے بارے میں جبکہ وہ ان کے پاس آچکا، کہتے ہیں: یہ تو کھلا جادو

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

ہے⑦ بلکہ وہ کہتے ہیں: اس نے یہ خود گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجیے: اگر میں نے یہ خود گھڑا ہے تو تم مجھے اللہ (کے عذاب) سے (بچانے کا) کوئی اختیار نہیں

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑧

رکھتے۔ جو گفتگو تم اس (قرآن) کے بارے میں کرتے ہو وہ اس کو خوب جانتا ہے۔ وہ میرے اور تمھارے درمیان (بطور) گواہ کافی ہے۔ اور وہ نہایت

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا

بخشنے والا، خوب رحم کرنے والا ہے⑧ کہہ دیجیے: میں رسولوں سے انوکھا نہیں، اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں

مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨

تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، اور میں تو فقط صاف صاف ڈرانے والا ہوں⑨

لَهُمْ عِزًّا ۙ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ (مریم 19:81,82) ''اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و) مدد ہوں، ہرگز نہیں! وہ (معبودان باطل) عنقریب ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے مخالف (دشمن) ہوں گے۔'' یعنی وہ اس وقت انھیں دھوکا دیں گے جب انھیں ان کی مدد کی بہت ضرورت ہوگی، حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ (العنکبوت 29:25) ''بے شک تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔''

تفسیر آیات:7-9

قرآن وصاحب قرآن کے بارے میں مشرکین کے اقوال اور ان کی تردید: اللہ عزوجل نے مشرکین کے کفر وعناد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جو لفظ ومعنی کے اعتبار سے بے حد واضح اور روشن ہیں تو کہتے ہیں کہ ﴿ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ ﴾ ''یہ تو صریح جادو ہے۔'' یعنی واضح طور پر جادو ہے، حالانکہ انھوں نے کذب وافترا سے کام لیا اور ضلالت وکفر کو اختیار کیا ہے۔ ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ ﴾ ''بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو از خود بنا لیا ہے۔'' یعنی اس قرآن کو محمد ﷺ نے خود بنایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ ﴾ ''کہہ دیں کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہو تو تم اللہ سے میرے (بچاؤ کے) لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے۔'' یعنی اگر میں جھوٹ بولوں اور یوں دعویٰ کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور حقیقت میں ایسا نہ ہو تو وہ مجھے سخت سزا دے گا اور اہل زمین سے کوئی بھی، تم یا کوئی اور، مجھے اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکے گا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد

فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًاۙ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ ﴾ (الجن 23,22:72) ''(یہ بھی) کہہ دیں کہ بے شک اللہ (کے عذاب) سے مجھے کوئی ہرگز پناہ نہیں دے سکتا اور میں اس کے سوا کبھی کوئی جائے پناہ نہیں دیکھتا، ہاں اللہ کی طرف سے (احکام کا) اور اس کے پیغاموں کا پہنچا دینا (ہی میرے ذمے ہے۔)''

اور فرمایا: ﴿ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ٘ۖ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ﴾ (الحاقة 69:44-47) ''اور اگر یہ (پیغمبر) ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنالاتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' اور یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ كَفٰی بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ ﴾ ''کہہ دیں کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہو تو تم اللہ کے سامنے میرے (بچاؤ کے) لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے، وہ خوب جانتا ہے ان باتوں کو جو تم اس (قرآن) کے بارے میں کرتے ہو، میرے اور تمھارے درمیان وہ (اللہ) بطور گواہ کافی ہے۔'' یہ سخت سرزنش، شدید تخویف اور زبردست ڈرانا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ ''اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یہ ان لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ اگر تم اللہ کی طرف رجوع کرلو اور توبہ کرلو تو وہ تمھاری توبہ قبول فرمالے گا، تمھیں عفو و بخشش سے نوازے گا اور تم پر رحم فرمائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ (الفرقان 25:5,6) ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کررکھا ہے، پس وہ صبح وشام اس پر پڑھی جاتی ہیں، کہہ دیں کہ اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ ''کہہ دیں کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں۔'' یعنی میں دنیا میں آنے والا کوئی پہلا رسول نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی کئی رسول آئے ہیں، میں کوئی ایسی نئی بات تو نہیں لایا جس کی کوئی نظیر نہ ہو کہ تم اپنی طرف سے میری بعثت کو عجیب وغریب سمجھو، مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کی امتوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ ؕ ﴾ ''اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا (سلوک) کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ ﴾ (الفتح 48:2) ''تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔''[1] عکرمہ، حسن اور قتادہ نے بھی کہا ہے کہ یہ آیت سورۂ فتح کی مذکورہ بالا آیت کے ساتھ منسوخ ہے، نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب سورۂ احقاف کی یہ آیت نازل ہوئی تو ایک مسلمان نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ جو کرنے والا ہے وہ تو اس نے بیان کردیا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3293/10.

کرے گا؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ (الفتح 48:5) ''اس لیے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، داخل کرے۔''① انھوں نے اسی طرح کہا ہے لیکن جو بات صحیح حدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ مومنوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کو یہ مبارک ہو مگر سوال یہ ہے کہ ہمارے لیے کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔②

امام احمد نے خارجہ بن زید بن ثابت سے روایت کیا ہے، انھوں نے ام علاء سے، یہ ان کے خاندان کی ایک خاتون تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی، انھوں نے کہا کہ جب انصار نے مہاجرین کی رہائش کے لیے قرعہ اندازی کی تو قرعہ اندازی میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان کے حصے میں آئے، پھر ہمارے پاس عثمان رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو ہم نے ان کی بیمار پرسی کی، حتی کہ جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے انھیں کفن پہنایا، رسول اللہ ﷺ جب ہمارے گھر میں تشریف لائے تو میں نے کہا: ابو سائب! (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی کنیت) آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں آپ کے بارے میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کرم کا معاملہ فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللّٰهَ أَكْرَمَهُ؟] ''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کرم کا معاملہ فرمایا ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں مجھے نہیں معلوم تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا هُوَ، فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ مِنْ رَبِّهِ وَإِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَاللّٰهِ! مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِي] ''ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے (اچھی حالت میں) موت آئی ہے اور میں ان کے لیے خیر کی امید کرتا ہوں اور اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم، حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔'' حضرت ام علاء نے عرض کی: اللہ کی قسم! اس کے بعد میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کا تزکیہ نہیں کروں گی، رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نے مجھے غمزدہ کر دیا تو میں نے عثمان کا خواب میں ایک رواں دواں چشمہ دیکھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا یہ خواب سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ذَاكَ عَمَلُهُ] ''یہ ان کا عمل ہے۔''③ اسے صرف امام بخاری ہی نے روایت کیا ہے (امام مسلم نے نہیں)۔④ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِهِ] ''میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کے باوجود مجھے نہیں معلوم کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔''⑤

یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ کسی معین انسان کے لیے قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جنتی ہے، البتہ جن لوگوں کا نص سے جنتی ہونا ثابت ہو تو انھیں جنتی قرار دیا جائے گا، جیسے عشرہ مبشرہ، ابن سلام، غُمَیصاء، بلال، سراقہ، جابر کے والد گرامی عبداللہ بن عمرو بن حرام، وہ ستر قرائے کرام جنھیں بئر معونہ میں شہید کر دیا گیا تھا، زید بن حارثہ، جعفر، ابن رواحہ اور اس طرح کے وہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں رسول اللہ ﷺ نے جنتی قرار دیا ہے۔ ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا

① تفسير الطبري: 10/26. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4172 ومسند أحمد: 122/3 عن أنس رضي الله عنه. ③ مسند أحمد: 436/6. ④ صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت......، حديث: 1243. ⑤ صحيح البخاري، الشهادات، باب القرعه فى المشكلات، حديث: 2687.

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو! اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا (تو تمھارا انجام کیا ہوگا؟) اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی

ع 1/10 عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ

(کتاب اترنے) کی گواہی دے چکا، پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا⑩ اور کفر کرنے والوں نے ایمان

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ

لانے والوں سے کہا: اگر وہ (دین) بہتر ہوتا تو وہ (عام لوگ) اس (کو قبول کرنے) میں ہم سے پہل نہ کرتے، اور جب انھوں نے اس (قرآن) کے ذریعے

فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ

سے ہدایت نہ پائی تو اب وہ ضرور کہیں گے کہ یہ قدیم جھوٹ ہے⑪ اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی، اور یہ (قرآن) عربی

مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ ج اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا

زبان میں تصدیق کرنے والی کتاب ہے، تاکہ وہ ان لوگوں کو ڈرائے جنھوں نے ظلم کیا، اور نیکی کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہے⑫ بے شک جن

رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ ج اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے، تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے⑬ یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭

رہیں گے۔ (یہ) ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کیا کرتے تھے⑭

يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ ”میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام مجھ پر بذریعہ وحی نازل فرمائے ہیں میں ان کی اتباع کرتا ہوں، ﴿ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨ ﴾ ”اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں۔“ یعنی میرا کام تو کھلم کھلا ڈرانا ہے اور میرا معاملہ ہر صاحب عقل و دانش کے لیے واضح ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:10-14

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”﴿ قُلْ ﴾ کہہ دیں“ اے محمد (ﷺ!) ان مشرکین اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کرنے والوں سے: ﴿ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ ﴾ ”بھلا تم بتاؤ! اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا (تو تمھارا انجام کیا ہوگا؟)“ یعنی یہ کتاب جسے میں تمھارے پاس لے کر آیا ہوں اگر اسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے تاکہ میں تمھیں یہ پہنچا دوں اور تم کفر اور تکذیب سے کام لے رہے ہو تو اس بات پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ ﴾ ”اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اسی طرح (کی ایک کتاب) کی گواہی دے چکا ہے۔“ یعنی اس کتاب کی صداقت و صحت کی تو وہ سابقہ کتب بھی گواہی دے چکی ہیں جنھیں مجھ سے پہلے انبیائے کرام پر نازل کیا گیا تھا، ان کتابوں نے بھی اسی طرح کی بشارتیں اور خبریں دی تھیں جس طرح اس قرآن مجید نے دی ہیں۔ ﴿ فَاٰمَنَ ﴾ ”پھر وہ ایمان لے آیا۔“ یعنی بنی اسرائیل میں سے وہ شخص جس نے اس کی حقیقت کو

جاننے کی وجہ سے اس کی صداقت کی شہادت دی تھی، ﴿ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ ﴾ ''اور تم نے سرکشی کی'' اس کی اتباع سے۔ مسروق کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شاہد اپنے نبی اور اپنی کتاب پر ایمان لایا مگر تم اپنے نبی اور اپنی کتاب کے ساتھ کفر کر رہے ہو۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ ﴾ ''بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' لفظ ﴿ شَاهِدٌ ﴾ یہاں اسم جنس ہے جو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر سب لوگوں کو شامل ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے جو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل نازل ہوئی تھی اور یہ اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 53:28) ''اور جب وہ (قرآن) ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 108,107:17) ''بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں چلنے والے کسی شخص کو، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سوا، اہل جنت میں سے قرار دیا ہو، انھوں نے کہا کہ انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ ﴾ ''اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس کی مثل کی گواہی دے چکا ہے۔'' اسے امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، یوسف بن عبداللہ بن سلام، ہلال بن یساف، سدی، ثوری، مالک بن انس اور ابن زید نے اسی طرح کہا ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ ﴾ ''اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔'' یعنی قرآن مجید کے ساتھ ایمان لانے والوں کے بارے میں انھوں نے کہا کہ اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے، ان کی مراد حضرت بلال، عمار، صہیب اور ان جیسے کمزوروں، غلاموں اور لونڈیوں سے تھی، اس لیے کہ وہ اپنے بارے میں گمان رکھتے تھے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں وجاہت اور قدر و منزلت حاصل ہے، حالانکہ ان کا یہ خیال غلط اور باطل تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ ﴾ (الأنعام 53:6) ''اور اسی طرح ہم نے بعض کی بعض سے آزمائش کی تاکہ وہ (جو دولت مند، غریبوں کی نسبت) کہیں: کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ

---

[1] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب مناقب عبداللّٰه بن سلام ﷺ، حدیث: 3812 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبداللّٰه بن سلام، حدیث: 2483 والسنن الکبرٰی للنسائی، المناقب، باب عبداللّٰه بن سلام ﷺ: 70/5، حدیث: 8252. [2] تفسیر الطبری: 15,14/26 و تفسیر القرطبی: 188/16.

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے تکلیف سے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا، اور تکلیف سے جنا،

وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ

اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت) ہے، حتی کہ جب وہ اپنی قوت وطاقت (کمال جوانی) کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے دعا

أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا

کی: اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی، اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو

تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑮

تو پسند کرے، اور تو میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی، اور بلاشبہ میں مسلمانوں میں سے ہوں⑮ یہ وہ لوگ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ

ہیں جن سے ہم اچھے عمل قبول کرتے ہیں، جو انھوں نے کیے، اور ان کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، (تو یہ) جنتیوں میں ہوں گے۔ (یہ) سچا

الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ⑯

وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا رہا ہے⑯

نے ہم میں سے فضل کیا ہے۔'' یعنی یہ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ہمارے بجائے یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے، اسی لیے تو انھوں نے کہا: ﴿ لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَآ إِلَيْهِ ۚ ﴾ ''اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔'' جبکہ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ قول وفعل جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے، چنانچہ اگر وہ قول یا فعل خیر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت فرماتے کیونکہ انھوں نے نیکی کے کسی بھی کام کو چھوڑا نہیں بلکہ اس کی طرف مبادرت و سبقت کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَآ إِفْكٌ قَدِيمٌ ⑪ ﴾ ''اور جب وہ اس (قرآن) سے ہدایت یافتہ نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔'' یعنی یہ وہ پرانا جھوٹ ہے جو پہلے لوگوں سے منقول ہوتا چلا آرہا ہے، اس طرح وہ قرآن اور قرآن مجید پر ایمان لانے والوں کی تنقیص کرتے ہیں اور یہی وہ تکبر ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ] ''تکبر حق کا انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔''①

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰٓ ﴾ ''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی۔'' یعنی تورات۔ ﴿ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ وَهَٰذَا كِتَابٌ ﴾ ''لوگوں کے لیے رہنما اور رحمت اور یہ کتاب۔'' یعنی قرآن مجید ﴿ مُّصَدِّقٌ ﴾ ''تصدیق کرنے والی ہے۔'' سابقہ آسمانی کتابوں کی، ﴿ لِّسَانًا عَرَبِيًّا ﴾ ''عربی زبان میں۔'' جو فصیح، روشن اور واضح ہے، ﴿ لِّيُنْذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ⑫ ﴾ ''تاکہ وہ ظالموں کو ڈرائے اور نیکوکاروں کے لیے خوش خبری ہے۔'' یعنی یہ کافروں کے لیے ڈر اور مومنوں کے لیے خوش خبری پر مشتمل ہے۔

① صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، حديث: 91 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں سورۂ حٰمٓ سجدہ میں گزر چکی ہے۔[1] ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ ﴾ ''تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا'' مستقبل کی زندگی میں، ﴿ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ ''اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' چھوڑی ہوئی دنیا پر۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ ''یہی اہل جنت ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' یعنی اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے انھیں رحمت حاصل ہوئی اور وہ پوری طرح اس کے مستحق ہوئے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:16,15

اللہ تعالیٰ کی والدین کے بارے میں وصیت: اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے توحید، اخلاص، عبادت اور استقامت کا ذکر فرمایا تھا اور اب اس آیت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے اور قرآن مجید کے کئی ایک مقامات پر یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 23:17) ''اور آپ کے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔'' اور فرمایا: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴾ (لقمٰن 14:31) ''یہ کہ مجھے میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' علاوہ ازیں اس موضوع کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اور یہاں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ﴾ ''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔'' یعنی ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور ان کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ امام ابوداود طیالسی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ام سعد نے سعد سے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت کا حکم نہیں دیا؟[2] میں تو اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی جب تک تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر نہ کرو، پھر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا حتی کہ اس کے گھر والے لاٹھی کے ساتھ اس کے منہ کو کھولتے تھے تاکہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ڈال دیں، اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ﴾ ''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔''[3] ابن ماجہ کے سوا اسے امام مسلم اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

﴿ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا ﴾ ''اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا۔'' یعنی اس نے اس کی وجہ سے دوران حمل

---

[1] دیکھیے حٰمٓ السجدة، آیت:30 کے ذیل میں۔ [2] سعد رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے، چونکہ ان کی والدہ مشرکہ تھی، اس نے اپنے بیٹے کو اسلام چھوڑنے کا کہا اور دلیل کے طور پر یہ بات بھی کہی کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ [3] مسند أبی داود الطیالسی، أحادیث سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ :1/168-170، حدیث:205. [4] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ، حدیث:1748، بعد الحدیث:2412 وسنن أبی داود، الجهاد، باب فی النفل، حدیث:2740 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة العنكبوت، حدیث:3189 والسنن الكبرٰی للنسائی، باب التفسیر، سورة الأنفال: 6/348,349، حدیث:11196.

بہت مشقت، تھکاوٹ، مختلف چیزوں کے کھانے کی خواہش (کی مشقت)، متلی، بوجھ اور تکلیف کو اٹھایا، نیز دیگر عوارض جو حاملہ خواتین کو پیش آتے ہیں۔ ﴿ وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ ﴾ ''اور اسے تکلیف ہی سے جنا۔'' یعنی وضع حمل کی تکلیفوں اور سختیوں کو بھی برداشت کیا۔ ﴿ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ ﴾ ''اور اس کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ، سورۂ لقمان کی آیت جس میں یہ الفاظ ہیں: ﴿ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ ﴾ (لقمٰن 31: 14) ''اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔'' اور سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ ﴾ (البقرة 2: 233) ''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔'' سے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور یہ ایک قوی اور صحیح استنباط ہے، حضرت عثمان اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے بھی اس استدلال میں آپ سے اتفاق کیا ہے۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے بعجہ بن عبداللہ جہنی سے روایت کیا ہے کہ ہمارے ایک شخص نے جہینہ قبیلے کی ایک عورت سے شادی کی تو اس نے پورے چھ ماہ بعد اس کے بیٹے کو جنم دے دیا، اس عورت کا شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس نے آپ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا، حضرت عثمان نے اس عورت کو بلا بھیجا تو وہ اپنے کپڑے پہننے کے لیے کھڑی ہوئی تو اس کی بہن رونے لگی؟ اس نے پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اپنے اس شوہر کے سوا اور کسی نے میرے ساتھ کبھی اختلاط نہیں کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ میرے بارے میں جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا، جب اس عورت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات پہنچی تو وہ آپ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس عورت نے پورے چھ ماہ بعد بچے کو جنم دیا ہے تو کیا چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوسکتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ﴿ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ ﴾ ''اور اس کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔'' اور یہ فرمان کہ ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ﴾ (البقرة 2: 233) ''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔'' اس طرح حمل کے لیے چھ ماہ بچتے ہیں، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں اس بات کو نہیں سمجھ سکا تھا، عورت کو میرے پاس واپس لاؤ مگر لوگ اسے رجم کر کے فارغ ہو چکے تھے۔ بعجہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! اس بچے کو اپنے باپ کے ساتھ اس قدر مشابہت تھی کہ کوے کو کوے کے ساتھ اور انڈے کو انڈے کے ساتھ بھی اس طرح مشابہت نہیں ہوتی، جب اس کے باپ نے اسے دیکھا تو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اللہ کی قسم! مجھے اس کے بارے میں کوئی شک نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس آزمائش میں مبتلا کر دیا کہ اس کے چہرے پر گوشت کھانے والا ایک پھوڑا نکل آیا جو اسے مسلسل کھاتا رہا حتی کہ وہ مرگیا۔ اسے ابن ابوحاتم اور ابن منذر نے بیان کیا ہے۔[1]

ابن ابوحاتم نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عورت نو ماہ بعد بچے کو جنم دے تو پھر اس کے لیے

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 10/3293,3294.

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ

اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تم دونوں پر اُف (افسوس) ہے! کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ مجھے (قبر سے) نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے

قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ

پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جبکہ وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے (اور کہتے) ہیں: تو ہلاک ہو جائے! ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تب وہ

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ⑰ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہتا ہے: یہ تو بس اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں⑰ یہ وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کی) بات ثابت ہو گئی، جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں کے

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ⑱ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ

ساتھ جو ان سے پہلے گزر رہے ہیں، بے شک وہ خسارہ پانے والے تھے⑱ اور ہر ایک کے لیے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہیں، اور تاکہ وہ (اللہ)

اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ⑲ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ

انھیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا⑲ اور جس دن اہل کفر کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، (تو کہا جائے گا:) تم نے

فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ

دنیاوی زندگی ہی میں اپنی لذتوں کا (پورا) حصہ لے لیا، اور تم نے ان سے فائدہ اٹھا لیا، چنانچہ آج تمھیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس

تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ⑳ ع 2 ع 10 2

لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے رہے، اور اس لیے کہ تم فسق و فجور کرتے رہے⑳

اکیس ماہ تک دودھ پلانا بھی کافی ہے اور اگر وہ سات ماہ بعد جنم دے تو پھر اس کے لیے تیئیس ماہ تک دودھ پلانا کافی ہے اور اگر وہ چھ ماہ بعد بچے کو جنم دے تو پھر اسے پورے دو سال دودھ پلانا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ﴾ ''اور اس کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔''[1] ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ ''یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا ہے۔'' کڑیل اور رعنا جوان بن جاتا ہے۔ ﴿وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً﴾ ''اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے۔'' اور اس کی عقل پختہ اور فہم اور حلم کامل ہو جاتا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں آدمی کے جو عادات و اطوار ہوتے ہیں وہ عموماً تبدیل نہیں ہوتے۔ ﴿قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ﴾ ''تو اس نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے (الہام کر دے) کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر گزار بنوں اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جسے تو پسند کرے۔'' یعنی مستقبل میں نیک عمل کروں، ﴿وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ⑮﴾ ''اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح (وتقویٰ پیدا) کر دے، بے شک میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہے کہ جو شخص چالیس برس کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ توبہ اور انابت الی اللہ کی تجدید کرے بلکہ پکی سچی توبہ کرے۔

① تفسیر ابن أبی حاتم: 3294/10.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے (اور یہی) اہل جنت میں ہوں گے۔'' یعنی یہ لوگ جو ان اوصاف سے متصف ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے والے، اس کی طرف رجوع کرنے والے اور جو اپنی کمی وکوتاہی کو توبہ واستغفار کر کے پورا کرنے والے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی بہت سی لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل کو بھی شرفِ قبولیت سے نواز دیتا ہے۔ ﴿ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ﴾ ''(اور یہی) اہل جنت میں ہوں گے۔'' یہ لوگ اصحاب جنت میں سے ہوں گے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بارے میں یہ حکم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے یہ وعدہ فرمایا ہے جو اس کی طرف توبہ اور رجوع کرے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴾ ''(یہ) سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا ہے۔''

تفسیر آیات:17-20

نافرمان اولاد کا انجام: والدین کے لیے دعا کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کے ذکر اور انھیں حاصل ہونے والی کامیابی ونجات کے بیان کے بعد رب تعالیٰ نے بدنصیبوں اور والدین کے نافرمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ ''اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم دونوں پر اُف (افسوس۔)'' اور یہ آیت کریمہ عام ہے اور ہر اس شخص سے متعلق ہے جو اپنے والدین سے یہ کہے اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا قول ضعیف اور مردود ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما تو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور وہ ایک اچھے مسلمان بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یوسف بن ماہک سے روایت کیا ہے کہ مروان حجاز کا گورنر تھا اور اسے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے گورنر مقرر کیا تھا، اس نے خطبہ دیا اور خطبے میں یزید بن معاویہ کا ذکر شروع کر دیا تا کہ ان کے باپ کے بعد ان کی بیعت کی جائے تو عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے اس سے کوئی بات کی تو اس نے کہا کہ انھیں پکڑ لو تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے، لہٰذا وہ انھیں نہ پکڑ سکے تو مروان نے کہا کہ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ﴾ ''اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم دونوں پر اُف (افسوس!) کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا (دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟) اور تحقیق مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔'' یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پسِ پردہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں قرآن مجید میں میری براءت کے سوا اور کچھ نازل نہیں فرمایا ہے۔[1]

اسی طرح امام نسائی نے محمد بن زیاد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لی تو مروان نے کہا کہ یہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے تو عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ تو ہرقل اور قیصر کی سنت ہے، مروان نے کہا کہ

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ (الأحقاف 46:17)، حدیث: 4827.

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿ وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ بات پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ مروان نے جھوٹ بولا ہے، اللہ کی قسم! یہ آیت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ ایک اور شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ میں اگر چاہوں تو اس کا نام بتا سکتی ہوں اور یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت فرمائی تھی جب مروان ابھی تک اس کی پشت میں تھا، پس مروان اللہ تعالیٰ کی لعنت سے جدا شدہ ٹکڑا ہے۔[1]

﴿ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ﴾ ''کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا (دوبارہ زندہ کیا) جاؤں گا، حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔'' یعنی بہت سے لوگ پہلے گزر چکے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اس کی خبر دینے کے لیے واپس نہیں آیا، ﴿ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ ﴾ ''اور وہ دونوں اللہ کی جناب میں فریاد کرتے (ہوئے کہتے) تھے۔'' یعنی وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ وہ اسے ہدایت عطا فرمائے اور وہ اپنے بیٹے سے بھی یہ کہتے تھے: ﴿ وَیْلَكَ اٰمِنْ ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴿ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿17﴾ ﴾ ''تیرا ناس ہو ایمان لے آ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو کہنے لگا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿18﴾ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن پر (عذاب کی) بات ثابت ہوگئی ان امتوں سمیت جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں جنوں اور انسانوں میں سے، بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے۔'' یعنی یہ لوگ بھی اپنے ہی جیسے ان کافروں کے زمرے میں داخل ہو چکے ہیں جو روز قیامت اپنے اور اپنے اہل وعیال کو نقصان پہنچانے والے ہوں گے۔ ﴿ وَالَّذِیْ قَالَ ﴾ کے بعد ﴿ اُولٰٓىِٕكَ ﴾ کے ساتھ اس بات کو ذکر کرنا اس کی دلیل ہے جو ہم نے کہا ہے کہ اس سے مراد ان لوگوں کی جنس ہے اور یہ بات عام اور ان سب لوگوں پر مشتمل ہے جو اس طرح کے ہوں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق ہر وہ کافر و فاجر ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان اور بعث بعد الموت کی تکذیب کرتا ہو۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ ﴾ ''اور لوگوں نے جیسے کام کیے ہوں گے، ان کے مطابق سب کے درجے ہوں گے۔'' یعنی ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق عذاب ہوگا۔ ﴿ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿19﴾ ﴾ ''اور تاکہ ان کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی وہ کسی پر بھی ذرہ بھر بلکہ اس سے بھی کمتر ظلم نہیں کرے گا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ جہنم کے درجے نیچے کی طرف اور جنت کے درجے اوپر کی طرف جاتے ہیں۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ﴾ ''اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے کیے جائیں گے (تو کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان سے متمتع ہو چکے۔'' یعنی یہ بات انھیں زجر و توبیخ کے طور پر کہی جائے گی۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کھانے

[1] السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ ﴾ :459,458/6، حدیث:11491.

[2] تفسیر الطبری:26/26. [3] تفسیر الطبری:27/26.

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ

اور عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجیے جب اس نے احقاف (یمن) میں اپنی قوم کو ڈرایا۔ اور یقیناً اس سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے گزر چکے اور اس کے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

بعد بھی، یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بلاشبہ میں تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (21) انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس

عَظِيْمٍ ﴿21﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ

اس لیے آیا ہے کہ تو ہمیں ہمارے معبودوں (کی پرستش) سے پھیر دے۔ چنانچہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آ جس کا تو

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿22﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ

ہمیں وعدہ دیتا ہے (22) (ہود نے) کہا: بس (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں تمھیں وہ چیز پہنچا رہا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا اور لیکن میں

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿23﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا

تمھیں ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ تم جہالت کرتے ہو (23) پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ ان کی وادیوں کے سامنے ایک بادل چلا آ رہا ہے

هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿24﴾ ۙ

تو وہ کہنے لگے: یہ بادل ہم پر بارش برسانے والا ہے (ہود نے کہا: نہیں!) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جسے تم جلدی طلب کرتے تھے۔ (یہ) آندھی ہے، اس

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي

میں نہایت دردناک عذاب ہے (24) وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی، پھر وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا (وہاں) کچھ بھی دکھائی

الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿25﴾

نہ دیتا تھا، ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں (25)

پینے کی کئی اچھی اچھی چیزوں کو از خود ترک کر دیا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن سے زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا: ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ﴾ ''تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان سے متمتع ہو چکے ہو۔''[1] ابومجلز رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کئی لوگ اپنی دنیا کی زندگی میں کی گئی نیکیوں کو کم پائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾ ''تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے ہو۔'' نیز اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿20﴾﴾ ''سو آج تم کو ذلت کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا، یہ اس کی سزا ہے کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بدکرداری کرتے تھے۔'' تو انھیں ان کے عمل کی جنس کے مطابق سزا دی جائے گی جیسا کہ انھوں نے اپنے آپ کو عیش و عشرت سے رکھا، اتباع حق سے منہ موڑا اور فسق و فجور کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ انھیں ذلت کا عذاب دیں گے اور وہ یہ کہ انھیں ذلیل و رسوا کیا جائے گا، دکھ دینے والے آلام اور مسلسل حسرت و ندامت میں مبتلا کیا جائے گا

[1] تفسیر القرطبی: 202,201/16.

اور جہنم کے انتہائی خوفناک مقامات میں انھیں رکھا جائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے ان سب عذابوں سے محفوظ رکھے۔

تفسیر آیات:21-25

قومِ عاد کا قصہ: نبی ﷺ کی قوم کے لوگوں نے جب آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاذۡكُرۡ اَخَا عَادٍ ﴾ ''اور (قوم) عاد کے بھائی کو یاد کریں۔'' اور وہ حضرت ہود علیہ السلام ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا جو سرزمین احقاف میں رہتے تھے۔ أَحقاف، حِقف کی جمع ہے اور حِقف ریت کے پہاڑ کو کہتے ہیں، یہ ابن زید کا قول ہے۔[1] اور عکرمہ کہتے ہیں کہ احقاف کے معنی پہاڑ اور غار کے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ عاد یمن کا ایک قبیلہ تھا جو ریت والے علاقے میں رہتا تھا اور شحر نامی جگہ میں ساحل سمندر پر تھا۔[2] امام ابن ماجہ نے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے: بَابٌ: إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ ''دعا کرتے وقت اپنے آپ سے شروع کرنے کا باب۔'' اور پھر انھوں نے اس باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَأَخَا عَادٍ] ''اللہ تعالیٰ ہم پر اور قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) پر رحم فرمائے۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖۤ ﴾ ''اور بلاشبہ ان سے پہلے اور پیچھے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے شہروں کے گردو پیش کے علاقوں میں بھی انبیائے کرام کو بھیجا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا ﴾ (البقرۃ 2:66) ''پھر ہم نے اس (قصے) کو اس وقت کے لوگوں کے لیے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے، عبرت بنا دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۝ اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:13،14) ''پھر اگر یہ منہ پھیریں تو کہہ دیں کہ میں تم کو (ایسی) چیخ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہوں جیسے عاد اور ثمود پر چیخ (کا عذاب) آیا تھا جب ان کے پاس پیغمبران کے آگے اور پیچھے سے آئے کہ اللہ کے سوا (کسی کی) عبادت نہ کرو۔'' ﴿ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۲۱ ﴾ ''مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔'' یہ حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے کہا تھا تو ان کی قوم نے جواب دیا: ﴿ اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۲۲ ﴾ ''کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ پس اگر تم سچوں میں سے ہو تو جس چیز کا تم ہمیں وعدہ دیتے ہو اسے ہم پر لے آؤ۔'' انھوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا جلد مطالبہ اس لیے کیا کہ وہ اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ ﴾ (الشوریٰ 42:18) ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔''

[1] تفسیر الطبری: 32/26. [2] تفسیر الطبری: 31/26. [3] سنن ابن ماجہ، الدعاء، باب إذا دعا أحدکم......، حدیث: 3852.

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ”اس نے کہا کہ یقیناً (اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ تمھیں بھی جانتا ہے اگر تم جلد عذاب کے مستحق ہوئے تو وہ تمھیں عنقریب عذاب میں مبتلا کر دے گا جبکہ میرا کام یہ ہے کہ میں تم تک اس پیغام کو پہنچا دوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے، ﴿ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴾ ”لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت (کی باتیں) کرتے ہو۔“ اور عقل وشعور سے کام نہیں لے رہے ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ﴾ ”پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل کی صورت میں ان کے میدانوں کی طرف آرہا ہے۔“ یعنی اپنی طرف عذاب کو آتے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ وہ بادل ہے جو بارش برسائے گا اور وہ اس پر شاداں وفرحاں ہونے لگے کیونکہ قحط سالی کی وجہ سے انھیں بارش کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ”(نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے (یعنی) آندھی جس میں دردناک عذاب ہے۔“ یعنی یہ وہی عذاب ہے جس کا مطالبہ کرتے ہوئے تم نے کہا تھا: ﴿ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ ”پس اگر تم سچوں میں سے ہو تو جس چیز کا تم ہمیں وعدہ دیتے ہو اسے ہم پر لے آؤ۔“ ﴿ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ ﴾ ”وہ ہر چیز کو تباہ کر دیتی ہے۔“ یعنی ان کے علاقے کی ہر چیز کو تباہ وبرباد کر رہی ہے، ﴿ بِاَمْرِ رَبِّهَا ﴾ ”اپنے پروردگار کے حکم سے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اس کا حکم دے دیا تھا جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴾ (الذّٰریٰت 51:42) ”وہ جس چیز پر چلتی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔“ یعنی اسے بوسیدہ کر دیتی تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ﴾ ”تو وہ ایسے ہوگئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔“ یعنی ان سب کو اول سے آخر تک تباہ وبرباد کر دیا گیا اور ان کی کوئی چیز باقی نہ بچی۔ ﴿ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ ”مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔“ یعنی جو ہمارے رسولوں کی تکذیب کریں اور ہمارے حکم کی مخالفت کریں تو ان کے بارے میں ہمارا یہی فیصلہ ہوتا ہے۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی اس طرح کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ جس سے حلق کا گوشت نظر آنے لگے بلکہ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھٹا یا آندھی کو دیکھتے تو اس کی وجہ سے چہرۂ اقدس پر (پریشانی کی وجہ سے) آثار نمایاں نظر آنے لگتے، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگ جب گھٹا کو دیکھتے ہیں تو اس امید سے خوش ہوتے ہیں کہ اس سے بارش ہوگی مگر میں یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرۂ اقدس پر ناپسندیدگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَا عَائِشَةُ! مَا يُؤْمِنِّي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ، قَدْ عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ الْعَذَابَ فَقَالُوا: ﴿ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ﴾] ”عائشہ! مجھے اس وجہ سے پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ کہیں اس میں عذاب نہ ہو کیونکہ ایک قوم کو آندھی کے عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا تھا اور ایک قوم نے جب عذاب کو دیکھا تو کہا کہ یہ بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔“[1] اسے امام بخاری و

[1] مسند أحمد: 66/6.

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۡ فَمَآ اَغْنٰى

اور یقیناً ہم نے قوم عاد کو اس چیز کی قدرت دی تھی جس کی تمھیں قدرت نہیں دی، اور ہم نے انھیں کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے، تو ان کے

عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

کانوں اور ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں نے انھیں کوئی فائدہ نہ دیا جبکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے اور انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا

ع 3/6/3 وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿26﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا

وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿26﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تمھارے آس پاس کی بستیاں ہلاک کر دیں، اور ہم نے آیات پھیر پھیر کر بیان کیں تا کہ وہ (ہماری

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿27﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ

طرف) رجوع کریں ﴿27﴾ پھر ان لوگوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی جنھیں انھوں نے قرب (الٰہی) حاصل کرنے کے لیے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنا رکھا تھا، بلکہ

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿28﴾

(معبود) ان سے گم ہو گئے، اور یہ تھا ان کا جھوٹ، اور ان کا افترا ﴿28﴾

مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔ ①

اور امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان کے کسی کنارے پر گھٹا دیکھتے تو کام چھوڑ دیتے اور اگر نماز میں ہوتے تو نماز سے فارغ ہو کر یہ دعا کرتے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيهِ] ''اے اللہ! اس میں جو برائی ہے، میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' اگر اللہ تعالیٰ اسے کھول دیتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے اور اگر بارش برسنے لگتی تو یہ دعا فرماتے: [اَللّٰهُمَّ! صَيِّبًا نَّافِعًا] ''اے اللہ! یہ بارش موسلا دھار اور نفع بخش ہو۔''②

امام مسلم نے صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ جب آندھی چلتی تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِيهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ] ''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی، جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی اور جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے، اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے اس کی برائی، جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی اور جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے، اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آسمان پر گھٹا چھا جاتی تو رسول اللہ ﷺ کا رنگ متغیر ہو جاتا، آپ کبھی گھر کے اندر آتے اور کبھی باہر تشریف لے جاتے، کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے آجاتے اور جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ پر سکون ہو جاتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی پریشانی کی اس کیفیت کو بھانپ لیا تو اس بارے میں آپ سے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَعَلَّهٗ، يَاعَائِشَةُ! كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ: ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ﴾] ''عائشہ! شاید بات وہ نہ ہو جیسا کہ قومِ عاد نے کہا تھا: ''پھر

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ﴾ (الأحقاف 24:46)، حديث: 4829,4828 وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح......، حديث: (16)-899. ② مسند أحمد: 190/6.

انھوں نے جب اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل کی صورت میں ان کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے: یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔'' ① ہم نے قوم عاد کی تباہی و ہلاکت کا قصہ تفصیل کے ساتھ دو سورتوں اعراف اور ہود میں ذکر کیا ہے۔ ② لہٰذا اس کے اعادے کی اب ضرورت نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ تَعَالَى الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیات:26-28

ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ اس لیے ہے کہ لوگ پلٹ آئیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے سابقہ امتوں کو دنیا میں ایسے اموال واولاد اور ایسی ایسی چیزیں دی تھیں کہ ان جیسی یا ان کے قریب تمھیں نہیں دیں، ﴿ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ﴾ ''اور ہم نے انھیں کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے، جب وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آسکے اور نہ آنکھیں اور نہ دل اور جس چیز سے استہزا کیا کرتے تھے اس نے ان کو آگھیرا۔'' یعنی اس عذاب الٰہی نے انھیں آ کر گھیر لیا جس کی وہ تکذیب کرتے اور جس کے وقوع پذیر ہونے کو وہ بعید سمجھتے تھے تو اے لوگو! ڈر جاؤ کہیں تم بھی ان جیسے نہ ہو جانا کہ تم بھی دنیا و آخرت میں اسی طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ جس طرح کے عذاب میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے تمھارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔'' یعنی اہل مکہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گرد و پیش کی انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا، مثلاً: قوم عاد جو سرزمین احقاف، یعنی یمن میں حضر موت میں رہتے تھے اور قوم ثمود جن کے مقامات ان کے اور شام کے درمیان تھے، اسی طرح سبا، یعنی اہل یمن اور اہل مدین جو غزہ کی طرف ان کے رستے اور گزرگاہ میں رہتے تھے، اسی طرح بحیرۂ قوم لوط جس کے پاس سے وہ گزرتے تھے۔ ﴿ وَ صَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر آیتیں بیان کیں۔'' یعنی انھیں بیان کر دیا اور واضح کر دیا، ﴿ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ ﴾ ''تاکہ وہ رجوع کریں، تو جن کو ان لوگوں نے تقرب (الٰہی) کے لیے اللہ کے سوا معبود بنایا تھا انھوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی؟'' یعنی انھوں نے ان کی ضرورت کے وقت ان کی کیوں مدد نہ کی؟ ﴿ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ ﴾ ''بلکہ وہ ان (کے سامنے) سے گم ہو گئے۔'' یعنی جب انھیں ان کی شدید حاجت و ضرورت تھی اس وقت بھی وہ ان کے کچھ کام نہ آسکے۔ ﴿ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ ﴾ ''اور یہ ان کا جھوٹ تھا۔'' افک کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ﴿ وَ مَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ ﴾ ''اور جو وہ افترا کیا کرتے تھے۔'' یعنی انھیں معبود بنا لینے میں افترا کیا کرتے تھے اور ان کی عبادت کرنے اور ان پر اعتماد کرنے کی وجہ سے وہ خائب و خاسر ہو گئے۔

① صحیح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤیة الریح......، حدیث: (15)-899 . ② دیکھیے الأعراف، آیات: 65-72 وھود، آیات: 50-60 کے تحت.

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ

اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے، تو

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿29﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ

(ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، چنانچہ جب (تلاوت) ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر پھرے ﴿29﴾ انھوں نے کہا: اے ہماری

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿30﴾

قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں، وہ حق کی طرف

يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے ﴿30﴾ اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات کو قبول کرلو، اور اس پر ایمان لے آؤ، وہ تمھارے لیے تمھارے

اَلِيْمٍ ﴿31﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ

گناہ بخش دے گا، اور وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب سے پناہ دے گا ﴿31﴾ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات قبول نہیں کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو)

اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿32﴾

عاجز نہیں کر سکے گا اور اللہ کے سوا اس کے کوئی حمایتی نہیں ہوں گے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿32﴾

تفسیر آیات: 29-32

جنوں کے قرآن سننے کا قصہ: امام احمد رحمہ اللہ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ﴾ ”اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے۔“ یعنی مقام نخلہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء ادا فرما رہے تھے۔ ﴿كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ﴾ (الجن 72:19) ”تو قریب تھے کہ وہ اس پر بھیڑ کر کے پل پڑنے والے ہوں۔“ سفیان کہتے ہیں کہ اَللِّبَدُ کے معنی ایک دوسرے پر پڑنے والے کے ہیں، جیسے نمدہ، اون یا بال ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس روایت کے بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ اور امام شہیر حافظ ابوبکر بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کو نہ قرآن پڑھ کر سنایا اور نہ انھیں دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، جبکہ شیاطین کے لیے آسمانی خبریں سننے سے رکاوٹ پیدا کر دی گئی اور ان پر شہاب ثاقب کو مسلط کر دیا گیا تو شیاطین اپنی قوم کے پاس آئے تو قوم نے پوچھا: کیا ہوا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے آسمان کی خبریں سننے کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی ہے اور ہم پر شہاب ثاقب مسلط کر دیے گئے ہیں۔ قوم نے کہا کہ تمھارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ اسی لیے پیدا کر دی گئی ہے کہ کوئی خاص واقعہ رونما ہوا ہے، لہٰذا مشرق و مغرب میں جا کر اس واقعے کا سراغ لگاؤ اور دیکھو کہ اس کا سبب کیا ہے، جنات مشرق و مغرب میں پھیل گئے تا کہ اس واقعے کا سراغ

① مسند أحمد: 167/1.

وادیٔ نخلہ

جہاں جنوں نے قرآن مجید کی سماعت کی

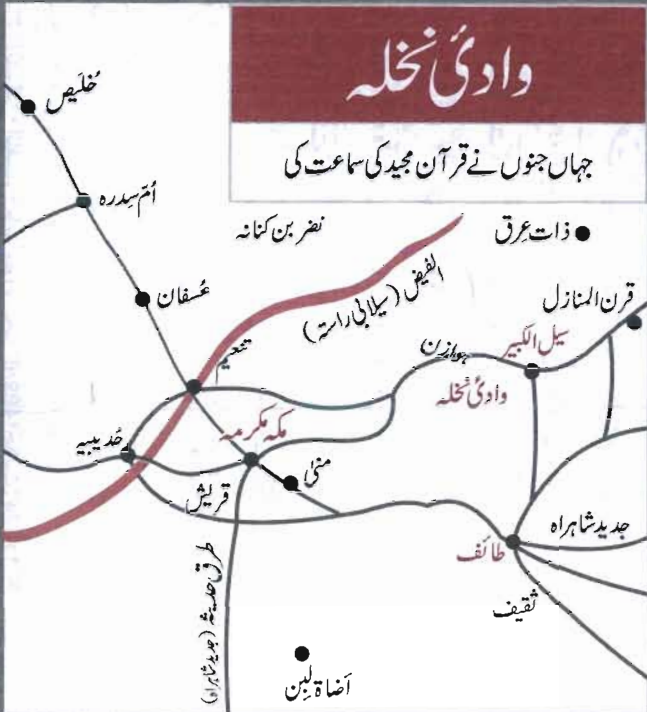

﴿ وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ﴾

"اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے۔"

(الأحقاف 29:46)

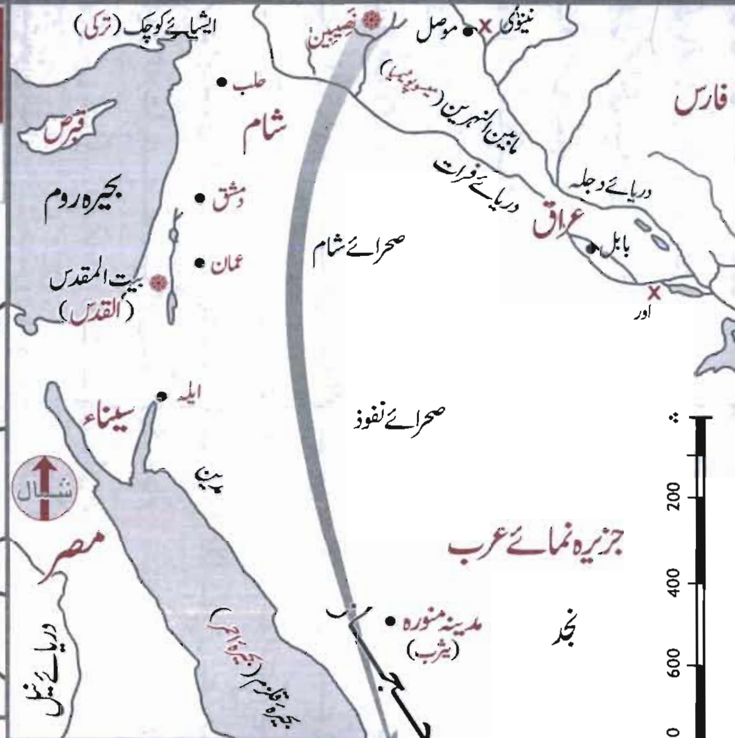

نَصیبین (الجزیرہ)

نَصیبین سے جنّوں کی آمد

لگائیں جس کی وجہ سے ان کے لیے آسمان کی خبریں سننے سے رکاوٹ کھڑی کردی گئی ہے، ان کی ایک جماعت جو تہامہ کی طرف آئی تھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی جبکہ آپ سوق عکاظ کی طرف جانے کے لیے مقام نخلہ میں تشریف فرما تھے اور اپنے صحابہ کے ساتھ نماز فجر ادا فرمارہے تھے، جب انھوں نے آپ کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو کان لگادیے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہی ہے وہ چیز جس کی وجہ سے تمھیں آسمان کی خبریں سننے سے منع کردیا گیا ہے اور پھر جب وہ اپنی قوم کے پاس گئے تو انھوں نے کہا: ﴿ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ ﴾ (الجن 2,1:72) ''بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔'' اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ (الجن 1:72) ''اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دیں کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) غور سے سنا۔'' اور جنوں کی اس بات سے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی مطلع کیا گیا۔ ① اسی طرح اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا، نیز ترمذی و نسائی نے اسے کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے۔ ②

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنات نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس سے گزرے جب آپ وادیٔ نخلہ میں قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے تھے، جب انھوں نے قرآن مجید کو سنا تو ﴿ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ خاموش رہو۔'' اور وہ نو تھے جن میں سے ایک زوبعہ تھا، اسی واقعے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت: ﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے، پس جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے: خاموش رہو، جب پڑھنا تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) ڈرائیں۔'' سے ﴿ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿32﴾ ﴾ تک آیات نازل فرمائیں۔ ③ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پہلی روایت کے ساتھ اگر اسے ملالیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا، انھوں نے آپ کی قراءت کو سنا، پھر اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے اور پھر وہ آپ کی خدمت میں موج در موج اور فوج در فوج حاضر ہوئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) ڈرائیں۔'' یعنی وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو قرآن سنا تھا اس کے مطابق اپنی قوم کو نصیحت کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ (التوبة

① مسند أحمد: 252/1 ودلائل النبوة للبيهقي، باب ذكر إسلام الجن وماظهر......:226,225/2. ② صحيح البخاري، الأذان، باب الجهر بقراءة صلاة الصبح، حديث: 773 وصحيح مسلم، الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح......، حديث: (149)-449 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الجن، حديث: 3323 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة الجن: 499/6، حديث: 11624. ③ المستدرك للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة الأحقاف: 456/2، حديث: 3701.

122:9) ”تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ (پیچھے والے بھی) ڈریں۔“

اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنوں میں نصیحت کرنے والے تو ہیں لیکن ان میں پیغمبر نہیں ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنوں میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ ﴾ (یوسف 109:12) ”اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ ﴾ (الفرقان 20:25) ”اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔“ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت 27:29) ”اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی۔“ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی انبیاء مبعوث فرمائے وہ آپ ہی کی اولاد اور نسل میں سے مبعوث فرمائے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ انعام میں جو یہ فرمایا ہے: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ﴾ (الأنعام 130:6) ”اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے۔“ تو اس سے یہاں دونوں جنسوں کا مجموعہ مراد ہے اور اس کا مصداق ان میں سے ایک جنس، یعنی انسان مراد ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ ﴾ (الرحمٰن 22:55) ”اُن دونوں (دریاؤں) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔“ یعنی ان میں سے ایک سے نکلتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت کا ذکر فرمایا ہے جو جنوں نے اپنی قوم کو کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ﴾ ”کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔“ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی گئی اور اس میں مواعظ اور نصائح تھے اور حلال و حرام سے متعلق احکام بہت کم تھے۔ انجیل درحقیقت تورات ہی کی شریعت کا تکملہ تھی، لہٰذا اصل گویا تورات ہی ہے۔ اسی لیے جنوں نے کہا: ﴿ اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ﴾ ”جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔“ اسی طرح جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کو جبریل علیہ السلام کے پہلی بار آنے کا قصہ سنایا تو ورقہ نے بھی کہا تھا: واہ واہ! یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔[1] ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ”جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے۔“ اور جنوں نے جو یہ کہا: ﴿ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ﴾ ”وہ صحیح (دین) کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔“ یعنی صحیح عقیدہ اور صحیح واقعات بیان کرتی ہے، ﴿ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ”اور سیدھے رستے کی طرف

---

① صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......، حديث: 3 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث: 160 عن عائشة رضي الله عنها.

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

کیا انھوں نے دیکھا (جانا) نہیں کہ بے شک اللہ، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے اکتایا نہیں، اس پر قادر ہے کہ

يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿33﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى

مردوں کو زندہ کرے۔ کیوں نہیں! بلاشبہ وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے﴿33﴾ اور جس دن اہل کفر آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا:)

النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

کیا یہ (دوزخ) حق نہیں ہے؟ تو وہ کہیں گے: کیوں نہیں، ہمارے رب کی قسم! (یہ حق ہے) اللہ فرمائے گا: اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب (کے مزے)

تَكْفُرُوْنَ ﴿34﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ

چکھو﴿34﴾ تو (اے نبی!) آپ صبر کریں جس طرح عزم و ہمت والے رسولوں نے صبر کیا، اور ان کے لیے جلدی (عذاب) طلب نہ کریں، گویا کہ وہ (کافر)

يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ

جس دن اس (عذاب) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (تو سمجھیں گے کہ) وہ تو (دنیا میں) دن کی بس ایک گھڑی ہی ٹھہرے۔ یہ (تو پیغام) پہنچا

اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿35﴾ ع

دینا ہے، چنانچہ نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا﴿35﴾

(رہنمائی کرتی ہے۔)'' یعنی یہ بتاتی ہے کہ اعمال کے بجالانے کے لیے سیدھا رستہ کون سا ہے، قرآن مجید دو چیزوں، یعنی خبر اور طلب پر مشتمل ہے، اس کی خبر صدق پر مبنی ہے اور طلب عدل پر جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ ﴾ (الأنعام 6:115) ''اور آپ کے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ (التوبة 9:33) ''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔'' دین حق سے مراد عمل صالح ہے، اسی طرح جنوں نے بھی کہا: ﴿ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ﴾ ''یہ (کتاب) صحیح دین کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔'' یعنی سچے اعتقادات کی طرف رہنمائی کرتی ہے، ﴿ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿30﴾ ﴾ ''اور سیدھے رستے کی طرف (رہنمائی کرتی ہے۔)'' جو عمل کے لیے سیدھا رستہ ہے۔ ﴿ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ ﴾ ''اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو قبول کرو۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو جنوں اور انسانوں سب کی طرف مبعوث فرمایا ہے، اسی لیے تو انھوں نے کہا: ﴿ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ ﴾ ''اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو قبول کرو اور اسی پر ایمان لاؤ۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ ''وہ (اللہ) تمھارے گناہ بخش دے گا۔'' کہا گیا ہے کہ ﴿ مِّنْ ﴾ یہاں زائد ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ مقام اثبات میں مِنْ کا زائدہ ہونا بہت قلیل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ مِّنْ ﴾ یہاں اپنے اصل پر تبعیض کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمھارے بعض گناہ بخش دے گا، ﴿ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿31﴾ ﴾ ''اور تمھیں دردناک عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔'' اور پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی بات کو قبول نہ کرنے والوں کے بارے

میں فرمایا: ﴿ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا۔'' بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو بھی شامل ہوگی اور اسے اپنے گھیرے میں لے لے گی۔ ﴿ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ﴾ ''اور نہ اس (اللہ) کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے۔'' یعنی ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی نہ بچا سکے گا۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔'' یہ تہدید و ترہیب کا مقام ہے۔ الغرض! انھوں نے اپنی قوم کو ترغیب اور ترہیب دونوں طرح سے دعوت دی، یہی وجہ ہے کہ یہ اسلوب دعوت بہت سے جنوں کے لیے مؤثر ثابت ہوا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فوج در فوج اور موج در موج حاضر ہوئے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:33-35

حیات بعد الممات کی دلیل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن دوبارہ زندگی کا انکار کرنے والوں اور روز آخرت جسموں کے اٹھ کھڑے ہونے کو بعید سمجھنے والوں نے کیا یہ نہیں دیکھا ہے کہ ﴿ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ ﴾ ''بے شک جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں۔'' یعنی ان کے پیدا کرنے سے اسے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ اس نے ان سے فرمایا کہ ہو جاؤ تو وہ کسی ممانعت و مخالفت کے بغیر وجود میں آ گئے اور انھوں نے بلا روک ٹوک اور محض ڈر اور خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کو اختیار کر لیا تو کیا وہ ذات گرامی مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (المؤمن 57:40) ''البتہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''ہاں ہاں! بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' پھر اللہ جل جلالہ نے اس کی ذات پاک کے ساتھ کفر کرنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ﴾ ''اور جس روز انکار کرنے والے آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو کہا جائے گا!) کیا یہ حق نہیں ہے؟'' یعنی ان سے پوچھا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ کیا یہ جادو ہے یا تم اسے دیکھ ہی نہیں رہے ہو؟ ﴿ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ﴾ ''وہ کہیں گے: کیوں نہیں، ہمارے پروردگار کی قسم! (یہ حق ہے۔)'' یعنی اس وقت اعتراف کے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ ﴿ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ ''حکم ہوگا کہ تم جو (دنیا میں) انکار کیا کرتے تھے (اب) اس کے سبب عذاب (کے مزے) چکھو۔''

نبی اکرم ﷺ کو صبر کا حکم: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کی قوم کی طرف سے تکذیب پر صبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ ''پس (اے محمد!) جس طرح اور عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے اسی طرح آپ بھی صبر کریں۔'' یعنی جس طرح ان عالی ہمت پیغمبروں نے اپنی قوم کی طرف سے تکذیب پر صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔ یاد رہے اولوالعزم پیغمبروں سے مراد ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں، جیسا کہ اللہ

تبارک وتعالیٰ نے دوسورتوں احزاب اور شوریٰ میں ان کے اسمائے گرامی کی نشان دہی فرمائی ہے۔ [1]

﴿ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾ ''اوران کے لیے (عذاب) جلد نہ مانگیں۔''یعنی اس بات کا مطالبہ نہ کریں کہ انھیں جلد سزا ملے اوران پر جلدی سے عذاب نازل ہوجائے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ ذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴾ (المزمل 73:11) ''اور مجھے اوران خوشحال جھٹلانے والوں کوچھوڑ دیں اورانھیں تھوڑی سی مہلت دیں۔''اورفرمایا: ﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴾ (الطارق 86:17) ''تو آپ کافروں کومہلت دیں بس چندروز ہی انھیں مہلت دیں۔'' ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ﴾ ''جس دن یہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہےتو (خیال کریں گے کہ) گویا (دنیامیں) رہے ہی نہ تھے مگر دن کی ایک گھڑی۔'' جیسا کہ اللہ جلّ وعلا نے فرمایا ہے: ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴾ (النّٰزعٰت 79:46) ''جس دن وہ اس کودیکھیں گے (توایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیامیں صرف) دن کا آخری حصہ یا ابتدائی حصہ ٹھہرے ہیں۔''اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ...... ﴾ الآية (یونس 10:45) ''اور جس دن اللہ ان کوجمع کرے گا (تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ) گویا (وہاں) گھڑی بھردن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے، وہ باہم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے......''ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ''یہ (تو پیغام) پہنچا دینا ہے، پس (اب) وہی ہلاک ہوں گے جو بدکار تھے۔''یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہلاک ہوگا جس نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل وانصاف ہی ہے کہ وہ مستحق عذاب ہی کو عذاب میں مبتلا کرے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

سورۂ احقاف کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

---

[1] دیکھیے الأحزاب، آیت:7 اورالشوریٰ، آیت:13 کے ذیل میں۔

تفسیر سورۂ محمد

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ① وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، اللہ نے ان کے عمل ضائع کر دیے ① اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور

الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۙ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ

وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے، جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا، اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور

وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ

ان کے حال کی اصلاح کر دی ② یہ اس لیے کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے باطل کی پیروی کی، اور بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے انھوں نے

رَّبِّهِمۡ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَهُمۡ ③

اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی، اللہ اسی طرح لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے ③

تفسیر آیات:1-3

کافروں اور مومنوں کی جزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا“ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ۔ ﴿ وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ① ﴾ ”اور (اوروں کو) اللہ کے رستے سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔“ ان کے اعمال کو باطل اور رائیگاں کر دیا اور انھیں ان کا ثواب اور کوئی بدلہ نہ دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَدِمۡنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ○ ﴾ (الفرقان 23:25) ”اور جو انھوں نے عمل کیے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑائے ہوئے ذرات بنا دیں گے۔“ پھر اللہ جل وعلا نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ”اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔“ یعنی ان کے دل اور ضمیر ایمان لے آئے، ان کے اعضاء، ان کا باطن اور ظاہر اللہ تعالیٰ کی شریعت کا مطیع ہو گیا۔ ﴿ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﴾ ”اور جو (کتاب) محمد پر نازل کی گئی اس پر ایمان لائے۔“ یہ خاص کا عام پر عطف ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ صحت ایمان کے لیے یہ شرط ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد اس کتاب پر بھی ایمان لایا جائے جو آپ پر نازل ہوئی ہے۔ ﴿ وَهُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۙ ﴾ ”اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے۔“ یہ ایک اچھا جملہ معترضہ ہے، اسی لیے اس کے بعد اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا

چنانچہ جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی

الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ؕۛ

سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد (ان پر) احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے، حتی کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے، (حکم) یہی ہے، اور اگر اللہ چاہتا

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا

تو ضرور (خود ہی) ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن (اس نے تمھیں حکم دیا ہے) تاکہ وہ تمھیں ایک دوسرے سے آزمائے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل (شہید)

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ ۚ وَيُدْخِلُهُمُ

کیے گئے، تو اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا④ وہ جلد ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کے حال کی اصلاح کرے گا⑤ اور وہ انھیں (اس) جنت

الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ

میں داخل کرے گا جس کی ان کو خوب پہچان کروا چکا ہے⑥ اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم

اَقْدَامَكُمْ ⑦ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ثابت رکھے گا⑦ اور جن لوگوں نے کفر کیا، تو ان کے لیے ہلاکت ہے، اور وہ (اللہ) ان کے اعمال ضائع کر دے گا⑧ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے

كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨

اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی، پھر اس نے بھی ان کے (نیک) اعمال ضائع کر دیے⑨

﴿سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ②﴾ ”ان سے ان کے گناہ دور کر دیے اور ان کی حالت سنوار دی۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کو درست فرما دیا۔[1] اور مجاہد کہتے ہیں کہ ان کی حالت کو درست کر دیا۔[2] قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ ان کے حال کی اصلاح فرما دی۔[3] اور ان سب اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے۔

حدیث میں ہے کہ چھینک کا جواب دینے والے سے یہ کہا جائے: [يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ] ”اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت عطا فرمائے اور تمھارے حال کو درست فرما دے۔“[4]

پھر فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ﴾ ”یہ (کفار کا حبط اعمال اور مومنین کی اصلاح احوال) اس لیے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے جھوٹی بات کی پیروی کی۔“ یعنی ہم نے کافر کے اعمال کو اس لیے باطل قرار دیا اور نیکوکاروں کی برائیوں سے درگزر کر کے ان کے احوال کی اس لیے اصلاح کر دی کہ کفار نے باطل کی پیروی کی تھی اور انھوں نے حق پر باطل کو ترجیح دی تھی۔ ﴿وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③﴾ ”اور بلاشبہ جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (دین) حق کے پیچھے چلے۔ اسی طرح اللہ لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتا ہے۔“

[1] تفسیر الطبری: 52/26. [2] تفسیر الطبری: 52/26. [3] تفسیر الطبری: 52/26. [4] صحیح البخاری، الأدب، باب إذا عطس كيف يشمت؟ حديث: 6224 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

یعنی اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے اعمال کا انجام کیا ہوگا اور آخرت میں ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:4-9

کفار کی گردنیں اڑانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب جنگوں میں مشرکین سے مقابلہ ہو تو تمھارا طرز عمل یہ ہونا چاہیے۔ ﴿فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط﴾ ''پھر جب تم کافروں سے ملو تو (ان کی) گردنیں مارو۔'' یعنی جب میدان جنگ میں تمھارا مشرکین سے مقابلہ ہو تو تلواروں کے ساتھ انھیں تہ تیغ کردو۔ ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کرلو۔'' یعنی ان کافروں کو جن کو تم قیدی بنالو، پھر جنگ ختم ہونے کے بعد تمھیں ان کے بارے میں اختیار ہے کہ اگر چاہو تو ان پر احسان کرتے ہوئے انھیں بلا معاوضہ چھوڑ دو اور اگر چاہو تو حسب شرائط ان سے بطور فدیہ مال بھی لے سکتے ہو۔

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ واقعۂ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے اور ان میں سے کم لوگوں کو قتل کرنے کی وجہ سے مومنوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ط تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○﴾ (الأنفال 8:67,68) ''پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے میں تمھیں بڑا عذاب پہنچتا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ﴾ ''یہاں تک کہ (فریق مقابل) لڑائی (کے) اپنے ہتھیار (ہاتھ سے) رکھ دے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حتی کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہو جائیں۔ ① گویا کہ انھوں نے یہ مفہوم رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے اخذ کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے: [لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ (حَتّٰى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ)] ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گا حتی کہ ان میں سے آخری انسان دجال مسیح سے لڑائی کرے گا۔'' ②

امام احمد رحمہ اللہ نے جبیر بن نفیر سے روایت کیا ہے کہ سلمہ بن نفیل رضی اللہ عنہ نے انھیں خبر دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کی کہ میں گھوڑے سے اکتا گیا ہوں اور میں نے ہتھیار پھینک دیا ہے اور جنگ نے بھی اپنے

---

① تفسیر الطبری: 56/26 . ② صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لا تزال طائفة من أمتي......]، حدیث: 1920 عن ثوبان رضی اللہ عنہ جبکہ قوسین والے الفاظ سنن أبي داود، الجهاد، باب في دوام الجهاد، حدیث: 2484 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

ہتھیار رکھ دیے ہیں اور میں نے یہ بھی کہا کہ اب قتال نہیں ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [اَلْآنَ جَاءَ الْقِتَالُ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ يُزِيغُ اللّٰهُ قُلُوبَ أَقْوَامٍ فَيُقَاتِلُونَهُمْ وَيَرْزُقُهُمُ اللّٰهُ مِنْهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، أَلَا! إِنَّ عُقْرَدَارِالْمُؤْمِنِينَ الشَّامُ وَالْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''اب ہی تو قتال کا موقع آیا ہے، میری امت کا ایک گروہ لوگوں پر غالب رہے گا، اللہ تعالیٰ جب کچھ لوگوں کے دل ٹیڑھے کر دے گا، تو وہ ان سے قتال کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے انھیں رزق دے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا اور وہ اسی حالت میں ہوں گے اور یاد رہے! مومنوں کا اصل گھر شام [1] ہوگا اور گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت کے دن تک خیر و بھلائی کو رکھ دیا گیا ہے۔''[2] امام نسائی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ﴾ ''(حکم) یہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو البتہ (خود ہی) ان سے انتقام لے لیتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے اس حکم کو پسند فرمایا ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو کافروں سے از خود سزا یا عذاب کی صورت میں انتقام لے لیتا۔ ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ﴾ ''اور لیکن (اس نے حکم دیا ہے) تاکہ وہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے جہاد اور دشمنوں سے قتال کا حکم اس لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ تمھاری آزمائش کرے اور تمھارے حالات جانچ لے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم جہاد کی حکمت بیان کرتے ہوئے سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 142:3) ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بلا آزمائش) بہشت میں جا داخل ہو گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ صبر کرنے والوں کو معلوم کرے۔'' اور سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبة 15,14:9) ''ان سے (خوب) لڑو اللہ ان کو تمھارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں سے غصہ دور کر دے گا اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرماتا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔''

شہداء کی فضیلت: جہاد میں چونکہ بہت سے مومن بھی جام شہادت نوش کر جاتے ہیں، اس لیے ان کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝4 ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، تو وہ (اللہ) ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔'' یعنی انھیں ضائع نہیں کرے گا بلکہ انھیں زیادہ کرے گا اور بڑھائے گا اور ان میں

---

① یہ اس طرف اشارہ ہے کہ فتنوں کے زمانے اور آخری دور میں شام فتنوں سے محفوظ ہوگا اور شام میں مسلمان زیادہ محفوظ ہوں گے۔
النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير:271/3 مادة: "عقر" ② مسند أحمد: 104/4. ③ السنن الكبرى للنسائي، الخيل، باب ذكر الخيل: 35/3، حديث: 4401.

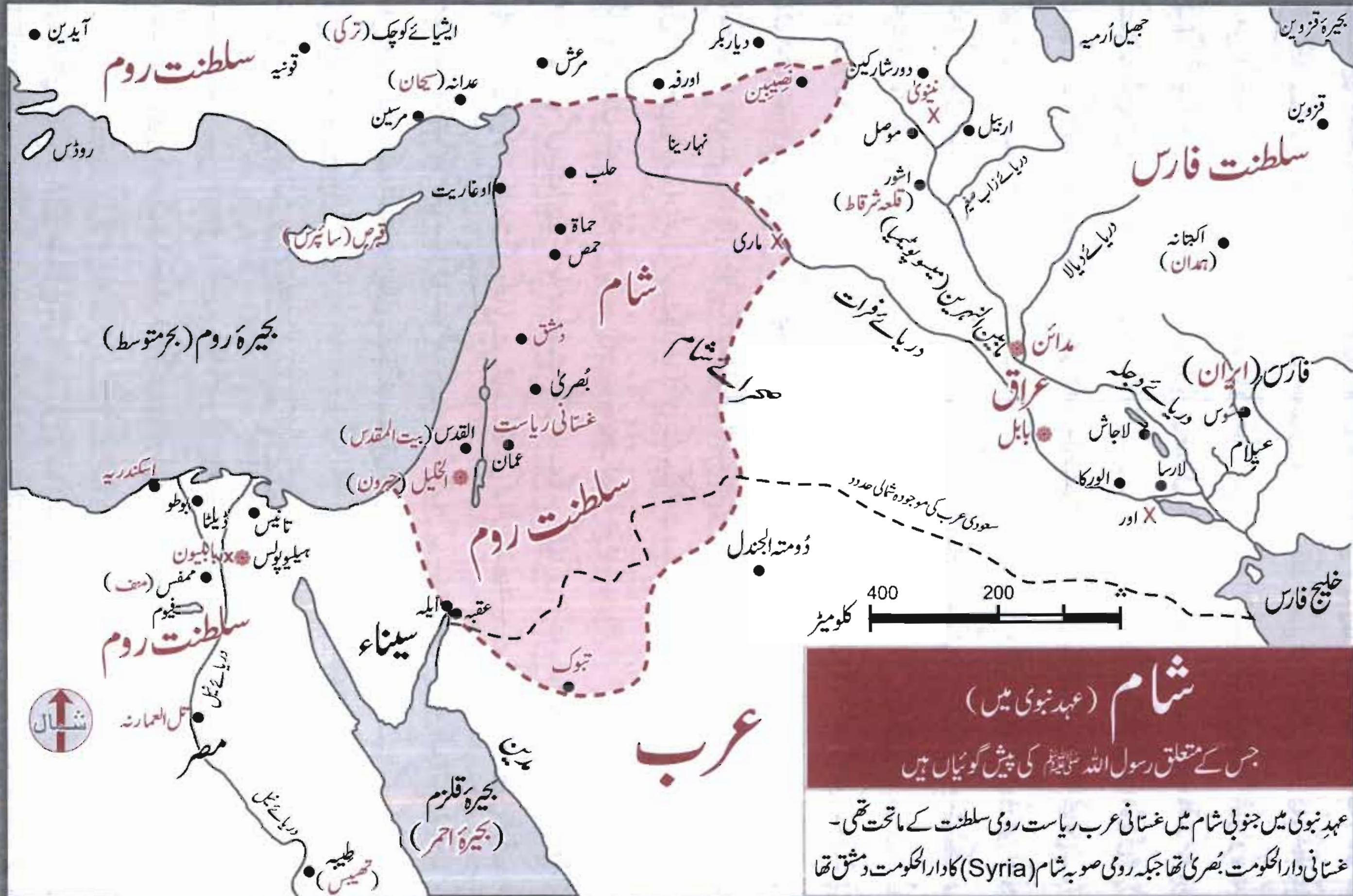
شام (عہد نبوی میں)
جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں ہیں
عہدِ نبوی میں جنوبی شام میں غسانی عرب ریاست رومی سلطنت کے ماتحت تھی۔
غسانی دارالحکومت بُصریٰ تھا جبکہ رومی صوبہ شام (Syria) کا دارالحکومت دمشق تھا
سلطنت روم
سلطنت فارس
شام
عراق
عرب
سلطنت روم
سلطنت روم
آیدین
قونیہ
ایشیائے کوچک (ترکی)
عدانہ (سیحان)
مرسین
مرعش
دیاربکر
اورفہ
نصیبین
دورشارکین
نینوی
موصل
اربیل
اشور (قلعہ شرقاط)
نہارینا
حلب
اوغاریت
حماۃ
حمص
ماری
دمشق
بُصریٰ
غسانی ریاست
القدس (بیت المقدس)
عمّان
الخلیل (حبرون)
صحرائے شام
دریائے فرات
بین النہرین (میسوپوٹیمیا)
مدائن
بابل
دریائے دجلہ
دریائے دیالا
اکبتانہ (ہمدان)
فارس (ایران)
سوس
عیلام
لاجاش
لارسا
الورکا
اور
خلیج فارس
قزوین
بحیرۂ قزوین
جھیل اُرمیہ
روڈس
قبرص (سائپرس)
بحیرۂ روم (بحرمتوسط)
اسکندریہ
بوطو
ڈیلٹا
تانیس
ہیلیوپولس
بابلیون
ممفس (منف)
فیوم
مصر
تل العمارنہ
دریائے نیل
طیبہ (تھیس)
سیناء
الیہ
عقبہ
تبوک
دُومتہ الجندل
سعودی عرب کی موجودہ شمالی حدود
کلومیٹر
400
200
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
یمن
شمال

سے بعض وہ ہوں گے جن کا عمل ساری برزخی زندگی میں جاری و ساری رہے گا جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں کثیر بن مرہ سے، انھوں نے قیس جذامی رضی اللہ عنہ، یہ صحابی ہیں، سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُعْطَى الشَّهِيدُ سِتَّ خِصَالٍ عِنْدَ أَوَّلِ قَطْرَةٍ مِّنْ دَمِهِ: يُكَفَّرُ عَنْهُ كُلُّ خَطِيئَةٍ وَّيُرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُزَوَّجُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ (وَيَأْمَنُ) مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيُحَلّٰى حُلَّةَ الْإِيمَانِ] ''شہید کو خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی چھ باتیں عطا کی جاتی ہیں: (1) اس کے ہر گناہ کو معاف کر دیا جاتا ہے (2) اسے جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے (3) حور عین کے ساتھ اس کی شادی کر دی جاتی ہے (4) وہ بڑی گھبراہٹ اور (5) عذاب قبر سے محفوظ رہے گا اور (6) اسے ایمان کا حلہ پہنا دیا جاتا ہے۔''[1] اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ ہی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُشَفَّعُ الشَّهِيدُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ] ''شہید کی سفارش اپنے گھر کے ستر آدمیوں کے بارے میں قبول کی جائے گی۔''[2] شہید کی فضیلت کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سَيَهْدِيهِمْ ﴾ ''عنقریب وہ ان کی رہنمائی کرے گا۔'' یعنی جنت کے رستے پر جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ○ ﴾ (یونس 9:10) ''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی (ایسے محلوں کی طرف) رہنمائی کرے گا (کہ) جن کے نیچے نعمت کے باغوں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ ﴾ ''اور ان کی حالت درست کر دے گا اور ان کو بہشت میں جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے داخل کرے گا۔'' یعنی جس جنت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روشناس کر رکھا ہے اور پھر اس نے ان کو اس کا رستہ بھی دکھایا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اہل جنت اس کے مکانات و محلات کی طرف رستہ پا لیں گے، یہ مکانات و محلات اللہ تعالیٰ نے انھی کے مقدر میں کر رکھے ہیں، اس لیے وہ ان تک پہنچنے میں کوئی غلطی نہیں کریں گے، گویا وہ اپنی ولادت ہی کے وقت سے یہاں کے باشندے ہیں، اس لیے یہاں تک پہنچنے کے لیے انھیں کسی سے رستہ معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہ ہو گی۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَتَقَاصُّونَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى إِذَا (هُذِّبُوا وَنُقُّوا) أُذِنَ لَهُمْ (فِي دُخُولِ) الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي (نَفْسِي) بِيَدِهِ! لَأَحَدُهُمْ (أَهْدٰى بِمَنْزِلِهِ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ)

① مسند أحمد: 200/4. جبکہ قوسین والا لفظ بھی مسند أحمد: 131/4 عن المقدام بن معديكرب رضی اللہ عنہ میں ہے، یہی حدیث بالفاظ دیگر دیکھیے جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب في ثواب الشهيد، حديث: 1663 وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب فضل الشهادة في سبيل الله، حديث: 2799. ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في الشهيد يشفع، حديث: 2522.
③ تفسير الطبري: 59/26.

بِمَنْزِلِهٖ كَانَ فِي الدُّنْيَا] ''مومن جب آگ سے نجات پا جائیں گے تو انھیں جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور وہ ایک دوسرے سے ان مظالم کا بدلہ لیں گے جو دنیا میں ان کے مابین تھے حتی کہ وہ جب پاک صاف کر دیے جائیں گے، تو انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی، پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان میں سے ہر کوئی جنت میں اپنے گھر (کے رستے) کو اپنے دنیا کے گھر کی نسبت کہیں زیادہ صحیح جاننے والا ہوگا۔''①

تم اللہ کی مدد کرو، وہ تمھاری مدد کرے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾ ''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم ثابت رکھے گا۔'' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط ﴾ (الحج 22:40) ''اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔'' گویا جزا جنس عمل کے مطابق ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾ ''اور وہ تمھارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔'' جیسا کہ حدیث میں بھی ہے: [مَنْ أَبْلَغَ ذَا سُلْطَانٍ حَاجَةَ مَنْ لَّا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ (الْقِيَامَةِ)] ''جس نے بادشاہ تک کسی ایسے انسان کی حاجت وضرورت کو پہنچا دیا جو خود اپنی ضرورت پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ روز قیامت پل صراط پر اسے ثابت قدم رکھے گا۔''②

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ ﴾ ''اور جو کافر ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں اور اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرنے والوں کو تو ثابت قدم رکھے گا لیکن کافروں سے اس کے برعکس معاملہ فرمائے گا جیسا کہ حدیث میں بھی ہے: [تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ، (تَعِسَ) عَبْدُ الدِّرْهَمِ، (تَعِسَ) عَبْدُ (الْقَطِيفَةِ)...... تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ] ''دینار کا بندہ ہلاک ہو، درہم کا بندہ ہلاک ہو اور چادر کا بندہ ہلاک ہو...... وہ ہلاک ہو، ناکام ونامراد ہو اور جب اسے کانٹا چبھے تو وہ اسے نکال نہ سکے۔''③ یعنی اللہ عزوجل اسے شفا نہ بخشے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

① صحیح البخاری، المظالم، باب قصاص المظالم، حدیث:2440، البتہ پہلی، دوسری اور چوتھی قوسوں والے الفاظ صحیح البخاری، الرقاق، باب القصاص یوم القیامۃ، حدیث:6535 کے مطابق ہیں اور مذکورہ حوالے میں تیسری قوسین والے لفظ کے بجائے [نَفْسُ مُحَمَّدٍ] کے الفاظ ہیں۔ ② مجمع الزوائد، الخلافۃ، باب فیمن أبلغ حاجة...... :210/5، حدیث:9064 عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ جبکہ قوسین والا لفظ المعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة هند بن أبی هالة التمیمی رضی اللہ عنہ:22/155-159، حدیث: 414 عن هند بن أبی هالة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ والشمائل المحمدیة، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص: 527-543، حدیث: 336، مزید دیکھیے السلسلة الضعیفة:97/4، حدیث:1594 بہرصورت یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس بارے میں ایک حسن حدیث بایں الفاظ ثابت ہے: [......وَمَنْ مَّشٰى مَعَ أَخِيهِ فِي حَاجَةٍ حَتّٰى تَتَهَيَّأَ لَهُ أَثْبَتَ اللّٰهُ قَدَمَهُ يَوْمَ تَزُولُ الْأَقْدَامُ] ''......اور جو کوئی اپنے کسی بھائی کی حاجت برآری کے لیے قدم اٹھاتا ہے حتی کہ اسے وہ (سہولت یا کام) مہیا کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو اس دن ثابت رکھے گا جس دن قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔'' (السلسلة الصحیحة:575,574/2، حدیث: 906) ③ صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب الحراسة فی الغزو......، حدیث: 2887. یہ پہلی دو قوسوں والا لفظ المعجم الأوسط للطبرانی، باب من اسمه إبراهيم:82/2، حدیث:2595 میں جبکہ تیسری قوسین والا لفظ صحیح البخاری، حدیث: 2886 اور سنن ابن ماجه، الزهد، باب فی المكثرين، حدیث:4135 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

کیا پھر وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی، اور کافروں کے لیے اسی

دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

طرح کی (سزائیں) ہیں⑩ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے، اور بے شک (جو) کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں⑪

ع 1/11/5 وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ انھیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور جن لوگوں نے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا

کفر کیا وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھاتے ہیں، اور وہ یوں (بے فکرے ہو کر) کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں، اور آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے⑫ اور کتنی ہی

تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ

بستیاں کہ وہ آپ کی اس بستی (مکہ) سے، جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہے، کہیں زیادہ طاقتور تھیں ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، پھر کوئی بھی

قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬

ان کی مدد کرنے والا نہ تھا⑬

﴿ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ﴾ ''اور وہ ان کے اعمال کو برباد کر دے گا۔'' یعنی انھیں رائیگاں اور باطل کر دے گا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بلاشبہ اللہ نے جو چیز نازل فرمائی ہے، انھوں نے اس کو ناپسند کیا۔'' یعنی اسے نہ یہ لوگ چاہتے ہیں اور نہ پسند کرتے ہیں۔ ﴿ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨ ﴾ ''تو اس (اللہ) نے ان کے اعمال اکارت کر دیے۔''

تفسیر آیات:10-13

جہنم کفار کے لیے اور جنت ابرار کے لیے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے۔ ﴿ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ ﴾ ''کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی۔'' اور ان کی تکذیب اور کفر کی انھیں سزا دی اور ان میں سے مومنوں کو نجات بخشی، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ﴾ ''اور کافروں کے لیے اس جیسی (سزائیں) ہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک جو مومن ہیں ان کا اللہ کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔'' سردارِ مشرکین ابوسفیان صخر بن حرب نے جب احد کے دن نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا اور اسے کوئی جواب نہ دیا گیا تو کہنے لگا کہ یہ لوگ فوت ہو گئے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہہ رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے اس چیز کو باقی رکھا ہے، جو تجھے بری لگے، تو نے جن لوگوں کو شمار کیا ہے، وہ سب زندہ

ہیں۔ابوسفیان نے کہا کہ یہ جنگ، جنگ بدر کا جواب ہے اور جنگ تو کنویں کے ڈول کے مانند ہوتی ہے کبھی ایک جماعت کو کامیابی ہوتی ہے اور کبھی دوسری جماعت کو، تم دیکھو گے کہ کچھ لوگوں کا مثلہ کر دیا گیا ہے لیکن میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس سے منع بھی نہیں کیا، پھر اس نے رجز پڑھنا شروع کیا: اُعْلُ هُبَلُ، اُعْلُ هُبَلُ ''ہبل سر بلند ہو، ہبل سر بلند ہو۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا تُجِيبُوهُ؟] ''تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کیا کہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قُولُوا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ] ''تم یہ کہو: اللہ ہی سب سے بلند اور برتر ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ''ہمارے لیے عزّیٰ ہے اور تمھاری کوئی عزّیٰ نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا تُجِيبُوهُ؟] ''تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اسے کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: [قُولُوا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ] ''اللہ ہمارا کارساز ہے اور تمھارا کوئی کارساز نہیں۔''①

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ﴾ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو اللہ بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل فرمائے گا۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ ﴾ ''اور جو کافر ہیں وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں۔'' یعنی دنیا میں یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور جانوروں کی طرح جگالی کرتے ہوئے کھاتے ہیں اور دنیا میں ان کا مقصود ومطلوب کھانا پینا ہی ہے۔صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَّاحِدٍ وَّالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ] ''مومن ایک انتڑی بھر کر کھانا کھاتا ہے اور کافر سات انتڑیاں بھر کر کھاتا ہے۔''②

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ ﴾ ''اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔'' یعنی روز قیامت انھیں جہنم رسید کیا جائے گا۔ ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ ﴾ ''اور بہت سی بستیاں آپ کی بستی سے جس (کے باشندوں) نے آپ کو (وہاں سے) نکال دیا، زور وقوت میں کہیں بڑھ کر تھیں۔'' یعنی مکہ سے ﴿ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ ﴾ ''ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔'' یہ اہل مکہ کے لیے شدید وعید اور سرزنش ہے کہ انھوں نے سید الرسل و خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کی اور اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی تکذیب کرنے والی سابقہ قوموں کو تباہ و برباد کر دیا ہے، حالانکہ وہ طاقت وقوت میں اہل مکہ سے کہیں بڑھ کر تھیں تو ان لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة أحد، حديث: 4043 جبکہ پہلی اور تیسری بریکٹ والے الفاظ السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ ﴾ (اٰل عمرٰن 3:153):6/316,315، حديث: 11079 عن البراء بن عازب ﷜ میں ہیں۔② صحيح البخاري، الأطعمة، باب: المؤمن يأكل في معى واحد......، حديث: 5393 و صحيح مسلم، الأشربة، باب المؤمن يأكل في معى واحد......، حديث: (184)-2061 عن جابر وابن عمر ﷺ.

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑭

کیا پھر وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے جس کے لیے اس کی بدعملی پرکشش بنادی گئی، اور انھوں نے

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ

اپنی خواہشات کی پیروی کی؟⑭ اس جنت کی صفت جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں،

لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ

اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ (کبھی) تبدیل نہ ہوا ہوگا، اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہے اور صاف شفاف شہد

مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ

کی نہریں ہیں، اور وہاں ان (متقین) کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں گے، اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔ (کیا یہ لوگ) ان لوگوں کے

فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ⑮

مانند ہوسکتے ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور انھیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، تو وہ ان کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کردے گا؟⑮

ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ اگر اس نے اپنے نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کی وجہ سے ان میں سے بہت سے لوگوں کو دنیا میں سزا نہیں دی، تو وہ آخرت میں کافروں کو عذاب میں ضرور مبتلا کرے گا: ﴿ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝﴾ (هود 11:20) ''ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ یہ (حق کو) سننے کی استطاعت نہیں رکھتے اور نہ (حق کو) دیکھ سکتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ ﴾ ''آپ کی بستی (مکہ) سے جس (کے باشندوں) نے آپ کو (وہاں سے) نکال دیا۔'' یعنی وہ لوگ زور وقوت میں ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر تھے جنھوں نے آپ کو اپنے ہاں سے نکال دیا تھا۔ ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مکہ سے نکل کر غار کی طرف روانہ ہونے لگے تو اس موقع پر آپ نے مکہ کی طرف التفات کرتے ہوئے فرمایا: [أَنْتِ أَحَبُّ بِلَادِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَأَنْتِ أَحَبُّ بِلَادِ اللّٰهِ إِلَيَّ، فَلَوْأَنَّ الْمُشْرِكِينَ لَمْ يُخْرِجُونِي لَمْ أَخْرُجْ مِنْكِ] ''اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کے شہروں میں مجھے سب سے محبوب تو ہے، اگر مجھے مشرکین تجھ سے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔''[1] سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں اس کی نافرمانی کرے یا اپنے قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کرے یا جاہلیت کے فساد کی صورت میں قتل کرے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬﴾ ''اور بہت سی بستیاں آپ کی بستی (مکہ) سے جس (کے باشندوں) نے آپ کو (وہاں سے) نکال دیا زور وقوت میں کہیں بڑھ کر تھیں، ہم نے ان کو ہلاک کردیا، پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔''

① تفسير الطبري: 63,62/26 . یہی حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ دیکھیے جامع الترمذي، المناقب، باب في فضل مكة، حديث:3925 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب فضل مكة، حديث:3108 عن عبدالله بن عدي بن الحمراء رضی اللہ عنہ.

تفسیر آیات:15,14

حق تعالیٰ کی عبادت کرنے والا اور خواہش نفس کا پجاری برابر نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ﴾ ''تو بھلا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہو؟'' یعنی اسے اللہ تعالیٰ کے امر اور دین، کتاب اللہ میں نازل ہونے والی ہدایت وعلم اور اس مستقیم فطرت کے بارے میں جس پر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، بصیرت اور یقین حاصل ہو۔ ﴿ كَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ ﴿14﴾ ﴾ ''وہ اس کی طرح ہوسکتا ہے جس کے اعمال بد اسے اچھے کر کے دکھائے جائیں اور جو اپنی خواہشوں کی پیروی کریں۔'' یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰى ؕ ﴾ (الرعد 19:13) ''تو بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے، حق ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا يَسۡتَوِىۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ○ ﴾ (الحشر 20:59) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

جنت اور اس کی نہریں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِىۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ ﴾ ''جنت کی صفت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا'' عکرمہ کہتے ہیں کہ ﴿ مَثَلُ الۡجَنَّةِ ﴾ کے معنی ہیں جنت کی صفت۔ ﴿ فِيۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَيۡرِ اٰسِنٍ ۚ ﴾ ''اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جس (کے ذائقے) میں تبدل نہیں ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس پانی میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوگا۔[1] قتادہ، ضحاک اور عطاء خراسانی کا قول ہے کہ وہ بد بودار نہیں ہوگا۔[2] عرب أَسِنَ الْمَاءُ اس وقت کہتے ہیں جب پانی کی بو بدل جائے۔ ﴿ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ يَتَغَيَّرۡ طَعۡمُهٗ ۚ ﴾ ''اور دودھ کی نہریں ہیں، جن کا مزہ نہیں بدلے گا۔'' اور وہ حد درجہ سفید، شیریں اور کریم سے پر ہوگا اور ایک مرفوع حدیث میں ہے: [لَمْ يَخْرُجْ مِنْ بُطُونِ الْمَاشِيَةِ] ''وہ (جنت کا دودھ) مویشیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلا ہوگا۔''[3] ﴿ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۚ ﴾ ''اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہے۔'' دنیا کی شراب کی طرح نہ تو اس کا ذائقہ خراب ہوگا اور نہ اس میں بد بو ہوگی بلکہ اس کی شکل وصورت، اس کا ذائقہ، اس کی بو اور اس کا فعل سب کچھ بہت خوب صورت ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ لَا فِيۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ عَنۡهَا يُنۡزَفُوۡنَ ○ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 47:37) ''نہ اس سے دردسر ہو اور نہ وہ اس سے متوالے ہوں۔'' ﴿ لَّا يُصَدَّعُوۡنَ عَنۡهَا وَلَا يُنۡزِفُوۡنَ ۙ ﴾ (الواقعة 19:56) ''اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقلیں زائل ہوں گی۔'' ﴿ بَيۡضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۚ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 46:37) ''(جو رنگ کی) سفید (اور) پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہوگی۔''

---

[1] تفسير الطبرى :64/26 . [2] تفسير الطبرى :64/26 . [3] الترغيب والترهيب للمنذرى، فصل فى صفة دخول أهل الجنة......:494/4-496، حديث: 3، منذری نے ایک لمبی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً کے بجائے موقوفاً زیادہ صحیح اور مشہور ہے جبکہ البانی رحمہ اللہ نے اسے انتہائی ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے ضعيف الترغيب والترهيب: 466,465/2، حديث:2181.

اور ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ [لَمْ تَعْصِرْهُ الرِّجَالُ بِأَقْدَامِهَا] ''اسے لوگوں نے اپنے پاؤں سے نہیں نچوڑا ہوگا۔''①
﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ﴾ ''اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں۔'' یعنی وہ حد درجہ صاف اور اس کا رنگ، ذائقہ اور خوشبو بہت خوب صورت ہوگی اور ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ [لَمْ يَخْرُجْ مِنْ بُطُونِ النَّحْلِ] ''وہ شہد مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلا ہوگا۔''② امام احمد رحمہ اللہ نے حکیم بن معاویہ سے اور انھوں نے اپنے والد (معاویہ بن حیدہ قشیری) سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [فِي الْجَنَّةِ بَحْرُ اللَّبَنِ وَبَحْرُ الْمَاءِ وَبَحْرُ الْعَسَلِ وَبَحْرُ الْخَمْرِ ثُمَّ تَشَقَّقُ الْأَنْهَارُ مِنْهَا بَعْدُ] ''جنت میں دودھ کا دریا، پانی کا دریا، شہد کا دریا اور شراب کا دریا ہے، پھر بعد میں ان سے نہریں نکلتی ہیں۔''③ امام ترمذی نے اسے صفة الجنة میں ذکر کیا اور اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔④ اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ (فَاسْئَلُوهُ) الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ] ''پس تم جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو، وہ بہترین جنت اور اعلیٰ جنت ہے، اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔''⑤

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ ''اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴾ (الدخان 55:44) ''اس میں وہ اطمینان وسکون سے ہر قسم کے پھل منگوائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴾ (الرحمٰن 52:55) ''ان دونوں میں سب پھل دو دو قسم کے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے۔'' یعنی ان تمام نعمتوں کے ساتھ ساتھ جنت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور بخشش بھی ہوگی۔ ﴿ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ ﴾ ''(کیا یہ پرہیزگار) اس کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔'' یعنی کیا یہ پرہیزگار لوگ جنت میں جن کا مقام ومرتبہ ہم نے ذکر کیا ہے، یہ ان کی طرح ہوسکتے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے؟ یعنی یہ ان کی طرح نہیں ہوسکتے جو جنت کی بلندیوں میں شادکام ہوں، وہ ان کی طرح نہیں ہوسکتے جو جہنم کی پستیوں میں گرے ہوئے ہوں۔ ﴿ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا ﴾ ''اور جن کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا۔'' یعنی اس قدر شدید گرم جو کہ ناقابل برداشت ہوگا۔ ﴿ فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ⑮ ﴾ ''تو وہ ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔'' ان کے پیٹ کی تمام انتڑیوں اور پٹھوں کو کاٹ کاٹ کر رکھ دے گا۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ ذٰلِكَ.

---

① الترغيب والترهيب للمنذري، فصل في صفة دخول أهل الجنة......:495,494/4، حديث: 3 اور شیخ البانی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔ دیکھیے ضعيف الترغيب والترهيب:466,465/2، حديث: 2181. ② الترغيب والترهيب للمنذري، فصل في صفة دخول أهل الجنة الجنة......:495,494/4، حديث:3، مزید دیکھیے ضعيف الترغيب والترهيب للألباني: 466,465/2، حديث:2181 بہرحال یہ حدیث ضعیف ہے۔ ③ مسند أحمد: 5/5. ④ جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في صفة أنهار الجنة، حديث: 2571. ⑤ صحيح البخاري، التوحيد، باب: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾...... (هود11:7)، حديث:7423 جبکہ قوسین والا لفظ بھی صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب درجات المجاهدين في سبيل الله، حديث:2790 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

اور ان (منافقین) میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں حتی کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے، جنھیں علم دیا گیا

مَاذَا قَالَ اٰنِفًا قف اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ⑯

ہے، کہتے ہیں: اس (نبی) نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور انھوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ⑯ اور

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ⑰ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ

جن لوگوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ نے انھیں ہدایت میں زیادہ کیا، اور انھیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا ⑰ چنانچہ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کے منتظر ہیں

تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ⑱ فَاعْلَمْ

کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے، اس لیے کہ یقیناً اس کی نشانیاں آچکی ہیں، تو جب قیامت ان کے پاس آپہنچے گی تو ان کے لیے کہاں ہوگا نصیحت

اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

حاصل کرنا ⑱ پس (اے نبی!) آپ جان لیجیے کہ بلاشبہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اور اپنے گناہ کی بخشش مانگیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی،

ع 2/8/6 مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲ ع

اور اللہ تمھاری نقل و حرکت اور تمھارے ٹھکانے کو جانتا ہے ⑲

تفسیر آیات: 16-19

منافقین کا حال، نیز توحید و استغفار کا حکم: اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھتے اور آپ کا کلام سنتے ہیں مگر اس قدر کند ذہن اور کم فہم ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں۔ ﴿قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ ''جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا ہے، ان سے کہتے ہیں۔'' یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے: ﴿مَاذَا قَالَ اٰنِفًا قف﴾ ''انھوں نے ابھی کیا کہا تھا؟'' یعنی آپ نے جو فرمایا تھا، یہ اسے سمجھتے اور سوچتے ہی نہیں، ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ⑯﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔'' یعنی نہ ان کا فہم صحیح ہے اور نہ قصد، پھر فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى﴾ ''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، ان کو وہ ہدایت مزید بخشتا ہے۔'' یعنی جنھوں نے ہدایت حاصل کرنے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ بھی انھیں اس کی توفیق عطا فرما دیتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت عطا فرما دی اور انھیں اس پر نہ صرف ثابت قدم رکھا بلکہ ان کی ہدایت میں اضافہ بھی فرما دیا ہے۔ ﴿وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ⑰﴾ ''اور انھیں ان کی پرہیزگاری عنایت کرتا ہے۔'' یعنی انھیں رشد و بھلائی کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ﴾ ''تو یہ لوگ قیامت ہی کو دیکھتے ہیں کہ ناگہاں ان پر آواقع ہو۔'' اور وہ اس سے غافل ہوں، ﴿فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ﴾ ''سو اس کی نشانیاں (وقوع میں) آچکی ہیں۔'' جو قیامت کے قریب ہونے کی علامات ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ○

أَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿ (النجم 57,56:53) ''یہ (محمد ﷺ) بھی اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں۔ آنے والی (قیامت) قریب آ پہنچی۔'' اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ (القمر 1:54) ''قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ (النحل 1:16) ''اللہ کا حکم (عذاب گویا) آ ہی پہنچا تو (کافرو!) اس کے لیے جلدی مت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ (الأنبیآء 1:21) ''لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) اعراض کر رہے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کی بعثت بھی اشراط قیامت میں سے ہے کیونکہ آپ تو وہ خاتم الرسل ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل اور تمام جہانوں پر اپنی حجت کو تمام کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی علامات و اشراط کے بارے میں اس قدر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ خبر دی ہے کہ آپ سے پہلے کسی بھی نبی نے اس قدر تفصیل کے ساتھ خبر نہیں دی جیسا کہ اپنی جگہ اس کا مفصل بیان موجود ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی درمیانی اور انگوٹھے کے ساتھ والی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: [بُعِثْتُ (أَنَا) وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ] ''مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح (ساتھ ساتھ) بھیجا گیا ہے۔''①

پھر فرمایا: ﴿ فَاَنّٰی لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴾ ''پھر جب وہ ان پر آنازل ہوگی، اس وقت انھیں نصیحت کہاں (مفید ہو سکے گی!)'' یعنی جب قیامت آ جائے گی تو پھر کافروں کے لیے نصیحت حاصل ہونے کا موقع کہاں ہوگا؟ کیونکہ اس وقت کوئی نصیحت ان کے لیے فائدہ مند نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّكْرٰی ﴾ (الفجر 23:89) ''تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر (اب) انتباہ اسے کہاں (فائدہ دے گا۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴾ (سبا 52:34) ''اور کہیں گے: ہم اس پر ایمان لے آئے اور (اب) اتنی دور سے ان کے لیے (ایمان کا) حصول کیسے ممکن ہوگا!'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ ''پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس توحید کے جاننے کے بارے میں حکم دینا ہی کافی نہیں، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی۔''

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! اِغْفِرْلِي خَطِيئَتِي، وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، اَللّٰهُمَّ! اِغْفِرْلِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطَئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي] ''اے اللہ! میرے گناہ بخش دے، اور اپنے کام میں میں نے جو نادانی اور زیادتی کی اسے بھی معاف فرما دے اور میرے جس

① صحیح البخاري، التفسیر، باب: (1)، حدیث: 4936 و صحیح مسلم، الفتن.....، باب قرب الساعة، حدیث: 2951,2950 عن أنس رضی اللہ عنہ جبکہ قوسین والا لفظ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے صحیح البخاري کی حدیث: 6503 میں ایک دوسری سند کے ساتھ مروی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں: (جہاد کے متعلق) کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی؟ پھر جب کوئی محکم سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ

(جہاد) کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں روگ ہے کہ وہ آپ کی طرف اس شخص کی طرح دیکھتے ہیں جس پر موت کے

الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ⑳ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

باعث غشی طاری ہو، چنانچہ ان کے لیے ہلاکت ہے ⑳ اطاعت کرنا اور بھلی بات کہنا (بہتر ہے،) پھر جب (جہاد کا) قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے، تو اگر وہ اللہ

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ ㉑ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا

سے سچے رہیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے ㉑ پھر (اے منافقو!) تم سے یہی امید ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتے ناتے

اَرْحَامَكُمْ ㉒ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ㉓

توڑ ڈالو ㉒ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، پھر اس نے انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں ㉓

گناہ کو تو مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے، اسے بھی معاف فرما دے، اے اللہ! میری ہنسی مذاق میں، سنجیدگی میں، غلطی سے اور دانستہ کیے ہوئے تمام گناہوں کو معاف فرما دے اور یہ سب گناہ میرے اندر ہیں۔''① صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نماز کے آخر میں یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! اِغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ، وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ، وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي (أَنْتَ إِلٰهِي) لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ] ''اے اللہ! میرے اگلے پچھلے، مخفی اور علانیہ گناہ بخش دے اور جو میں نے زیادتی کی اور جسے تو مجھ سے بھی زیادہ بہتر جانتا ہے، اسے بھی معاف فرما دے، اے اللہ! تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔''② اور صحیح بخاری ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا إِلٰى رَبِّكُمْ) إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً] ''لوگو! اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کرو، میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک دن میں ستر بار سے بھی زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔''③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲﴾ ''اور اللہ تم لوگوں کی نقل و حرکت اور ٹھہرنے

---

① صحيح البخاري، الدعوات، باب قول النبي ﷺ: [اللهم! اغفرلي......]، حديث :6399 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء......، باب في الأدعية، حديث:2719 عن أبي موسى الأشعري ﷺ. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ﴾ (الفتح 15:48)، حديث:7499 عن ابن عباس ﷺ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث:771 عن علي بن أبي طالب ﷺ واللفظ له جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے اور صحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب صلاة النبي ﷺ......، حديث: 769 عن ابن عباس ﷺ میں ہیں۔ ③ صحيح البخاري، الدعوات، باب استغفار النبي ﷺ في اليوم والليلة، حديث: 6307 عن أبي هريرة ﷺ جبکہ قوسین والے الفاظ صحيح ابن حبان، الرقائق، ذكر الأمر بالاستغفار للّٰه جل و علا......:209/3، حديث:929 عن ابن عمر ﷺ میں ہیں۔

سے واقف ہے۔'' یعنی وہ دن میں تمھارے تصرف کرنے اور رات میں قرار پکڑنے کو خوب جانتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ﴾ (الأنعام 6:60) ''اور وہی تو ہے جو رات کو تمھیں فوت کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، اس سے باخبر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (ھود 11:6) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے سو وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔''

تفسیر آیات:20-23

حکم جہاد کے وقت مومن صادق اور بیماردل انسان کا حال: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے جہاد کی مشروعیت کی آرزو کی اور جب اللہ تعالیٰ نے جہاد کو فرض قرار دیتے ہوئے اس کا حکم دیا تو بہت سے لوگوں نے اس سے منہ موڑ لیا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ (النسآء 4:77) ''بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو (پہلے یہ) حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو (جنگ سے) روکے رہو اور نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو بعض لوگ ان میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے ہم پر جہاد (جلد) کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی (اے پیغمبر ان سے) کہہ دیں کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کے لیے (نجات) آخرت ہے اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ ﴾ ''اور مومن لوگ کہتے ہیں کہ (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی؟'' یعنی کوئی ایسی سورت جو حکم جہاد پر مشتمل ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ ﴾ ''پھر جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہوا اور اس میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے، آپ ان کو دیکھیں گے کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگیں گے جس طرح کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔'' یعنی دشمن کی ملاقات سے گھبراہٹ، رعب اور بزدلی کے باعث ان کی یہ حالت ہوتی ہے، پھر انھیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا: ﴿ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ ﴾ ''سو ان کے لیے خرابی ہے (خوب کام تو) فرماں برداری اور بھلی بات کہنا ہے۔'' یعنی ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ مشکل حالت میں بھی حکم الٰہی سنتے اور اطاعت بجا لاتے۔ ﴿ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ ﴾ ''پھر جب معاملہ پختہ ہو جائے۔'' یعنی صورت حال جہاد کی متقاضی تھی اور فی الواقع جہاد کا موقع پیش آ گیا۔ ﴿ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ ﴾ ''تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے۔'' یعنی اخلاص نیت سے کام لیتے۔ ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ ﴾ ''تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ

﴿ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ ﴾ ”پس (اے منافقو!) قریب ہے کہ اگر تم پھر جاؤ۔“ یعنی جہاد سے منہ پھیر لو۔ ﴿ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ ﴿۲۲﴾ ﴾ ”یہ کہ زمین میں تم خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔“ یعنی پھر سے دورِ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ، خون ریزیاں کرنے اور رشتوں کو توڑنے لگو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّہُمۡ وَ اَعۡمٰۤی اَبۡصَارَہُمۡ ﴿۲۳﴾ ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، پھر ان (کے کانوں) کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔“ یہ زمین میں فساد برپا کرنے سے عموماً اور قطع رحمی سے خصوصاً منع کیا گیا ہے۔

صلہ رحمی احادیث کی روشنی میں: اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے صلہ رحمی کا مفہوم یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسن انداز میں گفتگو کی جائے، اچھے اچھے کام کیے جائیں اور ان پر مال خرچ کیا جائے، اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سی صحیح اور حسن درجے کی احادیث مروی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ (بِحَقْوِ الرَّحْمٰنِ) فَقَالَ لَهُ: مَهْ، قَالَتْ: هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ قَالَ: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلٰى، يَا رَبِّ! قَالَ: فَذَاكِ (لَكِ)] ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور جب اللہ تعالیٰ خلق سے فارغ ہوئے، تو رحم کھڑا ہوا اور رحمان کے ازار کو پکڑا، اللہ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: یہ قطع رحمی سے پناہ مانگنے والے کا مقام ہے، اللہ نے فرمایا: کیا تو اس سے خوش نہیں کہ میں اسے ملاؤں، جو تجھے ملائے اور اسے قطع کروں جو تجھ سے قطع تعلق کرے۔ رحم نے کہا: کیوں نہیں، میرے پروردگار! تو اللہ نے فرمایا، پس یہ بات تیرے لیے ہے۔“ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ پڑھ لو: ﴿ فَہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ ﴿۲۲﴾ ﴾ ”پس (اے منافقو!) قریب ہے کہ اگر تم پھر جاؤ (اور) یہ کہ تم زمین میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔“[1] پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ پڑھ لو: ﴿ فَہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ ﴿۲۲﴾ ﴾ ۔[2] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرٰى أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ الْعُقُوبَةَ لِصَاحِبِهِ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ] ”ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ ایسا نہیں جس کی اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں جلد سزا دے دے اس کے باوجود آخرت میں اس کے لیے، اس کی سزا ذخیرہ کی

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَ تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ ﴾ (محمد 47:22)، حدیث:4830 و صحیح مسلم، البر والصلة......، باب صلة الرحم......، حدیث: 2554 پہلی قوسین والا جملہ بخاری کے بعض نسخوں میں نہیں ہے اور دوسری قوسین والا لفظ صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّبَدِّلُوۡا کَلٰمَ اللّٰہِ ﴾ (الفتح 48:15)، حدیث: 7502 و صحیح مسلم، البر والصلة......، باب صلة الرحم......، حدیث:2554 میں ہے۔ [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَ تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ ﴾ (محمد 47:22)، حدیث :4832,4831 . [3] صحیح مسلم، البر والصلة......، باب صلة الرحم......، حدیث :2554 .

جارہی ہے۔‘‘① اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔② امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ سَرَّهُ النَّسَاءُ فِي الْأَجَلِ وَالزِّيَادَةُ فِي الرِّزْقِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ] ’’جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر اور رزق میں اضافہ ہو تو وہ صلہ رحمی سے کام لے۔‘‘③ اس حدیث کے روایت کرنے میں امام احمد متفرد ہیں لیکن صحیح میں اس کا شاہد بھی موجود ہے۔④ اور امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِنَّ الرَّحِمَ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ وَلَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي (إِذَا قُطِعَتْ) رَحِمُهُ وَصَلَهَا] ’’رحم عرش کے ساتھ معلق ہے اور صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو پورا پورا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کیا جائے تو وہ صلہ رحمی سے کام لے۔‘‘⑤ اسے امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔⑥

اور امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[تُوضَعُ الرَّحِمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا حُجْنَةٌ كَحُجْنَةِ الْمِغْزَلِ تَكَلَّمُ بِلِسَانٍ طَلْقٍ ذَلْقٍ فَتَصِلُ مَنْ وَصَلَهَا وَتَقْطَعُ مَنْ قَطَعَهَا] ’’رحم کو قیامت کے دن اس طرح رکھا جائے گا کہ اس کے لیے چرخے کے تکلے کی طرح تکلا ہوگا اور وہ فصیح و بلیغ زبان سے گفتگو کرے گا تو جس نے اسے ملایا وہ اسے ملائے گا اور جس نے اسے کاٹا وہ بھی اسے کاٹ دے گا۔‘‘⑦

امام احمد ہی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور وہ اس کی سند کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے کہ آپ نے فرمایا:[اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ أَهْلُ السَّمَاءِ وَالرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَّتُّهُ] ’’رحم کرنے والوں پر رحمان رحم فرمائے گا، لہٰذا تم اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا، رحم رحمان کی شاخ ہے جو اسے ملائے، میں اسے ملاؤں گا اور جو اسے کاٹے میں اسے کاٹ ڈالوں گا۔‘‘⑧ اس حدیث کو امام ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور یہ وہ روایت ہے جسے تسلسل

① مسند أحمد :38/5. ② سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، حديث:4902 و جامع الترمذي، صفة القيامة......، باب في عظم الوعيد......، حديث:2511 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب البغي، حديث:4211. ③ مسند أحمد :279/5. ④ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، حديث: 5985 میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے اس طرح روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ] ’’جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے لیے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے، (اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے) تو وہ صلہ رحمی کرے۔‘‘ ⑤ مسند أحمد :163/2 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح بخاری کے آمدہ حوالے، حدیث: 5991 میں ہے۔ ⑥ صحيح البخاري، الأدب، باب ليس الواصل بالمكافئ، حديث :5991. ⑦ مسند أحمد: 189/2، اس حدیث کی سند ابوثمامہ ثقفی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ البتہ امام ابوحاتم نے علل الحديث، علل أخبار في ثواب الأعمال :170/2، حديث: 2002 میں کہا ہے کہ یہ حدیث ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً زیادہ صحیح ہے، دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):389,388/11. ⑧ مسند أحمد :160/2.

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿24﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا

کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں؟﴿24﴾ بے شک جو لوگ، بعد اس کے کہ ان پر ہدایت ظاہر ہوگئی،

عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰی

اپنی پیٹھوں کے بل پلٹ گئے، شیطان نے ان کے لیے (ان کے عمل) مزین وخوشنما بنادیے، اور (اللہ نے) انھیں ڈھیل دے دی﴿25﴾ یہ اس لیے کہ

لَهُمْ ﴿25﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ

بے شک انھوں نے ان لوگوں (یہود) سے، جنھوں نے اس چیز (قرآن) کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی، کہا کہ بعض امور میں ہم آپ کی بات مانیں گے،

الْاَمْرِ ۚۖ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿26﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ

اور اللہ ان کے راز جانتا ہے﴿26﴾ پھر کیا (حال) ہوگا جب فرشتے ان کو فوت کریں گے؟ جبکہ وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے﴿27﴾ یہ

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿27﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ

(مار) اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا، اور انھوں نے اس (اللہ) کی رضامندی ناپسند کی، لہٰذا اللہ نے

ع 3 9 7 فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿28﴾ ع

ان کے اعمال برباد کر دیے﴿28﴾

الأوّليه[1] کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2] اور اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

تفسیر آیات: 24-28

قرآن مجید میں تدبر کا حکم: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تدبر اور غور وفکر کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور اس میں اعراض سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿24﴾ ﴾ ''بھلا یہ لوگ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔'' ان کے دلوں پر قفل لگے ہوتے ہیں، یعنی یہ الٹے ہوگئے ہیں کہ قرآن کے معانی میں سے کوئی چیز ان تک پہنچ نہیں سکتی، ابن جریر نے ہشام بن عروہ سے اور انھوں نے اپنے والد گرامی عروہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿24﴾ ﴾ تو اہل یمن میں سے ایک جوان نے کہا کہ دلوں کے اوپر قفل لگے ہوئے ہیں حتی کہ انھیں اللہ تعالیٰ ہی کھولتا یا کشادہ

① تسلسل أوليه حدیث مسلسل کی ایک صورت ہے، حدیث مسلسل اصول حدیث کی اصطلاح ہے جس کی تعریف یہ کی گئی ہے: هُوَ تَتَابُعُ رِجَالِ إِسْنَادِهِ عَلٰی صِفَةٍ أَوْ حَالَةٍ لِّلرُّوَاةِ تَارَةً وَّلِلرِّوَايَةِ تَارَةً أُخْرٰی ''سند کے رجال کا تسلسل کے ساتھ راوی یا روایت کی ایک ہی حالت یا صفت پر ہونا۔'' تيسير مصطلح الحديث، ص: 184. تسلسل أوليه کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد نے اپنے استاد سے سب سے پہلے یہ حدیث سنی ہے، اس حدیث میں تسلسل أوليه کا یہ سلسلہ عمرو بن دینار پر ختم ہو جاتا ہے۔ تدريب الراوي: 169,168/2. ② سنن أبي داود، الأدب، باب في الرحمة، حديث: 4941 و جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الناس، حديث: 1924.

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿29﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

کیاان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ ہے، یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینے ہرگز ظاہر نہیں کرے گا﴿29﴾ اور اگر ہم چاہتے تو یقیناً آپ کو وہ (منافق) دکھا

لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ط وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿30﴾

دیتے، پھر آپ انھیں ان (کے چہروں) کی علامت سے ضرور پہچان لیتے، اور یقیناً آپ انھیں گفتگو کے لب و لہجے سے پہچان لیں گے، اور اللہ تمھارے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ لا وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿31﴾

اعمال جانتا ہے﴿30﴾ اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے حتی کہ تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں، اور ہم تمھارے حالات جانچ لیں﴿31﴾

کرتا ہے، یہ نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں رہا حتی کہ آپ جب منصب خلافت پر فائز ہوئے، تو آپ نے اس سے مدد لی۔[1]

ارتداد کی مذمت : ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ﴾ ''بلاشبہ جو لوگ ان کے لیے راہ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے۔'' یعنی انھوں نے ایمان کو چھوڑ دیا اور دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ ﴿ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ط ﴾ ''شیطان نے (یہ کام) ان کو مزین کر دکھایا۔'' یعنی شیطان نے یہ کام انھیں مزین اور اچھا کر کے دکھایا۔ ﴿ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿25﴾ ﴾ ''اور انھیں مہلت دی۔'' اور اس طرح دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ج ﴾ ''یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسے ناپسند کرنے والوں سے کہہ دیا ہے کہ ہم عنقریب بعض کاموں میں تمھاری فرمانبرداری کریں گے۔'' یعنی باطنی طور پر انھوں نے انھیں باطل پر آمادہ کیا اور منافقین کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنے باطن کے خلاف اظہار کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿26﴾ ﴾ ''اور اللہ ان کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ج ﴾ (النسآء 4:81) ''اور وہ جو رات کو مشورے کرتے ہیں اللہ ان کو لکھ لیتا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿27﴾ ﴾ ''تو اس وقت ان کا کیا (حال) ہوگا جب فرشتے ان کو فوت کریں گے (اور) ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ماریں گے۔'' یعنی ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کے پاس ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے آئیں گے اور روحیں ان کے جسموں میں چھپنے کی کوشش کریں گی تو فرشتے انھیں سختی کر کے، ڈانٹ ڈپٹ کر اور مار مار کر باہر نکالیں گے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ج وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ ﴾ (الأنفال 8:50) ''اور کاش! تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کو فوت کرتے ہیں، ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ) عذاب آتش (کا مزہ) چکھو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ج اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ط اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:93) ''اور کاش! تم ان ظالم (مشرک) لوگوں کو

[1] تفسیر الطبری: 75/26 یہ حدیث مرسل ہے۔

اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لیے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔'' اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿28﴾ ﴾ ''یہ اس لیے کہ جو چیز اللہ کو ناراض کرتی ہے انھوں نے اس کی پیروی کی اور انھوں نے اس کی خوشنودی کو ناپسند جانا تو اس نے بھی ان کے عملوں کو برباد کر دیا۔''

تفسیر آیات :29-31

منافقین کی پردہ دری: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿29﴾ ﴾ ''کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا۔'' یعنی کیا منافقین یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا معاملہ اپنے مومن بندوں کے سامنے واضح نہیں فرمائے گا۔ کیوں نہیں! وہ ان کے معاملے کو ضرور واضح فرمادے گا تا کہ عقل مند انھیں خوب سمجھ لیں، اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں سورۂ براءت کو نازل فرما کر ان کی رسوائیوں کو طشت از بام کر دیا تھا اور ان کے ان تمام کرتوتوں کو ظاہر کر دیا تھا جو ان کے نفاق پر دلالت کرتے تھے، اسی وجہ سے سورۂ براءت کو سورۂ فاضحہ رسوا کر دینے والی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ أَضْغَان، ضِغْن کی جمع ہے، اس سے مراد اسلام اور مسلمانوں اور اسلام کی مدد کرنے والوں سے وہ حسد اور کینہ ہے جسے منافق اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ ﴾ ''اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے تو آپ ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اگر ہم چاہتے تو آپ کو منافق اشخاص دکھا دیتے اور آپ واضح طور پر انھیں پہچان لیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام منافقین کے بارے میں ایسا نہیں کیا تا کہ وہ اپنی مخلوق کی پردہ پوشی فرمائے، امور کو ظاہر پر محمول کیا جائے اور باطنی احوال کو اسی کی ذات گرامی کے سپرد کر دیا جائے۔ ﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ ﴾ ''اور آپ ضرور انھیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لیں گے۔'' یعنی جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو وہ ایسی ہوتی ہے جو ان کے مقاصد پر دلالت کرتی ہے اور ان کی گفتگو ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ متکلم کا کس جماعت سے تعلق ہے، ﴿ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ ﴾ سے یہی مراد ہے جیسا کہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی انسان کسی مخفی عمل کو چھپائے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے کے نقوش اور زبان کی لغزشوں سے ظاہر فرما دیتا ہے۔

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ﴾ ''اور ہم تم (لوگوں) کو ضرور آزمائیں گے۔'' یعنی اوامر ونواہی کے ساتھ ﴿ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ ﴿31﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں، اور تمھارے حالات کو جانچ لیں۔'' اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق جو کچھ ہونے والا ہے، وہ بلاشک وریب ضرور ہو کر رہے گا، لہٰذا اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اس کے وقوع پذیر ہونے کو معلوم کر لیں، اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما لِنَعْلَمَ جیسے الفاظ کے معنی لِنَرٰی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، اور ان پر ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول (ﷺ) کی مخالفت کی وہ اللہ کا

الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿32﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا

ہر گز کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، اور عنقریب وہ ان کے اعمال برباد کر دے گا﴿32﴾ اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور

اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿33﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اپنے عملوں کو باطل نہ کرو﴿33﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا، اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، پھر وہ (اسی) حالتِ کفر میں مر گئے تو اللہ انھیں ہر گز

ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿34﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ

نہیں بخشے گا﴿34﴾ چنانچہ تم کمزور نہ پڑو اور نہ تم صلح کی طرف بلاؤ جبکہ تم ہی غالب ہو، اور اللہ تمھارے ساتھ ہے، اور وہ تم سے تمھارے عملوں (کے

الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿35﴾

ثواب) کو ہر گز کم نہیں کرے گا﴿35﴾

کرتے ہیں، یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں۔ ①

تفسیر آیات:32-35

کفار کے عمل کو اکارت کر دینا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو شخص کفر کرے، اللہ تعالیٰ کے رستے سے روکے، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کرے اور ہدایت کے واضح ہونے کے بعد ایمان سے مرتد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچا کر روز قیامت خائب و خاسر ہو جانے کا سبب بنے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو اکارت کر دے گا اور اس کی کسی سابقہ نیکی کا اسے کوئی ثواب نہیں دے گا کیونکہ اس کے ارتداد کے باعث اس کے کسی عمل کی حیثیت مچھر کے برابر نہ رہی، اسی لیے اللہ تعالیٰ اس کی تمام نیکیوں کو اس کے ارتداد کی وجہ سے اسی طرح ختم کر دے گا، جس طرح نیکیوں سے گناہ ختم ہو جاتے ہیں، امام محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلاۃ میں ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا خیال تھا کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا جس طرح شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں پہنچا سکتا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿33﴾﴾ ''اللہ کی فرمانبرداری کرو اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔'' تو وہ ڈرنے لگے کہ گناہ سے عمل باطل بھی ہو جاتا ہے۔ ② پھر انھوں نے

---

① حافظ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿نَعْلَمَ﴾ کے معنی لِنُمَيِّزَ ''تاکہ ہم الگ کر دیں'' نقل کیے ہیں۔ اور ابن جریر نے ﴿نَعْلَمَ﴾ بمعنی لِنَرٰى ''تاکہ ہم دیکھیں'' پر سخت رد فرمایا ہے۔ دیکھیے تفسیر الطبری:21,20/2 تاہم ایک غیر مستند تفسیر بنام تنویر المقباس جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ناحق طور پر منسوب ہے، اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿نَعْلَمَ﴾ کے معنی لِنَرٰى وَنُمَيِّزَ ''تاکہ ہم دیکھیں اور الگ کر دیں'' منقول ہے، علاوہ ازیں اکثر مفسرین نے بھی اس کے معنی لِنَرٰى ذکر کیے ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ ② تعظیم قدر الصلاۃ لمحمد بن نصر المروزی :645/2، رقم:698(C.D).

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ أُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ

بس دنیاوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو (تو) اللہ تمھیں تمھارے اجر دے گا، اور وہ تم سے تمھارے

أَمْوَالَكُمْ ﴿36﴾ إِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿37﴾ هٰٓأَنْتُمْ

(تمام) مال نہیں مانگے گا﴿36﴾ اگر اللہ تم سے (تمام) مال کا سوال کرے، پھر وہ (اس پر) اصرار کرے، تو تم بخل کرو گے، اور وہ تمھارے کینے نکال باہر

هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ

کرے گا﴿37﴾ سنو! تم تو وہ لوگ ہو کہ تمھیں دعوت دی جاتی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پھر تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو بخل

عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ

کرتا ہے تو بس وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے، اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو، اور اگر تم پھرو گے تو اللہ تمھارے سوا دوسرے لوگ بدل لائے

4 ع 10 8 ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا أَمْثَالَكُمْ ﴿38﴾ ع

گا، پھر وہ تم جیسے (نافرمان) نہ ہوں گے﴿38﴾

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیک عمل مقبول ہے حتی کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا أَعْمَالَكُمْ ﴿33﴾ ﴾ تو ہم نے کہا کہ یہ کون سی چیز ہے جو ہمارے اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ پھر ہم نے کہا کہ جہنم کو واجب کر دینے والے کبیرہ گناہ اور فواحش حتی کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ نازل ہوگیا: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ (النسآء 48:4) ''بے شک اللہ اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جس کو چاہے بخش دے۔'' جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ہم اس بارے میں گفتگو سے رک گئے، ہم کبیرہ گناہوں اور فواحش و منکرات کا ارتکاب کرنے والے کے بارے میں ڈرتے تھے اور ان کا ارتکاب نہ کرنے والے کے لیے پر امید تھے۔ ①

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے جو دنیا و آخرت میں سعادت و کامرانی کا موجب ہے اور اس نے ارتداد سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے تمام اعمال اکارت ہو جاتے ہیں، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تُبْطِلُوْٓا أَعْمَالَكُمْ ﴿33﴾ ﴾ ''اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔'' یعنی ارتداد کے ساتھ، اسی وجہ سے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿34﴾ ﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے رستے سے روکتے رہے، اور پھر کافر ہی مر گئے تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ (النسآء 48:4) ''بے شک اللہ اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) کو جس کے لیے چاہے بخش دے۔'' پھر اللہ جل وعلا نے اپنے مومن بندوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تَهِنُوْا ﴾ ''تو تم کمزور نہ پڑو۔'' یعنی دشمنوں کے مقابلے میں

① تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزي: 646/2، رقم: 699(C.D).

کمزوری نہ دکھاؤ۔ ﴿ وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ﴾ ”اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف (نہ) بلاؤ۔“ یعنی اپنی قوت، تعداد اور ساز و سامان کی کثرت کی حالت میں دشمن کو صلح و سلامتی کی دعوت نہ دو، البتہ اگر تمام مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کو قوت و کثرت حاصل ہو اور حاکم وقت معاہدہ و مصالحت ہی کو مصلحت سمجھے تو پھر وہ کفار کو صلح کی پیشکش کر سکتا ہے جیسا کہ کفار قریش نے جب رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور انھوں نے آپ کو دعوت دی کہ صلح کر لی جائے اور دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس پیشکش کو قبول فرما لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ ﴾ ”اور اللہ تمھارے ساتھ ہے۔“ اس میں بہت زبردست بشارت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت اور غلبہ حاصل ہوگا۔ ﴿ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿35﴾ ﴾ ”اور وہ تمھارے اعمال کو کم (اور گم) نہیں کرے گا۔“ یعنی وہ انھیں اکارت اور رائیگاں کر کے تمھیں ان سے محروم نہیں کرے گا بلکہ وہ تمھیں ان کا پورا پورا اجر و ثواب بھی عطا کرے گا اور تمھارے اعمال صالحہ کو ذرہ بھر کم بھی نہیں کرے گا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 36-38

دنیا کے حقیر ہونے کا بیان: اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حقیر اور بے حیثیت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ ﴾ ”دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے۔“ یعنی دنیا کا حاصل کھیل اور تماشا ہی ہے، سوائے اس کے جو اس (دنیا) میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿36﴾ ﴾ ”اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو وہ تم کو تمھارے اجر دے گا اور تم سے تمھارے مال طلب نہیں کرے گا۔“ یعنی وہ تم سے بے نیاز ہے، وہ تم سے کچھ طلب نہیں کرتا، اس نے تمھارے مال میں صدقات تو تمھارے فقیر بھائیوں ہی کی ہمدردی و خیر خواہی کے لیے فرض کیے ہیں تاکہ اس کا نفع تمھیں ہی حاصل ہو اور اس کا ثواب بھی تمھیں ملے، پھر اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا ﴾ ”اگر وہ تم سے مال طلب کرے، پھر وہ تم سے مبالغہ و اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو۔“ یعنی تمھیں حرج میں مبتلا کر دے تو تم بخل کرنے لگو گے۔ ﴿ وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿37﴾ ﴾ ”اور تمھارے کینوں کو نکال باہر کرے۔“ قتادہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اموال نکالنا درحقیقت کینوں کو نکال دینا ہے۔[1] قتادہ نے یہ بالکل سچ کہا ہے کیونکہ مال سے انسان کو محبت ہوتی ہے اور انسان اسے صرف اسی کام میں خرچ کرتا ہے جو اسے مال سے زیادہ پسند ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ ﴾ ”دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں۔“ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے۔ ﴿ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ﴾ ”اور جو بخل کرتا ہے تو بلاشبہ وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔“ یعنی اپنے اجر و ثواب کو کم کرتا ہے اور اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ ﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ ﴾ ”اور اللہ بے نیاز

[1] تفسیر عبدالرزاق: 209/3، رقم: 2891.

ہے۔‘‘ اپنے سوا ہر چیز سے، جبکہ ہر چیز ہمیشہ اس کی محتاج ہے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ ﴾ ’’اور تم محتاج ہو۔‘‘ یعنی اس کی نسبت سے تم محتاج ہو، بے نیازی اس کی صفت لازم ہے جبکہ مخلوق کی لازمی صفت فقر و محتاجی ہے کہ مخلوقات اس سے کبھی الگ نہیں ہو سکتیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا ﴾ ’’اور اگر تم روگردانی کرو۔‘‘ یعنی اس کی اطاعت اور اتباع شریعت سے۔ ﴿ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴾ ’’تو وہ تمھارے علاوہ کوئی (اور) لوگ بدل لائے گا، پھر وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔‘‘ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سننے والے اور اس کی اور اس کے اوامر کی اطاعت بجالانے والے ہوں گے۔

سورۂ محمد کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سورۂ فتح

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ① لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ

(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح مبین دی ① تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی پچھلی ہر غلطی معاف کردے،

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ② وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ③

اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے، اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے ② اور (تاکہ) اللہ آپ کی بڑی زبردست مدد کرے ③

سورۂ فتح کی فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال رستے میں چلتے ہوئے اپنی سواری پر سورۂ فتح کی تلاوت فرمائی اور آپ نے اس میں ترجیع فرمائی۔ معاویہ (راوی) کہتے ہیں کہ اگر مجھے یہ بات ناپسند نہ ہوتی کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں آپ کی قراءت کی طرح قراءت کر کے سنا دیتا۔[1] امام بخاری و مسلم نے اسے بروایت شعبہ بیان کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:1-3

سورۂ فتح کا سبب نزول: یہ سورۂ مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے ذوالقعدہ 6ھ میں اس وقت واپس تشریف لا رہے تھے جب مشرکین نے عمرہ ادا کرنے کے لیے آپ کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا۔ وہ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے، پھر مصالحت اور معاہدے کی طرف مائل ہو گئے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آ جائیں تو آپ نے جماعت صحابہ کی ناپسندیدگی کے باوجود اس بات کو تسلیم فرما لیا، اس معاہدے کو ناپسند کرنے والوں میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس سورت میں اپنے مقام پر اس کی تفسیر میں بیان کریں گے۔[3] جب آپ نے اس جگہ اپنی قربانی کے جانور کو نحر کر دیا جہاں آپ محصور کر دیے گئے تھے تو آپ واپس تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا اور اس میں آپ کے اور کفار مکہ کے حالات کو بیان فرمایا اور اس صلح کو مصلحت اور انجام کے اعتبار سے فتح قرار دیا جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر سے مروی ہے کہ تم فتح سے مراد فتح مکہ لیتے ہو جبکہ ہم صلح حدیبیہ کو

① مسند أحمد: 54/5. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ (الفتح 1:48)، حديث: 4835 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب ذكر قراءة النبي ﷺ سورة الفتح يوم فتح مكة، حديث: 794.

③ دیکھیے الفتح، آیات: 26,25 کے ذیل میں۔

فتح قرار دیتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ کے دن کو فتح قرار دیتے تھے۔ ①

امام بخاری رحمہ اللہ نے براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تم فتح مکہ کو فتح قرار دیتے ہو بلاشبہ فتح مکہ بھی فتح تھی مگر ہم تو حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح سمجھتے تھے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو تھے، حدیبیہ ایک کنواں تھا جس کا ہم نے سارا پانی نکال لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ ہمارے پاس تشریف لائے، آپ کنویں کی منڈیر پر جلوہ افروز ہو گئے، پھر آپ نے پانی کا ایک برتن منگوایا، اس سے وضو فرمایا، پھر کلی کی، دعا فرمائی اور اس پانی کو اس کنویں میں ڈال دیا، ہم نے اسے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیا، پھر ہم نے اس سے اس قدر پانی حاصل کر لیا جس قدر اس کی ہمیں اور ہماری سواریوں کو ضرورت تھی۔ ②

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میں نے آپ سے ایک چیز کے بارے میں تین بار پوچھا مگر آپ نے جواب نہ دیا، میں نے اپنے دل میں کہا: ابن خطاب! تجھے تیری ماں گم پائے، تو نے تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مگر آپ نے جواب نہیں دیا! آپ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی سواری پر سوار ہو گیا اور میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی، میں آگے بڑھا اور میں ڈرتا تھا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل نہ ہو گئی ہو، اسی دوران میں ایک شخص نے پکارتے ہوئے کہا اے عمر! میں واپس پلٹا تو ڈر رہا تھا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہو گئی ہو گی مگر جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَزَلَتْ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ سُورَةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا: ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾] ''رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے اور وہ ہے: ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾ ''(اے محمد!) بے شک ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح و صاف تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔'' ③ امام بخاری و ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کو کئی طرق سے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ ④ امام علی بن مدینی نے اس حدیث کی سند کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ مدنی اور جید سند ہے اور اسے ہم نے صرف اہل مدینہ ہی کے پاس پایا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ: ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا عَلَى الْأَرْضِ] ''رات مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔'' پھر

---

① تفسير الطبري: 93,92/26 . ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية ، حديث: 4150 . ③ مسند أحمد : 31/1 . ④ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ ﴾ (الفتح 48:1)، حديث : 4833 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الفتح، حديث : 3262 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ ﴾ :461/6، حديث: 11499.

نبیٔ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ آیت پڑھ کر سنائی تو صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! مبارک مبارک! اللہ تعالیٰ نے یہ تو بیان فرما دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ تو اس کے جواب میں آپ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''(یہ) اس لیے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے۔'' یہاں سے لے کر آپ نے ﴿ فَوْزًا عَظِيْمًا ۟ ﴾ ''بہت بڑی کامیابی۔'' تک کی آیات پڑھ کر سنائیں۔① اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔②

امام احمد رحمہ اللہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اس قدر لمبی نماز ادا فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف نہیں فرما دیے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(أَفَلَا) أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟] ''تو کیا میں (اس کا) شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟''③ اسے بخاری و مسلم نے اور سوائے ابوداود کے دیگر اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۟ ﴾ ''بے شک (اے محمد!) ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح و صاف۔'' یعنی بین اور واضح فتح اور اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے کیونکہ اس کے سبب بہت خیر و بھلائی حاصل ہوئی، لوگوں کو امن حاصل ہوگیا اور انھیں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے ہونے کا موقع مل گیا، مومنوں کو کافروں کے ساتھ گفتگو کا موقع مل گیا اور علم نافع اور ایمان کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ ''تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔'' یہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی بھی آپ کا سہیم و شریک نہیں، آپ کے سوا اور کسی کے لیے بھی کسی صحیح حدیث سے اس کے اعمال کا یہ ثواب ثابت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہوں، یہ شرف عظیم صرف رسول اللہ ﷺ ہی کو حاصل ہے کیونکہ آپ نے تمام امور میں ایسی اطاعت اور صبر و استقامت ہی کو اختیار فرمایا کہ جس تک اولین و آخرین میں سے کسی بشر کی رسائی نہ ہوسکی، آپ کی ذات گرامی بلاشبہ تمام انسانوں سے اکمل ہے اور آپ دنیا و آخرت میں ساری انسانیت کے سردار ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اپنے

---

① مسند أحمد : 197/3 . ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث : 4172 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث: 1786. ③ مسند أحمد :255/4 جبکہ قوسین والا لفظ بھی مسند أحمد : 115/6 عن عائشة رضی اللہ عنہا میں ہے۔ ④ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ ﴾ (الفتح 2:48)، حديث: 4836 و صحيح مسلم ، صفات المنافقين......، باب إكثار الأعمال......، حديث : 2819 و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الاجتهاد في الصلاة، حديث:412 و سنن النسائي ، قيام الليل، باب الاختلاف على عائشة في إحياء الليل، حديث: 1645 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب ماجاء في طول القيام في الصلوات، حديث: 1419.

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ

وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں طمانیت و تسکین نازل کی، تاکہ ان کے ایمان میں اور (مزید) ایمان کا اضافہ ہو،

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ④ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اورآسمانوں اور زمین کے(سب) لشکر اللہ ہی کے ہیں، اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ④(یہ سب اس لیے کیا) تاکہ

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ

وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کوایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،اور

ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ⑤ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

(تاکہ) ان سے ان کی برائیاں دور کردے، اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے⑤ اور (تاکہ) منافق مردوں اور منافق عورتوں

وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ

اورمشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق برے گمان کرتے ہیں، بری گردش انھی پر ہے، اور اللہ ان پر

عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ⑥ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ

ناراض ہوا، اور اس نے ان پر لعنت کی، اوراس نے ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے، اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے⑥اور آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑦

اورزمین کے(سب)لشکراللہ ہی کے لیے ہیں،اوراللہ نہایت غالب،خوب حکمت والا ہے⑦

رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ اطاعت گزار اور اس کے اوامر ونواہی کی سب سے زیادہ تعظیم بجالانے والے تھے، جب آپ کی اونٹنی مکہ مکرمہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے زمین پر بیٹھ گئی تھی تو آپ نے فرمایا: [حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ] ''اسے اس ذات پاک نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! (لَا يَسْأَلُونِّي الْيَوْمَ) (شَيْئًا) يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ (إِلَّا أَجَبْتُهُمْ إِلَيْهَا)] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج اگر وہ مجھ سے کسی بھی ایسی چیز کا سوال کریں جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت والی اشیاء کی عزت وتکریم کریں تو میں ان کی بات تسلیم کرلوں گا۔''①

جب آپ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی اختیار کرتے ہوئے صلح کی دعوت قبول فرمالی تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ آیات کریمہ نازل فرمادیں: ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ① لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ﴾ ''بے شک (اے محمد!) ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح وصاف تاکہ اللہ آپ کے اگلے

① صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث:2731، 2732 عن المسور بن مخرمة ﷺ ومروان.
پہلی قوسین والے الفاظ سنن أبي داود، الجهاد، باب في صلح العدو، حديث:2765 اور دوسری قوسین والا لفظ اس سیاق میں نہیں ملا جبکہ تیسری قوسین والا جملہ المصنف لابن أبي شيبة، غزوة الحديبية: 387/7، حديث: 36844 میں ہے۔

پچھلے گناہ بخش دے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے۔''یعنی دنیا و آخرت میں، ﴿ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ ﴾ ''اور آپ کو سیدھے رستے پر چلائے۔''یعنی شرع عظیم اور دین قویم کے اس رستے پر جسے اس نے آپ کے لیے مقرر فرما دیا ہے، ﴿ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ ﴾ ''اور اللہ آپ کی زبردست مدد کرے۔''یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کے مقام و مرتبے کو سربلند کر کے آپ کے دشمنوں پر آپ کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ]''معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی عزت ہی میں اضافہ فرماتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار فرمائے تو اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرما دیتا ہے۔''[1] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص تمھارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو تم اسے اس سے بڑھ کر اور کوئی سزا نہیں دے سکتے کہ تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔[2]

تفسیر آیات: 4-7

مومنوں کے دلوں پر سکینت کا نزول: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے (مومنوں کے دلوں پر) تسلی نازل فرمائی۔''یعنی انھیں اطمینان عطا فرما دیا، قتادہ کہتے ہیں کہ مومنوں کے دلوں میں وقار پیدا فرما دیا۔[3] مومنوں سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ حدیبیہ کے دن کی بات ہے جب انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان پر لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے آگے سر اطاعت خم کر دیا اور جب انھیں اطمینان قلب حاصل ہو گیا تو اس سے ان کے ایمان میں بھی مزید اضافہ ہو گیا۔ اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات کریمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ دلوں کے اندر ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔[4] پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو کافروں سے بدلہ لے سکتا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کے لشکر (سب) اللہ ہی کے ہیں۔''یعنی اگر وہ چاہتا تو ان پر صرف ایک فرشتہ بھیج کر انھیں تباہ و برباد کر سکتا تھا لیکن اس نے اپنے مومن بندوں کو جہاد و قتال کا حکم دیا ہے اور اس میں اس کی حکمت بالغہ، حجت قاطعہ اور براہین دامغہ کے کئی پہلو مضمر ہیں، اسی لیے اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ ''اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔''

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ کے لیے داخل

---

[1] صحيح مسلم، البروالصلة......، باب استحباب العفو والتواضع، حديث : 2588 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [2] تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر، ترجمة عمر بن الخطاب رضي الله عنه......: 275,274/47 . [3] تفسير الطبرى: 829/2 والدر المنثور: 69/6 . [4] صحيح البخارى، الإيمان، باب قول النبى ﷺ: [بنى الإسلام على خمس]، قبل الحديث : 8.

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ⑧ لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ

(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، اور بشارت دینے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ⑧ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

وَتُوَقِّرُوهُ ۗ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ⑨ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ

لاؤ، اور تم اس کی مدد کرو، اور اس کا ادب کرو، اور تم صبح اور شام اس (اللہ) کی پاکی بیان کرو ⑨ بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں،

اللّٰهَ ۗ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى

وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی

ع 1 10 9 بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ⑩

کرتا ہے، اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا، تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا ⑩

کرے۔'' قبل ازیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مبارک ہو! یہ نوید مسرت آپ کے لیے ہے اور ہمیں کیا ملے گا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ﴾ یعنی اس میں وہ ابدالآباد تک رہیں گے۔① ﴿ وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۗ ﴾ ''اور ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دے۔'' یعنی ان کی غلطیوں اور گناہوں کی انھیں سزا نہ دے بلکہ عفو و درگزر سے کام لے کر انھیں بخش دے، پردہ پوشی فرمائے، رحم فرمائے اور ان کی نیکیوں کا اچھا صلہ عطا فرمائے، ﴿ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيمًا ⑤ ﴾ ''اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ ﴾ (آل عمران 3:185) ''تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِينَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّينَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۗ ﴾ ''اور اس لیے کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے حق میں برے برے خیال رکھتے ہیں، عذاب دے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر الزام لگاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ قتل ہو کر بالکل ختم ہو جائیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ ﴾ ''انھی پر برے حادثے واقع ہوں اور اللہ ان پر غصے ہوا اور ان پر لعنت کی۔'' یعنی انھیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ﴿ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۗ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ⑥ ﴾ ''اور ان کے لیے دوزخ تیار کیا اور وہ بری جگہ ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت کا اظہار کرتے ہوئے کہ وہ اپنے دشمنوں، اسلام کے دشمنوں، کافروں اور منافقوں سے انتقام لے سکتا ہے، فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ⑦ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں

① دیکھیے الفتح، آیت: 2 کے ذیل میں اور صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4172 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث: 1786.

اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔‘‘

تفسیر آیات: 8-10

رسول اللہ ﷺ کی صفات: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ﴾ ’’یقیناً ہم نے (اے محمد!) آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔‘‘ یعنی مخلوق کے بارے میں گواہی دینے والا، ﴿ وَّ مُبَشِّرًا ﴾ ’’اور خوش خبری سنانے والا۔‘‘ یعنی مومنوں کو، ﴿ وَّ نَذِيْرًا ⑧ ﴾ ’’اور خوف دلانے والا۔‘‘ یعنی کافروں کو، اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں سورۂ احزاب میں بیان کی جا چکی ہے۔[1] ﴿ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ ﴾ ’’تاکہ (مسلمانو!) تم اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان کی تعظیم بجا لاؤ۔[2] ﴿ وَتُوَقِّرُوْهُ ﴾ ’’اور ان (رسول) کی عزت و تکریم کرو۔‘‘ یہ توقیر سے ہے جس کے معنی احترام، اجلال اور تعظیم بجالانے کے ہیں۔ ﴿ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑨ ﴾ ’’اور صبح و شام اس (اللہ) کی تسبیح کرتے رہو۔‘‘ یعنی دن کے ابتدائی اور آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہو۔

بیعت رضوان: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تشریف و تعظیم و تکریم عطا کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ ’’بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النسآء 4:80) ’’جو شخص رسول کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔‘‘ ﴿ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ ’’اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔‘‘ یعنی وہ ان کے پاس موجود ہے، ان کی باتوں کو سنتا، ان کی جگہ کو دیکھتا اور ان کے ظاہری و باطنی حالات کو جانتا ہے، گویا رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ ہی ان سے بیعت لیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ ﴾ (التوبة 9:111) ’’بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے، جس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔‘‘ ﴿ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ⑩ ﴾ ’’اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا۔‘‘ یعنی ثواب جزیل عطا فرمائے گا۔ اس بیعت سے مراد بیعت رضوان ہے جو حدیبیہ کے مقام پر ببول کے ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ اس دن بیعت کرنے والے حضرات صحابہ کرام کی

---

① دیکھیے الأحزاب، آیت: 45 کے تحت عنوان: ’’رسول اللہ ﷺ کی صفات جمیلہ‘‘ ② تفسیر القرطبي : 266/16 .

تعداد تیرہ سو،① دوسرے قول کے مطابق چودہ سو،② اور تیسرے قول کے مطابق پندرہ سو تھی۔③ اور اس سلسلے میں درمیان والا قول سب سے زیادہ صحیح ہے، یعنی ان کی تعداد چودہ سو تھی۔

حدیبیہ کی تفصیل: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو تھی۔④ اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔⑤ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ اس دن ہماری تعداد چودہ سو تھی، اسی دن آپ نے اپنا دست مبارک جب پانی میں ڈالا تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے رواں ہو گیا حتی کہ سب لوگوں نے اسے خوب سیر ہو کر پیا۔⑥ حدیبیہ کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیاس کے بارے میں یہ ایک مفصل روایت کا اختصار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن انھیں اپنے ترکش کا ایک تیر عطا فرمایا جسے انھوں نے حدیبیہ کے (خشک) کنویں میں ڈال دیا، اس سے پانی جوش مارنے لگ گیا حتی کہ وہ سب لوگوں کی ضرورت کے لیے کافی ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اس دن تمھاری تعداد کتنی تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم چودہ سو تھے اور اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے پھر بھی یہ پانی ہماری ضرورت کے لیے کافی تھا۔⑦ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ تعداد پندرہ سو تھی۔⑧

امام بخاری رحمہ اللہ نے قتادہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے سعید بن میّب سے پوچھا کہ بیعت رضوان کے موقع پر صحابہ کرام کی تعداد کتنی تھی؟ انھوں نے کہا: پندرہ سو، میں نے عرض کی: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کی تعداد چودہ سو تھی، حضرت سعید بن میّب نے جواب دیا کہ انھیں وہم ہو گیا ہے، انھوں نے خود مجھ سے یہ بیان فرمایا تھا کہ ان کی تعداد پندرہ سو تھی۔⑨ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما پہلے ان کی تعداد پندرہ سو بیان کیا کرتے تھے، پھر انھیں اپنی غلطی یاد آئی تو انھوں نے تعداد چودہ سو بیان کرنا شروع کر دی۔⑩

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث : 4155 عن عبدالله بن أبي أوفى ﷺ. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث :4154 عن جابر بن عبدالله ﷺ. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث : 4152 عن جابر بن عبدالله ﷺ. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (الفتح 48:18) ، حديث: 4840. ⑤ صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش......، حديث : 1856. ⑥ صحيح البخاري، الأشربة، باب شرب البركة والماء المبارك، حديث : 5639 و صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام......، حديث: (74)-1856 مختصرًا. ⑦ صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة......، حديث:2732,2731 عن المسور بن مخرمة ﷺ جبکہ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ...... ہماری ضرورت کے لیے کافی تھا'' تک کے الفاظ صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3576 و صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام......، حديث: (73)-1856 مختصرا میں ہیں، البتہ اس حوالے میں ''ہم پندرہ سو تھے'' ہے اور ''چودہ سو'' کے الفاظ اس سیاق میں نہیں ملے۔ ⑧ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث : 4152 و صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام......، حديث: (73)-1856. ⑨ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث :4153 لیکن اس میں اتنا ہی ہے کہ میّب نے جواب دیا کہ انھیں وہم ہو گیا ہے۔ انھوں نے مجھے بیان کیا ہے کہ صحابہ پندرہ سو تھے، وہم کی نسبت نہیں کی، البتہ دلائل النبوہ کے مندرجہ ذیل حوالے میں وہم کی نسبت صراحتاً آئی ہے۔ ⑩ دلائل النبوة للبيهقي، باب عدد من كان مع النبي ﷺ بالحديبية : 97/4 .

صلح حدیبیہ

(ذی القعدہ 6ھ)

﴿ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ﴾

"بے شک، ہم نے آپ کو واضح فتح دی۔" (الفتح 48:1)

بیعت رضوان

﴿ لَقَدۡ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِيۡبًا ﴾

"اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان وسکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (الفتح 48:18)

x حدیبیہ کا مقام — آغاز حرم کے مقامات

• مقامِ میقات — حرم مکی کی حدود

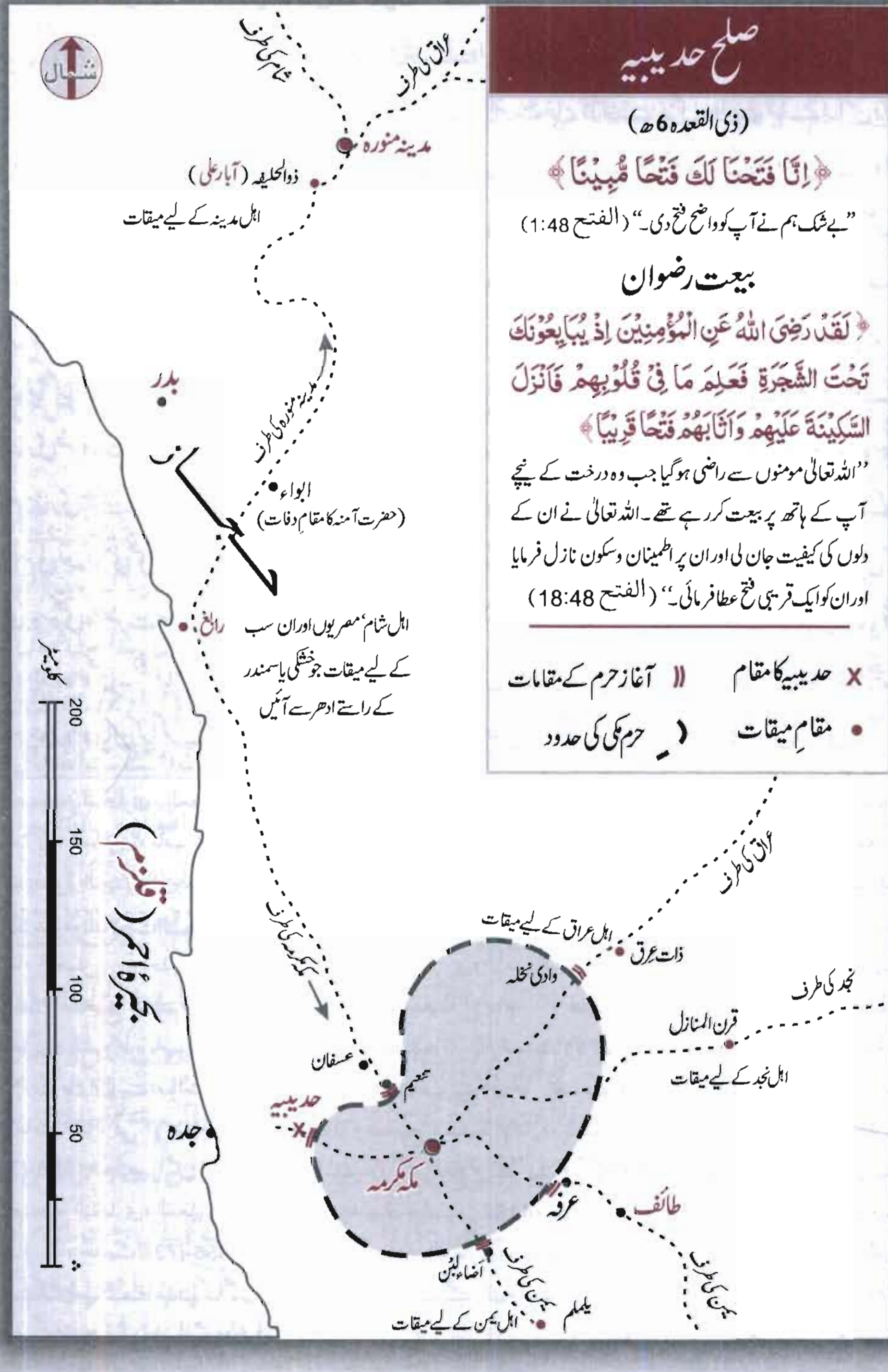

اس عظیم الشان بیعت کا سبب: محمد بن اسحاق بن یسار نے سیرت میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں بھیجنے کے لیے عمر بن خطاب کو طلب فرمایا تا کہ وہ سردارانِ قریش تک آپ کی آمد کے مقصد کو پہنچا دیں، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے قریش کی طرف سے جان کا ڈر ہے اور مکہ میں خاندان عدی بن کعب کا کوئی فرد نہیں جو میری حفاظت کر سکے اور قریش کو خوب معلوم ہے کہ میری ان سے کس قدر شدید دشمنی اور میرا ان سے کتنا شدید برتاؤ تھا، اس لیے میں ایک ایسے شخص کی نشاندہی کرتا ہوں جو قریش پر مجھ سے زیادہ غالب ہے اور وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، آپ نے انھیں ابوسفیان اور دیگر سردارانِ قریش کے پاس بھیجا تا کہ وہ انھیں بتا دیں کہ آپ لڑائی کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے ہیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سوئے مکہ روانہ ہو گئے، مکہ میں داخل ہوتے وقت یا داخل ہونے سے پہلے ان کی ملاقات ابان بن سعید بن عاص سے ہوئی، انھوں نے حضرت عثمان کو سواری پر اپنے آگے بٹھا لیا اور انھیں اپنی پناہ میں لیے رکھا حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان اور دیگر سردارانِ قریش کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا دیا، آپ جب پیغام پہنچانے سے فارغ ہوئے تو انھوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں مگر آپ نے جواب دیا کہ نہیں، میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں، قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے پاس یہ افواہ پہنچ گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن ابوبکر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: [لَا نَبْرَحُ حَتّٰی نُنَاجِزَ الْقَوْمَ] ''اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک ان لوگوں سے لڑ نہ لیں۔'' اس مقصد کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی۔ لوگ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت پر بیعت کی تھی جبکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت پر بیعت نہیں کی تھی بلکہ ہم نے بیعت اس بات پر کی تھی کہ ہم میدان سے بھاگیں گے نہیں۔ سب لوگوں نے بیعت کی حتی کہ بنوسلمہ کے جد بن قیس کے سوا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے بیعت نہ کی ہو، میں اسے گویا دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی اونٹنی کی بغل کے ساتھ چمٹا ہوا لوگوں کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ خبر بھی پہنچ گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کر دیے جانے کی بات غلط ہے۔ [1]

حافظ ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت اہل مکہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے گئے ہوئے تھے تو آپ نے لوگوں سے بیعت کی، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُولِهِ] ''بے شک عثمان اللہ تعالیٰ اور اس

---

[1] السيرة النبوية لابن إسحٰق، أمر الحديبية في آخر سنة ست و ذكر بيعة الرضوان : 2/460,459.

کے رسول کے کام سے گیا ہے۔'' تو آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت لے لی تو اس طرح حضرت عثمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ان لوگوں کے لیے ان کے اپنے ہاتھوں سے بہت بہتر تھا۔ ①

امام بخاری نے نافع سے روایت کیا ہے کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے لیکن یہ بات درست نہیں ہے، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے آپ کے گھوڑے کو لے آئے وہ اس گھوڑے کو لڑائی کے لیے استعمال کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت درخت کے نیچے بیعت لے رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم نہ تھی لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی اور گھوڑا لینے کے لیے روانہ ہو گئے، پھر اسے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت جنگی لباس زیب تن کر رہے تھے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل پڑے اور انھوں نے بھی جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر لی، اسی بات کو لوگ اس طرح بیان کرنے لگے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ ② پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لوگ درختوں کے سائے میں مختلف مقامات پر بیٹھ گئے تھے، پھر لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عبداللہ! دیکھ کیا بات ہے؟ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں تو انھوں نے بیعت کر لی، پھر جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا تو انھوں نے بھی آ کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ③

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو تھی اور ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت آپ کے دست مبارک کو تھامے ہوئے تھے، یہ بیعت درخت کے نیچے ہو رہی تھی اور یہ درخت ببول کا تھا، ان کا بیان ہے کہ ہم نے یہ بیعت موت پر نہیں کی تھی بلکہ اس بات پر کی تھی کہ ہم میدان جنگ سے فرار نہیں ہوں گے۔ ④

امام مسلم نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے درخت والے دن اپنے آپ کو دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں سے بیعت لے رہے تھے تو میں درخت کی ایک ٹہنی کو آپ کے سر سے اوپر اٹھائے ہوئے تھا، اس دن ہماری تعداد

① سنن أبی داود، الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة......، حديث :2726 اس حوالے میں یوم بدر کے لفظ ہیں لیکن شارحین نے اسے راوی کا وہم قرار دیا ہے، دیکھیے اس حدیث کے تحت عون المعبود: 283/7 وجامع الترمذی، المناقب، باب فی عد عثمان تسميته......، حديث:3702 واللفظ له جبکہ ہمیں حافظ ابوبکر بیہقی کی کتابوں السنن الکبری اور دلائل النبوة میں یہ حدیث نہیں ملی۔ ② صحيح البخاری، المغازی، باب غزوة الحديبية، حديث :4186. ③ صحيح البخاری، المغازی، باب غزوة الحديبية، حديث :4187 . ④ صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام...... ، حديث :1856.

چودہ سوتھی، ہم نے یہ بیعت موت پر نہیں کی تھی بلکہ ہم نے یہ بیعت اس پر کی تھی کہ میدان جنگ سے بھاگیں گے نہیں۔ ①
امام بخاری رحمہ اللہ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، یزید کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے ابومسلم! اس دن تم لوگوں نے کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: موت پر۔ ②
امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور پھر میں ایک طرف ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا سَلَمَةُ! أَلَا تُبَايِعُ؟] ''اے سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟'' میں نے عرض کی: میں نے بیعت کر لی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَقْبِلْ فَبَايِعْ] ''آؤ بیعت کرلو۔'' تو میں نے آپ کے قریب ہوکر پھر بیعت کر لی، میں نے پوچھا کہ سلمہ! تم نے کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: موت پر۔ ③ اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ④ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے عباد بن تمیم سے بھی روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے یہ بیعت موت پر کی تھی۔ ⑤

امام بیہقی نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حدیبیہ کے مقام پر آئے اور اس وقت ہماری تعداد چودہ سوتھی، یہاں پچاس بکریاں تھیں اور ان کا دودھ اس تعداد کو سیر نہیں کرسکتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے دعا فرمائی یا اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا جس سے کنویں میں پانی جوش مارنے لگ گیا، ہم سب لوگوں نے بھی پانی پیا اور اپنے جانوروں کو بھی پلایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کے تنے کے پاس بیٹھ کر بیعت کی دعوت دی تو سب سے پہلے میں نے بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا، پھر لوگوں نے جوق در جوق بیعت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں گھرے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا: [بَايِعْنِي يَاسَلَمَةُ!] ''سلمہ! تم بھی میری بیعت کرو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے تو آپ کی سب سے پہلے بیعت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَأَيْضًا] ''پھر بھی بیعت کرلو۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے ایک طرف دیکھا تو آپ نے مجھے ڈھال پکڑا دی، پھر آپ نے لوگوں سے بیعت لی حتی کہ جب آخر تک سب لوگوں نے بیعت کر لی تو آپ نے فرمایا: [أَلَا تُبَايِعُ يَاسَلَمَةُ؟] ''سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے تو ابتدا میں اور پھر درمیان میں بھی بیعت کر لی تھی، آپ نے فرمایا: [وَأَيْضًا] ''پھر کرلو۔'' اس طرح میں نے تیسری بار بیعت کرنے کا اعزاز حاصل کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا سَلَمَةُ! أَيْنَ حَجَفَتُكَ أَوْدَرَقَتُكَ الَّتِي أَعْطَيْتُكَ؟] ''سلمہ! وہ ڈھال کہاں ہے جو میں نے تمھیں دی تھی؟'' میں نے عرض کی:

① صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام......، حديث :1858. ② صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب البيعة فى الحرب على أن لا يفروا، حديث :2960 و صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام......، حديث:1860 مختصرًا. ③ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب البيعة فى الحرب......، حديث:2960 و المعجم الكبير للطبراني، ترجمة يزيد بن أبي عبيد......:30,29/7،حديث:6281 و اللفظ له. ④ صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام......،حديث: 1860 مختصرًا. ⑤ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب البيعة فى الحرب......، حديث : 2959 و4167.

اے اللہ کے رسول! مجھے عامر ایک طرف ملے تو وہ میں نے انھیں دے دی، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنستے ہوئے فرمانے لگے: [إِنَّكَ كَالَّذِي قَالَ الْأَوَّلُ: اَللّٰهُمَّ! أَبْغِنِي حَبِيبًا هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَّفْسِي] ''تمھاری مثال تو اس پہلے زمانے کے آدمی کی طرح ہے جس نے کہا تھا کہ اے اللہ! مجھے ایک ایسا دوست عطا فرما جو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو۔''

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر مشرکین نے صلح کے بارے میں ہم سے مراسلت شروع کر دی اور ہم ایک دوسرے کے پاس آئے حتی کہ ہم نے صلح کر لی، میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا خادم تھا، میں ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا، اسے دور باندھ دیتا اور انھی کے پاس کھانا کھایا کرتا تھا کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر ہجرت کر کے اپنے اہل و مال کو چھوڑ دیا تھا، جب ہم نے اور اہل مکہ نے صلح کر لی اور ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے تو میں نے درخت کے پاس آ کر اس کے کانٹے صاف کیے اور اس کے سائے میں اس کے تنے کے پاس لیٹ گیا، میرے پاس مکہ کے چار مشرکین آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں ناشائستہ گفتگو شروع کر دی جس کی وجہ سے مجھے ان پر بہت غصہ آیا اور میں اس جگہ کو چھوڑ کر دوسرے درخت کے نیچے چلا گیا، انھوں نے درخت کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکایا اور خود لیٹ گئے، اسی دوران میں وادی کے زیریں طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا کہ اے مہاجرین! ابن زُنیم کو قتل کر دیا گیا ہے، میں نے اپنی تلوار سونتی اور ان چاروں مشرکین پر جو سوئے ہوئے تھے حملہ کر دیا اور ان کا اسلحہ بھی لے کر ہاتھ میں پکڑ لیا، پھر میں نے کہا: اس ذات اقدس کی قسم جس نے محمد ﷺ کے چہرے کو عزت بخشی ہے! تم میں سے جس نے بھی اپنا سر اٹھایا تو میں اس کے چہرے پر ماروں گا جس میں اس کی دو آنکھیں ہیں، پھر میں انھیں ہانک کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا، میرے چچا عامر بھی عَبَلات کے ایک شخص کو جو مشرکین میں سے تھا اور جس کا نام مکرز تھا، گھسیٹتے ہوئے لے آئے حتی کہ دیگر ستر مشرکین کے ساتھ ان سب کو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا تو فرمایا: [دَعُوهُمْ، يَكُنْ لَّهُمْ بَدْءُ الْفُجُورِ وَثِنَاهُ] ''انھیں چھوڑ دو کہ برائی کی ابتدا اور انتہا انھی کے حصے میں آئے۔'' الغرض رسول اللہ ﷺ نے انھیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے تم کو ان (کافروں) پر فتح یاب کرنے کے بعد سرحد مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے۔''[1] امام مسلم نے بھی اس روایت کو قریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔[2]

صحیحین میں سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ میرے والد گرامی بھی ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی تھی، اگلے سال جب ہم حج کے لیے گئے تو وہ جگہ اوجھل ہو گئی اور اگر تمھیں معلوم ہو جائے تو تم اس کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔[3] امام ابوبکر حمیدی نے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان

① دلائل النبوة للبيهقي، باب إرسال النبيﷺ عثمان بن عفان ﷺ إلى مكة……: 4/138-141. ② صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة ذي قرد…… ، حديث : 1807. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث : 4164 و صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام……، حديث: 1859 واللفظ له.

کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو ہم نے جد بن قیس نامی ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کی بغل کے نیچے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ① اسے مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔ ② امام حمیدی ہی نے عمرو سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو تھے، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا:[أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ] ''آج تم روئے زمین کے سب سے بہتر انسان ہو۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر مجھے نظر آتا ③ تو میں تمھیں بھی اس درخت کی جگہ دکھا دیتا۔ ④ سفیان کہتے ہیں کہ اس درخت کی جگہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا تھا۔ اسے بخاری و مسلم نے بھی بطریق سفیان روایت کیا ہے۔ ⑤

امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِّمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ] ''ان لوگوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔'' ⑥

عبداللہ بن احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:[مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ، فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَاحُطَّ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ] ''جو شخص مرار کی گھاٹی پر چڑھے تو اس کے گناہوں کو اس طرح معاف کر دیا جائے گا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔'' اس گھاٹی پر سب سے پہلے خزرج کے گھڑ سوار چڑھے، پھر دوسرے لوگ بھی اس پر تیزی سے چڑھنے لگے، نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:[وَ كُلُّكُمْ مَّغْفُورٌ لَّهُ، إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ] ''سرخ اونٹ والے کے سوا تم سب کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔'' ہم نے اس سے کہا کہ آؤ تاکہ رسول اللہ ﷺ تیری بخشش کی دعا فرمائیں، اس نے جواب دیا کہ اگر مجھے میرا گمشدہ سامان مل جائے تو یہ مجھے تمھارے ساتھی کی بخشش کی دعا سے زیادہ پسند ہے، یہ شخص اپنے گمشدہ سامان کی تلاش کے لیے اعلان کر رہا تھا۔ ⑦

امام مسلم نے ابوزبیر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ مجھے ام مبشر رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ [لَا يَدْخُلُ النَّارَ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ مِّنَ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا] ''ان شاء اللہ تعالیٰ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے لوگوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔'' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیوں نہیں، اللہ کے رسول! تو آپ نے انھیں ڈانٹا۔

① مسند الحميدي، أحاديث جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنه: 537/2، حديث: 1277. ② صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام……، حديث: (69)-1856 مختصرًا. ③ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بینائی اس وقت ختم ہو گئی تھی۔ ④ مسند الحميدي، أحاديث جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنه: 514/2، حديث: 1225. ⑤ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4154 و صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام……، حديث: (71)-1856 جبکہ سفیان کا یہ قول کہ اس درخت کی جگہ کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہو گیا تھا، دلائل النبوة للبيهقي، باب فضل من بايع تحت الشجرة……: 142/4 میں ہے۔ ⑥ مسند أحمد: 350/3 مزید دیکھیے سنن أبي داود، السنة، باب في الخلفاء، حديث: 4653 و جامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في فضل من بايع تحت الشجرة، حديث: 3860. ⑦ صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين و أحكامهم، حديث: 2780.

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ

دیہاتیوں میں سے پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ آپ سے ضرور کہیں گے: ہمارے مالوں اور ہمارے اہل وعیال نے ہمیں مشغول کر دیا تھا، لہٰذا

یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا

آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کریں، وہ اپنی زبانوں سے وہ (بات) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ کہہ دیجیے: پھر کون تمھارے لیے

اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ⑪ بَلْ

اللہ سے کسی شے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع دینا چاہے؟ (کوئی بھی نہیں) بلکہ اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل

ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤی اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ

کرتے ہو⑪ بلکہ تم نے گمان کیا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے اہل وعیال کی طرف ہرگز نہیں پلٹیں گے، اور یہ بات تمھارے دلوں میں پرکشش بنادی گئی

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ⑫ وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ

تھی، اور تم نے برا گمان کیا تھا، اور تم لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے⑫ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بلاشبہ ہم نے ایسے کافروں

اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ

کے لیے خوب بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے⑬ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے

وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑭

عذاب دے، اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے⑭

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ﴾ (مریم 71:19) ”اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر سے گزرنا ہوگا۔“ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا ○﴾ (مریم 72:19) ”پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔“①

اور مسلم ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حاطب بن ابو بلتعہ کا ایک غلام آیا اور اس نے حاطب کی شکایت کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! حاطب ضرور بالضرور جہنم میں داخل ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَذَبْتَ لَا يَدْخُلُهَا، فَإِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَّالْحُدَيْبِيَةَ] ”تو غلط کہتا ہے، وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اس نے تو بدر اور حدیبیہ میں شرکت کی ہے۔“② اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے ان بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ⑩﴾ ”بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں بلاشبہ وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان

① صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أصحاب الشجرة......، حديث : 2496 . ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبي بلتعة......، حديث : 2495 .

کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا۔'' اسی طرح دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴾ (الفتح 18:48) ''(اے پیغمبر!) جب مومن درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے کوئی شک نہیں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا، چنانچہ جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا، وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انھیں بدلے میں فتح عنایت کی۔''

تفسیر آیات: 11-14

حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں کا جھوٹا عذر اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان پیچھے رہ جانے والے اعراب کے بارے میں بتایا ہے جنھوں نے اپنے اہل وعیال کے پاس رہنے کو پسند کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے کو ترک کر دیا تھا کہ وہ اپنے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے عذر پیش کریں گے اور آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ ان کی بخشش کے لیے دعا مانگیں اور ان کا یہ طرز عمل بھی اعتقاد کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقیہ اور تکلف کے طور پر تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ ﴾ ''یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، کہہ دیں کہ اگر اللہ تم (لوگوں) کو نقصان پہنچانا چاہے یا تمھیں فائدہ پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے، جو اس کے سامنے تمھارے لیے کسی بات کا کچھ اختیار رکھے؟ (کوئی نہیں۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں جو ارادہ فرمائیں اسے ٹال دینے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اور وہ تمھارے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے اور وہ تمھارے تقیہ اور نفاق سے خوب واقف ہے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴾ ''بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے خوب واقف ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤی اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا ﴾ ''بلکہ تم لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ پیغمبر اور مومن اپنے اہل وعیال کی طرف کبھی بھی لوٹ کر آئیں گے ہی نہیں۔'' یعنی تمھارا پیچھے رہ جانا عذر اور معصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ نفاق کی وجہ سے تھا اور تم یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمان شہید کر دیے جائیں گے، ان کی جڑ کٹ جائے گی، وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے اور ان کے بارے میں کوئی خبر دینے والا بھی واپس نہیں آئے گا۔ ﴿ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴾ ''تم نے برے برے خیال کیے اور (آخر کار) تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔'' اور ﴿ بُوْرًا ﴾ کے معنی ہیں ہلاک ہونے والے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے۔ [1] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں فاسد لوگ۔ [2] کہا گیا ہے کہ یہ لفظ لغت عمان کا ہے، پھر فرمایا ہے: ﴿ وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہ لائے۔'' یعنی ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر الطبری: 103,102/26 و تفسیر القرطبی: 269/16. [2] تفسیر الطبری: 103/26.

سَيَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انۡطَلَقۡتُمۡ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا نَـتَّبِعۡكُمۡ‌ۚ

عنقریب جب تم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے (خیبر کو) چلو گے تو پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ کہیں گے: ہمیں بھی چھوٹ (اجازت) دیجیے ہم

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ‌ؕ قُلْ لَّنۡ تَتَّبِعُوۡنَا كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ‌ۚ

بھی تمھارے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام (وعدہ) بدل دیں، کہہ دیجیے: تم ہرگز ہمارے پیچھے نہیں چلو گے، اللہ نے پہلے ہی سے یہ

فَسَيَـقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا‌ ؕ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۞15

فرما دیا ہے۔ پھر وہ یقیناً کہیں گے: (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، (ایسا نہیں) بلکہ وہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں ⑮

اسے جہنم میں عذاب دے گا، خواہ لوگوں کے سامنے وہ یہ ظاہر کرے جس سے وہ حقیقت کے خلاف سمجھنے لگیں، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمان و زمین والوں کا وہی حاکم، مالک اور متصرف ہے۔ ﴿ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۞14 ﴾ ''وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔'' اس کے لیے جو توبہ کرے، رجوع کرے اور اس کے آگے جھک جائے۔

تفسیر آیت :15

آیت مبارکہ میں ﴿ كَلٰمَ اللّٰهِ‌ؕ ﴾ سے کیا مراد ہے؟ عمرۂ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جانے والے اعراب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیبر فتح کرنے کے لیے نکلیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ مل کر مال غنیمت جمع کرنے کے لیے نکلنے کی اجازت طلب کریں گے، حالانکہ دشمنوں سے جنگ، ان سے مقابلہ اور مشکل وقت میں ساتھ نکلنے کے بجائے وہ پیچھے رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ جب وہ اجازت طلب کریں تو انھیں اجازت نہ دیں اور یہ سزا ان کے گناہ کی جنس کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اہل حدیبیہ سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پیچھے رہ جانے والے اعراب میں سے کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، لہٰذا شرعاً اور قدرًا اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ‌ؕ ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے قول کو بدل دیں۔'' مجاہد، قتادہ اور جویبر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے مراد وہ وعدہ ہے جو اس نے اہل حدیبیہ سے فرمایا تھا۔ ① امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔ ② ﴿ قُلْ لَّنۡ تَتَّبِعُوۡنَا كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ‌ۚ ﴾ ''کہہ دیں کہ تم ہرگز ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے، اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے۔'' یعنی تمھارے ساتھ چلنے کے بارے میں سوال کرنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا اہل حدیبیہ سے وعدہ فرما لیا ہے۔ ﴿ فَسَيَـقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا‌ ؕ ﴾ ''پھر عنقریب کہیں گے کہ نہیں تم ہم سے حسد کرتے ہو۔'' اس بات سے کہ ہم بھی تمھارے ساتھ غنیمتوں میں شریک ہوں۔ ﴿ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۞15 ﴾ ''بلکہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں مگر بہت کم۔'' یعنی بات اس طرح نہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کیونکہ ان میں فہم ہی نہیں ہے۔

① تفسیر الطبری : 104/26. ② تفسیر الطبری : 104/26.

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ

آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجیے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے

اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں نیک اجر دے گا، اور اگر تم پھرو گے جیسا کہ اس سے پہلے تم پھرے

مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ

تو وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا⑯ (جہاد سے پیچھے رہنے میں) اندھے پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، اور نہ مریض

وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

پر کوئی گناہ ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑰ ع ‎2/7 النصف 10

اور جو شخص (حق سے) پھرے گا تو وہ اسے نہایت دردناک عذاب دے گا⑰

تفسیر آیات: 17,16

ایک اور جہاد کی خبر جس سے مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے گا: مفسرین کا اختلاف ہے کہ ان سخت جنگجو لوگوں سے کون مراد ہیں جن کے ساتھ لڑائی کے لیے بلائے جانے کا یہاں ذکر ہے۔ اس بارے میں کئی اقوال ہیں ان سے مراد ہوازن کے لوگ ہیں۔① اس قول کو شعبہ نے ابو بشر سے اور انھوں نے اسے سعید بن جبیر یا عکرمہ یا ان دونوں سے روایت کیا ہے۔② اور ایک روایت کے مطابق امام قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔③ ان سے مراد ثقیف کے لوگ ہیں، یہ ضحاک کا قول ہے۔④ ان سے مراد بنو حنیفہ ہیں، یہ جویبر کا قول ہے۔⑤ محمد بن اسحاق نے اسے امام زہری سے روایت کیا ہے۔⑥ اور عکرمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔⑦ کعب احبار کہتے ہیں کہ ان سے مراد رومی ہیں۔⑧ ابن ابو لیلیٰ، عطاء، حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے ایرانی اور رومی لوگ مراد ہیں۔⑨ مجاہد سے روایت ہے کہ ان سے بت پرست مراد ہیں۔⑩ انھی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان سے سخت جنگجو لوگ مراد ہیں، کوئی خاص لوگ مراد نہیں۔ ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔⑪

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ ﴾ ''ان سے تم یا تو جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔'' یعنی تمھارے لیے ان سے جہاد اور قتال کا حکم ہے اور ہمیشہ ان کے خلاف جہاد ہوتا رہے گا اور تمھیں ان پر فتح حاصل

① تفسير الطبرى : 108,107/26 . ② تفسير الطبرى : 108/26 . ③ تفسير الطبرى : 108/26 وتفسير القرطبى: 272/16 . ④ تفسير الطبرى : 108/26 و تفسير القرطبى: 272/16 عن سعيد . ⑤ تفسير الطبرى: 108/26 عن الزهرى. ⑥ تفسير الطبرى: 108/26 وتفسير القرطبى: 272/16 . ⑦ تفسير الطبرى : 108/26 . ⑧ تفسير الطبرى: 108/26 وتفسير القرطبى: 272/16 . ⑨ تفسير الطبرى : 107/26 . ⑩ الدر المنثور : 66/6 . ⑪ تفسير الطبرى : 109,108/26 .

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ

البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان

قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ⑱ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ

لیا، تو اس نے ان پر طمانینت و تسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی⑱ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑲

اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے⑲

ہوتی رہے گی یا پھر بغیر قتال کے اپنی مرضی سے وہ تمھارے دین میں داخل ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا: ﴿ فَاِنْ تُطِيْعُوْا ﴾ ''پھر اگر تم حکم مانو گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے جہاد کے لیے نکل آؤ گے اور اس کا پورا پورا حق ادا کرو گے ﴿ يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ ''تو اللہ تم کو اچھا بدلہ دے گا اور اگر منہ پھیر لو گے جیسے پہلے پھیرا تھا۔'' حدیبیہ کے زمانے میں کہ جب تم کو جہاد کے لیے کہا گیا مگر تم نے شرکت نہ کی اور پیچھے بیٹھے رہ گئے ﴿ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯ ﴾ ''(تو) وہ تمھیں عذاب دے گا بہت دردناک عذاب۔''

ترک جہاد کے لیے شرعی عذر: پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ترک جہاد کے شرعی عذر ذکر فرمائے ہیں کہ ان میں سے کچھ تو مستقل نوعیت کے ہیں، مثلاً: اندھاپن اور مستقل لنگڑاپن اور کچھ عارضی نوعیت کے، مثلاً: چند دن کے لیے آنے والی بیماری جو بعد میں ختم ہو جائے تو ایسی بیماری میں مبتلا انسان حالت مرض میں معذور لوگوں میں شمار ہو گا حتی کہ وہ صحت یاب ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا، اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا اور جو روگردانی کرے گا۔'' یعنی جہاد سے منہ موڑ کر اپنے دنیوی مشاغل ہی میں کھویا رہے گا ﴿ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑰ ﴾ ''اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔'' یعنی دنیا میں ذلت و رسوائی میں مبتلا کرے گا اور آخرت میں آتش جہنم میں۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 19,18

اہل بیعت رضوان کے لیے خوشنودی اور غنیمتوں کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان مومن بندوں سے خوش ہو گیا ہے، جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی اور یہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ ان سعادت مند لوگوں کی تعداد چودہ سو تھی اور سرزمین حدیبیہ میں یہ ببول کا درخت تھا جس کے نیچے بیعت کی گئی تھی۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے طارق سے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا تو کچھ لوگوں کے پاس سے میرا گزر ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے، میں نے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے

[1] دیکھیے الفتح، آیت: 10 کے ذیل میں۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ

اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیں، اور لوگوں کے

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ⑳ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا

ہاتھ تم سے روک دیے، تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے، اور تاکہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے⑳ اور (اللہ نے)

قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ㉑ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

دوسری غنیمتوں کا بھی (وعدہ کیا) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (مگر) اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے㉑

لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ㉒ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ

اور اگر وہ لوگ، جنھوں نے کفر کیا تم سے لڑتے تو یقیناً وہ پیٹھوں کے بل پھر جاتے، پھر وہ کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ پاتے㉒ یہ اللہ کا

قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ㉓ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

طریقہ ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، اور آپ اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے㉓ اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے وادیٔ مکہ

وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

میں ان (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی تھی، اور اللہ اسے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ㉔

خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو㉔

رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، میں نے سعید بن مسیّب کو یہ بات بتائی تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے میرے والد گرامی نے بیان کیا اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھیں درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا کہ جب ہم اگلے سال آئے تو ہم اس درخت کو بھول گئے تھے اور اسے تلاش نہ کر سکے، سعید نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام کو تو یہ درخت معلوم نہ ہو سکا تھا اور تم نے معلوم کر لیا ہے، تم ہی زیادہ جانتے ہو![1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''تو جو اُن کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا۔'' یعنی صدق و وفا اور سمع و طاعت، ﴿ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ ﴾ ''پھر ان پر تسلی نازل فرمائی۔'' یعنی طمانینت، ﴿ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ⑱ ﴾ ''اور انھیں بدلے میں فتح قریب عنایت کی۔'' اور اس سے مراد وہ صلح ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان کروا دی اور پھر اس کے بعد خیر و برکت کا مسلسل دور شروع ہو گیا تو اس کے فوراً بعد پہلے خیبر فتح ہوا، پھر مکہ مکرمہ اور پھر دیگر تمام علاقوں پر بھی اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی عزت و سربلندی اور فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑲ ﴾ ''اور بہت سی غنیمتیں جو انھوں

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4163 وصحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام......، حديث: (77)-1859 مختصرًا.

نے حاصل کیں اور اللہ بڑا غالب، حکمت والا ہے۔''

تفسیر آیات:20-24

بہت سی غنیمتوں کا وعدہ: امام مجاہد ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا ﴾ ''اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم ان کو حاصل کرو گے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آج تک حاصل ہونے والی تمام غنیمتیں ہیں۔[1] ﴿ فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ ﴾ ''تو اس نے جلد ہی تمھیں یہ (غنیمت) عطا فرما دی۔'' یعنی جلد فتح خیبر سے نواز دیا۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے،[2] ﴿ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ﴾ ''اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے۔'' یعنی دشمن تمھارے لیے جنگ و جدال کے جو منصوبے بنا رہے تھے تمھیں ان سے کوئی نقصان نہ پہنچا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھوں کو بھی تمھارے اہل و عیال سے روکے رکھا جنھیں تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے، ﴿ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''تاکہ یہ مومنوں کے لیے (اللہ کی) نشانی ہو۔'' تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں کہ بے شک ان کی تعداد کی قلت کے باوجود ان کے تمام دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہی ان کا حامی و ناصر ہے اور اس سے مسلمان یہ بھی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے انجام کو جانتا ہے اور سراسر خیر و بھلائی اسی کام میں ہے جسے وہ اپنے مومن بندوں کے لیے پسند فرمائے، گو وہ بظاہر انھیں ناپسند ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ﴾ (البقرة 216:2) ''ممکن ہے کہ ایک چیز تم کو بری لگے، حالانکہ وہ تمھارے حق میں بھلی ہو۔'' ﴿ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ ''اور وہ تم کو سیدھے رستے پر چلائے۔'' اس کے حکم کی اطاعت، اس کی اتباع اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کی وجہ سے۔

قیامت تک کی تمام فتوحات کی بشارت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴾ ''اور دوسری (غنیمتیں دیں) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے اور وہ اللہ ہی کی قدرت میں تھیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سی ایسی دیگر غنیمتیں اور فتوحات، جن کی تمھیں قدرت نہیں تھی اللہ تعالیٰ کو ان کی قدرت تھی وہ اس نے تمھارے لیے آسان کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے پرہیزگار بندوں کو ایسی ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس غنیمت سے کیا مراد ہے، عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے خیبر مراد ہے،[3] اور یہ اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿ فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ ﴾ ''تو اس نے جلد ہی تمھیں یہ (غنیمت) عطا فرما دی۔'' سے صلح حدیبیہ مراد لیتے ہیں،[4] ضحاک، ابن اسحاق اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[5] قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے۔[6] ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[7] ابن ابو لیلیٰ اور حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے فتح ایران و روم مراد ہے۔[8] اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت تک

[1] تفسیر الطبری : 115/26 . [2] تفسیر الطبری : 116/26. [3] تفسیر الطبری : 118/26. [4] تفسیر الطبری : 116/26. [5] تفسیر الطبری : 119,118/26. [6] تفسیر الطبری : 119/26 . [7] تفسیر الطبری : 119/26 . [8] تفسیر الطبری : 118/26.

حاصل ہونے والی ہر فتح اور غنیمت ہے۔ [1] امام ابوداود طیالسی نے ﴿ وَ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے آج تک حاصل ہونے والی تمام فتوحات مراد ہیں۔ [2] طبری میں اس سند کے ساتھ آپ کا یہ قول ہے کہ اس سے فتح ایران و روم مراد ہے جبکہ امام مجاہد کا قول ہے کہ اس سے آج تک ہونے والی تمام فتوحات مراد ہیں۔

کفار مکہ حدیبیہ میں لڑائی کرتے تو بھاگ جاتے اور نہ ٹھہرتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا (22) ﴾ ”اور اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر کسی کو دوست نہ پاتے اور نہ مددگار۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر مشرکین تم سے لڑتے تو اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتا، لشکر کفر دم دبا کر بھاگ جاتا اور اپنا کوئی دوست و مددگار نہ پاتا کیونکہ ان کی جنگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے مومن بندوں کے خلاف تھی، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (23) ﴾ ”یہی اللہ کی عادت ہے، جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم اللہ کی عادت کبھی بدلتی نہ دیکھو گے۔“ یعنی مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت و عادت ہے کہ جب بھی فیصلہ کن جگہ پر کفر و ایمان ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں تو اللہ تعالیٰ کفر کے مقابلے میں ایمان کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتا اور حق کو باطل پر سر بلند کر دیتا ہے جیسا کہ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنے دشمنوں اور مشرکوں کے مقابلے میں فتح یاب فرمایا تھا، حالانکہ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور ان کے پاس ساز و سامان کی بھی قلت تھی جبکہ مشرکین کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کے پاس مال و منال کی بھی فراوانی تھی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (24) ﴾ ”اور وہی تو ہے جس نے تم کو ان (کافروں) پر فتح یاب کرنے کے بعد سرحد مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔“ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں پر ایک احسان ہے کہ اس نے مشرکین کے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اور انھوں نے مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو لڑائی سے بچا لیا اور ان میں صلح پیدا فرما دی جو مومنین کے لیے دنیا و آخرت میں خیر و بھلائی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ اس بارے میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی وہ روایت قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ انھوں نے ستر قیدیوں کو لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے باندھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: [دَعُوهُمْ ، يَكُنْ لَهُمْ بَدْءُ الْفُجُورِ وَثِنَاهُ] ”انھیں چھوڑ دو تاکہ [illegible]ئی کی ابتدا بھی ان سے ہو اور انتہا بھی۔“ ان کا بیان ہے کہ یہ آیت ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ ﴾ اسی بارے میں نازل ہوئی تھی۔ [3]

① تفسیر الطبری: 118/26. ② دلائل النبوة للبیهقی: 163/4 جبکہ مسند أبی داود الطیالسی میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔
③ دیکھیے الفتح، آیت: 10 کے ذیل میں عنوان: ”اس عظیم الشان بیعت کا سبب“

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ

یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا، اور اگر (مکہ میں

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ

کچھ) مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جن (کے ایمان) کو تم نہیں جانتے، (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، پھر بے خبری میں

مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا

ان (کے قتل) کی وجہ سے تمھیں تکلیف پہنچتی (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿25﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ

داخل کرے۔ اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے، ہم انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے ﴿25﴾ جن لوگوں نے کفر کیا جب

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ

انھوں نے اپنے دلوں میں حمیت (غیرت) پیدا کر لی۔ جاہلیت کی حمیت (غیرت۔) تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسکین نازل کی، اور ان کو

التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿26﴾ ع 3/9/11

تقویٰ کی بات پر ثابت قدم رکھا، اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر شے کو خوب جانتا ہے ﴿26﴾

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ کے دن مکہ کے اسّی (80) مسلح آدمی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے سامنے جبل تنعیم کی طرف سے آدھمکے، ان کا مقصد رسول اللہ ﷺ پر اچانک حملہ کرنا تھا، آپ نے ان کے لیے بددعا فرمائی تو وہ پکڑ لیے گئے اور عفان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں معاف فرمادیا اور پھر اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ ① اسے امام مسلم نے اپنی صحیح، ابوداود نے اپنی سنن اور ترمذی و نسائی نے اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے۔ ②

تفسیر آیات: 26،25

صلح حدیبیہ کی مصلحتیں: اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب و قریش اور ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے جنھیں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اور اپنی تائید و حمایت میں اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا کہ ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے انکار کیا۔'' یعنی دوسروں کے بجائے یہی کافر ہیں۔ ﴿ وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ''اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا۔'' حالانکہ تم ہی اس کے زیادہ حق دار اور حقیقت میں تم ہی اس کے اہل ہو۔ ﴿ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ ﴾ ''اور قربانیوں کو بھی کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں۔'' یعنی انھوں نے قربانیوں کو بھی اپنی جگہ پہنچنے سے روک دیا اور یہ سراسر ان کی سرکشی اور

① مسند أحمد: 122/3 و 290. ② صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب قول الله تعالى: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ ﴾، حديث: 1808 وسنن أبي داود، الجهاد، باب في المن على الأسير بغير فداء، حديث: 2688 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الفتح، حديث: 3264 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ ﴾: 464/6، حديث: 11510.

عناد کا نتیجہ تھا اور اس وقت قربانی کے جانور ستر اونٹ تھے جیسا کہ اس کا بیان (زیرِ نظر عنوان کے بعد) ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔ ﴿ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ ﴾ ''اور اگر ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتیں۔'' یعنی اہل مکہ کے درمیان جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے ہیں اور اپنی جان کے خطرے کی وجہ سے ایمان کو اپنی قوم سے مخفی رکھے ہوئے ہیں تو ضرور ہم تمھیں ان پر مسلط کر دیتے اور تم انھیں قتل کر کے ان کی جڑ کاٹ لیتے لیکن ان کے درمیان مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں جن کو تم لڑتے اور قتل کرتے وقت نہیں پہچانتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ ﴾ ''جنھیں تم نہیں جانتے تھے یہ کہ تم انھیں پامال کر دو گے، پس تمھیں لاعلمی کی بنا پر ان کی وجہ سے عیب کی بات لگتی۔'' یعنی گناہ اور جرمانہ۔ ﴿ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ ''(تاخیر اس لیے ہوئی) کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر لے۔'' یعنی ان کی سزا کو موخر کر دے تاکہ ان میں پھنسے ہوئے مومنوں کو خلاصی عطا فرما دے اور ان میں سے بھی بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں، پھر فرمایا: ﴿ لَوْ تَزَيَّلُوْا ﴾ ''اور اگر دونوں (فریق) الگ الگ ہو جاتے۔'' یعنی کفار ان مومنوں سے الگ ہو جاتے جو ان کے درمیان موجود تھے ﴿ لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿25﴾ ﴾ ''تو جو ان میں کافر تھے ان کو ہم دردناک عذاب دیتے۔'' یعنی تمھیں ان پر مسلط کر دیتے اور تم انھیں تہِ تیغ کر ڈالتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ﴾ ''جب کافروں نے اپنے دلوں میں غیرت رکھی اور غیرت بھی جاہلیت کی۔'' اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کفار نے (عہد نامے میں) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور یہ لکھنے کی مخالفت کی تھی کہ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ ﴿ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ﴾ ''تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا۔''

مجاہد فرماتے ہیں کہ کلمۂ تقویٰ سے مراد اخلاص ہے۔[1] عطاء بن ابو رباح کہتے ہیں کہ اس سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔[2] یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے، انھوں نے زہری سے، انھوں نے عروہ سے اور انھوں نے مِسْوَر سے بیان کیا ہے کہ اس کلمے سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ ہے۔[3]

قصۂ صلح حدیبیہ، احادیث کی روشنی میں: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الشروط میں مِسْوَر بن مَخْرمہ اور مَروان بن حَکم سے روایت کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی بات کی تصدیق کی ہے، دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے زمانے میں ایک ہزار اور چند سو صحابہ کرام کے ساتھ نکلے، جب آپ ذوالحلیفہ کے مقام پر تشریف لائے تو آپ

① تفسير الطبری : 137/26 . ② تفسير الطبری : 137/26 . ③ تفسير ابن أبي حاتم : 3301/10 .

نے قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنادیا، انھیں اِشعار کیا① اور آپ نے وہاں سے عمرے کا احرام باندھ لیا، آپ نے اپنے ایک جاسوس کو جس کا تعلق خزاعہ سے تھا، بھیجا اور وہ روانہ ہوگیا جب آپ غدیر اشطاط پر پہنچے تو وہ واپس آگیا اور اس نے بتایا کہ قریش نے آپ سے مقابلے کے لیے بہت سی جماعتوں کو جمع کیا حتی کہ انھوں نے اپنے ساتھ احابیش② کو بھی جمع کرلیا ہے، وہ آپ سے لڑائی کریں گے، آپ کا رستہ روکیں گے اور آپ کو بیت اللہ تک نہیں پہنچنے دیں گے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَشِيرُوا أَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيَّ، أَتَرَوْنَ أَنْ أَمِيلَ إِلَى عِيَالِهِمْ وَذَرَارِيِّ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَّصُدُّونَا عَنِ الْبَيْتِ؟] ''لوگو! مجھے مشورہ دو، کیا تمھاری یہ رائے ہے کہ میں ان لوگوں کے اہل وعیال پر حملہ کردوں جو ہمیں بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں۔''③

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:[أَتَرَوْنَ أَنْ نَّمِيلَ إِلٰى ذَرَارِيِّ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَعَانُوهُمْ؟] ''کیا تمھاری یہ رائے ہے کہ ہم ان لوگوں کے بچوں پر حملہ کردیں جنھوں نے ان کی مدد کی ہے؟''[فَإِنْ يَّأْتُونَا كَانَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ قَطَعَ (عُنُقًا) مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَإِلَّا تَرَكْنَا هُمْ مَّحْرُوبِينَ] ''اگر یہ ہمارے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ مشرکین کی ایک جماعت کو تباہ و برباد کردے گا ورنہ ہم انھیں اہل وعیال اور مال سے محروم کرکے چھوڑیں گے۔''④ اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ [فَإِنْ قَعَدُوا، قَعَدُوا مَوْتُورِينَ (مَجْهُودِينَ) مَحْزُونِين،وَإِنْ نَّجَوْا يَكُونُوا عُنُقًا قَطَعَهَااللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ،أَمْ تَرَوْنَ أَنْ نَّؤُمَّ الْبَيْتَ فَمَنْ صَدَّنَا عَنْهُ قَاتَلْنَاهُ؟] ''اگر یہ بیٹھے رہے تو یہ تباہ و برباد، شکست خوردہ اور غمزدہ ہوکر رہ جائیں گے اور اگر نجات پاگئے تو اللہ تعالیٰ مشرکین کی اس جماعت کو تباہ و بر کردے گا یا تمھاری یہ رائے ہے کہ ہم بیت اللہ کا قصد کریں اور جو ہمیں اس سے روکے ہم اس سے لڑائی کریں؟''⑤ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کے رسول! آپ تو بیت اللہ کے ارادے سے تشریف لائے ہیں، آپ کا ارادہ کسی کو قتل کرنے یا کسی سے لڑنے کا نہیں تھا، آپ بیت اللہ ہی کا قصد فرمائیں جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس سے لڑائی کریں گے۔⑥

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، بلاشبہ ہم عمرہ کرنے کے

① اِشعار کے معنی یہ ہیں کہ جو اونٹ حج پر قربان کرنا ہے اس کے کوہان کی دائیں جانب زخم دے کر کچھ خون نکالا جائے اور اسے مل دیا جائے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے۔ ② تحبُّش کے معنی جمع ہونے کے ہوتے ہیں، احابیش سے مراد جزیرے کے کچھ قبائل تھے جو قریش سے جنگ کے لیے بنولَیث کے ساتھ مل گئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حُبْشِی نامی ایک پہاڑ کے قریب قریش کے حلیف بنے تھے اور اس پہاڑ کی طرف نسبت کی وجہ سے وہ اس نام سے موسوم کیے گئے۔ النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير:330/1 مادة:حبش. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث : 4179,4178 . ④ پہلا حصہ صحيح ابن حبان، السير، ذكر ما يستحب للإمام استعمال المهادنة......: 227-216/11، حديث: 4872، دوسرا حصہ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث:4179,4178 اور قوسین والا لفظ السنن الكبرى للنسائي ، السير، باب مشاورة الإمام الناس......: 171,170/5، حديث:8582,8581 میں ہے۔⑤ صحيح ابن حبان، السير، ذكر ما يستحب للإمام استعمال المهادنة......: 227-216/11 ، حديث:4872 البتہ قوسین والا لفظ اس سیاق میں ہمیں نہیں ملا۔⑥ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث : 4179,4178 .

لیے آئے ہیں، کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے لیکن اگر کوئی ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوا تو ہم اس سے لڑائی کریں گے، نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [فَرُوحُوا إِذًا] ''تو پھر چلو۔''① اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [اِمْضُوا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى] ''پس اللہ تعالیٰ کے نام سے چل پڑو۔''② ابھی راستے ہی میں تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ بِالْغَمِيمِ فِي خَيْلٍ لِّقُرَيْشٍ طَلِيعَةً، فَخُذُوا ذَاتَ الْيَمِينِ] ''خالد بن ولید قریش کے گھڑ سوار دستے کے ہمراہ (قریش کے) جاسوس کے طور پر آرہا ہے جو غَمِیم (جحفہ اور رابغ کے درمیان کی جگہ) میں پہنچ چکا ہے، لہٰذا تم دائیں طرف کے راستے کی طرف ہو جاؤ۔'' اللہ کی قسم! خالد کو ان کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو سکا حتی کہ اچانک جب اس نے لشکر کا گرد وغبار دیکھا تو خالد نے قریش کو اس خطرے سے ڈرانے کے لیے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، نبیٔ اکرم ﷺ آگے ہی کی طرف رواں دواں رہے، حتی کہ آپ جب اس وادی میں پہنچے جس سے ان کے پاس آیا جاتا تھا تو آپ کی سواری بیٹھ گئی، لوگوں نے کہا: ہش ہش مگر اس نے بیٹھے رہنے پر اصرار کیا، لوگوں نے کہا کہ قصوا نافرمان ہو گئی ہے، قصوا نافرمان ہو گئی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: [مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ، وَّلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ] ''قصوا نہ نافرمان ہوئی ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اسے اس ذات گرامی نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے (ابرہہ کے) ہاتھی کو روک دیا تھا۔''

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَا يَسْأَلُونَنِي خُطَّةً يُّعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ مجھ سے جو بھی مانگیں گے جس سے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ادب کی چیزوں کی اس (حرم) میں تعظیم کریں گے تو میں ضرور انھیں وہ عطا کر دوں گا۔'' پھر آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی، آپ یہاں سے ہٹ کر حدیبیہ کے آخری کنارے پر فروکش ہو گئے جہاں تھوڑا سا پانی تھا اور لوگ اسے وہاں سے تھوڑا تھوڑا لے کر حاصل کر رہے تھے حتی کہ لوگوں نے تھوڑی ہی دیر میں سارا پانی نکال لیا، پانی ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پیاس کی شکایت کی گئی، آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اسے پانی کی جگہ ڈال دیں، واللہ! یہ پانی ان کے لیے جوش مارتا رہا یہاں تک کہ لوگ خوب سیراب ہو کر واپس آئے۔

اسی اثنا میں بُدَیل بن وَرقاء خزاعی اپنے قبیلہ خزاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ آیا اور یہ لوگ اہل تہامہ میں سے رسول اللہ ﷺ کے خاص ہمدرد و خیر خواہ تھے۔ بُدیل نے کہا کہ میں نے کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی کو چھوڑا ہے کہ انھوں نے حدیبیہ کے پانیوں پر ڈیرے ڈال لیے ہیں، ان کے ساتھ نئے نئے بچوں سمیت دودھ دینے والی اونٹنیاں (یا عورتیں اپنے بچوں سمیت) ہیں اور وہ آپ سے لڑائی کریں گے اور بیت اللہ جانے سے روکیں گے، نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّا لَمْ نَجِئْ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَّلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِينَ، وَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ نَهِكَتْهُمُ الْحَرْبُ وَأَضَرَّتْ بِهِمْ، فَإِنْ شَاءُوا مَادَدْتُّهُمْ مُدَّةً وَّيُخَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ النَّاسِ، فَإِنْ أَظْهَرْ، فَإِنْ شَاءُوا أَنْ يَّدْخُلُوا فِيمَا دَخَلَ فِيهِ النَّاسُ فَعَلُوا، وَإِلَّا فَقَدْ جَمُّوا، وَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَوَالَّذِي

① مسند أحمد: 328/4 وصحيح ابن حبان، السير، ذكر ما يستحب للإمام استعمال المهادنة......: 227-216/11، حديث: 4872. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4178، 4179

نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأُقَاتِلَنَّهُمْ عَلَى أَمْرِي هٰذَا حَتّٰى تَنْفَرِدَ سَالِفَتِي وَلَيُنْفِذَنَّ اللّٰهُ أَمْرَهُ] ”ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے، ہم تو عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، جنگ نے قریش کو کھوکھلا کر رکھا اور اسے بہت نقصان پہنچایا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو ایک مدت تک ہم انھیں مہلت دے سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ میرے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوں، پھر اگر میں غالب آ جاؤں تو اگر وہ چاہیں تو اسی گروہ میں شامل ہو جائیں جس میں اور لوگ شامل ہوئے ہیں ورنہ انھیں کچھ مدت تک آرام کا موقع تو مل ہی جائے گا لیکن اگر جنگ کے سوا انھیں کوئی اور صورت قبول ہی نہیں تو اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنے اس دین کے معاملے میں ان سے جنگ کروں گا، یہاں تک کہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کو غالب فرما دے۔“ بدیل نے کہا کہ میں آپ کی بات قریش تک پہنچا دوں گا۔

بدیل قریش کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ ہم اس شخص کے پاس سے آئے ہیں اور ہم نے اس کی بات کو سنا ہے اگر تم چاہو تو ہم ان کی بات تمھیں بھی بتا دیتے ہیں، ان کے بے وقوف لوگوں نے کہا کہ ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ آپ ہمیں ان کی بات بتائیں، البتہ ان میں سے اصحاب رائے نے کہا کہ تم نے جو سنا ہے اسے بیان کرو، اس نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے جو سنا تھا سب بیان کر دیا۔ اس کے بعد عروہ بن مسعود کھڑے ہو کر کہنے لگے: قوم کے لوگو! کیا تم والد کی طرح نہیں ہو؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! اس نے کہا: کیا میں تمھارا بیٹا نہیں ہوں! لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اس نے کہا: کیا تم مجھ پر کوئی الزام لگاتے ہو! انھوں نے جواب دیا: نہیں، اس نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے اہل عکاظ سے نکلنے کے لیے کہا تھا اور جب انھوں نے انکار کیا تو میں اپنے اہل وعیال اور اطاعت گزاروں کو لے کر تمھارے پاس آ گیا تھا؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اس نے کہا کہ اس شخص نے بہت اچھی تجویز پیش کی ہے، لہٰذا تم اسے قبول کر لو اور مجھے ان سے مل لینے دو، پس وہ آیا اور اس نے نبی اکرم ﷺ سے گفتگو شروع کر دی۔

نبی اکرم ﷺ نے اس سے بھی اسی طرح کی گفتگو فرمائی جس طرح آپ نے بُدیل بن ورقاء سے گفتگو فرمائی تھی، عروہ نے دوران گفتگو کہا کہ محمد (ﷺ!) دیکھو اگر تم اپنی قوم کو تباہ کر دو تو کیا تم نے سنا ہے کہ کبھی کسی عرب نے اپنی قوم کو تباہ کیا ہو؟ اور اگر کوئی دوسری صورت حال ہے تو واللہ! میں کچھ چہروں کو دیکھ رہا ہوں، میں ان مختلف قسم کے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو خود بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اسے جواب دیا: جا! لات کا ٹنا چوس، کیا ہم بھاگ جائیں گے اور انھیں چھوڑ دیں گے؟ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکر ہیں، کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھارا مجھ پر وہ احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک بدلہ نہیں چکایا تو میں تمھاری اس بات کا ضرور جواب دیتا، عروہ نے نبی ﷺ سے گفتگو شروع کی اور وہ جب بات کرتا تو نبی ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کو پکڑ لیتا تھا، اس وقت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے سر کے پاس کھڑے تھے، ان کے ہاتھ میں تلوار اور سر پر خَود تھا، عروہ جب بھی اپنا ہاتھ نبی اکرم ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کی طرف بڑھاتا تو وہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنے ہاتھ کو رسول اللہ ﷺ

کی ڈاڑھی مبارک سے پیچھے ہٹاؤ، عروہ نے سر اٹھایا اور پوچھا یہ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہے، عروہ نے کہا: غدار! کیا میں تمھاری غداری کے سلسلے میں (ابھی تک) سعی نہیں کر رہا ہوں؟ زمانہ جاہلیت میں مغیرہ بن شعبہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے اور انھوں نے انھیں قتل کر کے ان کے مال کو لوٹ لیا تھا اور پھر وہ آ کر مسلمان ہو گئے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: [أَمَّا الْإِسْلَامَ فَأَقْبَلُ، وَأَمَّا الْمَالَ فَلَسْتُ مِنْهُ فِي شَيْءٍ] ''(تمھارا) اسلام قبول ہے مگر اس مال سے میرا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔''

عروہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے صحابہ کرام کا بھی کن انکھیوں سے جائزہ لے رہا تھا، اس نے بیان کیا کہ واللہ! صحابہ کا حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اگر تھوکتے تو کوئی نہ کوئی اس کو اپنے ہاتھ پر لے لیتا اور اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا، آپ کوئی حکم فرماتے تو ہر شخص تعمیل کے لیے لپکتا، آپ وضو فرماتے تو وضو کے پانی پر شمع رسالت کے پروانے اس طرح ٹوٹتے کہ لڑائی کا خدشہ ہونے لگتا اور آپ جب گفتگو فرماتے تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے اور فرط تعظیم و ادب کی وجہ سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے۔ عروہ نے واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا لوگو! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی کے درباروں کے جلوے بھی دیکھے ہیں لیکن اللہ کی قسم! میں نے کوئی بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے درباری اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جس طرح کہ محمد ﷺ کے ساتھی محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بجا لاتے ہیں، واللہ! اگر وہ تھوک پھینکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی اس کو اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے، آپ کوئی حکم فرماتے ہیں تو ہر کوئی تعمیل کے لیے لپکتا ہے، آپ وضو فرماتے ہیں تو جانثار وضو کے پانی پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ لڑائی کا خدشہ ہونے لگتا ہے، آپ گفتگو فرماتے ہیں تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور فرط تعظیم و ادب سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے، انھوں نے تمھارے سامنے بہت اچھی تجویز پیش کی ہے، اسے مان لو۔

پھر بنو کنانہ کے ایک شخص نے کہا کہ مجھے اجازت دو، میں آپ کے پاس جاتا ہوں، لوگوں نے کہا تمھیں جانے کی اجازت ہے، جب وہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قریب پہنچا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [هٰذَا فُلَانٌ وَّهُوَ مِنْ قَوْمٍ يُّعَظِّمُونَ الْبُدْنَ، فَابْعَثُوهَا لَهُ] ''یہ فلاں شخص ہے اور اس کا ایک ایسی قوم سے تعلق ہے، جو ہدی کے اونٹوں کی تعظیم کرتی ہے، لہٰذا تم اس کے لیے قربانیاں کھڑی کر دو۔'' چنانچہ اس کے لیے قربانیاں کھڑی کر دی گئیں، اور لوگ لبیک کہتے ہوئے اس کے سامنے آئے، جب اس نے یہ منظر دیکھا تو پکار اٹھا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے نہیں روکنا چاہیے۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اونٹوں کو قلادہ پہنایا اور اشعار کیا گیا ہے، لہٰذا میری رائے ہے کہ انھیں بیت اللہ سے نہ روکا جائے، پھر ان میں سے مِکرز بن حفص نامی ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ مجھے جانے کی اجازت دو، لوگوں نے کہا کہ ہاں تم بھی جاؤ، جب وہ آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [هٰذَا مِكْرَزٌ وَّهُوَ رَجُلٌ فَاجِرٌ] ''یہ مِکرز ہے جو ایک فاجر شخص ہے۔'' اس نے نبی ﷺ سے گفتگو شروع کر دی کہ اسی اثناء میں سُہیل بن عمرو آ گیا۔ معمر نے کہا کہ مجھ سے ایوب نے اور انھوں نے

عکرمہ سے بیان کیا ہے کہ جب سُہیل بن عمرو آیا تو نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:[قَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ] ''یقیناً تمھارے لیے تمھارا معاملہ آسان ہو گیا ہے۔''

امام زہری نے اپنی حدیث میں یہ بیان کیا ہے کہ سہیل بن عمرو آیا تو اس نے کہا کہ آیئے ہم آپس میں ایک تحریر لکھ لیں، نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو:[بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ] سہیل نے کہا کہ واللہ! میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کیا ہے، لہٰذا یہ لکھو: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ! مسلمانوں نے کہا: نہیں واللہ! ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھیں گے، نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم [بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ!] ''اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ'' ہی لکھ دو، پھر آپ نے فرمایا: یہ لکھو:[هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ] ''یہ وہ ہے جس کا محمد رسول اللہ نے معاہدہ کیا۔'' یہ سن کر سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑائی کرتے، لہٰذا محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھو، نبی ﷺ نے فرمایا:[وَاللّٰهِ! إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي، اُكْتُبْ: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ] ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، خواہ تم لوگ میری تکذیب کرو (اور حضرت علی سے فرمایا:) تم محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھ دو۔''

امام زہری کہتے ہیں کہ یہ اس لیے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:[لَا يَسْأَلُونَنِي خُطَّةً يُّعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا] ''یہ مجھ سے جو بھی ایسی بات کا مطالبہ کریں گے جس سے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ادب کی چیزوں کی اس حرم میں تعظیم کریں تو میں انھیں عطا کر دوں گا۔'' نبی ﷺ نے لکھوایا:[عَلٰى أَنْ تُخَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوفَ بِهٖ] ''اس (شرط) پر کہ تم لوگ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان رستہ چھوڑ دو تا کہ ہم اس کا طواف کریں۔'' سہیل نے کہا کہ اللہ کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ عرب یہ باتیں نہ کریں کہ ہم مغلوب ہو گئے تھے، البتہ آئندہ سال آپ طواف کر سکتے ہیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بھی لکھ دیا، پھر سہیل نے کہا کہ یہ بھی لازم ہوگا کہ اگر ہمارے یہاں سے کوئی شخص آپ کے پاس چلا جائے، خواہ وہ آپ ہی کے مذہب پر ہو تو آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے۔'' مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! اگر کوئی مسلمان ہو کر ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اس کو مشرکوں کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں؟

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اچانک ابو جندل بن سہیل بن عمرو بیڑیوں میں گرتے پڑتے پہنچے وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقے سے آئے تھے اور اس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے آگے آ کر گرا دیا تھا، سہیل نے کہا: اے محمد (ﷺ!) یہ پہلا شخص ہے جس کی واپسی کا میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا:[إِنَّا لَمْ نَقْضِ الْكِتَابَ بَعْدُ] ''ابھی تو ہم نے تحریر مکمل ہی نہیں کی۔'' اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو پھر میں کسی بات پر آپ سے صلح کرنے پر تیار نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا:[فَأَجِزْهُ لِي] ''تو یہ مجھے دے دو۔'' اس نے کہا کہ نہیں میں اسے دینے والا نہیں ہوں، آپ نے فرمایا:[بَلٰى ! فَافْعَلْ] ''کیوں نہیں! ایسا کرو۔'' اس نے کہا کہ نہیں، میں یہ نہیں کرسکتا، البتہ مکرز نے کہا کہ کیوں نہیں! ہم یہ آپ کو دیتے ہیں (یا کیوں نہیں! ہم آپ کو اس کی حفاظت کا

وعدہ دیتے ہیں۔) ابو جندل نے کہا: مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آ گیا ہوں اور مجھے پھر مشرکوں کے پاس واپس بھیجا جا رہا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟ انھیں اللہ تعالیٰ کے رستے میں بہت سخت تکلیفیں دی گئی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے عرض کی: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے عرض کی: پھر ہم اپنے دین میں یہ دوں ہمتی کیوں گوارا کریں؟ آپ نے فرمایا: [إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ وَهُوَ نَاصِرِي] ''بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میرا مددگار ہے۔'' میں نے عرض کی: آپ بیان فرماتے تھے کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [بَلٰى! فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيهِ الْعَامَ؟] ''کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے؟'' میں نے عرض کی: نہیں، آپ نے فرمایا: [فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهٖ] ''تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں ابو بکر کے پاس گیا اور ان سے کہا: کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیوں نہیں! میں نے کہا کہ پھر ہم اپنے دین میں یہ دوں ہمتی کیوں گوارا کریں؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے شخص! یہ اللہ کے رسول ہیں، آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ آپ کی ضرور مدد فرمائے گا، لہٰذا آپ کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ، اللہ کی قسم! آپ حق پر ہیں، میں نے کہا: کیا آپ ہم سے یہ بیان نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، لیکن کیا آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ اسی سال جائیں گے؟ میں نے کہا: نہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ضرور بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔

امام زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی اس گفتگو کی وجہ سے بہت سے نیک اعمال کیے تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تحریر سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: [قُومُوا فَانْحَرُوا، ثُمَّ احْلِقُوا] ''کھڑے ہو جاؤ، قربانی کرو اور سر کے بال منڈوا دو۔'' لیکن اللہ کی قسم! ایک شخص بھی کھڑا نہ ہوا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس لوگوں کے اس طرز عمل کا ذکر کیا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ اسے پسند فرماتے ہیں؟ آپ باہر تشریف لے جائیں، کسی سے کوئی بات نہ کریں، اپنے اونٹ کو قربان کر دیں، پھر حجام کو بلا کر سر منڈا دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ آپ باہر تشریف لے گئے، کسی سے کوئی بات نہیں کی، اپنے اونٹ کو نحر کر دیا اور حجام کو بلا کر بال منڈا دیے۔ جب صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے، انھوں نے اپنے اونٹ قربان کر دیے اور ایک دوسرے کے سر کے بال مونڈ دیے مگر شدت غم کی وجہ سے قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل

کردیں گے۔

پھر آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ ﴾ سے لے کر ﴿ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ (الممتحنة 10:60) تک آیت کریمہ نازل فرما دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی دو مشرکہ بیویوں کو طلاق دے دی اور ان میں سے ایک سے معاویہ بن ابوسفیان اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے شادی کر لی۔

پھر نبی ﷺ مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے تو آپ کے پاس ابوبصیر رضی اللہ عنہ نامی ایک قریشی آئے جو مسلمان تھے، قریش نے اسے طلب کرنے کے لیے اپنے دو آدمیوں کو بھیجا اور انھوں نے کہا کہ آپ اس عہد کو وفا کریں جو آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے، آپ نے ابوبصیر کو ان دونوں کے سپرد کر دیا، وہ اسے لے کر روانہ ہو گئے اور جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو انھوں نے وہاں بیٹھ کر کھجوریں کھانا شروع کر دیں، ابوبصیر نے ان میں سے ایک سے کہا: اے شخص! تمھاری یہ تلوار بہت اچھی ہے، اس نے اسے سونت لیا اور کہا: ہاں! اللہ کی قسم! یہ بہت اچھی ہے میں نے اس کا بار بار تجربہ کیا ہے، ابوبصیر نے کہا کہ ذرا مجھے بھی تو یہ تلوار دکھائیں، اس نے تلوار دے دی تو ابوبصیر نے اسے ایسی ضرب کاری لگائی کہ اس کا کام تمام کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ چلا گیا حتی کہ دوڑتے ہوئے مسجد میں داخل ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: [لَقَدْ رَأٰی هٰذَا ذُعْرًا] ''اس نے کوئی خوفناک منظر دیکھا ہے۔'' اس نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ اللہ کی قسم! میرے ساتھی کو تو قتل کر دیا گیا ہے اور مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا، تھوڑی دیر بعد ابوبصیر بھی آ گئے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کا عہد پورا فرما دیا، آپ نے مجھے ان کی طرف لوٹا دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات عطا فرما دی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: [وَیْلُ اُمِّهٖ! مِسْعَرَ حَرْبٍ لَّوْ کَانَ لَهٗ اَحَدٌ] ''اس پر تعجب! (یہ تو) جنگ کی آگ بھڑکانے والا ہے، کاش! اس کے ساتھ کوئی ہو (جو اس کی نصرت وحمایت کرے۔)''

ابوبصیر نے آپ کا جب یہ فرمان سنا تو اسے معلوم ہو گیا کہ آپ دوبارہ پھر اسے ان کی طرف واپس لوٹا دیں گے تو وہ مدینہ سے روانہ ہو کر ساحل سمندر پر چلے گئے، ابوجندل بن سہیل بھی مکہ سے بھاگ کر آ گئے اور ابوبصیر کے ساتھ مل گئے اور پھر قریش میں سے جو بھی مسلمان ہوتا وہ ابوبصیر کے پاس آ جاتا حتی کہ اس طرح ایک جماعت بن گئی اور جب بھی انھیں شام کی طرف جانے والے قریش کے کسی قافلے کا علم ہوتا تو یہ اس کا رستہ روک لیتے، قافلے والوں کو قتل کر کے ان کے مال لے لیتے، اس سے قریش اس قدر تنگ آ گئے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بھیج کر اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کا واسطہ دے کر پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس بلا لیں اور ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آ گیا وہ امن میں ہو گا، نبی ﷺ نے پیغام بھیج کر انھیں اپنے پاس بلا لیا تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ﴾ سے ﴿ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ ﴾ تک وحی نازل فرمائی۔ قریش کی ضد یہ تھی کہ انھوں نے اس بات کا اقرار نہ کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں انھوں نے تحریر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کی اجازت نہ دی،

پھر وہ مسلمانوں کے رستے میں حائل ہو گئے اور انھوں نے بیت اللہ جانے اور طواف کرنے کی اجازت نہ دی۔ [1] اس طرح بخاری نے اسے ذکر کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے الجامع الصحیح کی کتاب التفسیر، [2] عمرۃ الحدیبیہ، [3] حج [4] اور کئی دیگر مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ [5] وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ.

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں حبیب بن ابوثابت سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابووائل سے جا کر (خوارج کے بارے میں) پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہم صِفّین (جہاں علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑائی ہوئی) میں تھے کہ ایک شخص نے کہا: تمھارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے جو (صلح کے لیے) کتاب اللہ کی طرف بلائے جائیں (پھر آپ کیا کریں گے؟) علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں ٹھیک ہے (میں اس پر عمل کے لیے تیار ہوں لیکن خوارج نے، جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اس کے خلاف آواز اٹھائی) تو سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم اپنے آپ کو متہم سمجھو، ہم نے تو حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین میں صلح ہوتے ہوئے بھی دیکھی ہے، اگر ہم چاہتے تو لڑائی بھی کر سکتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں جائیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: پھر ہم اپنے دین میں یہ دوں ہمتی کیوں دکھائیں کہ واپس چلے جائیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ابھی تک فیصلہ ہی نہیں فرمایا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: [يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَلَنْ يُّضَيِّعَنِي اللّٰهُ أَبَدًا] ''ابن خطاب! بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ افسردگی کے عالم میں واپس آ گئے، ان سے صبر نہ ہو سکا حتی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بھی کہنے لگے: ابوبکر! کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ابن خطاب! بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح نازل فرما دی۔ [6] امام بخاری نے اس حدیث کو الجامع الصحیح کے کئی دیگر مقامات پر بھی روایت کیا ہے، نیز اسے امام مسلم اور امام نسائی رحمہما اللہ نے کئی دیگر سندوں کے ساتھ ابووائل سفیان بن سلمہ کے واسطے سے سہل بن حنیف سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ [7] بعض روایات

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث: 2732,2731. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (الفتح 18:48)، حديث: 4844. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4181,4180. [4] صحيح البخاري، الحج، باب من أشعر وقلد بذي الحليفة......، حديث: 1695,1694. [5] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب: 18، حديث: 3182. [6] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (الفتح 18:48)، حديث: 4844. [7] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب: 18، حديث: 3182 والمغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4189 والاعتصام بالكتاب والسنة، حديث: 7308 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث: 1785 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الفتح 4:48) 463/6، حديث: 11504.

میں یہ الفاظ ہیں: لوگو! اپنی رائے کا جائزہ لو، میں نے تو ابو جندل کے دن کو بھی دیکھا تھا، اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کی مخالفت کی استطاعت ہوتی تو میں ابو جندل سے متعلق آپ کے فرمان کی مخالفت کرتا۔ [1] اور ایک روایت میں ہے کہ پھر سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں یہ سورۂ مبارکہ پڑھ کر سنائی۔ [2]

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش نے نبی ﷺ سے صلح کر لی، قریش کے وفد میں سہیل بن عمرو بھی تھے، نبی ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [اُكْتُبْ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ] ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔'' تو سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے، لہٰذا [بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ!] لکھو جسے ہم جانتے ہیں، نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [اُكْتُبْ: مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ] ''لکھو کہ (یہ معاہدہ) محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے۔'' تو سہیل نے کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے، لہٰذا اس تحریر پر اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیں، نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [اُكْتُبْ: مِنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ] ''یہ لکھ دو کہ (یہ معاہدہ) محمد بن عبداللہ کی طرف سے ہے۔'' قریش نے نبی ﷺ سے یہ شرط بھی بیان کی کہ تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آیا تو ہم اسے تمھاری طرف نہیں لوٹائیں گے، البتہ ہمارا جو شخص تمھارے پاس آیا تو تم اسے لوٹانے کے پابند ہوگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ لکھا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ، إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ، فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ] ''ہاں، ہم میں سے جو شخص ان کے پاس چلا جائے گا، پس اسے اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا۔'' [3] اسے مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔ [4]

امام احمد ہی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب فرقہ حروریہ کے لوگوں نے خروج شروع کیا تو وہ الگ ہو گئے، میں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو حدیبیہ کے دن مشرکین سے صلح کر لی اور حضرت علی سے فرمایا تھا: [اُكْتُبْ يَاعَلِيُّ! هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ] ''علی! لکھو کہ یہ ہے وہ (معاہدہ) جس کے مطابق محمد رسول اللہ (ﷺ) نے صلح کی ہے۔'' قریش نے کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے لڑائی ہی نہ کرتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اُمْحُ يَاعَلِيُّ! اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي رَسُوْلُكَ، اُمْحُ يَاعَلِيُّ! وَاكْتُبْ: هٰذَا مَاصَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ] ''علی! (ان الفاظ کو) مٹا دو، اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ یقیناً میں تیرا رسول ہوں، علی! مٹا دو اور یہ لکھو کہ یہ ہے وہ معاہدہ جس کے مطابق محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے۔'' اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ علی سے بہتر تھے آپ نے اپنے نام کے الفاظ مٹا دیے اور ان الفاظ کے مٹانے کے یہ معنی تو نہیں تھے کہ آپ نے اپنے اسم گرامی کو نبوت سے مٹا دیا، کیا میں تمھارے اعتراض سے نکل چکا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ [5] اسی طرح اسے ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔ [6]

---

① صحيح البخاری، المغازی، باب غزوة الحديبية، حديث:4189 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث: (95)1785. ② صحيح البخاری، الجزية والموادعة، باب : 18، حديث:3182. ③ مسند أحمد : 268/3 . ④ صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث : 1784. ⑤ مسند أحمد :342/1.
⑥ سنن أبي داود، اللباس، باب لباس الغليظ، حديث : 4037 مختصرًا جدًا.

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَقِّ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۙ

البتہ تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے امن کی حالت میں

مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَمُقَصِّرِيۡنَ ۙ لَا تَخَافُوۡنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمۡ تَعۡلَمُوۡا فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ

مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہوگے، چنانچہ اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہٰذا اس نے اس سے

ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِيۡبًا ﴿27﴾ هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى

پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کردی ﴿27﴾ اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے سب

الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ﴿28﴾

ادیان پر غالب کردے، اور اللہ بطور گواہ کافی ہے ﴿28﴾

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن ستر اونٹ نحر فرمائے جن میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا، جب اسے بھی بیت اللہ کی طرف جانے سے روک دیا گیا تو اس نے اس طرح اشتیاق کا اظہار کیا جس طرح وہ اپنے بچوں سے ملاقات کے لیے مشتاق ہوتا ہے۔[1]

تفسیر آیات:28,27

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی صداقت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں تشریف لے گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کیا ہے، آپ نے مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اس خواب کے بارے میں بتایا اور جب صحابہ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے تو کسی کو بھی اس خواب کی اس سال تعبیر واقع ہونے میں شک نہیں تھا لیکن جب صلح کا واقعہ پیش آیا اور اس سال صحابہ واپس آ گئے اور اگلے سال عمرہ کا پروگرام بنا تو اس سے بعض صحابہ کرام کے دل میں کئی خیالات پیدا ہوئے حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات بھی پوچھے جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ نے تو فرمایا تھا: ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف بھی کریں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [بَلٰى، (أَفَأَخۡبَرۡتُكَ أَنَّكَ تَأۡتِيهِ) الۡعَامَ؟] ''ہاں! لیکن کیا میں نے تمھیں یہ بھی بتایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ جاؤ گے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: نہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهٖ] ''تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعینہ یہی جواب دیا تھا۔[2] اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَقِّ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ﴾ ''البتہ تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ البتہ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے، اگر اللہ نے چاہا۔'' ان شاء اللہ کے الفاظ خبر کی تحقیق وتاکید کے لیے ہیں، استثنا سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

---

① مسند أحمد: 315,314/1 اس کی سند محمد بن عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ② صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث: 2732,2731 جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 4/328-332 عن المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ ومروان بن الحكم میں ہیں۔

﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ ''امن وامان سے۔''یعنی مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت تم امن وامان کی حالت میں ہوگے، ﴿ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ﴾ ''اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترواکر۔'' جیسا کہ بعض صحابہ نے سر منڈوادیے تھے اور بعض نے بال کتروادیے تھے اور صحیحین میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ] قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ:[رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ] قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ:[رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ] قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ، يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: [وَالْمُقَصِّرِينَ] ''اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔'' صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں پر بھی؟ آپ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔'' صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں پر بھی؟ آپ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔'' صحابہ نے پھر عرض کی: اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں پر بھی؟ تیسری یا چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:''بال کتروانے والوں پر بھی (اللہ رحم فرمائے۔)''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تَخَافُوْنَ ﴾ ''تم (کسی طرح کا) خوف نہ کروگے۔'' اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مکہ میں داخلے کے وقت امن ثابت کردیا اور شہر میں قیام کے وقت خوف دور کردیا کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتے تھے، یہ عمرہ قضا کے وقت کی کیفیت بیان کی جارہی ہے جو ذوالقعدہ 7 ہجری میں ادا کیا گیا تھا۔ نبی ﷺ جب ذوالقعدہ میں حدیبیہ سے مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو ذوالحجہ اور محرم میں مدینہ ہی میں مقیم رہے، صفر میں آپ خیبر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے بعض حصے پر لڑائی سے اور بعض پر صلح کے ساتھ فتح عطا فرمادی، خیبر بہت بڑا علاقہ تھا، یہاں کھجوروں کے باغات اور کھیت کثرت سے تھے۔ نبی ﷺ نے باغات اور کھیتوں کو اس شرط پر یہودیوں ہی کے پاس رہنے دیا کہ وہ پیداوار کا نصف مسلمانوں کو دیں گے۔[2] جبکہ آپ نے خیبر کی تمام اراضی صرف اہل حدیبیہ ہی میں تقسیم فرمادی اور اہل حدیبیہ کے علاوہ اور کوئی اس غزوے میں شریک نہیں تھا، سوائے جعفر بن ابو طالب اور ان کے رفقاء کے جو حبشہ سے تشریف لائے تھے اور ابو موسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء کے (جو یمن سے تشریف لائے تھے) اور اہل حدیبیہ میں سے کوئی بھی اس غزوے سے غائب نہیں رہا۔[3] البتہ ابن زید کے بقول ابودجانہ سماک بن خرشہ غائب تھے۔[4] جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تفصیل موجود ہے۔

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے۔ ذوالقعدہ 7ھ میں رسول اللہ ﷺ اور اہل حدیبیہ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے، ایک قول کے مطابق ان کی تعداد ساٹھ اونٹ تھی، آپ نے تلبیہ کہا اور صحابہ کرام بھی تلبیہ پڑھتے ہوئے چلنے لگے اور جب مرّ الظہران[5]

---

① صحيح البخاري، الحج، باب الحلق و التقصير عند الإحلال، حديث: 1727 و صحيح مسلم، الحج، باب تفضيل الحلق على التقصير و جواز التقصير، حديث: (318)-1301 واللفظ له عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. ② دیکھیے صحيح البخاري، المغازي، باب معاملة النبي ﷺ أهل خيبر، حديث: 4248 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ. ③ دیکھیے صحيح البخاري، فرض الخمس، باب: ومن الدليل على أن الخمس......، حديث: 3136 عن أبي موسى رضی اللہ عنہ. ④ تفسير الطبري: 140/26.
⑤ مَرُّالظَّهران مکہ اور عُسفان کے درمیان ایک وادی کا نام ہے اور اس کی طرف منسوب بستی کا نام مَرّ ہے، النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير: 167/3، مادة: ظهر.

کے قریب پہنچے تو آپ نے گھڑ سوار دستے اور اسلحے کے ساتھ محمد بن مسلمہ کو اپنے آگے روانہ فرما دیا، مشرکین نے جب دیکھا تو شدید مرعوب ہو گئے اور انھوں نے سمجھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ ان پر حملہ آور ہوں گے اور آپ نے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد توڑ دیا ہے، انھوں نے اہل مکہ کو اس کی خبر دی مگر رسول اللہ ﷺ نے مرّ الظہران پر پڑاؤ ڈال دیا تھا جہاں سے حرم کے نشانات نظر آ رہے تھے، آپ نے کمانیں، نیزے، تیر اور دیگر اسلحہ بَطْنِ یَأْجِج ① بھیج دیا اور آپ مکہ مکرمہ کی طرف تلواروں کو میانوں میں ڈالے ہوئے روانہ ہوئے جیسا کہ قریش کے ساتھ شرائط معاہدہ میں طے ہوا تھا، ابھی آپ رستے ہی میں تھے کہ قریش نے مِکرز بن حفص کو بھیجا اور اس نے کہا: اے محمد! ہم نے تو کبھی آپ کو عہد شکنی کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نبی ﷺ نے فرمایا: تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ آپ اسلحے، کمانوں اور تیروں کے ساتھ آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اسلحہ ہمارے پاس نہیں ہے، اسے ہم نے ''یاجج'' بھیج دیا ہے، اس نے کہا یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کو نیکی اور وفا ہی کے ساتھ جانتے ہیں۔

سرداران قریش رات کو غصے اور کینے کی وجہ سے مکہ سے باہر نکل گئے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو نہ دیکھ سکیں اور اہل مکہ سے دیگر مرد، عورتیں اور بچے رستوں اور گھروں کی چھتوں پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنے لگے، رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آپ کے آگے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلبیہ پڑھ رہے تھے، قربانی کے جانوروں کو ذی طوی ② کی طرف بھیج دیا گیا، آپ اپنی اسی اونٹنی قصوا پر سوار تھے جس کو حدیبیہ کے سال سواری کا شرف بخشا تھا۔ ③ عبداللہ بن رواحہ انصاری، رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

بِاسْمِ الَّذِی لَا دِینَ إِلَّا دِینَهٗ　　　بِاسْمِ الَّذِی مُحَمَّدٌ رَّسُولُهٗ

''اس ذات پاک کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین نہیں اور اس ذات اقدس کے نام سے، حضرت محمد ﷺ جس کے رسول ہیں۔''

خَلُّوا بَنِی الْكُفَّارِ عَنْ سَبِیلِهٖ　　　اَلْیَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰی تَأْوِیلِهٖ

''اے کافروں کے بیٹو! آپ کے رستے کو چھوڑ دو آج آپ کے حکم کے مطابق ہم تمھیں ماریں گے۔''

كَمَا ضَرَبْنَاكُمْ عَلٰی تَنْزِیلِهٖ　　　ضَرْبًا یُّزِیلُ الْهَامَ عَنْ مَّقِیلِهٖ

① یَأْجِج مکہ مکرمہ سے تین میل کی مسافت پر ایک جگہ کا نام ہے اور یہ جگہ عبداللہ بن زبیر کی منازل میں سے ایک تھی۔ دیکھیے النهاية فی غريب الحديث والأثر لابن الأثير :291/5 ، مادة: يأجج. ② ذی طوٰی باب مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے کے لیے یہاں غسل کرنا مستحب ہے۔ النهاية فی غريب الحديث والأثر لابن الأثير : 147/3 مادة: طوا (مترجم) جیسا کہ صحيح البخاری، الحج، باب الاغتسال عند دخول مكة، حديث: 1573 میں نافع رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان فرماتے ہیں: جب ابن عمر رضی اللہ عنہما قریب ترین حرم میں داخل ہو جاتے تو تلبیہ پڑھنا بند کر دیتے، پھر ذوطویٰ مقام میں رات گزار کر صبح کی نماز وہیں پڑھتے اور غسل کرتے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے تھے کہ اللہ کے نبی ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ ③ كتاب المغازی للواقدی، غزوة القضية : 188,187/2 و دلائل النبوة للبيهقی، باب ماجرى فی أمر الهدايا والأسلحة ...... 315,314/4 و 321 و السيرة النبوية لابن هشام، عمرة القضاء: 13,12/4 و فتح الباری: 500,499/7، تحت الحديث : 4252.

''جیسا کہ اس کے قرآن کے مطابق ہم تمھیں ایسی کاری ضرب لگائیں گے جس سے سر تن سے جدا ہو جائیں گے۔''

قَدْ أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِي تَنْزِيلِهٖ ۔۔۔ وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهٖ

''ایسی ضرب جو دوست سے دوست کو بھلا دے گی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں یہ نازل فرمایا ہے۔''

بِأَنَّ خَيْرَ الْقَتْلِ فِي سَبِيلِهٖ ۔۔۔ فِي صُحُفٍ تُتْلٰى عَلٰى رَسُولِهٖ

''(یعنی) ایسے صحیفوں میں جو اس کے رسول پر پڑھے جاتے ہیں کہ بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہو۔''

يَارَبِّ! إِنِّي مُؤْمِنٌ بِقِيلِهٖ

''اے میرے رب! میں اسی کے فرمان پر ایمان رکھتا ہوں۔'' یہ اشعار مختلف روایات کا مجموعہ ہیں۔ [1]

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ میں تشریف لائے تو یثرب کے بخار کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے اور وہاں انھیں خراب آب و ہوا کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس لیے مشرکین نے کہا کہ تمھارے پاس ایسے لوگ آ رہے ہیں جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور وہاں انھیں برے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے، مشرکین حجر کی جانب بیٹھ گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بات کے بارے میں نبی ﷺ کو مطلع فرما دیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دے دیا کہ وہ طواف کے ابتدائی تین چکر تیز رفتاری کے ساتھ کندھے ہلا ہلا کر لگائیں تاکہ مشرکین ان کی طاقت و قوت کا مشاہدہ کر لیں، صحابہ کرام نے تعمیل ارشاد میں تین چکر اسی انداز سے لگائے، آپ نے انھیں حکم دیا تھا کہ دونوں رکنوں کے درمیان عام چال چلیں کیونکہ وہاں انھیں مشرکین دیکھ نہیں سکتے تھے، نبی ﷺ نے تمام چکروں میں رمل کا حکم ان پر شفقت کی وجہ سے نہیں دیا۔ مشرکین نے جب صحابہ کرام کو اس انداز سے طواف کرتے دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ ان لوگوں کے بارے میں تم یہ کہتے ہو کہ انھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، حالانکہ یہ تو فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں۔ [2] اسے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔ [3]

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم چار ذوالقعدہ کی صبح کو مکہ میں تشریف لائے، مشرکین نے کہا کہ تمھارے پاس ایسے لوگ آ رہے ہیں جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، اس لیے نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دے دیا کہ وہ طواف کے ابتدائی تین چکر رمل کے ساتھ لگائیں اور ان پر شفقت و مہربانی کی وجہ سے آپ نے طواف کے تمام چکروں میں

---

(1) جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في إنشادالشعر، حديث: 2847 وسنن النسائي، مناسك الحج، باب إنشاد الشعر في الحرم..... حديث: 2876 و صحيح ابن حبان، السير، ذكر الإباحة للإمام إذا ركب......: 380,379/10، حديث: 4521 و مجمع الزوائد، المغازي والسير، باب الحديبية وعمرة القضاء: 147,146/6، حديث: 10189 ودلائل النبوة للبيهقي، باب كيف كان قدومه بمكة وطوافه بالبيت......: 325-322/4، ان دیے گئے حوالوں میں اشعار کی ترتیب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی ترتیب سے کچھ مختلف ہے۔ (2) مسند أحمد: 295,294/1. (3) صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4256 و صحيح مسلم، الحج، باب استحباب استلام الركنين اليمانيين......، حديث: 1266.

رمل کے اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ① امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب سال امن میں تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا: [اُرْمُلُوا، لِيَرَى الْمُشْرِكُونَ قُوَّتَهُمْ] ''رمل کرو تاکہ مشرکین ان کی قوت کا مشاہدہ کرسکیں۔'' مشرکین اس وقت قُعَیقِعان کی طرف بیٹھے تھے۔ ② ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی اس لیے کی تھی تاکہ مشرکین آپ کی قوت کا مشاہدہ کرلیں۔ ③ اور امام بخاری ہی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے روانہ ہوئے مگر کفار قریش آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوگئے، اسی لیے آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نحر کردیا اور حدیبیہ میں سرمنڈادیا اور ان سے یہ معاہدہ کرلیا کہ آپ آئندہ سال عمرہ ادا فرمائیں گے، پس آپ آئندہ سال مکہ مکرمہ میں اس طرح داخل ہوئے جیسا کہ معاہدۂ صلح میں طے ہوا تھا کہ آپ تلواروں کے سوا دیگر ہتھیار اٹھائے ہوئے نہیں ہوں گے اور قیام بھی اس قدر کریں گے جتنا کفار قریش چاہیں گے، پس آپ نے آئندہ سال عمرہ ادا فرمایا اور مکہ میں اس طرح تشریف لائے جیسا کہ معاہدۂ صلح میں طے ہوا تھا، جب آپ نے تین دن قیام فرمالیا تو مشرکین نے مطالبہ کیا کہ اب آپ تشریف لے جائیں تو آپ تشریف لے گئے۔ ④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ ''جو بات تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی سو اس نے اس سے پہلے ہی جلد فتح کرادی۔'' یعنی تمھارے مکہ مکرمہ سے واپس چلے جانے اور پھر آئندہ سال آنے میں جو خیر و بھلائی اور مصلحت تھی وہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھی مگر تم اسے نہیں جانتے تھے۔ ﴿ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ ﴾ ''سو اس نے اس سے پہلے ہی کرادی۔'' یعنی نبی ﷺ کے خواب میں تم سے جس فتح کا وعدہ کیا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی عطا فرمادی اور اس سے مراد وہ صلح ہے جو تمھارے اور تمھارے دشمن مشرکین کے مابین ہوگئی تھی۔

دنیا پر مسلمانوں کے غلبے کی بشارت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کو بشارت دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دشمنوں اور باقی اہل زمین پر غالب آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا۔'' یعنی علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ کہ ساری شریعت دو ہی چیزوں پر مشتمل ہے، یعنی علم و عمل پر۔ اور علم شرعی ہی صحیح علم اور عمل شرعی ہی مقبول عمل ہے، اس کی خبریں حق اور اس کے اوامر و نواہی کے احکام مبنی بر عدل ہیں، ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ ''تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔'' یعنی روئے زمین کے عرب و عجم، تمام مشرکین اور دیگر تمام ادیان کے ماننے والوں پر اس دین کو غالب کردے، ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ ''اور اللہ بطور گواہ کافی ہے۔'' اس بات پر کہ وہ اس کے رسول ہیں اور اللہ ہی رسول ﷺ کا مددگار ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

---

① صحیح البخاری، الحج، باب کیف کان بدء الرمل؟ حدیث: 1602 وصحیح مسلم، الحج، باب استحباب استلام الرکنین...... حدیث: 1266. ② صحیح البخاری، المغازی، باب عمرة القضاء، حدیث: 4257 وصحیح مسلم، الحج، باب استحباب استلام الرکنین......، حدیث: (241)-1266. ③ صحیح البخاری، المغازی، باب عمرة القضاء، حدیث: 4257 وصحیح مسلم، الحج، باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین......، حدیث: (241)-1266.
④ صحیح البخاری، الصلح، باب الصلح مع المشرکین، حدیث: 2701.

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے

سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ

دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی تلاش کرتے ہیں، ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے، ان کی یہ صفت تورات

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ

میں ہے، اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا

فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کھڑا ہو گیا، کسانوں کو خوش کرتا ہے، (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ع ﴿29﴾ ع 4/3/12

ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے ﴿29﴾

تفسیر آیت: 29

مومنین کی صفات: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ بلاشک وشبہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''محمد اللہ کے پیغمبر ہیں۔'' یہ مبتدا اور خبر ہے اور یہ ہر وصف جمیل پر مشتمل ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ ﴾ ''اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں (اور) آپس میں رحمدل۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ ﴾ (المآئدة 5:54) ''تو اللہ ایسے لوگ لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ لوگ اس سے محبت کریں گے اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں سے سختی سے پیش آنے والے۔'' یہ مومنوں کی صفت ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور درشت ہوتے ہیں اور اخیار کے مقابلے میں رحمدل اور نیکوکار، کافر کے لیے نہایت غضبناک اور ترش رو جبکہ اپنے مومن بھائی کے لیے نہایت ہنس مکھ، ہشاش بشاش جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ ﴾ (التوبة 9:123) ''اے اہل ایمان! اپنے نزدیک کے رہنے والے کافروں سے جنگ کرو اور وہ تم میں سختی (اور قوت جنگ) معلوم کریں۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ (كَمَثَلِ) الْجَسَدِ (الْوَاحِدِ)، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى] ''مومنوں کی باہمی محبت و رحمدلی کی مثال ایک جسم کی مثال کی طرح ہے کہ اگر اس کا ایک عضو شکایت محسوس کرے تو سارا جسم بخار اور بیداری کے باعث بے قرار ہو جاتا ہے۔''[1] اور فرمایا:

[1] پہلی قوسین والا لفظ صحیح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6011، دوسری قوسین والا لفظ آداب الصحبة لأبي عبدالرحمٰن السلمي، حديث: 2 اور باقی حدیث صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم......، حديث: 2586 عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

[اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا] ''مومن مومن کے لیے ایک دیوار کے مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کے لیے مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔'' یہ بات بیان فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کر کے دکھایا۔[1] یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۚ ﴾ ''(اے دیکھنے والے!) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے کثرت عمل اور کثرت نماز کے ساتھ ان کی تعریف بیان کی ہے اور نماز ہی بہترین عمل ہے اور پھر ان کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نماز سے ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور اس سے بے پایاں اجر وثواب کا حصول ہوتا ہے جو جنت کی صورت میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل، وسعت رزق اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی پر مشتمل ہے اور رضائے الٰہی کا حصول دیگر تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ﴾ (التوبة 72:9) ''اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ﴾ ''(کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوتے ہیں۔'' علی ابن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے چہروں کی نشانی ان کی اچھی سیرت ہے۔[2] مجاہد اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ ان کی نشانی خشوع اور تواضع ہے۔[3] بعض نے کہا ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور، چہرے میں ضیاء، رزق میں کشادگی اور لوگوں کے دلوں میں محبت ہو جاتی ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان جو بات بھی چھپائے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے کے خد وخال اور اس کی نوکِ زبان سے نمایاں فرما دیتا ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْهَدْيَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ، جُزْءٌ مِّنْ خَمْسَةٍ وَّعِشْرِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ] ''بلاشبہ صالح طرز زندگی، نیک سیرت اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں حصہ ہے۔''[4] اسے ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[5] حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیتیں خالص اور اعمال صالح تھے، جو بھی انھیں دیکھتا تو ان کی سیرت وکردار سے بہت خوش ہوتا، امام مالک، اللہ ان سے راضی ہو، فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نصاریٰ جب شام فتح کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھتے تو کہتے: اللہ کی قسم! ہمارے علم کے مطابق یہ لوگ حواریوں سے بہتر ہیں۔ اور ان کی یہ بات درست تھی کیونکہ اس امت کی عظمت کو سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی بیان کیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے عظیم ترین اور افضل انسان ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سابقہ آسمانی کتابوں اور اخبار متداولہ میں ان کے ذکر کو دوام بخش دیا ہے، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں بھی بیان فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ ﴾ ''ان

---

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، حديث: 2446 و صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تراحم المؤمنين......، حديث: 2585 عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه. [2] تفسير الطبري: 143/26. [3] تفسير الطبري: 143/26.
[4] مسند أحمد: 296/1. [5] سنن أبي داود، الأدب، باب في الوقار، حديث: 4776.

کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ ﴾ ''اور انجیل میں ان کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی۔'' یعنی کھیتی نے اپنی شاخیں نکالیں، انھیں مضبوط کیا، چنانچہ وہ پلی بڑھیں اور کھیتی لہلہانے لگی، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تائید وحمایت اور نصرت میں کوئی کمی نہ آنے دی، ابتدا میں ان کی حالت ایسی تھی جیسے کھیتی کی ابتدائی کونپلوں کی ہوتی ہے۔ ﴿ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ ''تاکہ وہ ان سے کافروں کو غضبناک کرے۔''

اس آیت کریمہ سے امام مالک رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا ہے کہ روافض کافر ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں کیونکہ اس آیت کریمہ کے مطابق صحابہ سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ علماء کی ایک بہت بڑی جماعت نے بھی اس استدلال میں امام مالک رحمہ اللہ سے اتفاق کیا ہے۔ حضرات صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کی شان میں گستاخی کی ممانعت کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ بھی مروی ہیں، بہرحال ان کی عظمت شان کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف بیان فرمائی اور ان سے اپنی رضا وخوشنودی کا اظہار فرمایا ہے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ''جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے بے پایاں اجر وثواب اور پاکیزہ رزق کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کا وعدہ بالکل حق اور سچ ہے کہ ان میں کوئی کمی بیشی اور تبدیلی نہیں ہوسکتی اور جو شخص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلے گا وہ بھی انھی کے حکم میں ہے، البتہ انھیں وہ فضیلت، سبقت اور کمال حاصل ہے کہ امت میں سے اور کوئی ان کے مقام ومرتبے کو نہیں پا سکتا۔

امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَّا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهٗ] ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو، میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو وہ ان میں سے کسی ایک کے مد یا نصف مد کے اجر وثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''[1]

سورۂ فتح کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب، حديث: 3673 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب تحريم سَبّ الصحابة ﷺ، حديث:2540 واللفظ له.

تفسیر سورۂ حجرات

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور تم اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے

عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا

والا ہے ① اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسے

لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ②

تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمھارے عمل برباد نہ ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو ②

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔

لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے ③

تفسیر آیات: 1-3

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے پیش قدمی کی ممانعت: ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے معاملہ کرتے ہوئے وہ آپ کی عزت و احترام اور شان و عظمت کو ملحوظ رکھیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ ''مومنو! (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔'' یعنی آپ ﷺ سے پیش قدمی نہ کیا کرو بلکہ تمام امور و معاملات میں آپ کے پیچھے پیچھے چلو۔ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات نہ کہو۔[1] امام قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ کہا کرتے تھے کہ اے کاش! فلاں فلاں چیز کے بارے میں وحی نازل ہو، اے کاش! یہ بات اس طرح صحیح ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسند فرمایا۔[2]

① تفسير الطبري: 150/26. ② تفسير الطبري: 151/26.

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' ان امور میں جن کا اس نے تم کو حکم دیا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ﴾ ''بے شک اللہ بڑا سنتا ہے''، تمھارے اقوال کو، ﴿ عَلِيْمٌ ① ﴾ ''خوب جانتا ہے۔''، تمھاری نیتوں کو۔

آیت کا سبب نزول اور تعظیم نبی ﷺ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو۔'' یہ دوسرا ادب ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو سکھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کریں، روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ شیخین حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ①

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوملیکہ سے روایت کیا ہے کہ قریب تھا کہ دو نیک آدمی ہلاک ہو جاتے، یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کہ ان کی آوازیں اس وقت نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی تھیں جب بنی تمیم کا وفد آیا تھا، ان میں سے ایک نے کہا کہ بنومجاشع کے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے جبکہ دوسرے نے کسی اور شخص کا نام پیش کیا۔ نافع نے کہا کہ مجھے ان کا نام یاد نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کا ارادہ تو میری مخالفت ہے، انھوں نے کہا کہ نہیں میرا ارادہ آپ کی مخالفت نہیں، پس اسی اثنا میں غیر شعوری طور پر ان کی آوازیں بلند ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ تم ان سے اونچی آواز میں بات کرو، اپنے ایک دوسرے سے آواز بلند کرنے کی طرح (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔'' ابن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اس قدر پست آواز میں بات کرتے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے: عمر! کیا کہہ رہے ہو؟ جبکہ ابن زبیر نے اپنے نانا یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا ذکر نہیں کیا۔ یہ روایت صحیح بخاری میں ہے، مسلم میں نہیں۔ ② صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ قعقاع بن معبد کو ان کا امیر مقرر کر دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اقرع بن حابس کو امیر مقرر کر دیں...... یہ روایت بھی صرف صحیح بخاری میں ہے، مسلم میں نہیں۔ ③

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری کو محسوس فرمایا تو ایک شخص نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں آپ کو خبر لا دیتا ہوں، وہ ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں، انھوں نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ بہت بری بات ہے کہ ان کی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے ان کے عمل رائیگاں ہوگئے اور وہ جہنمی ہیں، اس شخص نے نبی ﷺ کی

① الدر المنثور: 85/6 ملخصًا. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ (الحجرات 2:49)، حديث: 4845. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ ﴾ (الحجرات 4:49)، حديث: 4847.

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ثابت نے یہ یہ باتیں کی ہیں، موسیٰ نے کہا کہ نبی ﷺ نے اس شخص کو دوبارہ ثابت کے پاس ایک عظیم بشارت دے کر بھیجا اور فرمایا: [اِذْهَبْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ: إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَلٰكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ] ''ان کے پاس جاؤ، پس ان سے کہو کہ تم جہنمی نہیں بلکہ جنتیوں میں سے ہو۔'' اس حدیث کو بھی صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے روایت کیا ہے، امام مسلم نے نہیں۔ ①

امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت کریمہ: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ سے لے کر ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② ﴾ تک نازل ہوئی تو ثابت بن قیس بن شمّاس، جن کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی، کہنے لگے کہ میری آواز بھی رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند تھی، لہٰذا میں جہنمی ہوں کیونکہ میرے سارے اعمال رائیگاں ہو گئے ہیں، پھر وہ غمزدہ ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی غیر حاضری کو محسوس فرمایا تو کچھ لوگوں نے انھیں جا کر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھاری غیر حاضری کو محسوس فرمایا ہے، تمھیں کیا ہوا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میری آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند تھی، میں بہت زور سے بات کیا کرتا تھا، میرے عمل رائیگاں ہو گئے اور میں جہنمی ہو گیا ہوں، لوگوں نے نبی ﷺ کو جا کر ثابت کی یہ باتیں بتائیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا، بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ] ''نہیں وہ جہنمی نہیں بلکہ وہ تو جنتی ہیں۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم انھیں اپنے درمیان میں چلتے ہوئے دیکھتے تو ہم جانتے تھے کہ یہ شخص جنتی ہے، اس سلسلے میں جنگ یمامہ میں یہ انکشاف ہوا کہ ثابت بن قیس بن شماس اس شان سے میدان میں آئے کہ حنوط لگا رکھا تھا اور کفن پہن رکھا تھا اور کہہ رہے تھے کہ تم نے اپنے ساتھیوں کو برا عادی بنا دیا ہے، پھر انھوں نے ان سے لڑائی کی حتی کہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ ②

تعظیم نبی ﷺ کا ایک اور پہلو: بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اس طرح دور سے آپ ﷺ کے ساتھ بات کرنے سے منع فرما دیا ہے جس طرح انسان اپنے کسی دوسرے مخاطب سے بات کرتا ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ سے سکون، وقار اور تعظیم کے ساتھ بات کی جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ﴾ ''اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔'' جیسا کہ دوسری جگہ بھی ارشاد فرمایا ہے: ﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ ﴾ (النور 63:24) ''مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''

تعظیم نبی ﷺ کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اعمال ضائع ہو جاتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② ﴾ ''ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔'' یعنی ہم نے تمھیں ان کے پاس آواز بلند کرنے سے اس لیے منع کیا ہے تاکہ وہ اس سے ناراض نہ ہو جائیں کیونکہ ان کے ناراض ہونے سے اللہ بھی ناراض ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کے اعمال برباد کر دیتا ہے جو اسے ناراض کرے اور اسے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی جیسا کہ صحیح حدیث میں

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ﴾ (الحجرات 2:49)، حديث: 4846. ② مسند أحمد: 137/3.

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا

بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں④ اور اگر بے شک وہ صبر کرتے،

حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

حتیٰ کہ آپ (خود ہی) ان کی طرف نکلتے، تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے⑤

ہے: [إِنَّ (الرَّجُلَ) لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِّضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا (فَيَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ) وَإِنَّ (الرَّجُلَ) لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَّهْوِي بِهَا فِي (النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ)] ''آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی ایک بات کہہ دیتا ہے اور وہ اس پر غور بھی نہیں کرتا لیکن اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے اور ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی ایک بات کہتا ہے اور وہ اس پر غور بھی نہیں کرتا لیکن وہ اس ایک بات کی وجہ سے آگ میں اس سے بھی زیادہ دور جا گرتا ہے جتنا کہ آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے آواز پست رکھنے کی تلقین فرمائی، اس کی ترغیب دی اور اس کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوے کے لیے آزمایا ہے۔'' یعنی ان دلوں کو اس نے تقوے کے لیے خالص کر لیا اور تقوے کا اہل و محل قرار دے دیا ہے، ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③﴾ ''ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔'' امام احمد نے کتاب الزهد میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ خط لکھا: اے امیر المومنین! یہ فرمائیں کہ ایک شخص معصیت چاہتا ہی نہیں اور نہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے، وہ افضل ہے یا وہ جو معصیت کو چاہتا ہے لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ جو لوگ معصیت کو چاہتے مگر اس کے مطابق عمل نہیں کرتے، وہ اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں: ﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوے کے لیے آزمایا ہے، ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔''[2]

تفسیر آیات: 5,4

نبی ﷺ کو حجروں کے باہر سے آواز دینے والوں کی مذمت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو نبی ﷺ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے تھے، حُجُرات سے مراد ازواج مطہرات کے گھر ہیں اور یہ باہر سے آواز دینے

---

① پہلی اور تیسری قوسین والا لفظ مسند أحمد: 469/3 اور دوسری قوسین والا جملہ جامع الترمذی، الزهد، باب ماجاء فی قلة الکلام، حدیث: 2319 عن بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ جبکہ چوتھی قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الزهد، باب حفظ اللسان، حدیث: (50)2988 میں ہیں، البتہ اس میں [اَلسَّمَاءِ وَالْأَرْضِ] کے بجائے [اَلْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ] ہے اور باقی حدیث صحیح البخاری، الرقاق، باب حفظ اللسان، حدیث: 6478 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ

اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ

کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو⑥ اور جان لو! بلاشبہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھاری اطاعت کریں

كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ

(تو) یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے، اور اس نے اسے تمھارے دلوں میں آراستہ پیراستہ کر دیا ہے،

اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ⑦ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

اور اس نے تمھارے لیے کفر و فسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دیا ہے (اور) یہی لوگ رشد و ہدایت والے ہیں ⑦ اللہ کے فضل اور احسان سے،

وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑧

اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے⑧

والے غیر مہذب بدو تھے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ ﴾ ''ان میں اکثر بے عقل ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ ﴾ ''اور اگر وہ یقیناً صبر کیے رہتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔'' یعنی اس میں ان کے لیے دنیا و آخرت کی خیر و مصلحت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے توبہ و انابت کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ ﴾ ''اور اللہ تو نہایت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ کئی ایک ائمہ نے ذکر کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے حجروں کے باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دیتے ہوئے کہا کہ اے محمد! اے محمد![1] اور ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ کے رسول! کہا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے کہا: اللہ کے رسول! میری تعریف زینت اور میری مذمت بری بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ذَاكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ] ''یہ تو اللہ عزوجل کی شان ہے۔''[2]

تفسیر آیات: 6-8

بدکردار کی خبر کی تحقیق کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بدکردار شخص کی خبر کی تحقیق کر لی جائے، احتیاط سے کام لیا جائے اور اس کی بات کے مطابق فیصلہ نہ کر لیا جائے، ہو سکتا ہے کہ وہ حقیقت میں جھوٹا یا خطا کار ہو اور اس کی بات کے مطابق فیصلہ کرنے والا اس کے نقش قدم پر چلنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے مفسدین کے رستے پر چلنے سے منع فرمایا ہے اور اسی آیت کریمہ سے

① مسند أحمد: 394,393/6، البتہ یہاں یَا مُحَمَّدُ! ایک مرتبہ ہے جبکہ یہ دو مرتبہ تفسیر الطبری: 159/26 میں ہے۔

② مسند أحمد: 488/3 اور جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الحجرات، حدیث: 3267 عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ اس حدیث کا شاہد ہے۔

استدلال کرتے ہوئے بہت سے علماء نے مجہول الحال راوی کی روایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ فی نفسہ وہ فاسق ہو۔

اس آیت کریمہ کے سبب نزول کے بارے میں بہت سی سندوں سے ایک قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے اور ان میں سے سب سے بہتر سند وہ ہے جسے امام احمد نے مسند میں بروایت مالک بن مُصطلِق بیان کیا ہے اور مالک بن مُصطلِق سے مراد حارث بن ابوضرار رضی اللہ عنہ ہیں جو ام المؤمنین جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے والد ہیں، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی، میں نے اسے قبول کر لیا اور اسلام کا اقرار کر لیا، آپ نے مجھے زکاۃ ادا کرنے کی دعوت دی میں نے اس کا اقرار کر لیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کے پاس جا رہا ہوں، انھیں اسلام قبول کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کی دعوت دوں گا جس نے اس دعوت کو قبول کر لیا، میں اس سے زکاۃ بھی جمع کر لوں گا اور پھر اللہ کے رسول! آپ میری طرف کسی قاصد کو فلاں فلاں وقت میں بھیج دیں جو جمع کی ہوئی زکاۃ کو لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔ جب حارث نے اسلام قبول کرنے والوں سے زکاۃ کو جمع کر لیا اور جب وہ وقت آ گیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس کے پاس بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا، قاصد رک گیا اور وہ اس کے پاس نہ پہنچا تو حارث نے سمجھا کہ شاید اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے ناراض ہو گئے ہیں، اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقرر وقت پر میرے پاس قاصد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا تاکہ وہ مجھ سے جمع کردہ زکاۃ وصول کر لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے، لہٰذا میرا خیال ہے کہ آپ نے کسی ناراضی کی وجہ سے قاصد کو اب تک نہیں بھیجا، لہٰذا آؤ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث سے جمع کردہ زکاۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرما دیا تھا، ولید جب رستے میں تھا تو اسے ڈر محسوس ہوا اور وہ واپس آ کر کہنے لگا: اللہ کے رسول! حارث نے مجھے زکاۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض ہوئے اور آپ نے حارث کو طلب فرمایا، حارث اپنے ساتھیوں سمیت آیا، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھیجا ہوا دستہ جب مدینہ سے روانہ ہو کر حارث کی طرف جا رہا تھا تو اس کی حارث سے ملاقات ہو گئی، لوگ کہنے لگے کہ حارث تو یہ آ رہا ہے، جب حارث کی ان سے ملاقات ہوئی تو حارث نے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا: تیری طرف، پوچھا کیوں؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو تیرے پاس بھیجا تھا اور اس نے کہا ہے کہ تو نے اسے زکاۃ دینے سے انکار کیا اور اسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حارث رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے تو اسے بالکل دیکھا ہی نہیں اور نہ وہ میرے پاس ہی آیا ہے۔ حارث جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: [مَنَعْتَ الزَّكَاةَ وَأَرَدْتَ قَتْلَ رَسُولِي] ”تم نے زکاۃ دینے سے انکار اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔“ حارث نے

عرض کی: نہیں، اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے تو اسے دیکھا ہی نہیں اور نہ وہ میرے پاس ہی آیا ہے اور میں تو رسول اللہ ﷺ کے قاصد کے نہ پہنچنے کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں کیونکہ مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کسی وجہ سے ناراض ہو گئے ہیں، اسی موقع پر سورۂ حجرات کی یہ آیت کریمہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۞ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ ﴾ نازل ہوئی۔① اسے ابن ابو حاتم اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔②

نبی ﷺ کا حکم ہی سب سے زیادہ بہتر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور جان لو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں۔'' یعنی جان لو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر موجود ہیں، لہٰذا ان کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ، ان کے ساتھ ادب سے پیش آؤ اور ان کے حکم کے آگے سر اطاعت خم کر دو، وہ تمھاری مصلحتوں کو خوب جانتے اور تم پر تم سے بھی زیادہ شفیق ہیں اور تمھارے بارے میں تمھاری اپنی رائے سے، ان کی تمھارے بارے میں رائے زیادہ موزوں ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (الأحزاب 33:6) ''پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔'' پھر فرمایا کہ ان کی مصلحتوں کے حوالے سے ان کی اپنی رائے بہت کمزور ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ﴾ ''اگر بہت سی باتوں میں وہ تمھارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔'' یعنی اگر تمام باتوں میں وہ تمھارا کہا مان لیں تو اس سے تم مشکل اور حرج میں مبتلا ہو جاؤ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۞ ﴾ (المؤمنون 23:71) ''اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرے تو آسمانوں اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت (کی کتاب) لے آئے ہیں، پھر وہ اپنی (کتاب) نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ ''اور لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اس کو تمھارے دلوں میں سجا دیا۔'' یعنی اسے تمھارے نفسوں میں محبوب اور تمھارے دلوں میں مزین کر دیا ہے۔

اسلام اور ایمان میں فرق: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ ﴾ ''اور کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسند فرمایا ہے۔'' یعنی کفر اور فسق سے اس نے تم کو بیزار کر دیا ہے، فسوق سے مراد کبیرہ گناہ اور نافرمانی کے کام ہیں اور اس طرح تمام گناہ ہی اس میں آجاتے ہیں اور یہ بھی کمال نصیحت ہی کی بات ہے کہ ایمان کو

① مسند أحمد: 279/4 حارث بن ضرار کے مسلمان ہونے کے واقعے کے علاوہ یہ حدیث شواہد کے ساتھ حسن ہے، دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 406,405/30. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3303/10 والمعجم الكبير للطبرانی، ترجمة الحارث بن سرار الخزاعی: 275,274/3، حدیث: 3395.

پسندیدہ اور کفر و عصیان کو اہل ایمان کے دلوں میں ناپسندیدہ ٹھہرا دیا: ﴿ أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلرَّٰشِدُونَ ⑦ ﴾ ''یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔''یعنی جو اس صفت سے متصف ہیں وہی راہِ ہدایت پر ہیں اور انھی کو اللہ تعالیٰ نے رشد و بھلائی سے سرفراز فرمایا ہے۔

امام احمد نے ابن رِفاعہ زُرَقی کی ان کے والد سے روایت کو بیان کیا ہے کہ جب غزوۂ احد کے دن مشرکین کو شکست ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: [اِسْتَوُوا حَتّٰی أُثْنِيَ عَلٰی رَبِّي] ''سیدھے ہو جاؤ تاکہ میں اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کروں۔'' صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں بنالیں تو رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں مانگیں:

[اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ، اَللّٰهُمَّ! لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَنْ أَضْلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ. اَللّٰهُمَّ! اُبْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ الْمُقِيمَ الَّذِي لَا يَحُولُ وَلَا يَزُولُ. اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ، وَالْأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ. اَللّٰهُمَّ! إِنِّي عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا وَمِنْ شَرِّ مَا مَنَعْتَنَا. اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ، وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ. اَللّٰهُمَّ! تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ وَأَحْيِنَا مُسْلِمِينَ وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ، اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ، اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ، إِلٰهَ الْحَقِّ!]

''اے اللہ! سب تعریف تیرے ہی لیے ہے، اے اللہ! جسے تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ کرنے والا نہیں اور جسے تو تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ کرنے والا نہیں ہے، جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے تو ہدایت عطا فرما دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، جسے تو محروم کر دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور جسے تو عطا فرما دے اسے کوئی محروم کرنے والا نہیں، جسے تو دور کر دے اسے کوئی قریب کرنے والا نہیں اور جسے تو قریب کر دے اسے کوئی دور کرنے والا نہیں، اے اللہ! تو ہم پر اپنی برکتوں، اپنی رحمت، اپنے فضل اور اپنے رزق کو فراوانی کے ساتھ نازل فرما، اے اللہ! میں تجھ سے اس ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو کبھی نہ ختم ہو اور نہ زائل ہو، اے اللہ! میں تجھ سے تنگ دستی کے دن نعمت اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! تو نے ہمیں جو عطا فرمایا ہے اس کی برائی سے اور جو عطا نہیں فرمایا اس کی بھی برائی سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! ایمان کو ہمارے لیے محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں میں سجا دے اور کفر اور گناہ اور نافرمانی کو ہمارے لیے ناپسندیدہ بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں بنا دے۔ اے اللہ! ہمیں مسلمان فوت کرنا اور مسلمان زندہ رکھنا اور نیک لوگوں کے ساتھ اس طرح شامل کر دینا کہ ہم نہ رسوا ہوں اور نہ کسی فتنے میں مبتلا، اے اللہ! ان کافروں کو قتل کر دے جو تیرے پیغمبروں کی تکذیب کرتے اور تیرے رستے سے روکتے ہیں، ان پر اپنا عذاب نازل فرما، اے اللہ! ان کافروں کو قتل کر دے جنھیں کتاب دی گئی تھی، اے معبود برحق (ہماری دعا قبول فرما!)''[1] اسے امام نسائی نے عمل

[1] مسند أحمد: 424/3 اس حدیث کی سند متکلم فیہ ہے۔

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىهُمَا

اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر (ان) دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے، تو تم

عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا

اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل (حق) کے

بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۞9 اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ

ساتھ صلح کرا دو، اور تم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ⑨ مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں،

ع 1/10 13 الثلثۃ
فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ ‌ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۞10 ع

لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو، اور تم اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ⑩

الیوم واللیلۃ میں ذکر کیا ہے۔①

پھر فرمایا: ﴿ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً ؕ ﴾ ”اللہ کے فضل اور احسان سے۔“ یعنی یہ عطیہ جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں عطا فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی تم پر نعمت ہے، ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۞8 ﴾ ”اور اللہ خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور گمراہی کا مستحق کون۔ اور وہ اپنے تمام اقوال، افعال اور شرع و قدر میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات:10,9

لڑنے والے مومنوں میں صلح کرا دینے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر زیادتی کرنے والی جماعتوں میں صلح کرا دینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ ﴾ ”اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کی آپس میں صلح کرا دو۔“ لڑائی کے باوجود ان لڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مومن قرار دیا ہے، اس آیت کریمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کئی ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ معصیت خواہ کتنی بڑی ہو اس سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا جیسا کہ خوارج اور ان کی اتباع کرنے والے معتزلہ مرتکب معصیت کو دائرہ ایمان سے خارج بتاتے ہیں۔② صحیح بخاری ہی میں حسن کی ابوبکرہ سے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ کے ساتھ منبر پر حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے، آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف اور پھر فرمایا: [إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰهَ (تَعَالٰی) أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ] ”میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دے۔“③ آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی، طویل

---

① السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب الاستنصار عند اللقاء: 156/6، حديث: 10445. ② صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ ، قبل الحديث: 31. ③ صحيح البخاري، الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي رضی اللہ عنہ......، حديث: 2704.

جنگوں اور ہولناک واقعات کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل شام اور اہل عراق میں صلح کرا دینے کی توفیق عطا فرمائی۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ﴾ ''پس اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹ آئے، حق کو سن کر مان لے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا] ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مظلوم کی تو مدد کروں گا لیکن ظالم کی مدد کس طرح کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ (فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ)] ''اسے ظلم سے روکو تو یہ تمھارا اس کی مدد کرنا ہی ہوگا۔''[2] سعید بن جبیر نے ذکر کیا ہے کہ اوس و خزرج میں ڈنڈوں اور جوتوں کے ساتھ لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر انھیں صلح کرنے کا حکم دیا ہے۔[3] سدی کہتے ہیں کہ عمران نامی ایک انصاری تھا، اس کی بیوی کا نام ام زید تھا، عورت نے اپنے میکے جانا چاہا تو اس نے اسے منع کر دیا اور بالا خانے میں بند کر دیا تا کہ اس کے میکے میں سے اس کے پاس کوئی نہ آسکے، عورت نے اپنے خاندان والوں کو پیغام بھیج کر بلایا، وہ آئے اور انھوں نے اسے بالا خانے سے نیچے اتارا تا کہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں، آدمی نے باہر نکل کر اپنے خاندان کے لوگوں کو بلایا تو اس کے چچا زاد بھائی آگئے تا کہ وہ عورت کے خاندان والوں کو اسے نہ لے جانے دیں، اس طرح لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا اور جوتے چلنے لگے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیج کر انھیں اپنے پاس بلایا، ان میں صلح کرا دی اور یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا۟ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ⑨ ﴾ ''پس جب وہ (فریق) لوٹ آئے تو دونوں فریقوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' یعنی بعض نے بعض پر جو زیادتی کی ہو تو ان میں عدل و انصاف کر دیا کرو کیونکہ ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ⑨ ﴾ ''بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' امام ابن ابو حاتم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الْمُقْسِطِينَ فِي الدُّنْيَا، عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ لُؤْلُؤٍ بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ بِمَا أَقْسَطُوا فِي الدُّنْيَا] ''یقیناً دنیا میں عدل و انصاف کرنے والے، دنیا میں اس انصاف کی وجہ سے رحمان عزوجل کے سامنے موتیوں سے بنے ہوئے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔''[5] اسے امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[6]

---

① اس صلح کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي ﷺ: [إن ابني ......]، حديث: 2704 . ② صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه: أنه أخوه ......، حديث: 6952 جبکہ قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، الفتن، باب: [انصر أخاك ......]، حديث: 2255 میں ہیں۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم: 3304/10 وتفسير الطبري: 166/26. ④ تفسير الطبري: 166/26. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 3304/10 .
⑥ السنن الكبرى للنسائي، القضاء، باب ذكر الاختلاف على الزهري في هذا الحديث: 460/3، حديث: 5917 مزید دیکھیے مسند أحمد: 159/2.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا

اے ایمان والو!مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ

نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا

عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں، اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ،

بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ

اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے۔ اور جس نے توبہ نہ کی، تو وہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

(لوگ) ظالم ہیں⑪

اخوت اس کو کہتے ہیں......: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ ''بے شک مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' یعنی تمام مومن آپس میں دینی بھائی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ] ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ ظلم کے لیے اسے کسی کے سپرد کرے۔''① اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ] ''اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے، جب بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔''② یہ بھی صحیح حدیث میں ہے کہ [إِذَا دَعَا (الْمُسْلِمُ) لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ (قَالَ الْمَلَكُ:) آمِينَ! وَلَكَ بِمِثْلٍ] ''جب کوئی مسلمان غائبانہ طور پر اپنے بھائی کے لیے دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے: آمین! اور تجھے بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح عطا فرمائے۔''③ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَ(تَوَاصُلِهِمْ)، (كَمَثَلِ) الْجَسَدِ (الْوَاحِدِ) إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى] ''باہمی محبت، رحمدلی اور میل جول کے اعتبار سے مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بیداری اور بخار کی وجہ سے بے قرار ہو جاتا ہے۔''④ اسی طرح یہ بھی صحیح حدیث میں ہے: [اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ

① صحيح البخاري، المظالم، باب: لا يظلم المسلم المسلم......، حديث: 2442 و صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظلم، حديث: 2580 عن ابن عمر ﷺ. ② صحيح مسلم، الذكر والدعاء......، باب فضل الاجتماع على تلاوة ......، حديث: 2699 عن أبي هريرة ﷺ. ③ سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء بظهر الغيب، حديث: 1534 اس میں پہلی قوسین والے لفظ کے بجائے [اَلرَّجُلُ] ہے جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الذكر والدعاء......، باب فضل الدعاء للمسلمين......، حديث: (87)-2732 عن أبي الدرداء ﷺ میں ہیں۔ ④ صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6011 دوسری قوسین والا لفظ بھی اسی میں ہے، پہلی قوسین والا لفظ شعب الإيمان للبيهقي، باب في التعاون على البر والتقوى: 102/6، حديث: 7609 میں جبکہ تیسری قوسین والا لفظ آداب الصحبة لأبي عبدالرحمٰن السلمي، حديث: 2 میں ہے اور باقی حدیث صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تراحم المؤمنين......، حديث: 2586 عن النعمان بن بشير ﷺ کے مطابق ہے۔

یَشُدُّ بَعۡضُهٗ بَعۡضًا] ''مومن، مومن کے لیے دیوار کے مانند ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض کے لیے مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔'' آپ نے یہ بات سمجھانے کے لیے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے دکھایا۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡكُمۡ ﴾ ''تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔'' یعنی لڑنے والی دونوں جماعتوں میں صلح کرا دیا کرو۔ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' اپنے تمام امور میں، ﴿ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴾ ''شاید تم پر رحم کیا جائے۔'' اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اسے یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر آیت:11

تمسخر کرنے اور حقیر جاننے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے تمسخر کرنے، انھیں حقیر جاننے اور ان کا استہزاء کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [......لٰكِنَّ الۡكِبۡرَ مَنۡ بَطَرَ الۡحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ] ''......لیکن جس نے حق کو ٹھکرایا اور لوگوں کو حقیر جانا اس نے تکبر کیا۔''[2] اور [......غَمۡطُ النَّاسِ] ''......لوگوں کو حقیر سمجھنا'' بھی روایت کیا گیا ہے۔[3] مراد یہ ہے کہ لوگوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنا حرام ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کو حقیر گردانا جا رہا ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بڑی قدر و منزلت حاصل ہو اور اسی لیے فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّكُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّكُنَّ خَیۡرًا مِّنۡهُنَّ ﴾ ''مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں، عورتوں سے تمسخر کریں ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔'' پہلے مردوں کو اسی سے واضح طور پر منع فرمایا اور پھر اسی پر عطف کے ذریعے سے عورتوں کو بھی اس سے منع فرمادیا۔

﴿ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ﴾ ''اور آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ۔'' یعنی لوگوں کو عیب نہ لگاؤ، طعنہ زنی کرنے والے اور عیب لگانے والے لوگ مذموم اور ملعون ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَیۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴾ (الهمزة 1:104) ''ہر طعنہ زن، عیب جو کے لیے ہلاکت ہے۔'' ھمز کا تعلق فعل سے اور لمز کا قول سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ۙ﴾ (القلم 11:68) ''طعنہ زنی کرنے والا، چغلیاں لیے پھرنے والا۔'' یعنی لوگوں کو حقیر جانتا، ان پر طعن کرتا، ان پر سرکشی کرتا ہے اور ان میں چغلیاں لیے پھرتا ہے۔ چغل خوری کا تعلق قول سے ہوتا ہے اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ﴾ ''اور آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ﴾ (النسآء 29:4) ''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ ﴿ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ

---

[1] صحیح البخاری، المظالم، باب نصر المظلوم، حدیث: 2446 وصحیح مسلم، البروالصلة......، باب تراحم المؤمنین ......، حدیث: 2585 عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ. [2] جامع الترمذی، البروالصلة، باب ماجاء فی الکبر، حدیث: 1999 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ومسند أحمد: 170,169/2 عن عبداللّٰه بن عمرو رضی اللہ عنہ وصحیح ابن حبان، الزینة والتطییب، ذکر الأخبار عن جواز تحسین المرء......: 281/12، حدیث: 5467 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ. [3] صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم الکبر وبیانه، حدیث: 91 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا

اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، اور نہ تم میں سے

تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا

کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تو (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند

فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑫

ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو۔[1]

برے نام رکھنے اور پکارنے کی ممانعت: ﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ ﴾ ''اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔'' یعنی ایک دوسرے کو ایسے برے القاب سے نہ پکارو جن کا سننا کسی شخص کو برا لگتا ہو۔ امام احمد نے ابوجبیرہ بن ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ہم بنوسلمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ منورہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو اس وقت ہم میں سے ہر شخص کے دو دو یا تین تین نام تھے، آپ ان میں سے کسی کو جب ان میں سے کسی نام سے پکارتے تو لوگ بتاتے کہ اللہ کے رسول وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے تو اس وقت یہ حکم نازل ہوا: ﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ ﴾ ''اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔''[2] اسے امام ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[3] ﴿ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ ﴾ ''ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے۔'' یعنی بری صفت اور برا نام رکھنا گناہ ہے اور جب تم دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہو اور تم نے دین اسلام کو خوب سمجھ لیا ہے تو پھر زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی طرح ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔ ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ ﴾ ''اور جس نے توبہ نہ کی'' اس برے نام رکھنے سے، ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ ﴾ ''تو یہی ظالم ہیں۔''

تفسیر آیت:12

بدگمانی کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو بہت گمان کرنے سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اہل و اقارب اور لوگوں پر ناجائز تہمت لگائی جائے کیونکہ اس طرح کی بعض بدگمانیاں اور تہمتیں محض گناہ ہوتی ہیں، لہٰذا از راہِ احتیاط اس سے بہت اجتناب کرنا چاہیے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے مومن بھائی کی بات کو اچھائی پر محمول کرو۔[4] امام احمد نے اس قول کو کتاب الزھد میں ذکر فرمایا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَنَافَسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا] ''گمان سے احتراز

① تفسير الطبري: 170/26 وتفسير القرطبي: 327/16. ② مسند أحمد: 69/4 و260. ③ سنن أبي داود، الأدب، باب في الألقاب، حديث: 4962. ④ الدر المنثور: 99/6.

کرو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہوتی ہے، ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو، ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے میں رغبت نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کی پشت پیچھے بات نہ کیا کرو اور سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''[1] اسے امام بخاری، مسلم اور ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَقَاطَعُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا وَّلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ (ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ)] ''ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، ایک دوسرے کے پس پشت بات نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ عرصے تک قطع تعلق کرے۔'' اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے بیان کیا اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[3]

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ ''اور ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو۔'' تجسس کا لفظ اکثر و بیشتر برے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، جاسوس کا لفظ بھی اسی سے ہے اور تحسس کا لفظ اکثر و بیشتر اچھے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ (یوسف 87:12) ''میرے بیٹو! (یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ پس یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔'' البتہ یہ دونوں لفظ برے مفہوم میں بھی استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَاللّٰهِ إِخْوَانًا] ''ایک دوسرے کے عیوب تلاش نہ کرو، ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کے پس پشت بات نہ کرو اور تم سب اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔''[4] امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ تجسس کسی چیز کی تلاش کو کہتے ہیں جبکہ تحسس ایسے لوگوں کی بات سننے کی کوشش کرنا جو اسے ناپسند کرتے ہوں یا لوگوں کے دروازوں پر جا کر ان کی باتوں کو سننے کی کوشش کرنا اور تدابر کے معنی اعراض کرنے کے ہیں۔ امام اوزاعی کے اس قول کو ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[5]

---

① الموطأ للإمام مالك، حسن الخلق، باب ماجاء في المهاجرة: 364/2، حديث: 1730. ② صحيح البخاري، الأدب، باب: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا......﴾، حديث: 6066 و صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظن......، حديث: 2563 وسنن أبي داود، الأدب، باب في الظن، حديث: 4917. ③ صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظن......، حديث: 2563 وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الحسد، حديث: 1935 واللفظ له جبکہ قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، حديث: 6065 میں ہیں۔ ④ صحيح البخاري، الفرائض، باب تعليم الفرائض، حديث: 6724 وصحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظن......، حديث: (30)-2563 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 3305/10.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ ’’اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔‘‘ اس ارشاد میں غیبت سے منع فرما دیا گیا ہے اور شارع نے اس کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام ابوداود نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! غیبت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ] ’’تمھارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔‘‘ عرض کی گئی کہ میرے بھائی میں واقعی وہ خرابی موجود ہو جو میں نے بیان کی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ] ’’اگر اس میں وہ خرابی موجود ہے جو تم نے بیان کی تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود نہ ہو جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔‘‘ [1] امام ترمذی نے اس حدیث کو بیان کیا اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

غیبت کے بارے میں سخت سرزنش آئی ہے، اسی وجہ سے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ﴾ ’’کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو۔)‘‘ یعنی جس طرح طبعی طور پر اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے نفرت کرتے ہو، اسی طرح شرعی طور پر اس کی غیبت سے بھی نفرت کرو کیونکہ اس کی سزا اس سے بھی زیادہ شدید ہے، غیبت سے نفرت دلانے اور اس سے احتراز کرنے کے لیے یہ مثال بیان کی گئی ہے جیسا کہ اپنے ہبہ کو واپس لینے والے کے لیے آنحضرت ﷺ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ [...... كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ (يَرْجِعُ) فِي قَيْئِهِ] ’’......وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کرے اور پھر اسے چاٹ لے۔‘‘ [3]

اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ [لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ......] ’’ہمارے لیے بری مثال نہیں ہے......۔‘‘ [4]

صحاح، حسان اور مسانید میں کئی طرق سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: [فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا] ’’بے شک تمھارے خون اور تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن تمھارے اس شہر میں اور تمھارے اس مہینے میں، قابل احترام ہے۔‘‘ [5] امام ابوداود نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث: 4874 . ② جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الغيبة، حديث: 1934 . ③ صحيح البخاري، الهبة وفضلها......، باب هبة الرجل لامرأته ......، حديث: 2589 و صحيح مسلم، الهبات، باب تحريم الرجوع في الصدقة......، حديث: 1622 جبکہ قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، الصدقات، باب الرجوع في الصدقة، حديث: 2391 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ④ صحيح البخاري، الهبة وفضلها......، باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبة وصدقة، حديث: 2622 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. ⑤ صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، حديث: 1739 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218 عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3087 عن عمرو بن الأحوص رضی اللہ عنہ و مسند أحمد: 230/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ.

نے فرمایا: [كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: مَالُهُ وَعِرْضُهُ وَدَمُهُ، حَسْبُ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ] ''مسلمان سارے کا سارا، اس کا مال، اس کی عزت اور اس کا خون دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے، آدمی کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''① امام ترمذی نے اس حدیث کو بیان کیا اور حسن غریب قرار دیا ہے۔②

حافظ ابو یعلیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی سے روایت کیا ہے کہ ماعز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے زنا کر لیا ہے، آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا حتی کہ اس نے یہ بات چار دفعہ کہی، جب اس نے یہ بات پانچویں دفعہ کہی تو آپ نے فرمایا: [زَنَيْتَ؟] ''تو نے زنا کیا ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: [وَتَدْرِي مَا الزِّنٰى؟] ''تم جانتے ہو زنا کیا ہوتا ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں، آدمی اپنی عورت سے جو کام حلال طریقے سے کرتا ہے میں نے اس کا ارتکاب حرام طریقے سے کیا ہے، آپ نے فرمایا: [مَا تُرِيدُ إِلٰى هٰذَا الْقَوْلِ؟] ''اس بات سے تمھارا کیا ارادہ ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ مجھے پاک کر دیں، راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَدْخَلْتَ ذٰلِكَ مِنْكَ فِي ذٰلِكَ مِنْهَا كَمَا يَغِيبُ الْمِيلُ فِي الْمُكْحُلَةِ (وَالرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ)؟] ''کیا تم نے اپنے عضو خاص کو اس کے مقام مخصوص میں اس طرح داخل کر دیا تھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں یا ڈول کنویں میں غائب ہو جاتا ہے؟'' اس نے جواب دیا: جی ہاں، اللہ کے رسول! راوی کہتے ہیں، پھر آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا تو اسے رجم کر دیا گیا، نبیٔ اکرم ﷺ نے دو آدمیوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا، ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا: کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا تھا مگر اس نے اپنے آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اسے کتے کی طرح رجم نہ کر دیا گیا، پھر نبی ﷺ چلتے رہے حتی کہ آپ کا ایک گدھے کی لاش کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے فرمایا: [أَيْنَ فُلَانٌ وَّفُلَانٌ؟ انْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ] ''فلاں اور فلاں شخص کہاں ہیں؟ اترو اور تم اس گدھے کی لاش کو کھاؤ۔'' وہ بولے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے، اللہ کے رسول! کیا یہ چیز بھی کھائی جاتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَمَا نِلْتُمَا مِنْ أَخِيكُمَا آنِفًا أَشَدُّ أَكْلًا مِّنْهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهُ الْآنَ فِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ (يَنْغَمِسُ) فِيهَا] ''تم نے اپنے بھائی کی جو ابھی غیبت کی تھی وہ تو اس کے کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔''③ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک بدبودار لاش کی بدبو بلند ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَا هٰذِهِ الرِّيحُ؟ هٰذِهِ رِيحُ الَّذِينَ يَغْتَابُونَ الْمُؤْمِنِينَ] ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ بدبو کیسی ہے؟ یہ ان کی بدبو ہے جو مومنوں کی غیبت کرتے ہیں۔''④

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث: 4882. ② جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم، حديث: 1927. ③ مسند أبي يعلى الموصلي 525,524/10، حدیث: 6140 جبکہ دونوں قوسوں والے الفاظ سنن أبي داود، الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، حديث: 4428 میں ہیں۔ ④ مسند أحمد: 351/3.

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ

اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو،

لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ⑬

بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے⑬

غیبت اور چغلی کرنے والے کی توبہ کا طریقہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' یعنی اس نے تمھیں جو حکم دیا ہے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے اس کی پابندی کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ⑫ ﴾ ''بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یعنی وہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کے حضور توبہ کرے اور اس پر رحم فرماتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے اور اس کی ذات پاک پر بھروسا کرے۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ لوگوں کی غیبت کرنے والے کی توبہ کا طریقہ ہے کہ وہ اس سے باز آجائے، پختہ ارادہ کرے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ پہلے جو کوتاہی ہوئی کیا اس پر ندامت بھی شرط ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہو کیا اس سے معاف کرانا بھی شرط ہے یا نہیں۔ دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ اس سے معاف کرانا شرط نہیں ہے کیونکہ وہ جب اسے بتائے گا کہ اس نے اس کی غیبت کی ہے تو ہوسکتا ہے کہ علم ہونے کی صورت میں اسے علم نہ ہونے کی صورت سے زیادہ تکلیف پہنچے، لہٰذا اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان مجالس میں اس کی تعریف کرے جن میں اس نے اس کی مذمت کی تھی اور حسب مقدور غیبت کو دور کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ اس کا بدلہ ہو جائے۔

تفسیر آیت: 13

تمام انسان آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان سب کو ایک شخص سے پیدا کیا اور پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا، اس سے مراد آدم و حوا علیہما السلام ہیں، پھر انھیں مختلف قومیں بنا دیا، شعوب کا لفظ قبائل کی نسبت زیادہ عام ہے اور قبائل کے بعد بھی کئی مراتب ہیں، مثلاً: فصائل، عشائر، عمائر اور افخاذ وغیرہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعوب سے مراد قبائل عجم اور قبائل سے مراد قبائل عرب ہیں جیسا کہ اسباط قبائل بنی اسرائیل کو کہا جاتا ہے، ان تمام اشیاء کو میں نے ایک مستقل مقدمے میں بیان کیا ہے جسے ابوعمر بن عبدالبر کی کتاب الأشباه اور کتاب القصد والأمم فی معرفة أنساب العرب والعجم سے استفادہ کر کے مرتب کیا ہے۔ تمام انسان، آدم و حوا علیہما السلام کی طرف خاکی نسبت کی بنا پر شرف و عزت میں برابر ہیں، البتہ دینی امور کے اعتبار سے انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ دینی امور سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے غیبت اور ایک دوسرے کو حقیر جاننے کی ممانعت کے بعد لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بشریت کے اعتبار سے وہ سب برابر ہیں: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ ﴾ ''لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔'' تاکہ باہمی طور پر تعارف حاصل ہو جائے کیونکہ ہر شخص

اپنے قبیلے ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ امام مجاہد نے ﴿ لِتَعَارَفُوْا ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں کا تعلق فلاں قبیلے سے ہے۔① سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ حمیر اپنی اقوام کی طرف اور عرب حجاز اپنے قبائل کی طرف نسبت کرتے تھے۔

اللہ کے ہاں عزت کا معیار تقویٰ ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمھیں فضیلت تقوے کی بنیاد پر حاصل ہے، حسب ونسب کی بنیاد پر نہیں جیسا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث مبارکہ بھی مروی ہیں۔ امام بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے۔ آپ نے فرمایا: [أَكْرَمُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ أَتْقَاهُمْ] ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: ہمارا آپ سے اس بارے میں سوال نہیں ہے، آپ نے فرمایا: [فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ خَلِيلِ اللّٰهِ] ''لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والے یوسف ہیں جو اللہ کے نبی ہیں، اللہ کے نبی کے بیٹے ہیں اور ان کے دادا اللہ کے نبی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔'' صحابہ نے عرض کی: ہمارا آپ سے اس بارے میں بھی سوال نہیں ہے، آپ نے فرمایا: [فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي؟] ''پھر تم مجھ سے قبائل عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟'' صحابہ نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: [فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا] ''تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں، بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر لیں۔''② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے کئی ایک مقامات پر بیان فرمایا ہے۔③ امام نسائی نے اسے تفسیر میں روایت کیا ہے۔④

ایک اور حدیث: امام مسلم رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ] ''بے شک اللہ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمھارے دلوں اور تمھارے عملوں کو دیکھتا ہے۔''⑤ اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔⑥

ایک اور حدیث: امام ابن ابوحاتم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنی ناقہ قصوا پر طواف کیا، ارکان کو آپ نے اس چھڑی کے ساتھ چھوا جو آپ کے دست مبارک میں تھی، آپ نے مسجد میں اونٹنی

① تفسير الطبري: 181/26. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ...... ﴾ (يوسف 7:12)، حديث: 4689. ③ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ (النسآء 125:4)، حديث: 3353، 3374، 3383. ④ السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ...... ﴾ (يوسف 7:12)، 367/6، حديث: 11249. ⑤ صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم ظلم المسلم......، حديث: (34)-2564. ⑥ سنن ابن ماجه، الزهد، باب القناعة، حديث: 4143.

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ

دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے: تم ایمان نہیں لائے، لیکن تم یوں کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا، اور ابھی تک ایمان

الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ

تمھارے دلوں میں داخل (راسخ) نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمھارے اعمال (کی جزا) میں سے کچھ بھی کم

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ

نہیں کرے گا، بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑭ بس (سچے) مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے،

يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮

پھر انھوں نے شک نہ کیا، اور انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے (مومن) ہیں⑮

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو؟ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے⑯ وہ (دیہاتی) آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوئے، کہہ دیجیے: تم مجھ پر اپنے اسلام

اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰ اِنَّ

(لانے) کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ اللہ تم پر یہ احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم سچے ہو ⑰ بلاشبہ

ع 2 8 14 اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ ع

اللہ آسمانوں اور زمین کی چھپی باتیں جانتا ہے، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو⑱

کو بٹھانے کے لیے کوئی جگہ نہ پائی حتی کہ آپ لوگوں کے ہاتھوں پر اس سے اترے اور ناقہ کو بطن مسیل کی طرف لے جا کر بٹھا دیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے سواری پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی وہ حمد وثنا بیان کی جس کا وہ اہل ہے، پھر فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ (عُبِّيَّةَ) الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِآبَائِهَا، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللّٰهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ، إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ⑬﴾ ثُمَّ قَالَ: أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ] ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت اور اپنے آباء پر فخر وغرور کو دور دور کر دیا ہے، پس لوگ دو قسم کے ہیں: (1) (ایک) نیکوکار، پرہیزگار، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور (2) (دوسرے) گناہ گار، بدبخت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قدر، بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ”لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، سب سے خبردار ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”بس میں

تم سے اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمھارے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں۔‘‘[1] اسی طرح اسے عبد بن حمید نے بھی ذکر کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ ’’بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبر دار ہے۔‘‘ یعنی وہ تمھیں جانتا اور تمھارے امور سے باخبر ہے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے، جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے جس پر چاہتا ہے فضیلت عطا فرما دیتا ہے۔ وہ ان تمام امور و معاملات میں حکیم، علیم اور خبیر ہے۔

اس آیت کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو نکاح میں کفو ہونے کو شرط قرار نہیں دیتے اور ان کے نزدیک دین کے سوا اور کوئی شرط نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ ’’اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو زیادہ پرہیز گار ہے۔‘‘

تفسیر آیات:14-18

مومن اور مسلم میں فرق: اللہ تعالیٰ نے ان اعرابیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے لیے مقام ایمان کا دعویٰ کر دیا تھا اور ابھی تک ایمان ان کے دلوں میں پیوست نہیں ہوا تھا: ﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ ﴾ ’’دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تک تمھارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔‘‘ اس آیت کریمہ سے استفادہ کیا گیا ہے کہ ایمان اسلام سے اخص ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اور اس کی دلیل حدیث جبریل علیہ السلام بھی ہے کہ جب انھوں نے اسلام، ایمان پھر احسان کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے عام سے خاص اور خاص سے اخص کی طرف ترقی کی تھی۔ امام احمد نے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو تو دیا اور ان میں سے ایک آدمی کو کچھ بھی نہ دیا تو سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے فلاں فلاں آدمی کو تو دیا ہے اور فلاں کو کچھ بھی نہیں دیا، حالانکہ وہ مومن ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَوْ مُسْلِمٌ] ’’یا وہ مسلم ہے۔‘‘ حتی کہ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کو تین بار دوہرایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تین بار فرمایا: [أَوْ مُسْلِمٌ] ’’یا وہ مسلم ہے۔‘‘ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنِّي لَأُعْطِي رِجَالًا وَّأَدَعُ مَنْ هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُمْ ، فَلَا أُعْطِيهِ شَيْئًا مَّخَافَةَ أَنْ يُّكَبُّوا فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ] ’’یقیناً میں کچھ لوگوں کو تو ضرور دے دیتا ہوں اور اسے چھوڑ دیتا ہوں جو مجھے ان سے زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اسے کچھ نہیں

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:3306/10 قوسین والا لفظ سنن أبي داود، الأدب، باب في التفاخر بالأحساب، حدیث:5116 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے جبکہ ابن ابو حاتم میں حَمِيَّةً کا لفظ ہے۔ ② مسند عبد بن حميد :253/1 ، حدیث:795(C.D) ومخطوطة عبد بن حميد، مسند عبداللہ بن عمر، ص:106 مزید دیکھیے سنن أبي داود، الأدب، باب في التفاخر...... حدیث:5116 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الحجرات، حدیث:3270 ومسند أحمد:361/2.

دیتا (اوران لوگوں کو اس خوف کی وجہ سے دیتا ہوں کہ) کہیں وہ اپنے چہروں کے بل جہنم میں (نہ) گرا دیے جائیں۔‘‘ ① اسے بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔ ②

اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے مومن اور مسلم میں فرق فرمایا تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اسلام سے اخص ہے۔ ہم نے اس مسئلے کو دلائل کے ساتھ صحیح بخاری کی کتاب الإیمان کی شرح کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں مذکور یہ دیہاتی لوگ منافق نہیں تھے بلکہ مسلمان تھے لیکن اسلام ابھی ان کے دلوں میں مستحکم نہیں ہوا تھا، وہ جس مقام تک پہنچے تھے انھوں نے اپنے لیے اس سے زیادہ اعلیٰ مقام کا دعوی کر دیا تھا، اس لیے اس بارے میں انھیں ادب سکھایا گیا اور یہی معنی ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی اور امام قتادہ رحمہ اللہ کے اس قول کے جسے ابن جریر نے بھی اختیار کیا ہے کہ ان سے یہ بات ادب سکھانے کے لیے کہی گئی تھی۔ ③ ﴿ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ ﴾ ’’کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تک تمھارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔‘‘ یعنی تم ابھی تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچے ہو۔

پھر فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ۭ ﴾ ’’اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو گے تو اللہ تمھارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔‘‘ یعنی تمھارے اجر کو کم نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ ﴾ (الطور 52:21) ’’اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔‘‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ’’بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔‘‘ یعنی اس کے لیے جو اس کے سامنے توبہ کرے اور اس کی طرف رجوع کرے، ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ’’بس مومن تو وہ ہیں‘‘ یعنی کامل مومن۔ ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا ﴾ ’’جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے۔‘‘ یعنی نہ شک میں پڑے نہ ڈگمگائے بلکہ ایک ہی حالت پر ثابت قدم رہے اور وہ ہے خالص تصدیق کی حالت، ﴿ وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ’’اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا۔‘‘ یعنی انھوں نے اپنی جانوں اور اپنے نفیس مالوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و خوشنودی میں خرچ کر دیا، ﴿ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾ ’’یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔‘‘ یعنی اپنی اس بات میں وہ سچے ہیں جب یہ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں جبکہ یہ بعض اعرابی جنھوں نے ابھی تک صرف ظاہری حکم ہی پڑھا ہے یہ مومن نہیں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ ﴾ ’’ان سے کہیں کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتلاتے ہو۔‘‘ یعنی اسے بتلاتے ہو کہ تمھارے دلوں میں کیا ہے، ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ ﴾ ’’اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے۔‘‘ اس سے آسمانوں اور زمین کی ذرہ بھر یا اس سے بڑی چھوٹی کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ ’’اور اللہ ہر چیز کے متعلق خوب جاننے والا ہے۔‘‘ پھر اللہ تعالیٰ

① مسند أحمد: 176/1. ② صحيح البخاري، الإيمان، باب: إذا لم يكن الإسلام على الحقيقة……، حديث: 27 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تألف قلب من يخاف……، حديث: 150. ③ تفسير الطبري: 184/26.

نے فرمایا: ﴿ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ ﴾ ''یہ لوگ آپ پر احسان کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ کرو۔'' یعنی یہ اعرابی جنھوں نے اپنے اسلام لانے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و نصرت کی وجہ سے احسان جتلایا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ کرو۔'' کیونکہ اس کا فائدہ تو تمھیں ہی حاصل ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے ﴿ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑰ ﴾ ''بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کا رستہ دکھایا، بشرطیکہ تم سچے ہو۔'' یعنی اپنے اس دعوے میں جیسا کہ نبی ﷺ نے حنین کے دن انصار سے فرمایا تھا: [يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ عَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟] ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے تمھیں میرے ساتھ ہدایت بخشی؟ اور تم الگ الگ تھے، پس اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم میں الفت پیدا فرما دی اور تم فقیر تھے تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔'' آپ جب بھی کوئی بات فرماتے تو انصار کہتے اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ احسان مند ہیں۔[1]

حافظ ابوبکر بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اسلام لے آئے ہیں جبکہ عربوں نے آپ سے لڑائی کی مگر ہم نے آپ سے لڑائی نہیں کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ (فِقْهَهُمْ) قَلِيلٌ وَّإِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْطِقُ عَلٰى أَلْسِنَتِهِمْ] ''بے شک ان میں سمجھ بوجھ بہت کم ہے اور بلاشبہ شیطان ان کی زبانوں میں بولتا ہے۔'' اور اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑰ ﴾ ''یہ لوگ آپ پر احسان کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں! کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ کرو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کا رستہ دکھایا، بشرطیکہ تم سچے ہو۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس بات کا ذکر فرمایا کہ وہ تمام کائنات کے بارے میں علم رکھتا ہے اور تمام مخلوقات کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑱ ﴾ ''بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے۔''[2]

سورۂ حجرات کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوال......، حديث: 4330 عن عبدالله بن زيد بن عاصم ﷺ.

② السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ ﴾: 467/6، حديث: 11519 جبکہ قوسین والا لفظ المعجم الأوسط للطبراني: 127/8، حديث: 7252 میں ہے، البتہ مسند البزار میں یہ روایت نہیں ملی۔

تفسیر سورۂ ق

یہ سورت مکی ہے

مفصل سورتوں کا آغاز: یہ سورۂ مبارکہ صحیح قول کے مطابق حزب مفصل میں سے پہلی سورت ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مفصل سورتوں کا آغاز سورۂ حجرات سے ہوتا ہے۔ عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ اس کا آغاز ﴿ عَمَّ ﴾ یعنی سورۂ نبا سے ہوتا ہے تو یہ بالکل بے اصل ہے، ہمارے علم کے مطابق قابل اعتبار علمائے کرام میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔

سورۂ ''ق'' کی فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ ﴿ قٓ ۚ ﴾ اور ﴿ اِقْتَرَبَتِ ﴾ (القمر 1:54) پڑھا کرتے تھے۔[1] اس حدیث کو امام مسلم اور اہل سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام احمد نے ام ہشام بنت حارثہ سے روایت کیا ہے کہ دو سال یا ایک سال اور کچھ عرصہ تک ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور ایک ہی تھا اور میں نے سورۂ ''ق'' کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی سن کر یاد کر لیا تھا، آپ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے ہر جمعے منبر پر اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[3] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4] امام ابوداود نے حارث بن نعمان کی بیٹی سے روایت کیا ہے کہ میں نے سورۂ ق کو رسول اللہ ﷺ کے منہ سے سن کر یاد کیا تھا، آپ ہر جمعے کے خطبے میں اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور ایک ہی تھا۔[5] اسی طرح اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[6] مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید اور جمعہ جیسے بڑے اجتماعات میں اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ سورۂ مبارکہ ابتدائے آفرینش، بعث بعد الموت، آخرت، میدان حشر میں قیام، حساب، جنت و دوزخ، ثواب و عذاب اور ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

---

① مسند أحمد:218,217/5. ② صحيح مسلم، صلاة العيدين، باب مايقرأ فى صلاة العيدين، حديث :891 و سنن أبى داود، الصلاة، باب مايقرأ فى الأضحى و الفطر، حديث:1154و جامع الترمذى، أبواب العيدين، باب ماجاء فى القراءة فى العيدين، حديث:534 و سنن النسائى، صلاة العيدين، باب القراءة فى العيدين......، حديث:1568 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فى القراءة فى صلاة العيدين، حديث:1282. ③ مسند أحمد : 436,435/6. ④ صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث :(52)-873 . ⑤ سنن أبى داود، الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، حديث :1100. ⑥ صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث:873 و السنن الكبرى للنسائى، القراءة فى الخطبة :532/1، حديث:1720.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ① بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ

قٓ! قسم ہے قرآنِ مجید کی① بلکہ انھوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا آیا، پھر کافروں نے کہا: یہ تو عجیب بات ہے② کیا

ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ② ءَاِذَا مِتۡنَا وَکُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ③ قَدۡ عَلِمۡنَا

جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو کیا دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟) یہ واپسی تو (عقل سے) بہت بعید ہے③ یقیناً ہمیں علم ہے جو کچھ

مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ ۚ وَعِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ④ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ

زمین ان میں سے کم کرتی ہے، اور ہمارے پاس ایک کتاب (ہر چیز کی) حفاظت کرنے والی ہے④ بلکہ انھوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس

فَہُمۡ فِیۡۤ اَمۡرٍ مَّرِیۡجٍ ⑤

آیا، چنانچہ وہ ایک الجھے ہوئے معاملے میں ہیں⑤

تفسیر آیات :1-5

﴿قٓ﴾ بعض سورتوں کے آغاز میں مذکور حروف تہجی میں سے ایک حرف ہے جیسا کہ ﴿صٓ﴾، ﴿نٓ﴾، ﴿الٓمّٓ﴾، ﴿حٰمٓ﴾ اور ﴿طٰسٓ﴾ وغیرہ حروف ہیں، یہ امام مجاہد اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا قول ہے، ان کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں گفتگو ہو چکی ہے۔[1] لہٰذا اس کی اب ضرورت نہیں ہے۔

کفار کا رسالت و آخرت پر تعجب اور ان کی تردید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ①﴾ ''قرآن مجید کی قسم!'' یعنی اس قرآن کی قسم جو کریم و عظیم ہے اور ﴿لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) بڑے دانا، نہایت تعریف کیے ہوئے کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔'' جواب قسم، قسم کے بعد مضمون کلام ہے اور وہ ہے اثبات نبوت، اثبات آخرت اور اس کا یقینی طور پر وقوع پذیر ہونا، گو قسم یہاں لفظی طور پر مذکور نہیں ہے، قرآن مجید کی قسموں میں یہ اسلوب بکثرت استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ قبل ازیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ○﴾ (صٓ 2,1:38) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[2] اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ① بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ②﴾ ''ق، قرآن مجید کی قسم! (کہ محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں) لیکن ان لوگوں نے تعجب کیا کہ انھی میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا تو کافر کہنے لگے: یہ بات تو بڑی عجیب و غریب ہے۔'' یعنی انھوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ایک بشر ہی کو رسول بنا کر ان کی طرف بھیجا گیا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

① دیکھیے البقرة، آیت:1 کے تحت عنوان: ''حروف مقطعات کے متعلق بحث'' ② دیکھیے صٓ، آیات: 2,1 کے ذیل میں۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ وَالْاَرْضَ

کیا پھر انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسا بنایا اور ہم نے اسے آراستہ کیا، اور اس میں کوئی شگاف نہیں ⑥ اور ہم نے

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑦ تَبْصِرَةً

زمین پھیلائی، اور ہم نے اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیے، اور ہم نے اس میں ہر طرح کی خوش نما نباتات اگائی ⑦ (حق کی طرف) رجوع کرنے والے

وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ

ہر بندے کی بصیرت اور نصیحت کے لیے ⑧ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس کے ذریعے سے باغات اور اناج کی کاٹی

الْحَصِيْدِ ⑨ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ⑩ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً

جانے والی فصل اگائی ⑨ اور کھجور کے بلند و بالا درخت (پیدا کیے) جن کے شگوفے تہ بہ تہ ہیں ⑩ بندوں کی روزی کے لیے، اور ہم نے اس (پانی) کے

مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪

ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (مرنے کے بعد قبروں سے) نکلنا ہے ⑪

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ (یونس 10:2) ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈراؤ۔'' یعنی یہ بات کوئی باعث تعجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب فرمالیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

پھر اللہ عزوجل نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے آخرت سے بھی تعجب کیا اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو بہت بعید سمجھتے ہوئے کہا: ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ ﴾ ''بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر زندہ ہوں گے؟) یہ لوٹنا (زندہ ہونا عقل سے) بعید ہے۔'' یعنی یہ لوگ ازراہِ تعجب کہتے ہیں: جب ہم مر گئے، بوسیدہ ہو گئے، ہمارے جوڑ ٹوٹ گئے اور ہم خاک میں مل گئے تو پھر دوبارہ سے اس انسانی ڈھانچے اور جسم کا وجود میں آنا کیونکر ممکن ہوگا؟ ﴿ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ ﴾ یعنی اس کا وقوع پذیر ہونا تو بہت بعید از قیاس ہے، معنی یہ ہیں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ دوبارہ زندہ ہونا محال اور ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ ﴾ ''بلاشبہ ان (کے جسموں) سے زمین جتنا (کھا کھا کر) کم کرتی جاتی ہے، ہم کو معلوم ہے۔'' یعنی زمین ان کے جسموں کو کھا کر جس قدر بوسیدہ اور کم کرتی ہے، ہمیں معلوم ہے اور ہم سے یہ بات ذرّہ بھر مخفی نہیں کہ ان کے جسم کس قدر منتشر ہو گئے، کہاں چلے گئے اور کس حالت میں ہو گئے ہیں، ﴿ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ ﴾ ''اور ہمارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے۔'' جو ان سب باتوں کو محفوظ کیے ہوئے ہیں۔

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ زمین ان کے گوشت، جسموں، ہڈیوں اور بالوں کو کھا رہی ہے۔[1] مجاہد، قتادہ، ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2] اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے کفر، سرکشی اور جو بات بعید از عقل نہیں ہے، اسے بعید سمجھنے کا سبب بیان

① تفسیر الطبری: 192/26. ② تفسیر الطبری: 192/26.

کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤ ﴾ ''بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ جب ان کے پاس دین حق آ پہنچا تو انھوں نے اس کو جھوٹ سمجھا، سو یہ ایک الجھی ہوئی بات میں (پڑ رہے) ہیں۔'' اور یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جو حق سے دور ہو جائے اور اس کے بعد وہ جو بھی کہے وہ باطل ہے۔ ﴿ مَّرِيْجٍ ⑤ ﴾ کے معنی مختلف، مضطرب، ملتبس اور منکر کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ ﴾ (الذّٰریٰت 9,8:51) ''(اے اہل مکہ!) بلاشبہ تم ایک متناقض بات میں (پڑے ہوئے) ہو، اس سے وہی پھرتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔''

تفسیر آیات: 6-11

اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا بیان جو آخرت سے بھی بڑی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اپنی اس عظیم الشان قدرت کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بڑی چیز کو ظاہر کیا جس کے وقوع پذیر ہونے کو انھوں نے بعید سمجھتے ہوئے اظہار تعجب کیا ہے ﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا ﴾ ''تو کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور اسے (کیونکر) سجایا ہے'' یعنی چراغوں کے ساتھ۔ ﴿ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ ﴾ ''اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ فروج کے معنی شگاف کے ہیں۔[1] دیگر علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی دراڑ کے ہیں۔[2] کچھ دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے معنی پھٹن کے ہیں۔[3] اور تمام کا مفہوم ایک ہی ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ ﴾ (الملک 4,3:67) ''جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے (اے دیکھنے والے!) کیا تو (اللہ) رحمان کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ! بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر! تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک ہار کر لوٹ آئے گی۔'' یعنی نظر دیکھتے دیکھتے تھک جائے گی مگر آسمان میں کوئی عیب یا نقص نہ دیکھ سکے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا ﴾ ''اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلایا'' یعنی وسعت دے کر ہم نے اسے بچھا دیا ہے، ﴿ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ ﴾ ''اور اس میں ہم نے پہاڑ رکھ دیے۔'' رواسی کے معنی پہاڑ کے ہیں اور یہ اس لیے رکھے ہیں تاکہ زمین میں حرکت و اضطراب نہ ہو۔ ﴿ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ⑦ ﴾ ''اور اس میں ہم نے ہر طرح کی خوش نما چیزیں اگائیں۔'' یعنی تمام انواع و اقسام کی فصلیں، پھل اور نباتات۔ ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 49:51) ''اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔'' بھیج کے معنی خوش نما اور خوش منظر کے ہیں۔ ﴿ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ ﴾ ''ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے (اسے) ہدایت اور نصیحت (بنایا۔)'' یعنی آسمانوں

[1] تفسیر الطبری: 194/26. [2] تفسیر الطبری: 194/26 وتفسیر القرطبی: 6/17. [3] تفسیر الطبری: 194/26.

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّاَصۡحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوۡدُ ⑫ وَعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ وَاِخۡوَانُ لُوۡطٍ ⑬

ان سے پہلے قوم نوح نے، اوراصحاب الرس نے اور ثمود نے جھٹلایا ⑫ اورعاد اور فرعون اور برادران لوط نے ⑬اور ایکہ (بستی)

وَّاَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ وَقَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيۡدِ ⑭ اَفَعَيِيۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ

والوں اور قوم تُبّع نے، (ان) سب نے رسولوں کو جھٹلایا، لہٰذا (ان پر) میری وعید ثابت ہوگئی ⑭ کیا پھر ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟

ع 1 15 15 بَلۡ هُمۡ فِىۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ⑮

(نہیں!) بلکہ وہ از سرنو تخلیق کے متعلق شک میں ہیں ⑮

اورزمین کی آفرینش کا مشاہدہ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں جو عظیم الشان نشانیاں پیدا فرما دی ہیں یہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ہدایت، دلیل اور نصیحت ہیں، یعنی ہر اس بندے کے لیے جو اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف رکھنے والا اور اس کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا ﴾ ''اورہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔'' یعنی جو بہت ہی نفع بخش ہے۔ ﴿ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِيۡدِ ⑨ ﴾ ''پھر ہم نے اس سے باغ و بستان اگائے اور کھیتی کا اناج۔'' اس سے مراد وہ فصلیں ہیں جن کے دانے حاصل کر کے جمع کیے جاتے ہیں۔ ﴿ وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ ﴾ ''اور لمبی لمبی کھجوریں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ائمہ کا قول ہے کہ باسقات کے معنی ہیں لمبی لمبی۔ ①
﴿ لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِيۡدٌ ⑩ ﴾ ''جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔'' نضید کے معنی ہیں تہ بہ تہ۔ ﴿ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ﴾ ''(یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لیے (ہے۔)'' بندوں سے یہاں تمام مخلوقات مراد ہیں۔ ﴿ وَاَحۡيَيۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ؕ ﴾ ''اور اس (پانی) سے ہم نے شہر مردہ (زمین افتادہ) کو زندہ کیا۔'' یعنی اس زمین کو جو بنجر اور مردہ ہو چکی تھی اور پھر جب اس پر بارش کا پانی برستا ہے تو یہ شاداب ہو جاتی، لہلہانے لگتی اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگانے لگتی ہے، پھل اور پھول وغیرہ جو دیکھنے میں بہت خوش نما معلوم ہوتے ہیں، حالانکہ پہلے اس میں کوئی نبات نہ تھی مگر بارش برسنے کے بعد یہ سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگی، موت و ہلاکت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی یہی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیا اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یہ عظیم الشان شاہکار جو دیکھے اور محسوس کیے جا رہے ہیں، ان سے کہیں بڑھ کر ہیں جن کا بعثت کے منکر انکار کر رہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 57:40) ''البتہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے۔'' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ يَعۡىَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○ ﴾ (الأحقاف 33:46) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے

① تفسیر الطبری: 196,197/26 .

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ ہاں (ہاں) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (حٰمٓ السجدة 39:41) ''اور (اے بندے یہ) اسی (کی قدرت) کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو بنجر (خشک) دیکھتا ہے جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو شاداب ہو جاتی اور پھلنے پھولنے لگتی ہے تو جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تفسیر آیات: 12-15

سابقہ امتوں کی ہلاکت اور قریش کو نصیحت: کفار قریش کی طرح پہلے تکذیب کرنے والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو عذاب نازل فرمائے، مثلاً: قوم نوح پر عذاب نازل کر کے تمام اہل زمین کو غرق کر دیا گیا، اسی طرح کنویں والوں پر عذاب نازل کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا جیسا کہ ان کا واقعہ سورۂ فرقان میں گزر چکا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات کی طرف اشارہ فرما کر کفار قریش کو سرزنش کی ہے۔ ﴿ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴾ ''اور ثمود (جھٹلا چکے ہیں) اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی۔'' لوط کے بھائیوں سے مراد ان کی امت کے لوگ اور وہ اہل سَدُوم ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے انھیں مبعوث فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان پر پتھروں کی بارش برسائی، انھیں زمین میں دھنسا دیا، ان کی زمین کو ان کے کفر و سرکشی اور ان کی مخالفت حق کی وجہ سے بحر مردار میں تبدیل کر دیا۔ کیونکہ ان کی زمینوں کے پانی گہرے ہو گئے تھے۔ ﴿ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ﴾ ''اور ایکہ والے۔'' ان سے مراد شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ہیں۔ ﴿ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ ﴾ ''اور تبع کی قوم'' کے لوگ جو یمن کے رہنے والے تھے ان کا واقعہ ہم نے سورۂ دخان میں ذکر کیا ہے۔[2] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ.

﴿ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ ﴾ ''سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' یعنی ان تمام امتوں اور ان تمام صدیوں کے لوگوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور جو کسی ایک پیغمبر کی بھی تکذیب کرے اس نے گویا تمام پیغمبروں کی تکذیب کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء 105:26) ''قوم نوح نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' حالانکہ ان کے پاس ایک ہی پیغمبر آئے تھے، اگر ان کے پاس تمام پیغمبر بھی آتے تو وہ ان سب کو جھٹلا دیتے، اس لیے فرمایا کہ قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝ ﴾ ''تو میری وعید ثابت ہو کر رہی۔'' یعنی تکذیب کرنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے جس عذاب سے انھیں ڈرایا تھا وہ پورا ہو کر رہا، اس لیے قرآن مجید کے مخاطب لوگوں کو بھی ڈرنا چاہیے کہ وہ بھی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نہ آ جائیں جس طرح پہلے لوگ مبتلا ہوئے تھے کیونکہ یہ بھی اپنے پیغمبر کو اس طرح جھٹلا رہے ہیں جس طرح ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔

[1] دیکھیے الفرقان، آیت: 38 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے الدخان، آیات: 34-37 کے ذیل میں عنوان: ''منکرین قیامت کی تردید''

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ

اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا، اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں کو بھی ہم جانتے ہیں، اور ہم (اس کی) شہ رگ سے بھی زیادہ

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ⑯ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ⑰

اس کے قریب ہیں⑯ جب اخذ کرتے (لکھتے) ہیں دو اخذ کرنے (لکھنے) والے (فرشتے)، اس کے دائیں طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے⑰

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ⑱ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ

(انسان) جو بات بھی (منہ سے) نکالتا ہے (وہ لکھنے کو) اس کے پاس ایک نگران (فرشتہ) تیار ہوتا ہے⑱ اور موت کی سختی حق الیقین

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ⑲ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ⑳ وَجَآءَتْ

(موت) کو لے آتی ہے۔ (کہا جاتا ہے:) یہی ہے وہ (موت) جس سے تو بھاگتا تھا⑲ اور صور میں پھونکا جائے گا، یہ وعید (وعدۂ عذاب) کا

كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ㉑ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا

دن ہے⑳ اور ہر نفس آئے گا، اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک شہادت دینے والا ہوگا㉑ البتہ تحقیق تو اس سے غفلت میں تھا، تو ہم نے تجھ

عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ㉒

سے تیرا پردہ ہٹا دیا، چنانچہ آج تیری نگاہ بہت تیز ہے㉒

دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ ﴾ ''تو کیا ہم پہلی پیدائش سے تھک گئے ہیں؟'' یعنی کیا پہلی دفعہ پیدا کرنے نے ہمیں عاجز و درماندہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے دوبارہ پیدا کرنے کے بارے میں یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں؟ ﴿ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑮ ﴾ ''نہیں بلکہ یہ از سرِ نو پیدا کرنے میں شک میں (پڑے ہوئے) ہیں۔'' معنی یہ ہیں کہ پہلی دفعہ پیدا کرنے نے ہمیں عاجز و درماندہ نہیں کیا جبکہ دوبارہ پیدا کرنا تو اس سے بھی زیادہ آسان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ ﴾ (یٰسٓ 36: 79,78) ''اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا کہ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو اُن کو کون زندہ کرے گا، کہہ دیں کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اُن کو پہلی بار پیدا کیا تھا، وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔'' یہ صحیح حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے[1]: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: (يُؤْذِيْنِي) ابْنُ آدَمَ...... فَقَوْلُهُ: لَنْ يُّعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ] ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے...... پھر اس کا یہ کہنا کہ جس طرح اس نے مجھے پہلی دفعہ پیدا کیا ہے دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا، (صحیح نہیں) حالانکہ

[1] دیکھیے مریم، آیات :66,67 کے ذیل میں، عنوان: ''انسان کا حیات بعد الممات پر تعجب'' مزید دیکھیے الروم، آیت: 27 کے ذیل میں، عنوان: ''مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے''

میرے لیے پہلی دفعہ پیدا کرنا اسے لوٹانے (دوسری دفعہ پیدا کرنے) سے زیادہ آسان تو نہیں ہے۔''[1]

تفسیر آیات:16-22

انسان کے پاس جو کچھ ہے، اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے: اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی قدرت کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا فرمایا اور وہ اس کے تمام امور کا اپنے علم کے ساتھ احاطہ کیے ہوئے ہے حتی کہ وہ تو انسانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے اچھے یا برے خیالات سے بھی آگاہ ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْتَتَكَلَّمْ بِهِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف فرما دیا ہے، جب تک انھیں زبان سے کہہ نہیں دیا جاتا یا ان کے مطابق عمل نہیں کر لیا جاتا۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ ''اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ جس نے اس آیت کی تاویل کرتے ہوئے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ہم علم کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریب ہیں تو یہ اس لیے تاکہ حلول یا اتحاد لازم نہ آئے، حالانکہ اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حلول و اتحاد سے پاک ہے اور پھر الفاظ بھی اس مفہوم کا تقاضا نہیں کرتے کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے یہ نہیں فرمایا کہ أَنَا أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ''میں اس کی رگ جان سے بھی اس کے زیادہ قریب ہوں۔'' بلکہ یہ فرمایا ہے: ﴿ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ ''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔'' جیسا کہ اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کی موت کا وقت آ گیا ہو: ﴿ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴾ (الواقعة 85:56) ''اور ہم اس مرنے والے سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں اور لیکن تم دیکھتے نہیں۔'' یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے فرشتے مراد ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ (الحجر 9:15) ''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔'' فرشتے ہی اس کتاب نصیحت، یعنی قرآن مجید کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوئے تھے، اسی طرح فرشتے ہی انسان سے اس کی رگ حیات سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں اور اس بات کی اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں قدرت عطا فرمائی ہوتی ہے۔ فرشتہ انسان کے دل میں خیال ڈالتا ہے جیسا کہ شیطان انسان کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے: [فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ] ''پس بلاشبہ

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب :1، حديث:4974 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ البتہ مذکورہ حوالے میں قوسین والے لفظ کے بجائے [كَذَّبَنِي] ہے جبکہ [يُؤْذِينِي] اس سیاق میں نہیں ملا، بلکہ یہ لفظ صحيح البخاري، حديث:7491 و صحيح مسلم، حديث: (2)-2246 میں [يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ......] عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے سیاق میں ہے۔ [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب: إذا حنث ناسيا في الأيمان، حديث :6664 و صحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس......، حديث:(202)-127 و اللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ .

شیطان تو آدم کے بیٹے کے جسم میں اس طرح چلتا ہے جیسے خون کی گردش ہوتی ہے۔''[1] جیسا کہ صادق و مصدوق ﷺ نے اس کے بارے میں خبر دی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ ﴾ ''جب دو اخذ کرنے (لکھنے) والے اخذ کرتے ہیں۔'' یعنی وہ دو فرشتے جو انسان کے عمل کو لکھتے ہیں، ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴾ ''جو دائیں اور بائیں بیٹھے ہیں۔'' گھات لگائے ہوئے ﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ ﴾ ''کوئی بات (اس کی زبان سے) نہیں نکلتی۔'' یعنی ابن آدم کوئی لفظ نہیں بولتا ﴿ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ ''مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔'' یعنی ایک نگہبان مستعد اور تیار رہتا ہے اور وہ اسے فوراً لکھ لیتا ہے، وہ نہ انسان کی زبان سے ادا ہونے والے کسی لفظ کو چھوڑتا ہے اور نہ اس کی کسی حرکت کو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ (الانفطار 82:10-12) ''اور بلاشبہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، عالی قدر (تمھاری باتوں کے) لکھنے والے، جو تم کرتے ہو، وہ اسے جانتے ہیں۔'' فرشتہ انسان کی ہر بات کو لکھ لیتا ہے، قتادہ اور حسن کا یہی قول ہے۔[2] اس آیت کریمہ سے بظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِّضْوَانِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، مَايَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَابَلَغَتْ، يَكْتُبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهٗ بِهَا رِضْوَانَهٗ إِلٰى يَوْمِ (يَلْقَاهُ)، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، يَكْتُبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهٗ إِلٰى يَوْمِ (يَلْقَاهُ)] ''انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی ایک ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کے بارے میں اسے یہ گمان نہیں ہوتا کہ وہ بات یہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک وہ پہنچی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اپنی ملاقات کے دن تک اس کے لیے اپنی رضامندی لکھ دیتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی ایک ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کے بارے میں اسے یہ گمان نہیں ہوتا کہ وہ یہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک وہ پہنچی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اپنی ملاقات کے دن تک اس کے لیے اپنی ناراضی لکھ دیتا ہے۔'' علقمہ فرمایا کرتے تھے کہ کتنی ہی ایسی باتیں ہیں جن سے مجھے حدیث بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا۔[3] اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[4] اور صحیح میں اس کا شاہد بھی ہے۔[5]

سکرات موت، نفخ صور اور حشر کے ساتھ نصیحت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ

---

[1] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب: هل يخرج المعتكف لحوائجه......، حديث: 2035 عن علي بن حسين ﷺ و صحيح مسلم، السلام، باب بيان أنه يستحب لمن رؤى خاليا بامرأة......، حديث: 2174 عن أنس ﷺ. [2] تفسير الطبري: 205/26. [3] مسند أحمد: 469/3 دونوں قوسوں والا لفظ جامع الترمذی، الزهد، باب ماجاء في قلة الكلام، حديث: 2319 میں ہے جبکہ مسند احمد میں القیامہ کا لفظ ہے۔ [4] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في قلة الكلام، حديث: 2319 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب كف اللسان في الفتنة، حديث: 3969، ملحوظہ: نسائی شریف میں یہ حدیث نہیں ملی۔ [5] صحيح البخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان، حديث: 6478 و صحيح مسلم، الزهد، باب حفظ اللسان، حديث: 2988 مختصرًا.

﴿مِنْهُ تَحِيْدُ ﴾ ''اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی (اے انسان!) یہی وہ (حالت) ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔'' اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ اے انسان! موت کی بے ہوشی حقیقت واضح کرنے کے لیے طاری ہوگئی ہے، یعنی اس نے تیرے سامنے اس یقین کو واضح کر دیا ہے جس کے بارے میں تو شک میں مبتلا تھا، ﴿ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴾ ''یہی وہ (حالت) ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔'' اس سے بھاگتا تھا مگر اب جبکہ یہ تیرے پاس آگئی ہے تو اب اسے کسی طرح بھی نہ روکا جاسکتا ہے نہ ٹالا جاسکتا ہے نہ موخر کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے خلاصی حاصل کی جاسکتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ کو موت (کی سختی) ڈھانپنے لگی تو آپ نے چہرہ اقدس سے پسینہ پونچھنا شروع فرمادیا اور ساتھ ساتھ ارشاد فرمار ہے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ] ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بہت سختیاں ہیں۔''[1]

﴿ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴾ میں ما کے بارے میں دو قول ہیں: (1) یہ ''ما'' موصولہ ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جس سے تو دور ہوتا، بھاگتا اور راہِ فرار اختیار کرتا تھا، وہ چیز تیرے پاس آ پہنچی اور تیرے گھر میں اتر چکی ہے۔ (2) یہ ''ما'' نافیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ ہے وہ حالت جس سے بھاگنے اور فرار ہونے کی تجھ میں قدرت نہیں ہے۔ امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَثَلُ الَّذِي يَفِرُّ مِنَ الْمَوْتِ كَمَثَلِ الثَّعْلَبِ تَطْلُبُهُ الْأَرْضُ بِدَيْنٍ، فَجَعَلَ يَسْعٰى حَتّٰى إِذَا أَعْيٰ وَانْتَهَرَ دَخَلَ جُحْرَهُ فَقَالَتْ لَهُ الْأَرْضُ: يَا ثَعْلَبُ! دَيْنِي، فَخَرَجَ وَلَهُ حُصَاصٌ، فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى تَقَطَّعَتْ عُنُقُهُ فَمَاتَ] ''موت سے بھاگنے والے کی مثال اس لومڑ کی سی ہے جس سے زمین اپنے قرض کا مطالبہ کرتی ہو، تو وہ دوڑنے لگا حتی کہ تھک ہار کر اور بیدار رہنے کے بعد وہ اپنے بل میں داخل ہوگیا تو پھر بھی زمین نے اس سے کہا: لومڑ! میرا قرض ادا کر، وہ نکلا تو اس کی ہوا خارج ہو رہی تھی، پس اسی حالت میں اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔''[2] اس مثال کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح لومڑ کے لیے زمین کے سوا چارہ کار نہیں، اسی طرح انسان بھی موت سے بچ نہیں سکتا۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴾ ''اور صور میں پھونکا جائے گا۔ یہی (عذاب کی) وعید کا دن ہے۔'' نفخ صور، گھبراہٹ، بے ہوشی اور دوبارہ جی اٹھنے سے متعلق حدیث کے بارے میں گفتگو قبل ازیں کی جاچکی ہے۔[4] اور یہ سب کچھ روز قیامت رونما ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَيْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ، وَحَنٰى جَبْهَتَهُ، يَسْمَعُ مَتٰى يُؤْمَرُ فَيَنْفُخُ! فَقَالَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ: (فَكَيْفَ نَقُولُ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟) قَالَ: قُولُوا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ(فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ)]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، حديث :4449 عن عائشة رضی اللہ عنہا. [2] المعجم الكبير للطبرانی :222/7، حديث:6922 یہ حدیث ضعیف ہے۔ [3] الضعفاء الكبير للعقيلي :201/4 ، حديث:1781. [4] دیکھیے الأنعام، آیت: 73 کے ذیل میں عنوان: ''صور میں پھونکنے کا بیان'' والنمل، آیت: 87 کے ذیل میں عنوان: ''قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور نیکی و برائی کا بدلہ''، یٰسٓ، آیت: 49 کے تحت عنوان: ''کفار کا یوم بعثت کو محال سمجھنا'' اور الزمر، آیت: 68 کے تحت عنوان: ''صور میں پھونکنے، فیصلے اور بدلے کا بیان''

وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ ؕ ﴿23﴾ اَلۡقِيَا فِىۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيۡدٍ ۙ ﴿24﴾

اوراس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ ہے وہ (روداد) جو میرے پاس تیار ہے﴿23﴾ (حکم ہوگا:) تم دونوں ہر کافر سرکش کو جہنم میں ڈال دو﴿24﴾

مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبِ ۙ ﴿25﴾ اۨلَّذِىۡ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلۡقِيٰهُ

بھلائی سے منع کرنے والے کو، حد سے نکلنے والے (اور دین میں) شک کرنے والے کو﴿25﴾ وہ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنالیا تھا، لہٰذا تم

فِى الۡعَذَابِ الشَّدِيۡدِ ﴿26﴾ قَالَ قَرِيۡنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَيۡتُهٗ وَلٰـكِنۡ كَانَ فِىۡ

دونوں اسے سخت عذاب میں ڈال دو﴿26﴾ اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اسے سرکش نہیں بنایا تھا اور لیکن وہ (خود ہی)

ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿27﴾ قَالَ لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَىَّ وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَيۡكُمۡ بِالۡوَعِيۡدِ ﴿28﴾

پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا رہا﴿27﴾ اللہ فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو، حالانکہ میں پہلے ہی تمھاری طرف (عذاب کی) وعید بھیج چکا تھا﴿28﴾

2 ع 14 16 مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَىَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿29﴾ ع

میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، اور میں بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں﴿29﴾

''میں کیسے پرسکون ہو جاؤں جبکہ سینگ والے (فرشتے) نے سینگ منہ میں لے لیا ہے، اپنی پیشانی کو جھکا دیا ہے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے، پھر وہ (صور میں) پھونک دے! آپ کے ساتھیوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کیسے کہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ کہو ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔ اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔'' صحابہ نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ ①

﴿ وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ ﴾ ''اور ہر شخص (ہمارے سامنے) آئے گا ایک فرشتہ اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک (اس کے عملوں کی) گواہی دینے والا۔'' یعنی ایک فرشتہ اسے محشر کی طرف لے جائے گا اور دوسرا فرشتہ اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دے گا۔ آیت کریمہ کا بظاہر یہی مفہوم معلوم ہو رہا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ② پھر انھوں نے ثقیف کے مولیٰ یحییٰ بن رافع سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، انھوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ ﴾ انھوں نے فرمایا کہ ایک چلانے والا اسے اللہ کی طرف چلا کر لے جائے گا اور دوسرا اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دے گا۔ ③

﴿ لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ﴾ ''البتہ تحقیق یہ وہ (دن) ہے کہ اس سے تو غافل ہو رہا تھا۔ تو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ اٹھا دیا، پس آج تیری نگاہ بہت تیز (اور قوی) ہے۔'' یہ ہر انسان سے بحیثیت انسان خطاب ہے اور دن سے مراد روز قیامت ہے اور نگاہ تیز اس لیے ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک حتی کہ کفار بھی دیکھ رہے

① پہلی قوسین والا جملہ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الزمر، حدیث: 3243 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ، دوسری قوسین والے الفاظ معجم شيوخ أبي بكر الإسماعيلي: 428/1، رقم: 87 میں اور باقی حدیث مسند أحمد: 326/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق ہے۔ ② تفسير الطبري: 207/26. ③ تفسير الطبري: 207/26.

ہوں گے اور اس دن وہ بھی استقامت پر ہوں گے لیکن اس سے انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ﴾ (مریم 38:19) ”وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے!“ اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ ﴾ (السجدة 12:32) ”اور کاش! آپ (اس وقت) دیکھیں جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ ہم نیک عمل کریں۔ بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔“

تفسیر آیات :23-29

فرشتے کی گواہی اور اللہ تعالیٰ کا کافر کو جہنم میں گرانے کا حکم: ابن آدم کے عمل کے ساتھ مقرر کیے ہوئے فرشتے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت اس کے اعمال کی گواہی دیتے ہوئے کہے گا: ﴿ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾ ﴾ ”یہ (اعمال نامہ) میرے پاس تیار ہے۔“ اور کسی کمی بیشی کے بغیر حاضر ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے فرمائے گا: ﴿ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾ ﴾ ”(حکم ہوگا کہ) تم دونوں ہر سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو۔“ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ چلانے والے اور گواہی دینے والے فرشتوں سے خطاب ہے، چلانے والا اسے میدان حشر میں چلا کر لائے گا اور گواہی دے گا تو اللہ تعالیٰ انھیں حکم دیں گے کہ اسے دوزخ میں ڈال دو، جو بدترین ٹھکانا ہے ﴿ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾ ﴾ یعنی حق کا بہت زیادہ انکار اور تکذیب کرنے والا، حق کا دشمن اور علم کے باوجود باطل کے ساتھ حق کا مقابلہ کرنے والا، ﴿ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ﴾ ”خیر و بھلائی کو روکنے والا۔“ مال سے متعلق حقوق ادا نہ کرنے والا اور نہ مال کے ساتھ نیکی، صلہ رحمی اور صدقہ کرنے والا، ﴿ مُعْتَدٍ ﴾ ”حد سے بڑھنے والا۔“ اور جن کاموں میں خرچ کرتا ہے تو حد سے بڑھ جاتا ہے۔[1] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو گفتگو، چال ڈھال اور اپنے حکم میں حد سے بڑھ جائے۔ ﴿ مُّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾ ﴾ ”شکی (تھا)“ اپنے معاملے میں شک میں مبتلا تھا، نیز جو اس کے معاملے کا جائزہ لیتا اسے یہ شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ ”جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود مقرر کر رکھے تھے۔“ یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور غیر اللہ کی پوجا کی تھی ﴿ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾ ﴾ ”تو تم دونوں اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔“

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ، يَتَكَلَّمُ، يَقُولُ: وُكِّلْتُ الْيَوْمَ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ(عَنِيدٍ)، وَّبِمَنْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ، وَبِمَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ فَيَنْطَوِي عَلَيْهِمْ فَيَقْذِفُهُمْ فِي غَمَرَاتِ جَهَنَّمَ] ”آگ سے ایک گردن نکلے گی جو گفتگو کر رہی ہوگی اور کہے گی کہ مجھے تین آدمیوں پر مسلط کر دیا گیا ہے: (1) ہر جابر سرکش پر (2) ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور (بندگان الٰہی) کی عبادت

[1] تفسیر الطبری: 214/26.

کرے اور (3) جو ناحق کسی انسان کو قتل کرے۔ یہ آگ ان کو سمیٹ کر جہنم کی ہولناکیوں میں گرا دے گی۔'' ①

اللہ تعالیٰ کے پاس انسان اور شیطان کا جھگڑا: ﴿ قَالَ قَرِيْنُهٗ ﴾ ''اس کا ساتھی کہے گا'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ ساتھی سے مراد وہ شیطان ہے جو اس کے ساتھ مقرر کیا گیا تھا۔ ② ﴿ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا۔'' یعنی وہ اس انسان کے بارے میں کہے گا جسے وہ قیامت کے دن کافر پائے گا اور اس سے وہ براءت کا اظہار کر دے گا اور کہے گا کہ میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا ﴿ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ ''بلکہ یہ آپ ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔'' بلکہ یہ خود ہی گمراہ، باطل کا قائل اور حق کا دشمن تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ (ابرٰھیم 14:22) ''جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا تھا اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا تو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں، میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے۔ بے شک جو ظالم ہیں، ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔'' ﴿ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ ﴾ ''اللہ کہے گا کہ میرے حضور میں رد و کد نہ کرو۔'' یہ اللہ عزوجل انسان اور اس کے ساتھی جن سے فرمائے گا، اس لیے کہ وہ دونوں حق تعالیٰ جل شانہٗ کے سامنے جھگڑا کریں گے۔ انسان کہے گا کہ اے میرے رب! نصیحت آنے کے بعد اس نے مجھے گمراہ کر دیا تھا اور شیطان کہے گا: ﴿ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ آپ ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔'' اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: ﴿ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ ﴾ ''میرے حضور میں رد و کد نہ کرو۔'' یعنی میرے پاس، ﴿ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ ﴾ ''حالانکہ ہم تمھارے پاس پہلے ہی (عذاب کی) وعید بھیج چکے تھے۔'' یعنی ہم نے رسولوں کی زبانی تمھارے حیلے بہانے ختم کر دیے تھے، ہم نے تمھاری طرف اپنی کتابیں نازل کیں اور تمھارے خلاف دلائل و براہین ثابت ہو چکے ہیں۔ ﴿ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ﴾ ''میرے ہاں بات بدلا نہیں کرتی۔'' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یعنی میں نے جو فیصلہ کرنا تھا وہ کر دیا ہے۔ ③ ﴿ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ ''اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔'' یعنی میں کسی کو کسی دوسرے کے گناہ کی وجہ سے سزا نہیں دیا کرتا بلکہ ہر شخص کو اتمام حجت کے بعد اس کے گناہ ہی کی وجہ سے عذاب دیا کرتا ہوں۔

---

① مسند أحمد: 40/3 جبکہ قوسین والا لفظ جامع الترمذي، أبواب صفة جهنم، باب ماجاء في صفة النار، حديث: 2574 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ② تفسير الطبري: 215/26. ③ تفسير الطبري: 217,216/26.

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿30﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

(یاد کرو!) جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ مزید ہے؟﴿30﴾ اور جنت متقین کے قریب کی جائے گی، (وہ) دور

لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿31﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿32﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ

نہیں ہوگی﴿31﴾ (کہا جائے گا:) یہ ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، خوب رجوع کرنے والے، (امر الٰہی کی) حفاظت کرنے والے ہر شخص

بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿33﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ط ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿34﴾

سے﴿32﴾ جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا تھا اور وہ رجوع کرنے والا دل لیے آیا ہے﴿33﴾ (کہا جائے گا:) تم اس (جنت) میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ، یہی

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿35﴾

ہمیشہ رہنے کا دن ہے﴿34﴾ وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لیے ہوگا، اور ہمارے پاس اور بھی بہت کچھ ہے﴿35﴾

تفسیر آیات: 30-35

جنت وجہنم کے حالات: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ روزِ قیامت دوزخ سے پوچھے گا: کیا تو بھر گیا ہے؟ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ روزِ قیامت اسے جنوں اور انسانوں سے بھرے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جن لوگوں کے لیے جہنم رسید ہونے کا حکم دے گا، انھیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو جہنم کہے گا: کیا اور بھی ہے؟ یعنی کیا کوئی چیز باقی رہ گئی ہے جو تو مجھے دے گا؟ آیت کریمہ کے سیاق سے بظاہر یہی معنی معلوم ہو رہے ہیں اور پھر احادیث بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيهَا وَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ؟ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا قَدَمَهٗ فَيَنْزَوِى بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ وَّتَقُولُ: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ، وَلَا يَزَالُ فِي الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا (آخَرَ فَيُسْكِنَهُمْ فِي فُضُولِ الْجَنَّةِ)] ''جہنم میں لوگوں کو مسلسل ڈالا جائے گا اور وہ کہے گا: کیا کچھ اور بھی ہے؟ حتی کہ رب العزت اپنے قدم مبارک کو اس میں رکھ دے تو اس کے بعض حصے بعض کی طرف سمٹ جائیں گے اور جہنم کہے گا: بس بس، تیری عزت وکرم کی قسم! البتہ جنت میں جگہ باقی بچی رہے گی جس کے لیے اللہ تعالیٰ اور مخلوق پیدا فرمائے گا، پھر انھیں جنت کے باقی ماندہ مقامات میں بسا دے گا۔''[1] اور اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

دوسری حدیث: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے مرفوع روایت کیا ہے جبکہ ابوسفیان اسے اکثر موقوف روایت کیا کرتے تھے: يُقَالُ لِجَهَنَّمَ: هَلِ امْتَلَأْتِ؟ وَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ؟ فَيَضَعُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدَمَهٗ عَلَيْهَا، فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ ''جہنم سے کہا جائے گا: کیا تو بھر گیا ہے؟ وہ کہے گا: کیا کچھ اور بھی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ اس

① مسند أحمد: 234/3 جبکہ قوسین والے الفاظ بھی مسند أحمد: 134/3 و141 میں ہیں۔ ② صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث: (38)-2848.

پر اپنا قدم مبارک رکھ دیں گے تو وہ کہے گا: بس بس۔''①

ایک اور روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تَحاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ. وَقَالَتِ الْجَنَّةُ: مَالِي لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ؟ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي، وَقَالَ لِلنَّارِ: إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابِي أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْكُمَا مِلْؤُهَا، فَأَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتّٰى يَضَعَ رِجْلَهُ (فِيهَا) فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ، فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ، وَّلَا يَظْلِمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا، وَّأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا (آخَرَ)] ''جنت اور دوزخ نے آپس میں جھگڑا کیا، تو دوزخ نے کہا کہ مجھے متکبر اور جابر لوگوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے، جنت نے کہا: مجھے کیا ہوا ہے کہ مجھ میں کمزور اور ناتواں لوگ ہی داخل ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے، اپنے بندوں میں سے جس پر میں چاہوں تیرے ذریعے سے رحمت کروں اور دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں تیرے ذریعے سے عذاب دوں، البتہ تم دونوں میں سے ہر ایک کو بھر دیا جائے گا، دوزخ اس وقت تک نہیں بھرے گا جب تک اللہ جل شانہٗ اپنا قدم مبارک اس میں نہ رکھیں گے تو وہ پکار اٹھے گا: بس بس۔ اس وقت دوزخ بھر جائے گا اور اس کے بعض حصے بعض کی طرف سمٹ جائیں گے اور اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا جبکہ جنت کے لیے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا فرمادے گا۔''②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿31﴾ ﴾ ''اور بہشت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی (کہ مطلق) دور نہ ہوگی۔'' قتادہ، ابومالک اور سدی کا قول ہے: ﴿ وَأُزْلِفَتِ ﴾ کے معنی ہیں کہ اسے پرہیزگاروں کے قریب کر دیا جائے گا۔③ ﴿ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿31﴾ ﴾ ''دور نہ ہوگی۔'' یہ قیامت کا دن ہے اور قیامت دور نہیں ہوگی کیونکہ وہ لامحالہ آنے ہی والی ہے اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہو، قریب ہوتی ہے۔ ﴿ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿32﴾ ﴾ ''یہی وہ (چیز) ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر رجوع کرنے والے، حفاظت کرنے والے سے۔'' ﴿ أَوَّابٍ ﴾ کے معنی رجوع کرنے والا، توبہ کرنے والا اور گناہ سے رک جانے والا اور ﴿ حَفِيظٍ ﴿32﴾ ﴾ سے مراد وہ جو عہد کی حفاظت کرے، نہ اسے توڑے اور نہ اس کی خلاف ورزی کرے، ﴿ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ﴾ ''جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا رہا۔'' یعنی وہ خلوت میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا روز قیامت عرش الٰہی کے سائے تلے جگہ پانے والے سات قسم کے سعادت مند لوگوں میں سے [وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ] ''ایک وہ شخص

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ﴾ (ق 50:30)، حديث: 4849. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ﴾ (ق 50:30)، حديث: 4850 البتہ پہلی اور تیسری قوسین والے الفاظ صحیح بخاری میں نہیں ملے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں بھی نہیں ہیں جبکہ دوسری قوسین والا لفظ صحیح بخاری میں [يَنْزَوِي] کے بجائے [يُزْوٰى] ہے۔ ③ تفسير الطبري: 220/26.

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ

ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، وہ ان سے قوت میں زیادہ سخت تھیں، پھر وہ شہروں میں گشت کرنے لگے، کیا انھیں (ہمارے عذاب سے)

مَّحِيْصٍ ﴿36﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿37﴾

کوئی بچ نکلنے کی جگہ ملی؟ ﴿36﴾ بلاشبہ اس میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو (آگاہ) دل رکھتا ہے، یا وہ کان لگائے جبکہ وہ (دل و دماغ سے) حاضر ہو ﴿37﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿38﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا، اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں ﴿38﴾

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿39﴾

چنانچہ (اے نبی!) جو وہ کہتے ہیں اب آپ اس پر صبر کریں، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں، طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے ﴿39﴾

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿40﴾

اور رات کے کچھ حصے میں پھر آپ اس کی تسبیح کریں، اور سجود (نمازوں) کے بعد بھی ﴿40﴾

بھی ہوگا جس نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔'' [1] ﴿ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۣ ﴿33﴾ ﴾ ''اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسے دل کے ساتھ ملے گا جو اس کی طرف رجوع کرنے والا، سب سے پاک اور اس کے سامنے جھکنے والا ہوگا۔

﴿ ادْخُلُوْهَا ﴾ ''اس میں داخل ہو جاؤ۔'' یعنی جنت میں، ﴿ بِسَلٰمٍ ؕ ﴾ ''سلامتی کے ساتھ۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان پر سلام بھیجیں گے۔ [2] ﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿34﴾ ﴾ ''یہ ہمیشگی کا دن ہے۔'' یعنی وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی نہیں مریں گے، نہ وہاں سے کوچ کریں گے اور نہ وہاں سے نقل مکانی کرنا چاہیں گے، ﴿ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا ﴾ ''وہاں وہ جو چاہیں گے ان کے لیے ہوگا۔'' یعنی جس چیز کو پسند کریں گے اپنے سامنے موجود پائیں گے، لذت کے جس قسم کے سامان کو طلب کریں گے، حاضر پائیں گے ﴿ وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿35﴾ ﴾ ''اور ہمارے ہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔'' جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ ﴾ (یونس 26:10) ''جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے مزید برآں اور بھی۔'' صحیح مسلم میں صہیب بن سنان رومی سے روایت ہے کہ ﴿ وَزِيَادَةٌ ؕ ﴾ سے مراد اللہ کریم کے چہرۂ اقدس کا دیدار ہے۔ [3]

تفسیر آیات: 36-40

کفار کو عذاب کی دھمکی اور نبی ﷺ کو صبر اور نماز کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد......، حديث: 660 و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031 عن أبي هريرة ﷺ. [2] تفسير الطبري: 222/26. [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين في الآخرة......، حديث: (298,297)-181.

﴿ مِنْهُمْ بَطْشًا ﴾ ''اور ہم نے ان سے پہلے کئی امتیں ہلاک کر ڈالیں وہ اُن سے قوت میں کہیں بڑھ کر تھے۔'' یعنی ان تکذیب کرنے والوں سے پہلے جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں شدید تھے، انھوں نے زمین میں نشانات بنائے اور ان کی نسبت زمین کو زیادہ آباد کیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴾ ''تو وہ شہروں میں گشت کرنے لگے، کیا کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے شہروں میں نشانات بنائے۔ ① قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے شہروں میں گشت کی، رزق اور مال و دولت کو تلاش کیا اور تمھاری نسبت انھوں نے شہروں میں زیادہ سیر و سیاحت کی۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴾ ''کیا کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟'' کیا اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے بھاگنے کی ان کے پاس کوئی صورت تھی۔ انھوں نے جو مال و دولت جمع کیا وہ ان کے کچھ کام آسکا اور نہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے آنے والے عذاب کو ان سے ٹال سکا۔ اسی طرح تمھارے لیے بھی کوئی ملجا و ماؤی، بھاگنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴾ ''جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا متوجہ ہو کر سننے کے لیے کان لگاتا ہے، اس کے لیے یقیناً اس میں نصیحت ہے۔'' ذکریٰ کے معنی عبرت اور نصیحت کے ہیں اور قلب سے مراد عقل ہے جیسا کہ امام مجاہد نے کہا ہے۔ ③ ﴿ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام کو سنتا، اسے یاد رکھتا اور عقل کے ساتھ اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ ﴾ کے معنی ہیں دل کے ساتھ اپنے نفس سے بات نہ کرے ﴿ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴾ اور اس کا دل بھی حاضر ہو۔ ④ ضحاک کا قول ہے کہ عرب أَلْقٰى فُلَانٌ سَمْعَهٗ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اپنے دونوں کانوں کے ساتھ غور سے سنے اور وہ دل کے ساتھ حاضر ہو اور غائب نہ ہو۔ ⑤ ثوری اور کئی ایک ائمہ نے اسی طرح کہا ہے۔ ⑥

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو مخلوقات ان میں ہیں سب کو چھ دن میں بنا دیا اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں ہوئی۔'' اس میں گویا آخرت کا اثبات ہے کیونکہ جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور اسے ان کے پیدا کرنے سے کوئی تکان نہیں ہوئی وہ مُردوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہودیوں کا کہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر ساتویں دن، یعنی ہفتے کے دن آرام کیا اور اسے وہ آرام کے دن سے موسوم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴾ ''اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں ہوئی۔'' ⑦ یعنی درماندگی اور نہ کوئی تھکاوٹ اور نہ تکلیف ہوئی جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک دوسری آیت

---

① تفسیر القرطبی: 22/17 و تفسیر الطبری: 227/26 . ② تفسیر القرطبی: 22/17 ملخصًا. ③ تفسیر القرطبی: 23/17 اور یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے، دیکھیے زاد المسیر: 244/7 . ④ تفسیر الطبری: 228/26 . ⑤ تفسیر الطبری: 228/26 . ⑥ تفسیر القرطبی: 23/17 . ⑦ تفسیر الطبری: 230/26 .

میں فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (الأحقاف 46:33) ”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ اس (بات) پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے، کیوں نہیں! وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 40:57) ”آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴾ (النّٰزعٰت 79:27) ”بھلا تمھارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ اسی نے اس کو بنایا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ”تو جو کچھ یہ کفار کہتے ہیں اس پر صبر کرو۔“ یعنی ان تکذیب کرنے والے کفار کی باتوں پر صبر کریں اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴾ ”اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں۔“ معراج سے پہلے دو نمازیں فرض تھیں، ایک طلوع آفتاب سے قبل فجر کے وقت اور دوسری غروب آفتاب سے قبل عصر کے وقت، رات کا قیام ایک سال تک نبی ﷺ اور آپ کی امت پر واجب تھا، پھر امت کے حق میں اس کے وجوب کو منسوخ کردیا گیا، پھر شب معراج پانچ نمازوں کو فرض قرار دے کر اس سب کچھ کو منسوخ کردیا گیا، البتہ طلوع وغروب آفتاب سے قبل نماز فجر اور نماز عصر کو باقی رہنے دیا گیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا: [أَمَا! إِنَّكُمْ سَتُعْرَضُونَ عَلٰى رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ، فَتَرَوْنَهُ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُونَ فِيهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴾] ”خبردار! تم اپنے رب کے سامنے پیش کیے جاؤ گے تو تم اسے اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس دیکھنے میں ازدہام میں مبتلا نہیں ہوگے، پس اگر تمھیں استطاعت ہو کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے قبل نماز سے مغلوب نہ ہو جاؤ تو ایسا کرو، پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴾ ”اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں۔“[1] اسے امام بخاری و مسلم اور دیگر جماعت محدثین نے بروایت اسماعیل بیان کیا ہے۔[2]

---

① مسند أحمد: 366,365/4. ② صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، حديث: 554 و صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاتي الصبح......، حديث: 633 وسنن أبي داود، السنة، باب في الرؤية، حديث: 4729 وجامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في رؤية الرب تبارك و تعالى، حديث: 2551 وسنن ابن ماجه، السنة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث: 177 .

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿41﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ

اور توجہ سے سنیے! جس دن منادی کرنے والا قریب کے مقام سے ندا دے گا﴿41﴾ جس دن وہ اس چیخ (نفخۂ ثانیہ) کو فی الواقع سنیں گے،

بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿42﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿43﴾

یہی (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا﴿42﴾ بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے ہیں، اور ہماری ہی طرف (سب کی) واپسی ہے﴿43﴾

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿44﴾

جس دن ان کے اوپر سے زمین پھٹ جائے گی (وہ اس میں سے) تیزی سے (نکل رہے ہوں گے) یہ حشر (برپا کرنا) ہم پر نہایت آسان ہے﴿44﴾

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ

ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ (مشرکین) کہتے ہیں، اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، لہٰذا آپ اس قرآن کے ذریعے سے اس شخص

ع 3 16 17 مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿45﴾

کو نصیحت کرتے رہیں، جو میری وعید سے ڈرتا ہے﴿45﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ﴾ ”اور رات کے بعض اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیا کریں۔“ یعنی اس کے لیے نماز پڑھا کرو جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝﴾ (بنيٓ إسرآء يل 17: 79) ”اور آپ رات کے بعض حصے میں اس (قرآن) کے ساتھ شب بیداری کیا کریں (اور یہ) آپ کے لیے نفل ہے قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔“ ﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿40﴾﴾ ”اور نمازوں کے بعد (بھی۔)“ ابن ابو نجیح نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نماز کے بعد تسبیح پڑھنا ہے۔[1] اس کی تائید صحیحین کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے کہ فقراء مہاجرین نے حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! صاحب ثروت لوگوں نے بلند درجات اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو حاصل کر لیا، نبی ﷺ نے فرمایا: [وَمَا ذَاكَ؟] ”وہ کیسے؟“ انھوں نے عرض کی کہ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ روزے بھی رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں لیکن ہم صدقہ نہیں کر سکتے، وہ گردنیں آزاد کرتے ہیں جبکہ ہم نہیں کر سکتے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: [أَفَلَا أُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ؟ قَالُوا: بَلٰى، يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتَحْمَدُونَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ مَرَّةً] ”کیا میں تمھیں ایک ایسی چیز نہ سکھا دوں کہ جو تم سے آگے ہوں ان کو تم پا لو اور اپنے سے پیچھے والوں کے ہمیشہ آگے رہو اور تم سے کوئی بھی افضل نہیں ہوگا سوائے اس کے جو اسی طرح کرے جیسے تم کرو۔ اور وہ یہ کہ تم ہر نماز کے بعد تینتیس (تینتیس) مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھو۔“ راوی نے کہا کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی یہ بات سن لی ہے اور انھوں نے بھی اسی طرح کرنا شروع کر دیا ہے جس طرح ہم کرتے

[1] تفسیر الطبری: 234/26

ہیں، آپ نے فرمایا: [ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ] ''یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے۔''[1] دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴾ سے مراد نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھنا ہے۔ یہ حضرت عمر، حضرت علی، آپ کے صاحبزادہ گرامی حضرت حسن، ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔[2] امام مجاہد، عکرمہ، شعبی، نخعی، حسن اور قتادہ کے علاوہ دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[3]

تفسیر آیات :41-45

روز قیامت کے بعض حقائق کے ساتھ نصیحت : ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْتَمِعْ ﴾ ''اور سنیے'' اے محمد (ﷺ!) ﴿ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴾ ''جس دن پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے پکارے گا'' کہ تم فیصلے سننے کے لیے جمع ہو جاؤ۔ ﴿ يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ﴾ ''جس دن لوگ چیخ و پکار حقیقتاً سن لیں گے۔'' یعنی نفخۂ صور جس سے یقیناً وہ حق سامنے آجائے گا جس کے بارے میں اکثر لوگ شک کرتے تھے، ﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴾ ''وہی نکل پڑنے کا دن ہے۔'' یعنی قبروں سے نکل پڑنے کا۔ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴾ ''یقیناً ہم ہی تو زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔'' یعنی وہ اللہ ہی مخلوق کو ابتدا میں پیدا فرماتا اور پھر اسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرتا ہے اور دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے، تمام مخلوقات کو بالآخر اسی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔ عمل اچھا ہوا تو اچھی جزا اور اگر برا ہوا تو بری سزا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ﴾ ''اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی تو وہ جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے۔'' اللہ عزوجل آسمان سے بارش نازل فرمائے گا جس کے ساتھ قبروں میں تمام مخلوقات کے جسموں کو اس طرح زندہ فرمادے گا جس طرح پانی کے ساتھ مٹی میں دانہ اگتا ہے، جب جسم مکمل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دیں گے اور وہ صور میں پھونکیں گے، روحوں کو صور کے سوراخ میں رکھا گیا ہوگا اور جب اسرافیل پھونک ماریں گے تو روحیں چمکتی دمکتی آسمان و زمین کے درمیان نکل آئیں گی۔ اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! ہر روح اس جسم میں چلی جائے جسے اس نے آباد کیا ہوا تھا تو ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے گی اور وہ جسم میں اس طرح سرایت کر جائے گی جس طرح ڈسے ہوئے کے جسم میں زہر سرایت کر جاتا ہے، زمین ان سے پھٹ جائے گی اور لوگ جھٹ پٹ حساب کے مقام کی طرف نکل کھڑے ہوں گے، اللہ عزوجل کے حکم کی طرف جلدی کرتے ہوئے ﴿ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ط يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴾ (القمر 54:8) ''اس بلانے والے کی طرف دوڑتے جاتے ہوں گے۔ کافر کہیں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (بنی إسرآء یل

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، حديث: 843 وصحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......، حديث: 595 . [2] تفسير الطبري: 26/232-234 . [3] تفسير الطبري: 26/232-234 .

’’جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم دنیا میں بہت کم مدت رہے۔‘‘ (52:17

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ] ’’سب سے پہلا میں ہوں جس سے زمین پھٹے گی۔‘‘① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴾ ’’یہ جمع کرنا ہمیں آسان ہے۔‘‘ یعنی یہ دوبارہ پیدا کرنا ہمیں کچھ مشکل نہیں بلکہ بہت آسان ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴾ (القمر 54:50) ’’اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔‘‘ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ (لقمٰن 28:31) ’’(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا محض ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

نبی ﷺ کو تسلی: اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ’’یہ (لوگ) جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔‘‘ یعنی مشرک آپ کی تکذیب کرتے ہوئے جو کہتے ہیں، ہمارا علم اس سب کچھ کا احاطہ کیے ہوئے ہے، لہٰذا اس سے دل آزردہ نہ ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ (الحجر 15:97-99) ’’اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح کہتے (اور اس کی خوبیاں بیان کرتے) رہیں اور سجدہ کرنے والوں میں رہیں اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔‘‘ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ﴾ ’’اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں۔‘‘ یعنی انھیں ہدایت قبول کرنے کے لیے زبردستی آمادہ نہیں کرتے اور نہ ہی یہ بات آپ کے ذمے عائد کی گئی ہے کہ انھیں زبردستی ہدایت یافتہ بنا دیں، پھر فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ ’’پس جو میری وعید سے ڈرے اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہیں۔‘‘ یعنی آپ اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیں جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی وعید سے ڈرتا اور اس کے وعدے کی امید رکھتا ہے وہ ضرور نصیحت حاصل کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ (الرعد 13:40) ’’پس آپ کا کام صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۙ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۙ ﴾ (الغاشیۃ 88:21,22) ’’تو آپ نصیحت کرتے رہیں بس آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ ﴾ (البقرۃ 2:272) ’’(اے محمد ﷺ!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے

① صحيح البخاري، الخصومات، باب ما يذكر في الإشخاص......، حديث: 2412 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ.
ملحوظہ: صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ البتہ صحیح مسلم میں [أَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ] ’’سب سے پہلے جس سے قبر پھٹے گی‘‘ دیکھیے صحیح مسلم، الفضائل، باب تفضيل نبينا ﷺ......، حديث: 2278 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

ہدایت بخشتا ہے۔" اور فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (القصص 28:56) "(اے محمد ﷺ!) آپ جس کو پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔" اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ "اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، پس جو میری وعید سے ڈرے اس کو اس قرآن سے نصیحت کرتے رہیں۔"

امام قتادہ یہ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيدَكَ وَيَرْجُو مَوْعُودَكَ يَا بَارُّ! يَارَحِيمُ! "اے اللہ! ہمیں اپنے ان بندوں میں سے بنادے جو تیری وعید سے ڈرتے اور تیرے وعدے کی امید رکھتے ہیں،[1] اے احسان کرنے والے! اے رحم فرمانے والے!"

سورۂ قٓ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

[1] تفسیر القرطبی: 29/17.

تفسیر
سورۂ ذٰریٰت

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ① فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ② فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ③ فَالْمُقَسِّمٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو (مٹی وغیرہ کو) اڑا کر بکھیرنے والی ہیں ① پھر ان بادلوں کی (قسم) جو (پانی کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں ② پھر ان کشتیوں کی

اَمْرًا ④ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ⑤ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ⑥ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ

(قسم) جو آسانی سے چلنے والی ہیں ③ پھر ان فرشتوں کی (قسم) جو کام تقسیم کرنے والے ہیں ④ بلاشبہ تمھیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ ضرور سچا ہے ⑤ اور

الْحُبُكِ ⑦ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ⑧ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ⑨ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ⑩

بلاشبہ (اعمال کی) جزا ضرور ملنے والی ہے ⑥ قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے ⑦ بلاشبہ تم (باہم) مختلف باتوں میں (پڑے) ہو ⑧ اس سے

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ⑪ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ⑫ يَوْمَ هُمْ

پھیرا جاتا ہے جو شخص (بھلائی سے) پھیرا گیا ⑨ اٹکل پچو لگانے والے مارے گئے ⑩ جو لاپروا غفلت میں پڑے ہیں ⑪ وہ پوچھتے ہیں: جزا کا دن کب

عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ⑬ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ⑭

ہوگا؟ ⑫ جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے ⑬ (کہا جائے گا:) تم اپنا عذاب چکھو، یہ وہ عذاب ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے ⑭

تفسیر آیات: 1-14

آخرت اور حساب کی خبر کی صداقت: امیر المؤمنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کوفہ میں منبر پر چڑھے، پھر آپ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کی جس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سنت کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھو گے تو میں تمھیں بتا دوں گا، ابن کوّاء نے کھڑے ہو کر پوچھا: امیر المؤمنین ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ① ﴾ کے کیا معنی ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے معنی ہوا کے ہیں، اس نے پوچھا: ﴿ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ② ﴾ کے معنی؟ آپ نے فرمایا: بادل، اس نے پوچھا: ﴿ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ③ ﴾ کے معنی؟ آپ نے جواب دیا: کشتیاں، اس نے سوال کیا: ﴿ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ④ ﴾ کے معنی؟ آپ نے فرمایا: فرشتے۔ ①

① تفسیر الطبری: 26/239-242.

بعض نے کہا ہے: ﴿ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴾ سے ستارے مراد ہیں جو اپنے دائروں میں آسانی کے ساتھ چلتے ہیں تاکہ ادنیٰ سے اعلیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین کی طرف ترقی ہو کیونکہ ہواؤں کے اوپر بادل ہیں، بادلوں کے اوپر ستارے ہیں اور ﴿ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴾ سے مراد فرشتے ہیں جو ستاروں سے اوپر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے شرعی اور کونی احکام لے کر نازل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آخرت کے وقوع پذیر ہونے پر یہ قسمیں کھائی ہیں، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴾ ''بلاشبہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے۔'' یعنی وہ ایک سچی خبر ہے، ﴿ وَّاِنَّ الدِّيْنَ ﴾ یعنی حساب کا دن ﴿ لَوَاقِعٌ ۙ﴾ ''ضرور واقع ہوگا۔'' یعنی وہ یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴾ ''اور آسمان کی قسم! جس میں رستے ہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴾ کے معنی ہیں حسن و جمال، رونق اور مضبوطی والا۔[1] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ابو صالح، سدی، قتادہ، عطیہ عوفی، ربیع بن انس اور دیگر کئی ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] ضحاک اور منہال بن عمرو وغیرہ کا قول ہے کہ ہوا جب پانی، ریت اور کھیتی پر چل کر الگ الگ رستے بنا دیتی ہے، انھیں حبك کہا جاتا ہے۔[3] ان سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے معنی حسن و جمال کے ہیں کہ یہ اپنے حسن کی وجہ سے بلند، صاف شفاف، مضبوط و مستحکم اور وسیع و عریض ہے جسے ثوابت اور سیاروں کا تاج پہنایا گیا اور شمس و قمر اور روشن ستاروں کے ساتھ مزین کیا گیا ہے۔

مشرکین کی باتوں میں اختلاف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴾ ''بلاشبہ (اے اہل مکہ!) تم ایک متناقض بات میں پڑے ہوئے ہو۔'' یعنی اے مشرکو اور پیغمبروں کی تکذیب کرنے والو! تم ایک ایسی مختلف اور مضطرب بات میں پڑے ہو جو بے جوڑ اور بے سروپا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ایک متناقض بات پر اڑے ہو جس سے قرآن مجید کی تصدیق بھی ہوتی ہے اور تکذیب بھی۔[4] ﴿ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۙ﴾ ''اس سے وہی پھرتا ہے جو (بھلائی سے) پھیرا جائے۔'' یعنی یہ بات اس شخص کے ہاں پذیرائی حاصل کر سکتی ہے جو واقعی گمراہ ہو کیونکہ یہ ایک بالکل باطل بات ہے اسے صرف وہ صحیح مان سکتا اور اسے صحیح ماننے کی وجہ سے گمراہ ہو سکتا ہے جو واقعی سر پھرا، گمراہ اور حد درجہ احمق ہو جو فہم و بصیرت سے بالکل عاری ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:161-163) ''سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو، اللہ کے خلاف بہکا نہیں سکتے مگر اس کو جو جہنم میں جانے والا ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی کا قول ہے کہ ﴿ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۙ﴾ کے معنی ہیں کہ اس سے وہ بھٹکے گا جو گمراہ ہوگا۔[5] ﴿ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴾ ''اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد کذاب لوگ ہیں، یہ آیت ایسے ہے جیسے سورۂ عبس کی یہ آیت: ﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۭ﴾ (عبس 80:17) ''انسان ہلاک ہو جائے

① تفسیر الطبری: 26/244-246. ② تفسیر القرطبی: 17/31 و تفسیر الطبری: 26/244,245. ③ تفسیر القرطبی: 17/31,32 و تفسیر الطبری: 26/245. ④ تفسیر الطبری: 26/246. ⑤ فتح القدیر: 5/103 و تفسیر الماوردی: 5/363.

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ⑮ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

بلاشبہ متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے ⑮ جو کچھ ان کا رب انھیں دے گا، وہ اسے لے رہے ہوں گے۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے نیکو کار تھے ⑯ وہ

مُحْسِنِيْنَ ⑯ ؕ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ⑰ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ⑱ وَفِيْۤ

رات کو بہت ہی تھوڑا سوتے تھے ⑰ اور وہ سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے ⑱ اور ان کے مالوں میں سوالی اور محروم (نہ مانگنے والے) شخص کا حق

اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ⑳ وَفِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ

(حصہ) ہوتا تھا ⑲ اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ⑳ اور (خود) تمھارے نفسوں میں بھی، کیا پھر تم دیکھتے نہیں؟ ㉑

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ㉑ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ㉒ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ

اور آسمان میں تمھارا رزق ہے، اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ㉒ پھر قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی! بلاشبہ یہ (مذکورہ امور اسی

ع 1/23/18 لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ㉓ ع

طرح) حق ہیں، جیسے تم بولتے ہو ㉓

کیسا ناشکرا ہے!"① ﴿ الْخَرّٰصُوْنَ ⑩ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے کہ ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ آخرت ہی پر یقین رکھتے ہیں۔② علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ⑩ ﴾ کے معنی ہیں کہ شک کرنے والوں پر لعنت ہو۔③ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی اپنے خطبے میں کہا کرتے تھے کہ شک کرنے والے ہلاک ہوں۔④ قتادہ کہتے ہیں کہ ﴿ الْخَرّٰصُوْنَ ⑩ ﴾ سے فریب اور ظنون میں مبتلا لوگ مراد ہیں۔⑤ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ⑪ ﴾ "جو بے خبری میں بھولے ہوئے ہیں۔" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کفر اور شک میں مبتلا غافل اور لاپروا ہیں۔⑥

﴿ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ⑫ ﴾ "پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا۔" اور یہ بات وہ تکذیب، سرکشی، شک اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھنے کی بنا پر کہتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ⑬ ﴾ "اس دن (ہوگا) جب ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا۔" ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور کئی ایک ائمہ کا قول ہے کہ ﴿ يُفْتَنُوْنَ ⑬ ﴾ کے معنی ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے گا۔⑦ مجاہد کہتے ہیں کہ اس طرح جیسے سونے کو آگ میں گرمایا جاتا ہے۔⑧ ائمۂ تفسیر کی ایک دوسری جماعت جس میں عکرمہ، ابراہیم نخعی، زید بن اسلم، سفیان ثوری اور مجاہد رحمہم اللہ بھی شامل ہیں، نے کہا ہے کہ ﴿ يُفْتَنُوْنَ ⑬ ﴾ کے معنی ہیں کہ انھیں جلایا جائے گا۔⑨ ﴿ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ ﴾ "اپنا عذاب چکھو۔" مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے جلنے کا مزہ چکھو۔⑩ دیگر ائمۂ تفسیر نے بھی اس کے معنی یہ کیے ہیں کہ تم اپنے عذاب کے مزے چکھو۔⑪

---

① تفسير الطبري : 248/26 . ② تفسير الطبري : 248/26 عن مجاهد. ③ تفسير الطبري : 247/26 . ④ سنن أبي داود، السنة، باب من دعا إلى السنة، حديث : 4611 و المستدرك للحاكم : 460/4، حديث : 8422 . ⑤ تفسير الطبري : 248/26 . ⑥ تفسير الطبري : 249,248/26 . ⑦ تفسير الطبري : 250,249/26 . ⑧ تفسير الطبري : 250/26 . ⑨ تفسير الطبري : 250/26 . ⑩ تفسير الطبري : 252/26 . ⑪ تفسير الطبري : 252/26 .

﴿ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ⑭ ﴾ ’’یہ وہی ہے جس کے لیے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔‘‘ یہ انھیں سرزنش، زجر و توبیخ، حقیر اور رسوا کرنے کے لیے کہا جائے گا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:15-23

پرہیز گاروں کی جزا اور ان کی صفات: اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیز گار بندوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ آخرت میں باغات اور چشموں میں ہوں گے جبکہ ان کے برعکس بدبخت لوگ عذاب، آتشِ دوزخ اور بیڑیوں میں جکڑے ہوں گے۔ ﴿ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ ﴾ ’’اور جو نعمتیں ان کا پروردگار انھیں دیتا ہوگا ان کو لے رہے ہوں گے۔‘‘ ﴿ اٰخِذِیْنَ ﴾ اللہ کے اس فرمان: ﴿ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ⑮ ﴾ سے حال ہے، یعنی پرہیز گار جنتوں اور چشموں میں ہونے کی حالت میں وہ سب کچھ لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انھیں عطا فرمائے گا، یعنی نعمتیں، خوشیاں اور مسرتیں۔ ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ ﴾ ’’بے شک وہ اس سے پہلے‘‘ یعنی دنیا میں ﴿ مُحْسِنِیْنَ ⑯ ﴾ ’’نیکیاں کرتے تھے۔‘‘ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ○ ﴾ (الحاقة 69:24) ’’جو عمل تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔‘‘

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حسنِ عمل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ⑰ ﴾ ’’وہ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے۔‘‘ ﴿ مَا ﴾ کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہ ﴿ مَا ﴾ نافیہ ہے، یعنی رات کا کم حصہ ایسا ہوتا تھا جس میں وہ سوتے نہیں تھے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی رات نہ ہوتی تھی جس میں وہ اللہ کی عبادت نہ کرتے ہوں، خواہ تھوڑے سے وقت ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔ [2] قتادہ نے مُطَرِّف بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ کم راتیں ہی ایسی ہوں گی جن میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نماز نہ پڑھی ہو، خواہ رات کے ابتدائی حصے میں پڑھی ہو یا درمیانی حصے میں۔ [3] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کم راتیں ایسی ہوں گی جن میں وہ صبح تک سوئے رہے ہوں اور انھوں نے تہجد نہ پڑھی ہو۔ [4] قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ [5] انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابوالعالیہ کا قول ہے کہ وہ مغرب و عشاء کے مابین نماز پڑھتے تھے۔ [6] دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ﴿ مَا ﴾ مصدریہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے۔ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ [7] حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے قیام اللیل کو اپنا معمول بنا لیا تھا جس کی وجہ سے وہ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے، ان کا قیام سپیدۂ سحر نمودار ہونے تک طویل ہو جاتا تھا حتی کہ بوقت سحر وہ استغفار کیا کرتے تھے۔ [8]

عبداللہ بن سلام نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے آئے تو لوگ کشاں کشاں آپ

---

① تفسیر القرطبی: 36/17 و تفسیر الطبری: 253/26. ② تفسیر الطبری: 254/26. ③ تفسیر الطبری: 254/26.
④ تفسیر الطبری: 254/26. ⑤ تفسیر الطبری: 254/26. ⑥ تفسیر الطبری: 254,253/26. ⑦ تفسیر الطبری: 258/26. ⑧ تفسیر الطبری: 255/26.

کے پاس کھچے چلے آئے، ان لوگوں میں میں بھی شامل تھا، میں نے جب آپ کا چہرہ اقدس دیکھا تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہے، میں نے پہلی بات جو آپ کو فرماتے ہوئے سنی وہ یہ تھی: [(يَا أَيُّهَا النَّاسُ!) أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا (بِاللَّيْلِ) وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ] ''لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''①

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ (غُرَفًا) يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا، وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا. فَقَالَ أَبُومُوسَى الْأَشْعَرِيُّ: لِمَنْ هِيَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَبَاتَ لِلّٰهِ قَائِمًا وَّالنَّاسُ نِيَامٌ] ''بے شک جنت میں کچھ ایسے بالا خانے ہوں گے جن کے اندر سے باہر کا منظر دیکھا جا سکے گا اور باہر سے اندر کا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) یہ کن کے لیے ہوں گے؟ فرمایا: اس کے لیے جو نرم کلام کرے، کھانا کھلائے اور اللہ کے لیے قیام میں رات بسر کر دے جبکہ (دوسرے) لوگ سوئے ہوئے ہوں۔''②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ⑱﴾ ''اور اوقات سحر میں وہ بخشش مانگا کرتے تھے۔'' مجاہد اور دیگر کئی ائمہ نے کہا ہے کہ وہ ان اوقات میں نماز پڑھتے تھے۔③ دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ وہ رات کو قیام کیا کرتے اور استغفار کو اوقاتِ سحر تک مؤخر کر دیتے تھے۔④ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے اوصاف میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے: ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝﴾ (ال عمرٰن 3:17) ''اور اوقات سحر میں بخشش مانگا کرتے ہیں۔'' اور اگر استغفار نماز ہی میں ہو تو وہ اور بھی اچھا ہے۔ کتب صحاح وغیرہ میں بہت سے صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ (الْأَخِيرُ فَيَقُولُ:)]، [هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى سُؤْلَهُ؟ هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ (فَأَتُوبَ) عَلَيْهِ؟]، [حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ ہر رات اس وقت آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (جیسا اس کی ذات پاک کے شایان شان ہے) جب رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے تو وہ فرماتا ہے: کوئی ہے سوال کرنے والا کہ اس کے سوال کو پورا کر دیا جائے۔ کوئی ہے بخشش طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔ کیا ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کر لوں، یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا

① پہلی قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث:[أفشوا السلام......]، حديث :2485 اور دوسری قوسین والے الفاظ سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فی قيام الليل، حديث : 1334 جبکہ باقی حدیث مسند أحمد: 451/5 میں ہے۔ ② مسند أحمد : 173/2 اور قوسین والا لفظ جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء فی قول المعروف، حديث: 1984 عن علی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ③ تفسير الطبري : 258/26. ④ تفسير الطبري : 258/26 عن حسن.

رہتا ہے۔‘‘[1] بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جو یہ فرمایا تھا: ﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ ﴾ (یوسف 98:12) ’’میں اپنے پروردگار سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا۔‘‘ تو انھوں نے اسے وقت سحر تک مؤخر کر دیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ ’’اور ان کے مالوں میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا ہے۔‘‘ پہلے ان کی تعریف میں کہا کہ نماز پڑھتے ہیں اور اب ان کی تعریف میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ زکاۃ دیتے اور نیکی اور صلہ رحمی کے کام کرتے ہیں، ﴿ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ ﴾ ’’اور ان کے مالوں میں حق ہوتا ہے۔‘‘ یعنی انھوں نے ان کے لیے ایک طے شدہ حصے کو الگ کر دیا ہوتا ہے، ﴿ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ ’’مانگنے والے اور نہ مانگنے والے کے لیے۔‘‘ سائل تو معروف ہے کہ جو خود سوال کرے اسے سائل کہتے ہیں اور اس کا حق ہے اور محروم کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کا بیت المال میں حصہ نہ ہو اور نہ اپنی روزی کے لیے کمائی کر سکتا ہو۔[2] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ محروم سے مراد وہ ہے جس کے لیے کمانا ممکن نہ ہو۔[3] امام قتادہ و زہری کا قول ہے کہ محروم سے مراد وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہ کرے۔[4] امام زہری نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيْسَ الْمِسْكِينُ (بِالطَّوَّافِ) الَّذِي تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنِ الْمِسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُّغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ] ’’مسکین وہ چکر لگانے والا نہیں ہے جسے ایک لقمہ یا دو لقمے، ایک کھجور یا دو کھجوریں لوٹا دیتی ہیں بلکہ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس بے نیاز کر دینے کے لیے کچھ نہ ہو اور نہ ضرورت مند سمجھ کر اس پر صدقہ کیا جائے۔‘‘[5] اسے شیخین نے ایک دوسری سند سے مرفوع بھی روایت کیا ہے۔[6]

---

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، التهجد، باب الدعاء والصلاۃ......، حدیث : 1145 جبکہ قوسین والے الفاظ السنن الکبری للنسائی: 420/4، حدیث: 7768 میں، دوسرا حصہ مسند أبي یعلی الموصلی: 342/10، حدیث: 5936 قوسین والا لفظ مسند أحمد: 433/2 میں اور تیسرا حصہ سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فی أی ساعات اللیل أفضل؟ حدیث: 1367 عن رفاعة الجهنی میں ہے۔ مزید دیکھیے صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین......، باب الترغیب فی الدعاء......، حدیث: 758 وسنن أبي داود، التطوع، باب أی اللیل أفضل؟ حدیث: 1315 و جامع الترمذی، الصلاۃ، باب ماجاء فی نزول الرب تبارك و تعالی......، حدیث: 446. [2] تفسیر الطبری: 260,259/26. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 3312/10. [4] تفسیر الطبری: 262,261/26. [5] امام طبری نے بایں الفاظ: [لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَالْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ. قَالُوا: فَمَنِ الْمِسْكِينُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى، وَّلَا يُعْلَمُ بِحَاجَتِهِ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، فَذٰلِكَ الْمَحْرُومُ] اسے مرسل بیان کیا ہے۔ تفسیر الطبری: 261/26 جبکہ سنن أبي داود، الزکاۃ، باب من یعطی من الصدقة؟ حدیث: 1632 میں اس سے ملتی جلتی روایت موجود ہے اور اس میں صرف لفظ المحروم کی زیادت امام زہری کی طرف سے اوثق رواۃ کی مخالفت ہے۔ [6] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب قول اللّٰہ عزوجل: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ ﴾ (البقرۃ 273:2)، حدیث: 1479 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب المسکین الذی لا یجد غنی......، حدیث: 1039 جبکہ قوسین والا لفظ مسند أحمد: 469/2 عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ میں ہے۔

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿24﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط

(اے نبی!) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے گرامی قدر مہمانوں کی خبر آئی ہے؟﴿24﴾ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انھوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی کہا:

قَالَ سَلٰمٌ ج قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿25﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿26﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ

(تم پر) سلام ہو، (پھر دل میں کہا تم) لوگ تو اجنبی ہو﴿25﴾ پھر وہ اپنے اہل کی طرف بڑھا، اور ایک موٹا تازہ بچھڑا (بھون کر) لے آیا﴿26﴾ پھر وہ انھیں

قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿27﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ط قَالُوْا لَا تَخَفْ ط وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿28﴾

پیش کیا (اور) کہا: تم کھاتے کیوں نہیں؟﴿27﴾ تب اس نے (دل میں) ان سے خوف محسوس کیا۔ انھوں نے کہا: تو نہ ڈر۔ اور انھوں نے اسے بڑے ذی

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿29﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ لا

علم بیٹے کی بشارت دی﴿28﴾ پس ابراہیم کی عورت چیختی چلاتی سامنے آئی، پھر اس نے (تعجب سے) اپنے چہرے پر ہاتھ مارا اور کہا: (میں) بانجھ، بڑھیا

قَالَ رَبُّكِ ط اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿30﴾

(ہوں اولاد کیسے؟)﴿29﴾ انھوں نے کہا: تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے، بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا، خوب جاننے والا ہے﴿30﴾

زمین اور نفس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں: اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿20﴾ ﴾ ''اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' یعنی زمین میں ایسی بہت سی نشانیاں ہیں جو اپنے خالق کی عظمت اور اس کی قدرت کی دلیل ہیں اور وہ یہ کہ اس نے زمین میں انواع واقسام کی نباتات، حیوانات، چٹیل میدان، پہاڑ، صحرا، دریا اور سمندر پیدا فرما دیے ہیں۔ لوگوں کو مختلف زبانیں اور رنگ عطا کیے، انھیں مختلف ارادوں اور قوتوں سے نوازا، عقل وفہم، حرکت وارادہ اور سعادت وشقاوت کے اعتبار سے ان میں تفاوت پیدا فرمایا، ان کے اعضائے جسم میں سے ایک ایک عضو کو وہاں رکھا جہاں اس کی ضرورت تھی، اسی لیے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ''اور خود تمھارے نفوس میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں؟'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کی تخلیق کے بارے میں غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اسے عبادت ہی کے لیے پیدا کیا گیا اور اسی مقصود کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے جوڑوں کو لچکدار بنایا گیا ہے۔ ①

پھر فرمایا: ﴿ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ ﴾ ''اور تمھارا رزق آسمان میں ہے۔'' یعنی بارش، ﴿ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔'' یعنی جنت جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔ ② ﴿ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم! یہ اسی طرح قابل یقین ہے جس طرح تم بولتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا کہ اس نے تم سے قیامت، بعث بعد الموت اور جزا کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ یقینی طور پر پورا ہونے والا ہے۔ وہ وعدہ حق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، لہٰذا تم بھی شک نہ کرو جیسا کہ تمھیں اپنے بولنے میں شک نہیں ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب کوئی بات کرتے تو اپنے مخاطب سے کہتے: إِنَّ هٰذَا لَحَقٌّ كَمَا

① تفسیر القرطبی: 40/17. ② تفسیر الطبری: 266/26.

أَنَّكَ هٰهُنَا ’’یہ بات اسی طرح حق ہے جیسا کہ تمھارا وجود یہاں حق ہے۔‘‘[1]

تفسیر آیات:24-30

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ: یہ قصہ قبل ازیں سورۂ ہود اور حجر میں بھی بیان ہو چکا ہے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ ’’بھلا تمھارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟‘‘ یعنی جن کے لیے عزت و کرامت کو مقدر کر دیا گیا تھا، ﴿ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ ﴾ ’’پھر انھوں نے سلام کہا تو (جواب میں) ابراہیم نے بھی سلام کہا۔‘‘ رفع، نصب کی نسبت زیادہ قوی اور ثابت ہے، لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں افضل صورت اختیار فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾ (النسآء 4:86) ’’اور جب تم کو کوئی دعا دے تو جواب میں تم اس سے بہتر کلمے سے اسے دعا دو یا انھی لفظوں سے دعا دو۔‘‘ پس حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے افضل صورت کو اختیار فرمایا۔ ﴿ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴾ ’’ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان۔‘‘ کیونکہ فرشتے، یعنی جبریل، میکائیل اور اسرافیل آپ کے پاس ایسے خوبصورت جوانوں کی صورت میں آئے تھے جو بہت بارعب تھے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن سے جان پہچان نہیں ہے، ﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴾ ’’پھر انھوں نے اپنے اہل خانہ کا رخ کیا تو ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے۔‘‘ یعنی چپکے سے اور جلدی سے گھر چلے گئے اور اپنے مال میں سے پسندیدہ بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴾ (ہود 11:69) ’’پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔‘‘ یعنی جو گرم پتھروں پر بھنا ہوا تھا، ﴿ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ ﴾ ’’پھر اس نے اسے (کھانے کے لیے) ان کے نزدیک کر دیا۔‘‘ ﴿ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ’’کہنے لگے: آپ اسے تناول کیوں نہیں کرتے؟‘‘ آپ نے بہت شائستہ انداز میں کھانے کی دعوت دی۔ اس آیت کریمہ سے آدابِ ضیافت بھی معلوم ہوتے ہیں، آپ بہت جلد کھانا لے آئے کہ مہمانوں کو معلوم بھی نہ ہونے دیا، مہمانوں پر احسان جتلاتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ ہم تمھارے لیے کھانا لاتے ہیں بلکہ چپکے سے جا کر جلدی سے کھانا لے آئے، اس وقت موجود مال میں سے سب سے بہتر مال لے کر آئے اور وہ ایک موٹے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت تھا، کھانا مہمانوں کے قریب کر دیا، یہ نہیں کہ کھانا رکھ کر کہا ہو کہ قریب ہو جاؤ بلکہ کھانا مہمانوں کے آگے رکھ دیا اور پھر مہمانوں کو کھانے کا حکم اس انداز سے نہیں دیا جو سامع پر گراں گزرتا ہو بلکہ ادب و شائستگی کے ساتھ فرمایا کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے جیسا کہ آج کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر آپ مہربانی، احسان اور صدقہ کرنا چاہیں تو ایسا ضرور کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ﴾ ’’پھر اس نے (دل میں) ان سے خوف محسوس کیا۔‘‘ جیسا کہ دوسری سورت میں فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ ﴾ (ہود 11: 71,70) ’’پھر جب اس نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ وہ کھانے

---

[1] سنن أبي داود، الملاحم، باب في أمارات الملاحم، حديث: 4294 عن معاذ رضی اللہ عنہ۔ ملحوظہ: یہ الفاظ مرفوع ہیں جبکہ معاذ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نہیں ملے۔ اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ. [2] دیکھیے ہود، آیات:69-73 اور الحجر، آیات:51-60 کے ذیل میں۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿31﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾ لِنُرْسِلَ

ابراہیم نے کہا: اچھا تو تمھارا مقصد کیا ہے، اے قاصدو! (فرشتو؟)﴿31﴾ انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں﴿32﴾ تا کہ ہم ان پر

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿33﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿34﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا

مٹی کے پتھر (کھنگر) برسائیں﴿33﴾ جو آپ کے رب کے ہاں حد سے گزر جانے والوں کے لیے نامزد ہو چکے ہیں﴿34﴾ پھر وہاں جو بھی مومن تھے،

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿35﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿36﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً

ہم نے انھیں نکال لیا﴿35﴾ اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھرانہ پایا﴿36﴾ اور ہم نے وہاں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی چھوڑی

لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿37﴾

جو دردناک عذاب سے خوف کھاتے ہیں﴿37﴾

کی طرف نہیں پہنچتے (وہ کھانا نہیں کھاتے اور) ان کو اجنبی سمجھ کر ان سے (دل میں) خوف محسوس کیا۔ انھوں نے کہا کہ خوف نہ کیجیے، ہم قوم لوط کی طرف (ان کے ہلاک کرنے کو) بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم کی عورت جو (پاس) کھڑی تھی ہنس پڑی۔'' یعنی وہ قوم کی ہلاکت کی خبر سن کر خوش ہوئی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے بڑھ گئی تھی۔ اس کے ساتھ فرشتوں نے انھیں اسحاق کی اور ان کے بعد یعقوب کی بشارت سنائی تو ﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ○ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○ ﴾ (هود 11: 73,72) ''اس نے کہا: اے ہے! میں (بچہ) جنوں گی! میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں، یہ تو بڑی عجیب بات ہے! انھوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، وہ سزاوار تعریف، نہایت بزرگوار ہے۔''

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿28﴾ ﴾ ''اور انھوں نے اس کو ایک دانش مند لڑکے کی بشارت بھی سنائی۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بشارت حضرت سارہ کے لیے بھی بشارت تھی کیونکہ بیٹے نے دونوں سے جنم لینا تھا، لہٰذا بشارت دونوں کے لیے تھی۔ ﴿ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ ﴾ ''تو ابراہیم کی عورت (حیرت سے) چیختی ہوئی آئی۔'' یعنی اس نے بہت شور کیا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابوصالح، ضحاک، زید بن اسلم، ثوری اور سدی رحمہم اللہ نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[1] اور انھوں نے شور مچاتے ہوئے کہا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى ﴾ (هود 11:72) ''اے ہے!'' ﴿ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا ﴾ ''پھر اپنا چہرا پیٹ کر کہنے لگی:'' یعنی اس نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارا جیسا کہ مجاہد اور ابن سابط نے کہا ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس نے از راہِ تعجب اپنے چہرے پر طمانچہ مارا جیسا کہ عورتیں عجیب وغریب بات سن کر اپنے منہ پر طمانچہ مار لیتی ہیں۔[3] ﴿ وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿29﴾ ﴾ ''اور اس نے کہا: (اے ہے! ایک تو) بڑھیا اور (دوسری) بانجھ۔'' یعنی میرے ہاں بچہ

① تفسیر الطبری: 271,270/26 وتفسیر القرطبی: 46/17. ② تفسیر الطبری: 271/26. ③ تفسیر القرطبی: 47/17 عن سفیان رحمہ اللہ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ، مختصرًا.

کیسے ہوگا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور پھر بچپن ہی سے بانجھ بھی ہوں کہ مجھے حمل قرار نہیں پاتا۔ ﴿ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝۳۰ ﴾ ''انھوں نے کہا: (ہاں) تیرے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے، بے شک وہ بڑا صاحب حکمت، خوب خبردار ہے۔''یعنی تم جس عزت وکرامت کے مستحق ہو اسے وہ جانتا ہے اور اپنے اقوال وافعال میں بڑا پرحکمت ہے۔

تفسیر آیات: 31-37

قوم لوط کی تباہی کے لیے فرشتوں کی آمد: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ ﴾ (ھود 11:74-76) ''پس جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوش خبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں لگے ہم سے بحث کرنے، بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو، تیرے پروردگار کا حکم آپہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۱ ﴾ ''اس (ابراہیم) نے کہا کہ فرشتو! تمھارا مدعا کیا ہے؟'' یعنی تمھاری آمد کا مقصد کیا ہے اور تم کس لیے آئے ہو؟ ﴿ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ ہم گناہ گاروں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''یعنی قوم لوط کی طرف، ﴿ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝۳۳ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۴ ﴾ ''تاکہ ان پر کھنگر برسائیں جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے تمھارے پروردگار کے ہاں سے نشان کردیے گئے ہیں۔''یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان پتھروں پر ان کے نام اس طرح لکھے ہوئے ہیں کہ ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا ہے جسے لگ کر وہ تباہ کردے گا۔ سورۂ عنکبوت میں ہے: ﴿ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29: 32) ''اس (ابراہیم) نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جو لوگ وہاں رہتے ہیں ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔''اور یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳۵ ﴾ ''پھر وہاں جتنے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا۔''مومنوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی کے سوا دیگر اہل خانہ ہیں، ﴿ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۶ ﴾ ''تو وہاں ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔'' ﴿ وَتَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۳۷ ﴾ ''اور جو لوگ عذاب الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ہم نے وہاں نشانی چھوڑ دی۔''یعنی ہم نے ان پر جس عذاب، سزا اور پتھروں کو نازل کیا، اسے باعثِ عبرت بنادیا اور ان کے مقام کو خبیث بحرِ مردار بنادیا، بلاشبہ اس میں مومنوں کے لیے عبرت ہے ﴿ لِلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۳۷ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔''

وَفِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ

اور موسیٰ (کے قصے) میں (عظیم نشانی ہے) جب ہم نے اسے فرعون کی طرف ایک کھلے معجزے کے ساتھ بھیجا﴿38﴾ تو وہ اپنی قوت کے بل پر (حق سے)

اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿39﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿40﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا

پھرا اور کہا: (موسیٰ) جادوگر یا دیوانہ ہے﴿39﴾ پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور انھیں سمندر میں پھینک دیا جبکہ وہ قابل ملامت (کام کرتا) تھا﴿40﴾

عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿41﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿42﴾ وَفِيْ

اور عاد (کے قصے) میں (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر بے خیر و برکت ہوا بھیجی﴿41﴾ وہ جس چیز پر سے بھی گزرتی اسے گلی سڑی ہڈی کے مانند ریزہ ریزہ

ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿43﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ

کر ڈالتی تھی﴿42﴾ اور ثمود (کے قصے) میں (نشانی ہے)، جب ان سے کہا گیا: تم ایک وقت (تین دن) تک فائدہ اٹھاؤ﴿43﴾ پھر انھوں نے اپنے رب کے

يَنْظُرُوْنَ ﴿44﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿45﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ

حکم سے سرکشی کی تو انھیں کڑک نے آ پکڑا جبکہ وہ دیکھ رہے تھے﴿44﴾ پھر نہ تو ان میں اٹھنے کی سکت تھی اور نہ وہ بدلہ ہی لینے والے تھے﴿45﴾ اور ان سے پہلے

ع 2 23 1 اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿46﴾

(ہم نے) قوم نوح کو (ہلاک کیا)، بلاشبہ وہ لوگ نافرمان تھے﴿46﴾

تفسیر آیات: 38-46

باعثِ عبرت واقعات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ ﴾ ''اور موسیٰ کے حال میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان کو فرعون کی طرف کھلی کھلی دلیل دے کر بھیجا۔'' یعنی مضبوط دلیل اور ان کے دلائل کو قطع کر دینے والی حجت کے ساتھ، ﴿ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ ﴾ ''تو وہ اپنی قوت کے گھمنڈ پر پھرا۔'' یعنی موسیٰ علیہ السلام جس واضح حق کو لے کر آئے، فرعون نے از راہ تکبر و سرکشی اس سے اعراض کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (الحج 22:9) ''تکبر سے گردن موڑ لیتا ہے تا کہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے گمراہ کرے۔'' یعنی حق سے اعراض کرنے والا متکبر کر دے۔ ﴿ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿39﴾ ﴾ ''اور کہنے لگا (یہ تو) جادوگر ہے یا دیوانہ۔'' یعنی تم میرے پاس جو چیز لے کر آئے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم جادوگر ہو یا مجنون۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿40﴾ ﴾ ''تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا پھر ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ (کام ہی) قابل ملامت (کرتا) تھا۔'' یعنی وہ ملامت زدہ، کافر، منکر، بدکار اور سرکش تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿41﴾ ﴾ ''اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان پر بے خیر و برکت خشک ہوا چلائی۔'' یعنی اس طرح تباہ و برباد کر دینے والی ہوا کہ جس کے چلنے کے بعد کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا، ضحاک، قتادہ اور دیگر ائمۂ تفسیر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ [1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① تفسیر الطبری: 27/7,8.

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿47﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿48﴾ وَمِنْ كُلِّ

اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ بنایا، اور بلاشبہ ہم بہت وسعت والے ہیں ﴿47﴾ اور ہم نے زمین کو بچھایا، تو (ہم) کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں! ﴿48﴾ اور ہم

شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿49﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿50﴾

نے ہر (جاندار) چیز سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿49﴾ لہٰذا تم اللہ کی طرف دوڑ و، بلاشبہ میں تمھیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿51﴾

ہوں ﴿50﴾ اور تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، بلاشبہ میں تمھیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿51﴾

﴿ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿42﴾ ﴾ ''جس چیز پر چلتی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔'' یعنی اسے تباہ و برباد اور بوسیدہ چیز کی طرح کر دیتی۔ سعید بن مسیّب اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''ریح عقیم'' سے مراد باد جنوب ہے۔[1] صحیح بخاری میں بروایت شعبہ، از حکم، از مجاہد، از ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ] ''میری باد صبا کے ساتھ مدد کی گئی ہے جبکہ قوم عاد کو باد صرصر کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا تھا۔''[2]

﴿ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿43﴾ ﴾ ''اور (قوم) ثمود (کے حال) میں بھی نشانی ہے جب ان سے کہا گیا کہ ایک وقت تک فائدے اٹھا لو۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:17) ''اور جو ثمود تھے تو ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا تو ذلت کے عذاب کی کڑک نے انھیں آ پکڑا۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿43﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''اور (قوم) ثمود کے حال میں بھی نشانی ہے، پھر جب ان سے کہا گیا کہ ایک وقت تک فائدہ اٹھا لو تو انھوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی تو ان کو کڑک نے آ پکڑا اور وہ دیکھ رہے تھے۔'' انھوں نے تین دن تک عذاب کا انتظار کیا اور پھر چوتھے دن صبح سویرے عذاب آ گیا، ﴿ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ ﴾ ''پھر وہ نہ تو اٹھنے کی طاقت رکھتے تھے۔'' یعنی کھڑے ہو سکے اور نہ بھاگ سکے، ﴿ وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''اور نہ وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے تھے۔'' یعنی اس حالت میں وہ ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ ﴾ ''اور اس سے پہلے (ہم) نوح کی قوم (کو ہلاک کر چکے تھے۔)'' یعنی ان لوگوں سے پہلے ہم نے قوم نوح کو بھی ہلاک کر دیا تھا، ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿46﴾ ﴾ ''بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔'' یہ تمام واقعات قبل ازیں مختلف سورتوں کے بہت سے مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ.

---

[1] تفسير الطبري: 7/27. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، حديث: 4105 وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب في ريح الصبا والدبور، حديث: 900.

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿52﴾ اَتَوَاصَوْا

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو بھی رسول آیا تو انھوں نے بس یہی کہا کہ (یہ) جادوگر ہے یا دیوانہ ﴿52﴾ کیا وہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت

بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿53﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿54﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ

کرتے آئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ (سب) لوگ سرکش ہیں ﴿53﴾ لہٰذا آپ ان سے پھر جائیں تو آپ پر کچھ ملامت نہیں ﴿54﴾ اور آپ نصیحت کرتے رہیں، اس

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿55﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿56﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

لیے کہ بے شک نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے ﴿55﴾ اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں ﴿56﴾ میں ان سے کوئی رزق

وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿57﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿58﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ

نہیں چاہتا، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں ﴿57﴾ بلاشبہ اللہ تو خود رزق دینے والا ہے، بڑی قوت والا، نہایت طاقت ور ہے ﴿58﴾ پھر بے شک جن لوگوں نے

ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿59﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ظلم کیا ان کے نصیب میں (عذاب) ہے جیسا ان کے ساتھیوں کے نصیب میں (تھا)، لہٰذا وہ مجھ سے (عذاب) جلدی نہ مانگیں ﴿59﴾ چنانچہ کافروں کے لیے

3 ع 14 2 مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿60﴾

ان کے اس دن (کے آنے) سے تباہی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ﴿60﴾

تفسیر آیات :47-51

توحید باری تعالیٰ کے دلائل: اللہ تعالیٰ نے عالم عُلوی و سُفلی کی تخلیق کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا ﴾ ''اور آسمانوں کو ہم ہی نے بنایا۔'' یعنی اسے ہم نے ایک محفوظ اور بلند چھت بنا دیا ہے ﴿ بِاَيْىدٍ ﴾ ''قوت کے ساتھ۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ثوری اور کئی ایک ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ اس کے معنی ہیں قوت کے ساتھ۔ ① ﴿ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿47﴾ ﴾ ''اور بلاشبہ ہم کو سب مقدور ہے۔'' یعنی ہم نے اس کی حدود کو وسیع کر دیا اور اسے ستونوں کے بغیر کھڑا کر دیا ہے حتی کہ یہ اس طرح قائم دائم ہو گیا ہے جیسا کہ نظر آ رہا ہے، ﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا ﴾ ''اور زمین کو ہم ہی نے بچھایا۔'' یعنی اسے مخلوقات کے لیے بچھونا بنا دیا ہے، ﴿ فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ''تو (دیکھو ہم) کیا خوب بچھانے والے ہیں!'' یعنی اسے ہم نے اہل زمین کے لیے بچھا دیا ہے، ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ﴾ ''اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں۔'' یعنی تمام مخلوقات آسمان و زمین، رات دن، سورج چاند، بر و بحر، روشنی اور تاریکی، ایمان و کفر، موت و حیات، شقاوت و سعادت، جنت و جہنم حتی کہ تمام حیوانات و نباتات بھی جوڑے جوڑے بنائے ہیں، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿49﴾ ﴾ ''تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' یعنی تاکہ تم یہ خوب جان لو کہ خالق واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ ﴿ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''تو تم لوگ اللہ کی طرف بھاگ چلو۔'' اسی کی طرف لپکو اور اپنے تمام امور و معاملات میں صرف اسی کی ذات پاک پر بھروسا رکھو۔ ﴿ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿50﴾ ﴾ ''بلاشبہ میں اس (کی طرف) سے تم کو کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ:

① تفسير الطبري : 11/27 .

﴿ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ ’’اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔‘‘ ﴿ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿51﴾ ﴾ ’’بلاشبہ میں اس (کی طرف) سے تم کو کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔‘‘

تفسیر آیات:52-60

ہر قوم نے اپنے رسول کی ایک ہی طرح تکذیب کی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جو بات یہ مشرکین آپ سے کہتے ہیں، پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں نے بھی اسی طرح کہا تھا: ﴿ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿52﴾ ﴾ ’’اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ﴾ ’’کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟‘‘ کیا ان لوگوں نے ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کی ہے؟ ﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿53﴾ ﴾ ’’بلکہ یہ شریر و سرکش لوگ ہیں۔‘‘ یہ سرکش لوگ ہیں، ان کے دل، یعنی سوچ اور فکر کا انداز ایک دوسرے کے مشابہ ہے، ان کے پچھلے بھی وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان کے اگلوں نے کہی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ﴾ ’’تو ان سے اعراض کریں۔‘‘ یعنی اے محمد (ﷺ!) ان سے اعراض کرو، ﴿ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿54﴾ ﴾ ’’سو آپ کو (ہماری طرف سے) ملامت نہ ہوگی۔‘‘ یعنی اس کی وجہ سے ہم آپ کو ملامت نہیں کریں گے، ﴿ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿55﴾ ﴾ ’’اور نصیحت کرتے رہیں کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔‘‘ یعنی نصیحت سے صرف وہ دل ہی نفع حاصل کر سکتے ہیں جو ایمان سے لبریز ہوں۔

جنوں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے: اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿56﴾ ﴾ ’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔‘‘ یعنی میں نے انھیں اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ انھیں یہ حکم دوں کہ وہ میری عبادت کریں، میں نے انھیں اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میں ان کا محتاج ہوں۔ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿56﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ میری عبادت کا اقرار کریں، خواہ پسندیدگی سے یا اسے ناپسند کرتے ہوئے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَاۤ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ﴿57﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ﴿58﴾ ﴾ ’’میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں، اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور، مضبوط ہے۔‘‘ امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مجھے اس طرح پڑھائی تھی: [إِنِّي أَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ] ’’بلاشبہ میں ہی رزق دینے والا، زور آور، مضبوط ہوں۔‘‘[2] اسے امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3] آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس

---

① تفسیر الطبري: 16/27. ② مسند أحمد: 418/1. ③ سنن أبي داود، الحروف والقراءات، باب، حديث: 3993 وجامع الترمذي، القراءات، باب ومن سورة الذاريات، حديث: 2940 والسنن الكبرى للنسائي، النعوت، باب قول الله عزوجل: ﴿ هُوَ الرَّزَّاقُ ﴾ : 406/4، حديث: 7707.

لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں جو اس کی اطاعت کرے گا، اسے وہ پوری پوری جزا عطا فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا تو اسے وہ شدید ترین عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اللہ جل شانہ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے تمام حالات میں اس کی ذات پاک کے محتاج ہیں اور وہ ان کا خالق بھی ہے اور رازق بھی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا ابْنَ آدَمَ! تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي، أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى، وَّأَسُدَّ فَقْرَكَ، وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ صَدْرَكَ شُغْلًا، وَّلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ] ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! اپنے آپ کو میری عبادت کے لیے فارغ کر لے، میں تیرے سینے کو بے نیازی سے بھر دوں گا اور تیرا فقر دور کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرا سینہ مشاغل سے بھر دوں گا اور تیرا فقر بھی دور نہیں کروں گا۔“① اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن غریب قرار دیا ہے۔②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿59﴾﴾ ”پس کچھ شک نہیں کہ ان ظالموں کے لیے بھی ان کے ساتھیوں کے (عذاب کے) حصے جیسا (عذاب کا) حصہ مقرر ہے، سو وہ جلدی نہ مچائیں۔“ وہ جلدی نہ کریں یہ یقیناً وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿60﴾﴾ ”تو جس دن کا ان کافروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس سے ان کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔“ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

سورۂ ذاریات کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① مسند أحمد: 358/2. ② جامع الترمذي، صفة القيامة......، باب أحاديث: ابتلينا بالضراء ......، حديث: 2466 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الهم بالدنيا، حديث: 4107.

تفسیر
سُوْرَۂ طُور

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ① وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ② فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ③ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ④ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ⑤

قسم ہے طور (پہاڑ) کی ①اور ایک کتاب کی (قسم) جو لکھی ہوئی ہے ② کھلے کاغذ میں ③اور بیتِ معمور کی (قسم) ④اور اونچی چھت کی (قسم) ⑤اور

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ

بھڑکائے ہوئے سمندر کی (قسم) ⑥ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے ⑦ اسے کوئی روکنے والا نہیں ⑧ (وہ واقع ہوگا) جس

مَوْرًا ⑨ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ

دن آسمان زور سے حرکت کرنے لگے گا ⑨ اور پہاڑ تیزی سے چلنے لگ جائیں گے ⑩ چنانچہ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے ⑪ جو

خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ

وقف لازم

(تکذیب حق کی) سخن سازی میں پڑے کھیل رہے ہیں ⑫ جس دن انھیں نہایت سختی سے دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا ⑬

بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑭ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ

(کہا جائے گا:) یہی ہے وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ⑭ کیا پھر یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھتے ہی نہیں؟ ⑮ تم اس (دوزخ) میں داخل ہو جاؤ، اب تم

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯

صبر کرو یا صبر نہ کرو تمھارے لیے برابر ہے، تمھیں بس اسی کی سزا دی جائے گی جو تم عمل کیا کرتے تھے ⑯

فضیلت: امام مالک رحمہ اللہ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے نماز مغرب میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ طور کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا، میں نے کسی اور کو نہیں سنا جس کی آواز یا قراءت آپ سے زیادہ اچھی ہو۔[1] امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو بطریق امام مالک رحمہ اللہ بیان فرمایا ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان

① الموطأ للإمام مالك، الصلاة، باب القراءة فى المغرب والعشاء: 25/1، حديث: 175 . ② صحيح البخاري، الأذان، باب الجهر فى المغرب، حديث: 765 و3050 وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة فى الصبح، حديث: 463. ملحوظہ: مَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ أَوْقِرَاءَةً کے الفاظ اس حدیث کے سیاق میں نہیں ملے جبکہ یہ الفاظ کسی اور حدیث کے سیاق میں ہیں، دیکھیے صحيح البخاري، الأذان، باب القراءة فى العشاء، حديث: 769 وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة فى العشاء، حديث: (177)-464 عن البراء رضی اللہ عنہ.

کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں بیمار ہوں، آپ نے فرمایا: [طُوفِي مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ] ''تم لوگوں کے پیچھے پیچھے سواری پر سوار ہو کر طواف کر لو۔'' میں نے طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے پاس نماز پڑھائی جس میں آپ نے ﴿ وَالطُّوْرِ ۙ﴿1﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿2﴾ ﴾ کی تلاوت فرمائی۔ ①

تفسیر آیات: 1-16

عذاب کے وقوع پذیر ہونے پر اللہ تعالیٰ کی قسم: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان قدرت پر دلالت کرنے والی اپنی مخلوقات کی قسم کھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس کے دشمنوں پر وہ عذاب واقع ہونے والا ہے جو ان سے کوئی نہیں ٹال سکے گا۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر بہت سے درخت ہوں جیسا کہ وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا اور جس سے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ جس پہاڑ پر درخت نہ ہوں اسے طور نہیں کہا جاتا بلکہ اسے جبل کہا جاتا ہے۔ ﴿ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿2﴾ ﴾ ''اور لکھی ہوئی کتاب کی۔'' ایک قول کے مطابق اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد وہ کتب ہیں جنھیں آسمان سے نازل کیا گیا ہے جنھیں لکھا جاتا ہے اور جنھیں بلند آواز کے ساتھ پڑھ کر لوگوں کو سنایا جاتا ہے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿3﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿4﴾ ﴾ ''کشادہ جھلی (کے اوراق) میں اور آباد گھر کی۔'' صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث اسراء میں ساتویں آسمان سے تجاوز کر جانے کے بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: [ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ...... يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا مِنْهُ لَمْ يَعُودُوا فِيهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ] ''پھر میرے لیے بیت معمور اٹھایا گیا...... اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جب وہ اس سے نکل گئے تو پھر وہ آخر وقت تک اس میں لوٹ نہیں سکیں گے۔'' ② یعنی فرشتے اسی گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں جیسا کہ اہل زمین کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو ایسی مسند عطا کی گئی ہے جس کی پشت بیت معمور کے ساتھ ہے کیونکہ وہ زمینی کعبہ کے بانی ہیں اور جزا عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ بیت معمور کعبۃ اللہ کی سمت پر ہے، اسی طرح ہر آسمان میں بھی اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس میں اس آسمان والے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور نماز پڑھتے ہیں، آسمان دنیا پر اللہ تعالیٰ کا جو گھر ہے، اس کا نام بیت العزت ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿5﴾ ﴾ ''اور اونچی چھت کی۔'' سفیان ثوری، شعبہ اور أبو الأحوص نے سماک سے، انھوں نے خالد بن عرعرہ سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد آسمان ہے۔ ③ سفیان نے کہا کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید میں اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ

---

① صحیح البخاري، الصلاة، باب إدخال البعير في المسجد للعلة، حديث: 464 وصحيح مسلم، الحج، باب جواز الطواف على بعير وغيره......، حديث: 1276. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم، حديث: 3207 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ......، حديث: (264)-164 واللفظ له عن مالك بن صعصعة رضي الله عنه. ③ تفسير الطبري: 25/27.

﴿عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○﴾ (الأنبیآء 21:32) ''اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کر رہے ہیں۔''① مجاہد، قتادہ، سدی، ابن جریج اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے، امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔② ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥﴾ ''اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی۔'' جمہور کہتے ہیں کہ بحر مسجور سے مراد یہی سمندر ہے اور مسجور سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اسے آگ لگا دی جائے گی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝﴾ (التکویر 81:6) ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔'' یعنی جب ان کو بھڑکا دیا جائے گا تو یہ آگ ہو جائیں گے جو شدت کے ساتھ بھڑکے گی اور میدان حشر میں کھڑے لوگوں کو ہر طرف سے گھیر لے گی۔ اسے سعید بن میّب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، مجاہد، عبداللہ بن عبید بن عمیر اور دیگر کئی ائمہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔④ قتادہ کہتے ہیں کہ ﴿الْمَسْجُوْرِ ⑥﴾ کے معنی بھرے ہوئے کے ہیں۔⑤ امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ آج بھڑک نہیں رہا بلکہ آج تو پانی سے بھرا ہوا ہے۔⑥

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦﴾ ''بلاشبہ آپ کے پروردگار کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔'' یہ ہے وہ چیز جس کے بارے میں یہ قسمیں کھائی گئی ہیں اور یہ عذاب کافروں کے لیے واقع ہونے والا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧﴾ ''اس کو کوئی روک نہیں سکے گا۔'' یعنی کوئی نہیں ہوگا جو ان سے اس عذاب کو دور کر سکے، جب اللہ تعالیٰ انھیں مبتلائے عذاب کرنے کا ارادہ فرما لے۔ حافظ ابوبکر بن ابودنیا نے جعفر بن زید عبدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ میں بھیس بدل کر نکلے، ان کا گزر مسلمانوں کے ایک ایسے گھر کے پاس سے ہوا جس میں اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے اس کی قراءت کو بغور سننا شروع کیا تو دیکھا کہ وہ پڑھ رہا تھا: ﴿وَالطُّوْرِ ①﴾ حتی کہ وہ اس آیت پر پہنچا ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧﴾ تو انھوں (حضرت عمر) نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم! یہ عذاب برحق ہے، پھر اپنے گدھے سے نیچے اتر آئے اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور خاصی دیر تک کھڑے رہے، پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے اور ایک مہینے تک بیمار رہے، لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آتے تھے مگر جانتے نہیں تھے کہ آپ کا مرض کیا ہے۔⑦

یوم عذاب، یعنی روز قیامت کا حال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ⑨﴾ ''جس دن آسمان بری طرح لرزنے لگے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن آسمان زور زور سے ہلے گا۔⑧ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان کا پھٹنا ہے۔⑨ مجاہد کا قول ہے کہ آسمان زور سے گھومنے لگے گا۔⑩

① تفسیر الطبری: 25/27. ② تفسیر الطبری: 25/27. ③ تفسیر الطبری: 26/27 مختصرًا. ④ تفسیر البغوی: 290,289/4 وتفسیر الطبری: 26/27. ⑤ تفسیر الطبری: 26/27. ⑥ تفسیر الطبری: 27,26/27. ⑦ تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمة عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ......: 239/47. ⑧ تفسیر الطبری: 29/27. ⑨ تفسیر الطبری: 29/27. ⑩ تفسیر الطبری: 29/27.

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَعِيمٍ ⑰ فٰكِهِينَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ

بلاشبہ متقین باغات اور نعمتوں میں ہوں گے ⑰ درآں حالیکہ وہ ان چیزوں سے لطف اٹھا رہے ہوں گے جو ان کے رب نے انھیں دیں، اور ان کے

عَذَابَ الْجَحِيمِ ⑱ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑲ مُتَّكِـِٕينَ

رب نے انھیں جہنم کے عذاب سے بچالیا⑱ (انھیں کہا جائے گا:) خوب مزے سے کھاؤ اور پیو، ان اعمال کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے⑲ جبکہ

عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ⑳

وہ باہم برابر بچھے تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے، اور ہم انھیں غزال چشم حوروں سے بیاہ دیں گے⑳

ضحاک کہتے ہیں کہ آسمان کا گھومنا اور حرکت کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور آسمان کے بعض حصوں کے بعض میں ضم ہو جانے کی وجہ سے ہوگا۔[1] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد گھومتے ہوئے حرکت کرنا ہے۔[2] ﴿وَّتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩﴾ ”اور پہاڑ تیز تیز چلنے لگیں گے۔“ یعنی پہاڑ بھی چلنے لگیں گے اور چلتے چلتے غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔ ﴿فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ⑪﴾ ”تو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔“ یعنی اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب، اس کی سخت سزاؤں اور مضبوط پکڑ کی وجہ سے ان کے لیے خرابی ہوگی، ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَّلْعَبُونَ ⑫﴾ ”وہ لوگ جو (تکذیب حق کے) مشغلے میں پڑے کھیل تماشا کرتے رہے۔“ یعنی دنیا میں یہ باطل میں کھوئے ہوئے تھے اور دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا، ﴿يَوْمَ يُدَعُّونَ﴾ یعنی اس دن انھیں دھکے دے کر لے جایا جائے گا۔ ﴿إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬﴾ ”آتش جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر (لے جائے جائیں گے۔)“ مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ضحاک، سدی اور ثوری رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھیں آتش دوزخ میں دھکا دے کر گرا دیا جائے گا۔[3] ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ⑭﴾ ”یہی وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔“ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے زبانیہ فرشتے ان سے یہ کہیں گے: ﴿أَفَسِحْرٌ هٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ⑮ اِصْلَوْهَا﴾ ”تو کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے ہی نہیں؟ اس میں داخل ہو جاؤ“ اب اس میں داخل ہو جاؤ کہ آتش دوزخ تمھیں ہر طرف سے گھیر لے گی، ﴿فَاصْبِرُوٓا أَوْ لَا تَصْبِرُوا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۖ﴾ ”پھر صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے۔“ یہ برابر ہے کہ تم اس سزا اور عذاب پر صبر کرو یا نہ کرو، تمھیں اس سے کوئی نہیں بچا سکے گا، تم اس سے ہرگز خلاصی نہیں پا سکو گے۔ ﴿إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑯﴾ ”جو کام تم کیا کرتے تھے تمھیں صرف انھی کا بدلہ دیا جائے گا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات: 17-20

سعادت مندوں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَعِيمٍ ⑰﴾ ”بلاشبہ جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔“ یہ صورت حال اس سزا اور عذاب کے برعکس ہے جس میں بدبخت لوگ مبتلا ہوں گے، ﴿فٰكِهِينَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ﴾ ”جو کچھ ان کے پروردگار نے ان کو بخشا اس (کی وجہ)

[1] تفسیر الطبری :27/29 . [2] تفسیر الطبری :27/28 . [3] تفسیر الطبری :27/31 .

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، تو ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان سے ملا دیں گے، اور ہم ان کے

اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿21﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ

عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اس کے عوض جو اس نے کمایا گروی ہے ﴿21﴾ اور وہ جو چاہیں گے ان میں سے ہم انھیں (ہر طرح کے)

بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿22﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا

پھل اور گوشت وافر دیں گے ﴿22﴾ وہاں وہ (شراب کے چھلکتے) جام ایک دوسرے سے جھپٹ رہے ہوں گے، اس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ

وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿23﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿24﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

کا کام ﴿23﴾ اور ان (کی خدمت) کے لیے ان کے آس پاس نوعمر لڑکے پھر رہے ہوں گے (ایسے حسین) جیسے وہ چھپا کر رکھے گئے موتی ہیں ﴿24﴾ اور وہ

عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿25﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿26﴾ فَمَنَّ

(اہل جنت) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم (حال) پوچھیں گے ﴿25﴾ وہ کہیں گے: بلاشبہ ہم (اس سے) پہلے اپنے اہل و عیال میں (اللہ سے)

اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿27﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ

ڈرا کرتے تھے ﴿26﴾ پھر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس نے ہمیں (جھلسا دینے والی) لو کے عذاب سے بچا لیا ﴿27﴾ بلاشبہ ہم پہلے ہی اس (اللہ) کو

الرَّحِيْمُ ﴿28﴾ ع 1 28 3

پکارا کرتے تھے، بے شک وہی خوب احسان کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿28﴾

سے خوش حال ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ انھیں جن انواع و اقسام کی لذت بخش نعمتوں، مثلاً: ماکولات، مشروبات، ملبوسات، نفیس رہائش گاہوں اور عمدہ سواریوں سے سرفراز فرمائیں گے، ان سے وہ فیض یاب ہوں گے، ﴿ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿18﴾ ﴾ ''اور ان کے پروردگار نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں عذاب دوزخ سے نجات عطا فرما رکھی ہوگی، یہ بذات خود مستقل طور پر ایک بہت بڑی نعمت ہوگی لیکن اس پر مستزاد یہ کہ انھیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا جس میں فرحت و مسرت کے ایسے سامان ہوں گے کہ کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آ سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿19﴾ ﴾ ''اپنے اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔'' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ ﴾ (الحآقۃ 69:24) ''جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی وجہ سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ﴾ ''تختوں پر جو برابر بچھے ہوئے ہیں تکیہ لگائے ہوئے (بیٹھے) ہوں گے۔'' امام ثوری نے حصین سے، انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ تخت حجلۂ عروسی میں ہوں گے۔ اور ﴿ مَّصْفُوْفَةٍ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے چہرے ایک دوسرے کی طرف ہوں گے جیسا کہ دوسری جگہ

فرمایا: ﴿ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:44) ''ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (بیٹھے ہوں گے۔)'' ﴿ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ ﴾ ''اور ہم انھیں موٹی موٹی (سفید، سیاہ) آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے۔'' یعنی ہم نے ان کی ہم نشین صالح اور ان کی بیویاں ایسی خوب صورت حوروں کو بنایا ہو گا جن کی آنکھیں موٹی موٹی ہوں گی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔ حوروں کے اوصاف کا تذکرہ قبل ازیں کئی ایک مقامات پر ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 21-28

مومن کی اولاد بھی اسی کے ہم مرتبہ ہو گی: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان کے بارے میں مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومنوں کی اولاد نے اگر ایمان میں ان کی اتباع کی ہو گی تو وہ انھیں ان کے آباء کے مقام و مرتبہ میں ان کے ساتھ ملا دے گا، خواہ وہ اپنے عمل کے اعتبار سے اس مقام و مرتبہ کے مستحق نہ بھی ہوں تاکہ اپنی اولاد کو اپنے مقام و مرتبہ میں اپنے ساتھ پا کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اللہ تعالیٰ انھیں احسن انداز میں یکجا فرما دے گا کہ ناقص عمل والے کو کامل عمل والے کے ساتھ سربلندی عطا فرما دے گا اور وہاں دونوں میں برابری کی وجہ سے اس کے عمل و مرتبہ میں کمی نہیں کرے گا، اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ ﴾ ''ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے (درجے کے) ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔'' ثوری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو بھی اس کے درجے میں سربلند کر دے گا، خواہ وہ عمل میں اس سے کم تر ہو تاکہ اس کی اپنی اولاد کی وجہ سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ ﴾ [2] ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے بھی حدیثِ سفیان ثوری کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ [3] ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد مومن کی وہ اولاد ہے جو ایمان کے ساتھ فوت ہو، اگر ان کے آباء کے مراتب ان کے مراتب سے بلند ہوئے تو انھیں بھی اپنے آباء کے مراتب میں پہنچا دیا جائے گا اور ان کے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ [4]

عبداللہ بن امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو بیٹوں کی بابت پوچھا جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هُمَا فِي النَّارِ] ''وہ دوزخ میں ہیں۔'' پھر آپ نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو فرمایا: [لَوْ رَأَيْتِ مَكَانَهُمَا لَأَبْغَضْتِهِمَا] ''اگر تم ان کی جگہ کو دیکھ لو تو انھیں ناپسند کرو۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ سے میرے دو بیٹے فوت ہوئے ہیں، ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: [فِي الْجَنَّةِ] ''وہ جنت میں ہیں۔'' راوی کہتے ہیں

---

[1] دیکھیے الصّٰفّٰت، آیات: 48،49 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الثوری: 1/283 (C.D). [3] تفسیر الطبری: 27/33 و تفسیر ابن أبی حاتم: 10/3316. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 10/3316.

کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمُشْرِكِينَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي النَّارِ] ''مومن اوران کی اولاد جنت میں جائے گی اور مشرک اوران کی اولاد جہنم رسید ہوگی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ ...... ﴾ الآیة [1] آباء کے عمل کی برکت سے یہ اللہ تعالیٰ کا ان کی اولاد پر فضل وکرم ہوگا اور اولاد کی دعا کی برکت سے ان کے آباء پر اللہ تعالیٰ کا جو فضل وکرم ہوگا اس کا ذکر اس حدیث میں ہے جسے امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ: يَارَبِّ! أَنّٰى لِي هٰذِهِ؟ فَيَقُولُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ] ''اللہ تعالیٰ ایک عبد صالح کا جنت میں درجہ بلند فرمادے گا تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرا یہ درجہ کس وجہ سے بلند کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تمھارے لیے تمھارے بیٹے کے بخشش طلب کرنے کی وجہ سے۔'' [2] اس حدیث کی سند صحیح ہے، دیگر ائمہ نے اسے اس طرح بیان نہیں کیا، البتہ صحیح مسلم میں اس کا شاہد موجود ہے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ] ''جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو تین (چیزوں) کے سوا اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے: (1) صدقہ جاریہ (2) ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو اور (3) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔'' [3]

گناہ گاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عدل: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴾ ''ہر شخص اس کے بدلے میں گرو ہوگا جو اس نے کمایا۔'' اللہ جل شانہ نے پہلے مقامِ فضل کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ کسی عمل کے تقاضے کے بغیر اولاد کا درجہ ان کے آباء کے درجے تک بلند کر دیا جائے گا اور اب مقامِ عدل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ کسی کے عمل کی وجہ سے کسی دوسرے شخص سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا، پس ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴾ یعنی ہر شخص صرف اپنے عمل کے عوض گروی ہے کسی دوسرے انسان کے گناہ کا بوجھ اس پر نہیں ڈالا جائے گا، خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحٰبَ الْيَمِينِ ۝ فِي جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ ﴾ (المدثر 74:38-41) ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گرو ہے، مگر دائیں طرف والے (نیک لوگ) کہ وہ باغہائے بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے (آگ میں جلنے والے) گناہ گاروں سے۔''

جنت کی شراب اور اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَأَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴾ ''اور جس طرح کے پھل اور گوشت وہ چاہیں گے ہم ان کو پے در پے عطا کریں گے۔'' یعنی ہم انھیں انواع واقسام کے پاکیزہ اور پسندیدہ پھلوں اور گوشت سے نوازیں گے، ﴿ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا ﴾ ''وہاں وہ ایک دوسرے سے جام شراب جھپٹ لیا کریں گے۔'' ایک دوسرے سے چھینیں گے۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ﴿ لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴾

[1] مسند أحمد: 135,134/1 اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ [2] مسند أحمد: 509/2. [3] صحیح مسلم، الوصیة، باب مایلحق الإنسان من الثواب......، حدیث: 1631.

’’جس (کے پینے) سے نہ بیہودہ گوئی ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات۔‘‘ وہ بہشتوں میں کوئی ایسی گفتگو نہیں کریں گے جو لغو یا ہرزہ سرائی پر مبنی ہو یا اس میں گناہ اور فحش ہو جیسا کہ دنیا میں شرابیوں کی گفتگو ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ لَغْوٌ ﴾ سے مراد باطل اور ﴿ تَاْثِيْمٌ ﴾ سے مراد جھوٹ ہے۔① مجاہد نے کہا ہے کہ وہ گالی گلوچ نہیں دیں گے اور نہ گناہ کا ارتکاب کریں گے۔② قتادہ نے کہا کہ ان باتوں کا تعلق دنیا سے تھا جن کا ارتکاب شیطان نے ان سے کرایا لیکن آخرت کی شراب کو اللہ تعالیٰ نے ان گندگیوں اور ایذا رسانیوں سے پاک کر دیا ہے جو دنیا کی شراب کا خاصہ تھیں۔③ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کی شراب سے اس بات کی نفی کی ہے کہ اس کی وجہ سے سر درد، پیٹ درد ہو یا اس سے عقل زائل ہو،④ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ آخرت کی شراب انھیں بری، فائدہ سے خالی اور فضول گفتگو و فحش پر مبنی بات پر آمادہ نہ کرے گی، نیز اس نے ہمیں اس کے حسن منظر اور عمدہ ذائقے کے بارے میں مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:46,47) ’’جو چٹی سفید (اور) پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہوگی، نہ اس سے سر درد ہوگا اور نہ وہ اس سے متوالے ہوں گے۔‘‘ اور فرمایا ﴿ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝ ﴾ (الواقعة 56:19) ’’وہ اس سے نہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ مدہوش ہوں گے۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝ ﴾ ’’وہاں وہ ایک دوسرے سے جام شراب جھپٹ لیا کریں گے، جس (کے پینے) سے نہ ہرزہ سرائی ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ ﴾ ’’اور نوجوان خدمت گار (جو ایسے ہوں گے) جیسے چھپائے ہوئے موتی، ان کے آس پاس پھریں گے۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے جنت کے خدم وحشم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے حسن، رعنائی وزیبائی، نظافت اور خوب صورت لباس کی وجہ سے یوں معلوم ہوں گے گویا تازہ اور چھپے ہوئے موتی ہوں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ ﴾ (الواقعة 56:17,18) ’’نوجوان خدمت گزار جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے، ان کے آس پاس پھریں گے آفتابے اور آبخورے اور شراب کے جاری چشمے سے لبریز جام لے لے کر۔‘‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ ﴾ ’’اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں (حال) پوچھیں گے۔‘‘ یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں باتیں کریں گے اور دنیا میں ان کے اعمال اور احوال کی بابت پوچھیں گے جیسا کہ شرابی اس وقت ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، جب شراب کا دور چل رہا ہو، ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝ ﴾ ’’کہیں گے کہ اس سے پہلے یقیناً ہم اپنے اہل وعیال میں (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے۔‘‘ یعنی دنیا میں جب ہم اپنے اہل وعیال میں رہتے تھے تو ہم اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کے عذاب وعقاب کا اپنے دلوں میں خوف رکھتے تھے، ﴿ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝ ﴾ ’’تو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے ہم پر صدقہ کیا اور ہمیں ان تمام چیزوں سے

---

① تفسير ابن أبي حاتم : 3316/10 وتفسير الطبرى : 39/27. ② تفسير الطبرى : 39/27 . ③ تفسير الطبرى : 39/27 مختصرًا. ④ دیکھیے الصّٰٓفّٰت 37، آیات: 46,47 کے ذیل میں عنوان: ’’مشرکین کی سزا اور مخلصین کی جزا‘‘

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿29﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ

تو (اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے ﴿29﴾ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں: (یہ نبی) شاعر ہے

بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿30﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿31﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ

(اور) ہم اس کے بارے میں حوادثِ زمانہ (موت) کا انتظار کر رہے ہیں؟ ﴿30﴾ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، یقیناً میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں

بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿32﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ

میں سے ہوں ﴿31﴾ کیا ان کی عقلیں انھیں یہ سبق دیتی ہیں یا پھر وہ لوگ ہی سرکش ہیں؟ ﴿32﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود ہی یہ (قرآن) گھڑا ہے؟ بلکہ

مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿34﴾

وہ ایمان نہیں لاتے ﴿33﴾ پھر (انھیں) چاہیے کہ اس (قرآن) جیسی ایک بات لے آئیں اگر وہ سچے ہیں ﴿34﴾

بچا لیا ہے جن سے ہم ڈرتے تھے، ﴿ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ﴾ ''اس سے پہلے بلاشبہ ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے۔'' ہم اس کے حضور الحاح وزاری کرتے تھے، اس نے ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما دیا ہے جس کا ہم سوال کیا کرتے تھے، ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿28﴾ ﴾ ''بے شک وہ بڑا احسان کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تفسیر آیات: 29-34

مشرکین کی بہتان بازیوں سے رسول اللہ ﷺ کی براءت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ بندگانِ الٰہی تک اس کے پیغام کو پہنچا دیں، ان پر جو نازل کیا گیا ہے اس کے ساتھ انھیں نصیحت کریں اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل بہتان وفجور کی بہتان طرازیوں کی نفی کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿29﴾ ﴾ ''تو (اے پیغمبر!) آپ نصیحت کرتے رہیں آپ اپنے پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے۔'' آپ بحمد اللہ کاہن نہیں ہیں جیسا کہ جاہل کفارِ قریش کہتے ہیں۔ کاہن اسے کہتے ہیں جس کے پاس نظر آنے والا جن وہ بات لے کر آئے جسے اس نے آسمان سے سن لیا ہو اور نہ آپ مجنون ہیں، مجنون وہ ہوتا ہے جسے شیطان نے چھوکر باؤلا کر دیا ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بابت ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿30﴾ ﴾ ''کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں۔'' یعنی حوادث زمانہ اور منون کے معنی موت کے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم انتظار اور صبر کرتے ہیں حتی کہ یہ فوت ہو جائیں اور ہم اس سے اور اس کے معاملے سے آرام پا جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ انتظار کیے جاؤ تو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔'' یعنی تم انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں اور پھر تم عنقریب یہ جان لو گے کہ دنیا و آخرت میں فتح ونصرت کسے حاصل ہوتی ہے۔

محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن ابونجیح سے، انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش جب نبی ﷺ کے معاملے میں غور کے لیے دار الندوہ میں جمع ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ انھیں زنجیروں سے

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿35﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

کیا وہ بغیر کسی شے کے پیدا کیے گئے ہیں، یا وہی (خود اپنے) خالق ہیں؟﴿35﴾ کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے﴿36﴾ کیا

بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿36﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿37﴾ اَمْ لَهُمْ

ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں؟ یا وہ (ان پر) محافظ و نگران ہیں؟﴿37﴾ کیا ان کے لیے کوئی سیڑھی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے (چڑھ

سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ

کر آسمان کی باتیں) سن لیتے ہیں؟ پھر چاہیے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے آئے﴿38﴾ کیا اس (اللہ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمھارے لیے

الْبَنُوْنَ ﴿39﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿40﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ

بیٹے؟﴿39﴾ کیا آپ ان سے کوئی اجر مانگتے ہیں کہ وہ (اس کے) تاوان سے بوجھ تلے دب گئے ہیں؟﴿40﴾ یا ان کے پاس (علم) غیب ہے، تو وہ لکھتے

يَكْتُبُوْنَ ﴿41﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿42﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ

ہیں﴿41﴾ کیا وہ کسی فریب کا ارادہ کرتے ہیں؟ تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی فریب خوردہ ہیں﴿42﴾ کیا ان کے لیے اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے؟ اللہ پاک

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿43﴾

ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں﴿43﴾

باندھ دو، پھر ان کی موت کا انتظار کرو حتی کہ یہ فوت ہو جائیں جیسا کہ ان سے قبل کے شعراء زُہیر اور نابغہ بھی فوت ہو گئے تھے، کیونکہ یہ بھی تو انھی کی طرح کا ایک شاعر ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿30﴾ ﴾ ''یا وہ (کافر یہ) کہتے ہیں کہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں۔''[1]

پھر فرمایا: ﴿ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ ﴾ ''کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں؟'' یعنی آپ کے بارے میں جو یہ باطل باتیں کرتے ہیں، ان کی عقلیں ایسا کرنے کا انھیں حکم دیتی ہیں، حالانکہ یہ خود بھی جانتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں سراسر جھوٹی ہیں، ﴿ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ''بلکہ یہ لوگ ہیں ہی شریر۔'' بات یہ ہے کہ یہ سرکش، گمراہ، اور معاند ہیں اور اسی بات نے انھیں آپ کے بارے میں ان بہتان طرازیوں پر آمادہ کیا ہے، ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ ﴾ ''کیا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے یہ (قرآن) از خود بنا لیا ہے۔'' یعنی یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنی طرف سے قرآن بنا لیا ہے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ''بلکہ (بات یہ ہے کہ) وہ (اللہ پر) ایمان نہیں رکھتے۔'' یعنی ان کا کفر انھیں اسی بات پر آمادہ کرتا ہے۔ ﴿ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿34﴾ ﴾ ''اگر یہ سچے ہیں تو ایسا کلام بنا تو لائیں۔'' یعنی اگر یہ اپنی اس بات میں سچے ہیں کہ اس قرآن کو محمد ﷺ نے خود بنایا ہے تو یہ بھی اسی طرح کا قرآن بنا کر دکھا دیں جس طرح کا قرآن محمد ﷺ لے کر آئے ہیں لیکن اگر یہ سب اور ان کے ساتھ روئے زمین کے تمام جن اور انسان بھی مل جائیں تو اس طرح

[1] تفسير الطبري : 42/27 .

کا قرآن کبھی بھی نہیں لا سکتے بلکہ اس جیسی دس سورتیں بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی بنا کر نہیں لا سکتے۔

تفسیر آیات: 35-43

توحید باری تعالیٰ کے اثبات اور مشرکین کی حیلہ سازیوں کی نفی کے بارے میں چند سوالات: قرآن مجید کا یہ مقام ربوبیت اور توحید الوہیت کے اثبات کے بارے میں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴾ ''کیا یہ کسی چیز (خالق) کے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے آپ کو) پیدا کرنے والے ہیں؟'' یعنی کیا یہ کسی ایجاد کرنے والے کے بغیر از خود وجود میں آ گئے ہیں؟ یا انھوں نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہے؟ نہیں نہیں، ان میں سے کوئی بات بھی درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی وہ پاک ذات ہے جس نے انھیں پیدا فرمایا اور وجود بخشا ہے جبکہ اس سے پہلے ان کا ذکر تک مذکور نہ تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جبیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا، آپ جب اس آیت کریمہ پر پہنچے: ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴾ ''کیا یہ کسی چیز (خالق) کے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے آپ کو) پیدا کرنے والے ہیں؟ یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے، کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ (کہیں کے) داروغے ہیں؟'' تو قریب تھا کہ میرا دل اُڑ جاتا۔[1] یہ حدیث صحیحین میں مختلف طرق سے مروی ہے۔[2] جبیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے بعد بدر کے قیدیوں کے فدیے کے بارے میں بات چیت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اس وقت یہ مشرک تھے اور اس سورۂ مبارکہ کی اسی آیت کریمہ کا سننا ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ایک سبب تھا۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴾ ''یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔'' کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی تردید ہے کہ یہ جانتے ہیں کہ وہ وحدہ لاشریک ہی خالق ہے لیکن اس بات پر ان کا عدم یقین انھیں شرک پر آمادہ کرتا ہے، ﴿ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴾ ''کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا وہ داروغے ہیں؟'' یعنی کیا کائنات میں یہ تصرف کر رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں خزانوں کی چابیاں ہیں یا یہ مخلوقات سے حساب لینے والے ہیں؟ حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ جل شانہ ہی مالک، متصرف اور اپنے ارادے کے مطابق کر گزرنے والا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب : 1 ، حدیث: 4854. [2] صحیح البخاری، الأذان، باب الجهر فی المغرب، حدیث: 765 والجهاد......، باب فداء المشرکین، حدیث: 3050 والمغازی، باب: 12، حدیث: 4023 و صحیح مسلم، الصلاة، باب القراءة فی الصبح، حدیث: 463.

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿44﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى

اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا کوئی ٹکڑا بھی دیکھیں تو وہ کہیں گے: (یہ) تہ بہ تہ بادل ہے﴿44﴾ لہٰذا (اے نبی!) آپ انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیے،

يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿45﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ

حتی کہ وہ اپنے اس دن سے ملیں جس میں وہ بے ہوش کیے جائیں گے﴿45﴾ اس دن انھیں ان کا فریب کچھ فائدہ نہیں دے گا، اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے

يُنْصَرُوْنَ ﴿46﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿47﴾

گی﴿46﴾ اور بلاشبہ جن لوگوں نے ظلم کیا، ان کے لیے اس (عذاب) کے علاوہ (دنیا میں) بھی ایک عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے﴿47﴾ اور

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿48﴾ وَمِنَ

(اے نبی!) اپنے رب کے حکم (آنے) تک صبر کیجیے، بلاشبہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، اور جب آپ کھڑے ہوں، تو اپنے رب کی حمد کے

ع 2 21 4 الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿49﴾ ع

ساتھ تسبیح کیجیے﴿48﴾ اور (کچھ حصہ) رات میں بھی، پس آپ اس کی تسبیح کیجیے، اور ستارے غروب ہونے کے بعد بھی﴿49﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ﴾ ''یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر آسمان سے باتیں) سن آتے ہیں۔'' کیا ان کے پاس مَلاءِ اعلیٰ تک پہنچنے کے لیے کوئی سیڑھی ہے؟ ﴿ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ ﴾ ''ان میں سے جو سن آتا ہے وہ صریح سند لے کر آئے۔'' یعنی جو ان کے لیے ملاءِ اعلیٰ کی باتیں سننے کا دعوی کرتا ہے وہ کوئی ایسی مضبوط دلیل پیش کرے جس سے معلوم ہو کہ یہ اپنے قول و فعل میں سچے ہیں لیکن ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں، یہ کسی صحیح بات پر نہیں ہیں، ان کے پاس کوئی رستہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید فرمائی ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیوں کو منسوب کیا، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا، اپنے لیے بیٹیوں کے بجائے بیٹوں کو پسند کیا حتی کہ ان میں سے کسی کو جب اس کے ہاں بیٹی کی ولادت کی بشارت سنائی جاتی تو شدتِ غم کی وجہ سے اس کا چہرہ کالا اور وہ انتہائی غمزدہ ہوتا لیکن اس سب کچھ کے باوجود انھوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی عبادت کی، ان کی ان سب باتوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿39﴾ ﴾ ''کیا اس (اللہ) کی تو بیٹیاں ہیں اور تمھارے لیے بیٹے؟'' یہ زبردست ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش ہے۔

﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا ﴾ ''(اے پیغمبر!) کیا آپ ان سے صلہ مانگتے ہیں؟'' آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام جو انھیں پہنچا رہے ہیں کیا ان سے اس کی اجرت مانگتے ہیں؟ حالانکہ آپ تو ان سے اس کی بابت کچھ بھی مطالبہ نہیں کرتے، ﴿ فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿40﴾ ﴾ ''تو وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں'' کہ یہ تاوان ان پر بہت گراں اور شاق گزرتا ہو، ﴿ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿41﴾ ﴾ ''یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ (اسے) لکھ لیتے ہیں؟'' معاملہ اس طرح بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین والوں میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، ﴿ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ

﴿ الْمَكِيْدُوْنَ ﴾ ''یا یہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ تو کافر تو خود داؤ میں آنا چاہتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا کافر لوگ رسول اور دین کے بارے میں اپنی اس طرح کی بات سے لوگوں کو دھوکا دینا اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے بارے میں مکروفریب سے کام لینا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے مکروفریب کا وبال انھیں پر ہوگا کیونکہ کافر ہی مکروفریب کی زد میں آتے ہیں: ﴿ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ''کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے، اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔'' یہ مشرکین کے بتوں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کی زبردست تردید ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو ان کے شرک اور ان کی افتراء پردازیوں سے پاک قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ''اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔''

تفسیر آیات :44-49

مشرکین کے سرکشی کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہونے کا بیان: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی سرکشی اور ایک محسوس چیز کو دیکھنے کے بعد بھی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا ﴾ ''اور اگر یہ آسمان سے (عذاب کا) کوئی ٹکڑا گرتے ہوئے دیکھیں۔'' یعنی اگر یہ آسمان کے ٹکڑے کو عذاب کے طور پر اپنے اوپر گرتا ہوا دیکھیں تو پھر بھی تصدیق اور یقین نہیں کریں گے بلکہ کہیں گے کہ یہ تو ایک گھنا بادل ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:14,15) ''اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں مخمور ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔'' ﴿ فَذَرْهُمْ ﴾ یعنی اے نبی (ﷺ!) آپ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے ﴿ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴾ ''حتی کہ اپنے اس دن سے ملیں جس میں وہ بے ہوش کیے جائیں گے۔'' اس سے مراد روز قیامت ہے۔ ﴿ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ﴾ ''جس دن ان کا کوئی داؤ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔'' یہ دنیا میں جس مکروفریب سے کام لے رہے ہیں آخرت میں یہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا، ﴿ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ ''اور نہ ان کو (کہیں سے) مدد ملے گی۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ ''اور بے شک ظالموں کے لیے اس کے سوا اور عذاب بھی ہے۔'' یعنی آخرت کے عذاب سے قبل دنیا میں بھی ان کے لیے عذاب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:21) ''اور ہم ان کو ضرور (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذابِ دنیا (کا) بھی (مزہ) چکھائیں گے تاکہ وہ (ہماری طرف) لوٹ آئیں۔'' یعنی دنیا میں ہم انھیں عذاب دیں گے اور مصائب کے ساتھ آزمائش کریں گے، شاید یہ حق کی طرف پلٹ آئیں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ’’اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔‘‘ یعنی ان کے ساتھ جو معاملہ کیا جا رہا ہے یہ اسے سمجھنے ہی سے عاری ہیں اور پھر جب عذاب یا آزمائش کو ختم کر دیا جاتا ہے تو یہ پہلے سے بھی زیادہ بری حالت کو اختیار کر لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو تسبیح اور صبر کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ﴾ ’’اور آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہیں آپ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔‘‘ یعنی ان کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکلیفوں پر صبر کریں، ان کی پروا نہ کریں ہمارے سامنے اور ہماری نگہداشت میں ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا، ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴾ ’’اور جب اٹھا کریں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔‘‘ ضحاک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو پڑھو: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ (وَتَعَالٰى جَدُّكَ) وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ] ’’اے اللہ! تو اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بہت بلند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔‘‘[1]

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نماز کی ابتدا میں ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔[2] امام احمد اور اہل سنن نے ابوسعید رضی اللہ عنہ اور دیگر سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ بھی ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔[3] ابو جوزاء کہتے ہیں کہ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴾ ’’اور جب آپ اٹھا کریں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔‘‘ سے مراد ہے کہ جب آپ نیند کے بعد اپنے بستر سے اٹھنے لگیں۔[4] ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[5] اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھ لیے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ’’اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، (ساری) بادشاہت اسی کی اور (ساری) تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ پاک ہے، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے بغیر نہ حرکت ہے اور نہ قوت۔‘‘ پھر کہے: [رَبِّ! اغْفِرْلِي] ’’اے میرے رب! مجھے بخش دے۔‘‘ یا آپ نے فرمایا: [ثُمَّ دَعَا، اُسْتُجِيبَ لَهٗ، فَإِنْ عَزَمَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهٗ] ’’پھر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے، اگر وہ عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے وضو کرلے اور پھر نماز پڑھے تو اس کی نماز کو قبول

[1] تفسير الطبری: 51/27 قوسین والا جملہ مذکورہ حوالے میں نہیں ہے۔ [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب حجة من قال: لا يجهر بالبسملة، حديث: (52)-399 . [3] مسند أحمد: 50/3 و سنن أبي داود، الصلاة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللّٰهم! وبحمدك، حديث: 775 و جامع الترمذي، الصلاة، باب مايقول عند افتتاح الصلاة، حديث: 242 و سنن النسائي، الافتتاح، نوع آخر من الذكر بين افتتاح الصلاة وبين القراءة، حديث: 900 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......باب افتتاح الصلاة، حديث: 804. [4] تفسير القرطبي: 79/17 . [5] تفسير الطبری: 51/27 .

کرلیا جائے گا۔''[1] اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

ابن ابونجیح نے مجاہد سے ﴿ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب آپ کسی بھی مجلس سے اٹھیں تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں۔ امام ثوری نے ابواسحاق سے اور انھوں نے ابوالاحوص سے روایت کیا ہے کہ جب آدمی اپنی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو وہ یہ کلمات پڑھے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ] ''اے اللہ! تو اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے۔''[3] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ جَلَسَ فِي مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ؟ فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَّقُومَ مِنْ مَّجْلِسِهِ (ذَالِكَ): سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذَالِكَ] ''جو شخص کسی ایک مجلس میں بیٹھا جس میں کثرت سے بے ہودہ باتیں ہوئیں اور پھر اس نے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ کلمات پڑھ لیے: اے اللہ! تو اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی معبود ہے، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس سب کچھ کو معاف فرما دے گا جو اس مجلس میں ہوا۔'' اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ترمذی ہی کی روایت کے مطابق ہیں، امام نسائی نے اسے عمل الیوم و اللیلۃ میں روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام حاکم نے اسے مستدرک میں بیان کیا اور کہا ہے کہ اس کی سند شرط مسلم کے مطابق ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ ﴾ ''اور رات (کے بعض اوقات) میں اس کی تسبیح کیا کریں۔'' یعنی رات کو تلاوت اور نماز کی صورت میں اس کا ذکر اور اس کی عبادت کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:79) ''اور رات کے کسی حصے میں پس اس (قرآن) کے ساتھ شب بیداری کیا کریں (یہ) آپ کے لیے نفل ہے ہوسکتا ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر فائز کردے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴾ ''اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد۔'' حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ ہے کہ اس سے نماز فجر سے قبل کی دو رکعتیں مراد ہیں کہ وہ ستاروں کے غروب ہونے کے وقت مشروع

---

[1] مسند أحمد: 313/5، البتہ الفاظ جامع ترمذی کے آمدہ حوالے کے مطابق ہیں۔ [2] صحیح البخاری، التهجد، باب فضل من تعارّ من الليل فصلّى، حديث: 1154 وسنن أبي داود، الأدب، باب مايقول الرجل إذا تعارمن الليل؟ حديث: 5060 وجامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء في الدعاء إذا انتبه من الليل، حديث: 3414 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا انتبه من منامه؟ 215/6، حديث: 10697 وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب مايدعو به إذا انتبه من الليل، حديث: 3878. [3] تفسير القرطبي: 78/17. [4] جامع الترمذي، الدعوات، باب مايقول إذا قام من مجلسه؟ حديث: 3433 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة: 106,105/6، حديث: 10230 والمستدرك للحاكم: 537,536/1 حديث: 1969، اسی حدیث کی سند کے بارے میں مفید بحث پڑھیے، فتح الباري، حديث: 7563 کے ذیل میں، نیز قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے۔

ہیں۔[1] صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی نفل کی اس قدر شدت کے ساتھ پابندی نہیں فرمایا کرتے تھے جس طرح فجر کی دو رکعتوں کی پابندی فرمایا کرتے تھے۔[2] مسلم کی روایت میں ہے: [رَکْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا] ''فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔''[3]

سورۂ طور کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] حدیث ابن عباس یوں ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال: [﴿وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴾ اَلرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ، ﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ (قٓ 50:40) اَلرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ] جامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة الطور، حديث:3275، یہ حدیث ضعیف ہے۔ [2] صحیح البخاری، التهجد، باب تعاهد ركعتي الفجر……، حديث :1169 و صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر……، حديث:(94)-724. [3] صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر……، حديث :725 عن عائشة رضی اللہ عنہا.

تفسیر سورۂ نجم

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ② وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ④

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرتا ہے① تمھارا ساتھی نہیں بہکا اور نہ وہ بھٹکا ہے② اور وہ (اپنی) خواہش سے نہیں بولتا③ وہ وحی ہی تو ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے④

یہ پہلی سورت ہے جس میں سجدۂ تلاوت نازل کیا گیا: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلی سورت جس میں سجدہ نازل ہوا، وہ ﴿ وَالنَّجْمِ ﴾ ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور آپ کے پیچھے دیگر سب لوگوں نے بھی سجدہ کیا، سوائے ایک شخص کے کہ میں نے دیکھا کہ اس نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اس پر سجدہ کیا، پھر بعد میں میں نے دیکھا کہ وہ حالتِ کفر میں مارا گیا تھا اور وہ اُمَیّہ بن خلف تھا۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کئی ایک مقامات پر روایت کیا ہے۔[2] نیز اسے امام مسلم، ابوداود اور نسائی نے کئی سندوں کے ساتھ ابواسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 1 - 4

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے پر اللہ تعالیٰ کی قسم: امام شعبی اور دیگر کئی اہل علم نے کہا ہے کہ خالق اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے، مگر مخلوق کو خالق کے سوا اور کسی کی قسم نہیں کھانی چاہیے، اسے ابن ابوحاتم نے

① صحیح البخاری، التفسیر، باب : ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۝﴾ (النجم 53:62)، حدیث :4863. ② صحیح البخاری، سجود القرآن......، باب ماجاء فی سجود القرآن......، حدیث:1067 وباب سجدة النجم......، حدیث:1070 ومناقب الأنصار، باب مالقی النبی وأصحابه......، حدیث:3853 والمغازی، باب قتل أبی جهل، حدیث:3972. ③ صحیح مسلم المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة، حدیث :576 و سنن أبی داود سجود القرآن، باب من رأی فیها سجودا، حدیث:1406 و السنن الکبری للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۝﴾ (النجم 53:62):475/6، حدیث:11549.

روایت کیا ہے۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ ﴾ ”تارے کی قسم! جب غائب ہونے لگے۔“ ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ نجم سے مراد ستارہ ثریا ہے، جو سپیدۂ سحر نمودار ہونے کے ساتھ ہی غائب ہو جاتا ہے۔[2] ضحاک کہتے ہیں کہ نجم سے مراد وہ ستارہ ہے جس کے ساتھ شیاطین کو مارا جائے۔[3] یہ آیت اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الواقعة 56:75-80) ”مجھے تاروں کی منزلوں کی قسم! اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے (کہ بے شک) یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)، اس کو صرف وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں، پروردگارِ عالَم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ ﴾ ”تمھارے رفیق (محمد ﷺ) نہ رستہ بھولے ہیں اور نہ بھٹکے ہیں۔“ یہ ہے وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گواہی ہے کہ آپ راشد اور تابع حق ہیں، رستہ بھولے ہوئے نہیں ہیں۔ ضال اس جاہل کو کہتے ہیں جو بغیر علم کے غلط رستے پر چلے اور غاوی اس کو کہتے ہیں جو حق کو جانتا تو ہو لیکن جاننے بوجھنے کے باوجود قصد و ارادہ کے ساتھ حق سے اعراض کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول کو اور آپ کے دین و شریعت کو اہل ضلال، مثلاً: نصاریٰ کی مشابہت سے پاک قرار دیا ہے، نیز یہودیوں کے طریقوں سے بھی اور وہ یہ کہ کسی چیز کو جاننے کے باوجود چھپا لینا اور عمل اس کے خلاف کرنا، جبکہ آپ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ اور جس عظیم الشان شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا، حد درجہ کی استقامت، اعتدال اور درستی پر ہیں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ خواہشِ نفس سے گفتگو نہیں فرماتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ ﴾ ”اور نہ وہ خواہشِ نفس سے بولتے ہیں۔“ یعنی آپ کوئی بات بھی خواہش نفس یا نفسانی غرض سے نہیں فرماتے ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ ”یہ (قرآن) تو صرف وحی ہے (جو اس کی طرف) نازل کی جاتی ہے۔“ بلکہ آپ جو بھی فرماتے ہیں، وہ ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی کمی بیشی کے بغیر بلا کم و کاست بندگانِ الٰہی تک پہنچا دیں، جیسا کہ امام احمد نے ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ لَّيْسَ بِنَبِيٍّ مِّثْلُ الْحَيَّيْنِ أَوْ مِثْلُ أَحَدِ الْحَيَّيْنِ: رَبِيعَةَ وَمُضَرَ] ”ایک شخص کی شفاعت کے ساتھ، جو نبی نہیں ہوگا، ربیعہ و مضر جیسے دو قبیلوں یا ان میں سے ایک قبیلے کے برابر لوگ جنت میں ضرور داخل ہوں گے۔“ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ربیعہ کا تعلق بھی قبیلۂ مضر ہی سے نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا أَقُولُ مَا أُقَوَّلُ] ”میں جو کچھ کہتا ہوں وہ وحی الٰہی کی روشنی میں کہتا ہوں۔“[4]

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سننے والی ہر بات کو لکھ لیتا تھا تاکہ اسے حفظ کر سکوں، قریش نے مجھے منع کیا اور کہا: تم رسول اللہ ﷺ سے سننے والی ہر بات کو لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ

[1] شرح ابن بطال، باب: (6):103/11(C.D). [2] تفسير القرطبي: 82/17. [3] تفسير الماوردي: 390/5 وتفسير القرطبي: 82/17. [4] مسند أحمد: 257/5.

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ⑤ ذُوْمِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ⑥ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ⑦ ثُمَّ دَنَا

اسے مضبوط قوتوں والے (جبریل) نے سکھایا⑤ جو نہایت طاقتور ہے، سو وہ (اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہو گیا⑥ جبکہ وہ (آسمان کے) بلند

فَتَدَلّٰى ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ⑨ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ⑩

کنارے پر تھا⑦ پھر وہ قریب ہوا، اور اتر آیا⑧ تو وہ دو کمانوں جتنا بلکہ اس سے بھی قریب ہو گیا⑨ پھر اس نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ

کی⑩ اس (رسول) نے جو کچھ دیکھا، اس کے دل نے (اس کے متعلق) جھوٹ نہیں بولا⑪ کیا پھر تم اس چیز پر اس (نبی) سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا

نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮

ہے⑫ اور البتہ تحقیق اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک بار اور بھی اترتے دیکھا⑬ سدرۃ المنتہٰی (آخری حد کی بیری) کے قریب⑭ اس کے

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ

نزدیک ہی جنت الماویٰ ہے⑮ اس وقت بیری پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا⑯ نگاہ نہ تو بہکی اور نہ حد سے بڑھی⑰ البتہ تحقیق اس (رسول) نے اپنے

رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱

رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں⑱

تو بشر ہیں، آپ کبھی ناراضی کے عالم میں بھی گفتگو فرماتے ہیں اور کبھی خوشی کی حالت میں، پس میں لکھنے سے رک گیا اور میں نے اس کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا: [اُكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا حَقٌّ] ''تم لکھ لیا کرو، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرے منہ سے حق کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی۔''① اور اسے ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔②

تفسیر آیات :5-18

رسول امین ﷺ کے معلّم روح الامین: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کے پاس جو قرآن لے کر آئے، اسے آپ کو اس نے سکھایا ہے جو ﴿شَدِيْدُ الْقُوٰى ⑤﴾ ''زبردست قوتوں والا ہے۔'' یعنی جبریل علیہ السلام، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ﴾ (التکویر 81: 19-21) ''بے شک یہ (قرآن) رسول (جبریل) عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے، (جو) صاحب قوت ہے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے، وہاں (آسمانوں میں) اس کی بات مانی جاتی ہے (اور) امانت دار ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ذُوْمِرَّةٍ ؕ﴾ ''بڑی طاقت والا ہے۔'' ﴿ذُوْمِرَّةٍ ؕ﴾ کے معنی ہیں طاقت ور۔ یہ مجاہد، حسن اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے۔③ حدیث صحیح میں بروایت ابن عمرو اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَّلَا

① مسند أحمد :162/2. ② سنن أبي داود، العلم، باب كتابة العلم، حديث :3646. ③ تفسير الطبري :57/27.

لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ] ''صدقہ کسی دولت مند کے لیے حلال ہے نہ کسی طاقت ور اور تندرست و توانا کے لیے۔''① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاسْتَوٰى ۝﴾ ''پھر وہ سیدھے (کھڑے) ہو گئے۔'' یعنی جبریل علیہ السلام، جیسا کہ حسن، مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے۔② ﴿وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝﴾ ''اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے پر تھے۔'' یعنی جبریل علیہ السلام اُفق اعلیٰ میں سیدھے ہو کر کھڑے ہو گئے، جیسا کہ عکرمہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔ عکرمہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اُفقِ اعلیٰ سے مراد وہ ہے جہاں سے سپیدۂ سحر نمودار ہوتا ہے۔ امام مجاہد کا قول ہے کہ اس سے سورج کے طلوع ہونے کی جگہ مراد ہے۔③ امام قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے دن آتا ہے۔④ ابن زید اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بھی یہی کہا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو ان کی (اصلی) صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں اور ان میں سے ہر پر نے افق کو گھیر رکھا ہے، ان کے پر سے ایسے رنگا رنگ موتی اور یاقوت گرتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔⑤ اس روایت کو صرف امام احمد رحمہ اللہ ہی نے روایت کیا ہے، نیز انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ آپ کو اپنی اصل شکل و صورت دکھائیں، جبریل نے عرض کی: آپ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کریں، آپ نے اللہ جل شانہٗ سے دعا فرمائی تو مشرق کی طرف سے ایک سیاہی نمودار ہوئی جس نے بلند ہونا اور پھیلنا شروع کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو بے ہوش ہو گئے تو جبریل آپ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کو ہوش میں لانا اور آپ کی باچھوں سے لعاب دہن صاف کرنا شروع کر دیا۔⑥ اسے روایت کرنے میں بھی امام احمد متفرد ہیں۔

﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝﴾ ''تو ہو گیا وہ دو کمانوں کے فاصلے پر بلکہ (اس سے بھی) کم۔'' یعنی جبریل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، اس وقت جب زمین پر نازل ہوئے، اس قدر قریب ہو گئے کہ ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فاصلہ دو کمانوں کے برابر تھا۔ یہ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔⑦ اور ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ سے مراد دونوں کمانوں کے درمیان کا فاصلہ ہے جب انھیں کھینچا جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کمان کی تندی سے لے کر اس کے درمیان تک کا فاصلہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوْ اَدْنٰى ۝﴾ ''بلکہ (اس سے بھی) کم۔'' قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ لغت میں یہ لفظ مخبر عنہ (جس کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے) کے (مذکورہ وصف کے) اثبات کے لیے اور اس سے زائد مفہوم کی نفی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (یعنی یہ فاصلہ دو قوس یا اس سے کم تو ہو سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں)، جیسا کہ ارشاد باری

---

① سنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطىٰ من الصدقة......؟ حديث :1634 وجامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء من لا تحل له الصدقة، حديث: 652 ومسند أحمد: 164/2 عن ابن عمرو رضی اللہ عنہ و389/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب من سأل عن ظهر غنى، حديث: 1839. ② تفسير الطبري :27/57-59 وتفسير القرطبي: 17/85،86. ③ تفسير القرطبي :17/88. ④ تفسير الطبري :27/59. ⑤ مسند أحمد :1/395. یہ حدیث ایک دوسری سند کے ساتھ حسن ہے، دیکھیے مسند أحمد: 1/412. ⑥ مسند أحمد :1/322. اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ⑦ تفسير الطبري :27/60.

تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ (البقرۃ 2: 74) ''پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے، گویا وہ پتھر ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ سخت۔'' یعنی یہ پتھروں سے نرم نہیں ہیں بلکہ یہ پتھروں جیسے ہیں یا شدت اور سختی میں ان سے بھی زیادہ ہیں، اسی طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ (النسآء 4:77) ''وہ لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ (اس سے بھی) زیادہ ڈرنا۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 37: 147) ''اور ہم نے ان کو ایک لاکھ بلکہ (اس سے بھی) زیادہ کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ قوم یونس کے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہیں تھی بلکہ حقیقت میں وہ ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہی تھے۔ پس یہ ﴿ اَوْ ﴾ مخبر بہ (جس کے ساتھ خبر دی جا رہی ہے) کی تحقیق کے لیے ہے، نہ کہ شک و تردد کے لیے کیونکہ شک وشبہ یہاں محال ہے، اور اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴾ ''تو ہو گیا وہ دو کمانوں کے فاصلے پر بلکہ (اس سے بھی) کم۔'' ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس قریب ہونے والے سے مراد جبریل ہیں حتی کہ ان کے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مابین دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا، یہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ، ابن مسعود، ابوذر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔[1] جیسا کہ ان کی احادیث کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کریں گے۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَأَيْتُ جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ] ''میں نے جبریل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔''[2]

امام بخاری نے طلق بن غنّام سے، انھوں نے زائدہ سے اور انھوں نے شیبانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے زِرّ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہم سے عبداللہ نے بیان کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے جبریل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴾ ''پھر اس نے وحی پہنچائی اس (اللہ) کے بندے کی طرف جو وحی پہنچائی۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ جبریل نے اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کو وحی پہنچائی جو پہنچائی یا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر جبریل کے واسطے سے جو چاہی وحی نازل فرمائی، یہ دونوں معنی صحیح ہیں۔ سعید بن جبیر سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴾ کے بارے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی نازل فرمائی: ﴿ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴾ (الضحی 93:6) ''کیا اس (آپ کے رب) نے آپ کو یتیم پایا تو ٹھکانا نہیں دیا؟'' ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ (الانشراح 94:4) ''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کیا۔''[4] سعید بن جبیر کے علاوہ دیگر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی نازل فرمائی کہ انبیاء کے لیے جنت حرام ہے حتی کہ آپ ان سب سے پہلے داخل ہوں،

---

[1] تفسیر الطبری: 62,61/27. [2] تفسیر الطبری: 61/27. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴾ (النجم 53:10)، حدیث: 4857. [4] تفسیر البغوی: 303/4.

اور امتوں کے لیے بھی حرام ہے حتی کہ آپ کی امت سب سے پہلے داخل ہو۔ ①

کیا نبی ﷺ نے شبِ معراج اپنے رب کا دیدار کیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿11﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿12﴾ ﴾ ''جو کچھ انھوں نے دیکھا (ان کے) دل نے جھوٹ نہ بولا، کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں، تم اس پر ان سے جھگڑتے ہو؟'' امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿11﴾ ﴾ ''جو کچھ انھوں نے دیکھا (ان کے) دل نے جھوٹ نہ بولا'' اور ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿13﴾ ﴾ ''اور بلاشبہ انھوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے رب تعالیٰ کا اپنے دل کے ساتھ دو مرتبہ دیدار کیا۔ ② سماک نے بھی عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ③ ابو صالح، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے کہ آپ نے دل کے ساتھ دو مرتبہ دیدار کیا۔ ④

مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے عرض کی: کیا محمد ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: تم نے ایک بہت بڑی چیز کے بارے میں گفتگو کی ہے جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں، میں نے عرض کی: ذرا ٹھہر جائیں! پھر میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿18﴾ ﴾ ''بلاشبہ انھوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' انھوں نے فرمایا: تم کہاں جا رہے ہو؟ اس سے مراد تو جبریل ہیں، جو تم سے یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے یا جس کے پہنچا دینے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا آپ نے اس میں سے کچھ چھپایا یا آپ ان پانچ باتوں کو جانتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ ﴾ (لقمٰن 31: 34) ''بلاشبہ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے۔'' تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ البتہ آپ نے جبریل کو ضرور دیکھا تھا، آپ نے جبریل کو ان کی اصلی شکل و صورت میں صرف دو بار ہی دیکھا ہے، ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری بار اجیاد میں کہ ان کے چھ سو پر تھے جنھوں نے افق کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ⑤

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: [نُورٌ أَنّٰى أَرَاهُ !] ''وہ تو سراپا نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں!'' ⑥ اور ایک روایت میں ہے: [رَأَيْتُ نُورًا] ''میں نے نور دیکھا ہے۔'' ⑦

① تفسير البغوی : 303/4 . ② صحيح مسلم، الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿13﴾ ﴾ ....، حديث : (285)-176. ③ تفسير الطبری : 69/27 . ④ تفسير الطبری : 65,64/27 . ⑤ صحيح البخاری، التفسير، سورة ﴿ وَالنَّجْمِ ﴾ ، باب: 1 ،حديث: 4855 وصحيح مسلم، الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿13﴾ ﴾ ....،حديث: 177 وجامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة ﴿ وَالنَّجْمِ ﴾، حديث: 3278 واللفظ له. ⑥ صحيح مسلم، الإيمان، باب فی قوله عليه السلام: نورأنّٰى أراه......، حديث : 178 . ⑦ صحيح مسلم، الإيمان، باب فی قوله عليه السلام: نورٌ أنّٰى أراه......، حديث : (292)-178 .

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ انھوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے، آخری حد کی بیری کے پاس، اس کے پاس رہنے کی بہشت ہے۔'' یہ وہ دوسری بار ہے جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل کو ان کی اس اصلی شکل وصورت میں دیکھا جس میں انھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور یہ شب معراج کا واقعہ ہے۔ اسراء سے متعلق احادیث اپنے مختلف طرق اور الفاظ کے ساتھ ہم قبل ازیں سورۂ سبحان (بنی اسراءیل) کے آغاز میں بیان کر آئے ہیں۔ ① لہٰذا یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

جبریل علیہ السلام کے کتنے پر ہیں؟ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ انھوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے آخری حد کی بیری کے پاس۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَأَيْتُ جِبْرِيلَ وَلَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ، يَنْتَثِرُ مِنْ رِيشِهِ التَّهَاوِيلُ الدُّرُّ وَالْيَاقُوتُ] ''میں نے جبریل کو دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے اور ان کے پروں سے موتیوں اور یاقوت کے ٹکڑے گر رہے تھے۔'' ② اس حدیث کی سند جید اور قوی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے اور ان میں سے ہر پر نے افق کو ڈھانپ رکھا تھا اور ان کے پروں سے موتیوں اور یاقوت کے اتنے ٹکڑے گر رہے تھے کہ جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ③ اس حدیث کی سند بھی حسن ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَأَيْتُ جِبْرِيلَ عَلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَلَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ] ''میں نے جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔'' میں نے عاصم سے پروں کی بابت پوچھا تو انھوں نے جواب دینے سے انکار کر دیا، راوی کا بیان ہے کہ مجھے ان کے بعض شاگردوں نے بتایا کہ ایک پر مشرق ومغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے۔'' ④ اس حدیث کی سند بھی جید ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَتَانِي جِبْرِيلُ فِي خُضْرٍ مُّعَلَّقٍ بِهِ الدُّرُّ] ''جبریل میرے پاس ایسے سبز لباس میں آئے جسے موتی لگے ہوئے تھے۔'' ⑤ اس حدیث کی سند بھی جید ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیدار الٰہی کے متعلق موقف: امام احمد رحمہ اللہ نے عامر سے روایت کیا ہے کہ مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انھوں نے عرض کی: ام المومنین! کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار فرمایا تھا؟ انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ! تمھاری بات سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں، تمھیں وہ تین باتیں کیوں یاد نہیں کہ ان کے بارے میں جو بھی تم سے بیان کرے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار

① دیکھیے بنیٓ إسراءیل، آیت: 1 کے تحت عنوان: ''معراج سے متعلق احادیث مبارکہ'' ② مسند أحمد :460/1. ③ مسند أحمد :395/1. اس حدیث کی سند ضعیف ہے، البتہ ایک دوسری سند کے ساتھ یہ حدیث حسن ہے۔ دیکھیے مسند أحمد :460/1. ④ مسند أحمد :407/1. ⑤ مسند أحمد :407/1.

کیا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ﴾ (الأنعام 103:6) ''نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے۔'' ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ﴾ (الشوریٰ 42: 51) ''اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر الہام کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔'' اور جو تم سے یہ کہے کہ آپ جانتے تھے کہ کل کیا رونما ہونے والا ہے تو وہ بھی جھوٹ بولتا ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ﴾ (لقمٰن 31: 34) ''بلاشبہ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو (ماؤں کے) پیٹوں میں ہے۔'' اور جو شخص یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے دین کی کچھ باتوں کو چھپایا ہے تو وہ بھی جھوٹ بولتا ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پیش فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ﴾ (المآئدة 5: 67) ''اے پیغمبر! جو (ارشادات) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں (وہ سب لوگوں کو) پہنچا دیں۔'' البتہ آپ نے جبریل کو دو بار اُن کی اصلی شکل وصورت میں ضرور دیکھا تھا۔ [1]

محمد رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو کتنی دفعہ دیکھا؟ امام احمد رحمہ اللہ نے مسروق سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴾ (التکویر 81: 23) ''بے شک انھوں نے اس (فرشتے) کو (آسمان کے) کھلے (مشرقی) کنارے پر دیکھا ہے۔'' ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴾ ''اور بلاشبہ انھوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ امت میں سے سب سے پہلے میں نے اس بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا: اس سے مراد جبریل ہیں، آپ نے جبریل کو ان کی اصلی شکل وصورت میں صرف دو بار دیکھا تھا، آپ نے انھیں آسمان سے زمین پر اترتے ہوئے اس طرح دیکھا کہ ان کے جسم کی عظمت نے آسمان وزمین کے درمیان کے خلا کو بھر رکھا تھا۔ [2] صحیحین میں یہ روایت بطریق شعبی اسی طرح ہے۔ [3]

سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتوں، روشنیوں اور رنگوں کا جمگھٹ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ﴾ ''جبکہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔'' احادیث معراج میں اس سے قبل یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ فرشتوں نے سدرۃ المنتہیٰ کو اس طرح ڈھانپ رکھا تھا جیسے کوؤں کے جھنڈ کے جھنڈ ہوں، اسے رب تعالیٰ کے نور نے بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ [4] نیز کچھ ایسے رنگوں نے بھی ڈھانپ رکھا تھا جن کے بارے میں (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ) مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھے۔ [5] امام احمد نے

---

[1] مسند أحمد: 50,49/6 . مزید دیکھیے صحیح البخاري، التفسیر، باب: 1، حدیث: 4855 و صحیح مسلم، الإیمان، باب معنی قول اللّٰه عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴾ ......، حدیث: 177. [2] مسند أحمد: 241/6. [3] صحیح البخاري، التفسیر، باب: 1، حدیث: 4855 والتوحید، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴾ (الجن 72: 26)......، حدیث: 7380 و 7531 وصحیح مسلم، الإیمان، باب معنی قول اللّٰه عزوجلّ: ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴾، حدیث: 177. [4] تفسیر الطبري: 75/27. یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ربیع بن انس سے مروی ہیں۔

[5] مسند أحمد: 144/5. مزید دیکھیے بنی إسرآءیل، آیت: 1 کے تحت عنوان: ''معراج سے متعلق احادیث مبارکہ''

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿19﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿20﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿21﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ

کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟ ⑲ اور تیسری (دیوی) مناۃ کو جو گھٹیا ہے ⑳ کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟ ㉑ یہ تو پھر بڑی ہی

ضِيْزٰى ﴿22﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

بے انصافی کی تقسیم ہے ㉒ یہ تو محض چند نام ہی ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل و برہان نازل نہیں کی،

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿23﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ

وہ لوگ تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اس چیز کی جو ان کے دل چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آ چکی

1 ع 25 5 مَا تَمَنّٰى ﴿24﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿25﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا

ہے ㉓ کیا انسان کے لیے (ہر چیز میسر) ہے جو وہ تمنا کرے؟ ㉔ چنانچہ اللہ ہی کے لیے ہے آخرت اور دنیا ㉕ اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿26﴾

جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی مگر بعد ازاں کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے ㉖

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، یہ چھٹے آسمان میں ہے، زمین سے جو کچھ اوپر لے جایا جاتا ہے وہ اس مقام تک لے جایا جاتا ہے اور اسے قبضے میں لے لیا جاتا ہے اور اس کے اوپر سے جو کچھ زمین پر نازل کیا جاتا ہے، اسے بھی اس مقام پر نازل کر کے یہاں سے وصول کر لیا جاتا ہے ﴿ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿16﴾ ﴾ ''جبکہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔'' اس سے مراد سونے کے پتنگے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں: (1) آپ کو پانچ نمازیں عطا کی گئیں (2) سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا فرمائی گئیں اور (3) آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناتا ہو، اس کے بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کر دیا جائے گا۔ ① اسے صرف امام مسلم ہی نے بیان کیا ہے (امام بخاری نے نہیں۔) ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿17﴾ ﴾ ''ان کی نگاہ نہ بہکی اور نہ وہ حد سے آگے بڑھی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کی نظر دائیں بائیں نہیں گئی۔ ③ اور جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا تھا، آپ نے اس سے تجاوز نہیں فرمایا، ثبات اور اطاعت کے اعتبار سے یہ آپ کی ایک عظیم الشان صفت ہے کہ آپ نے صرف وہ کیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اور جو کچھ آپ کو عطا فرمایا گیا، اس سے زیادہ کا آپ نے سوال نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿18﴾ ﴾ ''بلاشبہ انھوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:1) ''تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔'' یعنی ایسی نشانیاں جو ہماری قدرت و عظمت کی دلیل ہوں، ان دونوں آیاتِ کریمہ سے ان ائمۂ اہل سنت نے استدلال کیا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ اس رات رؤیت وقوع پذیر

---

① مسند أحمد :422/1 . ② صحیح مسلم، الإیمان، باب فی ذکر سدرة المنتھی، حدیث : 173. ③ تفسیر الطبري :76/27 .

نہیں ہوئی، اس لیے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴾ ''بلاشبہ انھوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' اگر آپ نے اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل کی ہوتی تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا اور اس کے بارے میں بھی لوگوں کو بتایا جاتا۔

تفسیر آیات: 19-26

بتوں کے پجاریوں کی تردید اور لات، عزیٰ اور منات کا بیان: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اصنام و انداد اور بتوں کی پوجا کرنے اور ابراہیم خلیل اللہ کے بنائے ہوئے کعبہ کے بالمقابل بتوں کے لیے گھر بنانے پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ ﴾ ''بھلا تم (لوگوں) نے لات کو دیکھا؟'' لات سفید رنگ کی نقش و نگار کی ہوئی ایک چٹان تھی جس پر طائف میں گھر بنایا گیا تھا جس پر پردے ڈالے جاتے اور باقاعدہ محافظ مقرر کیے گئے تھے، اس کے گرداگرد اہل طائف کے لیے ایک بہت بڑا صحن تھا، طائف میں خاندان ثقیف اور ان کے متبع لوگ رہتے تھے، قریش کے بعد دیگر قبائلِ عرب پر وہ اپنے اس گھر کی وجہ سے فخر کیا کرتے تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ انھوں نے ذات باری تعالیٰ کے اسم پاک اللہ سے لات کے نام کو مشتق کیا تھا، یعنی اسے انھوں نے اللہ کی مؤنث بنالیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان کی اس بات سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ربیع بن انس سے مروی ہے کہ یہ لات کو ''تا'' کی تشدید کے ساتھ پڑھتے تھے اور اس کی وضاحت انھوں نے یہ کی کہ ایک شخص زمانۂ جاہلیت میں حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا، جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو مزار بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کے لیے ستو تیار کیا کرتا تھا۔ [3] ابن جریر کہتے ہیں کہ اسی طرح عزّیٰ کو عزیز سے مشتق کیا گیا ہے، یہ نخلہ میں ایک درخت تھا جس پر عمارت بنا کر اس پر پردے ڈال دیے گئے تھے، یہ مکہ اور طائف کے درمیان تھا، قریش اس گھر کی تعظیم بجالاتے تھے۔ [4] جیسا کہ ابوسفیان نے بھی احد کے دن کہا تھا کہ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ''ہماری عزّیٰ ہے اور تمھاری کوئی عزّیٰ نہیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کے جواب میں یہ کہو: [اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ] ''اللہ تعالیٰ ہمارا کارساز ہے اور تمھارا کوئی کارساز نہیں۔'' [5]

منات مکہ و مدینہ کے درمیان مقام مُشَلَّل میں قُدَیْد کے پاس تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں خزاعہ، اوس اور خزرج اس بت کدے کی تعظیم بجالاتے اور اس کے پاس سے حج کے لیے کعبہ جاتے ہوئے احرام باندھا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [6] جزیرۃ العرب اور دیگر مقامات پر کچھ اور طاغوت بھی تھے جن کی عرب

---

[1] تفسير الطبری :77/27 . [2] تفسير الطبری :78,77/27 . [3] صحيح البخاری، التفسير، باب : ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴾ (النجم19:53)، حديث:4859. [4] تفسير الطبری :77/27 . [5] صحيح البخاری، المغازی، باب غزوة أحد، حديث :4043 . [6] صحيح البخاری، التفسير، باب: ﴿ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴾ (النجم20:53) ، حديث:4861.

کعبہ کی تعظیم کی طرح تعظیم کیا کرتے تھے جوان تین کے علاوہ تھے جن کا اللہ جل شانہٗ نے اپنی کتاب عزیز میں ذکر فرمایا ہے اوران تین کا ذکراس لیے کیا گیا ہے کہ یہ دیگر بت کدوں کی نسبت زیادہ مشہور تھے۔

امام نسائی نے ابوطفیل سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کرلیا تو آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا، جہاں عزّیٰ تھی، خالد وہاں گئے تو وہاں بَبُول کے تین درخت تھے،انھوں نے ان درختوں کو کاٹ دیا اور وہاں بنے ہوئے مزار کو منہدم کردیا، پھرانھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکرآپ کواس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا:[اِرْجِعْ، فَإِنَّكَ لَمْ تَصْنَعْ شَيْئًا] ’’واپس جاؤ،تم نے کچھ نہیں کیا۔‘‘ خالد واپس گئے، جب اس مزار کے دربانوں نے انھیں دیکھا تو انھوں نے حیلہ سازیوں کے لیے خوب خوب غور کیا اور یاعزّی! یاعزّی! کہہ کراسے اپنی مدد کے لیے پکارنا شروع کردیا، خالداس کے پاس گئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں ایک عورت جوعریاں اور سر کے بال کھولے ہوئے ہے اوراپنے سر پرمٹی ڈال رہی ہے، خالد نے اسے تلوار کی ایسی ضرب کاری لگائی جس نے اس کا کام تمام کردیا، پھرانھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکرآپ کواس کی اطلاع دی،تو آپ نے فرمایا:[تِلْكَ الْعُزّٰى] ’’یہی عزّیٰ تھی۔‘‘[1]

ہرایک قبیلے کا صنم خانہ: ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ لات طائف میں خاندان ثقیف کا بت کدہ تھا۔اس کے نگہبان اور متولی بنومُعَتِّب تھے۔[2] میں کہتا ہوں کہ اس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ اورابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہما کو بھیجا تھا، انھوں نے اسے منہدم کرکے اس کی جگہ طائف میں مسجد بنادی۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مناۃ اوس،خزرج اور اہل یثرب ہی سے ان کے ہم مذہب لوگوں کا بت کدہ تھا اور یہ ساحلِ سمندر پر مُشَلَّل کی جانب سے قدید کے مقام پر تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے منہدم کرنے کے لیے ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، انھوں نے اسے پیوند خاک کردیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کام حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا تھا۔ ذوالخلصہ،[3] خثعم، دَوس اور بَجیلہ قبیلوں کا بت کدہ تھا، نیزان کے علاقوں کے جوعرب تَبالہ کے مقام پر مقیم تھے، وہ بھی اسی بت کے پجاری تھے۔[4] میں (مصنف) کہتا ہوں کہ اسے کعبۂ یمانیہ اور کعبہ مکہ کو کعبۂ شامیہ کہا جاتا تھا،اس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے جریر بن عبداللہ بَجَلی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، انھوں نے اسے گرادیا تھا۔ فلس[5] خاندانِ طے اور جبلِ طے کے ساتھ قبائلِ سلمی اوراَجا کا بت تھا۔

---

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ :474/6، حديث:11547، مزید دیکھیے مسند أبي يعلى المَوْصِلي:197,196/2، حديث:902. اس حدیث کی سند متابعت کے ساتھ صحیح ہے۔ [2] السيرة النبوية لابن إسحاق، حديث عمرو بن لحي وذكر أصنام العرب :65-60/1 والسيرة النبوية لابن هشام، قصة عمرو بن لحي......: 89-76/1. [3] ابن اسحاق نے اسے خُلُصَہ (خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ) پڑھا ہے، جبکہ ابن ہشام کے نزدیک یہ خَلَصہ (خاء اور لام کے فتح کے ساتھ) ہے۔ [4] السيرة النبوية لابن إسحاق، حديث عمرو بن لحي وذكر أصنام العرب:65-60/1 والسيرة النبوية لابن هشام، قصة عمرو بن لحي......:89-76/1. [5] ابن اثیر نے اپنی کتاب النهاية في غريب الحديث والأثر: 470/3، مادة : فلس میں لکھا ہے کہ فُلْس فاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ بنوطے کے بت کا نام ہے، جبکہ صاحبِ تاج العروس (مادة: فلس) نے ابن درید کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ فِلس، یعنی کسرہ سے قبیلہ بنوطے کا بت تھا، والله أعلم بالصواب.

ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ اس بت کو توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تھا، انھوں نے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہاں سے رسوب اور مِخْذَم نامی دو تلواریں بھی حاصل کیں جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی عطا فرما دی تھیں، بعد میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلواروں کے طور پر مشہور ہوئیں۔ ① ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حِمیر اور اہل یمن کا صنعاء میں ایک بت کدہ تھا، جسے رِئام کہا جاتا تھا۔ ② انھوں نے ذکر کیا ہے کہ یہاں ایک کالا کتا تھا، تبع کے ساتھ جانے والے دونوں عالموں نے اسے نکال کر قتل کر دیا اور اس بت کدے کو گرا دیا تھا۔ ③

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رضاء بنی ربیعہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم کا بت کدہ تھا۔ اسی کے بارے میں مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن سعد نے کہا تھا، جب اسلام لانے کے بعد انھوں نے اسے گرا دیا تھا ؎

وَلَقَدْ شَدَدْتُ عَلٰی رُضَاءٍ شَدَّةً فَتَرَكْتُهَا قَفْرًا بِقَاعٍ أَسْحَمَا

”میں نے رضاء پر زوردار حملہ کیا تو میں نے اسے چٹیل میدان میں سیاہ (وحشت ناک) اور ویران کر کے چھوڑا۔“ ④

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ذوالکعبات بکر اور تغلب۔ جو وائل اور ایاد کے بیٹے تھے۔ کا بت کدہ مقامِ سنداد میں تھا، اس کے بارے میں اَعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ نے کہا تھا ؎

بَيْنَ الْخَوَرْنَقِ وَالسَّدِيرِ وَبَارِقٍ وَّالْبَيْتِ ذِي الْكَعَبَاتِ مِنْ سَنْدَادِ

”خورنق، سدیر اور بارق کے درمیان سنداد کے مقام پر وہ بت کدہ ہے جسے ذوالکعبات کہا جاتا ہے۔“ ⑤

معبودانِ باطلہ کو مذکر اور فرشتوں کو مؤنث قرار دینے پر مشرکین کی تردید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ⑲ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ⑳ ﴾ ”بھلا تم لوگوں نے لات و عزیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو جو گھٹیا ہے؟“ پھر فرمایا: ﴿ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ㉑ ﴾ ”(مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں؟“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد قرار دیتے ہو اور اولاد بھی مادینہ جبکہ تم اپنے لیے نرینہ اولاد پسند کرتے ہو، اگر تم اور تمھارے جیسے لوگ اس طرح کی تقسیم کریں تو یہ ﴿ قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ㉒ ﴾ ”بہت بے انصافی کی تقسیم ہے۔“ یعنی یہ تقسیم ظلم اور باطل ہے، اپنے رب تعالیٰ کے لیے تم اس طرح کی تقسیم کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ اگر دو مخلوقوں میں بھی اس طرح تقسیم کی جائے تو یہ ظالمانہ اور احمقانہ تقسیم ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی کہ انھوں نے بتوں کی پوجا کر کے کذب و افترا اور کفر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بتوں کا نام اِلٰہ رکھ دیا، حالانکہ ﴿ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ﴾ ”وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے

① السيرة النبوية لابن هشام، قصة عمرو بن لحى......:89-76/1 و السيرة النبوية لابن إسحاق، حديث عمرو بن لحى...... :65-60/1 . ② السيرة النبوية لابن إسحاق، حديث عمرو بن لحى...... :65-60/1 . ③ السيرة النبوية لابن إسحاق، هدم البيت المسمى رئام :31/1 و السيرة النبوية لابن هشام، رئام وما صار إليه:28,27/1 . ④ السيرة النبوية لابن إسحاق، حديث عمرو بن لحى...... :65-60/1 . ⑤ السيرة النبوية لابن إسحاق، حديث عمرو بن لحى...... :65-60/1 . مزید دیکھیے السيرة النبوية لابن هشام، قصة عمرو بن لحى......:89-76/1.

باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔'' یعنی یہ نام تم نے از خود ایجاد کر لیے ہیں ﴿ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾ ''اللہ نے تو ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔'' سلطان کے معنی حجت اور دلیل کے ہیں۔ ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ﴾ ''یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور جس کی طرف (ان کے) دل مائل ہوں (اس) کے پیچھے چل رہے ہیں۔'' یعنی ان کے پاس اپنے ان آباء و اجداد کے ساتھ حسن ظن کے بغیر اور کوئی دلیل نہیں، جنھوں نے ان سے پہلے اس باطل مسلک کو اختیار کیا تھا، ان کی دلیل بس یہی ہے کہ ان کے دلوں میں اپنے آباء و اجداد کی تعظیم اور محبت رچی بسی ہوئی ہے ﴿ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿23﴾ ﴾ ''اور (حالانکہ) بلاشبہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔'' اب تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف روشن حق اور دلیل قاطع کے ساتھ اپنے رسول کو مبعوث فرما دیا ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس رسول کی اتباع کی اور نہ آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت کو قبول کیا۔

خواہشات سے خیر حاصل نہیں ہوتی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿24﴾ ﴾ ''کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے؟'' یعنی ہر شخص جس خیر و بھلائی کی تمنا کرے، اسے حاصل نہیں کر سکتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ (النسآء 4:123) ''(نجات) نہ تو تمھاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔'' یعنی ہر شخص جو اپنے بارے میں یہ گمان کرے کہ وہ ہدایت یافتہ ہے، ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا، ہر شخص جس چیز کو پسند کرے، اسے حاصل نہیں کر سکتا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا تَمَنّٰى أَحَدُكُمْ، فَلْيَنْظُرْ مَا يَتَمَنّٰى، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَا يُكْتَبُ لَهُ مِنْ أُمْنِيَّتِهِ] ''جب تم میں سے کوئی تمنا کرے تو اسے چاہیے کہ وہ دیکھے کہ وہ کیا تمنا کر رہا ہے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی خواہش و تمنا میں سے کیا لکھا جائے گا۔''[1] امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿25﴾ ﴾ ''آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے لیے ہیں۔'' یعنی سب امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہی دنیا و آخرت کا مالک ہے، دنیا و آخرت میں صرف اسی کا تصرف کار فرما ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿26﴾ ﴾ ''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔'' جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ (البقرة 2:255) ''کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ (سبا 34:23) ''اور اس (اللہ) کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔'' جب ملائکہ مقربین کی یہ صورت حال ہے تو اے جاہلو! تم

[1] مسند أحمد :2/357 . اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ مزید دیکھیے السلسلة الضعیفة :5/282، حدیث:2255.

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿27﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں ﴿27﴾ حالانکہ انھیں اس کا کوئی علم نہیں، وہ تو بس گمان کی پیروی

عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿28﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ

کرتے ہیں، اور بلاشبہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا ﴿28﴾ لہٰذا (اے نبی!) آپ اس سے اعراض کرلیں جو ہمارے ذکر سے

تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿29﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

پھرے (اور منہ موڑے) اور وہ صرف دنیاوی زندگی چاہتا ہو ﴿29﴾ ان کے علم کی یہی انتہا ہے، بلاشبہ آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿30﴾

راستے سے بھٹک گیا، اور وہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جس نے ہدایت پائی ﴿30﴾

یہ کیسے امید کر سکتے ہو کہ یہ بت اور تمھارے دوسرے معبود اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھاری شفاعت کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں اور معبودوں میں سے کسی کی عبادت کو مشروع قرار نہیں دیا اور نہ اس کی اجازت دی ہے بلکہ تمام رسولوں کی زبانی اس سے منع فرمایا اور اپنی تمام کتابوں میں بھی اس کی ممانعت نازل فرمائی ہے۔

تفسیر آیات: 27-30

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینے پر مشرکین کی تردید: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ انھوں نے فرشتوں کے عورتوں جیسے نام رکھے، اور انھیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اولاد سے پاک ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ○﴾ (الزخرف 19:43) ”اور انھوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا، کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ عنقریب ان کی شہادت لکھ دی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔“ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ﴾ ”حالانکہ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں۔“ یعنی ان کے پاس ایسا صحیح علم نہیں ہے جو ان کی بات کی تصدیق کرے بلکہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ کذب، جھوٹ، افترا پردازی اور بدترین کفر ہے ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿28﴾﴾ ”وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔“ یعنی ظن کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اور نہ کبھی حق کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ] ”اپنے آپ کو ظن سے بچاؤ کیونکہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔“[1]

اہل باطل سے اعراض کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ ”تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اس سے آپ بھی اعراض کریں۔“ جو شخص حق سے اعراض کرے، تم اس سے اعراض کرو اور اسے چھوڑ دو ﴿وَلَمْ

---

[1] صحیح البخاري، الأدب، باب: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز﴾ (الحجرات 12:49)، حدیث: 6066 و صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس......، حدیث:2563 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو جنھوں نے برے کام کیے، ان کے اعمال کی سزا دے، اور ان

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴿31﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ

لوگوں کو جنھوں نے اچھائیاں کیں، اچھا بدلہ دے ﴿31﴾ وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں الا یہ کہ کوئی صغیرہ گناہ (سرزد) ہو،

الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ

بے شک آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمھیں (اس وقت سے) خوب جانتا ہے جب اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿32﴾ ع 2/7/6

ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے، لہٰذا تم اپنے آپ کی پاکی بیان نہ کرو، وہ اسے (بھی) خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ﴿32﴾

﴿ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿29﴾ ﴾ ''اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو۔'' اس کا تمام تر مقصود اور اس کے علم کی انتہا دنیا ہی ہے اور یہ وہ مطلوب و مقصود ہے جس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ ﴾ ''ان کے علم کی یہی انتہا ہے۔'' دنیا کی طلب اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد ہی ان کا منتہائے مقصود ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کی ایک دعا میں یہ الفاظ بھی ہیں: [اَللّٰهُمَّ! ...... لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا، وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا] ''اے اللہ! ...... ہمارا بڑا مقصود اور ہمارے علم کی انتہا دنیا ہی کو نہ بنا دینا۔''[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿30﴾ ﴾ ''یقیناً آپ کا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور اس سے بھی خوب واقف ہے جس نے ہدایت پائی۔'' وہ تمام مخلوق کو پیدا فرمانے والا اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے، وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرما دے اور جسے چاہے راہِ ہدایت سے ہٹا دے، یہ سب کچھ اس کی قدرت، علم اور حکمت پر مبنی ہے وہ ایسا عادل ہے کہ کبھی بھی شرع یا قدر میں ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر آیات: 32,31

اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی چیز کو جانتا ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے، وہ اپنی مخلوق میں عدل کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے اور اس نے تمام مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴿31﴾ ﴾ ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ہیں ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو اچھا بدلہ دے۔'' یعنی وہ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیتا ہے، عمل اچھا ہو تو اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے اور اگر عمل برا ہو تو وہ برا بدلہ دیتا ہے۔

محسنین کے اوصاف: محسنین کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کبیرہ گناہوں اور فواحش و منکرات سے اجتناب کرتے ہیں، یعنی کبیرہ گناہوں اور محرمات کا ارتکاب نہیں کرتے اور اگر ان سے صغیرہ گناہوں کا ارتکاب ہو جائے تو وہ

[1] جامع الترمذي، الدعوات، باب دعاء: [اللّٰهم! اقسم لنا......]، حديث: 3502 عن ابن عمر رضي الله عنهما.

انھیں معاف کر دیتا اور ان کی پردہ پوشی فرماتا ہے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 31:4) ”اگر تم بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب کرو گے تو ہم تمھارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔“ اور فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ﴾ ”جو لوگ صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔“ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ ﴿ اللَّمَمَ ﴾ صغیرہ گناہوں اور حقیر اعمال کو کہتے ہیں۔

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی جو لمم کے ساتھ اس سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنٰى، أَدْرَكَ (ذٰلِكَ) لَا مَحَالَةَ، وَزِنَى الْعَيْنِ النَّظَرُ، وَزِنَى اللِّسَانِ النُّطْقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ] ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ یقیناً پالے گا، آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“[1] اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا، ہونٹوں کا زنا چومنا، ہاتھوں کا زنا پکڑنا، پاؤں کا زنا چلنا اور فرج اس سب کچھ کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب، اگر وہ شرم گاہ کے ساتھ بھی پیش قدمی کرے تو یہ زنا ہے ورنہ لمم۔[3] مسروق اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔[4] اور عبدالرحمن بن نافع، جسے ابن لبابہ طائفی کہا جاتا ہے، نے کہا ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّا اللَّمَمَ ﴾ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: بوسہ، چھیڑ چھاڑ، دیکھنا اور جسم سے جسم لگانا لمم ہے لیکن جب ختنے کے مقام سے ختنے کا مقام لگ جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے اور یہ زنا ہے۔[5]

توبہ کی ترغیب اور اپنے آپ کو پاک قرار دینے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ﴾ ”بے شک آپ کا پروردگار وسیع بخشش والا ہے۔“ اس کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے اور اس کی مغفرت توبہ کرنے والے کے تمام گناہوں کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ (الزمر 53:39) ”(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیں: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، بے شک اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) بے شک وہ تو بخشنے والا، مہربان ہے۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ ”وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔“ یعنی وہ تمھیں دیکھتا اور تمھارے تمام احوال،

---

[1] مسند أحمد :276/2 ، البتہ قوسین والا لفظ بخاری و مسلم کے آمدہ حوالے میں ہے۔ [2] صحيح البخاري، القدر، باب: ﴿ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ ﴾ (الأنبيآء 95:21)، حديث:6612 و صحيح مسلم، القدر، باب قدر على ابن آدم حظه ...... ، حديث:2657. [3] تفسير الطبري :86/27 . [4] تفسير الطبري :87/27 . [5] تفسير الطبري :87/27 .

افعال اور اقوال کو خوب جانتا ہے اور ان کو اسی وقت سے جانتا ہے، جب اس نے تمھارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا، ان کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو ننھی چیونٹیوں کے مانند نکالا اور پھر انھیں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ایک گروہ جنت کے لیے اور ایک گروہ جہنم کے لیے، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ﴾ ''اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔'' اور مقرر کیے ہوئے فرشتے نے رزق، اجل، عمل اور یہ کہ بد بخت ہے یا خوش بخت لکھ دیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''پس تم اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ۔'' یعنی اپنے آپ کی تعریفیں نہ کرو، انھیں مستحقِ شکر قرار نہ دو اور اپنے اعمال کے ساتھ امیدیں وابستہ نہ کرلو ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ ﴾ ''جو پرہیز گار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔'' جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا۝ ﴾ (النسآء 4: 49) ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں؟ (نہیں!) بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر (بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

صحیح مسلم میں محمد بن عمرو بن عطا سے روایت ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام بَرّہ رکھا، تو زینب بنت ابوسلمہ نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے، میرا نام برّہ رکھا گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ، اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنكُمْ] ''تم اپنے آپ کو پاک قرار نہ دو، اللہ تعالیٰ تم میں سے اہلِ بر کو خوب جانتا ہے۔'' عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا: [سَمُّوهَا زَيْنَبَ] ''اس کا نام زینب رکھ دو۔''① اس حدیث سے بھی ثابت ہے جسے امام احمد نے عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی نبی ﷺ کے پاس تعریف کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَيْلَكَ! قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ۔ مِرَارًا۔ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ مَّادِحًا صَاحِبَهٗ لَا مَحَالَةَ، فَلْيَقُلْ: أَحْسَبُ فُلَانًا، وَّاللّٰهُ حَسِيبُهٗ، وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا، إِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذٰلِكَ، أَحْسَبُهٗ كَذَا وَكَذَا] ''تم پر افسوس! تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کو توڑ دیا۔ آپ نے یہ بات کئی بار ارشاد فرمائی۔ اگر تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی ضرور تعریف کرنا چاہے تو اسے یہ کہنا چاہیے کہ میں فلاں شخص کو ایسا خیال کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے حساب کرنے والا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کو پاک قرار نہیں دیتا، البتہ میں اسے ایسا ایسا خیال کرتا ہوں، بشرطیکہ وہ اس کے بارے میں ایسا جانتا ہو۔''② اسی طرح اسے امام بخاری، امام مسلم، ابوداود اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔③

امام احمد رحمہ اللہ نے ہمام بن حارث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے آپ کے

---

① صحيح مسلم، الآداب، باب استحباب تغيير الاسم القبيح............، حديث :(19)-2142 . ② مسند أحمد : 46/5 . ③ صحيح البخاري، الشهادات، باب : إذا زكى رجل رجلا كفاه......، حديث:2662 وصحيح مسلم، الزهد، باب النهى عن المدح......،حديث:(65)-3000 وسنن أبي داود، الأدب، باب فى كراهية التمادح، حديث: 4805 و سنن ابن ماجه، الأدب، باب المدح، حديث:3744.

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿33﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿34﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿35﴾

کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جو پھرا (اور جس نے حق سے روگردانی کی)﴿33﴾ اور اس نے تھوڑا سا (مال) دیا، اور (پھر دینا) روک دیا﴿34﴾ کیا اس کے پاس

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿36﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿37﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ

علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟﴿35﴾ کیا اسے ان (باتوں) کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں؟﴿36﴾ اور ابراہیم جس نے (صحیفوں

وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿38﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿39﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿40﴾ ثُمَّ

میں جو باتیں تھیں، انھیں) ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا؟﴿37﴾ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا﴿38﴾ اور یہ کہ انسان کے لیے بس وہی کچھ

يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿41﴾

ہے جس کی اس نے سعی کی﴿39﴾ اور بلاشبہ اس کی سعی جلد دیکھی جائے گی﴿40﴾ پھر اسے پوری پوری جزا دی جائے گی﴿41﴾

منہ پر آپ کی تعریف شروع کر دی تو مقداد بن اسود نے اس کے منہ پر مٹی پھینکنی شروع کر دی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جب ہم تعریف کرنے والوں سے ملیں تو ان کے چہروں پر مٹی پھینک دیں۔[1] اسے امام مسلم اور امام ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:33-41

اطاعت سے روگردانی اور بخل کرنے والے کی مذمت: اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی کرنے والے کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۙ﴾ (القيمة 75:31,32) ''تو اس (عاقبت نااندیش) نے نہ تو (اللہ کے کلام کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿34﴾﴾ ''اور تھوڑا سا دیا اور (پھر) ہاتھ روک لیا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تھوڑا سا دیا اور پھر دینا بند کر دیا۔[3] مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے یہی فرمایا ہے۔[4] عکرمہ اور سعید نے کہا ہے کہ ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو کنواں کھودتے ہیں اور کھودتے ہوئے وہ ایک ایسی چٹان اپنے سامنے پاتے ہیں جو کام کی تکمیل میں حائل ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اُكْدَيْنَا[5] ''ہم رک گئے'' اور پھر کام چھوڑ دیتے ہیں۔[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿35﴾﴾ ''کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ (اسے) دیکھ رہا ہے؟'' کیا یہ شخص جس نے خرچ ہو جانے کے ڈر سے اپنا ہاتھ روک لیا اور نیکی کو ختم کر دیا کیا اسے غیب کا علم ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے گا کہ اس نے نیکی سے ہاتھ روک لیا ہے کیونکہ وہ مال کو ختم ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے؟ حالانکہ بات اس طرح

---

① مسند أحمد : 5/6 . ② صحيح مسلم، الزهد، باب النهي عن المدح......، حديث :3002 وسنن أبي داود، الأدب، باب في كراهية التمادح، حديث:4804. ③ تفسير الطبري :93/27 . ④ تفسير الطبري :94,93/27.

⑤ تمام نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے لیکن شاید یہ لفظ اُكْدَيْنَا ہے ''تا'' کے ساتھ اور یہ ضمیر غائب ہے یا مخاطب، مزید ملاحظہ فرمائیں تفسير الطبري:94/27. ⑥ تفسير القرطبي :112/17 وتفسير الطبري:94/27 نحوه.

نہیں ہے بلکہ یہ صدقہ، نیکی اور صلہ رحمی سے بخل اور کنجوسی کی وجہ سے رکا ہے، اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنْفِقْ يَابِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا] ”بلال! خرچ کرو اور عرش والے کی طرف سے فقر و فاقہ سے نہ ڈرو۔“ [1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ﴾ (سبا 39:34) ”اور تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اسی کا تمھیں عوض دے گا اور وہ سب رزق دینے والوں سے بہتر (رزق دینے والا) ہے۔“

صحف موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝ ﴾ ”کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں ان کی اس کو خبر نہیں پہنچی اور ابراہیم جس نے (اللہ کے احکام کو) پورا کر دکھایا؟“ سعید بن جبیر اور ثوری کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام کاموں کو پورا کر دیا جن کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے دین کے پہنچا دینے کے فریضے کو پورا کر دیا۔ [3] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جس کا آپ کو حکم دیا گیا، آپ نے اسے پورا کر دیا۔ [4] قتادہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق کی طرف اس کے پیغام کو پہنچا دینے کے فرض کو پورا فرما دیا۔ [5] امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ [6] اور یہ سابقہ تمام اقوال پر بھی مشتمل ہے اور اس کی تائید حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ ﴾ (البقرة 124:2) ”اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے (اللہ نے) فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔“ آپ نے تمام اوامر کو پورا کیا، تمام نواہی کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو بتمام و کمال پہنچا دیا، اسی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق قرار پائے کہ انسانیت کی امامت کا تاج ان کے فرق ناز پر سجا دیا جائے اور انھیں لوگوں کا ایسا امام بنا دیا جائے کہ تمام احوال، اقوال اور افعال میں انھی کے نقش قدم پر چلا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (النحل 123:16) ”پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کریں جو ایک (اللہ کی) طرف ہو جانے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“ جامع ترمذی میں ابو درداء اور ابو ذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: [اِبْنَ آدَمَ! اِرْكَعْ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ، أَكْفِكَ آخِرَهٗ] ”ابن آدم! دن کے ابتدائی حصے میں میرے لیے چار رکعات پڑھ لو، میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔“ [7]

---

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 75/2، حديث: 2572 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، مزید دیکھیے مسند البزار، ترجمة أسلم مولى عمر عن عمر رضی اللہ عنہ: 396/1، حديث: 273 عن عمر رضی اللہ عنہ اور ہیثمی نے مجمع الزوائد: 126/3، الزكاة، باب في الادخار، حديث: 4701 کے ذیل میں کہا ہے کہ امام طبرانی نے اسے المعجم الأوسط میں حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [2] تفسير الطبري: 95/27. [3] الدر المنثور: 168/6. [4] تفسير الطبري: 95/27. [5] تفسير الطبري: 95/27. [6] تفسير الطبري: 97,96/27. [7] جامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في صلاة الضحى، حديث: 475. اور ترمذی کے بعض نسخوں میں عن أبي الدرداء وأبي ذر میں ”و“ کے بجائے ”أو“ ہے۔ مزید دیکھیے سنن أبي داود، التطوع، باب صلاة الضحى، حديث: 1289 ومسند أحمد: 287/5 عن نُعيم بن همار رضی اللہ عنہ.

قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: اب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے کہ اس نے صحف ابراہیم وموسیٰ میں کیا وحی نازل فرمائی تھی، پس ارشاد ہے: ﴿ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ ’’یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔‘‘ یعنی ہر وہ انسان جس نے کفر یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا تو اس کا بوجھ خود اسی کو اٹھانا پڑے گا، اس کی طرف سے کوئی دوسرا انسان اس کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (فاطر18:35) ’’اور اگر کوئی بوجھ تلے دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ ’’اور یہ کہ انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔‘‘ یعنی جس طرح کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اس پر لادا نہیں جائے گا، اسی طرح اسے اجر و ثواب بھی صرف انھی اعمال کا ملے گا جو اس نے اپنے لیے کمائے تھے اور وہ حدیث جسے امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَامَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَهُ] ’’جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین کے سوا اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے: (1) ایسا صدقہ جو (اس کے بعد بھی) جاری رہنے والا ہو یا (2) ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو یا (3) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔‘‘[1] تو یہ تینوں چیزیں درحقیقت اس کی اپنی ہی سعی و کاوش اور اپنا ہی عمل ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: [إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ، وَإِنَّ وَلَدَهُ مِنْ كَسْبِهِ] ’’سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔‘‘[2] اور صدقۂ جاریہ، مثلاً: وقف وغیرہ تو یہ بھی اس کے عمل کے آثار ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ﴾ (یٰس 12:36) ’’بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور (جو) ان کے نشان (پیچھے رہ گئے) ہم قلم بند کرتے ہیں۔‘‘ اور علم جو اس نے لوگوں میں پھیلایا اور لوگوں نے اس کے بعد بھی اس کی پیروی کی یہ اس کی کوشش اور اسی کا عمل ہے۔ حدیث صحیح میں ہے: [مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ (مِنْ غَيْرِ أَنْ يُّنْقَصَ) مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا] ’’جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اسے ان سب لوگوں کے اجر کے برابر ثواب ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔‘‘[3]

[1] صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631. [2] سنن النسائي، البيوع، باب الحث على الكسب، حديث: 4457 و سنن ابن ماجه، التجارات، باب الحث على المكاسب، حديث: 2137، عن عائشة رضي الله عنها. [3] صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة......، حديث: 2674 عن أبي هريرة رضي الله عنه. جبکہ قوسین والے الفاظ کے بجائے مذکورہ حوالے میں [لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ] جملہ ہے۔ اور قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة......، حديث: 1017 عن جرير بن عبدالله رضي الله عنه [مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً......] کے سیاق میں آتے ہیں۔

وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿42﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿43﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿44﴾

اور بے شک (سب کا) آپ کے رب ہی کے پاس ٹھکانا ہے﴿42﴾اور بلاشبہ وہی ہنساتا اور وہی رلاتا ہے﴿43﴾اور بے شک وہی مارتا اور وہی زندہ کرتا

وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿45﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿46﴾ وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ

ہے﴿44﴾اور بلاشبہ اسی نے جوڑا (یعنی) نر اور مادہ پیدا کیے﴿45﴾نطفے سے جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے﴿46﴾اور بلاشبہ دوسری (بار) پیدائش بھی اسی کے

الْاُخْرٰى ﴿47﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿48﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿49﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ

ذمے ہے﴿47﴾اور بے شک وہی غنی کرتا اور سرمایہ دار بناتا ہے﴿48﴾اور یقیناً وہی شِعریٰ (ستارے) کا رب ہے﴿49﴾اور بلاشبہ اسی نے پہلے عادیوں کو ہلاک

عَادَا الْاُوْلٰى ﴿50﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿51﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ

کیا﴿50﴾اور ثمود کو بھی، پھر اس نے (کسی کو بھی) باقی نہ چھوڑا﴿51﴾اور (ان سے) پہلے قومِ نوح کو بھی، بلاشبہ وہ نہایت ظالم اور بڑے سرکش تھے﴿52﴾اور اس

اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿52﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿53﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿54﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ

نے الٹی ہوئی بستیوں کو (زمین پر) دے مارا﴿53﴾پھر اس بستی کو ڈھانپ لیا جس (سنگ باری) نے ڈھانپ لیا﴿54﴾پھر (اے انسان!) تو اپنے رب کی کون

تَتَمَارٰى ﴿55﴾

کون سی نعمتوں میں شک کرے گا؟﴿55﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿40﴾ ﴾ ”اور (یہ کہ) بلاشبہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔“ یعنی قیامت کے دن جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (التوبة 9:105) ”اور (ان سے) کہہ دیں کہ عمل کیے جاؤ پس عنقریب اللہ اور اس کا رسول اور مومن (سب) تمھارے عملوں کو دیکھ لیں گے اور تم غائب و حاضر جاننے والے (اللہ واحد) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو تم کرتے رہے ہو وہ سب تم کو بتا دے گا۔“ یعنی قیامت کے دن وہ تمھیں تمھارے اعمال کی خبر بھی دے گا اور تمھیں پوری پوری جزا بھی عطا فرمائے گا کہ اعمال اچھے ہوئے تو اچھی جزا اور اگر اعمال برے ہوئے تو بدترین سزا، اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿41﴾ ﴾ ”پھر اس کو (اس کا) پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

تفسیر آیات: 42-55

اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿42﴾ ﴾ ”اور (یہ کہ) بے شک آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔“ یعنی قیامت کے دن رب تعالیٰ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے۔ ابن ابوحاتم نے عمرو بن میمون اَودی سے روایت کیا ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا: اے بنی اَود! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمھارے پاس قاصد ہوں، تم جانتے ہو کہ آخرت میں سب کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور پھر جنت کی طرف جانا ہوگا یا دوزخ کی طرف۔[1]

① المستدرك للحاكم :83/1، حديث:281.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴾ ''اور (یہ کہ) بے شک وہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔'' اس نے اپنے بندوں میں ہنسنے، رونے اور ان کے اسباب کو پیدا فرمایا، جو مختلف ہیں، ﴿ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴾ ''اور (یہ کہ) بے شک وہی مارتا اور جلا بخشتا ہے۔'' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ ﴾ (الملك 67: 2) ''اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔'' ﴿ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴾ ''اور (یہ کہ) بے شک وہی نر اور مادہ (کا) جوڑا پیدا کرتا ہے (یعنی) نطفے سے جو (رحم میں) ڈالا جاتا ہے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ۝ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝ ﴾ (القيامة 75: 36-40) ''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا، جو (رحم میں) ڈالی جاتی ہے، ایک قطرہ نہ تھا، پھر لوتھڑا ہوا، پھر (اللہ نے) اس کو بنایا، پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا، پھر اس سے جوڑا (ایک) مرد اور (ایک) عورت بنایا، کیا اس کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴾ ''اور (یہ کہ) بے شک (قیامت کو) اسی پر دوبارہ اٹھانا لازمی ہے۔'' یعنی جس طرح اس نے ابتدا میں پیدا فرمایا، اسی طرح وہ ان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اس سے مراد قیامت کے دن دوبارہ پیدا کرنا ہے ﴿ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴾ ''اور (یہ کہ) بے شک وہی دولت مند اور مفلس کرتا ہے۔'' یعنی اس نے اپنے بندوں کو مال کا مالک بنا دیا اور اسے ان کے پاس رہنے والا بنا دیا کہ انھیں اس کے فروخت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر تمام نعمت ہے، اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں بہت سے مفسرین کے اقوال کا یہی خلاصہ ہے جن میں سے ابو صالح اور ابن جریر بطور خاص قابل ذکر ہیں۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ اَغْنٰى ﴾ کے معنی ہیں کہ اس نے مال دار بنایا اور ﴿ اَقْنٰى ﴾ کے معنی ہیں کہ اس نے خدمت گزار عطا کیے۔[2] قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ ﴿ اَغْنٰى ﴾ کے معنی اس نے دیا اور ﴿ اَقْنٰى ﴾ کے معنی اس نے راضی کر دیا۔[4]

﴿ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴾ ''اور (یہ کہ) بے شک وہی شعریٰ کا مالک ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ابن زید اور دیگر کئی مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ شعریٰ سے مراد وہ بہت زیادہ چمکنے والا ستارہ ہے جسے مرزم جوزا کہا جاتا ہے اور عربوں کا ایک گروہ اس ستارے کی پوجا کیا کرتا تھا۔[5] ﴿ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ا۟لْاُوْلٰى ﴾ ''اور (یہ کہ) بے شک اسی نے عادِ اول کو ہلاک کر ڈالا۔'' عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی، انھیں عاد بن ارم بن سام بن نوح بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ ﴾ (الفجر 89: 6-8) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا (جو) ارم (کہلاتے تھے) ستونوں والے (اتنے دراز قد کہ) شہروں میں ان جیسے پیدا نہیں ہوئے تھے۔'' وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر، سب سے قوی

---

[1] تفسیر الطبری: 99/27. [2] تفسیر الطبری: 99/27. [3] تفسیر الطبری: 99/27. [4] تفسیر الطبری: 100/27.
[5] تفسیر الطبری: 101/27.

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿56﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿57﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿58﴾

یہ (رسول) تو پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے﴿56﴾ قریب آنے والی (قیامت) قریب آگئی﴿57﴾ اس (قیامت) کو اللہ کے سوا کوئی

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿59﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿60﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿61﴾

ہٹانے والا نہیں﴿58﴾ کیا پھر اس بات (قرآن) پر تم تعجب کرتے ہو؟﴿59﴾ اور تم ہنستے ہو، اور روتے نہیں﴿60﴾ اور تم غفلت واعراض کرنے والے ہو﴿61﴾ اب تم

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿62﴾ السجدة

ع 3 30 7 السجدة 13

(باز آجاؤ اور) اللہ کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو﴿62﴾

اور سب سے زیادہ سرکش تھے، پس اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا ﴿ بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ﴾ (الحآقّة 69:6،7) ''نہایت تخ تیز آندھی سے (ان کا ستیاناس کر دیا گیا) اس (اللہ) نے اس کو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل ان پر چلائے رکھا۔'' یعنی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک ان پر بادِ صرصر چلائے رکھی۔

﴿ وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ﴿51﴾ ﴾ ''اور ثمود کو (بھی) پس (کسی کو) باقی نہ چھوڑا۔'' یعنی انھیں بھی تباہ و برباد کر دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ ﴿ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ ﴾ ''اور اس سے پہلے قوم نوح کو (بھی۔)'' یعنی ان سب سے پہلے اس نے قوم نوح کو ہلاک کر دیا تھا ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿52﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔'' یعنی بعد میں آنے والوں سے زیادہ سرکش تھے۔ ﴿ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿53﴾ ﴾ ''اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو دے پٹخا۔'' یعنی اس نے قوم لوط کی بستیوں کو تہ و بالا کر کے تباہ و برباد کر دیا اور ان کے اوپر تہ بہ تہ کھنگر کے پتھر برسائے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿54﴾ ﴾ ''پھر ان پر چھایا جو چھایا۔'' یعنی ان پتھروں نے جو اُن پر برسائے گئے، ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ ﴾ (النمل 27:58) ''اور ہم نے ان پر مینہ برسایا سو جو مینہ ان (لوگوں) پر برسا جو ڈرائے گئے تھے وہ برا تھا۔'' پھر فرمایا: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿55﴾ ﴾ ''تو (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت پر جھگڑے گا؟'' اے انسان! تجھے اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کن نعمتوں کے بارے میں شک ہے، یہ قول قتادہ کا ہے۔[1] اور ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے مخاطب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ اپنے بارے میں اپنے رب کی کن نعمتوں کے بارے میں شک کریں گے؟[2] لیکن اس آیت کریمہ کا پہلا مفہوم زیادہ درست ہے کہ اس آیت کا مخاطب ہر انسان ہے، امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 56-62

انذار و تنبیہ اور سجدہ و خضوع کا حکم: ﴿ هٰذَا نَذِيْرٌ ﴾ ''یہ ایک ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ﴿ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿56﴾ ﴾ ''اگلے ڈرانے والوں میں سے۔'' یعنی یہ بھی انھی کی جنس میں سے مبعوث کیے گئے ہیں جس طرح کہ سابقہ

---

① تفسیر الطبری: 105/27. ② فتح القدیر: 141/5. ③ تفسیر الطبری: 105/27.

انبیائے کرام مبعوث کیے گئے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 9:46) ''کہہ دیں کہ میں رسولوں میں سے کوئی نیا (پیغمبر) نہیں ہوں۔'' ﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴾ یعنی قریب آنے والی قیامت قریب آ گئی۔ ﴿ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴾ ''اس (دن کی تکلیفوں) کو اللہ کے سوا کوئی ہٹا نہیں سکے گا۔'' یعنی جب آ جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی کو علم ہے کہ وہ کب آئے گی اور ﴿ نَذِيْرٌ ﴾ اس ڈرانے والے کو کہتے ہیں جو اس شر کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے جو وقوع پذیر ہونے والا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴾ (سبا 46:34) ''وہ تو تم کو سخت عذاب (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔'' اور حدیث میں ہے: [أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ] ''میں (تم کو) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔''[1] النذیر العریان سے مراد ایسا ڈرانے والا جسے اس شر کی شدت کی وجہ سے، جسے اس نے دیکھا ہو، ڈرانے کی بہت جلدی ہو اور وہ اس کے آنے سے پہلے انھیں ڈرا رہا ہو، لہٰذا وہ ان کے پاس جلدی میں واضح طور پر ہی آ جائے اور یہی بات ﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴾ سے مطابقت رکھتی ہے کہ روز قیامت قریب آ گیا ہے جیسا کہ اس کے بعد آنے والی سورت کے آغاز میں فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ﴾ (القمر 11:54) ''قیامت قریب آ پہنچی۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، فَإِنَّمَا مَثَلُ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ كَقَوْمٍ نَزَلُوا فِي بَطْنِ وَادٍ، فَجَاءَ ذَا بِعُودٍ وَّجَاءَ ذَا بِعُودٍ حَتّٰى أَنْضَجُوا خُبْزَتَهُمْ، وَإِنَّ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ مَتٰى يُؤْخَذْبِهَا صَاحِبُهَا تُهْلِكْهُ] ''چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ، چھوٹے گناہوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو کسی وادی میں اترے، ان میں سے ایک شخص ایک لکڑی لے آیا اور دوسرا شخص دوسری لکڑی حتی کہ اس سے انھوں نے اپنی روٹی پکا لی، اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہوں کے ارتکاب کرنے والے کا جب محاسبہ ہوگا تو وہ اسے ہلاک کر دیں گے۔''[2] پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے قرآن سن کر اس سے اعراض کرنے اور غافل ہو جانے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ تَعْجَبُوْنَ ﴾ ''تم تعجب کرتے ہو'' اس بات سے کہ یہ صحیح ہے ﴿ وَتَضْحَكُوْنَ ﴾ ''اور ہنستے ہو'' اس سے از راہ مذاق ہنستے ہو ﴿ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴾ ''اور روتے نہیں ہو۔'' جیسا کہ اس پر ایمان و یقین رکھنے والوں کا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴾ (بنی إسرآء یل 109:17) ''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور یہ ان کو عجز و انکسار میں زیادہ کرتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴾ ''اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔'' امام سفیان ثوری نے اپنے والد سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا ہے، یمنی زبان میں أَسْمِدْ لَنَا کے معنی ہوتے ہیں

---

[1] صحیح البخاري، الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصي، حدیث :6482 وصحیح مسلم، الفضائل، باب شفقته علی أمته.....، حدیث:2283 عن أبي موسى. [2] مسند أحمد :331/5.

کہ ہمارے لیے گانا گاؤ۔ ① عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ ② ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت کے مطابق ﴿ سٰمِدُوْنَ ﴾ کے معنی اعراض کرنے والوں کے ہیں۔ ③ مجاہد اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ ④ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں، اس کی عبادت بجالائیں، توحید اور اخلاص کے ساتھ اس کی بندگی کو اختیار کریں ﴿ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴾ ”تو تم اللہ کے آگے سجدہ کرو اور (اس کی) عبادت کرو۔“ اس کے آگے جھک جاؤ، اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی کرو اور اس کی توحید کو اختیار کرو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی اس آیت پر سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا۔ ⑤ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے، مسلم میں نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے مطلب بن ابو وداعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی تو سجدہ کیا اور آپ کے پاس موجود لوگوں نے بھی سجدہ کیا، میں نے اپنے سر کو اٹھایا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، مُطَّلِب ان دنوں ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد وہ جس کو بھی اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سنتے تو اس کے ساتھ سجدہ کرتے۔ ⑥ امام نسائی نے اسے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے۔ ⑦

سورۂ نجم کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر الطبری :108/27 . ② تفسیر القرطبی :123/17 . ③ تفسیر عبدالرزاق :257/3، رقم:3052.
④ تفسیر البغوی :319/4 . ⑤ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴾ (النجم 62:53)، حدیث:4862. ⑥ مسند أحمد :400/6 . ⑦ سنن النسائی، الافتتاح، السجود فی ﴿ وَالنَّجْمِ ﴾ (النجم 1:53)، حدیث :959 .

تحقیق وتخریج کے

مصادر ومراجع

اسم الكتاب	اسم المصنف	المطبعة	مقام	تاريخ الطبع
آداب الصحبة	لأبی عبدالرحمٰن السّلمی	دارالصحابة للتراث (C.D)	طنطا مصر	1410ھ 1990م
الإتقان	للإمام جلال الدين أبی الفضل عبدالرحمٰن السيوطی (849-911ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	
الأحاديث الطوال	للحافظ سليمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
الأحاديث المختارة	لأبی عبداللّٰه محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلی المقدسی (567-643ھ)	دارخضر	بيروت لبنان	1421ھ 2001م
أحكام القرآن	للإمام أبی بكر محمد بن عبداللّٰه المعروف بابن العربی (468-543ھ)	دارالكتاب العربی	بيروت لبنان	1421ھ 2000م
أحكام القرآن	لمحمد بن إدريس الشافعی أبو عبداللّٰه (المتوفی 204ھ)	دارالكتب العلمية (C.D)	بيروت	
الأدب المفرد	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن إسماعيل البخاری (194-256ھ)	مكتبة المعارف	الرياض	1419ھ 1998م
إرشاد الساری	للإمام شهاب الدين أبی العباس أحمد بن محمد الشافعی القسطلانی (المتوفی 923ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1416ھ 1996م
إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت	1405ھ 1985م

الاستذكار	لأبی عمر یوسف بن عبداللّٰہ بن عبدالبر النمری الأندلسی (5463-5368ھ)	دار الوعی	حلب القاهرة	1414ھ 1993م
أسد الغابة	لعز الدین ابن الأثیر أبی الحسن علی بن محمد الجَزَری (المتوفی 630ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
الإسراء والمعراج	لمحمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المکتبة الإسلامیة	عمان (اردن)	1421ھ 2000م
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
الأعلام	لخیر الدین الزرکلی	دارالعلم للملایین	بیروت لبنان	2005م
إکمال المُعلم بفوائد مسلم	للإمام الحافظ أبی الفضل عیاض بن موسی بن عیاض الیحصبی (المتوفی 544ھ)	دار الوفاء	بیروت لبنان	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبی عبداللّٰہ محمد بن إدریس الشافعی القرشی (المتوفی 204ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1420ھ 2000م
بائبل،قرآن اورسائنس(اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاہور پاکستان	1999م
البحر الزخّار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبی بکر أحمد بن عمرو بن عبدالخالق العتکی البزّار (المتوفی 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومکتبة العلوم والحکم	بیروت المدینة المنورة	1409ھ 1988م
البدایة والنهایة	لأبی الفداء الحافظ ابن کثیر الدِّمشقی (المتوفی 774ھ)	دار الریان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البیان فی عدّ آی القرآن	لأبی عمرو عثمان بن سعید الأموی الدانی (371-444ھ)	مرکز المخطوطات	الکویت	1414ھ 1994م
تاج العروس	الإمام محب الدین أبی فیض السید محمد مرتضی الحسینی الزبیدی (المتوفی 1205ھ)	دارالفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م

تاريخ ابن خلدون	لعبد الرحمٰن بن خلدون (732-808ھ /1332-1406م)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1992م
تاريخ بغداد	للحافظ أبى بكر أحمد بن على الخطيب البغدادى (المتوفى 463ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
تاريخ دمشق	للإمام الحافظ أبى القاسم على بن الحسن الدمشقى الشافعى المعروف بابن عساكر (499-571ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1421ھ 2001م
تاريخ الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبرى (المتوفى310ھ)	مطبعة الاستقامة	القاهرة	1358ھ 1939م
التاريخ الكبير	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجعفى (194-256ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1414ھ 1993م
تحفة الأحوذى	للإمام الحافظ أبى العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحيم المباركفورى(المتوفى1353ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تحفة الأخيار	لأبى جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوى (239-321ھ)	داربلنسية	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدين أبى الحجاج يوسف المزى (654-742ھ)	دارالغرب الإسلامى	بيروت	1999م
التخويف من النار	لأبى الفرج عبدالرحمٰن بن أحمد، الشهير بابن رجب الحنبلى (المتوفى 795ھ)	مكتبة دارالبيان (C.D)	دمشق	1399ھ
تدريب الراوى	للحافظ جلال الدين عبدالرحمن بن أبى بكر السيوطى(849-911 ھ)	دارالكتاب العربى	بيروت لبنان	1414ھ 1993م
تذكرة الحفاظ	للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى (المتوفى 748ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1998م

الترغيب والترهيب	للإمام الحافظ زکی الدين عبدالعظيم بن عبدالقوی المنذری (المتوفی 656ھ)	دارالحديث	القاهرة	1407ھ 1987م
تغليق التعليق	لأحمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق	1470ھ 1999م
تفسير البحر المحيط	لابی حيان محمد بن يوسف بن علی بن يوسف بن حيان الأندلسی654-745ھ 1256-1344م	(C.D)		
تفسير البغوی	للإمام أبی محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (المتوفی 516ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسير البيضاوی	للإمام ناصر الدين أبی الخير عبدالله بن عمر بن محمد الشيرازی الشافعی البيضاوی (المتوفی 691ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
تفسير الثعالبی (الجواهر الحسان)	للإمام عبدالرحمٰن الثعالبی	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1416ھ 1996م
تفسير الثوری	لسفيان بن سعيد بن مسروق الثوری أبو عبدالله (المتوفی 161ھ)	دارالكتب العلمية (C.D)	بيروت لبنان	1403ھ
تفسير ابن أبی حاتم	للإمام الحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدريس الرازی ابن أبی حاتم (المتوفی 327ھ)	مكتبة نزار مصطفی الباز	الرياض مكة المكرمة	1417ھ 1997م
تفسير الرازی	للإمام فخر الدين الرازی (المتوفی 606ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير السمعانی	للإمام أبی المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التميمی المروزی الشافعی (426-489ھ)	دار الوطن	الرياض	1418ھ 1997م

تفسير الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبَرى (المتوفى 310ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى211ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1999م
تفسير القرطبى	لأبى عبدالله محمد بن أحمد الأنصارى القُرطبى (المتوفى 671ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م
تفسير الماوردى	لأبى الحسن على بن محمد بن حبيب الماوردى البصرى (364-450ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م
تفسير معانى القرآن	للنحاس (المتوفى 338ھ)	جامعة أم القرى (C.D)	مكة المكرمة	1409ھ
تلخيص الحبير	للإمام الحافظ أبى الفضل أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
تلقيح فهوم أهل الأثر فى عيون التاريخ والسير	للإمام عبدالرحمٰن بن الجوزى 508-597ھ1114-1204م	ادارة إحياء السنة گهرجا كهه گوجرانواله	پاكستان	
تمام المنة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ)	دار الراية	الرياض السعودية	1417ھ
التمهيد	للإمام الحافظ أبى عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر النمرى الأندلسى (368-463ھ)	مكتبة السوادى	جدة	1387ھ 1967م
تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة	لأبى الحسن على بن محمد بن عراق الكنانى (907-963ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1401ھ 1981م

تنوير المقباس من تفسير ابن عباس	للإمام السيد حبر الأمة عبدالله بن عباس الهاشمی القرشی رضي الله عنه (المتوفى 68ھ)	مطبعة الأمير	قم ایران	
تیسیر مصطلح الحديث	للدكتور محمود الطحان	نشر السنة	ملتان باكستان	
جامع الأصول	للإمام أبی السعادات مبارك بن محمد ابنُ الأثير الجزری (544-606ھ)	دار إحياء التراث العربی	بیروت لبنان	1404ھ 1984م
جامع الترمذی	للإمام الحافظ أبی عيسى محمد بن عيسى بن سَورة الترمذی (200-279ھ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
جامع العلوم والحكم	لأبی الفرج عبدالرحمٰن بن أحمد، الشهير بابن رجب الحنبلی (736-795ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1417ھ 1997م
جامع المسانيد والسنن	للإمام عماد الدين أبی الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشی الدمشقی الشافعی (700-774ھ)	دار الفكر	بیروت	1420ھ 2000م
حلية الأولياء	للإمام الحافظ أبی نُعَيم أحمد بن عبدالله الأصفهانی الشافعی (المتوفى430ھ)	دار الكتب العلمية	بیروت لبنان	1418ھ 1997م
الحوض والكوثر	للإمام بقی بن مخلد القرطبی (201-276ھ)	مكتبة العلوم والحكم (C.D)	المدينة المنورة	1413ھ
الدر المنثور فی التفسير المأثور	للإمام جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبی بكر السيوطی (المتوفى 911ھ)	دارالكتب العلمية	بیروت لبنان	1421ھ 2000م
دلائل النبوة	لأبی بكر أحمد بن الحسين بن علی البيهقی (384-458ھ)	دار الكتب العلمية	بیروت لبنان	1405ھ 1985م
الدِّيباج علٰی صحيح مسلم بن الحجاج	للحافظ جلال الدين عبدالرحمٰن السيوطی (849-911ھ)	شركة دار الأرقم بن أبی الأرقم	بیروت لبنان	

الرحيق المختوم (اردو)	للشيخ صفی الرحمٰن مبارکفوری (المتوفی 2006م)	المكتبة السلفية	لاهور پاکستان	1416ھ 1995م
روح المعانی	للعلامة أبی الفضل شهاب الدين السيد محمود الآلوسی البغدادی (المتوفی 127ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1417ھ 1997م
الروح	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن أبی بكر الدِمشقی، الشهير بابن قيم الجوزية (المتوفی 751ھ)	دارالكتاب العربی	بيروت	1422ھ 2001م
الروض الأنف فی تفسير السيرة النبوية لابن هشام	للإمام أبی القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللّٰه بن أحمد بن أبی الحسن الخثعمی السهيلی (المتوفی 581ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	
الروض الدانی إلی المعجم الصغير للطبرانی	للحافظ أبی القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی (260ھ - 360ھ)	المكتب الإسلامی، دار عمار	بيروت عمّان	1405ھ 1985م
الزهد	للإمام أحمد بن حنبل (164-241ھ)	دارالكتاب العربی	بيروت لبنان	1425ھ 2004م
زاد المسير	للإمام أبی الفَرَج جمال الدين عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی 597ھ)	دار الكتب العلمية	الرياض	1414ھ 1994م
زاد المعاد	للإمام شمس الدين أبی عبداللّٰه محمد بن أبی بكر الزرعی الدمشقی المشهور بابن قيم الجوزية (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	دمشق بيروت	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الصحيحة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	مكتبة المعارف	الرياض السعودية	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الضعيفة	// // //	//	//	1420ھ 2000م

سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰه بن عبد الرحمٰن بن الفضل بن بهرام التمیمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن سعید بن منصور	للحافظ سعید بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصمیعی	الریاض السعودیة	1420ھ 2000م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی (384-458ھ)	إدارة تألیفات أشرفیة	ملتان باکستان	1414ھ 1993م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه محمد بن یزید الربعی ابن ماجه القزوینی (209-273ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی (215-303ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
السیرة النبویة	لولی الدین أبی زید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحیم الحضرمی الأشبیلی المالکی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مکتبة المعارف	الریاض السعودیة	1418ھ 1998م
السیرة النبویة	لابن إسحاق (المتوفی 151ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1424ھ 2004م
السیرة النبویة	لأبی محمد عبدالملک بن هشام بن أیوب الحِمیَری (المتوفی 218ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1415ھ 1995م

السيرة النبوية	للإمام ابن كثير	دار المعرفة (C.D)	بيروت لبنان	
شرح السنة	للإمام الحافظ محى السنة أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى (436-516هـ)	المكتب الإسلامى	بيروت	1403هـ 1983م
شرح صحيح الأدب المفرد	للإمام العلّامة محمد ناصر الدين الألبانى رحمه الله المتوفى1420هـ1999م	المكتبة الإسلامية	بيروت لبنان	1423هـ 2003م
شرح صحيح البخارى	لابن بطّال أبى الحسن على بن خلف بن عبدالملك (المتوفى 449هـ)	مكتبة الرشد	الرياض السعودية	1420هـ 2000م
شرح العقيدة الطحاوية	للعلامة ابن أبى العز الحنفى، بتحقيق وتخريج محمد ناصر الدين الألبانى	المكتب الإسلامى	بيروت	1408هـ 1988م
شرح معانى الآثار	لأبى جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوى (239-321هـ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1407هـ 1987م
شرح النووى	لمحى الدين أبوزكريا يحى بن شرف بن مرى الحزامى الحورانى الشافعى (المتوفى 676هـ)	مؤسسة قرطبة	بيروت لبنان	1414هـ 1994م
شعب الإيمان	للإمام أبى بكر أحمد بن الحسين البيهقى (384-458هـ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410هـ 1990م
الشمائل المحمدية	للإمام أبى عيسٰى محمد بن عيسٰى الترمذى (209-279هـ)	داراليسر	المدينة المنورة	1428هـ 2007م
الصحاح	لأبى نصر إسماعيل بن حماد الجوهرى الفارابى (المتوفى 398هـ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1419هـ 1999م
صحيح البخارى	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى الجعفى (194-256هـ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419هـ 1999م

صحيح الترغيب والترهيب	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ-1999م)	مكتبة المعارف	الرياض	1421هـ 2000م
صحيح الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ-1999م)	المكتب الإسلامي	بيروت لبنان	1408هـ 1988م
صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان الفارسي	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1414هـ 1993م
صحيح ابن خزيمة	للإمام أبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة السلمي النيسابوري (المتوفى 311هـ)	المكتب الإسلامي	بيروت لبنان	1412هـ 1992م
صحيح سنن أبي داود	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ-1999م)	مؤسسة غراس	الكويت	1423هـ 2002م
صحيح السيرة النبوية ما صح من "سيرة رسول الله ﷺ وذكر أيامه وغزواته وسراياه والوفود إليه" للحافظ ابن كثير	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ-1999م)	المكتبة الإسلامية	عمّان أردن	1421هـ 2000م
صحيح مسلم	للإمام أبي الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري (204-261هـ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1419هـ 1998م
صفة الجنة	لأبي نعيم أحمد بن عبدالله بن أحمد بن إسحاق بن موسى بن مهران الأصفهاني (336-430هـ)	دارالمأمون للتراث (C.D)	بيروت لبنان	1406هـ
ضعيف الجامع الصغير وزيادته	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ-1999م)	المكتب الإسلامي	بيروت لبنان	1410هـ 1990م
ضعيف سنن ابن ماجه	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ-1999م)	المكتب الإسلامي	بيروت	1415هـ 1994م

الطبقات الكبرىٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منيع (المتوفى 230ھ)	دار صادر	بيروت	1418ھ 1998م
طبقات المحدثين بأصبهان	لعبد اللّٰه بن محمد بن جعفر بن حيان أبى محمد الأنصارى (274-369ھ)	مؤسسة الرسالة (C.D)	بيروت	1412ھ 1992م
علل الحديث	للإمام ابن أبى حاتم الرازى (240-327ھ)	المكتبة الأثرية	شيخوپوره پاكستان	
عمدة القارى	للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبى محمد محمود بن أحمد العينى (المتوفى 855ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
عون المعبود	للعلامة أبى الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادى	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
غريب الحديث	لإبراهيم بن إسحاق الحربى أبى إسحاق (198-285ھ)	جامعة أم القرىٰ (C.D)	مكة المكرمة	1405ھ
فتح البارى	للإمام الحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (773-852ھ)	دار نشر الكتب الإسلامية	لاهور پاكستان	1401ھ 1981م
فتح البيان	لأبى الطيب صديق بن حسن بن على الحسينى القنوجى البخارى (المتوفى 1307ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
فتح القدير	لمحمد بن على بن محمد الشوكانى (1173-1250ھ)	دارابن كثير، دارالكلم الطيب	دمشق بيروت	1414ھ 1994م
الفصول فى سيرة الرسول ﷺ	للإمام الحافظ عماد الدين أبى الفداء إسماعيل ابن كثير (المتوفى774ھ)	مدار الوطن للنشر......	الرياض	1424ھ 2003م
فضائل القرآن	لأبى عبيد القاسم بن سلام الهروى (157-224ھ)	دار ابن كثير	دمشق بيروت	1420ھ 1999م

القدر	لأبی بكر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض (207-301ھ)	أضواء السلف (C.D)	السعودية	1418ھ 1998
الكامل فی ضعفاء الرجال	للإمام الحافظ أبی أحمد عبدالله بن عدی الجرجانی (المتوفی 365ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
الكامل فی التاريخ	للإمام أبی الحسن علی بن أبی الكرم محمد بن محمد بن عبدالكريم بن عبدالواحد الشيبانی المعروف "بابن الأثير" الجزری (المتوفی 630ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
كتاب الأسماء والصفات	للإمام الحافظ أبی بكر أحمد بن الحسين بن علی البيهقی (المتوفی 458ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	
كتاب الجهاد	لابن أبی عاصم(206-287ھ)	مكتبة العلوم و الحكم	المدينة المنورة	1409ھ 1989م
كتاب الزهد	للإمام الشيخ عبد الله بن المبارك المروزی (المتوفی 181ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخريج السنة	لأبی بكر عمرو بن أبی عاصم الضحاك بن مخلد الشيبانی (المتوفی 287ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب العرش	لأبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	مكتبة أضواء السلف	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
كتاب العظمة	لأبی محمد عبدالله بن محمد بن جعفر بن حيّان (274-369ھ)	دار العاصمة	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
كتاب العين	لأبی عبدالرحمٰن الخليل بن أحمد الفراهيدی (100-175ھ)	دارالهجرة	قُمّ إيران	1405ھ

كتاب المغازى	لأبى عبدالله محمد بن عمر بن واقد الواقدى (المتوفى 207ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1424ھ 2004م
کتاب مقدس	بائبل سوسائٹی	انارکلی	لاہور	
الكشّاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخْشَرى (المتوفى 528ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
كشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1399ھ 1979م
كشف الظنون	للمؤرخ الكامل مصطفى بن عبدالله المشهور بحاجى خليفة (1017-1067ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	
اللآلى المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن بن الكمال السيوطى (849-911ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (المتوفى 807ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
المجموع شرح المهذب للشيرازى	للإمام أبى زكريا محى الدين بن شرف النووى (المتوفى 676ھ)	دارالنفائس	الرياض	1415ھ 1995م
مجموعة الفتاوى	لشيخ الإسلام تقى الدين أحمد بن تيمية الحرّانى (المتوفى 728ھ)	مكتبة العبيكان	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
المحرر الوجيز	لغالب بن عطية الأندلُسى (المتوفى 546ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م
المحلى	لأبى محمد على بن أحمد بن سعيد بن حزم (المتوفى 456 ھ)	دارالجيل دارالآفاق	بيروت	
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدين أبى الفضل أحمد بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	مؤسسة الكتب الثقافية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م

مختصر سنن أبی داود	عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبدالله بن سلامة بن سعد زکی الدین أبومحمد المنذری الشامی المصری (المتوفی 656ھ)	مکتبة السنة المحمدیة مکتبة ابن تیمیة	القاهرة	1423ھ 2002م
مختصر قیام اللیل	للشیخ أبی عبدالله محمد بن نصر المروزی (المتوفی 294ھ)	مکتبة المنار	الأردن	1413ھ 1993م
المراسیل	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1418ھ 1998م
مسائل الإمام أحمد بن حنبل وإسحاق ابن راهویه	روایة إسحاق بن منصور الکوسج	دارالهجرة للنشر والتوزیع	الریاض السعودیة	1425ھ 2004م
مساوئ الأخلاق وطرائق مکروهها	للإمام أبی بکر محمد بن جعفر بن محمد بن سهل بن شاکر الخرائطی	الکتب الثقافیة (C.D)	بیروت لبنان	1413ھ 1993م
المستدرک	للإمام أبی عبدالله محمد بن عبدالله الحاکم النیسابوری (المتوفی 405ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودیة	1420ھ 2000م
مسند أحمد (طبع میمنیة)	للإمام الحافظ أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی (164-241ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق	1403ھ 1983م
مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی (164-241ھ)	بیت الأفکار الدولیة	الریاض السعودیة	1419ھ 1998م
مسند ابن الجعد	لأبی الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری (214-317ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
مسند أبی داود الطّیالِسی	لسلیمان بن داود بن الجارود (المتوفی 204ھ)	هجر	إمبابة	1419ھ 1999م

مسند إسحاق ابن راهويه	للإسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن راهويه الحنظلى (161-238)	مكتبة الإيمان (C.D)	المدينة المنورة	1412ھ 1991م
مسند الحميدى	للإمام الحافظ الكبيرأبى بكر عبدالله بن الزبير (المتوفى 219ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1409ھ 1988م
مسند الربيع	للإمام الربيع بن حبيب	مكتبة الثقافة الدينية	......	......
المسند الضعيف	للإمام أبى جعفر محمد بن عمرو بن وهبى بن حماد العقيلى (المتوفى 322ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكةالمكرمة السعودية	1422ھ 2001م
مسند أبي عوانه	للإمام أبى عوانه يعقوب بن إسحاق الإسُفَرايِينى (المتوفى 316ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
مسند أبي يعلى المَوصِلى	للإمام الحافظ أحمد بن على بن المثنى التميمى (210-307ھ)	دار الثقافة العربية	بيروت دمشق	1412ھ 1992م
مسند عبد بن حميد	لعبد بن حميد بن نصرأبو محمد الكِسّى	مكتبة السنة	القاهرة	1408ھ 1988م
مسند الفردوس بمأثور الخطاب	لأبى شجاع شِيرويه بن شهر دار بن شيرويه الديلمى الهمذانى، الملقب 'إلْكِيا' (445-509ھ/1053-1115م)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
المصنف	للإمام الحافظ أبى بكر عبدالله بن محمد بن أبى شيبة (المتوفى 235ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت دمشق	1416ھ 1995م
المصنف	للحافظ الكبير أبى بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى 211ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق	1403ھ 1983م
المطالب العالية	للحافظ ابن حجر أحمد بن على العسقلانى (773-852ھ)	دار المعرفة	بيروت دمشق	1414ھ 1993م

المعجم الأوسط	لأبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدین أبی عبداللّٰه یاقوت بن عبداللّٰه الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	بیروت	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبداللّٰه بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (المتوفی 773ھ)	مکتبة دار البیان	الکویت	1421ھ 2000م
المعجم الکبیر	للحافظ أبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مکتبة العلوم والحکم	موصل	1420ھ 2000م
معجم لغة الفقهاء	محمد روّاس قلعه جی و حامد صادق قنیبی	إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة	کراچی پاکستان	
معجم ما استعجم	لعبداللّٰه بن عبدالعزیز البکری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الکتب	بیروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدین أبی محمد عبداللّٰه بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
المقاصد الحسنة	للشیخ محمد عبدالرحمن السخاوي (831-902ھ)	دارالکتاب العربی	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
المنتقّی	لأبی محمد عبداللّٰه بن علی بن الجارود النیسابوری (المتوفی 307ھ)	المکتبة الأثریة	شیخوپوره پاکستان	
منهاج السنة النبویة	لأبی العباس تقی الدین أحمد بن عبدالحلیم ابن تیمیة الحرانی الدمشقی (المتوفی 728ھ)	دار المعرفة	بیروت لبنان	1406ھ 1986م
منهج الحافظ ابن حجر العسقلانی فی العقیدة من خلال کتابه (فتح الباری)	محمد إسحاق کندو	مکتبة الرشد	الریاض	1419ھ 1998م

موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (735-807 ھ)	دارالثقافة العربية	بيروت دمشق	1412ھ 1992م
موسوعة الأحاديث والآثار الضعيفة والموضوعة	على حسن على الحلبى، الدكتور إبراهيم طه القيسى، الدكتور حمدى محمد مراد	مكتبة المعارف	الرياض	1419ھ 1999م
موسوعة الأديان (الميسرة)	المشاركون فى التحرير عدد من المؤلفين	دارالنفائس	بيروت لبنان	1426ھ 2005م
الموسوعة الحديثية (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبدالله بن عبدالمحسن التركى	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
الموضوعات	لأبى الفرَج عبدالرحمٰن بن على بن الجوزى القرشى (510-597ھ)	مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1407ھ 1987م
الموطأ	للإمام مالك بن أنس	دارالمعرفة	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
ناسخ القرآن ومنسوخه 'نواسخ القرآن'	للحافظ عبدالرحمٰن بن على بن عبدالله ابن الجوزى (510-597 ھ)	دارالثقافة العربية	دمشق بيروت	1411ھ 1990م
النجوم الزاهرة فى ملوك مصر و القاهرة	لجمال الدين أبى المحاسن يوسف بن تغرى بُردى (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
النكت الظراف على الأطراف فى ذيل تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف	للحافظ ابن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	المكتب الإسلامى الدارالقيمة	بيروت، الهند	1403ھ 1983م
النهاية فى غريب الحديث والأثر	للإمام مجد الدين أبى السعادات المبارك بن محمد الجزرى، ابن الأثير (544-606 ھ)	مؤسسة إسماعيليان	قم، ايران	1364ھ 1985م
نوادر الأصول فى معرفة أحاديث الرسول	لأبى عبدالله محمد الحكيم الترمذى	دارصادر	بيروت	

نيل الأوطار	للشيخ محمد بن على بن محمد الشوكانى (1172-1250هـ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852هـ)	دار ابن القيم، ودار ابن عفان	الدمام القاهرة	1422هـ 2001م

المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

سورۂ فاتحہ ——— سورۂ آل عمران

امام ابوالفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ
۷۰۱ - ۷۷۴ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق ونظرثانی:
شعبہ تحقیق وتصنیف وترجمہ دارالسلام

دارالسلام
DARUSSALAM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقيق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

المصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

6

بسم الله الرحمن الرحيم

المصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

6

سورۂ قمر ——— سورۂ ناس

امام ابوالفدا عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ — ۷۷۴ ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تخریج و تحقیق و نظر ثانی: شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام، لاہور

دارالسلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 ● الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 ● سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 ● قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 ● مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 ● الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 ● خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 ● امریکہ ● ہوسٹن فون: 7220419 713 001 ● نیو یارک فون: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 ● آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

- 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569
- غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0322-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042-5084895 موبائل: 0321-4212174

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321
کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی
فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
الدمشقي، ابي الفداء الحافظ اسماعيل ابن كثير
المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير - الجزء السادس. /
ابي الفداء الحافظ اسماعيل ابن كثير الدمشقي - الرياض، ١٤٣٠ هـ
ص: ٦٣٤ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ١-٠٩٠-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (النص باللغة الاردية)
١- القرآن - التفسير بالماثور أ. العنوان
ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٣٠/٨٦

رقم الإيداع: ١٤٣٠/٨٦
ردمك: ١-٠٩٠-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

اجمالی فہرست

ارشادِ باری تعالیٰ

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

اور کیا اِن (کُفّار) کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو اِن کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ (العنکبوت 29 :51)

فرمانِ نبوی

مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

”جتنے بھی اَنبیاء علیہم السلام ہو گزرے ہیں اِن میں سے ہر ایک کو ایسے معجزات دیے گئے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لا سکیں مجھے وحی کی صُورت میں معجزہ عطا ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے اِس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن دیگر اَنبیاء علیہم السلام کی نسبت میرے پیروکار زیادہ ہوں گے“۔

(صحیح البخاری:4981)

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم　　حکمتِ اُو لایزال است و قدیم

فہرست

تفسیر سُورَۂ قمر

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②

قیامت بہت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا① اور اگر وہ (مشرک) کوئی معجزہ دیکھیں تو منہ موڑتے اور کہتے ہیں کہ (یہ) ہمیشہ سے چلا آتا ہوا جادو

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ

ہے② اور انھوں نے (اسے) جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی، اور ہر کام کا وقت مقرر ہے③ اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں جن

مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

میں تنبیہ و نصیحت ہے④ کمال کو پہنچی ہوئی حکمت، پھر (بھی) تنبیہات فائدہ نہیں دیتیں⑤

قبل ازیں حدیث ابو واقد کے حوالے سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں سورۂ ق اور سورۂ اقتربت الساعۃ (قمر) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[1] علاوہ ازیں بڑی بڑی محفلوں میں بھی اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ سورت وعدہ و وعید، ابتدا و اعادۂ خلق، توحید، نبوتوں کے اثبات اور دیگر عظیم موضوعات پر مشتمل ہے۔

تفسیر آیات: 1-5

قیامت کا قریب آنا اور چاند کا پھٹنا: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب آنے اور دنیا کے خالی ہونے اور اس کے ختم ہو جانے کی خبر دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ (النحل 16:1) ”اللہ کا حکم (عذاب گویا) آ ہی پہنچا، تو تم اسے جلدی مت طلب کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ (الأنبياء 21:1) ”لوگوں کے لیے ان کا (وقت) حساب نزدیک آ پہنچا ہے جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کرنے والے ہیں۔“ اس کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں، حافظ ابوبکر بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اور اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا بلکہ صرف تھوڑا سا ہی غروب ہونے سے باقی رہ گیا تھا، آپ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! مَا بَقِيَ مِنَ

① دیکھیے عنوان: ”سورۂ ق کی فضیلت“

الدُّنۡیَا فِیمَا مَضٰی مِنۡهَا إِلَّا کَمَا بَقِیَ مِنۡ یَوۡمِکُمۡ هٰذَا فِیمَا مَضٰی مِنۡهُ] ''اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! گزری ہوئی دنیا کے مقابلے میں دنیا صرف اتنی باقی رہ گئی ہے جتنا تمھارے آج کے گزرے ہوئے دن کے مقابلے میں یہ تھوڑا سا دن باقی رہ گیا ہے۔'' اور اس وقت ہم سورج کا تھوڑا سا حصہ ہی دیکھ رہے تھے۔①

ایک اور حدیث جو سابقہ حدیث کی تائید و تفسیر ہے: امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت سورج عصر کے بعد قُعَیۡقِعان② پر تھا۔ آپ نے فرمایا: [مَا أَعۡمَارُکُمۡ فِي أَعۡمَارِ مَنۡ مَّضٰی إِلَّا کَمَا بَقِیَ مِنَ النَّهَارِ فِیمَا مَضٰی مِنۡهُ] ''سابقہ لوگوں کے مقابلے میں تمھاری عمریں اتنی ہیں جتنا گزرے ہوئے دن کے مقابلے میں آج کا باقی دن ہے۔''③ امام احمد رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: [بُعِثۡتُ (أَنَا) وَالسَّاعَةُ هٰکَذَا] ''میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں'' آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔④ اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔⑤ امام احمد رحمہ اللہ نے وہب سوائی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُعِثۡتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ کَهٰذِهٖ مِنۡ هٰذِهٖ إِنۡ کَادَتۡ (لَتَسۡبِقُنِي)] ''میں اور قیامت اس طرح قریب قریب بھیجے گئے ہیں جس طرح یہ اس کے قریب ہے بلکہ قریب تھا کہ یہ مجھ سے پہلے آجاتی۔'' اعمش نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو آپس میں ملایا۔⑥

امام احمد رحمہ اللہ نے اوزاعی سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے اسماعیل بن عبیداللہ نے بیان کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ولید بن عبدالملک کے پاس آئے تو اس نے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں کیا سنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا ہے: [أَنۡتُمۡ وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیۡنِ] ''تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہو۔''⑦ اس حدیث کو بیان کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ متفرد ہیں، البتہ اس کا شاہد صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں حاشر ہے، حاشر وہ ہیں جن کے قدموں پر تمام کو جمع کیا جائے گا۔⑧

---

① جامع الترمذی، الفتن، باب ما أخبر النبی ﷺ أصحابه……، حدیث: 2191 عن أبی سعید رضی اللہ عنہ و مجمع الزوائد، الزهد، باب فیمابقی من الدنیا……: 311/10، حدیث: 18222 و اللفظ له عن أنس رضی اللہ عنہ. علامہ البانی رحمہ اللہ نے ترمذی کی سند کو ضعیف کہا ہے اور مجمع الزوائد والی سند بھی متکلم فیہ ہے۔ ملحوظہ: امام بزار رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ ② قعیقعان مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب قبیلہ جرہم کے لوگوں نے اس میں لڑائی کی تو یہاں اسلحہ کی جھنکار بہت کثرت سے سنائی دیتی تھی۔ (النهایة فی غریب الحدیث والأثر: 88/4، مادة: قعقع). ③ مسند أحمد: 116,115/2. ④ مسند أحمد: 338/5 البتہ قوسین والا لفظ مسند أحمد: 330/5 میں ہے۔ ⑤ صحیح البخاری، الرقاق، باب قول النبی ﷺ بعثت أنا والساعة کهاتین……، حدیث: 6503 و صحیح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حدیث: 2950. ⑥ مسند أحمد: 309/4 و المعجم الکبیر للطبرانی: 126/22، حدیث: 326 میں ہے۔ ⑦ مسند أحمد: 223/3. ⑧ صحیح البخاری، المناقب، باب ما جاء فی أسماء رسول اللہ ﷺ……، حدیث: 3532 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فی أسمائه ﷺ، حدیث: 2354 عن جبیر بن مطعم.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ ﴾ ''اور چاند شق ہوگیا۔'' یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی رونما ہوا تھا جیسا کہ صحیح اسانید کے ساتھ بہت سی احادیث متواترہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ شق قمر کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں رونما ہوا تھا اور یہ واقعہ آپ کے عظیم الشان معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ اس کے بارے میں احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے اہل مکہ نے نشانی طلب کی تو آپ نے انھیں دو دفعہ چاند ٹکڑے کر کے دکھایا،[1] اسی کے بارے میں فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ ﴾ ''قیامت قریب آپہنچی اور چاند شق ہوگیا۔''[2] اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ انھیں کوئی نشانی دکھائیں تو آپ نے انھیں چاند دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دکھایا حتی کہ مکہ والوں نے دیکھا کہ حراء چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان ہے۔[4] اسے امام بخاری اور امام مسلم نے کئی اور طرق سے بھی بیان کیا ہے۔[5]

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہوگیا، ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر تھا اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر، یہ دیکھ کر اہل مکہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم پر جادو کیا گیا ہے تو سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔[6] اس سند کے ساتھ بیان کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ متفرد ہیں، البتہ ایک دوسری سند کے ساتھ اسے امام بیہقی نے دلائل النبوہ میں بھی بیان فرمایا ہے۔[7]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے۔[8] اسے امام بخاری اور امام مسلم نے ایک اور طریق سے بھی بیان کیا ہے۔[9] ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ

---

① انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم میں موجود اگلی حدیث میں وضاحت ہے کہ چاند دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ [مَرَّتَيْنِ] کے الفاظ سے مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی یہی مراد لی ہے کہ چاند دو مرتبہ نہیں بلکہ دو ٹکڑوں میں بٹ گیا، تفصیل کے لیے دیکھیے منة المنعم في شرح صحيح مسلم :305/4. ② مسند أحمد :165/3. ③ صحيح مسلم ، صفات المنافقين، باب انشقاق القمر ، حديث : 2802. ④ صحيح البخاري ، مناقب الأنصار، باب انشقاق القمر، حديث : 3868. ⑤ صحيح البخاري ، المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبي آية......، حديث :3637 والتفسير، باب : ﴿ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا...... ﴾ (القمر 2,1:54)، حديث: 4868,4867 وصحيح مسلم ، صفات المنافقين......، باب انشقاق القمر، حديث: 2802. ⑥ مسند أحمد : 82,81/4 اس کی سند ضعیف ہے۔ ⑦ دلائل النبوة للبيهقي، باب سؤال المشركين رسول الله ﷺ...... :268/2. ⑧ صحيح البخاري ، التفسير، باب : ﴿ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝...... ﴾ (القمر 2,1:54)، حديث: 4866. ⑨ صحيح البخاري ، مناقب الأنصار، باب انشقاق القمر، حديث : 3870 وصحيح مسلم ، صفات المنافقين......، باب انشقاق القمر، حديث : 2800.

﴿ مُّسْتَمِرٌّ ۝2 ﴾ ’’قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔‘‘ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ واقعہ رونما ہو چکا ہے، ہجرت سے پہلے شق قمر کا واقعہ پیش آیا حتیٰ کہ مکہ کے لوگوں نے اس کے دونوں ٹکڑوں کو دیکھا۔[1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت: حافظ ابوبکر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝1 ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پیش آیا تھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے آگے تھا اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے، نبی ﷺ نے فرمایا: [اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ] ’’اے اللہ! تو گواہ رہنا۔‘‘[2] اسی طرح اسے امام مسلم و امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا حتیٰ کہ لوگوں نے اسے دیکھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِشْهَدُوا] ’’گواہ ہو جاؤ۔‘‘[4] اسی طرح اسے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[5] ابن جریر نے بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے پہاڑ کو چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان سے دیکھا۔[6] امام احمد رحمہ اللہ نے بھی حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند شق ہو گیا تھا حتیٰ کہ میں نے چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان میں سے پہاڑ کو دیکھا۔[7]

مشرکین کی سرکشی اور ہٹ دھرمی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً ﴾ ’’اور اگر وہ (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں۔‘‘ نشانی سے مراد دلیل، حجت اور برہان ہے تو ﴿ يُّعْرِضُوْا ﴾ ’’وہ اعراض کر لیتے ہیں‘‘ کہ اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اعراض کرتے ہوئے اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں ﴿ وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝2 ﴾ ’’اور کہتے ہیں: یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔‘‘ یعنی کہتے ہیں کہ یہ دلائل و براہین جو ہم نے دیکھے ہیں یہ تو جادو ہے جو ہم پر کیا گیا ہے۔ ﴿ مُّسْتَمِرٌّ ۝2 ﴾ کے معنی ہیں جانے والا، یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔[8] اور دیگر کئی ائمہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں: باطل، کمزور اور جسے دوام نہ ہو۔ ﴿ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾ ’’اور انھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔‘‘ جب حق ان کے پاس آ گیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی اور از راہِ جہالت و حماقت جس کا ان کے ارادوں اور ان کی خواہشوں نے انھیں حکم دیا تھا اس کی پیروی کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝3 ﴾ ’’اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔‘‘ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل خیر کے ساتھ خیر اور اہل شر کے ساتھ شر واقع ہو کر رہنے والا ہے۔[9] ابن جریج کہتے ہیں کہ ہر کام کا کرنے والوں کے

---

① تفسیر الطبری: 115/27. ② دلائل النبوة للبیهقی، باب سؤال المشركين رسول الله ﷺ: 267/2. ③ صحیح مسلم، صفات المنافقين، باب انشقاق القمر، حدیث: (45)-2800 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة القمر، حدیث: 3285. ④ مسند أحمد: 377/1. ⑤ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ...... ﴾ (القمر 54:1,2)، حدیث: 4865 و صحیح مسلم، صفات المنافقين......، باب انشقاق القمر، حدیث: 2800. ⑥ تفسیر الطبری: 113/27. ⑦ مسند أحمد: 413/1. ⑧ تفسیر الطبری: 117,116/27. ⑨ تفسیر الطبری: 117/27.

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ وقف لازم

لہٰذا (اے نبی!) ان سے منہ موڑ لیجیے، (یاد کریں) جس دن بلانے والا نہایت ناگوار چیز کی طرف بلائے گا⑥ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی،

الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ⑦ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ

وہ قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ منتشر ٹڈی دل ہوں⑦ درآں حالیکہ وہ بلانے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ کافر کہیں گے: یہ دن

عَسِرٌ ⑧

نہایت سخت ہے⑧

لیے وقت مقرر ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا تعلق روز قیامت سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ان کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں۔'' یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والی امتوں کے قصص وواقعات اور ان پر نازل ہونے والے عذاب جن کی تفصیلات اس قرآن میں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ ﴿ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۙ④ ﴾ ''جن میں تنبیہ و نصیحت ہے۔'' ان میں شرک اور تکذیب و سرکشی سے بچانے کا سامان ہے۔ ﴿ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ ﴾ ''کمال کو پہنچی ہوئی حکمت۔'' اللہ تعالیٰ جسے ہدایت عطا فرمانا چاہے یا جسے گمراہ کرنا چاہے اس میں اس کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ ﴿ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۙ⑤ ﴾ ''پس تنبیہات فائدہ نہیں دیتیں۔'' یعنی ڈرانا اس کے کچھ کام نہیں آسکتا جس کے مقدر ہی میں اللہ تعالیٰ نے بدبختی لکھ دی ہو اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہو تو اب اللہ تعالیٰ کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ یہ آیت اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 149:6) ''کہہ دیجیے: پھر مضبوط دلیل تو اللہ ہی کی ہے، لہٰذا اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔'' اسی طرح یہ آیت کریمہ بھی ہے: ﴿ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (یونس 101:10) ''اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو لوگ ایمان نہیں رکھتے۔''

تفسیر آیات: 6-8

قیامت کے دن یہ برے حالات میں ہوں گے: اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ!) آپ بھی ان سے پھر جائیں جو آیات دیکھ کر اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ختم ہو جانے والا جادو ہے، آپ ان سے اعراض کر لیں اور انھیں مہلت دیں: ﴿ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ⑥ ﴾ ''جس دن بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گا۔'' ایک بڑی ہی ہولناک اور خوفناک چیز کی طرف۔ اور وہ ہے حساب کے لیے میدان حشر میں کھڑا ہونا اور اس دن کی آزمائشوں بلکہ ہولناکیوں اور وحشت ناکیوں میں مبتلا ہونا۔ ﴿ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ ﴾ ''ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔'' ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ﴿ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ⑦ ﴾ ''وہ قبروں سے یوں نکلیں گے، گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔'' یعنی میدان حشر کی طرف تیز تیز چلنے، اس میں پھیل جانے اور داعی کی آواز پر جلد لبیک کہنے میں اس طرح معلوم ہوں گے جیسے آفاق میں پھیلنے والے ٹڈی دل ہوں، اسی لیے فرمایا: ﴿ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ ﴾ ''بلانے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا

ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا تھا، چنانچہ انھوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا: (یہ تو) دیوانہ ہے، اور (اس کو) جھڑک دیا گیا⑨ تب اس

رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۖ⑪ وَّفَجَّرْنَا

نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں بے بس ہوں، اب تو ہی انتقام لے⑩ چنانچہ ہم نے زور سے برسنے والے پانی کے ساتھ آسمان کے دروازے

الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ

کھول دیے⑪ اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیے، تو (آسمان اور زمین کا) پانی ایک امر پر مل گیا جو بلاشبہ مقدر ہو چکا تھا⑫ اور ہم نے اس

وَّدُسُرٍ ۙ⑬ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ

(نوح) کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کیا⑬ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی، (ہم نے یہ کیا) اس شخص کا انتقام لینے کی خاطر جس کا انکار کیا

مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑯ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

گیا تھا⑭ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس (کشتی) کو ایک نشانی (بنا) چھوڑا، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟⑮ پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا

مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰

ڈراوا کیسا تھا؟⑯ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟⑰

گے۔'' داعی کی آواز پر فوراً لبیک کہیں گے، اس کی مخالفت کریں گے نہ اس کی آواز پر لبیک کہنے میں دیر کریں گے۔ ﴿ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ⑧ ﴾ ''کافر کہیں گے: یہ دن بڑا سخت ہے۔'' یہ بہت شدید ہولناک، خطرناک اور وحشت ناک دن ہے۔ ﴿ فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴾ (المدثر 74:9,10) ''تو وہ دن سخت مشکل کا دن ہوگا (یعنی) کافروں پر آسان نہیں ہوگا۔''

تفسیر آیات: 9-17

قوم نوح کا قصہ اور اس میں عبرت کے پہلو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذَّبَتْ ﴾ ''اس نے تکذیب کی۔'' اے محمد (ﷺ!) آپ کی قوم سے پہلے ﴿ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا ﴾ ''پھر نوح کی قوم نے ہمارے بندے کو جھٹلایا۔'' انھوں نے کھلم کھلا ان کی تکذیب کی اور انھیں مجنون قرار دیا، ﴿ وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ⑨ ﴾ ''اور کہا کہ دیوانہ ہے اور (انھیں) جھڑک دیا گیا۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ یہ جنون کی وجہ سے اڑ رہے ہیں۔[1] ﴿ وَازْدُجِرَ⑨ ﴾ کے معنی ہیں کہ انھوں نے آپ کو ڈانٹا، برا بھلا کہا اور دھمکیاں دیں۔ ﴿ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴾ (الشعرآء 26:116) ''انھوں نے کہا: اے نوح! اگر تو نہ رکا تو البتہ ضرور سنگسار کیے ہوئے لوگوں میں سے ہو جائے گا۔'' یہ ابن زید کا قول ہے۔[2] یہ ایک اچھی توجیہ ہے۔ ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ⑩ ﴾ ''تب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک میں بے بس ہوں، تو ہی انتقام لے۔'' میں ان لوگوں اور ان کے مقابلہ کرنے سے عاجز و ناتواں ہوں، لہٰذا اے اللہ! اپنے دین کی تو خود مدد فرما۔

① تفسیر الطبری: 121/27. ② تفسیر الطبری: 121/27.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴾ ’’پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔‘‘ سدی کہتے ہیں کہ ﴿ مُّنْهَمِرٍ ﴾ کے معنی بہت زیادہ کے ہیں۔① ﴿ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا ﴾ ’’اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیے۔‘‘ زمین کے تمام کنارے بہ پڑے حتی کہ وہ تنور بھی جو آگ کے جلنے کا مقام ہوتے ہیں، وہ بھی چشمے بن گئے اور ان میں پانی رواں دواں ہو گیا۔ ﴿ فَالْتَقَى الْمَآءُ ﴾ یعنی آسمان وزمین کا پانی یکجا ہو گیا۔ ﴿ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴾ ’’ایک امر پر جو بلاشبہ مقدر ہو چکا تھا۔‘‘ یعنی امر مقدر کے مطابق۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴾ ’’پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔‘‘ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ﴿ مُّنْهَمِرٍ ﴾ کے معنی بہت زیادہ کے ہیں، اس سے پہلے یا بعد میں جب بھی پانی برسا تو بادلوں سے برسا لیکن اس دن بادلوں کے بغیر ہی آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ایک مقررہ فیصلے کے مطابق آسمان وزمین کا پانی باہم مل گیا۔② ﴿ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴾ ’’اور ہم نے اس (نوح) کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر، قرظی، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ﴿ وَّدُسُرٍ ﴾ کے معنی کیل کے ہیں۔③ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا اور کہا ہے کہ یہ جمع ہے اور اس کا واحد دِسار ہے اور ایک قول کے مطابق اس کا واحد دَسِیر ہے جیسے حَبِیك اور حِباك کی جمع حُبُك آتی ہے۔④ ﴿ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ﴾ ’’وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی۔‘‘ ہمارے حکم کے ساتھ، ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری حفاظت ونگہداشت میں ﴿ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴾ ’’(ہم نے یہ) اس شخص کے انتقام لینے کی خاطر (کیا) جس کا انکار کیا گیا تھا۔‘‘ یعنی یہ سب کچھ ان کے اللہ کے ساتھ کفر کی سزا اور نوح علیہ السلام کی مدد کے لیے کیا گیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً ﴾ ’’اور بلاشبہ ہم نے اس (کشتی) کو ایک نشانی (بنا) چھوڑا۔‘‘ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو باقی رکھا حتی کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے بھی اسے دیکھا تھا۔⑤ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد کشتیوں کی جنس ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:41،42) ’’اور ایک نشانی ان کے لیے (یہ) ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ان کے لیے ویسی ہی (اور چیزیں) پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝ ﴾ (الحآقّة 69:11،12) ’’جب پانی طغیانی پر آیا تو بلاشبہ ہم نے تمھیں بہتی ناؤ میں سوار کر لیا تاکہ ہم اس کو تمھارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔‘‘ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ ’’پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟‘‘ یعنی ہے کوئی جو اس واقعے سے عبرت ونصیحت حاصل کرے! امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مجھے اس طرح

① تفسير الطبرى: 122/27. ② الدر المنثور: 179/6. ③ تفسير القرطبى: 132/17 وتفسير الطبرى: 124,123/27.
④ تفسير الطبرى: 123/27. ⑤ تفسير الطبرى: 126/27.

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ⑱ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ

(قوم) عاد نے تکذیب کی، پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا؟⑱ بلاشبہ ہم نے ان پر ایک مستقل نحوست والے دن میں شدید طوفانی ہوا

مُسْتَمِرٍّ ⑲ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ⑳ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ㉑ وَلَقَدْ

بھیجی⑲ وہ لوگوں کو یوں اُکھاڑتی (پھینکتی) تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے کھجور کے تنے ہیں⑳ پھر میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا؟㉑ اور بلاشبہ

يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ㉒ ع 1 22 8

یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟㉒

پڑھایا کہ ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ⑮ ﴾ ۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے سامنے اس طرح پڑھا: [فَهَلْ مِنْ مُذَّكِرٍ] ''تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ⑮ ﴾ ''پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ⑯ ﴾ ''سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈراوا کیسا تھا؟'' یعنی کیسا تھا میرا عذاب اس کے لیے جس نے میرے ساتھ کفر کیا، میرے رسولوں کی تکذیب کی، میرا ڈر سنانے والے جو لے کر آئے اس سے انھوں نے کوئی نصیحت حاصل نہ کی، دیکھو! میں نے اپنے رسولوں کی کس طرح مدد کی اور کافروں سے کس طرح انتقام لیا، ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ⑰ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' ہم نے اس قرآن کے الفاظ کو سہل اور اس کے معنی کو اس کے لیے آسان بنا دیا ہے جو اس کے ساتھ نصیحت حاصل کرنا چاہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ ﴾ (ص 29:38) ''(یہ) کتاب جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ○ ﴾ (مریم 97:19) ''کیونکہ ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں خوب آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچا دیں اور اس سے جھگڑالوؤں کو ڈرائیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ⑰ ﴾ ''پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' یعنی کوئی ہے جو اس قرآن سے نصیحت حاصل کرے جس کے یاد کرنے اور سمجھنے کو اللہ تعالیٰ نے آسان بنا دیا ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا کوئی ہے جو گناہوں سے باز آ جائے۔[3]

تفسیر آیات :18-22

عاد کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے بھی اپنے رسول کی تکذیب کی جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے اپنے رسول کی تکذیب کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادصرصر کو بھیج دیا۔ بادصرصر

① مسند أحمد : 395/1 . ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ ﴾ (القمر 54 : 51) ، حديث: 4874 . ③ الدر المنثور : 180/6 .

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿23﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ

(قوم) ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا﴿23﴾ تو انھوں نے کہا: بھلا ایک ایسا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے، ہم اس کی پیروی کریں؟ بلاشبہ ہم تو تب گمراہی

وَّسُعُرٍ ﴿24﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿25﴾ سَيَعْلَمُوْنَ

اور دیوانگی میں ہوں گے﴿24﴾ کیا ہمارے درمیان سے اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ سخت جھوٹا اور شیخی باز ہے﴿25﴾ کل ہی وہ جان لیں گے

غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿26﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿27﴾ ز

کون کذاب اور شیخی باز ہے؟﴿26﴾ بلاشبہ ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے (چٹان سے نکالنے) والے ہیں، لہٰذا (اے صالح!) تو ان (کے انجام) کا

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿28﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ

انتظار کر اور صبر کر﴿27﴾ اور انھیں بتا دے کہ بے شک پانی ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان تقسیم ہوگا، ہر ایک (اپنی) باری پر حاضر ہوگا﴿28﴾ پھر انھوں نے

فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿29﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿30﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً

اپنے (ایک) ساتھی کو پکارا تو اس نے (تلوار) پکڑی پھر اس نے کونچیں کاٹیں (اور اسے مار ڈالا)﴿29﴾ پھر (دیکھو) میرا عذاب اور ڈراوا کیسا تھا؟﴿30﴾

وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿31﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

بلاشبہ ہم نے ان پر ایک ہی چنگھاڑ بھیجی تو وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح (چورچور) ہوگئے﴿31﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿32﴾

کے لیے آسان کیا ہے تو کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟﴿32﴾

شدید ترین ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں۔ ﴿فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ﴾ ''منحوس دن میں۔'' جو ان لوگوں کے لیے منحوس دن تھا۔ یہ ضحاک، قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ [1] ﴿مُّسْتَمِرٍّ ﴿19﴾﴾ ''دائمی'' جس کی نحوست اور تباہی و بربادی ان کے لیے مسلسل رہی کیونکہ یہ ایک ایسا دن تھا جس نے ان کے دنیا کے عذاب کو عذاب آخرت کے ساتھ ملا دیا۔ ﴿تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿20﴾﴾ ''وہ لوگوں کو یوں اکھاڑتی (پھینکتی) گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔'' اس لیے کہ یہ ہوا ان میں سے ایک ایک کو اتنا اونچا اٹھا کر لے جاتی کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے، پھر اسے اس کے سر کے بل گرا دیتی، وہ زمین پر گرتا تو اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا اور دھڑ سر کے بغیر زمین پر پڑا ہوتا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿20﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿21﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿22﴾﴾ ''گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں، پھر میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا؟ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟''

تفسیر آیات :32-23

ثمود کا قصہ: یہاں قوم ثمود کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ انھوں نے بھی اپنے رسول صالح علیہ السلام کی تکذیب کی ﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿24﴾﴾ ''تو انھوں نے کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی

[1] تفسیر الطبری: 129/27.

پیروی کریں، یوں ہوتو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔'' انھوں نے اس بات پر بھی تعجب کا اظہار کیا کہ ہمارے بجائے صرف انھی پر وحی نازل کیوں ہوتی ہے اور پھر انھوں نے یہ الزام لگا دیا کہ یہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے اور کہا: ﴿ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴾ ''بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔'' یعنی جھوٹ کی بھی تمام حدود سے تجاوز کر گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴾ ''کل ہی وہ جان لیں گے کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔'' یہ زبردست وعید اور سرزنش ہے، پھر فرمایا: ﴿ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ ﴾ ''بلاشبہ ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں۔'' ان کے امتحان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان دس ماہ کی حاملہ اونٹنی ان کے مطالبے پر پہاڑ کی ایک چٹان سے باہر نکال دی تاکہ صالح علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کی صداقت کی دلیل بن جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول صالح علیہ السلام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴾ ''لہٰذا (اے صالح!) تو ان (کے انجام) کا انتظار کر اور صبر کر۔'' یعنی انتظار کرو اور دیکھو کہ ان کا کیا حال ہوتا ہے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرو، فتح و نصرت آپ ہی کا مقدر ہوگی اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی آپ ہی کو نصیب ہوگی: ﴿ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ﴾ ''اور ان کو آگاہ کرو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی۔'' ایک دن ان کے لیے اور ایک دن اونٹنی کے لیے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴾ (الشعرآء 155:26) ''صالح نے کہا: (دیکھو!) یہ اونٹنی ہے، (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمھاری باری ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴾ ''ہر ایک باری پر حاضر ہوگا۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ جب اونٹنی غائب ہوتی تو وہ پانی پر حاضر ہو جاتے اور جب وہ آجاتی تو پھر دودھ کے لیے جمع ہو جاتے۔[1] پھر فرمایا: ﴿ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴾ ''پھر انھوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے دست درازی کی، پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔'' مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں، اس کا نام قُدار بن سالف تھا اور یہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بد بخت تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ﴾ (الشمس 12:91) ''جب ان میں سے ایک نہایت بد بخت اٹھا'' ﴿ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴾ ''تو اس نے دست درازی کی، پھر اس کی کونچیں کاٹ دیں، پھر (دیکھو کہ) میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا؟'' دیکھو ان کا انجام کیا ہوا، میں نے انھیں اپنے ساتھ کفر کرنے اور اپنے رسول کی تکذیب کرنے کی کیسی عبرت ناک سزا دی، ﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے ان پر (عذاب کے لیے) ایک ہی چیخ بھیجی تو وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح (چورا چورا) ہو گئے۔'' ان کے ایک ایک فرد کو تباہ و برباد کر دیا گیا، ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچا، ان کا اس طرح نام و نشان مٹ گیا جس طرح کھیتی اور نباتات خشک ہو کر بے نام و نشان ہو جاتی ہیں، کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ ﴿ الْمُحْتَظِرِ ﴾ کے معنی صحرا میں رکھے

[1] تفسیر الطبری: 134/27.

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿33﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿34﴾

قومِ لوط نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا﴿33﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے آلِ لوط کے، ہم نے انھیں بوقت سحر نجات

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿35﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿36﴾

دی﴿34﴾ اپنی طرف سے انعام کرتے ہوئے۔ ہم اسی طرح اسے جزا دیتے ہیں جو شکر کرے﴿35﴾ اور بلاشبہ یقیناً لوط نے انھیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا تو

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿37﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ

انھوں نے ڈراوے میں شک کیا﴿36﴾ اور بلاشبہ یقیناً انھوں نے لوط سے اس کے مہمان مانگے تھے تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں، چنانچہ تم میرے

بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿38﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿39﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ

عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو﴿37﴾ اور بلاشبہ یقیناً ان پر صبح کے وقت اٹل عذاب نے حملہ کر دیا﴿38﴾ چنانچہ تم میرے عذاب اور میرے ڈراوے

2 ع 18 9 فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿40﴾

کا مزہ چکھو﴿39﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟﴿40﴾

ہوئے چارے کے ہیں حتی کہ وہ خشک ہو جائے، جل جائے اور پھر ہوا اس کی راکھ کو اڑا لے جائے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ عرب اونٹوں اور مویشیوں پر سوکھے کانٹوں کی باڑ ڈال دیتے تھے۔ یہاں سے بھی وہی باڑ مراد ہے۔

تفسیر آیات:33-40

قوم لوط کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے بھی اپنے رسول کی تکذیب اور مخالفت کی اور ہم جنس پرستی کے انتہائی مکروہ فعل کا ارتکاب کیا اور یہ ایک ایسی فحاشی تھی جس کا ان سے پہلے دنیا میں کسی نے ارتکاب نہیں کیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں ایسے بدترین عذاب کی صورت میں ہلاک کیا کہ اس طرح کا عذاب کسی قوم پر بھی نازل نہیں کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا، وہ ان کے شہروں کو اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک لے گئے، پھر انھیں وہاں سے الٹا کر دے مارا اور اوپر سے سخت پتھروں کی بارش برسا دی، اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿34﴾﴾ ”یقیناً ہم نے ان پر کنکر بھری ہوا چلائی سوائے لوط کے گھر والے کہ ہم نے انھیں بوقتِ سحر نجات دی۔“ یعنی لوط علیہ السلام کے گھر والے رات کے آخری حصے میں نکل گئے اور وہ اس عذاب سے نجات پا گئے جو ان کی قوم پر نازل ہوا تھا، لوط علیہ السلام کی قوم میں سے صرف ایک شخص کے سوا ان پر اور کوئی ایمان نہیں لایا تھا حتی کہ ان کی بیوی بھی ان پر ایمان نہیں لائی تھی، اس لیے وہ بھی اس عذاب کی گرفت میں آ گئی جو ان کی قوم پر نازل ہوا تھا، اللہ کے نبی لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں کو لے کر ان کے درمیان میں سے صحیح سلامت نکل گئے، ان کو کوئی گزند نہ پہنچی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿35﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا﴾ ”ہم اسی طرح اسے جزا دیتے ہیں جو شکر کرے اور البتہ تحقیق لوط نے انھیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا۔“ یعنی عذاب کے نازل ہونے سے پہلے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرایا تھا مگر انھوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ ان کی بات کو ہمیشہ شک و شبہ کی نظر سے دیکھا۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿41﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ

اور بلاشبہ یقیناً آلِ فرعون کے پاس (بھی) ڈرانے والے آئے﴿41﴾ انھوں نے ہماری سب نشانیاں جھٹلائیں، تو ہم نے انھیں ایک زبردست قدرت

مُّقْتَدِرٍ ﴿42﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿43﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

والے کے پکڑنے کی طرح پکڑ لیا﴿42﴾ (اے اہلِ عرب!) کیا تمھارے کافر ان (کافروں) سے بہتر ہیں، یا تمھارے لیے (سابقہ) صحیفوں میں کوئی

نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿44﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿45﴾ بَلِ السَّاعَةُ

نجات (لکھی ہوئی) ہے؟﴿43﴾ کیا وہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم بدلے لینے والی جماعت ہیں﴿44﴾ عنقریب وہ جماعت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر

مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿46﴾

کر بھاگیں گے﴿45﴾ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے، اور قیامت بہت بڑی آفت اور نہایت تلخ ہے﴿46﴾

﴿ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ ﴾ ”اور البتہ تحقیق انھوں نے لوط کو اس کے مہمانوں سے بہکایا پھسلایا۔“ اور یہ اس رات کی بات ہے جب لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے جبریل، میکائیل اور اسرافیل خوب صورت امرد لڑکوں کی صورت میں آئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی قوم کی آزمائش تھی، لوط علیہ السلام نے ان کی مہمان نوازی کی مگر ان کی بری بیوی نے اپنی قوم کے لوگوں کے پاس پیغام بھیج کر انھیں لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتا دیا، وہ ہر جگہ سے دوڑتے بھاگتے آئے، لوط علیہ السلام نے اپنے مکان کا دروازہ بند کر دیا، انھوں نے دروازہ توڑنے کی کوشش کی، یہ شام کا وقت تھا، لوط علیہ السلام نے انھیں اپنے مہمانوں سے ہٹانے کی کوشش کی اور فرمایا: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ ﴾ (الحجر 15:71) ”یہ میری بیٹیاں ہیں۔“ یعنی قوم کی عورتیں، ﴿ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ (الحجر 15:71) ”اگر تمھیں کرنا ہی ہے (تو ان سے شادی کر لو۔)“ ﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ﴾ (ہود 11:79) ”انھوں نے کہا: یقیناً تو جانتا ہے کہ ہمارے لیے تیری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی حق (دلچسپی) نہیں۔“ یعنی ہمیں ان کی خواہش نہیں ہے ﴿ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴾ (ہود 11:79) ”اور جو ہماری غرض ہے اسے یقیناً تم جانتے ہو۔“ جب صورت حال سنگین ہوگئی اور انھوں نے اندر آ جانے کے سوا اور کوئی بات قبول نہ کی تو جبریل علیہ السلام باہر نکلے، انھوں نے ان کی آنکھوں پر اپنے پر کے ایک حصے کو مارا جس سے ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں، اب وہ دیواروں کو ٹٹول کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور لوط علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ صبح تم سے نبٹ لیں گے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿38﴾ ﴾ ”اور البتہ تحقیق انھیں صبح سویرے ہی اٹل عذاب نے آ پکڑا۔“ یعنی ایسا عذاب جس سے انھیں کوئی نہ بچا سکا اور نہ وہ ان سے ٹل سکے گا، ﴿ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿39﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿40﴾ ﴾ ”تو میرے عذاب اور ڈرانے (کے مزے) کو چکھو۔ اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟“

تفسیر آیات: 41-46

آلِ فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون آئے اور انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اگر ایمان لے آؤ گے تو تمھارے لیے جنت

کی بشارت ہے اور اگر کفر کرو گے تو پھر تمھارے لیے دوزخ کی وعید ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دونوں نبیوں کو کئی عظیم الشان معجزات اور مختلف نشانیوں سے نوازا مگر فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں نے ان سب کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو غالب و طاقت ور کی طرح پکڑا اور سب کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ ان میں سے کوئی خبر دینے والا، کوئی دیکھنے والی آنکھ یا کوئی نشان تک باقی نہ چھوڑا۔

قریش کو نصیحت و سرزنش: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ أَكُفَّارُكُمْ ﴾ ''کیا تمھارے کافر؟'' اے مشرکین کفار قریش! ﴿ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ ﴾ ''ان لوگوں سے بہتر ہیں!'' یعنی ان لوگوں سے جن کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے جو پیغمبروں کی تکذیب اور آسمانی کتابوں کے ساتھ کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے تھے، کیا تم ان لوگوں سے بہتر ہو؟ ﴿ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ ﴾ ''یا تمھارے لیے پہلی کتابوں میں کوئی براءت لکھ دی گئی ہے؟'' کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو براءت عطا فرما دی ہے کہ تمھیں کوئی سزا یا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ ﴾ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم غالب آنے والی جماعت ہیں۔'' یعنی وہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور جو کوئی بھی انھیں تکلیف دینے کا ارادہ کرے گا تو ان کی بہت بڑی جماعت انھیں اس سے بچا لے گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ ﴾ ''عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔'' ان کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا اور یہ مغلوب ہو جائیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ بدر کے دن خیمے میں تھے: [أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ (فِي الْأَرْضِ) أَبَدًا] ''(اے اللہ!) میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کی قسم دیتا ہوں! اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد روئے زمین پر کبھی بھی تیری عبادت نہیں ہوگی۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے آپ کو پکڑ لیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب یہ کافی ہے آپ نے خوب الحاح وزاری کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی ہے، آپ زرہ زیب تن فرماتے ہوئے جلدی سے باہر نکلے اور اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ ﴾ ''عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے بلکہ ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بہت بڑی آفت اور نہایت تلخ ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے یوسف بن ماھَک سے روایت کیا ہے کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا کہ انھوں نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں جب حسب ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی تو میں ابھی چھوٹی عمر کی کھیلنے والی ایک بچی تھی، ﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ ﴾ ''بلکہ ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بہت

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴾ (القمر 45:54)، حديث: 4877 جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 31,30/1 عن عمر رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

وقف لازم

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿47﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ط

بلا شبہ مجرمین گمراہی اور دیوانگی میں (پڑے) ہیں﴿47﴾ جس دن وہ آگ میں اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے (کہا جائے گا:) تم جہنم (کے عذاب)

ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَٰحِدَةٌ كَلَمْحٍ

کا چھونا چکھو﴿48﴾ بلا شبہ ہم نے ہر چیز ایک مقرر اندازے کے مطابق پیدا کی ہے﴿49﴾ اور ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے﴿50﴾

بِالْبَصَرِ ﴿50﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿51﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿52﴾

اور (اے اہلِ عرب!) بلا شبہ یقیناً ہم (پہلے) تم جیسوں کو ہلاک کر چکے ہیں، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟﴿51﴾ اور جو کچھ انھوں نے کیا ہے، وہ

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿53﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَنَهَرٍ ﴿54﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ

صحیفوں میں (درج) ہے﴿52﴾ اور ہر چھوٹا بڑا (عمل لوح محفوظ میں) لکھا ہوا ہے﴿53﴾ بلا شبہ متقین باغات اور نہروں میں ہوں گے﴿54﴾ حقیقی عزت کی جگہ

عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿55﴾ ع 3 15 10

ہر طرح کی قدرت والے بادشاہ کے نزدیک﴿55﴾

بڑی آفت اور نہایت تلخ ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر اس روایت کو اس طرح اختصار کے ساتھ مگر فضائل القرآن میں مفصل بیان کیا ہے۔[2] اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر نہیں فرمایا۔

تفسیر آیات: 47-55

مجرموں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے ان مجرم لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں، گمراہی نے ان میں شکوک و شبہات اور آراء میں اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ یہ حکم تمام فرقوں کے ہر اس کافر اور بدعتی کے لیے بھی ہے جو ان اوصاف سے متصف ہے، پھر فرمایا: ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ط﴾ ''اس روز وہ اپنے چہروں کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے۔'' ان شکوک و شبہات اور تردد نے انھیں جہنم رسید کرا دیا جیسے یہ دنیا میں گمراہ تھے، جہنم میں الٹے منہ گھسیٹے جائیں گے اور انھیں علم نہ ہوگا کہ کہاں جا رہے ہیں، زجر و توبیخ اور سرزنش کے طور پر ان سے کہا جائے گا: ﴿ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾﴾ ''آگ کے چھونے کو چکھو۔''

ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾﴾ ''بلا شبہ ہم نے ہر چیز ایک مقرر اندازے کے ساتھ پیدا کی ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝﴾ (الفرقان 25:2) ''اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔'' اور فرمایا: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝﴾ (الأعلیٰ 87:1-3) ''آپ (اے پیغمبر!) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کریں جس نے انسان کو بنایا، پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا اور جس نے اس کا اندازہ ٹھہرایا، پھر اسے ہدایت دی۔'' یعنی اس نے اندازے

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ ......﴾ (القمر 54:46)، حديث: 4876. [2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب تأليف القرآن، حديث: 4993.

مقرر فرما دیے ہیں اور مخلوقات کی ان کی طرف رہنمائی فرما دی ہے، اسی آیت کریمہ سے ائمہ سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی پہلے سے تقدیر لکھ رکھی ہے، اس لیے کہ وہ اشیاء کو ان کے وجود میں اس سے پہلے سے جانتا ہے اور ان کے پیدا ہونے سے پہلے اس نے ان کے بارے میں لکھ رکھا ہے۔ ائمہ سنت نے اس آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی دیگر آیات اور صحیح احادیث مبارکہ سے اس فرقہ قدریہ کی تردید کی ہے جو عصر صحابہ کے اواخر میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس موضوع اور اس سے متعلق احادیث جو صحیح بخاری کی کتاب الإیمان کی شرح میں بیان کی گئی ہیں ان پر ہم نے تفصیلی بحث کی ہے۔ اب یہاں ہم اس آیت کریمہ سے متعلق احادیث ذکر کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرنے کے لیے آئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ ﴾ ''اس روز وہ اپنے چہروں کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) اب آگ کے چھونے کو چکھو، ہم نے ہر چیز ایک مقرر اندازے کے ساتھ پیدا کی ہے۔''[1] اسی طرح اسے امام مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] بزار نے عمرو بن شعیب سے، انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات اہل قدر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں: ﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿47﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ ﴾۔[3] ابن ابوحاتم نے زُرارہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: [نَزَلَتْ فِي أُنَاسٍ مِّنْ أُمَّتِي يَكُونُونَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ يُكَذِّبُونَ بِقَدَرِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ] ''یہ آیت میری امت کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آخر زمانے میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی تکذیب کریں گے۔''[4]

عطاء بن ابورَباح سے روایت ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا جب وہ زمزم کی طرف سے آ رہے تھے، ان کے کپڑوں کے نچلے حصے بھیگے ہوئے تھے، میں نے عرض کی: تقدیر کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ انھوں نے فرمایا: کیا لوگوں نے یہ بات شروع کر دی ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ آیت انھی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے: ﴿ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ ﴾ یہ اس امت کے بدترین لوگ ہیں، ان کے بیماروں کی بیمار پرسی نہ کرو، ان کے مردوں کا جنازہ نہ پڑھو، اگر میں ان میں سے کسی کو دیکھوں تو اپنی ان دو انگلیوں کے

[1] مسند أحمد: 444/2. [2] صحيح مسلم، القدر، باب كل شيء بقدر، حديث: 2656 وجامع الترمذي، القدر، باب إعظام أمر الإيمان بالقدر، حديث: 2157 وسنن ابن ماجه، السنة، باب في القدر، حديث: 83. [3] مسند البزار، حديث عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: 436/6، حديث: 2467. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 3321/10 مزید دیکھیے المعجم الكبير للطبراني: 276/5، حديث: 5316 اس کی سند جہالتِ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ شیخ البانی نے السلسلة الصحيحة: 53,52/4 میں اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔

ساتھ اس کی آنکھیں پھوڑ دوں۔ ① امام احمد رحمہ اللہ نے نافع سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا شام میں ایک دوست تھا جو ان سے خط کتابت کرتا رہتا تھا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں لکھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم تقدیر کے بارے میں گفتگو کرتے ہو، لہٰذا میری طرف آئندہ کوئی خط نہ لکھنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: [سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ يُكَذِّبُونَ بِالْقَدَرِ] ''عنقریب میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو تقدیر کی تکذیب کریں گے۔'' ② اور اسے امام ابوداود نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ ③ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ] ''ہر چیز تقدیر کے ساتھ ہے حتیٰ کہ عاجزی و عقل مندی بھی۔'' ④ اس کو صرف امام مسلم نے مالک بن انس کے واسطے سے بیان کیا ہے (امام بخاری نے نہیں۔) ⑤

صحیح حدیث میں ہے: [اِسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ] ''اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرو اور عاجز و درماندہ نہ ہو، اگر تمھیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسے کرتا تو ایسے ہوتا بلکہ کہو یہ اللہ کی تقدیر ہے اور اس نے جو چاہا کیا، پس بے شک (کلمہ) لَو شیطانی عمل (کا دروازہ) کھول دیتا ہے۔'' ⑥ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوكَ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوكَ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، (جَفَّتِ الْأَقْلَامُ وَطُوِيَتِ الصُّحُفُ)] ''خوب جان لو کہ اگر ساری امت تمھیں کوئی نفع پہنچانے پر اتفاق کر لے جسے اللہ نے تمھارے حق میں نہ لکھا ہو تو وہ تمھیں نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ سب تمھیں کوئی نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں جسے اللہ نے تمھارے خلاف نہیں لکھا تو وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ قلمیں خشک ہو گئی ہیں اور صحیفے لپیٹ دیے گئے ہیں۔'' ⑦

امام احمد رحمہ اللہ نے عبادہ بن ولید بن عبادہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ میں (اپنے والد) عبادہ کے پاس گیا وہ مریض تھے اور میرا خیال تھا کہ انھیں پیغام موت آنے والا ہے، میں نے عرض کی: ابا جان! مجھے وصیت کریں اور میری خاطر اچھی طرح وصیت فرمائیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے بٹھا دو، جب انھیں اٹھا کر بٹھا دیا گیا تو انھوں نے کہا: میرے بیٹے! تم اس وقت تک ایمان کا ذائقہ نہیں چکھ سکتے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کی حقیقت کو نہیں

① السنن الكبرى للبيهقي، الشهادات، ماترد به شهادة أهل الأهواء: 205/10 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اسی عنوان کی ایک مختصر روایت سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4691 و سنن ابن ماجه، السنة، باب في القدر، حديث: 92 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ② مسند أحمد: 90/2. ③ سنن أبي داود، السنة، باب من دعا إلى السنة، حديث: 4613. ④ مسند أحمد: 110/2. ⑤ صحيح مسلم، القدر، باب كل شيء بقدر، حديث: 2655. ⑥ صحيح مسلم، القدر، باب الإيمان بالقدر والإذعان له، حديث: 2664. ⑦ جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة، حديث: 2516 و مسند أحمد: 293/1 و اللفظ له جبکہ قوسین والا جملہ المعجم الكبير للطبراني: 238/12، حديث: 12988 میں ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

پاسکتے حتی کہ اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ، میں نے عرض کی: ابا جان! میں یہ کیسے معلوم کروں کہ اچھی بری تقدیر کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: خوب جان لو کہ جو تمھیں حاصل نہیں ہوسکا، وہ تمھیں حاصل ہو ہی نہیں سکتا تھا اور جو تمھیں حاصل ہو گیا ہے وہ تم سے خطا ہو ہی نہیں سکتا تھا، اے میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْقَلَمَ، ثُمَّ قَالَ: اُكْتُبْ، فَجَرٰى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے ارشاد فرمایا کہ لکھو تو اسی لمحے قلم اس سب کچھ کے ساتھ چل پڑا جو قیامت تک ہونے والا تھا۔'' بیٹا! اگر تم فوت ہو گئے اور تمھارا یہ عقیدہ نہ ہوا تو جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ ① امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ② صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ] ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیروں کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال قبل لکھا تھا، ابن وہب نے ان الفاظ کا اضافہ بھی روایت کیا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش معلی پانی پر تھا۔'' ③ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ④

اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہو کر رہے گا: ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ﴾ ''اور ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ اس کی مخلوق میں اس کی مشیت نافذ ہو کر رہتی ہے جیسا کہ اس نے خبر دی ہے کہ اس کی تقدیر بھی ان کے بارے میں جاری وساری ہو کر رہتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ﴾ ''اور ہمارا حکم تو ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے۔'' یعنی ہم کسی چیز کو صرف ایک بار حکم دیتے ہیں ہمیں دوبارہ تاکید کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور پھر ہم جس چیز کا حکم دیتے ہیں وہ چشم زدن میں حاصل اور موجود ہوتی ہے، اس میں ذرہ بھر تاخیر نہیں ہوتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم تمھارے جیسوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔'' یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والی امتوں کے تم جیسے سابقہ لوگ۔ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ نے سابقہ لوگوں کو جو ذلیل ورسوا کیا اور ان پر عذاب نازل کر کے انھیں تباہ و برباد کیا تو کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ ''اور ان کے اور ان چیزوں کے درمیان جنھیں وہ چاہتے ہیں، آڑ حائل کر دی جائے گی جیسا کہ پہلے ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا۔'' (سبا 54:34) اور فرمایا: ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ﴾ ''اور جو کچھ انھوں نے کیا وہ صحیفوں میں (درج) ہے۔'' یعنی ان دفاتر میں لکھا ہوا ہے جو ملائکہ کے ہاتھ میں ہیں، ﴿وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ﴾ ''اور ہر چھوٹا اور بڑا (کام۔)'' یعنی ان کے اعمال میں سے ﴿مُّسْتَطَرٌ﴾ ''(لوح محفوظ میں) لکھا ہوا ہے۔'' ان کے لیے جمع کر کے رکھا گیا اور ان کے صحیفوں میں لکھا گیا ہے

① مسند أحمد: 317/5. ② جامع الترمذي، القدر، باب إعظام أمر الإيمان بالقدر، حديث: 2155 و3319.
③ صحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم وموسى، حديث: 2653. ④ جامع الترمذي، القدر، باب إعظام أمر الإيمان بالقدر، حديث: 2156.

اور ان میں کسی بھی چھوٹے بڑے علم کو چھوڑا نہیں گیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: [يَاعَائِشَةُ! إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ طَالِبًا] ''اے عائشہ! چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچالے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بھی حساب لیا جائے گا۔'' ①
اسے امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ②

پرہیزگاروں کا اچھا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴾ ''بلاشبہ پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔'' یعنی بدبخت لوگ گمراہی میں ہوں گے، الٹے منہ جہنم میں گھسیٹے جائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ڈانٹ ڈپٹ اور شدید قسم کی سرزنش بھی ہوگی اور ان کے مقابلے میں پرہیزگار لوگ ﴿ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ ﴾ ''حقیقی عزت کی جگہ میں۔'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت و خوشنودی کے گھر، فضل و کرم اور جود و احسان میں ہوں گے ﴿ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ ''ہر طرح کی قدرت والے بادشاہ کے نزدیک۔'' اس عظیم بادشاہ کے ہاں جو تمام اشیاء کا خالق اور ان کی تقدیر مقرر فرمانے والا ہے اور وہ اپنے ان وفا شعار بندوں کے طلب و ارادہ میں سے جو چاہے اسے پورا کرنے پر مکمل طور پر قادر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلْمُقْسِطُونَ عِنْدَاللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّورٍ عَنْ يَّمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا] ''انصاف کرنے والے روز قیامت رحمان کی دائیں جانب نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے اور رحمان کے دونوں دست مبارک دائیں ہیں اور ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلے، اپنے اہل و عیال اور جس منصب پر وہ فائز ہوں، عدل و انصاف کرتے ہیں۔'' ③ اسے امام مسلم اور امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔ ④

سورۂ قمر کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

① مسند أحمد: 151/6 . ② سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الذنوب، حديث: 4243 . ملحوظہ: نسائی شریف میں یہ حدیث نہیں ملی۔ ③ مسند أحمد: 160/2 . ④ صحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل......، حديث: 1827 والسنن الكبرى للنسائي، القضاء، باب ذكر الاختلاف على الزهري......: 460/3، حديث: 5917 .

تفسیر سورۂ رحمٰن

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤

(اللہ) رحمٰن نے ① قرآن سکھایا ② اسی نے انسان کو پیدا کیا ③ اسے بولنا سکھایا ④ سورج اور چاند ایک حساب سے (چلتے) ہیں ⑤ اور بیلیں اور

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ⑧

درخت سجدہ کرتے ہیں ⑥ اور آسمان کو اسی (رحمٰن) نے بلند کیا، اور اسی نے ترازو رکھی ⑦ تاکہ تم ترازو میں حد سے تجاوز نہ کرو ⑧ اور تم انصاف سے

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ⑨ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ⑩ فِيْهَا

وزن کو درست رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو ⑨ اور اسی نے زمین کو مخلوق کے لیے بچھایا ⑩ اس میں لذیذ پھل اور کھجور کے درخت ہیں جن کے شگوفے

فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⑫ فَبِاَيِّ

غلافوں میں لپٹے ہوتے ہیں ⑪ اور بھوسے والے دانے (اناج) اور خوشبودار پھول ہیں ⑫ پھر (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے رب کی کون سی

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ⑬

تمہید: امام احمد رحمہ اللہ نے زِرّ (ابن حُبَیش) سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ یہ لفظ کس طرح ہے [مَاءٍ غَيْرِ يَاسِنٍ] ہے یا ﴿ اٰسِنٍ ﴾ (محمد 15:47)۔ تو انھوں (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے کہا: کیا تو نے سارا قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا: بلاشبہ میں قرآن کا حصۂ مفصل [1] ایک رکعت میں پڑھ لیتا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ تمھارا باپ نہ ہو کیا تم شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھتے ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے میں انھیں جانتا ہوں، آپ مفصل سورتوں کی ابتدا سے دو سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترتیب کے مطابق مفصل سورتوں میں سے پہلی سورۂ رحمٰن ہے۔ [2]

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس

① قرآن کا مفصل حصہ سورۂ ق یا بقول بعض سورۂ حجرات تا آخر قرآن ہے۔ دیکھیے فتح الباري: 250,249/2 جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترتیب میں سورۂ رحمٰن مفصل کی پہلی سورت تھی۔ ② مسند أحمد: 412/1. تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں ہے کہ اس شخص نے پوچھا: یہ لفظ ﴿ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ﴾ (محمد 15:47) ہے یا [أَسِنٍ] لیکن مراجع میں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا، دیکھیے صحیح مسلم، صلاة المسافرين......، باب ترتيل القراءة ......، حديث: 722، بعد الحديث: 821 و جامع الترمذي، الجمعة، باب ما ذكر في قراءة سورتين......، حديث: 602 و مسند أحمد: 380/1.

تشریف لائے، آپ نے انھیں اول سے آخر تک مکمل سورۂ رحمٰن سنائی اور وہ خاموشی کے ساتھ سنتے رہے، آپ نے فرمایا: [لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوا أَحْسَنَ مَرْدُودًا مِّنْكُمْ، كُنْتُ كُلَّمَا أَتَيْتُ عَلَى قَوْلِهِ: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ قَالُوا: لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ] ”میں نے یہ سورت ”لیلۃ الجن“ میں جنوں کو بھی سنائی تھی تو وہ تمھاری نسبت اچھا جواب دینے والے تھے، جب بھی میں یہ آیت کریمہ ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ پڑھتا تو وہ جواب میں کہتے: ”اے اللہ! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کو بھی نہیں جھٹلاتے، چنانچہ سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔“ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔[1] حافظ ابوبکر بزار نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[2]

امام ابوجعفر بن جریر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ رحمٰن کی خود تلاوت فرمائی یا آپ کے پاس اس سورت کی تلاوت کی گئی تو آپ نے فرمایا: [مَالِيَ أَسْمَعُ الْجِنَّ أَحْسَنَ جَوَابًا لِّرَبِّهَا مِنْكُمْ ، قَالُوا: مَاذَا يَارَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: مَا أَتَيْتُ عَلَى قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ إِلَّا قَالَتِ الْجِنُّ: لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعْمَةِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ] ”کیا ہے مجھے کہ میں نے جنوں کو سنا وہ اپنے رب کو تمھاری نسبت اچھا جواب دیتے تھے۔ صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے جب بھی اس آیت کریمہ: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ کی تلاوت کی تو جن جواب میں کہتے: ”ہم اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کسی کو نہیں جھٹلاتے۔“[3] اسے حافظ بزار نے روایت کیا ہے۔[4]

تفسیر آیات: 1-13

قرآن کو رحمان نے نازل فرمایا اور سکھایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے فضل و رحمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے قرآن نازل فرمایا اور جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے، اس کے لیے اس نے اس کے حفظ اور فہم کو آسان بنا دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ ﴾ ”(اللہ جو) نہایت مہربان، اس نے قرآن سکھایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے اسے بولنا سکھایا۔“ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بیان سے مراد نطق ہے، اس لیے کہ سیاق میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کو قرآن سکھانے کا ذکر ہے اور تعلیم قرآن سے مراد تلاوت سکھانا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نطق کو آسان کر دیا اور حروف کے اپنے اپنے مخارج حلق، زبان اور ہونٹوں سے ادا کرنے کے مخارج اور اس کی انواع و اقسام کو مختلف ہونے کے باوجود آسان بنا دیا۔

سورج، چاند، آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ ﴾ ”سورج اور چاند ایک (مقرر) حساب سے (چل رہے ہیں۔)“ یعنی یہ ایک دوسرے کے پیچھے ایک مقرر حساب کے مطابق چلتے رہتے ہیں

---

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الرحمٰن، حديث :3291 . ② مجمع الزوائد، تفسير، باب سورة الرحمٰن:117/7 ، حديث : 11387. ③ تفسير الطبري : 162/27. ④ مجمع الزوائد، تفسير، باب سورة الرحمٰن: 117/7 ، حديث : 11387.

اور ان میں کبھی کوئی اختلاف یا اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○﴾ (یٰسٓ 36:40) ”نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾ (الأنعام 6:96) ”وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو موجب آرام ٹھہرایا اور سورج اور چاند کو ذرائع شمار بنایا ہے۔ یہ اس (اللہ) کے مقرر کیے ہوئے اندازے ہیں جو نہایت غالب (اور) خوب علم والا ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥﴾ ”اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کررہے ہیں۔“ امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ نجم کے معنی میں مفسرین میں اختلاف ہے، البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ شجر اس (درخت) کو کہتے ہیں جو تنے پر کھڑا ہو۔[1] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نجم زمین پر پھیلی ہوئی نباتات کو کہتے ہیں۔[2] سعید بن جبیر، سدی اور سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔[3] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[4] مجاہد کہتے ہیں کہ نجم کے معنی ستارے کے ہیں، حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] یہ قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ــ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ــ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ﴾ (الحج 22:18) ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦﴾ ”اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے میزان رکھ دی۔“ یعنی عدل قائم کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (الحدید 57:25) ”البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتاب اور ترازو نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“ اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ⑧﴾ ”کہ ترازو (سے تولنے) میں حد سے تجاوز نہ کرو۔“ یعنی اس نے آسمانوں اور زمین کو حق وعدل کے ساتھ پیدا فرمایا ہے تاکہ تمام اشیاء حق و عدل کے ساتھ قائم رہیں، اسی لیے ارشاد فرمایا: ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ⑨﴾ ”اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔“ یعنی وزن کم نہ دو بلکہ حق اور انصاف کے ساتھ پورا پورا دو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ﴾ (الشعرآء 26:182) ”اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ⑩﴾ ”اور اسی نے خلقت کے لیے زمین بچھائی۔“ یعنی جس طرح اس نے آسمان کو بلند کیا، اسی طرح اس نے زمین کو بھی پست کیا، اسے ہموار بنایا اور مضبوط و مستحکم اور بلند و بالا پہاڑوں کے

[1] تفسیر الطبری: 153/27. [2] تفسیر الطبری: 152/27. [3] تفسیر الطبری: 153,152/27. [4] تفسیر الطبری: 153/27. [5] تفسیر الطبری: 153/27.

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (14) وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (15) فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ

اس نے انسان کو ٹھیکرے جیسی کھنکتی مٹی سے پیدا کیا (14) اور اس نے جن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا (15) پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (16) رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (17) فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (18) مَرَجَ

گے؟ (16) (وہی) دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے (17) پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (18) اس (رحمٰن) نے دو سمندر جاری

الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (19) بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (20) فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (21)

کیے جو باہم ملتے ہیں (19) ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے، وہ دونوں (اس سے) تجاوز نہیں کرتے (20) پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (22) فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (23) وَلَهُ الْجَوَارِ

جھٹلاؤ گے؟ (21) ان دونوں سمندروں سے موتی اور مرجان (مونگے) نکلتے ہیں (22) پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (23) اور اسی کے

الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ (24) فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (25) ع 25/11 النصف

ہیں چلنے والے جہاز (اور کشتیاں) جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں (24) پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (25)

ساتھ اسے قرار بخشا ہے تاکہ زمین کی پشت پر مخلوقات کو قرار نصیب ہو سکے۔ جن کی انواع و اقسام، شکلیں، رنگ اور بولیاں مختلف اور وہ زمین کے اطراف و اکناف میں بس رہی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے کہ أنام سے مراد مخلوقات ہیں۔[1] ﴿فِيهَا فَاكِهَةٌ﴾ ''اس میں پھل ہیں۔'' جن کے رنگ، ذائقے اور خوشبوئیں مختلف ہیں ﴿وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ (11)﴾ ''اور کھجور کے درخت (جن کے شگوفے) غلاف والے ہیں۔'' کھجور کو اس کے شرف اور تر اور خشک ہر اعتبار سے نفع بخش ہونے کی وجہ سے الگ سے ذکر کیا ہے۔ ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ أکمام کے معنی کھجور کے گابھے کے ہیں۔[2] کئی ایک دیگر مفسرین کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس میں کھجور کا شگوفہ ہوتا ہے، پھر اس میں گچھا لگتا ہے، پہلے اس میں گدر کھجوریں لگتی ہیں، پھر وہ پختہ ہو جاتی ہیں اور ان کی پختگی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ (12)﴾ ''اور اناج ہیں بھوسے والے اور خوشبودار پھول بھی۔'' علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ﴾ سے مراد بھوسا ہے۔[3] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عصف اس سبز کھیتی کے پتوں کو کہتے ہیں جن کے سر کاٹ دیے گئے ہوں، وہ جب خشک ہو جائیں تو اسے عصف کہا جاتا ہے۔[4] قتادہ، ضحاک اور ابو مالک نے بھی کہا ہے کہ عصف کے معنی بھوسے کے ہیں۔[5] ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمہ نے کہا ہے کہ ریحان کے معنی پتے ہیں۔[6] حسن کہتے ہیں اس سے مراد پھول ہیں۔[7] علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ریحان سے مراد سبز کھیتی ہے۔[8] اس کے معنی یہ ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ کہ حب سے

① تفسير الطبري: 156/27. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3322/10. ③ تفسير الطبري: 158/27. ④ تفسير الطبري: 158/27. ⑤ تفسير الطبري: 159,158/27. ⑥ تفسير الطبري: 159/27. ⑦ تفسير الطبري: 160/27. ⑧ تفسير الطبري: 160/27.

مراد گندم اور جو وغیرہ کے دانے ہیں جبکہ ان کی کھیتی خشک ہو اور وہ اپنے خوشوں میں ہوں اور ریحان سے مراد وہ پتے ہیں جو تنے پر لپٹے ہوں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ عصف سے کھیتی کے اگنے والے پہلے پتے مراد ہیں اور ریحان سے مراد وہ پتے ہیں جو پختہ ہو گئے ہوں اور ان میں دانے پیدا ہونے لگے ہوں۔

انسان اللہ کی نعمتوں میں گھرا ہوا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬﴾ ’’(اے جنو اور انسانو!) پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟‘‘ مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اس آیت کریمہ کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟[1] بعد کا سیاق بھی انھی معنوں پر دلالت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تم پر ظاہر ہیں، تم اس کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو، ان کا انکار نہیں کر سکتے، لہٰذا ہم بھی وہی بات عرض کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے جنوں نے کہی تھی کہ اے اللہ! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کرتے اور سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی کہا کرتے تھے کہ اے پروردگار! ہم تیری کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرتے۔[2]

تفسیر آیات :14-25

آدم علیہ السلام اور جنوں کی تخلیق کا بیان: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ ﴿مَّارِجٍ﴾ شعلے کے کنارے کو کہتے ہیں، یہ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[3] عکرمہ، مجاہد، حسن اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[4] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿مَّارِجٍ﴾ آگ کے زبردست شعلے کو کہتے ہیں۔[5] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ، وَّخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَّخُلِقَ آدَمُ علیہ السلام مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ] ’’فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، جنوں کو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سے اور آدم علیہ السلام کو اس چیز سے جس کے بارے میں تمھیں بتایا گیا ہے (مٹی سے۔)‘‘[6] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[7] ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑯﴾ کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[8]

دونوں مشرقوں اور مغربوں کے رب ہونے کی نعمت کی یاد دہانی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ⑰﴾ ’’وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔‘‘ یعنی وہ موسم سرما و گرما کے مشرق اور موسم سرما و گرما کے مغرب کا رب ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ﴾ (المعارج 40:70) ’’ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم!‘‘ یہ سورج کے مطالع کے مختلف ہونے اور ہر روز ایک مطلع سے دوسرے مطلع کی طرف منتقل ہو کر اس سے لوگوں کے سامنے طلوع ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور تیسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○﴾ (المزمل 9:73) ’’وہی مشرق اور مغرب کا مالک ہے (اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسے

---

① تفسير الطبرى : 162/27 . ② تفسير الطبرى : 162/27 . ③ تفسير الطبرى : 165/27 . ④ تفسير الطبرى : 165/27. ⑤ تفسير الطبرى : 164/27. ⑥ مسند أحمد : 168/6 . ⑦ صحيح مسلم، الزهد، باب في أحاديث متفرقة، حديث : 2996 . ⑧ دیکھیے الرحمٰن آیت: 13 کے تحت عنوان: ’’انسان اللہ کی نعمتوں میں گھرا ہوا ہے‘‘

ہی اپنا کارساز بنائیں!'' اس سے جنس مشارق ومغارب مراد ہے، ان مشارق ومغارب کے اختلاف میں بھی جنوں اور انسانوں کے لیے بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے فرمایا ہے کہ اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دو طرح کے سمندر اور کشتیاں بھی اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴾ ''اس نے دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس نے ان دونوں کو چھوڑ دیا ہے۔[1] ﴿ يَلْتَقِيٰنِ ﴾ کے معنی ابن زید نے یہ بیان کیے ہیں کہ اس نے ان دونوں کو آپس میں ملنے سے روک رکھا ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کے درمیان پردہ اور رکاوٹ قائم کر رکھی ہے۔[2] اور ﴿ الْبَحْرَيْنِ ﴾ سے مراد نمکین اور میٹھا ہے، میٹھے سے مراد یہ نہریں ہیں جو لوگوں کے درمیان رواں دواں ہیں، اس کے بارے میں ہم نے قبل ازیں گفتگو سورۂ فرقان کی آیت کریمہ: ﴿ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:53) ''اور وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ایک کا پانی شیریں ہے، پیاس بجھانے والا اور دوسرے کا کھاری چھاتی جلانے والا اور دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط اوٹ بنادی۔'' کی تفسیر میں کی ہے۔ ﴿ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴾ ''ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔'' یعنی دونوں کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے، یہ پردہ زمین کی صورت میں ہے تاکہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خراب نہ ہو جائیں اور ان کی وہ صفت زائل نہ ہو جائے جو ان سے مقصود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴾ ''دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔'' ﴿ اللُّؤْلُؤُ ﴾ سے مراد موتی ہیں جو ایک معروف چیز ہے اور مرجان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے چھوٹے موتی مراد ہیں، یہ مجاہد، قتادہ، ابورزین اور ضحاک کا قول ہے۔[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول مروی ہے۔[4] دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے بڑے بڑے اور عمدہ موتی مراد ہیں، امام ابن جریر نے اسے بعض سلف سے روایت کیا ہے۔[5]

امام ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں سمندر میں اپنا منہ کھول دیتی ہیں، ان میں بارش کے پانی کا جو قطرہ داخل ہو جائے وہ موتی بن جاتا ہے۔[6] اس کی سند صحیح ہے، جب اس زیور کا استعمال بھی اہل زمین کے لیے نعمت ہے تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

﴿ الْمُنْشَئٰتُ ﴾ کا مفہوم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ ﴾ ''اور اٹھے ہوئے (بحری) جہاز بھی اسی کے ہیں۔'' یعنی کشتیاں جو چلتی ہیں ﴿ فِي الْبَحْرِ ﴾ ''دریا میں'' مجاہد کہتے ہیں کہ جن کشتیوں کا بادبان اٹھایا گیا ہو انھیں مُنْشَئَات کہتے ہیں اور جن کا بادبان نہ اٹھایا گیا ہو انھیں مُنْشَئَات نہیں کہتے۔[7] قتادہ کہتے ہیں کہ مُنْشَئَات کے معنی مخلوقات کے ہیں۔[8]

---

① تفسیر الطبری : 167/27. ② تفسیر الطبری : 168/27 تفسیر ابن کثیر میں صرف ﴿ يَلْتَقِيٰنِ ﴾ کا لفظ ہے جبکہ اس کو ﴿ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴾ تک پڑھا جائے تو تب اس کا یہ مفہوم بنتا ہے۔ ③ تفسیر الطبری : 170/27. ④ تفسیر القرطبی : 163/17. ⑤ تفسیر الطبری : 171/27. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم : 3324/10 . ⑦ تفسیر الطبری : 173/27. ⑧ تفسیر القرطبی : 164/17 .

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿26﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

ہر چیز، جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والی ہے ﴿26﴾ اور آپ کے رب ذوالجلال والاکرام کا چہرہ باقی رہے گا ﴿27﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی

تُكَذِّبٰنِ ﴿28﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿29﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿28﴾ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اسی سے مانگتا ہے، وہ ہر روز (ہر وقت) ایک (نئی) شان میں ہوتا ہے ﴿29﴾ پھر تم دونوں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿30﴾

اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿30﴾

دیگر نے کہا ہے کہ [مُنْشِئَات] شین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کے معنی ہیں بادبانی کشتیاں۔ ﴿ كَالْاَعْلَامِ ﴿24﴾ ﴾ ''پہاڑوں کی طرح''، یعنی پہاڑوں کی طرح بلند ہیں اور ان کے ذریعے سے مال واسباب اور سامانِ تجارت ایک علاقے سے دوسرے علاقے اور ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کیا جاتا ہے اور اس میں لوگوں کے لیے بہت سے فوائد اور منافع ہیں اور وہ اپنی ضرورت کے تمام سامان حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿25﴾ ﴾ ''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

تفسیر آیات:26-30

بقائے دوام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے: اللہ رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب اہل زمین چل بسیں گے اور موت کا جام پی لیں گے، اسی طرح تمام اہل آسمان بھی فوت ہو جائیں گے اور اللہ جل جلالہ کی ذات پاک کے سوا کسی کو بقا اور دوام نصیب نہیں ہے، اس ذات پاک کے لیے موت نہیں ہے کیونکہ وہ حیّ ہے، اس لیے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اسی نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا اور اب یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات فنا پذیر ہونے والی ہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ کی دعا ہے: [يَا حَيُّ! يَا قَيُّومُ! يَا بَدِيعَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ! يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ! لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيثُ، أَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهُ، وَلَا تَكِلْنَا إِلٰى أَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَّلَا إِلٰى أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ] ''اے زندہ رہنے اور قائم رہنے والے! اے آسمانوں اور زمین کے موجد! اے عظمت و عزت والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، ہم تیری رحمت کے ساتھ مدد حاصل کرتے ہیں، ہمارے لیے ہمارے تمام حالات درست فرما دے اور ہمیں لحہ برابر بھی ہمارے نفسوں کے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کے بھی سپرد نہ فرما۔''①

① اس ترتیب کے ساتھ یہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملے، البتہ مختلف حدیثوں میں الفاظ ملتے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے: اَللّٰهُمَّ! رَحْمَتَكَ أَرْجُو، فَلَا تَكِلْنِي إِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَّأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ. سنن أبي داود، حديث:5090 عن أبي بكرة (نفيع بن الحارث) رضی اللہ عنہ، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ اور يَاحَيُّ! يَا قَيُّومُ! بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ، أَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ، وَلَا تَكِلْنِي إِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَّلَا إِلٰى أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ. الروض الداني إلى المعجم الصغير للطبراني، ترجمة من اسمه خالد: 271,270/1 عن أنس رضی اللہ عنہ، نیز اسے البانی رحمہ اللہ نے کچھ الفاظ کی کمی کے ساتھ حسن قرار دیا ہے۔ الترغيب والترهيب، النوافل: 417/1، حديث:661، اور يَا حَيُّ! يَا قَيُّومُ! بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ. جامع الترمذي، حديث: 3524 عن أنس رضی اللہ عنہ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، يَا بَدِيعَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ! يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ! يَا حَيُّ! يَا قَيُّومُ! مسند أحمد: 245/3 عن أنس رضی اللہ عنہ.

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿31﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿32﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اے دو بھاری گروہو! (جن وانس) عنقریب ہم تمھارے (حساب کے) لیے فارغ ہوں گے ﴿31﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ

گے؟ ﴿32﴾ اے گروہ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ، قوت اور غلبے کے بغیر تو تم نکل ہی نہیں

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿33﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿34﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ

سکتے (اور وہ قوت تم میں کہاں!) ﴿33﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿34﴾ تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا،

فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿35﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿36﴾

پھر تم (اس کے مقابلے میں) ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکو گے ﴿35﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿36﴾

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم یہ پڑھو: ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿26﴾ ﴾ تو فوراً بعد یہ بھی پڑھ لو: ﴿ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾ ﴾ [1] یہ آیت اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ ﴾ (القصص 88:28) ”اس کے چہرے کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔“ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کریم چہرے کی صف بیان فرمائی ہے کہ وہ عظمت والا، عزت والا ہے، یعنی وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اور مخالفت نہ کی جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ (الکھف 28:18) ”اور جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہیں۔“ نیز جیسا کہ صدقہ کرنے والوں کی بابت اس نے فرمایا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں: ﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ ﴾ (الدھر 9:76) ”ہم تمھیں خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ عظمت وکبریائی کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ فوت ہونے کے اعتبار سے جب اہل زمین برابر ہیں، وہ سب آخرت کی طرف سدھارنے والے ہیں اور اب ذوالجلال والاکرام عدل وانصاف کے ساتھ ان میں فیصلہ فرمانے والے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿28﴾ ﴾ ”تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿29﴾ ﴾ ”آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں، وہ ہر دن ایک (نئی) شان میں ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے سوا سب سے بے نیاز ہے۔ جبکہ تمام مخلوقات ہر حال میں اس کی محتاج ہیں اور وہ اپنی زبان حال وقال سے ہر وقت اس سے مانگتے رہتے ہیں اور وہ ہر دن ایک (نئی) شان میں ہوتا ہے۔ اعمش نے مجاہد سے اور انھوں نے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ ﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿29﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ دعا کرنے والے کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے، مانگنے والے کو عطا فرماتا ہے، قیدی کو رہائی دیتا اور بیمار کو شفا بخشتا ہے۔ [2]

[1] الدر المنثور : 196/6. [2] تفسیر الطبری : 175/27.

تفسیر آیات :31-36

جنوں اور انسانوں کی سرزنش: ابن جریج کہتے ہیں کہ ﴿ سَنَفْرُغُ لَكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمھارا فیصلہ کریں گے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم تمھارا محاسبہ کریں گے اور اسے کوئی چیز کسی دوسری چیز سے مشغول نہیں کر سکتی۔ یہ محاورہ کلام عرب میں مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ میں فارغ ہو کر تجھ سے نبٹ لوں گا، حالانکہ اسے کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، وہ کہتا ہے کہ میں تجھے اچانک پکڑوں گا۔ [1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴾ ''اے انسانو اور جنو!'' ثقلان سے مراد جن اور انسان ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: [يَسْمَعُهَا (كُلُّ شَيْءٍ) إِلَّا الثَّقَلَيْنِ] ''مردے کی آواز کو ثقلین کے سوا ہر چیز سنتی ہے۔'' [2] اور ایک روایت میں ثقلین کے بجائے [إِلَّا الْإِنْسَ وَالْجِنَّ] کے الفاظ آتے ہیں۔ [3] ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

پھر فرمایا: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴾ ''اے گروہ جن وانس! اگر تمھیں قدرت ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ (اور) زور کے سوا تو تم نکل سکتے ہی نہیں۔'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کی تقدیر سے بھاگ نہیں سکتے کیونکہ وہ ہر طرف سے تمھارا احاطہ کیے ہوئے ہے، تم اس کے حکم اور اپنے متعلق اس کے فیصلے سے خلاصی اور چھٹکارا نہیں پا سکتے، وہ فرماتا ہے کہ تم جہاں بھی جاؤ گے میں تمھارا احاطہ کروں گا۔ یہ میدان حشر میں ہوگا کہ فرشتوں کی سات سات صفوں نے مخلوقات کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہوگا، لہٰذا کوئی بھی بھاگ نہیں سکے گا بجز اللہ تعالیٰ کے امر کے، ﴿ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ١لْمُسْتَقَرُّ ؕ ﴾ (القيٰمة 75:10-12) ''اس دن انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں! کوئی پناہ گاہ نہیں، اس روز تیرے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (یونس 10:27) ''اور جنھوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اور ان (کے مونہوں) پر ذلت چھا جائے گی (اور) کوئی انھیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا (ان کے مونہوں کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ) ان کے چہروں پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں، یہی دوزخی ہیں (کہ) ہمیشہ اس میں رہیں گے۔'' اسی طرح یہاں فرمایا ہے: ﴿ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴾ ''تم پر

[1] صحيح البخاري، التفسير، قبل الحديث: 4878. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال، حديث: 1338 عن أنس رضی اللہ عنہ جبکہ قوسین والا جملہ مسند أحمد: 296,295/4 والمصنف لعبد الرزاق، باب فتنة القبر، حديث: 6737 عن البراء رضی اللہ عنہ میں ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔ [3] الترغيب والترهيب للمنذري، الجمعة، الترغيب فى صلاة الجمعة......، حديث: 17 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ اور شیخ البانی نے اپنی کتاب صحيح الترغيب والترهيب، الجمعة، الترغيب فى صلاة الجمعة......، حديث: 697 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔ مزید دیکھیے الأحاديث الطوال للطبراني، حديث الصور: 48، ص: 110.

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿37﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿38﴾

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح لال ہو جائے گا﴿37﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿38﴾ پھر اس دن

فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿39﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿40﴾ يُعْرَفُ

کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت نہیں پوچھا جائے گا﴿39﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿40﴾ مجرم اپنے چہرے

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿41﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿42﴾ هٰذِهٖ

کی علامت ہی سے پہچان لیے جائیں گے، پھر وہ پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑے (اور گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے) جائیں گے﴿41﴾ پھر تم

جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿43﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿44﴾ فَبِاَيِّ وقف لازم

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿42﴾ (انھیں کہا جائے گا:) یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلاتے تھے﴿43﴾ وہ جہنم کے درمیان اور سخت

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿45﴾ ع 2/20/12

گرم کھولتے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے﴿44﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿45﴾

آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم بدلہ نہ لے سکو گے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ شُوَاظٌ ﴾ آگ کے شعلے کو کہتے ہیں۔[1] ابوصالح کا قول ہے کہ ﴿ شُوَاظٌ ﴾ اس شعلے کو کہتے ہیں جو آگ سے اوپر اور دھویں سے نیچے ہو۔[2] ضحاک نے ﴿ شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ﴾ کے معنی آگ کے سیلاب کے کیے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ نُحَاسٌ ﴾ کے معنی آگ کے دھویں کے ہیں۔[3] ابوصالح، سعید بن جبیر اور ابوسفیان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] ابن جریر کا قول ہے کہ عرب دخان کو نحاس کہتے ہیں اور یہ نون کے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ درست ہے، البتہ قراء کا ضمے پر اتفاق ہے۔[5] مجاہد کہتے ہیں کہ نحاس کے معنی پیتل کے ہیں جسے پگھلا کر ان کے سروں پر انڈیلا جائے گا۔[6] قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[7] ضحاک کہتے ہیں کہ نحاس پیتل کے سیلاب کو کہتے ہیں۔[8] معنی یہ ہیں کہ اگر تم قیامت کے دن بھاگنا چاہو گے تو فرشتے بالخصوص زبانیہ فرشتے تم پر آگ کے شعلے چھوڑ دیں گے اور تم پر پگھلا ہوا پیتل انڈیل دیں گے تاکہ تم واپس پلٹ آؤ، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿35﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿36﴾ ﴾ ''پھر تم (عذاب سے) نہ بچ سکو گے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

تفسیر آیات: 45-37

قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور مجرموں کا حال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ ﴾ ''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا۔'' یعنی قیامت کے دن جیسا کہ اس پر یہ آیت اور اس کے ہم معنی دوسری آیات دلالت کرتی ہیں، مثلاً: ﴿ وَانْشَقَّتِ

[1] تفسیر الطبری: 180/27. [2] تفسیر القرطبی: 171/17 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 3325/10 و تفسیر الطبری: 182/27. [4] تفسیر الطبری: 182/27. [5] تفسیر الطبری: 182/27. [6] تفسیر الطبری: 182/27. [7] تفسیر القرطبی: 172/17. [8] دیکھیے تفسیر الطبری: 182/27.

﴿ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴾ (الحآقّة 16:69) ’’اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہوگا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴾ (الفرقان 25:25) ’’اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴾ (الانشقاق 2,1:84) ’’جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے پروردگار کا فرمان بجالائے گا اور اسے واجب بھی یہی ہے۔‘‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴾ ’’تو وہ سرخ چمڑے کی طرح لال ہو جائے گا۔‘‘ یعنی وہ اس طرح پگھلے گا جس طرح تلچھٹ اور چاندی بھٹی میں پگھلتی ہے اور اس طرح رنگ پکڑے گا جس طرح وہ رنگ پکڑتی ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو رنگا جاتا ہے کبھی سرخ، کبھی زرد، کبھی نیلا اور کبھی سبز اور یہ اس دن کے معاملے کی سختی اور قیامت کی سخت ہولناکی کی وجہ سے ہوگا۔ سدی کہتے ہیں کہ آسمان کا رنگ سرخ رنگ کے خچر کی طرح ہو جائے گا، نیز یہ تیل کے تلچھٹ کی طرح ہوگا۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ كَالدِّهَانِ ﴾ کے معنی ہیں تلچھٹ کے رنگ کی طرح۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴾ ’’پھر اس روز نہ تو کسی انسان سے اس کے گناہوں کے بارے میں پرسش کی جائے گی اور نہ کسی جن سے۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴾ (المرسلٰت 36,35:77) ’’یہ وہ دن ہے کہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ انھیں اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔‘‘ یہ ایک حالت ہوگی جبکہ دوسری حالت میں تمام مخلوق سے ان کے تمام اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الحجر 93,92:15) ’’آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔‘‘ اسی لیے امام قتادہ اس آیت کریمہ: ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پہلے پوچھا جائے گا، پھر ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعمال کے بارے میں ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ ﴾ ’’گناہگار اپنی علامت ہی سے پہچان لیے جائیں گے۔‘‘ یعنی ایسی علامات کے ساتھ جو ان پر نمایاں ہوں گی۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے سیاہ چہروں اور نیلی آنکھوں سے پہچانے جائیں گے۔[4] میں کہتا ہوں یہ ایسے ہے جیسے مومن وضو کی وجہ سے اپنے چمکنے دمکنے والے اعضاء سے پہچانے جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴾ ’’تو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔‘‘ یعنی زبانیہ فرشتے مجرم کی پیشانی کو اس کے قدموں کے ساتھ باندھ کر جہنم میں گرا دیں گے۔ اعمش نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مجرم کو اس کی پیشانی اور قدموں سے پکڑ کر اس طرح توڑ دیا جائے گا جس طرح ایندھن توڑ کر تنور میں ڈالا جاتا ہے۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ ’’یہی ہے وہ جہنم جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے

---

① تفسیر الطبری: 184/27 عن الضحاك. ② تفسیر الطبری: 184/27. ③ تفسیر الطبری: 185/27. ④ تفسیر الطبری: 186/27. ⑤ تفسیر ابن أبي حاتم: 3325/10.

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿46﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿47﴾ ذَوَاتَآ

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں﴿46﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ

اَفْنَانٍ ﴿48﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿49﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿50﴾ فَبِاَيِّ

گے؟﴿47﴾ (وہ) دونوں بہت زیادہ شاخوں والے ہیں﴿48﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿49﴾ ان دونوں (باغوں) میں دو چشمے

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿51﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿52﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

جاری ہوں گے﴿50﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿51﴾ ان دونوں (باغوں) میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی﴿52﴾ پھر تم

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿53﴾

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿53﴾

تھے۔" یعنی یہ ہے وہ آتش دوزخ جس کے وجود کا تم انکار کرتے تھے۔ یہ اب تمھاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ، سرزنش اور تحقیر و تذلیل کے طور پر کہا جائے گا۔ ﴿يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿44﴾﴾ "وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔" کبھی انھیں جہنم میں عذاب دیا جائے گا اور کبھی انھیں گرم کھولتا ہوا ایسا پانی پلایا جائے گا جو پگھلائے گئے تانبے کی طرح شدید ترین گرم ہوگا کہ انتڑیوں اور پٹھوں کو کاٹ دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ ﴿ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿﴾ (المؤمن 40:71,72) "جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی اور گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔"

﴿اٰنٍ ﴿44﴾﴾ کے معنی ایسا شدید گرم جو حرارت کی انتہا تک پہنچ چکا اور شدت حرارت کے باعث ناقابل برداشت بن چکا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس کا جوش انتہا کو پہنچ چکا اور جس کی حرارت شدید ترین ہو چکی ہو۔[1] مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک، حسن، ثوری اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[2] قتادہ نے کہا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے پکایا ہے جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔[3] محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ آدمی کو پیشانی سے پکڑ کر کھولتے ہوئے شدید ترین گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا حتی کہ اس کا گوشت پگھل جائے گا اور سر کی ہڈیاں اور آنکھیں باقی رہ جائیں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿﴾ (المؤمن 40:72) "کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔" ﴿حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿44﴾﴾ کے معنی سخت گرم کھولتے ہوئے کے ہیں۔ قرظی سے ایک دوسری روایت کے مطابق ﴿اٰنٍ ﴿44﴾﴾ کے معنی حاضر کے ہیں، ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[4] حاضر اس کے منافی نہیں ہے جو قرظی سے پہلے قول کے مطابق منقول ہے، یعنی یہ گرم کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿﴾ (الغاشية 88:5) "(انھیں) ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔" یعنی ایسا شدید ترین

① تفسیر الطبری: 27/187. ② تفسیر القرطبی: 17/175,176 و تفسیر الطبری: 27/187,188. ③ تفسیر الطبری: 27/188. ④ تفسیر الطبری: 27/188.

گرم جونا قابل برداشت ہو۔ اور اسی طرح فرمایا: ﴿ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ﴾ (الأحزاب53:33) ''اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔'' یعنی اس کے صحیح بننے اور پکنے تک۔ بہرحال ﴿ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴾ کے معنی شدید ترین گرم کے ہیں، جب نافرمانوں اور مجرموں کو سزا دینا اور پرہیز گاروں اور وفا شعاروں کو نعمتوں سے سرفراز فرمانا، اس کے فضل و رحمت اور مخلوق کے ساتھ لطف و کرم کا مظہر ہے تو مجرموں کو عذاب اور پکڑ سے ڈرانا تاکہ وہ گناہوں اور شرک سے باز آجائیں یہ بھی اس کے عدل و انصاف کا اظہار ہے، اسی لیے مخلوق کو اپنا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

تفسیر آیات:46-53

پرہیز گاروں کے حالات اور جنت میں ان کے لیے نعمتیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴾ ''اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں۔'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، ﴿ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴾ (النّٰزعٰت 40:79) ''اور اس نے اپنے نفس کو خواہشوں سے روکے رکھا۔'' نہ سرکشی کی، نہ دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اور اس بات کو خوب جان لیا کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے، اس لیے اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرائض سرانجام دیے، حرام کردہ امور سے اجتناب کیا تو اس کے لیے روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں دو باغ ہوں گے جیسا کہ امام بخاری نے عبداللہ بن قیس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلٰى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ، عَلٰى وَجْهِهٖ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ] ''دو باغ چاندی کے بنے ہوں گے، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہوگا (سب چاندی کا بنا ہوگا) اور دو باغ سونے کے ہوں گے ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہوگا (سب سونے کا ہوگا) اور ان کے اور ان کے رب تعالیٰ کے دیدار کے مابین اللہ رب ذوالجلال کے چہرہ اقدس پر کبریائی کی چادر ہوگی اور وہ جنت عدن میں ہوں گے۔''[1] اسے امام ابوداود کے سوا باقی محدثین نے عبدالعزیز (بن عبدالصمد کے طریق) سے روایت کیا ہے۔[2]

یہ آیت کریمہ انسانوں اور جنوں سب کے بارے میں عام ہے اور یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ جن بھی جنت میں داخل ہوں گے بشرطیکہ وہ ایمان لے آئیں اور تقویٰ کی زندگی بسر کریں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں دونوں پر اپنے اس احسان کا اظہار فرمایا ہے کہ ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴾ (الرحمٰن55:62)، حديث:4878 . [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين......،حديث : 180 و جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في صفة غرف الجنة، حديث: 2528 وسنن ابن ماجه، السنة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث: 186 والسنن الكبرى للنسائي، النعوت، المعافاة والعقوبة:420,419/4، حديث:7765 .

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿54﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

(اہل جنت) ایسی مسندوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور ان دونوں باغوں کے پھل قریب ہی ہوں گے ﴿54﴾

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿55﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿56﴾

پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿55﴾ ان میں جھکی نظروں والی (شرمیلی اور باحیا حوریں) ہوں گی، ان سے پہلے انھیں کسی انسان

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿57﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿58﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور کسی جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا ﴿56﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿57﴾ گویا وہ ہیرے اور موتی (مونگے) ہیں ﴿58﴾ پھر تم

تُكَذِّبٰنِ ﴿59﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿60﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿61﴾

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿59﴾ احسان کی جزا تو احسان ہی ہے ﴿60﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿61﴾

جھٹلاؤ گے؟'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جنتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿48﴾﴾ ''دونوں بہت سی شاخوں والے ہیں''یعنی سرسبز و شاداب اور خوبصورت ٹہنیاں پکے ہوئے، میٹھے اور رسیلے پھلوں سے لدی پھندی ہوں گی۔ عطاء خراسانی اور مفسرین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے کہ أفنان سے مراد جنت کے درختوں کی ٹہنیاں ہیں جو ایک دوسرے کو چھو رہی ہوں گی۔ [1]

﴿فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿50﴾﴾ ''ان دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے۔'' وہ چشمے ان درختوں اور ٹہنیوں کو سیراب کرنے کے لیے رواں دواں ہوں گے جس سے تمام انواع و اقسام کے پھل پیدا ہوں گے، ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿51﴾﴾ ''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک چشمے کا نام تسنیم اور دوسرے کا سلسبیل ہے۔ [2] عطیہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک چشمہ صاف شفاف پانی کا ہوگا اور دوسرا پینے والوں کے لیے لذت بخش شراب کا۔ [3] اسی لیے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿52﴾﴾ ''ان دونوں میں سب پھل دو دو قسم کے ہوں گے''یعنی ان تمام انواع و اقسام کے پھل جنھیں یہ جانتے اور بہتر جانتے ہوں گے اور وہ پھل بھی جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہوگا، کسی کان نے سنا نہیں ہوگا اور کسی دل میں ان کا تصور تک نہ آسکتا ہوگا، ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿53﴾﴾ ''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' ابراہیم بن حکم بن ابان نے اپنے والد سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا میں کوئی میٹھا یا کڑوا پھل نہیں مگر جنت میں بھی وہ ضرور ہوگا حتی کہ حنظل (تُمّہ) بھی جنت میں موجود ہوگا۔ [4] ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا میں صرف نام ہیں۔ [5] یعنی دنیا اور آخرت کے پھلوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔

① تفسیر الطبری: 192/27 والدر المنثور: 204/6 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. ② تفسیر القرطبی: 178/17. ③ تفسیر القرطبی: 179/17. ④ تفسیر القرطبی: 179/17. ⑤ الترغیب والترھیب للمنذری، صفة الجنة والنار: 560/4، حدیث: 141 و تفسیر الطبری: 251/1.

تفسیر آیات :54-61

جنتیوں کے بستر اور ان کی طرف جھکے ہوئے پھل: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُتَّكِـِٕيْنَ ﴾ ''تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے'' یعنی اہل جنت۔ اور تکیہ لگانے سے یہاں مراد لیٹنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آلتی پالتی مار کر بیٹھنا ہے۔ ﴿ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ ﴾ ''ایسے بچھونوں پر جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے۔'' عکرمہ، ضحاک اور قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ اِسْتَبْرَقٍ ؕ ﴾ موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔ [1] ابو عمران جونی کا قول ہے کہ اس سے مراد سونے سے مزین ریشم ہے۔ گویا اس بات پر مطلع فرمایا کہ اس کا ظاہر بھی بہت اعلی اور اس کا باطن بھی بہت نفیس ہوگا۔ ابو اسحاق نے ہُبیرہ بن یَریم سے اور انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ ان کے اندرونی حصے ہوں گے تو ان کے بیرونی حصوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ [2]

﴿ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴾ ''اور دونوں باغوں کے پھل قریب ہی ہوں گے۔'' یعنی ان کے پھل ان کے بہت قریب ہوں گے جس طرح وہ چاہیں گے انھیں تناول فرمائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ ﴾ (الحآقّة 69:23) ''جن کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ ﴾ (الدھر 76:14) ''اور ان سے (خمدار شاخیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے اور پھلوں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔'' یعنی انھیں کھانے سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں کیا جائے گا بلکہ ٹہنیاں از خود ان کی طرف جھک جائیں گی، ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

اللہ تعالیٰ نے بچھونوں کی عظمت و نفاست بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ فِيْهِنَّ ﴾ ''ان میں'' یعنی ان بستروں میں ﴿ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ﴾ ''نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں۔'' یعنی وہ ایسی عفت مآب ہوں گی کہ اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نہیں دیکھیں گی اور ان سے بڑھ کر کسی چیز کو خوبصورت نہیں سمجھیں گی۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، عطاء خراسانی اور ابن زید کا قول ہے۔ [3] روایت ہے کہ ان میں سے ایک اپنے شوہر سے کہے گی: [وَاللّٰهِ! مَا فِي الْجَنَّةِ شَيْءٌ أَحْسَنَ مِنْكَ، وَمَا فِي الْجَنَّةِ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْكَ (فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَكَ لِي وَجَعَلَنِي لَكَ)] ''اللہ کی قسم! میں جنت میں تجھ سے بڑھ کر خوب صورت کسی اور چیز کو نہیں دیکھتی اور نہ جنت میں تجھ سے بڑھ کر مجھے کوئی اور چیز محبوب ہے، سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تجھے میرے لیے اور مجھے تیرے لیے بنایا ہے۔'' [4]

﴿ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴾ ''جنھیں ان (اہل جنت) سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن

---

[1] تفسیر الطبری: 193/27 . [2] تفسیر الطبری: 193/27 . [3] تفسیر القرطبی: 180/17,80/15 و تفسیر الطبری: 195/27,67/23 . [4] الترغیب و الترھیب، فصل فی وصف نساء أھل الجنة: 535,534/4، حدیث: 96 و الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث الصور: 48، ص: 113 اور شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے، دیکھیے: الترغیب و الترھیب، فصل فی وصف نساء أھل الجنة: 492,491/2، حدیث: 2224 میں ذکر کیا ہے اور قوسین والے الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ تفسیر الطبری: 195/27 میں ہیں۔

نے۔'' بلکہ وہ کنواری اور ہم سن ہوں گی، ان کے شوہروں سے پہلے کسی جن یا انسان نے ان سے مقاربت نہ کی ہوگی، یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مومن جن بھی جنت میں جائیں گے۔ ارطاۃ بن منذر نے کہا کہ ضمرہ بن حبیب سے پوچھا گیا: کیا جن بھی جنت میں داخل ہوں گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، اور وہ وہاں نکاح بھی کریں گے، جنوں کا جنّیوں سے اور انسانوں کا عورتوں سے نکاح ہوگا۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾ ﴾ ''انھیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' پھر ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ ﴾ ''گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔'' مجاہد، حسن اور ابن زید وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ رنگت کی صفائی میں یاقوت اور سفیدی میں مرجان کی طرح ہوں گی اور انھوں نے مرجان کے لفظ کو یہاں موتیوں کے معنی میں لیا ہے۔[2]

امام مسلم نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ اس بات پر لوگوں نے یا تو فخر کا اظہار کیا یا آپس میں گفتگو کی کہ جنت میں مردوں کی اکثریت ہوگی یا عورتوں کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ابو القاسم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: [إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالَّتِي تَلِيهَا عَلَى أَضْوَإِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ اثْنَتَانِ، يُرَى مُخُّ سُوقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ وَمَا فِي الْجَنَّةِ عَزَبٌ] ''جنت میں داخل ہونے والی پہلی جماعت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی اور اس کے بعد والی جماعت آسمان میں سب سے زیادہ چمکنے والے ستارے کے مانند، ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دو دو بیویاں عطا فرمائے گا کہ ان کی پنڈلیوں کی چربی گوشت میں سے نظر آ رہی ہوگی اور جنت میں کوئی شخص بھی بیوی کے بغیر نہ ہوگا۔''[3] یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے۔[4] امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ أَوْ مَوْضِعُ قِدِّهِ - يَعْنِي سَوْطَهُ - مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَوِ اطَّلَعَتِ امْرَأَةٌ مِّنَ النِّسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَى الْأَرْضِ لَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَّلَطَابَ مَا بَيْنَهُمَا، وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا] ''اللہ کے رستے میں ایک صبح یا ایک شام لگانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، جنت میں ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور دنیا کی ساری دولتوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر اہل جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا کی طرف جھانک لے تو آسمان وزمین کے درمیان کا یہ سارا حصہ اس کی بوئے عطر بیز سے بھر کر پاکیزہ ہو جائے، اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہے۔''[5] اور امام بخاری نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ ﴾ ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' جس نے

[1] تفسیر الطبری: 196/27. [2] تفسیر الطبری: 198,197/27. [3] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب أول زمرة تدخل الجنة......، حدیث: 2834. [4] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة......، حدیث: 3246,3245 وصحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب أول زمرة تدخل الجنة......، حدیث: 2834.
[5] مسند أحمد: 141/3. [6] صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب الحور العین......، حدیث: 2796.

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿62﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿63﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿64﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

اوران دو (باغوں) کے علاوہ دو باغ (اور) ہیں﴿62﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿63﴾ (جو) گہرے سبز سیاہی مائل ہیں﴿64﴾ پھر تم

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿65﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿66﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿67﴾

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿65﴾ ان میں جوش مارتے دو چشمے ہیں﴿66﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿68﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿69﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

گے؟﴿67﴾ ان دونوں میں لذیذ پھل ہوں گے، اور کھجور کے درخت اور انار بھی﴿68﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿69﴾ ان

حِسَانٌ ﴿70﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿71﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿72﴾ فَبِاَيِّ

(سب باغوں) میں خوب سیرت (اور) خوب صورت عورتیں ہیں﴿70﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿71﴾ حوریں جو خیموں

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿73﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿74﴾ فَبِاَيِّ

میں محفوظ ہوں گی﴿72﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿73﴾ ان سے پہلے انھیں کسی انسان اور کسی جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا﴿74﴾ پھر تم

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿75﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿76﴾ فَبِاَيِّ

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿75﴾ سبز اور نہایت نفیس و نادر قالینوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے﴿76﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی

ع 3/33/13 اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿77﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿78﴾

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿77﴾ آپ کے رب ذوالجلال والاکرام کا نام بہت ہی برکت والا ہے﴿78﴾

دنیا میں اچھا عمل کیا آخرت میں اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس 10:26) ”جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید برآں اور بھی۔“ اللہ تعالیٰ نے جب ایسی ایسی عظیم الشان نعمتوں کا ذکر فرمایا جن کی قیمت کوئی عمل نہیں بن سکتا بلکہ یہ محض اس کا فضل و کرم ہوگا تو اسی لیے ان تمام نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿61﴾ ﴾ ”تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“

تفسیر آیات :62-78

دو باغ کن کے لیے ہوں گے؟ یہ دو باغ مقام و مرتبہ اور فضیلت میں پہلے باغوں کی نسبت کم تر ہوں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿62﴾ ﴾ ”اوران دو (باغوں) کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔“ قبل ازیں یہ حدیث بیان کی جاچکی ہے: [جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا......] ”دو باغ چاندی کے ہوں گے، ان میں برتن اور دیگر تمام اشیاء بھی چاندی کی بنی ہوں گی اور دو باغ سونے کے ہوں گے کہ ان میں برتن اور دیگر تمام اشیاء سونے کی بنی ہوں گی ......“[1] پہلے دو باغ مقربین کے لیے اور دوسرے دو اصحاب الیمین کے لیے ہوں گے۔ پہلے دو

[1] دیکھیے الرّحمٰن، آیات :46-53 کے تحت عنوان: ”پرہیزگاروں کے حالات اور جنت میں ان کے لیے نعمتیں“

باغوں کے دوسرے دو باغوں پر شرف اور فضیلت کے کئی دلائل ہیں، پہلے دو باغوں کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا ہے اور تقدیم افضلیت کی دلیل ہے اور پھر فرمایا: ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴾ ''اور ان دو (باغوں) کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔'' اس سے بھی پہلے باغوں کے شرف اور علومرتبت کی طرف اشارہ ملتا ہے، وہاں فرمایا تھا: ﴿ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴾ (الرحمٰن 55:48) ''دونوں بہت سی شاخوں والے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴾ ''دونوں سیاہی مائل گہرے سبز ہیں۔'' یعنی پانی سے شدید سیرابی کے باعث وہ سیاہ معلوم ہوتے ہوں گے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی فرمایا ہے کہ پانی سے شدید سیرابی کے باعث گھنے سبز ہونے کی وجہ سے سیاہ معلوم ہوتے ہوں گے۔[1] محمد بن کعب نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سبزے سے بھرے ہوں گے اور درختوں کی باہم پیوست شاخوں کی سرسبزی وشادابی اور تازگی میں کوئی شک نہیں ہوتا۔

وہاں فرمایا تھا: ﴿ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴾ (الرحمٰن 55:50) ''ان میں دو چشمے بہہ رہے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ نَضَّاخَتٰنِ ﴾ ''جوش مارتے ہوئے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ چشمے بہہ رہے ہوں گے۔[2] جبکہ ابلنا بہنے کی نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے۔[3] ضحاک کہتے ہیں کہ ﴿ نَضَّاخَتٰنِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ پانی سے گے اور ان میں پانی کبھی ختم نہ ہوگا۔[4] وہاں فرمایا تھا: ﴿ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴾ (الرحمٰن 55:52) ''ان دونو ر پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴾ ''ان دونوں میں لذیذ . کھجوریں اور انار ہوں گے۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے باغات میں انواع واقسام کا عموم اور کثرت بیان کی گئی ہے اور دوسری آیت میں نکرہ سیاق اثبات کے لیے ہے عموم کے لیے نہیں، اسی وجہ سے کھجور اور انار کا ذکر فرمایا اور یہ خاص کے عام پر عطف کے قبیل سے ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور کئی دیگر ائمہ نے فرمایا ہے۔[5] کھجور اور انار کا بطور خاص اسی لیے ذکر فرمایا کہ انھیں دیگر پھلوں پر شرف حاصل ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴾ ''ان میں نیک سیرت اور خوب صورت عورتیں ہیں۔'' کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جنت میں بہت سی اچھی اچھی اور خوب صورت چیزیں ہوں گی، یہ قول امام قتادہ کا ہے۔[6] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جنت میں صالح، خوب صورت جسم اور خوب صورت چہرے والی عورتیں ہوں گی، یہ جمہور کا قول ہے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعًا بھی مروی ہے۔[7] ایک اور حدیث میں ہے کہ غزال چشم حوریں یہ گیت گائیں گی:

---

① تفسیر ابن أبی حاتم : 3327/10 . ② صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ الرحمٰن، قبل الحدیث : 4878 . ③ تفسیر ابن أبی حاتم :3327/10 و الدرالمنثور :209/6 . ④ تفسیر الطبری :202/27 . ⑤ صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ الرحمٰن، قبل الحدیث : 4878، نیز دیکھیے فتح الباری :623/8، قبل الحدیث :4878 وتفسیر الطبری :203/27 . ⑥ تفسیر القرطبی : 187,186/17. ⑦ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ اللہ کے رسول! آپ مجھے اس فرمان باری تعالیٰ: ﴿ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴾ کے بارے میں بتائیں تو آپ نے فرمایا: [خَيِّرَاتُ الْأَخْلَاقِ ، حِسَانُ الْوُجُوهِ] ''وہ اچھے اخلاق والی، خوبصورت چہروں والی ہوں گی۔'' دیکھیے المعجم الکبیر للطبرانی، ومن نساء أهل البصرة عن أم سلمة......:368,367/23، حدیث :870 وتفسیر الطبری :205/27 والترغیب والترهیب للمنذری، فصل فی وصف نساء أهل الجنة :536/4، »

نَحْنُ (الْخَيْرَاتُ) الْحِسَانُ خُلِقْنَا لِأَزْوَاجٍ كِرَامٍ

''ہم بہترین خوب سیرت وخوبصورت ہیں اور معزز ومحترم خاوندوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔''①

پھر فرمایا: ﴿ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴾ ''حوریں ہیں جو خیموں میں مستور ہیں۔'' اور وہاں فرمایا تھا: ﴿ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ ﴾ (الرحمٰن55:56) ''ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں۔'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے اپنی نظر کو خود جھکالیا ہو، وہ اس سے افضل ہے جس کی نظر کو جھکا دیا گیا ہو گو سب کی سب پاک باز، عفت مآب اور کنواری ہوں گی۔

جنتیوں کے خیمے کس چیز کے بنے ہوئے ہوں گے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِي الْخِيَامِ ﴾ ''خیموں میں (مستور) ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ خَيْمَةً مِّنْ لُّؤْلُؤَةٍ مُّجَوَّفَةٍ، عَرْضُهَا سِتُّونَ مِيلًا، فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِّنْهَا أَهْلٌ مَّا يَرَوْنَ الْآخَرِينَ، يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُونَ] ''بلاشبہ جنت میں جوف دار موتیوں سے بنا ہوا ایک خیمہ ہوگا جس کا عرض ساٹھ میل ہوگا، اس کے ہر گوشے میں (مومن کے) اہل خانہ ہوں گے جو دوسروں کو نہیں دیکھیں گے اور مومن ان (اپنے اپنے اہل خانہ) کے پاس آئیں جائیں گے۔''② ایک روایت میں ہے: [ثَلَاثُونَ مِيلًا] ''خیمے کا عرض تیس میل ہوگا۔''③ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں: [إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِّنْ لُّؤْلُؤَةٍ وَّاحِدَةٍ مُّجَوَّفَةٍ، طُولُهَا سِتُّونَ مِيلًا، لِّلْمُؤْمِنِ فِيهَا أَهْلُونَ، يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا] ''بے شک مومن کے لیے جنت میں ایک ہی جوف دار موتی سے بنایا گیا خیمہ ہوگا جس کا طول ساٹھ میل ہوگا، مومن کے اس میں اہلِ خانہ ہوں گے، مومن ان کے پاس جائے گا اور وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے۔''④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴾ ''انھیں ان (اہل جنت) سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔'' یہی بات پہلے بھی بیان فرمائی گئی ہے مگر اس میں یہ اضافہ بھی ہے: ﴿ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ ﴾ (الرحمٰن55:58،59) ''گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴾ ''سبز قالینوں اور نفیس مسندوں پر تکیہ لگائے (بیٹھے) ہوں گے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رفرف کے معنی قالین کے ہیں۔⑤ مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک اور کئی دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد پلنگ پوش ہیں۔⑥ علاء بن بدر نے کہا

حدیث: 102 شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ ① صفة الجنة لأبي نعيم الأصفهاني، ذكر حورأهلها واجتماعهم على الغناء......: 2/50، حديث: 161 عن أنس رضی اللہ عنہ (C.D) جبکہ قوسین والا لفظ المعجم الأوسط للطبراني، ترجمة من اسمه عمارة: 3/391، حديث: 4917 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے۔ ② صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴾ (الرحمٰن55:72)، حديث: 4879 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في صفة خيام الجنة......، حديث: 2838.
③ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة......، حديث: 3243. ④ صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في صفة خيام الجنة......، حديث : 2838 عن عبدالله بن قيس رضی اللہ عنہ. ⑤ تفسير الطبري : 27/212 .
⑥ تفسير الطبري: 27/212،213 .

ہے کہ تختوں پر رفرف اس طرح ہوتا ہے جیسے لٹکنے والے قالین ہوں۔ ﴿ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴾ ''اور نفیس مسندوں پر۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ضحاک اور سدی کا قول ہے کہ ﴿ عَبْقَرِيٍّ ﴾ کے معنی مسند کے ہیں۔ ①

پھر فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴾ ''آپ کے رب ذوالجلال والاِ کرام کا نام بڑا بابرکت ہے۔'' یعنی وہ ذات پاک اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی تعظیم بجالائی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کی عزت کی جائے اور عبادت کی جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے اور کفران نعمت نہ کیا جائے، اس کا ذکر کیا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ عظمت و کبریائی کا مالک ہے۔ ② دوسری حدیث میں ہے: [إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَ(لَا) الْجَافِي عَنْهُ وَ(إِكْرَامَ) ذِي السُّلْطَانِ (الْمُقْسِطِ)] ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و بزرگی بجالانے سے یہ بھی ہے کہ سفید بالوں والے مسلمان، اس حامل قرآن کی جو اس میں نہ غلو سے کام لے اور نہ اس سے اعراض کرنے والا ہو اور عادل حاکم کی عزت کی جائے۔'' ③

امام احمد رحمہ اللہ نے ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [أَلِظُّوا بِذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ] ''ذوالجلال والاِ کرام سے وابستہ ہو جاؤ۔'' ④ اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ⑤ جوہری کہتے ہیں کہ أَلَظَّ فُلَانٌ بِفُلَانٍ کے معنی لازم و وابستہ ہو جانے کے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے کہ دعا میں یاذاالجلال و الإکرام کو لازم کرلو، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِلظَاظ کے معنی الحاح وزاری کے ہیں۔ ⑥ میں (امام ابن کثیر) کہتا ہوں کہ دونوں معنی قریب قریب ہیں، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. اور اس میں مراد مداومت، لزوم اور الحاح وزاری ہیں۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اس قدر بیٹھا کرتے کہ یہ کلمات پڑھے جا سکیں: [اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ!] ''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے، تیری ہی طرف سے سلامتی ہے، تو بہت بابرکت ہے اے جلال وعزت کے مالک!'' ⑦

سورۂ رحمٰن کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسير الطبری: 213/27. ② تفسير الطبری: 214/27. ③ سنن أبی داود، الأدب، باب فی تنزيل الناس منازلهم، حديث: 4843 عن أبی موسٰی الأشعری رضی اللہ عنہ البتہ پہلی قوسین والا لفظ السنن الكبرٰی للبيهقی، قتال أهل البغی، باب النصيحة لله ولكتابه......: 163/8 میں ہے۔ جبکہ دوسری اور تیسری قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے۔ نیز وہاں [وَذِي السُّلْطَانِ] کے الفاظ [وَحَامِلِ الْقُرْآنِ......] سے پہلے ہیں۔ ④ مسند أحمد: 177/4، جبکہ یہ الفاظ السنن الكبرٰی للنسائی کے ہیں۔ ⑤ السنن الكبرٰی للنسائی، التفسير، باب قوله تعالٰی: ﴿ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴾: 479/6، حديث: 11563 مزید دیکھیے جامع الترمذی، الدعوات، حديث: 3524 عن أنس رضی اللہ عنہ. ⑥ دیکھیے الصحاح، مادة: لظظ: 983/3. ⑦ صحيح مسلم، المساجد......، باب استحباب الذكر بعد الصلاة...... ،حديث: 592 وسنن أبی داود، الوتر، باب مايقول الرجل إذا سلم؟ حديث: 1512 واللفظ له، وجامع الترمذی، الصلاة، باب مايقول إذا سلم......؟ حديث: 298 وسنن النسائی، السهو، الذكر بعد الاستغفار، حديث: 1339 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات ......، باب مايقال بعد التسليم، حديث: 924.

تفسیر سورۂ واقعہ

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ② خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ

جب واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوگی①اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی جھٹلانے والا نہ ہوگا②پست کرنے والی، بلند کرنے

رَجًّا ④ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ⑦

والی③جب زمین نہایت بری طرح ہلائی جائے گی④ اور پہاڑ (پھوڑ کر) بالکل ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے⑤تب وہ پراگندہ غبار (جیسے)

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑧ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

ہوجائیں گے⑥اور تم (لوگ) تین قسمیں ہوجاؤ گے⑦ سو دائیں ہاتھ والے، کیا (خوب) ہیں دائیں ہاتھ والے!⑧اور بائیں ہاتھ والے، کیا (حقیر)

الْمَشْئَمَةِ ⑨ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫

ہیں بائیں ہاتھ والے!⑨اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں⑩یہی لوگ مقرب ہیں⑪نعمت والے باغات میں⑫

وقف لازم

سورۂ واقعہ کی فضیلت: ابواسحاق نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو بوڑھے ہوگئے ہیں، آپ نے فرمایا: [شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَّالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَ ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ وَ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾] ''مجھے سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عمّ، اور کوّرت نے بوڑھا کردیا ہے۔'' امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور حسن غریب قرار دیا ہے۔[①] امام احمد رحمہ اللہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نمازیں اسی طرح پڑھتے تھے جیسے آج تم پڑھتے ہو، البتہ آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی، وہ تمھاری نسبت ہلکی نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ نماز فجر میں سورۂ واقعہ اور اس جیسی سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[②]

تفسیر آیات: 1-12

قیامت کے دن کے حالات: ''واقعہ'' قیامت کے دن کا ایک نام ہے، اس کے یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے اور وجود میں آنے کی وجہ سے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ (الحآقّة 69:15) ''تو اس روز واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوگی۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ②﴾

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الواقعة، حديث: 3297. ② مسند أحمد: 104/5.

’’اس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ جب اسے برپا کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو کوئی اسے وقوع پذیر ہونے سے روک نہیں سکے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ﴾ (الشوریٰ 47:42) ’’اپنے پروردگار کی بات مان لو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جو اللہ کی طرف سے نہیں ٹلے گا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ ﴾ (المعارج 70:1,2) ’’ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا، کافروں کے لیے ہے، اسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾ (الأنعام 6:73) ’’اور جس دن وہ کہے گا: ہو جا! تو (اسی دن) ہو جائے گا، اس کی بات سچی ہے اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا اس دن اس کی بادشاہت ہو گی، وہی پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا اور وہی بڑا دانا، نہایت خبردار ہے۔‘‘ ﴿ كَاذِبَةٌ ۝ ﴾ کے معنی جیسا کہ محمد بن کعب نے بیان کیے ہیں، یہ ہیں کہ وہ ضرور واقع ہو کر رہنے والی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جب ایک بار وقوع پذیر ہو جائے گی تو پھر وقوع پذیر ہونے سے رک نہیں سکے گی۔[1] ابن جریر کہتے ہیں کہ كاذبة، عاقبة اور عافية کی طرح مصدر ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ ﴾ ’’کسی کو پست کرے کسی کو بلند۔‘‘ یعنی کچھ لوگوں کو یہ جہنم میں نچلوں سے بھی نچلے (درجے) تک نیچے لے جائے گی، خواہ دنیا میں وہ کیسے ہی معزز کیوں نہ تھے اور کچھ لوگوں کو نعمتوں سے شادکام اور ابد الآباد تک رہنے والی جنتوں میں اعلیٰ علیین تک بلند کر دے گی، خواہ دنیا میں وہ کم حیثیت ہی کیوں نہ تھے۔ حسن، قتادہ اور دیگر کئی ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قریب اور بعید سب کو اپنے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں سنا دے گی۔[4] عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ اس قدر پست ہو جائے گی کہ قریب کو سنا دے گی اور اس قدر بلند ہو جائے گی کہ بعید کو بھی سنا دے گی۔[5] ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ ﴾ ’’جب زمین بڑے زور سے لرزنے لگے گی۔‘‘ یعنی جب اسے اس قدر زور زور سے ہلایا جائے گا کہ وہ اپنے طول و عرض سمیت ساری کی ساری ہلنے لگے گی، اس وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ جب اسے زور زور سے ہلایا جائے گا۔[7] ربیع بن انس کہتے ہیں کہ جو کچھ اس میں ہے وہ اس طرح حرکت کرنے لگے گا جس طرح چھلنی کو حرکت دی جاتی ہے۔[8] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ ﴾ (الزلزال 99:1) ’’جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا دی جائے گی۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الحج 22:1) ’’لوگو! اپنے پروردگار

[1] تفسیر الطبری : 215/27. [2] تفسیر الطبری : 215/27 . [3] تفسیر الطبری : 216/27 . [4] تفسیر الطبری : 216/27 . [5] تفسیر الطبری : 216/27. [6] تفسیر الطبری : 216/27 . [7] تفسیر الطبری : 217,216/27.
[8] تفسیر الماوردی : 446/5 .

سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک عظیم حادثہ ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ ﴾ ''اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔'' یعنی انھیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد، عکرمہ اور دیگر ائمہ کا یہی قول ہے۔ ①

ابن زید کہتے ہیں کہ پہاڑ اس طرح ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝ ﴾ (المزمّل 14:73) ''(ریت کے) بھر بھرے ٹیلے۔'' ② ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ ﴾ ''پھر غبار ہو کر اڑنے لگیں گے۔'' ابو اسحٰق نے حارث سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جیسے غبار اٹھتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ ③ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ هَبَآءً ﴾ سے مراد آگ سے اڑنے والے شرارے ہیں کہ جب آگ بھڑکتی ہے تو اس سے شرارے اڑتے ہیں اور جب شرارے وجود میں آتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتے۔ ④ عکرمہ کہتے ہیں کہ ﴿ مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ ﴾ ان ذرات کو کہتے ہیں جنھیں ہوا نے بکھیر دیا ہو۔ ⑤ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں سوکھے درخت کے ذرات جنھیں ہوائیں لے کر اڑتی رہتی ہیں۔ یہ آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی دیگر آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ روز قیامت پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ختم ہو جائیں گے، یہ چلنے لگیں گے اور پھر انھیں دھنی ہوئی اون کی طرح ذرات کی صورت میں بکھیر دیا جائے گا۔

قیامت کے دن لوگوں کی تین اقسام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ ﴾ ''اور تم تین قسمیں ہو جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن لوگ تین اصناف میں تقسیم ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ عرش کی دائیں جانب ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو سے نکلے ہوں گے، انھیں ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے اور انھیں دائیں طرف لے جایا جائے گا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ جمہور اہل جنت ہوں گے، کچھ لوگ عرش کی بائیں طرف ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جنھیں آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالا گیا تھا، انھیں اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے، انھیں بائیں جانب لے جایا جائے گا، ⑥ یہ عام اہل دوزخ ہوں گے ان کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ ایک جماعت سابقون کی ہوگی جو اللہ ذوالجلال کے سامنے ہوں گے، یہ اصحاب الیمین کی نسبت زیادہ خاص، زیادہ خوش بخت اور زیادہ قریب ہوں گے ان میں حضرات انبیائے کرام، مرسلین عظام، صدیقین اور شہداء ہوں گے، اصحاب یمین کی نسبت ان کی تعداد کم ہوگی، اس لیے فرمایا: ﴿ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۹﴾ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿ۚ۱۰﴾ ﴾ ''تو دائیں ہاتھ والے، دائیں ہاتھ والے کیا (خوب) ہیں! بائیں ہاتھ والے، (افسوس!) بائیں ہاتھ والے کیا (حقیر) ہیں! اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں۔'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسی سورۂ مبارکہ کے آخری حصے میں موت کا ذکر کرتے ہوئے بھی لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، اسی طرح اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تین اصناف میں تقسیم فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ

---

① تفسير الطبری : 218/27. ② تفسير الطبری : 218/27. ③ تفسير الطبری : 219/27 مختصرًا. ④ تفسير الطبری : 219/27. ⑤ دیکھیے تفسير الماوردی : 447/5. ⑥ تفسير القرطبی : 198/17.

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ⑭ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ⑮ مُّتَّكِـِٕيْنَ

بہت بڑی جماعت پہلوں میں سے ⑬ اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے ⑭ وہ زرو جواہر سے جڑے تختوں پر (بیٹھے) ہوں گے ⑮ ان پر آمنے سامنے

عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ⑯ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ⑰ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ

تکیے لگائے ہوئے (بیٹھنے والے) ⑯ ان کے پاس سدا لڑکے ہی رہنے والے لڑکے آتے جاتے ہوں گے ⑰ ساغر اور صراحیاں اور شراب کے جاری

وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ⑱ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ⑲ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ⑳

چشمے سے چھلکتے جام لیے ہوئے ⑱ وہ اس سے نہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ مدہوش ⑲ اور ایسے پھل (لیے ہوئے) جو وہ پسند کریں گے ⑳

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ㉑ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ㉒ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ㉓ جَزَآءًۢ

اور پرندوں کا گوشت جو وہ چاہیں گے ㉑ اور (ان کے لیے) غزال چشم حوریں (ہوں گی) ㉒ جیسے غلاف میں لپٹے ہوئے موتی ㉓ جزا ان

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ㉕ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ㉖

عملوں کی جو وہ کرتے رہے ㉔ اور وہ اس (جنت) میں نہ لغو سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات ㉕ (ہاں!) مگر ایک بول سلام ہے سلام ہے ㉖

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ ...... الآية (فاطر 32:35) ''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں......''

محمد بن کعب اور ابوحزرہ یعقوب بن مجاہد نے کہا ہے کہ ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩ ﴾ ''سبقت لے جانے والے تو سبقت ہی لے جانے والے ہیں۔'' سے مراد حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ [1] سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد اہل علیین ہیں۔ سابقون کے معنی نیکیوں کی طرف جلدی کا مظاہرہ کرنے والے جیسا کہ انھیں حکم تھا: ﴿ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ ﴾ (آل عمرٰن 133:3) ''اور اپنے پروردگار کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ ﴾ (الحديد 21:57) ''اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کے برابر ہے۔'' جس نے اس دنیا میں نیکی اور خیر کے کاموں کی طرف سبقت کا مظاہرہ کیا آخرت میں عزت و کرامت کی طرف انھیں سبقت عطا کی جائے گی کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہوتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫ ﴾ ''وہی (اللہ کے) مقرب ہیں، نعمت کی بہشتوں میں۔''

تفسیر آیات: 26-13

سابقین اور ان کی جزا: اللہ تعالیٰ نے ان سابقین و مقربین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ایک جماعت ہوگی ﴿ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ⑭ ﴾ ''اگلے لوگوں میں سے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے۔'' اس کے بارے میں

[1] تفسير القرطبي : 199/17.

ائمۂ تفسیر میں اختلاف ہے کہ (اولین) اور (آخرین) سے کون مراد ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ سے سابقہ امتیں اور ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ سے یہ امت مراد ہے۔ یہ مجاہد اور حسن بصری سے روایت ہے، ان سے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[1] ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] اور انھوں نے آنحضرت ﷺ کے اس قول سے بھی استدلال کیا ہے: [نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ”ہم آخر میں آنے والے ہیں (لیکن) روز قیامت سبقت لے جانے والے ہوں گے۔“[3] اس قول کو طبری کے علاوہ اور کسی نے بیان نہیں کیا اور نہ کسی کی طرف منسوب کیا ہے، البتہ اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابومحمد بن ابوحاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ ”وہ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے۔“ تو یہ صحابۂ کرام پر بہت گراں گزریں تو نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، بَلْ أَنْتُمْ نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَمْ شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَتُقَاسِمُونَهُمُ الشَّطْرَ الثَّانِيَ] ”یقیناً میں اُمید رکھتا ہوں کہ اہل جنت کا چوتھا حصہ تم ہوگے بلکہ تم اہل جنت کے نصف یا شطر ہوگے اور شطر (نصف) ثانی میں بھی تم حصہ دار بنو گے۔“[4] اور اسے امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[5]

ابن جریر نے جس قول کو یہاں اختیار کیا ہے یہ محل نظر ہے بلکہ یہ ایک ضعیف قول ہے کیونکہ قرآن مجید کی نص کے مطابق یہ امت تمام سابقہ امتوں سے بہتر ہے، لہٰذا یہ بات بعید ہے کہ دوسری امتوں میں مقربین کی تعداد زیادہ ہو بلکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دیگر تمام امتوں کے مقابلے میں اس امت کے مقربین بارگاہِ الٰہی کی تعداد زیادہ ہوگی، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. لہٰذا اس مقام پر دوسرا قول زیادہ راجح ہے، اور وہ یہ کہ ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ سے مراد اس امت کا ابتدائی حصہ اور ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ سے اس امت کا آخری حصہ ہے۔

ابن ابوحاتم نے سری بن یحییٰ سے روایت کیا ہے کہ حسن نے ان آیات کریمہ: ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ ”اور جو آگے بڑھنے والے ہیں وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں، وہی اللہ کے مقرب ہیں، نعمتوں کی بہشتوں میں وہ بہت سے اگلے لوگوں میں سے ہوں گے۔“ کی تلاوت کی تو فرمایا کہ

---

[1] تفسير القرطبي : 201,200/17. [2] تفسير الطبري : 220/27. [3] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ﴾ (المآئدة 89:5)، حديث : 6624 وصحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث : (21)-855 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [4] تفسير ابن أبي حاتم : 3330/10. [5] مسند أحمد: 391/2 میں [لَمَّا نَزَلَتْ ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (الواقعة 14,13:56) شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَنَزَلَتْ: ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ (الواقعة 40,39:56) فَقَالَ: أَنْتُمْ ثُلُثُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، بَلْ أَنْتُمْ نِصْفُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَتُقَاسِمُونَهُمُ النِّصْفَ الْبَاقِيَ] ہے۔ البتہ صحيح البخاري، حديث: 4741 عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ میں [...... وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ] ہے۔ مزید دیکھیے صحيح مسلم، حديث : 221 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ .

ایک جماعت اس امت کے سابقہ لوگوں میں سے ہے۔ محمد بن سیرین نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ لوگ کہا کرتے یا امید کیا کرتے تھے کہ یہ سب اسی امت سے ہوں گے۔ حسن اور ابن سیرین کا یہی قول ہے کہ یہ سب اسی امت سے ہوں گے۔① اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر امت کا ابتدائی حصہ اس کے آخری حصے سے بہتر ہوتا ہے، لہٰذا اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آیت عام ہو اور تمام امتوں کو شامل ہو اور ہر امت کا معاملہ اس کے حسب حال ہو۔

جیسا کہ کتب صحاح میں کئی سندوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ] ''تمام صدیوں میں سے بہتر میری صدی ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ملتے ہوں، پھر وہ جو ان کے ساتھ ملتے ہوں گے۔''② آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا: [لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ]، [لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ (إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)] ''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی، اس کو رسوا کرنے یا اس کی مخالفت کرنے والے قیامت تک اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔''③ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ] ''حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا اور وہ اسی طرح ہوں گے۔''④ الغرض! یہ امت دیگر تمام امتوں سے اشرف ہے، ان میں مقربین بارگاہِ الٰہی کی تعداد دیگر امتوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی، اپنے دین کے شرف اور اپنے نبی کی عظمت کے باعث اس امت کا مقام و مرتبہ بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: [يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ] ''میری امت کے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔''⑤ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا] ''ہر ایک ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔''⑥ اور ایک روایت میں ہے کہ [مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِينَ أَلْفًا] ''ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔''⑦

① دیکھیے تفسیر الماوردی: 449,448/5. ② صحیح البخاری، الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور......، حدیث: 2652 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة......، حدیث: (212)-2533 عن ابن مسعود ؓ. ملحوظ: کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں خير القرون نہیں ملا، خير الناس ہے یا خيركم دیکھیے مذکورہ حوالہ اور [خيركم] صحیح البخاری، الشهادات، لا يشهد على شهادة جور......، حدیث: 2651 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة......، حدیث: (214)-2535 عن عمران بن حصين ؓ میں ہے۔ ③ پہلا حصہ صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لا تزال طائفة من أمتي......]، حدیث: 1920 عن ثوبان ؓ کے مطابق، دوسرا حصہ صحیح البخاری، المناقب، باب: 28، حدیث: 3641 عن معاوية ؓ کے مطابق اور قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لا تزال طائفة من أمتي......]، حدیث: 1923 عن جابر بن عبدالله ؓ میں ہیں۔ ④ صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لا تزال طائفة من أمتي......]، حدیث: 1920 عن ثوبان ؓ. ⑤ صحیح البخاری، الرقاق، باب: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ (الطلاق 3:65)، حدیث: 6472 و صحیح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين......، حدیث: (374)-220 عن ابن عباس ؓ. ⑥ جامع الترمذی، صفة القيامة، باب منه......، حدیث: 2437 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حدیث: 4286 عن أبي أمامة الباهلي ؓ. ⑦ مسند أحمد: 6/1 عن أبي بكر ؓ، اس حدیث کی سند راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ بعض محققین نے اسے حسن بھی کہا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴾ ''(لعل و یاقوت وغیرہ سے) مُرَصَّع (بُنے ہوئے) پلنگوں پر۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایسے تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے جو سونے سے بنے ہوئے ہوں گے۔ [1] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک اور دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ [2] ابن جریر کہتے ہیں کہ اسی سے وَضِيْنُ النَّاقَةِ ہے جو اس رسے کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے پیٹ کے نیچے ہوتا ہے اور یہ فعیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ اسے بٹا گیا ہوتا ہے، اس طرح جنت کے تخت بھی سونے اور موتیوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں گے۔ [3]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴾ ''ان پر آمنے سامنے تکیے لگائے ہوئے۔'' یعنی ان کے چہرے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، کوئی کسی کے پیچھے نہ ہوگا، ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴾ ''(خدمت گزار) لڑکے جو ہمیشہ (ایک ہی حالت میں) رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے۔'' یعنی ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے، بڑے نہیں ہوں گے، بوڑھے نہیں ہوں گے اور نہ ان کی شکل و صورت میں کوئی تبدیلی آئے گی، ﴿ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴾ ''آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر۔'' أکواب ان کوزوں کو کہتے ہیں جن کے نہ دستے ہوں اور نہ ٹونٹی اور أباریق ان کوزوں کو کہتے ہیں جن کے دستے بھی ہوں اور ٹونٹی بھی اور کأس کے معنی گلاس ہیں۔ یہ سب برتن رواں دواں جاری چشموں کی شراب سے لبریز ہوں گے۔ ﴿ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴾ ''اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ وہ بہکیں گے۔'' یعنی نہ انھیں سر درد ہوگا اور نہ ان کی عقلیں کبھی زائل ہوں گی بلکہ یہ ثابت ہوں گی بلکہ اس شراب سے بڑا سرور اور لذت حاصل ہوگی۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شراب میں چار باتیں ہوتی ہیں نشہ، سر درد، قے اور پیشاب مگر اللہ تعالیٰ نے جنت کی شرابِ طہور کا ذکر کرتے ہوئے اسے ان سب باتوں سے پاک قرار دیا ہے۔ [4] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطیہ، قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ ﴿ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا ﴾ اس کی وجہ سے انھیں سر درد نہ ہوگا، [5] ﴿ وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴾ اور نہ ان کی عقلیں ماؤف ہوں گی۔ [6]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ ''اور پھل جس طرح کے ان کو پسند ہوں، اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا وہ چاہیں گے۔'' یعنی وہ لڑکے ان کے پاس ان کے پسندیدہ پھل لے کر آئیں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ پھلوں میں سے چن کر اور منتخب کر کے کھانا جائز ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ثابت سے اور انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اچھے لگتے تھے، جب کوئی آدمی خواب دیکھتا اور وہ اس کی تعبیر نہ جانتا تو وہ اس کے بارے میں آپ سے پوچھتا تھا، خواب میں اگر اس کی تعریف کی گئی ہوتی تو آپ اس کے خواب کی وجہ سے خوش ہوتے۔ ایک بار ایک عورت نے آ کر آپ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) میں نے دیکھا گویا مجھے مدینے سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا گیا ہے، میں نے کسی چیز کے

---

[1] تفسیر الطبری: 224/27. [2] تفسیر الطبری: 224/27 والدر المنثور: 219/6. [3] تفسیر الطبری: 223/27.
[4] تفسیر القرطبی: 204,203/17. [5] تفسیر الطبری: 228,227/27. [6] تفسیر الطبری: 228/27.

گرنے کی آواز سنی جس پر جنت رو پڑی، میں نے دیکھا تو جنت میں فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں، حتی کہ اس نے بارہ آدمیوں کے نام لیے، بھی موجود ہیں۔ نبی ﷺ نے اس سے پہلے ایک لشکر روانہ فرمایا تھا۔ انھیں لایا گیا ان پر ریشم کے کپڑے تھے اور ان کے زخموں سے خون بہ رہا تھا۔ کہا گیا کہ انھیں نہر بیدخ یا بیذخ، ① کی طرف لے جاؤ، اس نہر میں انھیں غوطے دیے گئے اور جب وہ اس سے باہر نکلے تو ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح جگمگا رہے تھے، ان کے پاس سونے کا ایک برتن لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں انھوں نے جس قدر چاہا کھجوریں کھائیں، اس طرح انھوں نے اور بھی پسندیدہ پھل کھائے، میں نے بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر پھلوں کو کھایا۔ اس لشکر میں سے پیغام لانے والا واپس آیا، اس نے کہا کہ اس خواب میں فلاں فلاں آدمیوں کا جو ذکر ہوا ہے، حتی کہ اس نے بارہ آدمیوں کے نام لیے، وہ سب کے سب جام شہادت نوش فرما گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو بلایا اور فرمایا: [قُصِّي رُؤْيَاكِ] ''اپنا خواب بیان کرو۔'' اس نے خواب بیان کیا اور کہا کہ فلاں فلاں کو لایا گیا اور یہ وہی نام تھے جو پیغام لانے والے نے بیان کیے تھے۔ ② یہ الفاظ ابو یعلی کی روایت کے ہیں۔ ③ حافظ ضیاء (المقدسی) نے کہا ہے کہ یہ روایت شرط مسلم کے مطابق ہے۔ ④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ ''اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا چاہیں گے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ طَيْرَ الْجَنَّةِ كَأَمْثَالِ الْبُخْتِ تَرْعٰى فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ] ''جنت کے پرندے بختی اونٹوں کی طرح ہوں گے اور جنت کے درختوں کو چریں گے۔'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ''یہ پرندے تو بہت نرم و نازک ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: [أَكَلَتُهَا أَنْعَمُ مِنْهَا] ''انھیں کھانے والے ان سے بھی بڑھ کر نرم و نازک ہوں گے۔'' یہ آپ نے تین بار فرمایا اور پھر فرمایا: [وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِمَّنْ يَأْكُلُ مِنْهَا يَا أَبَا بَكْرٍ!] ''اور البتہ مجھے امید ہے کہ تم بھی اے ابو بکر! ان کے کھانے والوں میں سے ہو گے۔'' ⑤ اس سند کے ساتھ بیان کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ منفرد ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴾ ''جیسے حفاظت سے چھپائے ہوئے موتی۔'' یعنی سفیدی اور صفائی کے اعتبار سے وہ تر و تازہ موتیوں کی طرح ہوں گی جیسا کہ قبل ازیں سورۂ صافات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ﴿ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾ (الصّٰفّٰت 49:37) ''گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔'' ⑥ سورۂ رحمٰن میں بھی ان کی صفت بیان ہو چکی ہے۔ ⑦

① مسند احمد کے مذکورہ حوالے میں بَیْذَخ یا بَیْذَج اور بعض نسخوں میں بَیْذَخ یا بَیْدَح ہے جبکہ مسند ابو یعلی میں بَیْذَج یا بَیْرَح ہے۔ بِذَح کھلی آب و ہوا کو کہتے ہیں، اس کی جمع بُدُوحٌ ہے یا بَدَاحٌ سَحَابٌ کی طرح ہے، جس کے معنی کشادہ زمین کے ہوتے ہیں، اس کی جمع بُدُحٌ آتی ہے اور بَیْدَخ عورت کا نام ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے: هَلْ تَعْرِفُ الدَّارَ لِآلِ بَيْدَخَا ''کیا تو خانوادۂ بیدخ کی رہائش گاہوں کو جانتا ہے؟'' اسی طرح بَیْدَح یا بَیْذَخ کے معنی بھاری بھر کم عورت کے بھی ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے حدیث میں ذکر کردہ لفظ مذکورہ بالا معانی سے ماخوذ ہو۔ ② مسند أحمد: 135/3. ③ مسند أبي يعلى: 45,44/6، حديث: 3289. ④ الأحاديث المختارة، ترجمة سليمان بن المغيرة: 95,94/5، حديث: 1715، البتہ یہاں علامہ مقدسی کا اس حدیث پر حکم کا تذکرہ نہیں ہے۔ ⑤ مسند أحمد: 221/3. ⑥ دیکھیے الصّٰفّٰت، آیت: 49 کے تحت عنوان: ''مشرکین کی سزا اور مخلصین کی جزا'' ⑦ دیکھیے الرّحمٰن، آیات: 56-58 کے ذیل میں۔

وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ؕ﴿27﴾ فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ﴿ۙ28﴾ وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿ۙ29﴾

اور دائیں ہاتھ والے، کیا (خوب) ہیں دائیں ہاتھ والے! ﴿27﴾ وہ بے خار بیریوں میں ہوں گے ﴿28﴾ اور تہ بہ تہ کیلوں میں ﴿29﴾

وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿ۙ30﴾ وَّمَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ﴿ۙ31﴾ وَّفَاکِہَۃٍ کَثِیۡرَۃٍ ﴿ۙ32﴾ لَّا مَقۡطُوۡعَۃٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَۃٍ ﴿ۙ33﴾

اور لمبے سایوں میں ﴿30﴾ اور (ہردم) بہتے پانی (کی آبشاروں) میں ﴿31﴾ اور وافر پھلوں میں ﴿32﴾ جو نہ تو کبھی ختم ہوں گے اور نہ ممنوع ﴿33﴾

وَّفُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ ﴿ؕ34﴾ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰہُنَّ اِنۡشَآءً ﴿ۙ35﴾ فَجَعَلۡنٰہُنَّ اَبۡکَارًا ﴿ۙ36﴾ عُرُبًا

اور اونچی اونچی نشست گاہوں میں ﴿34﴾ بلاشبہ ہم ان (کی بیویوں) کو ایک نئے سرے سے ہی پیدا کریں گے ﴿35﴾ پس ہم انھیں کنواریاں بنائیں گے ﴿36﴾

ع 1 38 14 اَتۡرَابًا ﴿ۙ37﴾ لِّاَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ ﴿ؕ٪38﴾ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ۙ39﴾ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿ؕ40﴾

من موہنی، ہم عمر ﴿37﴾ دائیں ہاتھ والوں کے لیے ﴿38﴾ کثیر جماعت پہلوں میں سے ﴿39﴾ اور کثیر جماعت پچھلوں میں سے ﴿40﴾

پھر فرمایا: ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿24﴾ ﴾ ''(یہ) ان کے اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔'' یعنی ان گراں قدر تحفوں سے ہم نے انھیں جو نوازا ہے تو یہ ان کے اعمال صالحہ کی جزا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِیۡمًا ﴿ۙ25﴾ اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿26﴾ ﴾ ''وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ ہاں، (ان کا) کلام سلام، سلام ہوگا۔'' یعنی وہ جنت میں کوئی ایسا لغو اور بے ہودہ کلام نہیں سنیں گے جو بے معنی ہو یا حقیر معنی پر مشتمل ہو یا ضعیف کلام ہو جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ﴿ؕ11﴾ ﴾ (الغاشیة 11:88) ''وہاں کوئی بکواس نہیں سنیں گے۔'' یعنی لغو کلام نہیں سنیں گے، ﴿ وَّلَا تَاۡثِیۡمًا ﴿ۙ25﴾ ﴾ ''اور نہ (ایسا کلام جس میں) گالی گلوچ (ہو۔)'' ﴿ اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿26﴾ ﴾ ''ہاں، (ان کا) کلام سلام، سلام ہوگا۔'' یعنی وہ ایک دوسرے کو سلام کہیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَحِیَّتُہُمۡ فِیۡہَا سَلٰمٌ ۚ ﴾ (یونس 10:10) ''وہاں آپس میں ان کی دعا سلام ہوگی۔'' یعنی ان کی گفتگو لغو اور گناہ سے پاک ہوگی۔

تفسیر آیات: 27-40

اصحاب الیمین اور ان کی جزا: سابقین، یعنی مقربین بارگاہِ الٰہی کے انجام کے بعد اب اصحاب الیمین، یعنی ابرار کا ذکر کیا جا رہا ہے جیسا کہ میمون بن مہران نے بھی کہا ہے کہ اصحاب الیمین کا مرتبہ مقربین سے کم تر ہوگا۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ﴿ؕ27﴾ ﴾ ''اور دائیں ہاتھ والے، دائیں ہاتھ والے کیا ہیں!'' یعنی تمھیں کیا معلوم کہ اصحاب الیمین کون ہیں اور ان کا انجام کیا ہے، پھر خود ہی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ﴿ۙ28﴾ ﴾ ''وہ بے خار بیریوں میں ہوں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد اور ابو احوص، قسامہ بن زُہیر، سَفر بن نُسَیر، حسن، قتادہ، عبداللہ بن کثیر، سدی، ابوحَزرہ اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ اس کے معنی ایسی بیری کے ہیں جن میں کانٹے نہ ہوں۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ ایسی بیری جو پھل سے لدی پھندی ہو۔[3] عکرمہ اور مجاہد سے بھی یہ مروی ہے۔[4]

[1] تفسیر الماوردی : 453/5 . [2] تفسیر الطبری : 233/27 . [3] تفسیر الطبری : 233/27 . [4] تفسیر الطبری : 234,233/27 .

قتادہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ ہم بیان کیا کرتے تھے کہ اس سے مراد ایسی بیری جس میں کانٹے نہ ہوں۔[1] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دونوں معنی مراد ہیں، ایسی بیری بھی جو کانٹوں کے بغیر ہو اور ایسی بھی جو پھل سے لدی پھندی ہو جبکہ دنیا کی بیری کو پھل کم لگتا ہے اور اس میں کانٹے بہت ہوتے ہیں اور آخرت میں صورت حال اس کے برعکس ہوگی کہ کانٹے نہیں ہوں گے اور پھل بہت زیادہ ہوں گے جنھوں نے اس کی ٹہنیوں کو جھکا رکھا ہوگا۔

عتبہ بن عبد سلمی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس آ کر ایک اعرابی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے سنا ہے کہ آپ جنت میں ایک ایسے درخت کا ذکر فرماتے ہیں کہ جس سے زیادہ کانٹے اور کسی درخت کے نہیں ہوتے، یعنی طلح، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يُجْعَلُ مَكَانَ كُلِّ شَوْكَةٍ مِّنْهَا (مِثْلُ) خُصْوَةِ التَّيْسِ الْمَلْبُودِ۔ يَعْنِي الْخُصٰى۔ فِيهَا سَبْعُونَ لَوْنًا مِّنَ الطَّعَامِ لَا يُشْبِهُ لَوْنٌ آخَرَ] ”جنت میں اس کے ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دیے جائیں گے جو ٹھوس گوشت والے بکرے کے خصیے کی طرح ہوں گے، اس میں کھانے ستر قسم کے ہوں گے اور ہر قسم دوسرے سے مختلف ہوگی۔“[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴾ ”اور تہ بہ تہ کیلوں میں (ہوں گے۔)“

﴿ طَلْحٍ ﴾ سرزمین حجاز کے صحرا میں ایک بہت بڑا درخت ہوتا ہے، اس کا واحد طلحہ ہے، اس درخت کے کانٹے بہت ہوتے ہیں اور مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ مَّنْضُوْدٍ ﴾ کے معنی جسے تہ در تہ پھل لگے ہوں۔ اس سے قریش کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ وہ وادیٔ وَجّ اور اس کے (درختوں کے) سایوں میں سے کیلے اور بیری کے سائے کو پسند کرتے تھے۔[3] ابن ابو حاتم نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴾ سے مراد کیلے ہیں۔[4] ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حسن، عکرمہ، قسامہ بن زہیر، قتادہ اور ابو حزرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5] مجاہد اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اہل یمن کیلے کو طلح کہتے ہیں۔[6] ابن جریر نے اس کے علاوہ اس سلسلے میں اور کوئی قول ذکر نہیں کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴾ ”اور لمبے سائے (میں۔)“ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ، لَّا يَقْطَعُهَا] ”جنت میں ایک ایسا درخت ہوگا جس کے سائے میں شہسوار سو سال چلتا رہے گا تو پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔“

---

[1] تفسیر الطبری : 233/27 . [2] المعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة عبداللّٰه بن عامر عن عتبة بن عبد : 130/17، حدیث : 318 و مجمع الزوائد، أهل الجنة، باب فیما أعده اللّٰه...... : 765/10، حدیث: 18730 اور قوسین والا لفظ حلیة الأولیاء، ترجمة حبیب بن عبید: 109/6، رقم: 7988 میں ہے۔ ہیثمی نے مجمع میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے رواۃ صحیحین کے ہیں۔ مزید برآں اس کا شاہد الترغیب و الترهیب، فصل فی أكل أهل الجنة...... : 528,527/4، حدیث : 77 عن سلیم بن عامر ﷺ میں ہے اور اس کے بارے میں امام منذری کہتے ہیں کہ اسے ابن ابو دنیا نے روایت کیا ہے جس کی سند حسن ہے۔ [3] تفسیر الطبری: 236,235/27 . [4] تفسیر ابن أبی حاتم : 3330/10 . [5] تفسیر الطبری: 236,235/27 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3330/10. [6] تفسیر الطبری : 236/27 .

اگر چاہو تو یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھ لو ﴿ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴾ [1] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [2] امام احمد نے ایک دوسرے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ] ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں شہسوار سو سال تک چلتا رہے گا۔'' اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴾ [3] اسی طرح اسے بخاری اور عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔ [4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ ۝ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴾ ''اور بہت زیادہ پھلوں کے باغوں میں جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔'' یعنی اہل جنت کے پاس بہت سی انواع واقسام اور مختلف رنگوں کے ایسے ایسے پھل ہوں گے جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہوگا، کسی کان نے سنا نہیں ہوگا اور کسی دل میں ان کا تصور تک نہیں ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِيۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ ﴾ (البقرة 25:2) ''جب انھیں ان میں سے کسی قسم کا پھل کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل پھل دیے جائیں گے۔'' یعنی شکلیں تو ایک دوسرے کے ساتھ ملتی جلتی ہوں گی مگر ذائقے مختلف ہوں گے۔

صحیحین میں سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر میں ہے: [فَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيَلَةِ]، [فَإِذَا نَبِقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ] ''چنانچہ اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح تھے اور اس کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کے مانند تھے۔'' [5] صحیحین ہی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے، پھر نماز کے ذکر میں راوی نے بیان کیا کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے دیکھا کہ آپ نے اس جگہ کسی چیز کو پکڑا، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے تشریف لے آئے، آپ نے فرمایا: [إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا، وَّلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِّنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا] ''میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے انگوروں کے ایک خوشے کو پکڑ لیا اور اگر میں اسے پکڑے رکھتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔'' [6]

امام احمد رحمہ اللہ نے عتبہ بن عبد سُلَمی سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حوض کے

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴾ (الواقعة 30:56)، حديث: 4881 ملحوظہ: اقرءوا إن شئتم: ﴿ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدرج الفاظ ہیں، دیکھیے صحيح ابن حبان، إخباره عن مناقب الصحابة ذكر الإخبار عن المسافة التي في ظل شجرة......: 426/16، حديث: 7411 و المصنف لعبد الرزاق، باب الجنة وصفتها: 417/11، حديث: 20878. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب إن في الجنة شجرة، يسير الراكب......، حديث: 2826. ③ مسند أحمد: 482/2. ④ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة......، حديث: 3252 والمصنف لعبد الرزاق، باب الجنة وصفتها: 417/11، حديث: 20878,20877. ⑤ دوسرا حصہ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب المعراج، حديث: 3887 کے مطابق اور پہلا حصہ صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء......، حديث: 162 عن أنس رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ ⑥ صحيح البخاري، الأذان، باب رفع البصر إلى الإمام في الصلاة، حديث: 748 وصحيح مسلم، الكسوف، باب ماعرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف......، حديث: 907.

بارے میں پوچھنے لگا اور اس نے جنت کا پوچھا، پھر اعرابی نے عرض کی: اس میں پھل بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، وَفِيهَا شَجَرَةٌ تُدْعٰى طُوبٰى] ''ہاں، اور اس میں ایک درخت ہوگا جسے طوبیٰ کہا جائے گا۔'' پھر کچھ اور چیزوں کا بھی ذکر کیا جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں، اعرابی نے یہ بھی پوچھا کہ ہماری زمین کا کون سا درخت اس کے مشابہ ہے۔ آپ نے فرمایا: [لَيْسَتْ تُشْبِهُ شَيْئًا مِّنْ شَجَرِ أَرْضِكَ] ''تمھاری زمین کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔'' نبی ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: [أَتَيْتَ الشَّامَ] ''تم کبھی شام آئے گئے ہو؟'' اس نے عرض کی: جی نہیں، آپ نے فرمایا: [تُشْبِهُ شَجَرَةً بِالشَّامِ تُدْعَى الْجَوْزَةُ تَنْبُتُ عَلٰى سَاقٍ وَّاحِدٍ وَّيَنْفَرِشُ أَعْلَاهَا] ''شام کا ایک درخت جسے جوزہ کہا جاتا ہے، اس کے مشابہ ہے جو ایک تنے پر اگتا ہے اور پھر اوپر سے پھیل جاتا ہے۔'' اس نے عرض کی: اس کا تنا کتنا بڑا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: [لَوِارْتَحَلَتْ جَذَعَةٌ مِّنْ إِبِلِ أَهْلِكَ مَا أَحَاطَتْ بِأَصْلِهَا حَتّٰى تَنْكَسِرَ تَرْقُوتُهَا هَرَمًا] ''اگر تمھارے گھر کے اونٹوں میں ایک اونٹنی چلنا شروع کردے تو وہ اس کے تنے کا احاطہ نہ کر سکے حتی کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی گردن ٹوٹ جائے۔'' اس نے عرض کی: جنت میں انگور بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس نے عرض کی: انگور کے گچھے کتنے بڑے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: [مَسِيرَةُ شَهْرٍ لِّلْغُرَابِ الْأَبْقَعِ وَلَا يَفْتُرُ] ''اگر چتکبرا کوا ایک مہینے تک اڑتا رہے جو نہ تھکے (تو وہ اس کا احاطہ نہ کر سکے۔)'' اس نے عرض کی: دانے کتنے بڑے ہوں گے آپ نے فرمایا: [هَلْ ذَبَحَ أَبُوكَ تَيْسًا مِّنْ غَنَمِهٖ قَطُّ عَظِيمًا؟] ''تمھارے باپ نے اپنی بکریوں میں سے کبھی کسی بہت بڑے بکرے کو ذبح کیا ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: [فَسَلَخَ إِهَابَهٗ فَأَعْطَاهُ أُمَّكَ، قَالَ: اِتَّخِذِي لَنَا مِنْهُ دَلْوًا] ''پھر اس نے اس کی کھال اتار کر تمھاری ماں کو دے دی تو کہا ہو کہ اس کا ہمارے لیے ڈول بنا دو۔'' اس نے کہا: جی ہاں، پھر اعرابی نے کہا کہ یہ ایک دانہ تو مجھے اور میرے گھر والوں کو سیر کردے گا۔ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، وَعَامَّةَ عَشِيرَتِكَ] ''بلکہ تمھارے سارے خاندان کو۔''①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾﴾ ''جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔'' ان کے پھل موسم سرما و گرما میں کبھی ختم نہ ہوں گے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سدا بہار ہوں گے، جب بھی طلب کریں گے اپنے سامنے موجود پائیں گے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ کسی چیز کا ملنا بھی ان کے لیے محال نہ ہوگا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کے کھانے میں لکڑی یا کانٹا یا دوری حائل نہ ہوگی۔② قبل ازیں یہ حدیث بیان ہو چکی ہے کہ [إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا نَزَعَ (ثَمَرَةً) مِّنَ الْجَنَّةِ عَادَتْ مَكَانَهَا أُخْرٰى] ''آدمی جب بھی کوئی پھل جنت کے درختوں سے کھینچے (توڑے) گا تو اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل لگ جائے گا۔''③

① مسند أحمد: 184,183/4. ② تفسير الطبری: 240/27. ③ المعجم الكبير للطبرانی، ترجمة ثوبان مولى رسول الله ﷺ: 102/2، حدیث: 1449 اور قوسین والا لفظ مجمع الزوائد، أهل الجنة، باب فيما أعده الله لأهل الجنة: 765/10، حدیث: 18731 میں ہے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اسے طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے جبکہ طبرانی اور مسند بزار کی ایک سند کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ملحوظہ: پہلے یہ حدیث مفصل تفسیر ابن کثیر الرعد 13:35 کے ذیل میں گزر چکی ہے جو کہ المصباح المنیر میں نہیں ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے السلسلة الضعيفة: 138/7، حدیث: 3146.

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴾ ''اور اونچی اونچی نشست گاہوں میں۔'' یعنی بلند و بالا ہموار اور نرم و ملائم نشست گاہوں میں۔ ﴿ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝ ﴾ ''بلاشبہ ہم ان (کی بیویوں) کو ایک نئے سرے سے ہی پیدا کریں گے، پھر ہم انھیں کنواریاں ہی رکھیں گے، دل رُبا، ہم عمر، دائیں ہاتھ والوں کے لیے۔'' یہاں ضمیر کا مرجع مذکور نہیں ہے، اس لیے کہ سیاق کلام میں بچھونوں کے ذکر سے ان عورتوں کی طرف خود اشارہ ہو رہا ہے جن سے وہ ان بستروں پر مقاربت کریں گے، اس لیے ان کے ذکر کے بجائے سیاق کلام ہی پر اکتفا کیا گیا ہے اور ضمیر انھی کی طرف راجع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ ﴾ (صٓ 32,31:38) ''جب ان کے سامنے شام کو اصیل تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے رب کی یاد سے غافل ہو کر مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔'' میں مفسرین کے مشہور قول کے مطابق اس سے سورج مراد ہے۔ اخفش نے بھی ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ ضمیر عورتوں کی طرف راجع ہے، حالانکہ پہلے ان کا ذکر نہیں ہے۔[1] ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ان کا ذکر اس اشارے میں موجود ہے: ﴿ وَ حُوْرٌ عِیْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ ﴾ (الواقعة 23,22:56) ''اور موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں جیسے چھپائے ہوئے موتی۔''[2] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے بہت زیادہ بوڑھی ہو جانے کے بعد ہم نشأت اخری میں انھیں کنواریاں اور ہم عمر بنا دیں گے کہ وہ حلاوت، ظرافت اور ملاحت (خوبصورتی) کی وجہ سے اپنے شوہروں کی محبوب ہوں گی۔

ابوداود طیالسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةَ كَذَا وَ كَذَا مِنَ النِّسَاءِ] ''مومن کو جنت میں عورتوں کے حوالے سے ایسی ایسی قوت دی جائے گی۔'' میں نے عرض کی اللہ کے رسول! کیا مومن کو اتنی عورتوں کی طاقت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: [يُعْطَى قُوَّةَ مِائَةٍ] ''اسے سو کی قوت دی جائے گی۔''[3] امام ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح غریب قرار دیا ہے۔[4] ابو قاسم طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول! کیا جنت میں ہم اپنی عورتوں سے مقاربت کریں گے۔ فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَصِلُ فِي الْيَوْمِ إِلَى مِائَةِ عَذْرَاءَ] ''مرد ایک دن میں سو کنواری دوشیزاؤں سے مقاربت کرے گا۔''[5] حافظ ابوعبداللہ مقدسی کہتے ہیں

[1] تفسير الطبري: 241/27. [2] تفسير الطبري: 241/27. [3] مسند أبي داود الطيالسي، وما أسند أنس بن مالك وماروى عنه قتادة: 503/3، حديث: 2124، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، البتہ اس کا صحیح شاہد [إِنَّ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُعْطَى قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالشَّهْوَةِ وَالْجِمَاعِ] مسند أحمد: 371/4 و سنن الدارمي، الرقاق، باب في أهل الجنة ونعيمها: 264,263/2، حديث: 2825 عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [4] جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في صفة جماع أهل الجنة، حديث: 2536 اس کی سند بھی ضعیف ہے جبکہ امام البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

[5] المعجم الأوسط للطبراني، من اسمه محمد: 77,76/4 حدیث: 5267 اور اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحيحة: 708/1، حدیث: 367 میں ذکر کیا ہے۔

کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿ عُرُبًا ﴾ ''پیاریاں'' سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی پیاری ہوں گی۔ کیا تم نے تیز دوڑنے والی اونٹنی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس طرح ہوتی ہے۔ ① ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عُرب کے معنی کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی عاشق اور شوہر ان کے عاشق ہوں گے۔ ② عبداللہ بن سَرجس، مجاہد، عکرمہ، ابوعالیہ، یحییٰ بن ابوکثیر، عطیہ، حسن، قتادہ، ضحاک اور دیگر کئی ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ ③ ﴿ اَتْرَابًا ﴾ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ہم سن ہوں گی، یعنی ان کی عمر بھی تینتیس سال ہوگی۔ ④ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ اَتْرَابًا ﴾ کے معنی ہیں کہ مساوی ہوں گی۔ ⑤ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک جیسی ہوں گی۔ ⑥ عطیہ کہتے ہیں کہ دوست ہوں گی۔ ⑦ ﴿ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴾ ''دائیں ہاتھ والوں کے لیے۔'' یعنی انھیں اصحاب یمین کے لیے پیدا کیا گیا ہوگا یا انھیں اصحاب یمین کے لیے محفوظ رکھا گیا ہوگا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں اصحاب یمین کی بیویاں بنا دیا جائے گا۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پچھلی آیات: ﴿ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ ﴾ ''یقیناً ہم نے ان (حوروں) کو نئے سرے سے پیدا کیا تو ان کو کنواریاں ہی رکھا، شوہروں کی پیاریاں، ہم عمر (یعنی) دائیں ہاتھ والوں کے لیے۔'' ہی سے ہے کہ ہم نے انھیں اصحاب یمین کے لیے بنایا ہے۔ ابن جریر نے اس کی یہی توجیہ بیان کی ہے۔ ⑧

میں کہتا ہوں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴾ کا تعلق ماقبل سے ہو اور معنی یہ ہو کہ وہ اصحاب یمین کی ہم عمر ہوں گی جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَّدْخُلُونَ الْجَنَّةَ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِلَيْلَةَ الْبَدْرِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ عَلٰى (ضَوْءِ) أَشَدِّكَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، لَّا يَبُولُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ، وَلَا يَتْفِلُونَ وَلَا يَتَمَخَّطُونَ، أَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَمَجَامِرُهُمُ الْأُلُوَّةُ۔ اَلْأَلَنْجُوجُ عُودُ الطِّيبِ ـ وَأَزْوَاجُهُمُ الْحُورُالْعِينُ عَلٰى خَلْقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ، عَلٰى صُورَةِ أَبِيهِمْ آدَمَ سِتُّونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ] ''جنت میں جانے والی پہلی جماعت کی شکل و صورت اس طرح ہوگی جیسے چودھویں رات کا چاند ہو اور ان سے بعد والوں کی آسمان پر چمکنے والے شدید روشن ستارے کے مانند، وہ جنت میں بول و براز نہیں کریں گے، تھوک اور کھنکھار نہیں کریں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری ہوگا، ان کی انگیٹھیوں میں اگر کی لکڑی ہوگی۔ لوبان کی خوشبودار لکڑی۔ ان کی بیویاں خوب صورت موٹی موٹی آنکھوں والی ہوں گی، ان سب کی صورتیں ان کے والد حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہوں گی اور سب کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔'' ⑨

① الدر المنثور: 225/6. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3332/10. ③ تفسير الطبري: 245,244/27. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 3332/10. ⑤ تفسير الطبري: 246/27 عن ابن عباس ﷺ. ⑥ تفسير الطبري: 246/27. ⑦ تفسير الماوردي: 456/5. ⑧ تفسير الطبري: 246/27. ⑨ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3327 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب أول زمرة تدخل الجنة على صورة القمر......، حديث: 2834-(15) اور قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة، حديث: 4333 میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝﴾ ''یہ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں اور بہت سے پچھلوں میں سے۔'' یعنی پہلے لوگوں میں ایک جماعت ہوگی اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک جماعت۔ امام ابن ابوحاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری، پھر صبح کے وقت ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

[عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ وَأَتْبَاعُهَا بِأُمَمِهَا، فَيَمُرُّ عَلَيَّ النَّبِيُّ، وَالنَّبِيُّ فِي الْعِصَابَةِ، وَالنَّبِيُّ فِي الثَّلَاثَةِ، وَالنَّبِيُّ وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ. وَتَلَا قَتَادَةُ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝﴾ (هود 11:78) قَالَ: حَتّٰى مَرَّ عَلَيَّ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ فِي كَبْكَبَةٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ: قُلْتُ: رَبِّي! مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا أَخُوكَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ وَمَنْ تَبِعَهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، قَالَ: قُلْتُ: رَبِّ! فَأَيْنَ أُمَّتِي؟ قَالَ: اُنْظُرْ عَنْ يَّمِينِكَ فِي الظِّرَابِ، قَالَ: فَإِذَا وُجُوهُ الرِّجَالِ، قَالَ: قَالَ: أَرَضِيتَ؟ قَالَ: قُلْتُ: قَدْ رَضِيتُ رَبِّ! قَالَ: اُنْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ عَنْ يَّسَارِكَ، فَإِذَا وُجُوهُ الرِّجَالِ، قَالَ: أَرَضِيتَ؟ قُلْتُ: قَدْ رَضِيتُ رَبِّ! قَالَ:فَإِنَّ مَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعِينَ أَلْفًا يَّدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، قَالَ: وَأَنْشَأَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ مِّنْ بَنِي أَسَدٍ۔ قَالَ سَعِيدٌ: وَّكَانَ بَدْرِيًّا۔ قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ. قَالَ: فَقَالَ اللّٰهُمَّ! اِجْعَلْهُ مِنْهُمْ، قَالَ: أَنْشَأَ رَجُلٌ آخَرَ، قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ۔ فِدَاكُمْ أَبِي وَأُمِّي۔ أَنْ تَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّبْعِينَ فَافْعَلُوا، وَإِلَّا فَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ الظِّرَابِ، وَإِلَّا فَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ الْأُفُقِ، فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ نَاسًا كَثِيرًا قَدْ تَأَشَّبُوا حَوْلَهُ، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ: فَكَبَّرْنَا، قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ فَكَبَّرْنَا، قَالَ ثُمَّ تَلَارَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝﴾ قَالَ: فَقُلْنَا بَيْنَنَا: مَنْ هٰؤُلَاءِ السَّبْعُونَ أَلْفًا؟ فَقُلْنَا: هُمُ الَّذِينَ وَلَدُوا فِي الْإِسْلَامِ وَلَمْ يُشْرِكُوا، قَالَ فَبَلَغَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ: بَلْ هُمُ الَّذِينَ لَا يَكْتَوُونَ، وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ]

''انبیاء، ان کے پیروکار اور ان کی امتیں مجھ پر پیش کی گئیں، میرے پاس سے ایک نبی گزرتا، ایک نبی اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ گزرتا، ایک نبی تین آدمیوں کے ساتھ گزرتا، ایک نبی اکیلا ہی گزرتا کہ اس کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوتا، قتادہ نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝﴾ (هود 11:78) ''کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حتیٰ کہ موسیٰ بن عمران بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ میرے پاس سے گزرے، میں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمھارے بھائی موسیٰ بن عمران اور بنی اسرائیل میں سے ان کی پیروی کرنے والے لوگ ہیں، میں نے عرض کی: میرے پروردگار! میری امت کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿41﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿42﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنْ

اور بائیں (ہاتھ) والے، کیا (حقیر) ہیں بائیں ہاتھ والے!﴿41﴾ (وہ) سخت گرم ہوا اور کھولتے پانی میں (ہوں گے)﴿42﴾اور سیاہ ترین

یَّحْمُوْمٍ ﴿43﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿44﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿45﴾ وَ كَانُوْا

دھویں کے سائے میں ﴿43﴾ نہ(وہ) ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ﴿44﴾بلاشبہ وہ اس سے پہلے نازوں میں پلے تھے ﴿45﴾ اور وہ بڑے

یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿46﴾ وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا

گناہ(شرک) پر اصرار کرتے تھے ﴿46﴾اور وہ کہتے تھے: کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا

وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿47﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ

فی الواقع ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ﴿47﴾ کیا (ہم) اور ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟ ﴿48﴾ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: بلاشبہ پہلے

وَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿49﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿50﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا

بھی اور پچھلے بھی ﴿49﴾ یقیناً ایک معلوم دن کے مقرروقت پر (سب) جمع کیے جائیں گے ﴿50﴾پھر یقیناً تم اے گمراہو!

الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿51﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿52﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا

جھٹلانے والو! ﴿51﴾ (تم) تھوہر کے درخت سے ضرور کھانے والے ہو گے ﴿52﴾پھر اس سے اپنا پیٹ بھرنے والے

الْبُطُوْنَ ﴿53﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿54﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿55﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ

ہو گے ﴿53﴾ پھر اس پر کھولتے پانی سے پینے والے ہو گے ﴿54﴾ تو پیاسے اونٹوں کے پینے کی طرح پینے والے ہو گے ﴿55﴾ روز قیامت یہ ہوگی

یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿56﴾

ان کی مہمانی ﴿56﴾

اپنی دائیں طرف ٹیلے پر دیکھیں، میں نے دیکھا تو آدمیوں کے چہرے ہی چہرے نظر آرہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: کیا تم خوش ہو؟ میں نے عرض کی: اے میرے رب! میں خوش ہوں، اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: افق میں اپنی بائیں طرف دیکھیں تو اس طرف بھی آدمیوں کے چہرے ہی چہرے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم راضی ہو؟ میں نے عرض کی: میرے پروردگار میں راضی ہوں، اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: ان کے ساتھ ستر ہزار لوگ بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ بنواسد سے عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہوکر عرض کی۔سعید نے کہا کہ وہ بدری صحابی تھے۔: اے اللہ کے رسول! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنادے، آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اسے ان میں سے بنادے۔ پھر ایک اور شخص نے کھڑے ہوکر عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنادے، آپ نے فرمایا: عکاشہ اس بات میں تم سے سبقت لے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر میرے باپ اور ماں نثار ہوں۔ اگر تم ان ستر ہزار میں سے ہونے کی کوشش کر سکتے ہوتو کرو ورنہ تم ٹیلے والوں میں سے ہوجاؤ یا اصحاب افق میں سے ہوجاؤ، میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپ کے گرد مل جل کر بیٹھے تھے، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم تمام اہل جنت کے ایک چوتھائی کے برابر ہو گے، ہم نے یہ سن کر

اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم تمام اہل جنت کے ایک تہائی کے برابر ہو گے، ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم تمام اہل جنت کا نصف ہو گے، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۭ ﴾ ''بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے اور بہت سے پچھلوں میں سے۔'' راوی کہتے ہیں کہ ہم نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا کہ یہ ستر ہزار کون ہو سکتے ہیں، ہم نے کہا کہ وہ ہوں گے جو اسلام ہی کی حالت میں پیدا ہوئے اور انھوں نے شرک نہ کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ کو بھی ہماری یہ بات پہنچ گئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو لوہے کے ساتھ داغ نہیں دیتے، دم جھاڑ نہیں کرواتے، فال نہیں لیتے اور اپنے رب تعالیٰ ہی پر توکل کرتے ہیں۔''① اس حدیث کے کتب ستہ اور دوسری کتابوں میں بہت سے طرق ہیں۔②

تفسیر آیات: 41-56

اصحاب شمال کے حالات اور ان کی سزا: اصحاب یمین کے حالات بیان فرمانے کے بعد اب اصحاب شمال کا ذکر کرتے ہوئے اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۭ ﴾ ''اور بائیں ہاتھ والے، (افسوس!) بائیں ہاتھ والے کیا ہیں!'' یعنی اصحاب شمال کس چیز میں ہوں گے، پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فِيْ سَمُوْمٍ ﴾ یعنی گرم ہوا میں، ﴿ وَّ حَمِيْمٍ ۙ ﴾ اور گرم پانی میں۔ ﴿ وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں سیاہ دھویں کے سائے میں۔③ مجاہد، عکرمہ، ابو صالح، قتادہ، سدی اور دیگر ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔④ یہ آیت ان آیات کریمہ کی طرح ہے: ﴿ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ لَّا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۭ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۭ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ (المرسلٰت 77: 29-34) ''جس چیز کو تم جھٹلایا کرتے تھے اب اسی کی طرف چلو (یعنی) اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں، نہ ٹھنڈی چھاؤں اور نہ شعلوں سے بچاؤ کرے، وہ آگ کی (اتنی بڑی بڑی) چنگاریاں پھینکتی ہے جیسے محل، گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کی سزا ہے۔'' اور یہاں ارشاد فرمایا: ﴿ وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ ﴾ اور اس سے مراد سیاہ دھواں ہے۔ ﴿ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِيْمٍ ﴾ یعنی نہ اس کی بو اچھی ہو گی اور نہ شکل و صورت ہی اچھی ہو گی جیسا کہ حسن اور قتادہ کا قول

① تفسیر ابن أبی حاتم: 3333,3332/10 یہ ابن ابوحاتم کے الفاظ ہیں۔ ② صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قصة یأجوج ومأجوج، حدیث: 3348 والطب، باب من اکتوی......، حدیث: 5705 و5752 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین......، حدیث: 220 و جامع الترمذی، صفة القیامة، باب صفة الذین یدخلون الجنة بغیر حساب......، حدیث: 2446 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و مسند أحمد: 420/1 و صحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر عرض اللّٰه جلّ وعلا الأمم علی المصطفی ﷺ: 343-341/14 و المعجم الکبیر للطبرانی، ومن مسند عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ: 6,5/10 حدیث: 9765 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. ③ تفسیر الطبری: 250/27. ④ تفسیر الطبری: 250/27.

ہے کہ جو دیکھنے میں بھی اچھا نہ ہوگا۔[1] ضحاک کہتے ہیں کہ ہر وہ مشروب جو میٹھا نہ ہو وہ کریم نہیں ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ اسی کے مستحق ہیں، ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴾ ''یہ لوگ اس سے پہلے ناز ونعم میں پڑے ہوئے تھے۔'' یعنی دنیا میں ان لوگوں کو طرح طرح کی نعمتیں حاصل تھیں، یہ نفسانی لذتوں میں مبتلا تھے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام کی طرف متوجہ نہ تھے، ﴿ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ ﴾ یعنی اسی حالت پر قائم تھے اور توبہ کی کوئی نیت نہ رکھتے تھے، ﴿ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''گناہ عظیم پر (اڑے ہوئے) تھے۔'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا، اللہ تعالیٰ کے سوا اصنام و اوثان کو رب قرار دینا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴾ سے مراد شرک ہے۔[3] مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ، سدی اور دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] ﴿ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ ''اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہمیں پھر اٹھنا ہوگا، اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی۔'' یعنی اس کی تکذیب کرتے ہوئے اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو محال سمجھتے ہوئے وہ ایسا کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ ''کہہ دیں کہ بے شک پہلے اور پچھلے سب ایک روز مقرر وقت پر جمع کیے جائیں گے۔'' اے محمد (ﷺ!) ان کو خبر دے دیں کہ اگلے اور پچھلے تمام انسانوں کو روز قیامت جمع کیا جائے گا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝ ﴾ (ھود 11:103-105) ''یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب اللہ کے روبرو حاضر کیے جائیں گے اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت معین تک تاخیر کر رہے ہیں، جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہیں سکے گا، پھر ان میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ ''سب ایک روز مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔'' اس میں نہ تقدیم وتاخیر ہو سکتی ہے اور نہ کمی بیشی، ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴾ ''پھر تم اے جھٹلانے والے گمراہو! تھوہر کے درخت سے کھاؤ گے، پس اسی سے پیٹ بھرو گے۔'' یعنی ان کو پکڑ کر جہنم رسید کر دیا جائے گا حتی کہ وہ تھوہر کے درخت کو کھائیں گے اور اسی سے اپنے پیٹوں کو بھریں گے۔

﴿ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴾ ''پھر اس (کھانے) پر کھولتے ہوئے پانی سے پینے

[1] تفسیر الطبری: 251/27. [2] تفسیر الطبری: 251/27. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 3333/10. [4] تفسیر الطبری: 252/27 وتفسیر القرطبی: 214,213/17.

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿57﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿58﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ

ہم ہی نے تمھیں پیدا کیا، پھر تم (دوبارہ جی اٹھنے کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟﴿57﴾ بھلا بتاؤ تو! جو منی تم ٹپکاتے ہو﴿58﴾ کیا تم اس کو پیدا کرتے

اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿59﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿60﴾ عَلٰٓى اَنْ

ہو یا ہم (اس کے) خالق ہیں؟﴿59﴾ ہم ہی نے تمھارے درمیان موت مقدر کردی ہے، اور ہم عاجز نہیں﴿60﴾ (بلکہ قادر ہیں) اس بات پر کہ تم

نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى

جیسی اور مخلوق بدل کر لے آئیں، اور تمھیں ایسی صورت میں پیدا کریں جو تم نہیں جانتے﴿61﴾ اور یقیناً تم پہلی پیدائش کو جان چکے ہو، پھر تم

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾

نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟﴿62﴾

والے ہوگے، اور پیوگے بھی تو اس طرح جیسے پیاسے اونٹ پیا کرتے ہیں۔" ﴿الْهِيْمِ ﴿55﴾﴾ پیاسے اونٹوں کو کہتے ہیں، اس کا واحد أَهْيَمُ اور مونث هَيْمَاء ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا واحد هَائِمٌ اور مونث هَائِمَةٌ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ هیم بہت شدید پیاسے اونٹ کو کہتے ہیں۔[1] سدی کہتے ہیں کہ هیم ایک بیماری کا نام ہے جو اونٹوں کو لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ مرنے تک کبھی سیراب ہی نہیں ہوسکتے، اسی طرح اہل دوزخ بھی ماء هیم سے کبھی بھی سیراب نہیں ہوسکیں گے۔[2] پھر فرمایا: ﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿56﴾﴾ "جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔" یعنی یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے حساب کے دن ان کے رب کے پاس یہ ان کی مہمانی ہوگی جیسا کہ اللہ جل شانہ نے مومنوں کے حق میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ (الکھف 107:18) "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے ان کی فردوس بریں کے باغوں کی مہمانی ہوگی۔" یعنی یہ ان کی ضیافت اور ان کی عزت افزائی ہوگی۔

تفسیر آیات:57-62

قیامت کا ثبوت اور آخرت کی دلیل: اللہ تعالیٰ نے آخرت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے اور اس کی تکذیب کرنے والے ان اہل زیغ والحاد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے یہ کہا تھا: ﴿اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ (الواقعة 47:56) "بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہوگئے اور ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہمیں پھر اٹھنا ہوگا۔" انھوں نے یہ بات آخرت کی تکذیب اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتے ہوئے کہی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ﴾ "ہم ہی نے تم کو پیدا کیا ہے۔" یعنی ہم نے تمھیں اس وقت پیدا کیا جب تمھارا کوئی ذکر تک مذکور نہ تھا تو کیا وہ ذات پاک جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بالاولیٰ قادر نہیں ہے؟ پھر فرمایا: ﴿فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿57﴾﴾ "تو تم (دوبارہ اٹھنے کی) کیوں تصدیق نہیں کرتے؟" یعنی تم موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ پھر اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر الطبری: 255/27. [2] تفسیر القرطبی: 215,214/17 و تفسیر الماوردی: 457/5.

نے انھیں دلیل دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ ﴾ ''دیکھو تو! کہ جس نطفے کو تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو کیا تم اس (سے انسان) کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟'' یعنی کیا تم اسے رحموں میں برقرار رکھتے اور اس سے رحموں میں پیدا کرتے ہو یا یہ کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہے جو خالق ہے؟

پھر فرمایا: ﴿ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ ﴾ ''ہم ہی نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے۔'' یعنی موت کو تمھارے ہاں جاری کر دیا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ موت کے اعتبار سے اہل آسمان وزمین سب برابر ہیں۔[1] ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ ﴾ یعنی ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ ﴿ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ ﴾ ''ہم بدل کر تمھاری طرح کے اور لوگ تمھاری جگہ لے آئیں'' کہ قیامت کے دن تمھاری تخلیق کو بدل دیں، ﴿ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ ﴾ ''اور تم کو اس صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔'' یعنی ایسی صفات واحوال میں جن کو تم جانتے نہیں ہو پیدا کر دیں، پھر فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ ﴾ ''اور البتہ تحقیق تم نے پہلی پیدائش تو جان ہی لی ہے پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟'' یعنی تم خوب جانتے ہو کہ اللہ جل شانہٗ نے تمھیں پیدا فرمایا، حالانکہ تمھارا ذکر تک مذکور نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے تمھیں پیدا فرمایا، تمھیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے تو تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے اور اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے کہ جو ذات پاک ابتدا میں پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے؟ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ○ ﴾ (مریم 67:19) ''کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کوئی چیز بھی نہ تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:77-79) ''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا، پھر وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا کہ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا، کہہ دیں کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ○ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ○ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ○ ﴾ (القیٰمۃ 75:36-40) ''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا جو (رحم میں) ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا، پھر لوتھڑا ہوا، پھر اللہ نے اس کو بنایا، پھر اس کے اعضاء کو درست کیا، پھر اس کی دو قسمیں بنائیں ایک مرد اور ایک عورت، کیا اس کو اس بات پر قدرت نہیں کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے؟''

---

[1] تفسیر القرطبی : 216/17 .

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿63﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿64﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ

بھلا بتاؤ تو جو کچھ تم بوتے ہو﴿63﴾ کیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم ہی اگانے والے ہیں؟﴿64﴾ اگر ہم چاہیں تو اسے ضرور ریزہ ریزہ کردیں،

حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿65﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿66﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿67﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ

پھر تم پشیمان ہونے والے ہو جاؤ﴿65﴾ کہ بلاشبہ ہم پر چٹی ڈال دی گئی﴿66﴾ (نہیں) بلکہ ہم محروم ہی رہ گئے﴿67﴾ بھلا بتاؤ تو وہ پانی

الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿68﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿69﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ

جو تم پیتے ہو﴿68﴾ کیا وہ تم نے بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں؟﴿69﴾ اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا کردیں،

اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿70﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿71﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ

پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟﴿70﴾ بھلا بتاؤ تو! وہ آگ جو تم جلاتے ہو﴿71﴾ کیا اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے

اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿72﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿73﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

والے ہیں؟﴿72﴾ ہم ہی نے اسے یاددہانی کا ذریعہ اور مسافروں کے لیے فائدہ بنایا ہے﴿73﴾ لہٰذا آپ اپنے ربِّ عظیم

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾ ع 2 36 15

کے نام کی تسبیح کیجیے﴿74﴾

تفسیر آیات:63-74

کھیتی کو اگانا، آسمان سے پانی برسانا اور آگ پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿63﴾﴾ ''بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے ہو۔'' اس سے مراد زمین میں ہل چلانا، اسے کاشت کے قابل بنانا اور اس میں بیج ڈالنا ہے، ﴿ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ﴾ ''کیا تم اسے (زمین سے) اگاتے ہو'' ﴿اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿64﴾﴾ ''یا ہم اگاتے ہیں؟'' یعنی ہم ہی اسے اپنی جگہ پر رکھتے اور زمین میں اسے اگاتے ہیں۔ ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَقُوْلَنَّ زَرَعْتُ وَلٰكِنْ قُلْ حَرَثْتُ] ''تم یہ نہ کہو کہ میں نے اگایا ہے بلکہ یہ کہو کہ میں نے کاشت کیا ہے۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا: ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿63﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿64﴾﴾ ''بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟''[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا﴾ ''اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں۔'' یعنی اپنے لطف و رحمت کے ساتھ ہم نے اسے اگایا اور تم پر رحمت کے پیش نظر اسے باقی بھی رکھا کیونکہ اگر ہم چاہتے تو اسے کوڑا کرکٹ بنا دیتے، یعنی اس کے پکنے اور اس سے فصل حاصل ہونے سے قبل ہی اسے خشک کر دیتے۔ ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿65﴾﴾ ''پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔'' پھر اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿66﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿67﴾﴾ ''(ہائے) بلاشبہ ہم تو مفت کے تاوان میں پھنس گئے بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب۔'' یعنی اگر ہم اس کو کوڑا کرکٹ بنا دیتے تو تم باتیں بناتے رہ جاتے، کبھی یہ کہتے: ﴿اِنَّا

[1] تفسیر الطبری: 27/257,258 اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 6/715، حدیث: 2801.

﴿لَمُغْرَمُوْنَ﴾ ''(ہائے) بلاشبہ ہم تو مفت کے تاوان میں پھنس گئے۔'' امام مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں: البتہ ہمیں اپنے آپ پر فریفتہ کر دیا گیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہمیں عذاب دیا گیا ہے۔ [1] اور کبھی یہ کہتے: ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ ''(نہیں) بلکہ ہم محروم ہی رہ گئے۔'' عکرمہ کہتے ہیں کہ ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کر دیتے۔ [2] حسن، قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ تم ندامت کا اظہار کرنے لگتے۔ [3] یا تو اس پر جو زمین کی کاشت کے سلسلے میں تم نے خرچ کیا یا پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرنے لگتے۔ کسائی نے کہا ہے کہ تفکہ افعال اضداد میں سے ہے، عرب تفکہت کو خوشی و مسرت اور حزن و ملال دونوں معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ﴾ ''پھر بھلا دیکھو تو جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے۔'' مزن کے معنی بادل کے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے۔ [4] ﴿اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ﴾ ''یا ہم نازل کرتے ہیں؟'' یعنی ہم ہی اسے اتارنے والے ہیں۔ ﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا﴾ ''اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں۔'' اُجاج کے معنی کھاری اور کڑوے کے ہیں جو نہ پینے کے قابل ہو اور نہ آب پاشی کے، ﴿فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾ ''پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟'' تو تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے کہ اس نے تمھارے لیے بارش کا صاف شفاف ٹھنڈا میٹھا پانی نازل فرمایا، ﴿لَكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (النحل 16:10،11) ''جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت (بھی شاداب ہوتے ہیں) جن میں تم (اپنے چارپایوں کو) چراتے ہو، اسی (پانی) سے وہ تمھارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور بے شمار درخت اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے۔) غور کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ﴾ ''پھر بھلا دیکھو تو جو آگ تم (درخت سے) جلاتے ہو۔'' جسے تم چقماق سے نکالتے ہو، ﴿ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ﴾ ''کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا یا ہم پیدا کرتے ہیں؟'' ہم ہی نے اسے اس کی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ مرخ اور عفار عربوں کے دو درخت ہیں جب ان کی دو سبز ٹہنیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلنے لگتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً﴾ ''ہم نے اسے یاد دلانے کو بنایا ہے۔'' مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ اس لیے کہ یہ بڑی آگ یاد دلاتے ہیں۔ [5] قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ حدیث ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَارُكُمْ هٰذِهِ الَّتِي تُوقِدُونَ، جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ] ''لوگو! یہ آگ جسے تم جلاتے ہو، یہ آتش دوزخ

---

[1] تفسیر الطبری: 260/27. [2] تفسیر الطبری: 258/27. [3] تفسیر الطبری: 259/27. [4] تفسیر الطبری: 261/27. [5] تفسیر الطبری: 262/27.

کے ستر اجزا میں سے ایک جز ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ بھی کافی ہے، آپ نے فرمایا: [قَدْ ضُرِبَتْ بِالْمَاءِ ضَرْبَتَيْنِ أَوْمَرَّتَيْنِ لِيَسْتَنْفِعَ بِهَا بَنُو آدَمَ يَدْنُو مِنْهَا] ''اسے دوبار پانی کے ساتھ دھویا گیا تاکہ بنوآدم اس سے فائدہ اٹھاسکیں اور اس کے قریب بیٹھ سکیں۔''(1) امام قتادہ نے یہ جو مرسل حدیث بیان کی ہے اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع بھی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ نَارَكُمْ هٰذِهِ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ، وَضُرِبَتْ بِالْبَحْرِ مَرَّتَيْنِ، وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيهَا مَنْفَعَةً لِّأَحَدٍ] ''بلاشبہ تمھاری یہ آگ آتشِ دوزخ کے ستر اجزا میں سے ایک جز ہے جسے سمندر میں دوبار ڈبویا گیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ کسی کے لیے بھی کوئی منفعت نہ رکھتا۔''(2) امام مالک نے بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَارُ بَنِي آدَمَ الَّتِي يُوقِدُونَ، جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ] ''یہ آگ جسے آدم علیہ السلام کی اولاد جلاتی ہے آتشِ دوزخ کے ستر اجزا میں سے ایک جز ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر تو وہ بہت کافی ہوگی، فرمایا: [إِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا] ''ہاں، اسے اس آگ پر انہتر گنا فضیلت حاصل ہے۔''(3) امام بخاری نے اسے امام مالک کے طریق سے اور امام مسلم نے ابوزناد کے واسطے سے روایت کیا ہے۔(4)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ ﴾ ''اور مسافروں کے لیے فائدہ۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور نضر بن عربی کا قول ہے کہ مقوین کے معنی مسافروں کے ہیں۔(5) ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔(6) اسی سے أَقْوَتِ الدَّارُ کا محاورہ ہے جو اس وقت بولتے ہیں جب گھر والے سفر پر جائیں۔(7) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ المقوی کا لفظ یہاں بھوکے کے معنی میں ہے۔(8) لیث بن ابوسُلَیم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ حاضر اور مسافر کے فائدے کے لیے ہے کیونکہ ہر ایک کا کھانا آگ ہی سے پکتا ہے۔(9) ابن ابو نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد فائدہ اٹھانے والے سب لوگ ہیں۔(10) عکرمہ سے بھی یہی مذکور ہے۔ اور یہ تفسیر دوسروں کی تفسیر کی نسبت زیادہ عام ہے کیونکہ مقیم اور مسافر، غنی اور فقیر سب کھانا پکانے، تاپنے، روشنی حاصل کرنے اور دیگر مقاصد کے لیے آگ کے ضرورت مند ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص لطف و کرم سے اسے پتھروں اور خالص لوہے میں رکھا ہے کہ مسافر اسے اپنے سامان اور اپنے کپڑوں میں بھی رکھ لیتا ہے اور جب اسے آگ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ چقماق نکال کر اسے رگڑ کر آگ جلا لیتا ہے اور اس سے کھانا پکاتا، اسے تاپتا، اس کے ساتھ بھونتا اور دیگر فوائد حاصل کرتا ہے، اگرچہ آگ سب لوگوں کے فائدے کے

(1) تفسیر الطبری: 262/27. (2) مسند أحمد: 244/2. (3) الموطأ للإمام مالك، جهنم، باب ماجاء في صفة جهنم، حديث: 1923. (4) صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3265 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2843. (5) تفسير الطبري: 263/27. (6) تفسير الطبري: 264/27. (7) تفسير الطبري: 264/27. (8) تفسير الطبري: 264,263/27. (9) تفسير القرطبي: 222/27. (10) تفسير الطبري: 263/17.

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿75﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿76﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿77﴾

پھر میں ستاروں کے گرنے کے ٹھکانوں کی قسم کھاتا ہوں (75) اور بلاشبہ اگر تمھیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے (76) کہ بلاشبہ یہ قرآن نہایت معزز ہے (77)

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿78﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿79﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾

ایک محفوظ کتاب میں (78) اسے بس پاک (فرشتے) ہی چھوتے ہیں (79) (یہ) رب العٰلمین کی طرف سے نازل کردہ ہے (80)

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿81﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿82﴾

کیا پھر تم اس کلام (قرآن) سے بے پروائی کرنے والے ہو؟ (81) اور تم (اللہ کی اس نعمت میں) اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ تم (اسے) جھٹلاتے ہو (82)

لیے ہے مگر مسافروں کا یہاں بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾﴾ ''تو آپ اپنے بہت بڑے پروردگار کے نام کی تسبیح کریں۔'' یعنی اس عظیم الشان ذات پاک کی تسبیح کریں جس نے اپنی قدرت کے ساتھ مختلف اور متضاد اشیاء کو پیدا فرمایا ہے، شیریں، ٹھنڈا اور صاف شفاف پانی، اگر وہ چاہتا تو اسے کھاری اور کڑوا بنا دیتا جس طرح کئی بڑے بڑے سمندر ہیں، اس طرح اس نے جلانے والی آگ پیدا فرمائی، اس میں بندوں کی بہت سی مصلحتیں رکھ دیں اور اسے دنیا کی زندگی کے لیے باعث منفعت اور آخرت کے لیے زجر و توبیخ بنا دیا ہے۔

تفسیر آیات:75-82

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت کی قسم کھائی ہے: لا یہاں زائد نہیں ہے کہ جس کا کوئی معنی نہ ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ اسے قسم کے آغاز میں اس وقت لایا جاتا ہے جب مُقْسَم بہٖ منفی پر مبنی ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: لَا وَاللّٰهِ! مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ. ''نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔'' [1] اسی طرح یہاں بھی تقدیر کلام اس طرح ہے لَا، اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ''نہیں، میں ستاروں کے مقامات کی قسم کھاتا ہوں۔'' یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ تم نے قرآن مجید کے بارے میں گمان کر رکھا ہے کہ یہ سحر یا کہانت ہے بلکہ یہ تو عظمت و شان والا قرآن ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ بعض اہل عربیت کا کہنا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بات اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو اور پھر اس کے بعد قسم سے بات از سر نو شروع ہے اور کہا گیا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ [2] ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿75﴾﴾ ''پس مجھے ستاروں کے گرنے کی منزلوں کی قسم!'' مجاہد کہتے ہیں کہ مواقع النجوم آسمان میں ہیں، انھیں مطالع اور مشارق [3] بھی کہا جاتا ہے۔ [4] حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ [5] ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ [6]

[1] صحیح البخاری، الطلاق، باب: إذا أسلمت المشركة أو النصرانية......، حديث: 5288 و صحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النسآء، حديث: 1866. [2] تفسير الطبری: 264/27. [3] البتہ تفسیر ابن کثیر میں یہاں مَشَارِقَهَا ہے جبکہ تفسیر طبری اور دیگر تفاسیر میں مَسَاقِطَهَا ''ان (ستاروں) کے گرنے کی جگہ'' کے الفاظ ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، دیکھیے تفسير الطبری: 265/27 و تفسير القرطبي: 223/17 و تفسير الماوردی: 462/5. [4] تفسير الطبری: 265/27. [5] تفسير الطبری: 266,265/27. [6] تفسير الطبری: 266/27.

قتادہ سے روایت ہے کہ مواقع سے مراد منازل ہیں۔[1] ﴿ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔'' یعنی یہ قسم جو میں نے کھائی ہے بہت عظیم قسم ہے، اگر تم اس کی عظمت کو جانتے تو مُقسَم بہٖ کی عظمت کے قائل ہو جاتے۔

﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴾ ''بلاشبہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔'' یعنی یہ قرآن جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، یہ بہت عظیم الشان کتاب ہے۔ ﴿ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴾ ''جو کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔'' کتاب معظم میں ہے، یعنی ایک معظم، محفوظ اور عزت و توقیر والی کتاب میں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ مجھ سے اسماعیل بن موسیٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں شریک نے حکیم، یعنی ابن جبیر سے اور انھوں نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾ ''اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں'' سے مراد وہ کتاب ہے جو آسمان میں ہے۔[2] عوفی نے اس آیت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔[3] حضرت انس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوشعثاء، جابر بن زید، ابونہیک، سدی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[4]

ابن جریر کہتے ہیں کہ ہم سے ابن عبدالاعلیٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے ابن ثور نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے معمر اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا کہ اس آیت کریمہ: ﴿ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾ ''اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے پاک فرشتے چھوتے ہیں، البتہ دنیا میں اسے ناپاک مجوسی اور گندے منافق بھی چھوتے ہیں، انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق [مَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ] ہے۔[5] ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد تم نہیں ہو کیونکہ تم تو گناہ گار ہو۔[6] ابن زید کہتے ہیں کہ کفار قریش کا خیال تھا کہ اس قرآن کو شیاطین لے کر نازل ہوئے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اسے تو پاک فرشتے چھوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ○ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 26:210-212) ''اور شیاطین اس (قرآن) کو لے کر نازل نہیں ہوئے، اور نہ یہ ان کو لائق ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتے ہیں، بلاشبہ وہ آسمانی باتوں کے سننے کے مقامات سے الگ کر دیے گئے ہیں۔'' یہ ایک عمدہ قول ہے اور سابقہ اقوال سے خارج بھی نہیں ہے۔

﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔'' یعنی یہ قرآن تو اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سحر یا کہانت یا شعر ہے بلکہ یہ تو وہ حق ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور اس کے بعد کوئی نافع حق ہے بھی نہیں۔ ﴿ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ

[1] تفسیر الطبری: 265/27. [2] تفسیر الطبری: 266/27. [3] تفسیر الطبری: 267/27. [4] تفسیر القرطبی: 225/17 و تفسیر الطبری: 268,267/27. [5] تفسیر الطبری: 269,268/27. [6] تفسیر الطبری: 268/27.

﴿ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿81﴾ ﴾ ’’تو کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو؟‘‘ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ تم اس کی تکذیب کرتے ہو اور تصدیق نہیں کرتے۔ [1] ضحاک، ابوحزرہ اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ [2] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ مُّدْهِنُوْنَ ﴿81﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم چاہتے ہو کہ مداہنت سے کام لو اور ان کی طرف مائل ہو جاؤ۔ [3] ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ ’’اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ اسے جھٹلاتے ہو۔‘‘ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بجائے اس کے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کو اس طرح پڑھا ہے: [وَتَجْعَلُونَ شُكْرَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ] [4] ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بھی کسی قوم پر بارش ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کافر ہو جاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا: [وَتَجْعَلُونَ شُكْرَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ] [5] ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس روایت کی سند صحیح ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں از صالح بن کیسان از عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود از زید بن خالد جہنی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور اس رات بارش ہوئی تھی، نماز سے فراغت کے بعد آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي، وَكَافِرٌ بِي، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذَالِكَ مُؤْمِنٌ بِي، كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَالِكَ كَافِرٌ بِي، مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ] ’’کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں سے کچھ میرے ساتھ ایمان رکھنے والے ہو گئے ہیں اور کچھ کفر کرنے والے، جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوتی ہے تو وہ میرے ساتھ ایمان رکھنے والا ہے اور ستارے کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوتی ہے، وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا ستارے کے ساتھ ایمان رکھنے والا ہے۔‘‘ [6] اسے امام بخاری و مسلم، ابوداود اور نسائی سب نے امام مالک کے طریق سے بیان کیا ہے۔ [7] قتادہ کہتے ہیں کہ حسن کہا کرتے تھے: لوگوں نے اپنے لیے بہت برا حصہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ان کے حصے میں تکذیب ہی آئی ہے۔ [8] حسن کے اس قول کے معنی یہ ہیں کہ تم نے کتاب اللہ میں سے اپنے لیے حصہ یہ لیا ہے کہ تم اس کی تکذیب کرتے ہو، اسی لیے اس سے پہلے

---

① تفسير الطبرى: 270,269/27. ② تفسير الطبرى: 270/27. ③ تفسير الطبرى: 269/27. ④ تفسير القرطبى: 228/17 و تفسير الطبرى: 272/27. ⑤ تفسير الطبرى: 243/27. [وتجعلون شكركم أنكم تكذبون] تفسیر طبری کے اسی صفحے پر کسی اور سند کے ساتھ ہے جبکہ صحيح البخارى، الاستسقاء، قبل الحديث: 1038 میں مختصراً ہے۔ ⑥ الموطأ للإمام مالك، الاستسقاء، باب الاستمطار بالنجوم، حديث: 460. ⑦ صحيح البخارى، الأذان، باب: يستقبل الإمام الناس ......، حديث: 846 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، حديث: 71 و سنن أبى داود، الكهانة والتطير، باب في النجوم، حديث: 3906 و سنن النسائى، الاستسقاء، كراهية الاستمطار بالكوكب، حديث: 1526. ⑧ تفسير الطبرى: 272/27.

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿83﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿84﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ

پھر کیوں نہیں (تم روح کو پھیر لیتے) جب وہ حلق تک پہنچتی ہے﴿83﴾اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو﴿84﴾اور ہم تمھاری نسبت اس

وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿85﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿86﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ

کے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں﴿85﴾پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں، تو کیوں نہیں﴿86﴾اس (روح) کو پھیر لاتے، اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿87﴾

سچے ہو؟﴿87﴾

یہ فرمایا ہے: ﴿ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿81﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿82﴾ ﴾

تفسیر آیات:83-87

حلق میں پہنچی ہوئی روح کو نہ لوٹا سکنا محاسبے کی دلیل ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴾ ''پھر کیوں نہیں (تم روح کو پھیر لیتے) جب وہ حلق تک پہنچتی ہے۔'' یہ موت کے وقت کی کیفیت ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ۝ ﴾ (القيٰمة 75:26-30) ''ہرگز نہیں! جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے اور کہا جانے لگے (اس وقت) کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اور اس (جاں بلب) نے سمجھا کہ اب وقت فراق ہے اور پنڈلی، پنڈلی سے لپٹ جائے گی، اس دن آپ کے رب کی طرف چلنا ہوگا۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿84﴾ ﴾ ''اور تم اس وقت کی حالت کو دیکھا کرتے ہو۔'' لیکن تم ان فرشتوں کو نہیں دیکھ رہے ہوتے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:61،62) ''اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کو فوت کر لیتے ہیں اور کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے، پھر قیامت کے دن تمام لوگ اپنے مالک برحق تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے، سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿86﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ ﴾ ''پس اگر تمھیں (یقین ہے کہ تم کو) جزا و سزا نہیں دی جائے گی تو روح کو لوٹا کیوں نہیں لیتے؟'' معنی یہ ہیں کہ اس روح کو جو حلق تک پہنچ چکی ہے اس کو اس کی پہلی جگہ پر، یعنی جسم میں اس کو اس کے مقام پر واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے، اگر تم تصدیق کرنے والے نہیں ہو؟ سعید بن جبیر اور حسن بصری نے کہا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم اس بات کی تصدیق نہیں کرتے کہ تم سے حساب لیا جائے گا، تمھیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور تمھیں سزا دی جائے گی تو اس روح کو واپس لوٹا کر دکھا دو۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿86﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم یقین کرنے والے نہیں ہو۔[2]

---

[1] تفسیر الطبري: 274/27 و تفسیر الماوردي: 465/5. [2] الدر المنثور: 238/6.

فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿88﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ۬ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿89﴾ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ

پس لیکن اگر وہ (مردہ) مقربین میں سے ہوا﴿88﴾ تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبو اور نعمتوں والا باغ ہے﴿89﴾ اور لیکن اگر وہ اصحاب یمین

مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿90﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿91﴾ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ

میں سے ہوا﴿90﴾ تو (کہا جائے گا:) تیرے لیے سلامتی ہے، (کیونکہ) تو اصحاب یمین میں سے ہے﴿91﴾ اور لیکن اگر وہ تکذیب کرنے

الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿92﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿93﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿94﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

والے گمراہوں میں سے ہوا﴿92﴾ تو (اس کی) مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی﴿93﴾ اور (اسے) جہنم میں داخل کیا جانا ہے﴿94﴾ بلاشبہ یہی ہے وہ

حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿95﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿96﴾ ع 3 22 16

سچ جو یقینی ہے﴿95﴾ لہٰذا آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے﴿96﴾

تفسیر آیات: 88-96

بوقت موت لوگوں کے حالات اور ہر صنف کا انجام: یہ تین حالات وہ ہیں جن کا لوگوں کو موت کے وقت سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آدمی یا تو مقربین بارگاہِ الٰہی ہوگا یا ان سے کم مرتبہ اصحاب یمین سے یا پھر حق کی تکذیب کرنے والوں، ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں جہالت کا معاملہ کرنے والوں میں سے ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ﴾ ''پھر اگر وہ ہے'' جس کی موت کا وقت آیا ہوا ہے ﴿مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿88﴾﴾ ''(اللہ کے) مقربین میں سے۔'' ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو واجب اور مستحب امور کو سرانجام دیتے اور محرم و مکروہ بلکہ بعض مباح امور کو بھی ترک کر دیتے ہیں ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ۬ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿89﴾﴾ ''تو (اس کے لیے) آرام اور خوشبو دار پھول اور نعمت کا باغ ہے۔'' یعنی ان کے لیے خوشبوئیں اور پھول ہیں، موت کے وقت فرشتے انھیں ان چیزوں کی بشارت سناتے ہیں جیسا کہ قبل ازیں حدیث براء کے حوالے سے یہ گزر چکا ہے۔[1] رحمت کے فرشتے کہتے ہیں: [أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ (كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ)...... وَأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ] ''نکل اے پاک جان! جو پاک جسم میں تھی تو اسے آباد کیے ہوئے تھی، راحت و رحمت، رزق و خوشبو اور ایسے رب سے خوش ہو جا جو تجھ سے ناراض نہیں ہے۔''[2] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿فَرَوْحٌ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تجھے راحت اور پھول نصیب ہوں گے۔[3] وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو نے دنیا سے راحت حاصل کر لی ہے۔[4] مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ ﴿فَرَوْحٌ﴾

① دیکھیے حٰمٓ السجدة، آیات: 30-32 کے ذیل میں عنوان: ''استقامت سے سرشار موحدین کے لیے خوشخبری'' ② سنن النسائی، الجنائز، باب مایلقی به المؤمن......، حدیث: 1834 والسنن الكبرٰى للنسائی، التفسير، باب قوله تعالٰى: ﴿وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ﴾ (صٓ 38:58): 443/6، حدیث: 11442 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، حدیث: 4262 واللفظ له ومسند أحمد: 365,364/2 اور قوسین والا جملہ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه......، حدیث: 2872 عن أبي هريرة رضي الله عنه میں ہے۔ ③ تفسیر الطبری: 275/27. ④ تفسیر الطبری: 275/27.

کے معنی استراحت کے ہیں۔[1] ابوحزرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا سے راحت پا جانا ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی کہتے ہیں کہ روح کے معنی فرحت کے ہیں۔[2] مجاہد سے روایت ہے کہ ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ﴾ کے معنی جنت اور خوش حالی کے ہیں۔[3] قتادہ کہتے ہیں کہ روح کے معنی رحمت کے ہیں۔[4] ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ریحان سے مراد رزق ہے۔[5] یہ تمام اقوال قریب المعنی اور صحیح ہیں کہ جو شخص مقرب کی حیثیت سے فوت ہوا تو اسے رحمت، راحت، استراحت، فرحت، سرور، رزق حسن اور یہ سب کچھ حاصل ہوگا، ﴿ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴾ ''اور نعمت کا باغ۔'' ابوعالیہ کہتے ہیں کہ مقربین میں سے جو بھی دنیا کو چھوڑتا ہے تو اس کے پاس جنت کے پھولوں کی ایک ٹہنی لائی جاتی ہے اور اس میں اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔[6] محمد بن کعب کا قول ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی فوت ہوتا ہے، اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے یا اہل دوزخ میں سے۔[7]

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(إِنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي حَوَاصِلِ) طَيْرٍ خُضْرٍ لَّهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ] ''بلاشبہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں، عرش کے ساتھ ان کے لیے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، وہ جنت کے باغوں میں سے جہاں سے چاہیں چگتی پھرتی ہیں، پھر وہ قندیلوں کو قیام گاہ بنا لیتی ہیں۔''[8] امام احمد رحمہ اللہ نے عطاء بن سائب سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے دن جس میں، میں نے عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ کو پہچانا، وہ سفید سر اور داڑھی والے ایک بزرگ تھے جو گدھے پر سوار تھے اور ایک جنازے کے ساتھ جا رہے تھے، میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے فلاں بن فلاں نے بیان کیا جس نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا: [مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ] ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔'' یہ سن کر کچھ لوگوں نے رونا شروع کر دیا، آپ نے فرمایا: [مَا يُبْكِيكُمْ؟] ''تم روتے کیوں ہو؟'' لوگوں نے عرض کی کہ موت کو تو ہم ناپسند کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: [لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّهُ إِذَا حُضِرَ ﴿ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴾ فَإِذَا بُشِّرَ بِذٰلِكَ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ لِلِقَائِهِ أَحَبُّ، ﴿ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴾] قَالَ عَطَاءٌ وَفِي قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ: [ثُمَّ تَصْلِيَةُ جَحِيمٍ] فَإِذَا بُشِّرَ بِذٰلِكَ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ لِلِقَائِهِ أَكْرَهُ. ''میری مراد یہ نہیں

[1] تفسیر الطبری : 275/27 . [2] تفسیر الطبری : 275/27 . [3] تفسیر الماوردی : 466/5 . [4] تفسیر الطبری : 276/27 . [5] تفسیر الطبری : 275/27 وتفسیر الماوردی : 467/5 . [6] تفسیر الطبری : 276/27 وتفسیر ابن أبی حاتم : 3335/10. [7] دیکھیے تفسیر الطبری : 277,276/27 . [8] صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان أن أرواح الشهداء فی الجنة...... ، حدیث : 1887 جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أبی داود الطیالسی ، ما أسند عبداللّٰه بن مسعود : 233/1 ، حدیث : 289 وجامع الترمذی ، فضائل الجهاد، باب ماجاء فی ثواب الشهید، حدیث : 1641 عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ جب موت کا وقت آتا ہے ﴿ فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿88﴾ فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿89﴾ ﴾ ''پھر اگر وہ اللہ کے مقربین میں سے ہے تو اس کے لیے آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کا باغ ہے۔'' اسے اس کی بشارت سنائی جاتی ہے تو وہ اللہ عزوجل کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ عزوجل بھی اس کی ملاقات کو بہت پسند فرماتا ہے، ﴿ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿92﴾ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿93﴾ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿94﴾ ﴾ ''اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو اس کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے اور جہنم میں داخل کیا جانا۔'' جب اسے اس کی بشارت دی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔[1] اس طرح اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کا معنوی شاہد صحیح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿90﴾ ﴾ ''اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے۔'' یعنی اگر وہ شخص جسے موت کا پیغام آ گیا ہو اصحاب یمین میں سے ہو ﴿ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿91﴾ ﴾ ''تو (کہا جائے گا کہ) تجھ پر دائیں ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔'' یعنی انھیں فرشتے بشارتیں دیتے اور ان میں سے ایک ایک سے یہ کہتے ہیں کہ تجھ پر سلامتی ہو، تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، تجھ پر سلامتی، تو اصحاب یمین میں سے ہے جیسا کہ عکرمہ نے کہا ہے کہ فرشتے اسے سلام کہتے ہیں اور اسے خبر دیتے ہیں کہ تو اصحاب یمین میں سے ہے۔ یہ بہت اچھا مفہوم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ○ نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ؕ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:30-32) ''یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے خوشی مناؤ، ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمھارے رفیق ہیں) اور وہاں جس نعمت کو تمھارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی، (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے سامانِ ضیافت کے طور پر ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ فَسَلٰمٌ لَّكَ ﴾ ''تو تجھ پر سلام'' تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمین میں سے ہے إِنَّ کو حذف کر دیا گیا ہے، البتہ اس کا معنی باقی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: أَنتَ مُصَدَّقٌ مُّسَافِرٌ عَنۡ قَلِيلٍ ''تمھاری تصدیق کی جاتی ہے کہ تم تھوڑے وقت کے بعد سفر کرنے والے ہو۔'' جب اس نے یہ کہا ہو کہ میں عنقریب سفر کرنے والا ہوں، کبھی یہ دعا کی طرح ہوتا ہے جیسے کہ تم کہتے ہو: سَقۡيًا لَّكَ مِنَ الرِّجَالِ ''آدمیوں کی طرف سے تجھے خوش آمدید۔'' سلام کو اگر مرفوع پڑھا جائے تو یہ دعا کے معنی میں

---

[1] مسند أحمد: 260,259/4. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب من أحب لقاء الله......، حديث: 6507 عن عبادة بن الصامت وعائشة رضي الله عنها وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب من أحب لقاء الله......، حديث: 2684.

ہو گا۔[1] ابن جریر نے بھی اہل عربیت سے اسی طرح روایت کیا ہے اور ان کا اپنا میلان بھی اسی طرف ہے۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِیۡنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصۡلِیَةُ جَحِیۡمٍ ﴿۹۴﴾ ﴾ ''اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو اس کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے اور جہنم میں داخل کیا جانا۔'' یعنی اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والوں اور ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کرنے والوں میں سے ہوا تو اس کی مہمانی ایسے شدید ترین گرم کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی جو پیٹوں اور جسم کی جلد کو گلا دے گا، ﴿ وَّ تَصۡلِیَةُ جَحِیۡمٍ ﴿۹۴﴾ ﴾ ''اور جہنم میں داخل کیا جانا۔'' اور اسے جہنم رسید کیا جائے گا جس کی آگ اسے تمام اطراف سے گھیرے میں لیے ہوگی، پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡیَقِیۡنِ ﴿۹۵﴾ ﴾ ''بلاشبہ یہ (داخل کیا جانا یقیناً) قطعی حق ہے۔'' یعنی یہ خبر حق الیقین ہے، جس میں کوئی شک نہیں اور نہ اس سے کوئی بھاگ سکے گا، ﴿ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِیۡمِ ﴿۹۶﴾ ﴾ ''تو آپ اپنے بہت بڑے پروردگار کے نام کی تسبیح کرتے رہیں۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کہا: [سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِيمِ وَبِحَمۡدِهِ، غُرِسَتۡ لَهُ نَخۡلَةٌ فِي الۡجَنَّةِ] ''اللہ بزرگ و برتر پاک ہے اور تعریف اسی کے لیے ہے، اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔'' ترمذی اور نسائی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں سب سے آخری حدیث یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الۡمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحۡمٰنِ، سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهِ سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِيمِ] ''دو کلمے زبان پر بہت ہلکے ہیں، میزان میں بہت وزنی ہوں گے اور رحمان کو بہت پیارے (اور وہ دو کلمے ہیں:) سبحان اللّٰه وبحمده، سبحان اللّٰه العظيم (اللہ پاک ہے اور تعریف اسی کے لیے ہے، اللہ بزرگ و برتر پاک ہے۔)''[4] اور اسے امام ابوداود کے علاوہ باقی محدثین نے بھی بیان کیا ہے۔[5]

سورۂ واقعہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ .

---

① صحيح البخاري، التفسير، سورة الواقعة، قبل الحديث: 4881 . ② تفسير الطبري: 277/27 . ③ جامع الترمذي، الدعوات، باب في فضائل سبحان الله وبحمده.........، حديث: 3465 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب ثواب من قال: سبحان الله العظيم: 207/6، حديث: 10663. ④ صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب إذا قال: والله لا أتكلم اليوم......، حديث: 6682. ملحوظہ: بخاری شریف کی آخری حدیث کے الفاظ کی ترتیب امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ترتیب سے کچھ اس طرح مختلف ہے: [كلمتان حبيبتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم] دیکھیے صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ...... ﴾، (الأنبياء 21:47) حديث: 7563. ⑤ صحيح مسلم، الذكر والدعاء......، باب فضل التهليل......، حديث: 2694 وجامع الترمذي، الدعوات، باب في فضائل: سبحان الله وبحمده......، حديث: 3467 وسنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل التسبيح، حديث: 3806 ومسند أحمد: 232/2 .

تفسیر سُورَۂ حَدِید

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اور وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے① آسمانوں اور زمین کی بادشاہی

وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ

اسی کی ہے، وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے، اور وہ ہر شے پر خوب قادر ہے②وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر بھی اور باطن بھی،

وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③

اور وہی ہر شے کو خوب جاننے والا ہے③

سورۂ حدید کی فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبّحات پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: [إِنَّ فِيهِنَّ آيَةً أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ] ''ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔''[1] اسی طرح اسے ابوداود، ترمذی اور نسائی نے کئی ایک طرق کے ساتھ بقیّہ بن ولید کے واسطے سے روایت کیا ہے۔[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ حدیث میں جس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ وہ یہ ہے: ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ ﴾. ان شاءاللہ تعالیٰ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

تفسیر آیات: 1-3

تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات، سب اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ ﴾

① مسند أحمد: 128/4 اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ② سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول عند النوم، حديث: 5057 وجامع الترمذي، الدعوات، باب منه فى قراءة سور: الكافرون والسجدة......، حديث: 3406 والسنن الكبرى للنسائي، فضائل القرآن، باب المسبحات: 16/5، حديث: 8026.

(بنیٓ إسرآء یل 44:17) ”ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت بردبار، خوب بخشنے والا ہے۔“ ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ ”اور وہی غالب ہے۔“ عزیز وہ ذات پاک ہے جس کے سامنے ہر چیز عاجز و ناتواں ہے۔ ﴿الْحَكِيْمُ ①﴾ ”خوب حکمت والا“ خلق میں، امر میں اور شرع میں۔ ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ﴾ ”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے، وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے۔“ وہ اپنی مخلوق کا مالک اور متصرّف ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، اور جسے جو چاہے عطا فرما دیتا ہے، ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ②﴾ ”اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ﴾ ”وہی سب سے پہلا اور سب سے پچھلا، (اپنی قدرتوں سے) سب پر ظاہر اور (ذات سے) پوشیدہ۔“ حدیث عرباض بن ساریہ میں اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔

امام ابوداود نے ابوزُمَیل سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے جسے میں اپنے سینے میں پاتا ہوں؟ انھوں نے فرمایا: وہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اس کے بارے میں بات نہیں کروں گا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا شک کی کوئی بات ہے؟ اور وہ ہنسنے لگے اور فرمانے لگے کہ اس سے کوئی نہیں بچ سکا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ......﴾ الآية (یونس 94:10) ”اگر آپ کو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو جو لوگ آپ سے پہلے تھے (اتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لیں، یقیناً آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس حق آچکا ہے......“ انھوں نے فرمایا: جب کوئی بات اپنے دل میں پاؤ تو کہہ دو ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③﴾ [1] اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کی عبارات مختلف ہیں اور ان کے دس سے زیادہ اقوال ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ نے کہا ہے کہ ظاہر کے معنی یہ ہیں کہ وہ علم کے اعتبار سے ہر چیز پر ظاہر ہے اور باطن کے معنی یہ ہیں کہ وہ علم کے اعتبار سے ہر چیز سے مخفی ہے۔ [2] ہمارے شیخ حافظ مزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس یحییٰ سے مراد یحییٰ بن زیاد الفراء ہے۔ ان کی معانی القرآن کے نام سے ایک کتاب بھی ہے۔ ظاہر اور باطن کے بارے میں کئی احادیث بھی موجود ہیں، مثلاً: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ،

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في ردالوسوسة، حديث: 5110. [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ......﴾ (الجن 26:72)......، قبل الحديث: 7379.

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا۔ وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل

یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ

ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے، اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے

مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

ساتھ ہے۔ اور اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو ④ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور تمام امور

وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ

اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ⑤ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور وہ

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥

سینوں کے راز خوب جانتا ہے ⑥

أَنْتَ الْأَوَّلُ لَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَّأَنْتَ الْآخِرُ لَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَّأَنْتَ الظَّاهِرُ لَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَّأَنْتَ الْبَاطِنُ لَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ، وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ] ''اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عظمت والے عرش کے پروردگار، ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار، تورات اور انجیل اور قرآن کے نازل فرمانے والے، دانے اور گٹھلی کے پھاڑنے والے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں ہر اس چیز کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی پیشانی تیرے قبضے میں ہے، تو سب سے پہلا ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور تو سب سے آخری ہے کہ تیرے بعد کوئی چیز نہیں اور تو سب پر ظاہر ہے کہ تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو سب سے پوشیدہ ہے کہ تجھ سے زیادہ مخفی کوئی چیز نہیں، تو ہمارے قرض کو ادا فرما دے اور فقر سے بچا کر ہمیں غنی کر دے۔''①

امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح میں سہیل سے روایت کیا ہے کہ ابو صالح ہمیں یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی جب سونے کا ارادہ کرے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے اور پھر یہ دعا پڑھے: [اَللّٰهُمَّ! رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ (وَالْقُرْآنِ)، أَعُوذُبِكَ (مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِي شَرٍّ) أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَّ أَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَّأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَّأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ] ''اے اللہ! آسمانوں اور زمین اور بزرگی والے عرش کے پروردگار، اے ہمارے پروردگار اور ہر شے کے پالن ہار! دانے اور گٹھلی کے پھاڑنے والے، تورات، انجیل اور قرآن کے نازل کرنے والے، پس ہر برے کام کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی

① مسند أحمد :404/2 .

پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، اے اللہ! تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور تو سب سے آخری ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو سب پر ظاہر ہے کہ تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو سب سے پوشیدہ ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی چیز مخفی نہیں، تو ہمارے قرض کو ادا فرما دے اور غربت وفقیری سے بچا کر ہمیں غنی کر دے۔'' ابوصالح نے اس دعا کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ①

تفسیر آیات:4-6

اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور ملک کی وسعت: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے اور انھیں پیدا فرمانے کے بعد وہ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اس آیت کریمہ اور اس کے مشابہ دیگر آیات کے بارے میں قبل ازیں سورۂ اعراف میں بحث گزر چکی ہے، لہٰذا یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ② ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ﴾ ''جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے وہ اسے معلوم ہے۔'' یعنی وہ زمین میں داخل ہونے والے دانوں اور پانی کے قطروں کی تعداد تک کو جانتا ہے، ﴿وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾ ''اور جو اس سے نکلتی ہے۔'' نباتات، فصلیں اور پھل وغیرہ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝﴾ (الأنعام 59:6) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔'' ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ﴾ ''اور جو آسمان سے اترتی ہے۔'' یعنی بارشیں، برفیں، اولے، تقدیریں اور احکام باری تعالیٰ جو فرشتے لے کر نازل ہوتے ہیں، ﴿وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ﴾ ''اور جو اس کی طرف چڑھتا ہے۔'' یعنی فرشتے اور اعمال جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: [يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ] ''رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے اللہ کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔'' ③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝٤﴾ ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔'' یعنی وہ تم پر نگہبان ہے، تمھارے اعمال پر گواہ ہے، خواہ تم جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو، خشکی میں یا تری میں، رات میں یا دن میں، گھروں میں یا جنگلوں میں، یکساں طور پر سب کچھ اس کے علم میں ہے، اس کی سمع وبصر کے تحت ہے۔ وہ تمھاری باتوں کو سنتا اور تمھاری جگہ کو دیکھتا ہے اور تمھارے رازوں اور

---

① صحیح مسلم، الذکر والدعاء......، باب الدعاء عند النوم، حدیث: 2713 جبکہ دونوں قوسوں والے الفاظ سنن أبي داود، الأدب، باب مایقول عند النوم، حدیث: 5051 وجامع الترمذي، الدعوات، باب منه دعاء: اللهم! رب السموات ورب الأرضين......، حدیث: 3400 میں ہیں۔ ② دیکھیے الأعراف 7: 54 کے ذیل میں عنوان: ''استوا کی تفسیر''

③ صحیح مسلم، الإیمان، باب في قوله علیه السلام: إن الله لا ینام......، حدیث: 179 عن أبي موسیٰ رضی اللہ عنہ.

سرگوشیوں کو بھی جانتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (ھود 11:5) ''آگاہ رہو! بے شک وہ اپنے سینے کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ اللہ سے پردہ کریں، سن رکھو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں تب بھی، وہ ان کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے، وہ تو سینوں کی باتوں سے خوب آگاہ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ ﴾ (الرعد 13:10) ''کوئی تم میں سے چپکے سے بات کرے اور جو پکار کر اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے، سب (اس کے نزدیک) برابر ہے۔'' پس اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے احسان کے متعلق سوال کیا، تو آپ ﷺ نے (جواب دیتے ہوئے) فرمایا: [أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ] ''کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھتا ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سب امور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔'' یعنی وہ دنیا و آخرت کا مالک ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ ﴾ (اللیل 92:13) ''اور بلاشبہ آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے۔'' اور وہ اس وجہ سے قابل تعریف ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز ﴾ (القصص 28:70) ''اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾ (سبا 34:1) ''سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس کے لیے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور آخرت میں بھی اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور وہ نہایت حکمت والا، خوب خبر دار ہے۔'' سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی ملکیت ہے، آسمانوں اور زمینوں میں رہنے والے سب اس کے بندے اور غلام ہیں، اس کے سامنے عاجز و ناتواں ہیں، جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ ﴾ (مریم 19:93-95) ''تمام لوگ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو غلام بن کر آئیں گے، یقیناً اس نے ان سب کو شمار کر رکھا ہے اور انھیں خوب گن کر رکھا ہے۔ اور وہ سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے آنے والے ہیں۔'' اور اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ﴾ ''اور سب امور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔'' یعنی کے دن اسی کی ذات پاک مرجع ہوگی، وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا اور وہ عادل ہے کہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، بلکہ اگر نیکی ایک ہو تو اس کا دس گنا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ ﴿ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (النساء 4:40) ''اور

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن: الإیمان، والإسلام......، حدیث: 50 و صحیح مسلم، الإیمان، الإسلام ماھو وبیان خصاله، حدیث: 10 عن أبی ھریرة رضی اللہ عنہ.

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس (مال) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمھیں جانشین بنایا ہے، پھر تم میں سے جو لوگ ایمان

مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ

لائے اور انھوں نے خرچ کیا ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے⑦ اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمھیں بلاتا ہے

لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى

کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ، اور یقیناً وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکا ہے اگر تم مومن ہو؟ ⑧ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح

عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ

آیات نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالے، اور بلاشبہ اللہ تم پر یقیناً نہایت شفیق، خوب رحم کرنے والا ہے⑨

رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا یہ (ان لوگوں کے) برابر نہیں ہیں (جنھوں نے فتح مکہ کے بعد یہی کام کیے۔) یہ (پہلے کرنے والے) لوگ درجے میں ان

الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

لوگوں سے عظیم تر ہیں جنھوں نے اس (فتح) کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی، اور اللہ نے ہر ایک سے نیک جزا کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ اس سے خوب

خَبِيْرٌ ۧ ⑩ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۚ ⑪ ع 1 10 17

باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو⑩ کون ہے وہ جو اللہ کو قرض حسنہ دے، پھر وہ اسے اس کے لیے بڑھا دے؟ اور اس کے لیے عمدہ اجر ہے⑪

اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ ﴾ (الأنبياء 47:21) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے تاکہ کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔''

﴿ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ؕ ﴾ ''وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔'' یعنی مخلوق میں صرف اسی کا تصرف کارفرما ہے، وہ رات دن کو آگے پیچھے لاتا ہے، اپنی حکمت کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے ان کے اندازے مقرر فرماتا ہے، کبھی رات کو لمبا اور دن کو چھوٹا کر دیتا ہے اور کبھی صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے۔ کبھی ان میں موسم معتدل ہوتا ہے کبھی موسم سرما، پھر بہار، پھر گرما اور پھر موسم خزاں آجاتا ہے۔ یہ سب کچھ مخلوق کے لیے اس کے ارادوں کے مطابق حکمت و تقدیر پر مبنی ہوتا ہے۔ ﴿ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ ﴾ ''اور وہ سینوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی وہ رازوں کو جانتا ہے اگرچہ وہ چھوٹے سے چھوٹا اور مخفی سے مخفی ہی کیوں نہ ہو۔

تفسیر آیات:7-11

ایمان کا حکم اور خرچ کرنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک اور اپنے رسول کے ساتھ اکمل طریقے سے ایمان لانے اور پھر اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوام اور ثبات کا حکم دیا، نیز اس نے خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے: ﴿ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾ ''اس میں سے جس میں اس نے تمھیں نائب بنایا ہے۔'' یعنی جو کچھ تمھارے پاس مستعار ہے، یہ تم سے پہلے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا، پھر تمھارے پاس آ گیا، پس اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو جو مال عطا فرمایا ہے اسے اس کی اطاعت میں خرچ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو بہت خوب، ورنہ وہ ان کا محاسبہ کرے گا اور مالی واجبات کے ترک کرنے کی وجہ سے انھیں سزا دے گا۔ ﴿ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمھارے بعد یہ مال تمھارے وارث کو منتقل ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ تمھارا وارث مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اختیار کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے بارے میں تم سے زیادہ سعادت مند ثابت ہو یا یہ کہ وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے اور اس طرح گناہ اور دشمنی کے کام میں تعاون کے بارے میں تم نے بھی کوشش کی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن شخّیر سے روایت کیا ہے کہ میں جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ فرما رہے تھے: [﴿ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾ (التکاثر 1:102) يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي مَالِي، وَ(هَلْ) لَّكَ مِنْ مَّالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ] ''(اے لوگو!) تمھیں باہم (مال کی) کثرت (کی خواہش) نے غافل کر دیا۔'' ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال بجز اس کے نہیں جسے تو نے کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔''[1] مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: [وَمَا سِوٰى ذَالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ] ''اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ تو جانے والا ہے اور تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ﴾ ''پھر جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے (مال سے) خرچ کیا ان کے لیے بہت بڑا ثواب ہے۔'' ایمان لانے اور اس کی اطاعت میں خرچ کرنے کی ترغیب (دی جا رہی) ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ ﴾ ''اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ (اس کے) پیغمبر تمھیں دعوت دے رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔'' یعنی جب رسول تمھارے پاس موجود ہیں اور تمھیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں تو پھر ایمان لانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ رسول اللہ ﷺ جو پیغام تمھارے پاس لاتے ہیں اس کے صحیح ہونے کے انھوں نے دلائل و براہین بھی بیان کیے ہیں۔ صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح کے آغاز میں ہم نے یہ حدیث ذکر کی ہے جو کئی طرق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابۂ کرام سے فرمایا: [أَيُّ الْخَلْقِ أَعْجَبُ إِلَيْكُمْ إِيمَانًا؟ قَالُوا: اَلْمَلَائِكَةُ، قَالَ: وَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ

---

[1] مسند أحمد: 24/4 اور قوسین والا لفظ بھی مذکورہ حوالے ہی میں ہے۔ [2] صحيح مسلم، الزهد، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر] حديث: 2959 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟ قَالُوا: فَالنَّبِيُّونَ؟ قَالَ: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ، قَالَ: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ أَعْجَبَ الْخَلْقِ إِلَيَّ إِيمَانًا لَقَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُونَ صُحُفًا فِيهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُونَ بِمَا فِيهَا] ''ایمان کے لحاظ سے کون سے لوگ تمھیں زیادہ اچھے لگتے ہیں؟ انھوں نے عرض کی: فرشتے، آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں؟ انھوں نے عرض کی: انبیاء، آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں نہ لائیں کہ ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے؟ انھوں نے عرض کی: ہم، آپ نے فرمایا: تم ایمان کیوں نہ لاؤ جبکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں؟ پھر فرمایا: ایمان کے اعتبار سے میرے نزدیک سب سے اچھے وہ لوگ ہوں گے جو تمھارے بعد آئیں گے اور صحیفے پائیں گے اور جو کچھ ان میں لکھا ہوگا اس کے مطابق ایمان لائیں گے۔''[1] اس حدیث کے کئی طرق ہم نے سورۂ بقرہ کی ابتدا میں ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ (البقرة 3:2) کی تفسیر میں بھی ذکر کیے ہیں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ ﴾ ''اور یقیناً وہ تم سے پختہ وعدہ بھی لے چکا ہے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز ﴾ (المآئدة 7:5) ''اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو اور اس کا عہد جو اس نے تم سے کیا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کر لیا۔'' اس سے صحابۂ کرام کا رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنا مراد ہے۔ امام ابن جریر کا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ میثاق ہے جو لوگوں سے اس وقت لیا گیا جب وہ صلب آدم میں تھے۔[3] مجاہد کا بھی یہی مذہب ہے۔[4] فَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾ ''وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح (المطالب) آیتیں نازل کرتا ہے'' یعنی واضح اور قطعی دلائل و براہین۔ ﴿ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ ﴾ ''تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے'' یعنی جہالت، کفر اور متضاد آراء کی تاریکیوں سے نکال کر وہ تمھیں ہدایت، یقین اور ایمان کی روشنی کی طرف لاتا ہے، ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا، خوب مہربان ہے۔'' کہ اس نے لوگوں کی ہدایت اور ان کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ پہلے ایمان و انفاق کا حکم دیا، پھر ایمان کی ترغیب دی اور فرمایا کہ اس نے ایمان کی راہ میں حائل تمام

---

[1] شرف أصحاب الحديث للخطيب البغدادي، ص: 57، رقم: 57 اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ البتہ مجمع الزوائد، المناقب، باب ماجاء فيمن آمن بالنبي ﷺ...... : 65/10 میں اس طرح ہے: [أَيُّ الْخَلْقِ أَعْجَبُ إِيمَانًا؟ قَالُوا: الْمَلَائِكَةُ، قَالَ: الْمَلَائِكَةُ كَيْفَ لَا يُؤْمِنُونَ؟ قَالُوا: النَّبِيُّونَ، قَالَ: النَّبِيُّونَ يُوحٰى إِلَيْهِمْ فَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُونَ؟ قَالُوا: الصَّحَابَةُ، قَالَ: الصَّحَابَةُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ، فَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُونَ؟ وَلٰكِنْ أَعْجَبُ النَّاسِ إِيمَانًا قَوْمٌ يَجِيئُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ فَيَجِدُونَ كِتَابًا مِنَ الْوَحْيِ، فَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَتَّبِعُونَهُ فَهُمْ أَعْجَبُ النَّاسِ إِيمَانًا، أَوِ الْخَلْقِ إِيمَانًا] مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة: 654/7، حديث: 3215 ومسند البزار، أسلم مولى عمر، عن عمر: 413/1، حديث: 289 ومسند أبي يعلى: 147/1، حديث: 160. [2] المصباح المنير میں یہ حدیث نہیں ہے، البتہ تفسیر ابن کثیر (مفصل) میں (البقرة 3:2) کے تحت دیکھیے۔ [3] تفسير الطبري: 284/27. [4] تفسير الطبري: 284/27.

مشکلات اور موانع کو دور کر دیا ہے، نیز مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اور تمھیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔'' یعنی خرچ کرو اور فقر و افلاس سے نہ ڈرو کیونکہ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اس کے ہاتھ میں ان کے خزانے اور ان کی کنجیاں ہیں، وہ عرش کا اور جس چیز کا عرش نے احاطہ کر رکھا ہے اس کا مالک ہے، اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ﴾ (سبا 39:34) ''اور تم جو چیز بھی خرچ کرو گے تو وہ اس کا تمھیں عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔'' اور یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ﴾ (النحل 96:16) ''جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے۔'' پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو وہ خرچ کرتا ہے اور اس بات سے نہیں ڈرتا کہ عرش کا مالک اسے مفلسی میں مبتلا کر دے گا بلکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں اور مال عطا فرمائے گا۔

فتح مکہ سے قبل انفاق وقتال کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ﴾ ''جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام بعد میں کیے) برابر نہیں'' یعنی یہ اور جس نے ایسا نہیں کیا دونوں برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ فتح مکہ سے قبل صورت حال بہت شدید تھی اس دور میں تو صدیقین ہی ایمان لاتے تھے جبکہ فتح کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظیم الشان کامیابی عطا فرما دی اور لوگ فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ ''یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہیں جنھوں نے بعد میں مالوں کو خرچ اور (کفار سے جہاد و) قتال کیا اور اللہ نے ہر ایک سے اچھے (ثواب) کا وعدہ کیا ہے۔'' جمہور کے نزدیک یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ شعبی وغیرہ سے روایت ہے کہ فتح سے یہاں صلح حدیبیہ مراد ہے۔[1]

اس قول کی دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کیا جاتا ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین گفتگو ہوئی تو خالد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ان ایام کی وجہ سے ہم پر فخر کرتے ہو جن میں تم ہم سے سبقت لے گئے تھے، ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی پہنچ گئی تو آپ نے فرمایا: [دَعُوا لِي أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنْفَقْتُمْ مِّثْلَ أُحُدٍ أَوْ مِثْلَ الْجِبَالِ ذَهَبًا مَّا بَلَغْتُمْ أَعْمَالَهُمْ] ''میرے لیے میرے صحابہ کو چھوڑ دو، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم اُحد یا پہاڑوں کے مانند سونا بھی خرچ کرو تو تم ان کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتے۔''[2] اور یہ بات سب کے علم میں ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

[1] تفسیر الطبری: 287,286/27. [2] مسند أحمد: 266/3، مزید دیکھیے صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب تحریم سبّ الصحابة، حدیث: 2540 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

جو اس فرمان کے مخاطب تھے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو بنو جذیمہ میں ہوئی تھی جن کی طرف فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انھوں نے کہنا شروع کیا: صَبَأْنَا صَبَأْنَا ہم بے دین ہو گئے، ہم بے دین ہو گئے۔ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ أَسْلَمْنَا ہم مسلمان ہو گئے، خالد نے حکم دیا کہ انھیں اور ان میں سے جو قیدی بنا لیے گئے ہیں انھیں قتل کر دیا جائے، جبکہ عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر صحابہ نے ان کی مخالفت کی۔ ① اسی وجہ سے خالد اور عبدالرحمٰن کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ②

صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْأَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِّثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ] ”میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو وہ ان میں سے کسی کے ایک یا نصف مد (خرچ کرنے) کے اجر و ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“ ③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ ”اور اللہ نے ہر ایک سے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے۔“ یعنی فتح سے پہلے خرچ کرنے والوں سے بھی اور بعد میں خرچ کرنے والوں سے بھی، ہر ایک کو ان کے اعمال کا ثواب ملے گا۔ گو اجر و ثواب کے اعتبار سے دونوں میں تفاوت ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ ﴾ (النسآء 4:95)

”ایمان والوں میں بیٹھ رہنے والے، جو کسی تکلیف (عذر) والے نہیں اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت عطا فرمائی ہے۔“

اسی طرح صحیح مسلم میں حدیث ہے: [اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ] ”قوی مومن ضعیف مومن کی نسبت بہتر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے لیکن ہر ایک میں خیر ہے۔“ ④ اس طرف اس لیے توجہ دلائی ہے تا کہ ایک کی تعریف سے دوسرے کو بالکل نظر انداز نہ کر دیا جائے تا کہ کوئی اسے دوسرے کی مذمت پر

① صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الوليد......، حديث :4339 عن ابن عمر ﷺ . ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب تحريم سبّ الصحابة، حديث :2541 . ③ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي، باب، حديث:3673 عن أبي سعيد ﷺ و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، حديث:2540 عن أبي هريرة ﷺ و سنن أبي داود، السنة ، باب في النهي عن سب أصحاب رسول الله، حديث:4658 عن أبي سعيد ﷺ و اللفظ له. ④ صحيح مسلم، القدر باب الإيمان بالقدر والإذعان له، حديث : 2664 عن أبي هريرة ﷺ .

محمول نہ کرے، اس لیے دوسرے کی بھی مدح وثنا کی جبکہ پہلے کو اس پر فضیلت ضرور حاصل ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑩﴾ ''اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے خوب واقف ہے۔'' باخبر ہونے ہی کی وجہ سے اس نے ان لوگوں کے اجر وثواب میں تفاوت کیا ہے جنھوں نے فتح سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا اور جنھوں نے بعد میں یہ کام کیے اور یہ اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ پہلے خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا مقصود کیا تھا، وہ اخلاص سے کس طرح مکمل طور پر بہرہ ور تھے اور انھوں نے کس طرح سختی اور تنگی کے دور میں خرچ کیا تھا۔

حدیث میں ہے: [سَبَقَ دِرْهَمٌ مِّائَةَ أَلْفِ دِرْهَمٍ] ''ایک درہم ایک لاکھ درہم سے سبقت لے جاتا ہے۔''[1] اہل ایمان کے ہاں اس بات میں ذرہ بھر شک وشبہ نہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ سے بہرۂ وافر ملا ہے، وہ اس کے مطابق عمل کرنے والے تمام انبیائے کرام کی امتوں کے سردار ہیں، انھوں نے اللہ عزوجل کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنا سارا مال خرچ کر ڈالا تھا اور ان پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا کہ انھیں اس کا بدلہ دینے کی ضرورت ہو۔

اللہ کے رستے میں خرچ کرنے کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرض حسن سے مراد اللہ کے رستے میں خرچ کرنا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل وعیال پر خرچ کرنا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے جو بھی خالص نیت اور عزم صادق کے ساتھ خرچ کرے وہ اس آیت کریمہ کے عموم میں داخل ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ﴾ ''کون ہے جو اللہ کو اچھا (اور خلوص سے) قرض دے، پھر وہ اسے اس کے لیے بڑھا دے؟'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط﴾ (البقرۃ 2:245) ''(اس کو) کئی حصے زیادہ (دے گا)'' یعنی اس کے لیے خوب صورت بدلہ اور رزق فراواں ہوگا اور اس سے مراد جنت ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ﴾ ''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، پھر وہ اسے اس سے دوگنا ادا کرے۔'' ابودحداح انصاری رضی اللہ عنہ[2] نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اے ابودحداح! انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اپنا دست مبارک دکھائیں، آپ نے انھیں اپنا دست مبارک دکھایا، انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔ ان کے باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ ام دحداح اور ان کے بچے بھی اس باغ میں رہائش پذیر تھے، ابودحداح رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے آواز دی: اے ام دحداح! انھوں نے کہا: لبیک! ابودحداح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم باغ سے باہر آجاؤ، یہ میں نے اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ

---

① سنن النسائی، الزکاۃ، باب جھد المقل، حدیث: 2528 عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، مزید دیکھیے مسند أحمد: 379/2.

② ابودحداح کے نام کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ دیکھیے الإصابۃ: 100/7.

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ

اس دن آپ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا۔ (کہا جائے گا:) آج تمھیں ایسے

الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ يَوْمَ

باغات کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے⑫ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں

يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ

ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کہیں گے: تم ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ (ان سے) کہا جائے گا: اپنے پیچھے کی

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ

طرف لوٹ جاؤ، پھر نور تلاش کرو۔ تب ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی اور

الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى

اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا⑬ وہ (منافق) ان (مومنوں) کو پکاریں گے: کیا ہم (دنیا میں) تمھارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے: (ہاں) کیوں

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ

نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا تھا، اور تم نے (اہل ایمان کی بابت گردشِ زمانہ کا) انتظار کیا، اور تم نے شک کیا۔ اور تمھیں (جھوٹی)

وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

خواہشوں نے فریب دیا، حتی کہ اللہ کا حکم آپہنچا، اور تمھیں دھوکے باز (شیطان) نے اللہ کی بابت دھوکا دیا⑭ لہٰذا آج تم سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑮

اور نہ ان لوگوں سے جنھوں نے کفر کیا۔ تمھارا ٹھکانا آگ ہے، یہی تمھارے لیے زیادہ موزوں ہے اور وہ لوٹ جانے کی بہت بری جگہ ہے⑮

ام دحداح نے اپنے شوہر سے کہا کہ ابو دحداح تمھاری بیع نفع بخش ہے۔[1] اور پھر انھوں نے اپنے سامان اور بچوں کو وہاں سے منتقل کردیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [كَمْ مِّنْ عِذْقٍ دَوَّاحٍ لِّأَبِي الدَّحْدَاحِ فِي الْجَنَّةِ] ''ابو دحداح کے لیے جنت میں کتنے ہی پھل سے لدے کھجور کے درخت ہوں گے۔''[2] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: [رُبَّ نَخْلَةٍ مُّدَلَّاةٍ، عُرُوقُهَا دُرٌّ وَّيَاقُوتٌ لِّأَبِي الدَّحْدَاحِ فِي الْجَنَّةِ] ''جنت میں ابو دحداح کے کتنے ہی کھجوروں کے ایسے درخت ہوں گے جن کے پھل لٹک رہے ہوں گے۔ اور ان پھل دار درختوں کی جڑیں موتی اور یاقوت کی ہوں گی۔''[3]

---

① مسند أحمد :146/3. ② مسند أحمد :146/3 والمعجم الكبير للطبراني، ترجمة من يكنى أبا الدحداح : 301,300/22 ، حديث: 763 وصحيح ابن حبان، إخباره عن مناقب الصحابة، ذكر أبي الدحداح الأنصاري ﷺ : 114,113/16، حديث: 7159 عن أنس بن مالك ﷺ، مزید دیکھیے صحیح مسلم، الجنائز، باب ركوب المصلى على الجنازة إذا انصرف، حديث: 965 عن جابر بن سمرة ﷺ مختصراً. ③ تفسير ابن أبي حاتم : 3339,3338/10.

تفسیر آیات :12-15

مومنوں کو روز قیامت اعمال کے مطابق نور ملے گا: اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے والے مومنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ان کا نور ان کے آگے دوڑ رہا ہوگا اور وہ نور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ﴿ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ ''اور ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے دوڑتا ہوگا۔'' کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے اعمال کے مطابق پل صراط سے گزریں گے، کچھ لوگوں کا نور پہاڑ کی طرح ہوگا، کچھ کا کھجور کے درخت کی طرح، کچھ کا کھڑے ہوئے آدمی کی طرح، سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے انگوٹھے میں نور ہوگا جو کبھی چمکے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔ اسے ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

امام ضحاک کہتے ہیں کہ روز قیامت ہر شخص کو نور دیا جائے گا، جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ مومن جب یہ دیکھیں گے تو وہ ڈریں گے کہ کہیں ان کا نور بھی نہ اسی طرح بجھ جائے جیسے منافقوں کا نور بجھ گیا ہے، لہٰذا وہ یہ دعا کریں گے: ﴿ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر۔''[2] اور فرمایا: ﴿ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ ''اور ان کے دائیں۔'' ضحاک کہتے ہیں کہ ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔[3] جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴾ (بنی إسرآءیل 71:17) ''جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''تمھیں بشارت ہو کہ آج تمھارے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔'' یعنی ان سے کہا جائے گا کہ آج تمھیں ایسے باغات کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''ان میں ہمیشہ رہو گے، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔''

روز قیامت منافقین کا حال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ﴾ ''اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے روشنی حاصل کریں۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ روز قیامت کس قدر خطرناک ہولناکیاں، زبردست زلزلے اور بہت منکر امور پیش آئیں گے جن سے صرف وہی بچ سکے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اس کے مطابق عمل کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، اور اسے ترک کر دیا جس سے اس نے منع فرمایا۔ عوفی اور ضحاک وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگ اندھیرے میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نور بھیج دے گا، مومن جب اس نور کو دیکھیں گے تو اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور یہ نور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی رہنمائی کرے گا، منافق جب مومنوں کو دیکھیں گے کہ وہ چلے گئے ہیں تو وہ بھی ان کے پیچھے چلیں گے لیکن اللہ تعالیٰ منافقوں پر اندھیرا طاری کر دے گا تو وہ اس وقت کہیں گے:

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم :3336/10 وتفسیر الطبري:290/27 . [2] تفسیر الطبري :215/28 عن الحسن . [3] تفسیر الطبري :290/27 .

﴿ انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ﴾ ''ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے روشنی حاصل کریں۔'' کیونکہ ہم دنیا میں تمھارے ساتھ تھے، تو مومن ان سے کہیں گے: ﴿ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ ﴾ ''پیچھے لوٹ جاؤ'' جہاں تم اندھیرے سے آئے ہو وہاں نور تلاش کرو۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ ﴾ ''پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کی اندرونی جانب رحمت اور بیرونی جانب عذاب (واذیت) ہے۔'' حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم کے درمیان دیوار ہوگی۔ ② عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس سے مراد وہی دیوار ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ ﴾ (الأعراف 46:7) ''ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی۔'' ③ مجاہد اور کئی ایک دیگر ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ④ اور صحیح قول بھی یہی ہے۔ ﴿ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ ﴾ ''جو اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے۔'' اس سے مراد جنت اور اس کی نعمتیں ہیں، ﴿ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ ﴾ ''اور جو جانب بیرونی ہے اس طرف عذاب (واذیت۔)'' اس سے مراد دوزخ ہے، یہ قتادہ، ابن زید اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔ ⑤

﴿ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ ﴾ ''وہ (منافق لوگ) انھیں آواز دیں گے: کیا ہم (دنیا میں) تمھارے ساتھ نہ تھے؟'' یعنی ہم تمھارے ساتھ مل کر جمعے اور نمازیں باجماعت ادا نہ کیا کرتے تھے، تمھارے ساتھ عرفات میں وقوف نہ کرتے تھے، غزوات میں شرکت اور دیگر تمام واجبات کو ادا نہ کیا کرتے تھے، ﴿ قَالُوْا بَلٰى ﴾ ''کہیں گے: کیوں نہیں۔'' مومن منافقوں کو جواب دیں گے: ہاں، تم ہمارے ساتھ تھے ﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ ﴾ ''اور لیکن تم نے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالا اور تم (ہمارے حق میں حوادث کے) منتظر رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (لا طائل) آرزوؤں نے تمھیں دھوکا دیا۔'' قتادہ کہتے ہیں: ﴿ وَتَرَبَّصْتُمْ ﴾ کہ تم حق اور اہل حق کے بارے میں انتظار میں تھے۔ ⑥ ﴿ وَارْتَبْتُمْ ﴾ تمھیں بعث بعد الموت کے بارے میں شک تھا، ﴿ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ ﴾ اور تم کہتے تھے کہ ہمیں بخش دیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں دنیا نے دھوکے میں رکھا ﴿ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا'' یعنی تم اس حال میں رہے حتی کہ تمھیں موت آگئی۔ ﴿ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭ ﴾ ''اور اللہ کے بارے میں تمھیں دغاباز دغا دیتا رہا۔'' دغاباز سے مراد شیطان ہے۔ ⑦

قتادہ کہتے ہیں کہ وہ شیطان کی طرف سے دھوکے میں مبتلا تھے اور وہ اسی حال میں رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم رسید کر دیا۔ ⑧ مومن منافقوں کو جو جواب دیں گے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ہمارے ساتھ تھے، یعنی جسموں کے ساتھ نہ کہ

① تفسیر الطبری :292/27 . ② تفسیر الطبری :293/27 . ③ تفسیر الطبری :293/27 . ④ تفسیر الطبری: 293/27 و247/8 . ⑤ تفسیر الطبری :294/27 . ⑥ تفسیر الطبری :294/27 . ⑦ تفسیر الطبری :295/27 . ⑧ تفسیر الطبری :295/27 .

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے لیے جھک جائیں اور (اس کے لیے) جو حق سے

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ

نازل ہوا، اور وہ ان لوگوں کے مانند نہ ہوں جنھیں اس سے پہلے کتاب دی گئی؟ پھر ان پر مدت لمبی ہوگئی تو ان کے دل سخت ہوگئے،

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں⑯ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ یقیناً ہم نے تمھارے لیے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰

آیات بیان کیں تاکہ تم عقل کرو ⑰

ارادوں اور دلوں کے ساتھ، بلکہ تم حیرت اور شک میں مبتلا تھے، تم تو لوگوں کے دکھاوے کے لیے عمل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ دنیاوی زندگی میں منافق مومنوں کے ساتھ تھے، ان سے رشتے ناطے کرتے، ان سے ملتے جلتے، ان کے ساتھ مل کر رہتے اور مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ ہی رہے اور پھر روز قیامت نور بھی سب کو اکٹھا ہی دیا جائے گا مگر جب دیوار کے پاس پہنچیں گے تو منافقوں کا نور بجھا دیا جائے گا اور منافقوں اور مومنوں میں امتیاز کر دیا جائے گا۔ ①

﴿ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ ﴾ ''تم سب کا ٹھکانا آگ ہے۔'' آتش دوزخ تمھارا ٹھکانا اور مرجع وماویٰ ہے۔ ﴿ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ ﴾ ''وہی تمھاری دوست ہے۔'' تمھارے کفر اور شک کی ہر منزل پر یہی تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اور یہ بدترین ٹھکانا ہے۔

تفسیر آیات:17,16

خشوع کی ترغیب اور اہل کتاب جیسا بننے کی ممانعت: اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا ابھی مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ اس کے ذکر کے لیے ان کے دل جھک جائیں، یعنی اس کے ذکر، وعظ ونصیحت اور قرآن مجید سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں تاکہ وہ اسے سمجھنے اور ماننے لگیں اور اسے سن کر اس کی اطاعت بجالائیں۔ امام مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کریمہ: ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ ''کیا ابھی تک مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کے لیے ان کے دل جھک جائیں۔'' کے ذریعے سے سرزنش کرنے میں چار سال کا وقفہ تھا۔ اسی طرح اسے امام مسلم نے کتاب کے آخر میں اور امام نسائی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ ﴾ ''اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں، جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر زمانہ طویل ہو گیا تو ان کے دل سخت

① تفسير الطبري: 294/27. ② صحيح مسلم، التفسير، باب في قوله تعالى: ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ ﴾، حديث: 3027 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾: 481/6، حديث: 11568.

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ

بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنھوں نے اللہ کو قرضِ حسنہ دیا تو وہ ان کے لیے بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے

کَرِیْمٌ ⑱ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ

عمدہ اجر ہے ⑱ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ اپنے رب کے ہاں راست باز اور گواہی دینے والے ہیں۔

2 ع 9 18 رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ⑲

ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہی دوزخی ہیں ⑲

ہو گئے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان لوگوں کی مشابہت سے منع فرمایا ہے جنھیں ان سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں، یعنی یہود و نصاریٰ، کہ جب مدت طویل ہو گئی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ان کتابوں میں تبدیلی کر دی جو ان کے پاس تھیں، اس کے بدلے میں انھوں نے تھوڑی سی قیمت حاصل کی، کتاب اللہ کو انھوں نے پسِ پشت ڈال دیا، مختلف آراء اور من گھڑت اقوال کی طرف متوجہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کی تقلید شروع کر دی، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو خدا بنا لیا، چنانچہ ان کے دل سخت ہو گئے جو نہ تو نصیحت کو قبول کرتے ہیں اور نہ وعد و وعید کی باتوں کو سن کر نرم ہوتے ہیں۔

﴿ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯ ﴾ ''اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں'' یعنی اعمال کے اعتبار سے وہ فاسق ہیں، ان کے دل فاسد ہیں اور ان کے اعمال باطل ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ ﴾ (المآئدۃ 5:13) ''تو ان کے اپنے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، وہ کلمات (کتاب) کو اپنے مقام سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی انھیں نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے ہیں۔'' یعنی ان کے دل فاسد ہو کر سخت ہو گئے، کلمات میں تحریف ان کی عادت بن گئی، ان اعمال کو انھوں نے ترک کر دیا جن کے کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا، ان اعمال کا انھوں نے ارتکاب شروع کر دیا جن سے انھیں منع کیا گیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ اصلی یا فرعی کسی بھی چیز میں ان کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰ ﴾ ''جان رکھو کہ بے شک اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے ہم نے اپنی نشانیاں تم سے کھول کھول کر بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔'' اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت دلوں کو نرم کر دیتا ہے، ضلالت و گمراہی میں مبتلا لوگوں کو ہدایت عطا فرما دیتا ہے، مشکلات اور سختیوں کو دور فرما دیتا ہے جیسا کہ مردہ و بنجر زمین کو موسلا دھار بارانِ رحمت کے ساتھ زندہ کر دیتا ہے، ان بند دلوں میں جن میں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی تھی وہ ایمان کی روشنی پہنچا دیتا ہے، پس پاک ہے وہ ذاتِ اقدس جو جسے چاہے گمراہی کے بعد ہدایت عطا فرما دے، کمال کے بعد جسے چاہے گمراہی تک پہنچا دے، وہ جو چاہے کرتا ہے اور وہ اپنے تمام افعال میں حکیم و عادل ہے اور وہ ذات پاک باریک بین، باخبر اور بلند شان والی ہے۔

تفسیر آیات: 19,18

صدقہ کرنے والے، سچ بولنے والے اور شہداء کا اجر وثواب: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس اجر وثواب کو بیان فرمایا ہے جس سے ضرورت مندوں، فقیروں اور مسکینوں پر اپنے مال کو صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کو نوازا جائے گا: ﴿ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ ''اور اللہ کو خلوص سے قرض حسنہ دیتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے خالص نیت کے ساتھ اپنے مال کو خرچ کیا اور جن پر خرچ کیا ان سے نہ تو کسی بدلہ کی خواہش کی اور نہ اس بات کی کہ وہ ان کا شکریہ ادا کریں، اسی لیے فرمایا: ﴿ يُضٰعَفُ لَهُمْ ﴾ ''ان کو دو چند ادا کیا جائے گا۔'' یعنی ان کی نیکی کا انھیں دس گنا، سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ اجر وثواب عطا کیا جائے گا: ﴿ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑱ ﴾ ''اور ان کے لیے عزت کا صلہ ہے۔'' یعنی بہت اچھا اور بے پایاں ثواب اور بہترین اور انتہائی معزز ٹھکانا نصیب کیا جائے گا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے یہی (اپنے پروردگار کے نزدیک) صدیق ہیں۔'' اس پر جملہ پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے پیغمبروں کے ساتھ ایمان لانے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ صدیقین ہیں۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جملے کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ الگ جملہ ہے۔[1] ابوضحیٰ نے بھی کہا ہے کہ ﴿ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ﴾ پر جملہ مکمل ہے اور ﴿ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ سے کلام کا از سر نو آغاز ہوتا ہے۔[2] مسروق، ضحاک، مقاتل بن حیان اور کئی دیگر ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[3]

اعمش نے ابوضحیٰ سے، انھوں نے مسروق سے اور انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہاں تین اصناف کا ذکر ہے۔ صدقہ کرنے والے، صدیقین اور شہداء جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ (النسآء 69:4) ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ۔'' پس صدیقین اور شہداء میں فرق کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ قسمیں ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ صدیق کا مرتبہ شہید سے بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الموطا میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ (لَيَتَرَاءَوْنَ) أَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ فِي الْأُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ أَوِ الْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ] ''اہل جنت بالا خانوں والوں کو اپنے اوپر اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ مشرق یا مغرب کے افق پر تم چمکنے والے ستارے کو دیکھتے ہو اور یہ دونوں کے درجات میں فرق کی وجہ سے ہو گا۔'' راوی نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ تو حضرات انبیائے کرام کے مقامات ہوں گے جن تک دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکیں گے؟ آپ نے فرمایا:

---

① تفسیر الطبری :299/27 . ② تفسیر الطبری :300/27 . ③ تفسیر الطبری :300/27 .

[بَلٰی، وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ! رِجَالٌ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِینَ] ''ہاں، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی۔''①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''اور اپنے پروردگار کے نزدیک شہید ہیں۔''نعمتوں سے بھرے ہوئے باغات میں ہوں گے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [(إِنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ...... فِي حَوَاصِلِ) طَيْرٍ خُضْرٍ لَّهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟ قَالُوا:...... يَارَبِّ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى...... (فَقَالَ: إِنِّي قَدْ قَضَيْتُ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ)] ''شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں میں ہوتی ہیں، ان کے لیے قندیلیں عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں، وہ روحیں جنت کے باغوں میں سے جہاں سے چاہتی ہیں چگتی ہیں، پھر وہ ان قندیلوں کو قیام گاہ بنالیتیں ہیں۔سو ان کا پروردگار ان کی طرف جھانکتا ہے تو فرماتا ہے: تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں...... ہمارے پروردگار! ہم چاہتے ہیں تو ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دے، یہاں تک کہ ہم ایک مرتبہ پھر تیری راہ میں شہید کیے جائیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک میں نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ انھیں دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا۔''②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ﴾ ''ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان (کے ایمان) کی روشنی۔''یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے بے پایاں اجر وثواب اور ایسا عظیم الشان نور ہوگا جو ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا اور دنیا کے اعمال کے بقدر ان کے نور کے درجات بھی مختلف ہوں گے، جیسا کہ امام احمد نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

[اَلشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ: رَّجُلٌ مُّؤْمِنٌ جَيِّدُ الْإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ فَقُتِلَ، (فَذَاكَ) الَّذِي يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهِ هٰكَذَا۔ وَرَفَعَ رَأْسَهٗ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَوْقَلَنْسُوَةُ عُمَرَ، وَالثَّانِي رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ لَّقِيَ الْعَدُوَّ فَكَأَنَّمَا يُضْرَبُ ظَهْرُهٗ بِشَوْكِ الطَّلْحِ، جَاءَهٗ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهٗ، (فَذَاكَ) فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ، وَالثَّالِثُ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا، لَّقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰى قُتِلَ، (فَذَاكَ) فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ، وَالرَّابِعُ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ إِسْرَافًا كَثِيرًا، لَّقِيَ الْعَدُوَّ، فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ،

① صحیح البخاری، بدء الخلق ، باب ماجاء فی صفة الجنة......، حدیث :3256 اور قوسین والا لفظ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب ترائی أهل الجنة أهل الغرف......، حدیث:2831 عن أبی سعید الخدری ﷺ میں ہے جبکہ الموطأ للإمام مالك میں یہ حدیث نہیں ملی۔ ② پہلی قوسین والے الفاظ مسند أبی داود الطیالسی، ما أسند عبداللّٰه بن مسعود ﷺ:233/1، حدیث:289، دوسری قوسین والا جملہ کسی اور حدیث کے سیاق میں المسند للحمیدی، أحادیث جابر بن عبداللّٰه ﷺ:532/2، حدیث:1265 میں اور باقی حدیث صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان أن أرواح الشهداء فی الجنة......، حدیث:1887 عن ابن مسعود ﷺ کے مطابق ہے۔مزید دیکھیے جامع الترمذی، فضائل الجهاد، باب ماجاء فی ثواب الشهید، حدیث:1641 عن کعب بن مالك ﷺ.

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي

تم جان لو کہ بے شک دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا اور ایک دوسرے پر اموال و اولاد میں کثرت

الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا

جتانا ہے۔(اس کی مثال یوں ہے) جیسے بارش کہ اس سے (پیدا شدہ) نباتات کسانوں کو خوش کرتی ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں تو

ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ

آپ اسے زرد شدہ دیکھتے ہیں، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہیں۔ اور آخرت میں (کفار کے لیے) شدید عذاب ہے، اور (مومنوں

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے، اور دنیاوی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے ⑳ تم اپنے رب کی مغفرت

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کی طرح ہے، وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے

وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ㉑

جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے یہ دیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے ㉑

(فَذَاكَ) فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ] ''شہداء چار قسم کے ہیں: (1) اچھے ایمان والا وہ مرد مومن جو دشمن سے ملا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا اور وہ شہید ہو گیا، اس کی طرف لوگ اس طرح دیکھیں گے۔ یہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے سر مبارک اوپر اٹھایا حتی کہ آپ کی ٹوپی گر گئی یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ (نے سر اٹھایا اور ان) کی ٹوپی گر گئی۔ (2) وہ مومن جو دشمن سے اس طرح ملا کہ اس کی پشت پر گویا ببول کے کانٹے چبھوئے جا رہے ہوں، اور پھر ایک اجنبی تیر آیا جس سے وہ شہید ہو گیا، یہ دوسرے درجے میں ہوگا۔ (3) وہ مرد مومن جس نے کچھ نیک عمل بھی کیے اور کچھ برے عمل بھی، یہ دشمن سے ملا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو سچ ثابت کر دکھایا اور شہید ہو گیا، یہ تیسرے درجے میں ہوگا۔ (4) وہ مرد مومن جس نے اپنے آپ پر بہت زیادتیاں کیں، دشمن سے ملا اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو سچ ثابت کر دکھایا اور شہید ہو گیا، یہ چوتھے درجے میں ہوگا۔''[1] اسے امام علی بن مدینی نے بھی اسی طرح روایت کیا اور فرمایا کہ اس سند کے تمام راوی مصری ہیں اور اس کی سند صالح ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑲ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں کے ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں بدبخت لوگوں اور ان کے حال کو بیان فرمایا ہے۔

---

① مسند أحمد :23/1 اور تمام قوسوں والے الفاظ جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الشهداء عند الله، حديث: 1644 میں ہیں۔ بہرحال اس کی سند ضعیف ہے۔ ② جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الشهداء......، حديث :1644.

تفسیر آیات:21،20

دنیاوی زندگی کھیل تماشا ہے: اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کے معاملے کو بے وقعت اور حقیر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ ﴾ ''دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (وآرائش) اور تمھارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے۔'' یعنی اہل دنیا کے نزدیک اس کا حاصل یہ ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ ﴾ (ال عمرٰن 14:3) ''لوگوں کے لیے خواہشات نفس کی محبت مزین کر دی گئی ہے، عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے ڈھیروں سے، نشان لگے (عمدہ) گھوڑوں سے، مویشیوں سے، اور کھیتی سے، یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانا اللہ ہی کے پاس ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ چمک دمک فانی اور ختم ہو جانے والی نعمت ہے: ﴿ كَمَثَلِ غَيْثٍ ﴾ ''اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش۔'' ﴿ غَيْثٍ ﴾ اس بارش کو کہتے ہیں جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد برسے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا ﴾ (الشوریٰ 28:42) ''اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ ''کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے۔'' یعنی کسان کو وہ کھیتی بہت بھلی معلوم ہوتی ہے جو بارش سے اگتی ہے جس طرح کسان کو یہ کھیتی اچھی لگتی ہے اسی طرح کفار کو یہ دنیاوی زندگی بھی بہت اچھی لگتی ہے، لہٰذا وہ اس کے بہت زیادہ حریص اور اس کی طرف بہت زیادہ مائل ہوتے ہیں، ﴿ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ ﴾ ''پھر وہ پک جاتی ہے، پھر (اے دیکھنے والے) تو اسے دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے، پھر چورا چورا ہو جاتی ہے۔'' یعنی یہ کھیتی سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پیلی پڑ جاتی ہے اور پھر اس سب کچھ کے بعد وہ جلائے جانے والا ایندھن بن کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح دنیاوی زندگی پہلے جوان، پھر جوانی اور بڑھاپے کے درمیان اور پھر بدشکل بڑھیا ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی اوائل عمر اور عنفوانِ شباب میں رعنا و زیبا اور خوش منظر ہوتا ہے، پھر وہ کہولت کی طرف بڑھنا شروع کر دیتا ہے جس سے طبیعت بدل جاتی ہے اور بعض قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں، پھر وہ بڑا ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے جس کی تمام قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں، حرکت کم ہو جاتی ہے اور معمولی چیز بھی اسے عاجز و درماندہ بنا دیتی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝ ﴾ (الروم 54:30) ''اللہ ہی تو ہے جس نے تمھیں (ابتدا میں) کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی، پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہی سب کچھ جاننے والا (اور) خوب

قدرت والا ہے۔'' جب یہ مثال اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا یقیناً زوال پذیر اور ختم ہو جانے والی ہے اور آخرت بلا شک وشبہ آنے والی ہے تو آخرت کی خیر و بھلائی کے حصول کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ ''اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) اللہ کی طرف سے بڑی بخشش اور خوش نودی ہے اور دنیا وی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔'' یعنی بہت جلد آنے والی آخرت میں یا تو عذاب شدید ہوگا اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوش نودی ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ ''اور دنیا وی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔'' یعنی یہ فانی ہو جانے والا ساز و سامان ہے جو اسے دھوکا دے رہا ہے جو اس کی طرف مائل ہو، کیونکہ وہ اس پر فریب خوردہ ہو جاتا ہے، یہ اسے اچھی لگتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے سوا کوئی گھر نہیں اور نہ اس کے بعد کوئی آخرت ہے، حالانکہ یہ دنیا آخرت کے مقابلے میں بہت حقیر اور قلیل ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِّنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ] ''جنت تم میں سے ایک انسان سے اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے، اسی طرح جہنم بھی قریب ہے۔''[1] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خیر اور شر انسان کے بہت ہی قریب ہیں اور جب حقیقت یہ ہے تو اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے ترغیب دی ہے کہ نیکیوں کی طرف جلدی کی جائے، اطاعت کو اختیار کیا جائے اور محرمات کو ترک کر دیا جائے تاکہ گناہ اور خطائیں مٹ جائیں اور اجر و ثواب اور بلند درجات حاصل ہوں، نیز ارشاد فرمایا ہے: ﴿ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ ﴾ ''تم اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھو جس کا عرض آسمان وزمین کا سا ہے۔'' اس سے مراد جنس آسمان وزمین ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (آل عمرٰن 133:3) ''اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے، جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اسے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں اس کا اہل بنایا ہے تو یہ محض اس کا فضل و کرم اور احسان ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم نے یہ صحیح حدیث بیان کی ہے کہ[2] فقراء مہاجرین نے عرض کی: اللہ کے رسول! دولت مند لوگ تو اجر و ثواب میں بلند درجات اور ابدی و سرمدی نعمتیں لے گئے۔ آپ نے فرمایا: [وَمَا ذَاكَ] ''کیا مطلب؟'' انھوں نے عرض کی کہ وہ بھی نماز

---

[1] مسند أحمد :442/1. [2] دیکھیے قٓ 40:50 کے ذیل میں عنوان: ''کفار کو عذاب کی دھمکی اور نبی ﷺ کو صبر اور نماز کا حکم''

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ

زمین میں اور تمھاری جانوں پر جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تو کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔

اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿22﴾ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے ﴿22﴾ تاکہ تم اس (چیز) پر غم نہ کھاؤ جو تم سے جاتی رہے اور تم اس پر نہ اتراؤ جو وہ تمھیں عطا کرے اور اللہ

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿23﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ

ہر اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ﴿23﴾ وہ لوگ جو (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم

وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿24﴾

دیتے ہیں۔ اور جو شخص (احکام الٰہی سے) منہ پھیرے تو بلاشبہ اللہ تو وہی بے پروا، نہایت قابل تعریف ہے ﴿24﴾

پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں، وہ بھی روزے رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں، وہ صدقہ بھی کرتے ہیں لیکن ہم نہیں کر سکتے، وہ گردنیں بھی آزاد کرتے ہیں اور ہم نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا: [(أَفَلَا أُدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ) تَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ؟ وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ ......، تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتَحْمَدُونَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ مَرَّةً] ''کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو اپنے بعد میں آنے والوں سے سبقت لے جاؤ اور تم سے کوئی افضل نہ ہوگا سوائے اس کے جو اس طرح کرے جیسے تم کرو......اور وہ یہ کہ تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر، اور الحمد للہ پڑھ لیا کرو۔'' وہ دوبارہ آئے اور انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس بات کو ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا ہے اور جو ہم نے کیا انھوں نے بھی اسی طرح کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ] ''یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔''①

تفسیر آیات:22-24

انسان کو جو کچھ پہنچتا ہے وہ تقدیر کی وجہ سے ہے: اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے قبل اپنی مخلوق کی جو تقدیر لکھی تھی اس کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''کوئی مصیبت زمین پر اور خود تم پر نہیں پڑتی۔'' یعنی اس کا تعلق خواہ آفاق سے ہو یا تمھاری ذات سے ﴿ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ﴾ ''مگر پیشتر اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں، ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' یعنی کائنات اور مخلوقات کی تخلیق سے قبل ہم نے اس کی تقدیر لکھ دی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمین میں پیش آنے والی مصیبت سے مراد قحط سالی اور نفوس میں پیش آنے والی مصیبت

① صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، حديث: 843 و صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......، حديث: (142)-595 واللفظ له عن أبي هريرة ﷺ، البتہ قوسین والے الفاظ المصنف لابن أبي شيبة، باب في ثواب التسبيح والحمد: 178/7، حديث: 35029 عن أبي الدرداء ﷺ، وصحيح ابن حبان، الصلاة، ذكر الشيء الذي يسبق المرء......: 357/5، حديث: 2014 عن أبي هريرة ﷺ میں ہیں۔

سے مراد اوجاع و امراض ہیں۔① اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ انسان کو لکڑی کی خراش، پاؤں کی پھسلن یا پسینے کا بہنا یہ سب کچھ اس کی گناہ کی پاداش میں ہوتا ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔② یہ عظیم الشان آیت کریمہ ان قدریہ کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم سابق کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل ورسوا کرے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [قَدَّرَ اللّٰهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ] ''اللہ تعالیٰ نے تقدیروں کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لکھ دیا تھا۔''③ اسے امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ] ''(اس وقت) اللہ تعالیٰ کا عرش پاک پانی پر تھا۔''④ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔⑤

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ ''یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔'' یعنی اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل اللہ تعالیٰ کا انھیں معلوم کرنا اور اپنے وقت پر ان کے وجود میں آنے کی تمام کیفیت و حالت کو پہلے سے اپنے پاس لکھ رکھنا، اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے کیونکہ جو کچھ ہوا یا جو کچھ ہوگا وہ سب جانتا ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو نہیں ہوا، نیز وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو نہیں ہے کیسے ہوتا تو وہ وجود میں آجاتا۔

صبر و شکر کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''تاکہ جو تم سے فوت ہو جائے اس کا غم نہ کرو اور جو اس نے تمھیں دیا ہے اس پر اترایا نہ کرو۔'' یعنی ہم نے تمھیں بتا دیا ہے کہ اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ہی ہمیں ان کے بارے میں علم ہے، ہم نے انھیں پہلے سے لکھ رکھا ہے، کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کی تقدیر مقرر کر رکھی ہے تاکہ تم اس بات کو خوب جان لو کہ جو تمھیں حاصل ہو گیا ہے اس سے تم محروم نہیں ہو سکتے تھے اور جو تمھیں حاصل نہیں ہو سکا وہ تمھیں ہرگز مل ہی نہیں سکتا تھا، لہٰذا جو چیز تمھیں حاصل نہیں ہو سکی اس پر افسوس نہ کرو کیونکہ اگر وہ تمھارے مقدر میں ہوتی تو تمھیں ضرور مل جاتی، ﴿ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''اور جو اس نے تمھیں دیا ہے اس پر اترایا نہ کرو۔'' یعنی جو تمھارے پاس آ گیا ہے، ﴿ اٰتٰىكُمْ ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے جو تمھیں دیا ہے، یعنی اس نے تمھیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان کی وجہ سے لوگوں پر فخر نہ کرو کیونکہ یہ تمھاری سعی و کاوش کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے مقدر میں لکھ رکھا تھا اور اس نے تمھیں یہ رزق عطا فرمایا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تکبر و غرور کا ذریعہ نہ بناؤ اور ان کی وجہ سے لوگوں پر فخر نہ کرو۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴾ ''اور اللہ کسی اترانے والے اور شیخی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' یعنی جو فی نفسہ اترائے اور دوسروں پر تکبر و فخر کرے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ ہر شخص خوش بھی ہوتا ہے اور غمگین

---

① تفسير الطبرى :303/27 . ② تفسير الطبرى :303/27-304 . ③ مسند أحمد :169/2 . ④ صحيح مسلم، القدر ، باب حجاج آدم و موسى صلى الله عليهما وسلم، حديث :(16)-2653 . ⑤ جامع الترمذى، القدر، باب إعظام أمر الإيمان بالقدر، حديث :2156 .

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ

البتہ تحقیق ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر

بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ

قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا، اس میں سخت لڑائی (کا سامان) اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں، اور تاکہ اللہ اسے جان لے

ع 3/6 19 مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿25﴾

جو بن دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ قوی و عزیز ہے ﴿25﴾

بھی، خوشی پر شکر کرو اور غم پر صبر کرو۔ ①

بخیل کی مذمت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ ﴾ ''جو (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔'' یعنی خود بھی برا کام کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں، ﴿ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ ﴾ ''اور جو شخص روگردانی کرے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اطاعت سے، ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿24﴾ ﴾ ''تو یقیناً اللہ ہی بہت بے پروا ہے اور خوب تعریفوں والا ہے۔'' جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ ﴾ (إبراهيم 8:14) ''اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کرو تو بلاشبہ اللہ بہت بے پروا اور قابل تعریف ہے۔''

تفسیر آیت: 25

انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات اور عدل و حق کے ساتھ بھیجا گیا: اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ ''البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا۔'' یعنی معجزات، روشن براہین اور قطعی دلائل کے ساتھ، ﴿ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ''اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب نازل کی۔'' جو وحیِ صادق ہے، ﴿ وَ الْمِیْزَانَ ﴾ ''اور ترازو۔'' یعنی قواعد عدل جیسا کہ امام مجاہد، قتادہ اور دیگر مفسرین نے فرمایا ہے۔ ② اور اس سے مراد وہ حق ہے جس کی صحیح اور مستقیم عقول بھی شہادت دیتی ہیں جو فاسد آراء کی مخالف ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ (هود 17:11) ''بھلا جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اور اس کے بعد اس (اللہ) کی طرف سے ایک گواہ (قرآن) بھی آجائے۔'' اور فرمایا: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ ﴾ (الروم 30:30) ''اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو۔)'' اور فرمایا: ﴿ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ ''تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔'' یعنی حق و عدل پر اور اس سے مراد ان امور میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع ہے جن کی انھوں نے خبر دی اور ان امور کی اطاعت ہے جن کا انھوں نے حکم دیا کیونکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جو لے کر آئے صرف وہی حق ہے، اس

① تفسير الطبري: 273/27. ② تفسير الطبري: 307/27.

کے بغیر اور کچھ حق نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ ﴾ (الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔'' یعنی ان میں بیان کی گئی خبریں سچی ہیں اور اوامر ونواہی مبنی بر عدل وانصاف ہیں، اسی لیے مومن جب بہشت کے بالا خانوں، عالی شان محلات اور نفیس تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے تو کہیں گے: ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ ﴾ (الأعراف 43:7) ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ سیدھی راہ دکھائی اور اگر اللہ ہمیں رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پاسکتے۔ بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔''

لوہے کے فوائد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ ﴾ ''اور ہم نے لوہا پیدا کیا اس میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے۔'' یعنی لوہے کو ہم نے اس شخص کے لیے سرزنش کا ذریعہ بنا دیا ہے جو حجت قائم ہونے کے بعد حق کا انکار اور اس کی مخالفت کرے، رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرمایا، مکہ میں قیام کے دوران مکی سورتیں نازل ہوئیں جن میں مشرکین کے ساتھ جدال اور دلائل و براہین کے ساتھ توحید کی وضاحت کی گئی، لیکن جب مخالفین پر حجت قائم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا اور اس نے مسلمانوں کو تلواروں کے ساتھ جہاد کرنے اور قرآن مجید کی مخالفت و تکذیب کرنے والوں کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دے دیا۔ امام احمد اور ابوداود رحمہما اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ (وَحْدَهُ) لَا شَرِيكَ لَهُ، وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ] ''مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے حتی کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے، میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے اور ذلت ورسوائی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھی میں سے ہے۔''①

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ ﴾ ''اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) سخت لڑائی کا سامان ہے۔'' یعنی اسلحہ ہے، مثلاً: تلواریں، نیزے، بھالے، تیر اور زرہیں وغیرہ، ﴿ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ ''اور لوگوں کے لیے فائدے (بھی ہیں۔)'' یعنی معیشت کے فائدے ہیں، مثلاً: کیل، ہتھوڑا، تیشہ، آرا، رانبی، چھینی، بیلچہ، پھاوڑا اور دیگر وہ آلات جن سے کھیتی باڑی، کھڈی اور کھانے پکانے کے کاموں میں مدد لی جاتی ہے، جن کے بغیر لوگوں کے لیے زندگی بسر کرنا مشکل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ ﴾ ''تاکہ اللہ اسے جان لے جو بن دیکھے اللہ اور اس کے

① مسند أحمد :50/2 اور دیکھیے مسند أحمد (الموسوعة الحديثية) :123/9 والمصنف لابن أبي شيبة، الجهاد، باب ما ذكر في فضل الجهاد......:218/4، حديث:19394، شیخ البانی نے إرواء الغليل :109/5، حديث:1269 کے تحت اسے ذکر کیا ہے اور صحيح البخاري، الجهاد و السير، باب ماقيل في الرماح، قبل الحديث:2914 ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیقاً مروی ہے جبکہ سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث:4031 میں صرف [مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ] ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ

اور یقیناً ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو (رسول بنا کر) بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی، پھر ان میں سے کچھ ہدایت پانے

مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ

والے ہیں اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں﴿26﴾ پھر ہم نے ان کے پیچھے لگاتار اپنے رسول بھیجے، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو (ان سب کے) پیچھے

مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ

بھیجا، اور ہم نے اسے انجیل دی، اور ہم نے ان کے دلوں میں جنھوں نے اس کی پیروی کی، شفقت اور مہربانی رکھ دی، اور رہبانیت تو انھوں نے ازخود

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ

ہی ایجاد کر لی تھی، ہم نے تو ان پر اسے فرض نہیں کیا تھا مگر یہ کہ رضائے الٰہی تلاش کریں، پھر انھوں نے اس کا خیال نہ رکھا جیسا اس کا خیال رکھنے کا حق

رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿27﴾

تھا، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے، ان کا اجر دیا، اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں﴿27﴾

پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔'' یعنی ہتھیار اٹھانے سے جس کی نیت اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنا ہو، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿25﴾ ﴾ ''بے شک اللہ قوی، بہت غالب ہے۔'' یعنی وہ قوی اور غالب ہے، وہ اس کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرے، حالانکہ اسے لوگوں کی مدد کی ضرورت نہیں ہے اور جہاد کا حکم صرف لوگوں کی آزمائش کی خاطر دیا گیا ہے۔

تفسیر آیات: 27,26

سابقہ بہت سی امتیں نافرمان تھیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد اس نے ہر نبی اور رسول کو انھی کی اولاد میں سے مبعوث فرمایا ہے، اسی طرح ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو کتاب بھی نازل فرمائی، جس رسول کو بھی بھیجا اور جس بشر کی طرف بھی وحی بھیجی گئی وہ آپ ہی کی اولاد میں سے تھا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت 27:29) ''اور ہم نے اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب مقرر کر دی۔'' حتی کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام تھے جنھوں نے اپنے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت دی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ﴾ ''پھر ہم نے ان کے پیچھے انھی کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے اور ہم ہی نے ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اسے انجیل عنایت کی۔'' یعنی ان کی طرف بذریعہ وحی انجیل بھیجی گئی۔ ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں ڈال دی'' یعنی حواریوں کے دلوں میں ﴿ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ ﴾ ''شفقت اور مہربانی۔'' تاکہ مخلوق کے ساتھ وہ شفقت و مہربانی کا معاملہ کریں۔ ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا ﴾ ''اور رہبانیت کو تو انھوں نے خود ایجاد کر لیا۔'' یعنی رہبانیت کی بدعت کو امت نصاریٰ نے ایجاد کیا تھا، ﴿ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴾ ''ہم نے انھیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔'' یعنی ہم نے اسے حکم شریعت قرار نہیں دیا تھا بلکہ اسے انھوں نے ازخود ایجاد کر لیا تھا۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ ﴾ ''مگر رضائے الٰہی تلاش کرنے کے لیے۔'' اس کے بارے میں دو قول ہیں: (1) اس سے ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا تھا، یہ سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے۔[1] (2) ہم نے انھیں اس کا حکم نہیں دیا تھا، ہم نے تو انھیں اس بات کا حکم دیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کریں: ﴿ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ﴾ ''پھر جیسا اسے نباہنا چاہیے تھا نباہ بھی نہ سکے۔'' یعنی انھوں نے جس بات کو اپنے لیے اختیار کیا اس کی پابندی بھی نہ کر سکے، اس میں دو اعتبار سے ان کی مذمت کی گئی ہے: (1) انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں ایسی بدعت ایجاد کی جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم نہیں دیا تھا (2) جسے انھوں نے تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھا اس کی بھی وہ صحیح صحیح پابندی نہ کر سکے۔

امام ابن جریر اور امام نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، جبکہ یہ الفاظ نسائی کی روایت کے مطابق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے تورات و انجیل میں تبدیلیاں کر دیں، ان میں سے کچھ مومن بھی تھے جو تورات اور انجیل کو پڑھتے تھے، ان کے بادشاہوں سے کہا گیا کہ ہمیں یہ لوگ جو گالی دیتے ہیں اس سے زیادہ سخت گالی کوئی اور ہو نہیں سکتی اور ان کا پڑھنا یہ ہے: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدة 5:44) ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے، تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔'' وہ ان آیات کو پڑھتے ہیں اور اپنے اس طرح پڑھنے میں وہ ہمارے اعمال کی عیب جوئی کرتے ہیں، پس ان کو بلاؤ تاکہ وہ بھی اسی طرح پڑھیں جیسے ہم پڑھتے ہیں، اسی طرح ایمان لائیں جیسے ہم ایمان لاتے ہیں، پس انھیں بلایا، جمع کیا اور انھیں کہا گیا کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے یا پھر وہ تورات و انجیل کے تبدیل شدہ حصوں کے سوا باقی کو پڑھنا چھوڑ دیں، انھوں نے ان سے پوچھا کہ اس سے تمھارا ارادہ کیا ہے؟ تم ہمیں چھوڑ دو، ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ہمارے لیے ایک بلند چبوترہ بناؤ، پھر اس پر ہمیں چڑھا دو اور ہمیں کوئی ایسی چیز دے دو جس کے ساتھ ہم اپنے کھانے پینے کو اوپر اٹھا لیا کریں اور ہم خود تمھارے پاس نہیں آئیں گے، دوسری جماعت نے کہا کہ ہمیں بھی چھوڑ دو، ہم زمین میں چلیں پھریں گے اور اس طرح پانی پی کر گزارہ کریں گے جس طرح جنگلی جانور پانی پیتے ہیں اور اگر تم اپنے علاقے میں ہمیں پکڑ لو تو قتل کر دو، تیسری جماعت نے کہا کہ جنگلات میں ہمارے لیے گھر بنا دو، وہاں ہم کنویں کھود لیں گے اور سبزیاں اگائیں گے، ہم تمھارے پاس نہیں آئیں گے بلکہ تمھارے پاس سے گزریں گے بھی نہیں، ہر قبیلے میں ان لوگوں کے دوست بھی تھے، لہٰذا انھوں نے اسی طرح کیا تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ﴾ ''اور رہبانیت کو تو انھوں نے خود ایجاد کر لیا، ہم نے انھیں اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (انھوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا)، پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا نباہ نہ سکے۔''[2]

---

[1] تفسیر الطبری :309/27 . [2] تفسیر الطبری :310/27 وسنن النسائی ، آداب القضاة، باب تأویل قول اللّٰه عزوجل: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ (المآئدة5:44)، حدیث:5402 والسنن الکبرٰی للنسائی، القضاء، باب تأویل قول اللّٰه جل ثناؤه: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ ...... ﴾(المآئدة5:44)467,466/3، حدیث:5941 .

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمھیں اپنی رحمت سے دو حصے (اجر) دے گا، اور تمھارے لیے ایسا

لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿28﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

نور بنائے گا کہ تم اس کے ساتھ چلو گے، اور وہ تمھیں بخش دے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿28﴾ تاکہ اہل کتاب یہ جان

اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

لیں کہ بلاشبہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شے پر قدرت نہیں رکھتے، اور بلاشبہ تمام فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے یہ (فضل) عطا کرتا ہے،

ع 4/4 20 وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾

اور اللہ عظیم فضل والا ہے﴿29﴾

امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لِكُلِّ نَبِيٍّ رَّهْبَانِيَّةٌ، وَّرَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''ہر نبی کے لیے رہبانیت کا ایک طریقہ ہوتا ہے، اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''[1] حافظ ابویعلیٰ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: [لِكُلِّ أُمَّةٍ رَّهْبَانِيَّةٌ، وَّرَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''ہر امت کے لیے رہبانیت کا ایک طریقہ ہوتا ہے اور اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے وصیت فرمائیں، انھوں نے جواب دیا کہ تم نے تو وہ سوال کیا ہے جو میں نے تم سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا تھا: [أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ وَّعَلَيْكَ بِالْجِهَادِ، فَإِنَّهُ رَهْبَانِيَّةُ الْإِسْلَامِ، وَعَلَيْكَ بِذِكْرِ اللّٰهِ، وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ رُوحُكَ فِي السَّمَاءِ وَذِكْرٌ لَّكَ فِي الْأَرْضِ] ''میں تمھیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، یہ ہر چیز کا سرچشمہ ہے، جہاد کو لازم پکڑو یہ اسلام کی رہبانیت ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت قرآن کی پابندی کرو، یہ آسمان میں تمھاری روح اور زمین میں تمھارا ذکر ہے۔''[3] امام احمد رحمہ اللہ اس روایت کے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 29,28

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے کے لیے دگنا اجر: قبل ازیں امام نسائی کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی جاچکی ہے۔[4] کہ اس کا تعلق اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں سے ہے کہ انھیں دگنا اجر و ثواب ملے گا جیسا کہ شعبی کی ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے ان کی اپنے والد سے اور ان کی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ (وَآمَنَ بِي) فَلَهُ أَجْرَانِ وَعَبْدٌ مَّمْلُوكٌ أَدَّى حَقَّ اللّٰهِ

---

① مسند أحمد :266/3، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ② مسند أبي يعلى الموصلي :210/7، حدیث: 4204، اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔ ③ مسند أحمد :82/3، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مزید دیکھیے مسند أبي يعلى : 284,283/2، حدیث:1000. ④ دیکھیے الحدید، آیت : 27 کے ذیل میں عنوان: ''سابقہ بہت سی امتیں نافرمان تھیں''

وَحَقَّ (مَوَالِيهِ) فَلَهُ أَجْرَانِ[إِذَا أَدَّبَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا) ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ] ''تین قسم کے لوگوں کو دگنا اجر وثواب ملے گا: اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی کے ساتھ اور میرے ساتھ ایمان لایا تو اس کے لیے دو اجر ہیں، وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکان کا حق بھی تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور وہ شخص جس نے اپنی باندی کو ادب سکھایا اور خوب اچھی طرح ادب سکھایا، پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے شادی کر لی تو اس کے لیے بھی دو اجر ہیں۔''① اسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس تفسیر میں ضحاک، عتبہ بن ابو حکیم اور کئی دیگر مفسرین نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اتفاق کیا ہے۔② اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔③

یہ آیت کریمہ اس آیت کی طرح ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ ﴾ (الأنفال 29:8) ''مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھارے لیے کسوٹی بنا دے گا (تم کو ممتاز کر دے گا) اور تمھارے گناہ مٹا دے گا اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' سعید بن عبدالعزیز نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کے ایک عالم سے پوچھا کہ تمھیں کتنی نیکیاں زیادہ ملتی ہیں، اس نے کہا کہ تین سو پچاس نیکیاں، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی کہ اس نے ہمیں دگنا اجر وثواب عطا فرمایا ہے، پھر سعید نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ ''وہ تمھیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا۔'' سعید کہتے ہیں کہ جمعے کا بھی اسی طرح دگنا اجر وثواب ملتا ہے۔④ اسے ابن جریر نے بیان کیا ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا، فَقَالَ: مَنْ يَّعْمَلُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ أَلَا فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَّعْمَلُ لِي مِنْ نِّصْفِ النَّهَارِ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ أَلَا فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى، ثُمَّ قَالَ : مَنْ يَّعْمَلُ لِي مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ؟ أَلَا فَأَنْتُمُ الَّذِينَ عَمِلْتُمْ فَغَضِبَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى، قَالُوا: نَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا وَّأَقَلَّ عَطَاءً! قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوا: لَا، قَالَ فَإِنَّمَا هُوَ فَضْلِي، أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ]

''تمھاری مثال اور یہود ونصاریٰ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کام پر کچھ مزدور لگائے اور کہا کہ کون ہے جو میرے لیے نماز صبح سے لے کر نصف النہار تک کام کرے اور میں کام کرنے والوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک قیراط دوں؟ یہ

---

① تینوں قوسوں والے الفاظ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ﴾ (مريم 16:19)، حديث: 3446 جبکہ باقی حدیث صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا......، حديث: 154 کے مطابق ہے۔ مزید دیکھیے صحيح البخاري، العلم، باب تعليم الرّجل أمته وأهله، حديث: 97 والجهاد والسير، باب فضل من أسلم من أهل الكتابين، حديث: 3011 ۔ ② تفسير الطبري :316,315/27 ۔ ③ تفسير الطبري : 317,316/27 ۔ ④ تفسير الطبري :316,315/27 ۔

سن کر یہودیوں نے کام کیا، پھر اس نے کہا کہ کون ہے جو نماز ظہر سے نماز عصر تک کام کرے اور میں کام کرنے والوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک قیراط دوں؟ پس یہ سن کر عیسائیوں نے کام کیا، پھر اس نے کہا کہ کون ہے جو میرے لیے عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کام کرے اور میں کام کرنے والوں میں سے ہر ایک کو دو دو قیراط دوں؟ یہ سن کر کام کرنے والے تم ہو، اس سے عیسائی اور یہودی ناراض ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم نے کام زیادہ کیا مگر ہمیں مزدوری کم ملی ہے، کام پر لگانے والے نے کہا: کیا میں نے ظلم کرتے ہوئے تم میں سے کسی کو کم مزدوری دی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں تو اس نے کہا کہ یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہوں عطا کر دوں۔'' [1] اسے بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَّعْمَلُونَ لَهٗ عَمَلًا يَّوْمًا إِلَى اللَّيْلِ عَلٰى أَجْرٍ مَّعْلُومٍ فَعَمِلُوا لَهٗ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ فَقَالُوا: لَا حَاجَةَ لَنَا إِلٰى أَجْرِكَ الَّذِي شَرَطْتَ لَنَا وَمَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ، فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَفْعَلُوا، أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ وَخُذُوا أَجْرَكُمْ، كَامِلًا، فَأَبَوْا وَتَرَكُوا وَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ بَعْدَهُمْ، فَقَالَ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ هٰذَا، وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُ لَهُمْ مِّنَ الْأَجْرِ، فَعَمِلُوا حَتّٰى إِذَا كَانَ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، قَالُوا: لَكَ مَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ وَّلَكَ الْأَجْرُ الَّذِي جَعَلْتَ لَنَا فِيهِ، فَقَالَ لَهُمْ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ، فَإِنَّ مَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ شَيْءٌ يَّسِيرٌ، فَأَبَوْا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا أَنْ يَّعْمَلُوا لَهٗ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ وَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ كِلَيْهِمَا، فَذٰلِكَ مَثَلُهُمْ وَمَثَلُ مَا قَبِلُوا مِنْ هٰذَا النُّورِ]

''مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے کچھ آدمیوں کو کام پر لگایا کہ وہ رات تک سارا دن طے شدہ اجرت پر کام کریں گے مگر انھوں نے نصف النہار تک کام کیا اور پھر کہا کہ ہمیں تیری اس مزدوری کی ضرورت نہیں جو تو نے طے کی ہے اور جو ہم نے کام کیا ہے اسے باطل سمجھو، اس نے کہا کہ نہیں ایسا نہ کرو، اپنے باقی کام کو مکمل کرو اور اپنی مزدوری پوری لو، انھوں نے انکار کیا اور کام چھوڑ دیا، اس نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو کام پر لگا دیا اور کہا کہ باقی سارا دن کام کرو اور میں تمھیں یہ مزدوری دوں گا جو میں نے ان سے طے کی تھی، انھوں نے کام کیا مگر نماز عصر پڑھ کر کہنے لگے کہ ہم نے جو کام کیا ہے وہ باطل ہے اور تو نے جو مزدوری طے کی تھی وہ ہم تیرے پاس ہی رہنے دیتے ہیں، اس نے کہا کہ باقی دن کام کرو اور اپنی مزدوری لو، دن کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے مگر انھوں نے کام کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے کچھ اور لوگوں کو کام پر لگا دیا تا کہ وہ دن کے باقی حصے میں کام کریں، انھوں نے دن کے باقی حصے میں غروب آفتاب تک کام کیا اور سابقہ دونوں گروہوں کی مزدوری کو حاصل کر لیا، یہ ہے ان کی اور اس نور کی مثال جسے انھوں نے قبول کر لیا۔'' اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے

[1] مسند أحمد :6/2. [2] صحيح البخاري، الإجارة، باب الإجارة إلى نصف النهار، حديث:2268.

روایت کیا ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ ”(یہ باتیں اس لیے بیان کی گئی ہیں) تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔“ تا کہ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عطا فرمایا ہے وہ اسے روکنے پر قادر نہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے روک رکھا ہے وہ اسے دینے پر قادر نہیں ﴿ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾ ﴾ ”اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔“

سورۂ حدید کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① صحيح البخاري، الإجارة، باب الإجارة من العصر إلى الليل، حديث :2271.

تفسیر
سُورۂ مُجادَلہ

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ

(اے نبی!) یقیناً اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت) کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ کی

تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

طرف شکایت کر رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ①

تفسیر آیت: 1

سببِ نزول: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کے کان تمام آوازوں کو خوب سنتے ہیں۔ بحث و جدال کرنے والی یہ خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر آپ سے گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کے ایک کونے میں موجود تھی لیکن میں سن نہیں رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا ...... ﴾ الآیة ''(اے پیغمبر!) جو (عورت) آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث و جدال کرتی ہے، اللہ نے اس کی التجا سن لی......۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں اسے اسی طرح تعلیقاً روایت کیا ہے۔[2] اسے امام نسائی، ابن ماجہ، ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

ابن ابوحاتم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں ہے، انھوں نے کہا کہ بابرکت ہے وہ ذات جس کے کان ہر چیز کو خوب سنتے ہیں، میں خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی بات کو سن رہی تھی گو ان کی بات کا کچھ حصہ میں نہ سن سکی تھی، وہ اپنے شوہر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں: یا رسول اللہ! (اس نے میرا مال کھایا)، میرے ساتھ جوانی کی زندگی کو بسر کیا، میرے بطن سے اس کے بچے پیدا ہوئے اور اب جبکہ میری عمر زیادہ ہو گئی ہے، اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے، اے اللہ! میں تیرے حضور اپنی التجا پیش کرتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خولہ ابھی موجود ہی تھیں کہ جبریل علیہ السلام

① مسند أحمد :46/6. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (النسآء 134:4)، قبل الحديث:7386 مختصرًا. ③ سنن النسائي، الطلاق، باب الظهار، حديث: 3490 وسنن ابن ماجه، السنة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث :188 وتفسير الطبري:9,8/28 و تفسير ابن أبي حاتم :3342/10.

اَلَّذِيۡنَ يُظٰهِرُوۡنَ مِنۡكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِهِمۡ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّهٰتُهُمۡ اِلَّا الّٰٓـئِىۡ وَلَدۡنَهُمۡ ؕ

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ''ظہار'' کرتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا اور بے شک وہ ناگوار

وَاِنَّهُمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ مُنۡكَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَزُوۡرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ② وَالَّذِيۡنَ يُظٰهِرُوۡنَ

بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے ② اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی

مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمۡ

بات سے رجوع کرتے ہیں، تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ

تُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ③ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ مِنۡ

اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو ③ پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے ہیں اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو

قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّيۡنَ مِسۡكِيۡنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ وَتِلۡكَ

چھوئیں، پھر جو شخص (اس کی) استطاعت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ،

حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ④

اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے ④

یہ آیات لے کر نازل ہوگئے: ﴿ قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِىۡ تُجَادِلُكَ فِىۡ زَوۡجِهَا ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے شوہر کا نام اوس بن صامت تھا۔ ①

تفسیر آیات : 4-2

ظہار اور اس کا کفارہ: امام احمد رحمہ اللہ نے خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سورۂ مجادلہ کا ابتدائی حصہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اوس بن صامت کے بارے میں نازل فرمایا ہے، میں اس کی بیوی تھی، وہ بہت بوڑھا اور تند مزاج ہوگیا تھا، ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کسی چیز کے بارے میں میری اس سے تکرار ہوگئی تو وہ ناراض ہوگیا اور اس نے کہا کہ تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے، پھر وہ گھر سے باہر نکل گیا، کچھ دیر اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا رہا، پھر وہ میرے پاس آیا اور میرے نفس کا مجھ سے مطالبہ کرنے لگا تو میں نے کہا ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم خویلہ کی جان جس کے ہاتھ میں ہے! تو میرے پاس نہیں آسکتا کیونکہ تو نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا، لہٰذا جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہمارے بارے میں فیصلہ نہیں فرما دیتے تو مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتا، وہ میری طرف لپکا مگر میں نے اپنے آپ کو اس سے دور کرلیا اور میں اس طرح اس پر غالب آگئی جس طرح عورت کسی بوڑھے لاغر پر غالب آجاتی ہے، بہر حال میں نے اسے اپنے آپ سے دور ہٹایا، پھر میں اپنی ایک پڑوسن کے پاس گئی، اس سے میں نے کپڑے مستعار لیے اور پھر اپنے گھر سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر آپ کے سامنے بیٹھ گئی،

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3342/10 و تفسیر الطبری: 9/28، البتہ قوسین والے الفاظ تفسیر البغوی: 38/5 میں ہیں۔

میں نے سارا ماجرا آپ کی خدمت میں پیش کیا اور اس کی بد خلقی کی بھی آپ سے شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے سن کر فرمایا: [يَاخُوَيْلَةُ! اِبْنُ عَمِّكِ شَيْخٌ كَبِيرٌ، فَاتَّقِي اللّٰهَ فِيهِ] ''خویلہ! تمھارا یہ برادر عم زاد بہت بوڑھا ہے، اس کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔'' لیکن اللہ کی قسم میں ابھی وہاں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں قرآن نازل فرما دیا، رسول اللہ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی نازل ہونے کے وقت طاری ہوتی تھی، پھر جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: [يَا خُوَيْلَةُ! قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيكِ وَفِي صَاحِبِكِ] ''اے خویلہ! اللہ نے تمھارے اور تمھارے خاوند کے بارے میں (قرآن) نازل کیا ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ﴾ (المجادلة 58:1) سے لے کر ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④ ﴾ تک کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مُرِيهِ! فَلْيُعْتِقْ رَقَبَةً] ''اس سے کہو کہ وہ ایک غلام آزاد کر دے۔'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! اس کے پاس آزاد کرنے کے لیے کوئی غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: [فَلْيَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ] ''پھر وہ متواتر دو مہینے روزے رکھے۔'' میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! وہ بہت بوڑھا ہے، وہ روزے نہیں رکھ سکتا، آپ نے فرمایا: [فَلْيُطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا وَّسْقًا مِّنْ تَمْرٍ] ''وہ ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک وسق کھجوریں کھلا دے۔'' میں نے عرض کی: واللہ! یارسول اللہ! اس کے پاس اتنی کھجوریں بھی نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِنَّا سَنُعِينُهُ بِعَرَقٍ مِّنْ تَمْرٍ] ''ایک ٹوکرا کھجوروں کے ساتھ ہم اس کی مدد کر دیتے ہیں۔'' میں نے عرض کی کہ کھجوروں کے ایک ٹوکرے کے ساتھ میں بھی اس کی مدد کر دیتی ہوں، آپ نے فرمایا: [قَدْ أَصَبْتِ وَأَحْسَنْتِ، فَاذْهَبِي، فَتَصَدَّقِي عَنْهُ ثُمَّ اسْتَوْصِي بِابْنِ عَمِّكِ خَيْرًا] ''بہت خوب، جاؤ اور یہ کھجوریں اس کی طرف سے صدقہ کر دو اور پھر اپنے برادر عم زاد کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔'' حضرت خویلہ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے اسی طرح کیا۔[1] اس روایت کو امام ابوداود نے بھی اپنی ''سنن'' کی کتاب الطلاق میں بیان کیا ہے۔[2] ان کی روایت میں اس خاتون کا نام خولہ بنت ثعلبہ ہے، اسے خولہ بنت مالک بن ثعلبہ بھی کہا جاتا ہے اور کبھی تصغیر کے ساتھ خویلہ کہا جاتا ہے، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب کا ایک مفہوم ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. اس سورۂ مبارکہ کے سبب نزول کے بارے میں یہی صحیح قول ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ ﴾ ''جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار کر لیتے ہیں۔'' ظہار کا لفظ ظہر سے مشتق ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی اپنی بیوی سے ظہار کرنا چاہتا تو وہ اس سے یہ کہتا: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے تخفیف کر کے اس کا کفارہ مقرر فرما دیا ہے اور اسے طلاق قرار نہیں دیا جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ

---

① مسند أحمد: 411,410/6 . ② سنن أبي داود، الطلاق، باب في الظهار، حديث: 2214 ، بہرحال الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 302-300/45 میں اس کی سند کو ضعیف کہا گیا ہے جبکہ بعض محققین کے نزدیک یہ حدیث شواہد کے ساتھ حسن ہے، دیکھیے فتح الباري: 433/9، قبل الحديث: 5293.

اسے طلاق سمجھتے تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ ﴾ ''وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا۔'' یعنی مرد کے اپنی بیوی سے یہ کہنے سے وہ اس کی ماں نہیں ہو جاتی کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا تو میری ماں کے مانند ہے یا تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے وغیرہ، اس طرح کے الفاظ سے وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی کیونکہ اس کی ماں تو صرف وہ ہے جس نے اسے جنم دیا ہے، اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ ﴾ ''اور بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔'' یعنی یہ ایک فحش اور باطل بات ہے، ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔'' اس سب کو جو تم سے حالتِ جاہلیت میں سرزد ہوا، جو سبقتِ لسانی کی وجہ سے منہ سے نکل گیا اور متکلم کا مقصود نہ تھا اور اگر وہ قصد وارادہ سے کہے تو اس سے بیوی حرام ہو جائے گی (حتی کہ کفارہ دے) کیونکہ صحیح قول کے مطابق ماں اور دیگر تمام محرمات: بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: ﴿ وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا ﴾ ''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں۔'' امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ظہار کے بعد طویل زمانے تک اسے اپنے پاس روکے رکھے اور اس عرصے میں اسے طلاق نہ دے۔[1] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے بعد وہ جماع کرنا چاہے یا اس کا ارادہ کرے تو اس وقت تک حلال نہیں جب تک اس کا کفارہ نہ ادا کر دے۔[2] امام مالک سے روایت ہے کہ اس سے مراد ارادۂ جماع اور بیوی کو اپنے پاس روک رکھنا ہے، دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد جماع ہی ہے۔[3] سعید بن جبیر سے ﴿ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا ﴾ ''پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں'' کی تفسیر میں مروی ہے کہ وہ اس جماع کی طرف رجوع کرنا چاہیں جسے انھوں نے از خود اپنے نفسوں پر حرام قرار دے دیا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرج میں مباشرت کرنا ہے، آپ کفارے سے قبل فرج کے علاوہ دیگر امور میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔[4] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس میں مسّ کے معنی نکاح کے ہیں۔[5] عطاء، زہری، قتادہ اور مقاتل بن حیان کا بھی یہی قول ہے۔[6] امام زہری فرماتے ہیں کہ اس حالت میں اس کے لیے کفارے سے قبل بوسہ یا مباشرت جائز نہیں ہے۔[7] اہل سنن نے عکرمہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارے سے قبل ہی اس

① كتاب الأم للشافعي:7/201,200. ② مسائل الإمام أحمد بن حنبل :1/583، رقم المسألة:1623. ③ الموطأ للإمام مالك، الطلاق، باب ظهار الحر:2/202، تحت الحديث:1217 والاستذكار لابن عبدالبر، الطلاق، باب ظهار الحر:17/113، المسألة:569. ④ تفسير الطبرى :28/13. ⑤ تفسير الطبرى :28/13. ⑥ الدر المنثور:6/266.
⑦ ہمیں امام زہری رحمہ اللہ سے ایک اور قول ملا ہے، دیکھیے المصنف لعبد الرزاق:6/425، حديث:11497.

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسے وہ لوگ ذلیل کیے گئے جو ان سے پہلے تھے، اور یقیناً ہم نے

اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ

واضح آیات اتاری ہیں، اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے ⑤ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا (زندہ کرے گا،) پھر ان کو جتائے گا جو انھوں

ع 1/6/1 اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑥ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي

نے عمل کیے۔ اللہ نے ان کو گن رکھا ہے جبکہ وہ انھیں بھول گئے، اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے ⑥ (اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا بے شک اللہ جانتا

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ

ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تین (افراد) کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی، مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ (آدمیوں) کی، مگر

اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، پھر وہ روز قیامت انھیں جتائے گا جو انھوں نے

بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦

عمل کیے تھے، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ⑦

سے مباشرت کرلی، آپ نے فرمایا: [مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ!] "اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! ایسا کیوں کیا؟" اس نے کہا کہ چاند کی روشنی میں، میں نے اس کی پازیب کو دیکھ لیا تھا، آپ نے فرمایا: [فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ] "جب تک وہ کفارہ ادا نہ کردو جس کا تمھیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس کے قریب نہ جاؤ۔" امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح قرار دیا ہے، نیز اسے امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ "ایک گردن آزاد کرنا (ضرور) ہے۔" یعنی ہم بستر ہونے سے پہلے پورا ایک غلام آزاد کردیں۔ یاد رہے یہاں غلام مطلق ہے، اسے ایمان کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا، یعنی غلام کا مومن ہونا ضروری قرار نہیں دیا گیا جیسا کہ کفارۂ قتل میں غلام کا مومن ہونا ضروری ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ "(مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے" اور تمھیں سرزنش کی جاتی ہے، ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③﴾ "اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے" وہ اس سے باخبر ہے جس سے تمھاری اصلاح ہوگی کیونکہ وہ تمھارے احوال کو خوب جانتا ہے۔ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ﴾ "پس جس کو (غلام) نہ ملے تو وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے، تو جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو تو (اُسے) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا (چاہیے۔)" قبل ازیں وہ احادیث مبارکہ بیان کی جا چکی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ اس ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ صحیحین میں اس شخص کے

① جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في المظاهر يواقع قبل أن يكفر، حديث: 1199 وسنن أبي داود، الطلاق، باب في الظهار، حديث: 2223 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب المظاهر يجامع قبل أن يكفر، حديث: 2065 والسنن الكبرى للنسائي، الطلاق، باب الظهار: 367/3، حديث: 5651.

قصے سے ثابت ہے جس نے رمضان میں اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تھی۔[1] ﴿ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ ''یہ (حکم) اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔'' یعنی یہ حکم ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے لیے دیا ہے، ﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ ''اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔'' یعنی وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا تم حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔ ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④ ﴾ ''اور نہ ماننے والوں کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔'' یعنی جو لوگ ایمان نہ لائیں اور احکام شریعت کی پابندی نہ کریں تو ان کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ آزمائش سے نجات پا جائیں گے، ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر آیات : 5-7

دین کے دشمنوں کا انجام: جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور اس کی شریعت سے دشمنی رکھی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''وہ (اس طرح) ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے تھے۔'' یعنی ان کی اسی طرح توہین و تذلیل کی جائے گی اور انھیں ملعون قرار دیا جائے گا جیسا کہ ان جیسے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، ﴿ وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾ ''اور یقیناً ہم نے صاف صاف آیتیں نازل کر دی ہیں۔'' جو اس قدر واضح اور صاف ہیں کہ کوئی کافر اور فاسق و فاجر ہی ان کی مخالفت کر سکتا ہے، ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤ ﴾ ''اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔'' اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی اتباع و اطاعت اور اس کے آگے جھکنے کے بجائے تکبر کا اظہار کیا تھا۔ پھر فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ﴾ ''جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو (زندہ کر کے) اٹھائے گا۔'' اور یہ قیامت کا دن ہوگا، جب اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع فرما دے گا، ﴿ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ﴾ ''تو جو کام وہ کرتے رہے ان کو بتائے گا۔'' یعنی انھوں نے اچھے یا برے جو کام بھی کیے اللہ تعالیٰ انھیں ان کی خبر دے گا، ﴿ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ﴾ ''اللہ نے انھیں شمار کر لیا ہے اور یہ ان کو بھول گئے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام کاموں کو ضبط اور محفوظ کر رکھا ہوگا جبکہ یہ لوگ اپنے ان کاموں کو بھول چکے ہوں گے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑥ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' اس سے کوئی چیز غائب و مخفی نہیں اور نہ وہ کسی چیز کو بھولتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے: اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ اس کا علم مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اسے ان کے بارے میں مکمل اطلاع ہے، وہ ان کی بات کو سنتا اور ان کی جگہ دیکھتا ہے، خواہ وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں، ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ ﴾ ''آیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے (کسی جگہ) تین (شخصوں) کی سرگوشیاں نہیں ہوتیں۔'' یعنی تینوں کی سرگوشیاں نہیں ہوتیں ﴿ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ

---

① صحيح البخاري، الصوم، باب: إذا جامع في رمضان ولم يكن له......، حديث:1936 وصحيح مسلم، الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع......، حديث:1111 عن أبي هريرة ﷺ.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھیں سرگوشیاں کرنے سے روکا گیا تھا، پھر وہ اس چیز کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انھیں روکا گیا تھا، اور وہ

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ؗ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْۤ

گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس (کلمے) کے ساتھ سلام کہتے ہیں کہ اللہ

اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

نے اس کے ساتھ آپ کو (کبھی) سلام نہیں کہا، اور وہ اپنے دل میں کہتے ہیں: اللہ ہمیں اس کی وجہ سے کیوں عذاب نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں؟ ان کے

اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ

لیے جہنم کافی ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے، پس وہ برا ٹھکانا ہے ⑧ اے ایمان والو! جب تم سرگوشیاں کرو، تو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی

وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ

سرگوشیاں مت کرو، اور تم نیکی اور تقوے کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تمھیں اکٹھا کیا جائے گا ⑨ (بری) سرگوشی تو بس شیطان کی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩

طرف سے، تاکہ وہ ایمان والوں کو غمگین کرے، اور وہ انھیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر اللہ کے حکم سے، اور لازم ہے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کریں ⑩

﴿اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ ''مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا (مجمع) مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔'' وہ ان کے بارے میں مطلع ہے، ان کے کلام کو اور ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتے بھی ان سرگوشیوں کو لکھتے رہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے اور وہ اسے سنتا بھی ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۚ﴾ (التوبة 78:9) ''کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں تک سے آگاہ ہے اور یہ کہ وہ غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝﴾ (الزخرف 80:43) ''کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں، کیوں نہیں! (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔'' اسی وجہ سے کئی ایک اہل علم نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں معیت سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس کے ارادے میں بھی کوئی شک نہیں اور پھر علم کے ساتھ ساتھ اس کی سماعت بھی ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی بصارت بھی ان میں نافذ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے، اس سے ان کا کوئی معاملہ بھی مخفی نہیں ہے، پھر فرمایا: ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦﴾ ''پھر جو کام یہ کرتے رہے ہیں قیامت کے دن وہ (ایک ایک کرکے) ان کو بتائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ کا آغاز بھی علم سے کیا اور اس کا اختتام بھی علم پر ہوا ہے۔

تفسیر آیات :8-10

یہودیوں کی شرارتوں کا بیان: ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ﴾ ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا، پھر جس (کام) سے منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگے؟'' ان لوگوں سے مراد یہود ہیں۔ [1] مقاتل بن حیان کا بھی یہی قول ہے۔ نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نبی ﷺ اور یہود کے تعلقات منقطع تھے، یہودیوں کے پاس سے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی شخص کا گزر ہوتا تو یہ بیٹھ کر آپس میں سرگوشیاں کرنا شروع کر دیتے تھے حتی کہ مومن یہ خیال کرتا کہ وہ اس کے قتل کرنے یا اسے کوئی اور نقصان پہنچانے کے بارے میں سرگوشیاں کر رہے ہیں، مومن جب ایسی صورت حال سے دوچار ہوتا تو وہ ڈرتے ہوئے رستہ چھوڑ دیتا، نبی ﷺ نے انھیں سرگوشیوں سے منع فرما دیا تھا مگر یہ باز نہ آئے اور انھوں نے سرگوشیوں کو جاری رکھا تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ﴾ ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا، پھر جس (کام) سے منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگے؟''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ﴾ ''اور یہ تو گناہ، ظلم اور رسول (اللہ) کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔'' یعنی آپس میں باتیں کرتے ہیں ﴿ بِالْاِثْمِ ﴾ ''گناہ کی'' جن کا تعلق ان سے ہے ﴿ وَالْعُدْوَانِ ﴾ ''اور ظلم کی'' جس کا تعلق دوسروں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت بھی اسی میں سے ہے جس پر یہ اصرار کرتے اور جس کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ﴾ ''اور جب آپ کے پاس آتے ہیں، تو جس (کلمے) سے اللہ نے آپ کو دعا نہیں دی، اس سے آپ کو دعا دیتے ہیں۔''

ابن ابوحاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: [اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ!] ''ابوالقاسم! آپ پر موت واقع ہو۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں جواب دیتے ہوئے کہا: [وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ] ''تم پر موت واقع ہو اور لعنت بھی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَا عَائِشَةُ! إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ] ''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ برائی اور بے حیائی کو پسند نہیں فرماتا۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا آپ نے ان سے یہ نہیں سنا: اَلسَّامُ عَلَيْكَ؟ ''آپ پر موت واقع ہو؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَوَمَا سَمِعْتِ مَا أَقُولُ: وَعَلَيْكُمْ؟] ''تم نے نہیں سنا کہ میں نے انھیں [وَعَلَيْكُمْ] کہہ دیا تھا۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ﴾ ''اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے اللہ نے آپ کو دعا نہیں دی، اس سے آپ کو دعا دیتے ہیں۔'' [2]

---

[1] تفسير الطبرى: 19,18/28. [2] تفسير ابن أبى حاتم: 3343، مزید دیکھیے تفسير الطبرى: 19/28 و صحيح مسلم، السلام، باب النهى عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حديث: (5659)-2165 و السنن الكبرٰى للنسائى، التفسير، باب قوله: ﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ ...... ﴾: 482/6، حديث: 11571 و السلسلة الصحيحة: 491/6، حديث: 2721.

اور صحیح (بخاری) کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہودیوں سے کہا: [عَلَيْكُمُ السَّامُ (وَالذَّامُ) وَاللَّعْنَةُ] ’’تم پر موت، مذمت اور لعنت ہو۔‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(إِنَّهُ يُسْتَجَابُ لَنَا) فِيهِمْ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ (فِينَا)] ’’بلاشبہ ان کے بارے میں ہماری بددعائیں قبول ہوتی ہیں لیکن ان کی ہمارے بارے میں بددعائیں قبول نہیں ہوتیں۔‘‘ ①

امام ابن جریر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جلوہ افروز تھے کہ ایک یہودی آیا، اس نے سلام کہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سلام کا جواب دیا، نبی ﷺ نے فرمایا: [هَلْ تَدْرُونَ مَا قَالَ؟] ’’کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا؟‘‘ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اس نے سلام کہا ہے، آپ نے فرمایا: [بَلْ قَالَ: سَأْمٌ عَلَيْكُمْ، أَيْ تَسْأَمُونَ دِينَكُمْ] ’’اس نے تمھیں [سَأْمٌ عَلَيْكُمْ] کہا ہے، یعنی تم اپنے دین کو بیچتے ہو۔‘‘ پھر رسول اللہ ﷺ نے (یہودی سے) دریافت فرمایا: [أَقُلْتَ سَأْمٌ عَلَيْكُمْ؟] ’’کیا تو نے [سَأْمٌ عَلَيْكُمْ] کہا تھا؟‘‘ اس نے کہا: ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقُولُوا: وَعَلَيْكَ] ’’جب اہل کتاب میں سے کوئی تمھیں سلام کہے تو تم جواب میں کہو: [عَلَيْكَ] ’’تجھ پر بھی۔‘‘ یعنی جو تو نے کہا ہے وہ تجھ پر بھی ہو۔ ② حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے، ③ نیز صحیح بخاری میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ﴾ ’’اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔‘‘ یعنی جو یہ کام کرتے ہیں اور کلام میں تحریف کر کے تاثر دیتے ہیں کہ وہ سلام کہہ رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت یہ گالی دیتے ہیں اور پھر اپنے دل میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہوتے تو مخفی طور پر ہم ان کے لیے جو کہتے ہیں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اسے جانتا ہے جو ہم اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، اگر یہ واقعی اللہ کے سچے نبی ہوتے تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ ہمیں فوراً دنیا ہی میں سزا دے دیتا، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ’’(اے پیغمبر!) ان کو دوزخ (ہی کی سزا) کافی ہے۔‘‘ یعنی آخرت میں جہنم کی سزا ان کے لیے کافی ہے۔ ﴿يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑧﴾ ’’یہ اسی میں داخل ہوں گے، پس وہ بڑی بری جگہ ہے۔‘‘

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ سے کہتے: سَامٌ عَلَيْكَ اور پھر اپنے

---

① پہلا حصہ صحیح البخاری، الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین، حدیث: 6395 میں ہیں البتہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 229/6 و صحیح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حدیث: (11)-2165 کے مطابق ہیں اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، الدعوات، باب قول النبي ﷺ: [يستجاب لنا......]، حدیث: 6401 جبکہ دونوں قوسوں والے الفاظ مسند إسحاق بن راهويه: 968/3، حدیث: 1685 (C.D) عن عائشة رضی اللہ عنہا کے مطابق ہیں۔ ② تفسیر الطبري: 21,20/28. ③ صحیح البخاري، استتابة المرتدين......، باب: إذا عرض الذمي أو غيره......، حدیث: 6926.
④ صحیح البخاري، استتابة المرتدين......، باب: إذا عرض الذمي أو غيره......، حدیث: 6927.

دل میں کہتے کہ ہم جو کہتے ہیں اس کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا تو اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۸ ﴾ [1] اس کی سند حسن ہے، البتہ ائمہ (ستہ) نے اسے بیان نہیں کیا۔

سرگوشی کے آداب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ادب سکھاتے ہوئے کہ وہ کافروں اور منافقوں کی طرح نہ ہوں، فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ﴾ ''مومنو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا۔'' جس طرح جاہل کفار اہل کتاب اور ان کے نقش قدم کی ضلالت پر چلنے والے منافقین سرگوشیاں کرتے ہیں، ﴿ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۹ ﴾ '' بلکہ نیکو کاری اور پرہیز گاری کی باتیں کرنا اور اللہ سے جس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے، ڈرتے رہنا۔'' کیونکہ وہ تمھیں تمھارے ان تمام اعمال اور اقوال کے بارے میں بتا دے گا جو اس کو سب یاد ہیں اور پھر وہ تمھارے ان اعمال کے مطابق ہی تمھیں صلہ دے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۰ ﴾ ''(کافروں کی) سرگوشیاں تو بس شیطان (کی حرکات) سے ہیں تا کہ مومن (اُن سے) غم ناک ہوں مگر اللہ کے حکم کے سوا وہ انھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا تو مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔'' نجوٰی، یعنی وہ سرگوشی جس میں مومن کے بارے میں برا ارادہ کیا جائے ﴿ مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''شیطان (کی حرکت) کی وجہ سے ہے تا کہ مومن (اس سے) غمزدہ ہوں۔'' یعنی سرگوشیاں کرنے والے اس طرح کی سرگوشیاں اس لیے کرتے ہیں کہ شیطان نے انھیں بہکا دیا اور اس طرح کے برے کاموں کو مزین کر کے دکھا دیا ہے ﴿ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''تا کہ مومن (ان سے) غم ناک ہوں۔'' یعنی مومنوں کو یہ باتیں بری لگیں مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس طرح کی باتیں انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں جو اس طرح کی کوئی بات محسوس کرے وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے اور اسی کی ذات پاک پر بھروسا رکھے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ اسے کوئی چیز نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

سنت میں سرگوشی کی ممانعت آئی ہے، جبکہ اس سے کسی مومن کو ایذا پہنچتی ہو جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً، فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ صَاحِبِهِمَا، فَإِنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ] ''جب تم تین ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ یہ اسے غم ناک کر دے گی۔'' [2] اور بخاری و مسلم نے اسے اعمش کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ [3]

---

① مسند أحمد: 170/2. ② مسند أحمد: 425/1. ③ صحيح البخاري، الاستئذان، باب: إذا كانوا أكثر من ثلاثة ......، حديث: 6290 و صحيح مسلم، السلام، باب تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث......، حديث: (38)-2184، البتہ یہ روایت بخاری شریف میں اعمش کے واسطے سے نہیں ملی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو، تو تم کھل کر بیٹھا کرو، اللہ تمھیں کشادگی دے گا، اور جب کہا جائے اٹھ

وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ

کھڑے ہو، تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنھیں علم دیا گیا ہے، اللہ ان کے درجات بلند کرے گا،

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

اور اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو⑪

امام عبدالرزاق نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً، فَلَا يَتَنَاجَيَانِ اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ] ”جب تم تین ہو تو تیسرے کی اجازت کے بغیر دو آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ یہ (بات) اسے غم ناک کر دے گی۔“[1] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت:11

آدابِ مجلس: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ مجلسوں میں ایک دوسرے سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ ﴾ ”مومنو! جب تم سے کہا جاتا ہے کہ مجالس میں کشادگی پیدا کرو۔“ اسے [تَفَسَّحُوا فِي الْمَجْلِسِ] بھی پڑھا گیا ہے۔[3] ﴿ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ”پس کشادگی پیدا کرو، اللہ تم کو کشادگی بخشے گا۔“ اس لیے کہ جزا جنس عمل کے مطابق ہوتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ [مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ۔ قَالَ بُكَيْرٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ] ”جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے۔ راویٔ حدیث بکیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ انھوں (عاصم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔“[4] اور دوسری حدیث میں ہے کہ [...... وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ...... وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ] ”......جس نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی فرمائے گا......اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں ہوتا ہے، جب تک بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔“[5] اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، بہر حال یہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ”پس کشادگی پیدا کرو، اللہ تم کو کشادگی بخشے گا۔“ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مجالس ذکر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے کہ جب وہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

① المصنف لعبد الرزاق، باب الشهادة وغيرها والفخذ:26/11، حديث:19806. ② صحيح مسلم، السلام، باب تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث......، حديث:2183. ③ تفسير القرطبي:297/17. ④ صحيح البخاري، الصلاة، باب من بنى مسجدا، حديث:450 وصحيح مسلم، المساجد......، باب فضل بناء المساجد......، حديث:533 واللفظ له عن عثمان بن عفان رضي الله عنه. ⑤ صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن......، حديث:2699 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

کی طرف آتے ہوئے دیکھتے تو مجلسوں کو تنگ کر دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ مجلسوں میں ایک دوسرے کے لیے کشادگی کر دیا کریں۔①

امام احمد اور شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ فَيَجْلِسَ فِيهِ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا] ''کوئی آدمی کسی آدمی کو اس کی نشست گاہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے، البتہ مجلسوں میں کشادگی اور وسعت پیدا کر لیا کرو۔''② اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔③ اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلٰكِنِ افْسَحُوا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ] ''کوئی شخص کسی شخص کو اس کی نشست گاہ سے نہ اٹھائے کہ پھر وہ خود وہاں بیٹھ جائے، البتہ کشادگی کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کشادگی کر دے گا۔''④ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ان الفاظ میں بھی روایت کیا ہے کہ [لَا يَقُومُ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ مِنْ مَّجْلِسِهٖ، وَلٰكِنِ افْسَحُوا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ] ''کوئی آدمی کسی دوسرے کے لیے نشست گاہ سے نہ اٹھے، البتہ کشادگی کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ تمھیں کشادگی بخشے گا۔''⑤ اسے روایت کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری رحمہ اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر سے مروی ہے کہ اس آیت کریمہ: ﴿ اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ کا تعلق مجالس جنگ سے ہے اور ﴿ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ﴾ ''اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔'' یعنی جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوا کرو۔⑥ امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تمھیں خیر و بھلائی کی طرف دعوت دی جائے تو اس پر لبیک کہا کرو۔⑦

علم اور اہل علم کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ ﴾ ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' یعنی تم یہ خیال نہ کرو کہ جب تم میں سے کوئی اپنے آنے والے کسی بھائی کے لیے مجلس میں کشادگی کر دے یا جب اسے مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا جائے اور وہ نکل جائے تو اس سے اس کے حق میں نقصان ہوگا، نہیں بلکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے حق میں رتبے کی بلندی کا سبب قرار پائے گی، اللہ تعالیٰ اس کی اس نیکی کو ضائع نہیں فرمائے گا بلکہ اسے دنیا و آخرت میں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دے، اللہ تعالیٰ اس کے مقام و مرتبہ کو سر بلند اور اس کے ذکر کو بقائے دوام عطا فرما دیتا ہے، اسی لیے اللہ جل شانہ

① تفسير الطبري :24/28. ② مسند أحمد :17/2 واللفظ له والأم للشافعي، الصلاة، باب الرجل يقيم الرجل من مجلسه......:532/1، حديث:405. ③ صحيح البخاري، الاستئذان، باب: لا يقيم الرجل......، حديث:6269 وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه......، حديث:(28)-2177. ④ مسند أحمد :523/2. ⑤ مسند أحمد :483/2 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ⑥ تفسير الطبري :25,24/28. ⑦ تفسير الطبري :25/28.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ

اے ایمان والو! جب تم رسول سے خفیہ بات کرو تو اپنی خفیہ بات سے پہلے صدقہ پیش کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ پھر اگر تم

خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ

(صدقے کی ہمت) نہ پاؤ تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے⑫ کیا تم (اس سے) ڈر گئے ہو کہ اپنے خفیہ مشوروں سے پہلے صدقات پیش کرو؟

يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

چنانچہ جب تم نے (یہ) نہ کیا اور اللہ نے (بھی) تم پر مہربانی کی تو (اب) تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی

ع 2 7 2 وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬

اطاعت کرو، اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے ہو⑬

فرماتے ہیں: ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ ﴾ ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' وہ واقف ہے کہ کون اس کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نافع بن حارث رضی اللہ عنہ نے مقام ''عُسفان'' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ وادی مکہ میں اپنا قائم مقام کس کو بنا کر آئے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں ابن ابزیٰ کو قائم مقام بنا کر آیا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: ابن ابزیٰ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایک آزاد کردہ غلام کو اپنا قائم مقام بنا کر آئے ہو! انھوں نے عرض کی: امیر المؤمنین! اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کا قاری ہے، میراث کا عالم ہے اور قاضی ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ [إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ] ''اس کتاب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو سر بلندی عطا فرما دیتا ہے اور کچھ کو اس سے (اعراض کرنے کی وجہ سے) پست کر دیتا ہے۔''①

تفسیر آیات: 13،12

پیغمبر سے بات کرنے سے قبل صدقے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہے، یعنی راز داری کی کوئی بات کرنا چاہے تو اس سے پہلے وہ صدقہ کرے جو اسے پاک کر دے گا، اس کا تزکیہ کر دے گا اور اسے اس مقام پر فائز ہونے کا اہل بنا دے گا، اس لیے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ ﴾ ''یہ تمھارے لیے بہت بہتر اور پاکیزہ ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا ﴾ ''پھر اگر (خیرات) تم کو میسر نہ آئے۔'' یعنی فقر کے باعث اس سے عاجز ہو تو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ﴾ ''تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' اس نے اس کا

① مسند أحمد: 35/1.

حکم اسے دیا ہے جسے اس کا مقدور ہو، پھر فرمایا: ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ﴾ ”کیا تم اس سے کہ پیغمبر سے سرگوشیاں کرنے سے پہلے خیرات دیا کرو، ڈر گئے۔“ یعنی کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ رسول اللہ ﷺ سے مناجات سے قبل وجوب صدقہ کا یہ حکم ہمیشہ باقی رہے گا۔ ﴿ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ ﴾ ”پھر جب تم نے (ایسا) نہ کیا اور اللہ نے تمھیں معاف کر دیا تو نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے وجوب صدقہ کو منسوخ کر دیا۔ کہا گیا ہے کہ اس حکم کے منسوخ ہونے سے قبل اس آیت کریمہ کے مطابق حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی نے عمل نہیں کیا تھا۔①

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ﴾ ”پس اپنی سرگوشیوں سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس قدر کثرت سے سوالات پوچھنا شروع کر دیے کہ آپ کی طبیعت پر گراں گزرنے لگے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے آسانی کا ارادہ فرمایا اور جب یہ صدقے کا حکم دے دیا تو بہت سے مسلمانوں نے صبر کیا اور وہ سوالات پوچھنے سے رک گئے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ ”کیا تم اس سے کہ (پیغمبر سے) اپنی سرگوشیوں سے پہلے خیرات کرو، ڈر گئے، پھر جب تم نے (ایسا) نہ کیا اور اللہ نے تمھیں معاف کر دیا تو نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہو۔“ تو اس سے مسلمانوں کے لیے کشادگی فرما دی اور تنگی نہ رہنے دی۔②

عکرمہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ﴿ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ﴾ کو اس کے بعد والی آیت: ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔③ سعید بن ابوعَرُوبہ نے قتادہ اور مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس قدر کثرت سے سوالات پوچھے جو آپ کی طبیعت پر گراں گزرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے منع فرما دیا لیکن جب کسی آدمی کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کام ہوتا تو وہ اس وقت تک آپ کی خدمت میں عرض نہ کر سکتا جب تک صدقہ نہ کر لیتا اور اس میں مسلمانوں کے لیے دشواری تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے رخصت عطا فرما دی: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ﴾ ”پس اگر (خیرات) تم کو میسر نہ آئے تو یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“④

معمر نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ﴾ منسوخ ہے، اس کا حکم دن کے کچھ حصے تک تھا۔⑤ امام عبدالرزاق نے بھی بطریق مجاہد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے

① تفسير الطبري: 27/28 والدر المنثور: 273,272/6. ② تفسير الطبري: 28/28. ③ تفسير الطبري: 29/28.
④ تفسير الطبري: 27/28. ⑤ تفسير الطبري: 27/28.

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ مَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلَا مِنۡهُمۡ ۙ وَيَحۡلِفُوۡنَ

کیا آپ نے ان لوگوں (منافقین) کو نہیں دیکھا جنھوں نے اس قوم (یہود) سے دوستی کی جن پر اللہ غصے ہوا۔ نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے۔

عَلَى الۡكَذِبِ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿14﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿15﴾

اور وہ جھوٹ پر قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں⑭ اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کیا ہے۔ بے شک یہ (لوگ)، برے ہیں جو وہ عمل

اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿16﴾ لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ

کرتے رہے ہیں⑮ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے، پھر انھوں نے اللہ کی راہ سے روکا، لہٰذا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے⑯ ان کے مال

اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔـا ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿17﴾ يَوۡمَ

اور ان کی اولاد انھیں اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کچھ فائدہ نہیں دیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے⑰ جس دن اللہ ان سب کو

يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا فَيَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ كَمَا يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ عَلٰى شَىۡءٍ ؕ

دوبارہ اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسے تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک شے (اچھی راہ) پر

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿18﴾ اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰٮهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓـئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ ؕ

ہیں۔ خبردار! بے شک وہی جھوٹے ہیں⑱ ان پر شیطان غالب آ گیا ہے، پھر اس نے انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار!

اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿19﴾

بے شک شیطانی گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے⑲

کہ میرے سوا کسی نے اس آیت کے مطابق عمل نہیں کیا تھا حتی کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی اور میرا خیال ہے کہ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ حکم بہت تھوڑے وقت کے لیے تھا۔“ ①

تفسیر آیات: 14-19

منافقین کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تردید فرمائی ہے جو خفیہ طور پر کفار سے دوستی رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ نہ کفار کے ساتھ ہیں اور نہ مومنوں کے ساتھ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ۝﴾ (النسآء 4:143) ”بیچ میں پڑے شک کر رہے ہیں نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف اور جس کو اللہ بھٹکائے تو تم اس کے لیے کبھی رستہ نہ پاؤ گے۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ﴾ ”بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا۔“ یعنی یہودی جن سے منافقین خفیہ طور پر تعلقات قائم کرتے اور ان کی دوستی کا دم بھرتے تھے، پھر فرمایا: ﴿مَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلَا مِنۡهُمۡ﴾ ”وہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے۔“ یعنی اے مومنو! حقیقت میں یہ منافقین تم میں سے نہیں ہیں اور نہ ان یہودیوں میں سے ہیں جن کے ساتھ دوستی کے دعوے کرتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿وَيَحۡلِفُوۡنَ عَلَى الۡكَذِبِ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿14﴾﴾ ”اور جان بوجھ

① تفسیر عبد الرزاق: 294/3، رقم: 3177.

کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا رہے ہیں۔'' یعنی منافقین جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ جانتے بھی ہیں کہ وہ جھوٹی قسم کھا رہے ہیں اور یہی یمین غموس ہے خصوصًا اپنی اس ملعون حالت میں۔ والعیاذ باللہ۔ کہ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے وقت بھی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ مومن ہیں، حالانکہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں، اس کے سچے ہونے کا ان کا اعتقاد نہیں ہوتا، اگرچہ نفس الامر اور حقیقت میں وہ بات سچی ہے جیسے وہ کہہ رہے ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ یہ اپنی قسموں میں اور اپنی شہادتوں میں جھوٹ بولتے ہیں۔

پھر فرمایا ہے: ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ ﴾ ''اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ جو کچھ کرتے ہیں یقینًا برا ہے۔'' یعنی ان کے برے اعمال کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار فرما رکھا ہے اور ان کے برے اعمال کافروں سے دوستی رکھنا، ان کی ہمدردی و خیر خواہی کرنا اور مومنوں سے دشمنی رکھنا اور ان کو دھوکا دینا ہیں، اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا، پس (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روک دیا ہے۔'' یعنی ایمان کو ظاہر کیا، کفر کو چھپایا اور جھوٹی قسموں کا سہارا لیا جس کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگوں نے جو حقیقت امر کو نہیں جانتے تھے، ان کو سچا سمجھ کر ان کے بارے میں فریب میں مبتلا ہو گئے اور اس طرح بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے رستے سے رک گئے۔ ﴿ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯ ﴾ ''سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔'' اس لیے کہ انھوں نے اپنی جھوٹی اور خیانت پر مبنی قسموں میں اللہ تعالیٰ صاحبِ عظمت و شان کے پاک نام کی توہین کی تھی، اس لیے اس کے مقابلے میں انھیں ذلیل و رسوا کر دینے والا عذاب دیا جائے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ ﴾ ''اللہ کے (عذاب کے) سامنے نہ تو اُن کا مال ہی کچھ کام آئے گا اور نہ اولاد ہی (کچھ فائدہ دے گی۔)'' جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا تو یہ چیزیں کچھ کام نہ آئیں گی، ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑰ ﴾ ''یہ لوگ اہلِ دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔'' پھر فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ﴾ ''جس دن اللہ اُن سب کو (جلا) اٹھائے گا۔'' یعنی روز قیامت ان سب کو جمع کرے گا اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا، ﴿ فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ ﴾ ''تو جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ وہ کسی شے پر ہیں۔'' یعنی وہ اللہ عزوجل کی قسمیں کھائیں گے کہ وہ ہدایت اور راہ استقامت پر تھے جیسا کہ دنیا میں لوگوں کے سامنے قسمیں کھایا کرتے تھے کیونکہ جو شخص جس طرح کی زندگی بسر کرتا ہے، وہ اسی حالت میں فوت ہوتا ہے اور اسے اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔ وہ لوگ خیال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قسمیں کھانے سے بھی انھیں اسی طرح فائدہ ہو گا جیسا کہ دنیا میں لوگوں کے سامنے قسمیں کھانے سے انھیں فائدہ ہوتا تھا اور ان پر ظاہر کے مطابق احکام جاری کیے جاتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ ﴾ ''اور خیال کریں گے کہ وہ کسی شے پر ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱ ﴾ ''خبردار!

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ⑳ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ؕ

بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں⑳ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور

إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ㉑ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ

غالب آئیں گے، بے شک اللہ قوی، بڑا زبردست ہے㉑ (اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، کہ وہ

وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوٓا اٰبَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ؕ أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي

ان سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہو۔ یہی لوگ ہیں

قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ

کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کی ہے اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ، اور وہ انھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے

خٰلِدِينَ فِيهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ؕ أُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، جان لو! بے شک اللہ کا گروہ

3 ع 9 3 هُمُ الْمُفْلِحُونَ ㉒ ع

ہی فلاح پانے والا ہے㉒

یہ بلاشبہ جھوٹے (اور بر سر غلط) ہیں۔'' یہ ان کے جھوٹ کی مزید تاکید ہے، پھر فرمایا: ﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَأَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے، پس اللہ کی یاد اُن کو بھلا دی ہے۔'' یعنی شیطان نے ان کے دلوں پر قبضہ کر کے انھیں یہ بات بھلا دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، شیطان جس پر قابو پاتا ہے، اس کے ساتھ اسی طرح کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے۔

امام ابوداود نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ [مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَّلَا بَدْوٍ لَّا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِاسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ] ''کسی گاؤں یا جنگل میں جب تین آدمی ہوں اور وہ نماز قائم نہ کریں تو ان پر شیطان قبضہ جما لیتا ہے، لہٰذا جماعت کو اختیار کرو، ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔'' زائدہ کہتے ہیں کہ سائب نے کہا کہ جماعت سے مراد نماز با جماعت ادا کرنا ہے۔ ① پھر فرمایا: ﴿ أُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ ''یہ (جماعت) شیطان کا لشکر ہے۔'' جسے شیطان نے قابو کر کے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیا ہے، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ⑲ ﴾ ''خبردار! شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔''

تفسیر آیات :20-22

مخالفین کی ذلت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا غلبہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ عداوت و دشمنی

① سنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، حديث :547.

رکھنے والے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ایک طرف ہیں اور اس کی شریعت دوسری طرف، یعنی یہ لوگ حق سے دور اور اس کے مخالف ہیں، لہٰذا ان کا رستہ ایک طرف ہے اور ہدایت کا رستہ دوسری طرف۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴾ ''وہ نہایت ذلیلوں میں ہوں گے۔'' یعنی یہ بد بخت، راہ صواب سے دور اور دنیا و آخرت میں نہایت ذلیل و رسوا ہوں گے۔ ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محفوظ میں یہ حکم درج فرما دیا ہے اور اس کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے، نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے اور نہ اسے کوئی بدل سکتا ہے کہ دنیا و آخرت میں فتح و نصرت اسی کی ذات پاک کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسولوں کے لیے اور اس کے مومن بندوں کے لیے ہے اور اچھا انجام بھی پرہیزگاروں ہی کا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن 52,51:40) ''یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں ہی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کے دن) جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔'' اور یہاں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ بڑا زور آور، نہایت زبردست ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ قوی و غالب نے یہ فیصلہ فرما رکھا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں پر غالب رہے گا اور یہ تقدیر محکم اور ناقابل تغیر فیصلہ ہے کہ دنیا و آخرت میں مومنوں ہی کو فتح و نصرت حاصل ہوگی اور انھی کا انجام اچھا ہوگا۔

مومن کافروں سے دوستی نہ رکھیں: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾ ''جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھیں گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی نہیں رکھتے، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ...... ﴾ الآية (آل عمرٰن 28:3) ''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ مگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے......'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾ (التوبہ 9:24) ''کہہ دیں کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور

عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جوتم کماتے ہو اور تجارت جس کی کساد بازاری سے تم کو ڈر ہے اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔" سعید بن عبدالعزیز وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت: ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ...... ﴾ الآیۃ ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب ان کا باپ غزوۂ بدر میں قتل ہو گیا تھا۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے جب چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی تو اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ آج اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ مقرر کر دیتا۔ [2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ ﴾ "خواہ وہ ان کے باپ ہوں" کے الفاظ ابوعبیدہ کے بارے میں نازل ہوئے ہیں کہ انھوں نے غزوۂ بدر میں اپنے والد کو قتل کر دیا تھا [3] اور ﴿ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ "یا ان کے بیٹے ہوں" کے الفاظ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئے ہیں کہ انھوں نے اس دن اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا [4] اور ﴿ اَوْ اِخْوَانَهُمْ ﴾ "یا ان کے بھائی ہوں" کے الفاظ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئے ہیں کہ انھوں نے اس دن اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا تھا اور ﴿ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾ "یا ان کے خاندان ہی کے لوگ ہوں" کے الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئے ہیں، جنھوں نے اس دن اپنے ایک قریبی کو قتل کر دیا تھا، نیز یہ حضرت حمزہ، حضرت علی اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ہے جنھوں نے اس دن عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کے قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ قبول کر لیا جائے اور جو فدیہ ان سے لیا جائے گا وہ مسلمانوں کے لیے تقویت کا باعث بنے گا اور پھر وہ برادران عم زاد اور قریبی رشتہ دار ہی ہیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرما دے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میری یہ رائے نہیں ہے، کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں فلاں۔ اپنے ایک قریبی رشتہ دار کا نام لیتے ہوئے۔ کو قتل کر دوں، علی رضی اللہ عنہ کو آپ اجازت دیں کہ وہ عقیل کو قتل کر دے، فلاں کو اجازت دیں کہ وہ اپنے فلاں رشتہ دار کو قتل کر دے تاکہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے دل میں مشرکین کے لیے کوئی نرمی نہیں ہے، اسی طرح مکمل واقعہ (دیکھیے)۔ [5] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ﴾ "یہ وہ لوگ

---

① الإصابة في تمييز الصحابة، ترجمة عامر بن عبدالله بن الجراح :476,475/3 ، رقم:4418. ② مسند أحمد: 18/1 والمستدرك للحاكم، معرفة الصحابة :268/3، حديث:5165. ③ المعجم الكبير للطبراني، قتل أبي عبيدة ﷺ أباه يوم بدر :155,154/1، حديث:360. ④ تفسير القرطبي :308,307/17 البتہ یہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن کے بجائے عبداللہ کا ذکر ہے جبکہ صحیح وہی ہے جو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، دیکھیے أسد الغابة :463,462/3، رقم:3344 و تلقيح فهوم أهل الأثر لابن الجوزي، ص:106,105. ⑤ صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر...... حديث:1763 ومسند أحمد :31,30/1.

ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور اپنے فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔'' یعنی جو اس صفت سے متصف ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن سے محبت نہ رکھے، خواہ وہ اس کا باپ یا بھائی ہو تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے، اسے سعادت سے نوازا اور ایمانی بصیرت و فراست سے سرفراز کیا ہے۔ سدی کا قول ہے کہ ﴿ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس نے ان کے دلوں کو ایمان سے لبریز کر دیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں طاقت و مدد عطا فرمائی ہے۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ﴾ ''اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا، ہمیشہ ان میں رہیں گے، اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔'' ان سب کی تفسیر قبل ازیں کئی بار بیان کی جا چکی ہے۔ [2] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ﴾ ''اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔'' میں ایک عجیب راز ہے اور وہ یہ کہ جب وہ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے اعزہ و اقارب سے ناراض ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رضا اور خوشنودی سے سرفراز فرما دیا اور وہ اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ابدی و سرمدی نعمتوں، عظیم کامیابیوں اور اپنے بے پایاں فضل و کرم سے نواز دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے، خبردار! اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔'' یہی لوگ اللہ کا لشکر، یعنی اہل اللہ اور اس کی فیاضی کے حق دار ہیں۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ میں بھی دنیا و آخرت میں ان کی کامیابی و کامرانی اور سعادت کی طرف اشارہ، لشکر شیطان کے بارے میں دی گئی خبر ﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ﴾ (المجادلة 19:58) کے مقابلے میں ہے۔

سورۂ مجادلہ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] دیکھیے زاد المسیر فی علم التفسير: 16/8. [2] دیکھیے التوبة، آیت: 72 کے ذیل میں۔

تفسیر سُورۂ حَشر

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ

اللہ کے لیے تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور وہی غالب ہے، خوب حکمت والا① وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

کافروں کو پہلی جلاوطنی کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا، تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (وہاں سے) نکلیں گے، اور انھوں نے سمجھا تھا کہ

مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے، پھر ان کے پاس اللہ (کا عذاب) آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا، اور اس

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ

نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی، تو اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو② اور اگر یہ

عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ

نہ ہوتا کہ اللہ نے ان کا جلاوطن ہونا لکھ دیا تھا تو وہ انھیں ضرور دنیا ہی میں عذاب دیتا، اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے③ یہ اس لیے کہ

وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا

بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے④ تم نے جو بھی کھجور کا

قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

درخت کاٹا یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ) اللہ کے حکم سے ہے اور تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے⑤

سورۂ حشر کا دوسرا نام؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورت کو سورۂ بنی نضیر کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ سعید بن منصور نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ حشر کی بابت سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] امام بخاری و مسلم نے اسے ایک دوسری سند کے ساتھ ہشیم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ابوعوانہ از ابوبشر از سعید بن جبیر بھی روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی:

① الدر المنثور:276/6. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب:(1)، حدیث: 4882 وصحیح مسلم، التفسیر، ◄◄

سورۂ حشر؟ انھوں نے فرمایا: سورۂ نضیر کہو۔ ①

تفسیر آیات: 1-5

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تمجید اور تقدیس کرتی ہے، اس کے لیے نماز پڑھتی اور اسے وحدہ لاشریک مانتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 44:17) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) اُن میں ہے، سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔'' ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ ''اور وہ نہایت غالب ہے۔'' یعنی طاقتور ذات ہے، ﴿ الْحَكِيْمُ ① ﴾ ''بڑی حکمت والا ہے۔'' اپنی قدر و شرع میں۔

بنو نضیر کے واقعات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو نکال دیا۔'' یعنی بنو نضیر کے یہودیوں کو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، زہری اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ نے ان سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ آپ ان سے لڑائی نہیں کریں گے اور وہ آپ سے لڑائی نہیں کریں گے مگر یہودیوں نے اس عہد و پیمان کو توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب نازل کیا جسے کوئی ٹال نہیں سکتا تھا اور وہ قضا نازل فرمادی جسے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ نبی ﷺ نے انھیں جلاوطن کر دیا اور انھیں ان کے ان مضبوط قلعوں سے باہر نکال دیا جن کے بارے میں مسلمانوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ ان کے قلعے انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے مگر یہ انھیں اللہ کے عذاب سے ہرگز بچا نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایسے شدید حالات سے دوچار ہوئے جن کا ان کے دلوں میں کبھی تصور تک نہ آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ شام کے بالائی علاقے اَذرعات کی طرف چلا گیا، جو سرزمین محشر ہے دوسرا گروہ خیبر کی طرف چلا گیا۔ ان کے لیے یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ یہ اپنے ساتھ صرف اتنا سامان لے جاسکتے ہیں جو ان کے اونٹوں پر لادا جاسکے، جن منقولات کو اٹھانا ممکن نہ تھا، انھیں انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کیا، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② ﴾ ''وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! تم عبرت پکڑو۔'' اور اس شخص کے انجام پر غور و فکر کرو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرے، اس کے رسول کی مخالفت کرے اور اس کی کتاب کی تکذیب کرے تو وہ کس طرح دنیا میں ذلیل و رسوا کر دینے والے عذاب کی لپیٹ میں آتا ہے اور پھر آخرت میں جو دردناک عذاب ہوگا، وہ اس کے علاوہ ہے۔

◄◄ باب في سورة براءة والأنفال والحشر، حديث: 3031. ① صحيح البخاري، التفسير، باب: (1)، حديث: 4883.
② تفسير الطبري: 37/28.

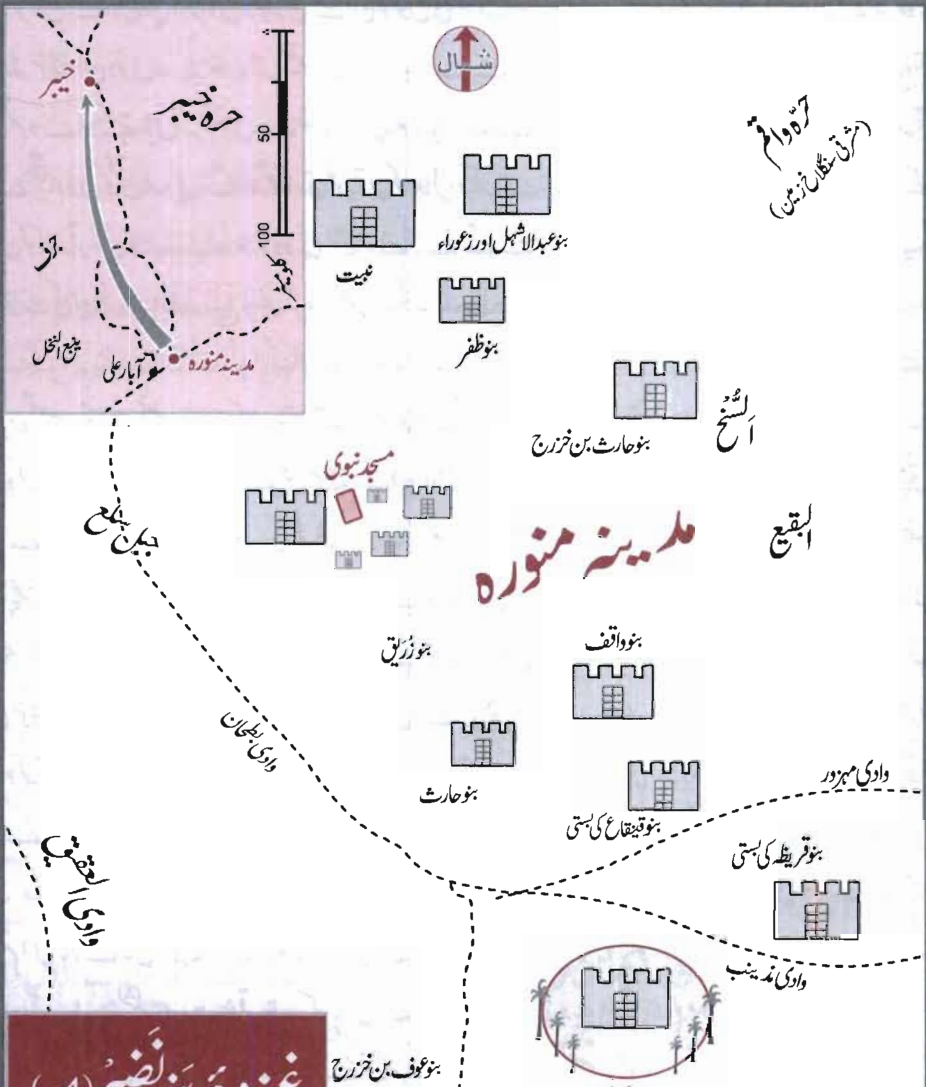
شمال
حرہ خیبر
خیبر
50
100
کلومیٹر
مدینہ منورہ
آبار علی
ینبع النخل
حرہ واقم
(مشرقی سنگلاخ زمین)
بنو عبد الاشہل اور زعوراء
غبیت
بنو ظفر
السُّنح
بنو حارث بن خزرج
مسجد نبوی
جبل سلع
البقیع
مدینہ منورہ
بنو واقف
بنو زُریق
وادی بطحان
بنو حارث
وادی مہزور
بنو قینقاع کی بستی
بنو قریظہ کی بستی
وادی العقیق
وادی مذینب
بنو نضیر کی بستی
بنو عوف بن خزرج
قباء
بنو عوف بن مالک بن اوس
مسجد قباء
برساتی ندی
غزوۂ بنو نَضِیر (4ھ)
﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ﴾
"وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال دیا۔" (الحشر 59:2)

امام ابوداود نے عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے اور انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ کفار قریش نے ابن ابی اور اوس وخزرج کے ان لوگوں کی طرف لکھا جو بتوں کی پوجا کرتے اور ابن ابی کے ساتھ تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ ان دنوں مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ تم نے ہمارے ساتھی کو جگہ دی ہے، ہم تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ تم اس سے ضرور لڑائی کرو یا اسے اپنے ہاں سے ضرور نکال دو ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہو کر تمھارے جنگجوؤں کو قتل کر دیں گے اور تمھاری عورتوں کو حلال قرار دے لیں گے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے بتوں کے پجاری ساتھیوں کو کفار قریش کا جب یہ خط ملا تو وہ نبی ﷺ سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے۔ نبی ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان سے ملاقات کی اور فرمایا: [لَقَدْ بَلَغَ وَعِيدُ قُرَيْشٍ مِّنْكُمُ الْمَبَالِغَ مَا كَانَتْ تَكِيدُكُمْ بِأَكْثَرَ مِمَّا تُرِيدُونَ أَنْ تَكِيدُوا بِهِ أَنْفُسَكُمْ، تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا أَبْنَائَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ] ''قریش نے تمھیں جو دھمکی دی ہے وہ کام کر گئی ہے، وہ اس سے زیادہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، جتنا نقصان تم خود اپنے آپ کو پہنچا رہے ہو، تم تو اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں سے لڑنے کا ارادہ کر رہے ہو۔'' جب انھوں نے نبی ﷺ کے ان ارشادات کو سنا تو منتشر ہو گئے۔ کفار قریش کو جب یہ خبر پہنچی تو کفار قریش نے واقعہ بدر کے بعد یہودیوں کی طرف خط لکھا کہ تم اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہو، تم ہمارے ساتھی کے ساتھ ضرور لڑائی کرو یا پھر ہم تمھارا برا حشر کر دیں گے اور پھر ہمارے اور تمھاری عورتوں کی پازیبوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ نبی ﷺ کو کفار قریش کے اس خط کے بارے میں جب خبر پہنچی تو اس وقت تک بنونضیر نے غداری کا پروگرام بنا لیا تھا، انھوں نے نبی ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے ساتھیوں میں سے تیس کو باہر نکالیں، ہم اپنے تیس علماء کو باہر نکالیں گے، پھر ایک جگہ اکٹھے ہو کر آپ کی بات کو سنیں گے، اگر ہمارے تیس علماء نے آپ کی تصدیق کر دی اور وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ہم سب ایمان لے آئیں گے۔ اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر ان کا محاصرہ کر لیا اور فرمایا: [إِنَّكُمْ وَاللّٰهِ! لَا تَأْمَنُونَ عِنْدِي إِلَّا بِعَهْدٍ تُعَاهِدُونِي عَلَيْهِ] ''اللہ کی قسم! بے شک اب تمھیں میرے ہاں صرف اسی صورت میں امن مل سکتا ہے کہ تم اس بارے میں مجھ سے عہد کرو۔'' انھوں نے عہد کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان سے اس دن لڑائی کی، پھر اگلے دن آپ اپنے لشکر سمیت بنوقریظہ کے پاس گئے اور بنونضیر کو چھوڑ دیا، بنوقریظہ کو معاہدے کی دعوت دی تو انھوں نے معاہدہ کر لیا۔ آپ ان کے پاس سے واپس آئے تو پھر اپنے لشکر سمیت بنونضیر کے پاس گئے اور ان سے لڑائی کی حتی کہ انھوں نے جلاوطنی کو قبول کر لیا، بنونضیر مدینہ سے جلاوطن ہو گئے، انھوں نے صرف اس سامان کو ساتھ لیا جو ان کے اونٹوں نے اٹھایا، اس میں دیگر ساز وسامان کے علاوہ گھروں کے دروازے اور لکڑیاں وغیرہ بھی تھیں۔ بنونضیر کا نخلستان مال غنیمت میں سے بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آیا، یہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اور آپ کے لیے مخصوص فرما دیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ﴾ (الحشر 6:59) ''اور اللہ نے ان (کے مال) سے اپنے رسول کی طرف جو لوٹایا، پس اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔'' یعنی یہ مال تمھیں لڑائی کے بغیر مل گیا، اس مال کا بھی اکثر حصہ نبی ﷺ نے مہاجرین کو عطا فرما دیا تھا، آپ نے اسے مہاجرین میں

تقسیم فرمادیا، اس میں سے کچھ حصہ دو ضرورت مند انصاریوں کو بھی دیا۔ انصار میں سے ان کے سوا اور کسی کو نہ دیا اور اس کا کچھ حصہ بنی فاطمہ کے ہاتھوں میں رسول اللہ ﷺ کے صدقے کی حیثیت سے رہا۔[1] اب ہم اختصار کے ساتھ غزوہ بنونضیر کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ وَبِاللّٰهِ الْمُسْتَعَانُ.

غزوۂ بنونضیر کا سبب: جیسا کہ اصحاب مغازی و سیر نے ذکر کیا ہے، اس کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اصحاب بئر معونہ، جو تعداد میں ستر تھے، شہید کر دیے گئے تھے تو ان میں سے عمرو بن امیہ ضَمری رضی اللہ عنہ بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، چنانچہ انھوں نے مدینہ کی طرف واپس آتے ہوئے رستے میں بنوعامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ ان دونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد و پیمان تھا لیکن عمرو کو اس کے بارے میں علم نہ تھا۔ مدینہ واپس آ کر انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: [لَقَدْ قَتَلْتَ (رَجُلَيْنِ) لَأَدِيَنَّهُمَا] ''یقیناً تم نے دو ایسے آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کی میں ضرور دیت دوں گا۔''[2] بنونضیر اور بنوعامر میں بھی آپس میں عہد و پیمان تھا۔ رسول اللہ ﷺ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے تا کہ ان دو آدمیوں کی دیت کے بارے میں اس سے مدد لیں۔ بنونضیر کے مکانات مدینہ سے باہر مشرقی جانب کئی میل کی مسافت پر تھے۔

بنونضیر کی عہد شکنی اور جلاوطنی: محمد بن اسحاق بن یسار نے اپنی کتاب ''السیرۃ'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنونضیر کی طرف روانہ ہوئے تا کہ بنوعامر کے قتل ہونے والے ان دو آدمیوں کی دیت کے بارے میں تعاون حاصل کریں جنھیں عمرو بن امیہ ضَمری رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو پناہ دے رکھی تھی جیسا کہ یزید بن رومان نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ بنونضیر اور بنوعامر میں عہد و پیمان تھا، جب رسول اللہ ﷺ ان دو مقتولوں کی دیت کے بارے میں تعاون حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس گئے تو انھوں نے عرض کی: ہاں ابوالقاسم! اس بارے میں آپ جس قدر پسند فرمائیں گے ہم آپ کی مدد کریں گے، پھر وہ جب آپس میں علیحدہ ہوئے تو کہنے لگے کہ یہ شخص اب جس حالت میں ہے، تم ایسی حالت میں اسے کبھی نہ پاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت ان کے گھروں کی ایک دیوار کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔ لہٰذا کون ہے جو اس مکان کی چھت پر چڑھ کر اس پر ایک بھاری پتھر گرا کر ہمیں اس سے نجات بخشے؟ عمرو بن جحاش بن کعب نے کہا کہ یہ کام میں کرتا ہوں، وہ مکان کی چھت پر چڑھ گیا تا کہ آپ پر بھاری پتھر گرا دے جیسا کہ اس نے کہا تھا، رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں تشریف فرما تھے جس میں ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس فوراً آسمان سے خبر آ گئی اور ان لوگوں کے ناپاک اور مذموم ارادے کے بارے میں آپ کو مطلع کر دیا گیا تو آپ فوراً کھڑے ہو گئے اور

---

[1] سنن أبي داود، الخراج......، باب في خبر النضير، حديث: 3004. [2] السيرة النبوية لابن إسحاق: 380-378/2 والمعجم الكبير للطبراني، منذر بن عمرو الأنصاري......: 358-356/20، حديث: 841 ومجمع الزوائد، المغازی والسير، باب غزوة بئر معونة: 129,128/6، البتہ مذکورہ حوالوں میں قوسین والے لفظ کے بجائے [قَتِيلَيْنِ] ہے، نیز ستر مقتولین بئر معونہ کا ذکر دیکھیے صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الرجيع......، حديث: 4088و4090.

مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

باغات کو جلایا بھی جا سکتا ہے: نبی ﷺ کو جب دیر ہوگئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تلاش میں اٹھ کھڑے ہوئے، ان کی مدینہ سے آنے والے ایک شخص سے ملاقات ہوئی، انھوں نے اس سے آپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے آپ کو مدینہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ صحابۂ کرام چل کر آپ کے پاس پہنچ گئے تو آپ نے انھیں بتایا کہ یہودیوں نے کس طرح آپ کے بارے میں غداری کا ارادہ کیا، نیز آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لڑائی کی تیاری کرنے اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقے میں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا، یہودی اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے کھجوروں کے باغات کو کاٹ کر آگ لگا دی جائے، انھوں نے دہائی دینا شروع کر دی کہ اے محمد! آپ تو زمین میں فساد سے منع فرماتے تھے اور فساد برپا کرنے والوں کو برا سمجھتے تھے تو اب کھجوروں کے باغات کے کاٹنے اور انھیں جلانے کا حکم کیوں دے رہے ہیں۔ بنو عوف بن خزرج کے کچھ لوگوں نے جن میں عبداللہ بن ابیّ ابن سَلول، وَدِیعہ، مالک بن ابو قوقل، سُوید اور داعِس جیسے بدبخت تھے، بنونضیر کی طرف پیغام بھیجا کہ ثابت قدم رہو، قلعہ بند رہو، ہم تمھیں ان کے سپرد نہیں ہونے دیں گے، اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمھارے ساتھ مل کر لڑیں گے، اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکلیں گے۔ انھوں نے ان کی امداد کا انتظار کیا مگر تسلیاں دینے والے ان لوگوں نے کچھ نہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ انھیں جلاوطن کر دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے، اگر ان کی اس درخواست کو قبول کر لیا جائے تو وہ ہتھیاروں کے علاوہ صرف اس قدر اپنا سامان ساتھ لیں گے جسے ان کے اونٹ اٹھا لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس درخواست کو قبول فرما لیا۔ انھوں نے اپنا سامان اونٹوں پر لاد لیا جتنا وہ (اونٹ) اٹھا سکتے تھے۔ یہ لوگ اپنے گھروں کو منہدم کرتے، ان کے دروازوں کو اونٹوں پر لاد کر لے جا رہے تھے، یہ لوگ خیبر چلے گئے، ان میں سے بعض لوگ شام چلے گئے اور اپنے اموال انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے چھوڑ دیے۔ یہ سارے اموال اب رسول اللہ ﷺ کی صواب دید پر تھے کہ آپ جس طرح چاہیں انھیں تقسیم فرمائیں، آپ نے انصار کے بجائے انھیں مہاجرین اولین میں تقسیم فرما دیا۔ انصار میں سے صرف سہل بن حُنَیف اور ابو دُجانہ۔ سِماک بن خَرَشہ۔ کو مال دیا جو فقیر آدمی تھے۔ بنونضیر میں سے اس وقت تک صرف دو آدمی یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن جحاش اور ابو سعد بن وہب مسلمان ہوئے تھے، لہٰذا ان کے مال انھی کو دیے گئے۔

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے بعض آل یامین نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یامین سے فرمایا: [أَلَمْ تَرَ مَا لَقِيتُ مِنَ ابْنِ عَمِّكَ، وَمَا هَمَّ بِهِ مِنْ شَأْنِي؟] ''تم نے دیکھا نہیں کہ مجھے تمھارے چچا کے بیٹے کی طرف سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے اور اس نے میرے بارے میں کیا ارادہ کیا؟'' یامین بن عمیر نے ایک شخص کے لیے عمرو بن جحاش کے قتل پر انعام مقرر کر دیا تھا اور اس نے اسے قتل کر دیا تھا جیسا کہ مؤرخین کا خیال ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مکمل سورۂ حشر بنونضیر کے

بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] یونس بن بکیر نے بھی ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو پہلے اکٹھ کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔'' یعنی بنونضیر کو ان کے گھروں سے باہر نکال دیا۔ ﴿ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا ﴾ ''تمھیں خیال بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے۔'' یعنی اس مدت میں جس میں تم نے ان کا محاصرہ کیا اور وہ مدت بھی مختصر تھی، یعنی صرف چھ دن کی مدت تھی، حالانکہ ان کے قلعے بہت مضبوط و مستحکم تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ﴾ ''اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے یقیناً ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آلیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔'' یعنی ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ایسا حکم آ گیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دوسری آیات میں فرمایا ہے: ﴿ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ ﴾ (النحل 26:16) ''ان سے پہلے لوگوں نے بھی یقیناً (ایسی ہی) مکاریاں کی تھیں تو اللہ (کا حکم) ان کی عمارتوں کی بنیادوں پر آ پہنچا، پھر چھت اُن پر ان کے اوپر سے گر پڑی اور (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آ واقع ہوا جہاں سے اُن کو خیال بھی نہ تھا۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾ ''اور اس نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔'' یعنی خوف، ڈر اور گھبراہٹ اور ان کے دلوں پر کیوں نہ رعب طاری ہوتا جبکہ ان کا محاصرہ اس ذات گرامی نے کیا تھا جن کی ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے۔'' ابن اسحاق نے اس کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہے کہ انھوں نے اپنے گھروں کی جن چھتوں اور دروازوں کو اچھا سمجھا انھیں اکھاڑ کر اونٹوں پر لاد لیا۔[2] عروہ بن زبیر، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ﴾ ''اور اگر اللہ نے ان کے بارے میں جلاوطن کرنا نہ لکھ رکھا ہوتا تو ان کو دنیا میں بھی عذاب دے دیتا۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے۔ اپنے گھروں اور مالوں سے۔ یہ جلاوطنی نہ لکھ رکھی ہوتی تو انھیں دنیا میں قتل و قید کی صورت میں عذاب ہوتا۔ اسے امام زہری نے عروہ سے روایت کیا

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق، أمر إجلاء بني النضير......: 2/382-384 والسيرة النبوية لابن هشام، أمر إجلاء بني النضير......: 3/199-202 والروض الأنف للسهيلي، أمر إجلاء بني النضير......: 3/387-390. [2] دیکھیے اسی آیت کے تحت عنوان: ''باغات کو جلایا بھی جا سکتا ہے'' [3] تفسير القرطبي: 18/4.

ہے اور اسی طرح سدی اور ابن زید سے منقول ہے۔ [1] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں لکھ رکھا ہے کہ وہ انھیں دنیا میں بھی عذاب دے گا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں آتش دوزخ کا عذاب بھی ان کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ﴾ ''اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب (تیار) ہے۔'' جو حتمی ولازمی ہے اور اس سے یہ بچ نہیں سکیں گے، ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''یہ اس لیے کہ یقیناً انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا اور اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں کو ان پر اس لیے مسلط کیا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ پیغمبروں پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت سے متعلق جو نازل فرمایا تھا، اس کی بھی انھوں نے تکذیب کی، حالانکہ وہ آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ ﴾ ''(مومنو!) تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو (یہ سب) اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔'' اللین کھجور کی ایک عمدہ قسم ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ یہ عجوہ اور برنی کھجوروں سے الگ ایک قسم ہے۔ [2] بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اللينة، عجوہ کے سوا کھجور کی دیگر قسموں کو کہتے ہیں۔ [3] ابن جریر کہتے ہیں کہ تمام کھجوروں کو لینہ کہا جاتا ہے، انھوں نے اسے مجاہد سے بھی نقل کیا ہے، [4] نیز اسے بویرہ بھی کہا جاتا ہے۔ [5] رسول اللہ ﷺ نے جب یہودیوں کا محاصرہ کیا تو آپ نے ان کی توہین اور ان کے دلوں میں خوف ورعب جمانے کے لیے ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان، قتادہ اور مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ تو فساد سے منع فرمایا کرتے تھے مگر اب آپ درختوں کے کاٹ دینے کا حکم دے رہے ہیں! تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمادیا، [6] یعنی تم نے کھجور کے جن درختوں کو کاٹا اور جن کو چھوڑ دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن، مشیت، تقدیر اور رضا کے مطابق تھا، اس میں دشمن کی توہین وتذلیل اور ذلت ورسوائی تھی۔

مجاہد کہتے ہیں کہ بعض مہاجرین نے بعض کو کھجوروں کے درختوں کے کاٹنے سے منع کرتے ہوئے کہا کہ یہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہیں تو قرآن مجید ان لوگوں کی تصدیق میں نازل ہوا جنھوں نے کاٹنے سے منع کیا اور جنھوں نے کاٹا ان کے گناہ کو معاف

---

① المستدرك للحاكم، التفسير: 483/2، حديث: 3797 عن عروة عن عائشة ﷞ والدر المنثور: 277,276/6 وتفسير ابن أبي حاتم: 3345/10. ② تفسير الرازي: 283/29. ③ تفسير الطبري: 43,42/28. ④ تفسير الطبري: 43/28.
⑤ دیکھیے صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ ﴾ (الحشر 59: 5)، حديث: 4884 عن ابن عمر ﷟. ⑥ تفسير الطبري: 44/28.

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ نے ان سے اپنے رسول کی طرف جو (مال) لوٹایا تو اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞6 مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ

چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے⑥ اللہ اپنے رسول کی طرف بستیوں والوں (کے مال) سے جو کچھ لوٹا دے،

اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ

تو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور (اس کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، تاکہ وہ (مال)

دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

تمھارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو، اور جس سے منع کرے تو اسے چھوڑ دو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞7

وقف لازم

اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے⑦

کر دیا، گویا ان کو کاٹنا اور نہ کاٹنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔[1] یہ بات مرفوعاً بھی مروی ہے۔ امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۞5 ﴾ ''(مومنو!) تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے انھیں ان کے قلعوں سے باہر نکالا اور ان (مسلمانوں) کو کھجوروں کے درختوں کے کاٹنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ بات مسلمانوں کے سینوں میں کھٹکی اور انھوں نے کہا کہ ہم نے بعض درختوں کو کاٹ دیا اور بعض کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں گے کہ درخت کاٹنے کی وجہ سے بھی ہمیں اجر ملے گا اور جن کو چھوڑ دیا ہے کیا ان کی وجہ سے گناہ ہوگا؟ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ ...... ﴾.[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹ دیا اور جلا دیا تھا۔[3] اسے شیخین نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[4] صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ بنونضیر اور بنوقریظہ نے جنگ کی تو آپ نے بنونضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنوقریظہ پر احسان فرماتے ہوئے انھیں مدینہ میں رہنے دیا لیکن انھوں نے بھی جنگ شروع کر دی تو آپ نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مالوں کو قید کر لیا اور مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے بعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے تو آپ نے انھیں امن دے دیا اور وہ مسلمان

[1] تفسير الطبرى :44/28. [2] السنن الكبرى للنسائى، التفسير، باب قوله: ﴿ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ ﴾ : 483/6، حديث: 11574. [3] مسند أحمد : 52/2. [4] صحيح البخارى، التفسير، باب قوله: ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ ﴾ (الحشر5:59)، حديث: 4884 وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب جواز قطع أشجار الكفار وتحريقها، حديث: (30)-1746.

ہو گئے۔ آپ نے مدینہ کے تمام بنو قینقاع یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا گروہ تھے، اور یہود بنو حارثہ کو جلاوطن کر دیا تھا۔[1] صحیح بخاری و مسلم ہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا اور جلا دیا تھا اور یہ مقام بویرہ میں تھے، اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىِٕمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝۵ ﴾.[2] ابن اسحاق نے کہا ہے کہ واقعہ بنونضیر غزوۂ احد اور واقعہ بئر معونہ کے بعد تھا۔

تفسیر آیات: 7,6

اموال فے اور ان کے مصارف: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر مال فے، اس کی تعریف اور اس کے حکم کو بیان فرمایا ہے۔ مال فے سے مراد ہر وہ مال ہے جو کفار سے لڑائی بھڑائی اور اونٹ گھوڑے دوڑائے بغیر حاصل کیا جائے جیسا کہ بنونضیر سے لیے گئے یہ اموال تھے۔ ان اموال کے سلسلے میں مسلمانوں نے اپنے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے، یعنی دشمنوں سے لڑائی نہیں کی تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کا مال دلوایا، اس وجہ سے آپ نے بھی جس طرح چاہا ان اموال میں تصرف فرمایا۔ آپ نے ان اموال کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا تاکہ وہ نیکی اور مصالح کے امور میں انھیں خرچ کریں جن کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ ﴾ ”اور اللہ نے ان (کے مال) میں سے اپنے رسول کی طرف جو لوٹایا۔“ یعنی بنونضیر سے، ﴿ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝۶ ﴾ ”پس اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے اور لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ وہ قادر ہے، اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا، نہ اس کے حکم کو ٹالا جا سکتا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے۔

پھر ارشاد فرمایا ہے: ﴿ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ ”جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے۔“ یعنی ان تمام علاقوں سے جو اس طرح فتح ہوں، ان کے اموال کا حکم بھی بنونضیر کے اموال جیسا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ ﴾ ”تو وہ اللہ اور پیغمبر کے لیے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے لیے اور یتیموں اور حاجت مندوں اور مسافروں کے لیے ہے۔“ یہ اموال فے کے مصارف ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بنونضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوائے تھے اور مسلمانوں نے

---

① صحیح البخاري، المغازي، باب حديث بني النضير......، حديث: 4028، البتہ قید کرنے کا ذکر مذکورہ حوالے اور تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں نہیں ہے، تاہم تاریخی لحاظ سے یہ درست ہے، دیکھیے السيرة النبوية لابن إسحاق: 414/2 و 418 و السيرة النبوية لابن هشام: 251/3 و 256,255. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ ﴾ (الحشر 5:59)، حديث: 4884 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب جواز قطع أشجار الكفار......، حديث: (30)-1746.

ان پر اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔ یہ اموال رسول اللہ ﷺ ہی کے لیے خاص تھے۔ آپ انھی اموال میں سے اپنے اہل وعیال کو سال بھر کا خرچہ۔۔اور ایک بار آپ نے سال بھر کی خوراک کہا۔ دے دیتے تھے اور جو اموال باقی بچ جاتے، انھیں اللہ کے رستے میں جانور اور ہتھیار خریدنے کے لیے صرف کر دیتے تھے۔ ① امام احمد ؒ نے اس حدیث کو یہاں مختصر بیان فرمایا ہے۔ امام ابن ماجہ ؒ کے سوا دیگر محدثین نے اسے اپنی کتب میں ذکر فرمایا ہے اور ہم نے اسے مطول بھی روایت کیا ہے۔ ②

امام ابوداود ؒ نے مالک بن اوس سے روایت کیا ہے کہ جب دن خوب روشن ہوا تو حضرت عمر بن خطاب ؓ نے میری طرف پیغام بھیجا، میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو چارپائی پر بیٹھے دیکھا، آپ کے نیچے کوئی بچھونا نہیں تھا، آپ نے فرمایا: مالک! تمھاری قوم کے کچھ (ضرورت مند) لوگ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے پاس پہنچے ہیں، میں نے ان کے لیے کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے، وہ تم ان میں تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کی: اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو اس کا حکم دیں تو زیادہ بہتر ہوگا! آپ نے فرمایا: یہ مال لے لو، اسی اثنا میں (آپ کا غلام) یَرْفا آیا اور اس نے عرض کی: امیر المؤمنین! عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابووقاص اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ نے انھیں اجازت دی تو وہ اندر آگئے۔ یرفا پھر آیا اور اس نے کہا: امیر المؤمنین! عباس اور علی آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ نے انھیں اجازت دی تو وہ بھی اندر تشریف لے آئے، حضرت عباس ؓ نے کہا: امیر المؤمنین! میرے اور اس کے، یعنی علی ؓ کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔ حاضرین میں سے بھی بعض لوگوں نے کہا: ہاں، امیر المؤمنین! ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور انھیں راحت عطا فرمائیں۔ مالک بن اوس نے کہا: مجھے خیال ہوا کہ ان دونوں نے ان حضرات کو اسی لیے بھیجا تھا، حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو، پھر آپ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں تمھیں اس ذات پاک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ] ''ہمارا مال وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' انھوں نے کہا: ہاں، پھر آپ نے حضرت علی وعباس ؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں تم دونوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ] ''ہمارا مال وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' دونوں نے جواب دیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ایک خصوصیت کے ساتھ نوازا تھا جو لوگوں میں سے کسی اور کو عطا نہیں فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ ﴾ ''اور اللہ

① مسند أحمد :25/1. ② صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب المجن ومن يترّس......، حديث:2904 وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب حكم الفيء، حديث:1757 وسنن أبي داود، الخراج......، باب في صفايا رسول اللهﷺ من الأموال، حديث:2965 وجامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الفيء، حديث:1719 وسنن النسائي، أول كتاب قسم الفيء، حديث:4145.

نے ان (کے مال) میں سے اپنے رسول کی طرف جو لوٹایا ہے، پس اس کے لیے تم نے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے اور لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بنو نضیر کے مال دلوادیے لیکن اللہ کی قسم! آپ نے ان اموال کو تمھیں چھوڑ کر محض اپنی ذات کے لیے خاص نہیں کیا نہ انھیں تم سے چھپا کر ہی رکھا بلکہ آپ ان اموال میں سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا نفقہ لے لیا کرتے تھے اور باقی ماندہ کو دیگر مال کی طرح خرچ کیا کرتے تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمھیں اس اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، کیا تم اس بات کو جانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، پھر آپ نے حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما کی طرف روئے سخن کیا اور فرمایا: میں تمھیں بھی اس اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، کیا تمھیں یہ بات معلوم ہے؟ ان دونوں نے بھی یہی جواب دیا: جی ہاں۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں۔ تم دونوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، تم (عباس رضی اللہ عنہ) اپنے بھتیجے کی میراث کا مطالبہ کرتے تھے اور یہ (علی رضی اللہ عنہ) اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ ان کی بیوی کو ان کے باپ کی میراث دی جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: [لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ] ''ہم انبیاء کی میراث وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی بلکہ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سچے، نیکوکار، راشد اور حق کی اتباع کرنے والے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال کے نگہبان بنے، وہ فوت ہوئے تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا ولی ہوں اور اس وقت تک (مال کا) والی رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر تم اور یہ آئے اور تم دونوں متفق تھے، تم دونوں کا ایک ہی مطالبہ تھا جس کی بابت تم نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے یہ جواب دیا کہ اگر تم چاہو تو یہ مال میں تمھارے سپرد کر دیتا ہوں، بشرطیکہ تم اللہ کے نام کے ساتھ یہ عہد و پیمان کرو کہ تم اس مال میں اسی طرح تصرف کرو گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، چنانچہ تم نے اس شرط پر یہ مال مجھ سے لے لیا، پھر تم اب میرے پاس آئے ہو کہ میں تمھارے درمیان اس کے علاوہ فیصلہ کروں، اللہ کی قسم! قیامت تک اس کے سوا میں کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا، اگر تم اس مال کے بارے میں اس طرح کا معاملہ نہیں کر سکتے تو پھر تم دونوں یہ مال مجھے واپس کر دو۔ [1] محدثین کرام نے اسے بروایت امام زہری اسی طرح بیان کیا ہے۔ [2]

---

① سنن أبي داود، الخراج......، باب في صفايارسول الله ﷺ من الأموال، حديث: 2963. ② صحيح البخاري، كتاب وباب فرض الخمس، حديث: 3094 وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب حكم الفيء، حديث: (49)-1757 وجامع الترمذي، السير، باب ماجاء في تركة رسول الله ﷺ، حديث: 1610 والسنن الكبرى للبيهقي، قسم الفيء والغنيمة، باب بيان مصرف أربعة أخماس الفيء بعد رسول الله ﷺ...... :298,297/6 وشرح السنة للبغوي، السير والجهاد، باب حكم الفيء: 11/130-134، حديث: 2738 وصحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر الخبر المدحض قول من زعم أن قوله ﷺ: [لا نورث ما تركنا صدقة]......: 14/575-578، حديث: 6608.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ﴾ ''تا کہ وہ (مال) تمھارے دولت مندوں کے مابین نہ پھرتا رہے۔''یعنی مال فے کے لیے ہم نے یہ مصارف مقرر کر دیے ہیں تا کہ اس پر اغنیاء ہی کا غلبہ نہ رہے،صرف وہی اسے کھاتے اور اپنی خواہشات وآراء کے مطابق اس میں تصرف نہ کرتے رہیں اور اس میں سے فقراء کو کچھ نہ دیں۔

ہر امر و نہی میں اطاعت رسول کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ ''اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں تو وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں تو تم اس سے باز رہو۔''یعنی رسول اللہ ﷺ تمھیں جو بھی حکم دیں اسے بجالاؤ اور جس چیز سے بھی منع فرمائیں، اس سے اجتناب کرو کیونکہ آپ خیر کا حکم دیتے اور شر سے منع فرماتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت فرمائے جو گودنے والی، گودوانے والی، ابرو کے بالوں کو باریک کرنے والی، حسن کے لیے دانتوں میں فرق کرنے والی اور اللہ عزوجل کی تخلیق کو بدلنے والی ہوں۔ (بنواسد کی) ام یعقوب نامی ایک عورت کو اپنے گھر میں جب یہ بات پہنچی تو اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے ایسی اور ایسی بات کی ہے، انھوں نے جواب دیا کہ میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہو اور پھر اس کا ذکر کتاب اللہ میں بھی ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے مگر میں نے اسے قرآن مجید میں کہیں نہیں پایا؟ انھوں نے کہا کہ اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو اسے ضرور پاتی، کیا تو نے یہ نہیں پڑھا: ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ ''اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں تو وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں تو تم اس سے باز رہو'' اس نے جواب دیا: ہاں، اس آیت کو تو پڑھا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ام یعقوب نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تمھاری بیوی بھی ایسا کرتی ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ جا کر دیکھ لو، وہ گئی مگر اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی میں ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اس نے واپس آ کر کہا کہ نہیں میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ [1] صحیحین میں یہ بروایت سفیان ثوری ہے۔ [2] صحیحین ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ (عَنْ شَيْءٍ) فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ] ''چنانچہ جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے بچو اور جب میں تم کو کسی بات کے کرنے کا حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجالاؤ۔'' [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا

---

[1] مسند أحمد: 434,433/1. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ﴾ (الحشر59:7)، حديث: 4886 و صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة......، حديث: (120)-2125.

[3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللهﷺ، حديث: 7288 و صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث: 1337، البتہ تفسیر ابن کثیر میں امر کا ذکر پہلے اور نہی کا بعد میں ہے، نیز قوسین والے الفاظ کے بجائے [عَنْهُ] ہے، مزید دیکھیے مسند أحمد: 467/2.

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

(مالِ فَے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے

وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ

رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں⑧ اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے،

وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ

وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے، اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا

اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو، اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا، تو وہی لوگ فلاح پانے والے

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

ہیں⑨ اور (فَے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے

الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ

جنھوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت نرمی والا، نہایت

رَّحِيْمٌ ⑩ ع

رحم کرنے والا ہے⑩

دینے والا ہے۔" یعنی اس کے اوامر کے بجالانے اور نواہی کے ترک کردینے میں اس سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اسے سخت عذاب دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرے، اس کے حکم کی مخالفت کرے اور جس سے اس نے منع فرمایا ہو، اس کا ارتکاب کرے۔

تفسیر آیات : 8-10

اموالِ فَے کے مستحق دیگر لوگوں کا بیان اور مہاجرین و انصار کی فضیلت: اللہ تعالیٰ نے مالِ فَے کے مستحق فقراء کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ﴾ "وہ جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج کردیے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور (اس کی) خوشنودی کے طلب گار ہیں۔" یعنی انھوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنی قوم کی مخالفت مول لے لی، ﴿ وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧ ﴾ "اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں، یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔" یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی بات کو اپنے عمل سے سچ ثابت کردکھایا، یہ سادات مہاجرین ہیں، پھر انصار کی مدح و ستائش، ان کے فضل و شرف، کرم، عدم حسد اور ضرورت کے باوجود ایثار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ "اور (ان لوگوں کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لائے تھے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے بعد بننے والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حق کو جانے اور

ان کے فضل وشرف کی حفاظت کرے، نیز ان انصار کے بارے میں بھی خیر و بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر (مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے کہ ان کے نیکوکار کی بات کو قبول کرے اور برا کام کرنے والے سے درگزر کرے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ ﴾ ''وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے۔'' یعنی ان کے کرم وشرف کی ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے اور اپنے اموال کے ساتھ ان کی دل جوئی کرتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہاجرین نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ جن کے پاس ہم آئے ہیں، ہم نے مال کے قلیل ہونے کے باوجود ان سے بڑھ کر دل جوئی کرنے والے اور کثیر ہونے کی صورت میں ان سے زیادہ بہتر خرچ کرنے والے نہیں دیکھے، انھوں نے ہمیں ضروریات سے بے نیاز کر دیا اور کام کاج میں اپنے ساتھ شریک کر لیا حتی کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ سارا اجر وثواب یہ لوگ حاصل کر لیں گے، آپ نے فرمایا: [لَا مَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ وَدَعَوْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ] ''نہیں جب تک تم ان کی ستائش کرتے رہو گے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو گے (اجر وثواب سے محروم نہیں رہو گے۔)'' [2] میں نے اس روایت کو اس سند سے دیگر کتب حدیث میں نہیں دیکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا ہے، انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس وقت سنا جب وہ انھیں ساتھ لے کر ولید کے پاس گئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا تاکہ انھیں بحرین کی زمین عطا فرما دیں، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اسے اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اسی طرح کی زمین عطا نہ فرما دیں، آپ نے فرمایا: [إِمَّا لَا، فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي، فَإِنَّهُ سَيُصِيبُكُمْ بَعْدِي أَثَرَةٌ] ''اگر تم قبول نہیں کرتے تو پھر میری (آخرت میں) ملاقات تک صبر کرنا کیونکہ میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔'' [3] اس سند سے اس روایت کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے بیان فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی: ہمارے اور ہمارے (مہاجر) بھائیوں کے درمیان کھجور کے درخت تقسیم فرما دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، لہٰذا انصار نے مہاجرین سے کہا: تم ہمیں کام سے بے نیاز کر دو اور ہم تمھیں پھلوں میں شریک کر لیں گے۔ مہاجرین نے جواب دیا کہ ہم سمع وطاعت بجا لائیں گے۔ [4] یہ روایت بھی صرف صحیح بخاری میں ہے، مسلم میں نہیں ہے۔

انصار، مہاجرین سے حسد نہیں کرتے تھے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ﴾

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ ﴾ (الحشر 59:9)، حدیث: 4888. [2] مسند أحمد :3/200,201. [3] صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب قول النبی ﷺ للأنصار: [اصبروا حتی تلقونی علی الحوض]، حدیث: 3794. [4] صحیح البخاری، الحرث والمزارعة، باب: إذا قال: اکفنی مؤونة النخل وغیره......، حدیث: 2325.

’’اور وہ اپنے سینوں (دلوں) میں اس (مال) کی کوئی ضرورت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو مقام و مرتبہ، شرف و فضل اور ذکر و رتبہ میں جس سربلندی سے نوازا ہے، اس کی وجہ سے اپنے دلوں میں ان کے لیے کوئی حسد نہیں پاتے۔ ﴿ مِّمَّآ اُوْتُوْا ﴾ ’’اس کی جو ان کو دیا جائے۔‘‘ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ان کے بھائیوں کو ملا ہے۔[1] ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[2]

انصار کا ایثار: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ ’’اور وہ ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔‘‘ یعنی اپنی ضرورتوں پر ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی ضرورت کے باوجود لوگوں کو مقدم رکھتے ہیں۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ افضل صدقہ کون سا ہے تو آپ نے فرمایا: [جُهْدُ الْمُقِلِّ] ’’کم مال والے کی کوشش۔‘‘[3] یہ مقام ان لوگوں کے حال کی نسبت زیادہ بلند ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ (الدهر 76:8) ’’اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت کے باوجود۔‘‘ اور جن کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ (البقرة 2:177) ’’اور مال باوجود عزیز رکھنے کے دیں۔‘‘ یعنی ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مال کی محبت کے باوجود اسے صدقہ کرتے ہیں لیکن انھیں خود اس مال کی حاجت و ضرورت نہیں ہوتی اور اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے بھوک اور ضرورت کے باوجود اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہوئے اپنا مال خرچ کیا، اسی مقام پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی فائز تھے جنھوں نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: [يَا أَبَا بَكْرٍ! مَّا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟] ’’اے ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟‘‘ تو انھوں نے جواب دیا کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔[4] جنگ یرموک کے دن عکرمہ اور ان کے ساتھیوں کے سامنے جب پانی پیش کیا گیا تو ان میں سے ہر ایک حکم دیتا کہ اس سے پہلے پانی اس کے ساتھی کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، حالانکہ وہ خود شدید زخمی اور پانی کا سخت ضرورت مند ہوتا تھا اور پھر جب دوسرے نے پانی تیسرے کے پاس بھیج دیا تو پانی تیسرے تک پہنچا نہ تھا کہ سب فوت ہو گئے اور ان میں سے کسی نے بھی پانی نہ پیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے سخت بھوک لگی ہے، آپ نے ازواج مطہرات کی طرف پیغام بھیجا مگر ان میں سے کسی سے بھی کھانے کی کوئی چیز نہ ملی تو نبی ﷺ نے فرمایا: [أَلَا رَجُلٌ يُّضَيِّفُهُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، يَرْحَمُهُ اللّٰهُ؟] ’’کوئی شخص ہے جو آج رات اس کی

[1] تفسير الطبرى: 53/28. [2] تفسير الطبرى: 54/28. [3] سنن أبى داود، الوتر، باب طول القيام، حديث: 1449 ومسند أحمد: 412,411/3 عن عبدالله بن حُبشى رضي الله عنه. [4] سنن أبى داود، الزكاة، باب الرخصة فى ذلك، حديث: 1678 وجامع الترمذى، المناقب، باب رجاؤه ﷺ أن يكون أبوبكر ممن يدعى......، حديث: 3675 واللفظ له عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

مہمان نوازی کرے اور اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے!'' ایک انصاری اٹھا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں، وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں، اس سے کچھ نہ چھپانا۔ اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میرے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے، اس نے کہا کہ بچے جب رات کا کھانا مانگیں تو انھیں سلا دینا اور آ کر چراغ بجھا دینا، آج رات ہم اپنے پیٹوں کو لپیٹ لیں گے، اس نے اسی طرح کیا اور صبح جب یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: [لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، أَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَّفُلَانَةَ] ''اللہ عزوجل نے فلاں مرد اور فلاں عورت کے طرز عمل پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے یا (آپ نے یہ فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ ان کے عمل سے خوش ہو کر ہنس پڑا ہے۔'' اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا: ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ۛ ﴾ ''اور وہ ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔''① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ایک دوسری جگہ بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے، نیز اسے امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے کئی طرق کے ساتھ فضیل بن غزوان سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔② مسلم کی روایت میں اس انصاری صحابی کا نام حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مذکور ہے۔③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا، تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔'' یعنی جو حرص و بخل سے سلامت رہا، وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ] ''تم ظلم سے بچو کیونکہ بے شک ظلم روز قیامت بہت سی ظلمتوں کا باعث ہوگا اور حرص سے بچو، پس بلا شبہ حرص نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا، حرص ہی کی وجہ سے انھوں نے خون ریزیاں کیں اور محرمات کو حلال قرار دے لیا تھا۔''④ اسے روایت کرنے میں امام مسلم منفرد ہیں۔⑤

امام ابن ابوحاتم نے اسود بن ہلال سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ کے پاس آ کر کہا: ابوعبدالرحمٰن! مجھے ڈر ہے کہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں، عبداللہ نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا، تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔'' اور میں بخیل آدمی ہوں، اپنے ہاتھ سے کچھ دینا ہی نہیں چاہتا، عبداللہ نے جواب دیا کہ یہ وہ شُحّ (بخل) نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ﴾ (الحشر 9:59)، حديث: 4889. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قول الله عزوجل: ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر 9:59)، حديث:3798 وصحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، حديث:2054 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الحشر، حديث: 3304 والسنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالٰى: ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ﴾ :486/6، حديث: 11582 . ③ صحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف......، حديث:(173)-2054 . ④ مسند أحمد:323/3. ⑤ صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث :2578.

میں ذکر فرمایا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جس شُحّ کا ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ تم ظلم سے اپنے بھائی کے مال کو کھالو لیکن (جس کا تم نے ذکر کیا ہے) یہ بخل ہے اور بخل بہت بری چیز ہے۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور (ان کے لیے بھی) جو اُن (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یہ وہ تیسری قسم کے لوگ ہیں جن کے فقراء مالِ فے کے مستحق ہیں پہلے مہاجرین تھے، پھر انصار اور پھر یہ جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ براءت کی آیت میں فرمایا ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ (التوبة 100:9) ''اور جن لوگوں نے سبقت کی (سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔'' نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے وہ لوگ ہیں جو ان کے آثارِ حسنہ اور اوصافِ جمیلہ کی پیروی کرتے ہیں اور خفیہ و علانیہ طور پر ان کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور (ان کے لیے بھی) جو اُن (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ تو بڑا شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے کس قدر اچھا استنباط فرمایا ہے کہ وہ رافضی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دے، اس کا مالِ فے میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس صفت سے اتصاف پذیر نہیں ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنے اس ارشاد میں تعریف فرمائی ہے: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' امام ابن ابوحاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں مگر انھوں نے انھیں گالیاں دینا شروع کر دیں، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا:

① تفسير ابن أبي حاتم: 3347,3346/10 و تفسير الطبري: 56/28.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ

(اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے، جو اہل کتاب میں سے کافر ہوئے، کہتے ہیں: یقیناً اگر تم

لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ

(مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے، اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے، اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ

تمھاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں⑪ اگر وہ (یہود) نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ

سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر ان کی مدد کو پہنچے بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی⑫ (اے مسلمانو!)

مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

یقیناً ان کے سینوں میں اللہ کی نسبت تمھارا ڈر زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں⑬ وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑسکیں گے،

اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ

مگر ایسی بستیوں میں جو قلعہ بند ہیں یا دیواروں کی اوٹ سے، ان کی آپس کی لڑائی (دشمنی) بہت سخت ہے، آپ انھیں اکٹھے سمجھتے ہیں جبکہ ان کے دل جدا

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭ ۚ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ

جدا ہیں، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے⑭ (ان کی مثال) ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے قریب ہی (بدر میں) اپنی بداعمالی

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑮ ۚ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ

کا وبال چکھ چکے ہیں، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے⑮ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو

اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ

شیطان کہتا ہے: بے شک میں تجھ سے بری ہوں، بے شک میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں⑯ لہٰذا ان دونوں کا انجام یہی ہوا کہ بے شک وہ ہمیشہ (دوزخ کی)

2 ع 7 5 وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ⑰ ع

آگ میں رہیں گے، اور ظالموں کی سزا یہی ہے⑰

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ...... ﴾ الآية.①

تفسیر آیات: 11-17

منافقین کا بنونضیر سے جھوٹا وعدہ: اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن اُبیّ اور اس جیسے دیگر منافقین کے بارے میں فرمایا ہے جنھوں نے بنونضیر کی طرف پیغام بھیج کر ان سے نصرت و اعانت کا وعدہ کیا تھا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

① تفسیر ابن أبی حاتم: 3347/10 اور دیکھیے صحیح مسلم، التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقة، حدیث: 3022.

يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ ''کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا، جو اپنے کافر بھائیوں سے، جو اہل کتاب ہیں، کہا کرتے ہیں کہ یقیناً اگر تم جلاوطن کیے گئے تو ہم بھی ضرور تمھارے ساتھ نکل چلیں گے اور تمھارے بارے میں کبھی کسی کا کہا نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے، مگر اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔'' یعنی یہ اپنے وعدے میں جھوٹے ہیں کیونکہ انھوں نے ان سے زبانی تو یہ بات کی تھی مگر ان کی نیت یہ تھی کہ وہ اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کریں گے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے جو یہ کہا ہے اس کے مطابق ان سے عمل ہو ہی نہیں سکتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ﴾ ''اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو ان کی مدد نہیں کریں گے۔'' یعنی ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے، ﴿ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ ﴾ ''اور اگر انھوں نے ان کی مدد کی۔'' یعنی ان کے ساتھ مل کر جنگ کی ﴿ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ ﴾ ''تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔'' اور یہ بذات خود ایک مستقل بشارت ہے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ لَاَ اَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''(مسلمانو!) تمھاری ہیبت ان لوگوں کے سینوں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نسبت وہ تم سے زیادہ ڈرتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ (النسآء 4:77) ''تو ایک فریق ان میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرا کرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا۔'' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔'' پھر فرمایا: ﴿ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ﴾ ''یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے (بالمواجہہ) نہیں لڑ سکیں گے مگر قلعہ بند بستیوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں (مستور ہو کر۔)'' یعنی اپنی بزدلی و دوں ہمتی کی وجہ سے وہ لشکر اسلام کا سامنا کر کے اسے دعوت مبارزت دے کر اس سے جنگ کرنے کی طاقت و قدرت نہیں رکھتے بلکہ یہ صرف قلعوں میں بند ہو کر یا دیواروں کی اوٹ میں محصور ہو کر اپنے دفاع کی ضرورت کے طور پر لڑتے ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ﴾ ''ان کی آپس میں بڑی سخت دشمنی ہے۔'' یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے سے شدید دشمنی رکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ (الأنعام 6:65) ''اور ایک کو دوسرے کی لڑائی (کا مزا) چکھا دے۔'' اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ﴾ ''آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اکٹھے (اور ایک جان) ہیں جبکہ ان کے دل جدا جدا ہیں۔'' یعنی آپ انھیں اکٹھے دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، حالانکہ ان کا آپس میں شدید ترین اختلاف ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل کتاب اور منافقین ہیں۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک یہ بے عقل لوگ ہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ ﴾ ''(ان کا) حال ان لوگوں کا سا ہے جو ان سے کچھ ہی پیشتر اپنے کاموں کی سزا (کا مزا) چکھ چکے ہیں اور (ابھی) ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے لوگوں سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور (ہر) شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

کو خوب خبر ہے جو تم عمل کرتے ہو ⑱ اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے انھیں اپنا آپ بھلوا دیا،

الْفٰسِقُوْنَ ⑲ لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳

یہی لوگ نافرمان ہیں ⑲ آگ والے (دوزخی) اور باغ والے (جنتی) کبھی برابر نہیں ہوسکتے، جنتی ہی کامیاب ہیں ⑳

مراد بنوقینقاع کے یہودی ہیں۔[1] قتادہ[2] اور محمد بن اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔[3]

منافقین و یہود کے باہمی برتاؤ کی مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ ﴾ ''(منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا، جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ بے شک مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں۔'' یعنی ان یہودیوں کی مثال ان منافقین سے دھوکا کھانے میں جنھوں نے ان سے نصرت و اعانت کے وعدے کیے تھے اور کہا تھا کہ اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے اور پھر جب حقائق سامنے آ گئے، یہودیوں کا محاصرہ اور ان سے جنگ شدت اختیار کر گئی تو منافقین ان سے الگ ہو گئے اور انھوں نے انھیں تباہی و بربادی کے سپرد کر دیا، اس ساری صورت حال میں ان کی مثال شیطان کی طرح ہے کہ وہ انسان کے سامنے کفر کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور پھر جب انسان ان کاموں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جو شیطان اسے مزین کر کے دکھاتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا اور کہتا ہے: ﴿ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯ ﴾ ''مجھ کو تو یقیناً اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ ﴾ ''تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں آگ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے۔'' کفر کا حکم دینے والے اور کفر کو اختیار کرنے والے دونوں کا انجام آتشِ دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ﴿ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ⑰ ﴾ ''اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔'' یعنی ہر ظالم کو اسی طرح کی سزا دی جائے گی۔

تفسیر آیات: 18-20

تقویٰ اور قیامت کے لیے تیاری کا حکم: امام احمد نے منذر بن جریر کی اپنے والد سے روایت بیان کی ہے کہ ہم دن کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جو برہنہ پاؤں، برہنہ جسم، اون کی دھاری دار چادریں۔ یا عبا۔ پہنے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے، ان میں سے اکثر بلکہ سب کا تعلق خاندانِ مضر سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے فاقے کی حالت کو دیکھا تو چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا، آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے، پھر باہر تشریف لے آئے،

① تفسیر الطبری: 62/28. ② تفسیر القرطبی: 36/18 میں قتادہ کے حوالے سے ''بنونضیر'' کے متعلق قول منقول ہے، تاہم یہ دونوں قبیلے باہم حلیف تھے۔ مزید دیکھیے زاد المسیر: 27/8. ③ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 204/3.

آپ نے بلال کو حکم دیا، انھوں نے اذان واقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ...... ﴾ الآية (النسآء 4:1) ''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا......'' اور پھر آپ نے سورۂ حشر کی اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ ''اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا (سامان) بھیجا ہے۔'' [تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِينَارِهِ، مِنْ دِرْهَمِهِ، مِنْ ثَوْبِهِ، مِنْ صَاعِ بُرِّهِ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ حَتّٰى قَالَ: وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ] ''آدمی کو اپنے دینار، اپنے درہم، اپنے کپڑے، گندم کے صاع، کھجور کے صاع کو صدقہ کرنا چاہیے حتی کہ آپ نے فرمایا کہ (صدقہ کرو)، خواہ آدھی کھجور ہو۔'' ایک انصاری اتنی بھاری گٹھڑی لے کر آیا کہ اس کا ہاتھ اسے اٹھانے سے عاجز ہو رہا تھا بلکہ عاجز ہو ہی گیا تھا، پھر لوگ صدقہ لے کر مسلسل آنا شروع ہو گئے حتی کہ میں نے کھانے پینے کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ اقدس خوشی سے اس طرح دمک رہا ہے جیسے سونے کی ڈلی ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَّمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ] ''جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اسے اس کا اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا تو اسے اس کا اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کا گناہ ملے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔''[1] اسے صرف امام مسلم نے بروایت شعبہ ذکر کیا ہے۔[2] (امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اور تقویٰ ایک جامع لفظ ہے جو ان تمام افعال پر مشتمل ہے جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان تمام امور کے ترک کر دینے پر مشتمل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ ''اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا (سامان) بھیجا ہے۔'' یعنی قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے، تم اپنا محاسبہ خود کر لو اور خوب غور کرو کہ تم نے روز قیامت اور اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش ہونے کے دن کے لیے اپنی خاطر کون سے اعمال صالحہ جمع کیے ہیں۔ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور (ہم پھر کہتے ہیں کہ) اللہ سے ڈرتے رہو۔'' یہ دوسری بار تاکید ہے، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''بے شک اللہ تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے۔'' یعنی خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے تمام اعمال واحوال کو جانتا ہے، اس سے تمھاری کوئی چیز مخفی نہیں، تمھارا کوئی چھوٹا بڑا عمل اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا، ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انھیں ایسا کر دیا کہ اپنے آپ کو بھول گئے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو نہ بھولو ورنہ وہ تمھیں ایسے عمل بھلا دے گا جو

[1] مسند أحمد: 359,358/4. [2] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی الصدقة......، حدیث: 1017.

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ

(اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا، اور یہ

الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿21﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ غوروفکر کریں ﴿21﴾ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿22﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ

وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے، وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے ﴿22﴾ اللہ وہ ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے،

الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، زبردست، زور آور، بڑائی والا، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ

يُشْرِكُوْنَ ﴿23﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي

شرک کرتے ہیں ﴿23﴾ وہ اللہ ہے، خالق ہے، موجد، صورت گر، اسی کے لیے ہیں اسمائے حُسنیٰ، اسی کی تسبیح پڑھتی ہے جو چیز

ع 3 7 6 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿24﴾ ع

آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ غالب ہے، خوب حکمت والا ﴿24﴾

آخرت میں تمھارے لیے مفید اور نافع ہوں کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہوتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿19﴾ ﴾ ''یہی بدکردار لوگ ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج، قیامت کے دن ہلاک ہونے والے اور روز حشر نقصان اٹھانے والے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ﴾ (المنٰفقون 9:63) ''مومنو! تمھارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے گا، تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

جنتی اور جہنمی برابر نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ ﴾ ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں۔'' یعنی یہ لوگ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق برابر نہیں ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ ﴾ (الجاثية 21:45) ''جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے، ان کی زندگی اور موت یکساں ہوگی، یہ جو دعوے کرتے ہیں، برے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمن 58:40) ''اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ ایمان لانے والے نیکوکار اور نہ بدکار (برابر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ) تم بہت کم غور کرتے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ ﴾ (صٓ 28:38) ''جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے کیا ان کو ہم ان کی طرح کر دیں

گے جو زمین میں فساد کرتے ہیں؟ کیا پرہیز گاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟'' اور بھی دیگر بہت سی آیات میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیکو کار اور پرہیز گار بندوں کو عزت و سربلندی عطا فرمائے گا اور بدکار لوگوں کو ذلیل و رسوا کرے گا، اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴾ ''اہلِ بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پانے اور سلامت رہنے والے ہیں۔

تفسیر آیات :21-24

عظمت قرآن: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت شان اور اس کے اعلیٰ رتبے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کو سن کر دل جھک جانے اور پھٹ جانے چاہئیں کیونکہ اس میں سچے وعدے اور زبردست وعیدیں ہیں، ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پھٹا جاتا۔'' یعنی اگر پہاڑ بھی اس قرآن کو سمجھے اور اس میں بیان کیے گئے مضامین پر غور کرے تو وہ اپنی شدت وقامت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹ جائے، تو لوگو! تمھیں یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے تمھارے دلوں میں نرمی و گداز پیدا نہ ہو اور نہ ہی دل جھکیں اور پھٹیں، حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سمجھتے اور اس میں غور و فکر کرتے ہو! اس لیے فرمایا ہے: ﴿ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ''اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔''

حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے جب منبر بنایا گیا اور اس سے پہلے آپ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرماتے وقت مسجد میں موجود کھجور کے تنوں میں سے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہوا کرتے تھے، جب پہلی مرتبہ منبر رکھا گیا اور نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے تنے سے آگے بڑھ کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو تنے پر رقت طاری ہوگئی اور اس نے اس بچے کی طرح رونا شروع کر دیا جسے چپ کرایا جا رہا ہو، اس لیے کہ وہ اپنے پاس ذکر اور وحی کو سنتا تھا۔[1] اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ تنے کی نسبت تم رسول ﷺ سے اشتیاق کے زیادہ حق دار ہو۔[2] اسی طرح اس آیت کریمہ میں بھی یہ ذکر ہے کہ اگر یہ گونگے پہاڑ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سن اور سمجھ لیتے تو اس کے خوف سے جھک جاتے اور پھٹ جاتے تو تم اس سے متاثر کیوں نہیں ہوتے، حالانکہ تم تو اسے سنتے اور سمجھتے ہو۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی ؕ ﴾ (الرعد 31:13) ''اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس (کی تاثیر) کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس کے ذریعے سے زمین کاٹی جاتی یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا (تو یہی قرآن ان اوصاف سے متصف ہوتا۔)'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

---

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3584، 3585 وسنن الدارمي، المقدمة، باب ما أكرم الله النبي بحنين المنبر:1/17-19، حديث: 31-41. [2] دلائل النبوة للبيهقي، باب ذكر المنبر الذي اتخذ لرسول الله ﷺ......: 2/559.

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (البقرة 74:2) ''اور بے شک پتھر تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بے شک بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور بے شک ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بے شک بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ اس کی بزرگی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿22﴾ ﴾ ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔'' اللہ جل شانہٗ نے بیان فرمایا ہے کہ وہی ذات پاک ہے کہ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار، کائنات میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ باطل ہے، وہی ذات پاک، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والی ہے، یعنی وہ تمام کائنات کو جانتا ہے، خواہ وہ ہمیں نظر آئے یا نہ آئے، آسمان وزمین کی کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں، خواہ وہ جلیل ہو یا حقیر، چھوٹی ہو یا بڑی حتی کہ اندھیروں میں وہ چیونٹیوں کو بھی جانتا ہے۔ ﴿ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿22﴾ ﴾ ''وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔'' تفسیر کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے پاک کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ [1] بہر حال مراد یہ ہے کہ وہ ذات پاک دنیا وآخرت میں رحمان بھی ہے اور ان دونوں میں رحیم بھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ ﴾ (الأعراف 156:7) ''اور جو میری رحمت ہے، وہ ہر چیز کو شامل ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ ﴾ (الأنعام 54:6) ''تمھارے پروردگار نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 58:10) ''کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

پھر فرمایا اللہ جل شانہٗ نے: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ ﴾ ''وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بادشاہ (حقیقی۔)'' یعنی وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اور کسی روک ٹوک کے بغیر ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ ﴿ اَلْقُدُّوْسُ ﴾ ''پاک ذات (ہر عیب سے۔)'' وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ القدوس کے معنی پاک کے ہیں، [2] امام مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ اس کے معنی مبارک کے ہیں۔ [3] ابن جریج کہتے ہیں کہ معزز فرشتے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ [4] ﴿ اَلسَّلٰمُ ﴾ ''سلامتی والا۔'' یعنی وہ اپنی ذات پاک، صفات اور افعال میں کمال کے باعث تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ ﴿ اَلْمُؤْمِنُ ﴾ ''امن دینے والا۔'' ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کو اس بات سے امن دے رکھا ہے کہ

[1] دیکھیے الفاتحة، آیت: 1 کے ذیل میں عنوان: '' ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کی تفسیر'' مزید دیکھیے بنی إسرآء یل، آیت: 110 کے ذیل میں عنوان: ''اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں'' [2] تفسیر الماوردی: 513/5. [3] تفسیر الطبری: 70/28. [4] الدر المنثور: 300/6.

وہ ان پر ظلم کرے۔[1] امام قتادہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اس فرمان کے ذریعے سے امن عطا فرما دیا ہے کہ وہ ذات پاک حق ہے۔[2] ابن زید کہتے ہیں کہ اس نے اپنے مومن بندوں کی تصدیق کی کہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔[3] ﴿ الْمُهَيْمِنُ ﴾ ''نگہبان۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے اعمال کا شاہد[4] یعنی ان کا نگہبان ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ (البروج 9:85) ''اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ○ ﴾ (یونس 46:10) ''پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ (الرعد 33:13) ''تو کیا جو (اللہ) ہر متنفس کے اعمال کا نگران ہے جو اس نے کمایا (کوئی دوسرا اس کے برابر ہو سکتا ہے؟)'' ﴿ الْعَزِيْزُ ﴾ ''غالب۔'' جس نے ہر چیز پر غالب آ کر اسے مقہور کر رکھا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے، اس کی عزت و عظمت اور جبروت و کبریائی کی وجہ سے اس کی جناب تک نہیں پہنچا جا سکتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ﴾ ''زبردست بڑائی والا۔'' کہ بڑائی اسی کی ذات پاک کے شایان شان ہے اور تکبر اسی کی ذات اقدس کو زیبا ہے جیسا کہ یہ صحیح حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے:[5] [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِّنْهُمَا (عَذَّبْتُهُ)] ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بڑائی میری چادر اور شان و شوکت میرا تہبند ہے جو ان میں سے کسی کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔''[6] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ''اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ﴾ ''وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) نقشہ ساز، وجود میں لانے والا، صورتیں بنانے والا۔'' خلق کے معنی تقدیر اور بَرْءٌ کے معنی فَرِيٌّ کے ہیں اور اس سے مراد مقدر اور مقرر کی ہوئی چیز کو وجود میں لا کر نافذ اور نمایاں کرنا ہے۔ اللہ عز وجل کے سوا کوئی نہیں جو ہر مقدر و مرتب چیز کو نافذ اور ایجاد کر سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ﴾ ''وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) نقشہ ساز، وجود میں لانے والا، صورتیں بنانے والا۔'' وہ جب کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرما دیتا ہے: ہو جا، تو وہ اسی صفت کے مطابق ہو جاتی ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اور اسی صورت میں ڈھل جاتی ہے جس کو وہ پسند فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ (الانفطار 8:82) ''اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ الْمُصَوِّرُ ﴾ ''صورتیں بنانے والا۔'' یعنی وہ ذات پاک جو جس چیز کے ایجاد کرنے کا ارادہ فرمائے، وہ اپنی خواہش اور ارادے کے مطابق اسے اسی طرح وجود میں لے آئے۔

[1] الدر المنثور: 300/6. [2] تفسير الطبرى: 70/28. [3] تفسير الطبرى: 70/28. [4] تفسير الطبرى: 71,70/28. [5] دیکھیے الجاثیة، آیت: 37 کے تحت۔ [6] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الكبر، حديث: 2620 وسنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في الكبر، حديث: 4090 واللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ جبکہ قوسین والا لفظ صحیح مسلم کے مذکورہ حوالے میں ہے۔

اسمائے حسنٰی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ ''اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔'' اسمائے حسنٰی کے بارے میں قبل ازیں سورۂ اعراف میں گفتگو ہو چکی ہے۔[1] یہاں ہم وہ حدیث ذکر کریں گے جو صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ اسْمًا، مِّائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (وَهُوَ وِتْرٌ يُّحِبُّ الْوِتْرَ)] ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو، جو انھیں شمار کرے گا، جنت میں داخل ہوگا، وہ ذات پاک وتر ہے اور وہ وتر کو پسند فرماتا ہے۔''[2]

ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں۔'' جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:44) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے، اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ بڑا بردبار، غفار ہے۔'' ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ ''اور وہ نہایت غالب ہے۔'' کہ اس کی طرف (بدی) کا ارادہ نہیں کیا جا سکتا، ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ ''بڑی حکمت والا ہے۔'' اپنے تمام شرعی وقدری امور میں۔

سورۂ حشر کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① دیکھیے الأعراف، آیت: 180 کے ذیل میں عنوان: ''اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کا بیان'' ② صحیح البخاری، الشروط، باب مایجوز من الاشتراط......، حدیث: 2736 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء......، باب فی أسماء اللّٰہ تعالٰی......، حدیث: 2677 جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، الدعوات، باب: للّٰہ مائة اسم غیر واحدة، حدیث: 6410 کے مطابق ہیں۔

تفسیر سُوْرَۃُ مُمْتَحِنَہ

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ

اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً وہ اس حق (سچے دین) کے منکر ہوئے ہیں

كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ

جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور تمھیں بھی جلاوطن کرتے ہیں، اس لیے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میرے راستے میں جہاد اور

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ

میری رضا ڈھونڈنے کے لیے نکلے ہو (تو کفار کو دوست نہ بناؤ،) تم ان کو دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو، اور میں خوب جانتا ہوں جو تم

بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ

چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا، تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا① اگر وہ تمھیں (کہیں) پائیں تو تمھارے دشمن

يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ②

ہو جائیں اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تمھاری طرف دراز کریں برائی (کی نیت) سے، اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بھی (دین حق کے) منکر ہو جاؤ②

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚۛ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

تمھارے رشتے ناتے قیامت کے دن تمھیں ہرگز نفع نہیں دیں گے اور نہ تمھاری اولاد، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ اسے خوب

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو③

تفسیر آیات: 1-3

سبب نزول: اس سورۂ مبارکہ کے ابتدائی حصے کے نزول کا سبب حاطب بن ابو بلتعہ کا قصہ تھا، حاطب مہاجرین میں سے تھے اور انھیں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی تھی۔ مکہ میں ان کی اولاد اور مال تو تھا لیکن یہ قریش میں سے نہیں تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے، جب اہل مکہ کے نقض عہد کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور دعا فرمائی کہ [اَللّٰهُمَّ ! عَمِّ عَلَيْهِمْ خَبَرَنَا] ''اے اللہ! انھیں

ہمارے حالات سے بے خبر رکھنا۔'' مگر حاطب رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھا اور اسے ایک عورت کے ہاتھ اہل مکہ کی طرف بھیج دیا۔ اس خط میں رسول اللہ ﷺ کے عزم وارادہ کے بارے میں انھیں اطلاع دی گئی تھی تا کہ وہ اس وجہ سے اہل مکہ پر احسان کر سکے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازنے کے باعث آپ کو اس سے مطلع فرما دیا تو آپ نے اس عورت کا تعاقب کرایا اور اس سے یہ خط حاصل کر لیا گیا۔ یہ واقعہ متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے۔ ①

امام احمد رحمہ اللہ نے حسن بن محمد بن علی سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن ابورافع نے بیان کیا اور کبھی یہ کہا کہ عبیداللہ بن ابورافع نے انھیں خبر دی کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، زبیر اور مقداد کو بھیجا اور فرمایا: [اِنْطَلِقُوا حَتّٰی تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ، فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً مَّعَهَا كِتَابٌ، فَخُذُوهُ مِنْهَا] ''روانہ ہو جاؤ حتی کہ جب تم روضہ خاخ میں پہنچو تو وہاں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے، وہ خط اس سے لے لو۔'' ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے حتی کہ روضہ میں پہنچ گئے تو وہاں اونٹ پر سوار عورت سے ملے تو ہم نے کہا کہ خط نکالو، اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے کہا کہ تو ضرور ہمیں خط دے دے گی یا پھر ہم تیرے کپڑے اتار دیں گے، پھر اس نے اپنے بالوں کے جوڑے سے خط نکال کر دے دیا، تو ہم نے وہ خط لے لیا اور اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خط میں لکھا ہوا تھا کہ یہ حاطب بن ابوبلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام ہے اور اس میں انھیں رسول اللہ ﷺ کے بعض معاملات کی خبر دی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَا حَاطِبُ! مَا هٰذَا؟] ''حاطب! یہ کیا؟'' اس نے عرض کی: آپ میرے بارے میں جلدی سے کوئی فیصلہ نہ فرمائیں یقیناً میں ایک ایسا آدمی ہوں جو قریش کے ساتھ مل جل کر رہ رہا تھا، البتہ میں قریش میں سے نہیں تھا۔ آپ کے ساتھی مہاجرین کی مکہ میں قرابت داریاں ہیں جو مکہ میں ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں تو میں نے چاہا کہ جب نسب کے اعتبار سے مجھے یہ بات حاصل نہیں ہے تو میں مکہ والوں پر احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں گے۔ اور میں نے یہ اقدام کفر یا اپنے دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کیا اور نہ اس وجہ سے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں کفر پر راضی ہو گیا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ] ''اس نے تم سے سچی بات کی ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ إِلٰى أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ] ''یہ تو بدر میں حاضر ہوا تھا اور تمھیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا: تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمھیں معاف فرما دیا ہے۔'' ② ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے اسے اسی طرح کئی سندوں کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے روایت کیا

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الفتح، حديث: 4274 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبي بلتعة......، حديث: 2494. جبکہ بریکٹ والے الفاظ المعجم الكبير للطبراني، ترجمة علي بن الحسين عن ميمونة: 434/23، حديث: 1052 عن ميمونة بنت الحارث رضی اللہ عنہا میں کسی اور سیاق میں ہیں۔ ② مسند أحمد: 80,79/1.

ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں ان الفاظ کو بھی بیان کیا ہے کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی تھی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔''[2] کتاب التفسیر میں لکھا ہے: عمرو نے کہا کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ اور (سفیان بن عیینہ نے) کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ ''آیت'' کا ذکر حدیث میں ہے یا عمرو کا قول ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام علی بن مدینی نے کہا: سفیان سے پوچھا گیا کہ یہ آیت: ﴿ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ کس بارے میں نازل ہوئی تھی تو سفیان نے جواب دیا کہ لوگوں کے اقوال (اور روایات) میں اسی طرح ہے۔ میں نے اسے عمرو سے یاد کیا ہے اور ایک حرف کو بھی نہیں چھوڑا اور نہیں معلوم کہ میرے سوا کسی اور نے اسے یاد رکھا ہو۔[3]

کفار سے دشمنی رکھنے اور دوستی ترک کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ﴾ ''مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ وہ (دین) حق سے جو تمھارے پاس آیا ہے منکر ہیں۔'' یعنی ان مشرکین و کفار کو دوست نہ بناؤ جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے عداوت و دشمنی کو مشروع قرار دیا ہے اور اس بات سے منع فرما دیا ہے کہ انھیں دوست اور ساتھی بنایا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ ﴾ (المآئدة 51:5) ''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے اُن کو دوست بنائے گا، تو بلاشبہ وہ بھی انھی میں سے ہوگا۔'' یہ یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست بنانے کی شدید سرزنش اور بہت سخت وعید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (المآئدة 57:5) ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا ہے ان لوگوں میں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور جو کافر ہیں اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○ ﴾ (النسآء 144:4) ''اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف کھلی حجت دے دو؟'' اور فرمایا: ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

---

[1] صحيح البخارى، الجهاد والسير، باب الجاسوس......، حديث: 3007 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبى بلتعة......، حديث: 2494 وسنن أبى داود، الجهاد، باب فى حكم الجاسوس......، حديث: 2650 و جامع الترمذى، تفسير القرآن، باب ومن سورة الممتحنة، حديث: 3305 والسنن الكبرى للنسائى، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ : 487/6، حديث: 11585. [2] صحيح البخارى، المغازى، باب غزوة الفتح، حديث: 4274. [3] صحيح البخارى، التفسير، باب: ﴿ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ (الممتحنة 60:1)، حديث: 4890.

﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ ﴾ (ال عمرٰن 3:28) ''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ مگر یہ کہ تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔'' اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ کے عذر کو قبول فرما لیا تھا کہ انھوں نے قریش کے ساتھ دوستی کا یہ تأثر اس لیے دیا ہے کہ وہ اس سے مکہ میں اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کرنا چاہتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ ﴾ ''وہ پیغمبر اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں۔'' سابقہ تلقین کے ساتھ ساتھ یہ ان کی دشمنی اور عدم دوستی پر مزید برانگیختہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ہاں سے جلاوطن کر دیا تھا کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کر لیا تھا اور وہ اسی وحدہٗ لاشریک کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرتے تھے جبکہ کفار اسے ناپسند کرتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ ﴾ ''یہ کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔'' یعنی ان کے ہاں تمھارا اس کے سوا کوئی اور گناہ نہ تھا کہ تم اللہ رب العالمین پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ (البروج 85:8) ''انھوں نے مومنوں کو اسی بنا پر سزا دی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو نہایت غالب (اور) قابل ستائش ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ ﴾ (الحج 22:40) ''وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے (انھوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں، یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ﴾ ''اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے (مکے سے) نکلے ہو۔'' یعنی اگر تم ایسے ہو تو پھر ان کو دوست نہ بناؤ۔ اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے نکلے ہو اور میری خوشنودی کے طلب گار ہو تو اپنے اور میرے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، حالانکہ انھوں نے تم سے دشمنی کرتے ہوئے اور تمھارے دین کو ناپسند کرتے ہوئے تمھارے گھروں اور مالوں سے تمھیں نکال دیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ ﴾ ''تم ان کی طرف پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو جبکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو۔'' تم یہ کام کرتے ہو، حالانکہ میں تمھارے ظاہری اور باطنی حالات کو خوب جانتا ہوں۔ ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ ﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا تو یقیناً وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا، اگر وہ تمھیں پائیں تو وہ تمھارے دشمن ہو جائیں اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تمھاری طرف دراز کریں برائی کے ساتھ۔'' یعنی اگر ان کا تم پر بس چلے تو اپنے قول و فعل سے تمھیں ایذا پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں ﴿ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ چاہتے ہیں کہ کاش! تم بھی کفر کرو۔'' یعنی یہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ تمھیں کوئی خیر حاصل نہ ہو، وہ تم سے ظاہری و مخفی ہر اعتبار سے دشمنی رکھتے ہیں تو اس طرح کے لوگوں کو تم کیوں دوست بناتے ہو! یہ بھی ان کی دشمنی پر

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا

یقیناً تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: بے شک ہم تم سے اور ان سے بری

مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ

ہیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم نے تمھارا انکار کیا، اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا ہے، حتی کہ تم

وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ

اللہ اکیلے پر ایمان لے آؤ، مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ بے شک میں ضرور تیرے لیے بخشش مانگوں گا، اور میں تیرے لیے اللہ (کی طرف) سے کسی چیز کا

اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا

اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا، اور تیری ہی طرف (ہمیں) لوٹنا ہے④ اے ہمارے رب! تو ہمیں

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ

ان لوگوں کے لیے فتنہ (آزمائش) نہ بنا جنھوں نے کفر کیا، اور ہمیں بخش دے، اے ہمارے رب! بے شک تو ہی بڑا زبردست، خوب حکمت والا

لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہے⑤ بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے ان میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملنے) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو، اور جو کوئی (حق سے) منہ

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ ع 1/6/7

موڑے تو بے شک اللہ ہی بے پروا، نہایت قابل تعریف ہے⑥

برانگیختہ کرنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③﴾ ''قیامت کے دن تمھارے رشتے ناتے ہرگز کام نہیں آئیں گے اور نہ اولاد، اس روز وہی تم میں فیصلہ کرے گا اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا تمھارے بارے میں برا ارادہ ہو تو قرابت داریاں تمھارے کچھ کام نہ آسکیں گی۔ ان کا نفع تمھیں ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا جب تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انھیں خوش کرنا چاہو جو شخص اپنے اہل و عیال کو خوش کرنے کے لیے ان کے کفر پر رہنے سے اتفاق کرتا ہے تو وہ خائب و خاسر ہے، اس کا یہ عمل رائیگاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی سے قرابت داری اس کے کچھ کام نہ آسکے گی، خواہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے کسی نبی سے اس کی قرابت داری کیوں نہ ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: [فِي النَّارِ] ''جہنم میں'' جب اس شخص نے پیٹھ پھیری تو آپ نے فرمایا: [إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ] ''بے شک میرا باپ اور تمھارا باپ جہنم میں ہیں۔''① اسے امام مسلم اور ابوداود رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

① مسند أحمد: 268/3. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن من مات على الكفر فهو في النار......، حديث: 203 وسنن أبي داود، السنة، باب في ذراري المشركين، حديث: 4718.

تفسیر آیات :4-6

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب، کفار سے اظہار براءت میں مسلمانوں کے لیے نمونہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں سے فرمایا ہے جن کو اس نے کفار سے عداوت و دشمنی رکھنے، ان سے علیحدگی اختیار کرنے اور ان سے اظہار براءت کر دینے کا حکم دیا ہے: ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ ﴾ ’’یقیناً تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے۔‘‘ یعنی ان کی اور ان کے ان پیروکاروں کی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ ﴿ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ ﴾ ’’جب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بلاشبہ ہم تم سے بے تعلق ہیں۔‘‘ یعنی ہم تم سے اظہار براءت کرتے ہیں۔ ﴿ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ ﴾ ’’اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھارا انکار کرتے ہیں۔‘‘ یعنی ہم تمھارے دین اور تمھارے طریقے کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا ﴾ ’’اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا ہے۔‘‘ یعنی اب ہمارے اور تمھارے درمیان کھلم کھلا عداوت شروع ہو گئی ہے اور جب تک تم کفر پر باقی رہو گے، ہم ہمیشہ تم سے اظہار براءت کرتے اور تم سے بغض رکھتے رہیں گے، ﴿ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ﴾ ’’حتی کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ۔‘‘ یعنی جب تک تم اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار نہ کرو اور جن کی تم پوجا کرتے ہو ان سے علیحدہ ہو کر براءت کا اظہار نہ کرو ﴿ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ ﴾ ’’ہاں، ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ کہا کہ میں آپ کے لیے ضرور مغفرت مانگوں گا۔‘‘ یعنی تمھارے لیے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں نمونہ ہے لیکن باپ کے لیے استغفار کی جو بات کی تھی وہ اسوہ نہیں ہے، وہ ان سے کیے ہوئے وعدے کی بات تھی اور پھر جب ان کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انھوں نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت اس لیے فرمائی ہے کہ بعض مومن اپنے ان آباء و اجداد کے لیے مغفرت و بخشش کی دعائیں مانگا کرتے تھے جو حالت شرک میں فوت ہو گئے تھے اور کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی تو اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ ﴾ (التوبۃ 9:113،114) ’’پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں، خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں ان کے متعلق یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ وہ بلاشبہ جہنمی ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا، جو وہ اس سے کر چکے تھے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔ کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل، بہت متحمل تھے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا

﴿ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ﴾ ’’یقیناً ابراہیم اوران کے ساتھیوں میں تمھارے لیے ایک اچھا نمونہ ہے جب انھوں نے اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا تھا کہ بلاشبہ ہم تم سے اوران (بتوں) سے، جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بری ہیں ہم تمھارا انکار کرتے ہیں۔ اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض آشکارا ہو چکا ہے حتی کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ۔ ہاں، ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے ضرور مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔‘‘ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اس بات میں تمھارے لیے نمونہ نہیں ہے کہ تم اس کی وجہ سے مشرکین کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگنے لگو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، مقاتل بن حیان، ضحاک اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ ①

پھر اللہ جل شانہ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اوران کے رفقاء نے اپنی قوم سے جدائی اختیار کر کے براءت کا اظہار کر دیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اس کے حضور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ④ ﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہمارا بھروسا اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف (ہمیں) لوٹ کر آنا ہے۔‘‘ یعنی ہم نے تمام معاملات میں تجھ پر بھروسا کیا، اپنے تمام معاملات کو تیرے سپرد کر دیا اور ہم نے انھیں تیرے کامل تصرف میں دے دیا۔ ﴿ وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ④ ﴾ یعنی آخرت کے گھر میں تیری طرف ہی ٹھکانا ہے۔ ﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا۔‘‘ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں نہ تو ان کے ہاتھوں سے عذاب دینا اور نہ اپنے پاس سے عذاب دینا تاکہ کافر یہ طعنہ نہ دیں کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو انھیں یہ عذاب لاحق نہ ہوتا۔ ② ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام قتادہ کہتے ہیں کہ انھیں ہم پر غلبہ نہ دینا تاکہ یہ ہمیں فتنے میں مبتلا نہ کر دیں اور وہ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں، اس لیے ہم پر غالب آ گئے ہیں۔ ③ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ④ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کو ہم پر مسلط نہ کرنا تاکہ یہ ہمیں فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔ ⑤

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ⑤ ﴾ ’’اور تو ہمیں بخش دے اے ہمارے پروردگار! بے شک تو ہی بڑا غالب، نہایت حکمت والا ہے۔‘‘ ہمارے گناہوں کی دوسروں سے پردہ پوشی فرما اور انھیں معاف فرما دے، ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ⑤ ﴾ ’’بے شک تو ہی بڑا غالب، نہایت حکمت والا ہے۔‘‘ جو آپ کی جناب کی پناہ لے لے، اس پر ظلم نہیں ہو سکتا۔ اور آپ تو اپنے تمام اقوال وافعال اور شرع وتقدیر میں حکمت والے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ ﴾ ’’البتہ تحقیق ان (کے طرز عمل) میں تمھارے لیے (اور) ہر اس شخص کے لیے ایک اچھا نمونہ ہے جو اللہ (کے سامنے جانے) اور روز آخرت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو۔‘‘ یہ سابقہ مضمون کی تاکید ہے اور

① تفسیر الطبری: 81,80/28. ② تفسیر الطبری: 81/28. ③ تفسیر الطبری: 82/28. ④ تفسیر الطبری: 81/28.
⑤ تفسیر الطبری: 82/28.

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ

امید ہے کہ اللہ تمھارے اور ان لوگوں کے درمیان دوستی (پیدا) کر دے جن سے تمھاری دشمنی ہے، اور اللہ بہت قدرت والا ہے،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ

اور اللہ غفور رحیم ہے ⑦ اللہ تمھیں ان لوگوں کی بابت نہیں روکتا جو تم سے دین پر نہیں لڑے اور انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا،

يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧

کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ⑧ بے شک اللہ تو تمھیں

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى

ان لوگوں کی بابت روکتا ہے جو تم سے دین پر لڑے اور انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مدد کی،

اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨

کہ تم ان سے دوستی کرو، اور جو کوئی ان سے دوستی کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں ⑨

جو استثنا اس میں ہے، وہ اس میں بھی ہے کیونکہ جس اسوے کو یہاں ثابت کیا جا رہا ہے، یہ ہو بہو پہلا ہی ہے۔ ﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ﴾ ”اس کے لیے جو اللہ (کے سامنے جانے) اور روز آخرت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو۔“ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہر شخص کے شوق کو انگیخت کیا جا رہا ہے ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ﴾ ”اور جو کوئی روگردانی کرے۔“ اس سے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥﴾ ”تو بلاشبہ اللہ بھی بڑا بے پروا (اور) سزاوار حمد (وثنا) ہے۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○﴾ (إبراهيم 14:8) ”اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کفر کرو تو یقیناً اللہ بے نیاز (اور) نہایت قابل تعریف ہے۔“ علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غنی وہ ہے جو بے نیازی میں کامل ہو اور وہ اللہ ہی ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے شایان شان ہے کہ اس کا کوئی ہمسر نہیں، اس جیسی کوئی چیز نہیں، پاک ہے وہ اللہ جو واحد اور سب پر غالب ہے۔ ①
﴿الْحَمِيْدُ ⑥﴾ ”قابل تعریف۔“ مخلوق سے مطالبہ ہے کہ وہ اس کی تعریف کے گن گائے کیونکہ وہ تمام اقوال و افعال میں قابل ستائش ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔

تفسیر آیات: 7-9

عجب نہیں کہ اللہ مومنوں اور ان کے دشمنوں میں دوستی پیدا کر دے: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ عداوت و دشمنی کا حکم دینے کے بعد اپنے مومن بندوں سے فرمایا ہے: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ﴾ ”ہو سکتا ہے کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کر دے۔“ یعنی بغض کے بعد محبت، نفرت کے بعد مودت اور فرقت کے بعد الفت پیدا فرما دے۔ ﴿وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ﴾ ”اور اللہ خوب قادر ہے۔“ وہ جن متضاد اور مختلف اشیاء کو جمع

① تفسیر الطبری: 3/89.

کرنا چاہے، انھیں جمع کرنے پر قادر ہے اور وہ عداوت و قساوت کے بعد دلوں کو بھی مجتمع اور متفق کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو اپنا احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾ (آل عمرٰن 103:3) ''اور اپنے اوپر اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اس (اللہ) نے تم کو اس سے بچا لیا۔'' اسی طرح نبی ﷺ نے بھی انصار سے فرمایا تھا: [أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي؟] ''کیا میں نے تمھیں رستے سے بھٹکے ہوئے نہ پایا، پھر اللہ تعالیٰ نے میری بدولت تمھیں ہدایت سے نوازا؟ اور تم جدا جدا تھے تو میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم میں الفت پیدا فرما دی؟''① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (الأنفال 63,62:8) ''وہی تو ہے جس نے آپ کو اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تقویت بخشی اور اس نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی (اور) اگر آپ دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے مگر اللہ ہی نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ بڑا زبردست، بڑی حکمت والا ہے۔'' اور حدیث میں ہے کہ [أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسٰى أَنْ يَّكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَّا، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَّا، عَسٰى أَنْ يَّكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَّا] ''اپنے دوست سے اعتدال کے ساتھ محبت رکھو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی دن وہ تمھارے نزدیک قابل نفرت ہو اور قابل نفرت انسان سے اعتدال کے ساتھ نفرت کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی دن وہ تمھارا دوست بن جائے۔''②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ ﴾ ''اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' وہ کافروں کے کفر کو بھی اس وقت بخش دیتا ہے جب وہ کفر سے توبہ کریں، اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں جو بھی اس کے حضور توبہ کرے، خواہ اس نے کتنا بڑا گناہ کیا ہو، وہ اسے بخش دیتا اور اپنی رحمت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔

دین کے بارے میں جنگ نہ کرنے والے کفار کے ساتھ احسان جائز ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ﴾ ''اللہ تمھیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور انھوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں ایسے کافروں کے ساتھ احسان سے منع نہیں فرماتا جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی، جیسے عورتیں اور کمزور مرد ہیں۔

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حديث: 4330 و صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1061 عن عبدالله بن زيد ﷺ. ② امام ترمذی نے اس روایت کو جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الاقتصاد في الحب والبغض، حديث: 1997 میں حضرت علی سے موقوفاً صحیح قرار دیا ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے غاية المرام في تخريج أحاديث الحلال والحرام، ص: 215-219، حديث: 472 میں حضرت علی سے مرفوعاً صحیح لکھا ہے۔

﴿ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ ﴾ ''(اس بات سے) کہ ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرو، بلا شبہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میری والدہ مشرکہ تھیں وہ نبی کریم ﷺ کے قریش کے ساتھ صلح کے زمانے میں میرے پاس آئیں تو میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں، وہ (میری طرف سے کچھ ملنے کی) خواہش رکھتی ہیں تو کیا میں ان سے صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ] ''ہاں، اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو۔''①

اسے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔② امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قتیلہ اپنی بیٹی اسماء بنت ابوبکر کے پاس سانڈے، پنیر اور گھی کا تحفہ لے کر آئی اور وہ مشرکہ تھی۔ اسماء نے اس کے تحفے قبول کرنے اور اسے اپنے گھر میں آنے سے منع کر دیا۔ اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب نبی ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ ...... ﴾ الآیۃ ''اللہ تمھیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی ......'' نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے تحائف کو قبول کر لو اور اسے اپنے گھر میں آنے کی اجازت دے دو۔③ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ ﴾ ''یقیناً اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' اس کی تفسیر سورۂ حجرات میں بیان ہو چکی ہے اور وہاں یہ صحیح حدیث بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ [اَلْمُقْسِطُونَ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّورٍ عَنْ يَّمِينِ (الْعَرْشِ) اَلَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهَالِيهِمْ وَمَا وَلُوا] ''انصاف کرنے والے عرش کی دائیں جانب نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے، یعنی وہ لوگ جو اپنے فیصلے میں، اہل وعیال میں اور رعایا میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔''④

جنگجو مشرکین سے دوستی کی مخالفت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ ﴾ ''اللہ بس انھی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے، جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور انھوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نکالا اور انھوں نے تمھارے نکالنے میں مدد کی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی دوستی سے تم کو منع فرماتا ہے جنھوں نے تم سے کھلم کھلا عداوت ودشمنی رکھی، تم سے جنگ کی، تمھیں

---

① مسند أحمد:347/6. ② صحيح البخاري، الأدب، باب صلة المرأة أمّها......، حديث:5979 و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة......، حديث:1003. ③ مسند أحمد: 4/4. ④ قوسین والا لفظ ایک دوسرے سیاق میں المعجم الكبير للطبراني، ترجمة حبيب بن أبي ثابت......:134/12، حديث:12686 میں ہے۔ ملحوظہ: حافظ ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ کی ترتیب کے بجائے یہ الفاظ: [إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّورٍ، عَنْ يَّمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، اَلَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا] صحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل وعقوبة الجائر......، حديث:1827 و سنن النسائي، آداب القضاة، فضل الحاكم العادل في حكمه، حديث:5381 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ میں ہیں، نیز دیکھیے الحجرات، آیت: 9 کے ذیل میں عنوان: ''لڑنے والے مومنوں میں صلح کرا دینے کا حکم'' البتہ سورۂ حجرات کی تفسیر میں بیان کی گئی حدیث کے الفاظ اس سے مختلف ہیں جبکہ سورۂ ص کی آیت :25 کے تحت عنوان: ''سجدۂ ص'' میں ذکر کی گئی حدیث کے الفاظ اس سے ملتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ

اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم انھیں مومن

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ

جانو تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں، اور تم ان

يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

(کفار) کو دے دو جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو، اور تم کافر عورتوں کی

اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ

عصمتیں قبضے میں نہ رکھو، اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا حکم

حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى

(فیصلہ) ہے وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے⑩ اور اگر تمھاری بیویوں میں سے کوئی کفار کی طرف چلی

الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

جائے، پھر تم (کفار سے) بدلہ لو (اور غنیمت ہاتھ لگے) تو جن کی بیویاں چلی گئیں، انھیں اس (مہر) کے برابر دے دو جو انھوں نے خرچ کیا، اور تم اللہ

الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو⑪

اپنے گھروں سے نکال دیا اور تمھیں نکالنے میں مدد کی تو ایسے لوگوں کی دوستی سے اللہ تعالیٰ تمھیں منع فرماتا ہے اور ان سے دشمنی رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ پھر ان کی دوستی اختیار کرنے پر وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨ ﴾ ”اور جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“ جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (المآئدة 51:5) ”اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا، بلاشبہ وہ بھی انھیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

تفسیر آیات: 11,10

حدیبیہ کے بعد مسلمان مہاجر خواتین کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجنے کی تخصیص: سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ صلح رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے مابین قرار پائی تھی اور اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہمارے ہاں سے اگر کوئی آدمی آپ کے پاس آئے، خواہ وہ آپ کے دین ہی پر کیوں نہ ہو آپ اسے لوٹا دیں گے۔[1] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں

① دیکھیے الفتح، آیت:26 کے ذیل میں عنوان: ”قصۂ صلح حدیبیہ، احادیث کی روشنی میں“

کہ ہمارے ہاں سے اگر کوئی بھی آپ کے پاس آئے، خواہ وہ آپ کے دین ہی پر کیوں نہ ہو، آپ اسے لوٹا دیں گے۔[1] عروہ، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید، زہری، مقاتل بن حیان اور سدی کا یہی قول ہے۔[2] اس روایت کے مطابق اسی آیت کریمہ نے سنت کی تخصیص کر دی اور یہ اس سلسلے میں ایک بہترین مثال ہے، بعض سلف کے طریقے کے مطابق اس آیت کو سنت کی ناسخ بھی کہہ سکتے ہیں۔[3] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب ان کے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو وہ ان کی جانچ پڑتال کر لیں اور اگر انھیں معلوم ہو کہ وہ مومن ہیں تو پھر انھیں کفار کے پاس واپس نہ بھیجیں کیونکہ نہ یہ ان کو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو حلال ہیں۔ ہم نے مسند کبیر میں عبداللہ بن ابواحمد بن جحش کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو مُعَیط نے ہجرت کی تو اس کے بھائی عمارہ اور ولید مکہ سے چل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے گفتگو کی کہ اسے ان کے پاس واپس کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حوالے سے اس عہد کو توڑ دیا جو آپ کے اور مشرکین کے مابین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے پاس مومن عورتیں واپس بھیجنے سے منع فرما دیا اور یہ آیات نازل فرمائیں جن میں ان کے امتحان کا ذکر ہے۔[4]

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ ﴾ ”مومنو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کر لو۔“ اس میں آزمائش سے مراد یہ ہے کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔[5] مجاہد کہتے ہیں کہ امتحان سے مراد یہ ہے ان سے پوچھو کہ وہ کیوں آئی ہیں اگر وہ اپنے شوہروں سے ناراض ہو کر یا اس طرح کے کسی اور سبب کی وجہ سے آئی ہوں اور وہ ایمان نہ لائی ہوں تو انھیں ان کے شوہروں کے پاس واپس بھیج دو۔[6] ﴿ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ ﴾ ”پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ“ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان یقینی طور پر ان کے نہ لوٹانے کی خبر ہے۔

مسلمان عورتیں مشرکوں کے لیے حرام ہیں اور مشرک عورتیں مسلمانوں کے لیے حرام ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ ﴾ ”نہ وہ (عورتیں) ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان کے لیے حلال ہیں۔“ اس آیت کریمہ نے مسلمان عورتوں کو مشرکین کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں مشرک کے لیے مومن عورت سے نکاح کرنا جائز تھا، اسی لیے ابوالعاص بن ربیع نے نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسلمان تھیں جبکہ ابوالعاص اپنی قوم کے دین پر تھا، چنانچہ جب وہ بدر کے دن قیدیوں میں شامل ہو کر آیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس کے فدیے کے لیے وہ ہار بھیجا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة الحدیبیة، حدیث: 4181,4180 عن مروان بن الحکم و المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہما

[2] تفسیر الطبری: 88/28-90. [3] ناسخ القرآن ومنسوخه لابن الجوزی، ص: 541,540. [4] جامع المسانید والسنن، ترجمة عبدالله بن أبي أحمد......: 243/7. [5] تفسیر الطبری: 87,86/28. [6] تفسیر الطبری: 87/28.

جب اسے دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہوگئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا: [إِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُطْلِقُوا لَهَا أَسِيرَهَا...... فَافْعَلُوا] ''اگر تم پسند کرو کہ زینب کے قیدی کو (فدیے کے بغیر) چھوڑ دو...... تو ایسا کر گزرو۔'' مسلمانوں نے ایسے ہی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس شرط پر رہا کیا کہ وہ آپ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیج دے گا، اس نے اس عہد کو وفا کیا، اپنے وعدے کو سچا ثابت کر دکھایا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ ① سیدہ زینب رضی اللہ عنہا واقعہ بدر کے بعد سے لے کر، جو 2 ہجری میں پیش آیا تھا، 8 ہجری میں ابوالعاص کے مسلمان ہونے تک مدینہ ہی میں رہیں اور ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پہلے نکاح کے ساتھ ہی انھیں ان کے ساتھ لوٹا دیا اور نیا مہر بھی مقرر نہ فرمایا۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ﴾ ''اور جو کچھ انھوں نے (ان پر) خرچ کیا ہو وہ ان کو دے دو۔'' یعنی مشرکین کے پاس سے ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے شوہروں نے انھیں جو مہر دیے ہوں، وہ انھیں واپس کر دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، قتادہ، زہری اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔ ③ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ ﴾ ''اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے حق مہر دے دو۔'' جب تم انھیں مہر دے دو تو ان سے نکاح کر لو، یعنی انقضائے عدت اور ولی وغیرہ کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے نکاح کر لو۔ اور فرمایا: ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ ''اور تم کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اور ان کے ساتھ مل کر رہنا حرام قرار دے دیا ہے۔ صحیح میں مسور رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حدیبیہ کے دن کفار قریش سے معاہدہ کیا تو آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس دن دو عورتوں کو طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کے ساتھ معاویہ بن ابوسفیان نے اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے شادی کر لی۔ ④ ابن ثور نے معمر کے واسطے سے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر حدیبیہ کے زیریں علاقے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب آپ نے کفار قریش سے صلح کی تھی۔ اس صلح میں یہ شرط بھی تھی کہ ان میں سے جو آپ کے پاس آیا تو آپ اسے ان کی طرف لوٹا دیں گے لیکن جب مکہ سے مسلمان عورتیں آئیں تو یہ آیت کریمہ نازل

① سنن أبي داود، الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، حديث: 2692 البتہ قوسین والا لفظ مسند أحمد: 276/6 عن عائشة رضی اللہ عنہا کے مطابق ہے۔ ② سنن أبي داود، الطلاق، باب إلى متى ترد عليه امرأته......، حديث: 2240 و جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الزوجين المشركين......، حديث: 1143 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ③ تفسير الطبري: 90,88/28.
④ صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث: 2732,2731.

ہوگئی اور حکم دیا کہ ان کے شوہروں کو ان کے مہر واپس کردو، اسی طرح مشرکین کو بھی حکم دیا کہ جب ان کے پاس مسلمانوں کی کوئی عورت آجائے تو وہ ان کے شوہروں کو مہر واپس کردیں اور فرمایا: ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ ''اور تم کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو۔''①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ﴾ ''اور جو کچھ تم نے (ان پر) خرچ کیا ہو تم (ان سے) طلب کرلو اور جو کچھ انھوں نے (اپنی عورتوں پر) خرچ کیا ہو وہ (تم سے) طلب کرلیں۔'' یعنی تم نے اپنی بیویوں پر جو کچھ خرچ کیا ہو، اس کا کفار سے اس وقت مطالبہ کرلو جب وہ کفار کے پاس چلی جائیں اور انھوں نے اپنی بیویوں پر جو خرچ کیا ہو، اس کا وہ مسلمانوں سے مطالبہ کریں جب وہ مسلمان ہو کر ان کے پاس آجائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ ﴾ ''یہ اللہ کا حکم ہے، جو تم میں فیصلہ کیے دیتا ہے۔'' یعنی صلح میں سے عورتوں کے مستثنیٰ کرنے کا یہ حکم کیونکہ اس بارے میں سارا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہ اپنے بندوں کے درمیان اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔'' وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جانتا اور ان کے بارے میں حکمت کے فیصلے فرماتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے: ﴿ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ﴾ ''(مومنو!) اور اگر تمھاری بیویوں میں سے کوئی تمھیں چھوڑ کر کفار کی طرف چلی جائے، پھر تم (ان سے) جنگ کرو (اور مال غنیمت تمھارے ہاتھ لگے) تو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں ان کو (اس مال غنیمت میں سے) اتنا دے دو جتنا انھوں نے خرچ کیا تھا۔'' مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان کفار کے متعلق ہے جن سے کوئی عہد و پیمان نہ ہو وہ حکم یہ ہے کہ جب کفار کی طرف کوئی عورت بھاگ کر چلی جائے اور انھوں نے اس کے شوہر کو کچھ ادا نہ کیا ہو تو جب کفار میں سے کوئی عورت آجائے تو اس کے شوہر کو کچھ ادا نہ کیا جائے، جب تک کہ کفار اپنی طرف جانے والی عورت کے شوہر کو وہ نفقہ ادا نہ کریں جو اس نے اس عورت پر خرچ کیا ہو۔② ابن جریر نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ مومنوں نے اللہ کے حکم کو تسلیم کیا اور انھوں نے مشرکین کو وہ اخراجات ادا کردیے جو انھوں نے اپنی عورتوں پر کیے تھے مگر مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا کہ وہ بھی مسلمانوں کو وہ اخراجات ادا کریں جن کا ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض قرار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''(مومنو!) اور اگر تمھاری بیویوں میں سے کوئی تمھیں چھوڑ کر کفار کی طرف چلی جائے، پھر تم بدلہ لو تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں، ان کو (اس مال میں سے) اتنا دے دو جتنا انھوں نے خرچ کیا تھا اور اللہ سے، جس پر تم ایمان لائے ہو، ڈرو۔''

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مومنوں کی بیویوں میں سے اگر کوئی عورت مشرکین کے پاس چلی جائے تو مومن اس

① تفسیر الطبری : 89/28. ② دیکھیے تفسیر الطبری : 97،96/28.

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ

اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے ان (امور) پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور نہ

وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ

چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی، اور نہ اپنی اولاد قتل کریں گی، اور نہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑ لیں، اور نہ نیک کام

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ غفور رحیم ہے ⑫

کے شوہر کو اس مال میں سے نفقہ دیں گے جو ان کے ہاتھوں میں اس مال میں سے موجود ہے جسے مشرکین کی طرف لوٹانے کا انھیں حکم دیا گیا ہے، یعنی ان کی ان بیویوں کی وجہ سے جو ایمان لانے اور ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کے پاس آ گئی ہوں اور اگر اس میں سے کچھ بچ جائے تو وہ مشرکین کو دے دیا جائے گا۔ عقب اس مال کو کہتے ہیں جو ایمان لانے اور ہجرت کرنے کے بعد کفار کی عورتوں کے مہر میں سے بچ گیا ہو۔[1]

تفسیر آیت: 12

وہ امور جن پر عورتوں سے بیعت لی جائے: امام بخاری رحمہ اللہ نے عروہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے آنے والی مومن عورتوں کا اس آیت کے ساتھ امتحان کیا کرتے تھے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫﴾ ''اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے ان (امور) پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور وہ نہ چوری کریں گی، اور وہ نہ زنا کریں گی، اور وہ نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑ لیں، اور وہ نہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں بے شک اللہ نہایت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔'' عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو مومن عورت اس شرط کا اقرار کر لیتی تو رسول اللہ ﷺ اس سے زبانی ارشاد فرماتے: [قَدْ بَايَعْتُكِ] ''میں نے تم سے بیعت لے لی ہے۔'' اللہ کی قسم! بیعت لیتے وقت رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے نہیں لگا تھا۔ آپ ان سے مخاطب ہو کر زبانی یہ فرماتے ہوئے بیعت لیتے تھے: [قَدْ بَايَعْتُكِ عَلٰى ذٰلِكَ] ''میں نے تم سے اس پر یہ بیعت لے لی ہے۔''[2] یہ الفاظ بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اُمیمہ بنت رُقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں خواتین کے ساتھ بیعت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی

---

① تفسير الطبري: 96,95/28. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ﴾ (الممتحنة 10:60)، حديث: 4891.

خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: [فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ] ''تمھاری یہ بیعت مقدور بھر استطاعت کے مطابق ہے۔'' تو ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول تو ہم پر ہماری جانوں سے بھی زیادہ مہربان ہیں، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: [إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَّاحِدَةٍ كَقَوْلِي لِمِئَةِ امْرَأَةٍ] ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، ایک عورت سے بھی میری بات اسی طرح ہے، جیسے ایک سو عورت سے ہو۔''① اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

امام بخاری رحمہ اللہ نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا ﴾ آپ نے ہمیں نوحہ سے بھی منع فرمایا تو ایک عورت نے اپنے ہاتھ کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ فلاں عورت نے نوحہ میں میری مدد کی تھی، لہٰذا میں اس کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ نہ فرمایا، وہ اس کا بدلہ چکانے کے لیے چلی گئی اور پھر واپس آ کر اس نے بیعت کی۔③ اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔④

امام احمد رحمہ اللہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، آپ نے فرمایا: [تُبَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَّلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ۔ قَرَأَ الْآيَةَ الَّتِي أُخِذَتْ عَلَى النِّسَاءِ: ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ ﴾ فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ، فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا، فَعُوقِبَ بِهِ، فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا، فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ، إِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ] ''تم مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، پھر آپ نے وہ آیت پڑھی، جو عورتوں کی بیعت کے بارے میں ہے: ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ ﴾ تم میں سے جو شخص اس بیعت کو پورا کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازے گا اور جس نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اس کی وجہ سے اسے سزا دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اسے معاف فرما دے اور اگر چاہے تو عذاب دے۔''⑤ اسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے۔⑥

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾ ''اے پیغمبر! جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کو آئیں۔'' یعنی جو مومن عورتیں آئیں اور ان شرائط پر بیعت کرنا چاہیں تو ان سے بیعت لے لیں: ﴿ عَلٰى أَن

① مسند أحمد :357/6. ② جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في بيعة النساء، حديث: 1597 و سنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، حديث :4186 و سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، حديث:2874. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾ (الممتحنة 12:60)، حديث: 4892. ④ صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، حديث: 937. ⑤ مسند أحمد:314/5. ⑥ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ ﴾ ...... (الممتحنة 12:60)، حديث:4894 و صحيح مسلم، الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها، حديث:1709.

﴿ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ ﴾ ''اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ نہ تو کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں گی، اور نہ وہ چوری کریں گی۔'' یعنی دوسروں کے اموال کی چوری نہیں کریں گی۔ شوہر اگر نفقہ میں کوتاہی کرے تو وہ اس کے مال میں سے دستور اور عرف و عادت کے مطابق لے سکتی ہے، خواہ شوہر کو اس کا علم نہ بھی ہو۔ کیونکہ ہند بنت عتبہ کی حدیث میں ہے کہ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، لہٰذا اگر میں اس کے علم کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ لے لوں تو کیا مجھے گناہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: [خُذِي مِنْ مَّالِهِ بِالْمَعْرُوفِ، مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ] ''اس کے مال میں سے دستور کے مطابق اس قدر لے لو جو تیرے اور تیرے بچوں کے لیے کافی ہو۔'' اسے شیخین نے روایت کیا ہے۔ (1)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَزْنِيْنَ ﴾ ''اور نہ وہ بدکاری کریں گی۔'' جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل32:17) ''اور تم زنا کے پاس بھی نہ جاؤ یقیناً وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔'' حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے کہ زانیوں کو آتش دوزخ میں دردناک عذاب کی صورت میں سزا دی جائے گی۔ (2) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت عتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے آئیں تو آپ نے اس سے یہ عہد لیا کہ ﴿ اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ ﴾...... الآیۃ اس نے حیا سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی یہ بات پسند آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کہا کہ اے خاتون! اس بات کا اقرار کرلو، واللہ! ہم نے بھی انھی باتوں پر آپ سے بیعت کی ہے۔ اس نے کہا کہ اگر تم لوگوں نے بیعت کی ہے تو پھر میں بھی بیعت کرتی ہوں، پس اس نے اس آیت کریمہ میں مذکور باتوں پر بیعت کرلی۔ (3) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ﴾ ''اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔'' یہ حکم بچے کے وجود میں آنے کے بعد قتل کو بھی شامل ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بھوک کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ حکم حالت جنین میں قتل کو بھی شامل ہے جیسا کہ بعض جاہل خواتین کسی غرض فاسد وغیرہ سے جنین کو نکال دیتی ہیں تاکہ وہ حاملہ نہ رہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ ﴾ ''اور وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی طرف کسی غیر کی اولاد کو منسوب نہیں کریں گی۔ (4) مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ ﴿ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ ﴾ ''اور نہ وہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔'' یعنی ان نیک کاموں میں جن کا آپ انھیں حکم دیں گے اور ان برے کاموں میں جن سے آپ

---

(1) صحیح البخاری، البیوع، باب من أجری أمر الأمصار......، حدیث:2211 و صحیح مسلم، الأقضیة، باب قضیة هند، حدیث:1714 عن عائشة رضی اللہ عنہا. (2) صحیح البخاری، التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاة الصبح، حدیث:7047 میں یہ الفاظ ہیں : [......وَأَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِينَ فِي مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّورِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِي] ''اور رہے وہ برہنہ آدمی اور عورتیں جو تنور جیسی بلڈنگ میں تھیں تو وہ زانی مرد اور زانی عورتیں ہیں۔'' (3) مسند أحمد:151/6. (4) تفسیر الطبری:98/28.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ

اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب (نازل) کیا، وہ آخرت سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے کفار قبروں والوں (کے جی اٹھنے)

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع

ع 2/7 الممتحنۃ 8

سے مایوس ہو گئے ⑬

انھیں منع کریں گے، وہ نافرمانی نہیں کریں گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے بیان فرمائی ہے۔ ① میمون بن مہران نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک کاموں میں اپنے نبی کی اطاعت کو قرار دیا ہے اور نیکی ہی اطاعت ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ نیکی میں وہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے بہترین آئیڈیل ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے ام عطیہ انصاریہ سے روایت کیا ہے کہ جب ہم نے بیعت کی تو نیکی کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرطیں عائد فرمائی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔ فلاں قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ فلاں قبیلے نے میرے ساتھ تعاون کیا تھا، لہٰذا میں بیعت سے پہلے ان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں، وہ چلی گئی اور اس نے ان کا بدلہ چکا دیا اور پھر اس نے واپس آ کر بیعت کر لی۔ ام عطیہ کہتی ہیں کہ اس خاتون اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان کے سوا کسی نے بھی اس شرط کو پورا نہ کیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حفصہ بنت سیرین کے طریق سے ام عطیہ نُسَیبہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ③ امام ابن ابو حاتم نے اَسید بن ابواسید برّاد سے اور انھوں نے بیعت کرنے والی ایک عورت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ بیعت بھی لی تھی کہ ہم نیکی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، چہرے کو نہیں پیٹیں گی، شعر نہیں کہیں گی، گریبان نہیں پھاڑیں گی اور ہائے وائے نہیں پکاریں گی۔ ④

تفسیر آیت: 13

اس سورت کے شروع اور آخر میں کفار سے دوستی کی ممانعت: اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے کافروں کی دوستی سے منع فرما دیا ہے جیسا کہ اس کے شروع میں بھی منع فرمایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ ”مومنو! تم دوستی نہ کرو اس قوم سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے۔“ یعنی یہود و نصاریٰ اور ان تمام کفار سے دوستی نہ کرو جن سے اللہ تعالیٰ غصے ہوا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور پھٹکار کے مستحق قرار پا گئے ہیں۔ تم ایسے لوگوں کو دوست اور رفیق کیوں بناتے ہو، حالانکہ وہ آخرت سے مایوس ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں وہ آخرت کے ثواب اور اس کی نعمتوں سے مایوس ہیں ﴿ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ﴾ ”جیسے کفار اہل قبور سے مایوس ہو گئے

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾ (الممتحنة 12:60)، حديث: 4893. ② تفسير الطبري: 101/28. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾ (الممتحنة 12:60)، حديث: 4892. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 3352/10.

ہیں۔'' اس کے بارے میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ اب وہ ان کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ قبروں سے دوبارہ جی اٹھنے کا عقیدہ نہیں رکھتے، لہٰذا اپنے عقیدے کے مطابق وہ ان سے ناامید ہو چکے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی اصحاب قبور سے مایوس ہو چکے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح قبروں میں کفار ہر قسم کی خیر و بھلائی سے ناامید ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی ہر قسم کی خیر و بھلائی سے مایوس ہیں۔ اعمش نے ابوضحیٰ سے، انھوں نے مسروق سے اور انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جس طرح کافر بوقت موت مایوس ہو جاتا اور وہ اپنے انجام کو دیکھ لیتا اور اس کا مشاہدہ کر لیتا ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے انجام سے مایوس ہیں۔ ① مجاہد، عکرمہ، مقاتل، ابن زید، کلبی اور منصور کا بھی یہی قول ہے۔ ② ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔ ③

سورۂ ممتحنہ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① دیکھیے الدر المنثور: 315/6. ② تفسیر الطبری: 105,104/28. ③ تفسیر الطبری: 105/28.

تفسیر سُورۂ صَفّ

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے، اور وہ بڑا زبردست، خوب حکمت والا ہے ① اے ایمان والو!

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ

تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ ② اللہ کے ہاں بڑی ناراضی ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ③ بے شک اللہ

يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صفیں باندھے لڑتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ④

فضیلت: امام احمد نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے اس موضوع پر بات کی کہ کون ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پوچھے کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ لیکن ہم میں سے کوئی بھی نہ اٹھا تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف ایک شخص کو بھیجا، اس نے ہمیں جمع کیا، پھر آپ ﷺ نے ہمیں یہ سورۂ مبارکہ، یعنی ساری سورۂ صف پڑھ کر سنادی۔ ①

تفسیر آیات :1-4

اس کی مذمت جو بات کرے اور عمل نہ کرے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① ﴾ ”جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، سب اللہ کی تنزیہ کرتی ہیں اور وہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔“ کے بارے میں قبل ازیں کئی بار وضاحت ہو چکی ہے۔ ② لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② ﴾ ”مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے۔“ یہ اس شخص کی تردید ہے جو کوئی وعدہ کرے یا بات کرے اور اسے پورا نہ کرے، اس آیت کریمہ سے ان علمائے سلف نے استدلال کیا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا مطلقاً واجب ہے، خواہ اس سے وعدہ کی ہوئی چیز پر نقصان مرتب ہو یا نہ ہو، انھوں نے صحیحین کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ [آيَةُ الْمُنَافِقِ

---

① مسند أحمد: 452/5. ② دیکھیے الحدید، آیت : 1 کے ذیل میں عنوان: ”تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے“

ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (2) جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''① دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ [أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَّمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا] ''جس میں چار باتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے حتی کہ اسے چھوڑ دے۔''② اس حدیث میں بھی وعدے کی خلاف ورزی کا ذکر موجود ہے۔ ان دونوں حدیثوں پر ہم نے بخاری کی شرح کے ابتدا میں بہت تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. اللہ تعالیٰ نے اس بات کی جو تردید فرمائی ہے، اس میں مزید زور پیدا کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ ﴾ ''اللہ کے نزدیک ناراضی کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔''

امام احمد اور ابوداود نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، جبکہ میں ابھی بچہ ہی تھا، میں کھیلنے کے لیے باہر نکلا، میری امی نے کہا: اے عبداللہ! آؤ میں تمھیں کچھ دوں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ [وَمَا أَرَدْتِّ أَنْ تُعْطِيَهُ؟] ''تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟'' انھوں نے کہا کہ میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں، آپ نے فرمایا: [أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تَفْعَلِي كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ] ''تم اگر ایسا نہ کرتی، تو تمھارا ایک جھوٹ لکھا جاتا۔''③ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ مومنوں نے کہا کہ اے کاش! ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم بھی وہ عمل کریں تو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ محبوب عمل کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا ﴾ ''جو لوگ اللہ کی راہ میں پیر جما کر لڑتے ہیں، بے شک وہ محبوبِ پروردگار ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بیان فرما دیا کہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے اور پھر غزوۂ احد میں جب ان کی آزمائش ہوئی تو وہ نبی ﷺ سے پشت پھیر کر بھاگ اٹھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② ﴾ ''مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟'' اور فرمایا کہ تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو میرے رستے میں جہاد کرے۔④ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت قتال کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے قتال میں حصہ لیا ہے، حالانکہ اس نے حصہ نہیں لیا ہوتا، میں نے نیزہ بازی کی ہے، حالانکہ اس نے نیزہ بازی نہیں کی ہوتی، میں نے شمشیر زنی کی ہے، حالانکہ اس نے شمشیر زنی نہیں کی ہوتی، میں نے صبر کا مظاہرہ کیا، حالانکہ اس نے صبر کا

① صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث:33 وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث:59 عن أبي هريرة ﷺ. ② صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث:34 وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث:58 عن عبدالله بن عمرو ﷺ. ③ مسند أحمد: 447/3 وسنن أبي داود، الأدب، باب التشديد في الكذب، حديث:4991. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 3354/10.

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے ایذا کیوں دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ بلاشبہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں،

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝5 وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى

پھر جب وہ ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا⑤ اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا:

ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ

اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس (کتاب) تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور ایک رسول

التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا

کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا، پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ بولے:

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝6

یہ تو کھلا جادو ہے⑥

مظاہرہ نہیں کیا ہوتا، امام قتادہ وضحاک کا قول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی سرزنش کے لیے نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ ہم نے قتل کیا، شمشیر زنی و نیزہ بازی کی اور یہ یہ کام سرانجام دیے، حالانکہ انھوں نے ان میں سے کوئی کام بھی سرانجام نہیں دیا ہوتا تھا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دشمن سے صف آرا ہو کر لڑا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی یہی تعلیم دی۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝4 ﴾ ”گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“ یعنی لڑائی کرتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر صف باندھے ہوئے ہوتے ہیں، مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف ملے ہوئے ہوتے ہیں۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ثابت قدم ہوتے ہیں کہ ان کے پاؤں ڈگمگاتے نہیں اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔[3]

تفسیر آیات: 6،5

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے انھیں ایذا پہنچانے پر خطاب: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول اور کلیم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ ﴾ ”تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔“ یعنی تم مجھے ایذا کیوں دیتے ہو، حالانکہ تم اس پیغام کی صداقت کو خوب جانتے ہو، جو میں تمھارے پاس لے کر آیا ہوں، اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی آپ کی قوم کی طرف سے اور دیگر کفار کی طرف سے ایذا رسانیوں پر تسلی اور صبر کا حکم ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا تھا کہ [رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى مُوسٰى! لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ] ”اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے! انھیں بہت زیادہ ایذا پہنچائی گئی مگر انھوں

① تفسیر القرطبی: 81/18. ② تفسیر الماوردی: 528/5 عن سعید بن جبیر رحمہ اللہ. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 3354/10.

نے صبر کیا۔''[1] نیز اس آیت میں مومنوں کو بھی منع فرمایا گیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ۞ ﴾ (الأحزاب 69:33) ''مومنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو اللہ نے ان کو اس سے بے عیب ثابت کر دیا جو انھوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ ﴾ ''جب ان لوگوں نے کج روی کی تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔'' یعنی جب علم کے باوجود انھوں نے اتباع حق سے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ہدایت قبول کرنے سے ٹیڑھا کر دیا اور ان میں شک، حیرت اور ذلت ورسوائی ڈال دی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۞ ﴾ (الأنعام 110:6) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے (کہ) اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۞ ﴾ (النسآء 115:4) ''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے، ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) اسے جہنم میں داخل کریں گے اور (وہ) بری جگہ ہے۔'' اسی وجہ سے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۞ ﴾ ''اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

عیسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی ﷺ کے اسم گرامی احمد ﷺ کے ساتھ بشارت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ ﴾ ''اور (وہ وقت بھی یاد کرو!) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا (کہ) اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات، اسی کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ﷺ ہوگا، ان کی بشارت سناتا ہوں۔'' یعنی تورات میں میرے بارے میں بشارت دی گئی تھی اور میرے بارے میں جو خبر دی گئی میں اس کا مصداق ہوں اور میں اپنے بعد تشریف لانے والے نبی امی عربی مکی کے بارے میں بشارت سناتا ہوں، جن کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ عیسیٰ انبیائے بنی اسرائیل میں سے آخری نبی تھے۔ انھوں نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں کھڑے ہو کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بشارت سنائی ''جن کا اسم گرامی احمد بھی ہے اور وہ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، جن کے بعد نہ کوئی رسالت ہے اور نہ نبوت۔'' کس قدر خوب صورت ہے وہ حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوّال......، حديث: 4335 عن ابن مسعود رضي الله عنه.

[إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَأَنَا الْعَاقِبُ] ''میرے بہت سے نام ہیں: میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں کہ سب لوگوں کو میرے قدموں میں جمع کیا جائے گا اور میں عاقب (سب کے بعد آنے والا) ہوں۔''[1] امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے بطریق امام زہری اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

محمد بن اسحاق نے خالد بن معدان سے اور انھوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں اپنے بارے میں کچھ بیان فرمائیں؟ آپ نے فرمایا:[دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبُشْرٰى عِيسٰى، وَرَأَتْ أُمِّي حِينَ حَمَلَتْ بِي أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ بُصْرٰى مِنْ أَرْضِ الشَّامِ] ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں جب شکم مادر میں تھا تو میری والدہ نے خواب دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا ہے، جس سے سرزمین شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔''[3] اس حدیث کی سند جید ہے اور اس کے دوسری سندوں سے کئی شواہد بھی موجود ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ عليه السلام لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَ بِشَارَةُ عِيسٰى بِي وَرُؤْيَا أُمِّيَ الَّتِي رَأَتْ وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ تَرَيْنَ] ''میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی ہوئی تھی۔ میں تمھیں اس کی ابتدا کے بارے میں بتاتا ہوں کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انھوں نے دیکھا تھا۔ نبیوں کی مائیں اسی طرح خواب دیکھا کرتی ہیں۔''[4] امام احمد رحمہ اللہ ہی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے معاملے کی ابتدا کیسے ہوئی؟ آپ نے فرمایا:[دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبُشْرٰى عِيسٰى، وَرَأَتْ أُمِّي أَنَّهُ يَخْرُجُ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ] ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے خواب دیکھا کہ ان میں سے ایسا نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔''[5]

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشی کی طرف بھیجا اور ہماری تعداد اسی (80) کے قریب تھی، ان میں عبداللہ بن مسعود، جعفر، عبداللہ بن عُرفُطہ، عثمان بن مظعون اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ یہ نجاشی کے پاس پہنچ گئے، ادھر قریش نے بھی عمرو بن عاص اور عُمارہ بن ولید کو تحائف دے کر بھیجا۔ جب یہ دونوں نجاشی کے پاس گئے تو انھوں نے اسے سجدہ کیا اور پھر اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر کہا کہ ہمارے چچا زاد بھائیوں کی ایک جماعت آپ کے ملک میں آئی ہے، وہ ہم سے اور ہماری ملت سے بے زار ہو گئے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ ان دونوں

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ (الصف 6:61)، حديث: 4896. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب في أسمائه ﷺ، حديث: (125)-2354. [3] السيرة النبوية لابن إسحق: 103/1. [4] مسند أحمد: 127/4. مسند احمد کے بعض نسخوں میں عِنْدَ اللّٰهِ کے بجائے عَبْدُ اللّٰهِ کے الفاظ ہیں۔ [5] مسند أحمد: 262/5.

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ھُوَ یُدۡعٰۤی اِلَی الۡاِسۡلَامِ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے، حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے؟ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الظّٰلِمِیۡنَ ⑦ یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاھِھِمۡ ؕ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ⑧

نہیں دیتا⑦ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور (دین اسلام) اپنے مونہوں سے بجھا دیں، جبکہ اللہ اپنا نور پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر

ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَلَوۡ کَرِہَ

ناپسند ہی کریں⑧ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ

الۡمُشۡرِکُوۡنَ ⑨ ع

مشرک ناپسند ہی کریں⑨

نے جواب دیا کہ وہ آپ ہی کے علاقے میں ہیں، آپ انھیں پیغام بھیج کر بلا لیں، اس نے انھیں بلا بھیجا تو جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج تمھاری طرف سے میں تقریر کروں گا۔ ساتھیوں نے ان کی بات مان لی، چنانچہ جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے پاس جا کر اسے سلام کیا اور سجدہ نہ کیا، درباریوں نے ان سے کہا: کیا بات ہے آپ بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم صرف اللہ عزوجل ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا وہ کیوں؟ جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنے رسول کو بھیجا ہے، انھوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں۔ انھوں نے ہمیں نماز اور زکاۃ کا بھی حکم دیا ہے۔“

عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ عیسیٰ ابن مریم اور ان کی ماں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم وہی بات کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی طرف سے روح ہیں، جسے اس نے عذراء بتول کی طرف ڈالا، جنھیں کسی انسان نے نہیں چھوا تھا اور نہ ان کے ہاں کسی بچے نے پیدائش کے نقش چھوڑے تھے (عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔) نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اے گروہ حبشہ اور علماء و مشائخ! واللہ! ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کہتے ہیں، وہ اس سے اس تنکے سے بھی زیادہ نہیں ہے، لہٰذا تمھیں بھی اور جن کے پاس سے تم آئے ہو، انھیں بھی خوش آمدید! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں موجود پاتے ہیں۔ انھیں کے بارے میں عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے بشارت دی تھی۔ تم جہاں چاہو رہو۔ واللہ! اگر یہ حکومت کے معاملات نہ ہوتے تو میں ان کے پاس جاتا، ان کے جوتے اٹھاتا اور انھیں وضو کرواتا۔ قریش کی طرف سے آنے والے دونوں آدمیوں کے تحفے کے بارے میں کہا کہ یہ انھیں واپس کر دو۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلدی سے واپس آ گئے حتیٰ کہ انھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کر لی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نجاشی کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی فرمائی تھی۔ ①

① مسند أحمد: 461/1، اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 410,409/7.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے؟ ⑩ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

لاؤ، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ⑪ وہ

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

(اللہ) تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور پاکیزہ محلات میں

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ

(جو) ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہیں، یہ ہے عظیم کامیابی ⑫ اور ایک اور (نعمت) جسے تم پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور

اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬

فتح قریب، اور مومنوں کو بشارت دے دیجیے ⑬

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥ ﴾ ''پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔'' ابن جریج اور ابن جریر کہتے ہیں کہ ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ ﴾ ''پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس آئے۔'' یعنی احمد ﷺ جن کے بارے میں سابقہ زمانوں میں بشارتیں دی گئیں جن کا گزشتہ صدیوں میں چرچا رہا۔ لیکن جب آپ نے ظہور فرمایا اور کھلی نشانیوں کے ساتھ تشریف لے آئے تو کافروں اور مخالفین نے کہا: ﴿ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥ ﴾ ''یہ تو صریح جادو ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 7-9

سب سے بڑا ظالم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ ﴾ ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر بہتان باندھے، حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے؟'' یعنی جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھے اور اس کے شریک بنائے، حالانکہ اسے توحید اور اخلاص کی طرف بلایا جاتا ہے، لہٰذا اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوسکتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ ﴾ ''اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

نور اسلام کے اتمام اور اس کے تمام ادیان پر غلبہ پانے کی بشارت: پھر فرمایا: ﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو اپنے مونہوں سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔'' یعنی یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہے جو سورج کی شعاعوں کو اپنے منہ سے بجھانا چاہے، جیسے یہ محال ہے ایسے ہی وہ بھی محال ہے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨ ﴾ ''حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

① تفسیر الطبری: 111/28.

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔'' ان دونوں آیات کے بارے میں قبل ازیں سورۂ براءت (توبہ) میں وضاحت کی جا چکی ہے،[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیات :10-13

عذاب الیم سے نجات دینے والی تجارت: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے[2] کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ ارادہ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے تا کہ وہ اسے بجا لائیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی جس کی ایک آیت یہ بھی ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''مومنو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے؟'' اور پھر اس عظیم الشان تجارت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: جو کبھی خسارے والی نہیں ہوتی بلکہ جس سے مقصود حاصل ہوتا اور خدشات دور ہو جاتے ہیں: ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''(وہ یہ کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، اگر سمجھو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' یعنی صرف دنیا ہی کی تجارت کے لیے محنت و مشقت اور کوشش کرنے سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ ''وہ تمھارے گناہ بخش دے گا۔'' اگر تم یہ کام کرو جس کا میں تمھیں حکم دوں اور جس کی طرف تمھاری رہنمائی کروں تو میں تمھاری لغزشوں کو معاف کر دوں گا اور تمھیں جنات، پاکیزہ مکانات اور بلند و بالا درجات میں داخل کر دوں گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''اور تم کو باغہائے جنت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاوداں میں (تیار) ہیں داخل کرے گا، یہ بڑی کامیابی ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ﴾ ''اور ایک اور (نعمت) جسے تم پسند کرتے ہو۔'' یعنی ان کے علاوہ میں تمھیں ایک اور نعمت سے بھی نوازوں گا جس کو تم بہت چاہتے ہو اور وہ ہے: ﴿ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ ﴾ ''(تمھیں) اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور عنقریب فتح (ہوگی۔)'' یعنی جب تم اس کے رستے میں جہاد کرو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے تو تمھاری فتح و نصرت کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾ (محمد 47:7) ''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (الحج 22:40) ''اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ بہت قوت والا (اور) نہایت غالب ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ ﴾ ''اور عنقریب فتح۔'' یعنی بہت جلد حاصل ہونے والی فتح۔ یہ دنیا کی بھلائی ہے جو آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور

[1] دیکھیے التوبۃ، آیات: 32، 33 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے الصف کی ابتدا میں عنوان: ''فضیلت''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ

اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار ہو جاؤ، جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا: اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟

اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ

حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے کفر کیا،

2 ع 5 10 اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿14﴾ ع

تو ہم نے ان لوگوں کو، جو ایمان لائے، ان کے دشمنوں پر قوت دی تو وہ غالب آ گئے ﴿14﴾

اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ اور اس کے دین کی مدد کرے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿13﴾ ﴾ ''اور مومنوں کو خوش خبری سنا دیں۔''

تفسیر آیت: 14

مسلمان ہر حال میں دین کے مددگار ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے تمام احوال، اقوال، افعال، انفس اور اموال میں اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو اسی طرح قبول کریں، جس طرح حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی بات کو اس وقت قبول کر لیا تھا، جب انھوں نے فرمایا تھا: ﴿ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''(بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں کون میرے مددگار ہیں؟ ﴿ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ ﴾ ''حواریوں نے کہا۔'' حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ ﴿ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ﴾ ''ہم اللہ کے مددگار ہیں۔'' یعنی جو دین دے کر آپ بھیجے گئے ہیں، ہم اس میں آپ کے مددگار اور وزیر ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں بلاد شام میں اسرائیلیوں اور یونانیوں کی طرف داعی بنا کر بھیجا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایام حج میں اسی طرح فرمایا کرتے تھے کہ [مَنْ رَّجُلٌ يُّؤْوِينِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي؟ فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي] ''کون ہے جو مجھے ٹھکانا دے تاکہ میں اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دوں۔ قریش نے مجھے اپنے رب کا پیغام پہنچانے سے منع کر دیا ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کے اوس و خزرج کے لوگوں کو توفیق عطا فرمائی، انھوں نے آپ کی بیعت کر لی، نصرت و اعانت کا وعدہ کیا اور عرض کی کہ اگر آپ ہجرت کر کے ان کے پاس تشریف لے آئیں تو وہ ہر کالے اور گورے سے آپ کا دفاع کریں گے، لہٰذا جب آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمیت ان کے پاس ہجرت فرمائی تو انھوں

① ملحوظہ: حافظ ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ اور ان کی ترتیب نہیں مل سکی، البتہ سنن أبي داود، السنة، باب في القرآن، حديث: 4734 و جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب: [ألا رجل يحملني إلى قومه لأبلغ كلام ربي]، حديث: 2925 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ میں یہ الفاظ ہیں: [أَلَا رَجُلٌ يَّحْمِلُنِي إِلٰى قَوْمِهِ فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي] ''کیا کوئی شخص ہے جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے جائے؟ کیونکہ قریشیوں نے یقیناً مجھے میرے پروردگار کا کلام (پیغام) پہنچانے سے روک دیا ہے۔'' مزید دیکھیے مسند أحمد: 323,322/3.

نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کر دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام انصار رکھا اور یہ نام گویا ان کا علم بن گیا ہے، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ.

بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے کفر کیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ﴾ ''تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔'' جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے اپنی قوم کو اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور حواریوں نے آپ کی نصرت و اعانت کی تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ آپ کے لائے ہوئے دین کو قبول کر کے ہدایت یافتہ ہو گیا۔ اور دوسرا گروہ اس سے باغی ہو کر، آپ کی نبوت کا انکار کر کے اور آپ پر اور آپ کی والدہ پر بڑے بڑے بہتان لگا کر گمراہ ہو گیا۔ اس دوسرے سے مراد یہودی ہیں۔ قیامت تک ان پر مسلسل اللہ تعالیٰ کی لعنتیں برسیں۔ اور ایک تیسرے گروہ نے آپ کے بارے میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ آپ کو نبوت کے مرتبے سے بھی بلند کر دیا اور پھر یہ گروہ کئی فرقوں اور جماعتوں میں بٹ گیا۔ ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں اور کچھ باپ، بیٹا اور روح القدس تین خداؤں میں سے آپ کو تیسرا خدا مانتے ہیں اور کچھ لوگ آپ ہی کو اللہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے یہ تمام اقوال سورۂ نساء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں۔ [1]

ایمان لانے والے گروہ کی مدد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ ﴾ ''پس (آخر الامر) ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی۔'' یعنی عیسائیوں کے جن فرقوں نے ان سے دشمنی کی تو ان کے مقابلے میں ہم نے ان کی مدد کی ﴿ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿14﴾ ﴾ ''تو وہ غالب ہو گئے۔'' یعنی وہ ان کے مقابلے میں غالب ہو گئے اور ان کی یہ مدد حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے ذریعے سے تھی جیسا کہ امام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو آپ اپنے ساتھیوں کے پاس گئے جو ایک گھر میں تھے اور وہ بارہ آدمی تھے، اس وقت آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ تم میں وہ بھی ہے جو اگر میرے ساتھ ایک بار ایمان لایا ہے تو وہ بارہ دفعہ کفر کرے گا، پھر فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جس پر میری مشابہت ڈال دی جائے، وہ میری جگہ قتل ہو جائے اور پھر وہ میرے درجہ میں میرے ساتھ ہو گا؟ ان میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس کام کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ آپ نے اپنی بات پھر دوہرائی تو پھر وہ نوجوان کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، تم ہی یہ کام کرو گے۔ اس نوجوان پر عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے روشن دان سے آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا۔ یہودی آپ کی تلاش میں ادھر آئے تو انھوں نے آپ کے مشابہ اس نوجوان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا۔ اور بعض نے ایک بار ایمان لانے کے بعد بارہ دفعہ کفر کیا اور پھر وہ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے: ایک فرقے نے کہا کہ اللہ نے جب تک چاہا ہم میں قیام فرمایا اور پھر وہ آسمان

---

[1] دیکھیے النسآء، آیت :171 کے ذیل میں۔

پر چڑھ گیا یہ فرقہ یعقوبیہ ہے۔ ایک فرقے نے کہا کہ اللہ کے بیٹے نے جب تک اللہ نے چاہا ہم میں قیام کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس اٹھالیا۔ یہ فرقہ نسطوریہ ہے۔ اور ایک فرقے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول نے جب تک اللہ نے چاہا ہم میں قیام فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس اٹھالیا۔ یہ عقیدہ مسلمانوں کا ہے۔ دونوں کافر فرقے مسلمان فرقے پر غالب رہے اور اسی سے لڑتے رہے۔ اسلام کمزور رہا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمادیا۔ ﴿ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ﴾ ”تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔“ یعنی ایک گروہ وہ جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کفر کیا اور ایک گروہ وہ جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایمان لے آیا ﴿ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ ﴾ ”پس (آخر الامر) ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔“ اور یہ محمد ﷺ کے دین کو کفار کے دین پر غالب کرنے کی صورت میں تھا۔

امام ابن جریر نے اپنی کتاب میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ ① امام نسائی نے بھی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ ② امت محمدیہ ہمیشہ غالب اور حق پر رہے گی حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے اور وہ اسی طرح حق پر ہوں گے حتی کہ آخری مسلمان حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ساتھ مل کر دجال کو قتل کرے گا جیسا کہ صحیح احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ ③

سورۂ صف کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر الطبری :117/28. ② السنن الکبری للنسائی، التفسیر، باب قوله: ﴿ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ : 490,489/6، حدیث :11591. ③ سنن أبی داود، الجهاد، باب فی دوام الجهاد، حدیث :2484 و مسند أحمد : 437/4 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ.

تفسیر سورۂ جمعہ

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے، (وہ) بادشاہ ہے، نہایت پاک ذات، زبردست، بہت حکمت والا ① وہی ہے جس

بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا انھی میں سے، وہ اس کی آیات ان پر تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ

ہے، اور بلاشبہ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے تھے ② اور (اسے) ان میں سے دوسرے لوگوں کے لیے بھی (بھیجا) جو ابھی تک ان کے ساتھ

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

نہیں ملے، اور وہ (اللہ) زبردست، خوب حکمت والا ہے ③ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے یہ (فضل) دیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے ④

فضیلت: حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[1] امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

تفسیر آیات: 1-4

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز، یعنی ناطق و جامد تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:44) ''اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ﴾ ''(جو) حقیقی بادشاہ پاک ذات ہے۔'' یعنی وہ آسمانوں اور زمین کا مالک اور اپنے حکم کے ساتھ ان میں تصرف کرنے والا ہے اور وہ پاک ہے، یعنی تمام نقائص سے پاک اور تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ ﴿ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① ﴾ ''نہایت غالب ہے، بڑی حکمت والا۔'' ان دو پاک ناموں کی تفسیر کئی بار بیان کی جا چکی ہے۔

---

① صحیح مسلم، الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 877 عن أبي هريرة ﷺ والجمعة، باب ما يقرأ في يوم الجمعة، حديث: 879 عن ابن عباس ﷺ.

رسول اللہ ﷺ کی بعثت احسان ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ ’’وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا۔‘‘ ان پڑھوں سے مراد عرب ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 20:3) ’’اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو، پھر اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک یہ ہدایت پا گئے اور اگر منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔‘‘ ان پڑھ لوگوں کے پاس بطور خاص ذکر سے دوسرے لوگوں کی نفی نہیں ہوتی، البتہ ان پر احسان زیادہ اور واضح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ﴾ (الزخرف 44:43) ’’اور یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے۔‘‘ یہ قرآن دوسروں کے لیے بھی نصیحت ہے اور وہ بھی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 214:26) ’’اور اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔‘‘ یہ اور اس طرح کی دیگر آیات، اس آیت کریمہ کے منافی نہیں ہیں: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الأعراف 158:7) ’’(اے محمد!) کہہ دیں کہ لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (اس کا رسول ہوں۔)‘‘ اور نہ اس آیت کے منافی ہے: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ ﴾ (الأنعام 19:6) ’’تا کہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس شخص تک وہ پہنچے ڈراؤں۔‘‘ اور نہ اس آیت کے منافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ ﴾ (ھود 17:11) ’’اور گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو آگ ہی اس کی وعدہ گاہ ہے۔‘‘ علاوہ ازیں دیگر بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ کی بعثت عام ہے اور احمر واسود تمام مخلوق کے لیے ہے۔ قبل ازیں سورۂ انعام میں اس کی تفسیر ہم نے آیات کریمہ اور صحیح احادیث کی روشنی میں بیان کی ہے۔[1] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

یہ آیت کریمہ اس بات کی مصداق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جو انھوں نے اہل مکہ کے لیے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں انھی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمائے جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت مبعوث فرمایا جب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ ایک عرصے سے منقطع ہو چکا تھا اور ہدایت کے رستے مٹ گئے تھے۔ آپ کی آمد کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے ان لوگوں کے سوا، جو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے دین پر قائم تھے، اہل زمین کے تمام عرب و عجم سے بہت ناراض تھا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ ’’وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے (محمد ﷺ کو)

[1] دیکھیے الأنعام، آیت: 19، البتہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مضمون کا ذکر قدرے تفصیل سے سورۂ اعراف میں کیا ہے، دیکھیے الأعراف، آیت: 158 کے ذیل میں عنوان: ’’حضور سرور کائنات ﷺ کی عالمگیر نبوت‘‘

پیغمبر (بنا کر) بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے ہیں اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔'' زمانۂ قدیم میں عرب، حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دین کے پیروکار تھے مگر انھوں نے دین ابراہیم میں تغیر وتبدل پیدا کر کے اسے بدل دیا اور اس کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ توحید کو انھوں نے شرک سے اور یقین کو شک سے بدل دیا تھا اور اپنی طرف سے کچھ ایسی چیزیں ایجاد کر لی تھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا۔

اسی طرح اہل کتاب نے بھی اپنی کتابوں میں تغیر وتبدل کر کے تحریف وتاویل کی راہ کو اختیار کر لیا تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ کو تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے ایک عظیم، کامل اور جامع شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا جس میں ان کے لیے نہ صرف ہدایت کا سامان تھا بلکہ دنیا وآخرت کے امور کی رہنمائی کا پورا نور تھا۔ اس میں ایسی دعوت تھی جو جنت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے قریب کر دینے والی تھی، نیز اس میں ہر اس چیز کی ممانعت تھی جو آتش دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے قریب کر دینے والی اور اصول وفروع سے متعلق تمام شکوک وشبہات کو دور کر دینے والی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کے تمام محاسن کو آپ کی ذات میں جمع فرما دیا تھا اور ایسی خصوصیات وامتیازات سے نوازا جو نہ پہلے لوگوں میں سے کسی کو دیے اور نہ بعد میں آنے والوں میں سے کسی کو دیے جائیں گے۔ فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

حضرت محمد ﷺ تمام عرب اور عجم کے لیے رسول ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③﴾ ''اور ان میں سے اور لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان (مسلمانوں) سے نہیں ملے اور وہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔'' امام ابو عبداللہ بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ﴾ کے بارے میں پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ آپ سے تین بار یہ سوال پوچھا گیا، ہم میں اس وقت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک سلمان فارسی پر رکھا، پھر فرمایا کہ [لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ ۔ أَوْ رَجُلٌ ۔ مِّنْ هٰؤُلَاءِ] ''اگر ایمان ثریا پر بھی ہو تو ان میں سے کچھ لوگ یا آپ نے یہ فرمایا کہ ایک آدمی، اسے حاصل کر لے گا۔''[1] اسے امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابو حاتم اور ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، نیز یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام اور سب

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ﴾ (الجمعة 3:62)، حديث: 4897. ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل فارس، حديث: (231)-2546 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الجمعة، حديث: 3310 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ﴾: 490/6، حديث: 11592 و تفسير ابن أبي حاتم: 3355/10 و تفسير الطبري: 122/28.

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ

ان لوگوں کی مثال، جنھیں حاملِ تورات بنایا گیا پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے، بری مثال

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا

ہے اس قوم کی جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا ⑤ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو جو

اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑥

یہودی ہوئے! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ بے شک تم اللہ کے دوست ہو سب لوگوں کے سوا، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو⑥

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ

اور وہ کبھی یہ تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان (برے اعمال) کے جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے⑦ کہہ دیجیے:

الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

بے شک موت جس سے تم فرار ہوتے ہو، وہ تو یقیناً تمھیں ملنے والی ہے، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے،

ع 1 8 11 بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ ع

پھر وہ تمھیں جتائے گا جو تم عمل کرتے تھے⑧

لوگوں کی طرف ہے کیونکہ ﴿ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ ﴾ کی تفسیر آپ نے اہل فارس سے فرمائی۔ اسی وجہ سے آپ نے اہل فارس و روم اور دیگر امم کی طرف اپنے مکتوبات ارسال فرمائے جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ جس دین کو لے کر آئے تھے، اس کی طرف دعوت دی۔ اسی لیے امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ ﴿ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ ﴾ سے عجمی لوگ مراد ہیں۔[1] نیز غیر عربوں میں سے وہ سب لوگ بھی مراد ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کی تصدیق کی۔ ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ﴾ ''اور وہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ اپنی شرع و قدر میں عزت و حکمت والا ہے۔ ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④ ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو جس عظیم الشان نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی امت کی طرف آپ کو جو مبعوث فرمایا تو یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر اور آپ کی امت پر بہت بڑا فضل ہے۔

تفسیر آیات: 5-8

یہود کی مذمت اور بطور مباہلہ انھیں موت کی تمنا کی دعوت: اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھیں تورات اس لیے دی گئی تھی تاکہ وہ اس کے مطابق عمل کریں مگر انھوں نے عمل نہ کیا۔ ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں کیا ہے، یعنی اگرچہ گدھے نے حسی طور پر کتابوں کا بوجھ ضرور اٹھایا ہوتا ہے مگر اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں کیا لکھا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں جنھیں کتاب دی گئی کہ انھوں نے اس

[1] تفسیر الطبری: 122,121/28.

کے الفاظ کو تو حفظ کرلیا مگر نہ اسے سمجھا اور نہ اس کے مطابق عمل کیا بلکہ اس میں تغیر وتبدل اور تحریف وتاویل سے کام لیا تو یہ گدھے سے بھی زیادہ برے ہیں کیونکہ اسے تو فہم حاصل نہیں ہے اور انھوں نے فہم وشعور کے باوجود اسے استعمال نہیں کیا۔ اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ (الأعراف 179:7) ''یہی لوگ بالکل چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''بری مثال ہے ان لوگوں کی جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں، اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' پھر فرمایا ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ ''کہہ دیں کہ اے یہود! اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو سوائے (دوسرے) لوگوں کے تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو۔'' یعنی اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ تم ہدایت پر ہو اور محمد ﷺ اور ان کے اصحاب ہدایت پر نہیں ہیں تو اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو دونوں جماعتوں میں سے جو گمراہ ہے، اس کی موت کے لیے دعا کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ ﴾ ''اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں، ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے۔'' ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔'' یہودیوں کو مباہلے کا یہ جو چیلنج دیا گیا، اس کے بارے میں ہم سورۂ بقرہ میں گفتگو کر چکے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2: 94-96) ''کہہ دیں کہ اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر خاص طور پر تمھارے ہی لیے ہے سوائے (اور) لوگوں (مسلمانوں) کے تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور لیکن ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی اس (موت) کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے۔ اور یقیناً آپ ان (یہودیوں) کو سب لوگوں سے بڑھ کر جینے کے حریص پائیں گے اور ان لوگوں سے بھی جنھوں نے شرک کیا۔ ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش! وہ ہزار برس جیتا رہے، حالانکہ اتنی لمبی عمر اس کو مل بھی جائے تو اسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں، اللہ ان کو دیکھ رہا ہے۔'' ان آیات کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے یا ان کے مدمقابل میں سے جو گمراہ ہے، اس پر موت طاری ہو جائے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں عیسائیوں کو مباہلے کی دعوت دیتے ہوئے کہا گیا تھا: ﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3: 61) ''پھر علم آجانے کے بعد اگر یہ لوگ اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں آپ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا

اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت

الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ

کرنا چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو ⑨ پھر جب نماز پوری ہو جائے، تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩

کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، شاید تم فلاح پاؤ ⑩

سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تمھارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمھاری عورتوں کو، اپنی جانوں کو اور تمھاری جانوں کو، پھر گڑگڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔'' اور مشرکین سے مباہلہ کا ذکر سورۂ مریم کی اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ...... ﴾ الآية (مريم 75:19) ''کہہ دیں کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے، اسے اللہ (لمبی) مہلت دیے جاتا ہے......''

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل ملعون نے کہا کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبے کے پاس دیکھ لوں تو میں آ کر ان کی گردن کو پامال کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ فَعَلَ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عِيَانًا، وَّلَوْ أَنَّ الْيَهُودَ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ، لَمَاتُوا، وَرَأَوْا مَقَاعِدَهُمْ فِي النَّارِ، وَلَوْ خَرَجَ الَّذِينَ يُبَاهِلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَرَجَعُوا لَا يَجِدُونَ مَالًا وَّلَا أَهْلًا] ''اگر وہ ایسا کرتا تو اسے کھلم کھلا فرشتے پکڑ لیتے اور اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو وہ فوراً مر جاتے اور جہنم میں اپنے ٹھکانے دیکھ لیتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے والے اگر مباہلہ کے لیے نکل آتے تو اس طرح واپس جاتے کہ اہل و مال میں سے کسی کو بھی باقی نہ پاتے۔''[1] اسے امام بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ ﴾ ''کہہ دیں کہ بے شک موت جس سے تم فرار ہوتے ہو تو وہ یقیناً تمھیں مل کر رہے گی، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں سب بتائے گا۔'' جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا: ﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ ﴾ (النسآء 78:4) ''تم جہاں کہیں بھی رہو موت تو تمھیں پا لے گی، خواہ تم مضبوط و مستحکم قلعوں میں ہو۔''

تفسیر آیات: 10,9

جمعہ اور یوم جمعہ کے احکام و آداب: جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جمع (اکٹھ) سے مشتق ہے۔ اہل اسلام ہفتہ میں ایک

[1] مسند أحمد: 248/1. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ڏ لَنَسْفَعًا...... ﴾ (العلق 16,15:96)، حديث: 4958 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة اقرأ باسم ربك، حديث: 3348 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة العلق: 518/6، حديث: 11685.

بار اپنی بڑی بڑی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں۔ اسی دن تمام مخلوقات کی تخلیق مکمل ہوگئی تھی۔ یہ ان چھ ایام میں سے چھٹا یوم ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ ① اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن انھیں جنت سے نکالا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ ② اسی دن ایک ایسی گھڑی ہے کہ جس میں مرد مومن اللہ تعالیٰ سے جو دعا بھی کرے، اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ③

قدیم لغت میں اس دن کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا اور یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ ہم سے پہلی امتوں کو اس دن کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا مگر وہ اس سے بھٹک گئے۔ یہودیوں نے اپنے لیے ہفتے کے دن کا انتخاب کرلیا، حالانکہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے لیے اتوار کے دن کو پسند کرلیا جس میں تخلیق کی ابتدا ہوئی تھی، جبکہ اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو منتخب فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کو مکمل فرما دیا تھا۔ جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ، اَلْيَهُودُ غَدًا وَّالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ] ”ہم آخر میں آنے والے لیکن روز قیامت سبقت کرنے والے ہوں گے، حالانکہ ان لوگوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی تھی۔ پھر یہ دن جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض قرار دیا تھا، اس میں انھوں نے اختلاف کیا تو اس دن کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرما دی۔ لوگ اس میں ہمارے بعد ہیں یہود کل اور عیسائی کل کے بعد۔“ ④ یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ [أَضَلَّ اللّٰهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا، فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ وَكَانَ لِلنَّصَارٰى يَوْمُ الْأَحَدِ، فَجَاءَ اللّٰهُ بِنَا، فَهَدَانَا اللّٰهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْأَحَدَ، وَكَذٰلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اَلْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ] ”اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے لوگوں کو جمعہ سے بھٹکا دیا، یہودیوں کے لیے ہفتے کا دن ہے اور عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ کے دن کی ہدایت فرما دی ہے، پس اس نے (ترتیب اس طرح رکھی ہے کہ) جمعہ، ہفتہ، اتوار، اسی طرح قیامت کے دن بھی وہ ہم سے پیچھے ہوں گے۔ اہل دنیا میں سے ہم بعد میں آنے والے ہیں مگر قیامت کے دن پہلے ہوں گے اور تمام مخلوقات سے ہمارے بارے میں پہلے فیصلہ ہوگا۔“ ⑤

اللہ کے ذکر کے لیے جلدی کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لیے جمع ہونے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ ”مومنو! جب جمعہ

① تفسير الطبرى: 268/8 عن مجاهد رحمه الله . ② صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، حديث: (18)-854 عن أبى هريرة رضي الله عنه. ③ صحيح البخارى، الجمعة، باب الساعة التى فى يوم الجمعة، حديث: 935 و صحيح مسلم، الجمعة، باب فى الساعة التى فى يوم الجمعة، حديث: 852 عن أبى هريرة رضي الله عنه. ④ صحيح البخارى، الجمعة، باب فرض الجمعة، حديث: 876 و صحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: (20)-855. ⑤ صحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ، حديث: 856 عن حذيفة رضي الله عنه .

کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (نماز) کے لیے دوڑو۔‘‘ یعنی نماز جمعہ کے لیے جانے کے لیے خصوصی قصد و اہتمام کرو۔ یہاں سعی سے مراد تیز تیز چلنا نہیں ہے بلکہ خاص اہتمام کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ (بنی إسرآء یل 19:17) ’’اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے جبکہ وہ مومن ہو۔‘‘ حضرت عمر بن خطاب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما اسے اس طرح پڑھتے تھے: فَامْضُوا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ. ① جہاں تک نماز کے لیے تیز چل کر جانے کا تعلق ہے تو وہ ممنوع ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ وَلَا تُسْرِعُوا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا] ’’تم جب اقامت کو سنو تو نماز کی طرف چل پڑو اور سکینت اور وقار کو اختیار کرو اور تیز تیز نہ چلو، نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھو اور جو حصہ تم سے نکل جائے اسے مکمل کرلو۔‘‘ ② یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے کچھ لوگوں کی آوازوں کو سنا، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا: [مَا شَأْنُكُمْ؟] ’’کیا بات ہے؟‘‘ انھوں نے عرض کی کہ ہم نے نماز کے لیے جلدی کی ہے۔ فرمایا: [فَلَا تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا] ’’اس طرح نہ کرو، جب تم نماز کے لیے آؤ تو سکینت کو اختیار کرو، جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو تم سے نکل جائے اسے پورا کرلو۔‘‘ ③ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام حسن فرماتے ہیں کہ اس آیت میں سعی سے مراد پاؤں سے تیز چلنا نہیں ہے کیونکہ نماز میں تیز تیز چل کر آنے سے منع کر دیا گیا اور سکینت و وقار کے ساتھ آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے یہاں سعی سے مراد دلوں، نیت اور خشوع کے ساتھ جلدی کرنا ہے۔ ④ امام قتادہ نے بھی فرمایا ہے کہ دل اور عمل سے جلدی کرنا مراد ہے جبکہ اس نماز کے لیے چل کر جانے کا حکم ہے۔ ⑤ وہ ﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 102:37) کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنا ہے۔ ⑥ محمد بن کعب، زید بن اسلم اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ⑦

جمعہ کے لیے غسل کی اہمیت: نماز جمعہ کے لیے آنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ آنے سے پہلے غسل کرلے کیونکہ صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ]

---

① تفسير الطبرى :129-127/28. ② صحيح البخارى، الأذان، باب: لا يسعى إلى الصلاة......، حديث: 636 وصحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب إتيان الصلاة......، حديث: 602 . ③ صحيح البخارى، الأذان، باب قول الرجل: فاتتنا الصلاة ، حديث :635 وصحيح مسلم، المساجد......، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار......، حديث:603. ④ تفسير ابن أبى حاتم :3356/10. ⑤ تفسير الطبرى :127/28. ⑥ تفسير الطبرى :91/23. ⑦ الدر المنثور : 528,527/5.

''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو غسل کرلے۔''① صحیحین ہی میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ] ''ہر بالغ کے لیے جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔''② ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[حَقٌّ لِّلّٰهِ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ، أَنْ يَّغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَ جَسَدَهُ] ''اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ہر سات دنوں میں ایک بار غسل کرے اور اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔''③ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[عَلٰى كُلِّ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ غُسْلُ يَوْمٍ، وَّهُوَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ] ''ہر مسلمان شخص پر سات دنوں میں سے ایک دن کا غسل فرض ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔'' اسے امام احمد، نسائی اور ابن حبان نے بیان کیا ہے۔④

جمعہ کی فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ [مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ، وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ، فَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا] ''جو شخص جمعہ کے دن نہائے دھوئے، جلدی سے چلا جائے، پیدل جائے اور سواری استعمال نہ کرے، امام سے قریب ہو کر بیٹھے، خاموشی سے سنے اور کوئی لغو کام نہ کرے تو اسے ہر قدم کے عوض ایک سال کے روزے رکھنے اور قیام کرنے کا ثواب ملتا ہے۔''⑤ اس حدیث کے مختلف طرق اور الفاظ ہیں۔ اہل سنن اربعہ نے بھی اسے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔⑥

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَّمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَّمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَّمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ] ''جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح غسل کرے، پھر جلدی چلا جائے تو اس نے گویا اونٹ کی قربانی کی، جو دوسری گھڑی میں جائے، اس

① صحیح البخاري، الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة......، حديث:877 وصحيح مسلم، كتاب وباب الجمعة، حديث: (4)-845 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ② صحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة......، حديث: 879 وصحيح مسلم، الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة......، حديث: 846. ③ صحيح البخاري، الجمعة، باب: هل على من لم يشهد الجمعة غسل......؟ حديث: 897 وصحيح مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث: 849 واللفظ له. ④ مسند أحمد :304/3 وسنن النسائي، الجمعة، باب إيجاب الغسل يوم الجمعة، حديث: 1379 واللفظ له وصحيح ابن حبان، الطهارة، باب غسل الجمعة :21/4، حديث : 1219. ⑤ مسند أحمد : 9/4. ⑥ سنن أبي داود، الطهارة، باب في الغسل للجمعة، حديث : 345 وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في فضل الغسل يوم الجمعة، حديث: 496 وسنن النسائي، الجمعة، باب فضل غسل يوم الجمعة، حديث: 1382 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب ماجاء في الغسل يوم الجمعة، حديث :1087.

نے گویا گائے کی قربانی کی، جو تیسری گھڑی میں جائے، اس نے گویا سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی، جو چوتھی گھڑی میں جائے اس نے گویا مرغی کی قربانی کی، جو پانچویں گھڑی میں جائے، اس نے گویا انڈے کی قربانی کی اور جب امام آجائے تو فرشتے بھی خطبہ سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔'' (1) اسے شیخین نے روایت کیا ہے۔

جمعہ کے لیے آنے والے کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، مسواک کرے اور نظافت و طہارت کا اہتمام کرے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ (2) حدیث میں ہے: [غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ]، [(وَالسِّوَاكُ) وَأَنْ يَّمَسَّ...... مِنْ طِيبِ أَهْلِهٖ] ''ہر بالغ کے لیے جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے، نیز مسواک کرنا اور اہل خانہ کی خوشبو میں سے...... خوشبو استعمال کرنا (بھی واجب ہے۔)'' (3) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ [مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَمَسَّ مِنْ طِيبِ (أَهْلِهٖ) إِنْ كَانَ عِنْدَهٗ، وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهٖ، ثُمَّ خَرَجَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَسْجِدَ فَيَرْكَعَ إِنْ بَدَا لَهٗ، وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا، ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهٗ حَتّٰى يُصَلِّيَ كَانَتْ كَفَّارَةً لِّمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى] ''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اگر موجود ہو تو اہل خانہ کی خوشبو استعمال کرے، اچھے کپڑے پہنے، پھر گھر سے نکل کر مسجد میں آجائے، چاہے تو نماز ادا کرے، کسی کو تکلیف نہ دے، پھر جب امام آجائے تو خاموشی سے بیٹھ جائے حتی کہ نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔'' (4)

سنن ابو داود اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [مَا عَلٰى أَحَدِكُمْ لَوِ اشْتَرٰى ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، سِوٰى (ثَوْبَيْ) مِهْنَتِهٖ] ''کیا خوب ہو اگر تم میں سے ہر ایک اپنے کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے خرید لے۔'' (5) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ نے انھیں اون سے بنے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا، تو فرمایا: [مَا عَلٰى أَحَدِكُمْ، إِنْ وَّجَدَ سَعَةً، أَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِلْجُمُعَةِ، سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ] ''اگر کشادگی ہو تو پھر یہ

(1) صحيح البخاری، الجمعة، باب فضل الجمعة، حديث:881 و صحيح مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث:850. (2) اسی آیت کے تحت دیکھیے عنوان: ''جمعہ کے لیے غسل کی اہمیت'' (3) پہلا حصہ صحيح البخاری، الجمعة، باب فضل الغسل......، حديث:879 و صحيح مسلم، الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة......، حديث:846، دوسرا حصہ المعجم الأوسط للطبرانی :280,279/2، حديث:3287 کے مطابق ہے جبکہ قوسین والا جملہ سنن النسائی، الجمعة، باب الأمر بالسواك يوم الجمعة، حديث:1376. (4) مسند أحمد: 420/5 جبکہ قوسین والا لفظ اسی معنی و مفہوم کی ایک اور روایت میں آتا ہے۔ دیکھیے جامع الترمذی، الجمعة، باب ماجاء فی السواك والطيب يوم الجمعة، حديث: 528 عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ و سنن ابن ماجه إقامة الصلوات......، باب ماجاء فی الزينة يوم الجمعة، حديث:1097 عن أبی ذر رضی اللہ عنہ. (5) سنن أبی داود، الصلاة، باب اللبس للجمعة، حديث:1078 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب ماجاء فی الزينة يوم الجمعة، حديث:1095 و اللفظ له البتہ قوسین والا لفظ سنن ابوداود کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے۔

بات کتنی عمدہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ دو کپڑے جمعہ کے لیے خاص کر لے۔''①

جمعۃ المبارک کی اذان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ ﴾ ''جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے۔'' اس سے مراد وہ دوسری اذان ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس وقت دی جاتی تھی جب آپ تشریف لا کر منبر پر جلوہ افروز ہو جاتے تھے تو اس وقت آپ کے سامنے اذان دی جاتی تھی، اس سے یہی اذان مراد ہے۔ پہلی اذان جس کا اضافہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا تو وہ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تھا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان رسول اللہ ﷺ کے عہد اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور کے بعد جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو انھوں نے مقام زوراء پر دوسری اذان کا اضافہ کیا۔② یہ اذان اس گھر کی چھت پر دی جاتی تھی جسے زوراء کہا جاتا تھا۔ مسجد کے قریب مدینہ میں یہ سب سے اونچا گھر تھا۔

اذان جمعہ کے بعد خرید وفروخت کی حرمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ ''اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔'' یعنی جب اذان ہو جائے تو خرید وفروخت ترک کر دو اور اللہ کے ذکر، یعنی نماز کے لیے جلدی کرو۔ اسی وجہ سے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دوسری اذان کے بعد خرید وفروخت حرام ہے۔③ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨ ﴾ ''اگر سمجھو تو یہ تمھارے حق میں بہت بہتر ہے۔'' یعنی اگر سمجھو تو خرید وفروخت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کی طرف متوجہ ہونا تمھارے لیے دنیا وآخرت میں بہتر ہے۔ ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ ﴾ ''پھر جب نماز ہو چکے۔'' یعنی تم نماز سے فارغ ہو جاؤ ﴿ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ ''تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' جب نماز کے لیے تصرف پر پابندی لگا دی اور جمعہ کے لیے جمع ہونے کا حکم دے دیا تو نماز سے فراغت کے بعد زمین میں پھیل جانے اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کی اجازت دے دی جیسا کہ عراک بن مالک رضی اللہ عنہ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! أَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا أَمَرْتَنِي فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ، وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ] ''اے اللہ! میں نے تیری دعوت کو قبول کیا، تیرے عائد کردہ فریضۂ نماز کو ادا کیا اور جیسے تو نے حکم دیا میں زمین میں اپنی راہ لے رہا ہوں، پس اپنے فضل وکرم سے تو مجھے رزق عطا فرما کہ تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔''④ اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ ﴾ ''اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔'' یعنی خریدتے اور بیچتے وقت، لیتے اور دیتے وقت اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو اور دنیا تمھیں اس سے غافل نہ کر دے

---

① سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات ......، باب ماجاء في الزينة يوم الجمعة، حديث: 1096. ② صحيح البخاري، الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، حديث: 912-916. ③ كتاب المجموع للنووي، باب صلاة الجمعة: 367/4.
④ تفسير ابن أبي حاتم: 3356/10.

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاِ انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ

اور (اے نبی!) جب وہ تجارت ہوتی یا کوئی تماشا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، کہہ دیجیے: جو اللہ کے پاس

اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع 2/3/12

ہے وہ تماشے اور (سامانِ) تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ سب رزق دینے والوں سے بہتر (رزق دینے والا) ہے ⑪

جو آخرت میں تمھارے لیے نفع بخش ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو بازار میں داخل ہو کر یہ دعا پڑھ لے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ كُلُّهٗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ] تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا اور اس کی دس لاکھ برائیاں مٹا دیتا ہے۔① امام مجاہد فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والوں میں سے نہیں ہو سکتا جب تک کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے۔②

تفسیر آیت: 11

جب امام خطبہ دے رہا ہو، مسجد سے جانے کی ممانعت: جمعہ کے دن خطبہ چھوڑ کر اس تجارتی قافلے کی طرف چلے جانے پر، جو اس دن مدینہ میں آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاِ انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ﴾ ''اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو ادھر بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔'' یعنی منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں جیسا کہ کئی ایک تابعین ابو العالیہ، حسن، زید بن اسلم اور قتادہ نے ذکر کیا ہے۔③ مقاتل بن حیان کا خیال ہے کہ اس تجارت کا تعلق اسلام لانے سے قبل دحیہ بن خلیفہ سے تھا۔ اس کے سودے کے ساتھ طبلہ بجنے کا بھی اہتمام تھا۔ لوگ اس کی طرف چلے گئے اور چند لوگوں کے سوا باقی سب رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کھڑا چھوڑ گئے۔④ صحیح حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے سالم بن ابو جعد سے اور انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا، رسول اللہ ﷺ اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ لوگ مسجد سے باہر نکل گئے اور صرف بارہ آدمی مسجد میں باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاِ انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا﴾ ''اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو ادھر بھاگ جاتے ہیں۔''⑤ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے سالم کے واسطے سے ہی بیان کیا ہے۔⑥

---

① جامع الترمذي، الدعوات، باب مايقول إذا دخل السوق، حديث: 3428 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب الأسواق ودخولها، حديث: 2235 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3134/9. ③ تفسير الطبري: 133,132/28. ④ تفسير القرطبي: 110/18. ⑤ مسند أحمد: 313/3. ⑥ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا﴾ (الجمعة 11:62)، حديث: 4899 وصحيح مسلم، الجمعة، باب في قوله تعالى: ﴿وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً﴾، حديث: (38)-863.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ﴾ ''اور آپ کو (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام کو جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہیے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے۔ آپ دونوں کے درمیان بیٹھ جاتے تھے۔ قرآن مجید پڑھتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ① ﴿ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیں کہ جو چیز اللہ کے ہاں ہے۔'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس جو ثواب ہے ﴿ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ﴾ ''وہ تماشے اور (سامان) تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔'' اسے جو اس کی ذات پاک پر توکل کرے اور وقت پر رزق کو طلب کرے۔

سورۂ جمعہ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

① صحيح مسلم، الجمعة، باب ذكر الخطبتين......، حديث: 862.

تفسیر سُورۂ مُنٰفِقُون

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ

(اے نبی!) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہم شہادت دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ

يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

بے شک آپ اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یقیناً منافق البتہ جھوٹے ہیں① انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے، پھر وہ (لوگوں کو)

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بے شک برا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں② یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، تو ان کے دلوں پر مہر لگا

لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ

دی گئی، تو وہ سمجھتے ہی نہیں③ اور جب آپ انھیں دیکھیں تو آپ کو ان کے جسم اچھے لگتے ہیں اور اگر وہ (کوئی بات) کہیں تو آپ ان کی بات پر کان

خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫

لگائیں گویا وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہوں۔ وہ ہر اونچی آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، وہی (اصل) دشمن ہیں، لہٰذا آپ ان سے بچیں، اللہ انھیں ہلاک

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

کرے وہ کہاں پھیرے جاتے ہیں④

تفسیر آیات: 1-4

منافقین کے حالات اور ان کی قلابازیاں: اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ جب وہ نبی ﷺ کے پاس آتے ہیں تو منہ سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا یہ حال نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے، اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ ﴾ ''(اے محمد!) جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو (از راہ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ یقیناً اللہ کے پیغمبر ہیں۔'' جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتے ہیں لیکن حقیقت حال اس طرح نہیں جیسے یہ کہتے ہیں۔ اسی لیے درمیان میں یہ جملہ معترضہ خبریہ لایا گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت

آپ ہی اس کے پیغمبر ہیں۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① ﴾ ''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔'' اس بات کی خبر دینے میں گو ان کی یہ خبر حقیقت کے مطابق ہے لیکن یہ اپنی اس بات کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے اور نہ اسے سچا سمجھتے ہیں، لہٰذا ان کا یہ کذب ان کے اعتقاد کی وجہ سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے، پھر وہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روک رہے ہیں۔'' یعنی یہ لوگوں سے جھوٹی قسموں کے ذریعے سے بچ جاتے ہیں تاکہ وہ ان کی باتوں کی تصدیق کردیں، لہٰذا جو شخص ان کی حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہے، وہ دھوکا کھا جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں اور بسا اوقات وہ ان کے افعال کی اقتدا کرنے لگتا اور ان کی باتوں کو سچا سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ دلی اور باطنی طور پر ان لوگوں کا اسلام اور اہل اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہر حال ان کے اسی کرتوت کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے بڑا نقصان اٹھایا ہے۔ اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ﴾ ''پس وہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں برے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک یہ (پہلے تو) ایمان لائے، پھر کافر ہوگئے تو ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی، اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔'' یعنی نفاق ان کے مقدر میں اسی لیے کردیا گیا ہے کہ انھوں نے ایمان سے کفر کی طرف رجوع کرلیا ہے، ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کرلی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور یہ سمجھتے ہی نہیں، یعنی ہدایت اور خیر ان کے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی جس کی وجہ سے یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ ﴾ ''اور جب آپ ان کو دیکھتے ہیں تو ان کے جسم آپ کو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو آپ ان کی تقریر کو توجہ سے سنتے ہیں۔'' یعنی ان کی شکلیں خوب صورت اور ان کی زبانیں فصیح و بلیغ ہیں۔ ان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے سننے والے ان کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ انتہائی کمزور، بزدل و دوں ہمت، گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ ہوتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ ''ہر بلند آواز کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں۔'' یعنی جب بھی کوئی امر واقع ہوتا ہے یا کوئی حادثہ پیش آتا ہے یا خوف کی کوئی بات ہوتی ہے تو بزدلی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ یہ افتاد انھی پر نازل ہونے والی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ﴾ (الأحزاب 19:33) (یہ اس لیے کہ) تمھارے بارے میں وہ بخل کرتے ہیں، پھر جب (ان پر) ڈر (کا وقت) آتا ہے تو آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (اسی طرح) پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آرہی ہو، پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کے ساتھ تمھارے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں، حالانکہ وہ حریص ہیں مال (غنیمت) پر، یہ لوگ حقیقت میں ایمان لائے ہی نہیں، لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال برباد کردیے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ

اور جب ان سے کہا جائے: آؤ، رسول اللہ تمھارے لیے استغفار کریں، تو وہ (نفی میں) اپنے سر پھیر لیتے ہیں، اور آپ انھیں دیکھتے

وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ

ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں⑤ ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑥ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ

کریں، اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا، بے شک اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا⑥ وہ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان پر خرچ نہ کرو جو رسول

رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦

اللہ کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں، اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق سمجھتے نہیں⑦ وہ کہتے

يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

ہیں: البتہ اگر ہم لوٹ کر مدینے گئے تو معزز ترین لوگ ذلیل ترین لوگوں کو وہاں سے نکال دیں گے، اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اور

وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧ ع 1/8/13

اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے، اور لیکن منافق (اس حقیقت کو) نہیں جانتے⑧

اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔'' یہ بلاشک وشبہ لاشے اور مجسمے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④ ﴾ ''یہ (آپ کے) دشمن ہیں، لہٰذا آپ ان سے بے خوف نہ رہیں، اللہ انھیں ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں؟'' یعنی یہ کس قدر ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ لِلْمُنَافِقِينَ عَلَامَاتٍ يُّعْرَفُونَ بِهَا: تَحِيَّتُهُمْ لَعْنَةٌ، وَّطَعَامُهُمْ نُهْبَةٌ، وَّغَنِيمَتُهُمْ غُلُولٌ، وَّلَا يَقْرَبُونَ الْمَسَاجِدَ إِلَّا هَجْرًا، وَّلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا دُبُرًا، مُّسْتَكْبِرِينَ، لَا يَأْلَفُونَ وَلَا يُؤْلَفُونَ، خُشُبٌ بِاللَّيْلِ، صُخُبٌ بِالنَّهَارِ] ''یقیناً منافقین کی کچھ علامات ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں: ان کا سلام ودعا لعنت ہے اور ان کا کھانا لوٹ مار ہے اور ان کی غنیمت خیانت ہے اور مساجد کے قریب بہت کم آتے ہیں۔ وہ نماز بہت تاخیر سے ادا کرتے ہیں اور بے حد متکبر ہیں، نہ محبت کرتے ہیں اور نہ محبت کیے جاتے ہیں، رات کو لکڑیاں ہیں اور دن کو بہت جھگڑالو اور شور وغوغا کرنے والے۔'' حدیث میں آنے والے اس لفظ [صُخُبٌ] کو یزید بن مرہ نے [سُخُبٌ] ، یعنی سین کے ساتھ پڑھا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ ①

تفسیر آیات: 5 - 8

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار اور آپ کے رفقاء پر خرچ کرنے سے اعراض: اللہ تعالیٰ نے ملعون منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ

① مسند أحمد: 293/2، اس حدیث کی سند کو الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 303,302/13 میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

تمھارے لیے مغفرت مانگیں تو وہ (نفی میں) اپنے سر ہلا دیتے ہیں۔'' یعنی ان سے جب یہ بات کہی جاتی ہے تو وہ رک جاتے اور از راہ تکبر وحقارت اس سے اعراض کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ ﴾ ''اور آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کی سزا سناتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ ﴾ ''آپ ان کے لیے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں ان کے حق میں برابر ہے، اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا، بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' جیسا کہ سورۂ براءت میں بھی ہے جہاں اس سلسلے میں بحث اور مروی احادیث بیان کی جا چکی ہیں۔ [1]

کئی ایک ائمۂ سلف نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن اُبی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ. امام محمد بن اسحاق نے ''سیرت'' میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد سے مدینہ میں واپس تشریف لائے تو جیسا کہ مجھ سے ابن شہاب زہری نے بیان کیا کہ عبداللہ بن اُبی ہر جمعے ایک جگہ کھڑا ہوا کرتا تھا۔ اس کے اور اس کی قوم کے شرف کے باعث اس کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنی قوم کا ایک معزز آدمی سمجھا جاتا تھا، لہٰذا جب نبی ﷺ جمعے کے دن خطبے کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو عبداللہ بن ابیّ ابن سلول لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کھڑا ہوتا اور کہتا: لوگو! یہ رسول اللہ ﷺ تمھارے ہاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کے ساتھ عزت بخشی ہے، لہٰذا آپ کی عزت وتکریم بجالاؤ، آپ کی بات سنو اور اطاعت کرو اور پھر وہ بیٹھ جاتا حتی کہ احد کے دن اس نے کیا جو کیا، یعنی لشکر کے ایک تہائی حصے کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا، اور پھر جب اس نے کھڑے ہو کر اسی طرح کرنا چاہا جس طرح وہ پہلے کرتا تھا تو مسلمانوں نے اسے کپڑوں سے پکڑ کر ہر طرف سے گھسیٹا اور کہنے لگے کہ اللہ کے دشمن! بیٹھ جا، اپنے کرتوت کے بعد اب تو اس قابل نہیں ہے۔ تو وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا نکل گیا اور کہہ رہا تھا: میں نے کوئی بری بات کہی ہے؟ میں تو اس کے معاملے کو مضبوط بنانے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔

مسجد کے دروازے پر اسے کچھ انصاری ملے اور انھوں نے کہا کہ تجھ پر افسوس! تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں تو اس کے معاملے کو مضبوط بنانے کے لیے کھڑا ہوا تھا مگر اس کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے مجھ پر چڑھائی کر کے مجھے کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ میرے ساتھ سختی کا معاملہ کر رہے تھے گویا میں نے کوئی بری بات کی ہو، حالانکہ میں تو اس کے معاملے کو مضبوط بنانے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ ان انصاریوں نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے، تو واپس جا تا کہ رسول اللہ ﷺ تیرے لیے بخشش کی دعا مانگیں۔ وہ کہنے لگا: واللہ! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے بخشش کی دعا مانگیں۔ [2] قتادہ اور سدی نے بھی کہا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے رشتہ داروں میں سے ایک لڑکے نے رسول اللہ ﷺ

---

[1] دیکھیے التوبة، آیت: 84 کے تحت عنوان: ''منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت'' [2] السيرة النبوية لابن إسحاق، مافعله عبدالله بن أبي بعد غزوة أحد: 350/2 و السيرة النبوية لابن هشام، شأن عبدالله بن أبيّ بعد ذلك: 111/3.

کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کے بارے میں آپ کو بہت سی ناگوار باتیں بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بلا کر اس سے پوچھا تو وہ قسمیں کھا کھا کر اس سے براءت کا اظہار کرنے لگا، چنانچہ انصار نے اس لڑکے کو ملامت اور طعن و تشنیع شروع کر دی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جسے تم سن رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس دشمن سے کہا گیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ (اور معافی مانگو) تو اس نے انکار میں سر ہلانا شروع کر دیا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ ①

یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ بن حبان، عبداللہ بن ابوبکر اور عاصم بن عمر بن قتادہ نے قصہ بنومصطلق کے ضمن میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ وہاں مقیم تھے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ملازم جہجاہ بن سعید غفاری اور سنان بن وَبَر کا پانی پر جھگڑا ہوگیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ بن حبان نے بیان کیا کہ دونوں نے پانی کے بارے میں آپس میں جھگڑا کیا تو سنان نے کہا: اے گروہ انصار! اور جہجاہ نے کہا: اے گروہ مہاجرین! اس وقت زید بن ارقم اور انصار کے کچھ لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس تھے، اس نے جب اس آواز کو سنا تو کہنے لگا کہ انھوں نے ہمارے علاقے ہی میں ہمیں شر میں مبتلا کر دیا ہے۔ واللہ! ہماری اور ان قریشیوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرو گے تو وہ تمھیں کھا جائے گا۔ اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ لوٹے تو زیادہ عزت والا، زیادہ ذلت والے کو اس سے نکال دے گا، پھر وہ اپنے پاس اپنی قوم کے بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہنے لگا کہ تم نے کیا کیا ہے، تم نے اپنے علاقے میں انھیں جگہ دی اور اپنے اموال ان میں تقسیم کر دیے، اللہ کی قسم! اگر تم ان کے ساتھ تعاون سے رک جاؤ تو وہ تمھارے علاقے کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی یہ بات سن لی تھی اور پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو بھی یہ بات بتا دی۔ زید بن ارقم اس وقت چھوٹے لڑکے تھے۔ آپ کے پاس اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں بھی یہ بات بتائی تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ عبّاد بن بشر کو حکم دیں کہ وہ اس کی گردن اڑا دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَكَيْفَ يَا عُمَرُ! إِذَا تَحَدَّثَ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَّقْتُلُ أَصْحَابَهُ ! لَا، وَلٰكِنْ أَذِّنْ بِالرَّحِيلِ] ''عمر! یہ کام کیسے کیا جا سکتا ہے، تب تو لوگ یہ باتیں بنائیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے! (عمر!) یہ تو نہیں ہو سکتا، البتہ اب لوگوں میں کوچ کرنے کے لیے اعلان کر دو۔''

عبداللہ بن ابی کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ خبر پہنچ گئی ہے تو اس نے آپ کے پاس آ کر معذرت کرنا شروع کر دی اور اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اس نے یہ نہیں کہا جو زید بن ارقم نے آپ کو بتایا ہے۔ عبداللہ بن ابی اپنی قوم میں صاحبِ حیثیت آدمی تھا، اس لیے لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) ہو سکتا ہے کہ اس لڑکے کو بات سمجھنے میں غلطی لگی ہو اور وہ یہ بات اچھی طرح نہ سمجھ سکا ہو جو اس شخص نے کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ دوپہر میں اس وقت تشریف لائے جب آپ ایسے وقت میں تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ آپ سے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ملے اور انھوں نے آپ کی خدمت میں سلام نبوت عرض کیا اور پھر کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو اس وقت

① تفسیر الطبری: 140/28.

پہلے کبھی تشریف نہیں لائے تھے۔ آپ نے فرمایا: [أَمَا بَلَغَكَ مَا قَالَ صَاحِبُكَ ابْنُ أُبَيٍّ؟ زَعَمَ أَنَّهُ إِذَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ أَنَّهُ سَيُخْرِجُ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ] ”تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے ساتھی ابن اُبی نے کیا کہا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ جب وہ مدینہ میں واپس آئے گا تو زیادہ عزت والا زیادہ ذلت والے کو مدینہ سے نکال دے گا۔“ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آپ ہی عزت واکرام والے ہیں اور وہی ذلیل ہے۔ پھر کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس شخص سے نرمی فرمائیں۔ اللہ کی قسم! جب آپ یہاں تشریف لائے تو ہم اس کی تاج پوشی کے لیے اہتمام کررہے تھے۔ اس کا خیال ہے کہ آپ نے اس کی بادشاہت ختم کردی ہے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے حتی کہ شام، رات، صبح اور اگلے دن کا کچھ حصہ بھی گزر گیا اور دھوپ تیز ہوگئی، پھر آپ لوگوں کے پاس آئے تاکہ انھیں اس بات سے مشغول کردیں۔ لوگ سکون میں نہ تھے حتی کہ انھوں نے سونے کے لیے مناسب زمین پائی اور وہ سو گئے اور اسی اثنا میں سورۂ منافقون نازل ہوگئی۔ ①

حافظ ابوبکر بیہقی نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ ہم ایک غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ایک مہاجر شخص نے ایک انصاری کی پشت پر مارا تو انصاری نے آواز دی: اے انصار! اور مہاجر نے آواز دی: اے مہاجرین! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ] ”یہ کیسی جاہلیت کی آواز ہے! اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ بدبودار ہے۔“

عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: کیا انھوں نے ایسی باتیں کرنا شروع کردی ہیں، اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ کی طرف واپس لوٹے تو عزت والا ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی لیکن پھر اس کے بعد مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: [دَعْهُ! لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ] ”اسے چھوڑ دے! تاکہ لوگ یہ بات نہ کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔“ ② اسے امام احمد، امام بخاری اور مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔ ③

عکرمہ اور ابن زید وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ لوگ جب مدینہ واپس آئے تو عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور انھوں نے تلوار سونت لی۔ لوگوں نے ان کے پاس سے گزرنا شروع کیا اور جب ان کا باپ عبداللہ بن ابی آیا تو اس کے بیٹے نے کہا: پیچھے ہٹ جاؤ! اس نے کہا: تجھ پر افسوس! تجھے کیا ہوگیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ

① دلائل النبوة للبيهقي، باب ما ظهر في هذه الغزوة من نفاق عبدالله بن أبي ابن سلول: 53,52/4 والسيرة النبوية لابن إسحاق، غزوة بني المصطلق: 441,440/2 و السيرة النبوية لابن هشام، غزوة بني المصطلق: 304,303/3. ② دلائل النبوة للبيهقي، باب ماظهر في هذه الغزوة من نفاق عبدالله بن أبي ابن سلول: 54,53/4. ③ مسند أحمد: 392/3 وصحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ الآية (المنٰفقون 6:63)، حديث: 4905 وصحيح مسلم، البر والصلة......، باب نصر الأخ ظالما أو مظلوما، حديث: (63)-2584.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

اے ایمان والو! تمھارے مال اور تمھاری اولادیں تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ خسارہ پانے

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ

والے ہیں⑨ اور تم اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمھیں رزق دیا ہے، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آئے، پھر وہ کہے: اے

الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩

میرے رب! تو نے مجھے کچھ مدت تک اور کیوں نہ مہلت دی کہ میں صدقہ کرتا اور میں صالحین میں سے ہوتا⑩ اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہ دے گا

2 ع 3 14 وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪

جب اس کی اجل آجائے گی، اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو⑪

اللہ کی قسم! جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت عطا نہ فرمائیں تو یہاں سے گزر نہیں سکتا کیونکہ وہ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ تواضع کے باعث پیچھے چلتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے اپنے بیٹے کی آپ سے شکایت کی تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا: واللہ! اے اللہ کے رسول! جب تک آپ اجازت عطا نہ فرمائیں، وہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے اجازت عطا فرما دی تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اجازت عطا فرما دی ہے تو اب تو داخل ہو سکتا ہے۔ ①

امام ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی نے اپنی مسند میں ابو ہارون مدنی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اپنے باپ سے کہا کہ اللہ کی قسم! تو اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک تو یہ نہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ معزز ہیں اور میں ذلیل ہوں۔ انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے اس کی ہیبت کی وجہ سے کبھی غور سے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا لیکن اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں، البتہ میں اپنے باپ کا قاتل کہلانا پسند نہیں کرتا۔ ②

تفسیر آیات:9-11

موت سے پہلے پہلے صدقہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کثرت سے اپنے ذکر کا حکم دیا ہے اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مال واولاد ہی میں مشغول ہو کر نہ رہ جائیں۔ اور فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا کی زندگی اور زیب وزینت ہی کو مطمح نظر بنا کر اپنے رب کی اطاعت اور اس کے ذکر سے غافل ہو جائے تو وہ ان خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا جو قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو خسارے میں مبتلا کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے

① تفسير البغوي: 101/5 عن زيد بن أرقم رضي الله عنه. ② مسند الحميدي، أحاديث جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنه: 520/2، حديث: 1240.

ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩ ﴾ ''اور تم اس میں سے خرچ کرو جو مال ہم نے تم کو دیا ہے، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے، پھر وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔'' ہر کوتاہی کرنے والا موت کے وقت ندامت کا اظہار کرتا ہے اور مہلت طلب کرتا ہے، خواہ تھوڑے سے وقت کے لیے مل جائے تاکہ معذرت کرے اور اس سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی تلافی کر سکے مگر اس وقت مہلت کہاں! جو ہو چکا سو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اور ہر شخص سے اس کی کوتاہی کا حساب لیا جائے گا۔ کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ ﴾ (إبراهيم 14:44) ''اور (اے نبی!) لوگوں کو اس دن سے آگاہ کریں جب ان پر عذاب آ جائے گا تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کر تاکہ ہم تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں (تو جواب ملے گا) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:99,100) ''(یہ لوگ اسی طرح غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے گی تو کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے تاکہ میں اس (دنیا) میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں، ہرگز نہیں! یقیناً یہ (ایک ایسی) بات ہے کہ وہ اسے (زبان سے) کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور ان کے آگے پردہ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔''

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪ ﴾ ''اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دے گا جب اس کی موت آ جائے گی اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم عمل کرتے ہو۔'' یعنی موت آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو مہلت نہیں دیتا اور وہ خوب جانتا اور خوب خبر رکھتا ہے کہ اپنے قول اور سوال میں کون سچا ہے اور کون ہے کہ جسے اگر لوٹایا جائے تو وہ پہلے سے بھی برا ثابت ہوگا، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪ ﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔''

سورۂ منافقون کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

تفسیر سُورَۂ تغابُن

یہ سورت مدنی اور ایک قول کے مطابق مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے (ہر قسم کی) حمد ہے، اور وہ ہر چیز پر خوب

قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

قادر ہے① وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر اور کوئی مومن ہے، اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے②

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمھیں صورت دی تو تمھاری صورتیں بہت اچھی بنائیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے③ وہ جانتا ہے، جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اور اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے④

تفسیر آیات:1-4

تسبیح اللہ ہی کی ہے: یہ مُسَبِّحَات میں سے آخری سورت ہے۔ مخلوقات کی اپنے خالق و مالک کی تسبیح کے بارے میں گفتگو قبل ازیں ہو چکی ہے،[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ﴾ ''اسی کی (سچی) بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف (لامتناہی) ہے۔'' یعنی ساری کائنات میں اس کا تصرف کارفرما ہے اور اپنے تمام خلق و قدرت میں وہ بے حد قابل ستائش ہے۔ ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی جو ارادہ فرماتا ہے، وہ کسی رکاوٹ کے بغیر فوراً ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر کچھ تم میں سے کافر ہیں اور کچھ مومن ہیں۔'' یعنی اس نے تمھیں اس صفت میں پیدا فرمایا ہے اور اس کا تم سے ارادہ کیا ہے، لہٰذا مومن اور کافر کا وجود ضروری ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ تم میں سے مستحق ہدایت کون اور مستحق ضلالت کون ہے اور وہ اپنے بندوں کے اعمال پر گواہ ہے اور وہ عنقریب انھیں پوری پوری جزا دے گا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② ﴾

① دیکھیے الحدید، آیت: 1 کے ذیل میں عنوان: ''تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے'' اور یونس، آیت: 10 کے ذیل میں عنوان: ''ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ ہی حمد و ثنا کا مستحق ہے''

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا؟ پھر انھوں نے اپنے معاملے (عملوں) کا وبال چکھا، اوران کے لیے نہایت

اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫

دردناک عذاب ہے ⑤ یہ اس لیے کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لاتے تھے تو انھوں نے کہا: کیا بشر ہمیں راہ دکھائیں گے؟

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥

پھر انھوں نے کفر کیا اور (حق سے) منہ موڑا اور اللہ نے (ان سے) بے پروائی کی، اور اللہ بے پروا، بہت قابل تعریف ہے ⑥

''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے۔''

اللہ کے خلق اور علم کا ذکر: پھر فرمایا: ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا۔'' یعنی عدل وحکمت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ ﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ ''اور اسی نے تمھاری صورتیں بنائیں، پھر صورتیں بھی بہت اچھی بنائیں۔'' یعنی اس نے تمھاری شکلیں حسین وجمیل بنائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ ﴾ (الانفطار 82:6-8) ''اے انسان! تجھے تیرے صاحب کرم پروردگار کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟ (وہی تو ہے) جس نے تجھے پیدا کیا اور تجھے ٹھیک ٹھاک کیا اور تجھے معتدل بنایا، اس نے جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ...... ﴾ الآية (المؤمن 64:40) ''اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمھاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی اچھی بنائیں اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا......'' ﴿ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ ﴾ ''اور اسی کی طرف (تمھیں) لوٹ جانا ہے۔'' یعنی اسی کی طرف لوٹنا اور ٹھکانا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام کائنات سماوی وارضی ونفسانی کو جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ ﴾ ''وہ سب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو وہ اس سے بھی آگاہ ہے اور اللہ سینوں کے بھیدوں سے خوب واقف ہے۔''

تفسیر آیات:6,5

سابقہ کفار کی ہلاکت کے ساتھ ڈراوا: اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں اور ان کی طرف سے پیغمبروں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کی وجہ سے آنے والے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ ''کیا تم کو ان لوگوں کے حال کی خبر نہیں پہنچی، جو پہلے کافر ہوئے تھے؟'' یعنی ان کی خبر اور ان کے حالات تمھیں معلوم نہیں ہوئے، ﴿ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ﴾ ''پس انھوں نے اپنے کاموں کی سزا (کے مزے) کو چکھ لیا۔'' یعنی انھوں نے تکذیب اور اپنے برے اعمال کا انجام دیکھ لیا اور وہ یہ کہ دنیا میں انھیں عبرت ناک سزا اور ذلت ورسوائی میں مبتلا ہونا پڑا۔ ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' یعنی اس دنیوی سزا کے علاوہ آخرت کا عذاب بھی ہے، پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ

کافروں نے دعویٰ کیا کہ وہ (قبروں سے) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تمھیں ضرور اٹھایا

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ

جائے گا، پھر تمھیں ضرور جتائے جائیں گے جو تم نے عمل کیے، اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ⑦ چنانچہ تم اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

لاؤ جو ہم نے نازل کیا، اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو ⑧ جس دن وہ تمھیں جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا، وہی ہار جیت کا

وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

دن ہے۔ اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ اس سے اس کی برائیاں مٹا دے گا اور اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔ یہی عظیم کامیابی ہے ⑨ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات جھٹلائیں وہی دوزخ

ع 1 10 15 اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ ع

والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے ⑩

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ”یہ اس لیے کہ بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آتے تھے۔“ یعنی دلائل و براہین ﴿ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ﴾ ”تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں۔“ انھوں نے اس بات کو بعید سمجھا کہ انسان نبوت و رسالت سے سرفراز ہو اور ان کی ہدایت کا سامان انھی جیسے انسانوں کے ہاتھوں سے ہو ﴿ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا ﴾ ”تو انھوں نے (ان کو) نہ مانا اور پھر گئے۔“ یعنی انھوں نے حق کی تکذیب کی اور عمل سے منہ موڑ لیا ﴿ وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥ ﴾ ”اور اللہ نے پروا نہ کی اور اللہ مستغنی، سزاوار حمد (وثنا) ہے۔“

تفسیر آیات: 7-10

موت کے بعد زندگی حق ہے: اللہ تعالیٰ نے کفار، مشرکین اور ملحدین کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ انھیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ ﴿ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ ﴾ ”کہہ دیں: کیوں نہیں، میرے پروردگار کی قسم! البتہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر جو بھی کام تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں ضرور بالضرور بتائے جائیں گے۔“ تمھیں تمھارے چھوٹے بڑے اور حقیر و عظیم تمام اعمال کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔ ﴿ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ ﴾ ”اور یہ (بات) اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔“ یعنی تمھیں دوبارہ زندہ اٹھانا اور تمھارے اعمال کا تمھیں بدلہ دینا۔ یہ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آخرت کے وقوع و وجود پر اپنے رب تعالیٰ کی قسم کھائیں۔ ان میں سے یہ پہلی آیت سورۂ یونس میں ہے: ﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ ﴾ ”اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے؟ کہہ دیں: ہاں، میرے رب کی قسم! بلاشبہ وہ سچ ہے۔ (یونس 10:53)

اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔'' دوسری سورۂ سبا کی یہ آیت ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ...... ﴾ الآية (سبا 3:34) ''اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، کہہ دیں: کیوں نہیں! میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور ہی آئے گی......'' اور تیسری یہ آیت ہے: ﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ ''کافروں نے دعویٰ کیا کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کہہ دیں: کیوں نہیں! میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور بالضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر جو جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں ضرور ہی بتائے جائیں گے اور یہ (بات) اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔'' پھر فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے: ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِىْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ ''چنانچہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا ہے اور اللہ تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے۔'' یعنی تمھارے اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس سے مخفی نہیں۔

نقصان اٹھانے کے دن کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ﴾ ''جس دن وہ تم کو اکٹھا ہونے (قیامت) کے دن اکٹھا کرے گا۔'' قیامت کے دن کو اکٹھا ہونے کے دن سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس میں سب اگلے پچھلے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا اور پکارنے والا انھیں اپنی آواز سنا سکے گا اور نظر انھیں دیکھ سکے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ ﴾ (ھود 103:11) ''یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾ (الواقعة 50,49:56) ''کہہ دیں کہ بے شک پہلے اور پچھلے یقیناً ایک معلوم دن کے مقرر وقت پر سب جمع کیے جائیں گے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ ﴾ ''یہی نقصان اٹھانے کا دن ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام اس لیے ہے کہ اہل جنت، اہل دوزخ کو نقصان پہنچائیں گے۔ [1] امام قتادہ و مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ [2] مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں ہوگا کہ اہل جنت تو جنت میں داخل ہو جائیں اور دیگر بدنصیب لوگوں کو جہنم رسید کر دیا جائے۔ میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ اس کی تفسیر درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو وہ (اللہ) اس سے اس کی برائیاں دور کرے گا اور داخل کرے گا اسے باغہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں،

[1] تفسير الطبري: 156/28 مختصرًا. [2] تفسير الطبري: 156/28.

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

جو مصیبت بھی آتی ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے تو وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

جاننے والا ہے ⑪ اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم (حق سے) منہ موڑو، تو ہمارے رسول کا کام بس کھول کر پہنچا دینا

الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬

ہے ⑫ اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، اور پس لازم ہے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کریں ⑬

وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے ابد تک، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی اہل دوزخ ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' اس طرح کی آیات کی تفسیر قبل ازیں کئی دفعہ بیان کی جا چکی ہے۔ ①

تفسیر آیات: 11-13

انسان کو جو پیش آتا ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہے: اللہ تعالیٰ نے اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ حدید میں یہ فرمایا تھا: ﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ (الحدید 22:57) ''زمین میں اور تمھاری جانوں پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تو کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے، اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں یقیناً یہ (کام) اللہ کو بہت آسان ہے۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ کے حکم سے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یعنی اللہ کے امر اور اس کی قدرت و مشیّت کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ ﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے تو وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔'' یعنی جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے، وہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے ساتھ ہے، پھر وہ صبر کرے، اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے آگے سر تسلیم جھکا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت سے سرفراز فرمائے گا۔ اور دنیا کے جس مال سے محروم ہوا، اس کے بدلے میں اس کے دل کو ہدایت اور یقین صادق سے لبریز کر دے گا۔ جس مال سے اسے محروم کر دیا گیا بسا اوقات وہ مال یا اس سے بھی بہتر اسے عطا کر دیا جاتا ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو یقین کے لیے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے جو پہنچا ہے، وہ اس سے خطا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور جو خطا ہو گیا ہے، وہ اسے مل ہی نہیں سکتا تھا۔ ②

متفق علیہ حدیث میں ہے کہ [(عَجَبًا لِّلْمُؤْمِنِ لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهُ شَيْئًا إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ)، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ] ''مومن پر

① دیکھیے التوبۃ، آیت: 72 کے ذیل میں عنوان: ''مومنوں کو دائمی نعمتوں کی بشارت'' اور النحل، آیت: 29,28 کے ذیل میں عنوان: ''بوقت وفات اور بعد از وفات کافروں کے حالات'' ② تفسیر الطبری: 157/28.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا

اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، لہٰذا تم ان سے محتاط رہو۔ اور اگر تم معاف کر دو

وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ

اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ⑭ بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ (آزمائش)

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا

ہیں، اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے ⑮ چنانچہ جہاں تک تمھاری استطاعت ہو تم اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اطاعت کرو، اور خرچ کرو، یہ

خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اِنْ تُقْرِضُوا

تمھاری ذات کے لیے بہتر ہے، اور جسے اپنے نفس کے لالچ سے بچالیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ⑯ اگر تم اللہ کو قرض دو، قرضِ

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ⑰ عٰلِمُ الْغَيْبِ

حسنہ، تو وہ اسے تمھارے لیے بڑھا دے گا اور تمھیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑا قدر دان، بہت حلم والا ہے ⑰ وہ غیب اور ظاہر کا علم رکھنے

وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ ع 2 8 16

والا، زبردست، خوب حکمت والا ہے ⑱

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جس چیز کا بھی فیصلہ فرمائے وہ اس کے حق میں بہتر ہے، اور مومن کے سوا کسی کو یہ بات حاصل نہیں ہے، اگر اسے کوئی خوشی و مسرت لاحق ہو تو وہ شکر کرتا ہے اور شکر کرنا اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور صبر کرنا اس کے حق میں بہتر ہے۔'' (1)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ ''اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کے بارے میں اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اسی طرح جو حکم دیا اس کے بجالانے کا اور جس سے منع فرمایا اور ڈانٹ پلائی اسے ترک کر دینے کا بھی حکم دیا ہے، پھر فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ ﴾ ''پھر اگر تم پھر گئے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔'' یعنی اگر تم نے عمل نہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کے ذمے تو صرف احکام الٰہی کا پہنچا دینا ہے اور تمھارا کام سمع و طاعت ہے جو تم پر فرض کی گئی ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہے، رسول اللہ ﷺ کا کام اسے پہنچا دینا ہے اور ہمارا فرض اسے تسلیم کر لینا ہے۔ (2)

توحید: پھر اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی ذات پاک یکتا و بے نیاز ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ

---

(1) صحيح مسلم، الزهد......، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: 2999 عن صهيب ﷺ جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 24/5 عن أنس ﷺ میں ہیں۔ (2) صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: [يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليك من ربك وإن لم تفعل فما بلغت رسالاته]، قبل الحديث: 7530.

﴿ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اللہ (جو معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، لہٰذا مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔'' آیت کے پہلے حصے میں توحید کے بارے میں خبر دی گئی اور اس کے معنی طلب کے ہیں، یعنی الوہیت میں بھی اسے واحد مانو، توحید کو اسی کی ذات گرامی کے لیے خالص کر دو اور پھر اس کی ذات پاک پر بھروسا رکھو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴾ (المزمّل 73:9) ''وہی مشرق اور مغرب کا مالک ہے (اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بنا لیں۔''

تفسیر آیات :14-18

بیوی بچوں کے فتنے سے بچنے کی تلقین: اللہ تعالیٰ نے بیویوں اور اولاد کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ اپنے خاوند اور باپ کی دشمن بھی ہیں، اس معنی میں کہ ان کی وجہ سے وہ عمل صالح سے غافل ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (المنٰفقون 63:9) ''مومنو! تمھارے مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾ ''لہٰذا تم ان سے بچو۔'' ابن زید کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے دین کے بارے میں ان سے بچتے رہو۔[1] امام مجاہد اس آیت: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾ ''اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، پس تم ان سے محتاط رہو۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بیوی بچے انسان کو بسا اوقات قطع رحمی یا اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کر دیتے ہیں اور محبت کے باوجود انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کر سکتا۔[2]

امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے، انھوں نے مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا مگر ان کے بیوی بچوں نے اصرار کیا کہ وہ انھیں چھوڑ کر نہ جائیں، بہر حال جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ لوگوں نے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر لی ہے تو انھوں نے بیوی بچوں کی وجہ سے پیچھے رہ جانے پر انھیں سزا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ بھی بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''[3] امام ترمذی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی

[1] تفسير الطبرى :160/28. [2] تفسير الطبرى :159/28. [3] تفسير ابن أبي حاتم :3358/10. [4] جامع الترمذى، تفسير القرآن، باب ومن سورة التغابن، حديث :3317.

طرف سے اس کی مخلوق کے لیے آزمائش اور ابتلا ہیں تاکہ وہ جان لے کہ اس کی اطاعت کون بجالاتا ہے اور نافرمانی کون کرتا ہے!

﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ ﴾ ''اور اللہ کے ہاں۔'' یعنی روز قیامت ﴿ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''بہت بڑا اجر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ ﴾ (ال عمرٰن 14:3) ''لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی محبت مزین کی گئی ہے جو عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔''

امام احمد نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما آگئے، انھوں نے دو سرخ رنگ کی قمیصیں پہنی ہوئی تھیں۔ چلتے تو لڑکھڑانے لگتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر انھیں اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا، پھر فرمایا: [صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ: ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ ﴾ نَظَرْتُ إِلٰى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيثِي وَرَفَعْتُهُمَا] ''سچ فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے: ''بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہیں۔'' میں نے جب ان دو بچوں کی طرف دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑارہے ہیں تو میں صبر نہ کرسکا حتی کہ میں نے اپنی گفتگو کو منقطع کر کے ان کو اٹھالیا۔''[1] اسے اہل سنن نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[2]

بقدر استطاعت تقویٰ اختیار کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ ''چنانچہ جہاں تک تم سے ہوسکے اللہ سے ڈرو۔'' یعنی اپنی قوت وطاقت کے مطابق جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ] ''جب میں تمھیں کسی بات سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو اور جب میں تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو اسے مقدور بھر بجالاؤ۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا ﴾ ''اور (اس کے احکام کو) سنو اور اطاعت کرو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمھیں جو حکم دیں تو اس کے اطاعت گزار بن جاؤ اور دائیں بائیں نہ دیکھو، نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہو، اس سے پس و پیش نہ کرو اور جس سے تمھیں منع کردیا گیا ہو، اس کا ارتکاب نہ کرو۔

صدقے کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ ''اور خرچ کرو یہ تمھارے نفسوں کے لیے بہت بہتر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو رزق عطا فرمایا ہے، اس میں سے اپنے قرابت داروں، فقیروں، مسکینوں اور

---

[1] مسند أحمد: 354/5. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب الإمام يقطع الخطبة للأمر يحدث، حديث: 1109 و جامع الترمذي، المناقب، باب حلمه ووضعه ﷺ ...... ، حديث: 3774 و سنن النسائي، الجمعة، باب نزول الإمام عن المنبر ...... ، حديث: 1414 و سنن ابن ماجه، اللباس، باب لبس الأحمر للرجال، حديث: 3600. [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7288 و صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث: 1337.

ضرورت مندوں پر بھی خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے احسانات سے نوازا ہے۔ یہ بات تمھارے لیے دنیا وآخرت میں موجب خیر و برکت ہوگی اور اگر ایسا نہ کرو گے تو یہ بات تمھارے لیے دنیا وآخرت میں بری ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں سورۂ حشر میں بیان کی جا چکی ہے۔ اور اس مفہوم کی احادیث مبارکہ بھی ذکر کی جا چکی ہیں،[1] لہٰذا ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ ﴾ ''اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ تم کو اس کا دو چند دے گا اور تمھیں بخش دے گا۔'' یعنی تم جو بھی خرچ کرو گے تو وہ تمھیں اس کے بدلے میں ضرور دے گا، تم جو چیز بھی صدقہ کرو گے، وہ تمھیں اس کا ضرور اجر دے گا۔ اللہ کے رستے میں خرچ کرنے کو اسے قرض دینے کے مترادف قرار دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: [مَنْ يُّقْرِضُ غَيْرَ عَدِيمٍ وَّلَا ظَلُومٍ] ''کون ہے جو اس عظیم ہستی کو قرض دے جو نہ تو قلاش ہے اور نہ ذرہ بھر ظلم کرنے والا ہی ہے۔''[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمھیں اس کے بدلے میں دو چند عطا فرمائے گا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے: ﴿ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ ﴾ (البقرۃ 245:2) ''وہ اس کو اس کے بدلے میں کئی حصے زیادہ دے گا۔'' ﴿ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ ﴾ ''اور وہ تمھیں بخش دے گا۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ ﴾ ''اور اللہ بڑا قدر شناس ہے۔'' تھوڑے عمل کی بھی بہت زیادہ جزا عطا فرماتا ہے۔ ﴿ حَلِيْمٌ ﴾ ''خوب حوصلے والا ہے۔'' وہ گناہوں، لغزشوں، خطاؤں اور برائیوں سے درگزر فرماتا، انھیں معاف فرماتا، ان کی پردہ پوشی فرماتا اور ان سے تجاوز فرماتا ہے۔ ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا نہایت غالب، بڑی حکمت والا۔'' اس آیت کریمہ کی تفسیر کئی بار بیان ہو چکی ہے۔[3]

سورۂ تغابن کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① دیکھیے الحشر، آیت: 9 کے ذیل میں عنوان: ''انصار کا ایثار'' ② صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین......، باب الترغیب فی الدعاء والذکر......، حدیث: (171)-758 عن أبی ھریرۃ ﷺ. ③ دیکھیے الحشر، آیت: 22 کے ذیل میں عنوان: ''اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ اس کی بزرگی'' اور الرعد، آیت: 9 کے ذیل میں عنوان: ''عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے''

تفسیر سورۂ طلاق

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انھیں ان کی عدت کے (آغاز) وقت میں طلاق دو، اور عدت گنتے رہو۔

رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ

اور اللہ سے جو تمھارا رب ہے، ڈرو۔ تم انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں، مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی

مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

کریں، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اس نے خود پر ظلم کیا۔ (اے مخاطب!)

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

تو نہیں جانتا شاید اللہ اس (طلاق) کے بعد کوئی نئی راہ نکال دے ①

تفسیر آیت :1

عورت کو عدت کے آغاز میں طلاق دی جائے، وہ عدت کا شمار کرے اور دورانِ عدت اپنے گھر سے نہ نکلے: اس آیت کریمہ میں پہلے تشریف وتکریم کے طور پر نبی ﷺ کو مخاطب کیا گیا اور پھر تبعاً امت کو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ ”اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہہ دیں کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت (کے شروع) میں طلاق دو۔“ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جبکہ وہ حالتِ حیض میں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے اور پھر فرمایا: [لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُّطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَّمَسَّهَا، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ] ”اسے چاہیے کہ وہ اس (بیوی) سے رجوع کرلے، پھر اسے روکے رکھے حتی کہ وہ پاک ہوجائے، پھر حیض شروع ہوجائے، پھر پاک ہوجائے اور اگر وہ اسے طلاق دینا چاہے تو اسے حالت طہر میں مباشرت سے پہلے طلاق دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔“①

① صحيح البخاري، التفسير، باب : 1، حديث : 4908.

امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو اس مقام پر اور اپنی کتاب کے دیگر کئی مقامات پر بھی اسی طرح روایت کیا ہے،① نیز اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے:[فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَاللّٰهُ أَنْ يُّطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ] ''یہ ہے وہ عدت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے مطابق عورتوں کو طلاق دی جائے۔''② سب سے واضح الفاظ جو ہم یہاں ذکر کریں گے، وہ ہیں جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں بطریق ابن جریج روایت کیے ہیں کہ مجھے ابوزبیر نے خبر دی، انھوں نے عَزَّہ کے آزاد کردہ غلام عبدالرحمٰن بن ایمن سے سنا کہ حضرت ابن عمر ؓ سے یہ سوال پوچھا جا رہا تھا جبکہ وہاں ابوزبیر بھی سن رہے تھے کہ اس شخص کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے جو اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دیتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ابن عمر ؓ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لِيُرَاجِعْهَا۔ فَرَدَّهَا۔ وَقَالَ: إِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ أَوْ لِيُمْسِكْ] ''اسے رجوع کر لینا چاہیے۔ پس انھوں نے رجوع کر لیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ وہ جب پاک ہو تو اسے چاہیے کہ طلاق دے یا (اسے) اپنے پاس رکھے۔'' ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ پڑھا: [يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ! إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ] ''اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہہ دیں کہ) جب تم طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔''③ عبداللہ بن مسعود ؓ سے بھی ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ ''تو ان کی عدت (کے شروع) میں طلاق دو'' کے بارے میں روایت ہے کہ انھیں ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔④ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، عطاء، مجاہد، حسن، ابن سیرین، قتادہ، میمون بن مہران اور مقاتل بن حیان ؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔⑤ عکرمہ اور ضحاک کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔⑥ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس ؓ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق نہ دے اور نہ ایسی حالت طہر میں جس میں اس نے اس سے جماع کیا ہوا سے وہ چھوڑ دے حتی کہ جب اسے حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو جائے تو اسے ایک طلاق دے دے۔⑦

عکرمہ نے ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ عدت سے مراد ''طہر'' اور ''قُرء'' سے مراد حیض ہے۔ وہ اسے حالت حمل میں طلاق دے سکتا ہے جبکہ حمل واضح ہو، البتہ اس صورت میں طلاق نہ دے جب اس سے جماع کیا ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اسی سے فقہاء نے طلاق کے احکام اخذ کیے ہیں اور طلاق کی دو قسمیں: طلاقِ سنت اور طلاقِ بدعت

① صحيح البخاري، الطلاق، باب وقول الله تعالٰى: ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (الطلاق 1:65)، حديث: 5251 و5332 والأحكام، باب هل يقضي القاضي أو يفتي......؟ حديث: 7160. ② صحيح البخاري، الطلاق، باب وقول الله تعالٰى: ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (الطلاق 1:65)، حديث: 5251 وصحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض......، حديث: 1471. ③ صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض......، حديث: (14)-1471. اس حدیث میں بیان کردہ قراءت شاذ ہے۔ دیکھیے شرح النووي: 101/10، تحت الحديث: (14)-1471. ④ تفسير الطبري: 165/28. ⑤ تفسير الطبري: 167,166/28. ⑥ تفسير الطبري: 167,166/28. ⑦ تفسير الطبري: 168/28.

قرار دی ہیں۔ طلاق سنت یہ ہے کہ اسے حالت طہر میں طلاق دے اور اس نے اس سے جماع نہ کیا ہو یا حالت حمل میں طلاق دے جبکہ حمل واضح ہو۔ اور طلاق بدعت یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دے یا ایسی حالتِ طہر میں جس میں جماع کیا ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔ طلاق کی ایک تیسری قسم بھی ہے جو نہ طلاقِ سنت ہے اور نہ طلاقِ بدعت۔ اور وہ یہ ہے کہ چھوٹی عمر کی لڑکی کو یا حیض سے مایوس عورت کو یا اس عورت کو طلاق دی جائے جس سے جماع نہ کیا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ﴾ ''اور تم عدت کو شمار کرو'' یعنی اس کی حفاظت کرو اور اس کی ابتدا اور انتہا کو پہچان لو تاکہ عورت کے لیے عدت زیادہ طویل نہ ہو جائے اور پھر وہ نکاح نہ کر سکے۔ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ﴾ ''اور تم اللہ سے ڈرو جو تمھارا پروردگار ہے۔'' یعنی اس معاملے میں۔

عدت رجعت میں نفقہ و سکنٰی شوہر کے ذمے ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ ﴾ ''نہ تو تم ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود) نکلیں۔'' یعنی مدت عدت میں اور جب تک وہ حالت عدت میں ہو، اس کا حق ہے کہ شوہر اسے رہائش فراہم کرے۔ مرد کے لیے جائز نہیں کہ اسے گھر سے نکالے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ گھر سے نکلے کیونکہ وہ اپنے شوہر کے حق کے لیے بھی اس کے گھر میں عدت گزار رہی ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ ''مگر یہ کہ وہ کوئی صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے۔)'' یعنی وہ اپنے گھروں سے نہ نکلیں الا یہ کہ عورت صریح بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اسے گھر سے نکال دینا چاہیے۔ صریح بے حیائی کے الفاظ زنا پر بھی مشتمل ہیں جیسا کہ ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، شعبی، حسن، ابن سیرین، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو قِلابہ، ابو صالح، ضحاک، زید بن اسلم، عطاء خراسانی، سدی، سعید بن ابو ہلال اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[1] اور یہ اس بات پر بھی مشتمل ہے کہ عورت زیادتی کرے یا مرد کے گھر والوں سے بدکلامی کرے اور انھیں قول و فعل سے ایذا پہنچائے جیسا کہ ابی بن کعب، ابن عباس رضی اللہ عنہم، عکرمہ اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ ''اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔'' یعنی اس کے شرائع اور اس کی طرف سے حرام کردہ امور ہیں۔ ﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا۔'' یعنی ان سے باہر ہو جائے گا، ان سے تجاوز کرے گا اور ان کے مطابق عمل نہیں کرے گا ﴿ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ ''تو یقیناً وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔''

شوہر کے گھر میں عدت گزارنے میں مصلحت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① ﴾ ''(اے طلاق دینے والے!) تو نہیں جانتا شاید اللہ اس (طلاق) کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے۔'' یعنی ہم نے مطلقہ کو عدت کی مدت شوہر کے گھر میں گزارنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ شاید وہ طلاق دینے میں ندامت محسوس کرے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ رجوع کرنے کا خیال پیدا فرما دے۔ اور اس کے گھر میں ہونے کی صورت میں یہ معاملہ زیادہ سہل

---

① تفسیر الطبری: 170/28 و تفسیر القرطبی: 156/18. ② تفسیر القرطبی: 156/18 و تفسیر الطبری: 171/28.

اور آسان ہوگا۔ امام زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے اور انھوں نے فاطمہ بنت قیس سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد رجعت ہے۔[1] امام شعبی، عطاء، قتادہ، ضحاک، مقاتل بن حیان اور ثوری کا بھی یہی قول ہے۔[2]

طلاق بائنہ والی کے لیے نفقہ و سکنٰی نہیں: اسی سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے کچھ ائمۂ سلف اور ان کے پیروکاروں نے یہ بات اخذ کی ہے کہ طلاق بائنہ والی عورت کے لیے اور اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کے لیے رہائش واجب نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے اس موقف کے لیے فاطمہ بنت قیس فہریہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب اس کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے اسے آخری تیسری طلاق بھی دے دی اور وہ اس وقت گھر سے غائب یمن میں تھا وہاں سے اس نے طلاق بھیجی اور اس نے اپنے وکیل کے ہاتھ نفقہ کے لیے جَو بھی بھیجا مگر فاطمہ ناراض ہوگئی۔ اس نے کہا: واللہ! ہمارے ذمے تیرا نفقہ نہیں ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا: [لَیْسَ لَكِ عَلَیْهِ نَفَقَةٌ] ''اس کے ذمے تیرا نفقہ نہیں ہے۔''[3] مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے: [وَلَا سُكْنٰی] ''اور نہ (اس کے ذمے تیری) رہائش ہے۔''[4] آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت گزارے، پھر فرمایا: [تِلْكَ امْرَأَةٌ یَّغْشَاهَا أَصْحَابِی، اِعْتَدِّی عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمٰی تَضَعِینَ ثِیَابَكِ......] ''اس عورت کے پاس میرے صحابہ کثرت سے آتے جاتے ہیں، اس لیے تو ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزار، وہ نابینا شخص ہیں، لہٰذا تو ان کے گھر میں اپنے (اضافی) کپڑے اتار سکتی ہے......۔''[5] مکمل حدیث ملاحظہ کیجیے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ایک دوسری سند کے ساتھ اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اُنْظُرِی یَابِنْتَ آلِ قَیْسٍ! إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰی لِلْمَرْأَةِ عَلٰی زَوْجِهَا مَا كَانَتْ لَهُ عَلَیْهَا رَجْعَةٌ، فَإِذَا لَمْ یَكُنْ لَّهُ عَلَیْهَا رَجْعَةٌ، فَلَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنٰی، اُخْرُجِی فَانْزِلِی عَلٰی فُلَانَةَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّهُ یُتَحَدَّثُ إِلَیْهَا، اِنْزِلِی عَلَی ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ أَعْمٰی لَا یَرَاكِ......] ''اے بنت آل قیس! غور و فکر کرلو، یقیناً نفقہ اور سکنٰی عورت کے لیے اپنے اس شوہر پر واجب ہے جسے اس عورت سے رجوع کا حق حاصل ہو اور اگر اسے رجوع کا حق حاصل نہ ہو تو پھر اس کے لیے نفقہ اور سکنٰی نہیں ہے، لہٰذا تم اس گھر سے نکل کر فلاں عورت کے پاس سکونت اختیار کرلو، پھر فرمایا: ان کے پاس گفتگو کے لیے لوگ آتے ہیں، لہٰذا تم ابن ام مکتوم کے ہاں قیام کرلو، وہ نابینا ہیں، تمھیں نہیں دیکھیں گے......۔''[6] اور امام احمد نے مکمل حدیث بیان کی۔

---

① مسند أحمد: 415,414/6 وتفسیر عبد الرزاق: 317/3، رقم: 3236. ② تفسیر الطبری: 174,173/28 وتفسیر القرطبی: 157,156/28. ③ صحیح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث: 1480. ④ صحیح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن......، حدیث: (37)-1480. ⑤ صحیح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث: 1480. ⑥ مسند أحمد: 373/6 اور الموسوعة الحدیثیة (مسند أحمد): 54/45 میں ہے کہ [اُنْظُرِی یَا بِنْتَ آلِ قَیْسٍ! إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰی لِلْمَرْأَةِ عَلٰی زَوْجِهَا مَا كَانَتْ لَهُ عَلَیْهَا رَجْعَةٌ] کے علاوہ یہ حدیث کئی ایک طرق کے ساتھ صحیح ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا

پھر جب وہ اپنی عدت (ختم ہونے) کو پہنچیں تو تم انھیں معروف طریقے سے (اپنے پاس بحیثیت بیوی) روک لو یا انھیں معروف طریقے سے جدا

ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ

کر دو، اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو، اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو، اس (حکم) کی اسے نصیحت کی جاتی ہے جو کوئی اللہ اور

بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ② وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ

یوم آخرت پر ایمان لائے، اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے ② اور وہ اسے رزق دیتا ہے

لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ

جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ بے شک

اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ③

اللہ نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے ③

ابوالقاسم طبرانی نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ وہ فاطمہ بنت قیس کے پاس گئے، جو ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھیں اور جن کے شوہر ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ مخزومی تھے تو انھوں نے کہا کہ ابوعمرو بن حفص نے میری طرف اس وقت طلاق کا پیغام بھیجا جب وہ لشکر کے ساتھ یمن کی طرف جا رہے تھے، میں نے اس کے ساتھیوں سے اپنے نفقہ اور سکنٰی کی بابت پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے لیے انھوں نے نہ تو ہماری طرف کوئی چیز بھیجی ہے اور نہ ہمیں اس بارے میں کوئی وصیت ہی کی ہے، پس میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ابوعمرو بن حفص نے میری طرف طلاق بھیجی ہے، میں نے اس کے ساتھیوں سے اپنے نفقہ اور سکنٰی کی بابت پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس نے اس کے لیے ہمارے پاس کوئی چیز نہیں بھیجی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا رَجْعَةٌ، فَإِذَا كَانَتْ لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَلَا سُكْنٰى] ”عورت کے لیے نفقہ اور سکنٰی صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب اس کے شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہو اور اگر عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک وہ اس کے سوا کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے تو پھر اس کے لیے نفقہ اور سکنٰی نہیں ہے۔“[1] امام نسائی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 3,2

مطلقہ سے احسان کا حکم، خواہ رجوع کا ارادہ ہو یا جدائی کا: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب عدت گزارنے والی عورتیں اپنی مدت تک پہنچ جائیں، یعنی انقضائے عدت کے قریب ہوں اور عدت ابھی مکمل طور پر ختم نہ ہوئی ہو تو اس وقت شوہر اسے یا تو

---

① المعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة عامر الشعبی عن فاطمة بنت قیس: 383,382/24، حدیث: 948. ② السنن الکبریٰ للنسائی، الطلاق، باب الرخصة فی ذلك: 350/3، حدیث: 5596.

اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کرلے، یعنی اسے عصمت نکاح کی طرف لوٹائے اور اسی طرح اپنے پاس رکھنے کا عزم کرے جیسا کہ یہ پہلے اس کے پاس تھی ﴿ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ ''معروف طریقے سے۔'' یعنی حسن سلوک کے ساتھ اس کی رفاقت کو اختیار کرے یا اس سے علیحدگی اختیار کرنے کا عزم کرلے ﴿ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ ''اچھے طریقے سے۔'' یعنی اسے نہ برا بھلا کہے، نہ گالی گلوچ دے اور نہ سختی ودرشتی کا مظاہرہ کرے بلکہ اچھے اور مستحسن طریقے سے اسے طلاق دے دے۔

رجوع پر گواہ بنانے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''اور تم اپنوں میں سے دو منصف مردوں کو گواہ بنالو۔'' یعنی جب تم رجوع کرنے کا عزم کرلو تو رجعت پر دو گواہ بنالو جیسا کہ امام ابوداود اور ابن ماجہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے اس شخص کی بابت پوچھا گیا جو عورت کو طلاق دیتا ہے اور پھر اس سے مقاربت کرتا ہے اور اس نے نہ تو طلاق دیتے وقت گواہ مقرر کیے اور نہ رجوع کے وقت تو انھوں نے جواب دیا کہ اس عورت کو خلاف سنت طلاق دی گئی ہے اور خلاف سنت اس سے رجوع کیا گیا ہے، اس کی طلاق پر بھی گواہ مقرر کرو اور رجعت پر بھی اور آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا۔[1] ابن جریج کہتے ہیں کہ عطاء ﴿ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''اور تم اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ بنالو'' کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ نکاح، طلاق اور رجوع دو عادل گواہوں کے بغیر جائز نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''ان (باتوں) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔'' یعنی یہ جو ہم نے تمھیں گواہ بنانے اور گواہی کو نافذ کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی اطاعت وہ کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ اسی (اللہ تعالیٰ) نے یہ حکم مقرر کیا ہے، اور وہ بھی جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے لیے مخلصی کی صورت پیدا فرمادیتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کی صورت پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔'' یعنی جو شخص ان امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اور انھیں بجالائے گا جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا اور ان کو ترک کردے گا جن سے اس نے منع فرمایا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ رنج وغم سے مخلصی کی صورت پیدا فرمادے گا اور ایسی ایسی جگہوں سے اسے رزق عطا فرمائے گا جو کبھی اس کے حاشیۂ خیال پر بھی نہ کھٹکی ہوں گی۔

امام ابن ابو حاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے جامع آیت: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ (النحل 90:16) ''بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔'' ہے اور سپردگی کے اعتبار سے سب سے سخت آیت: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ ہے۔[2] عکرمہ کا قول ہے کہ جس شخص نے اس

---

[1] سنن أبي داود، الطلاق، باب الرجل يراجع ولا يشهد، حديث: 2186 و سنن ابن ماجه، الطلاق، باب الرجعة، حديث: 2025. [2] المصنف لعبد الرزاق، فضائل القرآن، باب تعليم القرآن وفضله: 371,370/3، حديث: 6002 والمعجم الكبير للطبراني: 134/9، حديث: 8661 البتہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ مصیبت وتکلیف سے نکلنے کے لیے سب سے بڑی آیت ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ ہے۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ

اور وہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں تمھاری (طلاق یافتہ) عورتوں میں سے، اگر تم شک میں پڑو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور (اسی

وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ

طرح) ان کی بھی جنھیں (ابھی) حیض نہیں آیا۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ

یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ

اس کے لیے اس کے کام میں آسانی فرماتا ہے ④ یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے، اور جو (شخص) اللہ سے

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤

ڈرے تو وہ اس سے اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے، اور اسے زیادہ اجر دیتا ہے ⑤

طرح طلاق دی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ رنج و غم سے نجات کی صورت پیدا فرما دے گا۔ ①
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ② حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مسروق اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو یہ جانتا اور مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو عطا فرماتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو محروم کر دیتا ہے۔ ﴿ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ ﴾ کے معنی ہیں کہ ایسی جگہ سے جسے وہ نہیں جانتا۔ ③ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے شبہات امور اور موت کے وقت کی سختیوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ ﴾ اور ایسی جگہ سے اسے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے کوئی امید نہ ہو۔ ④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ ﴾ ''اور جو کوئی اللہ پر بھروسا رکھے گا تو وہ اسے کافی ہے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: [یَا غُلَامُ! إِنِّي مُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ یَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاجْتَمَعُوا عَلٰی أَنْ یَّنْفَعُوكَ، لَمْ یَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِاجْتَمَعُوا عَلٰی أَنْ یَّضُرُّوكَ، لَمْ یَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ] ''اے لڑکے! میں تمھیں کچھ باتیں سکھاتا ہوں (انھیں اچھی طرح یاد رکھو) تم اللہ (کے اوامر و نواہی) کی حفاظت کرو، وہ تمھاری حفاظت فرمائے گا، اللہ (کے حقوق) کی حفاظت کرو، تم اسے (ہمیشہ) اپنے سامنے پاؤ گے، جب کچھ مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو، جب مدد طلب کرو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرو اور اس بات کو خوب جان لو کہ اگر ساری امت اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تمھیں نفع پہنچائے تو وہ صرف وہی نفع پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ سارے اس بات پر جمع

① تفسیر الطبری: 176/28. ② تفسیر الطبری: 176/28. ③ تفسیر الطبری: 176/28. ④ تفسیر الطبری: 177/28.

ہو جائیں کہ تمھیں نقصان پہنچائیں تو وہ تمھیں صرف وہ نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے، قلموں کو اٹھا لیا گیا ہے اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''[1] اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ﴾ ''بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے۔'' یعنی وہ اپنے فیصلے اور احکام اپنی مرضی و مشیت کے مطابق اپنی مخلوق میں نافذ فرما دیتا ہے۔ ﴿ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ ﴾ ''یقیناً اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ ﴾ (الرعد 13:8) ''اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔''

تفسیر آیات: 5،4

اس کی عدت جو حیض سے نا امید ہو یا اسے ابھی حیض نہ آنے لگا ہو: اللہ تعالیٰ نے آیسہ کی عدت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، آیسہ سے مراد وہ ہے جسے کبر سنی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو، وہ تین ماہ ہے بجائے تین قُرُوء (حیض) کے جو حائضہ عورت کی عدت ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔[3] اسی طرح چھوٹی عمر کی وہ عورتیں جنھیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، ان کی عدت بھی حیض سے نا امید عورتوں کی طرح تین ماہ ہی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾ ''اور ان کی جن کو ابھی حیض نہیں آیا۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنِ ارْتَبْتُمْ ﴾ ''اگر تم کو شبہ ہو۔'' کے بارے میں دو قول ہیں: (1) ایک یہ جو مجاہد، زہری اور ابن زید جیسے سلف کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اگر وہ خون دیکھیں اور تمھیں اس کے حیض یا استحاضہ ہونے کے بارے میں شک و شبہ ہو۔[4] اور (2) دوسرا یہ کہ اگر تمھیں ان کی عدت کے حکم کے بارے میں شک ہو اور معلوم نہ ہو تو اس صورت میں عدت تین ماہ ہے۔ یہ قول سعید بن جبیر سے مروی ہے۔[5] امام ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[6] اور معنی کے اعتبار سے بھی یہ قول زیادہ واضح ہے۔ امام ابن جریر نے اس کی تائید میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! عورتوں کی عدت کی کئی صورتیں کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہیں، مثلاً: صغیر السن، کبیر السن اور حاملہ عورتوں کی عدت۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ ﴾ ''اور تمھاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور (اسی طرح) ان کی جن کو (ابھی) حیض نہیں آنے لگا۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے تک) ہے۔''[7] ابن ابو حاتم نے اس حدیث کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس سے زیادہ وسیع سیاق کے ساتھ روایت کیا

---

① مسند أحمد: 293/1. ② جامع الترمذي، صفة القيامة……، باب حديث حنظلة، حديث: 2516. ③ دیکھیے البقرۃ، آیت: 228 کے ذیل میں عنوان: ''قَرْءٌ کے معنی'' ④ تفسير الطبري: 180,179/28. ⑤ دیکھیے تفسير البغوي: 111/5 عن مالك رحمه الله والدر المنثور: 358/6 عن سعيد بن مسيب رحمه الله. ⑥ تفسير الطبري: 181,180/28. ⑦ تفسير الطبري: 180/28.

ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جب عورتوں کی عدت کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آیت نازل ہوئی [1] تو مدینہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ عورتوں کی عدت کی کچھ صورتیں ایسی ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں، مثلاً: صغیر السن، کبیر السن عورتیں جن کو حیض آنا موقوف ہو گیا ہو اور حاملہ عورتیں تو اس کے جواب میں چھوٹی سورۂ نساء (سورۂ طلاق) میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ ﴾ [2]

حاملہ عورت کی عدت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ ﴾ ''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے تک) ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل تک ہے، خواہ وہ طلاق یا موت کے فوراً بعد بچے کو جنم دے۔ جمہور علمائے سلف وخلف کا یہی قول ہے۔ اس آیت کریمہ اور سنت نبویہ کی نص سے بھی یہی ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوسلمہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا کہ مجھے اس عورت کے بارے میں فتویٰ دیں جس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس راتوں کے بعد بچے کو جنم دیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اسے دونوں عدتوں میں سے آخری عدت گزارنی چاہیے۔ میں نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ ﴾ ''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے تک) ہے۔'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی اپنے بھتیجے، یعنی ابوسلمہ کے ساتھ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کریب کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا تو انھوں نے فرمایا کہ سُبَیعہ اسلمِیّہ کا شوہر قتل ہو گیا تھا اور وہ حاملہ تھی، اس نے ان کی موت کے چالیس راتوں بعد بچے کو جنم دیا تو انھیں منگنی کا پیغام دیا گیا، ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرایا تھا، انھیں منگنی کا پیغام دینے والوں میں ابوسَنابل بھی تھا۔ [3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس مقام پر اسی طرح اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ امام مسلم اور دیگر اصحاب کتب نے دیگر اسانید کے ساتھ اسے مطول بھی بیان کیا ہے۔ [4]

امام احمد رحمہ اللہ نے مِسور بن مَخْرَمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سبیعہ اسلمیہ کا شوہر اس وقت فوت ہوا جب وہ حاملہ تھی اور پھر چند راتوں کے بعد ہی اس نے بچے کو جنم دے دیا اور جب وہ نفاس سے پاک ہو گئی تو اسے منگنی کے پیغام آنے لگے، چنانچہ اس نے نکاح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ نے اسے نکاح کرنے کی اجازت عطا فرما دی

---

① دیکھیے البقرۃ، آیت: 234 کے ذیل میں۔ ② تفسیر ابن أبي حاتم: 3360/10. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ ﴾ ...... (الطلاق 4:65)، حديث: 4909. ④ صحيح البخاري، الطلاق، باب: ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ ﴾ ...... (الطلاق 4:65)، حديث: 5318 و صحيح مسلم، الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها وغيرها بوضع الحمل، حديث: 1484 و سنن أبي داود، الطلاق، باب في عدة الحامل، حديث: 2306 و جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في الحامل المتوفى عنها زوجها تضع، حديث: 1193 و سنن النسائي، الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، حديث: 3539 و سنن ابن ماجه، الطلاق، باب الحامل المتوفى عنها زوجها......، حديث: 2029,2028.

اوراس نے نکاح کرلیا۔ ① اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں، نیز امام مسلم، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے کئی سندوں کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ ② جیسا کہ امام مسلم بن حجاج نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد نے عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کی طرف لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جا کر ان کی حدیث کے بارے میں، نیز اس بارے میں پوچھیں کہ جب انھوں نے فتویٰ طلب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کیا فرمایا تھا۔ عمر بن عبداللہ نے انھیں جواب میں لکھا کہ سبیعہ نے انھیں یہ بتایا ہے کہ وہ سعد بن خولہ۔ یہ بدری صحابی تھے۔ کے نکاح میں تھیں، حجۃ الوداع میں ان کا انتقال ہوا اور وہ اس وقت حاملہ تھیں، ان کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد ہی انھوں نے بچے کو جنم دے دیا اور جب یہ نفاس سے پاک ہوئیں تو انھوں نے منگنی کا پیغام دینے والوں کے لیے بناؤ سنگار کا اہتمام کیا، ان کے پاس ابوسنابل بن بعکک آیا اور اس نے کہا: کیا بات ہے تم نے زیب وزینت کا اہتمام کر رکھا ہے؟ شاید تم نکاح کرنا چاہتی ہو، اللہ کی قسم! تم تو اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں۔

سبیعہ کہتی ہیں کہ جب اس نے مجھ سے یہ کہا تو میں نے شام کے وقت کپڑے بدلے اور اس بارے میں پوچھنے کے لیے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئی، آپ نے مجھے فتویٰ عطا فرمایا کہ وضع حمل کے بعد میں نکاح کے لیے حلال ہوگئی ہوں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو شادی کر سکتی ہو۔ ③ یہ مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ④

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴﴾ ''اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ (اللہ) اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔'' اس کے کام میں سہولت اور آسانی پیدا فرما دے گا اور اسے بہت جلد کشادگی اور کشائش عطا فرما دے گا، پھر فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے: ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ط﴾ ''یہ اللہ کا حکم ہے جو اس (اللہ) نے تمھاری طرف نازل کیا ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے تمھاری طرف بھیجی ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝۵﴾ ''اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ اس سے اس کے گناہ دور کر دے گا اور اس کے اجر وثواب کو بڑھائے گا۔'' یعنی وہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور تھوڑے عمل کا بھی اسے بے پایاں اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

---

① مسند أحمد : 327/4. ② صحيح البخاري، الطلاق، باب: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ﴾ (الطلاق 65 :4)، حديث: 5320 وصحيح مسلم، الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها......، حديث : 1484 وسنن أبي داود، الطلاق، باب في عدة الحامل، حديث: 2306 وسنن النسائي، الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، حديث: 3537,3536 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب الحامل المتوفى عنها زوجها......، حديث: 2029. ③ صحيح مسلم، الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها......، حديث: 1484. ④ صحيح البخاري، الطلاق، باب: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ﴾ (الطلاق 65:4)، حديث: 5320,5319.

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ط

تم انھیں رہائش دو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے انھیں تکلیف نہ دو۔ اور اگر وہ (طلاق

وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ج فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ

یافتہ) حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک تم ان پر خرچ کرو، پھر اگر وہ (بچے کو) تمھارے لیے دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دو، اور

أُجُورَهُنَّ ج وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ج وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ أُخْرٰى ⑥

(یہ) آپس میں دستور کے مطابق مشورے سے (طے) کرو، اور اگر تم باہم ضد پکڑ لو تو اسے کوئی اور عورت دودھ پلائے ⑥ پس لازم ہے

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ آتٰىهُ اللّٰهُ ط

کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے، اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اسے اللہ نے دیا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ آتٰىهَا ط سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ⑦ ع 1/7/17

اللہ کسی شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتا ہے جتنا اس نے اسے دیا۔ اللہ تنگی کے بعد جلد آسانی فرما دے گا ⑦

تفسیر آیات: 7،6

شوہر مطلقہ کو اپنی استطاعت کے مطابق رہائش فراہم کرے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے تو انقضائے عدت تک اسے اپنے گھر میں رہائش فراہم کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ ''تم انھیں رکھو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ کے معنی ہیں اپنے مقدور کے مطابق۔ ① حتی کہ امام قتادہ نے فرمایا ہے کہ اگر تمھارے پاس گھر کا ایک گوشہ ہو تو اسے بھی اسی گوشے میں اپنے ساتھ رکھو۔ ②

مطلقہ کو تکلیف دینے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ط﴾ ''اور تم ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔'' مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت کو اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مال دے کر اس سے جان چھڑانا چاہے یا اس کے گھر ہی سے نکل جائے۔ ③ ثوری نے منصور سے اور انھوں نے ابوالضحیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ اسے طلاق دے دو اور جب دو دن باقی رہ جائیں تو اس سے رجوع کر لو۔ ④

حاملہ بائنہ کا وضع حمل تک نفقہ شوہر کے ذمے ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ ''اور اگر وہ حمل سے ہوں تو ان کا خرچ دیتے رہو، یہاں تک کہ وہ اپنے حمل وضع کر دیں۔'' یہ حکم بائنہ عورت کے لیے ہے کہ اگر وہ حمل سے ہو تو وضع حمل تک اسے خرچ دیا جائے گا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی میں تو خرچ دینا ہر حال میں واجب ہے، خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔

مطلقہ ماں کے لیے رضاعت کی اجرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ﴾ ''پھر اگر وہ (بچے کو) تمھارے

① تفسیر الطبری: 185/28. ② الدر المنثور: 361/6. ③ دیکھیے تفسیر الطبری: 186/28. ④ تفسیر القرطبی: 168/18.

لیے دودھ پلائیں۔'' یعنی جب وہ بچے کو جنم دے دیں اور وہ مطلقہ ہوں تو انقضائے عدت سے وہ بائنہ ہو جائیں گی۔ اور اس صورت میں بھی وہ بچے کو دودھ پلا سکتی اور دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہیں لیکن ابتدائی دودھ پلانے کے بعد کہ نومولود کے لیے غالباً زندگی بسر کرنے کے لیے صرف وہی غذا ہوتی ہے اور اگر وہ دودھ پلائیں تو وہ اجر مثل کی مستحق ہوں گی۔ وہ بچے کے باپ یا وارث سے معاہدہ کر سکتی ہیں کہ وہ اسے کتنی اجرت دیں گے۔ اسی لیے اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ ''پھر اگر وہ (بچے کو) تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ ''اور (بچے کے بارے میں) پسندیدہ طریق سے اپنے درمیان موافقت رکھو۔'' یعنی اپنے معاملات دستور کے مطابق اچھے طریقے سے طے کر لو اور ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: ﴿ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ﴾ (البقرة 233:2) ''نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے (تنگ کیا جائے۔)'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ﴾ ⑥ ''اور اگر ایک دوسرے کو تنگ کرو گے تو اسے کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی۔'' یعنی اگر مرد اور عورت میں اختلاف ہو جائے، عورت دودھ پلانے کی بہت زیادہ اجرت طلب کرے اور مرد اسے تسلیم نہ کرے یا مرد بہت تھوڑی اجرت دینا چاہے اور وہ عورت کے لیے ناقابل قبول ہو تو پھر اس بچے کو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے اور اگر بچے کی ماں بھی اس اجرت پر راضی ہو جائے جو کسی دوسری عورت کے ساتھ طے کی گئی ہو تو وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ﴾ ''صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔'' یعنی بچے پر اس کے والد یا وارث کو اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ ﴿ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ﴾ ''اور جس کے رزق میں تنگی ہو تو جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے، اس کے موافق خرچ کرے، اللہ کسی پر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کے مطابق جو اس کو دیا ہے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة 286:2) ''اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمے داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔''

متقی عورت کا قصہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴾ ⑦ ''اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، وہ اس کے خلاف نہیں کرتا۔ یہ آیت اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۭ ﴾ (الانشراح 6,5:94) ''پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے (اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں ذکر کر دیا جائے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پہلے لوگوں میں سے ایک مرد اور عورت تھے جن کے پاس کچھ نہ تھا۔ ایک دفعہ وہ آدمی سفر سے واپس اپنی بیوی کے پاس آیا اور وہ بھوکا تھا بلکہ وہ شدید ترین بھوک میں مبتلا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے پوچھا: کیا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا، اور

وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨

ہم نے انھیں ہولناک عذاب دیا⑧ بالآخر (ان بستیوں نے) اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کرتوتوں کا انجام

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ ۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ

خسارہ ہی تھا⑨ اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کیا ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اے عقل والو جو ایمان لائے ہو! تحقیق

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ⑩ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ

اللہ نے تمھاری طرف ذکر (قرآن) نازل کیا ہے⑩ (اور) ایک رسول جو تم پر اللہ کی واضح آیات تلاوت کرتا ہے،

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ

تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائے، اور جو شخص اللہ پر

بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

ایمان لائے اور نیک عمل کرے، وہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪

رہیں گے ابد تک۔ اللہ نے اسے خوب رزق دیا ہے⑪

تمھارے پاس کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، خوش ہو جاؤ، ہمارے پاس اللہ کا رزق آ گیا ہے۔ اس نے اس سے پرزور مطالبہ کیا اور کہا کہ تجھ پر افسوس! اگر تمھارے پاس کچھ ہے تو لاؤ۔ اس نے جواب دیا: ہاں، بس ذرا صبر کرو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ جب وقت طول پکڑ گیا تو اس نے کہا کہ تجھ پر افسوس! اگر تمھارے پاس کچھ ہے تو کھڑی ہو جاؤ اور لاؤ، میں شدت بھوک کی وجہ سے بے حد نڈھال ہو گیا ہوں۔ اس نے جواب دیا: ہاں، ابھی تنور گرم ہو رہا ہے، لہٰذا جلدی نہ کرو۔ جب وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا اور پھر اس سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عورت نے اپنے دل میں کہا کہ میں کھڑی ہو کر اپنے تنور میں دیکھوں تو سہی، چنانچہ جب اس نے کھڑے ہو کر تنور میں دیکھا تو وہ بکری کی بھنی ہوئی رانوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کی دونوں چکیاں آٹا پیس رہی تھیں۔ چکی کے پاس جا کر اس نے اسے جھاڑ دیا اور تنور سے بکری کی بھنی ہوئی رانوں کو باہر نکال لیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم ﷺ کی جان ہے! حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: [لَوْ أَخَذَتْ مَا فِي رَحَيَيْهَا وَلَمْ تَنْفُضْهَا لَطَحَنَتْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ”اگر وہ خاتون چکی سے آٹے کو لے لیتی اور اسے نہ جھاڑتی تو وہ چکی روز قیامت تک آٹا پیستی رہتی۔“[1]

[1] مسند أحمد: 421/2 اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 277/15۔ ملحوظہ: ”ابھی تنور گرم ہو رہا ہے۔“ یہ يَنْضَجُ کے معنی ہیں جبکہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں نَفْتَحُ ”ہم کھولتے ہیں۔“ ہے لیکن مذکورہ حوالے کے مطابق وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ایک اور مقام پر یہ حدیث اس طرح بیان کی ہے کہ ایک شخص اپنے اہل وعیال کے پاس آیا جب اس نے ان کی غربت دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا، اس کی بیوی نے جب یہ دیکھا تو وہ چکی کی طرف گئی اور اسے (تیار کر کے) رکھ دیا، نیز تندور بھڑکایا، پھر کہا: اے اللہ! ہمیں رزق عطا فرما، چنانچہ اس نے دیکھا کہ اچانک چکی کا ٹب بھر گیا ہے، وہ تندور کی طرف گئی تو اسے بھی (بکری کی بھنی ہوئی رانوں سے) بھرا پایا، جب اس کا خاوند واپس آیا تو اس نے پوچھا: کیا میرے جانے کے بعد تمھیں کوئی چیز میسر آئی ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: ہاں، ہمارے رب کی طرف سے (رزق) ملا ہے۔ پھر وہ چکی کی طرف گیا (اور پاٹ اٹھالیا)، نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: [أَمَا إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُورُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''ہاں! اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت کے دن تک وہ (چکی) گھومتی رہتی۔''[1]

تفسیر آیات: 8-11

اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کی سزا: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رستے کے علاوہ اور رستے پر چلتے ہیں، نیز اس روش کی وجہ سے سابقہ امتوں پر جو عذاب نازل ہوا، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ جل شانہ فرماتا ہے: ﴿ وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ ﴾ ''اور بہت سی بستیوں کے رہنے والوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی۔'' یعنی انھوں نے سرکشی اور بغاوت کی روش کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع اور اس کے پیغمبروں کی فرماں برداری کے بجائے تکبر اور غرور کا اظہار کیا ﴿ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ ﴾ ''تو ہم نے ان (بستیوں میں رہنے والوں) کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بڑی ہولناک سزا دی۔'' یعنی جو بہت دردناک اور عبرت ناک عذاب تھا، ﴿ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا ﴾ ''سو انھوں نے اپنے معاملے کے انجام کار کو چکھ لیا۔'' یعنی اپنی مخالفت کے انجام کا نتیجہ بھگت لیا اور پھر ندامت کا اظہار کرنے لگے کہ اس وقت اظہار ندامت کچھ کام نہیں آتا۔ ﴿ وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ ﴾ ''اور ان کے کرتوتوں کا انجام خسارہ ہی تو تھا، اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی اس دنیوی عذاب کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار فرما رکھا ہے۔ ان لوگوں کے حالات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ ''تو اے ارباب دانش! اللہ سے ڈرو۔'' یعنی اے صحیح عقل والو! اللہ سے ڈرو اور ان جیسے نہ بنو تا کہ تم اس عذاب سے بچ جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔ ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ ﴾ ''جو ایمان لائے ہو۔'' یعنی جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔ ﴿ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ⑩ ﴾ ''یقیناً اللہ نے تمھاری طرف نصیحت (کی کتاب) اتاری ہے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

---

[1] مسند أحمد: 513/2 ، مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة: 1052,1051/6، حدیث: 2937. البتہ یہ روایت المصباح المنير میں نہیں ہے۔

الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (الحجر 15:9) ''بے شک یہ کتاب نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی صفات :ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ﴾ ''(اور اپنے) پیغمبر (بھی بھیجے ہیں) جو تم پر اللہ کی واضح آیتیں پڑھتے ہیں۔''بعض نے کہا کہ ''رسول'' بدل اشتمال و ملابست کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ رسول ہی نے کتاب نصیحت کو پہنچایا ہے۔ [1] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول، ذکر کی تفسیر ہے۔ [2] اسی لیے فرمایا ہے: ﴿رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ﴾ ''(اور اپنے) پیغمبر (بھی بھیجے) جو تم پر اللہ کی واضح آیتیں پڑھتے ہیں۔''یعنی ایسی آیات جو بہت واضح، جلی اور روشن ہیں۔ ﴿لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ ''تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (إبراهيم 14:1) ''(یہ) ایک (پرنور) کتاب ہے اس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔'' اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ﴾ (البقرة 2:257) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کا دوست ہے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔''یعنی کفر اور جہالت کی تاریکی سے نکال کر ایمان اور علم کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس وحی کو نازل فرمایا ہے اسے بھی نور سے موسوم فرمایا ہے کیونکہ اس سے ہدایت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اس نے وحی کو روح سے بھی موسوم فرمایا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ﴾ (الشورىٰ 42:52) ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے، آپ نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد!) آپ سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪﴾ ''اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا، وہ اسے باغہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، ابد الآباد ان میں رہیں گے، یقیناً اللہ نے ان کو خوب رزق دیا ہے۔'' اس مفہوم کی آیات کی تفسیر قبل ازیں کئی دفعہ بیان کی جا چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① تفسير القرطبي: 173/18. ② تفسير الطبري: 194/28.

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ

اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمینیں بھی ان (آسمانوں) کی مثل، ان کے درمیان اس کا حکم نازل ہوتا

لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ⑫ ع 2 5 18

ہے، تاکہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے، اور بلاشبہ اللہ نے (اپنے) علم سے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے ⑫

تفسیر آیت:12

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیم الشان کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس دین متین کی تعظیم کا جذبہ پیدا ہو جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ ''اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ ﴾ (نوح 15:71) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے پیدا کیے ہیں۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 44:17) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے، سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ ''اور زمین سے بھی انھی کے مانند۔'' یعنی زمینیں بھی سات پیدا فرمائیں جیسا کہ صحیحین میں حدیث ہے: [مَنْ ظَلَمَ قِیدَ شِبْرٍ مِّنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِینَ] ''جس نے کسی کی بالشت بھر زمین پر ظالمانہ قبضہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔''① صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ [...... خُسِفَ بِهِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِینَ] ''اسے ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔''② البدایہ والنہایہ کے آغاز میں زمین کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے میں نے اس حدیث کے تمام طرق، الفاظ اور ان کے مصادر و مآخذ کو بیان کیا ہے۔③ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

جس شخص نے اسے سات اقالیم پر محمول کیا ہے، وہ بہت دور کی کوڑی لایا ہے، اختلافات کو اس نے ہوا دی ہے اور بلا دلیل قرآن وسنت کی مخالفت کی ہے۔

سورۂ طلاق کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① صحیح البخاری، المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض، حدیث: 2453 و صحیح مسلم، المساقاة......، باب تحریم الظلم......، حدیث: 1612 عن عائشة رضی اللہ عنہا. ② صحیح البخاری، المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض، حدیث: 2454 و مسند أحمد: 99/2 و اللفظ له عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما. ③ البدایة والنهایة، ماجاء فی سبع أرضین: 16/1-18.

تفسیر سُوْرَۂ تَحْرِیْم

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اے نبی! آپ حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ خوب بخشنے والا،

رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ

بہت رحم کرنے والا ہے ① تحقیق اللہ نے تمھارے لیے تمھاری (ناجائز) قسمیں کھولنا (توڑنا) فرض کر دیا ہے، اور اللہ تمھارا مولا ہے، اور وہ خوب

الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ

جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ② اور جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک سے ایک بات چھپا کر کہی، پھر جب اس نے (دوسری کو) وہ بتادی

اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ

اور اللہ نے وہ (گفتگو) اس (نبی) پر ظاہر کر دی تو اس نے اس میں سے کچھ (اس بیوی کو) جتائی اور کچھ ٹال دی۔ پھر جب اس (نبی) نے اسے وہ

مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ

(بات) بتائی تو وہ کہنے لگی: آپ کو یہ کس نے بتائی؟ اس (نبی) نے فرمایا: مجھے خوب جاننے والے، بہت باخبر (اللہ) نے خبر دی ہے ③ اگر تم دونوں

قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ

اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو بہتر ہے) پس یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں، اور اگر تم دونوں اس (نبی) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ

بے شک اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور تمام نیک مومن اور ان کے علاوہ (تمام) فرشتے (بھی) مددگار ہیں ④ اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دے تو

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

قریب ہے کہ اس کا رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے، مسلمان، مومن، فرمانبردار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار،

ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ⑤

شوہر دیدہ اور کنواری عورتیں ⑤

تفسیر آیات: 1-5

حلال کو حرام قرار دینے پر اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی سے اظہار خفگی: امام بخاری نے کتاب الأیمان والنذور میں عبید بن

عمیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیان کرتے ہوئے سنا، ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب بنت جحش کے پاس ٹھہرتے اور شہد نوش فرمایا کرتے تھے، چنانچہ میں نے اور حفصہ نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں، تو وہ یہ کہے کہ مجھے آپ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ جب ان دونوں میں سے ایک کے پاس آئے تو اس نے آپ سے یہی کہا، آپ نے فرمایا: [لَا، بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَّلَنْ أَعُودَ لَهُ] ''نہیں، بلکہ میں نے تو زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا ہے اور آئندہ میں اسے استعمال نہیں کروں گا'' تو اس وقت یہ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ ﴾ سے لے کر ﴿ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ ﴾ ''اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے آپ اسے کیوں حرام کرتے ہیں...... اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ یقیناً تم دونوں کے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں۔'' تک نازل ہوئی۔ یہ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما سے خطاب ہے، ﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ ﴾ ''اور جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی۔'' یعنی آپ کا یہ کہنا: [بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا] ''بلکہ میں نے تو شہد پیا ہے۔'' جبکہ ابراہیم بن موسیٰ نے ہشام سے روایت کیا ہے کہ اس بھید کی بات سے مراد یہ ہے: [وَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ، فَلَا تُخْبِرِي بِذٰلِكَ أَحَدًا] ''آئندہ میں اسے استعمال نہیں کروں گا اور میں نے اسے استعمال نہ کرنے کی قسم کھالی ہے مگر یہ بات کسی کو نہ بتانا۔'' [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الطلاق میں بھی اس حدیث کو اس سند کے ساتھ اسی طرح بیان کیا ہے اور ان دونوں روایتوں کے الفاظ بھی قریباً ایک جیسے ہیں۔ [2] پھر انھوں نے فرمایا ہے کہ مغافیر گوند کی طرح کی ایک چیز ہے جو رِمْث (غَضَا (جھاؤ) کے مشابہ ایک درخت کا نام) میں ہوتی ہے اور یہ میٹھی ہوتی ہے۔ أَغْفَرَ الرِّمْثُ اس وقت کہتے ہیں جب اس میں گوند ظاہر ہو جائے، اس کا واحد مُغفور ہے، نیز مغاثیر بھی کہا جاتا ہے۔ [3] علامہ جوہری نے بھی اسی طرح کہا ہے اسی طرح آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ [4] مغفور عُشَر (ایک درخت جس سے گوند حاصل ہوتا ہے) [5] ثُمام (ایک قسم کی گھاس جو زیادہ لمبی نہیں ہوتی)، سَلَم (ایک قسم کا کانٹے دار درخت جس کے پتوں سے چمڑا رنگنے کا کام لیا جاتا ہے۔) اور طَلْح (کھجور کے درخت کا شگوفہ) کو بھی لگتا ہے۔ [6] نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ رِمْث کسرے کے ساتھ اونٹ کے چرنے کی گھاسوں میں سے ایک گھاس ہے جو ترش ہوتی ہے، [7] مزید فرمایا: عُرفط بھی ایک جنگلی درخت ہے جس سے مُغفور نکلتا ہے۔ [8] امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح کی کتاب الطلاق میں

---

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب إذا حرّم طعاما......، حديث: 6691. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب: ﴿ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ ﴾، حديث: 5267. [3] اس معنی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری: 9/377، تحت الحدیث: 5267 میں الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ مزید دیکھیے غريب الحديث لأبي العبيد القاسم بن سلّام: 349,348. [4] الصحاح، مادة: غفر. [5] لسان العرب، مادة: عشر. [6] الصحاح، مادة: غفر. [7] الصحاح، مادة: رمث. [8] الصحاح، مادة: عرفط.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے [1] اور اس کے الفاظ اس حدیث کے الفاظ کے مطابق ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے الأیمان و النذور میں ذکر فرمایا ہے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الطلاق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ نماز عصر سے فراغت کے بعد آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور ایک ایک کا حال معلوم فرماتے۔ آپ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو آپ نے ان کے ہاں معمول سے زیادہ قیام فرمایا جس سے مجھے غیرت آئی اور میں نے اس کا سبب معلوم کیا تو مجھے بتایا گیا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے انھیں شہد کا ایک ڈبہ بطور تحفہ دیا ہے اور انھوں نے اس میں سے نبی ﷺ کو بھی پلایا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کے لیے کوئی حیلہ سوچیں گی، چنانچہ میں نے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب تمھارے پاس آئیں گے، آپ جب تشریف لے آئیں تو آپ سے کہنا کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ آپ فرمائیں گے نہیں، تو پھر تم کہنا کہ یہ بو کہاں سے آرہی ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ مجھے حفصہ نے شہد پلایا ہے، تم کہنا کہ ہوسکتا ہے کہ شہد کی مکھیوں نے عُرفُط درخت سے یہ شہد حاصل کیا ہو، میں بھی یہی بات کہوں گی اور صفیہ تم بھی یہی بات کہنا۔ سودہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ واللہ! آپ تھوڑی دیر بعد ہی دروازے پر کھڑے تھے، میں نے تمھارے ڈر کی وجہ سے ارادہ کیا کہ آپ سے وہ بات کہوں جس کا تم نے مجھے حکم دیا تھا، بہر حال جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تو سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا: [لَا] ''نہیں'' تو انھوں نے کہا کہ پھر آپ سے یہ بو کس چیز کی آرہی ہے؟ آپ نے فرمایا: [سَقَتْنِی حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ] ''مجھے حفصہ نے شہد پلایا تھا'' انھوں نے کہا کہ شہد کی مکھیوں نے عرفط سے شہد حاصل کیا ہوگا، جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے بھی اسی طرح کہا، جب آپ صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا اور جب آپ پھر حفصہ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو وہ پھر پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: [لَا حَاجَةَ لِی فِیهِ] ''مجھے اس کی ضرورت نہیں'' سودہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم نے آپ کو اس سے محروم کر دیا ہے۔ میں نے ان سے کہا: خاموش ہو جاؤ۔ [3]

یہ الفاظ بخاری کی روایت کے ہیں اور اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بہت گراں محسوس ہوتی تھی کہ آپ سے بو آئے۔ [4] اسی لیے ازواج مطہرات نے آپ سے کہا تھا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے کیونکہ اس کی بو ناگوار ہے، لہٰذا جب آپ نے فرمایا کہ [بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا] ''بلکہ میں

---

[1] صحیح مسلم، الطلاق، باب وجوب الکفارة......، حدیث:1474. [2] صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب: إذا حرم طعاما......، حدیث:6691. [3] صحیح البخاری، الطلاق، باب: ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾، حدیث: 5268. [4] صحیح مسلم، الطلاق، باب وجوب الکفارة علی من حرّم امرأته......، حدیث:(21)-1474.

نے تو شہد پیا ہے" تو انھوں نے کہا کہ شہد کی مکھیوں نے عرفط سے شہد حاصل کیا ہوگا۔[1] اور مغافیر اسی درخت کے گوند کا نام ہے، اسی لیے اس شہد میں اس گوند کی بو رچ بس گئی۔ جوہری کہتے ہیں کہ جَرَسَتِ النَّحلُ الْعُرُفُطَ تَجرِسُ کے الفاظ اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب شہد کی مکھی اس درخت کو کھائے، اسی وجہ سے شہد کی مکھیوں کو جَوَارِس بھی کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے۔

تَظَلُّ عَلَى الثَّمْرَاءِ مِنْهَا جَوَارِسُ

"اس کے پھل دار درختوں پر شہد کی مکھیاں بیٹھی رہتی ہیں"

علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جَرْس اور جِرْس مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ سَمِعْتُ جَرْسَ الطَّيْرِ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی چیز کو کھاتے ہوئے پرندوں کی چونچوں کی آواز کو سنیں۔ حدیث میں ہے: [فَيَسْمَعُونَ جَرْسَ طَيْرِ الْجَنَّةِ] "تو وہ جنت کے پرندوں کی آواز کو سنیں گے۔" اصمعی نے کہا ہے کہ میں شعبہ کی مجلس میں تھا کہ انھوں نے کہا: [فَيَسْمَعُونَ جَرْشَ طَيْرِ الْجَنَّةِ] یعنی انھوں نے جَرْس کو سین کے بجائے شین کے ساتھ پڑھا تو میں نے کہا کہ یہ لفظ جرس ہے، انھوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: یہ لفظ اس سے لے لو کیونکہ یہ اسے ہماری نسبت زیادہ جانتے ہیں۔[2] غرض یہ ہے کہ اس سیاق میں شہد پلانے والی کا نام حفصہ ہے اور یہ ہشام بن عروہ، وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا، کے طریق سے ہے۔ اور ابن جریج از عطاء از عبید بن عمیر از عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق میں ہے کہ زینب بنت جحش نے شہد پلایا تھا اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما نے باہمی اتفاق سے آپ کے خلاف پروگرام بنایا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں، اگرچہ اس میں بُعد نہیں مگر ان دونوں واقعات کا اس آیت کریمہ کا سببِ نزول ہونا محلِ نظر ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اس بات کی دلیل کہ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما آپ کے مقابلے میں ایک دوسری کی اعانت کرنے والی تھیں، وہ حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور جس میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس بات کی خواہش رکھتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ازواج مطہرات میں سے ان دو عورتوں کی بابت پوچھوں کہ وہ کون تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ﴾ "اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو بہتر ہے)

① صحیح البخاری، الحیل، باب ما یکرہ من احتیال المرأۃ......، حدیث:6972 و صحیح مسلم، الطلاق، باب وجوب الکفارۃ علی من حرّم امرأتہ ولم ینو الطلاق، حدیث:(21)-1474 وغیرہما کے سیاق حدیث میں جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرُفُطَ "شہد کی مکھیوں نے عرفط سے شہد حاصل کیا ہوگا۔" سے پہلے [سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ] "مجھے حفصہ نے شہد پلایا تھا۔" ہے۔ اسی طرح صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب: إذا حرّم طعاما، حدیث:6691 و صحیح مسلم، الطلاق، باب وجوب الکفارۃ......، حدیث:1474 ہی میں أَكَلْتَ مَغَافِيرَ کے بعد [بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا......] ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ نہ [بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا] کے بعد جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرُفُطَ ہے اور نہ ہی [سَقَتْنِي حَفْصَةُ ......] سے پہلے أَكَلْتَ مَغَافِيرَ ہے۔

② الصحاح، مادۃ: جرس.

کیونکہ یقیناً تم دونوں کے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں۔" حتی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو میں نے بھی آپ کے ساتھ حج کیا جب ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رستے میں الگ چلے گئے تو میں بھی پانی کا برتن لے کر آپ کے ساتھ ہو گیا۔ آپ نے حاجت کو پورا کیا اور پھر میرے پاس آئے تو میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا، آپ نے وضو کیا تو میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! ازواج مطہرات میں سے وہ دو عورتیں کون تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ﴾ "اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن عباس! تم پر تعجب ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ واللہ! انھوں نے اس سوال کو اگرچہ ناپسند کیا مگر اس کے جواب کو چھپایا نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ ان دو عورتوں سے مراد عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے حدیث کو اس طرح بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریشی ایسے لوگ تھے کہ ہم عورتوں پر غالب تھے لیکن جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ ہماری عورتوں نے بھی ان سے سیکھنا شروع کر دیا۔ میرا گھر عوالی (قدیم مدینہ کے مضافات میں علاقے کا نام، اب مدینہ میں شامل ہے) میں بنو امیہ بن زید کے محلے میں تھا، میں ایک دن اپنی بیوی سے اس وقت ناراض ہوا جب اس نے مجھ سے گفتگو میں تکرار شروع کیا۔ میں نے اس کے تکرار کا انکار کیا تو اس نے کہا کہ تم تکرار کو کیوں ناپسند کرتے ہو جبکہ اللہ کی قسم! ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ سے گفتگو میں تکرار کرتی ہیں جس کی وجہ سے بسا اوقات ان میں سے ایک آپ ﷺ سے سارا دن، رات تک قطع تعلق کیے رکھتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حفصہ کے پاس چلا گیا اور میں نے اس سے پوچھا: کیا تم رسول اللہ ﷺ سے گفتگو میں تکرار کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: ہاں، میں نے پوچھا کہ اس کی وجہ سے بسا اوقات تم میں سے ایک رسول اللہ ﷺ سے سارا دن، رات تک قطع تعلق کیے رکھتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میں نے کہا: تم میں سے جو ایسا کرے، وہ خائب و خاسر ہے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ناراض ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم پر اپنا غضب نازل فرما دے اور پھر وہ ہلاک ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ سے نہ گفتگو میں تکرار کرو اور نہ آپ سے کچھ مانگو جو مال چاہو مجھ سے مانگ لو۔ اور یہ بات تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے کہ تمھاری پڑوسن بھی ایسا کرتی ہے کیونکہ وہ تمھاری نسبت زیادہ حسین و جمیل اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ آپ کا اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ایک پڑوسی تھا، ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن وہ اور ایک دن میں حاضر ہوتا، چنانچہ وہ میرے پاس وحی وغیرہ کی خبر لے کر آتا اور اسی طرح میں بھی اسے وحی کی خبر بتا دیتا تھا۔

ان دنوں ہم یہ باتیں کیا کرتے تھے کہ غسانی لوگ ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو تیار کر رہے ہیں۔ میرا ساتھی ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر وہ عشاء کے وقت واپس آیا، اس نے میرے دروازے پر دستک دی اور پھر مجھے آواز بھی دی، میں گھر سے نکل کر اس کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہو گیا ہے۔

میں نے پوچھا: وہ کیا؟ کیا غسانی آگئے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، اس سے بھی بڑا واقعہ رونما ہوا ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا کہ حفصہ ناکام و نامراد ہوگئی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔ نماز صبح سے فراغت کے بعد میں نے کپڑے بدلے اور پھر میں حفصہ کے پاس چلا گیا، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں طلاق دے دی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں، رسول اللہ ﷺ سب سے الگ اس بالا خانے میں تشریف فرما ہیں۔ میں آپ کے سیاہ رنگ غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو، غلام اندر گیا اور پھر باہر آگیا اور کہنے لگا: میں نے آپ کا ذکر کیا مگر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، پھر میں آپ کے منبر کے پاس چلا گیا، وہاں لوگوں کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا جن میں سے بعض لوگ رو رہے تھے۔ میں تھوڑی دیر منبر کے پاس بیٹھا رہا، پھر مجھ پر احساس کا غلبہ ہوا تو میں غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ عمر کے لیے اجازت طلب کرو، وہ اندر گیا اور پھر باہر آگیا اور کہنے لگا: میں نے آپ کا ذکر کیا مگر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، میں پھر منبر کے پاس آکر بیٹھ گیا، پھر مجھ پر احساس کا غلبہ ہوا تو میں غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ عمر کے لیے اجازت طلب کرو، غلام اندر گیا اور پھر باہر آگیا اور اس نے کہا: میں نے آپ کا ذکر کیا مگر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، چنانچہ میں پلٹ آیا تو غلام نے مجھے پیچھے سے بلانا شروع کر دیا اور کہا کہ آجائیں، آپ کو اجازت مل گئی ہے۔ میں اندر داخل ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ چٹائی پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اور پہلو مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: [لَا] ''نہیں'' میں نے کہا: اللہ اکبر، اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمارا جائزہ لیں تو آپ معلوم فرمائیں گے کہ ہم ایسے لوگ تھے کہ عورتوں پر غالب تھے، جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ ہماری عورتوں نے بھی ان سے سیکھنا شروع کر دیا، چنانچہ میں ایک دن اپنی بیوی سے ناراض ہوا کیونکہ وہ مجھ سے گفتگو میں تکرار کر رہی تھی، لہٰذا میں نے اس کے تکرار کرنے کو برا محسوس کیا تو وہ کہنے لگی کہ آپ میرے تکرار کرنے کو محسوس کیوں کرتے ہیں جبکہ واللہ! نبی ﷺ کی ازواج مطہرات بھی تو گفتگو میں آپ سے تکرار کرتی ہیں حتی کہ بسا اوقات ان میں سے ایک آپ ﷺ سے سارا دن، رات تک قطع تعلق کیے رکھتی ہے۔ میں نے کہا کہ تم[1] میں سے جو ایسا کرے وہ خائب و خاسر ہے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی تم سے ناراض ہو جائے اور تم ہلاک ہو جاؤ۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حفصہ کے پاس گیا تھا اور میں نے اسے سمجھایا ہے کہ اپنی پڑوسن کی وجہ سے مبتلائے فریب نہ ہو جانا، وہ تمھاری نسبت زیادہ حسین و جمیل اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ دوبارہ مسکرائے، پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں بیٹھے رہنے کے لیے اجازت

[1] حدیث کے ابتدائی حصے سے واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے تھا۔

طلب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں'' میں بیٹھ گیا اور پھر میں نے سر اٹھا کر گھر کا جائزہ لیا تو مجھے گھر میں صرف تین چیزوں کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا، تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو وسعت و کشادگی عطا فرما دے۔ اس نے فارس و روم کو مالی خوشحالی سے نوازا ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: [أَفِي شَكٍّ أَنْتَ؟ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا] ''اے ابن خطاب! کیا تمھیں کوئی شک ہے؟ ان لوگوں کو اچھی اچھی چیزیں جلدی سے دنیا کی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ شدید ناراضی کے باعث رسول اللہ ﷺ نے یہ قسم کھائی تھی کہ آپ ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جائیں گے حتی کہ اللہ عزوجل نے آپ پر خفگی کا اظہار فرمایا۔[1] اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔[2]

شیخین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے بارے میں سوال کرنے کے لیے ایک سال انتظار کرتا رہا۔ ان کی ہیبت کی وجہ سے مجھے ان سے سوال پوچھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی حتی کہ آپ جب حج کے لیے گئے تو میں بھی آپ کے ساتھ حج کے لیے گیا تھا۔ واپسی پر جب ہم ایک رستے پر تھے تو آپ رستے سے ہٹ کر قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف گئے تو میں کھڑا رہا حتی کہ آپ فارغ ہو گئے، میں پھر آپ کے ساتھ چل پڑا، میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! وہ دو عورتیں کون تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کے لیے باہم اعانت کی تھی؟[3] یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ دو عورتیں کون تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾ ''اور اگر تم دونوں پیغمبر (کی ایذا) پر باہم اعانت کرو گی۔'' انھوں نے جواب دیا کہ وہ عائشہ اور حفصہ تھیں۔[4] پھر انھوں نے اس حدیث کو مفصل بیان کیا ہے جبکہ بعض محدثین نے اسے اختصار کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔[5]

امام مسلم رحمہ اللہ ہی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار فرمائی تھی تو میں مسجد میں داخل ہوا اور لوگ زمین پر کنکریاں پھینک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہ پردے کے حکم سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے

---

[1] مسند أحمد:34,33/1. [2] صحيح البخاري، المظالم، باب الغرفة و العلية المشرفة……، حديث:2468 و صحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء و اعتزال النسآء……، حديث:1479 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة التحريم، حديث:3318 و السنن الكبرى للنسائي، عشرة النسآء، باب هجرة المرأة زوجها……:367,366/5، حديث:9157. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾…… (التحريم 2,1:66)، حديث: 4913 و صحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء و اعتزال النسآء……، حديث:(31)-1479. [4] صحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء و اعتزال النسآء……، حديث:(34)-1479 مزید اسی سورت میں دیکھیے عنوان: ''حلال کو حرام قرار دینے پر اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی سے اظہار خفگی'' [5] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾، حديث:11610.

کہا کہ میں آج اس بات کو معلوم کروں گا...... پھر انھوں نے وہ حدیث ذکر کی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس جانے اور انھیں وعظ ونصیحت کرنے کا ذکر ہے اور پھر انھوں نے کہا کہ میں گیا اور چھپر کی دہلیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رَباح سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ رباح میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرو۔ پھر آگے اسی طرح ذکر ہے جیسے قبل ازیں (قریب ہی) بیان ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کو عورتوں کا معاملہ گراں نہ گزرے، اگر آپ نے انھیں طلاق دے دی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، جبریل ومیکائیل، میں اور ابوبکر اور سارے مومن آپ کے ساتھ ہیں۔ اور بہت کم ایسا ہوا، اور اس بات پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے کوئی بات کی ہو مگر اللہ تعالیٰ سے امید رکھی کہ وہ میری بات کی تصدیق فرما دے گا، چنانچہ میری اس بات کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت تخییر نازل فرما دی: ﴿ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ ﴾ ''اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمھارے بدلے میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ۝۴ ﴾ ''اور اگر تم دونوں پیغمبر (کی ایذا) پر باہم اعانت کرو گی تو بے شک اللہ اور جبریل اور تمام نیک مومن اور اس کے بعد فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے ان کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: [لَا] ''نہیں'' تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اعلان کیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ ﴾ (النسآء 4:83) ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر اس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔'' چنانچہ میں نے اس معاملے کی تحقیق کر لی ہے۔ [1] سعید بن جبیر، عکرمہ، مقاتل بن حیان، ضحاک اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ ﴿ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اور صالح مومن۔'' اس سے مراد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ [2] امام حسن بصری رحمہ اللہ نے یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے۔ لیث بن ابوسلیم، مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ سے مراد حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے باہمی رشک ورقابت کی وجہ سے آپ کے خلاف اتفاق کر لیا تو میں نے ان سے کہا: ﴿ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ ﴾ ''اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمھارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں

---

(1) صحیح مسلم، الطلاق، باب فی الإیلاء واعتزال النسآء......، حدیث:1479۔ (2) تفسیر الطبری:28/207,208 وتفسیر القرطبی:18/189۔ (3) دیکھیے تفسیر البحر المحیط:10/297(C.D) جبکہ تفسیر الطبری:28/207 میں امام مجاہد رحمہ اللہ سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ قول منقول ہے۔ واللہ أعلم.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر تندمزاج (اور)

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥

سخت گیر فرشتے (مقرر) ہیں، اللہ انھیں جو حکم دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہ وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے ⑥

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑦ ع 1 7 19

اے کفر کرنے والو! تم آج عذر پیش نہ کرو، یقیناً تمھیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے تھے ⑦

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ

اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو، قریب ہے کہ تمھارا رب تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ

اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اس دن جب اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ

النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا، وہ کہیں گے:

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧

اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑧

دے دے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمادیا۔① قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ کئی مقامات پر قرآن مجید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوا،② مثلاً: نزول حجاب میں،③ بدر کے قیدیوں کے بارے میں④ اور مقام ابراہیم کو مُصلّٰی بنانے کے بارے میں۔⑤ امام ابن ابوحاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے امہات المومنین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ایک بات کا علم ہوا تو میں نے انھیں تلاش کیا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے سے رک جاؤ گی یا پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے گا حتی کہ میں جب آخری ام المومنین کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا: عمر! اپنی بیویوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی نہیں ہیں، جو تم وعظ و نصیحت کرنے لگے ہو، میں خاموش ہو گیا حتی کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ﴾ (التحريم66:5)، حديث:4916. ② دیکھیے البقرة، آیت:125 کے ذیل میں عنوان: ''مقام ابراہیم'' ③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ﴾ (الأحزاب33:53)، حديث :4790. ④ صحيح مسلم، الجهاد......، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر......، حديث:1763 و مسند أحمد:243/3 اس کی وضاحت الأنفال، آیات:68,67 کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔ ⑤ صحيح البخاري، الصلاة، باب ماجاء في القبلة......، حديث:402 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حديث:2399 مختصرًا.

﴿ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۵ ﴾

''اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمھارے بدلے میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے مسلمان، صاحب ایمان، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزے دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں۔'' ①

یہ خاتون جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وعظ و نصیحت سے روکا، یہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ ② ﴿ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ ﴾ کے معنی تو بالکل واضح ہیں، البتہ ﴿ سٰٓىِٕحٰتٍ ﴾ کے معنی روزہ رکھنے والیاں ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، محمد بن کعب قرظی، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابومالک، ابراہیم نخعی، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس، سدی رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔ ③ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۵ ﴾ ''شوہر دیدہ اور کنواریاں۔'' یعنی ان میں سے کچھ شوہر دیدہ ہوں گی اور کچھ کنواریاں ہوں گی تاکہ نفس کے لیے زیادہ مرغوب ہوں کیونکہ تنوع سے نفس میں بشاشت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۵ ﴾

تفسیر آیات :6-8

اہل وعیال کو ادب اور دین کی تعلیم دینا علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔'' کے معنی یہ ہیں کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے عمل کرو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو اور اپنے اہل وعیال کو بھی حکم دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں، اس سے اللہ تعالیٰ تم سب کو آتش جہنم سے نجات عطا فرما دے گا۔ ④ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم خود بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے اہل وعیال کو بھی اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرو۔ ⑤ قتادہ کہتے ہیں کہ تم انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دو، اس کی نافرمانی سے منع کرو، اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کے لیے ان کی نگرانی کرو، انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کا حکم بھی دو اور اس سلسلے میں ان کی مدد بھی کرو۔ اور اگر انھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھو تو انھیں اس پر زجر و توبیخ کرو۔ ⑥ ضحاک اور مقاتل نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال، قرابت داروں، لونڈیوں اور غلاموں کو ان امور کی تعلیم دے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض قرار دیا ہے یا جن سے منع فرمایا ہے۔ ⑦

اسی آیت کریمہ کے معنی میں وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد، ابوداود اور ترمذی نے ربیع بن سَبُرَہ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا] ''بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کا ہو جائے (اور نماز نہ

① تفسیر الطبری: 209/28. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ﴾...... (التحریم 66:1،2)، حدیث: 4913 ③ تفسیر الطبری: 210/28 و تفسیر الماوردی: 42/2. ④ تفسیر الطبری: 212/28. ⑤ تفسیر الطبری: 212/28. ⑥ تفسیر الطبری: 212/28. ⑦ تفسیر القرطبی: 196/18.

پڑھے) تو اسے اس کی وجہ سے مارو۔‘‘[1] یہ الفاظ ابوداود کی روایت کے ہیں اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

جہنم کا ایندھن اور اس کے فرشتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ’’جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔‘‘ یعنی اس میں جو ایندھن ڈالا جائے گا، وہ انسانوں کے لاشے ہوں گے۔ ﴿وَالْحِجَارَةُ﴾ ’’اور پتھر‘‘ پتھر سے مراد وہ بت ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الأنبياء 21:98) ’’(کافرو! اس روز) بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔‘‘ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مجاہد، ابوجعفر باقر اور سدی فرماتے ہیں کہ یہ گندھک کے پتھر ہوں گے۔[2] مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ گلی سڑی لاش سے بھی زیادہ بدبودار ہوں گے۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ ’’اس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں۔‘‘ یعنی ان کی طبیعتیں بہت سخت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں کے بارے میں ان کے دلوں سے رحمت و شفقت چھین لی گئی ہے۔ ﴿شِدَادٌ﴾ یعنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی وہ حد درجہ شدید، سخت اور خوفناک شکل وصورت والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥﴾ ’’اللہ ان کو جو حکم دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ انھیں جو حکم بھی ارشاد فرمائے، وہ فوراً اطاعت بجالاتے ہیں اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تاخیر نہیں کرتے۔ وہ اسے سرانجام دینے پر قادر بھی ہوتے ہیں اور وہ عاجز و درماندہ نہیں ہوتے۔ یہ فرشتے زبانیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سے پناہ!

روز قیامت کافر کا عذر قبول نہیں ہوگا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑦﴾ ’’کافرو! آج بہانے مت بناؤ، جو عمل تم کیا کرتے تھے انھی کا تم کو بدلہ دیا جائے گا۔‘‘ یعنی کافروں سے روز قیامت یہ کہا جائے گا کہ عذر بہانے پیش نہ کرو، یہ قبول نہیں ہیں، آج تمھیں تمھارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا۔

سچی اور پکی توبہ کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ﴾ ’’مومنو! اللہ سے خالص و محکم توبہ کرو۔‘‘ یعنی ایسی توبہ جو سچی اور پکی ہو، جو سابقہ تمام گناہ مٹا دے، اور توبہ کرنے والے کے معاملات اور پراگندگی کی اصلاح کر دے اور آئندہ ان برے کاموں سے بھی روکے جو توبہ کرنے والا پہلے کیا کرتا تھا۔ ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ’’قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے گناہ تم سے دور کر دے اور تم کو باغہائے بہشت میں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، داخل کرے۔‘‘ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿عَسٰى﴾ کا لفظ یقین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ ’’اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ روز قیامت پیغمبر کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو

---

[1] مسند أحمد: 180/2 و سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، حديث: 494 و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء متى يؤمر الصبي بالصلاة، حديث: 407. [2] تفسير الطبري: 244/1 و تفسير ابن أبي حاتم: 64/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 64/1.

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ⑨ کفر کرنے والوں کے لیے اللہ نے مثال بیان

الْمَصِيْرُ ⑨ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا

فرمائی نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے تحت (نکاح میں) تھیں، تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کی

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ

خیانت کی، پھر وہ دونوں (رسول) ان دونوں (عورتوں) سے (بچانے میں) کچھ کام نہ آئے اور (ان سے) کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں

شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩

داخل ہو جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ ⑩

رسوا نہیں کرے گا، ﴿ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ ''ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔'' جیسا کہ قبل ازیں سورۂ حدید میں بیان ہو چکا ہے۔[1] ﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧ ﴾ ''(اور) وہ (اللہ سے) التجا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں معاف فرما۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' مجاہد، ضحاک، حسن بصری اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ مومن یہ اس وقت کہیں گے جب وہ دیکھیں گے کہ منافقوں کا نور بجھ گیا ہے۔[2] امام احمد نے بنو کنانہ کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ میں نے فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی تو میں نے آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: [اَللّٰهُمَّ ! لَا تُخْزِنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''اے اللہ! مجھے روز قیامت رسوا نہ کرنا۔''[3]

تفسیر آیات: 10،9

کفار اور منافقین سے جہاد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو کفار اور منافقین سے جہاد کا حکم دیا ہے۔ کفار کے ساتھ اسلحہ وقتال کے ذریعے سے اور منافقین کے ساتھ ان پر حدود نافذ کرنے کے ساتھ، ﴿ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ ''اور ان پر سختی کریں۔'' یعنی دنیا میں۔ ﴿ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨ ﴾ ''اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔'' یعنی آخرت میں ان کا ٹھکانا بہت برا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مومن کسی کافر کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا، خواہ کتنا قریبی ہو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا ﴾ ''اللہ نے کافروں کے لیے مثال بیان فرمائی ہے۔'' یعنی مسلمانوں کے ساتھ اختلاط اور معاشرت اختیار کرنے کے اعتبار سے یہ بات ان سے کچھ کفایت کر سکے گی نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آ سکے گی جبکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ہے: ﴿ امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا

① دیکھیے الحدید، آیت: 12 کے ذیل میں عنوان: ''مومنوں کو روز قیامت ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا'' ② تفسیر الطبري: 215/28. ③ مسند أحمد: 234/4.

وقف لازم وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ

اور اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، جب اس نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت

بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ⑪

میں ایک گھر بنا، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے، اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے ⑪ اور (مثال بیان فرمائی)

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ

مریم بنت عمران کی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی روح پھونکی، اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی

ع 2 5 20 بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ⑫

کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی ⑫

﴿صَالِحَيْنِ﴾ ''نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے تحت (زیر نکاح) تھیں۔'' یعنی نوح و لوط علیہما السلام دونوں نبی و رسول تھے، دونوں عورتوں نے رات دن ان کی صحبت میں بسر کیے، وہ انھیں کھلاتے اور اپنے بستر پر سلاتے تھے اور ان کے ساتھ مکمل معاشرت اور اختلاط رکھتے تھے۔ ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ ''تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کی خیانت کی۔'' یعنی ایمان لانے میں ان کے ساتھ موافقت نہ کی اور ان کی رسالت کی تصدیق نہ کی تو یہ سب ان کے کچھ کام نہ آیا اور ان سے عذاب کو دور نہ کر سکا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ''پھر وہ دونوں (رسول) ان دونوں (عورتوں) کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے میں) کچھ کام نہ آئے۔'' ان کے کفر کی وجہ سے، ﴿وَقِيْلَ﴾ ''اور (ان سے) کہا گیا۔'' یعنی دونوں عورتوں کو۔ ﴿ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩﴾ ''تم دونوں دوزخ میں داخل ہو جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔'' ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ ''تو دونوں (عورتوں) نے ان کی خیانت کی۔'' سے مراد فحاشی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دین کے اعتبار سے انھوں نے خیانت کی کیونکہ انبیائے کرام کی بیویاں انبیائے کرام کی حرمت کی وجہ سے فحاشی میں مبتلا ہونے سے معصوم ہوتی ہیں جیسا کہ قبل ازیں ہم نے سورۂ نور کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ ①

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان دونوں کی خیانت یہ تھی کہ وہ حضرت نوح اور لوط کے دین پر نہ تھیں۔ حضرت نوح کی بیوی حضرت نوح کے راز سے اپنی قوم کو مطلع کر دیتی تھی، مثلاً: اگر کوئی شخص نوح علیہ السلام پر ایمان لاتا تو وہ اپنی قوم کے ظالم لوگوں کو اس کے بارے میں بتا دیتی تھی۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں اگر کوئی مہمان آتا تو ان کی بیوی شہر کے برے لوگوں کو اس کے بارے میں خبر دے دیا کرتی تھی۔ ② ضحاک نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا، اس لیے حضرت نوح و لوط کی بیویوں کی خیانت دین کے اعتبار سے تھی۔ ③ عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ ④

---

① دیکھیے النور، آیات: 15 اور 26 کے ذیل میں۔ ② تفسیر الطبری: 217/28. ③ تفسیر الماوردی: 46/6. ④ تفسیر الطبری: 217/28.

تفسیر آیات : 12,11

کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا: یہ مثال اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے بیان فرمائی ہے کہ اگر بوقت ضرورت وہ کافروں سے اختلاط رکھیں تو یہ اختلاط انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ ﴾ (آل عمران 28:3) ''اہل ایمان، مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ ہاں، اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں۔)'' قتادہ کہتے ہیں کہ فرعون تمام اہل زمین سے بڑا سرکش و کافر تھا لیکن اس کی بیوی نے جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کر لی تو اسے اس کے شوہر کے کفر نے کوئی نقصان نہ پہنچایا تا کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے۔ وہ ہر ایک سے صرف اس کے گناہوں کا مواخذہ کرتا ہے، کسی دوسرے کے گناہوں کا مواخذہ نہیں کرتا۔[1] ابن جریر نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی بیوی کو دھوپ میں کھڑا کر کے ایذا دی جاتی مگر جب فرعون انھیں دھوپ میں کھڑا کر کے چلا جاتا تو فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کر دیتے اور وہ جنت میں اپنے گھر کو دیکھا کرتی تھیں۔[2]

ابن جریر نے قاسم بن ابو بزّہ سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی بیوی پوچھتی کہ کون غالب آیا ہے۔ انھیں بتایا جاتا کہ موسیٰ اور ہارون غالب آئے ہیں۔ وہ کہتیں کہ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتی ہوں۔ پس فرعون نے پیغام بھیجا کہ کوئی سب سے بڑی چٹان دیکھو اور اسے اس پر گرا دو، اور اگر یہ اپنی بات سے باز آجائے تو میری بیوی ہے۔ اس کے کارندے جب بہت بڑی اور بھاری پتھر کی چٹان لے کر آئے تو انھوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور جنت میں اپنے گھر کو دیکھ لیا، اور پھر یہ اپنی بات پر قائم رہیں، اسی حال میں ان کی روح قفس سے پرواز کر گئی تو انھوں نے ایسے جسم پر چٹان گرائی جس میں روح نہیں تھی۔[3] اور وہ یہ دعا کیا کرتی تھیں: ﴿ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ ﴾ ''اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے ہاں بہشت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے۔'' یعنی مجھے اس سے خلاصی عطا فرما اور میں اس کے اعمال سے براءت کا اظہار کرتی ہوں، ﴿ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور ظالم قوم سے مجھ کو نجات عطا فرما۔'' فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ﴾ ''اور (مثال بیان کی) عمران کی بیٹی مریم کی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔'' یعنی اس نے اس کی حفاظت و صیانت کی۔ اِحصان عفت و پاکبازی کو کہتے ہیں، ﴿ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ﴾ ''تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی روح پھونک دی۔'' یعنی جبریل فرشتے کے واسطے سے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ اپنے

---

① تفسیر الطبری: 219,218/28. ② تفسیر الطبری: 218/28. ③ تفسیر الطبری: 218/28.

منہ کے ساتھ ان کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردیں۔ نفخہ اتر کر ان کی شرم گاہ میں داخل ہو گیا جسے عیسیٰ علیہ السلام کا حمل قرار دیا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ ﴾ ''تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے پروردگار کے ارشادات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی۔'' یعنی وہ اللہ کی تقدیر اور اس کی شریعت کو برحق سمجھتی تھیں۔ ﴿ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴾ ''اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔''

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا: [أَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا؟] ''کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ: خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَّفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَّآسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ] ''اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم ہیں۔''① صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ (وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ) وَّإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ] ''مردوں میں سے تو بہت کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ زوجہ فرعون، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد کامل ہوئی ہیں اور بے شک عائشہ کی تمام عورتوں پر فضیلت اسی طرح ہے، جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''② میں نے اپنی کتاب البداية والنهاية میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے قصے میں ان احادیث کے طرق، الفاظ اور صحت وضعف کے اعتبار سے ان کے بارے میں محدثین کرام کے کلام کو ذکر کیا ہے۔③

سورۂ تحریم کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① مسند أحمد: 293/1. ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ﴾، حديث: 3411 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة ...... حديث: 2431. البتہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر مذکورہ حوالوں میں نہیں ہے، تاہم ان کا ذکر گزشتہ حدیث ابن عباس میں ہے۔ ③ البداية والنهاية، قصة عيسى ابن مريم عليه من الله أفضل الصلاة والسلام: 55/2-58.

تفسیر سورۂ مُلک

یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ ① الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ

وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے① وہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ

لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ② الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ

تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ بڑا زبردست ہے، خوب بخشنے والا② وہ جس نے سات آسمان اوپر نیچے پیدا کیے۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ

(اے انسان!) تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا، پھر نگاہ ڈال، کیا تو کوئی دراڑ دیکھتا ہے؟③ پھر بار بار نگاہ دوڑا، (تیری)

الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ④ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا

نگاہ ذلیل وخوار ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی جبکہ وہ تھکی ماندی ہوگی④ اور البتہ یقیناً ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی ہے،

بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ⑤

اور ہم نے انھیں شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے، اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے⑤

سورۂ ملک کی فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ سُورَةً فِي الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً، شَفَعَتْ لِصَاحِبِهَا، حَتّٰى غُفِرَ لَهُ: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾] ''قرآن مجید میں تیس آیات پر مشتمل ایک سورت ہے جس نے اپنے ساتھی کی شفاعت کی حتی کہ اسے معاف کر دیا گیا، یہ سورت: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ ہے۔'' اسے اصحاب سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1]

امام طبرانی اور حافظ ضیاء مقدسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سُورَةٌ (فِي) الْقُرْآنِ ...... خَاصَمَتْ عَنْ صَاحِبِهَا حَتّٰى أَدْخَلَتْهُ الْجَنَّةَ: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾] ''قرآن مجید میں ایک ایسی سورت ہے...... جس نے اپنے ساتھی کی طرف سے جھگڑا کرتے ہوئے اسے جنت میں داخل کرا دیا، یہ سورت ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ

① مسند أحمد: 321/2 وسنن أبي داود، شهر رمضان، باب في عدد الآي، حديث: 1400 وجامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في فضل سورة الملك، حديث: 2891، والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾، 496/6، حديث: 11612 وسنن ابن ماجه، الأدب، باب ثواب القرآن، حديث: 3786 واللفظ له.

﴿ الْمُلْكُ ﴾ ہے۔'' [1] امام ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورۂ الٓمٓ تنزيل السجدة اور تبارك الذى بيده الملك کی تلاوت نہ فرما لیتے تھے۔ [2] لیث نے طاؤس رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کی باقی ہر سورت سے ستر درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہیں۔ [3]

تفسیر آیات : 5-1

موت وحیات، آسمان اور ستاروں کی تخلیق: اللہ تعالیٰ اپنی ذات بابرکات کی بزرگی بیان کرتے ہوئے یہ فرما رہا ہے کہ اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، یعنی وہ اپنی تمام مخلوقات میں جس طرح چاہے تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے غلبے، حکمت اور عدل کی وجہ سے کوئی اس سے اس بارے میں نہیں پوچھ سکتا جو اس نے کیا، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ ﴾ ''اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔'' اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ موت ایک ایسا امر ہے جس کا وجود ہے کیونکہ یہ مخلوق ہے۔ آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمام مخلوقات کو عدم سے وجود بخشا ہے تاکہ ان کی آزمائش کرے کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ﴾ (البقرة 28:2) ''تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردے تھے تو اس نے تمھیں زندہ کیا۔'' اللہ تعالیٰ نے پہلی حالت، یعنی عدم کو موت اور اس پیدائش کو زندگی سے موسوم کیا ہے اور اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾ (البقرة 28:2) ''پھر وہی تمھیں مارے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ ''تاکہ وہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔'' محمد بن عجلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ کون اچھے کام کرتا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ کام کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴾ ''اور وہ زبردست ہے، خوب بخشنے والا۔'' یعنی وہ زبردست، عظیم ترین اور عالی جناب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے بخشنے والا بھی ہے جو اس کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اس کے حکم کی مخالفت اور نافرمانی کرنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے، اگرچہ وہ ذات گرامی بہت زبردست اور غالب ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے بندوں کو معاف فرماتا، ان پر رحم فرماتا اور ان سے درگزر فرماتا ہے، پھر فرمایا: ﴿ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ﴾ ''وہ جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔'' یعنی اس نے آسمانوں کو اوپر تلے بنایا ہے، اب سوال یہ

---

[1] المعجم الأوسط للطبراني، من اسمه سليمان : 391/4، حديث:3667 و الأحاديث المختارة، سلام بن مسكين عن ثابت: 115,114/5، حديث: 1739,1738 البتہ المعجم الأوسط للطبرانی میں قوسین والے لفظ کے بجائے [من] ہے، نیز مذکورہ حوالوں میں ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ﴾ کے بجائے [وَهِيَ سُورَةُ تَبَارَكَ] کے الفاظ ہیں۔ [2] جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء فى فضل سورة الملك، حديث: 2892. [3] جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء فى فضل سورة الملك، حديث: 2892، البتہ یہ قول ضعیف ہے جبکہ الأدب المفرد، باب مايقول إذا أوى إلى فراشه؟ 686/2، حديث: 1207 میں ابوزبیر سے یہی قول صحیح سند سے منقول ہے۔

ہے: کیا آسمان ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں یا ان کے درمیان خلا اور فاصلہ ہے؟ اس میں اگر چہ دونوں قول ہیں لیکن دوسرا قول زیادہ صحیح ہے کہ ان میں خلا اور فاصلہ ہے جیسا کہ حدیث اسراء اور کئی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ﴾ ''(اے دیکھنے والے!) تو (اللہ) رحمان کی آفرینش میں کوئی کمی بیشی نہیں دیکھے گا۔'' اس میں کوئی نقص نہیں بلکہ پوری پوری ہمواری اور استواری ہے، اس میں کوئی اختلاف، کوئی کمی، کوئی غلطی، کوئی نقص، کوئی عیب اور کوئی خلل نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ﴾ ''پس نگاہ کو لوٹا، بھلا تو (آسمان میں) کوئی شگاف دیکھتا ہے؟'' یعنی آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو اور غور کرو کیا تمھیں اس میں کوئی عیب یا نقص یا خلل یا شگاف نظر آتا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، سفیان ثوری اور دیگر کئی ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ ﴿ فُطُوْرٍ ③ ﴾ کے معنی شگاف کے ہیں۔[2] اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ فُطُوْرٍ ③ ﴾ کے معنی دراڑ کے ہیں۔[3] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے ابن آدم! کیا تو آسمان میں کوئی خلل دیکھتا ہے؟[4] فرمان الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ ﴾ ''پھر بار بار نظر دوڑا۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ كَرَّتَيْنِ ﴾ کے معنی ہیں مرتین، یعنی دوبارہ۔ ﴿ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا ﴾ ''(ہر بار) تیری طرف نظر ناکام ہو کر پلٹ آئے گی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ خَاسِئًا ﴾ کے معنی ذلیل کے ہیں۔[5] اور مجاہد و قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ذلیل و خوار کے ہیں۔[6] ﴿ وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ ﴾ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تھکے اور درماندہ کے بیان کیے ہیں۔[7] مجاہد، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ حَسِيْرٌ ④ ﴾ اسے کہتے ہیں جو عاجزی و درماندگی کے باعث ختم ہو گیا ہو۔[8] اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ جس قدر چاہیں بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھیں، ہر بار آپ کی نظر لوٹ آئے گی مگر آپ آسمان میں کوئی عیب یا خلل نہ دیکھ سکیں گے۔ یعنی نظر بار بار دیکھنے سے تھک تو جائے گی مگر اس میں کوئی نقص نہ پائے گی۔ آسمان کی پیدائش و آفرینش میں ہر قسم کے عیب و نقص کی نفی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے کمال اور اس کی زیب و زینت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ﴾ ''اور البتہ یقیناً ہم نے آسمان دنیا کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی۔'' چراغوں سے مراد نجوم و کواکب، یعنی ثوابت و سیارے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ﴾ ''اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا آلہ بنایا۔'' ﴿ جَعَلْنٰهَا ﴾ کی ضمیر کا مرجع جنس کواکب ہیں، تمام کواکب نہیں کیونکہ آسمان کے تمام نجوم و کواکب کے ساتھ شیطانوں کو نہیں مارا جاتا بلکہ صرف شہابیوں کے ساتھ مارا جاتا ہے اور بسا اوقات نجوم و کواکب سے بھی شہابیوں کا کام لیا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. ﴿ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤ ﴾ ''اور ہم نے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی دنیا میں ہم نے شیطانوں کو اس ذلت و رسوائی سے دوچار کیا اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ صافات کے

[1] دیکھیے بنیٓ إسرآء یل 17:1 کے ذیل میں عنوان: ''معراج سے متعلق احادیث مبارکہ'' [2] تفسیر الطبری: 5/29 وتفسیر ابن أبي حاتم: 3363/10. [3] تفسیر القرطبي: 209/18. [4] تفسیر الطبري: 5/29. [5] تفسیر الطبري: 5/29. [6] تفسیر الطبري: 5/29. [7] تفسیر ابن أبي حاتم: 3363/10. [8] تفسیر الطبري: 5/29.

وَلِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا

اور جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا، ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے ⑥ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی دھاڑ

لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۙ⑦ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ

سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ⑦ قریب ہے کہ وہ غیظ وغضب سے پھٹ پڑے۔ جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا، اس کے دارو غے ان

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ

سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ ⑧ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! یقیناً ڈرانے والا ہمارے پاس آیا تھا، چنانچہ ہم نے (اس

مِنْ شَیْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ

ڈرانے والے کی) تکذیب کی اور ہم نے کہا کہ اللہ نے (کسی پر) کچھ بھی نہیں اتارا، تم تو بہت بڑی گمراہی میں ہو ⑨ اور وہ کہیں گے: کاش! ہم سنتے یا

اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ⑪

سمجھتے ہوتے تو ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے ⑩ پھر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے، چنانچہ دوزخ والوں پر لعنت ہے ⑪

آغاز میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ِۨ الْكَوَاكِبِ ۙ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ۝ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:6-10) ''بے شک ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دے کر مزین کیا، اور ہر شیطان سرکش سے (اس کی) حفاظت کے لیے کہ وہ عالم بالا کی طرف کان نہ لگا سکیں اور ہر طرف سے ان پر (انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ (وہاں سے انھیں) بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہتا ہے تو جلتا ہوا ستارہ اس کے پیچھے لگتا ہے۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے: (1) یہ آسمان کے لیے باعث زینت ہیں (2) شیطانوں کو مارنے کا آلہ ہیں اور (3) علامات ہیں کہ ان سے راستوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ جو کوئی شخص ان کے بارے میں کوئی اور نظریہ رکھے تو یہ اس کی محض اپنی رائے ہے جس کے استعمال کرنے میں اس نے راہِ راست کو ضائع کر دیا اور علم کے بغیر محض تکلف سے کام لیا ہے۔ اسے امام ابن جریر اور ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔ ①

تفسیر آیات: 6-11

جہنم اور اس میں داخل ہونے والوں کا ذکر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ﴿ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑥ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جہنم کا عذاب جنھوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی ان کا بدترین انجام اور ٹھکانا ہے۔ ﴿ اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا ﴾ ''جب اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیخنا چلانا سنیں گے۔'' شہیق کے معنی ابن جریر نے چیخ وپکار کے بیان کیے ہیں۔ ② ﴿ وَّهِیَ تَفُوْرُ ⑦ ﴾ ''اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔'' امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہنم ان کے ساتھ اس طرح جوش مار رہی ہوگی جس طرح زیادہ پانی میں تھوڑے دانے

① تفسیر الطبری: 6/29 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2913/9. ② تفسیر الطبری: 6/29.

جوش مارتے ہیں۔ ① فرمان الٰہی ہے: ﴿ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ﴾ یعنی یوں معلوم ہوتا ہوگا کہ جہنم جہنمیوں پر غیض وغضب اور غصے کے باعث پھٹ پڑے گی۔

ارشاد باری ہے: ﴿ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ ﴾ ”جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے (اسے) جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل ہی نہیں کی، تم تو بہت بڑی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہو۔“ اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں اپنے عدل کو بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک رسول کو مبعوث فرما کر اتمام حجت نہ فرما دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 15:17) ”اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔“ اور فرمایا: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (الزمر 71:39) ”یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے: کیا تمھارے پاس تمھی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمھیں تمھارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمھیں تمھاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہے۔“ اس طرح وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کریں گے اور ندامت کا اظہار کریں گے مگر اس وقت ندامت ان کے کسی کام نہ آسکے گی، چنانچہ وہ کہیں گے: ﴿ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ ”اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔“ یعنی اگر ہم اپنی عقلوں سے کام لیتے اور اللہ تعالیٰ نے جس حق کو نازل فرمایا تھا اسے سنتے تو ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر نہ کرتے اور اس بارے میں دھوکے میں مبتلا نہ ہوتے۔ لیکن ہم میں فہم ہی نہ تھا جس سے ہم رسولوں کے لائے ہوئے دین و شریعت کو سمجھتے اور ہم میں ایسی عقل ہی نہ تھی جو رسولوں کی اتباع اختیار کرنے کے لیے ہماری رہنمائی کرتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ ”پس وہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے، سو دوزخیوں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔“ امام احمد نے ابوبختری طائی سے روایت کیا ہے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَنْ يَّهلِكَ النَّاسُ حَتّٰى يُعْذِرُوا مِنْ أَنْفُسِهِمْ] ”لوگ ہرگز ہلاک نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ (گناہ کر کے بودی اور ناپائیدار تاویلوں کے ساتھ) اپنے آپ کو معذور ٹھہرائیں۔“ ②

---

① تفسير القرطبي: 212/18 عن مجاهد. ② مسند أحمد: 260/4 و سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4347.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا

بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے⑫ اور تم اپنی بات چھپا کر کہو یا اسے پکار کر کہو،

بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ ع هُوَ الَّذِيْ 14/1

بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے⑬ بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا۔ اور وہی باریک بین، بہت باخبر ہے⑭ وہی ہے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ⑮

جس نے زمین کو تمھارے تابع کر دیا، لہٰذا تم اس کی راہوں میں چلو اور اس (اللہ) کے رزق میں سے کھاؤ، اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے⑮

تفسیر آیات: 12-15

بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرنے والے کی جزا: اللہ تعالیٰ اس شخص کے بارے میں خبر دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر جائے، وہ تنہائی میں ہو اور لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رہے اور اس کی اطاعت اور بندگی بجا لائے، خواہ اسے اللہ کے سوا اور کوئی نہ دیکھ رہا ہو تو ایسے شخص کے لیے: ﴿ مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ ﴾ ''بخشش اور اجر عظیم ہے۔'' یعنی یہ کہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا اور اسے بے پایاں اجر و ثواب عطا کیا جائے گا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: [سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي (ظِلِّ عَرْشِهِ) يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ...... وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ] ''سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے عرش کے زیر سایہ جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا...... (آپ نے ان سات قسم کے لوگوں میں یہ بھی ذکر فرمایا:) اور وہ آدمی جسے صاحب منصب و جمال والی عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ جواب میں پکار اٹھے کہ (نہیں میں یہ گناہ نہیں کر سکتا کیونکہ) میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، اسی طرح آپ نے ان لوگوں میں اس شخص کا بھی شمار فرمایا جو اللہ کی راہ میں صدقہ کرے مگر اسے اس قدر مخفی رکھے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہ ہو سکے جسے اس کے دائیں ہاتھ نے خرچ کیا ہے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے متنبہ کرتے ہوئے کہ وہ تو دل کے بھیدوں اور اس کی دھڑکنوں تک سے آگاہ ہے، فرمایا: ﴿ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ ﴾ ''اور تم اپنی بات پوشیدہ کہو یا پکار کر، بے شک وہ سینوں کے بھیدوں سے خوب واقف ہے۔'' یعنی دلوں میں جو خیالات آتے ہیں وہ ان سے بھی آگاہ ہے۔ ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ ﴾ ''بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا!'' یعنی کیا جو خالق ہے وہ ان باتوں سے بے خبر ہے؟ نہیں وہ بے خبر نہیں ہو سکتا کیونکہ ﴿ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ ﴾ ''اور وہی باریک بین، بہت باخبر ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة باليمين، حديث: 1423 و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031 عن أبي هريرة ؓ البتہ قوسین والے الفاظ المستدرك للحاكم، البر والصلة: 169/4، حديث: 7315 عن عبادة بن الصامت ؓ میں ہیں۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ⑯ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی

کیا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے، یہ کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسا دے تو ناگہاں وہ لرزنے لگے؟⑯ یا تم اس (اللہ) سے

السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ⑰ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ

بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے، یہ کہ وہ تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیجے؟ پھر جلد تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟⑰ اور البتہ یقیناً تکذیب

مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ⑱ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؕؔ

وقف لازم

کر چکے وہ جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا تھا؟⑱ کیا انھوں نے اپنے اوپر پر پھیلاتے اور سکیڑتے ہوئے پرندے نہیں دیکھے۔

مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ⑲

انھیں (اللہ) رحمٰن کے سوا کوئی نہیں تھامتا، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے⑲

بندوں کے لیے زمین کی تسخیر: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے اس احسان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور اسے پرسکون بنا دیا ہے کہ وہ ہلتی جلتی نہیں اور اس مقصد کے لیے اس نے زمین میں پہاڑ کھڑے کر دیے اور پھر یہاں چشمے بہا دیے اور چلنے پھرنے کے لیے مختلف راستے چلا دیے، اس میں مختلف منافع رکھے اور اس میں فصلوں، پھلوں کے تعین کے طریقے مقرر فرما دیے اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا﴾ ''وہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے تابع کر دیا، لہٰذا تم اس کی راہوں میں چلو۔'' یعنی زمین کے علاقوں میں جہاں چاہو سفر کرو اور مختلف ملکوں اور خطوں میں مختلف طریقوں سے کمانے کے لیے اور تجارتوں کے لیے جہاں چاہو آؤ جاؤ مگر یاد رکھو تمھاری یہ سعی و کوشش تمھارے کچھ کام نہیں آسکتی الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے تمھارے لیے آسان بنا دے، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ﴾ ''اور اللہ کے (دیے ہوئے) رزق سے کھاؤ۔'' حصول رزق کے لیے سعی و کوشش توکل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ امام احمد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: [لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُو خِمَاصًا وَّتَرُوحُ بِطَانًا] ''اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمھیں اس طرح رزق عطا فرمائے جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ (اپنے گھونسلوں سے) صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔''① اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔②

اس حدیث سے طلبِ رزق کے لیے پرندوں کا صبح و شام آنا جانا ثابت ہے، حالانکہ ان کا اللہ عزوجل ہی پر توکل ہے کیونکہ وہی مسخر کرنے والا، آسان بنانے والا اور اسباب فراہم فرمانے والا ہے۔ ﴿وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ⑮﴾ ''اور (تم کو) اسی کی

① مسند أحمد: 30/1. ② جامع الترمذي، الزهد، باب في التوكل على الله، حديث: 2344 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب التوكل واليقين، حديث: 4164 یہ حدیث السنن الکبریٰ للنسائی کے مطبوعہ نسخے میں ہمیں نہیں ملی، البتہ تحفة الأشراف: 263/7، حديث: 10586 میں امام مزی رحمہ اللہ نے اسے امام نسائی رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

طرف (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے۔'' یعنی تم سب کو روز قیامت اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سدی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ مَنَاكِبِهَا ﴾ سے اطراف واکناف اور راستے مراد ہیں۔ ①

تفسیر آیات:16-19

عذاب الٰہی سے بے خوفی کیوں......؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر لطف وکرم ہے کہ وہ ان کے کفر اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کے سبب عذاب دینے پر قادر ہونے کے باوجود حلم سے کام لیتا، درگزر فرماتا، مہلت دیتا اور فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴾ (فاطر 35:45) ''اور اگر اللہ لوگوں کو اس وجہ سے پکڑتا جو انھوں نے کمایا تو اس (زمین) کی پشت پر چلنے والا کوئی جاندار نہ چھوڑتا لیکن وہ انھیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیے جاتا ہے، جب ان کا وقت آجائے گا تو (ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) یقیناً اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴾ ''کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے، بے خوف ہو کہ تمھیں زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت لرزنے لگے؟'' ﴿ تَمُوْرُ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ آنے جانے اور لرزنے لگے۔ ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ﴾ ''کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دے؟'' یعنی ایسی ہوا بھیج دے جس میں کنکریاں ہوں اور وہ تمھیں تباہ وبرباد کر کے رکھ دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴾ (بنيٓ إسرآء يل 17:68) ''کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ اللہ تمھیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگ ریزوں سے بھری آندھی چلا دے، پھر تم اپنا کوئی نگہبان نہ پاؤ۔'' اسی طرح یہاں ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴾ ''سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟'' یعنی میرا انھیں ڈرانا کیسا ہے اور میں جس سے ڈرا رہا ہوں ان کے لیے اس کی سزا کیا ہے؟ یعنی بہت بڑی، شدید، نہایت دردناک (سزا) ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اور البتہ یقیناً جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی جھٹلایا۔'' یعنی سابقہ قوموں اور پہلے زمانوں کے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی، ﴿ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴾ ''سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا تھا؟'' یعنی دیکھ لو کہ ان تکذیب کرنے والوں کو میں نے کس طرح اپنی گرفت میں لیا، انھیں سخت سزا دی اور شدید اور دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔

قدرت الٰہی کی پرندوں کے اڑنے سے دلیل: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ﴾ ''کیا انھوں نے اپنے اوپر پر پھیلاتے اور سکیڑتے ہوئے پرندے نہیں دیکھے۔'' یعنی ہوا میں کبھی تو اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں اور کبھی انھیں اکٹھا کر کے سکیڑ لیتے ہیں، ﴿ مَا يُمْسِكُهُنَّ ﴾ ''انھیں کوئی نہیں تھام سکتا۔'' یعنی ہوا میں ﴿ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ﴾ ''سوائے رحمان کے۔'' یعنی اس ذات گرامی کے سوا انھیں کوئی اور تھام نہیں سکتا جس نے اپنے لطف ورحمت سے ہوا کو ان کے لیے مسخر

---

① تفسير الطبري: 10/29 والدر المنثور: 384/6.

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۚ﴿20﴾

بھلا ایسا کون ہے جو سوائے رحمٰن کے تمھاری فوج بن کر تمھاری مدد کرے؟ کافر تو نرے دھوکے میں ہیں ﴿20﴾

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿21﴾ اَفَمَنْ

بھلا ایسا کون ہے جو تمھیں رزق دے اگر رحمٰن اپنا رزق روک لے؟ (کوئی نہیں) بلکہ وہ سرکشی اور (حق سے) گریز پر اڑے ہوئے ہیں ﴿21﴾ بھلا

یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿22﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ

جو شخص اوندھا ہو کر اپنے چہرے کے بل چلتا ہو، وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو بالکل سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر چلتا ہو؟ ﴿22﴾ کہہ دیجیے: وہی ہے

اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿23﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ

جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو ﴿23﴾ کہہ دیجیے: وہی ہے

ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿24﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا، اور اسی کے حضور تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿24﴾ اور وہ (کافر) کہتے ہیں: یہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم

صٰدِقِیْنَ ﴿25﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿26﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

سچے ہو؟ ﴿25﴾ کہہ دیجیے: (اس کا) علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، اور بس میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ﴿26﴾ پھر جب وہ اسے قریب

سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿27﴾

دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی ہے جو تم مانگتے تھے ﴿27﴾

کر دیا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿19﴾ ﴾ ’’بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔‘‘ یعنی وہ دیکھ رہا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے ہر چیز کے لیے کیا بہتر ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (النحل 16:79) ’’کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی فضا میں مسخر (تابع فرمان) ہیں، انھیں صرف اللہ ہی تھامے رکھتا ہے، البتہ ایمان والوں کے لیے یقیناً اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔‘‘

تفسیر آیات: 27-20

اللہ کے سوا نہ کوئی مدد کر سکتا ہے اور نہ رزق دے سکتا ہے: اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سے فرما رہا ہے جنھوں نے اس کے ساتھ غیر کی بھی عبادت کی اور پھر وہ غیر اللہ سے رزق اور مدد بھی مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے غیر اللہ سے جو امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں وہ کبھی پوری نہیں ہوں گی، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ ﴾ ’’بھلا ایسا کون ہے جو تمھاری فوج بن کر اللہ کے سوا تمھاری مدد کر سکے؟‘‘ یعنی اللہ کے سوا تمھارا نہ کوئی دوست ہے، نہ کوئی بچانے والا اور نہ کوئی مددگار، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿20﴾ ﴾ ’’کافر تو نرے دھوکے میں ہیں۔‘‘ پھر فرمایا: ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ﴾ ’’بھلا اگر وہ (رحمٰن) اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمھیں رزق دے؟‘‘ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تم سے اپنے رزق کو روک لے تو کون ہے جو تمھیں رزق

دے سکے، یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا اور کوئی نہیں جو تمھیں دے یا منع کرے، پیدا کرے، رزق دے اور مدد کرے، یہ لوگ اس بات کو جانتے بھی ہیں اور پھر اس کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ بَلْ لَّجُّوْا ﴾ ''بلکہ وہ اڑے ہوئے ہیں۔'' یعنی یہ اپنی سرکشی، افترا پردازی اور ضلالت و گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿ فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ ﴾ ''(حق سے) سرکشی اور گریز پر۔'' یعنی عناد، تکبر اور حق سے منہ موڑ کر نفرت میں پڑے ہوئے ہیں کہ نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ اسے مانتے ہیں۔

کافر اور مومن کی مثال: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ ﴾ ''بھلا جو شخص اوندھا ہو کر اپنے چہرے کے بل چلتا ہو وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو بالکل سیدھا ہو کر صراطِ مستقیم پر چلتا ہو؟'' یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے لیے بیان فرمائی ہے، کافر کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سیدھا ہو کر نہیں بلکہ ٹیڑھا چلتا ہو اور یہ جانتا بھی نہ ہو کہ وہ کہاں چل رہا اور کیسے چل رہا ہے بلکہ حیران و پریشان اور گم گشتہ ہو تو کیا ایسا شخص زیادہ ہدایت یافتہ ہے ﴿ اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ ﴾ ''یا وہ جو بالکل سیدھا ہو کر صراطِ مستقیم پر چل رہا ہو۔'' یعنی ایسے رستے پر جو واضح اور روشن ہو، خود بھی سیدھا ہو اور اس کا رستہ بھی سیدھا ہو۔ یہ ان کی دنیا میں مثال ہے اور آخرت میں بھی یہ اسی طرح ہوں گے۔ مومن کو جب اٹھایا جائے گا تو وہ سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر چلتا ہوا آئے گا اور یہ صراط مستقیم اسے جنت بریں میں پہنچا دے گا جبکہ کافر اپنے منہ کے بل چلتا ہوا آئے گا اور جہنم رسید ہو جائے گا۔ ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۙ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 23,22:37) ''جو لوگ ظلم کرتے تھے انھیں اور ان کے ہم جنسوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے (سب کو) جمع کر لو، (جن کو) اللہ کے سوا (پوجا کرتے تھے) پھر انھیں جہنم کے رستے پر چلا دو۔'' أزواج سے یہاں مراد ہم جنس اور ہم مثال ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! لوگوں کو اپنے مونہوں کے بل کس طرح چلایا جائے گا؟ فرمایا: [(أَلَيْسَ) الَّذِي أَمْشَاهُمْ عَلٰى أَرْجُلِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوهِهِمْ] ''جس نے انھیں پاؤں کے بل چلایا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انھیں چہروں کے بل چلا سکے؟''[1] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔[2]

قدرتِ تخلیق سے آخرت کی دلیل: فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمھیں پیدا کیا۔'' یعنی تمھاری تخلیق کی اس نے ابتدا فرمائی جبکہ تمھارا کوئی ذکر تک نہ تھا، ﴿ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ ﴾ ''اور اس نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔'' یعنی تمھیں عقل اور ادراک سے نوازا، ﴿ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ ﴾ ''تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔'' ان قوتوں اور صلاحیتوں کو جن سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں نوازا ہے تم کم ہی اس کی اطاعت، اس کے احکام کی فرماں برداری اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کے لیے استعمال کرتے ہو۔ ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِیْ

---

[1] مسند أحمد: 167/3 قوسین والے الفاظ صحیحین کے آمدہ حوالے کے مطابق ہیں۔ [2] صحیح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ ...... ﴾ الآية (الفرقان 34:25)، حديث: 4760 و صحیح مسلم، صفات المنافقين ......، باب يحشر الكافر على وجهه، حديث: 2806.

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو! اگر اللہ مجھے اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں، ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ

اَلِيْمٍ ﴿28﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿29﴾

دے گا؟﴿28﴾ کہہ دیجیے: وہ رحمٰن ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے توکل کیا، چنانچہ تم جلد جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے ﴿29﴾

2 ع 16 2 قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿30﴾ ع

کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو! اگر تمھارا (کنوؤں کا) پانی گہرا ہو جائے تو تمھارے پاس جاری پانی کون لائے گا؟﴿30﴾

﴿ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کہہ دو کہ وہی تو ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا۔'' یعنی اس نے تمھیں زمین کے اطراف و اکناف میں بسا دیا اور اس نے تمھاری مختلف زبانیں، مختلف بولیاں، مختلف رنگ، مختلف نقش و نگار اور مختلف شکلیں اور صورتیں بنائیں، ﴿ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''اور اسی کے روبرو تم جمع کیے جاؤ گے۔'' یعنی اس الگ الگ ہو جانے، بکھر جانے اور منتشر ہو جانے کے بعد تم پھر اسی طرح جمع کیے جاؤ گے جس طرح اس نے تمھیں الگ الگ کیا اور پھر تمھیں اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح اس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ کفار جو آخرت کے منکر اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید خیال کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا؟'' یعنی جدا جدا اور الگ الگ ہونے کے بعد دوبارہ جمع ہونا، جس کے بارے میں تم بتا رہے ہو، یہ کب ہوگا؟ ﴿ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیجیے: (اس کا) علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔'' یعنی اس کے وقت کی تعیین کو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن اس نے مجھے یہ حکم ضرور دیا ہے کہ میں تمھیں یہ بتا دوں کہ یہ ضرور واقع ہونے والا ہے، لہٰذا اس دن سے ڈرو! ﴿ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿26﴾ ﴾ ''اور بس میں تو کھول کھول کر ڈرانے والا ہوں۔'' یعنی مجھ پر فرض یہ ہے کہ میں پہنچا دوں اور میں نے اپنے اس فرض کو ادا کر دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''سو جب وہ اسے قریب سے دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔'' یعنی جب قیامت قائم ہو جائے گی اور کفار اس کا مشاہدہ کر لیں گے اور دیکھیں گے کہ اب معاملہ قریب ہے کیونکہ جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہی ہے، خواہ اس کا زمانہ قدرت طویل ہو جائے اور جب وہ امر واقع ہو جائے گا جس کی یہ تکذیب کرتے تھے تو ان کو یہ برا لگے گا کیونکہ انھیں وہاں خرابی معلوم ہو رہی ہوگی مگر یہ دن ان کا احاطہ کرے گا اور اللہ کا وہ امر آ پہنچے گا جس کا ان کے دلوں میں خیال بھی نہ تھا اور نہ اس کے حساب ہی کے لیے یہ تیار تھے، ﴿ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ○ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 39:47,48) ''اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائے گا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا اور ان کے اعمال کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ انھیں آ گھیرے گا۔'' اسی وجہ سے زجر و توبیخ کے طور پر ان سے کہا جائے گا: ﴿ هٰذَا الَّذِيْ

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿27﴾ ''یہ وہی ہے جس کے تم خواست گار تھے۔'' یعنی جس کے جلد وقوع پذیر ہونے کا تم مطالبہ کیا کرتے تھے۔

تفسیر آیات:28-30

موت سے عبرت حاصل کرنا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجیے (اے محمد ﷺ!)'' اللہ کے ساتھ ان شرک کرنے والوں اوراس کی نعمتوں کا انکار کرنے والوں سے: ﴿ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿28﴾ ﴾ ''بھلا دیکھو تو! اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر مہربانی کرے تو کون ہے جو کافروں کو دکھ دینے والے عذاب سے پناہ دے؟'' یعنی تم اپنی نجات کی فکر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ اوراس کے دین کی طرف رجوع کے سوا اور کوئی چیز تمھیں اللہ تعالیٰ سے بچا نہ سکے گی اور تم ہمارے لیے جو عذاب اور سزا کی تمنا کرتے ہو یہ تمھارے کچھ کام نہ آسکے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، خواہ عذاب دے یا ہم پر رحم فرمائے، تمھیں اس کی شدید سزا اوراس دکھ درد دینے والے عذاب سے جو تم پر واقع ہونے والا ہے، کوئی نہیں بچا سکے گا، پھر فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ ''فرما دیجیے کہ وہ (جو اللہ) رحمان (ہے) ہم اسی پر ایمان لائے اوراسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' یعنی ہم تو اللہ رب العالمین جو رحمان ورحیم ہے، پر ایمان لاتے اوراپنے تمام امور ومعاملات میں اسی کی ذات گرامی پر بھروسا رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ ﴾ (ھود 11:123) ''تو اسی کی عبادت کریں اوراسی پر بھروسا رکھیں۔'' ﴿ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿29﴾ ﴾ ''پس تمھیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے؟'' یعنی ہم میں اور تم میں سے کون صریح گمراہی میں مبتلا تھا اور دنیا وآخرت میں اچھا انجام کس کا ہوگا؟

پانی، نعمت الٰہی کی یاددہانی اوراس کے خشک ہو جانے کا خوف: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنی رحمت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا ﴾ ''کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو! اگر تمھارا پانی (جو تم پیتے ہو اور برتتے ہو) گہرا ہو جائے۔'' یعنی زمین کی گہرائیوں میں چلا جائے تو اسے لوہے کی کدالوں اور مضبوط بازوؤں کے ساتھ بھی نکالا نہ جا سکے۔ اور (یہاں لفظ غور آیا ہے اسی سے) غائر (ہے بمعنی گہرا اور یہ) نابع (جاری ہونے والا) کا متضاد ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ ﴿30﴾ ﴾ ''تو کون ہے جو تمھارے پاس بہتا ہوا (نتھرا) پانی لائے؟'' یعنی ایسا چشمہ جو جاری اور سطح زمین پر رواں دواں ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا چشمہ جاری کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، یہ اس کا محض فضل وکرم ہے کہ اس نے تمھارے لیے پانی کے چشمے پیدا فرما کر اپنے بندوں کی تھوڑی یا زیادہ ضرورت کے مطابق ساری دنیا میں جاری وساری فرما دیے۔

سورۂ ملک کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سُوْرَۂ قَلَم

یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ

نٓ قسم ہے قلم کی اور (اس کی) جو وہ لکھتے ہیں① (اے نبی!) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں② اور بے شک آپ کے لیے البتہ بے انتہا اجر

مَمْنُوْنٍ ③ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥

ہے③ اور یقیناً آپ خُلقِ عظیم پر (کاربند) ہیں④ پھر جلد ہی آپ دیکھ لیں گے اور وہ (کفار) بھی دیکھ لیں گے⑤ کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے⑥

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦

بے شک آپ کا رب ہی اسے بہتر جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو⑦

تفسیر آیات: 1-7

حروف تہجی (مقطعات) کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث گزر چکی ہے۔ ﴿نٓ﴾ بھی اسی طرح ہے جیسے ﴿صٓ﴾ اور ﴿قٓ﴾ حروف مقطعات ہیں جو بعض سورتوں کے آغاز میں آتے ہیں۔ ان کے بارے میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے، لہٰذا یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

قلم کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْقَلَمِ﴾ ''قلم کی قسم!'' بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد جنس قلم ہے جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق 96:3-5) ''پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا (اور) انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھا کر اپنی مخلوق کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر یہ کس قدر عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے لکھنا سکھایا جو تمام علوم کے حصول کا ذریعہ ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَا يَسْطُرُوْنَ ①﴾ ''اور جو وہ (اہل قلم) لکھتے ہیں (اس کی قسم!)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ جو وہ لکھتے ہیں۔[1] سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔[2] اور کچھ دیگر لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں قلم سے مراد وہ قلم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم جاری

① تفسیر الطبری: 23/29. ② تفسیر الماوردی: 6/60.

فرمایا تھا اور یہاں انھوں نے ان احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں اس قلم کا ذکر آیا ہے، مثلاً: امام ابن ابوحاتم نے ولید بن عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ موت کے وقت میرے والد نے مجھے بلایا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ، فَقَالَ لَهُ: اُكْتُبْ، قَالَ: يَارَبِّ! وَمَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبِ الْقَدَرَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ] ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے کہا کہ لکھ، اس نے عرض کی: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے، اسے لکھ۔'' [1] اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی کئی طرق سے روایت کیا ہے۔ [2] امام ترمذی نے اسے امام ابوداود طیالسی کے حوالے سے روایت کیا اور اسے غریب قرار دیا ہے۔ [3]

نبی ﷺ کی عظمت پر قلم کی قسم: فرمان الٰہی ہے: ﴿ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ ﴾ ''(اے محمد!) آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔'' یعنی الحمد للہ آپ دیوانے نہیں ہیں جس طرح کہ آپ کی قوم کے یہ جاہل لوگ کہتے ہیں جو اس ہدایت اور واضح حق کی تکذیب کرتے ہیں جسے آپ لائے ہیں اور اس سلسلے میں وہ آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ ﴾ ''اور بلاشبہ آپ کیلیے نہ ختم کیا جانے والا اجر ہے۔'' بلکہ آپ کے لیے تو وہ اجر عظیم اور ثواب جزیل ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ آپ نے اپنے رب کے پیغام کو مخلوق تک پہنچا دیا اور پھر ان کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر صبر کیا۔ ﴿ غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ ﴾ کے معنی غیر مقطوع (ختم نہ ہونے) کے ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ ﴾ (هود 11:108) ''یہ (اللہ کا) عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔'' نیز فرمایا: ﴿ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ﴾ (التين 95:6) ''پس ان کے لیے غیر منقطع اجر ہے۔'' یعنی جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ ﴾ کے معنی ہیں: بے حد وحساب۔ [4] ہم نے جو معنی بیان کیے ہیں وہ بھی یہی ہیں۔

اعلیٰ اخلاق کے عمدہ ترین پیکر: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً آپ تو خلق عظیم پر (فائز) ہیں۔'' کی تفسیر میں امام عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم، یعنی اسلام ہے۔ [5] امام مجاہد، ابومالک، سدی اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ [6] ضحاک اور ابن زید نے بھی یہی فرمایا ہے۔ [7] سعید بن ابوعروبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن ہشام نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے؟ انھوں نے عرض کی: کیوں نہیں! تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ [8] امام عبدالرزاق نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ [9] امام مسلم نے اسے صحیح میں قتادہ سے مروی طویل حدیث میں بیان کیا ہے۔ [10] اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے قرآن کے احکام اور قرآن کے امر و نہی

---

① امام ابن ابوحاتم سے ہمیں یہ حدیث نہیں ملی، البتہ اسے امام ابن جریر نے تفسیر الطبری:22,21/29 میں اور امام قرطبی نے تفسیر القرطبی:225/18 میں بیان کیا ہے۔ ② مسند أحمد:317/5. ③ جامع الترمذی، القدر، باب إعظام أمر الإيمان بالقدر، حديث:2155. ④ تفسير الطبری:23/29. ⑤ تفسير الطبری:24/29. ⑥ تفسير الطبری:24/29 و الدر المنثور:390/6. ⑦ تفسير الطبری:25/29. ⑧ تفسير الطبری:24/29. ⑨ تفسير عبدالرزاق:330/3، رقم:3274. ⑩ صحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب جامع صلاة الليل......، حديث:746.

پر اس طرح مکمل طور پر عمل فرمایا کہ آپ اپنی طبعی جبلت کو چھوڑ کر گویا مجسم قرآن بن گئے۔ قرآن نے جس بات کا بھی حکم دیا آپ اسے بجالائے اور قرآن نے جس بات سے بھی روکا آپ نے اس سے مکمل اجتناب فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طبعی طور پر خلق عظیم پر پیدا فرمایا اور حیا، جود وسخا، شجاعت وبسالت، عفو وحلم اور ہر خلق جمیل سے سرفراز فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دس برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا مگر آپ نے اس عرصے میں ایک بار بھی مجھے اف تک نہ کہا اور کسی ایسی چیز کے بارے میں جسے میں نے کیا ہو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے یہ کیوں کیا۔ اور نہ کسی ایسی چیز کے بارے میں جسے میں نے نہ کیا ہو، کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تم نے کیوں نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعتبار سے سب لوگوں سے احسن تھے۔ میں نے حریر و پرنیاں یا کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کوئی ایسی کستوری یا عطر نہیں سونگھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پسینے سے زیادہ معطر ہو۔ ① امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس بھی سب لوگوں سے زیادہ احسن اور آپ کا اخلاق بھی سب سے زیادہ احسن تھا، قامت کے اعتبار سے آپ نہ بہت طویل تھے اور نہ بہت کوتاہ۔ ② اس مضمون کی احادیث بہت زیادہ ہیں اور امام ابوعیسیٰ ترمذی نے ''کتاب الشمائل'' کے نام سے اس موضوع پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے کبھی کسی خادم، عورت یا کسی چیز کو نہیں مارا تھا الا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد فرما رہے ہوں، اگر آپ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ کو یہ بات زیادہ پسند تھی کہ ان میں سے زیادہ آسان کو اختیار فرمالیں الا یہ کہ وہ گناہ کی بات ہو اور اگر گناہ کی بات ہوتی تو پھر آپ گناہ سے سب لوگوں سے زیادہ دور ہوتے تھے، آپ نے کسی بھی شخص سے اپنی ذات کے لیے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا تھا الا یہ کہ کوئی اللہ کی حرمتوں کو توڑتا تو پھر آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔ ③ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ] ''مجھے تو صرف صالح اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔'' اس حدیث کو بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔ ④

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝5 بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝6﴾ ''سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔'' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) عنقریب آپ بھی جان لیں گے اور آپ کی مخالفت اور تکذیب کرنے والے بھی یہ جان لیں گے کہ آپ میں اور ان میں سے دیوانہ اور گمراہ کون ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ

① صحیح البخاری، الدیات، باب من استعان عبداً أو صبیا، حدیث: 6911 و 6038 و 1973 وصحیح مسلم، الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ، حدیث: (51،52)-2309، 2310 و 2330 وجامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ، حدیث: 2015 واللفظ له. ② صحیح البخاری، المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث: 3549. ③ مسند أحمد: 232/6 وصحیح البخاری، الحدود، باب إقامة الحدود......، حدیث: 6786. ④ مسند أحمد: 381/2.

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ

تو آپ تکذیب کرنے والوں کی اطاعت نہ کریں⑧ وہ چاہتے ہیں کہ آپ (کچھ) نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں⑨ اور آپ ہر قسمیں کھانے والے

مَّهِيْنٍ ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ⑪ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ عُتُلٍّ بَعْدَ

ذلیل کی بات نہ مانیں⑩ جو طعنے دینے والا، انتہائی چغل خور ہے⑪ بھلائی سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار ہے⑫ اجڈ، اس کے

ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ⑬ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ⑭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

علاوہ حرام زادہ ہے⑬ اس لیے کہ (وہ) مال اور بیٹوں والا ہے⑭ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ (یہ)

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑮ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ⑯

پہلوں کے افسانے ہیں⑮ ہم جلد اسے (اس کی) سونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے⑯

نے فرمایا ہے: ﴿ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴾ (القمر 26:54) ”عنقریب انھیں کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (سبا 24:34) ”اور بلاشبہ ہم یا تم البتہ سیدھے رستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔“ ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آپ اور یہ لوگ اسے قیامت کے دن جان لیں گے۔[1] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ الْمَفْتُوْنُ ﴾ کے معنی مجنون کے ہیں۔[2] امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔[3] ﴿ الْمَفْتُوْنُ ﴾ کے معنی تو ظاہر ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے اور أَيِّكُم پر با کو اس لیے داخل کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ ﴿ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ ﴾ میں تضمین فعل ہے اور عبارت مقدر یوں ہوگی کہ عنقریب آپ بھی جان لیں گے اور وہ بھی جان لیں گے یا یہ کہ عنقریب آپ کو بھی بتا دیا جائے گا اور ان کو بھی کہ دیوانہ کون ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۪ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ ﴾ ”بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی اسے خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور وہی ہدایت پانے والوں کو بہتر جانتا ہے۔“ یعنی وہ جانتا ہے کہ تم میں اور ان میں دونوں فریقوں میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور وہ راہ حق سے بہک کر گمراہ ہونے والی جماعت کو بھی خوب جانتا ہے۔

تفسیر آیات:8-16

تکذیب کرنے والوں کے مغالطوں کو قبول کرنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ پر انعام فرمایا اور شرع مستقیم اور خلق عظیم سے نوازا ﴿ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ ﴾ ”تو آپ جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانیں، وہ چاہتے ہیں کہ کاش! آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر انھیں رخصت دی جائے تو وہ بھی رخصت قبول کر لیں گے۔[4] مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں

---

[1] تفسیر القرطبی: 229/18 و الدر المنثور: 390/6. [2] الدر المنثور: 390/6. [3] تفسیر الطبری: 25/29. [4] تفسیر الطبری: 27/29.

کی طرف مائل ہو جائیں اور اس حق کو ترک کر دیں جس پر آپ ہیں۔[1] پھر فرمایا: ﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴾ ''اور آپ بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کا کہنا نہ مانیں۔'' کاذب اپنی کمزوری اور رسوائی کو چھپانے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کی قسمیں موقع بے موقع کھاتا رہتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ مَّهِيْنٍ ﴾ کے معنی کاذب کے ہیں۔[2] فرمان الٰہی: ﴿ هَمَّازٍ ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما وقتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی غیبت کرنے والے کے ہیں۔[3] ﴿ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴾ ''چغلی کھانے والا'' یعنی وہ جو لوگوں کی چغلی کھاتا، انھیں ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرتا اور لوگوں میں فساد پھیلانے کے لیے ایک دوسرے کو باتیں بتلاتا ہو، یہ بات تباہ و برباد کر دینے والی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں مجاہد کی طاؤس اور ان کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ] ''بے شک ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے بھی نہیں ہو رہا۔ ان میں سے ایک تو پیشاب کرتے ہوئے آڑ نہیں کرتا تھا، جبکہ دوسرا چغلی کھاتا تھا۔''[4] دیگر بہت سے محدثین نے بھی اس حدیث کو اپنی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ مجاہد کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔[5] امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ] ''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''[6] اسے ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[7]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ﴾ ''بھلائی سے بہت روکنے والا'' یعنی اس کے ذمے یا اس کے پاس جو مال ہے اس میں وہ بخل سے کام لیتا ہے۔ ﴿ مُعْتَدٍ ﴾ ''حد سے بڑھنے والا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو حلال کیا ہے اسے لینے میں وہ جائز حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ ﴿ اَثِيْمٍ ﴾ ''سخت گناہگار ہے۔'' محرمات کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ ﴿ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴾ ''اجڈ، اس کے علاوہ حرام زادہ ہے۔'' اَلْعُتُلّ کے معنی تو بدخو، سخت دل، صحیح سالم مگر مال کو جمع کرنے والا اور بخل کرنے والا کے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حارثہ بن وہب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ]

---

[1] تفسير الطبرى:28,27/29. [2] تفسير الطبرى :28/29. [3] تفسير الطبرى:29/29. [4] صحيح البخارى، الوضوء، باب، حديث : 218 و صحيح مسلم، الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول......، حديث: 292. [5] سنن أبى داود، الطهارة، باب الاستبراء من البول، حديث : 20 و جامع الترمذى، الطهارة، باب ماجاء فى التشديد فى البول، حديث: 70 و سنن النسائى، الطهارة، باب التنزه عن البول، حديث: 31 و سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب التشديد فى البول، حديث: 347. [6] مسند أحمد :382/5. [7] صحيح البخارى، الأدب، باب مايُكره من النميمة، حديث: 6056 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، حديث: (169)-105 و سنن أبى داود، الأدب، باب فى القتات، حديث: 4871 و جامع الترمذى، البر والصلة، باب ماجاء فى النمام، حديث: 2026 و السنن الكبرى للنسائى، التفسير، باب سورة القلم:496/6، حديث :11614 .

’’کیا میں تمھیں یہ نہ بتاؤں کہ اہل جنت کون ہے؟ (فرمایا:) ہر ضعیف و ناتواں جو اگر اللہ تعالیٰ کو قسم دے دے تو وہ اس کی قسم کو پورا کرے (وہ اہل جنت میں سے ہے اور پھر فرمایا:) کیا میں تمھیں یہ نہ بتاؤں کہ اہل دوزخ کون ہے؟ (فرمایا:) ہر اجڈ، سخت دل اور متکبر (اہل دوزخ میں سے ہے۔)‘‘① وکیع کی روایت میں: [كُلُّ جَوَّاظٍ جَعْظَرِيٍّ مُّسْتَكْبِرٍ] ’’ہر کنجوس اور مال جمع کرنے والا، سخت خو، متکبر ہے۔‘‘ کے الفاظ ہیں۔② امام بخاری و مسلم اور ابوداود کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو امام سفیان ثوری اور شعبہ کے واسطے سے معبد بن خالد سے روایت کیا ہے۔③ اہل لغت لکھتے ہیں کہ جَعْظَرِيٍّ کے معنی سخت خو اور سنگ دل کے ہیں۔ جَوَّاظٍ مال جمع کرنے والے اور بخل کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور زَنِیم کے معنی امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بیان کیے ہیں کہ قریش میں سے ایک شخص تھا جس کے کان کا کچھ حصہ کٹا ہوا تھا جس طرح بکری کا کان کٹا ہوتا ہے۔④ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص برائی میں اسی طرح مشہور تھا جس طرح کان کٹی ہوئی بکری دیگر بکریوں میں مشہور ہوتی ہے۔ عربی زبان میں زنیم اس اجنبی شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی قوم میں داخل ہو جائے جیسا کہ ابن جریر اور دیگر کئی ایک ائمہ نے فرمایا ہے۔⑤

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ ﴾ ’’اس لیے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ہے۔ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔‘‘ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان فرمایا کہ اسے مال اور بیٹوں کی نعمت سے نوازا مگر یہ ان انعامات الٰہی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کر کے اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ رہا ہے اور آیات الٰہی کے بارے میں اس بدگمانی میں مبتلا ہے کہ یہ جھوٹی ہیں اور اگلے لوگوں کے قصے کہانیوں سے ماخوذ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۙ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۙ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۙ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ؕ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ؕ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۚ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ؕ ﴾ (المدثر 74:11-30) ’’مجھے اور اسے تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اور اسے مال کثیر دیا۔ اور (ہر وقت اس کے پاس) حاضر رہنے والے بیٹے دیے۔ اور اس کے لیے خوب فراخی کا سامان کیا، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ ہماری آیتوں سے سخت عناد رکھتا ہے۔ میں اسے

① مسند أحمد: 306/4. ② مسند أحمد: 306/4. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴾ (القلم 68:13)، حديث: 4918 و 6657 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب النار يدخلها الجبارون..........، حديث: 2853 و سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: 4801 و جامع الترمذي، صفة جهنم، باب من هم أهل الجنة ومن هم أهل النار، حديث: 2605 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴾: 497/6، حديث: 11615، و سنن ابن ماجه، الزهد، باب من لا يؤبه له، حديث: 4116. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴾ (القلم 68:13)، حديث: 4917. ⑤ تفسير الطبري: 32/29.

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ⑰ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ⑱

بے شک ہم نے انھیں آزمایا جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا، جب انھوں نے قسم کھائی کہ البتہ صبح ہوتے ہی اس کے پھل کو ضرور توڑ لیں گے ⑰

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑲ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ⑳ فَتَنَادَوْا

اور وہ ''ان شاء اللہ'' نہیں کہہ رہے تھے ⑱ تو آپ کے رب کی طرف سے کوئی پھرنے والا (عذاب) اس (باغ) پر پھر گیا، جبکہ وہ سو رہے تھے ⑲ پھر وہ

مُصْبِحِيْنَ ㉑ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ㉒ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ

(باغ) کٹی کھیتی کی طرح ہو گیا ⑳ پھر صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا ㉑ کہ تم اپنی کھیتی پر صبح سویرے چلو اگر تمھیں پھل توڑنا ہے ㉒ چنانچہ

يَتَخَافَتُوْنَ ㉓ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ㉔ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ

وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے تھے ㉓ کہ آج تمھارے پاس باغ میں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے ㉔ اور وہ صبح سویرے (یہ سوچ

قٰدِرِيْنَ ㉕ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ㉖ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ㉗ قَالَ اَوْسَطُهُمْ

کر) لپکتے گئے کہ وہ (مسکینوں کو) روکنے پر قادر ہیں ㉕ پھر جب انھوں نے باغ دیکھا تو کہا: یقیناً ہم (راستہ) بھول گئے ہیں ㉖ (نہیں) بلکہ ہم تو محروم

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ㉘ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ㉙ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

کر دیے گئے ہیں ㉗ ان کا بہترین کہنے لگا: کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ ㉘ انھوں نے کہا: پاک ہے ہمارا رب، بے شک

عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ㉚ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ㉛ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا

ہم ہی ظالم تھے ㉙ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ملامت کرنے لگے ㉚ (اور) کہنے لگے: ہائے ہم پر افسوس! بے شک ہم ہی سرکش تھے ㉛

وقف لازم مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ㉜ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

شاید ہمارا رب بدلے میں اس سے بہتر ہمیں دے، بے شک ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ㉜ اسی طرح ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت

ع 1 33 3 يَعْلَمُوْنَ ㉝ ع

کا عذاب تو سب سے بڑا ہے۔ کاش! وہ جان لیتے ㉝

جلد مشکل چڑھائی چڑھاؤں گا۔ بے شک اس نے غور و فکر کیا اور اندازہ لگایا۔ تو وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ پھر وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ پھر اس نے دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر اس نے کہا: یہ (قرآن) تو صرف جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو صرف ایک بشر کا قول ہے۔ میں جلد اسے سقر (جہنم) میں ڈالوں گا۔ اور آپ کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے۔ وہ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ چمڑی جھلسا دینے والی ہے۔ اس پر انیس (فرشتے مقرر) ہیں۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ⑯ ﴾ ''ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کے معاملے کو اس طرح واضح کر دیں گے حتی کہ وہ اسے پہچاننے لگیں گے اور وہ ان سے مخفی نہ رہے گا جس طرح وہ شخص مخفی نہیں رہ سکتا جس کی ناک پر داغ لگا ہوا ہو۔[1] دیگر ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ

① تفسیر الطبری: 36/29.

﴿ سَنَسِمُهٗ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس پر جہنمیوں کی علامت لگا دیں گے۔ یعنی قیامت کے دن اس کے چہرے کو کالا سیاہ کر دیں گے۔ یہاں چہرے کے لیے ناک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ①

تفسیر آیات:17-33

کفار کی کمائی کے ختم ہو جانے کی مثال: یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے لیے بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عظیم رحمت اور جسیم نعمت سے نوازا اور وہ یہ ہے کہ ان کی طرف حضرت محمد ﷺ کی بعثت فرمائی مگر انھوں نے اس رحمت و نعمت کی قدر کرنے کے بجائے، آپ کی تکذیب و تردید کی اور آپ سے جنگ کی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ ﴾ ''یقیناً ہم نے ان لوگوں کی آزمائش کی ہے۔'' ﴿ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ ﴾ ''جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔'' جنت اس باغ کو کہتے ہیں جو مختلف انواع و اقسام کے پھلوں پر مشتمل ہو۔ ﴿ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ⑰ ﴾ ''جب انھوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی وہ اس کا پھل ضرور کاٹ (توڑ) لیں گے۔'' یعنی انھوں نے آپس میں یہ قسمیں کھائیں کہ اس کے پھل کو رات کو ہی توڑ لیں گے تاکہ کسی فقیر اور سوالی کو ان کے بارے میں پتا نہ چلے باغ کا پھل ان پر وافر ہو جائے اور اس میں سے کچھ بھی صدقہ نہ کریں۔ ﴿ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ⑱ ﴾ ''اور وہ ان شاء اللہ نہیں کہہ رہے تھے۔'' یعنی انھوں نے قسمیں تو کھائیں مگر ان شاء اللہ نہ کہا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسموں کو پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑲ ﴾ ''سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ آپ کے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) کوئی پھرنے والا (عذاب) اس (باغ) پر پھر گیا۔'' یعنی باغ پر ایک آسمانی آفت ٹوٹ پڑی، ﴿ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ⑳ ﴾ ''تو وہ (باغ) ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ باغ کا منظر اس طرح ہو گیا جیسے سیاہ رات ہو۔ ② امام سفیان ثوری اور سدی فرماتے ہیں کہ وہ کٹی ہوئی کھیتی کے مانند ہو گیا، یعنی چورا چورا اور خشک ہو گیا۔

﴿ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ㉑ ﴾ ''پھر صبح ہوتے ہی وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔'' یعنی صبح کے وقت انھوں نے ایک دوسرے کو بلانا شروع کیا تاکہ باغ کا پھل توڑنے کے لیے چل پڑیں، ﴿ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ㉒ ﴾ ''کہ اگر تمھیں (پھل) توڑنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو۔'' یعنی اگر تم پھل کاٹنا چاہتے ہو تو جلدی کرو۔ ﴿ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ㉓ ﴾ ''پھر وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔'' یعنی آپس میں سرگوشیاں کرتے چلے جا رہے تھے تاکہ کوئی ان کی بات کو سن نہ سکے، پھر اللہ تعالیٰ نے، جو مخفی باتوں اور سرگوشیوں کو بھی جانتا ہے، ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ کیا سرگوشیاں کر رہے تھے، فرمایا: ﴿ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ㉓ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ㉔ ﴾ ''پھر وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج یہاں (باغ میں) تمھارے پاس کوئی فقیر ہرگز داخل نہ ہو پائے۔'' یعنی آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہہ رہے تھے کہ آج کسی فقیر کو یہ موقع ہی نہ دو کہ وہ تمھارے پاس آسکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ ﴾ یعنی بڑی قوت و شدت کے ساتھ وہ کوشش کر کے صبح سویرے نکلے، ﴿ قٰدِرِيْنَ ㉕ ﴾ یعنی اس

---

① تفسیر الطبری :36/29 و تفسیر الماوردی :66/6. ② تفسیر ابن أبی حاتم :3366/10 و تفسیر الطبری :38/29 .

حال میں کہ وہ اپنے وہم وگمان کے مطابق اس باغ پر قدرت رکھنے والے تھے لیکن ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴾ ''پھر جب انھوں نے اس (باغ) کو دیکھا تو کہنے لگے کہ البتہ ہم رستہ بھول گئے ہیں۔'' یعنی جب یہ باغ کے پاس پہنچے اور اس کی وہ حالت دیکھی جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ باغ جو کبھی سرسبز وشاداب اور پھولوں، پھلوں سے لدا پھندا ہوتا تھا، اب تباہ وبرباد ہونے کے بعد کالی سیاہ رات کا منظر پیش کر رہا تھا کہ اب اس میں کوئی چیز بھی تو منفعت بخش باقی نہ رہی تھی جس کی وجہ سے انھیں یہ گمان گزرا کہ شاید وہ راستہ بھول گئے ہیں، اس لیے کہنے لگے: ﴿ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴾ ''یقیناً ہم رستہ بھول گئے ہیں۔'' یعنی ہم کسی اور راستے پر چل نکلے جس کی وجہ سے غلط جگہ پر آ گئے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے۔[1] پھر انھوں نے اپنی اس بات سے رجوع کر لیا اور انھیں یقین ہو گیا کہ نہیں یہ وہی جگہ ہے اور کہنے لگے: ﴿ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴾ ''(نہیں) بلکہ ہم (برگشتہ بخت) بے نصیب ہیں۔'' یعنی یہ جگہ تو وہی ہے لیکن ہم ہی محروم وبے نصیب ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ اَوْسَطُهُمْ ﴾ ''ایک جوان میں بہترین تھا، بولا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن کعب، ربیع بن انس، ضحاک اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جوان میں سے سب سے زیادہ موزوں اور بہتر تھا،[2] وہ کہنے لگا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴾ ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟'' مجاہد، سدی اور ابن جریج کہتے ہیں کہ تم إن شاء اللہ کیوں نہیں کہتے۔[3] سدی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں تسبیح ہی إن شاء اللہ کہنا تھی۔[4] ابن جریر فرماتے ہیں کہ تسبیح یہ ہے کہ کوئی یہ کہے: إن شاء اللہ۔[5] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بہتر نے یہ کہا کہ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تمھیں عطیہ اور انعام سے نوازا ہے اس پر تم اللہ کی تسبیح اور اس کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے، ﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴾ ''(تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو پاک ہے، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔'' لیکن انھوں نے اطاعت کا اس وقت اظہار کیا جب وہ ان کے لیے نفع بخش نہ تھی اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اعتراف کرنے لگے مگر یہ بے سود تھا، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم ہی ظالم تھے، پھر وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ملامت کرنے لگے۔'' یعنی ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ انھوں نے کیوں اصرار کیا کہ مسکینوں کو پھل نہ دیا جائے اور اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا بجز اس کے کہ اپنی غلطی اور گناہ کا اعتراف ان الفاظ سے کیا: ﴿ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴾ ''وہ کہنے لگے: ہائے ہماری شامت! بلاشبہ ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔'' یعنی ہم ہی نے ظلم، زیادتی اور سرکشی کرتے ہوئے حد سے تجاوز کیا جس کی وجہ سے ہمیں یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم :3366/10 و تفسیر الطبري :42,41/29. [2] تفسیر الطبري :42/29. [3] تفسیر الطبري :43/29 والدرالمنثور :397/6. [4] تفسیر ابن أبي حاتم :3366/10. [5] تفسیر الطبري :43/29، البتہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں ابن جریر رحمہ اللہ کے بجائے ابن جریج سے یہ قول منقول ہے، دیکھیے الدر المنثور :397/6.

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿34﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿35﴾ ط

بے شک متقین کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمت کے باغات ہیں﴿34﴾ کیا پھر ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر ٹھہرائیں گے؟﴿35﴾ تمھیں کیا ہوا،تم کیسے فیصلے

مَا لَكُمْ وقفة كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿36﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿37﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿38﴾

کرتے ہو؟﴿36﴾ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے،جس میں تم پڑھ لیتے ہو؟﴿37﴾ (کہ) یقیناً تمھارے لیے اس (کتاب) میں تمھاری من مانی باتیں ہوں؟﴿38﴾

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿39﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ

کیا تم نے ہم سے یوم قیامت تک پہنچنے والی قسمیں لی ہیں کہ بے شک تمھارے لیے وہ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے؟﴿39﴾ ان سے پوچھیے کہ ان میں کون

بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿40﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿41﴾

اس کا ذمہ لیتا ہے؟﴿40﴾ کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ وہ اپنے شریک لے آئیں اگر وہ سچے ہیں﴿41﴾

﴿ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ”امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر (باغ) عنایت فرمائے، بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔“ کہا گیا ہے کہ انھیں رغبت ہوئی کہ اللہ اس کے بدلے دنیا میں انھیں اور باغ عطا فرما دے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے امید کی کہ اللہ تعالیٰ انھیں آخرت میں اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. بعض سلف نے ذکر کیا ہے کہ ان باغ والوں کا تعلق اہل یمن سے تھا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان کا تعلق ضروان نامی ایک بستی سے تھا جو صنعاء سے چھ میل کی مسافت پر تھی۔① بعض نے کہا ہے کہ ان کا تعلق حبشہ سے تھا، ان کے باپ نے بطور وراثت ان کے لیے یہ باغ چھوڑا تھا اور یہ اہل کتاب تھے۔ ان کے باپ کا باغ کے بارے میں اچھا طرز عمل تھا کہ وہ اس سے جو پیداوار حاصل کرتا، اس میں سے کچھ حصہ تو باغ ہی کی اصلاح اور بہتری کے لیے خرچ کر دیتا، ایک سال کے لیے اپنے اہل وعیال کا خرچ رکھ لیتا اور باقی صدقہ کر دیتا تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا اور اس کے یہ بیٹے اس کے وارث بنے تو کہنے لگے کہ ہمارا باپ تو احمق تھا کہ وہ باغ کی پیداوار کا ایک حصہ فقیروں پر خرچ کر دیتا تھا، لہٰذا اگر ہم فقیروں کو نہ دیں تو یہ حصہ بھی ہمارے پاس ہی رہ جائے گا، جب انھوں نے فقیروں کو محروم کر دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے ارادے کے برعکس معاملہ کیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا راس المال، نفع اور صدقہ سب کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑا اور فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ط ﴾ ”(دیکھو!) عذاب یوں ہی ہوتا ہے۔“ یعنی اس طرح اسے عذاب سے دوچار کر دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرے، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں بخل سے کام لے، مسکینوں، فقیروں اور محتاجوں کے حق کو ادا نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفران نعمت کی روش کو اختیار کرے۔ ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ”اور آخرت کا عذاب (اس سے) کہیں بڑا ہے، کاش! یہ لوگ جانتے ہوتے۔“ یعنی جیسا کہ تم نے سن لیا کہ یہ تو دنیا کی سزا ہے اور باقی رہا آخرت کا عذاب تو وہ اس سے کہیں بڑھ کر سخت ہوگا۔

① تفسیر الطبری: 38/29.

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿42﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور انھیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو وہ (سجدہ) نہ کر سکیں گے﴿42﴾ ان کی نظریں جھکی ہوں گی، ان پر

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿43﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ

ذلت چھا رہی ہوگی۔ اور تحقیق (دنیا میں) انھیں سجدے کے لیے بلایا جاتا تھا جب کہ وہ صحیح سالم تھے﴿43﴾ لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس

يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿44﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ

حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے، ہم انھیں آہستہ آہستہ (تباہی کی طرف) لے جائیں گے اس طرح کہ انھیں علم تک نہ ہوگا﴿44﴾ اور میں انھیں ڈھیل دیتا ہوں،

كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿45﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿46﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ

بے شک میری تدبیر انتہائی پختہ ہے﴿45﴾ (اے نبی!) کیا آپ ان سے اجر مانگتے ہیں جو وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟﴿46﴾ کیا ان کے پاس

الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿47﴾

(علم) غیب ہے تو وہ (اس سے) لکھ لاتے ہیں؟﴿47﴾

تفسیر آیات: 34-41

فرماں بردار اور مجرم برابر نہیں: جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان دنیوی باغ والوں کا ذکر کیا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرے اور اس کی اطاعت بجالائے تو اسے آخرت میں نعمتوں سے بھرپور ایسے باغات ملیں گے جو کبھی نہ تباہ و برباد ہوں گے اور نہ اس کی ابدی و سرمدی نعمتیں ہی کبھی زوال پذیر ہوں گی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿35﴾ ﴾ ”کیا پھر ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح (نعمتوں سے محروم) کر دیں گے؟“ یعنی کیا جزا و سزا کے اعتبار سے ہم دونوں سے یکساں سلوک کریں گے؟ زمین و آسمان کے رب کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا لَكُمْ ۥ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿36﴾ ﴾ ”تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟“ یعنی تم یہ کس طرح گمان کرتے ہو؟ پھر فرمایا: ﴿ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿37﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿38﴾ ﴾ ”یا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم (یہ) پڑھتے ہو کہ بلاشبہ اس میں تمھارے لیے وہ ہے جسے تم بہتر سمجھتے ہو؟“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تمھارے ہاتھوں میں آسمان سے نازل ہونے والی کوئی ایسی کتاب ہے جسے تم پڑھتے ہو، یاد رکھتے ہو اور جو خلف کے سلف سے نقل کرنے کی وجہ سے تمھارے ہاں متداول ہو اور اس میں اس طرح کی باتیں لکھی ہوں جن کا تم دعویٰ کرتے ہو؟ ﴿ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿39﴾ ﴾ ”یا تم نے ہم سے یوم قیامت تک پہنچنے والی قسمیں لے رکھی ہیں؟ (کہ) یقیناً تمھارے لیے وہ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے۔“ یعنی کیا تمھارے پاس ہماری طرف سے کیے ہوئے عہد و پیمان موجود ہیں کہ تم جو ارادہ اور خواہش بھی کرو گے وہ تمھیں ضرور حاصل ہو کر رہے گی؟ ﴿ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿40﴾ ﴾ ”اُن سے پوچھیے کہ ان میں سے کون اس (بات) کا ذمہ لیتا ہے؟“ یعنی آپ ان سے یہ کہیں کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا کفیل

کون ہے۔ ① ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ﴾ ''یا ان کے لیے (ہمارے) کوئی شریک ہیں؟''یعنی بت یا دیگر شریک، ﴿ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝41 ﴾ ''اگر وہ سچے ہیں تو چاہیے کہ اپنے شریک لے آئیں۔''

تفسیر آیات :42-47

قیامت کے دن کی ہولناکی: جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا: ﴿ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ﴾ (القلم 34:68) ''بے شک متقین کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمت کے باغات ہیں۔'' تو یہ بیان کرتے ہوئے کہ یہ کب ہوگا، فرمایا: ﴿ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝42 ﴾ ''جس دن پنڈلی سے کھول دیا جائے گا اور انھیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو وہ (سجدہ) نہ کرسکیں گے۔'' یعنی یہ قیامت کے دن ہوگا جس دن بڑی ہولناکیاں، بڑے زلزلے، بڑے ابتلا و امتحان اور بڑے بڑے امور وقوع پذیر ہوں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا: [يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ، فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ، وَّيَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَاءً وَّسُمْعَةً، فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ، فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَّاحِدًا] ''ہمارا رب اپنی پنڈلی سے پردہ اٹھائے گا تو ہر مومن مرد و عورت اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے اور صرف وہ باقی رہ جائے گا جو دنیا میں ریاکاری اور شہرت کے لیے سجدہ کیا کرتا تھا، چنانچہ وہ جب سجدہ کرنا چاہے گا تو اس کی پشت ایک سخت تختے کی طرح ہو جائے گی۔'' یہ حدیث صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے اور یہ ایک طویل اور مشہور حدیث ہے۔ ②

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ﴾ ''ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔'' یعنی دنیا میں انھوں نے جو جرم اور تکبر کیا تو آخرت میں ان کے اس عمل کے الٹ ان سے معاملہ کیا جائے گا اور دنیا میں انھیں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے کا کہا گیا تو انھوں نے صحت و سلامتی کے باوجود اس سے انکار کیا، اب آخرت میں انھیں یہ سزا دی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر ہی نہیں سکیں گے۔ جب اللہ رب ذوالجلال تجلی فرمائے گا تو مومن اپنے رب تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے مگر کسی کافر و منافق کو اس وقت سجدہ کرنے کی طاقت ہی نہ ہوگی کیونکہ ان کی پشتیں اس وقت تختوں کی طرح سخت ہو جائیں گی۔ جب بھی ان میں سے کوئی سجدہ کرنا چاہے گا تو وہ سجدے کی حالت کے برعکس اپنی گدی کے بل پیچھے کی طرف گر جائے گا جس طرح کہ دنیا میں ان کا عمل مومنوں کے عمل کے برعکس تھا۔

قرآن کی تکذیب کرنے والے کے لیے وعید: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ ﴾ ''پس مجھے چھوڑ دیجیے اور اسے جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے۔'' حدیث سے مراد قرآن مجید ہے اور یہ بہت شدید وعید ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اور اسے چھوڑ دو (تاکہ میں اس سے سمجھ لوں) یہ میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے اسے اس کی

① تفسير الطبرى :45/29. ② صحيح البخارى، التفسير، باب: ﴿ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ ﴾ (القلم 42:68)، حديث: 4919 و صحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حديث :183 .

سرکشی کے باوجود کس طرح مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہے اور پھر میں اسے اس طرح پکڑوں گا جس طرح غالب اور قوت والا پکڑتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ''ہم انھیں اس طرح آہستہ آہستہ (تباہی کی طرف) لے جائیں گے کہ انھیں خبر بھی نہ ہوگی۔'' یعنی انھیں اس بات کا شعور بھی نہیں ہوگا، وہ سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی عزت افزائی ہو رہی ہے، حالانکہ حقیقت میں ان کی توہین و تذلیل کی جارہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (المؤمنون 23:55,56) ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک ہم جو بھی ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کیے جارہے ہیں، تو کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ (اصل حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴾ (الأنعام 6:44) ''پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو، جو انھیں کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے، جو ان کو دی گئی تھیں، اترانے لگے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا، پھر وہ (اس وقت) مایوس ہو کر رہ گئے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ ''اور میں انھیں مہلت دیے جاتا ہوں، بلاشبہ میری تدبیر بہت قوی ہے۔'' یعنی میں انھیں جو مہلت اور ڈھیل دے رہا ہوں تو یہ بھی ان کے ساتھ میری ایک تدبیر ہے۔ اور اس کے خلاف تو میری تدبیر بہت قوی ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے، میرے رسولوں کی تکذیب کرے اور میری معصیت و نافرمانی کی جرأت کرے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴾ (هود 11:102)] ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا، پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ''اور (اے نبی!) آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑا کرتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ بہت سخت (اور) درد دینے والی ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یا آپ ان سے کوئی اجر مانگتے ہیں کہ وہ تاوان (کی وجہ) سے بوجھل ہو گئے ہیں یا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ (اسے) لکھتے جاتے ہیں۔'' ان دو آیتوں کی تفسیر سورۂ طور میں بیان کی جاچکی ہے۔[2] ان آیات کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد (ﷺ!) آپ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان سے اس کا کچھ اجر نہیں مانگتے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اور آپ جس دین و شریعت کو لے کر آئے ہیں یہ لوگ محض جہالت، کفر اور عناد کی وجہ سے اس کی تکذیب کر رہے ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ﴾ (هود11:102)، حديث:4686 و صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظلم، حديث:2583. [2] دیکھیے الطور 52، آیات:40,41 کے ذیل میں۔

وقف لازم

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿48﴾ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ

چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کریں اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہوں، جب اس نے (اللہ کو) پکارا تھا جبکہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا﴿48﴾ اگر اس

نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿49﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿50﴾

کے رب کا احسان اسے نہ سنبھالتا تو وہ چٹیل میدان میں پھینکا جاتا جبکہ وہ مذموم ہوتا﴿49﴾ پھر اس کے رب نے اسے نوازا اور اس کو صالحین میں شامل کیا﴿50﴾

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ

اور بلاشبہ قریب ہے کہ کافر (لوگ) اپنی (بری) نظروں سے آپ کو پھسلا دیں گے جب وہ (یہ) ذکر (قرآن) سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے شک وہ تو

لَمَجْنُوْنٌ ﴿51﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿52﴾ ع

یقیناً دیوانہ ہے﴿51﴾ اور یہ (قرآن) تو سب جہانوں کے لیے نصیحت ہے﴿52﴾

تفسیر آیات :48-52

صبر کرنے اور یونس علیہ السلام کی طرح جلدی نہ کرنے کا حکم : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ ''آپ صبر کیجیے'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم !) آپ اپنی قوم کی ایذا اور تکذیب پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور دنیا و آخرت میں عاقبت آپ کی اور آپ کے پیروکاروں ہی کی اچھی ہوگی۔ ﴿ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ ''اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہونا۔'' یعنی یونس بن متی علیہ السلام کی طرح جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل دیے تھے اور سمندر میں جب سفر اختیار کیا تو مچھلی نے انھیں نگل لیا اور وہ انھیں سمندروں کی تہوں اور تاریکیوں میں لے گئی تو وہاں انھوں نے سنا کہ سمندر بھی اس بلند و بالا اور قادر و قدیر ذات گرامی کی تسبیح بیان کر رہا ہے کہ جس کی تقدیر کو کوئی ٹال نہیں سکتا تو انھوں نے بھی سمندر کے اندھیروں میں اپنے رب کو پکارا: ﴿ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴾ (الأنبياء 87:21) ''کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے (اور) بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الأنبياء 88:21) ''چنانچہ ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۙ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۚ ﴾ (الصّٰفّٰت 144,143:37) ''پھر اگر (یہ بات) نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھا۔ تو وہ لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن (روز قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا۔'' اور یہاں یہ فرمایا ہے: ﴿ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿48﴾ ﴾ ''جب اس نے (اللہ کو) اس حال میں پکارا کہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ مَكْظُوْمٌ ﴿48﴾ ﴾ کے معنی مغموم کے ہیں۔[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿50﴾ ﴾ ''پس اس کے پروردگار نے اسے چن لیا، پھر اس کو (دوبارہ) نیکوکاروں میں سے کر دیا۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَّقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُّونُسَ بْنِ مَتّٰى] ''کسی کو یہ بات

[1] تفسير الطبري: 55,54/29.

زیب نہیں دیتی کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔''① اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سفیان ثوری کے حوالے سے روایت کیا ہے۔② صحیحین میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔③

نظر کا لگ جانا حق ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ ﴾ ''اور بلاشبہ قریب ہے کہ کافر (لوگ) اپنی (بری) نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں گے۔'' کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ لَيُزْلِقُوْنَكَ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ آپ کو پھسلا دیں گے۔④ یعنی آپ کو نظر لگا دیں گے اور بغض کی وجہ سے یہ لوگ آپ سے حسد کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ آپ کی حمایت اور حفاظت فرما رہا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نظر لگنا اور اس کا اثر انداز ہونا حق ہے جیسا کہ مختلف سندوں سے مروی بہت سی احادیث سے بھی یہ ثابت ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

حدیث بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ: امام ابو عبداللہ ابن ماجہ نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ] ''دم صرف نظر لگنے یا بخار سے کیا جاتا ہے۔''⑤ امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس میں ایک قصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔⑥ اسی طرح امام ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔⑦ امام بخاری، ابو داود اور ترمذی نے اس حدیث کو عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے انھی الفاظ کے ساتھ موقوفاً روایت کیا ہے۔⑧

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث: امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَّلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا] ''نظر لگنا برحق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جا سکتی ہوتی تو نظر سبقت لے جاتی اور جب تم سے غسل کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کر دیا کرو۔''⑨ اس حدیث کو صرف امام مسلم نے بیان فرمایا ہے، امام بخاری نے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین کو یہ دم کیا کرتے تھے: [أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ] ''میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمات تام کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان، زہریلے جاندار سے اور ہر لگنے والی نظر بد (کے شر)

---

① مسند أحمد :390/1. ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ...... ﴾ (الصّٰفّٰت 37:139-142)، حديث:3412. ③ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ...... ﴾ (الصّٰفّٰت37:139-142)، حديث:3413و3416و3395 وصحيح مسلم، الفضائل، باب في ذكر يونس عليه السلام......، حديث:2377,2376 صحیحین میں یہ حدیث ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ ④ تفسير الطبري :56/29.
⑤ سنن ابن ماجه، الطب، باب مارخص فيه من الرقى، حديث :3513. ⑥ صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة......، حديث :220. ⑦ جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الرخصة في ذلك، حديث :2057.
⑧ صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره......، حديث:5705 وسنن أبي داود، الطب، باب في تعليق التمائم، حديث :3884 وجامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الرخصة في ذلك، حديث :2057، امام ابو داود اور ترمذی نے اس روایت کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ والله تعالى أعلم . ⑨ صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض و الرقى، حديث :2188.

سے۔'' آپ نے فرمایا: [هٰكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يُعَوِّذُ إِسْحَاقَ وَإِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ] ''حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق واسماعیل علیہما السلام کو بھی اسی طرح دم کیا کرتے تھے۔'' اس حدیث کو امام بخاری اور اہل سنن نے بیان فرمایا ہے۔ ①

حدیث ابوامامہ اسعد بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ: امام ابن ماجہ نے ابوامامہ (اسعد) بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ عامر بن ربیعہ کا سہل بن حنیف کے پاس سے گزر ہوا جبکہ وہ غسل کر رہے تھے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے اس طرح کا بدن تو کسی پردہ نشین عورت کا بھی نہیں دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی سہل بے ہوش ہو کر گر پڑے، انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! سہل کی خبر لیجیے یہ بے ہوش ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا: [مَنْ تَتَّهِمُونَ بِهِ؟] ''تم کس پر الزام لگاتے ہو؟'' تو انھوں نے کہا کہ عامر بن ربیعہ پر، آپ نے فرمایا: [عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ؟ إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِّنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ، فَلْيَدْعُ لَهُ بِالْبَرَكَةِ] ''تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ جب تم میں سے کسی کو اپنے بھائی کی کوئی بات اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے لیے برکت کی دعا کرے۔'' پھر آپ نے پانی منگوایا اور عامر کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور اپنے چہرے کو دھوئے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور اپنے گھٹنوں کو اور تہبند کے اندر والے جسم کو دھو ڈالے اور پھر حکم دیا کہ اس پانی کو سہل پر ڈالو۔ سفیان نے کہا کہ معمر نے زہری سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ برتن کو اس کے پیچھے سے اس پر انڈیلے۔ ② امام نسائی نے بھی کئی سندوں کے ساتھ ابوامامہ سے یہ روایت کیا ہے کہ وہ برتن کو اس کے پیچھے سے اس پر انڈیلے۔ ③

حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ: امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کی نظروں سے پناہ مانگا کرتے تھے، پھر انسانوں کی نظروں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے ان دونوں سورتوں کو لے لیا اور ان کے سوا دیگر اشیاء کو ترک کر دیا۔ ④ اسے امام ترمذی ونسائی نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ ⑤

ایک دوسری حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: اے محمد! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں'' تو انھوں نے آپ کو یہ دم کیا: [بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّعَيْنٍ، (اَللّٰهُ) يَشْفِيكَ، بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ] ''اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں،

---

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 10، حديث: 3371 و سنن أبي داود، السنة، باب في القرآن، حديث: 4737 و جامع الترمذي، الطب، باب كيف يعوذ الصبيان، حديث: 2060 و اللفظ له والسنن الكبرٰى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب ذكر ماكان إبراهيم يعوذبه......: 250/6، حديث: 10844 وسنن ابن ماجه، الطب، باب ماعوّذبه النبي ﷺ......، حديث : 352. ② سنن ابن ماجه، الطب، باب العين ، حديث :3509. ③ السنن الكبرٰى للنسائي، الطب، باب وضوء العائن: 381/4، حديث: 7617و7619. ④ سنن ابن ماجه، الطب، باب من استرقى من العين، حديث: 3511. ⑤ جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الرقية بالمعوذتين، حديث: 2058 و سنن النسائي، الاستعاذة، باب الاستعاذة من عين الجان، حديث :5496 .

ہر اس چیز سے جو تجھے تکلیف دے، ہر انسان اور ہر آنکھ کے شر سے اور نظر سے اللہ تجھے شفا دے، میں اللہ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں۔'' اسے امام مسلم اور ابوداود کے سوا دیگر اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔ ① امام احمد رحمہ اللہ ہی نے ابوسعید یا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار تھے تو جبریل آپ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کو یہ دم کیا: [بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ كُلِّ حَاسِدٍ وَّعَيْنٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيكَ] ''اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو تجھے تکلیف دے (اور) ہر حسد کرنے والے اور ہر آنکھ (کے شر) سے بھی (تجھے دم کرتا ہوں) اللہ تجھے شفا بخشے۔'' ②

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(إِنَّ) الْعَيْنَ حَقٌّ] ''یقیناً نظر لگ جانا برحق ہے۔'' ③ اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان فرمایا ہے۔ ④ امام ابن ماجہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْعَيْنُ حَقٌّ] ''نظر لگ جانا برحق ہے۔'' ⑤ اسے (اپنی سند سے) روایت کرنے میں امام ابن ماجہ متفرد ہیں۔

حدیث اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا: امام احمد رحمہ اللہ نے عبید بن رفاعہ زرقی سے روایت کیا ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جعفر کے بیٹوں کو نظر لگ جاتی ہے تو کیا میں انھیں دم کر دیا کروں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ! فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ] ''ہاں! اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہوتی تو نظر سبقت کر جاتی۔'' ⑥ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ⑦ اسے امام ترمذی اور نسائی نے عبدالرزاق از معمر از ایوب از عمرو بن دینار از عروہ بن عامر از عبید بن رفاعہ از اسماء بنت عمیس روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ⑧

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ نظر لگ جانے کی وجہ سے دم کرا لیا کریں۔ ⑨ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت فرمایا ہے۔ ⑩

---

① مسند أحمد: 28/3 و56/3 قوسین والا لفظ صحیح مسلم، السلام، باب الطب والمرض و الرقی، حدیث:2186 کے مطابق ہے۔ و جامع الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی التعوذ للمریض، حدیث : 972 و السنن الکبری للنسائی، عمل الیوم واللیلة، باب ذکر ما کان جبریل یعوذ به النبی ﷺ:249/6، حدیث:10843 و سنن ابن ماجه، الطب، باب ما عوذ به النبی ﷺ......، حدیث:3523. ② مسند أحمد:75/3. ③ مسند أحمد:319/2، البتہ قوسین والا حرف المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، باب ذکر مناقب سهل......:412,411/3، حدیث:5742 عن أبی أمامة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے. ④ صحیح البخاری، الطب، باب العین حق، حدیث :5740 و صحیح مسلم، السلام، باب الطب......، حدیث:2187. ⑤ سنن ابن ماجه، الطب، باب العین، حدیث:3507. ⑥ مسند أحمد :438/6. ⑦ جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی الرقیة من العین، حدیث:2059 و سنن ابن ماجه، الطب، باب من استرقی من العین، حدیث:3510. ⑧ جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی الرقیة من العین، حدیث : 2059 و السنن الکبری للنسائی، الطب، باب رقیة العین:365/4، حدیث:7537. ⑨ سنن ابن ماجه، الطب، باب من استرقی من العین، حدیث :3512. ⑩ صحیح البخاری، الطب، باب رقیة العین، حدیث:5738 و صحیح مسلم، السلام، باب استحباب الرقیة من العین......، حدیث :2195.

حدیث سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے سفر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور یہ لوگ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے حتی کہ جب یہ جحفہ کی گھاٹی خرار میں پہنچے تو وہاں سہل بن حنیف نے غسل کیا، سہل گورے رنگ اور خوبصورت جسم اور خوبصورت جلد کے مالک تھے، خاندان بنوعدی بن کعب کے ایک شخص عامر بن ربیعہ نے جب انھیں غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں نے اس طرح کا کوئی انسان نہیں دیکھا اور آج تک ایسی خوبصورت جلد کسی پردہ نشین عورت کی بھی نہیں دیکھی، اس سے سہل بے ہوش ہو کر گر گئے، انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! سہل کے بارے میں کوئی تدبیر فرمائیں، اللہ کی قسم! وہ نہ سر اٹھا رہے ہیں اور نہ ہوش میں آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: [هَلْ تَتَّهِمُونَ فِيهِ مِنْ أَحَدٍ؟] ''تم ان میں سے کسی ایک پر الزام لگاتے ہو؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: عامر بن ربیعہ نے ان کی طرف دیکھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے عامر کو بلایا اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: [عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ؟ هَلَّا إِذَا رَأَيْتَ مَا يُعْجِبُكَ بَرَّكْتَ؟ ثُمَّ قَالَ لَهُ : اِغْتَسِلْ لَهُ] ''تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ جب تمھیں کوئی چیز اچھی لگی تو تم نے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ پھر ان سے فرمایا: ان کے لیے غسل کرو'' تو انھوں نے اپنے چہرے، دونوں ہاتھوں، دونوں کہنیوں، دونوں گھٹنوں، دونوں پاؤں کے کناروں اور تہبند کے اندر والے جسم کو ایک برتن میں دھویا اور پھر اس پانی کو سہل پر انڈیل دیا گیا۔ ایک شخص نے ان کے پیچھے سے اس پانی کو ان کے سر اور پشت پر انڈیلا، پھر برتن کو بھی ان کے پیچھے سے ان پر انڈیل دیا گیا، ایسا کرنے کے بعد سہل بالکل تندرست ہو گئے اور وہ لوگوں کے ساتھ اس طرح چلنے لگ گئے گویا انھیں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ ①

حدیث عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ: امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ عامر بن ربیعہ اور سہل بن حنیف غسل کرنے کے لیے نکلے، دونوں تہبند کے لیے کپڑا ڈھونڈ رہے تھے۔ عامر نے جو اونی جبہ پہن رکھا تھا اسے اتارا تو میں نے انھیں نظر لگا دی، پھر وہ غسل کے لیے پانی میں اترے تو میں نے پانی میں خرخراہٹ کی آواز سنی، تو میں نے انھیں تین بار بلایا مگر انھوں نے کوئی جواب نہ دیا، میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ تشریف لائے اور پانی میں داخل ہو گئے گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں، آپ نے اپنے دست مبارک کو ان کے سینے پر مارا اور پھر فرمایا: [اَللّٰهُمَّ ! اِصْرِفْ عَنْهُ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَوَصَبَهَا] ''اے اللہ! تو اس سے اس کی گرمی، سردی اور تکلیف کو دور فرما دے۔'' اس سے عامر کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِّنْ أَخِيهِ أَوْمِنْ نَّفْسِهِ أَوْمِنْ مَّالِهِ مَا يُعْجِبُهُ فَلْيُبَرِّكْهُ، فَإِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ] ''جب تم میں سے کسی کو اپنے بھائی سے یا اس کی جان سے یا اس کے مال سے کوئی چیز اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے لیے برکت کی دعا کرے، بے شک نظر لگ جانا برحق ہے۔'' ②

---

① مسند أحمد :487,486/3. ② مسند أحمد :447/3 اس کی سند امیہ بن ہند کی وجہ سے ضعیف ہے، نیز اس کے متن میں وہم بھی ہے کہ نظر عامر رضی اللہ عنہ کو لگی تھی جبکہ صحیح یہ ہے کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو نظر لگی تھی جیسا کہ قبل ازیں روایت گزر چکی ہے۔ مزید دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد) :468-466/24 والسلسلة الصحيحة :150-148/6، تحت الحديث:2572.

کفار کا اعتراض اور ان کو جواب: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝51 ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔'' یعنی یہ لوگ آپ کو آنکھوں سے نظر لگاتے اور اپنی زبانوں سے بھی تکلیف پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص قرآن مجید لانے کی وجہ سے دیوانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نہیں آپ دیوانے نہیں ہیں۔ اور جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو سن لو کہ ﴿ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝52 ﴾ ''اور (لوگو!) یہ (قرآن) تو اہلِ عالم کے لیے نصیحت ہے۔''

سورۂ قلم کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سُورۂ حَاقَّہ

یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ① مَا الْحَآقَّةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ③ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ④

ثابت ہونے والی① کیا ہے ثابت ہونے والی؟② اور آپ کو کس نے خبر دی کیا ہے ثابت ہونے والی؟③ ثمود اور عاد نے اس تہلکہ خیز (قیامت) کو

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ⑤ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ سَخَّرَهَا

جھٹلایا④ تو جو ثمود تھے وہ انتہائی اونچی خوفناک آواز سے ہلاک کیے گئے⑤ اور جو عاد تھے تو وہ یخ تند و تیز بے قابو آندھی سے ہلاک ہوئے⑥ اللہ نے

عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ

اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن جڑ کاٹنے (فنا کرنے) کے لیے مسلط رکھا، پھر آپ اس قوم کو پچھاڑے (ہلاک کیے) ہوئے دیکھتے ہو گویا وہ کھجور

نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ⑦ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ

کے کھوکھلے تنے ہوں⑦ پھر کیا آپ ان کی کوئی باقیات دیکھتے ہیں؟⑧ اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی گئی بستیوں والے گناہ کرتے تھے⑨

بِالْخَاطِئَةِ ⑨ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ

پھر انھوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اس (رب) نے انھیں نہایت سخت گرفت میں لے لیا⑩ بے شک جب پانی میں طغیانی آئی تو ہم

فِي الْجَارِيَةِ ⑪ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫

نے تمھیں بہتی ناؤ میں سوار کیا⑪ تاکہ ہم تمھارے لیے اس (فعل) کو نصیحت بنا دیں اور (تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں⑫

تفسیر آیات:1-12

قیامت کی عظمت کی طرف اشارہ: حاقّۃ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں پوری ہوں گی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ③﴾ ''اور آپ کو کس نے خبر دی (کہ وہ) ثابت ہونے والی کیا ہے؟''

سابقہ امتوں کی ہلاکت کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کرنے والی امتوں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ⑤﴾ ''پس ثمود تو حد سے گزرنے والی (خوفناک آواز) سے ہلاک کر دیے گئے۔'' یہ ایک زوردار چیخ تھی جس نے ان کو خاموش کر دیا اور ایسا زلزلہ تھا جس نے انھیں جامد کر دیا۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ طاغیۃ

کے معنی زوردار چیخ کے ہیں۔① مجاہد فرماتے ہیں کہ طاغیۃ کے معنی گناہوں کے ہیں۔② ربیع بن انس اور ابن زید نے بھی کہا ہے کہ اس کے معنی طغیان وسرکشی کے ہیں۔ ابن زید نے اس کی تائید میں یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ ﴾ (الشمس 11:91) ''قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے (نبی کو) جھٹلایا۔''③ ﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ ﴾ ''لیکن عاد کا یخ بستہ آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔'' ریح صرصر کے معنی ٹھنڈی ہوا کے ہیں۔ یہ قول قتادہ، سدی، ربیع بن انس اور ثوری کا ہے۔④ اور ﴿ عَاتِيَةٍ ۝ ﴾ کے معنی تیز آندھی کے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ آندھی ان پر اس طرح چڑھ دوڑی کہ اس نے ان کے دلوں کو ننگا کر دیا۔⑤ ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ صَرْصَرٍ ﴾ کے معنی سخت ٹھنڈی ہوا کے ہیں، اور ﴿ عَاتِيَةٍ ۝ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ان پر رحمت وبرکت کے بغیر چڑھ آئی۔⑥ علی رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ وہ ہوا متعین فرشتوں سے بے قابو ہو گئی اور بغیر حساب کے چلنے لگی۔⑦

﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ ﴾ ''اس (اللہ) نے ان پر اسے مسلط کر دیا تھا'' یعنی اس تیز آندھی کو ان پر مسلط کر دیا۔ ﴿ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا ﴾ ''سات راتیں ہیں اور آٹھ دن (ان کی) جڑ کاٹ دینے (فنا کرنے) کے لیے۔'' حضرت ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عکرمہ، ثوری اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿ حُسُوْمًا ﴾ کے معنی ہیں مسلسل ومتواتر۔⑧ عکرمہ اور ربیع بن خثیم فرماتے ہیں کہ اس کے معنی منحوس کے ہیں⑨ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 16:41) ''منحوس (ثابت ہونے والے) دنوں میں۔'' لوگ انھیں اعجاز کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لوگوں نے گویا یہ نام اس آیت کریمہ سے اخذ کیا ہے: ﴿ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ ﴾ ''چنانچہ آپ لوگوں کو اس میں اس طرح پچھاڑے (مرے) پڑے دیکھتے گویا کہ وہ کھجوروں کے گرے ہوئے تنے ہوں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ خَاوِيَةٍ ۝ ﴾ کے معنی ہلاک شدہ کے ہیں۔⑩ دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی بوسیدہ کے ہیں۔ آندھی انھیں زمین پر اس طرح پٹخ دیتی کہ وہ سر کے بل گر کر مر جاتے جس سے ان کا سر پھٹ جاتا اور ان کے جثے اس طرح بے حس وحرکت زمین پر پڑے تھے گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں جن کی ٹہنیاں نہ ہوں اور وہ زمین پر گرے پڑے ہوں۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ] ''باد صبا کے ساتھ میری مدد کی گئی اور عاد کو پچھوائی ہوا کے ساتھ تباہ وبرباد کر دیا گیا تھا۔''⑪ ﴿ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ ﴾ ''تو آپ ان

---

① تفسیر الطبری: 60/29. ② تفسیر الطبری: 60/29. ③ تفسیر الطبری: 60/29. ④ تفسیر الطبری: 128/24 و تفسیر الماوردی: 77/6، ملحوظہ: تفسیر ابن کثیر (عربی) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ ائمہ نے ﴿ عَاتِيَةٍ ۝ ﴾ کے معنی تیز آندھی کے کیے ہیں جبکہ ان ائمہ سے ﴿ صَرْصَرٍ ﴾ کے معنی ٹھنڈی ہوا کے منقول ہیں۔ ⑤ تفسیر الطبری: 61/29. ⑥ تفسیر الطبری: 62/29. ⑦ تفسیر الطبری: 62/29 والدرالمنثور: 405/6. ⑧ تفسیر الطبری: 63,62/29. ⑨ تفسیر الماوردی: 77/6 وتفسیر عبدالرزاق: 339/3، رقم: 3303. ⑩ الدر المنثور: 406/6. ⑪ صحیح البخاری، الاستسقاء، باب قول النبی ﷺ: [نصرت بالصبا]، حدیث: 1035 وصحیح مسلم، صلاۃ الاستسقاء، باب فی ریح الصبا والدبور، حدیث: 900 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتے ہیں؟'' یعنی کیا آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی بچا ہو یا کوئی بھی ایسا ہے جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتا ہو، یعنی وہ سب کے سب تباہ و برباد اور ہلاک کر دیے گئے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا کوئی جانشین بھی باقی نہیں چھوڑا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ ﴾ ''اور ارتکاب کیا تھا فرعون نے اور جو لوگ اس سے پہلے تھے۔'' ﴿ قَبْلَهٗ ﴾ کو قاف کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو قبطی کفار اس کے پیروکاروں میں سے اس کے پاس تھے۔ دیگر لوگوں نے اسے قاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کے ساتھ مشابہت رکھنے والی پہلی امتیں۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ ﴾ کے معنی ہیں انبیاء کی تکذیب کرنے والی امتیں اور ﴿ بِالْخَاطِئَةِ ۝ ﴾ سے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین و شریعت کی تکذیب مراد ہے۔ ربیع فرماتے ہیں: اس سے مراد معصیت ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خطائیں ہیں۔ [1] اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ ﴾ ''چنانچہ انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی۔'' اس سے نافرمانی کرنے والوں کی جنس کی طرف اشارہ ہے، یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے رسول کی نافرمانی کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝ ﴾ (قٓ 50:14) ''ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میری وعید بھی پوری ہو کر رہی۔'' اور جس نے ایک رسول کی تکذیب کی تو اس نے گویا تمام رسولوں کی تکذیب کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:105) ''قوم نوح نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔'' ﴿ كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:123) ''(قوم) عاد نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:141) ''اور (قوم) ثمود نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا۔'' ہر امت کی طرف اگرچہ ایک ہی رسول آیا لیکن یہاں بیان یہ کیا گیا کہ انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ ﴾ ''چنانچہ انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اس (اللہ) نے بھی انھیں بڑا سخت پکڑا۔'' یعنی انھیں بہت عظیم، شدید اور دردناک انداز میں پکڑا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ رَّابِيَةً ۝ ﴾ کے معنی شدید کے ہیں۔ [2] سدی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں خوفناک اور مہلک انداز میں پکڑا۔ [3]

کشتی کی نعمت کی یاددہانی: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے، جب پانی طغیانی پر آیا......'' یعنی جب پانی اللہ کے حکم سے حد سے زیادہ اور وجود سے اونچا ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿ طَغَا الْمَآءُ ﴾ کے معنی ہیں کہ پانی زیادہ ہو گیا۔ [4] اور یہ نوح علیہ السلام کی اس وقت اپنی قوم کے بارے میں بددعا کے سبب تھا جب قوم نے ان کی تکذیب اور مخالفت کی اور انھوں نے غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور تمام اہل زمین طوفان کی لپیٹ میں آ گئے اور اس سے صرف وہ لوگ بچے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ اب تمام لوگ حضرت نوح اور ان کی اولاد ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنے اس

---

① تفسیر الطبری :66/29. ② تفسیر الطبری :66/29. ③ تفسیر الماوردی :79/6. ④ تفسیر الطبری :67/29.

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ⑭

پھر جب صور میں ایک ہی بار پھونک ماری جائے گی⑬ اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی چوٹ سے ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے⑭

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ⑮ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ⑯ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى

تو اس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوگی⑮ اور آسمان پھٹ جائے گا، تو وہ اس دن بودا ہوگا⑯ اور فرشتے اس کے

اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ⑰ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى

کناروں پر ہوں گے، اور اس دن آٹھ (فرشتے) آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے⑰ اس دن تمھاری پیشی ہوگی اور تمھارا

مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ⑱

کوئی راز خفیہ نہ رہے گا⑱

احسان کو جتلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِيَةِ ⑪ ﴾ ”بلاشبہ جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تمھیں کشتی میں سوار کرلیا۔“ ﴿ الْجَارِيَةِ ⑪ ﴾ سے مراد سطح آب پر رواں دواں کشتی کے ہیں۔ ﴿ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً ﴾ ”تاکہ ہم اسے تمھارے لیے یادگار بنائیں۔“ ﴿ لِنَجْعَلَهَا ﴾ میں ھا کی ضمیر کا مرجع جنس (کشتی) ہے کیونکہ معنی اس پر دلالت کرتے ہیں، یعنی کشتی ہی کی جنس سے ہیں جن پر تم دریاؤں اور سمندروں کی موجوں میں سفر کرتے ہو جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ ﴾ (الزخرف 13,12:43) ”اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو، پھر جب تم ان پر برابر ہو کر بیٹھ جاؤ تو تم اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 42,41:36) ”اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ان کے لیے ہم نے اس جیسی (اور سواریاں) جن پر وہ سوار ہوتے ہیں بنائیں۔“ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو باقی رکھا حتی کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا۔[1] لیکن پہلے معنی زیادہ واضح ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫ ﴾ ”اور (تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں“، یعنی سننے والے کان اس نعمت کو سمجھیں اور یاد رکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَّاعِيَةٌ ⑫ ﴾ کے معنی یاد رکھنے والے اور سننے والے کے ہیں۔[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫ ﴾ کے معنی ایسے کان ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بات کو سمجھا اور کتاب اللہ سے جو سنا اس سے فائدہ اٹھایا۔[3] ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کانوں نے اسے سنا اور یاد رکھا،[4] یعنی ان لوگوں نے جن کی سماعت صحیح اور عقل صائب تھی۔ اور یہ آیت عام اور ہر صاحب فہم وبصیرت کے لیے ہے۔

[1] تفسیر الطبری:68/29. [2] تفسیر الطبری:68/29. [3] تفسیر الطبری:69/29. [4] تفسیر الطبری :69/29.

تفسیر آیات:13-18

قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا ذکر: قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے نفخۂ فزع ہوگا جس سے گھبراہٹ طاری ہو جائے گی، پھر اس کے بعد نفخۂ صعقہ ہوگا جس سے آسمانوں اور زمین کے سب باشندے بے ہوش ہو جائیں گے سوائے ان کے جنھیں اللہ تعالیٰ بے ہوشی سے بچائے رکھے، پھر اس کے بعد ایک اور نفخہ ہوگا جس سے سب لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اور بعث ونشور کا عالم برپا ہوگا۔ اس مقام پر اسی نفخہ کا ذکر ہے، اس نفخہ کو ایک بار سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے، نہ اسے روکا جا سکتا ہے اور نہ اسے کسی تکرار یا تاکید کی ضرورت ہے، اسی وجہ سے یہاں فرمایا ہے: ﴿وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ⑭﴾ ''اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا لیے جائیں گے، پھر ایک ہی دفعہ مکمل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔'' آسمان کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جس طرح رنگے ہوئے چمڑے کو پھیلا دیا جاتا ہے اور زمین کو بھی ایک دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا۔ ﴿فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ⑮﴾ ''چنانچہ اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی'' یعنی قیامت برپا ہو جائے گی۔ ﴿وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ⑯﴾ ''اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہوگا۔'' ابن جریج فرماتے ہیں کہ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۙ﴾ (النبا 19:78) ''اور آسمان کھولا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمان میں شگاف اور دراڑ پڑ جائیں گے اور عرش اس کے سامنے ہوگا۔ [1] ﴿وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ﴾ ''اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔'' الملك یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، یعنی فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو ابھی ٹوٹے نہیں ہوں گے اور وہ اہل زمین کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ⑰﴾ ''اور اس روز آٹھ فرشتے آپ کے پروردگار کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔'' یعنی قیامت کے دن عرش الٰہی کو آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔ امام ابوداود نے اپنی سنن کی کتاب السنہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس طرح فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے: [أُذِنَ لِي أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ مَّلَكٍ مِّنْ مَّلَائِكَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ حَمَلَةِ الْعَرْشِ، إِنَّ مَا بَيْنَ شَحْمَةِ أُذُنِهِ إِلٰى عَاتِقِهِ مَسِيرَةُ سَبْعِمِائَةِ عَامٍ] ''مجھے اجازت دی گئی کہ میں حاملین عرش میں سے ایک فرشتے کے متعلق بیان کروں، بلاشبہ اس کے کانوں کی لو سے اس کے کندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کے سفر کے برابر ہے۔'' یہ ابوداود کے الفاظ ہیں۔ [2]

انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ⑱﴾ ''اس روز تم (سب لوگوں کے سامنے) پیش کیے جاؤ گے اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔'' یعنی تم اس ذات گرامی کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو خفیہ اور ظاہر تمام باتوں کا جاننے والا ہے۔ جس سے تمھاری کوئی بات بھی مخفی نہیں ہے بلکہ وہ ظاہر و باطن اور دلوں کے تمام بھیدوں سے آگاہ ہے، اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ⑱﴾ ''تمھاری کوئی

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 3370/10. ② سنن أبي داود، السنة، باب في الجهمية، حديث: 4727.

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ ۙ فَیَقُوْلُ ہَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ ۚ⑲ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ

پھر جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا: لو! میرا اعمال نامہ پڑھو⑲ بے شک مجھے یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب

حِسَابِیَہْ ۚ⑳ فَہُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۙ㉑ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ۙ㉒ قُطُوْفُہَا دَانِیَۃٌ ㉓ کُلُوْا

کو ملنا ہے⑳ چنانچہ وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا㉑ بہشت بریں میں㉒ اس کے پھل قریب جھکے ہوں گے㉓ (کہا جائے گا:) مزے سے کھاؤ

وَاشْرَبُوْا ہَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ ㉔

اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے㉔

پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔“

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [یُعْرَضُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ فَأَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِیرُ، وَأَمَّا الثَّالِثَۃُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِیرُ الصُّحُفُ فِی الْأَیْدِی فَآخِذٌ بِیَمِینِہٖ وَآخِذٌ بِشِمَالِہٖ] ”لوگوں کو قیامت کے دن تین بار پیش کیا جائے گا۔ دو پیشیوں میں تو بحث مباحثہ اور عذر معذرت ہوگی اور تیسری پیشی کے موقع پر ہاتھوں میں نامہ اعمال تھما دیے جائیں گے، کچھ لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور کچھ لوگوں کے بائیں ہاتھ میں۔“①

تفسیر آیات: 19-24

دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال والوں کی خوشی: اللہ تعالیٰ ہمیں اس شخص کی سعادت و کامرانی کے بارے میں بتا رہا ہے جسے قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا تو وہ شدتِ فرحت و مسرت کی وجہ سے ہر ملنے والے سے کہے گا: ﴿ہَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ ۚ⑲﴾ ”لو! میرا اعمال نامہ پڑھو۔“ یعنی پکڑو اور میرا نامۂ اعمال پڑھو کیونکہ وہ جانتا ہوگا کہ اس کے نامۂ اعمال میں محض خیر و حسنات ہی ہیں اور یہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی برائیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے نیکیوں سے بدل دیا ہوگا۔ ﴿ہَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ ۚ⑲﴾ کے بارے میں عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ ﴿ہَآؤُمُ﴾ میں وُم زائد ہے اور ہَا اِقْرَؤُوا کِتَابِیَہْ کے معنی ہیں ”لو! میرا نامۂ اعمال پڑھو۔“ لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہَاؤُمُ، ہَاکُمْ (لیجیے) کے معنی میں ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت کے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیوں کو ظاہر کرے گا جو اس کے نامۂ اعمال کی پشت پر لکھی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: کیا تو نے یہ کام کیا تھا؟ تو بندہ اعتراف کرتے ہوئے عرض کرے گا: ہاں، یا رب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تیرے اس عمل کی وجہ سے تجھے رسوا نہیں کروں گا کیونکہ میں نے تجھے معاف کر دیا ہے تو اس موقع پر بندہ پکار اٹھے گا: ﴿ہَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ ۚ⑲ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ ۚ⑳﴾ ”لو! میرا اعمال نامہ پڑھو۔ بے شک مجھے

① مسند أحمد: 414/4 و جامع الترمذی، صفة القیامة......، باب ماجاء فی العرض، حدیث: 2425 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر البعث، حدیث: 4277.

یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب کو ملنا ہے۔‘‘ بندہ یہ اس وقت کہے گا جب وہ قیامت کے دن کی ذلت ورسوائی سے نجات پا جائے گا۔ [1] صحیح میں حدیث ابن عمر ہے جب کہ ان سے سرگوشی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:[يُدْنِي اللّٰهُ الْعَبْدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ كُلِّهَا، حَتّٰى إِذَا رَأٰى أَنَّهُ قَدْ هَلَكَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: إِنِّي سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، ثُمَّ يُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ بِيَمِينِهِ، وَأَمَّا الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُ فَيَقُولُ الْأَشْهَادُ: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (هود 11 : 18)] ’’اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کو اپنے قریب کرے گا، اس سے تمام گناہوں کا اقرار کروائے گا حتی کہ بندہ جب یہ دیکھے گا کہ بس وہ تو ہلاک ہو گیا تو اللہ فرمائے گا کہ دنیا میں میں نے تیرے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا اور آج تیرے وہ تمام گناہ معاف کرتا ہوں، پھر نیکیوں کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ جہاں تک کافروں اور منافقوں کا تعلق ہے تو گواہی دینے والے ان کے بارے میں کہیں گے: ’’یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھوٹ بولا، خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘ [2] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں مجھے اس بات کا یقین تھا کہ یہ دن یقینی طور پر ایک نہ ایک دن آنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ (البقرة 2:46) ’’جو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ ﴾ ’’چنانچہ وہ شخص پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔‘‘ یعنی اس کی زندگی پسندیدہ ہوگی۔ ﴿ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ ﴾ ’’بہشت بریں میں۔‘‘ یعنی اس کے محلات بلند وبالا اور ارفع واعلی، اس کی حوریں بے حد حسین وجمیل، گھر نعمتوں سے بھرے ہوئے اور بہاریں ابدی وسرمدی ہوں گی۔ صحیح حدیث ہے: [إِنَّ الْجَنَّةَ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَّا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ] ’’جنت میں سو درجے ہوں گے اور ہر دو درجوں کے مابین اتنا فاصلہ ہوگا، جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔‘‘ [3] ﴿ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ ﴾ ’’اس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔‘‘ براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت کے پھل اس قدر قریب ہوں گے کہ جنتی اپنے تخت پر لیٹے ہوئے انھیں بہت سہولت اور آسانی سے پکڑ سکے گا۔ [4] دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 3371/10. [2] ملخص از صحيح البخاري، المظالم، باب قول الله تعالى: ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (هود 11:18)، حديث: 2441، 4685 وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: 2768 ومسند أحمد: 74/2 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث: 183 وكتاب السنة، باب: 135، حديث: 604. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب درجات المجاهدين في سبيل الله، حديث: 2790 عن أبي هريرة رضي الله عنه وصحيح مسلم، الإمارة، بيان ما أعده الله تعالى للمجاهد......، حديث: 1884 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه والسنن الكبرى للنسائي، الجهاد، باب درجة الجهاد في سبيل الله: 15,14/3، حديث: 4340 واللفظ له عن أبي الدرداء رضي الله عنه. [4] تفسير الطبري: 76/29.

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ﴿25﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا

اور جسے اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا: کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا﴿25﴾ اور مجھے خبر نہ ہوتی میرا

حِسَابِیَهْ ﴿26﴾ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ﴿27﴾ مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ﴿28﴾ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ﴿29﴾

حساب کیا ہے﴿26﴾ کاش! وہی (موت) فیصلہ کن (ثابت) ہوتی﴿27﴾ مجھے میرے مال نے کچھ فائدہ نہ دیا﴿28﴾ میری سلطانی مجھ سے چھن گئی﴿29﴾

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿30﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿31﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا

(حکم ہوگا:) اسے پکڑو، پھر طوق ڈال دو﴿30﴾ پھر اسے جہنم (کی آگ) میں جھونک دو﴿31﴾ پھر ایک زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر گز ہے،

فَاسْلُكُوْهُ ﴿32﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ﴿33﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿34﴾

اسے جکڑ (یا پرو) دو﴿32﴾ بے شک وہ اللہ عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا﴿33﴾ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے پر شوق دلاتا تھا﴿34﴾

فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ﴿35﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ﴿36﴾ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا

لہٰذا آج یہاں کوئی اس کا غم خوار دوست نہیں﴿35﴾ اور زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا نہیں﴿36﴾ خطا کاروں کے سوا اسے کوئی

ع 1 37 5 الْخَاطِئُوْنَ ﴿37﴾

نہیں کھاتا﴿37﴾

﴿بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿24﴾﴾ ”جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو، اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔“ یعنی یہ انعام واحسان اور فضل وکرم کے اظہار کے طور پر ان سے فرمایا جائے گا، ورنہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(اِعْمَلُوا وَ) قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَنْ يُّدْخِلَ (أَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَلَا أَنْتَ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ] ”تم عمل کرتے رہو، سیدھے اور قریب قریب رہو اور خوب جان لو کہ تم میں سے کسی کا عمل اسے جنت میں لے جانے کے لیے کافی نہیں، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے اعمال بھی نہیں؟ فرمایا: ہاں میرے اعمال بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔“①

تفسیر آیات:25-37

بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال والوں کا برا حال: یہ بدنصیب لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ میدان حشر میں جب ان میں سے کسی کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا تو وہ حد درجہ ندامت کا اظہار کرے گا: ﴿فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ﴿25﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ﴿26﴾ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ﴿27﴾﴾ ”تو وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا، اور مجھے معلوم نہ

① صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، حديث:6463، 6464 و6467 عن عائشة ؓ وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله......، حديث:(76)-2816 واللفظ له البتہ پہلی قوسین والا لفظ اس سیاق میں ہمیں نہیں ملا اور دوسری قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، حديث:(76)-2816 عن أبي هريرة ؓ کے مطابق ہیں۔

ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے؟ اے کاش! وہ (موت) فیصلہ کردینے والی ہوتی۔'' ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کاش! میں ایسی موت مرجاتا کہ جس کے بعد دوبارہ زندہ نہ ہوتا۔[1] محمد بن کعب، ربیع اور سدی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ موت کی تمنا کرے گا، حالانکہ دنیا میں اسے موت سے بڑھ کر اور کوئی چیز زیادہ ناپسند نہ تھی۔[2] ﴿ مَآ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ﴿28﴾ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ﴿29﴾ ﴾ ''میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، میری سلطنت خاک میں مل گئی۔'' یعنی میرا مال اور میرا جاہ ومنصب مجھ سے اللہ کے عذاب کو دور نہ کرسکا بلکہ اب سارا وبال میری ہی جان پر آپڑا اور آج میرا کوئی حامی و ناصر نہیں ہے تو اس موقع پر اللہ عزوجل فرمائے گا: ﴿ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿30﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿31﴾ ﴾ ''اس کو پکڑلو، پھر اسے طوق پہنادو، پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جہنم کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے سختی کے ساتھ میدان حشر ہی سے پکڑلو اور اس کی گردن میں طوق پہنادو اور اسے جہنم رسید کردو، جہنم اسے پکڑ کر اپنی گرفت میں لے لے گا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿32﴾ ﴾ ''پھر ایک زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے، اسے جکڑدو۔'' کعب احبار کہتے ہیں کہ اس زنجیر کا ہر حلقہ دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔[3] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اس زنجیر کی پیمائش فرشتے کے ہاتھ کے مطابق ہوگی۔[4] ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فَاسْلُكُوْهُ ﴿32﴾ ﴾ کا حکم جب ہوگا تو اس زنجیر کو اس کی دبر سے داخل کرکے منہ سے نکال لیا جائے گا اور پھر اس کے ساتھ فرشتے اسے اس طرح آگ میں بھونیں گے جس طرح سیخ میں کباب کو بھونا جاتا ہے۔[5] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زنجیر کو اس کی دبر سے داخل کرکے نتھنوں سے نکال لیا جائے گا حتی کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہوسکے گا۔[6]

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ رَصَاصَةً مِّثْلَ هٰذِهِ ـ وَأَشَارَ إِلٰى مِثْلِ جُمْجُمَةٍ ـ أُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَهِيَ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ لَّبَلَغَتِ الْأَرْضَ قَبْلَ اللَّيْلِ وَلَوْ أَنَّهَا أُرْسِلَتْ مِنْ رَّأْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ أَصْلَهَا أَوْ قَعْرَهَا] ''اگر اس طرح کا ایک پتھر۔ سر کی کھوپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ آسمان سے زمین پر پھینکا جائے اور یہ پانچ سو سال کی مسافت ہے تو وہ پتھر رات سے پہلے پہلے زمین پر پہنچ جائے گا لیکن اسی پتھر کو اگر اس زنجیر کے ایک سرے سے پھینکا جائے تو اسے دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں گے۔''[7] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[8]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ﴿33﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿34﴾ ﴾ ''بے شک وہ اللہ عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے پر (لوگوں کو) آمادہ کرتا تھا۔'' یعنی نہ تو اطاعت وعبادت بجالاکر اللہ کے حقوق کو

---

[1] الدر المنثور:411/6. [2] تفسیر الطبری:77/29. [3] الدر المنثور:412/6. [4] تفسیر الطبری:79/29. [5] الدر المنثور:412/6. [6] تفسیر الطبری:79/29 وتفسیر ابن أبی حاتم:3372/10. [7] مسند أحمد:197/2. [8] جامع الترمذی، صفة جهنم، باب فی بعد قعر جهنم، حدیث:2588.

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿38﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿40﴾ وَّمَا

تو میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو تم دیکھتے ہو﴿38﴾ اور (ان کی) جو تم نہیں دیکھتے﴿39﴾ بلاشبہ یہ (قرآن) رسول کریم (جبریل) کا قول ہے﴿40﴾ اور

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿41﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿42﴾

یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم کم ہی ایمان لاتے ہو﴿41﴾ اور نہ (یہ) کسی کاہن کا قول ہے، تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو﴿42﴾

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿43﴾

(یہ تو) رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے﴿43﴾

ادا کرتا تھا اور نہ مخلوق کو نفع پہنچاتا اور اس کے حقوق ادا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اور صرف اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، لوگوں کے ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں مدد کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کے ساتھ ساتھ زکاۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے اور نبی ﷺ نے وفات کے وقت فرمایا تھا: [اَلصَّلَاۃَ وَمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ] ''نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھو۔''[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿35﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿36﴾ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''لہٰذا آج اس کا بھی یہاں کوئی غم خوار، دوست نہیں، اور نہ پیپ کے سوا (اس کے لیے) کھانا ہے، جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔'' یعنی آج کوئی دوست یا قریبی رشتہ دار نہ ہوگا جو اسے عذاب الٰہی سے بچا سکے، نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے اور نہ پیپ کے سوا اس کے لیے کھانا ہوگا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنمیوں کا بدترین کھانا ہوگا۔[2] ربیع اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ جہنم کے ایک درخت کا نام ہے۔[3] شبیب بن بشر نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ غِسْلِيْنٍ ﴿36﴾ ﴾ وہ خون اور پانی ہوگا جو ان کے گوشت سے بہہ رہا ہوگا۔[4] اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ غِسْلِيْنٍ ﴿36﴾ ﴾ جہنمیوں کی پیپ ہے۔[5]

تفسیر آیات: 38-43

قرآن اللہ کا کلام ہے: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے ان چیزوں کی قسم کھا رہا ہے جن کا اس کی مخلوقات میں سے وہ ان نشانیوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو اس کے کمال اسماء وصفات پر دلالت کرتی ہیں، نیز ان چیزوں کی بھی قسم کھا رہا ہے جو غائب ہیں اور وہ انھیں دیکھ نہیں سکتے۔ ان سب چیزوں کی اس نے قسم اس لیے کھائی ہے کہ قرآن اس کا کلام اور وہ وحی وتنزیل ہے جسے اس نے اپنے اس عبد و رسول پر نازل کیا جسے پیغام حق کے پہنچانے اور امانت دین وشریعت کے ادا کرنے کے لیے منتخب فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿38﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿40﴾ ﴾ ''تو میں

[1] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في ذكر مرض رسول الله ﷺ، حديث:1625. [2] تفسير الطبري:80/29. [3] الدر المنثور:413/6 وزاد المسير:112/8. [4] تفسير ابن أبي حاتم:3372/10 والدر المنثور:412/6. [5] تفسير الطبري: 80/29.

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿44﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿45﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ

اور اگر یہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لگاتا﴿44﴾ تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے﴿45﴾ پھر البتہ ہم اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے﴿46﴾ پھر تم میں

الْوَتِيْنَ ﴿46﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿47﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾ وَاِنَّا

سے کوئی ایک بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا﴿47﴾ اور بلاشبہ یہ (قرآن) تو متقین کے لیے نصیحت ہے﴿48﴾ اور یقیناً ہمیں علم ہے کہ تم

لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿50﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿51﴾

میں سے بعض (اس کی) تکذیب کرتے ہیں﴿49﴾ اور یقیناً وہ (جھٹلانا) کافروں کے لیے باعث حسرت ہے﴿50﴾ اور بے شک یہ حق الیقین ہے﴿51﴾

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿52﴾ ع 2 15 6

چنانچہ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے﴿52﴾

ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو تمھیں نظر آتی ہیں اور ان کی بھی جو تمھیں نظر نہیں آتیں، بلاشبہ یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے۔'' یعنی محمد ﷺ کا، آپ کی طرف یہ اضافت تبلیغ کی وجہ سے کی گئی ہے کیونکہ رسول کا فرض ہے کہ وہ اس پیغام کو پہنچائے جو رسول کو بھیجنے والے نے اسے دیا ہے۔

سورۂ تکویر میں اس کی نسبت اس پیغام کے لانے والے فرشتے کی طرف کی گئی ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۭ ﴾ (التکویر 81:19-21) ''بے شک یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے، جو صاحب قوت، مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا، سردار اور امانت دار ہے۔'' اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۚ ﴾ (التکویر 81:22) ''اور تمھارے رفیق دیوانے نہیں ہیں۔'' یعنی محمد ﷺ۔ ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۚ ﴾ (التکویر 81:23) ''بے شک انھوں نے اس (فرشتے) کو (آسمان کے) کھلے (مشرقی) کنارے پر دیکھا ہے۔'' یعنی محمد ﷺ نے جبریل کو اپنی اس اصلی شکل وصورت میں دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا فرمایا ہے: ﴿ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۚ ﴾ (التکویر 81:24) ''اور وہ غیب (کی باتیں بتانے) پر بخیل نہیں ہے۔'' یعنی ان پر بخل کی تہمت نہیں لگائی گئی۔ ﴿ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ ﴾ (التکویر 81:25) ''اور یہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں۔'' اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے کہ ﴿ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿41﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو اور نہ (یہ) کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اضافت کبھی رسول ملکی کی طرف کی اور کبھی رسول بشری کی طرف کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وحی اور کلام کو پہنچاتا ہے جس پر اسے امین ٹھہرایا گیا ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ ''یہ تو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔''

تفسیر آیات: 44-52

اگر پیغمبر اللہ کی نسبت کوئی جھوٹی بات کہیں......: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا ﴾ ''اگر یہ (پیغمبر) ہمارے

ذمے کوئی بات گھڑ کر لگاتے۔'' یعنی اگر محمد ﷺ ہماری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرتے جیسا کہ ان کافروں کا گمان ہے اور اگر آپ پیغام حق پہنچانے میں کوئی کمی بیشی کر دیتے یا اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے، حالانکہ آپ ایسا نہیں کرتے، تو ہم آپ کو اس کی جلد ہی سزا دے دیتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴾ ''تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔'' اس کے ایک یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ہم دائیں ہاتھ سے آپ سے انتقام لے لیتے کیونکہ دائیں ہاتھ کی گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے۔ ﴿ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴾ ''پھر البتہ ہم اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ رگ ہے جس کے ساتھ دل معلق ہے۔[1] عکرمہ، سعید بن جبیر، حکم، قتادہ، ضحاک، مسلم بطین اور ابوصخر حمید بن زیاد کا بھی یہی قول ہے۔[2] محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دل، اس کی رگیں اور اس کے ساتھ ملنے والا حصہ ہے۔[3] اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴾ ''پھر تم میں سے کوئی ایک بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' یعنی جب ہم ایسا ارادہ کر لیتے تو پھر تم میں سے کوئی بھی ہمارے اور ان کے درمیان حائل نہ ہوسکتا۔ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے یہ پیغمبر راست باز، نیکوکار اور مجسم رشد و بھلائی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کی تبلیغ کے لیے مقرر فرمایا اور عظیم الشان معجزات اور دلائل قاطعہ کے ساتھ آپ کی تائید و حمایت فرمائی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور بلاشبہ یہ (کتاب) تو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔'' کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''کہہ دیجیے کہ جو ایمان لائے ہیں (ان کے لیے یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا پن ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴾ ''اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اسے جھٹلانے والے ہیں۔'' یعنی اس بیان و وضاحت کے باوجود بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن مجید کی تکذیب کرتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور یقیناً وہ (جھٹلانا) کافروں کے لیے باعث حسرت ہے۔'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تکذیب قیامت کے دن کافروں کے لیے موجب حسرت ہوگی۔[4] امام قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ وَاِنَّهٗ ﴾ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہو، یعنی قرآن اور اس کے ساتھ ایمان لانا حقیقت میں کافروں کے لیے باعث حسرت ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ۭ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ (الشعرآء 26:200،201) ''اسی طرح ہم نے اس (انکار) کو گناہ گاروں کے دلوں میں داخل کر دیا، وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ ﴾ (سبا 34:54) ''اور ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جنھیں وہ چاہتے ہیں پردہ حائل کر دیا گیا ہے۔'' اسی لیے یہاں

---

[1] تفسیر الطبری: 82/29 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3372/10۔ [2] تفسیر الطبری: 83,82/29 والدر المنثور: 414,413/6۔

[3] تفسیر القرطبی: 276/18۔ [4] تفسیر الطبری: 84/29۔ [5] تفسیر الطبری: 84/29۔

فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴾ "اور بلاشبہ وہ برحق قابل یقین ہے۔" یعنی یہ وہ سچی اور برحق خبر ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے، پھر فرمایا: ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴾ "چنانچہ آپ اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے۔" یعنی اس ذات گرامی کی تسبیح وتنزیہ کرتے رہو جس نے اس قرآن عظیم کو نازل فرمایا ہے۔

سورۂ حاقہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر
سُورَۂ مَعَارِج

یہ مکی سورت ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ① لِّلۡكٰفِرِيۡنَ لَيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ② مِّنَ اللّٰهِ ذِى

ایک سائل نے عذاب مانگا جو واقع ہونے والا ہے① کافروں پر، کوئی اسے ٹالنے والا نہیں② اس اللہ کی طرف سے جو اونچے درجوں والا ہے③

الۡمَعَارِجِ ③ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ

فرشتے اور روح (جبریل) اس کی طرف چڑھیں گے ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے④ تو (اے نبی!) آپ صبر جمیل سے کام

سَنَةٍ ④ فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِيۡلًا ⑤ اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ⑥ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ⑦

لیجیے⑤ بے شک وہ (لوگ) اس کو دور دیکھتے ہیں⑥ اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں⑦

تفسیر آیات: 7-1

قیامت کے دن کے جلد برپا ہونے کا مطالبہ: ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ①﴾ ''ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو واقع ہونے والا ہے۔'' یہاں تضمین، یعنی فعل مقدر ہے اور اس پر حرف با دلالت کر رہا ہے، گویا معنی یہ ہے کہ ایک طلب کرنے والے نے عذاب کے جلد واقع ہونے کا مطالبہ کیا جو کہ نازل ہو کر رہے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ وَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ﴾ (الحج 47:22) ''اور (یہ لوگ) آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔'' یعنی اس کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ کفار کا عذاب الٰہی کے بارے میں سوال تھا جو ان پر ضرور واقع ہو کر رہے گا۔[1] ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ایک دعا کرنے والے نے عذاب کے بارے میں دعا کی جو کہ آخرت میں واقع ہو گا۔ اس دعا کرنے والے کی دعا یہ تھی: ﴿اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ○﴾ (الأنفال 32:8) ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ۔''[2] چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّاقِعٍ ① لِّلۡكٰفِرِيۡنَ﴾ ''واقع ہونے والا ہے کافروں پر۔'' یعنی اس عذاب کو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿وَّاقِعٍ ①﴾ کے معنی ہیں کہ وہ عذاب

① تفسیر الطبری: 85/29. ② تفسیر الطبری: 86/29.

آنے والا ہے۔① ﴿ لَيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ ﴾ ''اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔'' جب اللہ تعالیٰ اس عذاب کو نازل کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا، اسی لیے فرمایا کہ ﴿ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الۡمَعَارِجِ ۝ ﴾ ''اس اللہ کی طرف سے جو اونچے درجوں والا ہے۔''

ذی المعارج (صاحب درجات) کی تفسیر: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ ذِي الۡمَعَارِجِ ۝ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ بلندیوں اور بزرگیوں والا ہے۔② مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ ذِي الۡمَعَارِجِ ۝ ﴾ سے آسمان کے درجات مراد ہیں۔③ فرمان الٰہی ہے: ﴿ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ ﴾ ''فرشتے اور روح (جبریل) اس کی طرف چڑھیں گے۔'' عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ تَعۡرُجُ ﴾ کے معنی تَصۡعَدُ ہیں، یعنی چڑھتے ہیں۔ روح کے بارے میں ابوصالح نے کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے مشابہت تو رکھتی ہے مگر وہ انسان نہیں ہے۔④ میں کہتا ہوں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل ہوں۔⑤ اور یہ عطف خاص علی العام کے باب سے ہو۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں یہ لفظ بنی آدم کی ارواح کی جنس کے لیے استعمال ہوا ہو کیونکہ انسانوں کی روحوں کو جب قبض کیا جاتا ہے تو انھیں آسمان پر لے جایا جاتا ہے جیسا کہ براء بن عازب کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔⑥

پچاس ہزار برس کے دن سے مراد: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فِيۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ۝ ﴾ ''ایسے دن میں (چڑھیں گے) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔'' اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔⑦ اس کی سند صحیح ہے۔ ثوری نے سماک بن حرب سے اور انھوں نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ یہ دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے، اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔⑧ ضحاک اور ابن زید نے بھی اسی طرح کہا ہے۔⑨ علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے پچاس ہزار برس کی مقدار کے مطابق بنا دے گا۔⑩ اس مفہوم کی بہت سی احادیث بھی موجود ہیں۔

امام احمد نے ابوعمر غدانی سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ وہاں سے بنو عامر بن صعصعہ کے ایک ایسے شخص کا گزر ہوا جس کے بارے میں کہا گیا کہ بنو عامر میں سے یہ شخص سب سے زیادہ مال دار ہے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے میرے پاس بلاؤ، اسے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ تم بہت مال دار ہو۔

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 3373/10. ② تفسير الطبري: 87/29 وتفسير ابن أبي حاتم: 3373/10. ③ تفسير الطبري: 87/29. ④ تفسير الطبري: 29/30. ⑤ جیسا کہ ضحاک اور شعبی وغیرہ کا بھی قول ہے۔ دیکھیے تفسیر الطبري: 29/30. ⑥ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی مکمل حدیث سورة إبراهيم 14:27 کے تحت حسب ذیل عنوان میں دیکھیے ''نیک اور بد روح آخرت کی راہوں پر'' ⑦ تفسير ابن أبي حاتم: 3374/10. ⑧ تفسير الطبري: 88/29. ⑨ تفسير الطبري: 88/29. ⑩ تفسير الطبري: 88/29.

عامری نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! میرے پاس ایک سو سرخ اونٹ اور ایک سو گندمی رنگ کے اونٹ ہیں، اسی طرح اس نے مختلف رنگ کے اونٹوں، غلاموں اور گھوڑوں کی تفصیل بتائی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس بات سے بچو کہ یہ اونٹ، گھوڑے اور دیگر جانور تمھیں اپنے پاؤں تلے روندیں۔ آپ نے یہ بار بار فرمایا حتی کہ اس عامری کا رنگ متغیر ہونا شروع ہو گیا، اس نے عرض کی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! آپ کی اس بات کا کیا مطلب؟ آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے: [مَنْ كَانَتْ لَهُ إِبِلٌ لَّا يُعْطِي حَقَّهَا فِي نَجْدَتِهَا وَرِسْلِهَا۔ قُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ، مَا نَجْدَتُهَا وَرِسْلُهَا؟ قَالَ: فِي عُسْرِهَا وَيُسْرِهَا۔ فَإِنَّهَا تَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغَذِّ مَا كَانَتْ، وَ(أَكْثَرِهِ) وَأَسْمَنِهِ وَآشَرِهِ، ثُمَّ يُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ فَتَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا، فَإِذَا جَاوَزَتْهُ أُخْرَاهَا أُعِيدَتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتّٰى يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فَيَرٰى سَبِيلَهُ.

وَإِذَا كَانَتْ لَهُ بَقَرٌ لَّا يُعْطِي حَقَّهَا فِي نَجْدَتِهَا وَرِسْلِهَا، فَإِنَّهَا تَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغَذِّ مَا كَانَتْ وَ (أَكْثَرِهِ) وَأَسْمَنِهِ وَآشَرِهِ، ثُمَّ يُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ فَتَطَؤُهُ كُلُّ ذَاتِ ظِلْفٍ بِظِلْفِهَا، وَتَنْطَحُهُ كُلُّ ذَاتِ قَرْنٍ بِقَرْنِهَا، إِذَا جَاوَزَتْهُ أُخْرَاهَا أُعِيدَتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ حَتّٰى يَرٰى سَبِيلَهُ.

وَإِذَا كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ لَّا يُعْطِي حَقَّهَا فِي نَجْدَتِهَا وَرِسْلِهَا، فَإِنَّهَا تَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغَذِّ مَا كَانَتْ وَ (أَكْثَرِهِ) وَأَسْمَنِهِ وَآشَرِهِ، ثُمَّ يُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ فَتَطَؤُهُ كُلُّ ذَاتِ ظِلْفٍ بِظِلْفِهَا، وَتَنْطَحُهُ كُلُّ ذَاتِ قَرْنٍ بِقَرْنِهَا۔ يَعْنِي لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ، وَلَا عَضْبَاءُ۔ إِذَا جَاوَزَتْهُ أُخْرَاهَا أُعِيدَتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتّٰى يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فَيَرٰى سَبِيلَهُ] ''جس شخص کے پاس اونٹ ہوں وہ نجدت اور رِسْل میں ان کا حق ادا نہ کرے۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! اس کی نجدت اور رِسْل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی تنگی اور ان کی فراخی میں۔ تو یقیناً وہ اونٹ بہت موٹے تازے، بہت صحت منداور شوخ مست حالت میں قیامت کے دن آئیں گے تو اسے ان کے لیے ایک لمبے چوڑے اور چٹیل میدان میں لٹا دیا جائے گا اور وہ اسے اپنے پاؤں کے ساتھ روندیں گے اور روندتے روندتے جب آخری اونٹ گزر جائے گا تو پھر پہلے کو اُس پر لوٹا دیا جائے گا اور یہ سلسلہ اس سارے دن میں جاری رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کر لیا جائے گا تو پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا اور اگر اس کے پاس گائیں تھیں جن کا وہ تنگی اور آسانی میں حق ادا نہیں کرتا تھا تو وہ گائیں بہت موٹی تازی، بہت صحت منداور شوخ مست حالت میں قیامت کے دن آئیں گی تو اسے ان کے لیے ایک لمبے چوڑے اور چٹیل میدان میں لٹا دیا جائے گا تو ان میں سے ہر کھر والی گائے اپنے کھر کے ساتھ اور ہر سینگ والی اپنے سینگ کے ساتھ اسے مارے گی حتی کہ جب مارتے مارتے آخری گائے بھی گزر جائے گی تو پھر پہلی گائے کو اُس پر لوٹا دیا جائے گا اور یہ سلسلہ اس سارے دن میں جاری رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا

جائے گا اور پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا اور اگر اس کے پاس بکریاں تھیں جن کا یہ آسانی و مشکل میں حق ادا نہیں کرتا تھا تو یہ بکریاں موٹی تازی، بہت صحت مند اور شوخ مست حالت میں قیامت کے دن آئیں گی تو اسے ان کے لیے ایک لمبے چوڑے اور چٹیل میدان میں لٹا دیا جائے گا تو اس میں سے ہر کھر والی بکری اپنے کھر کے ساتھ اور ہر سینگ والی اپنے سینگ کے ساتھ اسے مارے گی اور ان میں کوئی بکری ایسی نہ ہوگی جس کا سینگ نہ ہو یا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو حتی کہ جب مارتے مارتے آخری بکری بھی گزر جائے گی تو پھر پہلی بکری کو اُس پر لوٹا دیا جائے گا اور یہ سلسلہ اس سارے دن میں جاری رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔'' عامری نے پوچھا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! اونٹوں کا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اچھا جانور زکاۃ کے طور پر دو، دودھ والا جانور بطور تحفہ دو، ان کی پشت پر سوار کراؤ، ان کا دودھ پلاؤ اور جن کو مادہ کے لیے نر کی ضرورت ہو تو انھیں بلا معاوضہ اپنے نر اونٹ دے دو۔[1] اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی ذکر کیا ہے۔[2]

اس حدیث کی ایک دوسری سند: امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَّا يُؤَدِّي حَقَّهُ إِلَّا جُعِلَ صَفَائِحَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جَبْهَتُهُ وَجَنْبُهُ وَظَهْرُهُ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يَرٰى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ......] ''جس شخص کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرتا ہو تو اسے تختیوں کی صورت میں تبدیل کر کے جہنم کی آگ میں گرم کر کے ان کے ساتھ اس کی پیشانی، پہلو اور کمر پر داغ لگائے جائیں گے حتی کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین فیصلہ فرما دے گا جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی، پھر یہ اپنا راستہ دیکھے گا کہ وہ جنت کی طرف ہے یا جہنم کی طرف......'' پھر بکریوں اور اونٹوں کے بارے میں باقی حدیث اسی طرح ذکر کی ہے جس طرح پہلے گزر چکی ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے: [اَلْخَيْلُ (لِثَلَاثَةٍ): لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ...... وَعَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ] ''گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ گھوڑا جو آدمی کے لیے باعث اجر ہو، دوسرا وہ جو باعث ستر ہو......اور تیسرا وہ جو باعث بوجھ ہو۔''[3] امام مسلم نے بھی صحیح میں یہ حدیث مکمل طور پر بیان کی ہے جبکہ امام بخاری نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[4] اس حدیث کے یہاں ذکر کرنے سے مقصود ان الفاظ کی طرف اشارہ ہے: [حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ] ''حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین اس دن فیصلہ فرما دے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین: فرمان الٰہی: ﴿ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ⑤ ﴾ ''تو (اے نبی!) آپ صبر جمیل سے کام لیجیے۔'' کے معنی یہ

---

① مسند أحمد: 490,489/2، البتہ اس میں پہلی اور دوسری قوسین والے لفظ کے بجائے [أَكْبَرِهِ] ہے۔ ② سنن أبي داود، الزكاة، باب في حقوق المال، حديث: 1660 و سنن النسائي، الزكاة، باب التغليظ في حبس الزكاة، حديث: 2444 جبکہ آخری قوسین والا لفظ سنن النسائی کے مطابق ہے۔ ③ مسند أحمد: 262/2 قوسین والا لفظ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الخيل لثلاثة......، حديث: 2860 کے مطابق ہے۔ ④ صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث: (26)-987.

یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿8﴾ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿9﴾ وَ لَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ

جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسا ہوگا﴿8﴾ اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون جیسے ہو جائیں گے﴿9﴾ اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہ پوچھے گا﴿10﴾

حَمِیْمًا ﴿10﴾ۚۖ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِیْهِ ۙ﴿11﴾

حالانکہ وہ انھیں دکھلا بھی دیے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کاش! عذاب سے (بچنے کو) اپنے بیٹے فدیے میں دے دے﴿11﴾ اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی﴿12﴾

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِ ۙ﴿12﴾ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ۙ﴿13﴾ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِ ۙ﴿14﴾

اور اپنا خاندان جو اسے پناہ دیتا تھا﴿13﴾ اور جتنے زمین پر ہیں سب، پھر وہ (فدیہ) اسے نجات دلا دے﴿14﴾ ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی آگ ہے﴿15﴾

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿15﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿16﴾ۚۖ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ۙ﴿17﴾ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿18﴾

چمڑیاں ادھیڑ دینے والی﴿16﴾ وہ (ہر) اس شخص کو پکارے گی جس نے پیٹھ پھیری اور (حق سے) منہ موڑا﴿17﴾ اور (مال) جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا﴿18﴾

ہیں کہ اے محمد! آپ کی قوم جو آپ کی تکذیب کر رہی ہے اور عذاب کے وقوع پذیر ہونے کو بعید جانتے ہوئے اس کے جلد واقع ہونے کا مطالبہ کر رہی ہے تو آپ اس پر صبر کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ﴾ (الشوریٰ 18:42) ”جو لوگ اس (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔“ اسی لیے فرمایا: ﴿اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ۙ﴿6﴾﴾ ”بے شک وہ (لوگ) اسے دور دیکھتے ہیں۔“ یعنی عذاب کے وقوع پذیر ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کو کافر بعید، یعنی محال سمجھتے ہیں، ﴿وَّ نَرٰىهُ قَرِیْبًا ؕ﴿7﴾﴾ ”اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔“ یعنی مومن قیامت کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ قریب ہے، اگرچہ متعین طور پر اس کے وقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا لیکن ہر چیز جو آنے ہی والی ہے، وہ قریب بھی ہے اور یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والی بھی ہے۔

تفسیر آیات: 8-18

قیامت کے دن کی ہولناکیاں: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس دن کافروں پر عذاب واقع ہو کر رہے گا: ﴿یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿8﴾﴾ ”جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسا ہو جائے گا۔“ حضرت ابن عباس، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی تلچھٹ کے ہیں۔[1] ﴿وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿9﴾﴾ ”اور پہاڑ (دھنکی ہوئی) رنگین اون جیسے ہو جائیں گے۔“ عہن کے معنی دھنکی ہوئی اون کے ہیں۔ یہ مجاہد، قتادہ اور سدی کا قول ہے۔[2] یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل ہے: ﴿وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿5﴾﴾ (القارعة 5:101) ”اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون۔“ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ لَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿10﴾ۚۖ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ﴾ ”اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہ پوچھے گا، حالانکہ وہ انھیں دکھلا بھی دیے جائیں گے۔“ یعنی کوئی دوست کسی دوست سے اس کا حال نہیں پوچھے گا، حالانکہ اسے بہت برے حال میں دیکھ رہا ہوگا لیکن اسے اپنی ہی پڑی ہوگی۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

[1] تفسیر الطبری: 90/29 و الدر المنثور: 418/6. [2] تفسیر الطبری: 90/29 و 359/30.

سے روایت کیا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو جاننے پہچاننے کے باوجود ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ ﴾ (عبس 37:80) ''ان میں سے ہر شخص کا اس دن ایسا حال ہوگا جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا۔''① یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے: ﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ (لقمٰن 33:31) ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آئے گا اور نہ اولاد باپ کے کچھ کام آسکے گی۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔'' ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ ﴾ (فاطر 18:35) ''اور اگر کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ ہٹانے کے لیے کسی کو بلائے گا تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہو۔'' ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 101:23) ''پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن نہ ان میں رشتہ داریاں ہوں گی اور نہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔'' ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ ﴾ (عبس 80:34-37) ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا، اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹے سے (بھی)، ان میں سے ہر شخص کا اس دن ایسا حال ہوگا جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا ۭ ﴾ ''مجرم چاہے گا کہ کاش! عذاب سے (بچنے کو) اپنے بیٹے فدیے میں دے دے۔ اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی۔ اور اپنا خاندان جو اسے پناہ دیتا تھا۔ اور جتنے زمین پر ہیں سب، پھر وہ (فدیہ) اسے نجات دلا دے۔ ہرگز نہیں۔'' یعنی اس سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ تمام اہل زمین ہی کو کیوں نہ لے آئے اور اپنے کیسے ہی عزیز ترین مال کو کیوں نہ پیش کرے، خواہ زمین بھر کر سونا کیوں نہ پیش کرے یا اپنے اس بیٹے کو کیوں نہ پیش کرے جسے دنیا میں اپنے جگر کا ٹکڑا سمجھتا تھا مگر آج قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو دیکھ کر خواہش کرے گا کہ اے کاش! اپنے اس بیٹے کو فدیہ میں دے کر عذاب الٰہی سے بچ جائے مگر یہ فدیہ بھی اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ مجاہد اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَفَصِيْلَتِهِ ﴾ کے معنی اس کا قبیلہ اور خاندان والے ہیں۔② عکرمہ فرماتے ہیں کہ یعنی اپنے اس قبیلے کو جس کا وہ ایک فرد ہے۔③ اشہب نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ماں کے ہیں۔④

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهَا لَظٰى ۝ ﴾ ''بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔'' اب اللہ تعالیٰ آگ اور اس کی شدت حرارت کو بیان فرما رہا ہے کہ ﴿ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ ﴾ ''وہ کھالوں کو ادھیڑ ڈالنے والی ہوگی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ سر کی کھال کو ادھیڑ ڈالے گی۔⑤ امام حسن بصری اور ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ وہ چہرے کی رعنائیوں کو ختم کر کے رکھ

---

① تفسیر الطبری: 91/29. ② تفسیر الطبری: 93/29. ③ تفسیر الماوردی: 92/6. ④ تفسیر الماوردی: 92/6 و تفسیر القرطبی: 286/18. ⑤ تفسیر الطبری: 94/29.

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ⑲ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ⑳ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ㉑ اِلَّا

بے شک انسان کو بے صبر (تھڑ دِلا) پیدا کیا گیا⑲ جب اسے شر پہنچے تو گھبرا جاتا ہے⑳ اور جب اسے خیر ملے تو نہایت روکنے والا

الْمُصَلِّيْنَ ㉒ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ㉓ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ㉔

(کنجوس) بن جاتا ہے ㉑ مگر وہ نمازی ㉒ جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں ㉓ اور جن کے مالوں میں حق مقرر ہے ㉔

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ㉕ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ㉖ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ

سوالی اور محروم کا ㉕ اور جو یوم جزا کی تصدیق کرتے ہیں ㉖ اور جو اپنے رب کے عذاب سے

عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ㉗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ㉘ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

ڈرنے والے ہیں ㉗ بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ㉘ اور جو اپنی شرمگاہوں کی

حٰفِظُوْنَ ㉙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ㉚

حفاظت کرنے والے ہیں ㉙ سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے، پھر یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں ㉚

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ㉛ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

پھر جو کوئی اس کے علاوہ چاہے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں ㉛ اور جو اپنی امانتیں اور اپنے عہد نبھانے

رٰعُوْنَ ㉜ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ㉝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ㉞

والے ہیں ㉜ اور جو اپنی شہادتوں پر قائم ہیں ㉝ اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں ㉞

ع 1 35 7 اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ㉟

وہی لوگ باغوں میں معزز ہوں گے ㉟

دے گی۔[1] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ کھوپڑی کی کھال کو، چہرے کی رعنائیوں کو اور جسم کے اعضاء کو ادھیڑ کر رکھ دے گی۔[2] ضحاک فرماتے ہیں کہ جہنم کی یہ آگ ہڈی سے گوشت اور کھال کو اس طرح الگ الگ کر دے گی کہ کچھ بھی نہ چھوڑے گی۔[3] ابن زید فرماتے ہیں کہ ﴿ لِّلشَّوٰى ﴾ اعضاء اور ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ اور ﴿ نَزَّاعَةً ﴾ کے معنی ہیں کہ پہلے ان کی ہڈیوں کو توڑ دے گی اور پھر ان کی کھالوں کو اور خلقت کو بدل کر رکھ دے گی۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ⑰ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ⑱ ﴾ ''وہ اس شخص کو پکارے گی جس نے پیٹھ پھیری اور (حق سے) منہ موڑا۔ اور (مال) جمع کیا اور سینت سینت کر (حفاظت سے) رکھا۔'' یعنی آگ اپنے ان بیٹوں کو بلائے گی جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس آگ ہی کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کے مقدر میں یہ لکھ دیا ہے کہ وہ دنیا میں ایسے عمل کریں گے جو انھیں اس جہنم میں لے جائیں گے۔ جہنم ان لوگوں کو بڑی فصیح و بلیغ زبان سے پکارے گا اور پھر میدان حشر سے ان کو اس طرح اچک لے گا جس طرح پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جو اعراض کریں گے

① الدر المنثور: 419/6. ② تفسیر الطبری: 95/29. ③ تفسیر الطبری: 95/29. ④ تفسیر الطبری: 95/29.

جس طرح پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جو اعراض کریں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے، یعنی جنھوں نے دل سے تکذیب کی ہوگی اور اعضاء کے ساتھ عمل نہ کیا ہوگا۔ ﴿ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴾ ''اور (مال) جمع کیا اور سینت سینت کر (حفاظت) سے رکھا۔'' اور مال میں سے نفقات اور زکاۃ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے واجب حق کو ادا نہ کیا ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے: [لَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ] ''مال کو گن گن کر نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمھیں گن گن کر دے گا۔''①

تفسیر آیات :19-35

انسان کم حوصلہ ہے: اللہ تعالیٰ انسان کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ گھٹیا اخلاق کا خوگر ہے۔ ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ انسان بے صبر پیدا کیا گیا ہے۔'' اور پھر اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے: ﴿ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴾ ''جب اسے برائی پہنچتی ہے تو بہت جزع فزع کرنے والا ہوتا ہے۔'' یعنی جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے اور شدت خوف سے اس کا دل پھٹنے لگتا ہے اور وہ اس بات سے مایوس ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اسے کبھی خیر و عافیت بھی حاصل ہوگی۔ ﴿ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴾ ''اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو نہایت روکنے والا (بخیل) بن جاتا ہے۔'' یعنی جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو دوسروں کے بارے میں بخل سے کام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا نہیں کرتا۔ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [شَرُّ مَا فِي رَجُلٍ، شُحٌّ هَالِعٌ وَّ جُبْنٌ خَالِعٌ] ''آدمی میں جو سب سے بری بات ہے وہ بخل ہے جو انسان کو جزع فزع اور تنگی میں مبتلا کرتا ہے اور دل نکال دینے والی بزدلی ہے۔''② اسے ابوداود نے عبداللہ بن جراح از ابوعبدالرحمٰن المقری روایت کیا ہے اور عبدالعزیز صرف اسی سند میں موجود ہے۔③

برے اوصاف سے بچائے جانے والے خوش نصیب: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴾ ''مگر وہ نمازی'' یعنی انسان اگرچہ مذموم صفات کے ساتھ متصف ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچا لے، نیکی کی توفیق و ہدایت عطا فرمائے اور اس کے اسباب کو آسان بنا دے اور وہ نمازی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرما رکھی ہے: ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴾ ''جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز کے اوقات اور واجبات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ معنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مسروق اور ابراہیم نخعی سے مروی ہے۔④ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سکون اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:1,2) ''بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں۔'' یہ عقبہ بن عامر کا قول ہے۔⑤ اسی سے ہے: الماءُ الدائم وہ پانی جو ساکن اور ٹھہرا ہوا ہو۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں طمانیت

---

① صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة فيما استطاع، حديث: 1434 وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الإنفاق......، حديث: (89)-1029. ② مسند أحمد: 302/2. ③ سنن أبي داود، الجهاد، باب في الجرأة والجبن، حديث: 2511. ④ الدر المنثور: 420/6. ⑤ تفسير الطبري: 98/29.

واجب ہے جو شخص اپنے رکوع و سجود میں طمانیت کا اظہار نہیں کرتا وہ گویا نماز کا التزام نہیں کرتا کیونکہ اس نے سکون و دوام اختیار نہیں کیا بلکہ اس نے نماز میں کوے کی طرح ٹھونگے مارے ہیں، لہٰذا وہ اس طرح کی نماز ادا کر کے فلاح نہیں پائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی نیک کام کرتے ہیں تو اس پر مداومت کرتے اور ثابت قدم رہتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعالٰى أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ] ''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل سب سے زیادہ محبوب ہے جسے ہمیشہ ادا کیا جائے، اگرچہ وہ کم ہی ہو۔''①

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴾ ﴿ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ ''اور جن کے مالوں میں حق مقرر ہے۔ سوالی اور محروم کا۔'' یعنی ان کے اموال میں ضرورت مندوں کا حصہ مقرر اور طے شدہ ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ ''اور وہ لوگ یوم جزا کی تصدیق کرتے ہیں۔'' یعنی وہ آخرت، حساب اور جزا و سزا پر ایمان رکھتے اور ایسے عمل کرتے ہیں جن سے وہ ثواب کی امید رکھتے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴾ ''اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے خوف رکھنے والے ہیں۔'' ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴾ ''بے شک ان کے پروردگار کا عذاب (ایسا ہے کہ) اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔'' یعنی اس سے کوئی ایسا شخص بے خوف نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو جانتا پہچانتا ہو الا یہ کہ اللہ تعالیٰ امان عطا فرما دے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' یعنی انھیں حرام سے روکتے ہیں اور انھیں ایسی جگہ سے بچاتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴾ ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ ''مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انھیں کوئی ملامت نہیں، اور جو لوگ ان کے سوا اور کے خواست گار ہوں تو وہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔'' ان آیات کی تفسیر سورۂ مؤمنون کے آغاز میں گزر چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔②

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اقراروں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' یعنی جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہیں کرتے اور جب وعدہ کریں تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ یہ مومنوں کی صفات ہیں اور ان کے برعکس منافقوں کی صفات ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب

① صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، حديث: 6464 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب فضيلة العمل الدائم......، حديث: (218)-783 واللفظ له. ② دیکھیے المؤمنون، آیات: 5-7 کے ذیل میں عنوان: ''فحاشی کے منکر''

فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿36﴾ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿37﴾ اَیَطْمَعُ كُلُّ

پھر (اے نبی!) کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے آ رہے ہیں؟﴿36﴾ دائیں سے اور بائیں سے گروہ کے گروہ ﴿37﴾ کیا ان میں سے ہر شخص طمع

امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿38﴾ كَلَّاؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ

رکھتا ہے کہ اسے نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟﴿38﴾ ہرگز نہیں! بے شک ہم نے انھیں اس چیز سے تخلیق کیا جسے وہ جانتے ہیں ﴿39﴾ پس میں

بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿40﴾ عَلٰۤی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ

مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں! یقیناً ہم قادر ہیں ﴿40﴾ اس بات پر کہ (انھیں) بدل کر ان سے بہتر لے آئیں، اور ہم عاجز و مغلوب

بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿41﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿42﴾

نہیں ﴿41﴾ چنانچہ آپ انھیں چھوڑ دیجیے، وہ باتیں بنائیں اور کھیلیں حتی کہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿42﴾

یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿43﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

جس دن وہ قبروں سے دوڑتے نکلیں گے جیسے وہ آستانوں کی طرف دوڑ رہے ہوں ﴿43﴾ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی،

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿44﴾ ع 2/9 8

ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿44﴾

بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''[1] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ''جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔''[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔'' یعنی شہادتوں کی حفاظت کرتے ہیں، ان میں کمی بیشی نہیں کرتے اور نہ انھیں چھپاتے ہیں۔ ﴿ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ ﴾ (البقرة 283:2) ''اور جو شخص اسے چھپائے گا تو وہ دل کا گناہ گار ہوگا۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿34﴾ ﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی نماز کو وقت پر ادا کرتے ہیں اور اس کے ارکان، واجبات اور مستحبات کا خیال رکھتے ہیں۔ اس مقام پر کلام کا آغاز بھی نماز سے ہوا اور اختتام بھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کس قدر اہم ہے اور اسے کس قدر شرف حاصل ہے جیسا کہ سورۂ مؤمنون کے آغاز میں بیان کیا جا چکا ہے، اسی لیے وہاں یہ فرمایا تھا: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 11,10:23) ''یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اور یہاں یہ فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿35﴾ ﴾ ''یہی لوگ باغ ہائے بہشت میں عزت و اکرام سے ہوں گے۔'' یعنی مختلف انواع و اقسام کی لذتوں اور مسرتوں سے ان کی عزت

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 عن أبي هريرة ﷺ. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 34 عن عبدالله بن عمرو ﷺ.

افزائی کی جائے گی۔

تفسیر آیات: 36-44

کفار کو سرزنش: اللہ تعالیٰ ان کفار کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے جو نبی ﷺ کے زمانے میں تھے اور وہ آپ کا اور اس ہدایت کا مشاہدہ کر رہے تھے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا اور جن عظیم الشان معجزات کے ساتھ آپ کی تائید وحمایت فرمائی تھی لیکن اس کے باوجود وہ آپ سے بھاگتے، آپ سے اپنی راہ الگ اختیار کرتے اور گروہ در گروہ اور جماعت در جماعت ہو کر آپ سے دائیں بائیں چھٹ جاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۙ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۙ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۭ﴾ (المدثر 74:49-51) ''پھر انھیں کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں، گویا کہ وہ گدھے ہیں (یعنی) شیر سے (ڈر کر) بھاگے ہیں۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿36﴾﴾ ''تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی طرف تیزی سے دوڑے چلے آتے ہیں۔'' یعنی اے محمد ﷺ! ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے جو آپ کے پاس ہیں کہ یہ آپ سے دور بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ امام حسن بصری نے بھی اس کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔[1] ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿37﴾﴾ ''دائیں سے اور بائیں سے گروہ در گروہ۔'' ﴿عِزِيْنَ ﴿37﴾﴾ کا واحد عزۃ ہے اور اس کے معنی متفرق ہونے والوں کے ہیں۔[2] یہ ﴿مُهْطِعِيْنَ ﴿36﴾﴾ سے حال ہے، یعنی وہ افتراق واختلاف کی حالت میں دور بھاگے چلے جاتے ہیں۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿36﴾﴾ کے معنی ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور ﴿عِزِيْنَ ﴿37﴾﴾ کے معنی ہیں: لوگوں کے گروہ جو دائیں بائیں سے اعراض کر رہے اور آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔[3] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے جبکہ وہ مختلف حلقوں کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: [مَالِي أَرَاكُمْ عِزِينَ] ''کیا بات ہے تم لوگ الگ الگ کیوں بیٹھے ہو۔'' اسے امام احمد، مسلم، ابوداود، نسائی اور ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿38﴾ كَلَّا ۭ﴾ ''کیا ان میں سے ہر شخص طمع رکھتا ہے کہ اسے نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا، ہرگز نہیں!'' یعنی کیا یہ لوگ اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ نعمتوں بھری جنتوں میں داخل ہوں گے، حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دور بھاگ رہے ہیں اور حق سے منہ موڑ رہے ہیں، اس لیے یہ لوگ ہرگز ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے بلکہ ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ قیامت آ کر رہے گی اور وہ عذاب واقع ہو کر رہے گا جس کا یہ انکار کر رہے اور جس کے وجود کو بہت بعید تصور کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

[1] تفسير الطبرى: 105/29. [2] تفسير الطبرى: 105/29. [3] تفسير الطبرى: 105/29. [4] مسند أحمد: 93/5 وصحيح مسلم، الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة......، حديث: 430 وسنن أبي داود، الأدب، باب في التحلق، حديث: 4823 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ﴾: 498/6، حديث: 11622 وتفسير الطبرى: 107/29.

نے اس سلسلے میں ان کے ابتدائے خلق سے استدلال فرمایا ہے کہ جس نے پہلی دفعہ انھیں پیدا کیا، اس کے لیے انھیں دوبارہ پیدا کرنا تو زیادہ آسان ہے اور اس بات کا خود انھیں بھی اعتراف ہے، فرمایا: ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ۝۳۹ ﴾ ”بلاشبہ ہم نے انھیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔“ یعنی کمزور سی منی سے پیدا کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ﴾ (المرسلٰت 20:77) ”کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟“ اور فرمایا: ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآىِٕبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ ﴾ (الطارق 86:5-10) ”چنانچہ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے بیچ میں سے نکلتا ہے۔ بے شک اللہ اس کے اعادے (پھر پیدا کرنے) پر قادر ہے، جس دن راز ظاہر کر دیے جائیں گے تو انسان کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا۔“

پھر فرمایا: ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ ﴾ ”مجھے مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم!“ یعنی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، مشرق و مغرب بنائے، کواکب کو مسخر فرمایا جو مشرقوں سے طلوع اور مغربوں میں غروب ہوتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ بات اس طرح نہیں جیسے تم خیال کرتے ہو کہ نہ آخرت ہے، نہ حساب اور نہ دوبارہ اٹھنا بلکہ یہ سب کچھ یقینی طور پر ایک نہ ایک دن ضرور واقع ہونے والا ہے۔ اسی لیے ابتدائے قسم میں حرف نفی لا لایا گیا ہے تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ مقسم علیہ نفی ہے اور وہی مضمونِ کلام ہے، یعنی ان کے اس گمانِ فاسد کی تردید جو یہ روز قیامت کی نفی کرتے ہیں، حالانکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایسی عظیم الشان نشانیاں دیکھی ہیں جو قیامت برپا کرنے سے کہیں بڑھ کر ہیں اور وہ حیوانات و جمادات اور آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا اور ان میں موجود تمام مخلوقات کو مسخر کرنا ہے، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 40:57) ”البتہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (الأحقاف 46:33) ”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ کیوں نہیں! بلاشبہ وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:81,82) ”بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے؟ کیوں نہیں اور وہی تو (سب کچھ) پیدا کرنے والا، خوب علم والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝۴۰ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ ﴾ ”مجھے مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم! یقیناً ہم طاقت رکھتے ہیں اس

بات پر کہ (انھیں) بدل کر ان سے بہتر لے آئیں۔'' یعنی اس بات پر قادر ہیں کہ ان سے بہتر لوگ بدل لائیں۔ یعنی قیامت کے دن انھیں ان کے ان جسموں سے بہتر جسموں میں لائیں اور ہمیں اس بات کی بھی پوری پوری قدرت حاصل ہے۔

اور فرمایا: ﴿ وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ﴾ ''اور ہم (اس سے) عاجز و مغلوب نہیں ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴾ (القیٰمۃ 75:3,4) ''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی بکھری ہوئی ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے، کیوں نہیں! بلکہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔'' اور فرمایا: ﴿ نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ۙ عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَکُمۡ وَنُنۡشِئَکُمۡ فِیۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ (الواقعۃ 56:60,61) ''ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس (بات) سے عاجز نہیں (بلکہ قادر ہیں) کہ تمھاری طرح کے اور لوگ (تمھاری جگہ) لے آئیں اور ہم تمھیں پیدا کریں ایسی (صورت) میں جسے تم نہیں جانتے۔'' امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے ﴿ عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ ﴾ کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم ان سے بہتر لوگ لے آئیں جو ہماری اطاعت کریں اور نافرمانی نہ کریں۔[1] انھوں نے اس آیت کو حسب ذیل آیت کی طرح قرار دیا ہے۔ ﴿ وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴾ (محمد 47:38) ''اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا پھر وہ تمھاری طرح نہیں ہوں گے۔'' لیکن دوسری آیات کی دلالت کی وجہ سے پہلے معنی ہی زیادہ واضح ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی أَعۡلَمُ.

پھر فرمایا: ﴿ فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا ﴾ ''لہٰذا آپ ان کو چھوڑ دیجیے وہ (باطل میں) مشغول رہیں اور کھیلتے رہیں۔'' یعنی اے محمد! انھیں اپنی تکذیب، کفر اور عناد میں پڑے رہنے دیں۔ ﴿ حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ﴾ ''یہاں تک کہ اس دن سے دوچار ہوں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔'' تو اس وقت اپنے انجام کو معلوم کر لیں گے اور اس کے وبال کے مزے کو چکھ لیں گے۔ ﴿ یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ﴾ ''اس دن یہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے جیسے وہ آستانوں کی طرف دوڑ رہے ہوں۔'' یعنی جب رب تبارک وتعالیٰ انھیں پکارے گا تو یہ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر کی طرف اس طرح تیز دوڑیں گے جیسے وہ آستانوں کی طرف بھاگ رہے ہوں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور ضحاک فرماتے ہیں جیسے مقررہ نشانی کی طرف دوڑ رہے ہوں۔[2] ابو العالیہ اور یحییٰ بن ابو کثیر کا قول ہے کہ جیسے مقررہ ہدف کی طرف بھاگ رہے ہوں۔[3] جمہور نے نَصْب نون کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ مصدر ہے اور منصوب کے معنی میں ہے۔ امام حسن بصری نے اسے ﴿ نُصُبٍ ﴾ نون اور صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کے معنی بت کے ہیں۔[4] یعنی حشر کی طرف وہ اس طرح بھاگیں گے جیسے دنیا میں بت کی طرف بھاگتے تھے۔ اور ﴿ یُوۡفِضُوۡنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے کہ کون اسے سب سے پہلے ہاتھ لگاتا ہے۔ یہ معنی امام

[1] تفسیر الطبری: 108/29. [2] تفسیر الطبری: 111,110/29. [3] تفسیر الطبری: 111,110/29. [4] تفسیر الطبری: 110/29.

مجاہد، یحییٰ بن ابوکثیر، مسلم بطین، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس، ابوصالح، عاصم بن بہدلہ، ابن زید اور دیگر کئی مفسرین سے مروی ہے۔[1]
فرمان الٰہی: ﴿ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ﴿ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ﴾ ''ذلت ان پر چھا رہی ہوگی'' اس تکبر کے مقابلے میں جو انھوں نے دنیا میں اطاعت کے بجائے اختیار کیا تھا۔ ﴿ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴾ ''یہی وہ دن ہے جس کا وہ وعدہ دیے جاتے تھے۔''

سورۂ معارج کی تفسیر مکمل ہوگئی۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] تفسیر الطبری: 111,110/29 وزاد المسیر: 122/8.

تفسیر سُورۂ نُوح

یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ تو اپنی قوم کو ڈرا، اس سے پہلے کہ انھیں دردناک عذاب آلے① اس نے کہا:

يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ

اے میری قوم! بے شک میں تمھیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں② یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو③ وہ گناہوں

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ

وقف لازم

سے تمھاری مغفرت کرے گا اور تمھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ کا مقرر وقت آجائے تو وہ مؤخر نہیں ہوتا۔

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④

کاش! تمھیں علم ہوتا④

تفسیر آیات : 1-4

نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت: اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کے بارے میں فرما رہا ہے کہ اس نے انھیں ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا اور حکم دیا کہ انھیں اللہ کے عذاب کے آنے سے پہلے ڈراؤ، اگر وہ توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لیں گے تو ان سے عذاب کو دور کر دیا جائے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② ﴾ ”یہ کہ تم اپنی قوم کو ڈراؤ پیشتر اس کے کہ ان پر درد دینے والا عذاب آواقع ہو۔ اس (نوح) نے کہا: اے میری قوم! بے شک میں تمھیں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔“ یعنی میں تمھیں کھلم کھلا، ظاہر اور واضح طور پر ڈرا رہا ہوں۔ ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ﴾ ”کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔“ یعنی ان امور کو ترک کر دو جنھیں اس نے حرام قرار دیا ہے اور گناہوں سے اجتناب کرو ﴿ وَاَطِيْعُوْنِ ③ ﴾ ”اور میرا کہا مانو۔“ یعنی میں جو تمھیں حکم دے رہا ہوں اور منع کر رہا ہوں تو اس سلسلے میں میری اطاعت کرو۔ ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ ”وہ تمھارے گناہ بخش دے گا۔“ یعنی جب تم وہ کام کرو گے جن کا میں تمھیں حکم دے رہا ہوں اور اس کی تصدیق کرو گے جس کے ساتھ میں تمھاری طرف بھیجا گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔ ﴿ مِّنْ ﴾ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ زائد ہے لیکن اثبات کے موقع پر حرف مِنْ کا زائد

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ⑤ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَ اِنِّیْ

اس نے کہا: میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی⑤ چنانچہ میری دعوت نے ان کے (حق سے) فرار ہی کو زیادہ کیا⑥ اور

كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا

میں نے جب بھی انھیں دعوت دی تاکہ تو ان کی مغفرت کرے، تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے (اوپر)

وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ

لپیٹ لیے اور ضد کی اور انتہائی تکبر کیا⑦ پھر بے شک میں نے انھیں کھلی دعوت دی⑧ پھر میں نے ان سے علانیہ کہا اور چپکے چپکے بھی

لَهُمْ اِسْرَارًا ⑨ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ⑩ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ

سمجھایا⑨ چنانچہ میں نے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے⑩ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار

مِّدْرَارًا ⑪ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ⑫ مَا لَكُمْ

بارش برسائے گا⑪ اور تمھیں مال اور بیٹوں سے بڑھائے گا اور تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا⑫ تمھیں کیا ہوا ہے

لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ⑬ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ⑭ اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

کہ اللہ کے لیے وقار (عظمت) کا عقیدہ نہیں رکھتے؟⑬ حالانکہ اس نے تمھیں کئی مرحلوں میں تخلیق کیا ہے⑭ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے سات

طِبَاقًا ⑮ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ⑯ وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

آسمان تہ بہ تہ کیسے تخلیق کیے؟⑮ اور اس نے ان میں چاند کو روشن اور سورج کو چراغ بنایا؟⑯ اور اللہ ہی نے تمھیں زمین سے

نَبَاتًا ⑰ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ⑱ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

(خاص انداز سے) اگایا؟⑰ پھر وہ تمھیں اس میں لوٹائے گا، اور پھر تمھیں (دوبارہ) نکالے گا⑱ اور اللہ نے زمین کو تمھارے لیے

بِسَاطًا ⑲ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ⑳ ع 1/20/9

بچھونا بنایا⑲ تاکہ تم اس کی کھلی راہوں میں چلو⑳

آنا بہت قلیل الاستعمال ہے۔ ﴿ وَ یُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ ﴾ ''اور وہ تمھیں ایک وقت مقرر تک مہلت دے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری عمریں دراز کر دے گا اور تم سے عذاب ٹال دے گا۔ اور اگر تم نے ان کاموں سے اجتناب نہ کیا جن سے میں تمھیں منع کرتا ہوں تو پھر وہ تمھیں عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اطاعت، نیکی اور صلہ رحمی سے حقیقی طور پر عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِیدُ فِی الْعُمُرِ] ''صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔''[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ ﴾ ''بے شک اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں کیا جاتا، کاش! تم جانتے ہوتے۔'' یعنی عذاب الٰہی آنے سے پہلے پہلے اطاعت و بندگی اختیار کر لو

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 273/1، حدیث: 943 اور دیکھیے السلسلة الصحیحة: 535/4-539، حدیث: 1908 کے ذیل میں۔

کیونکہ جب عذاب الٰہی آجائے تو اسے نہ ٹالا جاسکتا ہے اور نہ روکا جاسکتا ہے کیونکہ اس عظیم ہستی نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے اور وہ اس قدر غالب ہے کہ تمام مخلوقات اس کے سامنے عاجز و درماندہ ہیں۔

تفسیر آیات :5-20

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کا شکوہ کرنا: اللہ تعالیٰ اپنے عبد اور رسول نوح علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمارہا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کی طرف سے جن آلام و مصائب کا سامنا کیا اور پھر ساڑھے نو سو برس کی اس طویل مدت میں صبر کیا اور قوم کے سامنے رشد و بھلائی اور سیدھے راستے کو بیان کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر انھوں نے ایک نہ سنی تو حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں شکوہ کرتے ہوئے عرض کی: ﴿ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ⑤ ﴾ ”(اے میرے پروردگار!) بے شک میں اپنی قوم کو رات دن دعوت دیتا رہا۔“ یعنی تیری اطاعت بجالاتے اور تیرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے میں نے انھیں دن رات بلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ﴿ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْۤ اِلَّا فِرَارًا ⑥ ﴾ ”چنانچہ میری دعوت نے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔“ یعنی جب بھی میں نے انھیں دعوت دی تاکہ حق کے قریب ہو جائیں لیکن یہ حق سے دور ہوتے اور بھاگتے ہی رہے۔ ﴿ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ ﴾ ”اور بلاشبہ جب بھی میں نے انھیں دعوت دی کہ تو انھیں معاف فرمائے تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے لپیٹ لیے۔“ یعنی انھوں نے اپنے کان بند کر لیے تاکہ اس بات کو نہ سن سکیں جس کی میں انھیں دعوت دیتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش کے بارے میں ہمیں یہ بتایا ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ○ ﴾ ”اور کافروں نے کہا: تم اس قرآن کو مت سنو اور (جب پڑھا جائے تو) شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔“ (حٰمٓ السجدۃ 41 : 26)

ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اجنبی بن گئے تاکہ آپ انھیں پہچان نہ سکیں۔[1] سعید بن جبیر اور سدی فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے اپنے سر ڈھانپ لیے تاکہ آپ کی بات نہ سن سکیں۔[2] ﴿ وَاَصَرُّوْا ﴾ ”اور وہ (اپنے بہت بڑے اور بدترین شرک و کفر ہی پر) اڑے رہے۔“ ﴿ وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ﴾ ”اور انھوں نے انتہائی تکبر کیا۔“ یعنی انھوں نے حق کی پیروی کرنے اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ ﴿ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ﴾ ”پھر بے شک میں نے انھیں کھلی دعوت دی۔“ یعنی لوگوں کے درمیان کھلم کھلا دعوت پہنچائی ﴿ ثُمَّ اِنِّيْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ ﴾ ”پھر میں نے ان سے علانیہ کہا۔“ یعنی پھر میں ظاہری طور پر بلند آواز سے انھیں دعوت دیتا رہا۔ ﴿ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ⑨ ﴾ ”اور میں نے انھیں چپکے چپکے سمجھایا۔“ یعنی پوشیدہ طور پر بھی کہ اس کا مجھے اور انھیں ہی علم تھا۔ آپ نے دعوت کے لیے مختلف اسلوب اختیار فرمائے تاکہ یہ آپ کی دعوت پر لبیک کہیں اور دعوت کامیابی سے ہمکنار ہو۔

نوح علیہ السلام نے کیا دعوت دی؟ ﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ⑩ ﴾ ”چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے معافی مانگو بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اپنی اس حالت کو چھوڑ دو جس پر تم ہو اور

① الدر المنثور : 424/6. ② الدر المنثور : 424/6.

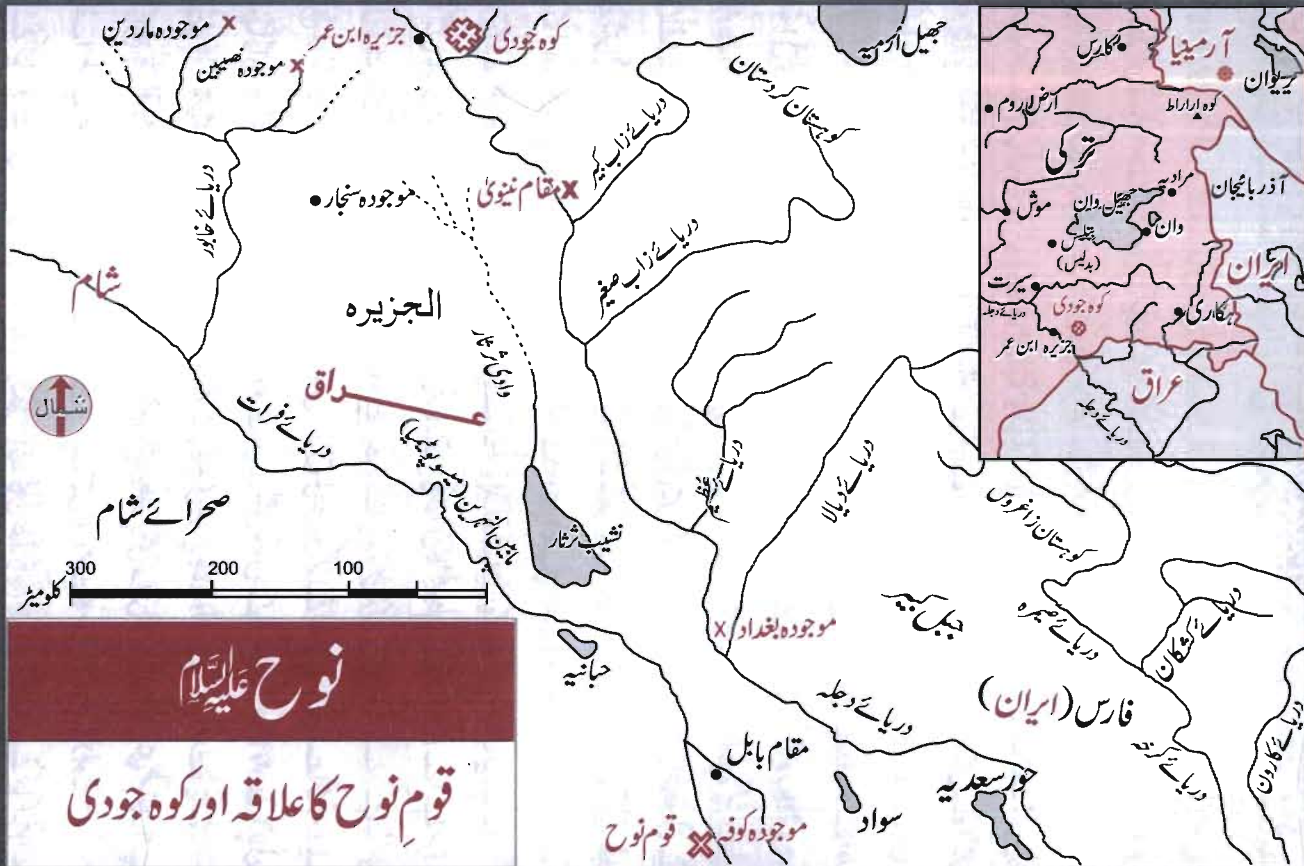
نوح علیہ السلام
قومِ نوح کا علاقہ اور کوہ جودی
موجودہ ماردین
موجودہ نصیبین
جزیرہ ابن عمر
کوہ جودی
جھیل ارمیہ
کوہستان کردستان
دریائے زاب کبیر
مقام نینوی
موجودہ سنجار
دریائے خابور
دریائے زاب صغیر
شام
الجزیرہ
وادی ثرثار
عراق
دریائے فرات
شمال
صحرائے شام
نشیب ثرثار
حبانیہ
300
200
100
کلومیٹر
موجودہ بغداد
جبل کبیر
کوہستان زاغروس
دریائے صیمرہ
فارس (ایران)
دریائے دجلہ
مقام بابل
موجودہ کوفہ
قوم نوح
سواد
خور سعدیہ
دریائے کرخہ
دریائے کارون
آرمینیا
ایروان
کارس
ارض روم
کوہ ارارات
ترکی
آذربائیجان
مراد
موش
جھیل وان
وان
بدلیس
سیرت
کوہ جودی
ہکاری
ایران
جزیرہ ابن عمر
عراق
دریائے دجلہ

فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ جو توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، خواہ اس کے گناہ کفر وشرک کے اعتبار سے کتنے ہی بڑے ہوں، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ ﴾ ’’چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے معافی مانگو بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا۔‘‘ اس آیت کریمہ کی وجہ سے نماز استسقاء میں اس سورت کی قراءت مستحب ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ استسقاء کے لیے منبر پر چڑھے تو آپ نے صرف استغفار کیا اور آیات استغفار پڑھنے پر اکتفا فرمایا جن میں سے ایک آیت یہ بھی ہے: ﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ ﴾ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے آسمان کے ان راستوں سے بارش طلب کی ہے جن سے بارش نازل ہوتی ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿ مِّدْرَارًا ۝ ﴾ کے معنی مسلسل اور موسلا دھار بارش کے ہیں۔[2] ﴿ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ ﴾ ’’اور مال اور بیٹوں سے تمھاری مدد فرمائے گا اور وہ تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں بنادے گا۔‘‘ یعنی جب تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو گے، اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو گے اور اس کی اطاعت بجالاؤ گے تو تمھارے رزق میں فراوانی ہوجائے گی، آسمان کی برکتوں سے تمھیں پلائے گا اور زمین سے بابرکت فصلیں اُگائے گا۔ جانور بکثرت دودھ دینے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ مال اور اولاد سے تمھیں سرفراز فرمائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں مال واولاد سے بھی نوازے گا اور ایسے باغات سے بھی جو انواع واقسام کے پھلوں سے لدے پھدے ہوں گے اور جن میں نہریں رواں دواں ہوں گی۔

یہاں تک تو دعوت میں ترغیب کا اسلوب تھا اور پھر ترہیب کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ ﴾ ’’تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟‘‘ ﴿ وَقَارًا ۝ ﴾ کے معنی عظمت کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک کا یہی قول ہے۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اس طرح اللہ کی تعظیم نہیں کرتے جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے،[4] یعنی تم اس کی سزا اور عذاب سے نہیں ڈرتے۔ ﴿ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ ﴾ ’’حالانکہ یقیناً اس نے تمھیں کئی مرحلوں میں پیدا کیا ہے۔‘‘ اس کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں نطفے سے پیدا فرمایا، پھر اس سے خون کی پھٹکی بنائی اور پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، قتادہ، یحییٰ بن رافع، سدی اور ابن زید کا قول ہے۔[5]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ ﴾ ’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے سات آسمان اوپر تلے بنائے ہیں؟‘‘ یعنی ایک کے اوپر دوسرا آسمان بنایا، کیا وہ صرف سننے سے ہی معلوم ہوئے ہیں یا ان حسی وجوہ سے

① تفسیر الطبری: 116/29. ② صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ نوح، قبل الحدیث: 4920 و تفسیر الطبری: 116/29. ③ تفسیر الطبری: 117/29. ④ تفسیر الطبری: 117/29 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3375/10. ⑤ تفسیر الطبری: 119,118/29 والدر المنثور: 425/6.

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿21﴾

نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک انھوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی اتباع کی جنھیں ان کے مال اور اولاد نے خسارے ہی میں بڑھایا ﴿21﴾

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿22﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا

اور انھوں نے بڑے بڑے مکر کیے ﴿22﴾ اور انھوں نے کہا: تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو، اور ہرگز نہ چھوڑو تم وَدّ کو اور نہ سُواع کو

يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿23﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿24﴾

اور نہ یَغُوث اور یَعُوق اور نَسر کو ﴿23﴾ اور بلاشبہ انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا، اور (اے اللہ!) تو ظالموں کو ضلالت ہی میں زیادہ کر ﴿24﴾

معلوم ہوئے جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف سے سمجھی جا سکتی ہیں؟ بہر حال مقصود یہ ہے کہ ﴿خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿15﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿16﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے سات آسمان بنائے اور چاند کو ان میں نور اور سورج کو چراغ بنایا ہے۔'' اور دونوں کو الگ الگ قسم کی روشنی عطا فرمائی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ نمونہ ونشان بنا دیا کہ سورج کے طلوع وغروب سے رات اور دن کا پتہ چلتا رہے اور چاند کے لیے اس نے کئی منزلیں اور کئی راستے مقرر فرما دیے ہیں اور پھر اس کی روشنی میں بھی فرق رکھا کہ کبھی اس کی روشنی بڑھنے لگتی ہے حتی کہ بڑھتے بڑھتے وہ درجہ کمال تک پہنچ جاتی ہے اور پھر کم ہونا شروع ہو جاتی ہے حتی کہ چاند آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تا کہ مہینوں اور برسوں کے آنے جانے کا علم ہوتا رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○﴾ (یونس 10: 5) ''وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو یہ (سب کچھ) اللہ نے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ سمجھنے والوں کے لیے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿17﴾﴾ ''اور اللہ ہی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا ہے۔'' ﴿نَبَاتًا ﴿17﴾﴾ اسم مصدر ہے اور یہاں اسے لانا بہت ہی احسن ہے۔ ﴿ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا﴾ ''پھر اسی میں وہ تمھیں لوٹائے گا۔'' یعنی جب تم مر جاؤ گے۔ ﴿وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿18﴾﴾ ''اور (اسی سے) تمھیں نکال کھڑا کرے گا۔'' یعنی قیامت کے دن اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جیسے اس نے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿19﴾﴾ ''اور اللہ ہی نے زمین کو تمھارے لیے فرش بنایا۔'' یعنی اسے پھیلا دیا، بچھا دیا اور بلند وبالا چوٹیوں والے مضبوط ومستحکم پہاڑوں کے ساتھ اسے قرار وثبات بخشا ہے۔ ﴿لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿20﴾﴾ ''تا کہ تم اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمھارے لیے پیدا فرمایا تا کہ تم اس میں قرار پکڑو اور اس کے اطراف واکناف میں جہاں چاہو چل پھر سکو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سب باتوں کو اس لیے ذکر کیا تا کہ قوم کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں کارفرما اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور ان نعمتوں کا علم ہو جو سماوی وارضی منافع کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں مہیا فرما رکھی ہیں کہ وہی خالق ورازق ہے، اس نے آسمانوں کو

چھت اور زمین کو فرش بنا دیا، اپنی مخلوق کو زمین سے پیدا ہونے والے رزق فراواں سے نوازا، لہٰذا واجب ہے کہ صرف اور صرف اسی ذات گرامی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے کیونکہ اس کی نہ نظیر ہے اور نہ عدیل، نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ہمسر، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا اور نہ کوئی اس کا وزیر ومشیر ہے بلکہ وہ بہت بلند و بالا اور سب سے بڑا ہے۔

تفسیر آیات: 21-24

نوح علیہ السلام کا اپنے رب کے پاس شکوہ: اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کے متعلق یہ خبر دے رہا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کا ذکر کیا، حالانکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے اور اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں، بے شک نوح علیہ السلام کی وضاحت جو پہلے ذکر ہوئی ہے اور ان کی دعوت کے مختلف اسلوب جو کبھی ترغیب اور کبھی ترہیب پر مشتمل تھے، کہ بے شک قوم کے لوگوں نے ان کی نافرمانی اور تکذیب کی اور ان ابنائے دنیا کی پیروی کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے غافل تھے۔ انھیں مال واولاد سے نوازا گیا تھا یہ ان کی عزت افزائی کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج اور مہلت کے طور پر تھا، اسی لیے نوح علیہ السلام نے عرض کی: ﴿ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴾ ''اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے اس کے مال اور اولاد نے خسارے ہی میں زیادہ کیا۔'' اس آیت میں ﴿ وَلَدُهٗ ﴾ (واؤ کے) ضمہ (اور لام کے سکون کے ساتھ: وُلْدُہ) اور (واؤ کے) فتحہ (اور لام کے فتحہ) کے ساتھ ﴿ وَلَدُهٗ ﴾ بھی پڑھا گیا ہے اور دونوں کے معنی قریب قریب ہیں۔ ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾ ''اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ كُبَّارًا ﴾ کے معنی عظیم کے ہیں۔ [1] اور ابن زید کا قول ہے کہ ﴿ كُبَّارًا ﴾ کے معنی کبیر کے ہیں۔ [2] عرب کہتے ہیں: أَمْرٌ عَجِيبٌ وَّعُجَابٌ وَّعُجَّابٌ وَّرَجُلٌ حُسَانٌ وَّحُسَّانٌ وَّجُمَالٌ وَّجُمَّالٌ یعنی تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح یہ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ [3] آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے پیروکاروں کے بارے میں بڑی بڑی چالیں چل کر انھیں فریب خوردہ بنالیا ہے کہ صرف وہی حق اور ہدایت پر ہیں جیسا کہ قیامت کے دن وہ ان سے کہیں گے: ﴿ بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ﴾ (سبا 34: 33) ''بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کے لیے شریک بنائیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾ ''اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔''

قوم نوح کے بت: ﴿ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴾ ''اور وہ کہنے لگے کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا، تم وداور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔'' یہ ان کے ان بتوں کے نام ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قوم نوح جن بتوں کی پوجا کرتی تھی، بعد میں عربوں نے بھی انھی بتوں کو اختیار کرلیا تھا، چنانچہ وڈ، دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا۔ سواع کی پوجا ہذیل نے شروع کردی تھی۔ یغوث پہلے مراد کا اور پھر سبا کے نزدیک مقام جرف

[1] تفسیر الطبری: 121/29. [2] تفسیر الطبری: 121/29. [3] تفسیر الطبری: 121/29.

مِمَّا خَطِیْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۬ۙ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿25﴾

وہ اپنی خطا کاریوں کی وجہ سے غرق کیے گئے، پھر دوزخ میں داخل کیے گئے، تو انھوں نے اللہ کے سوا کوئی اپنا مددگار نہ پایا ﴿25﴾

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿26﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ

اور نوح نے کہا: (اے) میرے رب! کفر کرنے والوں کا زمین پر کوئی گھر نہ چھوڑ ﴿26﴾ بلاشبہ اگر تو انھیں چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں

یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿27﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ

کو گمراہ کریں گے اور (آیندہ) فاجر کافر ہی جنیں گے ﴿27﴾ (اے) میرے رب! تو میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما اور (ہر) اس شخص

دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿28﴾ ع 2 8 10 النصف

کی جو میرے گھر میں مومن ہو کر داخل ہو اور مومنین اور مومنات کی (مغفرت کر) اور ظالموں کو ہلاکت (اور بربادی) ہی میں زیادہ کر ﴿28﴾

پر بنوغطیف کا بت تھا۔ یعوق کی پوجا خاندان ہمدان کے لوگ کرتے تھے اور نسر کو آل ذی کلاع کے خاندانِ حمیر نے اختیار کر لیا تھا۔ یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے ان نیک لوگوں کے نام ہیں کہ جب وہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اپنی مجلسوں میں ان کے بت بنا کر نصب کر دو اور ان بتوں کو انھی کے نام سے موسوم کر دو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا مگر ان بتوں کی پوجا نہ کی حتی کہ یہ لوگ بھی فوت ہو گئے اور علم ختم ہو گیا تو پھر ان بتوں کی پوجا شروع کر دی گئی۔ [1] عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور ابن اسحاق سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [2] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان بتوں کی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں پوجا کی جاتی تھی۔ [3] ابن جریر نے محمد بن قیس سے روایت کیا ہے کہ یعوق اور نسر بنو آدم میں سے نیک لوگ تھے، ان کے کچھ پیروکار تھے جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ جب یہ فوت ہو گئے تو ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنا لیں تو انھیں یاد کرنے کی وجہ سے ہمارے شوقِ عبادت میں اضافہ ہو جائے گا، چنانچہ انھوں نے ان کی تصویریں بنا لیں اور جب یہ بھی فوت ہو گئے اور ان کے بعد دوسرے لوگ آئے تو شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ پہلے لوگ انھی کی عبادت کرتے اور انھی سے بارش طلب کرتے تھے، لہٰذا انھوں نے انھی بتوں کی عبادت شروع کر دی۔ [4]

نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کے لیے بددعا: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ﴾ ”اور (پروردگار!) انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔“ یعنی ان بتوں نے، جنھیں انھوں نے اختیار کر رکھا ہے، بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے، ان بتوں کی عرب و عجم اور دیگر اصناف بنی آدم میں ہمارے اس زمانے تک عبادت ہوتی رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں کہا تھا: ﴿وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ (ابرٰهیم 14:35،36) ”اور مجھے اور میری اولاد کو، اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں، بچائے رکھ۔ اے میرے پروردگار! انھوں نے بہت سے

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا﴾ (نوح 71:23)، حدیث: 4920. [2] تفسیر الطبری: 29/122،123.
[3] تفسیر الطبری: 29/123. [4] تفسیر الطبری: 29/122.

لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔" فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴾ "اور تو ان ظالموں کو گمراہی ہی میں زیادہ کر دے۔" یہ نوح علیہ السلام کی طرف سے ان کی قوم کے لیے ان کی سرکشی، کفر اور عناد کی وجہ سے بددعا تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے بددعا کی تھی: ﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۝ ﴾ (یونس 88:10) "اے ہمارے پروردگار! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں۔" اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں میں سے ہر ایک کی اپنی قوم کے بارے میں بددعا قبول فرمائی اور تکذیب کی وجہ سے ان میں سے ہر قوم کو غرق کر دیا۔

تفسیر آیات: 28-25

گناہ کی تباہ کاریاں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ ﴾ "بوجہ اپنے گناہوں کے۔" ﴿ خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ ﴾ کو خطایاھم بھی پڑھا گیا ہے۔ ﴿ اُغْرِقُوْا ﴾ "وہ غرق کیے گئے" یعنی وہ گناہوں کی کثرت، سرکشی، کفر پر اصرار اور اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے غرق آب کر دیے گئے۔ ﴿ فَاُدْخِلُوْا نَارًا ﴾ "پھر وہ آگ میں داخل کیے گئے" یعنی وہ دریا کی موجوں سے جہنم کی حرارت کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ ﴿ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴾ "تو انھوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔" یعنی ان کا کوئی مددگار، فریادرس اور پناہ دینے والا نہ تھا جو انھیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ﴾ (ھود 43:11) "آج اللہ کے حکم (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے۔" ﴿ وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴾ "اور (پھر) نوح نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے۔" یعنی ان میں سے کسی کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے۔ ﴿ دَیَّارًا ﴾ کا لفظ تاکید نفی کے لیے آیا ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ دَیَّارًا ﴾ کے معنی ہیں کسی ایک کو بھی۔[1] اور سدی فرماتے ہیں کہ دیار وہ ہے جو دار (گھر) میں رہتا ہو۔[2] اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی اس بددعا کو قبول فرمایا اور روئے زمین کے تمام کافروں کو حتی کہ ان کی بات نہ ماننے والے ان کے بیٹے کو بھی ہلاک کر دیا جو اپنے باپ سے علیحدہ ہو گیا اور اس نے کہا تھا: ﴿ سَاٰوِیْۤ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ۝ ﴾ (ھود 11 : 43) "میں ابھی پہاڑ سے جا لگوں گا، وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ انھوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے۔ اتنے میں دونوں کے درمیان لہر آ حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔" اللہ تعالیٰ نے کشتی والے ان لوگوں کو نجات دی جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے اور انھی کے بارے میں حکم تھا کہ انھیں اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لو۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ ﴾ "اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔" یعنی ان کو جنھیں تو ان کے بعد پیدا فرمائے گا ﴿ وَ لَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ "اور ان سے جو اولاد ہو گی، وہ

[1] الدر المنثور : 428/6 و تفسیر الماوردی : 105/6۔ [2] تفسیر الماوردی : 105/6۔

بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔‘‘ یعنی ان کی اولاد بھی اعمال کے اعتبار سے بدکار اور دل کے اعتبار سے ناشکر گزار ہوگی کیونکہ ساڑھے نوسو برس تک ان میں قیام کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کو اس کا خوب تجربہ ہوگیا تھا، پھر آپ نے یہ دعا فرمائی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا﴾ ’’اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر آئے، معاف فرما۔‘‘ ضحاک کہتے ہیں کہ گھر سے مراد مسجد ہے۔[1] لیکن آیت کے ظاہر پر محمول کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے، یعنی انھوں نے ہر اس شخص کے لیے دعا فرمائی جو ایمان لا کر ان کے گھر میں آ جائے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ﴾ ’’اور ایمان والوں کو اور ایمان والیوں کو (معاف فرما۔)‘‘ یعنی انھوں نے تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دعا فرمائی۔ یہ دعا زندہ اور مردہ تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے تھی۔ نوح علیہ السلام کی اقتدا کے پیش نظر یہ دعا مستحب ہے جیسا کہ روایات سے اور مشہور و مشروع دعاؤں سے یہ ثابت ہے۔ ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿28﴾﴾ ’’اور ظالم لوگوں کے لیے اور زیادہ تباہی بڑھا۔‘‘ امام سدی فرماتے ہیں کہ ﴿تَبَارًا ﴿28﴾﴾ کے معنی ہلاکت کے ہیں۔ اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی دنیا و آخرت کے خسارے کے ہیں۔

سورۂ نوح کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] تفسير الطبرى :125/29.

تفسیر سورۂ جن

یہ مکی سورت ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡ اُوۡحِىَ اِلَىَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ① يَّهۡدِىۡۤ اِلَى

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا

الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ② وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ

ہے ① وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اور ہم کسی کو بھی اپنے رب کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے ② اور یہ کہ ہمارے رب کی

صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ③ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ④ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ

شان بہت اونچی ہے، نہ اس نے (اپنی) کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ اولاد ③ اور یہ کہ ہمارا بے وقوف اللہ کی بابت ناحق جھوٹی باتیں لگاتا رہا ہے ④ اور یہ کہ

تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ⑤ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ

ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جن اللہ پر ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے ⑤ اور بے شک انسانوں کے کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ پکڑتے تھے، تو انھوں

مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا ۙ⑥ وَّاَنَّهُمۡ ظَنُّوۡا كَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ⑦

نے ان کو سرکشی میں بڑھایا ⑥ اور یہ کہ انھوں نے خیال کیا تھا جیسے تم (جنوں) نے خیال کیا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے گا ⑦

تفسیر آیات: 7-1

جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا: اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دے رہا ہے کہ اپنی قوم کو یہ بتائیں کہ جنوں نے قرآن سنا تو وہ اس کے ساتھ ایمان لے آئے، اس کی تصدیق کی اور اس کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلۡ اُوۡحِىَ اِلَىَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ① يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الرُّشۡدِ﴾ ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیں: میرے پاس وحی آئی ہے کہ بے شک جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) غور سے سنا تو کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے۔'' رشد کے معنی بھلائی، راستی اور کامیابی کے ہیں۔ ﴿فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ②﴾ ''سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے۔'' یہ آیت حسب ذیل آیت کریمہ کے مشابہ ہے: ﴿وَاِذۡ صَرَفۡنَاۤ اِلَيۡكَ نَفَرًا مِّنَ الۡجِنِّ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ﴾ (الأحقاف 29:46) ''اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا (جبکہ) وہ غور سے قرآن سنتے تھے۔'' اس سلسلے میں وارد

احادیث کو ہم نے قبل ازیں بیان کر دیا ہے، لہٰذا ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ①

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ جَدُّ رَبِّنَا ﴾ کے معنی اس کے فعل، امر اور قدرت کے ہیں۔ ② ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، قدرتوں اور مخلوق پر اس کی مہربانیوں کے ہیں۔ ③ مجاہد اور عکرمہ سے روایت ہے کہ ﴿ جَدُّ رَبِّنَا ﴾ کے معنی ہمارے رب کے جلال کے ہیں۔ ④ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جلال، اس کی عظمت اور اس کا امر بہت بلند ہے۔ ⑤ سدی فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کا امر بہت بلند ہے۔ ⑥ ابودرداء رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمہ اللہ اور ابن جریج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بلند ہے۔ ⑦

جنوں کا اقرار کہ اللہ بیوی بچوں سے پاک ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ بیوی اور بچے رکھنے سے پاک ہے۔ جنوں نے جب اسلام قبول کر لیا اور وہ قرآن مجید کے ساتھ ایمان لے آئے تو انھوں نے کہا کہ اللہ جل جلالہٗ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی بیوی یا بچے ہوں، پھر انھوں نے کہا: ﴿ وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ ﴾ ''اور یہ کہ بلاشبہ ہم میں سے (بعض) بیوقوف اللہ کے بارے میں افترا کرتے رہے ہیں۔'' مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بیوقوف سے ان کی مراد ابلیس ہے۔ ⑧ اور سدی نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ ﴿ شَطَطًا ۝ ﴾ کے معنی ظلم کے ہیں۔ ⑨ ابن زید کہتے ہیں کہ اس کے معنی ظلم کبیر کے ہیں۔ ⑩ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ سَفِيْهٌ (بیوقوف) سے ان کی مراد جنس ہو، یعنی جو بھی اللہ کے بیوی بچوں کا قائل ہے، اس لیے انھوں نے کہا: ﴿ وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ ﴾ یعنی ہم میں سے بعض بیوقوف اسلام قبول کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی اور باطل بات کہتے تھے، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ ہمارا (یہ) خیال تھا کہ انسان اور جن اللہ کی نسبت ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے۔'' یعنی ہم یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ انس و جن اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی بچوں کی نسبت کرنے میں جھوٹ بولتے ہیں لیکن ہم نے جب اس قرآن کو سنا اور اس کے ساتھ ایمان لے آئے تو ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اس بارے میں اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

جنوں کی سرکشی کا سبب انسانوں کا ان سے پناہ طلب کرنا تھا: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ ﴾ ''اور یہ کہ بے شک انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے بعض لوگوں کی پناہ پکڑا کرتے تھے، تو انھوں نے ان (جنوں) کو سرکشی میں زیادہ کر دیا۔'' یعنی ہم یہ خیال کرتے تھے کہ ہمیں انسانوں پر فضیلت

① دیکھیے الأحقاف، آیت: 29 کے ذیل میں عنوان: ''جنوں کے قرآن سننے کا قصہ'' ② تفسير الطبری: 129/29۔ ③ دیکھیے تفسیر القرطبی: 8/19 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ والقرظی والضحاك۔ ④ تفسير الطبری: 129/29۔ ⑤ تفسير الطبری: 129/29۔ ⑥ تفسير الطبری: 129/29۔ ⑦ تفسير الطبری: 129/29 و تفسير الثعالبی: 390/3۔ ⑧ تفسير الطبری: 133/29۔ ⑨ تفسير القرطبی: 9/19۔ ⑩ تفسير الطبری: 133/29، البتہ اس میں کبیر کا ذکر نہیں ہے۔

حاصل ہے، کیونکہ وہ جب کسی وادی یا جنگلات میں کسی خوفناک جگہ پر جاتے تو ہماری پناہ پکڑا کرتے تھے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ جب بھی اس طرح کی کسی جگہ پر جاتے تو وہاں کے جن سردار کی اس بات سے پناہ پکڑا کرتے تھے کہ انھیں کسی برائی کا سامنا کرنا پڑے جس طرح کہ وہ دشمنوں کے علاقوں میں وہاں کے کسی بڑے شخص کی پناہ اور ذمہ داری میں داخل ہوا کرتے تھے۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان ان کے خوف کی وجہ سے ان کی پناہ پکڑتے ہیں تو انھوں نے ان کے خوف اور ڈر میں اور بھی اضافہ کر دیا جس کی وجہ سے یہ ان سے بہت ڈرنے لگے اور ان کی کثرت سے پناہ پکڑنے لگے جیسا کہ امام قتادہ نے فرمایا ہے: ﴿ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴾ ''سو انھوں نے زیادہ کر دیا ان (جنوں) کو سرکشی میں۔'' یعنی اس سے جن گناہ اور جرأت میں اور بھی بڑھ گئے۔ [1] ثوری نے منصور سے اور انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ اس سے ان پر جنوں کی جرأت اور بھی بڑھ گئی۔ [2] سدی بیان کرتے ہیں کہ آدمی اپنے اہل وعیال کو لے کر جاتا اور کسی زمین میں جا کر پڑاؤ ڈالتا تو وہ کہتا کہ میں اس وادی کے جن سردار کی پناہ پکڑتا ہوں کہ اس میں مجھے یا میرے مال یا اولاد یا مویشی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ [3] قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ اللہ کو چھوڑ کر ان جنوں کی پناہ پکڑتا تو اس سے جنوں کی سرکشی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا۔ [4]

امام ابن ابوحاتم نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جن انسانوں سے اسی طرح ڈرتے تھے جس طرح انسان جنوں سے ڈرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ انسان جب کسی وادی میں ڈیرے ڈالتے تو جن ان سے بھاگ جاتے لیکن جب انسانوں کے سردار نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم اس وادی کے سردار کی پناہ پکڑتے ہیں تو جنوں نے کہا کہ انسان بھی ہم سے اسی طرح ڈرتے ہیں جس طرح ہم انسانوں سے ڈرتے ہیں تو انھوں نے انسانوں کے قریب ہو کر انھیں فتنہ وفساد اور جنون میں مبتلا کرنا شروع کر دیا۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴾ ''اور یہ کہ بے شک انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے بعض لوگوں کی پناہ پکڑا کرتے تھے سو انھوں نے ان (جنوں) کو سرکشی میں اور زیادہ کر دیا۔'' [5] ﴿ رَهَقًا ﴾ کے معنی گناہ کے ہیں۔ ابو العالیہ، ربیع اور زید بن اسلم نے اس کے معنی خوف بیان کیے ہیں۔ [6] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا۔ [7]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ان (انسانوں) کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمھارا اعتقاد تھا کہ اللہ کسی کو (رسول بنا کر) ہرگز نہیں بھیجے گا۔'' کلبی اور ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اس مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں فرمائے گا۔ [8]

---

[1] تفسیر الطبری: 135/29 . [2] تفسیر الطبری: 135/29 . [3] دیکھیے تفسیر الطبری: 135,134/29 و تفسیر القرطبی: 10/19 . [4] تفسیر الطبری: 135/29 و تفسیر القرطبی: 10/19. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 3377/10 . [6] تفسیر الطبری: 136/29 و تفسیر القرطبی: 10/19 . [7] تفسیر الطبری: 136/29. [8] تفسیر الطبری: 136/29 .

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ⑧ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں (شعلوں) سے بھرا پایا ⑧ اور یہ کہ ہم آسمان کے ٹھکانوں میں

مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ⑨ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ

سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے، چنانچہ اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو ایک شہاب اپنی گھات میں پاتا ہے⑨ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے

اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ⑩

کہ کیا زمین والوں کے لیے برا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے لیے بھلائی کا ارادہ کیا ہے⑩

تفسیر آیات :8-10

بعثتِ نبوی سے قبل جنوں کا آسمان کی خبروں کو چرانا: اللہ تعالیٰ جنوں کے بارے میں فرما رہا ہے کہ جب اس نے اپنے رسول محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ پر قرآن کو نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے لیے یہ اہتمام بھی فرمادیا کہ آسمان کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھر دیا گیا، تمام اطراف سے محفوظ کر دیا گیا اور شیاطین کو ان مقامات سے بھگا دیا گیا، جہاں وہ پہلے بیٹھا کرتے تھے تاکہ قرآن کا کوئی حصہ چرا نہ سکیں اور چوری کیے ہوئے حصے کو کاہنوں کی زبان پر نہ ڈال سکیں تاکہ معاملہ خلط ملط نہ ہو اور پھر یہ معلوم نہ ہو کہ سچا کون ہے۔ یہ سارا اہتمام مخلوق کے ساتھ لطف، بندوں کے ساتھ رحمت اور کتاب عزیز کی حفاظت کے پیش نظر کیا گیا، اسی لیے تو جنوں نے کہا تھا: ﴿ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ⑧ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ⑨ ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا اور یہ کہ بے شک (پہلے) ہم وہاں بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے تو اب جو کوئی کان لگاتا ہے وہ اپنے لیے ایک چمک دار شعلہ گھات میں تیار پاتا ہے۔'' یعنی جو چوری چوری سننے کی کوشش کرے تو وہ آگ کے ایک ایسے انگارے کو اپنے لیے تیار پاتا ہے جس کا نشانہ خطا نہیں جاتا بلکہ وہ ٹھیک ٹھیک لگتا اور چوری چھپے سننے والے کو فوراً تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ﴿ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ⑩ ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا اُن کے پروردگار نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔'' یعنی ہم اس امر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جو آسمان میں رونما ہوا ہے کہ اس سے اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ دیکھیے یہاں انھوں نے عبادت میں ادب کے پہلو کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے کہ یہاں شر کی نسبت تو غیر فاعل کی طرف کی مگر خیر کی نسبت اللہ عزوجل ہی کی طرف کی۔

صحیح حدیث میں بھی آیا ہے: [وَالشَّرُّ لَیْسَ إِلَیْكَ] ''اور (اے اللہ!) شر کی نسبت آپ کی طرف نہیں ہے۔''[1] ستاروں کے

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین......، باب صلاۃ النبی ﷺ ودعائہ باللیل، حدیث :771.

ساتھ پہلے بھی شیطانوں کو مارا جاتا تھا لیکن زیادہ نہیں بلکہ کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا جیسا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا جس سے روشنی پیدا ہوئی تو آپ نے فرمایا: [مَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ لِمِثْلِ هٰذَا؟] ''اس کے بارے میں تم کیا کہا کرتے تھے؟'' ہم نے عرض کی: ہم یہ کہتے تھے کہ اب دنیا میں کوئی عظیم انسان پیدا ہوگا یا کوئی عظیم انسان فوت ہوگا، آپ نے فرمایا: [(وَلٰكِنْ) (إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ)......] ''(نہیں، بات اس طرح نہیں ہے) بلکہ (بات یہ ہے کہ) جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے......'' اور راوی نے مکمل حدیث ذکر کی ہے۔ ① ہم نے اس حدیث کو مکمل طور پر سورۂ سبا کی تفسیر میں ذکر کر دیا ہے۔ ② یہی وجہ ہے کہ وہ جن اس تلاش میں نکلے کہ معلوم کریں کہ آخر اس کا سبب کیا ہے، اس سبب کو معلوم کرنے کے لیے وہ زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل گئے، اس اثنا میں انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے اور نماز میں آپ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے، جنوں نے معلوم کر لیا کہ اسی وجہ سے آسمان کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، تو ان میں سے کچھ تو ایمان لے آئے اور کچھ اسی طرح سرکشی ہی میں ڈٹے رہے جیسا کہ سورۂ احقاف کی آیت: ﴿ وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ...... ﴾ الآية (الأحقاف 29:46) ''اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا (جبکہ) وہ غور سے قرآن سنتے تھے......'' کی تفسیر میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔ ③

اس میں کچھ شک نہیں کہ جب یہ معاملہ پیش آیا، یعنی کثرت سے شہابوں کے ساتھ شیطانوں اور جنوں کو مارا جانے لگا تو اس سے انس و جن خوف زدہ ہو گئے، وہ ڈر گئے اور ان پر دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی اور خیال کرنے لگے کہ شاید دنیا کی تباہی و بربادی کا وقت قریب آ گیا ہے جیسا کہ سدی نے بیان کیا ہے کہ آسمان کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی الا یہ کہ زمین میں کسی نبی یا اللہ کے کسی دین کا ظہور ہونے والا ہوتا، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل شیطانوں نے آسمان دنیا میں کئی مقامات مقرر کر رکھے تھے، جہاں بیٹھ کر وہ آسمان میں ہونے والی باتوں کو سنا کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو انھیں ایک رات رجم کیا گیا، اہل طائف نے اسے دیکھا تو گھبرا گئے، انھوں نے جب یہ دیکھا کہ آسمان میں آگ بھڑک رہی ہے اور شہاب ٹوٹ کر لپک رہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ آسمان والے ہلاک ہو رہے ہیں تو یہ دیکھ کر انھوں نے اپنے غلاموں کو آزاد کرنا اور جانوروں کو بتوں کے نام پر وقف کرنا شروع کر دیا۔ عبدِیَالِیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا: اے اہل طائف! تم پر افسوس! اپنے مالوں کو تباہ کرنے سے رک جاؤ، پہلے ستاروں کے راستوں کا جائزہ تو لو اگر ستارے

---

① صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ﴾ (سبا 23:34)، حديث: 7481 عن أبي هريرة رضي الله عنه و صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة......، حديث: 2229 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة سبا، حديث: 3224 واللفظ له. البتہ پہلی قوسین والے الفاظ صحیح مسلم کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہیں جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہیں۔ ② دیکھیے تفسیر ابن کثیر (مفصل)، سبا، آیت: 23 کے ذیل میں۔
③ دیکھیے الأحقاف، آیت: 29 کے ذیل میں عنوان: ''جنوں کے قرآن سننے کا قصہ''

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿11﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ

اور یہ کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور اس کے سوا بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں (مذاہب) پر تھے ⑪ اور یہ کہ ہمیں یقین ہو چکا کہ ہم اللہ کو زمین میں ہرگز

اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿12﴾ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ

عاجز نہیں کر سکتے اور نہ (کہیں) بھاگ کر ہی عاجز کر سکتے ہیں ⑫ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت (کی بات) سنی تو اس پر ایمان لے آئے، پھر جو کوئی

بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۙ﴿13﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ

اپنے رب پر ایمان لائے تو اسے نہ تو کسی نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ظلم کا ⑬ اور یہ کہ ہم میں مسلمان بھی ہیں اور ظالم بھی، پھر جو کوئی اسلام لائے تو انھوں

فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿14﴾ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿15﴾ وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى

نے ہدایت کی راہ ڈھونڈ لی ⑭ اور لیکن جو ظالم ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں ⑮ اور (وحی کی گئی ہے) کہ اگر (لوگ) سیدھی راہ پر قائم رہتے تو

الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿16﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ

ہم انھیں خوب سیراب کرتے ⑯ تاکہ ہم اس میں انھیں آزمائیں، اور جو کوئی اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا تو اسے وہ بڑھتے چڑھتے

عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿17﴾

عذاب میں مبتلا کرے گا ⑰

اپنے اپنے راستوں پر قائم ہیں تو سمجھ لو کہ آسمان والوں پر کوئی افتاد نہیں پڑی بلکہ یہ سارا معاملہ ابن ابو کبشہ، یعنی حضرت محمد ﷺ کی وجہ سے ہے، اگر یہ دیکھو کہ ستاروں کے راستے قائم و دائم نہیں ہیں تو پھر سمجھ لو کہ اہلِ آسمان تباہی و بربادی سے دوچار ہیں، انھوں نے جب اس بات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ستارے اپنے نظام کے مطابق قائم و دائم ہیں تو وہ اپنے مالوں میں تصرف کرنے سے رک گئے۔ اس رات شیطان بھی ڈر گئے تھے، ابلیس کے پاس آ کر انھوں نے اپنے معاملے کو بیان کیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس ہر خطۂ زمین سے مٹی کی ایک مٹھی لاؤ تاکہ میں اسے سونگھ کر بتاؤں کہ ماجرا کیا ہے، شیطان اس کے پاس مٹی لائے تو ابلیس نے سونگھنے کے بعد بتایا کہ جس کی خاطر یہ اہتمام کیا گیا ہے، وہ مکہ میں ہے، اس نے نصیبین کے سات جنوں پر مشتمل ایک وفد بھیجا، یہ جن مکہ میں آئے تو انھوں نے نبی ﷺ کو مسجد حرام میں کھڑے قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو قرآن سننے کے شوق میں وہ آپ سے اور بھی قریب ہو گئے حتی کہ قریب تھا کہ ان کے سینے آپ کو چھونے لگتے اور پھر وہ مسلمان بھی ہو گئے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمادی۔ ہم نے سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر اپنی مفصل کتاب میں ''آغاز بعثت'' کے عنوان پر بحث کرتے ہوئے اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① دیکھیے السيرة النبوية لابن كثير: 420,419/1 (C.D) و صحيح السيرة النبوية للألبانی رحمہ اللہ (امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی السیرۃ النبویۃ پر علامہ البانی کی تحقیق) ص: 56.

تفسیر آیات: 11-17

جنوں کا اقرار کہ ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جنوں نے اپنے بارے میں خبر دیتے ہوئے بتایا: ﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ ہم میں سے اس کے علاوہ ہیں۔'' یعنی ان (نیکوکاروں) کے علاوہ بھی ہیں ﴿ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴾ یعنی ہم متعدد اور مختلف مذاہب سے وابستہ اور مختلف آراء رکھتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا یہی قول ہے کہ ﴿ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم میں سے بعض مومن ہیں اور بعض کافر ہیں۔ ① احمد بن سلیمان نجاد نے اپنی کتاب الأمالي میں روایت کیا ہے کہ میں نے امام اعمش سے سنا کہ ہمارے پاس ایک جن آیا تو میں نے اس سے پوچھا: تمھارا پسندیدہ کھانا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: چاول، تو ہم ان کے پاس چاول لے آئے تو میں نے دیکھا کہ لقمے تو اٹھائے جا رہے ہیں لیکن لقمہ اٹھانے والا کوئی نظر نہیں آ رہا، میں نے پوچھا کہ جس طرح ہم میں یہ خواہشات (فرقے) ہیں کیا تم میں بھی ہیں؟ اس کے جواب میں اس نے کہا: جی ہاں، پھر میں نے پوچھا: رافضیوں کو تم کیا سمجھتے ہو؟ اس نے کہا کہ وہ ہم میں بدترین لوگ شمار ہوتے ہیں۔ میں نے اس سند کو اپنے شیخ حافظ ابوالحجاج مزی کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اعمش تک یہ سند صحیح ہے۔

جنوں کا اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ کا اقرار: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں بھی ہوں) اللہ کو ہرگز ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ ہی کر اس کو کبھی عاجز کر سکتے ہیں۔'' یعنی ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہم پر حاکم ہے اور ہم زمین میں اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور اگر ہم بھاگنے کی کوشش بھی کریں تو وہ ہم پر قادر ہے، ہم میں سے کوئی اسے تھکا نہیں سکتا۔ ﴿ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ہم نے جب ہدایت (کی کتاب) سنی (تو) ہم اس پر ایمان لے آئے۔'' وہ اپنے ایمان لانے پر فخر کر رہے ہیں اور یہ بات ہے ہی باعث فخر اور بلاشبہ یہ بہت بڑا شرف اور بہت اچھی صفت ہے۔ اور ان کا یہ کہنا: ﴿ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴾ ''چنانچہ جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا تو اس کو نہ کسی نقصان کا خوف ہو گا اور نہ ظلم کا۔'' اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ وہ اس بات سے نہیں ڈرے گا کہ اس کی نیکیوں کو کم کیا جائے گا یا اس پر کسی اور کی برائیوں کو ڈال دیا جائے گا۔ ② جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴾ (طٰہٰ 112:20) ''تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہو گا اور نہ حق تلفی کا۔'' ﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ﴾ ''اور یہ کہ بے شک ہم میں سے بعض فرماں بردار ہیں اور ہم میں سے بعض ظالم ہیں۔'' یعنی ہم میں سے مسلمان بھی ہیں اور حق سے منحرف بھی۔ قَاسِطٌ اس کو کہتے ہیں جو ظالم اور حق سے منہ موڑنے والا ہو جبکہ مُقْسِطٌ عادل کو کہتے ہیں۔ ﴿ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴾ ''چنانچہ جو فرماں بردار ہوئے تو انھوں نے راہِ حق تلاش کر لی۔'' یعنی انھوں نے اپنے لیے نجات کو تلاش کر لیا ہے۔

① تفسیر الطبری: 139,138/29. ② تفسیر الطبری: 140,139/29.

﴿ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴾ ''اور لیکن جو ظالم ہوئے تو وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔'' یعنی وہ دوزخ کا ایندھن ہیں، ان کے ساتھ آتش دوزخ کو بھڑکایا جائے گا۔

﴿ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) یہ (بھی ان سے کہہ دیں) کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستے پر رہتے تو ہم ان کو پینے کا بہت سا پانی دیتے تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں۔'' مفسرین کا اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے اور اس کے بارے میں دو قول ہیں، جن میں سے پہلا قول یہ ہے کہ اگر یہ گناہ گار لوگ اسلام کے راستے پر گامزن ہو جاتے، اسے اختیار کرتے اور اسی پر جاری وساری رہتے تو ہم انھیں پینے کے لیے بہت سا پانی دیتے اور بہت سے پانی سے یہاں مراد رزق کی فراوانی ہے تو اس قول کے مطابق ﴿ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ ﴾ کے معنی ہوں گے: تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں جیسا کہ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں کہ کون ہدایت پر برقرار رہتا ہے اور کون گمراہی کی طرف واپس پلٹ جاتا ہے۔ عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [1] مجاہد، سعید بن جبیر، سعید بن مسیّب، عطاء، سدی، محمد بن کعب قرظی، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ [2] اور مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب وہ سات برس تک بارش سے محروم رہے تھے۔ [3]

دوسرا قول یہ ہے کہ اگر یہ ضلالت ہی پر رہیں گے تو استدراج کے طور پر ہم انھیں رزق کی فراوانی سے نواز دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 44:6) ''پھر جب انھوں نے اُس نصیحت کو فراموش کر دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ خوش ہو گئے جو ان کو دی گئی تھیں ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا تو وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔'' نیز ارشاد فرمایا: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 56,55:23) ''کیا وہ (لوگ) یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو (دنیا میں) اُن کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ہم ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں!) بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔'' یہ ابومجلز لاحق بن حمید کا قول ہے، انھوں نے ﴿ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ ﴾ سے مراد راہِ ضلالت لیا ہے، اسے ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ [4] امام بغوی نے یہ قول ربیع بن انس، زید بن اسلم، کلبی اور ابن کیسان کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ [5] یہ قول مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس کی تائید ﴿ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ ﴾ سے بھی ہوتی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ ﴾ ''اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے گا، وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔'' یعنی بہت سخت مشقت والے اور دکھ درد دینے والے عذاب

---

[1] تفسیر الطبری :141/29. [2] تفسیر الطبری :141/29-143 و زاد المسیر :132/8. [3] فتح القدیر :370/5.
[4] تفسیر الطبری :143/29 و تفسیر القرطبی :19,18/19. [5] تفسیر البغوی :18/9 و تفسیر القرطبی :19,18/19.

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿18﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا

اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو بھی نہ پکارو﴿18﴾ اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ (محمد ﷺ) اللہ کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب

ع 1 19 11 يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿19﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿20﴾ قُلْ اِنِّيْ

تھا کہ وہ تہ بہ تہ ان پر جمع ہو جائیں﴿19﴾ کہہ دیجیے: بے شک میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا﴿20﴾ کہہ دیجیے:

لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿21﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ

بلاشبہ میں تمھارے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ بھلائی کا﴿21﴾ کہہ دیجیے: یقیناً مجھے اللہ (کے عذاب) سے کوئی پناہ نہ دے گا اور اس کے سوا میں

اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿22﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاؤں گا﴿22﴾ اللہ کا حکم اور اس کے پیغام پہنچانے کے سوا (میں کوئی اختیار نہیں رکھتا) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿23﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

کرے تو بے شک اس کے لیے آتش جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک﴿23﴾ حتی کہ جب وہ دیکھیں گے جس (عذاب) کا ان سے وعدہ کیا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿24﴾

جاتا ہے تو انھیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور تر اور تعداد میں کم تر ہیں﴿24﴾

میں مبتلا کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ﴿عَذَابًا صَعَدًا﴾ کے معنی ایسے مشقت والے عذاب کے ہیں جس میں قطعاً کوئی راحت نہ ہو۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔[2] جبکہ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ جہنم کے ایک کنویں کا نام ہے۔[3]

تفسیر آیات: 18-24

توحید اختیار کرنے اور شرک سے اجتناب کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ وہ عبادت میں اس کی توحید کو اختیار کریں، اس کے ساتھ کسی کو نہ پکاریں اور نہ اس کے ساتھ شرک کریں جیسا کہ امام قتادہ نے اس آیت کریمہ: ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ ''اور یہ کہ بلاشبہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ جب اپنے گرجوں اور معبدوں میں داخل ہوتے تو اللہ کے ساتھ شرک کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کریں۔[4] ابن جریر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جنوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ ہم مسجد میں کس طرح آئیں اور ہم نماز کے لیے کس طرح حاضر ہوں جبکہ ہم تو آپ سے دور ہیں؟ تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ ''اور یہ کہ بے شک

① تفسیر الطبری: 143/29، 144 و الدر المنثور: 436/6. ② تفسیر الطبری: 144/29. ③ دیکھیے تفسیر الماوردی: 118/6، البتہ مذکورہ حوالے میں یہ قول سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے بجائے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ④ تفسیر الطبری: 145/29.

مساجد اللہ کے لیے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔‘‘[1]

جنوں کا قرآن سننے کے لیے کثیر تعداد میں آنا: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴾ ’’اور یہ کہ بلاشبہ جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) اس کو پکارنے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ قریب تھے کہ ان پر تہ بہ تہ جمع ہو جائیں۔‘‘ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب جنوں نے نبی ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر جھکنے لگے گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں، وہ آپ سے بہت قریب ہو گئے مگر آپ کو ان کا علم نہ ہوا حتی کہ فرشتہ یہ وحی لے کر نازل ہوا: ﴿ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ (الجن 1:72) ’’(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیں کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے غور سے سنا ہے۔‘‘[2] یعنی قرآن کو سنا ہے، یہ قول زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[3] ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴾ ’’جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) اس کو پکارنے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ قریب تھے کہ ان پر تہ بہ تہ جمع ہو جائیں۔‘‘ یعنی انھوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں تو آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے رکوع کے ساتھ رکوع اور سجدے کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں تو انھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح آپ کی اطاعت بجالاتے ہیں۔ یہ دوسرا قول ہے اور یہی قول سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے۔[4] امام حسن فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] ’’اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں‘‘ کہتے اور لوگوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے تو قریب تھا کہ تمام عرب آپ کے گرد ہجوم کر لیتے۔[5]

امام قتادہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴾ ’’اور یہ کہ بلاشبہ جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) اس کو پکارنے کے لیے کھڑے ہوتے تو وہ قریب تھے کہ ان پر تہ بہ تہ جمع ہو جائیں‘‘ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انس و جن اس بات پر متفق ہو گئے کہ آپ (کے چراغ) کو بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا کہ وہ آپ کی مدد فرمائے، آپ کے کام کو جاری و ساری رکھے اور آپ سے دور ہونے والوں پر آپ کو غلبہ و سربلندی عطا فرمائے۔[6] یہ تیسرا قول ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد اور سعید بن جبیر سے مروی ہے، ابن زید کا بھی یہی قول ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔[7] اور اس کے بعد والی آیت: ﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴾ ’’کہہ دیں کہ میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا‘‘ کے پیش نظر یہ قول کچھ زیادہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، یعنی انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچائی، آپ کی مخالفت کی، آپ کی تکذیب کی، آپ کے خلاف متحد ہو گئے اور آپ کی عداوت پر متفق ہو گئے تاکہ آپ کے لائے ہوئے دین حق کی مخالفت کریں تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ﴿ اِنَّمَاۤ

---

[1] تفسیر الطبری: 145/29. [2] تفسیر الطبری: 146/29. [3] تفسیر القرطبی: 23/19 و الدر المنثور: 437/6. [4] تفسیر الطبری: 146/29. [5] تفسیر الطبری: 147/29. [6] تفسیر الطبری: 147/29. [7] تفسیر الطبری: 147/29 و تفسیر القرطبی: 24,23/19.

﴿ اَدْعُوْا رَبِّیْ ﴾ یعنی میں صرف اپنے رب تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ چاہتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں ﴿ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ⑳ ﴾ ''اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔''

رسول اللہ ﷺ نفع ونقصان کے مالک نہیں: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ㉑ ﴾ ''(یہ بھی) کہہ دیں کہ بے شک میں نہیں اختیار رکھتا تمھارے حق میں کسی نقصان کا اور نہ کسی بھلائی کا۔'' یعنی میں تمھاری طرح ایک بشر ہوں لیکن میری طرف وحی کی جاتی ہے، میں اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، تمھاری ہدایت وگمراہی کے سلسلے میں میرا کچھ اختیار نہیں ہے بلکہ اس کے بارے میں تمام تصرف اور اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، پھر آپ نے اپنے بارے میں بتایا کہ اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ نہیں دے سکے گا۔ مجاہد، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں: ﴿ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ㉒ ﴾ کے معنی ہیں کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ملجا (پناہ کی جگہ) نہیں پاؤں گا۔[1]

رسول کے ذمے صرف پیغام پہنچا دینا ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ط ﴾ یہ استثناء ہے ﴿ لَنْ يُّجِيْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ﴾ سے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ اس سے کوئی چھڑا سکتا ہے الا یہ کہ میں اس پیغام کو پہنچاؤں جسے پہنچانا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر واجب قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ...... ﴾ الآیة (المآئدة 5:67) ''اے پیغمبر! جو (ارشادات) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیے گئے ہیں وہ (سب لوگوں کو) پہنچا دیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا (پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا......'' فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ㉓ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔'' یعنی میں اللہ کا پیغام تمھیں پہنچا رہا ہوں تو اس کے بعد اگر کوئی اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اس کی سزا جہنم کی آگ ہوگی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس سے نجات پا سکے گا نہ باہر نکل سکے گا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ㉔ ﴾ ''(یہ اسی طرح غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب یہ وہ (عذاب) دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ مددگار کس کے زیادہ کمزور اور شمار (کن کا) بہت تھوڑا ہے۔'' یعنی یہ مشرکین جن وانس جب اس چیز کو قیامت کے دن دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کن کا شمار آج تھوڑا ہے، ان کا یا مومنوں اور موحدوں کا۔ اس دن مشرکوں کا قطعاً کوئی مددگار نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لشکروں کے مقابلے میں انھی کی تعداد بہت کم ہوگی۔

---

[1] تفسیر الطبری: 149/29 و تفسیر القرطبی: 26/19.

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿25﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ

کہہ دیجیے: میں نہیں جانتا کہ جس (عذاب) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لیے میرے رب نے کوئی لمبی مدت رکھی ہے﴿25﴾ (وہی)

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿26﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ

عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا﴿26﴾ سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے، پھر بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور پیچھے

یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿27﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا

نگہبان لگا دیتا ہے﴿27﴾ تاکہ وہ معلوم کرے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے ہیں، اور اس نے ان (کے گرد و پیش) کا احاطہ کیا ہوا ہے

لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿28﴾ ع 2 9 12

اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے﴿28﴾

تفسیر آیات:25-28

قیامت کے وقت کا رسول ﷺ کو بھی علم نہیں: اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں، یعنی آپ یہ نہیں جانتے کہ قیامت کا وقت قریب ہے یا بعید ﴿قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا﴿25﴾﴾ ''کہہ دیں کہ جس (دن) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ عنقریب (آنے والا) ہے یا میرا پروردگار اس کی کوئی (لمبی) مدت (مقرر) کرے گا۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ بہت سے جاہل جو یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں، یہ بالکل جھوٹی اور بے اصل روایت ہے، یہ کسی کتاب میں بھی نہیں ہے بلکہ حدیث سے تو یہ ثابت ہے کہ جب آپ سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، مثلاً: جبریل امین علیہ السلام جب آپ کے پاس ایک اعرابی (دیہاتی) کی صورت میں آئے تو انھوں نے ایک سوال یہ بھی پوچھا کہ اے محمد (ﷺ!) مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجیے (کہ کب آئے گی) تو آپ نے فرمایا: [مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ] ''اس کے بارے میں مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔''[1] اور اسی طرح جب اس اعرابی نے بلند آواز سے پوچھا کہ اے محمد (ﷺ!) قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: [وَيْحَكَ! (إِنَّهَا كَائِنَةٌ)، فَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟] ''تم پر افسوس! بے شک وہ (قیامت) تو آنے ہی والی ہے، تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کے لیے بہت ساری نمازیں اور روزے تو تیار نہیں کیے، ہاں، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ضرور کرتا ہوں، فرمایا: [فَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ] ''تمھارا ساتھ اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تم محبت کرتے ہو۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اور کسی چیز سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے خوش ہوئے تھے۔[2]

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ......، حدیث: 50 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الإیمان ماهو؟......، حدیث: 9. [2] مسند أحمد: 167/3، البتہ قوسین والے الفاظ کے بجائے مسند أحمد: 283/3 میں [إِنَّهَا قَائِمَةٌ] کے الفاظ ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ ''(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے پس کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا، مگر جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے۔'' یہ آیت ایسے ہی ہے جیسے یہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (البقرة 2:255) ''اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے، مگر جس قدر وہ چاہتا ہے (اس قدر معلوم کرا دیتا ہے۔)'' اسی طرح یہاں فرمایا کہ وہ غیب و حاضر کو جانتا ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے علم میں سے کسی چیز پر مطلع نہیں ہو سکتا، سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ خود مطلع فرما دے، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ ''(وہی) غیب (کی باتیں) جاننے والا ہے پس کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا، مگر جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے۔'' یہاں ''رسول'' کا لفظ عام ہے جو فرشتوں اور انسانوں دونوں میں سے پیغام رسائی کرنے والوں کے لیے ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ ﴾ ''تو بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور اس کے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔'' یعنی اس کے لیے نگہبان فرشتے مقرر فرما دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے اور اس تک وحی الٰہی کو پہنچا دیتے ہیں، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ﴾ ''تاکہ وہ معلوم کر لے کہ انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور (یوں تو) اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے۔'' ﴿ لِیَعْلَمَ ﴾ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کریمہ: ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ ﴾ ''(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے، پس کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا، مگر جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے، تو بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور اس کے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جبریل کے ساتھ چار محافظ فرشتے ہوتے ہیں، ﴿ لِیَعْلَمَ ﴾ ''تاکہ جان لیں'' محمد ﷺ ﴿ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ﴾ ''کہ انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے ہیں اور (یوں تو) اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے۔''[1] اسے ابن ابوحاتم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] نیز ضحاک، سدی اور یزید بن ابوحبیب نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ: ﴿ لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں: تاکہ اللہ کے نبی یہ جان لیں کہ رسولوں نے اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور فرشتوں نے اس کی حفاظت کی اور اس کا دفاع کیا۔[4] سعید بن ابوعروبہ نے بھی قتادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔[5] امام بغوی فرماتے ہیں کہ یعقوب نے [لِیُعْلَمَ] ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: تاکہ لوگوں

---

[1] تفسیر الطبری: 153,152/29. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 3378/10. [3] تفسیر الطبری: 151/29 و تفسیر القرطبی: 30,29/19. [4] تفسیر عبدالرزاق: 355/3، رقم: 3360. [5] تفسیر الطبری: 153,152/9.

کو یہ معلوم کروا دیا جائے کہ رسولوں نے اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا ہے۔ ① اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ضمیر اللہ عزوجل کی طرف راجع ہو، اس قول کو امام ابن الجوزی نے زاد المسیر میں بیان کیا ہے۔ ② اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتوں کے ساتھ حفاظت فرماتا ہے تاکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو پہنچانا ممکن ہو جائے اور اس کی نازل کردہ وحی کی حفاظت ہو سکے تاکہ وہ جان لے کہ اس کے رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے، اس صورت میں یہ آیت کریمہ اس طرح ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ط...... ﴾ الآیة (البقرة 143:2) ''اور جس قبلے پر آپ (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا تاکہ ہم معلوم کرلیں اس (شخص) کو جو (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اس سے (جدا کر کے) جو اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے......'' نیز جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ○ ﴾ (العنکبوت 11:29) ''اور یقیناً اللہ اُن لوگوں کو ضرور معلوم کرلے گا جو (سچے) مومن ہیں اور یقیناً منافقوں کو بھی وہ ضرور معلوم کر کے رہے گا۔'' علاوہ ازیں اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام اشیاء کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی قطعی اور یقینی طور پر جانتا ہے، اسی لیے تو اس نے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿28﴾ ﴾ ''اور (یوں تو) اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے۔''

سورۂ جن کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر البغوی: 164/5. ② زاد المسیر: 136,135/8.

تفسیر
سورۂ مزمل

یہ مکی سورت ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ② نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلًا ③ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ

اے چادر میں لپٹنے والے!① رات میں قیام کیجیے مگر تھوڑا سا② (یعنی) رات کا نصف، یا اس سے تھوڑا سا کم کیجیے③ یا اس پر (کچھ) زیادہ کیجیے اور

وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ④ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ⑤ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ ہِیَ اَشَدُّ

قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے④ یقیناً ہم جلد آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے⑤ بلاشبہ رات کا اٹھنا (نفس کے) کچلنے میں زیادہ سخت اور دعا و ذکر

وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ⑥ اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ⑦ وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ

کے لیے مناسب تر ہے⑥ یقیناً دن میں آپ کے لیے بہت مصروفیت ہے⑦ اور اپنے رب کا نام ذکر کیجیے اور سب سے کٹ کر اسی کی طرف متوجہ ہو

تَبۡتِیۡلًا ⑧ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ فَاتَّخِذۡہُ وَکِیۡلًا ⑨

جائیے⑧ (وہ) مشرق و مغرب کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اسی کو کارساز بنا لیجیے⑨

سورۂ مزمل اور مدثر کی شانِ نزول: حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر کہنے لگے کہ اس شخص کا ایسا نام رکھو جو لوگوں کو اس کے قریب آنے سے روک دے۔ کہنے لگے: اس کا نام کاہن رکھ دو، مگر کچھ لوگوں نے کہا: نہیں، وہ کاہن نہیں ہے، تو کہنے لگے کہ اس کا نام مجنون رکھ دو، پھر کچھ لوگوں نے کہا: نہیں، وہ مجنون نہیں ہے، تو کہنے لگے: پھر اس کا نام جادوگر رکھ دو، اس کی بھی تردید کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے کہا کہ نہیں، وہ جادوگر بھی نہیں ہے، مشرک کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے اور منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ نبی ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ افسردہ ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تو جبریل علیہ السلام ان دو سورتوں ﴿یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ①﴾ ”اے کپڑے میں لپٹنے والے!“ اور ﴿یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ ①﴾ (المدثر 74:1) ”اے لحاف میں لپٹنے والے!“ کو لے کر نازل ہوئے۔ امام بزار فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند کے ایک راوی معلّٰی بن عبدالرحمٰن سے اگرچہ اہل علم کی ایک جماعت نے روایت کی ہے اور اس کی حدیث کو قابل قبول گردانا ہے لیکن وہ کچھ ایسی احادیث بیان کرنے میں منفرد بھی ہے جن کی متابعت ثابت نہیں ہے۔ ①

① کشف الأستار: 77/3، حدیث: 2276 اور دیکھیے مجمع الزوائد، التفسیر، باب سورۃ المزمل: 130/7، حدیث: 11443.

تفسیر آیات : 1-9

رات کو قیام کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ رات کو کپڑے میں لپٹ کر سورہنا ترک کریں اور اپنے رب تعالیٰ کے سامنے قیام کا اہتمام کریں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ز وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:16) ''ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو رات کے قیام کا حکم دیا، آپ اس پر خوب عمل پیرا تھے کیونکہ آپ کے لیے تو رات کو قیام کرنا واجب تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء يل 17:79) ''اور کچھ حصہ رات سے بھی پس آپ تہجد پڑھیں اس (قرآن) کے ساتھ اس حال میں کہ (یہ) آپ کے لیے زائد ہے، قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود میں کھڑا کرے۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے قیام کی مقدار کو بھی واضح کر دیا، چنانچہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ ''اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات کو قیام کیا کریں مگر تھوڑی سی (رات۔)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور سدی نے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ ﴾ کے معنی بیان فرمائے ہیں: اے سونے والے![1] قتادہ فرماتے ہیں کہ اپنے کپڑوں میں لپٹنے والے۔[2] فرمان الٰہی: ﴿ نِّصْفَهٗٓ ﴾ ''(یعنی) اس (رات) کا نصف (حصہ۔)'' یہ ﴿ الَّيْلَ ﴾ سے بدل ہے ﴿ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ ﴾ ''یا اس سے تھوڑا سا کم کرلیں یا اس سے زیادہ کرلیں۔'' یعنی ہم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ نصف رات قیام کریں یا اس سے کچھ کم یا زیادہ کریں اس میں کوئی حرج نہیں۔

تلاوتِ قرآن کا طریقہ: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ﴾ یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں کیونکہ یہ قرآن مجید کے فہم وتدبر میں معاون ثابت ہوتا ہے، چنانچہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اسی طرح تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ اس قدر ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے حتی کہ ایک سورت اپنے سے طویل سورت سے بھی طویل تر معلوم ہوتی۔[3] صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ خوب کھینچ کر قراءت فرمایا کرتے تھے، پھر انھوں نے ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ کی قراءت کر کے بتائی اور ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ کو کھینچ کر پڑھا، پھر ﴿ الرَّحْمٰنِ ﴾ کو اور پھر ﴿ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ کو بھی خوب کھینچ کر پڑھا۔[4] ابن جریج نے ابن ابوملیکہ سے اور انھوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے، یعنی اس طرح ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لا الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾

---

[1] تفسير البغوي: 164/5، نیز یہی معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ ﴾ (المدثر 74:1) کے مروی ہیں۔ دیکھیے تفسير الطبري: 180/29 . [2] تفسير الطبري: 154/29 . [3] صحيح مسلم ، صلاة المسافرين......، باب جواز النافلة قائمًا و قاعدًا......، حديث : 733 و سنن النسائي ، قيام الليل ......، باب صلاة القاعد......، حديث : 1659 عن حفصة رضي الله عنها .

[4] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب مد القراءة، حديث : 5046 .

(الفاتحة 1:1-4) اس حدیث کو امام احمد، ابوداود اور ترمذی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ ①

ہم نے تفسیر کے آغاز میں وہ احادیث بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قرآن مجید کی قراءت ٹھہر ٹھہر کر اور خوب صورت آواز سے کی جائے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ] ''قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔'' ② اور [لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ] ''جو اچھی آواز کے ساتھ قرآن نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' ③ اور [لَقَدْ أُوتِيَ هٰذَا مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ علیہ السلام] ''اس شخص کو تو آل داود کا سا لحن عطا کیا گیا ہے۔'' ④ آپ نے یہ ابوموسیٰ کے بارے میں فرمایا تھا اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت سن رہے ہیں تو میں آپ کے لیے اور بھی بنا سنوار کر پڑھتا۔ ⑤

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن کو ریت کی طرح نہ پھیلاؤ اور نہ اسے شعر کی طرح گاؤ بلکہ اس کے عجائبات کے پاس رک جاؤ، اس کے ساتھ دلوں کو حرکت دو اور یہ قصد نہ کرو کہ سورت کے آخری حصے پر جلد پہنچ جاؤ۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔ ⑥

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابووائل سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آ کر کہنے لگا: رات میں نے ایک مفصل سورت ایک ہی رکعت میں پڑھی ہے، آپ نے فرمایا: پھر تو نے اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا۔ مجھے ان اشباہ و نظائر سورتوں کے بارے میں خوب یاد ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھا کرتے تھے، پھر انھوں نے بیس ایسی مفصل سورتوں کے نام ذکر کیے جن میں سے دو دو سورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ ⑦

عظمت قرآن: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ ﴾ ''یقیناً ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔'' امام حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ عمل کرنا بھاری ہے۔ ⑧ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عظمت کی وجہ سے قرآن بوقت نزول بہت بھاری ہے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہو رہا تھا اور آپ کی ران مبارک میری ران پر تھی اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی۔ ⑨ امام احمد نے

---

① مسند أحمد: 302/6 وسنن أبي داود، الوتر، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة؟ حديث: 1466 وجامع الترمذي، القراءات، باب في فاتحة الكتاب، حديث: 2927. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول النبي ﷺ: [الماهر بالقرآن......] و [زينوا القرآن......] قبل الحديث: 7544 و سنن أبي داود، الوتر، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة؟ حديث: 1468 عن البراء بن عازب ؓ. ③ صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ ۭ...... ﴾ (الملك67:13،14)، حديث: 7527 عن أبي هريرة ؓ. ④ صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن، حديث: 5048 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن، حديث: 793 وسنن النسائي، الافتتاح، باب تزيين القرآن بالصوت، حديث: 1022 واللفظ له. ⑤ السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب من جهر بها إذا......: 12/3. ⑥ تفسير البغوي: 166/5. ⑦ صحيح البخاري، الأذان، باب الجمع بين السورتين في ركعة......، حديث: 775. ⑧ تفسير الطبري: 158/29. ⑨ صحيح البخاري، الصلاة، باب مايذكر في الفخذ، قبل الحديث: 371.

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ وحی کو محسوس فرماتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ، أَسْمَعُ صَلَاصِلَ ثُمَّ أَسْكُتُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَمَا مِنْ مَّرَّةٍ يُّوحٰى إِلَيَّ إِلَّا ظَنَنْتُ أَنَّ نَفْسِي (تُقْبَضُ)] ''ہاں، میں آوازیں سنتا ہوں (اور) پھر اس وقت میں خاموش ہو جاتا ہوں اور جب بھی مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے گویا میری جان نکل جائے گی۔'' ① اس روایت کے بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔

صحیح بخاری کے آغاز ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے پاس وحی کس طرح آیا کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَحْيَانًا يَّأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَحْيَانًا يَّتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ] ''کبھی تو میرے پاس (وحی) اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹی کی آواز ہو اور یہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے، جب وہ (فرشتہ) مجھ سے جدا ہوتا ہے تو اس نے جو کچھ کہا ہوتا ہے، وہ میں نے یاد کر لیا ہوتا ہے اور کبھی کبھی فرشتہ میرے پاس آدمی کی صورت میں آتا ہے اور وہ مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو میں ان باتوں کو یاد کر لیتا ہوں جو وہ (مجھ سے) کہتا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے دن بھی آپ پر وحی کو نازل ہوتے دیکھا ہے کہ جب فرشتہ آپ سے جدا ہوتا تو آپ کی جبین مبارک پسینے سے شرابور ہوتی تھی۔ یہ الفاظ بخاری کی روایت کے ہیں۔ ② اور امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اگر وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر ہوتے تو وہ (بوجھ کی شدت کی وجہ سے) اپنی گردن ہلانے لگ جاتی۔ ③ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ قرآن دونوں اعتبار سے ثقیل ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ جیسے قرآن دنیا میں بھاری ہے، اسی طرح قیامت کے دن یہ میزان میں بھی بہت بھاری ہوگا۔ ④

رات کے قیام کا شرف: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ قِيلًا ۝ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ رات کا اُٹھنا (نفس کے) کچلنے میں زیادہ سخت اور دعا و ذکر کے لیے مناسب تر ہے۔'' حضرت عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رات بھر میں جس وقت بھی اُٹھے اسے ﴿ نَاشِئَةَ ﴾ کہتے ہیں۔ ⑤ مجاہد اور دیگر کئی ایک اہل علم نے بھی یہی فرمایا ہے۔ ⑥ نَشَأَ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی رات کو اُٹھے۔ مجاہد کی ایک روایت میں ہے کہ نَشَأَ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی عشاء کے بعد رات کو اُٹھے۔ ⑦ ابومجلز، قتادہ، سالم، ابوحازم اور محمد بن منکدر رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ⑧ الغرض ﴿ نَاشِئَةَ الَّيْلِ ﴾ رات کی گھڑیوں اور اوقات کو کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر گھڑی ﴿ نَاشِئَةَ ﴾ ہے، مقصد یہ ہے کہ رات کا قیام دل اور زبان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے بہت اہم ہے اور اس وقت تلاوت میں خوب تدبر پیدا ہوتا ہے،

---

① مسند أحمد: 222/2 ملحوظہ: مسند احمد کے اکثر نسخوں میں [تُقْبَضُ] کے بجائے [تَفِيضُ] ہے، تاہم معنی ایک ہی ہیں۔
② صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......؟ حديث: 2. ③ مسند أحمد: 118/6. ④ تفسير الطبري: 159/29. ⑤ تفسير الطبري: 159/29. ⑥ تفسير الطبري: 160,159/29. ⑦ تفسير الطبري: 160/29.
⑧ تفسير الطبري: 161,160/29.

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ﴾ ''یہ (نفس کے) کچلنے میں زیادہ سخت اور دعا و ذکر کے لیے مناسب تر ہے۔'' یعنی دن کے قیام کی نسبت رات کے قیام میں تلاوت کرنے اور اسے سمجھنے میں دل خوب متوجہ ہوتا ہے کیونکہ دن کا وقت لوگوں کے انتشار، شور و غوغا اور کاروبار کے لیے ہوتا ہے۔ حافظ ابویعلیٰ موصلی نے (اپنی سند کے ساتھ) بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اس طرح پڑھا: [إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَصْوَبُ قِيلًا] تو ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں عرض کی: ہم تو اسے ﴿ وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ﴾ پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا: أَصْوَبُ، أَقْوَمُ، أَهْيَأُ اور اس طرح کے دیگر الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں۔ [1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴾ ''بلاشبہ آپ کے لیے دن میں بہت مصروفیت ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور عطاء بن ابو مسلم فرماتے ہیں: ﴿ سَبْحًا ﴾ کے معنی فراغت اور نیند کے ہیں۔ [2] ابوالعالیہ، مجاہد، ابو مالک، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور سفیان ثوری فرماتے ہیں: ﴿ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴾ کے معنی طویل فراغت کے ہیں۔ [3] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی مشغولیت، رزق تلاش کرنا اور دوسرے معاملات میں مصروف رہنے کے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اللہ کے اس فرمان: ﴿ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دن میں آپ کو چونکہ بہت مصروفیات ہیں، اس لیے رات کے وقت کو دین کے لیے خالی کر لیں۔ لیکن یہ معنی اس صورت میں ہیں جب رات کی نماز فرض تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر تخفیف کرتے ہوئے رات کی نماز کی فرضیت ختم کر دی، پھر انھوں نے ﴿ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ سے آخر آیت تک تلاوت فرمائی، پھر ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ ﴾ (المزّمّل 20:73) ''یقیناً آپ کے رب کو علم ہے کہ آپ قریباً دو تہائی رات یا نصف رات (یا ایک تہائی رات) قیام کرتے ہیں۔'' سے ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾ (المزّمّل 20:73) ''پس اس میں سے جو میسر ہو پڑھو۔'' تک کی تلاوت فرمائی، (اور فرمایا کہ پھر اس حکم میں مزید وسعت و کشادگی آ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کی امت سے اس کی فرضیت ختم کر دی،) چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ (بنی إسرآءیل 79:17) ''اور رات کے کچھ حصے میں بھی پس آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں اس حال میں کہ یہ آپ کے لیے زائد ہے، قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود میں کھڑا کرے۔'' [4]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی یہ بات درست ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سعد بن ہشام سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور پھر مدینے چلے گئے تاکہ وہاں کی اپنی جائیداد کو بھی فروخت کر کے اس سے ہتھیار وغیرہ خریدیں اور پھر رومیوں سے جہاد کر کے شہادت سے بہرہ ور ہو جائیں، وہ اپنی قوم

---

① مسند أبي يعلى الموصلي: 88/7، حدیث: 4022، البتہ روایت ضعیف ہے اور متن بھی ناقابلِ قبول ہے کیونکہ قرآن مجید کا متن توقیفی ہے۔ ② تفسير الطبري: 163/29 و تفسير القرطبي: 42/19. ③ تفسير الطبري: 163/29 و الدر المنثور: 445/6.
④ تفسير الطبري: 164,163/29.

کے کچھ لوگوں سے ملے جنھوں نے یہ بیان کیا کہ ان کی قوم کے کچھ آدمیوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یہی ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [أَلَيْسَ لَكُمْ فِيَّ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟] ''کیا تمھارے لیے میں اسوۂ حسنہ نہیں ہوں؟'' آپ نے انھیں اس سے منع فرمایا اور انھیں گواہ بنالیا کہ وہ اس سے رجوع کرلیں گے، پھر وہ (سعد) ہمارے پاس واپس آئے اور انھوں نے بتایا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وتر کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے فرمایا: کیا میں تمھیں اس کے بارے میں نہ بتاؤں جو تمام روئے زمین کے لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں، ضرور بتائیے، تو انھوں نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ، ان سے یہ پوچھو اور جو وہ جواب دیں مجھے بھی بتاؤ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حکیم بن افلح کے پاس گیا اور انھیں بھی اپنے ساتھ ان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے پاس جانے کو کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں ان کے پاس نہیں جاؤں گا کیونکہ میں نے انھیں ان دو گروہوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ) کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کیا تھا مگر انھوں نے ان کے بارے میں گفتگو کرنے کو ترک نہیں کیا، بہر حال میں نے انھیں قسم دے کر کہا کہ نہیں، آپ کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہوگا، تو وہ میرے ساتھ چل پڑے حتی کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے تو انھوں نے انھیں پہچانتے ہوئے پوچھا: حکیم ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، انھوں نے فرمایا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: سعد بن ہشام، تو انھوں نے پوچھا: ہشام کون؟ انھوں نے کہا: ہشام بن عامر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا: عامر بہت اچھے آدمی تھے۔ میں نے عرض کی: ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیے؟ تو انھوں نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ میں نے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو مجھے خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قیام کے بارے میں بھی پوچھ لوں تو میں نے عرض کی: ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے رات کے قیام کے بارے میں بتائیے؟ تو انھوں نے فرمایا: کیا تم یہ سورت نہیں پڑھتے: ﴿يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ①﴾؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ اس سورت کے آغاز میں رات کے قیام کو فرض قرار دیا گیا تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک سال تک اس قدر قیام فرمایا کہ ان کے پاؤں مبارک سوجھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بارہ ماہ تک اس سورت مبارکہ کے آخری حصے کو آسمان میں روکے رکھا اور پھر اس تخفیف کو نازل فرمایا جس کا ذکر اس سورت کے آخر میں ہے، اس طرح فرض قرار دینے کے بعد اب رات کا قیام نفلی بن گیا ہے۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں بھی پوچھ لوں، میں نے عرض کی: ام المؤمنین! رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں بتائیے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے مسواک اور وضو (کے لیے پانی) کا انتظام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ جب چاہتا آپ کو رات کو بیدار کر دیتا تو آپ مسواک کرتے، پھر وضو کرتے، پھر آپ آٹھ رکعات اس طرح ادا فرماتے کہ آٹھویں رکعت ہی میں تشہد کے لیے بیٹھتے اور درمیان میں تشہد نہیں کرتے تھے، آٹھویں رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھ کر آپ اپنے رب تعالیٰ کا ذکر کرتے،

دعا اور استغفار کرتے، پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے، پھر نویں رکعت پڑھتے، (نویں رکعت کے بعد) پھر (تشہد میں) بیٹھ جاتے، اللہ کا ذکر کرتے، دعا کرتے اور پھر اس طرح بلند آواز سے سلام پھیرتے کہ ہمیں بھی سلام کی آواز سنائی دیتی۔ سلام کے بعد پھر آپ بیٹھ کر دو رکعت ادا فرماتے۔ اس طرح میرے بیٹے! آپ گیارہ رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک زیادہ ہوگئی اور جسم اطہر پر گوشت نمایاں ہوگیا تو آپ سات رکعت وتر پڑھتے اور پھر سلام کے بعد بیٹھ کر دو رکعت ادا فرماتے اور اس طرح میرے بیٹے! آپ ﷺ نو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ جب بھی کوئی نماز ادا فرماتے تو اس بات کو پسند فرماتے کہ اس پر مداومت کریں، لہٰذا جب آپ نیند یا کسی تکلیف یا مرض کی وجہ سے رات کو قیام نہ فرما سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرما لیتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ کے نبی ﷺ نے کبھی ایک ہی رات میں مکمل سارا قرآن پڑھا ہو یا کبھی پوری رات قیام کیا ہو یا رمضان کے سوا کسی اور پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں۔ میں واپس ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور انھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہوئی یہ باتیں بتائیں تو انھوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بالکل سچ فرمایا ہے، اگر میری بھی ان کے پاس آمد و رفت ہوتی تو میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان باتوں کو بالمشافہ سن لیتا۔ امام احمد نے اس حدیث کو اسی طرح مکمل بیان کیا ہے۔[1] اور امام مسلم نے بھی اسے اپنی صحیح میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[2]

ابن جریر رحمہ اللہ نے ابوعبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ جب ﴿ يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① ﴾ نازل ہوئی تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک سال تک اس قدر قیام کیا کہ ان کے پاؤں اور پنڈلیوں پر ورم آ گیا حتی کہ جب یہ الفاظ نازل ہوئے: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾ (المزمّل 20:73) ”پھر تم اس (قرآن میں) سے جو آسان ہو پڑھو۔“ تو لوگوں نے راحت حاصل کی۔[3] امام حسن بصری اور سدی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[4]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ ﴾ ”(اے نبی!) آپ رات میں تھوڑا سا قیام کیجیے (یعنی) رات کا نصف (حصہ) یا اس سے تھوڑا سا کم کیجیے۔“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ صورت حال مومنوں کے لیے بہت گراں تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف اور رحمت فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ ﴾ (المزمّل 20:73) ”اسے علم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور (کچھ) دوسرے زمین میں اللہ کا فضل تلاش کریں گے اور (کچھ) اللہ کی راہ میں لڑیں گے، پھر تم اس (قرآن میں) سے جو آسان ہو پڑھو۔“ پس اللہ تعالیٰ نے کشادگی اور وسعت پیدا فرما دی اور تنگی نہ رہنے دی۔ اور وہی ذات تمام تعریفوں کے لائق ہے۔[5]

---

① مسند أحمد: 54,53/6. ② صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین......، باب جامع صلاۃ اللیل......، حدیث: 746.

③ تفسیر الطبری: 156/29. ④ تفسیر الطبری: 157/29. ⑤ تفسیر الطبری: 156/29.

وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاہۡجُرۡہُمۡ ہَجۡرًا جَمِیۡلًا ⑩ وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ

اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور انھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیجیے⑩ اور مجھے اور تکذیب کرنے والے آسودہ حال لوگوں کو تنہا چھوڑ دیجیے اور

وَمَہِّلۡہُمۡ قَلِیۡلًا ⑪ اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّجَحِیۡمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیۡمًا ⑬ یَوۡمَ

انھیں تھوڑی سی مہلت دیجیے⑪ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے⑫ اور گلے میں اٹکنے والا طعام اور دردناک عذاب ہے⑬ جس

تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ وَکَانَتِ الۡجِبَالُ کَثِیۡبًا مَّہِیۡلًا ⑭ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ

دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ ریت کے بھربھرے ٹیلے ہوں گے⑭ بے شک ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم

رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ⑮ فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ

پر شاہد ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا⑮ چنانچہ فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے نہایت

فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ⑯ فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَۨا ⑰

سختی سے پکڑ لیا⑯ پھر تم (عذاب سے) کیسے بچو گے اگر تم نے اس دن کا انکار کیا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا؟⑰

السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ ؕ کَانَ وَعۡدُہٗ مَفۡعُوۡلًا ⑱

جس (کی شدت) سے آسمان پھٹ جائے گا۔ اس (اللہ) کا وعدہ ہو کے رہنا ہے⑱

فرمان الٰہی: ﴿ وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ⑧ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو، اسی سے لو لگاؤ اور جب اپنے کام کاج سے فارغ ہو جاؤ تو اس کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ ﴾ (الانشراح 94:7) یعنی جب تم اپنے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ تاکہ انسان فارغ البال ہو کر اطمینان وسکون سے اطاعت وعبادت کو بجا لائے۔ ابن زید نے بھی قریب قریب یہی فرمایا ہے۔ [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابوصالح، عطیہ، ضحاک اور سدی فرماتے ہیں: ﴿ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ⑧ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ عبادت خالص اسی کے لیے کرو۔ [2] امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ خوب کوشش کرو اور اپنے نفس کو اسی کی طرف متوجہ کر دو۔ [3] امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ عابد کو مُتَبَتِّلٌ بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تَبَتُّل سے منع فرمایا، اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان شادی نہ کرے اور اپنے آپ کو عبادت ہی کے لیے وقف کر دے۔ [4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ فَاتَّخِذۡہُ وَکِیۡلًا ⑨ ﴾ یعنی مشرقوں اور مغربوں میں وہی مالک اور متصرف ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جیسے آپ عبادت صرف اسی کی کرتے ہیں ایسے ہی توکل بھی صرف اسی پر کریں اور اسے اپنا کارساز بنا لیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ فَاعۡبُدۡہُ وَتَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ ؕ ﴾ (ھود 11:123) ”آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسا رکھیں۔“ اور فرمایا: ﴿ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ ﴾ (الفاتحۃ 1:5)

---

[1] تفسیر الطبری: 165,166/29. [2] تفسیر الطبری: 165/29. [3] تفسیر الطبری: 165/29. [4] تفسیر الطبری: 164/29.

''(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت وعبادت کی جائے اور صرف اسی کی ذات گرامی پر توکل اور بھروسا کیا جائے۔

تفسیر آیات:10-18

کفار کی اذیتوں پر صبر کا حکم اور ان کا انجام: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کی قوم کے بے وقوف لوگ جنھوں نے آپ کو جھٹلایا ہے، وہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور ان سے اچھے طریقے سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ اچھے طریقے سے اختیار کی گئی کنارہ کشی وہ ہوتی ہے جس میں سرزنش نہ ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے قوم کے کفار کو ڈانٹ ڈپٹ پلاتے ہوئے فرمایا اور یہ ڈانٹ ڈپٹ اس عظیم رب تعالیٰ کی طرف سے ہے جس کے غضب کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی کہ ﴿ وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ ﴾ یعنی مجھے اور ان تکذیب کرنے والے خوش حال اور مال دار لوگوں کو چھوڑ دیں کیونکہ یہ دوسروں کی نسبت اطاعت کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان سے کچھ ایسے حقوق کا مطالبہ ہوتا ہے جو دوسروں سے نہیں ہوتا۔ ﴿ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ⑪ ﴾ یعنی ان کو تھوڑی سی مہلت دیجیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ ○ ﴾ (لقمٰن 31:24) ''ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر ہم انھیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔''

اور اسی لیے یہاں بیان فرمایا: ﴿ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا ﴾ ''بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، طاوس، محمد بن کعب، عبداللہ بن بریدہ، ابوعمران جونی، ابومجلز، ضحاک، حماد بن ابوسلیمان، قتادہ، سدی، ابن مبارک، ثوری اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ ﴿ اَنْكَالًا ﴾ کے معنی بیڑیاں ہیں۔ [1] ﴿ وَّجَحِیْمًا ⑫ ﴾ کے معنی بھڑکتی آگ کے ہیں۔ ﴿ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا کھانا ہے جو گلے میں پھنس جائے گا اور جسے انسان نہ اگل سکے گا اور نہ نگل سکے گا۔ [2] ﴿ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ⑬ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ ﴾ ''اور درد دینے والا عذاب ہے، جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے۔'' یعنی ہل جائیں گے۔ ﴿ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ⑭ ﴾ یعنی پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے، حالانکہ اس سے پہلے یہ ٹھوس اور جامد پتھر تھے، پھر ان کو اڑا کر بکھیر دیا جائے گا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہے گی حتی کہ زمین ایک ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی جس میں قطعاً کوئی نشیب وفراز نہ ہوگا۔

تمھارے رسول ﷺ بھی موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہیں: اور پھر اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جبکہ اس سے مراد سب لوگ ہیں کہ ﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے تمھارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے۔'' یعنی تمھارے اعمال کے بارے میں گواہ ہوگا۔ ﴿ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ

---

① تفسیر الطبری:168,167/29 و الدر المنثور:446/6 . ② تفسیر الطبری:168/29 .

﴿ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ ﴾ ”جس طرح ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا، چنانچہ فرعون نے اس پیغمبر کا کہا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت گرفت میں لے لیا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، سدی اور امام ثوری فرماتے ہیں کہ ﴿ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ ﴾ کے معنی بہت شدید پکڑ کے ہیں۔[1] لہٰذا تم اس بات سے ڈرو کہ اس رسول کی تکذیب کی وجہ سے تم بھی کہیں اس طرح کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس طرح کے عذاب میں فرعون مبتلا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح پکڑا کہ جس طرح غالب اور قدرت رکھنے والا بادشاہ پکڑتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:25) ”پھر اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔“ اگر تم نے اپنے رسول کی تکذیب کی تو تم ہلاکت اور تباہی و بربادی کے زیادہ مستحق قرار پاؤ گے کیونکہ تمھارے رسول تو موسیٰ بن عمران کی نسبت زیادہ اشرف اور اعظم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔

قیامت کے دن کے عذاب کی وعید: فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ ﴾ ”پھر تم اس دن (کے عذاب) سے کیسے بچو گے اگر تم نے (اس دن کا) انکار کیا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا؟“ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ يَوْمًا ﴾ ﴿ تَتَّقُوْنَ ﴾ کا معمول ہو جیسا کہ امام ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے لوگو! اگر تم نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اس کی تصدیق نہ کی تو پھر تم اس دن سے کیونکر بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔[2] اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ يَوْمًا ﴾ ﴿ كَفَرْتُمْ ﴾ کا معمول ہو۔ پہلے احتمال کے اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم نے کفر کیا تو اس عظیم گھبراہٹ کے دن سے تمھیں امان کس طرح حاصل ہوگی اور دوسرے احتمال کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم نے قیامت کے دن کا کفر اور انکار کیا تو اس دن تم کیونکر بچ سکو گے۔ یہ دونوں معنی ہی اچھے ہیں لیکن ان میں سے پہلا معنی زیادہ موزوں ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ ﴾ یعنی اس دن کی ہولناکیوں کی شدت، زلزلوں اور مصیبتوں کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اُٹھو اور آگ کا حصہ بھیجو، حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: کتنی تعداد میں سے کتنے؟ تو اللہ فرمائے گا کہ ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنم کی طرف اور ایک جنت کی طرف بھیج دو۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ط ﴾ امام حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس دن کی شدت اور ہولناکی کے سبب آسمان پھٹ جائے گا۔[3] فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ ﴾ یعنی اس دن کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہ ہر صورت میں وقوع پذیر ہو کر رہے گا کہ اسے کوئی روک نہیں سکے گا۔

[1] تفسیر الطبری: 170/29. [2] تفسیر الطبری: 171/29. [3] تفسیر الطبری: 172/29.

1 ع 19 13 اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿19﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ

بے شک یہ (قرآن) تو نصیحت ہے، پھر جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ پکڑ لے ﴿19﴾ یقیناً آپ کے رب کو علم ہے کہ آپ قریباً

اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ

دو تہائی رات یا نصف رات یا ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ بھی۔ اور اللہ ہی رات

وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ

اور دن کا (پورا) اندازہ کرتا ہے۔ اسے علم ہے کہ تم اسے نبھا نہیں سکو گے، چنانچہ اس نے تم پر مہربانی کی، پھر قرآن میں

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ

سے جتنا آسان ہو تم پڑھو۔ اسے علم ہے کہ تم میں کتنے بیمار ہوں گے اور کتنے اور زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے پھریں گے،

اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور کتنے اور اللہ کی راہ میں لڑیں گے، چنانچہ اس (قرآن) میں سے جتنا آسان ہو پڑھو، اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔ اور تم اپنے آپ کے لیے جو نیکی آگے بھیجو گے تو اسے اللہ کے ہاں بہتر اور زیادہ اجر والی پاؤ گے۔

2 ع 1 14 عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿20﴾ ع

اور اللہ سے استغفار کرو۔ بے شک اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿20﴾

تفسیر آیات :20,19

اس سورت سے عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖ ﴾ ”بے شک یہ۔“ یعنی سورت ﴿ تَذْكِرَةٌ ﴾ ”نصیحت ہے۔“ یعنی اس سے عقل مند لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿19﴾ ﴾ ”پھر جو چاہے اپنے پروردگار تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کر لے۔“ یعنی ان لوگوں میں سے جنھیں اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے جیسا کہ ایک دوسری سورت میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے: ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۖ ﴾ (الدھر 30:76) ”اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“

قیام اللیل کے وجوب کا نسخ: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ ﴾ ”بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) اس (رات) کا نصف اور (کبھی) اس کا تیسرا حصہ قیام کرتے ہیں۔“ یعنی کبھی قیام اس قدر اور کبھی اس قدر ہوتا ہے اور یہ سب کچھ قصد وارادے کے بغیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں رات کے قیام کا جو حکم دیا ہے تم اسے ہمیشہ بجالانے کی قدرت نہیں رکھتے ہو کیونکہ یہ تم پر بہت گراں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ ﴾ ”اور

اللہ (تو) رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔‘‘ یعنی کبھی تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں اور کبھی رات گھٹنے اور دن بڑھنے لگتا ہے اور کبھی رات بڑھنے اور دن گھٹنے لگتا ہے۔ ﴿ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ ﴾ ’’اس نے جان لیا کہ تم اس کو ہرگز نہیں نباہ سکو گے۔‘‘ یعنی رات کے قیام کو جسے اللہ نے تم پر واجب قرار دیا ہے ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ ’’پھر جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔‘‘ یعنی وقت کی کوئی تحدید تو نہیں ہے لیکن رات کو جتنا آسانی سے ہو سکے قیام ضرور کرو۔ یہاں قراءت نماز سے تعبیر ہے جیسا کہ سورۂ سبحان میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 110:17) ’’اور اپنی نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ اسے بالکل پست کرو۔‘‘ یعنی اپنی قراءت کو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ’’اسے معلوم ہے (کہ) بلاشبہ ضرور تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور (کچھ) دوسرے (لوگ) جو زمین میں سفر کریں گے (جو) اللہ کا فضل (معاش) تلاش کریں گے اور (کچھ) دوسرے (کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا ہے کہ اس امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو رات کے قیام کے ترک کرنے میں معذور ہوں گے، مثلاً: بیمار جنھیں رات کے قیام کی استطاعت نہیں ہوگی، مسافر جو تجارت اور کسب معاش کی خاطر سفر میں ہوں گے اور اسی طرح کچھ اور لوگ جو اس سے بھی زیادہ اہم کام، یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہوں گے۔ یاد رہے یہ آیت بلکہ یہ ساری سورت ہی مکی ہے اور مکہ میں ابھی جہاد فی سبیل اللہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، لہٰذا یہ دلائل نبوت کی ایک عظیم ترین دلیل ہے اور اس آیت میں مستقبل میں پیش آنے والی ایک بات کی پہلے سے خبر دے دی گئی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ ﴾ ’’پھر جتنا آسانی سے ہو سکے اس (قرآن) سے پڑھو۔‘‘ یعنی جتنا آسانی سے ممکن ہو اتنا ہی قیام کرو۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ ’’اور تم نماز پڑھتے رہو اور زکاۃ ادا کرتے رہو۔‘‘ یعنی فرض و واجب نماز و زکاۃ کو ادا کرتے رہو۔ یہ آیت اس شخص کی دلیل ہے جس نے یہ کہا ہے کہ زکاۃ کی فرضیت کا حکم تو مکہ ہی میں نازل ہوا تھا لیکن نصاب اور مصارف کی تفصیلات مدینہ میں بیان ہوئی ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ سلف رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے جس قیام اللیل کو واجب قرار دیا تھا، اس آیت نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔① صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے جواب میں فرمایا تھا: [خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ] ’’دن اور رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں، تو اس نے عرض کی: کیا ان (پانچ نمازوں) کے علاوہ اور بھی مجھ پر کوئی (نماز فرض) ہے؟ فرمایا: نہیں، الا یہ کہ تم نفل پڑھو۔‘‘②

① تفسير الطبرى :176/29 والدر المنثور :448/6 . ② صحيح البخارى، الإيمان، باب الزكاة من الإسلام، حديث : 46 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الصلوات التى هى أحد أركان الإسلام، حديث : 11 عن طلحة بن عبيدالله ﷺ مطولا .

صدقہ ونیکی کا حکم: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ط ﴾ ''اور تم اللہ کو قرض حسنہ دو۔'' یعنی صدقات وخیرات، اللہ تعالیٰ اس کی احسن اور بھرپور جزا عطا فرمائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ط ﴾ (البقرة 2:245) ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے، پھر وہ (اللہ) بڑھا دے گا اس کو اس کے لیے کئی گنا زیادہ۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ط ﴾ ''اور جو نیک عمل تم اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیجو گے، اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں کہیں زیادہ پاؤ گے۔'' یعنی تمام وہ نیک اعمال جن کو تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، وہ تمھیں حاصل ہو کر رہیں گے اور یہی وہ بہترین چیز ہے جو دنیا میں تم اپنے لیے باقی رکھتے ہو۔ حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے حارث بن سوید سے اور انھوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَيُّكُمْ مَّالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَّالِ وَارِثِهِ؟] ''تم میں سے کس شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ پسند ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ پسند ہے، آپ نے فرمایا: [اِعْلَمُوا مَاتَقُولُونَ] ''خوب جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم جو جانتے تھے، وہ ہم نے عرض کر دیا ہے، آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا مَالُ أَحَدِكُمْ مَّا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ] ''تم میں سے ہر شخص کا حقیقی مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔''① اسے امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔②

پھر فرمایا ہے: ﴿ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ ﴾ ''اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو، بے شک اللہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔'' یعنی اپنے تمام امور و معاملات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور استغفار کثرت سے کرتے رہو کیونکہ جو اس سے مغفرت طلب کرے وہ اس کے لیے بہت زیادہ بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سورۂ مزمل کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① مسند أبي يعلى الموصلي: 98,97/9، حديث: 5163. ② صحيح البخاري، الرقاق، باب ماقدم من ماله فهو له، حديث: 6442 و سنن النسائي، الوصايا، باب الكراهية فى تأخير الوصية، حديث: 3642 .

تفسیر سُوْرَۂ مُدَّثِّر

یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤

اے لحاف میں لپٹنے والے! ① اٹھیے اور ڈرائیے ② اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے ③ اور اپنے کپڑے پاک رکھیے ④ اور ناپاکی چھوڑ دیجیے ⑤

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ⑧ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ

اور حصولِ کثرت کے لیے احسان نہ کیجیے ⑥ اور اپنے رب کے لیے صبر کیجیے ⑦ پس جب صور میں پھونکا جائے گا ⑧ تو وہ دن سخت مشکل

عَسِيْرٌ ⑨ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ⑩

دن ہوگا ⑨ کافروں کے لیے آسان نہ ہوگا ⑩

تفسیر آیات :1-10

﴿ اِقْرَاْ ﴾ کے بعد نازل ہونے والی پہلی آیات: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے موقوف ہونے کے بارے میں بیان فرماتے ہوئے سنا: [فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ بَصَرِي قِبَلَ السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَ نِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَجُئِثْتُ مِنْهُ حَتّٰى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ، فَجِئْتُ أَهْلِي فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَزَمَّلُونِي فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ فَاهْجُرْ ⑤ ﴾ - قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: ﴿ وَالرُّجْزَ ﴾ : اَلْأَوْثَانَ - ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ] ''میں راستے میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی تو میں نے اپنی نظر کو آسمان کی طرف اٹھایا تو (کیا دیکھتا ہوں کہ) وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا، آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے، میں ڈر اور خوف کی وجہ سے زمین کی طرف جھک گیا، پھر فوراً گھر آ گیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو، تو انھوں نے مجھے کپڑا اوڑھا دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② ﴾ سے ﴿ فَاهْجُرْ ⑤ ﴾ تک ۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿ وَالرُّجْزَ ﴾ کے معنی بتوں کے ہیں، پھر وحی تسلسل اور تواتر کے ساتھ شروع ہوگئی۔'' یہ الفاظ بخاری کی روایت کے ہیں۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ ﴾ (المدثر 5:74)، حدیث :4926 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، حدیث :161 .

اس سورت کے نزول سے پہلے بھی آپ پر وحی نازل ہو چکی تھی کیونکہ اس میں آپ کے الفاظ یہ ہیں: [فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَ نِي بِحِرَاءَ] ''تو (میں دیکھتا ہوں کہ) وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا۔'' اس سے مراد جبریل ہے جب وہ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات لے کر نازل ہوا، پھر کچھ دیر وحی کا سلسلہ بند رہا اور پھر فرشتہ نازل ہوا۔

امام احمد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ مجھے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [ثُمَّ فَتَرَ الْوَحْيُ عَنِّي فَتْرَةً، فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي قِبَلَ السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَ نِي بِحِرَاءٍ الْآنَ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا حَتّٰى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ، فَجِئْتُ أَهْلِي فَقُلْتُ لَهُمْ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَزَمَّلُونِي فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ②﴾ ...... ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ بَعْدُ وَتَتَابَعَ] ''بعد ازاں کچھ مدت کے لیے وحی کا سلسلہ موقوف رہا۔ ایک دفعہ میں راستے میں جا رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے آواز سنی تو میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو (کیا دیکھتا ہوں کہ) وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا، اب وہ آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے تو میں ڈر اور خوف کی وجہ سے زمین کی طرف جھک گیا، میں گھر میں آیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، انھوں نے مجھے کپڑا اوڑھا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ②﴾ ...... پھر وحی تسلسل اور تواتر کے ساتھ شروع ہوگئی۔''[1] امام بخاری و مسلم نے اسے امام زہری کی سند سے بیان کیا ہے۔[2]

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کے لیے کھانے کا اہتمام کیا، جب وہ کھا چکے تو ولید کہنے لگا: اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا: وہ جادوگر ہے اور بعض نے کہا: نہیں وہ جادوگر نہیں ہے، بعض نے کہا کہ وہ کاہن ہے اور بعض نے کہا: نہیں وہ کاہن نہیں ہے، بعض نے کہا کہ وہ شاعر ہے اور بعض نے کہا: نہیں وہ شاعر نہیں ہے، بعض نے کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلوں سے منتقل ہوتا چلا آیا ہے، چنانچہ اس رائے پر ان کا اتفاق ہوا کہ واقعی یہ تو جادو ہے جو اگلوں سے منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ نبی ﷺ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ بہت غم زدہ ہوئے، آپ نے سر مبارک کو جھکا لیا اور کپڑا اوڑھ لیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ﴿يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ①﴾ سے ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦﴾ تک کی آیات نازل فرما دیں۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ②﴾ ''اٹھیے پھر ڈرائیے۔'' یعنی کمر ہمت باندھ لیجیے اور لوگوں کو ڈرائیے۔ اس سے آپ کا رسول ہونا ثابت ہو گیا جس طرح کہ پہلی وحی سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہوا تھا۔[4] ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③﴾ یعنی اپنے رب

① مسند أحمد: 325/3. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم: آمين......، حديث: 3238 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث: (256)-161. ③ المعجم الكبير للطبراني: 126,125/11، حديث: 11250. ④ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو وحی آتی تو نفس وحی کے آنے سے اس کی نبوت ثابت ہو جاتی جبکہ رسالت تب ثابت ہوتی جب لوگوں تک حکم الٰہی پہنچانے کا حکم ہو جاتا۔ اسی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے، نیز پہلی وحی سے مراد سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ (ع۔و)

کی بڑائی اور عظمت بیان کیجیے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ ''اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ جن کپڑوں کو زیب تن کرتے ہیں وہ ناپاک کمائی سے نہیں ہونے چاہئیں۔ ① اس کے یہ معنی بھی بیان کیے جاتے ہیں کہ آپ معصیت کے کپڑے نہ پہنیں۔ ② محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کپڑوں کو پانی سے دھولیں۔ ③ ابن زید بیان کرتے ہیں کہ مشرک پاک نہیں رہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ خود بھی پاک رہیں اور اپنے کپڑوں کو بھی پاک رکھیں۔ ④ اسی قول کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔ ⑤

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ﴿ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے دل اور اپنی نیت کو پاک کرلیں۔ ⑥ محمد بن کعب قرظی اور امام حسن بصری کا قول ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھا رکھیں۔ ⑦ اور ﴿ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴾ کے معنی علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بیان کیے ہیں کہ بتوں کو چھوڑ دیں۔ ⑧ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری اور ابن زید رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ ﴿ وَ الرُّجْزَ ﴾ سے مراد بت ہیں۔ ⑨ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ ...... الآية (الأحزاب 33:1) ''اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرنا......''

اور فرمایا: ﴿ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ (الأعراف 7: 142) ''اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ (میرے کوہ طور پر جانے کے بعد) تم میری قوم میں میرے جانشین بننا اور (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے پر نہ چلنا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴾ ''اور (آپ) زیادہ طلب کرنے کے لیے احسان نہ کریں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عطیہ اس لیے نہ دو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔ ⑩ اور خصیف نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ زیادہ خیر و بھلائی طلب کرنے میں کمزوری نہ دکھائیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ عربی زبان میں ﴿ تَمْنُنْ ﴾ کے معنی کمزوری دکھانے کے بھی ہیں۔ ⑪ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴾ ''اور اپنے رب ہی کے لیے صبر کیجیے۔'' یعنی ان کی تکلیفوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کریں، یہ امام مجاہد کا قول ہے۔ ⑫ اور امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے عطیہ پر اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کریں۔ ⑬

قیامت کے دن کے ساتھ نصیحت: فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴾ ''چنانچہ جب صور میں پھونکا جائے گا، تو وہ دن سخت مشکل دن ہوگا، (یعنی) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔''

---

① تفسير الطبري: 183/29. ② تفسير الطبري: 182/29 عن الضحاك. ③ تفسير الطبري: 183/29. ④ تفسير الطبري: 183/29. ⑤ تفسير الطبري: 183/29. ⑥ تفسير القرطبي: 63/19. ⑦ تفسير القرطبي: 64/19. ⑧ تفسير الطبري: 184/29. ⑨ تفسير الطبري: 184/29. ⑩ تفسير الطبري: 185/29. ⑪ تفسير الطبري: 187/29. ⑫ تفسير الطبري: 188/29. ⑬ تفسير الطبري: 188/29.

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿11﴾ وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ﴿12﴾ وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا ﴿13﴾ وَّ مَہَّدۡتُّ

مجھے اور اس کو تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا﴿11﴾ اور اسے مال وافر دیا﴿12﴾ اور حاضر باش بیٹے (دیے)﴿13﴾ اور اس کے لیے خوب فراخی کا

لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ﴿14﴾ ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ﴿15﴾ کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ﴿16﴾ سَاُرۡہِقُہٗ

سامان کیا﴿14﴾ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں (اسے) مزید دوں﴿15﴾ ہرگز نہیں! بلاشبہ وہ ہماری آیات سے سخت عناد رکھتا ہے﴿16﴾ میں اسے جلد مشکل چڑھائی

صَعُوۡدًا ﴿17﴾ اِنَّہٗ فَکَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿18﴾ فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿19﴾ ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿20﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿21﴾

چڑھاؤں گا﴿17﴾ بے شک اس نے غور و فکر کیا اور اندازہ لگایا﴿18﴾ تو وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟﴿19﴾ پھر وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟﴿20﴾ پھر اس نے دیکھا﴿21﴾

ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿22﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ اسۡتَکۡبَرَ ﴿23﴾ فَقَالَ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ ﴿24﴾ اِنۡ ہٰذَاۤ

پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا﴿22﴾ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا﴿23﴾ پھر اس نے کہا: یہ (قرآن) تو صرف جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے﴿24﴾ یہ تو صرف

اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿25﴾ سَاُصۡلِیۡہِ سَقَرَ ﴿26﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا سَقَرُ ﴿27﴾ لَا تُبۡقِیۡ وَ لَا تَذَرُ ﴿28﴾

ایک بشر کا قول ہے﴿25﴾ میں جلد اسے سقر (جہنم) میں ڈالوں گا﴿26﴾ اور آپ کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟﴿27﴾ وہ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی﴿28﴾

لَوَّاحَۃٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿29﴾ عَلَیۡہَا تِسۡعَۃَ عَشَرَ ﴿30﴾

چمڑی جھلسا دینے والی ہے﴿29﴾ اس پر اُنیس (فرشتے مقرر) ہیں﴿30﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، شعبی، زید بن اسلم، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ﴿النَّاقُوۡرِ ﴿8﴾﴾ کے معنی صور کے ہیں۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ سینگ کی شکل کا ہوگا۔ امام ابن ابوحاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [کَیۡفَ أُنۡعَمُ وَصَاحِبُ الۡقَرۡنِ قَدِ الۡتَقَمَ الۡقَرۡنَ وَحَنٰی جَبۡهَتَهٗ (یَنۡتَظِرُ) مَتٰی یُؤۡمَرُ، فَیَنۡفُخُ؟] ”میں کس طرح آرام کروں کہ صور والے فرشتے نے تو صور کو اپنے منہ میں لے رکھا ہے اور اپنی پیشانی کو جھکائے ہوئے (اللہ کے حکم کا) انتظار کر رہا ہے کہ اسے کب حکم ہو تو وہ صور پھونک دے؟“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! پھر اس صورت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: [قُوۡلُوۡا: حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ، عَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلۡنَا] ”تم (یہ) کہو: ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے، ہم نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کیا ہے۔“[2] امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اسباط سے اس روایت کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[3]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَذٰلِکَ یَوۡمَئِذٍ یَّوۡمٌ عَسِیۡرٌ ﴿9﴾ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ غَیۡرُ یَسِیۡرٍ ﴿10﴾﴾ ”تو وہ دن سخت مشکل دن ہوگا (یعنی) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔“ ﴿عَسِیۡرٌ ﴿9﴾﴾ کے معنی شدید اور مشکل کے ہیں اور ﴿غَیۡرُ یَسِیۡرٍ ﴿10﴾﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ آسان نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿یَقُوۡلُ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا یَوۡمٌ عَسِرٌ﴾ (القمر 8:54) ”کافر کہیں گے: یہ دن بڑا سخت ہے۔“ زرارہ بن اوفیٰ قاضی بصرہ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اس سورت

[1] تفسیر الطبری: 190,189/29. [2] یہ روایت ہمیں تفسیر ابن ابوحاتم میں نہیں ملی۔ وَاللّٰہُ أَعۡلَمُ. [3] مسند أحمد: 326/1. البتہ قوسین والا لفظ المستدرک للحاکم، الأھوال: 559/4، حدیث: 8677 میں ہے۔

کی تلاوت فرمائی اور جب ان آیات: ﴿ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ یَوْمَىِٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ﴿۱۰﴾ ﴾ ''پس جب صور میں پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا، کافروں پر آسان نہ ہوگا۔'' پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے، لوگوں نے دیکھا تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ [1]

تفسیر آیات:11-30

قرآن کو جادو قرار دینے والوں کی سرزنش: اللہ تعالیٰ اس خبیث کی سرزنش کرتے ہوئے فرمارہا ہے جسے اس نے دنیا میں نعمتوں سے سرفراز کیا مگر اس نے کفرانِ نعمت کی روش کو اختیار کیا، کفر کو اپنایا، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، افترا پردازی کی اور کلام الٰہی کو قولِ بشر قرار دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، اسی وجہ سے اس نے فرمایا: ﴿ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ ﴾ ''چھوڑ دیں مجھے اور (اس شخص کو) جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔'' یعنی جب یہ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آیا تو یہ اکیلا تھا، اس کے پاس مال تھا نہ اولاد، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے رزق عطا فرمایا ﴿ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ ﴾ یعنی بے پایاں اور وسیع مال ﴿ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ ﴾ ''اور (ہر وقت اس کے پاس) حاضر رہنے والے بیٹے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ ﴾ کے معنی ہیں جو غائب نہ ہوتے ہوں۔ [2] یعنی اس کے پاس حاضر رہتے ہیں، تجارتوں وغیرہ کے لیے سفر پر بھی نہیں جاتے کیونکہ اس کے یہ کام غلام اور مزدور سرانجام دیتے ہیں اور بیٹے اپنے باپ کے پاس بیٹھے رہتے ہیں جو انھیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا ہے۔ سدی، ابو مالک اور عاصم بن عمر بن قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ اس کے بیٹوں کی تعداد تیرہ تھی۔ [3] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ دس تھے۔ [4] اور یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ بیٹے اس قدر ہوں اور باپ کے پاس مقیم ہوں۔ ﴿ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ﴾ ''اور میں نے اس کے لیے خوب فراخی کی۔'' یعنی اسے قسم قسم کا مال اور بے پناہ ساز و سامان دیا۔ ﴿ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ ﴾ ''پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں (اسے اور) زیادہ دوں، (ایسا) ہرگز نہیں! (ہوگا)، بلاشبہ وہ ہماری آیتوں کا دشمن رہا ہے۔'' ﴿ عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ ﴾ کے معنی معاند کے ہیں، یعنی علم کے باوجود اللہ کی نعمتوں کا کفر کرنے والا، پھر فرمایا: ﴿ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ ﴾ ''عنقریب میں اسے دشوار گزار گھاٹی پر چڑھاؤں گا۔'' قتادہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''صعود'' جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ [5] سدی کہتے ہیں کہ ''صعود'' جہنم کی ایک بہت ملائم چٹان ہے جس پر کافر کو چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ [6] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ ﴾ سے مراد جہنم کے عذاب کی مشقت ہے۔ [7] قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ایسا عذاب ہے جس میں راحت نہ ہو۔ [8]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ ﴾ ''بلاشبہ اس نے (غور و) فکر کیا اور اندازہ لگایا۔'' یعنی ہم اسے صعود پر اس

---

① المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المدثر :506/2، حديث :3871 والدر المنثور :453/6 مختصرًا. ان دونوں حوالوں میں تین آیات کے بجائے صرف ایک آیت: ﴿ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ ﴾ مذکور ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. ② تفسير ابن أبي حاتم : 3382/10. ③ الدر المنثور : 454/6. ④ تفسير الطبري : 192/29. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم : 3383/10 والدر المنثور : 455/6. ⑥ الدر المنثور : 455/6 عن الضحاك. ⑦ تفسير الطبري : 194/29. ⑧ تفسير الطبري : 194/29.

لیے چڑھائیں گے تاکہ اسے پُرمشقت عذاب کے قریب کر دیں کیونکہ یہ ایمان سے دور تھا اور جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ قرآن کے بارے میں کیا کہتا ہے تو اس نے سوچا کہ وہ قرآن کے بارے میں کیا افترا پردازی کرے ﴿ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ﴾ ''پس وہ مارا جائے! اس نے کیسا اندازہ لگایا؟ پھر وہ مارا جائے! اس نے کیسا اندازہ لگایا؟'' یہ اس کے لیے بددعا ہے۔ ﴿ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ﴾ ''پھر اس نے دیکھا۔'' یعنی نظر ثانی کی اور اپنی تجویز کا جائزہ لیا ﴿ ثُمَّ عَبَسَ ﴾ ''پھر اس نے تیوری چڑھائی۔'' یعنی آنکھیں سکیڑ لیں اور پیشانی پر شکنیں ڈال لیں ﴿ وَبَسَرَ ۝ ﴾ ''اور منہ بگاڑ لیا۔'' یعنی ماتھے پہ بل ڈال لیے اور چہرہ بدنما بنا لیا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ ﴾ ''پھر پشت پھیری اور تکبر کیا۔'' یعنی حق سے منہ موڑ لیا اور قرآن کی اطاعت کرنے کے بجائے تکبر وغرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے الٹے پاؤں واپس پلٹا۔ ﴿ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ ﴾ ''پھر کہنے لگا: یہ تو بس جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔'' یعنی یہ قرآن جادو ہے جسے محمد ﷺ نے پہلے لوگوں سے نقل کیا اور بیان کیا ہے، اسی لیے کہا: ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ ﴾ ''یہ تو صرف بشر کا کلام ہے۔'' یعنی یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ یہ جس شخص کا ذکر ہے اس سے مراد ولید بن مغیرہ مخزومی ہے جو ایک قریشی سردار تھا۔ لَعَنَهُ اللّٰهُ. اس سلسلے میں واقعہ یہ ہے جیسا کہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے قرآن کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے بتایا تو پھر وہ قریش کے پاس جا کر کہنے لگا کہ ابن ابو کبشہ کی بات پر بہت تعجب ہے کہ اللہ کی قسم! وہ نہ تو شعر ہے، نہ جادو اور نہ ہی جنونی خرافات بلکہ ان کی بات تو کلام اللہ پر مشتمل ہے، چنانچہ جب قریش نے اس کی اس بات کو سنا تو آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ اگر ولید صابی ہو گیا تو سارا قبیلۂ قریش صابی ہو جائے گا۔ ابوجہل بن ہشام نے اس کی بات سنی تو کہنے لگا: واللہ! اس کے معاملے کو میں سنبھال لیتا ہوں۔ ابوجہل اس کے گھر گیا اور کہنے لگا: ولید! تم نے دیکھا کہ تمھاری قوم تمھارے لیے صدقہ جمع کر رہی ہے؟ وہ کہنے لگا: وہ کیوں، کیا میرے پاس سب سے زیادہ مال اور بیٹے نہیں ہیں؟ ابوجہل نے کہا: اس لیے کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ تم ابن ابوقحافہ کے گھر اس لیے جاتے ہو تاکہ اس کے پاس کھانا کھاؤ۔ ولید نے کہا: کیا میرے خاندان کے لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! آئندہ میں ابن ابوقحافہ، عمر اور ابن ابوکبشہ کے قریب تک نہ جاؤں گا، اس کی بات تو محض جادو ہے جو پہلے لوگوں سے منتقل ہوتا چلا آیا ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ﴿ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ ﴾ سے ﴿ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ ﴾ تک کی آیات نازل فرما دیں۔[1] قتادہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے یہ کہا کہ اللہ کی قسم! یہ شخص جو کہتا ہے، میں نے اس کا جائزہ لیا ہے۔ یہ شعر تو نہیں ہے کیونکہ اس کلام میں تو بہت حلاوت ہے۔ اس میں بہت چمک دمک ہے۔ یہ غالب ہو سکتا ہے مغلوب نہیں۔ لیکن اس کے جادو ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ...... ﴾ الآية

[1] تفسیر الطبری: 196,195/29.

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ

اور ہم نے فرشتے ہی دوزخ کے نگران بنائے ہیں، اور ہم نے ان کی تعداد ہی کافروں کے لیے آزمائش بنا دی ہے

لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا

تاکہ اہل کتاب یقین کریں اور ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو، اور اہل کتاب اور مومن شک میں نہ پڑیں، اور تاکہ

الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ

دل کے روگی اور کافر کہیں: اس مثال سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت

اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا یَعْلَمُ

دیتا ہے۔ اور آپ کے رب کے لشکروں کو بس وہی جانتا ہے۔ اور وہ (جہنم) بشر کے لیے نصیحت ہی تو ہے (31) ہرگز نہیں! قسم ہے

جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ (31) ع كَلَّا وَالْقَمَرِ (32) ۙ وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ (33) ۙ 1 31 15

چاند کی (32) اور رات کی جب وہ ڈھل جائے (33) اور صبح کی جب وہ روشن ہو (34) بلاشبہ وہ (جہنم) بڑی (ہولناک)

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (34) ۙ اِنَّهَا لَاِحْدَی الْكُبَرِ (35) ۙ نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ (36) ۙ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ

چیزوں میں سے ایک ہے (35) بشر کے لیے ڈراوا ہے (36) اس کے لیے (ڈراوا) جو تم میں سے آگے (نیکی کی طرف)

یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ (37) ؕ

بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہے (37)

''چنانچہ وہ مارا جائے! اس نے کیسا اندازہ لگایا؟......'' ﴿ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (22)﴾ ''پھر اس نے تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔'' یعنی آنکھیں سکیڑ لیں، پیشانی پر شکنیں ڈال لیں اور بدنما شکل بنالی۔ (1) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ (26)﴾ ''عنقریب میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔'' یعنی میں اسے چاروں طرف سے جہنم میں ڈبودوں گا۔

پھر فرمایا: ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (27) ؕ﴾ ''اور کس نے آپ کو خبر دی کہ سقر کیا ہے؟'' یہ جہنم کی ہولناکی اور دہشت ناکی کی طرف اشارہ ہے اور پھر اس کی وضاحت اس طرح فرمائی: ﴿لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (28)﴾ ''نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی۔'' یعنی جہنم کی آگ ان کے گوشت، رگوں، پٹھوں اور کھالوں تک کو کھا جائے گی تو ان کی ان چیزوں کو پھر بدل دیا جائے گا اور اس طرح وہ نہ مردہ ہوں گے اور نہ زندہ۔ ابن بریدہ، ابوسنان اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔ (2) فرمان الٰہی ہے: ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (29) ۚ﴾ ''وہ چمڑے کو جھلسا دینے والی ہے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ بشر کے معنی چمڑے کے ہیں۔ (3) قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (29) ۚ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ جلد کو جلا دے گی۔ (4) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ آگ انسان کے بدن کو جلا دے گی۔ (5)

(1) تفسیر الطبری: 196/29. (2) تفسیر الطبری: 198,197/29 والدر المنثور: 456,455/6. (3) تفسیر الطبری: 198/29. (4) تفسیر الطبری: 198/29. (5) تفسیر الطبری: 198/29.

جہنم کے داروغوں کی تعداد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴾ ''اس پر انیس (فرشتے مقرر) ہیں۔'' یعنی انیس (19) عذاب کے فرشتے ہیں جو اپنی خلقت کے اعتبار سے بہت عظیم اور اخلاق کے اعتبار سے بہت سنگ دل ہیں۔

تفسیر آیات:31-37

جہنم کے داروغوں کی تعداد پر کفار کا تبصرہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ﴾ ''اور ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے ہی بنائے ہیں۔'' یعنی مؤکلانِ دوزخ بہت تندخو اور سخت مزاج ہیں۔ یہ مشرکینِ قریش کی تردید ہے۔ جب اللہ نے جہنم کے داروغوں کی تعداد کا ذکر کیا تو ابوجہل کہنے لگا: اے گروہ قریش! کیا تم میں سے دس آدمی بھی ان فرشتوں میں سے ایک پر غالب نہیں آسکتے؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ﴾ یعنی ہم نے دوزخ کے داروغے ایسے فرشتوں کو بنایا ہے جن کا نہ مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ انھیں مغلوب کیا جاسکتا ہے۔[1]

ایک قول یہ بھی ہے کہ ابوالاشدّین، جس کا نام کَلَدَہ بن اَسِید بن خلف تھا، اس نے کہا: اے قریشیو! تم سب مل کر ان میں سے دو کو پکڑ لینا اور باقی سترہ کے مقابلے کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ یہ بہت مغرور شخص تھا اور جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ بہت طاقتور بھی تھا۔ یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پاؤں کے نیچے سے نکالنا چاہتے تو کھال کے ٹکڑے اڑتے جاتے لیکن اس کے قدم جنبش نہ کرتے تھے۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ یعنی ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ان کی تعداد انیس (19) ہے تو یہ کافر لوگوں کی آزمائش کے لیے ذکر کیا ہے۔ ﴿ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ ''تاکہ اہلِ کتاب یقین کرلیں۔'' یعنی جان لیں کہ یہ رسول ﷺ برحق ہیں کیونکہ یہ وہی فرما رہے ہیں جو ان آسمانی کتابوں میں بھی موجود ہے جو ان کے پاس ہیں اور جو سابقہ انبیائے کرام پر نازل ہوئی تھیں۔ اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا ﴾ ''اور مومنوں کا ایمان (اور) زیادہ ہو'' کہ وہ ایسی چیزیں مشاہدہ کر رہے ہیں جن سے ان کے نبی حضرت محمد ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق ہو رہی ہے۔ ﴿ وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ﴾ ''اور اہل کتاب اور مومن شک میں نہ پڑیں اور (اس لیے) تاکہ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر (ہیں وہ) کہیں: اس مثال (کے بیان کرنے) سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟'' یعنی یہاں اس کے ذکر کرنے میں حکمت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' یعنی اس طرح کی مثالوں سے کچھ لوگوں کے دلوں میں ایمان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے جبکہ کچھ لوگوں کا ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت و حجت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری: 199/29 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و قتادۃ. [2] الدر المنثور: 457/6 مختصرًا.

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿38﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿39﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿40﴾

ہر نفس نے جو کیا اس کے بدلے میں وہ گروی ہے ﴿38﴾ دائیں (ہاتھ) والوں کے سوا ﴿39﴾ وہ باغاتِ بہشت میں ہوں گے، باہم سوال کریں گے ﴿40﴾

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿41﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿42﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿43﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ

مجرموں کے بارے میں ﴿41﴾ (ان سے پوچھیں گے:) تمھیں کس چیز نے جہنم میں ڈالا؟ ﴿42﴾ وہ کہیں گے: ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے ﴿43﴾ اور ہم مسکین کو

الْمِسْكِيْنَ ﴿44﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿45﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿46﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا

کھانا نہیں کھلاتے تھے ﴿44﴾ اور ہم (باطل میں) مشغول ہونے والوں کے ساتھ مشغول ہوتے تھے ﴿45﴾ اور ہم روزِ جزا کی تکذیب کرتے تھے ﴿46﴾ حتی کہ

الْيَقِيْنُ ﴿47﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿48﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿49﴾

ہمیں موت نے آلیا ﴿47﴾ پھر سفارشیوں کی سفارش انھیں نفع نہ دے گی ﴿48﴾ پھر انھیں کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں؟ ﴿49﴾

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿50﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿51﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى

جیسے وہ بدکے ہوئے گدھے ہوں ﴿50﴾ جو شیر سے بھاگے ہوں ﴿51﴾ بلکہ ان میں سے ہر آدمی چاہتا ہے کہ اسے کھلے صحیفے دیے جائیں ﴿52﴾ ہرگز نہیں!

صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿52﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿53﴾ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿54﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾

بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے ﴿53﴾ ہرگز نہیں! یقیناً یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے ﴿54﴾ تو جو کوئی چاہے اسے یاد کرے ﴿55﴾ اور وہ (کفار)

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿56﴾ — ع 2/25 16 الربع

اسے یاد نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ وہی تقوے کے لائق اور مغفرت کے لائق ہے ﴿56﴾

اللہ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا: فرمان الٰہی: ﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' یعنی ان کی تعداد اور ان کی کثرت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاکہ کوئی شخص اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ ان کی تعداد صرف اور صرف انیس (19) ہی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں موجود حدیث اسراء میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت المعمور کے بارے میں فرمایا جو کہ ساتویں آسمان میں ہے: [وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ (آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ)] ''ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں اور پھر ایک دفعہ داخل ہونے والوں کی دوبارہ باری نہیں آئے گی۔'' ①

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿31﴾ ﴾ ''اور وہ (جہنم) تو بشر کے لیے نصیحت ہی ہے۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی اہل علم نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا هِيَ ﴾ یعنی وہ آگ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ② بنی آدم کے لیے نصیحت ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿32﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿33﴾ وَالصُّبْحِ اِذَاۤ اَسْفَرَ ﴿34﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿35﴾ ﴾ ''ہرگز نہیں! چاند کی قسم! اور رات

---

① صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم، حديث: 3207 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله......، حديث: 162 واللفظ له. قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے اور صحیح مسلم حدیث: 164 کے مطابق ہیں۔ ② تفسير الطبري: 202/29.

کی قسم! جب وہ ڈھل جائے اور صبح کی قسم! جب وہ روشن ہو جائے بلاشبہ وہ (جہنم) بڑی (ہولناک) چیزوں میں سے ایک ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور کئی ایک ائمۂ سلف رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ① ﴿نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾﴾ ''(اور) بشر کے لیے ڈرانے والی ہے۔ اس کے لیے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہنا چاہے۔'' یعنی جو چاہے اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کو اختیار کر لے اور جو چاہے اس سے پیچھے رہ جائے، پیٹھ پھیرے اور اسے رد کر دے۔

تفسیر آیات: 38-56

جنتیوں اور جہنمیوں کی گفتگو: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ﴿۳۸﴾﴾ ''ہر نفس نے جو کیا اس کے بدلے میں وہ گروی ہے۔'' یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ بندھا ہوا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔ ② ﴿اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ﴿۳۹﴾ فِیْ جَنّٰتٍ ۛ۫ یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''مگر دائیں طرف والے (نیک لوگ کہ وہ) باغ ہائے بہشت میں (ہوں گے اور) مجرموں کے بارے میں باہم سوال کریں گے۔'' یعنی اہل جنت بالا خانوں میں جلوہ افروز ہوں گے اور وہ جہنم کے نچلے طبقوں میں موجود مجرموں سے پوچھیں گے: ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''تمھیں کس چیز نے جہنم میں ڈالا؟ وہ جواب دیں گے: ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔'' یعنی نہ تو ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور نہ ہی اس کی مخلوق کی طرف احسان کیا جو کہ ہم ہی میں سے تھی ﴿وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''اور ہم (باطل میں) مشغول ہونے والوں کے ساتھ مشغول ہوتے تھے۔'' یعنی ایسی باتوں کے بارے میں گفتگو کرتے تھے جن کا ہمیں علم نہ تھا۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بھی کوئی گمراہ ہوتا تو ہم بھی اس کے ساتھ گمراہ ہو جاتے تھے۔ ③ ﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿۴۷﴾﴾ ''اور ہم روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں یقین آ گیا (موت آ گئی۔)'' ﴿الْیَقِیْنُ ﴿۴۷﴾﴾ سے یہاں موت مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ۝﴾ (الحجر 99:15) ''اور آپ اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آ جائے۔'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: [أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْیَقِیْنُ مِنْ رَّبِّهٖ] ''جہاں تک اس کا تعلق ہے۔ یعنی عثمان بن مظعون کا۔ تو اس کے پاس اپنے رب کی طرف سے یقین آ گیا ہے، یعنی موت آ گئی ہے۔'' ④

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''پھر (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں (کچھ) فائدہ نہ دے گی۔'' یعنی جو شخص اس طرح کی صفات سے متصف ہو تو روزِ قیامت اسے کسی سفارش

① تفسیر الطبری: 204/29. ② تفسیر الطبری: 206/29. ③ تفسیر الطبری: 208/29. ④ صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب مقدم النبی ﷺ وأصحابه المدینة، حدیث: 3929 ومسند أحمد: 436/6 واللفظ له والسنن الکبرٰی للبیهقی، الجنائز، باب الدخول علی المیت وتقبیله: 407,406/3 عن أم العلاء الأنصاریة رضی اللہ عنہا.

کرنے والے کی کوئی سفارش نفع نہ دے گی کیونکہ سفارش اس وقت نفع بخش ثابت ہوتی ہے جب صحیح جگہ کی گئی ہو، لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن کافر کی حیثیت سے آئے تو وہ یقینی طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ ہی میں رہے گا۔

کفار کے موقف کی تردید: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴾ ''پس ان کو کیا ہوا ہے کہ (وہ) نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں؟'' یعنی آپ کے پاس کے ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ انھیں جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں اور جس چیز کے ساتھ انھیں نصیحت کر رہے ہیں، یہ اس سے روگرداں ہو رہے ہیں۔ ﴿كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿50﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿51﴾﴾ ''گویا وہ گدھے ہیں بدکے ہوئے، جو شیر سے (ڈر کے) بھاگے ہوں۔'' گویا وہ حق سے نفرت کرنے اور روگردانی کرنے کے اعتبار سے وحشی گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کے بھاگ جاتے ہیں، جب شیر ان کا شکار کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔[1] حماد بن سلمہ نے علی بن زید سے، انھوں نے یوسف بن مہران سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جسے عربی میں اسد کہتے ہیں اسے حبشی میں قسورہ، فارسی میں (شار) شیر اور نبطی میں (اریا) اوبا کہتے ہیں۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿52﴾﴾ ''بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں۔'' یعنی ان مشرکوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس پر اسی طرح کتاب نازل ہو جس طرح اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی ہے۔ یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔[3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾ (الأنعام 6:124) ''اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے (تو) کہتے ہیں کہ جس طرح کی چیز اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک (اسی طرح کی چیز) ہم کو نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔'' قتادہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ عمل کے بغیر ہی انھیں نجات مل جائے۔[4] اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿53﴾﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔'' یعنی آخرت پر ان کے ایمان کے نہ ہونے اور اس کے وقوع پذیر ہونے کی تکذیب ہی نے ان کو خراب کیا ہے۔

قرآن نصیحت ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿54﴾﴾ یعنی حق بات یہ ہے کہ قرآن نصیحت ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''پھر جو کوئی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور (اس سے) وہ نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔'' یہ آیت ایسے ہے جیسے یہ آیت ہے: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (التکویر 81:29) ''اور اللہ کے چاہے بغیر تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿56﴾﴾ ''وہی تقوے کے لائق اور مغفرت کے لائق ہے۔'' یعنی وہ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہ اس لائق ہے کہ جو اس کی

---

[1] تفسیر الطبری: 213/29. [2] تفسیر الطبری: 213,212/29 و تفسیر القرطبی: 89/19. [3] تفسیر القرطبی: 90/19.
[4] تفسیر الطبری: 213/29.

طرف رجوع وانابت کرے، وہ اس کے گناہ کو معاف فرمادے۔ یہ امام قتادہ کا قول ہے۔ ①

سورۂ مدثر کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر الطبری : 214/29 نحوهٗ.

تفسیر سُوْرَۃُ قِیٰمَہ

یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان ، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ② اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ① اور قسم کھاتا ہوں نفسِ ملامت گر کی ② کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم کبھی اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر پائیں

عِظَامَهٗ ③ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ④ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ⑤

گے؟③ کیوں نہیں! (بلکہ) ہم تو اس کی پور پور ٹھیک کرنے پر قادر ہیں ④ بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ اپنے آگے (آیندہ بھی) فسق و فجور کے کام کرے ⑤

يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ⑨

وہ پوچھتا ہے یومِ قیامت کب ہے؟⑥ چنانچہ جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی ⑦ اور چاند گہنا جائے گا ⑧ اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے ⑨

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩ كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ⑫ يُنَبَّؤُا

انسان اس دن کہے گا: جائے فرار کہاں ہے؟⑩ ہرگز نہیں! (وہاں) کوئی پناہ گاہ نہیں ⑪ اس دن تیرے رب کے سامنے جا ٹھہرنا ہوگا ⑫

الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭ وَّلَوْ اَلْقٰى

اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ⑬ بلکہ انسان خود اپنے نفس پر خوب شاہد ہے ⑭ اگرچہ وہ اپنی (کتنی ہی)

مَعَاذِيْرَهٗ ⑮

معذرتیں پیش کرے ⑮

تفسیر آیات :1-15

روزِ قیامت دوبارہ اٹھائے جانے پر قسم: قبل ازیں یہ کئی دفعہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر مقسم علیہ کی نفی مقصود ہو تو تاکیدِ نفی کے لیے قسم سے پہلے حرفِ نفی لا لانا جائز ہے۔① یہاں مقسم علیہ، یعنی جس پر قسم کھائی جا رہی ہے وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا اثبات اور ان جاہلوں کی تردید ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ انسانی جسموں کو دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ②﴾ ”مجھے روزِ قیامت کی قسم! اور ملامت گر نفس کی

① دیکھیے الواقعۃ، آیت: 75 اور المعارج، آیت: 40 کے ذیل میں۔

قسم! (کہ سب لوگ اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے۔)'' امام قتادہ فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ میں ان دونوں کی قسم کھاتا ہوں۔ ①
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ② جہاں تک قیامت کے دن کا تعلق ہے تو وہ مشہور و معروف ہے لیکن سوال یہ ہے کہ نفس لوامہ سے کیا مراد ہے۔ قرہ بن خالد نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم! ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مومن تو اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے، مثلاً: وہ کہتا ہے کہ اس بات سے میرا کیا مقصد تھا؟ میں نے یہ کیوں کھایا؟ میں نے یہ خیال کیوں کیا؟ لیکن فاسق و فاجر آگے ہی بڑھتا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کی کسی بات پر بھی سرزنش نہیں کرتا۔ ③

امام طبری نے حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت: ﴿ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ نفس خیر اور شر پر ملامت کرتا ہے۔ عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ ④ ابن ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ نفس اس پر ندامت اور ملامت کرتا ہے جو کھو گیا۔ ⑤

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴾ ''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم کبھی اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے؟'' یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کو متفرق مقامات سے جمع کر کے اسے دوبارہ زندہ نہیں کریں گے، ﴿ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴾ ''کیوں نہیں! (بلکہ) ہم تو اس بات پر (بھی) قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔'' یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے؟ کیوں نہیں! بلکہ ہم انھیں ضرور جمع کریں گے، ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں، ہم اس کی ہڈیاں جمع کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اسے پہلے سے بھی زیادہ مکمل صورت میں اس کی پوروں کو مکمل کر کے اٹھا سکتے ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴾ ''بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ اپنے آگے (آیندہ بھی) فسق و فجور کرے۔'' سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آگے بڑھتا جائے۔ ⑥ حضرت مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴾ کے معنی ہیں کہ آگے کو خودسری کرتا جائے۔ ⑦ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد کافر ہے جو یوم حساب کی تکذیب کرتا ہے۔ ⑧ ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔ ⑨ اسی لیے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ﴾ یعنی پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ اس کا یہ سوال اس لیے ہے کہ وہ قیامت کے دن کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتا اور اس کے وجود کی تکذیب کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ○ ﴾

① تفسیر الطبری : 216/29 . ② تفسیر الطبری : 216/29 والدر المنثور : 463/6. ③ تفسیر القرطبی : 93/19 والدر المنثور : 464/6. ④ تفسیر الطبری : 217/29 . ⑤ تفسیر الطبری : 218/29 . ⑥ تفسیر الطبری : 220/29 .
⑦ تفسیر الطبری : 221/29 . ⑧ تفسیر الطبری : 221/29 . ⑨ تفسیر الطبری : 222/29 .

(سبا 34:29,30) ''اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا؟ کہہ دیجیے: تمھارے لیے ایک دن کا وعدہ ہے جس سے نہ تم ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے، اور نہ تم آگے بڑھ سکو گے۔''

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴾ ''چنانچہ جب آنکھیں چندھیا جائیں گی۔'' ابوعمرو بن علاء نے ﴿ بَرِقَ ﴾ کو ''را'' کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی حیران رہ جائیں گی۔ ① اس معنی کے مطابق یہ آیت ہے: ﴿ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ...... ﴾ الآية (إبراهيم 14:43) ''ان کی نگاہ ان کی طرف نہ لوٹ سکے گی......'' گھبراہٹ کی وجہ سے وہ ادھر ادھر دیکھیں گے اور شدت رعب کی وجہ سے ان کی نظر کسی چیز پر جم نہ سکے گی۔ کچھ لوگوں نے [بَرَقَ] کو ''را'' کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور اس کے بھی قریب قریب وہی معنی ہیں جو ﴿ بَرِقَ ﴾ کے ہیں۔ ② مقصود یہ ہے کہ قیامت کے دن کے عظیم ترین امور اور ان کی شدید ترین ہولناکیوں کی وجہ سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، ڈر کی وجہ سے جھکی ہوں گی اور حیران و پریشان ہوں گی اور ﴿ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ چاند کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ ﴿ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴾ ''اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ دونوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔ ③ ابن زید نے اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ان آیات کو پڑھا: ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ ﴾ (التکویر 81: 1,2) ''جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔'' ④ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے [وَجُمِعَ بَيْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ] پڑھا۔ ⑤

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴾ یعنی جب ابن آدم روز قیامت ان ہولناکیوں کو دیکھے گا تو وہ فرار ہونا چاہے گا اور کہے گا: کہاں بھاگوں؟ کیا کوئی ٹھکانہ یا جائے پناہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ۝ ﴾ ''ہرگز نہیں! کوئی پناہ کی جگہ نہیں، اس روز آپ کے پروردگار ہی کے سامنے جا ٹھہرنا ہوگا۔'' حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر اور کئی ایک ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب کوئی نجات نہیں ہے۔ ⑥ یہ آیت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مانند ہے: ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ 42:47) ''اس دن تمھارے لیے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تم سے (گناہوں کا) انکار ہی بن پڑے گا۔'' یعنی تمھارے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی جس میں تم انکار کر سکو، اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ لَا وَزَرَ ﴾ کہ تمھارے لیے کوئی جگہ نہیں جس میں تم پناہ حاصل کر سکو، اسی لیے تو فرمایا: ﴿ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ﴾ یعنی آپ کے رب ہی کے پاس مرجع اور ٹھکانا ہے۔

قیامت کے دن انسان کے اعمال اس کے سامنے ہوں گے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا

---

① تفسیر الطبری: 222/29. ② تفسیر الطبری: 222/29. ③ تفسیر الطبری: 224/29. ④ تفسیر الطبری: 224/29.
یہاں صرف ایک آیت پڑھنے کا ذکر ہے۔ ⑤ تفسیر القرطبی: 97/19. ⑥ تفسیر الطبری: 227/29 عن ابن زید.

﴿ قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور (جو) پیچھے چھوڑے ہوں گے، (سب) بتا دیے جائیں گے۔'' یعنی اس دن انسان کو اس کے تمام نئے پرانے، پہلے پچھلے اور چھوٹے بڑے اعمال بتا دیے جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ﴾ (الكهف 49:18) ''اور جو عمل کیے ہوں گے، (سب کو) حاضر پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ ﴾ ''بلکہ انسان خود اپنے نفس پر خوب گواہ ہے، اگر چہ وہ اپنی (کتنی ہی) معذرتیں پیش کرے۔'' یعنی انسان خواہ معذرت کرے یا انکار وہ اپنے بارے میں آپ گواہ ہے اور جو اس نے کیا اسے خوب جانتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس سے کہا جائے گا: ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء يل17: 14) ''اپنا اعمال نامہ پڑھ لے، تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔''

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انسان کے کان، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں اور دیگر تمام اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے۔[1] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان خود اپنا گواہ ہے۔ آپ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ اللہ کی قسم! جب تم چاہو دیکھو گے کہ انسان دوسرے لوگوں کے عیوب اور گناہوں کو تو دیکھ رہا ہے مگر اپنے گناہوں سے غافل ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ ابن آدم! تو اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو تو دیکھ رہا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر تجھے نظر نہیں آ رہا۔[2]

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ گو انسان اپنے نفس کی طرف سے جھگڑا کرے گا، پھر بھی وہ اپنے تمام گناہوں کو دیکھ رہا ہوگا۔[3] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اگر انسان اس دن باطل طریقے سے کوئی معذرت کرے تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔[4] سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ ﴾ سے مراد حجت ہے۔[5] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:23) ''تو ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا بجز اس کے کہ وہ کہیں گے: اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔'' نیز فرمایا: ﴿ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (المجادلة 58:18) ''جس دن اللہ ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اس (اللہ) کے سامنے (بھی) قسمیں کھائیں گے اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک شے (اچھی راہ) پر ہیں۔ خبردار! بے شک وہی جھوٹے ہیں۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ ﴾ سے مراد اعتذار ہے، کیا آپ نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ﴾ (المؤمن 40:52)

---

[1] تفسير الطبري: 229/29. [2] تفسير الطبري: 230/29. [3] تفسير الطبري: 231/29. [4] الدر المنثور: 467/6.

[5] الدر المنثور: 467/6 عن الضحاك.

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ⑰ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ

(اے نبی!) آپ اس (قرآن) کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں⑯ یقیناً اس کا (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور (آپ کا)

قُرْاٰنَهٗ ⑱ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ⑳ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ㉑

اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے⑰ پھر جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ اس کے پڑھنے کی اتباع کریں⑱ پھر یقیناً اس کی وضاحت ہمارے ذمے

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ㉒ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ㉓ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ㉔ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ

ہے⑲ ہرگز نہیں! بلکہ تم دنیا کو پسند کرتے ہو⑳ اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو㉑ اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے㉒ اپنے رب کی طرف دیکھتے

بِهَا فَاقِرَةٌ ㉕

ہوں گے㉓ اور اس دن کئی چہرے اداس ہوں گے㉔ وہ سمجھیں گے کہ ان سے کمرتوڑ معاملہ کیا جائے گا㉕

''ظالم لوگوں کو اُن کا عذر کرنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔'' ﴿ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ِۨالسَّلَمَ ﴾ (النحل 16:87) ''اور اس دن وہ اللہ کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔'' ﴿ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ﴾ (النحل 16:28) ''تو وہ فرماں برداری پیش کرتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔'' ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:23) ''اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔''①

تفسیر آیات:16-25

وحی حاصل کرنے کی تعلیم: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کو فرشتے سے وحی حاصل کرنے کی کیفیت کے بارے میں تعلیم ہے، آپ کوشش فرماتے تھے کہ جلدی سے وحی کو اخذ کرلیں اور وحی کے پڑھنے میں فرشتے سے بھی سبقت فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے تو آپ اسے سنیں اور اس بات کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا کہ وہ اسے آپ کے سینے میں محفوظ کردے گا اور اسے اسی طرح ادا کرنا آسان بنادے گا جس طرح فرشتے نے اسے آپ پر نازل کیا ہوگا، نیز اللہ تعالیٰ نے اس بات کا بھی ذمہ لیا کہ وہ وحی کو بیان بھی فرمائے گا اور اس کی تفسیر وتوضیح بھی فرمائے گا۔ ان میں سے پہلی حالت سے مراد وحی کو آپ کے سینے میں محفوظ کردینا ہے جبکہ دوسری حالت سے مراد اس کی تلاوت اور تیسری حالت سے مراد اس کی تفسیر و وضاحت ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯ ﴾ ''(اے نبی!) آپ اس (قرآن) کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔'' یعنی قرآن پڑھنے کے لیے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ ﴾ (طٰهٰ 20:114) ''اور (اے نبی!) آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور دعا کریں: اے میرے پروردگار! مجھے (اور) زیادہ علم دے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ ﴾ ''یقیناً اس کا جمع کرنا ہمارے ذمے ہے۔'' یعنی آپ کے سینے میں

① تفسیر الطبری: 29/230,231.

محفوظ کردینا، ﴿ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴾ ''اور (آپ کا) اس کو پڑھنا۔'' یعنی آپ سے پڑھوانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ ﴾ ''پھر جب ہم اسے پڑھا کریں۔'' یعنی جب فرشتہ آپ کو اللہ کی طرف سے وحی پڑھ کر سنائے تو ﴿ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴾ یعنی پہلے آپ فرشتے سے سنیے اور پھر اس طرح پڑھیے جیسے اس نے آپ کو پڑھایا ہے۔ ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ﴾ ''پھر یقیناً اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔'' یعنی اس کے حفظ وتلاوت کے بعد ہم اس کی تبیین وتوضیح بھی کر دیں گے اور اپنے ارادے ومشیت کے مطابق اس کے معنی بھی آپ کو سکھا دیں گے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نزولِ وحی کے وقت دشواری محسوس فرمایا کرتے تھے اور اپنے ہونٹوں کو خوب حرکت دیتے تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر دکھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے اور سعید نے مجھے کہا کہ میں بھی اسی طرح ہونٹوں کو حرکت دے کر دکھاتا ہوں جس طرح میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ہونٹوں کو حرکت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بہر حال اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادی تھیں: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ﴾ یعنی آپ کے سینے میں جمع کر دینا ہماری ذمہ داری ہے اور پھر پڑھانا بھی ہمارے ذمے ہے، ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴾ یعنی خاموشی سے سنیں، ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ﴾ ''پھر یقیناً اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔'' اس کے بعد جبریل علیہ السلام جب چلے جاتے تھے تو آپ اسی طرح پڑھ لیا کرتے تھے جس طرح جبریل نے آپ کو پڑھایا ہوتا تھا۔① اس حدیث کو امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔② بخاری کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب جبریل آتے تو آپ سر جھکا لیتے اور جب وہ چلے جاتے تو آپ اس نازل کردہ وحی کو پڑھ لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے۔③

یوم قیامت کی تکذیب کا سبب دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کیے دیتے ہو۔'' یعنی ان لوگوں کو قیامت کے دن کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر جس وحی حق اور قرآن عظیم کو نازل فرمایا ہے، اس کی مخالفت پر یہ بات آمادہ کرتی ہے کہ ان کا مقصود دنیا ہی دنیا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

آخرت میں دیدار الٰہی: پھر فرمایا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ﴾ ''اُس روز کئی چہرے رونق دار ہوں گے۔'' ﴿ نَاضِرَةٌ ۙ﴾ کا لفظ نَضَارَۃٌ سے مشتق ہے، یعنی اس روز بہت سے چہرے بڑے حسین وجمیل، روشن اور مسرور ہوں گے کیونکہ ﴿ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴾ ''اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ کا یقینی طور پر دیدار کر رہے ہوں گے جیسا کہ

① مسند أحمد :343/1 . ② صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......، حديث: 5 و4929 و صحيح مسلم، الصلاة، باب الاستماع للقراءة، حديث:448 . ③ صحيح البخاري ، التفسير، باب: ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ ...... ﴾ (القيمة 18:75) ، حديث : 4929، نیز یہ الفاظ صحیح مسلم کے مذکورہ حوالے میں بھی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں حدیث بیان فرمائی ہے: [إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا] ''بے شک تم عنقریب اپنے رب تعالیٰ کا کھلم کھلا سامنے دیدار کرو گے۔''① ایسی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے، جنھیں ائمۂ حدیث نے متواتر طرق سے روایت کیا اور جن کی تردید و مخالفت ممکن ہی نہیں کہ مومنوں کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کیا روزِ قیامت ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ فرمایا: [هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ (لَيْسَ دُونَهُمَا سَحَابٌ؟)] ''کیا تم بادل کے بغیر شمس و قمر کے دیکھنے میں کوئی ضرر محسوس کرتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: جی نہیں، تو آپ نے فرمایا: [فَإِنَّكُمْ (تَرَوْنَ رَبَّكُمْ) كَذٰلِكَ] ''بس اسی طرح تم اپنے رب تعالیٰ کا بھی دیدار کرلو گے۔''②

صحیحین میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا: [إِنَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ...... فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا، فَافْعَلُوا] ''یقیناً تم اپنے رب تعالیٰ کا بھی اسی طرح دیدار کرو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو...... لہٰذا اگر تمھیں اس بات کی استطاعت ہو کہ طلوعِ آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب سے قبل کی نماز میں کوتاہی نہ کرو تو اس کا التزام کرو۔''③ صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ ۔ قَالَ۔ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ (وَهِيَ الزِّيَادَةُ)] ''جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم کچھ اور بھی چاہتے ہو؟ تو جنتی جواب دیں گے: (اے اللہ! ہم اور کیا چاہیں؟) کیا تو نے ہمارے چہروں کو منور نہیں کر دیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرما دیا؟ کیا تو نے ہمیں جہنم سے نجات عطا نہیں فرما دی؟ اس وقت اللہ تعالیٰ حجاب کو دور فرما دے گا، تو اہل جنت کو کوئی ایسی نعمت نہیں ملی ہوگی جو انھیں اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر عزیز ہو اور یہی الزیادۃ ''مزید'' ہے۔'' پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس 26:10) ''جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے بھلائی اور مزید (دیدارِ الٰہی)

---

① صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝﴾...... (القیٰمۃ 75:22،23)، حدیث: 7435 عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ. ② پہلی بریکٹ والے الفاظ صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝﴾...... (القیٰمۃ 75:22،23)، حدیث: 7439 و صحیح مسلم، الإیمان، باب إثبات رؤیۃ المؤمنین......، حدیث: 183,182 میں ہیں، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، حدیث: 7437 میں ہیں لیکن وہاں [دونهما] کے بجائے [دونها] (صرف سورج کی ضمیر کا ذکر) ہے اور دوسری بریکٹ والے الفاظ صحیح البخاری، حدیث: 7437 و صحیح مسلم، حدیث: 182 میں ہیں جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 534/2 کے مطابق ہیں۔ ③ صحیح البخاری، مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العصر، حدیث: 554 و صحیح مسلم، المساجد......، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حدیث: 633، یہ الفاظ صحیح بخاری کے مطابق ہیں، البتہ اس میں [ترون] کے بجائے [سترون] ہے۔

ہے۔"① صحیح مسلم ہی میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: [إِنَّ اللّٰهَ يَتَجَلّٰى لِلْمُؤْمِنِينَ يَضْحَكُ] "بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے ہنستے ہوئے جلوہ افروز ہوگا۔"② یعنی میدانِ حشر میں، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن میدانِ حشر میں اور باغ ہائے بہشت میں اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کی نعمت سے فیض یاب ہوں گے اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم دیدار باری تعالیٰ سے متعلق بہت سی احادیث کتب صحاح، حسان، مسانید اور سنن سے یہاں درج کرتے تاہم ان میں سے بہت سی احادیث کو اس تفسیر کے متفرق مقامات پر درج کرنے کی ہم نے سعادت حاصل کی ہے۔③ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ. بحمد اللہ دیدارِ الٰہی کے مسئلے پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، سلف امت، ائمۂ اسلام اور ہادیانِ انام رحمہم اللہ کا اتفاق اور اجماع ہے۔

روزِ قیامت نافرمانوں کے چہرے سیاہ ہوں گے: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿24﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿25﴾﴾ "اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے، وہ سمجھیں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا۔" فاسقوں اور فاجروں کے چہرے قیامت کے دن اداس ہوں گے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿بَاسِرَةٌ ﴿24﴾﴾ کے معنی ہیں: تیوری چڑھے ہوئے ہوں گے۔④ سدی فرماتے ہیں کہ ان کے رنگ اڑ چکے ہوں گے۔⑤ ﴿تَظُنُّ﴾ یعنی وہ یقین کرلیں گے۔ ﴿اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿25﴾﴾ "کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا۔" امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿فَاقِرَةٌ ﴿25﴾﴾ کے معنی مصیبت کے ہیں۔⑥ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی شر کے ہیں۔⑦ سدی فرماتے ہیں کہ انھیں یقین ہوگا کہ وہ تباہی و ہلاکت سے دوچار ہونے والے ہیں۔⑧ ابن زید فرماتے ہیں: وہ گمان کریں گے کہ اب عنقریب وہ جہنم رسید ہو جائیں گے۔⑨ یہ مقام حسبِ ذیل آیات سے مشابہ ہے: ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (آل عمران 106:3) "جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے۔" اور ﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝﴾ (عبس 80:38-42) "کئی چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے، خنداں و شاداں (یہ نیکوکار ہیں) اور کئی چہرے ایسے ہوں گے جن پر گرد ہوگی (اور) ان پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی، یہی لوگ کفار و بدکردار ہیں۔" اور ﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝﴾ (الغاشية 88:2-4) "اس روز

① صحیح مسلم، الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين......، حديث: (297,298)-181 جبکہ قوسین والا جملہ المعجم الأوسط للطبراني، باب من اسمه أحمد: 221,220/1، حديث: 756 و كتاب السنة لابن أبي عاصم، باب في الزيادة بعد ذكر الحسنى، ص: 217، رقم: 472 میں ہے۔ ② صحیح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة......، حديث: 191 البتہ یہاں یہ الفاظ ہیں: [فَيَتَجَلّٰى لَهُمْ يَضْحَكُ] اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ ہمیں نہیں ملے۔ ③ دیکھیے یونس، آیت: 26 و حم السجدة، آیات: 32،31 و ق، آیت: 35 کے تحت، تاہم المصباح المنیر میں دیدارِ الٰہی سے متعلق کچھ روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے درج نہیں کی گئیں۔
④ تفسير الطبري: 241/29. ⑤ تفسير القرطبي: 110/19. ⑥ تفسير الطبري: 241/29. ⑦ تفسير الطبري: 241/29. ⑧ تفسير القرطبي: 110/19. ⑨ تفسير الطبري: 241/29.

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿26﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۫ سکتۃ رَاقٍ ﴿27﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿28﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ

ہرگز نہیں! جب (جان) ہنسلی تک آ پہنچے گی ﴿26﴾ اور کہا جائے گا: کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا؟ ﴿27﴾ اور وہ سمجھے گا کہ بے شک یہ (وقت) فراق ہے ﴿28﴾ اور پنڈلی،

ع 1 30 17 بِالسَّاقِ ﴿29﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ﴿30﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿31﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿32﴾

پنڈلی سے لپٹ جائے گی ﴿29﴾ اس دن آپ کے رب کی طرف چلنا ہوگا ﴿30﴾ نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی ﴿31﴾ بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ موڑا ﴿32﴾

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿33﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿34﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿35﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ

پھر اپنے اہل وعیال کے پاس اکڑتا ہوا گیا ﴿33﴾ تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے ﴿34﴾ پھر تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے ﴿35﴾ کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے

اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿36﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿37﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿38﴾

یوں ہی (بلاحساب کتاب) چھوڑ دیا جائے گا؟ ﴿36﴾ کیا وہ منی کا ایک نطفہ نہیں تھا جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ ﴿37﴾ پھر وہ لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے پیدا کیا اور

ع 2 10 18 فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿39﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿40﴾

اس کی نوک پلک سنواری ﴿38﴾ پھر اس سے مذکر اور مؤنث کا جوڑا بنایا ﴿39﴾ کیا وہ (اللہ) اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ ﴿40﴾

بہت سے چہرے (والے) ذلیل ہوں گے، سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔'' اللہ کے اس فرمان تک: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ ﴾ (الغاشیۃ 88:8-10) ''بہت سے چہرے اس روز شاداں ہوں گے۔ اپنے اعمال (کی جزا) سے خوش دل، بہشت بریں میں ہوں گے۔'' اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر آیات: 26-40

بوقت موت یقین حاصل ہو جاتا ہے: اللہ تعالیٰ موت کے وقت کی حالت اور ہولناکیوں کو بیان فرما رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت سچی اور پکی بات کے ساتھ ثابت قدمی عطا فرمائے، چنانچہ فرمایا: ﴿ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿26﴾ ﴾ ''ہرگز نہیں! جب (جان) ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی۔'' اگر ہم ﴿ كَلَّآ ﴾ کو کلمۂ زجر وتوبیخ قرار دیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اے ابن آدم! اب تو اس بات کی تکذیب نہیں کر سکے گا جس کی تجھے خبر دی گئی تھی کیونکہ اب تو یہ تیرے پاس اس طرح واضح طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ اس میں کوئی شک ہی نہیں رہا اور اگر ہم کلمۂ ﴿ كَلَّآ ﴾ کو حَقًّا کے معنی میں لیں تو پھر اس کے معنی بالکل ظاہر ہیں، یعنی حق یہ ہے کہ جب جان گلے تک پہنچ جائے گی، یعنی تیرے جسم سے روح کو کھینچ لیا جائے گا اور وہ گلے تک پہنچ جائے گی۔ ﴿ التَّرَاقِيَ ﴿26﴾ ﴾ تَرْقُوَۃٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جو ہنسلی کے گڑھے اور کندھے کے درمیان ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ (الواقعۃ 56:83-87) ''بھلا کیوں نہیں (تم روح کو پھیر لیتے) جب وہ گلے میں آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت (کی حالت کو) دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس (مرنے والے) سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو نظر نہیں آتے۔ پس اگر تم کسی کے محکوم نہیں تو کیوں نہیں اس (روح) کو پھیر لاتے اگر تم سچے ہو۔''

اور اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ﴿۲۶﴾ وَ قِيْلَ مَنْ ٜ رَاقٍ ۙ﴿۲۷﴾ ﴾ ''ہرگز نہیں! جب (جان) ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا: (اس وقت) کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟'' عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کون ہے جو اس وقت جھاڑ پھونک کرے۔[1] ابوقلابہ فرماتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ کون ہے طبیب حاذق۔[2] قتادہ، ضحاک اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[3] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ﴿۲۹﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب دنیا سے کوچ کا آخری دن اور آخرت کی طرف جانے کا پہلا دن ہوتا ہے تو اس وقت سختی کے ساتھ سختی مل جاتی ہے، سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔[4] عکرمہ فرماتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ امر عظیم، امر عظیم کے ساتھ مل جاتا ہے۔[5] مجاہد فرماتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ مصیبت کے ساتھ مصیبت مل جاتی ہے۔[6] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمھاری دونوں پنڈلیاں ہیں جو آپس میں لپٹ جاتی ہیں۔[7] اور آپ سے ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اب اس کے دونوں پاؤں مر چکے ہوتے ہیں اور اب وہ اس کے بوجھ کو اٹھاتے نہیں، حالانکہ وہ اپنے پاؤں پر دوڑتا پھرتا تھا۔[8]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ اِ۟لْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ﴾ ''اُس دن آپ کے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مرجع و ماویٰ ہے کیونکہ روح کو قبض کرنے کے بعد جب آسمانوں کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے انھیں اس سے پیدا کیا ہے، اسی میں ان کو لوٹاؤں گا اور پھر دوبارہ اسی زمین سے انھیں باہر نکالوں گا جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں وارد ہے۔[9] اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ○ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:62,61) ''اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کیے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اسے فوت کرتے ہیں اور وہ (کسی طرح کی) کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر (قیامت کے دن) وہ (تمام لوگ) اپنے مالک برحق اللہ تعالیٰ کی طرف (واپس) لوٹائے جائیں گے، خبردار! حکم اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔''

تکذیب کرنے والے کا حال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ۙ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۙ﴿۳۲﴾ ﴾ ''اس (عاقبت نااندیش) نے نہ تو (کلام اللہ کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔'' یہ اس کافر کے بارے میں بتایا جارہا ہے جو دنیا میں حق کی اپنے دل سے تکذیب کرتا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تھا کہ اس میں باطنی یا ظاہری طور پر

---

[1] الدر المنثور :477/6. [2] تفسير الطبري :242/29. [3] تفسير الطبري :242/29. [4] تفسير الطبري :243/29.
[5] تفسير الماوردي :158/6. [6] تفسير القرطبي :112/19. [7] تفسير الطبري :245/29. [8] تفسير القرطبي : 112/19. [9] مسند أحمد :288,287/4 والأحاديث الطوال للطبراني، حديث البراء بن عازب رضی اللہ عنہ في عذاب القبر، ص: 57-59، حديث: 25 نیز دیکھیے إبراهيم، آیت: 27 کے ذیل میں عنوان ''نیک اور بدروح آخرت کی راہوں پر''

کوئی خیر نہیں ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝ ﴾ ''اس نے نہ تو (کلام اللہ کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا، پھر اپنے گھر والوں کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا۔'' یعنی فخر وغرور تو بہت تھا مگر بے حد کاہل اور سست کہ نہ تو ہمت تھی اور نہ عمل جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ ﴾ (المطففين 83:31) ''اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝ ﴾ (الانشقاق 84:13-15) ''بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں مست رہتا تھا (اور) بے شک وہ سمجھتا تھا کہ ہرگز وہ (اللہ کی طرف) پھر کر نہ جائے گا۔ کیوں نہیں! بے شک اس کا پروردگار اس کو دیکھ رہا تھا۔''

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ يَتَمَطّٰى ۝ ﴾ کے معنی ہیں يَخْتَالُ ''فخر کرتا ہے۔''[1] اور قتادہ اور زید بن اسلم کے بقول اس کے معنی يَتَبَخْتَرُ ''متکبرانہ چال چلتا ہے'' کے ہیں۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ﴾ ''تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے، پھر تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متکبرانہ چال چلنے والے کافر کے لیے سرزنش اور بہت سخت وعید ہے، یعنی تجھے واقعی اس طرح چلنے کا حق پہنچتا ہے کیونکہ تو نے اپنے خالق ومالک کے ساتھ کفر کیا ہے جیسا کہ ناراضی اور سرزنش کے طور پر اس طرح کے موقع پر اسی طرح کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جیسا کہ کلام باری تعالیٰ میں اس طرح کے اسلوب بیان کی حسب ذیل مثالیں موجود ہیں: ﴿ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ ﴾ (الدخان 44:49) ''(اب مزہ) چکھ بے شک تو بڑا زبردست، بڑا تکریم والا (بنا پھرتا) تھا۔'' اور ﴿ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ ﴾ (المرسلٰت 77:46) ''(اے جھٹلانے والو!) تم (دنیا میں) تھوڑا سا کھالو اور فائدہ اٹھالو، بے شک تم مجرم ہو۔'' اور ﴿ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ (الزمر 39:15) ''تو تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو۔'' اور ﴿ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41 :40) ''تم جو چاہو عمل کرو۔'' اور اس طرح کی دیگر آیات۔

امام ابوعبدالرحمٰن النسائی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ﴾ کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ابوجہل سے فرمائے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں قرآن مجید میں نازل فرما دیا۔[3] امام ابن ابوحاتم نے حضرت قتادہ سے ان الفاظ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جیسا کہ تم سن رہے ہو کہ ان الفاظ میں وعید پر وعید ہے، ائمہ تفسیر نے خیال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دشمن ابوجہل کے کپڑوں کو پکڑ کر کھینچا، پھر فرمایا: ﴿ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ﴾ ''تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے، پھر تیرے

---

① تفسير ابن أبي حاتم :3389/10 والدر المنثور:478/6. یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ② تفسير الطبري :247/24.

③ السنن الكبرى للنسائي، التفسير، قولهٗ تعالىٰ: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ ...... ﴾ (القيٰمة 75:22،23):504/6، حديث:11638.

لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے۔'' تو اللہ کا دشمن ابو جہل کہنے لگا: اے محمد! کیا تم مجھے ڈانٹ پلاتے ہو؟ اللہ کی قسم! تم بھی اور تمھارا رب بھی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ ان دونوں پہاڑوں کے مابین چلنے والوں میں سے میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔[1]

انسان کو یوں ہی بے کار نہیں چھوڑا جائے گا: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ﴾ ''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے یوں ہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟'' سدی فرماتے ہیں: یعنی اسے دوبارہ اٹھایا نہیں جائے گا؟[2] مجاہد، امام شافعی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اسے امر و نہی کا مکلّف قرار نہیں دیا جائے گا۔[3] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور دونوں حالتوں پر مشتمل ہے، یعنی نہ تو اس دنیا میں مہمل چھوڑا جائے گا کہ نہ اسے کوئی حکم دیا جائے اور نہ کسی بات سے منع کیا جائے اور نہ قبر میں اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کہ اسے دوبارہ اٹھایا ہی نہ جائے بلکہ دنیا میں اسے حکم بھی دیا گیا ہے اور منع بھی کیا گیا ہے اور پھر آخرت میں اسے اپنے رب تعالیٰ کے سامنے پیش بھی ہونا ہے۔

یہاں دوبارہ اٹھائے جانے کا اثبات اور زیغ، جہالت اور عناد میں مبتلا ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں پہلی دفعہ پیدا کرنے سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ﴾ ''کیا وہ منی کا، جو (رحم میں) ڈالی جاتی ہے، ایک قطرہ نہ تھا؟'' یعنی کیا انسان حقیر پانی کا ایک کمزور سا قطرہ نہ تھا؟ ﴿ یُّمْنٰى ﴾ یعنی جسے پشتوں سے رحموں میں بہایا گیا۔ ﴿ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴾ ''پھر وہ لوتھڑا بنا، پھر اس (اللہ) نے (اس کو) پیدا کیا، پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا۔'' یعنی پانی کا وہ قطرہ لوتھڑا بن گیا، پھر بوٹی بن گیا، پھر اس کی شکل و صورت بنا دی گئی، پھر اس میں روح پھونک دی گئی، پھر یہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی تقدیر کے مطابق جیتا جاگتا، سلیم الاعضاء انسان (مرد و عورت) بن گیا، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴾ ''پھر اس سے دو قسمیں بنائیں (ایک) مرد اور (ایک) عورت۔''

پھر فرمایا: ﴿ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰى ﴾ ''کیا اس (اللہ) کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے؟'' یعنی کیا جس ذات گرامی نے حقیر پانی کے ایک کمزور قطرے سے اس خوبصورت اور سلیم الاعضاء مخلوق کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اسے دوبارہ بھی اسی طرح پیدا کر سکے جس طرح اس نے اسے پہلی دفعہ پیدا فرمایا ہے، حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان یا اس کے برابر ہوتا ہے جیسا کہ حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ...... ﴾ الآیة (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے......'' کی تفسیر میں مذکورہ دونوں قول ہیں، گو ان میں سے پہلا قول (دوسری دفعہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہونا) زیادہ مشہور ہے جیسا کہ اسے سورۂ روم کی تفسیر میں بیان کیا

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم : 3389/10، البتہ یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] تفسیر الماوردی : 159/6 . [3] تفسیر الطبری : 249/29 وتفسیر القرطبی: 116/19 والأم، کتاب وباب إبطال الاستحسان :400/9.

جا چکا ہے۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

سورۂ قیامہ کے اختتام پر کیا کہا جائے؟ امام ابوداود نے موسیٰ بن ابو عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھتا تھا، جب وہ یہ آیت پڑھتا: ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿40﴾ ﴾ تو کہتا: سُبْحَانَكَ فَبَلٰى ''(اے اللہ!) تو پاک ہے، پس کیوں نہیں! (تو واقعی مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔)'' لوگوں نے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔[2] اس روایت کو بیان کرنے میں امام ابوداود منفرد ہیں، نیز انھوں نے اس صحابی کا نام نہیں لیا لیکن صحابی کا نام نہ لینا حدیث کو صحیح یا حسن قرار دینے میں نقصان کا باعث نہیں ہے۔

سورۂ قیامہ کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] دیکھیے الروم آیت: 27 کے تحت عنوان: ''مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے'' [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب الدعاء في الصلاة، حديث: 884.

تفسیر
سورۂ دہر

یہ مکی سورت ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔـا مَّذۡكُوۡرًا ① اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ

یقیناً (ہر) انسان پر زمانے سے ایک ایسا وقت گزر چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا① بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا، ہم

اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ② اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا ③

اسے آزمانا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم نے اس کو سننے، دیکھنے والا بنا دیا② بے شک ہم نے اسے راستے کی ہدایت دی، خواہ شکر گزار بنے یا ناشکرا③

جمعے کے دن نماز فجر میں قراءت: صحیح مسلم کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن نماز فجر میں ﴿ الٓمّٓ ۚ تَنۡزِيۡلُ ﴾ (السجدة 32:1,2) اور ﴿ هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ ﴾ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[1]

تفسیر آیات:1-3

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عدم سے وجود بخشا: اللہ تعالیٰ انسان کے بارے میں بتا رہا ہے کہ اس نے اسے وجود بخشا، حالانکہ اس سے پہلے حقارت اور ضعف کی وجہ سے کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ ﴿ هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔـا مَّذۡكُوۡرًا ① ﴾ ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ ﴾ ''بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو نطفۂ مخلوط سے پیدا کیا۔'' ﴿ اَمۡشَاجٍ ۖ ﴾ کے معنی اخلاط کے ہیں اور المشج اور المشیج اس چیز کو کہتے ہیں جس کا بعض حصہ بعض میں ملا ہوا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مرد اور عورت کا پانی ہے جب وہ دونوں جمع ہو کر آپس میں مل جاتے ہیں۔[2] پھر اس کے بعد وہ ایک قسم سے دوسری قسم میں، ایک حالت سے دوسری حالت میں اور ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں بدلتا رہتا ہے۔ عکرمہ، مجاہد، حسن اور ربیع بن انس نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ﴿ اَمۡشَاجٍ ۖ ﴾ سے مراد مرد کے پانی کا عورت کے پانی کے ساتھ مل جانا ہے۔[3] فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ نَّبۡتَلِيۡهِ ﴾ ''(تاکہ) ہم اسے آزمائیں۔'' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

① صحيح مسلم، الجمعة، باب ما يقرأ في يوم الجمعة، حديث:879. اور قبل ازیں یہ روایت سورۂ سجدہ کی ابتدا میں گزری ہے۔② تفسير الطبري :253/29. ③ تفسير الطبري :254,253/29.

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ

بلاشبہ ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے④ بے شک نیک لوگ ایسے جام سے پییں گے جس میں کافور کی ملاوٹ

مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ

ہوگی⑤ (وہ) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پییں گے اور (جدھر چاہیں گے) اس کی شاخیں نکال لے جائیں گے⑥ وہ اپنی نذریں پوری

وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا

کرتے اور اس دن سے خوف کھاتے ہیں جس کی آفت (ہر طرف) پھیلی ہوگی⑦ اور وہ کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو

وَّاَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ مِنْ

کھلاتے ہیں⑧ (اور کہتے ہیں:) بس ہم تو تمھیں اللہ کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے جزا اور شکر گزاری نہیں چاہتے⑨ ہم اپنے رب سے چہرے

رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪

بگاڑ دینے والے نہایت سخت دن کا خوف کھاتے ہیں⑩ پھر اللہ نے انھیں اس دن کے شر (عذاب) سے بچا لیا اور تازگی اور سرور سے نوازا⑪

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫

اور ان کے صبر کے عوض انھیں جنت اور ریشمی لباس کا بدلہ عطا فرمایا⑫

﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملک 2:67) ''تاکہ وہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں سے عمل میں کون زیادہ اچھا ہے۔'' ﴿ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ② ﴾ ''پھر ہم نے اسے خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنایا۔'' یعنی ہم نے اسے سماعت اور بصارت عطا کی تاکہ اس کے لیے طاعت و معصیت ممکن ہو۔

اللہ نے انسان کو دونوں رستے دکھا دیے ہیں: اللہ جل وعلا کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے اسے رستہ دکھا دیا۔'' یعنی ہم نے رستہ بھی واضح کر دیا ہے، بیان کر دیا اور اسے دکھا دیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 17:41) ''اور جو ثمود تھے انھیں ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۟ ﴾ (البلد 10:90) ''اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونوں رستے دکھا دیے۔'' یعنی ہم نے خیر و شر کے رستے کو واضح کر دیا۔ عکرمہ، عطیہ، ابن زید، مجاہد۔ مشہور روایت کے مطابق۔ اور جمہور کا یہی قول ہے۔[1] فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ ﴾ ''(اب وہ) خواہ شکر گزار ہو اور خواہ ناشکرا۔'' یعنی اب اس کی مرضی ہے، خواہ شقاوت اختیار کرے یا سعادت جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام مسلم نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَايِعٌ نَّفْسَهُ (فَمُوبِقُهَا أَوْ مُعْتِقُهَا)] ''ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے، پھر اسے یا تو ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے۔''[2]

① تفسیر الطبری:257,256/29 و الدر المنثور:483,482/6۔ ② صحیح مسلم، الطھارۃ، باب فضل الوضوء، حدیث:223، البتہ قوسین والے الفاظ کی ترتیب مسند أحمد:342/5 کے مطابق ہے۔

تفسیر آیات:4-12

کافروں کی سزا اور نیکوکاروں کی جزا: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ اس نے اپنی مخلوق میں سے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ سعیر سے مراد آتشِ جہنم کی تپش اور سوزش ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۙ فِی الْحَمِیْمِ ۙ۬ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ۚ ﴾ (المؤمن 40:71,72) ''جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی (اور) گھسیٹے جائیں گے (یعنی) کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے بدبختوں اور بدنصیبوں کے لیے جس آتش جہنم کو تیار کیا ہے، اس کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ ﴾ ''یقیناً نیکوکار ایسی شراب نوشِ جان کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔'' اور معلوم ہے کہ کافور میں ٹھنڈک بھی ہے اور بوئے عطر بیز بھی اور پھر جنتی کافور کی لذت اس پر مستزاد۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافور کو زنجبیل کی خوشبو سے ٹھنڈا کیا گیا ہوگا، اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۞ ﴾ ''یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اور وہ اس میں سے (جتنا چاہیں گے) خوب بہا کر (جہاں چاہیں گے) لے جائیں گے۔'' یعنی ان نیکوکار و ابرار لوگوں کے لیے جس کافور کی آمیزش کی جائے گی وہ ایک ایسا چشمہ ہے جس سے بندگانِ الٰہی میں سے مقربین کسی آمیزش کے بغیر خالص پئیں گے اور سیراب ہو جائیں گے۔ ﴿ یَشْرَبُ ﴾ میں ضمناً یروی ''سیراب ہوں گے'' کے معنی بھی پائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسے حرف با کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے اور ﴿ عَیْنًا ﴾ ''چشمہ'' کو تمیز کی وجہ سے منصوب کیا گیا ہے۔ ﴿ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۞ ﴾ یعنی اس میں جہاں چاہیں گے اور جس طرح چاہیں گے تصرف کر کے اس سے نہریں نکال کر اپنے محلات، اپنی رہائش گاہوں اور اپنی مجلسوں اور محفلوں میں لے جائیں گے۔ تفجیر کے معنی نہر نکالنے کے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ۙ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17: 90) ''اور وہ کہنے لگے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کردو۔'' اور ﴿ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ ﴾ (الکھف 18:33) ''اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی۔''

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس چشمے سے نہر نکال کر جہاں چاہیں گے لے جائیں گے۔[1] عکرمہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں جہاں چاہیں گے تصرف کر سکیں گے۔[3]

نیک لوگوں کے اعمال: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ۞ ﴾ ''وہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے، جس کی مصیبت بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہوگی، خوف رکھتے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ ان طاعات کو بجا لا کر بھی اللہ کی بندگی کرتے ہیں جنھیں اصل شریعت میں ان کے لیے واجب قرار دیا گیا ہے، نیز یہ ان طاعات کو بھی ادا کرتے

---

[1] تفسیر الطبری: 258/29. [2] تفسیر الطبری: 258/29 والدر المنثور: 483/6. [3] تفسیر الطبری: 258/29.

ہیں جنھیں انھوں نے نذر کے طور پر اپنے لیے واجب قرار دے رکھا ہوتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے (اپنی سند کے ساتھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ نَّذَرَ أَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَّذَرَ أَنْ يَّعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ] ''جو شخص اللہ کی اطاعت میں نذر مانے تو اسے اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ کی معصیت کی نذر مانے تو اسے اللہ کی معصیت نہیں کرنی چاہیے۔''① امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو بطریق امام مالک رحمہ اللہ بیان فرمایا ہے۔② نیز یوم آخرت میں حساب کے ڈر سے محرمات کو ترک کر دیتے ہیں کیونکہ اس دن کی سختی عام ہوگی اور لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہوگی، سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مستطیر کے معنی پھیلنے والی کے ہیں۔③ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واللہ! اس دن کی سختی پھیل کر آسمانوں اور زمین کو بھر دے گی۔④

فرمانِ الٰہی: ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں، یعنی ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے اور سیاق کلام اسی پر دلالت کرتا ہے لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع طعام ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ باوجودیکہ انھیں خود طعام کی محبت اور خواہش ہے، پھر بھی یہ دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ مجاہد اور مقاتل کا یہی قول ہے اور امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔⑤ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ (البقرة 2:177) ''اور مال باوجود عزیز رکھنے کے دے۔'' ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ﴾ (آل عمرٰن 3:92) ''جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہیں کرو گے، کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ افضل صدقہ یہ ہے: [أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ شَحِيحٌ، (تَأْمُلُ الْغِنٰى، وَتَخْشَى الْفَقْرَ)] ''کہ تو اس حال میں صدقہ کرے کہ تو صحیح اور تندرست ہو، مال کی حرص ہو، امیری کی چاہت اور فقر وافلاس کا ڈر ہو۔''⑥ یعنی جب تمھیں مال سے محبت ہو، اس کی خواہش ہو اور اس کی حاجت وضرورت بھی ہو تو صدقہ کرنا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧﴾ ''اور باوجود اس کی محبت کے وہ فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔'' مسکین ویتیم سے کون لوگ مراد ہیں، یہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔⑦ قیدی کے بارے میں سعید بن جبیر، حسن اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل قبلہ میں سے قیدی ہے۔⑧ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

---

① الموطأ للإمام مالك، النذور والأيمان، باب مالا يجوز من النذور......:178/2، حديث:1055. ② صحيح البخاری، الأيمان والنذور، باب النذر فی الطاعة......، حديث : 6696. ③ تفسير ابن أبی حاتم :3391/10. ④ تفسير الطبری : 260/29. ⑤ تفسير الطبری :260/29. ⑥ صحيح البخاری، الزكاة، باب فضل صدقة الشحيح الصحيح، حديث : 1419 وصحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن أفضل الصدقة......، حديث :1032 البتہ قوسین والے الفاظ صحيح البخاری، الوصايا، باب الصدقة عند الموت، حديث:2748 کے مطابق ہیں۔ ⑦ دیکھیے البقرة 2، آیت:177 کے تحت عنوان: ''نیکیوں کا ایک جامع پیکج'' ⑧ تفسير الطبری :261/29 وتفسير القرطبی :129/19.

کہ ان کے قیدی ان دنوں مشرک ہی تھے۔ ① اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگِ بدر کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ وہ قیدیوں کی عزت افزائی کریں، لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کھانے کے وقت اپنے آپ پر انھیں ترجیح دیتے تھے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد غلام ہیں۔ ② امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے جو مسلم و مشرک سب کے لیے ہے۔ ③ سعید بن جبیر، عطاء، حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ④

رسول اللہ ﷺ نے کئی ایک حدیثوں میں غلاموں کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت فرمائی ہے حتی کہ آپ نے جو آخری وصیت کی، اس میں بھی یہ فرمایا تھا: [اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ] ''نماز اور غلاموں کا خیال رکھنا۔'' ⑤ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد قیدی ہیں۔ ⑥ یعنی یہ ان لوگوں کو کھانا کھلا دیتے ہیں، حالانکہ انھیں کھانے کی خود بھی خواہش و حاجت ہوتی ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں: ﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ ﴾ یعنی ہم تمھیں اللہ کے ثواب اور اس کی رضا کے حصول کے لیے کھلاتے ہیں۔ ﴿ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨ ﴾ یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم ہمیں اس کا بدلہ دو یا لوگوں کے پاس ہمارا شکریہ ادا کرو۔ مجاہد اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! انھوں نے یہ بات بھی اپنی زبانوں سے ادا نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان کے دلوں سے معلوم کرتے ہوئے ان کی تعریف کی تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اچھے اعمال بجالانے میں رغبت ہو۔ ⑦

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ ﴾ یعنی ہم یہ کام اس لیے بجالاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور اس دن ہمیں اپنے لطف و کرم سے نوازے جو چہروں کو کریہہ المنظر اور دلوں کو سخت مضطر کر دینے والا ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عبوس کے معنی تنگ اور قمطریر کے معنی طویل کے ہیں۔ ⑧ حضرت عکرمہ وغیرہ سے روایت ہے کہ کافر اس دن بہت کریہہ المنظر ہوگا حتی کہ اس کی دونوں آنکھوں کے مابین گندھک جیسا بدبودار پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ ⑨ مجاہد فرماتے ہیں کہ عبوس کے معنی ہیں کہ جس کے دونوں ہونٹ بہت بھیانک اور بھدے ہوں۔ ⑩ اور قمطریر کے معنی ہیں ترش روئی کی وجہ سے چہرے کا سکڑ جانا۔ ⑪ سعید بن جبیر اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے چہرے کریہہ المنظر ہو جائیں گے اور پیشانی اور آنکھوں کے درمیان کا حصہ سکڑ جائے گا۔ ⑫ ابن زید فرماتے ہیں کہ عبوس کے معنی شر اور قمطریر کے معنی شدید ہیں۔ ⑬

نیکوکاروں کی جزا کی کچھ تفصیل: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪ ﴾ ''تو اللہ

---

① تفسیر القرطبی :129/19. ② تفسیر القرطبی :129/19. ③ تفسیر الطبری :261/29 . ④ تفسیر الطبری : 261,260/29 وتفسیر القرطبی:129/19. ⑤ سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء فی ذکر مرض رسول الله ﷺ، حدیث : 1625 عن أم سلمة رضی الله عنها. ⑥ تفسیر الطبری :261/29. ⑦ تفسیر الطبری :262/29 . ⑧ تفسیر الطبری:264/29 . ⑨ تفسیر الطبری :263/29 . ⑩ تفسیر القرطبی :136/19. ⑪ تفسیر الطبری :264/29 . ⑫ تفسیر الطبری:263/29 . ⑬ تفسیر الطبری:264/29 .

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ

وہ جنت میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، وہاں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ شدید سردی⑬ اور اس (جنت) کے سائے ان

ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ

کے قریب ہوں گے، اور اس کے پھل (ان کے لیے) جھکا دیے جائیں گے⑭ اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے ساغر پھرائے

كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ۙ⑮ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ⑯ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ

جائیں گے⑮ شیشے بھی چاندی (کی قسم) کے، انھوں نے انھیں ٹھیک اندازے سے بنایا ہوگا⑯ اور وہاں انھیں ایسے جام پلائے جائیں

مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۚ⑰ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ⑱ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

گے جن میں سونٹھ کی ملاوٹ ہوگی⑰ (یہ) جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کا نام دیا گیا ہے⑱ اور ان کی خدمت میں سدا نوخیز ہی

مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ⑲ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا

رہنے والے لڑکے پھرتے ہوں گے۔ جب تو انھیں دیکھے گا تو انھیں بکھرے ہوئے موتی سمجھے گا⑲ اور جب تو وہاں (کسی بھی طرف) دیکھے گا تو

كَبِيْرًا ⑳ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ

نعمتیں ہی نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھے گا⑳ ان (کے تن) پر باریک، سبز اور دبیز ریشم کے کپڑے (لباس) ہوں گے، اور انھیں چاندی کے

وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ㉑ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ㉒ ع 1/22/19

کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انھیں شراب طہور پلائے گا㉑ (کہا جائے گا:) بلاشبہ یہ تمھاری جزا ہے اور تمھاری سعی قابل قدر ہے㉒

انھیں اس دن کی سختی سے بچالے گا اور تازگی اور خوش دلی عطا فرمائے گا۔'' یہ بلیغ تجانس کے باب سے ہے۔① ﴿ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ﴾ یعنی جس بات سے وہ ڈرتے ہوں گے اللہ تعالیٰ انھیں اس سے امن عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً ﴾ ''اور انھیں تازگی عطا فرمائے گا۔'' ﴿ وَّسُرُوْرًا ۚ⑪ ﴾ ''اور سرور (عطا فرمائے گا)'' جس سے دل لبریز ہوں گے۔ امام حسن بصری، قتادہ، ابوالعالیہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔② یہ ایسے ہی ہے جیسے حسب ذیل آیات کریمہ ہیں: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ ﴾ (عبس 39,38:80) ''اور کئی چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے مسکراتے، ہشاش بشاش۔'' کیونکہ دل جب مسرت سے سرشار ہو تو چہرہ گلنار ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ ہیں: وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ ''رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ اقدس اس طرح منور ہو جاتا گویا چاند کا ٹکڑا ہو۔''③ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: دَخَلَ عَلَيَّ (رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ) مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ...... ''میرے پاس رسول اللہ ﷺ خوش خوش

① ''بلیغ تجانس''، علم بلاغت کی اصطلاح ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو لفظ ادائیگی میں ایک دوسرے سے ملتے ہوں مگر معنی جدا جدا ہوں جیسے اس آیت مبارکہ میں ﴿ فَوَقٰىهُمُ ﴾ اور ﴿ وَلَقّٰىهُمْ ﴾ ہیں۔ ② تفسير الطبري: 264/29. ③ صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3556 و صحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب......، حديث: 2769.

تشریف لائے کہ چہرۂ اقدس کے خطوط جگمگا رہے تھے......۔‘‘[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ یعنی ان کے صبر کے سبب اللہ تعالیٰ انھیں جنت، حریر و پرنیاں، کشادہ اور وسیع محلات، خوش و خرم زندگی اور خوب صورت لباس عطا فرمائے گا۔ حافظ ابن عساکر نے ہشام بن سلیمان دارانی کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ ان کے سامنے سورۂ ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ ﴾ (الدھر 76:1) پڑھی گئی اور قاری جب اس آیت کریمہ پر پہنچا: ﴿ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫ ﴾ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ جزا اس لیے ہوگی کہ انھوں نے دنیا میں ترکِ شہوات پر صبر کیا تھا۔[2]

تفسیر آیات:13-22

انعاماتِ الٰہی: اہل جنت، اس کی ابدی و سرمدی نعمتوں اور انھیں اپنے جس بے پایاں فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ نوازے گا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے: ﴿ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ﴾ ’’ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔‘‘ سورۂ صافات میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے اور تکیے لگانے کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس سے مراد لیٹنا ہے یا تکیہ لگانا یا چوکڑی مار کر بیٹھنا یا جم کر بیٹھنا۔[3] تختوں سے مراد وہ پلنگ ہیں جو حَجلۂ عروسی کی طرح سجائے گئے ہوں گے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ ﴾ یعنی وہاں نہ تکلیف دہ گرمی ہوگی اور نہ شدید سردی بلکہ ایک ہی جیسا معتدل دائمی اور سرمدی موسم ہوگا کہ وہ وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔

سائے اور ثمر دار شاخیں قریب ہوں گی: ﴿ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا ﴾ یعنی درختوں کی ثمر دار ٹہنیاں اور شاخیں ان کے قریب ہوں گی، ﴿ وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭ ﴾ ’’اور اس کے پھل (ان کے لیے) جھکا دیے جائیں گے۔‘‘ یعنی شاخ کی بلندی سے جھک کر اس کے اس طرح قریب آجائے گا گویا وہ بھی بات کو سننے والا اور اطاعت بجالانے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴾ (الرحمٰن 55:54) ’’اور دونوں باغوں کے میوے قریب (جھک رہے) ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ○ ﴾ (الحاقّة 69:23) ’’اس کے پھل قریب ہوں گے۔‘‘ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ کھڑا ہوگا تو جنت کے درختوں کی ثمر بار شاخیں اس کے قد کے مطابق بلند ہو جائیں گی اور جب وہ بیٹھے تو نیچے جھک جائیں گی تا کہ وہ انھیں پکڑ سکے اور اسی طرح جب وہ لیٹے گا تو پھر اور بھی جھک جائیں گی تا کہ لیٹے لیٹے بھی پھل حاصل کر سکے، یہی معنی ہیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ تَذْلِيْلًا ⑭ ﴾ کے۔[4] امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کانٹے یا دوری کی وجہ سے ان کے ہاتھ خالی نہیں لوٹیں گے۔[5]

---

① صحیح البخاری، الفرائض، باب القائف، حدیث: 6770 و صحیح مسلم، الرضاع، باب العمل بالحاق القائف الولد، حدیث: (39)-1459 قوسین والے الفاظ مسلم کے مطابق ہیں۔ ② تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر، ذکر من اسمه هشام، هشام بن سلیمان الدارانی: 75/67. ③ مذکورہ وضاحت ہمیں سورۂ صافات میں نہیں ملی، تاہم اس کے متعلق کچھ بات الکهف، آیت: 31 اور الرحمٰن، آیت: 54 کے تحت کی گئی ہے۔ ④ تفسیر الطبری: 266/29. ⑤ تفسیر الطبری: 266/29.

چاندی کے برتن اور گلاس: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ ﴾ ”(خدام کے ذریعے) چاندی کے برتن اور آبخورے ان پر پھرائے جائیں گے اور شیشے کے (نہایت شفاف) گلاس۔“ یعنی خدام ان کی خدمت میں کھانے کے ایسے برتن لے کر آئیں گے جو چاندی کے ہوں گے اور مشروبات پینے کے لیے صاف شفاف گلاس ہوں گے۔ فرمانِ الٰہی: ﴿ قَوَارِیْرَاۡ ⑮ قَوَارِیْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ ﴾ میں پہلا ﴿ قَوَارِیْرَاۡ ⑮ ﴾ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسرا بدل یا تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اسے ﴿ قَوَارِیْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ ﴾ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، امام حسن بصری اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ وہ برتن چاندی کی طرح سفید اور شیشے کی طرح صاف شفاف ہوں گے۔[1] قواریر کہتے ہی ان برتنوں کو ہیں جو شیشے کے ہوں۔ یہ گلاس اگرچہ چاندی کے ہوں گے مگر اس قدر صاف شفاف کہ ان کے باہر سے بھی یہ دیکھا جا سکے گا کہ ان کے اندر کیا ہے اور دنیا میں ایسے برتنوں کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا ⑯ ﴾ ”انھوں نے ان کو ٹھیک اندازے کے مطابق بنایا ہو گا۔“ یعنی وہ اس اندازے سے بنائے گئے ہوں گے جس سے پینے والے کو سیرابی حاصل ہو جائے، نہ اس اندازے سے کم اور نہ زیادہ بلکہ یہ ایک خاص اندازے کے مطابق بنائے گئے ہوں گے جس سے پینے والے کو مکمل سیرابی اور تسکین حاصل ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو صالح، قتادہ، ابن ابزیٰ، عبداللہ بن عبید بن عمیر، قتادہ، شعبی اور ابن زید کا یہی قول ہے، نیز امام ابن جریر اور دیگر کئی ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2] یہ عز و شرف اور تکریم و تعظیم کی انتہا ہے کہ اہل جنت کے لیے یہ اہتمام کیا جائے گا۔

زنجبیل و سلسبیل کی شراب: فرمان الٰہی: ﴿ وَ یُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ⑰ ﴾ ”اور وہاں انھیں ایسی شراب (بھی) پلائی جائے گی جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو گی۔“ یعنی ابرار و نیکوکار لوگوں کو ان گلاسوں میں ایسی شراب پلائی جائے گی جن میں کبھی تو کافور کی آمیزش ہو گی جو کہ ٹھنڈی تاثیر کی حامل ہے اور کبھی اسی میں زنجبیل کی آمیزش ہو گی جس کی تاثیر گرم ہے تاکہ اعتدال رہے، یعنی ان کے لیے کبھی ایک کی آمیزش اور کبھی دوسری چیز کی آمیزش ہو گی لیکن مقربین بارگاہِ الٰہی دونوں قسم کی خالص شراب نوش جان کریں گے جیسا کہ امام قتادہ اور دیگر کئی ایک مفسرین نے فرمایا ہے۔[3] اس سے پہلے فرمایا ہے: ﴿ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ ﴾ (الدھر 6:76) اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ عَیْنًا فِیْهَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا ⑱ ﴾ یعنی زنجبیل جنت کا ایک چشمہ ہے جو سلسبیل کے نام سے موسوم ہے۔ عکرمہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔[4] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ چشمے کی روانی اور تیز رفتاری کی وجہ سے اسے سلسبیل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔[5]

بکھرے موتیوں جیسے خدام: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ⑲ ﴾ ”اور ان کے پاس لڑکے آتے جاتے ہوں گے، جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے، جب آپ ان پر نگاہ ڈالیں گے تو انھیں بکھرے ہوئے موتی خیال کریں گے۔“ یعنی اہل جنت کے پاس خدمت کے لیے جنت کے لڑکے آتے

---

① تفسیر الطبری: 269,268/29. ② تفسیر الطبری: 269/29 و تفسیر القرطبی: 141/19. ③ تفسیر الطبری: 270/29 و تفسیر القرطبی: 141/19. ④ تفسیر الماوردی: 171/6. ⑤ تفسیر الطبری: 271/29، و تفسیر القرطبی: 142/29.

جاتے رہیں گے جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے، یعنی ان کی عمر نہیں بڑھے گی اور جس نے یہ تفسیر کی ہے کہ ان کے کانوں میں بالیاں ہوں گی تو اس نے اسی مفہوم کو بیان کیا ہے کیونکہ بالیاں چھوٹے لڑکوں کے کانوں ہی میں مناسب لگتی ہیں، بڑے آدمیوں کے کانوں میں نہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴾ ''جب آپ ان پر نگاہ ڈالیں گے تو انھیں بکھرے ہوئے موتی خیال کریں گے۔'' یعنی جب آپ انھیں معزز اہل جنت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کثرت سے آتے جاتے دیکھیں گے اور پھر ان کے چہروں کی صباحت اور ان کے رنگوں، کپڑوں اور زیورات کے حسن و جمال کو دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ گویا وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اس سے زیادہ خوبصورت اور کوئی تشبیہ نہیں ہوسکتی کیونکہ خوبصورت جگہ پر بکھرے ہوئے موتیوں سے بڑھ کر اور کوئی منظر حسین نہیں ہوسکتا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَیْتَ ﴾ یعنی جب آپ دیکھیں اے محمد (ﷺ!) ﴿ ثَمَّ ﴾ ''وہاں'' یعنی جنت، اس کی نعمتوں، وسعتوں، بلندیوں اور اس کے حیرت زدہ امور اور سرور کو دیکھیں تو ﴿ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ﴾ ''آپ کثرت سے نعمت اور عظیم (الشان) سلطنت دیکھیں گے۔'' یعنی وہاں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان مملکت اور زبردست بادشاہت ہوگی۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جسے جہنم سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا اور جنت میں جانے والا وہ سب سے آخری انسان ہوگا: [فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشْرَةَ أَمْثَالِهَا] ''تجھے جنت میں تمام دنیا سے دس گنا زیادہ جگہ ملے گی۔''[1] جب ادنیٰ درجے کے جنتی کو اللہ تعالیٰ عظیم الشان نعمت عطا فرمائے گا تو اس سے اندازہ فرمالیجیے کہ جن کا جنت میں مقام بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہوگا اور جو تقرب الٰہی کے بلند مقام پر فائز ہوں گے، انھیں اللہ تعالیٰ کن کن بے پایاں اور بے حد وحساب نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا؟

لباس اور زیورات: فرمان الٰہی ہے: ﴿ عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ﴾ ''ان (کے بدنوں) پر دیبائے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے۔'' یعنی اہل جنت کا لباس ریشم ہوگا جو کہ سندس سے بنا ہوگا، یہ ریشم کی ایک بہت ہی اعلیٰ قسم ہے، یعنی قمیصیں اور جسم کے ساتھ لگنے والا لباس سندس سے بنا ہوگا جبکہ اوپر کا لباس استبرق سے بنا ہوگا، استبرق ایسے ریشم کو کہتے ہیں جس میں خوب چمک دمک ہو اور لباس کے بارے میں یہی معمول ہے کہ اوپر کا لباس چمکیلا اور سجیلا ہوتا ہے۔ ﴿ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ﴾ ''اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔'' یہ ابرار کی صفت ہے اور جہاں تک مقربین بارگاہِ الٰہی کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴾ (الحج 23:22) ''انھیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی اور وہاں اُن کا لباس ریشمی ہوگا۔'' ریشم اور زیورات کی صورت میں ظاہری زینت ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴾ ''اور ان کا پروردگار انھیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔'' یعنی ان کے باطن کو حسد، کینہ، خیانت، ایذا رسانی اور دیگر تمام گھٹیا اخلاق سے پاک صاف فرمادے گا

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حديث: 6571 وصحيح مسلم، الإيمان، باب آخر أهل النار خروجًا، حديث: 186.

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِيۡلًا ۚ﴿23﴾ فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا

یقیناً ہم ہی نے آپ پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے﴿23﴾ چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کیجیے اور ان میں سے کسی

اَوۡ كَفُوۡرًا ۚ﴿24﴾ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۖۚ﴿25﴾ وَمِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَسَبِّحۡهُ لَيۡلًا

گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے﴿24﴾ اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے﴿25﴾ اور کچھ (حصہ) رات میں اس کے لیے سجدے کیجیے

طَوِيۡلًا ﴿26﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَيَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا ثَقِيۡلًا ﴿27﴾ نَحۡنُ

اور رات گئے تک اس کی تسبیح کیجیے﴿26﴾ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور بھاری دن (قیامت) کو پس پشت ڈالتے ہیں﴿27﴾

خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ ۚ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ﴿28﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ

ہم ہی نے انھیں تخلیق کیا اور ان کے جوڑ مضبوط کیے۔ اور جب ہم چاہیں بدل کر ان جیسے (اور لوگ) لے آئیں﴿28﴾ بے شک یہ ایک

فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿29﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نصیحت ہے، پھر جو چاہے اپنے رب کی طرف (پہنچانے والی) راہ اختیار کر لے﴿29﴾ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ بے شک

كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۖۗ﴿30﴾ يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ

اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿30﴾ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک

عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿31﴾ ع 2/9/20

عذاب تیار کیا ہے﴿31﴾

جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اہل جنت، جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہاں وہ دو چشمے دیکھیں گے، گویا انھیں اس کا الہام ہو گا اور وہ جب ان میں سے ایک چشمے کا پانی پئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں سے تکلیف دہ چیز کو دور فرما دے گا، پھر وہ دوسرے چشمے کے پانی سے غسل کریں گے تو ان پر راحت کی تازگی نمایاں ہو جائے گی۔[1] تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے ظاہری حال اور باطنی جمال کے بارے میں بتایا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمۡ جَزَآءً وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا﴿22﴾﴾ ”یقیناً یہ تمھارا صلہ ہے اور تمھاری کوشش (اللہ کے ہاں) مقبول ہوئی۔“ یعنی یہ ان سے ان کی عزت و تکریم کے پیش نظر اور بطور احسان فرمایا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا ۢ بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِى الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ۝﴾ (الحاقۃ 24:69) ”جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔“ اور فرمایا: ﴿وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ الۡجَنَّةُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝﴾ (الأعراف 43:7) ”اور (اس روز) منادی کر دی جائے گی کہ تم ان اعمال کے صلے میں جو (دنیا میں) کرتے تھے اس بہشت کے مالک بنا دیے گئے ہو۔“ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا﴿22﴾﴾ ”اور تمھاری کوشش (اللہ کے ہاں) مقبول ہوئی۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھارے تھوڑے عمل کا تمھیں بہت زیادہ صلہ عطا فرما دیا ہے۔

[1] تفسیر القرطبی: 147/19.

تفسیر آیات:23-31

نزولِ قرآن کا ذکر اور صبر و ذکر کا حکم: اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ احسان یاد دلانے کے بعد کہ اس نے آپ پر قرآن عظیم کو نازل فرمایا ہے، حکم دے رہا ہے کہ ﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ﴾ ''پس آپ اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق صبر کیجیے۔'' یعنی جیسے آپ کو یہ عزت بخشی کہ آپ پر قرآن نازل کیا ایسے ہی آپ بھی اس کی قضاوقدر پر صبر کریں اور جان لیں کہ وہ آپ کو بہترین تدبیر سے نوازے گا، لہٰذا ﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴾ ''اور ان لوگوں میں سے کسی بدعمل اور ناشکرے کا کہا نہ مانیں۔'' یعنی کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں جب وہ یہ ارادہ کریں کہ آپ کو اس قرآن سے روک دیں جسے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے بلکہ آپ اسے پہنچادیں جسے آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اللہ پر توکل کریں، بے شک اللہ تعالیٰ ہی آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ آثم سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے افعال کے اعتبار سے فاجر و فاسق ہو اور کفور سے مراد وہ ہے جو دل سے کافر اور منکر ہو ﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴾ ''اور آپ صبح وشام اپنے رب کا نام لیتے رہیں۔'' ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴾ ''اور کچھ (حصہ) رات میں اس کے آگے سجدے کریں اور رات گئے تک اس کی پاکی بیان کریں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 79:17) ''اور رات کے کچھ حصے میں بھی آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں، (یہ) آپ کے لیے زائد ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ﴾ (المزمل 73:1-4) ''اے چادر میں لپٹنے والے! رات کو تھوڑا سا قیام کریں، (یعنی) نصف رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔''

حب دنیا کی مذمت اور آخرت کی ترغیب: پھر اللہ تعالیٰ کافروں اور ان جیسے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے، جو دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر اسی کے ہو کر رہ گئے ہیں اور جنھوں نے آخرت کو پس پشت ڈال کر دنیا ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، فرما رہا ہے: ﴿ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴾ ''یہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو پس پشت چھوڑے دیتے ہیں۔'' یعنی قیامت کے دن کو، پھر فرمایا: ﴿ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَاۤ اَسْرَهُمْ ﴾ ''ہم نے انھیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ مضبوط بنائے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے، یعنی انھیں بھی پیدا کیا۔[1] ﴿ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَاۤ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں گے تو ان کے بدلے میں انھی کی طرح (اور لوگ) تبدیل کر کے لے آئیں۔'' یعنی جب ہم چاہیں گے قیامت کے دن انھیں بالکل بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کر دیں گے، یہاں ابتدا کو اعادے کی دلیل بنایا ہے۔ ابن زید اور ابن جریر اس کے بارے میں فرماتے ہیں: یعنی ہم جب چاہیں ان کے بجائے دوسرے لوگ لا کر یہاں بسا دیں۔[2] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط

---

[1] تفسیر القرطبی: 151/19۔ [2] تفسیر الطبری: 280,281/29۔

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ○ ﴾ (النسآء 133:4) ”اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور (تمھاری جگہ) دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس بات پر خوب قادر ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ ﴾ (إبراهيم 20,19:14) ”اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور (تمھاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے اور اللہ کے لیے یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں۔“

قرآن بتوفیق الٰہی نصیحت وہدایت ہے: پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ﴾ یعنی یہ سورت نصیحت ہے، ﴿ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴾ ”تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے کا) رستہ اختیار کرے۔“ یعنی جو چاہے قرآن کے ساتھ ہدایت اختیار کرلے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ (النسآء 39:4) ”اور اگر یہ لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا؟“ پھر فرمایا: ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ ”اور تم کچھ بھی نہیں چاہتے مگر جو اللہ کو منظور ہو۔“ یعنی کسی شخص کو بھی اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت سے بہرہ ور کرسکے، اپنے آپ کو دائرہ ایمان میں داخل کرسکے یا اپنے آپ کو کوئی اور نفع پہنچا سکے۔ ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ ”مگر جو اللہ کو منظور ہو، بے شک اللہ خوب جاننے والا، نہایت حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے تو اس کے لیے وہ اسے آسان بنا دیتا ہے اور اس کے اسباب بھی فراہم فرما دیتا ہے، اسی طرح وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ضلالت کا مستحق کون ہے تو اسے وہ ہدایت سے دور کر دیتا ہے، کائنات میں اسی کی حکمت اور حجت کارفرما ہے اور اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ ”جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ یعنی وہ جسے چاہے ہدایت دے، جسے چاہے گمراہ کردے، جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

سورۂ انسان (دہر) کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سُوْرَۂ مُرْسَلٰت

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ① فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ② وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ③ فَالْفٰرِقٰتِ

لگا تار بھیجی گئی ہواؤں کی قسم! ① پھر تند و تیز چلتی طوفانی ہواؤں کی ② اور (مینہ برسانے، بادل) پھیلانے والی ہواؤں کی قسم! ③ پھر انھیں پھاڑ کر جدا جدا کرنے

فَرْقًا ④ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا ⑤ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ⑥ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

والی ہواؤں کی ④ پھر ذکر اتارنے والے فرشتوں کی (قسم!) ⑤ عذر (ختم کرنے) یا ڈرسنانے کو ⑥ یقیناً تم سے جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ

لَوَاقِعٌ ⑦ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ⑧ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ⑨ وَاِذَا الْجِبَالُ

ضرور واقع ہو کر رہے گی ⑦ پھر جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے ⑧ اور جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا ⑨ اور جب پہاڑوں کی دھجیاں اڑا دی

نُسِفَتْ ⑩ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ⑪ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ⑫ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ⑬ وَمَآ اَدْرٰىكَ

جائیں گی ⑩ اور جب رسولوں کو مقرر وقت پر لایا جائے گا ⑪ (کہا جائے گا:) کس دن کے لیے انھیں مؤخر کیا گیا؟ ⑫ فیصلے کے دن کے لیے ⑬ اور آپ

مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ⑮

کیا سمجھے فیصلے کا دن کیا ہے؟ ⑭ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ⑮

اس سورت کا نزول اور مغرب میں اس کی قراءت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ کی ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ ﴿ وَالْمُرْسَلٰتِ ﴾ نازل ہوئی، آپ اس سورت کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اسے آپ کے منہ سے حاصل کر رہا تھا۔ آپ کا منہ اس سورت کے ساتھ ابھی ترو تازہ تھا کہ ہم پر ایک سانپ نے حملہ کر دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [اُقْتُلُوْهَا] ''اسے قتل کر دو۔'' ہم جلدی سے اس کی طرف لپکے مگر وہ بھاگ گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [وُقِیَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِیتُمْ شَرَّهَا] ''وہ تمھارے شر سے بچایا گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچائے گئے ہو۔''[1] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی بطریق اعمش روایت کیا ہے۔[2] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے اپنی والدہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ مرسلات کی تلاوت کرتے ہوئے

① صحیح البخاری، جزاء الصید، باب مایقتل المحرم من الدواب، حدیث :1830 . ② صحیح مسلم، السلام، باب قتل الحیاتِ وغیرها، حدیث :2234 .

سنا۔ ① امام مالک رحمہ اللہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے کہ ام الفضل نے انھیں سورۂ ﴿ وَ الْمُرْسَلٰتِ ﴾ پڑھتے ہوئے سنا تو کہا: بیٹا تم نے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا کہ یہ وہ آخری سورت ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، آپ نے اسے نماز مغرب میں تلاوت فرمایا تھا۔ ② امام بخاری و مسلم نے بھی اسے صحیحین میں امام مالک رحمہ اللہ ہی کے طریق سے روایت فرمایا ہے۔ ③

تفسیر آیات:1-15

وقوع آخرت پر مخلوق میں سے کئی اشیاء کی قسمیں: امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴾ سے مراد فرشتے ہیں۔ ④ مسروق، ابو الضحیٰ، مجاہد (ایک روایت کے مطابق) سدی اور ربیع بن انس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ⑤ ابو صالح سے روایت ہے کہ اس سے مراد رسول ہیں۔ ⑥ ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ ⑦ اسی طرح ابو صالح نے عاصفات، ناشرات، فارقات اور ملقیات کے بارے میں بھی کہا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔ ⑧ امام سفیان ثوری نے سلمہ بن کہیل سے، انھوں نے مسلم بطین سے اور انھوں نے ابو العُبَیدَین سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿ وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴾ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ہوا ہے۔ ⑨ اسی طرح آپ نے عاصفات اور ناشرات کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان سے مراد ہوا ہے۔ ⑩ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ⑪ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ﴿ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴾ کے بارے میں توقف فرمایا ہے کہ کیا اس سے مراد او امر و نواہی دے کر بھیجے جانے والے یا گھوڑے کے ایک سم کے بعد دوسرا سم رکھنے کی طرح پے در پے بھیجے جانے والے فرشتے ہیں یا اس سے مراد مسلسل چلنے والی ہوائیں ہیں اور ﴿ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴾ کے بارے میں قطعی طور پر کہا ہے کہ اس سے مراد ہوائیں ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی اتباع کرنے والوں نے کہا ہے۔ ⑫ اسی طرح انھوں نے ﴿ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴾ کے بارے میں توقف کیا ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یا ہوا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ ⑬ ابو صالح سے روایت ہے کہ ﴿ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴾ سے مراد بارش ہے۔ ⑭ اور بظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ﴿ وَ الْمُرْسَلٰتِ ﴾ سے مراد ہوائیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ (الحجر15:22) ''اور ہم نے بوجھل ہوائیں بھیجیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ

---

① مسند أحمد:338/6 . ② الموطأ للإمام مالك، الصلاة، باب القراءة في المغرب والعشاء 26,25/1، حديث:176.
③ صحيح البخاري، الأذان، باب القراءة في المغرب، حديث :763 وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الصبح، حديث :462 . ④ تفسير ابن أبي حاتم:3392/10 . ⑤ تفسير الطبري:284/29 والدر المنثور:493,492/6. ⑥ تفسير الطبري:284/29 . ⑦ تفسير القرطبي:154/19 . ⑧ تفسير الطبري:288,287/29 و تفسير القرطبي:155,154/19.
⑨ تفسير الطبري:284/29 . ⑩ تفسير ابن أبي حاتم:3392/10 وتفسير الطبري:286,285/29. ⑪ تفسير الطبري: 287-285/29. ⑫ تفسير الطبري:285/29 . ⑬ تفسير الطبري :287/29. ⑭ تفسير الطبري:287/29.

الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ﴾ (الأعراف 7:57) ''اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری دینے والیاں بنا کر بھیجتا ہے۔'' اسی طرح عاصفات سے مراد بھی ہوائیں ہیں۔ عَصَفَتِ الرِّیحُ کا محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ہوا آواز کے ساتھ چلے۔ اسی طرح ﴿ النّٰشِرٰتِ ﴾ سے مراد بھی ہوائیں ہیں جو آسمان کے آفاق میں اس طرح بادل پھیلا دیتی ہیں جس طرح اللہ چاہتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ ﴾ ''پھر انھیں پھاڑ کر جدا جدا کرنے والی (ہواؤں کی قسم!) پھر ان (فرشتوں) کی جو ذکر ڈالنے والے ہیں عذر (ختم کرنے) یا ڈرانے کے لیے۔'' سے مراد فرشتے ہیں۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، مسروق، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور سفیان ثوری کا قول ہے۔ ① اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کے حکم سے رسولوں پر نازل ہوتے ہیں اور حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور حلال و حرام میں فرق کر دیتے ہیں، اور رسولوں کے پاس ایسی وحی پہنچاتے ہیں جس سے مخلوق کے عذروں کو بھی رفع کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ مخلوق اللہ کے حکم کی مخالفت کرے تو اسے اللہ کے عذاب سے ڈرایا بھی جاتا ہے۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝ ﴾ ''یقیناً جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو (وہ) ضرور واقع ہونے والی ہے۔'' یہ وہ چیز ہے جس پر یہ قسمیں کھائی گئی ہیں، یعنی لوگو! تم سے جو یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ قیامت قائم ہوگی، صور میں پھونکا جائے گا، جسموں کو دوبارہ اٹھایا جائے گا، اگلے پچھلے تمام انسانوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا اور پھر ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی کہ اگر اس نے اچھا عمل کیا ہوگا تو اچھی جزا ملے گی اور اگر برا عمل کیا ہوگا تو بری سزا ملے گی اور یہ تمام امور بلاشک وشبہ یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والے ہیں۔

قیامت کے دن کی بعض اہم تبدیلیاں: بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ ﴾ ''چنانچہ جب تارے مٹا دیے (بے نور کر دیے) جائیں گے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ ﴾ (التکویر 81:2) ''اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ ﴾ (الانفطار 82:2) ''اور جب تارے بکھر جائیں گے۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ ﴾ ''اور جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔'' یعنی آسمان پھٹ جائے گا، اس کے کنارے ٹوٹ جائیں گے اور اس کے کونے کمزور پڑ جائیں گے، ﴿ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ ﴾ ''اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے۔'' یعنی پہاڑ ختم ہو جائیں گے اور ان کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:105) ''اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دیجیے: میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ ﴾ (الکہف 18:47) ''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے اور ان (لوگوں)

① تفسیر الطبری: 29/288,289 وتفسیر القرطبی: 19/155.

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ⑯ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ⑰ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ⑱

کیا ہم پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے؟⑯ پھر ہم پچھلوں کو ان کے پیچھے لگائیں گے ⑰ ہم مجرموں سے یہی کچھ کرتے ہیں⑱

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑲ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑳ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ

اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے تباہی ہے⑲ کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی (منی) سے تخلیق نہیں کیا؟⑳ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ

مَّكِيْنٍ ㉑ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉒ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ㉓ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ

جگہ رکھا㉑ ایک مقررہ اندازے (مدت) تک㉒ پھر ہم نے اندازہ لگایا تو (ہم) کیا خوب اندازہ لگانے والے ہیں㉓ اس دن تکذیب

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ㉕ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ㉖ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا

کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے㉔ کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی㉕ زندوں کو اور مردوں کو؟㉖ اور ہم نے اس میں

رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ㉗ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉘

مضبوط (جمے ہوئے) اونچے پہاڑ بنائے اور تمھیں میٹھا پانی پلایا㉗ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے تباہی ہے㉘

کو ہم جمع کریں گے تو ان میں سے کسی کو بھی (پیچھے) نہیں چھوڑیں گے۔‘‘

فرمان الٰہی: ﴿ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ⑪ ﴾ ’’اور جب رسول اکٹھے کیے جائیں گے۔‘‘ کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب رسول جمع کیے جائیں گے۔[1] ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ آیت، حسب ذیل آیت کی طرح ہے: ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ﴾ (المآئدۃ 5:109) ’’جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا۔‘‘[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اُقِّتَتْ ⑪ ﴾ کے معنی ہیں جب پیغمبر وقت فراہم کیے جائیں گے۔[3] امام ثوری نے منصور سے اور انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ جب پیغمبر وعدہ دیے جائیں گے۔[4] انھوں نے اسے درج ذیل آیت کی طرح قرار دیا ہے: ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 39:69) ’’اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور (دیگر) گواہ لائے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ⑫ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ⑬ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑮ ﴾ ’’(کہا جائے گا:) کس دن کے لیے انھیں مؤخر کیا گیا؟ فیصلے کے دن کے لیے۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا ہے کہ فیصلے کا دن کیا ہے! اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے۔‘‘ یعنی پیغمبروں کے لیے کس دن کا تعین کیا گیا اور ان کے معاملے کو مؤخر کیا گیا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ ﴾ (إبرٰھیم 14:47،48) ’’آپ ایسا خیال نہ کریں کہ اللہ نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرے گا۔ بے شک

[1] تفسیر الطبری: 289/29. [2] تفسیر الطبری: 290/29. [3] تفسیر الطبری: 290/29. [4] تفسیر الطبری: 290/29.

اللہ نہایت زبردست (اور) خوب بدلہ لینے والا ہے۔ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے) اور سب لوگ اللہ یگانہ و نہایت زبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔'' تو وہی فیصلے کا دن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿13﴾ ﴾ ''فیصلے کے دن کے لیے۔'' پھر اس دن کی عظمت شان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿14﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿15﴾ ﴾ ''اور آپ کو کس چیز نے معلوم کروایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے، اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی کل ان کے لیے اللہ کے عذاب کی وجہ سے ہلاکت ہوگی۔

تفسیر آیات:16-28

قدرت کے کرشموں میں عبرت کے نمایاں پہلو: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿16﴾ ﴾ ''کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر ڈالا۔'' یعنی پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے پیش کردہ دین و شریعت کی مخالفت کرنے والوں کو، ﴿ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿17﴾ ﴾ ''پھر ہم ان کے پچھلوں کو بھی ان کے پیچھے لگائیں گے۔'' یعنی جو ان جیسے ہیں، ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کریں گے، اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿18﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿19﴾ ﴾ ''ہم گناہ گاروں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' یہ امام ابن جریر کا قول ہے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر احسان کرتے ہوئے اور بدءِ خلق سے اس کے اعادے پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿20﴾ ﴾ ''کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟'' یعنی جو باری تعالیٰ کی قدرت کی نسبت سے بہت ہی ضعیف اور حقیر ہے جیسا کہ حدیث بُسر بن جحاش میں ہے: [اِبْنَ آدَمَ! أَنّٰى تُعْجِزُنِي وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ مِّثْلِ هٰذِهِ؟] ''ابن آدم! تو مجھے کس طرح عاجز کر سکتا ہے، حالانکہ میں نے تو تجھے اس طرح کی چیز سے پیدا کیا ہے؟''[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿21﴾ ﴾ ''پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔'' یعنی اسے رحم میں جمع کر دیا اور اس سے مراد مرد اور عورت کے پانی کا (وہاں) ٹھہرنا ہے اور اس مقصد کی خاطر رحم کو تیار کیا گیا ہے جو اس پانی کی حفاظت کرتا ہے جسے اس میں رکھا گیا ہو۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿22﴾ ﴾ ''ایک معین اندازے تک۔'' یعنی چھ یا نو ماہ کی ایک معین مدت تک، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿23﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''پھر ہم نے اندازہ لگایا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ لگانے والے ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿25﴾ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿26﴾ ﴾ ''کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا (یعنی) زندوں اور مردوں کو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ كِفَاتًا ﴿25﴾ ﴾ کے معنی ہیں چھپانے والی۔[3] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ زمین میت کو اس طرح چھپا لیتی ہے کہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔[4] امام شعبی فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ زمین کا باطن تمھارے مُردوں اور ظاہر تمھارے زندوں کے لیے ہے۔[5] امام مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[6] ﴿ وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ ﴾ ''اور ہم

---

[1] تفسیر الطبری: 291/29. [2] مسند أحمد: 210/4. [3] تفسیر الطبری: 293/29. [4] الدر المنثور: 494/6.
[5] تفسیر الطبری: 294/29. [6] تفسیر الطبری: 294/29.

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿29﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿30﴾

(کہا جائے گا:) چلو اس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے ﴿29﴾ چلو تین شاخوں والے سائے (دھوئیں) کی طرف ﴿30﴾

لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿31﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿32﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ

نہ ٹھنڈک پہنچانے والا اور نہ شعلوں سے بچاؤ کرے ﴿31﴾ بے شک جہنم (آگ کے اتنے بڑے) شرارے پھینکے گا جیسے محل ﴿32﴾ گویا وہ زرد

صُفْرٌ ﴿33﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿34﴾ هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿35﴾ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ

اونٹ ہوں ﴿33﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿34﴾ یہ (وہ) دن ہے کہ (لوگ) بول نہیں سکیں گے ﴿35﴾ اور نہ انھیں اذن ملے گا

فَیَعْتَذِرُوْنَ ﴿36﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿37﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِیْنَ ﴿38﴾

کہ وہ معذرت کر سکیں ﴿36﴾ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے تباہی ہے ﴿37﴾ یہ فیصلے کا دن ہے، ہم تمھیں اور پہلوں کو جمع کریں گے ﴿38﴾

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَیْدٌ فَكِیْدُوْنِ ﴿39﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿40﴾ ع 1 40 21

پھر اگر تمھارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف چلو ﴿39﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ﴿40﴾

نے اس میں مضبوط اونچے اونچے پہاڑ بنا (کر رکھ) دیے۔'' تاکہ زمین نہ ہلے اور نہ ڈگمگائے، ﴿ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿27﴾ ﴾ ''اور ہم نے تمھیں میٹھا پانی پلایا۔'' یعنی بادلوں سے یا زمین کے چشموں سے ہم نے تمھیں آبِ زُلال پلایا۔ ﴿ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو ان مخلوقات پر جو اپنے خالق کی عظمت پر دلالت کر رہی ہیں، غور کرنے کے باوجود تکذیب اور کفر کی روش اختیار کریں۔

تفسیر آیات: 40-29

مجرموں کو جہنم رسید کرنا: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آخرت، جزا و سزا اور جنت و جہنم کی تکذیب کرنے والے کافروں سے قیامت کے دن کہا جائے گا: ﴿ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''جس چیز کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کی طرف چلو۔'' ﴿ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿30﴾ ﴾ ''(یعنی) اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔'' یعنی جہنم کی آگ کے شعلے جب بلند ہوں گے اور اس کے ساتھ دھواں بھی اٹھے گا تو شدت و قوت کی وجہ سے اس کی تین شاخیں ہو جائیں گی، ﴿ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿31﴾ ﴾ ''نہ ٹھنڈی چھاؤں والا اور نہ شعلوں (کی تپش) سے کوئی فائدہ دے گا۔'' یعنی جہنم کی آگ کے شعلوں سے اٹھنے والا دھواں حقیقت میں سایہ نہیں ہوگا اور نہ آتش جہنم ہی سے وہ بچا سکے گا۔ ﴿ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿32﴾ ﴾ ''بلاشبہ وہ (جہنم اتنی بڑی) چنگاریاں پھینکے گا جیسے محل (ہیں۔)'' یعنی اس کے شعلوں سے محلوں جتنی بڑی بڑی چنگاریاں اڑیں گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قلعوں کی طرح بڑی بڑی۔ [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے اور مالک نے زید بن اسلم سے اور دیگر ائمہ نے بھی روایت کیا ہے کہ درخت کے تنوں کی طرح بڑی بڑی چنگاریاں ہوں گی۔ [2] ﴿ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿33﴾ ﴾ ''گویا وہ (چنگاریاں سیاہی مائل) زرد اونٹ ہیں۔'' یعنی وہ سیاہ اونٹوں کی طرح ہوں

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3393/10. ② تفسیر الطبري: 297/29 و تفسیر القرطبي: 164,163/19.

گی۔ یہ مجاہد، حسن، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے اور امام ابن جریر طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے [1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اس سے مراد کشتیوں کے رسے ہیں۔ [2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم تین ہاتھ کی یا اس سے بھی بڑی لکڑی لیتے اور اسے مکان بنانے کے لیے استعمال کرتے اور اسے قصر کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ ﴿ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴾ ''گویا کہ وہ (چنگاریاں سیاہی مائل) زرد اونٹ ہیں۔'' کشتیوں کی رسیوں کو جمع کیا جاتا ہے تو وہ اوسط مردوں کی جسامت جتنی ہو جاتی ہیں۔ [3] ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

مجرموں کی روز قیامت عاجزی و درماندگی: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴾ ''یہ وہ دن ہے کہ (لوگ) بول نہیں سکیں گے۔'' یعنی کلام نہیں کر سکیں گے ﴿ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴾ ''اور نہ انھیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر (پیش) کریں۔'' یعنی نہ وہ کلام کرنے کی قدرت رکھتے ہوں گے اور نہ انھیں اس کی اجازت ہی دی جائے گی کہ وہ کوئی عذر پیش کر سکیں بلکہ ان پر حجت قائم ہو چکی ہوگی، ان کے ظلم کی وجہ سے بات ان کے خلاف پکی ہو چکی ہوگی۔ وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔

میدانِ حشر میں مختلف حالات ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان میں سے کبھی ایک حالت کے بارے میں بیان فرما دیتا ہے اور کبھی دوسری حالت کے بارے میں تاکہ معلوم ہو کہ اس دن کی ہولناکیاں کس قدر شدید ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ اس سلسلۂ کلام میں ہر فصل کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴾ ''یہی فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمھیں اور پہلے لوگوں کو جمع کیا ہے، اگر تمھیں کوئی چال آتی ہے تو میرے خلاف چلو۔'' یہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ اس نے اپنی قدرت کے ساتھ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کر دیا ہے کہ پکارنے والا انھیں آواز سنا رہا ہے اور آنکھ انھیں دیکھ سکتی ہے۔ اگر تمھیں کوئی چال آتی ہے تو میرے خلاف چلو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو میرے قبضے سے چھڑا سکتے ہو اور میرے حکم سے بچ سکتے ہو تو زور لگا دیکھو مگر تم ایسا نہیں کر سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴾ (الرحمٰن 55:33) ''اے گروہ جن وانس! اگر تمھیں قدرت ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل سکتے ہی نہیں (اور وہ زور تم میں کہاں!)'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ ﴾ (ھود 11:57) ''اور تم اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے۔'' اور حدیث میں ہے: [يَا عِبَادِي! إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي، وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي] ''اے میرے بندو! تم میرے نقصان تک نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان

① تفسیر الطبری:300,299/29. ② تفسیر الطبری:300,299/29. ③ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴾ (المرسلٰت 77:33)، حدیث:4933.

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿41﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿42﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا

بے شک متقی لوگ چھاؤں میں اور بہتے چشموں میں ہوں گے ﴿41﴾ اور (لذیذ) میووں میں جس قسم کے وہ چاہیں گے ﴿42﴾ (کہا جائے گا:) مزے سے کھاؤ

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿44﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿45﴾

اور پیو، اس کے بدلے میں جو تم عمل کرتے رہے ﴿43﴾ بے شک ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ﴿44﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿45﴾

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿46﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا

(اے جھٹلانے والو!) تم (دنیا میں) تھوڑا سا کھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ، بے شک تم مجرم ہو ﴿46﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿47﴾ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿48﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ

ان سے کہا جائے (اللہ کے آگے) رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے ﴿48﴾ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿49﴾ پھر اس (قرآن)

بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿50﴾ ع 2 10 22

کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ﴿50﴾

پہنچا سکو اور نہ تم میرے نفع ہی تک پہنچ سکتے ہو کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔''﴿1﴾

تفسیر آیات: 41-50

پرہیز گاروں کا انجام: اللہ تعالیٰ اپنے ان پرہیز گار بندوں کے بارے میں مطلع فرما رہا ہے کہ جنھوں نے اس کی عبادت کی، واجبات کو ادا کیا اور محرمات سے اجتناب کیا تو وہ قیامت کے دن باغات اور چشموں میں ہوں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے بدبخت سخت سیاہ اور بدبودار دھویں میں ہوں گے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''اور (لذیذ) میووں میں جس قسم کے وہ چاہیں گے۔'' یعنی پرہیز گاروں کو ان کی طلب اور حسبِ خواہش تمام انواع واقسام کے پھل بھی ملیں گے ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ ﴾ ''جو عمل تم کرتے رہے تھے، اس کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ ان سے بطور احسان فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک نئی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''بلاشبہ ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' جبکہ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

منکرین قیامت کو سرزنش: فرمان الٰہی ہے: ﴿ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿46﴾ ﴾ ''تم کھالو اور تھوڑا سا فائدہ اٹھالو، بے شک تم گناہ گار ہو۔'' یہ قیامت کے دن کو جھٹلانے والوں سے خطاب ہے اور یہ کھانے اور فائدہ اٹھانے کا حکم تہدید و وعید کے طور پر ہے کہ بہت ہی معمولی اور تھوڑی سی مدت کے لیے تم فائدہ اٹھالو، پھر تمھیں اس آتشِ جہنم کے سپرد کیا جائے گا جس کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:24)

﴿1﴾ صحيح مسلم، البر والصلة......، باب تحريم الظلم، حديث: 2577 عن أبي ذر رضی اللہ عنہ.

''ہم انھیں تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ؕ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ۝ ﴾ (یونس 70,69:10) ''بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر انھیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم انھیں شدید عذاب (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ ارۡکَعُوۡا لَا یَرۡکَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکو تو جھکتے نہیں۔'' یعنی جب ان جاہل کافروں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ نمازیوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرو تو وہ اس حکم کو مانتے نہیں بلکہ تکبر کا اظہار کرتے ہوئے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، اسی لیے فرمایا کہ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے اور پھر آخر میں فرمایا: ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ﴾ ''پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟'' یعنی اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کون سا کلام ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ﴾ (الجاثية 6:45) ''تو وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟''

سورۂ مرسلٰت کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ، وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

تفسیر سورۂ نبا

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ① عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ② الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ③ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ④

وہ باہم کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟① اس عظیم خبر کے بارے میں② جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں③ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے④

ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ⑤ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِہٰدًا ⑥ وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ⑦ وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ⑧

پھر ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے⑤ کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟⑥ اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟)⑦ اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا⑧

وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ⑨ وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ⑩ وَّ جَعَلۡنَا النَّہَارَ مَعَاشًا ⑪ وَّ بَنَیۡنَا

اور ہم نے تمھاری نیند کو آرام (کا ذریعہ) بنایا⑨ اور ہم نے رات کو (تمھارے لیے) لباس بنایا⑩ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا⑪ اور ہم نے

فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ⑫ وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّہَّاجًا ⑬ وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً

تمھارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے⑫ اور ہم نے ایک روشن چراغ (سورج) بنایا⑬ اور ہم نے بھرے بادلوں سے خوب برسنے والا پانی نازل

ثَجَّاجًا ⑭ لِّنُخۡرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ⑮ وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ⑯

کیا⑭ تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اناج اور سبزہ نکالیں⑮ اور گھنے باغات (اگائیں)⑯

تفسیر آیات:1-16

مشرکین کے انکارِ قیامت کی تردید: مشرکین قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے انکار کی وجہ سے اس کے بارے میں جو سوال کرتے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ① عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ②﴾ یعنی یہ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ قیامت کے بارے میں جو ایک بہت بڑی خبر ہے، یعنی بہت ہولناک اور خوفناک اطلاع ہے۔ ﴿الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ③﴾ ''جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔'' یعنی اس کے بارے میں دو طرح کے لوگ ہیں، کچھ اسے ماننے والے اور کچھ اس کا انکار کرنے والے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کو ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: ﴿کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ④ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ⑤﴾ ''ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے، پھر ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے۔'' یہ بہت بڑی سرزنش ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتیں موت کے بعد زندگی کی دلیل ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عظیم الشان قدرت کو بیان کرنا

شروع فرمایا جس کے ذریعے سے وہ عجیب وغریب امور کی تدبیر کرتا ہے اور مختلف اشیاء پیدا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت کاملہ اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ وہ قیامت قائم کرنے پر بھی قادر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ ﴾ ''کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟'' یعنی زمین کو مخلوقات کے لیے بچھا دیا ہے، اسے ان کے تابع کر دیا اور ان کے لیے مسکن اور جائے قرار بنا دیا ہے ﴿ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ ﴾ ''اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟)'' یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا کر زمین میں گاڑ دیا اور ان کے ذریعے سے زمین کو مضبوط کر دیا، اسے ثبات وقرار بخشا جس کی وجہ سے وہ ساکن ہوگئی ہے اور اپنے اوپر رہنے والوں کو حرکت نہیں دیتی۔ پھر فرمایا: ﴿ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔'' یعنی مرد اور عورت کا جوڑا بنایا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتا ہے، پھر اس سے افزائش نسل کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ ﴾ (الروم 30:21) ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے تمھاری نیند کو (موجب) آرام بنایا۔'' یعنی نیند سے تمھاری حرکات کو روک دیا تاکہ دن میں معیشت کے لیے دوڑ دھوپ کرنے اور کثرت سے چلنے پھرنے کی وجہ سے لاحق ہونے والی تھکاوٹ دور ہو کر راحت حاصل ہو جائے۔ قبل ازیں سورۂ فرقان میں بھی اس مفہوم کی ایک آیت گزر چکی ہے۔ [1]

﴿ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے رات کو پردہ بنایا۔'' یعنی رات کی تاریکی اور سیاہی لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝ ﴾ (الشمس 91:4) ''اور رات کی قسم! جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لیتی ہے۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رات کو ہم نے تمھارے آرام وسکون کے لیے بنایا ہے۔ [2] ﴿ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا۔'' یعنی دن کو چمکدار اور روشن بنا دیا تاکہ لوگ اس میں تصرف کر سکیں، ادھر ادھر آجا سکیں، روزی کما سکیں، تجارت کر سکیں اور دیگر تمام امور بجا لا سکیں۔ ﴿ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے تمھارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔'' یعنی یہ سات آسمان جو بے حد وحساب وسیع و عریض، بلند، مضبوط و مستحکم اور ستاروں اور سیاروں کے ساتھ مزین ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے ایک روشن چراغ (سورج) بنایا۔'' یعنی یہ آفتاب جو ساری دنیا پر چمک رہا ہے اور تمام اہل زمین کے لیے کرن کرن اجالا کر رہا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَاۗءً ثَجَّاجًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے بھرے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔'' علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ الْمُعْصِرٰتِ ﴾ سے مراد بادل ہیں۔ [3] عکرمہ، ابو العالیہ، ضحاک، حسن، ربیع بن انس اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور امام ابن جریر

[1] دیکھیے الفرقان 25:47. [2] تفسیر الطبری: 6/30. [3] تفسیر الطبری: 8/30.

نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[1] فراء کہتے ہیں کہ ﴿ الْمُعْصِرٰتِ ﴾ سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے بھرے ہوں مگر ابھی تک برسے نہ ہوں جیسا کہ اِمْرَأَةٌ مُّعْصِرٌ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے حیض کا وقت قریب آ گیا ہو مگر ابھی تک حیض شروع نہ ہوا ہو۔[2] یہ آیت اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ﴾ (الروم 30:48) ''اللہ ہی تو ہے جو ہوائیں چلاتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر اللہ اسے جس طرح چاہتا ہے، آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے بارش نکلتی ہے۔'' یعنی اس کے درمیان سے۔

مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس نے اللہ جل جلالہ کے فرمان: ﴿ مَآءً ثَجَّاجًا ﴾ کے معنی موسلا دھار کے بیان کیے ہیں۔[3] امام ثوری نے اس کے معنی متواتر کے بیان کیے ہیں[4] اور ابن زید نے اس کے معنی کثیر کے بیان کیے ہیں۔[5] حدیث مستحاضہ میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون (حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا) سے فرمایا: [أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ] ''میں تمھارے لیے روئی کا استعمال تجویز کرتا ہوں۔'' یعنی یہ کہ تم روئی کا پھاہا رکھ لیا کرو تو انھوں نے عرض کی: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ، إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا ''(یا رسول اللہ!) خون بہت زیادہ ہے، میں تو ہر وقت بڑی کثرت سے خون بہاتی رہتی ہوں۔''[6] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسلسل اور کثرت سے بہنے کے لیے ثَجّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴾ '' تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اناج اور سبزہ نکالیں اور گھنے باغات (اگائیں۔)'' یعنی تاکہ ہم اس کثیر، پاکیزہ، نفع بخش اور بابرکت پانی سے اناج پیدا کریں جسے انسانوں اور حیوانوں کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے اور سبزیاں جنھیں تازہ حالت ہی میں کھایا جاتا ہے۔ اور باغات جن میں مختلف انواع و اقسام کے مختلف رنگوں، مختلف ذائقوں اور مختلف خوشبوؤں کے پھل ہوتے ہیں، خواہ یہ باغات ایک ہی قطعہ زمین میں کیوں نہ واقع ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ ﴿ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴾ کے معنی ہیں گھنے باغات۔[7] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ ﴾ (الرعد 13:4) ''اور زمین میں کئی طرح کے ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت کئی تنوں والے اور ایک تنے والے جنھیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ اور ہم ان میں سے بعض کو بعض پر پھل میں فوقیت دیتے ہیں۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔''

---

[1] تفسیر الطبری: 30/8 و تفسیر القرطبی: 19/172 و الدر المنثور: 6/500. [2] تفسیر البغوی: 5/200. [3] تفسیر الطبری: 30/9. [4] تفسیر الطبری: 30/9. [5] فتح القدیر: 5/440. [6] سنن أبی داود، الطهارة، باب إذا أقبلت الحیضة تدع الصلاة، حدیث: 287 و سنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب ماجاء فی البكر إذا ابتدئت......، حدیث: 627 عن حَمْنَة بنت جَحْش رضی اللہ عنہا. [7] تفسیر الطبری: 30/10 و تفسیر ابن أبی حاتم: 10/3394.

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ⑰ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ⑱ وَفُتِحَتِ

بے شک فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے ⑰ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے ⑱ اور آسمان کھول دیا جائے

السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ⑲ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ⑳ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ

گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے ⑲ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب (ریت) کی طرح ہو جائیں

مِرْصَادًا ㉑ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ㉒ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ㉓ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا

گے ⑳ بے شک دوزخ تاک میں ہے ㉑ سرکشوں کا ٹھکانا ہے ㉒ وہ اس میں مدتوں پڑے رہیں گے ㉓ وہ اس میں کسی ٹھنڈک کا مزہ

شَرَابًا ㉔ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ㉕ جَزَاءً وِفَاقًا ㉖ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ㉗

چکھیں گے نہ کسی مشروب کا ㉔ (ہاں) مگر کھولتا پانی اور بہتی پیپ ㉕ (یہ ہے) بدلہ پورا ㉖ انھیں تو حساب کی امید ہی نہ تھی ㉗

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ㉘ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ㉙ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ

اور انھوں نے ہماری آیات کو بے دریغ جھٹلایا ㉘ اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں گن رکھا ہے ㉙ لہٰذا اب تم (اپنے کیے کا مزہ) چکھو، ہم تمھارا

ع 1 30 1 إِلَّا عَذَابًا ㉚

عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے ㉚

تفسیر آیات:17-30

﴿يَوْمَ الْفَصْلِ﴾ کی تفسیر: اللہ تعالیٰ یوم الفصل، یعنی قیامت کے دن کے بارے میں فرما رہا ہے کہ اس کا وقت مقرر اور معین ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی لیکن اس کے اس معین وقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ﴾ (هود 104:11) ”اور ہم اس میں صرف ایک مقرر وقت تک ہی تاخیر کررہے ہیں۔“ ﴿يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ⑱﴾ ”جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے۔“ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿أَفْوَاجًا ⑱﴾ کے معنی ہیں کہ تم گروہ گروہ بن کر آؤ گے۔[1] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر امت اپنے اپنے رسول کے ساتھ آئے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ (بنیٓ إسراءیل 71:17) ”جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے۔“[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ﴿يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ⑱﴾ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَابَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ] ”دونوں نفخوں کا درمیانی فاصلہ چالیس ہوگا۔“ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے پوچھا: چالیس دن؟ انھوں نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا۔ شاگردوں نے پوچھا: چالیس ماہ؟ انھوں نے کہا: مجھے خبر نہیں۔ شاگردوں نے پوچھا: چالیس سال؟ انھوں نے کہا: میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلٰى، إِلَّا

① تفسير الطبري :12/30. ② تفسير الطبري :12/30.

عَظْمًا وَّاحِدًا، وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح فصل اگتی ہے، انسان کی ریڑھ کی ہڈی کی دمچی کے سوا ہر چیز بوسیدہ ہوجائے گی، اسی سے قیامت کے دن مخلوق کو (دوبارہ) جوڑا جائے گا۔''[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ ﴾ ''اور آسمان کھولا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے۔'' یعنی فرشتوں کے نازل ہونے کے لیے راستے بن جائیں گے۔ ﴿ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ ﴾ ''اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب (ریت) بن جائیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ﴾ (النمل 27:88) ''اور آپ پہاڑوں کو دیکھیں گے تو انھیں (اپنی جگہ) جمے ہوئے سمجھیں گے، حالانکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ ﴾ (القارعة 101:5) ''اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون جیسے ہوجائیں گے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ ﴾ ''تو وہ سراب (ریت) بن جائیں گے۔'' یعنی دیکھنے والا یہ خیال کرے گا کہ یہ کوئی چیز ہیں، حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں ہوں گے اور پھر اس کے بعد بالکل ختم ہوجائیں گے اور ان کا نام ونشان تک بھی نظر نہ آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ ﴾ (طٰه 20:105-107) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا، پھر وہ اس (زمین) کو چٹیل میدان بنا چھوڑے گا جس میں آپ نہ کوئی کجی (اور پستی) دیکھیں گے اور نہ ابھری جگہ۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ (الکهف 18:47) ''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلی (میدان کی طرح) دیکھیں گے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ ﴾ ''بے شک دوزخ گھات میں ہے۔'' یعنی گھات لگائے تیار ہے۔ ﴿ لِّلطَّاغِيْنَ ﴾ سرکشوں، نافرمانوں اور رسولوں کی مخالفت کرنے والوں کے لیے ﴿ مَاٰبًا ۝ ﴾ مرجع و ماوٰی، ٹھکانا اور جگہ ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا ۝ ﴾ ''وہ اس میں مدتوں پڑے رہیں گے۔'' أَحْقَاب، حُقُب کی جمع ہے اور حُقُب زمانے کی ایک طویل مدت کو کہتے ہیں۔ خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور: ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾ (هود 11:107) ''(جہنمی جب تک آسمان و زمین قائم ہیں جہنم میں رہیں گے) مگر جو آپ کا رب چاہے۔'' یہ دونوں آیتیں توحید کا اقرار کرنے والوں کے لیے ہیں۔ اسے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے[2] اور امام ابن جریر نے سالم سے یہ روایت کیا ہے کہ میں نے سنا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ أَحْقَاب کی کوئی مدت معین نہیں ہے بلکہ اس سے جہنم میں ہمیشہ رہنا مراد ہے، ہاں، البتہ ائمۂ تفسیر نے یہ ذکر کیا ہے کہ

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ﴾ (النبا 78:18)، حديث: 4935. ② تفسير الطبري: 16/30.

حُقُب ستر سال کا ہوگا جس کا ہر ایک دن تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔[1] سعید نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اَحْقَابًا ﴾ ایسی مدت کو کہتے ہیں جو کبھی ختم نہ ہو اور جب ایک حُقُب گزر جائے گا تو اس کے بعد دوسرا حُقُب آ جائے گا، ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حُقُب اَسّی (80) سال کا ہوتا ہے۔[2] ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ان أَحقَاب کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک حُقُب اَسّی سال کا ہوگا اور ایک سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوگا اور ایک دن تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ ان دونوں اقوال کو بھی امام ابن جریر ہی نے روایت کیا ہے۔[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴾ ''وہ اس میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کوئی پینے کی چیز۔'' یعنی انھیں جہنم میں اپنے دلوں کے لیے نہ کوئی ٹھنڈک کا سامان ملے گا اور نہ پینے کے لیے کوئی پاکیزہ مشروب ہی نصیب ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴾ ''مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔'' ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ مشروب سے گرم پانی اور ٹھنڈک سے پیپ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔[4] ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[5] حمیم اس گرم پانی کو کہتے ہیں کہ جس کی حرارت انتہا کو پہنچ گئی ہو اور اسے مزید گرم کیا جا رہا ہو اور غساق جہنمیوں کی جمع ہونے والی پیپ، پسینہ، آنسو اور زخموں سے بہنے والا مواد ہوگا جو اس قدر ٹھنڈا اور بد بودار ہوگا کہ ٹھنڈک اور بدبو کی شدت کی وجہ سے ناقابل برداشت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم کے ساتھ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴾ ''(یہ) بدلہ ہے پورا پورا'' یعنی یہ سزا جس سے یہ دو چار ہوئے ہیں، یہ ان کے ان اعمال فاسدہ کے مطابق ہی ہے جنھیں یہ دنیا میں سرانجام دیا کرتے تھے۔ یہ مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمہ کا قول ہے۔[6] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴾ ''بلاشبہ وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔'' یعنی ان کا یہ عقیدہ ہی نہ تھا کہ کوئی ایسا گھر بھی ہے جس میں ان سے حساب لے کر انھیں سزا دی جائے گی۔ ﴿ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴾ ''اور انھوں نے ہماری آیتوں کو بے دریغ جھٹلایا۔'' یعنی مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ان دلائل و براہین کو جھٹلاتے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، ان دلائل کا یہ لوگ تکذیب اور عناد کے ساتھ مقابلہ کیا کرتے تھے۔ ﴿ كِذَّابًا ﴾ بغیر فعل کے مصدر ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴾ ''اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔'' یعنی ہم بندوں کے تمام اعمال کو جانتے ہیں، انھیں ہم نے لکھ رکھا ہے اور عنقریب انھی کے مطابق ہم بدلہ دیں گے، اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا بدلہ دیں گے اور اگر اعمال برے ہوئے تو برا بدلہ دیں گے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴾ ''لہٰذا تم (اب اپنے کیے کا مزہ) چکھو، ہم تمھارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے۔'' یعنی جہنمیوں سے یہ کہا جائے گا کہ تم اسی

① تفسير الطبرى: 15/30. ② تفسير الطبرى: 15/30. ③ تفسير الطبرى: 15/30. ④ الدر المنثور: 503/6.
⑤ تفسير الطبرى: 17/30. ⑥ تفسير الطبرى: 20/30.

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿31﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿32﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿33﴾ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿34﴾

بے شک متقی لوگوں کے لیے کامیابی ہے ﴿31﴾ باغات اور انگور ہیں ﴿32﴾ اور نوجوان ہم عمر عورتیں (ہیں) ﴿33﴾ اور چھلکتے ہوئے جام ہیں ﴿34﴾ وہ جنت میں نہ تو

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿35﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿36﴾

بے ہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹ ﴿35﴾ انھیں آپ کے رب کی طرف سے (نیک اعمال کا یہ) بدلہ ملے گا جو ان کے لیے کافی انعام ہوگا ﴿36﴾

عذاب کا مزہ چکھو جس میں تم مبتلا ہو، ہم تم پر اس قسم یا دوسری اور قسم کے عذابوں میں اضافہ ہی کرتے چلے جائیں گے۔ امام قتادہ نے ابو ایوب ازدی سے اور انھوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل جہنم کے بارے میں اس سے زیادہ سخت اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، جہنمیوں کے عذاب میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔[1]

تفسیر آیات:31-36

پرہیزگاروں کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے: اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کا اور ان کے لیے اس نے جو عزت وتکریم اور ابدی و سرمدی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿31﴾﴾ ''بے شک پرہیزگاروں کے لیے کامیابی ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿مَفَازًا ﴿31﴾﴾ کے معنی سیر وتفریح کی جگہ کے ہیں۔[2] مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو گئے اور جہنم سے نجات پا گئے۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿حَدَآئِقَ﴾ ''باغات'' یعنی کھجوروں وغیرہ کے باغات۔ ﴿وَاَعْنَابًا ﴿32﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿33﴾﴾ ''اور انگور اور ہم عمر نوجوان عورتیں۔'' یعنی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دیگر ائمہ نے فرمایا ہے کہ ﴿كَوَاعِبَ﴾ کے معنی نَوَاهِد کے ہیں، یعنی ابھرے ہوئے۔[4] مطلب یہ کہ ان کے پستان ابھرے ہوئے ہوں گے۔ ڈھلکے ہوئے نہیں ہوں گے کیونکہ وہ کنواریاں، اپنے شوہروں کی محبوب اور ان کی ہم عمر ہوں گی جیسا کہ سورۂ واقعہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔[5] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿34﴾﴾ ''اور (شراب کے) چھلکتے ہوئے جام۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ جام لبریز ہوں گے اور بار بار پیش کیے جائیں گے۔[6] حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ وہ صاف شفاف ہوں گے۔[7] مجاہد، حسن، قتادہ اور ابن زید فرماتے ہیں کہ وہ بھرے ہوئے اور لبریز ہوں گے۔[8] ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿35﴾﴾ ''وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (خرافات۔)'' جیسا کہ فرمایا: ﴿لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ○﴾ (الطور 23:52) ''اس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ (کا کام۔)'' یعنی اس میں نہ کوئی لغو کلام ہوگا جو فائدے سے خالی ہو اور نہ کوئی جھوٹ اور گناہ کا کام بلکہ وہ تو سلامتی کا گھر ہوگا اور اس میں ہر چیز نقص اور عیب سے پاک صاف ہوگی۔

---

[1] تفسیر الطبری:30/22. [2] تفسیر الطبری:30/23 وتفسیر البغوی:5/202. [3] تفسیر الطبری:30/23,22. [4] تفسیر الطبری:30/2423 والدر المنثور:6/505. [5] دیکھیے الواقعۃ، آیات:35-37 کے ذیل میں۔ [6] تفسیر الطبری:30/26. [7] تفسیر الطبری:30/25. [8] تفسیر الطبری:30/25.

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿37﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ

جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام اشیا کا رب ہے، نہایت مہربان ہے، وہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہیں رکھیں گے ﴿37﴾ جس دن جبریل

وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿38﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ

اور (سب) فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے ہوں گے، اس سے صرف وہی کلام کر سکے گا جسے رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا ﴿38﴾ یہ دن

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿39﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا

برحق ہے، چنانچہ جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے ﴿39﴾ بے شک ہم نے تمھیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرادیا ہے، اس دن انسان وہ (سب

قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿40﴾ ع 2 15 2

کچھ) دیکھے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوگا اور کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا ﴿40﴾

ارشاد الٰہی ہے: ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿36﴾﴾ ''انھیں آپ کے رب کی طرف سے (نیک اعمال کا یہ) بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا۔'' یعنی یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے انھیں صلہ دیا ہے اور اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان سے ایسا عطیہ دیا ہے جو کافی، وافی اور بے پایاں ہے۔ عرب کہتے ہیں: أَعْطَانِي فَأَحْسَبَنِي ''اس نے مجھے دیا اور کافی دیا۔'' اسی محاورے کے مطابق ہے: حَسْبِيَ اللّٰهُ ''مجھے اللہ ہی کافی ہے۔''

تفسیر آیات:37-40

اجازت کے بغیر کوئی اللہ کے سامنے بول نہ سکے گا: اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلالت کے بارے میں آگاہ فرما رہا ہے، نیز اس بات سے بھی مطلع کر رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا مالک ہے اور وہ رحمٰن ہے کہ اس کی رحمت ہر چیز کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿37﴾﴾ ''وہ اس سے کوئی بات کرنے کی قدرت نہیں رکھیں گے۔'' یعنی اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس سے گفتگو کرنے کی ابتدا نہ کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرة 2:255) ''کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر (کسی کی) سفارش کر سکے۔'' اور فرمایا: ﴿يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (هود 11:105) ''(جب) وہ دن آجائے گا تو کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا۔''

فرمان الٰہی: ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ﴾ ''جس دن روح (جبریل) اور فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوں گے، وہ کلام نہیں کر سکیں گے۔'' روح سے مراد یہاں حضرت جبریل ہیں، یہ امام شعبی، سعید بن جبیر اور ضحاک کا قول ہے۔[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿193﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿194﴾﴾ (الشعرآء 26:193,194) ''اس (قرآن) کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے، آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔'' مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ روح تمام فرشتوں سے افضل، اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مقرب اور

① تفسير الطبري: 29/30 و تفسير القرطبي: 186/19.

صاحب وحی ہے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ ﴾ ''مگر وہ جسے رحمٰن اجازت دے گا۔'' یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ (هود 105:11) ''(جب) وہ دن آجائے گا تو کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا۔'' اور جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: [وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ] ''اس دن رسولوں کے سوا اور کوئی بات نہ کر سکے گا۔''[2] فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَقَالَ صَوَابًا ﴾ ''اور وہ درست بات کہے گا۔'' اس سے مراد حق بات ہے اور حق بات سے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مراد ہے جیسا کہ ابو صالح اور عکرمہ کا قول ہے۔[3] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ﴾ ''یہ دن برحق ہے۔'' یعنی لامحالہ وقوع پذیر ہونے والا ہے: ﴿ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴾ ''پس جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانا بنا لے۔'' یعنی لوٹنے کی جگہ اور ایسا راستہ جو اسے اس تک پہنچائے اور ایسا پروگرام جسے اختیار کر کے اس تک رسائی حاصل کر لے۔

قیامت قریب ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ﴾ ''بے شک ہم نے تمھیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن سے، ﴿ قَرِيبًا ﴾ اس لیے کہا کہ یہ یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والا ہے اور جو چیز بہرحال آنے ہی والی ہو وہ قریب ہی ہوتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ﴾ ''اس دن انسان وہ (سب کچھ) دیکھے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوگا۔'' یعنی اس کی زندگی کے تمام اچھے اور برے، پرانے اور نئے اعمال اس کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ﴾ (الكهف 49:18) ''اور انھوں نے جو عمل کیے تھے (سب کو) حاضر پائیں گے۔''

اور فرمایا: ﴿ يُنَبَّأُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴾ (القيمة 13:75) ''اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔'' ﴿ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴾ ''اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہوتا۔'' یعنی کافر اس دن اس بات کو پسند کرے گا کہ اے کاش! وہ دنیا کی زندگی میں مٹی ہوتا، اے کاش! وہ پیدا ہو کر عدم سے وجود میں آیا ہی نہ ہوتا، یہ خواہش وہ اس وقت کرے گا جب اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اور اپنے ان فاسد اعمال کو دیکھے گا

---

① الدر المنثور: 506/6 ملحوظہ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مقام پر ﴿ الرُّوحُ ﴾ کے متعلق چھ اقوال نقل کیے ہیں: (1) اس سے مراد انسانوں کی روحیں ہیں، (2) انسان ہیں (3) اللہ کی مخلوق میں سے کوئی خاص مخلوق ہے جو انسانوں جیسی صورتوں والے ہیں لیکن نہ فرشتے ہیں اور نہ انسان اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں (4) جبریل علیہ السلام ہیں (5) قرآن ہے (6) ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ اور آخر میں کہا کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے یہ اقوال ذکر کیے ہیں لیکن توقف کیا ہے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ ان میں سے کون سا قول درست ہے، (تفسير الطبري: 30/28-30) اور میرے نزدیک ان تمام اقوال میں سے سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد انسان ہیں، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. یہ وضاحت المصباح المنیر عربی میں نہیں ہے، اس لیے یہاں نقل کی گئی ہے۔ ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ...... ﴾ (القيمة 23,22:75)، حديث: 7437 و صحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حديث: 182 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ③ تفسير الطبري: 32,31/30.

جو لکھنے والے معزز، نیکوکار فرشتوں کے ہاتھوں نے لکھے ہوئے ہوں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کافر یہ خواہش اس وقت کرے گا جب اللہ تعالیٰ دنیا کے حیوانات کے فیصلے فرمائے گا اور ان کے بارے میں بھی اس کے فیصلے سراسر مبنی بر عدل ہوں گے۔ اور ان میں ذرہ بھر ظلم نہیں ہو گا حتی کہ وہ بے سینگ بکری کو بھی سینگ والی بکری سے بدلہ دلوائے گا اور جب ان میں فیصلہ کرنے کے بعد فارغ ہو جائے گا تو کہے گا کہ تو مٹی ہو جا تو وہ مٹی ہو جائے گی اور اس وقت کافر یہ خواہش کرے گا: ﴿ يَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا ﴾ ''اے کاش! میں مٹی ہوتا۔'' یعنی میں بھی حیوان ہوتا اور مٹی کی طرف لوٹ جاتا۔ یہ معنی مشہور حدیث صور میں بھی بیان ہوا ہے۔ ① اور اس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ سے بھی آثار مروی ہیں۔ ②

سورۂ نبا کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① الأحاديث الطوال للطبراني، حديث الصور: 104-114، حديث: 48 حدیثِ صور ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے شرح عقیدہ طحاویہ کی تخریج میں نقل کیا ہے۔ (شرح العقيدة الطحاوية: 232) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ صور مرسل ہے اور سنداً صحیح نہیں ہے۔ (الكامل لابن عدی: 453,452/1) تاہم اس میں مذکور بعض باتوں کی صحیح احادیث سے تائید ہوتی ہے، جیسے مندرجہ بالا بات صحیح حدیث میں مذکور ہے۔ (دیکھیے السلسلة الصحيحة: 607,606/4، حديث: 1966) نیز دیکھیے حدیث صور پر امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا کلام الأنعام، آیت: 73 کے ذیل میں۔ ② تفسير الطبری: 34,33/30.

تفسیر سورۂ نٰزِعٰت

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ① وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ② وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ③ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ④

قسم ہے ڈوب کر روح نکالنے والے (فرشتوں) کی① اور آسانی سے روح نکالنے والوں کی② اور تیزی سے تیرنے والوں کی③ پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ⑤ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ⑥ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ⑦ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ

کی④ پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی⑤ جس دن کانپنے والی (زمین) کانپے گی⑥ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی (قیامت)⑦ اس دن کئی دل

وَّاجِفَةٌ ⑧ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ⑨ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ⑩ ءَاِذَا كُنَّا

دھڑکتے ہوں گے⑧ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی⑨ وہ (کافر) کہتے ہیں: کیا ہم یقیناً پہلی حالت میں لوٹائے جائیں گے؟⑩ کیا جب ہم گلی

عِظَامًا نَّخِرَةً ⑪ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ⑫ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬

سڑی ہڈیاں ہو جائیں گے؟⑪ کہتے ہیں کہ اس وقت لوٹنا تو خسارے والا ہے⑫ چنانچہ وہ (قیامت) تو صرف ایک (خوفناک) ڈانٹ ہوگی⑬

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ⑭

تب لوگ ایک دم کھلے میدان میں (جمع) ہوں گے⑭

تفسیر آیات:1-14

قیامت کے وقوع پذیر ہونے پر پانچ قسمیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، سعید بن جبیر، ابو صالح، ابو الضحیٰ اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ① ﴾ "قسم ہے ڈوب کر روح نکالنے والوں کی" سے مراد فرشتے ہیں جو اس وقت ڈوب جاتے ہیں جب وہ انسانوں کی روحیں قبض کرتے ہیں۔[1] کچھ لوگوں کی روحیں وہ بہت مشکل سے نکالتے ہیں، انھیں نکالنے کے لیے وہ ان کے جسموں میں ڈوب جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کی روحیں بہت آسانی سے قبض کر لیتے ہیں، گویا ان کے انھوں نے بند کھول دیے ہوں، یہی معنی ہیں ﴿ وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ② ﴾ "اور آسانی سے روح نکالنے والوں کی" کے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[2]

اور ﴿ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ③ ﴾ "اور تیزی سے تیرنے والوں کی قسم!" کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

① تفسیر الطبری:36,35/30 و تفسیر القرطبي:190/19 والدر المنثور:509/6. ② تفسیر الطبری:37/30.

اس سے مراد فرشتے ہیں۔[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور ابو صالح سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] ﴿ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ ﴾ ”پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی“ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، مسروق، مجاہد، ابو صالح اور حسن بصری سے روایت ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔[3] ﴿ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ ﴾ ”پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی“ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، مجاہد، عطاء، ابو صالح، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور سدی سے روایت ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔[4]

قیامت کی ہولناکیاں: فرمان الٰہی ہے: ﴿ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ ﴾ ”جس دن کانپنے والی (زمین) کانپے گی۔ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی (قیامت۔)“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سے نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ (پہلی اور دوسری مرتبہ صور میں پھونکا جانا) مراد ہیں۔[5] امام مجاہد، حسن، قتادہ، ضحاک اور کئی ایک علماء کا یہی قول ہے۔[6] حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ ﴿ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ ﴾ سے مراد نفخہ اولیٰ ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ ﴾ (المزمّل 73:14) ”جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے۔“ اور نفخہ ثانیہ، یعنی دوسرے بھونچال کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ ﴾ (الحاقّة 69:14) ”اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی چوٹ سے ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔“[7] ﴿ قُلُوْبٌ یَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۝ ﴾ ”اس دن کئی دل دھڑکتے ہوں گے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَّاجِفَةٌ ۝ ﴾ کے معنی ہیں: خَائِفَةٌ ”ڈر رہے ہوں گے۔“[8] امام مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[9] ﴿ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ ﴾ ”ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی۔“ یعنی ان لوگوں کی آنکھیں جہنم کی ہولناکیوں کو دیکھنے کی وجہ سے ذلیل و حقیر اور جھکی ہوں گی۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ ۝ ﴾ ”وہ (کافر) کہتے ہیں: کیا ہم یقیناً پہلی حالت میں لوٹائے جائیں گے؟“ یعنی مشرکینِ عرب اور آخرت کا انکار کرنے والے ان کے ہمنوا قبروں میں جانے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کو بہت بعید سمجھتے ہیں، یہ امام مجاہد کا قول ہے۔[10] یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ان کے جسم لپٹ جائیں گے اور ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ کر گل سڑ جائیں گی تو ہم دوبارہ کیسے اٹھیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول ذکر کیا ہے: ﴿ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ ﴾ ”کیا جب ہم گلی سڑی ہڈیاں ہو جائیں گے؟“ اسے [نَاخِرَةً] بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: بوسیدہ۔[11] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی ہے کہ اس سے مراد وہ ہڈی ہے جو بوسیدہ ہو کر کھوکھلی ہو جائے اور اس میں ہوا داخل ہونے لگے۔[12] محمد بن کعب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ ﴾

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3397/10. ② تفسیر الطبری: 39/30 وتفسیر القرطبي: 193/19 وتفسیر البغوی: 205/5. ③ تفسیر الطبری: 39/30 وتفسیر القرطبي: 193/19 والدر المنثور: 509/6. ④ تفسیر الطبری: 40/30 وتفسیر ابن أبي حاتم: 3397/10 والدر المنثور: 509,508/6. ⑤ تفسیر الطبری: 40/30 وتفسیر القرطبي: 195/19. ⑥ تفسیر الطبری: 42-40/30 وتفسیر القرطبي: 195/19. ⑦ تفسیر الطبری: 42/30. ⑧ تفسیر الطبری: 43/30. ⑨ تفسیر الطبری: 43/30 والدر المنثور: 510/6. ⑩ تفسیر الطبری: 44/30. ⑪ تفسیر الطبری: 45/30. ⑫ تفسیر ابن أبي حاتم: 3398/10 عن مجاهد.

’’اس وقت لوٹنا تو خسارے والا ہے۔‘‘ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قریش نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد ہمیں زندہ کر دیا تو ہم ضرور خسارہ پائیں گے۔ ① اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ⑭ ﴾ ’’چنانچہ وہ (قیامت) تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی۔ تب لوگ ایک دم کھلے میدان میں (جمع) ہوں گے۔‘‘ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا امر ہوگا جسے ٹالا نہیں جاسکے گا، جب حکم ہوگا تو لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور دیکھنے لگیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا تو وہ مخلوق کے دوبارہ اٹھائے جانے کے لیے صور میں پھونکے گا تو اس سے سب اگلے پچھلے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 52:17) ’’جس دن وہ (اللہ) تمھیں بلائے گا تو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیلِ ارشاد کرو گے اور تم خیال کرو گے کہ بس تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝ ﴾ (القمر 50:54) ’’اور ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ط ﴾ (النحل 77:16) ’’اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا وہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔‘‘ فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ⑭ ﴾ ’’تب لوگ ایک دم کھلے میدان میں (جمع) ہوں گے۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سَاھِرَۃ سے مراد پوری زمین ہے۔ ② سعید بن جبیر، قتادہ اور ابو صالح کا بھی یہی قول ہے۔ ③ عکرمہ، حسن، ضحاک اور ابن زید کا قول ہے کہ سَاھِرَۃ سطح زمین کو کہتے ہیں۔ ④

مجاہد فرماتے ہیں کہ لوگ زمین کے اندر ہوں گے تو انھیں باہر نکال دیا جائے گا ⑤ اور فرماتے ہیں کہ سَاھِرَۃ سے مراد برابر زمین ہے۔ ⑥ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ ﴾ (إبراهيم 48:14) ’’جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے) اور لوگ اللہ واحد، قہر والے کے سامنے پیش ہوں گے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:105-107) ’’اور آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دیجیے: میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا، پھر وہ اس (زمین) کو چٹیل میدان (بنا) چھوڑے گا جس میں آپ نہ کوئی کجی (اور پستی) دیکھیں گے اور نہ ابھری جگہ۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ (الکهف 47:18) ’’اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل کھلا ہوا دیکھیں گے۔‘‘ یعنی وہ زمین جس پر پہاڑ تھے، صاف میدان کی صورت میں ظاہر ہو جائے گی، وہ اس زمین میں سے شمار

① تفسیر الماوردی: 196/6 و فتح القدیر: 453/5، لیکن تفسیر القرطبی: 198/19 میں لَنَخْسِرَنَّ ’’ضرور ہم خسارہ پائیں گے‘‘ کے بجائے لَنُحْشَرَنَّ بِالنَّارِ ’’ضرور ہمیں آگ میں جمع کیا جائے گا‘‘ کے الفاظ ہیں۔ ② تفسیر الطبری: 47/30. ③ تفسیر الطبری: 48/30. ④ تفسیر الطبری: 48,47/30 والدر المنثور: 512,511/6 . ⑤ الدر المنثور: 512/6. ⑥ تفسیر الطبری: 48,47/30 ملحوظہ: تفسیر ابن کثیر مفصل میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سَاھِرَۃ کے بارے میں کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد زمین کے اوپر کا حصہ ہے۔

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (15) اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (16) اِذْهَبْ اِلٰى

کیا آپ کے پاس موسیٰ کی بات آچکی ہے؟(15) جب اس کے رب نے مقدس وادی طویٰ میں اسے پکارا تھا(16) (کہ) فرعون کی طرف جاؤ،

فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (17) فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى (18) وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ

بے شک اس نے سرکشی کی ہے(17) پھر (اسے) کہو: کیا تجھے اس بات کی کوئی رغبت ہے کہ تو پاک ہو جائے؟(18) اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں

فَتَخْشٰى (19) فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (20) فَكَذَّبَ وَعَصٰى (21) ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى (22)

کہ تو ڈر جائے(19) چنانچہ اس (موسیٰ) نے اسے بڑی نشانی دکھائی(20) تو اس نے (اسے) جھٹلایا اور نافرمانی کی(21) پھر وہ پلٹا (فساد کی) کوشش کرتا ہوا(22)

فَحَشَرَ فَنَادٰى (23) فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (24) فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ

پھر سب کو جمع کر کے اعلان کیا(23) تو کہا: میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں(24) تب اللہ نے اسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب میں(25)

ع 1 26 3 وَالْاُوْلٰى (25) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (26)

بے شک اس میں اس کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے(26)

نہ ہوگی، وہ ایسی زمین ہوگی جس پر نہ کبھی کوئی گناہ ہوا اور نہ کبھی کوئی خون بہایا گیا۔

تفسیر آیات: 15-26

قصۂ موسیٰ میں ڈرنے والوں کے لیے عبرت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات کے ساتھ ان کی مدد فرمائی لیکن پھر بھی فرعون اپنی سرکشی اور کفر پر ڈٹا رہا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا جس طرح کوئی غالب اور قدرت رکھنے والا بادشاہ گرفت میں لیتا ہے، اسی طرح اس شخص کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا جو آپ کی مخالفت کرے گا اور آپ کے لائے ہوئے دین اور شریعت کی تکذیب کرے گا، اسی لیے اس قصے کے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (26)﴾ ”بلاشبہ اس (قصے) میں اس کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (15)﴾ ”کیا آپ کے پاس موسیٰ کی بات آچکی ہے؟“ یعنی کیا آپ نے موسیٰ علیہ السلام کی خبر سنی ہے؟ ﴿اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ﴾ ”جب پکارا اسے اس کے رب نے۔“ یعنی ان سے پکار کر گفتگو کی۔ ﴿بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ﴾ ”مقدس وادی۔“ یعنی پاک وادی ﴿طُوًى (16)﴾ ”طویٰ میں۔“ صحیح قول کے مطابق ﴿طُوًى (16)﴾ وادی کا نام ہے جیسا کہ قبل ازیں سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (17)﴾ ”فرعون کے پاس جاؤ بلاشبہ اس نے سرکشی کی ہے۔“ یعنی اس نے ظلم، سرکشی اور بغاوت اختیار کر رکھی ہے۔ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى (18)﴾ ”پھر (اسے) کہو: کیا تجھے اس بات کی کوئی رغبت ہے کہ تو پاک ہو جائے؟“ یعنی اس سے کہو کہ کیا تو ایسا طریقہ اور راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے جس پر چل کر تو مسلمان اور مطیع و فرماں بردار ہو جائے؟ ﴿وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ﴾

[1] دیکھیے طٰہٰ، آیت: 12 کے ذیل میں۔

''اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں۔''یعنی میں تیرے رب کی عبادت کی طرف تیری رہنمائی کروں۔
﴿ فَتَخْشٰى ﴾ ''تو تو ڈر جائے''یعنی تیرا دل اللہ کے سامنے جھک جائے، اس کا فرماں بردار ہو جائے اور اسی سے ڈرے کیونکہ اب یہ بہت سخت، خبیث اور بھلائی سے دور ہو چکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴾ ''چنانچہ اس (موسیٰ) نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی۔''یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس دعوتِ حق کے ساتھ ساتھ اس دین وشریعت کی صداقت کی قوی حجت اور واضح دلیل بھی پیش فرمائی جسے وہ اللہ کے پاس سے لے کر آئے تھے۔ ﴿ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴾ ''تو اس نے جھٹلا دیا اور نافرمانی کی۔''یعنی فرعون نے حق کی تکذیب کی، موسیٰ علیہ السلام نے اسے اللہ کی اطاعت کا جو حکم دیا تھا، اس کی اس نے مخالفت کی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس کا دل چونکہ کافر تھا، اس لیے ظاہری یا باطنی طور پر اس نے موسیٰ علیہ السلام کی کوئی بات بھی تسلیم نہ کی۔ فرعون کا یہ معلوم کر لینا کہ موسیٰ علیہ السلام جو دین لے کر آئے ہیں حق ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مومن ہے کیونکہ معرفت تو دل کے علم کا نام ہے مگر ایمان اس کے مطابق عمل کا نام ہے، یعنی حق کو تسلیم کر کے اس کے سامنے سرِ اطاعت جھکا دیا جائے۔
﴿ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴾ ''پھر وہ پلٹا (فساد کی) کوشش کرتا ہوا۔''یعنی حق کا باطل سے مقابلہ کرنے لگا اور وہ ایسے کہ اس نے جادوگروں کو جمع کیا تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے روشن اور واضح معجزات کا مقابلہ کریں۔ ﴿ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴾ ''پھر اس نے (لوگوں کو) اکٹھا کیا، پس پکارا۔''یعنی اپنی قوم کو پکارا۔ ﴿ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ ''تو کہا: میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ فرعون نے پہلے یہ کہا تھا: ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ﴾ (القصص 28:38) ''میں نے اپنے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں جانا۔''پھر اس کے چالیس سال بعد یہ کلمہ کہا کہ میں ہی تمھارا سب سے بڑا رب ہوں۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴾ ''تو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے اس قدر سخت انتقام لیا کہ اسے دنیا میں اس جیسے سرکش اور باغی لوگوں کے لیے نمونۂ عبرت بنا دیا اور روزِ قیامت بھی وہ نمونۂ عبرت ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ○ ﴾ (ھود 11:99) ''اور قیامت کے دن بھی (ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی) اور برا ہے وہ انعام جو دیا جائے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ ﴾ (القصص 28:41) ''اور ہم نے انھیں آگ کی طرف بلانے والے سرغنے بنا دیا اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔'' ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴾ ''بلاشبہ اس (قصے) میں اس کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔''یعنی اس کے لیے جو نصیحت قبول کرے اور اس طرح کے کاموں سے رک جائے۔

---

[1] تفسیر الطبری:30/53 و تفسیر القرطبی:19/202 .

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿27﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿28﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا

کیا تمھاری (دوبارہ) پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ جسے اسی نے بنایا ہے﴿27﴾ اس نے آسمان کی چھت بلند کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کیا﴿28﴾ اور اس کی

وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿29﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿30﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿31﴾

رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن بنایا﴿29﴾ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا﴿30﴾ اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا﴿31﴾ اور

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿32﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿33﴾

پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا﴿32﴾ (یہ سب) تمھارے اور تمھارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہیں﴿33﴾

تفسیر آیات:27-33

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا مخلوق کے دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہے: جو لوگ پیدا کیے جانے کے بعد مر کر دوبارہ پیدا کیے جانے اور اٹھائے جانے کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ ﴾ ”کیا تمھاری (اے لوگو! دوبارہ) پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟“ یعنی آسمان کا بنانا تو تمھارے بنانے سے زیادہ مشکل ہے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 57:40) ”یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا (کام) ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (یٰس 81:36) ”کیا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے (انسان) پیدا کر دے؟ کیوں نہیں! اور وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ ﴿ بَنٰىهَا ﴿27﴾ ﴾ ”اسی نے اسے بنایا۔“ اور پھر اس کی تفسیر میں فرمایا: ﴿ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿28﴾ ﴾ ”اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اسے برابر کیا۔“ یعنی آسمان کی عمارت کو بہت اونچا بنایا، اس کے صحن کو بے حد وحساب وسیع وعریض بنایا، اس کے اطراف واکناف کو برابر کر دیا اور اندھیری رات میں اسے تاروں سے سجا دیا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿29﴾ ﴾ ”اور اس کی رات کو تاریک کر دیا اور اس کے دن کو ظاہر (روشن) کیا۔“ یعنی اس نے اس کی رات کو سخت تاریک اور سیاہ بنایا اور دن کو واضح، روشن اور منور بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ اَغْطَشَ لَيْلَهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ اس نے اس کی رات کو تاریک بنا دیا۔[1] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور مفسرین کی ایک بہت بڑی جماعت کا بھی یہی قول ہے۔[2] ﴿ وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿29﴾ ﴾ ”اور اس کے دن کو ظاہر (روشن) کیا۔“ یعنی دن کو منور بنا دیا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿30﴾ ﴾ ”اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔“ اور پھر اس کی مزید وضاحت اس طرح فرمائی: ﴿ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿31﴾ ﴾ ”اس نے اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا۔“ قبل ازیں سورۂ حٰم سجدہ کی تفسیر میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ زمین، آسمان سے پہلے پیدا کی گئی ہے

[1] تفسیر الطبری :56/30. [2] تفسیر الطبری :57,56/30 والدر المنثور :514/6.

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿34﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿35﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ

پھر جب بڑی آفت (قیامت) آ جائے گی ﴿34﴾ اس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی ہوگی ﴿35﴾ اور دوزخ ہر دیکھنے والے شخص

لِمَنْ يَّرٰى ﴿36﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿37﴾ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿38﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿39﴾

کے سامنے (ظاہر) کر دی جائے گی ﴿36﴾ لیکن پھر جس نے سرکشی کی ﴿37﴾ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ﴿38﴾ تو بے شک دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہے ﴿39﴾

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿40﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿41﴾

لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ﴿40﴾ تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے ﴿41﴾ (اے نبی!)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿42﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿43﴾ اِلٰى رَبِّكَ

کافر آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی؟ ﴿42﴾ آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا غرض؟ ﴿43﴾ اس (کے علم) کی انتہا

مُنْتَهٰىهَا ﴿44﴾ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿45﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا

تو آپ کے رب ہی کے پاس ہے ﴿44﴾ آپ تو صرف ہر اس شخص کو ڈراتے ہیں جو اس سے ڈرے ﴿45﴾ جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے (تو سمجھیں گے)

عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿46﴾ ع 2 20 4

کہ گویا وہ دنیا میں بس ایک شام یا صبح ہی ٹھہرے ہیں ﴿46﴾

مگر اسے آسمان کی تخلیق کے بعد بچھایا گیا۔ ① یعنی زمین میں جو طاقت اور صلاحیت رکھی گئی تھی، اسے آسمانوں کی تخلیق کے بعد اس میں سے عملاً ظاہر کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کے اقوال کے یہی معنی ہیں اور اسی کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ ② ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿32﴾ ﴾ ''اور اس نے پہاڑوں کو (مضبوط) گاڑ دیا۔'' یعنی پہاڑوں کو بنایا اور انھیں زمین میں اپنی اپنی جگہ پر نہایت مضبوطی کے ساتھ نصب کر دیا اور وہ اللہ کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا، اپنی مخلوق پر بہت شفقت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿33﴾ ﴾ ''(یہ سب) تمھارے اور تمھارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہے۔'' یعنی زمین کو پھیلایا، اس سے چشمے جاری کر دیے، اس کے مخفی خزانوں کو ظاہر کر دیا، اس میں نہروں کو جاری کر دیا، فصلوں، درختوں اور پھلوں کو اگایا، پہاڑوں کو نصب کیا تاکہ زمین اور اہل زمین کو ثبات و قرار نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے بندوں اور ان کے ان جانوروں کے لیے پیدا کیا ہے جن کی انھیں اپنی دنیا کی اس زندگی میں کھانے اور سواری کے لیے ضرورت ہے تا آنکہ مدت تمام ہو جائے اور عمر بیت جائے۔

تفسیر آیات :34-46

قیامت اور جنت و جہنم کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿34﴾ ﴾ ''پھر جب بڑی آفت

① دیکھیے حٰمٓ السجدۃ، آیات :9-12 کے ذیل میں عنوان: ''تخلیق کائنات کی بعض تفصیلات'' ② تفسیر الطبری: 57/30 و 59.

آجائے گی۔'' اس سے قیامت کا دن مراد ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[1] قیامت کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ ہر ہولناک اور خوفناک چیز پر مشتمل ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴾ (القمر 46:54) ''اور قیامت بہت بڑی آفت اور نہایت تلخ ہے۔'' ﴿ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴾ ''اس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی ہوگی۔'' یعنی اس دن اپنے تمام اچھے اور برے اعمال کو یاد کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴾ (الفجر 23:89) ''اس دن انسان (اپنے کرتوت) یاد کرے گا اور یہ یاد کرنا اس کے لیے کیونکر (مفید) ہوگا؟'' ﴿ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴾ ''اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے لیے ظاہر کر دی جائے گی۔'' یعنی اسے دیکھنے والوں کے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا اور لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ ﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴾ ''چنانچہ جس نے سرکشی کی۔'' یعنی بغاوت کی اور حد سے بڑھ گیا، ﴿ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴾ ''اور اس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔'' یعنی دنیا کو دین سے مقدم اور دین کو مؤخر کر دیا، ﴿ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾ ''تو بے شک دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔'' یعنی اس کا ٹھکانا دوزخ، اس کا کھانا زقوم (تھوہر) اور اس کا پینا سخت گرم اور کھولتا ہوا پانی ہوگا۔

﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴾ ''اور لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور نفس کو خواہش سے روک لیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے اور اپنے بارے میں اللہ کے حکم سے ڈر گیا، اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے روکا اور نفس کو اپنے مولیٰ کی طاعت و بندگی میں لگا دیا، ﴿ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾ ''تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔'' یعنی اس کا ٹھکانا، اس کے لوٹنے کی جگہ اور اس کی واپسی کا مقام اللہ تعالیٰ کی وسیع و عریض جنت ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴾ ''(اے نبی!) وہ (کافر) آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی۔ آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا غرض؟ آپ کے رب ہی کی طرف اس (کے علم) کی انتہا ہے۔'' یعنی اس کا وقت نہ تمھیں معلوم ہے اور نہ مخلوق میں سے کسی اور کو بلکہ اس کا علم تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، وہی متعین طور پر اس کے وقت کو جانتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، ﴿ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (الأعراف 187:7) ''وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہوگی، وہ تم پر اچانک ہی آئے گی، وہ (لوگ) آپ سے پوچھتے ہیں جیسے آپ اس (کے وقت) سے بخوبی واقف ہیں، کہہ دیجیے: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴾ ''آپ کے رب ہی کی طرف اس (کے علم) کی انتہا ہے۔'' اسی لیے جب حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کا جواب یہ دیا تھا:

---

[1] تفسیر الطبری: 61/30.

[مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ] ''اس کے بارے میں مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔''[1]

﴿ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴾ ''آپ تو صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے۔'' یعنی میں نے آپ کو اس لیے مبعوث کیا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرائیں، جو شخص اللہ سے، اس کے سامنے کھڑا ہونے سے اور اس کی وعید سے ڈر گیا اور اس نے آپ کی پیروی اختیار کر لی تو وہ کامیاب و کامران ہوگا اور جس نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی وہ خائب و خاسر ہوگا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴾ ''جس روز وہ اس (قیامت) کو دیکھیں گے (تو سمجھیں گے) کہ گویا وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا صبح ہی ٹھہرے ہیں۔'' یعنی وہ قبروں سے اٹھیں گے، میدان حشر کی طرف جائیں گے تو دنیا کی مدت حیات کو کم سمجھیں گے حتی کہ ان کے نزدیک یہ مدت دن کی ایک شام یا ایک صبح ہوگی۔ جویبر نے ضحاک سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ظہر سے غروب آفتاب تک کا وقت ﴿ عَشِيَّةً ﴾ ہے اور طلوع شمس سے نصف النہار تک کا وقت ضحی ہے۔[2] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ لوگ جب آخرت کا مشاہدہ کریں گے تو ساری دنیا کا وقت انھیں ایک صبح یا ایک شام کے بقدر معلوم ہوگا۔[3]

سورۂ نازعات کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① صحیح البخاری، الإیمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ......، حدیث: 50 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإیمان ما هو؟ وبیان خصاله، حدیث: 9 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ. ② الدر المنثور: 515/6. ③ تفسیر الطبری: 63/30.

تفسیر سُورۂ عَبَسَ

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ

(اس نے) ماتھے پہ شکن ڈالے اور منہ پھیر لیا① (اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا② اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا③ یا نصیحت

فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا

سنتا تو اسے نصیحت نفع دیتی④ لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا ہے⑤ تو آپ اس کی فکر میں ہیں⑥ حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر (کوئی گناہ)

يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ

نہیں⑦ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا⑧ اور وہ ڈرتا بھی ہے⑨ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں⑩ ہرگز نہیں! بے شک

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ⑭ وقف لازم

یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے⑪ چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے⑫ (وہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے⑬ جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں⑭

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ⑯

ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں⑮ جو معزز اور نیکوکار ہیں⑯

تفسیر آیات :1-16

نبی اکرم ﷺ کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے ترش روئی پر تنبیہ: کئی ایک مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن کسی قریشی سردار سے مخاطب تھے، آپ کی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے، آپ اس سے مخاطب ہو کر گفتگو فرما رہے تھے کہ ادھر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے، یہ بہت پہلے سے مسلمان تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہا اور اپنے سوال پر بہت اصرار کیا لیکن نبی ﷺ چاہتے تھے کہ اے کاش! یہ کچھ دیر خاموش رہیں تاکہ آپ اس شخص سے مخاطب ہو سکیں، شاید وہ اسلام قبول کر کے ہدایت پا جائے۔ آپ ابن ام مکتوم سے ترش روئی سے پیش آئے اور ان سے اعراض کیا اور تمام توجہ اس قریشی ہی کی طرف مبذول رکھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ ﴾ ”اس نے ماتھے پہ شکن ڈالے اور منہ پھیر لیا، (اس لیے) کہ اس کے

پاس ایک نابینا آیا۔ اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔'' یعنی اسے اپنے نفس کے بارے میں طہارت و پاکیزگی حاصل ہو جاتی۔

﴿ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی ۝۴ ﴾ ''یا نصیحت سنتا تو اسے نصیحت فائدہ دیتی۔'' یعنی وہ نصیحت حاصل کر کے محرمات کے ارتکاب سے رک جاتا۔ ﴿ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۝۶ ﴾ ''لیکن جو بے پروا ہو گیا تو آپ اس کی فکر میں ہیں۔'' یعنی آپ بے پروا شخص سے گفتگو میں مصروف ہیں تاکہ وہ ہدایت یاب ہو جائے۔ ﴿ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّکّٰی ۝۷ ﴾ ''حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر (کوئی گناہ) نہیں۔'' یعنی اگر وہ نہ سنورے اور پاکیزگی و طہارت حاصل نہ کرے تو آپ سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ۝۸ وَهُوَ یَخْشٰی ۝۹ ﴾ ''اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ڈرتا بھی ہے۔'' یعنی اس کا مقصود و مطلوب یہ ہے کہ آپ کی باتیں سن کر وہ ہدایت یاب ہو جائے۔ ﴿ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ۝۱۰ ﴾ ''تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔'' یعنی مشغولیت ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ آپ تبلیغ کرنے میں کسی کو مخصوص نہ کریں بلکہ اس سلسلے میں طاقتور اور کمزور، مالدار اور فقیر، آقا اور غلام، مردوں اور عورتوں اور بچوں اور بڑوں سب سے مساوی سلوک کریں، پھر یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما دے کیونکہ ہر ہر کام میں صرف اسی کی کامل حکمت اور قطعی حجت کارفرما ہے۔

حافظ ابو یعلی رحمہ اللہ اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سورۂ عبس ابن ام مکتوم نابینا کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: میری رہنمائی فرمائیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قریشی سردار بھی موجود تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ابن ام مکتوم سے اعراض کیا اور اس قریشی سردار کی طرف توجہ مبذول رکھی اور فرمایا: [أَتَرٰی بِمَا (أَقُولُ) بَأْسًا؟] ''میں نے جو بات کی ہے، کیا اس میں کوئی حرج ہے؟'' وہ کہتا: نہیں، تو اسی سلسلے میں سورۂ عبس نازل ہوئی۔[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے، پھر کہا ہے کہ بعض نے اس روایت کو عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ کی سند سے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کیا۔[2] میں کہتا ہوں کہ اس طرح یہ روایت موطا میں ہے۔[3]

قرآن مجید کے اوصاف: فرمان الٰہی ہے: ﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ ﴾ ''ہرگز نہیں! بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے۔'' (إِنَّهَا میں ضمیر کا مرجع سورت یا وصیت ہے) یعنی یہ سورت یا تمام لوگوں میں، خواہ وہ معزز ہوں یا حقیر، ابلاغ علم کے سلسلے میں مساوات کی جو وصیت کی گئی ہے، وہ ایک نصیحت ہے۔ امام قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔[4] ﴿ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲ ﴾ ''چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے۔'' یعنی جو چاہے اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے، اس

---

[1] مسند أبي يعلى الموصلي: 261/8، حديث: 4848 وتفسير الطبري: 64/30 واللفظ له، البتہ قوسین والا لفظ مسند أبي يعلى کے مطابق ہے۔ [2] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة عبس، حديث: 3331. [3] الموطأ للإمام مالك، القرآن، باب ما جاء في القرآن: 70,69/1، حديث: 485. [4] الدر المنثور: 461/6.

قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَكۡفَرَهٗ ⑰ مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ ⑱ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲

ہلاک کیا جائے انسان، کس قدر ناشکرا ہے!⑰ (اللہ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا؟⑱ ایک (حقیر) نطفے سے، اسے پیدا کیا، پھر اس کا اس نے اندازہ

ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَهٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ ㉑ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنۡشَرَهٗ ㉒ كَلَّا لَمَّا

لگایا⑲ پھر اس کے لیے راہ آسان کر دی⑳ پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا㉑ پھر وہ جب چاہے گا اسے (دوبارہ) زندہ کرے گا㉒ ہرگز

یَقۡضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ㉓ فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖۤ ㉔ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ㉕ ثُمَّ

نہیں! اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی㉓ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے㉔ بے شک ہم نے خوب مینہ برسایا㉕

شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ㉖ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا ㉗ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ㉘ وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ㉙

پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا㉖ پھر ہم نے اس میں سے اناج اگایا㉗ اور انگور اور سبزیاں㉘ اور زیتون اور کھجوریں㉙ اور

وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ㉚ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ㉛ مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَ لِاَنۡعَامِكُمۡ ㉜

گھنے باغات㉚ اور میوے اور چارا㉛ (جو) تمھارے اور تمھارے جانوروں کے لیے سامانِ زندگی (ہے)㉜

بات کا بھی احتمال ہے کہ ضمیر کا مرجع وحی ہو کیونکہ کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ فِیۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ⑭ ﴾ ''(وہ) قابلِ احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔'' یعنی یہ سورت یا یہ نصیحت کیونکہ دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں بلکہ سارا قرآن ہی قابل تعظیم اور قابل ادب ورقوں میں لکھا ہوا ہے۔ ﴿ مَّرۡفُوۡعَةٍ ﴾ ''جو بلند و بالا'' یعنی جو بلند مرتبے والے۔ ﴿ مُّطَهَّرَةٍ ⑭ ﴾ ''پاکیزہ ہیں'' یعنی میل کچیل اور کمی بیشی سے پاک ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَةٍ ⑮ ﴾ ''ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ان سے فرشتے مراد ہیں۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ ﴿ سَفَرَةٍ ⑮ ﴾ سے مراد فرشتے ہیں (سَفَرَة کا واحد سافر ہے۔) سَفَرۡتُ کے معنی ہیں أَصۡلَحۡتُ بَیۡنَهُمۡ ''میں نے ان کے درمیان صلح کرا دی۔'' اور فرشتے جب اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتے اور پیغامِ وحی کو پہنچا دیتے ہیں تو وہ قوم کے مابین اصلاح کرا دینے والے سفیر کے مانند ہوتے ہیں۔[2] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ⑯ ﴾ ''جو معزز (اور) نیکوکار ہیں۔'' یعنی وہ خلقت کے اعتبار سے بہت کریم، حسین، اور شریف ہیں اور اخلاق و افعال کے اعتبار سے بھی بڑے نیکوکار اور مکمل طور پر پاک صاف ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حافظ قرآن کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے افعال و اقوال کے اعتبار سے رشد و بھلائی کا پیکر ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلَّذِی یَقۡرَأُ الۡقُرۡآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهٖ مَعَ السَّفَرَةِ الۡكِرَامِ الۡبَرَرَةِ، وَالَّذِی یَقۡرَؤُهٗ وَهُوَ عَلَیۡهِ شَاقٌّ لَّهٗ أَجۡرَانِ] ''جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس میں

① تفسیر الطبری: 68/30 والدر المنثور: 519/6 . ② صحیح البخاری، التفسیر، باب سورة ﴿ عَبَسَ ﴾، قبل الحدیث: 4937 .

ماہر ہے تو وہ معزز ومحترم اور نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن اس طرح پڑھتا ہے کہ وہ اس کے لیے بہت مشکل ہے تو اسے دوگنا اجر ملے گا۔''[1] اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:17-32

حیات بعد الموت کے منکرین کی تردید: موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے منکر لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴾ ''انسان ہلاک کیا جائے، وہ کس قدر ناشکرا ہے!'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ ﴾ کے معنی ہیں کہ انسان پر لعنت ہو۔[1] ابو مالک نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور انسان سے مراد جنس انسان ہے جو کسی دلیل اور علم کے بغیر محض اسے بعید سمجھتے ہوئے بعث بعد الموت کی تکذیب کرتی ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ ﴿ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴾ کے معنی ہیں کہ اس کا کفر کس قدر شدید ہے۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ کس قدر ملعون ہے۔[5] پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اس انسان کو کس حقیر چیز سے پیدا کیا ہے۔ نیز وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اسے دوبارہ پیدا کرے جیسا کہ اس نے اسے پہلی بار پیدا فرمایا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ﴾ ''اس (اللہ) نے اسے کس چیز سے پیدا کیا؟ ایک (حقیر) نطفے سے، اس نے اسے پیدا کیا، پھر اس کا اس نے اندازہ مقرر کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی موت، اس کے رزق، اس کے عمل اور اس بات کا اندازہ مقرر کر دیا کہ یہ بد بخت ہوگا یا نیک بخت۔ ﴿ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ﴾ ''پھر اس کے لیے رستہ آسان کر دیا۔'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پھر اس کے لیے شکم مادر سے باہر آنے کا رستہ آسان کر دیا۔[6] عکرمہ، ضحاک، ابو صالح، قتادہ اور سدی کا بھی یہی قول ہے[7] اور حافظ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[8] حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ ﴾ (الدھر 3:76) ''بلاشبہ ہم نے اسے رستہ دکھا دیا، اب خواہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔''[9] یعنی ہم نے اس کے لیے عمل کو بیان کر دیا، واضح کر دیا اور آسان بنا دیا ہے، حسن اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[10] اور یہی قول زیادہ راجح ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

---

[1] مسند أحمد: 48/6. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب سورة ﴿عَبَسَ﴾، حديث: 4937 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين ......، باب فضل الماهر بالقرآن......، حديث: 798 و سنن أبي داود، الوتر، باب في ثواب قراءة القرآن، حديث: 1454 و جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل قارئ القرآن، حديث: 2904 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة عبس: 506/6، حديث: 11646 وسنن ابن ماجه، الأدب، باب ثواب القرآن، حديث: 3779. [3] دیکھیے تفسير القرطبي: 217/19. [4] الدر المنثور: 520/6. [5] تفسير الماوردي: 206/6. [6] تفسير الطبري: 70/30. [7] تفسير الطبري: 70/30 والدر المنثور: 520/6. [8] تفسير الطبري: 71/30. [9] تفسير الطبري: 70/30 والدر المنثور: 520/6. [10] تفسير الطبري: 70/30.

﴿ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴾ ’’پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔‘‘ یعنی پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی اور پھر اسے قبر میں دفن کرا دیا۔ عرب جب کسی کو قبر میں دفن کر لیتے تو کہتے ہیں: قَبَرْتُ الرَّجُلَ وَأَقْبَرَهُ اللّٰهُ ’’میں نے آدمی کو قبر میں دفن کیا اور اللہ نے اسے قبر میں دفن کرایا۔‘‘ اسی طرح وہ یہ محاورے بھی استعمال کرتے ہیں: عَضَبْتُ قَرْنَ الثَّوْرِ وَأَعْضَبَهُ اللّٰهُ ’’میں نے بیل کا سینگ کاٹا اور اللہ نے اس کا سینگ کٹوایا۔‘‘ بَتَرْتُ ذَنَبَ الْبَعِيرِ وَأَبْتَرَهُ اللّٰهُ ’’میں نے اونٹ کی دم کاٹی اور اللہ نے اس کی دم کٹوائی۔‘‘ اور طَرَدْتُ عَنِّي فُلَانًا وَّأَطْرَدَهُ اللّٰهُ ’’میں نے فلاں کو اپنے سے دور کیا اور اللہ نے اسے مجھ سے دور کرایا۔‘‘

فرمان الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴾ ’’پھر وہ جب چاہے گا اسے اٹھائے گا۔‘‘ یعنی اسے مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھائے گا، اسی معنی میں بعث ونشور کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ○ ﴾ (الروم 20:30) ’’اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم انسان ہو (جو ہر طرف) پھیل رہے ہو۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ط ﴾ (البقرة 259:2) ’’اور (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ انھیں کیسے اٹھا کر جوڑتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔‘‘

صحیح بخاری ومسلم میں اعمش کی ابو صالح سے اور ان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: [كُلُّ ابْنِ آدَمَ (يَبْلٰى) إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ، مِنْهُ خُلِقَ وَفِيهِ يُرَكَّبُ] ’’دمچی (ریڑھ کی ہڈی) کے سوا سارا انسان بوسیدہ ہو جاتا ہے، اسی (ریڑھ کی ہڈی) سے اسے پیدا کیا گیا اور اسی سے اسے دوبارہ جوڑا جائے گا۔‘‘[1] فرمان الٰہی ہے: ﴿ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ﴾ ’’ہرگز نہیں! ابھی تک اس نے وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اس (اللہ) نے اسے حکم دیا۔‘‘ امام ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ جل ثناءٗ فرماتا ہے کہ معاملہ ہرگز ایسے نہیں ہے جیسا کہ یہ کافر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان ومال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کر دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جو فرائض عائد کیے تھے، اس نے انھیں قطعاً ادا نہیں کیا۔[2] لیکن مجھے یوں معلوم ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اسے دوبارہ اٹھائے گا مگر وہ ابھی ایسا نہیں کرے گا حتی کہ مدت پوری ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق جن انسانوں نے پیدا ہو کر دنیا میں آنا ہے، اس پر عمل ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کونی اور قدری طور پر اس کا فیصلہ بھی فرما رکھا ہے اور جب یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو اسی طرح دوبارہ اٹھائے گا جس طرح اس نے پہلی بار انھیں پیدا فرمایا تھا۔

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ﴾ (النبأ 18:78)، حديث: 4935 وصحيح مسلم، الفتن......، باب ما بين النفختين، حديث: (142)-2955 واللفظ له، البتہ قوسین والا لفظ صحیح مسلم ہی کی حدیث: (141)-2955 میں ہے۔ ② تفسير الطبري: 71/30.

دانہ اگانا حیات بعد الممات کی دلیل ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴾ ''چنانچہ انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان بھی ہے اور استدلال بھی کہ جس طرح وہ خشک زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے، اسی طرح وہ ہڈیوں کے گل سڑ جانے اور خاک میں مل جانے کے بعد جسموں کو بھی دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ﴿ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴾ ''بے شک ہم نے خوب اچھی طرح پانی برسایا۔'' یعنی آسمان سے زمین پر نازل فرمایا۔ ﴿ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴾ ''پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا۔'' یعنی پانی کو ہم نے زمین میں بسا دیا، پانی زمین کی تہوں میں داخل ہوتے ہوئے اس بیج کے اندر بھی پہنچ جاتا ہے جسے زمین میں ڈالا گیا ہوتا ہے، اس لیے وہ دانہ اگ آتا، پروان چڑھتا اور سطح زمین پر لہلہانے لگتا ہے۔ ﴿ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴾ ''پھر ہم نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری۔'' حَبّ ہر قسم کے دانے کو کہتے ہیں، انگور ایک مشہور پھل ہے اور قَضْب اس سرسبز چارے کو کہتے ہیں جسے چوپائے کھاتے ہیں، اسے عرب میں قَتّ بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ضحاک اور سدی کا قول ہے۔[1] امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ قَضْب کے معنی چارہ ہیں۔[2]

﴿ وَزَيْتُونًا ﴾ ''اور زیتون۔'' زیتون بھی ایک مشہور پھل ہے جسے سالن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اس کا تیل بھی سالن میں استعمال ہوتا ہے، تیل سے چراغ بھی جلائے جاتے ہیں اور اسے جسم پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ﴿ وَنَخْلًا ﴾ ''اور کھجور۔'' کھجور ایک بہت مشہور و معروف پھل ہے جسے تر اور خشک، کچی اور پکی مختلف صورتوں میں کھایا جاتا ہے، کھجور سے شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی۔ ﴿ وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴾ ''اور گھنے باغات۔'' امام حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ غُلْبًا ﴾ سخت اور عمدہ کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ حَدَآئِقَ ﴾ ہر اس باغ کو کہتے ہیں جو یکجا اور گھنا ہو۔[4] ﴿ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴾ ''اور میوے اور چارا۔'' ہر وہ چیز جسے بطور پھل استعمال کیا جائے وہ فَاكِهَة ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر وہ پھل جسے تر حالت میں کھایا جائے وہ فَاكِهَة ہے۔[5] اور أَبّا زمین سے اگنے والی ہر اس نبات کو کہتے ہیں جسے جانور تو کھائیں مگر انسان نہ کھائیں۔[6] آپ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ أَبّا جانوروں کے گھاس پھوس کو کہتے ہیں۔[7]

امام ابوعبید قاسم بن سلام نے ابراہیم تیمی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ﴿ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر کون سا آسمان سایہ کرے گا اور مجھے کون سی زمین جگہ دے گی، اگر میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں وہ کہہ دوں جسے میں نہیں جانتا۔[8] اس روایت کی سند میں ابراہیم تیمی اور

---

[1] تفسير الطبرى: 73,72/30. [2] تفسير الطبرى: 73/30. [3] تفسير الطبرى: 74/30 و الدر المنثور: 521/6.
[4] تفسير الطبرى: 73/30. [5] تفسير ابن أبى حاتم: 3401/10 و الدر المنثور: 521/6 وتفسير ابن عباس: 518/2.
[6] تفسير ابن أبى حاتم: 3401/10 و تفسير الطبرى: 75/30. [7] تفسير ابن أبى حاتم: 3401/10. [8] فضائل القرآن للقاسم بن سلّام، باب تأول القرآن بالرأى......، ص: 375 و تفسير القرطبى: 223/19.

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿33﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿34﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿35﴾ وَصَاحِبَتِهٖ

پھر جب کان بہرے کر دینے والی سخت آواز (قیامت) آئے گی ﴿33﴾ اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا ﴿34﴾ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ﴿35﴾

وَبَنِيْهِ ﴿36﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿37﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿38﴾

اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (بھی) ﴿36﴾ ان میں سے ہر شخص کا اس دن ایسا حال ہوگا جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا ﴿37﴾ اس دن کئی

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿39﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿40﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿41﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ

چہرے چمکتے ہوں گے ﴿38﴾ ہنستے مسکراتے، ہشاش بشاش ﴿39﴾ اور کئی چہروں پر اس دن خاک اڑ رہی ہوگی ﴿40﴾ ان پر سیاہی چھائی ہوگی ﴿41﴾ یہی لوگ

ع 1/42/5 الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿42﴾

کافر و فاجر ہیں ﴿42﴾

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے لیکن امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سورۂ عبس کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ فَاكِهَةً (پھل) کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ أَبًّا کیا ہے؟ پھر فرمانے لگے: اے ابن خطاب! تیری عمر کی قسم! یہ سراسر تکلف ہے۔[1] اس کی سند صحیح ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کئی ایک راویوں نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اور اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے أَبًّا کی شکل، جنس اور عین کو معلوم کرنا چاہا تھا ورنہ یہ تو آپ بھی جانتے تھے اور اس آیت کو پڑھنے والا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ أَبًّا (چارا) زمین کی نبات کو کہتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿27﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿28﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿29﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿30﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿31﴾﴾ ”پھر ہم نے اس میں اناج اگایا، اور انگور اور ترکاری، اور زیتون اور کھجوریں، اور گھنے باغات، اور میوے اور چارا۔“

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿32﴾﴾ ”(جو) تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے لیے سامانِ زندگی (ہے۔)“ یعنی یہ سب چیزیں ہم نے تمھارے لیے اور تمھارے چوپایوں کے لیے دنیا کی اس زندگی میں قیامت تک کے لیے پیدا فرما دی ہیں۔

تفسیر آیات: 33-42

قیامت کے دن لوگوں کا اعزہ واقارب سے فرار: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿الصَّآخَّةُ ﴿33﴾﴾ قیامت کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت کے پیش نظر اسے اس نام سے موسوم فرمایا اور اس سے اپنے

[1] تفسیر الطبری: 75/30 ملحوظہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو اپنی عمر کی قسم کھائی ہے تو یہ تکیۂ کلام کے طور پر بغیر قصد و ارادہ کے ہے جیسا کہ عرب ایسی قسمیں کھاتے تھے، دیکھیے (فتح الباری: 534/11) تاہم انسان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھانی چاہیے اور اس کے سوا کسی کی قسم نہیں کھانی چاہیے۔ [2] تفسیر الطبری: 75/30 و77 وفتح الباری: 271,270/13 والمستدرك للحاکم، التفسیر، باب تفسیر سورة عبس و تولی: 514/2، حدیث: 3897.

بندوں کو ڈرایا ہے۔[1] امام ابن جریر فرماتے ہیں: شاید یہ صور میں پھونکنے کا نام ہے۔[2] امام بغوی فرماتے ہیں کہ ﴿ الصَّآخَّةُ ﴾ یعنی قیامت کا شور وغل، اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ کانوں سے شدت سے ٹکرائے گا اور زبردستی سنوایا جائے گا حتی کہ شور وغل کی شدت کی وجہ سے کانوں کے بہرا ہونے کا خطرہ ہو گا۔[3] ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۙ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ ﴾ ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (بھی۔)'' یعنی ان سب کو دیکھے گا مگر ان سے بھاگے گا اور دور ہو جائے گا کیونکہ اس دن کی ہولناکیاں بہت سخت اور مصیبتیں بہت بڑی ہوں گی۔

شفاعت کے بارے میں صحیح حدیث میں ہے کہ جب تمام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہر ایک سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق کی شفاعت کریں تو وہ سب فرمائیں گے: نَفْسِي نَفْسِي ''میرا نفس، میرا نفس۔'' اور فرمائیں گے کہ آج میں صرف اپنے ہی بارے میں سوال کروں گا، حتی کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج تو میں صرف اور صرف اپنے ہی بارے میں سوال کروں گا، آج تو میں مریم کے بارے میں بھی سوال نہیں کروں گا جس نے مجھے جنم دیا تھا۔[4] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۙ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ ﴾ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب انسان بھی ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ ﴾ ''اس دن ان میں سے ہر شخص کا ایسا حال ہو گا جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا۔'' یعنی وہ ایسی مشغولیت میں ہو گا جس کی وجہ سے وہ کسی اور کی طرف توجہ نہ دے سکے گا۔ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً مُشَاةً غُرْلًا] ''تمھیں میدان حشر میں اس طرح اٹھایا جائے گا کہ تم سب ننگے پاؤں، ننگے جسم، پیدل اور ختنہ کے بغیر ہو گے۔'' آپ کی زوجہ مطہرہ نے عرض کی کہ کیا ہم میں سے بعض ایک دوسرے کے ستر کو دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ ﴾ أَوْ قَالَ: مَا أَشْغَلَهُ عَنِ النَّظَرِ] ''اس دن ان میں سے ہر شخص کا ایسا حال ہو گا جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا۔'' یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر شخص اپنے حال میں اس قدر مشغول ہو گا کہ اسے کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہیں ہو گا۔''[6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا] ''تم میدان حشر میں اس طرح اٹھائے جاؤ گے کہ تم برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور ختنہ کے بغیر ہو گے۔'' ایک عورت نے عرض کی: کیا ہم ایک دوسرے کے ستر کو دیکھیں

[1] تفسير الطبري:77/30 . [2] تفسير الطبري:77/30 . [3] تفسير البغوي:212/5 . [4] دیکھیے: صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا ﴾ (بنیٓ إسرآء يل 3:17)، حديث: 4712 و صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث: 194 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [5] تفسير الطبري:92/29 . [6] تفسير ابن أبي حاتم:3400/10 .

گے؟ فرمایا: [یَا فُلَانَةُ! ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴾] ''اے خاتون! اس دن ان میں سے ہر شخص کا ایسا حال ہوگا جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا۔'' امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ①

روزِ قیامت جنتیوں اور جہنمیوں کے چہرے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴾ ''اس دن کئی چہرے چمکتے ہوں گے، ہنستے مسکراتے، ہشاش بشاش۔'' یعنی وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے، ایک ان لوگوں کا گروہ جن کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور وہ خنداں و شاداں ہوں گے کیونکہ ان کے دلوں کے سرور کی وجہ سے ان کے چہروں پر چمک دمک نمایاں ہوگی، یہ اہل جنت کا گروہ ہوگا اور دوسرا گروہ وہ جن کے چہروں کی حالت یہ ہوگی: ﴿ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴾ ''اور کئی چہروں پر اس دن خاک اڑ رہی ہوگی، ان پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔'' یعنی ان کے چہرے کالے سیاہ ہو چکے ہوں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے چہروں پر سیاہی چھا رہی ہوگی۔ ② فرمان الٰہی ہے: ﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴾ ''یہی کافر، فاجر ہیں۔'' یعنی یہ دلوں کے اعتبار سے کافر اور اپنے عملوں کے اعتبار سے فاسق و فاجر ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ (نوح 71:27) ''اور وہ (کافر آیندہ) کسی نافرمان، سخت منکر ہی کو جنیں گے۔''

سورۂ عبس کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة عبس، حدیث: 3332. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 3401/10.

تفسیر سورۂ تکویر

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ① وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ② وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ ③ وَ اِذَا الۡعِشَارُ

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا① اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے② اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے③ اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوڑ

عُطِّلَتۡ ④ وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ⑤ وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ⑥ وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ⑦

دی جائیں گی④ اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے⑤ اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے⑥ اور جب روحیں (جسموں سے) ملادی جائیں گی⑦

وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ⑧ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ⑨ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ⑩ وَ اِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتۡ ⑪

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا:⑧ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟⑨ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے⑩ اور جب آسمان کی کھال

وَ اِذَا الۡجَحِیۡمُ سُعِّرَتۡ ⑫ وَ اِذَا الۡجَنَّۃُ اُزۡلِفَتۡ ⑬ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ⑭

اتار دی جائے گی⑪ اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی⑫ اور جب جنت قریب لائی جائے گی⑬ اس وقت ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا⑭

سورۂ تکویر کا حدیث میں ذکر: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنۡ سَرَّہٗ أَنۡ یَّنۡظُرَ إِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ کَأَنَّہٗ رَأۡیُ عَیۡنٍ فَلۡیَقۡرَأۡ: ﴿ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ① ﴾ وَ ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ① ﴾ وَ ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ① ﴾] ”جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ قیامت کے دن کو اس طرح دیکھے گویا آنکھ سے دیکھ رہا ہو تو وہ سورۂ ﴿ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ① ﴾، ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ① ﴾ اور ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ① ﴾ پڑھے۔“[1] امام ترمذی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:1-14

قیامت کے دن سورج کا لپیٹ لیا جانا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ① ﴾ کے معنی ہیں جب سورج کو تاریک کر دیا جائے گا۔[3] اور عوفی نے آپ سے روایت کیا ہے کہ جب سورج ختم ہو جائے گا۔[4] اور قتادہ نے اس کے معنی بیان کیے ہیں کہ جب اس کی روشنی ختم ہو جائے گی۔[5] سعید بن جبیر

① مسند أحمد: 27/2. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة ﴿ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ① ﴾، حديث: 3333. ③ تفسير الطبري: 81/30. ④ تفسير الطبري: 81/30. ⑤ تفسير الطبري: 81/30.

فرماتے ہیں کہ ﴿ كُوِّرَتْ ① ﴾ کے معنی غروب ہو جانے اور ڈوب جانے کے ہیں۔ ① ابوصالح کا قول ہے کہ جب اسے ڈال دیا جائے گا۔ ② تکویر کے معنی کسی چیز کے بعض حصے کو بعض پر لپیٹنے کے ہیں، مثلاً: عمامہ کا لپیٹنا یا بعض کپڑوں کا بعض کے ساتھ لپیٹ دینا، چنانچہ ﴿ كُوِّرَتْ ① ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ سورج کے بعض حصوں کو بعض کے ساتھ ملا کر لپیٹ لیا جائے گا اور پھر اسے پھینک دیا جائے گا اور جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''سورج اور چاند دونوں کو قیامت کے دن لپیٹ لیا جائے گا۔'' ③ یہ حدیث صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے روایت کی ہے اور یہ صحیح بخاری ہی کی روایت کے الفاظ ہیں۔

تاروں کا بے نور ہو جانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ② ﴾ ''اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔'' یعنی ستارے جھڑ جائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② ﴾ (الانفطار 2:82) ''اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔'' اِنْكِدَار کے اصل معنی گرنے کے ہوتے ہیں۔

ربیع بن انس نے ابوالعالیہ سے اور انھوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی: (1) لوگ بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی (2) پس وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک تارے بھی ٹوٹ جائیں گے (3) پس وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ پہاڑ سطح زمین پر گر جائیں گے۔ جس سے زمین متحرک، مضطرب اور آپس میں خلط ملط ہو جائے گی تو جن گھبرا کر انسانوں کے پاس اور انسان گھبرا کر جنوں کے پاس جائیں گے۔ حیوانات، پرندے اور وحشی جانور بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اکٹھے ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ⑤ ﴾ ''اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔'' یعنی رَل مِل جائیں گے، ﴿ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ ﴾ ''اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی۔'' یعنی ان کے مالک انھیں بے کار چھوڑ دیں گے۔ (4) ﴿ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ ﴾ ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔'' راوی (حدیث) نے کہا: جن کہیں گے کہ ہم تمھارے پاس خبر لاتے ہیں (کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیا ہے؟) وہ سمندر کی طرف جائیں گے تو دیکھیں گے کہ اس میں آگ بھڑک رہی ہو گی (5) لوگ اسی طرح بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک زمین پھٹ جائے گی اور وہ سب سے نیچے کی ساتویں زمین تک (زمین) پھٹ جائے گی اور اوپر ساتویں آسمان تک آسمان پھٹ جائے گا۔ (6) اسی طرح لوگ بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک ایک ہوا چلے گی جس سے سب لوگ مر جائیں گے۔ اسے حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ انھی کی روایت کے ہیں۔ ④

① تفسير الطبري: 81/30. ② تفسير الطبري: 81/30. ③ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر، حديث: 3200. ④ تفسير الطبري: 80/30 وتفسير ابن أبي حاتم: 3403,3402/10.

پہاڑوں کا چلانا، اونٹنیوں کا بے کار چھوڑنا اور وحشی جانوروں کا جمع کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ ﴾ ''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔'' یعنی پہاڑ اپنی جگہوں کو چھوڑ دیں گے، انھیں بکھیر دیا جائے گا اور زمین چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ ﴾ ''اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی۔'' عکرمہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں مراد ہیں۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ عُطِّلَتْ ④ ﴾ کے معنی ہیں کہ انھیں بے کار چھوڑ دیا اور آزاد کر دیا جائے گا۔[2] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ ان کے مالکان انھیں بیکار قرار دے کر چھوڑ دیں گے۔[3] ربیع بن خثیم فرماتے ہیں کہ نہ انھیں دوہا جائے گا اور نہ ان کے تھنوں کو باندھا جائے گا، ان کے مالکان ان سے دست کش ہو جائیں گے۔[4] امام ضحاک فرماتے ہیں کہ انھیں چھوڑ دیا جائے گا اور کوئی ان کا چرواہا نہ ہوگا۔[5]

ان تمام اقوال کے معنی ایک ہی ہیں، مقصود یہ ہے کہ ﴿ الْعِشَارُ ﴾ سے مراد دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں ہیں، عِشَار کا واحد عُشَرَاءُ ہے اور بچہ جنم دینے تک حاملہ اونٹنی کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان اونٹنیوں کو بہترین سمجھا جاتا ہے، لوگ ان اونٹنیوں اور ان کی کفالت سے بھی بے پروا ہو جائیں گے، حالانکہ ان سے انھیں بے حد رغبت اور بہت دلچسپی ہوا کرتی تھی مگر اب ایک خوفناک امر اور ایک ہولناک منظر کی وجہ سے وہ اپنی اس پسندیدہ چیز سے بھی غافل ہو جائیں گے۔ یہ خوفناک اور ہولناک منظر قیامت کا دن، اس کے اسباب کا برپا ہونا اور اس کی نشانیوں کا واقع ہونا ہوگا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ⑤ ﴾ ''اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔'' یعنی جمع کیے جائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ○ ﴾ (الأنعام 6:38) ''اور نہیں ہے زمین میں چلنے والا کوئی جانور اور نہ اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ مگر وہ تمھاری ہی طرح امتیں ہیں، ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو)، پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر چیز حتی کہ مکھیوں تک کو بھی اکٹھا کیا جائے گا، اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[6] امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی معنی کو درست قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ﴾ (صٓ 38:19) ''اور پرندے بھی (ہم نے داود کے تابع کر دیے تھے) جبکہ وہ اکٹھے کیے ہوتے۔''[7]

سمندروں کا بھڑکایا جانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ ﴾ ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔'' امام ابن جریر نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا کہ جہنم کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: سمندر میں۔ آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ صحیح کہہ رہا ہے (کیونکہ قرآن مجید میں ہے:)

---

① تفسیر الطبری: 83/30. ② تفسیر الطبری: 83/30. ③ تفسیر الطبری: 83/30. ④ تفسیر الطبری: 83/30.
⑤ تفسیر الطبری: 84/30. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم: 3404/10. ⑦ تفسیر الطبری: 85/30.

﴿ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ ﴾ (الطور 52:6) ''اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی (قسم!)'' اور (اسی طرح) [وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِرَتْ] ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔''① اس کے بارے میں تفصیلی بحث ﴿ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ ﴾ (الطور 52:6) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔②

روحوں کا ملانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ ﴾ ''اور جب جانیں ملا دی جائیں گی۔'' یعنی ہر شکل کو اس کی نظیر کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:22) ''اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں کو۔''

امام ابن ابو حاتم نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ ﴾ قَالَ: اَلضُّرَبَاءُ، كُلُّ رَجُلٍ مَّعَ كُلِّ قَوْمٍ كَانُوا يَعْمَلُونَ عَمَلَهُ، وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ: ﴿ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ ﴾ (الواقعة 56:7-10) قَالَ: هُمُ الضُّرَبَاءُ] ''اور جب جانیں ملا دی جائیں گی'' اس سے مراد ہم جنس لوگ ہیں، ہر شخص کو ایسے لوگوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اس جیسے عمل کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور تم (لوگ) تین قسمیں ہو جاؤ گے، پس دائیں ہاتھ والے، کیا (خوب) ہیں دائیں ہاتھ والے، اور بائیں ہاتھ والے، کیا (برے) ہیں بائیں ہاتھ والے، اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں'' فرمایا: یہ ہم جنس لوگ ہوں گے۔''③

زندہ درگور کی گئی بچی سے سوال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ ﴾ ''اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی۔'' جمہور کی قراءت کے مطابق اسے ﴿ سُئِلَتْ ۝ ﴾ ہی پڑھا گیا ہے۔ ﴿ الْمَوْءٗدَةُ ﴾ سے مراد وہ بچیاں ہیں جنھیں زمانہ جاہلیت کے لوگوں نے لڑکیوں سے نفرت کی وجہ سے زندہ ہی زمین میں دفن کر دیا تھا، قیامت کے دن ان بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ انھیں کیوں قتل کیا گیا تاکہ اس میں ان کے قاتلوں کے لیے سرزنش ہو، جب مظلوم سے بھی یہ سوال ہو گا تو ظالم کے بارے میں کیا گمان کیا جا سکتا ہے؟ علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اسے [سَأَلَتْ] پڑھتے تھے، یعنی زندہ دفن کی گئی لڑکی پوچھے گی۔④ ابو الضحیٰ بھی یہی کہتے ہیں کہ [سَأَلَتْ] یعنی زندہ درگور کی گئی بچی اپنے خون کے بارے میں سوال کرے گی۔⑤ سدی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔⑥

﴿ الْمَوْءٗدَةُ ﴾ کے متعلق کئی احادیث موجود ہیں، امام احمد نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور انھوں نے جدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا

① تفسير الطبري: 85/30. ② دیکھیے الطور، آیت:6 کے ذیل میں۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم. 3407/10 و تفسير الطبري: 88/30 یہ حدیث ضعیف ہے۔ ④ تفسير ابن أبي حاتم: 3402/10 و تفسير القرطبي: 234.233/19. ⑤ تفسير الطبري: 90/30 و الدر المنثور: 528/6. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 3403/10.

سے جو کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں کی موجودگی میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ فرما رہے تھے: [لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيلَةِ فَنَظَرْتُ فِى الرُّومِ وَفَارِسَ فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ وَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا] ''میں نے ارادہ کیا تھا کہ غیلہ (عورت سے مدت رضاعت میں وطی کرنے یا حاملہ عورت کے اپنے بچے کو دودھ پلانے) سے منع کر دوں لیکن میں نے دیکھا کہ روم اور فارس کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور اس سے ان کے بچوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا (تو میں نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا۔)'' پھر لوگوں نے آپ سے عزل (بیوی سے مباشرت کے وقت مادہ منویہ کو اندام نہانی سے باہر گرانے) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: [ذَاكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهُوَ الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ] ''یہ تو مخفی طریقے سے زندہ درگور کرنا ہے اور یہی وہ زندہ درگور کی گئی ہے جس سے پوچھا جائے گا کہ اسے کیوں مارا گیا۔'' ①

بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا کفارہ: امام عبدالرزاق نے اسرائیل سے، انھوں نے سماک بن حرب سے، انھوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝۸ ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی کئی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَعْتِقْ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ رَقَبَةً] ''ان میں سے ہر ایک کی طرف سے ایک گردن آزاد کر دو۔'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تو اونٹ ہیں، آپ نے فرمایا: [فَانْحَرْ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ بَدَنَةً] ''ان میں سے ہر ایک کی طرف سے ایک اونٹ قربان کر دو۔'' ②

اعمال ناموں کا کھولا جانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ ﴾ ''اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔'' ضحاک فرماتے ہیں ہر انسان کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اپنے نامۂ اعمال میں تو خود ہی لکھواتا ہے، پھر تیرے نامۂ اعمال کو لپیٹ دیا جائے گا اور پھر قیامت کے دن تیرے سامنے اسے کھولا جائے گا، لہٰذا ہر آدمی کو خود اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال میں کیا لکھوا رہا ہے۔ ③

آسمان کی کھال کا اتارنا، جہنم کا بھڑکانا اور جنت کا قریب کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ ﴾ ''اور جب آسمان کی کھال اتار دی جائے گی۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ كُشِطَتْ ۝۱۱ ﴾ کے معنی ہیں کہ کھال کھینچ لی جائے

---

① مسند أحمد: 434/6 وصحيح مسلم، النكاح، باب جواز الغيلة......، حديث: (141)-1442 وسنن أبي داود، الطب، باب في الغيل، حديث: 3882 وجامع الترمذي، الطب، باب ما جاء في الغيلة، حديث: 2077 وسنن النسائي، النكاح، باب الغيلة، حديث: 3328 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب الغيل، حديث: 2011. ② كشف الأستار، التفسير، باب سورة ﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ ﴾: 78/3، حديث: 2280 وتفسير عبدالرزاق: 397/3، رقم: 3512. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 3403/10 وتفسير الطبري: 91/30.

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ⑮ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ⑯ وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ⑰ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ⑱

چنانچہ میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ⑮ چلنے والے، چھپ جانے والے تاروں کی ⑯ اور رات کی جب وہ چلی جاتی ہے ⑰ اور صبح کی جب وہ روشن ہوتی

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ⑲ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ⑳ مُّطَاعٍ ثَمَّ

ہے ⑱ بے شک یہ (قرآن) رسول کریم (جبریل) کا قول ہے ⑲ جو بڑی قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے ⑳ وہاں (آسمانوں میں)

اَمِيۡنٍ ㉑ وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ㉒ وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ ㉓ وَمَا هُوَ

اس کی اطاعت کی جاتی ہے، امین ہے ㉑ اور (اے اہل مکہ!) تمھارا ساتھی (محمد) دیوانہ نہیں ㉒ اور یہ (نبی) تو اس (جبریل) کو روشن افق پر دیکھ چکا ہے ㉓ اور

عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ ㉔ وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ㉕ فَاَيۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ ㉖

وہ غیب (کی باتوں) پر بخیل نہیں ہے ㉔ اور یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کا قول نہیں ㉕ پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو ㉖ یہ تو سب

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ㉗ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ㉘ وَمَا تَشَآءُوۡنَ

جہانوں کے لیے نصیحت ہے ㉗ تم میں سے اس کے لیے جو بھی سیدھی راہ پر چلنا چاہے ㉘ اور اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر تم

اِلَّآ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ㉙ ع 1 29 6

(کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے ㉙

گی۔① سدی فرماتے ہیں کہ اسے برہنہ کر دیا جائے گا۔② فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ ⑫﴾ ”اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی۔“ سدی فرماتے ہیں کہ خوب گرم کی جائے گی۔③ ﴿وَاِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ⑬﴾ ”اور جب جنت قریب لائی جائے گی۔“ ضحاک، ابو مالک، قتادہ اور ربیع بن خثیم نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جنت کو اہل جنت کے قریب کر دیا جائے گا۔④

ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ⑭﴾ ”ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا۔“ یہ جواب ہے، یعنی مذکورہ بالا امور واقع ہوں گے تو اس وقت ہر شخص جان لے گا جو اس نے عمل کیے اور آج کے اس دن کے لیے لے کر آیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٍ مُّحۡضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَيۡنَهَا وَبَيۡنَهٗۤ اَمَدًاۢ بَعِيۡدًا ؕ﴾ (آل عمرٰن 30:3) ”جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اچھے عمل کو اور اپنے کیے ہوئے برے عمل کو اپنے سامنے پائے گا، وہ خواہش کرے گا کاش! اس کے اور اس (کی برائی) کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔“ اور فرمایا: ﴿يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬﴾ (القیٰمۃ 13:75) ”اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔“

تفسیر آیات:15-29

① تفسیر الطبری: 92/30. ② دیکھیے تفسیر الماوردی: 215/6 وتفسیر الکشاف: 709/4. ③ تفسیر الماوردی: 215/6. ④ تفسیر ابن أبي حاتم: 3403/10 والدر المنثور: 526/6 وتفسیر عبدالرزاق: 397/3، رقم: 3510.

خُنَّس اور کُنَّس کی تفسیر: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نمازِ فجر نبی ﷺ کی اقتدا میں ادا کی اور سنا کہ آپ تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿15﴾ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ﴿16﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿17﴾ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿18﴾ ﴾ ''چنانچہ میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے، چلنے والے، چھپ جانے والے تاروں کی، اور رات کی جب وہ چلی جاتی ہے، اور صبح کی جب وہ روشن ہوتی ہے!''[1] امام ابن جریر نے خالد بن عرعرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ﴿ فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿15﴾ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ﴿16﴾ ﴾ سے کیا مراد ہے تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے ستارے مراد ہیں جو دن کو چھپ جاتے ہیں اور رات کو نمودار ہو جاتے ہیں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿17﴾ ﴾ ''اور رات کی (قسم!) جب وہ چلی جاتی ہے۔'' کے بارے میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ اس سے مراد رات کا اندھیرے کے ساتھ آنا ہے۔ مجاہد نے ﴿ عَسۡعَسَ ﴿17﴾ ﴾ کے معنی بیان فرمائے ہیں کہ جب رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔[3] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب رات شروع ہو جاتی ہے۔[4] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب رات لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ عطیہ عوفی کا بھی یہی قول ہے۔[5] علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿17﴾ ﴾ کے معنی ہیں: جب رات گزر جاتی ہے۔[6] امام مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔[7] اسی طرح زید بن اسلم اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے بھی کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ جب رات چلی جاتی اور ختم ہو جاتی ہے۔[8] میرے نزدیک ﴿ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿17﴾ ﴾ سے یہاں رات کا آنا مراد ہے گو رات کے جانے کے لیے بھی اس کا استعمال صحیح ہے لیکن یہاں زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے معنی رات کے آنے کے کیے جائیں، گویا اللہ تعالیٰ نے رات اور اس کے اندھیرے کی قسم کھائی جب وہ آئے اور چھا جائے اور صبح اور اس کی روشنی کی قسم کھائی جب وہ خوب روشن ہو جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ﴿1﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿2﴾ ﴾ (الّیل 92:1,2) ''رات کی قسم جب وہ چھا جائے! اور دن کی جب وہ روشن ہو۔'' ﴿ وَالضُّحٰى ﴿1﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ﴿2﴾ ﴾ (الضحیٰ 93:1,2) ''دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم! اور رات کی جب وہ چھا جائے۔'' نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيۡلَ سَكَنًا ﴾ (الأنعام 6:96) ''وہ (اللہ رات کے اندھیرے سے) صبح کی سپیدی نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو سکون کا باعث بنایا۔''

اور دیگر بہت سی آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، بہت سے علمائے اصول نے کہا ہے کہ لفظ ﴿ عَسۡعَسَ ﴿17﴾ ﴾

---

[1] صحیح مسلم، الصلاة، باب متابعة الإمام والعمل بعده، حدیث: 475و456 والسنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالى: ﴿ فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿15﴾ ﴾ :6/508,507، حدیث: 11650,11651. [2] تفسیر الطبری: 30/94. [3] الدر المنثور: 6/530. [4] تفسیر الماوردی: 6/217. [5] تفسیر الطبری: 30/99. [6] تفسیر الطبری: 30/98,97. [7] تفسیر الطبری: 30/98. [8] تفسیر الطبری: 30/98 وتفسیر القرطبی: 19/238.

اقبال و ادبار (آنے اور جانے) میں استعمال کے لیے مشترک ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک معنی مراد لینا صحیح ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴾ کے معنی امام ضحاک رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ جب صبح طلوع ہو جاتی ہے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ جب صبح روشن ہو جاتی اور آجاتی ہے۔[1]

قرآن جبریل لے کر نازل ہوئے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴾ ''بے شک یہ (قرآن) رسول کریم (جبریل) کا قول ہے۔'' یعنی اس قرآن کو ایک فرشتۂ عالی مقام نے پہنچایا ہے جو بہت ہی شریف، حسن خلق کا پیکر اور مجسم حسن و جمال ہے اور وہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی، میمون بن مہران، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور ضحاک وغیرہ کا قول ہے۔[2] ﴿ ذِي قُوَّةٍ ﴾ ''بڑی قوت والا ہے۔'' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ ط ﴾ (النجم 53:5,6) ''اسے زبردست قوتوں والے (جبریل) نے سکھایا جو بڑی طاقت والا ہے۔'' یعنی جو خلقت کے اعتبار سے بھی بہت شدید ہے اور گرفت اور فعل کے اعتبار سے بھی شدید، ﴿ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴾ ''عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ ﴿ مُطَاعٍ ثَمَّ ﴾ ''وہاں (آسمانوں میں) اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔'' یعنی اسے وجاہت بھی حاصل ہے کہ ملاء اعلیٰ میں اس کی بات سنی جاتی اور اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آسمانوں میں اس کی بات سنی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ عام فرشتوں میں سے نہیں ہے بلکہ سادات و اشراف میں سے ہے، لہٰذا اس کی اسی اہمیت و عظمت کے پیش نظر اسے اس عظیم الشان پیغام رسانی کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَمِينٍ ﴾ ''امانت دار ہے۔'' یہ جبریل علیہ السلام کی صفت امانت ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے کہ خود اللہ رب العزت اپنے عبد اور ملکی رسول جبریل کا تزکیہ فرما رہا ہے جیسا کہ اس نے اپنے عبد اور بشری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تزکیہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴾ ''اور (اے مکہ والو!) تمھارے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے نہیں ہیں۔'' شعبی، میمون بن مہران، ابو صالح اور مذکورہ بالا ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴾ ''اور بے شک اس (نبی) نے اس (جبریل) کو (آسمان کے) روشن (شرقی) کنارے پر دیکھا ہے۔'' یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی لاتے ہیں، ان کی اس اصلی شکل وصورت میں دیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں چھ سو پر عطا فرمائے ہیں، ﴿ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴾ ''روشن (واضح) کنارے پر۔'' اس سے مراد وہ پہلی رؤیت ہے جو بطحاء میں ہوئی تھی اور جس کا ذکر ان آیات میں ہے:

---

① تفسير الطبرى:30/99. ② تفسير الطبرى:30/100 و تفسير القرطبى:19/240 والدر المنثور:6/530. ③ تفسير الطبرى:30/101 والدر المنثور:6/530.

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۭ ﴾ (النجم 53:5-10) ''اسے زبردست قوتوں والے (جبریل) نے سکھایا جو نہایت طاقتور ہے، پس وہ (اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہو گیا جبکہ وہ (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا، پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا تو وہ دو کمانوں کے فاصلے پر بلکہ اس سے بھی قریب ہو گیا، پھر اس نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔'' جیسا کہ اس کی تفسیر و وضاحت اور اس بات کی دلیل کہ اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں، قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[1] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ شب معراج سے قبل نازل ہوئی ہے کیونکہ اس میں صرف اس پہلی رؤیت ہی کا ذکر ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. دوسری رؤیت کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۭ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ ﴾ (النجم 53:13-16) ''اور البتہ تحقیق اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک اور بار اترتے ہوئے بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہیٰ (آخری حد کی بیری) کے قریب، اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے، جب بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔'' اس دوسری بار کی رؤیت کا ذکر سورۂ نجم میں ہے اور یہ سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہے۔

نبی ﷺ وحی پہنچانے میں بخیل نہ تھے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۚ﴾ ''اور وہ غیب (کی باتوں) پر بخیل نہیں ہے۔'' یعنی محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا ہے وہ اس کے بارے میں ظَنِین یعنی تہمت لگائے ہوئے نہیں ہیں اور بعض ائمہ نے اسے ضاد سے ضَنِین پڑھا ہے تو اس صورت میں اس کے معنی بخیل ہوں گے، یعنی آپ وحی کے پہنچانے میں بخیل نہیں ہیں بلکہ اسے ہر ایک تک پہنچا رہے ہیں۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ظَنِین اور ضَنِین دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی آپ کاذب و فاجر نہیں ہیں۔ ظَنِین کے معنی متہم اور ضَنِین کے معنی بخیل ہیں۔[2] حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ قرآن غیب تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا تو آپ نے اس میں کسی بخل کا مظاہرہ نہیں فرمایا بلکہ قرآن مجید کو خوب پھیلایا، پہنچایا اور جس شخص نے قرآن مجید کا جو حصہ معلوم کرنا چاہا آپ نے اسے بتا دیا۔[3] عکرمہ، ابن زید اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[4] اور امام ابن جریر نے ضاد کی قراءت کو اختیار فرمایا ہے[5] لیکن یہ دونوں قراءتیں متواتر اور معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

قرآن جہانوں کے لیے نصیحت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ﴾ ''اور یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کا کلام نہیں۔'' یعنی یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں ہے، شیطان اس کا متحمل ہو سکتا ہے نہ اس کے مطلب کی چیز ہے اور نہ اسے یہ زیب ہی دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۭ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۭ ﴾ (الشعرآء 26:210-212) ''اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نازل نہیں

---

[1] دیکھیے النجم، آیات: 5-10 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 103,102/30. [3] تفسیر الطبری: 102/30 والدر المنثور: 531/6. [4] تفسیر الطبری: 103,102/30 والدر المنثور: 531/6. [5] تفسیر الطبری: 104/30.

ہوئے، اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتے ہیں، بلاشبہ وہ تو (آسمانی باتوں کے) سننے ہی سے الگ کیے ہوئے ہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴾ ''پھر تم کدھر جا رہے ہو؟'' یعنی قرآن کی جو تم تکذیب کر رہے ہو تو تمھاری عقلیں کہاں چلی جا رہی ہیں کیونکہ قرآن تو بالکل ظاہر، واضح اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وفد بنی حنیفہ سے اس وقت فرمایا تھا جب وہ مسلمان ہو کر آئے تھے اور آپ کے حکم سے انھوں نے مسیلمہ کذاب کے قرآن کا کچھ حصہ آپ کو سنایا تھا جو حد درجہ ہذیان وخرافات پر مبنی تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا: تم پر افسوس ہے، تمھاری عقلیں کہاں چلی جا رہی ہیں؟ اللہ کی قسم! یہ کلام اللہ تعالیٰ کا نہیں ہے۔[1]

قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم کتاب اللہ اور اس کی اطاعت کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟[2] ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''یہ تو جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔'' یعنی یہ قرآن تو کائنات کے تمام لوگوں کے لیے ہے تاکہ وہ اس سے وعظ ونصیحت حاصل کریں۔ ﴿ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴾ ''اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔'' یعنی جو شخص ہدایت اختیار کرنا چاہے تو اسے اس قرآن سے کسب فیض کرنا چاہیے کیونکہ یہ ذریعۂ نجات اور موجب ہدایت ہے، اس کے سوا اور کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور تم (کچھ بھی) نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔'' یعنی یہ تمھاری مرضی پر منحصر نہیں ہے کہ جو چاہے ہدایت حاصل کر لے اور جو چاہے گمراہ رہے بلکہ یہ سب کچھ تو اللہ رب العالمین کی مشیت کے تابع ہے۔ سلیمان بن موسیٰ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴾ ''اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔'' تو ابوجہل نے کہا کہ یہ معاملہ تو اب ہمارے اختیار میں ہے کہ اگر ہم چاہیں تو راہ راست پر آ جائیں اور اگر چاہیں تو نہ آئیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور تم (کچھ بھی) نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔''[3]

سورۂ تکویر کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] تفسیر البغوی: 319/2 وتفسیر الرازی: 230/15. [2] تفسیر الطبری: 104/30. [3] تفسیر الطبری: 105/30.

تفسیر
سُورۂ اِنفِطار

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿1﴾ وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ﴿2﴾ وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿3﴾ وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ

جب آسمان پھٹ جائے گا① اور جب تارے جھڑ جائیں گے② اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے③ اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں

بُعۡثِرَتۡ ۙ﴿4﴾ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿5﴾ یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ ۙ﴿6﴾

گی④ تو ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا کیا دھرا سب معلوم ہو جائے گا⑤ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی بابت دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟⑥

الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۙ﴿7﴾ فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿8﴾ کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ

جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا پھر تجھے معتدل بنایا⑦ اس نے جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا⑧ ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ جزا و سزا

بِالدِّیۡنِ ۙ﴿9﴾ وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ﴿10﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿11﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿12﴾

کو جھٹلاتے ہو⑨ حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں⑩ معزز لکھنے والے⑪ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو⑫

سورۂ انفطار کی فضیلت: امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی تو لمبی قراءت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: [أَفَتَّانٌ یَا مُعَاذُ ! أَیْنَ کُنْتَ عَنْ ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴾ وَ ﴿وَالضُّحٰی ۙ﴾ وَ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿1﴾﴾؟] ”اے معاذ! کیا فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ تم ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴾، ﴿وَالضُّحٰی ۙ﴾ اور ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿1﴾﴾ سے کہاں تھے؟“[1] اس حدیث کی اصل صحیح بخاری و مسلم میں ہے[2] لیکن ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿1﴾﴾ کا ذکر صرف نسائی کی روایت میں ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ سَرَّہُ أَنْ یَّنْظُرَ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَأَنَّہُ رَأْیُ عَیْنٍ فَلْیَقْرَأْ: ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۙ﴾ وَ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿1﴾﴾ وَ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴾] ”جسے یہ پسند ہو کہ وہ قیامت کے دن کو اس طرح دیکھے گویا آنکھ سے دیکھ رہا ہو تو وہ ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۙ﴾، ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿1﴾﴾ اور ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴾ کو پڑھے۔“[3]

---

① السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورۃ الانفطار: 508/6، حدیث: 11652. ② صحیح البخاری، الأذان، باب من شکا إمامہ إذا طول، حدیث: 705 و صحیح مسلم، الصلاۃ، باب القراءۃ فی العشاء، حدیث: 465. ③ مسند أحمد: 27/2 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۙ﴾ (التکویر 1:81)، حدیث: 3333.

تفسیر آیات :1-12

قیامت کے دن کا منظر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ ﴾ ”جب آسمان پھٹ جائے گا۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ط ﴾ (المزمل 73:18) ”اس (قیامت کے دن) میں آسمان پھٹ جانے والا ہے۔“ ﴿ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ ﴾ ”اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔“ یعنی گر جائیں گے، ﴿ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ ﴾ ”اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے۔“ علی بن ابوطلحہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے بعض کو بعض میں جاری (داخل) کر دے گا۔ [1] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض کو بعض میں جاری (داخل) کر دے گا تو ان کا پانی ختم ہو جائے گا۔ [2] امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا میٹھا پانی نمکین کے ساتھ مل جائے گا۔ [3]

﴿ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ ﴾ ”اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ بُعْثِرَتْ ۝ ﴾ کے معنی ہیں کہ جب اکھیڑ دی جائیں گی۔ [4] اور سدی فرماتے ہیں کہ تُبَعْثَرُ کے معنی ہیں کہ ان کو جھنجھوڑا جائے گا اور پھر جو کوئی ان میں ہوگا اسے باہر نکال دیا جائے گا۔ [5] ﴿ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝ ط ﴾ ”ہر شخص جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا تھا۔“ یعنی جب مذکورہ بالا امور پیش آئیں گے تو اس وقت یہ صورتحال ہوگی کہ ہر شخص اپنے عملوں کو جان لے گا۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے رب کو نہ بھولے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ ﴾ ”اے انسان! تجھے تیرے نہایت کرم والے رب کی بابت کس چیز نے دھوکا دیا؟“ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ڈانٹ ہے، یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کریم یہاں لا کر جواب کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے کہ یہ صفت اس لیے لائی گئی ہے تاکہ کہنے والا یہ کہہ سکے کہ اسے تو اللہ تعالیٰ کے کرم نے دھوکا دیا ہے بلکہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اے ابن آدم! تجھے تیرے کریم، یعنی عظیم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا حتی کہ تو اس کی معصیت و نافرمانی پر اتر آیا اور تو اس طرح اس کے سامنے آیا جو اس کی شان کے مطابق نہ تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: [(اِبْنَ آدَمَ!) مَا غَرَّكَ بِي؟(اِبْنَ آدَمَ!) مَاذَا أَجَبْتَ الْمُرْسَلِينَ؟] ”ابن آدم! تجھے میرے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟ ابن آدم! تو نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟“ [6]

امام بغوی نے کلبی اور مقاتل سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: یہ آیت اسود بن شریق کے بارے میں اس وقت

---

[1] تفسیر الطبری: 106/30 . [2] تفسیر الطبری: 106/30 . [3] تفسیر الطبری: 106/30 . [4] تفسیر الطبری: 106/30 . [5] تفسیر الماوردی: 221/6 . [6] المعجم الأوسط للطبرانی، باب من اسمه أحمد: 140/1، حدیث: 449 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ البتہ پہلی اور دوسری قوسین والے الفاظ المعجم الکبیر للطبرانی: 182/9، حدیث: 8899 میں موقوفاً مروی ہیں، جبکہ یہ حدیث مرفوعاً ضعیف ہے۔

نازل ہوئی تھی جب اس نے نبی ﷺ کو مارا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے فوراً اسی وقت اپنے عذاب کی گرفت میں نہ لیا بلکہ یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔ [1]

﴿الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۟ۙ﴾ ”وہ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا پھر تجھے معتدل بنایا۔“ یعنی اس رب کریم کے بارے میں کس چیز نے تجھے دھوکے میں مبتلا کر دیا جس نے تجھے ٹھیک ٹھیک حالت میں نہایت اچھے توازن اور اعتدال کے ساتھ، خوب صورت قد و قامت اور حسین و جمیل شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بُسر بن جَحّاش قُرشی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے کفِ دست پر لعاب مبارک ڈالا، پھر اس پر انگشت مبارک (اشارے کے طور پر) رکھتے ہوئے فرمایا:[قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ابْنَ آدَمَ! أَنّٰى تُعْجِزُنِي وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ مِّثْلِ هٰذِهٖ، حَتّٰى إِذَا سَوَّيْتُكَ وَعَدَلْتُكَ مَشَيْتَ بَيْنَ بُرْدَيْنِ، وَلِلْأَرْضِ مِنْكَ وَئِيدٌ فَجَمَعْتَ وَمَنَعْتَ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ قُلْتَ: أَتَصَدَّقُ، وَأَنّٰى أَوَانُ الصَّدَقَةِ؟] ”اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے، حالانکہ میں نے تجھے اس طرح کی چیز سے پیدا فرمایا ہے حتی کہ جب میں نے تجھے ٹھیک ٹھیک اور نہایت توازن واعتدال کے ساتھ پیدا کر دیا تو تو اپنی دو چادروں کے درمیان چلنے لگا اور تیری آہٹ سے زمین لرز رہی تھی، پھر تو نے مال جمع کیا اور خرچ نہ کیا حتی کہ جب وہ (روح) ہنسلیوں تک پہنچ گئی تو تو نے کہا کہ میں صدقہ کرتا ہوں لیکن اب یہ صدقے کا کون سا وقت ہے؟“ [2] امام ابن ماجہ نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴾ ”اس نے جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔“ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس نے تجھے باپ یا ماں یا ماموں یا چچا سے مشابہ صورت عطا فرمائی۔ [4] صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ بچے کو جنم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:[هَلْ لَّكَ مِنْ إِبِلٍ؟] ”کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟“ اس نے عرض کی: جی ہاں، فرمایا:[فَمَا أَلْوَانُهَا؟] ”تو ان کا رنگ کیا ہے؟“ اس نے کہا: سرخ، آپ ﷺ نے فرمایا:[فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟] ”کیا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟“ اس نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا:[فَأَنّٰى أَتَاهَا (ذٰلِكَ)؟] ”یہ کہاں سے آ گیا؟“ اس نے عرض کی: ہو سکتا ہے اوپر کی نسل کی طرف سے کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو، آپ ﷺ نے فرمایا:[وَهٰذَا عَسٰى أَنْ يَّكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ] ”ہو سکتا ہے کہ یہ بچہ بھی کسی رگ نے کھینچا ہو۔“ [5]

فرشتے اعمال لکھ رہے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴾ ”ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ جزا وسزا

---

[1] تفسیر البغوی: 219/5 یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] مسند أحمد: 210/4. [3] سنن ابن ماجه، الوصايا، باب النهي عن الإمساك في الحياة......، حديث: 2707. [4] تفسير الطبري: 109/30. [5] صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا عرض بنفي الولد، حديث: 5305 وصحيح مسلم، اللعان، حديث: 1500 واللفظ له البتہ قوسین والا لفظ صحیح بخاری کے مطابق ہے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿13﴾ وَّاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿14﴾ یَّصۡلَوۡنَہَا یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿15﴾ وَمَا ہُمۡ

یقیناً نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے ⑬ اور یقیناً بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے ⑭ وہ روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے ⑮ اور وہ اس سے

عَنۡہَا بِغَآئِبِیۡنَ ﴿16﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿17﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿18﴾ یَوۡمَ

غائب (دور) نہ ہو سکیں گے ⑯ اور آپ کو کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے؟ ⑰ پھر آپ کو کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے؟ ⑱ اس دن کوئی شخص کسی کے لیے

ع 1 19 7 لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا ؕ وَالۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ﴿19﴾

کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہو گا ⑲

کو جھٹلاتے ہو۔'' یعنی اپنے رب کریم کی معصیت اور نافرمانی پر تمھیں یہ بات اکساتی ہے کہ تمھارے دل آخرت، جزا اور حساب کی تکذیب کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ﴿10﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿11﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿12﴾ ﴾ ''حالانکہ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں، معزز لکھنے والے، جو تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔'' یعنی تم پر ملائکہ جو بڑے ہی عالی قدر ہیں، بطور نگہبان مقرر ہیں، لہٰذا ان کے سامنے برے اعمال نہ کرو کیونکہ وہ تمھارے اعمال کو لکھ لیتے ہیں۔

تفسیر آیات:13-19

نیکوکار اور بدکردار لوگوں کی جزا: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ نیکوکار جنت کی ابدی و سرمدی نعمتوں سے فیض یاب ہوں گے کہ انھوں نے اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت کی اور اس کی معصیت و نافرمانی نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بدکردار لوگوں کا انجام بتایا کہ وہ جہنم رسید ہو کر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ یَّصۡلَوۡنَہَا یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿15﴾ ﴾ ''وہ جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔'' ﴿ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿15﴾ ﴾ سے مراد حساب، جزا اور قیامت کا دن ہے۔ ﴿ وَمَا ہُمۡ عَنۡہَا بِغَآئِبِیۡنَ ﴿16﴾ ﴾ ''اور وہ اس سے غائب (دور) نہ ہو سکیں گے۔'' یعنی عذاب الٰہی سے ایک لمحے کے لیے بھی چھپ نہیں سکیں گے اور نہ ان سے عذاب میں تخفیف ہی کی جائے گی اور ان کی اس بات کا انھیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا جو وہ التجا کریں گے کہ انھیں موت ہی آجائے یا کم از کم ایک دن ہی عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿17﴾ ﴾ ''اور آپ کو کیا خبر جزا کا دن کیا ہے؟'' یہ یوم قیامت کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے اور پھر مزید تاکید کے طور پر فرمایا: ﴿ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿18﴾ ﴾ ''پھر آپ کو کیا خبر جزا کا دن کیا ہے؟'' پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا ؕ ﴾ ''جس روز کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی۔'' یعنی اس دن کوئی کسی کو نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ کسی کو عذاب سے نجات دلا سکے گا الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت عطا فرما دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے۔ ہم یہاں اس حدیث کا حوالہ دیں گے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [یَا بَنِی هَاشِمٍ ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ ...... لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا] ''اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لو...... میں اللہ تعالیٰ سے تمھارے

لیے کسی چیز کا مالک نہیں۔‘‘[1] اس حدیث کو سورۂ شعراء کی تفسیر کے آخر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[2]

اور پھر فرمایا: ﴿ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾ ’’اور اس روز حکم صرف اللہ کا ہوگا۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ (المؤمن 40:16) ’’آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ ہی کی جو اکیلا (اور) بہت دبدبے والا ہے۔‘‘ ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ ﴾ (الفرقان 25:26) ’’اس دن حقیقی بادشاہی رحمٰن ہی کی ہوگی۔‘‘ ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ (الفاتحة 1:4) ’’بدلے کے دن کا مالک ہے۔‘‘

امام قتادہ ﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾ ’’جس روز کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس روز حکم صرف اللہ کا ہوگا۔‘‘ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! حکم تو آج بھی صرف اور صرف اللہ ہی کا ہے لیکن اس دن کوئی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑا نہیں کر سکے گا۔[3]

سورۂ انفطار کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله تعالی: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ (الشعرآء 26:214)، حدیث: 204 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ۔ [2] دیکھیے تفسیر ابن کثیر (مفصل)، الشعرآء، آیت: 214 کے ذیل میں۔ [3] تفسیر الطبری: 111/30.

تفسیر سُورۂ مُطَفِّفِین

یہ سورت مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ

ڈنڈی مارنے والوں کے لیے تباہی ہے ① وہ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کریں تو پورا لیتے ہیں ② اور جب وہ انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیتے

يُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑤ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ

ہیں ③ کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ بیشک وہ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے ④ ایک عظیم دن کے لیے ⑤ جس دن لوگ رب العالمین کے

الْعٰلَمِيْنَ ⑥

سامنے کھڑے ہوں گے ⑥

تفسیر آیات:1-6

ناپ تول میں کمی بیشی تباہی و بربادی کا سبب ہے: امام نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو قدومِ میمنت لزوم سے نوازا تو مدینہ کے لوگ ناپ میں سب سے زیادہ برے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① ﴾ نازل فرمائی تو اس کے بعد انھوں نے ناپ اچھا کر دیا۔[1] تَطْفِيف سے مراد یہاں ناپ تول میں خرابی ہے جو کمی بیشی دونوں صورتوں میں ہوسکتی ہے، یعنی اگر لوگوں سے لیں تو زیادہ لیں اور اگر ان کو دیں تو کم کر کے دیں، یہی وجہ ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، جنھیں تباہی و بربادی کی وعید سنائی ہے، یہ عادت بتائی ہے کہ ﴿ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ ﴾ ''وہ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کریں'' ﴿ يَسْتَوْفُوْنَ ② ﴾ ''تو پورا لیتے ہیں۔'' یعنی اپنا حق پورا پورا لے لیتے ہیں بلکہ حق سے بھی زیادہ لے لیتے ہیں، ﴿ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ ﴾ ''اور جب وہ انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیتے ہیں۔'' زیادہ بہتر یہ ہے کہ ﴿ كَالُوْ ﴾ اور ﴿ وَّزَنُوْ ﴾ کو متعدی بنا دیا جائے اور ﴿ هُمْ ﴾ کو محل نصب میں قرار دیا جائے۔ اور بعض نے ﴿ هُمْ ﴾ ضمیر کو ﴿ كَالُوْ ﴾ اور ﴿ وَّزَنُوْ ﴾ کی ضمیر مستتر ﴿ هُمْ ﴾ کی تاکید بنایا ہے اور دلالت کلام کی وجہ سے مفعول کو حذف قرار دیا ہے لیکن دونوں صورتوں میں معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔

① السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة المطففين: 508/6، حديث: 11654 و سنن ابن ماجه، التجارات، باب التوقي في الكيل والوزن، حديث: 2223.

اللہ تعالیٰ نے ناپ اور تول پورا پورا دینے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء يل 35:17) ”اور جب (کوئی چیز) ماپ کر دو تو تم ماپ پورا کرو اور سیدھی ترازو کے ساتھ تولو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔“ ﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (الأنعام 152:6) ”اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جان کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔“ ﴿ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ ﴾ (الرحمٰن 9:55) ”اور تم انصاف کے ساتھ تول سیدھا رکھو اور تول میں کمی مت کرو۔“ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو صرف اس گناہ کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا تھا کہ وہ لوگوں کو ناپ اور تول کم کر کے دیتے تھے۔

کمی بیشی کرنے والوں کو رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرانا: پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ ”کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ بے شک وہ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے؟ ایک بہت بڑے دن کے لیے۔“ یعنی کیا یہ ڈرتے نہیں کہ انھیں ایک بڑے سخت، نہایت ہولناک اور بڑے خوفناک دن میں اس کے سامنے کھڑے ہونا ہے جو ان کی تمام مخفی باتوں بلکہ دلوں کی دھڑکنوں تک سے بھی آگاہ ہے؟ اور اس دن جو ناکام ہو گیا وہ سخت بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ”جس دن (تمام) لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“ یعنی وہ برہنہ جسم، ننگے پاؤں، غیر مختون حالت میں ایک بڑی ہی مشکل، تنگ اور خوفناک جگہ میں کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ان پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گی جسے برداشت کرنے سے قوتیں اور حواس عاجز و درماندہ ہوں گے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے نافع سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [﴿ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ حَتّٰى يَغِيبَ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلٰى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ] ”جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے“ یہاں تک کہ بعض لوگ اپنے آدھے آدھے کانوں تک اپنے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔“ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ اور عبداللہ بن عون کے طریق سے بیان کیا ہے اور ان دونوں نے حضرت نافع سے اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[1] امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اسے ان دونوں طریق سے روایت کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: [إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أُدْنِيَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْعِبَادِ حَتّٰى تَكُونَ قِيدَ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ، قَالَ: فَتَصْهَرُهُمُ الشَّمْسُ فَيَكُونُونَ فِي الْعَرَقِ كَقَدْرِ أَعْمَالِهِمْ، مِّنْهُمْ مَّنْ يَّأْخُذُهُ إِلٰى عَقِبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّأْخُذُهُ إِلٰى

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (المطففين 6:83)، حديث: 4938 مالك عن نافع و 6531 ابن عون عن نافع. [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في صفة يوم القيامة......، حديث: 2862.

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ⑦ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ⑧ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑨ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ

ہرگز نہیں! بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ یقیناً سِجِّین میں ہے ⑦ اور آپ کو کیا معلوم کہ سِجِّین کیا ہے؟ ⑧ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ⑨ ہلاکت ہے

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ⑪ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ اِذَا تُتْلٰى

اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ⑩ وہ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں ⑪ اور اسے صرف ہر حد سے بڑھا گناہ گار جھٹلاتا ہے ⑫ جب اس پر ہماری آیتیں

عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭

تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ⑬ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے ⑭

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯

ہرگز نہیں! بیشک اس روز وہ (کافر) اپنے رب (کے دیدار) سے یقیناً پردے میں رکھے جائیں گے ⑮ پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰

گے ⑯ پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ⑰

رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّأْخُذُهُ إِلٰى حَقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّلْجِمُهُ إِلْجَامًا] ”جب قیامت کا دن ہوگا تو سورج بندوں کے اس قدر قریب کر دیا جائے گا کہ وہ ایک یا دو میل کے فاصلے پر ہوگا، سورج انھیں پگھلا دے گا اور وہ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوب جائیں گے، کچھ لوگ اپنی ایڑیوں تک، کچھ گھٹنوں تک اور کچھ کمر تک پسینے میں ہوں گے اور کچھ لوگوں کو پسینے نے لگام ڈالی ہوگی۔“[1] اسے امام مسلم اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

سنن ابو داود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کھڑے ہونے کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے۔[3] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ چالیس سال تک اپنے سروں کو آسمان کی طرف اٹھائے کھڑے رہیں گے اور ان سے کوئی بات بھی نہیں کرے گا اور پسینے نے نیک و بدسب کو لگام پہنا رکھی ہوگی۔[4] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ سو سال تک کھڑے رہیں گے۔ ان دونوں روایتوں کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[5] اور سنن ابو داود، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیام اللیل کا آغاز کرتے وقت دس بار اَللّٰهُ أَكْبَر، دس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، دس بار سُبْحَانَ اللّٰه اور دس بار أَسْتَغْفِرُ اللّٰه پڑھتے اور پھر یہ دعا پڑھتے: [اَللّٰهُمَّ! اِغْفِرْلِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي] ”اے اللہ! مجھے معاف فرما، مجھے ہدایت عطا فرما، مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت عطا فرما۔“ آپ ﷺ قیامت کے دن کھڑے ہونے کی تنگی سے بھی پناہ مانگا کرتے

---

① مسند أحمد :4,3/6. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في صفة يوم القيامة......، حديث: 2864 و جامع الترمذي، صفة القيامة والرقائق والورع، باب، حديث :2421 . ③ سنن أبي داود، الصلاة، باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء، حديث : 766 عن عائشة رضي الله عنها . ④ تفسير الطبري : 117/30. ⑤ تفسير الطبري: 116/30.

تھے۔ ①

تفسیر آیات :7-17

بدکاروں کے اعمال و احوال: سچ فرمایا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے: ﴿ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴾ ''بلاشبہ بدکاروں کا اعمال نامہ یقیناً سجین میں ہے۔'' یعنی ان کا ٹھکانا سجین ہے، یہ سِجْنٌ سے فِعِّیل کے وزن پر ہے اور اس کے معنی تنگی کے ہیں، یہ ایسے ہے جیسے فِسِّیق ، شِرِّیب، خِمِّیر اور سِکِّیر کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی لیے سجین کی عظمت و اہمیت کے پیش نظر فرمایا: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے ؟'' یعنی وہ ایک امر عظیم، ہمیشہ ہمیشہ کی قید اور دردناک عذاب ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی طویل حدیث کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کی روح کے بارے میں فرماتا ہے: [اُكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّينٍ] ''اس کی کتاب کو سجین میں لکھ دو۔'' ② اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ بدکاروں کا ٹھکانا جہنم ہے جو پست سے پست جگہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (التین 95:5,6) ''پھر ہم نے اسے لوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴾ ''ہرگز نہیں! بلاشبہ بدکاروں کا اعمال نامہ یقیناً سجین میں ہے اور آپ کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟'' سجین تنگی اور پستی دونوں کا مفہوم لیے ہوئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴾ (الفرقان 25:13) ''اور جب وہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴾ ''ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔'' یہ ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴾ کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کی تفسیر ہے جو سجین کو ان کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے، یعنی اس بات کو لکھ دیا گیا اور تحریر کر دیا گیا ہے کہ سجین کن لوگوں کا ٹھکانا ہوگا اور اب اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ یہ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ③ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے جو قید اور سخت رسوا کن عذاب کا وعدہ کیا ہے جب وہ روز قیامت اس سے دوچار ہوں گے تو ان کے لیے تباہی ہوگی۔

---

① سنن أبي داود، الصلاة، باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء، حديث : 766 و سنن النسائي، قيام الليل......، باب ذكر ما يستفتح به القيام، حديث : 1618 و سنن ابن ماجه إقامة الصلوات......، باب ما جاء في الدعاء إذا قام الرجل من الليل، حديث : 1356 . ملحوظہ: سنن ابوداود اور نسائی میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه دس بار کہنے کا بھی ذکر ہے۔ ② دیکھیے إبرٰهیم، آیت : 27 کے ذیل میں عنوان: ''نیک اور بد روح آخرت کی راہوں پر'' اور مسند أحمد: 288,287/4 . ③ الدر المنثور: 538/6 .

﴿ وَيْلٌ ﴾ کے بارے میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔[1] بہر حال اس سے مراد تباہی و بربادی اور ہلاکت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: وَيْلٌ لِّفُلَانٍ ”فلاں شخص کے لیے تباہی و بربادی ہے۔“ جیسا کہ مسند اور سنن میں بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدہ نے اپنے باپ سے اور انھوں نے بہز کے دادا (اپنے باپ) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَيْلٌ لِّلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ (النَّاسَ) وَيْلٌ لَّهُ، وَيْلٌ لَّهُ] ”تباہی و بربادی ہے اس شخص کے لیے جو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے تا کہ لوگوں کو ہنسائے، تباہی و بربادی ہے اس کے لیے، تباہی و بربادی ہے اس کے لیے۔“[2] پھر اللہ تعالیٰ نے تکذیب کرنے والے بدکاروں اور کافروں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ ”جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔“ یعنی جو اس کے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق نہیں کرتے، اس کا اعتقاد نہیں رکھتے اور اسے بہت بعید سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴾ ”اور اسے صرف ہر حد سے نکل جانے والا، گناہ گار جھٹلاتا ہے۔“ یعنی اپنے افعال میں حد سے بڑھ جاتا ہے کہ حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے، مباح کاموں سے تجاوز کر کے گناہ کے کاموں تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا اور اگر لڑائی جھگڑا کرتا ہے تو گالیاں بکتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ ”جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“ یعنی جب یہ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتا ہے تو اس کی تکذیب کرتا ہے، اس کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ من گھڑت کلام ہے جسے پہلی کتابوں میں سے جمع کر لیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (النحل 24:16) ”اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا اتارا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ (وہ تو) پہلے لوگوں کی بے اصل کہانیاں ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴾ (الفرقان 5:25) ”اور انھوں نے کہا: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (جو) اس نے لکھوائی ہیں، پھر وہ صبح و شام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ ”ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے۔“ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انھوں نے گمان کیا اور کہا ہے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی حکایتوں پر مشتمل ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی ہے جسے اس نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل

[1] ﴿ وَيْلٌ ﴾ کے مفہوم کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر (مفصل)، البقرۃ، آیت: 79 کے ذیل میں۔ [2] مسند أحمد: 3,2/5 وسنن أبي داود، الأدب، باب التشديد في الكذب، حديث: 4990 وجامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء من تكلم بالكلمة ليضحك الناس، حديث: 2315 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة المطففين: 509/6، حديث: 11655 واللفظ له، البتہ قوسین والا لفظ السنن الكبرى للبيهقي، الشهادات، باب من كان منكشف الكذب مظهره......: 196/10 کے مطابق ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳ يَّشْهَدُهُ

ہرگز نہیں! بے شک نیک لوگوں کا اعمال نامہ یقیناً علییّن میں ہے⑱اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ علییّن کیا ہے؟⑲ایک کتاب ہے لکھی ہوئی⑳اس کے

الْمُقَرَّبُوْنَ ㉑ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ㉒ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ㉓ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ

پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں㉑بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے㉒مسہریوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے㉓ان کے چہروں پر

النَّعِيْمِ ㉔ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ㉕ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ㉖

آپ نعمتوں کی تازگی محسوس کریں گے㉔انھیں مہر لگی خالص شراب پلائی جائے گی㉕اس پر کستوری کی مہر لگی ہوگی، لہٰذا شائقین کو اسی کا شوق کرنا

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ㉗ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ㉘

چاہیے㉖اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی㉗(وہ) ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب بندے پئیں گے㉘

فرمایا ہے اور ان کے دل ایمان لانے سے اس لیے محروم ہیں کہ ان پر زنگ لگا ہوا ہے جو گناہوں اور خطاؤں کی کثرت کا نتیجہ ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭ ﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے۔'' کافروں کے دلوں پر جو چیز طاری ہوتی ہے اسے رَیْن (زنگ) کہا جاتا ہے اور ابرار کے دلوں کی کیفیت کو غَیم (پردہ) اور مقربین کے دلوں کی حالت کو غَیْن (بھول اور غفلت وغیرہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قلب انسانی پر گناہ کا اثر: امام ابن جریر، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَذْنَبَ ذَنْبًا كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ مِنْهَا صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ زَادَتْ، فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭ ﴾] ''بلاشبہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، پس اگر توبہ کر لے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر اور گناہ کرے تو سیاہی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭ ﴾۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ ﴾ ''ہرگز نہیں! بے شک وہ (کافر) اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے یقیناً پردے میں رکھے جائیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن ان کا مقام اور ٹھکانا سجین ہوگا، پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ اس دن اپنے رب اور خالق کے دیدار سے بھی محروم کر دیے جائیں گے۔ حضرت امام ابوعبداللہ شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ایمان اس دن اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے فیض یاب ہوں گے۔[2] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ ﴾ ''پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں داخل

---

① تفسير الطبرى :123/30 وجامع الترمذى، تفسير القرآن، باب و من سورة ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① ﴾، حديث :3334 والسنن الكبرى للنسائى، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ ﴾ :509/6، حديث :11658 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الذنوب، حديث : 4244 . ② أحكام القرآن للشافعى، فصل فيما يؤثر عنه من التفسير……:40/1 (C.D).

ہونے والے ہیں۔'' یعنی یہ کافر اللہ رحمٰن کے دیدار سے محرومی کے ساتھ ساتھ جہنم رسید بھی ہوں گے۔ ﴿ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ ﴾ ''پھر کہا جائے گا: یہی ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' یعنی یہ انھیں ذلیل وخوار کرتے اور ڈانٹ ڈپٹ پلاتے ہوئے کہا جائے گا۔

تفسیر آیات:18-28

نیکوکاروں کا اعمال نامہ اور ان کی جزا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ ﴾ ''بے شک نیک لوگوں کا اعمال نامہ'' بدکاروں کے برعکس ﴿ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ ﴾ ''یقیناً علیین میں ہے۔'' یعنی سجین کے بجائے ان کا ٹھکانا علیین ہے۔ ہلال بن یساف سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب سے ﴿ سِجِّيْنٍ ﴿۷﴾ ﴾ (المطفّفين 7:83) کے بارے میں پوچھا اور اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں۔[1] پھر انھوں نے ان سے ﴿ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ ﴾ کے بارے میں بھی پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنوں کی روحیں ہیں۔[2] کئی اور اہل علم کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔[3]

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ ﴾ سے مراد جنت ہے۔[4] کئی دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿ عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ ﴾ سدرۃ المنتہٰی کے پاس ہے۔[5] اور ظاہر ہے کہ ﴿ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ ﴾ کا لفظ عُلُوٌّ سے ماخوذ ہے اور جو چیز جیسے جیسے بلند اور مرتفع ہوتی ہے تو ویسے ویسے وہ عظیم اور وسیع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت اور فخامت شان کے پیش نظر فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ ﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ علیین کیا ہے؟'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو کچھ لکھ رکھا ہے اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ﴾ ''ایک کتاب ہے لکھی ہوئی جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں۔'' مقربین سے مراد فرشتے ہیں جیسا کہ امام قتادہ نے فرمایا ہے۔[6] اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر آسمان کے مقربین اس کے پاس حاضر رہتے ہیں۔[7]

پھر ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ ﴾ ''بے شک نیک لوگ ضرور نعمت میں ہوں گے۔'' یعنی قیامت کے دن وہ ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں اور ایسے باغات میں ہوں گے جن میں اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم ہوگا۔ ﴿ عَلَى الْاَرَآئِكِ ﴾ ''تختوں پر (بیٹھے)'' اور وہ تختے آراستہ و پیراستہ مسہریوں کے نیچے ہوں گے۔ ﴿ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ ﴾ ''وہ دیکھ رہے ہوں گے۔'' اس کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ اپنی بادشاہت، اپنی ملکیت اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فضل وکرم اور ان ابدی و سرمدی نعمتوں کے نظارے کر رہے ہوں گے جو کبھی ختم نہ ہوں گی اور اس کے دوسرے معنی یہ بیان کیے

---

[1] تفسیر الطبری: 118/30. [2] تفسیر الطبری: 127/30. [3] تفسیر الطبری: 127/30. [4] تفسیر الطبری: 128/30. [5] تفسیر الطبری: 128/30. [6] تفسیر الطبری: 130/30. [7] تفسیر الطبری: 130/30.

گئے ہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے کیونکہ یہ درحقیقت اس کے بالمقابل بیان کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بدکاروں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ﴾ (المطففین 83:15) ”ہرگز نہیں! بے شک اس روز وہ (کافر) اپنے پروردگار (کے دیدار) سے یقیناً پردے میں رکھے جائیں گے۔“ تو اب ابرار اور نیکوکار لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے تختوں اور بچھونوں پر بھی اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کی سعادت سے بہرہ ور ہوں گے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ ﴾ ”آپ ان کے چہروں پر نعمت کی تازگی محسوس کریں گے۔“ یعنی جب آپ ان کے چہروں کی طرف دیکھیں گے تو چہروں ہی سے یہ معلوم کر لیں گے کہ وہ کس قدر شان و شوکت، دولت و حشمت، مسرت و فرحت اور نعمت و ریاست سے شادکام ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ ﴾ ”انھیں مہر لگی خالص شراب پلائی جائے گی۔“ یعنی انھیں جنت کی شراب پلائی جائے گی۔ ﴿ رَحِيْقٍ ﴾ شراب کا ایک نام ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور (اس حدیث کے راوی عطیہ عوفی فرماتے ہیں:) میرے خیال میں انھوں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کیا ہے: [أَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَقَى مُؤْمِنًا شَرْبَةً عَلٰى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ، وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلٰى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ كَسَا مُؤْمِنًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ] ”جس مومن نے کسی مومن کو پیاس کی حالت میں ایک گھونٹ بھی پلا دیا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن مہر لگی خالص شراب پلائے گا اور جس مومن نے کسی مومن کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جس مومن نے کسی مومن کو برہنگی کی حالت میں لباس دیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز ریشمی لباس زیب تن کرائے گا۔“[2]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں کستوری کی آمیزش ہوگی۔[3] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شراب کو پاکیزہ بنا دیا ہوگا اور آخری چیز جو اس میں ڈالی جائے گی وہ کستوری ہوگی اور پھر کستوری کے ساتھ اسے سربمہر کر دیا جائے گا۔[4] امام قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔[5] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ ﴾ ”لہٰذا شائقین کو اسی کا شوق کرنا چاہیے۔“ یعنی ان نعمتوں پر فخر کرنے والوں کو فخر کرنا چاہیے، انھیں زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہیے اور سبقت کرنے والوں کو اس قسم کی لازوال نعمتوں کے حصول کے لیے سبقت کرنی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ ﴾

---

① تفسیر الطبری: 132,131/30. ② مسند أحمد: 14,13/3 و سنن أبی داود، الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، حدیث: 1682 و جامع الترمذی، صفة القیامة......، باب فی ثواب الإطعام......، حدیث: 2449 یہ حدیث مرفوعاً ضعیف ہے جبکہ موقوفاً صحیح ہے جیسا کہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ (دیکھیے علل الحدیث لابن أبی حاتم، علل أخبار فی ثواب الأعمال: 171/2، رقم: 2007). ③ تفسیر الطبری: 132/30. ④ تفسیر الطبری: 132/30. ⑤ تفسیر الطبری: 133/30.

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿29﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿30﴾

بلاشبہ مجرم لوگ (دنیا میں) مومنوں پر ہنستے تھے﴿29﴾ اور جب وہ ان (مسلمانوں) کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے﴿30﴾

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿31﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿32﴾

اور جب وہ اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹتے تو دل لگی کرتے لوٹتے﴿31﴾ اور جب وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو دیکھتے تو کہتے تھے: بلاشبہ یہ یقیناً گمراہ لوگ ہیں﴿32﴾

وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿33﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿34﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ

حالانکہ وہ (کافر) ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے﴿33﴾ چنانچہ آج مومن لوگ، کافروں پر ہنس رہے ہوں گے﴿34﴾ مسہریوں پر (بیٹھے انھیں) دیکھ رہے

ع 1/36/8 يَنْظُرُونَ ﴿35﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿36﴾

ہوں گے﴿35﴾ (اور کہیں گے:) کیا کافروں کو ان (حرکتوں) کا بدلہ دیا گیا جو وہ کرتے تھے؟﴿36﴾

(الصّٰفّٰت 61:37) ”عمل کرنے والوں کو ایسی ہی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے چاہئیں۔“ ﴿وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿27﴾﴾ ”اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔“ یعنی جس شراب رحیق کی یہ صفت بیان کی جا رہی ہے اس میں شراب تسنیم کی آمیزش ہوگی جو اہل جنت کی سب سے اعلیٰ شراب ہوگی جیسا کہ ابوصالح اور ضحاک کا قول ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿28﴾﴾ ”(وہ) ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب بندے پئیں گے۔“ یعنی مقربین بارگاہِ الٰہی تو اس شراب کو خالص پئیں گے جبکہ اصحاب یمین کے لیے اس میں آمیزش کی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، قتادہ اور کئی دیگر اہل علم نے فرمایا ہے۔[2]

تفسیر آیات:29-36

مجرموں کا مومنوں سے استہزا کرنا: اللہ تعالیٰ مجرموں اور کافروں کے بارے میں فرما رہا ہے کہ وہ دنیا میں مومنوں سے ہنستے، ان کا مذاق اڑاتے اور انھیں حقیر سمجھتے تھے اور جب مومنوں کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے ان کی طرف اشارے کیا کرتے تھے، ﴿وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿31﴾﴾ ”اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگی کرتے لوٹتے۔“ یعنی جب یہ مجرم اپنے گھروں کو لوٹتے تو خوش گپیاں کرتے ہوئے لوٹتے کہ انھوں نے جو طلب کیا تھا اسے پا لیا لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مومنوں سے حسد کرنے اور انھیں حقیر جاننے میں مشغول ہو گئے، ﴿وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿32﴾﴾ ”اور جب وہ ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے تھے: بلاشبہ یہ یقیناً گمراہ لوگ ہیں۔“ کیونکہ انھوں نے ان کے دین کے علاوہ اور دین کو اختیار کر لیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿33﴾﴾ ”حالانکہ وہ (کافر) ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔“ یعنی ان مجرموں کو ان مومنوں پر اور ان کے اقوال واعمال پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا اور نہ انھیں اس بات کا مکلّف ہی قرار دیا گیا ہے تو سوال یہ ہے کہ انھوں نے ان مومنوں کو اپنا ہدف کیوں بنا رکھا ہے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ﴾

---

[1] تفسیر الطبری: 136/30. [2] تفسیر الطبری: 136,135/30.

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:108-111) ’’اس (جہنم) میں ذلیل وخوار پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو، بلاشبہ میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو کہتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، لہٰذا تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے، تو تم نے انھیں مذاق بنالیا یہاں تک کہ انھوں نے تمھیں میری یاد بھلادی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے، بلاشبہ آج میں نے انھیں ان کے صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ بے شک وہی کامیاب ہیں۔‘‘

اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَالْيَوْمَ ﴾ ’’چنانچہ آج‘‘ یعنی قیامت کے دن، ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝34 ﴾ ’’مومن لوگ کافروں پر ہنس رہے ہوں گے۔‘‘ یعنی اس کے مقابلے میں جو کافروں نے دنیا میں مومنوں سے ہنسی کی تھی۔ ﴿ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝35 ﴾ ’’تختوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے۔‘‘ یعنی اللہ عزوجل کا دیدار کر رہے ہوں گے۔ لوگ تو ان کے بارے میں یہ گمان کرتے تھے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں، حالانکہ یہ گمراہ نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے مقربین اولیاء میں سے ہیں، اس عزت وکرامت کے گھر، یعنی جنت میں اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کی سعادت سے فیض یاب ہوں گے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝36 ﴾ ’’کیا کافروں کو اس کا بدلہ مل گیا جو وہ کرتے تھے۔‘‘ یعنی کافر مومنوں سے جو مذاق کرتے اور ان کی تنقیص کیا کرتے تھے، اس کا انھیں بدلہ مل گیا یا نہیں؟ کیوں نہیں! انھیں اس کا پورا پورا اور مکمل بدلہ مل گیا ہے۔

سورۂ مطففین کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سورۂ انشقاق

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ② وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ③ وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا

جب آسمان پھٹ جائے گا① اور وہ اپنے رب کے (حکم کے) لیے کان لگائے گا اور اس کے لائق یہی ہے② اور جب زمین پھیلا دی جائے گی③ اور اس کے

وَتَخَلَّتْ ④ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ⑤ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ

اندر جو کچھ ہے وہ اسے پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی④ اور وہ اپنے رب کے (حکم کے) لیے کان لگائے گی اور اس کے لائق یہی ہے⑤ اے انسان!

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ⑥ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ⑦ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا

بے شک تو اپنے رب کی طرف (جانے کے لیے) سخت محنت کر رہا ہے، بالآخر تو اس سے ملنے والا ہے⑥ پھر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں

يَّسِيْرًا ⑧ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑨ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ⑩

دیا گیا⑦ تو جلد ہی اس سے آسان حساب لیا جائے گا⑧ اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹے گا⑨ اور جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ پیچھے دیا

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ⑫ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬ اِنَّهٗ

گیا⑩ تو عنقریب وہ تباہی کو دعوت دے گا⑪ اور وہ بھڑکتی آگ میں جا پڑے گا⑫ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں بڑا خوش تھا⑬ بے شک اس

ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭ بَلٰۤى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ⑮

نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائے گا⑭ کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اسے دیکھ رہا تھا⑮

سورۂ انشقاق میں سجدۂ تلاوت: ابوسلمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① ﴾ کی تلاوت فرمائی تو سجدہ کیا اور جب فارغ ہوئے تو انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت میں سجدہ کیا تھا۔ اسے امام مسلم اور نسائی نے بطریق امام مالک رحمہ اللہ روایت کیا ہے۔[1] اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ابورافع سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عشاء ادا کی تو انھوں نے ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① ﴾ کی قراءت کی اور سجدہ کیا، میں نے اس بارے میں ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کرتے

① صحیح مسلم، المساجد......، باب سجود التلاوۃ، حدیث: 578 و السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورۃ الانشقاق: 510/6، حدیث: 11660.

ہوئے اس سورت میں سجدہ کیا تھا، لہٰذا میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میں آپ ﷺ سے جا ملوں۔ ①

تفسیر آیات: 1-15

قیامت کے دن آسمان کا پھٹنا اور زمین کا پھیلنا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① ﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا۔'' اور یہ قیامت کے دن ہوگا، ﴿ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا ﴾ ''اور اپنے پروردگار (کے حکم) کے لیے کان لگائے گا۔'' یعنی اپنے رب کا حکم سنے گا اور پھر وہ اسے پھٹ جانے کا جو حکم دے گا تو یہ اس کے حکم کی اطاعت بجا لائے گا اور یہ واقعہ قیامت کے دن رونما ہوگا۔ ﴿ وَحُقَّتْ ② ﴾ ''اور (یہی) اس کے لائق ہے۔'' یعنی آسمان کے لیے واجب یہی ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت بجا لائے کیونکہ وہ عظیم بادشاہ ہے کہ اس کی بات کو ٹالا نہیں جا سکتا اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے بلکہ اس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے اور ہر چیز اس کے سامنے عاجز و درماندہ ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ③ ﴾ ''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔'' یعنی کشادہ کر دی جائے گی، بچھا دی جائے گی اور وسیع کر دی جائے گی۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ④ ﴾ ''اور جو کچھ اس میں ہے اسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔'' یعنی اس کے پیٹ میں جو مردے ہیں، انھیں باہر نکال دے گی اور ان سے بالکل خالی ہو جائے گی۔ یہ حضرت مجاہد، سعید اور قتادہ کا قول ہے۔ ② ﴿ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ⑤ ﴾ ''اور وہ اپنے رب (کے حکم) کے لیے کان لگائے گی اور (یہی) اس کے لائق ہے۔'' جیسے ابھی گزرا ہے۔

اعمال کی جزا برحق ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا ﴾ ''اے انسان! بے شک تو اپنے پروردگار کی طرف (جانے کے لیے) سخت محنت کر رہا ہے۔'' یعنی اپنے پروردگار تک پہنچنے کے لیے خوب کوشش اور عمل کر رہا ہے۔ ﴿ فَمُلٰقِيْهِ ⑥ ﴾ ''بالآخر اس سے ملنے والا ہے۔'' پھر تو عنقریب جو اچھا یا برا عمل تو نے کیا ہوگا، وہاں پا لے گا۔ اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابو داود طیالسی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ جِبرِيلُ : يَا مُحَمَّدُ! عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ، وَأَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ (مُلَاقِيهِ)] ''جبریل نے کہا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) آپ جس قدر چاہیں زندہ رہیں، پھر بالآخر مرنا ہے، جس سے چاہیں محبت رکھیں، پھر ایک نہ ایک دن اسے چھوڑ دینا ہے اور جو چاہیں عمل کریں، پھر اس سے ضرور جا ملیں گے۔'' ③ بعض لوگ ضمیر کو ﴿ رَبِّكَ ﴾ کی طرف لوٹاتے ہیں تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تم اپنے رب سے جا ملو گے اور پھر وہ تمھارے عمل کے مطابق جزا اور سعی و کوشش کے مطابق بدلہ دے گا۔ بہرحال یہ دونوں قول لازم و ملزوم ہیں۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو چاہو عمل کرو،

① صحیح البخاری، سجود القرآن وسنتها، باب من قرأ السجدة فی الصلاة فسجد بها، حدیث: 1078. ② تفسیر الطبری: 143/30 و تفسیر القرطبی: 270/19. ③ مسند أبی داود الطیالسی: 313/3، حدیث: 1862، البتہ قوسین والا لفظ شعب الإیمان للبیهقی، باب فی الزهد و قصر الأمل: 349,348/7، حدیث: 10540 کے مطابق ہے۔

تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے، خواہ اچھے عمل ہوں یا برے۔ ①

روزِ قیامت حساب اور باز پرس: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ ﴾ ’’پھر جس شخص کو اس کا (اعمال) نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو جلد ہی اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔‘‘ یعنی اس کا حساب آسان ہوگا، مشکل نہیں ہوگا، اس کے اعمال کی تمام جزئیات کے بارے میں اس سے باز پرس نہیں کی جائے گی کیونکہ جس شخص کا حساب اس طرح باریک بینی سے ہوا تو وہ تو یقینی طور پر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ (نُوْقِشَ الْحِسَابَ) عُذِّبَ] ’’جس سے باریک بینی سے حساب لیا گیا تو اسے عذاب ہوگا۔‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ ﴾ ’’تو جلد ہی اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيْسَ (ذَاكِ) بِالْحِسَابِ، وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ الْعَرْضُ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عُذِّبَ] ’’اس سے مراد حساب کتاب نہیں ہے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہونا ہے اور جس کا قیامت کے دن سختی سے حساب لیا گیا تو اسے عذاب ہوگا۔‘‘ ② اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ ﴾ ’’اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش واپس آئے گا۔‘‘ یعنی اپنے گھر والوں کے پاس جنت میں آئے گا، یہ امام قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ④ ﴿ مَسْرُوْرًا ۝ ﴾ ’’خوش خوش۔‘‘ یعنی ہنسی خوشی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ ﴾ ’’اور جس شخص کو اس کا (اعمال) نامہ اس کی پیٹھ پیچھے دیا گیا۔‘‘ یعنی اس کے ہاتھ کو دوہرا کر کے پیچھے کی طرف لایا جائے گا اور پھر اس کے اس بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ ﴿ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ ﴾ ’’تو عنقریب وہ ہلاکت کو پکارے گا۔‘‘ یعنی خسارے اور تباہی کو پکارے گا۔

﴿ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ ﴾ ’’اور وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا، بلاشبہ وہ اپنے اہل (وعیال) میں بڑا خوش تھا۔‘‘ یعنی مست رہتا تھا اور انجام کے بارے میں نہیں سوچتا تھا اور آگے پیش آنے والے حالات سے نہیں ڈرتا تھا تو اس چھوٹی سی خوشی کے بجائے اسے طویل غم و حزن لاحق ہوگا۔ ﴿ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ ﴾ ’’بے شک اس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائے گا۔‘‘ یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹے گا

① تفسير الطبري : 144/30. ② مسند أحمد : 47/6، البتہ پہلے اور دوسرے قوسین والے الفاظ صحیح مسلم کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہیں۔ ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، حديث : 6537 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب إثبات الحساب، حديث :(80,79)-2876 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ ﴾، حديث : 3337 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة الانشقاق : 510/6، حديث : 11659 و تفسير الطبري :145/30. ④ تفسير الطبري : 147/30 .

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿16﴾ وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿17﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿18﴾ لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا

پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی ⑯ اور رات کی اور اس کی جو کچھ وہ سمیٹتی ہے ⑰ اور چاند کی جبکہ وہ پورا ہو جاتا ہے ⑱ تم ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے

عَنۡ طَبَقٍ ﴿19﴾ فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿20﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ ﴿21﴾ السجدة 14

دوسری حالت کو پہنچو گے ⑲ پھر ان (کافروں) کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ؟⑳ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے ㉑ بلکہ

بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُكَذِّبُوۡنَ ﴿22﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُوۡعُوۡنَ ﴿23﴾ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ

کافر تو (الٹا) جھٹلاتے ہیں ㉒ اور جو کچھ وہ (سینوں میں) محفوظ رکھتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے ㉓ تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر دے

ع 1 25 9 اَلِيۡمٍ ﴿24﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿25﴾ ع

دیجیے ㉔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے ㉕

اور نہ اللہ تعالیٰ اسے موت کے بعد اٹھائے گا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے۔① حُور کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ ﴿ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيۡرًا ﴿15﴾ ﴾ ”کیوں نہیں! بلاشبہ اس کا پروردگار اسے دیکھ رہا تھا۔“ یعنی کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ اسے ضرور اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ اس نے پہلی بار اسے پیدا فرمایا تھا اور پھر وہ اس کے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ بھی دے گا کیونکہ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے بارے میں اسے پورا پورا علم اور خبر تھی۔

تفسیر آیات:16-25

﴿ بِالشَّفَقِ ﴾ کے معنی و مفہوم: حضرت علی، ابن عباس، عبادہ بن صامت، ابو ہریرہ، شداد بن اوس، ابن عمر رضی اللہ عنہم، محمد بن علی بن حسین، مکحول، بکر بن عبداللہ مزنی، بکیر بن اشج، مالک، ابن ابو ذئب اور عبدالعزیز بن ابو سلمہ ماجشون سے روایت ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے۔② اور امام عبدالرزاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شفق سے مراد سفیدی ہے۔③ شفق سے مراد افق کی سرخی ہے، خواہ وہ طلوع آفتاب سے قبل ہو جیسا کہ امام مجاہد نے فرمایا ہے④ یا غروب آفتاب کے بعد ہو جیسا کہ اہل لغت کے ہاں مشہور ہے، چنانچہ خلیل بن احمد لکھتے ہیں کہ شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب سے لے کر عشاء کے وقت تک رہتی ہے، جب یہ سرخی ختم ہو جائے تو کہتے ہیں: غَابَ الشَّفَقُ ”سرخی غائب ہوگئی۔“⑤ جوہری کہتے ہیں شفق سورج کی باقی ماندہ روشنی اور سرخی کو کہتے ہیں جو رات کے ابتدائی حصے میں عشاء کے قریب تک باقی رہتی ہے۔⑥ حضرت عکرمہ کا بھی یہی قول ہے کہ شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو مغرب و عشاء کے درمیان ہوتی ہے۔⑦ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَقۡتُ

① تفسیر الطبری: 149,148/30. ② تفسیر القرطبی: 275,274/19 وتفسیر عبدالرزاق: 409/3، رقم: 3552.
③ تفسیر عبدالرزاق: 408/3، رقم: 3550. ④ تفسیر الطبری: 149/30. ⑤ کتاب العین، باب القاف والشین......: 45/5. مگر اس میں غَابَ الشَّفَقُ کے الفاظ نہیں ہیں، البتہ یہ الفاظ الصحاح اور تفسیر القرطبی کے آمدہ حوالے میں موجود ہیں۔
⑥ الصحاح، مادة: شفق و تفسیر القرطبی: 275/19. ⑦ فتح القدیر: 494/5.

صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ] ''نماز مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سرخی غائب نہ ہو۔''[1] یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ شفق کے صحیح معنی وہی ہیں جو علامہ خلیل اور جوہری نے بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴾ ''اور رات کی اور اس کی جو وہ سمیٹتی ہے'' کے معنی ہیں کہ اور جو رات جمع کر لیتی ہے۔[2]

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جو ستاروں اور جانوروں کو جمع کر لیتی ہے۔[3] حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ جو رات تاریکی لے کر آتی ہے، جب رات ہوتی ہے تو ہر چیز اپنے ٹھکانے کی طرف چلی جاتی ہے۔[4] ﴿ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴾ ''اور چاند کی جب وہ پورا ہوتا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب جمع ہو جائے اور سیدھا ہو جائے۔[5] امام حسن بصری فرماتے ہیں جب جمع ہو جائے اور بھر جائے۔[6] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ جب گھوم جائے۔[7] بہر حال ان ائمۂ تفسیر کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ جب چاند مکمل طور پر منور ہو کر ماہِ کامل بن جائے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے رات اور جن چیزوں کو وہ اکٹھا کر لیتی ہے، ان کے بالمقابل بیان فرمایا ہے۔

انسان ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾ ''تم ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچو گے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾ کے معنی ہیں: ایک حال کے بعد دوسرا حال اور کہا کہ یہ تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو انھی الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔[8] عکرمہ بھی فرماتے ہیں کہ ﴿ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾ کے معنی ایک حالت کے بعد دوسری حالت کے ہیں۔[9] پہلے آدمی کی رضاعت کی حالت ہوتی ہے، پھر یہ حالت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح پہلے جوانی کی حالت ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد بڑھاپے کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ایک حالت کے بعد دوسری حالت کے ہیں۔[10] تنگ دستی کے بعد خوش حالی اور خوش حالی کے بعد تنگ دستی، فقیری کے بعد امیری اور امیری کے بعد فقیری، بیماری کے بعد صحت اور صحت کے بعد بیماری۔

ایمان نہ لانے کی تردید اور عذاب کی بشارت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴾ ''تو ان (کافروں) کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے؟ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔'' یعنی اللہ، اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان لانے سے آخر کون سی چیز انھیں روکے

① صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة ، باب أوقات الصلوات الخمس، حديث : (173)-612 . ② تفسير الطبري : 151,150/30 . ③ تفسير الطبري : 151/30 . ④ تفسير الطبري : 152/30 . ⑤ تفسير الطبري : 152/30 . ⑥ تفسير الطبري : 152/30 . ⑦ تفسير الطبري : 153/30 . ⑧ صحيح البخاري ، التفسير ، باب : ﴿ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾ (الانشقاق 19:84)، حديث : 4940 . ⑨ تفسير الطبري : 154/30 . ⑩ تفسير الطبري : 154/30 .

ہوئے ہے اور آخر کیا بات ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کی آیات، اس کے کلام، یعنی اس قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو یہ عظمت، اکرام اور احترام کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیوں نہیں بجالاتے!

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''بلکہ کافر تو (الٹا) جھٹلاتے ہیں۔'' یعنی کافروں کی تو عادت ہی یہ ہے کہ وہ حق کو جھٹلاتے، اس سے عناد رکھتے اور اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''اور اللہ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (سینوں میں) محفوظ رکھتے ہیں۔'' مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ يُوْعُوْنَ ﴿23﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔[1] ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿24﴾ ﴾ ''تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ان کو خبر سنا دیں کہ اللہ عزوجل نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔'' یہ استثنا منقطع ہے، یعنی جو لوگ اپنے دلوں کے ساتھ ایمان لائے اور اعضاء کے ساتھ نیک عمل کرتے رہے۔ ﴿ لَهُمْ اَجْرٌ ﴾ ''ان کے لیے اجر ہے۔'' یعنی دارِ آخرت میں، ﴿ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿25﴾ ﴾ ''نہ ختم ہونے والا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی یہی بیان فرمائے ہیں کہ نہ ختم ہونے والا۔[2] مجاہد اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں بے حساب۔[3] بہر حال دونوں کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ انھیں نہ ختم ہونے والا اجر ملے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ ﴾ (ھود 11:108) ''غیر منقطع عطیہ (الٰہی۔)'' سدی فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿25﴾ ﴾ کے معنی بلا کم و کاست کے ہیں۔[4]

سورۂ انشقاق کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

---

[1] تفسیر الطبری: 158,157/30. [2] تفسیر الطبری: 158/30. [3] تفسیر الطبری: 158/30. [4] تفسیر الطبری: 118/24.

تفسیر سورۂ بُرُوج

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ③ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④

برجوں والے آسمان کی قسم!① اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے② اور حاضر ہونے والے کی اور حاضر کیے گئے کی③ ہلاک کیے گئے خندقوں والے④

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ⑤ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ⑥ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ⑦

بڑی ایندھن والی آگ والے تھے⑤ جبکہ وہ ان خندقوں (کے کناروں) پر بیٹھے تھے⑥ اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑧ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

تھے⑦ اور انھوں نے ان سے اس کے علاوہ کسی چیز کا انتقام نہیں لیا کہ وہ اللہ، غالب، قابل تعریف پر ایمان لائے تھے⑧ وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ

اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے⑨ بے شک جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستایا پھر توبہ نہ کی، تو ان

لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩

کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے⑩

تفسیر آیات:1-10

بروج کی تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر آسمان اور اس کے برجوں کی قسم کھائی ہے، برجوں سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ○ ﴾ (الفرقان 61:25) ''وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے آسمان میں ستارے بنائے اور اس میں چراغ (سورج) اور روشن چاند بنایا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ بروج سے مراد ستارے ہیں۔[1] منہال بن عمرو کا قول ہے کہ ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① ﴾ سے مراد اچھی خلقت والا آسمان ہے۔[2] امام ابن جریر نے اس بات کو اختیار ہے کہ اس سے سورج اور چاند کی منزلیں مراد ہیں اور یہ بارہ برج ہیں، سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینا چلتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا ہے تو یہ اٹھائیس منزلیں ہوئیں اور پھر دو دن چاند چھپا رہتا ہے۔[3]

---

① تفسیر الطبری: 160,159/30 و تفسیر القرطبی: 283/19 . ② تفسیر القرطبی: 283/19 . ③ تفسیر الطبری: 160/30.

یوم موعود اور شاہد و مشہود کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ ﴾ ”اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے کی اور حاضر کیے گئے کی۔“ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [﴿ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴾ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ﴿ وَشَاهِدٍ ﴾ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَمَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَّلَا غَرَبَتْ عَلٰى يَوْمٍ أَفْضَلَ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ، وَفِيهِ سَاعَةٌ لَّا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ يَّسْأَلُ اللّٰهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَلَا يَسْتَعِيذُ فِيهَا مِنْ شَرٍّ إِلَّا أَعَاذَهُ ﴿ وَمَشْهُوْدٍ ﴾ يَوْمُ عَرَفَةَ] ” ﴿ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے اور ﴿ شَاهِدٍ ﴾ سے مراد جمعہ کا دن ہے، جمعے کے دن سے افضل اور کوئی دن نہیں جس میں سورج طلوع اور غروب ہوا ہو، اس دن میں ایک ایسی گھڑی بھی ہے کہ جس میں کوئی مسلمان بندہ اپنے اللہ سے بھلائی کی جو بھی دعا کرے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرما لیتا ہے اور اگر وہ کسی شر سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے ضرور بچا لیتا ہے اور ﴿ وَمَشْهُوْدٍ ﴾ سے مراد یوم عرفہ ہے۔“[1]

اس روایت کو امام ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے،[2] اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوف بھی روایت کیا گیا ہے[3] اور زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، حسن بن علی رضی اللہ عنہم، امام حسن بصری، سعید بن میبّب، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ ﴿ مَشْهُوْدٍ ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے۔[4] امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ﴿ شَاهِدٍ ﴾ سے مراد جمعہ کا دن اور ﴿ مَشْهُوْدٍ ﴾ سے مراد عرفہ کا دن ہے۔[5]

اصحاب الاخدود کے مسلمانوں پر مظالم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ ﴾ ”خندقوں والے ہلاک کیے گئے۔“ یعنی اصحاب الاخدود پر لعنت کی گئی ہے۔ أُخدُود کی جمع أَخادِید ہے، اس سے مراد زمین میں کھودی جانے والی خندقیں ہیں، یہ کافروں کی ایک قوم کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے اپنے ہاں کے مومنوں کو ستایا اور کوشش کی کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دیں مگر جب انھوں نے دین کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تو ان کافروں نے ان کے لیے زمین میں خندقیں کھودیں، ان میں آگ جلا دی اور آگ کو مزید بھڑکانے کے لیے بہت سا ایندھن بھی جمع کیا، کافروں نے ایک بار پھر ان سے مطالبہ کیا کہ وہ دین کو چھوڑ دیں مگر مومن جب کسی قیمت پر دین کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو انھوں نے مومنوں کو ان خندقوں میں پھینک دیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ ﴾ ”خندقوں والے ہلاک کیے گئے، بڑی ایندھن والی آگ والے تھے، جبکہ وہ ان (خندقوں کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے، اسے

---

① ماخوذ از تفسیر ابن أبی حاتم: 3413/10 و تفسیر الطبری: 30/160-162. ② صحیح ابن خزیمة، فضل الجمعة، باب ذکر بعض ما خص به یوم الجمعة......: 119/3، حدیث: 1735 مختصرًا. ③ تفسیر الطبری: 30/160,161. ④ تفسیر الطبری: 30/163,164 والدر المنثور: 6/552,553. ⑤ تفسیر البغوی: 5/232.

دیکھ رہے تھے۔'' یعنی ان مومنوں پر جو وہ مظالم ڈھا رہے تھے، ان کا خود مشاہدہ بھی کر رہے تھے۔

﴿ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ ''اور انھوں نے ان سے اس کے علاوہ کسی چیز کا انتقام نہیں لیا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو بڑا زبردست، نہایت قابلِ تعریف ہے۔'' یعنی ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے تھے جو غالب ہے کہ جو اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس پر ظلم نہیں کیا جا سکتا اور جو اپنے تمام اقوال و افعال اور شریعت و تقدیر میں قابل ستائش ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے ان بندوں کی تقدیر میں وہ کر دیا تھا جو کافروں کے ہاتھوں سے ان پر بیتا لیکن پھر بھی وہ غالب اور قابل ستائش ہے، گو بہت سے لوگوں سے اس کا سبب مخفی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔'' یعنی اس کی پوری صفت یہ ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا مالک ہے، ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' یعنی تمام آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز اس سے غائب نہیں، کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

ساحر، راہب، بچے اور خندقوں میں ڈالے جانے والوں کا قصہ: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَانَ مَلِكٌ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَكَانَ لَهُ سَاحِرٌ، فَلَمَّا كَبِرَ السَّاحِرُ قَالَ لِلْمَلِكِ: إِنِّي قَدْ كَبِرَتْ سِنِّي، وَحَضَرَ أَجَلِي، فَادْفَعْ إِلَيَّ غُلَامًا فَلأُعَلِّمْهُ السِّحْرَ. فَدَفَعَ إِلَيْهِ غُلَامًا، فَكَانَ يُعَلِّمُهُ السِّحْرَ، وَكَانَ بَيْنَ السَّاحِرِ وَبَيْنَ الْمَلِكِ رَاهِبٌ، فَأَتَى الْغُلَامُ عَلَى الرَّاهِبِ، فَسَمِعَ مِنْ كَلَامِهِ فَأَعْجَبَهُ نَحْوُهُ وَكَلَامُهُ، فَكَانَ إِذَا أَتَى السَّاحِرَ ضَرَبَهُ وَقَالَ: مَا حَبَسَكَ؟ وَإِذَا أَتَى أَهْلَهُ ضَرَبُوهُ وَقَالُوا: مَا حَبَسَكَ؟ فَشَكَا ذٰلِكَ إِلَى الرَّاهِبِ، فَقَالَ: إِذَا أَرَادَ السَّاحِرُ أَنْ يَّضْرِبَكَ فَقُلْ: حَبَسَنِي أَهْلِي، وَإِذَا أَرَادَ أَهْلُكَ أَنْ يَّضْرِبُوكَ فَقُلْ: حَبَسَنِيَ السَّاحِرُ.

قَالَ: فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ أَتَى ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى دَابَّةٍ فَظِيعَةٍ عَظِيمَةٍ وَّقَدْ حَبَسَتِ النَّاسَ، فَلَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَّجُوزُوا، فَقَالَ: الْيَوْمَ أَعْلَمُ أَمْرُ الرَّاهِبِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ أَمْ أَمْرُ السَّاحِرِ، فَأَخَذَ حَجَرًا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ أَمْرُ الرَّاهِبِ أَحَبَّ إِلَيْكَ وَأَرْضٰى لَكَ مِنْ أَمْرِ السَّاحِرِ، فَاقْتُلْ هٰذِهِ الدَّابَّةَ حَتّٰى يَجُوزَ النَّاسُ. وَرَمَاهَا فَقَتَلَهَا، وَمَضَى النَّاسُ، فَأَخْبَرَ الرَّاهِبَ بِذٰلِكَ، فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ! أَنْتَ أَفْضَلُ مِنِّي، وَإِنَّكَ سَتُبْتَلٰى، فَإِنِ ابْتُلِيتَ، فَلَا تَدُلَّ عَلَيَّ.

فَكَانَ الْغُلَامُ يُبْرِئُ الْأَكْمَهَ (وَالْأَبْرَصَ) وَسَائِرَ الْأَدْوَاءِ وَيَشْفِيهِمْ، وَكَانَ جَلِيسٌ لِّلْمَلِكِ فَعَمِيَ، فَسَمِعَ بِهِ، فَأَتَاهُ بِهَدَايَا كَثِيرَةٍ فَقَالَ: اشْفِنِي وَلَكَ مَا هَاهُنَا أَجْمَعُ. فَقَالَ: مَا أَشْفِي أَنَا أَحَدًا، إِنَّمَا يَشْفِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَإِنْ أَنْتَ آمَنْتَ بِهِ، دَعَوْتُ اللّٰهَ فَشَفَاكَ. فَآمَنَ فَدَعَا اللّٰهُ لَهُ فَشَفَاهُ، ثُمَّ أَتَى الْمَلِكَ، فَجَلَسَ مِنْهُ

نَحوَ مَا كَانَ يَجلِسُ، فَقَالَ لَهُ المَلِكُ: يَا فُلَانُ! مَنْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ؟ فَقَالَ: رَبِّي. قَالَ: أَنَا. قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ، قَالَ: أَوَلَكَ رَبٌّ غَيرِي؟ قَالَ: نَعَمْ (رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ). فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهُ حَتّٰى دَلَّ عَلَى الغُلَامِ، فَبَعَثَ إِلَيهِ فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ! قَدْ بَلَغَ مِنْ سِحرِكَ أَنْ تُبْرِئَ الأَكْمَهَ وَالأَبرَصَ وَهٰذِهِ الأَدْوَاءَ، قَالَ: مَا أَشْفِي أَنَا أَحَدًا، (إِنَّمَا يَشفِي اللّٰهُ) عَزَّوَجَلَّ، قَالَ: أَنَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَوَلَكَ رَبٌّ غَيرِي؟ قَالَ: نَعَمْ، رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ. فَأَخَذَهُ أَيضًا بِالعَذَابِ، فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتّٰى دَلَّ عَلَى الرَّاهِبِ، فَأُتِيَ بِالرَّاهِبِ، فَقَالَ: اِرجِعْ عَنْ دِينِكَ. فَأَبٰى، فَوَضَعَ المِنْشَارَ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ حَتّٰى وَقَعَ شِقَّاهُ، وَقَالَ لِلأَعمٰى: اِرجِعْ عَنْ دِينِكَ. فَأَبٰى، فَوَضَعَ المِنْشَارَ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ حَتّٰى وَقَعَ شِقَّاهُ فِي الأَرضِ.

وَقَالَ لِلغُلَامِ: اِرجِعْ عَنْ دِينِكَ. فَأَبٰى، فَبَعَثَ بِهِ مَعَ نَفَرٍ إِلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: إِذَا بَلَغْتُمْ ذُرْوَتَهُ فَإِنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ، وَإِلَّا فَدَهْدِهُوهُ مِنْ فَوقِهِ. فَذَهَبُوا بِهِ، فَلَمَّا عَلَوْا بِهِ الجَبَلَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ! اِكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ. فَرَجَفَ بِهِمُ الجَبَلُ فَدُهْدِهُوا أَجْمَعُونَ، وَجَاءَ الغُلَامُ يَتَلَمَّسُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى المَلِكِ، فَقَالَ: مَا فَعَلَ أَصْحَابُكَ؟ فَقَالَ: كَفَانِيهِمُ اللّٰهُ. فَبَعَثَ بِهِ مَعَ نَفَرٍ فِي قُرْقُورٍ، فَقَالَ: إِذَا لَجَجْتُمْ بِهِ البَحْرَ فَإِنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ وَإِلَّا فَغَرِّقُوهُ، فَلَجَّجُوا بِهِ البَحْرَ، فَقَالَ الغُلَامُ: اَللّٰهُمَّ! اِكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ. فَغَرِقُوا أَجْمَعُونَ، وَجَاءَ الغُلَامُ يَتَلَمَّسُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى المَلِكِ، فَقَالَ: مَا فَعَلَ أَصْحَابُكَ؟ قَالَ: كَفَانِيهِمُ اللّٰهُ. ثُمَّ قَالَ لِلمَلِكِ: إِنَّكَ لَسْتَ بِقَاتِلِي حَتّٰى تَفْعَلَ مَا آمُرُكَ بِهِ، فَإِنْ أَنْتَ فَعَلْتَ مَا آمُرُكَ بِهِ قَتَلْتَنِي، وَإِلَّا فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ قَتْلِي. قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: تَجْمَعُ النَّاسَ فِي صَعِيدٍ (وَّاحِدٍ)، ثُمَّ تَصْلِبُنِي عَلٰى جِذْعٍ فَتَأْخُذُ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِي، ثُمَّ قُلْ: بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الغُلَامِ، فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ قَتَلْتَنِي.

فَفَعَلَ وَوَضَعَ السَّهْمَ فِي كَبِدِ قَوسِهِ، ثُمَّ (رَمَاهُ) وَقَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الغُلَامِ، (فَوَقَعَ السَّهْمُ) فِي صُدْغِهِ، فَوَضَعَ الغُلَامُ يَدَهُ عَلٰى مَوضِعِ السَّهْمِ وَمَاتَ، فَقَالَ النَّاسُ: آمَنَّا بِرَبِّ الغُلَامِ. فَقِيلَ لِلمَلِكِ: أَرَأَيْتَ مَا كُنْتَ تَحْذَرُ؟ فَقَدْ وَاللّٰهِ! نَزَلَ بِكَ، قَدْ آمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ، فَأَمَرَ بِأَفْوَاهِ السِّكَكِ (فَخُدَّتْ) فِيهَا (الأَخَادِيدُ) وَأُضْرِمَتْ فِيهَا النِّيرَانُ، وَقَالَ: مَنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ فَدَعُوهُ وَإِلَّا فَأَقْحِمُوهُ فِيهَا. قَالَ: فَكَانُوا يَتَعَادَوْنَ فِيهَا وَيَتَدَافَعُونَ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ بِابْنٍ لَّهَا تُرْضِعُهُ، فَكَأَنَّهَا تَقَاعَسَتْ أَنْ تَقَعَ فِي النَّارِ، فَقَالَ الصَّبِيُّ: يَا أُمَّهْ! اصْبِرِي، فَإِنَّكِ عَلَى الحَقِّ]

”تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا، اس کا ایک جادوگر تھا، جب جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور موت قریب آ گئی ہے، لہٰذا ایک بچہ میرے سپرد کر دو تاکہ میں اسے جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک بچہ اس کے سپرد کر دیا اور اس نے بچے کو جادو سکھانا شروع کر دیا۔ جادوگر اور بادشاہ کے درمیان ایک

راہب بھی رہتا تھا، بچہ راہب کے پاس گیا اور اس نے اس کی گفتگو سنی تو اسے اس کا طریقہ اور گفتگو بہت اچھی لگی، جب وہ جادوگر کے پاس جاتا تو جادوگر اسے مارتا اور پوچھتا کہ دیر سے کیوں آئے ہو۔ اسی طرح جب وہ اپنے گھر جاتا تو گھر والے بھی مارتے اور پوچھتے کہ دیر سے کیوں آئے ہو۔ اس نے اس کی راہب سے شکایت کی تو راہب نے کہا کہ جب جادوگر تمھیں مارنے لگے تو اس سے کہہ دیا کرو کہ گھر والوں نے روک لیا تھا اور اسی طرح جب گھر والے مارنے لگیں تو کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر کے پاس ہی دیر ہوگئی تھی۔ اس طرح دن گزرتے رہے۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے اور خوفناک جاندار نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے اور لوگ اس کے خوف کی وجہ سے راستہ عبور نہیں کر سکتے، اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا: اے اللہ! اگر راہب کا معاملہ جادوگر کے معاملے کی نسبت تجھے زیادہ پسند اور زیادہ راضی کرنے والا ہے تو اس جانور کو ہلاک کر دے تاکہ لوگ راستے سے گزر جائیں، یہ کہہ کر اس نے پتھر پھینکا اور اس جانور کو ہلاک کر دیا، راستہ صاف ہوگیا اور لوگ گزرنے لگ گئے۔ اس نے راہب کو یہ خبر دی تو اس نے کہا: اے میرے بیٹے! اب تم مجھ سے بھی بڑھ کر ہو اور یقیناً عنقریب تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے، چنانچہ اگر تم آزمائے جاؤ تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔ اب یہ بچہ مادر زاد اندھے، پھلبہری (ایک بیماری جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں) اور دیگر بیماریوں میں مبتلا مریضوں کا علاج کرتا اور انھیں شفا نصیب ہو جاتی تھی۔ بادشاہ کا ایک ہم نشین تھا، وہ اندھا ہوگیا، اس نے اس بچے کی شہرت سنی تو وہ اس کے پاس بہت سے تحائف لے کر آیا، اس نے کہا کہ مجھے شفا دے دو تو یہ تمام سامان تمھارا ہوگا۔ بچے نے کہا کہ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ تو میں دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمھیں شفا عطا فرما دے گا۔ چنانچہ وہ ایمان لے آیا، بچے نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔

یہ شخص اب بادشاہ کے پاس جا کر اسی طرح بیٹھنے لگا جس طرح پہلے بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: اے فلاں! تمھاری نظر کو کس نے درست کر دیا؟ اس نے جواب دیا: میرے رب نے۔ بادشاہ نے پوچھا: میں نے! اس نے کہا کہ نہیں بلکہ اس نے جو میرا بھی اور تیرا بھی رب ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا میرے علاوہ تیرا کوئی اور بھی رب ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے، اس کے بعد بادشاہ اسے سزا دیتا رہا حتی کہ اس نے بچے کے بارے میں بتا دیا۔ بادشاہ نے بچے کو بلایا اور کہا کہ اے بیٹا! اب تمھارا جادو اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ تم نے مادر زاد اندھے، پھلبہری اور دوسری بیماریوں کا علاج کر کے بیماروں کو شفا دینا شروع کر دی ہے۔ بچے نے جواب دیا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، بادشاہ نے کہا: میرا کام ہے! بچے نے جواب دیا: نہیں۔

بادشاہ نے پوچھا تو پھر کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے؟ بچے نے جواب دیا: ہاں، میرا اور تیرا رب تو اللہ ہے، بادشاہ اسے پکڑ کر سخت تکلیفیں دیتا رہا یہاں تک کہ بچے نے راہب کے بارے میں بتا دیا۔ اب راہب کو لایا گیا،

بادشاہ نے اس سے کہا کہ اپنے دین سے باز آ جاؤ تو اس نے انکار کر دیا، بادشاہ نے اس کے سر پر آرا رکھ کر اسے دو لخت کر دیا۔ بادشاہ نے اس نابینے شخص سے بھی کہا کہ اپنے اس دین کو چھوڑ دو، اس نے انکار کر دیا تو بادشاہ نے اس کے سر پر آرا رکھ کر اسے بھی چیر دیا حتی کہ اس کے جسم کے دو حصے ہو کر زمین پر گر گئے، اب اس نے اس بچے سے کہا کہ تم بھی اپنے دین کو ترک کر دو، اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے اسے ایک جماعت کے سپرد کر کے ایک پہاڑ کی طرف بھیج دیا اور کہا کہ جب تم اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو (اس بچے سے پوچھو کہ کیا تو اپنا دین چھوڑتا ہے؟) اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو بہتر ورنہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دو۔ وہ اسے لے گئے اور جب اسے لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے تو بچے نے دعا کی: [اَللّٰھُمَّ! اِکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ] ''اے اللہ! تو ان کے مقابلے میں، جیسے تو چاہے، مجھے کافی ہو جا۔''

اس سے پہاڑ لرزنے لگا اور وہ سب کے سب نیچے گر گئے (اور مر گئے)، بچہ صحیح سلامت واپس آ گیا حتی کہ وہ بادشاہ کے دربار میں داخل ہوا، بادشاہ نے پوچھا: تیرے ساتھیوں نے کیا کیا؟ (کیا انھوں نے تجھے پہاڑ کی چوٹی سے نہیں گرایا؟) بچے نے جواب دیا کہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہو گیا، بادشاہ نے اسے ایک اور جماعت کے ساتھ ایک طویل و عریض کشتی پر سوار کرایا اور کہا کہ جب تم اسے لے کر سمندر کے درمیان میں پہنچ جاؤ تو (اس سے پوچھو) اگر یہ اپنے دین سے باز آ جائے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں غرق کر دو۔ وہ اسے لے کر جب سمندر میں داخل ہوئے تو بچے نے پھر وہی دعا کی: ''اے اللہ! تو ان کے مقابلے میں، جیسے تو چاہے، مجھے کافی ہو جا۔'' چنانچہ وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔

بچہ صحیح سلامت واپس آ گیا یہاں تک کہ وہ بادشاہ کے دربار میں داخل ہوا، بادشاہ نے پوچھا: تیرے ساتھیوں نے کیا کیا؟ (کیا انھوں نے تجھے سمندر میں نہیں پھینکا؟) بچے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں مجھے کافی ہو گیا، پھر بچے نے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکتا جب تک تو وہ کام نہ کر لے جس کا میں تجھے حکم دوں، اگر تو نے وہ کام کیا تو تو مجھے قتل کر سکتا ہے ورنہ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا، بادشاہ نے پوچھا: وہ کیا ہے۔ بچے نے جواب دیا کہ سب لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر، پھر مجھے ایک درخت کے تنے کے ساتھ لٹکا اور میرے ہی ترکش سے ایک تیر نکال اور پھر یہ پڑھ (کر مجھے تیر مار:) [بِاسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ] ''بچے کے رب، اللہ کے نام سے۔'' اگر تو نے ایسا کیا تو یقیناً تو مجھے قتل کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، تیر کو کمان کے درمیان رکھا، پھر بچے کی طرف تیر پھینکا اور کہا: [بِاسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ] تیر بچے کی کنپٹی پر لگا، بچے نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھا جہاں اسے تیر لگا تھا اور پھر وہ فوت ہو گیا۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ ہم اس بچے کے رب پر ایمان لے آئے۔ بادشاہ سے کہا گیا: دیکھ وہی ہوا جس سے تو ڈرتا تھا، اب تو سب لوگ اللہ پر ایمان لے آئے ہیں، بادشاہ نے حکم دیا تو تمام گلیوں کے دہانوں پر خندقیں کھودی گئیں، ان میں آگ جلا دی گئی، بادشاہ نے کہا کہ جو اپنے دین سے باز آ جائے تو اسے چھوڑ دو ورنہ اسے اس میں پھینک دو، لوگوں نے دوڑتے ہوئے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر ان خندقوں میں چھلانگیں لگانا شروع

کردیں۔ ایک عورت اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ آئی وہ آگ میں چھلانگ لگانے سے جھجکی تو بچہ بول اٹھا: اماں! صبر کر، تو یقیناً حق پر ہے۔'' ① امام مسلم نے بھی ''صحیح'' کے آخر میں اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ ② امام محمد بن اسحاق بن یسار نے ''سیرت'' میں اس قصے کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا ہے جو مذکورہ بالا تفصیل سے قدرے مختلف ہے۔

اس قصے کو بیان کرنے کے بعد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بچے کے قتل کے بعد اہل نجران نے بچے کے دین، یعنی دین نصرانیت کو قبول کر لیا تو ذونواس اپنے لشکر سمیت ان کے پاس آیا اور اس نے انھیں دعوت دی کہ یہودیت کو قبول کر لو یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ تو ان لوگوں نے یہودیت کو قبول کرنے کے بجائے قتل ہونے کو ترجیح دی جس پر اس نے انھیں آگ میں جلایا اور تلوار سے ان کا قتل عام اور مثلہ کیا حتی کہ بیس ہزار کے قریب انسان قتل ہوئے، چنانچہ ذونواس اور اس کے لشکر کے بارے ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں: ﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ﴾ ''خندقوں والے ہلاک کیے گئے، بڑی ایندھن والی آگ والے تھے، جبکہ وہ ان (خندقوں کے کناروں) پر بیٹھے تھے اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے، اور انھوں نے ان (مومنوں) سے اس کے علاوہ کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو بڑا زبردست، نہایت قابلِ تعریف ہے، وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' ③

محمد بن اسحاق نے ''سیرت'' میں یہی ذکر کیا ہے کہ جس نے خندقوں میں لوگوں کو قتل کیا تھا وہ ذونُواس تھا اور اس کا نام زُرعہ تھا لیکن اپنے دورِ حکومت میں وہ یوسف کہلاتا تھا اور وہ تُبّان اسعد ابوکَرِب کا بیٹا تھا ④ اور تُبان اسعد ابوکَرِب ہی وہ تُبّع ہے جس نے مدینہ پر حملہ کیا اور کعبہ کو غلاف پہنایا تھا اور یہ اپنے ساتھ مدینہ سے دو یہودی عالم لے گیا تھا جن کے ہاتھ پر اہل یمن کے کچھ لوگوں نے یہودیت کو قبول کر لیا تھا جیسا کہ ابن اسحاق نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ⑤

ذونواس نے ایک ہی صبح خندقوں میں بیس ہزار انسانوں کو قتل کرا دیا تھا۔ ان میں سے صرف ایک ہی انسان بچا تھا، جسے دَوس ذوثُعلُبان کہا جاتا تھا، وہ اپنے گھوڑے پر بھاگ نکلا، انھوں نے اس کا تعاقب تو کیا مگر اسے پکڑ نہ سکے، وہ بھاگ کر شام (روم) کے بادشاہ قیصر کے پاس چلا گیا، اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو بھی خط لکھا تو اس نے ارياط اور

① مسند أحمد: 6/16-18 البتہ قوسوں والے الفاظ مسلم کے آمدہ حوالے کے مطابق ہیں، جبکہ لفظ (اَلْأُخَادِيدُ) السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ ﴾: 6/510-512، حدیث: 11661 کے مطابق ہے۔ ② صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب قصة أصحاب الأخدود......، حديث: 3005. ③ دیکھیے السيرة النبوية لابن إسحاق، خبر عبد الله بن الثامر وقصة أصحاب الأخدود: 1/36،37 والسيرة النبوية لابن هشام، أمر عبدالله بن الثامر......: 1/34-36. ④ دیکھیے السيرة النبوية لابن إسحاق، خبر لَخُنيعَة وذى نواس: 1/32،33 والسيرة النبوية لابن هشام، وثوب لخنيعة ذى شناتر......: 1/30،31. ⑤ دیکھیے السيرة النبوية لابن إسحاق، استيلاء أبي كرب تبّان......: 1/25-30 والسيرة النبوية لابن هشام، استيلاء أبي كرب تبّان أسعد......: 1/20-27.

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ⑪

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے ⑪ بے شک

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ⑫ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ⑬ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ⑭ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ⑮

آپ کے رب کی پکڑ نہایت سخت ہے ⑫ بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا ⑬ اور وہ بڑا بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے ⑭ وہ عرش

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ⑯ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ⑱ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ⑲

کا مالک، اونچی شان والا ہے ⑮ جو چاہے کر گزرتا ہے ⑯ کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟ ⑰ (یعنی) فرعون اور ثمود کی ⑱ بلکہ کافر تو جھٹلانے

ع 1 22 10 وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ⑳ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ㉑ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ㉒

میں لگے ہوئے ہیں ⑲ اور اللہ ہر طرف سے انھیں گھیرے ہوئے ہے ⑳ بلکہ یہ قرآن اونچی شان والا ہے ㉑ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے ㉒

ابرہہ کی قیادت میں حبشہ کے عیسائیوں پر مشتمل ایک لشکر روانہ کیا جس نے یمن کو یہودیوں کے ہاتھ سے بچایا۔ ذونواس بھاگ کر سمندر میں کود گیا اور اسی میں غرق ہو گیا۔ ① اس طرح یمن کی بادشاہت ستر سال تک حبشہ کے عیسائیوں کے ہاتھ میں رہی، پھر سیف بن ذی یزن حمیری نے یمن کو عیسائیوں کے ہاتھ سے واپس لیا۔ اس نے ایران کے بادشاہ کسریٰ سے بھی مدد طلب کی تھی، کسریٰ نے اس کی مدد کے لیے ان لوگوں کو بھیج دیا جو جیل خانوں میں تھے اور ان کی تعداد سات سو کے قریب تھی، اس نے یمن کو فتح کر لیا اور پھر سے وہاں حمیر کی حکومت قائم ہو گئی۔ ② ہم اس سلسلے کی کچھ مزید تفصیل سورۂ فیل (105) کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

اصحاب الاخدود کی سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ "بے شک جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستایا۔" یعنی انھیں آگ میں جلایا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور ابن ابزیٰ کا قول ہے۔ ③ ﴿ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا﴾ "پھر انھوں نے توبہ نہ کی۔" یعنی اپنے فعل سے باز نہ آئے اور جو کچھ کیا اس پر نادم نہ ہوئے۔ ﴿فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ⑩﴾ "تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے۔" تاکہ ان کو سزا ان کے جنس عمل کے مطابق دی جائے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کا تو ملاحظہ کرو کہ انھوں نے تو اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو قتل کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ انھیں توبہ و مغفرت کی دعوت دے رہا ہے۔

① دیکھیے السيرة النبوية لابن إسحاق، فرار ذَوس ذی ثُعلُبان......:39,38/1 و السيرة النبوية لابن هشام، أمر دوس ذی ثعلبان ......:37/1. ② دیکھیے السيرة النبوية لابن إسحاق، خروج سيف بن ذی يزن......:52/1-56 و السيرة النبوية لابن هشام، خروج سيف بن ذی يزن...... :62/1-69 البتہ مذکورہ حوالوں میں ہے کہ یمن کی بادشاہت حبشہ کے بادشاہ کے پاس بہتر سال تک رہی، نیز مذکور حوالوں میں یہ بھی ہے کہ کسریٰ نے سیف بن ذی یزن حمیری کی مدد کے لیے جیل خانوں سے آٹھ سو افراد کو بھیجا تھا۔ ③ تفسير الطبری : 167,166/30 و 172 و الدر المنثور:554,553/6 .

تفسیر آیات:11-22

نیک لوگوں کے لیے جزا اور کافروں کے لیے سخت سزا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے بارے میں فرما رہا ہے کہ ﴿ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔'' برخلاف اس کے جو اس نے اپنے دشمنوں کے لیے جہنم اور جلانے والا عذاب تیار کیا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴾ ''یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴾ ''بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔'' یعنی ان دشمنوں کے لیے جنھوں نے اس کے رسولوں کی تکذیب کی اور اس کے حکم کی مخالفت کی، اس کی پکڑ اور اس کا انتقام بہت شدید ہے کیونکہ وہ بہت ہی طاقت ور اور مضبوط ہے، وہ جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے وہ چشم زدن میں بلکہ اس سے بھی جلد ہو جاتا ہے، اس لیے اس نے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴾ ''بلاشبہ وہی (انسان کی) ابتدا کرتا ہے اور وہی لوٹائے گا۔'' یعنی اس کی قوت اور قدرت کاملہ کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر بلا روک ٹوک وہی دوبارہ بھی اسی طرح پیدا کرے گا جس طرح اس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا تھا۔

﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴾ ''اور وہ بڑا بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے۔'' یعنی جو توبہ کرے اور اس کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرے اسے وہ معاف فرما دیتا ہے، خواہ گناہ کسی بھی قسم کا ہو اور ﴿ الْوَدُوْدُ ﴾ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی اہل علم نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی محبت کرنے والا کے ہیں۔[1] ﴿ ذُو الْعَرْشِ ﴾ ''عرش کا مالک۔'' یعنی وہ ایسے عظیم عرش کا مالک ہے جو تمام مخلوقات سے بلند ہے، ﴿ الْمَجِيْدُ ﴾ ''بڑی شان والا'' اسے دو طرح پڑھا گیا ہے: (1) پیش کے ساتھ ﴿ الْمَجِيْدُ ﴾ کہ یہ رب تعالیٰ کی صفت ہے اور (2) زیر کے ساتھ [اَلْمَجِيدِ] کہ یہ عرش کی صفت ہے اور معنی کے اعتبار سے یہ دونوں قراءتیں صحیح ہیں۔ ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ ''جو چاہے کر گزرتا ہے۔'' یعنی وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر گزرتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ جو کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا، اس کی عظمت و شوکت اور حکمت و عدل کے سامنے کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان کو مرض الموت میں پوچھا گیا: کیا ہم آپ کے لیے طبیب کو بلائیں۔ انھوں نے فرمایا: طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر اس نے آپ سے کیا کہا۔ فرمایا: اس نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ بے شک میں جو چاہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔[2]

﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴾ ''کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟ فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی۔'' یعنی کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کیا سزا دی اور ان پر کیسا خوفناک عذاب نازل کیا جسے ان سے کوئی بھی دور نہ کر سکا؟ یہ گویا ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴾ ''بے شک آپ کے رب کی پکڑ

---

[1] تفسير الطبري: 174/30. [2] حلية الأولياء، أبوبكر الصديق رضي الله عنه: 69,68/1، رقم: 77 و تفسير القرطبي: 297/19.

نہایت سخت ہے۔'' کی تفسیر ہے کہ وہ جب کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو نہایت دردناک اور سخت ترین طریقے سے پکڑتا ہے جیسے کوئی غالب اور نہایت طاقت ور پکڑتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ ﴾ ''بلکہ وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا، جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔'' یعنی وہ شک و ریب اور کفر و عناد میں مبتلا ہیں، ﴿ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝ ﴾ ''اور اللہ انھیں ان کے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ بھی ان پر قادر اور غالب ہے، وہ اللہ کے حکم کو نہ ٹال سکتے ہیں اور نہ اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ ﴿ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ ﴾ ''بلکہ یہ قرآن اونچی شان والا ہے۔'' ﴿ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ ﴾ ''لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔'' یعنی قرآن ملاء اعلیٰ میں ہے اور ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہے۔

سورۂ بروج کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر سورۂ طارق

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ

قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی ① اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ② وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے ③ کوئی جان ایسی نہیں جس

لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥ يَّخْرُجُ

پر کوئی نگہبان نہ ہو ④ چنانچہ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ⑤ وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ⑥ جو پیٹھ اور سینے کی

مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨

ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے ⑦ بے شک وہ (اللہ) اسے دوبارہ پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے ⑧ جس دن راز ظاہر کر دیے جائیں گے ⑨ تو انسان

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩

کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا ⑩

نمازِ مغرب میں سورۂ طارق کی قراءت کی ترغیب: امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء پڑھی تو نبی ﷺ نے فرمایا: [أَفَتَّانٌ يَّا مُعَاذُ ؟ مَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقْرَأَ بِالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (وَنَحْوِهَا)؟] ''معاذ! کیا فتنے میں ڈالتے ہو؟ کیا تمھیں یہ کافی نہ تھا کہ ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① ﴾ ، ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ① ﴾ اور اس طرح کی دیگر سورتیں پڑھ لو؟''[1]

تفسیر آیات :1-10

اللہ تعالیٰ کا نظام انسان کا احاطہ کیے ہوئے ہے: اللہ تعالیٰ آسمان اور جو اس نے اس میں روشن ستارے بنائے ہیں، ان کی قسم کھا رہا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① ﴾ ''قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی!'' پھر فرمایا: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② ﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے۔'' پھر اس کی تفسیر آپ نے اس فرمان: ﴿ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ ﴾ ''وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔'' کے ساتھ کی۔ قتادہ اور دیگر کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ ستارے کا نام طارق اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ رات کو نظر آتا ہے اور دن کو چھپ جاتا ہے۔[2] اس کی تائید

① السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب سورة الطارق: 512/6، حديث: 11664 البتہ قوسین والا لفظ بھی السنن الكبرٰى للنسائي: 515/6، حديث: 11674 کے مطابق ہے۔ ② تفسير الطبري: 177/30 .

ایک صحیح حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: [نَهٰى أَنْ يَّطْرُقَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ (طُرُوقًا)] ''نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص (سفر سے واپسی پر) رات کے وقت (اچانک) اپنے گھر میں آئے۔''[1]

فرمان الٰہی: ﴿ الثَّاقِبُ ۝ ﴾ کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روشن کے بیان فرمائے ہیں۔[2] عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں روشن اور شیطان کو جلانے والا۔[3] ﴿ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ ﴾ ''نہیں ہے کوئی جان مگر اس پر ایک نگہبان (مقرر) ہے۔'' یعنی ہر نفس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگہبان مقرر ہے جو آفتوں اور مصیبتوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (الرعد 11:13) ''اس (انسان) کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔''

انسانی پیدائش کی کیفیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ ﴾ ''پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔'' انسان کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اس کی اصل اور جوہر کس قدر کمزور ہے جس سے اسے پیدا کیا گیا ہے، اس طرح انسان کی درحقیقت رہنمائی کی گئی ہے کہ وہ اعتراف کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے کیونکہ جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بالاولیٰ قادر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی (اللہ) ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ ﴾ ''وہ تیزی سے اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔'' یعنی منی سے جو مرد اور عورت سے اچھل کر نکلتی ہے، پھر ان دونوں کی منی سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ ﴾ ''جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔'' یعنی مرد کی پیٹھ سے اور عورت کے سینے سے۔ شبیب بن بشر نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ پانی مرد کی پشت سے نکلتا ہے اور عورت کے سینے سے، عورت کا پانی پیلے رنگ کا اور پتلا ہوتا ہے اور بچہ دونوں پانیوں سے پیدا ہوتا ہے۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ ﴾ ''بے شک وہ (اللہ) اسے لوٹانے پر یقیناً قادر ہے۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے انسانوں کو اس اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا فرمایا، وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے اور آخرت کے لیے اٹھانے پر بھی قادر ہے کیونکہ جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ دوبارہ پیدا کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دلیل

---

[1] مسند أحمد: 175/1 عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ قوسین والا لفظ صحيح البخاري، النكاح، باب لا يطرق أهله ليلا ......، حديث: 5243 و صحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الطروق......، حديث: (183)-715، بعد الحديث: 1928 عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ [2] تفسير الطبري: 178/30. [3] تفسير الطبري: 178/30. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 3415/10.

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ﴿11﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۙ﴿12﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ۙ﴿13﴾ وَّمَا

قسم ہے بار بار بارش برسانے والے آسمان کی ⑪ اور پھٹنے والی زمین کی ⑫ بے شک یہ (قرآن) یقیناً قولِ فیصل ہے ⑬ اور یہ ہنسی مذاق نہیں

هُوَ بِالۡهَزۡلِ ﴿14﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ۙ﴿15﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ۚ﴿16﴾ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ

ہے ⑭ بے شک وہ (کافر) کچھ چالیں چلتے ہیں ⑮ اور میں بھی ایک چال چلتا ہوں ⑯ تو (اے نبی!) آپ ان کافروں کو (ان کے حال پر)

ع 1 17 11 اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿17﴾ ع

چھوڑ دیں، انھیں تھوڑی سی مہلت دیں ⑰

کو قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

قیامت کے دن انسان کو قدرت ونصرت حاصل نہ ہوگی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ﴿9﴾﴾ ”جس دن راز ظاہر کر دیے جائیں گے۔“ یعنی قیامت کے دن دلوں کے بھید ظاہر اور نمایاں کر دیے جائیں گے اور پوشیدہ چیزیں آشکارا اور چھپی ہوئی باتیں مشہور ہو جائیں گی۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [......يُرۡفَعُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ (عِنۡدَاسۡتِهٖ)، (يُقَالُ:) هٰذِهٖ غَدۡرَةُ فُلَانِ بۡنِ فُلَانٍ] ”......ہر عہد شکن کی سرین کے پاس جھنڈا گاڑ دیا جائے گا، کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔“ ① ﴿فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿10﴾﴾ ”تو اس (انسان) کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔“ یعنی قیامت کے دن نہ تو انسان کے اپنے ہی نفس میں کوئی قوت ہوگی اور نہ باہر ہی سے کوئی اس کا مددگار ہوگا، اس لیے نہ تو وہ خود ہی اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچا سکے گا اور نہ کوئی اور اسے اس عذاب سے بچانے کی طاقت رکھے گا۔

تفسیر آیات: 11-17

﴿الرَّجۡعِ﴾ اور ﴿الصَّدۡعِ﴾ کا مفہوم: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿الرَّجۡعِ ﴿11﴾﴾ کے معنی بارش کے ہیں۔ ② آپ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ اس کے معنی اس بادل کے ہیں جس میں بارش ہو۔ ③ اور آپ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ اس کے معنی ہیں آسمان کی قسم جو بار بار مینہ برساتا ہے۔ ④ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ جو ہر سال بندوں کے رزق کو لوٹاتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو لوگ ہلاک ہو جائیں اور ان کے مویشی بھی۔ ⑤ ﴿وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿12﴾﴾ ”اور زمین کی قسم! جو پھٹنے والی ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے زمین کا نباتات کے لیے پھٹنا مراد ہے۔ ⑥

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب ما يدعى الناس بآبائهم، حديث :6177 و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، حديث :1735 و اللفظ له. البتہ پہلی قوسین والے الفاظ صحيح مسلم ہی کی حدیث:1738 عن أبي سعید رضی اللہ عنہ اور دوسری قوسین والا لفظ بخاری شریف کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے۔ ② تفسير عبدالرزاق : 416/3، رقم:3571. ③ تفسير الطبري :185/30. ④ تفسير ابن أبي حاتم :3415/10. ⑤ تفسير الطبري :186/30.
⑥ تفسير الطبري :186/30.

سعید بن جبیر، عکرمہ، ابو مالک، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ ①

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ ﴾ ’’بے شک یہ (قرآن) یقیناً قولِ فیصل ہے۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن حق ہے۔ ② امام قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ③ اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ یہ حکم عدل پر مبنی ہے۔ ④ ﴿ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ ﴾ ’’اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔‘‘ بلکہ بالکل مبنی برحق ہے۔ پھر کافروں کے بارے میں بتایا کہ وہ اس کی تکذیب کرتے اور اس کے راستے سے روکتے ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ ﴾ ’’بے شک وہ (کافر) کچھ چالیں چلتے ہیں۔‘‘ یعنی قرآن کے خلاف لوگوں کو دعوت دینے کے لیے تدبیریں کرتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ’’تو آپ کافروں کو مہلت دیں۔‘‘ یعنی انھیں ڈھیل دیں اور ان کے لیے جلدی نہ کریں، ﴿ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ ﴾ ’’انھیں تھوڑی سی مہلت دیں۔‘‘ پھر آپ دیکھ لیں گے کہ میں انھیں کس طرح کے عذاب، سزا اور تباہی و بربادی میں مبتلا کرتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾ (لقمٰن 31:24) ’’ہم انھیں تھوڑا سا فائدہ دیتے ہیں، پھر ہم انھیں سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے۔‘‘

سورۂ طارق کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر الطبری :187,186/30 والدر المنثور: 562,561/6. ② تفسیر الطبری :187/30 . ③ تفسیر الطبری : 187/30 . ④ تفسیر الماوردی : 249/6 عن الضحاک رحمہ اللہ .

تفسیر سورۂ اعلیٰ

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ① الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ② وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ③ وَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ

آپ اپنے سب سے بلند رب کے نام کی تسبیح کریں① جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا② اور جس نے اندازہ کیا پھر ہدایت دی③ اور جس

الۡمَرۡعٰی ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ⑤ سَنُقۡرِئُکَ فَلَا تَنۡسٰۤی ⑥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعۡلَمُ

نے (زمین سے) چارا نکالا④ پھر اسے خشک سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا⑤ ہم جلد آپ کو پڑھائیں گے، پھر آپ نہ بھولیں گے⑥ مگر جو اللہ چاہے،

الۡجَهۡرَ وَ مَا یَخۡفٰی ⑦ وَ نُیَسِّرُکَ لِلۡیُسۡرٰی ⑧ فَذَکِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّکۡرٰی ⑨ سَیَذَّکَّرُ مَنۡ

بے شک وہ ظاہر کو جانتا ہے اور مخفی کو بھی⑦ اور ہم آپ کو آسان (راستے) کی توفیق دیں گے⑧ پھر آپ نصیحت کیجیے اگر نصیحت نفع دے⑨ جو ڈرتا

یَّخۡشٰی ⑩ وَ یَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَی ⑪ الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡکُبۡرٰی ⑫ ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا

ہے وہ ضرور نصیحت قبول کرے گا⑩ اور انتہائی بدبخت ہی اس سے دور رہے گا⑪ جو بہت بڑی آگ میں جائے گا⑫ پھر اس میں نہ وہ مرے

وَ لَا یَحۡیٰی ⑬

گا اور نہ جیے گا⑬

سورۂ اعلیٰ کی فضیلت: یہ سورت مکی ہے، یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہمارے پاس سب سے پہلے آنے والے حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تھے، انھوں نے ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا، پھر عمار، بلال اور سعد رضی اللہ عنہم آئے، پھر بیس آدمیوں کے ہمراہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے نہیں دیکھا کہ مدینہ والوں کو کبھی اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی خوشی انھیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے ہوئی تھی حتی کہ میں نے دیکھا کہ ننھی بچیاں اور چھوٹے بچے بھی خوشی و مسرت کے باعث کہہ رہے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں، آپ جب تشریف لائے تو میں نے ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ①﴾ اور اس طرح کی دوسری سورتیں پڑھ لی تھیں۔[1]

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب سورۃ ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ①﴾، حدیث :4941.

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے (جب لوگوں نے ان کی طویل قراءت کی شکایت کی) فرمایا: [فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١﴾ وَ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١﴾ وَ ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۝١﴾؟] ''تم ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١﴾، ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١﴾ اور ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۝١﴾ جیسی سورتیں کیوں نہیں پڑھ لیتے؟''[1] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین کی نمازوں میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١﴾ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اگر عید جمعے کے دن آجاتی تو پھر بھی آپ عید اور جمعے کی دونوں نمازوں میں انھی سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔[2] اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں، نیز امام ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

مسلم اور اہل سنن کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ عیدین اور جمعہ کے دن ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١﴾ پڑھا کرتے تھے اور بعض اوقات اگر عیدین اور جمعہ یکجا ہوجاتے تو پھر بھی آپ دونوں نمازوں میں انھی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[3] امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں ابی بن کعب، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن ابزی اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث بیان کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١﴾، ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١﴾ کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ معوذتین بھی پڑھا کرتے تھے۔[4]

تفسیر آیات: 1-13

تسبیح کا حکم اور اس کا جواب: امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١﴾ ''آپ اپنے سب سے بلند رب کے نام کی تسبیح کریں۔'' پڑھتے تو فرماتے: [سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى] ''پاک ہے میرا رب بلند تر۔''[5] امام ابن جریر نے ابو اسحاق ہمدانی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١﴾ پڑھتے تو کہتے: [سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى] اسی طرح آپ سورۂ قیامہ کی آخری آیت: ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝﴾ (القيمة 75:40) ''کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو

---

[1] صحيح البخاری، الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول، حديث: 705 وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة فی العشاء، حديث:(179)-465 عن جابر بن عبدالله الأنصاری ﷺ. تفسیر ابن کثیر میں [فَلَوْلَا] کے بجائے [هَلَّا] کا لفظ ہے جو ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملا۔ [2] مسند أحمد :271/4 . [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب ما يقرأ فی صلاة الجمعة، حديث : 878 وسنن أبی داود، الصلاة، باب ما يقرأبه فی معة، حديث :1122 و جامع الترمذی، الجمعة، باب ما جاء فی القراءة فی العيدين، حديث :533 وسنن النسائی الجمعة، باب ذكر الاختلاف على النعمان ابن بشير......، حديث:1425 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، بار ما جاء فی القراء ة فی صلاة العيدين، حديث : 1281. [4] مسند أحمد 123/5 عن أبی بن كعب ﷺ و 299/1 عن ابن عباس ﷺ و406/3 عن ابن أبزى ﷺ و227/6 عن عائشة ﷺ. [5] مسند أحمد :232/1 .

زندہ کردے؟'' کے بعد کہتے [سُبْحَانَكَ وَبَلٰى] ''(اے اللہ!) تو پاک ہے، کیوں نہیں! (تو یقیناً قدرت رکھتا ہے۔)''①
قتادہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ نبی ﷺ جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ①﴾ پڑھتے تو فرماتے: [سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى].②

خلق و تقدیر اور نباتات کا اگانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ②﴾ ''جس نے پیدا کیا، پھر درست بنایا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور پھر مخلوق میں سے ہر ایک کو بہت احسن شکل وصورت میں پیدا کیا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ③﴾ ''اور جس نے اندازہ ٹھہرایا، پھر ہدایت دی۔'' امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شقاوت و سعادت کے رستے بتا دیے اور جانوروں کو ان کے چرنے کی جگہوں کا بتا دیا۔③

یہ آیت کریمہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے فرعون سے کہا تھا: ﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ○﴾ (طٰہٰ 50:20) ''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی، پھر رہنمائی کی۔'' یعنی اس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر دیا اور پھر مخلوق کی اس کی طرف رہنمائی فرمائی جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(إِنَّ اللّٰهَ قَدَّرَ) مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، وَّ(كَانَ) عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیروں کا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اندازہ مقرر کر دیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔''④

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ④﴾ ''اور جس نے چارا اگایا۔'' یعنی اس نے نباتات اور فصلوں کی تمام انواع و اقسام کو پیدا فرمایا، ﴿فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ⑤﴾ ''پھر اسے سیاہ خس وخاشاک کی طرح بنا دیا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسے اس طرح کوڑا کرکٹ بنا دیا کہ اس کا رنگ تک بدل دیا گیا۔⑤ امام مجاہد، قتادہ اور ابن زید سے بھی اسی طرح مروی ہے۔⑥

نبی ﷺ وحی نہیں بھولتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَنُقْرِئُكَ﴾ ''ہم جلد آپ کو پڑھائیں گے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ﴿فَلَا تَنسَىٰ ⑥﴾ ''پھر آپ نہ بھولیں گے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر اور آپ سے یہ وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس طرح پڑھائے گا کہ آپ کبھی نہ بھولیں گے۔ ﴿إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ﴾ ''مگر جو اللہ چاہے۔'' حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ

---

① تفسير الطبری: 189/30 وفضائل القرآن لأبی عبيد القاسم بن سلّام، ص: 151، تفسیر طبری میں [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبَلٰى] کے الفاظ ہیں اور یہ حدیث موقوفاً صحیح ہے۔ مزید دیکھیے سنن أبی داود، الصلاة، باب الدعاء فی الصلاة، حديث: 884. ② تفسير الطبری: 190/30. ③ تفسير الطبری: 191/30. ④ صحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ صلی الله علیهما وسلم، حديث: 2653. البتہ مذکورہ حوالے میں پہلی قوسین والے الفاظ کے بجائے [كَتَبَ اللّٰهُ] ''اللہ نے لکھ دیا ہے۔'' ہے اور دوسری قوسین والا لفظ القدر لابن المستفاض: 87/1، حديث: 85 (C.D) کے مطابق ہے۔ ⑤ تفسير الطبری: 191/30. ⑥ تفسير الطبری: 192,191/30.

رسول اللہ ﷺ کچھ نہیں بھولتے تھے مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔① یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿فَلَا تَنْسٰىٓ﴾ سے مراد یہ ہے کہ آپ نہ بھولیں (مطلب ہے کہ یہ نہی کے معنی میں ہے،) بنابریں استثنا کے معنی یہ ہیں کہ مگر جو منسوخ ہو جائے، یعنی ہم آپ کو جو پڑھائیں، آپ اسے نہ بھولیں مگر جس بات کو اللہ تعالیٰ اٹھانا چاہے گا تو اسے اگر آپ چھوڑ دیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى﴾ ''بے شک وہ کھلی بات کو جانتا ہے اور اس کو بھی جو چھپی ہوئی ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے ظاہری حالات کو بھی جانتا ہے اور ان کے چھپے ہوئے اقوال و افعال سے بھی آگاہ ہے، اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔

﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى﴾ ''اور ہم آپ کو آسان (راستے) کی توفیق دیں گے۔'' یعنی ہم آپ کے لیے بھلائی کے کاموں اور باتوں کو آسان بنا دیں گے اور ہم آپ کو آسان اور سادہ شریعت عطا کریں گے جو بالکل سیدھی اور صحیح ہوگی اور جس میں کوئی ٹیڑھ، دشواری اور مشکل نہ ہوگی۔

نصیحت کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى﴾ ''پھر آپ نصیحت کیجیے اگر نصیحت نفع دے۔'' یعنی جہاں نصیحت نفع دے، وہاں نصیحت کریں۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے پھیلانے میں یہ ادب ملحوظ رہے کہ نا اہل کو علم نہ سکھایا جائے جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کچھ لوگوں سے ایسی بات کرو جس تک ان کی عقلوں کی رسائی نہ ہو سکے تو وہ بات ان کے بعض کے لیے فتنے کا سبب بنے گی۔② نیز آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے ایسی بات کرو جسے وہ جانتے ہوں، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی تکذیب کی جائے۔③

﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى﴾ ''عنقریب وہ نصیحت حاصل کرے گا جو ڈرتا ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ جو بات پہنچائیں گے تو اس سے وہ شخص ضرور نصیحت پکڑے گا جس کا دل اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور وہ جانتا ہو کہ ایک نہ ایک دن اسے اپنے رب تعالیٰ سے ملنا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ ''اور انتہائی بد بخت ہی اس سے دور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر اس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا۔'' یعنی وہ مرے گا نہیں کہ مر کر راحت پا لے اور نہ وہ ایسے جیے گا کہ زندگی اس کے لیے نفع بخش ہو بلکہ یہ جینا اس کے لیے سراسر نقصان دہ ہوگا کیونکہ اس زندگی ہی کی وجہ سے اسے اس دردناک عذاب اور طرح طرح کی سزاؤں کا احساس ہوگا جن میں وہ مبتلا ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا لَا يَمُوتُونَ وَلَا يَحْيَوْنَ، وَأَمَّا أُنَاسٌ يُّرِيدُ اللّٰهُ بِهِمُ الرَّحْمَةَ فَيُمِيتُهُمْ فِي النَّارِ، فَيَدْخُلُ عَلَيْهِمُ

① تفسير الطبرى: 193/30. ② صحيح مسلم، مقدمة الإمام مسلم، باب النهى عن الحديث بكل ما سمع، حديث: (14)-5 عن ابن مسعود رضي الله عنه. ③ صحيح البخاري، العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم......، حديث: 127.

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰىۙ ⑭ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىؕ ⑮ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاؗ ⑯ وَ الْاٰخِرَةُ

یقیناً فلاح پا گیا، جو پاک ہوا⑭ اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی⑮ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو⑯ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور

1 ع 19 12 خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ⑰ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰىۙ ⑱ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ⑲ ع

باقی رہنے والی ہے⑰ بے شک یہ (بات) پہلے صحیفوں میں بھی (کہی گئی) تھی⑱ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں⑲

الشُّفَعَاءُ ، فَيَأْخُذُ الرَّجُلُ الضِّبَارَةَ (فَيُنْبِتُهُمْ)۔ أَوْ قَالَ: فَيَنْبُتُونَ (فِي) نَهْرِ الْحَيَاءِ۔ أَوْ قَالَ: الْحَيَوَانِ أَوْ قَالَ: الْحَيَاةِ أَوْ قَالَ: نَهْرِ الْجَنَّةِ۔ فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ] ''جہنمی نہ مریں گے اور نہ جئیں گے، اللہ تعالیٰ جن لوگوں پر رحمت کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو انھیں جہنم کی آگ میں موت سے دو چار کر دے گا، پھر ان پر شفاعت کنندگان داخل ہوں گے تو آدمی ایک گروہ کو لے کر آگائے گا یا فرمایا کہ وہ نہر حیا یا فرمایا کہ نہر حیوان یا فرمایا کہ نہر حیات یا فرمایا کہ نہر جنت میں اس طرح اگیں گے جس طرح سیلاب کے خس وخاشاک میں دانے کی انگوری اگتی ہے۔'' راوی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [أَمَا تَرَوْنَ الشَّجَرَةَ تَكُونُ خَضْرَاءَ، ثُمَّ تَكُونُ صَفْرَاءَ۔ أَوْ قَالَ: تَكُونُ صَفْرَاءَ، ثُمَّ تَكُونُ خَضْرَاءَ] ''کیا تم درخت کو نہیں دیکھتے ہو کہ وہ سبز ہوتا ہے، پھر زرد ہو جاتا ہے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ زرد ہوتا ہے، پھر سرسبز وشاداب ہو جاتا ہے۔'' یہ سن کر بعض لوگوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ گویا بادیہ نشین رہے۔ ①

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ وَلٰكِنْ أُنَاسٌ۔ أَوْ كَمَا قَالَ۔ تُصِيبُهُمُ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ۔ أَوْ قَالَ: بِخَطَايَاهُمْ - فَيُمِيتُهُمْ إِمَاتَةً حَتّٰى إِذَا صَارُوا فَحْمًا أُذِنَ فِي الشَّفَاعَةِ، فَجِيءَ بِهِمْ ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ (فَبُثُّوا) عَلٰى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! أَفِيضُوا عَلَيْهِمْ، فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ تَكُونُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ] ''جو ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوں گے، وہ تو جہنم میں نہ مریں گے نہ جئیں گے لیکن کچھ لوگ ۔ یا جس طرح آپ نے فرمایا۔ جنھیں ان کے گناہوں یا آپ نے فرمایا کہ خطاؤں کی وجہ سے آگ میں ڈالا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ایک بار انھیں موت دے دے گا حتی کہ جب وہ کوئلے کی طرح ہو جائیں گے تو ان کے بارے میں شفاعت کی اجازت دی جائے گی، چنانچہ انھیں گروہ در گروہ لایا جائے گا اور جنت کی نہروں میں بکھیر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اے جنت والو! تم ان پر پانی ڈالو تو وہ اس طرح اگ آئیں گے جیسے سیلاب کے خس وخاشاک میں دانے کی انگوری اگتی ہے۔'' یہ ارشاد سن کر ایک آدمی کہنے لگا کہ اس مثال کے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا نبی کریم ﷺ بادیہ نشین رہے ہیں۔ ② اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

---

① مسند أحمد : 5/3 . البتہ مذکورہ حوالے میں پہلی قوسین والے لفظ کے بجائے [فَيَبُثُّهُمْ] ''تو وہ انھیں پھیلائے گا'' اور دوسری قوسین والے لفظ کے بجائے [عَلٰى] ہے جبکہ بعض نسخوں میں [فَيُبَثُّونَ عَلٰى] ہے۔ ② مسند أحمد : 11/3 قوسین والا لفظ صحیح مسلم کے آمدہ حوالے کے مطابق ہے۔ ③ صحيح مسلم، الإيمان ، باب إثبات الشفاعة...... ، حديث : 185 .

تفسیر آیات: 19-14

کامیاب لوگوں کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤﴾ ''بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہوا۔'' یعنی جس نے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک کر لیا اور اس کی پیروی کی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ پر نازل فرمایا ہے، ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥﴾ ''اور اپنے پروردگار کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی شریعت کی تابعداری کے لیے نماز کو بروقت ادا کرتا رہا۔ روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ لوگوں کو صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیتے اور اس موقع پر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥﴾ [1]

ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کے پاس کوئی سائل آئے اور وہ نماز ادا کرنے کا ارادہ کر رہا ہو تو اسے چاہیے کہ نماز سے پہلے اسے صدقہ دے دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز سے پہلے صدقے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥﴾ [2] امام قتادہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے مال کو پاک کر لیا اور اپنے خالق کو راضی کر لیا تو وہ کامیاب ہو گیا۔ [3]

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی قیمت نہیں: پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝١٦﴾ ''بلکہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔'' یعنی تم دنیا کی زندگی کو آخرت پر مقدم کرتے ہو اور اسے اس پر فوقیت دیتے ہو جس میں تمھاری معیشت اور لوٹنے کے اعتبار سے فائدہ اور بہتری ہے، ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝١٧﴾ ''حالانکہ آخرت بہت بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب دنیا کی نسبت کہیں بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی کیونکہ دنیا گھٹیا اور فانی ہے جبکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے، چنانچہ کوئی عقل مند فنا پذیر ہو جانے والی چیز کو باقی رہنے والی پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس چیز کے لیے تو بہت اہتمام کرے جو عنقریب اس سے زوال پذیر ہو جانے والی ہو اور ہمیشہ ہمیشہ اور باقی رہنے والے گھر کے لیے کوئی بندوبست نہ کرے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهٖ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ، فَآثِرُوا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى] ''جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب بنا لیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا، لہٰذا تم فنا ہونے والی زندگی پر باقی رہنے والی زندگی کو ترجیح دو۔'' امام احمد رحمہ اللہ اسے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ [4]

---

[1] أحكام القرآن لابن العربي: 286/4 والسنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة، باب وقت إخراج زكاة الفطر: 175/4.
[2] تفسير الطبري: 195/30. [3] تفسير الطبري: 195/30. [4] مسند أحمد: 412/4 یہ حدیث منقطع ہے، البتہ اسی معنی کی یہ صحیح حدیث اس کی تائید کرتی ہے: [مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا أَضَرَّ بِالْآخِرَةِ، وَمَنْ طَلَبَ الْآخِرَةَ أَضَرَّ بِالدُّنْيَا، فَأَضِرُّوا بِالْفَانِي لِلْبَاقِي] ''جو دنیا کا طلب گار بنا، اس نے آخرت کو نقصان پہنچایا اور جو آخرت کا طلب گار بنا، اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، چنانچہ تم باقی رہنے والی (آخرت) کی خاطر ختم ہو جانے والی (دنیا) کو نقصان پہنچاؤ۔'' السلسلة الصحيحة: 849/7، حديث: 3287 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ ﴾ ”بے شک یہ (بات) پہلے صحیفوں میں بھی (کہی گئی) تھی (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔“ یہ آیت اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى ۝ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ ﴾ (النجم 53: 36-42) ”کیا اسے ان (باتوں) کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں؟ اور ابراہیم کے (صحیفوں میں) جس نے (عہد) پورا کیا، یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی اور بلاشبہ اس کی کوشش جلد دیکھی جائے گی، پھر اسے پوری پوری جزا دی جائے گی اور بے شک (سب کا) آپ کے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانا ہے۔“

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سورت کا مضمون پہلے صحیفوں میں موجود ہے۔[1] ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ ﴿ اِنَّ هٰذَا ﴾ ”بلاشبہ یہ۔“ سے مراد ان آیات کی طرف اشارہ ہے: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ ”یقینا وہ کامیاب ہوگیا جو پاک ہوا اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی، بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا ﴾ ”بلاشبہ یہ“ یعنی اس کلام کا مضمون ﴿ لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ ﴾ ”پہلے صحیفوں میں بھی تھا (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔“[2] حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے جو یہ موقف اختیار کیا ہے، یہ نہایت اچھا اور بہت قوی ہے۔ حضرت قتادہ اور ابن زید سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

سورۂ اعلیٰ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

[1] تفسیر الطبری: 197/30. [2] تفسیر الطبری: 198/30. [3] تفسیر الطبری: 198/30.

تفسیر سورۂ غاشیہ

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ۟ؕ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۟ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۟ۙ تَصۡلٰى نَارًا

کیا آپ کو چھا جانے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے؟① اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے② سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے ہوں گے③ دہکتی

حَامِيَةً ۟ۙ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ۟ؕ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۟ۙ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا

آگ میں داخل ہوں گے④ انھیں گرم کھولتے چشمے کا پانی پلایا جائے گا⑤ ان کا طعام صرف خاردار جھاڑیاں ہوگا⑥ جو نہ موٹا کرے گا

يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ۟ؕ

نہ بھوک مٹائے گا⑦

نماز جمعہ میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی قراءت: قبل ازیں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عید اور جمعے میں ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۟ۙ﴾ (الأعلی 87:1) اور سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے۔[1] امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ جمعہ میں سورۂ جمعہ کے ساتھ اور کون سی سورت پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ﴿هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ۟ؕ﴾۔[2] اسے امام ابوداود، نسائی، مسلم اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

تفسیر آیات:1-7

قیامت اور جہنمیوں کا حال: ﴿الۡغَاشِيَةِ ۟ؕ﴾ ''چھا جانے والی'' قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے،[4] کیونکہ یہ سب لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۟ۙ﴾ ''اس روز کئی چہرے ذلیل ہوں گے۔'' حضرت قتادہ کا قول ہے کہ ﴿خَاشِعَةٌ ۟ۙ﴾ کے معنی ذلیل کے ہیں۔[5]

① صحيح مسلم، الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 878. ② الموطأ للإمام مالك، الجمعة، باب القراءة في صلاة الجمعة...... 1/38، حديث: 250. ③ سنن أبي داود، الصلاة، باب ما يقرأ به في الجمعة، حديث: 1123 وسنن النسائي، الجمعة، باب ذكر الاختلاف على النعمان ابن بشير في القراء ة في صلاة الجمعة، حديث: 1424 وصحيح مسلم، الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، حديث: (63)-878 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب ما جاء في القراءة في الصلاة يوم الجمعة، حديث: 1119. ④ تفسير الطبري: 30/199. ⑤ تفسير الطبري: 30/200.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ خشوع کا اظہار تو کریں گے لیکن ان کے عمل سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ①فرمان الٰہی ہے: ﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝3 ﴾ ''سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے ہوں گے۔'' یعنی انھوں نے کام تو بہت کیا حتی کہ تھک گئے لیکن قیامت کے دن دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ حافظ ابوبکر برقانی نے ابوعمران جونی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک راہب کے دَیر (راہبوں کے رہنے کی جگہ) کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے راہب کو آواز دی: ''اے راہب! تو راہب آپ کی طرف متوجہ ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر رونے لگے، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: امیر المومنین! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس کا یہ فرمان یاد آ گیا: ﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝3 تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝4 ﴾ ''سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے ہوں گے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔'' تو اس فرمان الٰہی نے مجھے رلا دیا ہے۔ ②

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر فرمایا کہ ﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝3 ﴾ سے مراد عیسائی ہیں۔ ③ حضرت عکرمہ اور سدی فرماتے ہیں کہ دنیا میں نافرمانی کے کام کرنے والے ہیں اور جہنم میں عذاب اور تباہی و بربادی میں چکنا چور ہونے والے ہیں۔ ④حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝4 ﴾ ''دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔'' یعنی شدید حرارت والی آگ میں۔ ⑤ ﴿ تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ۝5 ﴾ ''انھیں ایک کھولتے ہوئے چشمے سے پلایا جائے گا۔'' یعنی جس کی حرارت اور جس کا کھولنا انتہا کو پہنچ چکا ہوگا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور سدی کا قول ہے۔ ⑥

﴿ لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ ۝6 ﴾ ''ان کا کھانا صرف خار دار جھاڑی ہوگا۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ ضَرِيعٍ ۝6 ﴾ سے مراد جہنم کا ایک درخت ہے۔ ⑦حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابوالجوزاء اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شِبرِق (ایک کانٹے دار درخت) ہے۔ ⑧قتادہ فرماتے ہیں کہ قریش اسے موسم بہار میں شِبرِق اور موسم خزاں میں ضَرِیع کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ⑨عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ زمین کے ساتھ چمٹا ہوا ایک کانٹے دار درخت ہے۔ ⑩امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد کا قول نقل فرمایا ہے کہ ﴿ ضَرِيعٍ ۝6 ﴾ ایک نبات ہے جسے شبرق کہا جاتا ہے، جب یہ خشک ہو جائے تو اہل حجاز اسے ضَرِیع کہتے ہیں اور یہ بوٹی زہر ہے۔ ⑪

معمر نے بھی امام قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہی روایت کیا ہے کہ ﴿ ضَرِيعٍ ۝6 ﴾ سے مراد شِبرِق ہے اور

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 3420/10 . ② المستدرك للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة الغاشية: 522,521/2، حديث: 3925 و تفسير عبدالرزاق: 420/3 ، رقم: 3584. ③ صحيح البخاري، التفسير، بعد الحديث: 4941 . ④ تفسير البغوي: 244/5 و تفسير ابن أبي حاتم: 3420/10 و تفسير القرطبي: 27/20 . ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 3420/10 . ⑥ تفسير الطبري: 201/30 و تفسير ابن أبي حاتم: 3421,3420/10. ⑦ تفسير الطبري: 203/30. ⑧ تفسير الطبري: 202/30 . ⑨ تفسير ابن أبي حاتم: 3421/10. ⑩ تفسير الطبري: 202/30. ⑪ صحيح البخاري، التفسير، بعد الحديث: 4941.

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا
اس دن کئی چہرے تر و تازہ ہوں گے ⑧ اپنی کوشش پر خوش ہوں گے ⑨ بہشت بریں میں ہوں گے ⑩ وہ اس میں کوئی لغو
لَاغِيَةً ⑪ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ وقف لازم
بات نہ سنیں گے ⑪ اس میں ایک چشمہ جاری ہوگا ⑫ اس میں اونچے تخت ہوں گے ⑬ اور جام رکھے ہوں گے ⑭ اور
وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ⑯
قطاروں میں گاؤ تکیے لگے ہوں گے ⑮ اور عمدہ غالیچے بچھے ہوں گے ⑯

جب یہ خشک ہو جائے تو اسے ضَرِیع کہا جاتا ہے۔[1] سعید نے حضرت قتادہ سے اس کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ یہ بدترین، نہایت بدمزہ اور بہت خبیث کھانا ہوگا۔[2] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ ﴾ ”جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کچھ کام آئے گا۔“ یعنی نہ اس سے مقصود حاصل ہوگا اور نہ وہ کسی تکلیف دہ چیز ہی کو دور کرے گا۔

تفسیر آیات:8-16

قیامت کے دن اہل جنت کا حال: بدبختوں اور بدنصیبوں کے حال کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں اور خوش نصیبوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ ﴾ ”کئی چہرے اس دن۔“ یعنی قیامت کے روز ﴿ نَّاعِمَةٌ ⑧ ﴾ ”تر و تازہ ہوں گے۔“ یعنی ان کے چہروں سے مسرت و شادمانی جھلکتی ہوگی اور یہ ان کی سعی و کوشش کی وجہ سے انھیں حاصل ہوئی ہوگی۔ حضرت سفیان نے ﴿ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨ ﴾ ”اپنی کوشش پر خوش ہوں گے۔“ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے۔[3] ﴿ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ ﴾ ”بہشت بریں میں ہوں گے۔“ یعنی بڑی عظیم الشان اور پر بہار و بارونق جنت کے بالا خانوں میں امن، چین اور سکون کے ساتھ جلوہ افروز ہوں گے۔

﴿ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪ ﴾ ”وہ اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔“ یعنی وہ اس جنت میں کوئی ایک لغو کلمہ بھی نہیں سنیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ﴾ (مریم 19:62) ”وہ اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، سوائے سلام کے۔“ اور فرمایا: ﴿ لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴾ (الطور 52:23) ”اس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ (میں ڈالنا۔)“ اور فرمایا: ﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾ (الواقعة 56:25,26) ”وہ اس میں نہ بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ گناہ میں ڈالنے والی بات، (ہاں) مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ ﴾ ”اس میں ایک چشمہ جاری ہوگا۔“ یعنی بہہ رہا ہوگا۔ ﴿ عَيْنٌ ﴾ اسم نکرہ ہے جو ثابت کرنے کے ضمن میں ہے اور اس سے مراد ایک چشمہ نہیں ہے بلکہ یہ اسم جنس ہے، یعنی جنت میں

[1] تفسیر الطبری: 30/202. [2] تفسیر الطبری: 30/202. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 10/3421.

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿17﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿18﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ

کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟ ⑰ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے؟ ⑱ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے گاڑے

نُصِبَتْ ﴿19﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿20﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿21﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ

گئے ہیں؟ ⑲ اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ ⑳ چنانچہ آپ نصیحت کیجیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں ㉑ آپ ان پر کوئی

بِمُصَيْطِرٍ ﴿22﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿23﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿24﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿25﴾

فوج دار نہیں ㉒ مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا ㉓ تو اسے اللہ بہت بڑا عذاب دے گا ㉔ بے شک ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے ㉕

ع 1 26 13 النصف

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿26﴾

پھر بے شک ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے ㉖

بہت سے چشمے جاری وساری ہوں گے۔ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَنْهَارُ الْجَنَّةِ تَفَجَّرُ مِنْ تَحْتِ تِلَالِ۔ أَوْ مِنْ تَحْتِ جِبَالِ۔ الْمِسْكِ] ''جنت کی نہریں کستوری کے ٹیلوں یا پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوں گی۔''①

﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿13﴾﴾ ''اس میں اونچے تخت ہوں گے۔'' یعنی ایسے تخت ہوں گے جو بلند، بہت ملائم، بہت زیادہ بستروں والے اور اونچی چھت والے ہوں گے، ان پر بہت خوبصورت حوریں بیٹھی ہوں گی۔ ائمۂ تفسیر نے ذکر فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی دوست ان بلند تختوں پر بیٹھنے کا ارادہ کرے گا تو وہ اس کے لیے نیچے آ جائیں گے۔ ﴿وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿14﴾﴾ ''اور آبخورے رکھے ہوں گے۔'' یعنی جنتوں کے مالکوں میں سے جو آبخوروں کا ارادہ کرے گا، اسے وہ بھی سجے سجائے اور قرینے سے لگائے ہوئے تیار ملیں گے۔

﴿وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿15﴾﴾ ''اور قطاروں میں گاؤ تکیے لگے ہوں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿نَمَارِقُ﴾ سے مراد گاؤ تکیے ہیں۔② عکرمہ، قتادہ، ضحاک، سدی، ثوری اور دیگر ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔③ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿16﴾﴾ ''اور عمدہ غالیچے بچھے ہوں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿زَرَابِيُّ﴾ کے معنی غالیچے کے ہیں۔④ ضحاک اور کئی دیگر مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔⑤ اور ﴿مَبْثُوْثَةٌ ﴿16﴾﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ غالیچے بیٹھنے والوں کے لیے جا بجا بچھائے گئے ہوں گے۔

تفسیر آیات: 26-17

اونٹ، آسمان، پہاڑوں اور زمین کی طرف دیکھنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیتے ہوئے کہ وہ

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3422,3421/10 وصحیح ابن حبان، إخباره ﷺ عن مناقب الصحابة، ذكر الموضع الذي يخرج منه أنهار الجنة: 423/16، حديث: 7408. ② تفسير ابن أبي حاتم: 3421/10. ③ تفسير الطبري: 205/30. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 3421/10. ⑤ الدر المنثور: 574/6 عن الحسن رحمہ اللہ.

اس کی ان مخلوقات کی طرف دیکھیں جو اس کی قدرت وعظمت پر دلالت کرتی ہیں، فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ﴾ ''تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں۔'' یعنی وہ بہت عجیب مخلوق ہیں اور ان کی ترکیب بہت نادر ہے، ان میں حد درجہ قوت و شدت ہے لیکن اس کے باوجود وہ بڑے بڑے بھاری بوجھ اٹھانے کے لیے بھی بہت نرم ہو جاتے ہیں اور ایک کمزور سے کمزور چرواہے کے سامنے بھی سر اطاعت جھکا دیتے ہیں اور پھر ان کا گوشت کھایا جاتا، ان کی اون سے فائدہ اٹھایا جاتا اور ان کا دودھ پیا جاتا ہے، عرب ان سب امور سے آگاہ تھے۔ کیونکہ ان کے زیادہ تر جانور اونٹ ہی تھے۔ قاضی شریح فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! آؤ ہمارے ساتھ باہر نکلو تاکہ ہم یہ دیکھیں کہ اونٹوں کو کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو کیسا بلند کیا گیا ہے۔[1] یعنی اس عظیم الشان شاہکار کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح زمین سے بلند کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴾ (ق 6:50) ''تو کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے کیسے اسے بنایا اور اسے سجایا اور اس میں کوئی شگاف نہیں۔''

﴿ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ﴾ ''اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے گاڑے گئے ہیں۔'' یعنی پہاڑوں کو نصب کر دیا گیا ہے، چنانچہ یہ ثابت اور مضبوط و مستحکم ہیں تاکہ زمین اپنے باشندوں کو لے کر حرکت نہ کرے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کے منافع اور بہت سی معدنیات کو بھی رکھ دیا ہے، ﴿ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ﴾ ''اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔'' یعنی زمین کو کس طرح بچھا دیا، پھیلا دیا اور ہموار کر دیا گیا ہے۔ یہ ایسے دلائل ہیں جن سے ایک بدوی کے لیے بھی استدلال کرنا ممکن ہے کیونکہ وہ اپنے اس اونٹ کو بھی دیکھتا ہے جس پر وہ سواری کرتا ہے، آسمان کو بھی دیکھتا ہے جو اس کے سر پر ہے، پہاڑ کو بھی دیکھتا ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہے اور زمین کو بھی دیکھتا ہے جو اس کے پاؤں کے نیچے ہے وہ دیکھتا ہے کہ یہ سب چیزیں اپنے پیدا کرنے اور بنانے والے کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں کہ وہی عظیم رب، خالق کائنات اور مالک و متصرف ہے اور وہی معبود حقیقی ہے کہ جس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں ہے۔

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا قصہ: ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کو قسم دے کر پوچھا تھا جیسا کہ امام احمد نے ثابت سے اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں منع کر دیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے کوئی سوال پوچھیں، اس لیے ہم چاہتے تھے کہ بادیہ نشین لوگوں میں سے کوئی عقل مند آدمی آئے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرے اور ہم بھی آپ کے جواب کو سنیں، چنانچہ ایک بادیہ نشین آیا اور اس نے عرض کی: اے محمد (ﷺ!) ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا اور اس نے بیان کیا کہ آپ کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: [صَدَقَ] ''اس نے سچ کہا ہے۔''

---

[1] تفسیر البغوی: 246/5 و الدر المنثور: 575/6.

پھراس نے پوچھا کہ آسمان کوکس نے پیدا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ] ’’اللہ نے۔‘‘اس نے پوچھا: زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [اَللّٰهُ] ’’اللہ نے۔‘‘اس نے پوچھا: ان پہاڑوں کوکس نے نصب کیا اور ان میں بہت کچھ رکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [اَللّٰهُ] ’’اللہ نے۔‘‘ پھراس نے سوال کیا: اسی ذات کی قسم جس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا اور ان پہاڑوں کو نصب کیا! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ] ’’ہاں!‘‘ اس نے عرض کی: آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [صَدَقَ] ’’اس نے سچ کہا ہے۔‘‘ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے! کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ’’ہاں!‘‘ اس نے عرض کی کہ آپ کے قاصد کا کہنا تھا کہ ہمارے مالوں پر زکاۃ فرض ہے۔ آپ نے فرمایا: [صَدَقَ] ’’اس نے سچ کہا ہے۔‘‘اس نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے! کیا اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ] ’’ہاں!‘‘اس نے کہا: آپ کے قاصد کا کہنا تھا کہ ہم میں سے جس کو راستے کی استطاعت ہو تو اس پر حج بھی واجب ہے۔ آپ نے فرمایا: [صَدَقَ] ’’اس نے سچ کہا ہے۔‘‘ پھر یہ آدمی چلا گیا اور جاتے ہوئے اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں ان چیزوں میں قطعاً کوئی کمی بیشی نہ کروں گا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: [(إِنْ) صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ] ’’اگر یہ شخص سچا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔‘‘① اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔②

رسول کا کام صرف پہنچا دینا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾﴾ ’’چنانچہ آپ نصیحت کیجیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر کوئی فوج دار نہیں۔‘‘ یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ لوگوں کو اس چیز کی نصیحت کرتے رہیں جس کے ساتھ آپ ان کی طرف بھیجے گئے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝﴾ (الرعد 40:13) ’’آپ کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔‘‘ اور اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾﴾ ’’آپ ان پر کوئی فوج دار نہیں۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی دیگر اہل علم نے فرمایا ہے کہ آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔③ یعنی آپ ان کے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ان پر مسلط نہیں کہ انھیں ایمان قبول

---

① مسند أحمد: 143/3، البتہ قوسین والا لفظ جامع ترمذی کے آمدہ حوالے کے مطابق ہے، نیز امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے رمضان کے روزوں کا ذکر نہیں کیا جبکہ مسند احمد اور بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ اس بدوی نے روزوں کا بھی سوال کیا تھا۔ ② صحيح البخاري، العلم، باب القراءة والعرض على المحدث، حديث: 63 وصحيح مسلم، الإيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام، حديث: 12 و سنن أبي داود، الصلاة، باب ما جاء في المشرك يدخل المسجد، حديث: 486 وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء إذا أديت الزكاة فقد قضيت ما عليك، حديث: 619 وسنن النسائي، الصيام، باب وجوب الصيام، حديث: 2093 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب ما جاء في فرض الصلوات الخمس......، حديث: 1402. ③ تفسير الطبري: 207/30.

کرنے پر مجبور کریں۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوهَا عَصَمُوا مِنِّي بِهَا دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ (عَزَّ وَجَلَّ)] ''مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ وہ کہیں: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں)، جب وہ یہ کہہ دیں گے تو مجھ سے اس کے ساتھ اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے، سوائے اس (کلمے) کے حق کے اور ان کا حساب اللہ عزوجل کے سپرد ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: ﴿فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝٢١ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ۝٢٢﴾ ''[2] اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الإیمان میں اور امام ترمذی ونسائی نے اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں سفیان بن سعید ثوری کی سند سے روایت فرمایا ہے۔[3] اس حدیث کو صحیحین میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیات کے ذکر کے بغیر بیان کیا گیا ہے۔[4]

حق سے منہ پھیرنے والے کے لیے وعید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۝٢٣﴾ ''مگر جس نے منہ موڑ لیا اور انکار کیا۔'' یعنی جس نے اپنے اعضا کے ساتھ عمل کرنے سے منہ پھیرا اور دل وزبان کے ساتھ حق کا انکار کیا۔ یہ آیت اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ۝ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝﴾ (القیمة 75:31,32) ''نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ موڑا۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝٢٤﴾ ''تو اسے اللہ بہت بڑا عذاب دے گا۔'' اور پھر فرمایا: ﴿إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ ۝٢٥﴾ ''بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے۔'' یعنی ان کی واپسی اور پلٹنا، ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ۝٢٦﴾ ''پھر بے شک ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے۔'' یعنی ہم ان کے اعمال کا حساب لیں گے اور ان کے مطابق انھیں جزا عطا کریں گے، اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھی جزا دیں گے اور اگر اعمال برے ہوئے تو بری سزا دیں گے۔

سورۂ غاشیہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] تفسیر الطبری: 208,207/30. [2] مسند أحمد: 300/3. [3] صحیح مسلم، الإیمان، باب الأمر بقتال الناس......، حدیث: (35)-21 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة الغاشیة، حدیث: 3341 و السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورة الغاشیة: 514/6، حدیث: 11670. [4] صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب دعاء النبی ﷺ إلی الإسلام والنبوة......، حدیث: 2946 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الأمر بقتال الناس......، حدیث: 21.

تفسیر سورۂ فجر

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالۡفَجۡرِ ① وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ② وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ③ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ④ هَلۡ فِیۡ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیۡ

قسم ہے فجر کی ①اور دس راتوں کی ②اور جفت اور طاق کی ③اور رات کی جبکہ وہ چل (بیت) رہی ہو ④یقیناً ان (چیزوں) میں صاحب عقل کے لیے

حِجۡرٍ ⑤ اَلَمۡ تَرَ كَیۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ⑥ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ⑦ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی

معتبر قسم ہے⑤ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا؟⑥ (عاد) ارم جو اونچے ستونوں والے تھے⑦ جن کے مانند کوئی

الۡبِلَادِ ⑧ وَثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ⑨ وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ⑩ الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی

قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی⑧ اور ثمود کے ساتھ جو وادی میں چٹانیں تراشتے تھے⑨ اور فرعون میخوں والے کے ساتھ⑩ وہ جنھوں نے شہروں میں

الۡبِلَادِ ⑪ فَاَكۡثَرُوۡا فِیۡهَا الۡفَسَادَ ⑫ فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍ ⑬ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ⑭

سرکشی کی⑪ اور ان میں بہت زیادہ فساد پھیلایا⑫ تب آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا⑬ بے شک آپ کا رب (مجرموں کی) گھات میں ہے⑭

نماز میں سورۂ فجر کی قراءت: امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو ایک شخص آیا اور اس نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جب نماز کو بہت لمبا کر دیا تو اس شخص نے (جماعت سے الگ ہو کر) مسجد کے کونے میں نماز پڑھ لی، پھر وہ چلا گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ یہ شخص منافق ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کا ذکر ہوا تو آپ نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں تو با جماعت نماز ادا کرنے کے لیے آیا تھا مگر انھوں نے نماز کو بہت لمبا کر دیا تو میں نے الگ ہو کر مسجد کے کونے میں نماز پڑھ لی اور اپنی اونٹنی کو چرانے لگ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [أَفَتَّانًا يَا مُعَاذُ؟ فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ①﴾ وَ ﴿وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ①﴾ وَ ﴿وَالۡفَجۡرِ ①﴾ وَ ﴿وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰى ①﴾؟] ''معاذ! (لوگوں کو) فتنہ میں مبتلا کرتے ہو؟ تم ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ①﴾، ﴿وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ①﴾، ﴿وَالۡفَجۡرِ ①﴾ اور ﴿وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰى ①﴾ جیسی سورتوں کو کیوں نہیں پڑھ لیتے؟''[1]

① السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله: ﴿وَالشَّفۡعِ﴾: 515/6، حديث: 11673.

تفسیر آیات: 14-1

فجر اور اس کے مابعد کی تفسیر: فجر کے متعلق تو معروف ہے کہ اس سے مراد صبح ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد اور سدی کا قول ہے۔① مسروق اور محمد بن کعب سے روایت ہے کہ اس سے قربانی کے دن کی خاص صبح مراد ہے جو دس راتوں کو ختم کرنے والی ہے۔② اور دس راتوں سے مراد عشرۂ ذوالحجہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ سلف وخلف سے منقول ہے۔③ اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے: [مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ (أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ فِيهِنَّ) مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ] ''کوئی ایام ایسے نہیں ہیں جن میں عمل صالح اللہ تعالیٰ کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو۔'' یعنی ذوالحجہ کے دس دنوں سے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی زیادہ محبوب نہیں ہے؟ فرمایا: [وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، إِلَّا رَجُلًا خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ] ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں الا یہ کہ کوئی شخص اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر ان میں سے کسی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے (جان و مال سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دے۔)''④

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْعَشْرَ عَشْرُ الْأَضْحٰى وَالْوَتْرَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّفْعَ يَوْمُ النَّحْرِ] ''بے شک دس راتوں سے مراد اضحی کی دس راتیں ہیں، وَتر سے مراد یوم عرفہ اور شَفع سے مراد قربانی کا دن ہے۔''⑤ اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔⑥ اس حدیث کی سند کے رجال میں اگرچہ کوئی خامی نہیں (ثقہ ہیں) لیکن اس کے متن کا مرفوع ہونا میرے نزدیک منکر ہے۔⑦ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ ''اور جفت اور طاق کی۔'' کے بارے میں حدیث کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان ہو چکا ہے کہ وَتر سے مراد یوم عرفہ ہے کیونکہ وہ نواں دن ہے اور شَفع سے مراد قربانی کا دن ہے کیونکہ وہ دسواں دن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔⑧ شَفع اور وَتر کی تفسیر میں اور بھی کئی اقوال ہیں۔⑨

رات کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ﴾ ''اور رات کی جبکہ وہ چل (بیت) رہی ہو۔'' کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ جب وہ جانے لگے۔⑩ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

---

① تفسیر الطبری :210/30 و تفسیر ابن أبی حاتم :3423/10 وتفسیر الماوردی:265/6 وتفسیر البغوی:247/5 .
② تفسیر القرطبی :39/20 . ③ تفسیر الطبری :212,211/30 . ④ صحیح البخاری، العیدین، باب فضل العمل فی أیام التشریق، حدیث :969 وجامع الترمذی، الصوم، باب ما جاء فی العمل فی أیام العشر، حدیث:757 ومسند أحمد :224/1 واللفظ له، البتہ قوسین والے الفاظ کتاب الجهاد لابن أبی عاصم، باب مامن أیام العمل فیهن......:438/2، حدیث:156 کے مطابق ہیں۔ ⑤ مسند أحمد :327/3 . ⑥ السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله: ﴿وَالشَّفْعِ﴾ :514/6، حدیث :11672. ⑦ دیکھیے السلسلة الضعیفة :162/7، رقم:3178 . ⑧ تفسیر الطبری:213,212/30 . ⑨ دیکھیے تفسیر الطبری :215-213/30. ⑩ تفسیر الطبری :216/30 .

نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ جب رات کا بعض حصہ بعض کو لے جائے۔[1] مجاہد، ابو العالیہ، قتادہ، مالک، زید بن اسلم اور ابن زید نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جب رات چلنے لگے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴾ ''یقیناً ان (چیزوں) میں عقل والے کے لیے کافی قسم ہے۔'' یعنی ان کے لیے جو صاحبِ عقل و دانش و دین ہیں۔ عقل کو حِجْر کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ یہ انسان کو ان افعال و اقوال سے روکتی ہے جو اس کے شایان شان نہ ہوں، اسی سے حِجْرُ الْبَیْت ہے کیونکہ وہ طواف کرنے والے کو کعبہ کی شامی دیوار کے ساتھ لگنے سے روکتا ہے، اسی سے حَجْرُ الْیَمَامَة ہے۔[3] اسی طرح حَجَرَ الْحَاكِمُ عَلٰى فُلَانٍ کا محاورہ اس وقت بولتے ہیں جب حاکم کسی کو تصرف اور اختیار سے منع کر دے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ ﴾ (الفرقان 25:22) ''اور وہ (فرشتے) کہیں گے: (تم پر جنت) ممنوع و حرام کر دی گئی ہے۔'' لفظ حِجْر کے استعمال کی یہ تمام صورتیں ایک ہی قبیل سے ہیں اور ان کے معانی قریب قریب ایک جیسے ہیں اور یہ قسم اوقاتِ عبادت اور عبادت کی مختلف صورتوں، مثلاً: حج، نماز اور قربت حاصل کرنے کی دیگر ایسی قسموں کے ساتھ ہے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے پرہیز گار، اطاعت گزار، اس سے ڈرنے والے اور خشوع و خضوع کا اظہار کرنے والے بندے اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرتے ہیں۔

قوم عاد کی تباہی و بربادی کا ذکر: مقربین بارگاہ الٰہی اور ان کی عبادت و اطاعت کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کس طرح کیا؟'' یہ لوگ سرکش، باغی، ظالم، اللہ تعالیٰ کے نافرمان، اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والے اور اس کی کتابوں کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کرتے ہوئے کہ اس نے کس طرح انھیں تباہ و برباد کیا اور نمونۂ عبرت بنا دیا، فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کس طرح کیا؟ (عاد) ارم جو ستونوں والے تھے۔'' یہ لوگ عاد اول تھے اور یہ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے، یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔[4] انھی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا مگر انھوں نے ان کی تکذیب اور مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات دی اور قوم عاد کو نہایت تیز آندھی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا، ﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ

---

① تفسیر الطبری: 216/30. ② تفسیر الطبری: 217,216/30. ③ بنوحنیفہ قبیلے کا ایک شخص عُبَیْد بِن ثَعْلَبَہ یَمَامَہ کے ایک علاقے کی کھجور سے متاثر ہوا اور وہاں پہنچا، اور وہاں کے تیس اعلیٰ مکان اور تیس عمدہ باغ اپنے لیے مخصوص کر لیے، وہ کھجور کے درخت اکھاڑ کر ان باغات کے گرد گاڑ دیتا تو وہ سب لائن میں اگتے اور باغات کا حصار کر لیتے، یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی ایسا ہی کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے اس کا نام "حَجْرُ الْیَمَامَة" پڑ گیا۔ حَجْر اور حِجْر ہم معنی ہیں، دیکھیے معجم البلدان: 222,221/2.

④ السیرة النبویة لابن إسحاق، سیاقة النسب من ولد إسماعیل علیه السلام: 18/1 و تفسیر الطبری: 220/30.

تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ○ ﴾ (الحاقّة 69: 7,8) ''اللہ نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن جڑ کاٹنے (فنا کرنے) کے لیے مسلط رکھا، پھر آپ اس قوم کو پچھاڑے (ہلاک کیے) ہوئے دیکھتے ہیں گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں، پھر کیا آپ ان کی کوئی باقیات دیکھتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعے کو قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ مومن ان کی تباہی و بربادی سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ ''(عاد) ارم جو ستونوں والے تھے'' ان کے مزید تعارف کے لیے عطف بیان ہے۔ ﴿ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ ''ستونوں والے'' کیونکہ وہ بال کے بنے ہوئے ان گھروں میں رہتے تھے جنھیں بڑے مضبوط ستونوں کے ساتھ اٹھایا جاتا تھا اور اپنے زمانے میں یہ لوگ دوسروں کی نسبت خلقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ شدید اور گرفت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مضبوط تھے، اس لیے حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت یاد دلائی اور رہنمائی فرمائی کہ وہ اس نعمت کو اپنے اس رب تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کریں جس نے انھیں پیدا فرمایا ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا: ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 7:69) ''اور یاد کرو جب اس نے قوم نوح کے بعد تمھیں (زمین میں ایک دوسرے کا) جانشین بنایا اور تمھیں قد وقامت میں زیادہ پھیلاؤ دیا، لہٰذا تم اللہ کی نعمتیں یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:15) ''چنانچہ جو عاد تھے تو انھوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے: ہم سے قوت میں زیادہ سخت کون ہے؟ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ جس نے انھیں پیدا کیا وہ قوت میں ان سے زیادہ سخت ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴾ ''وہ کہ جن کے مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔'' یعنی یہ لوگ جسمانی قوت، شدت اور مضبوط ترکیب کے اعتبار سے ایسے تھے کہ ان کے ملکوں میں ان جیسے لوگ پیدا نہیں کیے گئے تھے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ارم ایک قدیم امت، یعنی عاد اول ہیں۔[1] قتادہ بن دِعامہ اور سدی فرماتے ہیں کہ ارم قبیلہ ہے جس نے مملکت عاد کی بنیاد رکھی تھی۔[2] یہ قول حسن، جید اور قوی ہے۔

ابن زید نے ﴿ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴾ میں ھا ضمیر کا مرجع ﴿ الْعِمَادِ ﴾ کو اس کی بلندی کی وجہ سے قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ انھوں نے مقام احقاف میں ایسے ایسے ستون بنائے کہ ان جیسے ستون ملکوں میں نہیں پیدا کیے گئے۔[3] قتادہ اور ابن جریر نے ضمیر کا مرجع قبیلہ بتایا ہے، یعنی اس جیسا قبیلہ ملکوں میں، یعنی زمانے میں پیدا نہیں ہوا تھا۔[4] یہی قول صحیح ہے جبکہ ابن زید اور ان کے ہم نوا لوگوں کا قول ضعیف ہے کیونکہ اگر اس سے مراد ستون ہوتے تو

[1] تفسیر الطبری:219/30. [2] تفسیر الطبری:220,219/30. [3] تفسیر الطبری:222/30. [4] تفسیر الطبری:222/30.

اللہ تعالیٰ یہ فرماتا: [اَلَّتِی لَمْ یُعْمَلْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ] ''وہ کہ ان جیسے (ستون) ملکوں میں نہیں بنائے گئے'' جبکہ یہاں یہ فرمایا ہے: ﴿ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۞ ﴾ ''ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۞ ﴾ ''اور ثمود کے ساتھ (کس طرح کیا؟) جو وادی میں چٹانیں تراشتے تھے۔'' یعنی وہ وادی میں چٹانوں کو کاٹتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ انھیں تراشتے اور ان میں سوراخ کرتے تھے۔[1] مجاہد، قتادہ، ضحاک اور ابن زید نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[2] اسی سے مُجْتَابِی النِّمَارِ کا محاورہ ہے جو اس وقت بولا جاتا ہے جب لوگوں نے چیتے کی کھال کو پھاڑ لیا ہو، اسی طرح اِجْتَابَ الثَّوْبَ اس وقت کہتے ہیں جب کسی نے کپڑے کو کھول لیا ہو، نیز جَیْب کا لفظ بھی اسی سے مشتق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِينَ ۞ ﴾ (الشعرآء 149:26) '' اورتم پہاڑوں سے تراش کر گھر بناتے ہو، اس حال میں کہ خوب ماہر ہو۔'' ہم نے سورۂ اعراف میں قوم عاد کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے بعد اسے دہرانے کی ضرورت نہیں رہی۔[3]

فرعون کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۞ ﴾ ''اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کس طرح کیا؟)'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اوتاد سے مراد وہ لشکر ہیں جو فرعون کے حکم کو مضبوط و مستحکم کرتے تھے۔[4] بیان کیا جاتا ہے کہ فرعون اپنے مخالفوں کے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی میخیں گاڑ کر انھیں لٹکا دیا کرتا تھا، حضرت مجاہد کا بھی یہی قول ہے کہ فرعون لوگوں کے جسموں میں میخیں گاڑ دیتا تھا۔[5] حضرت سعید بن جبیر، امام حسن بصری اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[6] فرمان الٰہی ہے: ﴿ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۞ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۞ ﴾ ''وہ جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی اور ان میں بہت زیادہ فساد پھیلایا۔'' یعنی انھوں نے سرکشی اور بغاوت کی روش اختیار کی، زمین میں فتنہ وفساد برپا کیا اور لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، ﴿ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۞ ﴾ ''تب آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔'' یعنی ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا اور انھیں ایسی ایسی سزائیں دیں جنھیں وہ مجرم قوم سے نہیں ٹالا کرتا۔

پروردگار گھات میں ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۞ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار گھات میں ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔[7] یعنی وہ اپنی مخلوق کی گھات میں ہے کہ وہ کیا عمل کرتی ہے اور وہ ہر ایک کی کوشش کا دنیا و آخرت میں بدلہ دے گا، اور عنقریب تمام مخلوقات کو اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور وہ ان کے بارے میں اپنے عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور ہر ایک سے وہ سلوک کرے گا

---

① تفسیر الطبری: 223/30 . ② تفسیر الطبری: 224,223/30 . ③ دیکھیے الأعراف، آیات: 65-72 کے ذیل میں۔
④ تفسیر الطبری: 224/30 . ⑤ تفسیر الطبری: 225/30 . ⑥ تفسیر الطبری: 225/30 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3426/10 و تفسیر الماوردی: 269/6. ⑦ تفسیر الطبری: 226/30 .

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ۬ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ⑮ وَاَمَّاۤ

لیکن انسان جو ہے، جب اس کا رب اسے آزمائے اور اسے عزت اور نعمت دے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ⑮ مگر جب

اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۚ⑯ كَلَّا بَلْ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ۙ⑰

وہ اسے آزمائے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ⑯ ہرگز نہیں! بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں

وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۙ⑱ وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّمًّا ۙ⑲ وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ

کرتے ⑰ اور باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ⑱ اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ⑲ اور تم مال سے جی بھر کر

حُبًّا جَمًّا ؕ⑳

پیار کرتے ہو ⑳

جس کا وہ مستحق ہوگا کیونکہ وہ اس بات سے پاک ہے کہ کسی پر ظلم و زیادتی کرے۔

تفسیر آیات :20-15

دولت اور فقر آزمائش ہے: اللہ تعالیٰ انسان کے اس عقیدے کی تردید فرما رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آزمائش کی خاطر انسان کو کشادہ اور وسیع رزق عطا فرماتا ہے تو انسان اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی عزت افزائی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ رزق کی فراوانی اور کشادگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 56,55:23) ”کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک ہم جو بھی ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کیے جارہے ہیں (تو کیا) ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں نہیں) بلکہ وہ (اصل حقیقت) نہیں سمجھتے۔“

اسی طرح دوسری طرف جب اللہ تعالیٰ امتحان و آزمائش کے طور پر انسان کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توہین ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ كَلَّا ﴾ ”ہرگز نہیں!“ یعنی یہ بات اس طرح نہیں جس طرح انسان نے گمان کیا ہے، اس کی نہ وہ بات صحیح ہے اور نہ یہ کیونکہ اللہ تعالیٰ مال اسے بھی دیتا ہے جسے پسند فرماتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جسے پسند نہیں فرماتا اور رزق اس پر بھی تنگ کر دیتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس پر بھی جسے پسند نہیں کرتا، لہٰذا دونوں حالتوں میں اعتبار اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کون کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ مال و دولت کی فراوانی سے نوازے تو بندہ اس کا شکر بجا لائے اور جب اللہ تعالیٰ فقیر کر دے تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

مال سے متعلق آدمی کا برا عمل: ﴿ بَلْ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ⑰ ﴾ ”بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔“ اس آیت میں درحقیقت یتیم کی عزت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام ابو داود نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ] ”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿21﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿22﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ

ہرگز نہیں! جب زمین خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی ﴿21﴾ اور آپ کا رب اور فرشتے صف در صف آئیں گے ﴿22﴾ اور اس دن جہنم (سامنے) لائی جائے

بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿23﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ

گی، اس دن انسان (اپنے کرتوت) یاد کرے گا اور یہ یاد کرنا اس کے لیے کیونکر (مفید) ہوگا ﴿23﴾ وہ کہے گا: کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ آگے

لِحَيَاتِيْ ﴿24﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿25﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿26﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ

بھیجا ہوتا ﴿24﴾ چنانچہ اس دن اس جیسا عذاب دینے والا اور کوئی نہیں ہوگا ﴿25﴾ اور اس جیسا جکڑنے والا بھی اور کوئی نہیں ہوگا ﴿26﴾ اے مطمئن روح! ﴿27﴾ تو

ع 1/30/14 الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿27﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿28﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿29﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿30﴾

اپنے رب کی طرف چل اس حال میں کہ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی ﴿28﴾ پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا ﴿29﴾ اور میری جنت میں داخل ہو جا ﴿30﴾

طرح (قریب قریب) ہوں گے۔'' اور آپ نے اپنی درمیانی انگلی اور انگشت شہادت کو ملایا۔[1]

﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿18﴾﴾ ''اور نہ تم باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔'' یعنی فقراء و مساکین کے ساتھ احسان کا حکم نہیں دیتے اور نہ ایک دوسرے کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ ﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ﴾ ''اور تم میراث کا مال کھا جاتے ہو۔'' یعنی ورثہ اور ترکہ، ﴿اَكْلًا لَّمًّا ﴿19﴾﴾ ''خوب سمیٹ سمیٹ کر کھانا۔'' یعنی خواہ وہ حلال یا حرام کسی طریقے سے بھی ملے، ﴿وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿20﴾﴾ ''اور تم مال سے جی بھر کر پیار کرتے ہو۔'' یعنی بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔ بعض نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی محبت رکھتے ہو۔

تفسیر آیات: 30-21

قیامت کے دن ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی عظیم ترین ہولناکیوں کو بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے: ﴿كَلَّآ﴾ ''ہرگز نہیں!'' یعنی حق بات یہ ہے کہ ﴿اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿21﴾﴾ ''جب زمین خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔'' یعنی زمین کو ہموار اور زمین اور پہاڑوں کو برابر کر دیا جائے گا اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے، ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ﴾ ''اور آپ کا پروردگار آئے گا'' یعنی اپنی مخلوق میں فیصلہ کرنے کے لیے جلوہ فرما ہوگا اور یہ اس کے بعد ہوگا جب لوگ علی الاطلاق ساری اولاد آدم کے سردار حضرت محمد کریم ﷺ کی خدمت میں شفاعت کے لیے عرض کریں گے اور اس سے پہلے وہ تمام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ایک کی خدمت میں بھی یہ عرض کر چکے ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ معذرت کر چکا ہوگا کہ میں اس قابل نہیں کہ تمھاری شفاعت کر سکوں حتی کہ آخر میں سب لوگ اس مقصد کی خاطر جب حضرت محمد کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے تو آپ فرمائیں گے: [أَنَا لَهَا، أَنَا لَهَا] ''ہاں! میں تمھاری شفاعت کرتا ہوں، ہاں! میں اس قابل ہوں

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في من ضم يتيمًا، حديث: 5150.

کہ تمھاری شفاعت کروں۔'' پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر شفاعت کریں گے کہ وہ اپنے بندوں میں فیصلہ کرنے کے لیے جلوہ فرما ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما لے گا۔[1] یہ پہلی شفاعت ہوگی اور یہی وہ مقام محمود ہے جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو فائز فرمائے گا جیسا کہ سورۂ سبحان (بنی اسرائیل) کی تفسیر میں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[2] اللہ رب ذوالجلال اپنے بندوں میں فیصلہ فرمانے کے لیے جلوہ فرما ہوگا جس طرح وہ چاہے گا اور فرشتے اس کے سامنے قطار باندھ باندھ کر آ موجود ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجِاۡیۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ﴾ ''اور اس دن جہنم لائی جائے گی۔'' امام مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ، لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَّعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَّجُرُّونَهَا] ''اس دن جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔''[3] امام ترمذی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿يَوۡمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ﴾ ''اس دن انسان (اپنے کرتوت) یاد کرے گا۔'' یعنی اپنے عمل اور جو کچھ اس نے اپنے قدیم و جدید زمانے میں آگے بھیجا ہوگا، اسے یاد کرے گا، ﴿وَاَنّٰى لَهُ الذِّكۡرٰى ﴿٢٣﴾﴾ ''اور یہ یاد کرنا اس کے لیے کیونکر (مفید) ہوگا۔'' یعنی اب یہ یاد کرنا اسے کیسے نفع دے گا۔ ﴿يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ قَدَّمۡتُ لِحَيَاتِىۡ ﴿٢٤﴾﴾ ''وہ کہے گا: کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔'' یعنی اگر وہ گنہگار ہوگا تو ماضی میں کیے ہوئے اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرے گا اور اگر اطاعت گزار ہوگا تو وہ یہ خواہش کرے گا کہ اے کاش! اس نے کچھ اور نیکیاں بھی کی ہوتیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے محمد بن ابوعمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے: [لَوْ أَنَّ عَبْدًا خَرَّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ يَّوْمِ وُلِدَ إِلٰى أَنْ يَّمُوتَ هَرَمًا فِي طَاعَةِ اللّٰهِ لَحَقَرَهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَلَوَدَّ أَنَّهُ رُدَّ إِلَى الدُّنْيَا كَيْمَا يَزْدَادَ مِنَ الْأَجْرِ وَالثَّوَابِ] ''اگر کوئی شخص پیدا ہونے سے لے کر بوڑھا ہو کر مرنے تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سربسجود رہے تو وہ بھی اس (قیامت کے) دن اپنی اس عبادت کو حقیر جانے گا اور خواہش کرے گا کہ اسے دنیا میں (ایک بار پھر) لوٹا دیا جائے تاکہ وہ اور زیادہ اجر و ثواب حاصل کر سکے۔''[5]

---

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب كلام الرب تعالى يوم القيامة مع الأنبيآء وغيرهم، حديث: 7510 وصحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث: (326)-193 عن أنس بن مالك ﷺ مفصلاً، البتہ مذکورہ حوالوں میں [أَنَا لَهَا] صرف ایک مرتبہ ہے، تاہم كتاب السنة لابن أبي عاصم، باب: 167، ص: 380,379، حدیث: 816 میں [أَنَا لَهَا وَأَنَا صَاحِبُهَا] کے الفاظ ہیں۔ [2] دیکھیے بنيٓ إسرآءيل، آیت: 79 کے ذیل میں۔ [3] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها……، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2842. [4] جامع الترمذي، صفة جهنم، باب ما جاء في صفة النار، حديث: 2573. [5] مسند أحمد: 185/4.

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴾ ’’چنانچہ اس دن اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی نہیں دے گا۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو جس طرح عذاب دے گا اس طرح کوئی اور کسی کو عذاب نہیں دے سکتا، ﴿ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴾ ’’اور نہ اس کے جکڑنے جیسا کوئی جکڑے گا۔‘‘ یعنی رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں کو جس طرح عذاب کے فرشتے پکڑیں اور جکڑیں گے، ان سے بڑھ کر کسی اور کی گرفت نہیں ہو سکتی، یہ تو ہے مجرم اور ظالم انسانوں کا حال لیکن جہاں تک پاک، مطمئن، حق پر ثابت قدم رہنے اور حق ہی کے ساتھ گردش کرنے والی روح کا تعلق ہے تو اس سے کہا جائے گا: ﴿ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ ﴾ ’’اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت، اس کے ثواب اور اس کی ان نعمتوں کی طرف چل جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار فرما رکھی ہیں۔ ﴿ رَاضِيَةً ﴾ ’’راضی ہونے والی‘‘ یعنی اپنے جی میں، ﴿ مَّرْضِيَّةً ﴾ ’’پسندیدہ‘‘ یعنی یہ پاک روح اللہ تعالیٰ سے راضی، اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور وہ اسے خوب خوب راضی فرما دے گا۔ ﴿ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴾ ’’پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا۔‘‘ یعنی ان کے گروہ میں، ﴿ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴾ ’’اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔‘‘ یہ بات اسے موت کے وقت کہی جاتی ہے، نیز قیامت کے دن بھی کہی جائے گی، جس طرح فرشتے موت کے وقت مومن کو بشارت سناتے ہیں اور قبر سے اٹھتے وقت بھی بشارت سنائیں گے، اسی طرح یہاں بھی بشارت سنائی گئی ہے۔

امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کتنی اچھی بات ہے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَمَا إِنَّهُ سَيُقَالُ لَكَ هٰذَا] ’’یہ بات تو یقیناً عنقریب تم سے بھی کہی جائے گی۔‘‘[1]

تفسیر سورۂ فجر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر ابن أبي حاتم: 3430,3429/10 یہ حدیث ضعیف ہے۔

تفسیر سُوْرَۃُ بَلَد

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ① اور آپ کے لیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے ② اور قسم ہے والد (آدم) کی اور اس کی اولاد کی ③ بلاشبہ ہم نے

فِيْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ

وقف لازم

انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے ④ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قابو نہ پاسکے گا؟ ⑤ وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال لٹا دیا ⑥ کیا وہ سمجھتا

اَحَدٌ ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ⑧ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ⑨ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩

ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟ ⑦ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں نہیں دیں؟ ⑧ اور زبان اور دو ہونٹ؟ ⑨ اور ہم نے اسے دونوں راستے سمجھا دیے ⑩

تفسیر آیات: 1-10

حرمت مکہ اور دیگر اشیاء کی قسم: یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ام القریٰ مکہ کی اس حال میں قسم کھائی ہے جبکہ اس میں رہنے والے نے احرام نہ باندھا ہوتا کہ وہ اس کی اس حال میں عظمت اور قدر ومنزلت کی طرف توجہ دلائے جبکہ یہاں کے باشندوں نے احرام باندھ رکھا ہو۔ خصیف نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ①﴾ میں ﴿لَآ﴾ ''نہیں'' کفار و مشرکین کی تردید کے لیے ہے اور ﴿اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ①﴾ کے معنی ہیں میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں۔[1] شبیب بن بشر نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں شہر سے مراد مکہ ہے اور ﴿وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ②﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لیے اس شہر میں قتال کرنا حلال ہے۔[2] سعید بن جبیر، ابوصالح، عطیہ، ضحاک، قتادہ، سدی اور ابن زید سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے دن کی ایک گھڑی کے لیے مکہ میں قتال کو حلال قرار دیا تھا۔[4] ائمہ تفسیر نے جو یہ مفہوم بیان فرمایا ہے، اس کی تائید میں ایک حدیث جس کی صحت پر اتفاق ہے، اس طرح بیان ہوئی ہے: [إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، (وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهُ)، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهُ (وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي

---

① تفسیر ابن أبی حاتم: 3432/10۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم: 3432/10۔ ③ تفسیر القرطبی: 61/20 وتفسیر الطبری: 244/30 والدر المنثور: 593,592/6۔ ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 3432/10۔

سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ)، (وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ)،(أَلَا فَلْيُبَلِّغِ) (الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)] ''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن سے حرمت والا قرار دیا ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ کے اسے حرام قرار دینے کی وجہ سے قیامت کے دن تک اس کی حرمت برقرار رہے گی، اس کے درخت کے پتوں کو نہ جھاڑا جائے اور نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے، میرے لیے دن کی صرف ایک گھڑی میں قتال حلال قرار دیا گیا تھا اور آج پھر اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح کل تھی، سن لو! کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان تک بھی پہنچا دیں جو موجود نہیں۔''①

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [......فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ (بِقِتَالِ) رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ ﷺ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ] ''......پس اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے قتال کو رخصت (کی دلیل) کے طور پر پیش کرے تو اسے کہہ دو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تو اجازت دی تھی مگر اس نے تمھیں اجازت نہیں دی ہے۔''②

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ ﴾ ''اور جننے والے کی (قسم!) اور اس کی جو اس نے جنا۔'' مجاہد، ابو صالح، قتادہ، ضحاک، سفیان ثوری، سعید بن جبیر، سدی، حسن بصری، خصیف، شرحبیل بن سعد اور دیگر ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَالِدٍ ﴾ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ﴿ وَّمَا وَلَدَ ۝ ﴾ سے مراد ان کی اولاد ہے۔③ امام مجاہد اور ان کے اصحاب نے اس آیت کی تفسیر میں جو یہ موقف اختیار کیا ہے، یہ بہت اچھا اور مضبوط موقف ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ام القری کی قسم کھائی جو مسکن ہے تو اس کے بعد سکونت پذیر ہونے والوں کی قسم کھائی جو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہیں۔ ابو عمران جونی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔ اسے امام ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔④ اس قول کا بھی احتمال ہے جو حافظ ابن جریر نے اختیار کیا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور ہر والد اور اس کی اولاد کو شامل ہے۔⑤

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝ ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔'' ابن جریج نے عطاء سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ فِيْ كَبَدٍ ۝ ﴾ کے معنی یہ روایت کیے ہیں کہ

① صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إثم الغادر للبر والفاجر، حديث: 3189 عن ابن عباس ﷺ، البتہ پہلی قوسین والے الفاظ: الأحاديث الطوال للطبراني، خطبة رسول الله ﷺ يوم الفتح: 141,140، حديث: 60 وموارد الظمآن، المغازي والسير، باب ماجاء في غزوة الفتح: 5/327-330، حديث: 1699 كلاهما عن عبدالله بن عمرو ﷺ، دوسری قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا ينفر صيد الحرم، حديث: 1833 عن ابن عباس ﷺ، تیسری قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، حديث: 1832 اور چوتھی قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 4/32 اور پانچویں قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، حديث: 1832 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة......، حديث: 1354 كلهم عن أبي شريح العدوي ﷺ کے مطابق ہیں۔ ② صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يعضد شجر الحرم، حديث: 1832 عن أبي شريح العدوي ﷺ، البتہ قوسین والا لفظ صحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة......، حديث: 1354 کے مطابق ہے۔ ③ تفسير القرطبي: 20/61 وتفسير الطبري: 30/245 والدر المنثور: 6/593. ④ تفسير الطبري: 30/246 وتفسير ابن أبي حاتم: 10/3433. ⑤ تفسير الطبري: 30/246.

انسان کو سخت تکلیف کی حالت میں پیدا کیا گیا ہے، کیا تم نے اس کی حالت کو نہیں دیکھا؟ پھر انھوں نے انسان کے پیدا ہونے کے وقت اور پھر بعد میں دانتوں کے نکلنے کی تکلیف کا ذکر کیا۔① ﴿ فِيْ كَبَدٍ ۝ ﴾ کے بارے میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ انسان پہلے نطفہ تھا، پھر لوتھڑا بنا، پھر گوشت کا ٹکڑا بنا، اس طرح انسان اپنی تخلیق کے مختلف مرحلوں میں تکلیف اٹھاتا رہا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ﴾ (الأحقاف 46:15) ''اس کی ماں نے اسے تکلیف سے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا اور اسے تکلیف سے جنا'' اور تکلیف ہی سے اسے دودھ پلایا، اس کی زندگی بھی تکلیف ہی پر مبنی ہے اور وہ ان تمام حالتوں میں تکلیف برداشت کرتا رہتا ہے۔② حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ﴿ كَبَدٍ ۝ ﴾ کے معنی شدت اور طلب معیشت کے ہیں۔③ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے معنی ہیں کہ ہم نے انسان کو شدت اور طویل مدت میں پیدا کیا ہے۔④ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ ہم نے انسان کو حالت مشقت میں پیدا کیا ہے۔⑤ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ ہم نے انسان کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ دنیا کی تکلیفیں اور آخرت کی سختیاں برداشت کرتا رہتا ہے۔⑥

انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں نے گھیر رکھا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝ ﴾ ''کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قابو نہ پا سکے گا؟'' امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قابو نہ پا سکے گا جو اس کے مال کو اس سے لے سکے؟⑦ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ابن آدم یہ گمان رکھتا ہے کہ اس سے اس کے مال کے بارے میں یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ اس نے اسے کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔⑧ ﴿ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ ﴾ ''وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال لٹا دیا۔'' یعنی ابن آدم کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا ہے، یہ امام مجاہد، حسن، قتادہ، سدی اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔⑨ ﴿ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝ ﴾ ''کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟'' امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کیا اسے یہ گمان ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے نہیں دیکھا؟⑩ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمۂ سلف نے یہی فرمایا ہے۔⑪

﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ ﴾ ''کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟'' یعنی جن سے وہ دیکھتا ہے، ﴿ وَلِسَانًا ﴾ ''اور ایک زبان۔'' جس سے وہ بولتا ہے اور اپنے مافی الضمیر (دل کی بات) کا اظہار کرتا ہے، ﴿ وَّشَفَتَيْنِ ۝ ﴾ ''اور دو ہونٹ۔'' جن سے وہ بولنے اور کھانا کھانے میں مدد لیتا ہے، نیز یہ دونوں ہونٹ اس کے چہرے اور منہ کے لیے

---

① تفسیر الطبری: 247/30 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3433/10. ② تفسیر الماوردی: 276/6 نحوہ. ③ تفسیر البغوی: 254/5. ④ تفسیر الطبری: 247/30 و الدر المنثور: 594/6. ⑤ تفسیر الطبری: 246/30. ⑥ تفسیر الطبری: 247/30 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3433/10. ⑦ تفسیر الماوردی: 276/6. ⑧ تفسیر البغوی: 255/5 و تفسیر الطبری: 249/30. ⑨ تفسیر الطبری: 249/30 و تفسیر القرطبی: 64/20. ⑩ تفسیر الماوردی: 277/6. ⑪ تفسیر البغوی: 255/5 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3434/10 و فتح القدیر: 540/5 و تفسیر القرطبی: 64/20.

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿11﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿12﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿13﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ

پھر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہیں گزرا ⑪ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ ⑫ وہ ہے کسی انسان کو غلامی سے چھڑانا ⑬ یا بھوک والے دن کھانا

مَسْغَبَةٍ ﴿14﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿15﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿16﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا

کھلانا ⑭ کسی رشتہ دار یتیم کو ⑮ یا کسی خاک نشین مسکین کو ⑯ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور انھوں نے باہم صبر کی وصیت کی

بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿17﴾ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿18﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ

اور باہم رحم کرنے کی وصیت کی ⑰ وہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں ⑱ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہی بائیں ہاتھ والے

ع 1 20 15 الْمَشْـَٔمَةِ ﴿19﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿20﴾

ہیں ⑲ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی ⑳

باعث حسن و جمال ہیں۔

خیر و شر میں تمیز بھی نعمت ہے: ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿10﴾ ﴾ ''اور ہم نے اسے دونوں رستے دکھا دیے۔'' امام سفیان ثوری نے عاصم سے، انھوں نے زِرّ سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دونوں رستوں سے مراد خیر و شر ہے۔[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابو وائل، ابو صالح، محمد بن کعب، ضحاک، عطاء خراسانی اور دیگر بہت سے ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2] اس آیت کی نظیر حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○ ﴾ (الدھر 76:2,3) ''بے شک ہم نے انسان کو ایک ملے جلے قطرے سے پیدا کیا، ہم اسے آزماتے ہیں، چنانچہ ہم نے اسے خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنا دیا، بلاشبہ ہم نے اسے رستہ دکھا دیا، خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا۔''

تفسیر آیات: 20-11

نیکی کے رستوں پر چلنے کی ترغیب: ابن زید فرماتے ہیں: ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿11﴾ ﴾ ''پھر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہیں گزرا'' کے معنی یہ ہیں کہ یہ انسان اس رستے پر کیوں نہ چلا جس میں نجات اور خیر ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس رستے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿12﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿13﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ ﴾ ''اور آپ کو کس چیز نے معلوم کرایا کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ وہ ہے گردن چھڑانا یا کھانا کھلانا۔''[3] امام احمد رحمہ اللہ نے سعید بن مرجانہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِّنْهَا إِرْبًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ حَتّٰى إِنَّهُ لَيُعْتِقُ بِالْيَدِ الْيَدَ، وَ بِالرِّجْلِ الرِّجْلَ وَبِالْفَرْجِ الْفَرْجَ] ''جو شخص کسی مومن گردن کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کے ایک ایک عضو کو جہنم سے آزاد فرما دے گا حتی کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ کو، پاؤں

① تفسير الطبرى : 250/30 . ② تفسير الطبرى : 30/250-252 والدر المنثور : 595/6 . ③ تفسير الطبرى : 253/30 .

کے بدلے پاؤں کو اور شرم گاہ کے بدلے شرم گاہ کو آزاد کر دے گا۔'' علی بن حسین نے فرمایا: کیا تم نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ تو سعید نے جواب دیا: جی ہاں! تو علی بن حسین نے اپنے ایک چالاک غلام سے کہا کہ مطرّف کو بلاؤ، جب مطرف آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا تو فرمایا: جاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہو۔[1] اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی کئی سندوں کے ساتھ سعید بن مرجانہ سے روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی: آپ ہمیں ایک ایسی حدیث سنائیں جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور اس میں کوئی کمی بیشی اور وہم نہ ہو تو آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ وُّلِدَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَوْلَادٍ فِي الْإِسْلَامِ فَمَاتُوا قَبْلَ أَنْ يَّبْلُغُوا الْحِنْثَ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ إِيَّاهُمْ، وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ رَّمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بَلَغَ بِهِ الْعَدُوَّ أَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ كَانَ لَهُ (عِتْقُ) رَقَبَةٍ، وَّمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهَا عُضْوًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَإِنَّ لِلْجَنَّةِ ثَمَانِيَةَ أَبْوَابٍ يُّدْخِلُهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ أَيِّ بَابٍ شَاءَ مِنْهَا(الْجَنَّةَ)] ''جس شخص کے اسلام کی حالت میں تین بچے پیدا ہوئے اور وہ سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے فضل سے اسے بھی جنت میں داخل فرما دے گا، اور جو شخص اللہ کے رستے میں بوڑھا ہوا تو یہ بڑھاپا روز قیامت اس کے لیے نور ہو گا اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے رستے میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک تیر پھینکا، خواہ وہ دشمن کو لگا یا نہ لگا مگر اسے ایک گردن آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے ایک مومن گردن کو آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے میں اس کے ایک ایک عضو کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرما دے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے رستے میں ایک جوڑا خرچ کیا تو بلاشبہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، یہ ان میں سے جس دروازے سے بھی داخل ہونا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے داخل فرما دے گا۔''[3] (یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے۔)[4] اور یہ سب سندیں جید اور قوی ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾﴾ ''یا کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلانا۔'' حضرت

---

[1] مسند أحمد: 422/2. [2] صحيح البخاري، العتق، باب في العتق و فضله، حديث: 2517 وصحيح مسلم، العتق، باب فضل العتق، حديث: 1509 وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في ثواب من أعتق رقبة، حديث: 1541 والسنن الكبرى للنسائي، العتق، باب فضل العتق: 168/3، حديث: 4875. [3] مسند أحمد: 386/4، البتہ پہلی قوسین والا لفظ المعجم الكبير للطبراني: 134/8، حديث: 7610 کے مطابق ہے جبکہ دوسری قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے۔ [4] تفسير الطبري: 254/30 ومسند أحمد: 113/4 و386 وسنن أبي داود، العتق، باب أي الرقاب أفضل؟ حديث: 3965 وسنن النسائي، الجهاد، باب ثواب من رمى بسهم في سبيل الله عزوجل، حديث: 3144 و3147 امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مزید روایات بھی ذکر کی ہیں، دیکھیے تفسير ابن كثير (مفصل)، البلد، آيت: 13 کے ذیل میں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ مَسْغَبَةٍ ﴾ کے معنی بھوک کے ہیں۔ ① حضرت عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ ② سَغَبَ بھوک کو کہتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَتِيمًا ﴾ ''کسی یتیم کو۔'' یعنی اس نے اس طرح کے دن میں کسی یتیم کو کھانا کھلایا ﴿ ذَا مَقْرَبَةٍ ﴾ یعنی جو اس کا قرابت دار ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، حسن، ضحاک اور سدی کا قول ہے۔ ③

جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام احمد نے سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: [اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ وَّعَلٰى ذِي الرَّحِمِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ] ''مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے لیکن رشتہ دار پر صدقہ کرنے کے دو ثواب ملتے ہیں: ایک صدقہ کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔'' ④ اس حدیث کو امام ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ⑤ اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴾ ''یا کسی خاک نشین مسکین کو۔'' یعنی فقیر، مفلس وقلاش کو جو مٹی کے ساتھ چمٹا ہوا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فقیر ہے جو فٹ پاتھ ہی پر رہتا ہو اور اس کے پاس گھر یا کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اسے مٹی سے بچائے۔ ⑥ ﴿ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے۔'' یعنی ان عمدہ اور پاکیزہ اوصاف کے ساتھ ساتھ وہ دل سے مومن بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے ثواب کا امید وار بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ ﴾ (بنیٓ إسراءیل 17:19) ''اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش کی جو اس کے لائق کوشش ہے جبکہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش قابلِ قدر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ...... ﴾ الآیة (النحل 16:97) ''جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو......''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴾ ''اور انھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی۔'' یعنی ان مومنوں میں داخل ہوا جو نیک عمل کرتے، ایک دوسرے کو لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرنے اور ان کے ساتھ شفقت کرنے کی وصیت کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: [اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ] ''رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ بھی رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔'' ⑦ اور ایک دوسری حدیث میں ہے: [لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ

---

① تفسير الطبرى: 256/30. ② تفسير الطبرى: 256/30. ③ تفسير ابن أبى حاتم: 3435/10. ④ مسند أحمد: 214/4. بعض روایات میں صلہ رحمی کا ذکر پہلے اور صدقے کا بعد میں ہے اور بعض میں اس کے برعکس ہے، دیکھیے حوالہ مذکورہ۔ ⑤ جامع الترمذى، الزكاة، باب ماجاء فى الصدقة على ذى القرابة، حديث: 658 وسنن النسائى، الزكاة، باب الصدقة على الأقارب، حديث: 2583. ⑥ تفسير الطبرى: 258/30. ⑦ جامع الترمذى، البر والصلة، باب ماجاء فى رحمة الناس، حديث: 1924 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ.

النَّاسَ] ’’اس شخص پر اللہ تعالیٰ بھی رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔‘‘① امام ابوداود نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: [مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا] ’’جو شخص ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور وہ ہمارے بڑے کے حق کو نہ پہچانے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔‘‘② فرمان الٰہی ہے: ﴿ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْمَيْمَنَةِ ﴿18﴾ ﴾ ’’یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔‘‘ یعنی ان صفات کے ساتھ متصف لوگ ہی دائیں ہاتھ والے ہیں۔

بائیں ہاتھ والے اور ان کی سزا: پھر فرمایا: ﴿ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا هُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْمَشْـَٔمَةِ ﴿19﴾ ﴾ ’’اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہی بائیں ہاتھ والے ہیں۔‘‘ یعنی یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ﴿ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌۢ ﴿20﴾ ﴾ ’’ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی۔‘‘ یعنی یہ بدنصیب آگ میں بند کر دیے جائیں گے، کوئی انھیں اس آگ سے بچا نہ سکے گا اور نہ اس سے انھیں باہر نکال سکے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، محمد بن کعب قرظی، عطیہ عوفی، حسن، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ مُّؤْصَدَةٌۢ ﴿20﴾ ﴾ کے معنی ہیں بند کی ہوئی۔③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ اس کے دروازے بند کر دیے گئے ہوں گے۔④ ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ مُّؤْصَدَةٌۢ ﴿20﴾ ﴾ ایسی دیوار کو کہتے ہیں جس میں کوئی دروازہ نہ ہو۔⑤ اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ مُّؤْصَدَةٌۢ ﴿20﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ بند ہوگی، اس میں نہ روشنی ہوگی، نہ روشن دان اور نہ وہ اس سے کبھی بھی نکل ہی سکیں گے۔⑥

سورۂ بلد کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تبارک وتعالٰی: ﴿ قُلِ ٱدْعُوا۟ ٱللَّهَ أَوِ ٱدْعُوا۟ ٱلرَّحْمَٰنَ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:110)، حدیث: 7376 وصحیح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان ...... ، حدیث: 2319 عن جریر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ.
② سنن أبی داود، الأدب، باب فی الرحمة، حدیث: 4943 . ③ تفسیر الطبری: 260/30 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3435/10 والدرالمنثور: 598/6. ④ الدرالمنثور: 598/6 . ⑤ تفسیر الماوردی: 280/6 . ⑥ تفسیر الطبری: 260/30 .

تفسیر سُورۂ شَمس

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ④

سورج اور اس کی دھوپ چڑھنے کی قسم①اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے②اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ دکھاتا ہے③اور رات کی جب وہ اسے

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا

ڈھانپ لیتی ہے④اور آسمان کی اور جس نے اسے بنایا⑤اور زمین کی اور جس نے اسے بچھایا⑥اور (انسانی) نفس کی اور جس نے اسے ٹھیک بنایا⑦ پھر

وَتَقْوٰىهَا ⑧ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ⑩

اس کی بدی اور اس کا تقویٰ اس پر الہام کیا⑧ یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا⑨ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کیا⑩

نمازِ عشاء میں سورۂ شمس کی قراءت: صحیحین کی یہ حدیثِ جابر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: [فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِـ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝﴾ وَ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ①﴾ وَ ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝﴾] ”تم ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝﴾، ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ①﴾ اور ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝﴾ (جیسی سورتوں) کو نماز میں کیوں نہیں پڑھ لیتے؟“[①]

تفسیر آیات:1-10

اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات کی قسم کھانا: امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ①﴾ کے معنی ہیں سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔[②] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ضُحٰی سے سارا دن مراد ہے۔[③] حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور اس کے دن کی قسم کھائی ہے کیونکہ سورج کی روشنی کا ظاہر ہونا ہی دن ہے۔[④] ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ②﴾ ”اور چاند کی (قسم!) جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔“ مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿تَلٰىهَا ②﴾ کے معنی اس کے پیچھے آنے کے ہیں۔[⑤] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ چاند دن کے پیچھے آتا ہے۔[⑥] قتادہ

① صحیح البخاری، الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول، حديث: 705 وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في العشاء، حديث: 465. تفسیر ابن کثیر میں [فَلَوْلَا] کے بجائے [هَلَّا] کا لفظ ہے جو ہمیں نہیں ملا۔ ② تفسير الطبري: 261/30. ③ تفسير الطبري: 261/30 وتفسير ابن أبي حاتم: 3437/10. ④ تفسير الطبري: 261/30. ⑤ تفسير الطبري: 262/30. ⑥ تفسير الطبري: 262/30.

فرماتے ہیں کہ ﴿ اِذَا تَلٰىهَا ﴾ سے مراد چاندرات ہے کہ جب سورج غروب ہو جائے تو چاند نظر آتا ہے۔[1]

﴿ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ﴾ ''اور دن کی (قسم!) جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کرتا ہے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ جَلّٰىهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ اسے روشن کرتا ہے۔[2] اسی لیے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ﴾ ایسے ہی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴾ (اللیل 92:2) ''اور دن کی (قسم!) جب وہ روشن ہو۔''[3] اور ائمہ تفسیر نے ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ﴾ ''اور رات کی (قسم!) جب وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے۔'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب رات سورج کو ڈھانپ لیتی ہے یہاں تک کہ سورج غائب ہو جاتا ہے، پھر آفاق میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔[4]

﴿ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ﴾ ''اور آسمان کی (قسم!) اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں ﴿ مَا ﴾ مصدریہ ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آسمان اور اس کے بنانے کی قسم! یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[5] اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں ﴿ مَا ﴾ موصولہ یعنی مَنْ کے معنی میں ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم! یہ امام مجاہد کا قول ہے۔[6] اور یہ دونوں معنی ہی صحیح ہیں۔ اور بناء سے مراد بلند کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ○ ﴾ (الذّٰریٰت 51:47,48) ''اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ بلند کیا، اور بلاشبہ ہم وسعت والے ہیں۔ اور ہم نے زمین کو بچھایا تو (ہم) کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں۔''

اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ﴾ ''اور زمین کی (قسم!) اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ طَحٰىهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ اس نے اسے بچھایا۔[7] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَمَا طَحٰىهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ اس نے جو اس میں پیدا کیا۔[8] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ طَحٰىهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ اس نے جو اسے تقسیم کیا ہے۔[9] مجاہد، قتادہ، ضحاک، سدی، ثوری، ابوصالح اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ﴿ طَحٰىهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ جس نے اسے پھیلایا ہے۔[10]

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴾ ''اور (انسانی) نفس کی (قسم!) اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔'' یعنی جس نے اسے صحیح، برابر اور سلیم الفطرت پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴾ (الروم 30:30) ''چنانچہ آپ یکسو ہو کر اپنا چہرہ دین کے لیے سیدھا رکھیں، اللہ کی فطرت (اختیار کرو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق

[1] تفسیر الطبری: 262/30. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 3437/10 والدر المنثور: 600/6. [3] تفسیر الماوردی: 282/6 و 286. [4] تفسیر الطبری: 263/30 وتفسیر البغوی: 258/5 وفتح القدیر: 546/5. [5] تفسیر الطبری: 263/30. [6] تفسیر الطبری: 263/30. [7] تفسیر الطبری: 264/30. [8] تفسیر الطبری: 264/30. [9] تفسیر الطبری: 264/30. [10] تفسیر الطبری: 264/30 والدر المنثور: 601/6 وتفسیر الماوردی: 283/6.

میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:[كُلُّ مَوْلُودٍ يُّولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ]،[...... كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟]''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں،......جس طرح جانور اپنے بچے کو صحیح سالم جنم دیتا ہے، کیا تم ان میں سے کسی کا کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟'' اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔① اور صحیح مسلم میں حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[(يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ:) إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ (فَجَاءَتْهُمُ) الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ]''اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو یکسو ہو کر عبادت کرنے والے پیدا فرمایا تھا مگر شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے دور کر دیا۔''②

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴾''پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کی۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی اور پرہیز گاری کی طرف رہنمائی فرما دی ہے، یعنی اسے اس کے لیے بیان فرما دیا اور جو اس کے مقدر میں تھا، اس کا اسے رستہ دکھا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر اور شر کو واضح فرما دیا ہے۔③ مجاہد، قتادہ، ضحاک اور ثوری کا بھی یہی قول ہے۔④ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھلائی اور برائی الہام فرما دی ہے۔⑤ ابن زید فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بدکاری اور پرہیز گاری کو رکھ دیا ہے۔⑥

امام ابن جریر نے ابو اسود دیلی سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ لوگ جو کوشش اور عمل کرتے ہیں، کیا یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کا پہلے سے فیصلہ کر دیا گیا ہے اور سابقہ تقدیر کے مطابق اسے لکھ دیا گیا ہے یا یہ جو عمل کرتے ہیں ان کا تعلق ان امور سے ہے جنھیں لے کر ان کے نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور ان پر حجت تمام کر دی گئی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس کا ان کے بارے میں پہلے سے فیصلہ کر دیا گیا ہے تو انھوں نے کہا: کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ میں یہ بات سن کر بہت زیادہ گھبرا گیا اور میں نے کہا کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق اور اس کے ہاتھ کی ملکیت ہے، وہ جو

---

① صحیح البخاری، الجنائز، البتہ پہلا حصہ باب ماقیل فی أولاد المشرکین، حدیث: 1385 جبکہ دوسرا حصہ باب إذا أسلم الصبی فمات......، حدیث: 1358 کے مطابق ہے و صحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة ......، حدیث: 2658 لیکن تفسیر ابن کثیر میں [تُنْتَجُ] کے بجائے [تُولَدُ] ہے جو ہمیں نہیں ملا۔ ② صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا أهل الجنة وأهل النار، حدیث: 2865 مفصلاً. البتہ پہلی قوسین والے الفاظ غریب الحدیث للحربی: 1/111(C.D) میں [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى] اور دوسری قوسین والا لفظ [فَأَتَتْهُمْ] ہے۔ ③ تفسیر الطبری: 264/30 . ④ تفسیر الطبری: 265,264/30 . ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 3437 البتہ تفاسیر میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے الہام کے بجائے ''الزمها'' کا ذکر ملتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھلائی اور برائی لازم فرما دی ہے۔
⑥ تفسیر الطبری: 265/30 .

کام بھی کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ بندوں سے پوچھا جائے گا، انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھے رستے پر قائم رکھے، میں نے آپ کی عقل کا اندازہ لگانے کے لیے یہ سوال پوچھا تھا، خاندان مزینہ یا جہینہ کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی تھی: اے اللہ کے رسول! یہ فرمائیں کہ لوگ جو کوشش اور عمل کرتے ہیں، کیا یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کا پہلے سے فیصلہ کر دیا گیا ہے اور سابقہ تقدیر کے مطابق اسے لکھ دیا گیا ہے یا یہ جو عمل کرتے ہیں، ان کا تعلق ان امور سے ہے جنھیں لے کر ان کے نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور ان کے ساتھ ان پر حجت تمام کر دی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: [(بَلْ شَیْءٌ) قَدْ قُضِیَ عَلَیْهِمْ] ''بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کا ان کے بارے میں پہلے سے فیصلہ کر دیا گیا ہے۔'' اس نے عرض کی: تو پھر ہم عمل کیوں کریں؟ آپ نے فرمایا: [مَنْ كَانَ اللّٰهُ خَلَقَهُ لِإِحْدَى الْمَنْزِلَتَيْنِ يُهَيِّئُهُ لَهَا، وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ (تَعَالٰى): ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾] ''جسے اللہ تعالیٰ نے دو مرتبوں میں سے کسی ایک کے لیے پیدا کیا ہو تو وہ اسے اس کے لیے تیار فرما دیتا ہے اور کتاب اللہ میں اس بات کی اس طرح تصدیق بھی موجود ہے: ''اور (انسانی) نفس کی (قسم!) اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کی۔''[1] اسے امام احمد اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تزکیہ نفس: ارشاد الٰہی ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝﴾ ''یقیناً وہ کامیاب ہو گیا جس نے اسے پاک کر لیا اور یقیناً وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے آلودہ کیا۔'' اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جیسا کہ امام قتادہ نے فرمایا ہے۔[3] اور اپنے نفس کو گھٹیا اور فاسد اخلاق سے پاک کر لیا۔ مجاہد، عکرمہ اور سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝﴾ ''اور یقیناً وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے آلودہ کیا۔'' یعنی جس نے اسے ہدایت سے دور رکھنے کی وجہ سے خاک میں ملا دیا حتی کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرنے لگا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترک کر دیا۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ معنی یہ ہوں کہ یقیناً وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا اور یقیناً وہ ناکام و نامراد ہو گیا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا جیسا کہ عوفی اور علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[5]

تزکیۂ نفس کی دعا: امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ان آیات کی تلاوت فرماتے: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾ تو آپ ٹھہر جاتے اور یہ دعا کرتے: [اَللّٰهُمَّ! آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا، وَخَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا] ''اے اللہ! تو میرے نفس کو اس کی پرہیز گاری عطا فرما، تو ہی

---

① تفسیر الطبری: 266,265/30، قوسین والے الفاظ صحیح مسلم کے آمدہ حوالے کے مطابق ہیں۔ ② صحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمی......، حدیث: 2650 و مسند أحمد: 438/4. ③ تفسیر الطبری: 266/30. ④ تفسیر الطبری: 266/30. ⑤ تفسیر الطبری: 267,266/30 وتفسیر ابن أبی حاتم: 3438/10.

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے (نبی کو) جھٹلایا⑪ جب اٹھ کھڑا ہوا اس (قوم) کا بڑا بد بخت⑫ تو انھیں رسول اللہ نے کہا: اللہ کی اونٹنی (کی حفاظت کرو)

وَسُقْيٰهَا ⑬ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ⑭

اور اس کو پانی پلانے کی⑬ پھر انھوں نے اس کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر تباہی ڈال کر سب کا صفایا

ع 1 15 16 وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑮

کر دیا⑭ اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا⑮

اس کا دوست اور کارساز ہے اور اسے بہتر پاک فرمانے والا ہے۔''①

ایک اور دعا: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، اَللّٰهُمَّ! آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ، وَ(مِنْ) نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ، وَعِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ، وَدَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا] ''اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجزی، کاہلی، بڑھاپے، بزدلی، کنجوسی اور عذابِ قبر سے، اے اللہ! تو میرے نفس کو اس کی پرہیز گاری عطا فرما اور تو اس کو پاک کر دے تو ہی اس کو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک اور آقا ہے، اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس دل سے جو (تجھ سے) نہ ڈرتا ہو، اس نفس سے جو سیر نہ ہو، اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دعا سے جسے شرف قبولیت حاصل نہ ہو۔'' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعائیہ کلمات ہمیں سکھایا کرتے تھے اور ہم تمھیں سکھاتے ہیں۔②

تفسیر آیات: 11-15

صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قصہ اور ثمود کی ہلاکت: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قوم ثمود نے اپنی سرکشی و بغاوت کے سبب اپنے رسول کی تکذیب کی، اس آیت کے یہ معنی مجاہد، قتادہ اور دیگر مفسرین نے بیان فرمائے ہیں۔③ چنانچہ اس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس ہدایت و یقین کے بجائے جو ان کے رسول حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس لے کر آئے تھے، ان کے دلوں میں تکذیب کو بھر دیا، ﴿اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫﴾ ''جب اس کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا۔'' یعنی قبیلے کا سب سے بڑا بد بخت، اس سے مراد قُدار بن سالِف ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں، یہ ثمود کا سردار تھا۔④ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ○......﴾ الآية (القمر 54:29) ''پھر انھوں نے اپنے ساتھی کو پکارا تو اس نے (تلوار) پکڑی، پھر اس نے کونچیں کاٹ دیں......'' یہ آدمی اپنی قوم میں بڑا معزز، شریف، عالی نسب سردار تھا، نیز اس کی بات مانی

① المعجم الکبیر للطبرانی: 106/11، حدیث: 11191. ② مسند أحمد: 371/4 البتہ قوسین والا لفظ صحیح مسلم، الذکر والدعاء......، باب فی الأدعیة، حدیث: 2722 کے مطابق ہے۔ ③ تفسیر الطبری: 269,268/30. ④ تفسیر الطبری: 269/30.

جاتی تھی جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں اونٹنی اور اس کی کونچیں کاٹنے والے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: [﴿ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴾ اِنۡبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَارِمٌ عَزِيزٌ مَّنِيعٌ فِي رَهْطِهِ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ] ''جب اس کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا'' اس (اونٹنی) کو مارنے کے لیے ایک شخص اٹھا جو بد خلق، زور آور اور ابو زمعہ کی طرح اپنی قوم میں بڑا طاقتور تھا۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں، امام مسلم نے صفة النار میں اور امام ترمذی اور نسائی نے اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں روایت فرمایا ہے۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ ''تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا'' یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے، ﴿ نَاقَةَ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کی اونٹنی (کی حفاظت کرو۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کے ساتھ برا سلوک کرنے سے بچو، ﴿ وَسُقْيٰهَا ﴾ ''اور اس کو پانی پلانے کی۔'' یعنی اسے پانی پلانے کے بارے میں اس پر زیادتی نہ کرو کیونکہ ایک دن اس کی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمھاری پینے کی باری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ﴾ ''پھر انھوں نے اسے جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں۔'' یعنی ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس جو لے کر آئے، اسے انھوں نے جھٹلایا اور پھر اس کے بعد انھوں نے اس اونٹنی کی کونچیں بھی کاٹ ڈالیں جسے اللہ تعالیٰ نے حجت اور نشانی کے طور پر ان کے لیے چٹان سے نکالا تھا، ﴿ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ ﴾ ''تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر تباہی ڈال دی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور اس نے انھیں تباہ و برباد کر دیا، ﴿ فَسَوّٰىهَا ﴾ ''پھر انھیں برابر (ملیامیٹ) کر دیا۔'' یعنی اس نے ان سب پر یکساں عذاب نازل فرمایا۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ثمود کے اس سردار نے اس وقت تک اونٹنی کی کونچیں نہیں کاٹیں جب تک اس قوم کے چھوٹوں، بڑوں، مردوں اور عورتوں نے اس کی بیعت نہیں کر لی، اس طرح جب ساری قوم اونٹنی کی کونچیں کاٹنے میں شریک ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گناہ کی پاداش میں ان پر تباہی ڈال کر سب کا صفایا کر دیا۔[3] ﴿ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴾ ''اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا۔'' اسے [فَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا] بھی پڑھا گیا ہے۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے بدلہ لینے سے نہیں ڈرتا۔[5] مجاہد، حسن، بکر بن عبداللہ مزنی اور دیگر مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔[6]

سورۂ شمس کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① مسند أحمد :17/4 . ② صحيح البخاري، التفسير، باب سورة ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴾ (الشمس 1:91)، حديث: 4942 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث:2855 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴾، حديث: 3343 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة الشمس :515/6، حديث:11675. ③ تفسير الطبري :270/30 . ④ تفسير الطبري :272/30 وتفسير البغوي : 261/5 . ⑤ تفسير الطبري : 271/30 . ⑥ تفسير الطبري :271/30 .

تفسیر سورۂ لیل

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ① وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ② وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ③ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ

رات کی قسم جب وہ چھا جائے ①اور دن کی جب وہ روشن ہو②اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیے ③ بے شک تمھاری کوشش (باہم) مختلف

لَشَتّٰی ④ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ⑤ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ⑥ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ⑦ وَاَمَّا مَنۡۢ

ہے④ پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور ڈرتا رہا⑤ اور اس نے نیک بات کی تصدیق کی⑥ تو یقیناً اسے عنقریب ہم آسان (راہ) کی توفیق دیں گے ⑦

بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ⑧ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ⑨ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ⑩ وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ

اور لیکن جس نے کنجوسی کی اور پروا نہ کی⑧ اور اس نے نیک بات کو جھٹلایا⑨ تو اسے عنقریب ہم تنگی کی (راہ کی) سہولت دیں گے ⑩ اور جب وہ

اِذَا تَرَدّٰی ⑪

(دوزخ میں) گرے گا تو اسے اس کا مال کوئی فائدہ نہ دے گا ⑪

نماز عشاء میں سورۂ لیل کی قراءت: قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: [فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِـ ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴾ وَ ﴿وَالشَّمۡسِ وَضُحٰہَا ۪ۙ﴾ وَ ﴿وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ①﴾] ''تم ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴾، ﴿وَالشَّمۡسِ وَضُحٰہَا ۪ۙ﴾ اور ﴿وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ①﴾ کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ لیتے۔''①

تفسیر آیات: 1-11

لوگوں کی کوشش اور اس کے نتائج کے مختلف ہونے پر قسم: اللہ تعالیٰ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ①﴾ ''رات کی قسم جب وہ چھا جائے!'' یعنی جب مخلوق کو اپنے اندھیرے کے ساتھ ڈھانپ لے، ﴿وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ②﴾ ''اور دن کی (قسم!) جب وہ روشن ہو۔'' یعنی اپنی روشنی اور چمک کے ساتھ، ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۙ③﴾ ''اور اس ذات کی (قسم!) جس نے نر اور مادہ پیدا کیے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّخَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ﴾ (النبا 8:78) ''اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔'' اور فرمایا: ﴿وَمِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ﴾ (الذّٰریٰت 49:51) ''اور ہم

① دیکھیے الأعلٰی اور الشمس کی ابتدا میں۔

نے ہر (جاندار) چیز سے جوڑے پیدا کیے۔‘‘ جب قسم ان متضاد چیزوں کی تھی تو مقسم علیہ بھی متضاد ہے، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴾ ’’بے شک تمھاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔‘‘ یعنی بندوں کے اعمال بھی جو وہ سرانجام دیتے ہیں، ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں، چنانچہ کوئی نیک کام کر رہا ہے اور کوئی بد۔

پھر فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴾ ’’پھر جس نے (اللہ کے رستے میں) دیا اور ڈرتا رہا۔‘‘ یعنی وہ مال دیا جس کے دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنے تمام امور و معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا، ﴿ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴾ ’’اور اس نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا۔‘‘ یعنی اچھی بات کی جزا کی تصدیق کی، یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[1] اور خصیف فرماتے ہیں کہ نیک بات کے ثواب کی تصدیق کی۔[2] ﴿ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴾ ’’تو یقیناً ہم اسے آسان (راستے) کے لیے سہولت دیں گے۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ نیکی کی توفیق دیں گے۔[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ ﴾ ’’اور لیکن جس نے بخل کیا‘‘ یعنی اس میں جو اس کے پاس ہے، ﴿ وَاسْتَغْنٰى ﴾ ’’اور بے پروا ہوا۔‘‘ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مال خرچ کرنے میں بخل کیا اور اپنے رب تعالیٰ سے بے پروا ہوا۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[4] ﴿ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴾ ’’اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلایا۔‘‘ یعنی آخرت میں جزا کی تکذیب کی، ﴿ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴾ ’’تو یقیناً ہم اسے مشکل (راہ) کے لیے سہولت دیں گے۔‘‘ یعنی بدی کے رستے کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ ﴾ (الأنعام 6:110) ’’اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں گے جیسے وہ پہلی بار اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں گے۔‘‘ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور جو برائی کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے برائی میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ اس معنی پر دلالت کرنے والی احادیث بہت ساری ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم عمل اس بنیاد پر کرتے ہیں جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے یا نئی بنیاد پر؟ آپ نے فرمایا: [بَلْ عَلٰى أَمْرٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ] ’’اس بنیاد پر جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے۔‘‘ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر عمل کرنا کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: [كُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ] ’’ہر ایک کو اس عمل کی توفیق دے دی جائے گی جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔‘‘[5]

---

[1] تفسیر الطبری: 278/30. [2] تفسیر الماوردی: 288/6. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 3440/10. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 3440/10 و تفسیر الطبری: 279/30. [5] مسند أحمد: 6,5/1.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازے میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے پاس تشریف لے آئے، آپ جلوہ فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے گرد و پیش بیٹھ گئے، آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ نے سر مبارک جھکا لیا اور سوچ میں ڈوبے چھڑی کے ساتھ زمین کو کریدنے لگے، پھر فرمایا: [مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ وَّمَا مِنْ نَّفْسٍ مَّنْفُوسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَإِلَّا قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيدَةً] ''تم میں سے کوئی ایک شخص یا کوئی ایک جاندار بھی نہیں مگر جنت یا جہنم میں اس کی جگہ لکھ دی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت۔'' تو ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنی اس کتاب پر توکل کر کے عمل کرنا چھوڑ نہ دیں کہ ہم میں سے جو اہل سعادت میں سے ہوا، وہ عنقریب اہل سعادت کی طرف چلا جائے گا اور جو اہل شقاوت میں سے ہوا، وہ عنقریب اہل شقاوت کی طرف چلا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: [أَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا أَهْلُ (الشَّقَاءِ) فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاءِ] ''اہل سعادت کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دے دی جائے گی اور اہل شقاوت کو بد بختوں کے عمل کی توفیق دے دی جائے گی۔'' پھر آپ نے ان آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝٧ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝٨ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝١٠﴾ .[1] اس حدیث کو دیگر محدثین نے بھی بیان فرمایا ہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ بتائیں کہ ہم جو عمل کرتے ہیں، کیا یہ اس بنیاد پر ہے جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے یا یہ کوئی نیا کام ہے یا یہ نو ایجاد ہے؟ آپ نے فرمایا: [فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ، فَاعْمَلْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! فَإِنَّ كُلًّا مُّيَسَّرٌ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلسَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ] ''یہ اس بنیاد پر ہے جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے، اے ابن خطاب! عمل کرتے رہو، ہر ایک کو توفیق دے دی جائے گی، اگر کوئی اہل سعادت میں سے ہوا تو وہ سعادت کے کام کرے گا اور جو اہل شقاوت میں سے ہوا تو وہ شقاوت کے عمل کرتا رہے گا۔''[3]
امام ترمذی نے اسے کتاب القدر میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[4]

ایک اور حدیث بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝﴾ (الليل 92:9)، حديث : 4947,4948، البتہ قوسین والا لفظ صحیح بخاری ہی کی حدیث: 4949 کے مطابق ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں [وَمَا مِنْ نَّفْسٍ] کے بجائے [أَوْ مَا مِنْ نَّفْسٍ] ہے۔ ② صحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي......، حديث: 2647 وسنن أبي داود، السنة ، باب في القدر، حديث: 4694 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝﴾، حديث: 3344 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ﴾: 517,516/6، حديث: 11678 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب في القدر، حديث: 78. ③ مسند أحمد : 52/2 . ④ جامع الترمذي، القدر، باب ماجاء في الشقاء والسعادة، حديث : 2135.

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿12﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿13﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿14﴾

بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے⑫ اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے⑬ بالآخر میں نے تمھیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿15﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿16﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿17﴾ الَّذِيْ

ہے⑭ اس میں بڑا بدبخت ہی داخل ہوگا⑮ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا⑯ اور بڑا متقی اس سے ضرور دور رکھا جائے گا⑰ جو پاک ہونے کے لیے اپنا

يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿18﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿19﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ

مال دیتا ہے⑱ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دیا جائے⑲ مگر صرف اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے (مال خرچ کرتا ہے)⑳

الْاَعْلٰى ﴿20﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿21﴾ ع 1 21 17

اور یقیناً وہ (اللہ) جلد اس سے راضی ہوگا㉑

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ایک ایسے امر کے لیے عمل کریں جس سے فراغت حاصل کرلی گئی ہے یا ایک ایسے امر کے لیے جسے ہم نئے طور پر سرانجام دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [لِأَمْرٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ] ''ایسے امر کے لیے جس سے فراغت حاصل کرلی گئی ہے۔'' تو سراقہ نے عرض کی: تو پھر عمل کیوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ عَامِلٍ مُيَسَّرٌ لِعَمَلِهِ] ''ہر عمل کرنے والے کو اس عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے۔''① اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔② حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ میں اسلام لانے والے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ آپ خاص طور پر بوڑھوں اور عورتوں کو جب وہ مسلمان ہوتے، آزاد کیا کرتے تھے۔ آپ کے والد نے کہا: اے بیٹا! میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو، اگر تم قوی و صحت مند لوگوں کو آزاد کرو تو وہ تمھارے ساتھ کھڑے ہوں گے، تمھاری حفاظت کریں گے اور دشمن کو تم سے دور ہٹائیں گے۔ آپ نے جواب دیا: ابا جان! میں تو اس ثواب کا طلب گار رہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ عامر کہتے ہیں کہ مجھے میرے بعض اہل خانہ نے بتایا کہ یہ آیات انھی کے بارے میں نازل کی گئی ہیں: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ⑦﴾③

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ⑪﴾ ''اور جب وہ (دوزخ میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔'' حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿تَرَدّٰى ⑪﴾ کے معنی ہیں کہ جب وہ فوت ہوگا۔④ ابو صالح نے اور مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ دوزخ کے گڑھے میں گرے گا۔⑤

تفسیر آیات: 12-21

ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے: امام قتادہ ﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ⑫﴾ ''بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے''

① تفسير الطبري: 283/30 ومسند أحمد: 335/3 واللفظ له. ② صحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي......، حديث: 2648. ③ تفسير الطبري: 279/30. ④ تفسير الطبري: 284/30. ⑤ تفسير الطبري: 284/30 و تفسير القرطبي: 85/20.

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم حلال اور حرام کو بیان کر دیتے ہیں۔ ① دیگر ائمۂ تفسیر نے اس کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ جو شخص راہ ہدایت پر چلے، وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ انھوں نے اسے اس ارشاد باری تعالیٰ کے مانند قرار دیا ہے: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ (النحل 16:9) ''اور سیدھا رستہ اللہ ہی پر (جا پہنچتا) ہے۔'' اسے امام ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ ② ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ⑬﴾ ''اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے۔'' یعنی یہ سب چیزیں ہماری ملکیت ہیں اور ہم ہی ان میں تصرف کرنے والے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ⑭﴾ ''بالآخر میں نے تمھیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا ہے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿تَلَظّٰى ⑭﴾ کے معنی ہیں: بھڑکتی ہوئی۔ ③

امام احمد نے سماک بن حرب سے روایت کیا ہے کہ میں نے سنا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما اپنے خطبے میں بیان کر رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبے میں بیان فرماتے ہوئے سنا: [أَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ، أَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ، أَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ] ''میں نے تمھیں آگ سے ڈرا دیا ہے، میں نے تمھیں آگ سے ڈرا دیا ہے، میں نے تمھیں آگ سے ڈرا دیا ہے۔'' حتی کہ اگر کوئی شخص بازار میں بھی تھا تو اس نے بھی میری اس جگہ سے اسے سنا حتی کہ یہ فرماتے فرماتے وہ چادر جو آپ کے کندھے مبارک پر تھی، آپ کے پاؤں کے پاس گر گئی۔ ④

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ (رَجُلٌ) يُّوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ] ''بلاشبہ قیامت کے دن جہنمیوں میں سے سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے پاؤں کے تلوے کے نیچے آگ کے دو انگارے رکھ دیے جائیں گے، ان سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔'' ⑤ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ⑥ امام مسلم نے ابو اسحاق سے اور انھوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَّنْ لَّهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ، مَا يَرٰى أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَّإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا] ''بے شک اہل جہنم میں سے سب سے کم عذاب اسے ہوگا جسے آگ کے دو جوتے اور تسمے پہنائے جائیں گے، ان سے اس کا دماغ اس طرح کھولتا ہوگا جس طرح ہنڈیا میں جوش آتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب اور کسی کو نہیں ہے، حالانکہ اسے سب سے کم عذاب ہوگا۔'' ⑦

① تفسير الطبري: 284/30. ② تفسير الطبري: 285,284/30. ③ تفسير الطبري: 285/30. ④ مسند أحمد: 272/4. ⑤ مسند أحمد: 274/4، البتہ قوسین والا لفظ صحيح البخاري، حدیث: 6562 کے آمدہ حوالے کے مطابق ہے۔
⑥ صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حديث: 6562,6561. ⑦ صحيح مسلم، الإيمان، باب أهون أهل النار عذابا، حديث: (364)-213.

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴾ ''اس میں بڑا بد بخت ہی داخل ہوگا۔'' یعنی اس میں بڑے بدبخت کے سوا اور کوئی شخص اس طرح داخل نہیں ہوگا کہ جہنم اسے تمام اطراف سے گھیرے ہوئے ہو، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِیْ كَذَّبَ ﴾ ''جس نے جھٹلایا'' یعنی اپنے دل سے، ﴿ وَتَوَلّٰى ﴾ ''اور منہ پھیرا۔'' یعنی اپنے اعضاو جوارح کے ساتھ عمل نہ کیا۔

امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ أَبٰى] ''قیامت کے دن میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! انکار کون کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: [مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى] ''جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً اس نے (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کیا۔''[1] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴾ ''اور عنقریب اس سے بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا۔'' یعنی جو ڈرنے والا، پاک صاف اور بڑا پرہیزگار ہوگا، اسے عنقریب جہنم سے دور رکھا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴾ ''جو اپنا مال دیتا ہے (تاکہ) وہ پاک ہو جائے۔'' یعنی اپنا مال اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں صرف کرتا ہے تاکہ اپنے نفس، مال اور اللہ تعالیٰ نے اسے دین و دنیا کی جو نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، انھیں پاک کرے، ﴿ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ﴾ ''اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔'' یعنی وہ اپنا مال بدلے کے طور پر خرچ نہیں کرتا کہ جس نے اس کے ساتھ نیکی کی ہے تو وہ بھی اسے اس کے مقابلے کچھ دے بلکہ وہ تو صرف اس لیے دیتا ہے کہ ﴿ اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴾ ''اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے۔'' یعنی وہ اس شوق میں خرچ کرتا ہے کہ آخرت میں جنت کے باغات میں اسے اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کی سعادت نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴾ ''اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔'' یعنی جو شخص ان مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہوگا، وہ یقیناً خوش ہو جائے گا۔

سورۂ لیل کی آخری پانچ آیات کی شان نزول اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت: کئی ایک مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ آیات کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں حتی کہ بعض نے اس پر تمام مفسرین کرام کا اجماع بیان کیا ہے۔ یہ آیات بطور خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل نہ بھی ہوئی ہوں تو پھر بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ ان میں داخل ہیں بلکہ ان آیات کے عموم کے ساری امت سے بڑھ کر مصداق ہیں۔ ان آیات کریمہ کے الفاظ: ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا

---

[1] مسند أحمد: 361/2. [2] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7280.

﴿ الْاَتْقَى ⑰ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ⑱ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ⑲ ﴾ عام ہیں مگر ان تمام اوصاف اور دیگر تمام اوصاف حمیدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت سے مقدم اور ان سے سبقت لے جانے والے ہیں، آپ صدیق تھے، متقی اور پرہیز گار تھے، پیکر جود وسخا تھے، اپنے مالک کی اطاعت و بندگی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت واعانت میں اپنا مال بے دریغ خرچ کرنے والے تھے۔ آپ نے اپنے رب کریم کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لیے بے حد وحساب درہم ودینار خرچ کیے۔ لوگوں میں سے کسی کا آپ پر کوئی احسان بھی نہ تھا کہ آپ اس کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے مجبور ہوں بلکہ تمام قبیلوں کے سادات ورؤساء آپ کے زیر بار احسان تھے، اسی لیے تو خاندانِ ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود نے صلح حدیبیہ کے دن کہا تھا کہ اللہ کی قسم! اگر آپ کا مجھ پر وہ احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں ابھی تک چکا نہیں سکا تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا۔ اس نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سخت لہجے میں اس سے بات کی۔ ① اگر ساداتِ عرب اور سردارانِ قبائل آپ کے ممنون تھے تو اس سے اندازہ فرمائیے کہ عام لوگوں پر آپ کے احسانات کس قدر ہوں گے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ⑲ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ⑳ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ㉑ ﴾ ”اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے مگر (صرف) اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے (مال خرچ کرتا ہے) اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔“

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَیْنِ فِي سَبِیلِ اللّٰهِ (دَعَتْهُ خَزَنَةُ الْجَنَّةِ: یَا عَبْدَاللّٰهِ! هٰذَا خَیْرٌ......] ”جو شخص اللہ کے رستے میں جوڑا خرچ کرے تو اسے جنت کے داروغے بلائیں گے اور کہیں گے: اے اللہ کے بندے! یہ (دروازہ داخلے کے لحاظ سے) بہتر ہے......“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جو ان سب دروازوں سے پکارا جائے گا اسے تو کوئی ضرورت نہ ہوگی تو کیا کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہوگا جسے سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ] ”ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم بھی انھی میں سے ہو گے۔“ ②

سورۂ لیل کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① دیکھیے صحیح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة......، حدیث:2732,2731 عن المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ ومروان. ② صحیح البخاري، الصوم، باب الریان للصائمین، حدیث: 1897 وصحیح مسلم، الزكاة، باب فضل من ضم إلی الصدقة غیرها......، حدیث:1027 عن أبي هریرة رضی اللہ عنہ ، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاري ہی کی حدیث:3216 کے مطابق ہیں۔

تفسیر سُورَۃ ضُحیٰ

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالضُّحٰى ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ

دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم!① اور رات کی جب وہ چھا جائے② (اے نبی!) آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ ناراض ہوا③ اور یقیناً آپ کے لیے

الْاُوْلٰى ④ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ⑤ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ⑥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا

آخرت، دنیا سے بہت بہتر ہے④ اور جلد آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے⑤ کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر ٹھکانا دیا⑥ اور

فَهَدٰى ⑦ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ⑧ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩

آپ کو ناواقفِ راہ پایا، پھر ہدایت بخشی⑦ اور آپ کو تنگ دست پایا، پھر مال دار کر دیا⑧ لہٰذا آپ یتیم پر سختی نہ کریں⑨ اور سوالی کو نہ جھڑکیں⑩

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪ ع 1 11 18

اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتے رہیں⑪

تفسیر آیات: 1-11

سورۂ ضُحیٰ کی شانِ نزول: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ناسازیِ طبع کے باعث نبی ﷺ ایک یا دو رات قیام نہ فرما سکے تو ایک عورت نے کہا: اے محمد (ﷺ!) میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں: ﴿وَالضُّحٰى ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③﴾ ''دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم! اور رات کی جب وہ چھا جائے، (اے محمد ﷺ!) آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ وہ (آپ سے) ناراض ہوا۔''① اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابو حاتم اور ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔② جندب سے مراد جندب بن عبداللہ بَجَلی عَلَقی رضی اللہ عنہ ہیں۔③ کہا جاتا ہے کہ جس عورت نے آپ کو یہ کہا تھا، وہ ابولہب کی

① مسند أحمد: 313,312/4 . ② صحيح البخاري، التهجد، باب ترك القيام للمريض، حديث:1125 وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب مالقى النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث: (115)-1797 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة والضحى، حديث:3345 نحوه والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة الضحى:517/6، حديث:11681 وتفسير ابن أبي حاتم :3442/10 وتفسير الطبري :291/30. ③ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة والضحى، حديث:3345 وتفسير الطبري:290/30 .

بیوی ام جمیل تھی۔ [1]

اسود بن قیس سے مروی ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے جندب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کئی دن تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے تو مشرکوں نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرما دیں: ﴿ وَالضُّحٰى ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③ ﴾۔ [2] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو پھر کئی دن تک جبریل نہ آئے جس سے آپ کو پریشانی لاحق ہوئی تو مشرکوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ محمد ﷺ کو ان کے رب نے ناراض ہو کر چھوڑ دیا ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③ ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ وہ (آپ سے) ناراض ہوا۔'' [3]

یہ بات اللہ تعالیٰ نے دھوپ چڑھنے کے وقت کی اور جو اس نے اس میں روشنی رکھی ہے، اس کی قسم کھا کر بیان فرمائی۔ نیز فرمایا: ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② ﴾ ''اور رات کی (قسم!) جب وہ چھا جائے۔'' یعنی ساکن ہو جائے اور اس کی وجہ سے اندھیرا ہو جائے اور خوب تاریکی چھا جائے۔ یہ حضرت مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن زید اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔ [4] اور یہ دھوپ چڑھنے کا وقت اور رات کا چھا جانا ان کے خالق کی قدرت کی ایک بہت نمایاں دلیل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ ﴾ (الليل 92:1,2) ''اور رات کی (قسم!) جب وہ چھا جائے اور دن کی جب وہ روشن ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ﴾ (الأنعام 6:96) ''وہ صبح کی سپیدی نکالتا ہے اور اس نے رات کو آرام کا ذریعہ بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ (بنایا)، یہ بہت زبردست، خوب علم رکھنے والے کا اندازہ ہے۔'' ارشاد الٰہی: ﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ ﴾ کے معنی ہیں کہ اے محمد (ﷺ!) آپ کے پروردگار نے آپ کو نہیں چھوڑا ﴿ وَمَا قَلٰى ③ ﴾ ''اور نہ وہ (آپ سے) ناراض ہوا۔'' یعنی وہ آپ سے بیزار نہیں ہوا۔

آخرت دنیا سے بہتر ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ④ ﴾ ''اور یقیناً آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہت بہتر ہے۔'' یعنی آپ کے لیے آخرت کا گھر دنیا کے گھر سے کہیں بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے اور اسے سب سے بڑھ کر چھوڑنے والے تھے جیسا کہ آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی عمر مبارک کے آخر میں یہ اختیار دیا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو اختتام دنیا تک ہمیشہ دنیا ہی میں رہیں اور پھر جنت میں جلوہ افروز ہو جائیں اور اگر آپ چاہیں تو اپنے رب تعالیٰ کے پاس تشریف لے جائیں تو آپ نے اس عارضی وفانی دنیا کے بجائے اپنے رب تعالیٰ کے پاس تشریف لے جانے کو پسند

---

① دیکھیے المستدرك للحاكم، التفسير، باب التفسير سورة والضحى: 527,526/2، حديث: 3945 عن زيد بن أرقم رضي الله عنه وفتح الباري: 9/3، تحت الحديث: 1125 و 711,710/8، تحت الحديث: 4950. ② تفسير الطبري: 290/30.
③ تفسير الطبري: 291/30. ④ تفسير الطبري: 289/30 وتفسير القرطبي: 91/20.

فرمالیا تھا۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر محو استراحت ہوئے تو آپ کے پہلو مبارک پر نشان پڑ گئے، آپ جب بیدار ہوئے تو میں نے آپ کے پہلو مبارک پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ فرما دیتے تو ہم آپ کے لیے چٹائی پر کوئی چیز بچھا دیتے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَالِي وَلِلدُّنيَا؟ مَا أَنَا وَالدُّنيَا؟ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنيَا كَرَاكِبٍ ظَلَّ تَحتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا] ”دنیا سے مجھے کیا سروکار؟ میرا دنیا سے کیا تعلق؟ بس میری اور دنیا کی مثال تو ایسے ہے جیسے کسی مسافر نے کسی درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا، پھر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس درخت کو چھوڑ کر چل دیا۔“[2] امام ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو مسعودی سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

آخرت کی بے بہا نعمتیں رسول اللہ ﷺ کی منتظر ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ ﴾ ”اور البتہ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو یہ آخرت میں عطا فرمائے گا حتی کہ آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دے گا، نیز اللہ تعالیٰ نے خود آپ کے لیے تعظیم و تکریم کے بے بہا سامان پیدا فرمائے ہیں، ان سے آپ کو خوش کر دے گا، انھی میں سے ایک وہ نہر کوثر بھی ہے جس کے دونوں کنارے شان دار موتیوں کے گنبد سے مزین ہوں گے اور جس کی مٹی کستوری کی مہک سے معطر ہوگی جیسا کہ اس کا تفصیل سے ذکر آگے آئے گا۔[4] امام ابو عمرو اوزاعی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وہ تمام خزانے ایک ایک کر کے دکھا دیے گئے تھے جن کے دروازے آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے کھلنے والے تھے، آپ اس سے بہت مسرور ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ ﴾ جنت میں اللہ تعالیٰ آپ کو ایک ہزار محلات عطا فرمائے گا جو ازواج، خدام اور دیگر تمام ضروری ساز و سامان سے مزین ہوں گے۔ اسے امام ابن جریر نے اور امام ابن ابو حاتم نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی بات رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی کہی جا سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی چند نعمتوں کا ذکر: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر اپنی نعمتوں کو شمار کراتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ ﴾ ”کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر اس نے ٹھکانا دیا؟“ آپ

---

① دیکھیے صحيح البخاري، الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد، حديث: 466 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق ﷺ، حديث: 2382. ② مسند أحمد: 391/1. ③ جامع الترمذي، الزهد، باب حديث: [ما الدنيا إلا كراكب استظل]، حديث: 2377 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنيا، حديث: 4109. ④ دیکھیے الکوثر کی ابتدا میں عنوان: ”سورۂ کوثر کی فضیلت“ ⑤ تفسير الطبري: 292/30 و تفسير ابن أبي حاتم: 3443/10. المصباح المنير میں یہاں أَلْفَ أُلْفِ قَصْرٍ ”دس لاکھ محلات“ کا ذکر ہے جبکہ مذکورہ حوالوں اور تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں أَلْفَ قَصْرٍ ”ایک ہزار محلات“ کا ذکر ہے۔ ہم نے ترجمہ مراجع کے مطابق ہی کیا ہے۔

کے والد اس وقت فوت ہو گئے تھے جب آپ ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے،① پھر آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کا بھی اس وقت انتقال ہو گیا جب آپ کی عمر مبارک نے ابھی تک صرف چھ بہاریں ہی دیکھی تھیں۔② پھر آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے اور عمر مبارک کے آٹھویں سال میں تھے کہ وہ بھی وفات پا گئے۔③ تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔④ ابو طالب ہمیشہ آپ کا خیال رکھتے، آپ کی نصرت و اعانت کرتے، آپ کی عزت و توقیر کرتے اور آپ کی قوم کی تکلیفوں کو آپ سے دور کرتے۔⑤ حتی کہ آپ عمر مبارک کی چالیسویں بہار دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کر کے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرما دیا۔⑥ مگر ابو طالب نے آپ کے دین کو قبول نہیں کیا بلکہ وہ اپنی قوم کے دین، یعنی بتوں کی عبادت ہی پر رہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حسن تدبیر ہی کا نتیجہ تھا حتی کہ ہجرت سے کچھ عرصہ قبل ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔⑦ اب قریش کے بے وقوف اور جاہل لوگوں نے آپ کو اور بھی ستانا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ کر مکہ سے ہجرت کر کے انصار اور اوس و خزرج کے شہر مدینہ چلے جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے احسن و اکمل انداز میں اپنی سنت کو بھی جاری رکھا۔ آپ نے جب مدینہ منورہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو مدینہ کے لوگوں نے آپ کو جگہ دی، آپ کی مدد کی، آپ کی حفاظت کی اور آپ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمنوں سے جہاد کیا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت، نصرت و اعانت اور آپ کے ساتھ خصوصی عنایت کا جو اہتمام فرمایا تھا، یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ تھا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ ﴾ ''اور اس نے آپ کو ناواقفِ راہ پایا، پھر اس نے ہدایت بخشی۔'' یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ ..... ﴾ الآية (الشورٰی 42:52) ''اور اسی

---

① السيرة النبوية لابن إسحاق، وفاة عبدالله: 97/1 والسيرة النبوية لابن هشام، ذكر ما قيل لآمنة عند......: 158/1 ودلائل النبوة للبيهقي، باب ذكر وفاة عبدالله أبي رسول الله ﷺ......: 187/1 والطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر وفاة عبدالله بن عبدالمطلب: 100,99/1. البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت ماں کی گود میں تھے۔ دیکھیے الروض الأنف للسهيلي، تحقيق وفاة أبيه: 283/1 وتاريخ الطبري، ذكر مولد رسول الله ﷺ......: 579/1. ② السيرة النبوية لابن إسحاق، وفاة السيدة آمنة بنت وهب: 116,115/1 والسيرة النبوية لابن هشام، وفاة آمنة وحال رسول الله ﷺ......: 168/1 ودلائل النبوة للبيهقي، باب ذكر وفاة عبدالله أبي رسول الله ﷺ......: 188/1 وتاريخ الطبري، ذكر مولد رسول الله ﷺ......: 579/1. ③ السيرة النبوية لابن إسحاق، كفالة عبدالمطلب محمدا ﷺ: 116/1و 119 والسيرة النبوية لابن هشام، وفاة آمنة وحال رسول الله ﷺ......: 169,168/1 و دلائل النبوة للبيهقي ، باب ذكر وفاة عبدالله أبي رسول الله ﷺ......: 188/1 . ④ السيرة النبوية لابن هشام ، كفالة أبي طالب لرسول الله ﷺ :179/1 وتاريخ الطبري ، ذكر مولد رسول الله ﷺ......: 579/1 . ⑤ الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر أبي طالب وضمه رسول الله ﷺ......: 121-119/1 . ⑥ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مبعث النبي ﷺ، حديث :3851 عن ابن عباس رضي الله عنه . ⑦ دیکھیے صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، حديث : 3884 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على صحة إسلام من حضره الموت......، حديث: 24 عن مسيب رضي الله عنه ودلائل النبوة للبيهقي، باب وفاة أبي طالب عم رسول الله ﷺ......: 345-340/2 .

طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک روح (قرآن) کی وحی کی، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے اور لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں......۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝8 ﴾ ''اور اس نے آپ کو تنگ دست پایا، تو اس نے غنی کر دیا۔'' یعنی آپ فقیر اور عیال دار تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ماسوا سے غنی کر دیا اور آپ کو فقیر صابر اور غنی شاکر کا حسین امتزاج بنا دیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ. صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ] ''دولت سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ مال و دولت تو دل کی تونگری اور قناعت کا نام ہے۔''[1] اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَّقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ] ''یقیناً وہ شخص کامیاب ہو گیا جو مسلمان ہوا، بقدر ضرورت اسے رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو عطا کیا تو اس پر اسے قناعت بھی عطا فرما دی۔''[2]

نعمتوں کی قدر کس طرح کی جائے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝9 ﴾ ''لہٰذا آپ یتیم پر سختی نہ کریں۔'' یعنی جیسے آپ یتیم تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھکانا عطا فرمایا، اسی طرح آپ بھی یتیم پر سختی نہ کریں، یعنی آپ اسے نہ ذلیل کریں، نہ اسے ڈانٹیں اور نہ اسے بے عزت کریں بلکہ اس سے لطف و احسان کا معاملہ کریں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یتیم کے لیے اس طرح ہو جاؤ جس طرح شفیق باپ ہوتا ہے۔[3] ﴿ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝10 ﴾ ''اور آپ مانگنے والے کو نہ جھڑکیں۔'' یعنی جس طرح آپ رستے سے ناواقف تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیدھا رستہ دکھایا، اسی طرح تم بھی علمی رہنمائی حاصل کرنے والے سائل کو نہ جھڑکو۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ کمزور بندگان الٰہی کے لیے جابر، متکبر، بد خلقی اور سختی سے پیش آنے والے نہ بنو۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسکین کو شفقت اور نرمی سے جواب دو۔[5]

﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝11 ﴾ ''اور اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کیجیے۔'' یعنی جس طرح آپ تنگ دست اور فقیر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا، اسی طرح آپ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیں۔ امام ابوداود نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ] ''جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔''[6] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔[7] امام ابوداود نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب الغنى غنى النفس، حديث: 6446 و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل القناعة......، حديث: 1051. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب في الكفاف و القناعة، حديث: 1054. [3] تفسير القرطبي: 100/20 و تفسير ابن أبي حاتم: 3444/10. [4] السيرة النبوية لابن إسحاق، انقطاع الوحي ونزول سورة الضحى: 180,179/1 والسيرة النبوية لابن هشام، تفسير ابن هشام لمفردات سورة الضحى: 243/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 3444/10. [6] سنن أبي داود، الأدب، باب في شكر المعروف، حديث: 4811. [7] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الشكر لمن أحسن إليك، حديث: 1954.

سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ أُبْلِيَ بَلَاءً فَذَكَرَهُ فَقَدْ شَكَرَهُ وَإِنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ] ”جس شخص پر کوئی احسان کیا گیا اور اس نے اس (احسان) کا ذکر کیا تو یقیناً اس نے اس کا شکر ادا کیا اور اگر اس نے اسے چھپایا تو یقیناً اس نے اس کی ناشکری و ناقدری کی۔“ اس حدیث کے بیان کرنے میں امام ابوداود منفرد ہیں۔①

سورۂ ضحیٰ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① سنن أبي داود، الأدب، باب في شكر المعروف، حديث: 4814.

تفسیر سورۂ انشراح

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ① وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ② الَّذِىۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ③ وَرَفَعۡنَا لَكَ

(اے نبی!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟① اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا② جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی③ اور ہم

ذِكۡرَكَ ④ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا ⑤ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا ⑥ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ⑦ وَاِلٰى

نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کر دیا④ پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے⑤ بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے⑥ چنانچہ جب آپ فارغ

رَبِّكَ فَارۡغَبۡ ⑧ ع 1 8 19

ہو جائیں تو محنت کیجیے⑦ اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کیجیے⑧

تفسیر آیات: 1-8

شرح صدر کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ① ﴾ ''(اے نبی!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟'' یعنی بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا ہے، اسے منور، کشادہ، وسیع اور فراخ کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ﴾ (الأنعام 6:125) ''چنانچہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کے سینے کو کھول دیا تھا، اسی طرح اس نے آپ کی شریعت کو بھی بے حد فراخ، وسیع، کشادہ اور آسان بنا دیا ہے کہ اس میں نہ کوئی حرج ہے، نہ کوئی بوجھ اور نہ کوئی تنگی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول پر نعمتوں کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ② ﴾ ''اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا۔'' یہ آیت کریمہ اس آیت کے معنی میں ہے: ﴿ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ (الفتح 48:2) ''تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔'' ﴿ الَّذِىۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ③ ﴾ ''جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی۔'' اِنقاض کے معنی آواز کے ہیں اور کئی ایک ائمۂ سلف نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں کہ جس کا بوجھ آپ کے لیے بہت گراں تھا۔[1]

① تفسیر ابن أبی حاتم: 3445/10 والدر المنثور: 615/6 وتفسیر الماوردی: 297/6.

رفع ذکر کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝٤ ﴾ ''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔'' کے بارے میں امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے نبی! میرے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ضرور کیا جائے گا، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ ساتھ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کی صدائیں بھی ضرور آئیں گی۔① امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں آپ کے ذکر کو بلند فرما دیا ہے، چنانچہ جب بھی کوئی خطیب خطبہ دیتا ہے یا کوئی تشہد پڑھتا ہے یا کوئی نماز ادا کرتا ہے تو وہ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ بھی ضرور پکارتا ہے۔②

مشکل کے بعد آسانی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِنَّ مَعَ ٱلۡعُسۡرِ يُسۡرًا ۝٥ إِنَّ مَعَ ٱلۡعُسۡرِ يُسۡرًا ۝٦ ﴾ ''پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے اور پھر بطور تاکید اسے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔

فراغت کے بعد ذکر کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِذَا فَرَغۡتَ فَٱنصَبۡ ۝٧ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَٱرۡغَب ۝٨ ﴾ ''چنانچہ جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کیجیے اور اپنے پروردگار ہی کی طرف رغبت کیجیے۔'' یعنی جب آپ دنیا کے امور اور مشاغل سے فارغ ہو جائیں اور دنیاوی لگاؤ ختم کر لیں تو پھر عبادت میں خوب خوب محنت کیا کریں، پورے نشاط اور فارغ البالی کے ساتھ عبادت کے لیے کھڑے ہو جائیں اور اپنے رب تعالیٰ کے لیے نیت اور رغبت کو خالص کر لیں۔ آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث بھی جس کی صحت پر اتفاق ہے، اسی قبیل میں ہے: [لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ] ''جب کھانا حاضر ہو یا بول و براز کی حاجت ہو تو نماز نہیں ہوتی۔''③ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: [إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَحَضَرَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ] ''جب نماز کھڑی ہو جائے اور کھانا بھی حاضر ہو تو پہلے کھانا کھا لو۔''④ امام مجاہد اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو جائیں اور نماز کے لیے کھڑے ہونے لگیں تو پھر اپنے رب کی عبادت میں خوب محنت کیا کریں۔⑤

سورۂ انشراح کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسير الطبرى : 296/30 . ② تفسير الطبرى : 296/30 . ③ صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة ، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام......، حديث : 560 وسنن أبي داود، الطهارة، باب أيصلي الرجل وهو حاقن؟ حديث: 89 عن عائشة ﷺ. ④ صحيح البخارى، الأطعمة، باب إذا حضر العشاء......، حديث : 5465 عن عائشة ﷺ. ⑤ تفسير الطبرى : 299/30 .

تفسیر
سُوْرَۃُ تِیْن

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۙ① وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ② وَہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ③ لَقَدۡ خَلَقۡنَا

قسم ہے انجیر اور زیتون کی① اور طور سیناء کی② اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی③ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا

الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ④ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ⑤ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

ہے④ پھر ہم نے اسے نیچوں سے نیچے پھینک دیا⑤ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے بے انتہا اجر

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ؕ⑥ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ ؕ⑦ اَلَیۡسَ اللّٰہُ

ہے⑥ پھر (اے انسان!) اس کے بعد تجھے کون سی چیز جزا وسزا کو جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے⑦ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم

بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ ⑧ ع 1 8 20

نہیں ہے؟⑧

نماز سفر میں سورۂ تین کی قراءت: امام مالک اور شعبہ نے عدی بن ثابت سے اور انھوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعتوں میں سے ایک میں ﴿ وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۙ① ﴾ کی قراءت فرمایا کرتے تھے، میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کی اچھی آواز یا قراءت نہیں سنی۔ اسے محدثین کی ایک جماعت نے اپنی کتب میں بیان فرمایا ہے۔①

تفسیر آیات: 1-8

﴿ التِّیۡنِ ﴾ اور اس کے مابعد کی تفسیر: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ التِّیۡنِ ﴾ سے مراد سیدنا نوح علیہ السلام کی وہ مسجد ہے جو جودی پہاڑ پر تھی۔② جبکہ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ التِّیۡنِ ﴾ سے مراد تمھاری یہی انجیر ہے۔③

---

① الموطأ للإمام مالك، الصلاة، باب القراء ة فى المغرب والعشاء : 26/1، حديث: 179و صحيح البخارى، الأذان، باب الجهر فى العشاء، حديث:767و769و صحيح مسلم، الصلاة، باب القراء ة فى العشاء، حديث:(175-177)-464 و سنن أبى داود، صلاة السفر، باب قصر قراء ة الصلاة فى السفر، حديث:1221و جامع الترمذى، الصلاة، باب ماجاء فى القراءة فى صلاة العشاء ، حديث: 310 و سنن النسائى، الافتتاح، باب القراء ة فى الركعة الأولى......، حديث:1002 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب القراء ة فى صلاة العشاء، حديث:834,835 . ② تفسير الطبرى: 303/30 .
③ تفسير الطبرى:301/30 .

اور ﴿ الزَّيْتُوْنِ ① ﴾ کے بارے میں کعب، قتادہ، ابن زید اور کئی دیگر اہل علم کا قول ہے کہ اس سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔① جبکہ مجاہد اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی زیتون ہے جس سے تم تیل حاصل کرتے ہو۔② اور ﴿ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ② ﴾ کے بارے میں کعب احبار اور کئی دیگر اہل علم کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی سے نوازا تھا۔③ ﴿ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ ﴾ ''اور اس امن والے شہر کی (قسم!)'' یعنی مکہ مکرمہ کی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، ابراہیم نخعی، ابن زید اور کعب احبار کا قول ہے۔④ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ یہ تین وہ مقامات ہیں جن میں سے ہر ایک مقام میں اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم اور بڑی بڑی شریعتوں والے انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرمایا تھا: (1) تین اور زیتون کے مقام سے مراد بیت المقدس ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو مبعوث فرمایا۔ (2) طور سینین سے مراد طور سینا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو شرف ہم کلامی سے نوازا۔ (3) مکہ مکرمہ وہ شہر امن ہے کہ جو بھی اس مبارک شہر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا اور یہی وہ مقدس شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔⑤ اللہ تعالیٰ نے تورات کے آخر میں بھی ان تینوں مقامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا، یعنی جہاں اس نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو ہم کلامی کے شرف سے نوازا اور وہ ساعیر سے چمکا، یعنی جبل بیت المقدس سے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور فاران کے پہاڑوں سے اس نے اعلان کیا، یعنی مکہ کے پہاڑوں سے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔⑥ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زمانی ترتیب کے مطابق ان کی وجودی ترتیب کے بارے میں خبر دی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک اشرف مقام کی قسم کھائی، پھر اس کے بعد جو اس سے بھی اشرف تھا اس کی اور پھر آخر میں جو ان دونوں سے اشرف تھا، یعنی شہر امن مکہ مکرمہ، اس کی قسم کھائی۔

بہترین شکل وصورت میں پیدا کیے جانے کے باوجود انسان کا پستی میں گرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ﴾ ''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔'' یہ مقسم علیہ، یعنی وہ چیز ہے جس پر مذکورہ بالا قسمیں کھائی گئی ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ہی احسن صورت و شکل، متوازن قامت اور حسین و جمیل معتدل و مناسب اعضاء کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، ﴿ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ ﴾ ''پھر ہم نے اسے نیچوں سے نیچے پھینک دیا۔'' یعنی اسے جہنم رسید کر دیا۔ یہ حضرت مجاہد، ابو العالیہ، حسن، ابن زید اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔⑦ یعنی اگر یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسولوں کی اتباع نہ کرے تو پھر اس حسن و جمال کے باوجود اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔''

---

① تفسیر الطبری:302/30. ② تفسیر الطبری:301/30. ③ تفسیر الطبری:303/30. ④ تفسیر الطبری:306,305/30.
⑤ تفسیر القرطبی:113/20 نحوہ. ⑥ کتاب مقدس، استثنا، باب:33، آیت:2 . ⑦ تفسیر الطبری:310,309/30 و
تفسیر ابن أبی حاتم:3449,3448/10 وتفسیر البغوی:277/5.

بعض نے کہا ہے کہ ﴿ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ ﴾ سے مراد انسان کو بڑھاپے کی نہایت خراب حالت کی طرف لوٹانا ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ سے مروی ہے،[1] حتی کہ حضرت عکرمہ نے کہا ہے کہ جو شخص قرآن کو پڑھے تو اسے ناکارہ ترین عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔[2] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[3] لیکن اگر اس سے یہ بات مراد ہوتی تو پھر مومنوں کا اس سے استثنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض مومن بھی بہت بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں، لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ اس سے وہی مراد ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (العصر 103:1-3) ”زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔“ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ﴾ ”تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔“ یعنی نہ ختم ہونے والا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ فَمَا يُكَذِّبُكَ ﴾ ”پھر کون سی چیز تجھے جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟“ یعنی اے آدم زاد! ﴿ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ ﴾ ”اس کے بعد جزا کو؟“ یعنی آخرت میں جزا کو کیوں جھٹلاتا ہے؟ حالانکہ تجھے ابتدا کا علم ہے اور تو جانتا ہے کہ جس ذات گرامی نے تجھے ابتدا میں پیدا فرمایا وہ اس بات پر بطریق اولیٰ قادر ہے کہ تجھے دوبارہ بھی پیدا کر سکے تو جب تجھے اس بات کا علم ہے تو پھر آخرت کی تکذیب پر تجھے کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ﴾ ”کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟“ یعنی کیا وہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے جو کسی پر بھی ظلم و زیادتی نہیں کرتا اور یہ بھی اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے تاکہ دنیا میں جس پر ظلم ہوا، اسے ظالم سے بدلہ دلوائے۔ ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مرفوع حدیث قبل ازیں بیان کی ہے کہ ”جو شخص ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ ﴾ کی تلاوت کرتے ہوئے اس آخری آیت: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ﴾ پر پہنچے تو وہ یہ کہے: [بَلٰى ! وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ] ”کیوں نہیں! میں بھی اس کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔“[4]

سورۂ تین کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① تفسیر الطبری: 309,308/30 . ② تفسیر الطبری: 311/30 . ③ تفسیر الطبری: 310/30 . ④ یہ روایت المصباح المنیر میں نہیں گزری، البتہ تفسیر ابن کثیر (مفصل)، القیامۃ، آیت: 40 کے تحت مذکور ہے، نیز دیکھیے مسند الحمیدی: 437/2، حدیث: 995 وسنن أبی داود، الصلاۃ، باب مقدار الرکوع والسجود، حدیث: 887 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ والتین، حدیث: 3347 لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

تفسیر سُورۃ عَلَق

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ① خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ② اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ③ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ④ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ⑤

اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا① اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا② پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے③ وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا④ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا⑤

یہ قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت ہے

تفسیر آیات:1-5

حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا آغاز اور پہلی وحیٔ الٰہی: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز نیند میں سچے خوابوں سے ہوا، آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ اپنی تعبیر میں اس درجے روشن اور صحیح ثابت ہوتا تھا جیسا کہ سپیدۂ صبح کا ظہور ہوتا ہے، پھر آپ کو خلوت محبوب ہوگئی اور آپ غار حرا میں تشریف لا کر مصروف عبادت رہنے لگے، گاہے گاہے آپ اہل خانہ کے پاس بھی تشریف لے آتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان تیار فرما دیتی تھیں اور آپ اسے لے کر پھر غار حرا میں واپس تشریف لے جاتے تھے، اسی طرح آپ غار حرا میں عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہنے لگا: [اِقۡرَاۡ] ”پڑھیے“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَقُلۡتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ] ”میں نے جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔“ آپ نے فرمایا کہ جب میں نے یہ کہا تو اس فرشتے نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا جس کی وجہ سے مجھے تکلیف محسوس ہونے لگی اور پھر چھوڑ کر مجھ سے دوبارہ کہا: [اِقۡرَاۡ] ”پڑھیے۔“ تو میں نے پھر وہی جواب دیا: [مَا أَنَا بِقَارِئٍ] ”میں پڑھنا نہیں جانتا۔“ تو اس نے پھر مجھے اپنی گرفت میں لے لیا حتی کہ جب مجھے تکلیف محسوس ہونے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر تیسری بار کہا: [اِقۡرَاۡ] ”پڑھیے۔“ تو میں نے بھی وہی پہلا جواب دیا: [مَا أَنَا بِقَارِئٍ] ”میں پڑھنا نہیں جانتا۔“ تو اس نے پھر مجھے اپنی گرفت میں لے لیا حتی کہ مجھے تکلیف محسوس ہونے لگی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور ﴿ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ① خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ② اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ③ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ④

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿5﴾ ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے (علم) سکھایا، اس نے انسان کو وہ (علم) سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' تک کی آیات تلاوت کیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر واپس تشریف لے آئے، آپ کے کندھے اور گردن کا درمیانی حصہ پھڑک رہا تھا، آپ نے گھر میں تشریف لاتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: [زَمِّلُونِي، زَمِّلُونِي] ''مجھے کپڑا اڑھادو، مجھے کپڑا اڑھادو۔'' انھوں نے فوراً آپ کو کپڑا اڑھا دیا حتی کہ جب آپ نے سکون محسوس کیا تو فرمایا: [يَاخَدِيجَةُ! مَالِيَ ؟] ''خدیجہ! مجھے کیا ہوگیا ہے؟'' پھر آپ نے ان کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا: [وَقَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ] ''مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ سارا واقعہ سن کر عرض کی: ہرگز نہیں! آپ کے لیے بشارت ہے، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ بلاشبہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس لے گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے اور انھوں نے زمانۂ جاہلیت میں عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا، وہ عربی لکھنا بھی جانتے تھے اور جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا انھوں نے انجیل کو عربی میں لکھا۔[1] اور وہ بہت ضعیف العمر اور نابینا تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے کہا: میرے چچا زاد! آپ اپنے بھتیجے کا واقعہ تو سنیے، چنانچہ ورقہ نے پوچھا: برادر زاد! تم نے کیا دیکھا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جو دیکھا تھا، وہ سارا واقعہ بیان فرمادیا تو ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی لے کر آتا تھا، کاش! میں اس وقت طاقت ور نوجوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تمھاری قوم تمھیں تمھارے وطن سے نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟] ''کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟'' ورقہ نے جواب دیا: ہاں، جب بھی کوئی آدمی یہ پیغام لایا جو تم لائے ہو تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی۔ اگر وہ دن میری زندگی میں آیا تو میں پوری قوت کے ساتھ تمھاری نصرت و حمایت کروں گا۔ پھر ورقہ کا جلد ہی انتقال ہوگیا اور وحی کا سلسلہ بھی بند ہوگیا جس سے رسول اللہ ﷺ غمزدہ ہوگئے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اتنے شدید غمزدہ ہوئے کہ آپ نے کئی بار چاہا کہ اپنے آپ کو پہاڑوں کی بلند چوٹیوں سے گرادیں۔ آپ جب بھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر جاتے تو جبریل علیہ السلام نمودار ہوجاتے اور وہ آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہتے: اے محمد ﷺ! بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اس سے آپ کے دل کو سکون اور جان کو قرار نصیب ہوجاتا اور آپ واپس تشریف لے آتے، پھر جب فترت وحی کا سلسلہ طویل ہوجاتا تو آپ اسی طرح غمگین ہوجاتے

[1] بعض روایات میں عربی کے بجائے عبرانی زبان کا ذکر ہے، جیسے: صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول الله ﷺ......، حدیث: 3 میں ہے، دونوں باتیں صحیح ہیں کیونکہ ورقہ بن نوفل جس طرح عربی زبان لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اسی طرح عبرانی زبان بھی انھوں نے سیکھ رکھی تھی۔ دیکھیے فتح الباری: 25/1 وشرح النووی: 265/2.

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ⑦ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ⑧ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ

ہرگز نہیں! انسان تو یقیناً البتہ سرکشی کرتا ہے⑥ اس بنا پر کہ وہ خود کو بے پروا سمجھتا ہے⑦ بے شک آپ کے رب ہی کی طرف واپسی ہے⑧ کیا آپ

يَنْهٰى ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ⑩ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫

نے اسے دیکھا جو منع کرتا ہے⑨ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟⑩ بھلا دیکھ تو اگر وہ (بندہ) ہدایت پر ہو⑪ یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو؟⑫ بھلا دیکھ تو

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑬ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ⑭ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا

اگر وہ (حق کو) جھٹلاتا اور (اس سے) منہ موڑتا ہو؟⑬ کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ دیکھ رہا ہے⑭ ہرگز نہیں! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کے

بِالنَّاصِيَةِ ⑮ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ⑯ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ⑰ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ⑱

بالوں سے پکڑ کر ضرور گھسیٹیں گے⑮ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے⑯ چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے⑰ یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو

السجدة 15 ع 1 19 21

كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ⑲ ع

بلالیں گے⑱ ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کریں اور سجدہ کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں⑲

اور جب پہاڑ کی چوٹی پر جاتے تو پھر جبریل علیہ السلام اسی طرح نمودار ہو کر آپ کو تسلی دیتے۔ ① یہ حدیث صحیحین میں بروایت امام زہری بیان کی گئی ہے۔ ② ہم نے اپنی شرح بخاری کے آغاز میں اس حدیث کی سند، متن اور معانی و مطالب پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، جو چاہے، اسے وہاں ملاحظہ فرما سکتا ہے۔ ③ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

قرآن مجید کی یہ آیات مبارکہ سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ یہ وہ اولین رحمت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا اور وہ اولین نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سرفراز فرمایا۔

انسان کی عزت اور شرف علم سے ہے: ان آیات کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق کی ابتدا خون کی پھٹکی سے ہوئی اور یہ اللہ تعالیٰ کا انسان پر بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے اسے وہ سکھایا جس کا اسے علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ اسے اشرف اور اکرم بنایا اور یہی وہ چیز ہے جس نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ علم کا تعلق کبھی اذہان سے ہوتا ہے، کبھی زبان سے اور کبھی ہاتھ سے لکھنے سے۔ علم کبھی ذہنی ہوتا ہے، کبھی لفظی اور کبھی تحریری۔ تحریری دونوں کو مستلزم ہے لیکن دونوں تحریری کو مستلزم نہیں ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤ ﴾ ”پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے (علم) سکھایا، اس

① مسند أحمد: 233,232/6. **ملحوظہ:** اس حدیث کا آخری حصہ جسے امام زہری رحمہ اللہ نے ”ہمیں یہ بات پہنچی ہے“ کہہ کر بیان کیا ہے، درست نہیں ہے کیونکہ یہ موصولاً بیان نہیں ہوا بلکہ امام زہری کا اپنا اضافہ ہے اور اہل علم کے نزدیک امام زہری کے یہ اضافے جنھیں بَلَاغَاتُ الزُّهْرِي کہا جاتا ہے، ضعیف اور بے حیثیت ہیں۔ دیکھیے فتح الباري: 360,359/12 و صحيح السيرة النبوية للألباني، باب كيفية بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ، ص: 86 و الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 114/43. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: 1، حديث: 4953 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ، حديث: 160. ③ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مندرجہ بالا شرح بخاری مکمل نہ کر سکے، نیز یہ مطبوع بھی نہیں ہے، دیکھیے کشف الظنون: 550/2 و الأعلام للزركلي: 320/1.

نے انسان کو وہ (علم) سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' اور ایک اثر میں ہے: [قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابَةِ] ''علم کو کتابت کے ساتھ مقید کرلو۔''[1] اور ایک اثر میں یہ بھی ہے: [مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَكُنْ يَعْلَمُ] ''جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اس علم کا وارث بنائے گا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔''[2]

تفسیر آیات:6-19

مال کی وجہ سے انسان کی سرکشی پر وعید: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ غنی ہے اور اس کے پاس مال کی بہت فراوانی ہے تو وہ خوشی و مسرت، فخر و تکبر اور سرکشی و بغاوت کا مظاہرہ کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو سرزنش اور وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝ ﴾ ''بلاشبہ آپ کے پروردگار ہی کی طرف واپسی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بالآخر لوٹ کر جانا اور اسی کے پاس ٹھکانا ہے اور وہ اس مال کے بارے میں تم سے حساب لے گا کہ اسے کمایا کیسے اور خرچ کہاں کیا۔

ابوجہل کی مذمت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ ﴾ ''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟'' یہ آیات ابوجہل لَعَنَهُ اللّٰهُ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اس نے نبی ﷺ کو بیت اللہ کے پاس نماز پڑھنے سے منع کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اسے احسن انداز میں سمجھایا اور فرمایا: ﴿ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝ ﴾ ''بھلا دیکھ تو اگر وہ ہدایت پر ہو؟'' یعنی تیرا کیا خیال ہے کہ یہ شخص جسے تو منع کرتا ہے شاید یہ اپنے اس فعل کے سرانجام دینے میں سیدھے راستے پر ہو، ﴿ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ ﴾ ''یا اس نے پرہیز گاری کا حکم دیا ہو۔'' یعنی یہ تو اپنے قول کے ساتھ پرہیز گاری کا حکم دیتے ہیں جبکہ تو انھیں نماز ادا کرنے سے منع کرتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ ﴾ ''کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بے شک اللہ دیکھ رہا ہے؟'' یعنی کیا اس ہدایت یافتہ شخص کو نماز ادا کرنے سے منع کرنے والے کو یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا اور اس کے کلام کو سن رہا ہے اور وہ عنقریب اسے اس کے فعل کا پورا پورا بدلہ دے گا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے انداز میں فرمایا: ﴿ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ ﴾ ''ہرگز نہیں! اگر وہ باز نہ آیا'' یعنی اگر یہ اس مخالفت اور عناد سے باز نہ آیا، ﴿ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ ﴾ ''تو ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر ضرور گھسیٹیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن اس کی پیشانی پر سیاہ داغ لگائیں گے، پھر فرمایا: ﴿ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ ﴾ ''پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔'' یعنی ابوجہل کی پیشانی جو اپنی بات میں جھوٹی اور اپنے افعال میں خطا کار ہے ﴿ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ ﴾ ''چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔'' یعنی وہ اپنی قوم کے لوگوں اور اپنے اعزہ و اقارب کو اپنی مدد کے لیے بلا لے۔ ﴿ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ ﴾ ''ہم عنقریب عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔'' ﴿ الزَّبَانِيَةَ ۝ ﴾ سے مراد عذاب کے

---

[1] مسند الفردوس: 204/3، حديث: 4577 والمعجم الكبير للطبراني: 246/1، حديث: 700 عن أنس ﷺ، نیز دیکھیے السلسلة الصحيحة: 5/40-44، حديث: 2026. [2] یہ الفاظ معمولی فرق کے ساتھ حلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني: 13,12/10، حدیث: 14320 میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہیں لیکن ضعیف ہیں، دیکھیے السلسلة الضعيفة: 611/1، حديث: 422.

فرشتے ہیں تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ کون غالب آئے گا، ہماری جماعت یا اس کی جماعت۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں نے محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن روند ڈالوں گا، نبی ﷺ کے پاس جب اس کی یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: [لَوْ فَعَلَهُ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ] ”اگر وہ ایسا کرے تو اسے فرشتے پکڑ لیں گے۔“ ① امام ترمذی اور نسائی نے بھی اپنی اپنی کتابوں کی کتاب التفسیر میں اس روایت کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ ② حافظ ابن جریر نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ③

امام احمد، ترمذی، نسائی اور ابن جریر نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے اور یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابو جہل بن ہشام کا آپ کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے کہا: اے محمد (ﷺ!) کیا میں نے تمھیں اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اور وہ آپ کو دھمکیاں دینے لگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا نہایت سختی سے جواب دیا اور اسے خوب جھڑکا تو اس نے کہا: اے محمد (ﷺ!) تم مجھے کس چیز سے ڈراتے ہو؟ اللہ کی قسم! بے شک اس وادی میں میری سب سے بڑی جماعت ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ⑰ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ⑱ ﴾ ”چنانچہ اسے چاہیے کہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے، ہم عنقریب عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر ابو جہل اپنی جماعت کے لوگوں کو بلاتا تو عذاب کے فرشتے فوراً اسے اپنی گرفت میں لے لیتے۔ امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ④

امام ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا: کیا محمد (ﷺ) تمھارے درمیان اپنے چہرے کو مٹی پر رکھتا ہے؟ کہا گیا: ہاں تو اس نے کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں نے انھیں اس طرح نماز ادا کرتے دیکھ لیا تو ان کی گردن روند ڈالوں گا اور ان کے چہرے کو مٹی میں ملا دوں گا، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آیا جب آپ نماز ادا فرما رہے تھے تا کہ آپ کی گردن کو روندے مگر اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ وہ الٹے پاؤں پھر رہا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے تو اس سے پوچھا گیا کہ یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے اور ان کے درمیان آگ کی خندق، خوف و رعب اور پر حائل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَوْ دَنَا مِنِّي لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا] ”اگر وہ میرے قریب آجاتا تو فرشتے اس کے ایک ایک عضو کو کاٹ دیتے۔“ چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہیں یا نہیں: ﴿ كَلَّآ إِنَّ

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ ﴾ (العلق96:15,16)، حدیث: 4958 تفسیر ابن کثیر میں [لَوْ] کے بجائے [لَئِنْ] ہے جو ہمیں نہیں ملا۔ ② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة اقرأ باسم ربك، حدیث: 3348 و السنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورة العلق: 518/6، حدیث: 11685. ③ تفسیر الطبری: 325/30.
④ مسند أحمد: 329/1 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة اقرأباسم ربك، حدیث: 3349 و السنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، باب سورة العلق: 518/6، حدیث: 11684 و تفسیر الطبری: 324,323/30.

﴿ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰۤى ۙ﴾ سے سورت کے آخر تک۔ [1] اسے امام احمد بن حنبل، مسلم، نسائی اور ابن ابوحاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

نبیٔ اکرم ﷺ کے لیے تسلی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ ﴾ ''ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کریں۔''یعنی اے محمد (ﷺ!) جو آپ کو عبادت کی مداومت اور کثرت سے منع کرتا ہے تو آپ اس کی بات نہ مانیں اور جہاں چاہیں نماز ادا کریں اور اس کی کوئی پروانہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ وناصر ہے۔ اور وہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا، ﴿ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ ﴾ ''اور سجدہ کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں۔'' جیسا کہ صحیح مسلم میں بطریق ابوصالح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَقۡرَبُ مَا يَكُونُ الۡعَبۡدُ مِنۡ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكۡثِرُوا الدُّعَاءَ] ''بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے، لہٰذا (سجدے میں) کثرت سے دعا کیا کرو۔'' [3] قبل ازیں یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ [4]

سورۂ علق کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ وَبِهِ التَّوۡفِيقُ وَالۡعِصۡمَةُ.

---

① تفسیر الطبری:324/30. ② مسند أحمد:370/2 و صحیح مسلم، صفات المنافقین وأحکامهم، باب قوله: ﴿ إِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰۤى ۙ﴾، حدیث:2797 و تفسیر ابن أبی حاتم:3450/10. ③ صحیح مسلم، الصلاة، باب مایقال فی الرکوع والسجود؟ حدیث: 482. ④ دیکھیے تفسیر ابن کثیر (مفصل)، الانشقاق کے تحت، نیز صحیح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة، حدیث:(109)-578 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

تفسیر سورۂ قدر

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ① وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ② لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا① اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟② لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر

شَہۡرٍ ③ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ④ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ

ہے③ اس رات میں فرشتے اور روح (جبریل) اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں④ (وہ رات) طلوع فجر تک سلامتی

1 ع 5 22 حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ⑤

(ہی سلامتی) ہے⑤

تفسیر آیات: 5-1

لیلۃ القدر کی فضیلت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے اور یہی وہ مبارک رات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ﴾ (الدخان 3:44) ''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک بہت برکت والی رات میں نازل کیا۔'' اس مبارک رات سے مراد لیلۃ القدر ہے جو ماہ رمضان کی ایک رات ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ﴾ (البقرۃ 185:2) ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کے بیت العزت میں قرآن مجید کو یک بار نازل فرما دیا تھا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے تیئیس برس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب حالات و واقعات نازل ہوتا رہا۔① پھر اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی، جسے قرآن مجید کے نزول کے لیے منتخب کیا گیا، عظمتِ شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ② لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ③﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔''

① تفسیر الطبری: 328,327/30 و تفسیر القرطبی: 130/20.

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَدُ جَاءَ كُمُ (شَهُرُ رَمَضَانَ) شَهُرٌ مُّبَارَكٌ، اِفُتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيُكُمُ صِيَامَهٗ، تُفُتَحُ فِيهِ أَبُوَابُ الُجَنَّةِ وَتُغُلَقُ فِيهِ أَبُوَابُ الُجَحِيمِ وَتُغَلُّ فِيهِ الشَّيَاطِينُ، فِيهِ لَيُلَةٌ خَيُرٌ مِّنُ أَلُفِ شَهُرٍ، مَّنُ حُرِمَ خَيُرَهَا فَقَدُ حُرِمَ] ''تمھارے پاس ماہ رمضان آگیا ہے جو ماہ مبارک ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض قرار دیے ہیں، اس میں جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے، جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جاتا ہے اور شیطانوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو اس رات کی خیر و برکت سے محروم رہا، وہ بلاشبہ بڑا محروم ہے۔''[1] اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

لیلۃ القدر کی عبادت جب ایک ہزار مہینے کی عبادت کے بقدر ہے تو اسی وجہ سے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [......مَنُ قَامَ لَيُلَةَ الُقَدُرِ إِيمَانًا وَّاحُتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنُ ذَنُبِهٖ] ''......جس شخص نے ایمان کی حالت میں حصول ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے گئے۔''[3]

لیلۃ القدر میں فرشتوں کا نزول: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴾ ''اس میں فرشتے اور روح (جبریل) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔'' یعنی اس رات کی کثرتِ برکت کی وجہ سے اس میں فرشتے بھی بکثرت نازل ہوتے ہیں کیونکہ جب برکت و رحمت نازل ہوتی ہے تو فرشتے بھی نازل ہوتے ہیں جیسا کہ تلاوت قرآن کے وقت نازل ہوتے ہیں، ذکر الٰہی کی محفلوں کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور حقیقی طالب علم کی تعظیم کے پیش نظر اپنے پروں کو اس کے لیے بچھاتے ہیں۔ روح کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہاں جبریل علیہ السلام ہیں اور یہ خاص کے عام پر عطف کے باب سے ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴾ ''ہر کام کے لیے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ رات ہر کام کے لیے سلامتی ہے۔[4] سعید بن منصور نے ﴿ سَلٰمٌ ۛ هِيَ ﴾ کے بارے میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ رات امن اور سلامتی والی ہے، شیطان اس رات کوئی برا یا کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس میں ایذا ہو۔[5] امام قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ اس رات امور کے فیصلے کیے جاتے اور عمروں اور رزقوں کے اندازے مقرر کیے جاتے ہیں،[6] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴾ (الدخان 4:44) ''اس (رات) میں ہر محکم کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''

[1] مسند أحمد : 230/2 البتہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 385/2 کے مطابق ہیں۔ [2] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على معمر فيه، حديث: 2108. [3] صحيح البخاري، كتاب و باب فضل ليلة القدر، حديث: 2014 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب فى قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760. [4] تفسير الطبري: 331/30. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 3453/10 وتفسير القرطبي: 134/20. [6] تفسير الطبري: 330/30 والدر المنثور: 628/6 وتفسير عبدالرزاق: 446/3، رقم: 3666.

فرمان الٰہی ہے: ﴿سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝۵﴾ ''وہ (رات) طلوع فجر تک سلامتی (ہی سلامتی) ہے۔'' سعید بن منصور نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں فرشتے طلوع فجر تک اہل مساجد کو سلام کہتے ہیں۔[1] اور امام قتادہ اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ﴿سَلٰمٌ ۛ هِیَ﴾ یہ ساری رات سراپا خیر ہے اور طلوعِ فجر تک اس میں کوئی شر نہیں ہے۔[2]

لیلۃ القدر کی تعیین اور علامات: اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ فِي الۡعَشۡرِ الۡبَوَاقِي، مَنۡ قَامَهُنَّ ابۡتِغَاءَ حِسۡبَتِهِنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، وَهِيَ لَيۡلَةُ وِتۡرٍ: تِسۡعٍ أَوۡ سَبۡعٍ أَوۡ خَامِسَةٍ أَوۡ ثَالِثَةٍ أَوۡ آخِرِ لَيۡلَةٍ] ''لیلۃ القدر آخری دس راتوں میں ہے جو شخص ان راتوں کو حصول ثواب کی نیت سے قیام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، یہ طاق راتوں (یعنی) نویں، ساتویں، پانچویں، تیسری راتوں میں سے کوئی ایک رات یا آخری رات ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: [إِنَّ أَمَارَةَ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ أَنَّهَا صَافِيَةٌ بَلۡجَةٌ، كَأَنَّ فِيهَا قَمَرًا سَاطِعًا سَاكِنَةٌ سَاجِيَةٌ لَّا بَرۡدَ فِيهَا وَلَا حَرَّ، وَلَا يَحِلُّ لِكَوۡكَبٍ (أَنۡ) يُّرۡمٰى بِهِ فِيهَا حَتّٰى تُصۡبِحَ، وَإِنَّ أَمَارَتَهَا أَنَّ الشَّمۡسَ صَبِيحَتَهَا تَخۡرُجُ مُسۡتَوِيَةً لَّيۡسَ لَهَا شُعَاعٌ مِّثۡلَ الۡقَمَرِ لَيۡلَةَ الۡبَدۡرِ وَلَا يَحِلُّ لِلشَّيۡطَانِ أَنۡ يَّخۡرُجَ مَعَهَا يَوۡمَئِذٍ] ''بلاشبہ لیلۃ القدر کی نشانی یہ ہے کہ یہ بالکل صاف ہوتی ہے گویا چاند اس میں چڑھا ہوا ہے، اس میں سکون اور دلجمعی ہوتی ہے، نہ اس میں سردی زیادہ ہوتی ہے اور نہ گرمی، اس میں رات بھر کوئی ستارہ ٹوٹ کر نہیں گرتا، اور بے شک اس کی نشانی یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج بالکل صاف ہوتا ہے، اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی، جیسے چودھویں رات کا چاند ہو اور شیطان کے لیے جائز نہیں کہ اس دن اس کے ساتھ نکلے۔''[3] اس کی سند حسن ہے، اس کے متن میں غرابت اور بعض الفاظ میں نکارت ہے۔

امام ابوداود نے اپنی سنن میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم فرمایا ہے کہ اس بات کا بیان کہ لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے اور پھر اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا گیا اور میں اس وقت سن رہا تھا تو آپ نے فرمایا: [هِيَ فِي كُلِّ رَمَضَانَ] ''یہ رات ہر رمضان میں ہوتی ہے۔'' اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، ہاں البتہ امام ابوداود نے یہ فرمایا ہے کہ اسے شعبہ اور سفیان نے ابواسحاق از ابن عمر رضی اللہ عنہما موقوفاً روایت کیا ہے۔[4]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا اور ہم نے

---

① تفسیر القرطبی: 134/20. ② تفسیر الطبری: 331/30. ③ مسند أحمد: 324/5 قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے۔ ④ سنن أبی داود، شهر رمضان، باب من قال: هي في كل رمضان، حدیث: 1387.

بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا تو آپ کے پاس جبریل آئے اور انھوں نے کہا کہ آپ کو جس کی تلاش ہے وہ تو آگے ہے، پھر آپ نے درمیانی عشرے کا اعتکاف فرمایا، ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا تو پھر جبریل آئے اور انھوں نے کہا کہ آپ کو جس کی تلاش ہے وہ تو آگے ہے، پھر نبی ﷺ نے رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح یہ خطبہ ارشاد فرمایا: [مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ (مَعِي) فَلْيَرْجِعْ فَإِنِّي (رَأَيْتُ) لَيْلَةَ الْقَدْرِ، وَإِنِّي (أُنْسِيتُهَا) ، وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي وِتْرٍ، وَّإِنِّي رَأَيْتُ كَأَنِّي أَسْجُدُ فِي طِينٍ وَّمَاءٍ] ''جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ پھر لوٹ آئے، میں نے لیلۃ القدر کو دیکھا تھا مگر میں اسے بھلا دیا گیا ہوں، بہرحال وہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے، میں نے دیکھا گویا میں مٹی اور پانی میں سجدہ کررہا ہوں۔'' اس وقت مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھی، ہمیں آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا اور پھر ایک بادل آیا اور بارش ہوگئی، نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی تو میں نے مٹی اور پانی کے نشانات رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک پر دیکھے جس سے آپ کے خواب کی تصدیق ہوگئی۔ (1)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اکیسویں رات کی صبح میں نے دیکھا۔ اس حدیث کو صحیح بخاری و مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔ (2) امام شافعی فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کے بارے میں یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ (3) اور بعض نے صحیح مسلم میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ لیلۃ القدر تیئیسویں رات ہے۔ (4) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ پچیسویں رات بھی ہوسکتی ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِلْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ (لَيْلَةَ الْقَدْرِ)، فِي تَاسِعَةٍ تَبْقٰى، فِي سَابِعَةٍ تَبْقٰى، فِي خَامِسَةٍ تَبْقٰى] ''اسے، یعنی لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو (یعنی) جب نویں رات باقی ہو، ساتویں باقی ہو اور پانچویں باقی ہو۔'' (5) بہت سے علماء نے اس حدیث کی شرح میں یہ کہا ہے کہ اسے طاق راتوں میں تلاش کرو اور یہی مفہوم ظاہر اور مشہور ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہوتی ہے کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے۔ (6)

امام احمد رحمہ اللہ نے زِر سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ابوالمنذر! آپ کے بھائی ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو شخص سارا سال قیام کرے وہ لیلۃ القدر کو پالے گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، انھیں

(1) صحيح البخارى، الأذان، باب السجود على الأنف فى الطين، حديث : 813 و صحيح مسلم، الصيام، باب فضل ليلة القدر......، حديث: (216)-1167، البتہ پہلی اور تیسری قوسین والا لفظ صحيح البخارى، حديث: 2018 اور دوسری قوسین والا لفظ مسند أحمد: 24/3 کے مطابق ہے۔ (2) صحيح البخارى، الاعتكاف، باب الاعتكاف فى العشر الأواخر، حديث : 2027 و صحيح مسلم، الصيام، باب فضل ليلة القدر......،حديث: 1167. (3) جامع الترمذى، الصوم، باب ماجاء فى ليلة القدر، تحت الحديث : 792 . (4) دیکھیے صحيح مسلم، الصيام، باب فضل ليلة القدر......، حديث : 1168 .
(5) صحيح البخارى، فضل ليلة القدر، باب تحرى ليلة القدر......،حديث : 2021 قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔
(6) دیکھیے صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب الندب الأكيد إلى قيام ليلة القدر ......، حديث : 762 .

یہ معلوم ہے کہ یہ ماہ رمضان کی ایک رات ہے اور یہ ستائیسویں رات ہے اور پھر انھوں نے قسم کھا کر یہ بات فرمائی تو میں نے عرض کی: آپ اسے کس طرح معلوم کرتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس علامت یا نشانی کے ساتھ جو ہمیں بتائی گئی ہے اور وہ یہ کہ اس دن جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں۔ ① اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ②

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ انتیسویں رات ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لیلۃ القدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فِي رَمَضَانَ فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَإِنَّهَا فِي وِتْرٍ (فِي) إِحْدٰى وَعِشْرِينَ أَوْثَلَاثٍ وَّعِشْرِينَ أَوْخَمْسٍ وَّعِشْرِينَ أَوْ سَبْعٍ وَّعِشْرِينَ أَوْتِسْعٍ وَّعِشْرِينَ أَوْفِي آخِرِ لَيْلَةٍ] ''یہ رات رمضان میں ہے، اسے اس کے آخری عشرے میں تلاش کرو، بلاشبہ یہ طاق راتوں میں ہے، اکیسویں یا تیئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں رات میں یا پھر آخری رات میں ہے۔'' ③ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا: [إِنَّهَا لَيْلَةُ سَابِعَةٍ أَوْتَاسِعَةٍ وَّعِشْرِينَ، إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فِي الْأَرْضِ أَكْثَرُمِنْ عَدَدِ الْحَصٰى] ''بلاشبہ یہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے، بے شک اس رات زمین میں فرشتے کنکریوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔'' ④ اس حدیث کے بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں لیکن اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابو قلابہ سے روایت کیا ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرے میں ایک رات سے دوسری رات میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ⑤ یعنی ایک سال ایک رات اور دوسرے سال دوسری کسی رات میں ہوتی ہے۔ امام ترمذی نے ابو قلابہ سے یہ جو بیان کیا ہے، یہ امام مالک، ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، مزنی، ابوبکر بن خزیمہ اور دیگر ائمہ سے بھی مروی ہے، نیز یہ امام شافعی سے بھی مروی ہے جیسا کہ قاضی نے آپ سے یہ بیان کیا ہے۔ ⑥ اور بظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

لیلۃ القدر کی دعا: مستحب یہ ہے کہ تمام اوقات میں کثرت سے دعا کی جائے خصوصاً رمضان میں، پھر رمضان کے آخری عشرے بالخصوص اس کی طاق راتوں میں تو بے حد کثرت سے دعا کی جائے اور یہ بھی مستحب ہے کہ کثرت کے ساتھ یہ دعا کی جائے: [اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي] ''اے اللہ! بے شک تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، چنانچہ مجھے معاف فرما۔'' جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں کیا دعا کروں؟ آپ نے فرمایا: [قُولِي: اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي] ''کہا کر: اے اللہ! بلاشبہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، چنانچہ مجھے معاف فرما۔'' ⑦ اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ

① مسند أحمد: 131,130/5. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب الندب الأكيد إلى قيام ليلة القدر......، حديث: 762. ③ مسند أحمد: 318/5 قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے، نیز اس حدیث میں [أَوْفِي آخِرِ لَيْلَةٍ] کے الفاظ ضعیف ہیں، دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 387/37. ④ مسند أحمد: 519/2. ⑤ جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في ليلة القدر، تحت الحديث: 792. ⑥ تفسير القرطبي: 135/20. ⑦ مسند أحمد: 182/6.

نے بطریق کہمس بن حسن از عبداللہ بن بریدہ از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ① اسے امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں بیان کیا اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ ② نیز اسے امام نسائی نے بطریق سفیان ثوری از علقمہ بن مرثد از سلیمان بن بریدہ از عائشہ رضی اللہ عنہا بھی روایت کیا ہے۔ ③

سورۂ قدر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① جامع الترمذی، الدعوات، باب فی فضل سؤال العافية والمعافاة، حديث: 3513 والسنن الكبرٰى للنسائی، التفسير، باب سورة القدر: 519/6، حديث: 11688 وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافية، حديث: 3850. ② المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير...... :530/1، حديث: 1942. ③ السنن الكبرٰى للنسائی، عمل اليوم والليلة، ب مايقول إذا وافق ليلة القدر: 219/6، حديث: 10713.

تفسیر سُورَۂ بَیِّنَہ

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ مُنۡفَكِّيۡنَ حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ الۡبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾

اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے ① اللہ کی طرف سے ایک

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا

رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھے ② جن میں درست اور معتدل احکام ہیں ③ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، ان میں تفرقہ ان کے پاس

الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ ؕ﴿۴﴾ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۙ

واضح دلیل آ جانے کے بعد پڑا ④ حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر کے، یکسو ہو کر، اس کی عبادت کریں، اور

حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ؕ﴿۵﴾

وہ نماز کو قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے ⑤

رسول اللہ ﷺ کا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو سورۂ بینہ سنانا: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾] ”بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمھارے سامنے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پڑھوں۔“ انھوں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ”ہاں۔“ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے۔[1] اسے امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی بطریق شعبہ روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:1-5

کفار اہل کتاب اور مشرکین کا حال: اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے عرب و عجم کے بتوں اور آگ کے پجاری مراد ہیں۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ

① مسند أحمد : 130/3 . ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مناقب أبي بن كعب رضي الله عنه، حديث:3809 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين و قصرها، باب استحباب قراءة القرآن على أهل الفضل......، حديث:(246)-799 وجامع الترمذي، المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل......، حديث:3792 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة البينة :520/6، حديث .11691.

وہ باز رہنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے لیے حق واضح ہو جائے۔[1] امام قتادہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[2] ﴿ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ ﴾ ''یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔'' یعنی یہ قرآن، پھر ﴿ الْبَيِّنَةُ ۝ ﴾ ''کھلی دلیل'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ ﴾ ''اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھے۔'' یعنی حضرت محمد ﷺ جو اس قرآن عظیم کی تلاوت فرماتے ہیں جو ملاءِ اعلیٰ میں پاک صحیفوں میں لکھا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ ﴾ (عبس 80:13-16) ''(وہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند کیے ہوئے، پاک کیے ہوئے ہیں، ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز، نیکوکار ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ ﴾ ''جن میں درست، معتدل احکام ہیں۔'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان پاک صحیفوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آیات کریمہ لکھی ہوئی ہیں جو بڑی مستحکم، مبنی بر عدل، سیدھی اور صاف صاف ہیں کہ ان میں غلطی کا کوئی امکان نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہیں۔[3]

اختلاف علم آنے کے بعد پیدا ہوا: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ ﴾ ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں تفرقہ ان کے پاس واضح دلیل آجانے کے بعد پڑا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:105) ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور ان کے پاس واضح احکام آجانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' ان سے مراد وہ امتیں ہیں جن پر ہم سے پہلے کتابیں نازل کی گئیں، اللہ تعالیٰ نے جب ان پر دلائل و بینات کو پورا کر دیا تو یہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنی کتابوں میں بہت زیادہ اختلاف کرنے لگ گئے جیسا کہ مختلف سندوں سے مروی حدیث میں آیا ہے: [إِنَّ الْيَهُودَ اخْتَلَفُوا عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَّإِنَّ النَّصَارٰى اخْتَلَفُوا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَّسَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ فِرْقَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً] ''بلاشبہ یہودی اکہتر (71) فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور عیسائی بہتر (72) فرقوں میں اور عنقریب یہ امت تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، سب جہنم رسید ہوں گے سوائے ایک فرقے کے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: [مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي] ''(جن کا عمل اس کے مطابق ہوگا) جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''[4]

---

[1] تفسیر الطبری: 332/30. [2] تفسیر الطبری: 332/30. [3] تفسیر الطبری: 333/30. [4] یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے، البتہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ ان مقامات پر ہے: صحیح ابن حبان، ذکر افتراق الیهود والنصارٰی...... : 140/14، حدیث: 6247 و 125/15، حدیث: 6731 و مسند أحمد: 332/2 و مسند أبی یعلی الموصلی: 317/10، حدیث: 5910 و سنن أبی داود، السنة، باب شرح السنة، حدیث: 4596 و جامع الترمذی، الإیمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة، حدیث: 2640 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب افتراق الأمم، حدیث: 3991 و المستدرك للحاكم، العلم، فصل فی توقیر العالم: 128/1، حدیث: 442,441 کلهم عن أبی هریرة ﷺ و جامع الترمذی، حدیث: 2641 و المستدرك للحاكم، حدیث: 444 کلاهما عن عبدالله بن عمرو ﷺ و سنن ابن ماجه، حدیث: 3992 عن عوف بن مالك ﷺ.

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین آتشِ جہنم میں جلیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہی لوگ مخلوق میں بدترین

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ ⑦ جَزَآؤُهُمْ

ہیں⑥ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی لوگ مخلوق میں بہترین ہیں⑦ ان کی جزا ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اس کو ملتا ہے جو اپنے

ع 1 8 23 عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۧ ⑧

رب سے ڈر گیا⑧

اللہ تعالیٰ کا حکم اخلاص عبادت تھا: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ ’’اور انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کریں۔‘‘ جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ ﴾ (الأنبیاء 21:25) ’’اور ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔‘‘ اسی لیے فرمایا: ﴿ حُنَفَآءَ ﴾ ’’یکسو ہو کر،‘‘ یعنی شرک سے بالکل الگ تھلگ ہو کر اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 16:36) ’’اور البتہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔‘‘ حنیف کی تفسیر سورۂ انعام میں قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔①

﴿ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ’’اور نماز قائم کریں۔‘‘ یہ تمام بدنی عبادتوں میں سے سب سے اشرف عبادت ہے۔ ﴿ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ ’’اور زکاۃ دیں۔‘‘ یہ فقراء اور محتاجوں کے ساتھ احسان کی بہترین صورت ہے۔ ﴿ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤ ﴾ ’’اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔‘‘ یعنی قائم و عادل ملت کا یا مستقیم و معتدل امت کا۔

تفسیر آیات:6-8

بدترین اور بہترین مخلوق اور ان کا صلہ: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اہل کتاب کے فاجر و کافر اور مشرکین جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی مخالفت کرنے والے ہیں، ان کا انجام یہ ہوگا کہ وہ روز قیامت دوزخ کی آگ میں پڑیں گے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اس سے نہ کبھی نکل سکیں گے اور نہ کبھی الگ ہو سکیں گے، ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥ ﴾ ’’یہی لوگ مخلوق میں بدترین ہیں۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس قدر مخلوقات کو پیدا فرمایا اور وجود بخشا ہے، ان میں سے سب سے بدتر مخلوق یہ لوگ ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان ابرار و نیکوکار لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جنھوں نے

① دیکھیے الأنعام، آیت: 161-163 کے تحت، نیز مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر (مفصل)، انھی آیات کے ذیل میں۔

دلوں کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان قبول کرلیا اور اپنے جسموں کے ساتھ اعمال صالحہ بجالا کر اس ایمان پر مہر تصدیق ثبت کردی کہ یہ لوگ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ اس آیت کریمہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ مخلوق میں سے اہل ایمان فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦ ﴾ ''یہی لوگ مخلوق میں بہترین ہیں۔''①

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں'' یعنی قیامت کے دن ﴿ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ﴾ ''ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔'' یعنی ان باغات سے نہ کبھی جدا ہوں گے، نہ یہ باغات ہی کبھی ختم ہوں گے اور نہ انھیں کبھی ان سے فارغ کیا جائے گا۔ ﴿ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کو یہ جو ابدی و سرمدی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، ان سے راضی ہونے کا مقام ان سب سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ نعمت ہے، ﴿ وَرَضُوا عَنْهُ ﴾ ''اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہو گئے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کو اپنے بے پایاں فضل و کرم سے جو سرفراز فرمایا تو وہ بھی اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ ﴿ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ⑧ ﴾ ''یہ (صلہ) اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈر گیا۔'' یعنی یہ صلہ اس سعادت مند کو نصیب ہو گا جس کے دل میں خشیتِ الٰہی ہو اور وہ اللہ سے اس طرح ڈرے جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اس کی اس طرح عبادت کرے گویا اسے دیکھ رہا ہے اور یہ بھی جان لے کہ اگر یہ اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو ضرور اسے دیکھ رہا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَا أُخبِرُكُم بِخَيرِ الْبَرِيَّةِ؟] ''بھلا میں تمھیں بتاؤں کہ تمام خلقت سے بہتر کون ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: [رَجُلٌ آخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، كُلَّمَا كَانَتْ هَيْعَةٌ اسْتَوٰى عَلَيْهِ، أَلَا أُخبِرُكُم بِالَّذِي يَلِيهِ؟] ''وہ شخص جو اللہ کے رستے میں اپنے گھوڑے کی لگام کو پکڑے ہوئے ہو اور جب بھی دشمن کی طرف سے کوئی خوف زدہ کر دینے والی آواز آئے تو وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ جائے، بھلا میں تمھیں بتاؤں کہ اس کے بعد بہتر کون ہے؟'' صحابہ نے عرض کی: ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: [رَجُلٌ فِي ثُلَّةٍ مِّنْ غَنَمِهِ، يُقِيمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ، أَلَا أُخبِرُكُم بِشَرِّ الْبَرِيَّةِ؟] ''وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہو اور نماز پڑھتا اور زکاۃ دیتا ہو، بھلا میں تمھیں بتاؤں کہ ساری مخلوق سے بدتر کون ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: [الَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِي بِهِ] ''وہ شخص جس سے اللہ کے نام پر مانگا جائے اور وہ نہ دے۔''②

سورۂ بینہ کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسير ابن أبي حاتم: 3454/10. ② مسند أحمد: 396/2.

تفسیر سورۂ زلزال

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ② وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③

جب زمین پورے زور سے ہلائی جائے گی ① اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی ② اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟ ③ اس دن وہ اپنے

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا

(اوپر گزرنے والے) حالات بیان کرے گی ④ کیونکہ بے شک آپ کا رب اسے (یہی) حکم دے گا ⑤ اس روز لوگ الگ الگ ہو کر لوٹیں گے تاکہ

ع 1 8 24 اَعْمَالَهُمْ ⑥ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧

انھیں ان کے اعمال دکھائے جائیں ⑥ لہٰذا جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا ⑦ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا ⑧

سورۂ زلزال کی فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے پڑھایئے، آپ نے فرمایا: [اِقْرَأْ ثَلَاثًا مِّنْ ذَاتِ ﴿الٓرٰ﴾] ''﴿الٓرٰ﴾ والی تین سورتیں پڑھ لو۔'' تو اس شخص نے عرض کی: میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، دل سخت ہو گیا ہے اور زبان ثقیل ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا: [فَاقْرَأْ مِنْ ذَاتِ ﴿حٰمٓ﴾] ''پھر حٰمٓ والی سورتیں پڑھ لو۔'' تو اس نے پھر اپنی پہلی بات دوہرائی تو آپ نے فرمایا: [اِقْرَأْ ثَلَاثًا مِّنَ الْمُسَبِّحَاتِ] ''مسبحات میں سے تین سورتیں پڑھ لو۔'' تو پھر بھی اس نے وہی جواب دیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایک جامع سورت پڑھا دیجیے تو آپ نے اسے سورۂ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ①﴾ پڑھائی حتی کہ جب آپ اسے پڑھانے سے فارغ ہو گئے تو اس شخص نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے! میں اس پر کبھی کچھ اضافہ نہیں کروں گا، پھر جب یہ آدمی پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ، أَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ] ''یہ شخص کامیاب ہو گیا، یہ شخص کامیاب ہو گیا۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [عَلَيَّ بِهِ] ''اسے میرے پاس بلاؤ۔'' جب یہ واپس آگیا تو آپ نے فرمایا: [أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحٰى جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيدًا لِّهٰذِهِ الْأُمَّةِ] ''مجھے اضحیٰ کے دن (قربانی کرنے) کا حکم بھی دیا گیا ہے (اور) اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عید قرار دے دیا ہے۔'' اس شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر میرے پاس دودھ دینے والا صرف ایک مادہ جانور ہو تو کیا اس کی قربانی کر دوں؟ آپ نے فرمایا: [لَا، وَلٰكِنَّكَ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ وَتُقَلِّمُ أَظْفَارَكَ

وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَ تَحلِقُ عَانَتَكَ فَذَاكَ تَمَامُ أُضحِيَّتِكَ عِندَاللّٰهِ (عَزَّوَجَلَّ)] ”نہیں بلکہ تم اپنے بال کاٹ دو، ناخن تراش دو، مونچھیں کاٹ دو اور زیر ناف بال صاف کر دو تو اسی سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھاری قربانی پوری ہو جائے گی۔“ ①
اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔ ②

تفسیر آیات:1-8

قیامت کے دن زمین اور لوگوں کا حال: ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ ﴾ ”جب زمین پورے زور سے ہلا دی جائے گی۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین اپنے نیچے سے حرکت کرنے لگے گی۔ ③ ﴿ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ ﴾ ”اور زمین اپنے بوجھ (باہر) نکال دے گی۔“ یعنی اس میں جو مردے مدفون ہوں گے انھیں باہر نکال دے گی جیسا کہ ائمہ سلف میں سے کئی ایک نے یہ فرمایا۔ ④ یہ آیت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الحج 22:1) ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی (ہولناک) چیز ہے۔“ نیز اس آیت کی طرح بھی ہے: ﴿ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ ﴾ (الانشقاق 84:3،4) ”اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہے اسے پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔“

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَقِيءُ الْأَرضُ أَفلَاذَ كَبِدِهَا أَمثَالَ الْأُسطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، فَيَجِيءُ القَاتِلُ فَيَقُولُ: فِي هٰذَا قَتَلتُ، وَيَجِيءُ القَاطِعُ فَيَقُولُ: فِي هٰذَا قَطَعتُ رَحِمِي، وَيَجِيءُ السَّارِقُ فَيَقُولُ: فِي هٰذَا قُطِعَت يَدِي، ثُمَّ يَدَعُونَهُ فَلَا يَأْخُذُونَ مِنهُ شَيئًا] ”زمین اپنے جگر گوشوں کو سونے چاندی کے ڈھیروں کی طرح پھینک دے گی۔ قاتل آئے گا اور کہے گا کہ میں نے اس کی وجہ سے قتل کیا تھا، قطع رحمی کرنے والا آئے گا اور کہے گا کہ میں نے اسی کی وجہ سے قطع رحمی کی تھی، چور آئے گا اور وہ کہے گا کہ اسی کی وجہ سے میرے ہاتھ کو کاٹ دیا گیا تھا، پھر وہ اسے چھوڑ دیں گے اور اس میں سے کچھ بھی نہ لیں گے۔“ ⑤

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ ﴾ ”اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟“ انسان اس کے معاملے کو تعجب سے دیکھے گا کیونکہ زمین تو پہلے ایک پرسکون اور ساکن و ثابت کرہ تھی اور یہ زمین کے اوپر رہ چکا تھا اور اب اس کے حال میں یہ تبدیلی آگئی ہے کہ یہ متحرک اور مضطرب ہوگئی ہے کیونکہ اس کے پاس اللہ کا وہ امر آچکا ہے جو اس کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے اب یہ بہت شدت سے ہل رہی ہے اور اس امر الٰہی کے بغیر اب اس کے لیے اور کوئی چارہ نہیں ہے اور پھر یہ اپنے بطن میں مدفون اگلے پچھلے تمام مردوں کو بھی باہر نکال دے گی تو اس وقت لوگوں کو اس کے معاملے سے اور بھی بہت تعجب

① مسند أحمد : 169/2. ② سنن أبي داود، شهر رمضان، باب تحزيب القرآن، حديث : 1399 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب الفضل في قراءة ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ﴾ (الملك 67:1) : 180/6، حديث: 10552. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 3455/10. ④ تفسير الطبري: 338,337/30. ⑤ صحيح مسلم، الزكاة، باب الترغيب في الصدقة ......، حديث : 1013.

ہوگا اور اب زمین کو سابقہ زمین و آسمان کے سوا کسی اور صورت میں بدل دیا جائے گا اور سب لوگ اللہ واحد و غالب کے سامنے نکل آئیں گے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤ ﴾ ''اس روز وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔'' یعنی بیان کرے گی کہ عمل کرنے والوں نے اس کی پشت پر کیا عمل کیے تھے۔

امام احمد، ترمذی اور ابو عبدالرحمٰن نسائی نے، یہ الفاظ انھی کی روایت کے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤ ﴾ اور فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا؟] ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس کے حالات سے کیا مراد ہے؟'' صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا: [فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ وَّأَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا، أَنْ تَقُولَ: عَمِلَ كَذَا وَكَذَا (يَوْمَ) كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَهٰذِهِ أَخْبَارُهَا] ''اس کے حالات سے مراد یہ ہے کہ زمین ہر بندے اور بندی کے بارے میں یہ گواہی دے گی کہ انھوں نے اس کی پشت پر کیا عمل کیے تھے، زمین ان میں سے ہر ہر شخص سے کہہ دے گی کہ اس نے فلاں فلاں دن یہ یہ اعمال کیے تھے، فرمایا: تو یہ ہیں زمین کے حالات (جو وہ بیان کرے گی۔)'' امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔ ①

فرمان الٰہی ہے: ﴿ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحٰى لَهَا ۝٥ ﴾ ''اس لیے کہ بلاشبہ آپ کے پروردگار نے اسے وحی کی ہوگی۔'' حضرت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ أَوْحٰى لَهَا ۝٥ ﴾، أَوْحٰى إِلَيْهَا، وَحٰى لَهَا اور وَحٰى إِلَيْهَا، ان سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی فرمایا ہے کہ ﴿ أَوْحٰى لَهَا ۝٥ ﴾ کے معنی أَوْحٰى إِلَيْهَا (اس کی طرف وحی کی) ہیں۔ ③ اور ظاہر ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس کی اجازت دے دی ہے۔ شبیب بن بشر نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین سے فرمائے گا کہ بات کرو تو وہ بات کرنا شروع کر دے گی۔ ④ مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ أَوْحٰى لَهَا ۝٥ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا۔ ⑤ قرظی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے یہ حکم دے گا کہ پھٹ جائے اور مردوں کو باہر نکال دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا ﴾ ''اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر لوٹیں گے۔'' یعنی حساب کے مقام سے مختلف جماعتوں اور گروہوں کی صورت میں لوٹیں گے کہ ان میں کچھ سعادت مند اور کچھ بدنصیب ہوں گے، سعادت مندوں کو جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی اور بدنصیب جہنم رسید ہوں گے۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ

---

① مسند أحمد: 374/2 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة ﴿ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ ﴾، حدیث: 3353 و السنن الکبری للنسائی، التفسیر، باب سورة الزلزلة: 520/6، حدیث: 11693 و اللفظ له البتہ قوسین والا لفظ مسند احمد کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے جبکہ سنن کبریٰ میں [فِي يَوْمٍ] ہے، نیز یہ حدیث ضعیف ہے۔ ② صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ۝ ﴾ (الزلزال 99:7)، قبل الحدیث: 4962. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 3455/10.
④ تفسیر ابن أبی حاتم: 3455/10 و الدر المنثور: 645/6. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 3455/10.

﴿ اَشْتَاتًا ﴾ کے معنی گروہ اور جماعتیں ہیں۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ ﴾ ”تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔“ یعنی دنیا میں انھوں نے جو اچھے یا برے اعمال کیے تھے وہ انھیں جان لیں اور پھر ان کے مطابق انھیں بدلہ دے دیا جائے۔

ذرہ بھر عمل کی بھی جزا ملے گی: اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ ﴾ ”لہٰذا جس نے ذرہ بھر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔“ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَّلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَّعَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي لَهٗ أَجْرٌ: فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأَطَالَ (لَهَا) فِي مَرْجٍ أَوْرَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ كَانَ لَهٗ حَسَنَاتٍ، وَّلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْشَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَّهٗ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَّسْقِيَ بِهٖ كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَّهٗ، (وَهِيَ) لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ، وَّرَجُلٌ رَّبَطَهَا تَغَنِّيًا وَّتَعَفُّفًا وَّلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهٗ سِتْرٌ وَّرَجُلٌ رَّبَطَهَا فَخْرًا وَّرِيَاءً وَّنِوَاءً فَهِيَ عَلٰى ذٰلِكَ وِزْرٌ] ”گھوڑا تین مقاصد کے لیے ہوتا ہے: ایک شخص کے لیے یہ باعثِ اجر، دوسرے کے لیے موجب ستر اور تیسرے کے لیے سبب وبال ہوتا ہے، جس شخص کے لیے یہ باعث اجر ہے، اس سے مراد وہ ہے جس نے اسے اللہ کے راستے میں باندھا، چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی کو دراز کر دیا تو وہ رسی ڈھیلی ہونے کے باعث چراگاہ یا باغ میں سے جو بھی کھائے گا وہ اس کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر وہ اس کی رسی کو کاٹ دے اور وہ ایک یا دو ٹیلے دوڑ کر عبور کر لے تو اس کے قدموں کے نشان اور لید وغیرہ بھی اس کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر یہ کسی نہر کے پاس سے گزرے اور اس سے پانی پی لے، خواہ اس کا اسے پانی پلانے کا ارادہ نہ بھی ہو تو اس کا یہ پانی پینا بھی اس کے لیے نیکیاں بن جائے گا تو یہ گھوڑا اس شخص کے لیے باعث اجر ہے اور وہ شخص جو لوگوں سے بے نیازی حاصل کرنے اور سوال کرنے سے بچنے کے لیے گھوڑے کو باندھ کر رکھتا ہے اور اس کی گردن اور پشت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو نہیں بھولتا تو یہ گھوڑا اس کے لیے موجب ستر ہے اور جو شخص گھوڑے کو فخر، ریا اور اہل اسلام کی دشمنی کے لیے باندھ کر رکھتا ہے تو یہ اس کے لیے وزر (بوجھ) ہوگا۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ (عَلَيَّ) فِيهَا (شَيْئًا) إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ : ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ ﴾] ”ان کے بارے میں سوائے اس منفرد اور جامع آیت کے اور کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ ﴾“[2]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3455/10. [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴾ (الزلزال 99:7)، حدیث: 4962، البتہ تفسیر ابن کثیر میں پہلی قوسین والے لفظ کے بجائے [طِيَلَهَا] ہے اور تیسری قوسین والا لفظ نہیں ہے، نیز دوسری قوسین والا لفظ صحیح البخاري، حدیث: 7356 اور چوتھی قوسین والا لفظ صحیح مسلم، الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ، حدیث: (26)-987 کے مطابق ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے:[اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (وَّلَوْ بِكَلِمَةٍ) طَيِّبَةٍ] ”آگ سے بچ جاؤ، خواہ آدھی کھجور کے ساتھ، خواہ اچھی بات کے ساتھ۔“① صحیح میں یہ حدیث بھی مروی ہے:[لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَّلَوْ أَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ الْمُسْتَسْقِي، وَلَوْ أَنْ (تَلْقَى) أَخَاكَ وَوَجْهُكَ إِلَيْهِ مُنْبَسِطٌ] ”کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو، خواہ اپنے ڈول سے پانی طلب کرنے والے کے برتن میں پانی ہی ڈال دو، خواہ اپنے بھائی کو خندہ پیشانی ہی سے مل لو۔“② صحیح ہی میں یہ حدیث بھی ہے:[يَا نِسَاءَ (الْمُؤْمِنَاتِ!) لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ] ”اے مومن عورتو! کوئی پڑوسن کسی دوسری پڑوسن کو حقیر نہ جانے، خواہ (وہ اس کی طرف) بکری کا پایہ ہی (بھیجے۔)“③ دوسری حدیث میں ہے:[رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُّحْرَقٍ] ”سائل کو کچھ ضرور دو، خواہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔“④

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک انگور صدقہ کیا اور فرمایا کہ اس میں تو کئی ذرے ہیں۔⑤ امام احمد نے عوف بن حارث بن طفیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:[يَا عَائِشَةُ! إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ طَالِبًا] ”اے عائشہ! چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کہ ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے باز پرس ہوگی۔“⑥ اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔⑦

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، فَإِنَّهُنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتّٰى يُهْلِكْنَهُ] ”تم چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کیونکہ یہ جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مثال بیان فرمائی کہ ان کی مثال ایسے ہے جیسے کچھ لوگوں نے جنگل میں پڑاؤ ڈالا ہو اور جب کھانا پکانے کا وقت آیا تو ایک آدمی گیا اور وہ ایک لکڑی لے آیا، پھر دوسرا گیا اور وہ بھی ایک لکڑی لے آیا، وہ ایک ایک لکڑی لاتے گئے حتی کہ اس سے لکڑیوں کا ڈھیر لگ گیا اور پھر اس کو انھوں نے آگ لگا دی اور اس آگ میں انھوں نے جو کچھ ڈالا اسے پکا لیا۔⑧

سورۂ زلزال کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① صحیح البخاری، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حدیث: 6563 البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، حدیث: 7512 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی الصدقة......، حدیث: (67)-1016 کے مطابق ہیں۔ ② مسند أحمد: 63/5 عن جابر بن سلیم الهجیمی رضی اللہ عنہ البتہ قوسین والا لفظ مسند أحمد: 64/5 کے مطابق ہے، نیز یہ حدیث اختصار کے ساتھ صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حدیث: 2626 میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ③ صحیح البخاری، الهبة وفضلها والتحریض علیها، باب فضل الهبة، حدیث: 2566 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ، البتہ قوسین والا لفظ مسند أحمد: 434/6 عن حواء رضی اللہ عنہا کے مطابق ہے۔ ④ سنن النسائی، الزکاۃ، باب رد السائل، حدیث: 2566 و مسند أحمد: 435/6 عن حواء رضی اللہ عنہا۔ ⑤ الاستذکار لابن عبدالبر، صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب: 318/26، رقم: 39784. ⑥ مسند أحمد: 151/6. ⑦ سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر الذنوب، حدیث: 4243 امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے کتاب الرقائق میں ذکر کیا ہے، دیکھیے تحفة الأشراف: 647/11، حدیث: 17425. ⑧ مسند أحمد: 403,402/1.

تفسیر سورۂ عٰدیٰت

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ① فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ② فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④

ہانپتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والوں (گھوڑوں) کی قسم ① پھر سم مار کر چنگاریاں نکالنے والوں کی ② پھر صبح کے وقت حملہ کرنے والوں کی ③ پھر اس وقت وہ

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ⑤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ⑦

گرد و غبار اڑاتے ہیں ④ پھر اس وقت وہ (دشمن کی) جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں ⑤ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ⑥ اور بے شک وہ

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ⑧ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا

اس بات پر (خود بھی) گواہ ہے ⑦ اور بے شک وہ مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہے ⑧ کیا پھر وہ نہیں جانتا جب نکال باہر کیا جائے گا جو کچھ قبروں

فِي الصُّدُوْرِ ⑩ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ⑪ ع 1/11/25

میں ہے ⑨ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے ⑩ بے شک ان کا رب اس دن ان (کے حال) سے خوب آگاہ ہوگا ⑪

تفسیر آیات: 1-11

انسان کی ناشکری اور حرص پر جنگی گھوڑوں کی قسم: اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑوں کی قسم کھائی ہے جنھیں اس کے رستے میں دوڑایا جائے تو وہ سرپٹ دوڑتے ہوئے ہانپنے لگیں، تیز دوڑتے ہوئے ہانپنے کی وجہ سے گھوڑے سے جو آواز سنی جاتی ہے، اسے ضَبْحَة کہتے ہیں۔ ﴿فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ②﴾ ”پھر سم مار کر چنگاریاں نکالنے والوں کی۔“ یعنی ان کے نعل جب پتھر کی چٹانوں سے ٹکراتے ہیں تو ان سے آگ نکلنے لگتی ہے۔ ﴿فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③﴾ ”پھر صبح کے وقت حملہ کرنے والوں کی۔“ یعنی صبح کے وقت چھاپا مارتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا کہ آپ بوقت صبح چھاپا مارا کرتے تھے، آپ صبح تک انتظار اس لیے فرماتے تا کہ صبح کی اذان سے آبادی کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا اندازہ فرمالیں، اگر آپ اذانِ فجر سن لیتے تو چھاپا نہ مارتے اور اگر نہ سنتے تو پھر چھاپا مارتے تھے۔ ①

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④﴾ ”پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں۔“ یعنی گھوڑوں کی معرکہ آرائی کے

---

① دیکھیے صحیح مسلم، الصلاة، باب الإمساك عن الإغارة على قوم في دار الكفر……، حديث: 382 عن أنس بن مالك ﷺ.

مقام پر گرد اٹھنے لگتا ہے۔ ﴿ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥ ﴾ ”پھر اس وقت وہ (دشمن کی) جماعت کے درمیان جا گھستے ہیں۔“ یعنی ایسے مقام پر تمام کے تمام جا گھستے ہیں۔ فرمان الٰہی: ﴿ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صبح کے وقت اللہ کے رستے میں جہاد کرتے ہوئے گھوڑوں کا حملہ کرنا ہے۔ [1] اور ﴿ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤ ﴾ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں گھوڑے اتر کر گرد اٹھا رہے ہوں اور ﴿ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥ ﴾ کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور عطاء، عکرمہ، قتادہ اور ضحاک نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد دشمن کافروں کی فوج میں جا گھسنا ہے۔ [2]

﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦ ﴾ ”بلاشبہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔“ یہ ہے وہ بات جس پر یہ قسمیں کھائی گئی ہیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا ناشکرا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابراہیم نخعی، ابو الجوزاء، ابو العالیہ، ابو الضحیٰ، سعید بن جبیر، محمد بن قیس، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور ابن زید فرماتے ہیں کہ کَنُود کے معنی ناشکرا ہیں۔ [3] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کَنُود اس کو کہتے ہیں جو مصیبتوں کو تو گن گن کر یاد رکھے مگر اپنے اوپر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جائے۔ [4] ﴿ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ ﴾ ”اور بلاشبہ وہ اس بات پر یقیناً (خود) گواہ ہے۔“ امام قتادہ رحمہ اللہ اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ انسان کی اس ناشکری پر گواہ ہے۔ [5] اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ضمیر کا مرجع خود انسان ہی ہو، یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ [6] تو اس صورت میں اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ بے شک انسان اپنے ناشکرا ہونے پر خود گواہ ہے، یعنی زبان حال سے کہ اس کے اقوال اور افعال سے ظاہر ہے کہ وہ ناشکرا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ ﴾ (التوبة 9:17) ”مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔“

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨ ﴾ ”اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں یقیناً بہت سخت ہے۔“ اس آیت کریمہ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے اور دوسرے یہ کہ مال کی محبت کی وجہ سے وہ بہت زیادہ حریص اور بخیل ہے اور یہ دونوں معنی صحیح ہیں۔

خوف آخرت: پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت پیدا کرتے ہوئے اور اس حالت کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے اور انسان مستقبل میں جن ہولناکیوں سے دوچار ہونے والا ہے، ان سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ ﴾ ”کیا پھر وہ نہیں جانتا جب نکال باہر کیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے۔“ یعنی جو مردے قبروں

[1] تفسیر الطبری: 350,349/30 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3458,3457/10 . [2] تفسیر الطبری: 352/30 . [3] تفسیر الطبری: 354,353/30 و تفسیر الماوردی: 325/6 . [4] تفسیر الطبری: 353/30 . [5] تفسیر الطبری: 355/30 . [6] تفسیر ابن أبی حاتم: 3458/10 .

میں ہیں سب باہر نکال لیے جائیں گے۔ ﴿ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝10 ﴾ ”اور جو کچھ سینوں میں ہے، وہ ظاہر کر دیا جائے گا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اپنے نفسوں میں جو کچھ وہ چھپاتے تھے، اسے بالکل نمایاں اور ظاہر کر دیا جائے گا۔[1] ﴿ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝11 ﴾ ”بے شک ان کا پروردگار اس روز ان (کے حال) سے خوب آگاہ ہوگا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہوگا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے اور پھر ان کے اعمال کے مطابق وہ انھیں پورا پورا بدلہ بھی دے گا اور کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا۔

سورۂ عادیات کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] تفسیر الطبری :30/356,357 .

تفسیر سُورَۂ قارِعَه

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

کھڑکھڑا دینے والی ① کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی! ② اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟ ③ جس دن لوگ (ایسے) ہو جائیں

الْمَبْثُوْثِ ④ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑥ فَهُوَ فِيْ

گے جیسے بکھرے ہوئے پروانے ④ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون جیسے ہو جائیں گے ⑤ پھر جس شخص کے پلڑے بھاری ہو گئے ⑥ تو وہ (اپنی) پسند

عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ⑦ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑧ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ⑨ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩

کی زندگی میں ہو گا ⑦ اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہو گئے ⑧ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ (گڑھا) ہو گا ⑨ اور آپ کو کیا معلوم کہ ''ہاویہ'' کیا ہے؟ ⑩

ع 1 11 26 نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

(وہ) سخت دہکتی ہوئی آگ ہے ⑪

تفسیر آیات: 1-11

لوگ پتنگوں کی طرح بکھر جائیں گے: ﴿ اَلْقَارِعَةُ ① ﴾ ''کھڑکھڑا دینے والی۔'' یہ روز قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ ﴿ اَلْحَآقَّةُ ﴾ (الحآقّة 1:69)، ﴿ الطَّآمَّةُ ﴾ (النّٰزعٰت 34:79)، ﴿ الصَّآخَّةُ ﴾ (عبس 33:80) اور ﴿ الْغَاشِيَةِ ﴾ (الغاشية 1:88) وغیرہ قیامت کے مختلف نام ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملے کو بہت سنگین اور اس کی دہشت کو بہت ہولناک قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③ ﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟'' پھر خود ہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ④ ﴾ ''جس دن لوگ (ایسے) ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔'' یعنی پھیل جانے، جدا جدا ہو جانے اور حیرت کی وجہ سے ادھر ادھر آنے جانے سے ایسے دکھائی دیں گے جیسے وہ بکھرے ہوئے پتنگے ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴾ (القمر 7:54) ''جیسے وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہوں۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤ ﴾ ''اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون جیسے ہو جائیں گے۔'' یعنی پہاڑ اس طرح ہو جائیں گے جس طرح دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اون ہو جو ادھر ادھر اڑ کر بکھر رہی ہو۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، عطاء خراسانی، ضحاک اور سدی فرماتے ہیں کہ

﴿ كَالْعِهْنِ ﴾ کے معنی اون ہیں۔ ①

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عمل کرنے والے کس قسم کے انجام سے دوچار ہوں گے اور اپنے اعمال کے مطابق وہ کس طرح عزت اور ذلت کے مستحق قرار پائیں گے، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ ﴾ ''پھر لیکن جس شخص کے پلڑے بھاری ہو گئے۔'' یعنی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی ﴿ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ ﴾ ''تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔'' یعنی جنت میں، ﴿ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ ﴾ ''اور لیکن جس شخص کے پلڑے ہلکے ہو گئے۔'' یعنی برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں گی ﴿ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ ''تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔'' اس کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں کہ وہ اپنے سر کے بل جہنم کی آگ میں گرے گا۔ اسے اس کے ''أُمُّ الرَّأْسِ'' ، یعنی دماغ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ابوصالح اور امام قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ② امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے سر کے بل جہنم کی آگ میں گرے گا۔ ③ ابوصالح نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جہنمی اپنے سروں کے بل جہنم میں گریں گے۔ ④ اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اس کی ماں جس کی طرف یہ لوٹے گا اور قیامت کے دن جس کے پاس ٹھکانا حاصل کرے گا، وہ ﴿ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ ہے اور ﴿ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ﴿ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ کو ''أم'' اس لیے کہا کہ اس کے سوا اس کا کوئی اور ٹھکانا ہی نہیں ہوگا۔ ⑤ ابن زید بھی فرماتے ہیں کہ ﴿ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ سے مراد جہنم ہے، یہی اس کی ماں اور اس کا وہ ٹھکانا ہوگا جس کی طرف وہ رجوع کرے گا اور پھر انھوں نے قرآن مجید کے یہ الفاظ پڑھے: ﴿ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ﴾ (ال عمرٰن 3:151) ''اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' ⑥ امام ابن ابوحاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ سے مراد جہنم ہے اور یہی ان کا ٹھکانا ہوگا۔ ⑦ اسی لیے خود بھی اللہ تعالیٰ نے ﴿ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ ﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ (وہ) سخت دہکتی ہوئی آگ ہے۔'' یعنی جس کی حرارت بہت شدید ہے اور بہت طاقت اور قوت سے بھڑک رہی ہے۔

جہنم کی آگ کی شدت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَارُ بَنِي آدَمَ الَّتِي (تُوقِدُونَ) جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ] ''بنو آدم کی یہ آگ جسے تم جلاتے ہو، یہ جہنم کی آگ کے ستر اجزا میں سے ایک جز ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دنیا کی آگ جلانے کے لیے کافی تھی؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا] ''بے شک اس آگ کو دنیا کی آگ سے انہتر گنا زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔'' ⑧ اسے امام بخاری اور

---

① تفسير الطبري: 359/30 و 90/29 . ② تفسير الطبري: 361,360/30 و تفسير القرطبي: 167/20 . ③ تفسير الطبري: 361/30 . ④ تفسير الطبري: 360/30 . ⑤ تفسير الطبري: 361/30 . ⑥ تفسير الطبري: 361/30 .
⑦ تفسير الطبري: 360/30 . ⑧ الموطأ للإمام مالك، جهنم، باب ماجاء في صفة جهنم: 388/2، حديث: 1923، و اللفظ له، البتہ قوسین والا لفظ صحيح ابن حبان، ذكر الإخبار عن وصف النار التي أعدت......: 503/16، حديث: 7462 کے مطابق ہے۔

مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[1] اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا، كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا] ''اسے انہتر گنا زیادہ فضیلت دی گئی ہے اور یہ تمام درجے اس کی حرارت کی طرح گرم ہیں۔''[2] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [(إِنَّ أَهْوَنَ) أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا (مَّنْ لَّهُ) نَعْلَانِ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ] ''جہنمیوں میں سے سب سے ہلکا عذاب اسے ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے مگر شدت حرارت کی وجہ سے اس کا دماغ تک کھولتا ہوگا۔''[3]

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ: (يَا) رَبِّ! أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ (فِي الشِّتَاءِ مِنْ بَرْدِهَا) وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ (فِي الصَّيْفِ مِنْ حَرِّهَا)] ''آگ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی تو کہنے لگی: میرے پروردگار! میرے بعض حصوں نے بعض کو کھالیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دے دی، ایک سانس موسم سرما میں اور دوسری سانس موسم گرما میں تو جو سخت سردی تم موسم سرما میں پاتے ہو، یہ اس (جہنم) کی سردی ہے اور جو سخت گرمی تم موسم گرما میں پاتے ہو، یہ اس کی گرمی سے ہے۔''[4] صحیح بخاری و مسلم ہی میں یہ حدیث بھی ہے کہ [إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا (عَنِ الصَّلَاةِ) فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ] ''جب گرمی شدید ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے ادا کیا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔''[5]

سورۂ قارعہ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3265 و صحيح مسلم، الجنة و صفة نعيمها وأهلها، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2843. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2843 . ③ مسند أحمد: 432/2 ، البتہ دونوں قوسوں والے الفاظ صحيح مسلم، الإيمان، باب أهون أهل النار عذابا، حديث: (364)-213 عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں۔ ④ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3260 و صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الإبراد بالظهرفى شدة الحر......، حديث: 617 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، البتہ پہلی قوسین والا لفظ صحيح البخاري، حديث: 537 اور صحيح مسلم کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے، نیز دوسری اور تیسری قوسین والے الفاظ ہمیں نہیں ملے، تاہم صحيح مسلم، حديث: (187)-617 میں دوسری قوسین والے الفاظ کے بجائے [مِنْ بَرْدٍ أَوْ زَمْهَرِيرٍ فَمِنْ نَّفَسِ جَهَنَّمَ] اور تیسری قوسین والے الفاظ کے بجائے [مِنْ حَرٍّ أَوْ حَرُورٍ فَمِنْ نَّفَسِ جَهَنَّمَ] کے الفاظ ہیں جو ان کے ہم معنی ہیں۔ ⑤ صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر فى شدة الحر، حديث: 536 و صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب الإبراد بالظهر فى شدة الحر......، حديث: 615 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، البتہ قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، حديث: (181)-615 کے مطابق ہیں۔

تفسیر سُورَۂ تکاثُر

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ④

باہم بہتات کی حرص نے تمھیں غافل کر دیا① یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے② ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے③ پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو

كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ⑦ ثُمَّ

گے④ ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لو⑤ یقیناً تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے⑥ پھر یقیناً تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے⑦ پھر اس

لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ⑧ ع 1/8/27

دن یقیناً تم سے نعمتوں کی بابت ضرور سوال کیا جائے گا⑧

تفسیر آیات:1-8

دنیا سے محبت اور آخرت سے غفلت کا نتیجہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمھیں دنیا کی محبت، دنیا کی نعمتوں اور دنیا کی رعنائی و زیبائی نے آخرت کی طلب و جستجو سے غافل کر دیا ہے اور تمھاری غفلت کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے حتی کہ تمھیں موت آجاتی ہے اور تم قبروں میں چلے جاتے اور اہل قبور میں شمار ہونے لگتے ہو۔ صحیح بخاری کی کتاب الرقاق میں حضرت انس بن مالک اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم اسے قرآن میں سے سمجھتے تھے: [لَوۡ (كَانَ) لِابۡنِ آدَمَ (وَادٍ) مِّنۡ ذَهَبٍ......] ''اگر ابن آدم کے لیے سونے کی ایک وادی ہو......'' یہاں تک کہ ﴿اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ①﴾ ''باہم بہتات کی حرص نے تمھیں غافل کر دیا۔'' نازل ہوگئی۔ ①

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﴿اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ①﴾ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: [يَقُولُ ابۡنُ آدَمَ: مَالِي مَالِي وَهَلۡ لَّكَ مِنۡ مَّالِكَ إِلَّا مَا أَكَلۡتَ فَأَفۡنَيۡتَ أَوۡ لَبِسۡتَ فَأَبۡلَيۡتَ أَوۡ تَصَدَّقۡتَ فَأَمۡضَيۡتَ] ''ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ ہے جو تو نے کھایا اور ہضم کر لیا یا پہن لیا اور بوسیدہ کر لیا یا صدقہ کیا اور اسے آگے بھیج دیا۔'' ② اسے امام مسلم، ترمذی

① صحیح البخاری، الرقاق، باب مایتقی من فتنة المال، حدیث:6440,6439، البتہ پہلی قوسین والا لفظ صحیح البخاری، حدیث:6436 اور دوسری قوسین والا لفظ حدیث:6437 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ ② مسند أحمد: 24/4.

اورنسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ①

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقُولُ الْعَبْدُ: مَالِي، مَالِي، (وَ)إِنَّمَا لَهُ مِنْ مَّالِهِ ثَلَاثٌ: مَّا أَكَلَ فَأَفْنٰى، أَوْلَبِسَ فَأَبْلٰى، أَوْ (تَصَدَّقَ) فَاقْتَنٰى وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّتَارِكُهُ لِلنَّاسِ] ''بندہ کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف تین طرح کا ہے، جواس نے کھایا اور ہضم کرلیا یا پہنا اور بوسیدہ کرلیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ خود چل بسنے والا اور اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''اس روایت کو صرف امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے، ② امام بخاری رحمہ اللہ نے نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقٰى مَعَهُ وَاحِدٌ، يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ، فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقٰى عَمَلُهُ] ''تین چیزیں میت کے ساتھ جاتی ہیں جن میں سے دو واپس آجاتی ہیں اور ایک اس کے پاس ہی رہتی ہے، اس کے ساتھ اس کا اہل، اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے، اہل و مال واپس آجاتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔'' ③ اسے اسی طرح امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ④ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَبْقٰى مِنْهُ اثْنَتَانِ: اَلْحِرْصُ وَالْأَمَلُ] ''ابن آدم بوڑھا ہوجاتا ہے مگر اس کی دو چیزیں حرص اور امید جوان رہتی ہیں۔'' ⑤ اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ⑥

جہنم دیکھنے اور نعمتوں کے بارے میں پرسش سے وعید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④ ﴾ ''ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے، پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید کے بعد پھر وعید ہے۔ ⑦ ضحاک فرماتے ہیں کہ پہلے کافروں سے کہا گیا: ﴿ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ﴾ ''ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے۔'' اور پھر مومنوں سے کہا گیا: ﴿ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④ ﴾ ''پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے۔'' ⑧ فرمان الٰہی ہے: ﴿ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ ﴾ ''ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لو۔'' یعنی اگر تمھیں اس طرح علم ہوتا

---

① صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن......]، حديث:2958 و جامع الترمذي، الزهد، باب منه حديث: [يقول ابن آدم......]، حديث:2342 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة التكاثر:521/6، حديث: 11696. ② صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن......]، حديث: 2959، البتہ پہلی اور دوسری قوسین والے الفاظ صحيح ابن حبان، ذكر الإخبار عمايكون للمرء......:121/8، حديث:3328 کے مطابق ہیں، نیز تفسیر ابن کثیر میں [فَهُوَ ذَاهِبٌ] کے بجائے [فَذَاهِبٌ] ہے جو ہمیں نہیں ملا۔ ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب سكرات الموت، حديث : 6514. ④ صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن......]، حديث:2960 و جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء مثل ابن آدم......، حديث:2379 و سنن النسائي، الجنائز، باب النهي عن سب الأموات، حديث:1939. ⑤ مسند أحمد: 119/3. ⑥ صحيح البخاري، الرقاق، باب من بلغ ستين سنة......، حديث:6421 و صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة الحرص على الدنيا، حديث:1047. ⑦ تفسير البغوي:299/5. ⑧ تفسير الطبري:364/30.

جس طرح علم ہونے کا حق ہے تو مال کی یہ بہت سی طلب تمھیں آخرت کی طلب وجستجو سے اس طرح غافل نہ کر دیتی کہ تم قبروں میں جا پہنچتے۔

پھر فرمایا: ﴿ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝٧ ﴾ ’’یقیناً تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے، پھر یقیناً تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔‘‘ یہ سابقہ وعید ﴿ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝٤ ﴾ ہی کی تفسیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اس حال کے ساتھ وعید سنائی ہے کہ جہنمی جب جہنم کو دیکھیں گے تو وہ ایک ایسا سانس لے گا کہ خوف، عظمت اور ہیبت و ہولناکی کی وجہ سے ہر ملک مقرب اور نبیٔ مرسل بھی اپنے دونوں گھٹنوں پر گر جائیں گے جیسا کہ اس کے بارے میں ایک اثر میں مروی ہے۔ ①

فرمان الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝٨ ﴾ ’’پھر یقیناً تم اس روز نعمت کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے۔‘‘ یعنی پھر اس دن تم سے سوال کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں صحت، امن اور رزق وغیرہ کی صورت میں جو نعمتیں عطا فرمائیں، تم نے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا یا نہیں کیا اور تم اس کی عبادت بجا لاتے رہے یا نہیں؟ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے کہ ان دونوں کے پاس نبیٔ اکرم ﷺ بھی جلوہ افروز ہو گئے تو آپ نے فرمایا: [مَا أَجْلَسَكُمَا هٰهُنَا؟] ’’تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟‘‘ انھوں نے جواب دیا: اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! ہمیں بھوک نے اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا: [وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ! مَا أَخْرَجَنِي غَيْرُهُ] ’’اس ذات اقدس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! مجھے بھی بھوک ہی نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔‘‘

پھر تینوں چل پڑے حتی کہ ایک انصاری کے گھر میں آ گئے تو خاتونِ خانہ نے ان کا استقبال کیا تو نبیٔ اکرم ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: [أَيْنَ فُلَانٌ؟] ’’فلاں (تیرا شوہر) کہاں ہے؟‘‘ اس نے جواب دیا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہے، اتنے میں وہ شخص مشکیزہ اٹھائے ہوئے آ گیا اور اس نے کہا: خوش آمدید! اللہ کے نبی نے آج مجھے جو شرفِ زیارت سے سرفراز فرمایا ہے، آپ سے افضل کسی اور مہمان نے کبھی بندگان الٰہی کو ایسے شرف سے نہیں نوازا، اس نے کھجور کے درخت کی خشک شاخ پر اپنے مشکیزے کو لٹکا دیا اور فوراً جا کر کھجور کی ایک شاخ توڑ لایا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [أَلَا كُنْتَ اجْتَنَيْتَ؟] ’’تم نے کھجوریں چن کیوں نہ لیں؟‘‘ اس نے عرض کی کہ میں نے اس بات کو پسند کیا کہ آپ اپنے حسب ذوق کھجوروں کا انتخاب فرمائیں، پھر اس نے جانور ذبح کرنے کے لیے چھری کو پکڑ لیا تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: [إِيَّاكَ وَالْحَلُوبَ] ’’دیکھو، دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا۔‘‘ اس نے جانور ذبح کر دیا اور ان مقدس مہمانوں نے کھانا کھایا تو نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمُ الْجُوعُ، فَلَمْ تَرْجِعُوا حَتّٰى أَصَبْتُمْ هٰذَا، فَهٰذَا مِنَ

① تفسير ابن أبي حاتم: 2668/8 و تفسير الطبري: 247/18 و تفسير عبدالرزاق: 452/2، رقم: 2079 عن عبيد بن عمير الليثي.

النَّعِیمِ] ''ان نعمتوں کے بارے میں قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا، بھوک کی شدت نے تمھیں گھروں سے نکالا تھا مگر اب ان نعمتوں سے شاد کام ہو کر اپنے گھروں کو واپس جا رہے ہو۔''① اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔②

صحیح بخاری، سنن ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ] ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ غفلت میں مبتلا ہیں، صحت اور فرصت۔''③ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور ان کے شکر واجب کو ادا نہیں کرتے اور جو اپنے اوپر لازم حق کو ادا نہ کرے وہ غافل ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ـ قَالَ عَفَّانَ: يَوْمَ الْقِيَامَةِ ـ يَا ابْنَ آدَمَ! حَمَلْتُكَ عَلَى الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ وَزَوَّجْتُكَ النِّسَاءَ وَجَعَلْتُكَ تَرْبَعُ وَتَرْأَسُ، فَأَيْنَ شُكْرُ ذٰلِكَ؟] ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا راوی عفان کہتے ہیں: قیامت کے دن کہ اے ابن آدم! میں نے تجھے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار کیا، عورتوں سے تیری شادی کرائی اور تجھے نعمتوں میں پلنے بڑھنے اور سرداری کرنے کا موقع دیا تو کیا تو نے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا؟'' اس حدیث کو بیان کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ متفرد ہیں۔④

سورۂ تکاثر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسیر الطبری : 367,366/30، البتہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے قسم کھانے کا ذکر صحیح مسلم، حدیث: (140)-2038 میں ہے۔
② صحیح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غيره......، حدیث:2038. ③ صحیح البخاری، الرقاق، باب الصحة والفراغ......، حدیث:6412 وجامع الترمذی، الزهد، باب الصحة والفراغ......، حدیث:2304 وتحفة الأشراف :394/4، حدیث:5666 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الحكمة، حدیث:4170. ④ مسند أحمد :492/2.

تفسیر سُورَۂ عصر

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالۡعَصۡرِ ① اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ② اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬

زمانے کی قسم ① بے شک انسان خسارے میں ہے ② سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین

وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ③ ع 1 3 28

کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی ③

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سورۂ عصر سے قرآن کا اعجاز معلوم کرنا: ائمۂ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن عاص مسیلمہ کذاب کے پاس گئے، یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تو ہو چکی تھی مگر عمرو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مسیلمہ نے عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آج کل تمھارے ساتھی پر کیا نازل ہوا ہے؟ عمرو نے جواب دیا کہ آپ پر ایک مختصر مگر بہت ہی بلیغ سورت نازل ہوئی ہے، اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو انھوں نے سورۂ عصر پڑھ کر سنا دی تو مسیلمہ نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہنے لگا کہ اس طرح کی سورت تو مجھ پر بھی نازل ہوئی ہے، عمرو نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو مسیلمہ نے کہا: [يَاوَبْرُ! يَا وَبْرُ! إِنَّمَا أَنْتَ أُذُنَانِ وَصَدْرٌ، وَسَائِرُكَ حَقْرٌ نَقْرٌ] ''اے وَبْر! اے وَبْر! تیرے دو کان اور ایک سینہ ہے اور باقی تیرا سارا جسم حقیر، بے ہنگم اور بے ڈول ہے۔'' پھر اس نے پوچھا: عمرو! تمھاری کیا رائے ہے؟ تو عمرو نے اسے جواب دیا: اللہ کی قسم! تو جانتا ہے کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ ①

ابو بکر خرائطی نے بھی اپنی مشہور و معروف کتاب مساوئ الأخلاق کی دوسری جلد میں اس واقعے کو قریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔ ② وَبْر ایک چھوٹا سا جانور ہے جو بلی سے مشابہت رکھتا ہے، اس کے جسم کا بڑا حصہ دو کانوں اور سینہ پر مشتمل ہوتا ہے اور باقی حصہ بہت چھوٹا اور بدصورت ہوتا ہے۔ مسیلمہ نے یہ اول فول بک کر قرآن کا مقابلہ کرنا چاہا تھا مگر اس سے تو وہ شخص بھی قائل نہ ہوا جو اس وقت ابھی بتوں کا پجاری تھا۔ امام طبرانی نے عبداللہ بن حصن ابو مدینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے دو شخص جب بھی آپس میں ملاقات کرتے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ایک دوسرے کو

---

① جامع العلوم والحكم لابن رجب :285/1، تحت الحديث:11 مختصراً. ② مساوئ الأخلاق للخرائطى، باب الرجل: يورى عن الكذب بمعاريض الكلام :179/1(C.D) .

مکمل سورۂ عصر نہ سنا دیتے اور پھر ایک دوسرے کو سلام کہہ کر رخصت ہو جاتے۔ [1] امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ اگر اس سورت پر غور کریں تو ہدایت و رہنمائی کے لیے یہ کافی ثابت ہو۔

تفسیر آیات:1-3

﴿ الْعَصْرِ ① ﴾ کا مفہوم اور خسارے سے مستثنیٰ لوگ: عصر سے مراد یہ زمانہ ہے جس میں بنو آدم سے اچھی یا بری حرکات سرزد ہوتی ہیں، امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اس سے شام کا وقت مراد ہے، [2] لیکن مشہور پہلا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر قسم کھائی ہے کہ انسان خسارے اور ہلاکت میں ہے۔ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔'' یعنی جنس انسان میں سے وہ لوگ خسارے سے مستثنیٰ ہیں جو اپنے دلوں کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے اعضاء کے ساتھ عمل کر کے اس ایمان پر مہر تصدیق ثبت کی، ﴿ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ ﴾ ''اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی'' اس سے مراد طاعات کو بجالانا اور محرمات کو ترک کرنا ہے۔ ﴿ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ ﴾ ''اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔'' یعنی مصائب و اقدار پر صبر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کو پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرنے کی تاکید کرتے رہے۔

سورۂ عصر کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① المعجم الأوسط للطبرانی: 36/4، حدیث: 5124. تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں ابو مدینہ کا نام عبیداللہ بن حصن اور بعض میں عبیداللہ بن حفص ہے لیکن درست نام وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے جیسا کہ المعجم الأوسط کے مذکورہ حوالے میں علی بن مدینی رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کا یہ نام مذکور ہے۔ ② تفسیر الطبری: 371/30 عن الحسن.

تفسیر سُورۂ ہُمَزہ

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ ② يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ

ہر طعنہ زن، عیب جو کے لیے ہلاکت ہے① جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا② وہ سمجھتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ

اَخْلَدَهٗ ۚ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ ④ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ ⑥

رکھے گا③ ہرگز نہیں! اسے ضرور حُطَمَہ میں پھینکا جائے گا④ اور آپ کو کیا معلوم کہ حُطَمَہ کیا ہے؟⑤ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے⑥

ع 1/9/29 الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ ⑦ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ ⑧ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۧ ⑨

جو دلوں تک پہنچے گی⑦ بے شک وہ (آگ) ان پر (ہر طرف سے) بند کر دی جائے گی⑧ لمبے لمبے ستونوں میں⑨

تفسیر آیات:1-9

چغل خور اور مال ومنال کے حریص کا انجام: ھَمّاز وہ ہوتا ہے جو قول کے ساتھ اور لَمّاز وہ ہوتا ہے جو فعل کے ساتھ طعن آمیز اشارے کرے، یعنی وہ لوگوں کو حقیر اور کم مرتبہ جانتے ہوئے ایسا کرتا ہے، اس کی تفصیل قبل ازیں ارشاد باری تعالیٰ ﴿هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۙ﴾ (القلم 68:11) ”بڑا ہی عیب جُو چلتا پھرتا چغل خور ہے۔“ کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿هُمَزَةٍ﴾، ﴿لُّمَزَةِ ۙ①﴾ طعن کرنے والے اور عیب جوئی کرنے والے کو کہتے ہیں۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿هُمَزَةٍ﴾ اس اشارے کو کہتے ہیں جو ہاتھ اور آنکھ سے ہو اور ﴿لُّمَزَةِ ۙ①﴾ اسے کہتے ہیں جو زبان سے ہو۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ②﴾ ”جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔“ یعنی مختلف قسم کا مال جمع کرتا رہا اور اس کی تعداد کو شمار کرتا رہا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ○﴾ (المعارج 70:18) ”اور (مال) جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا۔“ یہ سدی اور امام ابن جریر کا قول ہے۔[4] اور محمد بن کعب قرظی ﴿جَمَعَ

① دیکھیے القلم، آیت: 11 کے ذیل میں۔ ② تفسیر الطبری: 375/30، اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿لُّمَزَةِ ۙ①﴾ کے معنی ”غیبت کرنے والا“ منقول ہیں و تفسیر القرطبی: 181/20. ③ تفسیر الطبری: 376/30، البتہ اس میں مجاہد سے ﴿هُمَزَةٍ﴾ کے معنی صرف ہاتھ سے اشارہ کرنے کے منقول ہیں۔ ④ تفسیر ابن أبي حاتم: 3463/10 و تفسیر القرطبی: 183/20 و تفسیر الطبری: 377/30.

﴿ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دن کو اس کا مال اسے غافل رکھتا ہے، کبھی اس مال کی فکر اور کبھی اُس کی اور جب رات آتی ہے تو اس طرح سوجاتا ہے گویا بدبودار لاش ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ ﴾ ''وہ سمجھتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔'' یعنی وہ خیال یہ کرتا ہے کہ اس کا مال جمع کر کے رکھنا ہی یہاں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے کا سبب بنے گا، ﴿ كَلَّا ﴾ ''ہرگز نہیں۔'' یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح اس نے خیال اور گمان کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ ﴾ ''یقیناً وہ ضرور حُطَمة میں پھینکا جائے گا۔'' یعنی یہ شخص جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے اسے ایک دن ضرور حُطَمة میں پھینکا جائے گا۔ حُطَمَة جہنم کی آگ کے اسماء میں سے ایک اسم صفت ہے کیونکہ یہ ہر اس چیز کو توڑ پھوڑ دیتی ہے جو اس میں ہوتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ ﴾ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ حُطَمَة کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچے گی۔'' ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ وہ آگ انھیں دلوں تک جلا دے گی، حالانکہ وہ زندہ ہوں گے، پھر فرماتے ہیں کہ انھیں اس طرح شدید عذاب ہوگا اور پھر وہ زاروقطار رونے لگ گئے۔[1]

محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آگ اس کے جسم کے ہر حصے کو کھائے گی حتی کہ اس کے حلق کے بالمقابل اس کے دل تک پہنچے گی تو پھر واپس اس کے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔[2] ﴿ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ ﴾ ''بے شک وہ (آگ) ان پر (ہر طرف سے) بند کر دی جائے گی۔'' جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بلد میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔[3] ﴿ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ ﴾ ''لمبے لمبے ستونوں میں۔'' عطیہ عوفی فرماتے ہیں کہ یہ ستون لوہے کے ہوں گے۔[4] اور سدی کا قول ہے کہ یہ ستون بھی آگ ہی سے بنے ہوں گے۔[5] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں لمبے لمبے ستونوں میں داخل کر دے گا، ان کی گردنوں میں طوق و سلاسل ہوں گے اور پھر جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا۔[6]

سورۂ ہمزہ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① التخويف من النار لابن رجب: 135/1(C.D). ② تفسير القرطبى: 185/20 وتفسير ابن أبى حاتم: 3464/10.
③ دیکھیے البلد، آیت: 20 کے ذیل میں عنوان ''بائیں ہاتھ والے اور ان کی سزا'' ④ الدر المنثور: 670/6. ⑤ تفسير ابن أبى حاتم: 3464/10. ⑥ تفسير الطبرى: 379/30.

تفسیر سورۂ فیل

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ ① اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ فِىۡ تَضۡلِيۡلٍ ② وَّاَرۡسَلَ

(اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟① کیا اس نے ان کی چال کو بیکار نہیں کر دیا؟② اور اس نے

عَلَيۡهِمۡ طَيۡرًا اَبَابِيۡلَ ③ تَرۡمِيۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ④ فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ ⑤ ع 1 5 30

ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے③ جو ان پر کھنگر کی کنکریاں پھینک رہے تھے④ پھر اس (اللہ) نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا⑤

تفسیر آیات:1-5

بیت اللہ کو منہدم کرنے والے عیسائیوں کی بربادی اور رسول اللہ ﷺ کی پیدائش: یہاں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر ہے جس سے اس نے قریش کو نوازا اور وہ یہ کہ اس نے انھیں ان ہاتھی والوں سے بچایا جنھوں نے کعبہ کو منہدم کرنے اور اس کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں تباہ و برباد کر دیا، ان کی ناک خاک میں ملا دی، ان کی تمام سعی و کوشش رائیگاں کر دی، ان کے کام تباہ و برباد کر دیے اور انھیں بدترین قسم کے نقصان سے دوچار کیا۔ یہ ہاتھی والے عیسائی تھے اور دینی اعتبار سے یہ بتوں کے پجاری قریش سے بہت قریب تھے لیکن یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے پیش خیمے اور مقدمے کے طور پر پیش آیا کیونکہ سب سے زیادہ مشہور قول کے مطابق اسی سال رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی گویا زبان حال کہہ رہی تھی کہ اے گروہ قریش! حبشیوں کے خلاف ہم نے تمھاری مدد اس لیے نہیں کی کہ تم ان سے بہتر تھے بلکہ یہ سارا اہتمام تو اللہ تعالیٰ کے اس قدیم گھر کی حفاظت کے لیے تھا جسے ہم عنقریب نبی امی، خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے ساتھ عز و شرف اور تعظیم و تکریم کے ساتھ نوازنے والے ہیں۔

اصحاب فیل کا واقعہ مختصراً: اصحاب فیل کا واقعہ انتہائی اختصار کے ساتھ اس طرح ہے: قبل ازیں اصحاب اخدود کے واقعے میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ذونواس آخری حمیری بادشاہ تھا جو مشرک تھا اور اسی نے اصحاب اخدود کو قتل کروایا تھا۔ یہ لوگ عیسائی تھے اور ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی اور ان میں سے صرف ایک شخص دوس ذو ثعلبان ہی زندہ بچا تھا جو بھاگ گیا تھا اور اس نے شام کے بادشاہ قیصر سے مدد طلب کی تھی اور یہ بھی عیسائی تھا تو اس نے اس کے لیے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو خط لکھا کیونکہ

وہ ان کے زیادہ قریب تھا تو شاہ حبشہ نے اس کے ساتھ اپنے دو سپہ سالاروں ارباط اور ابرہہ بن صباح ابویکسوم کی زیر قیادت ایک لشکر جرار روانہ کر دیا۔ یہ لشکر یمن میں داخل ہو کر شہروں کے اندر پھیل گیا اور حمیر سے اس نے حکومت چھین لی اور ذونواس سمندر میں غرق ہو کر مر گیا تو اب یمن پر حبشیوں کا تسلط ہو گیا[1] اور ان کے یہ دو قائد تھے، ارباط اور ابرہہ لیکن ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف خوب محاذ قائم کر لیا اور بالآخر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ دونوں لشکروں کو آپس میں لڑانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا آؤ ہم دونوں آپس میں مقابلہ کر لیں، ہم میں سے جو دوسرے کو قتل کر دے، وہی بادشاہ ہو گا۔ دوسرے نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا، چنانچہ دونوں نے مقابلہ کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے نیزے گاڑ لیے تو ارباط نے ابرہہ پر حملہ کر کے تلوار کی ایک ایسی ضرب کاری لگائی جس سے اس کی ناک، منہ اور ایک طرف کا چہرہ کٹ گیا، اسی اثنا میں ابرہہ کے غلام عتودہ نے ارباط پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ ابرہہ زخمی حالت میں لوٹا تو اس کے زخموں کا علاج کیا گیا اور وہ تندرست ہو گیا اور یمن میں حبشہ کے لشکر کی بلا شرکتِ غیر قیادت کرنے لگا۔

جب یہ خبر نجاشی کو پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوا، اس نے ابرہہ کو خط لکھ کر ملامت کی اور قسم کھالی کہ وہ اس کے ملک کو پامال کر دے گا اور اس کے سر کے بالوں کو گھسیٹے گا۔ ابرہہ نے اس کے خط کے جواب میں جو خط لکھا، اس میں اس سے نرمی اور شفقت کی درخواست کی، حیلوں اور بہانوں سے کام لیا، قاصد کے ہاتھ اسے تحائف بھیجے، ان تحائف میں ایک برتن بھی تھا جس میں یمن کی مٹی بھری ہوئی تھی، نیز اس نے اپنے سر کے بال منڈوا کر بھی قاصد کے ہاتھ بھیج دیے اور اپنے جوابی خط میں لکھا کہ بادشاہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے اس مٹی کو اپنے پاؤں تلے روندلے اور یہ میرے سر کے بال ہیں، انھیں بھی میں نے آپ کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ نجاشی کو جب اس کا خط اور اس کی ارسال کردہ یہ چیزیں ملیں تو وہ بہت خوش ہو گیا اور اس نے اسے ہی یمن کے منصب حکومت پر برقرار رکھا۔

پھر ابرہہ نے نجاشی کو ایک خط میں لکھا کہ بادشاہ سلامت! میں سرزمین یمن میں آپ کے لیے ایک ایسا کلیسا بناؤں گا کہ اس جیسا کسی سابقہ بادشاہ کے لیے کبھی نہیں بنایا گیا۔ اور اس کے بعد اس نے صنعاء میں ایک بہت عظیم الشان کلیسا بنانا شروع کر دیا جس کی عمارت بہت بلند، صحن بہت کشادہ اور چاروں طرف سے اسے بہت خوبصورتی کے ساتھ مزین کیا گیا تھا، اس کلیسے کی عمارت کی بہت بلندی کی وجہ سے عربوں نے اسے قُلَّیس کے نام سے موسوم کیا کیونکہ اس کی عمارت اس قدر بلند تھی کہ دیکھنے والا جب اس کی بلندی کی طرف دیکھتا تو اس کی ٹوپی سر سے گرنے لگتی۔

ابرہہ اشرم نے یہ بھی ارادہ کیا کہ جس طرح مکہ میں کعبے کا حج کیا جاتا ہے، عرب اس کلیسے کا حج کرنا شروع کر دیں۔ اپنی حکومت میں اس نے اس کا اعلان بھی کروا دیا مگر عدنانی اور قحطانی عربوں نے اسے ناپسند کیا اور قریش نے تو اس پر شدید غیض و غضب کا اظہار کیا حتی کہ ایک شخص آیا، وہ رات کو اس میں داخل ہو گیا اور اس میں رفع حاجت کرنے کے بعد لوٹ گیا۔

---

[1] دیکھیے البروج ، آیات: 4-9 کے تحت۔

کلیسا کے دربانوں نے جب اس غلاظت کو دیکھا تو انھوں نے اپنے بادشاہ ابرہہ کو بھی اس سے مطلع کیا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی قریشی کی حرکت ہے، ان کے گھر کے مقابلے میں آپ نے جو یہ کلیسا تعمیر کیا ہے، ان کی طرف سے اس کے خلاف یہ ردعمل کا اظہار ہے۔ یہ سن کر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ مکہ میں موجود گھر کی طرف ضرور جائے گا اور اس کے ایک ایک پتھر کو اکھاڑ کر اسے خراب کر دے گا۔

مقاتل بن سلیمان نے ذکر کیا ہے کہ کچھ قریشی نوجوانوں نے اس کلیسے میں داخل ہو کر اسے آگ لگا دی، اتفاق سے اس روز بہت تیز ہوا بھی چل رہی تھی جس کی وجہ سے سارا کلیسا آناً فاناً جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا اور زمین پر گر گیا۔ اپنے کلیسے کا یہ حشر دیکھ کر ابرہہ نے بیت اللہ پر حملے کی تیاری کی اور وہ کیل کانٹے سے لیس ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوا تاکہ کوئی اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔ اس نے اپنے ساتھ ایک بہت زبردست اور موٹے تازے جسم والے ہاتھی کو بھی لیا کہ اس طرح کا کوئی اور ہاتھی آج تک نہیں دیکھا گیا تھا، اس ہاتھی کو محمود کہا جاتا تھا، اس ہاتھی کو نجاشی شاہ حبشہ نے اس مقصد کی خاطر اس کے پاس بھیجا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے لشکر میں اس کے علاوہ آٹھ اور ایک دوسرے قول کے مطابق بارہ ہاتھی اور بھی تھے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ابرہہ نے یہ ہاتھی کعبے کی عمارت کو گرانے کے لیے اپنے ساتھ لیے تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ زنجیروں کو دیواروں میں رکھ کر ہاتھیوں کی گردنوں پر رکھ دیا جائے اور پھر انھیں دھکیل دیا جائے تاکہ وہ کعبے کی ساری دیوار کو یکبارہی گرا دیں۔ عربوں نے جب ابرہہ کی روانگی کے بارے میں سنا تو اسے انھوں نے ایک بہت اہم معاملہ خیال کیا اور کہا کہ ان پر یہ فرض ہے کہ وہ دشمن اور بیت اللہ کے درمیان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور دشمن کی چال کو خاک میں ملا دیں۔ آخر اس کے مقابلے کے لیے ذونفر نامی ایک شخص تیار ہوا جو یمن کے سربرآوردہ لوگوں اور سابق بادشاہوں کے خاندان میں سے تھا، اس نے اپنی قوم اور عرب کے ان تمام لوگوں کو، جنھوں نے اس کی بات مانی، بلایا تاکہ وہ ابرہہ کے خلاف جنگ کریں اور اس کے بیت اللہ کو گرانے اور برباد کرنے کے ارادے کے خلاف جہاد کریں۔ ان لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا اور ابرہہ سے لڑائی کی مگر ابرہہ نے انھیں شکست دے دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خود ہی اپنے پاک گھر کی تکریم و تعظیم کے اظہار کا ارادہ تھا، بہرحال ذونفر گرفتار ہو گیا اور ابرہہ نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھا اور آگے بڑھنا شروع کر دیا حتی کہ یہ جب خثعم کے علاقے میں پہنچا تو نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنی قوم شہران اور ناہس کے لوگوں کے ساتھ مل کر ابرہہ سے لڑائی کی مگر ابرہہ نے انھیں بھی شکست دے دی۔ نفیل بن حبیب بھی قید ہو گیا، ابرہہ نے پہلے اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر پھر معاف کر دیا اور اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا تاکہ وہ سرزمین حجاز میں رہنمائی کر سکے۔

ابرہہ کا جب طائف کے پاس سے گزر ہوا تو خاندان ثقیف کے لوگ اس کے پاس آئے اور انھوں نے اس سے صلح کر لی، انھیں اس بات کا ڈر تھا کہ یہ ان کے اس گھر کو نقصان نہ پہنچائے جسے وہ لات کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ ابرہہ نے ان کی عزت افزائی کی اور ثقیف کے لوگوں نے رہنمائی کے لیے ابورغال کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔ ابرہہ جب مُغَمَّس کے

مقام پر پہنچا، جو مکہ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے، تو اس نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا اور اس کے لشکر نے اہل مکہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے اونٹ وغیرہ لوٹ لیے جن میں عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی تھے۔ چراگاہ پر ابرہہ کے حکم سے حملہ کرنے والا اس کے ایک دستے کا سردار تھا جس کا نام اسود بن مقصود تھا۔ ابن اسحاق کے بقول بعض عرب شعراء نے اپنے اشعار میں اس کی ہجو بھی کی ہے۔ ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ کی جانب روانہ کیا اور اس سے کہا کہ شہر کے سردار اور بلند رتبہ شخص کا پتہ لے کر اس سے کہنا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ میں تم سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا الا یہ کہ اس گھر تک پہنچنے میں تم رکاوٹ بنو۔ حناطہ جب مکہ میں آیا تو اسے عبدالمطلب بن ہاشم کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ مکہ کے سردار ہیں، اس نے عبدالمطلب کو ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا تو عبدالمطلب نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور نہ ہمیں اس کی طاقت ہے، یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے، یہ اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا گھر ہے، چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت فرمائے تو یہ اس کا گھر اور اس کا حرم ہے اور اگر اس نے اس گھر اور ابرہہ کے درمیان راستہ صاف کر دیا تو اللہ کی قسم! ہمارے پاس بیت اللہ کو بچانے کی کوئی تدبیر نہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ آؤ میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلو، عبدالمطلب اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو وہ آپ کے جلال و عظمت سے بہت متاثر ہوا کیونکہ عبدالمطلب بہت وجیہ اور خوبصورت تھے۔ ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور آپ کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا اور ترجمان سے کہنے لگا کہ ان سے پوچھیے کہ آپ کی کیا حاجت و ضرورت ہے؟ آپ نے ترجمان سے کہا کہ میری حاجت و ضرورت صرف یہ ہے کہ بادشاہ میرے وہ دوسو اونٹ واپس کر دے جو اس کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ ابرہہ نے ترجمان سے کہا کہ وہ آپ سے کہے کہ جب میں نے آپ کو دیکھا تھا تو میں بہت مرعوب ہو گیا تھا لیکن جب گفتگو سنی ہے تو آپ میری نظروں سے گر گئے ہیں، کیا آپ مجھ سے ان دوسو اونٹوں کے بارے میں کہتے ہیں جو میرے پاس پکڑے ہوئے آئے ہیں اور آپ نے اس گھر کا خیال بالکل چھوڑ دیا جو آپ کا اور آپ کے آباء واجداد کا دینی مرکز ہے، میں اسے گرانے کے لیے آیا ہوں مگر آپ نے اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں کی؟ سردار عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں تو ان اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو خود اس کی حفاظت فرمالے گا۔ ابرہہ نے کہا کہ وہ مجھ سے اسے بچا نہیں سکے گا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا: تم جانو اور وہ جانے! یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ سردارانِ عرب کی ایک جماعت بھی گئی تھی اور انھوں نے ابرہہ کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ بیت اللہ کو نہ گرائے تو اسے تہامہ کی ایک تہائی آمدنی دے دی جائے گی۔

ابرہہ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیے جائیں۔ ابرہہ کے ہاں سے فارغ ہو کر عبدالمطلب قریش کے پاس واپس آ گئے اور حکم دیا کہ مکہ سے نکل کر پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر پناہ گزیں ہو جاؤ تا کہ ابرہہ کے لشکر کی غارت گری سے محفوظ رہ سکو، پھر عبدالمطلب اٹھے اور جا کر کعبۃ اللّٰہ کے دروازے کے کنڈے کو پکڑ لیا، قریش کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ تھی، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف انھیں

اپنی نصرت وحمایت سے سرفراز فرمائے، پھر کعبة اللّٰه کے دروازے کا کنڈہ پکڑے ہوئے عبدالمطلب نے کہا:

لَاهُمَّ! إِنَّ الْمَرْءَ يَمْـ نَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكَ

"اے اللہ! بندہ اپنی سواری کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے حرم پاک کی حفاظت فرما۔"

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ غَدْوًا مِّحَالَكَ

"ان کی صلیب اوران کی قوتیں کل صبح تیری قوتوں پر غالب نہ آجائیں۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پھر اس کے بعد سردار عبدالمطلب نے در کعبہ کا کنڈہ چھوڑ دیا، پھر وہ، ان کے ساتھی اور دیگر قریش پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ مقاتل بن سلیمان نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے بیت اللہ کے پاس قلادے پہنائے ہوئے سو اونٹ بھی چھوڑ دیے تاکہ اگر لشکر کے کچھ لوگ ان اونٹوں پر کوئی ناحق دست درازی کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے لے۔ جب صبح ہوئی تو ابرہہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے خود بھی تیار ہوا، اپنے ہاتھی کو بھی تیار کیا جس کا نام محمود تھا اور لشکر کو بھی تیار کیا، جب ان لوگوں نے اس ہاتھی کا رخ مکہ کی طرف کیا تو نفیل بن حبیب اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور اس کے کان کو پکڑ کر کہنے لگا: محمود! بیٹھ جا، یا جہاں سے آیا ہے، سیدھا وہاں لوٹ جا کیونکہ اس وقت تو اللہ کے عظمت وحرمت والے شہر میں ہے، پھر اس نے ہاتھی کے کان کو چھوڑ دیا تو یہ ہاتھی بیٹھ گیا اور نفیل بن حبیب وہاں سے تیزی سے نکل گیا اور دوڑ کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد ابرہہ کے لوگوں نے ہاتھی کو بہت مارا کہ اٹھے مگر اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا، انھوں نے اس کے سر پر تیر مارے اور پیٹ کے چمڑے میں آنکس گھسا کر خون آلود کر دیا مگر ہاتھی کو نہ اٹھنا تھا اور نہ وہ اٹھا۔ انھوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کر دیا تو یہ اٹھ کر دوڑنے لگا، انھوں نے اس کا رخ شام کی طرف کر دیا تو پھر بھی دوڑنے لگا، انھوں نے اس کا رخ مشرق کی طرف کیا تو پھر بھی دوڑنے لگا مگر جب اس کا رخ مکہ کی طرف کیا تو یہ پھر بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر سمندر کی طرف سے پرندے بھیج دیے جو ابابیلوں اور بگلوں سے مشابہ تھے، ان میں سے ہر پرندہ تین تین کنکر اٹھائے ہوئے تھا، ایک کنکر چونچ میں اور دو پاؤں کے پنجوں میں، یہ کنکر چنے اور مسور کے برابر تھے مگر جس کو بھی کوئی کنکر لگتا وہ فوراً ہلاک ہو جاتا۔ اس طرح سب لوگ ہلاک نہ ہوئے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تیزی سے اس راستے کی طرف بھاگ گئے جدھر سے آئے تھے اور وہ نفیل بن حبیب کو تلاش کرنے لگے تاکہ وہ انھیں واپسی کا رستہ بتائے۔ نفیل اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر قریش کے ساتھ تھا اور حجاز کے عرب یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں پر کس طرح عذاب نازل فرمایا ہے۔ نفیل نے اس وقت یہ شعر کہا:

أَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْإِلٰهُ الطَّالِبُ وَالْأَشْرَمُ الْمَغْلُوبُ غَيْرُ الْغَالِبِ

"بھاگ نکلنے کی جگہ کہاں؟ جبکہ اللہ تعاقب میں ہے اور ابرہہ اشرم مغلوب ہو چکا، وہ کبھی بھی غلبہ نہ پا سکے گا۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس موقع پر نفیل نے یہ اشعار بھی کہے تھے:

أَلَا حُيِّيتِ عَنَّا يَارُدَيْنَا ! نَعِمْنَا كُمْ مَّعَ الْإِصْبَاحِ عَيْنَا

''ہاں اے ردینہ! ہماری جانب سے تجھے سلام پہنچے اور تم لوگوں کی سلامتی سے ہماری آنکھیں صبح سویرے ٹھنڈی ہوں، یعنی خوش نصیب ہوں۔''

رُدَيْنَةُ! لَوْرَأَيْتِ وَلَا تَرَيْهِ لَدٰى جَنْبِ الْمُحَصَّبِ مَارَأَيْنَا

''ردینہ! کاش تو وہ منظر دیکھتی اور تو وہ منظر کبھی نہ دیکھے، جو ہم نے وادی محصب کے پاس دیکھا۔''

إِذًا لَّعَذَرْتِنِي وَحَمِدْتِّ أَمْرِي وَلَمْ تَأْسَىْ عَلٰى مَافَاتَ بَيْنَا

''(اگر وہ منظر دیکھتی تو) تب تو مجھے معذور سمجھتی، میرے کام کی تعریف کرتی اور ہماری آپس کی جدائی پر غم نہ کھاتی۔''

حَمِدْتُّ اللّٰهَ إِذْ أَبْصَرْتُ طَيْرًا وَخِفْتُ حِجَارَةً تُلْقٰى عَلَيْنَا

''جب میں نے پرندے دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا، ڈر بھی رہا تھا کہ کوئی پتھر ہم پر نہ آ گرے۔''

فَكُلُّ الْقَوْمِ يَسْأَلُ عَنْ نُّفَيْلٍ كَأَنَّ عَلَيَّ لِلْحُبْشَانِ دَيْنَا

''قوم کا ہر فرد نفیل ہی کو دریافت کر رہا تھا (کہ اس سے واپسی کا راستہ پوچھے) گویا حبشیوں کا مجھ پر کوئی قرض تھا۔''

عطاء بن یسار وغیرہ نے کہا ہے کہ ابرہہ کے لشکر میں شامل تمام لوگ فوراً عذاب الٰہی میں مبتلا نہیں ہو گئے تھے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو فوراً ہلاک ہو گئے اور کچھ لوگ وہ تھے جن کا ایک ایک عضو گر رہا تھا، اس خوفناک عذاب سے وہ دوچار ہوئے جو بھاگ رہے تھے، خود ابرہہ بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن کا ایک ایک عضو ٹوٹ کر گر رہا تھا حتی کہ وہ خثعم کے علاقے میں جا کر مرا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ لوگ بھاگے تو ہر راستے میں گرتے اور ہر مقام پر مرتے جا رہے تھے، ابرہہ کے جسم پر بھی جب ایک کنکر لگا تو وہ لوگ اسے بھی اپنے ساتھ لے گئے اور اس کا جسم پور پور کر کے گرتا جا رہا تھا حتی کہ لوگ جب اسے صنعاء لے کر آئے تو یہ پرندے کے بوٹ کے مانند تھا اور مؤرخین کے بقول جب یہ مرنے لگا تو اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل آیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ نے قریش کو اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اور جو فضل وکرم یاد دلایا، اس میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حبشیوں کے حملے سے بچایا اور انھیں باقی رکھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵ ﴾ ﴿ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاۗءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾ (قریش106: 1-4) ''(اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے تو اس نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔ قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے (یعنی) ان کے سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس ہونے کی

وجہ سے، لہٰذا انھیں چاہیے کہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا۔‘‘

یعنی تا کہ ابرہہ ان کے ان حالات میں سے جن میں یہ پہلے سے تھے، کچھ بھی نہ بدلے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خیر کا ارادہ فرمایا ہے، بشرطیکہ یہ اسے قبول کریں۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ ﴿ اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ کے معنی ہیں جماعتوں کی جماعتیں، عربوں نے اس کا واحد استعمال نہیں کیا، یعنی یہ لفظ ہمیشہ جمع ہی کی صورت میں استعمال ہوتا ہے اور ﴿ سِجِّيْلٍ ۝ ﴾ کے بارے میں مجھے یونس نحوی اور ابو عبیدہ نے بتایا ہے کہ عربوں کے ہاں اس کے معنی شدید اور بہت سخت کے ہیں۔ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ دراصل یہ دو فارسی لفظ ہیں جنھیں عربوں نے ایک لفظ بنا دیا ہے اور وہ ہیں ’’سنگ اور گل‘‘ اور سنگ کے معنی پتھر اور گل کے معنی مٹی ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کنکر ان دو جنسوں، یعنی پتھر اور مٹی کے تھے۔ اور عَصْف کھیتی کے اس پتے کو کہتے ہیں جو کاٹا نہ گیا ہو، عَصْفٌ کا واحد عَصْفَةٌ ہے۔[1]

حماد بن سلمہ نے عاصم سے، انھوں نے زر سے اور انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا ہے کہ ﴿ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ کے معنی ہیں پرندوں کی جماعتیں۔[2] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے کہ ﴿ اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ ان جماعتوں کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے ہوں۔[3] امام حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ کے معنی ہیں بہت زیادہ۔[4] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ ان چیزوں کو کہتے ہیں جو مختلف مگر ایک دوسرے کے پیچھے اور مجتمع ہوں۔[5] ابن زید کا قول ہے کہ ادھر ادھر ہر جگہ سے آنے والی مختلف چیزوں کو ﴿ اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ کہتے ہیں۔[6] امام کسائی کا قول ہے کہ میں نے بعض نحویوں سے یہ سنا ہے کہ ﴿ اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ کا واحد إِبِّیل ہے۔[7]

امام ابن جریر نے اسحاق بن عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ﴿ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد بہت سی جماعتیں ہیں، جیسے اونٹوں کے ریوڑ ہوتے ہیں۔[8] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پرندے جو بھیجے تھے، ان کی پرندوں کی طرح چونچیں اور کتوں کی طرح پنجے تھے۔[9] حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جو سمندر کی طرف سے آئے اور ان کے درندوں کی طرح سر تھے۔[10] عبید بن عمیر کا قول ہے کہ یہ سیاہ رنگ کے سمندری پرندے تھے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکر تھے۔[11] ان تمام

---

① ماخوذ از السيرة النبوية لابن إسحاق : 1/33-49 والسيرة النبوية لابن هشام :1/31-55 والكامل في التاريخ لابن الأثير: 1/328-335 و342-345 وتفسير الطبري:30/386-391 وتفسير ابن أبي حاتم : 10/3464-3466 وتفسير البغوي: 5/304-308 ، البتہ عطاء بن یسار کا یہ قول کہ ابرہہ کے لشکر میں شامل تمام لوگ فوراً عذابِ الٰہی میں مبتلا نہیں ہو گئے تھے...... بالفاظ دیگر الدر المنثور:6/675,676 میں مذکور ہے۔ ② تفسير الطبري : 30/381,382 . ③ تفسير الطبري : 30/382 . ④ تفسير الطبري:30/382 . ⑤ تفسير الطبري : 30/382 . ⑥ تفسير الطبري : 30/382,383 . ⑦ تفسير الطبري : 30/381. ⑧ تفسير الطبري : 30/382 . ⑨ تفسير الطبري : 30/383 . ⑩ تفسير الطبري : 30/383 . ⑪ تفسير الطبري : 30/384 .

اقوال کی سندیں صحیح ہیں۔

عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان ہاتھی والوں کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان پر سمندر سے بگلوں کی طرح کے پرندے پیدا کر کے بھیج دیے جن میں سے ہر پرندے نے تین تین کنکریاں اٹھائی ہوئی تھیں، دو دو ان کے پاؤں میں اور ایک ایک چونچ میں تھی، ان پرندوں نے آکر ان کے سروں پر صفیں باندھ لیں، پھر یہ چیخنے لگے (انھوں نے طبل جنگ بجا دیا) اور پھر اپنے پاؤں اور چونچوں میں پکڑی ہوئی کنکریاں گرا دیں، یہ کنکری ان میں سے جس انسان کے سر پر لگتی، اس کی دبر میں سے نکل جاتی اور اگر جسم کے ایک طرف لگتی تو دوسری طرف سے پار ہو جاتی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت شدید آندھی بھی بھیج دی جس سے کنکریوں کے برسنے کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تباہ و برباد کر دیا۔[1] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ⑤﴾ ”پھر اس (اللہ) نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔“ کے بارے میں سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ عَصْف کے معنی بھوسے کے ہیں جسے عوام الناس هَبُّور کہتے ہیں۔[2] آپ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ عَصْف گندم کے پتے کو کہتے ہیں۔[3] آپ ہی سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ عَصْف کے معنی بھوسے اور چارے کے ہیں جسے جانوروں کے کھانے کے لیے کاٹ دیا گیا ہو۔[4] امام حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔[5] جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عَصْف دانے کے چھلکے کو کہتے ہیں جس طرح گندم کا غلاف ہوتا ہے۔[6]

ابن زید کا قول ہے کہ عَصْف کھیتی اور سبزی کے اس پتے کو کہتے ہیں کہ حیوان جب اسے کھا کر ہضم کر لیں تو وہ لید بن جائے۔[7] بہرحال اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان ہاتھی والوں کو تباہ و برباد کر دیا، ان کی تدبیر اور چال کو ناکام و نامراد بنا دیا، ان پر اپنے غیض و غضب کا اظہار فرمایا کہ یہ کوئی خیر و بھلائی حاصل نہ کر سکیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی ہلاکت و بربادی کی خبر لے کر اپنی قوم کے پاس واپس بھی گیا تو وہ زخموں سے چور چور تھا جیسا کہ ان کے بادشاہ ابرہہ کا حشر تھا کہ وہ زخموں سے بری طرح نڈھال ہو کر جب اپنے شہر صنعاء پہنچا تو اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل آیا، اس نے بتایا کہ ان کا کیا برا حشر ہوا اور پھر فوراً مر گیا۔[8]

ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا یکسوم اور پھر اس کے بعد اس کا بھائی مسروق بن ابرہہ بادشاہ بنا، پھر سیف بن ذی یزن حمیری کسریٰ کے پاس گیا اور اس سے حبشیوں کے خلاف مدد طلب کی تو اس نے اپنے لشکر اس کے ساتھ روانہ کر دیے اور انھوں نے اس کے ساتھ مل کر لڑائی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ملک انھیں واپس دے دیا، ان کے آباء و اجداد کی بادشاہت انھیں واپس لوٹا دی تو عربوں کے بہت سے وفود نے آکر اسے مبارک باد دی۔[9] ہم سورۂ فتح کی تفسیر میں قبل ازیں یہ بیان کر آئے ہیں کہ

① تفسير ابن أبي حاتم: 3466/10. ② تفسير الطبري: 392/30 عن الضحاك نحوه. ③ الدر المنثور: 676/6.
④ تفسير الماوردي: 344/6. ⑤ تفسير الماوردي: 344/6. ⑥ تفسير البغوي: 309/5 وتفسير الطبري: 392/30. ⑦ تفسير الطبري: 392/30. ⑧ تفسير الطبري: 391/30 وتفسير ابن أبي حاتم: 3466-3464/10.
⑨ السيرة النبوية لابن إسحاق: 52/1-56 والسيرة النبوية لابن هشام: 61/1-68.

رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے دن جب اس گھاٹی کے قریب تشریف لائے جس سے آپ قریش کے پاس آنا چاہتے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا، لوگوں نے کہا کہ قصواء اڑ گئی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَاخَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَّلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ]، [وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهٖ! لَا يَسْأَلُونِّى (الْيَوْمَ) خُطَّةً يُّعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا (أَجَبْتُهُمْ إِلَيْهَا)] ''قصواء نے نہ اڑی کی ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اسے تو اس ذات گرامی نے روکا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج یہ لوگ جن شرائط پر مجھ سے صلح کرنا چاہیں گے میں سب کو مان لوں گا بشرطیکہ اللہ کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو۔'' پھر آپ نے قصواء کو ڈانٹا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ حدیث صرف صحیح بخاری میں ہے، ① صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ]، [وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ (أَلَا فَلْيُبَلِّغِ) الشَّاهِدُ الْغَائِبَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو مکہ میں آنے سے روک دیا تھا مگر اپنے رسول اور مومنوں کو مکہ پر چڑھائی کی اجازت عطا فرما دی مگر آج پھر اس کی حرمت اس طرح لوٹ آئی ہے جیسے کل تھی، خبردار! جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔'' ②

سورۂ فیل کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① دیکھیے الفتح، آیات: 26,25 کے ذیل میں عنوان ''قصۂ صلح حدیبیہ، احادیث کی روشنی میں'' نیز دیکھیے صحیح البخاری، الشروط، باب الشروط فی الجهاد......، حدیث: 2732,2731 عن المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ ومروان رحمہ اللہ، البتہ پہلی قوسین والا لفظ سنن أبی داود، الجهاد، باب فی صلح العدو، حدیث: 2765 اور دوسری قوسین والے الفاظ المصنف لابن أبی شیبة، المغازی، باب غزوة الحدیبیة: 7/387-389، حدیث: 36844 کے مطابق ہیں۔ ② اس حدیث کا پہلا حصہ صحیح البخاری، اللقطة، باب کیف تعرف لقطة أهل مكة؟ حدیث: 2434 وصحیح مسلم، الحج، باب تحریم مكة......، حدیث: 1355 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ میں اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، جزاء الصید، باب لا یعضد شجر الحرم، حدیث: 1832 وصحیح مسلم، حدیث: 1354 عن أبی شريح العدوی رضی اللہ عنہ میں ہے، البتہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 32/4 عن أبی شريح العدوی رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں۔

تفسیر سُوۡرَۃُ قُرَیۡشٍ

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ① اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ② فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ③

قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے ① (یعنی) ان کے سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس ہونے کی وجہ سے ② لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ)

ع 1 4 31 الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ④

کے مالک کی عبادت کریں ③ جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا ④

تفسیر آیات: 1-4

کیا یہ سورت پہلی سے الگ ہے؟ مصحف امام ① کی ترتیب کے مطابق یہ سورۂ مبارکہ پہلی سورت سے الگ ہے کیونکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے علامت فصل کے طور پر دونوں کے درمیان بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھی تھی، اگرچہ اس کا تعلق پہلی سورت ہی سے ہے جیسا کہ محمد بن اسحاق اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اس کی صراحت کی ہے کیونکہ ان دونوں حضرات کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ ہم نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ہاتھیوں والوں کو ہلاک کیا تاکہ قریش کو مانوس کریں اور وہ مل جل کر اپنے شہر میں امن، چین اور سکون سے رہیں۔ ②

قریش کی انسیت کن ملکوں سے تھی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ان کے وہ سفر ہیں جن سے وہ مانوس تھے، یعنی موسم سرما میں یمن کی طرف اور موسم گرما میں شام کی طرف تجارت وغیرہ کی غرض سے جو وہ سفر کیا کرتے تھے اور پھر اپنے ان سفروں سے وہ اپنے شہر میں پر امن اور بلا خوف وخطر لوٹ آیا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حرم کے باشندے ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے، جو بھی انھیں پہچان لیتا، وہ ان سے احترام سے پیش آتا بلکہ جو لوگ ان کے ساتھ شریکِ سفر ہو جاتے انھیں بھی سفر میں امن نصیب ہو جاتا تھا۔ موسم سرما اور گرما کے دوروں اور سفروں میں ان کا یہ حال تھا اور اپنے شہر میں مقیم ہونے کی صورت میں ان کی حالت یہ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِہِمۡ ؕ﴾ (العنکبوت 29:67) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم (مکہ) کو پر امن بنایا ہے جبکہ لوگ ان

① مصحف امام سے مراد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا وہ مصحف ہے جس پر انھوں نے تمام لوگوں کو جمع کیا تھا۔ ② دیکھیے سابقہ سورت میں عنوان ''اصحاب فیل کا واقعہ مختصراً'' کے ذیل میں۔

کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں۔‘‘ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ ﴾ ’’قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے۔‘‘ ﴿ اٖلٰفِهِمْ ﴾ پہلے إِیلٰف سے بدل اور اس کی تفسیر ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ ﴾ ’’ان کے سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس ہونے کی وجہ سے۔‘‘

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لام، لام تعجب ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگو! قریش کے مانوس ہونے اور اس سلسلے میں میری ان پر ہونے والی نعمت پر تعجب کرو، انھوں نے مزید فرمایا کہ یہ اس لیے بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ دونوں جدا جدا اور مستقل سورتیں ہیں۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان نعمت کے شکر ادا کرنے کی طرف ان کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ ﴾ ’’لہٰذا انھیں چاہیے کہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں۔‘‘ یعنی صرف اور صرف اس کی عبادت کریں کیونکہ اسی نے حرم کو پرامن اور اس گھر کو محترم بنایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ (النمل 91:27) ’’(آپ کہہ دیجیے:) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت بخشی اور ہر چیز اسی کے لیے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔‘‘ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ﴾ ’’جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا۔‘‘ یعنی اس گھر کا مالک وہ ہے جو انھیں بھوک میں کھانا کھلاتا ہے، ﴿ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾ ’’اور انھیں خوف سے امن دیا۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں امن و آسائش سے سرفراز فرمایا، لہٰذا انھیں بھی یہ چاہیے کہ صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کریں اور اس کے سوا کسی بھی صنم، شریک اور بت کی عبادت نہ کریں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت بجا لاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں امن سے نوازتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں امن سے محروم کر دیتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (النحل 113,112:16) ’’اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن و اطمینان سے (آباد) تھی، اس کا رزق اسے ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا، پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا اور البتہ یقیناً ان کے پاس انھی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انھوں نے اسے جھٹلایا تو انھیں عذاب نے آ پکڑا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔‘‘

سورۂ قریش کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] تفسیر الطبری: 395/30 .

تفسیر سُورۂ ماعُون

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِؕ ① فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَۙ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ

(اے نبی!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟① تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے② اور مسکین کو کھانا کھلانے کا

الۡمِسۡكِيۡنِؕ ③ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَۙ ④ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَۙ ⑤ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَۙ ⑥

شوق نہیں دلاتا③ چنانچہ تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے④ جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں⑤ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں⑥ اور (لوگوں کو)

ع 1/7/32 وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ⑦

استعمال کی معمولی چیزیں بھی دینے سے انکار کرتے ہیں⑦

تفسیر آیات :1-7

منکرینِ قیامت کے اوصاف: اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ دِین سے مراد یہاں آخرت، جزا اور ثواب ہے۔ ﴿ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَۙ ② ﴾ ''تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔'' یعنی یتیم پر سختی کرتا ہے، اس کی حق تلفی کرتا ہے، نہ اسے کھانا کھلاتا ہے اور نہ اس سے حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔ ﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِؕ ③ ﴾ ''اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَۙ ○ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِۙ ○ ﴾ (الفجر 18,17:89) ''ہرگز نہیں! بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔'' مسکین سے مراد وہ فقیر ہے جس کے پاس اپنی ضرورت و کفایت کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَۙ ④ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَۙ ⑤ ﴾ ''چنانچہ ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافق ہیں جو اعلانیہ طور پر تو نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن علیحدگی میں نہیں پڑھتے۔① اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ لِّلۡمُصَلِّيۡنَۙ ④ ﴾ ''نمازیوں کے لیے'' جو اہلِ نماز میں سے ہیں، پہلے پابندی کرتے بھی رہے مگر اب اس سے غافل رہتے ہیں یا تو اسے بالکل ہی ادا نہیں کرتے جیسا کہ

① تفسیر الطبری: 403/30.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے،① یا اس وقت ادا نہیں کرتے جسے اللہ نے شرعاً نماز کے لیے مقرر فرمایا ہے، لہٰذا اسے بالکل بے وقت ادا کرتے ہیں جیسا کہ مسروق اور ابوالضحیٰ نے فرمایا ہے۔②

عطاء بن دینار فرماتے ہیں کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ﴿عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ ''اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں۔'' فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا: [فِي صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ] ''اپنی نماز میں غفلت کرتے ہیں۔''③ جہاں تک اس کے اول وقت کا تعلق ہے تو وہ ہمیشہ یا اکثر و بیشتر اسے آخر وقت میں ادا کرتے ہیں یا یہ کہ اسے اس طرح ارکان اور شرائط کے ساتھ ادا نہیں کرتے جس طرح اسے ادا کرنے کا حکم ہے یا یہ کہ خشوع وخضوع اور اس کے معنی پر تدبر کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے۔ آیت کریمہ کے الفاظ ان تمام معانی پر مشتمل ہیں، جس میں ان میں سے کوئی خرابی ہوگی، وہ اسی قدر اس آیت کا مصداق ہوگا اور جس میں یہ ساری خرابیاں موجود ہوں گی تو وہ اس آیت کا پورا پورا مصداق اور مکمل طور پر عملی منافق ہوگا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ]، [يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، قَامَ (فَنَقَرَ) أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا] ''یہ تو منافق کی نماز ہے، یہ تو منافق کی نماز ہے، یہ تو منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا سورج (کے غروب ہونے) کا انتظار کرتا رہتا ہے حتی کہ سورج جب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے (اور) اس میں اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کم ذکر کرتا ہے۔''④

آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس شخص نے نماز عصر کو جو کہ نماز وسطیٰ ہے جیسا کہ نص سے ثابت ہے،⑤ آخر وقت تک موخر کر دیا جو مکروہ وقت ہے اور پھر اس نے کوے کی طرح ٹھونگیں ماریں اور نماز کو اطمینان اور خشوع وخضوع سے ادا نہیں کیا، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کم ذکر کرتا ہے، اور شاید نماز ادا بھی وہ محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول اس کا مقصد نہیں تو وہ ایسے ہے گویا اس نے بالکل نماز ادا ہی نہیں کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ (النساء 142:4) ''بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، حالانکہ وہ انھیں دھوکا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور وہ

---

① تفسیر الطبری: 402/30. ② تفسیر الطبری: 402/30. ③ تفسیر القرطبی: 212/20 و تفسیر الطبری: 404/30.

④ پہلا حصہ الموطأ للإمام مالك، القرآن، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح......: 75/1، حدیث: 523، و سنن أبي داود، الصلاة، باب وقت العصر، حدیث: 413 میں ہے، البتہ وہاں تینوں مرتبہ [الْمُنَافِقِ] کے بجائے [الْمُنَافِقِينَ] ہے اور دوسرا حصہ صحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب التبكير بالعصر، حدیث: 622 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے، البتہ قوسین والا لفظ موطأ امام مالک اور سنن ابی داود کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے، نیز یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے، دیکھیے الجمع بين الصحيحين للحمیدی: 497,496/2، تحت الحدیث: 1860. ⑤ دیکھیے البقرة، آیت: 238 کے ذیل میں۔

اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔‘‘ اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ﴾ ’’وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔‘‘

امام احمد نے عمرو بن مرہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ابوعبیدہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ریا کاری کے موضوع پر بات شروع ہوگئی تو ایک شخص جس کی کنیت ابویزید تھی، نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهِ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ سَامِعَ خَلْقِهِ وَحَقَّرَهُ وَصَغَّرَهُ] ’’جس نے اپنا عمل لوگوں کو سنانے کے لیے کیا تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سننے والے (چھوٹے بڑے) سب لوگوں کو اس کے عمل سے آگاہ کر دیتا اور (لوگوں کی نظروں میں) اسے حقیر اور ذلیل کر دیتا ہے۔‘‘[1] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ﴾ ’’وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔‘‘ سے متعلق یہ بات بھی ہے کہ جس شخص نے کوئی عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو مطلع فرما دیا اور اسے اس سے خوشی ہوئی تو یہ ریا کاری نہیں ہوگی۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴾ ’’اور عام برتنے کی چیزیں روکتے ہیں۔‘‘ یعنی یہ لوگ نہ تو اپنے رب کی عبادت ہی اچھے طریقے سے بجا لاتے ہیں اور نہ اس کی مخلوق ہی سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں حتی کہ ان چیزوں کو عاریتاً بھی نہیں دیتے جن سے نفع حاصل کر لیا جاتا اور کام کے سلسلے میں مدد لی جاتی ہے مگر وہ اصل حالت میں باقی رہتی ہیں اور پھر انھیں ان کے مالکان کے پاس لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ جب استعمال کی چیزیں اس طرح عاریتاً نہیں دے سکتے تو یہ زکاۃ کیا ادا کریں گے اور تقرب الٰہی کے حصول کے لیے کوئی اور مالی قربانی کیا دیں گے۔ مسعودی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿ الْمَاعُوْنَ ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد کلہاڑی، ہنڈیا اور ڈول وغیرہ جیسی چیزیں ہیں جنھیں استعمال کے لیے لوگ ایک دوسرے سے عاریتاً لے لیتے ہیں۔[2]

سورۂ ماعون کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

[1] مسند أحمد: 212/2 البتہ الفاظ مسند أحمد: 224,223/2 کے مطابق ہیں۔ [2] تفسیر الطبری: 410/30.

تفسیر سُورۂ کوثر

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ؕ‏ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ؕ‏ ② اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ③ ع 1 3 33

(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ① تو آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں ② بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے ③

تفسیر آیات: 1-3

سورۂ کوثر کی فضیلت: امام مسلم، ابوداود اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ مسلم کی روایت کے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپ پر ہلکی سی اونگھ طاری ہوگئی، پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا تو ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آپ کیوں تبسم فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَةٌ] ''مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔'' اور پھر آپ نے پڑھا: ﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴾ ﴿ اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ؕ‏ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ؕ‏ ② اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ③ ﴾ پھر آپ نے فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَا الْكَوْثَرُ؟] ''تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: [فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَّعَدَنِيهِ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ، عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ، وَّهُوَ حَوْضٌ تَرِدُ عَلَيْهِ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، آنِيَتُهُ عَدَدُ النُّجُومِ، فَيُخْتَلَجُ الْعَبْدُ مِنْهُمْ، فَأَقُولُ: رَبِّ! إِنَّهُ مِنْ أُمَّتِي، فَيَقُولُ: مَاتَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ] ''یہ ایک نہر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اس میں خیر کثیر ہے، درحقیقت یہ ایک حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن آئے گی، اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہوگی، حوض پر آنے والوں میں سے ایک ایک بندے کو پکڑ کر دور ہٹا دیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ میرے رب! وہ بھی میری امت میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا بدعت ایجاد کی تھی۔''① امام احمد نے اسے جس سند کے ساتھ روایت کیا وہ ثلاثی ہے، یعنی اس میں امام احمد رحمہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان یہ تین واسطے ہیں: (1) محمد بن فضیل (2) مختار بن فلفل (3) انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔②

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ

---

① صحيح مسلم، الصلاة، باب حجة من قال : البسملة آية من أول كل سورة......، حديث : 400 وسنن أبي داود، الصلاة، باب من لم يرالجهر ببسم الله الرحمٰن الرحيم، حديث : 784 وسنن النسائي، الافتتاح، باب قراءة بسم الله الرحمٰن الرحيم، حديث : 905. ② مسند أحمد : 102/3 .

خِيَامُ اللُّؤْلُؤِ، فَضَرَبْتُ بِيَدِى إِلَى مَا يَجْرِى فِيهِ الْمَاءُ، فَإِذَا مِسْكٌ أَذْفَرُ، قُلْتُ: مَاهٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِى أَعْطَاكَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ] ”میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پر موتیوں کے خیمے بنے ہوئے تھے، میں نے وہاں ہاتھ مارا جہاں پانی چل رہا تھا تو اس سے کستوری کی نہایت تیز خوشبو آ رہی تھی، میں نے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔“① اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام مسلم نے بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کو جب آسمان کی طرف معراج کرائی گئی تو آپ نے فرمایا: [أَتَيْتُ عَلَى نَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفٌ، فَقُلْتُ: مَاهٰذَا يَاجِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ] ”میں ایک نہر کے پاس گیا جس کے کناروں پر جوف دار موتیوں کے قبے بنے ہوئے تھے، میں نے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے۔“ یہ الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ہیں۔②

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: [هُوَ نَهْرٌ (فِى الْجَنَّةِ) أَعْطَانِيهِ (رَبِّى، ......لَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا) مِّنَ اللَّبَنِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ، فِيهِ طُيُورٌ أَعْنَاقُهَا كَأَعْنَاقِ الْجُزُرِ] ”وہ جنت کی ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے......، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس میں ایسے پرندے ہوں گے جن کی گردنیں اونٹوں کی طرح ہوں گی۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ پرندے بہت خوش وخرم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: [(آكِلُهَا) أَنْعَمُ مِنْهَا (يَاعُمَرُ!)] ”عمر! ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ خوش وخرم ہوں گے۔“③

امام بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کوثر کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ ابوبشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر کی خدمت میں عرض کی کہ لوگوں کا خیال ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو انھوں نے فرمایا کہ جنت کی یہ نہر بھی اسی خیر کا ایک حصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرما رکھا ہے۔④ سعید بن جبیر ہی کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

① مسند أحمد :103/3 . ② صحيح البخاري، التفسير، باب : (1)، حديث :4964 جبکہ یہ صحیح مسلم میں نہیں ہے، البتہ اسے امام مزی رحمہ اللہ نے تحفة الأشراف :584/1، حديث :1299 میں امام مسلم رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا اور کہا ہے کہ مسلم کی اس حدیث کو ابومسعود نے ذکر نہیں کیا اور میں نے اسے کتاب خلف میں پایا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے النكت الظراف على الأطراف في ذيل تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف :337/1، تحت الحديث : 1299 میں کہا ہے کہ اس حدیث کو امام حمیدی نے (الجمع بين الصحيحين :622/2، حديث : 2054 میں) أَفْرَادُ الْبُخَارِى (وہ حدیثیں جنھیں صرف امام بخاری نے روایت کیا ہے، امام مسلم نے نہیں) میں ذکر کیا ہے۔ ③ مسند أحمد :236/3 البتہ پہلی قوسین والے الفاظ الحوض والكوثر لبقى بن مخلد القرطبى، ماروى أنس بن مالك فى الكوثر :97/1، حديث :33(C.D)، دوسری قوسین والے الفاظ السنن الكبرى للنسائى، التفسير، باب سورة الكوثر :523/6 ، حديث :11703، تیسری قوسین والے الفاظ مسند أحمد :236/3 اور چوتھی قوسین والے الفاظ مسند أحمد :221,220/3 کے مطابق ہیں، تاہم السنن الكبرى کے مذکورہ حوالے میں [لَهُوَ] کے بجائے [هُوَ] ہے۔ ④ صحيح البخاري، التفسير، باب : (1)، حديث :4966 .

سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں۔ ① یہ تفسیر عام ہے جو نہر کو بھی مشتمل ہے اور دوسری چیزوں کو بھی کیونکہ کوثر کثرت سے ہے اور وہ خیر کثیر ہے اور اسی خیر کا ایک حصہ یہ نہر بھی ہے۔

امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْكَوْثَرُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ، حَافَتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ وَّالْمَاءُ يَجْرِي عَلَى اللُّؤْلُؤِ، وَمَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ] ''کوثر جنت کی ایک ایسی نہر ہے جس کے کنارے سونے سے بنے ہوئے ہیں، اس میں پانی موتیوں پر چلتا ہے جو کہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔'' ② اسی طرح اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابو حاتم اور ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ ''تو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔'' یعنی جیسے ہم نے آپ کو دنیا و آخرت میں خیر کثیر سے نوازا ہے جس کا ایک حصہ مذکورہ بالا صفات کی حامل نہر بھی ہے، تو آپ بھی اخلاص کے ساتھ اپنے رب کے لیے فرض اور نفل نماز ادا کیا کریں، قربانی کیا کریں، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کریں اور اس وحدہ لاشریک کے نام پر قربانی کیا کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:162,163) ''کہہ دیجیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، عکرمہ اور حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اونٹ وغیرہ کی قربانی کرنا ہے۔ ④ قتادہ، محمد بن کعب قرظی، ضحاک، ربیع، عطاء خراسانی، حکم، اسماعیل بن ابو خالد اور دیگر ائمۂ سلف کا بھی یہی قول ہے۔ ⑤ یہ حکم ان مشرکین کی روش کے خلاف ہے جو غیر اللہ کے لیے سجدہ کرتے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ...... ﴾ الآية (الأنعام 6:121) ''اور تم اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو اور بلاشبہ یہ (کھانا) یقیناً سراسر نافرمانی ہے......''

نبی ﷺ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴾ ''بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔'' یعنی اے محمد ﷺ! جو آپ سے بغض رکھتا ہے اور اس ہدایت، حق، روشن دلیل اور نور مبین سے بغض رکھتا ہے جسے آپ لائے ہیں تو وہی بے اولاد، کم حیثیت، ذلیل و نامراد اور بے نام و نشان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر

① تفسير الطبري: 417/30. ② مسند أحمد: 67/2. ③ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الكوثر، حديث: 3361 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة، حديث: 4334 وتفسير ابن أبي حاتم: 3470/10 و تفسير الطبري: 421,420/30. ④ تفسير الطبري: 424,423/30 وتفسير ابن أبي حاتم: 3470/10. ⑤ تفسير الطبري: 424,423/30.

اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ① محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر ہوتا تو عاص بن وائل کہتا کہ انھیں چھوڑو، وہ ایک بے اولاد شخص ہے، جب فوت ہوگا تو اس کا ذکر خود بخود ختم ہو جائے گا، چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی۔ ②

شمر بن عطیہ نے کہا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ عقبہ بن ابو معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ یہ سورت کعب بن اشرف اور کفار قریش کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ④ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اشرف مکہ آیا تو قریش نے اس سے کہا کہ تم ان کے سردار ہو، بھلا بتاؤ کہ یہ کمزور، بے والی و وارث اور اپنی قوم سے کٹا ہوا شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے، حالانکہ ہم حاجیوں کو پانی پلانے، ان کی خدمت اور کعبہ کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔ اس نے جواب دیا: (ہاں تم ٹھیک کہتے ہو) تم ہی اس سے بہتر ہو تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳ ﴾ امام بزار نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ⑤ اور اس کی سند صحیح ہے۔ عطاء سے روایت ہے کہ یہ آیت ابولہب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادہ گرامی انتقال فرما گئے تو ابولہب مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا: آج رات محمد (ﷺ) بے اولاد ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں نازل فرمایا: ﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳ ﴾ ''بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔'' ⑥

سدی کا قول ہے کہ جب کسی شخص کے بیٹے فوت ہو جاتے تو اس کے لیے قریش بُتِرَ کہتے، جب رسول اللہ ﷺ کے تمام صاحبزادگان گرامی کا انتقال ہو گیا تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا: بُتِرَ مُحَمَّدٌ ''محمد (ﷺ) بے اولاد ہو گئے۔'' ⑦ چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳ ﴾ کفار قریش کا از راہ جہالت یہ تصور تھا کہ جب آپ کے صاحبزادوں کا انتقال ہو گیا ہے تو آپ کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا مگر حاشا و کلا، ایسا ہرگز نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو تو چار دانگ عالم میں زندہ رکھا ہے، تمام بندگانِ الٰہی کی گردنوں پر آپ کی لائی ہوئی شریعت کو واجب قرار دے دیا ہے اور آپ کے ذکر خیر کو محشر و معاد بلکہ ابد الآباد تک باقی رکھا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ التَّنَادِ.

سورۂ کوثر کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① تفسير الطبري: 427,426/30 . ② السيرة النبوية لابن إسحاق، ماعوض النبي ﷺ من أبنائه : 289/1 و السيرة النبوية لابن هشام، نزول سورة الكوثر : 393/2 . ③ تفسير الطبري: 427/30 و تفسير ابن أبي حاتم: 3471/10 . ④ تفسير الطبري: 428,427/30 . ⑤ كشف الأستار، التفسير، باب سورة الكوثر : 83/3 ، حديث : 2293. ⑥ تفسير الماوردي: 356/6 مختصرًا . ⑦ ديكهيے تفسير ابن أبي حاتم: 3471,3470/10 .

تفسیر سُورۂ کٰفِرُون

یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ① لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ② وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو! ① میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو ② اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں

مَاۤ اَعۡبُدُ ③ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ④ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ⑤

عبادت کرتا ہوں ③ اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ④ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ⑤

لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ⑥ ع 1/6/34

تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین ⑥

نوافل میں سورۂ کافرون کی قراءت: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کی دو رکعتوں میں اس سورت اور سورۂ ﴿ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ کی قراءت فرمائی۔[1] صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں ان دونوں سورتوں کی قراءت فرمائی۔[2] امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر سے پہلے کی دو رکعتوں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں بیس سے بھی کچھ زیادہ یا دس سے بھی کچھ زیادہ مرتبہ ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ① ﴾ اور ﴿ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① ﴾ کی قراءت فرمائی۔[3]

امام احمد ہی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے چوبیس یا پچیس بار جائزہ لیا کہ نبی ﷺ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ① ﴾ اور ﴿ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① ﴾ کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔[4] امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ میں نے ایک ماہ تک جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ① ﴾ اور ﴿ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① ﴾ کی قراءت فرماتے ہیں۔[5] امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے اور امام نسائی نے بھی اسے بیان فرمایا ہے، امام ترمذی

① صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218 مفصلاً. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي سنة الفجر……، حديث: 726. ③ مسند أحمد: 24/2. ④ مسند أحمد: 99/2. ⑤ مسند أحمد: 94/2.

نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ① قبل ازیں یہ حدیث بھی بیان کی جا چکی ہے کہ یہ سورت ربع (چوتھائی) قرآن کے برابر ہے، نیز سورۂ زلزال بھی ربع قرآن کے برابر ہے۔ ②

تفسیر آیات:1-6

شرک سے براءت: یہ سورۂ مبارکہ اس عمل سے براءت کے اظہار پر مشتمل ہے جسے مشرک انجام دیتے ہیں، نیز اس میں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ۝۱ ﴾ ''(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو!'' اگرچہ یہ خطاب روئے زمین کے ہر کافر سے ہے لیکن اس کے اولین مخاطب کفار قریش تھے۔ کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے ازراہ جہالت رسول اللہ ﷺ کو یہ دعوت دی کہ ایک سال تک آپ ان کے بتوں کی عبادت کریں اور پھر ایک سال تک وہ آپ کے معبود حقیقی کی عبادت کریں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ کو نازل فرمایا اور اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کے دین سے بالکل براءت کا اعلان فرما دیں کہ ﴿ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ۝۲ ﴾ ''میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔'' یعنی میں اصنام و انداد کی عبادت نہیں کرتا، ﴿ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ۝۳ ﴾ ''اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔'' یعنی اللہ وحدہ لا شریک کی۔ ﴿ مَاۤ ﴾ یہاں مَنْ کے معنی میں ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ۝۴ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ۝۵ ﴾ ''اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔'' یعنی میں تمھاری عبادت کی طرح عبادت نہیں کر سکتا نہ اس راہ کو اختیار اور اس کی اقتدا کر سکتا ہوں کیونکہ میں تو اللہ وحدہ لا شریک کی اس طرح عبادت کرتا ہوں جیسے وہ چاہتا اور اپنے لیے پسند فرماتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ۝۳ ﴾ ''اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بارے میں اس کے احکام اور اس کی شریعت کی پابندی نہیں کرتے بلکہ تم نے عبادت کے طریقے خود اپنی طرف سے ایجاد کر رکھے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ۝ ﴾ (النجم 23:53) ''وہ لوگ تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اس چیز کی جو ان کے دل چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آ چکی ہے۔'' اس طرح آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کی تمام باتوں سے اظہار براءت فرما دیا، ہر عابد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا کوئی معبود ہو جس کی وہ عبادت کرے اور پھر اس کی عبادت کا کوئی ایسا طریقہ ہو جسے وہ اختیار کرے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اتباع کرنے والے مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس نے حکم دیا ہے۔ یہی

① جامع الترمذی، الصلاة، باب ماجاء فی تخفیف رکعتی الفجر......، حدیث: 417 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب ماجاء فیما یقرأ فی الرکعتین قبل الفجر، حدیث: 1149 و سنن النسائی، الافتتاح، باب القراء ة فی الرکعتین بعد المغرب، حدیث: 993. ② دیکھیے تفسیر ابن کثیر مفصل، سورۂ زلزال کی ابتدا میں، نیز دیکھیے جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب ماجاء فی إذا زلزلت، حدیث: 2895 لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

وجہ ہے کہ کلمۂ اسلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس تک پہنچنے کا سوائے اس کے اور کوئی رستہ نہیں جسے حضرت محمد ﷺ نے بیان فرمایا ہے، جبکہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قطعاً اس کی اجازت نہیں دی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا: ﴿ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۞ ﴾ ''تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 41:10) ''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے: میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم اس سے بری ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم عمل کرتے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ (القصص 55:28) ''ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے: ﴿ لَكُمْ دِيْنُكُمْ ﴾ ''تمھارے لیے تمھارا دین۔'' یعنی کفر، ﴿ وَلِيَ دِيْنِ ۞ ﴾ ''اور میرے لیے میرا دین۔'' یعنی اسلام اور یہاں دِینِی اس لیے نہیں کہا کیونکہ سابقہ آیات نون کے ساتھ تھیں تو ان کی رعایت کی وجہ سے یہاں یاء کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ ﴿ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ ﴾ اور ﴿ يَشْفِيْنِ ۝ ﴾ (الشعرآء 78:26، 80) کی آیات سے یاء کو حذف کیا گیا ہے۔[1]

سورۂ کافرون کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ التَّوْفِيقُ وَالْعِصْمَةُ.

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب سورة ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾، بعد الحديث: 4966.

تفسیر سورۂ نصر

یہ سورت مدنی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ① وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ② فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ

(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے گی ① اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں ② تو آپ اپنے رب

ع 1 3 35 وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ③

سورۂ نصر کی فضیلت: قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ سورت ربع قرآن کے برابر ہے جیسا کہ سورۂ زلزال بھی ربع قرآن کے برابر ہے۔[1] امام نسائی نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا: اے ابن عتبہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کی کون سی سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی؟ میں نے عرض کی: جی ہاں مجھے معلوم ہے، ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ①﴾ سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی تو انھوں نے فرمایا: آپ سچ کہتے ہیں۔[2]

تفسیر آیات: 1-3

اشارتاً رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے بھی غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے والے بزرگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشورے میں شریک فرمایا کرتے تھے تو ان میں سے بعض نے محسوس کیا اور کہا کہ آپ اسے ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں کیونکہ اس کے ہم عمر تو ہمارے بچے بھی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنھیں تم جانتے ہو۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو کسی مشورے کے لیے بلایا اور مجھے بھی ان میں شریک کیا اور میرے خیال میں اس دن انھوں نے مجھے اسی لیے بلایا تھا تاکہ انھیں یہ بات باور کرائیں کہ مجھے ان کے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اس مجلس میں آپ نے ان سے پوچھا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ①﴾ کی تفسیر کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ بعض نے کہا کہ اس سورت میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں فتح و نصرت حاصل ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور اس سے استغفار کریں اور بعض خاموش رہے اور انھوں نے کچھ بھی نہ کہا، پھر آپ نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ابن عباس! تمھاری بھی

---

① دیکھیے تفسیر ابن کثیر مفصل، سورۂ زلزال کی ابتدا میں، نیز دیکھیے جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب ماجاء فی إذا زلزلت، حدیث: 2895. لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ ② السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب سورة النصر: 525/6، حدیث: 11713.

اس سورت کے بارے میں یہی رائے ہے؟ میں نے کہا: نہیں تو انھوں نے فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ اس سورۂ مبارکہ میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ بات معلوم کرائی ہے کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے، فرمایا: ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ① ﴾ ''جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے گی۔'' تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے، ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ③ ﴾ ''تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے مغفرت مانگیے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ میرے علم کے مطابق بھی یہی بات درست ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ یہ روایت صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے، ① امام مسلم نے نہیں۔

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سورت ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ① ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نُعِيَتْ إِلَيَّ نَفْسِي] ''(اس سورت میں) مجھے میری وفات کی خبر دی گئی ہے۔'' کہ آپ اسی سال اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو جائیں گے۔ اس روایت کو بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں کثرت سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ! اِغْفِرْلِي] ''اے اللہ! ہمارے پروردگار! تو پاک ہے اور تیری ہی حمد و ثنا ہے، اے اللہ! تو مجھے بخش دے۔'' اس طرح آپ قرآن مجید (میں دیے گئے حکم) پر عمل کرتے تھے۔ ③ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ کے سوا کتب ستہ کے دیگر مولفین نے بھی بیان کیا ہے۔ ④

امام احمد نے مسروق کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری عمر میں یہ کلمات بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے: [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ] ''اللہ پاک ہے اور اسی کی حمد و ثنا ہے، میں اللہ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔'' اور آپ نے فرمایا: [إِنَّ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ كَانَ أَخْبَرَنِي أَنِّي سَأَرٰى عَلَامَةً فِي أُمَّتِي وَأَمَرَنِي إِذَا رَأَيْتُهَا أَنْ أُسَبِّحَ بِحَمْدِهِ وَأَسْتَغْفِرَهُ، إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا، فَقَدْ رَأَيْتُهَا: ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ③ ﴾] ''بے شک میرے رب نے مجھے مطلع فرما دیا تھا کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھ لوں گا اور مجھے حکم دیا تھا کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں تو اس کی حمد و ثنا بیان کروں اور اس سے مغفرت طلب کروں، بے شک وہ معاف فرمانے والا ہے، تو میں نے اس علامت کو دیکھ لیا ہے اور وہ یہ ہے: ''جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے گی اور آپ لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ...... ﴾ (النصر110:3)، حدیث: 4970. ② مسند أحمد: 217/1 یہ روایت موقوفاً صحیح ہے۔ ③ صحيح البخاري، التفسير، باب:(2)، حدیث: 4968. ④ صحيح مسلم، الصلاة، باب مايقال في الركوع والسجود؟ حديث: 484 و سنن أبي داود، الصلاة، باب الدعاء في الركوع والسجود، حديث: 877 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة النصر: 525/6، حديث: 11710 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات...... باب التسبيح في الركوع والسجود، حديث: 889.

مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''① اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے②

فتح سے یہاں مراد فتح مکہ ہے اور اس سلسلے میں سب کا یہی قول ہے۔ عرب قبائل اسلام قبول کرنے کے لیے فتح مکہ کے منتظر تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آگئے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مکہ کی فتح سے بھی سرفراز فرما دیا تو لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہونے لگے اور ابھی دو سال کی مدت بھی نہ گزری تھی کہ سارا جزیرۃ العرب ایمان سے بھر گیا اور تمام قبائل عرب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صحیح میں عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا کیونکہ تمام قبائل عرب اسلام قبول کرنے کے لیے فتح مکہ ہی کے منتظر تھے اور کہتے تھے کہ انھیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو اگر آپ ان پر غالب آگئے تو آپ سچے نبی ہیں۔③ ہم نے غزوۂ فتح کے واقعات کو اپنی کتاب السیرۃ میں بیان کیا ہے، تفصیل کے طالب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔④ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. امام احمد نے ابو عمار سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ایک پڑوسی نے بیان کیا کہ میں سفر سے واپس آیا تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما مجھ سے ملنے آئے اور انھوں نے مجھے سلام کیا تو میں نے ان سے لوگوں کی تفرقہ بازی اور بدعات وغیرہ کا ذکر کیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے اور پھر کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ النَّاسَ دَخَلُوا فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا وَّ سَيَخْرُجُونَ مِنْهُ أَفْوَاجًا] ''بے شک لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوئے اور عنقریب وہ اسی طرح فوج درفوج دین سے خارج بھی ہو جائیں گے۔''⑤

سورۂ نصر کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

① مسند أحمد: 35/6. ② صحيح مسلم، الصلاة، باب مايقال في الركوع والسجود؟ حديث:(220)-484.
③ صحيح البخاري، المغازي، باب:(54)، حديث:4302 مفصلاً. ④ السيرة النبوية لابن کثیر: 3/539-609 (C.D) و الفصول في سيرة الرسول ﷺ لابن کثیر: 100-108. ⑤ مسند أحمد: 3/343. یہ حدیث ضعیف ہے۔

تفسیر سُوْرَۃُ لَہَب

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ

ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہو گیا① نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے② عنقریب وہ ضرور بھڑکتی

لَهَبٍ ③ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤ ع 1 5 36

آگ میں داخل ہوگا③ اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھائے ہوئے ہے④ اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی⑤

تفسیر آیات:1-5

سورۂ لہب کی شان نزول اور ابولہب کا رسول اللہ ﷺ سے عناد: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ بطحا کی طرف تشریف لے گئے اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر مکہ کے لوگوں کو صدا دی [يَاصَبَاحَاهُ!] (اہل عرب یہ جملہ حملے کے وقت مدد کے لیے کہا کرتے تھے)، چنانچہ قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: [أَرَأَيْتُمْ إِنْ حَدَّثْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ مُصَبِّحُكُمْ أَوْ مُمَسِّيكُمْ، أَكُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي؟] ''دیکھو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ دشمن تم پر صبح یا شام حملہ کرنا ہی چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟'' سب نے بیک جنبش زبان کہا: ہاں تو آپ نے فرمایا: [فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ] ''تو (پھر میری اس بات کو بھی سچ مانو کہ) میں تمھیں عذاب شدید (کے آنے) سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ تیرے لیے ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت نازل فرمائی۔[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ابولہب (ہاتھ جھاڑتے ہوئے) کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: تو ہلاک ہو جائے، کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① ﴾ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو گیا۔''[2] اس میں ﴿ تَبَّتْ ﴾ ابولہب کے لیے بددعا ہے اور ﴿ تَبَّ ① ﴾ میں اس کی ہلاکت کی خبر دی

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② ﴾، حديث :4972 و صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ ﴾ (الشعرآء26:214)، حديث:208. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② ﴾، حديث :4972 و صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ ﴾ (الشعرآء26:214)، حديث: 208 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. البتہ قوسین والے الفاظ نہیں مل سکے۔

جارہی ہے۔ یہ ابولہب رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا، اس کا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب اور کنیت ابوعتیبہ تھی۔ چہرے کی چمک دمک کی وجہ سے اسے ابولہب کہا جاتا تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کو بہت ایذا پہنچاتا، آپ سے بے حد بغض رکھتا اور آپ کی اور آپ کے دین کی تنقیص میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوزناد سے روایت کیا ہے کہ مجھے خاندانِ دیل کے ایک شخص نے بتایا جس کا نام ربیعہ بن عباد رضی اللہ عنہ تھا اور اس کا تعلق زمانۂ جاہلیت سے تھا مگر وہ مشرف بہ اسلام ہوگیا تھا کہ میں نے نبی ﷺ کو زمانۂ جاہلیت میں ذوالمجاز بازار میں دیکھا، آپ فرما رہے تھے: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قُولُوا! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا] ''لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تم فلاح پا جاؤ گے۔'' لوگ آپ کی بات سننے کے لیے جمع ہو جاتے مگر آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص تھا جس کا چہرہ روشن، آنکھیں بھینگی اور سر پر بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں، وہ آپ کے بارے میں کہتا: لوگو! اس کی بات نہ سننا، یہ بے دین اور کذاب ہے، آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے، وہ آپ کے پیچھے پیچھے ہوتا، میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ نبی ﷺ کا چچا ابولہب ہے۔ [1] اسی روایت کو امام احمد نے سریج سے، انھوں نے ابن ابوالزناد سے اور انھوں نے اپنے باپ ابوالزناد سے بھی روایت کیا ہے کہ میں نے ربیعہ سے پوچھا کہ ان دنوں تم بچے ہو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں اللہ کی قسم! میں اس وقت باشعور تھا اور مشکیزہ اٹھالیا کرتا تھا۔ اسے صرف امام احمد نے روایت کیا ہے۔ [2]

فرمان الٰہی: ﴿ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ ﴾ ''نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ (وہ) جو اس نے کمایا'' کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ کرام فرماتے ہیں کہ یہاں کمائی سے اولاد مراد ہے۔ [3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، مجاہد، عطاء، حسن اور ابن سیرین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [4] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو ابولہب نے کہا کہ اگر میرا بھتیجا جو کچھ کہتا ہے وہ سچ ہے تو روز قیامت میں اپنے مال اور اولاد کو بطور فدیہ دے کر دردناک عذاب سے بچ جاؤں گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ ﴾ ''نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور (نہ) وہ جو اس نے کمایا۔'' [5] ﴿ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ ﴾ ''عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا۔'' یعنی ایسی آگ میں جو بھڑکتی ہوگی، اس کے شرارے بہت ہوں گے اور وہ نہایت شدید جلانے والی ہوگی۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل کا انجام: ﴿ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ ﴾ ''اور اس کی بیوی (بھی) جو ایندھن اٹھائے ہوئے ہے۔'' اس کی بیوی قریشی عورتوں کی سردار تھی، اس کی کنیت ام جمیل اور نام اروی بنت حرب بن امیہ تھا اور یہ ابوسفیان کی بہن تھی، یہ کفر و عناد اور انکار اسلام میں اپنے شوہر کی مددگار تھی، لہٰذا روز قیامت آتشِ جہنم کے عذاب میں بھی اس کی مددگار ہوگی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ ﴾ ''جو ایندھن اٹھائے ہوئے ہے، اس

---

[1] مسند أحمد: 342,341/4. [2] مسند أحمد: 342,341/4. [3] تفسير الطبري: 440/30. [4] تفسير الطبري: 441,440/30 و تفسير ابن أبي حاتم: 3473/10 و الدر المنثور: 702/6. [5] تفسير البغوي: 327/5.

کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔''یعنی یہ لکڑیاں ڈھوئے گی اور اسے اپنے شوہر کے اوپر ڈال دے گی تاکہ اس کے عذاب میں اور بھی اضافہ ہو، یعنی یہ اس کے عذاب میں اضافے کے لیے تیاری کر رہی ہے۔ ﴿ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵ ﴾ ''اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔''

مجاہد اور عروہ فرماتے ہیں کہ اس سے جہنم کی چھال کی بٹی ہوئی رسی مراد ہے۔ [1] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور عطیہ جدلی، ضحاک اور ابن زید نے روایت کیا ہے کہ یہ عورت رسول اللہ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی۔ [2] جوہری کہتے ہیں کہ ﴿ مَّسَدٍ ۝۵ ﴾ کھجور کی رسی کو کہتے ہیں، خواہ وہ کھجور کی چھال سے بنی ہو یا پتوں سے، نیز اونٹ کی کھال یا بال سے بنی ہوئی رسی کو بھی مسد کہا جاتا ہے اور مَسَدتُّ الْحَبْلَ، أَمْسُدُهٗ مَسْدًا اس وقت کہتے ہیں جب آپ رسی کو اچھی طرح بٹ دیں۔ [3] حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵ ﴾ سے مراد لوہے کا طوق ہے۔ [4] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عرب چرخے کو بھی مسد کہتے ہیں؟

ابولہب کی بیوی کا رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کا ایک قصہ: امام ابن ابوحاتم نے اپنے والد ابوحاتم اور ابوزرعہ سے انھوں نے عبداللہ بن زبیر حمیدی از سفیان از ولید بن کثیر از ابن تدرس انھوں نے حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سورۂ ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ ﴾ نازل ہوئی تو یہ بھینگی ام جمیل بنت حرب بڑبڑاتی اور ہاتھ میں پتھر پکڑے ہوئے آئی اور کہنے لگی: مُذَمَّمًا أَبَيْنَا وَدِينَهٗ قَلَيْنَا وَأَمْرَهٗ عَصَيْنَا ''مذمم کا ہم انکار کریں گے، ان کے دین سے ناراض ہوں گے اور ان کے حکم کی نافرمانی کریں گے۔'' رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اسے دیکھا تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ عورت آرہی ہے اور مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ آپ کو دیکھ لے گی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهَا لَنْ تَرَانِي] ''نہیں، یہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی۔'' اور پھر آپ نے تحفظ کے لیے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ ﴾ (بنيٓ إسرآء يل 45:17) ''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں۔'' یہ عورت آئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، کہنے لگی: ابوبکر! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے ساتھی نے میری ہجو کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں اس گھر کے رب کی قسم! انھوں نے تمھاری ہجو نہیں کی تو یہ عورت یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گئی کہ قریش کو یہ معلوم ہے کہ میں اس کے سردار کی بیٹی ہوں۔ [5] ولید یا کسی دوسرے راوی نے اپنی حدیث میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ام جمیل کا اپنی چادر میں پاؤں پھسل گیا تو کہنے لگی: مذمم کا برا ہو تو ام حکیم بنت عبدالمطلب نے کہا

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 3473/10 . [2] تفسير الطبري: 442,441/30 . [3] الصحاح: 470,469/2، مادة: مسد .
[4] تفسير الطبري: 444/30 . [5] تفسير ابن أبي حاتم: 3473,3472/10 .

کہ میں تو پاک دامن ہوں، میں کوئی بات نہیں کروں گی، میں ذکی و ذہین عورت ہوں، میں کچھ نہیں جانتی، ہم دونوں چچا زاد بہنیں ہیں اور یہ جو کچھ کہہ رہی ہے اس کے بارے میں قریش ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ ①

سورۂ لہب کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

② مسند الحمیدی:1/153-155، حدیث: 323 .

تفسیر سُورۂ اِخلاص

یہ سورت مکی ہے

سورۂ اخلاص کی شان نزول اور فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنے رب کا ہمارے سامنے حسب نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمادی: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④﴾۔[1] امام ترمذی اور ابن جریر نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ﴿الصَّمَدُ ②﴾ اسے کہتے ہیں جس نے نہ جنم دیا ہو اور نہ اسے کسی نے جنم دیا ہو کیونکہ جو پیدا ہوتا ہے وہ ایک نہ ایک دن مرتا بھی ہے اور جو مرتا ہے اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم بھی ہوتا ہے جبکہ اللہ عزوجل کی ذات گرامی موت اور اپنی وراثت کی تقسیم سے پاک ہے، ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④﴾ ''اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔'' یعنی کوئی اس کے مشابہ اور برابر نہیں ہے اور نہ کوئی اس کے مثل ہی ہے۔[2] اسے امام ابن ابو حاتم نے بھی روایت کیا ہے،[3] امام ترمذی نے اس روایت کو مرسلاً بھی ذکر کیا اور فرمایا ہے کہ یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔[4]

سورۂ اخلاص کی فضیلت میں ایک اور حدیث: حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن، جنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پرورش پائی تھی، کے واسطے سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، وہ اپنے ساتھیوں کو جب نماز پڑھاتے تو قراءت کے اختتام پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ ضرور پڑھتے، جب یہ لوگ واپس آئے تو انھوں نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [سَلُوهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ؟] ''ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' انھوں نے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ اس سورۂ مبارکہ میں رحمٰن کی صفت بیان کی گئی ہے، اس لیے مجھے اس سورت کے پڑھنے سے بہت محبت ہے، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللّٰهَ (تَعَالٰى) يُحِبُّهٗ] ''اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہے۔'' امام بخاری نے اس حدیث کو

---

① مسند أحمد: 134,133/5. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الإخلاص، حديث: 3364 وتفسير الطبري: 450/30. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 3474/10. ④ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الإخلاص، حديث: 3365.

کتاب التوحید میں بیان فرمایا ہے۔① نیز اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔②

فضیلت سورۂ اخلاص میں ایک اور حدیث: حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلاۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری مسجد قباء میں نماز کی امامت کے فرائض سر انجام دیا کرتے تھے تو وہ نماز میں جس سورت کی بھی قراءت کرنا چاہتے تو اس سے پہلے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ ضرور پڑھتے حتی کہ اس سورت کی قراءت سے فارغ ہو کر پھر کوئی دوسری سورت پڑھتے اور ہر رکعت میں اسی طرح کیا کرتے تھے، ان کے ساتھیوں نے اس سلسلے میں ان سے بات کی کہ آپ اس سورت کو شروع کر لیتے ہیں اور پھر سمجھتے ہیں کہ شاید یہ کافی نہیں جس کی وجہ سے آپ کوئی دوسری سورت بھی پڑھتے ہیں، لہٰذا یا تو اسی سورت پر اکتفا کیجیے یا پھر اسے چھوڑ دیجیے اور اس کے بجائے کوئی دوسری سورت پڑھ لیا کریں، انھوں نے جواب دیا کہ میں اس سورت کو ضرور پڑھوں گا اور اگر تم میری امامت کو پسند کرتے ہو کہ میں تمھیں نماز پڑھاتا رہوں تو میں اس سورت کو ضرور پڑھوں گا اور اگر تم میری امامت کو پسند نہیں کرتے تو میں نماز پڑھانا چھوڑ دیتا ہوں، لوگ انھیں اپنے میں سے افضل سمجھتے تھے، لہٰذا انھوں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ ان کے سوا کوئی اور نماز پڑھائے، جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: [يَافُلَانُ! مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ؟ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلٰى لُزُومِ هٰذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ؟] ''اے فلاں! تمھارے ساتھی جو کچھ کہتے ہیں، تم اس کے مطابق عمل کیوں نہیں کرتے اور ہر رکعت میں باقاعدگی کے ساتھ اس سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک مجھے اس سورت سے محبت ہے تو آپ نے فرمایا: [حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ] ''اس سورت کی محبت تمھیں جنت میں لے جائے گی۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اسی طرح تعلیقاً مگر صیغۂ جزم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔③

سورۂ اخلاص ثلث قرآن کے برابر ہے: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو سنا کہ وہ سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ پڑھ رہا ہے اور اسے بار بار پڑھ رہا ہے، جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اس بات کا ذکر کیا، اس نے گویا محض اس سورت کی تلاوت کو کم جانا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت

---

① صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ أمته......، حديث : 7375 . ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾، حديث : 813 و السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب الفضل في قراءة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ 6/177، حديث: 10539. ③ صحيح البخاري، الأذان، باب الجمع بين السورتين في ركعة......، حديث : 774 . امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کتاب الصلاۃ کا ذکر کیا ہے جبکہ یہ حدیث کتاب الأذان میں ہے، نیز اس میں [يَحْمِلُكَ] کا لفظ ہے جبکہ تفسیر ابن کثیر میں [حَمَلَكَ] ہے۔

قرآن مجید کے ثلث کے برابر ہے۔''[1] اسے امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: [أَيَعۡجِزُ أَحَدُكُمۡ أَنۡ يَّقۡرَأَ ثُلُثَ الۡقُرۡآنِ فِي لَيۡلَةٍ؟] ''کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ ایک رات میں قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ پڑھے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ کام بہت دشوار محسوس ہوا اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کسے اس بات کی طاقت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ الۡوَاحِدُ الصَّمَدُ، ثُلُثُ الۡقُرۡآنِ] ''اللہ الواحد الصمد (والی سورت) ثلث قرآن ہے۔'' اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے بیان فرمایا ہے۔[3]

سورۂ اخلاص کی قراءت موجب جنت ہے: امام مالک بن انس نے عبید بن حنین سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ آرہا تھا کہ آپ نے ایک شخص کو ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ پڑھتے ہوئے سنا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَجَبَتۡ] ''واجب ہوگئی ہے۔'' میں نے عرض کی: کیا واجب ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَلۡجَنَّةُ] ''جنت۔''[4] اسے امام ترمذی اور نسائی نے بھی امام مالک ہی کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور ہم اسے صرف امام مالک ہی کی سند کے ساتھ جانتے ہیں۔[5] اور یہ حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے: [حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدۡخَلَكَ الۡجَنَّةَ] ''اس سورت کی محبت تمھیں جنت میں لے جائے گی۔''[6]

سورۂ اخلاص کی بار بار قراءت: عبداللہ بن امام احمد رحمہما اللہ نے معاذ بن عبداللہ بن خبیب سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہمیں بہت پیاس لگی اور رات بھی بہت تاریک تھی، ہم نے انتظار کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھائیں، آپ تشریف لائے تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: [قُلۡ] ''کہو۔'' میں خاموش رہا، آپ نے پھر فرمایا: [قُلۡ] ''کہو۔'' میں نے عرض کی: کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: [﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ وَالۡمُعَوِّذَتَيۡنِ حِينَ تُمۡسِي وَحِينَ تُصۡبِحُ ثَلَاثًا تَكۡفِيكَ كُلَّ يَوۡمٍ مَّرَّتَيۡنِ] ''ہر روز صبح و شام کے دو اوقات میں تین تین بار ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ اور معوذتین پڑھ لیا کرو تو یہ تمھیں کفایت کریں گی۔''[7] اسے امام ابوداود، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح

---

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، حديث:5013 . ② سنن أبي داود، الوتر، باب في سورة الصمد، حديث:1461 والسنن الكبرى للنسائي، فضائل القرآن، باب سورة الإخلاص:17,16/5، حديث:8029. ③ صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، حديث:5015 . ④ الموطأ للإمام مالك، القرآن، باب ماجاء في قراءة ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾......: 71/1، حديث: 495 . ⑤ جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة الإخلاص......، حديث: 2897 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب الفضل في قراءة ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ 177/6، حديث:10538. ⑥ صحيح البخاري، الأذان، باب الجمع بين السورتين في ركعة......، حديث: 774 عن أنس بن مالك رضي الله عنه. ⑦ مسند أحمد: 312/5، البتہ تفسیر ابن کثیر میں [تَكۡفِيكَ] کے بجائے [تَكۡفِكَ] ہے۔ ملحوظہ: حدیث میں موجود [مَرَّتَيۡنِ] کو بعض محققین نے زائد قرار دیا ہے۔ (الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 335/37)

غریب قرار دیا ہے،① امام نسائی نے اسے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں الفاظ یہ ہیں: [تَكْفِكَ كُلَّ شَيْءٍ] ''ان سورتوں کا پڑھنا تجھے ہر چیز سے کفایت کرے گا۔''②

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ساتھ دعا کا ذکر: امام نسائی نے اس سورۂ مبارکہ کی تفسیر میں عبداللہ بن بریدہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھتے ہوئے یہ دعا کر رہا ہے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، الْأَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ] ''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے تیرے اور تو ہی ایک ہے، بے نیاز ہے جو نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی تیرا ہمسر ہی ہے۔'' آپ نے یہ سن کر فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اس اسم اعظم کے واسطے سے دعا کی ہے کہ جس کے واسطے سے جب اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرما دیتا ہے اور اگر دعا کی جائے تو وہ شرفِ قبولیت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔''③ اسے دیگر اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔④

آخری تین سورتوں کے ساتھ دم کرنا: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب ہر رات اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کر کے ان میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝﴾، ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝﴾ پڑھ کر پھونک مارتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچتے اپنے جسم مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے سے آغاز فرماتے اور تین بار اس طرح کرتے۔⑤ اصحابِ سنن نے بھی اسے اسی

① سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذا أصبح، حديث:5082 وجامع الترمذي، الدعوات، باب الدعاء عند النوم، حديث:3575 وسنن النسائي، الاستعاذة، باب ماجاء في سورتي المعوذتين، حديث:5430. ② یہ الفاظ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں نہیں ہیں، نیز امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر مفصل میں نسائی کی جس سند کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں، دیکھیے سنن النسائي، الاستعاذة، باب ماجاء في سورتي المعوذتين، حديث:5433,5432. ③ یہ روایت سنن النسائي کے مطبوعہ نسخوں کی كتاب التفسير میں ہمیں نہیں ملی جبکہ تحفة الأشراف:109/2، حديث:1998 میں سنن النسائي کی كتاب التفسير کے حوالے سے مذکور ہے، البتہ اختصار کے ساتھ السنن الكبرى للنسائي، النعوت، باب الله الواحد الأحد الصمد......:395,394/4، حديث:7666 میں موجود ہے، نیز اس حدیث کے مندرجہ بالا الفاظ شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم القرآن، فصل في رفع الصوت بالقرآن......:526,525/2، حديث:2604 کے مطابق ہیں، تاہم تفسیر ابن کثیر میں [سَأَلَ اللّٰهَ] کے بجائے [سَأَلَهُ] ہے۔ ④ سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، حديث:1493 وجامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء في جامع الدعوات عن رسول الله ﷺ، حديث:3475 وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب اسم الله الأعظم، حديث:3857. ⑤ صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، حديث:5017.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمۡ یَلِدۡ ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ③ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے ① اللہ بے نیاز ہے ② اس نے (کسی کو) نہیں جنا اور نہ وہ (خود) جنا گیا ③ اور کوئی ایک ہی اس

کُفُوًا اَحَدٌ ④ ع 1/4 37

کا ہمسر نہیں ④

طرح روایت کیا ہے۔ ①

تفسیر آیات:1-4

اس سورۂ مبارکہ کی شان نزول قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔ ② عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے ہیں، عیسائیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے مسیح کی عبادت کرتے ہیں، مجوسیوں نے کہا کہ ہم شمس وقمر کی عبادت کرتے ہیں اور مشرکوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ ''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے'' کو نازل فرما دیا۔ ③ یعنی وہ واحد احد ہے کہ اس کا کوئی نظیر، کوئی وزیر، کوئی شریک، کوئی شبیہ اور کوئی برابری کرنے والا نہیں ہے، اثبات کے لیے یہ لفظ اللہ عزوجل کی ذات گرامی کے سوا اور کسی کے لیے استعمال ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اپنی تمام صفات اور افعال میں صرف وہی کامل ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ ②﴾ ''اللہ بے نیاز ہے۔'' عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿الصَّمَدُ ②﴾ وہ ہے جس کی طرف تمام مخلوقات اپنی حاجتوں اور اپنے مسائل کے لیے رجوع کریں۔ ④ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿الصَّمَدُ ②﴾ کے معنی اس سردار کے ہیں جو اپنی سیادت میں کامل ہو، وہ شریف ہو اور اپنے عز وشرف میں کامل ہو، وہ عظیم ہو اور اپنی عظمت میں کامل ہو، وہ حلیم ہو اور اپنے حلم میں کامل ہو، وہ علیم ہو اور اپنے علم میں کامل ہو، وہ حکیم ہو اور اپنی حکمت میں کامل ہو، الغرض وہ جو شرف وسیادت کی تمام انواع واقسام میں کامل ہو اور ان اوصاف کی حامل اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے، یہ کسی اور کی صفات نہیں ہو سکتیں کیونکہ کوئی اس کی ہمسری کرنے والا اور اس کے مثل نہیں ہے۔ ⑤ سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ. امام اعمش نے شقیق اور ابووائل سے روایت کیا ہے کہ ﴿الصَّمَدُ ②﴾ اس سردار کو کہتے ہیں جس پر سیادت کی انتہا ہو۔ ⑥

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول عند النوم، حديث:5056 وجامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء فيمن يقرأ من القرآن عند المنام، حديث:3402 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب وما يقول من يفزع في منامه:197/6، حديث:10624 وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب مايدعو به إذا أوى إلى فراشه، حديث:3875. ② دیکھیے اسی سورت کی ابتدا میں عنوان ''سورۂ اخلاص کی شان نزول اور فضیلت'' ③ تفسير ابن أبي حاتم :2478/8. ④ تفسير القرطبي :245/20 ضحاك عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. ⑤ تفسير الطبري :451/30 وتفسير ابن أبي حاتم :3474/10. ⑥ تفسير الطبري :451/30.

اللہ تعالیٰ اولاد، باپ، بیوی اور شریک سے پاک ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ ’’نہ اس نے (کسی کو) جنا اور نہ وہ جنا گیا اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔‘‘ یعنی نہ کوئی اس کا بیٹا ہے، نہ باپ اور نہ بیوی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ ① جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (الأنعام 101:6) ’’وہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں؟ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔‘‘ یعنی وہ ہر چیز کا مالک اور خالق ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس کا نظیر ہو جو اس جیسا ہو یا کوئی قریب ہو جو اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے؟ اس کی ذات گرامی ہر قسم کی شراکت سے مقدس اور منزہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ (مریم 19:88-95) ’’اور انھوں نے کہا: رحمٰن اولاد رکھتا ہے، البتہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آپہنچے ہو، آسمان قریب ہیں کہ اس (افترا) سے پھٹ پڑیں، اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے، آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں، وہ سب رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گے، بلاشبہ یقیناً اس رحمٰن نے ان کا شمار کر رکھا ہے اور انھیں خوب گن رکھا ہے اور وہ سب قیامت کے دن اس کے پاس تنہا تنہا آئیں گے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الأنبیاء 21:26,27) ’’اور انھوں نے کہا: رحمٰن نے کوئی اولاد بنائی ہے، وہ (اس سے) پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے اللہ کے) معزز و مکرم بندے ہیں، وہ بات کرنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:158,159) ’’اور انھوں نے اس (اللہ) کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ ٹھہرایا، حالانکہ بلاشبہ یقیناً جنات جان چکے ہیں کہ وہ (اللہ کے سامنے) ضرور حاضر کیے جائیں گے، اللہ ان (باتوں) سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔‘‘

صحیح بخاری میں حدیث ہے: [لَا أَحَدَ أَصْبَرُ عَلٰى أَذًى (سَمِعَهُ) مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، (يَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا، وَّهُوَ...... يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ......)] ’’اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر تکلیف دہ بات سن کر اور کوئی زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود...... وہ انھیں رزق دیتا اور صحت و عافیت سے نوازتا ہے......‘‘②

① تفسير الطبري :453/30. ② صحيح البخاري، الأدب، باب الصبر في الأذى......، حديث: 6099 وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب في الكفار، حديث: 2804 عن أبي موسى عبدالله بن قيس ﷺ واللفظ له، البتہ پہلی قوسین والا لفظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے اور دوسری قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، حدیث: (50)-2804 کے مطابق ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[قَالَ اللّٰهُ (عَزَّوَ جَلَّ): كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لَنْ يُّعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: اِتَّخَذَاللّٰهُ وَلَدًا وَّأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ، لَمْ أَلِدْوَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِّي كُفُوًا أَحَدٌ] ''اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی، حالانکہ اسے اس کا کوئی حق نہیں تھا، ابن آدم نے مجھے گالی دی، حالانکہ اسے اس بات کا بھی کوئی حق نہیں تھا، اس کا میری تکذیب کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ وہ مجھے اس طرح دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کرے گا جس طرح اس نے پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد بنائی ہے، حالانکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور کوئی بھی میرا ہمسر نہیں ہے۔''[1]

سورۂ اخلاص کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب: (1)، حدیث :4974.

فضائل معوذتین

یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا معوذتین کے بارے میں موقف: امام احمد رحمہ اللہ نے زِرّ بن حبیش سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف میں معوذتین نہیں لکھتے تو انھوں نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا: ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① ﴾ ''کہہ دیجیے: میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔'' تو میں نے یہ کہا، پھر انھوں نے کہا: ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① ﴾ ''کہہ دیجیے: میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔'' تو میں نے یہ بھی کہا، چنانچہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ ①

معوذتین کی فضیلت میں متعدد احادیث: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَمْ تَرَ آيَاتٍ أُنْزِلَتْ (هٰذِهِ) اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَمِثْلُهُنَّ قَطُّ؟ ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① ﴾ وَ ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① ﴾] ''کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ آج رات ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی آیات کبھی نہیں دیکھی گئیں اور وہ ہیں: ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① ﴾'' ② اسے امام احمد، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ③

ایک دوسری سند: امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں ان وادیوں میں سے ایک وادی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: [يَا عُقْبَةُ! أَلَا تَرْكَبُ؟] ''عقبہ! تم بھی سوار کیوں نہیں ہو جاتے؟'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے پیش نظر آپ کی سواری پر سوار نہ ہوا، پھر آپ نے فرمایا: [يَا عُقْبَةُ! أَلَا تَرْكَبُ؟] ''اے عقبہ! تم سوار کیوں نہیں ہو جاتے؟'' مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ آپ کی نافرمانی نہ ہو جائے، اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے نیچے تشریف لے آئے تو آپ کے فرمان کی اطاعت بجا لاتے ہوئے میں تھوڑی دیر کے لیے سوار ہو گیا اور پھر میں اترا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: [يَاعُقْبَةُ! أَلَا أُعَلِّمُكَ سُورَتَيْنِ مِنْ خَيْرِ سُورَتَيْنِ قَرَأَ بِهِمَا النَّاسُ؟] ''عقبہ! کیا میں تمھیں دو ایسی بہترین سورتیں نہ سکھاؤں جنھیں لوگوں نے پڑھا ہے؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ضرور سکھائیں تو آپ نے مجھے ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① ﴾ پڑھائیں۔ پھر نماز

---

① مسند أحمد: 129/5. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة المعوذتين، حديث: 814 البتہ قوسین والا لفظ ہمیں نہیں ملا۔ ③ مسند أحمد: 144/4 وجامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة المعوذتين، حديث: 3367 وسنن النسائی، الافتتاح، باب الفضل فی قراءة المعوذتين، حديث: 955.

قائم کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے امامت کے فرائض سرانجام دیے اور نماز میں انھی دو سورتوں کی قراءت فرمائی، پھر آپ کا میرے پاس سے گزر ہوا تو فرمایا: [كَيْفَ رَأَيْتَ يَا عُقْبُ! اِقْرَأْ بِهِمَا كُلَّمَا نِمْتَ وَ كُلَّمَا قُمْتَ] ''عقب! ان دو سورتوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جب بھی تم سونے لگو اور اٹھو تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ لیا کرو۔''① اسے امام نسائی اور ابو داود نے بھی روایت کیا ہے۔②

ایک اور سند: امام نسائی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَتَعَوَّذُوا بِمِثْلِ هَاتَيْنِ: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①﴾ وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①﴾] ''بلاشبہ لوگوں نے سورۂ فلق اور سورۂ ناس جیسی سورتوں کے ذریعے سے پناہ نہیں پکڑی۔''③

ایک اور سند سے: امام نسائی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا کہ آپ نے فرمایا: [يَا عُقْبَةُ! قُلْ] ''اے عقبہ! کہو'' میں نے عرض کی: کیا کہوں؟ تو آپ نے خاموشی اختیار فرمالی، پھر آپ نے فرمایا: [(يَا عُقْبَةُ!) قُلْ] ''اے عقبہ! کہو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا کہوں؟ تو آپ نے پھر خاموشی اختیار فرمالی تو میں نے کہا: اے اللہ! انھیں مجھ پر لوٹا دے (کہ آپ مجھ سے دوبارہ یہی فرمائیں)، چنانچہ آپ نے فرمایا: [يَا عُقْبَةُ! قُلْ] ''اے عقبہ! کہو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①﴾ میں نے اسے پڑھا حتی کہ یہ سورت پوری ہوگئی، پھر آپ نے فرمایا: [قُلْ] ''کہو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①﴾ میں نے اسے پڑھا حتی کہ پوری سورت پڑھ لی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: [مَا سَأَلَ سَائِلٌ بِمِثْلِهِمَا وَلَا اسْتَعَاذَ مُسْتَعِيذٌ بِمِثْلِهِمَا] ''کسی سوال کرنے والے نے ان کی طرح کا سوال نہیں کیا اور کسی پناہ مانگنے والے نے ان کی طرح کی پناہ نہیں مانگی۔''④

ایک اور حدیث: امام نسائی نے ابن عابس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: [يَا ابْنَ عَابِسٍ! أَلَا أَدُلُّكَ - أَوْ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ - بِأَفْضَلِ مَا يَتَعَوَّذُ بِهِ الْمُتَعَوِّذُونَ؟] ''ابن عابس! کیا میں تمھیں اس سب سے بہتر تعوذ کے بارے میں نہ بتاؤں جس کے ساتھ پناہ مانگنے والوں نے پناہ مانگی ہو؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: [﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①﴾ وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①﴾ هَاتَانِ السُّورَتَانِ] ''یہ دو سورتیں سورۂ فلق اور سورۂ ناس (سب سے افضل تعوذ) ہیں۔''⑤

---

① مسند أحمد: 144/4. ② سنن النسائي، الاستعاذة، باب ماجاء في سورتي المعوذتين، حديث: 5439 و سنن أبي داود، الوتر، باب في المعوذتين، حديث: 1462. ③ السنن الكبرى للنسائي، كتاب و باب الاستعاذة: 442/4، حديث: 7856. ④ السنن الكبرى للنسائي، كتاب و باب الاستعاذة: 437/4، حديث: 7838. البتہ قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔ ⑤ السنن الكبرى للنسائي، كتاب و باب الاستعاذة: 438/4، حديث: 7841 و سنن النسائي، الاستعاذة، باب ماجاء في سورتي المعوذتين، حديث: 5434.

تفسیر سورۂ فلق

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں① (ہر) اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی② اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ

ع 1/5/38 وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤

چھا جائے③ اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے④ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے⑤

امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت جب ناساز ہوتی تو آپ معوذتین پڑھ کر دم فرما لیا کرتے تھے اور جب تکلیف زیادہ ہوتی تو معوذات میں پڑھ دیتی لیکن آپ کے جسم اطہر پر آپ ہی کے دست مبارک کو برکت کی امید سے پھیر دیتی۔ ① اسے امام بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ② حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنوں کی نظروں اور انسانوں کی نظروں سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے انھیں معمول بنا لیا اور ان کے سوا دیگر چیزوں کو ترک فرما دیا۔ اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ ③

تفسیر آیات:1-5

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿اَلْفَلَقِ ①﴾ سے مراد صبح ہے۔ ④ عوفی نے حضرت

① الموطأ للإمام مالك، العين، باب التعوذ والرقية فى المرض: 374/2، حديث: 1803 البتہ مذکورہ حوالے میں یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ معوذتین کے بجائے معوذات پڑھتے تھے، نیز یہ بھی ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نبیٔ اکرم ﷺ کے دائیں ہاتھ کو آپ کے جسم اطہر پر پھیرتی تھیں۔ ② صحيح البخارى، فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، حديث: 5016 وصحيح مسلم، السلام، باب رقية المريض ......، حديث: (51)-2192 وسنن أبى داود، الطب، باب كيف الرقى؟ حديث: 3902 والسنن الكبرى للنسائى، الطب، باب قراءة المريض على نفسه: 367/4، حديث: 7544 وسنن ابن ماجه، الطب، باب النفث فى الرقية، حديث: 3529. ③ جامع الترمذى، الطب، باب ماجاء فى الرقية بالمعوذتين، حديث: 2058 وسنن النسائى، الاستعاذة، باب الاستعاذة من عين الجان، حديث: 5496 وسنن ابن ماجه، الطب، باب من استرقى من العين، حديث: 3511. ④ تفسير ابن أبى حاتم: 3475/10.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ﴿ اَلْفَلَقِ ① ﴾ سے مراد صبح ہے۔① علاوہ ازیں مجاہد، سعید بن جبیر، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حسن، قتادہ، محمد بن کعب قرظی، ابن زید، مالک اور زید بن اسلم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔② قرطبی، ابن زید اور ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایسے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ﴾ (الأنعام 96:6) ''وہ (رات سے) صبح کو پھاڑ نکالنے والا ہے۔''③

فرمان الٰہی ہے: ﴿ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② ﴾ ''(ہر) اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔'' یعنی تمام مخلوقات کی برائی سے۔ ثابت بنانی اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ جہنم، ابلیس اور اس کی اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ہے۔④ ﴿ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ ﴾ ''اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے۔'' حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شب تاریک ہے جو اس وقت شروع ہو جاتی ہے، جب غروبِ آفتاب کی وجہ سے اندھیرا چھا جاتا ہے، مجاہد کا یہ قول امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔⑤ نیز ابن ابونجیح نے بھی آپ کا یہ قول بیان کیا ہے۔⑥ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب قرظی، ضحاک، خصیف، حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد رات ہے جب وہ اپنے اندھیرے کے ساتھ چھا جائے۔⑦ امام زہری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورج ہے، جب وہ غروب ہو جائے۔⑧ ابوالمہزم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ستارہ ہے۔⑨ ابن زید فرماتے ہیں کہ عرب کہتے ہیں کہ غاسق ثریا ستارے کے سقوط کو کہتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ جب ثریا ستارہ غروب ہو جاتا ہے تو بیماریوں اور طاعون کے امراض وغیرہ کی کثرت ہو جاتی ہے اور جب یہ ستارہ طلوع ہوتا ہے تو یہ تمام بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔⑩ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے چاند مراد ہے۔⑪ میرے نزدیک ان لوگوں کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے حارث سے اور انھوں نے ابوسلمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور مجھے طلوع ہوتا ہوا چاند دکھا کر فرمانے لگے: [تَعَوَّذِي بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْغَاسِقِ إِذَا وَقَبَ] ''اس غروب ہونے والے کی برائی سے اللہ کی پناہ مانگو جب اندھیرا چھا جائے۔''⑫ امام ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کو اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں روایت فرمایا ہے۔⑬

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ ﴾ ''اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔'' حضرت مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جادوگر عورتیں ہیں۔⑭ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یعنی جب وہ منتر

---

① تفسیر الطبری: 455/30. ② تفسیر الطبری: 456,455/30 و تفسیر القرطبی: 254/20. ③ تفسیر الطبری: 457, 456/30. ④ تفسیر الماوردی: 374/6. ⑤ صحیح البخاری، التفسیر، باب سورة ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① ﴾ (الفلق 1:113)، قبل الحدیث: 4976. ⑥ تفسیر الطبری: 457/30. ⑦ تفسیر الطبری: 458,457/30 و تفسیر القرطبی: 256/20. ⑧ تفسیر ابن أبی حاتم: 3475/10. ⑨ تفسیر الطبری: 458/30. ⑩ تفسیر الطبری: 458/30. ⑪ تفسیر الطبری: 458/30. ⑫ مسند أحمد: 61/6. ⑬ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة المعوذتین، حدیث: 3366، البتہ السنن الکبرٰی للنسائی میں ہمیں یہ روایت عمل الیوم واللیلة، باب مایقول إذا رفع رأسه إلی السماء: 84/6، حدیث: 10138 میں ملی ہے۔ ⑭ تفسیر الطبری: 460,459/30 و تفسیر ابن أبی حاتم: 3475/10.

پڑھیں اور گرہوں پر پھونکیں ماریں۔[1] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے: اے محمد (ﷺ!) آپ کی طبیعت ناساز ہے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں۔'' تو انھوں نے یہ پڑھ کر آپ کو دم کیا: [بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ (دَاءٍ) يُؤْذِيكَ، (وَ) مِنْ شَرِّ كُلِّ (حَاسِدٍ وَّعَيْنٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيكَ)] ''اللہ کے نام سے میں آپ کو ہر اس بیماری سے دم کرتا ہوں جو آپ کو تکلیف دے، نیز ہر حسد کرنے والے کے شر اور ہر بری نظر سے بھی (آپ کو دم کرتا ہوں،) اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے۔''[2]

نبیٔ اکرم ﷺ پر جادو کا بیان: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الطب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی جادو کیا گیا حتی کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس گئے ہیں لیکن آپ نہیں گئے ہوتے تھے، امام سفیان فرماتے ہیں کہ جادو سے جو بہت شدید کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ یہی ہے، نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [يَا عَائِشَةُ! أَعَلِمْتِ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَفْتَانِي فِي مَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ؟ أَتَانِي رَجُلَانِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلْآخَرِ: مَابَالُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ، قَالَ: وَمَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُبْنُ الْأَعْصَمِ، رَجُلٌ مِّنْ بَنِي زُرَيْقٍ حَلِيفٌ لِّيَهُودَ، كَانَ مُنَافِقًا، قَالَ: وَفِيمَ؟ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَّمُشَاطَةٍ، قَالَ: وَأَيْنَ؟ قَالَ: فِي جُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ، تَحْتَ رَعُوفَةٍ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ] ''عائشہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیا تھا، اس نے مجھے اس کا جواب عطا فرما دیا ہے؟ (وہ اس طرح کہ) میرے پاس دو آدمی آئے اور ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا دونوں پاؤں کے پاس بیٹھ گیا اور جو سر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے دوسرے سے کہا کہ اس آدمی کو کیا ہوا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: لبید بن اعصم نے، یہ یہودیوں کے حلیف خاندان زریق میں سے تھا اور منافق تھا، اس نے پوچھا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ کنگھی میں اور کنگھی کرنے سے گرنے والے بالوں میں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کہاں جادو کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ نر کھجور کی خشک شاخ میں (اور) ذروان کے کنویں کے پتھر کے نیچے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کنویں پر تشریف لے گئے تھے اور آپ نے اس سے جادو کو نکال دیا تھا، آپ نے فرمایا: [هٰذِهِ الْبِئْرُ الَّتِي أُرِيتُهَا، وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ، وَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ] ''یہی وہ کنواں ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا، اس کا پانی مہندی کی طرح سرخ ہو چکا تھا اور اس کے کھجور کے درختوں کے سرے شیطانوں کے سر کی طرح تھے۔'' چنانچہ اسے باہر نکال دیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی کہ آپ نے اسے پھیلا کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا: [أَمَّا (اللّٰهُ)

---

[1] دیکھیے تفسیر الطبری: 460/30 و تفسیر ابن أبي حاتم: 3475/10. [2] صحیح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقی، حدیث: 2186 عن أبي سعید رضی اللہ عنہ. البتہ پہلی دو قوسوں والے الفاظ مذکورہ حوالے ہی کی حدیث: 2185 عن عائشة رضی اللہ عنہا اور تیسری قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 75/3 عن أبي سعید رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں۔

فَقَدْ شَفَانِي، وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلٰى أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ شَرًّا] ''اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرما دی ہے اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ کسی بھی آدمی کے بارے میں شر کو پھیلاؤں۔''①

① صحيح البخاری، الطب، باب هل يستخرج السحر؟ حديث : 5765 . صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں قوسین والے لفظ کے بجائے [وَاللّٰهِ!] ''اللہ کی قسم!'' ہے۔

تفسیر
سُورَۂ ناس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں① انسانوں کے بادشاہ کی② انسانوں کے معبود کی③ وسوسہ ڈالنے والے (اللہ کے

الۡخَنَّاسِ ④ الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥ ع 1/6 39

ذکر کو سن کر) پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے④ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے⑤ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے⑥

تفسیر آیات:1-6

ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان ہے: ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت یہ اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں ہیں، وہ ہر چیز کا رب، بادشاہ اور معبود ہے، تمام اشیاء اس کی مخلوق، مملوک اور غلام ہیں۔ پناہ مانگنے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس ذات گرامی کے ساتھ جوان اوصاف حمیدہ کے ساتھ اتصاف پذیر ہو، وسوسہ اندازی کر کے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے پناہ مانگے۔ ﴿الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِ ④﴾ سے مراد وہ شیطان ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ بنو آدم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایسا ساتھی بھی ہے جو فواحش و منکرات کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے اور اسے گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا اور اس کے شر سے صرف وہی انسان بچتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھے۔ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبئ اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدۡ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ……] ”یقیناً تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کے ساتھی (شیطان) کو بھی لگا دیا گیا ہے……۔“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: [(نَعَمۡ) إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيۡهِ فَأَسۡلَمَ فَلَا يَأۡمُرُنِي إِلَّا بِخَيۡرٍ] ”ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے، چنانچہ وہ مجھے نیکی ہی کا حکم دیتا ہے۔“[1]

شیطان جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ اعتکاف میں تھے اور رات کو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں، پھر انھیں گھر تک پہنچانے کے لیے آپ

① صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان……، حديث: 2814 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. البتہ قوسین والا لفظ مسند أحمد: 257/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق ہے۔

ان کے ساتھ مسجد سے باہر تشریف لائے تو راستے میں دو انصاری آدمی ملے اور انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھ کر اپنی رفتار تیز کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [عَلٰی رِسْلِکُمَا، (إِنَّهَا) صَفِیَّةُ بِنْتُ حُیَیٍّ] ''ذرا ٹھہر جاؤ، بے شک یہ (میرے ساتھ) صفیہ بنت حیی (میری بیوی) ہے۔'' انھوں نے عرض کی: سبحان اللہ، اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آپ نے فرمایا: [إِنَّ الشَّیْطَانَ (یَجْرِی) مِنَ ابْنِ آدَمَ (مَجْرَی) الدَّمِ، وَإِنِّی خَشِیتُ أَنْ یَّقْذِفَ فِی قُلُوبِکُمَا شَیْئًا (أَوْقَالَ: شَرًّا)] ''بلاشبہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے، لہٰذا مجھے شبہ ہوا کہ تمھارے دل میں بھی کوئی بات (یا فرمایا:) کوئی بری بات نہ ڈال دے۔''①

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ شیطان انسان کے دل پر ڈیرہ ڈالے رکھتا ہے، جب انسان سہو و غفلت میں مبتلا ہو جائے تو وہ وسوسہ پیدا کرنے لگ جاتا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگ جائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔② حضرت مجاہد اور قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔③ معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ وسوسے ڈالنے والا شیطان انسان کے دل میں غم اور خوشی کے موقع پر وسوسے پیدا کرتا ہے اور اگر انسان اللہ کا ذکر کرنے لگ جائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔④

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ الْوَسْوَاسِ ﴾ سے مراد شیطان ہے جو بندے کو حکم دیتا رہتا ہے جب اس کی بات مان لی جاتی ہے تو پھر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔⑤ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ ﴾ ''جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔'' کیا یہ انسانوں ہی کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے یا یہ انسانوں اور جنوں سب کے لیے عام ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ تغلیباً ﴿ النَّاسِ ۝ ﴾ کے لفظ میں جن بھی داخل ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن مجید میں ﴿ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ (الجن 6:72) کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں، لہٰذا ان پر لفظ ﴿ النَّاسِ ۝ ﴾ کے اطلاق میں کوئی حرج نہیں۔⑥ فرمان الٰہی ہے: ﴿ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ ﴾ ''جنات اور انسانوں سے۔'' سوال یہ ہے کہ کیا یہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ ﴾ کی تفصیل ہے جسے ﴿ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ ﴾ کہہ کر بیان کیا گیا ہے، یعنی جن کے دلوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی، اس رائے سے دوسرے قول کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا

---

① صحیح البخاری، الاعتکاف، باب هل یخرج المعتکف لحوائجه......؟ حدیث: 2035 وصحیح مسلم، السلام، باب بیان أنه یستحب لمن رؤی خالیا بامرأة......، حدیث: 2175 البتہ پہلے تین قوسوں والے الفاظ صحیح البخاری، حدیث: 2038 اور مسلم کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہیں اور چوتھی قوسین والے الفاظ سنن أبی داود، الصیام، باب المعتکف یدخل البیت لحاجته، حدیث: 2470 کے مطابق ہیں، علاوہ ازیں یہ تمام روایات ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں جبکہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت اختصار کے ساتھ ان مقامات پر ہے: صحیح مسلم، حدیث: 2174 ومسند أحمد: 285/3. ② تفسیر الطبری: 461/30 و تفسیر الماوردی: 379/6 . ③ تفسیر الطبری: 462/30 . ④ تفسیر الطبری: 462/30 ابن ثور عن أبیه . ⑤ تفسیر الطبری: 462/30 . ⑥ تفسیر الطبری: 463/30 .

گیا ہے کہ ﴿ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۞ ﴾ اس کی تفسیر ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں کہ وہ انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط ﴾ (الأنعام 6:112) ''اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین، ہر نبی کے دشمن بنائے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتا رہتا ہے تاکہ اسے دھوکے میں رکھے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) میرے دل میں ایسے ایسے وسوسے آتے ہیں کہ انھیں بیان کرنے کی نسبت مجھے آسمان سے گرنا زیادہ پسند ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: [اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ كَيْدَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ] ''اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اس کے مکروفریب کو وسوسے کی طرف لوٹا دیا ہے۔''[1] اسے امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

---

① مسند أحمد: 235/1. تفسیر ابن کثیر میں [اَللّٰهُ أَكْبَرُ] دو مرتبہ جبکہ مذکورہ حوالے میں تین مرتبہ ہے جیسا کہ ہم نے نقل کیا ہے۔

② سنن أبي داود، الأدب، باب في رد الوسوسة، حديث: 5112 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب الوسوسة: 171/6، حديث: 10504.

تحقیق وتخریج کے

مصادر ومراجع

اسم الكتاب	اسم المصنف	المطبعة	مقام	تاريخ الطبع
آداب الصحبة	لأبى عبدالرحمٰن السّلمى	دارالصحابة للتراث (C.D)	طنطا مصر	1410ھ 1990م
الإتقان	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن السيوطى (849-911ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	
الأحاديث الطوال	للحافظ سليمان بن أحمد الطبرانى (260-360ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
الأحاديث المختارة	لأبى عبدالله محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلى المقدسى (567-643ھ)	دارخضر	بيروت لبنان	1421ھ 2001م
أحكام القرآن	للإمام أبى بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربى (468-543ھ)	دارالكتاب العربى	بيروت لبنان	1421ھ 2000م
أحكام القرآن	لمحمد بن إدريس الشافعى أبو عبدالله (المتوفى 204ھ)	دارالكتب العلمية (C.D)	بيروت	
الأدب المفرد	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى (194-256ھ)	مكتبة المعارف	الرياض	1419ھ 1998م
إرشاد السارى	للإمام شهاب الدين أبى العباس أحمد بن محمد الشافعى القسطلانى (المتوفى 923ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1416ھ 1996م
إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت	1405ھ 1985م

الاستذكار	لأبی عمر یوسف بن عبداللّٰہ بن عبدالبر النمری الأندلسی (5463-5368ھ)	دار الوعی	حلب القاھرۃ	1414ھ 1993م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبی الحسن علی بن محمد الجَزَری (المتوفی 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
الإسراء والمعراج	لمحمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المكتبة الإسلامية	عمان (اردن)	1421ھ 2000م
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
الأعلام	لخير الدين الزركلی	دارالعلم للملايين	بيروت لبنان	2005م
إكمال المُعلم بفوائد مسلم	للإمام الحافظ أبی الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبی (المتوفی 544ھ)	دار الوفاء	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبی عبداللّٰہ محمد بن إدريس الشافعی القرشی (المتوفی 204ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
بائبل،قرآن اورسائنس (اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاہور پاکستان	1999م
البحر الزخّار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبی بكر أحمد بن عمرو بن عبدالخالق العتكی البزّار (المتوفی 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومكتبة العلوم والحكم	بيروت المدينة المنورة	1409ھ 1988م
البداية والنهاية	لأبی الفداء الحافظ ابن كثير الدِّمشقی (المتوفی 774ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البيان فی عدّ آی القرآن	لأبی عمرو عثمان بن سعيد الأموی الدانی (371-444ھ)	مركز المخطوطات	الكويت	1414ھ 1994م
تاج العروس	الإمام محب الدين أبی فيض السيد محمد مرتضى الحسينی الزبيدی (المتوفی 1205ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م

تاريخ ابن خلدون	لعبد الرحمٰن بن خلدون (732-808ھ/1332-1406م)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1992م
تاريخ بغداد	للحافظ أبى بكر أحمد بن على الخطيب البغدادى (المتوفى 463ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
تاريخ دمشق	للإمام الحافظ أبى القاسم على بن الحسن الدمشقى الشافعى المعروف بابن عساكر (499-571ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1421ھ 2001م
تاريخ الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبرى (المتوفى310ھ)	مطبعة الاستقامة	القاهرة	1358ھ 1939م
التاريخ الكبير	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجعفى (194-256ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1414ھ 1993م
تحفة الأحوذى	للإمام الحافظ أبى العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحيم المباركفورى(المتوفى1353ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تحفة الأخيار	لأبى جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوى (239-321ھ)	داربلنسية	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدين أبى الحجاج يوسف المزى (654-742ھ)	دارالغرب الإسلامى	بيروت	1999م
التخويف من النار	لأبى الفرج عبدالرحمٰن بن أحمد، الشهير بابن رجب الحنبلى (المتوفى 795ھ)	مكتبة دارالبيان (C.D)	دمشق	1399ھ
تدريب الراوى	للحافظ جلال الدين عبدالرحمن بن أبى بكر السيوطى(849-911 ھ)	دارالكتاب العربى	بيروت لبنان	1414ھ 1993م
تذكرة الحفاظ	للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى (المتوفى 748ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1998م

الترغيب و الترهيب	للإمام الحافظ زكى الدين عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى (المتوفى 656ھ)	دارالحديث	القاهرة	1407ھ 1987م
تغليق التعليق	لأحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق	1470ھ 1999م
تفسير البحر المحيط	لابى حيان محمد بن يوسف بن على بن يوسف بن حيان الأندلسى654-745ھ 1256-1344م	(C.D)		
تفسير البغوى	للإمام أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى الشافعى (المتوفى 516ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسير البيضاوى	للإمام ناصر الدين أبى الخير عبدالله بن عمر بن محمد الشيرازى الشافعى البيضاوى (المتوفى 691ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
تفسير الثعالبى (الجواهر الحسان)	للإمام عبدالرحمٰن الثعالبى	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1416ھ 1996م
تفسير الثورى	لسفيان بن سعيد بن مسروق الثورى أبو عبدالله (المتوفى 161ھ)	دارالكتب العلمية (C.D)	بيروت لبنان	1403ھ
تفسير ابن أبى حاتم	للإمام الحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدريس الرازى ابن أبى حاتم (المتوفى 327ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	الرياض مكة المكرمة	1417ھ 1997م
تفسير الرازى	للإمام فخر الدين الرازى (المتوفى 606ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير السمعانى	للإمام أبى المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التميمى المروزى الشافعى (426-489ھ)	دار الوطن	الرياض	1418ھ 1997م

تفسير الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبَرى (المتوفى 310ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى211ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1999م
تفسير القرطبى	لأبى عبدالله محمد بن أحمد الأنصارى القُرطبى (المتوفى 671ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م
تفسير الماوردى	لأبى الحسن على بن محمد بن حبيب الماوردى البصرى (364-450ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م
تفسير معانى القرآن	للنحاس (المتوفى 338ھ)	جامعة أم القرى (C.D)	مكة المكرمة	1409ھ
تلخيص الحبير	للإمام الحافظ أبى الفضل أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
تلقيح فهوم أهل الأثر فى عيون التاريخ والسير	للإمام عبدالرحمٰن بن الجوزى 508-597ھ 1111-1204م	ادارة إحياء السنة گهرجا كھ گوجرانواله	پاكستان	
تمام المنة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ)	دار الراية	الرياض السعودية	1417ھ
التمهيد	للإمام الحافظ أبى عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر النمرى الأندلسى (368-463ھ)	مكتبة السوادى	جدة	1387ھ 1967م
تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة	لأبى الحسن على بن محمد بن عراق الكنانى (907-963ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1401ھ 1981م

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس	للإمام السید حبر الأمة عبداللّٰہ بن عباس الھاشمی القرشی﷛ (المتوفی 68ھ)	مطبعة الأمیر	قم ایران	
تیسیر مصطلح الحدیث	للدکتور محمود الطحان	نشر السنة	ملتان باکستان	
جامع الأصول	للإمام أبی السعادات مبارک بن محمد ابنُ الأثیر الجزری (544-606ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1404ھ 1984م
جامع الترمذی	للإمام الحافظ أبی عیسی محمد بن عیسی بن سَورة الترمذی (200-279ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
جامع العلوم والحکم	لأبی الفرج عبدالرحمٰن بن أحمد، الشھیر بابن رجب الحنبلی (736-795ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1417ھ 1997م
جامع المسانید والسنن	للإمام عماد الدین أبی الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی الشافعی (700-774ھ)	دار الفکر	بیروت	1420ھ 2000م
حلیة الأولیاء	للإمام الحافظ أبی نُعَیم أحمد بن عبداللّٰہ الأصفھانی الشافعی (المتوفی430ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1418ھ 1997م
الحوض والکوثر	للإمام بقی بن مخلد القرطبی (201-276ھ)	مکتبة العلوم والحکم (C.D)	المدینة المنورة	1413ھ
الدر المنثور فی التفسیر المأثور	للإمام جلال الدین عبدالرحمٰن بن أبی بکر السیوطی (المتوفی 911ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1421ھ 2000م
دلائل النبوة	لأبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیھقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1405ھ 1985م
الدِّیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج	للحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی (849-911ھ)	شرکة دار الأرقم بن أبی الأرقم	بیروت لبنان	

الرحيق المختوم (اردو)	للشيخ صفى الرحمٰن مباركفورى (المتوفى 2006م)	المكتبة السلفية	لاهور پاكستان	1416ھ 1995م
روح المعانى	للعلامة أبى الفضل شهاب الدين السيد محمود الآلوسى البغدادى (المتوفى 127ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1417ھ 1997م
الروح	للإمام أبى عبدالله محمد بن أبى بكر الدِمشقى، الشهير بابن قيم الجوزية (المتوفى 751ھ)	دارالكتاب العربى	بيروت	1422ھ 2001م
الروض الأنف فى تفسير السيرة النبوية لابن هشام	للإمام أبى القاسم عبدالرحمٰن بن عبدالله بن أحمد بن أبى الحسن الخثعمى السهيلى (المتوفى 581ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	
الروض الدانى إلى المعجم الصغير للطبرانى	للحافظ أبى القاسم سليمان بن أحمد الطبرانى (260ھ - 360ھ)	المكتب الإسلامى، دار عمار	بيروت عمّان	1405ھ 1985م
الزهد	للإمام أحمد بن حنبل (164-241ھ)	دارالكتاب العربى	بيروت لبنان	1425ھ 2004م
زاد المسير	للإمام أبى الفَرَج جمال الدين عبدالرحمٰن بن على بن محمد الجوزى (المتوفى597ھ)	دار الكتب العلمية	الرياض	1414ھ 1994م
زاد المعاد	للإمام شمس الدين أبى عبدالله محمد بن أبى بكر الزرعى الدمشقى المشهور بابن قيم الجوزية (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	دمشق بيروت	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الصحيحة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ)	مكتبة المعارف	الرياض السعودية	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الضعيفة	// // //	//	//	1420ھ 2000م

سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبدالله بن عبد الرحمٰن بن الفضل بن بهرام التمیمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن سعید بن منصور	للحافظ سعید بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصمیعی	الریاض السعودیة	1420ھ 2000م
السنن الکبرٰی	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی (384-458ھ)	إدارة تألیفات أشرفیة	ملتان باکستان	1414ھ 1993م
السنن الکبرٰی	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبدالله محمد بن یزید الربعی ابن ماجه القزوینی (209-273ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی (215-303ھ)	دارالسلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
السیرة النبویة	لولی الدین أبی زید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحیم الحضرمی الأشبیلی المالکی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مکتبة المعارف	الریاض السعودیة	1418ھ 1998م
السیرة النبویة	لابن إسحاق (المتوفی 151ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1424ھ 2004م
السیرة النبویة	لأبی محمد عبدالملک بن هشام بن أیوب الحِمیَری (المتوفی 218ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1415ھ 1995م

السيرة النبوية	للإمام ابن كثير	دار المعرفة (C.D)	بيروت لبنان	
شرح السنة	للإمام الحافظ محى السنة أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى (436-516هـ)	المكتب الإسلامى	بيروت	1403هـ 1983م
شرح صحيح الأدب المفرد	للإمام العلّامة محمد ناصر الدين الألبانى رحمه الله المتوفى 1420هـ 1999م	المكتبة الإسلامية	بيروت لبنان	1423هـ 2003م
شرح صحيح البخارى	لابن بطّال أبى الحسن على بن خلف بن عبدالملك (المتوفى 449هـ)	مكتبة الرشد	الرياض السعودية	1420هـ 2000م
شرح العقيدة الطحاوية	للعلامة ابن أبى العز الحنفى، بتحقيق وتخريج محمد ناصر الدين الألبانى	المكتب الإسلامى	بيروت	1408هـ 1988م
شرح معانى الآثار	لأبى جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوى (239-321هـ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1407هـ 1987م
شرح النووى	لمحى الدين أبوزكريا يحى بن شرف بن مرى الحزامى الحورانى الشافعى (المتوفى 676هـ)	مؤسسة قرطبة	بيروت لبنان	1414هـ 1994م
شعب الإيمان	للإمام أبى بكر أحمد بن الحسين البيهقى (384-458هـ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410هـ 1990م
الشمائل المحمدية	للإمام أبى عيسٰى محمد بن عيسٰى الترمذى (209-279هـ)	داراليسر	المدينة المنورة	1428هـ 2007م
الصحاح	لأبى نصر إسماعيل بن حماد الجوهرى الفارابى (المتوفى 398هـ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1419هـ 1999م
صحيح البخارى	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى الجعفى (194-256هـ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419هـ 1999م

صحيح الترغيب والترهيب	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420هـ-1999م)	مكتبة المعارف	الرياض	1421هـ 2000م
صحيح الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420هـ-1999م)	المكتب الإسلامى	بيروت لبنان	1408هـ 1988م
صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان الفارسي	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1414هـ 1993م
صحيح ابن خزيمة	للإمام أبى بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة السلمي النيسابورى (المتوفى 311هـ)	المكتب الإسلامى	بيروت لبنان	1412هـ 1992م
صحيح سنن أبى داود	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420هـ-1999م)	مؤسسة غراس	الكويت	1423هـ 2002م
صحيح السيرة النبوية ما صح من "سيرة رسول الله ﷺ وذكر أيامه وغزواته وسراياه والوفود إليه" للحافظ ابن كثير	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420هـ -1999م)	المكتبة الإسلامية	عمّان أردن	1421هـ 2000م
صحيح مسلم	للإمام أبى الحسين مسلم بن الحجاج القشيرى النيسابورى (204-261هـ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1419هـ 1998م
صفة الجنة	لأبى نعيم أحمد بن عبدالله بن أحمد بن إسحاق بن موسى بن مهران الأصفهانى (336-430هـ)	دارالمأمون للتراث (C.D)	بيروت لبنان	1406هـ
ضعيف الجامع الصغير وزيادته	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420هـ-1999م)	المكتب الإسلامى	بيروت لبنان	1410هـ 1990م
ضعيف سنن ابن ماجه	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420هـ-1999م)	المكتب الإسلامى	بيروت	1415هـ 1994م

الطبقات الكبرٰى	للحافظ محمد بن سعد بن منيع (المتوفى 230ھ)	دار صادر	بيروت	1418ھ 1998م
طبقات المحدثين بأصبهان	لعبد اللّٰه بن محمد بن جعفر بن حيان أبى محمد الأنصارى (274-369ھ)	مؤسسة الرسالة (C.D)	بيروت	1412ھ 1992م
علل الحديث	للإمام ابن أبى حاتم الرازى (240-327ھ)	المكتبة الأثرية	شيخوپوره پاكستان	
عمدة القارى	للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبى محمد محمود بن أحمد العينى (المتوفى 855ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
عون المعبود	للعلامة أبى الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادى	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1410ھ 1990م
غريب الحديث	لإبراهيم بن إسحاق الحربى أبى إسحاق (198-285ھ)	جامعة أم القرٰى (C.D)	مكة المكرمة	1405ھ
فتح البارى	للإمام الحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (773-852ھ)	دار نشر الكتب الإسلامية	لاهور پاكستان	1401ھ 1981م
فتح البيان	لأبى الطيب صديق بن حسن بن على الحسينى القنوجى البخارى (المتوفى 1307ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
فتح القدير	لمحمد بن على بن محمد الشوكانى (1173-1250ھ)	دارابن كثير، دارالكلم الطيب	دمشق بيروت	1414ھ 1994م
الفصول فى سيرة الرسول ﷺ	للإمام الحافظ عماد الدين أبى الفداء إسماعيل ابن كثير (المتوفى774ھ)	مدار الوطن للنشر......	الرياض	1424ھ 2003م
فضائل القرآن	لأبى عبيد القاسم بن سلام الهروى (157-224ھ)	دار ابن كثير	دمشق بيروت	1420ھ 1999م

القدر	لأبی بكر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض (207-301ھ)	أضواء السلف (C.D)	السعودية	1418ھ 1998
الكامل فی ضعفاء الرجال	للإمام الحافظ أبی أحمد عبدالله بن عدی الجرجانی (المتوفی 365ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
الكامل فی التاريخ	للإمام أبی الحسن علی بن أبی الكرم محمد بن محمد بن عبدالكريم بن عبدالواحد الشيبانی المعروف "بابن الأثير" الجزری (المتوفی 630ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
كتاب الأسماء والصفات	للإمام الحافظ أبی بكر أحمد بن الحسين بن علی البيهقی (المتوفی 458ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	
كتاب الجهاد	لابن أبی عاصم(206-287ھ)	مكتبة العلوم و الحكم	المدينة المنورة	1409ھ 1989م
كتاب الزهد	للإمام الشيخ عبد الله بن المبارك المروزی (المتوفی 181ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخريج السنة	لأبی بكر عمرو بن أبی عاصم الضحاك بن مخلد الشيبانی (المتوفی 287ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
كتاب العرش	لأبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	مكتبة أضواء السلف	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
كتاب العظمة	لأبی محمد عبدالله بن محمد بن جعفر بن حيّان (274-369ھ)	دار العاصمة	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
كتاب العين	لأبی عبدالرحمٰن الخليل بن أحمد الفراهيدی (100-175ھ)	دارالهجرة	قُمّ إيران	1405ھ

كتاب المغازى	لأبى عبدالله محمد بن عمر بن واقد الواقدى (المتوفى 207ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1424ھ 2004م
کتاب مقدس	بائبل سوسائٹی	انارکلی	لاہور	
الكشّاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخْشَرى (المتوفى 528ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
كشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1399ھ 1979م
كشف الظنون	للمؤرخ الكامل مصطفى بن عبدالله المشهور بحاجى خليفة (1017-1067ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	
اللآلى المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن بن الكمال السيوطى (849-911ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (المتوفى 807ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
المجموع شرح المهذب للشيرازى	للإمام أبى زكريا محى الدين بن شرف النووى (المتوفى 676ھ)	دارالنفائس	الرياض	1415ھ 1995م
مجموعة الفتاوى	لشيخ الإسلام تقى الدين أحمد بن تيمية الحرّانى (المتوفى 728ھ)	مكتبة العبيكان	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
المحرر الوجيز	لغالب بن عطية الأندلُسى (المتوفى 546ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م
المحلى	لأبى محمد على بن أحمد بن سعيد بن حزم (المتوفى 456 ھ)	دارالجيل دارالآفاق	بيروت	
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدين أبى الفضل أحمد بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	مؤسسة الكتب الثقافية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م

مختصر سنن أبی داود	عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبدالله بن سلامة بن سعد زکی الدین أبومحمد المنذری الشامی المصری (المتوفی 656ھ)	مکتبة السنة المحمدیة مکتبة ابن تیمیة	القاهرة	1423ھ 2002م
مختصر قیام اللیل	للشیخ أبی عبدالله محمد بن نصر المروزی (المتوفی 294ھ)	مکتبة المنار	الأردن	1413ھ 1993م
المراسیل	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1418ھ 1998م
مسائل الإمام أحمد بن حنبل وإسحاق ابن راهویه	روایة إسحاق بن منصور الکوسج	دارالهجرة للنشر والتوزیع	الریاض السعودیة	1425ھ 2004م
مساوئ الأخلاق وطرائق مکروهها	للإمام أبی بکر محمد بن جعفر بن محمد بن سهل بن شاکر الخرائطی	الکتب الثقافیة (C.D)	بیروت لبنان	1413ھ 1993م
المستدرک	للإمام أبی عبدالله محمد بن عبدالله الحاکم النیسابوری (المتوفی 405ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودیة	1420ھ 2000م
مسند أحمد (طبع میمنیة)	للإمام الحافظ أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی (164-241ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق	1403ھ 1983م
مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی (164-241ھ)	بیت الأفکار الدولیة	الریاض السعودیة	1419ھ 1998م
مسند ابن الجعد	لأبی الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری (214-317ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
مسند أبی داود الطَّیالِسی	لسلیمان بن داود بن الجارود (المتوفی 204ھ)	هجر	إمبابة	1419ھ 1999م

مسند إسحاق ابن راهويه	للإسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن راهويه الحنظلى (161-238)	مكتبة الإيمان (C.D)	المدينة المنورة	1412ھ 1991م
مسند الحميدى	للإمام الحافظ الكبيرأبى بكر عبدالله بن الزبير (المتوفى 219ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1409ھ 1988م
مسند الربيع	للإمام الربيع بن حبيب	مكتبة الثقافة الدينية	......	......
المسند الضعيف	للإمام أبى جعفر محمد بن عمرو بن وهبى بن حماد العقيلى (المتوفى 322ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكةالمكرمة السعودية	1422ھ 2001م
مسند أبى عوانه	للإمام أبى عوانه يعقوب بن إسحاق الإسفَرايِينى (المتوفى 316ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
مسند أبى يعلى المَوصِلى	للإمام الحافظ أحمد بن على بن المثنى التميمى (210-307ھ)	دار الثقافة العربية	بيروت دمشق	1412ھ 1992م
مسند عبد بن حميد	لعبد بن حميد بن نصرأبو محمد الكِسّى	مكتبة السنة	القاهرة	1408ھ 1988م
مسند الفردوس بمأثور الخطاب	لأبى شجاع شِيرويه بن شهر دار بن شيرويه الديلمى الهمذانى، الملقب 'إلْكِيا' (445-509ھ / 1053-1115م)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
المصنف	للإمام الحافظ أبى بكر عبدالله بن محمد بن أبى شيبة (المتوفى 235ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت دمشق	1416ھ 1995م
المصنف	للحافظ الكبير أبى بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى 211ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق	1403ھ 1983م
المطالب العالية	للحافظ ابن حجر أحمد بن على العسقلانى (773-852ھ)	دار المعرفة	بيروت دمشق	1414ھ 1993م

المعجم الأوسط	لأبی القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1420ھ 1999م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدين أبی عبدالله ياقوت بن عبدالله الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	بيروت	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز البغوی (المتوفی 773ھ)	مكتبة دار البيان	الكويت	1421ھ 2000م
المعجم الكبير	للحافظ أبی القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مكتبة العلوم والحكم	موصل	1420ھ 2000م
معجم لغة الفقهاء	محمد روّاس قلعه جی و حامد صادق قنيبی	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية	كراچی پاكستان	
معجم ما استعجم	لعبدالله بن عبدالعزيز البكری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الكتب	بيروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدين أبی محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
المقاصد الحسنة	للشيخ محمد عبدالرحمن السخاوي (831-902ھ)	دارالكتاب العربی	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
المنتقٰی	لأبی محمد عبدالله بن علی بن الجارود النيسابوری (المتوفی 307ھ)	المكتبة الأثرية	شيخوپوره پاكستان	
منهاج السنة النبوية	لأبی العباس تقی الدين أحمد بن عبدالحليم ابن تيمية الحرانی الدمشقی (المتوفی 728ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
منهج الحافظ ابن حجر العسقلانی فی العقيدة من خلال كتابه (فتح الباری)	محمد إسحاق كندو	مكتبة الرشد	الرياض	1419ھ 1998م

موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (735-807 ﻫ)	دارالثقافة العربية	بيروت دمشق	1412ﻫ 1992م
موسوعة الأحاديث والآثار الضعيفة والموضوعة	على حسن على الحلبى، الدكتور إبراهيم طه القيسى، الدكتور حمدى محمد مراد	مكتبة المعارف	الرياض	1419ﻫ 1999م
موسوعة الأديان (الميسرة)	المشاركون فى التحرير عدد من المؤلفين	دارالنفائس	بيروت لبنان	1426ﻫ 2005م
الموسوعة الحديثية (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبدالله بن عبدالمحسن التركى	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1420ﻫ 1999م
الموضوعات	لأبى الفرَج عبدالرحمٰن بن على بن الجوزى القرشى (510-597ﻫ)	مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1407ﻫ 1987م
الموطأ	للإمام مالك بن أنس	دارالمعرفة	بيروت لبنان	1420ﻫ 1999م
ناسخ القرآن ومنسوخه 'نواسخ القرآن'	للحافظ عبدالرحمٰن بن على بن عبدالله ابن الجوزى (510-597 ﻫ)	دارالثقافة العربية	دمشق بيروت	1411ﻫ 1990م
النجوم الزاهرة فى ملوك مصر و القاهرة	لجمال الدين أبى المحاسن يوسف بن تغرى بُردى (813-874ﻫ)	وزارة الثقافة	مصر	
النكت الظراف على الأطراف فى ذيل تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف	للحافظ ابن حجر العسقلانى (المتوفى 852ﻫ)	المكتب الإسلامى الدارالقيمة	بيروت، الهند	1403ﻫ 1983م
النهاية فى غريب الحديث والأثر	للإمام مجد الدين أبى السعادات المبارك بن محمد الجزرى، ابن الأثير (544-606 ﻫ)	مؤسسة إسماعيليان	قم، ايران	1364ﻫ 1985م
نوادر الأصول فى معرفة أحاديث الرسول	لأبى عبدالله محمد الحكيم الترمذى	دارصادر	بيروت	

نيل الأوطار	للشيخ محمد بن على بن محمد الشوكانى (1172-1250هـ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852هـ)	دار ابن القيم، ودار ابن عفان	الدمام القاهرة	1422هـ 2001م

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ،وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ، نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ، مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِیَّ قَضَآؤُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ، اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ، وَنُوْرَ صَدْرِیْ، وَجَلَآءَ حُزْنِیْ وَ ذَهَابَ هَمِّیْ۔

''اے اللہ! بے شک میں تیرا بندہ (غلام) اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری لونڈی کا جنم دیا ہوا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے اور مجھ پر تیرا ہی حکم نافذ ہے اور میرے بارے میں تیرا فیصلہ عادلانہ ہے۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، تیرے ہر اس پاک نام کے ساتھ جو تو نے اپنی ذات اقدس کا رکھا یا کسی اپنی کتاب میں نازل فرمایا، یا مخلوق میں سے کسی کو سکھایا، یا تو نے علم غیب میں اسے اپنے پاس اختیار کر رکھا ہے کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی فرحت و سرور اور سینے کا نور بنا دے اور میرے غم کو ختم کرنے والا اور پریشانیوں کو دور کرنے والا بنا دے۔''

(مسند أحمد:452/1، والمعجم الكبير للطبراني: 169/10، 170، حديث:10352.)

التنفيذ الطباعي: دار القماطي للطباعة
٠١/٤٥٠٤٥٤ - ٠١/٤٥٠٤٦٧ - بيروت، لبنان